بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفسیر ابنِ کثیر

تالیف

مفسرِ قرآن حضرت امام حافظ عماد الدین ابنِ کثیر رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ متن

ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ

مترجمین

علامہ محمد اکرم الازہری، علامہ محمد سعید الازہری

علامہ محمد الطاف حسین الازہری

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور - کراچی - پاکستان

علماء اہلسنت کی کتب PDF میں
حاصل کرنے کیلئے
تحقیقات چینل ٹیلیگرام جوائن
کریں
https://t.me/tehqiqat
گوگل سے ڈاؤن لوڈ کرنے لئے
https://
archive.org/details/
@zohaibhasanattari

طالب دعا زوہیب حسن عطاری

نام کتاب	تفسیر ابن کثیر، جلد چہارم
مفسر	حضرت امام حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ
ترجمہ متن	ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ
مترجمین	علامہ محمد اکرم الازہری، علامہ محمد سعید الازہری
	علامہ محمد الطاف حسین الازہری
	من علماء دار العلوم محمدیہ غوثیہ، بھیرہ شریف
زیر نگرانی	قاری اشفاق احمد خان، محمد انور سعید
اشاعت	اپریل 2004ء
تعداد	ایک ہزار
ناشر	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
کمپیوٹر کوڈ	1Z385

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ فون: 7221953 فیکس:۔ 042-7238010

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون: 7225085-7247350

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون: 021-2212011-2630411۔ فیکس:۔ 021-2210212

e-mail:- sales@zia-ul-quran.com

zquran@brain.net.pk

Visit our website:- www.zia-ul-quran.com

فہرست

تفسیر سورۂ صافات

ستاروں کے فوائد 12
منکرین بعث کو مسکت جواب 14
روز قیامت کفار کا ایک دوسرے کو ملامت کرنا 17
اہل جنت کی باہمی گفتگو کا تذکرہ 22
جہنمیوں کی غذا کا ذکر 27
حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بتوں کو پاش پاش کرنا 32
ذبیح حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہیں 41
حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں 46
مشرکین کی نامنصفانہ تقسیم 49
اللہ تعالیٰ کا لشکر ہی غالب ہے 53

تفسیر سورۂ ص

مشرکین کا بعثت رسول ﷺ پر تعجب 58
پہاڑوں اور پرندوں کی حضرات داؤد کی معیت میں تسبیح 62
حضرت داؤد علیہ السلام اور محراب کو پھاندنے والے 65
سورۂ ص کے سجدہ میں اختلاف 66
حضرت سلیمان علیہ السلام اور گھوڑوں کا قصہ 70
حضرت سلیمان علیہ السلام کی آزمائش کیا تھی 72
حضرت ایوب علیہ السلام کی بارگاہ خداوندی میں التجا 80
تخلیق آدم علیہ السلام کا ذکر 88

تفسیر سورۂ زمر

اللہ تعالیٰ ہی مالک و متصرف ہے 94
قرآن کریم کی اثر آفرینی 103
قرآن پاک میں ضرب الامثال 106
اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہونے کی تلقین 118
کما حقہ اللہ تعالیٰ کی قدر نہ پہچاننے والوں کا ذکر 125
نفخ صور 127
جنتی جنت میں 131
ابواب جنت کی وسعت کا بیان 133

تفسیر سورۂ مومن

حاملین عرش 140
کفار کی دوزخ سے نکلنے کی تمنا 142
آل فرعون کے مومن کی نصیحت 149
فرعون اور ہامان 154
عذاب قبر 157
اللہ تعالیٰ دعاؤں کو سنتا ہے 164

تفسیر سورۂ حم السجدہ

حضور ﷺ کو دعوت توحید سے باز رکھنے کیلئے قریش کی سفارت 174
تخلیق ارض و سماء کا ذکر 178
اعضاء کی انسان کے خلاف گواہی 184
استقامت اور شان بندہ نوازی 189

تفسیر سورۂ شوریٰ

وحی کی کیفیت	204
جنتیوں اور دوزخیوں کی تقسیم	206
استقامت کا حکم	210
اہل بیت کے ساتھ محبت کا حکم	216
اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرماتا ہے	220
مصیبت سے دوچار ہونے کا سبب	222
جیسا کرو گے ویسا بھرو گے	227
نزول وحی کی صورتیں	233

تفسیر سورۂ زخرف

سوار ہوتے وقت کی دعا	238
عورت کے نقص کی تکمیل زیورات سے	240
حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بت پرستی سے بیزاری	243
ذکر الٰہی سے غافل ہونے والے کی سزا	246
حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون	248
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال اور مشرکین کی سرکشی	253
روز قیامت صرف اہل تقویٰ کی دوستی ہی قائم رہے گی	256
شرک کی تردید	260

تفسیر سورۂ دخان

مبارک رات کون سی ہے	265
دخان کیا ہے	266
بنی اسرائیل کی راتوں رات مصر سے روانگی کا واقعہ	271
قوم تبع	275
متقین پر انعامات کا ذکر	280

تفسیر سورۂ جاثیہ

تسخیر بحر	285
بنی اسرائیل پر احسانات الٰہی کا تذکرہ	287
کفار و مشرکین صرف دنیاوی زندگی پر ہی یقین رکھتے ہیں	289

تفسیر سورۂ احقاف

قرآن پاک کلام الٰہی ہے	265
والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم	301
قوم عاد کی تباہی کا ذکر	306
قرآن کریم سننے والا جنات کا وفد	309

تفسیر سورۂ محمد

مشرکین کے ساتھ جنگ کا حکم	320
جنتی نہروں کا تذکرہ	323
منافقین کی قلت فہم اور حماقت کا بیان	325
حکم جہاد کے متعلق منافقین کا رویہ	327
تدبر قرآن کا حکم	329
دنیاوی زندگی لہو ولعب ہے	331

تفسیر سورۂ فتح

صلح حدیبیہ فتح مبین ہے	332
بیعت رضوان کی تفصیلات	335
اہل ایمان سے مال غنیمت کا وعدہ	343
صلح حدیبیہ کے متعلق مروی احادیث	347
خواب فتح مکہ کی نوید	354
صحابہ کرام کی صفات عالیہ	358

تفسیر سورۂ حجرات

بارگاہ نبوی میں حاضری کے آداب	360
خبر کی تحقیق ضروری ہے	364
باہم لڑنے والے مومنوں کے درمیان صلح کرانے کا حکم	367

ظن، تجسس اور غیبت کی ممانعت 370
تقویٰ کا معیار 376
اعراب کے دعوائے ایمانی کی تردید 378

تفسیر سورۂ ق

ق سے کیا مراد ہے 382
تخلیق ارض و سماء قدرت الٰہی کا شاہکار 384
اللہ تعالیٰ شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے 386
ہر ہر عمل لکھا جا رہا ہے 386
اللہ تعالیٰ کا جہنم سے خطاب 391
جہنم کیسے بھرے گی 391

تفسیر سورۂ ذاریات

ذاریات اور دیگر مذکورہ صفات سے کیا مراد ہے 398
متقین کے اوصاف جمیلہ 400
حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتے مہمانوں کے روپ میں 404

تفسیر سورۂ طور

عذاب ضرور وقوع پذیر ہوگا 415
نیک آباء کے طفیل اولاد کی قدر افزائی 417
مشرکین کے عناد اور تکبر کا ذکر 420

تفسیر سورۂ نجم

نجم سے کیا مراد ہے 427
حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا یا جبریل کو 429
یہ رؤیت کب ہوئی 439
مشرکین کی ظالمانہ تقسیم 439
کوئی کسی کا بوجھ نہ اٹھائے گا 447

تفسیر سورۂ اقتربت

قرب قیامت اور شق قمر 454
معجزۂ شق قمر کے متعلق احادیث 456
طوفان نوح 458
مجرمین کے انجام کا ذکر 464

تفسیر سورۂ رحمٰن

رحمٰن نے قرآن سکھایا 470
تخلیق انس و جن کی اصل 472
اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز فانی ہے 474
روز قیامت آسمان پھٹ جائے گا 478
مجرمین اپنی علامات سے پہچان لئے جائیں گے 479
دو جنتیں کسے ملیں گی 481
حوران بہشت کے اوصاف 486

تفسیر سورۂ واقعہ

روز قیامت لوگ تین اصناف میں منقسم ہوں گے 491
سابقین اولین کا جنت میں اعزاز و اکرام 491
اصحاب یمین کی قدر افزائی 498
جنت کی خصوصیات کا تذکرہ 499
اصحاب شمال جہنم میں 506
قدرت الٰہی کے بعض مظاہر کا ذکر 507
قرآن کریم کو پاک لوگ ہی مس کریں 511

تفسیر سورۂ حدید

اول و آخر، ظاہر و باطن وہی اللہ ہے 518
صحابہ کرام کی فضیلت 524
روز قیامت اہل ایمان کو نور حاصل ہوگا 527
دنیاوی زندگی لہو و لعب ہے 534

رہبانیت کا حق ادا نہ کر سکے 539

تفسیر سورۂ مجادلہ

ظہار اور اس کے احکام 547
سرگوشی کی ممانعت 552
مجلس کے آداب 554
منافقین کی کفار دوستی پر اظہار ناپسندیدگی 559

تفسیر سورۂ حشر

بنی نضیر کی بدعہدی اور اس کی سزا 565
مال فئی کا حکم 569
انصار کی مہاجرین کے ساتھ محبت اور ایثار 573
بنی نضیر کے معاملہ میں منافقین کی بزدلی کا تذکرہ 579
اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ 583

تفسیر سورۂ الممتحنہ

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کا قصہ 586
کفار سے بیزاری کا حکم 591
مہاجر عورتوں کے امتحان کا حکم 596
ہجرت کرنے والی عورتوں کے متعلق احکام کا بیان 598
عورتوں سے بیعت 599

تفسیر سورۂ صف

جھوٹ اور وعدہ خلافی کی ممانعت 607
مجاہدین کی فضیلت 608
حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضور ﷺ کی تشریف آوری کی بشارت دی 610

تفسیر سورۂ جمعہ

حضور ﷺ کی بعثت اور اس کے اغراض و مقاصد کا بیان 616
غیر عامل حاملین تورات کی مذمت 618
جمعہ آداب واحکام 621

تفسیر سورۂ منافقین

منافقین جھوٹے ہیں 625
منافقین کی مغفرت محال ہے 627
رئیس المنافقین کی حضور ﷺ کے متعلق ہرزہ سرائی 630

تفسیر سورۂ تغابن

دوبارہ زندہ کیا جانا حق ہے 635
مال واولاد فتنہ ہے 638

تفسیر سورۂ طلاق

طلاق وعدت کے متعلقہ بعض مسائل 641
تقوی کے ثمرات 645
مختلف عورتوں کی عدت کا بیان 547
مطلقہ عورت کے ساتھ حسن سلوک کا حکم 549

تفسیر سورۂ تحریم

اس سورت کی ابتدائی آیات کا شان نزول 655
خود کو اور اپنے اہل وعیال کو آگ سے بچاؤ 663
توبۂ نصوح کیا ہے 664
دو کافرہ عورتوں کا ذکر 667
دو عالی مرتبت مومنہ عورتوں کا تذکرہ 668

تفسیر سورۂ ملک

سورۂ ملک کی فضیلت 670
اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہر نقص اور عیب سے پاک ہے 672
روز قیامت کفار کا اعتراف 674

قیامت کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے 679

تفسیر سورۂ قلم

نون اور قلم سے کیا مراد ہے 681
حضور علیہ السلام کے اخلاق عظیمہ 683
کفار کے اطوار بد کا بیان 685
باغ والوں کا قصہ 690
نظر لگنا برحق ہے 696
نظر اور دم کے متعلق احادیث 697

تفسیر سورۂ الحاقۃ

ثمود، عاد اور دیگر نافرمان قوموں کی ہلاکت کا ذکر 700
روز قیامت مظاہر فطرت کے زیروزبر ہو جانے کا بیان 703
اصحاب یمین کی فرحت ومسرت کا تذکرہ 705
اصحاب شمال کی حسرت کا بیان 707
قرآن کریم کے کلام الٰہی ہونے کی ایک قوی دلیل 708

تفسیر سورۂ معارج

پچاس ہزار سال کی مقدار والا دن کون سا ہے 712
انسان کی جبلت میں پائے جانے والے اخلاق ذمیمہ 717
ان گھٹیا اخلاق سے مستثنیٰ حضرات کی صفات عالیہ کا تذکرہ 717

تفسیر سورۂ نوح

حضرت نوح علیہ السلام نے دعوت وتبلیغ کیلئے ہر ممکن طریقہ اپنایا 725
بت پرستی کا آغاز کیسے ہوا 728
حضرت نوح علیہ السلام کی اپنی قوم کیلئے بددعا 730

تفسیر سورۂ جن

جنات کے سماع قرآن اور ایمان لانے کا تذکرہ 732
بعثت رسول علیہ السلام کے وقت آسمانوں پر پہرہ سخت کر دیا گیا 734
جنات کی حقیقت حال سے آگاہی 736
اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے غیب پر مطلع فرما دیتا ہے 740

تفسیر سورۂ مزمل

حضور علیہ السلام کو قیام لیل کا حکم 743
قیام لیل کا یہ حکم کتنا عرصہ برقرار رہا 746
قیام لیل کے حکم میں تخفیف 747

تفسیر سورۂ مدثر

سب سے پہلے کون سی وحی نازل ہوئی 755
خبیث ولید بن مغیرہ کی قرآن کریم کے متعلق کج فہمی اور اسے دھمکی 759
جہنم کے داروغوں کی تعداد اور اس تعداد کے متعلق کفار کی ہرزہ سرائی کا رد 762

تفسیر سورۂ قیامۃ

اثبات معاد پر قدرت کا اظہار 769
اخذ وحی میں آسانی پیدا کرنے کے معاملہ میں حضور علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی خاص کرم نوازی 771
روز قیامت رؤیت باری تعالیٰ حق ہے 772
عالم نزع کی کیفیت کا بیان 775

تفسیر سورۂ دہر

انسان کی ابتدائے آفرینش کا بیان 778

اہل جنت پر نوازشات کا ذکر 780

تفسیر سورۂ مرسلات

مقسم بہ صفات سے کیا مراد ہے 789
روز قیامت کفار جہنم رسید ہوں گے 793
متقین کے باعزت مقام کا تذکرہ 794

تفسیر سورۂ نباء

بڑی خبر کیا ہے 796
روز قیامت آسمان اور پہاڑوں کی حالت 799
اہل تقویٰ کیلئے ہی کامیابی ہے 801
روح سے کیا مراد ہے 803

تفسیر سورۂ نازعات

مقسم بہ صفات کے متعلق مفسرین کے اقوال 805
فرعون کے عبرتناک انجام کا ذکر 808

تفسیر سورۂ عبس

حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کا واقعہ 813
روز قیامت ہر ایک کو اپنی فکر دامن گیر ہوگی 818

تفسیر سورۂ تکویر یا کورت

وقوع قیامت کے وقت ہولناک امور کا بیان 820
قرآن کریم کے برحق ہونے پر ستاروں کی قسم 825
حضور ﷺ غیب پر بخیل نہیں 827

تفسیر سورۂ انفطار یا انفطرت

اللہ تعالیٰ ہی انسان کی صورت گری کرنے والا ہے 830
کراماً کاتبین 831

تفسیر سورۂ مطففین

ناپ تول میں کمی بیشی کرنے والوں کیلئے بربادی ہے 833
سجین کیا ہے 835
علیین سے کیا مراد ہے 838

تفسیر سورۂ انشقاق یا انشقت

انسان مشقت میں 842
آسان حساب کیا ہے 843
طبق سے کیا مراد ہے 845

تفسیر سورۂ بروج

بروج کیا ہیں 847
خندق والے کون تھے 849
اللہ تعالیٰ کی پکڑ بہت شدید ہے 856

تفسیر سورۂ طارق

ہر نفس پر محافظ مقرر ہے 858
انسانی تخلیق کس سے ہوتی ہے 858

تفسیر سورۂ اعلیٰ

اللہ تعالیٰ کی تسبیح کا حکم 861
آخرت ہی بہتر اور ہمیشہ رہنے والی ہے 864

تفسیر سورۂ غاشیہ

غاشیہ قیامت کا ایک نام ہے 865
روز قیامت بد بخت بری حالت میں ہوں گے 865
سعادتمندوں کے چہرے شگفتہ اور تر و تازہ ہوں گے 866
بعض مظاہر قدرت میں غور و فکر کی دعوت 867

تفسیر سورۂ فجر

فجر سے کونسی فجر مراد ہے 870
دس راتیں کون سی ہیں 871
شفع اور وتر سے کیا مراد ہے 871

عاد وثمود اور فرعون کا ذکر 872
نفس مطمئنہ کو نوید 877

تفسیر سورۂ بلد

شہر مکہ کی قسم 879
انسان کو مشقت میں پیدا کیا گیا 880
نجدین سے کیا مراد ہے 881
العقبہ کیا ہے 881

تفسیر سورۂ شمس

فلاح یافتہ کون اور خائب وخاسر کون 887
قوم ثمود کی بربادی کا ذکر 888

تفسیر سورۂ لیل

انسان کی کوششیں متعدد نوعیت کی ہیں 890
تقدیر کے متعلق احادیث 891

تفسیر سورۂ ضحیٰ

اللہ تعالیٰ نے نہ اپنے محبوب ﷺ کو چھوڑا اور نہ آپ سے ناراض ہوا 897
آپ ﷺ کے امتیازات کا تذکرہ 898

تفسیر سورۂ الم نشرح

اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کا سینہ کھول دیا 901
اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذکر کو کیسے بلند فرمایا 902
ہر تنگی کے ساتھ آسانی ہے 903

تفسیر سورۂ تین

تین سے کیا مراد ہے 905
انسان کو بہترین اعتدال پر پیدا کیا گیا 906

تفسیر سورۂ علق

وحی کا آغاز 907
انسان کی سرکشی کا سبب 908

تفسیر سورۂ قدر

شب قدر میں نزول قرآن سے کیا مراد ہے 911
شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے 911
کیا شب قدر صرف اس امت کی خصوصیت ہے 914
شب قدر کون سی رات ہے 915
شب قدر کے متعلق ایک عجیب اثر 919

تفسیر سورۂ بینہ

بینہ سے کیا مراد ہے 923
کفار ومشرکین بدترین مخلوق ہیں 924

تفسیر سورۂ زلزال

روز قیامت زمین اپنا سب کچھ نکال باہر پھینکے گی 927
معمولی سی نیکی و بدی کا بھی بدلہ ملے گا 928

تفسیر سورۂ عادیات

مجاہدین کے گھوڑوں کی قسم 931
انسان ناشکر گزار ہے 933

تفسیر سورۂ قارعۃ

روز قیامت لوگوں اور پہاڑوں کی حالت کا ذکر 934
بھاری میزان والے خوش کن زندگی میں ہوں گے
بدبختوں کا ٹھکانہ ہاویہ ہوگا 934

تفسیر سورۂ تکاثر

مال واولاد کی کثرت غافل کر دینے والی ہے 936
ہر نعمت کے متعلق بازپرس ہوگی 938

تفسیر سورۂ عصر

عصر سے کیا مراد ہے 941
خسارہ سے مستثنیٰ حضرات کا ذکر 941

تفسیر سورۂ ہمزہ

مال خلود کا سبب نہیں 942
ہمزہ کیا ہے؟ 942

تفسیر سورۂ فیل

ہاتھی والوں کا قصہ 944
ابابیل کون سے پرندے تھے 947

تفسیر سورۂ قریش

قریش پر اللہ تعالیٰ کا انعام 950
بیت اللہ کے رب کی عبادت کرو 951

تفسیر سورۂ ماعون

نماز سے غافل ہونے والوں کی مذمت 952
ماعون سے کیا مراد ہے 954

تفسیر سورۂ کوثر

کوثر کیا ہے 955
حضور ﷺ کا دشمن ہی بے نام ونشان ہے 958

تفسیر سورۂ کافرون

اس سورت کی فضیلت 960
مشرکین سے بیزاری کا اظہار 961

تفسیر سورۂ نصر

فتح سے کون سی فتح مراد ہے 965
اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرمانے والا ہے 966

تفسیر سورۂ لہب

اس سورت کا شان نزول 967
ابولہب اور اس کی بیوی ام جمیل دونوں جہنم میں 968

تفسیر سورۂ اخلاص

شان نزول اور فضیلت 970
الصمد کا مفہوم کیا ہے 975

تفسیر سورۂ فلق۔ ناس

معوذتین قرآن کریم کا حصہ ہیں 977
معوذتین کے ساتھ دم کرنا 979
یہود نے حضور ﷺ کو جادو کیا 980

سورۂ صافات

نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اسماعیل بن مسعود کی سند سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے "رسول اللہ ﷺ ہمیں تخفیف کا حکم ارشاد فرمایا کرتے تھے اور دوران جماعت سورۂ صافات کی تلاوت فرمایا کرتے۔" نسائی رحمۃ اللہ علیہ اس روایت میں منفرد ہیں (1)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۝ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ۝ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ۝ اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ۝ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ۝

"قسم ہے (مقام نیاز میں) پرے باندھ کر کھڑے ہونے والوں کی، پھر خوب جھڑکنے والوں کی، پھر قرآن کی تلاوت کرنے والوں کی۔ کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے۔ جو مالک ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور مالک ہے مشرقوں کا"۔

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت اعمش، ابوالضحیٰ، مسروق رحمہم اللہ تعالیٰ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے آپ نے فرمایا: وَالصّٰٓفّٰتِ" والزاجرات" اور" والتالیات" تینوں سے مراد ملائکہ ہیں (2)۔ ابن عباس، مسروق، سعید بن جبیر، عکرمہ، مجاہد، سدی، قتادہ اور ربیع بن انس رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول بھی یہی ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے آسمان میں فرشتوں کی صفیں ہیں۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بسند ابوبکر بن ابی شیبہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ہمیں دیگر لوگوں (امتوں) پر تین طرح سے فضیلت دی گئی ہے: 1۔ ہماری صفیں فرشتوں کی صفوف کی طرح ہیں، 2۔ تمام روئے زمین ہمارے لئے مسجد قرار دی گئی ہے، 3۔ اور اگر پانی دستیاب نہ ہو تو اس کی مٹی ہمارے لئے باعث طہارت قرار دی گئی ہے"۔ (یعنی ہم اس سے تیمم کر سکتے ہیں) (3)۔

مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی ہی ایک دوسری روایت میں اور ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ بروایت اعمش رحمہم اللہ تعالیٰ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "تم اس طرح صفیں کیوں نہیں بناتے جس طرح فرشتے اپنے رب کے سامنے صف بستہ ہوتے ہیں؟" ہم نے عرض کیا: فرشتے اپنے رب کی بارگاہ میں کس طرح صفیں باندھتے ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "پہلی صفوں کو مکمل کرتے ہیں اور شانہ بشانہ کھڑے ہوتے ہیں" (4)۔

فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا کا معنی کرتے ہوئے سدی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ بادلوں کو ڈانٹتے ہیں (5) ربیع بن انس کا

1۔ نسائی، جلد 2 صفحہ 95، کتاب الامامۃ، تحفۃ الاشراف، جلد 5 صفحہ 352 — 2۔ حاکم، کتاب التفسیر، جلد 2 صفحہ 329، درمنثور، جلد 7 صفحہ 87

3۔ مسلم، جلد 2 صفحہ 63 نیز دیکھئے تفسیر سورۂ نساء آیت 43 — 4۔ مسلم، جلد 2 صفحہ 69 سورۂ اعراف کے آخر میں یہ حدیث گزر چکی ہے

5۔ قرطبی، جلد 15 صفحہ 62 (القاہرہ، دارالکتب المصریہ) طبری، جلد 23 صفحہ 33

قول ہے کہ وہ چیز جس سے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جھڑکا ہے(1)۔ مالک رحمۃ اللہ علیہ نے زید بن اسلم سے اسی طرح نقل کیا ہے۔

فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا اسدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ملائکہ کتاب اور قرآن کریم اللہ کی طرف سے لوگوں کے پاس لاتے ہیں۔ یہ آیت ایک دوسری آیت کریمہ کے مشابہ ہے۔ جس میں ارشاد ہوتا ہے: فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ۙ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ۙ (المرسلات:6-5)'' پھر ان کی قسم جو (دلوں میں) ذکر کا القا کرنے والی ہیں۔ حجت تمام کرنے کے لئے یا ڈرانے کے لئے''۔

قولہ تعالیٰ اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ۭ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یہ مقسم علیہ ہے جس پر قسم کھائی گئی ہے کہ اللہ رب العزت جل مجدہٗ وحدہٗ لا شریک اور زمین و آسمان کا مالک ہے۔

وَمَا بَيْنَهُمَا اور اس کے مابین جو مخلوقات ہیں۔

وَرَبُّ الْمَشَارِقِ وہ مالک کل ہے۔ مخلوق کو مسخر کئے ہوئے ہے۔ ستارے اور سیارے اس میں شامل ہیں۔ جو مشرق سے طلوع ہوتے ہیں اور مغرب میں غروب ہو جاتے ہیں۔ صرف مشرق کا ذکر فرمایا اور مغرب کا تذکرہ چھوڑ دینے میں حکمت یہ ہے کہ سیاق کلام سے ہی اس کا مفہوم سمجھ آ رہا ہے۔ ایک دوسرے مقام پر اس کی تصریح بھی فرما دی۔ ارشاد ہوتا ہے: فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَ الْمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ (المعارج:40)'' پس میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے رب کی کہ ہم پوری قدرت رکھتے ہیں''۔ ایک دوسری آیت میں فرمایا: رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ (الرحمٰن:17)'' وہی دونوں مشرقوں کا رب ہے اور دونوں مغربوں کا رب ہے''۔ یعنی موسم گرما اور سرما کے دوران شمس و قمر کے مطالع یعنی طلوع و غروب ہونے کا مقام(2)۔

اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ِالْكَوَاكِبِ ۙ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ۚ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَ يُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۖ دُحُوْرًا وَّ لَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۙ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ۝

'' بلاشبہ ہم نے آراستہ کیا ہے آسمانِ دنیا کو ستاروں کے سنگھار سے۔ اور (اسے) محفوظ کر دیا ہے ہر سرکش شیطان (کی رسائی) سے۔ نہیں سن سکتے کان لگا کر عالم بالا کی باتوں کو اور پتھراؤ کیا جاتا ہے ان پر ہر طرف سے۔ ان کو بھگانے کے لئے اور ان کے لئے دائمی عذاب ہے مگر جو شیطان کچھ جھپٹ لینا چاہتا ہے تو تعاقب کرتا ہے اس کا تیز شعلہ''۔

اللہ تبارک و تعالیٰ آگاہ فرما رہے ہیں کہ ہم نے آسمان دنیا اہل زمین کے لئے آراستہ کر دیا ہے ستاروں سے۔ بِزِيْنَةِ ِالْكَوَاكِبِ اسے اضافت کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ اور اسے (زینة سے) بدل بھی قرار دیا گیا ہے(3)۔ دونوں صورتوں میں معنی ایک ہی ہے۔ ستاروں (خواہ وہ ساکن ہوں یا متحرک) کی روشنی شفاف آسمان کو منور کر دیتی ہے۔ اس کے سبب وہ اہل زمین کو جگمگاتا نظر آتا ہے۔ جیسے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایک دوسرے مقام پر فرمایا: وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَ جَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ (الملک:5)'' اور بے شک ہم نے قریبی آسمان کو چراغوں سے آراستہ کر دیا ہے اور بنا دیا ہے انہیں شیاطین کو مار بھگانے کا ذریعہ۔ اور ہم نے تیار کر رکھا ہے ان کے لئے دہکتی آگ کا عذاب''۔ ایک اور جگہ فرمایا: وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَ

1۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 17 — 2۔ قرطبی، جلد 15 صفحہ 64-63

3۔ قرطبی، جلد 15 صفحہ 65-64 جامع البیان، جلد 23 صفحہ 24 مطبعہ امیریہ، بولاق مصر (1329ھ) مفاتیح الغیب، جلد 13 صفحہ 120 تا 26

أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيرِ (الحجر:18-16)'' اور بیشک ہم نے آسمان میں برج بنائے ہیں اور ہم نے آراستہ کر دیا ہے آسمان کو دیکھنے والوں کے لئے۔ اور ہم نے محفوظ کر دیا ہے آسمان کو ہر شیطان سے جو راندہ ہوا ہے۔ بجز اس کے جو چوری چھپے سن لے تو (اس صورت میں) تعاقب کرتا ہے اس کا ایک روشن شعلہ''۔ اور یہاں فرمایا: وَحِفْظًا یہ مفعول مطلق ہے تقدیر عبارت یوں ہے: وحفظناها حفظا(1)۔

مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ مَّارِدٍ سرکش، متکبر شیطان سے جب وہ چوری چھپے کوئی بات سننے کا ارادہ کرتا ہے تو ایک شہاب ثاقب اس کا تعاقب کرتا ہے اور اسے خاکستر کر دیتا ہے۔ اسی لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا: لَا يَسَّمَّعُونَ إِلَى الْمَلَإِ الْأَعْلَىٰ تاکہ وہ ملأ اعلیٰ تک نہ پہنچ سکیں۔ ملأ اعلیٰ سے مراد آسمان ہیں اور جو فرشتے یہاں رہتے ہیں۔ اور وہ بارگاہ خداوندی سے عطا کردہ احکامات کے بارے میں بات چیت کرتے ہیں(2)۔ جس طرح کہ آیت کریمہ وَلَا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ عِندَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ ۚ حَتَّىٰ إِذَا فُزِّعَ عَن قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ ۖ قَالُوا الْحَقَّ ۖ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ (3)'' یہاں تک کہ جب دور کر دی جاتی ہے گھبراہٹ ان کے دلوں سے تو پوچھتے ہیں کیا ارشاد فرمایا تمہارے رب نے۔ وہ کہتے ہیں اس نے حق فرمایا ہے اور وہ بڑی شان والا سب سے بڑا ہے'' کے تحت ذکر کردہ احادیث میں ہم نے بیان کیا ہے۔ اسی لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا وَيُقْذَفُونَ انہیں مارا جاتا ہے مِن كُلِّ جَانِبٍ جس طرف سے بھی وہ آسمان کا قصد کریں۔ 'دحورا' رجم کر کے دور بھگا دیئے جاتے ہیں۔ انہیں ڈانٹا جاتا ہے اور آسمانوں کے قریب بھی پھٹکنے نہیں دیا جاتا۔ اور ان پر شہاب ثاقب کی بارش کر دی جاتی ہے۔ 'ولهم عذاب واصب' یعنی دار آخرت میں ان کے لئے دردناک، دائمی اور مسلسل عذاب ہے(4)۔ جیسے ایک اور مقام پر اسی صاحب عظمت وجلالت نے فرمایا: وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِّلشَّيَاطِينِ ۖ وَأَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيرِ (الملک:5)'' اور ہم نے تیار کر رکھا ہے ان کے لئے دہکتی آگ کا عذاب''۔

فرمایا: إِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ یعنی مگر کبھی کوئی شیطان اہل سماء کا کوئی کلمہ اچک لیتا ہے اور اپنے سے نیچے والے کو بتا دیتا ہے۔ وہ اس سے نیچے والے کو۔ بعض اوقات بات بتانے سے قبل ہی شہاب ثاقب اس کی طرف لپکتا ہے اور اسے خاکستر کر دیتا ہے۔ اور کبھی وہ قدرت باری کے بمو جب شہاب کے آنے سے پہلے ہی اپنے ساتھی کو وہ بات کہہ چکا ہوتا ہے۔ وہ اسے کاہن کو جا کر سنا دیتا ہے۔ جیسے حدیث مبارکہ میں مذکور ہو چکا۔ اسی لئے ارشاد فرمایا: إِلَّا مَنْ خَطِفَ......۔

ثاقب سے مراد مستنیر یعنی روشن ہے(5)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔ ابوکریب نے بروایت سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ آسمانوں میں شیاطین کی پناہ گاہیں تھیں۔ وہ وہاں جا کر بیٹھ جاتے اور وحی پر کان لگا دیتے۔ ستارے نہیں چلتے تھے۔ اور ان پر آگ نہیں برسائی جاتی تھی۔ فرمایا: جب وہ وحی سنتے تو زمین پر اتر آتے اور ایک کلمہ کے ساتھ نو بڑھا دیتے۔ جب رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے تو (شیطان کا داخلہ بند ہو گیا اور) جب کوئی شیطان وہاں بیٹھنا چاہتا تو شہاب اس کا تعاقب کرتا۔ وہ ٹھیک نشانے پر لگتا اور اسے جلا کر راکھ کر دیتا۔ جنات نے اس مسئلے کی شکایت ابلیس ملعون سے کی۔ وہ کہنے لگا ضرور کوئی نئی بات ہوئی ہے (جس کی بناء پر یہ حفاظتی اقدامات کئے گئے ہیں) چنانچہ اس نے اپنے لشکر ادھر ادھر پھیلا دیئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ نخلہ کی دو پہاڑیوں کے درمیان رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو کر نماز ادا فرما رہے ہیں۔ وکیع رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ بطن نخلہ میں۔ فرمایا انہوں نے واپس آ کر ابلیس کو خبر

1۔ قرطبی، جلد 15 صفحہ 65، مفاتیح الغیب، جلد 13 صفحہ 121 تا 126
2۔ قرطبی، جلد 15 صفحہ 65 مفاتیح الغیب، جلد 13 صفحہ 124
3۔ سبا، جلد 34 صفحہ 23 نیز سورۂ سبا کی مذکورہ آیت کی تفسیر دیکھئے۔
4۔ جامع البیان، جلد 23 صفحہ 27 تفسیر کبیر، جلد 13 صفحہ 124
5۔ جامع البیان، جلد 23 صفحہ 28

دی۔ اس نے کہا یہی نیا واقعہ پیش آیا ہے(1)۔

اس مضمون کی احادیث وآثار کا تذکرہ ان آیات میں آئے گا جن میں جنوں کے بارے میں خبر دی گئی ہے کہ انہوں نے کہا: وَّ اَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِیْدًا وَّ شُهُبًا ۙ وَّ اَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ یَّسْتَمِعِ الْاٰنَ یَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۙ وَّ اَنَّا لَا نَدْرِیْۤ اَشَرٌّ اُرِیْدَ بِمَنْ فِی الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا (2)'' اور (سنو!) ہم نے ٹٹولنا چاہا آسمان کو تو ہم نے اس کو سخت پہروں اور شہابوں سے بھرا ہوا پایا۔ اور پہلے تو ہم بیٹھ جایا کرتے تھے اس کے بعض مقامات پر سننے کے لئے۔ لیکن اب جو (جن) سننے کی کوشش کرے گا تو وہ پائے گا اپنے لئے کسی شہاب کو انتظار میں۔ اور ہم نہیں سمجھتے (اس کی وجہ کیا ہے) کیا کسی شر کا ارادہ کیا جارہا ہے زمین کے مکینوں کے بارے میں یا ان کے رب نے ان کو ہدایت دینے کا ارادہ فرمایا ہے''۔

فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِیْنٍ لَّازِبٍ ﴿۱۱﴾ بَلْ عَجِبْتَ وَ یَسْخَرُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَ اِذَا ذُكِّرُوْا لَا یَذْكُرُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَ اِذَا رَاَوْا اٰیَةً یَّسْتَسْخِرُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَ قَالُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿ۚۖ۱۵﴾ ءَاِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿ۙ۱۶﴾ اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿ؕ۱۷﴾ قُلْ نَعَمْ وَ اَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ ﴿ۚ۱۸﴾ فَاِنَّمَا هِیَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ یَنْظُرُوْنَ ﴿۱۹﴾

'' پس آپ ان سے پوچھئے آیا وہ زیادہ مضبوط ہیں خلقت کے اعتبار سے یا (دوسری چیزیں) جنہیں ہم نے پیدا فرمایا۔ بیشک ہم نے پیدا کیا ہے انہیں لیسدار کیچڑ سے۔ آپ تو اظہار تعجب کرتے ہیں (قدرت کے کرشمے دیکھ کر) اور وہ تمسخر اڑاتے ہیں اور جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو وہ نصیحت قبول نہیں کرتے۔ اور جب کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو مذاق کرنے لگتے ہیں۔ اور کہتے ہیں نہیں ہے یہ مگر کھلا جادو۔ کیا جب ہم مر جائیں گے اور (مرکر) مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے (تو) کیا ہم زندہ کرکے اٹھائے جائیں گے۔ اور کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی۔ فرمایئے! ہاں (ضرور) اس حال میں کہ تم ذلیل و خوار ہو گے۔ پس قیامت تو فقط ایک جھڑکی ہوگی پس وہ (اٹھ کر ادھر اُدھر) دیکھنے لگیں گے''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے نبی کو ارشاد فرمارہے ہیں کہ ذرا ان منکرین قیامت سے پوچھئے تو سہی کہ دونوں میں سے کون سی چیز مشکل ہے۔ تمہارا پیدا کرنا یا آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے یعنی ملائکہ وشیاطین اور دیگر بڑی بڑی مخلوقات۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے '' اَمْ مَّنْ عَدَدْنَا '' کرکے پڑھا ہے(3)۔ اس بات کا وہ بھی اقرار کرتے ہیں کہ ان مخلوقات کو پیدا کرنا ان کی نسبت زیادہ مشکل ہے۔ جب حقیقت اس طرح ہے تو وہ موت کے بعد جی اٹھنے کا انکار کیوں کرتے ہیں؟ حالانکہ ان کا مشاہدہ ہے کہ عظیم بات کون سی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ (غافر:57)'' بے شک پیدا کرنا آسمانوں اور زمین کا بہت بڑا کام ہے لوگوں کے پیدا کرنے سے۔ لیکن بہت سے لوگ (اس کھلی حقیقت کو) نہیں جانتے''۔ پھر بیان فرمایا کہ وہ ایک کمزور چیز سے پیدا کئے گئے ہیں۔ چنانچہ فرمایا: اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِیْنٍ لَّازِبٍ مجاہد، سعید بن جبیر اور ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ لازب سے مراد عمدہ چکنی مٹی ہے جو ایک دوسرے سے جڑ جاتی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عکرمہ

1۔ جامع البیان، جلد 23 صفحہ 25　2۔ سورۂ جن: 10-8 نیز سورۂ جن کی آیات 8 تا 10 کی تفسیر دیکھئے

3۔ جامع البیان، جلد 23 صفحہ 28، آلوسی، جلد 23 صفحہ 75

رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے وہ بہترین چپکنے والی مٹی ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جسے ہاتھ سے لیپ کیا جا سکتا ہے (1)۔

قولہ عزوجل: بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ یعنی اے محمد (ﷺ) آپ ان منکرین بعث (جی اٹھنا) کی تکذیب پر متعجب ہوں گے۔ حالانکہ فناء اجسام کے بعد اللہ رب العزت نے ان کے اعادہ کی جو عجیب خبر دی ہے آپ اس کی تصدیق فرماتے ہیں اور آپ کو اس کا یقین ہے۔ لیکن آپ کے برعکس شدت تکذیب سے وہ آپ کی بات کا تمسخر اڑاتے ہیں۔

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے بنو آدم کی گمراہی پر تعجب اور استہزاء فرمایا۔ وَاِذَا رَاَوْا اٰيَةً جب وہ اس پر واضح نشانی دیکھ لیتے ہیں تو يَسْتَسْخِرُوْنَ مذاق اڑاتے ہیں۔ مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے یستھزؤن استہزاء کرتے ہیں۔

ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ وہ اس بات کو بعید از قیاس تصور کرتے ہیں اور اس کا انکار کر دیتے ہیں۔ "وقالوا إن هذا لسحر مبين" اور کہتے ہیں کہ یہ جو کچھ آپ لائے ہیں کھلا جادو ہے۔

قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ یعنی اے محمد (ﷺ) آپ انہیں ارشاد فرمایئے ہاں روز قیامت تمہیں دوبارہ اٹھایا جائے گا جب تم مٹی اور ہڈیاں بن چکے ہو گے وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت عظیمہ کے سامنے تم حقیر و ذلیل ہو گے جیسے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۭ وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ (النمل: 87) "اور سب حاضر ہوں گے اس کی بارگاہ میں عاجزی کرتے ہوئے"۔ اور فرمایا: وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ (غافر: 60) "بے شک جو لوگ میری عبادت کرنے سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب جہنم میں داخل ہوں گے ذلیل و خوار ہو کر"۔

پھر اس صاحب عظمت و جلال نے ارشاد فرمایا: فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ يَنْظُرُوْنَ یہ اللہ کی طرف سے ایک امر ہو گا۔ صرف ایک آواز ہو گی کہ اپنی قبروں سے نکل آؤ تو اچانک سب حاضر ہو جائیں گے اور قیامت کی ہولناکیوں کا مشاہدہ کرنے لگیں گے واللہ اعلم۔

وَقَالُوْا يٰوَيْلَنَا هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿٢٠﴾ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿٢١﴾ اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿٢٢﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ﴿٢٣﴾ وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ ﴿٢٤﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ﴿٢٥﴾ بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ﴿٢٦﴾

"اور کہیں گے ہم برباد ہو گئے! یہ تو یوم جزا ہے۔ (ہاں ہاں) یہی فیصلہ کا دن ہے جس (کی آمد) کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔ (اے فرشتو!) جمع کرو جنہوں نے ظلم کیا تھا اور ان کے ساتھیوں کو اور جن کی یہ عبادت کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر پس سیدھا لے چلو انہیں جہنم کی راہ کی طرف۔ اور (اب ذرا) روک لو انہیں، ان سے باز پرس کی جائے گی۔ تمہیں کیا ہو گیا تم ایک دوسرے کی مدد کیوں نہیں کرتے۔ بلکہ آج تو وہ سر تسلیم خم کیے ہوئے ہیں"۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کفار کی گفتگو کے بارے میں خبر دیتے ہوئے ارشاد فرما رہے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو ملامت کریں گے اور اس بات کا

1۔ قرطبی، جلد 15 صفحہ 69، جامع البیان، جلد 23 صفحہ 29

نوٹ:۔ قرطبی نے ماوردی کے حوالے سے لکھا ہے کہ "لاتق" اور لازق میں فرق یہ ہے کہ لاتق وہ ہوتی ہے جو ایک دوسرے سے پیوست ہو اور لازق سے مراد وہ ہے جو جس چیز پر لگے اسے چپک جائے۔ (مترجم)

اعتراف کریں گے کہ دارِ دنیا میں وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے۔ قیامت کے دہشت ناک منظر کو دیکھ کر اظہار ندامت کریں گے۔ لیکن اب یہ ندامت کسی کام نہیں آئے گی۔ وَقَالُوْا یٰوَیْلَنَا هٰذَا یَوْمُ الدِّیْنِ تو ملائکہ اور فرشتے انہیں کہیں گے هٰذَا یَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ زجر و توبیخ کے طور پر انہیں ایسا کہا جائے گا۔ اللہ رب العزت فرشتوں کو حکم ارشاد فرمائیں گے کہ میدان حشر میں کفار کو مومنین سے علیحدہ کر دیا جائے۔ اسی لئے ارشاد فرمایا: اُحْشُرُوا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ۔

نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ازواج سے مراد ان کے اشباہ و امثال ہیں۔ ابن عباس، سعید بن جبیر، عکرمہ، مجاہد، سدی، ابوصالح، ابوالعالیہ اور زید بن اسلم رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول یہی ہے۔ سفیان ثوری نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے اس کا معنی **اخوانهم** کیا ہے یعنی ان کے بھائی بندوں کو(1) شریک نے سماک کی روایت سے نعمان بن بشیر کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرماتے سنا کہ اس سے مراد ان جیسے لوگ ہیں۔ فرمایا زانی، زانیوں کے ساتھ، سودخور، سودخوروں کے ساتھ اور شرابی شرابیوں کے ساتھ آئیں گے۔ خصیف نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا معنی **نساء هم** (ان کی عورتیں) لیا ہے۔ یہ غریب ہے اور آپ کا مشہور قول پہلا ہی ہے جسے مجاہد اور سعید بن جبیر رحمہما اللہ تعالیٰ نے نقل کیا ہے یعنی ان کے ساتھی اور وہ غیر اللہ جن کی وہ عبادت کرتے تھے۔ یعنی بتوں اور باطل خداؤں کا حشر بھی ان کے ساتھ ان کی جگہ ہوگا(2)۔

قولہ تعالیٰ: فَاهْدُوْهُمْ اِلٰی صِرَاطِ الْجَحِیْمِ یعنی جہنم کی طرف ان کی راہنمائی کرو اسی طرح ایک دوسری آیت میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوتا ہے: وَمَنْ یَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ وَنَحْشُرُهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ عَلٰی وُجُوْهِهِمْ عُمْیًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ؕ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِیْرًا (الاسراء: 97) ''اور ہم اٹھائیں گے انہیں قیامت کے دن منہ کے بل اس حال میں کہ وہ اندھے، گونگے اور بہرے ہوں گے۔ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ جب بھی سرد ہونے لگے گی (جہنم کی آگ) تو ہم ان کے لئے اس کی آنچ کو بڑھا دیں گے''۔

فرمایا: وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ انہیں ٹھہراؤ تا کہ دارِ دنیا میں کیے ہوئے اقوال و اعمال کے بارے میں ان سے پرسش کی جائے۔ جیسا کہ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے یعنی انہیں محبوس کر لو ان کا محاسبہ ہوگا۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کسی چیز کی طرف دعوت دینے والا یوم قیامت اس کے ساتھ کھڑا کیا جائے گا۔ وہ اس سے علیحدہ نہیں ہوگا۔ اگرچہ ایک آدمی نے ایک آدمی کو ہی بلایا ہو''۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی حدیث لیث بن ابی سلیم کی حدیث سے روایت کی ہے(3)۔ اور ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت یعقوب بن ابراہیم حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً یہی نقل کیا ہے(4)۔

عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ میں نے عثمان بن زائدہ کو ارشاد فرماتے سنا: سب سے پہلے آدمی سے اس کے ہم نشینوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ پھر زجر و توبیخ کے طور پر انہیں کہا جائے گا مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ یعنی جیسا کہ تمہارا خیال تھا کہ تم سب غالب ہو

1۔ حاکم، کتاب التفسیر، جلد 2 صفحہ 430، درمنثور، جلد 7 صفحہ 82

2۔ قرطبی، جلد 15 صفحہ 73، مفاتیح الغیب، جلد 13 صفحہ 133، جز 25، طبری، جلد 23 صفحہ 31، حاشیہ شہاب بر بیضاوی، جلد 8 صفحہ 67

3۔ تحفۃ الاحوذی، جلد 9 صفحہ 96، عارضۃ الاحوذی، کتاب التفسیر، جلد 12 صفحہ 108، تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 48، کتاب التفسیر، جلد 2 صفحہ 430

4۔ جامع البیان، جلد 23 صفحہ 32

اور ایک دوسرے کے مددگار ہو۔ بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ یعنی اوامر الٰہیہ کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوئے ہیں اس کی خلاف ورزی نہیں کرتے اور نہ ہی سر مو اس سے انحراف کرتے ہیں''۔ واللہ اعلم۔

وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ قَالُوْٓا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ﴿۲۸﴾ قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ ۚ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ ۖ اِنَّا لَذَآئِقُوْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَغْوَيْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ ﴿۳۲﴾ فَاِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِى الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۳۴﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۙ يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ﴿۳۶﴾ بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۷﴾

''اور متوجہ ہوں گے ایک دوسرے کی طرف (اور) سوال جواب کریں گے۔ (پیروکار سرداروں سے) کہیں گے کہ تم آیا کرتے تھے ہمارے پاس بڑے کروفر سے۔ (اور ہمیں کفر پر مجبور کرتے تھے) وہ جواب دیں گے بلکہ تم ایمان ہی کب لائے تھے (کہ ہم نے تم کو گمراہ کر دیا) اور نہ ہمیں تم پر کوئی غلبہ حاصل تھا۔ بلکہ تم بذات خود سرکش لوگ تھے۔ پس لازم ہو گیا ہم سب پر اپنے رب کا حکم۔ اب (خواہ مخواہ) ہم اس عذاب کو چکھنے والے ہیں۔ پس ہم نے تم کو بھی گمراہ کیا۔ ہم خود بھی گمراہ تھے۔ پس وہ (سب) اس روز عذاب میں حصہ دار ہوں گے۔ ہم اسی طرح سلوک کرتے ہیں مجرموں کے ساتھ۔ کفار کا یہ حال ہے کہ جب انہیں کہا جاتا ہے کہ نہیں کوئی معبود اللہ کے سوا تو یہ تکبر کرنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کیا ہم چھوڑ دیں گے اپنے خداؤں کو ایک شاعر اور دیوانے کے کہنے سے۔ (دیوانے تو یہ خود ہیں) وہ تو دین حق لے کر آئے ہیں اور تصدیق کرتے ہیں سارے رسولوں کی''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرما رہے ہیں کہ کفار میدان حشر میں ایک دوسرے کو لعن طعن کریں گے جس طرح جہنم کے طبقات میں وہ ایک دوسرے سے الجھیں گے۔ وَاِذْ يَتَحَآجُّوْنَ فِى النَّارِ فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ ﴿۴۷﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ ۙ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ (غافر: 48-47) ''پس کہیں گے کمزور لوگ انہیں جو تکبر کیا کرتے تھے کہ ہم تو تمہارے تابع تھے پس کیا تم دور کر سکتے ہو ہم سے کچھ حصہ آگ (کے عذاب) کا۔ جواب دیں گے متکبر ہم سب آگ میں (بھن رہے) ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا ہے بندوں کے متعلق (سو اب اس میں رد و بدل نہیں ہو سکتا)''۔ اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ ۗ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ الْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۭ وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْٓ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (سبا: 33-31) ''کاش! تم (وہ منظر) دیکھو جب یہ ظالم کھڑے کئے جائیں گے اپنے رب کے روبرو۔ اس

وقت یہ ایک دوسرے پر الزام دھریں گے۔ کہیں گے وہ لوگ جو (دنیا میں) کمزور سمجھے جاتے تھے ان سے جو بڑے بنا کرتے تھے اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور ایماندار ہوتے۔ جواب دیں گے متکبر ان کمزوروں کو کیا ہم نے تمہیں روکا تھا ہدایت (قبول کرنے) سے جب (نور ہدایت) تمہارے پاس آیا تھا، درحقیقت تم خود مجرم تھے۔ کہیں گے وہ کمزور لوگ ان مغروروں سے (یوں نہیں) بلکہ تمہارے شب و روز کے مکر و فریب نے ہمیں ہدایت سے باز رکھا جب تم ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم اللہ کو ماننے سے انکار کر دیں اور (بتوں کو) اس کا ہمسر بنائیں۔ اور دل ہی دل میں پچھتائیں گے جب دیکھیں گے عذاب کو۔ اور ہم ڈال دیں گے طوق ان لوگوں کی گردنوں میں جنہوں نے کفر کیا (خواہ وہ بڑے ہوں یا چھوٹے) کیا انہیں بدلہ دیا جائے گا بجز اس کے جو کیا کرتے تھے''۔ اس طرح یہاں وہ انہیں کہیں گے اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ کہیں گے ''تم ہمیں زبردستی یہ کام کرنے پر مجبور کرتے تھے۔ کیونکہ ہم کمزور تھے اور تم طاقتور''۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یمین سے مراد حق ہے اور یہ کافروں کا مقولہ ہوگا جو وہ شیاطین سے کہیں گے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ انسان جنوں سے یہ کہیں گے۔ اور یمین سے مراد بھلائی ہے یعنی تم ہمیں نیک کام سے روکتے اور اس کے بارے میں ہم میں کاہلی پیدا کرتے تھے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ تم حق کی طرف سے آتے تھے اور باطل کو ہمارے سامنے مزین کرتے تھے۔ اور راہ راست سے ہمیں بھٹکا دیتے تھے۔ اس آیت کی تفسیر میں امام حسن رضی اللہ عنہ کا قول ہے یعنی اللہ تعالیٰ سے۔ وہ ہر نیکی کے ارادہ کے وقت اس کے پاس آتے اور اس سے گمراہ کر دیتے۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ تم ہمارے اور نیک کاموں کے درمیان حائل ہو جاتے اور ہمیں اسلام، ایمان اور عمل خیر جس کا ہمیں حکم دیا گیا تھا اس سے پھیر دیتے۔ یزید الرشک کا قول ہے کہ یمین سے مراد کلمہ لا الہ الا اللہ ہے۔ خصیف نے اس سے مراد دائیں سمت لی ہے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ تم ہم پر اس طرح آتے تھے کہ ہمیں تمہارا پتہ ہی نہیں چلتا تھا۔

قولہ تعالیٰ قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ جن و انس میں سے قائدین اپنے پیروکاروں سے کہیں گے کہ بات اس طرح نہیں جیسے تم کہہ رہے ہو بلکہ تمہارے دل ایمان سے انکاری تھے اور کفر و عصیان کی طرف لپک کر جاتے تھے۔

مَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ یعنی جس طرف ہم نے تمہیں بلایا تھا اس کی صحت کی دلیل۔

بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ بلکہ سرکشی اور نافرمانی تو تمہاری سرشت میں تھی۔

اس لئے تم نے ہماری بات کو مان لیا اور اس حق کو چھوڑ دیا جو انبیاء تمہارے پاس لائے تھے اور اس کی حقانیت کی دلیلیں تمہارے سامنے رکھی تھیں لیکن تم نے ان کی مخالفت کی۔ فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ ۖ اِنَّا لَذَآئِقُوْنَ ۝ فَاَغْوَيْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ متکبرین کمزور لوگوں سے کہیں گے اللہ کا کلمہ ہم پر واجب ہے۔ ہم بد بخت ہیں جو قیامت تک عذاب کا ذائقہ چکھیں گے۔ فَاَغْوَيْنٰكُمْ یعنی تمہیں گمراہی کی طرف بلایا۔ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ یعنی ہم نے تمہیں اپنی راہ کی طرف بلایا تو تم دوڑے چلے آئے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں فَاِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِى الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ یعنی درجات کے مطابق سب آگ میں ہوں گے اِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ۝ اِنَّهُمْ كَانُوْٓا یعنی دار دنیا میں اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۙ يَسْتَكْبِرُوْنَ یعنی مومنین کی طرح یہ کہنے کی بجائے وہ تکبر کرتے تھے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت سعید بن مسیّب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے جنگ کروں جب تک کہ وہ لا الہ الا اللہ نہ کہہ لیں۔ جس نے لا الہ الا اللہ کہہ لیا اس نے اپنا مال اور جان مجھ سے محفوظ کر لیا مگر اس کے حق سے اور اس

کا حساب اللہ رب العزت کے ذمہ ہے''۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں بھی ایک ایسی قوم کا ذکر کیا ہے جنہوں نے تکبر کیا تھا۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت حماد بن سعید ابوالعلاء سے روایت کیا ہے کہ یہودیوں کو روز قیامت لایا جائے گا اور پوچھا جائے گا تم کس کی عبادت کرتے تھے وہ کہیں گے: اللہ اور عزیر کی۔ انہیں کہا جائے گا بائیں طرف ہو جاؤ۔ پھر نصاریٰ کو بلایا جائے گا اور پوچھا جائے گا تم کس کی عبادت کرتے تھے وہ کہیں گے ہم اللہ تعالیٰ اور مسیح کی عبادت کرتے تھے۔ تو انہیں بھی کہا جائے گا۔ بائیں طرف ہو جاؤ۔ پھر مشرکین کو لایا جائے گا اور انہیں لا الہ الا اللّٰہ کہا جائے گا تو وہ تکبر کریں گے۔ پھر دوبارہ لا الہ الا اللّٰہ کہا جائے گا تو وہ تکبر کریں گے۔ پھر تیسری مرتبہ یہی کہا جائے گا تو وہ پھر بھی تکبر کریں گے۔ انہیں کہا جائے گا بائیں طرف ہو جاؤ۔ ابونضرہ کا قول ہے کہ وہ پرندوں سے بھی تیز چلیں گے۔ ابوالعلاء کا قول ہے پھر مسلمانوں کو لایا جائے گا اور کہا جائے گا تم کس کی عبادت کرتے تھے؟ وہ کہیں گے اللہ وحدہٗ لا شریک کی۔ ان سے کہا جائے گا اگر تم اسے دیکھ لو تو پہچان لو گے؟ وہ کہیں گے ہاں ان سے دریافت کیا جائے گا کہ تم اسے کس طرح پہچان سکتے ہو جبکہ تم نے اسے دیکھا نہیں؟ وہ کہیں گے ہم جانتے ہیں کہ اس کا ہمسر کوئی نہیں۔ فرمایا پھر اللہ تبارک وتعالیٰ انہیں اپنا تعارف کرائے گا اور مؤمنین کو نجات بخشے گا۔

وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ یعنی ہم اس مجنون شاعر کے کہنے پر اپنے اور اپنے آباء واجداد کے معبودوں کو چھوڑ دیں اور مراد حضور ﷺ کی ذات لیتے تھے۔ اللہ رب العزت ان کی تکذیب اور تردید کرتے ہوئے فرماتا ہے: بل جاء بالحق یعنی رسول اللہ ﷺ حق کے ساتھ آئے ہیں۔ آپ کی ساری شریعت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، خواہ خبریں ہوں یا احکام۔

وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ اور سابقہ مرسلین نے آپ کی جن صفات حمیدہ کی خبر دی ان کی تصدیق کرتے ہیں اور انہی احکام الٰہی کی خبر دی جن کے بارے وہ سابقہ مرسلین خبر دیتے رہے۔ مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ (حم السجدہ: 43)'' (اے حبیب) نہیں کہا جاتا آپ کو مگر وہی جو کہا گیا پیغمبروں کو آپ سے پہلے''۔

اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ﴿۳۸﴾ وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۴۱﴾ فَوَاكِهُ ۚ وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۴۲﴾ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۴۳﴾ عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۴﴾ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿۴۵﴾ بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿۴۶﴾ لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ ﴿۴۸﴾ كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿۴۹﴾

'' (اے مجرمو!) تم ضرور چکھو گے دردناک عذاب کو۔ اور نہیں بدلہ دیا جائے گا تمہیں مگر اسی کا جو تم کیا کرتے تھے۔ البتہ اللہ کے مخلص بندے (اس عذاب سے محفوظ رہیں گے) وہی ہیں انہیں وہ رزق دیا جائے گا جس کی کیفیت معلوم ہے۔ لذیذ پھل اور ان کا بڑا احترام واکرام کیا جائے گا۔ (اور وہ) نعمت کے باغوں میں ہوں گے (زرنگار) پلنگوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ پھرائے جائیں گے ان پر چھلکتے جام (شراب طہور کے) چشموں سے پر کر کے۔ (دودھ سے زیادہ) سفید بڑے لذیذ، پینے والوں کے لئے۔ نہ اس میں مضر صحت کوئی چیز ہے اور نہ وہ اس (کے پینے) سے مدہوش ہوں گے۔ اور ان

کے پاس ہوں گی نیچی نگاہوں والی آہو چشم (عورتیں) گویا وہ (شتر مرغ کے) انڈوں کی مانند گرد وغبار سے محفوظ"۔

اللہ تعالیٰ لوگوں کو خطاب فرمار ہے ہیں کہ تم دردناک عذاب کا مزہ چکھنے والے ہو۔ پھر اپنے مخلص بندوں کی استثناء فرمادی جیسے ایک اور مقام پر ارشاد فرمار ہے ہیں۔ وَ الْعَصْرِ ۙ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۙ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ (العصر: 3-1) "قسم ہے زمانہ کی۔ یقیناً ہر انسان خسارہ میں ہے۔ بجز ان (خوش نصیبوں) کے جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے۔ نیز ایک دوسرے کو حق کی تلقین کرتے رہے اور ایک دوسرے کو صبر کی تاکید کرتے رہے"۔ ایک اور مقام پر فرمایا: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۟ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ ۙ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ (التین: 6-4) "بے شک ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے (عقل وشکل کے اعتبار سے) بہترین اعتدال پر۔ پھر ہم نے لوٹا دیا اس کو پست ترین حالت کی طرف بجز ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے"۔ اور ارشاد فرمایا: وَ اِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰی رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِیًّا ۚ ثُمَّ نُنَجِّی الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّ نَذَرُ الظّٰلِمِیْنَ فِیْهَا جِثِیًّا (مریم: 72-71) "اور تم سے کوئی ایسا نہیں مگر اس کا گزر دوزخ پر ہوگا یہ آپ کے رب پر لازم ہے اور (اس کا) فیصلہ ہو چکا ہے۔ پھر ہم نجات دیں گے پرہیزگاروں کو اور رہنے دیں گے ظالموں کو دوزخ میں کہ وہ گھٹنوں کے بل گرے ہوں گے"۔ ایک اور مقام پر فرمایا: كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِیْنَةٌ ۙ اِلَّاۤ اَصْحٰبَ الْیَمِیْنِ (المدثر: 39-38) "ہر نفس اپنے عملوں میں گروی ہے۔ سوائے اصحاب یمین کے"۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِیْنَ یعنی وہ دردناک عذاب چکھنے والے نہیں اور نہ ہی ان سے حساب کتاب لیا جائے گا۔ بلکہ اگر ان کے ذمہ کوئی گناہ ہوگا تو اس سے بھی درگزر کیا جائے گا اور ایک نیکی کا اجر دس گنا سے سات سو گنا تک کئی گنا ملے گا یا اس سے بھی زیادہ جس قدر اللہ تبارک وتعالیٰ چاہے۔

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ قتادہ اور سدی رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ رزق سے مراد جنت ہے۔ اگلی آیت میں خود ہی اس کی تصریح فرمادی۔

فَوَاكِهُ یعنی انواع واقسام کے پھل۔

وَ هُمْ مُّكْرَمُوْنَ ان کی خدمت کی جائے گی اور وہ عیش وعشرت میں ہوں گے۔

فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ۙ عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ کسی کی پشت کسی کی طرف نہیں ہوگی۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے زید بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ یعنی وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے ہوں گے اور آمنے سامنے ہوں گے۔ یہ حدیث غریب ہے۔

یُطَافُ عَلَیْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِیْنٍۭ ۙ بَیْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ ۚ لَا فِیْهَا غَوْلٌ وَّ لَا هُمْ عَنْهَا یُنْزَفُوْنَ جس طرح کہ اللہ رب العزت نے ایک دوسری آیت میں ارشاد فرمایا ہے: یَطُوْفُ عَلَیْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۙ بِاَكْوَابٍ وَّ اَبَارِیْقَ ۙ وَ كَاْسٍ مِّنْ مَّعِیْنٍ ۙ لَّا یُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَ لَا یُنْزِفُوْنَ (الواقعہ: 19-17) "گردش کرتے ہوں گے ان کے اردگرد نوخیز لڑکے جو ہمیشہ ایک جیسے رہیں گے۔ (ہاتھوں میں) پیالے، آفتابے اور شراب طہور سے چھلکتے ہوئے جام لئے۔ نہ سر درد محسوس کریں گے اس سے اور نہ مدہوش ہوں گے"۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرما رہے ہیں کہ جنت کی شراب میں دنیا کی شراب کی طرح خرابیاں نہیں ہوں گی مثلاً سر درد، پیٹ کی تکلیف اور غول سے مراد یہی ہے اور عقل کا مکمل طور پر خاتمہ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہاں ارشاد فرمایا: یُطَافُ عَلَیْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِیْنٍ یعنی جنت کی بہتی نہروں سے جن کے خاتمے یا خالی ہونے کا کوئی امکان نہیں۔ مالک نے زید بن اسلم سے روایت کیا ہے۔ سفید شراب کی بہتی نہر جس کا رنگ چمکدار، خوبصورت اور

دلفریب ہے نہ کہ دنیا کی شراب کی طرح کر یہہ المنظر سرخ، سیاہ، پیلی یا گدلے رنگ کی جسے طبع سلیم ناپسند کرتی ہے۔

قولہ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ یعنی اس کا ذائقہ اس کے رنگ کی طرح اچھا ہے۔ ذائقے کا عمدہ ہونا بو کے اچھا ہونے کی دلیل ہے لیکن دنیا کی شراب میں یہ سب چیزیں موجود نہیں۔

قولہ تعالیٰ لَا فِيْهَا غَوْلٌ یعنی اس میں درد شکم بھی نہیں۔ جس طرح کہ دنیا کی شراب میں ہوتا ہے یعنی قولنج وغیرہ اور یہ اس کی کثرت مائیت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ابن عباس، مجاہد، قتادہ اور ابن زید رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہی قول ہے۔

ایک قول کے مطابق غول سے مراد دردسر ہے۔ ابن عباس سے ایک روایت اس طرح بھی ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ سر درد اور پیٹ کی تکلیف ہے۔ ایک سے اور سدی سے مروی ہے کہ ان کی عقل وفہم کو گم نہیں کرتی۔ ایک شاعر کا قول ہے:

فَمَازَالَتِ الكَأْسُ تَغْتَالُنَا وَتَذْهَبُ بِالأَوَّلِ الأَوَّل (1)

سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اس میں کوئی ناپسندیدہ بات یا تکلیف نہیں۔ صحیح قول مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا ہے کہ اس سے مراد پیٹ درد ہے۔

وقولہ تعالیٰ وَلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ انہیں نشہ نہیں دلائے گی۔ ابن عباس، محمد بن کعب، حسن، عطاء بن ابی مسلم خراسانی، سدی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کا یہی قول ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ شراب میں چار برائیاں ہیں: 1۔ نشہ، 2۔ دردسر، 3۔ قے، 4۔ اور پیشاب۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے جنت کی شراب کا ذکر فرمایا اور اسے ان تمام خرابیوں سے منزہ قرار دیا۔ جس طرح کہ سورۂ صافات میں ہے۔

قولہ تعالیٰ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ یعنی پاکدامن جو اپنے خاوندوں کے سوا کسی اور کے چہرے کی طرف نگاہ نہیں اٹھاتیں۔ ابن عباس، مجاہد، زید بن اسلم، قتادہ اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کا یہی قول ہے۔

قولہ تبارک وتعالیٰ عِيْنٌ یعنی خوبرو آنکھوں والیاں۔ ایک قول کے مطابق اس کا معنی ہے بڑی بڑی آنکھوں والیاں۔ اس کا تعلق بھی پہلے کے ساتھ ہے یعنی موٹی موٹی دیدہ زیب آنکھوں والیاں۔

ان کی آنکھوں کا وصف حسن اور عفت و پاکدامنی بیان فرمایا۔ جس طرح زلیخائے یوسف کا قول ہے۔ جب وہ حضرت یوسف کو ان عورتوں کے سامنے لے کر آئیں۔ جب انہوں نے آپ کو دیکھا تو آپ کی عظمت حسن کی قائل ہوگئیں اور آپ کے حسن و جمال کو دیکھ کر وارفتگی کے عالم میں یہ پکار اٹھیں کہ یہ تو کوئی فرشتہ ہے۔ اس وقت زلیخا نے کہا: قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ؕ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ (یوسف: 32) ''یہ ہے وہ (پیکر رعنائی) جس کے بارے تم مجھے ملامت کیا کرتی تھیں۔ بخدا میں نے اسے بہت بہلایا پھسلایا۔ لیکن وہ بچا ہی رہا''۔ یعنی اتنے حسن و جمال کے باوجود وہ بڑا پارسا اور متقی ہے اور حوریں بھی اسی طرح ہوا کرتی ہیں۔ فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ (الرحمٰن: 70) ''اچھی سیرت والیاں اچھی صورت والیاں ہوں گی''۔ اسی لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ۔

قولہ جل جلالہ كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ان کے بدنوں کو خوبصورت ترین رنگوں سے متصف فرمایا۔ علی بن ابی طلحہ نے ابن عباس سے اس کا

1۔ یہ شاعر مطیع بن ایاس ہے اور شعر ابوعبیدہ کی مجاز القرآن میں ہے، جلد 2 صفحہ 169 تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 53

معنی اللؤلؤ المکنون (پوشیدہ موتی) نقل کیا ہے اور بطور دلیل ابو دہبل شاعر کا شعر نقل کیا ہے۔ وہ اپنے قصیدے میں کہتا ہے:

وَهِيَ زَهْرَاءُ مِثْلُ لُؤْلُؤَةِ الْغَوَّا　　صِ مِيزَتْ مِنْ جَوْهَرٍ مَكْنُونِ (1)

حسن رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ محفوظ موتی جسے کسی ہاتھ نے ابھی تک مس نہیں کیا۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ انڈا اپنے گھونسلے میں مکنون کہلاتا ہے۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ مکنون یعنی انڈے کا پیٹ۔ عطاء خراسانی کا قول ہے کہ یہ وہ باریک جھلی ہے جو انڈے کے چھلکے اور انڈے کے گودے کے درمیان ہوتی ہے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ انڈے کی سفیدی ہے جب اس کا چھلکا اتار دیا جائے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے مکنون کا یہی معنی اختیار کرتے ہوئے کہا ہے کہ اوپر والا چھلکا جسے پرندے کے پر اور گھونسلا مس کرتا رہتا ہے اور ہاتھ بھی لگتے ہیں جبکہ اندر والا حصہ اس طرح نہیں۔ واللہ اعلم۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتی ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ! بِحُوْرٍ عِيْنٍ کی وضاحت فرمائیے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا عین سے مراد بڑی بڑی آنکھوں والی، سیاہ پلکوں والی ہیں جیسے عقاب کے پر۔ میں نے عرض کی بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ سے کیا مراد ہے فرمایا انڈے کے اندر کی سفید جھلی (2)۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے لیث بن ربیع بن انس سے روایت کیا ہے آپ کا قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جب لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے تو میں سب سے پہلے اٹھوں گا۔ جب وہ بارگاہ الٰہی میں پیش ہوں گے تو میں ان کا خطیب ہوں گا۔ جب وہ غمگین ہوں گے تو میں انہیں خوشخبریاں سنانے والا بنوں گا۔ میں ان کا سفارشی ہوں گا جب وہ روک لئے جائیں گے۔ حمد کا جھنڈا اس دن میرے ہاتھ میں ہوگا۔ بنو آدم میں سے میں (اس دن) اللہ تعالیٰ کے ہاں اکرام و عزت والا ہوں گا۔ اور میں بطور فخر یہ نہیں کہہ رہا۔ ہزار خادم میرے آگے پیچھے گھوم رہے ہوں گے۔ گویا کہ وہ گرد و غبار سے محفوظ انڈوں کی طرح ہیں یا محفوظ موتی“۔

فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿٥٠﴾ قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ إِنِّي كَانَ لِي قَرِينٌ ﴿٥١﴾ يَقُولُ أَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِينَ ﴿٥٢﴾ أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا أَإِنَّا لَمَدِينُونَ ﴿٥٣﴾ قَالَ هَلْ أَنتُم مُّطَّلِعُونَ ﴿٥٤﴾ فَاطَّلَعَ فَرَآهُ فِي سَوَاءِ الْجَحِيمِ ﴿٥٥﴾ قَالَ تَاللَّهِ إِن كِدتَّ لَتُرْدِينِ ﴿٥٦﴾ وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّي لَكُنتُ مِنَ الْمُحْضَرِينَ ﴿٥٧﴾ أَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِينَ ﴿٥٨﴾ إِلَّا مَوْتَتَنَا الْأُولَىٰ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ ﴿٥٩﴾ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٦٠﴾ لِمِثْلِ هَٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُونَ ﴿٦١﴾

”پس وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوں گے (اور) سوال جواب کریں گے۔ کہے گا ان میں سے ایک کہ میرا ایک جگری دوست ہوا کرتا تھا۔ وہ (مجھے) کہا کرتا تھا کہ کیا تو (قیامت پر) ایمان لانے والوں سے ہے۔ کیا جب ہم مریں گے اور (مر کر) مٹی اور (بوسیدہ) ہڈیاں ہو جائیں گے کیا اس وقت ہمیں جزاء دی جائے گی۔ ارشاد ہوگا کیا تم اسے دیکھنا چاہتے ہو؟ پس جب اس نے جھانکا تو دیکھا اپنے یار کو جہنم کے وسط میں۔ جنتی بول اٹھے گا بخدا! تو تو مجھے ہلاک کرنا ہی چاہتا تھا۔ اور اگر میرے رب کا احسان نہ ہوتا تو میں بھی (آج) پکڑ کر لائے جانے والوں میں سے ہوتا۔ (جنتی کہیں گے) کیا اب تو ہمیں

1۔ ابو عبیدہ، مجاز القرآن، جلد 2 صفحہ 170، تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 57　　2۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 58

مرنا نہیں ہوگا بجز اپنی پہلی موت کے اور نہ ہمیں (اب) عذاب دیا جائے گا۔ بے شک یہی وہ عظیم الشان کامیابی ہے۔ ایسی ہی عظیم الشان کامیابی کے لئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہئے"۔

اللہ تبارک وتعالیٰ خبر دے رہے ہیں کہ جنتی لوگ ایک دوسرے کے حالات دریافت کریں گے اور یہ پوچھیں گے کہ وہ دنیا میں کیسے تھے اور کس قسم کی ابتلاء وآزمائش سے دوچار رہے۔ ان کی یہ گفتگو شراب کی محفلوں پر ہوگی۔ جب وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مختلف مجالس میں ہم کلام ہوں گے۔ وہ اس وقت پلنگوں پر بیٹھے ہوں گے۔ خدام ان کے سامنے ہر قسم کی کھانے پینے اور پہننے کی چیزیں لا رہے ہوں گے جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہوگا، نہ کسی کان نے سنا ہوگا اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کا خیال تک گذرا ہوگا۔

قولہ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّیْ كَانَ لِیْ قَرِیْنٌ مجاہد کا قول ہے یعنی شیطان۔

عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ اس سے مراد مشرک آدمی ہے دنیا میں اہل ایمان میں سے کوئی اس کا ساتھی ہوگا۔ مجاہد اور ابن عباس کے کلام میں کوئی تضاد نہیں۔ کیونکہ شیطان جنات میں سے ہوسکتا ہے جو دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے اور انسانوں میں سے بھی ہوسکتا ہے اور ایسی گفتگو کرتا ہے جسے کان سنتے ہیں اور وہ دونوں ایک دوسرے کے معاون ہوتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: "یُوْحِیْ بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا (الانعام: 112)" جو چپکے چپکے سکھاتے ہیں ایک دوسرے کو خوشنما باتیں (لوگوں کو) دھوکہ دینے کے لئے"۔ اور ہر ایک ان میں سے وسوسہ ڈالتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۬ۙ الْخَنَّاسِ ۝ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ (الناس: 5-4)" بار بار وسوسہ ڈالنے والے، بار بار پسپا ہونے والے کے شر سے، جو وسوسہ ڈالتا رہتا ہے لوگوں کے دلوں میں۔ خواہ وہ جنات میں سے ہو یا انسانوں سے"۔

قولہ تعالیٰ یَّقُوْلُ اَئِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِیْنَ یعنی کیا تو قیامت کے دن جی اٹھنے اور حساب وکتاب وغیرہ پر ایمان رکھتا ہے۔ یعنی وہ ازراہ تعجب، تکذیب، کفر وعناد اور بعید از قیاس سمجھتے ہوئے یہ بات کہتا ہے۔

قولہ تعالیٰ ءَاِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِیْنُوْنَ مجاہد اور سدی رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے یعنی ہمارا حساب ہوگا۔ ابن عباس اور محمد بن کعب قرظی کا قول ہے: "ہمیں ضرور اپنے اعمال پر جزا ملے گی"۔

قولہ تعالیٰ قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ، ای مشرفون۔ مؤمن اپنے ساتھیوں اور جنتی ہم نشینوں سے کہے گا۔

قولہ فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِیْ سَوَآءِ الْجَحِیْمِ ابن عباس رضی اللہ عنہما، سعید بن جبیر، خلید عصری، قتادہ، سدی، اور عطاء خراسانی رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے سواء کا معنی ہے وسط (درمیان)۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ دوزخ کے درمیان گویا وہ شہاب ہے جو بھڑک رہا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اس نے جھانکا تو کیا دیکھا کہ قوم کی کھوپڑیاں ابل رہی ہیں۔ ہمارے سامنے ذکر کیا گیا ہے کہ کعب احبار کا قول ہے کہ جنت میں ایک روشندان ہے۔ جب اہل جنت میں کوئی اپنے دشمن کو آگ میں دیکھنا چاہے گا تو وہاں سے جھانک لے گا اور مزید اللہ کا شکر ادا کرے گا۔

قولہ قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِیْنِ مؤمن کافر سے مخاطب ہوکر کہے گا: اللہ کی قسم! اگر میں تیری بات مان لیتا تو قریب تھا کہ تو مجھے بھی ہلاک کر دے۔

قولہ وَ لَوْ لَا نِعْمَةُ رَبِّیْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِیْنَ یعنی اگر مجھ پر اللہ کا فضل نہ ہوتا تو میں بھی تیری طرح جہنم میں اسی جگہ ہوتا۔ عذاب کی

سختیاں جھیل رہا ہوتا لیکن اس نے مجھ پر اپنا فضل فرمایا اور رحم فرماتے ہوئے مجھے ایمان کی دولت سے نوازا اور اپنی توحید کی طرف راہنمائی فرمائی۔ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ (الاعراف:43) "اور ہم ہدایت یافتہ نہیں ہو سکتے تھے اگر نہ ہدایت دیتا ہمیں اللہ تعالیٰ"۔

قولہ تعالیٰ اَفَمَا نَحْنُ بِمَیِّتِیْنَ ﴿۵۸﴾ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ مومن کی یہ گفتگو اپنے نفس پر رشک کرتے ہوئے ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے اسے دائمی جنت عطا فرمائی اور دار کرامت میں اقامت بخشی جس میں نہ موت ہے اور نہ عذاب۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے اللہ تعالیٰ اہل جنت کو فرمائیں گے۔ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِیْٓـًٔۢا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (مرسلات:43) "انہیں کہا جائے گا) مزے سے کھاؤ اور پیو ان اعمال کے صلہ میں جو تم کیا کرتے تھے"۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ هنيئًا سے مراد یہ ہے کہ انہیں موت نہیں آئے گی۔ اس وقت وہ پوچھیں گے اَفَمَا نَحْنُ بِمَیِّتِیْنَ...... جواب دیا جائے گا نہیں تو اس وقت وہ کہیں گے اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ۔

فرمایا: لِمِثْلِ هٰذَا فَلْیَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ اہل جنت کا کلام ہوگا۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہوگا۔ اس کا معنی ہے اس طرح کی نعمتوں اور کامیابی کے لئے دنیا میں عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہئے تاکہ آخرت میں انجام کار ان نعمتوں کو حاصل کر سکیں (1)۔ اسی آیت کے بیان میں بنی اسرائیل کے دو آدمیوں کا قصہ ذکر کیا جاتا ہے جو باہم شریک تھے۔

ابو جعفر جریر لکھتے ہیں۔ دو آدمی باہم حصہ دار تھے۔ ان کے پاس آٹھ ہزار اشرفیاں جمع ہو گئیں۔ ایک ان میں سے ہنر مند تھا جبکہ دوسرا کسی فن سے ناواقف تھا۔ ہنر مند نے دوسرے سے کہا تیرے پاس کوئی ہنر نہیں اس لئے میں تم سے الگ ہونا چاہتا ہوں۔ چنانچہ دونوں نے اپنے اپنے حصے الگ الگ کر لئے۔ پھر اس آدمی نے ہزار دینار میں ایک بادشاہ کا محل خریدا جو فوت ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے ساتھی کو بلا کر یہ محل دکھایا اور کہا دیکھو ہزار دینار کے بدلے میں نے کیسا گھر خریدا ہے۔ وہ کہنے لگا یہ کتنا خوبصورت ہے۔ جب وہ باہر نکلا تو کہنے لگا۔ اے اللہ! میرے اس ساتھی نے ہزار دینار کے بدلے میں دنیا کا محل خریدا ہے۔ میں تجھ سے جنت کے محل کا سوال کرتا ہوں۔ پھر اس نے ہزار دینار صرف کر دیئے۔ کچھ عرصے کے بعد اس دنیا دار نے ایک عورت سے ہزار دینار کے بدلے میں شادی کی اور دعوت میں اپنے پرانے ساتھی کو بھی بلایا۔ جب وہ آیا تو اسے بتایا کہ میں نے ہزار دینار کے بدلے اس عورت سے نکاح کیا ہے۔ وہ کہنے لگا بڑی اچھی بات ہے۔ جب وہ واپس پلٹا تو کہنے لگا اے رب! میرے اس ساتھی نے ہزار دینار کے بدلے اس عورت سے نکاح کیا ہے میں تجھ سے حور عین کا سوال کرتا ہوں۔ چنانچہ ہزار دینار صدقہ کر دیئے۔ پھر کچھ عرصے کے بعد اس دنیا دار نے دو ہزار دینار کے بدلے میں دو باغ خریدے اور اپنے پرانے شریک کار کو بلا کر دکھائے۔ اور بتایا کہ میں نے یہ دو باغ دو ہزار دینار کے بدلے خریدے ہیں۔ اس نے بڑی تعریف کی لیکن جب باہر نکلا تو اللہ کی بارگاہ میں عرض کی اے رب! میرے اس ساتھی نے دو ہزار دینار میں دو باغ خریدے ہیں۔ میں تجھ سے جنت میں دو باغوں کا سوال کرتا ہوں۔ چنانچہ دو ہزار دینار راہ خدا میں صدقہ کر دیئے۔ پھر ان کے پاس فرشتہ آیا اور ان دونوں کی وفات ہو گئی۔ وہ اس صدقہ کرنے والے کو لے گیا اور اسے ایک ایسے گھر میں داخل کیا جو اسے بہت اچھا لگا۔ جب وہ اس میں داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہے کہ اس میں ایک از حد خوبصورت عورت ہے جس کے حسن سے ہر چیز روشن ہے۔ پھر اسے دو باغوں میں لے گیا اور دیگر انواع و اقسام کی نعمتوں میں جن کا علم صرف اللہ کو ہے۔ اس وقت وہ کہنے لگا یہ چیزیں تو فلاں آدمی کی چیزوں کی طرح ہیں۔ فرشتے نے کہا یہ گھر، دونوں باغ اور

1۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 58

عورت تیری ہے۔ وہ کہنے لگا میرا ایک ساتھی تھا جو مجھے کہا کرتا تھا اَئِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ اسے بتایا گیا کہ وہ دوزخ میں ہے۔ اس وقت اس نے کہا قریب تھا کہ تو مجھے بھی ہلاک کر دے۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ کی تشدید کے ساتھ قرأت کی تائید بھی اسی سے ہوتی ہے۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے بیان کیا ہے۔ ہمیں ابوحفص نے خبر دی ہے۔ میں نے اسماعیل سدی سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: تجھے کس چیز نے اس کی یاد دلا دی ہے؟ میں نے عرض کی میں نے ابھی اس کی تلاوت کی ہے۔ تو میں نے مناسب سمجھا کہ آپ سے اس کے بارے میں دریافت کیا جائے۔ تو انہوں نے فرمایا پھر یاد کر لو۔

بنو اسرائیل میں دو حصہ دار تھے۔ ایک مومن تھا اور دوسرا کافر۔ چھ ہزار دینار پر وہ ایک دوسرے سے الگ ہو گئے۔ ہر ایک کے حصے میں تین ہزار دینار آئے۔ پھر کچھ عرصے کے بعد ان کی دوبارہ ملاقات ہوئی۔ کافر نے مومن سے پوچھا تم نے اپنے مال کا کیا کیا؟ کیا اسے کسی تجارت وغیرہ میں لگایا ہے؟ مومن نے کہا نہیں۔ پھر اس نے پوچھا تم نے اپنے مال کا کیا کیا؟ وہ کہنے لگا میں نے زمین، کھجوریں، پھل اور نہریں ایک ہزار دینار میں خریدیں۔ مسلمان نے پوچھا واقعی اس نے کہا ہاں۔ مسلمان واپس چلا گیا۔ جب رات ہوئی تو اس نے نوافل پڑھنا شروع کئے۔ نماز سے فارغ ہو کر ہزار دینار اپنے سامنے رکھے اور کہنے لگا اے اللہ فلاں (یعنی اس کے کافر ساتھی) نے ہزار دینار کے بدلے زمین، درخت، پھل اور نہریں خریدیں ہیں۔ وہ کل انہیں چھوڑ مرے گا۔ میں ہزار دینار کے بدلے تجھ سے جنت میں زمین، درخت، پھل اور نہریں خریدتا ہوں۔ فرمایا: جب صبح ہوئی تو اس نے یہ سب رقم مساکین میں تقسیم کر دی۔

کچھ عرصے کے بعد دوبارہ ان کی ملاقات ہوئی تو کافر نے مسلمان سے پوچھا تم نے اپنے مال کا کیا کیا؟ کیا اسے کسی کاروبار وغیرہ میں لگایا ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں۔ اور پوچھا تم نے کیا کیا؟ وہ کہنے لگا میری جاگیر کی ذمہ داریاں زیادہ ہو گئیں تو میں نے ہزار دینار کے غلام خریدے جو اس کی خبر گیری کرتے ہیں۔ اور میری خدمت کرتے ہیں۔ وہ مسلمان واپس آیا حسب سابق رات کو کچھ نوافل ادا کئے۔ ہزار دینار اپنے سامنے رکھ کر کہنے لگا اے اللہ! فلاں یعنی اس کے کافر ساتھی نے ہزار دینار کے بدلے میں دنیا کے غلام خریدے ہیں۔ جنہیں چھوڑ کر وہ کل مر جائے گا یا وہ اسے چھوڑ کر مر جائیں گے۔ اے اللہ میں ہزار دینار کے بدلے تم سے جنت میں غلام خریدتا ہوں۔ صبح اٹھ کر وہ سارے دینار اللہ کی راہ میں صرف کر دیئے۔

کچھ عرصے کے بعد دوبارہ ان کی ملاقات ہوئی۔ کافر نے مسلمان سے وہی سابقہ سوال دہرایا۔ مومن نے نفی میں جواب دیا اور پوچھا تم نے کیا کیا؟ وہ کہنے لگا میری تمام آرزوئیں پوری ہو گئی تھیں۔ ماسوائے ایک کے۔ فلاں عورت کا خاوند فوت ہو گیا تھا۔ میں نے اسے ہزار دینار بطور مہر دے کر شادی کر لی۔ وہ اتنی ہی رقم اور لے کر میرے پاس آ گئی۔

مومن جب گھر واپس پلٹا تو حسب سابق نماز ادا کرنے کے بعد دعا کی اے اللہ! فلاں کافر نے ہزار دینار کے بدلے ایک عورت سے نکاح کیا ہے وہ اسے کل چھوڑ مرے گا یا وہ اس سے پہلے مر جائے گی۔ اے اللہ میں اس ہزار دینار کے بدلے تجھ سے جنت کی حور کا سوال کرتا ہوں۔ پھر صبح اٹھ کر وہ ساری رقم اپنے معمول کے مطابق مساکین میں تقسیم کر دی۔ اب اس کے پاس کچھ بھی نہ تھا۔ وہ بالکل قلاش ہو چکا تھا۔ اس نے سوتی قمیص پہن لی اور محنت مزدوری کرنے لگا۔

ایک آدمی اس کے پاس آیا اور کہنے لگا کیا تم میرے ہاں ماہانہ تنخواہ پر کام کرنے کو تیار ہو۔ تم میرے جانوروں کو چارہ ڈالا کرو اور ان کا

گوبر صاف کیا کرو۔ اس نے حامی بھر لی۔ اور جانوروں کی خدمت کرنے لگا۔ جانوروں کا مالک ہر روز جانوروں کو دیکھنے کے لئے آتا۔ جب وہ کسی جانور کو کمزور دیکھتا تو اس کا سر پکڑ کر گردن میں کچوکے دیتا اور کہتا تم نے کل اس کے جو چرا لئے تھے۔ مومن نے جب یہ سختی دیکھی تو اپنے دل میں سوچا کہ میں اپنے کافر ساتھی کے پاس جاتا ہوں اس کی زمین میں کام کروں گا۔ وہ مجھے ہر روز روٹی کا ٹکڑا دے دے گا۔ اور یہ دونوں کپڑے بوسیدہ ہو گئے تو مجھے نئے کپڑے دے دے گا۔ چنانچہ وہ اس کی طرف چل دیا۔ جب وہاں پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک پختہ محل ہے جس کے چاروں طرف دربان پھر رہے ہیں۔ اس نے انہیں کہا مجھے اس محل کے مالک کے پاس جانے دو۔ اگر اسے میرا پتہ چلا تو وہ خوش ہوگا۔ وہ کہنے لگے اگر تم سچے ہو تو اس کونے میں سو جاؤ۔ صبح ہوئی تو اس کے سامنے آ جانا۔ وہ مومن ایک طرف چلا گیا نصف چادر نیچے بچھالی اور نصف اوپر اوڑھ لی۔ اور سو گیا۔ صبح جب اس کا ساتھی باہر نکلا تو وہ اس کے سامنے آ گیا۔ وہ سواری پر سوار تھا۔ اس نے اسے پہچان لیا۔ رک کر اسے سلام و مصافحہ کیا۔ اور پوچھا کیا تمہارے پاس میرے جتنا مال نہیں تھا۔ اس نے کہا ہاں۔ اس نے کہا تو پھر میری یہ حالت ہے اور تمہاری یہ حالت۔ اس نے کہا ہاں۔ اس کافر نے کہا اچھا بتاؤ تمہارا مال کہاں گیا؟ اس نے کہا اس کے بارے میں مت پوچھو۔ اس نے کہا اچھا پھر کیسے آنا ہوا؟ وہ کہنے لگا میں اس لئے آیا ہوں تاکہ تمہاری زمین میں کام کروں تم مجھے دو وقت کی روٹی اور کپڑا دے دیا کرو۔ اس نے کہا نہیں میں تمہارے ساتھ اس سے بہتر سلوک کروں گا۔ لیکن شرط یہ ہے کہ پہلے تم مجھے اپنے مال کے بارے میں بتاؤ وہ کدھر گیا۔ اس نے کہا میں نے قرض دے رکھا ہے۔ اس نے پوچھا کسے؟ وہ کہنے لگا۔ جو مالدار اور پورا دینے والا ہے۔ اس نے کہا وہ کون؟ وہ کہنے لگا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ۔ اس کافر شخص کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے اپنا ہاتھ چھڑا لیا اور کہا: اَىِٕنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِیْنَ ﴿۵۲﴾ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِیْنُوْنَ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ کیا ہمارا محاسبہ ہوگا؟

کافر نے یہ کہا اور چل دیا۔ مومن یہ سب کچھ دیکھ کر واپس آ گیا۔ اس نے کچھ عرصہ تکلیف میں بسر کیا اور کافر نے عیش و عشرت میں۔ فرمایا: جب قیامت کا دن آئے گا۔ تو اللہ تعالیٰ مومن کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ چلتے چلتے اس کا گزر ایک زمین سے ہوگا جس میں کھجور، پھل اور نہریں ہوں گی۔ وہ پوچھے گا۔ یہ کس کی ہیں؟ کہا جائے گا یہ سب کچھ تمہارے لئے ہے۔ وہ تعجب سے کہے گا کیا یہ میرے عمل کا ثواب ہے۔ فرمایا پھر آگے چلتے ہوئے اس کا گزر بے شمار غلاموں کے پاس سے ہوگا۔ وہ پوچھے گا یہ کس کے ہیں؟ بتایا جائے گا یہ سب تمہارے لئے ہیں۔ وہ کہے گا کیا یہ میرے اعمال کا ثواب ہے۔ وہ آگے جائے گا تو اس کا گزر سرخ یاقوت سے بنے گنبد کے پاس سے ہوگا اس میں حور ہوگی۔ وہ کہے گا یہ کس کے لئے ہے؟ بتایا جائے گا کہ تمہارے لئے وہ تعجب کا اظہار کرے گا۔ پھر مومن کو اپنے کافر ساتھی کی یاد آئے گی تو وہ کہے گا اِنِّیْ كَانَ لِیْ قَرِیْنٌ...... فرمایا جنت بلند ہے اور دوزخ گڑھا ہے۔ فرمایا: اللہ اسے اس کا ساتھی دوزخ کے عین وسط میں دکھا دے گا۔ مومن اسے دیکھ کر پہچان لے گا اور کہے گا تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِیْنِ...... چنانچہ مومن دنیا کے مصائب اور آزمائشوں کو یاد کرے گا تو موت سے زیادہ بھاری بلا اسے کوئی نظر نہیں آئے گی (1)۔

اَذٰلِكَ خَیْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ﴿۶۲﴾ اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۳﴾ اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِیْۤ اَصْلِ الْجَحِیْمِ ﴿۶۴﴾ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّیٰطِیْنِ ﴿۶۵﴾ فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿۶۶﴾ ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَیْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِیْمٍ ﴿۶۷﴾ ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِ۟لَى الْجَحِیْمِ ﴿۶۸﴾

1۔ درمنثور، جلد 5 صفحہ 275

اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّيْنَ ﴿٦٩﴾ فَهُمْ عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ ﴿٧٠﴾

''بھلا یہ دعوت بہتر ہے یا زقوم کا درخت۔ ہم نے بنا دیا ہے اسے آزمائش ظالموں کے لئے۔ یہ ایک درخت ہے جو اگتا ہے جہنم کی تہ میں۔ اس کے شگوفے گویا شیطانوں کے سر ہیں۔ پس انہیں ضرور کھانا ہوگا اس سے اور بھریں گے اس سے اپنے پیٹ۔ پھر انہیں زقوم کھانے کے بعد کھولتا ہوا پانی ملا کر دیا جائے گا۔ پھر انہیں لوٹا دیا جائے گا جحیم کی طرف۔ انہوں نے پایا تھا اپنے باپ دادا کو گمراہ۔ پس وہ (بے سوچے سمجھے) ان کے پیچھے بھاگے جا رہے ہیں''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرما رہے ہیں کہ جنت کی جن نعمتوں کا یہاں تذکرہ ہو رہا ہے کیا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہترین ضیافت اور عطا ہے یا زقوم کا درخت جو جہنم میں ہے؟

زقوم سے مراد کوئی خاص درخت بھی ہو سکتا ہے۔ جس طرح کہ بعض علماء کا قول ہے کہ یہ ایک درخت ہے جو سارے جہنم میں پھیلا ہوا ہے، جیسے طوبیٰ کا درخت، جنت کے ہر گھر میں اس کی کوئی نہ کوئی شاخ ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے مراد درختوں کی جنس ہو جسے زقوم کا نام دیا گیا ہو، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ (المومنون:20) ''نیز پیدا کیا ایک درخت جو اگتا ہے طور سینا میں وہ اگتا ہے تیل لئے ہوئے اور سالن لئے ہوئے کھانے والوں کے لئے''۔ یعنی زیتون کا درخت۔ اس کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے۔ ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ﴿٥١﴾ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ (الواقعہ:52-51) ''پھر تمہیں اے گمراہ ہونے والو! اے جھٹلانے والو! حکماً کھانا پڑے گا زقوم کے درخت سے''۔

فرمایا: اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ زقوم کے درخت کا ذکر فرمایا اور اسے گمراہوں کے لئے باعث آزمائش بنایا۔ وہ کہنے لگے اے مسلمانو! تمہارا نبی یہ کہتا ہے کہ جہنم میں ایک درخت ہے حالانکہ آگ تو درخت کو جلا دیتی ہے۔ تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی: اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ یعنی اسے آگ سے پیدا کیا گیا ہے۔ اور آگ کی ہی اسے غذا ملتی ہے۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ابوجہل ملعون کہنے لگا زقوم سے مراد کھجور اور مکھن ہے میں تو اسے مزے لے کر کھاؤں گا۔

میں کہتا ہوں: آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اے نبی! ہم نے آپ کو زقوم درخت کے بارے میں بتایا ہے اور اسے باعث آزمائش قرار دیا ہے کہ کون اس کی تصدیق کرتا ہے اور کون اس کی تکذیب کرتا ہے۔ جیسے اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ۭ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا (الاسراء:60) ''اور نہیں بنایا ہم نے اس نظارہ کو جو ہم نے دکھایا تھا آپ کو مگر آزمائش لوگوں کے لئے نیز (آزمائش بنایا) اس درخت کو جس پر لعنت بھیجی گئی ہے قرآن میں۔ اور ہم انہیں (نافرمانی کے انجام سے) ڈراتے رہتے ہیں پس نہ بڑھایا اس ڈرانے نے انہیں مگر یہ کہ وہ زیادہ سرکشی کرنے لگے''۔ اس کی جڑ جہنم کے پیندے میں ہے۔

مزید فرمایا: طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ اس کی بدمزگی اور ناپسندیدہ ہونے کا بیان کیا جا رہا ہے۔ وہب بن منبہ کا قول ہے شیطانوں کے اجسام آسمان تک ہیں۔ شیطان کے سروں سے تشبیہ دی جا رہی ہے۔ اگرچہ یہ تشبیہ ان کے ہاں معروف نہ تھی لیکن یہ بات ذہنوں میں راسخ تھی کہ شیاطین قبیح المنظر ہوا کرتے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد سانپوں کی ایک شکل ہے جن کے سر کریہہ المنظر ہوتے ہیں۔ ایک قول ہے کہ یہ ایک نبات ہے جس کے خوشے از حد، بدترین ہوتے ہیں۔ یہ دونوں احتمالات محل نظر ہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ان

دونوں کو ذکر کیا ہے، اور پہلا زیادہ قوی ہے واللہ اعلم۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ وہ اس درخت سے کھائیں گے جس سے زیادہ بدصورت اور قبیح المنظر کوئی چیز نہیں۔ اس کے علاوہ ذائقہ، بو اور طبع کے اعتبار سے بھی وہ برا ہے۔ وہ اس سے کھانے پر مجبور ہوں گے۔ کیونکہ اس کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں پائیں گے مگر وہ بھی اس جیسی خصوصیات کی حامل ہوگی۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ۙ لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ (الغاشیہ: 7-6) ''انہیں کوئی کھانا نہ ملے گا بجز خاردار جھاڑ کے جو نہ فربہ کرے گا اور نہ بھوک دور کرے گا''۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے بروایت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی اور فرمایا: اللہ سے اس طرح ڈرو جیسے ڈرنے کا حق ہے اگر زقوم کا ایک قطرہ دنیا کے سمندروں میں ڈال دیا جائے تو سب اہل زمین کی زندگی دوبھر ہو جائے۔ تو اس شخص کا کیا حال ہوگا جس کی خوراک ہی یہ ہو؟

ترمذی، نسائی، ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے شعبہ سے روایت کیا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے(1)۔

قولہ تعالیٰ ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ ابن عباس کا قول ہے کہ زقوم کھانے کے ساتھ ہی انہیں جہنم کا کھولتا ہوا پانی پیش کیا جائے گا۔ آپ سے ہی ایک دوسری روایت میں ہے کہ اسے گرم پانی کے ساتھ ملا کر دیا جائے گا(2)۔

بعض دیگر مفسرین کا قول ہے کہ گرم پانی کے ساتھ انہیں پیپ، کچلہو وغیرہ پلایا جائے گا جو ان کی شرمگاہوں اور آنکھوں سے بہہ رہا ہو گا۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرمایا کرتے تھے: اہل نار کو پانی پیش کیا جائے گا تو وہ اس سے بڑی کراہت محسوس کریں گے۔ جب اسے ان کے چہروں کے قریب کیا جائے گا تو ان کا منہ جھلس جائے گا اور سر کی کھال اس میں گر پڑے گی اور جب وہ اسے پئیں گے تو ان کی آنتیں کٹ کر دبر کے راستے باہر نکل آئیں گی۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسری سند سے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے جب اہل نار بھوک محسوس کریں گے تو زقوم طلب کریں گے۔ اس کے کھانے سے ان کے چہروں کی جلدیں گر پڑیں گی۔ اگر کوئی گزرنے والا ان سے گزرے تو ان کے چہروں کو دیکھ کر انہیں پہچان لے گا۔ پھر انہیں پیاس محسوس ہوگی تو وہ بے چین ہو کر پانی طلب کریں گے تو انہیں پگھلے ہوئے تانبے جیسا پانی دیا جائے گا۔ جو ازحد گرم ہوگا۔ جب وہ اسے منہ کے قریب کریں گے تو ان کے چہرے کا گوشت بھن جائے گا جس کی کھال پہلے ہی گر چکی تھی۔ جو کچھ ان کے پیٹ میں ہوگا پگھل جائے گا۔ وہ چلیں گے تو ان کی آنتیں بہہ رہی ہوں گی اور چمڑے گر رہے ہوں گے۔ پھر انہیں لوہے کے ہنٹر مارے جائیں گے تو ہر عضو جھڑ جائے گا اور وہ ہلاکت کو پکار رہے ہوں گے۔

فرمایا: ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ پھر ان کا ٹھکانہ دوبارہ بھڑکتی آگ ہوگی، جہنم کا بھڑکتا تنور ہوگا، شعلے مارتی آگ ہوگی۔ چنانچہ کبھی اس طرف اور کبھی اس طرف ان کو عذاب دیا جائے گا۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ (الرحمٰن: 44) ''وہ گردش کرتے رہیں گے جہنم اور کھولتے ہوئے پانی کے درمیان جو ازحد گرم ہوگا''۔

1۔ تحفۃ الاحوذی، جلد 7 صفحہ 37، ابن ماجہ، جلد 2 صفحہ 37 کتاب الزہد تحفۃ الاشراف، جلد 5 صفحہ 219-218، عارضۃ الاحوذی، ابواب صفۃ جہنم، جلد 10 صفحہ 54

2۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 65

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے اس مقام پر اسی آیت کی تلاوت فرمائی اور یہ تفسیر مستحسن اور قوی ہے(1)۔

سدی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی قرأت میں ثم ان مقیلھم لالی الجحیم نقل کیا ہے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔ اس ذات کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے قیامت کا آدھا دن بھی مکمل نہیں ہوگا۔ اہل جنت، جنت میں اور دوزخی دوزخ میں پہنچ جائیں گے۔ پھر یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: اَصۡحٰبُ الۡجَنَّةِ یَوۡمَئِذٍ خَیۡرٌ مُّسۡتَقَرًّا وَّ اَحۡسَنُ مَقِیۡلًا (الفرقان: 24) ''اہل جنت کا اس دن بہت اچھا ٹھکانہ ہوگا اور دوپہر گزارنے کی جگہ بڑی آرام دہ ہوگی''۔

ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ دونوں فریق اپنی اپنی جگہ پر جا کر قیلولہ کریں گے(2)۔ سفیان کا قول ہے کہ میرا خیال ہے کہ اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اصحاب الجنة......۔

ثُمَّ اِنَّ مَرۡجِعَهُمۡ لَاۡاِلَی الۡجَحِیۡمِ میں کہتا ہوں کہ کہ اس تفسیر کے مطابق ثم خبر پر خبر کے لئے عاطفہ ہوگا۔

پھر فرمایا: اِنَّهُمۡ اَلۡفَوۡا اٰبَآءَهُمۡ ضَآلِّیۡنَ یعنی ہم نے انہیں یہ جزا اس لئے دی کہ انہوں نے اپنے آباء کو گمراہ پایا تو بلا دلیل ان کی اتباع کرتے رہے۔ اسی لئے فرمایا فَهُمۡ عَلٰۤی اٰثٰرِهِمۡ یُهۡرَعُوۡنَ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ دوڑنے کے مشابہ ہے۔ سعید بن جبیر کا قول ہے کہ بے وقوفی کرتے رہے۔

وَلَقَدۡ ضَلَّ قَبۡلَهُمۡ اَكۡثَرُ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۷۱﴾ وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا فِیۡهِمۡ مُّنۡذِرِیۡنَ ﴿۷۲﴾ فَانۡظُرۡ كَیۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُنۡذَرِیۡنَ ﴿۷۳﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الۡمُخۡلَصِیۡنَ ﴿۷۴﴾

''اور بہک گئے تھے ان سے قبل بہت سے پہلے لوگ۔ اور ہم نے بھیجے تھے ان میں ڈرانے والے۔ پس (اے مخاطب!) دیکھ کیسا انجام ہوا جنہیں ڈرایا گیا تھا (مگر وہ نہ سنبھلے تھے) سوائے ان کے جو اللہ کے مخلص بندے تھے''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ سابقہ امتوں کے بارے میں خبر دے رہے ہیں کہ ان میں سے اکثر گمراہ تھے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے تھے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ ہم نے ان میں ڈرانے والے رسول مبعوث فرمائے جو انہیں اللہ کی قوت وسطوت سے آگاہ فرماتے رہے اور اس کا انکار کرنے اور دوسروں کی عبادت کرنے والوں سے انتقام لینے سے خبردار کرتے رہے، لیکن وہ اس کے رسولوں کی مخالفت اور تکذیب پر اڑے رہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جھٹلانے والوں کو ہلاک اور برباد کر دیا۔ مومنین کو نجات بخشی اور ان کی مدد ونصرت فرمائی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: فَانۡظُرۡ كَیۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُنۡذَرِیۡنَ......۔

وَلَقَدۡ نَادٰىنَا نُوۡحٌ فَلَنِعۡمَ الۡمُجِیۡبُوۡنَ ﴿۷۵﴾ وَنَجَّیۡنٰهُ وَاَهۡلَهٗ مِنَ الۡكَرۡبِ الۡعَظِیۡمِ ﴿۷۶﴾ وَجَعَلۡنَا ذُرِّیَّتَهٗ هُمُ الۡبٰقِیۡنَ ﴿۷۷﴾ وَتَرَكۡنَا عَلَیۡهِ فِی الۡاٰخِرِیۡنَ ﴿۷۸﴾ سَلٰمٌ عَلٰی نُوۡحٍ فِی الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۷۹﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجۡزِی الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۸۰﴾ اِنَّهٗ مِنۡ عِبَادِنَا الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۸۱﴾ ثُمَّ اَغۡرَقۡنَا الۡاٰخَرِیۡنَ ﴿۸۲﴾

''اور (فریاد کرتے ہوئے) پکارا ہمیں نوح نے پس ہم بہترین فریاد رس ہیں۔ اور ہم نے نجات دے دی انہیں اور ان کے گھرانے کو ایسی مصیبت سے جو بڑی زبردست تھی۔ اور ہم نے بنا دیا فقط ان کی نسل کو باقی رہنے والا۔ اور ہم نے چھوڑا ان

1۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 65

2۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 97-96

کے ذکر خیر کو پیچھے آنے والوں میں۔نوح پر سلام ہو تمام جہانوں میں۔ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں محسنین کو۔بے شک وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھے پھر ہم نے غرق کر دیا دوسرے لوگوں کو"۔

پہلے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ گزشتہ امتوں میں سے اکثر لوگ راہ نجات سے بھٹک گئے تھے،اب اسے تفصیل سے بیان کرنا شروع کیا چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر فرمایا کہ انہیں اپنی قوم کے برے سلوک کا سامنا کرنا پڑا اور طویل مدت تک ان پر صرف چند لوگ ایمان لائے حالانکہ آپ انہیں ساڑھے نو سو سال تبلیغ فرماتے رہے۔ایک طویل عرصہ گزر گیا اور ان کا جھٹلانا آپ پر شدید ہو گیا۔ جب بھی آپ نے انہیں دعوت حق دی ان کی نفرت میں اضافہ ہی ہوا۔تو آپ نے اپنے رب سے یہ دعا کی :رب انی مغلوب فانتصر اے رب میں مغلوب ہو چکا ہوں تو میری مدد فرما۔آپ کے غضب کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا غضب جوش میں آ گیا۔اسی لئے فرمایا:وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ۞ وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ سے مراد ان کی تکذیب اور ایذاء پہنچانا ہے۔

فرمایا:وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے ذریت حضرت نوح علیہ السلام کے سوا کوئی باقی نہ رہا۔سعید بن ابی عروبہ نے قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ سب لوگ حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ترمذی،ابن جریر اور ابن ابی حاتم رحمہم اللہ تعالیٰ نے اپنی سند سے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں ذریت سے مراد سام، حام اور یافث لیا ہے(1)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:"سام عربوں کا باپ ہے،حام حبشیوں اور یافث رومیوں کا"(2)۔

ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسری سند سے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے یہی نقل کیا ہے(3)۔

حافظ ابوعمر بن عبدالبر نے اپنی سند سے بروایت حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ یہی حدیث شریف نقل فرمائی ہے۔

رومیوں سے مراد یہاں پہلے روی یعنی یونانی ہیں جو کہ رومی بن لیطی بن یونان بن یافث بن نوح علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں۔ پھر اسماعیل بن عیاش کی روایت سے حضرت سعید بن میسّب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے تین فرزند ہوئے۔سام، یافث اور حام۔پھر ان میں سے ہر ایک کے تین بیٹے تھے۔سام کی اولاد عرب، فارسی اور رومی ہیں۔یافث کی اولاد ترک، صقالبہ اور یاجوج ماجوج ہیں۔حام کی اولاد قبطی،سوڈانی اور بربر ہیں۔وہب بن منبہ سے بھی یہی مروی ہے، واللہ اعلم(4)۔

فرمایا:وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ابن عباس کا قول ہے کہ ان کا ذکر خیر ہو رہا ہے۔مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ سب انبیاء کے لئے لسان صدق (اچھی شہرت) ہے۔قتادہ اور سدی رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دوسروں میں آپ کی اچھی ثناء باقی رکھی۔ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ سلام اور عمدہ تعریف۔

فرمایا:سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ یہ گویا اگلے جملے کی تفسیر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذکر جمیل اور تعریف حسین کو باقی رکھا۔باقی گروہ اور امتیں آپ پر سلام بھیجتے ہیں۔

1۔تحفۃ الاحوذی، جلد 9 صفحہ 97، عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ صافات، جلد 12 صفحہ 108، تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 67 2۔مسند احمد، جلد 5 صفحہ 9

3۔تحفۃ الاحوذی، جلد 9 صفحہ 98، عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ صافات، جلد 12 صفحہ 109 4۔ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، جلد 1، صفحہ 108

اگلی آیت میں فرمایا: اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ یعنی اس طرح بندوں میں سے اگر کوئی اچھی طرح اللہ کی اطاعت کرتا ہے تو ہم اسے یہی جزا دیتے ہیں یعنی اسے شہرت عطا کر دیتے ہیں کہ اس کے بعد اس کے حسب مرتبہ اس کا تذکرہ ہوتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ وہ ہمارے سچے، موحد بندوں سے تھے جو دولت ایقان سے مالا مال تھے۔

پھر مخالفین کی ہلاکت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ یعنی ہم نے انہیں ہلاک کر دیا۔ اس طرح کہ ان کا نام ونشان تک باقی نہ رہا اور اب اسی قبیح طریقے پر انہیں یاد کیا جاتا ہے۔

وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ﴿۸۳﴾ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۴﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۸۵﴾ اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ﴿۸۶﴾ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۷﴾

''اور ان کی جماعت میں سے ابراہیم (علیہ السلام) بھی تھے۔ جب وہ حاضر ہوئے اپنے رب کے دربار میں قلب سلیم کے ساتھ۔ جب انہوں نے کہا اپنے باپ اور اپنی قوم کو کہ تم کس کی پوجا کرتے ہو۔ کیا جھوٹے گھڑے ہوئے خدا، اللہ تعالیٰ کے علاوہ چاہتے ہو۔ پس تمہارا کیا خیال ہے سارے جہانوں کے پروردگار کے بارے میں''۔

علی بن ابی طلحہ نے شیعة کا معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ''اہل دین'' روایت کیا ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا معنی قابل اتباع رستہ اور سنت کیا ہے۔

قولہ تعالیٰ اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ قلب سلیم سے مراد وہ دل ہے جو اللہ تعالیٰ کے وحدہٗ لاشریک ہونے کی گواہی دے۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت عوف رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے محمد بن سیرین سے پوچھا قلب سلیم کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا جو یہ جانتا ہو کہ اللہ تعالیٰ حق ہے، قیامت کے آنے میں کوئی شبہ نہیں، اللہ تعالیٰ قبروں والوں کو دوبارہ اٹھائے گا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جو شرک سے پاک ہو۔ عروہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ لعن طعن کرنے والا نہ ہو۔

قولہ تعالیٰ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ بتوں اور جھوٹے معبودوں کی عبادت پر اظہار ناپسندیدگی فرمایا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ﴿۸۶﴾ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ تمہارا کیا خیال ہے کہ جب تم اسے ملو گے تو وہ تمہارے ساتھ کیا سلوک فرمائے گا جبکہ اس کے ساتھ دوسروں کی عبادت بھی کرتے رہے ہو۔

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ ﴿۸۸﴾ فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ ﴿۸۹﴾ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ ﴿۹۰﴾ فَرَاغَ اِلٰٓى اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۹۱﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِيْنِ ﴿۹۳﴾ فَاَقْبَلُوْٓا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ﴿۹۴﴾ قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ﴿۹۵﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ ﴿۹۷﴾ فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۹۸﴾

''سو آپ نے ایک بار دیکھا ستاروں کی طرف۔ پھر کہا میری طبیعت ناساز ہے۔ چنانچہ وہ لوگ انہیں پیچھے چھوڑ کر (میلہ دیکھنے) چلے گئے۔ پس آپ چپکے سے ان کے دیوتاؤں کی طرف گئے اور کہا کیا تم (یہ مٹھائیاں) نہیں کھاؤ گے؟ تمہیں کیا ہو

گیا کہ تم بولتے بھی نہیں؟ پھر پوری قوت سے ضرب لگائی ان پر داہنے ہاتھ سے۔ (رنگ رلیاں منانے کے بعد) آئے آپ کی طرف دوڑتے ہوئے۔ آپ نے فرمایا کیا تم پوجتے ہو انہیں جنہیں تم خود تراشتے ہو؟ حالانکہ اللہ نے تمہیں بھی پیدا کیا اور جو کچھ تم کرتے ہو۔ انہوں نے (فیصلہ کن انداز میں) کہا، بناؤ اس کے لئے وسیع آتشکدہ پھر پھینک دو اسے اس بھڑکتی آگ میں۔ انہوں نے تو چاہا کہ آپ کے ساتھ مکر کریں، لیکن ہم نے انہیں ذلیل کر دیا"۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو یہ اس لئے فرمایا تاکہ جب وہ اپنے میلے میں چلے جائیں تو آپ شہر میں اکیلے رہ جائیں۔ میلے میں ان کے جانے کا وقت قریب آچکا تھا تو آپ نے چاہا کہ علیحدگی میں ان کے بتوں کو توڑ دیں۔ آپ نے ایسی گفتگو فرمائی جو فی الحقیقت سچ تھی۔ وہ اپنے عقیدہ کے مطابق آپ کو سچ مچ بیمار سمجھ بیٹھے۔

قولہ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جو شخص کسی امر میں غور و فکر کرے اہل عرب اسے کہتے ہیں نظر فی النجوم اس نے ستاروں کی طرف نگاہ ماری۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے انہیں ٹالنے کے لئے غور و فکر کی حالت میں آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی اور فرمایا: اِنِّيْ سَقِيْمٌ میں ضعیف ہوں۔ وہ حدیث جسے ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہاں روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف تین مرتبہ (بظاہر) جھوٹ بولا۔ دو مرتبہ تو اللہ تعالیٰ کی ذات میں۔ 1۔ اِنِّيْ سَقِيْمٌ، 2۔ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُم، 3۔ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں یہ کہنا ھی أُختی (یہ میری بہن ہے)(1)۔

یہ حدیث صحاح اور سنن میں متعدد سندوں سے مروی ہے۔ لیکن دراصل یہ کذب حقیقی نہیں کہ اس کے قائل کو قابل مذمت سمجھا جائے حاشا و کلّا و لمّا۔ بلکہ انہیں مجازاً جھوٹ کہا گیا ہے۔ شرعی مقصد کے حصول کے لئے یہ تعریض ہے۔ جس طرح کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ تعریض سے جھوٹ سے بچنے کی گنجائش ہے۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تینوں کلمات کے بارے میں ارشاد فرمایا: ان میں سے ایک کلمہ بھی ایسا نہیں ہے حکمت کے ساتھ اللہ کے دین کی بھلائی مقصود نہ ہو۔ آپ نے فرمایا اِنِّيْ سَقِيْمٌ اور فرمایا بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا یعنی اس بڑے بت نے یہ سب کچھ کیا ہے اور بادشاہ نے جب آپ کی زوجہ محترمہ کو لے لینا چاہا تو فرمایا ھی أختی یہ میری بہن ہے۔ سفیان نے سقیم کا معنی طعین کیا ہے یعنی مجھے طاعون ہو گیا ہے۔ وہ طاعون زدہ مریض سے بھاگتے تھے۔ آپ نے ان کے معبودوں کے پاس الگ ہو جانا چاہا۔ عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ آپ ان کے بت کدے میں تھے تو انہوں نے آپ کو کہا چلئے۔ آپ نے فرمایا مجھے طاعون ہے۔ تو طاعون کے ڈر سے وہ آپ کو چھوڑ کر چلے گئے(2)۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے سعید بن مسیب سے نقل کیا ہے کہ آپ نے ایک ستارہ طلوع ہوتے دیکھا تو فرمایا اِنِّيْ سَقِيْمٌ۔

بعض دوسرے علماء کی رائے ہے کہ آپ نے مستقبل کے اعتبار سے فرمایا یعنی میں مرض الموت میں مبتلا ہونے والا ہوں۔ ایک قول کے مطابق آپ نے مراد لی کہ میرا دل تمہارے خود تراشیدہ بتوں سے بیزار ہے، اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر تم جن کی عبادت کرتے ہو۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم اپنے جشن کے لئے جانے لگی۔ تو انہوں نے آپ کو بھی ساتھ لے

1۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 71 نیز دیکھئے تفسیر سورۂ انبیاء آیت: 63 2۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 70

جانا چاہا۔ آپ پشت کے بل لیٹ گئے اور فرمایا میں بیمار ہوں اور نگاہیں آسمان کی طرف گاڑ دیں۔ جب وہ چلے گئے تو آپ ان کے بتوں کی طرف متوجہ ہوئے اور انہیں پاش پاش کر دیا۔ (بروایت ابن ابی حاتم) اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَتَوَلَّوۡا عَنۡهُ مُدۡبِرِیۡنَ جب وہ چلے گئے تو آپ جلدی سے اور چپکے سے ان دیوتاؤں کی طرف تشریف لے گئے۔ اور فرمایا: اَلَا تَاۡكُلُوۡنَ تم کھاتے کیوں نہیں؟ کیونکہ انہوں نے کھانا چڑھاوے کے طور پر ان کے سامنے رکھا تھا اور اسے تبرک تصور کرتے تھے(1)۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بت خانے میں داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بہت بڑا ہال ہے دروازے کے پاس بہت بڑا بت ہے۔ اس کے پہلو میں اس سے چھوٹا بت، اسی طرح ہر بت کے ساتھ اس سے چھوٹا بت رکھا تھا۔ یہاں تک دروازہ آ گیا۔ پھر انہوں نے کھانا تیار کر کے بتوں کے سامنے رکھا تھا۔ وہ کہتے جب ہم واپس آئیں گے تو ہمارے معبودوں نے اس میں برکت ڈال دی ہوگی اور ہم اسے کھائیں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے سامنے کھانا رکھا دیکھ کر از راہ تشنیع فرمایا تم کھاتے کیوں نہیں؟ تم بولتے کیوں نہیں؟ مَا لَكُمۡ لَا تَنۡطِقُوۡنَ۔

قولہ تعالیٰ فَرَاغَ عَلَيۡهِمۡ ضَرۡبًۢا بِالۡيَمِيۡنِ فراء رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ آپ دائیں ہاتھ سے ان پر پل پڑے۔ قتادہ اور جوہری رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ آپ انہیں دائیں ہاتھ سے پے در پے ضربیں لگانے لگے(2)۔ دائیں ہاتھ سے اس لئے مارا کہ یہ شدید اور سخت ہوتا ہے۔ ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ صرف بڑے بت کو چھوڑ دیا تا کہ اس پر بدگمانی کی جا سکے۔ (سورۂ انبیاء میں اس آیت کی تفسیر گزر چکی ہے)۔

قولہ تعالیٰ فَاَقۡبَلُوۡۤا اِلَيۡهِ يَزِفُّوۡنَ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر بہت سے مفسرین نے اس کا معنی کیا ہے یسرعون (دوڑتے بھاگتے ہوئے) یہ واقعہ یہاں مختصر ہے اور سورۂ انبیاء میں اس کو مفصل ذکر کیا گیا ہے۔ جب وہ واپس آئے تو پہلے پہل تو یہ سمجھ نہ سکے کہ ان کے خداؤں کی یہ درگت کس نے بنائی ہے۔ آخر قیاس آرائیوں اور غور و فکر سے اس نتیجے پر پہنچے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سوا اور کوئی ایسا نہیں کر سکتا۔ جب وہ آپ کو عتاب کرنے کے لئے آپ کے پاس آئے تو آپ انہیں ملامت کرنے اور ان کے خود تراشیدہ اصنام کی بے وقعتی کو واضح فرمانے لگے۔

قَالَ اَتَعۡبُدُوۡنَ مَا تَنۡحِتُوۡنَ کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ان بتوں اور بے بس مجسموں کی پرستش کرتے ہو جنہیں تم نے خود اپنے ہاتھوں سے تراشا ہے۔

قولہ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمۡ وَمَا تَعۡمَلُوۡنَ ایک احتمال یہ ہے کہ ما مصدریہ ہو اس صورت میں کلام یوں ہوگی: اس نے ہی تمہیں پیدا کیا ہے اور جو تم عمل کرتے ہو اور ایک احتمال یہ ہے کہ ما بمعنی الذی ہو یعنی اللہ تعالیٰ تمہارا خالق بھی ہے اور تمہارے اعمال کا بھی پیدا کرنے والا ہے۔ دونوں ایک دوسرے کو مستلزم ہیں لیکن پہلا زیادہ ظاہر ہے، جس طرح کہ بخاری نے کتاب افعال العباد میں اپنی سند سے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے: ''بے شک اللہ تبارک و تعالیٰ ہر صانع اور اس کی کاریگری کو پیدا فرماتا ہے''(3)۔ جب ان پر حجت قائم ہوگئی (اور وہ آپ کی دلیل کا کوئی جواب نہ دے سکے) تو وہ آپ کے ساتھ دشمنی اور انتقامی کارروائی پر اتر آئے۔ اور کہنے لگے: ابۡنُوۡا لَهٗ بُنۡيَانًا فَاَلۡقُوۡهُ فِى الۡجَحِيۡمِ ایک وسیع الاؤ تیار کرو اور اسے اس میں پھینک دو۔ اس کا پورا بیان سورۂ انبیاء میں گزر چکا ہے۔ اور اللہ رب العزت نے آپ کو آگ سے نجات بخشی اور غلبہ عطا فرمایا اور آپ کی حجت کو بلند فرمایا اور نصرت سے نوازا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا

1۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 101 2۔ فراء: معانی القرآن، جلد 2 صفحہ 388، نیز دیکھئے جوہری: ''صحاح'' زیر مادہ راغ

3۔ درمنثور، جلد 5 صفحہ 279، مستدرک حاکم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 36-35، ابوعبید: غریب الحدیث (191)

فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ لہٰذا ان کا منصوبہ خائب و خاسر ہو گیا۔

وَ قَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ﴿۹۹﴾ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۰۰﴾ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ ﴿۱۰۱﴾ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْۤ اَرٰى فِی الْمَنَامِ اَنِّیْۤ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَا ذَا تَرٰىؕ قَالَ یٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ٘ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۰۲﴾ فَلَمَّاۤ اَسْلَمَا وَ تَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ ﴿۱۰۳﴾ۚ وَ نَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰۤاِبْرٰهِیْمُ ﴿۱۰۴﴾ۙ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَاۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ ﴿۱۰۶﴾ وَ فَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۰۷﴾ وَ تَرَكْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ ﴿۱۰۸﴾ۖ سَلٰمٌ عَلٰۤى اِبْرٰهِیْمَ ﴿۱۰۹﴾ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَ بَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَ بٰرَكْنَا عَلَیْهِ وَ عَلٰۤى اِسْحٰقَؕ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِیْنٌ ﴿۱۱۳﴾

''اور آپ نے کہا میں جا رہا ہوں اپنے رب کی طرف وہ میری رہنمائی فرمائے گا۔ (دعا مانگی) میرے رب! عطا فرما دے مجھے ایک نیک بچہ۔ پس ہم نے مژدہ سنایا انہیں ایک حلیم فرزند کا۔ اور جب وہ اتنا بڑا ہو گیا کہ آپ کے ساتھ دوڑ دھوپ کر سکے۔ آپ نے فرمایا اے میرے پیارے فرزند! میں نے دیکھا ہے خواب میں کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔ اب بتا تیری کیا رائے ہے۔ عرض کیا میرے پدر بزرگوار! کر ڈالیے جو آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں سے پائیں گے۔ پس جب دونوں نے سرِ اطاعت خم کر دیا اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل پر لٹا دیا اور ہم نے آواز دی اے ابراہیم! (بس ہاتھ روک لو) بے شک تو نے سچ کر دکھایا خواب کو ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں محسنوں کو۔ بے شک یہ بڑی کھلی آزمائش تھی۔ اور ہم نے بچا لیا اسے فدیہ میں ایک عظیم ذبیحہ دے کر۔ اور ہم نے چھوڑا ان کا ذکر خیر آنے والوں میں۔ سلام ہو ابراہیم پر۔ اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں نیکوکاروں کو۔ بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا۔ اور ہم نے بشارت دی آپ کو اسحٰق کی (کہ) وہ نبی ہوگا (زمرۂ) صالحین میں سے۔ اور ہم نے برکتیں نازل کیں اس پر اور اسحٰق پر۔ اور ان کی نسل میں کوئی نیک ہوگا اور کوئی اپنی جان پر کھلا ظلم کرنے والا ہوگا''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں خبر دے رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب آپ کو اپنی قوم پر فتح و نصرت عطا فرمائی اور آپ ان کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے باوجودیکہ انہوں نے بہت بڑی نشانیاں دیکھ لی تھیں۔ تو آپ وہاں سے عازم ہجرت ہو گئے اور فرمایا: قَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ﴿۹۹﴾ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ صالحین یعنی نیکوکار، فرمانبردار جو آپ کی قوم اور قبیلے (جن کو آپ چھوڑ رہے تھے) کا بدل ہوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ یہ فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ ان کی بشارت ہی سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دی گئی۔ تمام مسلمانوں اور اہل کتاب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آپ حضرت اسحٰق علیہ السلام سے بڑے تھے۔ بلکہ ان کی کتابوں میں یہ مذکور ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام جب تولد ہوئے تو حضرت ابراہیم علیہ

السلام کی عمر مبارک چھیاسی برس تھی اور حضرت اسحٰق کی ولادت کے وقت آپ کی عمر مقدس ننانوے برس تھی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ اپنے اکلوتے لخت جگر کو ذبح کر دینا۔ ایک دوسرے نسخہ میں نوخیز کے الفاظ ہیں۔ یہاں انہوں نے کذب و بہتان سے کام لیتے ہوئے حضرت اسحٰق علیہ السلام کو داخل کر دیا۔ اور یہ درست نہیں کیونکہ ان کی کتب سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔ انہوں نے حضرت اسحٰق علیہ السلام کو اس لئے شامل کیا ہے کہ آپ ان کے جد امجد ہیں اور حضرت اسماعیل علیہ السلام، اہل عرب کے جد امجد ہیں۔ حسد کی بناء پر انہوں نے یہ اضافہ کر دیا اور تحریف سے کام لیتے ہوئے وحید کا معنی یہ کیا کہ جس کے علاوہ اس وقت آپ کے پاس اور کوئی نہیں۔ کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام کو آپ کی والدہ سمیت مکہ چھوڑ آئے تھے۔ یہ تاویل فاسد اور باطل تحریف ہے۔ اکلوتا (وحید) صرف اسے کہا جاتا ہے جس کے علاوہ اور کوئی اولاد نہ ہو۔ نیز اکلوتے اور پہلوٹھے بچے کے ساتھ جو محبت ہوتی ہے وہ بعد کی اولاد سے نہیں ہوتی۔ اس لئے ذبح کا حکم ابتلاء وآزمائش کی زبردست کڑی ہے۔

اہل علم کی ایک جماعت کی رائے ہے کہ ذبیح سے مراد حضرت اسحٰق علیہ السلام ہیں۔ علمائے سلف کے ایک گروہ کا یہی خیال تھا حتیٰ کہ بعض صحابہ کرام سے بھی ایسی مرویات ہیں۔ کتاب وسنت میں اس کا کوئی تذکرہ نہیں۔ میرا خیال ہے کہ اس روایت کا ماخذ اہل کتاب کے علماء ہوں گے اور بلا دلیل اس بات کو تسلیم کر لیا گیا۔ حالانکہ کتاب اس بات کی گواہی دے رہی ہے اور اشارہ کر رہی ہے کہ یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ آپ کی بشارت ہی غلام حلیم کے الفاظ سے دی گئی ہے اور ذکر کیا گیا ہے کہ آپ ہی ذبیح ہیں۔ پھر فرمایا: وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ جب ملائکہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحٰق علیہ السلام کی بشارت دی تو کہنے لگے: قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ (الحجر:53) ''ہم آپ کو مژدہ سنانے آئے ہیں ایک صاحب علم بچے کی پیدائش کا''۔ ایک دوسری جگہ آتا ہے: وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ (ہود:71) ''تو ہم نے خوشخبری دی سارہ کو اسحٰق کی۔ اور اسحٰق کے بعد یعقوب کی''۔ یعنی دونوں کی زندگی میں حضرت یعقوب علیہ السلام پیدا ہوں گے۔ ان کی ذریت سے نسل چلے گی۔ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ کم سنی میں ذبح کا حکم اس بشارت کے بعد کیسے دیا جا سکتا ہے؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کی اولاد ہوگی اور آگے نسل چلے گی۔ یہ کس طرح ممکن ہے جبکہ چھوٹی عمر میں ہی ان کو ذبح کرنے کا حکم دیا جا چکا ہے؟ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو یہاں حلیم کی صفت سے متصف فرمایا اور اس مقام کے یہی مناسب ہے۔

فرمایا: فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ یعنی جب آپ بڑے ہو گئے اور اپنے باپ کے ساتھ آنے جانے لگے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہر وقت اپنے لخت جگر اور رام ولد کی خبر گیری کے لئے وادی فاران کا چکر لگایا کرتے۔ آپ ان کے معاملات کا خیال رکھتے۔ یہ بھی مذکور ہے کہ آپ تیز رفتار براق پر سوار ہو کر وہاں تشریف لے جاتے تھے۔ واللہ اعلم۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، عطاء خراسانی اور زید بن اسلم رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کا قول ہے کہ اس جملے کا معنی یہ ہے کہ آپ جوان ہو گئے اور اپنے باپ کی طرح کام کاج کرنے کے قابل ہو گئے۔

قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى عبید بن عمیر کا قول ہے کہ انبیاء کا خواب وحی ہوتا ہے۔ پھر یہی آیت تلاوت فرمائی۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

محمد بن اسحاق نے اپنی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ (1) ''اور ہم نے بچالیا اسے فدیہ میں ایک عظیم ذبیحہ دے کر'' کے ضمن میں نقل کیا ہے کہ یہ مینڈھا جنت سے لایا گیا تھا جو چالیس سال تک وہاں چرتا رہا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو چھوڑ دیا اور اس کو پکڑ کر جمرۂ اولی (پہلے شیطان) کے پاس لائے۔ اسے سات کنکریاں ماریں۔ وہ آپ کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ آپ نے اسے درمیانی جمرہ کے پاس پکڑا اور اس جمرے کو سات کنکریاں ماریں پھر وہ آپ سے بھاگ کر بڑے جمرۂ کے پاس چلا گیا۔ آپ نے اسے سات کنکریاں ماریں۔ پھر اسے پکڑ کر قربان گاہ (منیٰ) میں لا کر ذبح فرمایا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں ابن عباس کی جان ہے ابتدائے اسلام تک اس مینڈھے کا سر اور سینگ کعبہ کے پرنالہ کی طرف لٹکے ہوئے تھے حتیٰ کہ وہ سوکھ گئے (2)۔

عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ اور کعب رضی اللہ عنہما جمع تھے۔ ابو ہریرہ احادیث سنا رہے تھے اور کعب سابقہ کتب کے قصے بیان کر رہے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہر نبی کی ایک دعا مستجاب (قبول شدہ) ہوتی ہے۔ میں نے اپنی دعا قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کرنے کے لئے چھپا رکھی ہے''۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا آپ نے نبی اکرم ﷺ سے یہ سنا ہے۔ انہوں نے فرمایا ہاں۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرے ماں باپ آپ پر قربان! کیا میں تمہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں نہ بتا دوں۔ انہیں جب خواب میں حضرت اسحٰق علیہ السلام کو ذبح کرنے کا حکم ملا تو شیطان نے کہا اگر آج میں ان لوگوں کو آزمائش میں نہ ڈالوں تو پھر کبھی کامیاب نہیں ہو سکوں گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے فرزند کو لے کر جا رہے تھے۔ شیطان حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا اور کہنے لگا تمہیں پتہ ہے کہ ابراہیم بیٹے کو لے کر کدھر گئے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا وہ کسی کام سے گئے ہیں۔ وہ کہنے لگا وہ کسی کام سے نہیں گئے بلکہ اسے ذبح کرنے کے لئے گئے ہیں۔ انہوں نے فرمایا لیکن آپ اپنے بیٹے کو کیوں ذبح کریں گے؟ وہ کہنے لگا ان کا خیال ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں یہی حکم دیا ہے۔ آپ نے فرمایا اگر وہ اپنے رب کی فرمانبرداری کریں تو یہ بہت بہتر ہے۔ یہاں سے مایوس ہو کر شیطان دونوں باپ بیٹے کے پیچھے گیا۔ لڑکے کو کہنے لگا تیرا باپ تجھے کہاں لئے جا رہا ہے؟ انہوں نے فرمایا اپنے کسی کام کے لئے۔ شیطان نے کہا وہ تمہیں کسی کام کے لئے نہیں لے جا رہے بلکہ وہ تو تمہیں ذبح کرنے کے لئے لے جا رہے ہیں۔ لڑکے نے پوچھا لیکن آپ مجھے کیوں ذبح کریں گے؟۔ وہ لعین کہنے لگا۔ آپ کا گمان ہے کہ یہ رب کا حکم ہے۔ آپ کہنے لگے بخدا اگر یہ اللہ کا حکم ہے تو آپ کو یہ کام ضرور کرنا چاہئے۔ یہاں سے ناکام ہو کر شیطان حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملا اور کہنے لگا اپنے بیٹے کو کہاں لئے جا رہے ہو؟ آپ نے فرمایا کسی کام کے لئے۔ وہ کہنے لگا آپ اسے کسی کام کے لئے نہیں بلکہ ذبح کرنے کے لئے لے جا رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا لیکن میں اپنے بیٹے کو ذبح کیوں کروں گا۔ وہ کہنے لگا اس لئے کہ تمہارا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا خدا تعالیٰ کی قسم! پھر تو میں ضرور اسے ذبح کروں گا۔ یہ سن کر وہ مایوس ہو گیا کہ اس کا داؤ نہیں چل سکا۔ چنانچہ آپ کو چھوڑ کر چلا گیا۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ فرمایا اور اس سے آگے طویل حدیث ذکر کی ہے اور اس کے آخر میں لکھا ہے: ''اس واقعہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت اسحٰق کی طرف وحی فرمائی کہ میں نے آپ کی ایک دعا قبول کر لی ہے جو جی چاہے مانگئے۔ حضرت اسحٰق علیہ السلام نے عرض کی اے اللہ! میں تم سے یہ دعا کرتا ہوں

1۔ الصافات، جلد 37 صفحہ 17
2۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 87

تو میری دعا کو قبول فرمالے کہ اولین وآخرین میں سے کوئی بندہ جو تیری بارگاہ میں حاضر ہو اور اس نے تیرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا ہو تو اسے جنت میں داخلہ عطا فرمانا''(1)۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے دو باتوں میں ایک کا اختیار دیا یا تو یہ کہ میری آدھی امت کو بخش دیا جائے یا یہ کہ میں شفاعت کروں۔ چنانچہ میں نے شفاعت کو پسند کرلیا اور مجھے امید ہے کہ یہ میری ساری امت کے لئے عام ہوگی۔ اگر ایک عبد صالح مجھ سے سبقت نہ لے چکا ہوتا تو میں اس معاملہ میں دعا کی جلدی کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت اسحٰق علیہ السلام سے ذبح ہونے کی تکلیف دور فرمائی تو آپ کو فرمایا گیا اے اسحٰق! مانگو، جو مانگو گے دیا جائے گا''۔ تو حضرت اسحٰق علیہ السلام نے فرمایا واللہ! میں شیطان کے بہکانے سے پہلے ہی اللہ سے ضرور مانگ لوں گا۔ اے اللہ! جو وفات پا جائے اور تیرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتا ہو تو اسے بخش دے اور جنت میں داخل فرما''(2)۔ یہ حدیث غریب اور منکر ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم اس میں ضعیف الحدیث ہیں اور مجھے تو ڈر ہے کہ یہ الفاظ (جب اللہ تعالیٰ نے حضرت اسحٰق علیہ السلام سے امتحان کو دور کیا...... تا آخر) ادراج یعنی راوی کے اپنے نہ ہوں۔ واللہ اعلم۔ اور اگر یہ روایت محفوظ ہے تو سیاق کلام یہ ہے کہ اس سے مراد حضرت اسماعیل علیہ السلام ہوں۔ انہوں نے بوجہ حسد تحریف کر کے حضرت اسحٰق علیہ السلام کا نام شامل کر دیا ہو۔ کیونکہ مناسک حج اور قربانیاں سرزمین مکہ میں منیٰ کے مقام پر ہوتی ہیں۔ یہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے نہ کہ حضرت اسحٰق علیہ السلام کیونکہ وہ سرزمین شام کے علاقے کنعان میں تھے۔

قول تعالیٰ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰۤاِبْرٰهِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا یعنی اپنے فرزند دلبند کو ذبح کے لئے لٹانے کے ساتھ تمہارے خواب کا مقصود حاصل ہوگیا۔

سدی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ آپ نے بچے کی گردن پر چھری چلا دی لیکن اس نے نہ کاٹا، بلکہ گردن اور چھری کے درمیان تانبے کی سطح حائل ہوگئی اور آپ کو یہ ندا دی گئی کہ آپ نے خواب سچا کر دکھایا۔

ارشاد ہوتا ہے: اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ اسی طرح ہم اپنی اطاعت کرنے والوں سے سختیاں اور مشکلات دور کرتے ہیں اور انہیں چھٹکارا اور فراخی دیتے ہیں۔ جیسے اللہ کا ارشاد ہے: وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ﴿۲﴾ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۭ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ۭ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ﴿۳﴾ (الطلاق: 3-2)'' اور جو (خوش بخت) ڈرتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ سے بنا دیتا ہے اللہ اس کے لئے نجات کا راستہ۔ اور اسے (وہاں سے) رزق دیتا ہے جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوتا۔ اور جو (خوش نصیب) اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو اس کے لئے وہ کافی ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کرنے والا ہے۔ مقرر کر رکھا ہے اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے لئے اندازہ''۔

اس آیت اور واقعہ سے علماء اصول کے ایک گروہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ فعل پر قدرت سے پہلے ہی وہ حکم منسوخ ہوسکتا ہے۔ معتزلہ کا ایک گروہ اس بات کو تسلیم نہیں کرتا۔ لیکن وجہ استدلال بالکل ظاہر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے بیٹے کو ذبح کرنا مشروع قرار دیا۔ پھر یہ حکم فدیہ کے ساتھ منسوخ کر دیا گیا۔ پہلے اس کے مشروع کرنے کا مقصد یہ تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو

1۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 82 — 2۔ مجمع الزوائد، کتاب الانبیاء، جلد 8 صفحہ 2-2، در منثور، جلد 7 صفحہ 108

بیٹا ذبح کرنے کے ارادے اور اس پر صبر کا ثواب مرحمت فرما دیا جائے۔ اسی لئے فرمایا: اِنَّ ھٰذَا لَھُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ یہ ظاہر و باہر امتحان تھا کیونکہ آپ کو اپنے صاحبزادے کو ذبح کرنے کا حکم ملا۔ آپ نے سر تسلیم خم کرتے ہوئے حکم خداوندی کو بجالانے میں جلدی فرمائی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ اِبْرٰھِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰۤی (النجم: 37) ''اور ابراہیم (علیہ السلام) کے صحیفوں میں جو پوری طرح احکام بجالائے''۔

قولہ تعالیٰ وَفَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی عنہ سے روایت کیا ہے کہ یہ سفید رنگ، بڑی آنکھوں اور سینگوں والا مینڈھا تھا جو ببول کے درخت سے بندھا ہوا تھا۔ ابوطفیل کا قول ہے کہ انہوں نے اسے ثبیر میں ببول کے درخت سے بندھا ہوا پایا۔ (ثبیر ایک پہاڑ کا نام ہے جو مزدلفہ میں ہے اور منیٰ کو جانے والے کے بائیں طرف پڑتا ہے۔) ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ جنت میں چالیس خریف (برس) تک چرتا رہا۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ منیٰ میں ثبیر کے پاس وہ چٹان ہے جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسحٰق علیہ السلام کا فدیہ ذبح فرمایا۔ یہ موٹی آنکھوں اور سینگوں والا مینڈھا ثبیر سے اترا۔ اس وقت یہ ممیارہا تھا۔ چنانچہ آپ نے اسے ذبح فرمایا۔ یہ وہی مینڈھا تھا جسے حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے نے راہ خدا میں قربان کیا تھا۔ یہ محفوظ رہا تا آنکہ حضرت اسحٰق علیہ السلام کے بدلے اسے بطور فدیہ ذبح کیا گیا۔ اسی طرح حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ مینڈھا جنت میں چرتا رہا حتیٰ کہ وہ ثبیر سے باہر آیا۔ اس پر سرخی مائل اون تھی۔ حضرت حسن بصری کا قول ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مینڈھے کا نام جریر تھا۔ ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے عبید بن عمیر نے فرمایا کہ آپ نے اسے مقام ابراہیم کے پاس ذبح کیا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ آپ نے اسے منیٰ میں قربان گاہ پر ذبح کیا۔ ہشیم رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے اپنے آپ کو ذبح کرنے کی نذر مانی تھی۔ آپ نے اسے سو اونٹ ذبح کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ پھر فرمایا اگر میں اسے ایک مینڈھا ذبح کرنے کا حکم دیتا تو یہ بھی کافی تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اسے ذبح عظیم فرمایا ہے۔ صحیح یہی ہے کہ مینڈھے کی قربانی دی جائے گی اور اکثر کی یہی رائے ہے۔ ثوری نے ایک مجہول آدمی کی روایت سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ پہاڑی بکرا تھا۔ محمد بن اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ یہ پہاڑی بکرا تھا جو ثبیر پہاڑ سے اترا تھا جسے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بدلے ذبح کیا گیا(1)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے صفیہ بنت شیبہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ عثمان بن طلحہ کو بلایا۔ وہ فرماتی ہیں ایک دفعہ میں نے عثمان سے پوچھا حضور ﷺ نے آپ کو کیوں بلایا تھا؟ انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ارشاد فرمایا: میں نے بیت اللہ شریف میں داخلے کے وقت وہاں مینڈھے کے دو سینگ دیکھے تھے۔ پھر میں تمہیں یہ حکم دینا بھول گیا کہ انہیں ڈھانپ دو۔ تم جاؤ اور انہیں ڈھک دو کیونکہ کعبہ میں کوئی ایسی چیز نہیں ہونی چاہئے جو نمازی کو مشغول کرے۔ سفیان کا قول ہے کہ یہ سینگ بیت اللہ شریف میں لٹکتے رہے حتیٰ کہ بیت اللہ شریف آگ لگنے سے جل گیا تو یہ بھی جل گئے(2)۔

یہ اس بات کی مستقل دلیل ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ قریش کو یہی سینگ بطور میراث ملے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد ان کی اولاد قریش تک نسل در نسل چلتے آئے۔ حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے۔ واللہ اعلم۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 87 2۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 68

سلف سے منقول آثار کا بیان کہ ذبیح کون ہے؟

فصل:

پہلا فریق، جس کی رائے ہے کہ ذبیح حضرت اسحٰق علیہ السلام تھے(1)

حمزہ زیات نے ابو میسرہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ مصر سے فرمایا: ''تو میرے ساتھ کھانا چاہتا ہے اللہ کی قسم! میں یوسف بن یعقوب نبی اللہ ابن اسحٰق ذبیح اللہ بن ابراہیم خلیل اللہ ہوں۔'' ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ابن ابی ہذیل سے یہی بات روایت کی ہے۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسری سند سے عبید بن عمیر کے والد سے روایت کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی اے رب! لوگ ابراہیم، اسحٰق اور یعقوب کے خدا کی قسم کیوں اٹھاتے ہیں؟ فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نزدیک اللہ کے برابر کوئی چیز نہ تھی مگر انہوں نے ہر بار مجھے ترجیح دی۔ حضرت اسحٰق علیہ السلام نے ذبح ہونے کے لئے اپنے آپ کو میری راہ میں پیش کر دیا حالانکہ اور چیزیں پیش کر دینا ان کے نزدیک مشکل نہ تھا اور حضرت یعقوب علیہ السلام پر میری طرف سے جوں جوں بلائیں زیادہ آتی گئیں، ان کا حسن ظن میرے ساتھ بڑھتا ہی رہا۔

شعبہ رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت ابو الاحوص نقل کیا ہے کہ ایک آدمی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک دفعہ فخر کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ میں فلاں بن فلاں بن فلاں معزز لوگوں کا بیٹا ہوں تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قابل فخر باپ بیٹا تو حضرت یوسف بن یعقوب بن اسحاق ذبیح اللہ بن ابراہیم خلیل اللہ تھے۔ یہ ابن مسعود سے ثابت ہے۔ اسی طرح عکرمہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ذبیح سے مراد حضرت اسحٰق علیہ السلام ہیں۔ حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مروی ہے۔

عکرمہ، سعید بن جبیر، مجاہد، شعبی، عبید بن عمیر، ابو میسرہ، زید بن اسلم، عبداللہ بن سقیق، زہری، قاسم بن ابی برزہ، مکحول، عثمان بن ابی حاضر، سدی، حسن، قتادہ، ابو ہذیل اور ابن سابط رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہی قول ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے ہی اختیار کیا ہے۔ اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت کعب احبار کے نزدیک بھی اس سے مراد حضرت اسحٰق علیہ السلام ہیں۔ لیکن یہ اقوال صحیح تو اللہ بہتر جانتا ہے، محسوس ہوتا ہے کہ حضرت کعب احبار سے ماخوذ ہیں۔

حضرت کعب احبار عہد فاروقی میں مسلمان ہوئے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قدیم کتب کی باتیں سناتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کی باتیں سماعت فرمایا کرتے۔ لوگوں نے اسے رخصت سمجھ کر آپ کی باتیں سننا شروع کر دیں۔ پھر بلا تمیز رطب و یابس آگے بیان کرنے لگے (اور صحیح غلط کی تمیز اٹھ گئی)۔ حق بات تو یہ ہے کہ امت کو ان میں سے ایک حرف کی بھی ضرورت نہ تھی۔ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی قول عمر، علی، ابن مسعود اور عباس رضی اللہ عنہم سے اور تابعین میں کعب احبار، سعید بن جبیر، قتادہ، مسروق، عکرمہ، عطاء، مقاتل، زہری اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی دو روایتوں میں سے ایک یہی ہے(2)۔

اس بارے میں ایک حدیث بھی ہے اگر وہ حدیث ثابت ہوتی تو ہم کہتے سر آنکھوں پر لیکن اس کی سند صحیح نہیں۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک

1۔ ان روایات کے لئے دیکھئے تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 83

2۔ تفسیر بغوی، جلد 4 صفحہ 37

حدیث میں ذبیح سے مراد حضرت اسحٰق علیہ السلام لئے ہیں (1)۔ لیکن اس کی سند میں دو راوی حسن بن دینار بصری متروک ہیں اور علی بن زید بن جدعان منکر الحدیث ہیں۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے علی بن زید بن جدعان سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ یہی روایت ایک دوسری سند سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے بھی بیان کی ہے۔ (یہ زیادہ صحیح ہے) واللہ اعلم۔

ان آثار کا بیان کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں اور یہی بات قطعی اور یقینی ہے

اس سے پہلے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت گزر چکی ہے کہ وہ حضرت اسحٰق علیہ السلام تھے واللہ اعلم۔

سعید بن جبیر، عامر شعبی، یوسف بن مہران، مجاہد، عطاء وغیرہ بہت سے علماء نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت عطاء بن ابی رباح حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ فدیہ دینے والے حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ یہود کا گمان ہے کہ وہ حضرت اسحٰق علیہ السلام تھے۔ لیکن وہ جھوٹے ہیں (2)۔ اسرائیل نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اور ابن ابی نجیح نے مجاہد سے یہی روایت کیا۔

یوسف بن مہران کا یہی قول ہے۔ شعبی کہتے ہیں کہ یہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے اور میں نے کعبہ میں دو سینگ لٹکتے دیکھے ہیں۔ محمد بن اسحاق نے حضرت حسن بصری کے بارے میں نقل کیا ہے کہ آپ کو اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے دو بیٹوں میں سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کا حکم ملا۔

فرمایا: وَ بَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَ امْرَاَتُهٗ قَآىِٕمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَ مِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ (ہود: 71) "تو ہم نے خوشخبری دی سارہ کو اسحاق کی۔ اور اسحاق کے بعد یعقوب کی"۔ یعنی بیٹے اور پوتے کی خوشخبری دی جا رہی ہے۔ حضرت اسحٰق علیہ السلام کو ذبح کرنے کا حکم نہیں دیا جا سکتا کیونکہ ابھی ان کے ہاں لڑکا پیدا نہیں ہوا۔ بلکہ صرف حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں میں نے انہیں اکثر یہ کہتے ہوئے سنا (3)۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے محمد بن کعب قرظی سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے سامنے اس بات کا ذکر کیا۔ وہ اس وقت شام میں تھے۔ آپ نے فرمایا اس دلیل تک میرا ذہن نہیں پہنچا تھا۔ گو میری رائے بھی یہی تھی کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ پھر آپ نے شام کے ایک آدمی کو بلایا جو یہودی تھا اور مسلمان ہو گیا تھا اور اچھی طرح اسلام پر کاربند رہا۔ آپ اسے یہودی علماء سے تصور کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا۔ محمد بن کعب کہتے ہیں میں اس وقت حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے سوال کیا: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کس بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا؟ وہ کہنے لگا بخدا! اے امیر المؤمنین! وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ یہود یہ بات جانتے ہیں لیکن اے اہل عرب! تم سے حسد کرتے ہیں کہ تمہارے جد امجد کو یہ فضیلت ملے۔ چنانچہ وہ اس کا انکار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ حضرت اسحٰق علیہ السلام تھے۔ کیونکہ حضرت اسحٰق علیہ السلام ان کے جد امجد ہیں۔ حقیقی علم تو اللہ تعالیٰ کو ہی ہے۔ بہرحال ان میں سے جو بھی تھا، اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار اور مطیع تھا۔

حضرت عبداللہ بن امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: میں نے اپنے باپ سے ذبیح کے بارے میں پوچھا کہ وہ کون تھے۔

1۔ تفسیری طبری، جلد 23 صفحہ 81　　2۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 84　　3۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 84

حضرت اسماعیل یا اسحٰق علیہما السلام؟ آپ نے فرمایا حضرت اسماعیل علیہ السلام۔ (آپ نے یہ بات کتاب الزہد میں ذکر کی ہے۔) ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے میں نے اپنے باپ کو یہ ارشاد فرماتے سنا کہ صحیح یہ ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ آپ کا قول ہے کہ حضرات علی، ابن عمر، ابو ہریرہ، ابو طفیل، سعید بن مسیّب، سعید بن جبیر، حسن، مجاہد، شعبی، محمد بن کعب قرظی، ابو جعفر محمد بن علی اور ابو صالح رضی اللہ عنہم کا قول ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔

بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔ یہی رائے عبد اللہ بن عمر، سعید بن مسیّب، سدی، حسن بصری، مجاہد، ربیع بن انس، محمد بن کعب قرظی اور کلبی رحمہم اللہ تعالیٰ کی ہے۔ ابن عباس سے بھی ایک روایت یہی ہے (1)۔ ابو عمرو بن علاء سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر ایک غریب حدیث نقل کی ہے۔ انہوں نے اپنی سند سے صنابحی سے بیان کیا ہے کہ ہم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھے۔ تذکرہ چھڑا کہ ذبیح کون ہے حضرت اسماعیل یا اسحٰق علیہما السلام؟ معاویہ نے فرمایا تم نے صحیح آدمی سے سوال کیا۔ ہم ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں تھے کہ ایک آدمی نے آکر عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! اے دو ذبیحوں کے بیٹے جو کچھ اللہ نے آپ کو عطا فرمایا ہے مجھے بھی آپ اس میں سے عطا فرمائیے۔ سرکار یہ سن کر مسکرا دیئے۔ عرض کی گئی امیر المؤمنین! دو ذبیح کون ہیں؟ آپ نے فرمایا جب حضرت عبد المطلب کو بئر زمزم کھودنے کا حکم ملا تو آپ نے اللہ کی یہ نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کے معاملے کو آسان فرما دیا تو آپ ایک صاحبزادے کی قربانی دیں گے۔ فرمایا قرعہ حضرت عبد اللہ کے نام نکلا ان کے ماموؤں نے اس بات سے انکار کر دیا۔ اور کہنے لگے اپنے بیٹے کے فدیہ میں سو اونٹ ذبح کرو۔ چنانچہ آپ نے سو اونٹ ذبح فرمائے اور دوسرے ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ یہ حدیث بہت غریب ہے۔ اموی نے اسے اسی طرح اپنے مغازی میں بیان کیا ہے۔ میں نے ایک اغلاط آمیز نسخہ سے اسی طرح نقل کیا ہے۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کو اختیار کیا ہے کہ ذبیح حضرت اسحٰق علیہ السلام تھے اور دلیل یہ دی ہے کہ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ (الصافات: 101) ''پس ہم نے مژدہ سنایا انہیں ایک حلیم فرزند کا''۔ میں اس بشارت سے مراد حضرت اسحٰق علیہ السلام ہیں۔ قرآن کریم میں ایک اور جگہ آیا ہے فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِیْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ ؕ وَ بَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِیْمٍ (الذاریات: 28) ''اور انہوں نے بشارت دی آپ کو ایک صاحب علم بیٹے کی''۔ یہاں بھی حضرت اسحٰق علیہ السلام مراد ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی بشارت کا آپ نے یہ جواب دیا ہے کہ وہ آپ کے ساتھ چلنے پھرنے کی عمر کو پہنچ گئے تھے۔ اور ممکن ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے ساتھ اور بھی کوئی اولاد ہوئی ہو اور فرمایا: وہ دو سینگ جو کعبہ میں لٹکے ہوئے تھے ممکن ہے کہ بلاد کنعان سے لائے گئے ہوں۔ یہ پہلے گزر چکا ہے کہ بعض لوگوں کی رائے میں حضرت اسحٰق علیہ السلام کو یہیں ذبح کیا گیا۔ اپنی تفسیر میں انہوں نے اسی بات پر اعتماد کیا ہے (2)۔ ان کی رائے نہ تو مذہب ہے اور نہ لازم ہے۔ بلکہ یہ حقیقت سے بہت دور ہے۔ محمد بن کعب قرظی کا استدلال کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے زیادہ پختہ، واضح اور اقویٰ ہے، واللہ اعلم۔

جہاں تک آیت کریمہ وَ بَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ کا تعلق ہے جب اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں پھر ان کے بھائی حضرت اسحٰق علیہ السلام کے تولد ہونے کی بشارت کا عطف اس پر کیا جا رہا ہے۔ سورۂ ہود اور سورۂ حجر میں میں

1۔ تفسیر بغوی، جلد 4 صفحہ 32　2۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 86-85

نے اس کا ذکر کیا ہے(1)۔

لفظ نبیاً حال مقدرہ ہے یعنی نبی صالح بن جائیں گے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند سے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ذبیح حضرت اسحٰق علیہ السلام ہیں اور اس آیت کریمہ میں بشارت سے مراد نبوت کی بشارت ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا (مریم:53) ''اور ہم نے بخشا انہیں اپنی خاص رحمت سے ان کا بھائی ہارون جو نبی تھا''۔ حضرت ہارون، حضرت موسیٰ علیہما السلام سے بڑے تھے لیکن مراد یہ ہے کہ انہیں نبوت عطا فرمائی۔ ابن عبد الاعلی نے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ صالح نبی کی اس آیت میں بشارت دی گئی ہے۔ فرمایا آپ کی نبوت کی بشارت اس وقت دی جہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کی جگہ ذبح میں فدیہ قبول فرمایا۔ نبوت کی بشارت ولادت کے وقت نہیں تھی۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آپ کی بشارت دو مرتبہ دی گئی۔ ولادت کے وقت اور نبوت سے قبل۔ سعید بن ابی عروبہ نے بھی حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے یہی روایت کیا ہے کہ جب آپ نے اپنی جان کی قربانی دی تو اللہ تعالیٰ نے یہ خوشخبری دی۔

فرمایا: وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ ۭ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ۭ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ (ہود:48) ''ارشاد ہوا اے نوح! (کشتی سے) اتریے امن وسلامتی کے ساتھ ہماری طرف سے اور برکتوں کے ساتھ جو آپ پر ہیں اور ان قوموں پر جو آپ کے ہمراہ ہیں اور (آئندہ) کچھ قومیں ہوں گی ہم لطف اندوز کریں گے انہیں پھر پہنچے گا انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب''۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰي مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿١١٤﴾ وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿١١٥﴾ وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿١١٦﴾ وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ﴿١١٧﴾ وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿١١٨﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿١١٩﴾ سَلٰمٌ عَلٰي مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿١٢٠﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٢١﴾ اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٢٢﴾

''ہم نے احسان فرمایا موسیٰ و ہارون (علیہما السلام) پر اور ہم نے بچالیا ان دونوں کو اور ان کی قوم کو بڑے غم واندوہ سے۔ اور ہم نے ان کی مدد فرمائی پس ہو گئے وہی غلبہ پانے والے۔ اور ہم نے بخشی ان دونوں کو ایسی کتاب جو نہایت واضح ہے۔ اور ہم نے ہدایت دی انہیں سیدھے راستہ کی۔ اور ہم نے چھوڑا ان کے ذکر خیر کو پیچھے آنے والوں میں۔ سلام ہو موسیٰ اور ہارون پر۔ ہم اسی طرح جزا دیتے ہیں نیک کام کرنے والوں کو۔ بے شک وہ دونوں ہمارے مومن بندوں میں سے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ اس بات کا ذکر فرما رہے ہیں کہ ہم نے حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو نبوت کا انعام عطا فرمایا اور آپ کو آپ کے پیروکاروں اور آپ کی قوم کو فرعون کے قہر و جبروت سے نجات بخشی جو انہیں از حد رسوا کرتا تھا، ان کے بیٹوں کو قتل کر دیتا، عورتوں کو زندہ رکھتا اور ان سے خسیس کام کرواتا۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے انہیں اس پر نصرت عطا فرمائی اور ان کی آنکھیں ٹھنڈی کیں۔ چنانچہ وہ ان پر غالب

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ ہود آیت، جلد 71 سورہ حجر آیت:53

آ گئے ان کی زمینوں اور اموال پر قبضہ کر لیا۔ ان کی ساری جمع شدہ پونجی کے یہ مالک بن گئے پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر واضح اور عظیم کتاب نازل فرمائی جو کہ تورات ہے۔ جیسے ارشاد فرمایا: وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَ ضِيَآءً وَّ ذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ (الانبیاء:48) ''اور یقیناً ہم نے عطا فرمایا موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) کو فرقان اور روشنی''، اور اقوال و افعال میں انہیں صراط مستقیم عطا فرمائی اور ان کا ذکر جمیل اور ثنا گستری کو باقی رکھا۔

وَ اِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّ تَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَ رَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَ تَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۲۹﴾ سَلٰمٌ عَلٰۤى اِلْ يَاسِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾

''اور بے شک الیاس (علیہ السلام) بھی پیغمبروں میں سے ہیں۔ (یاد کرو) جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کیا تم ڈرتے نہیں؟ کیا تم عبادت کرتے ہو بعل کی اور چھوڑے ہوئے ہو احسن الخالقین کو۔ (یعنی) اللہ کو جو تمہارا بھی پروردگار ہے اور تمہارے پہلے باپ دادا کا بھی پروردگار ہے۔ پھر انہوں نے آپ کو جھٹلایا پس یقیناً انہیں (پکڑ کر) حاضر کیا جائے گا بجز اللہ کے بندوں کے جو مخلص ہیں۔ اور ہم نے چھوڑا ان کے ذکر خیر کو پیچھے آنے والوں میں۔ سلام ہو الیاس پر۔ ہم اسی طرح جزا دیتے ہیں نیک کام کرنے والوں کو۔ بیشک وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے ہیں۔''

قتادہ اور محمد بن اسحٰق رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے الیاس سے مراد حضرت ادریس علیہ السلام ہیں۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی یہی روایت کیا ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔ وہب بن منبہ کا قول ہے کہ یہ الیاس بن نسی بن فنحاص بن عیزار بن ہارون بن عمران ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں حضرت حزقیل علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل میں مبعوث فرمایا تھا۔ وہ اس وقت بعل نامی ایک بت کی پرستش کرتے تھے۔ آپ نے انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا اور ماسوا اللہ کی عبادت سے منع فرمایا ان کا بادشاہ بھی آپ پر ایمان لے آیا تھا وہ پھر مرتد ہو گیا۔ چنانچہ وہ اپنی گمراہی پر اڑے رہے اور ان میں سے کوئی بھی آپ پر ایمان نہ لایا۔ آپ نے ان کے خلاف بددعا فرمائی۔ تین سال تک ان پر بارش نہ ہوئی۔ مجبوراً انہوں نے آپ سے دعا کی درخواست کی اور بارش ہونے کی صورت میں ایمان لانے کا وعدہ کیا۔ چنانچہ آپ نے ان کے لئے دعا فرمائی تو بارش ہوئی۔ لیکن وہ پہلے سے بھی زیادہ سختی سے کفر پر اڑے رہے۔ یہ دیکھ کر آپ نے دعا فرمائی کہ اللہ آپ کو اپنی طرف اٹھا لے۔ آپ کے زیر سایہ یسع بن اخطوب علیہ السلام نے پرورش پائی تھی۔ چنانچہ حضرت الیاس علیہ السلام کو حکم ہوا کہ فلاں جگہ چلے جائیں۔ جو چیز آپ کو ملے اس پر سوار ہو جائیں اور اس سے نہ ڈریں۔ آگ کا ایک گھوڑا آپ کے پاس آیا۔ آپ اس پر سوار ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نور اور پر عطا فرمائے۔ آپ فرشتوں کے ساتھ مل کر اڑنے لگے اور فرشتوں کے ساتھ آسمانی، زمینی، انسانی فرشتہ بن گئے۔ ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ نے اہل کتاب سے اسی طرح بیان کیا ہے۔ اس واقعہ کی صحت کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہی ہے، واللہ اعلم (1)۔

1۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 118، تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 94-92

قولہ تعالیٰ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَلَا تَتَّقُوْنَ کیا تم اللہ سے ڈرتے نہیں ہو کہ اس کے سوا دوسروں کی عبادت کرتے ہو۔

قولہ تعالیٰ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عکرمہ، قتادہ اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ بعل کا معنی رب ہے۔ یعنی وہ بت کو بعل کہتے تھے۔ عکرمہ اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ یہ اہل یمن کی لغت ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے ہی ایک دوسری روایت ہے کہ یہ ازدشنوءۃ کی لغت ہے۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ بعض اہل علم نے مجھے خبر دی ہے کہ وہ ایک عورت کی پوجا کرتے تھے جس کا نام بعل تھا۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا قول ہے کہ یہ بت کا نام ہے، اہل شہر جس کی پوجا کرتے تھے۔ اس شہر کا نام بعلبک تھا جو کہ دمشق کے مغرب میں واقع تھا۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے بت ہی قرار دیا ہے۔ اتدعون بعلا کیا تم بت کی پرستش کرتے ہو اور جو وحدہ لاشریک عبادتوں کا مستحق ہے اسے چھوڑ دیتے ہو۔

قولہ تعالیٰ فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ یعنی عذاب کے سامنے قیامت کے دن۔ مخلصین سے مراد موحدین ہیں۔ یہ کلام مثبت اور استثناء منقطع ہے۔

قولہ تعالیٰ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ یعنی ہم نے ان کا ذکر خیر باقی رکھا۔

قولہ تعالیٰ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ "ال یاسین" کی قراءت ایسے ہی ہے جس طرح اسماعیل کو اسماعین کر کے پڑھا جاتا ہے اور یہ بنو اسد کی لغت ہے۔ بنو تمیم کا کوئی شاعر جس نے گوہ کا شکار کیا تھا اس کے متعلق کہتا ہے(2)۔

يَقُوْلُ رَبُّ السوقِ لمّا جِئْنَا　　هٰذَا وَرَبُّ الْبَيْتِ اِسْرَائِيْنَا

میکائیل کو میکال اور میکائن بھی کہا جاتا ہے اور ابراہیم کو ابراہام اور اسرائیل کو اسرائین، طور سینا کو طور سینین بھی کہا جاتا ہے۔ یہ سب ایک ہی چیز کے اسماء ہیں اور دونوں طرح پڑھنا روا ہے۔ کچھ اور قراء نے سلامٌ علی ادراسین کر کے پڑھا ہے(1)۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت بھی یہی ہے۔ بعض قراء نے سَلٰمٌ عَلٰٓى اٰلِ يَاسِيْنَ پڑھا ہے یعنی اس سے مراد آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

اس فرمان: اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے، واللہ اعلم۔

وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ اِذْ نَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ﴿۱۳۵﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَبِالَّيْلِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

"اور بے شک لوط بھی پیغمبروں میں ہیں۔ (یاد کرو) جب بچا لیا ہم نے انہیں اور ان کے سارے اہل خانہ کو۔ بجز ایک بڑھیا کے جو پیچھے رہنے والوں میں تھی۔ پھر ہم نے برباد کر دیا دوسرے لوگوں کو۔ اور تم گزرتے رہتے ہو ان (کے اجڑے دیاروں) پر صبح کے وقت اور رات کے وقت۔ کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے"۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندے اور رسول حضرت لوط علیہ السلام کے بارے میں خبر دے رہے ہیں کہ اللہ نے انہیں ان کی قوم کی طرف بھیجا لیکن انہوں نے آپ کی تکذیب کی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں اور آپ کے گھر والوں کو نجات دے دی۔ صرف آپ کی بیوی قوم سمیت ہلاک کر دیا گیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انواع واقسام کے عذاب سے انہیں ہلاک کیا۔ ان کی رہائش کی جگہ ایک بدبودار جھیل (بحیرہ) بن گئی۔ جس کا پانی بدمنظر، بے ذائقہ اور بدبودار ہے جو عین آمد و رفت کے راستے میں پڑتی ہے۔ مسافر دن رات اس کے پاس

1۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 94، آلوسی: روح المعانی، جلد 23 صفحہ 142

سے گزرتے ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ اِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ ۝ وَ بِالَّيْلِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ یعنی تم عبرت کیوں نہیں پکڑتے کہ اللہ تعالیٰ نے کیسے انہیں تباہ کر دیا اور تم جانتے ہو کہ کفار کی مثالیں اسی طرح ہیں۔

وَ اِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ۝ فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِيْمٌ ۝ فَلَوْ لَاۤ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ۝ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖۤ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ ۝ وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ۝ وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ۝ فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ۝

"اور بیشک یونس بھی (ہمارے) رسولوں میں سے ہیں۔ جب وہ بھاگ کر گئے تھے بھری ہوئی کشتی کی طرف (سوار ہونے کے لئے) پھر قرعہ اندازی میں شریک ہوئے اور دھکیلے ہوؤں میں سے ہو گئے۔ پس نگل لیا انہیں حوت نے درآنحالیکہ وہ اپنے آپ کو ملامت کر رہے تھے۔ پس اگر وہ اللہ کی پاکی بیان کرنے والوں سے نہ ہوتے، تو پڑے رہتے مچھلی کے پیٹ میں قیامت کے دن تک۔ پھر ہم نے ڈال دیا انہیں کھلے میدان میں اس حال میں کہ وہ بیمار تھے۔ اور (ان کی حفاظت کے لئے) ہم نے اگا دی ان پر کدو کی بیل۔ اور ہم نے بھیجا تھا انہیں ایک لاکھ یا اس سے زیادہ لوگوں کی طرف۔ پس وہ ایمان لائے اور ہم نے لطف اندوز ہونے دیا انہیں کچھ وقت تک"۔

حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ سورۂ انبیاء میں گزر چکا ہے۔

صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "کسی بندے کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ یہ کہے کہ میں یونس بن مَتّٰی سے افضل ہوں"۔ اور آپ کو آپ کی والدہ کی طرف منسوب فرمایا(1)۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ نام آپ کے والد کا ہے۔

قولہ تعالیٰ اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس سے مراد ہے سامان سے بھری ہوئی کشتی۔

قولہ تعالیٰ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ قرعہ اندازی کی تو آپ مغلوب ہو گئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کشتی کو چاروں طرف سے موجوں نے گھیر لیا تھا۔ انہوں نے قرعہ اندازی کی کہ جس کے نام کا قرعہ نکل آئے اسے سمندر میں پھینک دیا جائے تاکہ کشتی کا بوجھ ہلکا ہو جائے۔ چنانچہ قرعہ اللہ کے نبی حضرت یونس علیہ الصلاۃ والسلام کے نام نکلا۔ تین مرتبہ ایسا ہی ہوا۔ وہ آپ کو پانی میں بہانا نہیں چاہتے تھے۔ لوگوں کے روکنے کے باوجود آپ خود کپڑے اتار کر سمندر میں کود پڑے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے بحر اخضر کی ایک بہت بڑی مچھلی کو حکم دیا کہ سمندر چیرتی ہوئی جائے اور حضرت یونس علیہ السلام کو نگل لے۔ نہ ان کے جسم پر کوئی خراش آئے اور نہ کوئی ہڈی ٹوٹے۔ چنانچہ وہ مچھلی آئی اور جب حضرت یونس علیہ السلام نے چھلانگ لگائی اس نے آپ کو نگل لیا اور سمندروں میں چلنے پھرنے لگی۔ جب حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں پہنچے تو آپ نے خیال فرمایا کہ میں مر چکا ہوں۔ پھر آپ نے سر، پاؤں اور بازوؤں کو حرکت دی تو سمجھے کہ میں ابھی زندہ ہوں۔ چنانچہ کھڑے ہو کر مچھلی کے پیٹ کے اندر ہی نماز پڑھنے لگے اور اللہ سے دعا کی: بار الٰہا! میں نے تیرے لئے ایسی جگہ مسجد بنائی ہے جہاں کوئی نہ پہنچا ہوگا۔

1۔ بخاری، جلد 4 صفحہ 193، مسلم، کتاب الفضائل، فتح الباری، تفسیر سورۂ نساء، جلد 8 صفحہ 294-267، نیز کتاب التوحید، جلد 13 صفحہ 512 نیز کتاب الانبیاء، جلد 6 صفحہ 451-450

آپ مچھلی کے پیٹ میں کتنا عرصہ رہے اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ایک قول ہے کہ تین دن۔قتادہ کی یہی رائے ہے۔ایک قول ہے سات دن۔حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا یہی قول ہے۔ایک قول ہے کہ چالیس دن۔ابو مالک کا قول یہی ہے۔مجاہد نے شعبی رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ مچھلی نے آپ کو صبح کے وقت نگلا اور شام کو اگل دیا۔اس کی صحیح مقدار کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہی ہے۔امیہ بن ابی الصّلت کا شعر ہے:(1)

وَأَنتَ بِفَضْلٍ مِنْكَ نَجَّيْتَ يُونُسًا وَقَدْ بَاتَ فِيْ اَضْعَافِ حُوْتٍ لَيَالِيَا

قولہ تعالیٰ فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ﴿﴾ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ یعنی اس سے پیشتر فراخی کے وقت ان کا کوئی عمل نہ ہوتا۔ ضحاک بن قیس، ابو العالیہ، وہب بن منبہ، قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ اور دوسرے بہت سے علماء کا یہی قول ہے۔ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی قول اختیار کیا ہے۔ایک حدیث جسے ہم آگے بیان کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ وہ بھی اسی بات کی دلیل ہے بشرطیکہ یہ روایت صحیح ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:''فراخی میں اللہ کو پہچان وہ تنگی میں تجھے پہچانے گا''۔

ابن عباس، سعید بن جبیر، ضحاک، عطاء بن سائب، سدی، حسن اور قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے کہ تسبیح سے مراد نماز ہے۔بعض نے کہا ہے کہ وہ مچھلی کے پیٹ میں جانے سے قبل نماز پڑھا کرتے تھے۔بعض کا قول ہے کہ اپنے والدین کے پیٹ میں نماز پڑھتے تھے۔ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۭ وَكَذٰلِكَ نُـْۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ (الانبیاء:88-87)'' پھر اس نے پکارا(تہ در تہ) اندھیروں میں کہ کوئی معبود نہیں سوا تیرے پاک ہے تو۔بے شک میں ہی قصورواروں سے ہوں۔پس ہم نے اس کی پکار کو قبول فرمالیا اور نجات بخش دی انہیں غم (واندوہ) سے۔اور یونہی ہم نجات دیا کرتے ہیں مومنوں کو''۔سعید بن جبیر وغیرہ کا یہی قول ہے۔ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے یزید الرقاشی سے نقل کیا ہے۔انہوں نے انس بن مالک کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا۔اور میں نہیں جانتا مگر یہ کہ انس حدیث کو رسول اللہ ﷺ تک مرفوع بیان کرتے تھے کہ حضرت یونس نبی علیہ السلام کو جب ان کلمات کا خیال آیا تو آپ نے مچھلی کے پیٹ میں ہی یہ دعا مانگی: اللهم لا إله إلا انت سبحانك إني كنت من الظالمين تو یہ دعا عرش کے گرد منڈلانے لگی۔فرشتوں نے عرض کی اے رب! یہ کمزور آواز ہے لیکن جانی پہچانی لگتی ہے جو کسی دور دراز کے عجیب وغریب ملک سے آرہی ہے۔اللہ تعالیٰ نے پوچھا کیا تم اسے پہچانتے ہو؟ وہ عرض کرنے لگے اے رب یہ کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرا بندہ یونس۔انہوں نے عرض کی تیرا بندہ وہی یونس جن کے نیک اعمال اور مقبول دعائیں ہمیشہ اٹھائی جاتی ہیں۔انہوں نے عرض کی اے رب! تو ان پر کیوں رحم نہیں فرماتا۔جو وہ کشادگی کے وقت نیک اعمال کیا کرتے تھے، اس کے بدلے انہیں امتحان میں سرخرو فرما۔اللہ تعالیٰ نے ان کی درخواست منظور فرمائی اور مچھلی کو حکم دیا تو اس نے آپ کو کھلی زمین پر ڈال دیا۔ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح بیان کیا ہے۔ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر یہ اضافہ کیا ہے کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرماتے سنا کہ اللہ نے آپ کو کھلی زمین کے کنارے ڈالا اور اس کے کنارے اللہ نے کدو کی بیل اگادی۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اللہ نے آپ کے لئے ایک جنگلی بکری بھیجی جو صبح وشام آپ کی خدمت میں آتی تھی۔آپ اس کا دودھ پیتے تھے۔

امیہ بن ابی الصّلت نے ایک شعر کہا ہے:

1۔سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 228

فَاَنْبَتَ يَقْطِيْنًا عليه برحمة من اللهِ لَوْلَا اللّٰهُ اَلْفِىَ ضَاحِيًا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث مرفوعاً سند کے ساتھ سورۂ انبیاء میں مذکور ہو چکی ہے(1)۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ کا قول ہے کہ یہ ایسی زمین ہے جس میں نباتات اور آبادی نہ تھی۔ ایک قول ہے کہ یہ دجلہ کا کنارہ تھا۔ دوسرا قول ہے کہ سرزمین یمن تھی۔ واللہ اعلم۔

وَهُوَ سَقِيْمٌ یعنی بدن کمزور ہو چکا تھا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ چوزے کی طرح جس کے پر نہ ہوں۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ بچے کی طرح جب وہ پیدا ہوتا ہے یعنی صرف سانس لے رہا ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس اور ابن زید نے بھی یہی کہا ہے۔

وَ اَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ حضرت ابن مسعود، ابن عباس رضی اللہ عنہم، مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، وہب بن منبہ، ہلال بن یساف، عبداللہ بن طاؤس، سدی، قتادہ، ضحاک، عطاء خراسانی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کثیر علماء کا قول ہے کہ یہ کدو کا درخت (بیل) ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ہر وہ درخت جس کی عمر ایک سال ہو وہ یقطین ہے۔

بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ کدو کے بہت سے فوائد ہیں۔ بہت جلد اُگنا، بڑھنا، پتوں کے بڑا اور نرم ہونے کی وجہ سے سایہ گھنا ہونا۔ مکھی اس کے قریب نہیں آتی۔ اس کا پھل غذا کا کام دیتا ہے۔ اس کو کچا یا پکا کر گودے اور چھلکے سمیت کھایا جاتا ہے۔ مروی ہے رسول اللہ ﷺ کدو پسند فرمایا کرتے تھے اور سالن کے برتن سے اسے تلاش کیا کرتے تھے(2)۔

قولہ تعالیٰ وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ شہر بن حوشب نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت یونس علیہ السلام کی نبوت اس وقت شروع ہوئی جب آپ مچھلی کے پیٹ سے باہر آئے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی روایت بیان کی ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ مچھلی کے پیٹ میں جانے سے قبل آپ ان کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے تھے۔

میں کہتا ہوں اس میں کوئی مانع نہیں کہ جن لوگوں کی طرف آپ پہلے رسول بنا کر بھیجے گئے تھے، مچھلی کے پیٹ سے نکلنے کے بعد دوبارہ ان کی طرف لوٹنے کا حکم دیا گیا۔ ان سب نے آپ کی تصدیق کی اور آپ پر ایمان لائے۔ بغوی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ مچھلی کے پیٹ سے نکلنے کے بعد آپ کو ایک اور امت کی طرف بھیجا گیا۔ جن کی تعداد ایک لاکھ سے کچھ زیادہ تھی(3)۔

قولہ اَوْ يَزِيْدُوْنَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ او یہاں بمعنی بل ہے اور ان کی تعداد ایک لاکھ تیس ہزار تھی۔ ایک روایت میں ایک لاکھ تیس ہزار یا اس سے کچھ اوپر، ایک روایت میں ایک لاکھ چالیس ہزار یا اس سے کچھ اوپر، واللہ اعلم۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ستر ہزار۔

مکحول کا قول ہے کہ وہ ایک لاکھ دس ہزار تھے(4)۔

ابن ابی حاتم اور جریر رحمہما اللہ تعالیٰ نے اپنی سند سے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی وضاحت پوچھی تو آپ ﷺ نے فرمایا ان کی تعداد بیس ہزار تھی۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسری سند سے یہی روایت کیا ہے اور اسے غریب قرار دیا ہے(5) اور ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایک اور سند سے بھی روایت کیا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ

1۔ شعر کے لئے دیکھئے تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 103، تفسیر سورۂ رعد آیت 2 سورۂ طٰہٰ آیت: 44

2۔ بخاری، جلد 7 صفحہ 102-98 فتح الباری، کتاب الاطعمۃ، جلد 9 صفحہ 563، مسلم کتاب الاشربہ، جلد 3 صفحہ 1615

3۔ تفسیر بغوی، جلد 4 صفحہ 43 4۔ تحفۃ الاحوذی، جلد 9 صفحہ 97 5۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ صافات، جلد 12 صفحہ 108

علیہ لکھتے ہیں کہ اہل بصرہ میں سے بعض اہل عرب کی رائے میں یہ تعداد ایک لاکھ سے زیادہ تھی۔ یہی مسلک انہوں نے ان آیات میں اختیار کیا ہے۔ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ۚ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (البقرہ:73) ''پھر سخت ہو گئے تمہارے دل یہ منظر دیکھنے کے بعد بھی وہ تو پتھر کی طرح (سخت) ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ''۔ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً (النساء:77) ''تب ایک گروہ ان میں سے ڈرنے لگا لوگوں سے جیسے ڈرا جاتا ہے خدا سے یا اس سے بھی زیادہ''۔ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى (النجم:9) ''یہاں تک کہ صرف دو کمانوں کے برابر بلکہ اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا''۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے کم نہیں بلکہ زیادہ ہو سکتا ہے۔

قولہ تعالیٰ فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ یہ ساری قوم ایمان لے آئی جن کی طرف حضرت یونس علیہ السلام کو مبعوث فرمایا گیا تھا۔ اِلٰى حِيْنٍ سے مراد موت کا وقت ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ۭ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ (یونس:98) ''پس کیوں ایسا نہ ہوا کہ کوئی بستی ایمان لاتی تو نفع دیتا اسے اس کا ایمان (کسی سے ایسا نہ ہوا) بجز قوم یونس کے۔ جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے دور کر دیا ان سے رسوائی کا عذاب دنیوی زندگی میں اور ہم نے لطف اندوز ہونے دیا انہیں ایک مدت تک''۔

فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ ﴿١٤٩﴾ اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ ﴿١٥٠﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿١٥١﴾ وَلَدَ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿١٥٢﴾ اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ ﴿١٥٣﴾ مَا لَكُمْ ۣ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿١٥٤﴾ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿١٥٥﴾ اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٥٦﴾ فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١٥٧﴾ وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ۭ وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿١٥٨﴾ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿١٥٩﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿١٦٠﴾

''ذرا پوچھئے ان (نادانوں) سے کیا آپ کے رب کے لئے تو بیٹیاں ہیں اور ان کے لئے بیٹے۔ آیا جب ہم نے فرشتوں کو مؤنث بنایا تو کیا وہ موجود تھے۔ غور سے سنو! وہ جھوٹی تہمت لگاتے ہیں جب وہ کہتے ہیں۔ کہ اللہ نے بچے جنے۔ اور وہ بلاشبہ جھوٹ بکتے ہیں۔ کیا اس نے پسند کی ہیں (اپنے لئے) بیٹیاں، بیٹوں کو چھوڑ کر۔ تمہیں کیا ہو گیا؟ تم کیسے فیصلے کر رہے ہو۔ کیا تم غور و فکر نہیں کیا کرتے۔ کیا تمہارے پاس کوئی واضح دلیل ہے۔ تو اپنی وہ دستاویز پیش کرو اگر تم سچے ہو۔ اور ٹھہرا دیا ہے انہوں نے اللہ تعالیٰ اور جنوں کے درمیان رشتہ۔ حالانکہ جن خود جانتے ہیں کہ انہیں (پکڑ کر) پیش کیا جائے گا۔ پاک ہے اللہ ان (لغویات) سے جو یہ بیان کرتے ہیں۔ مگر اللہ کے چنے ہوئے بندے (ایسی ہرزہ سرائی نہیں کرتے)''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ مشرکین کا انکار فرما رہے ہیں کہ اللہ کے لئے تو انہوں نے لڑکیاں پسند کی ہیں اور اپنے لئے جو وہ چاہتے ہیں یعنی لڑکے۔ یعنی اپنے لئے اچھی چیز پسند کرتے ہیں۔ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ (النحل:58) ''اور جب اطلاع دی جاتی ہے ان میں سے کسی کو بیٹی (کی پیدائش) کی تو (غم سے) اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ (رنج و اندوہ) سے بھر جاتا ہے''۔ یعنی اسے برا محسوس ہوتا ہے اور اپنے لئے صرف لڑکے پسند کرتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرما رہے ہیں کہ انہوں نے یہ تقسیم اللہ کی طرف کیسے

منسوب کر دی ہے جسے وہ خود پسند نہیں کرتے۔ اسی لئے فرمایا: فَاسْتَفْتِهِمْ یعنی علی سبیل الانکار ان سے پوچھئے: اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ﴿۲۱﴾ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى (النجم:22-21) ''کیا تمہارے لئے تو بیٹے ہیں اور اللہ کے لئے نری بیٹیاں۔ یہ تقسیم تو بڑی ظالمانہ ہے''۔

قولہ تعالیٰ اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ انہوں نے فرشتوں کے بارے میں یہ حکم کیسے لگا دیا کہ وہ لڑکیاں ہیں حالانکہ وہ ان کی تخلیق کے وقت موجود نہ تھے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ؕ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْئَلُوْنَ (الزخرف:19) ''اور انہوں نے ٹھہرالیا فرشتوں کو جو (خداوند) رحمٰن کے بندے ہیں، عورتیں۔ کیا یہ موجود تھے ان کی پیدائش کے وقت؟ لکھ لی جائے گی ان کی گواہی اور ان سے باز پرس ہوگی''۔ قیامت کے دن ان سے پوچھا جائے گا۔

فرمایا: اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَدَ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ یعنی وہ جھوٹ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے بارے میں ان کے تین اقوال ذکر کئے ہیں جو جھوٹ اور کفر کی انتہاء ہیں:۔

(۱) فرشتوں کو اللہ کی لڑکیاں قرار دے کر اس کی اولاد ثابت کر دی۔

(۲) پھر اس اولاد کو بھی لڑکیاں قرار دیا۔

(۳) پھر اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان کی عبادت شروع کر دی۔

ان میں سے ہر قول ان کے نار جہنم میں ہمیشہ رہنے کے لئے کافی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کا انکار کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ یعنی کیا وجہ ہے کہ اس نے لڑکے چھوڑ کر لڑکیاں اپنے لئے پسند فرمائیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ؕ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا (الاسراء:40) ''پس کیا چن لیا ہے تمہیں تمہارے رب نے بیٹوں کے لئے اور (اپنے لئے) بنا لیا ہے فرشتوں کو بیٹیاں۔ (صد افسوس) تم تو ایسی بات کہہ رہے ہو جو بہت سخت ہے''۔ اسی لئے فرمایا مَا لَكُمْ ۫ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ کیا تمہارے پاس عقل نہیں۔ جس سے کام لے کر تم یہ سوچ لو کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟

سلطان سے مراد حجت اور دلیل ہے۔

قولہ فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ یعنی اس پر دلیل ذکر کرو جس کی سند کسی آسمانی کتاب سے ہو کہ اس نے اختیار کر لیا ہے جو تم کہتے ہو۔ بلاشبہ جو تم کہتے ہو اسے عقل کی طرف منسوب کرنا ممکن نہیں بلکہ عقل اسے کلیۃً جائز ہی قرار نہیں دیتی۔

قولہ وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ مشرکوں نے کہا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا تو پھر ان کی مائیں کون سی ہیں؟ وہ کہنے لگے جن سرداروں کی لڑکیاں۔ قتادہ اور ابن زید رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی یہی کہا ہے۔ اسی لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ یعنی جن کی طرف انہوں نے منسوب کیا تھا وہ جنات بھی یہ جانتے ہیں کہ یہ لوگ اللہ کو جھٹلانے کی وجہ سے قیامت کے دن عذاب پر پیش کئے جائیں گے۔

عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا کے تحت روایت کیا ہے کہ دشمنان خدا نے یہ گمان کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ اور ابلیس دونوں بھائی ہیں۔ تعالی اللہ عن ذلك علوا كبيرا ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بیان کیا ہے۔

قولہ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ اس سے مقدس اور منزہ ہے کہ اس کی اولاد ہو یا جو یہ ظالم ملحد الزام لگاتے ہیں وہ

اس سے برتر اور پاک ہے۔

قولہ اِلَّا عِبَادَ اللّٰہِ الْمُخْلَصِیْنَ یہ استثناء منقطع ہے اور کلام مثبت ہے بشرطیکہ عَمَّا یَصِفُوْنَ کی ضمیر الناس (سب لوگوں) کی طرف لوٹ رہی ہو۔ پھر ان میں سے مخلص لوگوں کو مستثنیٰ کر دیا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ہر نبی مرسل پر نازل شدہ حق کی اتباع کرتے ہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اِنَّھُمْ لَمُحْضَرُوْنَ سے استثناء کیا ہے۔ لیکن ان کا یہ قول محل نظر ہے۔ واللہ اعلم۔

فَاِنَّكُمْ وَ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ ﴿۱۶۲﴾ اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۶۳﴾ وَ مَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۱۶۴﴾ وَّ اِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ﴿۱۶۵﴾ وَ اِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَ اِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۶۷﴾ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۶۸﴾ لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۷۰﴾

"پس تم اور جن (جھوٹے خداؤں) کی تم پوجا کرتے ہو۔ تم (سب مل کر) اللہ کے خلاف (کسی کو) نہیں بہکا سکتے۔ مگر اسے جو تاپنے والا ہے بھڑکتی آگ کو۔ اور فرشتے کہتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی ایسا نہیں مگر اس کے لئے مقام متعین ہے۔ اور ہم پرے باندھے (مقام نیاز میں) کھڑے ہیں۔ اور بیشک ہم اس کی پاکی بیان کرنے والے ہیں۔ اور وہ (بعثت نبوی سے پہلے) کہا کرتے تھے اگر ہمارے پاس کوئی نصیحت ہوتی پہلے لوگوں کی طرف سے تو ہم اللہ کے مخلص بندے بن جاتے۔ پس (جب نصیحت آئی) تو اسے ماننے سے انکار کر دیا وہ عنقریب (اپنا انجام) جان لیں گے"۔

اللہ تبارک وتعالیٰ مشرکین کو فرما رہے ہیں کہ تمہاری بات اور جس گمراہی اور باطل میں تم مبتلا ہوا سے وہی مانیں گے جو تم سے زیادہ گمراہ ہیں۔ جو صرف آگ کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ۭ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ (الاعراف:179) "ان کے دل (تو) ہیں لیکن وہ سمجھتے نہیں ان سے اور ان کی آنکھیں تو ہیں لیکن وہ دیکھتے نہیں ان سے اور ان کے کان تو ہیں لیکن وہ سنتے نہیں ان سے۔ وہ حیوانوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ یہی لوگ تو غافل ہیں"۔

لوگوں کی یہی صنف دین شرک وکفر اور ضلالت وگمراہی کی پیروی کرتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّكُمْ لَفِيْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ﴿۸﴾ يُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ (الذاریات:9-8) "بیشک تم مختلف (بے ربط) باتوں میں پڑے ہو۔ منہ پھیرے ہے اس (قرآن) سے جس کا منہ ازل سے ہی پھیر دیا گیا ہے"۔ یعنی اس کے ساتھ صرف وہی گمراہ ہوتا ہے جو بہکا ہوا اور باطل پرست ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اس سے منزہ قرار دیا جو وہ ان کی طرف کفر کی نسبت کرتے تھے اور یہ جھوٹ بولتے تھے کہ وہ اللہ کی لڑکیاں ہیں۔

قولہ وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ یعنی آسمانوں میں ہر فرشتہ کی جگہ اور مقام عبادت مخصوص ہے جس سے وہ آگے نہیں بڑھتا۔ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن خالد کے حالات میں یہ ذکر کیا ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے اپنے ساتھیوں سے ارشاد فرمایا: "آسمان چر چرا رہا ہے اور اسے چر چرانا بھی چاہئے (کیونکہ) اس میں ایک قدم رکھنے کی جگہ بھی باقی نہیں ہے مگر وہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ رکوع میں ہے یا سجدہ ریز ہے"۔ پھر یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے کہ مسروق رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آسمان دنیا پر کوئی جگہ نہیں ہے مگر وہاں کوئی فرشتہ حالت قیام یا سجدہ میں ہے۔ اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت مسروق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ بے شک آسمانوں میں ایک ایسا آسمان ہے جس میں ایک بالشت بھر جگہ بھی باقی نہیں جہاں کسی نہ کسی فرشتے کے قدم اور پیشانی نہ ہو۔ پھر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے یہی آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی کہا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ مرد اور عورتیں مل کر ایک ساتھ نماز پڑھتے تھے جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی وَمَا مِنَّاۤ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ تو مرد آگے ہو گئے اور عورتیں پیچھے ہو گئیں۔

وَّ اِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ یعنی اطاعت میں ہم صف بستہ ہیں۔ جیسے اس آیت کے تحت گزرا وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا (الصافات: 1) ''قسم ہے (مقام نیاز میں) پرے باندھ کر کھڑے ہونے والوں کی)۔ ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ نے ولید بن عبداللہ بن أبی مغیث سے روایت کیا ہے کہ وہ نماز میں صفیں نہیں باندھتے تھے پھر جب یہ آیت نازل ہوئی تو انہوں نے صفیں بنالیں (1)۔

ابونضرۃ کا قول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز کے وقت لوگوں کی طرف منہ کر کے فرمایا کرتے: '' اپنی صفوں کو درست رکھو، سیدھے کھڑے رہو۔ اللہ تعالیٰ تم سے بھی فرشتوں کی طرح صف بندی چاہتا ہے۔ پھر فرماتے وَ اِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ اے فلاں پیچھے ہو۔ اے فلاں آگے بڑھو'' پھر آگے بڑھ کر تکبیر کہتے۔ ابن ابی حاتم اور ابن جریر رحمہما اللہ تعالیٰ نے یہی روایت کیا ہے (2)۔ صحیح مسلم میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہمیں لوگوں پر تین اعتبار سے فضیلت دی گئی ہے: 1۔ ہماری صفیں فرشتوں کی صفوں کی طرح ہیں، 2۔ ہمارے لئے ساری روئے زمین مسجد بنادی گئی ہے، 3۔ اور اس کی مٹی پاک بنائی گئی، الحدیث (3)۔

قولہ وَ اِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ یعنی ہم صفیں باندھ لیتے ہیں۔ اللہ کی تسبیح اور پاکی بیان کرتے ہیں اور اس کی بزرگی بیان کرتے ہیں اور اسے نقائص سے مقدس اور منزہ جانتے ہیں۔ ہم اسی کے بندے، اسی کے محتاج اور اسی کے تابع ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ان تینوں آیات سے مراد فرشتے ہیں جو اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے تسبیح سے مراد نماز لی ہے یعنی اپنی عبادت کی جگہ ثابت قدم رہتے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۙ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ۝ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ۝ وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْۤ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ (الانبیاء: 26-29) '' وہ کہتے ہیں بنالیا ہے رحمٰن نے (اپنے لئے) بیٹا سبحان اللہ! (یہ کیونکر ہو سکتا ہے) بلکہ وہ تو (اس کے) معزز بندے ہیں۔ نہیں سبقت کرتے اس سے بات کرنے میں اور وہ اسی کے حکم پر کاربند ہیں۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے گزر چکا ہے اور وہ شفاعت نہیں کریں گے مگر اس کے لئے جسے وہ پسند فرمائے اور وہ (اس کی بے نیازی کے باعث) اس کے خوف سے ڈر رہے ہیں۔ اور جو ان میں سے یہ کہے کہ میں خدا ہوں اللہ تعالیٰ کے سوا تو اسے ہم سزا دیں گے جہنم کی۔ یونہی ہم سزا دیا کرتے ہیں ظالموں کو''۔

قولہ تعالیٰ وَ اِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ ۙ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۙ لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ حضور ﷺ کی آمد سے قبل وہ یہ آرزو کرتے تھے کاش ان کے پاس کوئی شخص آتا جو انہیں ڈراتا اللہ کے امر سے اور اگلے لوگوں کے واقعات سناتا اور اللہ کی کتاب ان کے پاس

1۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 136　2۔ طبری، جلد 23 صفحہ 112　3۔ مسلم، جلد 2 صفحہ 63، کتاب المساجد

لاتا۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاَقۡسَمُوۡا بِاللّٰہِ جَہۡدَ اَیۡمَانِہِمۡ لَئِنۡ جَآءَہُمۡ نَذِیۡرٌ لَّیَکُوۡنُنَّ اَہۡدٰی مِنۡ اِحۡدَی الۡاُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَآءَہُمۡ نَذِیۡرٌ مَّا زَادَہُمۡ اِلَّا نُفُوۡرَا ۙ (فاطر:42) ''اور (کفار مکہ) اللہ کی سخت قسمیں کھا کر کہتے تھے کہ اگر ان کے پاس کوئی ڈرانے والا آیا تو وہ زیادہ ہدایت قبول کریں گے پہلی امتوں سے۔ پس جب آ گیا ان کے پاس ڈرانے والا تو ان کی (حق سے) نفرت اور بڑھ گئی''۔ اَنۡ تَقُوۡلُوۡۤا اِنَّمَاۤ اُنۡزِلَ الۡکِتٰبُ عَلٰی طَآئِفَتَیۡنِ مِنۡ قَبۡلِنَا ۪ وَ اِنۡ کُنَّا عَنۡ دِرَاسَتِہِمۡ لَغٰفِلِیۡنَ ﴿ۙ﴾ اَوۡ تَقُوۡلُوۡا لَوۡ اَنَّاۤ اُنۡزِلَ عَلَیۡنَا الۡکِتٰبُ لَکُنَّاۤ اَہۡدٰی مِنۡہُمۡ ۚ فَقَدۡ جَآءَکُمۡ بَیِّنَۃٌ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَ ہُدًی وَّ رَحۡمَۃٌ ۚ فَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ کَذَّبَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَ صَدَفَ عَنۡہَا ؕ سَنَجۡزِی الَّذِیۡنَ یَصۡدِفُوۡنَ عَنۡ اٰیٰتِنَا سُوۡٓءَ الۡعَذَابِ بِمَا کَانُوۡا یَصۡدِفُوۡنَ (الانعام:156-157) ''ہم نے اسے اتارا ہے) تاکہ یہ نہ کہو کہ اتاری گئی تھی کتاب تو صرف دو گروہوں پر ہم سے پہلے اور ہم تو ان کے پڑھنے پڑھانے سے بالکل بے خبر تھے یا یہ نہ کہو کہ اگر اتاری گئی ہوتی ہم پر تو ہوتے ہم زیادہ ہدایت پانے والے ان سے۔ بے شک آ گئی ہے تمہارے پاس روشن دلیل اپنے رب کی طرف سے اور سراسر ہدایت اور رحمت تو کون زیادہ ظالم ہے اس سے جس نے جھٹلایا اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو اور منہ پھیرا ان سے عنقریب ہم سزا دیں گے انہیں جو منہ موڑتے ہیں ہماری آیتوں سے برے عذاب سے اس وجہ سے کہ وہ منہ پھیرا کرتے تھے''۔

قولہ تعالیٰ فَکَفَرُوۡا بِہٖ فَسَوۡفَ یَعۡلَمُوۡنَ ان کے کفر اور اللہ کے رسول ﷺ کو جھٹلانے پر پختہ وعدہ اور شدید دھمکی دی جا رہی ہے۔

وَ لَقَدۡ سَبَقَتۡ کَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الۡمُرۡسَلِیۡنَ ﴿۱۷۱﴾ اِنَّہُمۡ لَہُمُ الۡمَنۡصُوۡرُوۡنَ ﴿۱۷۲﴾ وَ اِنَّ جُنۡدَنَا لَہُمُ الۡغٰلِبُوۡنَ ﴿۱۷۳﴾ فَتَوَلَّ عَنۡہُمۡ حَتّٰی حِیۡنٍ ﴿۱۷۴﴾ وَّ اَبۡصِرۡہُمۡ فَسَوۡفَ یُبۡصِرُوۡنَ ﴿۱۷۵﴾ اَفَبِعَذَابِنَا یَسۡتَعۡجِلُوۡنَ ﴿۱۷۶﴾ فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِہِمۡ فَسَآءَ صَبَاحُ الۡمُنۡذَرِیۡنَ ﴿۱۷۷﴾ وَ تَوَلَّ عَنۡہُمۡ حَتّٰی حِیۡنٍ ﴿۱۷۸﴾ وَّ اَبۡصِرۡ فَسَوۡفَ یُبۡصِرُوۡنَ ﴿۱۷۹﴾

''اور ہمارا وعدہ اپنے بندوں کے ساتھ جو رسول ہیں پہلے ہو چکا ہے کہ ان کی ضرور مدد کی جائے گی۔ اور بیشک ہمارا لشکر ہی غالب ہوا کرتا ہے۔ پس آپ رخ (انور) پھیر لیجئے ان سے تھوڑی دیر۔ اور ملاحظہ فرماتے رہئے ان (کے حالات) کو وہ (خود بھی) اپنا انجام دیکھ لیں گے۔ کیا وہ ہمارے عذاب (کے اترنے) کے لئے جلدی مچا رہے ہیں۔ پس جب وہ اترے گا ان کے آنگن میں تو وہ صبح بڑی خوفناک ہوگی جنہیں ڈرایا جاتا تھا۔ اور رخ انور پھیر لیجئے ان سے تھوڑی دیر کے لئے۔ اور (قدرت الٰہی کا تماشا) دیکھتے رہئے، وہ بھی اپنا انجام دیکھ لیں گے''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے پہلی کتاب میں بھی یہ واضح کر دیا تھا کہ دنیا اور آخرت میں ہمارے رسولوں اور ان کے پیروکاروں کا انجام ہی بہتر ہوتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغۡلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِیۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیۡزٌ (المجادلہ:21) ''اللہ نے یہ لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب آ کر رہیں گے بے شک اللہ تعالیٰ طاقتور (اور) زبردست ہے''۔ ایک اور مقام پر فرمایا: اِنَّا لَنَنۡصُرُ رُسُلَنَا وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَ یَوۡمَ یَقُوۡمُ الۡاَشۡہَادُ (غافر:51) ''بے شک ہم (اب بھی) مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور مومنین کی اس دنیوی زندگی میں اور اس دن بھی (مدد کریں گے) جس دن گواہ (گواہی دینے کے لئے) کھڑے ہوں گے''۔

قولہ تعالیٰ اِنَّہُمۡ لَہُمُ الۡمَنۡصُوۡرُوۡنَ یعنی دنیا اور آخرت میں جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ ان کی قوم سے ان کی تکذیب اور مخالفت کرنے

والوں پر اللہ نے انہیں نصرت عطا فرمائی اور کس طرح کفار کو ہلاک کر دیا اور اپنے مومن بندوں کو نجات بخشی۔

قولہ تعالیٰ وَ اِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ یعنی بالآخر۔

قولہ تعالیٰ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِیْنٍ یعنی ان کی تکلیف پر صبر فرمائیے۔ ایک مقررہ وقت کا انتظار فرمائیے۔ ہم اچھا انجام، نصرت اور کامیابی تمہیں ہی عطا فرمائیں گے۔ غزوہ بدر اور اس طرح کے مواقع کی طرف اشارہ ہے۔

قولہ جل جلالہ وَ اَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ یُبْصِرُوْنَ آپ کی مخالفت اور تکذیب کے سبب ان پر جو عذاب نازل ہوگا اسے آپ دیکھتے رہئے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے بطور وعید فرمایا کہ وہ بھی دیکھ لیں گے۔

قولہ تعالیٰ اَفَبِعَذَابِنَا یَسْتَعْجِلُوْنَ آپ کی تکذیب اور انکار کے باوجود وہ عذاب کی جلدی میں ہیں۔ ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوگا اور جلد سزا ملے گی۔ اس کے ساتھ وہ نادان اپنے کفر و عناد کے ساتھ عذاب و سزا کے لئے بے تاب ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرما رہے ہیں: فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِیْنَ جب ان کے محلّہ پر عذاب نازل ہوگا تو ان کی ہلاکت اور تباہی کے اعتبار سے یہ بدترین دن ہوگا۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ 'ساحۃ' سے مراد ان کا گھر ہے۔ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِیْنَ یعنی ان کی صبح بدترین صبح ہوگی۔ اسی لئے صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صبح سویرے خیبر پر دھاوا بولا۔ جب وہ اپنے کلہاڑے اور کدالیں لے کر باہر نکلے، لشکر کو دیکھا تو وہ واپس پلٹے اور پکار رہے تھے محمد اور لشکر۔ سرکار نے فرمایا: ''اللہ اکبر، خیبر برباد ہوگیا۔ ہم جب کسی قوم کے آنگن میں اتریں تو ان لوگوں کی صبح بڑی خطرناک ہوگی جنہیں ڈرایا جا رہا تھا''(1)۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسری سند سے یہی حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے(2)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب صبح کے وقت رسول اللہ ﷺ خیبر جا پہنچے تو وہ لوگ اپنے پھاوڑے لے کر کھیتوں اور اراضی کی طرف نکلے۔ جب نبی اکرم ﷺ کو دیکھا تو الٹے پاؤں پھر گئے تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ہم جب کسی قوم کے ہاں اتریں تو وہ صبح بڑی خوفناک ہوتی ہے ان کے لئے جنہیں ڈرایا جا رہا تھا''(3)۔

شیخین نے اسے اس سند سے روایت نہیں کیا۔ شیخین کی شرائط کے مطابق یہ حدیث صحیح ہے۔

قولہ تعالیٰ وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِیْنٍ ۝ وَّ اَبْصِرْ فَسَوْفَ یُبْصِرُوْنَ سابقہ کلام میں تاکید کے لئے وہی کلام دہرائی جا رہی ہے، واللہ اعلم۔

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ۝۱۸۰ وَ سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِیْنَ ۝۱۸۱ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۱۸۲

''پاک ہے آپ کا رب، جو عزت کا مالک ہے ان (ناسزا باتوں سے) جو وہ کیا کرتے ہیں اور سلامتی ہو سب رسولوں پر۔ اور سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو سارے جہانوں کا رب ہے''۔

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی ذات سے ان باتوں کی براءت فرما رہے ہیں جو ظالموں، جھٹلانے والوں نے کہی تھیں۔ اللہ تعالیٰ کا رسولوں پر

1۔ بخاری، جلد 1 صفحہ 103 مسلم، جلد 5 صفحہ 185

2۔ بخاری، جلد 5 صفحہ 167، فتح الباری، کتاب الصلوۃ، جلد 1 صفحہ 480-479، کتاب المغازی، جلد 7 صفحہ 467، مسلم، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 1427-1426

3۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 28

سلام ہو دنیا اور آخرت میں بوجہ صحیح اور حقیقی اقوال کے جو انہوں نے اپنے رب کے بارے میں ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اس کے لئے ہی حمد پہلے بھی اور بعد میں بھی ہر حال میں۔ جب تسبیح اپنے ضمن میں تنزیہ اور نقص سے براءت کو لئے ہوئے ہے دلالت مطابقی کے طور پر اور اثبات کمال کو مستلزم ہے۔ جیسا کہ حمد دلالت مطابقی کے طور پر صفات کے اثبات کی دلیل ہے۔ اور نقص سے منزہ ہونے کو مستلزم ہے۔ اس لئے تسبیح اور حمد کو اس جگہ اور بہت سے دوسرے مقامات پر قرآن کریم نے ملا کر ذکر کیا ہے۔ اسی لئے فرمایا: سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

سعید بن ابی عروبہ نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جب تم مجھ پر سلام بھیجو تو تمام مرسلین پر سلام بھیجو کیونکہ میں بھی رسولوں میں سے ایک رسول ہوں۔“ ابن جریر اور ابن ابی حاتم رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی اسی طرح ذکر کیا ہے(1)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی سند بیان کرتے ہوئے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جب تم مجھ پر سلام بھیجو تو مرسلین پر بھی سلام بھیجو“۔

حافظ ابو یعلی نے ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سلام پھیرنا چاہتے تو یہ تینوں آیات پڑھتے پھر سلام پھیرتے۔ (اس کی سند ضعیف ہے)۔ ابن ابی حاتم نے شعبی رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ قیامت کے دن اسے اجر کا بہت بڑا پیمانہ بھر کر دیا جائے تو اپنی مجلس کے آخر میں جب اٹھنا چاہے تو یوں کہے:
سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

ایک اور سند سے یہی روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ تک متصلاً مروی ہے لیکن یہ موقوف ہے۔ ابومحمد بغوی نے اپنی تفسیر میں اپنی سند کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے(2)۔

جسے یہ پسند ہو کہ قیامت کے دن اجر کا پیمانہ بھر کر ملے تو مجلس کے آخر میں اس کی گفتگو یہ تین آیات ہونی چاہئیں۔ طبرانی نے اپنی سند سے بروایت زید بن ارقم روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جس شخص نے ہر نماز کے بعد تین مرتبہ یہ تین آیتیں پڑھیں تو اس نے اجر کا بہت بڑا پیمانہ بھر لیا“(3)۔

مجلس کے کفارہ کے بارے میں بہت سی احادیث میں آیا ہے کہ یہ پڑھے: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوْبُ إِلَيْكَ(4)۔

میں نے اس موضوع پر الگ کتاب تالیف کی ہے۔ آپ وہاں سے رجوع کر سکتے ہیں۔

سورۂ صافات کی تفسیر ختم ہوئی۔ واللہ اعلم۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 119　2۔ تفسیر بغوی، جلد 4 صفحہ 46
3۔ المعجم الکبیر، جلد 5 صفحہ 211　4۔ ان احادیث کے لئے دیکھئے تفسیر سورۂ طور آیت: 28

سورۂ صٓ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

صٓ وَ الۡقُرۡاٰنِ ذِی الذِّکۡرِ ؕ﴿۱﴾ بَلِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فِیۡ عِزَّۃٍ وَّ شِقَاقٍ ﴿۲﴾ کَمۡ اَہۡلَکۡنَا مِنۡ قَبۡلِہِمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ فَنَادَوۡا وَّ لَاتَ حِیۡنَ مَنَاصٍ ﴿۳﴾

''ص قسم ہے قرآن، سراپا نصیحت کی (دعوت محمدی حق ہے) لیکن یہ کفار تکبر اور مخالفت میں (اندھے ہوگئے) ہیں۔ بہت سی اُمتوں کو ہم نے ہلاک کر دیا ان سے پہلے پس وہ فریاد کرنے لگے اور نہیں تھا یہ وقت بچ نکلنے کا''۔

فرمایا: وَالۡقُرۡاٰنِ ذِی الذِّکۡرِ قرآن جو کہ مشتمل ہے ایسی چیز پر جس میں بندوں کے لئے تذکیر اور دنیا و آخرت میں ان کے لئے نفع ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے ذِی الذِّکۡرِ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس سے مراد تذکیر ہے جیسے اس آیت میں ہے: لَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکُمۡ کِتٰبًا فِیۡہِ ذِکۡرُکُمۡ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ (الانبیاء:10) ''بیشک ہم نے اتاری تمہاری طرف ایک کتاب جس میں تمہارے لئے نصیحت ہے''۔

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے اور ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ہی اختیار کیا ہے(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، سعید بن جبیر، اسماعیل بن ابی خالد، ابن عیینہ، ابوحصین، ابو صالح اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ اس سے مراد شرف ہے یعنی شان اور مرتبے والا۔ دونوں قولوں میں کوئی تضاد نہیں۔ یہ وہ عظمت والی کتاب ہے جو تذکیر اور نصیحت (ڈرانا) پر مشتمل ہے۔ اس قسم کے جواب میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک جواب قسم یہ آیت کریمہ ہے اِنۡ کُلٌّ کَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ اور بعض کے نزدیک یہ آیت ہے اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ دونوں اقوال ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کئے ہیں۔ دوسرا قول بہت بعید ہے۔ اسے ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے جواب قسم بَلِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فِیۡ عِزَّۃٍ وَّ شِقَاقٍ کو قرار دیا ہے۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ہی اختیار کیا ہے۔ پھر ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ بعض اہل عرب کا قول نقل کرتے ہیں کہ اس کا جواب قسم ص ہے۔ بمعنی صداقت اور حقانیت۔ ایک قول یہ ہے کہ پوری سورت کا خلاصہ اس کا جواب ہے، واللہ اعلم۔

قولہ تعالیٰ بَلِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فِیۡ عِزَّۃٍ وَّ شِقَاقٍ یعنی اس قرآن میں نصیحت ہے اس کے لئے جو نصیحت حاصل کرے اور عبرت ہے اس کے لئے جو عبرت پکڑے۔ کفار اس سے نفع نہیں اٹھا سکے اپنے تکبر، تعصب اور عناد و مخالفت کی وجہ سے۔ پھر انہیں سابقہ جھٹلانے والی امتوں کے انجام سے ڈرایا جا رہا ہے جنہیں اپنے رسولوں کی مخالفت کے سبب اور آسمان سے نازل شدہ کتب کی تکذیب کرنے کی وجہ سے ہلاک کر دیا گیا پس اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: کَمۡ اَہۡلَکۡنَا مِنۡ قَبۡلِہِمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ فَنَادَوۡا، قرن سے مراد جھٹلانے والی امتیں ہیں۔ جب ان پر عذاب آیا تو وہ فریاد کرنے اور اللہ کی پناہ لینے لگے لیکن اس کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَلَمَّاۤ اَحَسُّوۡا بَاۡسَنَاۤ اِذَا ہُمۡ مِّنۡہَا یَرۡکُضُوۡنَ (الانبیاء:12) ''پس جب انہوں نے محسوس کیا ہمارا عذاب تو فوراً انہوں نے وہاں سے بھاگنا شروع کر دیا)۔ لَا تَرۡکُضُوۡا

1۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 119

وَارۡجِعُوۡۤا اِلٰی مَاۤ اُتۡرِفۡتُمۡ فِیۡہِ وَمَسٰکِنِکُمۡ لَعَلَّکُمۡ تُسۡـَٔلُوۡنَ (الانبیاء:13) ''اب مت بھاگو اور واپس لوٹو آسائشوں کی طرف جو تمہیں دی گئی تھیں اور (لوٹو) اپنے مکانوں کی طرف تاکہ تم سے باز پرس کی جائے''۔

قولہ تعالیٰ فَنَادَوۡا وَّلَاتَ حِیۡنَ مَنَاصٍ ابوداؤد طیالسی نے اپنی سند کے ساتھ تمیمی سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت فَنَادَوۡا وَّلَاتَ حِیۡنَ مَنَاصٍ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا اب پکار، کودنے پھلانگنے یا بھاگنے کا وقت نہیں (1)۔ علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ مفہوم روایت کیا ہے: کہ اب فریاد کا وقت نہیں۔ شبیب بن بشر نے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے انہوں نے ندادی جب پکارنے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ اور یہ شعر پڑھا:

تَذَکَّر لَیۡلٰی لَاتَ حِیۡنَ تَذَکُّرٍ

محمد بن کعب نے ذکر کیا ہے کہ جب دنیا نے ان سے منہ موڑ لیا تو انہوں نے توحید کی ندادی اور توبہ کے لئے سبقت کی۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جب انہوں نے عذاب دیکھ لیا تو توبہ کا بے وقت ارادہ کیا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جب فرار اور جواب کا وقت نہ تھا۔ یہی بات عکرمہ، سعید بن جبیر، ابو مالک، ضحاک، زید بن اسلم، حسن اور قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے مروی ہے۔

مالک نے زید بن اسلم سے روایت کیا ہے بے وقت کی پکار کا کوئی مقصد نہیں ہوتا۔

کلمہ لات میں لا نافیہ ہے جس کے ساتھ تاء کا اضافہ کیا گیا ہے۔ جس طرح ثم کے آخر میں ت کا اضافہ کر کے کہتے ہیں۔ ثمت اور رُب کو ربت کر کے پڑھتے ہیں۔ یہ مفصولہ (علیحدہ) ہے اور اس پر وقف ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بعض لوگوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ مصحف امام میں ت حین سے ملی ہوئی ہے۔ لیکن مشہور قول پہلا ہے۔ جمہور نے حین کو منصوب پڑھا ہے۔ اس صورت میں تقدیر کلام یوں ہوگی۔ لیس الحینُ حینَ مناص۔ بعض نے نصب کو جائز رکھا ہے اور بطور دلیل یہ شعر ذکر کیا ہے (2):

تَذَکَّرَ حُبَّ لَیۡلٰی لَاتَ حِیۡنًا وَأَضۡحَی الشَّیۡبُ قَدۡ قَطَعَ الۡقَرِیۡنَا

بعض نے جر کو جائز قرار دیا ہے اور بطور استشہاد یہ شعر نقل کیا ہے (3)۔

طَلَبُوۡا صُلۡحَنَا وَلَاتَ أَوَانٍ فَأَجَبۡنَا أَنۡ لَیۡسَ حِیۡنُ بَقَاءٍ

بعض نے یہ مصرعہ ذکر کیا ہے (4)۔

وَلَاتَ سَاعَةِ مَنۡدَمٍ

ساعۃ کے کسرہ کے ساتھ۔ اہل لغت کہتے ہیں کہ نوص کا معنی ہے تأخر اور بوص کا معنی ہے تقدم (آگے بڑھنا)۔

وَعَجِبُوۡۤا اَنۡ جَآءَہُمۡ مُّنۡذِرٌ مِّنۡہُمۡ ۫ وَقَالَ الۡکٰفِرُوۡنَ ہٰذَا سٰحِرٌ کَذَّابٌ ۚ اَجَعَلَ

1۔ حاکم، مستدرک، کتاب التفسیر، جلد 2 صفحہ 433-432، درمنثور، جلد 7 صفحہ 144، طبری، جلد 23 صفحہ 121

2۔ یہ شعر مفضل کا ہے دیکھئے الفراء: معانی القرآن، جلد 2 صفحہ 397، البغدادی: شرح ابیات المغنی، جلد 5 صفحہ 29

3۔ یہ شعر ابوزبید طائی کا ہے دیکھئے شرح ابیات المغنی، جلد 5 صفحہ 32-31، معانی القرآن للفراء، جلد 2 صفحہ 398، تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 122

4۔ ابن سکیت نے کتاب الاضداد میں اسے ذکر کیا ہے۔ مکمل شعر اس طرح ہے۔

وَلَتَعۡرِفَنَّ خَلَائِقًا مَشۡمُوۡلَةً

وَلَتَنۡدَمَنَّ وَلَاتَ سَاعَةَ مَنۡدَمِ

الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ۝۵ وَ انْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَ اصْبِرُوْا عَلٰۤی اٰلِهَتِكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ ۝۶ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِی الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۝۷ ءَاُنْزِلَ عَلَیْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَیْنِنَا ؕ بَلْ هُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِیْ ۚ بَلْ لَّمَّا یَذُوْقُوْا عَذَابِ ۝۸ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآىِٕنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِیْزِ الْوَهَّابِ ۝۹ اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَیْنَهُمَا ۫ فَلْیَرْتَقُوْا فِی الْاَسْبَابِ ۝۱۰ جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ ۝۱۱

''اور وہ (اس پر) حیران تھے کہ آیا ہے ان کے پاس ایک ڈرانے والا ان میں سے۔ اور کفار کہنے لگے کہ یہ شخص ساحر ہے، کذاب ہے۔ کیا بنا دیا ہے اس نے بہت سے خداؤں کی جگہ ایک خدا۔ بیشک یہ بڑی عجیب وغریب بات ہے۔ اور تیزی سے چل دیئے قوم کے سردار (رسول کے پاس سے) اور (قوم سے کہا) یہاں سے نکلو اور جمے رہو اپنے بتوں پر۔ بیشک اس میں اس کا کوئی (ذاتی) مدعا ہے۔ ہم نے تو ایسی بات آخری ملت (نصرانیت) میں بھی نہیں سنی۔ یہ بالکل من گھڑت مذہب ہے۔ کیا نازل کیا گیا ہے اس پر 'الذکر' (قرآن) ہمارے درمیان میں سے بلکہ یہ کفار شک میں مبتلا ہیں میرے ذکر کے متعلق۔ بلکہ انہوں نے ابھی نہیں چکھا میرے عذاب کا مزا۔ کیا ان کے قبضہ میں ہیں خزانے آپ کے رب کی رحمت کے، جو عزت والا بے حساب عطا کرنے والا ہے۔ کیا ان کے لئے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔ پس چاہئے کہ چڑھ جائیں (آسمان پر) اس کی راہوں سے۔ (درحقیقت) کفار کے لشکروں میں سے یہ ایک چھوٹا سا لشکر ہے جسے وہاں (بدر میں) شکست دے دی جائے گی''۔

حضور ﷺ کو بشیر و نذیر بنا کر مبعوث فرمائے جانے پر مشرکین کے تعجب کا اللہ تبارک وتعالیٰ ذکر فرما رہے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰی رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَ بَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؔ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِیْنٌ (یونس:2) ''کیا (یہ بات) لوگوں کے لئے باعث تعجب ہے کہ ہم نے وحی بھیجی ایک مرد (کامل) پر جو ان میں سے ہے کہ ڈراؤ لوگوں کو اور خوش خبری دو انہیں جو ایمان لائے کہ ان کے لئے مرتبہ بلند ہے ان کے رب کے ہاں کفار نے کہا بلاشبہ یہ جادوگر ہے کھلا ہوا''۔

قولہ تعالیٰ وَعَجِبُوْۤا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ یعنی ان جیسا بشر۔ اور کفار نے کہا هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا یعنی گمان کیا کہ معبود ایک اللہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ مشرکین، قبحّھم اللہ تعالیٰ نے اس بات کا انکار کیا اور اللہ کے ساتھ شریک نہ ٹھہرانے پر متعجب ہوئے۔ کیونکہ انہوں نے اپنے آباء سے یہی عقیدہ وراثۃً پایا تھا اور یہ بات ان کے دلوں میں راسخ ہو چکی تھی۔ جب اللہ کے رسول ﷺ نے انہیں دعوت دی کہ اس عقیدے کو اپنے دلوں سے نکال دیں اور ایک اللہ کی وحدانیت پر ایمان لائیں۔ تو انہوں نے اس بات کو عظیم جانا اور اس پر حیرانی کا اظہار کیا اور کہنے لگے اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ۝ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ، ملاء سے مراد ان کے رؤسا، قائدین، سردار اور بڑے لوگ ہیں۔ وہ یہ کہتے ہوئے تیزی سے چل دیئے۔

اَنِ امْشُوْا جمے رہو اپنے دین پر۔ وَاصْبِرُوْا عَلٰۤى اٰلِهَتِكُمْ یعنی (حضرت محمد ﷺ) تمہیں توحید کی طرف بلاتے ہیں اس پر لبیک مت کہو۔

قولہ تعالیٰ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ محمد (ﷺ) جس توحید کی طرف ہمیں دعوت دیتے ہیں، اس کا ذاتی مدعا ہے، وہ تم پر مرتبہ اور بلندی چاہتے ہیں تاکہ تم میں سے ان کے پیروکار رہوں لیکن ہم ان کی بات کو نہیں مانیں گے (1)۔

ان آیات کا شان نزول

سدی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ قریش کے کچھ لوگ جمع ہوئے۔ ان میں ابوجہل بن ہشام، عاص بن وائل، اسود بن مطلب اور اسود بن عبد یغوث جیسے رؤسائے قریش شامل تھے۔ وہ کہنے لگے ابوطالب کے پاس جائیں اور ان سے بات کریں کہ وہ ہمیں آپ ﷺ سے انصاف دلائیں۔ وہ ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہنے سے رک جائے اور ہم اس کے خدا کو کچھ نہیں کہیں گے۔ ہمیں خدشہ ہے کہ ابوطالب کا انتقال ہو جائے اور اس کے بعد اگر ہم نے ان پر سختی کی تو اہل عرب ہمیں عار دلائیں گے۔ وہ کہیں گے کہ انہوں نے اسے کچھ نہیں کہا، جب ابوطالب کی وفات ہوگئی تو ان پر تشدد شروع کر دیا۔ چنانچہ انہوں نے مطلب کو بھیجا کہ ابوطالب سے اجازت طلب کریں۔ وہ جا کر کہنے لگا ابوطالب! تمہاری قوم کے سردار اور مشائخ تم سے اجازت طلب کرتے ہیں۔ ابوطالب نے کہا اجازت ہے۔ جب وہ اندر داخل ہوئے تو کہنے لگے اے ابوطالب! آپ ہم سب سے بڑے اور سردار ہیں۔ اپنے بھتیجے اور ہمارے درمیان انصاف سے فیصلہ کر دیں۔ آپ انہیں حکم دیں کہ ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہنے سے رک جائیں۔ ہم انہیں اور ان کے خدا کو کچھ نہیں کہیں گے۔ چنانچہ ابوطالب نے آپ کو بلا بھیجا۔ جب حضور ﷺ تشریف لائے تو ابوطالب نے کہا یہ آپ کی قوم کے شیوخ اور سردار ہیں اور ان کا یہ مطالبہ ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: چچا جان! کیا میں ان کو ایسی بات کی دعوت نہ دوں جو ان کے لئے سراپا خیر ہے۔ پوچھا کیا بات ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا میں ان کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ ایک کلمہ کہیں۔ اس کی برکت سے سارا عرب بھی ان کا باجگزار بن جائے گا اور عجم کے بھی وہ مالک بن جائیں گے۔ ابوجہل ملعون کہنے لگا ہم ایک نہیں اس جیسے دس کلمے بھی کہنے کو تیار ہیں۔ بتاؤ وہ کونسا کلمہ ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا تم کہو لا اله إلا الله۔ یہ سن کر انہوں نے انکار کر دیا اور کہنے لگے کسی اور چیز کا مطالبہ کیجئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اگر تم سورج لا کر میرے ہاتھ پر رکھ دو تو میں اس کے علاوہ اور کوئی مطالبہ نہیں کروں گا۔ یہ سن کر وہ بھڑک اٹھے اور اس محفل سے چلے گئے اور کہہ رہے تھے: بخدا ہم آپ کو اور آپ کے خدا کو بھی برا بھلا کہیں گے جس نے تمہیں یہ حکم دیا ہے۔ ابن ابی حاتم اور ابن جریر رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے روایت کیا ہے اور مزید یہ بھی لکھا ہے کہ جب وہ چلے گئے تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا کو دعوت حق دی تو انہوں نے انکار کر دیا اور کہا نہیں بلکہ شیوخ کے دین پر۔ تو یہ آیت اتری: اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ (2) ”بے شک آپ ہدایت نہیں دے سکتے جسے آپ پسند کریں“۔

ابوجعفر ابن جریر نے بروایت سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے تو قریش کا ایک گروہ آپ کے پاس آیا۔ ابوجہل ان میں شامل تھا اور شکایت کرنے لگا کہ آپ کا بھتیجا ہمیں اور ہمارے خداؤں کو سب وشتم کرتا ہے آپ اسے بلا کر تنبیہ کر دیں۔ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کو بلایا۔ جب نبی کریم ﷺ گھر کے اندر داخل ہوئے تو ان کے اور حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کے درمیان ایک آدمی کے بیٹھنے کی جگہ تھی۔ ابوجہل نے خیال کیا کہ اگر آپ اپنے چچا کے پاس آ کر بیٹھ گئے تو زیادہ اثر ڈال سکیں گے۔ چنانچہ یہ اچھل کر اس خالی جگہ جا بیٹھا جو حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کے قریب تھی۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 26 2۔ القصص: 56، تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 128-127

حضور ﷺ کو اپنے چچا کے پاس کوئی جگہ نہ ملی تو آپ دروازے کے پاس ہی بیٹھ گئے۔ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ نے کہا بھتیجے کیا وجہ ہے کہ تیری قوم تیری شکایت کرتی ہے اور اس کا یہ خیال ہے کہ تم ان کے خداؤں کو برا بھلا کہتے ہو۔ حضور ﷺ نے گفتگو شروع فرمائی: ''اے چچا! میں ان سے ایک کلمہ کہنے کا مطالبہ کرتا ہوں جس سے سارا عرب ان کا مطیع ہو جائے گا اور عجم انہیں جزیہ دے گا''۔ وہ سب یہ سن کر پکار اٹھے کہ ایک نہیں ہم اس طرح کے دس کلمے کہنے کو تیار ہیں۔ بتائیے وہ کلمہ کیا ہے؟ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ نے بھی پوچھا کہ وہ کون سا کلمہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا لا اله إلا الله۔ یہ سن کر وہ کپڑے جھاڑتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے لو سنو یہ تو سارے معبودوں کا ایک معبود بنا رہا ہے۔ چنانچہ یہ آیات یہاں سے لے کر بَلْ لَّمَّا يَذُوْقُوْا عَذَابِ تک اتریں۔ امام احمد اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے اور ترمذی، نسائی، ابن ابی حاتم اور ابن جریر رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی سب نے اپنی تفاسیر میں سفیان ثوری سے بروایت سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی روایت کیا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ روایت حسن ہے(1)۔

قولهم، مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ یہ توحید جس کی طرف حضور ﷺ ہمیں بلاتے ہیں ہم نے آخری ملت میں بھی نہیں سنی۔ مجاہد، قتادہ اور ابوزید رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ ان کی مراد دین قریش تھی۔ بعض دوسرے علماء کی رائے میں اس سے مراد عیسائیت ہے۔ محمد بن کعب اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہی قول ہے۔ عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی نقل کیا ہے۔ وہ کہنے لگے اگر یہ قرآن حق ہوتا تو نصاریٰ ہمیں اس کے بارے میں خبر دیتے۔

قوله اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا اخْتِلَاقٌ مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ اس سے مراد کذب ہے۔ ابن عباس نے کہا ہے کہ من گھڑت بات مراد ہے۔

قولهم ءَاُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَيْنِنَا وہ انہیں چھوڑ کر آپ ﷺ پر قرآن نازل ہونے کو بعید سمجھتے تھے۔ دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے: وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ (الزخرف: 31) ''اور کہنے لگے کیوں نہ اتارا گیا یہ قرآن کسی ایسے آدمی پر جو ان دو شہروں میں بڑا ہے''۔ اور فرمایا: اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ۭ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ۭ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ (الزخرف: 32) ''کیا وہ بانٹا کرتے ہیں آپ کے رب کی رحمت کو؟ ہم نے خود تقسیم کیا ہے ان کے درمیان سامان زیست کو اس دنیوی زندگی میں اور ہم نے ہی بلند کیا ہے بعض کو بعض پر مراتب میں''۔ ان کا یہ دعویٰ ان کی جہالت اور قلت عقل کی دلیل ہے جو انہوں نے حضور ﷺ پر قرآن کریم کے نزول کو بعید سمجھا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: بَلْ لَّمَّا يَذُوْقُوْا عَذَابِ وہ یہ اس لئے کہہ رہے ہیں کہ انہوں نے ابھی اللہ کے عذاب کا ذائقہ نہیں چکھا۔ اپنے دعویٰ اور حضور ﷺ کو جھٹلانے کا انجام انہیں اس وقت معلوم ہو گا جب انہیں نار جہنم کی طرف بلایا جائے گا۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بارے میں فرما رہے ہیں کہ وہ جیسے چاہیں اپنی ملکیت میں تصرف کر سکتے ہیں۔ جسے جو چاہیں دیتے ہیں اور جسے چاہیں عزت دیتے ہیں اور جسے چاہیں ذلت دیتے ہیں، جسے چاہیں ہدایت سے سرفراز کریں، جسے چاہیں گمراہ کر دیں۔ اسی کی اجازت سے اس کے بندوں میں سے جس پر چاہے جبریل آتا ہے اور جس کے دل پر چاہے مہر لگا دیتا ہے۔ اللہ کے بعد اسے کوئی ہدایت عطا نہیں کر سکتا۔ بندے کسی چیز کے مالک نہیں۔ اپنی ملکیت میں تصرف کا ذرہ برابر بھی اختیار نہیں رکھتے۔ اور وہ تو گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی مالک نہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ ان

1۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 362، تحفۃ الاحوذی، جلد 9 صفحہ 99، تحفۃ الاشراف، جلد 4 صفحہ 456، عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورہ ص، جلد 12 صفحہ 111-109

کا انکار کرتے ہوئے فرمار ہے ہیں:

اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيْزِ الْوَهَّابِ عزیز جس کی جناب کا قصد نہیں کیا جاسکتا۔ وہاب جو جسے چاہے جو چاہے عطا فرما دے۔ یہ آیت کریمہ اس آیت کریمہ کے مشابہ ہے: اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ﴿۵۳﴾ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴿۵۴﴾ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ۚ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا (النساء:53-55) '' کیا ان کے لئے کوئی حصہ ہے حکومت میں اگر ایسا ہوتا تو نہ دیتے یہ لوگوں کو تل برابر کیا حسد کرتے ہیں لوگوں سے اس نعمت پر جو عطا فرمائی ہے انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے (وہ حسد کی آگ میں جلا کریں) ہم نے تو مرحمت فرمادی ہے ابراہیم کے گھرانے کو کتاب اور حکمت اور عنایت فرمادی ہے انہیں عظیم الشان سلطنت۔ تو ان میں سے کوئی ایمان لائے اس کے ساتھ اور کسی نے منہ پھیر لیا اس سے اور کافی ہے (انہیں جلانے کے لئے) جہنم کی دہکتی ہوئی آگ''۔ اور فرمایا: قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا (الاسراء:100) '' فرمائیے اگر تم مالک ہوتے میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے تو اس وقت تم ضرور ہاتھ روک لیتے اس خوف سے کہیں (سارے خزانے) ختم ہی نہ ہو جائیں واقعی انسان بڑا تنگدل ہے''۔ یہ اس کے بعد کہ جب کفار نے بشری رسول ﷺ کی بعثت کا انکار کر دیا تھا جیسے اللہ نے قوم صالح علیہ السلام کے بارے میں خبر دی ہے جب انہوں نے کہا تھا۔ ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ﴿۲۵﴾ سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ (القمر:25-26) '' کیا اتاری گئی ہے وحی اس پر ہم سب میں سے (یہ کیونکر ممکن ہے) بلکہ وہ بڑا جھوٹا، شیخی باز ہے کل انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون بڑا جھوٹا، شیخی باز ہے''۔

فرمایا: اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۣ فَلْيَرْتَقُوْا فِي الْاَسْبَابِ کیا انہیں یہ اختیار ہے کہ چڑھ جائیں اس کے راستوں سے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، سعید بن جبیر اور قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کا قول ہے کہ اسباب سے مراد آسمان کی راہیں ہیں۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ساتویں آسمان تک چڑھ جائیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ یہ جھٹلانے والے لشکر جو تکبر اور مخالفت میں اندھے ہو رہے ہیں، عنقریب شکست کھائیں گے اور مغلوب ہو جائیں گے اور سابقہ اقوام کی طرح ذلیل ورسوا ہو جائیں گے۔ یہ آیت کریمہ بھی مضمون میں اس آیت کے مطابق ہے: اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ﴿۴۴﴾ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ﴿۴۵﴾ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ (القمر:44-46) '' یا وہ کہتے ہیں کہ ہم ایسی جماعت ہیں جو غالب ہی رہے گی۔ عنقریب پسپا ہوگی یہ جماعت اور پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔ بلکہ ان کے وعدے کا وقت (روز) قیامت ہے اور قیامت بڑی خوفناک اور تلخ ہے''۔ یہ یوم بدر کا واقعہ ہے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ ذُو الْاَوْتَادِ ﴿۱۲﴾ وَثَمُوْدُ وَقَوْمُ لُوْطٍ وَّاَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ ۭ اُولٰٓئِكَ الْاَحْزَابُ ﴿۱۳﴾ اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ﴿۱۴﴾ وَمَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ﴿۱۵﴾ وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۱۶﴾

'' جھٹلایا تھا ان سے پہلے قوم نوح، عاد اور میخوں والے فرعون نے اور ثمود، قوم لوط اور اصحاب ایکہ نے۔ یہی وہ گروہ ہیں (جن کا ذکر پہلے گزر چکا)۔ ان سب نے رسولوں کو جھٹلایا تو (ان پر) لازم ہو گیا میرا عذاب۔ اور نہیں انتظار کر رہے ہیں یہ

(کفار) مگر ایک کڑک کی جس کے بعد کوئی مہلت نہیں ہوگی۔ اور (مذاقاً) کہتے ہیں اے ہمارے رب جلدی دے دے ہمارے حصہ (کا عذاب) یوم حساب سے پہلے''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ سابقہ امم کی خبر دے رہے ہیں کہ رسولوں کی مخالفت اور انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی تکذیب کے سبب ان پر طرح طرح کے عذاب نازل ہوئے۔ ان کے واقعات اس سے پہلے متعدد مقامات پر بالتفصیل گزر چکے ہیں۔

قولہ تعالیٰ اُولٰٓئِکَ الْاَحْزَابُ وہ تعداد، قوت وشوکت اور مال واولاد کے اعتبار سے تم سے زیادہ تھے۔ جب اللہ کا امر آ پہنچا تو انہیں عذاب الٰہی سے کوئی چیز نہ بچا سکی۔ اسی لئے اللہ نے فرمایا: اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ان کی ہلاکت علت رسولوں کو جھٹلانا قرار دی۔ لہٰذا مخاطبین کو اس سے سخت خبردار رہنا چاہئے۔

قولہ تعالیٰ وَمَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ مالک نے زید بن اسلم سے روایت کیا ہے کہ اس میں مہلت نہیں ہوگی یعنی قیامت اچانک آ جائے گی، اس کی نشانیاں وقوع پذیر ہو رہی ہیں، یہ ایک خوفناک کڑک ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اسرافیل کو حکم دیں گے کہ اسے طویل کردے۔ آسمانوں اور زمین میں کوئی بھی نہیں ہوگا مگر گھبرا جائے گا مگر جسے اللہ تعالیٰ استثناء عطا فرما دے۔

قولہ جل جلالہ وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ مشرکین جو صبح وشام عذاب فوراً نازل ہونے کا مطالبہ کیا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ اس کا انکار فرما رہے ہیں۔ قِطٌّ: کتاب۔ ایک قول ہے کہ اس کا معنی ہے الحظ و النصیب: حصہ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، ضحاک، حسن رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کا قول ہے کہ انہوں نے عذاب جلد نازل ہونے کا مطالبہ کیا۔ قتادہ نے اس پر یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ جیسے انہوں نے کہا تھا۔ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (الانفال:32) ''اے اللہ! اگر ہو یہی (قرآن) حق (سچ) تیری طرف سے تو برسا ہم پر پتھر آسمان سے اور لے آ ہم پر دردناک عذاب''۔ ایک قول ہے کہ انہوں نے جنت میں اپنے حصہ کی جلدی کا مطالبہ کیا۔ اگر ہو تو تاکہ دنیا میں ہی وہ اس سے شادکام ہو سکیں۔ یہ سب مطالبہ جھوٹ اور محال تصور کرنے کی وجہ سے کیا۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ خیر وشر جس کے وہ حقدار تھے انہوں نے دنیا میں ہی اس کا مطالبہ کیا ہے۔ انہوں نے بہت خوب بات کہی ہے۔ ضحاک اور اسماعیل بن ابی خالد رحمہما اللہ تعالیٰ کی تفسیر بھی اسی کے گرد گھومتی ہے۔ واللہ اعلم۔

اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ ۚ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۱۷﴾ اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ ﴿۱۸﴾ وَالطَّيْرَ مَحْشُوْرَةً ؕ كُلٌّ لَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۱۹﴾ وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ﴿۲۰﴾

''(اے حبیب) صبر کرو ان کی (نامعقول) باتوں پر یاد فرماؤ ہمارے بندے داؤد کو جو بڑا طاقتور تھا۔ وہ (ہماری طرف) بہت رجوع کرنے والا تھا۔ ہم نے فرمانبردار بنا دیا تھا پہاڑوں کو وہ ان کے ساتھ تسبیح پڑھتے تھے عشاء اور اشراق کے وقت۔ اور پرندوں کو وہ بھی تسبیح کے وقت جمع ہو جاتے سب ان کے فرمانبردار تھے۔ اور ہم نے مستحکم کر دیا ان کی حکومت کو اور ہم نے بخشی انہیں دانائی اور فیصلہ کن بات کرنے کا ملکہ۔''

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندے اور رسول حضرت داؤد علیہ السلام کا تذکرہ فرما رہے ہیں کہ وہ بڑے طاقتور تھے۔ الایدی: علم وعمل کی قوت۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، سدی اور ابن زید رحمہم اللہ تعالیٰ نے اید سے مراد قوت لی ہے۔ ابن زید نے اس آیت کو یوں پڑھا ہے: وَ السَّمَآءَ بَنَیْنٰهَا بِاَیْىدٍ وَّ اِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ (الذاریات: 47) ''اور ہم نے آسمان کو (قدرت کے) ہاتھوں سے بنایا اور ہم نے ہی اس کو وسیع کر دیا''۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اید سے مراد قوت اطاعت ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو قوت عبادت اور اسلام کی سمجھ مرحمت فرمائی گئی تھی۔ ذکر کیا گیا ہے آپ تہائی رات قیام کرتے تھے اور ایک دن چھوڑ کر روزہ رکھتے تھے۔ یہ حدیث صحیحین میں موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ کے نزدیک پسندیدہ ترین نماز داؤد علیہ السلام کی اور پسندیدہ ترین روزہ اللہ کے نزدیک حضرت داؤد علیہ السلام کا تھا۔ آپ نصف رات سوتے، ایک تہائی قیام کرتے چھٹا حصہ پھر سو جاتے۔ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار فرماتے اور جہاد کے وقت پیٹھ نہ دکھاتے۔ آپ اپنے تمام امور میں اپنے رب کی طرف بہت زیادہ رجوع کرنے والے تھے۔

فرمایا: اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ یُسَبِّحْنَ بِالْعَشِیِّ وَ الْاِشْرَاقِ سورج کے طلوع ہونے اور دن کے آخری وقت اللہ نے پہاڑوں کو آپ کے ساتھ مسخر کر دیا تھا جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ؕ یٰجِبَالُ اَوِّبِیْ مَعَهٗ وَ الطَّیْرَ ۚ وَ اَلَنَّا لَهُ الْحَدِیْدَ (سبا: 10) ''(ہم نے حکم دیا) اے پہاڑو! تسبیح کہو اس کے ساتھ مل کر اور پرندوں کو بھی یہی حکم دیا''۔ اسی طرح پرندے آپ کی تسبیح گاتے اور آپ کے ہم آواز ہو جاتے۔ جب آپ مترنم آواز میں زبور پڑھ رہے ہوتے تو آپ کو سن کر اڑتے ہوئے پرندے ہوا میں رک جاتے۔ وہ آگے پرواز نہ کر سکتے اور آپ کے ساتھ شامل ہو جاتے۔ بلند و بالا پہاڑ بھی تسبیح و تقدیس میں آپ کے ساتھ شریک ہوتے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت موسیٰ بن ابی کثیر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ انہیں خبر پہنچی ہے کہ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے ذکر فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن چاشت کی آٹھ رکعتیں ادا فرمائیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ وقت وقت نماز ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ہی ایک دوسری سند سے مولیٰ عبد اللہ بن حارث بن نوفل سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما چاشت کی نماز نہیں پڑھتے تھے۔ میں انہیں ام ہانی رضی اللہ عنہا کے پاس لے گیا۔ اور عرض کی جو بات آپ نے مجھے بتائی ہے انہیں بھی بتائیں تو انہوں نے فرمایا: فتح مکہ کے دن رسول اکرم ﷺ میرے گھر تشریف لائے۔ ایک برتن میں پانی ڈالنے کا حکم دیا۔ پھر ایک کپڑے کی آڑ لے کر غسل فرمایا۔ پھر گھر کے ایک کونے میں چھڑکاؤ فرمایا اور آٹھ رکعتیں ادا فرمائیں۔ یہ چاشت کی نماز تھی۔ ان تمام رکعتوں کا قیام، رکوع، سجود اور جلسہ تقریباً برابر تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما باہر نکلے تو فرما رہے تھے کہ میں نے پورا قرآن کریم پڑھ دیا ہے: لیکن چاشت کی نماز کا مجھے آج علم ہوا ہے۔ میں کہتا تھا نماز اشراق کا ذکر کہاں ہے؟ چنانچہ اس کے بعد انہوں نے اپنے قول سے رجوع کر لیا(1)۔

فرمایا: وَ الطَّیْرَ مَحْشُوْرَةً یعنی ہوا میں محبوس۔

فرمایا: كُلٌّ لَّهٗۤ اَوَّابٌ یعنی مطیع، آپ کی اتباع میں تسبیح کہتا ہے۔ سعید بن جبیر، قتادہ اور مالک رحمہم اللہ تعالیٰ نے زید بن اسلم سے اور

1۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 137

ابن زید کا قول یہی ہے۔

قولہ تعالیٰ وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ بادشاہوں کو جن چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے وہ سب ہم نے آپ کو عطا فرما دیں۔ ابن ابی نجیح نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ آپ اہل دنیا کے شدید بارعب بادشاہ تھے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ہر روز چار ہزار محافظ آپ کی چوکیداری کرتے۔ سلف میں سے کسی کا قول ہے کہ مجھے خبر ملی ہے کہ ہر رات تینتیس ہزار فرشتے آپ کی حفاظت کرتے تھے۔ پھر سال بھر ان کی باری نہ آتی تھی۔ بعض دوسرے علماء کے نزدیک آپ کے پاس ہر وقت چالیس ہزار مسلح سپاہی تیار رہتے تھے۔

ابن جریر اور ابن ابی حاتم رحمہما اللہ تعالیٰ نے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ بنو اسرائیل کے دو آدمیوں کا آپس میں جھگڑا ہوا۔ ایک کا دعوی تھا کہ اس نے میری گائے غصب کر لی ہے۔ دوسرے نے انکار کر دیا۔ مدعی کے پاس گواہ نہیں تھے۔ جب وہ ثبوت فراہم نہ کر سکا تو آپ نے فرمایا اچھا کل تمہارا فیصلہ سنایا جائے گا۔ رات حضرت داؤد علیہ السلام کو خواب میں حکم ہوا کہ دعویدار کو قتل کر دو۔ صبح آپ نے ان دونوں کو بلایا اور مدعی کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ وہ کہنے لگا اللہ کے نبی آپ میرے ہی قتل کا حکم ارشاد فرما رہے ہیں حالانکہ اس شخص نے میری گائے چھین لی ہے۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہارے قتل کرنے کا حکم ارشاد فرمایا ہے۔ لہٰذا لازماً میں تمہیں قتل کروں گا۔ وہ کہنے لگا اللہ کے نبی! بخدا اللہ نے آپ کو میرے قتل کا حکم اس مقدمے کی وجہ سے نہیں دیا میں اس دعوی میں سچا ہوں لیکن میں نے اس کے باپ کو قتل کر دیا تھا اور کسی کو پتہ نہ چلا۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام نے حکم فرمایا اور اس شخص کو قتل کر دیا گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہر شخص کے دل میں آپ کی ہیبت بیٹھ گئی (1)۔

قولہ عزوجل وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ حکمت سے مراد فہم، عقل اور ذہانت ہے۔ ایک مرتبہ فرمایا: عدل و انصاف۔ پھر فرمایا کہ اس سے صحیح بات مراد ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ کتاب اللہ اور جو کچھ اس میں ہے اس کی اتباع کرنا۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ نے حکمت سے مراد نبوت لیا ہے۔

قولہ جل جلالہ وَفَصْلَ الْخِطَابِ قاضی شریح اور شعبی نے اس سے مراد گواہ اور قسمیں لی ہیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ مدعی کے ذمہ دو گواہ ہیں یا مدعی علیہ کے ذمہ قسم ہے۔ یہ ہے فیصلہ کن بات کرنے کا ملکہ جو انبیاء و رسل کو عطا فرمایا گیا۔ یا مومنین اور صالحین کا یہی طریقہ تھا اور قیامت تک اس امت کا یہی طریقہ ہے۔ ابو عبدالرحمٰن السلمی نے یہی کہا ہے۔ مجاہد اور سدی رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ صحیح فیصلہ کرنا اور اسے سمجھنا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کہا ہے کہ گفتگو کرتے ہوئے اور فیصلہ کرتے وقت پختہ بات کرنا۔ یہ لفظ ان سب معانی کو شامل ہے اور یہی مراد ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ہی اختیار کیا ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سب سے پہلے حضرت داؤد علیہ السلام نے اما بعد کا لفظ ایجاد کیا تھا اور فصل الخطاب میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ شعبی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ﴿٢١﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۚ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَآ اِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِ ﴿٢٢﴾ اِنَّ هٰذَآ اَخِيْ ۫ لَهٗ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِيَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ ۫ فَقَالَ

1۔ طبری، جلد 23 صفحہ 139-138

اَكْفِلْنِيْهَا وَ عَزَّنِيْ فِي الْخِطَابِ ﴿۲۳﴾ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ ؕ وَ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ قَلِيْلٌ مَّا هُمْ ؕ وَ ظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَ خَرَّ رَاكِعًا وَّ اَنَابَ ﴿۲۴﴾ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ؕ وَ اِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَ حُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۲۵﴾

''اور کیا آئی ہے آپ کے پاس اطلاع فریقانِ مقدمہ کی جب انہوں نے دیوار پھاندی عبادت گاہ کی اور جب اچانک داخل ہوئے داؤد پر پس آپ کچھ گھبرا گئے ان سے۔ انہوں نے کہا ڈریئے نہیں، ہم تو مقدمہ کے دو فریق ہیں، زیادتی کی ہے ہم میں سے ایک نے دوسرے پر آپ ہمارے درمیان انصاف سے فیصلہ فرمایئے اور بے انصافی نہ کیجئے اور دکھایئے ہمیں سیدھا راستہ (صورت نزاع یہ ہے کہ) یہ میرا بھائی ہے۔ اور اس کی ننانوے دُنبیاں ہیں اور میرے پاس صرف ایک دنبی ہے۔ اب یہ کہتا ہے کہ وہ بھی میرے حوالے کر دے اور سختی کرتا ہے میرے ساتھ گفتگو میں۔ آپ نے فرمایا بیشک اس نے ظلم کیا ہے تم پر یہ مطالبہ کر کے کہ تیری دُنبی کو اپنی دُنبیوں میں ملا دے اور اکثر حصے دار زیادتی کرتے ہیں ایک دوسرے پر سوائے ان حصہ داروں کے جو ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے اور ایسے لوگ بہت تھوڑے ہیں۔ اور فوراً خیال آ گیا داؤد کو ہم نے اسے آزمایا ہے سو وہ معافی مانگنے لگ گئے اپنے رب سے اور گر پڑے رکوع میں اور (دل و جان سے) اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ پس ہم نے بخش دی ان کی یہ تقصیر اور بیشک ان کے لئے ہمارے ہاں بڑا قرب ہے اور خوبصورت انجام ہے''۔

مفسرین نے یہاں ایک واقعہ ذکر فرمایا ہے۔ اس کا اکثر حصہ بنو اسرائیل کی روایتوں (اسرائیلیات) سے لیا گیا ہے۔ اس میں کوئی بات بھی نبی معصوم سے ثابت نہیں جس کی اتباع کرنا لازمی ہو۔ لیکن ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں ایک حدیث روایت کی ہے جس کی سند صحیح نہیں کیونکہ اس کے ایک راوی یزید رقاشی ہیں جو اگرچہ صالحین میں سے ہیں لیکن ائمہ کے نزدیک ضعیف الحدیث ہیں۔ لہٰذا اولیٰ یہ ہے کہ اس قصہ کی تلاوت پر اکتفا کیا جائے اور اس کا علم صرف اللہ کی طرف لوٹایا جائے۔ بلاشبہ قرآن حق ہے اور جو کچھ اس میں ہے وہ بھی حق ہے۔

قولہ تعالیٰ فَفَزِعَ مِنْهُمْ آپ اپنے خصوصی عبادت خانے میں تھے۔ آپ نے پہریداروں کو حکم دیا تھا کہ آج کوئی بھی اندر نہ آئے۔ اچانک دو اشخاص کو دیکھ کر آپ حیران ہو گئے جو آپ کے گرد گھیرا ڈالے کوئی مسئلہ پوچھ رہے تھے۔

قولہ عز و جل وَعَزَّنِيْ فِي الْخِطَابِ یعنی مجھ پر غالب آ گیا۔ غلبہ کے وقت کہا جاتا ہے عَزَّ يَعُزُّ إذا غلب۔

قولہ تعالیٰ وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کا معنی ہے ہم نے آپ کو آزمایا۔

وقولہ تعالیٰ وَخَرَّ رَاكِعًا یعنی سجدہ کرتے ہوئے وأناب یہ بھی احتمال ہے کہ پہلے رکوع کیا پھر سجدہ۔ ذکر کیا جاتا ہے کہ آپ نے چالیس دن تک سر مبارک نہ اٹھایا۔

فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ یعنی جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ حسنات الأبرار سيئات المقربين نیک لوگوں کی نیکیاں بھی بعض اوقات

مقربین کے لئے باعث گناہ ہوتی ہیں۔

ائمہ کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ سورۂ ص کا سجدہ لازمی ہے یا نہیں۔ اس بارے میں دو قول ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا جدید مذہب تو یہ ہے کہ یہاں سجدہ واجب نہیں بلکہ یہ سجدۂ شکر ہے۔ اس کی دلیل وہ روایت ہے جسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا سورۂ ص کا سجدہ واجب نہیں۔ ہاں میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس مقام پر سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ بخاری، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے روایت کیا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے(1)۔ نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر کے وقت اپنی سند سے بروایت سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے سورۂ ص میں سجدہ کیا اور ارشاد فرمایا: ''حضرت داؤد علیہ السلام نے بھی یہ سجدہ کیا تھا اور ہم بھی از راہ شکر یہ سجدہ ادا کرتے ہیں''۔

نسائی رحمۃ اللہ علیہ اس روایت میں منفرد ہیں اور اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ حافظ ابوالحجاج المزی نے بروایت عبیداللہ بن یزید حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ ایک آدمی حضور ﷺ کے پاس آیا عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میں نے خواب دیکھا کہ میں ایک درخت کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہوں۔ میں نے نماز میں آیت سجدہ تلاوت کی اور سجدہ کیا۔ میرے سجدہ کرنے سے اس درخت نے بھی سجدہ کیا۔ میں نے سنا کہ وہ سجدہ میں کہہ رہا ہے: اے اللہ اس سجدے کو تو اپنے پاس میرے لئے باعث اجر اور ثواب بنا اور اس کے صدقے مجھ سے بوجھ کو دور کر اور اس کو میری طرف سے قبول فرما جس طرح تو نے اپنے بندے حضرت داؤد علیہ السلام کا سجدہ قبول فرمایا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ کھڑے ہوئے آپ نے آیت سجدہ تلاوت فرمائی اور سجدہ کیا اور وہی دعا کہنا شروع فرمائی جس کا تذکرہ واقعہ درخت کے بارے میں گزر چکا ہے۔ ترمذی اور ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسی سند سے یہی روایت بیان کی ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ سند غریب ہے ہم نے اسے صرف اسی طرح روایت کیا ہے(2)۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں عوام سے روایت کیا ہے(3) کہ میں نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے سورۂ ص کے سجدہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا۔ میں نے ابن عباس سے سجدہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کیا اس کا ذکر تم نے قرآن میں نہیں پڑھا: وَ مِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ (الانعام: 84) ''اور اس کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان''۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ (الانعام: 90) ''اور یہی وہ لوگ ہیں جنہیں ہدایت دی تھی اللہ نے تو انہی کے طریقے کی پیروی کرو''۔ حضرت داؤد علیہ السلام ان لوگوں میں سے ہیں جن کی اقتدا کرنے کا حکم تمہارے نبی ﷺ کو دیا گیا تھا۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام نے بھی سجدہ کیا اور رسول اللہ ﷺ نے بھی سجدہ کیا۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے خواب دیکھا کہ وہ سورۂ ص لکھ رہے ہیں۔ جب سجدہ والی آیت پر پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ دوات، قلم اور ہر چیز سجدہ ریز ہوگئی ہے۔ انہوں نے یہ واقعہ نبی کریم ﷺ کی بارگاہ

1۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 360، فتح الباری، کتاب تجود القرآن، جلد 2 صفحہ 552، بخاری، جلد 2 صفحہ 50، سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، جلد 2 صفحہ 59 تحفۃ الاحوذی، جلد 3 صفحہ 172، عارضۃ الاحوذی، ابواب السفر، جلد 3 صفحہ 59 تحفۃ الاشراف، جلد 5 صفحہ 110-109

2۔ تحفۃ الاحوذی، جلد 9 صفحہ 383، ابن ماجہ، جلد 1 صفحہ 334، کتاب الاقامۃ، عارضۃ الاحوذی، ابواب الصلوٰۃ، جلد 3 صفحہ 60

3۔ بخاری، جلد 6 صفحہ 155، فتح الباری، تفسیر سورۂ ص، جلد 8 صفحہ 544

میں بیان کیا تو آپ ﷺ برابر سجدہ کرتے رہے۔ (احمد اس روایت میں منفرد ہیں) (1)۔

ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منبر پر سورۂ ص کی تلاوت فرمائی۔ جب سجدہ والی آیت پر پہنچے تو سجدہ کیا اور لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ مل کر سجدہ کیا۔ ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے اس سورت کی تلاوت فرمائی جب آیت سجدہ پر پہنچے تو لوگ سجدہ کے لئے تیار ہو گئے۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''یہ تو ایک نبی کی توبہ کا سجدہ تھا لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم سجدہ کے لئے تیار ہو گئے ہو'' چنانچہ آپ ﷺ اترے اور سجدہ فرمایا (2)۔ یہ روایت صرف ابوداؤد میں ہے اور اس کی اسناد صحیح کی شرط پر ہے۔

قولہ تعالیٰ وَ اِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَ حُسْنَ مَاٰبٍ یعنی قیامت کے دن آپ کی بڑی قدر و منزلت ہوگی اور خوبصورت انجام۔ یعنی اپنی توبہ اور قلمرو میں مکمل عدل و انصاف کا بول بالا کرنے کی وجہ سے جنت میں مراتب عالیہ پر فائز ہوں گے۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے: ''انصاف سے کام لینے والے (عادل لوگ) نور کے منبروں پر رحمٰن کے دائیں جانب ہوں گے اور خدا تعالیٰ کے تو دونوں ہاتھ ہی دائیں ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے اہل و عیال اور جن کے وہ مالک ہوں سے عدل و انصاف سے کام لیتے ہیں'' (3)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''بلاشبہ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے محبوب اور درجہ کے اعتبار سے مقرب ترین عادل حکمران ہوگا اور قیامت کے دن اللہ کے نزدیک مبغوض ترین اور سب سے زیادہ عذاب میں ظالم حکمران ہوگا (4)۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت عطیہ اسے بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ لا نعرفہ مرفوعا الا من ھذا الوجہ (5) (اس سند کے علاوہ یہ حدیث مرفوعاً بیان نہیں ہوئی)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت مالک بن دینار رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ روز قیامت حضرت داؤد علیہ السلام کو عرش کے پائے کے پاس کھڑا کیا جائے گا۔ اللہ رب العزت ارشاد فرمائیں گے اے داؤد! آج اسی خوبصورت، گداز، رس بھری آواز میں میری حمد و ثناء کرو جس طرح تم دنیا میں میری بزرگی بیان کیا کرتے تھے۔ وہ عرض کریں گے اے رب! یہ کیسے ممکن ہے جب تو نے اس کیفیت کو سلب فرمالیا ہے۔ اللہ رب العزت فرمائیں گے وہ آواز تمہیں لوٹائی جا رہی ہے۔ چنانچہ جب حضرت داؤد علیہ السلام اپنی آواز کا جادو جگائیں گے تو اہل جنت بھی مدہوش ہو جائیں گے (6)۔

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ۝

''اے داؤد! ہم نے مقرر کیا ہے آپ کو (اپنا) نائب زمین میں پس فیصلہ کیا کرو لوگوں کے درمیان انصاف کے ساتھ اور نہ پیروی کیا کرو ہوائے نفس کی وہ بہکا دے گی تمہیں راہ خدا سے۔ بے شک جو لوگ بھٹک جاتے ہیں راہ خدا سے ان کے لئے

1۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 78
2۔ ابوداؤد، جلد 2 صفحہ 59 کتاب الصلوٰۃ
3۔ مسلم، جلد 3 صفحہ 1458، کتاب الامارۃ
4۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 22
6۔ تحفۃ الاحوذی، جلد 4 صفحہ 559، عارضۃ الاحوذی، ابواب الاحکام، جلد 6 صفحہ 70
6۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 168-167

سخت عذاب ہے اس لئے کہ انہوں نے بھلا دیا تھا یوم حساب کو"۔

یہ آیت کریمہ اللہ جل مجدہ کی طرف سے حکمرانوں اور بااختیار لوگوں کے لئے وصیت ہے کہ وہ اللہ کے نازل کردہ حق کے ساتھ لوگوں کے مابین عدل وانصاف سے کام لیں اور اس سے روگردانی نہ کریں۔ ورنہ وہ صراط مستقیم سے بھٹک جائیں گے۔ جو شخص راہ حق سے گمراہ ہو جائے اور روز حساب کو بھول جائے اسے اللہ تعالیٰ نے پختہ وعید فرمائی اور شدید عذاب کی دھمکی دی۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے بیان کیا ہے کہ ابوزرعہ ابراہیم جنہوں نے سابقہ کتاب کا مطالعہ کیا تھا، سے ولید بن عبدالملک نے پوچھا: کیا خلیفہ وقت سے بھی حساب لیا جائے گا؟ چونکہ آپ نے پہلی کتاب کا بھی مطالعہ کیا ہے اور قرآن کو بھی سمجھا ہے اس کی روشنی میں یہ بات سمجھائیں۔ ابوزرعہ نے کہا گستاخی معاف اگر اجازت ہو تو کچھ عرض کروں۔ بادشاہ نے آپ کو امان دی۔ تو آپ نے فرمایا اے امیر المؤمنین! آپ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ معزز ہیں یا حضرت داؤد علیہ السلام؟ بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے نبوت اور خلافت کو جمع فرمایا۔ اس کے باوجود آپ کو ارشاد ہوا: یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَۃً فِی الْاَرْضِ......

لَہُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌۢ بِمَا نَسُوْا یَوْمَ الْحِسَابِ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہاں تقدیم وتاخیر ہے کلام کی ترتیب اس طرح ہے۔ لھم عذاب شدید یوم الحساب بما نسوا۔ سدی رحمۃ علیہ کا قول ہے کہ انہیں شدید عذاب اس لئے ہوگا کہ انہوں نے قیامت کے دن کے لئے نیک اعمال نہیں کئے۔ آیت کے ظاہری الفاظ سے یہی قول مطابقت رکھتا ہے۔ واللہ سبحانہ ھو الموفق للصواب۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَہُمَا بَاطِلًا ؕ ذٰلِکَ ظَنُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ۚ فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ﴿۲۷﴾ اَمْ نَجْعَلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَالْمُفْسِدِیْنَ فِی الْاَرْضِ ۫ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِیْنَ کَالْفُجَّارِ ﴿۲۸﴾ کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰہُ اِلَیْکَ مُبٰرَکٌ لِّیَدَّبَّرُوْۤا اٰیٰتِہٖ وَلِیَتَذَکَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۹﴾

"اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بے فائدہ۔ یہ تو کفار کا گمان ہے۔ پس بربادی ہے کفار کے لئے آگ (کے عذاب) سے۔ کیا ہم بنا دیں گے انہیں جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان لوگوں کی مانند جو فساد برپا کرتے ہیں زمین میں۔ یا ہم بنا دیں گے پرہیزگاروں کو فاجروں کی طرح۔ یہ کتاب ہے جو ہم نے اتاری ہے آپ کی طرف، بڑی بابرکت تاکہ وہ تدبر کریں اس کی آیتوں میں اور تاکہ نصیحت پکڑیں عقل مند"۔

اللہ تبارک وتعالیٰ خبر دے رہے ہیں کہ ہم نے مخلوق کو عبث اور بے مقصد پیدا نہیں فرمایا۔ انہیں تو اپنی عبادت اور توحید کا اعلان کرنے کے لئے پیدا فرمایا۔ پھر روز جزا انہیں جمع فرمائے گا۔ نیکوکار اور مطیع کو ثواب ملے گا اور کافر کو عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ اسی لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَہُمَا بَاطِلًا ؕ ذٰلِکَ ظَنُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یہ ان لوگوں کا عقیدہ ہے جو قیامت کے دن اٹھائے جانے اور حساب وکتاب پر یقین نہیں رکھتے اور یہ سمجھتے ہیں کہ صرف یہ دار دنیا ہی ہے، آخرت کچھ نہیں۔

قولہ تعالیٰ فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنَ النَّارِ یعنی بربادی ہے ان کے لئے روز جزاء کو اس آگ سے جو ان کے لئے تیار کی گئی ہے۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ وہ اپنے عدل وحکمت سے مومنوں اور کفار کو برابر نہیں رکھے گا فرمایا: اَمْ نَجْعَلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا......

كَالْفُجَّارِ یعنی ہم ایسا نہیں کریں گے، وہ دونوں اللہ کے نزدیک یکساں نہیں ہیں۔ جب بات اس طرح ہے تو دار آخرت کا وجود لازمی ہے جس میں فرمانبردار کو جزا ملے اور فاجر و بدکار کو سزا دی جائے۔ یہ ارشاد حق عقل سلیم اور فطرت مستقیمہ کی اس بات کی طرف راہنمائی کرتا ہے کہ یوم جزاء کا وجود ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ظالم باغی کا مال و دولت بڑھتا جاتا ہے، اولاد میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ اسی فراخ دستی اور خوشحالی کی حالت میں وہ اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ ایک نیکوکار مظلوم غم واندوہ کے ساتھ انتقال کرتا ہے۔ اس لئے ایک حکیم، علیم اور عادل جو ذرہ برابر بھی ظلم نہیں فرماتا، کی حکمت کا تقاضا ہے کہ وہ ایک کو دوسرے سے انصاف دلائے۔ چنانچہ یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ ایک ایسا جہان بھی ہے جہاں پر جزاء اور خبر گیری ہوگی۔ چونکہ قرآن کریم مقاصد صحیحہ اور صریح عقلی ماخذوں کی طرف اشارہ کرتا ہے تو فرمایا:

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ...... اُولُوا الْاَلْبَابِ یعنی عقل مند۔ الألباب: لبٌ کی جمع۔ عقل۔

حضرت حسن بصری کا فرمان ہے بخدا! قرآن کے حروف والفاظ یاد کر لینے اور اس کی حدود کو ضائع ہونے سے بچانے کا نام غور وتدبر نہیں ہے، حتیٰ کہ ان میں سے کوئی کہتا ہے میں نے سارا قرآن پڑھ لیا ہے۔ لیکن اس کے خلق اور عمل میں قرآن کا نمونہ نظر نہیں آتا۔ (بروایت ابن ابی حاتم)۔

وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿30﴾ اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ﴿31﴾ فَقَالَ اِنِّيْۤ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ﴿32﴾ رُدُّوْهَا عَلَيَّ ؕ فَطَفِقَ مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ ﴿33﴾

''اور ہم نے عطا فرمایا داؤد کو سلیمان (جیسا فرزند) بڑی خوبیوں والا بندہ۔ بہت رجوع کرنے والا۔ جب پیش کئے گئے آپ پر سہ پہر کو تین پاؤں پر کھڑے ہونے والے تیز رفتار گھوڑے۔ تو آپ نے کہا مجھے ان گھوڑوں کی محبت پسند آئی ہے اپنے رب کی یاد کے لئے (پھر انہیں چلانے کا حکم دیا) یہاں تک کہ چھپ گئے پردہ کے پیچھے۔ (حکم دیا) واپس لاؤ انہیں میرے پاس۔ تو ہاتھ پھیرنے لگے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ خبر دے رہے ہیں کہ ہم نے حضرت داؤد علیہ السلام کو (بطور جانشین) سلیمان نبی عطا فرمائے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ (النمل: 16) ''اور جانشین بنے سلیمان داؤد کے''۔ مراد نبوت کا وارث ہے۔ بالخصوص نبی حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر فرمایا ورنہ ان کے اور بیٹے بھی تھے۔ آپ کی سو آزاد بیویاں تھیں (لونڈیاں اس کے علاوہ تھیں)۔

قولہ تعالیٰ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ حضرت سلیمان علیہ السلام کی تعریف کی جارہی ہے کہ آپ بہت زیادہ مطیع، عبادت گزار اور اللہ کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت مکحول رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو حضرت سلیمان علیہ السلام عطا فرمائے تو آپ نے ان سے پوچھا اے بیٹے! اچھی چیز کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا اللہ کی سکینت اور ایمان۔ پوچھا قبیح چیز کیا ہے؟ فرمایا ایمان کے بعد کفر کرنا۔ پھر پوچھا سب سے میٹھی چیز کیا ہے؟ آپ نے عرض کی اللہ کی اپنے بندوں پر رحمت۔ پوچھا سب سے ٹھنڈی چیز کیا ہے؟ فرمایا اللہ تعالیٰ کا لوگوں کو معاف کر دینا اور لوگوں کا آپس میں

ایک دوسرے سے عفو و درگزر سے کام لینا۔ ان سوالات کے یہ جوابات سن کر حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا تب آپ نبی ہیں۔

قولہ اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد اقتدار میں آپ کے سامنے تیز رفتار گھوڑے پیش کئے گئے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ صافنات سے مراد وہ گھوڑا ہے جو تین قدموں پر کھڑا ہوتا ہے اور چوتھے قدم کے سم کا کنارہ زمین پر رکھتا ہے۔ سلف صالحین میں سے بہت سے حضرات کی یہی رائے ہے۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے ابراہیم تیمی سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ یہ بیس پروں والے گھوڑے تھے (رواہ ابن جریر)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے ابراہیم تیمی سے نقل کیا ہے کہ وہ گھوڑے جنہوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو مشغول کر دیا تھا۔ ان کی تعداد بیس ہزار تھی۔ یہ قول صورت کے زیادہ مشابہ ہے، واللہ اعلم۔

ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ غزوۂ تبوک یا خیبر سے تشریف لائے تو آپ کے گھر میں ایک دریچہ تھا جس پر پردہ پڑا ہوا تھا۔ جب ہوا چلی تو پردہ ہٹ گیا۔ وہاں حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے کھیلنے کی گڑیاں رکھی ہوئی تھیں۔ حضور انور ﷺ (کی نگاہ مبارک پڑی تو آپ) نے پوچھا اے عائشہ! یہ کیا ہے؟ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی یہ میری گڑیاں ہیں۔ آپ ﷺ نے ان کے درمیان ایک گھوڑا دیکھا جس کے دو پر تھے جو چیتھڑوں کے بنے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے پوچھا یہ ان کے درمیان کیا ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: گھوڑا۔ آپ ﷺ نے پوچھا اس پر کیا ہے؟ حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی دو پر۔ آپ ﷺ نے فرمایا گھوڑوں کے بھی پر ہوتے ہیں؟ تو حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی کیا آپ نے نہیں سنا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھوڑوں کے پر تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ سن کر سرکار ہنس پڑے یہاں تک کہ آپ کے دانت مبارک ظاہر ہو گئے(1)۔

قولہ تعالیٰ فَقَالَ اِنِّيْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ اسلاف اور مفسرین میں سے کثیر علماء کی رائے یہ ہے کہ آپ گھوڑوں کو ملاحظہ فرمانے میں مشغول رہے یہاں تک کہ نماز عصر کا وقت ختم ہو گیا۔ قطعی اور یقینی بات یہی ہے کہ آپ نے دانستہ طور پر نماز ترک نہیں کی تھی بلکہ آپ بھول گئے تھے۔ جس طرح نبی کریم ﷺ غزوۂ خندق کے دن نماز عصر سے مشغول رہے اور غروب آفتاب کے بعد نماز ادا فرمائی یہ حدیث صحیحین میں متعدد سندوں سے مروی ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ غزوۂ خندق کے دن غروب آفتاب کے بعد تشریف لائے تو کفار قریش کو برا بھلا کہنے لگے۔ اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میں نے عصر کی نماز ابھی نہیں پڑھی تھی کہ سورج غروب ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بخدا میں نے بھی یہ نماز ابھی نہیں پڑھی۔ فرمایا ہم بطحان کی طرف نکلے۔ اللہ کے نبی ﷺ اور ہم سب نے وضو کیا اور غروب آفتاب کے بعد عصر کی نماز ادا کی۔ اس کے بعد مغرب پڑھی(2)۔

ممکن ہے کہ ان کی ملت میں یہ جائز ہو کہ لڑائی اور قتال کی خاطر نماز مؤخر کی جا سکتی ہے اور گھوڑے اسی مقصد کے لئے پالے جاتے ہوں۔ علماء کے ایک گروہ کی رائے میں ایسا کرنا مشروع تھا لیکن صلاۃ خوف سے یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ بعض علماء کی رائے ہے کہ جب لڑائی کا بازار گرم ہو، ہر طرف زور کا رن پڑ رہا ہو اور نماز، رکوع و سجود ادا کرنا ممکن نہ ہو تو نماز کو مؤخر کرنے کا حکم ہے جیسے صحابہ کرام نے تستر کی

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 284-283

2۔ بخاری، جلد 5 صفحہ 141، مسلم، جلد 2 صفحہ 113 کتاب المساجد، فتح الباری، کتاب المغازی، جلد 7 صفحہ 405

لڑائی میں کیا تھا۔ مکحول، اوزاعی رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہ کا یہی قول ہے۔ لیکن پہلا قول ہی ٹھیک ہے کیونکہ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے۔ رُدُّوْهَا عَلَيَّ ۖ فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَ الْاَعْنَاقِ حضرت حسن بصری کا قول ہے کہ نہیں۔ فرمایا: اللہ کی قسم! مجھے اپنے رب کی عبادت سے مشغول نہیں کرے گی کوئی چیز اس کے بعد۔ پھر حکم فرمایا تو ان کی کونچیں کاٹ دی گئیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ ان کی گردنیں اور کونچیں تلواروں سے کاٹ دی گئیں۔

علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آپ گھوڑوں کی ایال اور کونچوں پر پیار سے ہاتھ پھیرنے لگے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے یہی قول اختیار کیا ہے(1)۔ فرماتے ہیں کیونکہ آپ سے یہ تصور کرنا ممکن نہیں کہ آپ جانوروں کی کونچیں کاٹ کر انہیں تکلیف دیں اور بلاوجہ اپنا مال ضائع کریں۔ محض اس لئے کہ ان کی طرف دیکھنے میں محو ہو جانے سے آپ کی نماز قضا ہو گئی۔ حالانکہ اس میں گھوڑوں کا تو کوئی قصور نہ تھا۔ لیکن ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کی یہ ترجیح بھی محل نظر ہے کیونکہ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ آپ کی شریعت میں اس کا جواز موجود ہو خصوصاً جب ان میں مشغولیت سے نماز کا وقت نکل جائے اور یہ چیز اللہ تعالیٰ کے غضب کا سبب ہے۔ اسی لئے جب اللہ کی خاطر آپ ان سے دست بردار ہو گئے تو اللہ کریم نے ان کا دہ عوض عطا فرمایا جو ان سے بہتر تھا۔ یعنی ہوا کو آپ کا مطیع بنا دیا وہ آپ کے حسب حکم آرام سے چلتی تھی۔ اس کی صبح کی منزل ایک ماہ کی ہوتی تھی اور شام کی منزل ایک ماہ کی ہوتی تھی۔ یہ گھوڑوں سے کہیں زیادہ تیز رفتار اور بہتر تھی۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے ابو قتادہ اور ابو دہماء سے روایت کیا ہے۔ یہ دونوں اکثر بیت اللہ شریف کا سفر کیا کرتے تھے۔ ان دونوں کا قول ہے کہ ایک دفعہ ہماری ملاقات ایک بدوی سے ہوئی۔ بدوی نے ہمیں بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے تعلیم دینے لگے اس سے جو کچھ اللہ نے آپ کو سکھایا تھا۔ آپ نے فرمایا تو اللہ تعالیٰ سے تقویٰ اختیار کرتے ہوئے کسی چیز کو نہیں چھوڑے گا مگر اللہ تعالیٰ اس سے بہتر تجھے عطا فرمائے گا(2)۔

وَ لَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمٰنَ وَ اَلْقَيْنَا عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ۝ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَ هَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ اَصَابَ ۝ وَ الشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّ غَوَّاصٍ ۝ وَّ اٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ۝ هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ وَ اِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَ حُسْنَ مَاٰبٍ ۝

''اور ہم نے فتنہ میں ڈالا سلیمان (علیہ السلام) کو اور ڈال دیا ان کے تخت پر ایک بے جان جسم۔ پھر وہ (ہماری طرف) متوجہ ہوئے عرض کی میرے رب! مجھے معاف فرما دے اور عطا فرما مجھے ایسی حکومت جو کسی کو میسر نہ ہو میرے بعد۔ بیشک تو ہی بے اندازہ عطا کرنے والا ہے پس ہم نے ہوا کو آپ کا فرمانبردار بنا دیا چلتی تھی آپ کے حسب حکم آرام سے جدھر آپ چاہتے۔ اور سب دیو بھی ماتحت کر دیئے کوئی معمار اور کوئی غوطہ خور۔ اور ان کے علاوہ (جو سرکش تھے) باندھ دیئے گئے

3۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 156
1۔ مسند امام احمد، جلد 5 صفحہ 78

زنجیروں میں (اے سلیمان!) یہ ہماری عطا ہے چاہے (کسی کو بخش کر) احسان کر چاہے اپنے پاس رکھ تم سے باز پرس نہ ہو گی۔ اور بیشک انہیں ہمارے ہاں بڑا قرب حاصل ہے اور خوبصورت انجام"۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرمارہے ہیں کہ ہم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو آزمایا اختیار سلب کرنے سے۔

قولہ وَ اَلْقَیْنَا عَلٰی كُرْسِیِّهٖ جَسَدًا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، قتادہ، سعید بن جبیر اور حسن رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کا قول ہے کہ اس سے مراد شیطان ہے۔

ثُمَّ اَنَابَ پھر آپ اپنے تاج وتخت کی طرف لوٹے اور اسے دہشت زدہ کیا۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس شیطان کا نام صخر تھا (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی کہا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا نام آصف تھا۔ یہ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ ایک قول ہے کہ مرد۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے ہی یہ بھی کہا ہے۔ ایک قول ہے کہ حبیق۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہا ہے۔ مفسرین نے یہ قصہ مفصل ذکر کیا ہے اور بعض نے اختصار کے ساتھ۔ سعید بن ابی عروبہ نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس شریف کی تعمیر کا حکم فرمایا۔ حکم ہوا اس طرح تعمیر کرو کہ لوہے کی آواز پیدا نہ ہو۔ آپ نے اس کی تعمیل کرنا چاہی لیکن آپ ایسا نہ کرسکے۔ کہا گیا سمندر میں ایک شیطان ہے اس کا نام صخر ہے جو یہ کام کرسکتا ہے۔ آپ نے اسے لانے کا حکم دیا۔ سمندر میں ایک چشمہ تھا جہاں وہ ہر ساتویں روز پانی پینے آتا تھا۔ اس کا پانی نکال کر اس میں شراب بھر دی گئی جب اس کی آمد کا دن آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ اس میں شراب ہے۔ کہنے لگا تو اچھا مشروب ہے مگر تو عقل مند کی عقل کو ختم کردیتی اور جاہل کی جہالت میں اضافہ کرتی ہے۔ یہ کہا اور چلا گیا۔ جب پیاس شدید ہوگئی تو دوبارہ آیا اور وہی پہلے والے کلمات دہرائے۔ آخر اسے پی گیا اور مدہوش ہوگیا۔ اسے حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی دکھائی گئی اس کے دونوں کندھوں کے درمیان مہر لگادی گئی تو وہ رام ہوگیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت اس مہر میں تھی۔ اسے حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس لایا گیا۔ آپ نے فرمایا ہمیں اس گھر کی تعمیر کا حکم ملا ہے اور کہا گیا ہے کہ اس میں لوہے کی آواز سنائی نہ دے۔ چنانچہ وہ ہدہد کا انڈہ لایا اور اس پر شیشہ رکھ دیا۔ ہدہد نے آکر انڈوں کے گرد چکر لگانے شروع کردیئے لیکن انڈہ حاصل کرنا اس کے لئے مشکل ہوگیا۔ اڑ کر چلا گیا اور الماس لے آیا اسے شیشے پر رکھ کر شیشے کو کاٹا اور انڈوں تک پہنچ گیا۔ یہ الماس لے لیا گیا اور اس کے ساتھ پتھر کاٹنے لگے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام جب حمام یا بیت الخلاء جانا چاہتے تو انگوٹھی لے کر نہیں جاتے تھے۔ ایک دن آپ نے غسل خانے جانا تھا۔ یہ شیطان صخر آپ کے ہمراہ تھا۔ آپ اس وقت غسل فرض کے لئے جارہے تھے۔ آپ نے غسل خانے میں داخل ہوتے وقت وہ انگوٹھی شیطان کو پکڑائی۔ اس نے اسے سمندر میں پھینک دیا۔ اسے ایک مچھلی نے نگل لیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت چھن گئی۔ شیطان (جن) پر آپ کی شکل ڈال دی گئی۔ وہ آکر آپ کی کرسی اور تخت پر بیٹھ گیا۔ آپ کی ساری سلطنت پر قبضہ کرلیا ماسوائے آپ کی ازواج کے۔ چنانچہ وہ لوگوں کے مابین فیصلے کرنے لگا۔ اب اس سے بعض عجیب باتیں بھی ظاہر ہونے لگیں۔ حتی کہ کہنے لگے اللہ کے نبی کو آزمائش میں ڈال دیا گیا دماغی توازن درست نہیں رہا۔ ان میں ایک آدمی تھا جسے قوت میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے تشبیہ دیتے تھے۔ وہ کہنے لگا۔ اللہ کی قسم میں ضرور اس کو آزماؤں گا۔ چنانچہ اس نے کہا اے اللہ کے نبی! کیونکہ وہ نبی کی شکل میں تھا۔ اگر سرد رات میں کوئی شخص جنبی ہو جائے اور دانستہ غسل نہ کرے یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے۔ آپ کا کیا خیال ہے

2۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 156، سیوطی: مفحمات الاقرآن، جلد 177-176، تفسیر بغوی، جلد 4 صفحہ 64 روح المعانی، جلد 23 صفحہ 199

اس میں کوئی حرج تو نہیں؟ اس نے جواب دیا نہیں۔ چالیس راتوں تک یہی حال رہا۔ آخر اللہ کے نبی کو انگوٹھی مچھلی کے پیٹ سے ملی۔ آپ نے اسے ہاتھ میں پہن لیا۔ لہٰذا جو جن یا پرندہ سامنے آتا آپ کو سجدہ کرتا۔ یہاں تک کہ آپ ان کے پاس پہنچ گئے۔ جسداً سے مراد یہی شیطان صخر ہے (1)۔

سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ شیطان چالیس روز تک آپ کی کرسی پر براجمان رہا۔ مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی سو سے زیادہ بیویاں تھیں۔ ان میں سے ایک عورت جرادہ نام کی تھی آپ کو اس سے بہت زیادہ محبت تھی۔ جنابت یا قضائے حاجت کے وقت انگوٹھی اتار دیتے اور اس اہلیہ کے علاوہ اور کسی کو نہ دیتے۔ ایک دن آپ نے اسے انگوٹھی دی اور بیت الخلاء چلے گئے شیطان آپ کی صورت میں ظاہر ہوا اور انگوٹھی طلب کی۔ اس عورت نے وہ انگوٹھی اسے دے دی۔ وہ انگوٹھی پہن کر آیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی جگہ بیٹھ گیا۔ جب آپ باہر نکلے تو انگوٹھی طلب کی۔ وہ کہنے لگی کیا آپ نے پہلے انگوٹھی نہیں لی۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ چنانچہ آپ حیران و سرگرداں ہو کر باہر نکل آئے اور شیطان چالیس روز لوگوں کے درمیان فیصلے کرتا رہا۔ لوگوں نے اس کے فیصلوں کو عجیب محسوس کیا۔ چنانچہ بنی اسرائیل کے علماء اور قراء جمع ہوئے اور آپ کی عورتوں کے پاس آئے۔ اور ان سے کہا یہ کیا معاملہ ہے (ہمیں سلیمان کی ذات کے بارے میں شبہ ہو گیا ہے)۔ اگر یہ واقعی سلیمان ہیں تو ان کی عقل جاتی رہی ہے۔ وگرنہ یہ پھر سلیمان نہیں۔ یہ سن کر آپ کی عورتیں رونے لگیں۔ وہ سب واپس آئے اور بادشاہ کے گرد گھیرا ڈال کر بیٹھ گئے۔ اور تورات کھول کر تلاوت شروع کر دی۔ کلام الٰہی کی تاثیر سے یہ وہاں سے بھاگا اور بالکونی پر چلا گیا۔ انگوٹھی اس کے پاس تھی۔ پھر وہاں سے اڑ کر سمندر کی طرف گیا۔ انگوٹھی اس سے سمندر میں گر گئی۔ ایک مچھلی نے اسے نگل لیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اسی حال میں تھے۔ ایک دن پھرتے پھراتے سمندر کی طرف جا نکلے۔ آپ کو شدت کی بھوک لگ رہی تھی۔ آپ نے ماہی گیر کو بتایا کہ میں سلیمان ہوں اور اس سے شکار مانگا۔ ان میں سے ایک اٹھا اور ڈنڈا اٹھا کر آپ کے سر پر دے مارا۔ آپ کے سر پر زخم ہو گیا۔ آپ ساحل پر جا کر زخم دھونے لگے۔ ماہی گیروں نے اپنے ساتھی کو ملامت کی جس نے آپ کو زخمی کیا تھا۔ وہ کہنے لگے تم نے اس (بیچارے) کو زخمی کر کے بہت برا کیا ہے۔ وہ کہنے لگا یہ سمجھتا ہے کہ میں سلیمان ہوں۔ انہوں نے آپ کو دو مچھلیاں دے دیں۔ بھوک کی شدت نے آپ کو زخموں کی تکلیف بھلا دی تھی۔ چنانچہ آپ ساحل کی طرف گئے۔ اور مچھلیوں کے پیٹ چاک کر کے انہیں دھونے لگے۔ ایک مچھلی کے پیٹ سے وہ انگوٹھی نکلی۔ آپ نے اسے پہنا تو اللہ نے آپ کی شان و شوکت اور سلطنت آپ کو واپس کر دی۔ پرندے آ کر آپ کے اوپر منڈلانے لگے۔ ان لوگوں نے آپ کو پہچان لیا۔ چنانچہ وہ آپ سے معذرت کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا میں نہ تمہارے عذر پر تمہاری تعریف کروں گا۔ اور نہ تمہارے کیے پر تمہیں ملامت کروں گا۔ ایسا ہونا لازمی تھا۔ آپ تشریف لائے اور اپنے تخت پر بیٹھ گئے۔ اور حکم دیا کہ اس شیطان کو لایا جائے۔ اسے گرفتار کر لیا گیا۔ آپ نے اسے ایک لوہے کے صندوق میں بند کرنے کا حکم دیا۔ اسے تالا لگا کر اس پر اپنی مہر لگا دی اور اسے سمندر میں ڈال دینے کا حکم دیا۔ وہ قیامت تک وہیں رہے گا۔ اس کا نام حقیق تھا۔ ہوا آپ کے لئے مسخر کر دی گئی حالانکہ اس سے پہلے کسی کے لئے نہ تھی اسی کی طرف اشارہ ہے وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ......

ابن ابی نجیح نے مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے۔ اس شیطان کا نام آصف تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک مرتبہ اس سے پوچھا کہ تم لوگوں کو کس طرح فتنہ میں ڈالتے ہو۔ اس نے کہا مجھے اپنی انگوٹھی دکھائیے میں آپ کو بتاتا ہوں۔ جب آپ نے اسے انگوٹھی

1۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 158-157

دی۔ آصف نے اسے سمندر میں پھینک دیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے تاج وتخت کا مالک بن بیٹھا۔ آپ ادھر ادھر گھومنے لگے۔ اللہ نے شیطان کو آپ کی عورتوں سے روک دیا تھا۔ وہ ان کے قریب نہ گیا۔ اور نہ وہ اس کے قریب آئیں۔ انہوں نے اس کو پہچاننے سے انکار کر دیا ادھر حضرت سلیمان علیہ السلام لوگوں سے کھانا مانگتے اور کہتے کیا تم مجھے پہچانتے ہو میں سلیمان ہوں مجھے کھانا دو۔ لوگ آپ کو جھٹلاتے۔ ایک دن ایک عورت نے آپ کو مچھلی دی۔ آپ نے اس کا پیٹ چیرا۔ آپ کی انگوٹھی اس کے پیٹ سے نکل آئی۔ آپ نے اسے پہنا تو آپ کی سلطنت آپ کو واپس مل گئی۔ آصف بھاگ کر سمندر میں داخل ہو گیا(1) (یہ سب تفصیلات اسرائیلیات سے ماخوذ ہیں)۔

اس سے بھی زیادہ عجیب وہ واقعہ ہے جسے حضرت ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے بروایت سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: ''حضرت سلیمان علیہ السلام جب بیت الخلاء جانے لگے تو اپنی انگوٹھی جرادہ کو دی۔ یہ آپ کی محبوب ترین بیوی تھی۔ شیطان آپ کی صورت اختیار کر کے آیا اور کہا میری انگوٹھی دو۔ جرادہ نے انگوٹھی اسے دے دی۔ انگوٹھی کا پہننا تھا کہ جن وانس اور شیاطین سب اس کے مطیع ہو گئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام جب بیت الخلاء سے باہر نکلے تو انگوٹھی طلب کی۔ اس نے کہا میں نے سلیمان کو انگوٹھی دے دی ہے۔ وہ کہنے لگا میں سلیمان ہوں۔ وہ کہنے لگی آپ جھوٹ بولتے ہیں۔ آپ سلیمان نہیں ہیں۔ آپ کسی کے پاس جا کر یہ کہتے کہ میں سلیمان ہوں تو وہ آپ کو تسلیم نہ کرتا۔ حتیٰ کہ بچے آپ کو پتھروں سے مارتے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب یہ سب کچھ دیکھا تو اسے امر الٰہی سمجھ کر چپ ہو رہے۔ ادھر شیطان لوگوں کے مابین حکمرانی کرنے لگا۔ جب اللہ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ان کا ملک واپس کرنا چاہا تو لوگوں کے دلوں میں شیطان کا انکار ڈال دیا۔ انہوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی ازواج مطہرات کی طرف پیغام بھیجا اور پوچھا کیا تمہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کی کوئی بات عجیب لگتی ہے۔ انہوں نے بتایا ہاں یہ حیض کی حالت میں ہمارے پاس آتا ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے ایسا نہیں تھا۔ جب شیطان نے دیکھا کہ اس کا بھانڈا پھوٹ گیا ہے تو انہوں نے کتابیں لکھیں جن میں جادو اور کفر تھا۔ ان کتب کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے تخت کے نیچے دفن کر دیا۔ پھر لوگوں کے سامنے انہیں نکلوا کر پڑھا اور کہا دیکھو حضرت سلیمان علیہ السلام ان کی مدد سے ہی تم پر غالب تھے۔ چنانچہ لوگوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو کافر ٹھہرانا شروع کر دیا۔ شیطان نے وہ انگوٹھی لے جا کر سمندر میں ڈال دی۔ اس کو ایک مچھلی نے نگل لیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام ساحل سمندر پر مزدوری کرتے تھے۔ ایک آدمی آیا اس نے مچھلیاں خریدیں ان میں سے ایک مچھلی کے بطن میں انگوٹھی تھی۔ اس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بلایا اور کہا کیا تم یہ مچھلیاں اٹھا کر لے چلو گے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ اس نے پوچھا کتنے میں؟ آپ نے فرمایا ان میں سے ایک مچھلی کے بدلے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام مچھلیاں اٹھا کر لے گئے۔ جب اس کے گھر کے دروازے تک پہنچے تو اس نے آپ کو وہ مچھلی دی جس کے پیٹ میں وہ انگوٹھی تھی۔ آپ نے اس مچھلی کا پیٹ چیرا تو اس میں انگوٹھی تھی۔ آپ نے اسے لے کر پہن لیا۔ اس کو پہنتے ہی جن وانس اور شیاطین آپ کے تابع ہو گئے۔ آپ اپنی پہلی حالت پر واپس آ گئے۔ وہ شیطان بھاگ کر ایک سمندری جزیرہ میں چلا گیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے لانے کا حکم دیا۔ وہ بڑا سرکش جن تھا۔ اس پر قابو پانا مشکل تھا۔ حتیٰ کہ انہوں نے ایک دن اسے سوئے ہوئے پایا تو انہوں نے اس پر سیسے کی ایک عمارت بنا دی۔ جب وہ بیدار ہو کر اچھلا تو قبضے میں آ گیا۔ انہوں نے اسے پکڑ کر باندھ دیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس لے آئے۔ آپ نے حکم دیا تو سنگ مرمر میں سوراخ کر کے اسے اس کے پیٹ میں داخل کر دیا گیا۔ اور اس کا منہ تانبے سے بند کر دیا گیا اور

1۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 157

اسے سمندر میں ڈال دیا گیا۔ اس آیت سے یہی مراد ہے اور یہی شیطان آپ پر مسلط ہوا تھا"(1)۔

اس کی اسناد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تک قوی ہے۔ لیکن ظاہر یہی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اہل کتاب سے یہ واقعہ اخذ کیا ہے (بشرطیکہ اس کی نسبت آپ تک صحیح ہو)۔ اور ان میں سے ایک گروہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی نبوت کا قائل نہیں۔ ظاہر ہے وہ آپ کو جھٹلاتے تھے۔ اس لئے اس واقعہ میں بعض عجیب ترین چیزیں ہیں۔ ان میں سے شدید ترین عورتوں کا ذکر ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سلف سے مشہور یہ ہے کہ وہ جن حضرت سلیمان علیہ السلام کی عورتوں پر مسلط نہیں ہوا بلکہ اللہ نے اپنے نبی کی عظمت و تکریم کی خاطر انہیں محفوظ رکھا۔ سلف کی ایک جماعت سے یہ قصہ بالتفصیل مروی ہے۔ جیسے سعید بن مسیّب، زید بن اسلم اور ایک دوسرا گروہ۔ یہ سارے واقعات اہل کتاب سے ماخوذ ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب۔ یحییٰ بن ابی عروبہ شیبانی کا قول ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اپنی انگوٹھی عسقلان میں ملی تو آپ از راہ تواضع بیت المقدس تک چل کر پیدل گئے (رواہ ابن ابی حاتم)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے کعب احبار سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے تخت کے بارے میں ایک عجیب بات روایت کی ہے۔ ابو اسحٰق مصری کا قول ہے کہ جب حضرت کعب ارم ذات العماد کی گفتگو سے فارغ ہوئے تو معاویہ نے کہا اے ابو اسحٰق! مجھے حضرت سلیمان علیہ السلام کے تخت کے بارے میں بتاؤ کہ اس پر کیا تھا اور وہ کس چیز کا بنا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا وہ ہاتھی دانت کا تھا۔ اس پر موتی، یاقوت، زبرجد اور لولؤ جڑے ہوئے تھے۔ اس کی ایک سیڑھی پر موتی، یاقوت، زبرجد لگے ہوئے تھے۔ اس کے اطراف میں سونے کی کھجوریں تھیں جن کی شاخیں بھی یاقوت، زبرجد اور لولؤ کی تھیں۔ تخت کے دائیں طرف والی کھجوروں پر سونے کے مور بنے ہوئے تھے اور بائیں طرف والی کھجوروں پر سونے کے عقاب تھے۔ پہلی سیڑھی کے دائیں طرف سونے کے بنے صنوبر کے دو درخت تھے اور بائیں طرف سونے کے دو شیر تھے۔ دونوں شیروں کے سر پر زبرجد کے دو ستون تھے اور تخت کے دونوں اطراف میں سونے کی بنی انگور کی بیلیں تھیں جو تخت پر سایہ کر رہی تھیں۔ ان کے خوشے موتی اور سرخ یاقوت کے تھے۔ تخت کی سیڑھیوں سے اوپر سونے کے بڑے دو شیر تھے۔ جن کے خالی پیٹوں میں کستوری اور عنبر بھرا ہوا تھا۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام تخت پر بیٹھنا چاہتے تو یہ دونوں شیر حرکت کرتے اور ان کے پیٹوں میں جو کستوری اور عنبر بھرا ہوا تھا اسے تخت کے گرد چھڑک دیتے۔ پھر دو منبر رکھے جاتے ایک آپ کے خلیفہ کے لئے اور دوسرا اس زمانے میں بنو اسرائیل کے سب سے بڑے عالم کے لئے۔ پھر آپ کے تخت کے سامنے سونے کے ستر منبر بچھائے جاتے جن پر بنو اسرائیل کے قاضی، علماء، سردار اور معزز لوگ بیٹھتے۔ ان منبروں کے پیچھے سونے کے پینتیس منبر ہوتے جو خالی رہا کرتے جب حضرت سلیمان علیہ السلام تخت پر بیٹھنا چاہتے تو نچلی سیڑھی پر قدم مبارک رکھتے سارا تخت ان تمام چیزوں سمیت گھوم جاتا۔ شیر اپنا دایاں پاؤں پھیلا دیتا اور عقاب اپنا بایاں پر۔ جب دوسرے درجے پر قدم رکھتے تو شیر اپنا بایاں پاؤں پھیلاتا اور عقاب اپنا دایاں پر پھیلا دیتا۔ جب آپ تیسری سیڑھی پر چڑھ کر بیٹھ جاتے تو ایک بڑا عقاب آپ کا تاج لے کر آپ کے سر اقدس پر رکھ دیتا۔ تاج کے سر پر رکھتے ہی پورا تخت چکی کی طرح تیزی سے گھومتا۔

حضرت معاویہ نے پوچھا اے ابو اسحاق اسے کیا چیز گھماتی تھی؟ فرمایا سونے کا ایک بہت بڑا اژدھا جس پر یہ تخت تھا۔ اسے صخر جن نے بنایا تھا۔ اس کی حرکت سے وہ شیر، عقاب اور مور بھی حرکت کرتے جو تخت سے نیچے ہوتے نہ کہ اوپر والے۔ جب وہ رکتا تو یہ سب چیزیں بھی رک جاتیں اس حال میں کہ ان کے سر حضرت سلیمان علیہ السلام پر جھکے ہوتے۔ جبکہ آپ تشریف فرما ہوتے۔ پھر وہ سب اپنے

1۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 180-179

اندر موجود عنبر اور کستوری کا چھڑکاؤ حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کے سر پر کرتے۔ پھر سونے کا ایک کبوتر جو کہ ہیرے کے ایک ستون پر بیٹھا ہوتا تورات اٹھا کر حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاتھ میں دیتا جسے آپ تلاوت فرماتے۔ پھر سارا واقعہ سنایا۔ لیکن یہ روایت بہت غریب ہے۔

قولہ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ بعض علماء کے نزدیک اس کا معنی ہے کہ کوئی دوسرا اسے مجھ سے چھین نہ سکے۔ جس طرح کہ جسم والا واقعہ تھا جسے آپ کے تخت پر ڈال دیا گیا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ دوسروں کے لئے ایسا ملک نہ ملنے کی دعا کر رہے تھے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ آپ نے اللہ سے ایسی حکومت کا سوال کیا جو سلطنت آپ کے بعد کسی بشر کو نہ ملے۔ اس آیت کے سیاق کلام سے بھی یہی پتہ چلتا ہے اور صحیح احادیث میں بھی یہی مذکور ہے۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں اپنی سند سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ایک سرکش جن گزشتہ رات مجھ پر کود پڑا اور میری نماز میں خلل ڈالنا چاہا (یا اس طرح کے الفاظ فرمائے) تو اللہ نے مجھے اس پر قدرت عطا فرمائی۔ میں نے چاہا کہ اسے مسجد کے ستون کے ساتھ باندھ دوں تاکہ صبح تم سب لوگ اسے دیکھو تو مجھے اپنے بھائی حضرت سلیمان علیہ السلام کی بات یاد آ گئی۔ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ...... روح کا قول ہے کہ آپ نے اسے ذلیل و رسوا کر کے چھوڑ دیا(1)۔ مسلم اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے شعبہ سے اسی طرح روایت کیا ہے(2)۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو کر نماز ادا فرما رہے تھے(3) کہ ہم نے تین مرتبہ آپ کو یہ ارشاد فرماتے سنا أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْكَ میں تجھ سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔ پھر تین بار فرمایا: اَلْعَنُكَ بِلَعْنَةِ اللّٰهِ میں تجھ پر اللہ کی لعنت بھیجتا ہوں۔ پھر آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک آگے بڑھایا گویا آپ کوئی چیز پکڑ رہے ہیں۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو ہم نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ ہم نے نماز میں آپ کو کوئی بات کہتے سنا۔ یہ بات ہم نے پہلے آپ سے نہیں سنی۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اللہ کا دشمن ابلیس آگ کا ایک شہاب لے کر آیا وہ اسے میرے منہ پر ڈالنا چاہتا تھا۔ میں نے تین مرتبہ أعوذ باللہ منك کہا۔ پھر میں نے کہا العنك بلعنة اللّٰه التَّامَّةِ۔ میرے تین مرتبہ لعنت بھیجنے کے باوجود وہ پیچھے نہ ہٹا تو میں نے اسے پکڑ لینا چاہا۔ بخدا اگر ہمارے بھائی سلیمان کی دعا نہ ہوتی۔ تو وہ بندھا ہوتا اور اہل مدینہ کے بچے اس سے کھیلا کرتے(4)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ ابو عبید حاجب سلیمان نے بیان کیا ہے کہ میں نے عطاء بن یزید رقاشی کو کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ میں آپ کے سامنے سے گزرنے لگا تو آپ نے مجھے روک دیا۔ پھر فرمایا حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے مجھے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو کر نماز صبح ادا فرما رہے تھے۔ میں بھی آپ کے پیچھے تھا۔ آپ ﷺ نے قراءت فرمائی لیکن قراءت آپ پر خلط ملط ہو گئی۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: کاش تم مجھے اور ابلیس کو دیکھتے میں نے اپنا ہاتھ نیچے کیا اس کو پکڑ کر اس کا گلا دبائے رکھا۔ حتیٰ کہ اس کے منہ کے لعاب کی ٹھنڈک میں نے اپنی ان دو انگلیوں پر محسوس کی۔ (ساتھ ہی انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کی طرف اشارہ فرمایا) اگر میرے بھائی سلیمان کی دعا نہ ہوتی تو وہ صبح کو مسجد کے ستون سے بندھا ہوتا۔ مدینہ کے بچے اس سے

1۔ بخاری، جلد 6 صفحہ 156، فتح الباری تفسیر سورۂ ص، جلد 8 صفحہ 546
2۔ مسلم، جلد 2 صفحہ 72، کتاب المساجد، جلد 1 صفحہ 384
3۔ نسائی، جلد 3 صفحہ 13، تحفۃ الاشراف، جلد 10 صفحہ 325
4۔ مسلم، جلد 2 صفحہ 72، کتاب المساجد

کھیلتے۔ جو تم میں سے یہ طاقت رکھتا ہو کہ تمہارے اور قبلہ کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو تو ایسا کر دکھائے (1)۔ ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے ربیعہ بن یزید بن عبداللہ دیلمی کا قول نقل کیا ہے کہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے پاس آیا۔ آپ طائف میں اپنے باغ میں تھے جس کا نام وھط تھا۔ آپ اس وقت ایک قریشی نوجوان کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے جو زانی اور شرابی تھا۔ میں نے عرض کی مجھے آپ کے حوالے سے ایک حدیث پہنچی ہے: ''جس نے شراب کا ایک گھونٹ پیا۔ اللہ تعالیٰ چالیس دن تک اس کی توبہ قبول نہیں فرمائے گا۔ شقی وہ ہے جو ماں کے پیٹ سے ہی بد بخت ہو اور جو شخص بیت المقدس آئے۔ نماز کے علاوہ اس کی اور کوئی غرض نہ ہو۔ تو وہ گناہوں سے اسی طرح پاک ہو جاتا ہے جیسے اس روز تھا جب اس کی ماں نے اسے جنا''۔

جب نوجوان نے شراب کا ذکر سنا تو اس نے اپنا ہاتھ چھڑا لیا اور چلا گیا۔ تو حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں کسی کے لئے یہ بات درست نہیں سمجھتا کہ میری طرف وہ بات منسوب کرے جو میں نے کبھی نہیں کہی۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا: ''جو شخص شراب کا ایک گھونٹ پیئے چالیس روز اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔ اگر وہ توبہ کرے تو اللہ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ پھر اگر دوبارہ لوٹے (یعنی پی لے) تو چالیس روز تک اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔ اگر توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے۔ پھر فرمایا مجھے اچھی طرح یاد نہیں کہ تیسری یا چوتھی مرتبہ فرمایا اگر وہ دوبارہ یہی جرم کرے تو اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ اسے قیامت کے دن دوزخیوں کے زخموں کی پیپ پلائے۔'' اور فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا: ''بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی مخلوق کو اندھیرے میں پیدا کیا۔ پھر ان پر اپنا نور ڈالا۔ جس پر اس دن وہ روشنی پڑی ہدایت یافتہ ہو گیا اور جس تک وہ نور نہ پہنچا وہ گمراہ ہو گیا۔ اسی لئے میں کہتا ہوں: اللہ جل جلالہ کے علم کے مطابق قلم خشک ہو چکا''۔

میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا: ''بے شک (حضرت) سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے تین چیزوں کا سوال کیا تو اللہ نے آپ کو دو چیزیں عطا فرمادیں اور ہمیں امید ہے کہ تیسری ہمیں ملے گی۔ 1:۔ آپ نے سوال کیا مجھے ایسا حکم دے جو تیرے حکم کے موافق ہو۔ تو آپ کو یہ عطا فرمادیا۔ 2:۔ اور سوال کیا کہ مجھے ایسی سلطنت دے جو میرے بعد کسی اور کے لائق نہ ہو۔ یہ چیز بھی اللہ نے آپ کو عطا فرمادی۔ 3:۔ جو شخص بھی اپنے گھر سے خالص اس مسجد میں نماز پڑھنے کی نیت سے نکلے تو جب وہ لوٹے تو گناہوں سے ایسا پاک ہو جائے جیسے آج ہی پیدا ہوا۔ پس ہمیں امید ہے کہ اللہ نے ہمیں یہ عطا فرمادی ہو گی'' (2)۔ اس حدیث کا آخری حصہ نسائی اور ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی متعدد سندوں سے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب بیت المقدس بنایا تو اپنے رب سے تین چیزوں کا سوال کیا۔'' (اور ان تین چیزوں کا ذکر فرمایا ہے) (3)۔ یہی حدیث حضرت رافع بن عمیر رضی اللہ عنہ سے ایک عجیب متن اور اسناد سے روایت کی گئی ہے۔ چنانچہ طبرانی نے اپنی سند سے حضرت رافع بن عمیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا: ''اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو حکم دیا کہ زمین پر میرا گھر بنائیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس گھر کی تعمیر سے پہلے اپنا گھر بنا لیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی فرمائی ''اے داؤد! تم نے اپنا گھر میرے گھر سے پہلے کھڑا کر لیا؟'' آپ نے عرض کی: اے رب! اسی طرح فیصلہ کیا گیا تھا۔ پھر مسجد کی تعمیر

5۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 83، سنن ابی داؤد، کتاب الصلوۃ، جلد 1 صفحہ 186   2۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 176   2۔ نسائی، جلد 2 صفحہ 43، کتاب المساجد، سنن ابن ماجہ، جلد 1 صفحہ 451، کتاب الاقامۃ

شروع کی۔ جب دیواریں مکمل ہوگئیں تو اس میں سے تین گر گئیں۔ آپ نے اللہ کی بارگاہ میں شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے داؤد تو میرا گھر بنانے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ عرض کی کیوں میرے رب؟ فرمایا اس لئے کہ تیرے ہاتھ سے خون بہا ہے۔ آپ نے عرض کی: اے رب! کیا وہ تیری محبت میں نہیں تھا؟ اللہ نے فرمایا کیوں نہیں۔ لیکن وہ بھی میرے بندے تھے میں ان پر رحم کرتا ہوں۔ یہ بات آپ کو دشوار لگی تو اللہ نے آپ کی طرف وحی فرمائی۔ غمگین مت ہو! میں اسے تیرے بیٹے سلیمان کے ہاتھ سے مکمل کراؤں گا۔ جب حضرت داؤد علیہ السلام کا انتقال ہوگیا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی تعمیر شروع کی۔ جب وہ مکمل ہوگیا تو قربانیاں دیں اور بہت جانور ذبح کئے اور بنو اسرائیل کو جمع کیا تو اللہ نے آپ کی طرف وحی فرمائی۔ میرے گھر کی تکمیل پر میں تمہیں خوش دیکھ رہا ہوں۔ لہٰذا جو مانگو گے عطا کیا جائے گا۔ آپ نے عرض کی خدایا میری تین گزارشات ہیں: 1۔ مجھے ایسا فیصلہ سمجھا جو تیری منشا کے مطابق ہو۔ 2۔ ایسا ملک عطا فرما جو حکومت میرے بعد کسی کو میسر نہ ہو۔ 3۔ جو اس گھر میں آئے اور نماز کے علاوہ کوئی اور ارادہ نہ ہو تو وہ گناہوں سے اس طرح پاک صاف ہو جائے جیسے آج ہی پیدا ہوا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دو چیزیں تو آپ کو عطا فرمادی گئیں اور مجھے امید ہے کہ تیسری بھی دے دی گئی ہوگی" (1)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا میں نے جب بھی رسول اللہ ﷺ کو دعا فرماتے سنا آپ ان الفاظ سے ابتداء فرماتے: سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَلِيِّ الْاَعْلَى الْوَهَّابِ (2)۔

ابو عبید نے لکھا ہے کہ جب اللہ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام کا انتقال ہوا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کے لخت جگر حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ آپ اپنی حاجت طلب کریں۔ آپ نے عرض کی: مجھے اپنے باپ کی طرح خشیت والا دل عطا فرما۔ میرے دل میں اپنی محبت ڈال دے جس طرح میرے والد محترم کے دل میں تھی۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: میں نے اپنے بندوں کو پیغام بھیجا اور اس کی حاجت دریافت کی۔ اس کی حاجت یہ تھی کہ میں اس کا دل اس طرح بنا دوں کہ وہ مجھ سے ڈرتا رہے۔ اور میں اس کا دل اس طرح کردوں کہ وہ مجھ سے محبت کرنے لگے۔ میں اس کو ایسی سلطنت عطا کروں گا۔ جو اس کے بعد کسی کو میسر نہ ہوگی۔

قال اللہ جلت عظمتہ: (فسخرنالہ الریح تجری بامرہ رخاء حیث اصاب) اور جو اس کے بعد ہے۔ فرمایا: اور آپ کو عطا فرمایا جو عطا فرمایا اور آخرت میں آپ پر حساب نہیں ہے۔ ابوالقاسم ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے حالات میں یہی درج کیا ہے (3)۔ بعض سلف سے مروی ہے آپ نے فرمایا: مجھے حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں خبر ملی ہے کہ آپ نے فرمایا: اے بارالٰہا! سلیمان کے لئے بھی اسی طرح ہو جا جس طرح تو میرے ساتھ لطف وکرم سے پیش آتا رہا۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی فرمائی کہ سلیمان سے کہہ دو کہ وہ بھی میرے ساتھ اسی طرح رہے جس طرح کہ تم تھے تو میں اس کے ساتھ ہو جاؤں گا جیسے کہ تمہارے ساتھ تھا۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت حسن بصری نے لکھا ہے کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی خاطر گھوڑوں کی کونچیں کاٹ ڈالیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کے عوض اس سے بہتر اور تیز رفتار چیز عطا فرمائی یعنی ہوا کو آپ کے تابع کر دیا جس کی صبح کی منزل ایک ماہ کی مسافت اور شام کی منزل ایک ماہ کی مسافت تھی (4)۔ قولہ جل وعلا: حیث اصاب یعنی جس جگہ آپ تشریف لے جانا چاہتے۔

1۔ المعجم الکبیر، جلد 5 صفحہ 25-24
2۔ مسند احمد جلد 4 صفحہ 54
3۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 189
4۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 189

وَالشَّیٰطِیْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ ان میں سے کچھ فن تعمیر میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ وہ بلند و بالا عمارتوں کی تعمیر میں لگے رہتے یعنی پختہ عمارتیں، مجسمے، بڑے بڑے لگن جیسے حوض ہوں اور بھاری دیگیں جو چولہوں پر جمی رہتیں، بنایا کرتے تھے اور اسی طرح کے دیگر مشقت آمیز کام کرتے جو انسانی طاقت سے باہر تھے۔ ان میں سے ایک تیراکی اور غوطہ خوری میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ وہ سمندروں کی گہرائیوں میں غوطہ لگا کر لؤلؤ، جواہرات اور دیگر قیمتی چیزیں نکال لاتے جو صرف سمندروں سے ہی دستیاب ہوتی ہیں۔

وَّاٰخَرِیْنَ مُقَرَّنِیْنَ فِی الْاَصْفَادِ زنجیروں اور بیڑیوں میں جکڑے ہوئے یعنی جو سرکش ہوتے، حکم عدولی کرتے، کام کرنے سے انکار کرتے یا اپنے کام کاج میں کوتاہی کرتے تھے۔ قولہ عزوجل هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَیْرِ حِسَابٍ یعنی یہ مکمل بادشاہی، اور ان میں تصرف کرنے کے کلی اختیارات۔ جو ہم نے آپ کے مطالبہ پر آپ کو عطا کئے ہیں، ان کو خرچ کرنے میں آپ مکمل آزاد ہیں۔ جس کو چاہیں آپ دیں، جس کو چاہیں محروم رکھیں اور کچھ نہ دیں۔ آپ سے کوئی باز پرس نہ ہوگی۔ یعنی جو تصرف آپ کریں وہ آپ کے لئے جائز ہے۔ جو چاہیں فیصلہ کریں وہ درست ہے۔

صحیحین میں یہ حدیث موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب یہ اختیار دیا گیا کہ رسول عبد بن جائیں۔ جو وہی کرتا ہے جو اسے حکم دیا جاتا ہے۔ وہ تو تقسیم کنندہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق لوگوں میں تقسیم کرتا ہے۔ یا نبی ملک (بادشاہ نبی) بن جائیں۔ جسے چاہے عطا کریں، جسے چاہے روک دیں آپ کو کوئی روک ٹوک نہیں ہوگی تو حضور ﷺ نے جبریل کے مشورے سے پہلا مرتبہ (نبی عبد بننا) پسند فرمایا۔ جبریل نے عرض کی تواضع اختیار کیجئے (1) تو آپ نے پہلی بات قبول فرمائی۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ قدر والی اور آخرت میں بلند مقام والی ہے۔ اگرچہ دوسری بات یعنی نبوت کے ساتھ بادشاہت بھی دنیا و آخرت میں عظیم ہے۔ اسی لئے جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو دنیا میں جو نعمتیں عطا فرمائی تھیں ان کا ذکر فرمایا تو اس بات سے بھی آگاہ فرمایا کہ قیامت کے دن بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا بہت بڑا مرتبہ ہوگا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ یعنی دار آخرت میں بھی انہیں ہماری بارگاہ میں بڑا قرب حاصل ہے اور خوبصورت انجام بھی۔

وَاذْكُرْ عَبْدَنَاۤ اَیُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّیْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ﴿۴۱﴾ اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ﴿۴۲﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿۴۳﴾ وَخُذْ بِیَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ؕ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۴۴﴾

"اور یاد فرمائیے ہمارے بندے ایوب کو۔ جب انہوں نے پکارا اپنے رب کو (الٰہی) پہنچائی ہے مجھے شیطان نے بہت تکلیف اور دکھ۔ (حکم ہوا) اپنا پاؤں (زمین پر) مارو۔ یہ نہانے کے لئے ٹھنڈا پانی ہے اور پینے کے لئے۔ اور ہم نے عطا فرمایا انہیں ان کا اہل و عیال اور ان کی مانند اور ان کے ساتھ بطور رحمت اپنی جناب سے اور بطور نصیحت اہل عقل کے لئے۔ اور (حکم ملا) پکڑ لو اپنے ہاتھ سے تنکوں کا ایک مٹھا اور اس سے مارو اور قسم نہ توڑو۔ بیشک ہم نے پایا انہیں صبر کرنے والا۔ بڑا

1۔ مسند امام احمد، جلد 2 صفحہ 231

خوبیوں والا بندہ۔ ہر وقت ہماری طرف متوجہ''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندے اور رسول حضرت ایوب علیہ السلام کا ذکر فرما رہے ہیں اور جن جسمانی، مالی اور اولاد کی تکلیف میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو مبتلا فرمایا تھا۔ حتیٰ کہ آپ کے جسم اقدس پر سوئی کے برابر بھی تندرست جگہ باقی نہ رہی ماسوائے آپ کے مبارک دل کے۔ دنیا کی کوئی چیز باقی نہ رہی جس کی مدد سے اپنی تکالیف کا ازالہ کرتے۔ مگر آپ کی زوجہ کے دل میں آپ کی محبت باقی رہی کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتی تھی۔ وہ اجرت پر لوگوں کی خدمت کرتی اور اٹھارہ سال تک اسی طرح آپ کو کھلاتی پلاتی اور آپ کی خدمت کرتی رہی اس سے پہلے آپ کے پاس بہت سا مال تھا اور اولاد تھی اور دنیا کی ہر چیز کی فراوانی تھی۔ یہ سب کچھ سلب کر لیا گیا اور حالت یہاں تک پہنچی کہ اس پوری مدت میں آپ کو شہر کے کوڑا کرکٹ کی جگہ پر جا کر ڈال دیا گیا تھا۔ قریب وبعید سب چھوڑ گئے، ماسوائے آپ کی اہلیہ کے وہ صبح شام آپ کو نہیں چھوڑتی تھی مگر لوگوں کی خدمت کے سبب اسے کچھ دیر جانا پڑتا۔ وہ جلد واپس آ جاتی۔ جب ایک طویل عرصہ گزر گیا۔ حالت زیادہ دگرگوں ہوگئی، قدر ختم ہوگئی اور ابتلاء وآزمائش کے خاتمے کا وقت آ پہنچا تو آپ نے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں تضرع وزاری کی۔ اور عرض کی: مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ (الانبیاء: 83)'' مجھے سخت تکلیف ہے اور تو ارحم الراحمین ہے (میرے حال زار پر بھی رحم فرما)''۔

اس آیت کریمہ میں ارشاد ہوتا ہے: وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ کہا گیا ہے کہ بدن میں تکلیف اور مال واولاد میں دکھ۔ اس وقت اس ارحم الراحمین نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور آپ کو حکم دیا کہ اپنی جگہ سے اٹھیں اور اپنا پاؤں زمین پر ماریں۔ آپ نے ایسے ہی کیا تو اللہ تعالیٰ نے وہاں ایک چشمہ پیدا فرما دیا اور آپ کو اس میں غسل کرنے کا حکم فرمایا۔ اس کے ساتھ ہی آپ کے بدن کی ظاہری تمام بیماریاں کافور ہوگئیں۔ پھر آپ کو دوسری جگہ پاؤں مارنے کا حکم ملا۔ وہاں آپ کے لئے ایک اور چشمہ پھوٹا۔ آپ کو اس میں سے پینے کا حکم دیا گیا۔ اس کے ساتھ آپ کے اندر کے تمام روگ ختم ہو گئے۔ اور ظاہر وباطن میں آپ کو شفا حاصل ہوگئی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ابن جریر اور ابن ابی حاتم رحمہما اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ کے نبی حضرت ایوب علیہ السلام اٹھارہ سال تک ابتلاؤ آزمائش میں مبتلا رہے۔ حتیٰ کہ قریبی اور دور کے سب رشتے دار وغیرہ آپ کو چھوڑ گئے۔ ماسوائے دو مخلص دوستوں کے وہ صبح شام آپ کی مزاج پرسی کے لئے آتے۔ ایک دفعہ ایک نے دوسرے سے کہا۔ تمہیں پتہ ہے حضرت ایوب علیہ السلام نے اللہ کی کوئی بہت بڑی نافرمانی کی ہے جو آج تک کسی سے سرزد نہیں ہوئی۔ اس نے پوچھا وہ کیا ہے؟ اس نے کہا دیکھئے اٹھارہ سال سے آپ مرض میں مبتلا ہیں اور اللہ آپ پر رحم نہیں فرماتا کہ آپ کی تکلیف دور ہو جائے۔ جب وہ آپ کے پاس حاضر خدمت ہوئے تو اس شخص سے نہ رہا گیا۔ اس نے حضرت ایوب علیہ السلام کے سامنے اس بات کا ذکر کر دیا۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے فرمایا: میں نہیں جانتا کہ تو کیا کہہ رہا ہے ماسوائے اس کے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جانتا ہے کہ میرا گزر اگر ایسے دو اشخاص کے پاس سے ہوتا جو آپس میں لڑ رہے ہوتے اور وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تو میں اپنے گھر آتا اور ان کی طرف سے کفارہ ادا کر دیتا۔ مجھے یہ بات ناپسند تھی کہ حق کے علاوہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے۔

آپ رفع حاجت کیلئے نکلتے فراغت کے بعد آپ کی اہلیہ آپ کا ہاتھ پکڑ کر لے آتیں۔ ایک دن انہیں دیر ہوگئی تو اللہ نے آپ کی طرف وحی فرمائی کہ اپنی لات زمین پر ماریں............ کچھ دیر کے بعد جب آپ کی زوجہ آئیں۔ تو ادھر ادھر آپ کو تلاش کرنے لگیں۔

چنانچہ آپ آگے بڑھے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کی ہر تکلیف دور فرمادی تھی اور آپ پہلے سے کہیں بہتر حالت میں تھے۔ جب آپ کی اہلیہ کی نظر آپ پر پڑی تو کہنے لگیں۔ اے شخص! اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے کیا تم نے اللہ تعالیٰ کے نبی کو یہاں دیکھا ہے جو کہ تکلیف میں مبتلا تھے۔ بخدا وہ جب تندرست تھے تو آپ سے زیادہ ان کے مشابہ میں نے کوئی نہیں دیکھا۔ آپ نے فرمایا: وہ میں ہی ہوں۔ راوی کا کہنا ہے کہ آپ کے دو گودام (کھلیان) تھے۔ ایک گندم کے لئے اور دوسرا جو کیلئے۔ چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے دو بادل بھیجے۔ جب وہ ابر گندم کے گودام پر آیا تو اسے سونے سے معمور کر دیا۔ دوسرا بادل دوسرے گودام پر برسا اور اسے بھی بھر دیا۔ (یہ الفاظ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں)(1)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب حضرت ایوب علیہ السلام کپڑے اتار کر غسل فرما رہے تھے کہ آسمان سے آپ پر سونے کی ٹڈیوں کی بارش ہوئی۔ آپ انہیں اپنے کپڑے میں سمیٹنے لگے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ندا آئی۔ اے ایوب کیا میں نے تمہیں اس سے غنی اور بے پرواہ نہیں کر رکھا تھا۔ آپ نے عرض کی ہاں میرے رب لیکن میں تیری برکت سے مستغنی نہیں ہوں(2)۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث عبد الرزاق سے یہی روایت انفرادا ذکر کی ہے(3)۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ حضرت حسن اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کر دیا اور ان کی مانند ان کے ساتھ بھی(4)۔

قولہ تعالیٰ رَحْمَةً مِّنَّا آپ پر یہ انعام آپ کے صبر وثبات، اسی کی طرف توجہ، تواضع اور انکساری کے سبب تھا۔

قولہ تعالیٰ وَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ یعنی عقلمندوں کے لئے تاکہ وہ جان لیں کہ صبر کا بدلہ کشادگی، آسودگی اور راحت ہے۔

قولہ تعالیٰ وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کو اپنی بیوی کی کوئی بات سخت ناگوار گزری اور اس پر غصہ آ گیا۔ کہا جاتا ہے کہ روٹی کے بدلے انہوں نے اپنی زلف (بالوں کی لٹ مینڈھی) فروخت کر دی اور آپ کو کھانا کھلایا۔ آپ نے انہیں ملامت فرمائی اور یہ قسم کھائی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو شفا عطا فرمائی تو آپ اسے سو کوڑے لگائیں گے۔ اس کے علاوہ اور وجوہات بھی بیان کی گئی ہیں۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو صحت وتندرستی عطا فرمادی تو آپ کی بھرپور خدمت، رحمت وشفقت اور حسن سلوک کا صلہ یہ نہیں تھا کہ اسے سزا دی جائے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ ترکیب بتائی کہ ایک مٹھا لیں یعنی کھجور کی ڈالی جس میں سو ٹہنیاں ہوں۔ اسے ایک دفعہ مارو۔ اس طرح آپ کی قسم اور نذر بھی پوری ہو جائے گی۔ یہ سہولت اور ترکیب اس کیلئے ہے جو تقویٰ اختیار کرتا ہے اور کامل طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا اللہ تعالیٰ آپ کی مدح وتوصیف فرما رہے ہیں۔ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ یعنی رجوع کرنے والا کامل توجہ کرنے والا۔ اسی لئے فرمایا: وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا (طلاق: 3-2)'' اور جو (خوش بخت) ڈرتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ سے بنا دیتا ہے اللہ اس کیلئے نجات کا راستہ۔ اور اسے (وہاں سے) رزق دیتا ہے جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوتا اور جو (خوش نصیب) اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو اس کے لئے وہ کافی ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کرنے والا ہے

1۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 167
2۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 314
3۔ بخاری، جلد 1 صفحہ 78، فتح الباری کتاب احادیث الانبیاء، جلد 7 صفحہ 421
4۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 168

مقرر کر رکھا ہے اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے لئے ایک اندازہ"۔ اس آیت کریمہ سے بہت سے فقہاء نے قسم وغیرہ مسائل میں استدلال کیا ہے اور اس کے مقتضا (اقتضاء النص) پر عمل کیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ ﴿٤٥﴾ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿٤٦﴾ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ﴿٤٧﴾ وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ۭ وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ﴿٤٨﴾

"اور یاد فرماؤ ہمارے (مقبول) بندوں ابراہیم، اسحق اور یعقوب کو بڑی قوتوں والے اور روشن دل تھے۔ ہم نے مختص کیا تھا انہیں ایک خاص چیز سے اور وہ دارِ آخرت کی یاد تھی۔ اور یہ (حضرات) ہمارے نزدیک چنے ہوئے بہت بہترین لوگ ہیں۔ اور یاد فرمائیے اسمٰعیل، یسع اور ذی الکفل کو۔ یہ سب بہترین لوگوں میں سے ہیں"۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے عابد رسولوں کے فضائل بیان فرما رہے ہیں۔

وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ اس سے مراد عمل صالح، علم نافع، قوت عبادت اور گہری بصیرت ہے۔ علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اُولِي الْاَيْدِيْ کا معنی صاحب قوت ہے۔ الْاَبْصَارِ سے مراد تفقه فی الدین ہے(1)۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اُولِي الْاَيْدِيْ سے مراد اطاعت الٰہی کی قوت ہے اور الْاَبْصَارِ سے مراد حق کو دیکھنا ہے۔ قتادہ اور سدی رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ انہیں قوت عباوت اور دین کی بصارت سے نوازا گیا تھا۔

قولہ تعالیٰ اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ہم نے انہیں اس طرح بنا دیا کہ وہ صرف عمل آخرت میں ہی مصروف رہتے تھے۔ اس کے علاوہ انہیں اور کوئی غم نہیں تھا۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی منقول ہے کہ آخرت کو یاد کرنا اور اس کے لئے عمل کرنا۔ مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں سے دنیا کی محبت اور یاد چھین لی تھی۔ اور انہیں آخرت کی یاد اور محبت سے مختص کر دیا تھا۔ عطاء خراسانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی یہی ہے۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس سے مراد دار جنت ہے۔ ایک روایت کے مطابق اس سے مراد دار عقبیٰ ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ وہ لوگوں کو آخرت اور اس کے لئے عمل کی ترغیب دیتے تھے۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ خاص طور پر انہیں کے لئے دار آخرت میں افضل چیز رکھی۔

قولہ تعالیٰ وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ یعنی برگزیدہ، چنے ہوئے، بہترین پس وہ بہترین پسندیدہ ہیں۔

قولہ تعالیٰ وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ۭ وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ان کے واقعات و حالات بالتفصیل سورۂ انبیاء میں گزر چکے ہیں۔ لہٰذا ان کے اعادے کی یہاں ضرورت نہیں(2)۔

هٰذَا ذِكْرٌ ۭ وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿٤٩﴾ جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ﴿٥٠﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّشَرَابٍ ﴿٥١﴾ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ﴿٥٢﴾ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿٥٣﴾ اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ﴿٥٤﴾

1۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 170

2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ انبیاء آیت: 85

''یہ نصیحت ہے۔ اور بے شک پرہیزگاروں کے لئے بہت عمدہ ٹھکانا ہے۔ سدا بہار باغات، کھلے ہوں گے ان کے لئے سب دروازے۔ تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے ان میں، طلب فرماتے ہوں گے وہاں طرح طرح کے پھل اور مشروبات۔ اور ان کے پاس نیچی نگاہوں والی (عمر، جمال و کمال میں) ہم مثل (حوریں) ہوں گی۔ یہ ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا کہ روزِ حساب (تمہیں ملے گا) بے شک یہ ہمارا (دیا ہوا) رزق ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا''۔

قولہ عزوجل هٰذَا ذِكْرٌ یہ فصل ہے اس میں نصیحت ہے ان کے لئے جو نصیحت حاصل کریں۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ ذکر سے مراد قرآن عظیم ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے سعادت مند مومن بندوں کے بارے میں خبر دے رہے ہیں کہ دارِ آخرت میں ان کا انجام بہت خوبصورت ہوگا۔

مآب: مرجع، منقلب، ٹھکانہ۔ پھر اس کی تفسیر بھی خود ہی بیان فرما دی جَنّٰتِ عَدْنٍ رہنے کے باغات۔

مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ الف لام یہاں بمعنی اضافت ہے۔ گویا یوں ارشاد ہو رہا ہے کہ ان کے دروازے ان کے لئے کھلے ہوں گے۔ یعنی جب وہ آئیں گے تو ان کے دروازے ان کے لئے کھول دیئے جائیں گے۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: '' جنت میں ایک محل ہے اس کے ارد گرد برج اور مرغزار ہیں اس کے پانچ ہزار دروازے ہیں۔ ہر دروازے پر پانچ ہزار چادریں ہیں۔ اس میں داخل نہیں ہوگا (رہائش اختیار نہیں کرے گا) مگر نبی یا صدیق یا شہید یا عادل حکمران۔'' جنت کے آٹھ دروازوں کے بارے میں متعدد سندوں سے بہت سی احادیث مروی ہیں (1)۔

قولہ عزوجل مُتَّكِـِٕیْنَ فِیْهَا یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ پلنگوں پر چار زانو (آلتی پالتی مارے) آراستہ کمروں میں بیٹھے ہوں گے۔

یَدْعُوْنَ فِیْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِیْرَةٍ یعنی جو وہ مطالبہ کریں گے پالیں گے اور جو چیز وہ چاہیں گے حاضر کی جائے گی۔

وَّ شَرَابٍ مشروبات یعنی جس قسم کا وہ مطالبہ کریں گے، خدام لے کر حاضر خدمت ہوں گے۔ بِاَكْوَابٍ وَّ اَبَارِیْقَ ۙ وَ كَاْسٍ مِّنْ مَّعِیْنٍ (الواقعہ: 18) '' پیالے، آفتابے اور شراب طہور سے چھلکتے ہوئے جام لئے''۔

وَ عِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ یعنی اپنے خاوندوں کے علاوہ دوسرے لوگوں سے۔ اپنے شوہروں کے علاوہ وہ کسی اور کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھیں گی۔

اَتْرَابٌ: ہم عمر۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، سعید بن جبیر، محمد بن کعب اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ کے اقوال کا مفہوم یہی ہے۔

قولہ تعالیٰ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِیَوْمِ الْحِسَابِ یعنی جنت کے جو اوصاف ہم نے اوپر ذکر کئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے متقی بندوں سے ان کا وعدہ کر رکھا ہے۔ قیامت کے دن قبروں سے اٹھنے اور آگ سے سلامتی کے بعد ان کا یہی ٹھکانہ ہوگا۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ جنت کی نعمتوں میں نہ بے قراری ہوگی نہ ان میں کمی آئے گی اور نہ یہ کبھی ختم ہوں گی۔

قال تعالیٰ اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ جیسے ایک اور جگہ فرمایا: مَا عِنْدَكُمْ یَنْفَدُ وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ (النحل: 96) '' جو (مال و زر) تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو (رحمت کے خزانے) اللہ تعالیٰ کے پاس وہ باقی رہیں گے''۔ جیسے ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: عَطَآءً

1۔ مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 57، نسائی کتاب الطہارۃ، جلد 1 صفحہ 93-92، سنن ابن ماجہ کتاب الجنائز، جلد 1 صفحہ 512

غَيْرَ مَجْذُوْذٍ (ہود:108) ''یہ وہ عطا ہے جو ختم نہیں ہوگی''۔ اور اسی طرح ارشاد ہوتا ہے: فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ (التین:6) ''ان کے لئے نہ ختم ہونے والا اجر ہے''۔ ایک اور آیت میں آتا ہے: اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّ ظِلُّهَا ؕ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۖ وَّ عُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ (الرعد:35) ''اس کا پھل ہمیشہ رہتا ہے اور اس کا سایہ بھی نہیں ڈھلتا۔ یہ انجام ہے ان کا جو (اپنے رب سے) ڈرتے رہے اور کفار کا انجام آگ ہے''۔ اس طرح کی آیات بے شمار ہیں۔

هٰذَا ؕ وَ اِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ﴿۵۵﴾ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۵۶﴾ هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّ غَسَّاقٌ ﴿۵۷﴾ وَّ اٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖۤ اَزْوَاجٌ ﴿۵۸﴾ هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۚ لَا مَرْحَبًۢا بِهِمْ ؕ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ﴿۵۹﴾ قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ ۟ لَا مَرْحَبًۢا بِكُمْ ؕ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا ۚ فَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۶۰﴾ قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ ﴿۶۱﴾ وَ قَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ ﴿۶۲﴾ اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ ﴿۶۳﴾ اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ﴿۶۴﴾

''یہ تو (پرہیزگاروں کے لئے) اور بلاشبہ سرکشوں کے لئے برا ٹھکانا ہوگا (یعنی) جہنم۔ وہ داخل ہوں گے اس میں۔ تو یہ کتنا تکلیف دہ بچھونا ہے۔ یہ کھولتا پانی اور پیپ ہے پس چاہئے کہ وہ اسے چکھیں۔ اور اس کے علاوہ اس کی مانند طرح طرح کا عذاب۔ یہ (لو) دوسری فوج گھسنا چاہتی ہے تمہارے ساتھ۔ کوئی خوش آمدید نہیں انہیں۔ یہ ضرور آگ تاپنے والے ہیں۔ وہ کہیں گے (ظالمو!) تمہیں کوئی خوش آمدید نہ ہو۔ تم نے ہی آگے کیا اس عذاب کو ہمارے لئے۔ سو بہت برا ٹھکانا ہے۔ کہیں گے اے ہمارے رب! جس (بدبخت) نے آگے کیا ہے ہمارے لئے یہ عذاب پس بڑھا دے اس کا عذاب دوگنا آگ میں۔ اور کہیں گے کیا وجہ ہے کہ ہمیں نظر نہیں آ رہے (یہاں) وہ لوگ جنہیں ہم شمار کرتے تھے برے لوگوں میں۔ ہم جن کا تمسخر اڑایا کرتے تھے یا پھر گئی ہیں ان کی طرف سے ہماری آنکھیں۔ یقیناً یہ سچ ہے دوزخی آپس میں جھگڑیں گے''۔

سعادتمندوں کے ذکر خیر کے بعد آخرت میں بدنصیبوں کے انجام اور حساب و کتاب کا ذکر ہو رہا ہے۔ فرمایا: ''هذا وإن للطاغين'' جو اللہ کی اطاعت سے نکلنے والے اور رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرنے والے ہیں۔

لَشَرَّ مَاٰبٍ خوفناک انجام۔

قولہ جل وعلا جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا یعنی وہ اس میں داخل ہوں گے تو دوزخ کی آگ انہیں ہر طرف سے ڈھانپ لے گی۔

فَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۵۶﴾ هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّ غَسَّاقٌ: الحمیم: سخت گرم کھولتا ہوا پانی۔ غسّاق: حمیم کے برعکس یخ ٹھنڈا شدید ٹھنڈک کی وجہ سے جسے پیا نہ جا سکے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَّ اٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖۤ اَزْوَاجٌ یعنی اور اسی طرح کی اشیاء۔ ایک چیز اور اس کی متضاد سے انہیں سزا دی جائے گی۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر غسّاق (بدبودار پیپ) کا ایک ڈول دنیا میں بہا دیا جائے تو پوری دنیا بدبودار ہو جائے (1)۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ایک اور سند سے اس

1۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 28

حدیث کو روایت کیا ہے اور اس کے آخر میں لکھا ہے لا نعرفه إلا من حديث رشدين ''ہم اسے رشدین کی روایت کے علاوہ نہیں جانتے'' (1)۔ حالانکہ اوپر والی روایت رشدین سے مروی نہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے بروایت عمرو بن حارث ذکر کیا ہے۔

کعب رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ غسّاق جہنم میں ایک گرم چشمہ ہے جس میں ہر زہریلے جانور سانپ بچھو وغیرہ کا زہر جمع ہوتا رہتا ہے۔ چنانچہ ایک آدمی کو لایا جائے گا اور اس میں غوطہ دیا جائے گا۔ جب وہ باہر نکلے گا تو اس کی جلد اور ہڈیوں سے گوشت اکھڑ چکا ہوگا۔ اس کی جلد اور گوشت ہڈیوں اور ٹخنوں پر لٹکنے لگے گا اور وہ اپنا گوشت اس طرح گھسیٹتا پھرے گا جس طرح آدمی اپنا کپڑا گھسیٹتا ہے۔ (ابن ابی حاتم) حسن بصری نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ انواع واقسام کے عذاب۔ دیگر علماء کا قول ہے جیسے زمہریر، مختلف زہر، کھولتا ہوا پانی پینا، زقوم کھانا، پہاڑوں اور بلندیوں پر چڑھانا، گڑھوں میں اتارنا وغیرہ مختلف عذاب جو ایک دوسرے کی ضد ہوں۔ انہیں یہ سب عذاب دیئے جائیں گے اور اس کے سبب وہ رسوا ہوں گے۔

قولہ عزوجل هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۚ لَا مَرْحَبًۢا بِهِمْ ۭ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ اللہ تبارک وتعالیٰ جہنمیوں کی ایک دوسرے سے گفتگو کا ذکر فرما رہے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا (الاعراف: 38) ''جب بھی داخل ہوگی کوئی امت تو وہ لعنت بھیجے گی دوسری امت پر''۔ یعنی بجائے سلام کے وہ ایک دوسرے پر لعن طعن کریں گے، جھوٹ بولیں گے، ایک دوسرے کو کافر ٹھہرائیں گے۔ ایک گروہ سے پہلے جو گروہ موجود ہوگا، جب وہ جہنم کے داروغوں کے ساتھ کوئی اور جماعت آتی دیکھے گا تو کہے گا: هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۚ لَا مَرْحَبًۢا بِهِمْ ۭ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ کیونکہ وہ جہنمی ہیں۔

قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ ۣ لَا مَرْحَبًۢا بِكُمْ یعنی آنے والے انہیں یہ جواب دیں گے۔ اور کہیں گے کہ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا تم ہمیں ایسے کاموں کی طرف بلاتے رہے کہ آج ہمارا یہ انجام ہوا۔

القرار: المنزل والمستقر والمصير: ٹھکانہ۔

قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ۥ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ (الاعراف: 38) ''تو کہے گی آخری امت پہلی امتوں کے بارے میں اے ہمارے رب! انہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا۔ پس دے ان کو دگنا عذاب آگ سے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہر ایک کے لئے دگنا عذاب ہے لیکن تم نہیں جانتے''۔ یعنی ہر ایک کو اس کے حسب حال عذاب دیا جارہا ہے۔

وَ قَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ دوزخ کے اندر کفار کے بارے میں بتایا جارہا ہے کہ انہیں کچھ لوگ نظر نہیں آئیں گے جن کے بارے میں ان کا گمان تھا کہ وہ گمراہ ہیں۔ حالانکہ وہ اپنے زعم میں خود کو مومن تصور کرتے تھے۔ وہ کہیں گے کیا وجہ ہے ہم انہیں اپنے ساتھ آگ میں دیکھ نہیں رہے؟ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ابوجہل کہے گا کیا وجہ ہے کہ میں بلال، عمار، صہیب اور فلاں فلاں کو نہیں دیکھ رہا (2)۔ یہ بطور مثال کہا جارہا ہے وگرنہ تمام کفار کا یہی حال ہوگا۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ مومنین داخل فی النار ہوں گے۔ جب کفار جہنم میں جائیں گے تو انہیں دوزخ میں نہ پاکر یہ دریافت کریں گے کہ ہمیں وہ لوگ نظر کیوں نہیں آرہے۔ چنانچہ وہ کہیں گے: اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ کہاں ہیں وہ لوگ ہم دنیا میں جن کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ وہ اپنے آپ سے محال چیز کا سوال

1۔ تحفۃ الاحوذی، جلد 7 صفحہ 305، عارضۃ الاحوذی ابواب صفت جہنم، جلد 10 صفحہ 53، تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 178 2۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 181

کریں گے۔ وہ کہیں گے یا شاید وہ ہمارے ساتھ جہنم میں ہی ہیں۔ لیکن ہماری نگاہ ان پر نہیں پڑی۔ اس وقت وہ جان لیں گے کہ وہ بلند ترین درجات میں ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ۭ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَي الظّٰلِمِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ۝ وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَي الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّاۢ بِسِيْمٰىهُمْ ۚ وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۣ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ ۝ وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَاۗءَ اَصْحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَنَادٰٓي اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰىهُمْ قَالُوْا مَآ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ اَهٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ۭ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ (الاعراف: 49-44)" اور آوازیں دیں گے جنتی دوزخیوں کو بے شک ہم نے پالیا جو وعدہ فرمایا تھا ہمارے ساتھ ہمارے رب نے سچا تو کیا تم نے بھی پایا لیا جو وعدہ کیا تھا تمہارے رب نے سچا وہ کہیں گے ہاں۔ تو پھر اعلان کرے گا ایک اعلان کرنے والا ان کے درمیان یہ کہ لعنت ہو اللہ کی ظالموں پر جو روکتے ہیں اللہ کے راستے سے اور چاہتے ہیں اسے کہ ٹیڑھا ہو جائے اور وہ آخرت کا انکار کرتے ہیں اور ان دونوں (جنت و دوزخ) کے درمیان پردہ ہے اور اعراف پر کچھ مرد ہوں گے جو پہچانتے ہوں گے سب کو ان کی علامت سے اور وہ آواز دیں گے جنتیوں کو کہ سلامتی ہو تم پر (اور ابھی) جنت میں داخل نہیں ہوئے ہوں گے اور وہ جنت میں داخل ہونے کے خواہش مند ہوں گے۔ اور جب پھیری جائے گی ان کی نگاہیں دوزخیوں کی طرف (تو) کہیں گے اے ہمارے رب! نہ کر تو ہمیں ظلم پیشہ لوگوں کے ساتھ اور پکاریں گے اعراف والے ان لوگوں کو جنہیں وہ پہچانتے ہوں گے ان کی علامتوں سے (انہیں) کہیں گے نہ فائدہ پہنچایا تمہیں تمہارے جتھے نے اور (نہ اس ساز و سامان نے) جس کی وجہ سے تم غرور کیا کرتے تھے۔ (اے سرکشو!) کیا یہ (جنتی) وہی (نہیں) ہیں جن کے متعلق تم قسمیں اٹھایا کرتے تھے کہ نہیں عطا کرے گا انہیں اللہ اپنی رحمت سے۔ (دیکھو! انہیں تو حکم مل گیا ہے کہ) داخل ہو جاؤ جنت میں نہیں کوئی خوف تم پر اور نہ تم غمگین ہو گے"۔

قولہ تعالیٰ اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ اے محمد (ﷺ) یہ جو خبر ہم آپ کو دے رہے ہیں کہ دوزخی آپس میں تنازعہ کریں گے اور ایک دوسرے کو ملعون ٹھہرائیں گے، یقیناً سچ ہے اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ڰ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ۝ قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ۝ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ۝ مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍۢ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰٓي اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ۝ اِنْ يُّوْحٰٓى اِلَيَّ اِلَّآ اَنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝

"(اے حبیب!) آپ فرمائیے میں تو فقط ڈرانے والا ہوں۔ اور نہیں ہے کوئی خدا مگر اللہ جو ایک ہے سب پر غالب ہے۔ مالک ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے عزت والا بہت بخشنے والا۔ فرمائیے یہ بڑی اہم اور عظیم خبر ہے۔ تم اس سے منہ موڑے ہوئے ہو۔ مجھے کوئی علم نہ تھا عالم بالا کے بارے میں جب وہ جھگڑ رہے تھے نہیں وحی کی جاتی میری طرف مگر یہ کہ میں فقط کھلا ڈرانے والا ہوں"۔

اللہ رب العزت اپنے رسول ﷺ کو فرما رہے ہیں کہ کفار و مشرکین جو اس کے رسول کی تکذیب کرتے ہیں، سے کہہ دیں کہ میں تو

فقط ڈرانے والا ہوں نہ کہ اس طرح جیسے تم گمان کرتے ہو۔

وَّمَامِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ وہ اکیلا ہے ہر چیز پر متصرف ہے اور ہر چیز پر غالب ہے۔

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا وہ چیزوں کا مالک ہے اور اپنی مرضی سے ان میں تصرف کرتا ہے۔

الْعَزِیْزُ الْغَفَّارُ اپنی عظمت اور عزت کے ساتھ بخشنے والا ہے۔

قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِیْمٌ یعنی عظیم خبر اور بہت بڑی چیز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف مبعوث کیا ہے۔

مُعْرِضُوْنَ: غافل۔ مجاہد، قاضی شریح اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ نے نَبَؤٌا عَظِیْمٌ سے مراد قرآن کریم لیا ہے۔

قولہ تعالیٰ مَا كَانَ لِیَ مِنْ عِلْمٍۢ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰۤى اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ یعنی اگر میرے پاس وحی نہ آتی تو مجھے ملاء اعلیٰ کے اختلاف کا پتہ نہ ہوتا؟۔ یعنی حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ جب ابلیس نے آپ کو سجدہ کرنے سے انکار کیا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے حضرت آدم علیہ السلام پر اپنی فضیلت ظاہر کی۔ وہ حدیث مبارکہ جسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے سامنے صبح کی نماز میں دیر کر دی۔ یہاں تک کہ ہم ایڑیاں اٹھا اٹھا کر سورج کی ٹکیہ کو دیکھتے۔ چنانچہ سرکار ﷺ تیزی سے تشریف لائے۔ اقامت کہی گئی اور آپ ﷺ نے جلدی جلدی نماز پڑھائی۔ جب سلام پھیرا تو فرمایا: ''اپنی جگہ ٹھہرے رہو۔'' پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: میں رات کے وقت کھڑا ہوا اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے جتنا مقدور تھا نوافل ادا کئے حتیٰ کہ نماز کے دوران ہی مجھے اونگھ آنے لگی۔ اچانک میں نے اپنے رب کو انتہائی حسین صورت میں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پوچھا کہ اے محمد! ملاء اعلیٰ(1) (عالم بالا) کے فرشتے کس بات میں جھگڑ رہے ہیں؟ میں نے عرض کی اے رب مجھے خبر نہیں۔ تین مرتبہ مجھ سے یہی سوال و جواب ہوا۔ پھر میں نے دیکھا کہ جناب باری تعالیٰ نے اپنا دست قدرت میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھا۔ یہاں تک کہ اس کی انگلیوں کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں محسوس کی تو اس کی برکت سے ہر چیز میرے سامنے روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی اور میں نے اسے پہچان لیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد! عالم بالا کے فرشتے کس بات میں جھگڑ رہے ہیں؟ میں نے عرض کی کفاروں میں۔ فرمایا: کفارے کیا ہیں؟ میں نے عرض کی۔ باجماعت نماز کے لئے چل کر جانا، نمازوں کے بعد مساجد میں اگلی نماز کے لئے بیٹھے رہنا اور باوجود مشقت اور تکلیف کے وضو اچھی طرح کرنا۔ ارشاد فرمایا: درجات کیا ہیں؟ میں نے عرض کی کھانا کھلانا، نرمی سے گفتگو کرنا، نماز پڑھنا درآں حالیکہ لوگ سور ہے ہوں۔ فرمایا: (اے محمد) سوال کیجئے یعنی جو جی چاہے مانگ لیجئے۔ میں نے عرض کی اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ہر اچھا کام کرنے اور ہر برائی ترک کرنے، مساکین کی محبت کا اور التجا کرتا ہوں کہ تو مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما۔ اور جب کسی قوم کو فتنے میں مبتلا کرنا چاہے تو اس فتنے میں مبتلا ہونے سے قبل ہی مجھے موت دے دینا۔ میں تجھ سے تیری محبت، تجھ سے محبت رکھنے والے کی محبت اور اس عمل کی محبت کا سوال کرتا ہوں جو مجھے تیری محبت کے قریب کر دے اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا یہ یقیناً حق ہے۔ دعا کے یہ فقرے سیکھو اور سکھاؤ''(2)۔ یہ مشہور حدیث خواب کی ہے۔ بعض اسے بیداری کا واقعہ قرار دیتے ہیں وہ غلط ہے۔ یہ حدیث سنن میں متعدد سندوں سے

1۔ ملاء اعلیٰ سے مراد یہاں فرشتوں کی وہ جماعت ہے جو اپنے شرف وعز کے علاوہ عالم بالا کی مکین ہے۔ ان کے ذریعے احکام کونیہ کی تنفیذ ہوتی ہے۔ اور تدابیر خداوندی کو عملی جامعہ پہنایا جاتا ہے۔ اس لئے ان میں اپنے متعلقہ فرائض کو انجام دینے کے لئے قیل وقال اور بحث وتمحیص کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ وہ امور جو یہاں زیر بحث آتے ہیں ان میں تخلیق آدم کا واقعہ بھی ہے (ضیاء القرآن، جلد 4 صفحہ 250) (مترجم)

2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 343

مروی ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بعینہ یہی روایت جہضم بن عبداللہ یمامی سے بیان کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے (1)۔

فرشتوں کی یہ بحث وتمحیص (اختصام) وہ نہیں جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے کیونکہ اس کی تفسیر بیان ہو چکی ہے لیکن وہ بحث وتمحیص جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے اس کی تفسیر اگلی آیت میں آرہی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ﴿۷۱﴾ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ﴿۷۲﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۷۳﴾ اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ ؕ اِسْتَكْبَرَ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ یٰۤاِبْلِیْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ ؕ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِیْنَ ﴿۷۵﴾ قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ ؕ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ ﴿۷۶﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِیْمٌ ﴿۷۷﴾ وَّ اِنَّ عَلَیْكَ لَعْنَتِیْۤ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ﴿۷۸﴾ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْۤ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۷۹﴾ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ﴿۸۰﴾ اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿۸۱﴾ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۸۲﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۸۳﴾ قَالَ فَالْحَقُّ ۫ وَ الْحَقَّ اَقُوْلُ ﴿۸۴﴾ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَ مِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۸۵﴾

"(اے حبیب!) یاد فرمائیے جب کہا آپ کے رب نے فرشتوں سے کہ میں پیدا کرنے والا ہوں بشر کو کیچڑ سے۔ پس جب میں اس کو سنوار دوں اور پھونک دوں اس میں اپنی (طرف سے خاص) روح تو تم گر پڑنا اس کے آگے سجدہ کرتے ہوئے۔ پھر سجدہ کیا سب کے سب فرشتوں نے سوائے ابلیس کے۔ اس نے گھمنڈ کیا اور ہو گیا کافروں میں سے۔ ارشاد ہوا اے ابلیس! کس چیز نے باز رکھا تمہیں اس کو سجدہ کرنے سے جسے میں نے پیدا کیا اپنے دونوں ہاتھوں سے۔ کیا تو نے تکبر کیا یا تو اپنے آپ کو اس سے عالی مرتبہ خیال کرتا ہے۔ وہ (گستاخ) بولا میں بہتر ہوں اس سے۔ تو نے پیدا کیا ہے مجھے آگ سے اور پیدا کیا ہے اسے کیچڑ سے۔ حکم ملا (اے بے حیا!) نکل جا جنت سے بے شک تو پھٹکارا گیا۔ اور بے شک تجھ پر میری لعنت برسے گی قیامت تک۔ ابلیس بولا! (اگر یہی اٹل فیصلہ ہے) تو میرے رب! مجھے مہلت دیجئے روزِ حشر تک۔ جواب ملا بیشک تو مہلت دیئے جانے والوں میں سے ہے۔ (یہ مہلت) مقررہ وقت کے دن تک ہے۔ کہنے لگا تیری عزت کی قسم! میں ضرور گمراہ کر دوں گا ان سب کو۔ سوائے تیرے ان بندوں کے جنہیں ان میں سے تو نے چن لیا ہے۔ فرمایا تو میں حق ہوں اور میں سچ ہی کہتا ہوں۔ میں ضرور بھر دوں گا جہنم کو تجھ سے اور تیرے سب فرمانبرداروں سے"۔

یہ واقعہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ، ابتدائے اعراف، سورۂ حجر، سورۂ سبحان، سورۂ کہف میں اور پھر یہاں ذکر فرمایا ہے۔ اس کی تفصیل یہ

1۔ عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۂ ص، جلد 12 صفحہ 117-112 تحفۃ الاحوذی، جلد 9 صفحہ 104 ترمذی کا قول ہے کہ اس حدیث کے متعلق میں نے امام بخاری سے پوچھا آپ نے بھی فرمایا ہذا حدیث صحیح یہ حدیث صحیح ہے۔ ابن رجب حنبلی نے اس حدیث کی تصحیح میں ایک مستقل کتابچہ تالیف کیا ہے۔ (مترجم) حضور ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں: "اس حدیث صحیح کے مطالعہ سے آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو کتنا علم عطا فرمایا اور جب قدرت کا ہاتھ حضور کی پشت پر رکھا گیا تو سینے میں علم کے سمندر موجزن ہو گئے اور زمین و آسمان کی ہر چیز منکشف ہو گئی اور فرشتے جن معاملات میں بحث وتمحیص کر رہے تھے ان کا بھی علم ہو گیا۔ (ضیاء القرآن، جلد 4 صفحہ 251) (مترجم)

ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے فرشتوں کو حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے قبل آگاہ کیا کہ میں حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے والا ہوں بجنے والی مٹی سے جو پہلے سیاہ بدبودار تھی۔ انہیں حکم فرمایا کہ جب میں اس کی تخلیق سے فارغ ہو جاؤں اور اس کی نوک پلک سنوار دوں تو تم اس کی تکریم وتعظیم، احترام اور میرے حکم کی بجا آوری کے لئے اسے سجدہ کرنا۔ چنانچہ تمام ملائکہ نے حکم الٰہی کی تعمیل کی ماسوائے ابلیس کے۔ یہ فرشتوں کی جنس سے نہ تھا بلکہ ایک جن تھا۔ اس کی طبیعت اور جبلت نے اس چیز کی طرف اس کی راہنمائی نہ کی جس کی اسے شدید ضرورت تھی۔ چنانچہ اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور اپنے رب سے اس مسئلہ میں مباحثہ شروع کر دیا اور یہ دعویٰ کیا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام سے بہتر ہے۔ کیونکہ وہ آگ سے پیدا ہوا ہے اور حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے بنے تھے۔ اس کے خیال میں آگ مٹی سے بہتر تھی۔ اس سے خطا ہوگئی اور اپنے رب کے حکم کی خلاف ورزی کی اور اسے ماننے سے انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے دھتکار کر ذلیل ورسوا کر دیا۔ اسے اپنے باب رحمت، مقام انسیت اور بارگاہ قدسی سے نکال دیا۔ اسے ابلیس کا لقب دیا گیا۔ اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے کہ وہ رحمت سے مایوس ہو چکا ہے، اسے راندۂ درگاہ بنا کر آسمان سے زمین پر جلاوطن کر دیا گیا اس حال میں کہ وہ مذمت کیا ہوا اور ٹھکرایا ہوا تھا۔ اس نے اللہ تعالیٰ سے روز حشر تک مہلت طلب کی۔ اس حلیم رب نے جو خطا کاروں کو فوراً نہیں پکڑتا اسے مہلت عطا فرما دی اور اس کی آرزو پوری کر دی گئی۔ جب وہ قیامت تک ہلاکت سے مامون ہو گیا تو سرکشی اور بغاوت پر اتر آیا اور کہنے لگا:

فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۙ﴿۸۲﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ جیسے ایک اور آیت میں ارشاد ہوتا ہے: قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ ۫ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلًا (الاسراء: 62) ''اس نے کہا مجھے بتا یہ (آدم) جس کو تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے (اس کی کیا وجہ ہے)؟ اگر تو مجھے مہلت دے روز قیامت تک تو جڑ سے اکھیڑ پھینکوں گا اس کی اولاد کو سوائے چند لوگوں کے''۔ ایک دوسری آیت میں ان کی استثناء کی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا (الاسراء: 65) ''جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا غلبہ نہیں ہو سکتا اور (اے محبوب) کافی ہے تیرا رب اپنے بندوں کی کارسازی کے لئے''۔

قولہ تعالیٰ قَالَ فَالْحَقُّ ۫ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ ﴿۸۴﴾ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ایک گروہ نے اسی طرح پڑھا ہے (پہلے حق کو پیش کے ساتھ)۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ انہی میں سے ہیں۔ اس کی تفسیر میں مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ أنا الحقُّ والحقَّ أقولُ میں حق ہوں اور میں سچ ہی کہتا ہوں۔ ایک دوسری روایت میں اسے یوں پڑھا گیا ہے۔ الحقُّ منی أقولُ الحقَّ۔ بعض دوسرے قاریوں نے دونوں لفظ منصوب (زبر کے ساتھ) پڑھے ہیں۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ قسم ہے جو اللہ تعالیٰ نے اٹھائی ہے(1)۔

قلت (میں کہتا ہوں) یہ آیت ان آیات کی طرح ہے۔ وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ (السجدۃ: 13) ''لیکن یہ بات طے ہو چکی ہے میری طرف سے کہ میں ضرور بھروں گا جہنم کو تمام (سرکش) جنوں اور (نافرمان) انسانوں سے''۔ ایک اور آیت میں ارشاد ہوتا ہے: قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا (الاسراء: 63) ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا جا چلا جا (جو مرضی ہو کر) سو جو تیری پیروی کرے گا ان میں سے تو بے شک جہنم ہی تم سب کی پوری پوری سزا ہے''۔

قُلْ مَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ﴿۸۶﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَ

1۔ طبری، جلد 23 صفحہ 188

لَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ﴿۸۸﴾

''آپ فرمائیے میں نہیں مانگتا تم سے اس پر کوئی اجر اور نہ میں بناوٹ کرنے والوں میں سے ہوں۔ نہیں ہے یہ (قرآن) مگر نصیحت سب جہانوں کے لئے۔ اور (اے کفار!) تم ضرور جان لو گے اس کی خبر کچھ عرصہ بعد''۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو ارشاد فرما رہے ہیں اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ان مشرکین سے فرما دیجئے کہ میں اس تبلیغ دین اور نصیحت پر آپ سے مطالبہ نہیں کرتا کہ تم متاع دنیا میں سے کچھ اجر دو۔

وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ یعنی اللہ تعالیٰ نے جس چیز کے ساتھ مجھے مبعوث فرمایا ہے میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہتا اور اس پر اضافے کا خواہاں نہیں ہوں۔ بلکہ مجھے جو حکم دیا گیا وہ میں ادا کروں گا۔ نہ اس میں اضافہ کروں گا نہ اس میں کمی کروں گا۔ میرا اس سے مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا اور دار آخرت ہے۔ سفیان ثوری نے مسروق سے روایت کیا ہے کہ ہم عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: اے لوگو! جسے کسی بات کا علم ہو وہ اسے بیان کرے اور جسے علم نہ ہو وہ یوں کہے: اللہ اعلم یعنی اللہ بہتر جانتا ہے۔ لاعلمی کے وقت آدمی کا یہ کہہ دینا کہ اللہ اعلم یہ بھی علم کی دلیل ہے۔ کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا: قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ...... شیخین نے بروایت اعمش اسے ذکر کیا ہے(1)۔

قولہ تعالیٰ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ یعنی قرآن کریم جن وانس میں سے تمام مکلفین کے لئے نصیحت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی قول ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی سند سے بروایت حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ عالمین سے مراد جن وانس ہیں۔ اس آیت کی تائید ایک دوسری آیت کے مضمون سے بھی ہوتی ہے۔ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ (الانعام:19) ''تاکہ میں ڈراؤں تمہیں اس کے ساتھ اور (ڈراؤں) اسے جس تک یہ پہنچے''۔ ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے: وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ (ہود:17) ''اور جو کفر کرے اس کے ساتھ مختلف گروہوں سے تو آتش (جہنم) ہی اس کے وعدہ کی جگہ ہے''۔

قولہ تعالیٰ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ یعنی اس کی خبر اور اس کا سچا ہونا۔

بَعْدَ حِيْنٍ یعنی عنقریب۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ موت کے بعد۔

عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے یعنی قیامت کے دن۔ اور دونوں اقوال میں کوئی تضاد نہیں۔ جس شخص کا انتقال ہو جائے وہ قیامت کے حکم میں داخل ہو جاتا ہے۔

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضرت حسن نے فرمایا: اس کا مطلب یہ ہے کہ اے ابن آدم! موت کے وقت تمہیں یقینی خبر حاصل ہو جائے گی(2)۔

سورۂ ص کی تفسیر یہاں ختم ہوئی۔

وللہ الحمد والمنّة۔ واللہ سبحانہ وتعالی أعلم

1۔ بخاری، جلد 6 صفحہ 156، مسلم، جلد 8 صفحہ 131، کتاب صفت قیامت، فتح الباری تفسیر سورۂ ص، جلد 8 صفحہ 549

2۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 189

سورۂ زمر

نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسلسل روزے رکھنا شروع کر دیتے حتیٰ کہ ہم سمجھتے کہ آپ روزہ چھوڑنا نہیں چاہتے (اور کبھی) آپ روزہ رکھنا چھوڑ دیتے تا آنکہ ہم یہ خیال کرتے کہ اب آپ ﷺ کبھی روزہ نہیں رکھیں گے اور آپ ﷺ ہر رات سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ زمر کی تلاوت فرمایا کرتے تھے(1)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۱﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ﴿۲﴾ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ۭ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ڛ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ﴿۳﴾ لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۴﴾

"اتاری گئی ہے یہ کتاب اللہ کی طرف سے جو عزیز (اور) حکیم ہے۔ ہم نے اتاری ہے آپ کی طرف یہ کتاب حق کے ساتھ۔ پس آپ عبادت کریں اللہ کی خالص کرتے ہوئے اس کے لئے اطاعت کو۔ خبردار! صرف اللہ کے لئے ہے دین خالص۔ اور جنہوں نے بنا لئے اس کے سوا اور والی (اور کہتے ہیں) ہم نہیں عبادت کرتے ان کی مگر محض اس لئے کہ یہ ہمیں اللہ کا مقرب بنا دیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے گا ان کے درمیان جن باتوں میں یہ اختلاف کیا کرتے ہیں بلا شبہ اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا اس کو جو جھوٹا (اور) بڑا ناشکرا ہو۔ اگر اللہ چاہتا کہ کسی کو بیٹا بنائے تو چن لیتا اپنی مخلوق سے جس کو چاہتا۔ وہ پاک ہے۔ وہی اللہ ہے جو ایک ہے سب سے زبردست"۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرمارہے ہیں کہ اس کتاب مقدس قرآن کریم کا نزول اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا ہے اور اس میں کوئی شک وشبہ نہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۹۲﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿۱۹۳﴾ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ﴿۱۹۵﴾ (الشعراء:195-192) "اور بلاشبہ یہ کتاب رب العالمین کی اتاری ہوئی ہے۔ اترا ہے اسے لے کر روح الامین (یعنی جبریل علیہ السلام) آپ کے قلب (منیر) پر تا کہ بن جائیں آپ (لوگوں کو) ڈرانے والوں سے۔ یہ ایسی عربی زبان میں ہے جو بالکل واضح ہے"۔ ایک اور مقام پر آتا ہے: وَ اِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ﴿۴۱﴾ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ لَا مِنْ خَلْفِهٖ ۭ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ (فصلت:

1۔189 یہ حدیث سورۂ بنی اسرائیل کی ابتدا میں گزر چکی ہے۔ نیز دیکھئے نسائی، سنن، کتاب الصوم، جلد 4 صفحہ 199، النفسیر، سنن کبریٰ، الیوم واللیلۃ بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 12 صفحہ 303

41-42)'' اور بیشک یہ بڑی عزت (حرمت) والی کتاب ہے۔ اس کے نزدیک نہیں آ سکتا باطل نہ اس کے سامنے سے اور نہ پیچھے سے۔ یہ اتری ہوئی ہے بڑے حکمت والے، سب خوبیاں سراہے کی طرف سے''۔

العزیز: المنیع الجناب۔ الْحَکِیْمِ یعنی اپنے اقوال وافعال اور شرع وقدر میں حکیم ہے۔

قولہ جل وعلا اِنَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ یعنی اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کریں۔ اس کی طرف مخلوق کو بلائیں۔ انہیں آگاہ کریں کہ عبادت کے لائق صرف وہی یکتا ہے بلاشبہ اس کا کوئی شریک، نظیر یا مدمقابل نہیں۔ اسی لئے ارشاد فرمایا: اَلَا لِلّٰهِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ یعنی صرف وہی عمل قبول کرتا ہے جو خالص اسی کے لئے ہو۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس سے مراد کلمہ توحید کا اقرار کرنا ہے(1)۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بت پرست مشرکین کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا کہ وہ کہتے ہیں۔ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَاۤ اِلَی اللّٰهِ زُلْفٰی یہی چیز انہیں بتوں کی عبادت پر ابھارتی ہے۔ انہوں نے اپنے گمان میں مقرب ملائکہ کی صورت کے مطابق بت بنائے۔ ان بتوں کی عبادت شروع کی یہ سمجھتے ہوئے کہ ان کی پرستش بتوں کی عبادت کے قائم مقام ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مدد ونصرت، رزق وغیرہ دیگر دنیوی معاملات میں ان کی سفارش کریں گے۔ جہاں تک آخرت کا تعلق ہے تو وہ قیامت کا انکار کرتے تھے اور اس کے قائل ہی نہ تھے۔ (اس لئے روز حشر کے بارے میں انہیں کوئی فکر نہ تھی۔ وہ صرف اسی دنیا کو سنوارنا چاہتے تھے)(2)۔

قتادہ، سدی، مالک نے زید بن اسلم سے اور ابن زید رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ بت ان کی سفارش کریں گے اور اللہ کے ہاں انہیں مقرب بنا دیں گے۔ اسی لئے زمانہ جاہلیت میں حج کے دوران تلبیہ میں یہ اضافہ کرتے لبیك لا شریك لك إلا شریكا هو لك تملكه وما ملك ترجمہ: '' اے اللہ میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں مگر ایسا شریک جس کا تو مالک ہے۔ اور جو چیز اس کی ملکیت میں ہے اس کا بھی مالک ہے۔'' یہی شبہ ہے کہ قدیم وجدید ہر دور میں مشرکین کا اس پر اعتماد رہا۔ انبیاء کرام صلوٰت اللہ وسلامہ علیہم اجمعین اس کی تردید اور اس سے روکنے اور خالص اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی دعوت دینے کے لئے تشریف لاتے رہے۔ مشرکین نے یہ نظریہ بذات خود اختیار کیا تھا۔ اللہ نے نہ تو اس کی اجازت دی تھی اور نہ اس پر رضامندی کا اظہار فرمایا بلکہ اس کو ناپسند فرمایا اور اس سے منع فرمایا۔ ارشاد ہوتا ہے: وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (النحل: 36)'' اور ہم نے بھیجا ہر امت میں ایک رسول (جو انہیں یہ تعلیم دے) کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور دور رہو طاغوت سے''۔ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْۤ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (الانبیاء: 25)'' اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول مگر

1۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 191

2۔ بعض صاحبان حصول دعا کے لئے اولیائے کرام کی خدمت میں حاضری کو بھی اس ضمن میں شمار کرتے ہیں اور حاضر ہونے والوں پر بڑی بے رحمی سے شرک کا الزام لگاتے ہیں۔ وہ خود ہی انصاف فرماویں کہ جب کوئی مسلمان کسی ولی یا بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور دعا کے لئے عرض کرتا ہے تو کیا وہ ان کی عبادت کر رہا ہوتا ہے۔ العیاذ باللہ اگر صرف طلب دعا کے لئے بھی کسی کے پاس جانا شرک اور عبادت ہے تو ان صاحبان کا صحابہ کرام کے بارے میں کیا فتویٰ ہے۔ جو حضور سرور عالم، رحمت مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس واطہر میں کبھی بارش کے نزول کے لئے کبھی بارش کے رکنے کے لئے، کبھی بیماری سے شفایاب ہونے کے لئے، کبھی دیگر مقاصد کے لئے حاضر ہوتے اور دعا کے لئے عرض کرتے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دعا کے لئے دست مبارک بارگاہ الٰہی میں اٹھاتے تو مشکلیں آسان ہو جاتیں۔ لاعلاج مریض شفایاب ہو جاتے۔ طویل خشک سالی کے بعد آن واحد میں گھنگھور گھٹائیں برسنے لگتیں اور برستے ہی چلے جاتیں۔ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اس بات پر محکم یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی کی عبادت کفر ہے، شرک ہے، گمراہی ہے اور ابدی عذاب کا موجب ہے اور ان بے رحم مفتیوں سے بھی مؤدبانہ التماس ہے کہ وہ شمع توحید کے پروانوں پر شرک کی جھوٹی تہمت لگانے کا شغل ترک کریں اور کوئی مفید مشغلہ اختیار فرمائیں جس سے انہیں بھی فائدہ ہو اور ان کی قوم کا بھی بھلا ہو۔ (ضیاء القرآن، جلد 4 صفحہ 259) (مترجم)

یہ کہ ہم نے وحی بھیجی اس کی طرف کہ بلاشبہ نہیں ہے کوئی خدا بجز میرے پس میری عبادت کیا کرو''۔ اور یہ بتایا کہ ملائکہ جو آسمانوں میں ہیں خواہ مقربین بارگاہ ہوں یا دوسرے، سب اللہ تعالیٰ کے غلام اور فرمانبردار ہیں۔ اس کی بارگاہ میں کسی کی سفارش نہیں کرتے مگر اس کی اجازت سے جسے وہ منتخب فرمائے وہ اس کی بارگاہ میں اس طرح نہیں ہیں جس طرح امراء اپنے بادشاہوں کے دربار میں ہوتے ہیں۔ وہ بادشاہوں کے سامنے بلا اجازت سفارش بھی کر لیتے ہیں۔ خواہ بادشاہوں کو وہ بات پسند ہو یا ناپسند۔ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ (النحل:73) ''پس (اے جاہلو) نہ بیان کیا کرو اللہ تعالیٰ کے لئے مثالیں''۔

تعالی اللہ عن ذلك علوا کبیرا (اللہ تعالیٰ تو اس سے کہیں زیادہ بلند و برتر ہے)۔

قولہ جل وعلا اِنَّ اللّٰهَ یَحْكُمُ بَیْنَهُمْ یعنی قیامت کے دن۔

فِیْ مَاهُمْ فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ یعنی روز حشر مخلوقات کے مابین فیصلہ فرمائے گا۔ ہر کام کرنے والے کو اس کے کام کا بدلہ ملے گا۔

وَ یَوْمَ یَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ یَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰۤؤُلَآءِ اِیَّاكُمْ كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ ۞ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِیُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ (سبا:41-40) ''اور جس روز وہ ان سب کو جمع کرے گا، پھر فرشتوں سے پوچھے گا کیا یہ لوگ تمہاری پوجا کیا کرتے تھے؟ فرشتے عرض کریں گے تو پاک ہے ہر شرک سے، ہمارا مالک تو ہے ہمارا ان سے کیا واسطہ، بلکہ یہ تو جنوں کی عبادت کیا کرتے تھے۔ ان میں سے اکثر ان پر ایمان رکھتے تھے''۔

قولہ عز وجل اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ جس کا ارادہ اللہ تعالیٰ پر کذب و افتراء باندھنا ہو اور اس کا دل اللہ تعالیٰ کی آیات و براہین اور حجج کا منکر ہو، اللہ ہدایت کی طرف اس کی راہنمائی نہیں فرماتا۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کی کوئی اولاد نہیں۔ جس طرح ملائکہ کے بارے میں بعض جہلاء مشرکین کا عقیدہ تھا۔ یا حضرت عزیر و عیسیٰ علیہم السلام کے بارے میں سرکش یہود و نصاریٰ کا عقیدہ تھا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ یَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰی مِمَّا یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ یعنی معاملہ اس کے برعکس ہوتا جو وہ گمان کرتے ہیں۔ یہ شرط ہے اس کا وقوع پذیر ہونا اور امکان و جواز لازم نہیں بلکہ محال ہے اور اس کا مقصد ان کے دعویٰ اور گمان کی جہالت بیان کرنا ہے۔ جیسے ایک اور آیت میں ارشاد فرمایا: لَوْ اَرَدْنَاۤ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّاۤ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِیْنَ (الانبیاء:17) ''اگر ہمیں یہی منظور ہوتا کہ ہم (اس کائنات کو) کھیل تماشا بنائیں تو ہم بنا لیتے اسے خود بخود (ہمیں کون روک سکتا تھا) مگر ہم ایسا کرنے والے نہیں''۔ قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِیْنَ (الزخرف:81) ''آپ فرمائیے (بفرض محال) اگر رحمٰن کا کوئی بچہ ہوتا تو میں سب سے پہلے اس کا پجاری ہوتا''۔ یہ سب آیات شرط کے باب سے ہیں اور متکلم کے مقصد کے لئے شرط کو محال (مستحیل) پر معلق کرنا جائز ہے۔

قولہ تعالیٰ سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ یعنی اللہ تعالیٰ اس بات سے پاک مقدس اور منزہ ہے کہ اس کی کوئی اولاد ہو۔ وہ واحد، یکتا، فرد (منفرد) اور بے نیاز ہے۔ ہر چیز اس کی غلام، اس کی محتاج ہے۔ وہ ماسوا سے مستغنی ہے جس نے تمام اشیاء کو اپنا مطیع بنا لیا ہے اور وہ سب اس کے سامنے سرنگوں اور اس کی تابع فرمان ہوگئی ہیں۔ ظالموں اور منکرین کے اقوال سے اس کی ذات مبرا و منزہ ہے۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ یُكَوِّرُ الَّیْلَ عَلَی النَّهَارِ وَ یُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَی الَّیْلِ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ؕ كُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ اَلَا هُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفَّارُ ۞ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِیَةَ اَزْوَاجٍ ؕ یَخْلُقُكُمْ

فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۝

''اس نے پیدا فرمایا ہے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ۔ وہ لپیٹتا ہے رات کو دن پر اور لپیٹتا ہے دن کو رات پر اور اس نے مسخر کر دیا ہے سورج اور چاند کو۔ ہر ایک رواں ہے مقررہ میعاد تک۔ غور سے سنو! وہی عزت والا (اور) بہت بخشنے والا ہے۔ اس نے پیدا کیا ہے تمہیں فرد واحد سے پھر بنایا اسی سے اس کا جوڑا اور پیدا کئے تمہارے لئے جانوروں میں سے آٹھ جوڑے۔ وہ پیدا فرماتا ہے تمہیں تمہاری ماؤں کے شکموں میں (تدریجاً) ایک حالت سے دوسری حالت تین اندھیروں میں۔ یہ (قدرت والا) اللہ تمہارا رب ہے، اسی کی حکومت ہے۔ نہیں کوئی معبود بجز اس کے۔ پھر تم کدھر منہ پھیر کر جا رہے ہو''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرما رہے ہیں کہ آسمانوں اور زمین اور ان کے مابین جو کچھ ہے اس کا خالق وہی ہے۔ وہ اس ساری بادشاہی کا مالک ہے۔ اس میں تصرف کرنے والا ہے۔ رات دن کو وہی پھیرتا ہے۔ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ ان دونوں کو مسخر فرمایا ہے۔ وہ ایک دوسرے کے پیچھے آ رہے ہیں۔ سستی نہیں دکھاتے ہر ایک تیزی سے دوسرے کے پیچھے آتا ہے جیسے اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا (الاعراف: 54) ''ڈھانکتا ہے رات سے دن کو در آں حالیکہ طلب کرتا ہے دن رات کو تیزی سے''۔

حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، قتادہ اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے جو کچھ مروی ہے اس کا مفہوم یہی ہے (1)۔

قولہ عزوجل وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ایک مخصوص مدت تک جو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور قیامت کے روز ختم ہو جائے گی۔

اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ یعنی اپنی عزت، عظمت اور کبریائی کے ساتھ ساتھ وہ غفار بھی ہے جس نے غلطی کی پھر توبہ کر لی اور کامل طور پر اسی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

فرمایا: خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ تمہاری نسلوں، اقسام، زبانوں اور رنگوں کے مختلف ہونے کے باوجود تمہیں ایک ہی نفس سے پیدا کیا اور وہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔

ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا اور یہ حضرت حواء علیہا السلام ہیں جیسے اللہ کا ارشاد ہے: يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً (النساء: 1) ''اے لوگو! ڈرو اپنے رب سے جس نے پیدا فرمایا تمہیں ایک جان سے اور پیدا فرمایا اسی سے جوڑا اس کا اور پھیلا دیئے ان دونوں سے مرد کثیر تعداد میں اور عورتیں (کثیر تعداد میں)''۔

قولہ تعالیٰ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ تمہارے لئے جانوروں کی پشت سے آٹھ جوڑے پیدا فرمائے۔ ان کا ذکر سورۂ انعام میں آیا ہے: ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ نَبِّـُٔوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ''(پیدا فرمائے) آٹھ جوڑے۔ بھیڑ سے دو (نر و مادہ) اور بکری سے دو (نر و مادہ) آپ پوچھئے کیا دونوں نر حرام کئے ہیں یا دونوں

1۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 193

مادائیں یا جسے لئے ہوتے ہیں (اپنے اندر) دو ماداؤں کے رحم بتاؤ مجھے علم کے ساتھ اگر ہو تم سچے اور اونٹ سے دو (نر و مادہ) اور گائے سے دو (نر و مادہ) آپ پوچھئے کیا دونوں نر حرام کئے ہیں یا دونوں مادہ یا جسے لئے ہوئے ہیں (اپنے اندر) دو ماداؤں کے رحم کیا تم تھے موجود جب وصیت کی تمہیں اللہ نے اس بات کی تو اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے جو بہتان باندھے اللہ تعالیٰ پر جھوٹا تا کہ گمراہ کرے لوگوں کو اپنی جہالت سے بے شک اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا اس قوم کو جو ظالم ہے''۔

قولہ عز و جل یَخْلُقُكُمْ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ، أی قدر کم: تمہیں پیدا فرمایا۔

خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ تم میں سے ہر ایک پہلے نطفہ ہوتا ہے۔ پھر جما ہوا خون پھر لوتھڑا۔ پھر گوشت، ہڈیاں، پٹھے اور رگیں بنتی ہیں اور اس میں روح پھونکی جاتی ہے تو ایک دوسری مخلوق وجود میں آتی ہے۔ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ (المومنون: 14) پس بڑا بابرکت ہے اللہ جو سب سے بہتر بنانے والا ہے۔

قولہ جل وعلا فِیْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ رحم کا اندھیرا، جھلی کا اندھیرا جو بچے کے لئے پردہ اور بچاؤ کا کام دیتی ہے۔ پیٹ کا اندھیرا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عکرمہ، ابو مالک، ضحاک، قتادہ، سدی رحمہم اللہ تعالیٰ اور ابن زید کا یہی قول ہے۔

قولہ جل جلالہ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ یہی وہ ذات ہے جس نے آسمانوں، زمین اور جو کچھ ان کے مابین ہے پیدا کیا، تمہیں اور تمہارے آباء کو پیدا کیا۔ وہی رب ہے۔ اسی کی بادشاہی ہے اور تمام چیزوں میں تصرف اسی کا ہے۔

لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یعنی عبادت صرف اسی وحدہ لاشریک کی ہونی چاہیے۔

فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ تم اس کے ساتھ دوسروں کی عبادت کس طرح کرتے ہو؟ تمہاری عقلیں کہاں چلی گئی ہیں۔

اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنْكُمْ ۟ وَلَا یَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ وَاِنْ تَشْكُرُوْا یَرْضَهُ لَكُمْ ؕ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ؕ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِیْبًا اِلَیْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِیَ مَا كَانَ یَدْعُوْۤا اِلَیْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّیُضِلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ ؕ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِیْلًا ۖۗ اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۝

''اگر تم ناشکری کرتے ہو تو بیشک اللہ کو تمہاری کوئی ضرورت نہیں۔ اور وہ پسند نہیں کرتا اپنے بندوں سے ناشکری کو اور اگر تم شکر ادا کرو تو وہ پسند کرتا ہے اسے تمہارے لئے اور نہیں اٹھائے گا کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ۔ پھر اپنے رب کی طرف تمہیں لوٹنا ہے۔ پس وہ آگاہ کرے گا تمہیں ان کاموں سے جو تم کیا کرتے تھے۔ بیشک وہ خوب جاننے والا ہے سینوں کے رازوں کو۔ اور جب پہنچتی ہے انسان کو کوئی تکلیف (اس وقت) پکارتا ہے اپنے رب کو دل سے رجوع کرتے ہوئے اس کی طرف۔ پھر جب عطا کرتا ہے اسے نعمت اپنی (جناب سے) تو بھول جاتا ہے اس تکلیف کو جس کے لئے فریاد کرتا رہا تھا اس سے پہلے اور بنا تا ہے اللہ کے ہم مثل تا کہ بہکاوے اس کی راہ سے۔ (اے مصطفیٰ! آپ اسے) فرمائیے

لطف اٹھالے اپنے کفر سے تھوڑے دن۔ بیشک تو دوزخیوں میں سے ہے''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بارے میں خبر دے رہا ہے کہ وہ تمام مخلوقات سے مستغنی ہے۔ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ (ابراہیم:8) ''اگر تم ناشکری کرنے لگو (صرف تم ہی نہیں بلکہ) جو بھی سطح زمین پر ہے (ناشکری کرے) تو بے شک اللہ تعالیٰ غنی اور سب تعریفوں کا مستحق ہے''۔ صحیح مسلم میں ہے: ''اے میرے بندو! اگر تمہارے اول، آخر، انسان اور جن سب تم میں سے کسی فاجر ترین آدمی کے دل پر ہوتے تو بھی میری شہنشاہی میں کوئی کمی نہ آتی''(1)۔

لَا يَرْضٰى: لا یحبه ولا یأمر به نہ اسے پسند کرتا ہے اور نہ اس کا حکم دیتا ہے۔

وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ یعنی تم سے محبت کرے گا اور اپنے فضل کو تم پر اضافہ کردے گا۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ ہر ایک سے اس کی ذات کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ اس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔

قولہ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ یعنی بوقت حاجت عاجزی وزاری سے کام لینے لگتا ہے اور اللہ وحدہٗ لاشریک سے استغاثہ کرتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا (اسراء:67) ''اور جب پہنچتی ہے تمہیں تکلیف میں تو گم ہو جاتے ہیں وہ (معبود) جن کو تم پکارتے ہو سوائے اللہ تعالیٰ کے پس جب وہ خیر وعافیت سے تمہیں ساحل پر پہنچا دیتا ہے (تو) تم روگردانی کرنے لگتے ہو اور انسان (واقعی) بڑا ناشکرا ہے''۔

قولہ تبارک وتعالیٰ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ یعنی فراخی وخوشحالی کے وقت اس دعا، تضرع اور جبیں سائی کو فراموش کر دیتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖٓ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ (یونس:12) ''اور جب پہنچتی ہے انسان کو کوئی تکلیف (تو اس وقت) پکارتا ہے ہمیں لیٹا ہو یا بیٹھا ہو یا کھڑا ہو، پھر جب ہم دور کر دیتے ہیں اس سے اس کی تکلیف (تو) چل دیتا ہے جیسے اس نے ہمیں (کبھی) پکارا ہی نہیں تھا کسی تکلیف میں جو اسے پہنچی تھی''۔

قولہ تعالیٰ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم کے وقت اس سے شرک کرنے لگتا ہے اور اس کے شریک ٹھہرا دیتا ہے۔

قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا ڰ اِنَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ جس کی یہ حالت، طریقہ اور مسلک ہو اسے فرما دیجئے کہ اپنے کفر سے تھوڑے دن لطف اٹھالو۔ یہ شدید دھمکی اور پختہ وعید ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ (ابراہیم:3) ''آپ (انہیں) فرمائیے (کچھ وقت) لطف اٹھالو پھر یقیناً تمہارا انجام آگ کی طرف ہے''۔ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ (لقمان:24) ''ہم لطف اندوز ہونے دیں گے تھوڑی دیر پھر ہم انہیں ہانک کر لے جائیں گے سخت عذاب کی طرف''۔

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ۭ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۭ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ⑨

''بھلا جو شخص عبادت میں بسر کرتا ہے رات کی گھڑیاں کبھی سجدہ کرتے ہوئے کبھی کھڑے ہوئے (بایں ہمہ) ڈرتا ہے

1۔ نیز دیکھئے تفسیر سورۂ ابراہیم آیت:7، سورۂ رعد آیت:29، سورۂ نمل آیت:40

آخرت سے اور امید رکھتا ہے اپنے رب کی رحمت کی۔ آپ پوچھئے کیا کبھی برابر ہو سکتے ہیں علم والے اور جاہل۔ البتہ صرف عقلمند ہی نصیحت قبول کرتے ہیں''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرمار ہے ہیں بھلا جس کی یہ حالت ہو وہ اس کی طرح ہوسکتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے شرک کرے اور اس کا شریک ٹھہرائے۔ دونوں اللہ کے نزدیک برابر نہیں ہو سکتے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَيْسُوْا سَوَآءً ۗ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآىِٕمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ (آل عمران: 113) ''سب یکساں نہیں اہل کتاب سے ایک گروہ حق پر قائم ہے یہ تلاوت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی رات کے اوقات میں اور وہ سجدے کرتے ہیں''۔

فرمایا: اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآىِٕمًا یعنی حالت سجود اور حالت قیام میں۔ اسی لئے اس آیت سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جن کی یہ رائے ہے کہ قنوت سے مراد نماز میں خشوع وخضوع ہے، صرف قیام نہیں جس طرح کہ بعض دیگر علماء کی رائے ہے۔ ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے آپ نے فرمایا: قانت کا معنی ہے: المطیع للہ عز وجل و لرسولہ ﷺ: اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا اطاعت گزار۔

ابن عباس، حسن، سدی اور ابن زید رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ آناء اللیل: جوف اللیل آدھی رات۔ ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے منصور سے روایت کیا ہے کہ یہ مغرب اور عشاء کے درمیان کا وقت ہے۔ قتادہ اور حسن رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ رات کا اول، درمیان اور آخر مراد ہے۔

قولہ تعالیٰ يَحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ یعنی بحالت عبادت ہر وقت وہ لرزاں ترساں بھی ہوتا ہے اور اس کی رحمت کا امیدوار بھی۔ عبادت میں ان دونوں خصوصیات کا ہونا لازمی ہے۔ اور زندگی میں اکثر ڈرتے رہنا چاہئے۔ اسی لئے فرمایا يَحْذَرُ الْاٰخِرَةَ...... بوقت دم واپسی خوف پر امید کا غلبہ ہونا چاہئے۔ جس طرح امام عبد بن حمید نے اپنی مسند میں ذکر کیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک آدمی کے پاس تشریف لے گئے وہ اس وقت جان کنی کے عالم میں تھا۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا تو اپنے آپ کو کس حالت میں پاتا ہے؟ اس نے عرض کی امید وبیم اور خوف ورجا کی حالت میں تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اس مقام پر کسی بندے کے دل میں یہ دونوں چیزیں جمع نہیں ہوتیں مگر اللہ تعالیٰ اسے عطا فرما دیتا ہے جو وہ امید رکھتا ہے اور اسے امن عطا فرماتا ہے جس سے وہ ڈرتا ہے۔ ترمذی اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے یہی روایت ''فی الیوم واللیلۃ'' میں روایت کی ہے اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت سیار بن حاتم عن جعفر بن سلیمان اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ روایت غریب ہے۔ بعض نے اسے بروایت ثابت عن انس عن النبی ﷺ مرسلاً روایت کیا ہے(1)۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے ذکر کیا ہے کہ ہمیں یحییٰ البکاء نے بیان کیا ہے کہ انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا۔ آپ نے فرمایا: یہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے(2)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے یہ اس لئے فرمایا کہ امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ رات کو بکثرت نماز پڑھتے اور قرآن کریم کی تلاوت فرماتے یہاں تک کہ کبھی ایک ہی رکعت

1۔ تحفۃ الاحوذی، جلد 4 صفحہ 17، سنن ابن ماجہ، جلد 2 صفحہ 1423، کتاب الزہد، عارضۃ الاحوذی ابواب الجنائز، جلد 4 صفحہ 205 نیز دیکھئے تحفۃ الاشراف، جلد 1 صفحہ 64

2۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 214-213

میں پورا قرآن ختم کر دیتے۔ جس طرح کہ ابو عبیدہ نے آپ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ شاعر کہتا ہے: (1)

ضَحَّوا بِأَشْمَطَ عُنْوانُ السُّجُودِبِه يُقَطِّعُ اللَّيلَ تَسْبِيحاً وقُرْآنا

ترجمہ:۔ انہوں نے ایسے ادھیڑ عمر شخص کو شہید کر دیا جس کے چہرے پر سجدوں کے نشانات تھے اور جو پوری رات تسبیح و تقدیس اور تلاوت قرآن میں گزار دیتا تھا۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت تمیم الداری کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس نے ایک رات میں سو آیات کی تلاوت کی اس کے نامہ اعمال میں پوری رات کا قیام لکھ دیا جاتا ہے'' (2)۔

نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی روایت 'الیوم واللیلۃ' میں ذکر فرمائی ہے۔

قولہ تعالیٰ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ یہ شخص اور جس کا تذکرہ پہلے ہو چکا برابر نہیں ہو سکتے یعنی جو اللہ تعالیٰ کے شریک ٹھہراتا ہے تاکہ اسے سیدھی راہ سے بھٹکا دے۔

إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُوا الْأَلْبَابِ ان دونوں کے مابین وہی فرق کر سکتا ہے جو عقل و شعور رکھتا ہو۔ واللہ اعلم۔

قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِينَ اٰمَنُوا اتَّقُوا رَبَّكُمْ ۚ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۗ وَأَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ۗ إِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿١٠﴾ قُلْ إِنِّيٓ أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّينَ ﴿١١﴾ وَأُمِرْتُ لِأَنْ أَكُونَ أَوَّلَ الْمُسْلِمِينَ ﴿١٢﴾

''آپ فرمائیے اے میرے بندو! جو ایمان لے آئے ہو ڈرتے رہا کرو اپنے رب سے۔ (اور یاد رکھو) ان کے لئے جنہوں نے نیک اعمال کئے اس دنیا میں نیک صلہ ہے۔ اور اللہ کی زمین بڑی وسیع ہے۔ (مصائب و آلام میں) صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا۔ فرمائیے! مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں خالص کرتے ہوئے اس کے لئے اطاعت کو۔ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا مسلمان بنوں''۔

اللہ تعالیٰ مؤمنین کو یہ حکم فرما رہے ہیں کہ وہ اس کی اطاعت اور تقویٰ پر جمے رہیں۔

قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِينَ اٰمَنُوا اتَّقُوا رَبَّكُمْ ۚ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ یعنی جنہوں نے اس دنیا میں نیک اعمال کئے ان کے لئے نیک صلہ ہے اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

قولہ وَأَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ اس میں گھومو پھرو، جہاد کرو اور بتوں سے علیحدہ رہو (3)۔ شریک نے بروایت منصور عطاء سے روایت کیا ہے کہ اس آیت کا مطلب ہے جب تمہیں اس کی معصیت کی طرف بلایا جائے تو بھاگ اٹھو۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی: أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا (النساء: 97) ''کیا نہیں تھی اللہ کی زمین کشادہ تاکہ تم ہجرت کرتے اس میں''۔

قولہ تعالیٰ إِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ان کے لئے وزن یا پیمائش نہیں ہوگی بلکہ انہیں پیمانے بھر بھر کر اجر دیا جائے گا۔ ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے مجھے پتہ چلا ہے کہ صرف ان کے عمل کا حساب ہی نہیں ہوگا بلکہ اس کے

1۔ ابو عبیدہ کی روایت تفسیر کی ابتداء میں کتاب فضائل القرآن میں گزر چکی ہے۔ ابن کثیر نے وہاں لکھا ہے کہ ''اس کی اسناد صحیح ہے'' نیز دیکھئے دیوان حسان بن ثابت (216)

2۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 103، المزی: تحفۃ الاشراف، جلد 2 صفحہ 118 3۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 203

علاوہ بھی عطا کیا جائے گا۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جنت میں ان سے یہ معاملہ ہوگا۔

قولہ قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اخلاص کے ساتھ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کروں۔

وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے یعنی آپ ﷺ کی امت سے۔

قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۳﴾ قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِیْنِیْ ﴿۱۴﴾ فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ؕ قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِیْنَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَ اَهْلِیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ ﴿۱۵﴾ لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَ مِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ؕ ذٰلِكَ یُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ؕ یٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ﴿۱۶﴾

''آپ فرمائیے! میں ڈرتا ہوں اگر میں حکم عدولی کروں اپنے رب کی، اس بڑے دن کے عذاب سے۔ فرمائیے! اللہ کی ہی میں عبادت کرتا ہوں خالص کرتے ہوئے اس کے لئے اپنے دین کو۔ پس تم عبادت کرو جس کی چاہو اس کے سوا۔ (نیز) فرما دیجئے اصل نقصان اٹھانے والے وہ ہیں جو گھاٹے میں ڈالیں گے اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو قیامت کے دن۔ سنو! یہی کھلا گھاٹا ہے۔ ان (بدبختوں) کے لئے اوپر سے بھی آگ کے شعلے ہوں گے اور نیچے سے بھی آگ کے شعلے۔ اس (عذاب الیم) سے ڈراتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو، اے میرے بندو! مجھ سے ڈرتے رہا کرو''۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اے محمد! باوجودیکہ آپ اللہ کے رسول ہیں اس بات کا اعلان فرما دیجئے: اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ...... یَوْمٍ عَظِیْمٍ سے مراد قیامت کا دن ہے۔ یہ شرط ہے اور اس کا معنی دوسرے کے لئے بطریق اولیٰ تعریض ہے۔

قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِیْنِیْ ﴿۱۴﴾ فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ یہ بھی تہدید (دھمکی) اور ان سے براءت کا اظہار ہے۔

قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِیْنَ یعنی سراسر خسارے میں۔

الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ جدائی ہے اور پھر کبھی ملاقات نہ ہوگی۔ خواہ ان کے اہل خانہ جنت میں جائیں یا دوزخ میں یا سب دوزخ میں رہیں نہ ان کا اجتماع ہوگا نہ انہیں خوشی ہوگی۔

اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ ظاہر و واضح خسارہ ہے۔ پھر آگ میں ان کی حالت بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَ مِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ جیسے ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّ مِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ (الاعراف: 41) ''ان کے لئے دوزخ کا ہی بچھونا ہوگا اور ان کے اوپر (اسی کا) اوڑھنا اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں ظالموں کو''۔ اور فرمایا: یَوْمَ یَغْشٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ وَ یَقُوْلُ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (العنکبوت: 55) ''جس دن ڈھانپ لے گا انہیں عذاب ان کے اوپر سے اور ان کے پاؤں کے نیچے سے اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا لو اب چکھو اپنے کرتوتوں کا مزہ''۔

قولہ جل جلالہ ذٰلِكَ یُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ اس کا ذکر کرنا لامحالہ طور پر اپنے بندوں کو خوف دلانا ہے تاکہ وہ حرام چیزوں اور گناہوں سے بچیں۔

قولہ یٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ میری قوت و سطوت، عذاب اور انتقام سے ڈرو۔

وَالَّذِیۡنَ اجۡتَنَبُوا الطَّاغُوۡتَ اَنۡ یَّعۡبُدُوۡهَا وَاَنَابُوۡۤا اِلَی اللّٰهِ لَهُمُ الۡبُشۡرٰی ۚ فَبَشِّرۡ عِبَادِ ﴿۱۷﴾ الَّذِیۡنَ یَسۡتَمِعُوۡنَ الۡقَوۡلَ فَیَتَّبِعُوۡنَ اَحۡسَنَهٗ ؕ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِکَ هُمۡ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ﴿۱۸﴾

’’اور جو لوگ بچتے ہیں شیطان سے کہ اس کی عبادت کریں اور (دل سے) جھکتے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف ان کے لئے مژدہ ہے۔ پس آپ مژدہ سنا دیں میرے ان بندوں کو جو غور سے سنتے ہیں بات کو پھر پیروی کرتے ہیں اچھی بات کی۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہے۔ اور یہی لوگ دانشور ہیں‘‘۔

عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ آیت وَالَّذِیۡنَ اجۡتَنَبُوا الطَّاغُوۡتَ...... حضرت زید بن عمرو بن نفیل، ابوذر اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہم کے بارے میں نازل ہوئی (1)۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ آیت ان کو بھی شامل ہے اور ان کے علاوہ ہر اس شخص کو بھی جو بتوں کی عبادت سے بچا رہا اور کامل طور پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے متوجہ ہوا۔ انہی لوگوں کے لئے اس دنیا میں بھی خوشخبری ہے اور آخرت میں بھی۔ پھر فرمایا: فَبَشِّرۡ عِبَادِ ﴿۱۷﴾ الَّذِیۡنَ یَسۡتَمِعُوۡنَ الۡقَوۡلَ فَیَتَّبِعُوۡنَ اَحۡسَنَهٗ یعنی اسے سمجھتے ہیں اور جو کچھ اس میں ہے اس پر عمل کرتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا فرماتے وقت فرمایا: فَخُذۡهَا بِقُوَّةٍ وَّاۡمُرۡ قَوۡمَکَ یَاۡخُذُوۡا بِاَحۡسَنِهَا (الاعراف: 145) ’’پھر (فرمایا) پکڑ لو اسے مضبوطی سے اور حکم دو اپنی قوم کو کہ پکڑ لیں اس کی اچھی باتیں‘‘۔

٭ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ یعنی جو لوگ اس صفت سے متصف ہیں وہی لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی ہدایت فرمائی۔

وَاُولٰٓئِکَ هُمۡ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ عقل صحیح اور فطرت مستقیمہ سے متصف۔

اَفَمَنۡ حَقَّ عَلَیۡهِ کَلِمَةُ الۡعَذَابِ ؕ اَفَاَنۡتَ تُنۡقِذُ مَنۡ فِی النَّارِ ﴿۱۹﴾ لٰکِنِ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا رَبَّهُمۡ لَهُمۡ غُرَفٌ مِّنۡ فَوۡقِهَا غُرَفٌ مَّبۡنِیَّةٌ ۙ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ۬ؕ وَعۡدَ اللّٰهِ ؕ لَا یُخۡلِفُ اللّٰهُ الۡمِیۡعَادَ ﴿۲۰﴾

’’بھلا جس پر واجب ہو گیا عذاب کا حکم۔ تو کیا آپ چھڑا سکتے ہیں اسے جو آگ میں ہے؟ البتہ جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے ان کے لئے بالا خانے ہیں جن کے اوپر اور بالا خانے بنے ہوئے ہیں۔ رواں ہیں جن کے نیچے سے نہریں۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کیا کرتا‘‘۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرمارہے ہیں کیا وہ شخص جس کے لئے اللہ نے بدبختی لکھ دی ہے۔ کیا آپ یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ آپ اسے گمراہی اور ہلاکت سے بچالیں گے؟ یعنی اللہ کے بعد کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ کیونکہ جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اس کا کوئی ہادی نہیں اور جسے وہ ہدایت دے دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے سعادت مند بندوں کے بارے میں خبر دے رہے ہیں کہ جنت میں ان کے لئے کمرے ہوں گے یعنی بالا خانے۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 23 صفحہ 207

مِّنۡ فَوۡقِہَا غُرَفٌ مَّبۡنِیَّۃٌ کئی منزلوں والے، پختہ، آراستہ اور بلند۔

عبداللہ بن امام احمد نے اپنی سند سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جنت میں ایسے بالا خانے ہیں جن کا ظاہر باطن سے اور باطن ظاہر سے نظر آتا ہے۔ایک اعرابی نے پوچھا یارسول اللہ ﷺ! یہ کس کے لئے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: جو اچھی گفتگو کرے، کھانا کھلائے اور نماز پڑھے اس وقت جب لوگ سو رہے ہوں۔ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے عبدالرحمٰن بن اسحٰق سے روایت کیا ہے۔اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔بعض اہل علم نے حفظ کے اعتبار سے اس پر بحث کی ہے(1)۔امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسری سند سے ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جنت میں ایسے بالا خانے ہیں جن کے اندر سے ان کا باہر اور باہر سے ان کا اندر نظر آتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے یہ اس شخص کے لئے بنائے ہیں جو کھانا کھلائے، نرم گفتگو کرے، مسلسل نوافل ادا کرے اور جب لوگ سو رہے ہوں تو تہجد پڑھے''(2)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اس روایت میں منفرد ہیں۔امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ہی ایک دوسری سند سے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اہل جنت بالا خانوں کو اس طرح دیکھیں گے جیسے تم آسمان کے ستاروں کو دیکھتے ہو۔'' ایک اور روایت میں ہے میں نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرماتے سنا: ''جس طرح تم مشرقی یا مغربی افق پر ستارہ دیکھتے ہو''(3)۔

صحیحین میں یہی روایت ابو حازم اور ابو مالک کی حدیث سے بروایت حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے منقول ہے(4)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اہل جنت، جنت میں بالا خانوں والوں کو اسی طرح دیکھیں گے جس طرح تم افق میں چمکتے ستارے کو دیکھتے ہو۔اصحاب درجات کے درجوں کے تفاوت کے مطابق ہوگا''۔صحابہ نے عرض کی۔یارسول اللہ ﷺ! کیا یہ نبی ہوں گے؟ فرمایا: ہاں اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اور وہ اقوام جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور رسولوں کی تصدیق کی(5)۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے(6)۔امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ہم نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! جب ہم آپ کو دیکھتے ہیں تو ہمارے دل نرم ہو جاتے ہیں اور ہم آخرت کی طرف ہمہ تن مائل ہو جاتے ہیں لیکن جب ہم آپ کی مجلس سے اٹھ جاتے ہیں تو ہمیں دنیا اچھی لگنے لگتی ہے اور ہم زوجات اور اولاد کو چومنے لگتے ہیں۔(دلوں کی وہ حالت نہیں رہتی جو آپ کی صحبت میں تھی)۔آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم اسی حالت پر رہو جو تمہاری حالت میرے پاس تھی تو فرشتے تم سے مصافحہ کرتے اور تمہارے گھروں میں آ کر تم سے ملاقات کرتے اور اگر تم کوئی گناہ نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو لے آتا جو غلطیوں کا ارتکاب کرتی تاکہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرماتا''۔ہم نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! ہمیں بتایئے جنت کی عمارت کس چیز کی ہے؟ آپ ﷺ

1۔مسند احمد، جلد 1 صفحہ 156-155، نیز دیکھئے تفسیر سورۂ توبہ آیت: 72

2۔مسند احمد، جلد 5 صفحہ 343

3۔مسند احمد، جلد 5 صفحہ 340، نیز صحیحین میں ابو سعید کی روایت کے لئے دیکھئے سورۂ نساء آیت (49) اور حدیث سہل بن سعد کے لئے دیکھئے سورۂ توبہ تفسیر آیت (72)

4۔بخاری، جلد 4 صفحہ 145، مسلم، جلد 8 صفحہ 145

5۔مسند احمد، جلد 2 صفحہ 339

6۔تحفۃ الاحوذی، جلد 7 صفحہ 272، عارضۃ الاحوذی ابواب صفۃ الجنۃ، جلد 10 صفحہ 21

نے فرمایا: ایک اینٹ سونے کی اور ایک چاندی کی ہے۔ اس کا گارا مہکتی مشک ہے۔ اس کی کنکریاں لؤلؤ اور یاقوت ہیں۔ اس کی مٹی زعفران ہے۔ جو اس میں داخل ہوگا وہ نعمتوں سے مالا مال ہو جائے گا۔ اب محتاجی کا کوئی خطرہ نہیں۔ وہ ہمیشہ اس میں رہے گا اور اسے کبھی موت نہیں آئے گی۔ اس کے کپڑے بوسیدہ نہیں ہوں گے۔ اس کی جوانی ختم نہیں ہوگی۔ تین آدمیوں کی دعا رد نہیں کی جاتی: عادل حکمران، روزہ دار یہاں تک کہ افطار کر لے اور مظلوم کی دعا، ابر پر اٹھائی جاتی ہے اور اس کے لئے آسمانوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میری عزت کی قسم! میں ضرور تیری مدد کروں گا اگرچہ کچھ دیر کے بعد ہی کیوں نہ ہو (1)۔ ترمذی اور ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے (2)۔

قولہ تعالیٰ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ اس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جیسی وہ چاہیں۔ وَعْدَ اللّٰهِ یہ جو کچھ ہم نے ذکر کیا وعدہ ہے جو اللہ نے اپنے بندوں سے کیا ہے۔ ان اللہ لَا یُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِیْعَادَ۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۲۱﴾ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۲﴾

"کیا تم نہیں دیکھتے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے آسمان سے پانی پھر جاری کیا اسے زمین کے چشموں سے پھر اگاتا ہے اس کے ذریعہ فصلیں جن کے رنگ جدا جدا ہیں۔ پھر وہ خشک ہونے لگتی ہے پس تو دیکھتا ہے اسے زردی مائل پھر وہ اس کو چورا چورا کر دیتا ہے۔ یقیناً اس (کرشمہ قدرت) میں نصیحت ہے اہل عقل کے لئے۔ بھلا وہ (سعادت مند) کشادہ فرما دیا ہو اللہ نے جس کا سینہ اسلام کے لئے تو وہ اپنے رب کی طرف سے دیئے ہوئے نور پر ہے۔ پس ہلاکت ہے ان سخت دلوں کے لئے جو ذکر خدا سے متاثر نہیں ہوتے۔ یہی لوگ کھلی گمراہی میں ہیں"۔

اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ زمین میں موجود پانی دراصل آسمان سے آیا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا (الفرقان: 48) "اور ہم اتارتے ہیں آسمان سے پاکیزہ پانی"۔ جب پانی آسمان سے اترتا ہے تو زمین میں جذب ہو جاتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ جیسے چاہتا ہے اسے زمین کے اجزاء میں پھیلا دیتا ہے اور حسب ضرورت چھوٹے بڑے چشموں کی شکل میں اسے باہر نکالتا ہے، اسی لئے فرمایا: فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے بروایت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ زمین میں پانی نہیں ہے مگر یہ آسمان سے برستا ہے لیکن زمین کی رگیں اسے تبدیل کر دیتی ہیں اور یہی اس آیت سے مراد ہے۔ جسے یہ پسند ہو کہ نمک (نمکین پانی) میٹھا ہو جائے تو اسے (بھاپ بنا کر) اوپر آسمان کی طرف اٹھا دے (3)۔

اسی طرح سعید بن جبیر اور عامر شعبی رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ زمین کا سارا پانی درحقیقت آسمان سے اترا ہے۔ سعید بن جبیر رحمۃ

1۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 304

2۔ تحفۃ الاحوذی، جلد 10 صفحہ 56، ابن ماجہ، جلد 1 صفحہ 557 کتاب الصیام، عارضۃ الاحوذی ابواب الدعوات، جلد 13 صفحہ 88

3۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 219

اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس کی اصل برف ہے یعنی برف پہاڑوں پر تہہ در تہہ جم جاتی ہے اور ان کی تہہ میں اتر جاتی ہے۔ اس کے نیچے سے چشمے ابلتے ہیں۔

قولہ تعالیٰ ثُمَّ یُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ یعنی پھر آسمان سے اترنے اور زمین سے ابلنے والے پانی سے طرح طرح کی فصلیں پیدا ہوتی ہیں۔ ان کی شکلیں، ذائقے، مہک اور فوائد مختلف ہیں۔

ثُمَّ یَهِیْجُ یعنی تر و تازگی اور شباب کے بعد وہ بوڑھی ہونے لگتی ہے تو آپ اسے دیکھتے ہیں کہ وہ زرد ہو چکی ہے پھر خشک ہونے لگتی ہے۔

ثُمَّ یَجْعَلُهٗ حُطَامًا پھر وہ خشک زردی مائل ہو جاتی ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِی الْاَلْبَابِ یعنی جو لوگ اس سے نصیحت حاصل کرتے ہیں اور یہ سبق اخذ کرتے ہیں کہ دنیا اسی طرح شاداب، تر و تازہ اور خوبصورت ہوتی ہے پھر بوڑھی اور بدصورت ہو جاتی ہے اور نوجوان بالآخر بوڑھا، عمر رسیدہ اور کمزور ہو جاتا ہے اور ان سب کے بعد موت آ جاتی ہے۔ سعادت مند وہ ہے جس کی حالت اس کے بعد بہتر ہو۔ اکثر اوقات اللہ تعالیٰ دنیوی زندگی کی مثال یوں بیان فرماتا ہے کہ آسمان سے پانی اترتا ہے۔ اس سے کھیتیاں اور پھل اُگتے ہیں۔ اس کے بعد خشک سالی۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِیْمًا تَذْرُوْهُ الرِّیٰحُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ مُّقْتَدِرًا (الکہف: 45) ”بیان فرمایئے ان سے دنیوی زندگی کی (ایک اور) مثال یہ پانی کی طرح ہے جسے ہم نے اتارا ہے آسمان سے پس گنجان ہو کر اُگتی ہیں اس پانی سے زمین کی انگوریاں پھر کچھ عرصہ کے بعد وہ خشک بوسیدہ گھاس ہو جاتی ہے اڑائے پھرتی ہیں اسے ہوائیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے“۔

قولہ تبارک وتعالیٰ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ یعنی کیا یہ شخص اور ایک سنگ دل، حق سے دور آدمی برابر ہو سکتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَوَمَنْ كَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا یَّمْشِیْ بِهٖ فِی النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِی الظُّلُمٰتِ لَیْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا (الانعام: 122) ”کیا وہ جو (پہلے) مردہ تھا پھر زندہ کیا ہم نے اسے اور بنا دیا اس کے لئے نور چلتا ہے جس کے اجالے میں لوگوں کے درمیان وہ اس جیسا ہو سکتا ہے جو اندھیروں میں پڑا ہو نہیں نکلنے والا ان سے“۔

اسی لئے فرمایا: فَوَیْلٌ لِّلْقٰسِیَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ یعنی اس کے ذکر کے وقت بھی نرم نہیں ہوتے، خشوع وخضوع اور عاجزی اختیار نہیں کرتے اور کوئی بات سمجھنے سے عاری ہیں۔ اُولٰٓىِٕكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ یَهْدِیْ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۲۳﴾

”اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے نہایت عمدہ کلام یعنی وہ کتاب جس کی آیتیں ایک جیسی ہیں بار بار دہرائی جاتی ہیں۔ اور کانپنے لگتے ہیں اس (کے پڑھنے) سے بدن ان کے جو ڈرتے ہیں اپنے پروردگار سے۔ پھر نرم ہو جاتے ہیں ان کے بدن اور ان کے دل اللہ کے ذکر کی طرف۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے رہنمائی کرتا ہے اس کے ذریعے جسے چاہتا ہے۔ اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے تو اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں“۔

اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ رسول اللہ ﷺ پر نازل کردہ کتاب قرآن عظیم کی تعریف فرمارہے ہیں۔

قال اللہ تعالیٰ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ قرآن سارے کا سارا متشابہ ہے اور اس کی آیات کی بار بار تلاوت کی جاتی ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ آیت کے مشابہ آیت اور حرف کے مشابہ حرف ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: مَثَانِيَ: تَرْدِيْد القول لِيفْهَمُوْا عَنْ رَبِّهِم تَبَارَكَ وَ تَعَالٰی۔ ایک بات کو بار بار دہرانا تا کہ اپنے رب کے مفہوم کو سمجھ سکیں۔ عکرمہ اور حسن رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ اللہ نے اس میں قضا کو دہرایا ہے۔ حسن نے یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ ایک سورت میں ایک آیت ہوتی ہے۔ دوسری میں اس کے مشابہ آیت ہوتی ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا قول ہے۔ مثانی: مردّد، بار بار دہرائی جانے والی بات۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر قرآن میں بار بار آیا ہے اور صالح، ہود اور دیگر انبیاء علیہم السلام کا ذکر متعدد جگہ آیا ہے۔ سعید بن جبیر نے ابن عباس سے اس لفظ کا مفہوم یہ نقل کیا ہے کہ قرآن کا بعض بعض کے مشابہ ہوتا ہے اور ایک دوسرے کو دہراتا ہے۔ بعض علماء کا قول ہے اور سفیان بن عیینہ سے اس آیت کی تفسیر میں منقول ہے کہ قرآن کے سیاقات ایک ہی معنی میں ہوتے ہیں اور یہ دونوں متشابہ سے ہیں۔ کبھی ایک چیز کا ذکر کر کے اس کی ضد بھی ذکر کر دی جاتی ہے جیسے مؤمنین کے ساتھ کفار کا تذکرہ یا جنت کے ساتھ دوزخ کا بیان وغیرہ۔ یہ مثانی کی ہی ایک صورت ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ۝ وَ اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ (الانفطار: 14-13) ''بے شک نیک لوگ عیش وآرام میں ہوں گے اور یقیناً بدکار جہنم میں ہوں گے''۔ ایک اور آیت میں ہے: كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ (المطففین: 7) ''یہ حق ہے کہ بدکاروں کا نامہ عمل سجین میں ہوگا''۔ یہاں تک فرمایا: كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ (المطففین: 18) ''اور حق ہے نیکوکاروں کا صحیفہ عمل علیین میں ہوگا''۔ یا فرمایا: اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيْزِ الْوَهَّابِ (ص: 49) ''یہ نصیحت ہے اور بے شک پرہیزگاروں کے لئے بہت عمدہ ٹھکانہ ہے''۔ حتیٰ کہ فرمایا: هٰذَا ۭ وَ اِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ (ص: 55) ''یہ (تو پرہیزگاروں کے لئے) اور بلاشبہ سرکشوں کے لئے برا ٹھکانہ ہوگا''۔ وغیرہ آیات میں سیاق کلام یہ سب مثانی کی اقسام ہیں یعنی دو معانی کا تذکرہ۔ اور اگر سیاق کلام سارے کا سارا ایک ہی معنی میں ہو اور ایک دوسرے کے مشابہ ہو تو وہ متشابہ کہلاتا ہے لیکن اس سے مراد وہ متشابہ نہیں جس کا تذکرہ اس آیت میں آتا ہے: اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ (آل عمران: 7) ''اس کی کچھ آیتیں محکم ہیں وہی کتاب کی اصل ہیں اور دوسری آیتیں متشابہ ہیں''۔ اس کا مفہوم اور ہے۔

قولہ تعالیٰ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ یہ نیک لوگوں کی صفت ہے کہ جب وہ جبار، مہیمن، عزیز، غفار کا کلام سنتے ہیں تو ان کی یہی حالت ہوتی ہے کیونکہ وہ اس میں مذکور وعدے، وعید، تخویف اور دھمکی کو سمجھتے ہیں۔ خشیت اور خوف سے ان کے بدن کانپنے لگتے ہیں۔ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ۔ اللہ کے لطف وکرم کی امید میں۔

وہ دوسرے فاجر لوگوں سے کئی اعتبار سے مختلف ہیں:۔

(۱) یہ لوگ آیات قرآن کی تلاوت سنتے ہیں اور وہ لونڈیوں کے اشعار و گیت سنتے ہیں۔

(۲) جب رحمٰن کی آیتوں کی ان کے سامنے تلاوت کی جاتی ہے تو وہ ادب، خشیت، امید، محبت اور فہم وعلم کے ساتھ گر پڑتے ہیں سجدہ کرتے ہوئے اور زار وقطار روتے ہوئے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ اِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ

دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ (انفال:4-2)'' صرف وہی سچے ایماندار ہیں کہ جب ذکر کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا تو کانپ اٹھتے ہیں ان کے دل اور جب پڑھی جاتی ہیں ان پر اللہ کی آیتیں تو یہ بڑھا دیتی ہیں ان کے ایمان کو اور صرف اپنے رب پر وہ بھروسہ رکھتے ہیں (اور) جو صحیح صحیح ادا کرتے ہیں نماز کو، نیز اس سے جو ہم نے انہیں دیا ہے خرچ کرتے رہتے ہیں۔ یہی لوگ سچے مومن ہیں انہی کے لئے درجے ہیں ان کے رب کے پاس اور بخشش ہے اور باعزت روزی''۔ اور ایک دوسرے مقام پر فرمایا: وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا (الفرقان:73) '' اور جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے ان کے رب کی آیات سے تو نہیں گر پڑتے ان پر بہرے اور اندھے ہوکر''۔ ان کی سماعت کے وقت وہ مشغول اور غافل نہیں ہوتے بلکہ ان کی طرف کان لگائے ہوتے ہیں انہیں سمجھ رہے ہوتے ہیں اور ان کے معانی پر ان کی رسائی ہوتی ہے۔ اسی لئے وہ ان پر عمل کرتے ہیں اور ان پر سجدہ کرتے ہیں، بصیرت وفہم کے ساتھ نہ کہ جہالت اور دوسروں کی اتباع میں۔

(۳) آیات کی تلاوت کے وقت وہ ادب کا لحاظ رکھتے ہیں۔ جس طرح صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ کی زبان اقدس سے کلام الٰہی کی تلاوت سن کر غایت ادب کا لحاظ رکھتے تھے۔ ان کے بدن تھرتھر کانپنے لگتے پھر اپنے دلوں کے ساتھ ذکر الٰہی کی طرف نرم ہو جاتے۔ وہ چیخ و پکار نہیں کرتے تھے اور نہ ہی تکلف کرتے تھے بلکہ سکون، ثابت قدمی، ادب اور خشیت کا جو مقام انہیں حاصل تھا، اس تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ اسی لئے وہ دنیا وآخرت میں اپنے رب قدوس کی مدح وثنا کے حقدار ٹھہرے۔ عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ یہ اولیاء اللہ کی صفت بیان کی جارہی ہے کہ ان کے بدن خشیت الٰہی سے کانپنے لگتے ہیں۔ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوتے ہیں اور ان کے دل ذکر الٰہی سے مطمئن ہوتے ہیں۔ ان کی یہ صفت نہیں بیان فرمائی کہ ان کی عقل زائل ہو جاتی ہے اور بناوٹی غشی طاری ہو جاتی ہے۔ یہ اہل بدعت کا شعار ہے اور شیطان کی طرف سے ہے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ذکر اللہ سے مراد اللہ کا وعدہ ہے۔

قولہ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ اپنے بندوں میں سے یہ ان لوگوں کی صفت ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت عطا فرمائی۔ جو اس کے برعکس ہو یہ وہ شخص ہے جسے اللہ نے گمراہ کر دیا۔ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ۔

اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَقِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۲۴﴾ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۵﴾ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾

'' بھلا وہ شخص جو ڈھال بنائے گا شدید عذاب کے سامنے اپنے چہرہ کو روز قیامت (وہ کتنا بدنصیب ہوگا) اور کہا جائے گا ظالموں کو (اب) چکھو جو کچھ تم کمایا کرتے تھے۔ جھٹلایا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے گزرے تو آیا ان پر عذاب وہاں سے جہاں سے وہ سمجھ ہی نہیں سکتے تھے۔ پس چکھائی انہیں اللہ نے ذلت اس دنیوی زندگی میں، اور آخرت کا عذاب اس سے بھی بڑا ہے۔ کاش! وہ جان لیتے''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرمارہے ہیں: اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اور بطور ملامت اور عتاب اسے اور اس جیسے

ظالموں کو کہا جائے گا: ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ۔ کیا ایسا شخص اس جیسا ہو سکتا ہے جو قیامت کے دن مامون و محفوظ آئے گا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖٓ اَهْدٰٓى اَمَّنْ يَّمْشِيْ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (الملک: 22) ”کیا وہ شخص جو منہ کے بل گرتا پڑتا چلا جا رہا ہے وہ راہِ راست پر ہے یا جو سیدھا ہو کر صراط مستقیم پر گامزن ہے“۔ ایک اور آیت میں فرمایا: يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ۭ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ (القمر: 48) ”اس روز انہیں گھسیٹا جائے گا آگ میں منہ کے بل۔ (انہیں کہا جائے گا) چکھو اب آگ میں جلنے کا مزہ“۔ اور فرمایا: اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْٓ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ (فصلت: 40) ”تو کیا جو پھینکا جائے گا آگ میں وہ بہتر ہے یا جو آئے گا امن و سلامتی کے ساتھ قیامت کے دن (وہ بہتر ہے)“۔ اس آیت میں دونوں قسموں کی جگہ صرف ایک پر اکتفا کر لیا ہے۔ جیسے ایک شاعر کہتا ہے:

فَمَا أَدْرِيْ إِذَا يَمَّمْتُ أَرْضاً أُرِيْدُ الْخَيْرَ أَيُّهُمَا يَلِيْنِيْ؟ (1)

خیر اور شر دونوں مراد ہیں۔

قولہ جلت عظمتہٗ: كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ یعنی رسولوں کو جھٹلانے والی سابقہ امتیں۔ ان کے گناہوں کے سبب اللہ نے انہیں ہلاک کر دیا اور انہیں اللہ سے بچانے والا کوئی نہ تھا۔

قولہ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا یعنی جو ان پر عذاب نازل ہوا اور مومنین کو راحت قلبی نصیب ہوئی۔ پس مخاطبین کو اس سے محتاط رہنا چاہئے۔ بے شک انہوں نے اشرف الرسل خاتم الانبیاء ﷺ کی تکذیب کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آخرت میں ان کے لئے جو سخت عذاب تیار کر رکھا ہے وہ اس سے کہیں زیادہ شدید ہے جو انہیں دنیا میں ملا۔ اسی لئے اللہ نے فرمایا: وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ۔

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٢٧﴾ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿٢٨﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ۭ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٢٩﴾ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴿٣٠﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ﴿٣١﴾

”اور ہم نے بیان کی ہیں لوگوں کے لئے اس قرآن (حکیم) میں ہر قسم کی مثالیں تاکہ وہ نصیحت قبول کریں۔ اور ہم نے دیا ہے (انہیں) قرآن جو عربی زبان میں ہے، جس میں ذرا کجی نہیں، تاکہ وہ اللہ سے ڈریں۔ بیان فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے ایک مثال، ایک غلام ہے جس میں کئی حصہ دار ہیں جو سخت بدخو ہیں اور ایک غلام ہے جو پورا ایک مالک کا ہے کیا ان دونوں کا حال یکساں ہے۔ سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں۔ لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے۔ بیشک آپ نے بھی (دنیا سے) انتقال فرمانا ہے اور انہوں نے بھی مرنا ہے۔ پھر تم (سب) روزِ حشر اپنے رب کے حضور میں آپس میں جھگڑو گے“۔

اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرما رہے ہیں: وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ یعنی اس میں ضرب الامثال بیان فرمائیں۔

1۔ یہ شعر سورۂ برآت (توبہ) آیت (16) اور سورہ قصص آیت (48) اور سورۂ یاسین آیت (8) کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔

لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ضرب المثل معنی کو ذہن کے قریب کر دیتی ہے جیسے اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے: ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ (روم:28) ''اللہ تعالیٰ بیان کرتا ہے تمہارے لئے ایک مثال تمہارے ہی حالات میں سے''۔ یعنی تم خود اسے جانتے ہو۔ اور فرمایا: وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (حشر:23-21) ''اور یہ مثالیں ہم بیان کرتے ہیں لوگوں کے لئے تاکہ وہ غور و فکر کریں۔ اللہ وہی تو ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ جاننے والا ہر چھپی ہوئی اور ہر ظاہر چیز کا۔ وہی بہت مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اللہ وہی تو ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ سب کا بادشاہ، نہایت مقدس، سلامت رکھنے والا، امان بخشنے والا، نگہبان، عزت والا، ٹوٹے دلوں کو جوڑنے والا، متکبر ہے۔ پاک ہے اللہ تعالیٰ اس شرک سے جو لوگ کر رہے ہیں''۔

قولہ جل و علا: قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ یعنی وہ قرآن پاک ہے جو واضح عربی زبان میں ہے نہ اس میں ٹیڑھا پن ہے نہ کجی اور نہ کوئی التباس۔ بلکہ یہ بیان، وضاحت اور برہان ہے۔ اللہ نے اسے اسی طرح بنایا ہے اور اسی کے ساتھ نازل کیا ہے۔

لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اس میں بیان کردہ وعید سے بچیں اور اس میں ذکر کردہ وعدے پر عمل کریں پھر فرمایا: ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ اس مشترک غلام کے بارے باہم تنازعہ کرتے ہیں۔

سَلَمًا: أي سالماً یعنی سلامت۔

لِّرَجُلٍ خالص کسی کے لئے اس کے علاوہ اس کا کوئی مالک نہیں۔

هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا یعنی یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح وہ مشرک جو اللہ کے ساتھ دیگر معبودوں کی عبادت کرتا ہے اور وہ مخلص مومن جو صرف اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرتا ہے۔ کہاں یہ اور کہاں وہ؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا قول ہے کہ یہ آیت مشرک اور مخلص کے لئے ضرب المثل ہے۔ جب یہ ضرب المثل ظاہر، واضح اور جلی ہے تو فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ان پر حجت قائم کرنے کی وجہ سے۔ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ اسی لئے وہ اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔

قولہ تعالیٰ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ یہ آیت ان آیات میں سے جن کے ساتھ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ کے وصال کے وقت استدلال قائم کیا تھا۔ یہ آیت بھی ساتھ پڑھی: وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَا۟ىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰي عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـــًٔا ۭ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ (آل عمران:144) ''اور نہیں محمد ﷺ (مصطفیٰ) مگر (اللہ کے) رسول گزر چکے ہیں آپ سے پہلے کئی رسول۔ تو کیا اگر وہ انتقال فرمائیں یا شہید کر دیئے جائیں پھر جاؤ گے تم الٹے پاؤں (دین اسلام سے) اور جو پھرتا ہے الٹے پاؤں تو نہیں بگاڑ سکے گا اللہ کا کچھ بھی اور جلدی اجر دے گا اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو''۔ یہاں تک کہ لوگوں کو آپ ﷺ کی وفات کا یقین آ گیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ لامحالہ طور پر تمہیں اس دار دنیا سے منتقل ہونا ہے اور آخرت میں اللہ کے ہاں تم سب جمع ہو گے اور دنیا میں توحید یا شرک (جس پر تم تھے) کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے سامنے جھگڑا کرو گے اور وہ تمہارے درمیان فیصلہ فرمائے گا اور حق کو کھول دے گا۔ وہ فتاح اور علیم ہے۔ چنانچہ مومنین، مخلصین، موحدین کو نجات دے گا اور کفار، منکرین، مشکرین اور مکذبین کو عذاب دے گا۔ پھر یہ آیت سیاق کلام کے اعتبار سے اگرچہ مومنین اور کفار کے بارے میں اور آخرت میں ان کے جھگڑوں کے بارے میں ہے لیکن یہ دنیا میں سب جھگڑا کرنے والوں کو شامل ہے۔ دار آخرت میں ان سب کے

مقدمات دوبارہ شروع کئے جائیں گے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! کیا قیامت کے دن پھر دوبارہ ہمارے جھگڑے شروع ہوں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں'' تو انہوں نے عرض کی۔ پھر تو معاملہ بڑا سخت ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے تھوڑی سی زیادتی کے ساتھ یہی روایت ذکر فرمائی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ (التکاثر: 8) ''پھر ضرور پوچھا جائے گا تم سے اس دن جملہ نعمتوں کے بارے میں''۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! کون سی نعمت کے بارے میں ہم سے سوال کیا جائے گا؟ ہماری نعمتیں تو صرف دو ہیں۔ کھجور اور پانی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمہارے پاس نعمتیں ہوں گی۔'' (1) یہ زیادتی ترمذی اور ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے بحدیث سفیان نقل کی ہے اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے (2)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ہی ایک دوسری روایت میں نقل کیا ہے کہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب یہ سورۃ نازل ہوئی تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! کیا دنیا میں ہمارے جو جھگڑے تھے، گناہوں کے ساتھ ان کی پرسش بھی ہوگی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں وہ ضرور تم پر دہرائے جائیں گے۔ حتیٰ کہ ہر صاحب حق کو اس کا حق دیا جائے گا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کی بخدا یہ بڑا مشکل معاملہ ہے (3)۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے محمد بن عمرو سے روایت کیا ہے اور اسے حسن صحیح قرار دیا ہے (4)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور روایت میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''قیامت کے دن سب سے پہلے مدمقابل دو پڑوسی ہوں گے'' (5)۔ امام احمد اس روایت میں منفرد ہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ہی ایک دوسری روایت میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! دوفریق آپس میں جھگڑیں گے۔ حتیٰ کہ وہ دو بکریاں جنہوں نے ایک دوسرے کو سینگ مارے ہوں گے (6)۔ (امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اس روایت میں منفرد ہیں)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ہی مسند میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن دو بکریوں کو ایک دوسری سے سینگ لڑاتے دیکھا تو فرمایا: ''اے ابوذر! کیا تمہیں پتہ ہے یہ کیوں سینگ مار رہی ہیں؟'' میں نے عرض کی نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''لیکن اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور ان دونوں کے مابین فیصلہ بھی فرمائے گا'' (7)۔

حافظ ابوبکر بزار رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''قیامت کے دن ظالم، خائن بادشاہ کو لایا جائے گا۔ اس کی رعایا اس کے ساتھ جھگڑا کرے گی۔ وہ اس پر غالب آ جائیں گے تو اس کو کہا جائے گا جہنم کے ارکان میں سے ایک رکن (کونہ) لے لو''۔ علی بن ابی طلحہ نے بروایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ سچا جھوٹے سے، مظلوم ظالم سے، ہدایت یافتہ گمراہ سے، ضعیف متکبر سے جھگڑا کرے گا۔ ابن مندہ رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الروح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن لوگ آپس میں جھگڑا کریں گے حتیٰ کہ روح جسم کے ساتھ۔ چنانچہ روح جسم سے کہے گی: تم نے یہ کیا۔ جسم روح کو کہے گا تم نے حکم دیا تھا اور فریب دلایا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجے

1۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 164 — 2۔ تحفۃ الاحوذی، جلد 9 صفحہ 289، ابن ماجہ، جلد 2 صفحہ 1392 — 3۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 167

4۔ تحفۃ الاحوذی، جلد 9 صفحہ 110 — 5۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 151 — 6۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 29 — 7۔ مسند احمد، جلد 6-5 صفحہ 162

گا جوان کے مابین فیصلہ کرے گا۔ وہ انہیں کہے گا: تمہاری مثال ایک اپاہج آنکھوں والے آدمی اور دوسرے نابینا کی طرح ہے جو دونوں ایک باغ میں داخل ہوئے۔ اپاہج نے کہا میں یہاں پھل دیکھ رہا ہوں لیکن ان تک پہنچ نہیں سکتا۔ اندھے نے کہا میرے اوپر سوار ہو جاؤ اور پھل توڑ لو۔ وہ اس پر سوار ہو گیا اور پھل توڑ لئے۔ اب ان دونوں میں سے مجرم کون ہے؟ وہ دونوں کہیں گے دونوں۔ فرشتہ انہیں کہے گا۔ تم دونوں نے اپنا فیصلہ خود کر دیا۔ یعنی جسم روح کے لئے سواری کی طرح ہے اور وہ اس پر سوار ہے۔ ابن ابی حاتم نے اپنی سند سے بروایت سعید بن جبیر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت نازل ہوئی اور ہمیں پتہ ہے کس چیز میں نازل ہوئی۔ فرمایا: ہم کہتے تھے کہ ہم کس سے جھگڑیں گے۔ ہمارے اور اہل کتاب کے مابین کوئی جھگڑا نہیں۔ پھر ہم کس سے جھگڑیں گے؟ حتیٰ کہ آپس کے فتنے شروع ہو گئے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہی وہ چیز ہے جس کے بارے میں ہمارے رب نے ہم سے وعدہ کیا ہے کہ ہم اس کے بارے میں جھگڑیں گے۔ نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔

ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اہل قبلہ دوسروں سے جھگڑا کریں گے۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اہل اسلام اور اہل کفر کا باہمی جھگڑا مراد ہے لیکن ہم نے پہلے بیان کر دیا ہے کہ یہ آیت اپنے عموم پر ہے اور اس کا حکم عام ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَ كَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَ الَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَ صَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۳۳﴾ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۴﴾ ۚ لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ عَمِلُوْا وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۳۵﴾

”پس اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتا ہے اور تکذیب کرتا ہے اس سچ کی جب وہ اس کے پاس آیا۔ کیا جہنم میں کفار کا ٹھکانا نہیں ہے؟ اور وہ ہستی جو اس سچ کو لے کر آئی اور جنہوں نے اس سچائی کی تصدیق کی یہی لوگ ہیں جو پرہیزگار ہیں۔ انہیں ملے گا جو وہ چاہیں گے اپنے رب کے پاس سے۔ یہ صلہ ہے محسنوں کا۔ تاکہ ڈھانپ لے اللہ تعالیٰ ان سے ان کے بدترین اعمال کو اور عطا فرمائے انہیں اجر ان کے بہترین اعمال کا جو وہ کیا کرتے تھے“۔

اللہ تعالیٰ مشرکین کو مخاطب ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھا۔ اس کے ساتھ دوسرے معبودوں کو شریک ٹھہرایا اور یہ دعویٰ کیا کہ ملائکہ اللہ کی بیٹیاں ہیں اور اللہ تعالیٰ کی اولاد ٹھہرائی۔ تعالى الله عن قولهم علوا كبيرا۔ اور اس کے ساتھ حق کو جھٹلاتے رہے۔ جو اللہ کے رسولوں کی زبانی ان پر نازل ہوا تھا۔ اسی لئے فرمایا۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَ كَذَّبَ بِالصِّدْقِ اس سے بڑھ کر ظالم کوئی نہیں۔ کیونکہ اس نے باطل کی دونوں طرفوں کو جمع کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا اور رسول اللہ ﷺ کو جھٹلایا۔ باطل کا اقرار کیا اور حق کی تکذیب کی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ انہیں دھمکی دیتے ہوئے ارشاد فرما رہے ہیں: اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ حالانکہ وہ انکار کرنے والے تکذیب کرنے والے ہیں۔

پھر فرمایا: وَ الَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ مجاہد، قتادہ، ربیع بن انس اور ابن زید رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ صدق کے ساتھ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس سے مراد جبریل ہے۔

وَصَدَّقَ بِهٖٓ یعنی حضرت محمد ﷺ۔ علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ پہلے صدق سے مراد کلمہ توحید کا اقرار اور تصدیق سے مراد رسول اللہ ﷺ کی تصدیق ہے۔ ربیع بن انس نے والذین جاؤ وابالصدق وصدقوا پڑھا ہے۔ یعنی انبیاء علیہم السلام۔ وصدّقوا یعنی اتباع مراد ہے۔ لیث بن سلیم نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ مومن اصحاب قرآن کو قیامت کے دن لایا جائے گا۔ وہ کہیں گے یہ وہ ہے جو تم نے ہمیں عطا کیا۔ جو کچھ تم نے ہمیں اس میں حکم دیا ہم نے اس پر عمل کیا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول تمام مجاہدین کو شامل ہے۔ مومنین حق بات کہتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں۔ اس تفسیر کے مطابق رسول اللہ ﷺ بدرجہ اولی اس آیت کے تحت داخل ہیں۔ بلاشبہ آپ صدق کے ساتھ تشریف لائے اور دوسرے مرسلین کی تصدیق کی۔ جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر اتارا گیا اس پر ایمان لائے اور مومنین بھی۔ ہر ایک اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، کتابوں اور رسولوں پر ایمان رکھتا ہے۔

عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا قول ہے کہ صدق (سچائی) کو لانے والے رسول اللہ ﷺ ہیں اور اس کی تصدیق کرنے والے مسلمان ہیں۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ شرک سے بچتے رہے۔

لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ یعنی جنت میں جو وہ مطالبہ کریں گے حاضر کر دیا جائے گا۔

ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِيْنَ ۝ لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ عَمِلُوْا وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ایک اور آیت میں ارشاد ہوتا ہے: اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ فِيْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ۭ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ (احقاف:16) "یہی وہ (خوش نصیب) ہیں قبول کرتے ہیں ہم جن کے بہترین اعمال کو اور درگزر کرتے ہیں ہم جن کی برائیوں سے یہ جنتیوں میں سے ہوں گے۔ یہ (اللہ کا) سچا وعدہ ہے جو (اہل ایمان سے) کیا گیا ہے"۔

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ۭ وَيُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۝ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ۭ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِي انْتِقَامٍ ۝ وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۭ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ۭ قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۭ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰي مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝

"کیا اللہ کافی نہیں اپنے بندے کے لئے؟ (یقیناً کافی ہے) اور وہ (نادان) ڈراتے ہیں آپ کو ان معبودوں سے جو اللہ کے سوا ہیں۔ اور جسے اللہ گمراہ ہونے دے تو اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ اور جس کو ہدایت بخش دے اللہ تعالیٰ تو اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں۔ کیا نہیں ہے اللہ تعالیٰ زبردست، انتقام لینے والا؟ اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو؟ تو ضرور کہیں گے اللہ نے۔ آپ فرمائیے پھر ذرا یہ تو بتاؤ کہ جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے سوا اگر اللہ تعالیٰ مجھے کچھ تکلیف پہنچانا چاہے تو کیا یہ معبود دور کر دیں گے اس تکلیف کو یا اگر اللہ تعالیٰ مجھ پر کچھ رحمت فرمانا چاہے تو کیا وہ روک

سکتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کو۔ فرما دیجئے مجھے کافی ہے اللہ تعالیٰ، فقط اسی پر بھروسہ کرتے ہیں بھروسہ کرنے والے فرمائیے اے میری قوم! تم عمل کئے جاؤ اپنی جگہ پر میں اپنا کام کرتا رہوں گا۔ پس تم ضرور جان لوگے، کہ کس پر آتا ہے عذاب جو اسے رسوا کر دے گا اور کون ہے جس پر دائمی عذاب اترتا ہے''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ بعض قاریوں نے اسے (عبادہ) پڑھا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اسے کافی ہے جو اس کی عبادت کرتا ہے اور اس پر توکل کرتا ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں اپنی سند سے فضالہ بن عبید انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا: '' فلاح پا گیا جسے اسلام کی ہدایت بخشی گئی، اس کا رزق بقدر ضرورت تھا اور اس پر اس نے قناعت کر لی''۔

ترمذی اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے روایت کیا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

وَيُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ یعنی مشرکین حضور ﷺ کو ڈراتے ہیں اور اپنے بتوں اور جھوٹے خداؤں کے ساتھ دھمکی دیتے ہیں۔ اپنی جہالت اور گمراہی کے سبب اللہ کو چھوڑ کر جنہیں پکارتے ہیں۔ اسی لئے اللہ نے فرمایا: وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۚ﴿۳۶﴾ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِي انْتِقَامٍ : منيع الجناب: قوت وشوکت والا۔ جو اس کی جناب کا سہارا لے اور اس کے دروازے پر آ جائے اس پر زیادتی نہیں ہوتی۔ وہ ایسا عزیز ہے کہ جس سے بڑھ کر کوئی عزت والا اور جو اس کا انکار کرے، شرک کرے اور اس کے رسول ﷺ سے دشمنی کرے اس سے زیادہ شدید اس سے انتقام لینے والا کوئی نہیں۔

قولہ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ یعنی مشرکین وہ اس بات کے معترف تھے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تمام اشیاء کا خالق ہے۔ اس کے باوجود وہ اس کے ساتھ دوسرے خداؤں کی پوجا کرتے جو نفع ونقصان کی قدرت نہیں رکھتے۔ اسی لئے فرمایا: قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ...... مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ یعنی کسی بات کی طاقت نہیں رکھتے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں مرفوعاً حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ذکر کیا ہے: '' تو اللہ کو یاد رکھ وہ تجھے یاد رکھے گا (حفاظت فرمائے گا) تو اللہ کو یاد رکھ (اس کے احکام (فرائض ومحرمات) کا خیال رکھ) تو اسے اپنے سامنے پائے گا۔ (یعنی وہ تجھے دنیا اور آخرت دونوں کی آفات سے محفوظ رکھے گا)۔ تو اپنی فراخی کے وقت میں اللہ کو اپنی پہچان کروا (عبادت اور اطاعت وشکر کے ساتھ) وہ سختی کے وقت تجھے بچائے گا۔ جب تو سوال کرے تو صرف اللہ سے سوال کر۔ اور جب مدد طلب کرے تو صرف اللہ سے مدد طلب کر۔ یہ جان لے کہ اگر ساری امت مل کر تمہیں کوئی نقصان پہنچانا چاہے جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے نہیں لکھا، تو وہ تمہیں یہ نقصان نہیں پہنچا سکتے اور اگر وہ سب جمع ہو کر تمہیں کوئی فائدہ پہنچانا چاہیں جو اللہ نے تیری قسمت میں نہیں لکھا تو وہ تمہیں وہ نفع نہیں پہنچا سکتے۔ صحیفے خشک ہو چکے۔ قلمیں اٹھالی گئیں۔ یقین کے ساتھ اللہ کے شکر کے طور پر نیک اعمال کر۔ اور تو جان لے کہ تکلیف میں صبر کرنے میں خیر کثیر ہے۔ مدد صبر کے ساتھ ہے۔ فراخی رنج وغم کے ساتھ اور بے شک ہر تنگی کے ساتھ آسانی ہے''(1)۔

قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ أي كافيّ: مجھے کافی ہے۔

عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ جس طرح حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا جب انہوں

1۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 307

نے کہا: اِنۡ نَّقُوۡلُ اِلَّا اعۡتَرٰىكَ بَعۡضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوۡٓءٍ ؕ قَالَ اِنِّىۡۤ اُشۡهِدُ اللّٰهَ وَاشۡهَدُوۡۤا اَنِّىۡ بَرِىۡٓءٌ مِّمَّا تُشۡرِكُوۡنَ ۙ مِنۡ دُوۡنِهٖ فَكِيۡدُوۡنِىۡ جَمِيۡعًا ثُمَّ لَا تُنۡظِرُوۡنِ ۝ اِنِّىۡ تَوَكَّلۡتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّىۡ وَرَبِّكُمۡ ؕ مَا مِنۡ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ؕ اِنَّ رَبِّىۡ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ (ہود: 56-54) ''ہم تو یہی کہیں گے کہ مبتلا کر دیا ہے تجھے ہمارے کسی خدا نے دماغی خلل میں۔ ہود نے کہا میں گواہ بناتا ہوں اللہ تعالیٰ کو اور تم بھی گواہ رہنا کہ میں بیزار ہوں ان بتوں سے جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو، اس کے سوا پس سازش کر لو میرے خلاف سب مل کر پھر مجھے مہلت نہ دو۔ بلاشبہ میں نے بھروسہ کر لیا ہے اللہ تعالیٰ پر جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے کوئی جاندار بھی ایسا نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ نے پکڑا ہوا ہے اسے پیشانی کے بالوں سے۔ بیشک میرا رب سیدھی راہ پر (چلانے والا) ہے''۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن کعب قرظی سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ہمیں یہ حدیث بیان فرمائی اور اسے رسول اکرم ﷺ تک مرفوع قرار دیا۔ فرمایا: ''جسے یہ بات پسند ہو کہ وہ تمام لوگوں سے زیادہ طاقتور بن جائے تو اسے چاہئے کہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرے اور جو اس بات کو دوست رکھتا ہے کہ وہ سب لوگوں سے زیادہ غنی ہو جائے تو اسے چاہئے کہ جو دولت اس کے ہاتھ میں ہے اس سے زیادہ اس پر یقین رکھے جو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ جو شخص چاہتا ہے کہ سب سے زیادہ مکرم و معظم بن جائے تو اسے چاہئے کہ اللہ سے ڈرا کرے''۔

قولہ تعالیٰ قُلۡ يٰقَوۡمِ اعۡمَلُوۡا عَلٰى مَكَانَتِكُمۡ: أي على طريقتكم: اپنے طریقہ پر۔ یہ اللہ کی طرف سے تہدید اور وعید ہے۔

اِنِّىۡ عَامِلٌ، أي على طريقتي ومنهجي: اپنے طریقے اور اسلوب کے مطابق۔

فَسَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ اس کے انجام اور وبال کو تم عنقریب جان لو گے۔

مَنۡ يَّاۡتِيۡهِ عَذَابٌ يُّخۡزِيۡهِ: أي في الدنيا: دنیا میں ہی۔

وَيَحِلُّ عَلَيۡهِ عَذَابٌ مُّقِيۡمٌ، أي دائم مستمر لا محيد له عنه: دائمی مسلسل جس سے مفر نہ ہو اور ایسا قیامت کے دن ہو گا۔ اللہ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالۡحَـقِّ ۚ فَمَنِ اهۡتَدٰى فَلِنَفۡسِهٖ ۚ وَمَنۡ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيۡهَا ۚ وَمَاۤ اَنۡتَ عَلَيۡهِمۡ بِوَكِيۡلٍ ۝ اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الۡاَنۡفُسَ حِيۡنَ مَوۡتِهَا وَالَّتِىۡ لَمۡ تَمُتۡ فِىۡ مَنَامِهَا ۚ فَيُمۡسِكُ الَّتِىۡ قَضٰى عَلَيۡهَا الۡمَوۡتَ وَيُرۡسِلُ الۡاُخۡرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّتَفَكَّرُوۡنَ ۝

''(اے حبیب!) ہم نے اتاری ہے آپ پر یہ کتاب لوگوں (کی ہدایت) کے لئے حق کے ساتھ۔ پس جو ہدایت قبول کرتا ہے تو وہ اپنا بھلا کرتا ہے۔ اور جو بھٹکتا ہے تو وہ بھٹکتا ہے اپنے آپ کو گمراہ کرنے کے لئے۔ اور آپ ان (بدبختوں) کے ذمہ دار نہیں۔ اللہ تعالیٰ قبض کرتا ہے جانوں کو موت کے وقت اور جن کی موت کا وقت ابھی نہیں آیا (ان کی روحیں) حالت نیند میں پھر روک لیتا ہے ان روحوں کو جن کی موت کا فیصلہ کرتا ہے اور واپس بھیج دیتا ہے دوسری روحوں کو مقررہ میعاد تک۔ بے شک اس میں (اس کی قدرت کی) نشانیاں ہیں ان کے لئے جو غور و فکر کرتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول حضرت محمد ﷺ کو مخاطب کر کے فرما رہے ہیں کہ ہم نے آپ پر یہ قرآن کریم تمام مخلوق (جن و انس) کے لئے

نازل فرمایا ہے تاکہ آپ انہیں ڈرائیں۔ اگر وہ راہ ہدایت پر آ گئے تو اس میں ان کا اپنا ہی فائدہ ہے اور گمراہ ہونے والے کا وبال بھی اس کی اپنی جان پر ہوگا۔

وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ آپ اس کے ذمہ دار نہیں کہ وہ راہ راست پر آئیں جیسے فرمایا: اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ (ہود:12) ''آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا نگہبان ہے''۔ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ (آل عمران:20) ''آپ کے ذمہ تھا کہ آپ پیغام پہنچا دیں (جو آپ نے پہنچا دیا)''۔ پھر اپنے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا کہ ہر موجود میں تصرف کرنے والا وہی ہے۔ وہی نفوس وابدان کو وفاۃ کبری دیتا ہے جس میں اس کے بھیجے ہوئے فرشتے روح قبض کر لیتے ہیں اور وفاۃ صغری جو نیند کے وقت ہوتی ہے اسی کے قبضے میں ہے۔ جیسے فرمایا: يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ (الانعام:60-61) ''اور وہ وہی ہے جو قبضہ میں لے لیتا ہے تمہیں رات کو اور جانتا ہے جو کمایا تم نے دن کو پھر اٹھاتا ہے تمہیں (نیند سے) دن میں تاکہ پوری کر دی جائے (تمہاری عمر کی) میعاد مقرر۔ پھر اسی کی طرف تمہیں لوٹنا ہے پھر وہ بتائے گا تمہیں جو تم کیا کرتے تھے اور وہی غالب ہے اپنے بندوں پر اور بھیجتا ہے تم پر نگہبان یہاں تک کہ جب آ جائے تم میں سے کسی کی موت تو قبض کر لیتے ہیں اس کی روح ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) اور وہ کوتاہی نہیں کرتے''۔ دونوں وفاتوں صغری اور کبری کا ذکر فرمایا۔ اس آیت میں پہلے کبری اور پھر صغری کا ذکر ہے۔

اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ارواح ملأ اعلیٰ میں جمع ہوتی ہیں جس طرح ابن مندہ وغیرہ نے مرفوع حدیث میں روایت کیا ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی بستر پر جائے تو اپنے ازار کے اندرونی حصے سے اسے جھاڑ لے۔ پھر یہ دعا کہے: بِاسْمِكَ رَبِّي وَضَعْتُ جَنْبِي وَبِكَ أَرْفَعُهُ، إِنْ أَمْسَكْتَ نَفْسِي فَارْحَمْهَا، وَإِنْ أَرْسَلْتَهَا فَاحْفَظْهَا بِمَا تَحْفَظُ بِهِ عِبَادَكَ الصَّالِحِينَ(1)۔

ترجمہ:۔ اے میرے رب! تیرے نام سے میں لیٹتا ہوں اور اسی کی برکت سے میں بیدار ہوں گا۔ اگر تو میری روح کو روک لے تو اس پر رحم فرما اور اگر تو اسے بھیج دے تو اس کی اسی طرح حفاظت فرما جیسے تو اپنے نیک بندوں کی حفاظت کرتا ہے۔ بعض سلف سے منقول ہے کہ مردوں کی روحیں بوقت موت اور زندوں کی روحیں بوقت نیند قبض کر لی جاتی ہیں تو ان میں تعارف ہوتا ہے جب تک اللہ چاہے۔

قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ اسے موت آ گئی۔

اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ عمر کے بقایا حصے تک۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ مرنے والوں کی روحوں کو روک لیتا ہے اور زندوں کی ارواح کو واپس کر دیتا ہے اور غلطی نہیں کرتا۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَاۗءَ ۭ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْـــًٔا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ ۝ قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ۭ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ

1۔ بخاری، جلد 8 صفحہ 87 کتاب الدعوات، مسلم، جلد 8 صفحہ 77، کتاب الذکر

دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۵﴾

''کیا انہوں نے بنا لئے ہیں اللہ کو چھوڑ کر اور سفارشی۔ پوچھئے اگر چہ وہ (مزعومہ سفارشی) کسی چیز کے مالک نہ ہوں، اور نہ عقل وشعور رکھتے ہوں۔ آپ فرمائیے سب شفاعت اللہ کے اختیار میں ہے۔ اسی کے لئے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔ پھر اس کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے اور جب ذکر کیا جائے اکیلے اللہ کا تو کڑھنے لگتے ہیں ان لوگوں کے دل جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ اور جب ذکر کیا جاتا ہے اس کے سوا دوسروں کا تو اسی وقت وہ خوشیاں منانے لگتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ مشرکین کی مذمت بیان فرما رہے ہیں کہ انہوں نے غیر اللہ کو اپنا سفارشی سمجھ لیا ہے اور یہ بت اور انداد (مدمقابل) ہیں جن کو وہ اپنا شفیع سمجھنے لگے ہیں اور ان کے پاس اس کی کوئی دلیل یا برہان بھی نہیں۔ یہ بت تو کسی چیز کے مالک نہیں۔ بلکہ نہ تو ان کی عقل ہے کہ وہ کچھ سمجھیں، نہ کان کہ کچھ سن سکیں اور نہ آنکھیں کہ کچھ دیکھ سکیں۔ بلکہ یہ تو جمادات ہیں اور حیوانوں سے بدر جہا بدتر ہیں۔ پھر فرمایا: قُلْ اے محمد ﷺ! انہیں فرما دیجئے کہ انہیں تم نے اللہ کے ہاں سفارشی ٹھہرایا ہے اور اللہ کے ہاں شفاعت نفع نہیں دے گی مگر اس کی جسے وہ اجازت مرحمت فرمائے اور اس پر راضی ہو جائے۔ ساری شفاعتوں کا مرجع تو وہی ہے۔ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (البقرہ: 255) ''کون ہے جو سفارش کر سکے اس کے پاس بغیر اس کی اجازت کے''۔

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ان سب میں تصرف کرنے والا وہی ہے۔

ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ قیامت کے دن تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے تو وہ اپنے عدل سے تمہارے درمیان فیصلے کرے گا اور ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزاء دے گا۔ پھر دوبارہ مشرکین کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا: وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ یعنی جب یہ کہا جائے لا إله إلا الله وحده۔

اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ......۔ اشْمَاَزَّتْ: مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ تنگ ہو جاتے ہیں۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ کفر وسرکشی پر اتر آتے ہیں۔ مالک نے زید بن اسلم سے روایت کیا ہے وہ تکبر کرنے لگتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ (صافات: 35) ''کفار کا یہ حال ہے کہ جب انہیں کہا جاتا ہے کہ نہیں کوئی معبود اللہ کے سوا تو یہ تکبر کرنے لگتے ہیں''۔ یعنی اطاعت وانقیاد کی بجائے وہ تکبر کرنے لگتے ہیں۔ ان کے دل بھلائی کو قبول نہیں کرتے اور جو بھلائی کو قبول نہیں کرتا شر کو قبول کرتا ہے۔

مِنْ دُوْنِهٖ: الأصنام والأنداد۔ بت اور شریک۔

يَسْتَبْشِرُوْنَ فرحت اور مسرت کا اظہار کرتے ہیں۔

قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۸﴾

’’آپ عرض کیجئے اے اللہ! اے پیدا کرنے والے آسمانوں اور زمین کے! اے جاننے والے غیب اور شہادت کے! تو ہی فیصلہ فرمائے گا اپنے بندوں کے درمیان ان امور میں جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔ اور اگر ان کے پاس جنہوں نے شرک کیا زمین میں جو کچھ ہے سب ہو اور اتنا اور بھی اس کے ساتھ تو چاہیں گے کہ بطور فدیہ ادا کر دیں اسے برے عذاب کے عوض، قیامت کے دن۔ اور (اس روز) ظاہر ہو جائے گا ان پر اللہ کی طرف سے جس کا وہ گمان بھی نہیں کیا کرتے تھے۔ اور ظاہر ہو جائیں گے ان پر وہ برے اعمال جو انہوں نے کمائے تھے اور گھیر لے گا انہیں وہ (عذاب) جس کا یہ مذاق اڑایا کرتے تھے‘‘۔

مشرکین اور انہیں شرک سے جو محبت اور توحید سے جو نفرت ہے کا بیان فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ آپ دعا فرمائیے کہ تو ہی وحدہ لاشریک ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور انہیں اس طرح بنایا کہ پہلے ان کی مثال نہ تھی۔

عٰلِمَ الۡغَیۡبِ وَ الشَّهَادَةِ پوشیدہ اور علانیہ۔

اَنۡتَ تَحۡكُمُ بَيۡنَ عِبَادِكَ...... یعنی دنیا میں جو اختلافات تھے قبروں سے اٹھنے کے بعد وہ ان کے درمیان فیصلہ فرمائے گا۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح میں حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ رات کے وقت کی نماز کو کس چیز سے شروع فرمایا کرتے تھے تو آپ نے فرمایا کہ رات کو آپ ﷺ جب اٹھتے تو اس دعا سے نماز شروع فرماتے: اَللّٰهُمَّ رَبَّ جِبۡرِيۡلَ وَمِيۡكَائِيۡلَ وَاِسۡرَافِيۡلَ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ عَالِمَ الۡغَيۡبِ وَالشَّهَادَةِ، أَنۡتَ تَحۡكُمُ بَيۡنَ عِبَادِكَ فِيۡمَا كَانُوۡا فِيۡهِ يَخۡتَلِفُوۡنَ اهۡدِنِيۡ لِمَا اخۡتُلِفَ فِيۡهِ مِنَ الۡحَقِّ بِاِذۡنِكَ اِنَّكَ تَهۡدِيۡ مَنۡ تَشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ(1)۔

ترجمہ:۔ اے اللہ! اے جبریل، میکائیل اور اسرافیل کے رب، اے آسمانوں اور زمین کو بغیر پیشگی نمونے کے پیدا کرنے والے، اے غیب و مشہود کے جاننے والے، تو ہی اپنے بندوں کے درمیان فیصلے کرنے والا ہے جس میں وہ اختلاف کرتے تھے۔ جس بات میں اختلاف کیا گیا ہے تو حق کے ساتھ اس میں میری راہ نمائی فرما۔ تو جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے یہ دعا پڑھی:

اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ عٰلِمَ الۡغَيۡبِ وَالشَّهَادَةِ اِنِّيۡ اَعۡهَدُ اِلَيۡكَ فِيۡ هٰذِهِ الدُّنۡيَا اَنِّيۡ اَشۡهَدُ اَنۡ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنۡتَ وَحۡدَكَ لَا شَرِيۡكَ لَكَ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبۡدُكَ وَرَسُوۡلُكَ فَاِنَّكَ اِنۡ تَكِلۡنِيۡ اِلٰى نَفۡسِيۡ تُقَرِّبۡنِيۡ مِنَ الشَّرِّ وَتُبَاعِدۡنِيۡ مِنَ الۡخَيۡرِ، وَاِنِّيۡ لَا اَثِقُ اِلَّا بِرَحۡمَتِكَ فَاجۡعَلۡ لِّيۡ عِنۡدَكَ عَهۡدًا تُوَفِّيۡنِيۡهِ يَوۡمَ الۡقِيَامَةِ اِنَّكَ لَا تُخۡلِفُ الۡمِيۡعَادَ۔(2)۔

ترجمہ:۔ اے اللہ! زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے۔ اے غائب و ظاہر کے جاننے والے، میں اس دنیا میں تجھ سے عہد کرتا ہوں کہ میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو وحدہ لاشریک ہے۔ اور بلاشبہ حضرت محمد (ﷺ) تیرے بندے اور رسول ہیں۔ اگر تو مجھے میرے نفس کے حوالے کرے گا تو وہ مجھے برائی کے قریب کر دے گا اور بھلائی سے دور کر دے گا۔ مجھے صرف تیری رحمت پر ہی بھروسہ ہے پس تو میرے ساتھ عہد فرما جسے تو قیامت کے دن پورا کرے بے شک تو وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔

1۔ مسلم کتاب صلوٰۃ المسافرین، جلد 3 صفحہ 534 2۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 412

جب وہ یہ دعا پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے قیامت کے دن فرمائے گا میرے بندے نے مجھ سے عہد کیا تھا۔ اسے پورا کرو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرما دے گا۔ سہیل رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ میں نے قاسم بن عبدالرحمٰن کو یہ حدیث سنائی کہ عون اس طرح بیان کرتے ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ ہماری پردہ نشین بچیوں کو بھی یہ حدیث یاد ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ابوعبدالرحمٰن سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک کاغذ نکالا اور فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں یہ دعا سکھایا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ، أَنْتَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ وَإِلٰهُ كُلِّ شَيْءٍ أَشْهَدُ اَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اَنْتَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ وَالْمَلَائِكَةُ يَشْهَدُوْنَ، أَعُوْذُبِكَ مِنَ الشَّيْطَانِ وشِرْكِهِ، أَعُوْذُبِكَ أَنْ أَقْتَرِفَ عَلٰى نَفْسِي اِثْمًا أَوْ اَجُرَّهُ إِلٰى مُسْلِمٍ۔

ترجمہ:۔ اے اللہ! آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے، غیب و ظاہر کے عالم، تو ہر چیز کا رب ہے اور ہر چیز کا معبود، میں گواہی دیتا ہوں کہ نہیں معبود کوئی تیرے سوا۔ تو ایک ہے تیرا کوئی شریک نہیں اور بے شک سیدنا محمد ﷺ تیرے بندے اور رسول ہیں اور فرشتے (بھی اسی بات کی) گواہی دیتے ہیں۔ میں شیطان اور اس کے شرک سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اور اس بات سے بھی تیری پناہ چاہتا ہوں کہ میں کوئی گناہ کروں یا اسے کسی اور مسلمان کی طرف لے جاؤں۔

ابوعبدالرحمٰن کا قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ دعا سکھائی تھی کہ سوتے وقت اسے پڑھا کریں(1)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ہی ابوراشد ابدانی سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کوئی حدیث سنانے کی خواہش کی تو انہوں نے ایک صحیفہ میرے سامنے نکال کر رکھ دیا اور فرمایا کہ رسول اکرم ﷺ نے یہ میرے لئے لکھوایا تھا۔ میں نے اس میں دیکھا تو اس میں لکھا ہوا تھا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! مجھے ارشاد فرمایئے کہ صبح و شام کون سی دعا پڑھا کروں تو آپ نے فرمایا: اے ابوبکر! یوں پڑھا کر اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ لَآ إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ وَمَلِيْكُهُ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِيْ وَ شَرِّ الشَّيْطَانِ وَشِرْكِهِ أَنْ أَقْتَرِفَ عَلٰى نَفْسِيْ سُوْٓءًا أَوْ أَجُرَّهُ إِلٰى مُسْلِمٍ(2)۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے روایت کیا ہے اور حسن غریب قرار دیا ہے(3)۔

امام احمد نے مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا مجھے صبح و شام اور رات کو بستر پر لیٹتے وقت یوں پڑھنے کا حکم دیا: اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ......(4)۔

قولہ وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّ مِثْلَهٗ یعنی مشرکین اگر وہ سب کچھ خرچ کر دیں جو زمین میں ہے بلکہ اس سے دوگنا تو بھی اس بدترین عذاب سے نہیں بچ سکتے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے قیامت کے دن تیار کیا ہے۔ اس کے باوجود ان سے کوئی فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا خواہ زمین بھر سونا ہی کیوں نہ ہو۔

قولہ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ...... اللہ تعالیٰ انہیں جس عذاب میں مبتلا کرے گا انہیں اس کا خیال بھی نہ گزرا ہوگا۔ دنیا کی حرام کاریاں اور بدکاریاں ان کے سامنے آجائیں گی۔ جس بات کا سن کر وہ دنیا میں مذاق کرتے تھے آج انہیں چاروں طرف سے گھیر لے گی۔

1۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 171
2۔ مسند امام احمد، جلد 2 صفحہ 196
3۔ عارضۃ الاحوذی ابواب الدعوات، جلد 13 صفحہ 53-52
4۔ مسند امام احمد، جلد 1 صفحہ 14

فَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ إِذَا خَوَّلْنَاهُ نِعْمَةً مِّنَّا قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ ۚ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٤٩﴾ قَدْ قَالَهَا الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٥٠﴾ فَأَصَابَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوا ۚ وَالَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ هَٰؤُلَاءِ سَيُصِيبُهُمْ سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوا وَمَا هُم بِمُعْجِزِينَ ﴿٥١﴾ أَوَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٥٢﴾

''پس جب پہنچتی ہے انسان کو کوئی تکلیف تو ہمیں پکارتا ہے۔ پھر جب ہم عطا کر دیتے ہیں اسے نعمت اپنی جناب سے تو کہنے لگتا ہے کہ یہ نعمت مجھے دی گئی ہے (اپنے) علم (وفضل) کے باعث۔ (اے غافل یوں نہیں) بلکہ یہ آزمائش ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ کہی تھی یہی بات ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے (جب ہم نے انہیں پکڑا) تو نہ فائدہ پہنچایا انہیں (مال ودولت نے) جو وہ کمایا کرتے تھے۔ پس جو برے کام انہوں نے کئے ان کا نتیجہ انہیں بھگتنا پڑا۔ اور جنہوں نے ظلم کیا ہے ان لوگوں میں سے انہیں بھی عنقریب اپنی بداعمالیوں کی سزا بھگتنی ہوگی اور یہ (ہمیں) عاجز نہیں کر سکتے۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ بیشک اللہ تعالیٰ کشادہ عطا فرماتا ہے رزق جس کو چاہتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے (جس کو چاہتا ہے)۔ یقیناً اس (تقسیم رزق) میں اس کی (حکمت کی) نشانیاں اہل ایمان کے لئے''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ انسان کے بارے میں خبر دے رہا ہے کہ وہ مشکل وقت میں اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کے سامنے عاجزی و زاری شروع کر دیتا ہے اور دعائیں مانگتا ہے اور جب اس پر کوئی انعام ہوتا ہے تو بغاوت اور سرکشی پر اتر آتا ہے اور کہتا ہے: إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ اللہ تعالیٰ اس نعمت کے بارے میں میرے استحقاق کو جانتا ہے۔ اگر اللہ کے نزدیک میں اس نعمت کا حقدار نہ ہوتا تو وہ ہرگز مجھے یہ نعمت عطا نہ فرماتا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے وہ کہے گا میں نے اپنے تجربے کی بنا پر اسے حاصل کیا ہے۔

بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بات اس طرح نہیں جیسے اس نے گمان کیا بلکہ دراصل ہم نے اسے یہ نعمت اس لئے دی ہے تاکہ ہم اسے آزمائیں کیا وہ اطاعت کرتا ہے یا نافرمانی کرتا ہے؟ ہمارے پیشگی علم کے باوجود یہ آزمائش ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے اور طرح طرح کی باتیں کرتے اور قسم قسم کے دعوے کرتے ہیں۔

قَدْ قَالَهَا الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ سابقہ امتوں نے بھی یہی بات کہی تھی، یہی گمان کیا اور یہی دعویٰ کیا تھا لیکن ان کی بات صحیح ثابت نہ ہوئی۔ انہیں کسی چیز نے فائدہ نہ دیا۔

...... وَمَا هُم بِمُعْجِزِينَ قارون نے اپنی قوم سے جو کچھ کہا تھا اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَا تَفْرَحْ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ ﴿٧٦﴾ وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ ۖ وَلَا تَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا ۖ وَأَحْسِن كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ ۖ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿٧٧﴾ قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِندِي ۚ أَوَلَمْ يَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَهْلَكَ مِن قَبْلِهِ مِنَ الْقُرُونِ مَنْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَأَكْثَرُ جَمْعًا ۚ وَلَا يُسْأَلُ عَن ذُنُوبِهِمُ الْمُجْرِمُونَ (القصص:78-76) ''زیادہ خوش نہ ہو بیشک اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا اترانے والوں کو۔ اور طلب کر اس (مال وزر) سے جو دیا ہے تجھے اللہ تعالیٰ نے آخرت کا گھر اور نہ فراموش کر اپنے حصہ کو دنیا سے اور احسان کیا

کر (غریبوں پر) جس طرح اللہ تعالیٰ نے تجھ پر احسان فرمایا ہے اور نہ خواہش کر فتنہ وفساد کی ملک میں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نہیں دوست رکھتا فساد برپا کرنے والوں کو۔ وہ کہنے لگا مجھے دی گئی ہے یہ (دولت وثروت) اس علم کی وجہ سے جو میرے پاس ہے۔ کیا اس (مغرور) کو اتنا علم بھی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہلاک کر ڈالیں اس سے پہلے قومیں جو اس سے قوت میں کہیں سخت اور دولت جمع کرنے میں کہیں زیادہ تھیں۔ اور نہیں دریافت کئے جائیں گے مجرموں سے ان کے گناہ"۔ ایک اور آیت میں آتا ہے: وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا (سبا:35) "اور کہتے (تم کون ہو ہمیں ڈرانے والے) ہمارا مال بھی (تم سے) زیادہ ہے اور اولاد بھی۔ اور ہمیں عذاب نہیں دیا جا سکتا"۔

رزق کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ کسی قوم پر اسے کشادہ کر دیتا ہے اور کسی پر تنگ کر دیتا ہے۔ اس میں مؤمنین کے لئے عبرتیں اور دلیلیں ہیں۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۳﴾ وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۵۷﴾ اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِيْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۹﴾

"آپ فرمائیے اے میرے بندو! جنہوں نے زیادتیاں کی ہیں اپنے نفسوں پر، مایوس نہ ہو جاؤ اللہ کی رحمت سے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے سارے گناہوں کو۔ بلاشبہ وہی بہت بخشنے والا، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اور (سچے دل سے) لوٹ آؤ اپنے رب کی طرف اور سرخم کر دو اس کے سامنے اس سے پہلے کہ آ جائے تم پر عذاب پھر تمہاری مدد نہ کی جائے گی۔ اور پیروی کرو عمدہ کلام کی جو اتارا گیا ہے تمہاری طرف تمہارے رب کے پاس سے اس سے پیشتر کہ تم پر اچانک عذاب آ جائے اور تمہیں خبر تک نہ ہونے پائے۔ (اس وقت) کوئی شخص یہ کہنے لگے صد حیف! ان کوتاہیوں پر جو مجھ سے سرزد ہوئیں اللہ کے بارے میں اور میں تو تمسخر اڑانے والوں سے تھا۔ یا یہ کہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے ہدایت دے دیتا تو میں ہو جاتا پرہیزگاروں میں سے۔ یا یہ کہنے لگے جب عذاب دیکھے کاش! مجھے ایک بار پھر موقع دیا جائے تو میں نیکوکاروں میں سے ہو جاؤں گا۔ ہاں! ہاں! آ گئی تھیں تیرے پاس میری آیتیں پس تو نے انہیں جھٹلایا اور تو گھمنڈ کرتا رہا اور تو کفر کرنے والوں میں سے تھا"۔

اس آیت میں تمام نافرمانوں کفار وغیرہ کو توبہ اور انابت ورجوع الی اللہ کی دعوت دی جارہی ہے۔ اور بتایا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے کے تمام گناہوں کو معاف کر دیتا ہے خواہ وہ کتنے ہی کیوں نہ ہوں اگرچہ اپنی کثرت میں سمندر کی جھاگ کے برابر ہی کیوں نہ ہوں۔ اس آیت کو توبہ کے بغیر مغفرت کے معنوں میں لینا صحیح نہیں کیونکہ شرک توبہ کے بغیر بخشا نہیں جاتا۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ بعض مشرکین جنہوں نے بے شمار قتل کئے تھے اور لاتعداد مرتبہ

بدکاری میں مبتلا ہوئے تھے، حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے آپ کی باتیں اچھی ہیں اور آپ کی دعوت عمدہ ہے لیکن ہمیں یہ بتائیے کہ ہمارے سابقہ گناہوں کا کفارہ کیا ہوگا؟ تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ (فرقان:68) ''اور جو نہیں پوجتے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور خدا کو اور نہیں قتل کرتے اس نفس کو جس کو قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام کردیا ہے مگر حق کے ساتھ، اور نہ بدکاری کرتے ہیں)۔ اور یہ آیت بھی نازل ہوئی۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ...... رَّحْمَةِ اللّٰهِ مسلم، ابوداؤد اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے بروایت سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے(1)۔ اور پہلی آیت سے مراد یہ آیت کریمہ ہے: اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا (مریم:60) ''مگر جو تائب ہوئے اور ایمان لائے اور نیک عمل کئے)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت ثوبان مولیٰ رسول اللہ ﷺ بیان کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا: مجھے دنیا اور مافیہا سے یہ آیت زیادہ پسند ہے قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا...... تو ایک آدمی نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! جس نے شرک کیا ہو؟ یہ سن کر آپ ﷺ خاموش رہے اس آدمی نے تین مرتبہ یہی سوال کیا(2)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمرو بن عنبسہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک بوڑھا آدمی لاٹھی کے سہارے چلتا ہوا آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! مجھ سے فراڈ اور گناہ سرزد ہوئے ہیں کیا اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمادے گا؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا تو نے کلمہ شہادت نہیں پڑھا؟ اس نے عرض کی کیوں نہیں۔ اور میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تیری دغابازیاں اور گناہ معاف کردیئے گئے ہیں(3)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا آپ اس آیت کی تلاوت فرمارہے تھے: اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ (ہود:46) ''اس کے عمل اچھے نہیں''۔ اور اس آیت کو اس طرح پڑھتے ہوئے سنا۔ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ''وَلَا يُبَالِيْ'' اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ابوداؤد اور ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے ثابت حدیث سے روایت کیا ہے(4)۔

یہ ساری احادیث اس بات کی دلیل ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ توبہ کے ساتھ تمام گناہ معاف فرمادیتا ہے اور بندے کو اللہ کی رحمت سے ناامید نہیں ہونا چاہئے خواہ اس کے گناہ کتنے بڑے اور کتنے زیادہ کیوں نہ ہوں۔ رحمت اور توبہ کا دروازہ وسیع ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ (توبہ:104) ''کیا وہ نہیں جانتے کہ (اللہ تعالیٰ) ہی توبہ قبول فرماتا ہے اپنے بندوں سے''۔ اور فرمایا: وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (نساء:110) ''اور جو شخص کر بیٹھے برا کام یا ظلم کرے اپنے آپ پر پھر مغفرت مانگے اللہ تعالیٰ سے تو پائے گا اللہ تعالیٰ کو بڑا بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا''۔ اور منافقین کے بارے میں ارشاد فرمایا: اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا (نساء: 145-146) ''بے شک منافق سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے دوزخ (کے طبقوں) سے اور ہرگز نہ پائے گا تو ان کا کوئی مددگار مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کی اور اپنی اصلاح کرلی''۔ اور فرمایا: لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّاۤ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا

1۔ بخاری، جلد 6 صفحہ 157، فتح الباری تفسیر سورۂ زمر، جلد 8 صفحہ 549، مسلم کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 113، سنن ابی داؤد کتاب الفتن والملاحم، جلد 4 صفحہ 105، نسائی کتاب سنن کبریٰ کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 4 صفحہ 458

2۔ مسند امام احمد، جلد 5 صفحہ 275 3۔ مسند امام احمد، جلد 4 صفحہ 385 4۔ مسند امام احمد، جلد 6 صفحہ 454، نیز دیکھئے تفسیر سورۂ ہود آیت:46

عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (مائدہ:72) ''بے شک کافر ہو گئے وہ جنہوں نے (یہ) کہا کہ اللہ تیسرا ہے تین (خداؤں) سے اور نہیں ہے کوئی خدا مگر ایک اللہ اور اگر باز نہ آئے اس (قول باطل) سے جو وہ کہہ رہے ہیں تو ضرور پہنچے گا جنہوں نے کفر کیا ان میں سے دردناک عذاب''۔ اور فرمایا: اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (مائدہ:74) ''تو کیا نہیں رجوع کرتے اللہ کی طرف اور کیا نہیں بخشش طلب کرتے اس سے اور اللہ بہت بخشنے والا بڑا رحم کرنے والا ہے''۔ اور فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا (البروج:10) ''بے شک جن لوگوں نے ایذاء دی مومن مردوں اور مومن عورتوں کو پھر توبہ بھی نہ کی''۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: اس کے جود و کرم کی طرف دیکھو انہوں نے اس کے دوستوں کو قتل کر دیا اور وہ انہیں توبہ اور مغفرت کی طرف بلا رہا ہے۔ اس طرح کی آیات بہت سی ہیں۔ صحیحین میں حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس آدمی کا واقعہ بھی مذکور ہے جس نے ننانوے آدمیوں کو قتل کر دیا تھا پھر اپنے کئے پر شرمسار ہوا اور بنی اسرائیل کے ایک عابد سے جا کر پوچھا کہ کیا اس کے لئے توبہ کی گنجائش ہے؟ اس نے کہا نہیں تو اس نے اسے بھی قتل کر دیا۔ اس طرح سو کی تعداد پوری ہو گئی۔ پھر ایک اور عالم سے پوچھا کیا اس کے لئے توبہ ہے؟ اس نے جواب دیا تمہارے اور توبہ کے مابین کون حائل ہو سکتا ہے؟ پھر اسے اللہ والوں کی ایک بستی کی طرف جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ اس گاؤں کی طرف چل پڑا۔ لیکن راستے میں اسے موت آ گئی۔ چنانچہ رحمت اور عذاب کے فرشتوں میں آپس میں اختلاف ہوا تو اللہ عزوجل نے دونوں طرف کی زمین ناپنے کا حکم دیا کہ جس دیہات کے وہ قریب ہوا سی میں سے اس کا شمار ہو۔ لہٰذا زمین ناپی گئی تو نیک لوگوں کی بستی کی طرف ایک بالشت کم نکلی۔ چنانچہ اسے رحمت کے فرشتے لے گئے۔ یہ بھی مذکور ہے کہ وہ موت کے وقت سینے کے بل گھسٹ کر اس بستی کی طرف چلا جس میں اللہ کے عبادت گزار بندے رہتے تھے اور یہ بھی مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اچھے لوگوں کی بستی کو قریب ہو جانے اور دوسری بستی کو دور ہو جانے کا حکم دیا۔ اس حدیث کو انہی الفاظ کے ساتھ ہم نے دوسری جگہ ذکر کیا ہے(1)۔ علی بن ابی طلحہ نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو مغفرت کی طرف بلایا ہے جو یہ سمجھتے تھے کہ مسیح خدا ہے، یا یوں کہتے کہ مسیح خدا کا بیٹا ہے یا عزیر خدا کا فرزند ہے، یا یوں گمان کیا کہ اللہ فقیر ہے، یا یوں سمجھے کہ اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں، یا یہ دعویٰ کیا کہ تین خداؤں میں سے ایک اللہ ہے۔ ان سب کو اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہے ہیں: اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (مائدہ:74) ''تو کیا نہیں رجوع کرتے اللہ کی طرف اور کیا نہیں بخشش طلب کرتے اس سے اور اللہ بہت بخشنے والا بڑا رحم کرنے والا ہے''۔ پھر ان لوگوں کو توبہ کی طرف دعوت دی جنہوں نے اس سے بھی بڑی بات کہی تھی۔ جن کا یہ دعویٰ تھا کہ انا ربکم الاعلیٰ میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔ اور یہ کہتا تھا: مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ (قصص:38) ''میں تو نہیں جانتا کہ تمہارے لئے میرے سوا کوئی اور خدا ہے''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس اعلان کے بعد بھی اگر کوئی بندہ توبہ سے اللہ کے بندوں کو مایوس کرے تو اس نے کتاب اللہ کا انکار کیا۔ لیکن بندہ اس وقت تک توبہ نہیں کر سکتا جب تک اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہ فرمائے۔ طبرانی نے شعبی رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرماتے سنا: کتاب اللہ میں سب سے زیادہ عظیم آیت اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ (آل عمران:2) ''اللہ (وہ ہے کہ) کوئی عبادت کے لائق نہیں بغیر اس کے زندہ ہے سب کو زندہ رکھنے والا ہے'' یعنی آیت الکرسی ہے۔ اور خیر و شر کی سب سے زیادہ جامع آیت: اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ

1۔ بخاری، جلد 4 صفحہ 211، فتح الباری، کتاب الانبیاء، جلد 6 صفحہ 512، مسلم کتاب التوبہ، جلد 4 صفحہ 2119-2118

اَلْاِحْسَانِ (نحل:90) ''بیشک اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ ہر معاملہ میں انصاف کرو اور (ہر ایک کے ساتھ) بھلائی کرو''۔ اور سارے قرآن میں سب سے زیادہ خوشی کی آیت سورۂ غرف کی آیت قُلْ يٰعِبَادِيَ ...... ہے(1)۔ اور سب سے زیادہ ڈھارس دینے والی آیت: وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ (الطلاق:3-2) ''اور جو (خوش بخت) ڈرتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ سے، بنا دیتا ہے اللہ اس کے لئے نجات کا راستہ۔ اور اسے (وہاں سے) رزق دیتا ہے جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوتا'' ہے۔ یہ سن کر مسروق رحمۃ اللہ علیہ نے کہا آپ نے سچ فرمایا(2)۔

اَعمش رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا گزر کسی جگہ سے ہوا جہاں ایک قصہ گو (واعظ) لوگوں کو وعظ کر رہا تھا۔ آپ نے سن کر فرمایا: اے واعظ! تو کیوں لوگوں کو مایوس کر رہا ہے؟ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی قُلْ يٰعِبَادِيَ ......۔ (ابن ابی حاتم)۔

ان احادیث کا بیان جن میں مایوسی اور ناامید کی ممانعت ہے

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حسن سدوسی سے روایت کیا ہے کہ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس گیا۔ آپ نے فرمایا میں نے رسول اکرم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا: مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اگر تم گناہ کرتے رہو حتیٰ کہ تمہارے گناہ آسمان اور زمین کو بھر دیں پھر تم اللہ تعالیٰ سے استغفار کرو تو وہ تمہیں بخش دے گا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمد کی جان ہے! اگر تم خطائیں کرو ہی نہیں تو اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو لائے گا جو گناہ کریں اور پھر اللہ سے استغفار کریں تو وہ انہیں بخش دے(3)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے اپنے وصال کے وقت فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ حدیث سنی تھی اور آج تک تمہیں بیان نہیں کی۔ اب بیان کر رہا ہوں میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا: اگر تم گناہ نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو پیدا فرماتا جو گناہ کرتے تو اللہ تعالیٰ انہیں بخشتا(4)۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح میں اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے روایت کیا ہے(5)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: گناہ کا کفارہ ندامت ہے۔ اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو لائے گا جو گناہ کریں تو اللہ تعالیٰ انہیں بخش دے(6)۔ عبداللہ بن امام احمد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ اس گناہ گار کو پسند کرتا ہے جو بہت زیادہ توبہ کرنے والا ہے(7)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن عبید بن عمیر سے روایت کیا ہے کہ ابلیس ملعون نے عرض کی اے رب! تو نے آدم کی وجہ سے مجھے جنت سے نکالا اور میں تیرے غالب کئے بغیر اس پر غالب نہیں آسکتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جا تو اس پر مسلط ہے۔ اس نے عرض کی خدایا کچھ اور بھی عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کی کوئی اولاد نہیں ہوگی مگر تیری بھی اتنی ہی ہوگی۔ اس نے کہا مجھے مزید اضافہ فرما۔ ارشاد ہوا ان کے سینے تیرا گھر ہوں گے اور تو ان کے جسم میں خون کی طرح گردش کرے گا۔ اس نے التجا کی مزید عطا فرما۔ ارشاد ہوا: جا تو ان پر اپنے سوار اور پیادے دوڑا اور ان کے مال اور اولاد میں شریک ہو جا اور انہیں امید دلا۔ اور

1۔ یعنی سورۂ زمر اور یہ نام اس آیت سے نکالا گیا ہے۔ (لهم غرف من فوقها غرف) دیکھئے روح المعانی، جلد 23 صفحہ 223

2۔ طبرانی، المعجم الکبیر، جلد 9 صفحہ 143-142

3۔ مسند امام احمد، جلد 3 صفحہ 238

4۔ مسند امام احمد، جلد 5 صفحہ 414

5۔ مسلم، کتاب التوبہ، جلد 4 صفحہ 2106-2105، عارضۃ الاحوذی، ابواب الدعوات، جلد 13 صفحہ 59

6۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 289

7۔ مسند امام احمد، جلد 1 صفحہ 80

شیطان انہیں امنگیں نہیں دلاتا مگر دھوکہ۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی اے رب تو نے شیطان کو مجھ پر غلبہ دیا۔ اب میں تیرے بچائے بغیر اس سے بچ نہیں سکتا۔ ارشاد ہوا تیری جو اولاد ہوگی میں اس کے ساتھ ایک محافظ پیدا کروں گا جو اسے برے ہم نشینوں سے بچائے گا۔ آپ نے عرض کی اے رب کچھ اور عنایت فرما۔ ارشاد فرمایا ایک نیکی کا بدلہ دس گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ اور برائی کا بدلہ صرف ایک یا میں اسے معاف کردوں گا۔ آپ نے عرض کی اے رب مزید عطا فرما۔ ارشاد ہوا جب تک روح جسم میں ہے توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ آپ نے عرض کی اے رب مزید مہربانی فرما ارشاد ہوا: یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا...... محمد بن اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم کہا کرتے تھے کہ جو لوگ فتنہ میں پڑ گئے اللہ تعالیٰ ان کا فدیہ اور توبہ قبول نہیں فرمائے گا کیونکہ انہوں نے اللہ کو پہچانا اور کفار کی تکالیف برداشت نہ کر سکے اور کفر کی طرف لوٹ گئے۔ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں ہماری آیت کی تردید کر دی اور یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ سے لَا تَشْعُرُوْنَ تک کی آیات نازل ہوئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے میں نے اپنے ہاتھ سے یہ آیات لکھیں اور ہشام بن عاص کی طرف بھیج دیں۔ ہشام کا قول ہے کہ جب یہ خط مجھے ملا میں اس وقت ذی طوی میں تھا۔ میں انہیں بآواز بلند پڑھ رہا تھا اور انہیں سمجھ نہیں رہا تھا اور یہ عرض کر رہا تھا اے اللہ! مجھے ان کی سمجھ عطا فرما۔ چنانچہ اللہ نے میرے دل میں یہ بات ڈال دی کہ ان سے مراد ہم ہی ہیں اور ہمارے بارے میں ہی یہ نازل ہوئی ہیں۔ چنانچہ میں اپنے اونٹ کی طرف پلٹا اور اس پر بیٹھ کر آپ ﷺ سے مدینے میں جاملا۔

قولہ وَاَنِیْبُوْٓا اِلٰی رَبِّکُمْ...... اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جلد توبہ کرنے پر ابھار رہے ہیں کہ اللہ کی طرف توجہ کریں اور اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں۔ یعنی عذاب آنے سے قبل توبہ اور عمل صالح میں جلدی کریں اور جو قرآن ان پر اتارا گیا ہے اس کی اتباع کریں اس سے قبل کہ اچانک عذاب آجائے اور انہیں پتہ بھی نہ چلے۔

اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ یّٰحَسْرَتٰی...... یعنی قیامت کے دن توبہ اور انابت میں کمی کرنے والا مجرم حسرت سے کہے گا اور آرزو کرے گا کاش! وہ بھی محسنین، مخلصین اور اللہ کی اطاعت کرنے والوں سے ہوتا۔ وہ کہے گا میرا کام تو دنیا میں ہنسی مذاق، استہزاء، عدم یقین اور کسی بات کی تصدیق نہ کرنا تھا۔

اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰہَ ہَدٰىنِیْ...... الْمُحْسِنِیْنَ یعنی تو چاہے گا کہ اگر مجھے دنیا کی طرف لوٹایا جائے تو میں نیک کام کروں گا۔ علی بن ابی طلحہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ خبر دے رہے ہیں کہ بندے کیا کہیں گے؟ یہ پیشین گوئی کی جارہی ہے۔ اور ان کے قول اور عمل سے قبل ہی خبر دی جارہی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَا یُنَبِّئُکَ مِثْلُ خَبِیْرٍ (فاطر:14) "اور (حقیقت حال سے) تجھے کوئی آگاہ نہیں کرسکتا خدائے خبیر کی مانند"۔ اللہ تعالیٰ یہ فرمارہے ہیں کہ اگر انہیں واپس دنیا میں بھیج دیا جائے تو بھی ہدایت پر قادر نہ ہوں گے۔ چنانچہ فرمایا: وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ (الانعام:28) "اور اگر انہیں واپس بھیجا جائے (جیسے ان کی خواہش ہے) تو پھر بھی وہی کریں جس سے روکے گئے تھے اور بے شک وہ جھوٹے ہیں"۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہر دوزخی جنت میں اپنا ٹھکانہ دیکھتا ہے تو وہ کہتا ہے کاش اللہ مجھے ہدایت دیتا۔ یہ چیز اس کے لئے باعث حسرت ہوگی۔ فرمایا: اور ہر جنتی جہنم میں اپنا مقام دیکھ کر کہتا ہے اگر اللہ مجھے ہدایت نہ دیتا۔ فرمایا: وہ شکر ادا کر رہا ہوگا(1)۔ نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ابوبکر بن عیاش سے روایت کیا ہے(2)۔

1۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 512 — 2۔ تحفۃ الاشراف، جلد 9 صفحہ 374

جب گناہ گار لوگ دنیا کی طرف لوٹنے کی آرزو کریں گے اور خدا کی آیات کی تصدیق اور اس کے رسولوں کی اتباع نہ کرنے پر حسرت کا اظہار کریں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

بَلٰی قَدْ جَآءَتْكَ اٰیٰتِیْ...... مِنَ الْكٰفِرِیْنَ اے نادم ہونے والے دار! دنیا میں تیرے پاس میری نشانیاں آئیں۔ تیرے سامنے حجت قائم ہوئی لیکن تو نے تکذیب کی اور ان کی اتباع کی بجائے تکبر کیا۔ تو نے کفر اختیار کیا اور منکر رہا۔

وَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ تَرَى الَّذِیْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ؕ اَلَیْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِیْنَ ﴿۶۰﴾ وَ یُنَجِّی اللّٰهُ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۫ لَا یَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۶۱﴾

''اور روز قیامت آپ دیکھیں گے انہیں جو اللہ پر جھوٹ باندھتے تھے، اس حال میں کہ ان کے چہرے سیاہ ہوں گے کیا نہیں ہے جہنم میں ٹھکانا تکبر کرنے والوں کا؟ اور نجات دے گا اللہ تعالیٰ متقیوں کو کامیابی کے ساتھ۔ نہ چھوئے گی انہیں کوئی تکلیف اور نہ وہ غمگین ہوں گے''۔

اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ قیامت کے دن کچھ چہرے سیاہ ہوں گے اور کچھ سفید۔ اہل فرقت و اختلاف کے چہرے تو سیاہ پڑ جائیں گے اور اہل سنت و جماعت کے چہرے نورانی ہوں گے۔

كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ یعنی اللہ کا شریک ٹھہرانے اور اس کی اولاد مقرر کرنے کا دعویٰ کرنے والوں نے۔

وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ یعنی کذب و افتراء کی وجہ سے۔

اَلَیْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِیْنَ کیا قید خانے اور ٹھکانے کے اعتبار سے جہنم ان کے لئے کافی نہیں؟ تکبر، تجبر اور قبول حق سے انکار کی وجہ سے ان کے لئے ذلت اور رسوائی ہوگی۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تکبر کرنے والوں کا حشر روزِ قیامت انسانی شکل میں چیونٹیوں کی صورت میں ہوگا۔ ذلت و رسوائی سے ہر چیز انہیں روندتی چلی جائے گی حتیٰ کہ وہ آگ کے قید خانے میں داخل ہو جائیں گے۔ جو ایک وادی میں ہے جسے بولس کہتے ہیں یہ آگوں کی آگ ہے (یعنی ایسی آگ جو آگ کو لکڑی کی طرح جلائے گی) انہیں دوزخیوں کا لہو اور پیپ پلائی جائے گی۔ اور متقی لوگوں کو اللہ کے ہاں سعادت اور کامیابی ہوگی اور قیامت کے دن انہیں فزع اکبر (بڑی گھبراہٹ) نہیں ہوگی اور وہ ہر پریشانی سے امن میں ہوں گے۔ ہر شر سے دور اور ہر بھلائی کو حاصل کرنے والے ہوں گے۔

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ ۫ وَّ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ ﴿۶۲﴾ لَهٗ مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۳﴾ قُلْ اَفَغَیْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّیْۤ اَعْبُدُ اَیُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَ لَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْكَ وَ اِلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَىِٕنْ اَشْرَكْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۶۵﴾ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَ كُنْ مِّنَ الشّٰكِرِیْنَ ﴿۶۶﴾

''اللہ تعالیٰ پیدا کرنے والا ہے ہر چیز کا، اور وہی ہر چیز کا نگہبان ہے۔ وہی مالک ہے آسمانوں اور زمین کی کنجیوں کا۔ اور جو لوگ انکار کرتے ہیں اللہ کی آیتوں کا وہی لوگ خسارہ میں ہیں۔ آپ فرمائیے اے جاہلو! کیا تم مجھے حکم دیتے ہو کہ اللہ کے سوا

کسی اور کی عبادت کروں۔ اور بیشک وحی کی گئی ہے آپ کی طرف اور ان کی طرف جو آپ سے پہلے تھے۔ کہ اگر (بفرض محال) آپ نے بھی شرک کیا تو ضائع ہو جائیں گے آپ کے اعمال اور آپ بھی خاسرین میں سے ہو جائیں گے۔ بلکہ صرف اللہ کی ہی عبادت کیا کرو اور ہو جاؤ شکر گزاروں میں سے"۔

اللہ تعالیٰ یہ خبر دے رہا ہے کہ وہ تمام اشیاء کا خالق اور رب ہے۔ ان کا مالک اور تصرف کرنے والا ہے۔ ہر چیز اس کی تدبیر، قبضے اور ماتحتی میں ہے۔ مَقَالِیۡدُ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ فارسی میں چابیوں کو مقالید کہتے ہیں۔ قتادہ، ابن زید اور سفیان بن عیینہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے بھی یہی مروی ہے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مقالید سے مراد آسمانوں اور زمین کے خزانے ہیں۔ دونوں اقوال کے مطابق معنی یہی ہے کہ زمام امور اس کے ہاتھ میں ہے۔ اسی کے لئے بادشاہی اور حمد ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

بِاٰیٰتِ اللّٰهِ اللہ کی حجج اور براہین۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں بہت ہی غریب حدیث نقل کی ہے اور اس کی صحت میں بھی کلام ہے لیکن ہم اس کو ان کی اتباع میں ذکر کر دیتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے مَقَالِیۡدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ کی تفسیر کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا اے عثمان تم سے قبل کسی نے مجھ سے اس آیت کا مطلب نہیں پوچھا۔ اس کی تفسیر یہ کلمات ہیں:۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ، سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ، اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ، الْاَوَّلِ وَالْاٰخِرِ، وَالظَّاهِرِ وَالْبَاطِنِ، بِيَدِهِ الْخَيْرُ، يُحْيِي وَيُمِيْتُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔

اے عثمان! جو شخص اسے صبح کے وقت دس مرتبہ پڑھ لے اللہ تعالیٰ اسے چھ فضائل عطا فرماتا ہے۔ اول تو وہ شیطان اور اس کے لشکروں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ دوم اسے ایک قنطار اجر ملتا ہے۔ تیسرے جنت میں اس کا ایک درجہ بلند ہوتا ہے۔ چوتھے اس کا نکاح حور عین سے کر دیا جاتا ہے۔ پانچویں اس کے پاس بارہ فرشتے آتے ہیں۔ چھٹے اسے اتنا ثواب ملتا ہے جیسے کسی نے قرآن، تورات، انجیل اور زبور پڑھی ہو۔ پھر اس کے ساتھ ہی اے عثمان ایک حج مبرور اور مقبول عمرے کا ثواب ملتا ہے۔ اگر اسی دن اس کا انتقال ہو جائے تو اسے شہید کا رتبہ ملتا ہے۔ ابو یعلی موصلی نے بھی اسے روایت کیا ہے لیکن یہ بہت غریب ہے اور اس میں نکارت ہے۔ واللہ اعلم (1)۔

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ اس کے سبب نزول میں ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ مشرکین نے اپنی جہالت کی بناء پر آپ ﷺ کو اپنے معبودوں کی پرستش کی دعوت دی تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اسی طرح ایک اور آیت میں آتا ہے: وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (انعام: 88) "اور اگر وہ شرک کرتے تو ضرور ضائع ہو جاتا ان سے وہ (عمل) جو وہ کیا کرتے تھے"۔ ایک اور آیت میں ہے: بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ (زمر: 66) "بلکہ صرف اللہ کی ہی عبادت کیا کرو اور ہو جاؤ شکر گزاروں میں سے"۔ یعنی آپ اور آپ کے پیروکار خالص اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کریں۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ۚ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۷﴾

"اور نہ قدر پہچانی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی جس طرح قدر پہچاننے کا حق تھا اور (اس کی شان تو یہ ہے) ساری زمین اس کی

1۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 243، مسند ابو یعلی الموصلی، جلد 1 صفحہ 166-165

مٹھی میں ہوگی قیامت کے دن اور سارے آسمان لپٹے ہوئے اس کے دائیں ہاتھ میں ہوں گے۔ پاک ہے وہ ہر عیب سے اور برتر ہے لوگوں کے شرک سے"۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرمارہے ہیں کہ مشرکین نے اللہ کے ساتھ دوسروں کو معبود ٹھہرا کر اس کی قدر نہیں پہچانی۔ وہ عظیم ہے جس سے زیادہ عظمت والا کوئی نہیں۔ ہر چیز پر قادر اور ہر چیز کا مالک ہے۔ ہر چیز اس کی قدرت کے تحت ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ آیت قریش کے بارے میں نازل ہوئی۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ انہوں نے اس کی تعظیم کا حق ادا نہیں کیا محمد بن کعب کا قول ہے کہ اگر وہ اس کی قدر اس طرح پہچانتے جس طرح قدر پہچاننے کا حق تھا تو تکذیب نہ کرتے۔ علی بن ابی طلحہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ کفار ہیں جو اللہ کی قدرت پر ایمان نہیں لائے۔ جو اس بات پر ایمان لایا کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے تو اس نے اللہ کو اس طرح پہچاننے کا حق ادا کر دیا جس طرح اسے پہچاننے کا حق تھا۔ اور جو اس پر ایمان نہیں لایا اس نے اللہ کی قدر نہیں پہچانی۔ اس آیت کے متعلق بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ اس جیسی آیات کے بارے میں سلف صالحین کا یہی مسلک رہا ہے کہ جن الفاظ سے یہ آیات وارد ہوئی ہیں بغیر تکییف اور تحریف کے انہیں اسی طرح مان لینا۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ یہود کا ایک بہت بڑا عالم آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور کہنے لگا اے محمد! ہم اپنی کتابوں میں پاتے ہیں کہ اللہ عزوجل آسمانوں کو ایک انگلی پر، زمینوں کو ایک انگلی پر، درختوں کو ایک انگلی پر، پانی اور مٹی کو ایک انگلی اور تمام مخلوقات کو ایک انگلی پر رکھ لے گا اور فرمائے گا میں بادشاہ ہوں۔ حضور ﷺ اس کی اس بات کی تصدیق میں ہنس دیئے حتیٰ کہ آپ ﷺ کے دانت ظاہر ہو گئے۔ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ ...... يَوْمَ الْقِيٰمَةِ الآیہ (1)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح میں ایک دوسری جگہ بھی اور امام احمد، مسلم، ترمذی اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی اسے ابن مسعود سے روایت کیا ہے (2)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور سند سے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اہل کتاب میں سے ایک شخص نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور کہنے لگا اے ابو القاسم! کیا آپ کو خبر ملی ہے کہ اللہ مخلوقات کو ایک انگلی پر اٹھا لے گا، آسمانوں کو ایک انگلی پر...... الخ (اس روایت کے آخر میں ہے کہ) رسول اللہ ﷺ ہنس پڑے حتیٰ کہ آپ کے دانت ظاہر ہو گئے تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ سے تا آخر الآیۃ (3)۔ بخاری، مسلم اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسی طرح روایت کیا ہے (4)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک یہودی رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزرا۔ آپ تشریف فرما تھے۔ وہ کہنے لگا: اے ابو القاسم! آپ کیا فرماتے ہیں جس دن اللہ سبحانہ وتعالیٰ آسمان کو اس پر رکھ لے گا (اور شہادت کی انگلی کی طرف اشارہ کیا) اور پہاڑوں کو اس پر اور تمام مخلوق کو اس پر اور ساتھ ساتھ انگلیوں کے ساتھ اشارہ کرتا جاتا تھا۔ تو یہ آیت نازل ہوئی (5)۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر میں اسے روایت کیا ہے اور

1۔ مرجع مذکور، بخاری، جلد 6 صفحہ 175

2۔ بخاری، جلد 8 صفحہ 184، فتح الباری، تفسیر سورۂ زمر، جلد 8 صفحہ 551-550، کتاب التوحید، جلد 13 صفحہ 438-393، مسند امام احمد، جلد 1 صفحہ 429، مسلم، کتاب صفات القیامۃ، جلد 4 صفحہ 2147، عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ زمر، جلد 12 صفحہ 119، نسائی، سنن کبریٰ، بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 7 صفحہ 92

3۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 378

4۔ فتح الباری، کتاب التوحید، جلد 13 صفحہ 393، مسلم، کتاب صفات القیامۃ، جلد 4 صفحہ 2148، نسائی، سنن کبریٰ، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 7 صفحہ 100

5۔ مسند امام احمد، جلد 1 صفحہ 324

اسے صحیح غریب قرار دیا ہے(1)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ زمین کو ایک انگلی پر لپیٹ لے گا اور آسمان کو لپیٹ کر اپنے داہنے ہاتھ میں۔ پھر فرمائے گا میں ہوں بادشاہ! زمین کے بادشاہ کہاں ہیں؟ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ایک اور سند سے روایت کیا ہے(2)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور جگہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ روز قیامت زمینوں کو اپنی انگلی پر رکھ لے گا اور آسمان آپ کے داہنے ہاتھ میں ہوں گے۔ پھر فرمائے گا میں ہوں بادشاہ۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ایک اور سند سے روایت کیا ہے(3)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ایک دوسری سند سے ذرا تفصیل سے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن منبر پر یہ آیت تلاوت فرمائی اور آپ ﷺ ہاتھ کو آگے پیچھے ہلاتے جاتے اور فرماتے جاتے: "اللہ تعالیٰ اپنی بزرگی فرمائے گا کہ میں جبار ہوں، میں متکبر ہوں، میں غالب بادشاہ ہوں۔ میں کریم ہوں۔" آپ کے اس بیان کے وقت منبر ہلنے لگا حتیٰ کہ ہم نے خیال کیا کہ آپ ﷺ منبر سمیت گر نہ پڑیں(4)۔ مسلم، نسائی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ میں نے عبداللہ بن عمر کی طرف دیکھا کہ کس طرح نبی کریم ﷺ کی حکایت بیان فرماتے ہیں...... الخ۔ بزار رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی اور منبر ہلنے لگا اور آپ تین مرتبہ آئے گئے۔ امام حافظ ابوالقاسم طبرانی نے اسے عبیداللہ بن عمرو سے روایت کیا ہے اور صحیح قرار دیا ہے۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے معجم کبیر کی روایت میں حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن اپنے کچھ صحابہ سے فرمایا: آج میں سورۂ زمر کی آخری آیات تم پر تلاوت کرنے والا ہوں۔ جسے تم میں سے رونا آ گیا اس کے لئے جنت واجب ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ سے آخر سورت تک آیات تلاوت فرمائیں۔ ہم میں سے بعض روئے اور بعض کو رونا نہ آیا۔ جو رو نہیں سکے تھے انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! ہمیں انتہائی کوشش کے باوجود رونا نہیں آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اچھا میں پھر یہ آیات پڑھوں گا جسے رونا نہ آئے وہ رونی صورت بنا کر بتکلف رونے کی کوشش کرے۔ یہ حدیث بہت غریب ہے۔ اس سے بھی غریب معجم کبیر کی ہی ایک دوسری روایت ہے۔ ابو مالک اشعری سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تین چیزیں میں نے اپنے بندوں سے چھپائی ہوئی ہیں۔ اگر آدمی انہیں دیکھ لے تو کبھی برائی نہ کرے۔ اگر میں پردہ ہٹا دیتا اور وہ مجھے دیکھ لیتا تو وہ یہ یقین کر لیتا اور جان لیتا کہ میں اپنی مخلوق سے کیا سلوک کروں گا جب میں ان کے پاس آؤں گا اور آسمانوں کو اپنے قبضے میں لے لوں گا پھر زمین کو اپنی مٹھی میں لے لوں گا۔ پھر میں کہوں گا میں ہوں بادشاہ۔ میرے سوا کون ہے جس کی بادشاہی ہے۔ پھر میں انہیں جنت اور جو بھلائیاں میں نے اس میں تیار کی ہیں انہیں دکھاؤں گا۔ وہ یقین کے ساتھ انہیں خوب اچھی طرح دیکھ لیں گے۔ پھر انہیں جہنم اور اس کے عذابوں کا مشاہدہ کراؤں گا حتیٰ کہ انہیں یقین آ جائے۔ لیکن میں نے عمداً یہ چیزیں ان سے پوشیدہ کر رکھی ہیں تاکہ میں جان لوں کہ وہ کس طرح عمل کرتے ہیں حالانکہ میں نے یہ سب چیزیں ان کے لئے بیان کر دی ہیں(5)۔ اس کی سند

1۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ زمر، جلد 12 صفحہ 121-120

2۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ زمر، جلد 8 صفحہ 551، مسلم، کتاب صفات القیامۃ، جلد 4 صفحہ 2149-2148

3۔ فتح الباری، کتاب التوحید، جلد 13 صفحہ 393، مسلم، کتاب صفات القیامۃ، جلد 4 صفحہ 2149-2148

4۔ مسند امام احمد، جلد 2 صفحہ 72، مسلم، کتاب صفات القیامۃ، جلد 4 صفحہ 2149-2148 نسائی: سنن کبریٰ، کتاب النعوت، بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 6 صفحہ 5 سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2 صفحہ 1429

5۔ درمنثور، جلد 5 صفحہ 335، جلد 7 صفحہ 248، المعجم الکبیر، جلد 2 صفحہ 348

متقارب ہے اور اس نسخے سے بہت سی احادیث روایت کی جاتی ہیں، واللہ اعلم۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۖ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ﴿٦٨﴾ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٦٩﴾ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿٧٠﴾

''اور پھونکا جائے گا صور، پس غش کھا کر گر پڑے گا جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے۔ بجز ان کے جنہیں اللہ چاہے گا (کہ بیہوش نہ ہوں) پھر دوبارہ (جب) اس میں پھونکا جائے گا تو اچانک وہ کھڑے ہو کر (حیرت سے) دیکھنے لگ جائیں گے۔ اور جگمگا اٹھے گی زمین اپنے رب کے نور سے۔ اور رکھ دیا جائے گا دفتر عمل اور حاضر کئے جائیں گے انبیاء اور (دوسرے) گواہ اور فیصلہ کر دیا جائے گا ان کے درمیان انصاف سے اور ان پر (رتی بھر) ظلم بھی نہیں کیا جائے گا۔ اور پورا پورا بدلہ دیا جائے گا ہر شخص کو جو اس نے کیا تھا اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کام لوگ کرتے ہیں''۔

قیامت کی ہولناکی اور اس میں جو عظیم واقعات اور شدید زلزلے ہوں گے ان کا بیان ہو رہا ہے۔ یہ دوسرا نفخہ (صور پھونکنا) ہے۔ یعنی نفخہ صعق، جس سے آسمانوں اور زمین والوں سے ہر ایک مر جائے گا مگر جسے اللہ چاہے۔ جس کی تصریح صور والی مشہور حدیث میں ہے(1)۔ پھر باقی کی ارواح قبض کر لی جائیں گی حتیٰ کہ سب سے آخر میں خود ملک الموت کو بھی موت آ جائے گی۔ صرف حی وقیوم خدا باقی رہ جائے گا جو اول بھی تھا اور آخر میں بھی دوام اور بقاء اسی کو ہے اور تین مرتبہ یہ ارشاد فرمائے گا: لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ (غافر:16) ''کس کی بادشاہی ہے آج؟''۔ پھر خود ہی یہ فرمائے گا: لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (غافر:16) ''(کسی کی نہیں) صرف اللہ کی جو واحد (اور) قہار ہے)۔ میں ہی اکیلا تھا۔ ہر چیز کو میں نے اپنی ماتحتی میں لے رکھا ہے اور ہر چیز کو فناء کا حکم دے دیا ہے پھر سب سے پہلے اسرافیل کو زندہ فرمائے گا۔ اسی کے حکم سے وہ دوبارہ صور پھونکیں گے۔ یہ نفخہ ثالثہ (تیسرا صور) ہوگا یعنی نفخہ بعث، جس سے سب زندہ ہو جائیں گے۔

قولہ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى...... يَّنْظُرُوْنَ یعنی سب زندہ ہو جائیں گے، اس کے بعد کہ وہ ہڈیاں اور گل سڑ چکے تھے زندہ ہو کر قیامت کی ہولناکیوں کا مشاہدہ کریں گے جیسے فرمایا: فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۙ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ (النازعات:14-13) ''(پس اس واپسی کے لئے) تو فقط ایک جھڑک کافی ہے۔ پھر وہ فوراً کھلے میدان میں جمع ہو جائیں گے''۔ ایک اور آیت میں آتا ہے: يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا (الاسراء:52) ''اس دن کو یاد کرو جب تمہیں اللہ تعالیٰ بلائے گا۔ سو تم اس کی حمد کرتے ہوئے جواب دو گے اور یہ گمان کر رہے ہو گے کہ تم نہیں ٹھہرے (دنیا میں) مگر تھوڑا عرصہ''۔ اور فرمایا: وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ۭ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ڰ مِّنَ الْاَرْضِ ڰ اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ (الروم:25) ''اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ قائم ہے آسمان اور زمین اس کے حکم سے۔ پھر جب بلائے گا تمہیں زمین سے تو تم فوراً باہر نکل آؤ گے''۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے عروہ بن مسعود سے روایت کیا ہے کہ میں نے ایک آدمی کو سنا وہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے کہہ رہا تھا۔ آپ فرماتے ہیں اتنے اتنے وقت تک

1۔ حدیث صور کے لئے دیکھئے سورۂ نساء، آیت:149، سورہ کہف آیت:99، سورۂ نمل آیت:87

قیامت آجائے گی۔ آپ نے (ناراض ہوکر) فرمایا میں چاہتا ہوں کہ تمہیں کوئی حدیث بیان نہ کروں۔ میں نے تو کہا تھا کہ تھوڑی مدت میں تم عظیم امر دیکھو گے۔ پھر حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہما نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا میری امت میں دجال آئے گا۔ وہ چالیس تک رہے گا۔ میں نہیں جانتا چالیس یوم یا چالیس مہینے یا چالیس سال یا چالیس راتیں۔ پھر اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمائے گا۔ آپ کی صورت گویا عروہ بن مسعود ثقفی کی طرح ہے۔ آپ غالب آئیں گے اور اللہ تعالیٰ دجال کو ہلاک فرمادے گا۔ پھر لوگ سات سال تک رہیں گے اس طرح کہ دو افراد کے مابین بھی کوئی عداوت نہیں ہوگی۔ پھر اللہ تعالیٰ شام کی طرف سے ایک ٹھنڈی ہوا چلائے گا۔ جس کے دل میں ایک چیونٹی کے برابر بھی ایمان ہوگا اسے موت آجائے گی۔ حتیٰ کہ اگر کوئی پہاڑ کے سینے میں بھی ہوگا تو یہ ہوا اس تک بھی پہنچ جائے گی۔ فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا۔ اور بدترین لوگ باقی رہ جائیں گے جو اپنی کمینگی میں پرندوں کی طرح ہلکے، کم عقلی میں درندوں کی طرح بے وقوف ہوں گے، نیکی کو نہ جانتے ہوں گے نہ برائی کو برا سمجھیں گے۔ شیطان ان کے پاس آئے گا اور انہیں کہے گا تم میری بات نہیں مانتے۔ چنانچہ وہ انہیں بت پرستی کا حکم دے گا اور وہ بتوں کو پوجنا شروع کر دیں گے۔ اس حالت میں بھی ان کی روزی وافر اور معاش میں کشادگی ہوگی۔ پھر صور پھونکا جائے گا جو اسے سنے گا وہ اپنی گردن کی ایک جانب تو جھکائے گا اور دوسری جانب اٹھا دے گا (یعنی بے ہوش ہو جائے گا)۔ سب سے پہلے اسے جو آدمی سنے گا وہ اپنا حوض لیپ پوت رہا ہوگا (یعنی اچانک قیامت قائم ہو جائے گی)۔ وہ غش کھا کر گر پڑے گا۔ پھر ہر شخص بے ہوش ہو جائے گا پھر اللہ تعالیٰ بارش برسائے گا جو شبنم کی طرح ہوگی۔ اس سے لوگوں کے جسم اگ آئیں گے۔ پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا۔ تو لوگ اٹھ کر بیٹھ جائیں گے اور ادھر ادھر دیکھنے لگیں گے۔ پھر کہا جائے گا اے لوگو اپنے رب کی طرف چلو۔ وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ (الصافات: 24)" اور (اب ذرا) روک لو انہیں، ان سے باز پرس کی جائے گی)۔ پھر کہا جائے گا آگ کا حصہ نکال دو۔ عرض کیا جائے گا کتنے؟ ارشاد ہوگا ہر ہزار سے نو سو ننانوے۔ اس دن بچے بوڑھے ہو جائیں گے۔ اور پنڈلی سے پردہ سرکا یا جائے گا (مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح میں روایت کیا ہے)(1)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا کہ دو نفخوں کے درمیان چالیس ہوں گے۔ عرض کی گئی اے ابو ہریرہ کیا چالیس دن؟ آپ نے فرمایا میں نہیں کہہ سکتا۔ عرض کی گئی چالیس سال؟ فرمایا میں نہیں کہہ سکتا عرض کی گئی چالیس ماہ؟ فرمایا میں نہیں کہہ سکتا اور انسان کی ہر چیز گل سڑ جائے گی مگر ریڑھ کی ہڈی۔ اسی سے مخلوق ترتیب دی جائے گی(2)۔ ابو یعلی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا میں نے جبریل سے پوچھا اس آیت میں جو استثناء ہے اس سے مراد کون لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ بے ہوش کرنا نہیں چاہے گا۔ فرمایا شہداء یہ عرش کے ارد گرد اپنی تلواریں لٹکائے ہوئے ہوں گے۔ فرشتے انہیں قیامت کے دن یاقوت کی اونٹنیوں پر محشر کی طرف لے جائیں گے۔ ان کے گدے ریشم سے بھی نرم ہوں گے۔ تا حد نگاہ ان کا ایک قدم ہوگا۔ وہ جنت میں سیر و سیاحت کریں گے پھر کہیں گے۔ چلو اپنے رب کی طرف تا کہ ہم دیکھیں کہ وہ اپنی مخلوق کے مابین کس طرح فیصلے کرتا ہے۔ اللہ رب العزت ان کی اس بات سے ہنس پڑے گا اور جب وہ کسی بندے پر کسی جگہ تبسم فرمالے اس کا حساب نہیں ہوگا(3)۔ اس کے کل راوی ثقہ ہیں مگر اسماعیل بن عیاش کے استاد غیر معروف ہیں، واللہ اعلم۔

1۔ مسند امام احمد، جلد 2 صفحہ 166، مسلم کی حدیث سورۂ نمل کی آیت 87 میں گزر چکی ہے۔
2۔ فتح الباری تفسیر سورۂ زمر، جلد 8 صفحہ 552-551
3۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 250-249

وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے فیصلے کے لئے آئے گا۔ حق تعالیٰ کی تجلی سے اس وقت ساری زمین جگمگا اٹھے گی۔

وَوُضِعَ الْکِتٰبُ یعنی نامہ اعمال لائے جائیں گے۔

وَجِایْٓءَ بِالنَّبِیّٖنَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ اپنی امتوں کے خلاف گواہی دیں گے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رسالت ان تک پہنچادی تھی۔

وَالشُّھَدَآءِ یعنی بندوں کے نیک وبد اعمال کے محافظ فرشتے۔

وَقُضِیَ بَیْنَھُمْ بِالْحَقِّ اورعدل وانصاف کے ساتھ ان کے درمیان فیصلے کئے جائیں گے۔

وَھُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشادفرمایا: وَنَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ لِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَیْئًا ؕ وَاِنْ کَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَیْنَا بِھَا ؕ وَکَفٰی بِنَا حٰسِبِیْنَ (انبیاء:47) ''اور ہم رکھ دیں گے صحیح تولنے والے ترازو قیامت کے دن پس ظلم نہ کیا جائے کسی پر ذرہ بھر۔ اور اگر (کسی کا کوئی عمل) رائی کے دانے کے برابر بھی ہوگا تو ہم اسے بھی لا حاضر کریں گے۔ اور ہم کافی ہیں حساب کرنے والے''۔ اور فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَکُ حَسَنَةً یُّضٰعِفْھَا وَیُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِیْمًا (نساء:40) ''بے شک اللہ تعالیٰ ظلم نہیں کرتا ذرہ برابر بھی۔ (بلکہ) اگر ہو معمولی سی نیکی تو دوگنا کر دیتا ہے اسے اور دیتا ہے اپنے پاس سے اجر عظیم''۔ اور فرمایا کہ ہر شخص کو اس کے بھلے برے عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ وہ ہر شخص کے اعمال سے باخبر ہے۔

وَسِیْقَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِلٰی جَھَنَّمَ زُمَرًا ؕ حَتّٰٓی اِذَا جَآءُوْھَا فُتِحَتْ اَبْوَابُھَا وَقَالَ لَھُمْ خَزَنَتُھَآ اَلَمْ یَاْتِکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یَتْلُوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِ رَبِّکُمْ وَیُنْذِرُوْنَکُمْ لِقَآءَ یَوْمِکُمْ ھٰذَا ؕ قَالُوْا بَلٰی وَلٰکِنْ حَقَّتْ کَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ ﴿۷۱﴾ قِیْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَھَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَی الْمُتَکَبِّرِیْنَ ﴿۷۲﴾

''اور ہانکے جائیں گے کفار جہنم کی طرف گروہ در گروہ۔ جب اس کے پاس آئیں گے تو کھول دیئے جائیں گے اس کے دروازے اور پوچھیں گے ان سے دوزخ کے پہریدار کیا نہیں آئے تھے تمہارے پاس پیغمبر تم میں سے جو پڑھ کر سناتے تمہیں تمہارے رب کی آیتیں اور ڈراتے تمہیں اس دن کی ملاقات سے کہیں گے بیشک آئے تھے لیکن ثبت ہو چکا تھا (لوح محفوظ میں) عذاب کا حکم کفار پر۔ انہیں کہا جائے گا داخل ہو جاؤ دوزخ کے دروازوں سے اس حال میں کہ تم ہمیشہ اس میں رہو گے۔ پس کتنا برا ٹھکانا ہے مغروروں کا''۔

بدنصیب کفار کا بیان ہو رہا ہے کہ وہ کس طرح ذلت اور رسوائی سے آگ کی طرف ہانکے جائیں گے۔ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: یَوْمَ یُدَعُّوْنَ اِلٰی نَارِ جَھَنَّمَ دَعًّا (طور:13) ''اس روز انہیں دھکے دے کر آتش جہنم میں پھینک دیا جائے گا''۔ یعنی انہیں دھکے دیئے جائیں گے اور وہ پیاس سے تڑپ رہے ہوں گے۔ جیسے ایک اور آیت میں فرمایا: یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِیْنَ اِلَی الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴿۸۵﴾ وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِیْنَ اِلٰی جَھَنَّمَ وِرْدًا (مریم:86) ''وہ دن جب ہم اکٹھا کریں گے پرہیزگاروں کو رحمٰن کے حضور میں (معزز ومکرم مہمان بنا کر) اور

اس روز ہانک کر لائیں گے مجرموں کو جہنم کی طرف پیاسے جانوروں کی طرح''۔ اس حال میں وہ گونگے، بہرے، اندھے ہوں گے اور منہ کے بل گھسیٹے جا رہے ہوں گے جیسے فرمایا: وَ نَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّ بُكْمًا وَّ صُمًّا ؕ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا (الاسراء: 97) ''اور ہم اٹھائیں گے انہیں قیامت کے روز منہ کے بل اس حال میں کہ وہ اندھے، گونگے اور بہرے ہوں گے۔ ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ جب بھی سرد ہونے لگے گی (جہنم کی آگ) تو ہم ان کے لئے اس کی آنچ کو بڑھا دیں گے''۔

قولہ حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا...... یعنی ان کے قریب پہنچتے ہی دروازے جلدی سے کھول دیئے جائیں گے تاکہ فوراً ہی عذاب نار شروع ہو جائے۔ پھر وہاں کے محافظ فرشتے انہیں ڈانٹ کر اور جھڑک کر کہیں گے: کیا تمہارے پاس تمہاری ہی طرح کے رسول نہیں آئے تھے جن سے تم گفتگو کر سکتے اور اپنی تسلی کر سکتے۔ انہوں نے خدا کی آیتیں تمہیں پڑھ کر سنائیں اور اپنے دعویٰ کی صحت پر دلیلیں قائم کیں اور اس دن کے شر سے تمہیں ڈرایا تو کفار انہیں کہیں گے ہاں یہ سچ ہے کہ وہ ہمارے پاس آئے تھے انہوں نے دلیلیں بھی قائم کیں۔

وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ لیکن ہم نے انہیں جھٹلایا اور ان کی مخالفت کی کیونکہ ہماری قسمت میں شقاوت تھی۔ اس لئے ہم حق سے ہٹ گئے اور باطل کے طرفدار بن گئے۔ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: كُلَّمَاۤ اُلْقِیَ فِیْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَاۤ اَلَمْ یَاْتِكُمْ نَذِیْرٌ ۟ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِیْرٌ ۙ۬ فَكَذَّبْنَا وَ قُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ ۖۚ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ كَبِیْرٍ ۟ وَ قَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِیْۤ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ (الملک: 10-8) ''جب بھی اس میں کوئی جتھا جھونکا جائے گا تو ان سے دوزخ کے محافظ پوچھیں گے کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا۔ وہ کہیں گے کیوں نہیں بے شک ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تھا۔ پس ہم نے اس کو جھٹلایا اور ہم نے اس کو (صاف صاف) کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے تو کوئی چیز نہیں اتاری۔ تم لوگ کھلی گمراہی میں مبتلا ہو۔ وہ کہیں گے کاش! ہم (ان کی نصیحت کو) سنتے اور سمجھتے تو (آج) ہم دوزخیوں میں نہ ہوتے''۔ وہ اپنے آپ کو ہی ملامت کریں گے اور اظہار ندامت کریں گے: فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِیْرِ (الملک: 11) ''پس (اس روز) اپنے گناہوں کا اعتراف کریں گے تو پھٹکار ہو اہل جہنم پر''۔ یعنی دوری اور خسارہ ہو۔

قولہ تعالیٰ قِیْلَ ادْخُلُوْۤا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ یعنی ہر وہ شخص جو انہیں دیکھے گا اور ان کی حالت معلوم کرے گا۔ ان کے بارے میں گواہی دے گا اور صراحتاً یہ کہہ اٹھے گا کہ بے شک یہ اسی عذاب کے مستحق ہیں۔ اسی لئے کہنے والے کا نام نہیں لیا گیا اور اسے مطلق چھوڑا گیا تاکہ اس بات کی دلیل ہو جائے کہ کائنات ان کے بارے میں گواہی دے گی کہ وہ اسی سزا کے حقدار تھے، جس طرح کہ اس عادل و خبیر نے ان کے بارے میں گواہی دی ہے۔

خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وہ ہمیشہ اس میں جلتے رہیں گے نہ اس سے نکل سکیں گے اور نہ ہی یہ عذاب ان سے ختم ہوگا۔

فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِیْنَ یعنی کیا ہی برا ٹھکانہ اور انجام ہوگا۔ یہ ہے دنیا میں تمہارے تکبر اور حق کو قبول نہ کرنے کا بدلہ جس نے تمہیں اس برے مقام پر پہنچایا۔ کتنا ہی برا حال ہے اور کیا ہی عبرت ناک انجام ہے۔

وَسِیْقَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْهَا وَ فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَ قَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِیْنَ ۟ وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَ اَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَیْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ۟

"اور لے جایا جائے گا انہیں جو ڈرتے رہے تھے (عمر بھر) اپنے رب سے جنت کی طرف گروہ در گروہ۔ حتیٰ کہ جب وہ وہاں پہنچیں گے اور جنت کے دروازے پہلے ہی کھول دیئے گئے ہوں گے تو کہیں گے انہیں جنت کے محافظ تم پر سلام ہو تم خوب رہے پس اندر تشریف لے چلو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔ اور وہ (خوش بخت) کہیں گے ساری تعریفیں اس اللہ (کریم) کے لئے جس نے پورا فرمایا ہمارے ساتھ اپنا وعدہ اور وارث بنا دیا ہمیں اس (پاک) زمین کا، اب ہم ٹھہریں گے جنت میں جہاں چاہیں گے۔ پس کتنا عمدہ اجر ہے نیک کام کرنے والوں کا۔"

اب سعادت مند مومنین کا ذکر ہو رہا ہے کہ انہیں اونٹنیوں پر سوار کر کے گروہ در گروہ جنت کی طرف لے جایا جائے گا۔ پہلے مقربین پھر ابرار اور اسی طرح درجہ بدرجہ۔ ہر گروہ اپنے مناسب حال لوگوں کے ساتھ ہوگا۔ انبیاء انبیاء کے ساتھ۔ صدیقین اپنے جیسوں کے ہمراہ۔ شہیدا اپنے جیسے لوگوں کے ساتھ، علماء اپنے ساتھیوں کی معیت میں، غرضیکہ ہر صنف اپنے ہم جنس لوگوں کے ساتھ ہوگی۔

حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا یعنی پل صراط عبور کرنے کے بعد جب وہ جنت کے پاس پہنچیں گے تو جنت اور دوزخ کے درمیان ایک پل پر روک دیئے جائیں گے اور دنیا میں ایک دوسرے پر ان کے جو مظالم ہوں گے ان کا بدلہ لیا جائے گا۔ حتیٰ کہ جب وہ پاک صاف ہو جائیں گے تو انہیں جنت میں داخلے کا حکم ملے گا۔ صور کی مفصل حدیث میں ہے کہ مومنین جب جنت کے دروازے پر پہنچیں گے تو آپس میں مشورہ کریں گے کہ سب سے پہلے کسے اجازت طلب کرنے کے لئے کہا جائے۔ چنانچہ وہ پہلے حضرت آدم پھر حضرت نوح، پھر حضرت ابراہیم، پھر حضرت موسیٰ، پھر حضرت عیسیٰ علیہم السلام پھر حضرت محمد ﷺ کے پاس آئیں گے، جیسے میدان حشر میں شفاعت طلب کرنے کے موقع پر انہوں نے کیا تھا۔ مقصد یہ ہے کہ جناب احمد مجتبیٰ علیہ التحیۃ والثناء کا شرف تمام لوگوں پر موقعہ بموقعہ ظاہر ہو جائے۔ صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں جنت کے بارے میں پہلا سفارشی ہوں گا۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت کے الفاظ میں "میں سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا" (1)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن میں جنت کے دروازے پر آ کر دروازہ کھلوانا چاہوں گا۔ خازن جنت یہ پوچھے گا کہ آپ کون ہیں؟ میں کہوں گا محمد (ﷺ)۔ وہ کہے گا مجھے یہی حکم تھا کہ آپ کی تشریف آوری سے قبل جنت کا دروازہ کسی کے لئے نہ کھولوں۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے روایت کیا ہے (2)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پہلی جماعت جو سب سے پہلے جنت جائے گی ان کے چہرے چودہویں کے چاند کی طرح چمک رہے ہوں گے۔ تھوک، رینٹ اور پیشاب کی حاجت یہاں نہیں ہوگی۔ ان کے برتن اور سامان آرائش سونے اور چاندی کا ہوگا۔ ان کی انگیٹھیوں میں بہترین اگر خوشبو دے رہا ہوگا۔ ان کا پسینہ کستوری کی طرح ہوگا۔ ان میں سے ہر ایک کی دو بیویاں ہوں گی۔ جن کی پنڈلی کا گودا بوجہ حسن و لطافت گوشت کے پیچھے سے نظر آ رہا ہوگا۔ ان کے درمیان اختلاف اور نفرت نہ ہوگی۔ ان کے دل ایک جیسے ہوں گے یعنی جس طرح ایک شخص کا دل ہوتا ہے۔ صبح و شام اللہ کی تسبیح کریں گے۔ بخاری، مسلم اور ابو الزناد رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے روایت کیا ہے (3)۔ مسند ابو یعلی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سب سے پہلے جو جماعت جنت میں جائے گی ان کے چہرے

1۔ مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 188
2۔ مسند امام احمد، جلد 2 صفحہ 316، مسلم کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 188
3۔ دیکھئے تفسیر سورۂ مریم آیت 62، نیز مسند، جلد 2 صفحہ 316

چودھویں کے چاند کی طرح ہوں گے۔ اس کے بعد والی جماعت کے چہرے آسمان پر بہترین چمکتے ستارے کی طرح (اس کے بعد اوپر والی روایت کی طرح بیان ہوا ہے اور یہ بھی ہے کہ) وہ اپنے باپ آدم کی طرح ہوں گے ان کا قد ساٹھ ہاتھ ہوگا(1)۔ شیخین کی ہی ایک اور روایت میں ہے کہ میری امت کی ایک جماعت جس کی تعداد ستر ہزار ہوگی، جنت میں سب سے پہلے جائیں گے ان کے چہرے چودھویں کے چاند کی طرح ہوں گے۔ یہ سن کر حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ! دعا فرمائیے اللہ تعالیٰ مجھے ان سے کر دے۔ آپ ﷺ نے دعا کی اے اللہ! انہیں بھی انہی سے کر دے۔ پھر ایک انصاری نے بھی اٹھ کر یہی دعا کرنے کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا عکاشہ تم پر سبقت لے گیا(2)۔ ستر ہزار افراد کے بغیر حساب وکتاب جنت میں داخلے کی روایت کو بخاری و مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس، جابر بن عبداللہ، عمران بن حصین، ابن مسعود، رفاعہ بن عرابہ جہنی اور اُم قیس بنت محصن رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے۔ شیخین نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت کے ستر ہزار یا سات لاکھ افراد جنت جائیں گے۔ اس طرح کہ سب ایک ہی بار جنت میں قدم رکھیں گے۔ ان کے چہرے چودھویں کے چاند کی طرح تاباں ہوں گے(3)۔ ابن ابی شیبہ نے ابوامامہ باہلی سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا: میرے رب نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے کہ میری امت سے ستر ہزار جنت جائیں گے اور ہر ستر ہزار کے ساتھ ستر ہزار اور ہوں گے۔ جن سے حساب وکتاب وعذاب نہیں ہوگا اور میرا رب تین چلو بھر کر جنت پہنچائے گا۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار ہوں گے(4)۔ اس روایت کی تائید متعدد روایات سے ہوتی ہے(5)۔

اور آیت کریمہ حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوۡهَا...... کا جواب یہاں مذکور نہیں۔ تقدیر عبادت یوں ہے کہ جب وہ جنت کے پاس آئیں گے، ان کی عزت وتکریم کرتے ہوئے دروازے کھول دیئے جائیں گے جنت کے خازن فرشتے انہیں بشارت سنائیں گے۔ انہیں سلام کہیں گے۔ ان کی تعریف ہوگی۔ دوسری طرف دوزخ کے فرشتے کفار کو ڈانٹ کر ملیں گے اور گناہوں پر عار دلائیں گے۔ جواب کو یہاں عموم کے لئے محذوف رکھا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس وقت وہ سعادت مند ہوں گے۔ خوشی، آرام اور راحت میں ہوں گے۔ جب جواب محذوف ہے تو ذہن میں ہر طرح کی آس اور امید بندھ جاتی ہے۔

وَفُتِحَتۡ اَبۡوَابُهَا بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ جنت کے ساتھ واؤ آٹھویں ہے اور اس سے استدلال کیا ہے کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں۔ انہوں نے بے کار مشقت اٹھائی ہے اور تکلف سے کام لیا ہے۔ جنت کے آٹھ دروازوں کا ثبوت تو صحیح احادیث میں ہے(6)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اپنے مال میں سے دو جوڑے(7) اللہ کی راہ میں خرچ کرے اسے جنت کے دروازوں سے بلایا جائے گا اور جنت کے کئی دروازے ہیں۔ نمازی کو باب الصلاۃ سے، صدقہ دینے والے کو باب الصدقہ سے، مجاہد کو باب الجہاد سے، روزہ دار کو باب الریان سے بلایا جائے گا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

1۔ مسند ابی یعلی، جلد 5 صفحہ 399، بخاری، کتاب الانبیاء، جلد 6 صفحہ 362، مسلم کتاب الجنۃ، جلد 4 صفحہ 2179
2۔ دیکھئے سورۂ آل عمران بر آیت: 110
3۔ ایضاً مرجع سابق
4۔ المعجم الکبیر، جلد 17 صفحہ 127-126
5۔ حدیث ثوبان کے لئے دیکھئے المعجم الکبیر، جلد 2 صفحہ 92 اور روایت ابوسعید انماری کے لئے دیکھئے المعجم الکبیر، جلد 22 صفحہ 305-304
6۔ آلوسی: روح المعانی، جلد 24، صفحہ 34، ابن ہشام: المغنی (401)
7۔ زمانہ جاہلیت میں مال کا لفظ بول کر اونٹ مراد لئے جاتے تھے اس روایت میں یہ لفظ مطلق ہے اس سے مراد کوئی سی دو چیزیں ہیں۔ خواہ وہ کسی کا مال ہو بشرطیکہ اسے خرچ کیا جاسکتا ہو

نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! گو اس بات کی ضرورت نہیں کہ کس دروازے سے پکارا جائے کیا کوئی ایسا شخص بھی ہوگا جسے سب دروازوں سے پکارا جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں اور مجھے امید ہے کہ تم انہی سے ہو گے۔ بخاری اور مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے روایت کیا ہے(1)۔ بخاری و مسلم میں ہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنت میں آٹھ دروازے ہیں جس میں سے ایک کا نام باب الریان ہے۔ اس سے صرف روزہ دار ہی داخل ہوں گے(2)۔ صحیح مسلم میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جو شخص اچھی طرح وضو کرتا ہے، پھر یہ کہتا ہے "أشهد أن لا إله الا الله وأن محمدا عبده ورسوله" اس کے لئے جنت کے آٹھ دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ جس سے چاہے چلا جائے(3)۔ حسن بن عرفہ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ارشاد فرمایا: جنت کی کنجی لا إله إلا الله ہے۔

جنت کے دروازوں کی وسعت کا بیان

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں بھی جنت نصیب فرمائے۔ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی شفاعت کی مفصل حدیث میں ہے: "اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے محمد! اپنی امت سے جن پر حساب نہیں انہیں دائیں دروازے سے جنت میں لے جاؤ۔ لیکن دیگر دروازوں میں بھی وہ لوگوں کے ساتھ شریک ہیں۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمد کی جان ہے! جنت کے دروازے کے دو کواڑوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا مکہ اور ہجر میں (ایک روایت میں مکہ اور بصرہ کے مابین کے الفاظ آئے ہیں)"(4)۔ صحیح مسلم میں عتبہ بن غزوان سے مروی ہے کہ آپ نے ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا کہ اس کے دروازے کے دونوں کواڑوں کی مسافت چالیس برس کی راہ ہے۔ ایک دن ایسا بھی آئے گا کہ جنت کھچا کھچ بھر جائے گی(5)۔ مسند میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنت کی چوکھٹ چالیس سال کی راہ ہے(6)۔

وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ یعنی تمہارے اعمال واقوال اور تمہاری کوشش اور جزاء اچھی ہو۔ جس طرح کسی غزوہ کے موقعہ پر حضور ﷺ نے منادی کو یہ ندا کرنے کا حکم دیا کہ جنت میں صرف مسلمان ہی جائیں گے یا فرمایا تھا صرف مؤمن ہی(7)۔

خٰلِدِيْنَ تم اس میں ہمیشہ رہو گے یہاں سے نکالے نہ جاؤ گے۔

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ...... جنت کی سرمدی نعمتوں کو دیکھ کر بلا اختیار وہ پکار اٹھیں گے۔

وعدے سے مراد وہ وعدہ ہے جو اللہ نے اپنے رسولوں کی مبارک زبان سے فرمایا۔ ان کی دعا دنیا میں اس طرح تھی: رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ (آل عمران: 194) اور وہ کہیں گے: الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ۭ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُۨ ؀ الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ (فاطر: 35-34)۔

1۔ مسند امام احمد، جلد 2 صفحہ 268، فتح الباری، کتاب الصوم، جلد 4 صفحہ 111 نیز دیکھئے کتاب فضائل صحابہ، جلد 7 صفحہ 19، مسلم: کتاب الزکوۃ، جلد 2 صفحہ 712-711

2۔ متفق علیہ، کتاب الصوم، فتح الباری، جلد 4 صفحہ 111، مسلم، جلد 2 صفحہ 808

3۔ مسلم، کتاب الطہارۃ، جلد 1 صفحہ 210

4۔ فتح الباری، تفسیر سورۃ الاسراء، جلد 8 صفحہ 396، مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 186

5۔ مسلم، کتاب الزہد، جلد 4 صفحہ 2279-2278، مسند احمد، جلد 5 صفحہ 3

6۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 29

7۔ نسائی کتاب الحج، جلد 5 صفحہ 234، تحفۃ الاشراف، جلد 10 صفحہ 18

وَ اَوْرَثَنَا الْاَرْضَ ...... ابوالعالیہ، ابوصالح، قتادہ، سدی اور ابن زید رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ جنت کی سرزمین۔ اس کی مثل یہ آیت ہے: وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ (انبیاء: 105)۔

نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ یعنی جہاں ہماری مرضی ہو ہم اتر سکتے ہیں۔ ہمارے اعمال کا کتنا اچھا اجر ہے۔

صحیحین میں واقعہ معراج میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مجھے جنت میں لے جایا گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ اس کے خیمے لؤلؤ اور مٹی کستوری ہے (1)۔ ایک دوسری روایت میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابن صائد سے جنت کی مٹی کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا: "سفید اور خالص مشک کی طرح۔" یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا یہ سچا ہے۔ مسلم کی ہی ایک روایت میں ہے کہ ابن صائد نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تھا(2)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جنت کے دروازے پر پہنچ کر وہ ایک درخت کو دیکھیں گے جس کے تنے سے دو نہریں پھوٹ رہی ہوں گی۔ وہ ایک میں غسل کریں گے تو اس کے بعد ان کے چہرے کی چمک کبھی تبدیل نہیں ہو گی۔ ان کے بال اس طرح ہو جائیں گے جیسے ان میں تیل لگا ہو۔ پھر دوسری کی طرف جائیں گے۔ گویا کہ ان سے کہہ دیا گیا ہو وہ اس کا پانی پئیں گے تو ان کے پیٹوں کی گندگی اور غلاظت ختم ہو جائے گی اور جنت کے دروازے پر فرشتے انہیں سلام کہیں گے۔ ان میں سے ہر ایک کے پاس غلمان آئیں گے اور بچوں کی طرح ان کے گرد چکر لگائیں گے۔ غیب سے آواز آئے گی تمہارے لئے خوشخبری ہو اللہ نے تمہارے لئے یہ یہ انعام تیار کر رکھے ہیں۔ ان میں سے ایک غلام حور عین میں سے اس کی بیویوں کے پاس جا کر کہے گا تمہیں مبارک ہو فلاں صاحب آ گئے۔ وہ کہیں گی تم نے اسے دیکھا ہے۔ وہ کہے گا ہاں۔ یہ سن کر وہ خوشی سے جھوم اٹھیں گی اور دروازے پر آ کر کھڑی ہو جائیں گی۔ چنانچہ وہ آ کر دیکھے گا کہ گدے لگے ہوئے ہیں۔ آبخورے رکھے ہوئے ہیں اور قالین بچھے ہوئے ہیں۔ اب اس کی نگاہ دیواروں پر پڑے گی تو وہ دیکھے گا کہ اس کی بنیادیں سرخ، سبز، زرد، سفید اور قسم قسم کے رنگ برنگے موتیوں سے بنی ہوئی ہیں۔ پھر وہ چھت کی طرف نگاہ اٹھائیگا تو اس کی چمک اس طرح ہو گی کہ آنکھوں کو خیرہ کر دے۔ پھر وہ اپنی بیویوں کی طرف دیکھے گا اور اپنے پلنگوں میں سے کسی پلنگ پر تکیہ لگائے گا۔ اور کہے گا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا...... (اعراف: 43)(3)۔ ایک اور حدیث میں ابومعاذ بصری سے مروی ہے کہ ایک دن حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پاس بیٹھے تھے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ جب وہ اپنی قبروں سے باہر آئیں گے ان کا استقبال کیا جائے گا اور ان کے لئے پروں والی اونٹنیاں لائی جائیں گی جس پر سونے کے کجاوے ہوں گے۔ ان کی جوتیوں کے تسمے نور سے چمک رہے ہوں گے۔ ان اونٹنیوں کا ہر قدم تا حد نگاہ پڑے گا۔ وہ ایک درخت کے پاس پہنچیں گے جس کے نیچے سے دو نہریں نکلتی ہیں۔ وہ ایک سے پانی پئیں گے تو ان کے پیٹ کی تمام میل کچیل صاف ہو جائے گی۔ دوسری نہر سے غسل کریں گے تو ان کے چہرے اور بال کبھی پراگندہ نہ ہوں گے۔ وہ جنت کے دروازے پر آئیں گے کیا دیکھیں گے کہ اس میں سرخ یاقوت کا ایک حلقہ ہے جو سونے کی تختیوں پر آویزاں ہے۔ وہ اسے ہلائیں گے تو ایک خوبصورت آواز پیدا ہو گی۔ اے علی! جس کو سن کر ہر حور سمجھ لے گی کہ اس کا خاوند آ گیا۔ وہ دربان کو بھیجے گی کہ جاؤ دروازہ کھولو۔ اس دربان کو دیکھتے ہی وہ سجدہ میں گر پڑے گا۔ وہ دربان کہے گا سر اٹھاؤ میں تو تمہارا

1۔ سورۂ اسراء کی ابتداء میں یہ حدیث گزر چکی ہے　　2۔ مسلم کتاب الفتن، جلد 4 صفحہ 2243

3۔ در منثور، جلد 7 صفحہ 264-263، مصنف ابن ابی شیبہ، جلد 13 صفحہ 114-112

ماتحت ہوں۔ تمہارے اوامر کو بجالانے کا مجھے حکم دیا گیا ہے۔ وہ اس کے ساتھ جائے گا۔ جب یہ درّ یاقوت کے اس خیمے کے پاس پہنچے گا تو وہ حور دوڑ کر اسے گلے لگا لے گی اور کہے گی تو میرا محبوب ہے اور میں تیری محبوبہ ہوں میں ہمیشہ زندہ رہوں گی مجھے کبھی موت نہیں آئے گی۔ میں نعمتوں والی ہوں فقر و افلاس سے دور ہوں۔ میں راضی ہوں کبھی ناراض ہونے والی نہیں۔ میں ہمیشہ مقیم رہنے والی ہوں کبھی کوچ نہیں کروں گی۔ پھر وہ گھر میں داخل ہوگا جس کی چھت ایک لاکھ ہاتھ بلند ہوگی۔ اس کی دیواریں انواع واقسام کے رنگ برنگے موتیوں کی ہوں گی۔ اس گھر میں ستر تخت ہوں گے۔ ہر تخت پر ستر چھولداریاں ہوں گی۔ اور ان میں سے ہر بستر پر ستر حوریں ہوں گی۔ ہر حور نے ستر جوڑے زیب تن کر رکھے ہوں گے۔ ان حلوں کے نیچے سے اس کی ہڈیوں کا گودا نظر آئے گا۔ ان کے ایک جماع کا انداز ایک پوری رات کا ہوگا۔ ان کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی جن کا پانی کبھی بدبودار نہیں ہوتا۔ صاف شفاف رہتا ہے۔ دودھ کی نہریں ہوں گی جس کا مزہ کبھی نہیں بدلتا۔ ایسا دودھ جو کسی جانور کے تھن سے نہیں نکلا اور شراب کی نہریں ہوں گی جو بہت لذیذ ہوگی۔ جسے مردوں نے کشید نہیں کیا اور صاف شہد کی نہریں ہوں گی جو مکھیوں کے پیٹ سے نہیں نکلا۔ وہ پھل چن سکے گا اگر چاہے تو کھڑے کھڑے اور اگر چاہے بیٹھے بیٹھے اور اگر چاہے تو ٹیک لگا کر۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی: وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا (الدہر: 14)۔ اس کو کھانے کی خواہش ہوگی تو سبز یا سفید پرندے اس کے پاس آ کر اپنا پر اٹھا دیں گے۔ یہ جس پہلو کا چاہے گا گوشت کھائے گا۔ پھر وہ پرندہ اڑ جائے گا پھر فرشتہ اس کے پاس آ کر کہے گا: سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۖ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ (قصص: 55) اگر کسی حور کا ایک بال زمین پر آ جائے تو وہ اپنی چمک سے سورج کو بھی ماند کر دے۔ یہ حدیث غریب ہے گویا کہ مرسل ہے۔

وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۵﴾

"اور (اے حبیب!) آپ دیکھیں گے فرشتوں کو حلقہ باندھے کھڑے ہوں گے عرش کے اردگرد تسبیح پڑھ رہے ہوں گے اپنے رب (جلیل) کی حمد کے ساتھ۔ اور فیصلہ کر دیا گیا ہوگا ان کے درمیان حق کے ساتھ اور کہا جائے گا سب تعریفیں اللہ کے لئے جو رب العلمین ہے"۔

اہل جنت اور اہل جہنم کا ذکر کرنے کے بعد جب ہر ایک کو اس کے مناسب حال ٹھکانے پر پہنچایا جا چکا ہوگا اور وہ اس معاملے میں عادل بھی ہے، ظلم وجور سے کام نہیں لیتا، اپنے ملائکہ کے بارے میں بتایا کہ وہ عرش مجید کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہیں۔ اپنے رب کی حمد وستائش، بزرگی اور بڑائی بیان کر رہے ہیں۔ نقائص وعیوب اور ظلم وجور سے اس کی تقدیس وتنزیہ بیان کر رہے ہیں، مسئلے کا فیصلہ ہو چکا، حکم دے دیا گیا، عدل وانصاف کا بول بالا ہو چکا۔ اسی لئے فرمایا: وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ یعنی مخلوق کے درمیان۔ اس کائنات کی ہر چیز ناطق و حیوان یہ پکار اٹھے گی کہ وہی رب العالمین ہے جس نے حق اور عدل وانصاف سے فیصلہ فرمایا۔ یہاں مجہول کا صیغہ لا کر فاعل کو عام کر دیا جو اس بات کی دلیل ہے کہ ساری مخلوق حمد وثنا کے ساتھ اس کی گواہی دے گی۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خلق کی پیدائش کی ابتدا بھی حمد سے ہے ارشاد ہوتا ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (انعام: 1) اور مخلوق کی انتہا بھی حمد سے ہے ارشاد ہوتا ہے: وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

سورۂ غافر (المؤمن)

بعض سلف سے منقول ہے کہ جن سورتوں کی ابتداء حم سے ہوتی ہے انہیں حوامیم کہنا مکروہ ہے بلکہ آل حم کہنا چاہئے۔ حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آل حم قرآن مجید کا دیباچہ ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہر چیز کا دروازہ ہوتا ہے اور قرآن کریم کا دروازہ آل حم ہے یا فرمایا حوامیم ہیں۔ حضرت مسعر بن کدام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سورتوں کو عرائس کہا جاتا تھا۔ یہ سب کچھ امام عالم ابوعبید قاسم بن سلام نے اپنی کتاب فضائل القرآن میں ذکر کیا ہے۔ حمید بن زنجویہ نے حضرت عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ قرآن کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اپنے گھر والوں کے لئے کسی اچھے مکان کی تلاش میں نکلا تو اس کا گزر ایسی جگہ سے ہوا جہاں تازہ بارش ہوئی تھی۔ وہ حیرانی کے عالم میں آگے چل رہا تھا کہ تر و تازہ لہلہاتے ہوئے باغات کے پاس جا پہنچا۔ وہ کہنے لگا میں تو پہلی بارش سے متعجب تھا ہی یہ تو اس سے بھی عجیب ہے۔ اسے کہا گیا پہلی بارش کی مثال قرآن کریم کی عظمت کی مثال ہے اور ان باغیچوں کی مثال اس طرح ہے جیسے قرآن میں حم والی سورتیں۔ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے۔

ابن لہیعہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ہر چیز کا دروازہ ہے اور قرآن کا دروازہ حوامیم ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے جب میں دوران تلاوت حم والی سورتوں پر پہنچتا ہوں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ میں ہرے بھرے پھلے پھولے باغیچوں کی سیر کر رہا ہوں۔ ایک شخص نے حضرت ابو درداء رحمۃ اللہ علیہ کو مسجد بناتے ہوئے دیکھا تو پوچھا یہ کیا؟ فرمایا کہ میں اسے حم والی سورتوں کے لئے بنا رہا ہوں۔ ممکن ہے کہ یہ مسجد وہی ہو جو دمشق کے قلعہ کے اندر ہے اور آپ ہی کے نام سے منسوب ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کی حفاظت ابو درداء کی نیک نیتی اور جس وجہ سے یہ مسجد بنائی گئی تھی اس کی برکت کے باعث ہو۔ اس کلام میں دشمنوں پر فتح و نصرت کی بھی دلیل ہے۔ جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی غزوہ میں اپنے اصحاب سے فرمایا تھا اگر تم رات کو حملہ کرو تو یوں کہو حمٓ لا ینصرون (اور ایک روایت میں ہے) لا تنصرون (1)۔ حافظ ابوبکر بزار رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے آیت الکرسی اور سورۂ حم (المؤمن) کا ابتدائی حصہ پڑھ لیا تو اس دن ہر برائی سے اپنے آپ کو محفوظ کرلیا۔ یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور اہل علم نے اس کے ایک راوی پر جرح بھی کی ہے (2)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

حٰمٓ ۞ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۞ غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۞

1۔ مسند امام احمد، جلد 4 صفحہ 65، جلد 5 صفحہ 377 ابوداؤد اور ترمذی نے اسے کتاب الجہاد میں روایت کیا ہے۔ سنن ابوداؤد، جلد 3 صفحہ 23، عارضۃ الاحوذی، جلد 7، صفحہ 179-178

2۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب فضائل القرآن، جلد 11 صفحہ 11-10

''حا۔میم اتاری گئی ہے یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو زبردست ہے سب کچھ جاننے والا ہے۔گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول فرمانے والا سخت سزا دینے والا۔فضل وکرم فرمانے والا ہے۔نہیں کوئی معبود اس کے سوا۔اسی کی طرف (سب نے) لوٹنا ہے''۔

حروف مقطعات کی بحث سورۂ بقرہ کے شروع میں گزر چکی ہے۔اس کے اعادے کی یہاں ضرورت نہیں۔ایک قول ہے کہ حٰم اسمائے حسنیٰ میں سے ایک اسم ہے اور اس کے لئے بطور استشہاد وہ یہ شعر بھی پیش کرتے ہیں(1):

یذکرنی حم والرمح شاجر فھلا تلا حٰم قبل التقدم

ترجمہ:۔یعنی یہ مجھے حم یاد دلاتا ہے جبکہ نیزہ تن چکا تھا۔پھر اس سے پہلے ہی اس نے حٰم کیوں نہ کہہ دیا۔

ابوداؤد اور ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تم رات کو حملہ کرو تو کہو حم لا ینصرون اس کی سند صحیح ہے(2)۔ابوعبید رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کو اختیار کیا ہے کہ حم لا ینصروا کہنا چاہئے یعنی اگر تم یوں کہو گے تو انہیں فتح نہیں ہوگی اور قول صرف حٰم رہا۔لا ینصروا کو فقولوا کی جزاء قرار دیا ہے۔

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ یعنی قرآن مجید اس اللہ کی طرف سے ہے جو عزت اور علم والا ہے۔اس کی جناب ہر بے ادبی سے پاک ہے۔کوئی ذرہ بھی اس پر مخفی نہیں خواہ وہ کتنے ہی پردوں میں کیوں نہ ہو۔

غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ یعنی سابقہ گناہوں کو بخشنے والا اور مستقبل میں توبہ کرنے والے کی توبہ قبول کرنے والا ہے جو توبہ کرے اور اس کی طرف جھکے۔

شَدِيْدِ الْعِقَابِ شدید سزا دینے والا ہے اسے جو سرکشی کرے،دنیوی زندگی کو ترجیح دے۔اللہ کے اوامر کو بجالانے سے سرکشی کرے اور بغاوت پر اتر آئے۔جس طرح ایک اور آیت میں آتا ہے: نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۙ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ (الحجر:50-49)۔ان دونوں اوصاف کو قرآن کریم میں متعدد جگہ ملایا گیا ہے تاکہ بندہ خوف ورجا کی حالت میں رہے۔

ذِي الطَّوْلِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ وہ وسعت اور غنیٰ والا ہے۔مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے یہی مروی ہے۔یزید الاصم نے اس سے مراد خیر کثیر لیا ہے۔عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے ذی المنّ (احسان کرنے والا)۔قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ذی النعم و الفواضل (بے شمار انعامات اور احسانات والا) اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں پر اس قدر انعام واحسان کرنے والا ہے کہ وہ اس میں سے ادنیٰ احسان کا شکر یہ ادا کرنے سے بھی قاصر ہیں۔وإن تعدوا نعمة الله لا تحصوھا۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ تمام صفات میں اس کی کوئی نظیر نہیں۔اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔اس کے سوا کوئی رب نہیں۔اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔وہ ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق بدلہ دے گا۔

وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ابوبکر عیاش رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک شخص حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور عرض کی اے امیر المؤمنین! میں نے کسی کو قتل کر دیا ہے کیا میری توبہ قبول ہوسکتی ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ آیت تلاوت کی۔حٰمٓ ۚ تَنْزِيْلُ

1۔طبری نے تفسیر میں اسے شریح بن اوفی عبسی کی طرف منسوب کیا ہے،جلد 24 صفحہ 39،نیز دیکھئے کتاب نسب قریش (281)،اسد الغابۃ،جلد 5 صفحہ 98

2۔سورۂ کی ابتدا (مقدمہ) میں اس حدیث کی تخریج گزر چکی ہے۔

الْكِتٰبِ سے الْعِقَابِ تک اور فرمایا عمل کرتا جا اور مایوس نہ ہو۔ ابن ابی حاتم اور ابن جریر رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے روایت کیا ہے۔ الفاظ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں(1)۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے یزید بن الأصم سے روایت کیا ہے کہ اہل شام میں سے ایک آدمی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا کرتا تھا۔ آپ نے کافی عرصہ تک اسے نہ دیکھا تو فرمایا: فلاں بن فلاں کو کیا ہوا؟ تو لوگوں نے عرض کی امیر المؤمنین اس نے مے نوشی شروع کر دی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے سیکرٹری کو بلایا اور کہا لکھو یہ خط ہے عمر بن خطاب کی طرف سے فلاں بن فلاں کے نام۔ بعد از سلام میں تیرے سامنے اللہ کی حمد وثنا کرتا ہوں جو وحدہ لاشریک ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ گناہوں کو بخشنے والا ہے، توبہ قبول کرنے والا، سخت ترین عذاب اور بدترین سزا دینے والا ہے۔ بہت بڑے احسان والا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ یہ خط بھجوا کر اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ اپنے بھائی کے لئے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل کو متوجہ کر دے اور اس کی توبہ قبول کر لے۔ جب اس شخص کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خط ملا تو وہ اسے پڑھنے اور بار بار دہرانے لگا۔ اور کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے عذاب سے ڈرایا بھی ہے اور اپنی رحمت کی امید دلا کر بخشش کا وعدہ بھی کیا ہے۔ حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے اس میں یہ اضافہ بھی ہے کہ وہ اسے بار بار دہرانے لگا۔ پھر روتا رہا اور شراب سے توبہ کی اور اس پر قائم بھی رہا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر ملی تو فرمایا جب تم اپنے کسی بھائی کو دیکھو کہ اس نے لغزش کھائی ہے تو اسے سیدھا کرو اور مضبوط کرو اور اللہ سے دعا کرو کہ اس کی توبہ قبول فرمائے اور اس کے خلاف شیطان کے مددگار نہ بنو(2)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ثابت بنانی سے روایت کیا ہے کہ میں مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کوفہ کے گردونواح میں تھا۔ میں نے ایک باغ میں جا کر دو رکعت نماز نفل شروع کی۔ میں نے حم المؤمن شروع کی اور اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ تک پہنچا۔ تو ایک شخص نے جو خچر پر سوار تھا اس پر یمنی چادریں تھیں۔ میرے پیچھے سے آواز دی جب غافر الذنب کہو تو یوں پڑھو یا غافر الذنب اغفر لی ذنبی۔ اور جب قابل التوب پڑھو تو کہو یا قابل التوب اقبل تو بتی اور جب شَدِيْدِ الْعِقَابِ پر پہنچو تو کہو یا شدید العقاب لا تعاقبنی۔ فرماتے ہیں میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو کسی کو نہ پایا۔ نماز سے فارغ ہو کر میں دروازے پر پہنچا اور لوگوں سے پوچھا ابھی کوئی آدمی گزرا ہے جس پر یمنی چادریں تھیں؟ وہ کہنے لگے ہم نے کسی کو نہیں دیکھا۔ وہ یہ خیال کر رہے تھے کہ یہ حضرت الیاس علیہ السلام تھے۔

یہ روایت ایک دوسری سند سے بھی مروی ہے۔ اس میں حضرت الیاس علیہ السلام کا ذکر نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مَا يُجَادِلُ فِيْۤ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ۝ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۪ وَ هَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۭ بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ وَ جٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ ۫ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝ وَ كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ۝

"نہیں تنازعہ کیا کرتے اللہ کی آیتوں میں مگر کافر پس نہ دھوکہ میں ڈالے تمہیں ان لوگوں کا (بڑے کروفر سے) آنا جانا مختلف

1۔ تفسیر طبری، جلد 24 صفحہ 41 2۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 271-270، حلیۃ الاولیاء، جلد 4 صفحہ 98-97

شہروں میں۔ جھٹلایا تھا ان سے پہلے قوم نوح نے اور کئی (دوسرے) گروہوں نے ان کے بعد۔ اور قصد کیا ہر امت نے اپنے رسول کے متعلق کہ اسے گرفتار کرلیں اور جھگڑتے رہے (اس کے ساتھ) ناحق، تاکہ جھٹلا دیں اس کے ذریعے حق کو پس میں نے پکڑلیا انہیں۔ پس کتنا شدید تھا میرا عذاب۔ اور اسی طرح واجب ہوگیا اللہ کا فیصلہ کفار پر کہ وہ دوزخی ہیں''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حق واضح ہونے کے بعد اس کا انکار صرف وہی کرتے ہیں جو اللہ کی آیات کے منکر ہیں۔

فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ یعنی مال و منال اور چکا چوند۔ جیسے فرمایا: لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ ﴿١٩٦﴾ مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ (آل عمران: 97-196) اور فرمایا: نُمَتِّعُهُمْ قَلِيلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ إِلَىٰ عَذَابٍ غَلِيظٍ (لقمان: 24)۔ پھر اپنے پیارے نبی کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ لوگوں کی تکذیب پر نہ گھبرانا یہ سابقہ انبیاء کا اُسوہ ہے۔ ان کی امتوں نے انہیں جھٹلایا۔ ان کی مخالفت کی اور بہت کم لوگ ان میں سے ایمان لائے۔ حضرت نوح علیہ السلام جو بنی آدم میں سب سے پہلے رسول تھے اللہ نے آپ کو بتوں کی عبادت سے روکنے کے لئے مبعوث فرمایا تھا اور اس کے بعد بھی ہر ایک امت اپنے انبیاء کو جھٹلاتی رہی بلکہ اسے قید کرنا اور مار ڈالنا چاہا۔ اور بعض نے تو اپنے رسولوں کو قتل بھی کر دیا اور اپنے باطل شبہات سے واضح حق کو حقیر کر دینا چاہا۔ ابو القاسم طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت عکرمہ ابن عباس رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے حق کو کمزور کرنے کے لئے باطل کی مدد کی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اس سے بری الذمہ ہیں(1)۔

فَأَخَذْتُهُمْ ان کے سخت ترین گناہوں کی وجہ سے انہیں ہلاک کر دیا۔ تو آپ کو کیا خبر ملی ہے کہ میرا انہیں عذاب کتنا سخت دردناک اور تکلیف دہ تھا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اللہ کی قسم! یہ عذاب بہت سخت تھا۔

وَكَذَٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى ...... یعنی جس طرح سابقہ امتوں میں سے جھٹلانے والوں پر عذاب ثابت ہو گیا تھا، اسی طرح اس امت میں سے جو لوگ آپ کی مخالفت کرتے ہیں ان کا انجام بھی بدرجہ اولیٰ ان جیسا ہی ہوگا کیونکہ جو آپ کی تکذیب کرے تو اس کی دوسروں کی تصدیق کا بھی کوئی اعتبار نہیں۔

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَ مَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ يَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّ عِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَ اتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿٧﴾ رَبَّنَا وَ اَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ۣالَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَ مَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآىِٕهِمْ وَ اَزْوَاجِهِمْ وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٨﴾ وَ قِهِمُ السَّيِّاٰتِ ۭ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٩﴾

'' جو فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں عرش کو اور وہ جو عرش کے اردگرد (حلقہ زن) ہیں وہ تسبیح کرتے ہیں حمد کے ساتھ اپنے رب کی اور ایمان رکھتے ہیں اس پر اور استغفار کیا کرتے ہیں ایمان والوں کے لئے۔ (کہتے ہیں) اے ہمارے رب! تو گھیرے ہوئے ہے ہر شے کو (اپنی) رحمت اور علم سے۔ پس بخش دے انہیں جنہوں نے (کفر سے) توبہ کی ہے اور پیروی کی ہے

1۔ المعجم الکبیر، جلد 11 صفحہ 216-215

تیرے راستہ کی اور بچالے انہیں عذاب جہنم سے۔اے ہمارے رب! داخل فرما انہیں سدا بہار باغوں میں۔جن کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے اور جو قابل بخشش ہیں ان کے والدین، ان کی بیویوں اور ان کی اولاد سے۔ بیشک تو ہی سب سے زبردست (اور) حکمت والا ہے۔ اور بچالے انہیں سزاؤں سے۔ اور جس کو تو بچالے سزاؤں سے اس دن تو گویا تو نے بڑی رحمت فرمائی اس پر۔ اور یہی ہے بہت بڑی کامیابی''۔

اللہ تعالیٰ خبر دے رہے ہیں کہ عرش کو اٹھانے والے ملائکہ چار ہیں اور ان کے اردگرد کروبیان فرشتے گھیرا ڈالے ہوئے ہیں۔ سب اس کی تسبیح و تقدیس کے ترانے گا رہے ہیں وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ اس کے سامنے خشوع و خضوع ظاہر کر رہے ہیں۔ اہل زمین میں سے جو لوگ غیب پر ایمان لائے ہیں، ان کے لئے استغفار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مقربین ملائکہ کو مقرر فرمایا کہ وہ مؤمنین کے لئے پیٹھ پیچھے دعا کیا کریں۔ ملائکہ کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ مؤمن کی اپنے بھائی کے لئے دعا پر آمین کہتے ہیں جس طرح کہ صحیح مسلم میں ہے کہ جب مسلمان اپنے بھائی کے لئے اس کی عدم موجودگی میں دعا کرتا ہے تو فرشتہ اس کی دعا پر آمین کہتا ہے۔ اور اس کے لئے یہ دعا کرتا ہے کہ خدا تجھے بھی اس کے مثل عطا فرمائے جو تو اپنے مسلمان بھائی کے لئے مانگ رہا ہے(1)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا امیہ بن ابی الصلت نے اپنے اس شعر میں سچ کہا ہے وہ کہتا ہے:

رَجُلٌ وَثَوْرٌ تَحْتَ رِجْلِ يَمِيْنِهٖ وَالنَّسْرُ لِلْاُخْرٰى وَلَيْثٌ مُرْصَدُ (2)

یعنی حاملین عرش چار فرشتے ہیں دو دائیں طرف اور دو دوسری طرف یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا ''یہ سچ ہے۔'' پھر اس نے کہا:

والشمسُ تَطْلُعُ كلّ آخرِ ليلةٍ حَمْراءُ يُصْبِحُ لَوْنُها يَتَوَرَّدُ

تَاْبَى فَمَا تَطْلُعُ لَنَا فِي رِسْلِها إلّا مُعَذَّبَةً وَإلَّا تُجْلَدُ (3)

ترجمہ:۔ سورج ہر رات کے آخر میں سرخ رنگ میں طلوع ہوتا ہے پھر اس کا رنگ گلابی ہو جاتا ہے۔ اپنی ہیئت میں کبھی صاف ظاہر نہیں ہوتا بلکہ روکھا پھیکا ہی رہتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ سچ ہے(4) (اس کی اسناد عمدہ ہے)۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ حاملان عرش چار ہیں اور قیامت کے دن ان کی تعداد آٹھ ہو جائے گی جیسے فرمایا: وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ (حاقہ: 17)۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس آیت کے مفہوم اور اس حدیث کے مطلب کو کس طرح جمع کیا جائے؟ اور اس حدیث کو جسے ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عباس بن مطلب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں بطحاء میں صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ تھا۔ ایک بادل کا ٹکڑا گزرا۔ اسے دیکھ کر سرکار ﷺ نے پوچھا اس کا کیا نام ہے؟ صحابہ نے عرض کی ''سحاب'' (ابر)۔ آپ ﷺ نے فرمایا اور اسے مزن بھی کہتے ہو؟ عرض کی ہاں۔ فرمایا اور عنان بھی؟ عرض کیا ہاں۔ صحابہ نے عرض کی ہاں۔ آپ ﷺ نے پوچھا زمین و آسمان کے مابین کتنا فاصلہ ہے؟ عرض کیا معلوم نہیں۔ فرمایا اکہتر، بہتر یا تہتر سال کا فاصلہ پھر اس سے اوپر کا آسمان پہلے آسمان سے اتنے ہی فاصلے پر ہے۔ اسی طرح

1۔ مسلم، کتاب الذکر، جلد 4 صفحہ 2094

2۔ یہ شعر خزانہ الادب، جلد 2 صفحہ 248 میں ہے۔ بغدادی کا قول ہے کہ حاملان عرش فرشتے آٹھ ہیں۔ رَجُلٌ ثَوْرٌ، نَسْرٌ، اَسَدٌ.....الخ) اسکے علاوہ مزید تفصیلات بھی مذکور ہیں

3۔ پہلے مصرعے کی ایک اور روایت بھی ہے۔

لیست بطالعة لهم في رِسْلِها إلاّ مُعَذَّبَةً والاّ تُجْلَدُ (دیکھئے الشعر والشعراء، جلد 1 خ صفحہ 460)

4۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 256

ساتوں آسمانوں کا ذکر فرمایا۔ پھر ساتویں آسمان سے اوپر ایک سمندر ہے جس کی گہرائی اتنی ہے جتنی دو آسمانوں کے درمیان فاصلہ۔ پھر اس سے اوپر آٹھ پہاڑی بکرے ہیں جن کے کھر سے گھٹنے کا فاصلہ بھی اسی قدر ہے۔ ان کی پشت پر خدائے تعالیٰ کا عرش ہے جس کی اونچائی بھی اسی قدر ہے پھر اس کے اوپر اللہ تعالیٰ ذوالجلال والاکرام ہے۔ ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے روایت کیا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن غریب قرار دیا ہے(1)۔ اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ عرش کو اٹھانے والے فرشتوں کی تعداد آٹھ ہے۔ جس طرح شہر بن حوشب کا قول ہے کہ حاملان عرش آٹھ ہیں ان میں سے چار کی تسبیح یہ ہے: سبحانك اللهم وبحمدك لك الحمد على حلمك بعد علمك (یعنی اے رب تو پاک ہے تیرے لئے حمد و ثناء ہے کہ تو جاننے کے باوجود بردباری کرتا ہے)۔ دوسرے چار کی تسبیح یہ ہے: (سبحانك اللهم وبحمدك لك الحمد على عفوك بعد قدرتك)۔ اے اللہ تو پاک ہے حمد و بزرگی تیرے ہی لئے ہے کیونکہ تو ہی قدرت کے باوجود درگزر کرتا ہے۔ اسی لئے مؤمنوں کے استغفار کے وقت وہ یہی کہتے ہیں: رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا یعنی تیری رحمت ان کی خطاؤں اور گناہوں کو محیط ہے اور تیرا علم ان کے تمام اعمال، اقوال اور حرکات و سکنات کو محیط ہے۔

فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا...... تو خطاکاروں سے درگزر فرما جب وہ توبہ کریں تیری طرف جھکیں، گناہوں سے کنارہ کش ہو جائیں، تیرے احکام کی تعمیل کریں اور نیکی کریں اور برائیاں چھوڑ دیں۔

وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ...... انہیں جہنم کے دردناک، تکلیف دہ عذاب سے نجات دے اور انہیں مع اپنے والدین، اولاد اور ازواج جنت میں ایک ہی جگہ رکھ تاکہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ (الطّور:21) یعنی درجے میں سب برابر ہوں گے تاکہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ ہم بلند مرتبہ کو نیچے نہیں کریں گے بلکہ کم مرتبہ کو بڑھا کر اونچے درجہ میں پہنچا دیں گے۔ یہ سب ہمارا فضل و کرم ہے۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ مؤمن جب جنت میں جائے گا تو وہ اپنے باپ، بیٹے اور بھائی کے بارے میں پوچھے گا کہ وہ کدھر ہیں؟ جواب ملے گا ان کی نیکیاں اتنی نہ تھیں کہ وہ اس درجے میں پہنچتے۔ وہ کہے گا میں نے اپنے لئے اور ان سب کے لئے عمل کئے تھے چنانچہ درجہ میں انہیں اس کے ساتھ ملا دیا جائے گا پھر سعید بن جبیر نے اسی آیت کی تلاوت کی:

رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِ الَّتِيْ...... الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ اور اللہ کے بندوں کو سب سے زیادہ دھوکہ دینے والے شیاطین ہیں(2)۔

اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ جس پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ جو چاہے ہو جاتا ہے اور جو نہ چاہے نہیں ہوتا۔ اپنے اقوال و افعال میں حکیم ہے۔ تو انہیں برائیاں کرنے سے یا ان کے وبال سے دونوں جہان میں محفوظ رکھ۔ قیامت کے دن جس پر تو نے رحم فرمایا اور عذاب سے نجات دی، حقیقتاً یہی عظیم کامیابی اور کامرانی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِيْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ ⑩ قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى

1۔ سنن ابی داؤد کتاب السنۃ، جلد 4 صفحہ 231، عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۃ الحاقۃ، جلد 12 صفحہ 219-217، ابن ماجہ، المقدمۃ، جلد 1 صفحہ 69، تحفۃ الاحوذی، جلد 9 صفحہ 233، سنن ابوداؤد، کتاب باب فی الجہمیۃ

2۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 276

خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿11﴾ ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗۤ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ وَ اِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ؕ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ﴿12﴾ هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا ؕ وَ مَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ ﴿13﴾ فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿14﴾

''بے شک جن لوگوں نے کفر کیا انہیں ندادی جائے گی کہ اللہ تعالیٰ کی (تم سے) بیزاری بہت زیادہ ہے اس بیزاری سے جو تمہیں اپنے آپ سے ہے۔ (یاد ہے) جب تم بلائے جاتے ایمان کی طرف تو تم کفر کیا کرتے۔ وہ کہیں گے اے ہمارے رب! تو نے ہمیں دومرتبہ موت دی اور دومرتبہ زندہ کیا، پس اب ہم اعتراف کرتے ہیں اپنے گناہوں کا۔ سو کیا (یہاں سے) نکلنے کی بھی کوئی صورت ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جب پکارا جاتا اللہ تعالیٰ کو اکیلا تو تم انکار کر دیتے۔ اور اگر شریک بنایا جاتا کسی کو اس کا تو تم مان لیتے۔ پس حکم کا اختیار اللہ کے لئے ہے جو برتر اور بزرگ ہے۔ وہی ہے جو دکھاتا ہے تمہیں اپنی آیتیں اور نازل فرماتا ہے تمہارے لئے آسمان سے رزق۔ اور نہیں نصیحت قبول کرتا مگر وہ جو (اللہ کی طرف) رجوع کرنے والا ہے۔ تو عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی خالص کرتے ہوئے اس کے لئے دین کو اگرچہ ناپسند کریں کفار''۔

اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ قیامت کے دن جب کفار آگ کے شعلوں سے لپٹ رہے ہوں گے تو انہیں آواز دی جائے گی۔ اس وقت جب وہ خدا کے عذاب کو چکھ چکے ہوں گے تو اپنے آپ کے دشمن بن جائیں گے کیونکہ ان کے اعمال سیئہ ان کے جہنم میں داخلے کا سبب بن گئے۔ اس وقت فرشتے انہیں یہ ندا دیں گے کہ آج جس قدر تم اپنے آپ سے نفرت کر رہے ہو، دنیا میں جب تمہیں اسلام کی دعوت دی جاتی تھی اور تم انکار کر دیتے تھے، اللہ کے ہاں تم اس سے کہیں زیادہ قابل نفرین تھے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اہل ضلال کے ساتھ اللہ کی نفرت و بیزاری (جب ان پر دنیا میں ایمان پیش کیا گیا اور انہوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا) اس سے کہیں زیادہ تھی جب وہ روز قیامت عذاب الٰہی کو دیکھ کر اپنے آپ سے بیزاری ظاہر کرنے لگیں گے(1)۔ حسن بصری، مجاہد، سدی، ذر بن عبید اللہ ہمدانی، عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم اور ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا بھی یہی قول ہے۔

قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے ابن مسعود سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت اس آیت کی طرح ہے: كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (بقرہ:28)۔ ابن عباس، ضحاک، قتادہ اور ابو مالک رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ درست یہی ہے جس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ وہ دنیا میں مار ڈالے گئے پھر قبروں میں زندہ کر کے سوال و جواب کے بعد انہیں پھر موت دے دی گئی اور روزِ قیامت پھر زندہ کئے گئے۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی صلب سے روز میثاق زندہ کئے گئے پھر انہیں ماؤں کے پیٹوں سے پیدا فرمایا پھر موت آئی اور روز قیامت دوبارہ زندہ ہوئے(2)۔ لیکن سدی اور ابن زید رحمہما اللہ تعالیٰ کے یہ اقوال ضعیف ہیں کیونکہ اس طرح تین موتیں اور تین زندگیاں لازم آتی ہیں حالانکہ آیت میں دو موتوں کا ذکر ہے۔ صحیح قول وہی ہے جو ابن مسعود اور ابن عباس اور ان کے پیروکاروں کا ہے۔ اس سب سے مقصود یہی ہے کہ میدان حشر میں کفار اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہوں گے اور دنیا میں واپسی کا سوال کریں گے یہ آرزو کریں گے کہ دنیا میں انہیں ایک مرتبہ اور بھیج دیا جائے۔ جیسے ارشاد فرمایا: وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ رَبَّنَاۤ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا

1۔ تفسیر طبری، جلد 24 صفحہ 46 2۔ طبری، جلد 24 صفحہ 48

اِنَّا مُوْقِنُوْنَ(السجدہ:12)۔لیکن ان کی یہ درخواست منظور نہ ہوگی۔ پھر جب وہ آگ کو دیکھیں گے اور اس کے شدید عذاب کو بچشم دید ملاحظہ کریں گے تو پہلے سے زیادہ زور دے کر یہی کہیں گے لیکن ان کی یہ بات تسلیم نہ کی جائے گی جیسے فرمایا: وَلَوْ تَرٰۤی اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا یٰلَیْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰیٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا یُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ(انعام:28-27)۔اور جب وہ واصل فی النار کر دیئے جائیں گے اور طرح طرح کے عذاب چکھ لیں گے تو دوبارہ دنیا میں ان کی واپسی کا مطالبہ بہت شدید ہو جائے گا۔وہ چیخ و پکار کرتے ہوئے یہ مطالبہ کریں گے: رَبَّنَاۤ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَیْرَ الَّذِیْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا یَتَذَكَّرُ فِیْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِیْرُ ؕ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ نَّصِیْرٍ(فاطر:37)۔رَبَّنَاۤ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ۝ قَالَ اخْسَـُٔوْا فِیْهَا وَ لَا تُكَلِّمُوْنِ(مومنون:107)۔اس آیت کریمہ میں ان لوگوں نے اپنے سوال سے پہلے ایک مقدمہ ذکر کر کے ایک لطافت سی قائم کر دی ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کو ذکر کیا کہ تیری قدرت عظیم ہے تو نے ہمیں زندہ کیا جبکہ ہم مردہ تھے پھر ہمیں موت دی پھر زندہ کر دیا۔تو جو چاہے اس پر قادر ہے۔ہم نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا۔دارِ دنیا میں ہم نے اپنی جانوں پر ظلم و زیادتی کی۔کیا تو دوبارہ ہمیں دنیا کی طرف لوٹائے گا حالانکہ تو اس پر قادر بھی ہے۔ہم وہاں جا کر پہلے کے برعکس اچھے اعمال کریں گے۔اگر ہم دوبارہ وہی کام کریں تو بے شک ہم ظالم ہیں۔انہیں جواب دیا جائے گا کہ اب دارِ دنیا کی طرف واپسی کی کوئی راہ نہیں۔پھر انہیں روکنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہاری طبیعتیں حق کو قبول نہیں کریں گے بلکہ تم اس کی مخالفت ہی کرو گے۔اسی لئے فرمایا: ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗۤ اِذَا دُعِیَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ......(مومن:12) یعنی اگر تم دارِ دنیا کی طرف لوٹا بھی دیئے جاؤ تو تم یہی کرو گے۔ایک اور آیت میں آتا ہے: وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ(انعام:28)۔اور فرمایا: وہ اپنی مخلوق کے ساتھ عدل کرنے والا ہے۔ظلم نہیں کرتا۔جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔جسے چاہے گمراہ کرتا ہے۔جس پر چاہے رحم کرتا ہے اور جسے چاہے عذاب دیتا ہے۔اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

هُوَ الَّذِیْ یُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ وہ اپنی قدرتیں لوگوں پر ظاہر کرتا ہے۔زمین و آسمان میں اس کی کمال قدرت کی بے شمار نشانیاں موجود ہیں۔وہ آسمان سے روزی یعنی بارش نازل فرماتا ہے۔جس سے کھیتیاں اور پھل نکلتے ہیں جن کے ذائقے، رنگ اور شکلیں مختلف ہیں حالانکہ پانی ایک ہے۔اس نے اپنی عظیم قدرت سے ان اشیاء کے درمیان فرق کر دیا۔

وَمَا یَتَذَكَّرُ......عبرت پکڑنے اور ان اشیاء میں غور و فکر کرنے اور ان سے اپنے خالق کی عظمت کی دلیل پکڑنے کی توفیق صرف اسے ملتی ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا ہو۔

فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ دعا اور عبادت خلوص کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ کی کیا کرو اور مشرکین کے طریق کار کی مخالفت کرو۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ابوزبیر محمد بن مسلم بن مدرس مکی سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن زبیر ہر فرض نماز کے سلام کے بعد یہ دعا پڑھا کرتے تھے: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وحدَهُ لا شريكَ له، له الملكُ ولهُ الحمدُ وهوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا باللّٰهِ، لا إلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَلَا نَعْبُدُ إِلَّا إِيَّاهُ، لَهُ النعمةُ ولَهُ الفَضْلُ ولَهُ الثَنَاءُ الحَسَنُ، لا إله إلّا اللّٰهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الكَافِرُوْنَ۔

اور فرماتے تھے کہ نبی کریم ﷺ بھی ہر نماز کے بعد پڑھا کرتے تھے۔مسلم ابوداؤد اور نسائی میں متعدد سندوں سے مروی ہے کہ

عبداللہ بن زبیر نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ ہر نماز کے بعد یہی دعا پڑھا کرتے تھے(1)۔ صحیحین میں ابن زبیر سے یہی روایت مروی ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ سے دعا کرو اور مقبولیت کا یقین رکھو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ غافل اور بے پرواہ دل کی دعا قبول نہیں فرماتا۔

رَفِيعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ يُلْقِي الرُّوحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ﴿۱۵﴾ يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ؕ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ؕ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۱۶﴾ اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ ؕ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۷﴾

''بلند درجات پر فائز کرنے والا عرش کا مالک۔ نازل فرماتا ہے وحی اپنے فضل سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے تاکہ وہ ڈرائے ملاقات کے دن سے۔ وہ دن جب وہ ظاہر ہوں گے۔ پوشیدہ نہ ہوگی اللہ تعالیٰ پر ان کے حالات سے کوئی شے۔ کس کی بادشاہی ہے آج؟ (کسی کی نہیں) صرف اللہ کی جو واحد (اور) قہار ہے۔ آج بدلہ دیا جائے گا ہر نفس کو جو اس نے کمایا تھا۔ ذرا ظلم نہیں ہوگا آج۔ بیشک اللہ تعالیٰ بہت تیزی سے حساب لینے والا ہے۔''

اللہ تعالیٰ اپنی عظمت، کبریائی اور اپنے عرش عظیم کی بلندی بیان فرما رہے ہیں جو تمام مخلوق پر چھت کی طرح چھایا ہوا ہے، جیسے ایک اور جگہ فرمایا: مِّنَ اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِ ۝ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ (معارج:4-3)۔

ان شاء اللہ اس بات کا بیان آگے آئے گا کہ یہ مسافت عرش اور ساتویں زمین کے مابین ہے۔ سلف وخلف کی ایک جماعت کا یہی قول ہے اور یہی راجح ہے۔ متعدد مفسرین کی رائے ہے کہ عرش سرخ رنگ کے یاقوت کا ہے۔ اس کے دونوں قطروں (کناروں) کے اور ساتویں زمین سے اس کی اونچائی پچاس ہزار سال ہے۔ پہاڑی بکروں والی حدیث میں اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ عرش عظیم ساتوں آسمانوں سے بھی بہت بلند ہے۔(1)

يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: (النحل:2) يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ اور فرمایا: وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۹۲﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿۱۹۳﴾ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ (شعراء:94-192)۔

اسی لئے فرمایا: لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ يَوْمَ التَّلَاقِ قیامت کے اسماء میں سے ایک نام ہے۔ اللہ نے اس کے ساتھ اپنے بندوں کو ڈرایا ہے۔ ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ وہ دن ہے جس میں حضرت آدم علیہ السلام اور آپ کی اولاد میں سے آخری بچہ ایک دوسرے سے ملیں گے۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس دن بندوں کی ملاقات خدا سے ہوگی۔ قتادہ، سدی، بلال بن سعد اور سفیان بن عیینہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ اس دن اہل آسمان، اہل زمین اور خالق ومخلوق سب ملیں گے۔ ایک قول کے مطابق اس دن یہ سب کچھ بھی ہوگا اور ہر عامل کو اس کا

1۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 4، مسلم، کتاب المساجد، جلد 1 صفحہ 416-415، ابوداؤد، کتاب الوتر، جلد 2 صفحہ 84-83، نسائی، کتاب السہو، جلد 3 صفحہ 70-69

2۔ دیکھئے یہی سورت آیت نمبر 7

عمل بھی ملے گا خواہ خیر ہو یا شر۔

یَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ لَا یَخْفٰی عَلَی اللّٰهِ مِنْهُمْ شَیْءٌ آج سب خدا کے سامنے ہوں گے۔ کوئی چیز انہیں نہیں چھپائے گی۔ کوئی سایہ یا پردہ نہ ہوگا۔ سب لوگ اس کے علم میں ہوں گے۔

لِمَنِ الْمُلْكُ الْیَوْمَ ...... حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ والی روایت میں اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو لپیٹ کر اپنے ہاتھ میں لے لے گا اور یہ اعلان فرمائے گا: میں ہوں بادشاہ، میں ہوں جبار، میں ہوں متکبر، زمین کے بادشاہ کہاں ہیں؟ جابر کدھر ہیں؟ تکبر کرنے والے کدھر ہیں؟(1)۔ صور والی روایت میں ہے کہ اللہ عزوجل تمام مخلوق کی ارواح کو اپنے قبضے میں لے لیں گا اور اس وحدہ لاشریک لہٗ کے سوا کوئی باقی نہ رہ جائے گا۔ اس وقت وہ فرمائے گا آج فرمانروائی کس کی ہے؟ پھر خود ہی خالق کائنات جواب دے گا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔ یعنی ہر چیز پر وہی غالب ہے(2)۔

محمد ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت ابی نضرۃ ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ قیامت کے قائم ہونے کے وقت ایک منادی اعلان کرے گا: اے لوگو! قیامت آگئی۔ جسے زندہ و مردہ سب سنیں گے۔ اللہ رب العزت آسمان دنیا پر نزول اجلال فرمائے گا اور کہے گا آج بادشاہی کس کے لئے ہے؟ صرف اللہ کے لئے جو غلبہ والا ہے(3)۔

اَلْیَوْمَ تُجْزٰی كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ مخلوق کے مابین اللہ تعالیٰ کے عدل و انصاف کا بیان ہو رہا ہے کہ کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا بلکہ نیکی کا بدلہ دس گنا اور برائی کا صرف ایک گنا۔ اسی لئے فرمایا: لَا ظُلْمَ الْیَوْمَ جس طرح کہ صحیح مسلم میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا فرمان (حدیث قدسی) ذکر فرمایا: ''اے میرے بندو! میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے اور تم پر بھی۔ تم بھی ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو...... یہاں تک کہ فرمایا...... اے میرے بندو! یہ تمہارے اعمال ہیں جنہیں میں شمار کروں گا اور تمہیں اس کا پورا پورا بدلہ دوں گا۔ جو شخص بھلائی پائے اللہ کی حمد و ثناء کرے اور جو اس کے علاوہ پائے وہ نہ ملامت کرے مگر اپنے آپ کو ہی(4)۔

اِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ تمام خلائق سے حساب لینا اس کے لئے اسی طرح ہے جیسے ایک شخص کا حساب لینا۔ جیسے ایک اور آیت میں فرمایا ہے: مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ (لقمان: 28) اور فرمایا: وَمَاۤ اَمْرُنَاۤ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۭ بِالْبَصَرِ (قمر: 50)۔

وَاَنْذِرْهُمْ یَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَی الْحَنَاجِرِ كٰظِمِیْنَ ۚ مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ حَمِیْمٍ وَّلَا شَفِیْعٍ یُّطَاعُ ﴿۱۸﴾ یَعْلَمُ خَآىِٕنَةَ الْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ ﴿۱۹﴾ وَاللّٰهُ یَقْضِیْ بِالْحَقِّ ؕ وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا یَقْضُوْنَ بِشَیْءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ﴿۲۰﴾

''اور آپ ڈرایئے انہیں قریب آنے والے دن سے جب کہ دل گلے میں اٹک جائیں گے خوف و دہشت سے بھرے ہوئے۔ نہ ہوگا ظالموں کے لئے کوئی دوست اور نہ ایسا سفارشی جس کی سفارش مانی جائے۔ وہ جانتا ہے خیانت کرنے والی آنکھوں کو اور ان باتوں کو جنہیں سینے میں چھپائے ہوئے ہیں۔ اور اللہ فیصلہ فرمائے گا حق کے ساتھ۔ اور جنہیں وہ اللہ کے بغیر پکارتے ہیں وہ کسی چیز کا فیصلہ نہیں کر سکتے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہی سب کچھ سننے والا (اور) سب کچھ دیکھنے والا ہے''۔

1۔ دیکھئے سورۃ زمر آیت: 67
2۔ دیکھئے تفسیر سورۃ انعام آیت: 73
3۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 279، مستدرک تفسیر سورۃ مومن، جلد 2 صفحہ 437
4۔ مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 1995-1994

آزفہ قیامت کا ایک نام ہے اسے یہ نام اس لئے دیا گیا ہے کہ وہ بہت قریب ہے ایک اور جگہ آتا ہے: اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ﴿۵۷﴾ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ (النجم: 58-57) اور فرمایا: اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ جن لوگوں نے اللہ کے ساتھ شرک کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے ان کا آج کوئی قریبی نہ ہوگا جو انہیں نفع دے اور نہ کوئی سفارشی۔ اور فرمایا: اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ۔ اور فرمایا: اَتٰى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ (النحل: 1)۔ اور فرمایا: فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِيْٓئَتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (الملک: 27)۔

قولہ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ دل خوف سے حلق میں اٹک جائیں گے۔ نہ باہر نکل پائیں گے اور نہ اپنی جگہ پر واپس جا سکیں گے۔ عکرمہ، سدی رحمہما اللہ تعالیٰ اور بہت سے مفسرین سے یہی منقول ہے۔

كٰظِمِيْنَ یعنی خاموش۔ کوئی بولنے کی جرأت نہیں کر سکے گا مگر اس کی اجازت سے۔ ایک اور آیت میں ہے: يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۙ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا (النباء: 38)...... ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کاظمین کا معنی ہے روتے ہوئے۔

مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ یعنی کفار و مشرکین کیلئے کوئی ایسا رشتہ دار نہ ہوگا جو انہیں فائدہ پہنچائے اور نہ کوئی ایسا سفارشی ہوگا جو ان کی سفارش کرے۔ بلکہ بھلائی کے تمام اسباب کٹ چکے ہوں گے۔

يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ...... اللہ تعالیٰ اپنے علم تام کی خبر دے رہے ہیں جو تمام اشیاء خواہ چھوٹی ہوں یا بڑی، عمدہ ہوں یا حقیر، دقیق ہوں یا لطیف سب کو محیط ہے تاکہ لوگ اس کے علم سے ڈریں اور اللہ سے حیاء کریں جس طرح حیا کرنے کا حق ہے۔ کما حقہ تقویٰ اختیار کریں اور یہ مراقبہ ان کے دلوں میں پختہ ہو جائے کہ وہ انہیں دیکھ رہا ہے۔ وہ آنکھوں کی خیانت سے بھی آگاہ ہے اگرچہ دیانت داری ظاہر کریں اور ان کے سینوں کے پوشیدہ رازوں سے بھی وہ خوب واقف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں منقول ہے کہ اس سے مراد وہ آدمی ہے جو گھر میں داخل ہوتا ہے۔ وہاں کوئی خوبصورت عورت ہے، یا وہ اس کے پاس سے گزرتے ہیں۔ ان کے ساتھ ایک خوبرو عورت ہے۔ جب انہیں خیال نہ ہو تو اسے دیکھ لیتا ہے اور جب کسی کی نظر پڑے تو فوراً نگاہ پھیر لیتا ہے۔ اسی طرح جب ان کی توجہ نہ تھی تو دیکھ لیا۔ اور کسی نے اسے دیکھ لیا تو فوراً نگاہ نیچے کر لی اور اللہ تعالیٰ کو تو یہ بھی معلوم ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ پوشیدہ عضو کو بھی دیکھ لے(1) (رواہ ابن ابی حاتم)۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس سے مراد آنکھ مارنا اور آدمی کا یہ کہنا میں نے دیکھا حالانکہ اس نے دیکھا نہ تھا۔ یا یہ کہنا کہ میں نے نہیں دیکھا حالانکہ اس نے دیکھ لیا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو یہ معلوم ہے کہ اس شخص نے کس ارادے سے نگاہ ڈالی ہے۔ یعنی کیا اس کا ارادہ برا تھا یا نہیں؟ مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے بھی یہی منقول ہے۔

وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی منقول ہے کہ وہ جانتا ہے کہ اگر تجھے قدرت ہو تو اس کے ساتھ زنا کرے گا یا نہیں؟ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ وہ دلوں کے وسوسہ سے آگاہ ہے۔

يَقْضِيْ بِالْحَقِّ وہ عدل کے ساتھ فیصلے کرتا ہے۔ اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت سعید بن جبیر ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ وہ قادر ہے نیکی کا بدلہ نیکی سے اور برائی کا برائی سے دے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس تفسیر کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے۔ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى (نجم: 31)۔

1۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 282، ابن ابی شیبہ مصنفہ، جلد 4 صفحہ 327

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ اس کے علاوہ جن بتوں کو وہ پکارتے ہیں وہ کسی چیز کے مالک نہیں اور کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ مخلوق کے اقوال کو سننے والا ہے۔ ان کے احوال کو ملاحظہ فرمار ہا ہے۔ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہے گمراہ کرتا ہے۔ ان سب امور میں وہ عدل وانصاف سے کام لے رہا ہے۔

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿٢١﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿٢٢﴾

''کیا انہوں نے سیر وسیاحت نہیں کی زمین میں۔ تا کہ وہ دیکھتے کہ کیا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے۔ وہ قوت کے لحاظ سے بھی ان سے طاقت ور تھے اور زمین میں (چھوڑے ہوئے) آثار کے لحاظ سے بھی تو پکڑ لیا انہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں کے باعث، اور نہیں تھا ان کے لئے اللہ سے کوئی بچانے والا۔ یہ اس لئے کہ لے کر آتے رہے ان کے پاس ان کے رسول روشن نشانیاں تو انہوں نے (ہر بار) ماننے سے انکار کر دیا پس پکڑ لیا انہیں اللہ نے۔ بیشک وہ بڑا طاقتور سخت سزا دینے والا ہے''۔

ارشاد ہوتا ہے اے پیارے حبیب! آپ کو جھٹلانے والے ان لوگوں نے ادھر ادھر پھر کر سابقہ انبیاء کو جھٹلانے والی اقوام کا انجام ملاحظہ نہیں کیا کہ ان پر کیا کیا عذاب نازل ہوئے۔ حالانکہ وہ ان سے زیادہ طاقت ور اور قوی الجثہ تھے اور زمین پر وہ عالی شان عمارتیں کھڑی کیں جس پر یہ قادر نہیں جیسے ایک اور آیت میں ہے: وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ (احقاف:26)۔ ایک اور جگہ فرمایا: وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا (روم:9)۔ اتنی عظیم الشان طاقت اور شوکت ودبدبے کے باوجود ان کے کفر اور گناہوں پر اللہ تعالیٰ نے انہیں پکڑ لیا۔

مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ اللہ کے عذاب کو ان سے کوئی روک نہ سکا اور نہ انہیں بچا سکا پھر ان پر نزول عذاب کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ...... واضح دلائل اور روشن حجتوں کے ساتھ۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے کفر کیا تو اللہ نے انہیں تباہ و برباد کر دیا ان کا نام و نشان تک مٹ گیا۔ وہ عظیم قوتوں اور شدید گرفت والا ہے۔ اس کا عذاب، دردناک اور شدید ہے۔ اللہ ہمیں اس سے نجات عطا فرمائے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿٢٣﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴿٢٤﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ ۭ وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿٢٥﴾ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ ﴿٢٦﴾ وَ

قَالَ مُوْسٰى اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا یُؤْمِنُ بِیَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۲۷﴾

''اور بیشک بھیجا ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی نشانیوں اور روشن سند کے ساتھ۔ فرعون، ہامان اور قارون کی طرف تو انہوں نے کہا (یہ) جادوگر ہے بڑا جھوٹا ہے۔ پھر جب موسیٰ لے کر آئے ان لوگوں کے پاس حق ہمارے ہاں سے تو انہوں نے کہا کہ قتل کر ڈالو ان لوگوں کے بچوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے اور زندہ چھوڑ دو ان کی لڑکیوں کو۔ اور نہیں ہے کافروں کا ہر مکر مگر رائیگاں۔ اور فرعون نے (جھنجھلا کر) کہا مجھے چھوڑ دو میں موسیٰ کو قتل کروں اور وہ بلائے اپنے رب کو (اپنی مدد کے لئے) مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں وہ تمہارا دین بدل نہ دے یا فساد نہ پھیلا دے ملک میں۔ اور موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا میں پناہ مانگتا ہوں اپنے رب کی اور تمہارے پروردگار کی ہر اس متکبر (کے شر) سے جو روز حساب پر ایمان نہیں رکھتا''۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے نبی کو یہ تسلی دے رہے ہیں کہ انجام کار فتح و نصرت آپ کی ہی ہوگی۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ آپ کے سامنے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو آیات و معجزات کے ساتھ مبعوث فرمایا قبطیوں کے بادشاہ فرعون کی طرف جو دیار مصر کا حکمران تھا اور ہامان کی طرف جو اس کا وزیر تھا اور قارون کی طرف جو اپنے زمانے کے تمام لوگوں سے زیادہ مال و دولت اور تجارت کا مالک تھا۔

فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ انہوں نے آپ کی تکذیب کی آپ کو معاذ اللہ جادوگر، دیوانہ اور کذاب ٹھہرایا۔ ایک اور آیت میں آتا ہے: كَذٰلِكَ مَاۤ اَتَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۵۲﴾ اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ (ذاریات:53-52)۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ...... جب آپ ان کے پاس واضح دلیل لے کر آئے تو انہوں نے دوسری مرتبہ یہ فیصلہ کیا کہ بنی اسرائیل کی نسل کشی کی جائے۔ ان کے بچے مار ڈالے جائیں۔ اس سے پہلے بھی فرعون یہی حکم دے چکا تھا اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا نہ ہو جائیں، یا اس قوم بنی اسرائیل کو ذلیل کرنا اور ان کی طاقت کم کرنا مقصود تھا اور ممکن ہے کہ دونوں مصلحتیں ہی اس کے پیش نظر ہوں۔ دوبارہ یہی حکم اب جاری کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اس قوم کی اہانت و تذلیل کی جائے اور نیز اس لئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی مصیبت کا سبب گردانا شروع کر دیں۔ اسی لئے بنو اسرائیل نے کہا اُوْذِیْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِیَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ یُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَیَسْتَخْلِفَكُمْ فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرَ كَیْفَ تَعْمَلُوْنَ (اعراف:129)۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ فرعون کا یہ حکم دوبارہ تھا یعنی پہلے بھی وہ کسی موقع پر یہ حکم دے چکا تھا۔

وَمَا كَیْدُ الْكٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ ان کی اس سازش کا مقصد یہ تھا کہ بنی اسرائیل کی عددی قوت کم ہو جائے تا کہ وہ ان پر غالب نہ آسکیں۔ لیکن ان کی یہ سازش بھی ناکام رہی۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِیْۤ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْیَدْعُ رَبَّهٗ ملعون فرعون نے اپنے اعیان مملکت سے کہا اگر تم مجھے کچھ نہ کہو تو میں موسیٰ کا کام تمام کر دوں۔ وہ اپنے خدا کو مدد کے لئے پکارے مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ یہ از حد درجے کا انکار، شیخی اور عناد تھا۔

قولہ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یُّبَدِّلَ دِیْنَكُمْ اَوْ اَنْ یُّظْهِرَ فِی الْاَرْضِ الْفَسَادَ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام۔ فرعون کو یہ خدشہ ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام لوگوں کو گمراہ کر دیں گے اور ان کی عادات و رسومات کو بدل دیں گے۔ اسی سے عربوں میں یہ ضرب المثل مشہور ہو گئی: صَارَ فِرْعَوْنُ مُذَكِّرًا یعنی فرعون بھی واعظ بن گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے لوگوں کیلئے خدشہ محسوس کرنے لگا۔ اکثر قاریوں کی قرأت یہی

ہے جو متن میں ہے۔ جبکہ بعض قرأتوں میں ضمہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے(1)۔

قَالَ مُوْسٰٓى اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّكُمْ...... حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب فرعون کے اس بدارادہ کی خبر ملی تو آپ نے فرمایا اے لوگو! میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ میں آتا ہوں اس کے اور اس جیسے لوگوں کے شر سے جو حق سے تکبر کرنے والے مجرم ہوں۔ اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے۔ حدیث شریف میں حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب کسی قوم سے کوئی خدشہ محسوس ہوتا تو آپ یہ دعا پڑھتے:

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُبِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ وَنَدْرَأُ بِكَ فِیْ نُحُوْرِهِمْ(2)۔

ترجمہ:۔ "اے اللہ! ہم ان کی شرانگیزیوں سے تیری پناہ میں آتے ہیں اور ہم تجھ کو ان کے سامنے کرتے ہیں (تا کہ ان کا شر ہم تک نہ پہنچے۔ تو بیچ میں حائل ہو جائے)"۔

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِیْ يَعِدُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِیْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴿۲۸﴾ يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِی الْاَرْضِ ۡ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا ۭ قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿۲۹﴾

"اور کہنے لگا ایک مردِ مومن جو فرعون کے خاندان سے تھا اور چھپائے ہوئے تھا اپنے ایمان کو کیا تم قتل کرنا چاہتے ہو ایک شخص کو اس وجہ سے کہ وہ کہتا ہے میرا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے، حالانکہ وہ لے آیا ہے تمہارے پاس دلیلیں تمہارے رب کی طرف سے (اسے اپنے حال پر رہنے دو) اگر وہ حقیقتاً جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کی شامت اس پر ہوگی اور اگر سچا ہوا (اور تم نے اس کو گزند پہنچائی) تو ضرور پہنچے گا تمہیں عذاب جس کا اس نے تم سے وعدہ کیا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا اسے جو حد سے بڑھنے والا بہت جھوٹ بولنے والا ہو۔ اے میری قوم! مانا آج حکومت تمہاری ہے (نیز تمہیں) غلبہ حاصل ہے اس ملک میں (لیکن مجھے یہ تو بتاؤ) کون بچائے گا ہمیں خدا کے عذاب سے اگر وہ ہم پر آ جائے۔ (یہ سن کر) فرعون کہنے لگا میں تو تمہیں وہی مشورہ دیتا ہوں جس کو میں درست سمجھتا ہوں اور نہیں رہنمائی کرتا میں تمہاری مگر سیدھے راستہ کی طرف"۔

مشہور یہ ہے کہ یہ مومن آدمی آل فرعون سے ایک قبطی شخص تھا جو مخفی طور پر ایمان لا چکا تھا۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ فرعون کا چچا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ وہی شخص ہے جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نجات پائی تھی۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے پسند کیا ہے اور آپ نے ان لوگوں کی تردید کی ہے جنہوں نے یہ کہا ہے کہ وہ اسرائیلی ہے کیونکہ فرعون نے اس کی بات کا اثر قبول کیا اور اسے خوب غور سے سنا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل سے باز رہا۔ اور اگر وہ اسرائیلی ہوتا تو فوراً دھر لیا جاتا۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن

1۔ نافع، ابوعمرو اور حفص نے یاء کے ضمہ اور ہاء کے کسرہ سے (يُظْهِرَ) پڑھا ہے اور الفساد کو نصب سے پڑھا ہے۔ باقی "يَظْهَرَ" یاء اور ہاء کے فتحہ کے ساتھ اور (الفساد) کو فاعل ہونے کی بنا پر رفع دیا ہے۔ دیکھئے ابن باذش: الاقناع، جلد 2 صفحہ 753

2۔ ابوداؤد، کتاب الوتر، جلد 2 صفحہ 89، امام احمد مسند، جلد 4 صفحہ 414-415

عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آل فرعون میں سے اس آدمی اور فرعون کی بیوی کے سوا اور کوئی مسلمان نہیں ہوا۔ تیسرا وہ شخص جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اطلاع دی تھی: یٰمُوْسٰۤى اِنَّ الْمَلَاَ یَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِیَقْتُلُوْكَ (رواہ ابن ابی حاتم)(1)۔ یہ قبطی شخص اگرچہ ایمان تو لا چکا تھا لیکن اس نے اپنی قوم کو اپنے ایمان سے آگاہ نہیں کیا تھا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب فرعون نے اپنی قوم سے کہا اگر تم کہو تو میں موسیٰ کو قتل کرا دوں تو حمیت الٰہیہ کی خاطر اس شخص سے ضبط نہ ہو سکا۔ اور سب سے افضل جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے جس طرح کہ حدیث سے ثابت ہے(2)۔ اور فرعون کے سامنے اس سے بڑھ کر بڑی جسارت اور کوئی نہ تھی۔ یعنی اس شخص کا یہ کہنا کیا تم اسے محض اس لئے قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے: اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰهُ...... ماسوائے اس روایت کے جسے بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے عروہ بن زبیر سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے کہا: مجھے بتائیے کہ مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کو سب سے شدید تکلیف کیا پہنچائی تھی؟ آپ نے فرمایا: ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کعبہ شریف میں نماز پڑھ رہے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط آیا۔ آپ کو کندھے مبارک سے پکڑا اور آپ کی گردن مبارک میں کپڑا لپیٹ کر زور سے کھینچا (گلا گھونٹنا چاہا)۔ حضرت ابوبکر آئے اس کو سرکار ﷺ سے دور ہٹایا اور یہ فرمایا: اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰهُ وَ قَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَیِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ(3)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ سے پوچھا گیا کہ آپ کی نظر میں قریش نے رسول اللہ ﷺ کو سب سے بڑی تکلیف کیا پہنچائی تھی؟ آپ نے فرمایا: ایک دن آپ ﷺ کا گزر قریش کے پاس سے ہوا۔ وہ آپ سے کہنے لگے کیا آپ ہیں جو ہمیں اس چیز کی عبادت سے روکتے ہیں جسے ہمارے آباؤ اجداد پوجتے تھے؟ آپ نے فرمایا: ہاں میں ہی ہوں۔ چنانچہ وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ ﷺ سے چمٹ گئے۔ میں نے دیکھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کو پیچھے سے بازوؤں میں لئے ہوئے ہیں۔ آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں اور آپ باآواز بلند یہ پکار رہے ہیں: یا قوم اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ یَّقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰهُ...... حتیٰ کہ آپ رضی اللہ عنہ نے پوری آیت پڑھ دی۔ نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح روایت کیا ہے اور اسے مسند حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے شمار کیا ہے(4)۔

قَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَیِّنٰتِ...... یعنی تم اس لئے ایک آدمی کے درپے آزار ہو کہ وہ یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ کیا اس کا قصور صرف یہی ہے حالانکہ اس نے اپنے عقیدہ کی سچائی کے لئے سند اور دلیل بھی پیش کر دی ہے۔ چنانچہ اس آدمی نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا: وَ اِنْ یَّكُ كَاذِبًا فَعَلَیْهِ كَذِبُهٗ...... یعنی اگر تمہیں اس کی بات سے اختلاف ہے تو اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔ اگر بالفرض وہ غلط بھی کہہ رہا ہے تو عقل و مصلحت، مناسب رائے اور احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ اسے کچھ نہ کہا جائے اور کوئی ایذاء نہ دی جائے۔ اگر (معاذ اللہ) وہ (حضرت موسیٰ علیہ السلام) جھوٹے ہیں تو خدا تعالیٰ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ سے دنیا و آخرت میں خود نپٹ لے گا اور اگر وہ سچا ہے اور تم نے اسے کوئی تکلیف پہنچا دی تو تم پر وہ عذاب نازل ہوگا جس کا اس نے تم سے وعدہ کیا ہے کیونکہ وہ تمہیں دھمکی دے رہا ہے کہ اگر تم نے اس کی مخالفت کی تو دنیا و

1۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 284　　2۔ یہ حدیث سورہ مائدہ کی آیت: 79 کی تفسیر میں گزر چکی ہے نیز دیکھئے سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم، باب الامر والنہی، تحفۃ الاحوذی، جلد 6 صفحہ 395، نسائی، جلد 7 صفحہ 161، ابن ماجہ، جلد 2 صفحہ 1329 مسند امام احمد، جلد 3 صفحہ 19

3۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ مومن، جلد 8 صفحہ 554-553

4۔ ابن ابی شیبہ مصنف، جلد 14 صفحہ 297، درمنثور، جلد 7 صفحہ 285، نسائی، سنن کبریٰ، کتاب التفسیر، نیز بخاری نے کتاب المناقب میں اسے تعلیقاً روایت کیا ہے۔ دیکھئے فتح الباری، جلد 7 صفحہ 166 تحفۃ الاشراف، جلد 8 صفحہ 155

آخرت دونوں میں عذاب الٰہی میں گرفتار ہو جاؤ گے۔ ممکن ہے کہ وہ سچا ہی ہو اس لئے تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ اس سے تعرض نہ کرو بلکہ اسے اور اس کی قوم کو چھوڑ دو وہ انہیں تبلیغ کرتا رہے اور وہ اس کی پیروی کرتے رہیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں خبر دی کہ آپ نے فرعون سے یہ مطالبہ کیا تھا: وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ...... لِيْ فَاعْتَزِلُوْنِ (دخان: 17)۔ اسی طرح رسول اکرم ﷺ نے اپنی قوم قریش سے فرمایا تھا کہ مجھے اللہ کے بندوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے دو اور مجھے کوئی تکلیف نہ دو اور میری قرابت داری کا لحاظ رکھتے ہوئے میری ایذاء رسانی سے باز رہو۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى (شوریٰ: 23)۔ چونکہ میرے اور تمہارے درمیان قرابت داری ہے لہٰذا مجھے دکھ نہ دو اور میرے اور لوگوں کے درمیان حائل نہ ہو۔ اسی بات پر صلح حدیبیہ طے پائی جو فتح مبین کہلائی۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ یعنی اگر یہ شخص جو گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے تمہاری طرف مبعوث فرمایا ہے، اگر تمہارے خیال میں جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا پول جلد ہی کھل جاتا اور اس کے افعال و اقوال میں تناقض اور اختلاف ہوتا۔ لیکن ہم اس کے منہج کو صحیح دیکھ رہے ہیں۔ اگر وہ مسرفین اور کذابین سے ہوتا تو اللہ تعالیٰ اسے کبھی ہدایت نہ دیتا۔ اس کے قول و فعل میں جو یکسانیت ہے اسے عطا نہ ہوتی۔ پھر اس مؤمن شخص نے اپنی قوم کو عیش و عشرت کے خاتمے اور اللہ کے عذاب و انتقام سے ڈراتے ہوئے فرمایا:

يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ...... اے قوم اللہ نے تمہیں حکومت و سلطنت عطا فرمائی ہے اور زمین میں تمہیں عزت و آرام اور جاہ و مرتبہ سے نوازا ہے۔ لہٰذا اللہ کے شکر اور اس کے رسول کی تصدیق کے ساتھ اس انعام کا حق ادا کرو اور اس کے رسول کی تکذیب کر کے اللہ کے انتقام کو دعوت نہ دو۔

فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ...... اگر اللہ نے عذاب کا فیصلہ کر لیا تو اس وقت یہ لشکر اور سپاہ ہمیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکے گی۔

قَالَ فِرْعَوْنُ اس نیک، پاکباز آدمی جو کہ فرعون کی نسبت اقتدار کا زیادہ حقدار تھا، کے مشورے کے بعد فرعون نے کہا! میں نے تمہیں جو بات کہی ہے، جو مشورہ دیا ہے وہی بات میں اپنی ذات کے لئے بھی پسند کرتا ہوں۔ فرعون نے جھوٹ بولا تھا۔ درحقیقت اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حقانیت کا یقین تھا۔ وہ یہ جانتا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے دعویٰ رسالت میں سچے ہیں۔

قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ (اسراء: 102)۔ اور فرمایا: وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا (النمل: 14)۔

مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى میں نے تمہیں جو مشورہ دیا ہے وہ درست ہے حالانکہ وہ کذب و افتراء پردازی سے کام لے رہا تھا اور اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور اس کی رعایا کے ساتھ خیانت سے کام لے رہا تھا۔ اس نے لوگوں کو دھوکا دیا اور صحیح مشورہ نہ دیا۔

وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ میں تمہیں راہ حق اور رشد و ہدایت پر گامزن کرنا چاہتا ہوں۔ وہ اس بات میں بھی جھوٹا تھا اگرچہ اس کی قوم نے اس کی بات مان لی اور اس کی پیروی کی۔ ارشاد ربانی ہے: فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ (ہود: 98)۔ اور فرمایا: وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى (طہ: 79)۔

حدیث شریف میں ہے: ''کوئی امام (حاکم) نہیں مرتا اس حال میں کہ وہ اپنی قوم کو دھوکا دے رہا ہو مگر وہ جنت کی بو سونگھ نہیں پائے گا

حالانکہ اس کی خوشبو تو پانچ سو سال کی مسافت سے محسوس ہو جاتی ہے"(1)۔

وَ قَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ﴿۳۰﴾ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ وَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ وَ مَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ﴿۳۱﴾ وَ يٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ﴿۳۲﴾ يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾ وَ لَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ؕ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُ ﴿۳۴﴾ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ؕ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَ عِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿۳۵﴾

"اور کہنے لگا وہی ایمان والا اے میری قوم! میں ڈرتا ہوں کہ تم پر (بھی کہیں) پہلی قوموں کی تباہی کے دن جیسا دن نہ آ جائے۔ جیسا حال ہوا تھا قوم نوح، عاد اور ثمود کا اور ان لوگوں کا جو ان کے بعد آئے۔ اور اللہ نہیں چاہتا کہ بندوں پر ظلم کرے۔ اور اے میری قوم! میں ڈرتا ہوں تمہارے بارے میں پکار کے دن سے۔ جس روز تم بھاگو گے پیٹھ پھیرتے ہوئے۔ نہیں ہوگا تمہارے لئے اللہ (کے عذاب) سے کوئی بچانے والا۔ اور جسے گمراہ کر دے اللہ تعالیٰ اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ (اے میری قوم!) بیشک آئے تمہارے پاس یوسف (موسیٰ) سے پہلے روشن دلائل لے کر پس تم شک میں گرفتار رہے اس میں جو وہ لے کر آئے تھے۔ یہاں تک کہ جب وہ وفات پا گئے تو تم نے کہنا شروع کر دیا کہ نہیں بھیجے گا اللہ تعالیٰ ان کے بعد کوئی رسول۔ یونہی گمراہ کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اسے جو حد سے بڑھنے والا، شک کرنے والا ہوتا ہے۔ (یونہی گمراہ کرتا ہے) انہیں جو جھگڑتے رہتے ہیں اللہ کی آیتوں میں بغیر کسی (معقول) دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو۔ (یہ طریقہ) بڑی ناراضگی کا باعث ہے اللہ کے نزدیک اور مومنوں کے نزدیک۔ اسی طرح مہر لگا دیتا ہے اللہ تعالیٰ ہر مغرور (اور) سرکش دل پر"۔

آل فرعون کے اس ایماندار شخص کا بیان ہو رہا ہے کہ اس نے اپنی قوم کو دنیا اور آخرت میں اللہ کے عذاب سے ڈرایا اور پند و نصیحت کرتے ہوئے سابقہ اقوام کی بداعمالیوں کا تذکرہ شروع کر دیا جنہوں نے زمانہ قدیم میں اپنے رسولوں کو جھٹلایا تھا۔ جیسے قوم نوح، عاد، ثمود اور ان کے بعد زمانوں میں آنے والی اقوام جنہوں نے اپنے رسولوں کو جھٹلایا تو کس طرح اللہ کا عذاب ان پر نازل ہوا اور اسے کوئی طاقت نہ روک سکی۔

وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ یعنی اللہ نے انہیں ان کے گناہوں، مرسلین کی تکذیب اور اس کے اوامر کی مخالفت کی وجہ سے ہلاک کر دیا اور اپنی تقدیر کو ان میں نافذ کر دیا۔ پھر فرمایا! وَيٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ یعنی قیامت کا دن۔ اور قیامت کو یہ نام دینے کی وجہ اس حدیث صور میں مذکور ہے جس میں آتا ہے کہ زمین تھرتھرائے گی اور زمین پھٹ کر تقسیم ہو جائے گی اور جوش مارنے لگے گی۔ لوگ یہ دیکھیں

1۔ متفق علیہ، فتح الباری، کتاب الاحکام، جلد 13 صفحہ 127-126، مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 125، مسند امام احمد، جلد 5 صفحہ 25

گے تو گھبرا کر ادھر ادھر بھاگنا شروع کر دیں گے اور ایک دوسرے کو آوازیں دیں گے۔ضحاک و دیگر مفسرین کا قول ہے کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب جہنم لائی جائے گی۔لوگ اس سے بھاگیں گے تو فرشتے انہیں میدان محشر کی طرف کھینچ لائیں گے۔جیسے فرمان خداوندی ہے: وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا (حاقہ:17)۔ اور فرمایا: یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ (الرحمٰن:33) ''اے گروہ جن وانس اگر تم میں طاقت ہے کہ تم نکل بھاگو آسمانوں اور زمین کی سرحدوں سے تو نکل کر بھاگ جاؤ۔(سنو!) تم نہیں نکل سکتے بجز سلطان کے (اور وہ تم میں مفقود ہے)''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حسن اور ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ انہوں نے اس وال کو مشدد کر کے یَوْمَ التَّنَادِّ پڑھا ہے(1)۔اور یہ ماخوذ ہے نَدَّ البعیرُ اذا شردَ و ذَھَبَ سے جب وہ چلا جائے اور سرکشی کرے۔یہ بھی کہا گیا ہے کہ میزان کے پاس ایک فرشتہ ہوگا۔جب بندے کے اعمال تولے جا رہے ہوں گے اور پلڑا بھاری ہو جائے گا تو وہ بآواز بلند یہ پکارے گا خبردار! فلاں بن فلاں سعادت مند ہو گیا ہے ایسی سعادت جس کے بعد کبھی شقاوت و بدبختی نہیں آئے گی۔اور اگر اس کا عمل کم ہوگا تو وہ آواز دے گا فلاں بن فلاں بدنصیب ہو گیا۔قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ نام دینے کی وجہ یہ ہے کہ ہر قوم کو اعمال کے ساتھ پکارا جائے گا۔اہل جنت جنتیوں کو اور اہل جہنم جہنمیوں کو ندا دیں گے۔ایک قول یہ ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ جنت والے دوزخ والوں کو پکاریں گے۔جس کی طرف قرآن نے بھی اشارہ کیا ہے: اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ؕ قَالُوْا نَعَمْ (اعراف:44) ''بے شک ہم نے پا لیا جو وعدہ فرمایا تھا ہمارے ساتھ ہمارے رب نے سچا تو کیا تم نے بھی پایا جو وعدہ کیا تھا تمہارے رب نے سچا وہ کہیں گے ہاں''۔اور اہل نار جنتیوں سے کہیں گے: اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (اعراف:50) ''کہ انڈیلو ہم پر کچھ پانی یا جو کچھ دیا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ نے جنتی کہیں گے کہ اللہ نے حرام کر دی ہیں یہ دونوں چیزیں کافروں پر''۔

نیز اہل اعراف جنتیوں اور دوزخیوں کو آوازیں دیں گے جس طرح کہ سورۂ اعراف میں مذکور ہے۔بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ قول پسند کیا ہے کہ ان تمام وجوہات کی بناء پر روز قیامت کو یہ نام دیا گیا ہے۔یہی قول زیادہ مستحسن اور عمدہ ہے۔واللہ اعلم (2)۔

یَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِیْنَ جس دن تم بھاگو گے۔ كَلَّا لَا وَزَرَ ؕ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ اِۨلْمُسْتَقَرُّ (قیامہ:12-11) ''ہرگز نہیں، وہاں کوئی پناہ گاہ نہیں۔صرف آپ کے رب کے پاس ہی اس روز ٹھکانا ہوگا''۔

مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ اللہ کے عذاب سے تمہیں بچاؤ کا کوئی راستہ نہیں ملے گا۔اور جسے اللہ گمراہ کر دے اسے ہدایت سے کوئی بھی سرفراز نہیں کر سکتا۔

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ یعنی اہل مصر کی طرف۔اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے قبل رسول بنا کر ان میں مبعوث فرمایا تھا اور وہ حضرت یوسف علیہ السلام تھے۔آپ عزیز مصر تھے اور اللہ کے رسول بھی۔اپنی امت کو عدل و انصاف کے ساتھ خدا کی طرف بلاتے تھے مگر انہوں نے آپ کی اطاعت محض وزارت دنیوی اور جاہ و منصب کے سبب کی اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ......اور تذبذب اور تشکیک کی وادیوں میں ٹامک ٹوئیاں مارتے رہے۔حتیٰ کہ جب ان کا انتقال ہو گیا تو لگے کف افسوس ملنے اور کہنے لگے: لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا اب ایسا کوئی رسول تشریف نہیں لائے گا۔ایسا انہوں نے اپنے کفر اور تکذیب کے سبب کہا۔

1۔طبری، جلد 24 صفحہ 61، آلوسی: روح المعانی، جلد 24 صفحہ 67 2۔تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 97

كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ...... تمہاری طرح جس شخص کی حالت ہو اللہ تعالیٰ اس کے اعمال میں اسراف اور دل میں شک وارتیاب کی وجہ سے اسے گمراہ کر دیتا ہے۔

اَلَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ یعنی جو لوگ حق کو باطل کے ساتھ ہٹاتے ہیں اور اللہ کی طرف سے معجزات و براہین کو بغیر دلیل کے ہٹاتے ہیں اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے شدید ناراض ہے۔ اسی لئے فرمایا: كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ان صفات کے حامل شخص سے تو مومنین بھی نفرت کرتے ہیں۔ جس میں یہ صفت ہو اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دیتا ہے اس کے بعد اسے نیکی اور برائی میں امتیاز نہیں رہتا۔ اسی لئے فرمایا: كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ یعنی حق کی اتباع سے تکبر کرنے والا۔ ابن ابی حاتم نے عکرمہ اور شعبی رحمہم اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ انسان جبار نہیں بنتا حتیٰ کہ وہ دو انسانوں کو قتل کر ڈالے۔ ابو عمران جونی اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ جابروں کی نشانی ناحق کسی کو قتل کر دینا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ﴿٣٦﴾ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ۭ وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ ۭ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ﴿٣٧﴾

''اور فرعون نے کہا اے ہامان! بنا میرے لئے ایک اونچا محل (اس پر چڑھ کر) میں ان راہوں تک پہنچ جاؤں۔ یعنی آسمانوں کی راہوں تک پھر میں جھانک کر دیکھوں موسیٰ کے خدا کو اور میں تو یقین کرتا ہوں کہ وہ جھوٹا ہے اور یوں آراستہ کر دیا گیا فرعون کے لئے اس کا برا عمل اور روک دیا گیا اسے راہِ (راست) سے۔ اور نہیں تھا فرعون کا سارا فریب مگر اس کی اپنی تباہی کے لئے۔''

فرعون اس کی سرکشی، تکبر اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کرنے کا بیان ہو رہا ہے کہ اس نے اپنے وزیر ہامان کو حکم دیا کہ میرے لئے ایک بلند و بالا محل تعمیر کرو۔ اس نے پختہ اینٹوں سے اسے تعمیر کیا۔ جیسے ایک اور آیت میں ہے: فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا (قصص:38) ''پس آگ جلا میرے لئے اے ہامان! اور اس پر اینٹیں پکوا میرے لئے ایک اونچا محل تعمیر کر''۔ اسی لئے ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ سلف صالحین پختہ اینٹوں سے عمارت بنانا مکروہ جانتے تھے اور قبر میں اینٹیں لگانے کو مکروہ قرار دیا (ابن ابی حاتم)۔

لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ﴿٣٦﴾ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ...... سعید بن جبیر اور ابو صالح نے اسباب کا معنی دروازہ کیا ہے۔ ایک قول ہے آسمان کے راستے۔

فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى...... یہ اس کا کفر اور عناد تھا کہ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رسول ماننے سے انکار کر دیا۔

وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ...... فرعون کی یہ ایک چال تھی۔ وہ دراصل اپنی رعیت کو دھوکا دینا چاہتا تھا۔ اس نے کہا وہ ایک ایسی تدبیر کر رہا ہے جس کے ساتھ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معاذ اللہ! کذاب ثابت کر دے گا۔

تَبَابٍ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا معنی خسارہ کیا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿٣٨﴾ يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ

الدُّنۡیَا مَتَاعٌ ۫ وَّ اِنَّ الۡاٰخِرَۃَ هِیَ دَارُ الۡقَرَارِ ﴿۳۹﴾ مَنۡ عَمِلَ سَیِّئَۃً فَلَا یُجۡزٰۤی اِلَّا مِثۡلَهَا ۚ وَ مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا مِّنۡ ذَکَرٍ اَوۡ اُنۡثٰی وَ هُوَ مُؤۡمِنٌ فَاُولٰٓئِکَ یَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّۃَ یُرۡزَقُوۡنَ فِیۡهَا بِغَیۡرِ حِسَابٍ ﴿۴۰﴾

''اور کہنے لگا وہ جو ایمان لایا تھا اے میری قوم! میرے پیچھے چلو میں دکھاؤں گا تمہیں ہدایت کی راہ۔ اے میری قوم! یہ دنیوی زندگی تو (چندروزہ) لطف اندوزی ہے۔ اور آخرت ہی ہمیشہ ٹھہرنے کی جگہ ہے۔ جو بُرے کام کرتا ہے اُسے سزا دی جائیگی اسی قدر۔ اور جو نیک کام کرتا ہے خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ ایماندار ہو تو وہ داخل ہوں گے جنت میں رزق دیا جائے گا انہیں وہاں بغیر حساب''۔

مؤمن نے اپنی قوم کے جبار اور سرکش لوگوں سے جنہوں نے دنیوی زندگی کو ترجیح دی اور جبار اعلیٰ کو بھول گئے تھے خطاب کرتے ہوئے کہا: یٰقَوۡمِ اتَّبِعُوۡنِ اَهۡدِکُمۡ سَبِیۡلَ الرَّشَادِ نہ کہ جس طرح فرعون نے جھوٹ بولا تھا۔ پھر دنیا کی بے رغبتی ان کے سامنے بیان کی جسے انہوں نے آخرت پر ترجیح دی تھی اور جس نے اللہ کے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تصدیق سے انہیں روک دیا تھا۔

هٰذِهِ الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَا مَتَاعٌ یعنی قلیل اور فانی ہے۔ اور دار آخرت نہ تو ختم ہونے والا ہے نہ اس سے منتقل ہوا جا سکتا ہے نہ کوچ کیا جا سکتا ہے بلکہ یا جنت ہے یا دوزخ۔

بِغَیۡرِ حِسَابٍ نیکی کا ثواب بے حد و حساب دیا جائے گا جو کبھی ختم نہ ہوگا۔

وَ یٰقَوۡمِ مَا لِیۡۤ اَدۡعُوۡکُمۡ اِلَی النَّجٰوۃِ وَ تَدۡعُوۡنَنِیۡۤ اِلَی النَّارِ ﴿ؕ۴۱﴾ تَدۡعُوۡنَنِیۡ لِاَکۡفُرَ بِاللّٰهِ وَ اُشۡرِکَ بِهٖ مَا لَیۡسَ لِیۡ بِهٖ عِلۡمٌ ۫ وَّ اَنَا اَدۡعُوۡکُمۡ اِلَی الۡعَزِیۡزِ الۡغَفَّارِ ﴿۴۲﴾ لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدۡعُوۡنَنِیۡۤ اِلَیۡهِ لَیۡسَ لَهٗ دَعۡوَۃٌ فِی الدُّنۡیَا وَ لَا فِی الۡاٰخِرَۃِ وَ اَنَّ مَرَدَّنَاۤ اِلَی اللّٰهِ وَ اَنَّ الۡمُسۡرِفِیۡنَ هُمۡ اَصۡحٰبُ النَّارِ ﴿۴۳﴾ فَسَتَذۡکُرُوۡنَ مَاۤ اَقُوۡلُ لَکُمۡ ؕ وَ اُفَوِّضُ اَمۡرِیۡۤ اِلَی اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَصِیۡرٌۢ بِالۡعِبَادِ ﴿۴۴﴾ فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِ مَا مَکَرُوۡا وَ حَاقَ بِاٰلِ فِرۡعَوۡنَ سُوۡٓءُ الۡعَذَابِ ﴿ۚ۴۵﴾ اَلنَّارُ یُعۡرَضُوۡنَ عَلَیۡهَا غُدُوًّا وَّ عَشِیًّا ۚ وَ یَوۡمَ تَقُوۡمُ السَّاعَۃُ ۟ اَدۡخِلُوۡۤا اٰلَ فِرۡعَوۡنَ اَشَدَّ الۡعَذَابِ ﴿۴۶﴾

''اور اے میری قوم! میرا بھی عجیب حال ہے کہ میں تو تمہیں دعوت دیتا ہوں نجات کی طرف اور تم بلاتے ہو مجھے آگ کی طرف۔ تم مجھے دعوت دیتے ہو کہ میں اللہ کا انکار کروں اور میں شریک ٹھہراؤں اس کے ساتھ اس کو جس کا مجھے علم تک نہیں۔ اور میرا حال یہ ہے کہ میں پھر بھی تمہیں اس خدا کی طرف بلاتا ہوں جو عزت والا، بہت بخشنے والا ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ جس کی (بندگی کی) طرف تم مجھے بلاتے ہو اسے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ اسے پکارا جائے اس دنیا میں اور نہ آخرت میں اور یقیناً ہم سب کو لوٹنا ہے اللہ کی طرف اور یقیناً حد سے گزرنے والے ہی جہنمی ہیں۔ پس (اے میرے ہم وطنو!) عنقریب تم یاد

کرو گے جو میں (آج) تمہیں کہہ رہا ہوں۔ اور میں اپنا (سارا) کام اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ بیشک اللہ تعالیٰ دیکھنے والا ہے (اپنے) بندوں کو۔ پس بچا لیا اسے اللہ تعالیٰ نے ان اذیتوں سے جن کے پہنچانے کا انہوں نے حیلہ کیا اور ہر طرف سے گھیر لیا فرعونیوں کو سخت عذاب نے۔ دوزخ کی آگ ہے پیش کیا جاتا ہے انہیں اس پر صبح و شام اور جس روز قیامت قائم ہو گی (حکم ہو گا) داخل کر دو فرعونیوں کو سخت تر عذاب میں''۔

مومن آدمی انہیں کہہ رہا تھا کہ یہ کیا بات ہے میں تمہیں نجات کی طرف بلا رہا ہوں اور یہ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت اور اس کے رسول کی تصدیق ہے جسے اس نے مبعوث فرمایا ہے۔

مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ...... یعنی جہل بلا دلیل۔

الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ یعنی وہ اپنی عزت و کبریائی سے توبہ کرنے والے کی بخشش فرماتا ہے۔

لَا جَرَمَ: لا جرم کے معنی ہیں حق وصداقت۔ سدی اور ابن جریر رحمہما اللہ تعالیٰ نے اس کا یہی معنی کیا ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے یہ جھوٹ نہیں۔ علی بن ابی طلحہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ بلیٰ (کیوں نہیں) تم جن بتوں کی عبادت کی طرف مجھے بلاتے ہو وہ کوئی چیز نہیں۔

لَيْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ بت کوئی چیز نہیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ بت نفع ونقصان نہیں دیتے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جو اپنے پکارنے والے کی پکار کا جواب نہیں دیتے نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔ اور یہی بات ایک اور آیت میں ہے: وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗۤ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ (احقاف: 6-5) ''اور کون زیادہ گمراہ ہے اس (بدبخت) سے جو پکارتا ہے اللہ کو چھوڑ کر ایسے معبود کو جو قیامت تک اس کی فریاد قبول نہیں کر سکتا اور وہ ان کے پکارنے سے ہی غافل ہیں۔ اور جب جمع کئے جائیں گے لوگ (روزِ محشر) تو وہ معبود ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی عبادت کا صاف انکار کر دیں گے''۔ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ (فاطر: 14) ''اگر تم انہیں پکارو تو نہ سن سکیں گے تمہاری پکار۔ اور اگر وہ بالفرض سن بھی لیں تو وہ تمہاری التجا قبول نہیں کر سکیں گے''۔

وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَى اللّٰهِ...... یعنی دار آخرت میں اللہ کے ہاں ہی لوٹ کر جانا ہے۔ وہ ہر ایک کو اس کے عمل کی جزا دے گا۔

وَاَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ...... اپنے اسراف کے سبب وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے اور یہ شرک ہے۔

فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ...... میں نے تمہیں جو حکم دیا ہے یا جس چیز سے روکا ہے اور اس کی وضاحت کی ہے اس کی سچائی تم پر واضح ہو جائے گی۔ تم اسے یاد کرو گے اور اس وقت ندامت کا اظہار کرو گے جب ندامت کوئی فائدہ نہیں دے گی۔

وَاُفَوِّضُ اَمْرِيْۤ اِلَى اللّٰهِ...... میں اللہ پر توکل کرتا ہوں۔ اسی سے مدد چاہتا ہوں۔ میں تم سے الگ ہوں اور تم سے نفرت کرتا ہوں۔

اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ یعنی وہ ان سے آگاہ ہے۔ ہدایت کے مستحق کو ہدایت دیتا ہے اور گمراہی کے حقدار کو گمراہ کرتا ہے۔ حجت بالغہ، حکمت تامہ اور قدرت نافذہ اسی کے لئے ہے۔

فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ...... یعنی دنیا و آخرت میں نجات دی۔ یعنی دنیا میں اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بچا لیا اور آخرت میں جنت ملے گی۔

وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ..... یعنی دریا میں ڈوب جانا پھر وہاں سے جہنم کی طرف منتقلی۔ ان کی ارواح صبح وشام آگ پر پیش کی جاتی ہیں اور قیامت تک ایسا ہی ہوتا رہے گا۔ پھر قیامت کے دن ان کی ارواح اور اجسام آگ میں اکٹھے ہو جائیں گے۔ اسی لئے فرمایا: یَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ یعنی سخت تکلیف دہ اور دردناک عذاب میں۔

عالم برزخ میں قبروں میں عذاب ہوتا ہے اہل سنت اپنے اس مسلک کی تائید کے لئے اسی آیت سے استشہاد کرتے ہیں اور یہ ان کی بہت بڑی دلیل ہے۔ یعنی آیت کریمہ اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِیًّا لیکن یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ بلاشک وشبہ یہ آیت مکی ہے اور اس سے انہوں نے برزخ میں عذاب قبر کی دلیل پکڑی ہے جس کا علم مدینہ میں ہوا جس طرح کہ بعض روایات میں ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ ایک یہودیہ ان کی خدمت کرتی تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب بھی اس کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہوئے اسے کوئی چیز دیتیں تو وہ عورت آپ کو یوں دعا دیتی۔ اللہ تجھے عذاب قبر سے بچائے! سیدہ فرماتی ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا قیامت سے قبل بھی قبر میں عذاب ہوتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں۔ یہ کس نے کہا ہے؟ میں نے عرض کی اس یہودی عورت کو جب بھی میں کوئی چیز دیتی ہوں تو وہ کہتی ہے: اللہ تجھے عذاب قبر سے بچائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہود نے جھوٹ بولا۔ وہ تو اللہ پر بھی جھوٹ باندھتے ہیں۔ قیامت کے دن کے علاوہ اور کوئی عذاب نہیں۔ کچھ ہی دن گزرے تھے کہ ایک دن آپ نصف النہار کے وقت کپڑا لپیٹے تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں سرخ تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم باآواز بلند فرما رہے تھے۔ قبر سیاہ رات کے اندھیروں کی ٹکڑیوں کی طرح ہے۔ اے لوگو! اگر تم جان لو جو میں جانتا ہوں تو تم روؤ زیادہ اور ہنسو کم۔ اے لوگو! عذاب قبر سے اللہ کی پناہ طلب کرو۔ بے شک عذاب قبر حق ہے۔ اس کی سند صحیح ہے اور بخاری و مسلم کی شرط پر ہے (1)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ ایک یہودی عورت نے آپ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا تو آپ نے اسے کچھ عطا فرمایا تو اس نے وہ دعا دی۔ اللہ تمہیں آگ کے عذاب سے بچائے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ جملہ عجیب لگا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ نے سرکار سے عرض کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نہیں۔" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس کے بعد سرکار نے ہمیں فرمایا: "میری طرف وحی کی گئی ہے کہ قبروں میں تمہیں آزمایا جائے گا" (2)۔ یہ حدیث بھی شیخین کی شرط پر ہے۔ اس حدیث، آیت مبارکہ کے مکی ہونے اور اس میں عذاب برزخ کی دلیل میں تطبیق کیسے ہو سکتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ آیت یعرضون سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ برزخ میں ارواح کو صبح وشام آگ پر پیش کیا جاتا ہے۔ اس میں اس بات کی دلیل نہیں کہ روحوں کی تکلیف قبور میں اجسام کو بھی محسوس ہوتی ہے یا نہیں کیونکہ یہ دلیل صرف روح سے مختص ہے اور جہاں تک برزخ میں جسم کے عذاب کا تعلق ہے تو اس کا ثبوت احادیث سے ہے جن کا ذکر آگے آئے گا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ آیت برزخ میں کفار کے عذاب کی دلیل ہے اور اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مومن کو اس کے گناہوں کے سبب قبر میں عذاب ہوتا ہے۔ اس کی دلیل امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے جسے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آئے۔ ایک یہودی عورت آپ کے پاس بیٹھی تھی اور یہ کہہ رہی تھی کیا تمہیں پتہ ہے کہ قبر میں بھی عذاب ہوگا۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کانپ گئے اور فرمایا یہود کو عذاب ہوگا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کچھ راتیں گزر گئیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خبردار تمہیں بھی قبروں میں عذاب

1۔ مسند امام احمد، جلد 6 صفحہ 81　　2۔ مسند امام احمد، جلد 6 صفحہ 238

ہوگا۔ اس کے بعد آپ ﷺ فتنہ قبر سے بھی پناہ مانگا کرتے تھے۔ مسلم نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے(1)۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ آیات برزخ میں صرف روحوں کو عذاب ہونے کی دلیل ہیں۔ قبر میں جسم تک اس عذاب کا تعلق ان سے ثابت نہیں ہوتا۔ بعد میں آپ ﷺ کو بذریعہ وحی بتایا گیا کہ جسم کو بھی عذاب ہوتا ہے تو آپ نے اس سے بچاؤ کی دعا شروع فرمائی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ ایک یہودی عورت ان کے پاس آئی اور عذاب قبر سے پناہ طلب کی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اکرم ﷺ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا: ہاں عذاب قبر حق ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں اس کے بعد میں نے آپ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ہر نماز میں عذاب قبر سے پناہ مانگتے ہیں(2)۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس حدیث میں اس یہودیہ کی تصدیق فرمائی۔ اور سابقہ احادیث میں ہے کہ آپ نے عذاب قبر کا انکار کیا حتیٰ کہ آپ کو بذریعہ وحی بتایا گیا۔ شاید یہ دو الگ الگ واقعات ہوں اور عذاب قبر کے ثبوت کی احادیث بہت سی ہیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ صبح وشام جب تک دنیا باقی ہے انہیں کہا جائے گا اے آل فرعون! یہ تمہارا مقام ہے۔ انہیں ایسا کہنے سے مقصود زجر و توبیخ، انتقام اور تحقیر ہے(3)۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ وہ اب بھی آگ میں ہیں اور قیامت تک صبح وشام عذاب میں ہی رہیں گے۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ شہداء کی ارواح سبز رنگ کے پرندوں کے قالب میں ہیں۔ جہاں چاہیں جنت میں جاتے ہیں اور مومنوں کے بچوں کی ارواح چڑیوں کے قالب میں جہاں چاہیں جنت میں جاتے ہیں اور عرش میں لٹکی ہوئی قندیلوں میں پناہ گزین ہو جاتے ہیں اور آل فرعون کی روحیں سیاہ پرندوں کے پیٹ میں ہیں صبح وشام جہنم کے پاس جاتے ہیں۔ یہی ان کا پیش کرنا ہے(4)۔ ثوری اور سدی رحمہما اللہ تعالیٰ سے بھی اسی طرح مروی ہے(5)۔ معراج والی طویل حدیث میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''پھر مجھے ایک بہت بڑی مخلوق کی طرف لے چلے جس میں سے ہر مرد کا پیٹ ایک بہت بڑے گھر کی طرح تھا۔ جو آل فرعون کے پاس ہی جکڑے ہوئے ہیں اور آل فرعون کو صبح وشام آگ پر پیش کیا جاتا ہے۔ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ..... اور آل فرعون نکیل والے اونٹوں کی طرح پتھر اور درخت چر رہے ہوں گے۔ اور بالکل بے شعور ہوں گے(6)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ خواہ مسلمان ہو یا کافر جو نیکی بھی کرے گا اللہ تعالیٰ اسے ضرور بدلہ عطا فرمائے گا۔ فرماتے ہیں ہم نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! اللہ کی طرف سے کافر کو کیا بدلہ ملتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: اگر اس نے صلہ رحمی کی ہے یا صدقہ دیا ہے یا کوئی نیک کام کیا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے مال، اولاد اور صحت اور اس طرح کی چیزوں میں بدلہ عطا فرماتا ہے۔ ہم نے عرض کی: اسے آخرت میں کیا بدلہ ملتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا بڑے درجے سے کم درجے کا عذاب اور یہ آیت تلاوت فرمائی: اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ(7)۔ بزار رحمۃ اللہ علیہ نے اسے مسند میں روایت کیا ہے اور فرمایا ہے کہ ہمارے علم میں اس کے علاوہ اس کی کوئی سند نہیں۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حماد بن محمد فزاری بلخی سے روایت کیا ہے کہ میں نے اوزاعی کو ارشاد فرماتے سنا: ایک آدمی آپ سے پوچھ رہا

1۔ مسند امام احمد، جلد 6 صفحہ 248، مسلم، کتاب المساجد، جلد 1 صفحہ 411-410
2۔ فتح الباری، کتاب الجنائز، جلد 3 صفحہ 232
3۔ طبری، جلد 24 صفحہ 72
4۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 291
5۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 290، طبری، جلد 24 صفحہ 71
6۔ دیکھئے ابتدائیہ سورۃ الاسراء
7۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 292، کشف الاستار عن زوائد البزار، ابواب صدقۃ المتطوع، جلد 1 صفحہ 448، حاکم: مستدرک، کتاب التفسیر، جلد 2 صفحہ 253

تھا اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے! ہم نے پرندے دیکھے ہیں جو سمندر سے نکلتے ہیں اور غول در غول مغرب کی طرف جاتے ہیں ان کی صحیح تعداد کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہی ہے اور شام کے وقت ایسا ہی جھنڈ واپس آتا ہے جن کا رنگ سیاہ ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا: کیا تم نے اسے خوب سمجھ لیا؟ اس نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا یہ وہ پرندے ہیں جن کے قالب میں آل فرعون کی روحیں ہیں۔ جو صبح و شام آگ پر پیش کی جاتی ہیں۔ پھر وہ پرندے اپنے گھونسلوں کی طرف لوٹ جاتے ہیں اس حال میں کہ ان کے پر جل کر سیاہ ہو چکے ہوتے ہیں۔ پھر رات کو ان کے سفید پر اُگ آتے ہیں اور سیاہ جھڑ جاتے ہیں۔ پھر اسی طرح صبح و شام انہیں آگ پر پیش کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد اپنے گھونسلوں کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔ دنیا میں ان کی یہی حالت ہوتی ہے اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ کہتے ہیں کہ ان کی تعداد چھ لاکھ جنگجو تھی (1)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص مرتا ہے تو صبح و شام اس کا ٹھکانہ اس پر پیش کیا جاتا ہے۔ اگر وہ اہل جنت سے ہے تو جنت اور اگر جہنمی ہے تو جہنم۔ اور کہا جاتا ہے کہ یہ تیرا مقام ہے یہاں تک کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تجھے اٹھائے۔ صحیحین میں یہی روایت مالک سے مروی ہے (2)۔

وَ اِذْ یَتَحَآجُّوْنَ فِی النَّارِ فَیَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِیْبًا مِّنَ النَّارِ ﴿۴۷﴾ قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِیْهَآ ۙ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَیْنَ الْعِبَادِ ﴿۴۸﴾ وَ قَالَ الَّذِیْنَ فِی النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ یُخَفِّفْ عَنَّا یَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ﴿۴۹﴾ قَالُوْٓا اَوَ لَمْ تَكُ تَاْتِیْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَیِّنٰتِ ؕ قَالُوْا بَلٰی ؕ قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ وَ مَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ ﴿۵۰﴾

"اور (کتنا ہوشربا سماں ہوگا) جب باہم جھگڑیں گے دوزخ میں پس کہیں گے کمزور لوگ انہیں جو تکبر کیا کرتے تھے کہ ہم تو تمہارے تابع تھے پس کیا تم دور کر سکتے ہو ہم سے کچھ حصہ آگ (کے عذاب) کا۔ جواب دیں گے متکبر ہم سب آگ میں (بھن رہے) ہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا ہے بندوں کے متعلق (اب اس میں ردّ و بدل نہیں ہو سکتا) اور کہیں گے سارے دوزخی جہنم کے داروغوں کو دعا کرو اپنے رب سے کہ ایک دن تو ہمارے عذاب میں (کچھ) تخفیف فرما دے۔ وہ (جواب میں) کہیں گے کیا نہیں آیا کرتے تھے تمہارے پاس رسول روشن دلیلوں کے ساتھ۔ وہ کہیں گے بیشک! داروغے کہیں گے تم خود ہی دعا مانگو اور حقیقت یہ ہے کہ نہیں ہے کافروں کی دعا مگر محض بے سود"۔

اللہ تبارک و تعالیٰ آگ میں دوزخیوں کے باہمی جھگڑے کے بارے میں خبر دے رہے ہیں۔ فرعون اور اس کی قوم بھی ان میں شامل ہوگی۔ کمزور لوگ (یعنی پیروکار) تکبر کرنے والوں (قائدین، سرداروں اور بڑے لوگوں) سے کہیں گے: اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا کہ دنیا میں جس کفر و ضلال کی طرف آپ لوگوں نے ہمیں بلایا۔ ہم نے تمہاری اطاعت کی۔

فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِیْبًا مِّنَ النَّارِ یعنی کچھ حصہ تم اٹھا لو۔ وہ رؤساء اور سردار جواب دیں گے ہم تمہارا عذاب نہیں اٹھا سکتے۔ ہمارے اوپر جو عذاب ہو رہا ہے وہی ہمارے لئے کافی ہے۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 24 صفحہ 71 2۔ مسند امام احمد، جلد 2 صفحہ 113، فتح الباری کتاب الجنائز، جلد 3 صفحہ 243، مسلم کتاب الجنۃ، جلد 4 صفحہ 2199

اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ اللہ کا حکم جاری ہو چکا۔ ہر ایک کو اس کے اعمال کے برابر سزا ملے گی۔ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ (اعراف:38) "اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہر ایک کے لئے دُگنا عذاب ہے لیکن تم نہیں جانتے"۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ فِي النَّارِ...... جب دوزخیوں کو یہ یقین ہو جائے گا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کی دعا کو قبول نہیں فرمائے گا بلکہ ارشاد ہوگا: اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ (مومنون:108) "پھٹکارے ہوئے پڑے رہو اس میں اور مت بولو میرے ساتھ"۔ تو وہ کفار دوزخ کے داروغوں سے (جو وہاں کے دربان ہیں) کہیں گے کہ تم ہی اللہ سے دعا کرو کہ ہمارے عذاب میں تخفیف فرمائے۔ خواہ ایک دن کے لئے ہی ہو تو وہ داروغے انہیں جواب دیں گے: اَوَلَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ کیا رسولوں کی زبانی دنیا میں تم پر حجت قائم نہیں ہوگئی تھی؟

قَالُوْا فَادْعُوْا پھر تم خود ہی اپنے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کرو۔ ہم تمہارے لئے دعا نہیں کر سکتے اور نہ ہی تمہاری کوئی بات سنیں گے۔ ہم تمہاری رہائی کے خواہش مند نہیں اور ہم تم سے بری الذمہ ہیں۔ ہاں سنو ہم تمہیں یہ بتائے دیتے ہیں کہ خواہ تم دعا کرو یا نہ کرو، تمہاری دعا مستجاب نہیں ہوگی اور نہ ہی تمہارے عذاب میں کوئی تخفیف کی جائے گی۔

وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ: فی ذھاب۔ رائیگاں۔ ان کی دعا نامقبول اور مردود ہے۔

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ﴿۵۱﴾ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۵۲﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى وَاَوْرَثْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ ﴿۵۳﴾ هُدًى وَّذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۵۴﴾ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۵۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۙ اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ ۚ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿۵۶﴾

"بیشک ہم (اب بھی) مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور مومنین کی اس دنیوی زندگی میں اور اس دن بھی (مدد کریں گے) جس دن گواہ (گواہی دینے کے لئے) کھڑے ہوں گے۔ اس روز نفع نہ دے گی ظالموں کو ان کی عذر خواہی اور ان کے لئے لعنت ہوگی۔ اور ان کے لئے (دوزخ کا) بدترین گھر ہوگا۔ اور ہم نے عطا فرمایا موسیٰ کو (نور) ہدایت اور وارث بنایا بنی اسرائیل کو کتاب کا۔ جو سراپا ہدایت اور نصیحت تھی عقلمندوں کے لئے۔ پس (اے محبوب!) آپ صبر فرمائیے (کفار کی اذیتوں پر) بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور استغفار کرتے رہئے اپنی (موہومہ) کوتاہی پر اور پاکی بیان کیجئے اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے شام کے وقت اور صبح کے وقت۔ بے شک جو لوگ جھگڑتے ہیں اللہ کی آیتوں کے بارے میں بغیر کسی سند کے جو ان کے پاس آئی ہو۔ نہیں ہے ان کے سینوں میں بجز بڑائی کی ایک ہوس کے جس کو وہ پا نہیں سکیں گے۔ تو آپ اللہ کی پناہ طلب کیجئے۔ بیشک وہی سب کچھ سننے والا ہے دیکھنے والا ہے"۔

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا ابوجعفر بن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں ایک اعتراض ذکر کیا ہے کہ اس آیت میں خدا نے رسولوں کی مدد کرنے کا وعدہ فرمایا ہے حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض انبیاء کو ان کی اقوام نے قتل کر دیا جیسے حضرت یحییٰ، زکریا اور شعیا علیہم السلام اور بعض کو اپنا وطن

چھوڑنا پڑا خواہ ہجرت کی صورت میں جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام یا انہیں آسمان پر اٹھا لیا گیا جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ تو پھر یہ دنیا میں نصرت کا وعدہ کیا ہے؟

پھر خود ہی اس کے دو جواب دیئے ہیں:۔

(۱) یہ کہ یہ خبر عام ہے لیکن اس سے مراد بعض ہے۔ اور لغت عرب میں اس کی گنجائش ہے کہ مطلق ذکر ہو اور مراد بعض افراد ہوں۔

(۲) دوسرے یہ کہ مدد کرنے سے مراد بدلہ لینا ہو، ان لوگوں سے جنہوں نے انہیں تکلیف پہنچائی۔ خواہ ان کی موجودگی میں یا عدم موجودگی میں یا ان کے وصال کے بعد۔ پس کوئی نبی بھی ایسا نہیں گزرا جسے ایذاء پہنچانے والوں سے قدرت نے زبردست انتقام نہ لیا ہو۔ جیسے حضرت یحییٰ، حضرت زکریا اور حضرت شعیاء علیہم السلام کے قاتلوں پر اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمنوں کو مسلط کر دیا جنہوں نے ان کی تذلیل کی اور ان کے خون کی ندیاں بہائیں۔ نمرود کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ قدرت نے اسے کیسی پکڑ میں پکڑا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جن یہودیوں نے سولی دینے کی کوشش کی تھی، اللہ تعالیٰ نے ان پر رومیوں کو مسلط کر دیا جن کے ہاتھوں ان کی سخت اہانت و تذلیل ہوئی۔ وہ ان پر غالب آ گئے۔ پھر جب قیامت سے قبل حضرت عیسیٰ بن مریم امام عادل اور انصاف پسند حکمران بن کر اتریں گے تو مسیح الدجال اور اس کے لشکری یہودیوں کو تہ تیغ کریں گے۔ خنزیر کو قتل کریں گے۔ صلیب توڑ دیں گے اور جزیہ باطل کریں گے اور بجز اسلام کے کچھ قبول نہ کریں گے۔ یہ عظیم نصرت ہے۔ اپنی مخلوق میں اللہ تعالیٰ کا یہی دستور ہے جو زمانہ قدیم سے ہے اور اب تک جاری و ساری ہے کہ وہ دنیا میں اپنے مومن بندوں کی نصرت فرماتا ہے جن لوگوں نے انہیں تکلیف پہنچائی تھی ان سے انتقام لے کر ان کی آنکھوں کو ٹھنڈا کرتا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے جس نے میرے ولی سے لڑائی مول لی اس نے مجھے لڑائی کے لئے دعوت مبارزت دی۔'' ایک دوسری روایت میں ہے کہ: ''میں اپنے دوستوں (اولیاء) کے لئے اسی طرح لڑائی کا بدلہ لیتا ہوں جیسے شیر بدلہ لیتا ہے(1)۔ اسی بناء پر اس خدائے قہار و جبار نے قوم نوح، عاد، ثمود، اصحاب الرس، قوم لوط، اہل مدین اور ان جیسی دیگر اقوام جنہوں نے رسولوں کو جھٹلایا اور حق کی مخالفت کی تھی بدلہ لیا اور انہیں ہلاک کر دیا۔ ان میں سے جتنے مومن تھے انہیں نجات عطا فرمائی اور کسی کو ہلاک نہ کیا۔ جبکہ کفار کو عذاب دیا اور ان میں سے کسی کو بھی نہ چھوڑا۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی قوم میں رسول مبعوث نہیں فرمایا مگر انہوں نے اسے قتل کر دیا یا مومنین کی ایک جماعت جو دعوت حق دیا کرتی تھی انہیں مار ڈالا تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگ بھیجتا ہے جو ان کی مدد کرتے ہیں اور ان کے خون کا بدلہ طلب کرتے ہیں۔ پس انبیاء اور مومنین اگرچہ دنیا میں قتل کر دیئے گئے لیکن ان کی مدد و اعانت کی گئی۔ یعنی ان کے دشمنوں کو تہس نہس کر دیا گیا(2)۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت سیدنا محمد ﷺ اور آپ کے اصحاب کو ان مخالفین پر غلبہ دیا جنہوں نے آپ کی تکذیب و مخالفت کی تو آپ کے کلمے کو ہی بلند فرمایا۔ آپ کا دین ہر اعتبار سے تمام ادیان پر غالب ہے۔ اللہ نے آپ کو اپنی قوم کی مخالفت کی وجہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔ وہاں آپ کو اعوان و انصار عطا فرمائے۔ پھر غزوۂ بدر میں مشرکین پر غلبہ عطا فرمایا۔ انہیں رسوا کیا۔ صنادید قریش قتل ہوئے۔ سرداران قوم گرفتار ہوئے اور پابجولاں لائے گئے۔ حکمت خداوندی نے ان پر مزید احسان یہ فرمایا کہ فدیہ لے کر وہ آزاد کر دیئے گئے۔ پھر تھوڑی ہی مدت کے بعد مکہ فتح ہوا اور عزت و شرف والے آپ کے مقدس شہر کے ساتھ آپ کی آنکھ ٹھنڈی ہوئی اور اللہ نے

1۔ یہ دونوں حدیثیں سورۂ بقرہ کی آیت: 98 کی تفسیر میں گزر چکی ہیں

2۔ طبری، جلد 24 صفحہ 75، درمنثور، جلد 7 صفحہ 293-292

اسے کفر و شرک سے پاک صاف کر دیا۔ یمن فتح ہوا۔ تمام جزیرہ عرب زیر نگین ہوا۔ لوگ جوق در جوق اللہ کے دین میں داخل ہو گئے۔ پھر اللہ رب العزت نے آپ کو اپنی طرف بلا لیا۔ کیونکہ اللہ کے ہاں آپ تکریم و تعظیم کے حقدار ہیں۔ آپ کے بعد آپ کے اصحاب آپ کے خلفاء بنے۔ انہوں نے آپ ﷺ کی طرف سے اللہ کا دین پہنچایا اور اللہ کے بندوں کو اللہ کی طرف بلایا۔ مختلف ممالک، شہر، اقالیم اور دیہات اور دل فتح کئے حتیٰ کہ دعوت محمدیہ مشرق و مغرب میں پھیل گئی۔ اب یہ دین قیامت تک قائم، غالب اور منصور رہے گا۔ اس کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے۔

یَوْمَ یَقُوْمُ الْاَشْهَادُ یعنی قیامت کے دن نصرت کہیں زیادہ عظیم اور بہت بڑی ہوگی۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ 'اشہاد' سے مراد ملائکہ ہیں(1)۔

یَوْمَ لَا یَنْفَعُ الظّٰلِمِیْنَ مَعْذِرَتُهُمْ یہ بدل ہے یَوْمَ یَقُوْمُ الْاَشْهَادُ سے بعض دیگر قاریوں نے یومُ کو رفع (پیش) سے پڑھا ہے تو گویا یہ پہلے یوم کی تفسیر ہے۔ ظالمین سے مراد مشرکین ہیں یعنی نہ تو ان کا کوئی عذر قبول ہوگا اور نہ کوئی فدیہ۔

وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ اور رحمت ربانی سے دوری ہوگی اور انہیں دھتکار دیا جائے گا۔

وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ یہ دوزخ ہے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ برا گھر اور ٹھکانہ۔ علی بن ابی طلحہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا معنی نقل کیا ہے کہ اس سے مراد برا انجام ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْهُدٰی اللہ نے آپ کو ہدایت اور نور کے ساتھ مبعوث فرمایا تھا۔

وَاَوْرَثْنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ہم نے ان کا انجام بہتر کیا اور انہیں فرعون کے اموال اور زمینوں کا وارث بنایا کیونکہ انہوں نے اللہ کی اطاعت اس کے رسول موسیٰ علیہ السلام کی اتباع میں سختیاں برداشت کیں اور صبر کیا۔ وہ تورات کے وارث بنے جو اصحاب عقول سلیمہ کے لئے باعث ہدایت ہے۔

فَاصْبِرْ اے محمد ﷺ بیشک اللہ کا وعدہ حق ہے یعنی ہمارا آپ سے وعدہ ہے کہ بالآخر آپ اور آپ کے پیروکاروں ہی کا بول بالا ہوگا۔ حسن انجام آپ اور آپ کے متبعین کا ہے اور اللہ وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا اور آپ کو یہ خبر دی جا رہی ہے۔ یہ سچ ہے اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں(2)۔

وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ...... یہاں امت کو استغفار پر برانگیختہ کیا جا رہا ہے۔ دن کے اواخر اور رات کے اوائل اور دن کے اوائل (ابتداء) اور رات کے آخر میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح کیجئے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِ اللّٰهِ...... یعنی باطل کے ساتھ حق کا دفاع کرتے ہیں اور صحیح دلائل کو فاسد شبہات اور کٹ حجتی سے ٹال

1۔ طبری، جلد 24 صفحہ 75

2۔ حضور ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں "افضل اور اولیٰ کا ترک عام لوگوں کے لئے جرم اور گناہ تصور نہیں ہوتا لیکن مقربین بارگاہ صمدیت سے غیر اولیٰ کا صدور بھی قابل مواخذہ ہوتا ہے۔ یہاں بھی جس ذنب سے استغفار کی ہدایت کی جا رہی ہے۔ اس سے مراد ایسے امر سے استغفار ہے جو بذات خود اگرچہ مباح اور جائز ہے لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقام رفیع اور شان عالی کے شایان شان نہیں اور سالکان راہ محبت سے یہ چیز مخفی نہیں کہ منزل محبوب کی طرف ان کے سفر میں ایک لمحے کے لئے توقف بھی ناقابل برداشت ہے اور لائق صد استغفار ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ امر محض تعبدی ہوتا کہ امت کیلئے استغفار سنت نبوی ﷺ بن جائے اور کوئی شخص خواہ اس کا رتبہ کتنا بلند ہو اعتراف قصور اور طلب عفو میں کوتاہی نہ کرے" (ضیاء القرآن، جلد 4 صفحہ 312)

دیتے ہیں۔ نہیں ہے ان کے سینوں میں مگر اتباع حق سے تکبر اور اس دعوت کو لانے والے کو حقیر تصور کرنا۔ حق کو گوشہ گمنامی میں ڈالنے اور باطل کو سر بلند کرنے کا ان کا ارادہ ہرگز پورا نہیں ہوگا بلکہ حق کا جھنڈا سر بلند ہوگا اور ان کے ناپاک ارادے خائب و خاسر ہوں گے۔

فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ...... ان جیسے لوگوں کو دیکھ کر آپ اللہ کی پناہ طلب کیا کریں۔ یا فرمایا اللہ کی آیات میں بلا دلیل جھگڑا کرنے والے ان جیسے لوگوں کے شر سے اللہ کی پناہ مانگا کریں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ سے یہی تفسیر منقول ہے(1)۔

کعب اور ابوالعالیہ رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ یہ آیت یہود کے بارے میں نازل ہوئی۔ ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہود یہ دعویٰ کرتے تھے کہ دجال انہی سے ہوگا اور اس کے ساتھ مل کر وہ روئے زمین کے مالک بن جائیں گے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو یہ حکم ارشاد فرمایا کہ فتنہ دجال سے اللہ کی پناہ طلب کیا کریں کیونکہ وہی سمیع و بصیر ہے۔ یہ قول غریب ہے اور تکلف پر مبنی ہے۔ اگرچہ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے اپنی کتاب میں روایت کیا ہے واللہ اعلم۔

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٥٧﴾ وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِيْٓءُ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٥٨﴾ اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٥٩﴾

"بیشک پیدا کرنا آسمانوں اور زمین کا بہت بڑا کام ہے لوگوں کے پیدا کرنے سے لیکن بہت سے لوگ (اس کھلی حقیقت کو) نہیں جانتے۔ اور یکساں نہیں ہے اندھا اور بینا۔ اور (اسی طرح) مومن نیکوکار اور بدکار یکساں نہیں۔ تم بہت کم غور کرتے ہو۔ یقیناً قیامت آ کر رہے گی ذرا شک نہیں ہے اس میں لیکن بہت سے لوگ (قیامت پر) ایمان نہیں لاتے"۔

اللہ تعالیٰ یہ خبر دے رہا ہے کہ وہ قیامت کے دن مخلوق کو دوبارہ زندہ فرمائے گا اور اس کے لئے ایسا کرنا آسان ہے کیونکہ اس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے اور ان دونوں چیزوں کا پیدا کرنا انسانوں کی تخلیق اور دوبارہ لوٹانے سے کہیں زیادہ بڑی بات ہے۔ جو ان کی تخلیق پر قادر ہے وہ بدرجہ اولیٰ ان کم تر چیزوں پر بھی قادر ہے۔ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا (اسراء:99) "کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ جس نے پیدا فرمایا ہے آسمانوں اور زمین کو وہ اس پر بھی قادر ہے کہ پیدا فرما دے ان کی مثل اور اس نے مقرر فرما دی ہے ان کے لئے ایک میعاد جس میں ذرا شک نہیں۔ پس انکار کر دیا ظالموں نے (اللہ کی قدرت کا) سوائے اس کے کہ وہ ناشکری کریں"۔

اسی لئے فرمایا: لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ...... لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے اس لئے وہ اس دلیل میں تدبر اور غور و فکر سے کام نہیں لیتے۔ جس طرح بہت سے عرب اس حقیقت کے معترف تھے کہ زمین و آسمان کا خالق اللہ تعالیٰ ہے لیکن اس کے باوجود وہ از روئے استبعاد اور کفر و عناد کی بناء پر دوبارہ اٹھنے سے انکاری تھے۔ انہوں نے اس چیز کا اعتراف کیا جو اولیٰ تھی اس سے جس کا وہ انکار کرتے تھے۔

پھر فرمایا: وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ...... یعنی جس طرح ایک نابینا شخص جسے کچھ نظر نہیں آتا اور بینا آدمی جو تا حد نظر دیکھ سکتا ہے برابر نہیں ہو سکتے بلکہ ان دونوں کے مابین بہت بڑا فرق ہے۔ اسی طرح مومن، نیکوکار اور کفار و فجار کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔ اکثر لوگ کم ہی نصیحت قبول کرتے ہیں۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 24 صفحہ 77

پھر فرمایا: اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِیَةٌ قیامت ضرور وقوع پذیر ہونے والی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں لیکن اکثر لوگ اس بات کو درست نہیں سمجھتے بلکہ اس کے واقع ہونے کی تکذیب کرتے ہیں۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک یمنی شخص سے سنی ہوئی روایت ذکر کی ہے کہ قرب قیامت کے وقت لوگوں پر بلاؤں کی شدت آجائے گی اور سورج کی حرارت تیز ہو جائے گی۔

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِیْنَ ﴿۶۰﴾

”اور تمہارے رب نے فرمایا ہے مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔ بے شک جو لوگ میری عبادت کرنے سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب جہنم میں داخل ہوں گے ذلیل وخوار ہو کر“۔

یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا خصوصی فضل وکرم ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو دعا مانگنے کی تعلیم دی اور اسے قبول کرنے کی ضمانت دی ہے۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے اے وہ خدا جسے وہ بندہ زیادہ محبوب ہے جو اس سے زیادہ سوال کرتا ہے اور اے وہ جسے وہ شخص سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہے جو دعا نہیں مانگتا اے میرے رب یہ صفت صرف تیری ہی ہے (رواہ ابن ابی حاتم)۔

یہی مفہوم ایک شاعر (1) نے یوں ادا کیا ہے:

اَللّٰهُ یَغْضَبُ اِنْ تَرَكْتَ سُؤَالَهٗ وَبُنَی آدَمَ حِیْنَ یُسْاَلُ یَغْضَبُ

ترجمہ:۔ سوال نہ کرنے سے اللہ تعالیٰ غضب ناک ہوتا ہے اور بنو آدم سوال کرنے سے ناراض ہوتے ہیں۔

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کعب احبار کا قول نقل کیا ہے کہ اس امت کو تین ایسی چیزیں عطا فرمائی گئیں ہیں جو اس سے پہلے کسی امت کو نہیں دی گئیں بجز نبی کے۔ ہر نبی کو جب مبعوث کیا گیا اسے کہا گیا تو اپنی امت پر گواہ ہے اور تمہیں لوگوں پر گواہ بنایا ہے اور ہر نبی سے یہ کہا جاتا تھا کہ دین میں تجھ پر کوئی حرج نہیں اور اس امت کو فرمایا: وَمَا جَعَلَ عَلَیْكُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ (حج: 78) ”حق کی پاسبانی اور اشاعت کئے لئے) اور نہیں روا رکھی اس نے تم پر دین کے معاملہ میں کوئی تنگی“۔ ہر نبی سے یہ کہا جاتا مجھ سے مانگنا میں تیری دعا کو قبول کروں گا اور اس امت کو یہ مژدہ سنایا مجھی سے مانگو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (بروایت ابن ابی حاتم) (2)۔

امام حافظ ابو یعلی احمد بن علی بن المثنی الموصلی نے اپنی سند میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حدیث قدسی میں ہے۔ ”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ چار خصلتیں ہیں جن میں سے ایک میرے لئے ہے اور ایک تیرے لئے۔ ایک میرے اور تیرے درمیان ہے اور ایک تیرے اور میرے بندوں کے درمیان ہے۔ جو خاص میرے لئے ہے وہ یہ کہ میری عبادت کرنا اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ

1۔ قرطبی نے اپنی تفسیر، جلد 5 صفحہ 164 میں قول کو بعض علماء کی طرف منسوب کیا ہے۔ دیکھئے تفسیر سورۂ نساء آیت (واسالو الله من فضله) قرطبی لکھتے ہیں کہ یہ قول ابن ماجہ کی روایت کردہ اس حدیث سے ماخوذ ہے ”جو اللہ تعالیٰ سے سوال نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوتا ہے“۔

2۔ ”اگر کسی ولی سے اس کی ظاہری زندگی یا اسکے وصال کے بعد دعا کیلئے التماس کی جائے یا بارگاہ رسالت میں استغاثہ کیا جائے تو اسے بھی بعض لوگ عبادت شمار کرتے ہیں اور ایسا کرنے والے کو بلا تامل مشرک کہہ دیتے ہیں۔ حالانکہ ایسا کرنے والا نہ ان کو خدا مانتا ہے نہ ان کو قادر مطلق سمجھتا ہے اور نہ اس کے دل میں یہ واہمہ ہوتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہے تب بھی یہ حضرات اس کی مشکل کشائی کر سکتے ہیں۔ البتہ وہ ان پاکیزہ ہستیوں کو اپنے سے بہتر متقی اور خداوند تعالیٰ کا فرمانبردار سمجھتا ہے اور یہ حسن ظن رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انکی دعاؤں کو شرف قبولیت سے سرفراز فرماتا ہے اور کسی غیر سے دعا منگوانا ہرگز شرک نہیں۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو حضرت سیدنا فاروق اعظم اور سیدنا علی المرتضیٰ کو وصیت فرمائی تھی کہ وہ اویس قرنی سے اپنے لئے اور امت مسلمہ کیلئے دعا کروائیں“ (بحوالہ ضیاء القرآن، جلد 4 صفحہ 316)

ٹھہرانا اور تیرا حق مجھ پر یہ ہے کہ ہر نیکی کا تجھے بدلہ دوں گا اور جو تیرے اور میرے مابین ہے وہ یہ کہ تجھ پر دعا مانگنا لازمی ہے اور مجھ پر قبول کرنا۔ (اور چوتھی خصلت) جو تیرے اور میرے بندوں کے درمیان ہے وہ یہ کہ تو ان کے لئے وہی چیز پسند کر جو تو اپنے لئے پسند کرتا ہے"۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دعا عین عبادت ہے۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی: اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ...... اصحاب سنن (ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ) ابن ابی حاتم اور ابن جریر رحمہم اللہ تعالیٰ سے یہی مروی ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اسے حسن صحیح کہتے ہیں۔ ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن جریر رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے ایک اور سند سے بھی روایت کیا ہے۔ ابن حبان اور حاکم رحمہما اللہ تعالیٰ دونوں نے اپنی اپنی صحیح میں اسے روایت کیا ہے۔ حاکم رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس کی اسناد صحیح ہے(1)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جو شخص اللہ تعالیٰ سے دعا نہیں کرتا اس پر اللہ کا غضب ہوتا ہے" (2)۔ اس کی اسناد میں کوئی حرج نہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ہی ایک دوسری روایت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جو اس سے سوال نہیں کرتا اس سے وہ ناراض ہوتا ہے" (3)۔ بزار رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی مسند میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہی روایت کیا ہے۔ حافظ ابو محمد حسن بن عبدالرحمٰن الرامہرمزی نے محمد بن سعید سے روایت کیا ہے کہ جب محمد بن مسلمہ انصاری کا انتقال ہوا تو ان کی تلوار کی میان سے ایک مکتوب نکلا اس پر لکھا ہوا تھا: "اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو رحمٰن و رحیم ہے۔" میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا: "تمہارے رب کی طرف سے رحمت کے مواقع آتے رہتے ہیں۔ تم ان کی تلاش میں رہو۔ یہ ممکن ہے کہ تم کسی ایسے وقت میں دعا کرو جو اس رحمت کی گھڑی کے موافق ہو تو اس دعا مانگنے والے کو وہ سعادت مل جائے کہ پھر وہ کبھی خائب و خاسر نہ ہو۔"

اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ ...... یعنی مجھ سے دعا کرنے اور میری توحید سے۔ داخرین: حقیر و ذلیل۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت عمرو بن شعیب ذکر کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ روز قیامت متکبر لوگوں کا حشر چھوٹی چیونٹیوں کی صورت میں ہوگا۔ ان کی شکل تو انسانوں کی سی ہوگی لیکن جسامت چیونٹیوں کے برابر۔ ہر چیز انہیں روند کر گزر جائے گی حتیٰ کہ جہنم کے قید خانے میں داخل ہو جائیں گے جس کا نام بولس ہے۔ ان کے اوپر آگوں کی آگ ہوگی اور انہیں دوزخیوں کی پیپ پلائی جائے گی (4)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں ملک روم میں رومیوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا۔ ایک دن میں نے سنا کہ ہاتف غیبی ایک پہاڑ کی چوٹی سے یہ کہہ رہا تھا اے رب! مجھے اس آدمی پر تعجب ہے جو تجھے پہچاننے کے باوجود تیری ذات کے سوا دوسروں سے امید رکھتا ہے۔ اے رب! مجھے تعجب ہے اس شخص سے جو تجھے پہچان لینے کے باوجود تجھے چھوڑ کر دوسروں سے اپنی ضروریات طلب کرتا ہے۔ فرماتے ہیں پھر وہ آواز بند ہو گئی۔ پھر دوبارہ اس نے یہ آواز لگائی: اے رب! مجھے تعجب ہے اس شخص سے جو تجھے پہچانتے ہوئے دوسرے کی رضامندی کے حصول کی خاطر وہ کام کرتا ہے جس سے تو ناراض ہو جائے۔ وہیب کا قول ہے کہ یہی بہت

1۔ مسند امام احمد، جلد 4 صفحہ 271، عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۂ بقرہ، جلد 11 صفحہ 94-93، نیز سورۂ مومن، جلد 12 صفحہ 127-126، سنن ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 77-76، نسائی، سنن کبریٰ، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 9 صفحہ 730 تحفۃ الاحوذی، جلد 8 صفحہ 309، ابن ماجہ، کتاب الدعاء، جلد 2 صفحہ 1258-1257 تفسیر طبری، جلد 24 صفحہ 79، الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، کتاب الادعیۃ، جلد 2 صفحہ 124 حاکم، مستدرک، کتاب الدعاء، جلد 1 صفحہ 491-49

2۔ مسند امام احمد، جلد 2 صفحہ 477، ابن ماجہ کتاب الدعاء، جلد 2 صفحہ 1852

3۔ مسند امام احمد، جلد 2 صفحہ 442

4۔ مسند امام احمد، جلد 2 صفحہ 179

بڑی آفت ہے۔ فرماتے ہیں میں نے اسے آواز دی کیا تو جن ہے یا انسان؟ اس نے جواب دیا کہ انسان ہوں۔ تو ان باتوں سے اپنا دھیان ہٹالے جو تجھے فائدہ نہ دیں اور ان کاموں میں مشغول ہو جا جو تیرے لئے فائدے کا باعث ہوں۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَ النَّهَارَ مُبْصِرًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٦١﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۡ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿٦٢﴾ كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِيْنَ كَانُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿٦٣﴾ اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ السَّمَاۗءَ بِنَاۗءً وَّ صَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ښ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٤﴾ هُوَ الْـحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٥﴾

"اللہ ہی ہے جس نے بنائی ہے تمہارے لئے رات تا کہ تم آرام کرو اس میں اور (بنایا ہے) دن کو روشن۔ بیشک اللہ تعالیٰ بڑا فضل (وکرم) فرمانے والا ہے لوگوں پر لیکن بہت سے لوگ (اس کی نعمتوں کا) شکر ادا نہیں کرتے۔ وہ ہے اللہ تمہارا رب پیدا کرنے والا ہر چیز کا۔ کوئی عبادت کے لائق نہیں بجز اس کے۔ پس کیسے راہِ حق سے تم روگردانی کرتے ہو۔ اسی طرح (راہِ حق سے) منہ پھیر دیا جاتا ہے ان (بدنصیبوں) کا جو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے بنایا ہے تمہارے لئے زمین کو قیام کی جگہ اور آسمان کو چھت (کی مانند) اور تمہاری صورت گری کی اور حسین بنا دیا تمہاری صورتوں کو اور کھانے کے لئے تمہیں پاکیزہ چیزیں عطا فرمائیں۔ ایسی (خوبیوں والا) اللہ تمہارا پروردگار ہے۔ پس بڑی ہی برکتوں والا ہے اللہ تعالیٰ جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔ وہی ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے۔ کوئی عبادت کے لائق نہیں بجز اس کے پس اس کی عبادت کرو اپنے دین کو اس کے لئے خالص کرتے ہوئے۔ سب تعریفیں اللہ کے لئے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے"۔

اللہ تعالیٰ مخلوق پر اپنے احسان کا بیان فرما رہا ہے کہ اس نے رات کو دن بھر کی تھکن کے بعد سکون کا باعث بنایا اور دن کو روشن اور چمکیلا بنایا تا کہ وہ سفر کرنے اور کام کاج کرنے پر قادر ہو سکیں۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتے۔

خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ جس نے ان اشیاء کو پیدا کیا ہے وہ اللہ واحد و یکتا ہے۔ تمام اشیاء کا خالق وہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کے علاوہ کوئی رب نہیں۔

فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ تم اس کے علاوہ دیگر بتوں کی عبادت کیسے کرتے ہو۔ جو کوئی چیز پیدا کرنے پر قادر نہیں بلکہ خود مخلوق اور گھڑے ہوئے ہیں۔

كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِيْنَ كَانُوْا...... یعنی جس طرح یہ لوگ غیر اللہ کی عبادت سے گمراہ ہوئے ہیں اسی طرح ان سے پہلی قومیں بھی گمراہ ہوئیں اور بغیر کسی دلیل و حجت کے محض جہالت اور خواہش نفس کی پیروی میں غیر اللہ کی عبادت کرتے رہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کی نشانیوں کو جھٹلاتے رہے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا اسے تمہارے لئے قرار گاہ اور بچھونا بنایا جس پر تم زندگی گزارتے ہو۔ ادھر ادھر چلتے پھرتے ہو۔

اور پہاڑوں کو اس میں گاڑا تاکہ وہ ڈولتی نہ رہے۔

بِنَآءً محفوظ چھت۔

فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ یعنی تمہیں اچھی شکل وصورت عطا فرمائی اور ہر جوڑ وعضو کو متناسب پیدا فرمایا۔

وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ یعنی دنیا میں کھانے پینے کی اشیاء۔ یہ ذکر فرمایا کہ اسی نے دنیا، انسانوں اوران کی روزی کو پیدا کیا۔ وہی خالق و رازق ہے۔ جیسے سورۂ بقرہ میں آتا ہے: یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً ۪ وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (بقرہ:22-21) ''اے لوگو! عبادت کرو اپنے رب کی جس نے پیدا فرمایا تمہیں اور جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔ وہ جس نے بنایا تمہارے لئے زمین کو بچھونا اور آسمان کو عمارت اور اتارا آسمان سے پانی پھر نکالے اس سے کچھ پھل تمہارے کھانے کے لئے پس نہ ٹھہراؤ اللہ کے مدمقابل اور تم جانتے ہو''۔ اور یہاں فرمایا: ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ وہ بلندی، پاکیزگی اور بزرگی والا ہے۔

پھر فرمایا: هُوَ الْحَیُّ وہ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اول وآخر اور ظاہر وباطن وہی ہے۔ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اس کا نظیر وعدیل کوئی نہیں۔ اسی کی توحید وربوبیت کو مانتے ہوئے اسی سے دعا کرو کہ تمام تعریفوں کا مالک وہی رب العالمین ہے۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اہل علم کی ایک جماعت لوگوں کو یہ حکم دیا کرتی تھی کہ لا اله إلا الله پڑھنے والے کو ساتھ ہی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ بھی پڑھنا چاہئے تاکہ اس آیت پر عمل ہو جائے(1)۔ محمد بن علی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی روایت کیا ہے۔ آیت کریمہ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ...... سے مراد یہی ہے(2)۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی منقول ہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ہر نماز کا سلام پھیرنے کے بعد یہ کہا کرتے تھے: لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد وهو على كل شئ قدير، لا حول ولا قوة إلا بالله، لا اله إلا الله ولا نَعْبُدُ إِلَّا إِيَّاه، له النعمة وله الفضل وله الثناء الحسنُ، لا إله إلا الله مخلصين له الدين ولو كره الكافرون۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ انسے ہر نماز کے بعد پڑھا کرتے تھے۔ مسلم، ابوداؤد اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی اسے روایت کیا ہے(3)۔

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِیَ الْبَیِّنٰتُ مِنْ رَّبِّیْ ۫ وَ اُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۶﴾ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ یُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُیُوْخًا ۚ وَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَ لِتَبْلُغُوْۤا اَجَلًا مُّسَمًّى وَّ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ هُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ۚ فَاِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۶۸﴾

''آپ فرما دیجئے کہ مجھے منع کر دیا گیا ہے کہ میں عبادت کروں ان کی جن کو تم پکارتے ہو اللہ کے سوا (میں ان کی عبادت کیسے

1۔ تفسیر طبری، جلد 24 صفحہ 81 2۔ ایضاً مرجع مذکور 3۔ گزشتہ صفحات میں اس کا بیان ہو چکا ہے

کر سکتا ہوں) جب آ گئی ہیں میرے پاس دلیلیں اپنے رب کی طرف سے، اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سر تسلیم خم کر دوں رب العلمین کے سامنے۔ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے پیدا کیا تمہیں مٹی سے پھر نطفہ سے، پھر گوشت کے لوتھڑے سے پھر نکالا تمہیں (شکم مادر سے) بچہ بنا کر پھر (پرورش کی تمہاری) تا کہ تم پہنچو اپنی جوانی کو پھر (تمہیں زندہ رکھا) تا کہ تم بوڑھے ہو جاؤ۔ اور بعض تم میں سے فوت ہو جاتے ہیں پہلے ہی اور (یہ سارا انظام اس لئے ہے) کہ تم پہنچ جاؤ مقررہ میعاد تک اور تا کہ تم (اپنے رب کی عظمتوں کو) سمجھنے لگ جاؤ۔ وہی ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے۔ پس جب کسی کام کا فیصلہ کرتا ہے تو صرف اتنا فرماتا ہے اسے کہ ہو جا تو وہ کام ہو جاتا ہے"۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اے محمد! ان مشرکین سے کہہ دیجئے اللہ تعالیٰ نے اس کی ذات کو چھوڑ کر بتوں کی عبادت سے منع فرمایا ہے۔ اور یہ وضاحت فرمائی ہے کہ اس کے سوا عبادت کا حقدار کوئی نہیں۔

هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ...... اس کی سب سے بڑی دلیل یہ آیت ہے یعنی ان سب اطوار و حالات کو وہی بدلتا ہے۔ وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ سب کام اسی کے حکم، تقدیر اور تدبیر سے ہوتے ہیں۔

وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ اور تم میں سے بعض اس سے قبل ہی فوت ہو جاتے ہیں یعنی حمل گر جاتا ہے اور بعض صغر سنی میں، بعض جوانی میں اور بعض ادھیڑ عمر میں بڑھاپے سے پیشتر ہی مر جاتے ہیں۔ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۚ وَنُقِرُّ فِى الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى (حج:5) "ہم ظاہر فرما دیں تمہارے لئے (اپنی قدرت کا کمال) اور ہم قرار بخشتے ہیں رحموں میں جسے ہم چاہتے ہیں ایک مقررہ میعاد تک"۔

لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ تم مرنے کے بعد جی اٹھنے کو یاد کرو۔

پھر فرمایا: هُوَ الَّذِىْ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ جلانے اور مارنے میں وہ اکیلا ہے۔ اس کے علاوہ اس پر کوئی قادر نہیں۔ اس کے کسی فیصلے کو توڑنے والا کوئی نہیں۔

كُنْ فَيَكُوْنُ یعنی اس کے حکم کی خلاف ورزی نہیں ہوتی بلکہ وہ جو چاہے لامحالہ ہو کر رہتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِىْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ اَنّٰى يُصْرَفُوْنَ ﴿69﴾ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَبِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا ڕ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿70﴾ اِذِ الْاَغْلٰلُ فِىْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ۭ يُسْحَبُوْنَ ﴿71﴾ فِى الْحَمِيْمِ ڏ ثُمَّ فِى النَّارِ يُسْجَرُوْنَ ﴿72﴾ ثُمَّ قِيْلَ لَهُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿73﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَيْــــًٔا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿74﴾ ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ﴿75﴾ اُدْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿76﴾

"کیا تم نہیں دیکھتے ان (نادانوں) کی طرف جو جھگڑا کرتے ہیں، اللہ کی آیات میں۔ یہ کہاں بھٹک رہے ہیں۔ جن لوگوں نے جھٹلایا اس کتاب کو اور اس چیز کو بھی جو دے کر ہم نے اپنے رسولوں کو بھیجا تھا۔ انہیں (اپنی تکذیب کا انجام) معلوم ہو

جائے گا جب طوق ان کی گردنوں میں ہوں گے اور زنجیریں۔ انہیں گھسیٹ کر لے جایا جائے گا۔ کھولتے ہوئے پانی میں۔ پھر دوزخ کی آگ میں جھونک دیئے جائیں گے۔ پھر پوچھا جائے گا ان سے کہاں ہیں وہ جنہیں تم شریک ٹھہراتے تھے۔ اللہ کے سوا (بصد یاس) کہیں گے وہ تو گم ہو گئے ہم سے بلکہ ہم تو کسی چیز کو پوجتے ہی نہ تھے اس سے پہلے۔ اسی طرح اللہ گمراہ کرتا ہے کافروں کو یہ (سزا اور رسوائی) بدلہ ہے اس کا کہ تم خوشیاں منایا کرتے تھے زمین میں (اپنے عارضی اقتدار پر) ناحق اور بدلہ ہے اس کا جو تم (اپنے فانی اموال واملاک پر) اترایا کرتے تھے۔ اب داخل ہو جاؤ جہنم کے دروازوں میں تم وہاں ہمیشہ رہنے والے ہو۔ پس یہ بہت برا ٹھکانا ہے تکبر وغرور کرنے والوں کا''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے محمد! اللہ کی آیات کو جھٹلانے اور باطل کے ساتھ حق سے جھگڑا کرنے والوں سے آپ تعجب نہ کریں۔ ان کی عقلیں کس طرح ہدایت سے گمراہی کی طرف پھر گئی ہیں۔

بِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا یعنی ہدایت اور وضاحت کے ساتھ۔

فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ اللہ کی طرف سے انہیں یہ شدید دھمکی اور پختہ وعید ہے جس طرح ایک اور جگہ فرمایا: فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ (طور: 11) ''پس بربادی ہوگی اس روز جھٹلانے والوں کے لئے''۔

قولہ اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ گردنوں میں طوق اور زنجیریں ہوں گی اور جہنم کے داروغے انہیں منہ کے بل گھسیٹ رہے ہوں گے۔ کبھی گرم پانی میں اور کبھی دوزخ میں۔ اسی لئے فرمایا: يُسْحَبُوْنَ ﴿﴾ فِي الْحَمِيْمِ ۙ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ جیسے ایک دوسری آیت میں آتا ہے: هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿﴾ يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ (الرحمٰن: 44-43) ''یہی وہ جہنم ہے جسے جھٹلایا کرتے تھے مجرم''۔

ان آیتوں میں زقوم کھانے اور گرم پانی پینے کا بیان کرنے کے بعد فرمایا: ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ (صافات: 68) ''پھر انہیں زقوم کھانے کے بعد کھولتا ہوا پانی ملا کر دیا جائے گا''۔ اور فرمایا: وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ (واقعہ: 41) ''اور بائیں ہاتھ والے، کیسی خستہ حالت ہو گی بائیں ہاتھ والوں کی''۔ یعنی انہیں ایسا زجر وتوبیخ، تحقیر وتذلیل اور استہزاء وتمسخر کے طور پر کہا جائے گا۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے یعلی بن منبہ سے ایک مرفوع حدیث میں روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ دوزخیوں پر ایک سیاہ ابر بھیجے گا۔ ارشاد ہوگا اے اہل نار! تم کیا چاہتے ہو؟ وہ اسے دنیوی گھٹا پر قیاس کرتے ہوئے کہیں گے ہمیں ٹھنڈا پانی درکار ہے لیکن اس میں سے طوق اور زنجیریں اور آگ کے انگارے برسیں گے (1)۔ یہ حدیث غریب ہے۔ قولہ ثُمَّ قِيْلَ لَهُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ یعنی انہیں کہا جائے گا وہ بت کہاں ہیں اللہ کو چھوڑ کر تم جن کی عبادت کرتے تھے۔ کیا آج وہ تمہاری مدد کریں گے؟

قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا یعنی وہ چلے گئے اور انہوں نے ہمیں کوئی نفع نہ دیا۔

بَلْ لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ ...... یعنی وہ بتوں کی عبادت کا انکار کر دیں گے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ (انعام: 23)۔ اسی لئے فرمایا: كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ۔

قولہ ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ ...... تَمْرَحُوْنَ یعنی ملائکہ انہیں کہیں گے یہ عذاب اس کا بدلہ ہے جو دنیا میں تم بلا وجہ اکڑتے پھرتے تھے اور تکبر کرتے تھے۔

1۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 305

قولہ اُدْخُلُوْۤا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا...... یہ بہت برا ٹھکانہ اور جائے قرار ہے جس میں ذلت اور شدید عذاب ہے اس شخص کے لئے جو اللہ کی آیات کو قبول کرنے اور اس کے دلائل و براہین کو ماننے سے تکبر کرے۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَاِمَّا نُرِیَنَّكَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّیَنَّكَ فَاِلَیْنَا یُرْجَعُوْنَ ﴿۷۷﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَیْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَیْكَ ؕ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ یَّاْتِیَ بِاٰیَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِیَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۷۸﴾

"(اے حبیب!) آپ (ان کی نازیبا حرکتوں پر) صبر فرمائیے بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ سو ہم خواہ آپ کو دکھائیں اس عذاب کا کچھ حصہ جس کا ان سے ہم نے وعدہ کیا ہے یا (اس سے پہلے ہی) آپ کو دنیا سے اٹھالیں (یہ بچ نہیں سکتے) آخر کار ہماری طرف ہی لوٹائے جائیں گے۔ اور ہم نے بھیجے تھے پیغمبر آپ سے پہلے بھی ان میں سے بعض کا ذکر ہم نے آپ سے کر دیا اور ان میں سے بعض کا ذکر (قرآن کریم میں) آپ سے نہیں کیا۔ اور کسی رسول کی مجال نہ تھی کہ وہ لے آتا کوئی نشانی اللہ کی اجازت کے بغیر۔ پس جب آئے گا اللہ کا حکم (تو) فیصلہ کر دیا جائے گا حق (وانصاف) کے ساتھ اور باطل پرست وہاں (سراسر) گھاٹے میں رہیں گے"۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول علیہ الصلاۃ والتسلیم کو اپنی قوم کی تکذیب پر صبر کرنے کا حکم ارشاد فرما رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مدد و نصرت کا جو وعدہ آپ سے فرمایا ان شاء اللہ اسے ضرور پورا فرمائے گا۔ دنیا اور آخرت میں آپ کا اور آپ کے ساتھیوں کا ہی اچھا انجام ہوگا۔

فَاِمَّا نُرِیَنَّكَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُهُمْ یعنی دنیا میں ہی اور اسی طرح ہوا۔ غزوۂ بدر کے دن ان کے بڑے بڑے متکبرین اور جابر لوگوں کو برباد کر کے ان کی آنکھیں ٹھنڈی کیں۔ پھر آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں ہی مکہ اور تمام جزیرۂ عرب فتح ہوگیا۔

اَوْ نَتَوَفَّیَنَّكَ فَاِلَیْنَا یُرْجَعُوْنَ یعنی آخرت میں ہم انہیں شدید عذاب میں مبتلا کریں گے۔ پھر اپنے رسول کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا: وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ...... جس طرح سورۂ نساء میں آتا ہے(1)۔ یعنی برابر ہے کہ ہم نے آپ کے سامنے ان کے حالات و واقعات بیان کئے ہیں یا نہیں کہ ان کی قوم نے کیسے ان کی تکذیب کی پھر حسن انجام اور نصرت بالآخر رسولوں کے لئے ہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَیْكَ اور جن کا ہم نے تذکرہ نہیں کیا وہ بہ نسبت ان کے بہت زیادہ ہیں۔ جس طرح کہ سورۂ نساء میں اس کی طرف اشارہ کیا جاچکا ہے۔ وللہ الحمد والمنۃ(2)۔

قولہ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ یَّاْتِیَ بِاٰیَةٍ یعنی کسی رسول کے لئے یہ ناممکن ہے کہ وہ اپنی مرضی سے معجزات اور خوارق عادات دکھائے۔ مگر جب خدا تعالیٰ اسے اجازت دے تو یہ اس کے صدق وسچائی کی دلیل ہوگی اور جب اللہ کا عذاب آجاتا ہے تو وہ تکذیب کرنے والوں کو گھیر لیتا ہے۔ مؤمن نجات پا جاتے ہیں اور کفار ہلاک ہوجاتے ہیں۔ اسی لئے فرمایا: وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ۔

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ نساء آیت: 164

2۔ اس آیت سے کوئی اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو کہ بقایا انبیاء کا حضور کو علم نہیں تھا بلکہ تمام انبیاء نے معراج کی رات حضور کی اقتدا میں نماز ادا کی جیسا کہ علامہ آلوسی نے تشریح کی ہے (مترجم)

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَ لِتَبْلُغُوْا عَلَيْهَا حَاجَةً فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَ عَلَيْهَا وَ عَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ ۖ فَاَيَّ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ ﴿۸۱﴾

''اللہ پاک وہ ہے جس نے بنائے تمہارے لئے مویشی تا کہ ان میں سے کسی پر سواری کرو اور کسی کا (گوشت) کھاؤ۔ اور تمہارے لئے ان میں طرح طرح کے فائدے ہیں اور ان میں سے ایک یہ فائدہ بھی ہے کہ ان پر سوار ہو کر اس منزل تک پہنچو جو تمہارے سینوں میں ہے اور ان مویشیوں پر اور کشتیوں پر تم لدے پھرتے ہو۔ اور وہ دکھاتا ہے تمہیں اپنی نشانیاں۔ پس اللہ تعالیٰ کی کن کن آیتوں کا تم انکار کرو گے۔''

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر احسان جتلاتے ہوئے فرماتا ہے کہ اس نے انسان کے لئے طرح طرح کے جانور اونٹ، گائے اور بھیڑ بکری پیدا فرمائے۔ جو سواری کے کام آتے ہیں اور ان کا گوشت بھی کھایا جاتا ہے۔ اونٹ پر سواری کی جاتی ہے اس کا گوشت بھی کھایا جاتا ہے اور دودھ بھی پیا جاتا ہے اور دور دراز علاقوں کی طرف سفر اور بار برداری کے کام بھی آتا ہے۔ گائے کا گوشت کھایا جاتا ہے۔ دودھ پیا جاتا ہے اور زمین میں ہل چلایا جاتا ہے۔ بکری کا گوشت کھایا جاتا ہے اور دودھ پیا جاتا ہے۔ پھر ان سب کی اون، بال وغیرہ سے اثاثہ، کپڑے اور دیگر سامان تیار کیا جاتا ہے جس کا تفصیلی بیان سورۂ ''الانعام'' اور سورۂ ''النحل'' وغیرہ میں ہو چکا ہے(1)۔ اسی لئے یہاں فرمایا: لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ......۔

وَ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ یعنی اس کی حجتیں اور دلائل آفاق میں اور تمہاری اپنی ذات میں۔ تم اس کی آیات میں سے کسی چیز کا انکار نہیں کر سکتے مگر جب تم سرکشی پر اتر آؤ اور تکبر کرو۔

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْۤا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَ اَشَدَّ قُوَّةً وَّ اٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَمَاۤ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَ حَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۸۳﴾ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَ كَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ ۚ وَ خَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾

''کیا ان منکروں نے کبھی سیر و سیاحت نہیں کی زمین میں تا کہ انہیں نظر آ جاتا کہ کیا انجام ہوا ان (منکروں) کا جو ان سے پہلے گزرے۔ وہ لوگ ان سے تعداد میں زیادہ تھے اور قوت میں زبردست تھے اور زمین میں اپنی نشانیوں کے لحاظ سے (کہیں ہنرمند تھے) پس یہ بتائیں کہ کیا فائدہ پہنچایا انہیں اس دولت نے جو وہ کماتے تھے۔ پس جب آئے ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں لے کر تو انہوں نے کفر کیا اور نازاں رہے اس علم پر جو ان کے پاس تھا اور (آخر کار) گھیر لیا

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ انعام (142) اور النحل (8-5)

انہیں جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔ پھر جب انہوں نے دیکھ لیا ہمارا عذاب تو کہنے لگے ہم ایمان لائے ہیں ایک اللہ پر اور ہم ان معبودوں کا انکار کرتے ہیں جن کو ہم اس کا شریک ٹھہرایا کرتے تھے۔ پس کوئی فائدہ نہ دیا انہیں ان کے ایمان نے جب دیکھ لیا انہوں نے ہمارا عذاب۔ یہی دستور ہے اللہ تعالیٰ کا جو (قدیم سے) اس کے بندوں میں جاری ہے۔ اور سراسر خسارہ میں رہے اس وقت حق کا انکار کرنے والے''۔

اللہ تعالیٰ ان اقوام کی خبر دے رہا ہے جنہوں نے زمانہ قدیم میں رسولوں کی تکذیب کی تھی اور ان پر جو شدید عذاب نازل ہوا۔ باوجودیکہ وہ قوی تھے اور زمین پر نشانات وغیرہ رکھنے والے بھی تھے۔ بے پناہ اموال و دولت بھی انہوں نے جمع کی۔ لیکن اس چیز کا انہیں کوئی فائدہ نہ ہوا اور کوئی چیز عذاب الٰہی کو ان سے نہ روک سکی کیونکہ جب اللہ کے رسول ان کے پاس معجزات لے کر آئے تو انہوں نے ان کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ ان کے پاس جو علم تھا اسے رسولوں کے لائے ہوئے علم پر ترجیح دی۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے وہ کہنے لگے ہم ان سے زیادہ بڑے عالم ہیں۔ ہمیں دوبارہ نہ تو اٹھایا جائے گا اور نہ عذاب دیا جائے گا۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اپنی جہالت کے سبب وہ اپنے علم پر تکبر کرنے لگے تو ان پر اللہ کا وہ عذاب آیا کہ جس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

وَحَاقَ بِهِمْ یعنی انہیں گھیر لیا۔

يَسْتَهْزِءُوْنَ وہ اس کی تکذیب کرتے تھے اور اس کے وقوع پذیر ہونے کو بعید از قیاس تصور کرتے تھے۔

فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا جب انہوں نے عذاب کو دیکھ لیا تو اللہ کی توحید پر ایمان لے آئے اور طاغوت کا انکار کر دیا لیکن اس وقت معذرت کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ فرعون کو بھی جب ڈوبنے کا یقین ہو گیا تو کہا تھا: آمنت أنه لا إله...... المسلمين۔

ایک اور آیت میں ہے آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ (یونس:91) '' کیا اب؟ اور تو نافرمانی کرتا رہا اس سے پہلے اور تو فتنہ وفساد برپا کرنے والوں سے تھا''۔ یعنی اللہ نے اس کی توبہ قبول نہ فرمائی کیونکہ اس نے اپنے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بددعا قبول فرما لی تھی۔ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ (یونس:88) '' اور سخت کر دے ان کے دلوں کو تاکہ وہ نہ ایمان لے آئیں جب تک نہ دیکھ لیں دردناک عذاب کو''۔

اسی طرح یہاں فرمایا: فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ...... اللہ تعالیٰ کا یہ حکم عام ہے کہ جو بھی عذاب دیکھ کر توبہ کرے تو اس کی توبہ مقبول نہیں۔ اسی لئے حدیث میں ارشاد ہوتا ہے: '' بلاشبہ اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ اس وقت تک قبول فرماتا ہے جب تک کہ جان غرغرے تک نہ پہنچ جائے''(1)۔ اور جب روح حلقوم تک پہنچ جائے اور غرغر کرنے لگے اور وہ فرشتے کو دیکھ لے تو اس وقت کوئی توبہ نہیں۔ اسی لئے فرمایا: وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ کفار سراسر خسارے میں ہیں۔

1۔ یہ حدیث سورۂ نساء کی آیت 17 میں گزر چکی ہے نیز دیکھئے تحفۃ الاحوذی، جلد 9 صفحہ 21، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 132

سورۂ فصلت (حم السجدہ)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

حٰمٓ ۚ﴿۱﴾ تَنۡزِيۡلٌ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۚ﴿۲﴾ كِتٰبٌ فُصِّلَتۡ اٰيٰتُهٗ قُرۡاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ ۙ﴿۳﴾ بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا ۚ فَاَعۡرَضَ اَكۡثَرُهُمۡ فَهُمۡ لَا يَسۡمَعُوۡنَ ﴿۴﴾ وَقَالُوۡا قُلُوۡبُنَا فِىۡۤ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدۡعُوۡنَاۤ اِلَيۡهِ وَفِىۡۤ اٰذَانِنَا وَقۡرٌ وَّمِنۡۢ بَيۡنِنَا وَبَيۡنِكَ حِجَابٌ فَاعۡمَلۡ اِنَّنَا عٰمِلُوۡنَ ﴿۵﴾

”حا۔میم۔اتارا گیا ہے (یہ قرآن) رحمٰن ورحیم (خدا) کی طرف سے۔یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں تفصیل سے بیان کر دی گئی ہیں۔یہ قرآن عربی (زبان میں) ہے یہ ان لوگوں کے لئے ہے جو علم (وفہم) رکھتے ہیں۔یہ مژدہ سنانے والا اور (بروقت) خبردار کرنے والا ہے۔بایں ہمہ منہ پھیر لیا ان میں سے اکثر نے، پس وہ اسے قبول نہیں کرتے۔اور ان (ہٹ دھرموں) نے کہا کہ ہمارے دل غلافوں میں (لپٹے ہوئے) ہیں اس بات سے جس کی طرف آپ ہمیں بلاتے ہیں اور ہمارے کانوں میں گرانی ہے اور ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان ایک حجاب ہے۔تم اپنا کام کرو، ہم اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں“۔

حٰمٓ ۚ تَنۡزِيۡلٌ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ یعنی قرآن کریم رحمٰن ورحیم کا اتارا ہوا ہے۔جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: قُلۡ نَزَّلَهٗ رُوۡحُ الۡقُدُسِ مِنۡ رَّبِّكَ بِالۡحَقِّ (النحل:102) ”فرمایئے نازل کیا ہے اسے روح القدس نے آپ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ“۔ایک اور آیت میں آتا ہے: وَاِنَّهٗ لَتَنۡزِيۡلُ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۹۲﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوۡحُ الۡاَمِيۡنُ ۙ﴿۱۹۳﴾ عَلٰى قَلۡبِكَ لِتَكُوۡنَ مِنَ الۡمُنۡذِرِيۡنَ (شعراء:94-192) ”اور بلاشبہ یہ کتاب رب العالمین کی اتاری ہوئی ہے۔اترا ہے اسے لے کر روح الامین (یعنی جبریلؑ) آپ کے قلب (منیر) پر تاکہ بن جائیں آپ (لوگوں کو) ڈرانے والوں سے“۔

قولہ كِتٰبٌ فُصِّلَتۡ اٰيٰتُهٗ یعنی اس کے معانی بیان کئے گئے ہیں اور احکام پختہ اور مضبوط ہیں۔

قُرۡاٰنًا عَرَبِيًّا اس کے الفاظ واضح عربی زبان میں ہیں، معانی مفصل ہیں۔الفاظ واضح اور غیر مشکل ہیں۔تَنۡزِيۡلٌ مِّنۡ حَكِيۡمٍ حَمِيۡدٍ (حم سجدہ:42)۔

لفظ کے اعتبار سے بھی معجز اور معنی کے اعتبار سے بھی معجز۔جیسے ارشاد ہوتا ہے: لَّا يَاۡتِيۡهِ الۡبَاطِلُ مِنۡۢ بَيۡنِ يَدَيۡهِ...... حَكِيۡمٍ حَمِيۡدٍ۔

قولہ لِّقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ یعنی وضاحت اور بیان کو صرف علماء راسخین ہی جانتے ہیں۔

بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا کبھی مومنین کو بشارت دیتا ہے اور کبھی کفار کو ڈراتا ہے۔

فَاَعۡرَضَ اَكۡثَرُهُمۡ فَهُمۡ لَا يَسۡمَعُوۡنَ یعنی اکثر قریش کوئی بات نہیں سمجھتے۔

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِیْٓ اَكِنَّةٍ یعنی غلاف میں۔

مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَیْهِ وَفِیْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ گرانی اور بہرہ پن۔

حِجَابٌ جو آپ کہتے ہیں ہم تک نہیں پہنچتا۔

فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ یعنی آپ اپنے طریقے پر چلتے رہیں اور ہمیں اپنے طریقے پر چلنے دیں۔ ہم آپ کی پیروی نہیں کریں گے۔

امام علم عبد بن حمید نے اپنی مسند میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک دفعہ صنادید قریش جمع ہوئے اور کہنے لگے کہ جادو، کہانت اور شعر و شاعری میں جو شخص سب سے زیادہ ماہر ہو وہ اس آدمی کے پاس جائے جس نے ہماری جماعت کے مابین تفریق ڈال دی ہے اور ہمارے معاملے کو پراگندہ کر دیا ہے اور ہمارے دین میں عیب جوئی شروع کر دی ہے تاکہ ہم دیکھیں وہ اسے کیا جواب دیتا ہے؟ وہ سب کہنے لگے عتبہ بن ربیعہ کے سوا ہم میں ایسا کوئی اور شخص نہیں۔ وہ سب مل کر عتبہ کے پاس آئے اور متفقہ طور پر کہنے لگے اے ابو الولید! تمہارے سوا کوئی اس بات کا اہل نہیں۔ چنانچہ عتبہ آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ اور کہنے لگا اے محمد! آپ بہتر ہیں یا عبد اللہ؟ (یعنی آپ کے والد گرامی) آپ ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ پھر کہنے لگا آپ بہتر ہیں یا عبد المطلب؟ سرکار پھر بھی خاموش رہے وہ کہنے لگا۔ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ لوگ آپ سے بہتر تھے تو آپ کو پتہ ہونا چاہئے وہ ان خداؤں کو پوجتے رہے جن پر آپ نکتہ چینی کرتے ہیں۔ اگر آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ آپ ان سے بہتر ہیں تو بات کیجئے تاکہ ہم بھی آپ کی بات سنیں خدا کی قسم! دنیا میں کوئی انسان اپنی قوم کے لئے آپ سے زیادہ ضرر رساں پیدا نہیں ہوا۔ آپ نے ہمارے درمیان تفریق پیدا کی۔ ہمارے اتحاد کو پارہ پارہ کیا۔ ہمارے دین پر حرف زنی کی اور عرب میں ہمیں رسوا کیا حتیٰ کہ ہر طرف یہ بات مشہور ہوگئی ہے کہ قریش میں ایک جادوگر ہے۔ قریش میں ایک کاہن ہے۔ اب یہی بات رہ گئی ہے کہ ہم ایک دوسرے پر تلواریں لے کر ٹوٹ پڑیں اور آپس میں فنا ہو جائیں۔ اے شخص اگر تجھے مال کی خواہش ہے تو آؤ ہم سب مل کر تجھے قریش کا سب سے غنی شخص بنا دیتے ہیں۔ اگر تم چاہتے ہو کہ شادی کرو تو تم اشارہ کرو ہم دس لڑکیوں کا تم سے نکاح کر دیتے ہیں۔ سرکار ﷺ نے فرمایا کیا تمہاری بات ختم ہوگئی؟ اس نے کہا ہاں۔ اس کے بعد آپ نے ان آیات کی تلاوت شروع فرمائی اور مثل صاعقة عاد و ثمود تک پڑھا۔ اتنا سن کر عتبہ کہنے لگا بس بس کافی ہے۔ تیرے پاس اس کے سوا اور کچھ نہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ چنانچہ وہ قریش کے پاس واپس آیا۔ انہوں نے پوچھا کیا نتیجہ نکلا؟ وہ کہنے لگا آپ لوگ جو کچھ اسے کہنا چاہتے تھے میں نے اسے کہہ دیا ہے۔ انہوں نے پوچھا پھر اس نے ہاں میں جواب دیا؟ وہ کہنے لگا نہیں۔ مجھے اس ذات کی قسم جس نے کعبہ کی تعمیر کی میں اس کی بات نہیں سمجھ سکا مگر یہ کہ اس نے تمہیں عذاب سے ڈرایا ہے۔ وہ متعجب ہو کر کہنے لگے۔ وہ تم سے عربی میں گفتگو کر رہا تھا اور تم اسے نہیں سمجھ سکے۔ وہ کہنے لگا میں عذاب کی بات کے سوا اور کچھ نہیں سمجھ سکا(1)۔ حافظ ابو یعلی موصلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں ابو بکر بن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ سے اسی طرح روایت کیا ہے(2)۔

بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں یہی واقعہ نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے جب اس آیت کی تلاوت کی تو عتبہ نے آپ کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور آپ سے رحم کی اپیلیں کرنے لگا اور اپنے گھر واپس آ گیا اور بیٹھ رہا اور قریش کی طرف نہ نکلا۔ ابو جہل کہنے

1۔ مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب المغازی، جلد 14 صفحہ 297-295، دلائل ابو نعیم (184) دلائل بیہقی، جلد 2 صفحہ 203-202، حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے دیکھئے مستدرک، کتاب التفسیر، جلد 2 صفحہ 254-253، درمنثور، جلد 7 صفحہ 309-308

2۔ مسند ابو یعلی، جلد 2 صفحہ 232-231

لگا: اے گروہ قریش! بخدا میں نہیں سمجھتا مگر یہ کہ عتبہ بھی محمد کی طرف جھک گیا ہے اسے آپ کا کھانا پسند آ گیا ہے اور وہ تھا بھی حاجت مند۔ آؤ اس کے پاس چلیں۔ وہ اس کی طرف گئے۔ ابو جہل کہنے لگا اے عتبہ! تم نے ہمارے پاس آنا جانا اس لئے ترک کیا ہے کہ تمہارا جھکاؤ بھی محمد کی طرف ہو گیا ہے۔ تمہیں اس کا کھانا بھا گیا ہے۔ اگر تمہیں ضرورت ہو تو ہم تمہارے لئے اتنا مال جمع کئے دیتے ہیں جو تمہیں محمد کے کھانے سے مستغنی کر دے گا۔ یہ سن کر عتبہ غصے میں آ گیا اور یہ قسم اٹھائی کہ محمد سے بات تک نہیں کرے گا۔ وہ کہنے لگا اللہ کی قسم! تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ میں قریش میں سب سے زیادہ مالدار ہوں۔ لیکن میں اس کے پاس گیا اور سارا قصہ اسے سنایا لیکن اس نے مجھے جو جواب دیا ہے اللہ کی قسم وہ نہ شعر ہے نہ کہانت اور نہ جادو۔ اس نے سورت کو یہاں تک پڑھا فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً...... تو میں نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور قریبی رشتہ داری کا واسطہ دیتے ہوئے اسے کہا کہ وہ رک جائے اور تم جانتے ہو کہ محمد جب بات کرے تو جھوٹ نہیں بولتا۔ مجھے خدشہ ہوا کہ اسی وقت تم پر عذاب نازل نہ ہو جائے(1)۔ یہ واقعہ، بزار اور ابو یعلی رحمہما اللہ تعالیٰ کی روایت سے مشابہ ہے۔ واللہ اعلم۔ امام محمد بن اسحٰق بن یسار رحمۃ اللہ علیہ نے یہی واقعہ اپنی سیرت میں دوسری طرز پر نقل کیا ہے۔ محمد بن کعب قرظی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ مجھے بتایا گیا ہے کہ عتبہ سردار قریش ایک دن قریش کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا اور رسول اللہ ﷺ اکیلے مسجد میں تشریف فرما تھے۔ وہ کہنے لگا: اے گروہ قریش! اگر تم کہو تو میں محمد کے پاس جا کر بات کروں اور چند تجاویز اس کے سامنے رکھوں شاید وہ ان میں سے کوئی بات تسلیم کر لے تو ہم اسے وہی چیز دے دیں اور وہ ہماری مذمت سے باز آ جائے؟ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ مسلمان ہو چکے تھے اور انہوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے۔ وہ سب کہنے لگے ہاں اے ابو الولید! تم جا کر ان سے بات کرو۔ عتبہ اٹھ کر آپ ﷺ کے پاس آ کر بیٹھ گیا اور کہنے لگا اے برادر زادے! تم ہم سے ہی ہو اور عزت وشرف اور حسب ونسب کے مالک ہو۔ تم اپنی قوم کے پاس ایک بہت بڑی بات لے کر آئے ہو۔ تم نے ان کی جمعیت کو پراگندہ کر دیا ہے۔ ان کے دانشوروں کو بیوقوف قرار دیا ہے۔ ان کے خوابوں کو چکنا چور کر دیا ہے۔ ان کے دین اور معبودوں پر حرف گیری شروع کر دی ہے اور ان کے آباؤ اجداد کو کافر قرار دے دیا ہے۔ تم میری بات غور سے سنو میں تم پر چند امور پیش کروں گا تم انہیں غور سے سننا شاید ان میں سے کوئی صورت تمہیں پسند آ جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے فرمایا اے ابو الولید! کہو میں تمہاری بات سن رہا ہوں وہ کہنے لگا اے بھتیجے! اگر اس چال سے تمہارا ارادہ مال جمع کرنے کا ہے تو ہم سب مل کر تمہارے لئے مال جمع کرتے ہیں حتیٰ کہ تم ہم سب سے زیادہ مال دار بن جاؤ گے۔ اگر آپ کا مقصد سرداری ہے تو ہم تمہیں اپنا سردار تسلیم کرتے ہیں اور تمہارے بغیر کوئی بات حتمی طور پر طے نہیں کریں گے اور اگر آپ بادشاہی چاہتے ہیں تو ہم آپ کو اپنا بادشاہ بنا لیتے ہیں۔ اگر آپ کو جن وغیرہ کا کوئی اثر ہے تو ہم تمہارا علاج کرانے کے لئے تیار ہیں اور اس کے لئے مال خرچ کرنے میں کوتاہی سے کام نہ لیں گے حتیٰ کہ آپ صحت یاب ہو جائیں۔ بعض دفعہ تابع جن عامل پر غالب آ جاتا ہے تو علاج کر کے ہی اس سے چھٹکارا حاصل کیا جا سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ اس کی بات کو پوری توجہ سے سن رہے تھے جب وہ خاموش ہوا تو آپ نے فرمایا اے ابو الولید! تمہاری بات مکمل ہو گئی؟ اس نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا اچھا اب میری بات غور سے سنو۔ اس نے کہا فرمائیے۔ آپ نے بسم اللہ پڑھ کر اس سورت کی تلاوت شروع کی۔ آپ ﷺ پڑھتے رہے اور عتبہ خاموش سنتا رہا۔ یہاں تک کہ آپ نے سجدہ کی آیت پڑھی اور سجدہ کیا۔ پھر فرمایا اے ابو الولید تم نے سن لیا جو کچھ سنا اب تمہاری مرضی۔ عتبہ اٹھ کر اپنے ساتھیوں کی طرف

1۔ تفسیر بغوی، جلد 4 صفحہ 110

چلا۔ وہ اسے دیکھتے ہی ایک دوسرے سے قسمیں اٹھانے لگے کہ عتبہ کا چہرہ اب اترا ہوا ہے۔ جب وہ ان کے پاس بیٹھ گیا تو وہ پوچھنے لگے اے ابوالولید کیا ہوا؟ وہ کہنے لگا اللہ کی قسم میں نے وہ بات سنی ہے جو اس سے پہلے کبھی سنی نہ تھی۔ اللہ کی قسم یہ نہ جادو ہے نہ شعر اور نہ کہانت۔ اے گروہ قریش! میری بات مان لو۔ اس آدمی کو اس کے حال پر چھوڑ دو اللہ کی قسم! اس کی بات جو اس نے کی ہے اس کا ضرور چرچا ہوگا تو عرب اگر اس پر غالب آگئے تو تمہارا مسئلہ حل ہے اور اگر وہ غالب آ گیا تو اس کی بادشاہی تمہاری ہی بادشاہی ہوگی اور تم سب سے زیادہ سعادت مند ہوگے۔ وہ کہنے لگے اے ابوالولید! اس کی زبان کا جادو تم پر بھی چل گیا ہے۔ وہ کہنے لگا یہ میری ذاتی رائے ہے آگے تمہاری مرضی جو چاہو کرو(1)۔

قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰۤى اِلَيَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْۤا اِلَيْهِ وَ اسْتَغْفِرُوْهُ ؕ وَ وَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۙ﴿۶﴾ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۷﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿۸﴾

''آپ فرمائیے میں انسان ہی ہوں (بظاہر) تمہاری مانند۔ (البتہ) وحی کی جاتی ہے میری طرف کہ تمہارا معبود خداوند یکتا ہی ہے۔ پس متوجہ ہو جاؤ اس کی طرف اور مغفرت طلب کرو اس سے۔ اور ہلاکت ہے مشرکوں کے لئے جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور وہ آخرت کے منکر ہی رہتے ہیں۔ بے شک وہ لوگ جو ایمان لے آئے اور جنہوں نے نیک اعمال کئے ان کے لئے ایسا اجر ہے جو منقطع نہ ہوگا''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرما رہے ہیں اے محمد! (ﷺ) آپ جھٹلانے والے ان مشرکین سے فرما دیجئے قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ...... میں بظاہر تمہاری طرح کا ہی ایک انسان ہوں(2)۔ مجھے بذریعہ وحی یہ بتایا گیا ہے کہ تمہارا معبود ایک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ نہ وہ بت اور ارباب جن کی تم عبادت کرتے ہو۔

فَاسْتَقِيْمُوْۤا اِلَيْهِ خالص اسی کے لئے اس طرح عبادت کرو جیسے اللہ تعالیٰ نے رسولوں کی زبان سے تمہیں یہ حکم دیا ہے اور گزشتہ گناہوں پر استغفار کرو۔ مشرکین کے لئے بربادی اور ہلاکت ہے جو زکوٰۃ نہیں دیتے۔ علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو لا الٰه الا اللّٰه کی شہادت نہیں دیتے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی مروی ہے(3)۔ اسی طرح ایک اور آیت میں آتا ہے: قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۙ وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا (شمس:10-9) ''یقیناً فلاح پا گیا جس نے (اپنے) نفس کو پاک کر لیا۔ اور یقیناً نامراد ہوا جس نے اس کو خاک میں دبا دیا''۔ اور فرمایا: قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۙ وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى (اعلیٰ:15-14) ''بیشک اس نے فلاح پائی جس نے اپنے آپ کو پاک کیا۔ وہ اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا''۔ اور فرمایا: فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰۤى اَنْ تَزَكّٰى (نازعات:18) ''پس (اس سے) دریافت کرو کیا تیری خواہش ہے کہ تو پاک ہو جائے''۔

الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ اور زکاۃ سے یہاں مراد طہارت نفس ہے یعنی رذیل عادات سے پاکی اور نفس کی سب سے بڑی پاکی شرک

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 294-293

2۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ اظہار تواضع کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو یہ کہنے کا حکم دیا (اس مسئلہ کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ضیاء القرآن جلد 3 سورۂ کہف، آیت 110

3۔ طبری، جلد 24 صفحہ 92

سے پاک ہونا ہے۔ مال کی زکاۃ کو زکاۃ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ حرمت سے پاک کر دیتی ہے اور اس میں برکت، زیادتی، کثرت نفع کا باعث ہے اور نیکی کے کاموں میں اسے خرچ کرنے کی توفیق ہوتی ہے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے جو زکوٰۃ نہیں دیتے۔ معاویہ بن قرۃ نے کہا ہے جو اہل زکوٰۃ نہیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے جو اپنے مال کی زکوٰۃ دینے سے ممتنع ہیں۔ اکثر مفسرین کے نزدیک یہی معنی ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے ہی پسند کیا ہے لیکن یہ قول قابل غور ہے کیونکہ زکوٰۃ 2ھ میں مدینہ طیبہ میں فرض ہوئی۔ جس طرح کہ بہت سے مفسرین نے ذکر کیا ہے اور یہ آیت مکی ہے۔ ہاں یہ کہنا ممکن ہے کہ زکوٰۃ اور صدقے کا اصل حکم ابتدائے نبوت میں ہی دے دیا گیا تھا۔ جیسے آیت کریمہ: وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ (انعام: 141) "اور ادا کر دو اس کا حق جس دن وہ کٹے"۔ اور وہ زکوٰۃ جس میں نصاب اور مقداروں کا بیان ہے بعد ازاں مدینہ منورہ میں اس کا حکم نازل ہوا ہو۔ اس طرح ان دونوں قولوں میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے۔ جس طرح نماز کا حکم ابتداء میں یہی تھا کہ طلوع آفتاب اور غروب آفتاب سے قبل دو نمازیں فرض تھیں۔ ہجرت سے ڈیڑھ سال قبل اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں با قاعدہ شروط و ارکان اور دیگر تفصیلات کے ساتھ مقرر فرمائیں۔ یہ معراج والی رات کا واقعہ ہے۔ پھر فرمایا: لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے نہ منقطع ہونے والا نہ ختم ہونے والا۔ جیسے دیگر آیات میں آتا ہے: مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا (کہف: 3) "وہ ٹھہریں گے اس (جنت) میں تا ابد"۔ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ (ہود: 108) "یہ وہ عطا ہے جو ختم نہیں ہوگی"۔

سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ گویا یہ ان کا حق ہے جو انہیں دیا گیا نہ کہ بطور احسان۔ بعض آئمہ نے اس کی تردید کی ہے کیونکہ اہل جنت پر بھی یقیناً خدا تعالیٰ کا احسان ہے جیسے ارشاد ہوتا ہے: بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ (حجرات: 17) "بلکہ اللہ نے احسان فرمایا ہے تم پر کہ تمہیں ایمان کی ہدایت بخشی"۔ اور اہل جنت کہیں گے: فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ (طور: 27) "سو بڑا احسان فرمایا ہے اللہ نے ہم پر اور بچا لیا ہے ہمیں گرم لو کے عذاب سے"۔ خود رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: إلا أن يتغمدني الله برحمة منه وفضل(1)۔ مگر یہ کہ خدا تعالیٰ مجھے اپنی رحمت اور فضل واحسان میں لے لے۔

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ۚ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ۭ سَوَاۗءً لِّلسَّاۗىِٕلِيْنَ ۝ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَاۗءِ وَهِىَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ۭ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَاۗىِٕعِيْنَ ۝ فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَاۗءٍ اَمْرَهَا ۭ وَزَيَّنَّا السَّمَاۗءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ڰ وَحِفْظًا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝

"آپ (ان سے) پوچھئے کیا تم لوگ انکار کرتے ہو اس ذات کا جس نے پیدا فرمایا زمین کو دو دن میں اور ٹھہراتے ہو اس کے لئے مد مقابل۔ وہ تو رب العلمین ہے (اس کا مد مقابل کون ہو سکتا ہے)۔ اور اس نے (ہی) بنائے ہیں زمین میں گڑے ہوئے پہاڑ جو اس کے اوپر (اٹھے ہوئے) ہیں اور اس نے بڑی برکتیں رکھی ہیں اس میں اور اندازہ سے مقرر کر دی ہیں اس

1۔ یہ حدیث سورۂ فاطر آیت 35 کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

میں غذائیں، (ہر نوع کے لئے) چار دنوں میں۔ (ان کا حصول) یکساں ہے طلب گاروں کے لئے۔ پھر اس نے توجہ فرمائی آسمان کی طرف، وہ اس وقت محض دھواں تھا پس فرمایا اسے اور زمین کو کہ آجاؤ (تعمیل حکم اور ادائے فرائض کے لئے) خوشی سے یا مجبوراً۔ دونوں نے عرض کی ہم خوش خوشی (دست بستہ) حاضر ہیں۔ پس بنا دیا انہیں سات آسمان دو دنوں میں اور وحی فرمائی ہر آسمان میں اس کے حسب حال۔ اور ہم نے مزین کر دیا آسمانِ دنیا کو چراغوں سے۔ اور اسے خوب محفوظ کر دیا۔ یہ (سارا) نظام سب سے غالب، سب کچھ جاننے والے (خدا) کا ہے''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ان مشرکین کی بات کا انکار فرما رہے ہیں جنہوں نے اس کے ساتھ دیگر معبودوں کی بھی عبادت کی۔ وہ ہر چیز کا خالق، ہر چیز پر غالب اور ہر چیز کا اندازہ مقرر کرنے والا ہے۔

ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ یعنی تمام اشیاء کا خالق وہی رب العالمین ہے۔ اس جگہ اس آیت کا تفصیلی بیان ہو رہا ہے: (حدید:4) ''جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں'' (1)۔ یعنی تفصیلاً یہ ذکر فرمایا زمین کتنے دنوں میں بنی۔ آسمان کتنے ایام میں بنا۔ یہ بھی ذکر فرمایا کہ اس نے زمین کو پہلے پیدا فرمایا تھا کیونکہ یہ اساس ہے۔ اور اصل یہی ہے کہ بنیاد سے شروع کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد چھت کی باری آتی ہے۔ جیسے فرمایا: هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۚ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (بقرہ:29) ''وہی تو ہے جس نے پیدا کیا تمہارے لئے جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب''۔ اس آیت میں یہ وضاحت کی جا رہی ہے کہ زمین کو آسمان کی تخلیق کے بعد بچھایا گیا۔ پس دَحْوٌ (بچھانا) یہاں مُفَسَّرٌ ہے۔ جس کی وضاحت اس آیت میں ہے: اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰىهَا (النازعات:31) ''نکالا اس سے اس کا پانی اور اس کا سبزہ''۔ اس کے بعد آسمان کی تخلیق ہوئی۔ نص سے یہ بات ثابت ہے کہ زمین کی تخلیق آسمان کی تخلیق سے قبل ہوئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی جواب منقول ہے جسے بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں نقل کیا ہے۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت حضرت سعید بن جبیر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے ابن عباس کی خدمت میں عرض کی کہ قرآن کی بعض آیات میں مجھے اختلاف نظر آتا ہے۔ چنانچہ ایک آیت میں ہے: فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَىِٕذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ (المومنون:101) ''تو کوئی رشتہ داریاں نہ رہیں گی ان کے درمیان اس روز اور نہ وہ ایک دوسرے کے متعلق پوچھ سکیں گے''۔ دوسری آیت میں ہے: وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰي بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ (الصافات:27) ''اور متوجہ ہوں گے ایک دوسرے کی طرف (اور) سوال جواب کریں گے''۔ اسی طرح ایک اور آیت میں ہے: وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا (نساء:42) ''اور نہ چھپا سکیں گے اللہ سے کوئی بات''۔ ایک دوسری آیت میں ہے: وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ (انعام:23) ''اللہ کی قسم جو ہمارا رب ہے نہ تھے ہم شرک کرنے والے''۔ اس آیت میں وہ بات چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اسی طرح ایک آیت میں اَمِ السَّمَآءُ ۭ بَنٰىهَا سے دَحٰىهَا (یا آسمان کا، اس نے اسے بنایا۔ اس کی چھت کو خوب اونچا کیا پھر اس کو درست کیا۔ اور تاریک کیا اس کی رات کو اور ظاہر کیا اس کے دن کو۔ اور زمین کو بعد از اں بچھا دیا)۔ تک یہ مذکور ہے کہ زمین سے پہلے آسمان کو بنایا اور یہاں دوسری آیت قُلْ اَىِٕنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ (حم السجدہ:9) سے لے کر طَآىِٕعِيْنَ تک پہلے زمین پھر آسمان کی پیدائش کا ذکر ہے۔ اسی طرح ارشاد ہوتا ہے: وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا، عَزِيْزًا حَكِيْمًا، سَمِيْعًا بَصِيْرًا اس کا مطلب تو یہ بنتا ہے گویا وہ پہلے ایسے تھا اب نہیں ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا کہ

1۔ اعراف:54، یونس:3، ہود:7، حدید:4

جن دو آیات میں سوال و جواب کا بیان ہے (1) اور ایک میں انکار ہے یہ فی الحقیقت دو وقت ہیں یعنی صور دو مرتبہ پھونکا جائے گا۔ پہلے صور پھونکے جانے کے بعد وہ ایک دوسرے سے سوال نہیں کریں گے اور دوسرے کے بعد آپس میں ایک دوسرے سے سوالات ہوں گے اور جن دو آیات میں سے ایک میں بات کے نہ چھپانے اور دوسری میں چھپانے کا ذکر ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اہل اخلاص کے گناہوں کو معاف فرمادے گا تو مشرکین کہیں گے آؤ ہم کہیں کہ ہم بھی مشرک ہرگز نہ تھے۔ تو ان کے منہ پر مہریں لگادی جائیں گی اور ان کے ہاتھ بولنا شروع کردیں گے۔ اس وقت معلوم ہوجائے گا کہ اللہ سے کوئی بات چھپائی نہیں جاسکتی۔ اسی وقت: یَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا...... (بقرہ:105)

آسمان و زمین کی پیدائش کی ترتیب میں بھی دراصل کوئی تعارض نہیں۔ پہلے دو دنوں میں زمین بنائی گئی، پھر آسمان، آسمان کی طرف توجہ فرمائی اسے دو دن میں مکمل فرمایا۔ اور پھر زمین کو بچھایا۔ اور دَحٰىهَا سے مراد یہ ہے کہ اس میں پانی اور مرغزار پیدا فرمائے۔ پہاڑ، جمادات، ٹیلے اور ان کے مابین جو کچھ ہے اسے بھی الگ دو دن میں مکمل فرمایا۔ 'دحاھا' اور خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ سے مراد یہی ہے۔ پس زمین اور جو کچھ اس میں ہے چار دن میں پیدا فرمایا اور آسمانوں کو پیدا فرمایا جیسے فرمایا: وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا (النساء:100) اپنے آپ کو اس صفت سے متصف فرمایا ہے یعنی وہ ہمیشہ ایسا ہی رہے گا۔ اللہ تعالیٰ جو ارادہ فرمائے پورا ہوجاتا ہے۔ پس قرآن میں ہرگز اختلاف نہیں۔ اس کا ایک ایک لفظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے منہال بن عمرو سے یہی حدیث نقل کی ہے (2)۔

خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ یعنی اتوار اور پیر کے دن۔

وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ یعنی اسے مبارک، خیر کے قابل اور بیج بونے اور درخت لگانے کے قابل بنایا اور اس میں مقرر کردی ہیں غذائیں یعنی وہ اشیاء جن کی ضرورت روئے زمین پر رہنے والے لوگوں کو محسوس ہوتی رہتی ہے جیسے کھیتیاں اور کھیت۔ یہ کام منگل اور بدھ کے دنوں میں انجام پائے۔ اس طرح سابقہ دو دنوں کو ملا کر کل چار دن ہوئے۔

فِیْۤ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیْنَ یعنی جو لوگ اس کے بارے میں سوال کرنا چاہتے ہیں انہیں جواب دے دیا۔

مجاہد اور عکرمہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے قَدَّرَ فِیْهَاۤ اَقْوَاتَهَا کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ہر علاقے کی سرزمین میں وہی چیز رکھی جو وہاں کے لوگوں کے لائق تھی۔ مثلاً عصب یمن میں، سابری سابور میں اور طیالسہ (کمبل) رے میں (3)۔ حضرت ابن عباس، قتادہ اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے للسائلین کا معنی ہے جو سوال کرنا چاہے۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جس کی جو حاجت تھی اللہ تعالیٰ نے مہیا کردی۔ یہ قول اس آیت کے مشابہ ہے: وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ (ابراہیم:34) ''اور عطا فرمایا تمہیں ہر اس چیز سے جس کا تم نے اس سے سوال کیا''۔

قولہ ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ وَهِیَ دُخَانٌ پھر باری تعالیٰ نے آسمان کی طرف توجہ فرمائی۔ وہ دھوئیں کی شکل میں تھا۔ یعنی بخارات جو زمین کی تخلیق کے وقت ظاہر ہوئے۔ اب دونوں کو فرمایا کہ آجاؤ تعمیل حکم اور ادائے فرض کے لئے خوشی سے یا مجبوراً۔ دونوں نے عرض کیا ہم خوشی خوشی دست بستہ حاضر ہیں۔ ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بروایت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں سے فرمایا: سورج، چاند اور ستارے لاؤ۔ زمین سے فرمایا: نہریں جاری کر اور پھل اگا۔ تو انہوں نے کہا کہ ہم راضی خوشی

1۔ یہاں سے بخاری کی روایت کا آغاز ہورہا ہے 2۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ سجدہ، جلد 8 صفحہ 556-555

3۔ عصب: مضبوط بنی ہوئی یمنی چادر سابری: سابور کی طرف منسوب ہے۔ سابور یہ اصفہان کے قریب ایک شہر ہے۔ ہر پتلا، باریک کپڑا ان کے ہاں سابری ہوتا ہے۔ طیالسہ: یہ طیلسان کی جمع ہے۔ معنی کمبل یا کندھے پر رکھنے والی چادر وغیرہ، اسے خاص علماء استعمال کرتے ہیں۔ یہ عجمیوں کا لباس ہے۔ رے: یہ ایران کا مشہور شہر ہے

تیار ہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کو اختیار کیا ہے(1)۔ انہوں نے عرض کیا ہم اطاعت کے ساتھ تیری بات قبول کرتے ہیں مع اس تمام مخلوق (ملائکہ، انس وجن) کے جو تیرے تابع فرمان ہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بعض عربوں سے یہی روایت کیا ہے۔ ایک اور قول میں ہے انہیں ان لوگوں کے قائم مقام کیا گیا جو کلام کو سمجھتے ہیں اور ان کی بات سمجھ آتی ہے(2)۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ زمین کے جس حصے نے کلام کیا وہ کعبہ کی جگہ تھی اور آسمان کا وہ حصہ تھا جو اس کے اوپر ہے واللہ اعلم۔ حضرت حسن بصری کا قول ہے کہ آسمان وزمین اطاعت گزاری نہ کرتے تو انہیں وہ سزا ہوتی جس کا انہیں احساس بھی ہوتا (رواہ ابن ابی حاتم)۔

فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ...... اور دوسرے دو دنوں میں سات آسمان پیدا فرمائے۔ یہ جمعرات اور جمعہ کا دن تھا۔

وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا اور ہر آسمان میں ضرورت کے مطابق فرشتے مقرر کئے اور ان میں وہ چیزیں ہیں جن کا علم اللہ کے سوا اور کسی کو نہیں۔ اور آسمان دنیا کو ستاروں سے مزین فرمایا جو زمین پر چمکتے رہتے ہیں اور ان شیاطین کا خیال رکھتے ہیں جو ملاء اعلیٰ کی باتیں سننے کے لئے اوپر آتے ہیں۔

ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ عزیز جو ہر چیز پر غالب و قاہر ہے علیم یعنی اپنی مخلوقات کی حرکات وسکنات سے واقف ہے۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت عکرمہ ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ ہناد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: میں نے ساری حدیث پڑھی ہے کہ یہود نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق کی بابت سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زمین کو اتوار اور پیر کے دن پیدا فرمایا اور پہاڑوں اور جو کچھ ان کے اندر ہے کو منگل کے روز پیدا کیا اور بدھ کے روز درخت، پانی، شہر، آبادی اور ویرانے کو پیدا کیا۔ ان چار کا ذکر اس آیت میں ہے قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ..... (فصلت:9) اس کے ساتھ ہی آپ نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا جمعرات کو آسمان پیدا فرمایا اور جمعہ کے دن ستارے، سورج، چاند اور ملائکہ کو پیدا کیا تین ساعتوں کے باقی رہنے تک۔ یعنی صرف تین ساعتیں باقی رہ گئیں۔ ان میں سے پہلی ساعت میں موتیں پیدا فرمائیں اور دوسری ساعت میں ہر چیز پر (جو لوگوں کے لئے باعث نفع ہے) آفت ڈالی۔ اور تیسری میں حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور انہیں جنت میں بسایا اور ابلیس کو آپ کو سجدہ کرنے کا حکم ارشاد فرمایا اور آخری یعنی تیسری ساعت میں آپ کو وہاں سے نکال دیا۔ پھر یہود کہنے لگے اے محمد! پھر کیا ہوا؟ آپ نے فرمایا پھر اس نے عرش کی طرف توجہ فرمائی۔ وہ کہنے لگے یہ تو ٹھیک ہے لیکن بہتر یہ تھا کہ آپ اپنی بات کو مکمل فرما دیتے۔ وہ کہنے لگے۔ اس کے بعد اس نے آرام کیا۔ یہ سن کر آپ ﷺ شدید غضبناک ہو گئے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی: وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ۝ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ(3) ''اور ہم نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دنوں میں۔ اور ہمیں تھکن نے چھوا تک نہیں۔ پس آپ صبر فرمایئے ان کی (دل دکھانے والی) باتوں پر''۔ اس حدیث میں غرابت ہے۔

ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ والی حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مٹی کو ہفتے کے روز پیدا فرمایا اور اتوار کے روز اس میں پہاڑ پیدا فرمائے اور درختوں کو پیر کے روز اور مکروہات وآفات کو منگل کے روز، نور کو بدھ کے روز پیدا فرمایا اور جمعرات کے دن اس میں جانوروں کو پھیلایا اور جمعہ کے دن عصر کے بعد جمعہ کی آخری ساعت میں یعنی

1۔ تفسیر طبری، جلد 24 صفحہ 98   2۔ تفسیر طبری، جلد 24 صفحہ 99

3۔ ق:38 تفسیر طبری، جلد 24 صفحہ 94، حاکم: مستدرک، جلد 2 صفحہ 451-450، درمنثور، جلد 7 صفحہ 315-314

رات اور عصر کے درمیان حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ مسلم اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی کتابوں میں روایت فرمایا ہے۔ یہ بھی صحیح کے غرائب میں سے ہے۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ میں اسے معلل بتلایا ہے اور لکھا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ سے اسے روایت کیا ہے اور زیادہ صحیح یہی ہے (1)۔

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ۝ اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ۭ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۭ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ۝ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝ وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَي الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝

''پس اگر وہ (پھر بھی) روگردانی کریں تو آپ فرمائیے کہ میں نے ڈرایا ہے تمہیں اس کڑک سے جو عاد و ثمود کی کڑک کی مانند (ہلاکت خیز) ہوگی۔ (کچھ یاد ہے) جب آئے تھے ان کے پاس رسول سامنے سے اور پیچھے سے (یعنی ہر طرف سے یہ سمجھانے کے لئے) کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ انہوں نے کہا اگر ہمارے رب کی مرضی ہوتی (کہ ہمیں کچھ سمجھائے) تو فرشتے نازل کرتا، پس ہم جو دے کر تمہیں بھیجا گیا ہے (اس کا سراسر) انکار کرتے ہیں۔ پس قوم عاد نے تو سرکشی اختیار کی زمین میں ناحق۔ اور کہنے لگے ہم سے زیادہ طاقتور کون ہے؟ کیا انہوں نے نہ جانا کہ اللہ تعالیٰ جس نے ان کو پیدا کیا ہے وہ ان سے زیادہ قوی ہے۔ اور وہ (تو) ہمیشہ ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے۔ پس ہم نے بھیج دی ان پر سخت ٹھنڈی تند ہوا منحوس دنوں میں تاکہ ہم انہیں چکھائیں ذلت آمیز عذاب اس دُنیوی زندگی میں۔ اور آخرت کا عذاب تو بہت زیادہ رسوا کن ہوگا اور ان کی ہرگز مدد نہ کی جائے گی۔ باقی رہے ثمود تو انہیں ہم نے سیدھی راہ دکھائی انہوں نے پسند کیا اندھے پن کو ہدایت پر تو پکڑ لیا انہیں اس عذاب کی کڑک نے جو رسوا کن ہے ان کرتوتوں کے باعث جو وہ کیا کرتے تھے۔ اور ہم نے ان لوگوں کو نجات دی جو ایمان لائے تھے اور (اللہ کی نافرمانی سے) ڈرتے رہتے تھے''۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اے محمد! ان مشرکین کو جو آپ کو جھٹلاتے ہیں یہ بتا دیجئے کہ جو کچھ آپ لائے ہیں، وہ حق ہے۔ اگر تم نے میری دعوت جو کہ درحقیقت اللہ کی طرف سے ہے، کا انکار کیا تو میں تمہیں ڈرا رہا ہوں کہ کہیں تم پر بھی اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل نہ ہو جائے جس طرح سابقہ امتوں پر جنہوں نے اپنے انبیاء کی تکذیب کی تھی عذاب نازل ہوا۔ یعنی قوم عاد و ثمود اور ان جیسی دیگر اقوام پر جیسے عذاب

1۔ یہ حدیث سورہ بقرہ کی آیت 29 اور سورۂ اعراف آیت (54) میں گزر چکی ہے۔ نیز دیکھئے التاریخ الکبیر، جلد 2 صفحہ 414-413 برائے سوانح ایوب بن خالد بن ابوایوب الانصاری

نازل ہوا۔

قولہ اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: وَ اذْكُرْ اَخَا عَادٍ ؕ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَ قَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖۤ (احقاف: 21) ''(اے حبیب ﷺ!) ذکر سنائیے انہیں قوم عاد کے بھائی (ہود) کا۔ جب ڈرایا اس نے اپنی قوم کو احقاف میں اور گزر چکے تھے ڈرانے والے ان سے پہلے بھی اور ان کے بعد بھی''۔ یعنی ان کے شہر کے قرب و جوار کے دیہاتوں میں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف رسول مبعوث فرمائے جو انہیں اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی دعوت دیتے تھے اور خوشخبریاں سناتے اور عذاب سے ڈراتے تھے۔ سابقہ اقوام پر جو جو عذاب نازل ہوا اور ایمان لانے والے اللہ کے دوستوں پر جو انعام ہوا اسے دیکھنے کے باوجود وہ ایمان نہ لائے اور نہ آپ کی تصدیق کی بلکہ تکذیب و انکار پر ڈٹے رہے اور کہنے لگے: لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً اگر اللہ تعالیٰ رسول مبعوث فرماتا تو اپنے پاس سے فرشتے بھیجتا۔ اے بشر! آپ جن امور کی دعوت کے ساتھ بھیجے گئے ہیں، ہم اس کا انکار کرتے ہیں یعنی ہم تمہاری پیروی نہیں کریں گے تم بھی تو ہماری طرح بشر ہی ہو۔

فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِی الْاَرْضِ بغاوت، سرکشی اور نافرمانی پر اتر آئے اور کہنے لگے کہ ہم سے زیادہ قوی کون ہے۔ اپنی جسمانی طاقت پر ناز کرنے لگے۔ وہ یہ سمجھے کہ ہم اپنی طاقت سے عذاب الٰہی کو روک لیں گے۔

اَوَ لَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَهُمْ کیا وہ یہ نہیں سوچتے کہ وہ کس کے ساتھ دشمنی کا اعلان کر رہے ہیں؟ وہ عظیم ہستی جس نے کائنات کو پیدا کیا اور اس میں قوت رکھی اس کی پکڑ بڑی شدید ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ السَّمَآءَ بَنَیْنٰهَا بِاَیْىدٍ وَّ اِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ (ذاریات: 47) ''اور ہم نے آسمان کو (قدرت کے) ہاتھوں سے بنایا اور ہم نے ہی اس کو وسیع کر دیا''۔ انہوں نے قہار و جبار کو دعوت مبارزت دی۔ اس کی آیات کا انکار کیا اور اس کے رسول کی تکذیب کی۔ اسی لئے فرمایا: فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا صَرْصَرًا بعض کا قول ہے کہ صرصر سے مراد تند و تیز ہوا ہے۔ ایک قول ہے کہ سخت ٹھنڈی ہوا۔ ایک قول ہے کہ وہ ہوا جو شدید شور مچائے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس میں مذکورہ تمام صفات موجود تھیں۔ یہ سخت تیز ہوا تھی تاکہ انہیں اسی نوعیت کا عذاب دیا جائے جس فریب میں وہ مبتلا تھے کہ ہمارے قویٰ بہت مضبوط ہیں۔ یہ ہوا سخت ٹھنڈی تھی جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: بِرِیْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِیَةٍ (الحاقہ: 6) '' آندھی سے جو سخت سرد، بے حد تند تھی''۔ شدید سرد۔ اس کی آواز سخت تکلیف دہ تھی۔ اسی وجہ سے بلاد مشرق میں ایک نہر کو بھی ''نہر صرصر'' کہا جاتا ہے کیونکہ اس کا پانی چلتا ہے تو سخت شور سنائی دیتا ہے(1)۔

قولہ اَیَّامٍ نَّحِسَاتٍ یعنی مسلسل۔ ایک اور جگہ آتا ہے: سَبْعَ لَیَالٍ وَّ ثَمٰنِیَةَ اَیَّامٍ ۙ حُسُوْمًا (الحاقہ: 7) ''ان پر (مسلسل) سات رات اور آٹھ دن تک جو جڑوں سے اکھیڑنے والی تھی''۔ اور فرمایا: فِیْ یَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ (القمر: 19) ''ایک دائمی نحوست کے دن میں''۔ ایک منحوس دن میں ان پر عذاب نازل ہونا شروع ہوا اور سات راتوں اور آٹھ دن تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس نے انہیں جڑ سے اکھیڑ کر رکھ دیا اور عذاب آخرت کے ساتھ ساتھ دنیا میں رسوائی بھی ان کے حصے میں آئی۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: لِّنُذِیْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْیِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ...... خزی: شدید رسوائی کا باعث۔ اور آخرت میں بھی ان کی کوئی مدد نہ کی جائے گی جس طرح کہ دنیا میں ان کی کوئی مدد نہیں کی گئی تھی اور اللہ کے عذاب سے انہیں بچانے والا کوئی نہ ہوگا۔

1۔ یاقوت حموی نے معجم البلدان میں لکھا ہے کہ بغداد میں صرصر نام کے دو دیہات ہیں جنہیں بالائی صرصر اور زیریں صرصر کہتے ہیں۔ یہ نہر عیسیٰ کے کنارے پر ہیں شاید نہر صرصر کو یہ نام ان دونوں دیہات کی وجہ سے دیا گیا۔

فَهَدَيْنٰهُمْ ابن عباس، ابوالعالیہ، سعید بن جبیر، قتادہ، سدی اور ابن زید نے اس کا معنی کیا ہے بیناالھم (ہم نے ان کے لئے وضاحت کردی)۔ ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے دعوناھم (ہم نے انہیں بلایا)(1)۔

فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى یعنی ہم نے ان کے نبی حضرت صالح علیہ السلام کی زبان سے ان کے سامنے حق کی وضاحت کی لیکن انہوں نے اس کی مخالفت اور تکذیب کی اور اونٹنی جسے اللہ نے اپنی نشانی اور اپنے نبی کے صدق کی علامت قرار دیا تھا کی کونچیں کاٹ دیں۔

فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ اللہ نے ان پر اپنا عذاب چنگھاڑ، زلزلے، ذلت اور رسوائی کی صورت میں بھیجا۔

بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ یعنی تکذیب اور انکار سے جو وہ کمایا کرتے تھے۔

وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ان میں سے اہل ایمان کو ذرا سی گزند نہیں پہنچی اور وہ بالکل محفوظ رہے۔ ان کے ایمان اور تقوی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے نبی حضرت صالح علیہ السلام کے ساتھ نجات عطا فرمائی۔

وَ يَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿١٩﴾ حَتّٰٓى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَ اَبْصَارُهُمْ وَ جُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٠﴾ وَ قَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ؕ قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٢١﴾ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٢٢﴾ وَ ذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٢٣﴾ فَاِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۚ وَ اِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ ﴿٢٤﴾

"اور (ذرا خیال کرو) اس دن کا جب جمع کیے جائیں گے اللہ کے دشمن آتش (جہنم) کی طرف پھر وہ (گروہوں میں) بانٹ دیئے جائیں گے۔ یہاں تک کہ جب وہ دوزخ کے قریب آجائیں گے (تو حساب شروع ہوگا اس وقت) گواہی دیں گے ان کے خلاف ان کے کان ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں اس کے بارے میں جو وہ کیا کرتے تھے۔ اور وہ کہیں گے اپنی کھالوں سے تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی۔ وہ کہیں گے (ہم بے بس ہیں) ہمیں تو گویا کر دیا ہے اللہ نے جس نے گویا کیا ہے ہر شے کو اور اسی نے تمہیں پیدا کیا تھا پہلی مرتبہ اور اب اس کی طرف تم لوٹائے جارہے ہو۔ اور تم نہیں چھپا سکتے تھے اپنے آپ کو اس امر سے کہ گواہی نہ دیں تمہارے خلاف تمہارے کان اور نہ تمہاری آنکھیں اور نہ تمہاری کھالیں بلکہ تم تو یہ گمان کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہی نہیں تمہارے اکثر اعمال کو جو تم کرتے ہو۔ اور تمہارے اسی گمان نے جو تم اپنے رب کے بارے میں کیا کرتے تھے تمہیں ہلاک کر دیا پس تم ہو گئے نقصان اٹھانے والوں سے۔ پس وہ صبر کریں (یا نہ کریں) آگ ہی ان کا ٹھکانا ہے۔ اور اگر وہ (اس وقت) رضائے الٰہی چاہیں گے تو وہ ان میں سے نہیں ہوں گے جن پر اللہ راضی ہوا"۔

1۔ ہدایت کا لفظ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے کسی کو منزل مقصود تک پہنچا دینا یا کسی کو منزل کی راہ دکھانا۔ اھدنا الصراط المستقیم کا معنی یہی ہے کہ ہمیں سیدھے راستے پر ثابت قدم رکھ۔ (مترجم)

ان مشرکین کو یاد کیجئے جس دن انہیں آگ کی طرف لایا جائے گا۔ دوزخ کے داروغے تمام مشرکین کو جمع کریں گے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَّ نَسُوْقُ الْمُجْرِمِیْنَ اِلٰی جَهَنَّمَ وِرْدًا (مریم: 86) ''اور اس روز ہانک کر لائیں گے مجرموں کو جہنم کی طرف پیاسے جانوروں کی طرح''۔ وردا: یعنی پیاسے۔

حَتّٰۤی اِذَا مَا جَآءُوْهَا یعنی جب وہ اس پر کھڑے ہوں گے تو ان کے کان، آنکھیں اور کھالیں گواہی دیں گی ان کے تمام گزشتہ اعمال پر اور ایک حرف بھی نہیں چھپ سکے گا۔

وَ قَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَیْنَا وہ اپنے اعضاء اور اپنی کھالوں کو ملامت کریں گے اور انہیں کوسنے دیں گے تو ان کے اعضاء انہیں یوں جواب دیں گے: قَالُوْۤا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِیْۤ ...... اپنے معذور ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے وہ کہیں گے ہمیں تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تو ہم نے بولنا شروع کر دیا۔ اس کے حکم کی مخالفت نہیں کی جا سکتی نہ اس کی حکم عدولی کی جا سکتی ہے۔ بالآخر سب نے اسی کی طرف لوٹنا ہے۔

حافظ ابوبکر بزار رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ مسکرائے اور تبسم فرمایا اور فرمایا کیا تم مجھ سے میرے ہنسنے کا سبب دریافت نہیں کرو گے؟ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! آپ کے مسکرانے کا سبب کیا تھا؟ فرمایا مجھے قیامت کے دن بندے کے اپنے رب سے جھگڑنے پر تعجب ہوا۔ وہ کہے گا! اے میرے رب کیا تو نے مجھ سے وعدہ نہیں کیا تھا کہ تو مجھ پر ظلم نہیں کرے گا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہاں کیوں نہیں۔ وہ کہے گا میں اپنے خلاف اپنی ذات کے علاوہ اور کسی کو گواہ تسلیم نہیں کروں گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا میری اور میرے ملائکہ جو کراماً کاتبین ہیں کی شہادت کافی نہیں۔ لیکن وہ پھر بھی اپنی بات پر اڑا رہے گا۔ تو اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اس کے اعضاء بدن اس کے تمام اعمال کی گواہی دینا شروع کر دیں گے تو وہ انہیں ملامت کرے گا تمہارے لئے دوری اور ہلاکت ہے تمہارے لئے ہی تو میں جھگڑا کر رہا تھا۔ ابن ابی حاتم، مسلم اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے روایت کیا ہے (1)۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ابو بردہ سے روایت کیا ہے کہ ابوموسیٰ اشعری کا قول ہے کہ کافر اور منافق کو حساب کے لئے بلایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کا عمل اس کے سامنے کرے گا تو وہ انکار کر دے گا اور کہے گا۔ اے رب! مجھے تیری عزت کی قسم اس فرشتے نے میرے خلاف وہ کچھ لکھ دیا ہے جو میں نے کبھی نہیں کیا تو فرشتہ اسے کہے گا کیا فلاں دن فلاں مقام پر تو نے یہ کام نہیں کیا تھا؟ وہ کہے گا خدایا تیری عزت کی قسم میں نے یہ کام نہیں کیا۔ جب وہ یہ کہے گا تو اس کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی۔ اشعری فرماتے ہیں میرا خیال ہے کہ سب سے پہلے اس کی دائیں ران گفتگو کرے گی (2)۔ حافظ ابویعلی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن کافر کو اس کے اعمال دکھائے جائیں گے تو وہ سرے سے ان کا انکار کر دے گا اور جھگڑنا شروع کر دے گا۔ کہا جائے گا یہ تیرے پڑوسی تیرے خلاف گواہی دے رہے ہیں؟ وہ کہے گا یہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ ارشاد ہوگا تیرے خاندان قبیلے والے گواہ ہیں۔ وہ کہے گا سب جھوٹے ہیں۔ ارشاد ہوگا سب قسم اٹھاؤ وہ قسم اٹھائیں گے تو اللہ انہیں خاموش کرا دے گا اور ان کی زبانیں ان کے خلاف گواہی دیں گی پھر انہیں واصل جہنم کر دیا جائے گا (3)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک دن ابن ازرق سے فرمایا: قیامت کے دن لوگوں پر ایک وقت آئے گا کہ وہ نہ تو بات کر سکیں گے اور نہ معذرت کر سکیں گے پھر جب بولنے کی

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ نور آیت 24 سورۂ یٰسین آیت 65 2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ یٰسین آیت: 65

3۔ مسند ابویعلی، جلد 2 صفحہ 135، مجمع الزوائد، جلد 10 صفحہ 351، نیز دیکھئے تفسیر سورۂ نور آیت: 24

اجازت دی جائے گی تو وہ جھگڑنا شروع کر دیں گے۔ حتیٰ کہ شرک کرنے والا اپنے شرک سے انکار کر دے گا۔ وہ اللہ کے سامنے اسی طرح قسمیں اٹھائیں گے جیسے تمہارے سامنے قسمیں اٹھاتے ہیں۔ ان کے انکار کے وقت اللہ تعالیٰ ان کی اپنی ذات سے ہی گواہ لائے گا یعنی ان کی کھالیں، آنکھیں، ہاتھ پاؤں اور ان کے منہ پر مہر لگ جائے گی۔ پھر ان کے منہ کھول دیئے جائیں گے تو وہ اعضاء سے جھگڑیں گے۔ تو وہ کہیں گے ہم آج اللہ کے حکم سے بول رہے ہیں۔ اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِیْۤ اَنْطَقَ كُلَّ شَیْءٍ...... تو زبانیں انکار کے بعد اقرار کر لیں گی۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے رافع ابوالحسن سے روایت کیا ہے۔ آپ نے ایک انکار کرنے والے شخص کے بارے میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس کی زبان کی طرف اشارہ فرمائیں گے تو زبان اس کے منہ میں موٹی ہو جائے گی اور منہ کو بھر دے گی تو وہ ایک کلمہ بھی نہ بول سکے گا۔ پھر اس کے اعضاء بدن کو حکم ہو گا بولو اور اس کے خلاف گواہی دو۔ تو اس کے کان، آنکھیں، جلد، شرمگاہ اور ہاتھ پاؤں یوں گواہی دیں گے: ہم نے یہ کام کیا (صنعنا، عملنا، فعلنا)۔ سورۂ یٰسین کی آیت اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤى اَفْوَاهِهِمْ...... کی تفسیر میں بہت سی احادیث و آثار کا تذکرہ ہو چکا ہے۔ جس کے اعادے کی یہاں ضرورت نہیں۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب سمندر کی ہجرت سے لوگ واپس آئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم ہمیں حبشہ کی سرزمین پر ہونے والی عجیب و غریب باتوں کے بارے میں نہیں بتاؤ گے؟ تو ان میں سے ایک نوجوان نے کہا ہاں یارسول اللہ ﷺ! ایک دن ہم بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کے پادریوں میں سے ایک بڑھیا ہمارے پاس سے گزری۔ اس کے سر پر پانی کا ایک گھڑا تھا۔ ایک نوجوان نے اسے دھکا دیا۔ وہ اوندھے منہ گر پڑی اور اس کا گھڑا ٹوٹ گیا۔ وہ اٹھی اور اس نوجوان کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگی: اے مکار! تو اس وقت جان لے گا جب اللہ تعالیٰ اپنی کرسی بچھائے گا اور سب اگلے پچھلوں کو جمع کرے گا اور ہاتھ اور پاؤں بولنا شروع کر دیں گے اور اپنے کرتوتوں کے بارے میں خود بتائیں گے۔ اس وقت تمہیں پتہ چلے گا کہ تیرا اور میرا کیا معاملہ ہے؟ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا اس نے سچ کہا۔ اس قوم کو اللہ تعالیٰ کس طرح پاک فرمائے گا جن کے طاقتور سے کمزور کا بدلہ نہ لیا جائے۔ یہ حدیث اس سند سے غریب ہے۔ ابن ابی دنیا رحمۃ اللہ علیہ نے اسے کتاب الاھوال میں ایک دوسری سند سے بھی روایت کیا ہے (1)۔

قولہ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ یَّشْهَدَ عَلَیْكُمْ...... ان کے اعضاء اور ان کی کھالیں ان کے خلاف جب گواہی دیں گی تو وہ انہیں ملامت کریں گے۔ تو وہ جواب دیں گے تم جو کچھ کرتے تھے اسے ہم سے نہیں چھپاتے تھے بلکہ تم نے تو علانیہ کفر و معاصی کا بازار گرم کر رکھا تھا اور تمہیں کوئی پرواہ نہیں تھی کیونکہ تمہارا خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام افعال و اعمال سے آگاہ نہیں ہے۔

وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا یَعْلَمُ كَثِیْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ وَ ذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِیْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ یعنی یہ گمان فاسد کہ اللہ تعالیٰ تمہارے کثیر اعمال کو نہیں جانتا، نے تمہیں تباہی کے کنارے پہنچایا اور برباد کیا۔

فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ یعنی روز قیامت ہو گئے تم نقصان اٹھانے والے خود بھی اور تمہارا خاندان بھی۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں کعبہ کے پردوں سے چھپا ہوا تھا کہ تین افراد آئے ان میں ایک قریشی اور دو اس کے داماد تھے جو بنوثقیف سے تھے (ایک روایت میں ہے ایک ثقفی اور اس کے دو قریشی داماد)۔ ان کے پیٹ بڑھے ہوئے تھے لیکن عقلیں محدود۔ انہوں نے وہ بات کہی جو میں نے پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔ ایک نے کہا تمہارا کیا خیال ہے اللہ تعالیٰ

1۔ ابن ماجہ، سنن، کتاب الفتن، جلد 2 صفحہ 1329

ہماری یہ گفتگو سن رہا ہے؟ دوسرا کہنے لگا اگر ہم بآواز بلند کوئی بات کریں تو وہ سنتا ہے اور آہستہ بولیں تو نہیں سن سکتا۔ تیسرا کہنے لگا اگر سن سکتا ہے تو سب کچھ سن لیتا ہوگا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ میں نے حضور ﷺ سے کو یہ بات عرض کی تو اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں۔ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سے لے کر مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ تک (1)۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت ہناد، ابومعاویہ سے اسی سند کے ساتھ اسے روایت کیا ہے (2)۔ احمد، مسلم اور ترمذی رحمہم اللہ تعالیٰ نے بروایت ثوری حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہی روایت کیا ہے اور بخاری اور مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی بروایت مجاہد حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہی روایت کیا ہے (3)۔ عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت بہز بن حکیم عن أبیہ عن جدہ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ...... کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم قیامت کے دن اس حال میں بلائے جاؤ گے کہ تمہارے منہ فدام (4) سے بند ہوں گے اور سب سے پہلے ران اور ہتھیلی گواہی دے گی (5)۔ راوی حضرت معمر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ پھر فرمایا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرا بندہ میرے ساتھ جو گمان کرتا ہے میں اس کے ساتھ وہی معاملہ کرتا ہوں اور جب وہ مجھے پکارتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں (6)۔ پھر حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول میں کچھ دیر تامل فرمایا۔ اس کے بعد فرمانے لگے: لوگوں کا عمل ان کے اپنے رب کے ساتھ گمانوں کے برابر ہوتا ہے۔ (یعنی جس کا جیسا گمان خدا کے ساتھ ہوتا ہے ویسا ہی اس کا عمل بھی ہوتا ہے) چونکہ مؤمن کا اپنے رب کے ساتھ اچھا گمان ہوتا ہے اس لئے وہ عمل بھی اچھے کرتا ہے۔ کافر اور منافق کا گمان بھی چونکہ اپنے رب کے ساتھ صحیح نہیں ہوتا اس لئے ان کے اعمال بھی برے ہوتے ہیں۔ پھر آپ نے وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ سے لے کر ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ الآیۃ تک تلاوت فرمائی۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی شخص نہ مرے مگر اس حال میں کہ وہ اللہ کے ساتھ حسن ظن رکھتا ہو۔ ایک قوم کو اللہ کے بارے میں برے گمان نے تباہ و برباد کر دیا پھر یہی آیت تلاوت فرمائی: وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ سے مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ تک (7)۔

فَاِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ...... یعنی برابر ہے ان کے لئے کہ وہ صبر کریں یا نہیں وہ دوزخی ہیں اور اس سے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں۔ اس وقت اگر وہ اللہ کو راضی کرنا بھی چاہیں، معذرتیں پیش کریں تو ان کا کوئی عذر قبول نہ ہوگا۔

وَاِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اگر وہ دوبارہ دنیا میں لوٹنے کا مطالبہ کریں گے تو انہیں کوئی جواب نہیں دیا جائے گا۔ اسی مضمون کو ایک اور آیت میں یوں بیان کیا گیا ہے۔ قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ۞ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ۞ قَالَ اخْسَــُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ (مومنون:106)'' (معذرت کرتے ہوئے) کہیں گے اے ہمارے رب! غالب آ گئی تھی ہم پر ہماری بدبختی اور ہم گم کردہ راہ لوگ تھے۔ اے ہمارے مالک! (ایک بار) ہمیں نکال اس سے، پھر اگر ہم نافرمانی

1۔ مسند امام احمد، جلد 1 صفحہ 381 — 2۔ تحفۃ الاحوذی، جلد 9 صفحہ 123

3۔ مسند امام احمد، جلد 1 صفحہ 408، فتح الباری تفسیر سورۂ حم سجدہ، جلد 8 صفحہ 561، بخاری، جلد 6 صفحہ 161، مسلم، کتاب صفات المنافقین، جلد 4 صفحہ 2142-2141، تحفۃ الاحوذی، جلد 9 صفحہ 164، عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۂ حم سجدہ، جلد 12 صفحہ 129-128

4۔ فدام سے مراد چھکا ہے جو منہ کو باندھنے کیلئے استعمال ہوتا ہے یا وہ چیز جو لوٹے وغیرہ کے منہ پر باندھ دی جاتی ہے تاکہ اس میں سے جو کچھ نکلے وہ صاف ہو جائے۔ (مترجم)

5۔ یہ حدیث سورۂ یٰسین آیت:65 کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

6۔ مسند امام احمد عن انس، جلد 3 صفحہ 277، طبرانی، کتاب الدعاء، جلد 2 صفحہ 793، مجمع الزوائد، جلد 10 صفحہ 148، ورواۃ ابویعلی اسکے رجال صحیح کے ہی ہیں۔

7۔ مسند امام احمد، جلد 4 صفحہ 391-390

کی طرف رجوع کریں تو یقیناً پھر ہم ظالم ہوں گے۔ جواب ملے گا پھٹکارے ہوئے پڑے رہو اس میں اور مت بولو میرے ساتھ''۔

وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَاءَ فَزَيَّنُوا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿٢٥﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ﴿٢٦﴾ فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٧﴾ ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ ۚ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ ۭ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿٢٨﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿٢٩﴾

''اور ہم نے مقرر کر دیئے ان کے لئے کچھ ساتھی پس انہوں نے آراستہ کر دکھایا انہیں اگلے اور پچھلے گناہوں کو اور ثابت ہو گیا ان پر فرمانِ (عذاب) ان قوموں کی طرح جو ان سے پہلے گزر چکی تھیں جنوں اور انسانوں سے۔ وہ سب (اگلے پچھلے) نقصان اٹھانے والے تھے۔ اور کہنے لگے وہ کافر مت سنا کرو اس قرآن کو اور شور وغل مچا دیا کرو اس کی تلاوت کے درمیان شاید تم (اس طرح) غالب آجاؤ پس ہم ضرور چکھائیں گے کفار کو شدید عذاب (کا مزہ) اور انہیں بدلہ دیں گے بہت برا اس (نافرمانی) کا جو وہ کیا کرتے تھے۔ یہ ہے سزا اللہ کے دشمنوں کی یعنی آگ۔ ان کے لئے اس میں ہی ہمیشہ ٹھہرنے کا گھر ہے۔ یہ سزا ہے اس بات کی کہ وہ ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے۔ اور کافر کہیں گے اے ہمارے رب! ہمیں دکھا وہ دونوں (شیطان) جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا جنوں اور انسانوں سے ہم انہیں روند ڈالیں گے اپنے قدموں کے نیچے تاکہ وہ ہو جائیں پست ترین لوگوں سے''۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے کہ اسی نے مشرکین کو گمراہ کیا ہے اور یہ اس کی مشیت، حکم تکوینی اور قدرت سے ہے اور وہ اپنے افعال میں حکمت والا ہے اس نے جن وانس میں سے شیاطین بطور ساتھی اس کے لئے مقرر کر دیئے تھے۔

فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ جنہوں نے ان کے اعمال بد کو دلکش پیرائے میں ان کے سامنے پیش کئے رکھا۔ انہوں نے خیال کیا کہ دور ماضی کے لحاظ سے اور مستقبل کے اعتبار سے ان کے اعمال بہت خوبصورت ہیں۔ وہ اپنے آپ کو نیکوکاروں میں شمار کرتے تھے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴿٣٦﴾ وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ (زخرف: 37-36) ''اور جو شخص (دانستہ) اندھا بنتا ہے رحمان کے ذکر سے، تو ہم مقرر کر دیتے ہیں اس کے لئے ایک شیطان، پس وہ ہر وقت اس کا رفیق رہتا ہے۔ اور شیاطین روکتے ہیں ان (اندھوں) کو راہِ ہدایت سے اور یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں''۔

قولہ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ یعنی کلمہ عذاب ان پر صادق آ گیا جس طرح سابقہ اقوام پر آیا تھا۔ جنہوں نے ان جیسے افعال کئے تھے۔ خسارے اور بربادی میں یہ دونوں برابر ہو گئے۔

وقولہ تعالیٰ وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ انہوں نے آپس میں طے کیا کہ قرآن کی بات نہ مانو۔ اس کے اوامر کی اطاعت نہ کرو۔

وَالْغَوْا فِيْهِ یعنی جب اس کی تلاوت کی جائے تو اس کو نہ سنو۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا معنی تالیاں بجانا، سیٹیاں مارنا اور سرکار کی آواز مبارک کے ساتھ آوازیں نکالنا کیا ہے۔ چنانچہ قریش ایسا ہی کرتے تھے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا معنی عیب نکالنا کیا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اس کا انکار کردو، اسے تسلیم نہ کرو اور اس کے ساتھ دشمنی رکھو(1)۔

لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ہر جاہل کافر کا یہی حال ہے۔ اسی طرح اس شخص کی بھی یہی حالت ہے جو قرآن سننے کے وقت کفار کی اتباع کرے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو اس کے برعکس حکم دیا ہے اور ارشاد فرمایا: وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (اعراف:204) ''اور جب پڑھا جائے قرآن (مجید) تو کان لگا کر سنو اسے اور چپ ہو جاؤ تاکہ تم پر رحمت کی جائے''۔ قرآن کیلئے نصرت کرتے ہوئے اور اہل کفر سے انتقام لیتے ہوئے فرمایا۔ فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا یعنی ان کے جرم کی سزا کے طور پر۔

وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ ان کے شریر اعمال اور برے افعال کے سبب۔ ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ ......۔

اَضَلّٰنَا سفیان نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد ابلیس اور ابن آدم ہے جس نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا تھا۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ابلیس ہر صاحب شرک کو اور ابن آدم (یعنی حضرت آدم کا یہ صاحبزادہ) ہر کبیرہ گناہ کے مرتکب کو بلائے گا جس طرح کہ حدیث سے ثابت ہے: ''کوئی آدمی ظلماً مقتول نہیں ہوتا مگر آدم علیہ السلام کا یہ بیٹا بھی اس گناہ میں شریک ہوتا ہے۔ کیونکہ سب سے پہلے اسی نے قتل شروع کیا تھا''(2)۔

قولہ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا عذاب میں ہم سے نیچے تاکہ ان کا عذاب ہم سے شدید ہو۔ اسی لئے فرمایا: لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ یعنی آگ کے نچلے درجے میں۔ جس طرح سورۂ اعراف میں بھی یہ بیان گزر چکا ہے(3) کہ یہ پیروکار اپنے قائدین کے لئے دوگنا عذاب کا مطالبہ کریں گے۔ ارشاد ہوتا ہے: لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ (اعراف:38) ''ہر ایک کے لئے دگنا عذاب ہے لیکن تم نہیں جانتے)۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو اس کے اعمال بد کے مطابق ہی عذاب دیا ہے۔ جیسے ایک اور آیت میں فرمایا: اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ (النحل:88)۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۰﴾ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ﴿۳۱﴾ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ﴿۳۲﴾

''بیشک وہ (سعادت مند) جنہوں نے کہا ہمارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے پھر وہ اس قول پر پختگی سے قائم رہے اترتے ہیں ان پر فرشتے (اور انہیں کہتے ہیں) کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو تمہیں بشارت ہو جنت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ ہم تمہارے

1۔ تفسیر طبری، جلد 24 صفحہ 112
2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ مائدہ آیت:29، سورۂ عنکبوت آیت:13
3۔ دیکھئے سورۂ اعراف آیت:38

دوست ہیں دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اور تمہارے لئے اس میں ہر وہ شے ہے جو تمہارا جی چاہے اور تمہارے لئے ہر وہ چیز ہے جو تم مانگو گے۔ یہ میزبانی ہے بہت بخشنے والے ہمیشہ رحم فرمانے والے کی طرف سے''۔

ارشاد ہوتا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا یعنی ان کا عمل اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لئے تھا اور وہ اسی کے احکام کی اطاعت کرتے رہے۔ حافظ ابویعلی موصلی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے سامنے یہ آیت تلاوت فرمائی اور ارشاد فرمایا: اکثر لوگ کہنے کو تو یہ کلمہ کہہ دیتے ہیں لیکن پھر اکثر اس کا انکار کر دیتے ہیں جو آدمی تادم واپسیں اس پر ثابت قدم رہا اس کا شمار اس زمرہ میں ہوگا۔ نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں اور بزار اور ابن جریر رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے پھر ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''میں (سعید بن نمران) نے یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے تلاوت کی تو آپ نے فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کبھی شرک نہیں کیا۔''(1) پھر اسود بن ہلال سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی اور ہم سے دریافت کیا اس کا کیا مطلب ہے؟ لوگوں نے کہالم یذنبوا کہ استقامت کا معنی یہ ہے کہ پھر اس سے گناہ صادر نہ ہو۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا: تم نے تو یہ کام بڑا مشکل بنا دیا ہے۔ عرض کی گئی پھر آپ ہی فرمائیے۔ فرمایا: اللہ کو رب ماننے کے بعد اس پر استقامت کا معنی یہ ہے کہ پھر بتوں کی پوجا نہ شروع کر دیں(2)۔ مجاہد، عکرمہ، سدی رحمہم اللہ تعالیٰ اور بہت سے مفسرین سے یہی منقول ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کتاب اللہ میں کون سی آیت سب سے زیادہ آسان ہے؟ تو آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ کلمہ شہادت کی گواہی دینا(3)۔ زہری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے منبر پر اس آیت کی تلاوت فرمائی پھر فرمایا اللہ کی قسم! استقامت کا مطلب یہ ہے کہ وہ ثابت قدمی سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں اور لومڑی کی طرح حیلہ سازیاں کر کے راہ فرار اختیار نہیں کرتے۔ علی بن ابی طلحہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ استقامت یہ ہے کہ وہ فرائض کی ادائیگی پر کاربند رہتے ہیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ یوں دعا فرمایا کرتے تھے۔ اے اللہ! تو ہمارا رب ہے ہمیں استقامت نصیب فرما۔ ابوالعالیہ کا قول ہے وہ عمل اور دین میں مخلص ہوتے ہیں (یعنی وہاں ریا اور نمائش کا کوئی دخل نہیں ہوتا)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! اسلام کے بارے میں مجھے ایسی بات بتائیے کہ حضور کے بعد مجھے کسی سے پوچھنے کی حاجت نہ رہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''قل آمنت باللّٰه ثم استقم کہہ کہ میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا اور پھر عمر بھر اس پر ثابت قدم رہ۔'' میں نے عرض کی میں کس سے بچوں تو آپ نے اپنی زبان مبارک کی طرف اشارہ فرمایا(4)۔ نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! مجھے ایسی بات بتائیے کہ میں اس پر مضبوطی سے کاربند رہوں آپ نے ارشاد فرمایا: قل ربی اللّٰه ثم استقم کہہ میرا رب اللہ ہے، پھر اس پر

1۔ مسند ابویعلی، جلد 3 صفحہ 407، ترمذی اور نسائی نے اسے کتاب التفسیر میں روایت کیا ہے، تحفۃ الاحوذی تفسیر سورۂ حم سجدہ، جلد 12 صفحہ 130-129، سنن کبریٰ از نسائی بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 1 صفحہ 139 تفسیر طبری، جلد 24 صفحہ 115-114

2۔ تفسیر طبری، جلد 24 صفحہ 115-114　　3۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 322

4۔ مسند امام احمد، جلد 4 صفحہ 385-384، نسائی، کتاب سنن کبریٰ، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 4 صفحہ 20

استقامت اختیار کر۔ فرماتے ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! آپ کس چیز سے میرے بارے سب سے زیادہ خدشہ محسوس کرتے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے اپنی زبان مبارک کو کنارے سے پکڑا اور فرمایا ھٰذا یعنی اس سے (1)۔ ترمذی اور ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اسے حسن صحیح بتلاتے ہیں۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح میں اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سفیان بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے سوال کیا یا رسول اللہ ﷺ! اسلام کے بارے میں مجھے کوئی ایسی بات بتلائیے کہ آپ کے بعد مجھے کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہ رہے۔ (اس سے آگے وہی روایت ہے جو اوپر بیان ہوئی) (2)۔

قولہ تَتَنَزَّلُ عَلَيۡهِمُ الۡمَلٰٓئِكَةُ مجاہد، سدی، زید بن اسلم رحمہم اللہ تعالیٰ اور آپ کے صاحبزادے فرماتے ہیں یعنی بوقت وصال فرشتوں کا نزول ہوتا ہے۔

اَلَّا تَخَافُوۡا مجاہد، عکرمہ اور زید بن اسلم رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے یعنی جو امور آخرت تمہیں درپیش ہیں، ان سے خوف نہ کھاؤ۔

وَلَا تَحۡزَنُوۡا اپنے پیچھے تم دنیا میں جو کچھ چھوڑے جا رہے ہو یعنی بیوی بچے، مال و دولت، دیانت۔ ان کے بارے میں خدشہ محسوس نہ کرو۔ ان کی حفاظت ہمارے ذمے ہے۔ وہ انہیں شر کے خاتمے اور بھلائی کے حصول کی خوشخبری دیں گے۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: بے شک ملائکہ مومن کی روح سے کہتے ہیں: اے پاک روح جو کہ پاک جسم میں سرایت کئے ہوئے تھی نکل آ۔ روح اور ریحان کی طرف۔ چل اس خدا کے پاس جو تجھ پر ناراض نہیں (3)۔ یہ بھی مروی ہے کہ فرشتے ان کے قبروں سے نکلنے کے وقت ان کے پاس آتے ہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور سدی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی روایت کیا ہے (4)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے جعفر بن سلیمان سے روایت کیا ہے کہ میں نے ثابت کو سورۂ حم سجدہ کی تلاوت کرتے ہوئے سنا جب آپ اس آیت پر پہنچے تو توقف فرمایا اور ارشاد فرمایا: ہمیں یہ خبر ملی ہے کہ مومن جب قبر سے اٹھے گا تو اس کے پاس دو فرشتے آئیں گے جو دنیا میں اس کے ساتھ تھے۔ وہ اسے کہیں گے اندیشہ نہ کر، غمگین مت ہو۔

وَاَبۡشِرُوۡا بِالۡجَنَّةِ الَّتِىۡ كُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ فرمایا اللہ اس کے خوف کو امن سے بدل دے گا اور اس کی آنکھوں کو ٹھنڈا کرے گا۔ ہر وہ عظیم بات جس سے لوگ قیامت کے دن ڈریں گے۔ وہ مومن کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک ہوگی کیونکہ اللہ نے اسے ہدایت عطا فرمائی تھی۔ نیز وہ دنیا میں نیک عمل کرتا تھا۔ زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ بشارت اسے موت کے وقت، قبر میں اور قبر سے اٹھنے کے بعد دی جائے گی۔ (بروایت ابن ابی حاتم) یہ قول تمام اقوال کو جامع ہے۔ یہ بہت ہی مستحسن بات ہے۔ واقع کے مطابق بھی یہی ہے۔

قولہ نَحۡنُ اَوۡلِيٰٓـؤُكُمۡ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَفِى الۡاٰخِرَةِ یعنی ملائکہ بوقت وفات مومن سے کہیں گے جس طرح ہم دنیا میں تمہارے ساتھی تھے، تمہیں نیکی کی راہ دکھاتے، اچھائی کی طرف راہنمائی کرتے اور اللہ کے حکم سے تمہاری حفاظت کرتے، اسی طرح آخرت میں بھی ہم تمہارے ساتھ ہوں گے۔ تم سے قبروں کی وحشت دور کریں گے۔ صور پھونکے جانے کے وقت، قبروں سے اٹھنے اور حشر میں، ہم پل صراط تمہارے ساتھ عبور کریں گے اور تمہیں جنت کی نعمتوں اور باغات میں پہنچائیں گے۔

1۔ مرجع مذکور　2۔ مسند امام احمد، جلد 3 صفحہ 413، عارضۃ الاحوذی، ابواب الزہد، جلد 9 صفحہ 249، مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 65، تحفۃ الاحوذی، جلد 7 صفحہ 91، ابن ماجہ، جلد 2 صفحہ 1314

3۔ یہ حدیث سورۂ انعام آیت: 62 کی تفسیر میں گزر چکی ہے اس کے راوی ابوہریرہ ہیں اور حضرت براء کی روایت سورۂ انعام آیت: 40 میں بیان ہو چکی ہے۔

4۔ تفسیر طبری، جلد 24 صفحہ 117-116

قولہ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ جنت میں تمہارے لئے وہ سب کچھ ہوگا جو تم پسند کرو گے تمہاری دلی خواہش پوری ہوگی اور آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔

قولہ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُوْنَ جو تم مانگو گے پالو گے۔ جو چیز تم پسند کرو گے تمہارے پاس حاضر ہو جائے گی۔

نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ یعنی یہ ضیافت، عطا اور بدلہ ہوگا۔ گناہوں کو بخشنے والے رؤف رحیم کی طرف سے جس نے بخش دیا، پردہ پوشی کی اور لطف و کرم سے نوازا۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں اس آیت کی تفسیر میں حدیث سوقِ جنت (بازارِ جنت) ذکر کی ہے جو اس طرح ہے۔ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان کی ملاقات حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو جنت کے بازار میں ملائے۔ سعید نے پوچھا کیا جنت میں بازار بھی ہو گا؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں۔ مجھے رسول اللہ ﷺ نے یہ خبر دی ہے کہ جنتی جب جنت میں جائیں گے تو اپنے اپنے اعمال کے مطابق درجات پر فائز ہوں گے۔ دنیا کے حساب سے جمعہ کے دن کے برابر انہیں ایک جگہ جمع ہونے کی اجازت ملے گی۔ چنانچہ وہ دیدار الٰہی سے فیض یاب ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کا عرش ان کے سامنے ہوگا۔ یہ سب کچھ جنت کے ایک باغ میں ہوگا۔ ان کے لئے نور کے منبر رکھے جائیں گے اسی طرح لؤلؤ، یاقوت، زبرجد (زمرد) سونے اور چاندی کے منبر رکھے ہوں گے۔ ان میں سے کم رتبے کے جنتی (لیکن جنتی ہونے کے اعتبار سے کوئی کسی سے کم تر نہیں) مشک اور کافور کے ٹیلوں پر ہوں گے۔ کرسیوں والے مجلس کے اعتبار سے ان سے افضل نظر آئیں گے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ہم نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کیا ہم اپنے رب کا دیدار کریں گے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔ کیا تمہیں سورج اور چودھویں کی رات چاند دیکھنے میں کوئی شک رہتا ہے؟ ہم نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا: اسی طرح اللہ تعالیٰ کے دیدار میں بھی تمہیں کوئی شبہ نہیں ہوگا۔ اس مجلس میں کوئی شخص نہیں ہوگا مگر اللہ تعالیٰ اس کے سامنے حجابات اٹھا دے گا اور بغیر ترجمان کے اس سے بات چیت فرمائے گا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کسی سے فرمائے گا اے فلاں بن فلاں تمہیں یاد ہے جب تم نے فلاں دن یہ کام کیا تھا؟ (اللہ تعالیٰ اسے دنیا کا کوئی غلط کام یاد دلائے گا) وہ کہے گا اے رب کیا تو نے مجھے معاف نہیں فرما دیا تھا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہاں کیوں نہیں۔ میری مغفرت کی وسعت کی وجہ سے ہی تو اس درجے تک پہنچا ہے۔ فرمایا: اسی اثناء میں انہیں ایک ابر ڈھانپ لے گا۔ اس سے ایسی خوشبو برسے گی جو کسی نے آج تک نہیں سونگھی ہوگی۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا اٹھو ان انعامات کی طرف جو میں نے تمہارے لئے تیار کئے ہیں اور لو جو تم چاہو۔ فرمایا: پھر ہم سب ایک بازار میں پہنچیں گے جسے فرشتوں نے گھیر رکھا ہوگا اس میں وہ چیزیں ہوں گی جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے، نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی دل میں اس کا خیال تک گزرا ہے۔ فرمایا: ہم جو چاہیں گے ہمارے ساتھ اٹھا لیا جائیگا۔ اس میں نہ کوئی چیز بیچی جائے گی اور نہ خریدی جائے گی۔ اسی بازار میں اہل جنت ایک دوسرے سے ملیں گے۔ فرمایا: چنانچہ بلند رتبے والا ایک شخص آئے گا اور اپنے سے کم درجے والے شخص سے ملے گا ان میں سے کوئی بھی کسی سے کم تر نہیں۔ چنانچہ اس کا لباس دیکھ کر ادنیٰ درجہ والا کچھ مرعوب سا ہوگا۔ اس کی بات ختم نہیں ہوگی کہ اسے اپنے جسم پر اس سے بھی اچھا لباس نظر آئے گا۔ کیونکہ وہاں کسی کو کوئی رنج و غم نہیں ہوگا۔ پھر ہم اپنے گھروں کو جائیں گے وہاں ہماری بیویاں ہمارا استقبال کریں گی اور ہمیں مرحبا کہیں گی۔ وہ کہیں گی میرے محبوب خوش آمدید! آپ تشریف لائے ہیں آپ کا حسن و جمال اور خوشبو پہلے سے بھی بہت زیادہ بڑھی ہوئی ہے وہ کہے گا ہم آج اللہ رب العزت کی مجلس میں تھے اور ہمارا یہ حق ہے کہ ہم اسی طرح بدل جائیں جس طرح اس نے ہمیں بدل دیا۔ ترمذی رحمۃ

اللہ علیہ نے اپنی جامع میں ''جنت کے حالات'' میں اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ حدیث غریب ہے(1)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو اللہ کی ملاقات کو پسند کرے اللہ اس سے ملاقات کرنا چاہتا ہے۔ جو اللہ کی ملاقات کو ناپسند کرے اللہ تعالیٰ بھی اس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔ ہم نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! ہم سب موت کو ناپسند کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ موت کو ناپسند کرنا نہیں ہے۔ لیکن جب مومن کا آخری وقت آتا ہے تو اللہ کی طرف سے بشارت دینے والا آئے گا اور اسے اس کا مقام بتائے گا۔ تو کوئی چیز اس کے نزدیک خدا تعالیٰ کی ملاقات سے زیادہ پسندیدہ نہیں رہتی۔ فرمایا: جب فاجر...... یا کافر...... کا آخری وقت آتا ہے تو جو شر اسے ملنے والا ہے اس کی خبر اسے دی جاتی ہے۔ تو وہ اللہ کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے تو اللہ بھی اس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے اور صحیح میں دوسری سند سے بھی آئی ہے(2)۔

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَاۤ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّ قَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ ؕ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَ بَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ۝ وَمَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ۝ وَاِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝

''اور اس شخص سے بہتر کس کا کلام ہے جس نے دعوت دی اللہ کی طرف اور نیک عمل کئے اور کہا کہ میں تو (اپنے رب کے) فرمانبردار بندوں سے ہوں۔ نہیں یکساں ہوتی نیکی اور برائی۔ برائی کا تدارک اس (نیکی) سے کرو جو بہتر ہے پس ناگہاں وہ شخص، تیرے درمیان اور اس کے درمیان عداوت ہے، یوں بن جائے گا گویا تمہارا جانی دوست ہے۔ اور نہیں توفیق دی جاتی ان (خصائل حمیدہ) کی بجز ان کے جو صبر کرتے ہیں۔ اور نہیں توفیق دی جاتی ان کی مگر بڑے خوش نصیب کو۔ اور (اے سننے والے) اگر شیطان کی طرف سے تیرے دل میں کوئی وسوسہ پیدا ہو تو (اس کے شر سے) اللہ کی پناہ مانگ۔ یقیناً وہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَاۤ اِلَى اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اس کی طرف بلایا۔ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّ قَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ وہ خود بھی ہدایت پر ہے۔ اس کا نفع اس کے لئے بھی اور دوسرے کے لئے بھی لازم اور متعدی ہے۔ یعنی اپنے آپ کو بھی نفع پہنچایا اور خلق خدا کو بھی۔ وہ ان لوگوں سے نہیں جو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور خود نہیں کرتے۔ اور برائی سے روکتے ہیں اور خود بھی کرتے ہیں بلکہ بھلائی کا حکم دیتا ہے اور برائی کو چھوڑ دیتا ہے اور مخلوق کو خالق کی طرف بلاتا ہے۔ یہ آیت عام ہے ہر اس شخص کے لئے جو بھلائی کی طرف بلاتا ہے اور وہ خود بھی ہدایت یافتہ ہے۔ حضور ﷺ سب لوگوں سے زیادہ اس بات کے مصداق ہیں۔ محمد بن سیرین، سدی اور عبدالرحمن بن زید بن اسلم سے یہی منقول ہے۔ ایک قول ہے کہ اس سے مراد نیک مؤذن ہیں۔ جس طرح

1۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب صفۃ الجنۃ، جلد 10 صفحہ 17-16، تحفۃ الاحوذی، جلد 7 صفحہ 259، ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2 صفحہ 1451-1450

2۔ مسند امام احمد، جلد 3 صفحہ 107، فتح الباری، کتاب الرقاق، جلد 11 صفحہ 357، مسلم، کتاب الذکر، جلد 4 صفحہ 2066-2065

کہ صحیح مسلم میں ہے: ''مؤذنین قیامت کے دن سب لوگوں سے زیادہ لمبی گردنوں والے ہوں گے۔''(1) سنن میں مرفوع حدیث میں ہے امام ضامن ہے اور مؤذن امانت دار ہے۔ اللہ تعالیٰ اماموں کو راہ راست دکھائے اور مؤذنین کو بخشے(2)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے قیامت کے دن اذان دینے والوں کا حصہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مثل جہاد کرنے والوں کی طرح ہے۔ اذان واقامت کے مابین اس کی حالت وہ ہوتی ہے جیسے کوئی راہ خدا میں جہاد میں اپنے خون میں لت پت ہو(3)۔ فرماتے ہیں: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے اگر میں مؤذن ہوتا تو مجھے حج، عمرے اور جہاد کی کوئی پرواہ نہ ہوتی۔ لکھتے ہیں: حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا قول ہے اگر میں مؤذن ہوتا تو میری آرزو پوری ہوتی اور میں رات کے قیام اور دن کے روزوں کے لئے تگ ودو نہ کرتا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا اے اللہ! مؤذنین کو بخش دے (تین مرتبہ یہ دعا فرمائی) فرمایا: میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے ہمیں چھوڑ دیا حالانکہ ہم اذان کہنے پر تلواریں تان لیتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں اے عمر! ایسا زمانہ بھی آنے والا ہے کہ لوگ اذان کو کمزور لوگوں کے لئے چھوڑ دیں گے۔ وہ گوشت جنہیں اللہ نے آگ پر حرام کر دیا ہے مؤذنین کے گوشت ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ اس آیت میں بھی مؤذنین کی تعریف ہے۔ اس کا حیّ علی الصلاۃ کہنا اللہ کی طرف بلانا ہے۔ ابن عمر رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی مروی ہے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ آیت مؤذنین کے حق میں نازل ہوئی۔ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ابوامامہ الباہلی سے روایت کیا ہے کہ وَعَمِلَ صَالِحًا سے مراد اذان وتکبیر کے درمیان دو رکعتیں پڑھنا ہے(4)۔ پھر بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ والی حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے۔ (تین مرتبہ یہی فرمایا) اور تیسری مرتبہ فرمایا: ''اس کے لئے جو چاہے۔''(5)۔ جماعت محدثین نے اسے اپنی کتب میں روایت کیا ہے(6)۔ ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ حدیث مرفوع ہے کہ ''اذان اور اقامت کے درمیان دعا رد نہیں کی جاتی۔'' ابوداؤد، ترمذی اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے الیوم واللیلۃ میں روایت کیا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں یہ حدیث حسن ہے۔ نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ایک اور سند سے بھی روایت کیا ہے(7)۔ آیت کا عموم اس امر کا مقتضی ہے کہ اس کو کسی کے ساتھ مختص نہ کیا جائے بلکہ یہ مؤذنین اور غیر مؤذنین سب کو شامل ہے۔ یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اس آیت کے نزول کے وقت اذان سرے سے شروع ہی نہ ہوئی تھی۔ اس لئے کہ یہ آیت مکہ میں اتری تھی اور اذان ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں مقرر ہوئی۔ جب عبداللہ بن زید بن عبدربہ انصاری کو خواب میں اذان دکھائی گئی تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ خواب سنایا۔ چنانچہ آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو یہ کلمات سکھانے کا حکم دیا کیونکہ وہ بلند آواز تھے جس طرح کہ اپنی جگہ وضاحت کی گئی ہے۔ پس صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت عام ہے۔ جیسا کہ عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن بصری سے

1۔ مسلم، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 290، ابن ماجہ، جلد 1 صفحہ 240، مسند امام احمد، جلد 3 صفحہ 169

2۔ عارضۃ الاحوذی، باب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 8، مسند امام احمد، جلد 2 صفحہ 232-284، جلد 5 صفحہ 260، جلد 6 صفحہ 65

3۔ تحفۃ الاحوذی، جلد 1 صفحہ 213، مسند امام احمد، جلد 2 صفحہ 232 4۔ تفسیر بغوی، جلد 4 صفحہ 114 5۔ تفسیر بغوی، جلد 4 صفحہ 114-115

6۔ فتح الباری کتاب الاذان، جلد 2 صفحہ 106، مسلم کتاب صلوۃ المسافرین، جلد 1 صفحہ 573، سنن ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 26، عارضۃ الاحوذی، ابواب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 300، نسائی، کتاب الاذان، جلد 2 صفحہ 28، ابن ماجہ کتاب الاقامۃ، جلد 1 صفحہ 368، مسند امام احمد، جلد 4 صفحہ 86، جلد 5 صفحہ 54-56-57

7۔ تفسیر بغوی، جلد 4 صفحہ 115، سنن ابوداؤد کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 144، عارضۃ الاحوذی ابواب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 13، نسائی: ''الیوم واللیلۃ'' بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 1 صفحہ 408-409، تحفۃ الاحوذی، جلد 1 صفحہ 624، مسند امام احمد، جلد 3 صفحہ 119

یہی روایت کیا ہے۔آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی اور فرمایا یہ اللہ کے حبیب ہیں۔ ولی اللہ ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ ہیں۔ یہ تمام اہل زمین سے زیادہ خدا تعالیٰ کو محبوب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو قبول فرمایا اور لوگوں کو اس چیز کی طرف بلایا جس میں اللہ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور اس کے جواب میں نیک عمل کرتے رہے اور فرمایا: میں مسلمانوں سے ہوں یہ اللہ کے خلیفہ ہیں۔

وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ یعنی ان دونوں کے مابین بہت بڑا فرق ہے۔

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ جو تیرے ساتھ برائی کرے تو تو احسان کے ساتھ اسے ہٹا دے۔ جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تیرے بارے میں جو شخص خدا کی نافرمانی کرے تو تو اس کے بارے میں خدا کی فرمانبرداری کر۔

قولہ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَ بَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ولی: دوست یعنی جب تو برائی کرنے والے سے بھلائی کرے گا تو یہ نیکی اسے تیرے ساتھ خلوص، محبت اور شفقت کی طرف لے جائے گی حتیٰ کہ وہ تیرا گہرا دوست بن جائے گا۔

وَمَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا اس وصیت کو قبول نہیں کرتا اور اس پر عمل نہیں کرتا مگر جو اس پر صبر کر سکے۔ یہ چیز نفوس کے لئے بہت سخت ہے۔

ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ سعادت دنیا و آخرت میں سے حظ وافر کا مالک۔

علی بن ابی طلحہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو غصے کے وقت صبر کرنے اور جہالت کے وقت بردباری اختیار کرنے، برے سلوک کے جواب میں درگزر کرنے کا حکم دیا۔ جب وہ ایسا کریں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں شیطان سے محفوظ فرمائے گا۔ ان کا دشمن بھی مطیع ہو جائے گا۔ گویا وہ گہرا دوست ہے(1)۔

وَ اِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ یعنی انسانی شکل میں جو شیطان ہے ممکن ہے اس کے ساتھ احسان سے دھوکے میں آ جائے لیکن جن شیطان جب وسوسہ اندازی کرے تو خالق کی پناہ کے سوا کوئی حیلہ نہیں ہے جس نے اسے تجھ پر مسلط کیا ہے۔ جب تو اللہ کی پناہ طلب کرے اور اس کی امان میں آ جائے تو وہ شیطان کے شر کو تم سے دور کر دے گا۔ رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو یہ دعا پڑھتے: أعوذ باللّٰه السمیع العلیم من الشیطان الرجیم من ھمزه ونفخه و نفثه(2)۔

اس سے پہلے ہم بیان کر چکے ہیں کہ اس مقام کی نظیر قرآن کریم میں سورۂ اعراف میں ہے جہاں یہ ارشاد ہے: خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ ﴿۱۹۹﴾ وَ اِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ (اعراف: 200-199)۔ اور سورۂ مؤمنون کی آیت: اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَةَ ؕ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَصِفُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَ قُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ ﴿۹۷﴾ وَ اَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ (مومنون: 98-96) ''دور کرو اس چیز سے جو بہت بہتر ہے برائی کو۔ ہم خوب جانتے ہیں جو باتیں وہ بیان کرتے ہیں۔ اور کہئے میرے رب! میں پناہ طلب کرتا ہوں تیری شیطانوں کے وسوسوں سے۔ اور میں تیری پناہ طلب کرتا ہوں میرے رب اس سے کہ وہ میرے پاس آئیں''۔

وَمِنْ اٰیٰتِهِ الَّیْلُ وَ النَّهَارُ وَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ ؕ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَ لَا لِلْقَمَرِ وَ اسْجُدُوْا

1۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 327

2۔ تعوذ کی تشریح میں یہ حدیث گزر چکی ہے نیز دیکھئے تفسیر سورۂ مومنون آیت: 97

لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۳۷﴾ فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّكَ یُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّیْلِ وَ النَّهَارِ وَ هُمْ لَا یَسْـَٔمُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَ مِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَ رَبَتْ اِنَّ الَّذِیْۤ اَحْیَاهَا لَمُحْیِ الْمَوْتٰى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۳۹﴾

”اور اس کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے رات بھی ہے اور دن بھی۔ سورج بھی ہے اور چاند بھی۔ مت سجدہ کرو سورج کو اور نہ چاند کو بلکہ سجدہ کرو اللہ کو جس نے انہیں پیدا فرمایا ہے۔ اگر تم واقعی اس کے پرستار ہو۔ پھر (بھی) اگر وہ تکبر کرتے رہیں (تو ان کی قسمت) پس وہ (فرشتے) جو آپ کے رب کے پاس ہیں تسبیح کرتے رہتے ہیں اس کی شب و روز اور وہ نہیں تھکتے۔ اور اس کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ تو دیکھتا ہے زمین کو کہ وہ (کسی وقت) خشک بنجر ہے، پھر جب ہم اتارتے ہیں اس پر (بارش کا) پانی تو جھومنے لگتی ہے اور کھل اٹھتی ہے بیشک وہ (قادر مطلق) جس نے زندہ کر دیا ہے زمین کو وہی زندہ کرنے والا ہے مردوں کو۔ بلاشبہ وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے“۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی مخلوق کو اپنی عظیم الشان قدرت کے بارے میں آگاہ فرمارہا ہے۔ جس کی کوئی نظیر نہیں وہ جو کرنا چاہے اس پر قادر ہے۔ وَ مِنْ اٰیٰتِهِ الَّیْلُ وَ النَّهَارُ وَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ اس نے رات کو اندھیرے سمیت پیدا کیا اور دن کو روشنی سمیت۔ یہ دونوں یکے بعد دیگرے ایک دوسرے کے پیچھے آتے ہیں اور سورج کو اور اس کی روشنی اور چمک کو اور چاند کو، اس کی روشنی کو تخلیق کیا اور فلک میں اس کی منازل مقرر فرمائیں اور آسمان میں اس کے اور سورج کی رفتار میں اختلاف سے رات، دن، مہینے اور سالوں کا فرق معلوم ہوتا ہے۔ جس سے حقوق کی ادائیگی اور عبادات و معاملات کے اوقات کی تعیین میں آسانی ہوتی ہے۔ جب چاند اور سورج عالم علوی اور سفلی میں سب اجرام سے زیادہ خوبصورت ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے خصوصیت سے ان کا ذکر فرمایا کہ یہ دونوں اس کی مخلوق اور اس کے امر کے پابند ہیں۔ چنانچہ فرمایا: لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَ لَا لِلْقَمَرِ وَ اسْجُدُوْا...... یعنی اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ اس کے ساتھ ساتھ دوسروں کی عبادت تمہیں نفع نہیں دے گی۔ وہ شرک کو معاف نہیں فرماتا۔ اسی لئے فرمایا: فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا یعنی اگر وہ خدا تعالیٰ کو وحدہ لاشریک نہ مانیں اور اس کے ساتھ شریک ٹھہرانا چاہیں۔

فَالَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّكَ یعنی ملائکہ دن رات اس کی پاکیزگی بیان فرماتے ہیں جیسے ایک اور آیت میں ہے: فَاِنْ یَّكْفُرْ بِهَا هٰۤؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّیْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِیْنَ (انعام: 89) ”تو اگر انکار کریں اس کا یہ (مکہ والے) تو ہم نے مقرر کر دیئے ہیں اس کو ماننے کے لئے ایسے لوگ جو اس کے ساتھ کفر کرنے والے نہیں“۔ حافظ ابویعلی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رات اور دن کو گالی نہ دو، نہ سورج اور چاند کو اور نہ ہواؤں کو کیونکہ انہیں کسی قوم کے لئے رحمت اور کسی قوم کے لئے عذاب بنا کر بھیجا جاتا ہے(1)۔

وَ مِنْ اٰیٰتِهٖۤ اس کی قدرت کی نشانی مردوں کو دوبارہ زندہ کرنا ہے۔ جیسے آپ دیکھتے ہیں کہ زمین مردہ تھی۔ خاشعة: هامدة لا نبات

1۔ مسند ابویعلی، جلد 2 صفحہ 444

فیها بل هي ميتة: بنجر۔

فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ یعنی خوبصورت رنگوں کی کھیتیاں اور پھل نکالے۔ جس نے انہیں زندہ کیا ہے وہ جو چاہے اس پر قادر ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ۭ اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْٓ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَاۗءَهُمْ ۚ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۝ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۭ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۝ مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ ۝

’’بیشک جو لوگ ہماری آیتوں میں اپنی طرف سے اضافے کرتے ہیں وہ ہم سے چھپے ہوئے نہیں ہیں۔ تو کیا جو پھینکا جائے گا آگ میں وہ بہتر ہے یا جو آئے گا امن وسلامتی کے ساتھ قیامت کے دن (وہ بہتر ہے) تم وہ کرو جو تمہاری مرضی۔ یقیناً جو کچھ تم کرتے ہو، وہ خوب دیکھ رہا ہے۔ بیشک وہ لوگ جنہوں نے قرآن کو ماننے سے انکار کیا جب وہ ان کے پاس آیا (تو وہ ہٹ دھرم لوگ ہیں) اور بیشک یہ بڑی عزت (حرمت) والی کتاب ہے۔ اس کے نزدیک نہیں آسکتا باطل نہ اس کے سامنے سے اور نہ پیچھے سے۔ یہ اتری ہوئی ہے بڑے حکمت والے، سب خوبیاں سراہے کی طرف سے۔ (اے حبیب!) نہیں کہا جاتا آپ کو مگر وہی جو کہا گیا پیغمبروں کو آپ سے پہلے۔ بیشک آپ کا پروردگار (اہل ایمان کے لئے) بہت بخشنے والا اور (منکرین کے لئے) دردناک عذاب دینے والا ہے‘‘۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ الحاد یہ کہ کلام کو اس کی جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ رکھنا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس سے مراد کفر وعناد ہے(1)۔

قولہ لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا اس میں شدید دھمکی ہے اور پختہ وعید کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو جانتا ہے جو اس کی آیات، اسماء اور صفات میں اعتراضات تلاش کرتا ہے۔ اس کا بدلہ بدترین سزا کی صورت میں ہوگا۔ اسی لئے فرمایا: اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْٓ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ کیا یہ اور یہ برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز برابر نہیں ہو سکتے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے کفار کو دھمکی دیتے ہوئے فرمایا: اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ مجاہد، ضحاک اور عطاء خراسانی رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ یہ وعید ہے یعنی اچھا یا برا جو عمل چاہو کرتے جاؤ وہ تم سے خوب آگاہ ہے اور تمہارے اعمال سے اچھی طرح واقف۔ اسی لئے فرمایا: اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَاۗءَهُمْ ضحاک، سدی اور قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ ذکر سے مراد یہاں قرآن ہے۔

عزیز: منيع الجناب، لا يرام أن يأتي أحد مثله: تمام اطراف سے محفوظ کوئی اس کی مثل نہیں لاسکتا۔

لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ باطل کے اس میں شامل ہونے کی کوئی راہ نہیں وہ اللہ رب العالمین کی طرف سے نازل کردہ ہے۔ اسی لئے فرمایا: تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ یعنی وہ اپنے افعال واقوال میں حکیم ہے۔ حمید بمعنی محمود ہے۔ یعنی ہر وہ چیز جس کا وہ حکم

1۔ تفسیر طبری، جلد 24 صفحہ 126-125

دیتا ہے یا اس سے روکتا ہے، اس کے تمام اوامر ونواہی قابل تعریف مقاصد وعواقب کے حامل ہیں۔

قال مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ قتادہ اور سدی رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہ کا قول ہے کہ آپ کی تکذیب میں بھی وہی باتیں کہی جاتی ہیں جو آپ سے پیشتر مرسلین سے کہی گئی تھیں۔ جس طرح آپ کی تکذیب کی جارہی ہے ان کی بھی تکذیب کی گئی تھی۔ جس طرح انہوں نے اپنی قوم کی طرف سے دی گئی تکالیف پر صبر کیا تھا اسی طرح آپ بھی اپنی قوم کی طرف سے تکالیف وشدائد پر صبر فرمائیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی قول کو پسند کیا ہے (1)۔ انہوں نے اور ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اور کوئی بات نہیں لکھی۔

قولہ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ یعنی توبہ کرنے والے کو بخشنے والا ہے۔

ذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ دردناک عذاب دینے والا ہے اسے جو اپنے کفر، سرکشی، عناد، ضد اور مخالفت حق پر اڑا رہے۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر اللہ تعالیٰ عفو وکرم اور گناہوں سے صرف نظر نہ فرماتا تو کوئی شخص آرام دہ زندگی نہ گزار سکتا۔ اور اگر اس کی وعید اور عذاب نہ ہوتا تو ہر شخص اطمینان سے تکیہ کرلیتا۔

وَ لَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْ لَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ؕ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّ عَرَبِيٌّ ؕ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّ شِفَآءٌ ؕ وَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّ هُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ؕ اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ ﴿۴۴﴾ وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ وَ لَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَ اِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۴۵﴾

''اور بالفرض اگر ہم اسے بنا کر بھیجتے قرآن عجمی زبان میں تو کہتے کیوں نہ کھول کر بیان کی گئیں اس کی آیتیں۔ کیا اچنبہ ہے کتاب عجمی اور نبی عربی۔ آپ فرمائیے! یہ قرآن ایمان لانے والوں کے لئے تو ہدایت اور شفا ہے۔ اور جو ایمان نہیں لائے ان کے کانوں میں بہرہ پن ہے اور وہ ان پر (ہر حال میں) مشتبہ رہتا ہے۔ انہیں گویا بلایا جاتا ہے دور کی جگہ سے۔ اور ہم نے عطا فرمائی موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب پس اس میں بھی بہت اختلاف کیا گیا۔ اور اگر ایک بات طے نہ ہوگئی ہوتی آپ کے رب کی طرف سے تو (ابھی) فیصلہ کر دیا جاتا ان کے درمیان۔ اور بیشک وہ ایک شک میں مبتلا ہیں اس کے بارے میں جو بے چین کر دینے والا ہے''۔

جب اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی فصاحت وبلاغت اور لفظی ومعنوی پختگی اور فوائد ومحاسن کا بیان فرمایا اور کفار اس کے باوجود ایمان نہ لائے تو اس بات سے آگاہ کیا کہ ان کا یہ کفر وانکار بوجہ عناد اور سرکشی کے ہے۔ جس طرح ایک اور آیت میں ارشاد ہوتا ہے: وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِيْنَ ﴿۱۹۸﴾ فَقَرَاَهٗ عَلَيْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِيْنَ (شعراء:99-198) ''اور اگر ہم اتارتے قرآن کو کسی غیر عربی پر۔ پھر وہ ان کو پڑھ کر سناتا تب بھی وہ ایمان لانے والے نہیں تھے)۔ چنانچہ اگر قرآن پورے کا پورا کسی عجمی زبان میں نازل کیا جاتا تو پھر بھی اپنے عناد اور سرکشی کی بناء پر یہ کہتے: لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ؕ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّ عَرَبِيٌّ یعنی قرآن کریم کو مفصلاً عربی زبان میں کیوں نہیں اتارا گیا اور اسے ماننے

1۔ تفسیر طبری، جلد 24 صفحہ 126-125

سے انکار کرتے ہوئے یوں کہتے اَعجمی وعربی؟ یعنی ایک عرب رسول پر عجمی زبان میں یہ کیا اتارا گیا ہے کہ وہ اسے سمجھنے سے قاصر ہے۔ ابن عباس، مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے یہی مفہوم منقول ہے۔ ایک دوسرے قول کے مطابق وہ یوں کہیں گے کیا کچھ حصہ عربی اور کچھ حصہ عجمی زبان میں اتارا گیا ہے؟ یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے۔ وہ اسے ہمزۂ استفہام کے بغیر پڑھتے ہیں۔ اَعْجَمِيٌّ سعید بن جبیر سے بھی ایک روایت یہی منقول ہے۔ سرکشی اور بغاوت کے مفہوم کی طرف اشارہ کرنے میں یہی زیادہ بلیغ ہے(1)۔

پھر فرمایا: قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّ شِفَآءٌ یعنی اے محمد! فرما دیجئے یہ قرآن اس پر ایمان لانے والے کے دل کے لئے ہدایت اور سینوں میں پائے جانے والے شکوک سے شفاء ہے۔

وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ یعنی وہ اسے سمجھ نہیں سکتے۔ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى اس میں جو بیان ہے وہ اس کی طرف ہدایت نہیں پا سکتے جیسے ایک اور آیت میں ارشاد ہوتا ہے: وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا (اسراء:82) ''اور ہم نازل کرتے ہیں قرآن میں وہ چیزیں جو (باعث) شفا ہیں اور سراپا رحمت ہیں اہل ایمان کے لئے۔ اور قرآن نہیں بڑھاتا ظالموں کے لئے مگر خسارہ کو''۔

اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ان کے دلوں سے دور ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ گویا انہیں مخاطب کرنے والا انہیں دور سے آواز دے رہا ہے۔ جو وہ کہتا ہے یہ اسے سمجھ نہیں پاتے(2)۔ (میں کہتا ہوں) یہ آیت اس آیت کی طرح ہے: وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّ نِدَآءً ۭ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ (بقرہ:171) ''اور مثال ان کی جنہوں نے کفر (اختیار) کیا ایسی ہے جیسے کوئی چلا رہا ہو ایسے (جانوروں) کے پیچھے جو نہیں سنتے سوائے خالی پکار اور آواز کے یہ لوگ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں سو وہ کچھ نہیں سمجھتے''۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ روز قیامت انہیں بدترین ناموں سے پکارا جائے گا۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ایک شخص کے پاس بیٹھے تھے وہ حالت نزع میں تھا کہ اس نے یکا یک پکارا ''لبیك'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے وجہ پوچھی اور فرمایا کیا تو نے کسی کو دیکھا ہے یا کسی نے تجھے پکارا ہے تو وہ کہنے لگا: مجھے سمندر کے اس پار کوئی شخص بلا رہا ہے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہی آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ (بروایت ابن ابی حاتم)

وقولہ تعالیٰ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ یعنی تکذیب کی گئی اور تکلیف دی گئی۔ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ (احقاف:35)۔

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ ایک مقررہ وقت تک یعنی قیامت تک ان کے حساب و کتاب کو مؤخر کر دیا گیا ہے۔

لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ضرور انہیں جلد عذاب دیا جاتا بلکہ انہیں اس وقت تک مہلت ہے جس کے بعد انہیں ہرگز نجات کی کوئی راہ نہیں ملے گی۔

وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ یعنی ان کا حضور ﷺ کو جھٹلانا بوجہ بصیرت نہیں تھا بلکہ وہ جو کچھ کہہ رہے تھے خود انہیں بھی اس پر شک تھا۔ اس کی حقیقت سے لاعلم تھے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے یہی توجیہہ بیان کی ہے(3) اور کلام میں اس بات کا احتمال بھی ہے۔ واللہ اعلم۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ۭ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۴۶﴾ اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ۭ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا

1۔ طبری، جلد 24 صفحہ 127 2۔ طبری، جلد 24 صفحہ 128 3۔ تفسیر طبری، جلد 24 صفحہ 130

بِعِلۡمِهٖ ۚ وَيَوۡمَ يُنَادِيۡهِمۡ اَيۡنَ شُرَكَآءِىۡ ۙ قَالُوۡۤا اٰذَنّٰكَ ۙ مَا مِنَّا مِنۡ شَهِيۡدٍ ﴿۴۷﴾ وَضَلَّ عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يَدۡعُوۡنَ مِنۡ قَبۡلُ وَظَنُّوۡا مَا لَهُمۡ مِّنۡ مَّحِيۡصٍ ﴿۴۸﴾

''جو نیک عمل کرتا ہے تو وہ اپنے بھلے کے لئے اور جو برائی کرتا ہے اس کا وبال اس پر ہے۔ اور آپ کا رب تو بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔ اسی اللہ کی طرف لوٹایا جاتا ہے قیامت کا علم۔ اور نہیں نکلتا کوئی پھل اپنے غلافوں سے اور نہ حاملہ ہوتی ہے کوئی مادہ اور نہ بچہ جنتی ہے اس کے علم کے بغیر۔ اور جس روز وہ انہیں پکارے گا کہ کہاں ہیں میرے شریک؟ کہیں گے ہم (پہلے) عرض کر چکے ہیں ہم میں سے کوئی بھی (اس پر) گواہی نہ دے گا۔ اور گم ہو جائیں گے ان سے جن کی وہ پہلے عبادت کیا کرتے تھے اور وہ یقین کر لیں گے کہ اب بھاگ جانے کی کوئی جگہ نہیں''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں: مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفۡسِهٖ اس کا فائدہ اسے ہی ہوگا۔ وَمَنۡ اَسَآءَ فَعَلَيۡهَا اس کا وبال اسی کی طرف لوٹے گا۔ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِيۡدِ یعنی کسی کو سزا نہیں دیتا مگر اس کے گناہ کے سبب اور کسی کو عذاب نہیں دیتا مگر اس کے خلاف دلیل قائم کرنے اور رسول مبعوث فرمانے کے بعد۔

اِلَيۡهِ يُرَدُّ عِلۡمُ السَّاعَةِ یعنی اس کا علم اس کے سوا کسی کو نہیں جس طرح کہ حضرت سید البشر سیدنا محمد ﷺ نے سید الملائکہ جبریل علیہ الصلاۃ والسلام سے فرمایا تھا، جب انہوں نے قیامت کے بارے میں دریافت کیا تھا تو فرمایا: ''مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ''(1) یعنی مسئول عنه (جس سے دریافت کیا جارہا ہے) قیامت کے بارے میں سائل سے زیادہ علم نہیں رکھتا۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِلٰى رَبِّكَ مُنۡتَهٰهَا (النازعات:44) ''آپ کے رب تک اس کی انتہا ہے''۔ ایک اور آیت میں آتا ہے: لَا يُجَلِّيۡهَا لِوَقۡتِهَاۤ اِلَّا هُوَ (اعراف:187) ''نہیں ظاہر کرے گا اسے اپنے وقت پر مگر وہی''۔

وَمَا تَخۡرُجُ مِنۡ ثَمَرٰتٍ مِّنۡ اَكۡمَامِهَا وَمَا تَحۡمِلُ مِنۡ اُنۡثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلۡمِهٖ یعنی اسے سب چیزوں کا علم ہے۔ زمین وآسمان میں کوئی چیز اس کے علم سے ذرہ برابر بھی باہر نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَمَا تَسۡقُطُ مِنۡ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعۡلَمُهَا (انعام:59) ''اور نہیں گرتا کوئی پتہ مگر وہ جانتا ہے اس کو''۔ اور فرمایا: يَعۡلَمُ مَا تَحۡمِلُ كُلُّ اُنۡثٰى وَمَا تَغِيۡضُ الۡاَرۡحَامُ وَمَا تَزۡدَادُ ؕ وَكُلُّ شَىۡءٍ عِنۡدَهٗ بِمِقۡدَارٍ (رعد:8) ''اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو (شکم میں) اٹھائے ہوتی ہے کوئی مادہ اور (جانتا ہے) جو کم کرتے ہیں رحم اور جو زیادہ کرتے ہیں۔ اور ہر چیز اس کے نزدیک ایک اندازہ سے ہے''۔ اور فرمایا: وَمَا يُعَمَّرُ مِنۡ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنۡقَصُ مِنۡ عُمُرِهٖۤ اِلَّا فِىۡ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيۡرٌ (فاطر:11) ''اور نہ لمبی زندگی دی جاتی ہے کسی طویل العمر کو اور نہ کم رکھی جاتی ہے کسی کی عمر مگر (اس کی تفصیل) کتاب میں درج ہے۔ بیشک یہ بات اللہ کے لئے بالکل آسان ہے''۔

قولہ عزوجل يَوۡمَ يُنَادِيۡهِمۡ اَيۡنَ شُرَكَآءِىۡ؟ یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مشرکین کو مخلوق خدا کے سامنے ندا فرمائے گا کہ کہاں ہیں وہ میرے شرکاء جنہیں تم میرے ساتھ پوجا کرتے تھے؟

قَالُوۡۤا اٰذَنّٰكَ یعنی ہم نے آپ کو خبر دی تھی۔

مَا مِنَّا مِنۡ شَهِيۡدٍ ہم میں سے آج کوئی بھی اس بات کی گواہی نہیں دیتا کہ تیرا کوئی شریک ہے۔

1۔ یہ حدیث سورۂ اعراف آیت: 187 اور سورۂ نمل آیت: 66 میں گزر چکی ہے۔

وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَدْعُوْنَ مِنْ قَبْلُ یعنی چلے گئے اور انہیں کوئی فائدہ نہ دیا۔

وَظَنُّوْا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ یعنی روز قیامت مشرکین یہ گمان کریں گے اور یہ گمان بمعنی یقین ہے۔

مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ اللہ کے عذاب سے اس دن کوئی چیز نہیں بچا سکے گی۔ ایک اور آیت میں فرمایا: وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا (کہف:53) ''اور دیکھیں گے مجرم (جہنم کی) آگ کو اور وہ خیال کریں گے کہ وہ اس میں گرنے والے ہیں اور نہ پائیں گے اس سے نجات پانے کی کوئی جگہ''۔

لَا يَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَيْرِ ۫ وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَئُوْسٌ قَنُوْطٌ ﴿۴۹﴾ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ ۙ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا ۫ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۵۰﴾ وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ ﴿۵۱﴾

''نہیں اکتاتا انسان بھلائی کی دعا کرنے سے۔ اور اگر اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو بالکل مایوس (اور) ناامید ہو جاتا ہے۔ اور اگر ہم چکھائیں اسے رحمت اپنی جناب سے اپنی تکلیف کے بعد جو اسے پہنچتی ہے تو کہتا ہے میں اسی کا مستحق ہوں۔ اور میں نہیں خیال کرتا کہ قیامت برپا ہوگی۔ اور اگر میں لوٹایا گیا اپنے رب کی طرف تو یقیناً میرے لئے اس کے پاس بھی اکرام ہی اکرام ہوگا۔ (یہ احمق کیا سوچ رہے ہیں) ہم تو آگاہ کریں گے کافروں کو جو کرتوت انہوں نے کئے اور ہم ضرور چکھائیں گے انہیں سخت عذاب۔ اور جب ہم احسان فرماتے ہیں انسان پر تو وہ (تکبر سے) منہ پھیر لیتا ہے اور پہلو تہی کرنے لگتا ہے اور جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو لمبی چوڑی دعائیں کرنے لگ جاتا ہے''۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں انسان اپنے رب سے بھلائی کا سوال کرنے سے نہیں اکتاتا۔ جیسے مال اور صحت جسمانی وغیرہ ہے۔ اگر اسے شر یعنی آزمائش اور فقر آ لے تو فَيَئُوْسٌ قَنُوْطٌ اس کے ذہن میں آ جاتا ہے کہ اس کے بعد اسے بھلائی نہیں ملے گی۔

وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ یعنی سختی اور تکلیف کے بعد جب اسے بھلائی اور رزق ملے تو کہنے لگتا ہے۔ یہ میرے لئے ہے، میں اپنے رب کے ہاں اس کا حقدار تھا، میں اسی کے لائق تھا۔

وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً قیام قیامت کا انکار کر دے گا یعنی اللہ کی دی ہوئی نعمتوں پر اترانا اور فخر کرنا شروع کر دے گا اور کفر کرنے لگے گا۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ۙ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى (علق:7-6) ''ہاں ہاں! بے شک انسان سرکشی کرنے لگتا ہے۔ اس بنا پر کہ وہ اپنے آپ کو مستغنی دیکھتا ہے''۔

وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى یعنی اگر قیامت آ بھی گئی تو اللہ تعالیٰ نے اس دار دنیا میں جس طرح مجھ پر کرم فرمایا ہے۔ قیامت کے دن بھی مجھے ضرور نوازے گا۔ اپنی بد اعمالیوں اور عدم یقین کے باوجود ان تمناؤں کا اظہار کرے گا۔

فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا ۫ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ اللہ تعالیٰ وعید فرما رہے ہیں کہ جس کا یہ عمل اور اعتقاد ہوگا عذاب وعقاب

میں مبتلا ہو گا۔ پھر فرمایا: وَاِذَآ اَنۡعَمۡنَا عَلَى الۡاِنۡسَانِ اَعۡرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ یعنی اطاعت سے رخ موڑ لیتا ہے اور اوامر الٰہیہ کو بجالانے میں تکبر سے کام لیتا ہے۔ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: فَتَوَلّٰى بِرُكۡنِهٖ (ذاریات: 39) ''پس اس نے روگردانی کی اپنی قوت کے بل بوتے پر''۔

وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ اور جب اسے کوئی تکلیف آ پہنچے تو ایک چیز کے بارے میں طویل مناجات کرتا ہے۔ عریض کلام اسے کہتے ہیں جس کے الفاظ بہت زیادہ ہوں مگر معانی کم ہوں اور کلام وجیز وہ ہے جو اس کے برعکس ہو۔ ارشاد ربانی ہے: وَاِذَا مَسَّ الۡاِنۡسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنۡۢبِهٖۤ اَوۡ قَاعِدًا اَوۡ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفۡنَا عَنۡهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنۡ لَّمۡ يَدۡعُنَاۤ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ؕ (یونس: 12) ''اور جب پہنچتی ہے انسان کو کوئی تکلیف (تو اس وقت) پکارتا ہے ہمیں لیٹا ہوا ہو یا بیٹھا ہوا ہو یا کھڑا ہوا ہو۔ پھر جب ہم دور کر دیتے ہیں اس سے اس کی تکلیف (تو) چل دیتا ہے جیسے اس نے ہمیں (کبھی) پکارا ہی نہیں تھا کسی تکلیف میں جو اسے پہنچتی تھی''۔

قُلۡ اَرَءَيۡتُمۡ اِنۡ كَانَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرۡتُمۡ بِهٖ مَنۡ اَضَلُّ مِمَّنۡ هُوَ فِىۡ شِقَاقٍۢ بَعِيۡدٍ ﴿۵۲﴾ سَنُرِيۡهِمۡ اٰيٰتِنَا فِى الۡاٰفَاقِ وَفِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمۡ اَنَّهُ الۡحَقُّ ؕ اَوَلَمۡ يَكۡفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ شَهِيۡدٌ ﴿۵۳﴾ اَلَاۤ اِنَّهُمۡ فِىۡ مِرۡيَةٍ مِّنۡ لِّقَآءِ رَبِّهِمۡ ؕ اَلَاۤ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَىۡءٍ مُّحِيۡطٌ ﴿۵۴﴾

''آپ فرمائیے (اے کافرو!) تم مجھے بتاؤ اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہو پھر تم اس کا انکار کرو تو کون زیادہ گمراہ ہے اس سے جو اختلاف میں بہت دور نکل گیا ہو۔ ہم دکھائیں گے انہیں اپنی نشانیاں آفاق (عالم) میں اور ان کے اپنے نفسوں میں تاکہ ان پر واضح ہو جائے کہ قرآن واقعی حق ہے۔ کیا یہ کافی نہیں کہ آپ کا رب ہر چیز پر گواہ ہے سنو! یہ لوگ شک میں مبتلا ہیں اپنے رب سے ملنے کے بارے میں۔ یاد رکھو! وہ ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اے محمد قرآن کی تکذیب کرنے والے ان مشرکین سے فرما دیجئے: اَرَءَيۡتُمۡ اِنۡ كَانَ یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہے۔

ثُمَّ كَفَرۡتُمۡ بِهٖ یعنی تمہارا کیا حال ہے اس کے نزدیک جس نے اسے اپنے رسول پر نازل کیا ہے؟ اسی لئے فرمایا:

مَنۡ اَضَلُّ مِمَّنۡ هُوَ فِىۡ شِقَاقٍۢ بَعِيۡدٍ یعنی کفر، عناد، مخالفت حق اور ہدایت سے دور مسلک۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

سَنُرِيۡهِمۡ اٰيٰتِنَا فِى الۡاٰفَاقِ یعنی قرآن کے سچا کلام اور منزل من اللہ ہونے کے خارجی دلائل ہم ان کے سامنے ظاہر کریں گے۔

فِى الۡاٰفَاقِ یعنی فتوحات اور تمام اقالیم اور ادیان پر اسلام کا ظہور۔ مجاہد، حسن اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے اور ان کی ذات میں بھی انہیں دلائل دکھائے جائیں گے جیسے واقعہ بدر و فتح مکہ اور اس جیسے دیگر واقعات جو انہیں پیش آئے جن میں حضور ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو نصرت حاصل ہوئی اور اہل باطل رسوا ہو گئے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد انسان کی اپنی بناوٹ اور ہیئت ترکیبی ہو جس طرح کہ علم تشریح الابدان میں مفصل مذکور ہے اور صانع کی حکمت کی دلیل ہے۔ اسی طرح وہ اچھے برے اخلاق جو اس کی طبیعت میں ودیعت کئے گئے ہیں۔

ابن ابی دنیا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب التفکر و الاعتبار میں اپنے شیخ سے انہی چیزوں کو روایت کیا ہے۔

قولہ تعالیٰ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمۡ اَنَّهُ الۡحَقُّ ؕ اَوَلَمۡ يَكۡفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ شَهِيۡدٌ یعنی اللہ اپنے بندوں کے اقوال وافعال کے لئے

بطور شاہد کافی ہے وہی یہ شہادت دے رہا ہے کہ حضرت محمد ﷺ اپنی دعوت میں سچے ہیں ایک اور آیت میں فرمایا: لٰكِنِ اللّٰهُ يَشۡهَدُ بِمَآ اَنۡزَلَ اِلَيۡكَ اَنۡزَلَهٗ بِعِلۡمِهٖ (النساء:166) "لیکن اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے اس کتاب کے ذریعہ جو اس نے آپ کی طرف اتاری کہ اس نے اسے اتارا ہے اپنے علم سے"۔

قولہ اَلَاۤ اِنَّهُمۡ فِىۡ مِرۡيَةٍ مِّنۡ لِّقَآءِ رَبِّهِمۡ یعنی وقوع قیامت کے بارے میں شک وشبہ میں مبتلا ہیں۔ اسی لئے اس میں نہ غور وفکر کرتے ہیں، نہ اس کے لئے عمل کرتے ہیں اور نہ اس سے ڈرتے ہیں بلکہ وہ ان کے نزدیک رائیگاں ہے وہ اس کی پرواہ نہیں کرتے یہ لامحالہ طور پر واقع ہوگی اور اس کے وقوع پذیر ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ ابن ابی دنیا رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا فرمائی پھر فرمایا:

امابعد، اے لوگو! میں نے تمہیں کسی نئی بات کے لئے جمع نہیں کیا لیکن میں نے اس معاملے میں غور کیا جس کی طرف تم جانے والے ہو (قیامت) اور اس نتیجے پر پہنچا کہ اسے سچا جاننے والا احمق اور اس کی تکذیب کرنے والا ہلاک ہونے والا ہے پھر منبر سے اتر آئے۔

آپ کے فرمان: أن المصدق به أحمق سے مراد یہ ہے کہ اس کے لئے عمل کرنے والا اس کے مثل عمل نہیں کرتا اور اس سے بچتا نہیں ہے اور اس کے ہول سے نہیں ڈرتا۔ اس کے ساتھ ہی وہ تصدیق کرنے والا اور اس کے وقوع پذیر ہونے کا یقین بھی رکھتا ہے لیکن لہو ولعب اور گناہوں اور شہوات میں مشغول بھی ہے۔ چنانچہ وہ اس اعتبار سے احمق ہے اور لغت عرب میں احمق کا معنی ضعیف العقل ہے۔

اور آپ کے فرمان: والمكذب به هالك سے مراد ہے کہ اس کی تکذیب کرنے والا ہلاک ہونے والا ہے اس کا مفہوم از حد واضح ہے۔ واللہ اعلم۔ پھر اللہ تعالیٰ اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے فرمار ہے ہیں کہ وہ ذات ہر چیز پر قادر اور ہر چیز کو محیط ہے۔ قیامت کا واقع کرنا اس کے نزدیک بہت سہل اور آسان ہے۔

اَلَاۤ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَىۡءٍ مُّحِيۡطٌ یعنی تمام مخلوقات اس کے قہر کے نیچے، اس کے قبضہ قدرت میں اور اس کے علم میں ہیں۔ وہ اپنے حکم کے ساتھ تمام چیزوں میں تصرف کرنے والا ہے۔ جو چاہے ہو جاتا ہے اور جو نہ چاہے نہیں ہوتا اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔

سورۂ حم سجدہ کی تفسیر ختم ہوئی۔

وللّٰه الحمد والمنة

سورۂ شوریٰ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

حٰمٓ ﴿۱﴾ عٓسٓقٓ ﴿۲﴾ كَذٰلِكَ يُوۡحِیۡۤ اِلَيۡكَ وَاِلَى الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكَ ۙ اللّٰهُ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ﴿۳﴾ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ ؕ وَهُوَ الۡعَلِىُّ الۡعَظِيۡمُ ﴿۴﴾ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرۡنَ مِنۡ فَوۡقِهِنَّ وَالۡمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوۡنَ بِحَمۡدِ رَبِّهِمۡ وَيَسۡتَغۡفِرُوۡنَ لِمَنۡ فِى الۡاَرۡضِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِيۡمُ ﴿۵﴾ وَالَّذِيۡنَ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اَوۡلِيَآءَ اللّٰهُ حَفِيۡظٌ عَلَيۡهِمۡ ۖ وَمَاۤ اَنۡتَ عَلَيۡهِمۡ بِوَكِيۡلٍ ﴿۶﴾

’’حا۔میم۔عین۔سین۔قاف۔اسی طرح (کے مطالب نفیسہ) وحی فرما تا رہا ہے آپ کی طرف اور ان (پیغمبروں) کی طرف جو آپ سے پہلے گزرے ہیں۔اللہ جو زبردست (اور) بہت دانا ہے۔اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔اور وہی سب سے اعلیٰ (اور) عظمت والا ہے۔قریب ہے کہ (جلال الٰہی سے) آسمان پھٹ پڑیں اپنے اوپر سے اور (ایسا نہیں ہوتا کیونکہ) فرشتے تسبیح کر رہے ہیں اپنے رب کی حمد کے ساتھ اور بخشش طلب کر رہے ہیں اہل زمین کے لئے۔سن لو! یقیناً اللہ ہی بہت بخشنے والا، ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔اور جنہوں نے بنا رکھے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا (اور) دوست، اللہ تعالیٰ خوب آگاہ ہے ان کے حالات سے اور آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں‘‘۔

حروف مقطعات کا بیان پہلے گزر چکا ہے۔ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں ایک عجیب وغریب اور منکر روایت ذکر کی ہے۔وہ اپنی سند سے اُرطاۃ بن منذر سے روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور عرض کرنے لگا مجھے حم عسق کی تفسیر سمجھائیے۔اس وقت حضرت حذیفہ بن یمان بھی آپ کے پاس بیٹھے تھے۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ سن کر اپنا سر جھکا لیا اور اس سے رخ پھیر لیا۔اس نے دوبارہ عرض کی تو آپ نے پھر رخ پھیر لیا اور اسے کوئی جواب نہ دیا اور اس کی بات کو ناپسند کیا۔اس نے تیسری مرتبہ یہی بات کی تو آپ نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔اس پر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تمہیں اس کے بارے میں بتاتا ہوں۔مجھے یہ بھی پتہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اسے کیوں ناپسند کر رہے ہیں۔یہ ان کے اہل بیت کے ایک شخص کے بارے میں نازل ہوئی ہے جسے عبدالالٰہ یا عبداللہ کہا جاتا ہوگا وہ مشرق کے دریاؤں میں سے ایک دریا کے پاس اترے گا اس پر دو شہر آباد ہوں گے یہ دریا ان کے درمیان سے بہتا ہوگا۔جب اللہ تعالیٰ ان کے ملک کے زوال اور ان کی حکومت اور مدت کے خاتمے کا ارادہ فرمائے گا تو اللہ تعالیٰ ان میں سے ایک پر رات کو آگ بھیجے گا۔وہ اسے جلا کر بھسم کر دے گی۔گویا وہاں کچھ بھی نہ تھا۔صبح دوسرے شہر کے لوگ متعجب ہوں گے کہ وہ کس طرح بچ گئے پس جب دن کی روشنی ہوگی اور ان کے سب جبار، سرکش لوگ جمع ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان سب کو شہر سمیت

زمین میں دھنسا دے گا۔ حٰمٓ ۚ عٓسٓقٓ سے مراد یہی ہے یعنی اللہ کی طرف سے یہ عزیمت ہے اور فتنہ و آزمائش اور قضاو قدر یعنی اللہ کی طرف سے فیصل شدہ ہے۔ عین سے مراد اس کا عدل، سین سے مراد سیکون یعنی عنقریب ہو کر رہے گا۔ ق سے مراد ان شہروں کے ساتھ ہونے والا واقعہ ہے (1)۔

اس سے بھی زیادہ غریب وہ روایت ہے جسے حافظ ابو یعلی موصلی نے اپنی مسند کے دوسرے جز میں حضرت ابن عباس اور ابوذر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً ذکر کیا ہے لیکن اس کی سند بہت ضعیف اور منقطع ہے۔ اس میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ منبر پر جلوہ فرما ہوئے اور ارشاد فرمایا: اے لوگو! کیا تم میں سے کسی نے اس آیت حٰمٓ ۚ عٓسٓقٓ کی تفسیر آنحضرت ﷺ سے سنی ہے۔ یہ سن کر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اچھل کر بیٹھ گئے کہ میں اور فرمایا حم اسمائے حسنیٰ میں سے ایک ہے۔ عرض کی گئی عین؟ فرمایا: بدر کے روز حق سے اعراض کرنے والوں نے عذاب دیکھ لیا۔ عرض کی گئی ''سین''؟ فرمایا: سَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ پوچھا ق سے کیا مراد ہے؟ آپ خاموش ہو گئے یہ سن کر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کے مطابق تفسیر کی اور فرمایا ق سے مراد قارعۃ آسمانی ہے جو تمام لوگوں کو ڈھانپ لے گی (2)۔

قولہ عزوجل كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ یعنی جس طرح یہ قرآن آپ کی طرف اتارا گیا ہے اسی طرح آپ سے قبل انبیاء پر کتب اور صحیفوں کا نزول ہوا۔

الْعَزِيْزُ اپنے انتقام میں۔

الْحَكِيْمُ اپنے اقوال و افعال میں حکمت والا ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حارث بن ہشام نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا: یارسول اللہ ﷺ! آپ کے پاس وحی کس طرح آتی ہے؟ تو رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: کبھی تو گھنٹی کی طرح آواز آتی ہے اور یہ مجھ پر بہت زیادہ بھاری ہوتی ہے۔ جب وہ ختم ہوتی ہے تو یہ چیز مجھے یاد ہو چکی ہوتی ہے اور کبھی فرشتہ انسانی شکل میں آتا ہے۔ مجھ سے ہم کلام ہوتا ہے تو میں اس کی باتوں کو یاد کر لیتا ہوں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے میں نے دیکھا کہ شدید سردی میں آپ پر وحی اترتی اور جب وہ کیفیت دور ہوتی تو آپ کی پیشانی پسینے سے شرابور ہوتی۔ صحیحین میں اسے روایت کیا گیا ہے اور الفاظ بخاری کے ہیں (3)۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن امام احمد سے اسی طرح روایت کیا ہے (4)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسری سند سے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! کیا آپ کو وحی کا پتہ چلتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: میں گھنٹیوں کی آواز سنتا ہوں تو خاموش ہو جاتا ہوں۔ جب بھی مجھ پر وحی اترتی ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ میری روح پرواز کر جائے گی (5)۔ وحی کی کیفیت ہم نے شرح بخاری کی ابتداء میں بیان کی ہے۔ اس کے یہاں اعادے کی ضرورت نہیں۔ وللہ الحمد والمنۃ۔

قولہ تبارک وتعالیٰ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ یعنی سب اس کے غلام اور اس کی ملکیت ہیں اور اس کی قہر و تصرف کے زیر اثر ہیں۔ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ (رعد: 9) ''سب سے بڑا عالی مرتبہ ہے''۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 6 2۔ درمنثور بروایت ابی یعلی، ابن عساکر، جلد 7 صفحہ 336

3۔ بخاری، جلد 1 صفحہ 302، فتح الباری، کتاب بدء الوحی، جلد 1 صفحہ 18، مسلم، کتاب الفضائل، جلد 4 صفحہ 1816-1817

4۔ مسند امام احمد، جلد 6 صفحہ 158، مجمع زوائد، جلد 8 صفحہ 356، المعجم الکبیر، جلد 3 صفحہ 359 5۔ مسند امام احمد، جلد 2 صفحہ 222

هُوَ الْعَلِیُّ الْكَبِیْرُ اس طرح کی آیات بے شمار ہیں۔

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرْنَ...... ابن عباس، ضحاک، قتادہ، سدی رحمہم اللہ تعالیٰ اور کعب احبار کا قول ہے کہ عظمت کے ڈر سے پھٹ جائیں۔

الْمَلٰٓئِكَةُ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ یَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِی الْاَرْضِ جیسے ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے: اَلَّذِیْنَ یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَ مَنْ حَوْلَهٗ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ یَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَیْءٍ رَّحْمَةً وَّ عِلْمًا (غافر: 7) ''جو فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں عرش کو اور وہ جو عرش کے اردگرد (حلقہ زن) ہیں وہ تسبیح کرتے ہیں حمد کے ساتھ اپنے رب کی اور ایمان رکھتے ہیں اس پر اور استغفار کیا کرتے ہیں ایمان والوں کے لئے۔ (کہتے ہیں) اے ہمارے رب! تو گھیرے ہوئے ہے ہر شے کو (اپنی) رحمت اور علم سے''۔

قولہ اَلَاۤ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ اس بات کا اعلان اور شان خداوندی کا بیان ہے۔

الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا یعنی مشرکین (1)۔

اللّٰهُ حَفِیْظٌ عَلَیْهِمْ ان کے اعمال کا گواہ ہے اور انہیں شمار کئے ہوئے ہے اور روز قیامت انہیں بہترین جزاء دے گا۔

وَ مَاۤ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِوَكِیْلٍ یعنی آپ تو ڈرانے والے ہیں اور اللہ ہر چیز پر وکیل ہے۔

وَ كَذٰلِكَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَ مَنْ حَوْلَهَا وَ تُنْذِرَ یَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَیْبَ فِیْهِ ؕ فَرِیْقٌ فِی الْجَنَّةِ وَ فَرِیْقٌ فِی السَّعِیْرِ ۝ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ لٰكِنْ یُّدْخِلُ مَنْ یَّشَآءُ فِیْ رَحْمَتِهٖ ؕ وَ الظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا نَصِیْرٍ ۝

''اور یونہی ہم نے وحی کے ذریعے اتارا ہے آپ کی طرف قرآن عربی زبان میں تاکہ آپ ڈرائیں اہل مکہ کو اور جو اس کے آس پاس (آباد) ہیں اور تاکہ آپ ڈرائیں اکٹھے ہونے کے دن سے جس (کی آمد) میں کچھ شبہ نہیں۔ (اس دن) ایک فریق جنت میں اور دوسرا فریق بھڑکتی آگ میں ہوگا اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ تو بنا دیتا ان (سب) کو ایک امت لیکن وہ داخل کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں اور جو ظلم کرنے والے ہیں نہ ان کا کوئی دوست ہے اور نہ مددگار''۔

اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں اور جس طرح ہم نے آپ سے پیشتر انبیاء کی طرف وحی کی، آپ کی طرف بھی واضح ظاہر قرآن اتارا۔

عَرَبِیًّا واضح، جلی، آشکارا۔

اُمَّ الْقُرٰى مراد مکہ ہے۔

وَ مَنْ حَوْلَهَا مشرق و مغرب میں سارے ملک میں۔

مکہ کو اُمَّ الْقُرٰى نام اس لئے دیا گیا ہے کہ یہ تمام شہروں سے افضل ہے۔ اس کے مفصل دلائل اپنی جگہوں پر مذکور ہیں۔ مختصر ترین روایت وہ ہے جسے امام احمد نے عبد اللہ بن عدی بن حمراء سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے رسول اکرم ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا آپ اس وقت مکہ کے بازار حزورہ میں تھے۔ فرمایا: ''بخدا تو اللہ تعالیٰ کی ساری سرزمین سے اللہ کے نزدیک زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہے۔ اگر مجھے تم

1۔ ولی کا لفظ اگرچہ لغت میں متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے لیکن یہاں اس کا معنی المتولی لِلْامورِ یعنی ''امور عالم کا کارساز'' یہاں یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے اور اس معنی میں کسی کو ولی کہنا شرک ہے۔ (ضیاء القرآن، جلد 4 صفحہ 362)

سے نکالا نہ جاتا تو میں نہ نکلتا(1)۔ ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسی طرح روایت کیا ہے(2)۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے(3)۔

وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ یہ روز قیامت ہے جب اللہ تعالیٰ اولین وآخرین سب کو ایک جگہ جمع فرمائے گا۔

لَا رَيْبَ فِيْهِ اس کے واقع ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ (تغابن: 9) ''جس دن تمہیں اکٹھا کرے گا جمع ہونے کے دن یہی گھاٹے کے ظہور کا دن ہے''۔ اور فرمایا: اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ۭ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ۝ وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ۝ۭ يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ (ہود: 5-103) ''بیشک ان واقعات میں (عبرت کی) نشانی ہے اس کے لئے جو ڈرتا ہے عذاب آخرت سے۔ یہ وہ دن ہے جس دن اکٹھے کئے جائیں گے سب لوگ اور یہ وہ دن ہے جب سب کو حاضر کیا جائے گا۔ اور ہم نے نہیں مؤخر کیا ہے اسے مگر ایک مقرر مدت تک جو گنی ہوئی ہے۔ جب وہ دن آئے گا تو (اس کی ہیبت سے) کوئی شخص نہیں بول سکے گا بجز اس کی اجازت کے۔ بعض ان میں سے بدنصیب ہوں گے اور بعض خوش نصیب''۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے۔ آپ ﷺ کے دست اقدس میں دو کتابیں تھیں۔ آپ نے دریافت فرمایا جانتے ہو یہ کتابیں کیسی ہیں؟ ہم نے عرض کیا نہیں، یارسول اللہ ﷺ! یہاں تک کہ آپ خود ہمیں خبر دیں آپ ﷺ نے اس کتاب جو آپ کے دائیں ہاتھ میں تھی کے بارے میں فرمایا یہ اللہ رب العالمین کی کتاب ہے اس میں جنتیوں کے اسماء اور ان کے آباء اور قبائل کے نام لکھے ہوئے ہیں۔ آخر میں سب کی میزان ہے۔ اب اس میں کمی یا اضافہ نہیں ہوگا۔ پھر دوسری کتاب کے بارے میں فرمایا یہ جہنمیوں کے اسماء اور ان کے آباء اور قبائل کے اسماء ہیں اور آخر میں حساب کر کے میزان درج کر دی گئی ہے اب اس میں کمی بیشی ناممکن ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! جبکہ سب کچھ طے ہو چکا تو پھر عمل کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ٹھیک راستہ پر چلو اور میانہ روی اختیار کرو (نہ افراط اور نہ تفریط) بلاشبہ صاحب جنت کا خاتمہ اہل جنت کے عمل پر ہوگا خواہ وہ کیسا ہی عمل کرتا رہے اور صاحب نار کا خاتمہ دوزخیوں کے سے عمل پر ہوگا خواہ کوئی عمل کرتا رہے۔ پھر آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ اس طرح مارا اور مٹھی کو بند کر لیا۔ پھر فرمایا تمہارا رب بندوں کے فیصلوں سے فراغت حاصل کر چکا ہے۔ پھر دائیں ہاتھ سے اشارہ کیا اور فرمایا: فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ اور بائیں ہاتھ سے اشارہ کیا اور فرمایا ایک فریق دوزخ میں ہے فَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ (4)۔ ترمذی اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسی طرح روایت کیا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن صحیح غریب قرار دیا ہے(5)۔ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں اسے چند اضافوں سے روایت کیا ہے(6)۔ ابن ابی حاتم اور طبری رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی اسے روایت کیا ہے(7)۔

1۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 305

2۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 305، عارضۃ الاحوذی، ابواب المناقب، جلد 13 صفحہ 280، نسائی بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 5 صفحہ 316، ابن ماجہ، کتاب المناسک، جلد 2 صفحہ 1037-1038

3۔ تحفۃ الاحوذی، جلد 10 صفحہ 426 | 3۔ تحفۃ الاحوذی، جلد 10 صفحہ 427 | 4۔ مسند امام احمد، جلد 2 صفحہ 167

5۔ تحفۃ الاحوذی، جلد 6 صفحہ 350، عارضۃ الاحوذی، ابواب القدر، جلد 8 صفحہ 308-310 تحفۃ الاشراف، جلد 6 صفحہ 343

6۔ تفسیر بغوی، جلد 4 صفحہ 120-121 7۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 9

طبری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور سند سے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو انہیں توشہ دان کی طرح جھاڑا تو آپ کی ذریت کیڑوں کی طرح پھیل گئی تو اللہ نے انہیں دونوں مٹھیوں میں لے لیا۔ پھر فرمایا بد بخت اور سعادتمند۔ پھر انہیں نیچے ڈال دیا۔ پھر انہیں مٹھی میں لیا اور فرمایا ایک جنت میں اور دوسرا فریق دوزخ میں (1)۔ یہ روایت موقوف اور صواب کے مشابہ ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ابونضرۃ سے روایت کیا ہے کہ اصحاب نبی اکرم ﷺ میں سے ایک آدمی جنہیں ابوعبداللہ پکارا جاتا تھا کو پوچھنے کے لئے ان کے ساتھی آئے تو وہ رو رہے تھے۔ انہوں نے رونے کی وجہ پوچھی اور کہا کیا تمہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد نہیں فرمایا تھا: ''اپنی مونچھ نیچی رکھا کرو، یہاں تک کہ مجھ سے ملو۔'' اس پر وہ صحابی فرمانے لگے یہ بات تو ٹھیک ہے لیکن مجھے یہ حدیث رلا رہی ہے کہ میں نے حضور ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا: ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دائیں ہاتھ میں ایک مٹھی لی اور بائیں میں دوسری۔ اور فرمایا یہ لوگ اس کے لئے ہیں اور یہ اس کے لئے۔ اور مجھے کوئی پرواہ نہیں۔'' چنانچہ مجھے یہ معلوم نہیں کہ میں کون سی مٹھی میں تھا (2)۔ اثبات قضاء وقدر سے متعلقہ احادیث صحاح، سنن اور مسانید میں بے شمار ہیں جو حضرات علی، ابن مسعود اور دیگر بہت سے صحابہ کرام سے مروی ہیں۔

وَلَوْشَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً یا ہدایت کے راستے پر اور یا گمراہی میں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان میں تفاوت رکھا۔ جسے چاہا حق کی طرف ہدایت دی اور جسے چاہا گمراہ کر دیا۔ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ۔

اسی لئے فرمایا: وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی اے رب! تو نے اپنی مخلوق میں سے کچھ کو جنت اور کچھ دوزخ میں لے جائے گا کیا ہی اچھا ہو کہ تو ان سب کو جنت میں داخل کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا موسیٰ اپنا پیرہن اونچا کرو۔ آپ نے اسے اونچا کیا اور عرض کی حکم کی تعمیل ہو گئی۔ فرمایا اور اونچا کرو۔ عرض کی یا رب! اوپر اٹھا لیا۔ فرمایا اور اٹھاؤ۔ عرض کی میں نے سارے جسم سے اونچا کر لیا ہے بجز اس جگہ کے جس کے اوپر اٹھانے میں کوئی خیر نہیں فرمایا: بس اسی طرح میں اپنی تمام مخلوق کو جنت میں داخل کروں گا۔ ماسوائے ان کے جو بالکل خیر سے خالی ہیں (3)۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِ الْمَوْتٰى ۫ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۹﴾ وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّيْ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿۱۰﴾ فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا ۚ يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ ؕ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿۱۱﴾ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۲﴾

''کیا انہوں نے بنا لئے ہیں اسے چھوڑ کر دوسرے کارساز۔ پس اللہ ہی حقیقی کارساز ہے اور زندہ کرتا ہے مردوں کو۔ اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔ اور جس بات میں تمہارے درمیان اختلاف رونما ہو جائے تو اس کا فیصلہ اللہ کے سپرد کر دو۔ یہی اللہ میرا رب ہے اور اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔ وہ پیدا کرنے والا ہے آسمانوں اور

1۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 9 2۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 176 3۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 9

زمین کا۔ اسی نے بنائے تمہارے لئے تمہاری جنس سے جوڑے اور مویشیوں سے بھی جوڑے بنائے۔ وہ پھیلاتا رہتا ہے تمہاری نسل کو اس کے ذریعہ۔ نہیں ہے اس کی مانند کوئی چیز۔ اور وہی سب کچھ سننے والا دیکھنے والا ہے۔ اسی کے قبضہ میں ہیں کنجیاں آسمانوں اور زمین (کے خزانوں) کی۔ کشادہ کرتا ہے رزق کو جس کے لئے چاہتا ہے اور تنگ کر دیتا ہے (جس کے لئے چاہتا ہے) بے شک وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے"۔

اللہ تعالیٰ مشرکین کے فعل کا انکار فرما رہے ہیں جو وہ خدا تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرا کر کیا کرتے تھے۔ اس بات کا بیان ہو رہا ہے کہ حقیقی کارساز اور ولی وہ ذات ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہ مردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے۔ وہ سب چیزوں پر قادر ہے پھر فرمایا: وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ...... یعنی جس معاملہ میں بھی تمہارا اختلاف ہو۔ یہ تمام اشیاء میں عام ہے۔

فَحُكْمُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ یعنی وہ اپنی کتاب اور اپنے نبی کی سنت کے مطابق فیصلہ فرمانے والا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ (النساء: 59) "پھر اگر جھگڑنے لگو تم کسی چیز میں تو لوٹا دو اسے اللہ اور (اپنے) رسول (کے فرمان) کی طرف"۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّيْ وہ ہر چیز کے بارے میں فیصلہ کرنے والا ہے۔

عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۖ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ تمام امور میں لوٹتا ہوں۔

قولہ فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ان دونوں کو اور جو کچھ ان کے مابین ہے پیدا کرنے والا ہے۔

جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا یعنی تمہاری جنس اور شکل۔ تم پر احسان اور فضل فرماتے ہوئے تمہاری جنس سے نر اور مادہ پیدا فرمائے۔

وَّمِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا یعنی تمہارے لئے جانوروں کے آٹھ جوڑے پیدا فرمائے۔

قولہ يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ وہ تمہیں اسی صفت پر پیدا فرماتا ہے اور اسی طریقے پر نر و مادہ پیدا فرماتا رہا اور نسل در نسل جانوروں اور انسانوں میں یہی سلسلہ جاری ہے۔

بغوی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ مراد رحم میں پیدا کرنا ہے۔ ایک قول ہے کہ بطن میں، ایک قول ہے کہ اس سے مراد اسی طریق پر پھیلانا ہے (1)۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس سے مراد نسلیں پھیلانا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ فی بمعنی الباء ہے۔ (فیہ بمعنی بہ)

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ تمام جوڑوں کے خالق جیسی کوئی چیز نہیں کیونکہ وہ فرد صمد ہے اس کی کوئی نظیر نہیں۔ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ۔

قولہ تعالیٰ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اس کی تفسیر سورۂ زمر میں گزر چکی ہے۔ اس کا ماحصل یہ ہے کہ وہ تصرف کرنے والا، فیصلے فرمانے والا ہے (2)۔

يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ جس پر چاہے وہ وسعت فرماتا ہے اور جس پر چاہے تنگی فرماتا ہے اس کے لئے حکمت اور عدل تام ہے۔ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖۤ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰۤى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۗ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ۗ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْۤ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْۤ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ﴿۱۳﴾ وَمَا تَفَرَّقُوْۤا اِلَّا مِنْۢ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 4 صفحہ 121 2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ زمر آیت: 63

بَعۡدِ مَا جَآءَهُمُ الۡعِلۡمُ بَغۡيًۢا بَيۡنَهُمۡ ؕ وَلَوۡلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتۡ مِنۡ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِىَ بَيۡنَهُمۡ ؕ وَاِنَّ الَّذِيۡنَ اُوۡرِثُوا الۡكِتٰبَ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ لَفِىۡ شَكٍّ مِّنۡهُ مُرِيۡبٍ ﴿۱۴﴾

''اس نے مقرر فرمایا ہے تمہارے لئے وہ دین جس کا اس نے حکم دیا تھا نوح کو اور جسے ہم نے بذریعہ وحی بھیجا ہے آپ کی طرف اور جس کا ہم نے حکم دیا تھا ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) کو کہ اسی دین کو قائم رکھنا اور تفرقہ نہ ڈالنا اس میں۔ بہت گراں گزرتی ہے مشرکین پر وہ بات جس کی طرف آپ انہیں بلاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ چن لیتا ہے اپنی طرف جس کو چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے اپنی طرف جو (اس کی طرف) رجوع کرتا ہے۔ اور نہ بٹے وہ فرقوں میں مگر اس کے بعد کہ آ گیا ان کے پاس (صحیح) علم (یہ تفرقہ) محض باہمی حسد کے باعث تھا۔ اور اگر یہ فرمان پہلے نہ ہو چکا ہوتا آپ کے رب کی طرف سے کہ انہیں ایک مقررہ مدت تک مہلت دی جائے تو فیصلہ ہو چکا ہوتا ان کے درمیان۔ اور جو لوگ وارث بنائے گئے تھے کتاب کے، ان کے بعد وہ اس کے متعلق ایسے شک میں مبتلا ہیں جو قلق انگیز ہے''۔

اللہ تعالیٰ اس آیت میں اس امت کو مخاطب ہے اور اس میں حضرت آدم علیہ السلام کے بعد اول الرسل نوح علیہ السلام کا ذکر فرمایا اور ان میں سے آخری نبی سیدنا محمد ﷺ ہیں اور ان کے مابین اولوالعزم رسولوں کا ذکر فرمایا اور وہ ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم ہیں۔ اس آیت میں پانچ رسولوں کا ذکر ہے۔ جس طرح سورۂ احزاب میں بھی انہیں پانچ کا ذکر کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيۡثَاقَهُمۡ وَمِنۡكَ وَمِنۡ نُّوۡحٍ وَّاِبۡرٰهِيۡمَ وَمُوۡسٰى وَعِيۡسَى ابۡنِ مَرۡيَمَ (احزاب: 7) '' اور (اے حبیب!) یاد کرو جب ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا اور آپ سے بھی اور نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم سے بھی''۔ وہ دین جسے تمام رسول لائے وہ اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت ہے۔ جیسے ارشاد فرمایا: وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا نُوۡحِىۡۤ اِلَيۡهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدُوۡنِ '' اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول مگر یہ کہ ہم نے وحی بھیجی اس کی طرف کہ بلاشبہ نہیں ہے کوئی خدا بجز میرے پس میری عبادت کیا کرو(1)۔ حدیث شریف میں ہے: ''ہم گروہ انبیاء علاتی بھائی ہیں۔ ہمارا دین ایک ہے''(3)۔ یعنی ان کے مابین قدر مشترک اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت ہے اگرچہ ان کی شریعتیں اور اسالیب مختلف ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لِكُلٍّ جَعَلۡنَا مِنۡكُمۡ شِرۡعَةً وَّمِنۡهَاجًا(2) '' ہر ایک کے لئے بنائی ہے ہم نے تم میں سے ایک شریعت اور عمل کی راہ''۔

اسی لئے فرمایا: اَنۡ اَقِيۡمُوا الدِّيۡنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوۡا فِيۡهِ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کو اتفاق و اتحاد سے رہنے کی وصیت فرمائی اور اختلاف و افتراق سے منع فرمایا۔

قولہ عزوجل كَبُرَ عَلَى الۡمُشۡرِكِيۡنَ مَا تَدۡعُوۡهُمۡ اِلَيۡهِ یعنی ان پر دشوار ہے اور اے محمد! آپ انہیں جس چیز کی طرف بلاتے ہیں وہ اس کا انکار کرتے ہیں۔

1۔ انبیاء: 25، دیکھئے تفسیر سورۂ انبیاء آیت: 25

2۔ یہ حدیث تفسیر سورۂ بقرہ آیت 133، سورۂ انعام: 163، سورہ یونس: 72 سورہ انبیاء: 92، سورۂ مریم: 6 میں گزر چکی ہے۔ علاتی بھائی، جس کا باپ ایک ہوتا ہے لیکن مائیں مختلف۔ اسی طرح تمام پیغمبروں کے اصول ایمان ایک ہیں جیسے توحید الٰہی، ایمان بر ملائکہ اور حشر و نشر وغیرہ صرف فروعی احکام شریعت میں اختلاف ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر زمانے اور ہر قوم کے حالات کے موافق اتارے تھے (لغات الحدیث، جلد 3 صفحہ 181)

قولہ اَللّٰهُ یَجۡتَبِیۡۤ اِلَیۡهِ مَنۡ یَّشَآءُ وَ یَهۡدِیۡۤ اِلَیۡهِ مَنۡ یُّنِیۡبُ یعنی وہی مستحق کو ہدایت دینے پر قادر ہے اور گمراہی لکھ دیتا ہے اس کے لئے جو اسے ہدایت کے راستے پر ترجیح دے۔ اسی لئے فرمایا: وَمَا تَفَرَّقُوۡۤا اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَهُمُ الۡعِلۡمُ یعنی جب ان کے پاس حق آ گیا اور حجت قائم ہوگئی تو انہوں نے اس کی مخالفت اور اس چیز پر انہیں نہیں ابھارا مگر سرکشی، عناد اور باہمی رقابت وعداوت نے پھر فرمایا: وَلَوۡلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتۡ مِنۡ رَّبِّكَ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اگر یہ فرمان جاری نہ ہو چکا ہوتا کہ بندوں کو قیامت تک مہلت ہے تو دنیا میں فوراً ان پر عذاب نازل ہو جاتا۔

قولہ وَ اِنَّ الَّذِیۡنَ اُوۡرِثُوا الۡكِتٰبَ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ پہلی قرن کے لوگ جنہوں نے حق کو جھٹلایا تھا کے بعد آنے والی نسل۔

قولہ لَفِیۡ شَكٍّ مِّنۡهُ مُرِیۡبٍ وہ اپنے امر اور ایمان سے یقین پر نہیں ہیں۔ وہ تو صرف اپنے آباء اور اسلاف کے پیروکار ہیں۔ ان کے پاس کوئی دلیل اور حجت نہیں۔ وہ اپنے معاملے میں حیرت، قلق انگیز شک اور دور دراز کار عداوت میں مبتلا ہیں۔

فَلِذٰلِكَ فَادۡعُ ۚ وَ اسۡتَقِمۡ كَمَاۤ اُمِرۡتَ ۚ وَ لَا تَتَّبِعۡ اَهۡوَآءَهُمۡ ۚ وَ قُلۡ اٰمَنۡتُ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنۡ كِتٰبٍ ۚ وَ اُمِرۡتُ لِاَعۡدِلَ بَیۡنَكُمۡ ؕ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَ رَبُّكُمۡ ؕ لَنَاۤ اَعۡمَالُنَا وَ لَكُمۡ اَعۡمَالُكُمۡ ؕ لَا حُجَّةَ بَیۡنَنَا وَ بَیۡنَكُمۡ ؕ اَللّٰهُ یَجۡمَعُ بَیۡنَنَا ۚ وَ اِلَیۡهِ الۡمَصِیۡرُ ؕ﴿۱۵﴾

”پس اس دین کی طرف آپ دعوت دیتے رہیے۔ اور ثابت قدم رہیے جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ اور نہ اتباع کیجئے ان کی خواہشات کا۔ اور (برملا) فرمائیے کہ میں ایمان لایا ہر کتاب پر جو اللہ نے نازل کی۔ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں عدل کروں تمہارے درمیان۔ اللہ تعالیٰ ہمارا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال۔ کسی بحث وتکرار کی ضرورت نہیں ہمارے اور تمہارے درمیان۔ اللہ ہم سب کو جمع کرے گا اور اسی کی طرف (سب نے) پلٹنا ہے“۔

یہ آیت کریمہ دس مستقل کلمات پر مشتمل ہے۔ ان میں سے ہر ایک اپنے سے ماقبل سے الگ، ایک مستقل حکم ہے۔ علماء کا قول ہے کہ اس آیت کی نظیر صرف آیت الکرسی ہے جس میں اس طرح کے دس احکام بیان کئے گئے ہیں۔

قولہ فَلِذٰلِكَ فَادۡعُ یعنی دین جس کی ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے۔ جس کی آپ سے قبل تمام مرسلین کو وصیت فرمائی تھی آپ خلق خدا کو اس کی طرف دعوت دیں۔

قولہ وَ اسۡتَقِمۡ كَمَاۤ اُمِرۡتَ یعنی آپ اور آپ کے پیروکار اللہ کی عبادت پر ثابت قدم رہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے۔

قولہ وَ لَا تَتَّبِعۡ اَهۡوَآءَهُمۡ یعنی مشرکین نے جو باتیں گھڑی ہیں اور بتوں کی عبادت کے بارے میں کذب وافتراء سے کام لیا۔ آپ ان کی خواہشات کی پیروی میں نہ آ جانا۔

قولہ وَ قُلۡ اٰمَنۡتُ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنۡ كِتٰبٍ یعنی تمام آسمانی کتب پر بلاتفریق ایمان لایا۔

قولہ وَ اُمِرۡتُ لِاَعۡدِلَ بَیۡنَكُمۡ یعنی فیصلے میں جس طرح اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے۔

قولہ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَ رَبُّكُمۡ وہی معبود ہے اس کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں ہم اپنے اختیار سے اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔ اگر تم برضا ورغبت اس

بات کو تسلیم نہ کرو تو اس دنیا کی ہر چیز طوعاً و کرھاً اس کے سامنے سجدہ ریز ہے۔

قولہ لَنَآ اَعۡمَالُنَا وَلَكُمۡ اَعۡمَالُكُمۡ ہم تم سے بری ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاِنۡ كَذَّبُوۡكَ فَقُلۡ لِّىۡ عَمَلِىۡ وَلَـكُمۡ عَمَلُكُمۡ‌ ۚ اَنۡـتُمۡ بَرِيۡٓـــُٔوۡنَ مِمَّاۤ اَعۡمَلُ وَاَنَا بَرِىۡٓءٌ مِّمَّا تَعۡمَلُوۡنَ (یونس:41) ''اور اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو فرما دیجئے میرے لئے میرا عمل ہے اور تمہارے لئے تمہارا عمل۔ تم بری الذمہ ہو اس سے جو میں کرتا ہوں۔ اور میں بری الذمہ ہوں اس سے جو تم کرتے ہو''۔

قولہ لَا حُجَّةَ بَيۡنَنَا وَبَيۡنَكُمُ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے جھگڑا۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ آیت سیف کے نزول سے قبل کی بات ہے۔ ممکن ہے اسی طرح ہو کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور آیت سیف ہجرت کے بعد نازل ہوئی۔

قولہ عزوجل اَللّٰهُ يَجۡمَعُ بَيۡنَنَا یعنی قیامت کے دن۔ جیسے ایک اور آیت میں ارشاد ہوتا ہے: قُلۡ يَجۡمَعُ بَيۡنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفۡتَحُ بَيۡنَنَا بِالۡحَـقِّ ؕ وَهُوَ الۡفَتَّاحُ الۡعَلِيۡمُ (سبا:26) ''فرمائیے ہمارا رب ہم سب کو جمع کرے گا پھر وہ فیصلہ کرے گا ہمارے درمیان حق (وانصاف) کے ساتھ۔ وہی بہترین فیصلہ کرنے والا سب کچھ جاننے والا ہے''۔

قول جلا وعلا وَاِلَيۡهِ الۡمَصِيۡرُ روز حساب اس کی طرف لوٹنا ہے۔

وَالَّذِيۡنَ يُحَآجُّوۡنَ فِى اللّٰهِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا اسۡتُجِيۡبَ لَهٗ حُجَّتُهُمۡ دَاحِضَةٌ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ وَعَلَيۡهِمۡ غَضَبٌ وَّلَهُمۡ عَذَابٌ شَدِيۡدٌ ﴿۱۶﴾ اَللّٰهُ الَّذِىۡۤ اَنۡزَلَ الۡـكِتٰبَ بِالۡحَـقِّ وَالۡمِيۡزَانَ ؕ وَمَا يُدۡرِيۡكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيۡبٌ ﴿۱۷﴾ يَسۡتَعۡجِلُ بِهَا الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِهَا ۚ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مُشۡفِقُوۡنَ مِنۡهَا ۙ وَيَعۡلَمُوۡنَ اَنَّهَا الۡحَـقُّ ؕ اَلَاۤ اِنَّ الَّذِيۡنَ يُمَارُوۡنَ فِى السَّاعَةِ لَفِىۡ ضَلٰلٍۢ بَعِيۡدٍ ﴿۱۸﴾

''اور جو حجت بازی کرتے ہیں اللہ (کے دین) کے بارے میں اس کے بعد کہ (اکثر حق شناس) اس کو مان چکے ہیں، سو ان کی حجت بازی لغو ہے ان کے رب کے نزدیک اور ان پر (اللہ کا) غضب ہے اور انہی کے لئے سخت عذاب ہے۔ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے نازل کیا ہے کتاب کو حق کے ساتھ اور (نازل کیا ہے) میزان کو۔ اور تمہیں کیا معلوم کہ شاید وہ گھڑی قریب ہی ہو۔ جلدی مچاتے ہیں اس کے لئے وہ لوگ جو ایمان نہیں رکھتے اس پر۔ اور جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ خوفزدہ رہتے ہیں اس سے۔ اور وہ جانتے ہیں کہ یہ حق ہے۔ خبردار! جو لوگ شک کرتے ہیں قیامت کے متعلق، وہ بڑی گمراہی میں (مبتلا) ہیں''۔

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو وعید فرما رہا ہے جو اللہ کی راہ میں ایمان لانے والوں کی راہ میں روڑے اٹکاتے ہیں۔

وَالَّذِيۡنَ يُحَآجُّوۡنَ فِى اللّٰهِ مِنۡۢ بَعۡدِ ...... اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی دعوت پر لبیک کہنے والوں سے جھگڑتے ہیں تاکہ وہ انہیں طریق ہدایت سے برگشتہ کر سکیں۔

دَاحِضَةٌ یعنی اللہ کے ہاں باطل ہے۔

وَعَلَيۡهِمۡ غَضَبٌ ان پر اللہ کا غضب ہے۔

وَّلَهُمۡ عَذَابٌ شَدِيۡدٌ اور قیامت کے دن شدید عذاب۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے مؤمنین نے

جب اللہ اور اس کے رسول کی دعوت کو قبول کرلیا تو یہ ان سے مجادلہ کرنے لگے تاکہ انہیں ہدایت سے روک دیں اور یہ خواہش کی کہ جاہلیت لوٹ آئے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ یہود و نصاریٰ ہیں۔ انہوں نے ہی کہا تھا ہمارا دین تمہارے دین سے بہتر ہے اور ہمارا نبی تمہارے نبی سے افضل اور اللہ کے ہاں ہم تم سے بہتر اور زیادہ قریب ہیں اور وہ اس بات میں جھوٹے تھے۔ پھر فرمایا: اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ یعنی اس نے ہی تمام نازل شدہ کتابیں اپنے انبیاء پر اتاری ہیں۔

الْمِيْزَانَ یعنی عدل وانصاف۔ مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے یہی منقول ہے۔ یہ آیت ان آیات کے مشابہ ہے: لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ (حدید:25) ''یقیناً ہم نے بھیجا ہے اپنے رسولوں کو روشن دلیلوں کے ساتھ اور ہم نے اتاری ہے ان کے ساتھ کتاب اور میزان (عدل) تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں''۔ اور فرمایا: وَالسَّمَاۗءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۙ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ (رحمٰن:8-7) ''اور آسمان اسی نے بلند کیا اور میزان (عدل) قائم کی۔ تاکہ تم تولنے میں زیادتی نہ کرو''۔

قولہ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ بطور ترغیب و ترہیب اور دنیا کی اہمیت کم کرنے کے لئے ایسا کہا جا رہا ہے۔

قولہ يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا یعنی کہتے ہیں یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو؟ وہ جھٹلانے، بعید سمجھتے ہوئے اور کفر و عناد کے طور پر ایسا کہتے ہیں۔

قولہ مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا خائف ہیں اور ان کے وقوع پذیر ہونے سے ڈرتے رہتے ہیں۔

قولہ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ یعنی لامحالہ طور پر واقع ہونے والی ہے۔ وہ اس کے لئے مستعد ہیں اور اس کے لئے عمل کا توشہ بھی تیار کر رہے ہیں۔ ایک حدیث میں جو کتب صحاح، حسان، سنن اور مسانید میں مذکور ہے اور تواتر کے درجہ کو پہنچی ہوئی ہے، اس کے بعض الفاظ میں ہے کہ ایک سفر میں ایک آدمی نے بآواز بلند آپ ﷺ کو پکارا: ''اے محمد۔'' آپ ﷺ نے اسی گنوار کی طرح آواز بلند کرکے فرمایا آ اور پوچھ لے۔ اس نے عرض کی قیامت کب ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تیری خرابی ہو وہ تو واقع ہوگی تو نے اس کے لئے کیا تیاری کی ہے؟ اس نے عرض کی: ''محض اللہ اور اس کے رسول کی محبت۔'' تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو ان کے ساتھ ہوگا جن سے تو محبت رکھتا ہے''(1)۔ ایک اور حدیث کے الفاظ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ ترجمہ: ''آدمی اس کے ساتھ ہے جس سے اس نے محبت کی'' یہ لامحالہ متواتر ہے۔ الغرض آپ ﷺ نے اسے یہ جواب نہیں دیا کہ قیامت کب ہوگی بلکہ اس کے لئے تیاری کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔

قولہ تعالیٰ اَلَآ اِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ فِي السَّاعَةِ اس کے واقع ہونے کے بارے جھگڑا کرتے ہیں اور اس کا انکار کرتے ہیں۔

لَفِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ واضح جہالت میں کیونکہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے مردوں کو جلانے پر درجہ اولیٰ قادر ہے۔ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ (روم:27) ''اور وہی ہے جو تخلیق کی ابتداء کرتا ہے۔ پھر (فنا کرنے کے بعد) اسے دوبارہ بنائے گا اور یہ آسان تر ہے''۔

اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ۝ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ

1۔ یہ حدیث سورۂ اعراف آیت: 187 کی تفسیر میں گزر چکی ہے

نَّصِيۡبٍ ۝ اَمۡ لَهُمۡ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوۡا لَهُمۡ مِّنَ الدِّيۡنِ مَا لَمۡ يَاۡذَنۡۢ بِهِ اللّٰهُ ؕ وَلَوۡلَا كَلِمَةُ الۡفَصۡلِ لَقُضِىَ بَيۡنَهُمۡ ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيۡنَ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ۝ تَرَى الظّٰلِمِيۡنَ مُشۡفِقِيۡنَ مِمَّا كَسَبُوۡا وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمۡ ؕ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِىۡ رَوۡضٰتِ الۡجَنّٰتِ ۚ لَهُمۡ مَّا يَشَآءُوۡنَ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الۡفَضۡلُ الۡكَبِيۡرُ ۝

''اللہ تعالیٰ بہت مہربان ہے اپنے بندوں پر رزق دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ اور وہی قوی (اور) زبردست ہے۔ جو طلب گار ہو آخرت کی کھیتی کا تو ہم (اپنے فضل و کرم سے) اس کی کھیتی کو اور بڑھا دیں گے۔ اور جو شخص خواہش مند ہے (صرف) دنیا کی کھیتی کا تو ہم اسے دیں گے اس سے اور نہیں ہوگا اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ۔ کیا ان کے ایسے شریک ہیں جنہوں نے مقرر کیا ہے ان کے لئے ایسا دین جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی۔ اور اگر ان کے فیصلہ کی بات پہلے سے طے نہ ہوتی تو ان کا قصہ کبھی کا چکا دیا گیا ہوتا۔ اور جو ظالم ہیں یقیناً ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ آپ دیکھیں گے ظالموں کو کہ ڈر رہے ہوں گے ان (کرتوتوں) سے جو انہوں نے کمائے اور وہ ان پر واقع ہو کر رہے گا۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کئے وہ بہشتوں کے باغوں میں ہوں گے۔ انہیں ملے گا جو وہ چاہیں گے اپنے رب کے پاس سے۔ یہی بڑا فضل ہے''۔

اپنی مخلوق پر اپنے لطف و عنایت کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ وہ انہیں ایک دوسرے کے ہاتھ رزق عطا فرما رہے ہیں۔ کوئی بھی ایسا نہیں جسے اللہ تعالیٰ بھول جائے نیک و بد ہر ایک اس معاملے میں برابر ہے۔ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: وَمَا مِنۡ دَآبَّةٍ فِى الۡاَرۡضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزۡقُهَا وَيَعۡلَمُ مُسۡتَقَرَّهَا وَمُسۡتَوۡدَعَهَا ؕ كُلٌّ فِىۡ كِتٰبٍ مُّبِيۡنٍ (ہود:6) ''اور نہیں کوئی جاندار زمین میں مگر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اس کا رزق۔ وہ جانتا ہے اس کے ٹھہرنے کی جگہ کو اور اس کے امانت رکھے جانے کی جگہ کو۔ ہر چیز روشن کتاب میں (لکھی ہوئی) ہے''۔ اور اس کی نظائر بہت ہیں۔

يَرۡزُقُ مَنۡ يَّشَآءُ جس پر چاہے وسعت فرماتا ہے۔

الۡعَزِيۡزُ اسے کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی۔

حَرۡثَ الۡاٰخِرَةِ یعنی عمل آخرت۔

نَزِدۡ لَهٗ فِىۡ حَرۡثِهٖ ہم اسے طاقت دیتے ہیں۔ اس کے ارادے پر اس کی معاونت فرماتے ہیں۔ اور اس میں برکت دیتے ہیں اور اسے نیکی کا بدلہ دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک جتنا اللہ چاہے عطا فرمایا جاتا ہے۔

مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ حَرۡثَ الدُّنۡيَا نُؤۡتِهٖ...... جس کی تمام مساعی کا مقصد فقط حصول دنیا ہو اور آخرت سے اسے کوئی سروکار نہ ہو، اللہ تعالیٰ اسے آخرت اور دنیا دونوں سے محروم کر دیتا ہے۔ اگر چاہے تو اسے اس میں سے عطا فرمائے اور اگر نہ چاہے تو اسے نہ تو یہ ملے اور نہ وہ۔ اس نیت سے کوشش کرنے والا دنیا اور آخرت دونوں کے سودے میں ناکام رہتا ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ آیت سورۂ سبحان کی اس آیت سے مقید ہے: مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ الۡعَاجِلَةَ عَجَّلۡنَا لَهٗ فِيۡهَا مَا نَشَآءُ لِمَنۡ نُّرِيۡدُ ثُمَّ جَعَلۡنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصۡلٰهَا مَذۡمُوۡمًا مَّدۡحُوۡرًا ۝ وَمَنۡ اَرَادَ الۡاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعۡيَهَا وَهُوَ مُؤۡمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعۡيُهُمۡ مَّشۡكُوۡرًا ۝ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنۡ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحۡظُوۡرًا ۝ اُنۡظُرۡ

كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا (ہود:6) ''جو لوگ طلب گار ہیں صرف دنیا کے ہم جلدی دے دیتے ہیں اس دنیا میں جتنا چاہتے ہیں (ان میں سے) جسے چاہتے ہیں۔ پھر ہم مقرر کر دیتے ہیں اس کے لئے جہنم۔ تاپے گا وہ اسے اس حال میں کہ وہ مذمت کیا ہوا (اور) ٹھکرایا ہوا ہوگا۔ اور جو شخص طلب گار ہوتا ہے آخرت کا اور جدوجہد کرتا ہے اس کے لئے پوری طرح درآنحالیکہ وہ مومن بھی ہو، پس یہ وہ (خوش نصیب ہیں) جن کی کوشش مقبول ہوگی۔ ہر ایک کی ہم امداد کرتے ہیں ان کی بھی (جو طالب دنیا ہیں) اور ان کی بھی (جو طالب آخرت ہیں) آپ کے رب کی بخششوں سے۔ اور آپ کے رب کی بخشش کسی پر بند نہیں۔ دیکھو! کیسے بزرگی دی ہے ہم نے بعض کو بعض پر اور آخرت باعتبار درجوں کے سب سے بڑی اور باعتبار فضل و کرم سب سے اعلیٰ ہے''۔

ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت ابوالعالیہ، ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس امت کو خوشخبری دے دیں بلند مرتبے، رفعت، مدد و نصرت اور زمین میں غلبے کی۔ ان میں سے جو شخص آخرت کا عمل دنیا کے لئے کرے گا، آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہ ہوگا۔(1)

قولہ جل وعلا اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ...... اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو دین قویم عطا فرمایا ہے وہ اس کی پیروی نہیں کرتے بلکہ جن وانس میں سے شیاطین جو احکام انہیں بتاتے ہیں ان کی پیروی کرتے ہیں۔ مثلاً بحیرہ، سائبہ، وصیلۃ اور حام کی حرمت، مردار کھانے، خون اور جوئے کو حلال قرار دینا اور اس طرح کی خرافات اور باطل جاہلانہ باتیں جنہیں انہوں نے جاہلیت میں گھڑا تھا۔ یعنی حلت و حرمت، باطل عبادات اور فاسد اموال پر مبنی خود تراشیدہ احکام۔

صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے عمرو بن لحی بن قمعہ کو دیکھا وہ دوزخ میں اپنی آنت کھینچ رہا تھا۔''(2) کیونکہ اس نے ہی سب سے پہلے غیر اللہ کے نام پر جانور چھوڑنے کی رسم کی ابتداء کی تھی۔ یہ شخص بنوخزاعہ کے بادشاہوں میں سے ایک تھا۔ اسی نے سب سے پہلے ان کاموں کی ابتدا کی تھی جو زمانہ جاہلیت میں عربوں میں مروج تھے۔ اسی نے قریش کو بتوں کی عبادت پر ابھارا۔ لعنه الله و قبحه۔ اسی لئے فرمایا: وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ یعنی اگر یہ بات طے شدہ نہ ہوتی کہ گناہ گاروں کو قیامت کے دن تک ڈھیل دی جائے گی تو انہیں جلد ہی عذاب میں دھر لیا جاتا۔

عَذَابٌ اَلِيْمٌ شدید، دردناک عذاب ہے جہنم میں اور برا ٹھکانہ ہے۔

تَرَى الظّٰلِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ...... قیامت کے روز وہ لرزاں ترساں ہوں گے۔

وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمْ جس سے وہ ڈرتے ہیں لامحالہ ان پر واقع ہونے والا ہے۔ قیامت کے دن ان کا یہ حال ہوگا وہ شدید خوف اور ڈر کی حالت میں ہوں گے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ...... کہاں یہ اور کہاں وہ؟ یعنی وہ لوگ جو روز حشر ذلت و رسوائی اور واضح خوف میں مبتلا ہوں گے اور وہ لوگ جو جنت کے باغ و بہار میں انواع و اقسام کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کان نے سنا اور نہ ہی کسی دل پر ان کا خیال تک گزرا ہے۔ دونوں آپس میں کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔ حسن بن عرفہ نے ابوطیبہ سے روایت کیا ہے کہ جنتیوں کا ایک گروہ ہوگا۔ اس پر ابر سایہ کئے ہوگا۔ وہ کہے گا بتاؤ میں کیا برساؤں؟ چنانچہ جو کچھ کوئی مانگے گا وہی برسے گا۔ حتیٰ کہ کوئی یہ بھی

1۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 134 نوٹ۔ یہ حدیث سورۂ نور کی آیت: 55 کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ 2۔ یہ حدیث سورۂ مائدہ کی آیت: 103 کی تفسیر میں گزر چکی ہے

کہے گا کہ ہم پر ابھرے سینے والی عورتیں برسائی جائیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح روایت کیا ہے۔

ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ یعنی عظیم کامیابی اور کامل نعمت یہی ہے۔

ذٰلِكَ الَّذِيْ يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ قُلْ لَّاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ؕ وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۲۳﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۚ فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ ؕ وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۴﴾

”یہ وہ چیز ہے جس کی خوشخبری اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کو دیتا ہے جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے۔ آپ فرمایئے میں نہیں مانگتا اس (دعوت حق) پر کوئی معاوضہ بجز قرابت کی محبت کے۔ اور جو شخص کماتا ہے کوئی نیکی ہم دوبالا کر دیں گے اس کے لئے اس میں حسن۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بڑا قدردان ہے۔ کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس نے اللہ پر جھوٹا بہتان باندھا ہے۔ پس اگر اللہ چاہتا تو مہر لگا دیتا آپ کے دل پر۔ اور مٹاتا ہے اللہ تعالیٰ باطل کو اور ثابت کرتا ہے حق کو اپنے ارشادات سے، بیشک وہ جاننے والا ہے جو کچھ سینوں میں ہے“۔

جنت کے باغات کا ذکر فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے فرماتا ہے۔

ذٰلِكَ الَّذِيْ يُبَشِّرُ اللّٰهُ تعالیٰ کی طرف سے انہیں خوشخبری ہے کہ انہیں یہ نعمتیں ضرور حاصل ہوں گی۔

قُلْ لَّاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى اے محمد! ان مشرکین قریش سے فرما دیجئے کہ اس تبلیغ اور خیر خواہی پر تم سے مال و دولت کا طلب گار نہیں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ تم اپنا شرک مجھ سے روک دو اور مجھے چھوڑ دو میں اپنے رب کا پیغام عام کرتا رہوں۔ اگر تم میری مدد نہیں کرتے تو میرے ساتھ قرابت داری کا لحاظ رکھتے ہوئے مجھے تکلیف نہ دو۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر دریافت کی گئی تو سعید بن جبیر نے کہا قربیٰ سے مراد آل محمد ہیں۔ یہ سن کر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تم نے جلدی کی قریش کا کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا جس کے ساتھ آپ ﷺ کی رشتہ داری نہ ہو تو آپ نے فرمایا: تم اس رشتہ داری کا لحاظ رکھو۔ بخاری اس روایت میں منفرد ہیں (1)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت شعبہ، اور اسی طرح عامر شعبی، ضحاک، علی بن ابی طلحہ، عوفی، یوسف بن مہران وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی روایت کیا ہے اور مجاہد، عکرمہ، قتادہ، سدی، ابو مالک اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم وغیرہم سے یہی منقول ہے۔ حافظ ابو القاسم طبرانی نے بروایت سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”میں تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتا مگر تم مجھ سے محبت کرو تمہارے ساتھ میری قرابت داری کی وجہ سے اور قرابت داری کا لحاظ رکھو جو میرے اور تمہارے درمیان ہے۔“ (2) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت مجاہد، ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”میں نے تمہیں واضح نشانیاں اور جو ہدایت دی ہے اس پر تم سے اجر کا طلب گار نہیں سوائے اس کے کہ تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرو اور اس کی اطاعت کے ساتھ اس کا قرب اختیار کرو۔“ (3) قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت بصری سے بھی یہی روایت کیا ہے۔

1۔ فتح الباری تفسیر سورۂ حم عسق: 564 — 2۔ المعجم الکبیر، جلد 11، صفحہ 435 — 3۔ مسند امام احمد، جلد 4 صفحہ 268

گویا یہ دوسرا قول ہوا۔

گویا اِلَّا الۡمَوَدَّةَ فِی الۡقُرۡبٰی کا مطلب یہ ہے کہ تم اطاعت کے ساتھ اعمال صالحہ پر گامزن رہو، یہ چیز تمہیں اللہ تعالیٰ کا قرب عطا فرمائے گی۔ اور تیسرا قول وہ ہے جسے بخاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے سعید بن جبیر سے روایت کیا اس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ تم میرے قرابت داروں سے محبت کرو یعنی ان سے اچھا سلوک کرو اور ان پر احسان کرو۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت ابی دیلم ذکر کیا ہے کہ جب حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ کو گرفتار کر کے لایا گیا اور دمشق پہنچے تو ایک آدمی کھڑا ہوا اور کہنے لگا تعریف اس خدا کی جس نے تمہیں قتل کیا اور تمہیں جڑ سے اکھیڑ کر رکھ دیا اور فتنے کو فرو کیا۔ یہ سن کر حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ نے اسے فرمایا کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا؟ اس نے کہا ہاں۔ فرمایا کیا تو نے آل حم والی سورتیں پڑھی ہیں؟ وہ کہنے لگا واہ میں نے سارا قرآن پڑھا ہے اور حم والی سورتیں نہیں پڑھیں؟ آپ نے فرمایا کیا تم نے یہ آیت نہیں پڑھی قُلۡ لَّاۤ اَسۡـَٔلُکُمۡ عَلَیۡهِ اَجۡرًا اِلَّا الۡمَوَدَّةَ فِی الۡقُرۡبٰی وہ کہنے لگا کیا وہ تم ہو؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ ابواسحٰق سبیعی کا قول ہے کہ میں نے عمرو بن شعیب سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا اس سے مراد قرابت رسول ﷺ ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ نے ان دونوں واقعات کو روایت کیا ہے۔(1) ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت مقسم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انصار نے فخر کے طور پر اسلام میں اپنی خدمات گنواتے ہوئے کہا ہم نے یہ بھی کیا اور یہ کارنامہ بھی انجام دیا۔ اس پر عباس یا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما (راوی کو شک ہے) نے فرمایا: ہم تم سے افضل ہیں۔ یہ بات رسول اللہ ﷺ تک پہنچی تو آپ ان کی مجالس میں تشریف لے گئے اور فرمایا اے گروہ انصار! کیا تم ذلیل نہیں تھے کہ اللہ نے تمہیں میرے سبب عزت عطا فرمائی؟ وہ کہنے لگے ہاں یارسول اللہ ﷺ۔ آپ نے فرمایا: کیا تم گمراہ نہیں تھے کہ اللہ نے تمہیں میرے ساتھ ہدایت عطا فرمائی؟ انہوں نے عرض کی ہاں یارسول اللہ ﷺ۔ آپ نے فرمایا کیا تم مجھے جواب نہیں دو گے؟ وہ کہنے لگے یارسول اللہ ﷺ! ہم کیا کہیں؟ آپ نے فرمایا: کیا تم یوں نہیں کہو گے کہ تمہاری قوم نے تمہیں نکال دیا تو ہم نے آپ کو پناہ دی؟ کیا انہوں نے آپ کی تکذیب نہیں کی کہ ہم نے آپ کی تصدیق کی؟ کیا انہوں نے آپ کو رسوا نہیں کیا کہ ہم نے آپ کی نصرت کی؟ آپ ﷺ اسی طرح فرماتے رہے حتیٰ کہ انصار گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور کہنے لگے: ہمارے پاس جو کچھ مال و منال ہے سب اللہ اور اس کے رسول کا ہے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی(2)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح روایت کیا ہے لیکن اس کی سند میں ضعف ہے۔ صحیحین میں ہے کہ یہ واقعہ غزوۂ حنین کے اموال غنیمت کی تقسیم کے وقت پیش آیا تھا لیکن اس میں آیت کے نزول کا ذکر نہیں۔ اس آیت کو مدنی کہنا بھی محل نظر ہے کیونکہ سورت مکی ہے۔ اس آیت اور اس سیاق کلام میں کچھ اتنی مناسبت بھی نہیں۔ واللہ اعلم(3)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام نے دریافت کیا یارسول اللہ ﷺ! یہ کون لوگ ہیں جن سے محبت کا اللہ نے ہمیں حکم دیا ہے؟ فرمایا فاطمہ اور اس کی اولاد۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ اس میں ایک مبہم آدمی ہے جو معروف نہیں پھر اس کا استاد ایک شیعہ ہے جو کذاب ہے۔ اس کا نام حسین اشقر ہے۔ اس جگہ اس کی روایت مقبول نہیں۔ آیت کو مدنی کہنا بعید ہے بلکہ یہ مکی ہے اور اس وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ابھی ان کی شادی بھی نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ ان کا نکاح غزوۂ بدر کے بعد ہجرت

1۔ ابن جریر، جلد 25 صفحہ 25 2۔ ابن جریر تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 25

3۔ فتح الباری، کتاب المغازی، جلد 8 صفحہ 47، مسلم کتاب الزکاۃ، جلد 2 صفحہ 733 و مابعد، بخاری، جلد 5 صفحہ 200

کے دوسرے سال ہوا۔ اس کی صحیح تفسیر وہی ہے جو حبر امت، ترجمان قرآن حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔ جس طرح کہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ ہم اہل بیت کے ساتھ خیر خواہی اور حسن سلوک کا حکم دینے اور ان کے احترام و تکریم کا انکار نہیں کرتے۔ بلاشبہ وہ پاک ذریت سے ہیں۔ فخر اور حسب و نسب کے اعتبار سے یہ گھرانہ روئے زمین پر سب سے زیادہ معزز ہے۔ بالخصوص جب وہ سنت نبویہ صحیحہ کے پیروکار ہوں۔ جس طرح کہ ان کے اسلاف کی روش تھی جیسے حضرت عباس اور آپ کے صاحبزادگان، حضرت علی اور آپ کے اہل بیت وعترت طاہرہ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غدیر خم(1) کے مقام پر اپنے خطبے میں ارشاد فرمایا تھا: ”میں تم میں دو نفیس (گرانقدر) چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں کتاب اللہ اور میری عترت (خاص الخاص قریبی رشتہ دار) یہ دونوں جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر مجھ سے آ کر مل جائیں“(2)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت عبد اللہ بن حارث حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! قریش آپس میں ایک دوسرے سے خندہ پیشانی سے ملتے ہیں اور جب ہمیں ملتے ہیں تو عجیب و غریب انداز سے ملتے ہیں۔ یہ سن کر نبی کریم ﷺ سخت غصے میں آ گئے اور فرمایا: ”مجھے اس ذات کی قسم، جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کسی آدمی کے دل میں ایمان داخل نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی خاطر تم سے محبت نہ رکھے“(3)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے بروایت عبد اللہ بن حارث، عبد المطلب بن ربیعہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کے پاس داخل ہوئے اور عرض کی: ہم نکلتے ہیں تو قریش آپس میں باتیں کر رہے ہوتے ہیں۔ ہمیں دیکھ کر خاموش ہو جاتے ہیں یہ سن کر رسول اکرم ﷺ کو شدید غصہ آیا حتیٰ کہ آپ کی پیشانی پر بل پڑ گئے(4) پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کسی مسلمان کے دل میں ایمان داخل نہیں ہوگا یہاں تک کہ اللہ اور میری قرابت کی وجہ سے تم سے محبت نہ رکھے(5)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت ابن عمر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے آپ نے فرمایا: حضور کا لحاظ حضور کے اہل بیت میں رکھو(6)۔ صحیح میں ہی ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اللہ کی قسم رسول اللہ ﷺ کے قرابت داروں سے حسن سلوک مجھے اپنے قرابت داروں کے سلوک سے پیارا ہے(7)۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اللہ کی قسم! آپ کا اسلام لانا مجھے اپنے والد خطاب کے اسلام سے بھی زیادہ اچھا لگا اگر وہ اسلام لاتے کیونکہ رسول اکرم ﷺ کو آپ کا اسلام خطاب کے اسلام سے زیادہ پسند تھا۔ ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ اس کا موقف شیخین رضی اللہ عنہما کے موقف کی طرح ہی ہو۔ اسی لئے وہ دونوں انبیاء و مرسلین کے بعد تمام مؤمنین سے افضل قرار پاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اور تمام صحابہ کو اپنی رضامندی میں لے لیں رضی اللہ عنهما، وعن سائر الصحابة أجمعين۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے یزید بن حیان سے روایت کیا ہے کہ میں، حصین بن میسرہ اور عمر بن مسلم، زید بن ارقم رضی اللہ عنہما کے پاس حاضر ہوئے، جب

1۔ غدیر: جھیل، تالاب (کیونکہ اسکا پانی فریب دیتا ہے اکثر اوقات ضرورت کے وقت خشک ہو جاتا ہے۔ اس لئے اسے یہ نام دیا گیا۔

2۔ مسلم کتاب الفضائل، جلد 4 صفحہ 1873، مسند احمد، جلد 3 صفحہ 14، نسائی، سنن کبریٰ بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 3 صفحہ 203

3۔ مسند امام احمد، جلد 1 صفحہ 207

4۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے دونوں ابرو کے بیچ میں ایک رگ تھی جو غصہ کے وقت پھول جاتی تھی (اس میں خون بھر جاتا جیسے چھاتی میں دودھ بھر جاتا ہے)

5۔ مسند امام احمد، جلد 1 صفحہ 207-208

6۔ بخاری، جلد 5 صفحہ 26 فتح الباری، کتاب فضائل صحابہ، جلد 7 صفحہ 78

7۔ بخاری، جلد 5 صفحہ 5، مسلم 5 صفحہ 155، فتح الباری، کتاب فضائل، جلد 7 صفحہ 78

ہم آپ کے پاس بیٹھے تو حصین نے فرمایا: اے زید! آپ نے تو بڑی خیر و برکت حاصل کی۔ آپ نے رسول اکرم ﷺ کا دیدار کیا، آپ سے احادیث سنیں، آپ کے ساتھ غزوات میں شرکت فرمائی اور آپ ﷺ کے ساتھ نماز ادا فرمائی اے زید! فی الحقیقت آپ نے تو بہت بڑی خیر و برکت کا مشاہدہ فرمایا۔ لہٰذا آپ ﷺ سے سنی ہوئی کوئی حدیث ہمیں بھی سنایئے۔ تو حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے بھتیجے میری عمر زیادہ ہوگئی ہے اور سرکار کو اس دنیا سے رخصت ہوئے کافی عرصہ گزر چکا ہے۔ آپ ﷺ سے یاد کی ہوئی بعض اشیاء اب میرے ذہن میں مستحضر (محفوظ) بھی نہیں رہیں۔ لہٰذا جو کچھ میں تمہیں بیان کروں اسے قبول کرو اور جو نہ ذکر کروں مجھے اس کی تکلیف نہ دو۔ پھر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے یوں بیان فرمایا: مکہ اور مدینہ کے درمیان مقام خم کے تالاب پر ایک دن آپ ﷺ نے ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا، اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء فرمائی، وعظ و نصیحت کے بعد فرمایا: ''اَمابعد! اے لوگو! میں ایک بشر ہوں۔ قریب ہے کہ میرے پاس میرے رب کا قاصد آئے اور میں اس کی بات مان لوں۔ بلاشبہ میں تمہارے درمیان دو قیمتی ترین چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ ان میں سے پہلی کتاب اللہ ہے۔ اس میں ہدایت اور نور ہے۔ پس کتاب اللہ کو مضبوطی سے پکڑو اور اسی پر جمے رہو۔'' چنانچہ کتاب اللہ پر ابھارا اور اس میں ترغیب دلائی اور پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اور میرے اہل بیت۔ میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی یاد دلاتا ہوں۔ میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تمہیں اللہ کی یاد دلاتا ہوں۔'' حصین نے کہا۔ اے زید آپ کے اہل بیت کون ہیں؟ کیا آپ کی عورتیں آپ کے اہل بیت نہیں ہیں؟ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا آپ کی ازواج مطہرات آپ کے اہل بیت ہیں۔ لیکن آپ کے اہل بیت وہ ہیں جن پر آپ کے بعد صدقہ حرام ہے۔ پوچھا وہ کون ہیں؟ فرمایا: وہ آل علی، آل جعفر، آل عقیل اور آل عباس رضی اللہ عنہم ہیں۔ پوچھا: کیا ان سب پر صدقہ حرام ہے؟(1) فرمایا ہاں۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے فضائل میں اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح روایت کیا ہے(2)۔ ابوعیسیٰ ترمذی نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میں تم میں وہ چیز چھوڑے جا رہا ہوں۔ اگر تم اسے مضبوطی سے تھامے رہو گے تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔ ان میں سے ایک دوسری سے زیادہ عظمت والی ہے۔ کتاب اللہ، اللہ کی رسی ہے جو آسمان سے زمین کی طرف لٹکائی گئی ہے۔ اور دوسری چیز میرے اہل بیت میری عترت ہے اور یہ دونوں ہرگز جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر مجھ سے ملاقات کریں گے۔ تم غور کرو میرے بعد تم کس طرح ان میں میری نیابت کرتے ہو۔''(3) ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن غریب قرار دیا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو یوم عرفۃ کو دوران حج دیکھا۔ آپ اپنی اونٹنی قصواء پر سوار ہو کر خطبہ دے رہے تھے۔ میں نے آپ کو ارشاد فرماتے سنا: ''اے لوگو میں تم میں وہ چیز چھوڑے جا رہا ہوں اگر تم اسے مضبوطی سے تھام لو گے تو گمراہ نہ ہوگے کتاب اللہ اور میری عترت میرے اہل بیت۔'' ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اس روایت میں منفرد ہیں اور اسے حسن غریب قرار دیا ہے(4)۔ اسی باب میں ابوذر، ابوسعید، زید بن ارقم اور حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہم سے مرویات بھی مذکور ہیں۔

ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ہی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ سے محبت رکھو اس کی نعمتوں کا لحاظ رکھتے ہوئے مجھ سے محبت کرو اللہ کی محبت کی خاطر اور میرے اہل بیت سے محبت کرو میری وجہ سے''۔

1۔ مسند امام احمد، جلد 4 صفحہ 367-366 2۔ مسلم، جلد 6 صفحہ 411 نوٹ: مسلم کی روایت سورۂ احزاب کی آیت 33 کی تفسیر میں گزر چکی ہے

3۔ تحفۃ الاحوذی، جلد 10 صفحہ 289، عارضۃ الاحوذی، ابواب المناقب، جلد 13 صفحہ 201-199

4۔ تحفۃ الاحوذی، جلد 10 صفحہ 287، ترمذی، عارضۃ الاحوذی، ابواب المناقب، جلد 3 صفحہ 201-199

ترمذی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ ہم اسے صرف اسی سند سے جانتے ہیں(1)۔ اس مضمون کی دیگر احادیث ہم نے آیت کریمہ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا(2) کے تحت ذکر کی ہیں ان کے اعادے کی یہاں ضرورت نہیں۔ واللہ الحمد و المنّۃ۔

حافظ ابویعلی نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرماتے سنا وہ بیت اللہ شریف کے دروازے کا کنڈا تھامے کھڑے تھے اور فرما رہے تھے: اے لوگو! جو مجھے جانتے ہیں وہ تو مجھے پہچانتے ہی ہیں اور جو نہیں جانتا وہ یہ جان لے میں ابوذر رہوں میں نے رسول اکرم ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا: ''میرے اہل بیت کی مثال تم میں اس طرح ہے جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جو اس میں سوار ہو گیا نجات پا گیا اور جو پیچھے رہ گیا ہلاک ہو گیا۔'' یہ حدیث اس سند سے ضعیف ہے۔

قولہ عزوجل وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا یعنی جو نیکی کرتا ہے ہم اس کے اجر و ثواب میں اضافہ کر دیتے ہیں۔ جیسے ایک دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَ اِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَ يُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا (نساء:40) ''بے شک اللہ تعالیٰ ظلم نہیں کرتا ذرہ برابر بھی۔ (بلکہ) اگر ہو معمولی سی نیکی تو دوگنا کر دیتا ہے اسے اور دیتا ہے اپنے پاس سے اجر عظیم''۔ بعض سلف کا قول ہے کہ نیکی کا ثواب اس کے بعد نیکی ہے اور برائی کی جزا اس کے بعد برائی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ بہت سی برائیوں کو معاف کر دیتا ہے اور قلیل نیکیوں میں اضافہ کر دیتا ہے۔ پردہ پوشی کرتا ہے، گناہوں کو بخشنے والا ہے اور اجر میں کئی گنا اضافہ کر دیتا ہے۔ پس وہ قدردان ہے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا...... یعنی اگر تو نے اللہ پر افتراء پردازی کی جس طرح ان جہلاء کا خیال ہے۔

يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ تو آپ کے دل پر مہر لگا دی جائے گی اور قرآن میں سے جو کچھ اترا ہے اسے سلب کر لیا جائے گا، جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ لَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۙ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۙ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۖ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ (الحاقۃ:47-44) ''اگر وہ خود گھڑ کر بعض باتیں ہماری طرف منسوب کرتا، تو ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے۔ پھر ہم کاٹ دیتے اس کی رگِ دل۔ پھر تم میں سے کوئی بھی (ہمیں) اس سے روکنے والا نہ ہوتا''۔ ہم اس سے شدید انتقام لیتے اور لوگوں میں سے کوئی بھی انہیں اس سزا سے بچا نہ سکتا۔

وَ يَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ اس کا عطف (يَخْتِمْ) پر نہیں ہے کہ اسے جزم دی جائے بلکہ جملہ مستانفہ ہونے کی وجہ سے یہ مرفوع ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے یہی کہا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ واؤ کا یہاں سے حذف کرنا مصحف امام کے رسم الخط کی اتباع میں ہے جس طرح ان آیات میں واؤ لکھنے میں نہیں آتی: سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ (علق:18) ''ہم بھی جہنم کے فرشتوں کو بلائیں گے)۔ وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ(3) ''اور دعا مانگا کرتا ہے انسان برائی کے لئے جیسے دعا مانگا کرتا ہے بھلائی کے لئے''۔

آیت کریمہ: وَ يُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ کا عطف وَ يَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ پر ہے۔ یعنی اسے ثابت کرتا ہے اور اپنے دلائل و براہین کے ساتھ اسے واضح اور بین کر دیتا ہے۔

اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ جو چیز دلوں میں پوشیدہ اور سینوں میں پنہاں ہے اس سے خوب آگاہ ہے۔

1۔ تحفۃ الاحوذی، جلد 10 صفحہ 292 2۔ دیکھئے تفسیر سورۃ احزاب آیت: 33 3۔ اسراء: 11 تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 27

وَ هُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَ یَعْفُوْا عَنِ السَّیِّاٰتِ وَ یَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَ یَسْتَجِیْبُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ یَزِیْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ الْكٰفِرُوْنَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ﴿۲۶﴾ وَ لَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِی الْاَرْضِ وَ لٰكِنْ یُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا یَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِیْرٌۢ بَصِیْرٌ ﴿۲۷﴾ وَ هُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَ یَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ؕ وَ هُوَ الْوَلِیُّ الْحَمِیْدُ ﴿۲۸﴾

''اور وہی ہے جو توبہ قبول کرتا ہے اپنے بندوں کی اور درگزر کرتا ہے ان کی غلطیوں سے اور جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔ اور وہی قبول کرتا ہے دعائیں ان لوگوں کی جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے اور (ان کے حق سے بھی) انہیں زیادہ (اجر) دیتا ہے اپنی مہربانی سے۔ اور کفار، ان کے لئے سخت عذاب ہے۔ اور اگر کشادہ کر دیتا اللہ تعالیٰ رزق کو اپنے (تمام) بندوں کے لئے تو وہ سرکشی کرنے لگتے زمین میں، لیکن وہ اتارتا ہے ایک اندازے سے جتنا چاہتا ہے۔ بیشک وہ اپنے بندوں (کے احوال) سے خوب آگاہ ہے، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔ اور وہی ہے جو برساتا ہے مینہ اس کے بعد کہ لوگ مایوس ہو چکے ہوتے ہیں اور پھیلا دیتا ہے اپنی رحمت کو اور وہی کارساز حقیقی (اور) سب تعریفوں کے لائق ہے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اظہار احسان فرماتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ جب وہ توبہ کریں اور اس کی طرف رجوع کریں تو وہ اپنے حلم و کرم سے ان کی توبہ قبول فرماتا ہے اور عفو و کرم سے گناہوں کی پردہ پوشی کرتا ہے۔ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: وَمَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ یَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ یَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا (نساء:110) ''اور جو شخص کر بیٹھے برا کام یا ظلم کرے اپنے آپ پر پھر مغفرت مانگے اللہ تعالیٰ سے تو پائے گا اللہ تعالیٰ کو بڑا بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا''۔ صحیح مسلم میں مذکور ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اپنے چچا سے راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے کی توبہ پر اس آدمی سے بھی زیادہ خوشی ہوتی ہے جس کی اونٹنی بیابان میں ہو اور اس سے چھوٹ گئی ہو۔ اسی پر اس کا کھانے پینے کا سامان ہو۔ وہ اس کی تلاش سے مایوس ہو کر ایک درخت کے سائے میں لیٹ چکا ہو۔ اس دوران کیا دیکھتا ہے کہ اس کی اونٹنی یکا یک اس کے سامنے کھڑی ہے۔ وہ اس کی لگام پکڑ لیتا ہے اور شدت خوشی سے پکار اٹھتا ہے۔ اے اللہ! تو میرا بندہ اور میں تیرا رب ہوں...... شادی مرگ کی کیفیت کی وجہ سے اس سے یہ غلطی ہوتی ہے۔ صحیح میں ہی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اسی طرح مروی ہے (1)۔

عبدالرزاق نے زہری رحمہما اللہ تعالیٰ سے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ کو اپنے بندے کی توبہ پر اس شخص سے بھی زیادہ خوشی ہوتی ہے جو اپنی گم شدہ سواری کو ایسی جگہ پالیتا ہے جہاں اسے یہ خدشہ ہو کہ پیاس کی شدت اسے ہلاک کر دے گی'' (2)۔ ہمام بن حارث کا قول ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جو کسی عورت سے بدکاری میں مبتلا ہوتا ہے پھر اس سے نکاح کر لیتا ہے؟ فرمایا: اس نکاح میں کوئی حرج نہیں اور پھر یہی آیت پڑھی وَهُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ...... ابن جریر اور ابن ابی حاتم رحمہما اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری سند سے یہی واقعہ روایت کیا ہے (3)۔

---

1 مسلم، کتاب التوبہ، جلد 4 صفحہ 2102-2105 2 ایضاً 3 تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 28

وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ مستقبل میں توبہ قبول فرماتا ہے اور ماضی کے (گذشتہ) گناہوں کو بخش دیتا ہے۔

وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ تمہارے ہر قول، فعل اور عمل کا اسے علم ہے۔ اس کے باوجود توبہ کرنے والے کی توبہ قبول فرما لیتا ہے۔

قولہ تعالیٰ وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ان کی دعا کو قبول فرماتا ہے۔ اسی طرح ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ان کی دعا قبول کر لیتا ہے خواہ اپنے لئے ہو یا اپنے ساتھیوں اور بھائیوں کے لئے۔ اور بعض نحویوں نے یہی نقل کیا ہے اور اسے اس آیت کے مشابہ قرار دیا ہے: فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ (آل عمران: 195) ''تو قبول فرمالی ان کی التجا ان کے پروردگار نے''۔ پھر ابن جریر اور ابن ابی حاتم رحمہما اللہ تعالیٰ نے سلمہ بن سبرۃ کا قول نقل کیا ہے: شام میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا تم مؤمنین اور تم ہی جنتی ہو۔ اللہ کی قسم! میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان فارسیوں اور رومیوں کو بھی جنت میں داخل فرمائے گا جنہیں تم قید کر کے لاتے ہو کیونکہ ان میں سے کوئی جب تمہارا کام کر دیتا ہے تو تم کہتے ہو: أحسنت رحمك الله أحسنت بارك الله فيك ''تم نے اچھا کام کیا اللہ تم پر رحم فرمائے، تو نے اچھا کام کیا اللہ تمہیں برکت دے''۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ...... (1)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ہی بعض عربی دانوں سے نقل کیا ہے کہ اس نے الذين يستمعون القول کی تفسیر یوں نقل کی ہے وہ حق کو قبول کرتے ہیں اور اس کی اتباع کرتے ہیں۔ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ؔ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ (2) ''صرف وہی قبول کرتے ہیں جو سنتے ہیں اور ان مردہ (دلوں) کو اٹھائے گا اللہ تعالیٰ''۔ اور پہلا معنی زیادہ ظاہر ہے۔

وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ اس کے علاوہ ان کی دعا قبول فرماتا ہے۔ اسی لئے ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''شفاعت اس کے لئے ہے جس کے لئے دوزخ واجب ہو چکی ہو۔ ان کی طرف سے جن کے ساتھ اس نے دنیا میں نیکی کی ہو''۔

قتادہ نے ابراہیم نخعی (3) رحمہما اللہ تعالیٰ سے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ وہ اپنے بھائیوں کی سفارش کریں گے۔ اپنی مہربانی سے انہیں زیادہ اجر دینے سے مراد یہ ہے کہ انہیں بھائیوں کے بھائیوں کی شفاعت کی بھی اجازت ہو جائے گی (4)۔

وَالْكٰفِرُوْنَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ جب مؤمنین اور ان کے لئے ثواب عظیم کا ذکر ہو چکا تو کفار کا ذکر فرمایا اور روز قیامت انہیں جو شدید، دردناک عذاب ہوگا۔

وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ...... اگر اللہ تعالیٰ بندوں کو ان کی ضرورت سے زائد رزق عطا فرماتا تو یہ چیز انہیں ایک دوسرے کے خلاف سرکشی اور خرمستی پر ابھارتی۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ بہترین زندگی وہی ہے جو تجھے لہو ولعب کی غفلت میں نہ ڈالے اور سرکش بھی نہ بنا دے (5)۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں ایک حدیث ذکر کی ہے: ''مجھے تم پر سب سے زیادہ دنیوی نمود و نمائش کا خدشہ ہے۔'' اور سائل کا پوچھنا کیا مال و دولت شر کا باعث ہے۔...... الحدیث (6)۔

وَلٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ...... انہیں اسی قدر رزق دیتا ہے جس میں اس کی بہتری ہے۔ وہ اس سے خوب واقف ہے۔ جو تونگری

1۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 29 2۔ الانعام: 36 تفسیر طبری ایضاً مرجع مذکور 3۔ ایک نسخہ میں ابراہیم نخعی کے الفاظ آئے ہیں

4۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 29 5۔ ایضاً مرجع مذکور 6۔ ایضاً مرجع مذکور

کا حقدار ہے اسے غنی کر دیتا ہے اور جو فقر کا حقدار ہے اسے فقیر کر دیتا ہے۔ جس طرح کہ ایک حدیث میں مروی ہے: "بلاشبہ میرے بعض بندے ایسے ہیں جن کے لئے صرف مالداری ہی مناسب ہے اگر میں اسے فقیر بنا دوں تو اس کے دین کو فساد میں ڈال دوں اور بلاشبہ میرے کچھ بندے ایسے بھی ہیں جن کے لئے تنگدستی ہی مناسب ہے اگر میں انہیں غنی کر دوں تو وہ اپنے دین کے معاملے میں خرابی میں پڑ جائیں" (1)۔

قولہ تعالیٰ وَهُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ...... لوگوں کے بارش سے مایوس ہونے کے بعد ان کی احتیاج اور ضرورت کے مطابق بارش نازل فرماتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّنَزَّلَ عَلَیْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِیْنَ (روم: 49) "اگرچہ وہ بندے اس سے پہلے کہ ان پر بارش ہوتی مایوس ہو چکے تھے"۔

قولہ جل وعلا وَ یَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ پھر اس کی رحمت اس علاقے پر ہر طرف پھیل جاتی ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: ہمارے سامنے ذکر کیا گیا ہے کہ ایک آدمی نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے عرض کی اے امیر المومنین بارش کم ہو گئی ہے اور لوگ مایوس ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جاؤ اب بارش ہو گی۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی: وَهُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ الْغَیْثَ...... (2)۔

وَهُوَ الْوَلِیُّ الْحَمِیْدُ وہ ولی حمید ہے یعنی اپنی مخلوق کے لئے اس طرح تصرف کرنے والا ہے جس میں ان کی دنیا اور آخرت کا فائدہ ہو۔ اس کے تمام تصرفات قابل ستائش ہیں۔

وَ مِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَثَّ فِیْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ؕ وَ هُوَ عَلٰی جَمْعِهِمْ اِذَا یَشَآءُ قَدِیْرٌ ﴿۲۹﴾ وَ مَاۤ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَیْدِیْكُمْ وَ یَعْفُوْا عَنْ كَثِیْرٍ ﴿۳۰﴾ وَ مَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ ۚۖ وَ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا نَصِیْرٍ ﴿۳۱﴾

"اور اس کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی تخلیق ہے اور جو جاندار اس نے پھیلا دیئے ہیں آسمان و زمین میں۔ اور وہ جب چاہے ان کو جمع کرنے پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ اور جو مصیبت تمہیں پہنچی ہے تمہارے ہاتھوں کی کمائی کے سبب پہنچی ہے اور وہ (کریم) درگزر فرما دیتا ہے (تمہارے) بہت سے کرتوتوں سے۔ اور تم عاجز نہیں کر سکتے (اللہ تعالیٰ کو) زمین میں۔ اور نہ تمہارا اللہ کے سوا کوئی دوست ہے اور نہ کوئی مددگار"۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس کی عظمت، عظیم قدرت اور سلطنت کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ زمین و آسمان اور ان کے مابین ساری مخلوق اسی کی پیدا کردہ ہے۔

مِنْ دَآبَّةٍ یہ ملائکہ، جن و انس، حیوانات ان کی مختلف شکلوں، رنگوں، زبانوں، طبیعتوں، اجناس اور انواع سب کو شامل ہے۔ انہیں زمین اور آسمانوں کے مختلف علاقوں اور جہتوں میں پھیلا رکھا ہے۔

وَهُوَ عَلٰی جَمْعِهِمْ اِذَا یَشَآءُ قَدِیْرٌ لیکن اس کے باوجود وہ جب چاہے انہیں جمع کرنے پر قادر ہے۔ یعنی قیامت کے دن اولین و آخرین اور ساری مخلوقات کو ایک جگہ جمع فرمائے گا۔ وہ داعی کی باتوں کو سن سکتے ہوں گے (یعنی وہ ایسے موقع پر ہوں گے کہ اگر ان کو کوئی بلائے تو

1۔ یہ حدیث سورۂ بنی اسرائیل آیت: 30 کے ضمن میں گزر چکی ہے

2۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 31

اس کی آواز سن لیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی آواز سنائے گا) اور اللہ تعالیٰ کی نگاہ ان سب پر حاوی ہوگی چنانچہ وہ ان میں اپنے عدل حقیقی کے ساتھ فیصلے فرمائے گا۔ (بعض نے کہا ہے کہ دیکھنے والے کی نگاہ سب پر دوڑ جائے گی)۔

قولہ عز وجل وَمَآ اَصَابَكُمۡ مِّنۡ مُّصِيۡبَةٍ...... یعنی اے لوگو تمہیں جو تکلیف پہنچتی ہے یہ تمہارے اپنے سابقہ گناہوں کا ثمر ہے۔ وَيَعۡفُوۡا عَنۡ كَثِيۡرٍ وہ بہت سی برائیاں معاف بھی فرما دیتا ہے۔ چنانچہ ان پر تمہیں کوئی سزا نہیں دے گا بلکہ چشم پوشی فرمائے گا: وَلَوۡ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوۡا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهۡرِهَا مِنۡ دَآبَّةٍ (فاطر: 45) ''اور اگر اللہ تعالیٰ (فوراً) پکڑ لیا کرتا لوگوں کو ان کے کرتوتوں کے باعث تو نہ (زندہ) چھوڑتا زمین کی پشت پر کسی جاندار کو''۔ صحیح حدیث میں ہے: ''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے مومن کو کوئی تکلیف، بیماری اور غم و اندوہ نہیں پہنچتا مگر اللہ تعالیٰ اسے اس کی خطاؤں کا کفارہ بنا دیتا ہے حتیٰ کہ وہ کانٹا جو اسے چبھتا ہے'' (1)۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ایوب سے روایت کیا ہے کہ میں نے ابو قلابہ کی کتاب میں پڑھا جب آیت کریمہ ''فَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ خَيۡرًا يَّرَهٗ ۞ وَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ (الزلزال: 8-7)'' پس جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔ اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ (بھی) اسے دیکھ لے گا''۔ نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کھانا تناول فرما رہے تھے۔ آپ نے ہاتھ کھینچ لیا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! کیا ہم اپنے اچھے برے اعمال کو دیکھیں گے؟ فرمایا: ''دیکھو اس دنیا میں جو تم چھوٹی بڑی مشکلات دیکھتے ہو یہ تمہاری خطاؤں کا بدلہ ہیں اور تمہاری نیکیاں خدا کے ہاں محفوظ ہیں حتیٰ کہ روز قیامت تمہارے حوالے کی جائیں گی''۔

ابو ادریس کا قول ہے کہ میں اس کا مصداق کتاب اللہ کی اس آیت میں دیکھ رہا ہوں وَمَآ اَصَابَكُمۡ مِّنۡ مُّصِيۡبَةٍ...... ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ایک اور سند سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے اور پہلی زیادہ صحیح ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''میں تمہیں کتاب اللہ کی افضل ترین آیت نہ بتا دوں جو ہمیں رسول اللہ ﷺ نے بتائی تھی۔ آپ ﷺ نے یہ آیت کریمہ: وَمَآ اَصَابَكُمۡ مِّنۡ مُّصِيۡبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتۡ...... تلاوت فرمائی اور ارشاد فرمایا اے علی میں تمہیں اس کی تفسیر بتاتا ہوں۔ تمہیں جو بیماری، سختی یا بلاء و آفت دنیا میں پہنچتی ہے وہ سب تمہارے اعمال کا بدلہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حلم اس سے بہت زیادہ ہے کہ دوبارہ آخرت میں بھی اس پر سزا دے اور دنیا میں اللہ تعالیٰ جو معاف فرما دیتا ہے تو اس کے کرم سے یہ بالکل بعید ہے کہ عفو و درگزر کے بعد پھر ان پر مؤاخذہ کرے۔'' امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اسی طرح مرفوعاً روایت کیا ہے (2)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ایک اور سند سے موقوفاً روایت کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔ ابو جحیفہ سے مروی ہے کہ میں حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا۔ تو آپ نے فرمایا: میں تمہیں ایک ایسی حدیث نہ سناؤں جسے ہر مؤمن کو یاد کر لینا چاہئے؟ فرماتے ہیں ہم نے دریافت کیا تو آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: وَمَآ اَصَابَكُمۡ مِّنۡ مُّصِيۡبَةٍ...... فرمایا: اللہ تعالیٰ جس چیز کے بدلے دنیا میں سزا دے دیتا ہے تو اس کا حلم اس بات سے مانع ہے کہ اس پر دوبارہ قیامت کے دن سزا دے اور جس چیز کو اللہ دنیا میں معاف کر دے وہ اتنا کریم ہے کہ یہ ممکن نہیں کہ روزِ قیامت اپنی معافی کو واپس لے لے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا: ''مومن کو جو جسمانی تکلیف پہنچتی ہے اللہ تعالیٰ اسے اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے'' (3)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ہی بروایت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

1۔ یہ حدیث سورۂ نساء آیت: 123 کے ضمن میں گزر چکی ہے　　2۔ مسند امام احمد، جلد 1 صفحہ 85　　3۔ مسند امام احمد، جلد 4 صفحہ 98

ارشاد فرمایا: ''جب بندے کے گناہ زیادہ ہو جاتے ہیں اور کفارے کے لئے اس کے پاس کوئی چیز نہیں ہوتی تو اللہ تعالیٰ اُسے رنج وغم میں مبتلا کر دیتا ہے تاکہ یہی اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے'' (1)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن بصری سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اس ذات کی قسم! جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے لکڑی سے جسم کا چھل جانا، رگ کا پھڑکنا اور پاؤں پھسلنا نہیں ہے مگر کسی گناہ کے سبب اور خدا تعالیٰ جن گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے، ان کی تعداد تو بہت زیادہ ہے۔'' ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ہی حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ کے ساتھی آپ کے پاس گئے۔ آپ کے جسم میں تکلیف تھی۔ کسی نے کہا ہم آپ کی تکلیف کو دیکھ کر صدمے سے دوچار ہیں۔ فرمایا: ایسا نہ کرو آپ جو آزمائش دیکھ رہے ہیں یہ گناہوں کے سبب ہے اور جو اللہ تعالیٰ معاف کرتا ہے، ان کی تعداد تو اس سے بھی زیادہ ہے۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی: وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ......۔

ابوالبلاد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے میں نے علاء بن بدر سے کہا کہ قرآن میں تو یہ آیت ہے اور میری بینائی چلی بھی گئی ہے حالانکہ میں تو ابھی بچہ ہوں؟ آپ نے فرمایا: یہ تیرے والدین کے گناہوں کا بدلہ ہے۔ حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے: ہم کسی کو نہیں جانتے کہ قرآن یاد کر کے بھول گیا ہو مگر کسی گناہ کے سبب۔ پھر یہی آیت تلاوت فرمائی۔ پھر ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے قرآن یاد کر کے بھول جانے سے بڑی مصیبت اور کیا ہوگی (2)۔

وَ مِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿۳۲﴾ اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۳﴾ اَوْ يُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا وَ يَعْفُ عَنْ كَثِيْرٍ ﴿۳۴﴾ وَّ يَعْلَمَ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْۤ اٰيٰتِنَا ؕ مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿۳۵﴾

''اور اس کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے وہ سمندر میں تیرنے والے جہاز ہیں جو پہاڑوں کی مانند ہیں۔ اور اگر وہ چاہے تو ہوا کو ساکن کر دے پس وہ رکے رہیں سمندر کی پشت پر۔ بے شک اس میں اس کی قدرت کی نشانیاں ہیں ہر کمال درجہ صبر کرنے والے شکر کرنے والے کے لئے۔ یا (اگر وہ چاہے تو) تباہ کر دے انہیں لوگوں کے اعمال بد کی وجہ سے اور وہ درگزر فرما دیا کرتا ہے بہت سے گناہوں سے۔ اور (اس وقت) جان لیں گے جو جھگڑا کرتے رہتے ہیں ہماری آیتوں میں۔ کہ ان کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس کی قدرت باہرہ اور سلطنت کی دلیل سمندروں کو مسخر کر لینا ہے تاکہ اس کے حکم سے ان میں کشتیاں چلیں۔ یہ کشتیاں سمندر میں ایسے معلوم ہوتی ہیں جیسے پہاڑ۔ مجاہد، حسن، سدی اور ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہی قول ہے یعنی یہ سمندر میں اسی طرح جیسے خشکی پر پہاڑ۔

اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ یعنی جو سمندر میں کشتیوں کو چلاتی ہے۔ اگر چاہے تو اسے ٹھہرا دے حتیٰ کہ کشتیاں پانی کی سطح پر رک کر کھڑی کی کھڑی رہ جائیں اور حرکت نہ کر سکیں۔

صَبَّارٍ یعنی سختیوں میں۔

1۔ مسند امام احمد، جلد 6 صفحہ 157　　2۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 355

شَكُوْرٍ یعنی سمندر کے مسخر کرنے اور بقدر ضرورت ہوا کے چلانے میں مخلوق پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ہر اس شخص کیلئے علامات ہیں جو مشکلات میں صبر کرتا ہے اور خوشحالی میں شکر گزار رہوتا ہے۔

شَكُوْرٍ فراخی میں شکر ادا کرنے والا ہے۔

اَوْ يُوْبِقْهُنَّ......یعنی اگر چاہے تو کشتی اس کے سواروں کے گناہوں کے سبب غرق آب کر دے۔

وَيَعْفُ عَنْ كَثِيْرٍ بہت سے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ اگر ان کے تمام گناہوں کا مؤاخذہ فرمانے لگے تو سمندر کا ہر راکب ہلاک ہو جائے۔ بعض علماء تفسیر نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اگر چاہے تو ہوا کو سرکش و تند و تیز بنا کر بھیج دے۔ وہ کشتیوں پر مسلط ہو جائے اور ان کے اصلی راستے سے ہٹا دے۔ یا دائیں بائیں طرف پھیر دے۔ نہ تو وہ اپنے راستے پر چل سکیں اور نہ ہی منزل تک پہنچ سکیں۔ یہ قول ان کی تباہی کو اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہے۔ اور یہی پہلے معنی کے مناسب ہے اور وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اگر چاہے تو ہوا کو ہمیشہ کے لئے موقوف کر دے اور وہ جہاز اپنی جگہ رک جائیں یا پھر اسے طوفان بلا خیز بنا دے اور وہ جہاز کو الٹ کر رکھ دے لیکن اس کا لطف و رحمت یہ ہے کہ وہ اسے بقدر ضرورت بھیجتا ہے۔ جس طرح بارش بقدر کفایت برستی ہے اگر بہت زیادہ برسے تو عمارتیں گر جائیں یا کم ہو تو کھیتیاں اور پھل نہ اُگ سکیں۔ حتیٰ کہ وہ ممالک مصر کی طرف سے اسے دوسری سرزمین سے بہا کر لاتا ہے کیونکہ انہیں بارش کی ضرورت نہیں۔ اگر ان کے علاقے پر موسلادھار بارش ہو تو ان کے مکانات اور عمارتیں گر جائیں۔

مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ: أي لا محيد یعنی ہماری سطوت اور انتقام سے بچنے کے لئے انہیں کوئی جائے پناہ نہیں ملے گی۔ وہ ہماری قدرت سے مقہور و مغلوب ہیں۔

فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿٣٦﴾ وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ﴿٣٧﴾ وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۠ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۠ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿٣٨﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿٣٩﴾

''پس جو کچھ تمہیں دیا گیا ہے یہ دنیوی زندگی کا سامان ہے۔ اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہت عمدہ اور باقی رہنے والا ہے ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔ اور جو لوگ بچتے رہتے ہیں بڑے بڑے گناہوں اور بدکاریوں سے اور جب وہ غضب ناک ہوتے ہیں تو وہ معاف کر دیتے ہیں۔ اور جو اپنے رب کا حکم مانتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور ان کے سارے کام باہمی مشورے سے طے ہوتے ہیں اور جو رزق ہم نے انہیں دیا ہے اس سے خرچ کرتے ہیں۔ اور جب ان پر زیادتی کی جاتی ہے تو وہ اس کا (مناسب) بدلہ لیتے ہیں۔''

دنیوی زندگی اس کی زیبائش اور اس میں جو کچھ ٹھاٹھ باٹھ اور فانی نعمتیں ہیں، ان کی تحقیر کا بیان فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ سامان دنیا میں سے جو کچھ بھی تم جمع کر لو اس پر دھوکے میں نہ آ جانا یہ سب کچھ متاع دنیا ہے اور یہ دار دنیا کم ظرف اور بالآخر فنا پذیر ہے۔

وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى اور اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ثواب اس دنیا سے کہیں بہتر ہے۔ وہ لازوال اور سرمدی ہے۔ لہٰذا فانی کو باقی پر ترجیح

نہ دو۔

اسی لئے فرمایا: لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا یعنی ان کے لئے ہے جو دنیوی عیش وعشرت کو ترک کرنے پر صبر کرتے رہے۔

وَعَلٰی رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ یعنی تاکہ واجبات کی ادائیگی اور محرمات سے بچنے اور صبر کرنے میں وہ ان کی اعانت فرمائے۔

پھر فرمایا: وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ...... إثم اور فواحش کی بحث سورۂ اعراف میں گزر چکی ہے(1)۔

هُمْ يَغْفِرُوْنَ ان کی طبیعت لوگوں سے عفو ودرگزر کی متقاضی ہوتی ہے۔ ان کا مزاج انتقامی نہیں ہوتا۔ صحیح میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ذات کے لئے کبھی کسی سے بدلہ نہیں لیا، مگر جب اللہ کی حرام کردہ اشیاء کی بے حرمتی اور بے توقیری ہوتی(2)۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ ہم میں سے کسی کو عتاب کے وقت بھی یوں فرماتے: مالهٗ تَرِبَتْ يَمِيْنُهٗ. ترجمہ: ''اسے کیا ہو گیا ہے اس کا دایاں ہاتھ خاک آلود ہو''(3)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ابراہیم سے روایت کیا ہے کہ مومنین اپنے آپ کو ذلیل و رسوا کرنا پسند نہیں کرتے تھے اور جب قدرت ہوتی تو انتقام نہیں لیتے تھے(4)۔

قولہ عزوجل وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ حتمی فیصلہ سے قبل وہ باہم مشورہ کرتے ہیں تاکہ جنگی اور دیگر معاملات میں ان کی آراء اور صلاحیتوں سے فائدہ اٹھائیں جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ (آل عمران:159) ''اور صلاح مشورہ کیجئے ان سے اس کام میں''۔ اسی لئے آپ ﷺ کا معمول تھا کہ غزوات وغیرہ میں صحابہ کی طیب خاطر کے لئے مشورہ فرمایا کرتے تھے۔ اسی طرح جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو وفات سے قبل زخمی کر دیا گیا تو آپ نے اپنے بعد چھ افراد پر مشتمل ایک مجلس شوریٰ قائم کی۔ یہ حضرات عثمان، علی، طلحہ، الزبیر، سعد اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم تھے۔ چنانچہ سب صحابہ نے باتفاق رائے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کیا۔

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ یعنی مخلوق خدا پر احسان کرتے ہیں اور درجہ بدرجہ قریبی عزیزوں کا خیال رکھتے ہیں۔

قولہ عزوجل وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ...... جو ان پر پیہم زیادتی کرتا ہے اور حد سے گزر جاتا ہے تو ان میں بدلہ لینے کی قوت بھی ہوتی ہے۔ وہ عاجز، بے بس اور ذلیل نہیں ہوتے بلکہ جو ان کے خلاف سرکشی پر اتر آئے اس سے انتقام لینے پر قادر ہوتے ہیں۔ اگرچہ اس قدرت کے باوجود وہ عفو ودرگزر کرتے ہیں۔ جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے فرمایا تھا: لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ (یوسف:92) ''نہیں کوئی گرفت تم پر آج کے دن۔ معاف فرما دے اللہ تعالیٰ تمہارے (قصوروں) کو''۔ حالانکہ آپ ان کے مؤاخذہ کرنے اور ان کی زیادتی کے مطابق سزا دینے پر قادر تھے۔ اور جس طرح آپ ﷺ نے ان اسّی افراد کو معاف فرما دیا تھا جو حدیبیہ کے موقع پر جبل تنعیم کی طرف سے حملہ کے لئے اترے تھے۔ بدلہ لینے کی قدرت کے باوجود آپ نے انہیں معاف فرما دیا۔

اسی طرح آپ ﷺ نے غورث بن حارث کو بھی معاف فرما دیا تھا جس نے اچانک موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ ﷺ کو شہید کرنے کی ناپاک جسارت کی تھی۔ جب آپ ﷺ آرام فرما رہے تھے تو اس نے آپ کی تلوار اچک لی۔ جب آپ کی آنکھ کھلی تو وہ

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ انعام آیت: 151 وسورۂ اعراف آیت: 32

2۔ اخرجہ الشیخان، فتح الباری، کتاب الادب، جلد 10 صفحہ 525-524، مسلم، کتاب الفضائل، جلد 4 صفحہ 1813، بخاری، جلد 8 صفحہ 36

3۔ بخاری، کتاب الادب، جلد 8 صفحہ 15، فتح الباری، جلد 10 صفحہ 452، مسند امام احمد، جلد 3 صفحہ 126-144-158 نوٹ: ایک روایت میں تربت جَبِيْنُهٗ (تیری پیشانی خاک آلود ہو) کے الفاظ آئے ہیں

4۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 357

اسے ہاتھ میں لہرائے کھڑا تھا۔ آپ نے اسے جھڑکا تو اس نے تلوار رکھ دی۔ رسول اکرم ﷺ نے تلوار ہاتھ سے لے لی اور اپنے صحابہ کو آواز دی۔ اور انہیں ساری بات سے آگاہ فرمایا پھر اس آدمی کو معاف فرما دیا(1)۔ اسی طرح لبید بن اعصم نے آپ ﷺ پر جادو کیا تھا۔ قدرت کے باوجود آپ ﷺ نے اس سے کوئی تعرض نہ فرمایا اور اسے کوئی سزا نہ دی۔ اسی طرح آپ ﷺ نے یہودی عورت کو معاف فرما دیا۔ یہ زینب نامی عورت خیبر کے یہودی سردار مرحب کی بیٹی تھی جسے محمود بن سلمہ نے قتل کر دیا تھا۔ اس (نابکار) عورت نے دستی کے گوشت میں زہر ملا کر خیبر کے مقام پر آپ کو پیش کیا تھا(2)۔ اس دستی نے خود ہی آپ ﷺ کو اپنے زہر آلود ہونے کی خبر دے دی۔ آپ ﷺ نے اس عورت کو بلایا تو اس نے اعتراف کر لیا۔ تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''تمہیں اس چیز پر کس نے ابھارا؟'' وہ کہنے لگی میں نے سوچا اگر آپ سچے نبی ہیں تو اس سے آپ کو کوئی گزند نہ پہنچے گا اور اگر آپ اپنے دعویٰ میں جھوٹے ہیں تو ہمیں آپ سے راحت مل جائے گی(3)۔ تو آپ ﷺ نے اسے اقبال جرم کے باوجود معاف فرما دیا لیکن جب اسی زہر خورانی کی وجہ سے حضرت بشر بن براء رضی اللہ عنہ کا وصال ہو گیا تو اسے بھی قتل کرا دیا۔ اس موضوع کی احادیث و آثار بے شمار ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

وَ جَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَ اَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۰﴾ وَ لَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓىِٕكَ مَا عَلَیْهِمْ مِّنْ سَبِیْلٍ ﴿۴۱﴾ اِنَّمَا السَّبِیْلُ عَلَى الَّذِیْنَ یَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَ یَبْغُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ ؕ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۴۲﴾ وَ لَمَنْ صَبَرَ وَ غَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۴۳﴾

''اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے۔ پس جو معاف کر دے اور اصلاح کر دے تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے۔ بے شک وہ ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔ اور جو بدلہ لیتے ہیں اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد پس یہ لوگ ہیں جن پر کوئی ملامت نہیں۔ بے شک ملامت ان پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور فساد برپا کرتے ہیں زمین میں ناحق۔ یہی ہیں جن کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اور جو شخص (ان مظالم پر) صبر کرے اور (طاقت کے باوجود) معاف کر دے تو یقیناً یہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے''۔

قولہ وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ...... اسی مضمون کی ایک اور آیت ہے: فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْكُمْ (بقرہ: 194) ''تو جو تم پر زیادتی کرے تم اس پر زیادتی کر لو (لیکن) اسی قدر جتنی زیادتی اس نے تم پر کی ہو''۔ ایک اور آیت میں ہے: وَ اِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ (النحل: 126) ''اور اگر تم (انہیں) سزا دینا چاہو، تو انہیں سزا دو لیکن اس قدر جتنی تمہیں تکلیف پہنچائی گئی ہے''۔ عدل کو مشروع قرار دیا اور وہ قصاص ہے اور فضل و احسان کو مندوب قرار دیا اور وہ عفو و درگزر کرنا ہے۔ جیسے ارشاد ہوتا ہے: وَ الْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ؕ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ (مائدہ: 45) ''اور زخموں کے لئے قصاص تو جو شخص معاف کر دے بدلہ تو یہ معافی کفارہ بن جائے گی اس کے گناہوں کا''۔

1۔ اخرجہ الشیخان، فتح الباری، کتاب المغازی، جلد 7 صفحہ 429-426، مسلم، کتاب الفضائل، جلد 4 صفحہ 1787-1786، بخاری، جلد 5 صفحہ 47

2۔ آنحضرت سرور عالم دست کا گوشت پسند فرماتے تھے چونکہ وہ بے ریشہ اور مزیدار ہوتا ہے اور جلدی گل جاتا ہے۔

3۔ سنن ابوداؤد، کتاب الدیات، جلد 4 صفحہ 174-173

اسی لئے یہاں فرمایا: فَمَنۡ عَفَا وَ اَصۡلَحَ فَاَجۡرُهٗ عَلَى اللّٰهِ یعنی اللہ کے ہاں اس کا اجر ضائع نہیں ہوگا۔ حدیث شریف میں ہے: معاف کرنے سے اللہ تعالیٰ نہیں بڑھاتا بندے کو مگر اس کی عزت (1)۔

قولہ تعالیٰ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيۡنَ یعنی حد سے تجاوز کرنے والوں کو یعنی برائی کی ابتداء کرنے والا۔

قولہ تعالیٰ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ...... جس پر زیادتی ہوئی ہے ان کے لئے مناسب بدلہ لینے میں کوئی حرج نہیں۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عون سے روایت کیا ہے کہ میں الانتصار کی تفسیر کی جستجو میں تھا کہ مجھے علی بن زید بن جدعان نے بروایت اپنی والدہ اُمّ محمد کے بیان کیا۔ ابن عون کا قول ہے وہ گمان کرتے تھے کہ وہ ام المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جایا کرتی تھیں۔ انہوں نے بیان کیا کہ حضرت ام المؤمنین نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے۔ اس وقت حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ہمارے پاس موجود تھیں۔ آپ ﷺ اپنے ہاتھ سے دل لگی کرنے لگے۔ آپ کو ان کی موجودگی کا علم نہ تھا۔ میں نے ہاتھ سے اشارہ کیا اور آپ کو سمجھانا چاہا تو اسی وقت آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ حضرت زینب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بے تحاشا برا بھلا کہنے لگیں۔ سرکار ﷺ نے ان کو منع فرمایا لیکن انہوں نے خاموش رہنے سے انکار کر دیا۔ تو آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کو جواب دینے کی اجازت دی۔ تھوڑی دیر میں ہی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو لا جواب کر دیا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نکلیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس گئیں اور کہا حضرت عائشہ تمہارے بارے میں یہ یہ باتیں کرتی ہیں اور ایسا ایسا کرتی ہیں۔ یہ سن کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کی بارگاہ میں شکایت لے کر حاضر ہوئیں۔ تو آپ ﷺ نے انہیں فرمایا: ''رب کعبہ کی قسم وہ تیرے باپ کی محبوبہ ہے۔'' وہ یہ سن کر واپس تشریف لے گئیں۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سارا واقعہ کہہ سنایا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ آئے اور آپ ﷺ سے اس موضوع پر بات کی (2)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت اسی طرح ذکر کی ہے۔ علی بن زید بن جدعان اکثر اپنی روایات میں منکرات کا ذکر کرتا ہے۔ یہ روایت بھی منکر ہے۔ صحیح حدیث اس کے برعکس ہے جس طرح کہ نسائی اور ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا مجھے پتہ نہ چلا حتیٰ کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بلا اجازت داخل ہوئیں۔ وہ شدید غصے کی کیفیت میں تھیں اور آپ ﷺ کو کہنے لگیں۔ اگر آپ ابوبکر کی بیٹی کے بازو دیکھیں تو یہی آپ کے لئے کافی ہے (3)۔ پھر میری طرف متوجہ ہوئیں اور لڑنے لگیں تو میں نے رخ پھیر لیا۔ حتیٰ کہ نبی ﷺ نے مجھے بدلہ لینے کی اجازت دی۔ پھر میں نے انہیں جواب دینا شروع کیا حتیٰ کہ کیا دیکھتی ہوں کہ ان کے منہ میں تھوک خشک ہوگئی اور وہ مجھے کوئی جواب نہ دے سکیں۔ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ کا چہرۂ اقدس چمک رہا تھا (4)۔ یہ الفاظ نسائی رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں۔ بزار رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس نے اپنے اوپر ظلم کرنے والے کے لئے بددعا کی، اس نے اپنا بدلہ لے لیا۔'' ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ایک اور سند سے روایت کیا ہے۔ اس کے

1۔ مسلم، کتاب ابر، جلد 4 صفحہ 201، ترمذی، ابواب البر، عارضۃ الاحوذی، جلد 8 صفحہ 184 تحفۃ الاحوذی، جلد 6 صفحہ 177 نوٹ: مزید دیکھئے تفسیر سورۂ نساء آیت: 149 اور سورۂ اسراء آیت: 29

2۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 39

3۔ الذُّرَیۡعَۃ: ذراع کی تصغیر، مراد بازو ہے۔ یعنی ان سے شدت محبت کی وجہ سے کسی اور طرف نہیں دیکھتے۔

4۔ نسائی، کتاب عشرۃ النساء، کتاب التفسیر، سنن کبریٰ بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 12 صفحہ 15-14، ابن ماجہ، کتاب النکاح، جلد 1 صفحہ 637

راوی میں کچھ کلام ہے(1)۔

السَّبِيْلُ: حرج۔

عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ یعنی لوگوں پر ظلم کی ابتدا کرتے ہیں جیسے صحیح حدیث میں آیا ہے۔" ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے والے جو کچھ کہیں دونوں کا بوجھ شروع کرنے والے پر ہے، جب تک مظلوم بدلے کی حد سے آگے نہ نکل جائے"(2)۔

عَذَابٌ اَلِيْمٌ شدید، تکلیف دہ۔ ابوبکر بن اَبی شیبہ نے محمد بن واسع سے روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں میں مکہ جانے لگا۔ تو کیا دیکھتا ہوں کہ خندق پر چوکی بنی ہوئی ہے (ناکہ لگا ہوا ہے)۔ چنانچہ مجھے دھر لیا گیا اور امیر بصرہ مروان بن مہلب کے پاس لایا گیا۔ اس نے مجھ سے پوچھا ابوعبداللہ تم کیا چاہتے ہو؟ میں نے کہا یہی کہ اگر ہو سکے تو تم بنوعدی کے بھائی جیسے بن جاؤ وہ کہنے لگا بنوعدی کا بھائی کون تھا؟ میں نے کہا علاء بن زیاد کہ اپنے ایک دوست کو ایک مرتبہ کسی صیغہ کا عامل بنایا تو اس کی طرف لکھا:

اَمابعد، اگر ہو سکے تو اس طرح ہو جانا کہ تیری کمر بوجھ سے ہلکی رہے، تیرا پیٹ خالی رہے، اور تیرا ہاتھ مسلمانوں کے خون اور مال سے آلودہ نہ ہو اگر تو نے ایسے کیا تو تجھ پر گناہ کی کوئی راہ باقی نہیں رہے گی۔ یہ راہ ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور ناحق زمین میں فساد چاہتے ہیں۔ ان کے لئے سخت عذاب ہے۔ مروان یہ سن کر کہنے لگا بخدا اس نے سچ کہا اور خیر خواہی پر مبنی بات کہی ہے۔ پھر پوچھا ابوعبداللہ تمہاری آرزو کیا ہے؟ میں نے کہا میری آرزو یہ ہے کہ مجھے میرے گھر پہنچا دو۔ اس نے کہا بالکل ٹھیک(3)۔ (رواہ ابن اَبی حاتم) جب اللہ تعالیٰ نے ظلم اور ظالموں کی مذمت کی اور قصاص کو جائز قرار دیا تو عفو و درگزر کو مستحب قرار دیتے ہوئے فرمایا۔

وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ تکلیف اور برائی کی پردہ پوشی پر صبر کیا۔

اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ سعید بن جبیر کا قول ہے کہ یہ ان حقیقی امور سے ہے جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ یعنی امور مشکورہ اور افعال حمیدہ سے جن پر بہت زیادہ ثواب اور عمدہ تعریف ہے۔ ابن اَبی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب تیرے پاس کوئی شخص کسی کی شکایت لے کر آئے تو تو کہہ، اے بھائی! اسے معاف کر دے بے شک معافی تقوی کے زیادہ قریب ہے اور اگر وہ یہ کہے کہ میرا دل معاف کرنے کی ہمت نہیں رکھتا لیکن میں تو اس طرح بدلہ لوں گا جس طرح اللہ نے مجھے حکم دیا ہے تو تو اسے کہہ اگر تو اچھی طرح بدلہ لے سکتا ہے تو ٹھیک وگرنہ معاف کرنے کی طرف لوٹ کیونکہ معافی کا دروازہ بڑا وسیع ہے۔ بے شک جو معاف کرے اور اصلاح کرے اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے۔ معاف کرنے والا رات کو آرام سے بستر پر سوتا ہے اور بدلہ لینے والا اسی کے بارے رات دن متفکر رہتا ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایک آدمی نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہنا شروع کیا۔ نبی کریم ﷺ اس وقت وہیں تشریف فرما تھے۔ آپ متعجب تھے اور تبسم فرما رہے تھے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خاموش تھے لیکن جب اس نے حد کر دی تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس کی کسی بات کا جواب دیا۔ یہ سن کر نبی ﷺ غصے ہوئے اور وہاں سے اٹھ کر چل دیئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پیچھے سے آکر ملے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! وہ مجھے سب وشتم کرتا رہا تو آپ بیٹھے رہے اور جب میں نے اسے جواب دینے کا ارادہ کیا تو آپ غصے میں اٹھ کر چلے آئے۔

1۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الدعوات، جلد 13 صفحہ 66، تحفۃ الاحوذی، جلد 9 صفحہ 540

2۔ مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 2000، ابوداؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 274، ترمذی، ابواب البر، جلد 8 صفحہ 151، تحفۃ الاحوذی، جلد 6 صفحہ 115، مسند امام احمد، جلد 2 صفحہ 135

3۔ ابن ابی شیبہ، مصنف، کتاب الزہد، جلد 4 صفحہ 64-63

فرمایا: ''تیرے ساتھ ایک فرشتہ تھا وہ تیری طرف سے جواب دے رہا تھا۔ جب تم نے اس کی کسی بات کا جواب دیا تو شیطان آ گیا اور میں شیطان کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتا تھا۔'' پھر فرمایا: اے ابوبکر تین باتیں بالکل برحق ہیں۔ جس پر کوئی ظلم کیا جائے اور وہ اللہ کے لئے اس سے چشم پوشی کرے تو اللہ تعالیٰ اسے عزت دیتا ہے اور اس کی اعانت فرماتا ہے اور جو شخص عطیات کا دروازہ کھولے اور اس سے اس کا ارادہ صلہ رحمی کا ہو تو اللہ تعالیٰ اس میں اضافہ فرما دیتا ہے اور کوئی آدمی سوال کا دروازہ کھولے اور اس سے اس کا ارادہ زیادتی و کثرت کا ہو تو اللہ تعالیٰ اس میں کمی فرما دیتا ہے(1)۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو مرسلاً بھی روایت کیا ہے۔ یہ حدیث معنوی اعتبار سے از حد حسین ہے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان کے مناسب ہے(2)۔

وَ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَ تَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ ۚ﴿۴۴﴾ وَ تَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ ؕ وَ قَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَ اَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ﴿۴۵﴾ وَ مَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ﴿۴۶﴾

''اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے تو اس کا کوئی کارساز نہیں اس کے بعد۔ اور آپ ملاحظہ کریں گے ظالموں کو جب وہ دیکھیں گے عذاب (تو سٹپٹا جائیں گے) پوچھیں گے کیا واپس لوٹنے کا بھی کوئی راستہ ہے؟ اور آپ انہیں دیکھیں گے کہ پیش کئے جا رہے ہوں گے دوزخ پر اس حال میں کہ عاجز و درماندہ ہوں گے ذلت کے باعث، دیکھتے ہوں گے کنکھیوں سے چوری چوری۔ اور کہیں گے اہل ایمان کہ حقیقی گھاٹے میں وہی لوگ ہیں جنہوں نے گھاٹے میں ڈالا اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو قیامت کے روز۔ سن لو! ظالم لوگ ضرور ابدی عذاب میں ہوں گے اور نہیں ہوں گے (اس روز) ان کے لئے مددگار جو مدد کر سکیں ان کی اللہ کے بغیر۔ اور جس کو گمراہ کر دے اللہ تعالیٰ تو اس کے لئے (بچنے کی) کوئی راہ نہیں''۔

اللہ تعالیٰ اپنی شان بیان فرما رہا ہے کہ وہ جو چاہے ہو جاتا ہے اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جو نہ چاہے نہیں ہو سکتا اسے کوئی کر نہیں سکتا۔ وہ جسے ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے گمراہ کر دے اسے کوئی راہ ہدایت پر نہیں لا سکتا۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا (کہف: 17) ''اور جسے وہ گمراہ کر دے تو تو نہیں پائے گا اس کے لئے کوئی مددگار (اور) رہنما''۔ پھر ظالمین یعنی مشرکین کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ یعنی قیامت کے دن عذاب دیکھ کر وہ دوبارہ دار دنیا کی طرف واپسی کی تمنا کریں گے۔ کہیں گے هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ جیسے ایک اور آیت میں ارشاد ہوتا: وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَ نَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷﴾ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَ لَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ (انعام: 28-27) ''اور اگر آپ دیکھیں جب وہ کھڑے کئے جائیں گے آگ پر تو کہیں گے اے کاش! (کسی طرح) ہم لوٹا دیئے جائیں تو (پھر) نہیں جھٹلائیں گے اپنے رب کی نشانیوں کو اور ہم ہو جائیں گے ایمانداروں سے بلکہ عیاں ہو گیا ان پر جسے چھپایا کرتے تھے پہلے

1۔ مسند امام احمد، جلد 2 صفحہ 436　　2۔ سنن ابوداؤد کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 274

اور اگر انہیں واپس بھیجا جائے (جیسے ان کی خواہش ہے) تو پھر بھی وہی کریں جس سے روکے گئے تھے اور بے شک وہ جھوٹے ہیں''۔

وَتَرٰىهُمۡ يُعۡرَضُوۡنَ عَلَيۡهَا یعنی آگ پر۔

خٰشِعِيۡنَ مِنَ الذُّلِّ یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے سبب ان پر ذلت برس رہی ہوگی۔

يَنۡظُرُوۡنَ مِنۡ طَرۡفٍ خَفِىٍّ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے یعنی ذلیل۔ شدت خوف کے باعث چوری چوری کن انکھیوں سے آگ کی طرف دیکھیں گے۔ جس سے وہ بچتے ہیں آج لامحالہ طور پر وہ عذاب ان پر آنے والا ہے جو ان کے وہم وگمان سے کہیں زیادہ ہے۔ أجارنا اللہ من ذلك ''اللہ ہمیں اس سے بچائے''۔

قَالَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا قیامت کے دن مؤمنین کہیں گے سب سے زیادہ خسارے میں وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے ساتھ والوں کو واصل جہنم کیا۔ اس ابدی زندگی میں ان کی لذتوں کو ختم کیا۔ اور خود بھی خسارے میں رہے۔ ان کے اور ان کے احباب، دوستوں، رشتہ داروں اور اہل خانہ کے مابین جدائی ہوگئی۔ چنانچہ وہ انہیں کھو بیٹھے۔

فِىۡ عَذَابٍ مُّقِيۡمٍ یعنی دائمی سرمدی اور ابدی عذاب، جس سے خروج اور فرار کی کوئی راہ نہیں۔

يَنۡصُرُوۡنَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ انہیں عذاب سے چھڑا سکے۔

فَمَا لَهٗ مِنۡ سَبِيۡلٍ یعنی اسے چھٹکارا دلانے والا کوئی نہ ہوگا۔

اِسۡتَجِيۡبُوۡا لِرَبِّكُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِىَ يَوۡمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ مَا لَكُمۡ مِّنۡ مَّلۡجَاٍ يَّوۡمَئِذٍ وَّمَا لَكُمۡ مِّنۡ نَّكِيۡرٍ ﴿۴۷﴾ فَاِنۡ اَعۡرَضُوۡا فَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ عَلَيۡهِمۡ حَفِيۡظًا ؕ اِنۡ عَلَيۡكَ اِلَّا الۡبَلٰغُ ؕ وَاِنَّاۤ اِذَاۤ اَذَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنَّا رَحۡمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ فَاِنَّ الۡاِنۡسَانَ كَفُوۡرٌ ﴿۴۸﴾

''(لوگو!) مان لو اپنے رب کا حکم اس سے پیشتر کہ آجائے وہ دن جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ٹلنے والا نہیں۔ نہ ہوگی تمہارے لئے کوئی پناہ گاہ اس روز اور نہ تمہاری طرف سے کوئی روک ٹوک کرنے والا ہوگا۔ پس اگر وہ (پھر بھی) روگردانی کریں تو ہم نے آپ کو ان کے اعمال کا ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا۔ آپ کا فرض تو صرف (احکام کا) پہنچا دینا ہے۔ اور ہم جب مزا چکھا دیتے ہیں انسان کو اپنی رحمت کا تو خوش ہو جاتا ہے اس سے۔ اور اگر انہیں کوئی تکلیف پہنچے اپنے کرتوتوں کے باعث (تو شور مچانے لگتا ہے) بے شک انسان بڑا ناشکر گزار ہے''۔

قیامت کے ہولناک واقعات کا ذکر کرنے کے بعد اس سے ڈرایا اور اس کے لئے تیاری کا حکم دیا جا رہا ہے۔ فرمایا: اِسۡتَجِيۡبُوۡا لِرَبِّكُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ..... تمہارے پاس کوئی قلعہ نہیں ہوگا جس میں تم قلعہ بند ہوسکو اور کوئی جگہ نہ ہوگی جہاں تم چھپ سکو یا شکل وصورت بدل کر یا حلیہ تبدیل کر کے اس کی آنکھوں سے چھپ جاؤ۔ بلکہ وہ اپنے علم، نگاہ اور قدرت سے تمہیں گھیرے میں لئے ہوئے ہے اور کوئی پناہ نہیں مگر اسی کی طرف۔ يَقُوۡلُ الۡاِنۡسَانُ يَوۡمَئِذٍ اَيۡنَ الۡمَفَرُّ ﴿۱۰﴾ كَلَّا لَا وَزَرَ ﴿۱۱﴾ اِلٰى رَبِّكَ يَوۡمَئِذِ الۡمُسۡتَقَرُّ (قیامہ: 12-10) ''(اس روز) انسان کہے گا کہ بھاگنے کی جگہ کہاں ہے۔ ہرگز نہیں، وہاں کوئی پناہ گاہ نہیں۔ صرف آپ کے رب کے پاس ہی اس روز ٹھکانا ہوگا''۔

قولہ تعالیٰ فَاِنۡ اَعۡرَضُوۡا...... یعنی مشرکین اگر نہیں مانتے تو آپ ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجے گئے۔ فرمایا: لَيۡسَ عَلَيۡكَ هُدٰىهُمۡ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ (بقرہ:272) ''نہیں ہے آپ کے ذمہ ان کو سیدھی راہ پر چلانا ہاں اللہ سیدھی راہ پر چلاتا ہے جسے چاہتا ہے''۔ اور فرمایا: فَاِنَّمَا عَلَيۡكَ الۡبَلٰغُ الۡمُبِيۡنُ (آل عمران:20) ''تو (فکر مند نہ ہو) آپ کے ذمہ تو صرف وضاحت سے پیغام پہنچانا ہے''۔

قولہ اِنۡ عَلَيۡكَ اِلَّا الۡبَلٰغُ ہم نے آپ کو صرف اس بات کا مکلف بنایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا پیغام ان تک پہنچا دیں۔ پھر فرمایا: اِذَاۤ اَذَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنَّا رَحۡمَةً...... جب اسے خوشحالی یا نعمت ملتی ہے تو اترانے لگتا ہے اور جب لوگوں کو تکلیف آتی ہے تو سابقہ نعمتوں کو بھول جاتے ہیں اور صرف اسی گھڑی کا ذکر کرتے ہیں۔ اگر اسے کوئی نعمت ملے تو کبر و غرور کرنے لگتا ہے اور جب آزمائش آئے تو مایوس اور ناامید ہو جاتا ہے۔ جیسے رسول اللہ ﷺ نے عورتوں سے فرمایا تھا: ''اے عورتوں کے گروہ! صدقہ کرو۔ میں نے تمہیں زیادہ تعداد میں جہنم میں دیکھا ہے۔'' ایک عورت نے عرض کی: کیوں یا رسول اللہ ﷺ! (یعنی یہ کس وجہ سے)۔ فرمایا: کیونکہ تم بکثرت شکایت کرتی ہو اور خاوندوں کی ناشکری کرتی ہو۔ اگر آپ زمانہ بھر ان میں سے کسی ایک سے احسان کرتے رہیں پھر ایک دن چھوڑ دیں تو وہ کہے گی: ''میں نے تم سے کبھی بھلائی نہیں دیکھی''(1)۔ اکثر عورتوں کا یہی حال ہے مگر جسے اللہ تعالیٰ ہدایت و رشد عطا فرمائے اور وہ ایمان لانے اور نیک عمل کرنے والوں سے ہو جائے۔ چنانچہ مومن جس طرح نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''اگر اسے راحت ملے تو شکر کرتا ہے چنانچہ یہ اس کے لئے بہتر ہے اور اگر اسے تکلیف آئے تو صبر کرتا ہے چنانچہ یہ بھی اس کے لئے بہتر ہے۔ یہ بجز مومن کے اور کسی کے بس کی بات نہیں''(2)۔

لِلّٰهِ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ يَخۡلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ يَهَبُ لِمَنۡ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّ يَهَبُ لِمَنۡ يَّشَآءُ الذُّكُوۡرَ ﴿۴۹﴾ اَوۡ يُزَوِّجُهُمۡ ذُكۡرَانًا وَّ اِنَاثًا ۚ وَ يَجۡعَلُ مَنۡ يَّشَآءُ عَقِيۡمًا ؕ اِنَّهٗ عَلِيۡمٌ قَدِيۡرٌ ﴿۵۰﴾

''اللہ ہی کے لئے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔ پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے۔ بخشتا ہے جس کو چاہتا ہے بچیاں اور عطا فرماتا ہے جس کو چاہتا ہے فرزند۔ یا ملا جلا کر دیتا ہے انہیں بیٹے اور بیٹیاں۔ اور بنا دیتا ہے جس کو چاہتا ہے بانجھ۔ بیشک وہ سب کچھ جاننے والا ہر چیز پر قادر ہے''۔

اللہ تعالیٰ خبر دے رہا ہے کہ وہ آسمانوں اور زمین کا مالک ہے۔ ہر چیز اس کے تصرف میں ہے۔ وہ جو چاہے ہوتا ہے۔ جو نہ چاہے نہیں ہوتا۔ وہ جسے چاہے دیتا ہے اور جس سے چاہے روک دیتا ہے۔ جسے دے اس سے روکنے والا کوئی نہیں اور جس سے منع کر دے اسے دینے والا کوئی نہیں۔ وہ جو چاہے پیدا فرماتا ہے۔

يَهَبُ لِمَنۡ يَّشَآءُ اِنَاثًا صرف لڑکیاں دیتا ہے۔ بغوی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام انہی سے ہیں۔

وَّ يَهَبُ لِمَنۡ يَّشَآءُ الذُّكُوۡرَ جسے چاہے صرف بیٹے دیتا ہے۔ بغوی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے جیسے ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلاۃ والسلام۔ آپ کی کوئی بیٹی پیدا نہیں ہوئی۔

اَوۡ يُزَوِّجُهُمۡ ذُكۡرَانًا وَّ اِنَاثًا اور جسے چاہے ملے جلے یعنی بچے بچیاں دونوں عطا فرماتا ہے۔ بغوی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے جیسے حضور

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرۃ آیت:282، بخاری، کتاب الایمان، فتح الباری، جلد 1 صفحہ 83 مسند امام احمد، جلد 1 صفحہ 298

2۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 332، مسلم، جلد 8 صفحہ 227 نیز دیکھئے تفسیر سورۂ یونس آیت:12

سرور عالم ﷺ۔

وَیَجۡعَلُ مَنۡ یَّشَآءُ عَقِیۡمًا بانجھ یعنی اس کی اولاد ہی پیدا نہ ہو۔ جیسے حضرت یحییٰ اور عیسیٰ علیہما الصلاۃ والسلام (1)۔

چنانچہ اولاد کے سلسلہ میں لوگوں کی چار قسمیں بنائیں: (۱) وہ لوگ جنہیں صرف بچیاں دیتا ہے۔ (۲) جن کو صرف بچے عطا کئے جاتے ہیں۔ (۳) جنہیں بچے اور بچیاں دونوں مرحمت فرماتا ہے۔ (۴) جس کو دونوں سے محروم کر کے بانجھ بنا دیتا ہے اس کی کوئی نسل اور اولاد نہیں ہوتی۔

اِنَّہٗ عَلِیۡمٌ وہ علیم ہے بہتر جانتا ہے کہ کون ان میں سے کس قسم کا مستحق ہے۔

قَدِیۡرٌ لوگوں میں اس تفریق پر قادر ہے۔ یہ آیت حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں اس آیت کے مشابہ ہے۔ قَالَ کَذٰلِکِ ۚ قَالَ رَبُّکِ ہُوَ عَلَیَّ ہَیِّنٌ ۚ وَلِنَجۡعَلَہٗۤ اٰیَۃً لِّلنَّاسِ وَرَحۡمَۃً مِّنَّا ۚ وَکَانَ اَمۡرًا مَّقۡضِیًّا (مریم:21)'' اور (مقصد یہ ہے کہ) ہم بنائیں اسے اپنی (قدرت کی) نشانی لوگوں کے لئے''۔ یعنی اس کی قدرت کاملہ کی دلیل۔ اس طرح کہ مخلوق کو چار اقسام پر پیدا کیا: (۱) حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا ہوئے نہ ماں نہ باپ۔ (۲) حضرت حواء علیہا السلام صرف مرد سے پیدا ہوئیں بغیر عورت کے۔ (۳) باقی تمام مخلوق کو نر و مادہ سے پیدا کیا ماسوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ (۴) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صرف عورت سے پیدا فرمایا بغیر مرد کے۔ حضرت عیسیٰ بن مریم کی پیدائش سے یہ چاروں اقسام پوری ہوگئیں۔ اسی لئے فرمایا: وَلِنَجۡعَلَہٗۤ اٰیَۃً لِّلنَّاسِ..... (مریم:21) یہ مقام آباء کے بارے ہے اور پہلا مقام ابناء کے بارے اور دونوں کی چار چار اقسام ہیں۔ فسبحان العلیم القدیر۔

وَمَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنۡ یُّکَلِّمَہُ اللّٰہُ اِلَّا وَحۡیًا اَوۡ مِنۡ وَّرَآیِٔ حِجَابٍ اَوۡ یُرۡسِلَ رَسُوۡلًا فَیُوۡحِیَ بِاِذۡنِہٖ مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّہٗ عَلِیٌّ حَکِیۡمٌ ﴿۵۱﴾ وَکَذٰلِکَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ رُوۡحًا مِّنۡ اَمۡرِنَا ؕ مَا کُنۡتَ تَدۡرِیۡ مَا الۡکِتٰبُ وَلَا الۡاِیۡمَانُ وَلٰکِنۡ جَعَلۡنٰہُ نُوۡرًا نَّہۡدِیۡ بِہٖ مَنۡ نَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِنَا ؕ وَاِنَّکَ لَتَہۡدِیۡۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿ۙ۵۲﴾ صِرَاطِ اللّٰہِ الَّذِیۡ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ اَلَاۤ اِلَی اللّٰہِ تَصِیۡرُ الۡاُمُوۡرُ ﴿۵۳﴾

''اور کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ کلام کرے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ (براہ راست) مگر وحی کے طور پر یا پس پردہ یا بھیجے کوئی پیغامبر (فرشتہ) اور وہ وحی کرے اس کے حکم سے جو اللہ تعالیٰ چاہے۔ بلاشبہ وہ اونچی شان والا بہت دانا ہے۔ اور اسی طرح ہم نے بذریعہ وحی بھیجا آپ کی طرف ایک جانفزا کلام اپنے حکم سے۔ نہ آپ یہ جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور نہ یہ کہ ایمان کیا ہے۔ لیکن (اے حبیب!) ہم نے بنا دیا اس کتاب کو (سراپا) نور، ہم ہدایت دیتے ہیں اس کے ذریعہ جس کو چاہتے ہیں اپنے بندوں سے۔ اور بلاشبہ آپ رہنمائی فرماتے ہیں صراطِ مستقیم کی طرف۔ جو اللہ کی راہ ہے وہ اللہ جو مالک ہے ہر اس چیز کا جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے۔ خوب سن لو! سب کاموں کا انجام اللہ تعالیٰ کی طرف ہی ہے''۔

اللہ تعالیٰ کی جناب سے مقامات وحی کا بیان ہو رہا ہے۔ کبھی تو وہ وحی کو نبی کریم ﷺ کے دل میں ڈال دیتا ہے اس طرح کہ آپ کو

1۔ تفسیر بغوی، جلد 4 صفحہ 132

اس کے وحی من اللہ ہونے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔ جس طرح صحیح ابن حبان میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”بے شک روح القدس علیہ السلام نے میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے کہ کوئی نفس اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک اپنا رزق اور عمر پوری نہ کر لے۔ پس اللہ سے ڈرو اور روزی کی طلب میں اچھائی اختیار کرو“(1)۔

اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا۔ کلام کے بعد آپ نے دیدار کا سوال بھی کیا لیکن یہ بات نہ مانی گئی۔

صحیح میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے فرمایا: اللہ نے کسی سے کلام نہیں فرمایا مگر پردے کے پیچھے سے۔ لیکن تیرے باپ سے بالمشافہ گفتگو فرمائی۔ (حدیث میں اسی طرح آیا ہے)(2)۔ وہ غزوۂ احد میں شہید ہو گئے تھے لیکن عالم برزخ کی بات ہے اور آیت کریمہ دار دنیا کے بارے میں ہے۔

وقولہ عزوجل اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا ...... جس طرح جبریل علیہ السلام وغیرہ ملائکہ انبیاء علیہم السلام پر اترتے رہے۔ وہ علو، بلندی اور بزرگی والا اور حکمت والا ہے۔ روح سے مراد قرآن ہے یعنی کتاب اور ایمان کو اس تفصیل کے ساتھ جو ہم نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے تو اس سے پہلے جانتا تک نہ تھا۔

وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ...... جس طرح ایک اور آیت میں آتا ہے: قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ؕ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى (فصلت: 44) ”آپ فرمائیے! یہ قرآن ایمان لانے والوں کے لئے تو ہدایت اور شفا ہے۔ اور جو ایمان نہیں لائے ان کے کانوں میں بہرہ پن ہے اور وہ ان پر (ہر حال میں) مشتبہ رہتا ہے)۔

وَاِنَّكَ اے محمد! آپ صراط مستقیم کی طرف راہنمائی کر رہے ہیں پھر خود ہی اگلی آیت میں اس کی وضاحت کر دی صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ یعنی ان کا رب اور مالک ہے اور ان میں تصرف کرنے والا ہے۔ وہ حاکم ہے۔ کوئی اس کے حکم کو ٹال نہیں سکتا۔

اَلَاۤ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ خوب سن لو سب کاموں کا انجام اللہ تعالیٰ کی طرف ہی ہے۔ وہ ان کے فیصلے فرماتا ہے۔ وہ پاک اور برتر ہے اس سے جو منکرین اور ظالم کہتے ہیں بہت ہی بلند و برتر۔

سورۂ شوریٰ کی تفسیر ختم ہوئی۔

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرۃ آیت: 87

2۔ تحفۃ الاحوذی، جلد 8 صفحہ 360، عارضۃ الاحوذی، جلد 11 صفحہ 139-138، ترمذی، تفسیر سورۂ آل عمران، ابن ماجہ، مقدمہ، جلد 1 صفحہ 13، کتاب الجہاد، جلد 2 صفحہ 936

سورۂ زخرف

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

حٰمٓ ① وَ الۡكِتٰبِ الۡمُبِيۡنِ ② اِنَّا جَعَلۡنٰهُ قُرۡءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ③ وَ اِنَّهٗ فِىۡۤ اُمِّ الۡكِتٰبِ لَدَيۡنَا لَعَلِىٌّ حَكِيۡمٌ ④ اَفَنَضۡرِبُ عَنۡكُمُ الذِّكۡرَ صَفۡحًا اَنۡ كُنۡتُمۡ قَوۡمًا مُّسۡرِفِيۡنَ ⑤ وَكَمۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ نَّبِىٍّ فِى الۡاَوَّلِيۡنَ ⑥ وَمَا يَاۡتِيۡهِمۡ مِّنۡ نَّبِىٍّ اِلَّا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ⑦ فَاَهۡلَكۡنَاۤ اَشَدَّ مِنۡهُمۡ بَطۡشًا وَّمَضٰى مَثَلُ الۡاَوَّلِيۡنَ ⑧

”حا۔میم قسم ہے اس کتاب مبین کی۔ہم نے اتارا ہے اسے قرآن عربی زبان میں تا کہ تم (اس کے مطالب کو) سمجھو۔اور بے شک یہ قرآن ہمارے ہاں لوحِ محفوظ میں ثبت ہے اونچی شان والا حکمت سے لبریز۔کیا ہم روک لیں گے تم سے اس ذکر کو ناراض ہو کر اس وجہ سے کہ تم لوگ حد سے بڑھنے والے ہو۔اور ہم نے بکثرت بھیجے ہیں نبی پہلے لوگوں میں۔اور نہیں آیا ان کے پاس کوئی نبی مگر وہ (کفار) اس کا مذاق اڑایا کرتے۔پس ہم نے ان کو ہلاک کر ڈالا جو ان سے زیادہ طاقتور تھے اور گزر چکا ہے حال پہلے لوگوں کا“۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔حٰمٓ ۚ وَالۡكِتٰبِ الۡمُبِيۡنِ اس کے معانی اور الفاظ واضح اور جلی ہیں۔کیونکہ یہ لغت عرب میں نازل ہوا ہے جو باہمی گفتگو کے لئے تمام لغات سے فصیح ترین ہے۔اسی لئے فرمایا: اِنَّا جَعَلۡنٰهُ ہم نے اسے نازل کیا ہے۔

قُرۡءٰنًا عَرَبِيًّا فصیح واضح لغت عرب میں۔

لَّعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ اسے سمجھو اور غور و فکر کرو۔جیسے اللہ نے ارشاد فرمایا: بِلِسَانٍ عَرَبِىٍّ مُّبِيۡنٍ (شعراء:195) ”یہ ایسی عربی زبان میں ہے جو بالکل واضح ہے“۔

قولہ تعالیٰ اِنَّهٗ فِىۡۤ اُمِّ الۡكِتٰبِ لَدَيۡنَا...... ملاء اعلیٰ میں اس کا شرف بیان کیا تا کہ اہل زمین اس کو عزت و تعظیم دیں اور اس کی اطاعت کریں۔

وَ اِنَّهٗ یعنی قرآن۔

فِىۡۤ اُمِّ الۡكِتٰبِ یعنی لوح محفوظ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے یہی مروی ہے۔

لَدَيۡنَا: أي عندنا ہمارے پاس۔قتادہ وغیرہ سے یہی منقول ہے۔

لَعَلِىٌّ بلند مرتبے اور عظمت و شرف والا ہے۔قتادہ نے یہی کہا ہے۔

حَكِيۡمٌ یعنی محکم اور التباس اور ٹیڑھے پن سے مبرا۔جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ اِنَّهٗ لَتَنۡزِيۡلُ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ (شعراء:192) ”اور

بلاشبہ یہ کتاب رب العالمین کی اتاری ہوئی ہے)۔اور فرمایا كَلَّآ اِنَّهَا تَذۡكِرَةٌ...... كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ (عبس:16-11) ایسا نہ چاہیے یہ تو نصیحت ہے۔سو جس کا جی چاہے اسے قبول کر لے۔یہ ایسے صحیفوں میں (ثبت) ہے جو معزز ہیں۔جو بلند مرتبہ پاکیزہ ہیں۔ایسے کاتبوں کے ہاتھوں سے لکھے ہیں جو بڑے بزرگ اور نیکوکار ہیں''۔اسی لئے علماء کرام نے ان دو آیات سے یہ مستنبط کیا ہے کہ بے وضو شخص قرآن پاک کو نہ چھوئے جس طرح ایک حدیث میں آیا ہے بشرطیکہ یہ صحیح ہو۔کیونکہ ملائکہ عالم بالا میں ان مصاحف کی تعظیم کرتے ہیں جن پر قرآن لکھا ہے،تو اہل زمین اس بات کے بدرجہ اولیٰ حقدار ہیں کیونکہ یہ ان پر نازل ہوا اور اس کا خطاب انہی کی طرف متوجہ ہے۔وہ اس بات کے زیادہ حقدار ہیں کہ اس کی تعظیم و تکریم کریں اور قبول و تسلیم کے ساتھ اس کے سامنے سرخم کر دیں۔

اَفَنَضۡرِبُ عَنۡكُمُ الذِّكۡرَ صَفۡحًا اَنۡ كُنۡتُمۡ......اس آیت کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ایک قول کے مطابق اس کا معنی یہ ہے: کیا تم گمان کرتے ہو ہم تمہیں معاف کر دیں گے اور تمہیں عذاب نہیں دیں گے حالانکہ جو تمہیں حکم دیا گیا تھا تم نے وہ کام نہیں کیا؟ حضرت ابن عباس، ابو صالح، مجاہد اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہی کہا ہے۔ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے ہی اختیار کیا ہے(1)۔قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفسیر میں کہا ہے اللہ کی قسم! اگر یہ قرآن اس وقت اٹھا لیا جاتا جب اس امت کے اوائل نے اسے جھٹلایا تھا، تو وہ ضرور ہلاک ہو جاتے۔لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت نے یہ پسند نہ فرمایا حتیٰ کہ بیس سال تک قرآن اترتا رہا یا جتنی مدت اللہ نے چاہا۔قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول معنی کے اعتبار سے بہت لطیف ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ وہ اس کے معنی میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر لطف و رحمت کی وجہ سے انہیں بھلائی اور ذکر قرآن کی طرف بلانا ترک نہیں فرماتا اگرچہ وہ اسراف سے کام لیں اور اس سے اعراض کریں بلکہ اس کے ساتھ حکم دیا تاکہ ہدایت پا جائے جس کی قسمت میں ہدایت یافتہ ہونا لکھا ہے اور جس کی قسمت میں شقاوت ہے اس پر حجت تمام ہو جائے۔پھر قوم کی تکذیب پر اپنے نبی کو تسلی دیتے ہوئے اور صبر کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

وَكَمۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ نَّبِيٍّ فِي الۡاَوَّلِيۡنَ......وہ اسے جھٹلاتے اور اس کے ساتھ استہزاء کرتے تھے۔

فَاَهۡلَكۡنَآ اَشَدَّ مِنۡهُمۡ بَطۡشًا ہم نے رسول کو جھٹلانے والوں کو ہلاک کر دیا حالانکہ وہ ان جھٹلانے والوں سے کہیں زیادہ زور آور تھے۔ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: اَفَلَمۡ يَسِيۡرُوۡا فِي الۡاَرۡضِ فَيَنۡظُرُوۡا كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ؕ كَانُوۡۤا اَكۡثَرَ مِنۡهُمۡ وَاَشَدَّ قُوَّةً (غافر:82) ''کیا ان منکروں نے کبھی سیر و سیاحت نہیں کی زمین میں تاکہ انہیں نظر آ جاتا کہ کیا انجام ہوا ان (منکروں) کا جو ان سے پہلے گزرے۔وہ لوگ ان سے تعداد میں زیادہ تھے اور قوت میں زبردست تھے)۔اس طرح کی آیات بے شمار ہیں۔

وقولہ عزوجل مَضٰى مَثَلُ الۡاَوَّلِيۡنَ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے ان کی سنت، قتادہ کا قول ہے ان کا عذاب۔اور دیگر کا قول ہے ان کی عبرت۔یعنی ہم نے انہیں بعد میں آنے والے مکذبین کے لئے باعث عبرت بنا دیا کہ انہیں بھی وہی عذاب ہوگا جو ان پر اترا تھا۔جیسے سورت کے آخر میں آتا ہے: فَجَعَلۡنٰهُمۡ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلۡاٰخِرِيۡنَ (زخرف:52) ''اور بنا دیا انہیں پیش رو اور کہاوت پچھلوں کے لئے''۔ایک اور آیت میں آتا ہے: سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيۡ قَدۡ خَلَتۡ فِيۡ عِبَادِهٖ (غافر:85) ''یہی دستور ہے اللہ تعالیٰ کا جو (قدیم سے) اس کے بندوں میں جاری ہے''۔ایک اور جگہ آتا ہے: وَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبۡدِيۡلًا (فتح:23) ''اور اللہ کے دستور میں تو ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پائے گا''۔

وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ مَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ لَيَقُوۡلُنَّ خَلَقَهُنَّ الۡعَزِيۡزُ الۡعَلِيۡمُ ۙ﴿۹﴾ الَّذِيۡ

1۔تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 49

جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰﴾ وَ الَّذِيْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ ۚ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۚ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَ الْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ﴿۱۲﴾ لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَ تَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَ مَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۴﴾

”اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو تو ضرور کہیں گے پیدا کیا ہے انہیں بڑے زبردست، سب کچھ جاننے والے نے۔ جس نے بنا دیا ہے تمہارے لئے زمین کو گہوارہ اور بنا دیئے ہیں تمہارے لئے اس میں راستے تا کہ تم منزل مقصود تک پہنچ سکو۔ اور جس نے اتارا آسمان سے پانی اندازہ کے مطابق۔ پس ہم نے زندہ کر دیا اس سے ایک مردہ شہر کو، یونہی تمہیں بھی (قبروں سے) نکالا جائے گا۔ اور جس نے ہر قسم کی مخلوق پیدا فرمائی اور بنا دیں تمہارے لئے کشتیاں اور مویشی جن پر تم سوار ہوتے ہو۔ تا کہ تم جم کر بیٹھو ان کی پیٹھوں پر پھر (دلوں میں) یاد کرو اپنے رب کی نعمت کو جب تم خوب جم کر بیٹھ جاؤ ان پر اور (زبان سے) یہ کہو پاک ہے وہ ذات جس نے فرمانبردار بنا دیا ہے اسے ہمارے لئے اور ہم اس پر قابو پانے کی قدرت نہ رکھتے تھے۔ اور یقیناً ہم اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں“۔

حضور ﷺ کو فرمایا جا رہا ہے کہ اگر آپ ان مشرکین سے پوچھیں کہ زمین و آسمان کا خالق کون ہے؟

لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ یعنی اس بات کا اعتراف کریں گے کہ ان سب کا خالق اللہ وحدہ لاشریک ہے۔ اس کے باوجود وہ دیگر بتوں اور انداد کی پوجا کرتے ہیں۔

پھر فرمایا: الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا یعنی بچھونا، گہوارہ، قرارگاہ، مضبوط جس پر تم چلتے پھرتے، کھڑے ہوتے، سوتے اور تمام کام کرتے ہو۔ باوجود یکہ یہ پانی کی سطح پر کھڑی ہے۔ لیکن اس میں پہاڑ گاڑ کر اسے مضبوط کیا گیا ہے تا کہ ادھر ادھر ڈولتی نہ رہے۔

وَّ جَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا یعنی پہاڑوں اور وادیوں کے درمیان راستے۔

لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ یعنی تمہارے سفر میں ایک شہر سے دوسرے شہر یا ایک ملک سے دوسرے ملک یا ایک اقلیم سے دوسرے اقلیم کی طرف۔

وَ الَّذِيْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ...... جس قدر تمہاری کھیتیوں، پھلوں اور تمہارے اور تمہارے جانوروں کے پینے کے لئے کافی ہو۔

قولہ تعالیٰ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا یعنی مردہ زمین۔ جب اس پر پانی برسا تو یہ لہلہانے لگی اور پھل پھول اگنے لگے۔ پھر زمین کی شادابی اور احیاء کو قیامت کے دن موت کے بعد جسموں کے زندہ ہونے کی دلیل بنایا۔ چنانچہ فرمایا: كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ۔

پھر فرمایا: وَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا اس نے زمین سے اگنے والی تمام اصناف مثلاً نباتات، کھیتیاں، پھل اور پھول وغیرہ کے جوڑے جوڑے پیدا کئے۔ اسی طرح اختلاف اجناس و اصناف کے ساتھ ساتھ تمام حیوانات کے جوڑے بنائے۔

الْفُلْكِ: السفن، کشتیاں۔

وَ الْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ انہیں تمہارا مطیع اور مسخر کیا تمہارے کھانے کے لئے ان کے گوشت، پینے کے لئے دودھ اور سواری کے لئے ان

کی پشتیں بنائیں۔

لِتَسۡتَوٗا عَلٰی ظُهُوۡرِهٖ تا کہ تم ان کی پیٹھ پر جم کر بیٹھ سکو۔

لِتَسۡتَوٗا عَلٰی ظُهُوۡرِهٖ اس جنس کی پیٹھوں پر۔

نِعۡمَةَ رَبِّكُمۡ جو اس نے تمہارے لئے مسخر فرمائے۔

وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقۡرِنِيۡنَ مقابلہ کرنے والے۔ اگر اللہ تعالیٰ مسخر نہ فرماتا تو ہم انہیں قابو نہ کر سکتے۔ حضرت ابن عباس، قتادہ، سدی اور ابن زید رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے: مُقۡرِنِيۡنَ: أي مطيقين طاقت رکھنے والے، قابو پانے اور مطیع کرنے والے (1)۔

وَاِنَّاۤ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنۡقَلِبُوۡنَ موت کے بعد اسی کی طرف جانے والے ہیں۔ اسی کی طرف سیر أکبر ہے۔ یہ سیر دنیا سے سیر آخرت کی طرف اشارہ کرنے کے باب سے ہے۔ جس طرح ایک آیت میں زاد دنیا سے زاد آخرت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: وَتَزَوَّدُوۡا فَاِنَّ خَيۡرَ الزَّادِ التَّقۡوٰی (بقرہ: 197) ''اور سفر کا توشہ تیار کرو اور سب سے بہتر توشہ تو پرہیزگاری ہے''۔ اور لباس دنیا کے ذکر کے موقع پر لباس آخرت کی طرف متوجہ کیا۔ اور فرمایا: وَلِبَاسُ التَّقۡوٰی ذٰلِكَ خَيۡرٌ (اعراف: 26) ''اور باعث زینت ہے اور پرہیزگاری کا لباس وہ سب سے بہتر ہے''۔

سواری پر سوار ہونے کے بارے میں ذکر کردہ احادیث کا بیان

حدیث حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ: امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے علی بن ربیعہ سے روایت کیا ہے میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا۔ جب آپ سواری پر سوار ہونے لگے تو رکاب میں پیر رکھتے ہی فرمایا باسم الله جب جم کر بیٹھ گئے تو فرمایا الحمد لله پھر یہ آیت پڑھی: سُبۡحٰنَ الَّذِيۡ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقۡرِنِيۡنَ ﴿۱۳﴾ وَاِنَّاۤ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنۡقَلِبُوۡنَ پھر تین مرتبہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی (الحمد لله کہا) پھر تین مرتبہ اللہ اکبر کہا۔ پھر فرمایا: سُبۡحَانَكَ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنۡتَ قَدۡ ظَلَمۡتُ نَفۡسِيۡ فَاغۡفِرۡلِيۡ۔ پھر ہنس دیئے۔ میں نے عرض کی امیر المؤمنین آپ کے ہنسنے کی وجہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا۔ آپ نے میری طرح کیا اور وہی کلمات کہے جو میں نے کہے پھر ہنس دیئے۔ میں نے ہنسنے کی وجہ دریافت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ متعجب اور خوش ہوتا ہے جب وہ اپنے بندے کے منہ سے سنتا ہے ربِّ اغفِرۡلی میرے رب مجھے بخش دے۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرا بندہ اس حقیقت کو تسلیم کرتا ہے کہ گناہوں کو بخشنے والا میں ہی ہوں اور کوئی نہیں بخش سکتا (2)۔ ابوداؤد، ترمذی اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسی طرح روایت کیا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے (3)۔

حدیث حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما: امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے علی بن ابی طلحہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی سواری پر اپنے پیچھے بٹھایا۔ جب آپ اس پر جم کر بیٹھ گئے تو آپ نے تین مرتبہ تکبیر، تین مرتبہ الحمد للہ اور ایک مرتبہ لا اله إلا الله کہا۔ پھر اس پر چت لیٹنے کی حالت میں ہو کر ہنس دیئے پھر میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ''کوئی مسلمان سواری پر

1۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 55 — 2۔ مسند امام احمد، جلد 1 صفحہ 97

3۔ سنن ابوداؤد، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 33، عارضۃ الاحوذی، ابواب الدعوات، جلد 13 صفحہ 6، نسائی، سنن کبری بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 7 صفحہ 436

سوار نہیں ہوتا اور پھر اسی طرح کرتا ہے جیسے میں نے کیا تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف متوجہ ہو کر ہنس دیتا ہے جس طرح میں ہنسا" (1)۔

حدیث حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما:۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ جب سواری پر سوار ہوتے تو تین مرتبہ تکبیر کہتے پھر یہ آیت پڑھتے سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ سَخَّرَ لَنَا...... پھر فرماتے: اَللّٰهُمَّ إِنِّیۡ أَسۡأَلُكَ فِي سَفَرِي هٰذا البرَّ و التقوى ومن العملِ مَا تَرضَى، اللهمَّ هَوِّنۡ علينا السفرَ، واطوِلنا البَعِيۡدَ۔ اَللّٰهُمَّ، أنتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ، والخَليفةُ في الأهلِ۔ اللهمَّ، اصحَبنا في سَفرنا، واخلُفنا في أهلِنا۔

اور جب اپنے گھر کی طرف لوٹے تو یوں کہے: "آيِبُوۡنَ تَائِبُوۡنَ إِنۡ شَاءَ اللّٰه، عَابِدُوۡنَ، لربنا حامِدُوۡنَ" (2)۔ مسلم، ابوداؤد اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے (3)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ابولاس خزاعی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حج کی سواری کے لئے صدقے کے اونٹ عطا فرمائے۔ ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ ہم نہیں سمجھتے کہ آپ ہمیں اس پر سوار کرائیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "ہر اونٹ کی کوہان کی بلندی میں شیطان رہتا ہے۔ لہٰذا اس پر سواری کے وقت اللہ کا نام لیا کرو جس طرح میں تمہیں حکم دے رہا ہوں پھر تم اسے اپنے لئے استعمال کیا کرو اور سوار تو اللہ تعالیٰ کراتا ہے" (4)۔ ابولاس کا نام محمد بن اسود بن خلف ہے (5)۔

ایک اور حدیث:۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ہر اونٹ کی پشت پر شیطان ہے۔ اس پر سواری کے وقت اللہ کا نام لیا کرو۔ پھر اپنی حاجات میں کمی نہ کرو" (6)۔

وَجَعَلُوۡا لَهٗ مِنۡ عِبَادِهٖ جُزۡءًا ؕ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَكَفُوۡرٌ مُّبِيۡنٌ ؕ﴿۱۵﴾ اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخۡلُقُ بَنٰتٍ وَّ اَصۡفٰكُمۡ بِالۡبَنِيۡنَ ﴿۱۶﴾ وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمۡ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحۡمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجۡهُهٗ مُسۡوَدًّا وَّ هُوَ كَظِيۡمٌ ﴿۱۷﴾ اَوَ مَنۡ يُّنَشَّؤُا فِى الۡحِلۡيَةِ وَهُوَ فِى الۡخِصَامِ غَيۡرُ مُبِيۡنٍ ﴿۱۸﴾ وَجَعَلُوا الۡمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيۡنَ هُمۡ عِبٰدُ الرَّحۡمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوۡا خَلۡقَهُمۡ ؕ سَتُكۡتَبُ شَهَادَتُهُمۡ وَيُسۡئَلُوۡنَ ﴿۱۹﴾ وَ قَالُوۡا لَوۡ شَآءَ الرَّحۡمٰنُ مَا عَبَدۡنٰهُمۡ ؕ مَا لَهُمۡ بِذٰلِكَ مِنۡ عِلۡمٍ ۚ اِنۡ هُمۡ اِلَّا يَخۡرُصُوۡنَ ﴿۲۰﴾

"اور بنا دی ہے (مشرکوں نے) اس کے لئے اس کے بندوں سے اولاد۔ بے شک انسان کھلا ہوا ناشکر گزار ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ نے پسند کر لی ہیں (اپنے لئے) اپنی مخلوق سے بیٹیاں اور مخصوص کر دیا ہے تمہیں بیٹوں کے ساتھ۔ اور جب اطلاع دی جاتی ہے ان میں سے کسی کو اس کی جس کی نسبت اس نے رحمٰن کی طرف کی ہے تو اس کا چہرہ (فرط رنج سے) سیاہ ہو جاتا ہے اور اس کا دل غم سے بھر جاتا ہے۔ کیا وہ (ایسی اولاد جنے گا) جو پروان چڑھتی ہے زیوروں میں اور وہ مباحثہ کے وقت اپنا مدعا واضح نہیں کر سکتی۔ اور انہوں نے ٹھہرا لیا ہے فرشتوں کو جو (خداوند) رحمٰن کے بندے ہیں، عورتیں۔ کیا یہ موجود تھے ان کی

1۔ مسند امام احمد، جلد 1 صفحہ 330
2۔ مسند امام احمد، جلد 2 صفحہ 144
3۔ مسلم، کتاب الحج، جلد 2 صفحہ 978، سنن ابوداؤد، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 33 عارضۃ الاحوذی، ابواب الدعوات، جلد 13 صفحہ 7، تحفۃ الاحوذی، جلد 9 صفحہ 409، نسائی بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 6 صفحہ 16
4۔ مسند امام احمد، جلد 4 صفحہ 221
5۔ ان کے حالات زندگی کے لئے دیکھئے اسد الغابہ، جلد 5 صفحہ 80، جلد 6 صفحہ 265
6۔ مسند امام احمد، جلد 3 صفحہ 394

جس پر پایا ہے تم نے اپنے باپ دادا کو (تب بھی؟) انہوں نے جواب دیا ہم جو دے کر تمہیں بھیجا گیا ہے اس کو نہیں مانتے۔
پس ہم نے ان سے انتقام لیا ذرا دیکھو کیسا (المناک) انجام ہوا جھٹلانے والوں کا''۔

بلا دلیل و برہان مشرکین جو غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں ان کا انکار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ مِّنْ قَبْلِهٖ ان کے شرک سے۔ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ جس میں وہ ہیں یعنی معاملہ اسی طرح نہیں ہے۔ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوْا بِهٖ يُشْرِكُوْنَ (روم:35) '' کیا ہم نے اتاری ہے ان پر کوئی دلیل۔ پس وہ گواہی دیتی ہے اس شرک (کی سچائی) کی جو وہ کرتے ہیں''۔ یعنی بات اسی طرح نہیں تھی۔

قال تعالیٰ بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ آبا و اجداد کی اندھی تقلید کے سوا ان کے پاس شرک کی کوئی دلیل نہ تھی یعنی ہم نے اپنے باپ دادا کو اس راہ پر چلتے دیکھا۔ اب ہم اسے چھوڑنے کے لئے تیار نہیں۔

الْاُمَّةِ اس سے مراد دین ہے۔ اس کی تائید ایک اور آیت کے مضمون سے بھی ہوتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً (1) '' (ان انبیاء کو ماننے والو!) یہی (توحید) تمہارا دین ہے جو ایک دین ہے''۔

قولہ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ ان کے پیچھے۔

مُّهْتَدُوْنَ ان کا یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ ان سے پہلے مرسلین کو جھٹلانے والی سابقہ امتوں نے بھی یہی کہا تھا دلی مشابہت کی وجہ سے انہوں نے بھی یہی بات کہی: كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿٥٢﴾ اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ (الذاریات:53-52) '' اسی طرح نہیں آیا ان سے پہلے لوگوں کے پاس کوئی رسول مگر انہوں نے یہی کہا کہ یہ ساحر ہے یا دیوانہ۔ کیا پہلوں نے پچھلوں کو یہی وصیت کی تھی (نہیں) بلکہ یہ لوگ سرکش ہیں''۔ اسی طرح یہاں فرمایا: وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ......۔

قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ...... اے محمد! ان مشرکین سے فرما دیجئے۔ اگر انہیں آپ کی دعوت کے صدق و حقانیت کا یقین بھی آجائے تو بھی برے ارادے اور حق اور اہل حق سے تکبر کی وجہ سے وہ کبھی اطاعت نہیں کریں گے۔

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ عذاب کو جھٹلانے والی سابقہ امتوں سے۔ ان کے واقعات مختلف مقامات پر بالتفصیل مذکور ہیں۔

عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ یعنی وہ کس طرح ہلاک اور تباہ و برباد ہو گئے اور کس طرح اللہ تعالیٰ نے مومنین کو نجات عطا فرمائی۔

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَ قَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ﴿٢٦﴾ اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ ﴿٢٧﴾ وَ جَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿٢٨﴾ بَلْ مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَآءِ وَ اٰبَآءَهُمْ حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿٢٩﴾ وَ لَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّ اِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿٣٠﴾ وَ قَالُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ﴿٣١﴾ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ؕ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ رَفَعْنَا بَعْضَهُمْ

1۔ الانبیاء، جلد 21 صفحہ 92، المومنون، جلد 23 صفحہ 52

فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ؕ وَ رَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝ وَ لَوْ لَاۤ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّ مَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ۝ وَ لِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّ سُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔوْنَ ۝ وَ زُخْرُفًا ؕ وَ اِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝

"اور (یاد کیجئے) جب کہا ابراہیم نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہ میں بیزار ہوں ان سے جن کی تم عبادت کرتے ہو۔ بجز اس کے جس نے مجھے پیدا فرمایا بے شک وہی میری رہنمائی کرے گا۔ اور آپ نے بنا دیا کلمہ توحید کو باقی رہنے والی بات اپنی اولاد میں، تا کہ وہ (اس کی طرف) رجوع کریں۔ بلکہ میں نے لطف اندوز ہونے دیا انہیں اور ان کے آباؤ اجداد کو یہاں تک کہ آ گیا ان کے پاس حق اور کھل کر بیان کرنے والا رسول۔ اور جب آ گیا ان کے پاس حق تو وہ کہنے لگے یہ تو جادو ہے اور ہم اس کے منکر ہیں۔ اور کہنے لگے کیوں نہ اتارا گیا یہ قرآن کسی ایسے آدمی پر جو ان دو شہروں میں بڑا ہے۔ کیا وہ بانٹا کرتے ہیں آپ کے رب کی رحمت کو؟ ہم نے خود تقسیم کیا ہے ان کے درمیان سامان زیستِ کو اس دنیوی زندگی میں اور ہم نے ہی بلند کیا ہے بعض کو بعض پر مراتب میں تا کہ وہ ایک دوسرے سے کام لے سکیں۔ اور آپ کے رب کی رحمتِ (خاص) بہت بہتر ہے اس سے جو وہ جمع کرتے ہیں۔ اور اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ سب لوگ ایک امت بن جائیں گے تو ہم بنا دیتے ان کے لئے جو انکار کرتے ہیں رحمٰن کا ان کے مکانوں کے لئے چھتیں چاندی کی اور سیڑھیاں جن پر وہ چڑھتے ہیں (وہ بھی چاندی کی) اور ان کے گھروں کے دروازے بھی چاندی کے اور وہ تخت جن پر وہ تکیہ لگاتے ہیں وہ بھی چاندی اور سونے کے۔ اور یہ سب (سنہری روپہلی) چیزیں دنیوی زندگی کا سامان ہے۔ اور آخرت (کی عزت و کامیابی) آپ کے رب کے نزدیک پرہیزگاروں کے لئے ہے"۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندے، رسول، خلیل، امام الحنفاء، ابوالانبیاء کے بارے میں خبر دے رہا ہے۔ قریش اپنے نسب اور مذہب میں انہی کی طرف منسوب ہیں۔ انہوں نے بتوں کی عبادت میں اپنے باپ اور قوم سے برأت کا اظہار کیا اور فرمایا:

اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ...... یعنی یہ کلمہ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت اور اس کے ماسوا بتوں سے برأت کا اظہار کرنا اور یہ لا الٰہ إلاّ اللہ ہے۔ یعنی اسے آپ کی ذریت میں باقی رکھا۔ اس کی پیروی کرتا ہے وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے ذریت ابراہیمی میں سے ہدایت نصیب فرمائی۔

لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ یعنی اس کی طرف عکرمہ، مجاہد، ضحاک، قتادہ اور سدی وغیرہ کا قول ہے کہ آپ کی اولاد میں سے کچھ لوگ ہمیشہ کلمہ لا الٰہ إلاّ اللہ پر قائم رہیں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس سے مراد کلمہ اسلام ہے(1)۔ اور ایک جماعت کا قول بھی یہی ہے۔

بَلْ مَتَّعْتُ هٰۤؤُلَآءِ وَ اٰبَآءَهُمْ یعنی مشرکین اور ان کے آباء کو۔ وہ عمر بھر گمراہی میں سرگرداں رہے۔

1۔ طبری، جلد 25 صفحہ 63

رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ رسالت اور نذارۃ (ڈرانا) کو واضح کرنے والا۔

اِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ بوجہ کفر، حسد اور سرکشی اپنے ہاتھوں اور دل سے اس کا مقابلہ کیا اور بوجہ عناد اس کا انکار کر دیا۔

قَالُوْا معترضین کی طرح کہنے لگے۔ لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ ...... یعنی اس قرآن کو ان کی نظر میں دونوں شہروں کے کسی عظیم آدمی پر کیوں نہیں اتارا گیا یعنی مکہ اور طائف۔ حضرت ابن عباس، عکرمہ، محمد بن کعب قرظی، قتادہ، سدی، ابن زید رحمہم اللہ تعالیٰ بہت سے علماء کی رائے میں ان کی مراد ولید بن مغیرہ اور عروہ بن مسعود ثقفی تھے۔ مالک نے زید بن اسلم، ضحاک اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ ان کی مراد ولید بن مغیرہ اور مسعود بن عمرو ثقفی تھے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے عمیر بن عمرو بن مسعود ثقفی مراد لیا ہے۔ ان سے ہی مروی ایک روایت میں ہے کہ اس سے مراد عتبہ بن ربیعہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جابران قریش میں سے دو جابر شخص۔ ان سے مروی ایک روایت کے مطابق اس سے مراد ولید بن مغیرہ اور حبیب بن عمرو بن عمیر ثقفی ہیں۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ مکہ میں عتبہ بن ربیعہ اور طائف میں ابن عبد یالیل مراد ہیں۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے میں ولید بن مغیرہ اور کنانہ بن عمرو ثقفی ہیں۔ ظاہر یہی ہے کہ اس سے مراد دونوں شہروں کا عظیم آدمی ہے خواہ کوئی بھی ہو۔ ان کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ؟ یہ ان کا اختیار نہیں یہ تو اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ یہ منصب رفیع کسے عطا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اسے نازل نہیں فرماتا مگر اس شخص پر جو قلب و نفس کے اعتبار سے سب سے زیادہ پاکیزہ، گھرانے کے اعتبار سے سب سے معزز اور نسل کے لحاظ سے سب سے زیادہ ارفع ہو پھر فرمایا کہ ہم نے مخلوق کے مابین مال و دولت اور عقل و فہم کے لحاظ سے ظاہری و باطنی قوتوں میں تفاوت رکھا ہے۔

چنانچہ فرمایا: نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ......۔

قولہ جلت عظمتہ: لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا: اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اعمال میں ایک دوسرے سے کام لے سکیں۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا یہی قول ہے۔ قتادہ اور ضحاک رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ وہ ایک دوسرے کے مالک بن جائیں۔ یہ قول پہلے قول کی طرح ہے۔ پھر فرمایا وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ یعنی اللہ کی رحمت اپنی مخلوق سے بہتر ہے اس سے جو مال و دولت اور متاع دنیا ان کے پاس ہے۔ پھر فرمایا: وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً اگر کثیر جاہل لوگوں کا یہ خیال نہ ہوتا کہ ہمارا کسی کو مال و دولت دینا اس سے ہماری محبت کی دلیل ہے تو وہ مال کی خاطر کفر پر کیوں جمع نہیں ہو جاتے۔ حضرت ابن عباس، حسن، قتادہ اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہی قول ہے۔

لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ ...... سقف سے مراد سیڑھیاں ہیں۔ حضرت ابن عباس، مجاہد، قتادہ، سدی اور ابن زید رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کا یہی قول ہے۔

يَظْهَرُوْنَ وہ چڑھتے ہیں۔

اَبْوَابًا یعنی دروازوں کے تالے۔

وَّسُرُرًا عَلَيْهَا...... یہ سب چیزیں چاندی کی بنی ہوں گی۔

زُخْرُفًا سونا۔ حضرت ابن عباس، قتادہ، سدی اور ابن زید رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہی قول ہے۔

پھر فرمایا: وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا یہ سب کچھ فنا ہونے والی حقیر دنیا ہے۔ یعنی دنیا میں ان کے اعمال اور اچھائیوں کے بدلے کھانا پینا وغیرہ نعمتیں عطا کی جاتی ہیں تاکہ جب وہ آخرت میں بارگاہ الٰہی میں حاضر ہوں تو ان کے پاس کوئی نیکی بھی نہ بچی ہو جس کا

بدلہ انہیں دیا جا سکے۔ جس طرح کہ صحیح حدیث میں آیا ہے(1)۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ اس دنیا کی قدر و منزلت اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نصیب نہ ہوتا۔ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے بروایت سہل بن سعد مرفوعاً ذکر کیا ہے(2)۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ اگر اس دنیا کی قدر و قیمت اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو اس میں سے کچھ نہ دیا جاتا(3)۔

وَ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ آخرت خاص طور پر ان کے لئے ہی ہے۔ کوئی اس میں ان کے ساتھ شریک نہیں ہوگا۔ چنانچہ جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے ملنے کے لئے بالا خانے پر گئے جب آپ ﷺ نے اپنی ازواج سے ایلاء کیا تھا تو کیا دیکھتے ہیں کہ آپ ﷺ ایک بوریے پر لیٹے ہوئے ہیں جس کے نشانات آپ کے جسم اقدس پر پڑ چکے ہیں۔ یہ دیکھ کر بلا اختیار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! یہ قیصر و کسریٰ کس آن بان سے زندگی گزار رہے ہیں اور آپ تو اللہ تعالیٰ کی برگزیدہ مخلوق ہیں۔ رسول اکرم ﷺ اس وقت ٹیک لگائے ہوئے تھے سیدھے بیٹھ گئے اور فرمایا: ''اے عمر بن خطاب کیا تم کسی شک میں ہو؟''...... ''یہ وہ لوگ ہیں جن کی نیکیاں پیشگی دنیوی زندگی میں ہی انہیں دے دی گئی ہیں۔'' ایک دوسری روایت میں ہے: ''کیا تم اس سے راضی نہیں ہو کہ دنیا ان کے لئے ہو اور آخرت ہمارے لئے'' (4)۔ صحیحین وغیرہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''سونے اور چاندی کے برتنوں میں نہ کھاؤ پیؤ۔ یہ دنیا میں ان کے لئے ہیں اور آخرت میں ہمارے لئے'' (5)۔ دنیا میں یہ نعمتیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہیں کہ دنیا حقیر ہے جس طرح کہ ترمذی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اگر دنیا کی وقعت اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی کبھی نہ پلاتا''۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے(6)۔

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴿٣٦﴾ وَ اِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿٣٧﴾ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَنَا قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ ﴿٣٨﴾ وَ لَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿٣٩﴾ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِي الْعُمْيَ وَمَنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٤٠﴾ فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ﴿٤١﴾ اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِيْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ ﴿٤٢﴾ فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْۤ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٤٣﴾ وَ اِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَ لِقَوْمِكَ ۚ وَ سَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ ﴿٤٤﴾ وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَاۤ

1۔ مسلم، کتاب صفات القیامۃ، جلد 4 صفحہ 2162؛ مسند امام احمد، جلد 3 صفحہ 123

2۔ تفسیر بغوی، جلد 4 صفحہ 139-138　　3۔ طبرانی: المعجم الکبیر، جلد 6 صفحہ 178

4۔ بخاری، جلد 7 صفحہ 99؛ مسلم، جلد 2 صفحہ 36 نیز دیکھئے تفسیر سورۂ طٰہٰ آیت: 131

5۔ فتح الباری، کتاب الاطعمۃ، جلد 6 صفحہ 554؛ مسلم کتاب اللباس والزینۃ، جلد 3 صفحہ 1637

6۔ تحفۃ الاحوذی، جلد 6 صفحہ 611، عارضۃ الاحوذی، جلد 9 صفحہ 198-197، ابن ماجہ، جلد 2 صفحہ 1377 نوٹ: دونوں نے اسے کتاب الزہد میں بیان کیا ہے۔

اَجَعَلۡنَا مِنۡ دُوۡنِ الرَّحۡمٰنِ اٰلِهَةً يُّعۡبَدُوۡنَ ﴿۴۵﴾

"اور جو شخص (دانستہ) اندھا بنتا ہے رحمان کے ذکر سے، تو ہم مقرر کر دیتے ہیں اس کے لئے ایک شیطان، پس وہ ہر وقت اس کا رفیق رہتا ہے۔ اور شیاطین روکتے ہیں ان (اندھوں) کو راہ ہدایت سے اور یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں۔ یہاں تک کہ جب وہ (اندھا) ہمارے پاس آئے گا تو (آنکھیں کھل جائیں گی) کہے گا کاش! میرے درمیان اور (اے شیطان) تیرے درمیان مشرق و مغرب کی دوری ہوتی تو تو بہت برا ساتھی ہے۔ اور (یہ شور و فغاں) تمہیں کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتا آج جبکہ تم (دنیا میں) ظلم کرتے رہے تم (سب) اس عذاب میں حصہ دار ہو۔ کیا آپ سنانا چاہتے ہیں بہروں کو یا راہ دکھانا چاہتے ہیں اندھوں کو اور انہیں جو کھلی گمراہی میں ہیں۔ پس اگر ہم لے جائیں آپ کو (اس دارِ فانی سے) تو پھر بھی ہم ان سے بدلہ لیں گے۔ یا ہم آپ کو دکھا دیں گے وہ عذاب جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے، پس ہم ان پر پوری طرح قادر ہیں۔ پس مضبوطی سے پکڑے رہئے اس (قرآن) کو جو آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے۔ بے شک آپ سیدھی راہ پر ہیں۔ اور بے شک یہ بڑا شرف ہے آپ کے لئے اور آپ کی قوم کے لئے اور (اے فرزندانِ اسلام) تم سے جواب طلبی ہوگی۔ اور آپ پوچھئے ان سے جنہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے اپنے رسولوں سے۔ کیا ہم نے بنائے ہیں خداوندِ رحمٰن کے علاوہ اور خدا تا کہ ان کی پوجا کی جائے"۔

يَّعۡشُ آنکھیں بند کرنا، غفلت اور اعراض کرنا۔ العشا فی العین آنکھ کی ضعف بصارت کو کہتے ہیں۔

نُقَيِّضۡ لَهٗ شَيۡطٰنًا...... جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: وَمَنۡ يُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الۡهُدٰى (نساء:115) "اور جو شخص مخالفت کرے (اللہ کے) رسول کی اس کے بعد کہ روشن ہوگئی اس کے لئے ہدایت کی راہ"۔ اور فرمایا: فَلَمَّا زَاغُوۡۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوۡبَهُمۡ (الصف: 5) "پس جب انہوں نے کجروی اختیار کی تو اللہ نے بھی ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا"۔ اور فرمایا: وَقَيَّضۡنَا لَهُمۡ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوۡا لَهُمۡ مَّا بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَمَا خَلۡفَهُمۡ (فصلت:25) "اور ہم نے مقرر کر دیئے ان کے لئے کچھ ساتھی پس انہوں نے آراستہ کر دکھایا انہیں اگلے اور پچھلے گناہوں کو"۔ اسی طرح فرمایا: وَاِنَّهُمۡ لَيَصُدُّوۡنَهُمۡ عَنِ السَّبِيۡلِ...... یعنی وہ شخص جو ہدایت سے غفلت کرتا ہے تو ہم اس کے لئے شیطان کو مقرر کر دیتے ہیں جو اسے گمراہ کر دیتا ہے اور دوزخ کی راہ دکھاتا ہے۔ جب وہ اللہ تعالیٰ کے پاس قیامت کے دن آئے گا تو اس شیطان سے براءت کا اظہار کرے گا اور کہے گا: يٰلَيۡتَ بَيۡنِيۡ وَبَيۡنَكَ...... ایک قراءت میں جاء انا بھی آیا ہے۔ یعنی ساتھی اور ہمراہی۔

عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے سعید جریری سے روایت کیا ہے کہ ہمیں خبر ملی ہے کہ کافر قیامت کے دن جب اپنی قبر سے اٹھے گا تو شیطان اس کا ہاتھ پکڑ لے گا اور اس وقت تک جدا نہیں ہوگا تا آنکہ اللہ تعالیٰ انہیں دوزخ میں نہ پہنچا دے۔ اسی وقت وہ کہے يٰلَيۡتَ بَيۡنِيۡ وَ بَيۡنَكَ بُعۡدَ الۡمَشۡرِقَيۡنِ(1)۔ مشرقین سے مراد مشرق و مغرب ہیں۔ یہاں اس کا استعمال باعتبار غلبے کے ہے جس طرح کہا جاتا ہے قمرین (دو چاند) مراد سورج اور چاند ہے۔ اسی طرح عمران اور ابوان۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے یہی کہا ہے(2)۔

پھر فرمایا: لَنۡ يَّنۡفَعَكُمُ الۡيَوۡمَ...... آگ میں تمہارا مجتمع ہونا اور عذاب الیم میں تمہارا اشتراک تمہیں کوئی فائدہ نہ دے گا۔

اَفَاَنۡتَ تُسۡمِعُ الصُّمَّ...... آپ کے ذمے نہیں ہے مگر پیغام پہنچانا۔ ان کو راہ ہدایت پر گامزن کرنا آپ کی ذمہ داری نہیں ہے بلکہ اللہ

1۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 378　　2۔ ابن جریر، تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 74

تعالیٰ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہے گمراہ کر دیتا ہے۔ وہ حاکم عادل ہے۔

پھر فرمایا: فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ...... یعنی لازمی ہے کہ ہم ان سے انتقام لیں اور انہیں سزا دیں اگرچہ آپ چلے بھی جائیں۔

اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِيْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ یعنی ہم اس پر بھی قادر ہیں اور اس پر بھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اس دنیا سے واپس نہیں بلایا جب تک کہ آپ کے دشمنوں کے بارے میں آپ کی آنکھیں ٹھنڈی نہ کر لیں اور ان کی جان و مال پر آپ کو مکمل تصرف عطا نہیں فرما دیا۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی تفسیر کی ہے اور ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے ہی پسند کیا ہے (1)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے معمر سے روایت کیا ہے کہ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تلاوت کی فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ...... اور فرمایا: نبی ﷺ اس دنیا سے اٹھا لئے گئے اور انتقام باقی رہ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو آپ کی امت کے وہ معاملات نہ دکھائے جو آپ کو ناپسندیدہ تھے یہاں تک آپ اس دنیا سے پردہ فرما گئے۔ کوئی نبی ایسا نہیں گزرا مگر اس نے اپنی امت پر عذاب دیکھ لیا بجز نبی اکرم ﷺ کے۔ فرمایا: مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کو ان تمام حالات کا مشاہدہ کروایا گیا جو آپ کے بعد آپ کی امت کو پیش آنے والے تھے چنانچہ اس کے بعد کبھی آپ ﷺ کو کھل کر ہنستے ہوئے نہیں دیکھا گیا یہاں تک کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ بروایت سعید بن ابی عروبہ ابن جریر نے قتادہ سے یہی بیان کیا ہے اور حضرت حسن سے بھی ایک روایت اسی طرح ذکر کی ہے۔ حدیث شریف میں ہے: ''ستارے آسمان کے محافظ ہیں جب ستارے مٹ جائیں گے تو آسمان کے لئے جو وعدہ ہے وہ آن پہنچے گا۔ اور میں اپنے اصحاب کے لئے امان ہوں۔ جب میں اس دنیا سے چلا جاؤں گا تو میرے اصحاب کے لئے جو وعدہ ہے وہ آن پہنچے گا'' (2)۔

پھر فرمایا: فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ...... قرآن جو آپ کے دل پر اتارا گیا ہے اسے مضبوطی سے پکڑ لیجئے۔ یہ حق ہے اور جس طرف لے جاتا ہے وہ بھی حق ہے اور صراط مستقیم کی طرف لے جاتا ہے جو جنت اور دائمی سرمدی بھلائی کی طرف پہنچانے والا ہے۔

پھر فرمایا: وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ایک قول ہے کہ اس کا معنی ہے یہ آپ کے لئے اور آپ کی قوم کے لئے باعث شرف عظیم ہے۔ حضرت ابن عباس، مجاہد، قتادہ، سدی اور ابن زید رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہی کہا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ہی پسند کیا ہے اور دوسرا کوئی قول ذکر نہیں فرمایا۔ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا: ''یہ امر (خلافت و امامت کا منصب) قریش میں ہی رہے گا، جب تک دین کو قائم رکھیں گے۔ کوئی ان سے اس میں نہیں جھگڑے گا مگر اللہ اسے اوندھے منہ گرائے گا'' (3)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ یہ ان کے لئے باعث شرف ہے کیونکہ اس (کلام مقدس) کا نزول ان کی زبان میں ہوا ہے۔ تمام لوگوں سے بڑھ کر وہی اس کے سمجھنے پر قادر ہیں۔ چنانچہ انہیں چاہئے کہ وہ سب سے زیادہ اس پر کاربند رہیں اور اس کی تعلیمات پر عمل کریں۔ مخلص مہاجرین میں سے سابقون الاولون اور جو لوگ ان کے نقش قدم پر چلے اسی طرح تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ آپ اور آپ کی قوم کے لئے نصیحت ہے۔ بالخصوص ان کا ذکر کرنے سے دوسروں کی نفی مقصود نہیں۔ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (انبیاء:10) ''بیشک ہم نے اتاری تمہاری طرف ایک کتاب جس میں تمہارے لئے نصیحت ہے۔ کیا تم (اتنا بھی) نہیں سمجھتے''۔ ایک اور آیت میں آتا ہے: وَاَنْذِرْ

1۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 76
2۔ مسلم، کتاب فضائل صحابہ، جلد 4 صفحہ 1961، مسند امام احمد، جلد 4 صفحہ 398
3۔ تفسیر بغوی، جلد 4 صفحہ 140، فتح الباری، کتاب الاحکام، جلد 13 صفحہ 113-114

عَشِيْرَتَكَ الْأَقْرَبِيْنَ (شعراء:214) ''اور آپ ڈرایا کریں اپنے قریبی رشتہ داروں کو''۔

وَسَوْفَ تُسْئَلُوْنَ یعنی قرآن کریم اور اس کی تعلیمات پر عملدرآمد کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَا...... تمام انبیاء ومرسلین نے اپنی اپنی قوم کو وہی دعوت دی جس کی طرف آپ اپنی امت کو دعوت دے رہے ہیں۔ یعنی اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرنے کا حکم دیا اور بتوں کی پرستش سے منع فرمایا۔ ایک اور آیت میں آتا ہے: وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (النحل:36) ''اور ہم نے بھیجا ہر امت میں ایک رسول (جو انہیں یہ تعلیم دے) کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور دور رہو طاغوت سے''۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت اس طرح روایت کی ہے۔ واسأل الذین ارسلنا إلیهم قبلك رسلنا؟(1)۔ قتادہ۔ ضحاک اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ یہ گویا اس کی تفسیر ہے نہ کہ تلاوت۔ واللہ اعلم۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا قول ہے کہ معراج کی رات ان سے پوچھئے جب تمام انبیاء آپ کے پاس جمع تھے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے پہلا قول پسند کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَقَالَ اِنِّيْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ اِلَّا هِيَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا ۫ وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۵۰﴾

''اور ہم نے بھیجا موسیٰ (علیہ السلام) کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف، پس آپ نے (انہیں) کہا بیشک میں رب العٰلمین کا فرستادہ ہوں۔ پس جب آپ آئے ان کے پاس ہماری نشانیاں لے کر تو اس وقت وہ ان سے ہنسنے لگے۔ اور ہم نہیں دکھاتے تھے انہیں کوئی نشانی مگر وہ بڑی ہوتی پہلی سے۔ اور ہم نے مبتلا کر دیا انہیں عذاب میں تاکہ وہ باز آجائیں۔ اور وہ بولے اے جادوگر! دعا مانگئے ہمارے لئے اپنے رب سے بسبب اس عہد کے جو اس نے تمہارے ساتھ کیا ہے ہم ضرور ہدایت قبول کریں گے۔ پس جب ہم نے دور کر دیا ان سے عذاب تو فوراً وہ عہد شکنی کرنے لگے''۔

اپنے بندے اور رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں خبر دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے انہیں فرعون، اس کے امراء، وزراء، قائدین، پیروکاروں اور رعایا (قبطی و بنو اسرائیل) کی طرف مبعوث فرمایا۔ آپ انہیں توحید کی دعوت دیتے اور غیر اللہ کی عبادت سے روکتے۔ نیز آپ کو بڑے بڑے معجزات دے کر مبعوث فرمایا جیسے ید بیضاء اور عصا، طوفان، ٹڈیاں، جوئیں، مینڈک، خون جیسی چیزیں آپ کے ساتھ بھیجیں۔ پیداوار، جانوں اور پھلوں میں کمی ہوئی۔ لیکن اس کے باوجود وہ قبول حق سے تکبر کرتے رہے اور اسے جھٹلایا، تمسخر اڑایا اور اس دعوت کے لانے والوں کا مذاق اڑایا۔

وَمَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ...... اس کے باوجود وہ اپنی گمراہی، جہالت اور فساد انگیزی سے باز نہ آئے۔ جب بھی کوئی تکلیف درپیش ہوتی وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عاجزی سے دعا کی درخواست کرتے اور خوشامد سے یوں کہتے: (یاأیها الساحر): اے

1۔ طبری، جلد 25 صفحہ 77

عالم۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے یہی لکھا ہے(1)۔ اس زمانے کے علماء فن سحر سے بھی آگاہ ہوتے تھے۔ اس دور میں جادو مذموم شمار نہیں کیا جاتا تھا۔ چنانچہ یاأیھا الساحر یہاں تحقیر کے لئے نہیں بلکہ احترام کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ چونکہ اس وقت انہیں بلا کو ٹالنے کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ضرورت ہوتی تھی۔ اس لئے یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے بطور اعتراض ایسا کہا ہو بلکہ ان کے نزدیک یہ لقب معزز اور محترم تھا۔ ہر مرتبہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کرتے کہ اب اگر یہ عذاب ہٹ گیا تو وہ ایمان لے آئیں گے اور بنو اسرائیل کو آپ کے ساتھ بھیج دیں گے۔ لیکن ہر مرتبہ کام نکل جانے کے بعد عہد شکنی کرتے۔ ایک اور جگہ اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

فَاَرۡسَلۡنَا عَلَیۡهِمُ الطُّوۡفَانَ وَ الۡجَرَادَ وَ الۡقُمَّلَ وَ الضَّفَادِعَ وَ الدَّمَ اٰیٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۟ فَاسۡتَکۡبَرُوۡا وَ کَانُوۡا قَوۡمًا مُّجۡرِمِیۡنَ ﴿۱۳۳﴾ وَ لَمَّا وَقَعَ عَلَیۡهِمُ الرِّجۡزُ قَالُوۡا یٰمُوۡسَی ادۡعُ لَنَا رَبَّکَ بِمَا عَهِدَ عِنۡدَکَ ۚ لَئِنۡ کَشَفۡتَ عَنَّا الرِّجۡزَ لَنُؤۡمِنَنَّ لَکَ وَ لَنُرۡسِلَنَّ مَعَکَ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ﴿۱۳۴﴾ فَلَمَّا کَشَفۡنَا عَنۡهُمُ الرِّجۡزَ اِلٰۤی اَجَلٍ هُمۡ بٰلِغُوۡهُ اِذَا هُمۡ یَنۡکُثُوۡنَ (اعراف:135-133) پھر بھیجا ہم نے ان پر طوفان اور ٹڈی اور جوئیں اور مینڈک اور خون (یہ سب) واضح نشانیاں تھیں پھر بھی وہ تکبر کرتے رہے اور وہ لوگ (پیشہ ور) مجرم تھے اور جب آ جاتا ان پر کوئی عذاب تو کہتے اے موسیٰ! دعا کر ہمارے لئے اپنے رب سے اس عہد کے سبب جو اس کا تمہارے ساتھ ہے۔ اگر تم ہٹا دو گے ہم سے یہ عذاب تو ہم ضرور ایمان لائیں گے تم پر اور ضرور روانہ کر دیں گے تیرے ساتھ بنی اسرائیل کو پھر جب ہم نے دور کر دیا ان سے عذاب ایک مقررہ میعاد تک جس کو وہ پہنچنے والے تھے تو فوراً انہوں نے (توبہ کا عہد) توڑ دیا"۔

وَ نَادٰی فِرۡعَوۡنُ فِیۡ قَوۡمِهٖ قَالَ یٰقَوۡمِ اَلَیۡسَ لِیۡ مُلۡکُ مِصۡرَ وَ هٰذِهِ الۡاَنۡهٰرُ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِیۡ ۚ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ ﴿ؕ۵۱﴾ اَمۡ اَنَا خَیۡرٌ مِّنۡ هٰذَا الَّذِیۡ هُوَ مَهِیۡنٌ ۬ۙ وَّ لَا یَکَادُ یُبِیۡنُ ﴿۵۲﴾ فَلَوۡ لَاۤ اُلۡقِیَ عَلَیۡهِ اَسۡوِرَۃٌ مِّنۡ ذَهَبٍ اَوۡ جَآءَ مَعَهُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ مُقۡتَرِنِیۡنَ ﴿۵۳﴾ فَاسۡتَخَفَّ قَوۡمَهٗ فَاَطَاعُوۡهُ ؕ اِنَّهُمۡ کَانُوۡا قَوۡمًا فٰسِقِیۡنَ ﴿۵۴﴾ فَلَمَّاۤ اٰسَفُوۡنَا انۡتَقَمۡنَا مِنۡهُمۡ فَاَغۡرَقۡنٰهُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ﴿ۙ۵۵﴾ فَجَعَلۡنٰهُمۡ سَلَفًا وَّ مَثَلًا لِّلۡاٰخِرِیۡنَ ﴿۵۶﴾

"اور پکارا فرعون اپنی قوم میں (اور) کہنے لگا اے میری قوم! کیا میں مصر کا فرمانروا نہیں؟ اور یہ نہریں جو میرے نیچے بہہ رہی ہیں کیا تم (انہیں) دیکھ نہیں رہے؟ کیا میں بہتر نہیں ہوں اس شخص سے جو ذلیل ہے اور بات بھی صاف نہیں کر سکتا۔ (اگر یہ سچا نبی ہے) تو کیوں نہ اتارے گئے اس پر سونے کے کنگن یا کیوں نہ آئے اس کے ساتھ فرشتے قطار در قطار۔ یوں اس نے احمق بنا دیا اپنی قوم کو سو وہ اس کی پیروی کرنے لگے۔ درحقیقت یہ نافرمان لوگ تھے۔ پس جب انہوں نے ہمیں ناراض کر دیا تو ہم نے ان سے انتقام لیا پھر ہم نے ان سب کو غرق کر دیا۔ اور بنا دیا انہیں پیش رو اور کہاوت پچھلوں کے لئے"۔

اللہ تعالیٰ فرعون کی سرکشی اور کفر و عناد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس نے اپنی قوم کو جمع کیا اور مملکت مصر اور اپنی فرمانروائی پر فخر و مباہات اور غرور کا اظہار کرتے ہوئے کہا: اَلَیۡسَ لِیۡ مُلۡکُ مِصۡرَ..... قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ان کے ہاں باغات اور نہریں جاری تھیں۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 80

اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ کیا تم میری عظمت و سطوت اور مصر کی وسیع و عریض سلطنت کو نہیں دیکھتے ہو؟ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے پیروکار فقراء اور کمزور ہیں۔ ایک اور آیت میں یہی مضمون بیان ہوا ہے۔ ارشاد فرمایا: فَحَشَرَ فَنَادٰی ﴿﴾ فَقَالَ اَنَا رَبُّکُمُ الۡاَعۡلٰی ﴿﴾ فَاَخَذَہُ اللّٰہُ نَکَالَ الۡاٰخِرَۃِ وَ الۡاُوۡلٰی (نازعات: 25-23) ''پھر (لوگوں کو) جمع کیا پس پکارا۔ اور کہا میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔ آخر کار مبتلا کر دیا اسے اللہ نے آخرت اور دنیا کے (دوہرے) عذاب میں''۔

قولہ اَمۡ اَنَا خَیۡرٌ مِّنۡ ھٰذَا الَّذِیۡ ھُوَ مَھِیۡنٌ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اس نے کہا بلکہ میں اس شخص سے بہتر ہوں جو ذلیل ہے۔ بعض بصری نحویوں کا یہی قول ہے۔ أَمۡ یہاں بَلۡ کے معنی میں ہے۔ اس کی تائید اس قول سے بھی ہوتی ہے جسے فراء نے بعض قاریوں سے حکایت کیا ہے(1)۔ وہ قرأت یوں ہے: اَمَا اَنَا خَیۡرٌ مِّنۡ ھٰذَا الَّذِیۡ ھُوَ مَھِیۡنٌ۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اگر یہ قرأت صحیح ہو تو معنی بالکل صحیح اور واضح ہو جاتا ہے لیکن یہ شہروں کی قرأت کے خلاف ہے۔ سب کی قرأت اَمۡ اَنَا خَیۡرٌ یعنی أم استفہام کے ساتھ ہے(2)۔

(مصنف کا قول ہے) جس طرح بھی پڑھا جائے اس کا مفہوم یہی بنتا ہے کہ فرعون لعنہ اللّٰہ بذلك۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بہتر ہے۔ حالانکہ اپنی اس بات میں وہ سراسر جھوٹا تھا۔ اس پر تا قیام قیامت مسلسل اللہ تعالیٰ کی لعنتیں ہوں۔

مَھِیۡنٌ سے مراد سفیان کے قول کے مطابق حقیر ہے۔ قتادہ اور سدی رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک ضعیف۔ ابن جریر رحمۃ اللہ کے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ اس کے پاس نہ تو بادشاہی ہے نہ جاہ و حشمت اور نہ مال و دولت۔

وَّ لَا یَکَادُ یُبِیۡنُ اس کی بات تقریباً سمجھی نہیں جاتی۔ قتادہ، سدی اور ابن جریر رحمہم اللہ تعالیٰ کے مطابق اس کا معنی ہے اس کی زبان میں لکنت ہے۔ سفیان کا قول ہے: یعنی آپ کی زبان میں اس انگارے کی تاثیر ہے جو آپ نے صغرسنی میں اپنی زبان پر رکھ لیا تھا۔ فرعون ملعون کی یہ بات دجل و کذب اور افتراء تھا۔ اس کی اس بات کا سبب فقط کفر اور عناد تھا۔ وہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف بدبخت کافر آنکھ کے ساتھ دیکھ رہا تھا حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام عزت و وقار اور عقلمندوں کی نگاہوں کو خیرہ کر دینے والے ظاہری حسن و جمال کے حامل تھے۔ اس کا مَھِین کہنا محض دجل و فریب تھا بلکہ وہ خود تخلیقی، اخلاقی اور دینی اعتبار سے ذلیل و رسوا تھا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام معزز سردار، سچے، نیکوکار اور صاحب رشد و ہدایت تھے۔ اسی طرح اس کا لَا یَکَادُ یُبِیۡنُ کہنا بھی مطلق افتراء تھا۔ بچپن میں چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انگارہ منہ میں رکھ لیا تھا اگرچہ اس کی وجہ سے آپ کی زبان میں کچھ لکنت تھی لیکن آپ نے دعا مانگی تھی کہ اے اللہ میری زبان کی گرہ کھول دے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو قبول بھی فرما لیا۔ اس آیت میں اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔ قَدۡ اُوۡتِیۡتَ سُؤۡلَکَ یٰمُوۡسٰی (طٰہٰ: 36) ''جواب ملا منظور کر لی گئی ہے آپ کی درخواست اے موسیٰ''۔ بفرض تسلیم اگر اس کا اثر کچھ باقی رہ گیا جس کے ازالے کا آپ نے سوال نہ کیا تو یہ کوئی عیب نہیں جس طرح کہ حضرت حسن بصری کا قول ہے کیونکہ دعائے کلیمی فقط اس قدر تھی کہ میری زبان اس قدر کھل جائے کہ تبلیغ دین اور اپنا مدعا سمجھانے میں کوئی دقت پیش نہ آئے۔ تخلیقی اشیاء بندے کا فعل نہیں ہیں۔ ان کی بناء پر آدمی کو عیب نہیں دیا جا سکتا اور نہ اسے مذموم ٹھہرایا جا سکتا ہے۔ فرعون عقل و شعور رکھتا تھا اور اس بات سے آگاہ بھی تھا لیکن اس نے اپنی رعایا کو بہکانا چاہا تھا وہ لوگ جاہل اور کج فہم تھے۔ اس کی یہ بات بھی اسی طرح ہے: فَلَوۡ لَاۤ اُلۡقِیَ عَلَیۡہِ اَسۡوِرَۃٌ مِّنۡ ذَھَبٍ یعنی وہ زیورات (کنگن) جو ہاتھوں میں ڈالے جاتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے یہی کہا ہے۔

1۔ فراء: معانی القرآن، جلد 3 صفحہ 35 　 2۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 83

اَوۡ جَآءَ مَعَهُ الۡمَلٰٓئِكَةُ مُقۡتَرِنِيۡنَ اسی طرح اس نے کہا کہ فرشتے اس کی خدمت اور تصدیق کے لئے اس کے ہمراہ کیوں نہیں ہوتے۔ اس نے ظاہری شکل کی طرف دیکھا اور معنوی حسن وخوبی کا ادراک نہ کرسکا حالانکہ یہ بالکل واضح بات تھی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: فَاسۡتَخَفَّ قَوۡمَهٗ...... اپنی قوم کی عقلوں پر پردہ ڈال دیا اور انہیں احمق بنا دیا۔ اس نے انہیں گمراہی کی طرف بلایا تو انہوں نے اس کی بات کو مان لیا اور دھوکے میں آ گئے۔

قال اللہ تعالیٰ فَلَمَّاۤ اٰسَفُوۡنَا انۡتَقَمۡنَا مِنۡهُمۡ...... علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آسفونا کا معنی نقل کیا ہے أسخطونا (ہمیں ناراض کر دیا) (1)۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے أغضبونا (ہمیں غصہ دلایا)۔ ابن عباس، مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، محمد بن کعب قرظی، قتادہ، سدی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ مفسرین سے یہی منقول ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جب تو دیکھے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کسی بندے کو نعمتیں دیئے جا رہا ہے حالانکہ وہ نافرمانیوں پر جما ہوا ہے تو یہ اس کی ڈھیل ہے۔ پھر آپ ﷺ نے یہی آیت تلاوت فرمائی: فَلَمَّاۤ اٰسَفُوۡنَا...... (2)۔ ابی نے طارق بن شہاب سے روایت کیا ہے کہ میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔ جب اچانک موت کا ذکر آیا تو آپ نے فرمایا: یہ مؤمن کے لئے تخفیف اور کافر کے لئے حسرت ہے۔ پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی فَلَمَّاۤ اٰسَفُوۡنَا انۡتَقَمۡنَا...... حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے فرمایا: انتقام غفلت کے ساتھ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا فرمان: فَلَمَّاۤ اٰسَفُوۡنَا......۔

قولہ سبحانہ وتعالیٰ فَجَعَلۡنٰهُمۡ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلۡاٰخِرِيۡنَ ابومجلز کا قول ہے پیش رواں کے لئے جوان جیسا عمل کرے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور ان کا قول ہے: مثال یعنی نشان عبرت بعد میں آنے والی اقوام کے لئے۔

واللہ سبحانہ و تعالى الموفق للصواب، وإليه المرجع والمآب۔

وَلَمَّا ضُرِبَ ابۡنُ مَرۡيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوۡمُكَ مِنۡهُ يَصِدُّوۡنَ ﴿۵۷﴾ وَقَالُوۡۤا ءَاٰلِهَتُنَا خَيۡرٌ اَمۡ هُوَ ؕ مَا ضَرَبُوۡهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ؕ بَلۡ هُمۡ قَوۡمٌ خَصِمُوۡنَ ﴿۵۸﴾ اِنۡ هُوَ اِلَّا عَبۡدٌ اَنۡعَمۡنَا عَلَيۡهِ وَجَعَلۡنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ ؕ ﴿۵۹﴾ وَلَوۡ نَشَآءُ لَجَعَلۡنَا مِنۡكُمۡ مَّلٰٓئِكَةً فِى الۡاَرۡضِ يَخۡلُفُوۡنَ ﴿۶۰﴾ وَاِنَّهٗ لَعِلۡمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمۡتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوۡنِ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِيۡمٌ ﴿۶۱﴾ وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيۡطٰنُ ۚ اِنَّهٗ لَكُمۡ عَدُوٌّ مُّبِيۡنٌ ﴿۶۲﴾ وَلَمَّا جَآءَ عِيۡسٰى بِالۡبَيِّنٰتِ قَالَ قَدۡ جِئۡتُكُمۡ بِالۡحِكۡمَةِ وَلِاُبَيِّنَ لَكُمۡ بَعۡضَ الَّذِىۡ تَخۡتَلِفُوۡنَ فِيۡهِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوۡنِ ﴿۶۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّىۡ وَرَبُّكُمۡ فَاعۡبُدُوۡهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِيۡمٌ ﴿۶۴﴾ فَاخۡتَلَفَ الۡاَحۡزَابُ مِنۡۢ بَيۡنِهِمۡ ۚ فَوَيۡلٌ لِّلَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡ عَذَابِ يَوۡمٍ اَلِيۡمٍ ﴿۶۵﴾

"اور جب بیان کیا جاتا ہے مریم کے فرزند (عیسیٰؑ) کا حال تو آپ کی قوم اس سے شور وغل مچا دیتی ہے۔ اور کہتے ہیں کیا

1۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 84

2۔ مسند امام احمد، جلد 4 صفحہ 145، طبرانی، المعجم الکبیر، جلد 17 صفحہ 331-333، درمنثور، جلد 7 صفحہ 384، نیز دیکھئے تفسیر سورۂ انعام: 44

ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ۔ وہ نہیں بیان کرتے یہ مثال آپ سے مگر کج بحثی کے لئے۔ در حقیقت یہ لوگ بڑے جھگڑالو ہیں۔ نہیں ہے عیسیٰ مگر ایک بندہ ہم نے انعام فرمایا ہے ان پر اور ہم نے بنا دیا ہے انہیں ایک نمونہ بنی اسرائیل کے لئے۔ اور اگر ہم چاہتے تو ہم بسا دیتے تمہارے بدلے فرشتے زمین میں جو تمہارے جانشین ہوتے اور بیشک وہ ایک نشانی ہیں قیامت کے لئے پس ہرگز شک نہ کرو اس میں اور میری پیروی کیا کرو۔ یہ سیدھا راستہ ہے۔ کہیں روک نہ دے تمہیں شیطان (اس راہ سے) بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اور جب آئے عیسیٰ (علیہ السلام) روشن نشانیاں لے کر تو فرمایا میں آیا ہوں تمہارے پاس حکمت لے کر اور میں بیان کروں گا تم سے کچھ وہ بات جس میں تم اختلاف کرتے ہو۔ پس ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور میری فرمانبرداری کیا کرو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ وہی میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے پس اس کی عبادت کیا کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے پھر اختلاف کرنے لگ گئے (ان کے) گروہ آپس میں۔ پس ہلاکت ہے ظالموں کے لئے دردناک عذاب کے دن سے''۔

قریش کے کفر وتعنت اور دانستہ دجل وعناد کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے۔

یَصِدُّوْنَ بہت سے مفسرین نے حضرت ابن عباس، مجاہد، عکرمہ، سدی اور ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ سے اس کا معنی نقل کیا ہے کہ وہ حیرت و تعجب سے ہنسنے لگے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ وہ بے صبری کا اظہار کرتے ہوئے خوب ہنسے۔ ابراہیم نخعی کا قول ہے منہ موڑنے لگے۔ اس کی وجہ یہ ہے جسے محمد بن اسحٰق نے سیرت میں ذکر کیا ہے ایک دن آپ ﷺ ولید بن مغیرہ کے ساتھ مسجد حرام میں تشریف فرما تھے۔ اس دوران نضر بن حارث آ کر بیٹھ گیا۔ مجلس میں اس وقت بہت سے سرداران قریش تھے۔ آپ ﷺ نے کوئی بات کی تو نضر بن حارث آڑے آ گیا۔ آپ ﷺ نے اسے لاجواب کر دیا۔ پھر آپ نے ان کے سامنے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ (انبیاء: 98) ''(اے مشرکو!) تم اور جن بتوں کی تم عبادت کیا کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر سب جہنم کا ایندھن ہوں گے۔ تم اس میں داخل ہونے والے ہو''۔ پھر آپ ﷺ تشریف لے گئے۔ اتنے میں عبداللہ بن زبعری تمیمی آیا اور بیٹھ گیا۔ ولید بن مغیرہ نے اس سے کہا: اللہ کی قسم نضر بن حارث تو ابن عبدالمطلب سے ہار گیا ہے۔ محمد کا کہنا ہے کہ ہم اور جس چیز کی ہم عبادت کرتے ہیں سب جہنم کا ایندھن ہیں۔ یہ سن کر عبداللہ بن زبعری کہنے لگا: اللہ کی قسم اگر میں ہوتا تو انہیں لاجواب کر دیتا۔ محمد سے پوچھو کیا وہ غیر اللہ جس کی عبادت کی جاتی ہے اپنے عبادت کرنے والے کے ساتھ جہنم میں جائے گا؟ ہم ملائکہ کی عبادت کرتے ہیں یہود حضرت عزیر علیہ السلام کی اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ بن مریم کو پوجتے ہیں۔ تو نتیجتاً یہ حضرات (معاذ اللہ) جہنم میں ہوں گے تو ہم راضی ہیں کہ ہم اور ہمارے معبود بھی ان کے ساتھ ہوں۔ ولید اور مجلس کے دیگر افراد یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے ہاں یہ جواب ٹھیک ہے۔ آپ ﷺ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: ''ہر وہ جو یہ پسند کرتا ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر اس کی عبادت کی جائے تو وہ اس کے ساتھ ہے جس کی اس نے عبادت کی۔ وہ شیطان کی عبادت کرتے ہیں اور اس کی جس کا شیطان انہیں حکم دیتا ہے۔'' تو اس وقت یہ آیت اتری: اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ (انبیاء: 101) ''بلاشبہ وہ لوگ جن کے لئے مقدر ہو چکی ہے ہماری طرف سے بھلائی۔ تو وہی اس جہنم سے دور رکھے جائیں گے''۔ یعنی حضرت عیسیٰ، حضرت عزیر علیہما السلام اور ان کے علاوہ جن احبار ورہبان کی یہ لوگ پرستش کرتے رہے، حالانکہ یہ لوگ خود اطاعت الٰہی پر گامزن رہے تھے لیکن بعد میں گمراہوں نے اللہ کو چھوڑ کر انہیں رب بنا لیا اور فرشتوں

کو اللہ کی بیٹیاں قرار دینے والوں کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی: وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ۭ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ (انبیاء:26) ’’وہ کہتے ہیں بنالیا ہے رحمٰن نے (اپنے لئے) بیٹا سبحان اللہ! (یہ کیونکر ہوسکتا ہے) بلکہ وہ تو (اس کے) معزز بندے ہیں‘‘۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اس نے جو جواب دیا تھا اور جس کو سن کر ولید اور دیگر کفار خوش ہوئے تھے کی تردید میں یہ آیتیں نازل ہوئیں وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ...... یعنی آپ کے معاملے سے شوروغل مچادیتے ہیں۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا: اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا......۔

وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ مردوں کو زندہ کرنے، بیماروں کو شفایاب کرنے کی جو نشانیاں آپ کے ہاتھ پر ظاہر ہوئیں۔ یہی قیامت کی دلیل کافی ہے(1)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت عوفی ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ قریش کو جب یہ آیات سنائی گئیں اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ...... (الانبیاء:98) تو قریش کہنے لگے ابن مریم کا کیا ہوگا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا وہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ وہ کہنے لگے یہ نہیں چاہتے مگر یہ کہ ہم انہیں اسی طرح رب بنالیں جس طرح نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم کو اپنا رب بنالیا تھا۔ تو یہ آیت نازل ہوئی مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا......(2)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت ابی یحییٰ مولیٰ ابن عقیل انصاری روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مجھے قرآن کریم میں سے ایک ایسی آیت کا پتہ ہے جس کے بارے میں مجھ سے کسی نے کبھی نہیں پوچھا۔ معلوم نہیں لوگوں کو اس کا پتہ ہے اس لئے نہیں پوچھا یا وہ اسے نہیں جانتے کہ اس کے بارے میں سوال کریں؟ فرماتے ہیں پھر آپ دیگر باتیں بیان فرماتے رہے اور مجلس کے خاتمے پر جب آپ اٹھ گئے تو ہم نے ایک دوسرے کو ملامت کی کہ ہم نے اس آیت کے بارے میں کیوں دریافت نہیں کیا میں نے کہا اچھا میں کل دریافت کروں گا۔ اگلے دن میں نے عرض کی کہ کل آپ نے ایک آیت کے بارے میں فرمایا تھا۔ اب مجھے اس کے بارے میں اور اس سے ماقبل آیات کے بارے میں بتائیے۔ آپ رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہاں رسول اللہ ﷺ نے قریش سے فرمایا تھا: ’’اے گروہ قریش! کوئی ایسا نہیں جس کی عبادت خدا کے سوا کی جاتی ہو مگر اس میں خیر ہو۔‘‘ قریش یہ جانتے تھے کہ نصاریٰ عیسیٰ بن مریم علیہما الصلوٰۃ والسلام کی عبادت کرتے ہیں اور حضور ﷺ کے بارے میں جو رائے رکھتے ہیں۔ چنانچہ وہ کہنے لگے: اے محمد! کیا آپ یہ نہیں کہتے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کے نبی اور نیک بندے تھے۔ اگر آپ سچے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ ان کے معبودوں کا انجام (معاذ اللہ) جہنم ہے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ...... میں نے پوچھا يَصِدُّوْنَ کا کیا معنی ہے؟ فرمایا: وہ ہنستے ہیں۔ وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فرمایا اس کا مطلب قیامت سے قبل حضرت عیسیٰ بن مریم کا نزول ہے(3)۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بروایت احمد مولی انصار حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی روایت کیا ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ قریش کہنے لگے: محمد کا خیال ہے کہ ہم اس کی عبادت اسی طرح کریں جس طرح قومِ عیسیٰ حضرت عیسیٰ السلام کی عبادت کرتی ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

قولہ وَقَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ وہ کہتے ہیں ہمارے معبود ان سے بہتر ہیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے ہی مروی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسے أم هذا کر کے پڑھا ہے۔ مطلب یہ کہ ہمارے معبود (حاشا وکلا) حضور سے بہتر ہیں(4)

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ انبیاء آیت:98　2۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 86　3۔ مسند امام احمد، جلد 1 صفحہ 318　4۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 88

مَا ضَرَبُوۡهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا یہ بلاوجہ کج بحثی ہے۔ وہ یہ جانتے ہیں کہ ہمارا اعتراض اس آیت پر وارد نہیں ہوتا کیونکہ یہ غیر ذوی العقول کے لئے ہے (کلمہ ما کا اشارہ اسی طرف ہے)۔ دیکھئے آیت کریمہ اِنَّكُمۡ وَمَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ...... (انبیاء:98) پھر یہ خطاب قریش کو ہے اور وہ بتوں اور انداد کی پیروی کرتے تھے اور حضرت مسیح کے پجاری نہ تھے کہ اعتراض برمحل مانا جائے۔ چنانچہ یہ بات واضح ہوگئی کہ ان کا اعتراض صرف مجادلہ اور کٹ حجتی ہے۔ وہ اسے درست خیال نہیں کرتے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کوئی قوم ہدایت کے بعد گمراہ نہیں ہوتی مگر اسے بے دلیل حجت بازی عطا کر دی جاتی ہے۔'' پھر آپ ﷺ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ مَا ضَرَبُوۡهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ؕ بَلۡ هُمۡ قَوۡمٌ خَصِمُوۡنَ (1)۔ ترمذی، ابن ماجہ اور ابن جریر رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے روایت کیا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے ہم اسے نہیں جانتے مگر اسی حدیث سے (2)۔ یہی حدیث ایک اور سند سے بھی حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ حماد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ مجھے یہ یاد نہیں کہ آپ نے اسے مرفوع قرار دیا تھا یا نہیں۔ فرمایا: ''کوئی امت (قوم) اپنے نبی کے بعد گمراہ نہیں ہوتی مگر اس کی گمراہی کی پہلی بات تقدیر کو جھٹلانا ہوتی ہے اور کوئی قوم اپنے نبی کے بعد گمراہ نہیں ہوتی مگر اسے حجت بازی عطا کر دی جاتی ہے۔'' پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: مَا ضَرَبُوۡهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ......۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ لوگوں کے پاس آئے تو وہ قرآن کی آیتوں کے بارے میں جھگڑ رہے تھے۔ آپ ﷺ یہ سن کر سخت غضب ناک ہوئے حتیٰ کہ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آپ کے چہرے پر سرکہ انڈیل دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کتاب اللہ کی آیات کو ایک دوسرے کے ساتھ نہ ٹکراؤ کوئی قوم گمراہ نہیں ہوئی مگر اسے مجادلہ عطا کیا گیا'' (3)۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: مَا ضَرَبُوۡهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا......(4)۔

قولہ اِنۡ هُوَ اِلَّا عَبۡدٌ اَنۡعَمۡنَا عَلَيۡهِ اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ وہ نہیں ہیں مگر اللہ کے ایک بندے جنہیں اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت عطا فرمائی تھی۔

قولہ تعالیٰ وَلَوۡ نَشَآءُ لَجَعَلۡنَا مِنۡكُمۡ یعنی تمہارے بدلے۔

مَّلٰٓئِكَةً سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے وہ تمہارے جانشین ہوتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے جس طرح تم ایک دوسرے کے جانشین ہوتے ہو وہ بھی ایک دوسرے کے جانشین ہوتے ہیں۔ یہ قول پہلے قول کو مستلزم ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے تمہاری جگہ وہ زمین کو آباد کرتے۔

قولہ سبحانہ وتعالیٰ وَ اِنَّهٗ لَعِلۡمٌ لِّلسَّاعَةِ ابن اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مردے زندہ کرنے مادرزاد اندھے اور برص زدہ کو ٹھیک کرنے جیسے معجزات عطا فرمائے گئے تھے لیکن یہ بات محل نظر ہے اور اس سے بھی زیادہ دور کی بات وہ ہے جسے قتادہ نے حضرت حسن بصری اور سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ اِنَّهٗ کی ضمیر کا مرجع قرآن ہے۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ اس کا مرجع حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ سیاق کلام سے بھی اسی بات کی تائید ہوتی ہے۔ پھر اس سے مراد آپ کا قیامت سے قبل

1۔ مسند امام احمد، جلد 5 صفحہ 256

2۔ تحفۃ الاحوذی، جلد 9 صفحہ 130، عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۂ زخرف: 134-132، ابن ماجہ: المقدمۃ، جلد 1 صفحہ 19، تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 88

3۔ یعنی انہیں جھگڑے کی عادت ہو جاتی ہے اور وہ گمراہی کو ہدایت ثابت کرتے ہیں 4۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 89-88

نزول ہے۔ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: وَ اِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤۡمِنَنَّ بِهٖ قَبۡلَ مَوۡتِهٖ (نساء: 159) ''اور کوئی ایسا نہیں ہوگا اہل کتاب سے مگر وہ ضرور ایمان لائے گا مسیح پر ان کی موت سے پہلے''۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے قبل۔ وَ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ يَكُوۡنُ عَلَيۡهِمۡ شَهِيۡدًا (نساء: 159) ''اور قیامت کے دن وہ ہوں گے ان پر گواہ''۔ اس معنی کی تائید ایک اور قراءت سے بھی ہوتی ہے وَ اِنَّهٗ لَعَلَمٌ لِّلسَّاعَةِ (1)۔ یعنی وقوع قیامت کی علامت و دلیل۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ علامت ہے قیامت کی یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قیامت سے قبل تشریف لانا۔ حضرت ابو ہریرہ، ابن عباس، ابو العالیہ، ابو مالک، عکرمہ، حسن، قتادہ اور ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے یہی مروی ہے۔ متواتر احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے امام عادل، حاکم منصف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قیامت سے قبل نزول کی خوشخبری سنائی۔

قولہ تعالیٰ فَلَا تَمۡتَرُنَّ بِهَا اس کے واقع ہونے کے بارے میں شک و شبہ میں نہ پڑو یہ لامحالہ طور پر واقع ہو کر رہے گی۔

وَ اتَّبِعُوۡنِ جو میں تمہیں خبر دوں۔

وَ لَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيۡطٰنُ اتباع حق سے بھٹکا نہ دے۔

بِالۡحِكۡمَةِ: أی بالنبوۃ۔ نبوت کے ساتھ۔

تَخۡتَلِفُوۡنَ فِيۡهِ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ تمہارا اختلاف امور دینیہ میں نہ کہ امور دنیا میں۔ حضرت حسن کا یہ قول بہت عمدہ ہے پھر ان لوگوں کی تردید کی ہے جن کا یہ خیال ہے کہ ''بعض'' یہاں بمعنی ''کل'' ہے اور بطور استشہاد لبید شاعر کا یہ قول پیش کیا ہے:

تَرَّاكُ أَسْكِنَةٍ إِذَا لَمْ أَرْضَهَا أَوْ يَعْتَلِقْ بَعْضَ النُّفُوسِ حِمَامُهَا

اور اس کی تاویل یہ کی ہے کہ اس سے مراد تمام لوگ ہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہاں بھی مراد شاعر کا اپنا نفس ہے اسے ''بعض'' سے تعبیر کیا ہے۔ امام صاحب نے شعر کا جو مطلب بیان کیا ہے یہ بھی ممکن ہے (2)۔

پھر فرمایا فَاتَّقُوا اللّٰهَ یعنی اس میں جو میں تمہیں حکم دیتا ہوں۔

وَ اَطِيۡعُوۡنِ اس میں جو میں تمہارے پاس لایا ہوں۔

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيۡ وَ رَبُّكُمۡ یعنی میں اور تم اس کے بندے اور اسی کے محتاج ہیں۔ سب اسی وحدہ لاشریک کی عبادت کرتے ہیں۔

هٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِيۡمٌ جو کچھ میں تمہارے پاس لایا ہوں یہی سیدھی راہ ہے اور وہ اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرتا ہے۔

قولہ فَاخۡتَلَفَ الۡاَحۡزَابُ مِنۡۢ بَيۡنِهِمۡ لوگ فرقوں میں منقسم ہو گئے اور مختلف گروہ بن گئے۔ بعض آپ کو اللہ کا بندہ اور رسول مانتے تھے اور یہی حق ہے جبکہ بعض دیگر یہ کہتے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہیں اور بعض انہیں خود خدا ہی قرار دیتے۔ تعالی اللہ عن قولھم علوًّا کبیرا۔

اسی لئے فرمایا: فَوَيۡلٌ لِّلَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡ عَذَابِ يَوۡمٍ اَلِيۡمٍ

هَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنۡ تَاۡتِيَهُمۡ بَغۡتَةً وَّ هُمۡ لَا يَشۡعُرُوۡنَ ﴿۶۶﴾ اَلۡاَخِلَّآءُ يَوۡمَئِذٍۢ بَعۡضُهُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۶۷﴾ يٰعِبَادِ لَا خَوۡفٌ عَلَيۡكُمُ الۡيَوۡمَ وَ لَاۤ اَنۡتُمۡ

1۔ روح المعانی، جلد 25 صفحہ 95 2۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 93-92

تَحْزَنُوْنَ ﴿۶۸﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ﴿۶۹﴾ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ ﴿۷۰﴾ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ ۚ وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ ۚ وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۲﴾ لَكُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ كَثِيْرَةٌ مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۷۳﴾

''کیا یہ لوگ قیامت برپا ہونے کے منتظر ہیں کہ آ جائے ان پر اچانک اور انہیں خبر تک نہ ہو۔ گہرے دوست اس روز ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے بجز ان کے جو متقی (اور پرہیزگار) ہیں۔ اے میرے (پیارے) بندو! آج تم پر کوئی خوف نہیں اور نہ تم (آج) غم زدہ ہو گے۔ (یعنی) وہ بندے جو ایمان لے آئے تھے ہماری آیتوں پر اور فرمانبردار تھے۔ (حکم ہوگا) داخل ہو جاؤ جنت میں تم اور تمہاری بیویاں خوشی خوشی۔ گردش میں ہوں گے ان پر سونے کے تھال اور جام۔ اور وہاں ہر چیز موجود ہوگی جسے دل پسند کریں اور آنکھوں کو لذت ملے۔ (مزید برآں) تم وہاں ہمیشہ رہو گے۔ اور یہی وہ جنت ہے جس کے تم وارث بنا دیئے گئے ہو ان اعمال کے باعث جو تم کیا کرتے تھے۔ تمہارے لئے یہاں بکثرت پھل ہیں ان میں سے کھاؤ گے (جو جی چاہے)''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ رسولوں کو جھٹلانے والے یہ مشرکین انتظار نہیں کر رہے مگر قیامت کا وہ نہیں جانتے یہ لامحالہ طور پر واقع ہو کر رہے گی اس طرح کہ وہ بے خبر اور اس کے لئے تیار نہ ہوں گے۔ جب یہ آ جائے گی تو اچانک بے خبری میں آئے گی۔ اس وقت وہ نادم ہوں گے لیکن یہ ندامت انہیں کوئی فائدہ نہ دے گی۔

اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ...... غیر اللہ کے ساتھ ہر قسم کی دوستی اور سنگت قیامت کے دن عداوت سے بدل جائے گی مگر جو اللہ تعالیٰ کے لئے ہو وہ ہمیشہ رہے گی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے یہی فرمایا تھا: وَقَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۡ وَّمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ (العنکبوت: 25)۔ عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ دو ایماندار آپس میں دوست ہوتے ہیں اور دو کافر آپس میں دوست ہوتے ہیں۔ چنانچہ ایک مومن کا انتقال ہو جاتا ہے اسے جنت کی بشارت دی جاتی ہے۔ وہ اپنے دوست کو یاد کرتا ہے اور کہتا ہے اے اللہ! میرا فلاں دوست مجھے تیری اور تیرے رسول کی اطاعت کا حکم دیتا تھا۔ اور بھلائی کا حکم دیتا اور برائی سے منع کرتا تھا اور مجھے بتاتا تھا کہ ایک دن تو نے اپنے رب سے ملنا ہے۔ اے اللہ! اسے میرے بعد گمراہ نہ کرنا یہاں تک کہ تو اسے وہی کچھ دکھائے جو تو نے مجھے دکھایا ہے اور تو اس سے راضی ہو جائے جس طرح مجھ سے راضی ہوا۔ اس سے کہا جائے گا جاؤ اگر تمہیں معلوم ہو جائے جو میں نے اس کے لئے تیار کیا ہے تو ہنسو زیادہ اور روؤ کم۔ فرمایا: پھر دوسرے کا انتقال ہو جاتا ہے تو ان کی ارواح آپس میں ملتی ہیں۔ تو ان سے کہا جاتا ہے کہ ایک دوسرے کی تعریف بیان کرو۔ پس ہر ایک دوسرے سے کہتا ہے یہ کتنا اچھا بھائی، کتنا اچھا ساتھی اور کتنا اچھا دوست تھا۔ اور جب دونوں کافروں میں سے کوئی مرتا ہے اور اسے دوزخ کی خوشخبری دی جاتی ہے تو وہ اپنے دوست کو یاد کرتا ہے۔ وہ کہے گا: اے اللہ! میرا فلاں دوست مجھے تیری اور تیرے رسول کی نافرمانی کا حکم دیتا۔ برائی کی رغبت دلاتا اور بھلائی سے روکتا تھا۔ اور مجھے یہ کہتا کہ تجھ سے ملاقات

نہیں ہوگی۔ اے اللہ تو اسے میرے بعد ہدایت نہ دینا یہاں تک کہ تو اسے وہی دکھائے جو مجھے دکھایا اور اس پر اسی طرح ناراض ہو جس طرح مجھ پر ناراض ہوا۔ فرمایا: جب دوسرا کافر مرتا ہے اور ان دونوں کی روحوں کو جمع کیا جاتا ہے۔ کہا جائے گا کہ تم میں سے ہر ایک دوسرے کے اوصاف بیان کرے۔ تو ان میں سے ہر ایک اپنے ساتھی سے کہے گا تو کتنا برا بھائی، کتنا برا ساتھی اور بدترین دوست تھا۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے(1)۔ حضرت ابن عباس، مجاہد اور قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے: روز قیامت ہر دوستی عداوت میں بدل جائے گی ماسوائے متقیوں کی دوستی کے۔ حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے ہشام بن احمد کے حالات میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اگر دو آدمیوں نے اللہ تعالیٰ کے لئے آپس میں محبت کی ان میں سے ایک مشرق میں اور دوسرا مغرب میں رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ضرور ان کو جمع فرمائے گا'' اور فرمائے گا: یہ وہ شخص ہے جس سے میری خاطر تو نے محبت کی تھی(2)۔

قولہ تعالیٰ یٰعِبَادِ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡکُمُ الۡیَوۡمَ..... پھر انہیں خوشخبری دیتے ہوئے فرمایا: اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاٰیٰتِنَا وَ کَانُوۡا مُسۡلِمِیۡنَ یعنی ان کے دل اور باطن ایمان لائے اور ظاہری اعضاء و جوارح نے اللہ کی شریعت کے سامنے سر تسلیم خم کیا۔ معتمر بن سلیمان کا قول ہے کہ جب لوگوں کو قبروں سے اٹھایا جائے گا تو کوئی بھی ان میں سے باقی نہیں رہے گا مگر اس پر گھبراہٹ طاری ہوگی۔ اس وقت ایک منادی ندا کرے گا یٰعِبَادِ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡکُمُ الۡیَوۡمَ..... تو سب لوگ اسے حکم عام سمجھ کر خوش ہو جائیں گے لیکن ساتھ ہی وہ منادی اعلان کرے گا اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِاٰیٰتِنَا..... چنانچہ مؤمنین کے علاوہ باقی سب لوگ مایوس ہو جائیں گے(3)۔

اُدۡخُلُوا الۡجَنَّۃَ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ انہیں جنت میں داخلے کے لئے کہا جائے گا۔

اَزۡوَاجُکُمۡ تمہارے جیسے لوگ، ساتھی۔

تُحۡبَرُوۡنَ نعمتوں اور سعادتوں سے شاد کام ہو۔ اس کی تفسیر سورۂ روم میں گزر چکی ہے(4)۔

یُطَافُ عَلَیۡہِمۡ بِصِحَافٍ مِّنۡ ذَہَبٍ: أی زبادیّ(5)، کھانے کے برتن، تھال۔

وَّ اَکۡوَابٍ پینے کے پیالے، جام۔ یہ سونے کے ہوں گے۔

وَ فِیۡہَا مَا تَشۡتَہِیۡہِ الۡاَنۡفُسُ بعض نے اسے تَشۡتَہِیۡ الۡاَنۡفُسُ پڑھا ہے(6)۔

وَ تَلَذُّ الۡاَعۡیُنُ اس کا ذائقہ، خوشبو اور رنگت عمدہ ہوگی۔

عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے عکرمہ مولیٰ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سب سے نچلے درجے کا جنتی ایک آدمی ہوگا جس کے بعد کوئی جنت نہیں جائے گا۔ اس کی نگاہ سو سال تک جائے گی۔ ہر طرف سونے کے محلات اور لؤلؤ کے خیمے نظر آئیں گے۔ اس میں ایک بالشت برابر جگہ بھی خالی نہ ہوگی۔ صبح و شام اس پر ستر ستر ہزار سونے کی پلیٹیں پیش کی جائیں گی۔ ہر رکابی کا رنگ دوسری سے مختلف ہوگا۔ اول سے آخر تک اس کی اشتہاء برابر رہے گی۔ اگر تمام اہل زمین اس پر بیٹھ جائیں تو سب کو

1۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 389، تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 94
2۔ بیہقی: شعب الایمان، تفسیر مظہری
3۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 95
4۔ دیکھئے تفسیر سورۂ روم آیت: 15
5۔ شاید یہ شامی زبان کا لفظ ہے کیونکہ عام قاموس میں اس کا معنی دستیاب نہیں
6۔ نافع، ابن عامر اور حفص کی قرات یہی ہے باقی سات نے اسے تشتھی (ایک ہاء کے ساتھ) پڑھا ہے۔ دیکھئے ابن باذش کی ''الاقناع'' جلد 2 صفحہ 761

کافی ہو جائے اور اس میں کچھ کمی نہ آئے(1)۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ جنت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں محمد کی جان ہے! تم میں سے کوئی لقمہ اٹھائے گا۔ اسے اپنے منہ میں رکھے گا تو اس کے دل میں خیال آئے گا کہ فلاں قسم کا کھانا ہوتا۔ وہ نوالہ اس کے منہ میں وہی ذائقہ اختیار کر لے گا جس کی اس نے خواہش کی ہوگی۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ......

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سب سے ادنیٰ درجے کے جنتی کے مقام کی سات منزلیں ہوں گی۔ وہ چھٹی منزل پر ہوگا اور اس کے اوپر ساتویں منزل ہوگی۔ اس کے تین سو خادم ہوں گے۔ ہر صبح و شام اسے تین سو پلیٹیں پیش کی جائیں گی۔ اور میں نہیں جانتا آپ نے فرمایا...... سونے کی۔ ہر برتن کا رنگ دوسرے سے مختلف ہوگا۔ اس کا اول اسی طرح لذیذ ہوگا جس طرح اس کا آخر لذیذ ہوگا۔ مشروبات کے تین سو جام ہوں گے۔ ہر ایک کا رنگ دوسرے سے مختلف ہو گا۔ اس کا مزا اول تا آخر قائم رہے گا۔ اور وہ کہے گا: اے رب! اگر تو مجھے اجازت دے تو میں تمام اہل جنت کی دعوت کروں۔ سب اگر میرے ہاں کھا جائیں تب بھی کوئی کمی نہیں آئے گی۔ حور عین میں سے بہتر بیویاں ہوں گی۔ یہ بیویاں دنیا کی ازواج کے علاوہ ہوں گی۔ ان میں سے ایک زمین کے میل بھر کی جگہ بیٹھے گی(2)۔

قولہ تعالیٰ وَاَنْتُمْ فِيْهَا جنت میں۔

خٰلِدُوْنَ نہ اس سے نکلو گے۔ پھر فضل و احسان کا اظہار کرتے ہوئے انہیں کہا جائے گا: وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا...... یعنی تمہارے اعمال صالحہ، اللہ کی وسیع رحمت تمہیں ملنے کا سبب بنے۔ کسی کو اس کا عمل جنت میں داخل نہیں کر سکتا۔ لیکن اللہ کی رحمت اور اس کا فضل اور جنت کے درجات میں تفاوت اعمال صالحہ میں فرق کے سبب ہوگا۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہر دوزخی جنت میں اپنا ٹھکانہ دیکھ کر حسرت سے کہے گا: لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ (زمر:57) ''اگر اللہ تعالیٰ مجھے ہدایت دے دیتا تو میں ہو جاتا پرہیزگاروں میں سے''۔ اور ہر جنتی جہنم میں اپنا مقام دیکھ کر کہے گا: وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ (اعراف:43) ''اور ہم ہدایت یافتہ نہیں ہو سکتے تھے اگر نہ ہدایت دیتا ہمیں اللہ تعالیٰ''۔ اس کا یہ کہنا از راہ تشکر ہوگا۔ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہر شخص کی جگہ جنت میں بھی ہے اور دوزخ میں بھی۔ کافر مومن کی جہنم کی جگہ کا وارث ہوگا اور مومن کافر کی جنت والی جگہ کا وارث ہوگا۔ یہی اس فرمان الٰہی سے مراد ہے وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔

لَكُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ كَثِيْرَةٌ یعنی ہر قسم کے۔

مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ یعنی جو تم چاہو اور اپنے لئے منتخب کرو۔ کھانے اور مشروبات کے بعد اتمام نعمت کے لئے پھلوں اور میووں کا ذکر بھی فرما دیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿٧٤﴾ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿٧٥﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٧٦﴾ وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ؕ قَالَ

1۔ در منثور، جلد 7 صفحہ 391-390
2۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 537

اِنَّكُمۡ مّٰكِثُوۡنَ ﴿۷۷﴾ لَقَدۡ جِئۡنٰكُمۡ بِالۡحَـقِّ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَكُمۡ لِلۡحَـقِّ كٰرِهُوۡنَ ﴿۷۸﴾ اَمۡ اَبۡرَمُوۡۤا اَمۡرًا فَاِنَّا مُبۡرِمُوۡنَ ﴿۷۹﴾ اَمۡ يَحۡسَبُوۡنَ اَنَّا لَا نَسۡمَعُ سِرَّهُمۡ وَنَجۡوٰٮهُمۡ ‌ؕ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيۡهِمۡ يَكۡتُبُوۡنَ ﴿۸۰﴾

"بے شک مجرم عذابِ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔ نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے (یہ عذاب) اور وہ اس میں آس توڑ بیٹھیں گے۔ اور ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا لیکن وہ (اپنی جانوں پر) ظلم ڈھانے والے تھے۔ اور وہ پکاریں گے اے مالک! بہتر ہے کہ تمہارا رب ہمارا خاتمہ ہی کر ڈالے۔ وہ جواب دے گا کہ تمہیں تو یہاں ہمیشہ (جلتے) رہنا ہے۔ بیشک ہم لے آئے تمہارے پاس (دین) حق، لیکن تم سے اکثر حق سے نفرت کرنے والے تھے۔ ہاں اگر انہوں نے کوئی قطعی فیصلہ کر لیا ہے تو ہم بھی اپنا قطعی فیصلہ کرنے والے ہیں۔ کیا وہ گمان کرتے ہیں کہ ہم نہیں سنتے ان کے رازوں اور سرگوشیوں کو۔ ہاں ہم سنتے ہیں اور ہمارے فرشتے ان کے پاس بیٹھے لکھتے بھی رہتے ہیں"۔

سعادتمندوں کے بعد بدبختوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ چنانچہ فرمایا: اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ......۔

لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ یعنی ایک گھڑی کے لئے بھی۔

مُبْلِسُوْنَ ہر خیر سے مایوس۔

وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ یعنی حجت قائم ہونے اور رسولوں کے مبعوث فرمانے کے بعد اپنے اعمال سیئہ کے سبب تکذیب کی اور نافرمانی کی جس کی انہیں سزا دی گئی اور آپ کا رب بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ یہ دوزخ کا داروغہ ہے۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت صفوان بن یعلی عن ابیہ ذکر کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر اس آیت کی تلاوت کرتے ہوئے سنا: وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ......(1)۔

لِيَقْضِ عَلَيْنَا یعنی ہماری روحوں کو قبض کرے اور جس میں ہم ہیں اس سے راحت دلائے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا (فاطر:36) "نہ ان کی قضا آئے گی کہ وہ مر جائیں اور نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے دوزخ کا عذاب"۔ اور فرمایا: وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ﴿۱۱﴾ الَّذِيْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ﴿۱۲﴾ ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى (اعلیٰ:13-11) "اور دور رہے گا اس سے بدبخت جو (بالآخر) بڑی آگ میں داخل ہوگا۔ پھر نہ وہ وہاں مرے گا اور نہ جیئے گا"۔ جب انہوں نے موت کی آرزو کی تو داروغہ انہیں کہے گا: قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ مکث سے مراد ایک ہزار سال ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی۔ (بروایت ابن ابی حاتم) یعنی تم نہ نکل سکو گے اور نہ چھٹکارا پاؤ گے۔ پھر ان کی بدبختی کا سبب بیان فرمایا کہ یہ حق کی مخالفت ہے۔ اور فرمایا: لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ یعنی اسے تمہارے لئے واضح کر دیا ہے۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ لیکن تمہاری طبیعتیں اسے قبول نہیں کرتیں اور نہ اس کی طرف مائل ہوتی ہیں۔ یہ باطل کے سامنے جھکتی اور اس کی تعظیم کرتی ہیں اور قبول حق سے انکاری ہیں۔ اہل حق سے نفرت کرتی ہیں۔ پس اپنے آپ کو ہی ملامت کرو اور ندامت سے آنسو بہاؤ

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۃ زخرف: 568

جبکہ ندامت کا کوئی فائدہ نہیں۔ پھر فرمایا: اَمْ اَبْرَمُوْۤا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے انہوں نے ہم سے بری تدبیر کا ارادہ کیا تو ہم نے بھی ان کے ساتھ یہی کیا(1)۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کی اس تفسیر کی شہادت اس آیت سے بھی ملتی ہے: وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ (نمل:50) ''اور انہوں نے بھی خفیہ سازش کی اور ہم نے بھی خفیہ تدبیر کی اور وہ سمجھ ہی نہ سکے ہماری تدبیر کو''۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مشرکین حق کو رد کرنے اور باطل پر چلنے کے لئے طرح طرح کی حیلہ سازیاں کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ اللہ نے بھی ان سے وہی سلوک کیا اور اس کا وبال انہی پر ڈال دیا۔ اسی لئے فرمایا:

اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ یعنی ان کی پوشیدہ اور علانیہ باتیں۔

بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ یعنی ہمیں ان کا حال معلوم ہے اور ملائکہ بھی ان کے چھوٹے بڑے اعمال لکھ رہے ہیں۔

قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ۝ سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ ۚ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ۝ وَتَبٰرَكَ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝ فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝

''آپ فرمائیے (بفرض محال) اگر رحمٰن کا کوئی بچہ ہوتا تو میں سب سے پہلے اس کا پجاری ہوتا۔ پاک ہے آسمانوں اور زمین کا پروردگار (اور) عرش کا رب ہر اس عیب سے جو یہ بیان کرتے ہیں۔ پس (اے حبیب!) آپ رہنے دیں انہیں کہ بیہودہ باتیں بناتے رہیں اور کھیل (تماشا) کرتے رہیں حتیٰ کہ ملاقات ہو جائے ان کی اپنے اس دن سے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔ اور وہی ایک آسمان میں خدا ہے اور زمین میں بھی خدا ہے۔ اور وہی بہت دانا، سب کچھ جاننے والا ہے۔ اور بڑی برکت والا ہے وہ جس کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین میں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔ اور اسی کے پاس ہے قیامت کا علم۔ اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ اور نہیں اختیار رکھتے جنہیں یہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں شفاعت کرنے کا ہاں شفاعت کا حق انہیں ہے جو حق کی گواہی دیں اور وہ (اس کو) جانتے بھی ہیں۔ اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ انہیں کس نے پیدا کیا تو یقیناً کہیں گے اللہ نے، پھر کدھر یہ الٹے پھر رہے ہیں۔ اور قسم ہے میرے رسول کے اس قول کی کہ اے میرے رب! یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان نہیں لاتے۔ پس (اے حبیب!) رخ انور پھیر لیجئے ان سے اور فرمائیے تم سلامت رہو۔ وہ (اس کا انجام) ضرور جان لیں گے''۔

ارشاد ہوتا ہے: (قل) اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 50

اِنۡ كَانَ لِلرَّحۡمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا...... یعنی اگر یہ فرض کرلیا جائے تو سب سے پہلے میں اس کی عبادت کرتا۔ کیونکہ میں اس کا بندہ ہوں۔ اس کے تمام احکامات پر عمل پیرا ہوں۔ اس کی عبادت سے مجھے کوئی تکبر اور انکار نہیں۔ اگر یہ فرض کرلیا جائے تو یہ بھی ہو جائے۔ لیکن یہ اللہ تعالیٰ کے حق میں ممتنع ہے اور شرط سے وقوع لازم نہیں ہوتا اور نہ جواز۔ (یعنی یہاں شرط بھی محال ہے اور جزاء بھی محال ہے اور ایک محال دوسرے محال کو مستلزم ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہونا بھی محال اور میرا اس کی عبادت کرنا بھی محال) جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَوۡ اَرَادَ اللّٰهُ اَنۡ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصۡطَفٰى مِمَّا يَخۡلُقُ مَا يَشَآءُ ۙ سُبۡحٰنَهٗ ؕ هُوَ اللّٰهُ الۡوَاحِدُ الۡقَهَّارُ (زمر:4) "اگر اللہ چاہتا کہ کسی کو بیٹا بنائے تو چن لیتا اپنی مخلوق سے جس کو چاہتا۔ وہ پاک ہے۔ وہی اللہ ہے جو ایک ہے سب سے زبردست"۔ بعض مفسرین نے فَاَنَا اَوَّلُ الۡعٰبِدِيۡنَ کی تفسیر میں لکھا ہے: الآنفین۔ یعنی میں اس کذب وافتراء کو تسلیم کرنے سے سب سے پہلے انکار کرتا ہوں اور اس کے خلاف علم بغاوت بلند کرتا ہوں۔ ان میں سے ایک سفیان ثوری ہیں۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ أول العابدین: الجاحدین۔ پہلا انکار کرنے والا۔ یہ عَبِدَ يَعۡبَدُ سے مشتق ہے(1)۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے شواہد میں بعجۃ بن زید جہنی سے روایت کیا ہے کہ ان کے خاندان کی ایک عورت کی رخصتی اپنے خاوند کے ہاں ہوئی۔ وہ آدمی بھی اسی خاندان سے تھا۔ چھ ماہ کے بعد اس عورت کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو اس کے خاوند نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا۔ آپ نے اسے رجم کرنے کا حکم دیا۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ آئے اور فرمایا: اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ہے: وَحَمۡلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوۡنَ شَهۡرًا (احقاف:15) "اور اس کے حمل اور اس کے دودھ چھڑانے تک تیس مہینے لگ گئے"۔ اور فرمایا: وَّفِصٰلُهٗ فِىۡ عَامَيۡنِ (لقمان:14) "ماں نے کمزوری پر کمزوری کے باوجود اور اس کا دودھ چھوٹنے میں دو سال لگے"۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ انکار نہ کرسکے اور اس عورت کو واپس بلانے کا حکم دیا۔

ابووہب رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ عَبِدَ کا معنی ہے استنکفَ: انکار کرنا۔ ایک شاعر کہتا ہے:

مَتَى مَا يَشَاءُ ذُوالوُدِّ يُصۡرِمُ خَلِيۡلَهٗ وَيَعۡبُدُ عَلَيۡهِ لَا مَحَالَةَ ظَالِمًا

لیکن اس قول میں نظر ہے کیونکہ شرط سے اس کی مناسبت نہیں رہتی۔ چنانچہ کلام کا مطلب یہ ہو جائے گا اگر یہ اولاد رکھتا ہے تو میں سب سے پہلے اس سے انکاری ہوں۔ اس میں نظر ہے اس پر غور وفکر کرنا چاہئے۔ مگر یہ کہہ سکتے ہیں کہ اِن یہاں شرطیہ نہیں بلکہ نافیہ ہے جس طرح علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ تو اب مفہوم یوں ہوگا۔ رحمٰن کی اولاد نہیں۔ اگر اس کی اولاد ہوتی تو میں سب سے پہلے اس کی گواہی دیتا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ کلام عرب کے محاورے کے مطابق ہے: اِنۡ كَانَ لِلرَّحۡمٰنِ...... یعنی نہ رحمان کی اولاد اور نہ میں اس کا قائل۔

ابوصخر اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں میں تو سب سے پہلے اس کی عبادت کرنے والا ہوں کہ اس کی کوئی اولاد نہیں۔ اور میں ہی سب سے پہلے اس کی وحدانیت کا قائل ہوں۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا یہی قول ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ میں ہی سب سے پہلے اس کا عبادت گزار، موحد اور تمہاری تکذیب کرنے والا ہوں۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اَوَّلُ الۡعٰبِدِيۡنَ أي الآنفین: انکار کرنے والا۔ عَابِدٌ اور عَبِدٌ یہ دو لغتیں ہیں(2) اور اول زیادہ

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ زخرف:568

2۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 102

قریب ہے اس بناء پر یہ شرط و جزا ہے لیکن یہ ممتنع ہے۔

سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے یعنی اگر اس کی اولاد ہوتی تو میں سب سے پہلے اسے مان لیتا لیکن اس کی کوئی اولاد نہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی قول کو پسند کیا ہے (1) اور جو لوگ اِنْ کو نافیہ شمار کرتے ہیں ان کی تردید کی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

سُبۡحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ...... یعنی اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کا خالق اور اس بات سے مبرا و منزہ ہے کہ اس کی اولاد ہو۔ وہ یکتا، واحد اور صمد ہے۔ اس کی کوئی نظیر اور کفو نہیں اور نہ کوئی اولاد۔

فَذَرۡهُمۡ یَخُوۡضُوۡا یعنی اپنی جہالت اور گمراہی میں۔

وَ یَلۡعَبُوۡا یعنی اپنی دنیا میں۔

حَتّٰی یُلٰقُوۡا یَوۡمَهُمُ الَّذِیۡ یُوۡعَدُوۡنَ اور وہ قیامت کا دن ہے۔ یعنی عنقریب وہ جان لیں گے کہ اس دن ان کا ٹھکانہ اور انجام کیا ہوگا اور ان کی حالت کیا ہوگی۔

وَ هُوَ الَّذِیۡ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّ فِی الۡاَرۡضِ یعنی وہ ہی آسمان میں خدا اور وہی زمین میں۔ دونوں کی مخلوقات اس کی عبادت کرتی ہیں اور سب اس کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوئے ہیں۔

وَ هُوَ الۡحَکِیۡمُ الۡعَلِیۡمُ اس آیت کی مثل ایک اور آیت ہے: وَ هُوَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ فِی الۡاَرۡضِ ؕ یَعۡلَمُ سِرَّکُمۡ وَ جَهۡرَکُمۡ وَ یَعۡلَمُ مَا تَکۡسِبُوۡنَ (انعام: 3) ”اور وہی اللہ ہے آسمانوں میں اور زمین میں وہ جانتا ہے تمہارے بھید بھی اور تمہاری کھلی باتیں بھی اور جانتا ہے جو تم کما رہے ہو“۔ یعنی آسمانوں اور زمین میں وہی خدا کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

وَ تَبٰرَکَ الَّذِیۡ لَهٗ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ...... یعنی ان کا خالق و مالک اور بلا شرکت غیرے تصرف کرنے والا وہی ہے۔ وہ اولاد سے پاک و برتر ہے۔ تمام عیوب و نقائص سے منزہ ہے۔ کیونکہ وہ بلند عظیم رب ہے تمام اشیاء کا مالک، زمام امور کلیۃً اسی کے ہاتھ میں ہے۔ خواہ قضائے مبرم ہو یا غیر مبرم۔

عِنۡدَهٗ عِلۡمُ السَّاعَةِ اسے اپنے وقت پر وہی ظاہر کرے گا۔

وَ اِلَیۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ یعنی وہی ہر ایک کو اس کے اچھے برے اعمال کا بدلہ دے گا۔

پھر فرمایا: مِنۡ دُوۡنِهٖ یعنی بتوں کو۔

الشَّفَاعَةَ ان کے لئے سفارش کی قدرت نہیں رکھتے۔

اِلَّا مَنۡ شَهِدَ بِالۡحَقِّ وَ هُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ یہ استثناء منقطع ہے یعنی لیکن وہ شخص جو بصیرت اور علم کے ساتھ حق کی گواہی دیتا ہو۔ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے ساتھ اس کی جناب میں اس کی سفارش فائدہ مند ہوگی۔

پھر فرمایا: وَ لَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ...... یعنی اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کرنے والے ان مشرکین سے اگر آپ پوچھیں۔

مَّنۡ خَلَقَهُمۡ لَیَقُوۡلُنَّ اللّٰهُ تو وہ یہ اعتراف کریں گے کہ وہی تمام اشیاء کا خالق ہے وہی وحدہ لاشریک ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ ان بتوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ تو کسی چیز کی مالک ہیں اور نہ کسی چیز پر قدرت رکھتے ہیں چنانچہ وہ پرلے درجے کے جاہل، سفیہ، بیوقوف

1۔ ایضاً تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 103

اور سخیف العقل ہیں۔ اسی لئے فرمایا: (فَاَنّٰى يُؤۡفَكُوۡنَ؟) پھر فرمایا:

وَقِيۡلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوۡمٌ ...... یعنی حضرت محمد ﷺ نے اپنا قول کہا یعنی اپنے رب کے سامنے اپنی قوم کا شکوہ کیا جنہوں نے آپ کی تکذیب کی تھی۔ چنانچہ فرمایا: يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوۡمٌ لَّا يُؤۡمِنُوۡنَ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ایک اور آیت میں خبر دی ہے: وَقَالَ الرَّسُوۡلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوۡمِى اتَّخَذُوۡا هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ مَهۡجُوۡرًا (الفرقان:30) ''اور رسول عرض کرے گا میرے رب! بلاشبہ میری قوم نے اس قرآن کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے''۔ ابن مسعود، مجاہد اور قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہی قول ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی تفسیر بیان کی ہے(1)۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے (وَقَالَ الرسولُ يَارَبِّ)(2) کی قرأت نقل کی ہے۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کا قول نقل فرما رہا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ تمہارے نبی کا قول ہے وہ اپنے رب کے سامنے اپنی قوم کی شکایت پیش کرتے ہیں۔

وَقِيۡلِهٖ يٰرَبِّ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی دو قرأتیں نقل کی ہیں۔ ایک لام کے نصب (زبر) کے ساتھ۔ اس کی دو توجیہیں ہوسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا عطف نَسۡمَعُ سِرَّهُمۡ وَنَجۡوَاهُمۡ پر ہے۔ دوسری یہ کہ یہاں فعل قال کو مقدر مانا جائے۔

وقال: قِيۡلِهٖ دوسری قرأت لام کے زیر کے ساتھ۔ یہ اس صورت میں ہے جب اس کا عطف وَعِنۡدَهٗ عِلۡمُ السَّاعَةِ پر مانا جائے۔ اس وقت تقدیر کلام یوں ہوگی (وَعِلۡمُ قِيۡلِهٖ) یعنی قیامت کا علم اور اس قول کا علم اس کے پاس ہے(3)۔

قولہ فَاصۡفَحۡ عَنۡهُمۡ یعنی مشرکین سے۔

وَقُلۡ سَلٰمٌ یعنی جس بیہودہ انداز سے وہ آپ سے مخاطب ہوتے ہیں آپ اسی زبان میں جواب نہ دیں۔ لیکن ان سے اظہار الفت کریں اور قول وفعل میں ان سے نرمی کا برتاؤ کریں(4)۔

فَسَوۡفَ يَعۡلَمُوۡنَ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں دھمکی دی جا رہی ہے۔ اسی لئے ان پر اپنا عذاب واقع کیا جو واپس نہیں ہوسکتا۔ اپنے دین اور کلمے کو بلند کر دیا۔ اس کے بعد جہاد اور جلاوطنی کو مشروع کیا حتیٰ کہ خدا تعالیٰ کے دین میں لوگ فوج در فوج داخل ہوئے اور مشرق و مغرب میں اسلام پھیل گیا۔

سورۂ زخرف کی تفسیر ختم ہوئی۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 106 2۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ زخرف، جلد 8 صفحہ 568 3۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 106

4۔ بعض علماء کی رائے ہے کہ ''سلام'' یہاں دعائیہ نہیں بلکہ ان سے اپنی براءت اور قطع تعلق کے اعلان کیلئے مستعمل ہوا ہے (ضیاء القرآن، جلد 4 صفحہ 430)

سورۂ دخان

ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص رات کے وقت سورۂ حم دخان پڑھے ستر ہزار فرشتے صبح تک اس کے لئے استغفار کرتے رہتے ہیں۔'' ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔ اس کے ایک راوی عمرو بن ابی خثعم ضعیف ہیں۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے منکر الحدیث قرار دیا ہے(1)۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ہی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس نے جمعہ کی رات سورۂ حم الدخان کی تلاوت کی اس کی مغفرت ہو جاتی ہے۔'' یہ حدیث بھی غریب ہے اس کے ایک راوی ہشام ابو المقدام ضعیف ہیں اور حسن کا سماع ابو ہریرہ سے ثابت نہیں(2)۔ مسند بزار میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابن صیاد(3) سے فرمایا: میں نے تیرے لئے ایک چیز چھپا رکھی ہے (یعنی دل میں ٹھان رکھی ہے) بتا، وہ کیا ہے؟ آپ ﷺ نے اپنے دل میں سورۂ دخان کو پوشیدہ کر رکھا تھا۔ اس نے جواباً کہا دُخ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''چپ رہ جو اللہ چاہے وہ ہوتا ہے۔'' پھر آپ تشریف لے گئے(4)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

حٰمٓ ﴿١﴾ وَ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿٢﴾ اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ﴿٣﴾ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ﴿٤﴾ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ؕ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿٥﴾ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٦﴾ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا ۘ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿٧﴾ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ ؕ رَبُّكُمْ وَ رَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٨﴾

''حا۔ میم۔ حق کو واضح کرنے والی کتاب کی قسم۔ بیشک ہم نے اتارا ہے اسے ایک بابرکت رات میں۔ ہماری یہ شان ہے کہ ہم بروقت خبردار کر دیا کرتے ہیں۔ اسی رات میں فیصلہ کیا جاتا ہے ہر اہم کام کا۔ ہر حکم ہماری جناب سے صادر ہوتا ہے۔ ہم ہی (کتاب و رسول) بھیجنے والے ہیں۔ سراپا رحمت آپ کے رب کی طرف سے۔ بیشک وہی سب کچھ سننے والا جاننے والا

1۔ تحفۃ الاحوذی، جلد 8 صفحہ 198، عارضۃ الاحوذی، ابواب فضائل القرآن، جلد 11 صفحہ 19-18

2۔ تحفۃ الاحوذی، جلد 8 صفحہ 198، عارضۃ الاحوذی، جلد 11 صفحہ 19-18

3۔ ابن صیاد کے بارے میں بہت اختلاف ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ یہودی تھا یا ان میں دخیل تھا۔ اس کا نام صاف تھا۔ اس کے پاس کہانت یا جادو تھا۔ اس کی کوئی کوئی بات صحیح ہو جاتی تھی۔ قصہ مختصر وہ ایک فتنہ تھا جس کے ساتھ اللہ نے اپنے مومن بندوں کو آزمائش میں ڈالا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ مدینہ میں مر گیا۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ واقعہ حرہ میں غائب ہو گیا تھا اور پتہ ہی نہ لگا کہ کدھر گیا۔ اس کے بارے میں دجال ہونے کا شبہ تھا (مترجم)

4۔ فتح الباری، کتاب الجنائز، جلد 3 صفحہ 218، مسلم، کتاب الفتن، جلد 4 صفحہ 2244

ہے۔ وہ جو رب ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔ اگر تم ایماندار ہو۔ نہیں کوئی معبود بجز اس کے وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ تمہارا بھی رب ہے اور تمہارے پہلے باپ دادا کا بھی رب ہے''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن عظیم کے بارے میں خبر دے رہے ہیں کہ اسے مبارک رات لیلۃ القدر میں اتارا گیا جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ (القدر:1) ''بے شک ہم نے اس (قرآن) کو اتارا ہے شب قدر میں''۔ اور یہ ماہ رمضان کی بات ہے، جس طرح ایک اور آیت میں آتا ہے: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ (بقرہ:185) ''ماہ رمضان المبارک جس میں اتارا گیا قرآن''۔ اس موضوع سے متعلقہ احادیث سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہیں۔ ان کے اعادے کی ضرورت نہیں(1)۔

جس کا یہ قول ہے کہ یہ نصف شعبان کی رات تھی، جس طرح عکرمہ سے مروی ہے، اس نے بڑی دور کی بات کی ہے۔ (دور کی کوڑی)۔ کیونکہ نص قرآنی کے مطابق یہ ماہ رمضان ہے۔ وہ حدیث جسے عبداللہ بن صالح نے عثمان بن محمد بن مغیرہ بن اخنس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمام کام شعبان سے شعبان تک مکمل کیے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ ایک آدمی نکاح کرتا ہے اور اس کا بچہ بھی پیدا ہوتا ہے۔ حالانکہ اس کا نام فوت ہونے والوں میں لکھا جا چکا ہوتا ہے(2)۔ یہ حدیث مرسل ہے اور ایسی حدیث نصوص قرآنیہ کے متعارض نہیں آسکتی(3)۔

اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ یعنی لوگوں کو وہ چیزیں سکھانے والے ہیں جو شرعاً ان کیلئے مفید یا نقصان دہ ہیں تاکہ بندوں پر اللہ کی حجت قائم ہو جائے۔

فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ یعنی لیلۃ القدر میں ہی ہر محکم کام طے کیا جاتا ہے اور لوحِ محفوظ سے کاتب فرشتوں کے حوالے کیا جاتا ہے۔ اور عمریں، روزی وغیرہ تمام امور سال کے آخر تک طے کر لئے جاتے ہیں۔ ابن عمر، مجاہد، ابو مالک، ضحاک اور بہت سے سلف صالحین سے یہی مروی ہے۔

حَكِيْمٍ محکم، پختہ جس میں تغیر وتبدل نہیں ہوسکتا۔

اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا وہ سب کچھ جو وقوع پذیر ہوگا جسے اللہ تعالیٰ مقدر فرماتا ہے اور اس کے علم، حکم اور اجازت سے جو وحی نازل ہوگی۔

اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ لوگوں کی طرف رسول بھیجنے والے جو ان پر اللہ کی واضح آیات کی تلاوت کرتا ہے، اس کی شدید ضرورت تھی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ......۔

رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جس نے قرآن اتارا ہے وہ آسمانوں اور زمین کا رب اور جو کچھ ان میں ہے سب کا خالق ومالک ہے۔

اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ اگر تمہیں یقین ہو۔ پھر فرمایا: لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ...... یہ آیت اس آیت کی مثل ہے: قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ (اعراف:158) ''آپ فرمائیے اے لوگو! بے شک میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف وہ اللہ جس کے لئے بادشاہی ہے آسمانوں اور زمین کی۔ نہیں کوئی معبود سوائے اس کے، وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے''۔

1۔ دیکھئے تفسیر سورۃ البقرۃ آیت:185 2۔ طبری، جلد 25 صفحہ 109 درمنثور، جلد 7 صفحہ 401

3۔ یہ محض علمی اختلاف ہے کہ نزول قرآن کی ابتداء کسی رات میں ہوئی لیکن اس پندرہ شعبان کی رات کی فضیلت کی نفی نہیں ہوتی یہ رات بڑی برکتوں والی ہے اس کے فضائل متعدد احادیث میں مذکور ہیں جن کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ (مترجم)

بَلۡ هُمۡ فِیۡ شَكٍّ یَّلۡعَبُوۡنَ ﴿۹﴾ فَارۡتَقِبۡ یَوۡمَ تَاۡتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۱۰﴾ یَّغۡشَی النَّاسَ ؕ هٰذَا عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۱۱﴾ رَبَّنَا اكۡشِفۡ عَنَّا الۡعَذَابَ اِنَّا مُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۲﴾ اَنّٰی لَهُمُ الذِّكۡرٰی وَ قَدۡ جَآءَهُمۡ رَسُوۡلٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ تَوَلَّوۡا عَنۡهُ وَ قَالُوۡا مُعَلَّمٌ مَّجۡنُوۡنٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّا كَاشِفُوا الۡعَذَابِ قَلِیۡلًا اِنَّكُمۡ عَآئِدُوۡنَ ﴿۱۵﴾ یَوۡمَ نَبۡطِشُ الۡبَطۡشَةَ الۡكُبۡرٰی ۚ اِنَّا مُنۡتَقِمُوۡنَ ﴿۱۶﴾

"بلکہ وہ شک میں پڑے کھیل رہے ہیں۔ پس آپ انتظار کریں اس دن کا جب ظاہر ہوگا آسمان پر صاف نظر آنے والا دھواں۔ جو چھا جائے گا لوگوں پر۔ یہ دردناک عذاب ہوگا۔ (اس وقت کہیں گے) اے ہمارے رب! دور کر دے ہم سے یہ عذاب ہم (ابھی) ایمان لاتے ہیں۔ ان کے نصیحت قبول کرنے کی امید کہاں حالانکہ ان کے پاس تشریف لے آیا روشن رسول۔ پھر انہوں نے منہ پھیر لیا تھا اس سے اور کہا سکھایا ہوا ہے، دیوانہ ہے۔ ہم دور کرنے والے ہیں عذاب کو قلیل عرصہ کے لئے تم پھر کفر کی طرف لوٹ جاؤ گے۔ جس روز ہم انہیں پوری شدت سے پکڑیں گے (اس روز) ہم (ان سے) بدلہ لے لیں گے"۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ مشرکین شک میں پڑے کھیل رہے ہیں یعنی ان کے پاس حق آچکا ہے لیکن وہ ابھی تک شک وارتیاب میں پڑے ہوئے ہیں اور نور یقین سے محروم ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ انہیں وعید سناتے ہوئے اور دھمکی دیتے ہوئے فرماتے ہیں: فَارۡتَقِبۡ یَوۡمَ تَاۡتِی السَّمَآءُ سلیمان بن مہران نے مسروق سے روایت کیا ہے کہ ہم مسجد کوفہ میں داخل ہوئے جو ابواب کندہ کے پاس ہے۔ کیا دیکھا کہ ایک آدمی اپنے ساتھیوں کو وعظ کر رہا تھا اس نے پوچھا کیا تمہیں پتہ ہے یَوۡمَ تَاۡتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِیۡنٍ سے کیا مراد ہے؟ وہ دھواں کونسا ہے؟ قیامت کے دن یہ دھواں منافقین کے کانوں اور آنکھوں میں بھر جائے گا اور مومنین کو زکام کی مثل عارضہ لاحق ہو جائے گا۔ فرماتے ہیں، ہم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ آپ کے گوش گزار کر دیا۔ آپ اس وقت پہلو کے بل لیٹے ہوئے تھے گھبرا کر فوراً سیدھے بیٹھ گئے اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو فرمایا ہے: قُلۡ مَاۤ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَیۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ اِلَّا مَنۡ شَآءَ اَنۡ یَّتَّخِذَ اِلٰی رَبِّهٖ سَبِیۡلًا (فرقان: 57) "فرما دیجئے کہ میں نہیں مانگتا تم سے اس (خیر خواہی) پر کچھ اجرت مگر میری اجرت یہ ہے کہ جس کا جی چاہے وہ اپنے رب کا راستہ اختیار کرے"۔ یہ بھی علم کا حصہ ہے آدمی کو اگر کسی چیز کا پتہ نہ ہو اور وہ یہ کہہ دے اللہ اعلم (اللہ بہتر جانتا ہے)۔ میں عنقریب تمہیں اس کے بارے میں بتاؤں گا۔ قریش نے جب قبول اسلام میں تاخیر کر دی اور آپ ﷺ کی نافرمانی کی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے لئے خشک سالی کی بددعا فرمائی۔ انہیں قحط اور خشک سالی نے آلیا۔ نوبت بایں جارسید کہ وہ ہڈیاں اور مردار کھانے پر مجبور ہو گئے۔ ان کی نگاہیں بار بار آسمان کی طرف اٹھتی تھیں لیکن وہاں سوائے دھوئیں کے اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔ (چونکہ ہر طرف خاک اڑ رہی تھی، ساری فضا گرد آلود تھی یوں محسوس ہوتا کہ ہر طرف دھواں ہی دھواں پھیل گیا ہے۔) ایک اور روایت میں ہے کہ بھوک کی وجہ سے نقاہت اس قدر بڑھ گئی تھی کہ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا اور آسمان کی طرف نگاہ اٹھانے والے کو یوں محسوس ہوتا جیسے ہر چیز دھوئیں میں چھپ کر رہ گئی ہے۔ اسی کا بیان ان دو آیات میں ہے: فَارۡتَقِبۡ یَوۡمَ تَاۡتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ...... لوگ رسول اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! (اپنی قوم) مضر کے لئے دعا فرمائیے وہ تو (بھوک سے) ہلاک ہو گئی ہے۔ چنانچہ

حضور ﷺ نے دعا فرمائی اور بارش برسنے لگی تو یہ آیت نازل ہوئی اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا...... حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ قیامت کے دن ان سے عذاب کچھ وقت کے لئے ٹال دیا جائے گا۔ لیکن جب خوشحالی آئی تو وہ اپنی پہلی حالت پر لوٹ گئے اور رویہ میں جو عارضی تبدیلی تھی وہ ختم ہو گئی تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ۚ اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ یعنی مراد بدر کا دن ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے پانچ چیزیں گزر چکی ہیں۔ دخان (آسمان سے دھوئیں کا آنا)، رومیوں کا شکست کے بعد دوبارہ غالب آنا، چاند کا دو ٹکڑے ہونا، بدر کی لڑائی میں کفار کی گرفتاری اور قحط۔ یہ حدیث صحیحین میں مذکور ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔ ترمذی اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب التفسیر میں اور ابن جریر اور ابن ابی حاتم رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی متعدد طرق سے اسے روایت کیا ہے(1)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس تفسیر کہ دھواں گزر چکا ہے سے مفسرین کی ایک جماعت نے موافقت کی ہے جیسے مجاہد، ابوالعالیہ، ابراہیم نخعی، ضحاک اور عطیہ عوفی، ابن جریر رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی اسے اختیار کیا ہے(2)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے عبدالرحمٰن الأعرج سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ یہ فتح مکہ کا واقعہ ہے۔ لیکن یہ قول بہت غریب بلکہ منکر ہے۔ بعض دیگر مفسرین کی رائے ہے کہ یہ دخان ابھی گزرا نہیں بلکہ یہ علامات قیامت میں سے ایک علامت ہے۔ جس طرح حضرت حذیفہ بن اسید الغفاری رضی اللہ عنہ والی روایت میں گزرا ہے کہ حضور ﷺ کمرے سے باہر ہمارے پاس تشریف لائے ہم اس وقت قیامت کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ تم دس نشانیاں نہ دیکھ لو: مغرب سے سورج کا طلوع ہونا، دخان (دھواں)، دابۃ الارض، یاجوج ماجوج کا نکلنا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تشریف لانا، دجال، تین خسوف (زمین کا دھنس جانا) ایک مشرق میں، ایک مغرب میں اور ایک جزیرہ عرب میں اور آگ جو عدن کے انتہائی مقام سے نکلے گی اور لوگوں کو ہانک کر یکجا کرے گی۔ جہاں یہ رات گزاریں گے وہ بھی ان کے ساتھ رات وہیں بسر کرے گی اور جہاں یہ قیلولہ کریں گے یہ بھی وہیں کرے گی۔ (مسلم اس روایت میں منفرد ہیں)(3)۔ صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابن صیاد سے فرمایا: میں نے تمہارے لئے ایک چیز چھپا رکھی ہے وہ کیا ہے؟ وہ کہنے لگا: دُخ۔ آپ ﷺ نے فرمایا خاموش رہ تو اپنی ہمت سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے اس کے لئے فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ اپنے دل میں چھپا رکھی تھی(4)۔

اس میں بھی اس بات کا اشارہ ہے کہ ابھی اس کا انتظار باقی ہے اور یہ کوئی آنے والی چیز ہے۔ ابن صیاد کاہنوں کی طرح جنوں کی زبان سے پوشیدہ باتیں بتانے کا عادی تھا۔ جنات کی عادت ہوتی ہے وہ عبارت کو کاٹ دیتے ہیں۔ اسی لئے اس نے کہا "ھو الدُّخ" یعنی الدخان۔ اس وقت آپ ﷺ کو اس کا ماخذ پتہ چل گیا کہ یہ شیطانی ہے تو آپ ﷺ نے اسے ارشاد فرمایا: خاموش ہو جا، تو اپنی قدرت سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کی اولین نشانیاں دجال اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما الصلوٰۃ والسلام کا نزول ہے۔ اور آگ جو عدن کے انتہائی مقام "اَبْيَن" نامی گاؤں سے نکلے گی اور لوگوں کو میدان حشر کی طرف ہانک کر لائے گی۔ راستے میں جہاں وہ آرام کریں گے وہ بھی وہیں

1۔ مسند امام احمد، جلد 1 صفحہ 381-380، عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۃ الدخان، جلد 12 صفحہ 136-134، تحفۃ الاحوذی، جلد 9 صفحہ 132، نسائی بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 7 صفحہ 147 نوٹ: یہ حدیث سورۂ روم کے شروع میں گزر چکی ہے۔

2۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 114 3۔ دیکھئے سورۂ نمل آیت: 82 4۔ اس سورۃ کی ابتداء میں اس حدیث کی تخریج گزر چکی ہے

ٹھہرے گی اور الدخان۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! دخان کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی: فَارۡتَقِبۡ يَوۡمَ تَاۡتِى السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيۡنٍۙ يَّغۡشَى النَّاسَ‌ؕ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيۡمٌ فرمایا: یہ دھواں مشرق ومغرب کے مابین جو کچھ ہے اسے بھر دے گا اور چالیس دن رات تک رہے گا مؤمن کو تومثل زکام کے ہوجائے گا اور کافر مدہوش آدمی کی طرح ہوگا۔ یہ دھواں اس کے نتھنوں، کانوں اور مقعد سے نکل جائے گا(1)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو پھر دخان کا معنی واضح کرنے کے لئے کافی تھی۔ لیکن اس کی صحت کی گواہی نہیں دی جاسکتی کیونکہ اس کے راوی محمد بن خلف عسقلانی نے رواد سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا: کیا آپ نے یہ حدیث سفیان سے سنی ہے؟ تو آپ نے فرمایا نہیں۔ میں نے کہا کیا آپ نے اسے ان پر پڑھا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ میں نے پوچھا جب ان پر پڑھا جارہا تھا کیا آپ اس وقت موجود تھے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ میں نے کہا پھر آپ نے یہ کہاں سے سنی ہے؟ انہوں نے فرمایا: میرے پاس اسے ایک قوم لائی، مجھے سنایا اور پھر یہ کہنا شروع کردیا کہ انہوں نے اسے مجھ سے سنا ہے۔ یا جیسے آپ نے فرمایا۔ یہ حدیث اس سند سے موضوع ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے کئی جگہ ذکر کیا ہے۔ اس میں بہت سے منکرات ہیں۔ خصوصاً سورۂ بنواسرائیل کے شروع میں جہاں مسجد اقصیٰ کا بیان ہے۔ واللہ اعلم۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تمہارے رب نے تمہیں تین چیزوں سے ڈرایا ہے۔ دھواں جو مومن کو زکام کردے گا اور کافر کا سارا جسم پھلا دے گا حتیٰ کہ اس کے کانوں سے دھواں خارج ہوگا۔ دوسرے دابۃ الارض اور تیسرا دجال۔'' طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے روایت کیا ہے اس کی سند عمدہ ہے۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دھواں لوگوں میں پھیل جائے گا۔ مومن کو تومثل زکام کے لگے گا اور کافر کو پھلا دے گا حتیٰ کہ اس کے کانوں سے بھی خارج ہوگا۔ یہ حدیث حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے موقوفاً مروی ہے اور حضرت حسن کے اپنے قول سے بھی مروی ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: آیت دخان کا مصداق ابھی پورا نہیں ہوا۔ مومن کو زکام ہوگا اور کافر سے آر پار ہوجائے گا(2)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ دھوئیں سے مومن کو زکام ہوگا کافر اور منافق کے کانوں میں داخل ہوجائے گا حتیٰ کہ وہ اس طرح ہوگا جیسے گرم پتھر پر بھنا ہوا سر(3)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن ملکیہ سے روایت کیا ہے کہ میں ایک صبح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: میں آج رات بالکل نہیں سویا۔ میں نے پوچھا وہ کیوں؟ فرمانے لگے'' اس لئے کہ میں نے لوگوں سے سنا ہے کہ دم دار ستارہ نکلا ہے تو مجھے یہ اندیشہ ہوا کہیں یہی دخان نہ ہو تو میں صبح تک سو نہیں سکا''(4)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے اور اس کی سند حبر الامۃ و ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما تک صحیح ہے۔ اسی طرح دیگر صحابہ وتابعین سے اس موضوع کی مرفوع احادیث بھی مروی ہیں۔ جن میں سے کچھ صحیح اور کچھ حسن ہیں۔ جن سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ دخان ایک علامت ہے جو آنے والی ہے قرآن کے ظاہری الفاظ بھی اسی کی تائید کرتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے بِدُخَانٍ مُّبِيۡنٍ أي بيّن واضح يراه كل أحد یعنی واضح اور ظاہر جسے ہر شخص دیکھ سکے۔ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی جو تفسیر کی ہے کہ وہ ایک خیالی چیز ہے جو بھوک کی شدت اور قحط کی وجہ سے آنکھوں

1۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 114 — 2۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 407 — 3۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 113 — 4۔ ایضاً مرجع مذکور

میں نظر آتی ہے۔ اگر یہ مشرکین مکہ کے بارے میں خیالی چیز ہوتی تو یہ نہ فرمایا جاتا یَغۡشَی النَّاسَ سب لوگوں کو ڈھانک لے گا۔

قولہ تعالیٰ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيۡمٌ انہیں تقریع وتوبیخ اور وعید کے لئے یہ کہا جارہا ہے۔ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: يَوۡمَ يُدَعُّوۡنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ؕ هٰذِهِ النَّارُ الَّتِىۡ كُنۡتُمۡ بِهَا تُكَذِّبُوۡنَ (الطور: 14-13) ''اس روز انہیں دھکے دے کر آتش جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ (انہیں کہا جائے گا) یہی وہ آگ ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے''۔ یا وہ ایک دوسرے سے کہیں گے۔

قولہ تعالیٰ رَبَّنَا اكۡشِفۡ عَنَّا الۡعَذَابَ اِنَّا مُؤۡمِنُوۡنَ یعنی کفار اللہ کا عذاب دیکھ کر اسے دور کرنے کا مطالبہ کریں گے۔ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: وَلَوۡ تَرٰٓى اِذۡ وُقِفُوۡا عَلَى النَّارِ فَقَالُوۡا يٰلَيۡتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ (انعام: 27) ''اور اگر آپ دیکھیں جب وہ کھڑے کئے جائیں گے آگ پر تو کہیں گے اے کاش! (کسی طرح) ہم لوٹا دیئے جائیں تو (پھر) نہیں جھٹلائیں گے اپنے رب کی نشانیوں کو اور ہم ہو جائیں گے ایمانداروں سے''۔ اسی طرح ایک اور آیت میں ہے: وَاَنۡذِرِ النَّاسَ يَوۡمَ يَاۡتِيۡهِمُ الۡعَذَابُ فَيَقُوۡلُ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا رَبَّنَاۤ اَخِّرۡنَاۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيۡبٍ ۙ نُّجِبۡ دَعۡوَتَكَ وَنَـتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ اَوَلَمۡ تَكُوۡنُوۡۤا اَقۡسَمۡتُمۡ مِّنۡ قَبۡلُ مَا لَـكُمۡ مِّنۡ زَوَالٍ (ابراہیم: 44) '' (اے میرے نبی!) ڈرایئے لوگوں کو اس دن سے جب آئے گا ان پر عذاب تو بول اٹھیں گے ظالم اے ہمارے رب! ہمیں مہلت دے تھوڑی دیر کے لئے۔ ہم تیری دعوت پر لبیک کہیں گے اور ہم رسولوں کی پیروی کریں گے (اے کافرو!) کیا تم قسمیں نہیں اٹھایا کرتے تھے اس سے پہلے کہ تمہیں یہاں سے کہیں جانا نہیں ہے''۔ اور یہاں فرمایا: اَنّٰى لَهُمُ الذِّكۡرٰى وَقَدۡ جَآءَهُمۡ...... مَّجۡنُوۡنٌ وہ نصیحت کیسے قبول کریں گے حالانکہ ہم نے ان کی طرف رسول مبعوث فرمایا ہے جس نے رسالت اور وعید عذاب کو واضح کر دیا لیکن اس کے باوجود وہ اور ان کے ساتھی منہ موڑ گئے بلکہ آپ کی تکذیب کی اور کہنے لگے: کسی شخص نے انہیں سکھایا ہے انہیں جنون کا مرض لاحق ہو گیا ہے۔ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: وَلَوۡ تَرٰٓى اِذۡ فَزِعُوۡا فَلَا فَوۡتَ وَاُخِذُوۡا مِنۡ مَّكَانٍ قَرِيۡبٍ (سبا: 51) '' کاش! تم دیکھو جب یہ گھبرائے ہوں گے بچ نکلنے کی کوئی صورت نہ ہوگی اور قریب ہی سے پکڑ لئے جائیں گے۔ اس وقت کہیں گے ہم ایمان لے آئے ان پر، لیکن اب کیونکر وہ پا سکتے ہیں ایمان کو اتنی دور جگہ سے۔ حالانکہ وہ کفر کرتے رہے ان سے اس سے پہلے۔ اور دور سے بن دیکھے یاوہ گوئیاں کرتے رہے۔ اور رکاوٹ کھڑی کر دی جائے گی ان کے درمیان اور ان چیزوں کے درمیان جو وہ دل سے چاہتے ہوں گے جیسے ان کے ہم مشرب لوگوں کے ساتھ پہلے کیا گیا تھا۔ وہ ایسے شک میں مبتلا تھے جو دوسروں کو بھی شک میں ڈالنے والا تھا''۔

قولہ تعالیٰ اِنَّا كَاشِفُوا الۡعَذَابِ قَلِيۡلًا اِنَّكُمۡ عَآئِدُوۡنَ اس آیت کے دو معنی ہو سکتے ہیں:۔

(۱) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر ہم تم سے عذاب ہٹا دیں اور دوبارہ تمہیں دار دنیا کی طرف لوٹا دیں تو تم پھر سابقہ کفر و تکذیب کی طرف لوٹ جاؤ گے جیسے ایک آیت میں آتا ہے: وَلَوۡ رَحِمۡنٰهُمۡ وَكَشَفۡنَا مَا بِهِمۡ مِّنۡ ضُرٍّ لَّـلَجُّوۡا فِىۡ طُغۡيَانِهِمۡ يَعۡمَهُوۡنَ (مومنون: 75) '' اور اگر ہم ان پر مہربانی بھی فرمائیں اور دور بھی کر دیں اس مصیبت کو جس میں مبتلا ہیں پھر بھی وہ بڑھتے جائیں گے اپنی سرکشی میں اندھے بنے ہوئے''۔ ایک اور آیت میں ہے: وَلَوۡ رُدُّوۡا لَعَادُوۡا لِمَا نُهُوۡا عَنۡهُ وَاِنَّهُمۡ لَـكٰذِبُوۡنَ (انعام: 28) '' اور اگر انہیں واپس بھیجا جائے (جیسے ان کی خواہش ہے) تو پھر بھی وہی کریں جس سے روکے گئے تھے اور بے شک وہ جھوٹے ہیں''۔

(۲) اگر عذاب کے اسباب کے منعقد ہونے اور اس کے تمہارے پاس پہنچنے کے بعد بھی ہم کچھ دیر کے لئے تم سے عذاب مؤخر کر دیں تو پھر بھی تم اپنی سرکشی اور گمراہی پر ڈٹے رہو گے ہٹانے سے مراد یہ نہیں کہ انہیں عذاب نے آ لیا تھا۔ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے:

اِلَّا قَوۡمَ یُوۡنُسَ ؕ لَمَّاۤ اٰمَنُوۡا کَشَفۡنَا عَنۡهُمۡ عَذَابَ الۡخِزۡیِ فِی الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا وَ مَتَّعۡنٰهُمۡ اِلٰی حِیۡنٍ (یونس:98) ''بجز قوم یونس کے۔ جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے دور کر دیا ان سے رسوائی کا عذاب دنیوی زندگی میں اور ہم نے لطف اندوز ہونے دیا انہیں ایک مدت تک)۔ عذاب ابھی آیا نہیں تھا ہاں اس کے اسباب فراہم ہو چکے تھے۔ اس سے یہ بھی لازم نہیں کہ وہ کفر سے تائب ہو کر پھر اس کی طرف لوٹ آئے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا کہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا تھا جب انہوں نے کہا: لَنُخۡرِجَنَّكَ یٰشُعَیۡبُ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَكَ مِنۡ قَرۡیَتِنَاۤ اَوۡ لَتَعُوۡدُنَّ فِیۡ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ اَوَ لَوۡ کُنَّا کٰرِهِیۡنَ ﴿۸۸﴾ قَدِ افۡتَرَیۡنَا عَلَی اللّٰهِ کَذِبًا اِنۡ عُدۡنَا فِیۡ مِلَّتِکُمۡ بَعۡدَ اِذۡ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنۡهَا (اعراف:89-88) ''نکال کر رہیں گے تمہیں اے شعیب! اور جو ایمان لائے تمہارے ساتھ اپنی بستی سے یا تمہیں لوٹ آنا ہوگا ہماری ملت میں شعیب نے کہا اگر چہ ہم اس (ارتداد) کو ناپسند بھی کرتے ہوں پھر تو ہم نے ضرور بہتان باندھا اللہ تعالیٰ پر جھوٹا اگر ہم لوٹ آئیں تمہارے دین میں اس کے بعد کہ جب نجات دے دی ہمیں اللہ نے اس سے''۔ ظاہر ہے حضرت شعیب علیہ السلام اس سے پہلے بھی کبھی ان کی ملت پر نہیں تھے۔ اس آیت کی تفسیر میں قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: تم اللہ کے عذاب کی طرف لوٹنے والے ہو۔

یَوۡمَ نَبۡطِشُ الۡبَطۡشَةَ الۡکُبۡرٰی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر یوم بدر سے کی ہے۔ آپ کی موافقت میں ایک جماعت کا قول بھی یہی ہے۔ جس طرح کہ دخان کی تفسیر میں مذکور ہو چکا۔ حضرت ابن عباس اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مروی ہے یہ مطلب بھی ہو تو سکتا ہے لیکن بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد یوم قیامت ہے اگر چہ یوم بدر بھی پکڑ کا دن تھا۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ الۡبَطۡشَةَ الۡکُبۡرٰی سے مراد غزوہ بدر کا دن لیتے ہیں جبکہ میں کہتا ہوں اس سے مراد قیامت کا دن ہے(1)۔

اس کی اسناد صحیح ہے حضرت حسن بصری اور عکرمہ سے دونوں روایتوں میں سے زیادہ صحیح یہی روایت ہے۔ واللہ اعلم۔

وَ لَقَدۡ فَتَنَّا قَبۡلَهُمۡ قَوۡمَ فِرۡعَوۡنَ وَ جَآءَهُمۡ رَسُوۡلٌ کَرِیۡمٌ ﴿۱۷﴾ اَنۡ اَدُّوۡۤا اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰهِ ؕ اِنِّیۡ لَکُمۡ رَسُوۡلٌ اَمِیۡنٌ ﴿۱۸﴾ وَّ اَنۡ لَّا تَعۡلُوۡا عَلَی اللّٰهِ ۚ اِنِّیۡۤ اٰتِیۡکُمۡ بِسُلۡطٰنٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۱۹﴾ وَ اِنِّیۡ عُذۡتُ بِرَبِّیۡ وَ رَبِّکُمۡ اَنۡ تَرۡجُمُوۡنِ ﴿۲۰﴾ وَ اِنۡ لَّمۡ تُؤۡمِنُوۡا لِیۡ فَاعۡتَزِلُوۡنِ ﴿۲۱﴾ فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنَّ هٰۤؤُلَآءِ قَوۡمٌ مُّجۡرِمُوۡنَ ﴿۲۲﴾ فَاَسۡرِ بِعِبَادِیۡ لَیۡلًا اِنَّکُمۡ مُّتَّبَعُوۡنَ ﴿۲۳﴾ وَ اتۡرُكِ الۡبَحۡرَ رَهۡوًا ؕ اِنَّهُمۡ جُنۡدٌ مُّغۡرَقُوۡنَ ﴿۲۴﴾ کَمۡ تَرَکُوۡا مِنۡ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوۡنٍ ﴿۲۵﴾ وَّ زُرُوۡعٍ وَّ مَقَامٍ کَرِیۡمٍ ﴿۲۶﴾ وَّ نَعۡمَةٍ کَانُوۡا فِیۡهَا فٰکِهِیۡنَ ﴿۲۷﴾ کَذٰلِكَ ۟ وَ اَوۡرَثۡنٰهَا قَوۡمًا اٰخَرِیۡنَ ﴿۲۸﴾ فَمَا بَکَتۡ عَلَیۡهِمُ السَّمَآءُ وَ الۡاَرۡضُ وَ مَا کَانُوۡا مُنۡظَرِیۡنَ ﴿۲۹﴾ وَ لَقَدۡ نَجَّیۡنَا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ مِنَ الۡعَذَابِ الۡمُهِیۡنِ ﴿۳۰﴾ مِنۡ فِرۡعَوۡنَ ؕ اِنَّهٗ کَانَ عَالِیًا مِّنَ الۡمُسۡرِفِیۡنَ ﴿۳۱﴾ وَ لَقَدِ اخۡتَرۡنٰهُمۡ عَلٰی عِلۡمٍ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۳۲﴾ وَ

1۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 177

وَاٰتَیْنٰہُمْ مِّنَ الْاٰیٰتِ مَا فِیْہِ بَلٰٓؤٌا مُّبِیْنٌ ﴿۳۳﴾

"اور ہم نے آزمایا تھا ان سے پہلے قوم فرعون کو اور آیا تھا ان کے پاس معزز رسول۔ (اس نے فرمایا تھا) کہ میرے حوالے کر دو اللہ کے بندوں کو میں تمہارے لئے معتبر رسول ہوں۔ اور نہ سرکشی کرو اللہ کے مقابلہ میں۔ میں لے آیا ہوں تمہارے پاس (اپنی رسالت کی) روشن دلیل۔ اور میں نے پناہ لے لی ہے اپنے رب کی اور تمہارے رب کی کہ تم مجھ پر پتھراؤ کر سکو۔ اور اگر تم ایمان لانے کے لئے تیار نہیں تو پھر مجھ سے کنارہ کش ہو جاؤ۔ پس پکارا موسیٰ نے اپنے رب کو (الٰہی) بلاشبہ یہ مجرم لوگ ہیں۔ (حکم ملا) لے چلو میرے بندوں کو راتوں رات، تمہارا تعاقب کیا جائے گا۔ اور رہنے دو سمندر کو تھما ہوا۔ بیشک وہ ایسا لشکر ہے جو غرق ہو کر رہے گا۔ وہ چھوڑ گئے بہت سے باغات اور چشمے۔ (سرسبز) کھیتیاں اور شاندار مقامات۔ اور بہت سارا ساز و سامان جس میں وہ عیش کیا کرتے تھے۔ یونہی ہوا۔ اور ہم نے وارث بنا دیا ان تمام چیزوں کا دوسرے لوگوں کو۔ پس نہ رویا ان (کی بربادی) پر آسمان اور نہ زمین اور نہ انہیں مزید مہلت دی گئی۔ اور بے شک ہم نے نجات دی بنی اسرائیل کو رسوا کن عذاب سے۔ (یعنی) فرعون (کی غلامی) سے۔ بلاشبہ وہ بڑا متکبر (اور) حد سے بڑھنے والوں میں سے تھا۔ اور ہم نے چنا تھا بنی اسرائیل کو جان بوجھ کر جہان والوں پر۔ اور ہم نے عطا فرمائیں انہیں ایسی نشانیاں جن میں صریح آزمائش تھی"۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ان مشرکین سے قبل ہم نے قوم فرعون کو آزمایا تھا۔ یہ مصر کے قبطی تھے۔

رَسُوْلٌ کَرِیْمٌ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام۔

اَنْ اَدُّوْٓا اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰہِ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۙ وَلَا تُعَذِّبْہُمْ ؕ قَدْ جِئْنٰکَ بِاٰیَۃٍ مِّنْ رَّبِّکَ ؕ وَالسَّلٰمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْہُدٰی (طٰہٰ: 47) "پس بھیج دے ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو اور انہیں (اب مزید) عذاب نہ دے۔ ہم لے آئے ہیں تیرے پاس ایک نشانی تیرے رب کے پاس سے۔ اور سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے"۔

اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ معتبر، قابل اعتماد۔

وَّاَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَی اللّٰہِ اللہ کی آیات کی اتباع اور اس کی حجتوں کو قبول کرنے اور اس کے دلائل و براہین پر ایمان لانے سے تکبر نہ کرو، جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَہَنَّمَ دٰخِرِیْنَ (غافر: 60) "بے شک جو لوگ میری عبادت کرنے سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب جہنم میں داخل ہوں گے ذلیل و خوار ہو کر"۔

اِنِّیْٓ اٰتِیْکُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ اور ظاہر اور واضح حجت کے ساتھ۔ یعنی جس کے ساتھ اللہ نے واضح آیات اور قطعی دلائل کے ساتھ مبعوث فرمایا تھا۔

وَاِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّکُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ حضرت ابن عباس اور ابو صالح کا قول ہے کہ اس سے مراد زبان سے رجم یعنی گالی گلوچ ہے۔ قتادہ کا قول ہے کہ پتھروں کے ساتھ رجم کرنا یعنی میں اس اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں جس نے مجھے اور تمہیں پیدا کیا اس سے کہ تم اپنے قول یا فعل سے مجھے کوئی گزند پہنچاؤ۔

وَاِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِیْ فَاعْتَزِلُوْنِ یعنی مجھ سے تعرض نہ کرو اور میرے ساتھ صلح صفائی رکھو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان فیصلہ فرما دے۔ پھر جب انہوں نے ان کے درمیان ایک طویل مدت گزاری اور اللہ کی دلیلیں ان کے سامنے قائم فرمائیں لیکن اس سے ان کے کفر

وعناد میں اور ہی اضافہ ہوا تو آپ نے ان کے لئے بددعا فرمائی۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّ اَمْوَالًا (یونس:88) ''اور عرض کی موسیٰ نے اے ہمارے پروردگار! تو نے بخشا ہے فرعون اور اس کے سرداروں کو سامانِ آرائش اور مال و دولت دنیوی زندگی میں اے ہمارے مولا! کیا اس لئے کہ وہ گمراہ کرتے پھریں (لوگوں کو) تیری راہ سے۔ اے ہمارے رب! برباد کردے ان کے مالوں کو اور سخت کردے ان کے دلوں کو تاکہ وہ نہ ایمان لے آئیں جب تک نہ دیکھ لیں دردناک عذاب کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا قبول کرلی گئی تمہاری دعا پس تم ثابت قدم رہو''۔

اسی طرح یہاں فرمایا: فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ بنواسرائیل کو لے کر نکل جائیں اور فرعون کو کوئی اطلاع نہ دیں۔ اسی لئے فرمایا: فَاَسْرِ بِعِبَادِيْ لَيْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ (شعراء:52) ''اور ہم نے وحی کی موسیٰ کی طرف کہ راتوں رات (یہاں سے) میرے بندوں کو لے جاؤ یقیناً تمہارا تعاقب کیا جائے گا''۔

وقولہ عزوجل وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ۭ اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم بنواسرائیل کو لے کر سمندر سے پار اتر گئے تو آپ نے دوبارہ اس پر اپنا عصا مارنا چاہا تاکہ یہ ان کے اور فرعون کے درمیان حائل ہوجائے اور وہ ان تک نہ پہنچ سکے۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ارشاد فرمایا: اسے اپنی حالت پر ہی رہنے دیجئے اور ساتھ ہی آپ کو خوشخبری دی کہ یہ لشکر غرق ہونے والے ہیں۔ آپ کسی قسم کا کوئی خدشہ محسوس نہ کریں۔

وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے یونہی اس کی اپنی حالت پر ہی مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے رَهْوًا: یعنی خشک راستہ جس طرح وہ بنا ہوا تھا۔ ارشاد ہوتا ہے اسے اپنی اصلی حالت پر لوٹنے کا حکم نہ دیں اور اسی طرح رہنے دیں۔

عکرمہ، ربیع بن انس، ضحاک، قتادہ، ابن زید، کعب الاحبار اور سماک بن حرب رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کا یہی قول ہے پھر فرمایا: كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ باغات۔

وَّعُيُوْنٍ وَّزُرُوْعٍ اس سے مراد نہریں اور کنوئیں ہیں۔

وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ شاندار اور عمدہ رہائشیں۔ مجاہد اور سعید بن جبیر نے اس کا معنی منابر کیا ہے۔

ابن لہیعۃ نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: دریائے نیل تمام دریاؤں کا سردار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مشرق و مغرب کے ہر دریا کو اس کے مطیع کردیا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اس کو جاری کرنا چاہیں تو ہر دریا کو حکم ہوتا ہے کہ اسے اپنا پانی دو تو ہر دریا سے اسے کچھ پانی ملتا ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ اس کے لئے پانی کے چشمے جاری فرمادیتا ہے اور جب اس کی روانی کو منقطع کرنا مقصود ہوتا ہے تو ہر پانی کو حکم ہوتا ہے اپنے اصل کی طرف لوٹ جا۔ اور اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ان کے باغات کا یہ سلسلہ نیل کے دونوں کناروں پر اسوان سے رشید تک پھیلا ہوا تھا۔ اور اس سے سو نہریں نکلتی تھیں۔ نہر اسکندریہ، نہر دمیاط، نہر سردوس، نہر منف، نہر الفیوم، نہر منہی۔ یہ سب آپس میں ایک دوسرے سے ملی ہوئی تھیں۔ مصر کے اول سے لیکر آخر تک پہاڑوں کے مابین بھی کھیتیاں تھیں جن کو یہ پانی سیراب کرتا تھا۔ تمام سرزمین مصر سولہ ذراع سے سیراب ہوتی تھی۔ اس کا اندازہ انہوں نے پلوں اور خلیجوں سے لگایا تھا۔

وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ وہ بڑی مزے کی زندگی گزار رہے تھے جو چاہتے کھاتے۔ جو چاہتے پہنتے، مال و دولت، جاہ و مرتبہ اور حکمرانی

ملی ہوئی تھی۔ ایک صبح یہ سب کچھ چھن گیا اور وہ دنیا کو چھوڑ کر واصل جہنم ہو گئے۔ بلاد مصر، اس ساری جائیداد اور ممالک قبطیہ پر بنواسرائیل کا تسلط قائم ہو گیا۔ جیسے ارشاد ہوتا ہے: كَذٰلِكَ ۚ وَ اَوۡرَثۡنٰهَا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ (شعراء:59) "ہم نے ایسا ہی کیا۔ اور ہم نے بنی اسرائیل کو ان تمام چیزوں کا وارث بنا دیا"۔ ایک دوسری آیت میں آتا ہے: وَاَوۡرَثۡنَا الۡقَوۡمَ الَّذِیۡنَ كَانُوۡا یُسۡتَضۡعَفُوۡنَ مَشَارِقَ الۡاَرۡضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِیۡ بٰرَكۡنَا فِیۡهَا ؕ وَتَمَّتۡ كَلِمَتُ رَبِّكَ الۡحُسۡنٰی عَلٰی بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ۙ بِمَا صَبَرُوۡا ؕ وَدَمَّرۡنَا مَا كَانَ یَصۡنَعُ فِرۡعَوۡنُ وَقَوۡمُهٗ وَمَا كَانُوۡا یَعۡرِشُوۡنَ (اعراف: 137) "اور ہم نے وارث بنا دیا اس قوم کو جسے ذلیل وحقیر سمجھا جاتا تھا (انہیں وارث بنایا) اس زمین کے شرق وغرب کا جس میں ہم نے برکت رکھ دی تھی اور پورا ہو گیا آپ کے پروردگار کا اچھا وعدہ بنی اسرائیل کے متعلق بوجہ اس کے کہ انہوں نے صبر کیا تھا اور ہم نے برباد کر دیا جو کیا کرتا تھا فرعون اور اس کی قوم اور (برباد کر دیئے) جو بلند مکان وہ تعمیر کیا کرتے تھے"۔ اور یہاں فرمایا:

كَذٰلِكَ ۟ وَاَوۡرَثۡنٰهَا قَوۡمًا اٰخَرِیۡنَ مراد بنواسرائیل ہیں جس طرح اوپر بیان ہو چکا۔

قولہ تعالیٰ فَمَا بَكَتۡ عَلَیۡهِمُ السَّمَآءُ وَالۡاَرۡضُ یعنی ان کے اعمال بھی صالح نہیں تھے جو آسمانوں سے اوپر جاتے تھے کہ جن کے نہ ہونے سے وہ روتے۔ اور نہ روئے زمین پر کوئی ایسے مقامات تھے جہاں وہ عبادت کرتے تھے کہ آج وہ انہیں نہ پا کر ان پر آنسو بہاتے۔ اس لئے وہ اس بات کے مستحق تھے کہ انہیں ان کے کفر، جرم شنیع، عناد اور سرکشی کی وجہ سے انہیں کسی قسم کی کوئی مہلت نہ دی جاتی۔ حافظ ابویعلی موصلی نے اپنی مسند میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ہر بندے کے لئے آسمان میں دو دروازے ہیں۔ ایک دروازے سے اس کا رزق اترتا ہے اور دوسرے دروازے سے اس کا عمل اور کلام اوپر جاتا ہے۔ جب اس کا انتقال ہو جاتا ہے تو وہ دونوں اسے نہ پا کر روتے ہیں"۔ اور اس آیت کی تلاوت فرمائی: فَمَا بَكَتۡ عَلَیۡهِمُ السَّمَآءُ وَالۡاَرۡضُ مذکور ہے کہ نہ تو وہ روئے زمین پر نیک عمل کرتے تھے کہ وہ ان پر روتے اور نہ آسمان کی طرف ان کی اچھی گفتگو اور نیک عمل جاتا تھا کہ اس کے کھو جانے پر وہ رویا کرتے (1)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے موسیٰ بن عبیدۃ الربذی کی حدیث سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے شریح بن عبید الحضرمی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بلاشبہ شروع میں بھی غریب الدیار تھا آخر میں پھر اسی طرح ہو جائے گا۔ جس طرح ابتداء میں تھا۔ خبردار مومن پر کوئی مسافری نہیں۔ مومن حالت سفر میں نہیں مرتا جہاں اس پر رونے والا کوئی نہ ہو مگر وہاں بھی آسمان وزمین اس پر روتے ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ اور فرمایا: "یہ دونوں کافر پر نہیں روتے" (2)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عباد بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کیا زمین اور آسمان بھی کسی پر روتے ہیں؟ آپ نے فرمایا تم نے مجھ سے ایسی بات کے بارے میں پوچھا ہے جس کے بارے میں آج تک کسی نے نہیں پوچھا۔ ہر بندے کی زمین پر ایک نماز پڑھنے کی جگہ ہوتی ہے اور ایک جگہ آسمان میں اس کے عمل کے چڑھنے کی ہوتی ہے۔ آل فرعون کا نہ تو روئے زمین پر کوئی نیک عمل تھا اور نہ آسمان کی طرف جانے والا ان کا کوئی عمل صالح تھا۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: فَمَا بَكَتۡ عَلَیۡهِمُ السَّمَآءُ وَالۡاَرۡضُ۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آپ سے ایک آدمی نے یہی سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ مخلوق میں سے ہر ایک کے لئے آسمان میں دروازہ ہے جس سے اس کا رزق اترتا ہے اور اس کا عمل چڑھتا ہے۔ جب کوئی مومن اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو اس کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ اس کے نہ

1۔ مسند ابویعلی الموصلی، جلد 4 صفحہ 158-157
2۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 125

ہونے پر آسمان روتا ہے اور زمین پر اس کی جائے نماز جہاں وہ عبادت کرتا تھا اور ذکر واذکار کیا کرتا تھا اسے نہ پا کر روتی ہے۔ قوم فرعون کے زمین پر کوئی نیک اعمال نہیں تھے اور نہ آسمان کی طرف ان کی کوئی بھلائی بلند ہوتی تھی چنانچہ نہ تو ان پر آسمان رویا اور نہ زمین (1)۔ عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ سفیان ثوری نے بروایت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: یہ کہا جاتا تھا کہ زمین چالیس دن تک مؤمن پر روتی ہے۔ مجاہد اور سعید بن جبیر وغیرہ سے اسی طرح مروی ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے ہی ایک اور روایت میں ہے کہ جب مؤمن کا انتقال ہوتا ہے تو آسمان اور زمین چالیس روز تک اس پر روتے ہیں۔ یہ سن کر کسی نے تعجب سے پوچھا: کیا زمین بھی روتی ہے تو آپ نے فرمایا تعجب کرتے ہو۔ زمین کو کیا ہے کہ اس بندے پر نہ روئے جو زندگی بھر اسے رکوع وسجود کے ساتھ آباد رکھتا رہا؟ اور آسمان اس بندے پر کیوں نہیں روئے گا جس کی تسبیح و تکبیر کی گونج شہد کی مکھیوں کی آواز کی طرح تھی (2)۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ فرعونی اللہ کے ہاں اس سے کہیں زیادہ کم تر تھے کہ ان پر زمین روئے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ابراہیم کا قول نقل کیا ہے کہ آفرینش عالم سے لے کر آج تک آسمان صرف دو بندوں پر رویا ہے پوچھا گیا: کیا زمین و آسمان ہر مومن پر نہیں روتے؟ فرمایا اس کے لئے صرف وہ مقام روتا ہے جہاں سے اس کا عمل چڑھتا تھا۔ پھر آپ نے دریافت فرمایا: کیا تو جانتا ہے کہ آسمان کے رونے سے کیا مراد ہے؟ میں نے عرض کیا نہیں فرمایا: اس کا رنگ سرخ ہو جاتا ہے جب حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کو شہید کیا گیا تو آسمان سرخ ہو گیا اور اس سے خون برستا رہا۔ اور جب حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کو شہید کیا گیا تو آسمان سرخ ہو گیا۔ یزید بن ابو زیاد کا قول ہے کہ حضرت امام حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی شہادت پر آسمان کے آفاق چار ماہ تک سرخ رہے۔ یزید کا قول اس کی سرخی اس کا رونا ہی ہے۔ سدی کبیر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کہا ہے۔ عطاء خراسانی کا قول ہے آسمان کا رونا یہ ہے کہ اس کے اطراف سرخ ہو جائیں اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بارے میں ہی یہ ذکر فرمایا کہ اس دن کوئی پتھر نہیں اٹھایا گیا مگر اس کے نیچے تازہ خون موجود ہوتا تھا۔ اس دن سورج کو گرہن ہوا۔ افق سرخ ہو گیا اور پتھر گرے اور یہ سب باتیں محل نظر ہیں۔ بظاہر یہ شیعہ کی حماقت اور جھوٹ ہے تا کہ اس معاملے کو عظمت دی جا سکے۔ بلا شک وشبہ یہ ایک عظیم سانحہ تھا۔ لیکن یہ سب باتیں جو انہوں نے گھڑی ہیں جھوٹ ہیں۔ کیونکہ قتل حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے بھی زیادہ بڑے واقعات ہوئے لیکن یہ جو کچھ وہ ذکر کرتے ہیں ظہور پذیر نہیں ہوا۔ مثلاً آپ کے والد ماجد حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا۔ بالا جماع آپ اپنے فرزند سے افضل تھے۔ لیکن کچھ بھی نہیں ہوا۔ اسی طرح اس سے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان کو ظلماً محاصرے کی حالت میں شہید کیا گیا لیکن مذکورہ بالا چیزوں میں سے کچھ بھی ظاہر نہیں ہوا۔ اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو صبح کی نماز میں محراب میں شہید کیا گیا۔ مسلمانوں کو اس سے قبل کسی مصیبت کا سامنا نہیں کرنا پڑا، لیکن ان میں سے کوئی بات ظاہر نہیں ہوئی اور خود رسول اکرم ﷺ جو کہ دنیا و آخرت میں سید البشر ہیں آپ ﷺ کے ارتحال کے وقت بھی کچھ نہیں ہوا۔ جس دن حضرت صاحبزادہ ابراہیم بن نبی کریم ﷺ کا وصال ہوا، سورج گرہن ہوا تو لوگ کہنے لگے یہ حضرت ابراہیم کی وجہ سے گہن ہوا ہے تو نبی کریم ﷺ نے صحابہ کو نماز کسوف پڑھائی۔ انہیں خطبہ دیا اور یہ واضح فرمایا کہ سورج اور چاند کسی کی موت یا زندگی سے گہن میں نہیں آتے (3)۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 125-124 2۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 412

3۔ یہ حدیث سورۂ اسراء آیت: 59 اور سورہ حج آیت: 18 میں گزر چکی ہے نیز دیکھئے مسند امام احمد، جلد 4 صفحہ 249

قولہ تعالیٰ: وَلَقَدۡ نَجَّيۡنَا بَنِيٓ إِسۡرَٰٓءِيلَ مِنَ ٱلۡعَذَابِ ٱلۡمُهِينِ اللہ تبارک وتعالیٰ ان پر احسان جتلا رہے ہیں کہ ہم نے انہیں فرعون کی ذلت ورسوائی اور مشقت سے نجات دلائی تھی۔

قولہ تعالیٰ مِن فِرۡعَوۡنَۚ إِنَّهُۥ كَانَ عَالِيٗا یعنی متکبر، جبار، سرکش۔ جیسے ایک دوسرے مقام پر ہے: إِنَّ فِرۡعَوۡنَ عَلَا فِي ٱلۡأَرۡضِ (قصص:4) ''بے شک فرعون متکبر (وسرکش) بن گیا سرزمین (مصر) میں''۔ اور فرمایا: فَٱسۡتَكۡبَرُواْ وَكَانُواْ قَوۡمًا عَالِينَ (مومنون:46) ''تو انہوں نے بھی غرور وتکبر کیا اور وہ لوگ بڑے سرکش تھے''۔ یعنی اسراف کرنے والے۔ أي مسرف في أمره سخيف الرأي على نفسه: وہ اپنے معاملے میں اسراف کرنے والے بیوقوف تھے۔

قولہ جل وعلا وَلَقَدِ ٱخۡتَرۡنَٰهُمۡ عَلَىٰ عِلۡمٍ عَلَى ٱلۡعَٰلَمِينَ۔ أي على من هم بين ظهريه اس زمانے کی جملہ اقوام پر۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ انہیں اس زمانے کے لوگوں پر فضیلت عطا فرمائی گئی۔ ہر زمانے کو ''عالَم'' کہا جاتا ہے۔ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: يَٰمُوسَىٰٓ إِنِّي ٱصۡطَفَيۡتُكَ عَلَى ٱلنَّاسِ (اعراف:144) ''اے موسیٰ! میں نے سرفراز کیا ہے تجھے تمام لوگوں پر''۔ یعنی آپ کے اہل زمانہ پر۔ اور حضرت مریم علیہا السلام کے بارے میں فرمایا: وَٱصۡطَفَىٰكِ عَلَىٰ نِسَآءِ ٱلۡعَٰلَمِينَ (آل عمران:42) ''اور پسند کیا ہے تجھے سارے جہان کی عورتوں سے''۔ یعنی ان کے زمانے میں، حالانکہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ان سے افضل یا مرتبہ میں ان کے مساوی ہیں۔ اسی طرح سیدہ آسیہ بنت مزاحم جو کہ فرعون کی زوجہ تھیں اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت تمام عورتوں پر اسی طرح ہے جیسے ثرید (شوربے میں بھگوئی ہوئی روٹی) کی فضیلت دیگر تمام کھانوں پر (1)۔

قولہ وَءَاتَيۡنَٰهُم مِّنَ ٱلۡأٓيَٰتِ یعنی دلائل وبراہین اور خارق للعادت اشیاء۔

مَا فِيهِ بَلَٰٓؤٞاْ مُّبِينٌ ظاہر، واضح امتحان اس کے لئے جو ہدایت کا متلاشی ہے۔

إِنَّ هَٰٓؤُلَآءِ لَيَقُولُونَ ۝٣٤ إِنۡ هِيَ إِلَّا مَوۡتَتُنَا ٱلۡأُولَىٰ وَمَا نَحۡنُ بِمُنشَرِينَ ۝٣٥ فَأۡتُواْ بِـَٔابَآئِنَآ إِن كُنتُمۡ صَٰدِقِينَ ۝٣٦ أَهُمۡ خَيۡرٌ أَمۡ قَوۡمُ تُبَّعٖ وَٱلَّذِينَ مِن قَبۡلِهِمۡۚ أَهۡلَكۡنَٰهُمۡۖ إِنَّهُمۡ كَانُواْ مُجۡرِمِينَ ۝٣٧

''بے شک یہ (کفار مکہ) بھی کہتے ہیں۔ نہیں ہے (ہمارے لئے) مگر ہماری (یہی) پہلی موت اور نہ ہمیں دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ بھلا ہمارے باپ دادوں کو تو زندہ کر کے لے آؤ اگر تم سچے ہو۔ (اے لوگو! ذرا سوچو) کیا یہ لوگ بہتر ہیں یا تبع کی قوم اور جو لوگ ان سے پہلے گزرے ہیں، ہم نے انہیں (بہمہ شوکت وحشمت) ہلاک کر دیا۔ بیشک وہ مجرم تھے''۔

مشرکین کے دوبارہ جی اٹھنے اور وقوع قیامت کے انکار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ تو یہ سمجھتے ہیں کہ صرف یہی دنیوی زندگی ہے اور موت کے بعد کوئی زندگی نہیں۔ قبروں سے اٹھنے اور حشر بپا ہونے کی کوئی حقیقت نہیں اور اپنے سابقہ آباء واجداد سے یہ دلیل پکڑتے ہیں کہ وہ فوت ہوئے لیکن واپس نہیں لوٹے اگر موت کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کی بات برحق ہے تو فَأۡتُواْ بِـَٔابَآئِنَآ إِن كُنتُمۡ صَٰدِقِينَ ہمارے آباء واجداد جو عرصہ ہوا اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں ان کو زندہ کر کے لے آؤ اگر تم سچے ہو۔ یہ باطل دلیل اور فاسد شبہ تھا کیونکہ وعدہ روز قیامت کا تھا نہ کہ دار دنیا کا۔ اس دنیا کے خاتمے کے بعد اللہ تعالیٰ دنیا کو ازسرنو نئی زندگی مرحمت فرمائے گا۔ ظالموں کو جہنم

1۔ فتح الباری، کتاب فضائل الصحابہ، جلد 7 صفحہ 106 مسلم، جلد 4 صفحہ 1895

کا ایندھن بنائے گا۔ اس دن تم لوگوں پر گواہ ہو گے اور رسول کریم ﷺ تم پر گواہ ہوں گے پھر انہیں تہدید اور وعید سناتے ہوئے فرمایا کہ اس کا عذاب آ جانے کے بعد واپس نہیں ہوتا جس طرح تم سے پہلے تمہارے جیسی گزشتہ مشرک قوموں کے ساتھ ہو چکا ہے۔ جیسے قوم تبع...... یہ قوم سبا تھی اور دوبارہ جی اٹھنے کی کے منکر تھی اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر دیا۔ ان کا ملک برباد کر دیا اور انہیں مختلف علاقوں میں تتر بتر کر دیا۔ جس طرح کہ سورۂ سبا میں اس سے پہلے مذکور ہو چکا ہے۔ اس تہدید کا سبب ان کا انکار قیامت ہے۔ اسی طرح یہاں انہیں ان مشرکوں سے تشبیہ دی وہ قحطانی عرب تھے اور یہ عرب بنو عدنان سے ہیں۔ حِمْیَر جو کہ سبا سے تھے وہ اپنے بادشاہ کو تبع کے لقب سے پکارتے تھے، جس طرح فارس کا بادشاہ کسریٰ اور روم کا شہنشاہ قیصر، کافر مصر کے بادشاہ کو فرعون اور حبشہ کے بادشاہ کو نجاشی کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ان میں سے ایک تبع یمن سے نکلا اور تمام علاقے تاخت و تاراج کرتا ہوا سمرقند تک جا پہنچا۔ اس کی مملکت کی حدود کافی وسیع تھیں۔ اسی نے حیرہ کا شہر آباد کیا۔ حسن اتفاق سے اس کا گزر مدینہ طیبہ کے مقام سے ہوا۔ یہ زمانہ جاہلیت تھا اس نے یہاں کے باشندوں سے لڑنا چاہا تو وہ دن بھر اس سے لڑائی کرتے رہے اور رات کو اس کی مہمان نوازی کی۔ یہ دیکھ کر اسے حیا آ گیا اور اس نے لڑائی سے ہاتھ کھینچ لیا۔ اس کے ساتھ یہاں کے دو یہودی علماء ہو گئے تھے۔ انہوں نے اسے نصیحت کی کہ اس شہر پر اس کا تصرف نہیں ہو سکتا۔ یہ مقام نبی آخر الزمان کی ہجرت گاہ ہے۔ وہ واپس لوٹ گیا اور ان دونوں کو بھی اپنے ساتھ لے گیا۔ جب وہ مکہ مکرمہ کے مقام سے گزرا تو کعبہ کو منہدم کرنے کا ارادہ کیا۔ وہ دونوں علماء اس کی راہ میں مزاحم ہوئے اور اسے اس گھر کی عظمت کے بارے میں بتایا کہ اسے حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے تعمیر کیا تھا اور اس نبی کے ہاتھ اس کی شان میں مزید اضافہ ہو گا جو آخر زمانے میں مبعوث ہونے والا ہے۔ چنانچہ اس نے اس گھر کی تعظیم کی۔ اس کا طواف کیا اور اس پر یمنی کپڑوں کا بنا ہوا قیمتی غلاف چڑھایا۔ اور واپس یمن چلا گیا اور وہاں کے باشندوں کو یہودیت اختیار کرنے کی دعوت دی۔ اس وقت تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت ہی تھی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابھی مبعوث نہیں ہوئے تھے۔ چنانچہ اس کے ساتھ یمن کے اکثر لوگوں نے یہودیت اختیار کر لی۔ یہ قصہ الامام محمد بن اسحٰق نے اپنی کتاب سیرۃ میں مفصل ذکر فرمایا ہے(1) اور حافظ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں اس کے حالات شرح و بسط سے بیان کئے ہیں۔ ان میں سے کچھ چیزوں کو ہم نے یہاں چھوڑ دیا ہے۔ اس میں مذکور ہے کہ دمشق اس کے زیر نگیں تھا اور جب وہ لشکر کا معائنہ کرتا تو اس کی صفیں دمشق سے یمن تک ہوتی تھیں۔ پھر عبد الرزاق کی سند سے حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت فرمایا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میں نہیں جانتا کہ حدود لگنے سے کفارہ ادا ہو جاتا ہے یا نہیں؟ اور مجھے معلوم نہیں تبع ملعون تھا یا نہیں؟ مجھے پتہ نہیں کہ ذوالقرنین نبی تھا یا بادشاہ'' (2)۔ دیگر روایات میں ہے: ''کیا عزیر نبی تھے یا نہیں؟'' ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ دار قطنی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس حدیث کی روایت صرف عبد الرزاق سے ہے۔ پھر ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا ہے: ''عزیر میں نہیں جانتا کہ نبی تھے یا نہیں؟ اور مجھے یہ بھی علم نہیں کہ تبع پر لعنت بھیجنی چاہئے یا نہیں؟'' اس کے بعد ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے وہ تمام روایات ذکر کی ہیں جن میں تبع کو سب و شتم کرنے اور لعنت بھیجنے کی ممانعت آئی ہے۔ اس کا تذکرہ آگے آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے یہ کافر تھا پھر اسلام لے آیا اور اپنے زمانے کے یہودی علماء کے ہاتھ پر اس وقت کے دین برحق، شریعت کلیمی کی پیروی کی۔ یہ بعثت حضرت مسیح علیہ السلام سے پہلے کا واقعہ ہے۔ بنو جرہم

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 28-19
2۔ ابو داؤد، کتاب السنۃ، جلد 4 صفحہ 218

کے زمانہ میں بیت اللہ کا حج کیا اور بیت اللہ شریف کو ریشم وحبر کا قیمتی غلاف پہنایا اور تعظیم وتکریم کے طور پر یہاں چھ ہزار اونٹ ذبح کئے۔ اور یمن واپس لوٹ گیا۔ حافظ ابن عساکر نے یہ قصہ بالتفصیل اور متعدد سندوں سے روایت کیا ہے جو حضرت ابی بن کعب، عبد اللہ بن سلام، عبد اللہ بن عباس اور کعب احبار رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور اصل قصہ کا دارو مدار حضرت کعب احبار اور عبد اللہ بن سلام پر ہے اور وہ مستند، بزرگ اور بہت بڑے عالم ہیں۔ وہب بن منبہ اور محمد بن اسحٰق نے سیرت میں یہی واقعہ بیان کیا ہے جس طرح کہ مشہور ہے۔ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے اس تبع کے واقعہ کے ساتھ ایک دوسرے تبع کے واقعات کو ملا دیا ہے جو اس کے بہت عرصہ بعد گزرا ہے۔ اسی تبع کا تذکرہ قرآن کریم میں ہے۔ اس کی قوم اس کے ہاتھ پر مسلمان ہوگئی تھی۔ جب وہ فوت ہوگیا تو دوبارہ بت پرستی ان میں عود کر آئی۔ ان کے اسی فعل کو قرآن نے سورۂ سبا میں ذکر کیا ہے۔ وہاں ان کا واقعہ تفصیلاً مذکور ہے۔ وللّٰہ الحمد والمنّۃ۔ سعید بن جبیر کا قول ہے تبع نے کعبہ پر غلاف چڑھایا تھا اور حضرت سعید اس کی تنقیص سے منع فرماتے تھے(1)۔ یہ تبع، درمیانی تبع (تبع الاوسط) تھا۔ اس کا نام ابو کریب بن ملیکرب یمانی تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے اپنی قوم پر تین سو چھبیس سال تک حکومت کی۔ شاہان حمیر میں اس سے زیادہ طویل حکومت کسی کی نہیں ہوئی۔ یہ رسول اکرم ﷺ کی بعثت سے تقریباً سات سو سال قبل فوت ہوا۔ یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ جب مدینہ کے یہودی علماء نے اسے بتایا کہ یہ شہر نبی آخر الزمان کی جائے ہجرت ہے۔ جن کا نام احمد ہوگا۔ تو اس نے کچھ شعر کہے اور بطور امانت اہل مدینہ کے پاس رکھے۔ وہ قصیدہ بطور میراث ان کے پاس رہا اور اس کی روایت نسل درنسل چلتی رہی۔ یہ ابو ایوب خالد بن زید کو حفظ تھا جن کے ہاں نبی کرم ﷺ ہجرت کے بعد قیام فرما ہوئے وہ قصیدہ اس طرح ہے:

شَهِدْتُ عَلَى أَحْمَدَ أَنَّهُ رَسُوْلٌ مِنَ اللهِ بَارِي النَّسَم

فَلَوْ مُدَّ عُمْرِيْ إِلَى عُمْرِهِ لَكُنْتُ وَزِيرًا لَهُ وَابْنَ عَمّ

وَجَاهَدْتُ بِالسَّيفِ أَعْدَاءَهُ وَفَرَّجْتُ عَنْ صَدْرِهِ كُلَّ غَمّ (2)

ابن ابی دنیا نے لکھا ہے کہ زمانہ اسلام میں صنعاء میں ایک قبر کھودی گئی تو اس میں دو عورتوں کے اجسام بالکل صحیح وسالم حالت میں پائے گئے ان کے سرہانے چاندی کی ایک تختی لگی تھی جس پر سونے سے یہ عبارت لکھی ہوئی تھی: ''یہ قبر حبی اور لمیس کی ہے''۔ ایک روایت میں حُبیّٰ اور تماضر کے الفاظ آئے ہیں۔ یہ تبع کی صاحبزادیاں تھیں۔ یہ دونوں مرتے وقت اس بات کی گواہی دیتی تھیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتی تھیں۔ اس سے پہلے بھی صالحین کا انتقال اسی بات پر ہوتا رہا ہے۔ سورۂ سبا میں ہم نے اس بارے میں سبا کے شعر بھی نقل کر دیے ہیں(3)۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ حضرت کعب تبع کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ اس کی تعریف نیک آدمی کی طرح کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس کی قوم کی مذمت فرمائی اور اس کی مذمت نہیں کی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں: ''تبع کو برا مت کہو وہ ایک نیک آدمی تھا'' (4)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تبع کو گالی نہ دو وہ اسلام لے آیا تھا'' امام احمد رحمۃ اللہ علیہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 129

2۔ ان ابیات کا ترجمہ اس طرح ہے (میں گواہی دیتا ہوں کہ احمد، خالق کائنات کے رسول ہیں۔ آپ کے زمانے تک بقید حیات رہا تو ضرور آپ کا ساتھی اور چچازاد بن کر رہوں گا اور آپ کے دشمنوں سے تلوار کے ساتھ جنگ کروں گا اور آپ سے ہر غم کو دور کروں گا۔ (مترجم)

3۔ ان اشعار کے لئے دیکھئے سورہ سبا آیت: 15

4۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 129-128، مستدرک، جلد 2 صفحہ 450

نے اپنی مسند میں ابن لہیعہ سے یہی روایت ذکر کی ہے(1)۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”تبع کے خلاف دشنام طرازی نہ کرو وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا تھا(2)۔ عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”میں نہیں جانتا کہ تبع نبی تھا یا غیر نبی؟“ یہ حدیث پہلے اسی سند سے بروایت ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ گزر چکی ہے۔ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ اس طرح ہیں: ”مجھے نہیں پتہ تبع ملعون تھا یا نہیں“ واللہ اعلم۔ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوفاً بھی روایت کیا ہے۔ عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ کا قول کیا ہے: ”تبع کو گالی نہ دیا کرو کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اسے برا بھلا کہنے سے منع فرمایا ہے“۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿٣٨﴾ مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٣٩﴾ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٤٠﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْـًٔا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿٤١﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿٤٢﴾

”اور نہیں پیدا فرمایا ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کھیل کے طور پر نہیں پیدا فرمایا ہم نے آسمان و زمین کو مگر حق کے ساتھ لیکن ان میں سے اکثر (اس حقیقت کو) نہیں جانتے۔ یقیناً فیصلہ کا دن ان سب کو (دوبارہ زندہ کرنے کے لئے) مقرر وقت ہے۔ جس روز کوئی دوست کسی دوست کے ذرا کام نہیں آئے گا اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔ سوائے ان کے جن پر اللہ نے رحم فرمایا ہے۔ بیشک وہ سب پر غالب، ہمیشہ رحم کرنے والا ہے“۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے عادل ہونے، لہو ولعب، بے فائدہ اور باطل چیزوں سے اپنے پاک صاف ہونے کی خبر دے رہا ہے۔ ایک اور آیت میں بھی یہی مضمون بیان ہوا ہے۔ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۭ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ (ص: 27) ”اور نہیں پیدا کیا ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بے فائدہ۔ یہ تو کفار کا گمان ہے۔ پس بربادی ہے کفار کے لئے آگ (کے عذاب) سے“۔ ایک دوسری آیت میں ہے: اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿١١٥﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ (مومنون: 115) ”کیا تم نے یہ گمان کر رکھا تھا کہ ہم نے تمہیں بے مقصد پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف نہیں لوٹائے جاؤ گے۔ پس بہت بلند ہے اللہ جو بادشاہِ حقیقی ہے (بے مقصد تخلیق سے) نہیں کوئی معبود بجز اس کے۔ وہ مالک ہے عزت والے عرش کا“۔

قال تعالیٰ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مراد یوم قیامت ہے جب اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے درمیان فیصلے فرمائے گا۔ کفار کو عذاب اور مومنین کو جزا عطا فرمائے گا۔

قولہ عزوجل مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ اولین و آخرین سب کو جمع فرمائے گا۔

قولہ عزوجل يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْـًٔا کوئی رشتہ دار دوسرے کو فائدہ نہیں دے سکے گا۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ (مومنون: 101) ”تو جب صور پھونکا جائے گا تو کوئی رشتہ داریاں نہ رہیں گی ان کے

1۔ مسند امام احمد، جلد 5 صفحہ 340
2۔ المعجم الکبیر للطبرانی، جلد 11 صفحہ 296

درمیان اس روز اور نہ وہ ایک دوسرے کے متعلق پوچھ سکیں گے''۔ایک اور جگہ آتا ہے: وَلَا يَسۡـَٔلُ حَمِيۡمٌ حَمِيۡمًا ۞ يُّبَصَّرُوۡنَهُمۡ (معارج: 10-11)'' اور کوئی جگری دوست کسی جگری دوست کا حال نہ پوچھے گا۔دکھائی دیں گے ایک دوسرے کو''۔یعنی بھائی اپنے بھائی کا حال نہیں پوچھے گا حالانکہ وہ اسے اپنے سامنے دیکھ رہا ہوگا۔

قولہ عزوجل وَّلَا هُمۡ يُنۡصَرُوۡنَ کوئی رشتے دار اپنے قریبی کی کوئی مدد نہیں کر سکے گا اور نہ کوئی بیرونی مدد آئے گی۔

پھر فرمایا: اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ اللّٰهُ کوئی چیز اس روز فائدہ نہیں دے سکے گی مگر اللہ کی رحمت اپنی مخلوق کے شامل ہوگی۔

اِنَّهٗ هُوَ الۡعَزِيۡزُ الرَّحِيۡمُ وہ عزیز و غالب ہے۔وسیع رحمت والا ہے۔

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوۡمِ ۞ طَعَامُ الۡاَثِيۡمِ ۞ كَالۡمُهۡلِ ۚ يَغۡلِىۡ فِى الۡبُطُوۡنِ ۞ كَغَلۡىِ الۡحَمِيۡمِ ۞ خُذُوۡهُ فَاعۡتِلُوۡهُ اِلٰى سَوَآءِ الۡجَحِيۡمِ ۞ ثُمَّ صُبُّوۡا فَوۡقَ رَاۡسِهٖ مِنۡ عَذَابِ الۡحَمِيۡمِ ۞ ذُقۡ ۚ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡكَرِيۡمُ ۞ اِنَّ هٰذَا مَا كُنۡتُمۡ بِهٖ تَمۡتَرُوۡنَ ۞

'' بلاشبہ زقوم کا درخت گنہگار کی خوراک ہوگا۔ پگھلے تانبے کی مانند۔پیٹوں میں جوش مارے گا۔ جیسے کھولتا پانی جوش مارتا ہے۔(حکم ہوگا) اس (نابکار) کو پکڑ لو پھر اسے گھسیٹ کر لے جاؤ جہنم کے وسط میں۔پھر انڈیلو اس کے سر کے اوپر کھولتا پانی (اسے) عذاب دینے کے لئے۔لو چکھو۔تم بڑے معزز و مکرم ہو۔بے شک یہ وہ ہے جس میں تم شک کیا کرتے تھے''۔

اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے منکر کفار کی سزا کا بیان ہو رہا ہے۔

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوۡمِ ۞ طَعَامُ الۡاَثِيۡمِ: الأثيم أي في قوله و فعله: یعنی اپنے قول و فعل میں بدکار اور فاجر اور وہ کافر ہے۔متعدد مفسرین نے یہ ذکر کیا ہے کہ اس آیت کا مصداق ابو جہل ہے۔اس کے اس آیت کی وعید میں داخل ہونے میں کوئی شک نہیں تاہم یہ صرف اس کے حق میں ہی نازل نہیں ہوئی۔ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ہمام بن حارث سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ ایک شخص کو یہ آیت پڑھا رہے تھے تو اس نے الاثیم کی جگہ طعام الیتیم پڑھ دیا۔تو حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یوں کہو: إن شجرت الزقوم طعام الفاجر یعنی اس کے علاوہ اسے کھانے کو کچھ نہیں دیا جائے گا۔مجاہد رحمۃ اللہ کا قول ہے اگر زقوم کا ایک قطرہ بھی زمین پر گر جائے تو اہل زمین کی معاش کو خراب کر دے۔ایک مرفوع حدیث میں بھی پہلے یہی بات بیان ہو چکی ہے (1)۔

قولہ عزوجل كَالۡمُهۡلِ: عَكَرُ الزيت: تیل کی تلچھٹ۔

يَغۡلِىۡ فِى الۡبُطُوۡنِ ۞ كَغَلۡىِ الۡحَمِيۡمِ جوش مارے گا اپنی حرارت اور بدمزگی کے باعث (2)۔

قولہ خُذُوۡهُ یعنی کافر کو۔روایات میں آتا ہے کہ جہنم کے داروغوں کو یہ حکم ہوگا تو ستر ہزار فرشتے اس کی طرف دوڑ پڑیں گے۔

قولہ فَاعۡتِلُوۡهُ اسے اوندھے منہ گھسیٹ کر لے جاؤ دھکے دیتے ہوئے۔مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔اسے پکڑ لو اور آگے دھکیلو۔

فرزدق شاعر کہتا ہے:۔

1۔دیکھئے سورۃ صافات آیت:62

4۔بعض نسخوں میں تغلی (تاء کے ساتھ) کے الفاظ بھی آئے ہیں باقی سات قاریوں نے اسے تا کے ساتھ اور ابن کثیر اور حفص نے یاء کے ساتھ پڑھا ہے۔(الاقناع، جلد 2 صفحہ 763)

لَيْسَ الْكِرَامُ بِنَا حِلِيكَ أَبَاهُمْ حَتَّى تُرَدَّ إِلَى عَطِيَّةَ تُعْتَلُ (1)

اِلٰی سَوَآءِ الْجَحِیۡمِ یعنی اس کے وسط میں۔

ثُمَّ صُبُّوۡا فَوۡقَ رَاۡسِهٖ مِنۡ عَذَابِ الۡحَمِیۡمِ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: یُصَبُّ مِنۡ فَوۡقِ رُءُوۡسِهِمُ الۡحَمِیۡمُ ۚ یُصۡهَرُ بِهٖ مَا فِیۡ بُطُوۡنِهِمۡ وَ الۡجُلُوۡدُ (حج: 20-19) ''انڈیلا جائے گا ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی۔ گل جائے گا اس کھولتے پانی سے جو کچھ ان کے شکموں میں ہے اور ان کی چمڑیاں بھی گل جائیں گی''۔ اس بات کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے کہ فرشتہ اسے لوہے کا گرز مارے گا تو اس کا دماغ کھل جائے گا۔ پھر اس کے سر پر کھولتا ہوا پانی انڈیلا جائے گا تو وہ اس کی آنتوں سے ہوتا ہوا ٹخنوں سے آر پار نکل جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔

قولہ تعالیٰ ذُقۡ ۚ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡکَرِیۡمُ از راہ سرزنش اور توبیخ یہ کہا جا رہا ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: یعنی نہ تو عزت والا ہے اور نہ بزرگ۔ اموی نے اپنے مغازی میں لکھا ہے: حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ابوجہل ملعون سے ملے اور فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ تمہیں یہ کہہ دوں'' یہ سن کر اس نے آپ کے ہاتھ سے آپ کا کپڑا کھینچتے ہوئے کہا: تو اور تیرا رب میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ تم جانتے ہو میں اہل بطحاء کی حفاظت کرتا ہوں اور عزت و تکریم والا ہوں۔ فرمایا: چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے بدر کے دن قتل کیا اور ذلیل و رسوا کیا۔ اس آیت کے ساتھ اسے عار دلائی جا رہی ہے: ذُقۡ ۚ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡکَرِیۡمُ۔

قولہ اِنَّ هٰذَا مَا کُنۡتُمۡ بِهٖ تَمۡتَرُوۡنَ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: هٰذِهِ النَّارُ الَّتِیۡ کُنۡتُمۡ بِهَا تُکَذِّبُوۡنَ ۝ اَفَسِحۡرٌ هٰذَاۤ اَمۡ اَنۡتُمۡ لَا تُبۡصِرُوۡنَ (الطور: 15-14) ''(انہیں کہا جائے گا) یہی وہ آگ ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔ کیا یہ (آگ) جادو (کا کرشمہ) ہے یا تمہیں یہ نظر ہی نہیں آ رہی''۔ اسی لئے یہاں فرمایا: اِنَّ هٰذَا مَا کُنۡتُمۡ بِهٖ تَمۡتَرُوۡنَ۔

اِنَّ الۡمُتَّقِیۡنَ فِیۡ مَقَامٍ اَمِیۡنٍ ﴿۵۱﴾ فِیۡ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوۡنٍ ﴿۵۲﴾ یَّلۡبَسُوۡنَ مِنۡ سُنۡدُسٍ وَّ اِسۡتَبۡرَقٍ مُّتَقٰبِلِیۡنَ ﴿۵۳﴾ کَذٰلِکَ ۟ وَ زَوَّجۡنٰهُمۡ بِحُوۡرٍ عِیۡنٍ ﴿۵۴﴾ یَدۡعُوۡنَ فِیۡهَا بِکُلِّ فَاکِهَةٍ اٰمِنِیۡنَ ﴿۵۵﴾ لَا یَذُوۡقُوۡنَ فِیۡهَا الۡمَوۡتَ اِلَّا الۡمَوۡتَةَ الۡاُوۡلٰی ۚ وَ وَقٰهُمۡ عَذَابَ الۡجَحِیۡمِ ﴿۵۶﴾ فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّکَ ؕ ذٰلِکَ هُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ ﴿۵۷﴾ فَاِنَّمَا یَسَّرۡنٰهُ بِلِسَانِکَ لَعَلَّهُمۡ یَتَذَکَّرُوۡنَ ﴿۵۸﴾ فَارۡتَقِبۡ اِنَّهُمۡ مُّرۡتَقِبُوۡنَ ﴿۵۹﴾

''یقیناً پرہیزگار امن کی جگہ میں ہوں گے۔ باغات میں اور (بہتے ہوئے) چشموں میں۔ پہنے ہوئے ہوں گے لباس باریک اور دبیز ریشم کا، آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ ہاں یونہی ہوگا اور ہم بیاہ دیں گے انہیں گوری گوری آہوچشم عورتوں سے۔ وہ منگوا لیا کریں گے وہیں ہر قسم کا پھل اطمینان سے۔ نہ چکھیں گے وہاں موت کا ذائقہ بجز اس پہلی موت کے اور اللہ نے بچا لیا ہے انہیں عذابِ جہنم سے۔ محض آپ کے رب کی مہربانی سے۔ یہی وہ بڑی کامیابی ہے۔ (جس کی انہیں آرزو تھی) پس ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن کو آپ کی زبان میں تاکہ وہ نصیحت قبول کریں۔ سو آپ بھی انتظار کیجئے وہ بھی انتظار کرنے

1۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 133، دیوان فرزدق، جلد 2 صفحہ 160

والے ہیں''۔

بدبختوں کا ذکر کرنے کے بعد اب نیکو کاروں اور سعادت مندوں کا ذکر ہو رہا ہے اسی لئے قرآن کریم کو مثانی کہا گیا ہے۔

فقال اِنَّ الۡمُتَّقِيۡنَ جو دار دنیا میں اللہ سے ڈرتے رہے۔

فِىۡ مَقَامٍ اَمِيۡنٍ: أي في الآخرة یعنی آخرت میں اور وہ جنت ہے۔ وہ اس میں موت اور باہر نکلنے سے محفوظ ہوں گے اور ہر غم و اندوہ، حزن و ملال، تھکن، پریشانی، شیطان اور اس کے شر سے اور تمام مصیبتوں اور بلاؤں سے آزاد ہوں گے۔

فِىۡ جَنّٰتٍ وَّعُيُوۡنٍ دوزخیوں کے مقابلے میں انہیں یہ نعمتیں ملیں گی اور وہ زقوم اور کھولتا ہوا پانی پی رہے ہوں گے۔

مِنۡ سُنۡدُسٍ اعلیٰ درجے کا ریشم۔ یعنی قمیض وغیرہ پہننے کو ملیں گی۔

وَّاِسۡتَبۡرَقٍ چمکدار، زرق برق کپڑا۔ یہ ظاہری لباس ہے جو کپڑوں کے اوپر پہنا جاتا ہے۔

مُّتَقٰبِلِيۡنَ پلنگوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے کسی کی پیٹھ دوسرے کی طرف نہ ہوگی۔

قولہ كَذٰلِكَ وَزَوَّجۡنٰهُمۡ بِحُوۡرٍ عِيۡنٍ ایسی عطاء کے ساتھ ساتھ ہم انہیں گوری رنگت والی خوبصورت آہو چشم عورتوں سے بیاہ دیں گے۔ لَمۡ يَطۡمِثۡهُنَّ اِنۡسٌ قَبۡلَهُمۡ وَلَا جَآنٌّ ﴿۵۶﴾ فَبِاَىِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۷﴾ كَاَنَّهُنَّ الۡيَاقُوۡتُ وَالۡمَرۡجَانُ ﴿۵۸﴾ فَبِاَىِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۵۹﴾ هَلۡ جَزَآءُ الۡاِحۡسَانِ اِلَّا الۡاِحۡسَانُ (الرحمٰن: 60-56) ''جن کو نہ کسی انسان نے چھوا ہوگا ان سے پہلے اور نہ کسی جن نے۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ یہ تو گویا یاقوت اور مرجان ہیں۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ کیا احسان کا بدلہ بجز احسان کے کچھ اور بھی ہوتا ہے''۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس کے راوی نوح اسے مرفوع قرار دیتے تھے فرمایا: اگر وہ گوری رنگت والی حور کھارے سمندر میں اپنا لعاب ڈال دے تو اس کی تاثیر و حلاوت سے سارا سمندر آب شیریں بن جائے (1)۔

قولہ عز و جل يَدۡعُوۡنَ فِيۡهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِيۡنَ جو پھل و میوہ وہ طلب کریں گے فوراً پیش کر دیا جائے گا۔ نہ یہ فکر ہوگا کہ مطلوبہ مقدار نہیں ملے گی اور نہ یہ خدشہ کہ یہ ذخیرہ کہیں ختم نہ ہو جائے۔

قولہ عز و جل لَا يَذُوۡقُوۡنَ فِيۡهَا الۡمَوۡتَ اِلَّا الۡمَوۡتَةَ الۡاُوۡلٰى یہ استثناء نفی کی تاکید کے لئے ہے۔ یہ استثناء منقطع ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ یہاں انہیں کبھی موت نہیں آئے گی۔ صحیحین میں مذکور ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: موت کو ایک چتکبرے مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا۔ اور جنت و دوزخ کے درمیان ذبح کر دیا جائے گا۔ ارشاد ہوگا اے اہل جنت اب دوام ہے کوئی موت نہیں آئے گی اور اے اہل جہنم اب ہمیشہ کی زندگی ہے موت کا کوئی تصور نہیں یہ حدیث سورۂ مریم میں گزر چکی ہے (2)۔ عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو سعید اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اہل جنت سے کہہ دیا جائے گا کہ یہاں تم ہمیشہ تندرست رہو گے، کبھی بیمار نہ ہو گے۔ ہمیشہ زندہ رہو گے کبھی نہ مرو گے، ہمیشہ خوشحال رہو گے، کبھی خستہ حال نہ ہو گے۔ ہمیشہ جوان رہو گے کبھی بوڑھے نہ ہو گے''۔ مسلم نے اسے بروایت عبد الرزاق ذکر کیا ہے (3)۔ ابو بکر بن داؤد السجستانی نے حضرت عبید اللہ بن عمر و اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو اللہ سے ڈرتا رہا، جنت میں داخل ہوگا، ناز و نعمت میں ہو

1۔ در منثور، جلد 7 صفحہ 421 2۔ دیکھئے تفسیر سورۃ ہود آیت 8-1 سورۃ مریم آیت: 39 3۔ مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4 صفحہ 2182

گا۔ کوئی رنج و تکلیف نہ ہوگی۔ ہمیشہ زندہ رہے گا اسے کبھی موت نہیں آئے گی۔ اس کے کپڑے بوسیدہ نہیں ہوں گے اور عالم شباب کبھی رخصت نہ ہوگا''۔ ابوالقاسم طبرانی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا: کیا اہل جنت سوئیں گے؟ تو آپ نے فرمایا: ''نیند موت کی بہن ہے اور اہل جنت نہیں سوئیں گے'' (1)۔ ابوبکر بن مردویہ نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''نیند موت کی بہن ہے اور جنتی سوئیں گے نہیں۔'' ابوبکر بزار نے بھی اپنی مسند میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے عرض کی گئی: ''یا رسول اللہ ﷺ! کیا اہل جنت کو نیند آئے گی؟'' فرمایا: ''نہیں، نیند موت کی بہن ہے'' (2)۔

قولہ تعالیٰ وَوَقٰهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ یعنی ان عظیم سرمدی نعمتوں کے ساتھ ساتھ اللہ نے انہیں جہنم کے عذاب سے نجات دے دی ہے۔ پس انہیں مطلوب حاصل ہے اور خوف و اندیشہ سے نجات۔ اسی لئے فرمایا: فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ یہ سب احسانات اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان کا ثمرہ ہوں گے، جس طرح صحیح میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان عالی شان مذکور ہے کہ ''عمل کرو، اللہ کی نزدیکی چاہو اور اعتدال اختیار کرو اور جان لو کسی کو اس کا عمل جنت میں نہیں لے جا سکتا۔'' عرض کی گئی: ''یا رسول اللہ ﷺ! اور نہ آپ کو بھی؟'' فرمایا: ''اور نہ مجھے ہاں اگر اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت اور فضل سے ڈھانپ لے'' (3)۔

قولہ عزوجل فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ یعنی ہم نے اس قرآن کو آسان، واضح اور بین کر کے نازل فرمایا ہے اور آپ کی مادری زبان میں اتارا جو تمام زبانوں سے زیادہ فصیح، قابل فہم، شیریں اور اعلیٰ ہے۔

لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ تاکہ وہ اسے سمجھیں اور اس پر عمل کریں۔ اس وضاحت کے باوجود جب لوگ کفر، عناد اور سرکشی پر اتر آئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے، دشمنوں پر نصرت کا وعدہ کرتے ہوئے اور جھٹلانے والے کو ہلاکت اور تباہی کی وعید سناتے ہوئے فرمایا: فَارْتَقِبْ یعنی انتظار کیجئے۔ اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ عنقریب وہ جان لیں گے نصرت اور کامیابی کسے ملتی ہے۔ دنیا و آخرت میں ڈنکا کس کا بجتا ہے۔ بلاشبہ اے محمد! یہ آپ کے لئے آپ کے بھائی انبیاء و مرسلین اور آپ کے پیروکاروں کے لئے ہے۔ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ (مجادلہ: 21) ''اللہ نے یہ لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب آکر رہیں گے۔ بیشک اللہ تعالیٰ طاقتور (اور) زبردست ہے''۔ اور فرمایا: اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ۝ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْۗءُ الدَّارِ (غافر: 52-51) ''بیشک ہم (اب بھی) مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور مومنین کی اس دنیوی زندگی میں اور اس دن بھی (مدد کریں گے) جس دن گواہ (گواہی دینے کے لئے) کھڑے ہوں گے۔ اس روز نفع نہ دے گی ظالموں کو ان کی عذر خواہی اور ان کے لئے لعنت ہوگی۔ اور ان کے لئے (دوزخ کا) بدترین گھر ہوگا''۔

سورۂ دخان کی تفسیر ختم ہوئی۔

وللّٰہ الحمد والمنة وبه التوفيق والعصمة

1۔ طبرانی: الاوسط، مجمع الزوائد، جلد 10 صفحہ 415

2۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، جلد 4 صفحہ 193

3۔ یہ حدیث سورۂ فاطر آیت: 35 کی تفسیر میں گزر چکی ہے

سورۃ الجاثیہ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

حٰمٓ ۞ تَنۡزِيۡلُ الۡكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَكِيۡمِ ۞ اِنَّ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ لَاٰيٰتٍ لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۞ وَفِىۡ خَلۡقِكُمۡ وَمَا يَبُثُّ مِنۡ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوۡمٍ يُّوۡقِنُوۡنَ ۞ وَاخۡتِلَافِ الَّيۡلِ وَالنَّهَارِ وَمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ رِّزۡقٍ فَاَحۡيَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا وَتَصۡرِيۡفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوۡمٍ يَّعۡقِلُوۡنَ ۞

"حا۔میم اتاری گئی ہے یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو زبردست (اور) حکمت والا ہے۔ بے شک آسمانوں اور زمین میں (اس کی یکتائی اور قدرت کی) نشانیاں ہیں اہل ایمان کے لئے۔ اور (خود) تمہاری پیدائش میں اور ان حیوانات میں جن کو پھیلا رہا ہے نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو یقین رکھتے ہیں۔ نیز گردش لیل ونہار میں اور جو اتارا ہے اللہ نے آسمان سے رزق (کا سبب مینہ) پھر زندہ کر دیا اس کے ذریعہ زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد اور ہواؤں کے اِدھر اُدھر چلنے میں نشانیاں ہیں ان کے لئے جو عقلمند ہیں"۔

اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی راہنمائی فرماتا ہے کہ اس کی نعمتوں اور عظیم قدرت میں غور وفکر کرو جس کے ساتھ اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا ہے۔ اور ان کے اندر انواع واقسام اور مختلف اجناس کی مخلوقات پیدا فرمائی ہیں جیسے ملائکہ، جن وانس، چوپائے، پرندے، جنگلی جانور درندے اور حشرات الأرض اور سمندر میں بھی متنوع قسم کی مخلوق پیدا فرمائی اور رات دن کا مسلسل ایک دوسرے کے پیچھے آنا۔ اس طرح کہ وہ کوتاہی نہ کریں۔ ایک کے ساتھ تاریکی ہے اور دوسرے کے ساتھ روشنی اور اللہ تبارک وتعالیٰ بادلوں سے بوقت ضرورت جو بارش نازل فرماتا ہے اور اسے رزق کا نام دیا ہے کیونکہ رزق اسی سے حاصل ہوتا ہے۔

فَاَحۡيَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا اس کے بعد کہ یہ بنجر تھی اس میں نباتات اور دوسری کوئی چیز نہ تھی۔

قولہ عزوجل وَتَصۡرِيۡفِ الرِّيٰحِ یعنی جنوباً شمالاً دبوراً اور صبا(1)۔ خشکی سے آنے والی، سمندر سے آنے والی، رات اور دن کی ہوائیں۔ کچھ ان میں سے بارش لاتی ہیں۔ کچھ بادلوں کو پانی سے لاد دیتی ہیں۔ کچھ روح کی غذا ہیں اور کچھ بانجھ ان سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

چنانچہ پہلے فرمایا: لَاٰيٰتٍ لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَ پھر فرمایا: وہ یقین رکھتے ہیں، پھر فرمایا: سمجھتے ہیں اس ترتیب میں ایک بلند رتبہ سے دوسرے بلند تر مرتبہ کی طرف ترقی کی طرف اشارہ ہے۔ یہ آیات سورۃ بقرہ کی ان آیات کے مشابہ ہیں: اِنَّ فِىۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّيۡلِ وَالنَّهَارِ وَالۡفُلۡكِ الَّتِىۡ تَجۡرِىۡ فِى الۡبَحۡرِ بِمَا يَنۡفَعُ النَّاسَ وَمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ مَّآءٍ فَاَحۡيَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا وَبَثَّ فِيۡهَا مِنۡ كُلِّ

1۔ صبا: وہ ہوا جو مشرق سے چلتی ہے جب رات و دن برابر ہوں ... "القبول" کہتے ہیں ... مغرب سے چلتی ہے اور قبول کے مقابل ہے

دَآبَّةٍ ۪ وَّ تَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَ السَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ (بقرہ:164)" بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کی گردش میں اور جہازوں میں جو چلتے ہیں سمندر میں وہ چیزیں اٹھائے جو نفع پہنچاتی ہیں لوگوں کو اور جو اتارا اللہ تعالیٰ نے بادلوں سے پانی پھر زندہ کیا اس کے ساتھ زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد اور پھیلا دیئے اس میں ہر قسم کے جانور اور ہواؤں کے بدلتے رہنے میں اور بادل میں جو حکم کا پابند ہو کر آسمان اور زمین کے درمیان (لٹکتا رہتا) ہے (ان سب میں) نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل رکھتے ہیں"۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں ایک عجیب وغریب اثر روایت کیا ہے جس میں انسان کو چار اخلاط سے پیدا کرنے کا بیان ہے، واللہ اعلم۔

تِلْكَ اٰیٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَیْكَ بِالْحَقِّ ۚ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَ اللّٰهِ وَ اٰیٰتِهٖ یُؤْمِنُوْنَ ۝ وَیْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِیْمٍ ۝ یَّسْمَعُ اٰیٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰی عَلَیْهِ ثُمَّ یُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ یَسْمَعْهَا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝ وَ اِذَا عَلِمَ مِنْ اٰیٰتِنَا شَیْـًٔا اتَّخَذَهَا هُزُوًا ؕ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ۝ مِنْ وَّرَآىِٕهِمْ جَهَنَّمُ ۚ وَ لَا یُغْنِیْ عَنْهُمْ مَّا كَسَبُوْا شَیْـًٔا وَّ لَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِیَآءَ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝ هٰذَا هُدًی ۚ وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِیْمٌ ۝

"یہ سب نشانیاں ہیں اللہ کی (قدرت کی) ہم بیان کرتے ہیں انہیں آپ پر حق کے ساتھ۔ پس وہ کونسی ایسی بات ہے جس پر وہ اللہ اور اس کی آیتوں کے بعد ایمان لائیں گے۔ ہلاکت ہے ہر جھوٹے بدکار کے لئے۔ جو سنتا ہے اللہ کی آیتوں کو جو پڑھی جاتی ہیں اس کے سامنے پھر بھی وہ (کفر پر) اڑا رہتا ہے غرور کرتے ہوئے گویا اس نے انہیں سنا ہی نہیں۔ پس آپ اسے دردناک عذاب کا مژدہ سنا دیں۔ اور جب وہ آگاہ ہوتا ہے ہماری آیتوں میں سے کسی پر تو ان کا مذاق اڑانے لگتا ہے۔ یہی وہ (بدقماش) ہیں جن کے لئے رسوا کن عذاب ہے۔ ان کے آگے جہنم ہے۔ اور ان کے ذرا کام نہ آئے گا جو انہوں نے (عمر بھر) کمایا اور نہ وہ کسی کام آئیں گے جن کو انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر مددگار بنایا تھا۔ اور ان کے لئے بڑا عذاب ہو گا۔ یہ قرآن سراپا ہدایت ہے۔ اور جنہوں نے انکار کیا اپنے رب کی آیتوں کا ان کے لئے دردناک عذاب ہے سخت ترین عذاب میں سے"۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: تِلْكَ اٰیٰتُ اللّٰهِ یعنی قرآن اور اس میں جو دلائل و براہین ہیں۔

نَتْلُوْهَا عَلَیْكَ بِالْحَقِّ یہ حق ہیں اور اپنے ضمن میں حق کو لئے ہوئے ہیں اگر وہ ان پر ایمان نہیں لاتے اور ان کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کرتے تو اللہ اور اس کی آیات کے بعد آخر کس چیز پر ایمان لائیں گے؟

پھر فرمایا: وَیْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِیْمٍ: أی أفاك فی قوله: بات میں جھوٹا، قسمیں اٹھانے والا، رسوا، أثیم فی فعله و قلبه: اپنے دل اور عمل کے اعتبار سے بدکار۔ اللہ کی آیات کا انکار کرنے والا۔ اسی لئے فرمایا: یَّسْمَعُ اٰیٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰی عَلَیْهِ یعنی اس پر پڑھی جاتی ہیں۔

ثُمَّ يُصِرُّ پھر وہ اپنے کفر اور انکار پر اڑا رہتا ہے تکبر اور عناد کے ساتھ۔

كَأَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا گویا کہ اس نے انہیں نہیں سنا۔

فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ اسے بتا دیجئے کہ روز قیامت اللہ کے ہاں اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔

وَإِذَا عَلِمَ مِنْ آيَاتِنَا شَيْئًا اتَّخَذَهَا هُزُوًا یعنی جب قرآن میں سے کوئی چیز یاد کر لے تو اس کا انکار کرتا ہے اور تمسخر اڑانا شروع کر دیتا ہے۔

أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ قرآن کی اہانت اور بے قدری کی سزا کے طور پر۔ مسلم نے صحیح میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے آپ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے قرآن کریم کو دشمن کی سرزمین کی طرف لے جانے سے منع فرمایا اس خدشہ سے کہ دشمن کہیں اس کی بے ادبی کرے (1) پھر قیامت کے دن آنے والے عذاب کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: مِّن وَرَائِهِمْ جَهَنَّمُ ان بد اطوار کے حامل سب لوگ جہنم کا ایندھن بنیں گے۔

وَلَا يُغْنِي عَنْهُم مَّا كَسَبُوا شَيْئًا ان کے اموال اور اولاد انہیں کوئی فائدہ نہ دیں گے۔

وَلَا مَا اتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ ان کے معبود انہیں کوئی فائدہ نہ دیں گے۔ اللہ کو چھوڑ کر جن کی وہ عبادت کرتے رہے۔ ان کیلئے بہت بڑا عذاب ہے۔ ثم قال تبارک و تعالیٰ: هَٰذَا هُدًى۔

لَهُمْ عَذَابٌ مِّن رِّجْزٍ أَلِيمٌ: المؤلم الموجع المناک، دردانگیز اور لرزہ خیز۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيْهِ بِاَمْرِهٖ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۟ۚ﴿۱۲﴾ وَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾ قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًۢا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ۫ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۵﴾

"اللہ وہ ہے جس نے مسخر کر دیا ہے تمہارے لئے سمندر کو تاکہ رواں رہیں اس میں کشتیاں اس کے حکم سے اور تاکہ تم (بحری تجارت سے) تلاش کرو اس کا فضل اور تاکہ تم اس کا شکر ادا کیا کرو۔ اور اس نے مسخر کر دیا تمہارے لئے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب اپنے حکم سے۔ بیشک اس (نظام) میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کیا کرتے ہیں۔ (اے حبیب!) فرمائیے اہل ایمان کو کہ درگزر کرتے رہیں ان لوگوں سے جو امید نہیں رکھتے اللہ کے دنوں کی تاکہ اللہ تعالیٰ خود بدلہ دے ہر قوم کو جو وہ کیا کرتے تھے۔ جو نیک عمل کرتا ہے پس وہ اپنے بھلے کے لئے کرتا ہے۔ اور جو برا کرتا ہے تو اس کا وبال اس پر ہوگا۔ پھر اپنے رب کی طرف تمہیں لوٹایا جائے گا"۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اپنی نعمتوں کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ ان کے لئے سمندر کو مسخر فرمایا۔

1۔ متفق علیہ، مسلم، کتاب الامارۃ، جلد 3 صفحہ 1491-1490

لِتَجۡرِیَ الۡفُلۡكُ۔ کشتیاں۔

فِیۡهِ بِاَمۡرِهٖ اسی نے سمندر کو ان چیزوں کے اٹھانے کا حکم دیا ہے۔

وَلِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِهٖ اٰی فی المتاجر و المکاسب تجارت میں۔

وَلَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ یعنی دور دراز مقامات سے جو منافع اور فوائد تمہیں حاصل ہوتے ہیں ان پر شکر ادا کرو۔

قال وَسَخَّرَ لَكُمۡ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ یعنی ستارے، پہاڑ، سمندر، دریا اور ہر وہ چیز جس سے تم فائدہ اٹھاتے ہو یعنی یہ سب کچھ اسی کا فضل و کرم اور احسان ہے چنانچہ فرمایا: جَمِیۡعًا مِّنۡهُ: اس وحدہ لاشریک کی جناب سے۔ جس طرح ایک دوسری آیت میں آتا ہے: وَمَا بِكُمۡ مِّنۡ نِّعۡمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَیۡهِ تَجۡــَٔرُوۡنَ (النحل:53) ''اور تمہارے پاس جتنی نعمتیں ہیں وہ تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہیں، پھر جب تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو اسی کی جناب میں گڑگڑاتے ہو''۔ ابن جریر نے بطریق عوفی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے ہر چیز اللہ کی طرف سے ہے۔ یہ نام اس کے اسماء میں سے ایک نام ہے۔ چنانچہ یہ سب کچھ اسی کی طرف سے ہے۔ اس بارے میں کوئی اس سے تنازعہ نہیں کر سکتا اور یہ یقین کر کہ وہ اسی طرح ہے(1)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ابواراکۃ سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا مخلوق کی پیدائش کس سے ہوئی ہے؟ آپ نے فرمایا نور، آگ، تاریکی اور مٹی سے۔ فرمایا: ابن عباس کے پاس جاؤ اور ان سے دریافت کرو۔ وہ آدمی گیا تو آپ نے بھی یہی جواب دیا اور فرمایا: ابن عمر کے پاس جاؤ اور پوچھو یہ سب کس چیز سے پیدا ہوئے؟ اس آدمی نے واپس آکر یہی پوچھا تو آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ وَسَخَّرَ لَكُمۡ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ...... یہ اثر غریب ہے اور منکر بھی۔ اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَفَكَّرُوۡنَ۔

قولہ تعالیٰ قُلۡ لِّلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا یَغۡفِرُوۡا لِلَّذِیۡنَ لَا یَرۡجُوۡنَ اَیَّامَ اللّٰهِ یعنی تاکہ وہ ان سے درگزر کریں اور ان سے تکلیف برداشت کریں۔ یہ ابتداء اسلام کی بات ہے کہ انہیں مشرکین اور اہل کتاب کی ایذاء رسانی پر صبر کرنے کا حکم دیا گیا تاکہ اس سے ان کی تالیف قلوب ہو۔ لیکن جب وہ اپنے عناد پر اڑے رہے تو اللہ تعالیٰ نے مومنین کے لئے جہاد اور شمشیر زنی کو مشروع فرمایا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ سے یہی مروی ہے(2)۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے یَرۡجُوۡنَ اَیَّامَ اللّٰهِ کی تفسیر میں لکھا ہے۔ وہ اللہ کی نعمتوں کو نہیں پاتے۔

لِیَجۡزِیَ قَوۡمًۢا بِمَا كَانُوۡا یَكۡسِبُوۡنَ یعنی دنیا میں انہیں معاف کر دیتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ آخرت میں انہیں ان کے اعمال سیئہ کی سزا دے گا۔ چنانچہ فرمایا: مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفۡسِهٖ ۚ وَمَنۡ اَسَآءَ فَعَلَیۡهَا ۫ ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمۡ تُرۡجَعُوۡنَ تم روز قیامت اس کی طرف لوٹ جاؤ گے۔ تمہارے اعمال کھول کر تمہارے سامنے رکھ دیئے جائیں گے۔ وہ تمہیں اچھے برے اعمال کے مطابق بدلہ دے گا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

وَلَقَدۡ اٰتَیۡنَا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ الۡكِتٰبَ وَالۡحُكۡمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقۡنٰهُمۡ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلۡنٰهُمۡ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۶﴾ وَاٰتَیۡنٰهُمۡ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الۡاَمۡرِ ۚ فَمَا اخۡتَلَفُوۡۤا اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَهُمُ الۡعِلۡمُ ۙ بَغۡیًۢا بَیۡنَهُمۡ ؕ اِنَّ رَبَّكَ یَقۡضِیۡ بَیۡنَهُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ فِیۡمَا كَانُوۡا فِیۡهِ یَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۱۷﴾ ثُمَّ

1۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 143 2۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 145-144

جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۱۸ اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ وَ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَ اللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝۱۹ هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝۲۰

''اور بے شک ہم نے عطا فرمائی بنی اسرائیل کو کتاب، حکومت اور نبوت اور ہم نے ان کو پاکیزہ رزق دیا اور انہیں بزرگی دی (اپنے زمانے کے) اہل جہاں پر۔ اور ہم نے انہیں دین کے معاملہ میں واضح دلائل دیئے۔ پس آپس میں انہوں نے جھگڑنا شروع نہیں کیا مگر اس کے بعد کہ انہیں (حقائق کا) صحیح علم آ گیا۔ محض باہمی حسد و عناد کے باعث۔ یقیناً آپ کا رب فیصلہ فرمائے گا ان کے درمیان قیامت کے دن جن باتوں میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے۔ پھر ہم نے پختہ کر دیا آپ کو صحیح راہ پر دین کے معاملہ میں۔ پس آپ اس کی پیروی کرتے رہیں اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کریں جو بے علم ہیں۔ یہ لوگ اللہ کے مقابلے میں آپ کو قطعاً کچھ فائدہ نہ پہنچا سکیں گے۔ بلاشبہ ظالم لوگ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کا دوست ہے۔ یہ بصیرت افروز باتیں ہیں سب لوگوں کے لئے اور (باعث) ہدایت و رحمت ہیں ان کے لئے جو یقین رکھتے ہیں''۔

بنی اسرائیل پر جو انعامات فرمائے گئے ان کا ذکر ہو رہا ہے، کتابوں کا نازل کرنا، رسولوں کا بھیجنا اور سلطنت عطا فرمانا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ......۔

الطَّيِّبٰتِ پاکیزہ رزق، کھانے پینے کی اشیاء۔

وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ یعنی ان کے زمانے میں۔

وَاٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ قطعی دلائل و براہین۔ ان پر حجتیں قائم ہو گئیں۔ اس کے بعد وہ اختلاف کرنے لگے۔ یہ ایک دوسرے کے خلاف سرکشی کی وجہ سے تھا۔

اِنَّ رَبَّكَ اے محمد!۔

يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ...... ان کے درمیان فیصلے فرمائے گا اپنے عدل و انصاف کی رو سے۔ اس میں اس امت کے لئے بھی تحذیر ہے کہ مبادا ان کی راہ پر چلے۔

چنانچہ فرمایا: ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا اللہ وحدہٗ لاشریک جس کے سوا کوئی معبود نہیں کی طرف سے آپ کی طرف جو وحی کی جاتی ہے اس کی پیروی کیجئے اور مشرکین سے رخ پھیر لیجئے۔

وقال جل وعلا اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ایک دوسرے کے ساتھ ان کی دوستی انہیں کیا فائدہ دے گی؟ یہ ایک دوسرے کی بربادی اور ہلاکت میں ہی اضافہ کریں گے۔

وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ وہ انہیں تاریکیوں سے نور کی طرف لے جائے گا۔ جن لوگوں نے کفر کیا ان کے دوست طاغوت ہیں وہ انہیں روشنیوں سے ظلمات کی طرف لے جاتے ہیں۔

ثم قال عز وجل هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ یعنی یہ قرآن۔

اَمۡ حَسِبَ الَّذِیۡنَ اجۡتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنۡ نَّجۡعَلَهُمۡ كَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحۡیَاهُمۡ وَ مَمَاتُهُمۡ ؕ سَآءَ مَا یَحۡكُمُوۡنَ ﴿۲۱﴾ وَ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ بِالۡحَقِّ وَ لِتُجۡزٰی كُلُّ نَفۡسٍۭ بِمَا كَسَبَتۡ وَ هُمۡ لَا یُظۡلَمُوۡنَ ﴿۲۲﴾ اَفَرَءَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰی عِلۡمٍ وَّ خَتَمَ عَلٰی سَمۡعِهٖ وَ قَلۡبِهٖ وَ جَعَلَ عَلٰی بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنۡ یَّهۡدِیۡهِ مِنۡۢ بَعۡدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوۡنَ ﴿۲۳﴾

”کیا خیال کر رکھا ہے ان لوگوں نے جو ارتکاب کرتے ہیں برائیوں کا کہ ہم بنادیں گے انہیں ان لوگوں کی مانند جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے کہ یکساں ہو جائے ان (دونوں) کا جینا اور مرنا۔ بڑا غلط فیصلہ ہے جو وہ کرتے ہیں۔ اور پیدا فرمایا اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ۔ تاکہ بدلہ دیا جائے ہر شخص کو جو اس نے کمایا اور ان پر (قطعاً) ظلم نہیں کیا جائے گا۔ ذرا اس کی طرف تو دیکھو جس نے بنالیا ہے اپنا خدا اپنی خواہش کو اور گمراہ کر دیا ہے اسے اللہ نے باوجود علم کے اور مہر لگادی ہے اس کے کانوں اور اس کے دل پر اور ڈال دیا ہے اس کی آنکھوں پر پردہ۔ پس کون ہدایت دے سکتا ہے اسے اللہ کے بعد۔ (لوگو) کیا تم غور نہیں کرتے“۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ مومن اور کفار برابر نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح ایک اور آیت میں آتا ہے: لَا یَسۡتَوِیۡۤ اَصۡحٰبُ النَّارِ وَ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّةِ ؕ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّةِ هُمُ الۡفَآئِزُوۡنَ (حشر:20) ”یکساں نہیں ہو سکتے دوزخی اور اہل جنت۔ اہل جنت ہی تو کامیاب لوگ ہیں“۔

وقال تعالیٰ اَمۡ حَسِبَ الَّذِیۡنَ اجۡتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ یہ برے اعمال کمائے۔

سَوَآءً مَّحۡیَاهُمۡ وَ مَمَاتُهُمۡ یعنی دنیا وآخرت میں ہم انہیں برابر کر دیں گے۔

سَآءَ مَا یَحۡكُمُوۡنَ کتنا برا ہے وہ گمان جو انہوں نے ہمارے اور ہمارے عدل کے متعلق کیا کہ ہم نیکوکاروں اور بدکاروں کے ساتھ آخرت اور دنیا دونوں میں برابری کا سلوک کریں گے۔

حافظ ابویعلی نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی بنیاد چار ارکان پر رکھی ہے جو ان سے باز رہا اور ان پر عمل نہ کیا تو وہ خدا سے فاسق ہو کر ملے گا۔ پوچھا گیا: اے ابوذر وہ کیا چیزیں ہیں فرمایا اللہ کے حلال وحرام اور امر ونہی کو اس کے حوالے کر دے (یعنی یہ عقیدہ رکھے کہ یہ چاروں چیزیں صرف اسی کے اختیار میں ہیں) فرمایا: ابوالقاسم ﷺ کا ارشاد ہے: ”جس طرح ببول کے درخت سے انگور نہیں چنے جا سکتے اسی طرح بدکار لوگ نیک لوگوں کا مرتبہ حاصل نہیں کر سکتے۔“ یہ حدیث اس سند سے غریب ہے۔

محمد بن اسحق نے اپنی کتاب السیرۃ میں لکھا ہے کہ کعبہ کی بنیاد سے ایک پتھر ملا۔ اس پر لکھا ہوا تھا: تم برائیاں کرتے ہو اور نیکیوں کی امید رکھتے ہو؟ ہاں یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح خاردار درخت سے انگور چننا(1)۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے مسروق سے روایت کیا ہے

1۔ یہ اثر سورۃ نحل آیت:62 کی تفسیر میں گزر چکا ہے

کہ حضرت تمیم الداری قیام لیل میں ایک دفعہ صبح تک یہی آیت دہراتے رہے۔ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ(1) اسی لئے فرمایا: سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ۔

وقال عز وجل بِالْحَقِّ: عدل وانصاف کے ساتھ۔ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ۔

ثم قال جل وعلا: اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ اپنی خواہش کے حکم کی تعمیل کرتا ہے۔ جس چیز کو اچھا سمجھا وہ کام کر دیا اور جسے قبیح خیال کیا اسے چھوڑ دیا۔ یہ آیت معتزلہ کے خلاف دلیل بن سکتی ہے جو وہ یہ کہتے ہیں کہ اشیاء کا حسین اور قبیح ہونا عقلی ہے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے کسی چیز کو پسند نہیں کرتا مگر اس کی پرستش کرنے لگتا ہے۔

وقولہ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ اس کے دو احتمال ہیں: (ا) ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ پہلے سے جانتا ہے کہ یہ اس کا مستحق ہے اس لئے اسے گمراہ کر دیا۔

(۲) دوسری صورت میں آیت کا معنی یہ ہوگا کہ اس کے پاس علم پہنچ جانے اور دلیل قائم ہو جانے کے بعد اللہ نے اسے گمراہ کر دیا۔ دوسرا معنی پہلے کو مستلزم ہے اور اس کے برعکس نہیں۔

وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً چنانچہ وہ نفع بخش بات سن نہیں سکتا اور جو چیز اسے راہ ہدایت پر گامزن کر سکے اس کی طرف التفات نہیں کرتا اور کسی دلیل کو حجت نہیں تصور کرتا کہ اس سے عرفان حاصل کرے۔

قال تعالیٰ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ اسی طرح ایک اور آیت میں ہے: مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ؕ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ (اعراف:186) ”جسے گمراہ کر دے اللہ تعالیٰ تو نہیں کوئی ہدایت دینے والا اسے۔ وہ رہنے دیتا ہے انہیں کہ اپنی گمراہی میں بھٹکتے رہیں“۔

وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَاۤ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۲۴﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَاۤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾

”اور وہ کہتے ہیں نہیں (کوئی دوسری) زندگی بجز ہماری دنیا کی زندگی کے (یہیں) ہم نے مرنا اور زندہ رہنا ہے اور نہیں کوئی فنا کرتا ہمیں مگر زمانہ۔ حالانکہ انہیں اس حقیقت کا کوئی علم نہیں۔ وہ محض ظن (وتخمین) سے کام لے رہے ہیں۔ اور جب پڑھ کر سنائی جاتی ہیں ان کے سامنے ہماری روشن آیتیں تو (ان کے جواب میں) ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہوتی بجز اس کے کہ وہ کہتے ہیں کہ لے آؤ ہمارے باپ دادا کو اگر تم سچے ہو۔ فرمائیے اللہ نے زندہ فرمایا ہے تمہیں پھر وہی مارے گا تمہیں پھر جمع کرے گا تمہیں روزِ قیامت میں جس میں ذرا شک نہیں، لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے“۔

دہریہ کفار اور ان کے ہم عقیدہ مشرکین عرب کے بارے میں خبر دی جا رہی ہے کہ یہ قیامت کے منکر تھے۔

وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا صرف یہ دنیوی زندگی ہی ہے ایک قوم مرتی ہے دوسری اس کی جگہ لیتی ہے۔ قیامت کوئی چیز نہیں۔ قیامت کے منکر مشرکین عرب یہی کہتے تھے اور فلاسفہ میں سے علم کلام کے ماہرین ابتداء زندگی اور قیامت کے منکر تھے اور فلاسفہ

1۔ المعجم الکبیر:50

میں سے دھریہ اور دوریّہ بھی کہتے تھے۔وہ وجودِ خدا کے منکر تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ ہر چھتیس ہزار سال گزرنے پر ہر چیز پہلے کی طرف لوٹ جاتی ہے۔یعنی زمانے کا ایک دور ختم ہو جاتا ہے۔وہ یہ خیال کرتے تھے کہ یہ لامتناہی سلسلہ مسلسل اسی طرح جاری ہے۔انہوں نے عقل کو بڑا تصور کیا اور منقول کا انکار کیا۔اسی لئے کہنے لگے:وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ۔

قال تعالٰی: اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ وہ وہم اور تخیلات میں مبتلا ہیں۔جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے جیسے صحیحین اور ابوداؤد و نسائی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ابن آدم مجھے اذیت دیتا ہے کیونکہ وہ "دھر" کو برا بھلا کہتا ہے،حالانکہ 'انا الدھر' میں زمانہ ہوں۔سارا اختیار میرے دست قدرت میں ہے میں رات اور دن کو بدلتا رہتا ہوں"(1)۔ایک دوسری روایت میں ہے:" دھر کو برا بھلامت کہو اللہ تعالیٰ ہی دھر ہے"(2)۔ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ایک بالکل غریب انداز سے وارد کیا ہے۔وہ لکھتے ہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "زمانہ جاہلیت میں لوگ کہا کرتے تھے ہمیں رات دن ہلاک کرتے ہیں۔وہی ہمیں زندہ کرتے اور مارتے ہیں۔تو اللہ نے اپنی کتاب میں فرمایا: وَقَالُوْا مَاهِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ......اور زمانے کو گالی دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ابن آدم مجھے ایذاء دیتا ہے وہ (دھر) زمانے کو گالی دیتا ہے حالانکہ میں دھر ہوں۔ہر چیز میرے اختیار میں ہے میں ہی رات دن کو بدلتا ہوں(3)۔ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا:"اللہ فرماتا ہے ابن آدم دھر کو گالی دیتا ہے اور میں دھر ہوں۔میرے ہاتھ میں رات دن ہیں۔"صحیحین اور نسائی میں اسی طرح مروی ہے(4)۔

محمد بن اسحٰق نے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے اپنے بندے سے قرضہ مانگا اس نے مجھے کچھ نہ دیا۔مجھے میرے بندے نے گالیاں دیں۔وہ کہتا ہے:"ہائے زمانہ اور زمانہ میں ہوں"(5)۔

امام شافعی اور ابوعبیدہ وغیرہ ائمہ نے اس حدیث "لا تسبوا الدھر فان اللہ ھو الدھر"۔زمانہ جاہلیت میں عربوں کو جب کوئی سختی،آفت اور تکلیف پہنچتی تھی تو وہ کہا کرتے براہو زمانے کا اور ان افعال کو دھر کی طرف منسوب کرتے اور اسے گالی دیتے۔حالانکہ ان سب چیزوں کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔گویا کہ انہوں نے اللہ کو گالی دی کیونکہ اللہ تعالیٰ دھر ہے جس کی طرف وہ ان افعال کو منسوب کرتے ہیں۔اس کی تفسیر میں سب سے عمدہ بات یہی کہی گئی ہے اور یہی مراد ہے واللہ اعلم۔ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دیگر ظاہریہ نے اس حدیث سے یہ سمجھا ہے کہ دھر اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔حالانکہ یہ غلط ہے۔

قولہ تعالیٰ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ جب ان کے سامنے دلیل قائم کردی جاتی ہے اور حق واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اجسام کے فنا ہو جانے اور بکھر جانے کے بعد دوبارہ ان کے اعادہ پر قادر ہے۔

مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا الآیۃ اگر تم اپنی بات میں سچے ہو تو انہیں زندہ کر کے دکھاؤ۔اللہ تعالیٰ نے بالکل سچ فرمایا:

قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ یعنی جس طرح تمہارا مشاہدہ ہے کہ وہ تمہیں عدم سے وجود میں لاتا ہے: كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ (بقرہ:28)" کیونکر تم انکار کرتے ہو اللہ کا حالانکہ تم مردہ تھے اس نے تمہیں زندہ کیا پھر تمہیں مارے گا پھر

1۔فتح الباری،تفسیر سورۃ جاثیہ،جلد 8 صفحہ 544،مسلم،کتاب الالفاظ من الادب،جلد 4 صفحہ 1762،ابوداود،جلد 4 صفحہ 369

2۔ایضاً مسلم حوالہ مذکورہ بالا،مسند امام احمد،جلد 5 صفحہ 311-299 3۔تفسیر طبری،جلد 25 صفحہ 152

4۔فتح الباری،کتاب الادب،جلد 10 صفحہ 564،مسلم،کتاب الفاظ من الادب،جلد 4 صفحہ 1762 5۔تفسیر طبری،جلد 25 صفحہ 152

تمہیں زندہ کرے گا''۔ جو ابتداء پر قادر ہے وہ اعادے پر بدرجہ اولیٰ قادر ہے: وَهُوَ الَّذِي يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ (الروم:27) اور وہی ہے جو تخلیق کی ابتداء کرتا ہے۔ پھر (فنا کرنے کے بعد) اسے دوبارہ بنائے گا اور یہ آسان تر ہے''۔

ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ یعنی تمہیں قیامت کے دن جمع کرے گا نہ کہ اس دار دنیا میں کہ تم یہ مطالبہ شروع کر دو۔ ثم ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ؕ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (تغابن:9) ''جس دن تمہیں اکٹھا کرے گا جمع ہونے کے دن یہی گھاٹے کے ظہور کا دن ہے۔ اور جو ایمان لے آیا اللہ پر اور نیک عمل کرتا رہا اللہ دور فرما دے گا اس سے اس کے گناہوں کو اور داخل فرمائے گا اسے باغوں میں رواں ہوں گی جن کے نیچے ندیاں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے تا ابد یہی بہت بڑی کامیابی ہے''۔

لَا رَيْبَ فِيْهِ یعنی اس میں شک وشبہ نہیں۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ اسی لئے وہ قیامت کا انکار کرتے ہیں اور دوبارہ زندہ ہونے کو بعید از قیاس تصور کرتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا ۙ وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا (معارج:7-6) ''کفار کو تو یہ بہت دور نظر آتا ہے۔ (لیکن) ہم اسے قریب دیکھ رہے ہیں''۔ وہ اس کے واقع ہونے کو بعید سمجھتے ہیں جبکہ مؤمنین اسے آسان اور قریب سمجھتے ہیں۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَ تَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۫ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۹﴾

''اور اللہ تعالیٰ کے لئے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔ اور جس روز برپا ہوگی قیامت اس روز سخت نقصان اٹھائیں گے باطل پرست۔ اور آپ دیکھیں گے ہر گروہ کو گھٹنوں کے بل گرا ہوا۔ ہر گروہ کو بلایا جائے گا اس کے صحیفہ (عمل) کی طرف۔ (انہیں کہا جائے گا) آج تمہیں بدلہ دیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے۔ یہ ہمارا نوشتہ ہے جو بولتا ہے تمہارے بارے میں سچ۔ ہم لکھ لیا کرتے تھے جو تم (دنیا میں) عمل کیا کرتے تھے''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ آسمانوں اور زمین کا مالک ہے۔ وہ دنیا و آخرت میں ان کے مابین فیصلے فرمانے والا ہے۔

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ روز قیامت۔

يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ اور وہ اللہ سے کفر کرنے والے اور اپنے رسول پر اس نے جو آیات بینات نازل فرمائی ہیں کا انکار کرنے والے ہیں۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ سفیان ثوری مدینہ آئے تو آپ نے سنا کہ معافری لوگوں کو ہنسا رہا تھا۔ یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا: اے شیخ تمہیں پتہ ہے کہ اللہ کے پاس ایک دن نقصان اٹھائیں گے باطل پرست؟ چنانچہ اس بات کا معافری پر بہت اثر ہوا اور مرتے دم تک قائم رہا۔ (بروایت ابن ابی حاتم)

قال تعالیٰ وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً گھٹنوں کے بل شدت اور عظمت کی وجہ سے۔ کہا جاتا ہے کہ اس روز جب جہنم سامنے لائی جائے گی تو وہ زور سے سانس لے گی تو ہر شخص گھٹنوں کے بل گر جائے گا۔ حتیٰ کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلاۃ والسلام اور حضرت عیسیٰ علیہ

السلام بھی نفسی نفسی پکاریں گے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ، کعب احبار اور حسن بصری کا قول ہے کہ جاثیہ کا معنی ہے گھٹنوں کے بل۔ عکرمہ کے نزدیک مراد یہ ہے کہ ہر گروہ جدا گانہ الگ الگ ہوگا اور گھٹنوں کے بل نہیں ہوگا لیکن پہلی تفسیر ہی زیادہ بہتر ہے۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن باباہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''گویا میں تمہیں جہنم کے پاس ایک ٹیلے پر گھٹنوں کے بل جھکے دیکھ رہا ہوں'' (1)۔ اسماعیل بن رافع مدنی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً صور والی حدیث میں روایت کیا ہے کہ لوگ الگ الگ ہو جائیں گے اور قومیں گھٹنوں کے بل جھک جائیں گی۔ اسی کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے: وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً۔ یہاں دونوں اقوال کو جمع کر دیا ہے اور اس میں کوئی تضاد نہیں۔ واللہ اعلم (2)۔

قولہ تعالیٰ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰى اِلٰى كِتٰبِهَا یعنی صحیفہ اعمال کی طرف۔ ایک اور آیت میں آتا ہے: وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ (زمر: 69) ''اور رکھ دیا جائے گا دفتر عمل اور حاضر کئے جائیں گے انبیاء اور (دوسرے) گواہ اور فیصلہ کر دیا جائے گا''۔

قال تعالیٰ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ ..... تمہارے نیک و بد اعمال کا تمہیں بدلہ دیا جائے گا۔ جیسے ارشاد فرمایا: يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ۝ بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ۝ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ (قیامۃ: 14-13) ''آگاہ کر دیا جائے گا انسان کو اس روز جو عمل اس نے پہلے بھیجے اور جو (اثرات) وہ پیچھے چھوڑ آیا۔ بلکہ انسان خود بھی اپنے نفس کے احوال پر نظر رکھتا ہے۔ خواہ وہ (زبان سے ہزار) بہانے بنا تا رہے''۔

قال هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ کمی بیشی کے بغیر تمہارے تمام اعمال حاضر کر دیئے جائیں گے۔ جیسے ارشاد ہوتا ہے: وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۭ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا (الکہف: 49) ''اور رکھ دیا جائے گا (ان کے سامنے) نامہ اعمال پس تو دیکھے گا مجرموں کو کہ وہ ڈر رہے ہوں گے اس سے جو اس میں ہے اور کہیں گے صد حیف! اس نوشتہ کو کیا ہو گیا ہے کہ نہیں چھوڑا ہے اس نے کسی چھوٹے گناہ کو اور نہ کسی بڑے گناہ کو مگر اس نے اس کا شمار کر لیا ہے۔ اور (اس دن) وہ پالیں گے جو عمل انہوں نے کئے تھے اپنے سامنے۔ اور آپ کا رب تو (اے حبیب!) کسی پر زیادتی نہیں کرتا''۔

قولہ عزوجل اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ہم نے محافظ فرشتوں کو یہ حکم دے رکھا تھا کہ تمہارے اعمال کو لکھتے رہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ کا قول ہے کہ ملائکہ بندوں کے اعمال لکھتے ہیں پھر انہیں لے کر آسمان کی طرف جاتے ہیں اور ان فرشتوں سے ملتے ہیں جو دیوان اعمال میں ہیں چنانچہ وہ اسے لوح محفوظ میں لکھے ہوئے اعمال سے ملاتے ہیں۔ جو ہر رات اتنی مقدار کے مطابق ان پر ظاہر ہوتا ہے اور جسے اللہ تعالیٰ نے آفرینش مخلوق سے قبل لکھا ہے تو وہ اسے بلا کم و کاست یعنی اس میں ایک حرف کی کمی و زیادتی نہیں پاتے۔ پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی: اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ۝۳۰ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۣ اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۝۳۱ وَاِذَا قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ مَا السَّاعَةُ ۙ اِنْ نَّظُنُّ

1۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 428

2۔ دیکھئے تفسیر سورۃ انعام آیت: 73 اور ابتدائے سورۃ حج

إِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۴﴾ ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۳۵﴾ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۖ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۷﴾

''پس جولوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے تو انہیں ان کا رب اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا۔ یہی وہ روشن کامیابی ہے۔ اور جولوگ کفر کرتے رہے (ان سے پوچھا جائے گا) کیا میری آیتیں تمہارے سامنے تلاوت نہیں کی جاتی تھیں پھر تم (سن کر) تکبر کیا کرتے تھے اور تم لوگ (عادی) مجرم تھے۔ اور جب (تمہیں) کہا جاتا تھا کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور قیامت (کے آنے) میں کوئی شک نہیں تو تم (بڑے غرور سے) کہتے ہم نہیں جانتے قیامت کیا ہے۔ ہمیں تو یونہی ایک گمان سا ہوتا ہے، اور ہمیں اس پر (قطعاً) یقین نہیں۔ اور ظاہر ہو گئے ان کے لئے برے نتائج ان کے کرتوتوں کے اور (ہر طرف سے) گھیر لیا انہیں اس (عذاب) نے جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔ اور (انہیں) کہہ دیا گیا آج ہم تمہیں فراموش کر دیں گے جس طرح تم نے فراموش کئے رکھا اپنے اس دن کی ملاقات کو اور تمہارا ٹھکانا آگ ہے۔ اور تمہارا کوئی مددگار نہیں۔ یہ اس لئے کہ تم نے بنا رکھا تھا اللہ کی آیتوں کو مذاق اور فریب میں مبتلا کر دیا تھا تمہیں دنیوی زندگی نے۔ پس آج وہ نہیں نکالے جائیں گے آگ سے اور نہ انہیں توبہ کر کے اپنے رب کو راضی کرنے کا موقع دیا جائے گا۔ پس اللہ کے لئے ہیں سب تعریفیں جو رب ہے آسمانوں کا اور رب ہے زمین کا (اور وہی) سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔ اور فقط اسی کے لئے بڑائی ہے آسمانوں اور زمین میں۔ اور وہی عزت والا، حکمت والا ہے''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اس فیصلے کی خبر دے رہا ہے جو وہ قیامت کے دن اپنی مخلوق کے درمیان فرمائے گا۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ان کے دل ایمان لائے اور ان کے اعضاء خالص شریعت کے مطابق نیک عمل کرتے رہے۔

فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ اور یہ جنت ہے۔ جس طرح صحیح حدیث میں مذکور ہے کہ'' اللہ تعالیٰ نے جنت سے فرمایا تو میری رحمت ہے تیرے ساتھ میں جس پر چاہوں رحم کروں گا(1)۔

الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ: أي البين الواضح یعنی واضح، روشن۔

قال تعالیٰ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ؟ بطور زجر وتوبیخ انہیں ایسا کہا جائے گا کیا تمہارے سامنے اللہ کی آیات کی تلاوت نہیں کی جاتی تھی تو تم ان کی اتباع سے انکار کرتے رہے اور ان کو سننے سے منہ موڑے رہے۔ اپنے افعال کی بناء پر تم مجرم قرار پائے۔ تمہارے دل اللہ کے فرمان کی تکذیب پر مشتمل تھے۔

وَاِذَا قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ...... یعنی مومن جب تمہیں یہ کہیں گے۔

1۔ متفق علیہ، فتح الباری، تفسیر سورۃ ق: 595، مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4 صفحہ 2187-21186

قُلۡتُمۡ مَّا نَدۡرِیۡ مَا السَّاعَةُ یعنی ہم اسے نہیں جانتے۔

اِنۡ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا ہمیں تو اس کے وقوع پذیر ہونے کا ظن (گمان) سا ہوتا ہے اور وہ بھی مرجوح۔

بِمُسۡتَیۡقِنِیۡنَ: أی متحققین: ہمیں یقین نہیں ہے۔

قال تعالٰی وَبَدَا لَهُمۡ سَیِّاٰتُ مَا عَمِلُوۡا ان کے اعمال سیئہ کی سزا ان کے سامنے آجائے گی۔

وَحَاقَ بِهِمۡ انہیں گھیر لے گا۔

مَّا كَانُوۡا بِهٖ یَسۡتَهۡزِءُوۡنَ یعنی عذاب وجزا۔

وَقِیۡلَ الۡیَوۡمَ نَنۡسٰىكُمۡ ہم تمہارے ساتھ بھول جانے والے کی طرح سلوک کریں گے یعنی تمہیں جہنم میں ڈال کر۔

كَمَا نَسِیۡتُمۡ لِقَآءَ یَوۡمِكُمۡ هٰذَا یعنی تم نے اچھے اعمال نہیں کئے کیونکہ تمہیں اس کے واقع ہونے کا یقین ہی نہ تھا۔

وَمَاۡوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِیۡنَ صحیح حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالٰی اپنے بندوں میں سے کسی سے فرمائے گا۔ کیا میں نے تیری شادی نہ کی تھی؟ کیا میں نے تجھے عزت نہ دی تھی؟ کیا میں نے گھوڑے اور اونٹ تیرے لئے مسخر نہیں فرمائے تھے؟ کیا میں نے تجھے دنیا میں ایسا نہیں چھوڑا تھا کہ تو لوگوں سے لوٹ کا چوتھائی مال لیا کرتا تھا اور سرداری کرتا تھا؟(1) وہ کہے گا اے میرے پروردگار یہ سب کچھ سچ ہے۔ تو اللہ تعالٰی فرمائے گا: ''کیا تجھے معلوم تھا کہ تو نے میری بارگاہ میں پیش ہونا ہے؟'' وہ کہے گا نہیں تو اللہ تعالٰی فرمائے گا: ''آج میں تجھے اسی طرح بھلا دوں گا جس طرح تو مجھے بھول گیا تھا''(2)۔

ذٰلِكُمۡ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذۡتُمۡ اٰیٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ہم نے تمہیں یہ جزا اس لئے دی کہ تم اللہ کی نشانیوں کا مذاق اڑاتے رہے۔

وَّغَرَّتۡكُمُ الۡحَیٰوةُ الدُّنۡیَا تمہیں دنیوی زندگی نے دھوکہ دیا اور تم اسی پر قانع ہو کر بیٹھے رہے اور خسارہ پانے والے ہو گئے۔ اسی لئے فرمایا:

فَالۡیَوۡمَ لَا یُخۡرَجُوۡنَ مِنۡهَا یعنی آگ سے۔

وَلَا هُمۡ یُسۡتَعۡتَبُوۡنَ ان سے توبہ کرنے کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا بلکہ بغیر حساب وعتاب کے سزا دی جائے گی۔ جس طرح مؤمنین کا ایک گروہ بغیر حساب وکتاب جنت میں داخل ہوگا۔ مؤمنین وکفار کے بارے میں اپنا فیصلہ کرنے کے بعد فرمایا:

فَلِلّٰهِ الۡحَمۡدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الۡاَرۡضِ ان کا اور جو کچھ ان کے مابین ہے اس کا مالک ہے۔ اسی لئے فرمایا: رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ۔

پھر فرمایا: وَلَهُ الۡكِبۡرِیَآءُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا معنیٰ ''سلطان'' کیا ہے سلطنت یعنی وہ عظیم بزرگی والا ہے ہر چیز اس کی مطیع اور اس کی محتاج ہے۔ صحیح حدیث میں آتا ہے اللہ تعالٰی ارشاد فرماتا ہے: ''بڑائی میرا ازار (تہبند) اور کبریائی میری چادر ہے۔ جو کوئی ان میں سے کسی چیز کو مجھ سے چھیننا چاہتا ہے۔ میں اسے جہنم رسید کروں گا۔''(3) مسلم نے بھی اس حدیث کو بروایت ابوسعید اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے(4)۔

1۔ زمانہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ ہر قوم کا سردار لوٹ مار کے مال میں سے ایک چوتھائی اپنے لئے نکال لیتا اور باقی لوٹنے والوں میں تقسیم ہوتا تھا۔

2۔ یہ حدیث سورۂ بقرہ آیت:46 اور سورۂ اعراف آیت:51 کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

3۔ ابوداؤد، کتاب البر، جلد 8 صفحہ 36-35، ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2 صفحہ 1397، مسند امام احمد، جلد 2 صفحہ 442, 427, 414, 376, 248, 19-6

4۔ مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 2023

سورۃ الاحقاف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنْزِیْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَكِیْمِ ﴿۲﴾ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَیْنَهُمَاۤ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا عَمَّاۤ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ﴿۳﴾ قُلْ اَرَءَیْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِی السَّمٰوٰتِ ؕ اِیْتُوْنِیْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَاۤ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۴﴾ وَ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَهٗۤ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَ هُمْ عَنْ دُعَآىٕهِمْ غٰفِلُوْنَ ﴿۵﴾ وَ اِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّ كَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِیْنَ ﴿۶﴾

''حا۔میم۔اتاری گئی ہے یہ کتاب اللہ کی طرف سے جو سب پر غالب، بہت دانا ہے۔نہیں پیدا فرمایا ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے مگر حق کے ساتھ اور مدت مقرر تک۔اور کفار اس چیز سے جس سے انہیں ڈرایا جاتا ہے روگردانی کرنے والے ہیں۔فرمایئے (اے کفار!) کبھی تم نے (غور سے) دیکھا ہے جنہیں تم اللہ کے سوا (خدا سمجھ کر) پکارتے ہو (بھلا) مجھے بھی تو دکھاؤ جو پیدا کیا ہے انہوں نے زمین سے یا ان کا آسمانوں (کی تخلیق) میں کچھ حصہ ہے۔لاؤ میرے پاس کوئی کتاب جو اس سے پہلے اتری ہو، یا کوئی (دوسرا) علمی ثبوت اگر تم سچے ہو۔اور کون زیادہ گمراہ ہے اس (بدبخت) سے جو پکارتا ہے اللہ کو چھوڑ کر ایسے معبود کو جو قیامت تک اس کی فریاد قبول نہیں کرسکتا اور وہ ان کے پکارنے سے ہی غافل ہیں۔اور جب جمع کیے جائیں گے لوگ (روزِ محشر) تو وہ معبود ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی عبادت کا صاف انکار کردیں گے''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ یہ خبر دے رہا ہے کہ اس نے قرآن حکیم اپنے بندے اور رسول حضرت محمد ﷺ پر نازل فرمایا اور اپنے آپ کو غلبہ اور قوت اور اقوال وافعال میں حکمت سے متصف فرمایا۔پھر ارشاد فرمایا: وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَاۤ اِلَّا بِالْحَقِّ (الحجر:85) ''اور نہیں پیدا فرمایا ہم نے آسمانوں اور زمین کو نیز جو کچھ ان کے درمیان ہے مگر حق کے ساتھ''۔یعنی عبث اور بیکار نہیں بنایا۔ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى (انعام:2)'' اور ایک میعاد مقرر ہے''۔یعنی ایک مخصوص مدت تک جس میں کمی اور اضافہ نہیں ہوسکتا۔

قولہ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا عَمَّاۤ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ یعنی غافل ہیں حالانکہ ان پر کتاب اتاری گئی ہے اور رسول مبعوث فرمایا گیا ہے اور وہ ان سب سے اعراض کیے ہوئے ہیں یعنی وہ عنقریب اس کا انجام جان لیں گے۔

پھر فرمایا قُلْ یعنی غیر اللہ کی عبادت کرنے والے ان مشرکین سے کہہ دیجئے۔

اَرَءَیْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ یعنی زمین وآسمان میں سے جو کچھ انہوں نے پیدا کیا ہے مجھے

دکھا دیجئے۔

اَمۡ لَہُمۡ شِرۡکٌ فِی السَّمٰوٰتِ آسمان وزمین میں ان کا کچھ حصہ نہیں اور وہ گٹھلی کے چھلکے برابر بھی ملکیت نہیں رکھتے۔ بادشاہی اور تصرف جب صرف اللہ کا ہے تو تم اس کے ساتھ کسی دوسرے کی عبادت کیوں کرتے ہو؟ اور اس کے ساتھ شریک کیوں ٹھہراتے ہو؟ کس نے اس بات کی طرف تمہاری راہنمائی کی ہے؟ کس نے اس طرف تمہیں بلایا ہے؟ کیا اس نے تمہیں یہ حکم دیا ہے؟ یا اس چیز کی تجویز تم نے خود پیش کی تھی؟ اسی لئے فرمایا: اِیۡتُوۡنِیۡ بِکِتٰبٍ مِّنۡ قَبۡلِ ھٰذَاۤ یعنی اللہ کی طرف سے انبیاء پر نازل کردہ کتب میں سے کوئی ایسی کتاب لاؤ جو ان بتوں کی پرستش کا حکم دیتی ہو۔

اَوۡ اَثٰرَۃٍ مِّنۡ عِلۡمٍ اپنے موقف کی کوئی علمی دلیل۔

اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ تمہارے پاس اس بات کی کوئی عقلی یا نقلی دلیل نہیں ہے۔ اسی لئے دوسروں نے یوں پڑھا ہے:

اَوۡ اَثٰرَۃٍ مِّنۡ عِلۡمٍ یعنی اسلاف سے حاصل کردہ صحیح علم (1)۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی یہی ہے۔ عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد بیّنۃ (گواہی، دلیل) ہے (2)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کیا ہے سفیان کا قول ہے کہ میں نہیں جانتا مگر نبی اکرم ﷺ سے کہ اس سے مراد خط (تحریر) ہے (3)۔ ابوبکر بن عیاش نے اس کا معنی بقیہ علم کیا ہے۔ حسن بصری کا قول ہے کہ کوئی ایسی چیز جسے وہ نکال کر پھیلائے۔ حضرات ابن عباس، مجاہد، ابوبکر بن عیاش کی ایک رائے کے مطابق اس سے مراد تحریر ہے۔ قتادہ نے اس سے مراد خاص علم لیا ہے۔ یہ سب اقوال ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ جو کچھ ہم نے کہا ہے اسی کی طرف لوٹتے ہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی قول اختیار کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے اور انہیں جنت میں مقام عطا فرمائے (4)۔

قولہ مَنۡ اَضَلُّ مِمَّنۡ یَّدۡعُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ مَنۡ لَّا یَسۡتَجِیۡبُ لَہٗۤ اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ وَ ھُمۡ عَنۡ دُعَآئِہِمۡ غٰفِلُوۡنَ یعنی اس شخص سے بڑھ کر گمراہ اور کون ہوسکتا ہے جو بتوں کو پکارتا ہے اور ان سے اس چیز کا سوال کرتا ہے جو وہ قیامت تک دینے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ جو نہ سنتے ہیں، نہ دیکھتے ہیں نہ پکڑتے ہیں کیونکہ وہ تو جمادات، گونگے پتھر ہیں۔

قولہ وَ اِذَا حُشِرَ النَّاسُ کَانُوۡا لَہُمۡ اَعۡدَآءً وَّ کَانُوۡا بِعِبَادَتِہِمۡ کٰفِرِیۡنَ جیسے ارشاد باری ہے: وَ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اٰلِہَۃً لِّیَکُوۡنُوۡا لَہُمۡ عِزًّا ۙ﴿۸۱﴾ کَلَّا ؕ سَیَکۡفُرُوۡنَ بِعِبَادَتِہِمۡ وَ یَکُوۡنُوۡنَ عَلَیۡہِمۡ ضِدًّا (مریم: 82-81) '' اور انہوں نے بنا لئے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا اور خدا کہ وہ ان کے لئے مددگار بنیں۔ ہرگز نہیں۔ وہ جھوٹے خدا انکار کردیں گے ان کی عبادت کا۔ اور وہ (الٹے) ان کے دشمن ہوجائیں گے''۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اِنَّمَا اتَّخَذۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اَوۡثَانًا ۙ مَّوَدَّۃَ بَیۡنِکُمۡ فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ۚ ثُمَّ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ یَکۡفُرُ بَعۡضُکُمۡ بِبَعۡضٍ وَّ یَلۡعَنُ بَعۡضُکُمۡ بَعۡضًا ۫ وَّ مَاۡوٰىکُمُ النَّارُ وَ مَا لَکُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِیۡنَ (العنکبوت: 25) '' کہ تم نے بنا لیا ہے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بتوں کو باہمی محبت (و پیار) کا ذریعہ اس دنیوی زندگی میں۔ پھر قیامت کے دن تم انکار کروگے ایک دوسرے کا اور پھٹکار بھیجوگے ایک دوسرے پر اور تمہارا ٹھکانا آتش (جہنم) ہوگا اور نہیں ہوگا تمہارا کوئی مددگار''۔

1۔ روح المعانی للآلوسی، جلد 26 صفحہ 6　　2۔ تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 3

3۔ مسند امام احمد، جلد 1 صفحہ 226　　4۔ تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 3

وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۞ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ ؕ وَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۞ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَ مَاۤ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَ لَا بِكُمْ ؕ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ وَ مَاۤ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۞

''اور جب پڑھی جاتی ہیں ان کے سامنے ہماری آیتیں جو روشن ہیں تو کہتے ہیں کفار حق کے بارے میں، جب ان کے پاس آیا، کہ یہ کھلا جادو ہے۔ کیا وہ کہتے ہیں کہ نبی نے اس کو خود گھڑ لیا ہے۔ فرمائیے اگر میں نے اس کو خود گھڑا ہے تو تم اس طاقت کے مالک نہیں کہ مجھے اللہ سے چھڑالو۔ وہ خوب جانتا ہے جن باتوں میں تم مشغول ہو۔ وہ کافی ہے بطور گواہ میرے درمیان اور تمہارے درمیان، اور وہ بہت بخشنے والا، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ آپ کہئے میں کوئی انوکھا رسول تو نہیں ہوں اور میں (از خود یہ) نہیں جان سکتا کہ کیا کیا جائے گا میرے ساتھ اور کیا کیا جائے گا تمہارے ساتھ۔ میں تو پیروی کرتا ہوں جو وحی میری طرف کی جاتی ہے اور میں نہیں ہوں مگر صاف صاف ڈرانے والا''۔

مشرکین کے کفر و عناد کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تبارک و تعالیٰ فرما رہے ہیں: اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ جب ان پر اللہ کی آیات بینات کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ اسے واضح جادو کا نام دینے لگتے ہیں۔ انہوں نے جھوٹ بولا، افتراء باندھا، گمراہ اور کافر ہو گئے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ حضور ﷺ کی ذات مراد لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اگر میں نے جھوٹ بولا ہے اور نبوت کا سچا دعویٰ نہیں کیا تو وہ مجھے سخت سزا دے اور اہل زمین میں سے کوئی بھی مجھے نجات نہ دلا سکے۔ جیسے ایک اور آیت میں فرمایا: قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ۬ وَّ لَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ۞ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِسٰلٰتِهٖ (الجن:24-23) ''آپ فرمائیے مجھے اللہ تعالیٰ سے کوئی پناہ نہیں دے سکتا اور نہ میں پا سکتا ہوں اس کے بغیر کہیں پناہ البتہ میرا فرض صرف یہ ہے کہ پہنچا دوں اللہ کے احکام اور اس کے پیغامات''۔ ایک اور آیت میں فرمایا: لَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۞ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۞ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۞ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ (الحاقۃ:47-44) ''اگر وہ خود گھڑ کر بعض باتیں ہماری طرف منسوب کرتا تو ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے۔ پھر ہم کاٹ دیتے اس کی رگِ دل۔ پھر تم میں سے کوئی بھی (ہمیں) اس سے روکنے والا نہ ہوتا''۔ اس آیت میں کفار کے لئے شدید وعید ہے۔

قولہ وَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ انہیں توبہ اور رجوع کی تلقین کی جا رہی ہے یعنی یہ سب کچھ کرنے کے باوجود اگر تم لوٹ آؤ اور توبہ کر لو تو وہ تمہاری توبہ قبول فرمالے گا اور تمہاری مغفرت فرما دے گا۔ یہی مضمون سورۂ فرقان کی ایک آیت میں ہے: وَ قَالُوْۤا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ۞ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (الفرقان:6-5)

''اور کفار نے کہا یہ تو افسانے ہیں پہلے لوگوں کے اس شخص نے لکھوالیا ہے انہیں پھر یہ پڑھ کر سنائے جاتے ہیں اسے ہر صبح و شام (تاکہ از بر ہو جائیں) آپ فرمائیے اتارا ہے اس کو اس (خدا) نے جو جانتا ہے آسمانوں اور زمین کے سارے رازوں کو۔ واقعی وہ بہت بخشنے والا ہمیشہ

رحم فرمانے والا ہے"۔

قولہ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ میں سب سے پہلا رسول نہیں ہوں بلکہ مجھ سے پہلے بھی کئی رسول آچکے ہیں۔ میں کوئی ایسی چیز نہیں لایا جسے تم عجیب سمجھ کر اس کا انکار کردو اور اسے بعید از قیاس تصور کرنے لگو۔ مجھ سے پہلے بہت سے انبیاء مبعوث ہوئے۔

حضرت ابن عباس، مجاہد اور قتادہ نے (بِدْعًا) کا معنی پہلا رسول ہی کیا ہے۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم رحمہما اللہ تعالیٰ نے اور کچھ نقل نہیں فرمایا(1)۔

وقولہ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت میں یہی نقل کیا ہے۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی: لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ (الفتح:2)" تاکہ دور فرمادے آپ کے لئے اللہ تعالیٰ جو الزام آپ پر (ہجرت سے) پہلے لگائے گئے اور جو (ہجرت کے) بعد لگائے گئے"۔

عکرمہ، حسن اور قتادہ رحمہم اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ آیت لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ...... سے منسوخ ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں میں سے ایک آدمی نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! اب اللہ تعالیٰ نے بیان فرمادیا ہے کہ وہ آپ سے اور ہم سے کیا سلوک کرنے والا ہے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی: لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ (الفتح:5)" تاکہ داخل کردے ایمان والوں اور ایمان والیوں کو باغوں میں"۔ انہوں نے یہی لکھا ہے اور صحیح میں بھی یہی مذکور ہے کہ مؤمنین نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! آپ کو تو مبارک ہو، ہمارا کیا بنا؟ تو یہ آیت نازل ہوئی(2)۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے مجھے معلوم نہیں کہ اس کے بعد مجھے کیا حکم ہوگا اور کس چیز سے روکا جائے گا؟ ابوبکر ہذلی نے حضرت حسن بصری کا قول نقل کیا ہے کہ معاذ اللہ آپ کو یہ تو علم تھا کہ آخرت میں آپ جنت میں ہیں لیکن دنیا کے بارے میں فرمایا کہ مجھے اپنے بارے میں علم نہیں کہ دنیا سے اسی طرح جاؤں گا جیسے سابقہ انبیاء یا مجھے سابقہ انبیاء کی طرح قتل کردیا جائے گا اور مجھے نہیں معلوم کہ تمہیں دھنسا دیا جائے گا یا تم پر پتھروں کی بارش ہوگی؟(3)۔ یہ قول وہی ہے جس پر ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اعتماد کیا ہے اس کے علاوہ اور کوئی تفسیر درست نہیں اور بلاشک وشبہ یہی تاویل آپ ﷺ کے مقام کے مناسب بھی ہے کہ آخرت کے بارے میں تو آپ کو یہ یقین تھا کہ آپ اور آپ کے پیروکار جنتی ہیں لیکن دنیا میں اپنا اور مشرکین مکہ کا علم نہیں تھا کہ وہ ایمان لائیں گے یا کفر پر اڑے رہیں گے اور عذاب نازل کرکے انہیں جڑ سے اکھیڑ دیا جائے گا؟ جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے جسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ حضرت ام علاء سے مروی ہے کہ میں نے خواب دیکھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لئے جنت میں نہر جاری ہے تو آپ نے فرمایا یہ اس کا عمل ہے۔ بخاری اس روایت میں منفرد ہیں(4)۔ یہ اور اس طرح کی دیگر آیات اس بات کی دلیل ہیں کہ جنتی صرف اسی کو کہا جاسکتا ہے جس کے بارے میں واضح نص ہو جیسے عشرہ مبشرہ، عبداللہ بن سلام، عمیصاء، بلال، سراقہ، جابر کے والد عبداللہ بن عمرو بن حزام، ستر قراء جو بئر معونہ کے پاس شہید ہوئے، زید بن حارثہ، جعفر اور ابن رواحہ وغیرہ۔

قولہ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ میں اسی بات کی پیروی کرتا ہوں جو اللہ نے مجھ پر وحی نازل فرمائی۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى

1۔ تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 6
2۔ ترمذی نے اسے سورۂ فتح کی تفسیر میں نقل فرمایا ہے دیکھئے عارضۃ الاحوذی، جلد 12 صفحہ 149 اور لکھا ہے "حسن صحیح"
3۔ تفسیر طبری، جلد 66 صفحہ 8-7
4۔ مسند امام احمد، جلد 6 صفحہ 436، فتح الباری، کتاب الجنائز، جلد 3 صفحہ 114

مِّثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَ اسْتَكْبَرْتُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰﴾ وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ؕ وَ اِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ ﴿۱۱﴾ وَ مِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّ رَحْمَةً ؕ وَ هٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖۗ وَ بُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۳﴾ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

''فرمایئے کیا تم نے کبھی اس پر غور کیا کہ اگر یہ اللہ کی طرف سے ہو اور تم اس کا انکار کر دو (اس کا انجام کیا ہوگا؟) حالانکہ گواہی دے چکا ہے ایک گواہ بنی اسرائیل سے اس کی مثل پر اور وہ ایمان بھی لے آیا اور تم نے تکبر کیا۔ بے شک اللہ تعالیٰ نہیں ہدایت دیتا ظالم لوگوں کو۔ اور کفار اہل ایمان کے بارے میں کہتے ہیں کہ اگر یہ (اسلام) کوئی بہتر چیز ہوتی تو یہ ہم سے سبقت نہ لے جاتے اس کی طرف۔ اور کیونکہ انہیں ہدایت نصیب نہیں ہوئی قرآن سے تو یہ اب ضرور کہیں گے کہ (اجی) یہ تو وہی پرانا جھوٹ ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے کتابِ موسیٰ رہنما اور رحمت بن کر آ چکی ہے۔ اور یہ کتاب (قرآن) تو اس کی تصدیق کرنے والی ہے عربی زبان میں ہے تاکہ بروقت خبردار کر دے ظالموں کو۔ اور خوشخبری ہے نیکوکاروں کے لئے۔ بے شک جن لوگوں نے کہا ہمارا پروردگار اللہ ہے، پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے پس کوئی خوف نہیں انہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے یہی لوگ جنتی ہیں، ہمیشہ رہیں گے اس میں۔ یہ جزا ہے ان نیکیوں کی جو وہ کیا کرتے تھے''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرما رہے ہیں اے محمد! قرآن کا انکار کرنے والے ان مشرکین سے کہہ دیجئے تمہارا کیا خیال ہے کہ اس کتاب کا انکار کرنے کی صورت میں تمہارا کیا انجام ہوگا؟

وَ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اس کتاب کی تصدیق تو سابقہ سماوی کتب سے بھی ہو رہی ہے جو مجھ سے پہلے انبیاء پر نازل ہوئی تھیں۔ ان میں بھی اس بات کی خبر اور بشارت موجود ہے جس کی قرآن کریم نے خبر دی تھی۔

قولہ فَاٰمَنَ جس کی تصدیق بنو اسرائیل نے کی۔

وَ اسْتَكْبَرْتُمْ تم نے اس کی اتباع کرنے سے تکبر کیا۔

مسروق رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ شاہد اپنے نبی اور کتاب کے ساتھ ایمان لایا اور تم نے اپنے نبی اور کتاب کے ساتھ کفر کیا۔

الشاھد کا کلمہ یہاں اسم جنس ہے جو عبداللہ بن سلام اور دیگر کو شامل ہے۔ یہ آیت مکی ہے اور عبداللہ بن سلام کے اسلام لانے سے قبل نازل ہوئی۔ جیسے ایک اور آیت میں ہے: وَ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ (القصص:53) ''اور جب یہ ان کے سامنے پڑھی جاتی ہے تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے اس کے ساتھ بیشک یہ حق ہے ہمارے رب کی طرف سے ہم اس سے پہلے ہی سر تسلیم خم کر چکے تھے''۔ ایک اور آیت میں فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۙ﴿۱۰۷﴾ وَّ يَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا (الاسراء:108) ''بے شک وہ لوگ جنہیں دیا گیا ہے علم اس سے پہلے جب اسے

پڑھا جاتا ہے ان کے سامنے تو وہ گر پڑتے ہیں ٹھوڑیوں کے بل سجدہ کرتے ہوئے اور کہتے ہیں (ہر عیب اور نقص سے) پاک ہے۔ ہمارا رب بلاشبہ ہمارے رب کا وعدہ پورا ہو کر رہتا ہے''۔

مسروق اور شعبی رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ اس سے مراد عبداللہ بن سلام نہیں۔ یہ آیت مکی ہے اور ابن سلام مدینہ منورہ میں ایمان لائے۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم رحمہما اللہ تعالیٰ نے یہی نقل کیا ہے اور ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ہی اختیار کیا ہے(1)۔ مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے روایت کیا ہے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایک گزرنے والے آدمی کے بارے میں یہ ارشاد فرماتے سنا: وہ اہل جنت سے ہے مگر عبداللہ بن سلام ان کے بارے میں یہی آیت نازل ہوئی یعنی وَشَهِدَ شَاهِدٌ......(2)۔

بخاری، مسلم اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے ابو مالک سے روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عباس، مجاہد، ضحاک، قتادہ، عکرمہ، یوسف بن عبداللہ بن سلام، ہلال بن یساف، سدی، ثوری، مالک بن انس اور ابن زید رحمہم اللہ تعالیٰ سب کی رائے میں اس آیت کا مصداق عبداللہ بن سلام ہیں۔

قولہ تعالیٰ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ یعنی انہوں نے قرآن پر ایمان لانے والوں کے بارے میں کہا کہ اگر یہ بہتر ہوتو یہ لوگ اس پر ایمان لانے میں ہم سے سبقت نہ لے جاتے یعنی حضرت بلال، عمار، صہیب اور خباب رضی اللہ عنہم کمزور، مظلوم اور ستم رسیدہ لوگ غلام لونڈیاں وغیرہ۔ ان کے اس وہم وگمان کی وجہ یہ تھی کہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اللہ کے ہاں ان کا بہت بڑا مرتبہ ہے حالانکہ یہ ان کی واضح غلطی تھی۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا(3) ''اور اسی طرح ہم نے آزمائش میں ڈال دیا بعض کو بعض سے تاکہ کہیں (مالدار کافر نادار مسلمانوں کو دیکھ کر) کیا یہ ہیں احسان کیا ہے اللہ نے جن پر ہم میں سے''۔ از راہ تعجب وہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ کیسے ہدایت پا گئے۔ اسی لئے یہ دعویٰ کیا۔

اہل سنت وجماعت کے نزدیک ہر وہ قول اور فعل جو صحابہ سے ثابت نہ ہو وہ بدعت ہے۔ کیونکہ اگر یہ بات بہتر ہوتی تو وہ ضرور اس کی طرف سبقت فرماتے کیونکہ وہ خصائل حمیدہ کی طرف جلدی کرتے تھے۔

قولہ وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ یعنی قرآن کے ساتھ۔ اِفْكٌ یعنی جھوٹ۔ قَدِيْمٌ: قدماء سے منقول۔

وہ قرآن اور اہل قرآن کی تنقیص کرتے ہیں یہی وہ تکبر ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بَطَرُ الحقِّ وغَمطُ النّاس ''یعنی حق کو باطل ٹھہرانا اور لوگوں کی تحقیر''(4)۔

كِتٰبُ مُوْسٰٓى سے مراد تورات اور هٰذَا كِتٰبٌ سے مراد قرآن ہے۔

مُّصَدِّقٌ سابقہ کتب کی تصدیق کرنے والی۔

لِّسَانًا عَرَبِيًّا فصیح عربی زبان۔

لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ کفار کے لئے ڈراوا مومنوں کے لئے بشارت۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 12

2۔ تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 10، فتح الباری کتاب مناقب الانصار، جلد 7 صفحہ 28، مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، جلد 8 صفحہ 1930

3۔ الانعام: 6 صفحہ 53

4۔ بطر والحق: دفعہ وانکارہ ترفعا وتجبرا، غمط الناس: احتقارھم مسلم، کتاب الایمان: 93، مسند امام احمد، جلد 1 صفحہ 385 تفسیر ابن کثیر زیر آیت: 61 سورہ بقرہ

قولہ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا (فصلت: 30) اس کی تفسیر سورۂ حم سجدہ میں گزر چکی ہے۔

قولہ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ یعنی آئندہ۔

قولہ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ یعنی گزشتہ امور پر۔

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ یعنی ان کے اعمال صالحہ اللہ کی رحمت کے نزول کا سبب ہوں گے۔

وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ؕ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّ وَضَعَتْهُ كُرْهًا ؕ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَ بَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ۚ اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَ اِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَ نَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ فِيْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ؕ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۱۶﴾

''اور ہم نے حکم دیا ہے انسان کو کہ اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ (اپنے شکم میں) اٹھائے رکھا اس کو اس کی ماں نے بڑی مشقت سے اور جنا اس کو بڑی تکلیف سے۔ اور اس کے حمل اور اس کے دودھ چھڑانے تک تیس مہینے لگ گئے۔ یہاں تک کہ جب وہ اپنی پوری قوت کو پہنچا اور چالیس برس کا ہوگیا تو اس نے عرض کی اے میرے رب! مجھے والہانہ توفیق عطا فرما کہ میں شکرادا کرتا رہوں تیری اس نعمت کا جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر فرمائی۔ اور میں ایسے نیک کام کروں جن کو تو پسند فرمائے اور صلاح (ورشد) کو میرے لئے میری اولاد میں راسخ فرما دے۔ بے شک میں توبہ کرتا ہوں تیری جناب میں اور میں تیرے حکم کے سامنے سر جھکانے والوں میں سے ہوں۔ یہی وہ (خوش نصیب) ہیں قبول کرتے ہیں ہم جن کے بہترین اعمال کو اور درگزر کرتے ہیں ہم جن کی برائیوں سے یہ جنتیوں میں سے ہوں گے۔ یہ (اللہ کا) سچا وعدہ ہے جو (اہل ایمان سے) کیا گیا ہے''۔

گزشتہ آیت میں توحید، عبادت میں اخلاص اور استقامت کا ذکر کرنے کے بعد والدین کے بارے میں وصیت فرمائی۔ جس طرح کہ دیگر آیات میں بھی مذکور ہے۔ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا (الاسراء: 23) ''اور حکم فرمایا آپ کے رب نے کہ نہ عبادت کرو بجز اس کے اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو''۔ اور فرمایا: اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ (لقمان: 14) ''کہ شکر ادا کرو میرا اور اپنے ماں باپ کا (آخرکار) میری طرف ہی (تمہیں) لوٹنا ہے''۔ وغیرہ کثیر آیات۔

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا یعنی ہم نے اسے ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔

ابوداؤد طیالسی نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ ام سعد نے سعد سے کہا کیا اللہ نے والدین کی اطاعت کا حکم نہیں دیا۔ میں اس وقت تک نہیں کھاؤں پیوں گی جب تک تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔ چنانچہ اس نے کھانا پینا بند کردیا۔ چنانچہ وہ عصا کے ساتھ ان کا

منہ کھولتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی(1)۔ مسلم اور اصحاب سنن ماسوائے ابن ماجہ نے اسے مختلف سندوں سے روایت کیا ہے۔

حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا یعنی بحالت حمل مشکلات برداشت کیں۔

وَ وَضَعَتْهُ كُرْهًا اور وضع حمل میں بے شمار صعوبتیں اٹھائیں۔ وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس آیت اور سورۂ لقمان والی آیت وَّ فِصٰلُهٗ فِیْ عَامَیْنِ (لقمان: 14) ''اور اس کا دودھ چھوٹنے میں دو سال لگے''۔ اور سورۂ بقرہ والی آیت: وَالْوَالِدٰتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَیْنِ كَامِلَیْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ یُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ (بقرہ: 233) ''اور مائیں دودھ پلائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال (یہ مدت) اس کے لئے ہے جو پورا کرنا چاہتا ہے دودھ کی مدت'' سے استدلال کیا کہ حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ ہے۔ یہ درست اور قوی استنباط ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام کی ایک جماعت نے اس سے اتفاق کیا۔ رضی اللہ عنہم۔

محمد بن اسحاق بن یسار نے بیان کیا ہے کہ ایک آدمی نے بنو جہینہ کی ایک عورت سے شادی کی۔ اس نے چھ ماہ پورے ہونے پر بچہ جن دیا۔ اس کا خاوند مسئلہ لے کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس عورت کو بلا بھیجا۔ جب وہ کپڑے پہننے کے لئے اٹھی تو اس کی بہن نے رونا شروع کر دیا۔ اس نے پوچھا روتی کیوں ہو؟ بخدا اس کے علاوہ میرے ساتھ کبھی کسی نے مجامعت نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ جو چاہے گا میرے بارے میں فیصلہ فرمائے گا۔ جب اسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا تو آپ نے اسے رجم کرنے کا حکم دیا۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ خبر ملی تو آپ نے ان سے پوچھا کیا کرتے ہو؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس نے چھ ماہ پورے ہونے پر بچہ جن دیا ہے کیا ایسا ممکن ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ سے مخاطب ہو کر فرمایا کیا تم قرآن نہیں پڑھتے ہو؟ فرمایا کیوں نہیں۔ فرمایا: کیا آپ نے یہ ارشاد ربانی نہیں سنا: وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا اور فرمایا: حولین کاملین چنانچہ باقی صرف چھ ماہ رہ گئے۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا واللہ! میں یہ بات نہیں سمجھ سکا تھا۔ عورت کو لایا جائے(2)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے۔ ہم نے اسے ایک اور سند سے فأنا أول العابدین کے تحت نقل کیا ہے(3)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب عورت نو ماہ کے بعد بچہ جن دے تو رضاعت کے لئے اسے اکیس ماہ کافی ہیں اور سات ماہ پر جنے تو رضاعت کے لئے تیئس ماہ کافی ہیں اور چھ ماہ کے بعد جنے تو دو پورے سال کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا(4)۔

قولہ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ یعنی سن شباب کو پہنچ گیا۔

وَبَلَغَ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً یعنی اس کی عقل و حلم مکمل ہو گیا۔ کہا جاتا ہے کہ چالیس سال کی عمر کو پہنچ کر آدمی پختہ ہو جاتا ہے۔ ابو بکر بن عیاش نے اپنی سند سے نقل کیا ہے کہ میں نے مسروق سے کہا آدمی کو اپنے گناہوں پر کب پکڑا جاتا ہے۔ فرمایا جب تو چالیس سال کو پہنچ جائے تو محتاط ہو جا(5)۔ حافظ ابو یعلی موصلی نے اپنی سند سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مسلمان آدمی جب چالیس سال کو پہنچ جائے تو اللہ تعالیٰ اس کا حساب آسان فرما دیتا ہے، جب ساٹھ سال کو پہنچے تو اسے اپنی طرف توجہ

1۔ مسند ابو داؤد طیالسی: 29-28　2۔ در منثور، جلد 7 صفحہ 441　3۔ دیکھئے سورہ زخرف آیت: 81

4۔ در منثور، جلد 7 صفحہ 442　5۔ بروایت ابن ابی حاتم در منثور، جلد 7 صفحہ 442

عطافرماتا ہے۔ جب ستر سال کو پہنچے تو اہل آسمان اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ اور جب اسّی سال کا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی نیکیوں کو باقی رکھتا ہے اور برائیوں کو مٹا دیتا ہے اور جب نوے سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیتا ہے اور اس کے اہل خانہ کے بارے میں اس کی شفاعت کو قبول کرتا ہے اور آسمان میں لکھ دیا جاتا ہے کہ یہ زمین پر اللہ کا اسیر ہے(1)''۔ مسند امام احمد میں یہ حدیث دیگر سندوں سے بھی مروی ہے(2)۔ دمشق میں بنوامیہ کے ایک امیر حجاج بن عبداللہ حکمی نے کہا: میں نے چالیس سال تک گناہوں کو لوگوں سے حیاء کے سبب ترک کئے رکھا پھر اللہ تعالیٰ کے حیاء سے ترک کر دیا۔ کیا ہی خوب کسی شاعر نے کہا ہے:

صَبَا مَا صَبَا حتی عَلَا الشَّیْبُ رَأْسَهٗ　　فلمّا علاهٗ قال للباطل، ابطُلِ

قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْۤ یعنی مجھے الہام فرما۔ ذُرِّیَّتِیْ: أی نَسْلی و عَقِبی۔

اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ وَ اِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ اس میں نصیحت ہے کہ آدمی جب چالیس سال کا ہو جائے تو از سرنو توبہ کرے اور اس پر قائم رہنے کا عزم کرے۔ ابوداؤد نے اپنی سنن میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ انہیں سکھایا کرتے تھے کہ وہ تشہد میں یوں کہا کریں: اللهمَّ، أَلِّفْ بين قلوبنا، وأَصْلِحْ ذاتَ بَيْنِنَا، واهدنا سُبُلَ السلام، ونَجِّنا من الظلمات إلى النور، وجَنِّبْنا الفواحش ما ظَهَر منها وما بَطَنَ، وبارِكْ لنا في أسماعِنا وأبصارِنا وقُلوبِنَا، وأزواجنا وذُرِّياتنا، وتُبْ علينا، إنك أنت التواب الرحيم، واجعلنا شاكرين لنعمتك، مُثْنِين بها قَابِلِيها، وأَتِمَّها علينا۔''(3)

قال اللہ تعالیٰ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَ نَتَجَاوَزُ عَنْ سَیِّاٰتِهِمْ مذکورہ صفات کے حامل لوگ اللہ سے توبہ کرنے والے، اسی کی طرف رجوع کرنے والے، سابقہ گناہوں کی توبہ و استغفار سے تلافی کرنے والے وہی ہیں جن کے اعمال حسنہ کو اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے، ان کی برائیوں سے درگزر فرماتا ہے، بہت سی لغزشوں کو معاف فرما دیتا ہے اور تھوڑا بہت عمل بھی قبول فرما لیتا ہے۔

فِیْۤ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ان کا شمار اہل جنت سے ہے۔ اللہ کے ہاں ان کا حکم یہی ہے جس طرح اللہ نے توبہ کرنے اور اس کی طرف متوجہ ہونے والوں سے فرمایا ہے اسی لئے فرمایا: وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِیْ كَانُوْا یُوْعَدُوْنَ۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے، آپ نے روح الامین سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''بندے کی نیکیوں اور برائیوں کو لایا جاتا ہے اور ایک دوسرے کے برابر کیا جاتا ہے۔ اگر نیکی بچ جائے تو اللہ اسے جنت میں وسعت عطا فرماتے ہیں۔'' فرماتے ہیں میں یَزْدَاد کے پاس گیا اسی طرح کی حدیث بیان ہوئی میں نے کہا اگر کوئی نیکی باقی نہ رہے، فرمایا: اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا......(4)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح روایت کیا ہے۔ یہ مذکور ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔ اس کی اسناد اچھی ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے محمد بن حاطب سے روایت کیا ہے فرمایا: وہ میرے گھر آئے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اہل بصرہ پر غالب آئے تھے۔ تو ایک دن مجھے فرمایا: میں نے امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا۔ اس وقت آپ کے پاس عمار، صعصعہ، اَشتر اور محمد بن ابوبکر تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ذکر چھڑا تو انہوں نے آپ کی شان میں گستاخی کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ

1۔ مسند ابی یعلی، جلد 1 صفحہ 158، مجمع الزوائد، جلد 10 صفحہ 205
2۔ مسند امام احمد، عن انس، جلد 3 صفحہ 218
3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 254
4۔ تفسیر طبری، جلد 25 صفحہ 18

اس وقت چار پائی پر تھے۔ آپ کے ہاتھ میں لکڑی تھی۔ ان میں سے ایک نے کہا تم میں فیصلہ کرنے والا آدمی علی موجود ہے انہوں نے پوچھا تو آپ نے فرمایا عثمان ان لوگوں میں سے ہیں جن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا...... فرمایا اللہ کی قسم عثمان اور اصحاب عثمان۔ یہ تین مرتبہ فرمایا۔ یوسف کا قول ہے کہ میں نے محمد بن حاطب سے کہا: بخدا کیا تو نے یہ بات علی سے سنی تھی؟ فرمایا اللہ کی قسم! میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا۔

وَالَّذِيْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ اَتَعِدٰنِنِيْٓ اَنْ اُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِيْ ۚ وَهُمَا يَسْتَغِيْثٰنِ اللّٰهَ وَيْلَكَ اٰمِنْ ۖ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَيَقُوْلُ مَا هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ۝ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ وَلِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ۭ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ۝

''اور جس نے کہا اپنے والدین کو افسوس ہے تمہارے حال پر کیا تم مجھے دھمکی دیتے ہو اس کی کہ میں (قبر سے) نکالا جاؤں گا حالانکہ گزر چکی ہیں کئی صدیاں مجھ سے پہلے (ان میں سے تو کوئی اب تک زندہ نہ ہوا) اور اس کے والدین بارگاہ الٰہی میں فریاد کرتے ہیں (اور اسے کہتے ہیں) تیرا خانہ خراب ہو ایمان لے آ۔ یقیناً اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ تو وہ (جواباً) کہتا ہے نہیں ہیں یہ دھمکیاں مگر پہلے لوگوں کی فرسودہ کہانیاں۔ یہی وہ (بدبخت) ہیں جن پر ثابت ہو چکا ہے عذاب کا فرمان ان گروہوں میں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں جنوں اور انسانوں میں سے۔ بے شک وہ سراسر گھاٹے میں تھے۔ اور ہر ایک کے لئے مرتبے ہوں گے ان کے اعمال کے مطابق۔ اور اللہ تعالیٰ پورا پورا دے گا انہیں ان کے اعمال کا بدلہ اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ اور جس روز لا کھڑا کر دیا جائے گا کفار کو آگ کے سامنے (تو انہیں کہا جائے گا) تم نے ختم کر دیا تھا اپنی نعمتوں کا حصہ اپنی دنیوی زندگی میں اور خوب لطف اٹھالیا تھا تم نے ان سے، آج تمہیں رسوائی کا عذاب دیا جائے گا بوجہ اس گھمنڈ کے جو تم زمین میں ناحق کیا کرتے تھے اور بوجہ تمہاری نافرمانیوں کے''۔

والدین کے اطاعت گزاروں اور ان کی کامیابی اور نجات کا حال ذکر کرنے کے بعد بدبخت اور والدین کے نافرمانوں کا ذکر فرمایا۔ وَالَّذِيْ قَالَ لِوَالِدَيْهِ اُفٍّ لَّكُمَآ یہ آیت عام ہے۔ یہ قول کہ یہ آیت عبدالرحمٰن بن اُبی بکر کے بارے میں نازل ہوئی ضعیف ہے کیونکہ عبدالرحمٰن بن ابوبکر اسلام لائے اور ایمان پر قائم رہے اور اپنے اہل زمانہ میں بہترین تھے۔ عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بیٹے کے بارے میں نازل ہوئی(1)۔ لیکن اس کی صحت محل نظر ہے۔ واللہ اعلم۔ ابن جریج، مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ اور دیگر کا قول یہی ہے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی یہی ہے۔ فی الحقیقت اس آیت کا حکم

1۔ طبری، جلد 25 صفحہ 19

عام ہے اور سب کو شامل ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے عبداللہ بن مدینی سے روایت کیا ہے کہ جب مروان نے خطبہ دیا تو میں مسجد میں تھا۔ اس نے کہا اللہ تعالیٰ نے امیر المؤمنین کو یزید کے بارے میں صائب رائے سے نوازا اگر آپ نے اسے اپنا نائب مقرر کیا تو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم نے بھی تو اپنا نائب مقرر کیا تھا۔ عبدالرحمٰن بن ابوبکر نے یہ سن کر کہا کیا یہ شہنشاہیت ہے؟ بخدا ابوبکر نے اسے اپنی اولاد اور اہل خانہ میں نہیں رکھا۔ جبکہ معاویہ نے اپنے بیٹے کی خاطر ایسا کیا ہے۔ تو مروان کہنے لگا کیا تو وہی نہیں ہے جس نے اپنے والدین سے یہ کہا تھا (اف لکما؟) تو عبدالرحمٰن نے کہا کیا تو لعین کا بیٹا نہیں ہے تیرے باپ پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بات سنی تو فرمایا اے مروان! کیا تو نے عبدالرحمٰن کو یوں یوں کہا ہے؟ تو نے جھوٹ بولا۔ یہ عبدالرحمٰن کے بارے میں نازل نہیں ہوئی بلکہ فلاں بن فلاں کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ پھر مروان رونے لگا پھر منبر سے اترا اور آپ کے حجرے کے دروازے تک آیا۔ آپ رضی اللہ عنہا سے گفتگو کرتا رہا پھر واپس پلٹا(1)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہی روایت مختلف الفاظ سے ایک دوسری سند سے نقل کی ہے۔ نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور سند سے یہ روایت ذکر فرمائی ہے(2)۔

قولہ اَتَعِدٰنِنِیۡۤ اَنۡ اُخۡرَجَ: ای اُبۡعَثَ۔

قولہ وَقَدۡ خَلَتِ الۡقُرُوۡنُ مِنۡ قَبۡلِیۡ یعنی لوگ گزر گئے اور کوئی خبر دینے والا ان میں سے نہیں لوٹا۔

وَهُمَا یَسۡتَغِیۡثٰنِ اللّٰهَ وہ اللہ سے سوال کرتے ہیں کہ اسے ہدایت دے۔

قولہ اُولٰٓئِكَ کا والذی قال کے بعد ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ مراد جنس عام ہے اور ہر ایسے شخص کو شامل ہے۔ جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔ حسن اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ اس سے مراد کافر، فاجر، اپنے والدین کا نافرمان، قیامت کے دن کا انکار کرنے والا ہے۔

حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے سہل بن داؤد کے حالات میں ابوامامہ باہلی سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''چار لوگوں پر اللہ تعالیٰ عرش پر سے لعنت فرماتا ہے اور فرشتے اس پر آمین کہتے ہیں۔ مسکین کو گمراہ کرنے والا۔ (خالد کا قول ہے) یعنی اپنا ہاتھ مسکین کی طرف پھیلاتا ہے کہ آؤ تمہیں کچھ دوں۔ جب وہ اس کے پاس آتا ہے تو کہتا ہے میرے پاس کچھ نہیں اور جو آدمی نابینا کو کہتا ہے سواری سے بچ حالانکہ اس کے سامنے کوئی چیز نہیں۔ اور جس شخص سے کسی کے گھر کے بارے میں دریافت کیا جاتا ہے تو وہ اسے غلط راستے پر لگا دیتا ہے۔ اور جو اپنے والدین کو مارتا ہے حتیٰ کہ وہ فریاد کرنے لگیں۔'' (یہ حدیث بہت غریب ہے)۔

قولہ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوۡا ہر ایک کے اعمال کے مطابق حساب ہوگا۔

لَا یُظۡلَمُوۡنَ ذرہ برابر یا اس سے کم بھی زیادتی نہیں کی جائے گی۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا قول ہے کہ جنت کے درجات اوپر کو اور دوزخ کے درجات نیچے کی طرف چلتے ہیں۔

قولہ وَیَوۡمَ یُعۡرَضُ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا عَلَى النَّارِ...... زجر و توبیخ کے طور پر انہیں یوں کہا جائے گا۔ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی آیت کے سبب بہت سی اشیاء ماکولات و مشروبات کو ترک فرما دیا تھا۔

1۔ در منثور، جلد 7 صفحہ 445-444

2۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ احقاف، جلد 576، نسائی، کتاب التفسیر سنن الکبریٰ بحوالہ تحفۃ الاشراف (مزی)، جلد 12 صفحہ 296

ابومجلز کا قول ہے کہ بعض لوگوں کی دنیا کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی اور انہیں یہ کہا جائے گا۔

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ؕ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖۤ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۲۱﴾ قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۲﴾ قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۖؗ وَاُبَلِّغُكُمْ مَّاۤ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَلٰكِنِّيْۤ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ؕ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ؕ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۴﴾ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۭ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰۤى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۲۵﴾

”(اے حبیب ﷺ!) ذکر سنایئے انہیں قوم عاد کے بھائی (ہود) کا۔ جب ڈرایا اس نے اپنی قوم کو احقاف میں اور گزر چکے تھے ڈرانے والے ان سے پہلے بھی اور ان کے بعد بھی کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کسی کی عبادت نہ کرو (ورنہ) مجھے اندیشہ ہے کہ تم پر بڑے دن کا عذاب نہ آجائے۔ وہ (برافروختہ ہوکر) بولے (اے ہود) کیا تم اس لئے ہمارے پاس آئے ہو کہ ہمیں ہمارے خداؤں سے برگشتہ کردو۔ لے آؤ (وہ عذاب) جس کی تم ہمیں دھمکیاں دیتے رہتے ہو اگر تم سچے ہو۔ ہود نے فرمایا کہ نزول عذاب کا علم تو اللہ کے پاس ہے۔ اور میں (برابر) پہنچا رہا ہوں تمہیں وہ پیغام جو میں دے کر بھیجا گیا ہوں۔ لیکن میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم جاہل قوم ہو۔ پس جب انہوں نے دیکھا عذاب کو بادل کی صورت میں کہ وہ ان کی وادیوں کی طرف آرہا ہے، تو بولے یہ بادل ہے ہم پر برسنے والا ہے۔ (نہیں نہیں!) بلکہ یہ تو وہ عذاب ہے جس کے لئے تم جلدی مچا رہے تھے۔ (یہ تند) ہوا ہے اس میں دردناک عذاب ہے۔ تہس نہس کر کے رکھ دے گی ہر چیز کو اپنے رب کے حکم سے، پس جب ان پر صبح ہوئی تو نہ دکھائی دی کوئی چیز بجز ان کے (ویران) مکانوں کے۔ اسی طرح ہم سزا دیتے ہیں مجرموں کو“۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے نبی کریم ﷺ کو تسلی دے رہے ہیں کیونکہ آپ کی قوم نے آپ کو جھٹلایا تھا۔

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ یہ حضرت ہود علیہ السلام ہیں انہیں اللہ تعالیٰ نے عاد اولیٰ کی طرف مبعوث فرمایا تھا۔ وہ احقاف میں رہتے تھے۔ یہ حِقْف کی جمع ہے۔ اس کا معنی ابن زید نے ریت کا ٹیلہ بتایا ہے اور عکرمہ نے پہاڑ اور غار۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ یہ حضرموت میں ایک وادی ہے۔ اسے برہوت کہتے ہیں۔ اس میں کافروں کی ارواح ڈالی جاتی ہیں۔ قتادہ سے منقول ہے کہ یہ ایک قبیلہ تھا جو یمن میں ساحل سمندر پر ”شحر“ نامی علاقے میں رہتے تھے۔ ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اللہ تعالیٰ ہم پر اور عاد کے بھائی (ہود) پر رحم فرمائے“(1)۔

قولہ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖۤ اللہ نے ان کے اردگرد کے علاقے میں رسول بھیجے جیسے فرمایا: فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا (بقرہ:66) ”پس ہم نے بنا دیا اس سزا کو عبرت ان کے لئے جو اس زمانہ میں موجود تھے اور جو بعد میں آنے والے

1۔ ابن ماجہ، کتاب الدعاء، باب اذا دعا فلیبدأ بنفسہ، جلد 2 صفحہ 1266

تھے"۔اور جیسے فرمایا: فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ (فصلت:13) "پس اگر وہ (پھر بھی) روگردانی کریں تو آپ فرمائیے کہ میں نے ڈرایا ہے تمہیں اس کڑک سے جو عاد وثمود کی کڑک کی مانند (ہلاکت خیز) ہوگی"۔

قولہ تعالیٰ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا تاکہ آپ ہمیں روک دیں۔انہوں نے عذاب الٰہی کے مطالبہ میں جلدی کی کیونکہ وہ اسے بعید از قیاس سمجھتے تھے جیسے اس آیت میں ہے: يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا (شوریٰ:18) "جلدی مچاتے ہیں اس کے لئے وہ لوگ جو ایمان نہیں رکھتے اس پر"۔

قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ یعنی اللہ تمہیں زیادہ جاننے والا ہے اگر تمہیں عذاب کی جلدی ہے تو وہ تمہارے ساتھ ایسا ہی کرے گا میرا کام تو صرف پیغام رسالت پہنچانا ہے۔جب انہوں نے عذاب کو دیکھا تو یہ سمجھے کہ یہ بادل ہے بارش لائے گا۔وہ خوش ہونے لگے کیونکہ انہیں خشک سالی کی وجہ سے بارش کی ضرورت تھی۔تو اللہ نے فرمایا یہ تو تمہارا طلب کردہ عذاب ہے۔

تُدَمِّرُ: تخرب: برباد کر دیتا ہے۔أمر: إذن: حکم۔جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ (الذاریات:42) "نہیں چھوڑتی تھی کسی چیز کو جس پر گزرتی مگر اس کو ریزہ ریزہ کر دیتی"۔ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ہمارے رسولوں کی تکذیب کرنے اور ہمارے اوامر کی مخالفت کرنے والے کا یہی انجام ہے۔ان کے قصہ میں ایک حدیث بھی مروی ہے۔یہ بہت غریب ہے اور غرائب حدیث سے ہے۔امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے حارث بکری نے بیان فرمایا کہ میں علاء بن حضرمی کی شکایت لے کر رسول اللہ ﷺ کی طرف نکلا۔میرا گزر ربذہ کے مقام پر ہوا وہاں بنوتمیم کی ایک بڑھیا مقیم تھی۔وہ مجھ سے کہنے لگی اے عبداللہ! مجھے رسول اللہ ﷺ سے ایک کام ہے۔کیا تم مجھے وہاں پہنچا دو گے؟ چنانچہ میں اس عورت کو لے کر مدینہ آیا۔کیا دیکھتا ہوں مسجد لوگوں سے پر ہے۔کالا پرچم لہرا رہا ہے۔حضرت بلال رضی اللہ عنہ تلوار سے لیس سرکار کے سامنے کھڑے ہیں۔میں نے پوچھا کیا معاملہ ہے؟ بتایا گیا کہ آپ، عمرو بن عاص کو کہیں روانہ کرنا چاہتے ہیں۔چنانچہ میں بیٹھ گیا۔آپ اپنے گھر یا قیام گاہ میں فروکش ہوئے تو میں نے اجازت طلب کی۔آپ نے مجھے اجازت مرحمت فرمائی۔میں داخل ہوا آپ کو سلام کیا۔آپ ﷺ نے پوچھا کیا تمہارے اور بنوتمیم کے درمیان کچھ ہے؟ میں نے عرض کی ہاں ہماری ان سے لڑائی ہے جس میں ہم فتح یاب ہیں۔میرا گزر بنوتمیم کی ایک بڑھیا کے پاس سے ہوا تو میں اسے اس کے مطالبے پر یہاں لے آیا اب وہ دروازے پر ہے۔آپ ﷺ نے اسے اجازت دی وہ اندر آئی تو میں نے عرض کی اگر آپ (ﷺ) ہمارے اور ان کے مابین آڑ قائم کرنا چاہتے ہیں تو مقام دھناء کو بنا دیجئے۔یہ سن کر وہ بڑھیا جوش میں آ گئی اور عرض کرنے لگی۔یارسول اللہ ﷺ! آپ کے مضر کہاں جائیں گے؟ میں نے کہا میری مثال اس مقولے کی طرح ہے۔"بکری اپنی موت کو ساتھ لائی" میں اسے لایا اور مجھے معلوم نہ تھا کہ یہ میری مدمقابل ہے۔میں اس بات سے اللہ اور اس کے رسول کی پناہ چاہتا ہوں کہ عاد کے وفد کی طرح ہو جاؤں۔آپ نے فرمایا: وضاحت کرو عاد کا یہ وفد کون سا تھا؟ آپ سمجھتے تو تھے لیکن ان کی گفتگو کی حلاوت کی خاطر سوال کیا۔میں نے عرض کی قوم عاد بارش نہ ہونے کی وجہ سے قحط سالی میں مبتلا ہو گئے۔تو انہوں نے "قیل" نامی وفد بھیجا۔اس کا گزر معاویہ بن ابوبکر کے پاس سے ہوا۔اس نے اسے ایک ماہ اپنے پاس ٹھہرایا اور شراب پیش کرتا رہا اور دو لونڈیاں اسے گیت سناتیں۔ایک ماہ گزرنے کے بعد وہ "مہرہ" کے پہاڑوں کی طرف گیا اور کہنے لگا اے اللہ! تو جانتا ہے کہ میں کسی بیمار کی دوائی کے لئے یا قیدی کے فدیہ کے لئے نہیں آیا۔اے اللہ قوم عاد پر پہلے کی طرح بارش برسا۔تو اس کے پاس سے کالے بادل گزرے۔آواز آئی ان میں سے پسند کر لو۔اس نے ایک سیاہ گھٹا کی

طرف اشارہ کیا۔ آواز آئی: "اس ہلاکت کو لے لو۔ ہم قوم عاد میں سے کسی کو نہیں چھوڑیں گے۔" بتایا کہ جو مجھے پتہ چلا ہے کہ ان پر میری انگوٹھی کے برابر ہوا چلی۔ حتیٰ کہ سب ہلاک ہو گئے۔ ابووائل کا کہنا تھا کہ یہ سچ ہے۔ پھر جب کوئی مرد یا عورت کسی کو بھیجتے تو کہتے عاد کے وفد کی طرح نہ ہونا۔ (ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے سورۂ اعراف میں بیان کیا ہے)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضور ﷺ کو کبھی ہنستے ہوئے نہیں دیکھا کہ آپ کے حلق کا کوا نظر آئے بلکہ آپ مسکراتے تھے۔ اور آپ نے فرمایا کہ جب آپ ﷺ بادل یا ہوا کو دیکھتے تو یہ بات آپ کے چہرے پر نظر آتی۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ لوگ بادل کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں کہ اس میں بارش ہوگی اور آپ کو میں دیکھتی ہوں کہ آپ کے چہرے پر ناپسندیدگی کے آثار ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ مجھے کیا پتہ کہ اس میں عذاب ہی ہو۔ ایک قوم پر تیز ہوا کا عذاب آیا۔ ایک قوم نے عذاب دیکھا تو کہنے لگے بارش ہوگی کیونکہ یہ بادل آرہے ہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسری سند سے روایت کیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ سرکار آسمان پر بادل کا ٹکڑا دیکھ کر اپنا کام ترک فرما دیتے۔ اگرچہ نماز میں کیوں نہ ہوتے۔ پھر یہ دعا کہتے: "اے اللہ میں اس کے انجام سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔" اگر اللہ اسے دور فرما دیتا تو اللہ کی حمد و ثنا فرماتے۔ اگر بارش ہوتی تو یوں فرماتے: "اے اللہ اسے نفع بخش بنا۔" امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ہی یہ روایت مختلف الفاظ سے بھی ذکر فرمائی ہے۔ قوم عاد اور ہود کی ہلاکت کا قصہ سورۂ اعراف میں مفصل گزر چکا ہے۔ اس کے اعادے کے یہاں ضرورت نہیں۔ وللہ تعالیٰ الحمد والمنۃ۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قوم عاد پر ہوا نہیں کھولی گئی تھی مگر انگوٹھی کے برابر پھر شہر و دیہات سب پر پھیلا دی گئی۔ اہل شہر اسے دیکھ کر کہنے لگے یہ بادل آ گئے۔ بارش برسائیں گے ہماری وادیاں سرسبز ہو جائیں گی۔ اہل دیہہ کو اہل شہر پر الٹ دیا گیا حتیٰ کہ سب ہلاک ہو گئے۔ ہوا محافظ فرشتوں سے بے قابو ہو گئی یہاں تک کہ وہ کھڑکیوں سے داخل ہو کر دروازوں سے نکل گئی۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّاَبْصَارًا وَّاَفْـِٕدَةً ۖ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَآ اَبْصَارُهُمْ وَلَآ اَفْـِٕدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٢٦﴾ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿٢٧﴾ فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ۭ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿٢٨﴾

"اور ہم نے ان کو وہ قوت و طاقت بخشی تھی جو ہم نے تمہیں نہیں دی اور ہم نے عطا کئے تھے انہیں کان، آنکھیں اور دل۔ لیکن ان کے کسی کام نہ آئے ان کے کان، نہ ان کی آنکھیں اور نہ ان کے دل کیونکہ وہ انکار کیا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا اور احاطہ کر لیا ان کا اس (عذاب) نے جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے۔ اور ہم نے برباد کر دیئے وہ گاؤں جو تمہارے اردگرد (آباد) تھے اور ہم نے مختلف انداز میں اپنی نشانیاں پیش کیں شاید وہ (حق کی طرف) لوٹ آئیں۔ پس کیوں مدد نہ کی ان کی ان معبودوں نے جنہیں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر انہوں نے تقرب کے لئے (اپنے) خدا بنا رکھا تھا۔ بلکہ وہ تو ان سے روپوش

ہو گئے۔ اور یہ محض ان کا ڈھونگ تھا اور بہتان جو وہ باندھتے تھے''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرما رہے ہیں ہم نے سابقہ امتوں کو بھی مال واولاد کے ساتھ دنیا میں تمکنت عطا فرمائی تھی۔ انہیں وہ کچھ عطا فرمایا جو تمہیں نہیں دیا گیا بلکہ اس کے قریب بھی نہیں اور ہم نے انہیں کان، آنکھیں اور دل عطا فرمائے۔

فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ...... كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ انہیں عذاب نے گھیر لیا جسے وہ جھٹلاتے اور بعید از وقوع تصور کرتے تھے۔ یعنی اے مخاطبین! محتاط رہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم بھی ان کی طرح ہو جاؤ تو تمہیں بھی دنیا وآخرت میں ان کا سا عذاب آلے۔

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى یعنی اہل مکہ کے ارد گرد مرسلین کو جھٹلانے والی اقوام جیسے عاد وغیرہ کو اللہ نے ہلاک کر دیا۔ وہ یمن میں حضر موت کے نزدیک احقاف میں رہتے تھے اور ثمود شام اور مکہ کے درمیان تھے۔ سبا اہل یمن اور مدین تھے۔ یہ غزہ کی طرف ان کے راستے میں پڑتا تھا۔ اسی طرح بحیرہ قوم لوط کے قریب سے ان کا گزر ہوتا تھا۔

صَرَّفْنَا: ہم نے واضح کر دیا۔

لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ...... اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً کیا انہوں نے بوقت ضرورت ان کی مدد کی تھی؟

ضَلُّوْا: ذهبوا، چلے گئے۔ إفك: کذب، جھوٹ۔

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿٢٩﴾ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٣٠﴾ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٣١﴾ وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ ۭ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٣٢﴾

''اور جس وقت ہم نے متوجہ کیا آپ کی طرف جنات کی ایک جماعت کو کہ وہ قرآن سنیں۔ تو جب آپ کی خدمت میں پہنچے تو بولے خاموش ہو کر سنو۔ پھر جب تلاوت ہو چکی تو لوٹے اپنی قوم کی طرف ڈر سناتے ہوئے۔ انہوں نے (جا کر) کہا اے ہماری قوم! ہم نے (آج) ایک کتاب سنی ہے جو اتاری گئی ہے موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد تصدیق کرنے والی ہے پہلی کتابوں کی رہنمائی کرتی ہے حق کی طرف اور راہِ راست کی طرف۔ اے ہماری قوم! قبول کر لو اللہ کی طرف بلانے والے کی دعوت کو اور اس پر ایمان لے آؤ بخش دے گا تمہارے لئے تمہارے گناہوں کو اور بچا لے گا تمہیں دردناک عذاب سے۔ اور جو قبول نہیں کرتا اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے کی دعوت کو تو وہ اللہ کو عاجز کرنے والا نہیں زمین میں (کہ اس سے بچ کر بھاگ نکلے) اور نہیں اس کے لئے اللہ کے سوا کوئی مددگار۔ یہ (منکر لوگ) کھلی گمراہی میں ہیں''۔

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ نخلہ کا مقام تھا اور رسول اکرم ﷺ عشاء کی نماز پڑھ رہے تھے۔

كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا سفیان کا قول ہے ألبد بعضهم علی بعض کاللبد بعضه علی بعض۔ یہ روایت احمد کی ہے۔ ابن

جریر عن عکرمہ عن ابن عباس والی روایت میں آئے گا کہ ان جنوں کی تعداد سات تھی۔ امام احمد اور ابوبکر بیہقی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ''دلائل نبوت'' میں بروایت سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: ابھی رسول اللہ ﷺ نے جنوں پر نہ پڑھا اور نہ انہیں دیکھا تھا۔ آپ اپنے صحابہ کرام کے ہمراہ بازار عکاظ کی طرف تشریف لے جا رہے تھے۔ شیاطین کا آسمانوں پر داخلہ بند کر دیا گیا اور انہیں شہاب مارے گئے۔ وہ اپنی قوم کی طرف آئے پوچھا گیا تمہیں کیا ہوا؟ کہنے لگے ہمیں آسمان کی خبریں سننے سے روک دیا گیا اور سنگ باری کی گئی۔ وہ کہنے لگے ضرور اس کی کوئی وجہ ہے؟ مشرق و مغرب میں پھیل جاؤ اور دیکھو کیا وجہ ہے؟ چنانچہ وہ ہر طرف پھیل گئے۔ تہامہ کی طرف جانے والے جنات کی آپ ﷺ سے ملاقات ہوگئی۔ آپ اس وقت نخلہ میں اپنے صحابہ کو نماز فجر پڑھا رہے تھے۔ جب انہوں نے تلاوت سنی تو اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ وہ کہنے لگے یہی سبب ہے اور واپس آ کر اپنی قوم کو خبر دی۔ تو اللہ نے اپنے نبی کو بذریعہ وحی اس بات کی خبر دے دی۔

قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ (الجن: 1) آپ کو ان کی گفتگو بتائی گئی تھی۔

بخاری نے مسدد، مسلم نے عن شیبان بن فروخ عن ابی عوانہ اور ترمذی اور نسائی نے بھی تفسیر میں بروایت ابوعوانہ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت سعید بن جبیر ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جن وحی سنتے تھے ایک کلمے کے ساتھ دس بڑھا دیتے تھے۔ یہ اضافہ باطل و جھوٹ تھا۔ اس سے پہلے جنات کو ستاروں سے نہیں مارا جاتا تھا۔ بعثت نبوی کے بعد ان میں کوئی اپنی جگہ دوبارہ آتا تو اسے شہاب مارا جاتا جسے لگتا اسے جلا دیتا۔ انہوں نے ابلیس سے اس بات کی شکایت کی۔ وہ کہنے لگا ایسا کسی نئی بات کے ظہور پذیر ہونے کی وجہ سے ہوا ہے۔ اس نے اپنے لشکر پھیلا دیئے وہ کیا دیکھتے ہیں کہ آپ ﷺ نخلہ کے پہاڑوں کے مابین نماز ادا فرما رہے ہیں انہوں نے واپس آ کر ابلیس کو بتایا تو وہ کہنے لگا یہی وہ واقعہ ہے۔ ترمذی اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اپنی سنن کی کتاب التفسیر میں یہی حدیث بروایت اسرائیل بھی ذکر کی ہے ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔ ایوب عن سعید بن جبیر عن ابن عباس اور عوفی عن ابن عباس بھی اسی طرح مروی ہے۔ حسن بصری کا قول ہے کہ آپ ﷺ کو ان کی بات کا پتہ وحی سے چلا۔ محمد بن اسحٰق نے محمد بن کعب قرظی سے حضور ﷺ کے طائف تشریف لے جانے کا واقعہ مفصل ذکر فرمایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ وہاں سے واپسی پر آپ ﷺ نے نخلہ میں رات گزاری۔ اسی رات قرآن کریم کی تلاوت فرمائی تو نصیبین کے جنوں نے یہ تلاوت سنی۔ یہ صحیح ہے۔ لیکن جنوں کی اس رات سننے والی بات محل نظر ہے کیونکہ جنوں کی سماعت نزول وحی کے ابتداء میں تھی۔ جس طرح کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما والی روایت میں مذکور ہے۔ اور آپ ﷺ طائف اپنے چچا کے وصال کے بعد تشریف لے گئے اور یہ ہجرت سے ایک یا دو سال پہلے کا واقعہ ہے جیسا کہ ابن اسحٰق وغیرہ نے لکھا ہے واللہ اعلم۔ ابوبکر بن ابی شیبہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ وہ جن آپ ﷺ کے پاس آئے۔ آپ ﷺ اس وقت بطن نخلہ میں قرآن کریم کی تلاوت کر رہے تھے۔ تلاوت سنتے ہی وہ کہنے لگے خاموش ہو جاؤ۔ ان کی تعداد نو تھی۔ ان میں سے ایک زوبعۃ تھے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ روایت اور ابن عباس کی پہلی روایت اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اس دفعہ ان کی آمد کا پتہ نہ چلا۔ وہ آپ کی قراءت سن کر اپنی قوم کے پاس واپس چلے گئے۔ پھر اس کے بعد گروہ در گروہ آتے رہے جیسا کہ اخبار و آثار میں ہے، جن کا تذکرہ ان شاء اللہ اپنے مقام پر آئے گا۔ بخاری و مسلم کی متفقہ روایت میں ہے معن بن عبدالرحمٰن نے اپنے باپ سے سنا۔ انہوں نے فرمایا میں نے مسروق سے پوچھا جس رات جنوں نے تلاوت قرآن کریم سنی تھی آپ ﷺ کو اس

بات کی اطلاع کس نے دی؟ انہوں نے فرمایا مجھے تمہارے باپ یعنی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بتایا ہے کہ آپ ﷺ کو درخت نے خبر دی تھی۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ پہلی دفعہ کا واقعہ ہو۔ اس صورت میں یہ اثبات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی نفی کی خبر پر مقدم ہوگا اور یہ بھی احتمال ہے کہ واقعہ تو پہلی مرتبہ کا ہو لیکن آپ کو ان کے سننے کا پتہ نہ چل سکا تا آنکہ ایک درخت نے آپ کو ان کے بارے میں بتایا۔ واللہ اعلم۔ اور یہ احتمال بھی ہے کہ یہ اس کے بعد کا کوئی اور وقوع ہو۔

حافظ بیہقی نے لکھا ہے کہ ابن عباس کی یہ روایت پہلی مرتبہ کی ہے جب جنوں نے آپ ﷺ کی تلاوت سنی اور انہیں آپ کا پتہ چلا۔ اس وقت آپ ﷺ نے نہ تو انہیں سنایا تھا اور نہ انہیں دیکھا تھا۔ بعد میں جنوں کا داعی آپ ﷺ کے پاس آیا تو آپ نے اسے قرآن سنایا اور انہیں اللہ وحدہ لاشریک کی طرف بلایا جس طرح کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے۔

اس موضوع سے متعلقہ روایات

(۱) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے علقمہ کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا جنوں والی رات آپ میں سے کوئی سرکار دو عالم ﷺ کے ہمراہ تھا؟ تو انہوں نے فرمایا: ہم میں سے کوئی بھی آپ کے ساتھ نہ تھا۔ لیکن ایک رات ہم نے آپ ﷺ کو مکہ میں نہ پایا۔ ہم یہ سمجھے کہ معاذ اللہ آپ کو شہید کر دیا گیا ہے؟ یا جن اٹھا لے گئے ہیں؟ یا کیا بات ہوئی ہے؟ چنانچہ ہم نے بدترین رات گزاری جس قدر کسی قوم نے نہ گزاری۔ صبح (یا فرمایا سحری) کے وقت ہم کیا دیکھتے ہیں کہ آپ ﷺ غار حراء کی طرف سے تشریف لا رہے ہیں۔ ہم نے آگے بڑھ کر اپنی کیفیت عرض کی تو آپ نے فرمایا میرے پاس جنوں کا بلانے والا آیا تھا میں ان کے پاس گیا اور انہیں قرآن سنایا۔ پھر آپ چلے اور ہمیں ان کے اور ان کی آگ کے نشانات دکھلائے۔ شعبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے انہوں نے آپ سے زاد راہ کا سوال کیا۔ عامر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے انہوں نے مکہ میں یہ سوال کیا اور یہ جزیرہ کے جنات تھے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہر وہ ہڈی جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ تمہارے ہاتھ لگے تو یہ گوشت سے بڑھ کر ہے۔ اور گوبر یا لید تمہارے جانوروں کی خوراک ہے۔ فرمایا: ان دونوں چیزوں سے استنجا نہ کرو یہ تمہارے بھائی جنوں کی خوراک ہے۔ (مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں اسی طرح روایت کیا ہے)۔

مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی ہی ایک روایت میں عامر کا قول ہے کہ میں نے علقمہ سے پوچھا کیا لیلۃ الجن میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے؟ آپ نے فرمایا میں نے ابن مسعود سے پوچھا تو آپ نے نفی میں جواب دیا...... الحدیث۔

(۲) ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے آپ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا: ''میں آج رات حجون پر کھڑا جنات کو قرآن سناتا رہا۔''

(۳) ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس رات آپ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ہی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں ایک دفعہ اپنے صحابہ سے فرمایا: تم میں سے جو کوئی جنوں کے پاس آنا چاہتا ہے آج رات آئے۔ تو میرے سوا کوئی نہ آیا۔ چنانچہ ہم بالائی مکہ کی طرف پہنچے تو آپ ﷺ

نے اپنے پاؤں سے میرے گرد خط کھینچ دیا۔ پھر مجھے اس میں بیٹھنے کا حکم دیا۔ پھر ایک طرف ہو کر قرآن کریم کی تلاوت شروع کردی۔ آپ کو بہت سارے سایوں نے گھیر لیا جو میرے اور آپ کے درمیان حائل تھے۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ کی آواز نہیں سن پاتا تھا۔ پھر وہ بادل کے ٹکڑوں کی طرح چھٹنے لگے اور چلے گئے حتیٰ کہ ان میں سے صرف ایک گروہ باقی رہ گیا۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ فجر کے وقت فارغ ہوئے۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل اور اسحٰق بن راہویہ اور حافظ ابونعیم نے بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔

(۴) ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ مجھے اپنے ساتھ لے گئے۔ ہم چلتے چلتے فلاں جگہ پہنچے تو آپ ﷺ نے میرے گرد خط کھینچ دیا اور فرمایا: ''اس سے باہر نہ نکلنا۔ اگر تم باہر نکلے تو مارے جاؤ گے۔''

(۵) ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ ثقفی سے روایت کیا ہے انہوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے عرض کی: مجھے بتایا گیا ہے کہ آپ جنوں کے وفد کی آمد کے وقت آپ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ میں نے پوچھا یہ کس طرح تھا؟ تو انہوں نے ساری روایت سنائی اور یہ بھی بتایا کہ نبی ﷺ نے آپ کے گرد دائرہ کھینچ دیا تھا اور فرمایا تھا کہ اس سے باہر نہ نکلنا۔ فرمایا کہ سیاہ غبار نے رسول اللہ ﷺ کو گھیر لیا تھا۔ چنانچہ مجھ پر تین مرتبہ گھبراہٹ طاری ہوگئی حتیٰ کہ جب صبح ہونے والی تھی تو سرکار ﷺ تشریف لائے۔ فرمایا کیا سو گئے تھے؟ میں نے عرض کی: نہیں بخدا میں نے بار بار لوگوں کو آواز دینے کا ارادہ کیا۔ پھر میں نے سنا کہ آپ ﷺ اپنی چھڑی سے انہیں مار رہے ہیں اور یہ فرما رہے ہیں بیٹھ جاؤ۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر تم باہر نکلتے تو مجھے امن نہیں تھا کہ ان میں سے کوئی تمہیں اٹھا لے جائے۔ پھر فرمایا کیا تم نے کچھ دیکھا؟ میں نے عرض کی ہاں میں نے سفید لباس میں سیاہ مردوں کو دیکھا۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا یہ نصیبین کے جنات تھے۔

(۶) حافظ ابوبکر بیہقی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔...... وہ فرماتے ہیں کہ صبح جا کر میں نے اس جگہ کے نشانات تلاش کیے تو یہ اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ تھی۔

(۷) بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی حدیث ایک دوسری سند سے ذکر کی ہے۔

(۸) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ لیلۃ الجن میں سرکار نے مجھ سے پوچھا کیا تمہارے پاس پانی ہے؟ میں نے عرض کی میرے پاس پانی تو نہیں لوٹے میں نبیذ ہے۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کھجور اچھی ہے اور پانی پاک ہے۔

ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔

(۹) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسری روایت میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے مجھے فرمایا: یہی انڈیلو۔ تو آپ ﷺ نے اس سے وضو فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ یہ مشروب اور پاک ہے۔

دار قطنی نے بھی یہی روایت نقل فرمائی ہے۔

(۱۰) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جنوں والی رات واپسی پر سرکار ﷺ نے زور

کی سانس لی۔ میں نے پوچھا کیا بات ہوئی؟ فرمایا مجھے اپنی موت کی خبر دی گئی؟

(۱۱) حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے یہی روایت دلائل نبوت میں ذرا تفصیل سے بیان فرمائی ہے۔ یہ حدیث بہت غریب ہے اور اس بات کی زیادہ سزاوار ہے کہ محفوظ نہ ہو۔ اس کی صحت کو تسلیم کر بھی لیا جائے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ مدینہ آمد کے بعد کی بات ہے جیسا کہ ہم بیان کریں گے۔ اس وقت مکہ فتح ہو چکا تھا اور جن وانس جوق در جوق اللہ کے دین میں داخل ہو رہے تھے۔ اسی وقت سورہ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ ...... نازل ہوئی۔ یہی وہ سورت ہے جس میں آپ ﷺ کو وصال کی خبر دی گئی جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ذکر فرمایا اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ان کی بات تسلیم کی۔ اس کی تفصیل اس سورت کی تفسیر میں آئے گی۔ واللہ اعلم۔

ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے جو خلیفہ بنانے کا واقعہ ذکر کیا ہے اس کی سند اور متن عجیب وغریب ہے۔

(۱۲) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور سند میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سرکار ﷺ نے نبیذ سے وضو فرمایا۔

(۱۳) ایک مرسل روایت میں ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ان جنات کی تعداد بارہ تھی اور یہ موصل سے آئے تھے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جنوں کے ڈر سے جانا چاہا تو آپ ﷺ کا فرمان یاد آیا۔ سرکار ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر تم چلے جاتے تو قیامت تک ہماری ملاقات نہ ہوتی۔

(۱۴) ایک دوسری مرسل روایت میں قتادہ سے مروی ہے کہ ان جنات کا تعلق نینوا سے تھا۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم رحمہما اللہ تعالیٰ سے یہی مروی ہے۔

ان سب روایات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ قصداً جنوں کے پاس تشریف لے گئے تھے۔ انہیں قرآن سنایا، توحید کی طرف بلایا اور شرعی احکام سمجھائے۔ یہ احتمال ہے کہ انہوں نے جب پہلی مرتبہ قرآن کی تلاوت سنی تو آپ ﷺ کو پتہ نہ چلا ہو۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ پھر وہ بعد میں وفد لے کر آپ ﷺ کے پاس آئے ہوں جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے اور جنوں کو تبلیغ کے وقت آپ ﷺ تنہا تھے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ دور تھے اور آپ ﷺ کے سوا کوئی دوسرا نبی کریم ﷺ کے ساتھ نہ تھا۔ یہ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ پہلی مرتبہ آپ ﷺ اکیلے ہوں اور کوئی بھی آپ کے ساتھ نہ ہو جیسا کہ پہلی روایت کے الفاظ ہیں۔ جیسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے اور مسلم میں بھی ہے۔ پھر کسی دوسری رات حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بھی ساتھ ہوں۔ جیسا کہ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ نخلہ کے مقام پر آنے والے جن نینوا کے تھے اور وہ جنات جو مکہ میں ملے نصیبین کے تھے۔ حافظ ابوبکر بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ ابوہریرہ آپ کے پیچھے لوٹا لے کر چلتے تھے۔ تو آپ ﷺ نے انہیں استنجاء کے لئے پتھر لانے کا حکم دیا اور ہڈی اور گوبر سے منع کیا۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح میں اس کے قریب روایت ذکر کی ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت عکرمہ ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ وہ جنات نصیبین سے تھے اور ان کی تعداد سات تھی۔ رسول ﷺ نے انہیں اپنی قوم کی طرف مبلغ بنا کر بھیجا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انہوں نے دو واقعے روایت کئے ہیں۔

ابن ابی حاتم نے مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ یہ سات تھے تین اہل حران سے اور چار اہل نصیبین سے۔ ان کے اسماء حي، حسّي، مسّي، شاصر و ناصر، أرد، إيیان اور احقم تھے۔ ابوحمزہ ثمالی نے لکھا ہے کہ جنوں کے اس قبیلے کو بنوشیصبان کہتے تھے یہ تعداد میں زیادہ، نسب میں اعلیٰ اور ابلیس کے عمومی لشکر میں تھے۔ بروایت حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سفیان ثوری کا قول ہے کہ ان کی تعداد نو تھی۔ ان میں سے ایک زوبعۃ تھا۔ یہ نخلہ سے آئے تھے۔

ان سے ہی اوپر بیان ہو چکا ہے کہ ان کی تعداد پندرہ ہے۔ وہ ساٹھ سواریوں پر تھے اور ان کے سردار کا نام وردان تھا۔ ایک قول کے مطابق یہ تین سو تھے۔ عکرمہ کا قول مذکور ہو چکا ہے کہ وہ بارہ ہزار تھے۔ روایات کا یہ اختلاف اس بات کی دلیل ہے کہ یہ واقعہ ایک سے زیادہ مرتبہ کا ہے۔ صحیح بخاری کی روایت سے بھی یہی پتہ چلتا ہے۔ جنوں کی آمد کے بارے میں ایک اور حدیث ابونعیم نے ابراہیم سے بیان کی ہے کہ اصحاب عبداللہ میں سے کچھ لوگ حج کے لئے نکلے۔ راستے میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک سانپ تڑپ رہا ہے اور اس سے کستوری کی خوشبو آ رہی ہے۔ میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا تم آگے چلو میں یہیں رہوں گا حتیٰ کہ اس سانپ کا انجام دیکھوں۔ کیا دیکھتا ہوں کہ تھوڑی دیر کے بعد وہ سانپ مر گیا۔ میں نے اسے ایک سفید کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا اور شام کو اپنے ساتھیوں سے جا ملا۔ فرماتے ہیں ہم بیٹھے تھے کہ مغرب سے چار عورتیں آئیں۔ ایک نے پوچھا تم میں سے کس نے عمرو کو دفن کیا تھا؟ ہم نے پوچھا عمرو کون؟ وہ کہنے لگی کس نے سانپ کو دفن کیا تھا؟ وہ کہنے لگی بخدا تو نے عبادت گزار روزہ دار کو دفن کیا جو اللہ اور تمہارے نبی پر ایمان لایا اور آپ کی بعثت سے چار سو سال قبل آپ کے بارے میں آسمان سے سنا تھا۔ آدمی نے کہا ہم نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ حج کے بعد میں مدینہ میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرا آپ کو سانپ کا واقعہ سنایا۔ تو آپ نے فرمایا تو نے سچ کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا: ”وہ چار سو سال قبل از بعثت مجھ پر ایمان لایا۔“ یہ بہت غریب ہے۔ واللہ اعلم۔ ابونعیم نے اس طرح کی دیگر روایات بھی ذکر کی ہیں۔

نَفَرًا: جنوں کا طائفہ۔ أنصتوا: غور سے سنو۔ ازراہ ادب یہ کہا۔ قُضِيَ: فَرَغَ: فارغ ہوا۔

بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سورۂ رحمٰن کی تلاوت کی اور اسے ختم کر کے فرمایا میں تمہیں خاموش کیوں دیکھ رہا ہوں۔ تم سے بہتر تو جنات جواب دیتے تھے۔ میں نے جب بھی یہ آیت فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ تلاوت کی تو انہوں نے کہا ہم تیری نعمتوں میں سے کسی چیز کو نہیں جھٹلاتے، تیرے لئے حمد و ثناء ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں بھی اسے روایت کیا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔

فَلَمَّا قُضِيَ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ (جمعہ:10) ”پھر جب پوری ہو چکے نماز“۔ فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ (فصلت:12) ”پس بنا دیا انہیں سات آسمان دو دنوں میں“۔ فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ (بقرہ:200) ”پھر جب تم پورے کر چکو حج کے ارکان“۔

وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ اپنی قوم کو واپس جا کر ڈراتے رہے۔ جیسے ارشاد باری ہے: لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ (توبہ:122) ”تاکہ تفقہ حاصل کر سکیں دین میں اور ڈرائیں اپنی قوم کو جب لوٹ کر آئیں ان کی طرف تاکہ وہ (نافرمانیوں) سے بچیں“۔

اس آیت سے استدلال کیا گیا ہے کہ جنات میں نذیر (ڈرانے والے) تو ہیں رسول نہیں۔ بلاشبہ اللہ نے جنوں میں کوئی رسول

نہیں بھیجا جیسے ارشاد ہوتا ہے: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى (یوسف:109) "اور ہم نے (رسول بنا کر) نہیں بھیجے آپ سے پہلے مگر مرد جن کی طرف ہم نے وحی بھیجی بستی والوں سے"۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ (فرقان:20) "اور نہیں بھیجے ہم نے آپ سے پہلے رسول مگر وہ سب کھانا کھایا کرتے اور چلا پھرا کرتے بازاروں میں"۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ (العنکبوت:27) "اور ہم نے رکھ دی ان کی اولاد میں نبوت اور کتاب"۔ اس کے بعد جو نبی بھی آیا وہ آپ کی ذریت اور نسل سے تھا۔ جہاں تک سورۂ انعام کی آیت کا تعلق ہے: يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ (انعام:130) "اے گروہ جنوں اور انسانوں کے! کیا نہیں آئے تمہارے پاس رسول تم ہی میں سے" اس میں دونوں جنسوں کے مجموعے سے مراد ایک ہے اور وہ انسان ہیں جیسے ارشاد ہوتا ہے: يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ (الرحمٰن:22) "نکلتے ہیں ان سے موتی اور مرجان"۔ یعنی ان دونوں میں سے ایک۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جنوں کے اپنی قوم کو ڈرانے کی وضاحت یوں فرمائی: قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى (الاحقاف:30) "انہوں نے (جاکر) کہا اے میری قوم! ہم نے (آج) ایک کتاب سنی ہے جو اتاری گئی موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد"۔ اور حضرت عیسیٰ السلام کا ذکر نہیں فرمایا کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل نازل ہوئی۔ اس میں وعظ و نصیحت اور کچھ تھوڑا سا حلال و حرام کا بیان تھا۔ فی الحقیقت یہ شریعت تورات کا تکملہ تھا۔ اصل بنیاد تورات ہے۔ اسی لئے فرمایا: اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى اسی طرح ورقہ بن نوفل نے کہا تھا جب نبی کریم ﷺ نے انہیں جبریل کی آمد کی پہلی مرتبہ خبر دی: بہت خوب یہ تو وہی ناموس ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر آتا تھا اے کاش کہ میں اس وقت جوان ہوتا(1)۔

قولہ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ یعنی سابقہ انبیاء پر نازل کردہ کتب سے۔

يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ یعنی اعتقاد اور اخبار میں۔

اِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ یعنی اعمال میں۔

قرآن دو چیزوں پر مشتمل ہے: خَبَر اور طَلَب، اس کی خبر صدق اور طلب عدل ہے۔ جیسے ارشاد فرمایا: وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا (انعام:115) "اور مکمل ہو گئی آپ کے رب کی بات سچائی اور عدل سے"۔ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ (الصف:9) "وہی تو ہے جس نے بھیجا ہے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ"۔ ہدایت سے مراد علم نافع ہے اور دین حق سے مراد عمل صالح۔ اسی طرح جنوں نے کہا کہ حق یعنی اعتقادات میں اور طریق مستقیم یعنی عملیات میں۔

يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو ثقلین یعنی جن وانس کی طرف مبعوث فرمایا تھا۔ چنانچہ آپ نے انہیں توحید کی طرف بلایا اور یہ سورۃ (جس میں فریقین کو خطاب و تکلیف اور وعد و وعید کا بیان ہے) اور سورۂ رحمٰن سنائی۔

يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ کہا گیا ہے من یہاں زائدہ ہے اور اس میں نظر ہے کیونکہ کلام مثبت میں یہ بہت کم زائد ہوتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اپنے باب میں تبعیض کے لئے ہے۔

1۔ متفق علیہ، فتح الباری، کتاب بدء الوحی، جلد 1 صفحہ 22، مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 142

یُجِرْکُمْ: تمہیں بچائے گا۔

یُجِرْکُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ اس آیت سے بعض علماء نے استدلال کیا ہے کہ مؤمن جن جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔ ان کے صالحین کی یہی جزاء ہے کہ وہ روزِ قیامت عذاب جہنم سے بچ جائیں گے۔ اسی لئے انہوں نے اس مقام پر یہ کہا اور یہ فخر ومباہات اور مبالغے کا مقام ہے۔ اگر اس سے بڑھ کر ان کے لئے کوئی انعام ہوتا تو وہ ضرور اسے ذکر کرتے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ مؤمن جنات جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔ کیونکہ وہ ذریت ابلیس ہیں۔ اور ابلیس کی اولاد جنت نہیں جائے گی۔

درحقیقت ان کے مؤمن، مؤمن انسانوں کی طرح جنت میں جائیں گے۔ جیسا کہ سلف کے ایک گروہ کی رائے ہے۔ بعض نے اس کی تائید میں یہ آیت بھی نقل کی ہے: لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ (الرحمٰن:56) ''جن کو نہ کسی انسان نے چھوا ہوگا اور نہ کسی جن نے''۔

یہ استدلال محل نظر ہے اور اس سے بہتر یہ آیت ہے: وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ (الرحمٰن:47-46) ''اور جو ڈرتا ہے اپنے رب کے روبرو کھڑا ہونے سے تو اس کو دو باغ ملیں گے پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے''۔

ثقلین: (جن وانس) پر احسان فرماتے ہوئے ان کے نیکوکاروں کو جنت دی اور جنات نے انسانوں سے بڑھ کر اس پر شکر ادا کیا۔ اللہ تعالیٰ وہ احسان نہیں جتلا سکتے جو ان پر کیا نہیں گیا۔ اسی طرح جب ان میں سے کفار کی سزا جہنم ہے اور یہ مقام عدل ہے تو بدرجہ اولی مومنین کی جزا جنت ہوگی اور یہ مقام فضل ہے۔ اس کی تائید اس آیت کے عموم سے بھی ہوتی ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا (الکھف:107) ''یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل (بھی) کرتے رہے تو فردوس کے باغات ان کی رہائش گاہ ہوں گے''۔ وغیرہ دیگر آیات۔ میں نے یہ مسئلہ ایک الگ جزء میں بیان کیا ہے۔ کیا اس میں ایمان لانے والے اور نیکوکار داخل نہیں ہوں گے؟ اور یہاں پر گناہوں کے کفارہ اور عذاب الیم سے پناہ کی جو بات ذکر کی گئی ہے، وہ بھی دخول جنت کو مستلزم ہے۔ کیونکہ آخرت میں جنت اور دوزخ کے سوا کچھ نہیں۔ جو دوزخ سے بچ گیا لامحالہ طور پر جنت میں داخل ہوگا۔ ہمارے سامنے کوئی واضح نص نہیں کہ مومن جنات جنت میں نہیں جائیں گے خواہ آگ کے عذاب سے بچ بھی جائیں۔ اگر کوئی صحیح روایت ہوتی تو ہم اسے ذکر کرتے واللہ اعلم۔

یہ حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کو ارشاد فرما رہے ہیں: یَغْفِرْ لَکُمْ مِّنْ ذُنُوْبِکُمْ وَیُؤَخِّرْکُمْ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی (نوح:4) ''وہ بخش دے گا تمہارے لئے تمہارے گناہ اور مہلت دے گا تمہیں ایک مقررہ میعاد تک''۔ بلا اختلاف آپ کی قوم کے مومن جنت میں ہوں گے۔ اسی طرح یہ جنات بھی ان کے بارے میں عجیب وغریب اقوال مروی ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ جنت کی وسعتوں میں نہیں ہوں گے بلکہ اطراف میں ہوں گے۔ ایک روایت میں ہے کہ جنت میں بنو آدم انہیں دیکھ سکیں گے لیکن وہ بنو آدم کو نہیں دیکھ پائیں گے۔ ایک رائے کے مطابق وہ جنت میں کچھ نہیں کھائیں پئیں گے بلکہ ملائکہ کی طرح تسبیح وتحمید اور تقدیس کے ترانے گائیں گے۔ ان تمام اقوال کی صحت کی کوئی دلیل نہیں۔

قولہ وَمَنْ لَّا یُجِبْ دَاعِیَ اللّٰهِ اللہ کی قدرت اس کے شامل حال اور گھیراؤ الے ہوئے ہے۔

لَیْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءُ اُولٰٓئِکَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ یہ مقام تہدید وترہیب ہے۔ اسی لئے ان میں سے کثیر نے نصیحت حاصل کی اور وفود لے کر آپ ﷺ کے پاس آئے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ؕ بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۳﴾ وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ؕ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۴﴾ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ؕ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ؕ بَلٰغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۳۵﴾

''کیا انہوں نے نہ جانا کہ وہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور ذرا تھکن محسوس نہ کی ان کے بنانے میں وہ ضرور اس پر قادر ہے کہ مردوں کو زندہ کردے۔ بلکہ وہ تو ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ اور جس روز کفار آگ کے سامنے لائے جائیں گے (ان سے کہا جائے گا) کیا یہ حق نہیں؟ کہیں گے ہمارے رب کی قسم یہ حق ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اچھا اب چکھو عذاب کا مزہ اس کفر کے باعث جو تم کیا کرتے تھے۔ پس (اے محبوب!) آپ صبر کیجئے جس طرح اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا تھا اور ان کے لئے (بددعا کرنے میں) جلدی نہ کیجئے۔ جس روز وہ اس عذاب کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے تو خیال کریں گے کہ وہ نہیں ٹھہرے تھے دنیا میں مگر دن کی فقط ایک گھڑی۔ یہ پیغام حق ہے۔ پس کیا نافرمانوں کے علاوہ بھی کسی کو ہلاک کیا جائے گا''۔

اَوَلَمْ يَرَوْا ارشاد ہوتا ہے ان منکرین قیامت نے اس بات میں کبھی غور نہیں کیا کہ زمین و آسمان کی تخلیق اس کے لئے باعث تھکن نہیں۔ بلکہ ''کونی'' کہہ کر انہیں بنا دیا۔ کیا وہ مردے زندہ کرنے پر قادر نہیں؟ جیسے ایک اور آیت میں ارشاد فرمایا: لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (غافر:57) ''بیشک پیدا کرنا آسمانوں اور زمین کا بہت بڑا کام ہے لوگوں کے پیدا کرنے سے لیکن بہت سے لوگ (اس کھلی حقیقت کو) نہیں جانتے''۔ اسی لئے فرمایا وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

پھر کفار کو از راہ وعید یہ فرمایا وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ؕ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ یعنی انہیں کہا جائے گا کیا یہ حق نہیں؟ کیا یہ جادو ہے؟ کیا تم نہیں دیکھتے۔

قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا انہیں اعتراف کے بغیر کوئی چارۂ کار نہ ہوگا۔

پھر اپنے رسول کو صبر کی تلقین کی اور فرمایا فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ اولوالعزم کی تعداد میں اختلاف ہے۔ اور مشہور یہ ہے کہ وہ نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ اور خاتم الانبیاء محمد ﷺ ہیں۔ سورۂ احزاب اور شوریٰ میں ان کے اسماء کی تصریح کر دی ہے مع دیگر انبیاء(1)۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد تمام انبیاء ہوں۔ اور ''من'' بیان جنس کے لئے ہے۔

ابن ابی حاتم نے مسروق رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے مجھے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا سرکار ﷺ روزے رکھتے رہے پھر فاقہ کرتے رہے۔ پھر روزے رکھتے اور فاقہ کرتے رہے پھر روزے رکھتے اور فرمایا: اے عائشہ! محمد اور آل محمد کو دنیا نہیں چاہئے۔ اے عائشہ! اللہ اولوالعزم رسولوں سے راضی نہیں ہوا مگر تکلیف پر صبر کرنے اور پسندیدہ چیز کو چھوڑنے پر۔ پھر مجھ سے راضی نہیں ہوا مگر یہ کہ مجھے

1۔ دیکھئے احزاب:7، شوریٰ آیت:13

اسی چیز کا مکلف بنائے جس کا انہیں مکلف بنایا تھا اور فرمایا فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ...... اور میں بخدا حسب استطاعت ضرور صبر کروں گا جیسے وہ صبر کرتے رہے اور قوت نہیں ہے مگر اللہ ہی کی طرف سے(1)۔

وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ان پر نزول عذاب کی جلدی نہ طلب کیجئے۔ جیسے ارشاد فرمایا: وَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ أُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيلًا (مزمل:11) " آپ چھوڑ دیں مجھے اور ان جھٹلانے والے مال داروں کو اور انہیں تھوڑی سی مہلت دیں"۔ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا (طارق:17) "پس آپ کفار کو (تھوڑی سی) مہلت اور دے دیجئے کچھ وقت انہیں کچھ نہ کہئے"۔

كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ لَمْ يَلْبَثُوْۤا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ جیسے فرمایا: كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْۤا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا (نازعات:46) "گویا وہ جس روز اس کو دیکھیں گے (انہیں یوں محسوس ہوگا) کہ وہ (دنیا میں) نہیں ٹھہرے تھے مگر ایک شام یا ایک صبح"۔ اور فرمایا: وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْۤا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ (یونس:45) "اور جس روز اللہ تعالیٰ جمع کرے گا انہیں (وہ خیال کریں گے) گویا وہ (دنیا میں) نہیں ٹھہرے مگر ایک گھڑی دن کی پہچانیں گے ایک دوسرے کو (تب حقیقت کھلے گی کہ) گھاٹے میں رہے وہ لوگ جنہوں نے جھٹلایا اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو اور وہ ہدایت یافتہ نہیں تھے"۔

قولہ بَلٰغٌ: ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس کے دو معنی ہیں ایک صورت میں عبارت یوں ہے۔

وذلك لُبثٌ بلاغ اور دوسری صورت میں عبارت یوں ہوگی۔ هذا القرآن بلاغ(2)۔

فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ کوئی ہلاک نہیں ہوتا مگر جس کی ہلاکت واجب ہو چکی ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ کا عدل ہے کہ وہ عذاب نہیں دیتا مگر اسے جو عذاب کا حق دار ہے۔

سورۃ الاحقاف کی تفسیر ختم ہوئی۔

وللہ الحمد والمنّة

1۔ در منثور، جلد 7 صفحہ 454 2۔ طبری، جلد 26 صفحہ 38

سورۂ محمد

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

اَلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ صَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اَضَلَّ اَعۡمَالَہُمۡ ﴿۱﴾ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اٰمَنُوۡا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ ہُوَ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّہِمۡ ۙ کَفَّرَ عَنۡہُمۡ سَیِّاٰتِہِمۡ وَ اَصۡلَحَ بَالَہُمۡ ﴿۲﴾ ذٰلِکَ بِاَنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوا اتَّبَعُوا الۡبَاطِلَ وَ اَنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الۡحَقَّ مِنۡ رَّبِّہِمۡ ؕ کَذٰلِکَ یَضۡرِبُ اللّٰہُ لِلنَّاسِ اَمۡثَالَہُمۡ ﴿۳﴾

”جنہوں نے (خود بھی) حق کا انکار کیا اور (دوسروں کو بھی) اللہ کی راہ سے روکتے رہے، اللہ نے ان کے عملوں کو برباد کر دیا۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور ایمان لے آئے جو اتارا گیا (رسولِ معظم) محمد پر اور وہی حق ہے ان کے رب کی طرف سے۔ اللہ تعالیٰ نے دور کر دیں ان سے ان کی برائیاں اور سنوار دیا ان کے حالات کو۔ (یوں) اس لئے کہ جنہوں نے کفر کیا وہ باطل کی پیروی کرتے تھے اور جو ایمان لائے تھے وہ حق کی پیروی کرتے تھے جو ان کے رب کی طرف سے تھا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بیان کرتا ہے لوگوں کے لئے ان کے حالات“۔

فرمایا اَلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا اللہ کی آیات کا انکار کیا اور دوسروں کو روکتے رہے۔

اَضَلَّ ختم فرما دے گا اور اس پر کوئی ثواب اور جزاء نہیں ہوگی۔ جیسے فرمایا: وَ قَدِمۡنَاۤ اِلٰی مَا عَمِلُوۡا مِنۡ عَمَلٍ فَجَعَلۡنٰہُ ہَبَآءً مَّنۡثُوۡرًا (الفرقان: 23) ”اور ہم متوجہ ہوں گے ان کے کاموں کی طرف اور انہیں گرد و غبار بنا کر اڑا دیں گے“۔

پھر فرمایا: وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جو لوگ صمیم قلب و جان سے ایمان لائے۔ وَ اٰمَنُوۡا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ خاص کا عطف عام پر ہو رہا ہے۔ آپ کی بعثت کے بعد آپ پر ایمان لانا صحت ایمان کے لئے شرط ہے۔

ہُوَ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّہِمۡ یہ جملہ معترضہ ہے۔

کَفَّرَ عَنۡہُمۡ سَیِّاٰتِہِمۡ وَ اَصۡلَحَ بَالَہُمۡ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے: أمرھم۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: شأنھم قتادہ اور ابن زید رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے: حالھم یہ سب اقوال قریب المعنی ہیں۔

چھینک کے جواب کے بارے میں حدیث میں آیا ہے: یھدیکم اللہ و یصلح بالکم(1)۔

قولہ تعالیٰ: ذٰلِکَ بِاَنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوا اتَّبَعُوا الۡبَاطِلَ یعنی ہم نے کفار کے اعمال کو باطل کر دیا نیکوں کی برائیوں سے تجاوز کیا۔ ان کے احوال کی اصلاح کی۔ اتبعوا: اختیار کیا۔

1۔ سنن ابی داؤد، جلد 4 صفحہ 308-307، عارضۃ الاحوذی، جلد 10 صفحہ 199-198، ابن ماجہ، جلد 2 صفحہ 1224

يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ان کا انجام انہیں بتاتا ہے۔

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۚۛ ذٰلِكَ ۛؕ وَ لَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَ لٰكِنْ لِّيَبْلُوَاۡ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ؕ وَ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝۴ سَيَهْدِيْهِمْ وَ يُصْلِحُ بَالَهُمْ ۝۵ وَ يُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ۝۶ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَ يُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝۷ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝۸ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ۝۹

"پھر جب (میدانِ جنگ میں) تمہارا کفار سے آمنا سامنا ہو تو ان کی گردنیں اڑا دو۔ یہاں تک کہ جب انہیں خوب قتل کر لو تو پھر کس کر باندھو رسیاں۔ بعد ازاں یا تو احسان کر کے ان کو رہا کر دو یا ان سے فدیہ لو یہاں تک کہ جنگ اپنے ہتھیار ڈال دے۔ یہی حکم ہے اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو خود ہی ان سے بدلہ لے لیتا، لیکن وہ آزمانا چاہتا ہے تمہیں بعض کو بعض سے۔ اور جو مار ڈالے گئے اللہ کی راہ میں پس اللہ ان کے اعمال ضائع نہیں ہونے دے گا وہ پہنچا دے گا انہیں بلند مدارج پر اور سنوار دے گا ان کے حالات کو۔ اور داخل کرے گا انہیں بہشت میں جس کی پہچان اس نے انہیں کرا دی تھی۔ اے ایمان والو! اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد فرمائے گا اور (میدانِ جہاد میں) تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔ اور جنہوں نے (حق کا) انکار کیا، خدا کرے وہ منہ کے بل اوندھے گریں اور اللہ ان کے اعمال کو برباد کر دے۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے ناپسند کیا جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تھا پس اس نے ضائع کر دیئے ان کے اعمال"۔

فَشُدُّوا یعنی قیدیوں کو جنہیں تم گرفتار کرتے ہو۔ پھر جنگ کے خاتمے کے بعد تمہیں اختیار ہے اگر چاہو تو بطور احسان انہیں آزاد کر دو، اگر چاہو تو فدیہ لے لو۔ یہ ظاہر ہے کہ یہ آیت غزوۂ بدر کے بعد نازل ہوئی۔ اللہ نے مؤمنین پر اس روز عتاب فرمایا تھا: مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖۗ وَ اللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۶۷ لَوْ لَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَاۤ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (انفال: 68-67) "نہیں مناسب نبی کے لئے کہ ہوں اس کے پاس جنگی قیدی یہاں تک کہ غلبہ حاصل کر لے زمین میں۔ تم چاہتے ہو دنیا کا سامان اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے (تمہارے لئے) آخرت اور اللہ تعالیٰ بڑا غالب (اور) دانا ہے اگر نہ ہوتا حکم الٰہی پہلے سے (کہ خطاء اجتہادی معاف ہے) تو ضرور پہنچتی تمہیں بوجہ اس کے جو تم نے لیا ہے بڑی سزا"۔ بعض علماء نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ آیت جس میں فدیہ لینے کا اختیار تھا اس آیت سے منسوخ ہے: فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ (التوبہ: 5) "پھر جب گزر جائیں حرمت والے مہینے تو قتل کرو مشرکین کو جہاں بھی تم پاؤ انہیں"۔ عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی روایت کیا ہے (1)۔ قتادہ، ضحاک، سدی اور ابن جریج رحمہم اللہ تعالیٰ کی یہی رائے ہے۔

اکثر علماء کی رائے ہے کہ یہ منسوخ نہیں۔ پھر بعض کی رائے یہ ہے کہ امام کو فدیہ لینے یا بغیر تاوان آزاد کرنے کا اختیار ہے۔ اس کے

1۔ طبری، جلد 26 صفحہ 41

لئے قتل کرنا جائز نہیں۔ دیگر علماء کی رائے میں اسے قتل کرنے کا بھی اختیار ہے۔ جیسے حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے غزوۂ بدر کے قیدیوں میں سے نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط کو قتل کروا دیا(1)۔ یہ مسئلہ علم فروع میں مفصل مذکور ہے۔ ہم نے الاحکام میں اس کی وضاحت کی ہے۔

قولہ حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا نزول ہو۔ شاید انہوں نے اس حدیث سے یہ مفہوم مستنبط کیا ہے: لا تزال طائفة من أمتي ظاهرين على الحق حتى يقاتل آخرهم الدجال(2)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے جبیر بن نفیل سے روایت کیا ہے کہ سلمہ بن نفیل نے انہیں خبر دی ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور عرض کی میں نے گھوڑے چھوڑ دیئے اور اسلحہ رکھ دیا اور لڑائی ختم ہوگئی۔ میں نے کہا اب لڑائی نہیں ہوگی تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اب لڑائی کا وقت آ گیا ہے۔ میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر رہے گا یہاں تک کہ کچھ لوگ ان سے لڑائی کریں گے۔ اللہ انہیں نصرت عطا فرمائے گا۔ حتیٰ کہ اللہ کا امر آ پہنچے اور وہ اسی حال میں ہوں مگر مؤمنین کا مرکز شام ہے اور قیامت تک گھوڑوں کی پیشانیوں میں بھلائی لکھ دی گئی ہے۔ نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی دو سندوں سے اسی طرح روایت کیا ہے(3)۔ ابو القاسم بغوی اور حافظ ابو یعلی موصلی نے بھی یہی روایت بیان کی ہے۔ قتادہ نے اس سے مراد شرک لیا ہے۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ (بقرہ:193) ''اور لڑتے رہو ان سے یہاں تک کہ نہ رہے فتنہ (وفساد) اور ہو جائے دین صرف اللہ کے لئے''۔ بعض نے کہا: اوزار المحاربین مراد لیا ہے اور وہ مشرکین ہیں۔ یعنی وہ توبہ کرلیں اور راہ راست پر آ جائیں۔

قولہ: لَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ یعنی اگر اللہ چاہے تو کفار کو عذاب دے لیکن اس نے تمہاری آزمائش کے لئے جہاد کا حکم دیا ہے۔ جس طرح کہ جہاد کی حکمت سورت آل عمران اور سورۂ براءت میں بیان ہوئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ (آل عمران:142) ''کیا تم گمان رکھتے ہو کہ (یونہی) داخل ہو جاؤ گے جنت میں حالانکہ ابھی دیکھا ہی نہیں اللہ نے ان لوگوں کو جنہوں نے جہاد کیا تم سے اور دیکھا ہی نہیں (آزمائش میں) صبر کرنے والوں کو''۔ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (التوبہ:15-14) ''جنگ کرو ان سے عذاب دے گا انہیں اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں سے اور رسوا کرے گا انہیں اور مدد کرے گا تمہاری ان کے مقابلے میں اور (یوں) صحت مند کر دے گا اس جماعت کے سینوں کو جو اہل ایمان ہے اور (یوں) دور فرما دے گا غصہ ان کے دلوں کا اور اپنی رحمت سے توجہ فرماتا ہے اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بڑا دانا ہے''۔ لڑائی کے نتیجے میں چونکہ بہت سے مؤمنین قتل ہو جاتے ہیں۔ اس لئے فرمایا اللہ ان کے اعمال کو ضائع نہیں کرے گا بلکہ بڑھا کر دگنا کر دے گا۔ بعض لوگوں کا عمل برزخ میں بھی جاری رہے گا۔ جیسے کہ مسند احمد کی حدیث میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: شہید کو چھ خصلتیں دی جاتی ہیں: (۱) خون کا پہلا قطرہ گرتے ہی اس کے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ (۲) وہ جنت میں اپنا ٹھکانہ دیکھ لیتا ہے۔ (۳) حور عین سے اس کی شادی ہوتی ہے۔ (۴) وہ طویل گھبراہٹ سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ (۵) عذاب قبر سے نجات ملتی ہے۔ (۶) اسے ایمان

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 638　2۔ ابوداؤد کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 4

3۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 102، سنن نسائی، کتاب الخیل، جلد 6 صفحہ 215-214

کا حلہ پہنایا جاتا ہے(1)۔ امام احمد، ترمذی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے ایک اور سند سے بھی یہی روایت کچھ اضافے سے بیان کی ہے(2)۔ اس میں ہے کہ اس کے سر پر تاج رکھا جاتا ہے جس کا ایک یاقوت دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ ستر حوروں سے اس کا نکاح ہوتا ہے اور وہ اپنے اقارب میں سے ستر کی سفارش کر سکتا ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ قرض کے علاوہ شہید کا ہر گناہ معاف ہو جاتا ہے(3)۔ ابو درداء سے مروی ہے کہ شہید ستر اہل خانہ کی سفارش کرتا ہے(4)۔ ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے۔ شہید کے فضائل میں بے شمار احادیث ہیں۔

یُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ گھروں والے اپنے گھر اس طرح پہچان لیں گے گویا وہ ہمیشہ سے یہاں رہ رہے ہیں۔(5) مالک نے ابن زید بن اسلم سے یہی روایت کیا ہے۔ محمد بن کعب کا قول ہے کہ وہ اپنے مکانات یوں پہچانیں گے جیسے تم جمعہ کی نماز کے بعد اپنے گھروں کو ہی لوٹتے ہو۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ وہ فرشتہ جو دنیا میں اس کے اعمال کی حفاظت پر مامور تھا اس کے سامنے چلے گا اور بندہ اس کے پیچھے ہوگا حتیٰ کہ وہ اس کے گھر کی ہر چیز کے بارے میں اسے بتائے گا۔ گھر کے آخر میں جا کر وہ اپنے اہل خانہ کے پاس چلا جائے گا تو فرشتہ واپس آجائے گا(6)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک صحیح حدیث میں قتادہ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: آگ سے خلاصی کے بعد مؤمنین جنت اور دوزخ کے درمیان ایک پل پر روک لئے جائیں گے اور دنیا کے مظالم کا ایک دوسرے سے قصاص لے کر پاک صاف جنت میں داخل ہوں گے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! ان میں سے کوئی جنت میں اپنے گھر کو دنیا والے اپنے گھر سے بھی زیادہ پہچان لے گا۔

قولہ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْكُمْ وَ یُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ (الحج: 40) ''اور اللہ تعالیٰ ضرور مدد فرمائے گا اس کی جو اس (کے دین) کی مدد کرے گا''۔ جزاء بلاشبہ عمل کی جنس سے ہوگی۔

وَ یُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ جس طرح کہ حدیث میں ہے جس نے بادشاہ تک ایسے آدمی کی حاجت پہنچائی جو اسے پہنچا نہیں سکتا تھا تو قیامت کے دن اللہ اسے پل صراط پر ثابت قدم رکھے گا۔

فَتَعْسًا لَّهُمْ مؤمنین کے برعکس ان کے ساتھ مختلف سلوک ہوگا۔ حدیث شریف میں ہے: ''مال و دولت کا بندہ ہلاک ہوگیا...... الخ''
(یہ حدیث سورۂ آل عمران کی آیت نمبر 200 کے تحت گزر چکی ہے۔)

اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ ۫ وَ لِلْكٰفِرِیْنَ اَمْثَالُهَا ۝۱۰ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ اَنَّ الْكٰفِرِیْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ۝۱۱ اِنَّ اللّٰهَ یُدْخِلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یَتَمَتَّعُوْنَ وَ یَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَ النَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۝۱۲ وَ

1۔ احمد، جلد 4 صفحہ 200
2۔ احمد، جلد 4 صفحہ 131، عارضۃ الاحوذی، ابواب فضائل الجہاد، جلد 7 صفحہ 161، ابن ماجہ، کتاب الجہاد، جلد 2 صفحہ 936-935
3۔ مسلم، کتاب الامارۃ، جلد 3 صفحہ 1502
4۔ ابوداؤد، سنن، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 15
5۔ طبری، جلد 26 صفحہ 44
6۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 462

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ﴿۱۳﴾

’’تو کیا انہوں نے سیر وسیاحت نہیں کی زمین میں تا کہ وہ خود دیکھ لیتے کہ کیسا انجام ہوا ان (منکروں) کا جو ان سے پہلے گزرے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر تباہی نازل کردی اور کفار کے لئے اسی قسم کی سزائیں ہیں۔ یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا مددگار ہے اور کفار کا کوئی مددگار نہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ داخل فرمائے گا جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے (سدا بہار) باغات میں رواں ہیں جن کے نیچے نہریں۔ اور جنہوں نے کفر کیا وہ عیش اڑا رہے ہیں اور محض کھانے (پینے) میں مصروف ہیں ڈنگروں کی طرح حالانکہ آتش جہنم ان کا ٹھکانا ہے۔ اور بہت سی ایسی بستیاں تھیں جو قوت وشوکت میں تمہاری اس بستی سے کہیں زیادہ تھیں جس (کے باشندوں) نے آپ کو نکال دیا ہم نے ان بستیوں کے مکینوں کو ہلاک کردیا پس کوئی ان کا مددگار نہ تھا‘‘۔

سردار مکہ ابوسفیان بن صخر نے احد کے دن نبی کریم ﷺ اور ابوبکر وعمر کو پکارا۔ جواب نہ پا کر کہنے لگا کیا یہ لوگ ہلاک ہو گئے ہیں تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسے جواب دیتے ہوئے فرمایا اے اللہ کے دشمن تو نے جھوٹ بولا۔ اللہ نے تیرے لئے وہ چیز باقی رکھی ہے جو تمہیں ناپسند ہے۔ جن کا تو نے ذکر کیا یہ لوگ زندہ ہیں۔ ابوسفیان نے اگلی دفعہ لڑائی کا چیلنج دیا اور یہ رجز پڑھنے لگا اعل ھبل، اعل ھبل (ہبل بلند ہو، ہبل بلند ہو) تو سرکار نے یوں کہنے کا حکم ارشاد فرمایا: اللہ اعلی و اجل (اللہ بزرگ و برتر ہے) پھر ابوسفیان کہنے گا ہمارے پاس عزیٰ ہے اور تمہارا کوئی عزیٰ نہیں۔ لنا العزی ولا عزی لکم تو صحابہ نے سرکار ﷺ کے حکم پر یوں جواب دیا: (اللہ مولانا ولا مولی لکم)(1)۔

وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ صحیح میں ہے کہ مومن ایک آنت میں اور کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے(2)۔ قریہ سے مراد مکہ ہے۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت عکرمہ ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ جب مکہ سے نکل کر غار میں روپوش ہو گئے تو مکہ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: تو اللہ کے شہروں میں سے اللہ کے نزدیک پسندیدہ ترین ہے اور تو اللہ کے شہروں میں سے مجھے محبوب تر ہے۔ اگر وہ مجھے نہ نکالتے تو میں نہ نکلتا۔ بدترین وہ دشمن ہے جو اللہ کے حرم میں اس سے دشمنی کرتا ہے یا غیر قاتل کو قتل کرتا ہے یا جاہلیت کے انتقام وعداوت کی بناء پر قتل کرتا ہے(3) تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۴﴾ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ۭ وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ۭ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ﴿۱۵﴾

’’کیا وہ شخص جس کے پاس روشن دلائل ہیں اپنے رب کے پاس سے، اس (بدبخت) کی مانند ہے آراستہ کردیئے گئے جس

1۔ دیکھئے آل عمران آیت: 152
2۔ متفق علیہ، فتح الباری، کتاب الاطعمۃ، جلد 9 صفحہ 536، مسلم، کتاب الاشربۃ، جلد 3 صفحہ 1631
3۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 463

کے لئے اس کے برے اعمال اور وہ پیروی کرتے رہے اپنی خواہشوں کی۔ احوال اس جنت کے جس کا وعدہ متقیوں سے کیا گیا ہے۔ اس میں نہریں ہیں ایسے پانی کی جس کی بو اور مزہ نہیں بگڑتا۔ اور نہریں ہیں دودھ کی جس کا ذائقہ نہیں بدلتا۔ اور نہریں ہیں شراب کی جو لذت بخش ہے پینے والوں کے لئے۔ اور نہریں ہیں شہد کی جو صاف ستھرا ہے۔ اور ان کے لئے اس میں ہر قسم کے پھل ہوں گے اور (مزید برآں ان کے لئے) بخشش ہوگی اپنے رب کی طرف سے۔ (سوچو) کیا یہ ان کی مانند ہوں گے جو ہمیشہ آگ میں رہیں گے اور انہیں کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا اور وہ کاٹ دے گا ان کی آنتوں کو"۔

بَيِّنَةٍ یعنی بصیرت اور اللہ کے امر اور دین کے بارے میں یقین۔

مَثَلُ: صفت۔ غَيْرِ اٰسِنٍ: غیر متغیر۔ قتادہ، ضحاک اور عطاء خراسانی نے اس کا معنی غیر منتن (شفاف) کیا ہے۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرفوع حدیث میں لکھا ہے: غَيْرِ اٰسِنٍ: الصافی الذی لا کدر فیہ۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جنت کی نہریں کستوری کے پہاڑ سے پھوٹتی ہیں۔

وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ از حد سفید، لذیذ اور گھنا۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے: "جو جانوروں کی کھیری سے نہیں نکلا"۔

وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ دنیا کی شراب کی طرح یہ بدذائقہ اور بدبودار نہیں ہوگی۔ اس کا رنگ، بو اور ذائقہ اور تاثیر عمدہ ہوگی۔ ارشاد ہوتا ہے: لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّ لَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ (الصافات: 47) "نہ اس میں مضر صحت کوئی چیز ہے اور نہ وہ اس (کے پینے) سے مدہوش ہوں گے"۔ لَا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَ لَا يُنْزِفُوْنَ (الواقعہ: 19) "نہ سر درد محسوس کریں گے اس سے اور نہ مدہوش ہوں گے"۔ بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ (الصافات: 46) "(دودھ سے زیادہ) سفید بڑے لذیذ پینے والوں کے لئے"۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے اسے مردوں نے نہیں نچوڑا ہوگا۔

وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى شفاف۔ رنگ، ذائقے اور بو میں بہترین۔ مرفوع حدیث ہے جو مکھیوں کے پیٹ سے برآمد نہیں ہوا۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنت میں دودھ کا سمندر، پانی کا سمندر، شہد کا سمندر اور شراب کا سمندر ہے پھر اس سے نہریں نکلتی ہیں(1)۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔ ابوبکر بن مردویہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ نہریں جنت عدن میں ایک جھیل سے نکلتی ہیں اور پھر آگے تقسیم ہو جاتی ہیں(2)۔ صحیح میں ہے جب تم اللہ سے سوال کرو تو جنت الفردوس کا سوال کرو۔ یہ اوسط اور اعلیٰ درجے کی جنت ہے۔ اسی سے جنت کی نہریں نکلتی ہیں۔ اور اسی پر رحمٰن کا عرش ہے(3)۔ حافظ ابوالقاسم طبرانی نے روایت کیا ہے کہ لقیط بن عامر سرکار کی بارگاہ میں حاضری کے لئے نکلے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ہم جنت میں کس چیز پر جھانکیں گے؟ فرمایا صاف شہد کی نہروں پر، شراب کی نہروں پر جس میں سر درد اور ندامت نہیں ہوگی۔ دودھ کی نہروں پر جو خراب نہیں ہوا۔ اور صاف پانی اور پھلوں پر۔ تیرے خدا کی قسم جو تم جانتے ہو اور اس سے بہتر۔ اور پاک بیویاں۔ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! کیا وہاں ہماری نیک بیبیاں بھی ہوں گی۔ تو آپ نے فرمایا صالحات صالحین کے لئے، تم ان سے لطف اندوز ہو گے اور وہ تم سے۔ مگر اولاد نہ ہوگی(4)۔

1۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 5، عارضۃ الاحوذی، ابواب صفۃ الجنۃ، جلد 10 صفحہ 41

2۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 416، سنن دارمی، کتاب الرقاق، جلد 2 صفحہ 240

3۔ دیکھئے آل عمران آیت 133، سورہ کہف آیت: 107، سورہ مومنون آیت: 11

4۔ المعجم الکبیر، جلد 19 صفحہ 214-211، مسند احمد، جلد 4 صفحہ 13

وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰۤى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۫ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ اتَّبَعُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۶﴾ وَ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّ اٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ﴿۱۷﴾ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ﴿۱۸﴾ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَ مَثْوٰىكُمْ ﴿۱۹﴾

''اور ان میں کچھ ایسے ہیں جو کان لگائے رکھتے ہیں آپ کی طرف۔ حتیٰ کہ جب نکلتے ہیں آپ کے پاس سے تو کہتے ہیں اہل علم سے (کہ ذرا غور فرمائیے) یہ صاحب ابھی ابھی کیا کہہ رہے تھے۔ یہی وہ (بدبخت) ہیں مہر لگا دی ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور وہ پیروی کرتے ہیں اپنی خواہشوں کی۔ اور جو لوگ راہِ ہدایت پر چلے اللہ تعالیٰ بڑھا دیتا ہے ان کے نورِ ہدایت کو اور انہیں تقویٰ کی توفیق بخشتا ہے۔ پس کیا یہ لوگ انتظار کر رہے ہیں قیامت کا کہ آ جائے ان پر اچانک بے شک اس کی نشانیاں تو آ ہی گئی ہیں۔ (تو جب قیامت ان پر آ گئی) تو اس وقت ان کو سمجھنا کب نصیب ہوگا۔ پس آپ جان لیں کہ نہیں کوئی معبود بجز اللہ کے اور دعا مانگا کریں کہ اللہ آپ کو گناہ سے محفوظ رکھے نیز مغفرت طلب کریں مومن مردوں اور عورتوں کے لئے۔ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے تمہارے چلنے پھرنے اور آرام کرنے کی جگہوں کو''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ منافقین کی بلادت اور قلت فہم کی خبر دے رہے ہیں۔ وہ بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوتے، آپ کی گفتگو سنتے لیکن کچھ سمجھ نہ پاتے۔ تو کہتے مَاذَا قَالَ اٰنِفًا۔ ابھی ابھی۔ یعنی وہ کج فہم اور کج ارادہ ہیں۔

قولہ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ ایک اور آیت میں آتا ہے: فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا (محمد:18) ''بے شک اس کی نشانیاں تو آ ہی گئی ہیں''۔ ایک دوسری آیت میں فرمایا: هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى ﴿۵۶﴾ اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ (النجم:57-56) ''یہ ڈرانے والا (رسولِ عربی) بھی پہلے ڈرانے والوں کی طرح ہے''۔ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَ انْشَقَّ الْقَمَرُ (القمر:1) ''قیامت قریب آ گئی ہے اور چاند شق ہو گیا)۔ اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ (النحل:1) ''قریب آ گیا ہے حکم الٰہی پس اس کے لئے عجلت نہ کرو''۔ اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَ هُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ (الانبیاء:1) ''قریب آ گیا ہے لوگوں کے لئے ان کے (اعمال) کے حساب کا وقت اور وہ غفلت میں منہ پھیرے ہوئے ہیں)۔

رسول اکرم ﷺ کی بعثت بھی علامات قیامت میں سے ہے، کیونکہ آپ ختم الرسلین ہیں۔ حضور ﷺ نے قیامت کی علامات کو شرح وبسط سے بیان فرمایا۔ حسن بصری کا قول ہے کہ حضور ﷺ کی بعثت علامات قیامت سے ہے اور اسی لئے آپ کے اسماء میں نبی التوبہ، نبی الملحمۃ، حاشر (جس کے قدموں پر حشر ہوگا) اور عاقب (جس کے بعد کوئی نبی نہیں) ہے(1)۔

بخاری شریف میں سہل بن سعد سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے درمیان والی انگلی اور ساتھ والی انگلی کو ملایا اور فرمایا میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح ہیں۔

قال تعالیٰ: فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ جیسے ارشاد فرمایا: يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَ اَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى (الفجر:23) ''اس روز انسان کو سمجھ

1۔ متفق علیہ، فتح الباری، تفسیر سورہ القف، جلد 8 صفحہ 641-640، مسلم، کتاب الفضائل، جلد 1829-1828، امام احمد (مسند) جلد 4 صفحہ 47, 404-395 جلد 5 صفحہ 405

آئے گی لیکن اس سمجھنے کا کیا فائدہ؟''۔ وَّ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖ ۚ وَ اَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ (سبا:52)'' اس وقت کہیں گے ہم ایمان لے آئے ان پر لیکن اب کیونکر وہ پا سکتے ہیں۔ ایمان کو اتنی دور جگہ سے''۔

قولہ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ یہ اعلان توحید ہے۔

وَ اسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ صحیح حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نماز کے بعد یوں کہا کرتے تھے: اللهم اغفرلی خطیئتی وجَهلي، وإسرافي في أمري، وما أنت اعلم به منى، اللهم اغفرلي هزلي وجدّي، وخطئي وعمدي وكلُّ ذلك عندي(1)۔ صحیح حدیث میں ہے کہ آپ نماز کے آخر میں فرمایا کرتے: اللهم اغفرلي ما قدّمت وما أخّرتُ، وما أسررْت وما أعلنتُ، وما أسرفتُ، وما أنت اعلَمُ به مني، أنت الهي لا إله إلا أنت(2)۔ ایک اور صحیح حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اے لوگو! اپنے رب سے توبہ کرو میں ایک دن میں ستر سے زیادہ مرتبہ توبہ کرتا ہوں(3)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن سرخس کا قول نقل کیا ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ آپ کے ساتھ کھانا کھایا۔ اور عرض کی: غفر الله لك يا رسول الله! فرمایا تمہیں بھی۔ پھر میں نے عرض کی کیا آپ ﷺ نے آپ کے لئے استغفار کیا تھا۔ انہوں نے کہا ہاں۔ مسلم، ترمذی، نسائی، ابن جریر اور ابن ابی حاتم رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے متعدد سندوں سے روایت کیا ہے(4)۔ ابو یعلی نے ایک اور حدیث میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کلمہ طیبہ اور استغفار کی کثرت کیا کرو۔ ابلیس کا کہنا ہے میں نے لوگوں کو گناہوں سے ہلاک کیا اور انہوں نے مجھے کلمہ اور استغفار سے ہلاک کیا۔ جب میں نے یہ دیکھا تو میں نے خواہشات کے ساتھ انہیں ہلاک کیا۔ حالانکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ہدایت پر ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے۔ ابلیس کہنے لگا تیرے عزت وجلال کی قسم میں انہیں اس وقت تک گمراہ کرتا رہوں گا جب تک ان کی روحیں ان کے اجسام میں ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے عزت وجلال کی قسم! میں انہیں اس وقت تک بخشتا رہوں گا جب تک وہ مجھ سے مغفرت مانگتے رہیں گے(5)۔

وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَ مَثْوٰىكُمْ دن کے وقت تمہارے تصرفات اور رات کو تمہارے ٹھکانے کے بارے میں جانتا ہے۔ جیسے ارشاد ہوتا ہے: وَ هُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَ يَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ (الانعام:60)'' اور وہ وہی ہے۔ جو قبضہ میں لیتا ہے۔ تمہیں رات کو اور جانتا ہے جو کمایا تم نے دن کو''۔ وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَ يَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَ مُسْتَوْدَعَهَا ؕ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (ہود:6)'' اور نہیں کوئی جاندار زمین میں مگر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اس کا رزق وہ جانتا ہے اس کے ٹھہرنے کی جگہ کو اور اس کے امانت رکھے جانے کی جگہ کو۔ ہر چیز روشن کتاب میں (لکھی) ہوئی ہے''۔

ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ اسی طرف گئے ہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے ہی اختیار کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک دنیا میں تمہاری حرکات وسکنات اور آخرت کا ٹھکانہ۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے دنیا میں اٹھنا بیٹھنا اور قبور کا ٹھکانہ۔ پہلا قول

1۔ متفق علیہ، کتاب الدعوات، فتح الباری، جلد 11 صفحہ 196 مسلم، جلد 4 صفحہ 2087

2۔ متفق علیہ، فتح الباری، کتاب التوحید، جلد 13 صفحہ 371، مسلم، کتاب صلاۃ المسافر، جلد 1 صفحہ 532-532

3۔ متفق علیہ، مسلم، کتاب الذکر، جلد 4 صفحہ 276-2075، بخاری، کتاب الدعوات، جلد 11 صفحہ 101

4۔ مسند امام احمد، جلد 5 صفحہ 82، مسلم، کتاب الفضائل، جلد 4 صفحہ 1824-1823 عارضۃ الاحوذی، ابواب المناقب، جلد 13 صفحہ 120، نسائی، کتاب التفسیر، سنن الکبریٰ، تحفۃ الاشراف، جلد 4 صفحہ 350-349، طبری، جلد 26 صفحہ 54 5۔ دیکھئے آل عمران آیت: 135، سورۂ نساء آیت، جلد 17

زیادہ بہتر ہے۔ واللہ اعلم۔

وَ يَقُولُ الَّذِينَ اٰمَنُوا لَوۡلَا نُزِّلَتۡ سُوۡرَةٌ ۚ فَاِذَاۤ اُنۡزِلَتۡ سُوۡرَةٌ مُّحۡكَمَةٌ وَّ ذُكِرَ فِيۡهَا الۡقِتَالُ ۙ رَاَيۡتَ الَّذِيۡنَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ يَّنۡظُرُوۡنَ اِلَيۡكَ نَظَرَ الۡمَغۡشِىِّ عَلَيۡهِ مِنَ الۡمَوۡتِ ؕ فَاَوۡلٰى لَهُمۡ ۚ﴿۲۰﴾ طَاعَةٌ وَّ قَوۡلٌ مَّعۡرُوۡفٌ ۚ فَاِذَا عَزَمَ الۡاَمۡرُ ۚ فَلَوۡ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيۡرًا لَّهُمۡ ۚ﴿۲۱﴾ فَهَلۡ عَسَيۡتُمۡ اِنۡ تَوَلَّيۡتُمۡ اَنۡ تُفۡسِدُوۡا فِى الۡاَرۡضِ وَ تُقَطِّعُوۡۤا اَرۡحَامَكُمۡ ﴿۲۲﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمۡ وَ اَعۡمٰۤى اَبۡصَارَهُمۡ ﴿۲۳﴾

”اور اہل ایمان کہتے ہیں کیوں نہ اتری کوئی نئی سورت (جہاد کے بارے میں) پس جب اتاری جاتی ہے کوئی واضح سورت اور اس میں جہاد کا ذکر ہوتا ہے۔ تو آپ دیکھتے ہیں ان لوگوں کو جن کے دلوں میں (نفاق کا) روگ ہوتا ہے کہ وہ تکتے ہیں آپ کی طرف جیسے تکتا ہے جس پر موت کی غشی طاری ہو۔ پس ان کے لئے بہتر یہ تھا کہ اطاعت کرتے اور اچھی بات کہتے۔ پھر جب حکم ناطق ہو چکا تو اگر وہ سچے رہتے اللہ تعالیٰ سے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوتا۔ پھر تم سے یہی توقع ہے کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم فساد برپا کرو گے زمین میں اور قطع کردو گے اپنی قرابتوں کو۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی پھر (حق سننے سے) انہیں بہرا کر دیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا“۔

اللہ تبارک وتعالیٰ مؤمنین کو یہ خبر دے رہے ہیں کہ انہوں نے جہاد کی مشروعیت کی تمنا کی۔ جب اللہ نے اسے فرض کر دیا اور اس کا حکم دیا تو بہت سے لوگ پھر گئے۔ جیسے ارشاد ہوتا ہے: اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ قِيۡلَ لَهُمۡ كُفُّوۡۤا اَيۡدِيَكُمۡ وَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيۡهِمُ الۡقِتَالُ اِذَا فَرِيۡقٌ مِّنۡهُمۡ يَخۡشَوۡنَ النَّاسَ كَخَشۡيَةِ اللّٰهِ اَوۡ اَشَدَّ خَشۡيَةً ۚ وَقَالُوۡا رَبَّنَا لِمَ كَتَبۡتَ عَلَيۡنَا الۡقِتَالَ ۚ لَوۡلَاۤ اَخَّرۡتَنَاۤ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيۡبٍ ؕ قُلۡ مَتَاعُ الدُّنۡيَا قَلِيۡلٌ ۚ وَالۡاٰخِرَةُ خَيۡرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى وَلَا تُظۡلَمُوۡنَ فَتِيۡلًا (النساء: 77) ”کیا نہیں دیکھا آپ نے ان لوگوں کی طرف جنہیں جب کہا گیا کہ روکو اپنے ہاتھوں کو اور قائم کرو نماز اور ادا کرو زکوۃ (ان باتوں کو تو مان لیا) پھر جب فرض کیا گیا ان پر جہاد تب ایک گروہ ان میں سے ڈرنے لگ گیا لوگوں سے جیسے ڈرا جاتا ہے خدا سے یا اس سے بھی زیادہ۔ اور کہنے لگے اے ہمارے پروردگار! کیوں فرض کر دیا تو نے ہم پر جہاد۔ (اور) کیوں نہ مہلت دی تو نے ہمیں تھوڑی مدت تک۔ (اے ترجمان حقیقت انہیں) کہو دنیا کا سامان بہت قلیل ہے اور آخرت زیادہ بہتر ہے اس کے لئے جو تقویٰ اختیار کئے ہیں اور نہیں ظلم کیا جائے گا تم پر کھجور کی گٹھلی کے ریشہ کے برابر“۔

اور یہاں فرمایا: وَيَقُوۡلُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَوۡلَا نُزِّلَتۡ سُوۡرَةٌ جو لڑائی کے حکم پر مشتمل ہو۔ اسی لئے فرمایا کہ لڑائی کا حکم نافذ ہونے کی صورت میں دشمن کے رعب سے ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

تُقَطِّعُوۡۤا اَرۡحَامَكُمۡ تم جاہلیت کے دور کی طرف لوٹ جاؤ، خونریزی کرنے لگو اور قطع رحمی پر اتر آؤ۔ یہ زمین میں عموماً فساد انگیزی کرنے کی نہی ہے اور قطع رحمی کرنے کی خصوصاً۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے زمین میں اصلاح کرنے اور صلہ رحمی کا حکم ارشاد فرمایا ہے اور وہ رشتہ داروں سے احسان کرنا ہے گفتگو، افعال اور مال خرچ کرنے میں۔ اس بارے میں متعدد صحیح اور حسن احادیث وارد ہوئی ہیں۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ نے مخلوق کو پیدا فرمایا۔ جب اس

سے فارغ ہوا تو رحم کھڑا ہو گیا۔ اس نے رحمٰن کے حقو کو مضبوطی سے پکڑ لیا(1)۔ ارشاد ہوا ٹھہر جاؤ۔ اس نے کہا قطع سے تیری پناہ لینے والے کا یہی مقام ہے۔ ارشاد ہوا کیا تو اس بات سے راضی نہیں کہ میں اس سے صلہ رحمی کروں جو تجھ سے صلہ رحمی کرتا ہے اور اسے چھوڑ دوں جو تجھ سے قطع تعلقی کرے؟ عرض کی کیوں نہیں۔ ارشاد ہوا: اسی طرح ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر چاہو تو یہ آیت تلاوت کرو فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ...... بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہی حدیث دیگر دو سندوں سے اور مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے روایت کیا ہے(2)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا فساد پھیلانے اور قطع رحمی سے زیادہ بڑا کوئی گناہ نہیں جس کی سزا آخرت کے ساتھ ساتھ اللہ دنیا میں ہی دے دیتا ہے(3)۔ ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے روایت کیا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ثوبان سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جسے عمر میں برکت اور رزق میں اضافہ درکار ہو وہ صلہ رحمی سے کام لے(4)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ والی روایت سے نقل کیا ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میرے اقارب ہیں میں ان سے صلہ رحمی کرتا ہوں اور وہ مجھے چھوڑ دیتے ہیں۔ میں معاف کرتا ہوں اور وہ ظلم کرتے ہیں۔ میں نیکی کرتا ہوں تو وہ برائی سے بدلہ دیتے ہیں۔ کیا میں جواباً ان سے وہی سلوک کروں؟ فرمایا نہیں۔ اس طرح تو تم سب چھوڑ دیئے جاؤ گے لیکن فضل اختیار کر اور ان سے صلہ رحمی کر۔ تیرے ساتھ اللہ کی طرف سے غالب کرنے والا رہے گا جب تک تو اس طریق کار پر قائم ہے(5)۔ احمد نے ہی حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا رحم عرش سے معلق ہے اور صلہ رحمی کرنے والا بدلہ دینے والا نہیں ہے۔ صلہ رحمی کرنے والا تو وہ ہے جو قطع رحمی کے باوجود صلہ رحمی کرتا ہے۔ رواہ البخاری(6)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رحم کو قیامت کے دن رکھا جائے گا۔ اس میں چرخہ کے تکلے کی طرح کجی ہوگی۔ وہ فصیح زبان میں گفتگو کرے گا۔ حسن سلوک کرنے والے سے صلہ رحمی اور قطع رحمی کرنے والے سے قطع رحمی کرے گا(7)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم کرتا ہے۔ اہل زمین پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔ رحم رحمٰن کی ایک شاخ ہے۔ جس نے اسے ملایا میں نے اسے ملا دیا اور جس نے اسے کاٹا میں اسے کاٹ دیتا ہوں(8)۔ ابوداؤد اور ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے عمرو بن دینار سے روایت کیا ہے۔ وہی "تسلسل الأولية"(9) روایت کرتے ہیں۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ابراہیم بن عبداللہ بن قارظ کے باپ سے روایت کیا ہے کہ وہ عبدالرحمٰن بن عوف کے پاس گئے وہ بیمار تھے۔ عبدالرحمٰن نے کہا رحم تجھے ملا، بے شک رسول اللہ نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ میں رحمٰن ہوں، میں نے رحم کو پیدا کیا۔ اسے اپنے نام سے مشتق کیا جو اسے ملائے میں اس سے ناطہ رکھوں۔ جو اسے چھوڑے گا میں

1۔ یہ بطور مجاز اور تمثیل ہے
2۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ محمد، جلد 8 صفحہ 580-579، مسلم کتاب البر، جلد 4 صفحہ 981
3۔ دیکھئے مائدہ زیر آیت: 31، سورۂ یونس آیت: 23، سورۂ نحل آیت: 90
4۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 279
5۔ مسند، جلد 2 صفحہ 181
6۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 163، فتح الباری، کتاب الادب، جلد 10 صفحہ 423
7۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 189
8۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 160، سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 285، عارضۃ الاحوذی، ابواب البر، جلد 8 صفحہ 111
9۔ تسلسل الاولیۃ یعنی روایت کا ایک خاص تسلسل جس میں ہر راوی اپنے شاگرد سے کہے۔ حدثنی فلان، وھو اول حدیث سمعتہ منہ، یہ شرط نہیں کہ وسط سند میں بھی تسلسل برقرار رہے جیسے حدیث رحمت جو اوپر مذکور ہوئی (مزید دیکھئے قواعد التحدیث قاسمی: 127-126، سیوطی: تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی 381

اس سے قطع تعلقی کرلوں گا(1)۔ احمد رحمۃ اللہ علیہ نے یہی روایت ایک اور سند سے زہری سے اور ابوداؤد اور ترمذی نے ابوسلمہ کے باپ سے روایت کی ہے(2)۔ اس موضوع کی احادیث بے شمار ہیں۔

طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے سلمان سے روایت کیا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ارواح اکٹھے لشکر (جھنڈ) ہیں۔ جو آپس میں پہچان رکھتی ہیں ایک دوسری سے مانوس ہوتی ہیں اور جو پہچان نہیں رکھتی ہیں ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں(3)۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب قول ظاہر ہو جائے، عمل محفوظ ہو جائے، زبانیں مانوس ہوں، دلوں میں نفرت ہو ہر ذی رحم اپنے قریبی سے قطع تعلقی کرنے لگے تو اس وقت اللہ ان پر لعنت فرمائے۔ انہیں بہرا اور اندھا کردے(4)۔

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴿۲۴﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰۤی اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ الْهُدَی ۙ الشَّیْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ؕ وَ اَمْلٰی لَهُمْ ﴿۲۵﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِیْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِیْعُكُمْ فِیْ بَعْضِ الْاَمْرِ ۚۖ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ ﴿۲۶﴾ فَكَیْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ اَدْبَارَهُمْ ﴿۲۷﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَاۤ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَ كَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ﴿۲۸﴾

”کیا یہ لوگ غور نہیں کرتے قرآن میں یا (ان کے) دلوں پر قفل لگا دیئے گئے ہیں۔ بے شک جو لوگ پیٹھ پھیر کر پیچھے ہٹ گئے باوجودیکہ ان پر ہدایت (کی راہ) ظاہر ہو چکی تھی۔ شیطان نے انہیں فریب دیا اور انہیں لمبی زندگی کی آس دلائی۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے کہا ان لوگوں کو جنہوں نے ناپسند کیا جو اللہ نے اتارا کہ ہم تمہاری ایک بات میں اطاعت کریں گے۔ اور اللہ تعالیٰ ان کے پوشیدہ مشوروں کو جانتا ہے۔ پس ان کا کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کی روحوں کو قبض کریں گے اور چوٹیں لگائیں گے ان کے چہروں اور پشتوں پر۔ یہ درگت اس لئے بنے گی کہ انہوں نے پیروی کی اس کی جو اللہ کی ناراضگی کا باعث تھا اور ناپسند کیا اس کی خوشنودی کو۔ پس اس نے ان کے اعمال ضائع کر دیئے“۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی تو اہل یمن میں سے ایک نوجوان کہنے لگا بلکہ ان پر تالے لگے ہوئے ہیں۔ وہی انہیں کھولتا ہے۔ وہ نوجوان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں رہا حتیٰ کہ اس کو والی بنایا اور اس سے مدد لی(5)۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ یُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ﴿۲۹﴾ وَ لَوْ نَشَآءُ لَاَرَیْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِیْمٰهُمْ ؕ وَ لَتَعْرِفَنَّهُمْ فِیْ لَحْنِ الْقَوْلِ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۰﴾ وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰی نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِیْنَ مِنْكُمْ وَ الصّٰبِرِیْنَ ۙ وَ نَبْلُوَا۟ اَخْبَارَكُمْ ﴿۳۱﴾

1۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 191

2۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 194، سنن ابوداؤد، کتاب الزکاۃ، جلد 2 صفحہ 132، عارضۃ الاحوذی، ابواب البر، جلد 8 صفحہ 100-99

3۔ المعجم الکبیر، جلد 6 جلد 264-263، مجمع الزوائد، جلد 7 صفحہ 287 4۔ طبری، جلد 26 صفحہ 58 5۔ طبری، جلد 26 صفحہ 58

"کیا خیال کرتے ہیں وہ لوگ جن کے دلوں میں (نفاق کی) بیماری ہے کہ اللہ تعالیٰ ظاہر نہیں کرے گا ان کے دلی کھوٹوں کو۔ اور اگر ہم چاہیں تو آپ کو دکھا دیں یہ لوگ سو آپ پہچان تو چکے ہیں ان کو ان کے چہرہ سے۔ اور آپ ضرور پہچان لیا کریں گے انہیں ان کے اندازِ گفتگو سے۔ اور اللہ جانتا ہے تمہارے اعمال کو۔ اور ہم ضرور آزمائیں گے تمہیں تا کہ ہم دیکھ لیں تم میں سے جو مصروفِ جہاد رہتے ہیں اور صبر کرنے والے ہیں، اور ہم پرکھیں گے تمہارے حالات کو"۔

کیا منافقین یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کا معاملہ مومنین پر ظاہر نہیں کرے گا بلکہ اسے ضرور واضح کرے گا۔ اللہ نے ان کے بارے میں سورۂ براءت نازل فرمائی۔ اس میں ان کے نفاق کا پردہ چاک کر دیا۔ اسی لئے اس سورت کو فاضحۃ بھی کہتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ کسی نے کسی کو کوئی راز نہیں بتایا مگر اللہ اسے اس کا چوغہ پہنا دیتا ہے۔ اگر بہتر ہے تو بہتر اور برا ہے تو برا(1)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو مسعود عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا۔ حمد و ثنا کے بعد فرمایا: تم میں سے کچھ منافقین ہیں میں جس کا نام لوں وہ اٹھ جائے۔ پھر فرمایا اے فلاں کھڑا ہو، اے فلاں کھڑا ہو، اے فلاں کھڑا ہو، حتیٰ کہ چھتیس افراد کے نام گنوائے۔ پھر فرمایا تم میں سے کچھ ہیں۔ پس اللہ سے ڈرو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا گزر ایک ایسے شخص کے پاس سے ہوا جس کا نام لیا گیا تھا آپ اسے جانتے تھے۔ وہ ڈھاٹا باندھے ہوئے تھا۔ آپ نے پوچھا تمہیں کیا ہوا تو اس نے ساری بات سنائی تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا سارا دن تمہیں دوری ہے(2)۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ شَآقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى ۙ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَ سَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ﴿۳۲﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ لَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَ هُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ﴿۳۴﴾ فَلَا تَهِنُوْا وَ تَدْعُوْۤا اِلَى السَّلْمِ ۖۗ وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖۗ وَ اللّٰهُ مَعَكُمْ وَ لَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۵﴾

"بیشک جو لوگ خود بھی کفر کرتے رہے اور لوگوں کو بھی روکتے رہے اللہ کی راہ سے اور مخالفت کرتے رہے رسولِ (کریم) کی باوجودیکہ ظاہر ہو چکی تھی ان کے لئے راہِ ہدایت۔ وہ قطعاً اللہ تعالیٰ کو کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتے اور اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو اکارت کر دے گا۔ اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسولِ (مکرم) کی اور نہ ضائع کرو اپنے عملوں کو۔ بیشک جو لوگ خود بھی کفر کرتے رہے اور دوسروں کو بھی راہِ حق سے روکتے رہے پھر وہ مر گئے کفر کی حالت میں تو اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز نہیں بخشے گا۔ (اے فرزندانِ اسلام!) ہمت مت ہارو اور (کفار کو) صلح کی دعوت مت دو۔ تم ہی غالب آؤ گے۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے اور وہ تمہارے اعمال (اور کوششوں کو) ضائع نہیں ہونے دے گا"۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہے ہیں کہ کفر والا، اللہ کی راہ سے ہٹنے والا، اس کے رسول کی مخالفت کرنے والا اور مرتد ہونے والا اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا بلکہ وہ خود خسارے میں ہے۔

1۔ دار قطنی: المعجم الکبیر، جلد 2 صفحہ 171، مجمع الزوائد، جلد 10 صفحہ 225 2۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 273

امام محمد بن نصر مروزی نے کتاب الصلاۃ میں ابوالعالیہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام یہ سمجھتے تھے کہ لا الہ إلا اللہ محمد رسول اللہ کے ساتھ کوئی گناہ نقصان نہیں دیتا جیسے شرک کے ساتھ کوئی عمل نفع نہیں دیتا۔ تو یہ آیت اتری تو انہیں خدشہ ہوا کہ گناہ نیک عمل کو بھی ختم کر دیتا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم صحابہ کا گروہ یہ سمجھتے تھے کہ ہر نیکی مقبول ہے حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ہم کہنے لگے کیا چیز ہمارے اعمال کو باطل کرتی ہے؟ ہم نے خیال کیا کہ کبیرہ گناہ اور فحش امور۔ حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (النساء: 116) "بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا اس (جرم عظیم) کو کہ شریک ٹھہرایا جائے اس کے ساتھ اور بخش دیتا ہے اس کے ماسوا جتنے جرائم ہوں جس کے لئے چاہتا ہے"۔ چنانچہ ہم رک گئے اور کبیرہ گناہوں کے مرتکب کے بارے میں ڈرتے تھے اور جو ان سے محفوظ ہوتا اس کے بارے میں پر امید ہوتے۔

فَلَا تَهِنُوْا: دشمن کے سامنے کمزوری نہ دکھاؤ۔ جب کفار مسلمانوں سے زیادہ طاقتور ہوں تو مصلحت کی خاطر امام ان سے صلح کر سکتا ہے جیسے صلح حدیبیہ کا واقعہ ہے۔

اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ ۭ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَلَا يَسْـَٔــلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ۞٣٦ اِنْ يَّسْـَٔـلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ۞٣٧ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَاۗءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَاۗءُ ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ۞٣٨

"یہ دنیوی زندگی تو محض ایک کھیل اور تماشا ہے۔ اور اگر تم ایمان لاؤ اور پرہیزگار بن جاؤ تو وہ تمہیں تمہارے اجر عطا کرے گا اور وہ نہ طلب کرے گا تم سے تمہارے مال۔ اگر وہ طلب کرے تم سے تمہارے مال اور اس پر اصرار کرے تو تم بخل کرنے لگو اور (یوں) ظاہر کر دے گا تمہاری ناگواریوں کو۔ ہاں تم ہی وہ لوگ ہو جنہیں دعوت دی جاتی ہے کہ (اپنے مال) خرچ کرو اللہ کی راہ میں۔ پس تم میں سے کچھ بخل کرنے لگتے ہیں۔ اور جو شخص بخل کرتا ہے تو وہ اپنی ذات سے بخل کر رہا ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تو غنی ہے (کسی کا محتاج نہیں) بلکہ تم (اس کے) محتاج ہو۔ اور اگر روگردانی کرو گے (تو اس سعادت سے محروم کر دیئے جاؤ گے) اور تمہارے عوض وہ دوسری قوم لے آئے گا پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔"

وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے "اللہ کے علم میں ہے کہ مال نکالنے سے کینہ ختم ہوتا ہے۔" قتادہ نے سچ کہا ہے بے شک مال پسندیدہ ہے اور اسے صرف اسی شخص پر خرچ کیا جا سکتا ہے جو اس سے بھی زیادہ محبوب ہو۔

لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ابن ابی حاتم اور ابن جریر رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی تو صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ کون لوگ ہیں اگر ہم رخ پھیر لیں تو اللہ انہیں ہماری جگہ لے آئے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے کندھے پر مارا اور فرمایا یہ اور اس کی قوم۔ اگر دین ثریا پر بھی ہوتا تو ایرانی لوگ اسے پا لیتے (1)۔

1۔ ترمذی، کتاب التفسیر، جلد 12 جلد 146-145، بیہقی: دلائل، جلد 6 صفحہ 334 طبری، جلد 26 صفحہ 66، درمنثور، جلد 7 صفحہ 50

سورۂ فتح

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عام الفتح کے دوران سواری پر سورۂ فتح تلاوت فرمائی(1)۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا ۙ﴿۱﴾ لِّيَـغۡفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعۡمَتَهٗ عَلَيۡكَ وَيَهۡدِيَكَ صِرَاطًا مُّسۡتَقِيۡمًا ۙ﴿۲﴾ وَّيَنۡصُرَكَ اللّٰهُ نَصۡرًا عَزِيۡزًا ﴿۳﴾

''یقیناً ہم نے آپ کو شاندار فتح عطا فرمائی ہے۔ تاکہ دور فرمادے آپ کے لئے اللہ تعالیٰ جو الزام آپ پر (ہجرت سے) پہلے لگائے گئے اور جو (ہجرت کے) بعد لگائے گئے اور مکمل فرمادے اپنے انعام کو آپ پر اور چلائے آپ کو سیدھی راہ پر۔ اور تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی ایسی مدد فرمائے جو زبردست ہے''۔

یہ سورت اس وقت نازل ہوئی جب ذیقعد 6ھ میں سرکار ﷺ حدیبیہ سے واپس آئے۔ جب مشرکین نے آپ کو عمرہ کرنے سے روک دیا تھا اور صلح حدیبیہ طے پائی۔ جب محصر ہونے کے بعد آپ ﷺ نے اپنی ھدی کو ذبح کر دیا تو یہ سورت نازل ہوئی اور اس صلح کو فتح مبین قرار دیا۔ جس طرح حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ یا دیگر لوگوں سے مروی ہے کہ تم فتح مکہ کو فتح شمار کرتے ہو اور ہم صلح حدیبیہ کو فتح سمجھتے ہیں۔ اعمش نے جابر سے روایت کیا ہے کہ ہم صلح حدیبیہ کو فتح شمار کرتے تھے(2)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے یہی روایت کیا ہے(3)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے میں نے ایک چیز کے بارے میں تین دفعہ سوال کیا۔ آپ ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا میں نے اپنے آپ کو ملامت کی: اے ابن خطاب تجھے تیری ماں روئے تو نے رسول اللہ ﷺ پر تین مرتبہ اصرار کیا لیکن آپ نے تجھے کوئی جواب نہیں دیا۔ چنانچہ میں اپنی سواری پر سوار ہو گیا اس ڈر سے کہ میرے بارے میں کوئی چیز نہ اتری ہو؟ کیا سنتا ہوں کہ منادی میرے نام کی ندا دے رہا ہے۔ میں یہ خیال کرتے ہوئے لوٹا کہ میرے بارے میں کوئی چیز نازل ہوئی ہے۔ جب میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا آج رات مجھ پر یہ سورت نازل ہوئی ہے جو مجھے دنیا اور جو کچھ اس میں ہے اس سے زیادہ پسند ہے۔ اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا...... بخاری، ترمذی اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے روایت کیا ہے(4)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حدیبیہ سے واپسی پر لِّيَـغۡفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا: آج مجھ پر ایک آیت اتری ہے جو مجھے روئے زمین پر

1۔ مسند امام احمد، جلد 5 صفحہ 24، فتح الباری، تفسیر سورۂ فتح، جلد 8 صفحہ 583، مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، جلد 1 صفحہ 547 2۔ طبری، جلد 26 صفحہ 70

3۔ بخاری، فتح الباری، کتاب المغازی، جلد 7 صفحہ 441

4۔ مسند امام احمد، جلد 1 صفحہ 31 فتح الباری، کتاب فضائل القرآن، جلد 9 صفحہ 58، عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ فتح، جلد 12 صفحہ 149-148، نسائی، سنن کبریٰ، کتاب التفسیر، تحفۃ الاشراف، جلد 8 صفحہ 6

جو کچھ ہے اس سے زیادہ پسند ہے۔ پھر یہ آیت سنائی۔ تو صحابہ نے آپ کو مبارک باد دیتے ہوئے عرض کی اللہ نے آپ کو تو آپ کے بارے میں بتا دیا کہ جو کچھ آپ کے ساتھ ہوگا۔ اب ہمارا کیا ہوگا؟ تو یہ آیت اتری لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا (فتح 5:) صحیحین میں یہ روایت قتادہ سے مروی ہے(1)۔ امام احمد اور ابوداؤد رحمہما اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے کہ سرکار ﷺ نے خیبر کی غنیمت صرف اہل صلح حدیبیہ پر تقسیم فرمائی۔ اس کے اٹھارہ حصے کئے لشکر کی تعداد پندرہ سو تھی۔ شہسوار کو دو اور پیدل کو ایک حصہ عطا فرمایا(2)۔ امام احمد، ابوداؤد، نسائی اور ابن جریر رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہی حدیث نقل کی ہے(3)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا میں نے مغیرہ بن شعبہ سے سنا کہ نبی کریم ﷺ اتنی نماز ادا فرماتے کہ آپ کے پاؤں مبارک پر ورم آ جاتا۔ عرض کی گئی کیا اللہ نے آپ کے گناہوں کو معاف نہیں فرما دیا۔ فرمایا کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں؟(4)۔ امام احمد اور مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے ایک اور سند سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے(5)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے(6)۔ فتح مبین سے مراد صلح حدیبیہ ہے۔ اس کے سبب بہت سے لوگ ایمان لائے مومن و کافر کا آپس میں رابطہ ہوا۔ علم نافع اور ایمان پھیلا۔

لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ یہ حضور ﷺ کی خصوصیت ہے جس میں آپ کا کوئی شریک نہیں۔ کسی اور کو یہ خوشخبری نہیں ملی۔ سرکار ﷺ اپنے تمام امور میں اطاعت و استقامت کے بلند ترین مقام پر فائز تھے۔ اولین و آخرین میں سے کوئی بھی اس تک نہیں پہنچ سکا۔ آپ علی الاطلاق اکمل البشر اور سید الدنیا والآخرۃ ہیں۔ آپ اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ اطاعت گزار ہیں اور اس کے اوامر و نواہی کی سب سے زیادہ تعظیم کرنے والے ہیں۔ جب آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی تو فرمایا: اسے ہاتھیوں کو روکنے والے نے روک دیا ہے۔ پھر فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ آج وہ مجھ سے کسی چیز کے بارے میں نہیں پوچھیں گے جس کے ساتھ وہ اللہ کی محرمات کی تعظیم کرتے ہیں مگر میں انہیں جواب دوں گا(7)۔ جب آپ نے اللہ کی اطاعت کی اور صلح قبول فرمائی تو آپ کو یہ بشارت دی گئی۔

وَّيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا اطاعت الٰہی کی وجہ سے تمہیں دشمنوں پر نصرت حاصل ہوگی جیسے صحیح حدیث میں ہے: "اللہ تعالیٰ مغفرت کے ساتھ بندے کی عزت میں اضافہ فرماتا ہے۔ کسی نے اللہ کے ساتھ تواضع نہیں کی مگر اللہ اسے رفعتیں عطا فرما دیتا ہے"(8)۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ۭ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ۭ وَكَانَ

1۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 197 2۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 420، سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 76

3۔ طبری، جلد 26 صفحہ 69، احمد، جلد 1 صفحہ 464، سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 122، تحفۃ الاشراف، جلد 7 صفحہ 77، نسائی، کتاب السیر

4۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 255، فتح الباری، تفسیر سورۂ فتح، جلد 8 صفحہ 584، مسلم، کتاب صفۃ القیامۃ، جلد 4 صفحہ 2172-2171، عارضۃ الاحوذی، ابواب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 205، نسائی، کتاب قیام اللیل، جلد 3 صفحہ 219، ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 456

5۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 115، مسلم، کتاب صفۃ القیامۃ، جلد 4 صفحہ 2172 6۔ مسند ابویعلیٰ، جلد 3 صفحہ 222، مجمع الزوائد، جلد 2 صفحہ 271

7۔ یہ حدیث اس سورت کی آیت نمبر 28 میں مفصل آئے گی 8۔ دیکھئے تفسیر سورۂ شوریٰ آیت: 40

ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝ وَّ يُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ وَ الْمُشْرِكِيْنَ وَ الْمُشْرِكٰتِ الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۚ وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَ لَعَنَهُمْ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا ۝ وَ لِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝

''وہی ہے جس نے اتارا اطمینان کو اہل ایمان کے دلوں میں تاکہ وہ اور بڑھ جائیں (قوتِ) ایمان میں اپنے (پہلے) ایمان کے ساتھ۔ اور اللہ کے زیر فرمان ہیں سارے لشکر آسمانوں اور زمین کے۔ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا، بہت دانا ہے تاکہ داخل کردے ایمان والوں اور ایمان والیوں کو باغوں میں رواں ہیں جن کے نیچے نہریں وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ اور دور فرمادے ان سے ان کی برائیوں کو اور یہ اللہ کے نزدیک بڑی کامیابی ہے۔ اور تاکہ عذاب میں مبتلا کردے منافق مردوں اور منافق عورتوں، مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو جو اللہ کے بارے میں برے گمان رکھتے ہیں۔ انہیں پر ہے بُری گردش اور ناراض ہوا ہے اللہ تعالیٰ ان پر اور (اپنی رحمت سے) انہیں دور کردیا ہے اور تیار کر رکھا ہے ان کے لئے جہنم۔ اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔ اور اللہ کے زیر فرمان ہیں سارے لشکر آسمانوں اور زمین کے۔ اور اللہ تعالیٰ سب پر غالب بڑا دانا ہے''۔

السَّكِيْنَةَ: طمانینت (حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک)۔ ایک روایت میں آپ کے نزدیک اس سے مراد رحمت ہے(1)۔ قتادہ نے اس کا معنی وقار لیا ہے جو مومنین کے دلوں میں ہے اور یہ صحابہ کرام تھے۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ علماء نے اسی آیت سے ایمان کے بڑھنے گھٹنے پر استدلال قائم کیا ہے۔

وَ لِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ پھر فرمایا اگر وہ چاہے تو کفار سے بدلہ لے سکتا ہے۔ یعنی اگر وہ ان پر اپنا ایک فرشتہ بھیج دے تو وہ انہیں برباد کر کے رکھ دے۔ لیکن اس نے اپنے مؤمن بندوں کے لئے جہاد و قتال کو مشروع کیا کیونکہ اس میں حکمت، حجت قاطعہ اور برہان دامغہ ہے۔

قال لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ...... حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا: ماکثین فیھا أبدًا۔ سیئات: غلطیاں اور گناہ۔

وَ كَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ (آل عمران: 185) ''پس جو شخص بچالیا گیا آتش (دوزخ) سے اور داخل کیا گیا جنت میں تو وہ کامیاب ہوگیا۔ اور نہیں یہ دنیوی زندگی مگر ساز وسامان دھوکہ میں ڈالنے والا''۔

الظَّآنِّيْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ جو اللہ کے فیصلوں پر اعتراض کرتے ہیں اور یہ گمان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ معاذ اللہ! نیست و نابود ہو جائیں گے۔ لَعَنَهُمْ: انہیں اپنی رحمت سے دور کردیا ہے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ۝ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ وَ

1۔ طبری، جلد 26 صفحہ 72، ابن منذر، طبرانی، ابن مردویہ اور بیہقی نے اسے دلائل میں روایت کیا ہے۔ درمنثور، جلد 70 صفحہ 514

تُوَقِّرُوْهُ ؕ وَ تُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ۝۹ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝۱۰

''بے شک ہم نے بھیجا ہے آپ کو گواہ بنا کر (اپنی رحمت کی) خوشخبری سنانے والا (عذاب سے) بروقت ڈرانے والا۔ تا کہ (اے لوگو!) تم ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور تا کہ تم ان کی مدد کرو اور دل سے ان کی تعظیم کرو۔ اور پاکی بیان کرو اللہ کی صبح اور شام۔ (اے جانِ عالم!) بیشک جو لوگ آپ کی بیعت کرتے ہیں درحقیقت وہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔ پس جس نے توڑ دیا اس بیعت کو تو اس کے توڑنے کا وبال اس کی ذات پر ہوگا اور جس نے ایفاء کیا اس عہد کو جو اس نے اللہ سے کیا تو وہ اس کو اجر عظیم عطا فرمائے گا''۔

اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو فرما رہے ہیں ہم نے آپ کو بھیجا ہے۔

شَاهِدًا مخلوق پر گواہ۔ مُبَشِّرًا مومنوں کے لئے بشارت دینے والا۔ نَذِيْرًا کفار کے لئے ڈرانے والا۔ اس کی تفسیر سورۂ احزاب میں گزر چکی ہے(1)۔

تُعَزِّرُوْهُ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ نے اس کا معنی تعظیم کرنا کیا ہے۔ تُوَقِّرُوْهُ توقیر سے ہے یعنی احترام و اجلال اور تعظیم۔

يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ یعنی وہ ان کے پاس موجود ہے ان کے اقوال کو سنتا ہے ان کو اور ان کے دلوں کو دیکھ رہا ہے۔ اپنے رسول کے واسطہ سے وہی بیعت لے رہا ہے۔ ایک اور آیت میں فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَ يُقْتَلُوْنَ ۟ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِيْلِ وَ الْقُرْاٰنِ ؕ وَ مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (التوبہ: 111) ''یقیناً اللہ تعالیٰ نے خرید لی ہیں ایمانداروں سے ان کی جانیں اور ان کے مال اس عوض میں کہ ان کے لئے جنت ہے۔ لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں پس قتل کرتے ہیں اور قتل کیے جاتے ہیں۔ وعدہ کیا ہے اللہ نے اس پر پختہ وعدہ توراۃ اور انجیل اور قرآن (تینوں کتابوں) میں اور کون زیادہ پورا کرنے والا ہے اپنے وعدہ کو اللہ تعالیٰ سے (اے ایمان والو!) پس خوشیاں مناؤ اپنے اس سودے پر جو کیا ہے تم نے اللہ سے۔ اور یہی تو سب سے بڑی فیروز مندی ہے''۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے اللہ کی راہ میں اپنی تلوار سونت لی اس نے اللہ کی بیعت کر لی۔ میں (ابن کثیر) نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجر اسود کے بارے میں فرمایا: اللہ کی قسم اللہ اسے قیامت کے دن مبعوث فرمائے گا۔ اس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے دیکھے گا۔ زبان ہوگی، اس سے بات کرے گا اور حق کے ساتھ جس نے اس کا استلام کیا اس کی گواہی دے گا۔ جس نے اس کا استلام کیا اس نے اللہ کی بیعت کی۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی: اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ...... یہ بیعت رضوان تھی جو حدیبیہ کے مقام پر ایک درخت تلے ہوئی۔ اس روز تیرہ سو یا چودہ سو یا پندرہ سو صحابہ نے بیعت کی۔ درمیانی تعداد زیادہ صحیح ہے۔

1۔ دیکھئے احزاب آیت: 45

اس موضوع سے متعلقہ روایات کا بیان

بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم حدیبیہ کے دن ایک ہزار چار سو تھے(1)۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔

بخاری و مسلم کی ایک دوسری روایت میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم اس دن چودہ سو تھے سرکار ﷺ نے اپنا دست مبارک پانی میں رکھا تو پانی آپ کی انگلیوں سے پھوٹ پڑا جسے سب نے سیر ہو کر پیا(2)۔ یہ ایک اور طویل حدیث کا اختصار ہے جس میں ہے کہ وہ حدیبیہ کے روز پیاسے تھے۔ سرکار ﷺ نے انہیں ایک تیر عطا فرمایا۔ انہوں نے اسے حدیبیہ کے کنویں میں گاڑا تو پانی کا چشمہ ابل پڑا۔ حتیٰ کہ سب کو کافی ہو گیا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا اس روز تمہاری تعداد کیا تھی؟ آپ نے فرمایا چودہ سو اور اگر ہم ایک لاکھ ہوتے تو یہ پانی کافی تھا(3)۔ صحیحین کی ایک روایت میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس روز ان کی تعداد پندرہ سو تھی(4)۔ بخاری میں قتادہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے پوچھا بیعت رضوان میں کتنے آدمی تھے؟ آپ نے فرمایا پندرہ سو۔ میں نے عرض کی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ چودہ سو تھے۔ آپ نے فرمایا: شاید حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو وہم ہو گیا ہے۔ انہوں نے خود مجھے بتایا تھا کہ ان کی تعداد پندرہ سو تھی(5)۔ عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک ہزار پانچ سو پچیس کی تعداد نقل کی ہے۔ مشہور یہی ہے جیسا کہ متعدد حضرات سے مروی ہے کہ ان کی تعداد چودہ سو تھی۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت قتادہ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ درخت کے نیچے چودہ سو تھے(6)۔ سلمہ بن اکوع، معقل بن یسار، براء بن عازب اور دیگر بہت سے اصحاب سیر و مغازی سے یہی مروی ہے۔ صحیحین میں عبداللہ بن ابی اوفی سے بھی چودہ سو کی تعداد مروی ہے(7)۔ محمد بن اسحاق نے سیرت میں مسور اور مروان سے روایت کیا ہے کہ عام الحدیبیہ میں رسول اکرم ﷺ زیارت بیت اللہ کے ارادہ سے نکلے۔ لڑائی کا کوئی پروگرام نہ تھا۔ آپ کے ساتھ ستر اونٹ قربانی کے لئے تھے۔ لوگ سات سو تھے ہر اونٹ دس افراد کی طرف سے۔ اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ۔ جیسے مجھے پتہ چلا ہے فرمایا کرتے تھے کہ اصحاب الحدیبیہ چودہ سو تھے(8)۔ یہ ابن اسحٰق کے اوہام میں سے ہے کیونکہ صحیحین کی محفوظ روایت میں ہے کہ ان کی تعداد چند سو تھی۔

بیعت رضوان کا سبب

محمد بن اسحٰق نے سیرت میں لکھا ہے: پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو مکہ بھیجنے کے لئے بلایا تا کہ اشراف قریش کو اپنی آمد کا مقصد بتائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! مجھے قریش سے اپنی جان کا خطرہ ہے اور مکہ میں میرے قبیلے بنو عدی کا کوئی فرد موجود نہیں جو مجھے پناہ دے سکے۔ قریش میری ان سے شدید عداوت سے آگاہ ہیں۔ لیکن میں آپ کو ایک

1۔ فتح الباری تفسیر سورۂ فتح، جلد 8 صفحہ 587، مسلم، کتاب الامارۃ، جلد 3 صفحہ 1484

2۔ فتح الباری، کتاب الاشربۃ، جلد 10 صفحہ 101، مسلم، کتاب الامارۃ، جلد 3 صفحہ 1484

3۔ فتح الباری، کتاب المناقب، جلد 6 صفحہ 581

4۔ فتح الباری، کتاب المغازی، جلد 7 صفحہ 441، مسلم، کتاب الامارۃ، جلد 3 صفحہ 1484

5۔ فتح الباری، کتاب المغازی، جلد 7 صفحہ 443

6۔ دلائل النبوۃ، جلد 4 صفحہ 98

7۔ فتح الباری کتاب المغازی، جلد 7 صفحہ 443، مسلم، کتاب الامارۃ، جلد 3 صفحہ 1485

8۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 309-308

آدمی کے بارے میں بتاتا ہوں جو مجھ سے زیادہ ان کے ہاں معزز ہیں اور وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں۔ چنانچہ آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ابوسفیان اور اشراف قریش کی طرف بھیجا کہ وہ لڑائی کے لئے نہیں بلکہ بیت اللہ کی زیارت کے لئے آئے ہیں۔
چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکہ گئے۔ مکہ مکرمہ میں داخلہ کے وقت ان کی ملاقات ابان بن سعید سے ہوئی۔ انہوں نے آپ کو اپنی پناہ میں لیا۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ابوسفیان اور عظماء قریش کے پاس پہنچے اور رسول اللہ ﷺ کا پیغام پہنچایا۔ پیغام سننے کے بعد وہ کہنے لگے: اگر آپ چاہتے ہیں تو طواف کر سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں رسول اللہ کے بغیر طواف نہیں کر سکتا۔ قریش نے آپ کو اپنے پاس روک لیا۔ رسول اکرم ﷺ اور مسلمانوں کو یہ خبر ملی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے ہیں۔ ابن اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن ابوبکر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ خبر سن کر فرمایا ہم ان لوگوں سے لڑائی کئے بغیر یہاں سے نہیں ٹلیں گے۔ اور آپ ﷺ نے لوگوں کو بیعت کی دعوت دی۔ بیعت رضوان ایک درخت کے نیچے تھی۔ لوگ کہتے تھے رسول اللہ ﷺ نے ان سے موت کی بیعت لی ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے موت نہیں بلکہ اس بات کی بیعت لی تھی کہ ہم لڑائی سے فرار اختیار نہیں کریں گے۔ چنانچہ تمام لوگوں نے بیعت کی۔ اس وقت موجود مسلمانوں میں سے کوئی بھی پیچھے نہ رہا۔ ماسوائے جد بن قیس (اخو بنی سلمہ) کے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بخدا میں اسے دیکھ رہا ہوں کہ وہ اپنی اونٹنی کے ساتھ لگ کر چھپنے کی کوشش کر رہا ہے۔ پھر آپ ﷺ کو یہ خبر ملی کہ یہ افواہ تھی (1)۔ ابن لہیعۃ نے عروہ بن زبیر سے تقریباً یہی روایت کیا ہے۔ اس میں یہ اضافہ بھی ہے کہ قریش نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یرغمال بنا کر سہیل بن عمرو، حویطب بن عبدالعزیٰ اور مکرز بن حفص کو رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا۔ اس دوران بعض مسلمانوں اور قریش کے درمیان بات بڑھ گئی اور تیر اندازی اور سنگباری تک نوبت جا پہنچی۔ دونوں فریق لڑائی پر تل گئے اور قاصد یرغمال بنا لئے گئے سرکار ﷺ کے منادی نے اعلان کیا کہ روح القدس رسول اللہ ﷺ کی بیعت کا حکم لے کر آئے ہیں۔ اللہ کے نام پر نکلو اور بیعت کرو۔ مسلمان آپ ﷺ کے پاس آئے۔ آپ ﷺ درخت کے نیچے تشریف فرما تھے انہوں نے اس بات پر بیعت کی کہ لڑائی سے پیٹھ نہیں پھیریں گے۔ یہ دیکھ کر مشرکین مرعوب ہو گئے۔ ان کے پاس جو مسلمان تھے وہ چھوڑ دیئے اور صلح کا معاہدہ کرنے کی پیش کش کی (2)۔ حافظ ابوبکر بیہقی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو بیعت کا حکم ہوا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے قاصد کی حیثیت سے اہل مکہ کے پاس تھے۔ چنانچہ لوگوں نے بیعت کر لی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا اے اللہ عثمان اللہ اور اس کے رسول کے کام سے گئے ہیں۔ پھر اپنا ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مارا۔ عثمان کے لئے رسول اللہ کا ہاتھ ان سب کے ہاتھوں سے بہتر تھا۔ ابن ہشام رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے یہی روایت کیا ہے (3)۔ عبدالملک بن ہشام نحوی نے شعبی سے روایت کیا ہے کہ سب سے پہلے بیعت رضوان کی سعادت حاصل کرنے والے ابوسنان اسدی تھے۔ ابوبکر عبداللہ بن زبیر حمیدی نے بھی شعبی سے یہی روایت کیا ہے (4)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے نافع سے روایت کیا ہے کہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے قبل اسلام لائے۔ بات یوں نہیں ہے بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حدیبیہ کے دن عبداللہ کو ایک انصاری کے پاس بھیجا تا کہ آپ کا گھوڑا لائیں۔ رسول اللہ ﷺ درخت کے پاس بیعت لے رہے تھے۔ حضرت عمر رضی

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 316-315
2۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 4 صفحہ 134-133
3۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 316، ابوداؤد، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 74
4۔ بیہقی: دلائل النبوۃ، جلد 7 صفحہ 137

اللہ عنہ کو اس بات کا علم نہ تھا۔ چنانچہ عبداللہ نے بیعت کی اور پھر جا کر گھوڑا لے آئے اور باپ کو پیش کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ لڑائی کے لئے ہتھیار زیب تن کر رہے تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو بتایا کہ رسول اللہ ﷺ لڑائی کے لئے بیعت لے رہے ہیں۔ چنانچہ آپ بیٹے کے ساتھ گئے اور بیعت کی۔ اسی لئے لوگ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر، حضرت عمر رضی اللہ عنہم سے پہلے اسلام لائے (1)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور روایت میں نقل کیا ہے کہ حدیبیہ کے موقع پر لوگ ادھر ادھر درختوں کے سائے میں تھے۔ اچانک لوگ سرکار ﷺ کے گرد جمع ہو گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیٹے کو صورت حال کا پتہ کرنے کے لئے بھیجا۔ چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ گئے تو لوگ بیعت کر رہے تھے آپ نے بیعت کی واپس آ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بتایا تو آپ نے بھی آ کر بیعت کی (2)۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ لیث نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم حدیبیہ کے روز چودہ سو تھے۔ ہم نے بیعت کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے...... الخ (3)۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے اس دن دیکھا کہ نبی ﷺ لوگوں سے بیعت لے رہے تھے اور میں ایک ٹہنی آپ ﷺ کے سر سے ہٹائے ہوئے تھا۔ اس دن ہماری تعداد چودہ سو تھی۔ ہم نے موت پر بیعت نہیں بلکہ اس بات پر بیعت کی کہ ہم راہ فرار اختیار نہیں کریں گے (4)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے درخت کے نیچے سرکار ﷺ کی بیعت کی۔ یزید نے کہا میں نے پوچھا اے ابومسلم تم اس دن کس چیز پر بیعت کر رہے تھے۔ فرمایا موت پر (5)۔ بخاری اور مسلم کی بعض دیگر روایات سے بھی یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ موت کی بیعت تھی (6)۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حدیبیہ آئے۔ ہماری تعداد چودہ سو تھی۔ اس کا پانی پچاس بکریوں کو سیراب کرنے کے برابر بھی نہ تھا۔ سرکار اقدس ﷺ اس کے کنارے تشریف فرما ہوئے یا تو دعا فرمائی یا پھر اس میں لعاب مبارک ڈالا۔ وہ کنواں ابلنے لگا۔ ہم نے خود بھی پیا اور جانوروں کو بھی پلایا۔ پھر سرکار ﷺ نے درخت کے پاس بیعت کرنے کا حکم دیا۔ سب سے پہلے میں نے بیعت کی اور لوگ بھی بیعت کرتے رہے۔ میں لوگوں کے درمیان کھڑا تھا کہ آپ ﷺ نے فرمایا اے سلمہ بیعت کرو۔ میں نے عرض کی میں سب سے پہلے بیعت کر چکا ہوں۔ آپ نے فرمایا پھر بیعت کرو۔ فرمایا سرکار نے مجھے دیکھا کہ میرے پاس اسلحہ نہیں۔ آپ ﷺ نے مجھے ایک ڈھال عطا فرمائی۔ پھر بیعت لینے لگے۔ آخر میں فرمایا اے سلمہ کیا تم بیعت نہیں کرو گے؟ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میں پہلے دو مرتبہ بیعت کر چکا ہوں فرمایا پھر بیعت کرو۔ چنانچہ میں نے تیسری مرتبہ بیعت کی۔ آپ نے فرمایا اے سلمہ! تیری ڈھال کہاں ہے جو میں نے تجھے دی ہے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ میں نے عامر کو خالی دیکھا تو اسے دے دی۔ یہ سن کر آپ ﷺ ہنس دیئے اور فرمایا تو اس شخص کی طرح ہے جس نے کہا تھا: اے اللہ مجھے وہ محبوب دے جو میرے نفس سے بھی زیادہ مجھے محبوب ہو۔ فرمایا پھر مشرکین نے ہمیں صلح کا پیغام بھیجا۔ گفتگو جاری رہی۔ آخر صلح ہو گئی۔ میں طلحہ بن عبیداللہ کا خادم تھا میں ان کے گھوڑے کو پانی پلاتا اور ان کے ساتھ رکھتا۔ اور ان کا کھانا کھاتا تھا۔ میں نے اپنے اہل وعیال اور مال کو مکہ میں چھوڑ کر ہجرت کی تھی۔ جب صلح ہو گئی اور ہم ایک دوسرے سے گھل مل گئے، میں ایک درخت کے نیچے آیا۔ کانٹے صاف کئے اور اس کے سائے میں لیٹ گیا۔ مشرکین مکہ میں چار افراد میرے پاس آئے اور سرکار کی شان

1۔ فتح الباری، کتاب المغازی، جلد 7 صفحہ 456-455 2۔ فتح الباری، کتاب المغازی، جلد 7 صفحہ 456-455
3۔ مسلم، کتاب الامارۃ، جلد 3 صفحہ 1483 4۔ مسلم، ایضاً، جلد 3 صفحہ 1485 5۔ فتح الباری، کتاب الجہاد، جلد 6 صفحہ 117
6۔ فتح الباری، کتاب الجہاد، جلد 6 صفحہ 117، کتاب الاحکام، جلد 13، جلد 199، مسلم کتاب الامارۃ، جلد 3 صفحہ 1486

میں گستاخی کرنے لگے۔ میں نے ان سے نفرت کی اور دوسرے درخت کی طرف چلا گیا۔ وہ اپنا اسلحہ لٹکا کر لیٹ گئے۔ اتنے میں وادی کے نیچے سے کسی نے آواز دی اے مہاجرین! ابن زنیم مارا گیا۔ میں نے تلوار سونت لی اور ان چاروں پر کھڑا ہو گیا۔ میں نے ان کے ہتھیار قابو کر لئے اور کہنے لگا اس ذات کی قسم جس نے محمد ﷺ کو عزت دی! اگر تم میں سے کسی نے سر اٹھایا تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ پھر میں انہیں ہانک کر رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں لے آیا۔ میرا چچا عامر عبلات سے ایک شخص کو لے کر آیا۔ اس کا نام مکرز تھا۔ حتیٰ کہ ہم مشرکین کے ستر افراد کو ہانک کر لے آئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا انہیں چھوڑ دو غلطی کی ابتداء اور اعادہ انہی کی طرف سے ہوگا۔ پھر آپ نے انہیں معاف کر دیا۔ تو یہ آیت نازل ہوئی: وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا (فتح:24)۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تقریباً یہی بات روایت کی ہے (1)۔ صحیحین میں سعید بن مسیب سے مروی ہے کہ میرے والد نے بیعت رضوان میں رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی تھی (2)۔ ابوبکر حمیدی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو بیعت کے لئے بلایا تو ہم نے قیس بن جد نامی ایک شخص کو دیکھا کہ اونٹ کے ساتھ چھپنے کی کوشش کر رہا ہے (3)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ درخت کے نیچے بیعت کرنے والا آگ میں داخل نہیں ہو گا (4)۔ حمیدی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ یوم حدیبیہ کو ہم چودہ سو تھے۔ سرکار ﷺ نے ہمیں ارشاد فرمایا آج روئے زمین پر تم سب سے بہتر ہو۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر میری نظر باقی ہوتی تو میں تمہیں درخت والی جگہ بتاتا۔ سفیان کا قول ہے کہ درخت والی جگہ کے بارے میں اختلاف تھا (5)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا درخت کے نیچے بیعت کرنے والا ہر شخص جنتی ہے ماسوائے سرخ اونٹ والے کے۔ فرماتے ہیں ہم ادھر ادھر پھیل گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک آدمی کا اونٹ گم ہو گیا ہے۔ ہم نے کہا آؤ بیعت کر لو وہ کہنے لگا مجھے میرا اونٹ مل جائے تو میرے نزدیک یہ بیعت کرنے سے بہتر ہے۔ عبداللہ بن احمد نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اور مسلم نے عبیداللہ سے یہی روایت کیا ہے (6)۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حاطب بن ابی بلتعہ کا ایک غلام حاطب کی شکایت لے کر آیا اور عرض کرنے لگا یا رسول اللہ ﷺ! حاطب ضرور آگ میں داخل ہوگا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: تو نے جھوٹ بولا۔ وہ آگ میں داخل نہ ہوگا وہ بدر اور حدیبیہ میں شامل تھا (7)۔

سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَ اَهْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ۭ بَلْ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ⑪ بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ

1۔ دلائل النبوۃ جلد 4 صفحہ 141-138، مسلم، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 1433

2۔ فتح الباری، کتاب المغازی، جلد 7 صفحہ 447، مسلم، کتاب الامارۃ، جلد 3 صفحہ 1485

3۔ بیہقی: دلائل، جلد 4 صفحہ 136، مسلم، کتاب الامارۃ، جلد 3 صفحہ 1483

4۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 350

5۔ فتح الباری، کتاب المغازی، جلد 7 صفحہ 443، مسلم، کتاب الامارۃ، جلد 3 صفحہ 1484، بیہقی: دلائل، جلد 4 صفحہ 97

6۔ مسلم، کتاب صفات المنافقین، جلد 4 صفحہ 2145-2144

7۔ مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، جلد 4 صفحہ 1942

لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّ زُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَ ظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۚۖ وَ كُنْتُمْ قَوْمًۢا بُوْرًا ۝ وَ مَنْ لَّمْ يُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ فَاِنَّاۤ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ۝ وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

''عنقریب آپ سے عرض کریں گے وہ دیہاتی جو پیچھے چھوڑ گئے تھے ہمیں بہت مشغول رکھا ہمارے مالوں اور اہل وعیال نے پس ہمارے لئے معافی طلب کریں۔ (اے حبیب!) یہ اپنی زبانوں سے ایسی بات کرتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں آپ (انہیں) فرمائیے کون ہے جو اختیار رکھتا ہو اللہ کے مقابلے میں کسی چیز کا، اگر ارادہ فرمائے تمہارے لئے کسی ضرر کا یا ارادہ فرمائے تمہارے لئے کسی نفع کا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے پوری طرح باخبر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تم نے خیال کرلیا تھا کہ اب ہرگز لوٹ کر نہیں آئے گا یہ پیغمبر اور ایمان والے اپنے اہل خانہ کی طرف کبھی اور بڑا خوشنما لگتا تھا یہ ظن (فاسد) تمہارے دلوں کو اور تم طرح طرح کے برے خیالوں میں مگن رہے (اس وجہ سے) تم برباد ہونے والی قوم بن گئے۔ اور جو نہ ایمان لے آئے اللہ پر اور اس کے رسول پر تو بیشک ہم نے ان تمام کافروں کے لئے بھڑکتی آگ تیار کر رکھی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔ بخش دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور سزا دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو خبر دے رہے ہیں کہ وہ بدو جو اپنے اہل خانہ کے ساتھ ٹھہرے رہے اور اپنے کاموں میں مشغول رہے اور سرکار کے ساتھ لڑائی کے لئے نہیں نکلے اب اپنی مصروفیت کا بہانہ کرتے ہوئے معذرت کرتے ہیں۔ اور آپ سے استغفار کی درخواست کرتے ہیں وہ ایسا علی سبیل الاعتقاد نہیں کہہ رہے بلکہ وہ تقیہ کرتے ہیں۔ فرمایا تمہارا پیچھے رہ جانا بوجہ عذر نہیں بلکہ نفاق کی وجہ سے تھا۔ تم نے سمجھا تھا کہ یہ لوگ ادھر ہی قتل ہو جائیں گے اور ان کا نام ونشان مٹ جائے گا۔

بُوْرًا: ہلاک شدہ۔ قتادہ نے کہا ہے یعنی فساد پھیلانے والے۔ ایک قول کے مطابق یہ عمان کی زبان ہے۔

سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ؕ بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝

''کہیں گے (پہلے سفر جہاد سے) پیچھے چھوڑے جانے والے جب تم روانہ ہو گے اموال غنیمت کی طرف تاکہ تم ان پر قبضہ کر لو ہمیں بھی اجازت دو کہ تمہارے پیچھے پیچھے آئیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ وہ اللہ کے حکم کو بدل دیں۔ فرمائیے تم قطعاً ہمارے پیچھے نہیں آسکتے، یونہی فرمادیا ہے اللہ تعالیٰ نے پہلے سے۔ پھر وہ کہیں گے کہ (نہیں) بلکہ تم ہم سے حسد کرتے ہو۔ (ان کا یہ غلط خیال ہے) درحقیقت وہ (احکام الٰہی کے اسرار کو) بہت کم سمجھتے ہیں''۔

وہ بدو جو غزوۂ حدیبیہ میں پیچھے رہ گئے تھے۔ جب نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام خیبر کی طرف جانے لگے تو انہوں نے ہمراہی کی

خواہش ظاہر کی۔ ارشاد ہوا کہ انہیں اجازت نہ دی جائے۔ اللہ تعالی نے اہل حدیبیہ سے خیبر کی غنیمت کا وعدہ فرمایا تھا جس میں دیگر بدو شریک نہیں ہو سکتے(1)۔

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ۗ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝

''فرما دیجئے ان پیچھے چھوڑ دیے جانے والے بدوی عربوں کو کہ عنقریب تمہیں دعوت دی جائے گی ایک ایسی قوم سے جہاد کی جو بڑی سخت جنگجو ہے تم ان سے لڑائی کرو گے یا وہ ہتھیار ڈال دیں گے۔ پس اگر تم نے اس وقت اطاعت کی تو اللہ تعالیٰ تمہیں بہت اچھا اجر دے گا۔ اور اگر تم نے (اس وقت بھی) منہ موڑا جیسے تم نے پہلے منہ موڑا تھا تو تمہیں اللہ تعالیٰ دردناک عذاب دے گا۔ نہ اندھے پر کوئی گناہ ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی گناہ ہے اور نہ ہی مریض پر کوئی گناہ ہے۔ (اگر یہ شریک جہاد نہ ہو سکیں) اور جو شخص اطاعت کرتا ہے اللہ اور اس کے رسول کی داخل فرمائے گا اسے باغات میں رواں ہیں جن کے نیچے نہریں۔ اور جو شخص روگردانی کرے گا اللہ تعالیٰ اسے دردناک عذاب دے گا''۔

مفسرین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ سے مراد کون سی قوم ہے۔ اس میں متعدد اقوال ہیں:۔

(۱) یہ بنو ہوازن ہے۔ سعید بن جبیر، عکرمہ اور قتادہ سے یہی مروی ہے۔

(۲) بنو ثقیف۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ہے۔

(۳) بنو حنیفہ۔ جویبر، محمد بن اسحٰق، زہری، سعید بن جبیر اور عکرمہ کی یہ رائے ہے۔

(۴) اہل فارس۔ علی بن ابی طلحہ، ابن عباس، عطاء، مجاہد اور ایک روایت کے مطابق عکرمہ کی بھی یہی رائے ہے۔ کعب احبار نے کہا ہے یہ رومی ہیں۔ اور ابن ابی لیلیٰ، عطاء، حسن اور قتادہ نے رومی و ایرانی مراد لئے ہیں۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ بت پرست ہیں۔ ایک روایت کے مطابق انہوں نے کسی خاص تعیین کے بغیر طاقتور لوگ مراد لئے ہیں۔ ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ سے یہی منقول ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے ہی اختیار کیا ہے(2)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ یہ لوگ ابھی نہیں آئے۔ ایک روایت کے مطابق حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس سے مراد دعوت مبارزت دینے والے لئے ہیں۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ تم چھوٹی آنکھوں اور چپٹی ناک والی قوم سے لڑائی کرو۔ گویا ان کے چہرے ڈھال کی طرح ہیں۔ سفیان کا قول ہے کہ یہ ترک ہیں۔ حضرت ابن ابی عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا..... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہمارے پاس آئے

1۔ طبری، جلد 26 صفحہ 80
2۔ طبری، جلد 26 صفحہ 84-83

اور حدیث مبارکہ (تم ایک قوم سے لڑو گے جن کے جوتے بالوں کے ہیں) کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا اس سے مراد ''کُرد'' ہیں۔ آخر میں ترک جہاد کے عذروں کا بیان فرمایا ان میں سے بعض دائمی ہیں اور بعض عارضی جیسے بیماری۔

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ عَلَیْهِمْ وَ اَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا ﴿۱۸﴾ وَّ مَغَانِمَ كَثِیْرَةً یَّاْخُذُوْنَهَا وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِیْزًا حَكِیْمًا ﴿۱۹﴾

''یقیناً راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ ان مومنوں سے جب وہ بیعت کر رہے تھے آپ کی اس درخت کے نیچے پس جان لیا اس نے جو کچھ ان کے دلوں میں تھا پس اتارا اس نے اطمینان کو ان پر اور بطور انعام انہیں یہ قریبی فتح بخشی۔ اور بہت سی غنیمتیں بھی (عطا کیں) جن کو وہ (عنقریب) حاصل کریں گے، اور اللہ سب سے زبردست بڑا دانا ہے''۔

مومنین جنہوں نے بیعت کی سعادت حاصل کی اللہ ان سے اپنی رضامندی کا اظہار فرما رہے ہیں۔ ان کی تعداد کا پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ وہ چودہ سو تھے۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے طارق بن عبدالرحمٰن سے روایت کیا ہے کہ میں حج کے ارادے سے چلا۔ ہمارا گزر کچھ لوگوں کے پاس سے ہوا جو نماز پڑھ رہے تھے۔ میں نے پوچھا یہ سجدہ گاہ کون سی ہے۔ انہوں نے بتایا یہ درخت وہ ہے جس کے نیچے بیعت رضوان ہوئی تھی۔ میں نے سعید بن مسیّب کے پاس آ کر پوچھا تو انہوں نے بتایا میرا باپ ان بیعت کرنے والوں میں شامل تھا۔ جب ہم اگلے سال آئے تو بھول گئے اور اسے تلاش نہ کر سکے۔ سعید نے کہا صحابہ کرام کو تو اس کا پتہ نہیں تھا اور تمہیں پتہ ہے لہٰذا تم بڑے عالم ہو۔ (انہوں نے علی سبیل الاستنکار یہ فرمایا تھا)(1)۔

مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ یعنی صدق، وفاء اور سمع و طاعت۔

وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا یعنی جو صلح طے پائی اور اس کے معاً بعد فتح خیبر اور فتح مکہ پھر اس کے بعد تمام علاقے فتح ہونے سے جو خیر حاصل ہوئی اور دنیا و آخرت میں جو عزت، نصرت اور رفعت ملی۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے ہم دوپہر کو آرام کر رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے منادی نے آواز دی اے لوگو! بیعت کرو۔ روح القدس اتر آئے ہیں ہم آپ ﷺ کی طرف آئے۔ یہ درخت سمر (ببول) کا تھا(2)۔ فرمایا: آپ نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مارا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے بیعت کی۔ لوگ کہتے ہیں ابن عفان کو مبارک ہو۔ وہ بیت اللہ شریف کا طواف کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہوں گے اور ہم یہاں ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر اتنا عرصہ ٹھہرا رہا تو طواف نہیں کرے گا یہاں تک کہ میں طواف کروں(3)۔

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِیْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَ كَفَّ اَیْدِیَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَ لِتَكُوْنَ اٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ وَ یَهْدِیَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا ﴿۲۰﴾ وَّ اُخْرٰی لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرًا ﴿۲۱﴾ وَ لَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا

1۔ فتح الباری، کتاب المغازی، جلد 7 صفحہ 447 2۔ السمر: ایک درخت ہے جسے اونٹ چرتے ہیں ضرب من شجر الطلح وھو شجر عظام ترعاہ الابل

3۔ طبری، جلد 26 صفحہ 86 درمنثور، جلد 7 صفحہ 521

الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا یَجِدُوْنَ وَلِیًّا وَّ لَا نَصِیْرًا ﴿۲۲﴾ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚۖ وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا ﴿۲۳﴾ وَ هُوَ الَّذِیْ كَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ وَ اَیْدِیَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَیْهِمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا ﴿۲۴﴾

"(اے غلامانِ مصطفیٰ) اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ فرمایا ہے جنہیں تم (اپنے اپنے وقت پر) حاصل کرو گے۔ پس جلدی دے دی ہے تمہیں یہ (صلح) اور روک دیا ہے اس نے لوگوں کے ہاتھوں کو تم سے۔ اور تاکہ ہو جائے یہ (ہماری نصرت کی) نشانی اہل ایمان کے لئے اور تاکہ ثابت قدمی سے گامزن رکھے تمہیں صراط مستقیم پر۔ اور کئی مزید فتوحات بھی جن پر تم قدرت نہیں رکھتے تھے لیکن وہ اللہ کے احاطہ قدرت میں ہیں۔ اور اللہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔ اور اگر جنگ کرتے تم سے یہ کفار تو پیٹھ دے کر بھاگ جاتے پھر نہ پاتے کسی کو (دنیا بھر میں) اپنا دوست اور مددگار۔ یہ اللہ کا دستور ہے جو پہلے سے چلا آتا ہے۔ اور اللہ کے دستور میں تو ہرگز کوئی تبدیلی نہیں پائے گا۔ اور اللہ وہی ہے جس نے روک دیا تھا ان کے ہاتھوں کو تم سے اور تمہارے ہاتھوں کو ان سے وادیٔ مکہ میں باوجودیکہ تمہیں ان پر قابو دے دیا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کر رہے تھے خوب دیکھ رہا تھا"۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس سے مراد آج تک حاصل ہونے والی تمام غنیمتیں ہیں۔

فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ یعنی فتح خیبر۔ عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے یعنی صلح حدیبیہ۔

كَفَّ اَیْدِیَ النَّاسِ عَنْكُمْ یعنی دشمن سے تمہیں کوئی گزند نہ پہنچا۔ اسی طرح تم اپنے پیچھے جن لوگوں کو چھوڑ آئے تھے، ان سے تمہارے اہل وعیال کو محفوظ رکھا۔

لِتَكُوْنَ اٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یعنی وہ عبرت حاصل کریں۔ اللہ تمام اعداء سے قلت تعداد کے باوصف ان کا حافظ و ناصر ہے۔ نیز تاکہ وہ جان لیں جو اللہ ان سے کرنے والا ہے وہ امور کے انجام سے آگاہ ہے۔ بہتر وہی ہے جو وہ مؤمنین کے لئے اختیار کرے اگرچہ بظاہر وہ اسے ناپسند کریں۔ جیسے ارشاد فرمایا: وَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْــٴًـا وَّ هُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ (بقرہ:216) "اور ہوسکتا ہے کہ تم ناپسند کرو کسی چیز کو حالانکہ وہ تمہارے لئے بہتر ہو"۔

وَّ اُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهَا...... ایک دوسری غنیمت اور معین فتح جس پر تم قادر نہیں تھے۔ اللہ نے اسے تمہارے لئے آسان بنا دیا اور تمہاری خاطر اسے گھیر لیا۔ اللہ اپنے متقی بندوں کو وہاں سے رزق دیتا ہے جس کا انہیں گمان تک نہیں ہوتا۔ مفسرین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ اس غنیمت سے کیا مراد ہے؟ عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ خیبر ہے۔ یہ اس صورت میں ہے جب (فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ) سے مراد صلح حدیبیہ لی جائے۔ ضحاک، ابن اسحاق، عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے یہی کہا ہے۔ قتادہ کے نزدیک یہ مکہ ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے ہی اختیار کیا ہے (1)۔ ابن ابی لیلیٰ، حسن بصری کے نزدیک یہ فارس و روم ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قیامت تک حاصل ہونے والی ہر فتح اور غنیمت ہے۔ ابوداؤد طیالسی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی روایت کیا ہے (2)۔

1۔ اخرجہ عبد بن حمید، ابن منذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، بیہقی، در منثور، جلد 7 صفحہ 525 2۔ ایضاً

وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ...... اللہ اپنے بندوں کو یہ خوشخبری دے رہا ہے کہ اگر مشرکین ان کے مقابلے پر آئے تو اللہ اپنے رسول اور مومنین کو نصرت عطا فرمائے گا اور کفار کو شکست فاش ہوگی۔

سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ...... مخلوق میں اللہ کی سنت و عادت یہی ہے کہ کسی فیصلہ کن مقام پر کفر و ایمان کا معرکہ بپا نہیں ہوا مگر اللہ نے ایمان کو کفر پر نصرت دی، حق کو بلند و بالا اور باطل کو خائب و خاسر کیا۔ جیسا کہ بدر کے دن قلت تعداد و اسلحہ کے باوجود کفار پر ان کی کثرت اور وافر اسلحہ کے باوجود مومنین کو فتح دی۔

هُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ...... یہ اللہ کا مومنین پر احسان ہے۔ جس طرح کہ سلمہ بن اکوع والی روایت میں گزر چکا ہے، جب وہ ستر قیدیوں کو لائے تھے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حدیبیہ کے دن رسول اکرم ﷺ اور آپ کے اصحاب پر اہل مکہ کے اسی آدمیوں نے جبل تنعیم کی طرف سے حملہ کر دیا۔ وہ آپ ﷺ کو دھوکہ دینا چاہتے تھے۔ آپ نے ان پر بددعا فرمائی تو وہ پکڑے گئے۔ عفان کا قول ہے پھر آپ نے انہیں معاف فرما دیا اور یہ آیت نازل ہوئی (1)۔ مسلم، ابوداؤد نے سنن اور ترمذی و نسائی نے اپنی اپنی سنن کی کتاب التفسیر میں اسے روایت کیا ہے (2)۔ احمد نے عبداللہ بن مغفل مزنی سے روایت کیا ہے کہ ہم اس درخت کے نیچے رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے جس کا قرآن نے ذکر کیا ہے۔ اس درخت کی شاخیں سرکار ﷺ کی پشت پر پڑ رہی تھیں۔ علی بن ابی طالب اور سہیل بن عمرو آپ کے سامنے تھے۔ سرکار ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا لکھو: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سہیل نے آپ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا ہم رحمٰن اور رحیم کو نہیں جانتے ہمارے معاملہ میں وہی لکھو جو ہم جانتے ہیں۔ فرمایا: لکھو ''باسمک اللھم'' اور لکھا: ''یہ معاہدۂ صلح ہے محمد رسول اللہ اور اہل مکہ کے درمیان۔'' سہیل بن عمرو نے پھر آپ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا اگر آپ اس کے رسول ہیں تو ہم نے آپ پر ظلم کیا۔ ہمارے مسئلہ میں وہی لکھو جو ہم جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: لکھو'' اس بات پر محمد بن عبداللہ نے صلح کی ہے۔'' ہم اسی حالت میں تھے کہ تیس مسلح نوجوان اچانک ہمارے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے۔ سرکار نے ان پر بددعا فرمائی تو اللہ نے ان کے کانوں کو پکڑ لیا۔ ہم اٹھے اور انہیں گرفتار کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کیا تم کسی کے عہد میں ہو؟ یا کیا تمہیں کسی نے امان دی ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ تو آپ نے انہیں آزاد کر دیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اسے نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے (3)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن ابزیٰ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ جب قربانی کے جانور لے کر نکلے اور مقام ذوالحلیفہ پر پہنچے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے نبی آپ ایسی قوم کی طرف بغیر اسلحہ کے جا رہے ہیں جن سے آپ کی جنگ ہے تو آپ ﷺ نے مدینہ پیغام بھیجا اور تمام گھوڑے اور اسلحہ لے لیا۔ جب مکہ کے قریب پہنچے تو کفار نے آپ کو داخل ہونے سے روک دیا۔ آپ چلتے چلتے منیٰ پہنچ کر وہیں فروکش ہو گئے۔ آپ کے جاسوس نے خبر دی کہ عکرمہ بن ابوجہل پانچ سو سوار لے کر آ رہا ہے۔ آپ ﷺ نے خالد بن ولید کو فرمایا یہ تیرا چچازاد لشکر لے کر آ رہا ہے۔ خالد نے کہا میں اللہ اور اس کے رسول کی تلوار ہوں۔ (اسی دن آپ کا لقب سیف اللہ پڑا)۔ یا رسول اللہ ﷺ جدھر چاہیں مجھے چلائیں۔ سرکار ﷺ نے انہیں ایک دستے کے ساتھ بھیجا۔ گھاٹی میں عکرمہ سے ان

1۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 290- 125-124-122، مسلم، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 1442 سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 61، عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۂ فتح، جلد 12 صفحہ 150-149 واخرجہ النسائی بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 1 صفحہ 116

2۔ ایضاً مرجع مذکور　3۔ ایضاً مرجع مذکور

کی مڈبھیڑ ہوئی۔ آپ نے اسے شکست دے کر مکہ کی دیواروں میں پہنچا دیا۔ وہ دوبارہ پلٹا۔ آپ نے دوبارہ شکست دے کر مکہ میں واپس داخل کر دیا۔ وہ تیسری مرتبہ پھر حملہ آور ہوا تو آپ نے اسے پھر شکست دے کر واپس مکہ کی طرف لوٹنے پر مجبور کر دیا تو یہ آیت عَذَابًا اَلِیْمًا تک نازل ہوئی۔ اللہ نے اپنے نبی کو ان پر غالب کرنے کے بعد روک دیا ان مسلمانوں کی خاطر جو وہاں باقی رہ گئے تھے یہ ناپسند کرتے ہوئے کہ گھوڑے انہیں روند ڈالیں(1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عکرمہ مولی ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ قریش نے اپنے چالیس یا پچاس نوجوانوں کو بھیجا کہ رسول اللہ ﷺ کے لشکر کے گرد چکر لگائیں تا کہ آپ کے اصحاب کو گزند پہنچائیں لیکن وہ پہلے ہی دھر لئے گئے اور سرکار کی بارگاہ میں لائے گئے۔ آپ نے انہیں معاف فرما کر آزاد کر دیا حالانکہ انہوں نے آپ ﷺ کے لشکر پر پتھر اور تیر برسائے تھے(2)۔

قتادہ کا قول ہے "ابن زنیم" نامی ایک آدمی حدیبیہ میں ایک گھاٹی پر چڑھا مشرکین نے اسے تیر مار کر قتل کر دیا۔ سرکار نے ایک دستہ بھیجا وہ بارہ کافر گھڑ سواروں کو پکڑ کر لے آئے۔ سرکار نے پوچھا کیا تم کسی کی امان یا ذمہ داری میں ہو؟ انہوں نے کہا نہیں تو آپ نے انہیں چھوڑ دیا(3)۔

هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ۭ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَــٴُـوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَعَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰي وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝

"یہی وہ (بدنصیب) ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تمہیں بھی روک دیا مسجد حرام (میں داخل ہونے) سے اور قربانی کے جانوروں کو بھی کہ وہ بندھے رہیں اور اپنی جگہ تک نہ پہنچ سکیں۔ اور اگر نہ ہوتے (مکہ میں) چند مسلمان مرد اور چند مسلمان عورتیں جن کو تم نہیں جانتے (اور یہ اندیشہ نہ ہوتا) کہ تم روند ڈالو گے انہیں سو تمہیں پہنچے گی ان کی وجہ سے عار بے علمی کے باعث۔ (نیز) تا کہ داخل کرے اللہ اپنی رحمت میں جسے چاہے۔ اگر یہ (کلمہ گو) الگ ہو جاتے تو (اس وقت) جنہوں نے کفر کیا ان میں سے تو ہم انہیں دردناک عذاب میں مبتلا کر دیتے۔ جب جگہ دی کفار نے اپنے دلوں میں ضد کو وہی (زمانہ) جاہلیت کی ضد تو نازل فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنی تسکین کو اپنے رسول (مکرم) پر اور اہل ایمان پر اور انہیں استقامت بخش دی تقویٰ کے کلمہ پر اور وہ اس کے حقدار بھی تھے اور اس کے اہل بھی تھے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے"۔

هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا یہ کفار ہیں نہ کوئی اور۔

1۔ طبری، جلد 26 صفحہ 95 — 2۔ طبری، جلد 26 صفحہ 94، سیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 314

3۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 527، طبری، جلد 26 صفحہ 95-94

صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حالانکہ تم اس کے زیادہ حقدار ہو۔ بلکہ درحقیقت تم ہی اس کے مالک ہو۔

وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا۔ ھدی کے جانوروں کی تعداد ستر اونٹ تھی۔

لَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ یعنی ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو پوشیدہ طور پر مسلمان ہیں۔ لیکن اگر ہم نے تمہیں ان پر مسلط کر دیا اور تم نے انہیں قتل کر دیا تو وہ مسلمان بھی مفت میں رگڑے جائیں گے۔

معرۃ: گناہ اور جرمانہ۔ تزیل: پہچان کرنا۔ حافظ ابوالقاسم طبرانی نے روایت کیا ہے میں نے جنید بن سبع کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا میں نے ابتدائے دن میں بحالت کفر رسول اللہ ﷺ سے لڑائی کی۔ اور دن کے آخری حصے میں مسلمان ہو کر آپ کے ساتھ لڑائی میں حصہ لیا۔ ہمارے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی لَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ ہم نو افراد تھے سات مرد اور دو عورتیں (1)۔

یہی روایت طبرانی میں ایک اور سند سے بھی ہے (2)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت سعید بن جبیر ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ اگر کفار مومنین سے ممتاز ہو جاتے تو ان کے قتل کے ساتھ ان پر دردناک عذاب نازل ہوتا۔

حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ جب انہوں نے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اور محمد رسول اللہ لکھنے سے انکار کر دیا۔

كَلِمَةَ التَّقْوٰى یہ کلمہ لا اله إلا اللّٰہ ہے جیسا کہ ابن جریر اور عبداللہ بن امام احمد سے مروی ہے کہ ابی بن کعب نے رسول اللہ ﷺ کو یہی معنی ارشاد فرماتے سنا (3)۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے سعید بن مسیب سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے انہیں بتایا کہ رسول اللہ نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے لڑوں یہاں تک کہ وہ لا اله إلّا اللّٰہ کہہ دیں۔ جس نے یہ کلمہ کہہ لیا تو اس نے اپنا مال اور جان مجھ سے بچالی مگر اس کے حق سے اور اس کا حساب اللہ کے ذمے ہے۔ قرآن کریم میں ایک قوم کا ذکر آتا ہے: اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ (4) ''کفار کا یہ حال ہے کہ جب انہیں کہا جاتا ہے کہ نہیں کوئی معبود اللہ کے سوا تو یہ تکبر کرنے لگتے ہیں''۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا معنی اخلاص کیا ہے۔ عطاء بن ابی رباح کے نزدیک اس سے مراد لا اله إلا اللّٰه وحده لا شريك له، له الملك، وله الحمد وهو على كل شئ قدير ہے۔

مسود کے نزدیک: لا اله إلا اللّٰه وحده لا شريك له۔

علی اور ابن عمر کے نزدیک: لا اله إلا اللّٰه واللّٰه أكبر۔

علی بن ابی طلحہ اور ابن عباس کے نزدیک اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کا کوئی شریک نہیں اور یہی تقوی کی اساس ہے۔

سعید بن جبیر کے نزدیک: لا اله إلا اللّٰه کہنا اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔

عطاء خراسانی کے نزدیک: لا اله إلا اللّٰه محمد رسول اللّٰه۔

عبداللہ بن مبارک اور زہری کے نزدیک: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

قتادہ کا قول ہے کہ لا اله إلا اللّٰه کہنا اور مسلمان اس کے اہل اور زیادہ حقدار ہیں (5)۔

1۔ المعجم الکبیر، جلد 2 صفحہ 290　　2۔ المعجم الکبیر، جلد 4 صفحہ 24

3۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 138 تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 104 عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۃ فتح، جلد 12 صفحہ 151-15

4۔ الصافات: 35 طبری، جلد 26 صفحہ 103-104　　5۔ طبری، جلد 26 صفحہ 106

نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ابی بن کعب آیت کریمہ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ کی تفسیر میں فرماتے اگر تم بھی ان کی طرح ہو جاتے تو مسجد حرام میں فساد برپا ہو جاتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب یہ خبر ملی تو آپ نے ان پر سختی کی تو آپ نے فرمایا: آپ کو پتہ ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا کرتا تھا اور آپ ﷺ اللہ کے دیئے ہوئے علم سے مجھے سکھاتے تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو عظیم آدمی ہے تیرے پاس علم اور قرآن ہے لہٰذا پڑھیئے اور اللہ اور اس کے رسول نے آپ کو جو کچھ سکھایا ہے اس سے سکھایئے (1)۔

واقعہ حدیبیہ اور معاہدۂ صلح کے بارے میں مروی احادیث کا بیان

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے مسور بن مخرمہ اور مروان بن حکم سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ زیارت بیت اللہ کے ارادہ سے نکلے تھے۔ آپ کا مقصد لڑائی نہ تھا۔ آپ کے ساتھ قربانی کے ستر اونٹ تھے۔ لوگوں کی تعداد سات سو۔ اس طرح ہر اونٹ دس افراد کی طرف سے۔ چلتے چلتے جب عسفان پہنچے تو بشر بن سفیان کعبی سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! قریش کو آپ کی آمد کا پتہ چل گیا ہے۔ وہ اپنی اونٹنیاں شیر خوار بچوں سمیت لے کر نکلے ہیں۔ انہوں نے چیتے کی فرویں (Furs) پہن رکھی ہیں۔ وہ اس بات کا عزم کئے ہوئے ہیں کہ بزور بازو آپ کو مکہ میں ہرگز داخل نہ ہونے دیں گے۔ خالد بن ولید اپنے گھڑ سواروں کے ساتھ کراع غمیم تک آ گیا ہے۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قریش کا برا ہو۔ انہیں لڑائی کی پڑی ہے۔ انہیں کیا ہے اگر وہ میرے اور لوگوں کے درمیان حائل نہ ہوں۔ اگر لوگ میرا انکار کر دیں تو ان کا مقصد پورا ہو گیا۔ اور اگر اللہ مجھے غالب کر دے تو وہ بھی اسلام میں داخل ہو جائیں اور وہ بکثرت ہیں اگر انہوں نے ایسا نہیں کیا تو پھر لڑائی کریں۔ ان کے پاس قوت بھی ہے قریش کا کیا خیال ہے؟ اللہ کی قسم میں ان سے اس بات پر جہاد کرتا رہوں گا جس پر اللہ نے مجھے مبعوث فرمایا ہے تا آنکہ اللہ مجھے غالب کر دے یا یہ گردن اتر جائے۔ پھر لوگوں کو حکم دیا تو وہ ظَهْر حمض کے درمیان دائیں طرف چلے یہ راستہ ثنیۃ المُرار اور زیریں مکہ میں حدیبیہ کی طرف جاتا تھا۔ آپ لشکر سمیت اس راستے پر چلتے رہے۔ جب قریش نے لشکر کا گرد و غبار اس طرف دیکھا تو وہ واپس پلٹے۔ رسول اللہ ﷺ چلتے ہوئے ثنیۃ المرار پہنچے تو آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی۔ لوگوں نے کہا یہ بیٹھ گئی۔ آپ نے فرمایا یہ بیٹھی نہیں۔ نہ یہ اس کی عادت ہے۔ لیکن اسے مکہ سے اسی چیز نے روک دیا ہے جس نے ہاتھیوں کو مکہ سے روک دیا تھا۔ اللہ کی قسم! قریش آج مجھ سے صلہ رحمی کا کوئی منصوبہ طلب نہیں کریں گے مگر میں انہیں عطا کروں گا۔ پھر لوگوں سے کہا اتر آؤ۔ انہوں نے عرض کی وادی میں پانی نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے ترکش سے اپنا تیر نکالا اسے کسی صحابی کو دیا۔ وہ اسے لے کر کسی کنوئیں میں اترے۔ اسے گاڑا تو اس میں سے پانی ابلنا شروع ہو گیا۔ حتیٰ کہ لوگوں نے وہاں اونٹ بٹھانے کی جگہ بنا لی۔ جب سرکار ﷺ مطمئن ہو گئے تو بدیل بن ورقاء بنو خزاعہ کے کچھ لوگوں کے ساتھ حاضر ہوا آپ نے بشر بن سفیان والی بات دہرائی۔ وہ قریش کی طرف لوٹ گئے۔ انہیں کہنے لگے تم محمد کے خلاف جلدی میں ہو۔ وہ لڑائی کے لئے نہیں بلکہ زیارت بیت اللہ اور اس کی تعظیم کا حق ادا کرنے کے لئے آئے ہیں۔ انہوں نے یہ بات نہ مانی۔ محمد بن اسحٰق نے زہری سے روایت کیا ہے کہ بنو خزاعہ (مسلم و کافر) سب حضور ﷺ کے حلیف تھے۔ وہ مکہ کی کوئی بات آپ سے نہ چھپاتے تھے۔ چنانچہ قریش کہنے لگے اگرچہ وہ زیارت بیت اللہ کے ارادے سے آئے ہیں لیکن اللہ کی قسم اپنی طاقت سے وہ یہاں نہیں آ سکتے۔ عرب یہ بات نہیں کریں گے پھر انہوں نے مِکْرَز بن حَفْص (بنو عامر بن لوی کا ایک شخص) کو بھیجا۔ سرکار ﷺ نے اسے دیکھتے ہی فرمایا یہ دھوکے باز آدمی ہے۔ جب وہ آپ کے پاس پہنچا تو آپ نے

1۔ تحفۃ الاشراف، جلد 1 صفحہ 21-20

اسے بھی وہی بات دہرائی جو اپنے اصحاب کو فرمائی تھی۔ اس نے قریش کے پاس جا کر انہیں یہی بات بتا دی۔ پھر انہوں نے احابیش کے سردار حلیس بن علقمہ کنانی کو بھیجا۔ سرکار ﷺ نے اسے دیکھتے ہی فرمایا یہ خدا پرست قوم سے ہے ہدی کے جانور بھیجو۔ چنانچہ قربانی کے جانور اس کے سامنے سے گزارے گئے۔ جب اس نے وادی کے کونے سے جانور نکلتے دیکھے تو یہ دیکھ کر وہ وہاں سے ہی سرکار کو ملے بغیر واپس چلا گیا اور کہا: اے گروہ قریش! میں نے وہ چیز دیکھی ہے جسے روکنا جائز نہیں۔ ہدی کے جانور قلادے نے ان کی گردن کے بال ختم کر دیے ہیں۔ وہ کہنے لگے بیٹھ جاؤ تم ایک بدو ہو تمہیں کچھ پتہ نہیں۔ پھر انہوں نے عروہ بن مسعود ثقفی کو بھیجا۔ وہ کہنے لگا اے گروہ قریش! [illegible] تم محمد کے پاس بھیجتے ہو واپسی پر اس کا استقبال سخت الفاظ سے کرتے ہو۔ تم جانتے ہو تم باپ ہو اور میں بیٹا۔ مجھے تمہاری مشکل کا پتہ چلا تو میں نے اپنی قوم کے ان افراد کو جمع کیا جنہوں نے میری بات مانی۔ اور تمہاری غم خواری کے لئے آ گیا۔ وہ کہنے لگے تو نے سچ کہا تو ہمارے نزدیک متہم نہیں ہے۔ چنانچہ وہ آپ ﷺ کے پاس آیا اور آپ کے سامنے بیٹھ گیا۔ اور کہنے لگا اے محمد! تم نے اوباش لوگوں کو جمع کیا اور اپنے خاندان کو تباہ کرنے کے لئے لے آئے۔ یہ قریش عورتوں اور بچوں سمیت نکل آئے ہیں۔ انہوں نے چیتوں کی کھالیں پہنی ہیں (یعنی سخت غصہ میں ہیں)۔ اللہ کی قسم میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ لوگ کل تمہیں چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سرکار ﷺ کے پیچھے کھڑے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اب جالات کا ثنا چوس(1)۔ کیا ہم اسے چھوڑ دیں گے؟ اس نے پوچھا اے محمد یہ کون ہے آپ نے فرمایا ابن ابی قحافہ۔ وہ کہنے لگا اللہ کی قسم! اگر آپ کا مجھ پر احسان نہ ہوتا تو میں آپ کو جواب دیتا۔ چلو یہ اس کے بدلے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی داڑھی پکڑ لی۔ مغیرہ بن شعبہ شمشیر براں ہاتھ میں لئے آپ ﷺ کے سر پر کھڑے تھے۔ تلوار اس کے ہاتھ پر ماری اور کہا اپنا ہاتھ پیچھے کرو ورنہ یہ کٹ جائے گا۔ وہ کہنے لگا تیرا ناس تو بڑا درشت مزاج ہے یہ سن کر آپ ﷺ نے تبسم فرمایا۔ اس نے پوچھا اے محمد یہ کون ہے آپ نے فرمایا یہ تمہارا چچا زاد مغیرہ بن شعبہ ہے۔ وہ کہنے لگا او دغا باز! ابھی کل کی بات ہے کہ تیری مکاری کا داغ میں نے تجھ سے دھویا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے اس سے بھی وہی بات کہی جو پہلے وفود کو کہی تھی۔ اسے بتایا کہ ہم جنگ نہیں چاہتے۔ چنانچہ وہ وہاں سے اٹھا اور صحابہ کرام کو دیکھنے لگا کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ اس نے دیکھا کہ صحابہ کرام آپ ﷺ کے وضو کے پانی پر جھپٹتے ہیں۔ آپ کی تھوک مبارک اچک لیتے ہیں۔ آپ کا کوئی بال نہیں گرتا مگر اسے لے لیتے ہیں۔ وہ قریش کے پاس آیا اور کہنے لگا کسریٰ، قیصر اور نجاشی کے پاس گیا ہوں۔ اللہ کی قسم میں نے کوئی بادشاہ اس طرح نہیں دیکھا جس طرح محمد ﷺ اپنے اصحاب میں ہیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ وہ آپ کو اکیلا کبھی نہیں چھوڑیں گے۔ لہٰذا اب تمہاری مرضی۔ اس سے پہلے آپ ﷺ نے خراش بن امیہ خزاعی کو اپنے اونٹ جس کا نام ثعلب تھا پر سوار کر کے مکہ بھیجا تھا۔ وہ جب مکہ داخل ہوا تو قریش نے اس کی کونچیں کاٹ دیں اور خراش کو قتل کرنا چاہا لیکن احابیش نے انہیں روک دیا۔ وہ آپ ﷺ کے پاس واپس لوٹ آیا۔ پھر آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ بھیجنے کے لئے بلایا۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! مجھے قریش سے اپنی جان کا خطرہ ہے۔ مکہ میں بنوعدی کا کوئی فرد نہیں جو مجھے پناہ دے سکے مجھے قریش سے جو شدید عداوت ہے وہ اس سے بخوبی آگاہ ہیں۔ لیکن میں آپ کو مناسب آدمی بتاتا ہوں۔ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔ چنانچہ حضور ﷺ نے انہیں بلایا اور قریش کو یہ بتانے کے لئے بھیجا کہ ہم لڑائی کے لئے نہیں آئے۔ ہمارا ارادہ صرف عمرہ کرنے کا ہے۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکہ آئے۔ ان کی ملاقات ابان بن سعید بن العاص سے ہوئی۔ وہ اپنی سواری سے اترا۔

1۔ یہ محاورہ عربوں میں سب وشتم کے لئے بولا جاتا ہے

آپ کو اپنے آگے بٹھایا اور خود پیچھے بیٹھ گیا اور آپ کو اپنی پناہ میں لے لیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ کا پیغام ابوسفیان اور سرداران قریش کو پہنچایا۔ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے اگر تم چاہتے ہو تو طواف کر لو۔ آپ فرمانے لگے میں رسول اللہ ﷺ کے بغیر طواف نہیں کروں گا۔ قریش نے آپ کو اپنے پاس روک لیا۔ ادھر یہ افواہ ملی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے ہیں۔ محمد رحمۃ اللہ علیہ نے زہری سے روایت کیا ہے کہ قریش نے سہیل بن عمرو کو بھیجا اور کہا محمد کے پاس جاؤ اور صلح کرو اور صلح میں یہ شرط بھی ہو کہ وہ اس سال واپس چلے جائیں۔ اللہ کی قسم عرب باتیں بنائیں گے کہ آپ بزور بازو داخل ہوئے ہیں۔ سہیل بن عمرو آیا۔ سرکار ﷺ نے اسے دیکھتے ہی فرمایا۔ اس آدمی کو بھیج کر قوم صلح پر تیار ہو گئی ہے۔ جب وہ آپ کے پاس پہنچا تو طویل گفتگو ہوئی جو صلح پر ختم ہوئی۔ جب اتفاق ہو گیا اور صرف معاہدہ لکھنا باقی تھا کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے اے ابوبکر کیا آپ ﷺ اللہ کے رسول نہیں ہیں؟ کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟ کیا وہ مشرک نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا: کیوں نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو پھر ہم اپنے دین میں ذلت کیوں برداشت کریں؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اطاعت کو لازم پکڑ و جو کچھ بھی ہو میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا میں گواہی دیتا ہوں۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور سابقہ سوال و جواب ہوئے۔ سرکار ﷺ نے فرمایا میں اللہ کا بندہ اور رسول ہوں۔ اس کے حکم کی ہرگز مخالفت نہیں کروں گا اور وہ مجھے ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں بعد میں اپنی اس گفتگو کے بدلے روزے رکھتا رہا، نوافل ادا کرتا رہا اور صدقہ دیتا رہا اور غلام آزاد کرتا رہا۔ شاید یہ اس کے کفارے کے لئے کافی ہے۔

پھر آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ لکھو سہیل کہنے لگا میں یہ نہیں جانتا تم لکھو باسمك اللهم۔ آپ ﷺ نے فرمایا اچھا لکھو: باسمك اللهم ان شرائط پر محمد رسول اللہ صلح کرتے ہیں۔'' سہیل کہنے لگا اگر میں یہ گواہی دیتا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو آپ سے جنگ نہ کرتا۔ لیکن یوں لکھو محمد بن عبداللہ اور سہیل بن عمرو نے صلح کی ہے کہ:

۱۔ دس سال تک فریقین کے مابین جنگ نہ ہوگی۔ لوگ امن میں رہیں گے۔ اور ایک دوسرے کے خلاف کارروائی نہ کریں گے۔

۲۔ اپنے ولی کی اجازت کے بغیر جو شخص بھی آپ ﷺ کے پاس آئے گا آپ اسے قریش کو واپس کر دیں گے اور جو قریش کے پاس آئے گا، وہ اسے آپ ﷺ کو واپس نہیں کریں گے اور ہمارے درمیان بندھی ہوئی گٹھڑی ہے۔ (یعنی صاف سینہ جو بیر اور کینہ سے خالی، صلح اور رضامندی سے بھرا ہوا) نہ چوری اور نہ خیانت (1)۔

۳۔ ایک شرط یہ بھی تھی کہ فریقین میں جس کے ساتھ کوئی دوسرا قبیلہ معاہدہ کرنا چاہے کر سکتا ہے۔ چنانچہ بنوخزاعہ آپ ﷺ کے حلیف بن گئے اور بنوبکر قریش کے۔

۴۔ آپ اس سال مکہ میں داخل ہوئے بغیر واپس چلے جائیں گے۔ اگلے سال ہم نکل جائیں گے اور آپ اپنے اصحاب کے ساتھ تین دن رہ سکیں گے۔ اسلحہ ساتھ نہیں ہوگا۔ صرف تلواریں وہ بھی نیام میں ہوں گی۔

معاہدہ لکھا جا رہا تھا کہ ابوجندل بن سہیل بن عمرو بیڑیوں سمیت بھاگ کر آپ ﷺ کی بارگاہ میں آ گئے۔ صحابہ کرام کو حضور ﷺ کے

1۔ مکہ کے کفار نے آنحضرت ﷺ سے اس دس برس کی مدت تک لڑائی موقوف رکھنے کی شرط پر صلح کی تھی اور ہمارے اور آپ کے درمیان ایک بندھی ہوئی گٹھڑی رہے گی۔ یعنی صلح اور صفائی۔

خواب کی وجہ سے فتح کا یقین تھا۔صلح اور واپسی کا سن کر ان کے ہوش اڑ گئے۔قریب تھا کہ وہ ہلاک ہو جائیں۔سہیل نے ابوجندل کو دیکھا تو اسے تھپڑ دے مارا اور کہنے لگا اے محمد معاہدہ کی پابندی لازمی ہے۔آپ نے فرمایا ٹھیک۔وہ اٹھا اور ابوجندل کی گردن میں کپڑا ڈال لیا۔

ابوجندل بلند آواز سے پکار اٹھے:اے مسلمانو!کیا تم مجھے اہل شرک کے پاس واپس کرو گے۔وہ مجھے تکلیفیں دیں گے لوگ مزید پریشان ہو گئے۔آپ ﷺ نے فرمایا اے ابوجندل صبر کرو۔اللہ تمہارے اور دیگر کمزور مسلمانوں کے لئے ضرور راہ نکالے گا۔ہماری ان لوگوں سے صلح ہو گئی ہے۔ہم نے ان سے عہد کیا ہے۔ہم اپنے عہد کی پاسداری کریں گے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ اچھل کر اٹھے اور ابوجندل کے ساتھ چلنے لگے اور فرمانے لگے اے ابوجندل صبر کرو۔یہ مشرکین ہیں۔ان کا خون کتے کے خون کی طرح ہے اور اپنی تلوار کا دستہ ابوجندل کے قریب کر رہے تھے۔آپ رضی اللہ عنہ نے بتایا:میرا خیال تھا کہ وہ تلوار لے کر اپنے باپ کی گردن اڑا دیں گے۔لیکن انہوں نے باپ کی زندگی کا خیال رکھا۔چنانچہ معاہدہ کی تحریر مکمل ہوگئی۔رسول اللہ ﷺ حدود حرم میں نماز ادا فرماتے۔آپ کا قیام حل میں تھا۔(کیونکہ حدیبیہ حدود حرم سے قریب ہے) آپ ﷺ اٹھے اور لوگوں کو قربانی کرنے اور سر کے بال اتارنے کا حکم فرمایا۔کوئی نہ اٹھا۔ آپ نے پھر فرمایا پھر بھی کوئی نہ اٹھا۔آپ ﷺ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس واپس آئے اور پوچھا اے ام سلمہ!ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ!ان کے دل کا آپ کو پتہ ہے۔آپ کسی سے کوئی بات نہ کریں اور خود قربانی کریں اور حلق کروائیں۔آپ کو دیکھ کر لوگ بھی ایسا ہی کریں گے۔چنانچہ سرکار ﷺ نے ایسے ہی کیا۔لوگوں نے بھی ایسے کیا۔حتیٰ کہ مکہ اور مدینہ کے درمیانی راستے پر سورۂ فتح نازل ہوئی۔احمد،ابن اسحٰق اور عبدالرزاق رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسی طرح روایت کیا ہے(1)۔بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں کتاب الشروط اور احمد نے مسند میں روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ حدیبیہ کے وقت اپنے چند سو اصحاب کے ساتھ نکلے۔ جب ذوالحلیفہ پہنچے تو قربانی کے جانوروں کا شعار کیا اور انہیں قلادہ پہنایا(2)۔عمرے کا احرام باندھا اور بنوخزاعہ سے تعلق رکھنے والا اپنا ایک جاسوس بھیجا اور چل پڑے جب غدیر الأشطاط کے پاس پہنچے(یہ جگہ عسفان سے قریب ہے اور عسفان مکہ سے دو مرحلوں کے سفر پر واقع ہے) تو آپ کے جاسوس نے آ کر خبر دی کہ قریش نے آپ کے خلاف لشکر جمع کئے ہیں اور احابیش کو اکٹھا کیا ہے۔وہ آپ سے جنگ کرنے اور آپ کا راستہ روکنے پر تیار ہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا:اے لوگو!مشورہ دو۔کیا تمہاری رائے ہے کہ ہم ان لوگوں کے عیال اور اولاد پر جا پڑیں جنہوں نے ہمیں بیت اللہ شریف سے روکنا چاہا ہے۔(ایک دوسری روایت کے الفاظ میں) یا ان لوگوں کی اولاد پر جا پڑیں جنہوں نے ان کی مدد کی ہے۔اگر وہ ہماری طرف آئے تو اللہ نے مشرکین کی گردن کاٹ دی ہوگی اور ہم انہیں غمزدہ حالت میں چھوڑیں گے۔(بعض روایات کے الفاظ مختلف بھی ہیں)۔یا پھر ہم بیت اللہ شریف کا قصد کریں اور جو ہماری راہ میں مزاحم ہو اس سے لڑائی کریں؟حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ!آپ بیت اللہ شریف کے لئے نکلے ہیں ہم کسی سے لڑائی نہیں چاہتے۔لہٰذا بیت اللہ شریف کی طرف چلئے۔جو راہ میں آیا ہم اس سے لڑیں گے۔ایک دوسری روایت کے الفاظ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے ہم تو عمرے کے لئے جا رہے ہیں کسی سے لڑائی کے لئے نہیں لیکن جو ہمارے راستے کی رکاوٹ بنا ہم اس سے لڑیں گے تو نبی ﷺ نے فرمایا:تب اللہ کا نام لے کر چلو(3)۔جب وہ راستے میں تھے سرکار ﷺ نے فرمایا خالد

1۔مسند امام احمد،جلد 4 صفحہ 326-323،سیرت ابن ہشام،جلد 2 صفحہ 319-308 المسند،جلد 4 صفحہ 331-328

2۔شعار سے مراد اونٹ کی کوہان کو ایک طرف سے زخمی کر دینا یہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ ہدی (حج کی قربانی) کا جانور ہے۔قلادہ سے مراد اسکی گردن میں ایسی چیز لٹکانا جو اس بات کی علامت ہو کہ یہ قربانی کا جانور ہے

3۔بخاری،کتاب المغازی،فتح الباری،جلد 7 صفحہ 453،مسند امام احمد،جلد 4 صفحہ 328

بن ولید قریش کے ایک دستہ کے ساتھ آ رہا ہے۔ لہٰذا دائیں طرف چلو۔ اللہ کی قسم خالد کو ان کا پتہ نہ چلا پھر جب اس نے لشکر کی دھول دیکھی تو دوڑ کر قریش کو خبردار کرنے کے لئے گیا۔ آپ ﷺ چلتے رہے حتیٰ کہ اس گھاٹی میں پہنچے جس سے ان پر اترا جا سکتا تھا تو آپ کی سواری بیٹھ گئی۔ لوگوں نے اسے آگے چلانا چاہا تو اس نے حرکت نہ کی۔ لوگوں نے پکارا قصواء بیٹھ گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: قصواء بیٹھی نہیں اور نہ یہ اس کی عادت ہے لیکن اسے تو ہاتھیوں کو روکنے والے نے روک لیا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم وہ مجھ سے کسی ایسی چیز کا سوال نہیں کریں گے جس میں وہ اللہ کی حرام کردہ چیزوں کا احترام کریں، مگر میں انہیں وہ دوں گا پھر اونٹنی کو ہانکا تو وہ چل پڑی۔ آپ ﷺ چلتے چلتے حدیبیہ کے قلیل پانی والے کنوئیں پر اترے۔ تھوڑی دیر میں پانی ختم ہو گیا اور آپ ﷺ کی خدمت میں پیاس کی شکایت کی گئی تو آپ نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکال کر وہاں گاڑنے کا حکم دیا۔ اس سے پانی ابلتا رہا حتیٰ کہ وہ سیراب ہو گئے۔ اس دوران بدیل بن ورقاء خزاعی اپنی قوم کے کچھ لوگوں کے ساتھ آیا۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے حلیف تھے۔ اس نے عرض کی میں نے کعب بن لؤی اور عامر بن لؤی کو آپ سے لڑائی پر تیار پایا ہے وہ حدیبیہ کے ان مقامات پر اترے ہیں جہاں پانی ملنے کی امید تھی۔ وہ عورتیں اور بچے ساتھ لائے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہم کسی سے لڑائی کے لئے نہیں بلکہ عمرہ کے لئے آئے ہیں۔ قریش کو لڑائی نے نڈھال کر دیا ہے۔ اگر وہ چاہیں تو میں انہیں ایک مہلت دینے کو تیار ہوں۔ اس دوران وہ مجھے اور لوگوں کو چھوڑ دیں اگر میں غالب آ جاؤں تو ان کی مرضی ہو تو وہ بھی دوسرے لوگوں کی طرح دائرہ اسلام میں داخل ہو جائیں ورنہ آرام کریں اور اگر انہوں نے انکار کیا تو اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! میں اس معاملے میں ان سے لڑوں گا حتیٰ کہ میری گردن جدا ہو جائے۔ اللہ اپنے امر کو ضرور نافذ کرے گا۔ بدیل نے کہا میں آپ کی بات ان تک پہنچا دوں گا۔ چنانچہ وہ قریش کے پاس گیا اور کہا میں اس آدمی کے پاس سے آیا ہوں وہ ایک بات کہہ رہا ہے اگر تم پسند کرو تو میں تمہیں بتاؤں۔ ان کے بیوقوف کہنے لگے ہمیں کسی چیز کے بارے میں مت بتاؤ۔ اصحاب رائے کہنے لگے بتاؤ وہ کیا کہتے ہیں۔ بدیل نے انہیں آپ ﷺ کی ساری بات بتا دی۔ یہ سن کر عروہ بن مسعود اٹھا اور کہنے لگا اے قوم کیا تم باپ نہیں ہو؟ انہوں نے کہا ہاں۔ وہ کہنے لگا کیا میں فرزند نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں۔ وہ کہنے لگا کیا تم مجھ پر اتہامات لگاتے ہو؟ انہوں نے کہا نہیں۔ وہ کہنے لگا۔ کیا تم جانتے ہو میں نے اہل عکاظ سے مدد طلب کی تھی؟ تو انہوں نے انکار کر دیا۔ تو میں اپنے اہل و عیال اور پیروکاروں کو لے کر تمہارے پاس آ گیا۔ انہوں نے کہا ہاں۔ وہ کہنے لگا۔ یہ شخص اگر تمہیں کوئی اچھا منصوبہ دیتا ہے تو اسے قبول کرو۔ چھوڑو میں اس کے پاس جاتا ہوں انہوں نے کہا جاؤ۔ وہ آیا اور نبی ﷺ سے گفتگو کرنے لگا۔ آپ ﷺ نے اس کے سامنے بدیل بن ورقاء والی بات دہرائی۔ وہ کہنے لگا اے محمد! کیا آپ کا خیال ہے کہ اپنی قوم کو برباد کر دیں گے۔ کیا اہل عرب میں سے کسی نے آج تک اپنی اصل کو نابود کیا ہے؟ اگر دوسری بات ہے تو اللہ کی قسم میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ لوگ آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے جھڑک کر کہا کیا ہم آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟ اس نے پوچھا یہ کون ہیں؟ بتایا گیا ابوبکر۔ وہ کہنے لگا اللہ کی قسم اگر ان کا احسان میرے گلے میں نہ ہوتا تو میں ضرور انہیں جواب دیتا۔ اور آپ ﷺ سے گفتگو کرنے لگا۔ دوران گفتگو وہ آپ ﷺ کی داڑھی پکڑ لیتا۔ مغیرہ بن شعبہ تلوار لئے نبی کریم ﷺ کے سر پر کھڑے تھے۔ انہوں نے خود پہن رکھا تھا۔ جب عروہ نے اپنا ہاتھ بڑھایا تو مغیرہ نے تلوار کی میان کا سرا اس کے ہاتھ پر مارا اور کہا اپنا ہاتھ نبی ﷺ کی داڑھی مبارک سے پیچھے رکھو۔ عروہ نے اپنا سر اٹھایا اور پوچھا یہ کون ہیں؟ بتایا گیا مغیرہ بن شعبہ۔ اس نے کہا اے دھوکے باز! کیا میں تیرے شر کو روکنے کی کوشش نہیں کر رہا ہوں؟ زمانہ جاہلیت میں مغیرہ بن شعبہ کچھ لوگوں کے ساتھ سفر پر نکلے

انہیں قتل کر کے مال لے لیا اور آ کر مسلمان ہو گئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا تیرا اسلام قبول کرتا ہوں اور تیرے مال سے ہمیں کوئی غرض نہیں۔ پھر عروہ صحابہ کرام کو دیکھنے لگا وہ کہتا ہے اللہ کی قسم! سرکار ﷺ نے ناک صاف نہیں کی مگر وہ کسی آدمی کے ہاتھ میں پڑی۔ اس نے اسے اپنے چہرے اور جلد پر مل لیا۔ جب آپ انہیں کوئی حکم دیتے تو آپ کی تعمیل ارشاد کے لئے وہ دوڑ پڑتے۔ آپ ﷺ وضو فرماتے تو وضو کا پانی لینے کے لئے لڑ پڑتے۔ جب گفتگو فرماتے تو اپنی آوازیں پست کر لیتے اور تعظیماً آپ کی طرف نگاہ اٹھا کر نہ دیکھتے۔ عروہ واپس آیا اور کہنے لگا اے قوم! اللہ کی قسم میں نے لوگوں کو کسی بادشاہ کا اتنا احترام کرتے نہیں دیکھا جتنا محمد کے اصحاب محمد کا کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم اگر وہ کھنکاریں تو رینٹ (بلغم) کسی آدمی کے ہاتھ میں پڑی ہے اور اسے وہ اپنے چہرے اور جلد پر مل لیتا ہے۔ اور آپ کا حکم سن کر وہ تعمیل میں جلدی کرتے ہیں۔ وضو کے پانی پر وہ تقریباً لڑ پڑتے ہیں۔ اس کی گفتگو کے وقت آواز آہستہ کر لیتے ہیں اور بوجہ احترام آپ کی طرف نگاہ نہیں اٹھاتے۔ اس نے آپ کو ایک تجویز دی ہے اسے قبول کر لو۔ بنو کنانہ کا ایک آدمی کہنے لگا میں اس کے پاس جاتا ہوں۔ انہوں نے کہا جاؤ۔ وہ جب نبی کریم ﷺ اور صحابہ کے پاس آیا تو آپ نے ارشاد فرمایا یہ فلاں ہے۔ یہ اس قوم سے ہے جو قربانی کے جانور کی تعظیم کرتے ہیں۔ اسے یہ جانور دکھاؤ۔ لوگوں نے تلبیہ کہہ کر اس کا استقبال کیا۔ وہ یہ دیکھ کر کہنے لگا سبحان اللہ! ایسے لوگوں کو بیت اللہ سے روکنا جائز نہیں۔ اس نے واپس آ کر اپنے ساتھیوں کو بتایا میں نے اونٹوں کو دیکھا ہے انہیں قلادے پہنائے گئے ہیں اور شعار کیا گیا ہے۔ میری رائے میں انہیں روکنا مناسب نہیں۔ یہ سن کر مکرز بن حفص کہنے لگا مجھے جانے دو۔ انہوں نے کہا جاؤ۔ اسے دیکھ کر نبی ﷺ نے فرمایا یہ مکرز ہے یہ فاجر شخص ہے۔ وہ آپ سے گفتگو کرنے لگا۔ اس دوران سہیل بن عمرو آ گیا۔ معمر رحمۃ اللہ علیہ نے عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ جب سہیل آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا تمہارا معاملہ آسان ہو گیا۔ معمر رحمۃ اللہ علیہ نے زہری سے روایت کیا ہے کہ سہیل بن عمرو کہنے لگا ہمارے ساتھ تحریری معاہدہ کر لیجئے۔ نبی کریم ﷺ نے کاتب کو بلایا اور فرمایا لکھو: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ سہیل کہنے لگا رحمن کو ہم نہیں جانتے باسمك اللهم لکھو جیسے تم لکھا کرتے تھے۔ مسلمانوں نے کہا ہم ایسا ہی لکھیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یوں ہی لکھو باسمك اللهم پھر فرمایا: "محمد رسول اللہ نے یہ فیصلہ کیا ہے۔" سہیل کہنے لگا اللہ کی قسم اگر ہم یہ جانتے ہوتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو آپ سے جنگ نہ کرتے اور بیت اللہ شریف سے نہ روکتے لیکن لکھو: محمد بن عبداللہ غرض معاہدہ مکمل ہو گیا۔۔۔۔ الخ۔

اس کے بعد کچھ مومن عورتیں آ گئیں۔ تو یہ آیت نازل ہوئی: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ۭ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ۭ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ۭ وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۭ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ (الممتحنہ:10) "اے ایمان والو! جب آ جائیں تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے تو ان کی جانچ پڑتال کر لو۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ان کے ایمان کو پس اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ مومن ہیں تو انہیں کفار کی طرف مت واپس کرو۔ نہ وہ حلال ہیں کفار کے لئے اور نہ وہ (کفار) حلال ہیں مومنات کے لئے اور دے دو کفار کو جو مہر انہوں نے خرچ کئے اور تم پر کوئی حرج نہیں کہ تم ان عورتوں سے نکاح کر لو۔ جب تم انہیں ان کے مہر ادا کر دو اور (اسی طرح) تم بھی نہ روکے رکھو (اپنے نکاح میں) کافر عورتوں کو"۔ اس روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی دو مشرک بیویوں کو طلاق دے دی۔ ایک سے معاویہ اور دوسری سے صفوان بن امیہ نے نکاح کر لیا۔ پھر آپ ﷺ مدینہ واپس تشریف لے آئے۔ ایک قریشی ابوبصیر مسلمان ہو کر مدینہ آ گئے۔ قریش نے ان کی تلاش میں دو آدمی بھیجے۔ سرکار ﷺ نے ان کے مطالبے پر ابوبصیر کو ان کے حوالے کر دیا۔ وہ انہیں لے کر چلے جب

ذوالحلیفہ پہنچے تو اتر کر کھجوریں کھانے لگے۔ ابو بصیر نے ایک سے کہا اللہ کی قسم میں تمہاری تلوار بہت مضبوط دیکھ رہا ہوں۔ دوسرے نے اسے سونت لیا اور کہا ہاں یہ بہت عمدہ ہے۔ میں نے اسے آزمایا ہے۔ ابو بصیر نے کہا مجھے دکھاؤ اس نے تلوار دی۔ ابو بصیر نے فوراً اس کی گردن تن سے جدا کر دی اور وہ وہیں ٹھنڈا ہو گیا۔ دوسرا بھاگ کر مدینہ آ گیا اور مسجد میں ہی شور مچانے لگا۔ سرکار ﷺ نے اسے دیکھتے ہی فرمایا یہ گھبرایا ہوا ہے۔ وہ آپ ﷺ کے پاس پہنچ کر دہائی دینے لگا کہ میرا ساتھی مارا گیا ہے اور میں بھی مارا جاؤں گا۔ اتنے میں ابو بصیر بھی آ گئے اور عرض کی اللہ نے آپ کا ذمہ پورا کر دیا۔ آپ نے مجھے ان کے حوالے کیا۔ اللہ نے مجھے ان سے بچا لیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تعجب ہے یہ تو (ابو بصیر) جنگ کی آگ سلگایا چاہتا ہے (عجب بہادر اور جری آدمی ہے)۔ جب ابو بصیر نے یہ سنا تو سمجھ گئے کہ آپ انہیں واپس کر دیں گے۔ چنانچہ وہ وہاں سے نکل کر ساحل سمندر پر آ گئے۔ ابو جندل بھی بھاگ کر ابو بصیر کے پاس پہنچ گئے۔ پھر قریش میں سے جو آدمی بھی مسلمان ہوتا وہ ابو بصیر کے پاس آ جاتا حتیٰ کہ ان کا ایک گروہ بن گیا۔ اب قریش کا جو قافلہ بھی شام کی طرف نکلتا وہ اس پر حملہ کر کے انہیں قتل کر کے مال لوٹ لیتے۔ قریش نے آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر یہ شرط ختم کرنے کی اپیل کی تو حضور ﷺ نے انہیں بلا بھیجا اور یہ آیت نازل ہوئی۔ وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ سے الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ تک۔ ان کی نخوت یہ تھی کہ انہوں نے آپ کو رسول تسلیم نہ کیا۔ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ کا انکار کیا اور بیت اللہ شریف کی راہ میں آپ سے مزاحم ہوئے۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح یہاں بیان کیا ہے۔ جیسا کہ تفسیر، عمرۂ حدیبیہ اور حج وغیرہ میں ہے(1)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے دیگر مقامات پر اور مسلم اور نسائی نے روایت کیا ہے(2)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: ”ہم میں سے جو کوئی ان کی طرف جائے گا، اللہ اسے دین سے دور کر دے گا۔“(3) مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی روایت کیا ہے۔ مسند احمد اور ابوداؤد میں بھی اس طرح کی دیگر مرویات ہیں(4)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ کے دن ستر اونٹ ذبح فرمائے ان میں ابوجہل کا ایک اونٹ بھی تھا۔ جب اسے بیت اللہ سے روک دیا گیا تو وہ اس طرح غمگین آوازیں نکالنے لگا جیسے اس وقت نکالتا ہے جب وہ اپنی اولاد کی طرف مشتاق ہو۔(5)

لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ ۖ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ ۖ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا فَجَعَلَ مِنْ دُونِ ذَٰلِكَ فَتْحًا قَرِيبًا ﴿٢٧﴾ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا ﴿٢٨﴾

”یقیناً اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا حق کے ساتھ۔ کہ تم ضرور داخل ہو گے مسجد حرام میں جب اللہ نے چاہا

1۔ فتح الباری، کتاب الشروط، جلد 5 صفحہ 333-329، کتاب الحج، جلد 3 صفحہ 542 کتاب الحصر، جلد 4 صفحہ 10، کتاب المغازی، جلد 7 صفحہ 453-444، تفسیر سورۂ فتح، جلد 8 صفحہ 587

2۔ فتح الباری، کتاب الجزیہ، جلد 6 صفحہ 281، کتاب الاعتصام، جلد 12 صفحہ 282 کتاب المغازی، جلد 7 صفحہ 257، مسلم، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 1413-1411، نسائی، کتاب التفسیر تحفۃ الاشراف، جلد 4 صفحہ 100

3۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 268، مسلم، کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 1411

4۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 342، سنن ابوداؤد، کتاب اللباس، جلد 4 صفحہ 35 5۔ مسند امام احمد، جلد 1 صفحہ 315-314

امن و امان سے۔ منڈواتے ہوئے اپنے سروں کو یا ترشواتے ہوئے۔ تمہیں (کسی کا) خوف نہ ہوگا۔ پس وہ جانتا ہے جو تم نہیں جانتے تو اس نے عطا فرما دی (تمہیں) اس سے پہلے ایسی فتح جو قریب ہے۔ وہ (اللہ) ہی ہے جس نے بھیجا ہے اپنے رسول کو (کتاب) ہدایت اور دین حق دے کر تا کہ غالب کر دے اسے تمام دینوں پر۔ اور (رسول کی صداقت پر) اللہ کی گواہی کافی ہے''۔

آپ ﷺ نے خواب دیکھا تھا کہ آپ مکہ میں داخل ہوئے ہیں اور بیت اللہ کا طواف کیا ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کو خواب سنایا۔ آپ اس وقت مدینہ میں تھے جب وہ عام حدیبیہ میں نکلے تو کسی کو اس بارے میں شبہ نہیں تھا کہ اس سال اس خواب کی تعبیر پوری ہو گی۔ جب صلح کا معاہدہ طے پایا اور اس سال انہیں واپس آنا پڑا تو بعض صحابہ کے دل میں خیال پیدا ہوا۔ اسی لئے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے وہ سوالات کئے تھے (جن کا اوپر ذکر ہوا) ان میں سے ایک سوال یہ تھا کیا آپ ﷺ نے ہمیں یہ بتایا نہیں تھا کہ ہم بیت اللہ شریف کا طواف کریں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں لیکن کیا میں نے تمہیں بتایا تھا کہ تم اس سال آؤ گے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے عرض کی نہیں۔ فرمایا تم ادھر آؤ گے اور طواف کرو گے۔ اس طرح حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی وہی جواب دیا۔ اسی لئے اللہ نے اس خبر کی تصدیق و توثیق کر دی۔ یہاں استثناء نہیں ہے۔

اٰمِنِیْنَ تمہارے داخلے کے وقت۔

مُحَلِّقِیْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِیْنَ یہ مقدر کا حال ہے کیونکہ وہ داخلے کے وقت اس حالت میں نہ تھے۔ ایسا بعد میں ہوا پھر بعض نے حلق کروایا اور بعض نے قصر۔ صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ حلق کروانے والوں پر رحم فرمائے۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! قصر کرانے والوں پر بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ حلق کرانے والوں پر رحم کرے۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ! اور قصر کرانے والوں پر بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ حلق کرانے والوں پر رحم فرمائے عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ! اور قصر کرانے والوں پر بھی؟ آپ ﷺ نے تیسری یا چوتھی مرتبہ فرمایا: اور قصر کرانے والوں پر بھی''(1)۔

لَا تَخَافُوْنَ حال ہے جو معنی کو پختہ کر رہا ہے۔ بوقت داخلہ ان کے لئے امن ثابت ہوا اور وہاں قیام کی صورت میں خوف کی نفی کر دی۔ یہ عمرۂ قضا ذیقعد سنہ 7ھ کا واقعہ ہے۔ نبی کریم ذیقعد میں حدیبیہ سے واپس آئے اور ذوالحج اور محرم تک مدینہ میں قیام پذیر رہے۔ صفر میں خیبر کی طرف نکلے اللہ نے اس پر آپ کو فتح دی۔ بعض بزور شمشیر اور بعض بطور صلح۔ اس علاقے میں بہت زیادہ کھجور کے باغات اور کھیتیاں تھیں۔ آپ نے یہود کو یہ بٹائی پر دے دیئے اور صرف اہل حدیبیہ میں تقسیم کئے۔ اس میں اور کوئی شامل نہیں تھا مگر وہ جوگ جو حبشہ سے واپس آئے تھے۔ جعفر بن ابو طالب اور ان کے ساتھی، ابو موسیٰ اشعری اور آپ کے ساتھی۔ کوئی بھی ان میں سے غیر حاضر نہیں تھا ماسوائے ابو دجانہ سماک بن خرشہ کے جیسا کہ ابن زید نے بیان کیا ہے۔ اس کی تفصیل اپنی جگہ مذکور ہے۔ پھر آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے۔ اور ذیقعد سنہ 7ھ میں آپ ﷺ اہل حدیبیہ کے ساتھ مل کر عمرے کی نیت سے نکلے ذوالحلیفہ سے احرام باندھا۔ ہدی کا جانور ساتھ لیا۔ کہا گیا ہے کہ ساٹھ اونٹ پھر آپ اپنے صحابہ کے ساتھ تلبیہ کہتے ہوئے روانہ ہوئے۔ جب مرالظہران(2) کے قریب پہنچے تو محمد بن سلمہ کو گھڑ سوار اور اسلحہ دے کر آگے

1۔ دیکھئے یہ حدیث سورۂ بقرہ آیت: 196 کی تفسیر میں

2۔ مرالظہران: یہ مکہ سے پانچ میل کے فاصلے پر ہے یہاں بہت سے چشمے جمیز (گولر) اور کھجوروں کے باغات ہیں یہ بنو اسلم ہذیل اور غاضرہ کا ہے مرّ کا معنی قریہ (گاؤں) اور ظہران بمعنی وادی ہے

بھیجا۔ مشرکین اسے دیکھ کر شدید رعب میں مبتلا ہو گئے۔ اور یہ سمجھے کہ رسول اللہ ﷺ ان پر حملہ آور ہو گئے ہیں اور دس سالہ عدم قتال کا معاہدہ پس پشت ڈال دیا ہے۔ انہوں نے جا کر اہل مکہ کو خبر دی۔ آپ ﷺ مرالظہر ان میں اترے جہاں سے حدود حرم نظر آتی تھی۔ وہاں سے آپ ﷺ نے تمام اسلحہ بطن یأجج کی طرف بھیج دیا۔ (یہ مقام مکہ سے آٹھ میل دور ہے) اور حسب شرط تلواریں نیام میں ڈالے مکہ میں داخل ہوئے۔ ابھی راستے میں ہی تھے کہ قریش نے مکرز بن حفص کو بھیجا۔ وہ کہنے لگا۔ اے محمد! آپ نے کبھی عہد نہیں توڑا تھا؟ آپ نے پوچھا کیا ہوا؟ وہ کہنے لگا یہ اسلحہ کس لئے ہے؟ آپ نے فرمایا ایسی کوئی بات نہیں ہم نے اسے یأجج کی طرف بھیج دیا ہے۔ وہ کہنے لگا۔ اسی طرح ہم نے آپ کو نیکی اور وفا کے ساتھ پہچانا تھا۔ سرداران قریش غیظ وغضب سے مکہ سے نکل گئے۔ بقایا اہل مکہ مرد، عورتیں اور بچے راستوں اور گھروں کی چھتوں پر بیٹھ کر رسول اللہ ﷺ کو دیکھنے لگے۔ آپ ﷺ جب مکہ میں داخل ہوئے صحابہ کرام آپ کے سامنے تلبیہ کہہ رہے تھے۔ آپ نے ھدی کے جانوروں کو ذی طوی (مکہ میں ایک مقام) کی طرف بھیج دیا تھا۔ آپ ﷺ اپنی ناقہ قصواء پر سوار تھے۔ صلح حدیبیہ کے دن بھی یہی آپ کی سواری تھی۔ عبداللہ بن رواحہ انصاری ناقہ کی مہار تھامے یوں رجز پڑھ رہے تھے:(1)

بِاسمِ الذی لا دینَ إلا دِینُہٗ باسم الذی محمدٌ رَسُولُہ

خَلّوا بنی الکُفّارِ عن سبیله الیوم نَضرِبُکم عَلَی تأویله

کَمَا ضَرَبْنَاکم عَلَی تنزیلِهِ ضربًا یزیلُ الھامَ عن مَقِیلِه

ویُذْھِلُ الخلیلَ عن خَلِیله قد أنزل الرحمٰنُ فی تنزیلِهِ

فی صحفٍ تُتلَی علی رسوله بأنّ خیر القتلِ فی سَبِیلِهِ

یَا ربِّ إنیّ مؤمنٌ بقیله

یہ متفرق روایات کا مجموعہ ہے۔ بعض روایات میں اشعار کے الفاظ میں اختلاف بھی ہے(2)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب آپ ﷺ نے مرالظہر ان میں پڑاؤ کیا تو صحابہ کرام کو یہ خبر ملی کہ قریش کہتے ہیں کہ کمزوری کی وجہ سے یہ لوگ اٹھ نہیں سکتے۔ صحابہ کرام کہنے لگے ہم اپنی سواریاں ذبح کر کے ان کا گوشت کھاتے اور شوربہ پیتے ہیں تا کہ کل جب مکہ میں داخل ہوں تو قوی نظر آئیں۔ سرکار ﷺ نے فرمایا ایسا نہ کرو بلکہ اپنا زادراہ میرے سامنے جمع کرو سب کچھ جمع کر کے آپ کے سامنے رکھ دیا گیا۔ وہ کھاتے رہے لیکن کافی مقدار میں چھوڑ کر اٹھ گئے۔ پھر ہر ایک نے اپنے توشہ دان میں ڈال دیا۔ سرکار آگے بڑھے اور مسجد حرام میں داخل ہوئے قریش مقام حجر کی طرف بیٹھے تھے۔ آپ نے اپنی چادر کا اضطباع کیا۔ اور فرمایا قوم کو تم میں کمزوری نظر نہ آئے۔ آپ ﷺ نے رکن اسود کو استلام کر کے رمل (3) کیا جب رکن یمان کی آڑ میں ہو گئے تو رکن حجر اسود آرام سے چلے۔ قریش کہنے لگے تم چلنے پر راضی نہیں ہو تم تو ہرن کی طرح چوکڑیاں بھرتے ہو۔ تین چکروں میں آپ ﷺ نے ایسے ہی کیا۔ یہ سنت ہو گئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں بھی ایسا ہی کیا(4)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ہی بروایت سعید بن جبیر ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرام مکہ آئے۔ انہیں یثرب کے بخار نے

1۔ واقدی: المغازی، جلد 2 صفحہ 736-735، البدایہ والنہایہ، جلد 4 صفحہ 50231، صفحہ 392

2۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 371، فتح الباری، کتاب المغازی، جلد 7 صفحہ 501 ابو یعلی نے اپنی سند سے عبدالرزاق سے روایت کیا ہے

3۔ رمل سے مراد کندھوں کو ہلاتے ہوئے تیز تیز چلنا ہے 4۔ مسند امام احمد، جلد 1 صفحہ 305

کمزور کر دیا تھا۔ مشرکین کہنے لگے تمہارے پاس وہ قوم آئی ہے جس کو یثرب کے بخار نے کمزور کر دیا ہے۔ ان کی حالت خراب ہے۔ مشرکین حجر والے کونے میں بیٹھ گئے۔ اللہ نے اپنے نبی کو ان کی بات سے آگاہ فرما دیا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ پہلے تین چکروں میں رمل کریں تا کہ مشرکین ان کی مضبوطی کا مشاہدہ کر سکیں۔ چنانچہ انہوں نے تین چکروں میں رمل کیا اور دونوں رکنوں کے مابین آرام سے چلنے کا حکم دیا کیونکہ مشرکین اس طرف دیکھ نہیں رہے تھے۔ سرکار ﷺ نے تمام چکروں میں رمل کرنے سے منع کر دیا صرف مگر ان پر شفقت کرتے ہوئے۔ مشرکین نے کہا کیا تم ان کے بارے میں کہتے تھے کہ بخار نے انہیں کمزور کر دیا ہے۔ یہ تو فلاں فلاں سے بھی طاقتور ہیں(1)۔ یہی حدیث صحیحین میں حماد بن زید سے بھی مروی ہے(2)۔ ایک دوسری روایت کے الفاظ میں نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ ذیقعد کی چار تاریخ کو آئے۔ مشرکین نے کہا تمہارے پاس وہ وفد آ رہا ہے جسے یثرب کی وبا نے نحیف و نزار کر دیا ہے تو حضور ﷺ نے پہلے تین چکروں میں رمل کرنے کا حکم دیا اور انہیں تمام چکروں میں رمل کرنے سے منع کر دیا صرف ان پر رحم و شفقت کرتے ہوئے۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت سعید بن جبیر ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ صلح کے سال نبی کریم ﷺ آئے اور انہیں فرمایا: رمل کرو تا کہ مشرکین کو ان کی قوت نظر آئے اور ان مشرکین کو جو جبل قعیقعان پر تھے۔ (یہ پہاڑ مکہ میں ہے اور شامی ارکان کے مابین ہے۔ یمانی ارکان کے درمیان کا حصہ یہاں سے نظر نہیں آتا)۔ حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بیت اللہ اور صفا و مروہ میں سعی کی تا کہ مشرکین کو اپنی طاقت دکھائیں(3)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دوسرے مقامات پر اور مسلم و نسائی نے بھی اسے روایت کیا ہے(4)۔ عبد اللہ بن ابی اوفی سے مروی ہے کہ عمرہ کے وقت ہم نے رسول اللہ ﷺ کو اپنی آڑ میں لے رکھا تھا (معاذ اللہ) ایسا نہ ہو کہ مشرکین اور ان کے لڑکے آپ کو کوئی نقصان پہنچا دیں(5)۔ یہ روایت صرف بخاری میں ہے مسلم میں نہیں۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ عمرہ کے لئے تشریف لے گئے۔ قریش آپ کے اور بیت اللہ کے درمیان حائل ہو گئے۔ آپ نے اپنی قربانی کی اور حدیبیہ میں سر کا حلق کروایا اور ان سے صلح کی کہ آپ اگلے سال تشریف لائیں گے۔ تلواروں کے علاوہ اور کوئی اسلحہ ساتھ نہیں ہوگا اور اتنی دیر یہاں قیام کریں گے جس قدر قریش چاہیں گے چنانچہ اگلے سال آپ نے عمرہ کیا اور صلح کے مطابق مکہ آئے۔ تین دن کے بعد انہوں نے واپسی کا مطالبہ کیا تو آپ چلے آئے (صحیح مسلم میں بھی اسی طرح ہے)(6)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ذیقعد میں عمرہ ادا کرنے کا ارادہ کیا۔ اہل مکہ آپ کی راہ میں حائل ہو گئے تا آنکہ آپ نے ان سے معاہدہ کیا کہ تین دن یہاں قیام کریں گے معاہدہ لکھنے کے بعد آخر میں یہ لکھا گیا: "ان شرائط پر محمد رسول اللہ نے معاہدہ کیا ہے۔" وہ کہنے لگے ہم اسے تسلیم نہیں کرتے۔ اگر ہم آپ کو رسول تسلیم کرتے تو آپ کو ہرگز نہ روکتے۔ بلکہ آپ تو محمد بن عبد اللہ ہیں۔ سرکار ﷺ نے فرمایا میں رسول اللہ ہوں اور میں ہی محمد بن عبد اللہ ہوں۔ پھر علی بن ابی طالب سے فرمایا: "رسول اللہ کے الفاظ مٹا دو"۔ آپ رضی اللہ عنہ نے عرض کی نہیں اللہ کی قسم! میں اسے ہرگز نہیں مٹاؤں گا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے معاہدہ لیا۔ آپ اچھی طرح لکھنا نہیں جانتے تھے آپ نے خود یوں لکھ دیا: محمد بن عبد اللہ نے یہ معاہدہ

1۔ مسند امام احمد، جلد 1 صفحہ 295
2۔ فتح الباری، کتاب المغازی، جلد 7 صفحہ 509-508، مسلم، کتاب الحج، جلد 2 صفحہ 933
3۔ فتح الباری، کتاب المغازی، جلد 7 صفحہ 509-508، مسلم، کتاب الحج، جلد 2 صفحہ 923
4۔ فتح الباری، کتاب الحج، جلد 3 صفحہ 502، مسلم الکتاب الحج، جلد 2 صفحہ 923، نسائی، کتاب المناسک، جلد 5 صفحہ 242
5۔ فتح الباری، کتاب المغازی، جلد 7 صفحہ 508
6۔ فتح الباری، کتاب المغازی، جلد 7 صفحہ 409

کیا ہے۔ (اس معاہدہ میں یہ بھی تھا کہ) آپ ﷺ مکہ میں اسلحہ نہیں لائیں گے ماسوائے تلواروں کے وہ بھی نیاموں میں ہوں گی۔ اگر یہاں کا کوئی باشندہ آپ کے ساتھ جانا چاہے تو اسے ساتھ نہیں لے جائیں گے۔ اور آپ کے ساتھیوں میں سے اگر کوئی مکہ میں رہنا چاہے تو اسے نہیں روکیں گے۔ جب آپ مکہ آئے اور مہلت پوری ہوگئی تو وہ کفار حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے اپنے ساتھی سے کہو مہلت پوری ہوگئی اب نکلئے تو آپ ﷺ روانہ ہو گئے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی چچا چچا پکارتے ہوئے آپ کے پیچھے دوڑی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے اٹھالیا اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تمہارے چچا کی بیٹی ہے اسے لے لو تو انہوں نے اسے اٹھالیا۔ حضرت علی، زید اور جعفر رضی اللہ عنہم کے مابین اس پر جھگڑا ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے اسے اٹھایا ہے یہ میرے چچا کی بیٹی ہے۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا یہ میرے چچا کی بیٹی ہے اس کی خالہ میرے نکاح میں ہے۔ زید نے کہا میری بھتیجی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے لڑکی خالہ کو دی اور فرمایا: ”خالہ ماں کی طرح ہے“ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تو مجھ سے اور میں تجھ سے ہوں۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تو خَلق اور خُلق میں مجھ سے مشابہ ہے۔ زید سے فرمایا تو ہمارا بھائی اور مولیٰ ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: کیا آپ حمزہ کی بیٹی سے شادی نہیں کریں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ میرے رضاعی بھائی کی بیٹی ہے(1)۔

فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا اللہ کے علم میں تھا کہ تمہیں مکہ سے پھیرنا اور اگلے سال جانا تمہارے لئے بہتر ہے۔ اسی میں تمہاری مصلحت ہے۔

فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ اس داخلے کی طرف جس کا نبی کے خواب میں تم سے وعدہ تھا۔

فَتْحًا قَرِيْبًا یعنی وہ صلح جو تمہارے اور تمہارے اعداء مشرکین کے مابین طے پائی۔

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے مؤمنین کو رسول اللہ ﷺ کے تمام دشمنان اور تمام اہل زمین پر نصرت کی خوشخبری دیتے ہوئے فرمایا:

هُوَ الَّذِيْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ یعنی علم نافع اور عمل صالح کے ساتھ۔ شریعت دو چیزوں پر مشتمل ہے: علم اور عمل۔ علم شرعی صحیح ہے اور عمل شرعی مقبول۔ اس کی خبریں حق اور انشائیں (انشاءات) عدل ہیں۔

لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ یعنی عرب وعجم میں روئے زمین کے تمام ادیان پر۔

كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا یعنی آپ ہی اس کے رسول اور مددگار ہیں۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ؗ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۛۚ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۛ۫ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾

”(جان عالم) محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اور وہ (سعادت مند) جو آپ کے ساتھی ہیں کفار کے مقابلہ میں بہادر اور طاقتور ہیں، آپس میں بڑے رحمدل ہیں تو دیکھتا ہے انہیں کبھی رکوع کرتے ہوئے اور کبھی سجدہ کرتے ہوئے طلب گار ہیں اللہ کے

1۔ فتح الباری، کتاب المغازی، جلد 7 صفحہ 499

فضل اوراس کی رضا کے۔ان (کے ایمان وعبادت) کی علامت ان کے چہروں پر سجدوں کے اثر سے نمایاں ہے۔ یہ ان کے اوصاف تورات میں (مذکور) ہیں۔ نیز ان کی صفات انجیل میں بھی (مرقوم) ہیں۔ (یہ صحابہ) ایک کھیت کی مانند ہیں جس نے نکالا اپنا پٹھا پھر تقویت دی اس کو پھر وہ مضبوط ہو گیا پھر سیدھا کھڑا ہو گیا اپنے تنے پر (اس کا جوبن) خوش کر رہا ہے بونے والوں کو، تاکہ (آتشِ) غیظ میں جلتے رہیں انہیں دیکھ کر کفار۔ اللہ نے وعدہ فرمایا ہے جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے ان سے مغفرت کا اور اجرِ عظیم کا''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت محمد صلوات اللہ وسلامہ علیہ کو یہ بتا رہے ہیں کہ آپ ﷺ بلاشک وشبہ اس کے رسول ہیں۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ یہ مبتدا خبر ہے اور ہر وصف جمیل پر مشتمل ہے۔ پھر اس کے بعد صحابہ کرام کی مدح وثناء فرمائی۔

ارشاد فرمایا: وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗۤ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (مائدہ:54)'' (تو اس کی بدنصیبی) سوعنقریب لے آئے گا ایک ایسی قوم محبت کرتا ہے اللہ ان سے اور وہ محبت کرتے ہیں اس سے جو نرم ہوں گے ایمانداروں کے لئے بہت سخت ہوں گے کافروں پر''۔ یہ مؤمنین کی صفات ہیں کہ وہ کفار پر سخت، نیکوکاروں پر مہربان، کافر کے سامنے ترش رو اور مؤمن بھائی کے سامنے خندہ رو ہوتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً (التوبہ:123)'' اے ایمان والو! جنگ کرو ان کافروں سے جو آس پاس ہیں تمہارے اور چاہئے کہ وہ پائیں تم میں سختی''۔ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:'' مؤمنین کی مثال آپس میں محبت کرنے اور ایک دوسرے پر ترس کھانے میں ایک جسم کی طرح ہے جب اس کا کوئی عضو تکلیف میں مبتلا ہو جائے تو سارا جسم بیداری اور بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے''(1)۔ ایک اور حدیث میں ہے:'' مؤمن دوسرے مؤمن کے لئے عمارت کی طرح ہے جو ایک دوسرے کے لئے قوت ہیں اور انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل فرمایا''(2)۔ یہ دونوں حدیثیں صحیح میں ہیں۔

تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا...... رِضْوَانًا کثرت عمل اور کثرت نوافل کے ساتھ ان کی صفت بیان فرمائی۔ یہ بہترین اعمال ہیں۔ انہیں اخلاص اور اللہ سے ثواب چاہنے والے قرار دیا۔ یہ جنت ہے جو اللہ کے فضل پر مشتمل ہے۔ یہی ان پر رزق کی وسعت اور اللہ تعالیٰ کی رضا ہے۔ یہ پہلی چیز سے زیادہ بڑی ہے جیسے اللہ نے فرمایا: وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ (توبہ:72)'' اور رضائے خداوندی ان سب نعمتوں سے بڑی ہے''۔

قولہ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ علی بن اَبی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اچھا راستہ۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا قول ہے خشوع اور تواضع مراد ہے۔ ابن ابی حاتم نے مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ سے اس کا معنی خشوع روایت کیا ہے۔

(میں کہتا ہوں) اس کے آثار چہرے پر نظر آتے ہیں بلکہ شاید اس کی آنکھوں کے سامنے جو فرعون سے بھی سخت دل ہو۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ نماز ان کے چہروں کو خوبصورت بنا دیتی ہے۔ بعض سلف سے منقول ہے رات کو جس کی نماز زیادہ ہو دن کو اس کا چہرہ بڑا خوبصورت ہو جاتا ہے۔ ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن میں یہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ موقوف ہے(3)۔ بعض علماء سے منقول ہے نیکی دل میں نور، چہرے پر ضیاء (تابانی) رزق میں وسعت اور لوگوں کے دلوں میں اس کیلئے محبت لاتی ہے۔ امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ کوئی شخص جب کوئی کام چھپ کر بڑی رازداری سے کرتا ہے مگر اللہ تعالیٰ اس کے آثار اس کے چہرے اور اس کے کلام میں نمایاں کر دیتا ہے۔ غرض یہ ہے کہ دل میں پوشیدہ بات چہرے پر ظاہر ہو جاتی ہے اور مومن کا

1۔ دیکھئے سورۂ بقرہ آیت:84 2۔ دیکھئے سورۂ براۃ آیت:71 3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 422

حال جب اللہ کے ساتھ صحیح ہو تو اللہ اس کا ظاہر لوگوں کے ساتھ صحیح کر دیتا ہے جیسے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ نے فرمایا: ''جس کا باطن صحیح ہو جائے۔ اللہ اس کے ظاہر کی بھی اصلاح فرما دیتا ہے''۔ ابوالقاسم طبرانی نے جندب بن سفیان بجلی سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب آدمی چھپ کر کوئی کام کرتا ہے تو اللہ اسے اس کی چادر پہنا دیتا ہے۔ اگر بہتر ہو تو بہتر اور برا ہو تو بری (راوی عزرمی متروک ہے)(1)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اگر تم میں سے کوئی ایسے پتھر میں عمل کرتا ہے جس میں کوئی شگاف نہ ہو۔ اس کا عمل لوگوں کے سامنے ظاہر ہو کر رہتا ہے خواہ کچھ بھی ہو(2)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اچھے طریق پر چلنا اور اچھی خصلت اور میانہ روی نبوت کے پچیس اجزاء میں سے ایک جزء ہے (رواہ ابوداؤد)(3)۔ صحابہ کی نیتیں خالص اور اعمال نیک تھے۔ جو انہیں دیکھتا انکے خصائل اور طریق کو بہت پسند کرتا۔ مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے مجھے خبر ملی ہے کہ نصاریٰ نے جب ان صحابہ کو دیکھا جنہوں نے شام کو فتح کیا تو کہنے لگے: ''اللہ کی قسم یہ لوگ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں سے بھی بدرجہا بہتر ہیں جن کے بارے میں ہم نے سنا ہے۔'' اور ان کی بات صحیح تھی۔ اس امت معظّمہ کا ذکر سابقہ کتب میں ہے۔ اور ان میں سے افضل ترین اصحاب رسول ہیں۔ جیسے کہ قرآن نے یہاں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

شطأ: خوشے، بالی، پودے کی بچیاں، آزرہ، شدّہ: قوت دی۔ فاستغلظ: نشوونما پائی۔

يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ صحابہ کرام جنہوں نے آپ ﷺ کی نصرت و مدد کی ہے اسی طرح ہیں جیسے کھیتی اور خوشہ۔

لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ایک روایت کے مطابق امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اسی آیت سے روافض جو صحابہ سے بغض رکھتے ہیں، کی تکفیر کی ہے کیونکہ وہ ان پر غصہ کرتے ہیں اور جو صحابہ سے غیظ و غضب رکھتا ہے وہ اس آیت کے مطابق کافر ہے۔ علماء کے ایک گروہ نے اس رائے میں آپ سے اتفاق کیا ہے۔ صحابہ کرام کے فضائل اور ان کے خلاف دشنام طرازی کی ممانعت کی احادیث بے شمار ہیں۔ ان کے لئے قرآن کی طرف سے بیان کردہ تعریف اور رضامندی کا سرٹیفکیٹ کافی ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ، من بیان جنس کے لئے ہے۔

مَّغْفِرَةً گناہوں کی بخشش۔

اَجْرًا عَظِيمًا بہت زیادہ ثواب اور اللہ کا وعدہ حق اور سچ ہے جس کی خلاف ورزی یا اس میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ صحابہ کے نقش قدم پر چلنے والا ہر شخص ان کے حکم میں ہے۔ ان کے لئے وہ فضل، سبقت اور کمال ہے جسے اس امت کا کوئی فرد نہیں پا سکتا۔

رضی اللہ عنھم وأرضاھم وجعل جنات الفردوس مثواھم اور ایسے ہی ہوا۔

مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میرے صحابہ کو گالی نہ دو۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کرے تو ان کے مُدّ بلکہ اس کے نصف کو بھی نہیں پا سکتا۔''(4)

سورۂ فتح کی تفسیر ختم ہوئی۔ وللہ الحمد والمنّۃ

1۔ المعجم الکبیر، جلد 2 صفحہ 171 2۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 28 نیز دیکھئے سورۂ لقمان آیت: 12

3۔ مسند امام احمد، جلد 1 صفحہ 296، سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 247

4۔ مد: ایک پیمانہ جو چوتھائی صاع کے برابر ہوتا ہے یعنی ربع صاع تقریباً ایک کلو دیکھئے مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، جلد 4 صفحہ 1967

سورۂ حجرات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُقَدِّمُوۡا بَیۡنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ﴿۱﴾ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَرۡفَعُوۡۤا اَصۡوَاتَکُمۡ فَوۡقَ صَوۡتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجۡہَرُوۡا لَہٗ بِالۡقَوۡلِ کَجَہۡرِ بَعۡضِکُمۡ لِبَعۡضٍ اَنۡ تَحۡبَطَ اَعۡمَالُکُمۡ وَ اَنۡتُمۡ لَا تَشۡعُرُوۡنَ ﴿۲﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ یَغُضُّوۡنَ اَصۡوَاتَہُمۡ عِنۡدَ رَسُوۡلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ امۡتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوۡبَہُمۡ لِلتَّقۡوٰی ؕ لَہُمۡ مَّغۡفِرَۃٌ وَّ اَجۡرٌ عَظِیۡمٌ ﴿۳﴾

”اے ایمان والو! آگے نہ بڑھا کرو اللہ اور اس کے رسول سے اور ڈرتے رہا کرو اللہ تعالیٰ سے، بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا، جاننے والا ہے۔ اے ایمان والو! نہ بلند کیا کرو اپنی آوازوں کو نبی (کریم) کی آواز سے اور نہ زور سے آپ کے ساتھ بات کیا کرو۔ جس طرح زور سے تم ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہو۔ (اس بے ادبی سے) کہیں ضائع نہ ہو جائیں تمہارے اعمال اور تمہیں خبر تک نہ ہو۔ بے شک جو پست رکھتے ہیں اپنی آوازوں کو اللہ کے رسول کے سامنے، یہی وہ لوگ ہیں مختص کرلیا ہے اللہ نے ان کے دلوں کو تقویٰ کے لئے۔ انہی کے لئے بخشش اور اجرِ عظیم ہے“۔

اللہ تبارک وتعالیٰ مؤمنین کو یہ آداب تعلیم فرما رہے ہیں کہ وہ حضور ﷺ کی تعظیم و توقیر کریں۔ چنانچہ فرمایا: لَا تُقَدِّمُوۡا آپ کے سامنے مختلف اشیاء میں آپ سے سبقت نہ کرو بلکہ تمام امور میں آپ کے تابع رہو۔ حدیث معاذ بھی اسی شرعی ادب کے عموم میں آتی ہے۔ آپ کو یمن بھیجتے وقت نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم کیسے فیصلے کرو گے؟ انہوں نے عرض کی کتاب اللہ کے ساتھ فرمایا: اگر اس میں نہ پاؤ تو؟ عرض کی: سنت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر اس میں بھی نہ پاؤ تو؟ عرض کی: میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ تو آپ ﷺ نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا اور کہا تمام تعریفیں اس رب کے لئے ہیں جس نے اپنے رسول کے نمائندے کو اس بات کی توفیق دی جس سے اللہ کا رسول راضی ہے۔ احمد، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے روایت کیا ہے(1)۔ یعنی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے اور اجتہاد کو کتاب وسنت کے بعد رکھا۔ اگر وہ اپنے اجتہاد کو پہلے رکھتے تو یہ بھی اللہ اور اس کے رسول کے سامنے سبقت ہوتی۔ علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے لَا تُقَدِّمُوۡا یعنی کتاب وسنت کے خلاف کچھ نہ کہو۔ عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ کی گفتگو کے سامنے گفتگو کرنے کی نہی ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ آپ ﷺ کی اجازت کے علی الرغم کوئی کام نہ کرو حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ آپ کی زبان سے فیصلہ فرما دے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا

1۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 242-236-230، سنن ابوداؤد، کتاب الاقضیۃ، جلد 3 صفحہ 303، عارضۃ الاحوذی، ابواب الاحکام، جلد 6 صفحہ 69، ابن ماجہ، المقدمۃ، جلد 1 صفحہ 21

قول ہے: دین کے معاملات میں اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ کر اپنی رائے سے کوئی کام نہ کرو۔ سفیان ثوری کا قول ہے لَا تُقَدِّمُوْا یعنی قول وفعل میں پیش دستی نہ کرو۔ حسن بصری کا قول ہے امام سے قبل دعا نہ مانگو۔ قتادہ کا قول ہے ہمیں بتایا گیا ہے کہ لوگ یوں کہتے تھے اگر اس معاملہ میں یوں آیت اترتی، اگر اس طرح کیا جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس چیز کو ناپسند فرمایا اور یہ حکم دیا(1)۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ یعنی تمہیں جو حکم دیا ہے۔

سَمِیْعٌ تمہارے اقوال کو سننے والا ہے۔

عَلِیْمٌ تمہاری نیتوں سے آگاہ ہے۔

قولہ لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ دوسرا ادب سکھایا جارہا ہے کہ آپ کی آواز سے آواز بلند نہ کرو۔ مروی ہے کہ یہ آیت شیخین یعنی حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابن ابی ملیکہ سے روایت کیا ہے قریب تھا کہ دونوں برگزیدہ حضرات (ابوبکر وعمر) ہلاک ہوجاتے۔ ان کی آوازیں آپ ﷺ کے سامنے بلند ہوگئی تھیں۔ جب بنوتمیم کا وفد آیا تو ایک نے اقرع بن حابس کی طرف اشارہ کیا اور دوسرے نے ایک اور آدمی کی طرف۔ راوی نافع کہتے ہیں مجھے اس کا نام یاد نہیں رہا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا تو نے میری مخالفت کرنا چاہی ہے۔ آپ نے فرمایا ایسی کوئی بات نہیں۔ چنانچہ دونوں کی آوازیں بلند ہوگئیں تو یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نزول کے بعد حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے آہستہ آہستہ کلام کرنے کو اپنا معمول بنالیا حتیٰ کہ آپ ﷺ کو استفسار کی ضرورت پیش آتی (2)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسری روایت میں عبداللہ بن زبیر سے روایت کیا ہے کہ بنوتمیم کا ایک وفد آپ ﷺ کے پاس آیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی قعقاع بن معبد کو امیر بنایئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا نہیں بلکہ اقرع بن حابس کو امیر بنایئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تم نے میری مخالفت کرنا چاہی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بات کی نفی فرمائی۔ بات نے طول کھینچا حتیٰ کہ دونوں کی آوازیں بلند ہوگئیں تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی(3)۔ حافظ ابوبکر بزار نے اپنی مسند میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اس آیت کے نزول کے بعد میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ سے سرگوشی کے انداز میں بات کروں گا(4) اس کے راوی حصین بن عمر اگرچہ ضعیف ہیں لیکن ہم نے اسے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ثابت بن قیس کو نہ دیکھا تو ان کے بارے میں دریافت کیا۔ ایک آدمی نے عرض کی میں ان کی خبر لاتا ہوں۔ وہ آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ سر جھکائے گھر میں بیٹھے ہیں۔ اس نے پوچھا کیا ہوا؟ وہ فرمانے لگے بہت برا ہوا میری آواز سرکار کی آواز سے بلند ہے میرا تو عمل غارت ہوگیا۔ اب تو میرا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اس آدمی نے آکر آپ ﷺ کو ساری صورت حال عرض کی۔ تو سرکار ﷺ نے انہیں خوشخبری دینے کے لئے اس آدمی کو دوبارہ بھیجا کہ ثابت کو خبر کردو کہ تم دوزخی نہیں۔ تم تو جنتی ہو(5)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے جس کا اوپر والی حدیث میں بیان ہوا اس روایت میں یہ اضافہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا چنانچہ ہم

1۔ طبری، جلد 26 صفحہ 117-116
2۔ دیکھئے ترمذی ومسلم، فتح الباری، تفسیر سورۃ الحجرات، جلد 8 صفحہ 590
3۔ فتح الباری، تفسیر سورۃ الحجرات، جلد 8 صفحہ 594
4۔ کشف الاستار عن زوائد البزار کتاب التفسیر، جلد 3 صفحہ 69
5۔ فتح الباری، تفسیر سورۃ الحجرات، جلد 8 صفحہ 590

انہیں اپنے درمیان دیکھتے اور یہ جانتے تھے کہ وہ جنتی ہیں۔ یمامہ کے مقام پر ہم نے دیکھا کہ ثابت بن قیس بن شماس حنوط لگائے کفن پہنے آئے اور دشمن سے لڑے حتیٰ کہ شہید ہو گئے (1)۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے یہی روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ذکر کی ہے۔ اس میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سے پوچھا ثابت کو کیا ہو گیا ہے؟ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کی وہ میرے پڑوسی ہیں۔ مجھے ان کا کوئی علم نہیں۔ پھر حضرت سعد رضی اللہ عنہ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس آئے...... الحدیث (2)۔ یہ تینوں روایات جو مسلم میں مذکور ہیں معلل ہیں صحیح یہ ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ اس وقت زندہ نہیں تھے کیونکہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا انتقال 5 ھ میں غزوہ بنی قریظہ کے چند دن بعد ہی ہو گیا تھا اور یہ آیت بنوتمیم کے وفد کی آمد کے بعد نازل ہوئی اور وفود 9 ھ میں آئے واللہ اعلم۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ثابت بن قیس بن شماس کے صاحبزادے محمد سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ثابت رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں بیٹھ گئے اور زاروقطار رونا شروع کر دیا۔ بنو عجلان کے عاصم بن عدی کا گزر ان کے پاس سے ہوا تو پوچھا اے ثابت! تم کیوں روتے ہو؟ انہوں نے فرمایا مجھے خدشہ ہے کہ یہ آیت میرے بارے میں نازل ہوئی ہو کیونکہ میری آواز قدرتی طور پر بلند ہے۔ عاصم بن عدی رسول اکرم ﷺ کے پاس چلے گئے۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ زاروقطار رو رہے تھے۔ انہوں نے اپنی بیوی جمیلہ بنت عبداللہ بن ابی بن سلول سے کہا جب میں اپنے گھوڑے کے کمرے میں جاؤں تو تم کیل سے کواڑ بند کر دینا۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ اندر بیٹھ رہے اور یہ عزم کیا میں اس وقت تک نہیں نکلوں گا جب تک میری وفات نہ ہو جائے یا رسول اللہ ﷺ مجھ سے راضی نہ ہو جائیں۔ عاصم کو بڑا ترس آیا۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں تمام ماجرا عرض کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا جا کر ثابت کو بلا لاؤ۔ عاصم ان کے مکان پر آئے انہیں نہ پایا۔ پھر انہیں اصطبل میں پایا اور انہیں پیغام دیا کہ سرکار ﷺ بلا رہے ہیں۔ چنانچہ انہیں ساتھ لے کر آئے۔ آپ ﷺ نے رونے کا سبب پوچھا تو حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے عرض کی مجھے خدشہ ہے کہ یہ آیت میرے حق میں نازل ہوئی ہے۔ میری تو عمر بھر کی کمائی غارت ہو گئی۔ حضور نبی کریم ﷺ نے خوشخبری دیتے ہوئے فرمایا: کیا اس بات پر راضی نہیں کہ تم قابل تعریف زندگی بسر کرو اور شہید قتل کیے جاؤ اور جنت میں داخل ہو جاؤ۔ حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے عرض کی میں اللہ اور اس کے رسول کے اس مژدہ جانفزا پر راضی ہوں اور اپنی آواز آپ ﷺ کی آواز سے کبھی بلند نہ کروں گا۔ تو یہ آیت اتری اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ...... (3)۔ اس قصہ کو بہت سے تابعین نے بھی روایت کیا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے پیارے رسول کی بارگاہ میں آواز بلند کرنے سے روک دیا۔ ہم نے روایت کیا ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دو آدمیوں کو مسجد نبوی میں باآواز بلند گفتگو کرتے سنا۔ آپ تشریف لائے اور فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ تم کہاں ہو؟ پھر پوچھا تم کہاں سے ہو؟ وہ کہنے لگے ہم اہل طائف سے ہیں۔ آپ نے فرمایا اگر تم مدینہ سے ہوتے تو میں تمہیں سخت سزا دیتا (4)۔ علماء کرام کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ کی قبر اطہر کے پاس آواز بلند کرنا اسی طرح منع ہے جس طرح آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں ممنوع تھا۔ کیونکہ ظاہری حیات مبارکہ میں بھی آپ محترم ہیں اور اپنی قبر میں بھی ہمیشہ آپ کا احترام لازمی ہے۔

وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ پھر فرمایا: آپ ﷺ سے اس طرح مخاطب نہ ہوا کرو جس طرح آدمی عام لوگوں سے گفتگو کرتا ہے بلکہ سکینت، وقار

1۔ مسند امام احمد، جلد 3 صفحہ 137
2۔ مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 111-110
3۔ تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 118
4۔ بخاری، کتاب الصلاۃ، فتح الباری، جلد 1 صفحہ 560

اور تعظیم سے آپ سے گفتگو کیا کرو۔ فرمایا: وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ......

قولہ: اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ یعنی ہم نے تمہیں آپ ﷺ کی بارگاہ میں آواز بلند کرنے سے اس لئے منع کیا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو وہ تم سے غضب ناک ہو جائیں۔ آپ کے غضب کو دیکھ کر جلال الٰہی بھی جوش میں آ جائے اور اس آدمی کا عمل اکارت جائے لیکن اسے پتہ بھی نہ ہو جیسے صحیح حدیث میں ہے: ''آدمی اللہ کی رضامندی پر مبنی کوئی کلمہ منہ سے نکالتا ہے اسے کوئی پتہ نہیں ہوتا لیکن اس کے لئے جنت لکھ دی جاتی ہے۔ اور بے شک آدمی کبھی ایسا کلمہ منہ سے نکالتا ہے اسے کوئی علم نہیں ہوتا لیکن وہ اس کے ساتھ آگ میں گر جاتا ہے''(1)۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ...... اللہ تبارک وتعالیٰ آواز کو پست رکھنے کی ترغیب وتحریض فرمارہے ہیں۔

امْتَحَنَ: انہیں اپنے لئے خالص کر لیا ہے اور اس کے اہل قرار دیا ہے۔

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الزہد میں مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف لکھا گیا: اے امیر المومنین! وہ آدمی جو نہ تو معصیت کی خواہش کرتا ہے اور نہ اس کا ارتکاب کرتا ہے افضل ہے یا وہ آدمی جو گناہ کی آرزو تو رکھتا ہے لیکن اس کا مرتکب نہیں ہوتا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لکھا وہ لوگ جو معصیت کی خواہش تو رکھتے ہیں لیکن اس پر عمل نہیں کرتے، اللہ نے ان کے دلوں کو تقویٰ کے لئے مختص کر لیا ہے۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ(2)۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ④ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑤

''بے شک جو لوگ پکارتے ہیں آپ کو حجروں کے باہر سے ان میں سے اکثر ناسمجھ ہیں۔ اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ آپ باہر تشریف لاتے ان کے پاس تو یہ ان کے لئے بہت بہتر ہوتا۔ اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے''۔

ان لوگوں کی مذمت بیان فرمائی جارہی ہے جو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں۔ یہ امہات المومنین کے گھر تھے۔ اجڈ بدوؤں کا یہی طریقہ تھا۔

فرمایا: اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ۔ پھر ادب کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا: وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ اس میں ان کے لئے دنیا و آخرت کی بھلائی تھی۔ پھر انہیں توبہ اور انابت (رجوع) کی طرف بلاتے ہوئے فرمایا: وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔

مروی ہے کہ یہ اقرع بن حابس تمیمی کے بارے میں نازل ہوئی جیسا کہ متعدد روایات میں ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اقرع بن حابس سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو حجروں کے باہر سے آواز دی: یا محمد، یا محمد اور ایک روایت میں یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔

میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! میری حمد مزین کر دیتی ہے اور میری مذمت معیوب بنا دیتی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ذاك اللہ عز وجل یعنی اللہ کی مدح باعث زینت ہے اور اسی کی مذمت باعث تحقیر ہے(3)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت براء رضی اللہ عنہ سے

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ نور آیت: 15 2۔ تفسیر در منثور، جلد 26 صفحہ 552 3۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 488، جلد 6 صفحہ 394-393

اس آیت کی تفسیر میں یہی نقل کیا ہے(1)۔ حسن بصری اور قتادہ سے بھی مرسلاً یہی مروی ہے۔ سفیان ثوری نے حبیب بن ابوعمرۃ سے روایت کیا ہے کہ بشر بن غالب اور لبید بن عطارد (یا بشر بن عطارد اور لبید بن غالب) حجاج کے پاس بیٹھے تھے بشر بن غالب نے لبید بن عطارد سے کہا یہ آیت تیری قوم بنوتمیم کے بارے میں نازل ہوئی تھی: اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ...... فرماتے ہیں میں نے سعید بن جبیر سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا کہ اگر انہیں اس آیت کے آخر کا علم ہوتا تو جواب دیتے!

یَمُنُّوْنَ عَلَیْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا انہوں نے کہا: اسلمنا: ہم ایمان لائے اور بنواسد نے آپ سے لڑائی نہیں کی(2)۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے زید بن ارقم سے روایت کیا ہے کہ عرب کے کچھ لوگ جمع ہوئے اور کہنے لگے ہمیں اس آدمی کے پاس چلنا چاہئے۔ اگر یہ نبی ہے تو ہم سب لوگوں سے زیادہ اس کے ہاں سعادت مند ہوں گے۔ اور اگر وہ بادشاہ ہے تو اس کے زیر سایہ زندگی گزاریں گے۔ میں نے آکر رسول اللہ ﷺ کو اس بات کی خبر دی وہ آپ کے حجرے کے پاس آکر حضور ﷺ کا اسم گرامی لے کر پکارنے لگے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ حضور ﷺ نے میرا کان پکڑا اور فرمانے لگے اے زید اللہ نے تیری بات کو سچ کر دکھایا ہے۔ اے زید! اللہ نے تیری بات کو سچ کر دکھایا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے معتمر بن سلیمان سے روایت کیا ہے(3)۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْۤا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ ۝ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ فِیْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ لَوْ یُطِیْعُكُمْ فِیْ كَثِیْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَیْكُمُ الْاِیْمَانَ وَ زَیَّنَهٗ فِیْ قُلُوْبِكُمْ وَ كَرَّهَ اِلَیْكُمُ الْكُفْرَ وَ الْفُسُوْقَ وَ الْعِصْیَانَ ؕ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ نِعْمَةً ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ۝

”اے ایمان والو! اگر لے آئے تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر تو اس کی خوب تحقیق کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ تم ضرر پہنچاؤ کسی قوم کو بے علمی میں پھر تم اپنے کیے پر پچھتانے لگو۔ اور خوب جان لو تمہارے درمیان رسول اللہ تشریف فرما ہیں۔ اگر وہ مان لیا کریں تمہاری بات اکثر معاملات میں تو تم مشقت میں پڑ جاؤ لیکن اللہ تعالیٰ نے محبوب بنا دیا ہے تمہارے نزدیک ایمان کو اور آراستہ کر دیا ہے اسے تمہارے دلوں میں اور قابل نفرت بنا دیا ہے تمہارے نزدیک کفر، فسق اور نافرمانی کو۔ یہی لوگ راہ حق پر ثابت قدم ہیں۔ (یہ سب کچھ) محض اللہ کا فضل اور انعام ہے۔ اور اللہ سب کچھ جاننے والا بڑا دانا ہے“۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ فاسق کی خبر پر احتیاط سے کام لینے اور کارروائی سے پہلے حقیقت حال معلوم کر لینے کا حکم دے رہے ہیں کیونکہ درحقیقت وہ جھوٹا یا خطا کار ہوتا ہے۔ اس طرح حاکم اس کی اتباع کرنے والا ہو جائے گا حالانکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مفسدین کی راہ کی پیروی کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اسی وجہ سے بعض علماء نے مجہول الحال کی روایت کو قبول کرنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ اس کے فسق کا احتمال موجود ہے۔ بعض دوسرے علماء اس کی خبر کو قبول کرتے ہیں کیونکہ ہمیں فاسق کی خبر کی تحقیق کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کے فسق کا حکم لگانا مشکل ہے کیونکہ وہ مجہول الحال ہے۔ میں نے یہ مسئلہ کتاب العلم میں بخاری کی شرح میں بیان کیا ہے۔

کثیر مفسرین کی یہ رائے ہے کہ یہ آیت ولید بن عقبہ بن ابی معیط کے بارے میں نازل ہوئی جب رسول اکرم ﷺ نے اسے

1۔ تفسیر طبری، جلد 26 جلد 121 2۔ تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 122، الدر المصون، جلد 7 صفحہ 553 3۔ تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 121

بنو مصطلق کے صدقات کی وصولی کے لئے بھیجا۔ یہ متعدد سندوں سے مروی ہے۔ سب سے بہترین وہ روایت ہے جسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے مسند میں بنو مصطلق کے بادشاہ حارث بن ضرار سے روایت کیا ہے۔ یہ ام المؤمنین جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کے والد ہیں۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حارث بن ضرار خزاعی سے روایت کیا ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ آپ نے مجھے اسلام کی دعوت دی۔ چنانچہ میں دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا اور ایمان میرے دل میں راسخ ہو گیا۔ آپ ﷺ نے مجھے زکوٰۃ کا حکم دیا۔ میں نے اسے بھی قبول کر لیا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میں اپنی قوم کی طرف واپس جاتا ہوں اور انہیں اسلام اور ادائے زکوٰۃ کی دعوت دوں گا۔ جس نے میری دعوت کو قبول کیا۔ اس کی زکوٰۃ جمع کر لوں گا۔ فلاں وقت آپ ﷺ اپنا قاصد بھیجیں گے تاکہ وہ زکوٰۃ کا جمع شدہ مال لے آئے۔ جب حارث نے زکوٰۃ کا مال جمع کر لیا اور وہ وقت بھی آ گیا جب آپ ﷺ نے اپنا قاصد بھیجنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ لیکن قاصد نہ آیا۔ یہ دیکھ کر حارث کو فکر دامن گیر ہوئی کہ شاید اس سے اللہ اور اس کے رسول کی شان میں گستاخی ہو گئی ہے۔ اور وہ ناراض ہیں۔

چنانچہ اس نے سرداران قوم کو بلایا اور کہا آپ ﷺ نے فلاں وقت میری طرف قاصد بھیجنے کا وعدہ فرمایا تھا تاکہ مال صدقات وصول کرے۔ آپ ﷺ وعدہ خلافی بھی نہیں فرماتے۔ ہو نہ ہو آپ ﷺ کے قاصد کا نہ آنا آپ کی ناراضگی کی وجہ سے ہے۔ چلو رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں چلتے ہیں۔ ادھر سرکار ﷺ نے ولید بن عقبہ کو مال زکوٰۃ وصول کر کے لانے کا حکم دیا۔ ولید نکلا۔ راستے میں اسے خدشہ ہوا کہ (وہ اسے قتل نہ کر دیں) چنانچہ وہ واپس آپ ﷺ کی بارگاہ میں آیا اور کہنے لگا۔ یا رسول اللہ ﷺ! حارث نے مجھے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور مجھے قتل کرنا چاہا۔ رسول اکرم ﷺ نے ایک دستہ حارث کی طرف بھیجا۔ حارث اپنے ساتھیوں سمیت آ رہا تھا کہ اس دستے سے اس کی ملاقات ہوئی۔ وہ مدینہ سے باہر آ چکے تھے۔ وہ کہنے لگے یہ حارث ہے۔ حارث نے پوچھا تم کس طرف بھیجے گئے ہو؟ انہوں نے کہا تیری طرف۔ اس نے پوچھا لیکن کیوں؟ انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ولید کو تیری طرف بھیجا تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ تم نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور اسے قتل کرنا چاہا۔ حارث کہنے لگا نہیں اس ذات کی قسم جس نے محمد (ﷺ) کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں نے اسے بالکل نہیں دیکھا اور نہ ہی وہ میرے پاس آیا ہے۔ چنانچہ جب حارث رسول اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو آپ نے دریافت فرمایا تم نے زکوٰۃ سے انکار کیا اور میرے قاصد کو قتل کرنا چاہا؟ اس نے عرض کی نہیں جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے میں نے اسے نہیں دیکھا اور نہ ہی وہ میرے پاس آیا ہے۔ بلکہ جب آپ ﷺ کا قاصد نہیں پہنچا تو میں خود آیا ہوں۔ مجھے یہ خدشہ ہوا کہ شاید یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ناراضگی کا سبب ہو۔ اس وقت سورۂ حجرات کی یہ آیات یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا سے حَکِیْمٌ تک) نازل ہوئیں (1)۔ ابن ابی حاتم اور طبرانی رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے (2)۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ غزوۂ بنی مصطلق کے واقعہ کے بعد آپ ﷺ نے اس قوم کے صدقات جمع کرنے کے لئے ایک آدمی بھیجا۔ انہوں نے اس کا استقبال کیا اور تعظیم کی۔ اس شخص کو شیطان نے یہ وہم دلایا کہ وہ تمہیں قتل کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ وہ آپ ﷺ کے پاس واپس آ گیا۔ اور عرض کی بنو مصطلق نے صدقات دینے سے انکار کر دیا ہے۔ رسول اکرم ﷺ اور مسلمان غصے میں آ گئے۔ اس قبیلہ والوں کو بھی قاصد کی واپسی کا پتہ چل گیا۔ وہ آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔ نماز ظہر کے بعد وہ قطار بنا کر کھڑے ہو گئے اور عرض کرنے لگے ہم اللہ اور اس کے رسول کے غضب سے اللہ کی پناہ چاہتے

1۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 279

2۔ المعجم الکبیر، جلد 3 صفحہ 275-273

ہیں۔ آپ ﷺ نے صدقات کے لئے اپنا عامل بھیجا۔ ہمیں خوشی ہوئی اور اس سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں۔ پھر وہ واپس آ گیا۔ ہمیں خدشہ ہوا کہ شاید یہ اللہ اور اس کے رسول کے غضب کی وجہ سے ہو۔ وہ یہی بات عرض کرتے رہے حتیٰ کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عصر کی اذان دے دی تو یہ آیت نازل ہوئی: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ......(1)۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بطریق عوفی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ولید بن عقبہ بن ابی معیط کو صدقات جمع کرنے کے لئے بنو مصطلق کی طرف بھیجا۔ جب انہیں خبر ملی تو وہ خوش ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کے قاصد کے استقبال کو باہر آئے۔ ولید کو جب یہ خبر ملی تو وہ واپس رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں آ کر کہنے لگا۔ بنو مصطلق نے صدقہ دینے سے انکار کر دیا ہے رسول اکرم ﷺ شدید غضبناک ہو گئے۔ آپ ﷺ ابھی ان پر حملہ کرنے کے بارے میں سوچ رہے تھے کہ ان کا وفد آ گیا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ہمیں پتہ چلا ہے کہ آپ کا قاصد نصف راستے سے واپس لوٹ آیا ہے۔ ہمیں خدشہ ہوا کہ آپ کے خط نے اسے واپس کیا ہو اور آپ ﷺ ہم پر غضبناک ہو گئے ہوں۔ ہم اللہ اور اس کے رسول کے غضب سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ سمجھے کہ وہ لوگ فریب دے رہے ہیں اور آپ ﷺ نے انہیں جھڑکنا اور ڈانٹنا شروع فرما دیا۔ لیکن اللہ نے قرآن میں ان کا عذر بیان فرما دیا(2)۔ مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ولید بن عقبہ کو بنو مصطلق کے صدقات جمع کرنے کے لئے بھیجا۔ انہوں نے صدقات پیش کئے۔ وہ واپس آ گیا اور کہنے لگا۔ بنو مصطلق آپ سے لڑائی پر تیار ہیں۔ (قتادہ کی روایت میں ہے) وہ اسلام سے مرتد ہو گئے ہیں۔ آپ ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ان کی طرف بھیجا اور حکم دیا کہ پوری تحقیق کرنا اور کارروائی میں جلدی نہ کرنا۔ آپ چلتے چلتے رات کو ان کے ہاں پہنچے۔ اپنے جاسوس بھیجے۔ انہوں نے واپس آ کر خالد کو خبر دی کہ وہ اسلام پر مضبوطی سے قائم ہیں انہوں نے اذان اور نماز کی آواز سنی ہے۔ صبح خالد ان کے پاس آئے تو انہوں نے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا اور حیران ہوئے۔ واپس آ کر رسول اللہ ﷺ کو خبر دی تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ قتادہ کا قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرمایا کرتے تھے: اطمینان اور سوچ و بچار سے کام لینا اللہ کی طرف سے ہے اور جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے(3)۔

قولہ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ فِیْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ تمہیں معلوم ہے کہ اللہ کا نبی تمہارے درمیان ہے۔ لہٰذا اس کی تعظیم وتوقیر کرو۔ ان کا ادب بجالاؤ اور ان کے اوامر کی اطاعت کرو۔ وہ تمہاری مصلحتوں سے آگاہ ہیں اور تم پر تم سے بھی زیادہ شفیق ہیں۔ ان کی رائے تمہارے بارے میں تم سے بھی زیادہ وقیع ہے۔ اسی لئے ارشاد فرمایا: اَلنَّبِیُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ (احزاب:6) ”نبی (کریم) مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ ان کے قریب ہیں“۔ پھر فرمایا: ان کی رائے ان کی مصلحتوں کے اعتبار سے بھی کم ہے۔ لَعَنِتُّمْ یعنی اگر وہ تمہاری ہر بات کو ماننے لگیں تو یہ چیز تمہیں مشقت اور حرج میں ڈال دے جیسے فرمایا: وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِیْهِنَّ ؕ بَلْ اَتَیْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ (المومنون:71) ”اور اگر پیروی کرتا حق ان کے خواہشات (نفسانی) کی تو درہم برہم ہو جاتے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے بلکہ ہم ان کے پاس لے آئے ان کی نصیحت تو وہ اپنی نصیحت سے ہی روگردانی کرنے والے ہیں“۔

لٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَیْكُمُ الْاِیْمَانَ...... ایمان تمہارے نزدیک محبوب بنا دیا ہے اور اس کے ساتھ تمہارے دلوں کو مزین کر دیا ہے۔ حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اسلام علانیہ اور

1۔ تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 123 2۔ تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 124-123 3۔ تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 124

ایمان دل میں ہوتا ہے۔'' پھر اپنے سینے کی طرف تین مرتبہ اشارہ فرمایا اور ساتھ یہ بھی فرمایا تقویٰ یہاں ہے۔ تقویٰ یہاں ہے(1)۔

كَرَّهَ: ناپسندیدہ بنا دیا ہے۔ بغض۔ الفسوق: بڑے گناہ۔ العصیان: تمام معاصی اور گناہ مراد ہیں۔ یہ کمال انعام (نعمت) کی تدریج ہے۔ أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ اس صفت سے متصف لوگ ہی راشدون ہیں جنہیں اللہ نے رشد و ہدایت عطا فرمائی ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ابن رفاعہ زرقی سے روایت کیا ہے کہ غزوۂ احد کے دن مشرکین جب تتر بتر ہو گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: صفیں باندھ لو تا کہ میں رب کی حمد و ثنا کروں۔ چنانچہ لوگوں نے صفیں باندھ لیں تو آپ ﷺ نے یوں دعا فرمائی:۔

''اللهم لكَ الحمدُ كُلُّهُ، اللهم لَا قابضَ لمَا بَسَطْتَ، ولا باسط لما قبضت، ولا هادی لما أضلَلْتَ، ولا مُضِلَّ لمنْ هَدَيتَ، ولا معطِي لما مَنَعتَ، ولا مانِعَ لِمَا أعطَيْتَ ولَا مقرِّبَ لِمَا باعدتَ، ولا مُباعِدَ لما قَرَّبتَ، اللهم، ابسُط علينا من بَرَكاتك ورحمتِكَ وفضلِكَ ورِزْقِكَ، اللهم إنِّي اسألُكَ النعيم المقيم الذى لا يحُولُ ولا يزُولُ، اللّهم ،إنّى اَسْأَلُكَ النَعِيمَ يَوْمَ الْعَيْلَةِ، والأمنَ يومَ الخوف۔ اللهم۔إنى عائذبك من شرِّ ما اَعْطَيْتَنَا ومِنْ شرِّما مَنَعتَنَا۔ اللهمَّ حبِّبْ إلينا الايمانَ وزيِّنه في قلوبنا وكرِّه إلينا الكفرَ والفسوقَ والعصيَانَ، واجعلنَا من الراشِدينَ۔ اللهمّ، توَفَّنَا مسلِمِينَ وأحيِنَا مسلمِينَ، وألحِقْنَا بالصالحين، غَيْرَ خزَايَا ولا مفتُونِيْنَ۔ اللهمَّ، قاتِلِ الكفرةَ الّذين يكذبون رُسُلَكَ ويصُدُّونَ عن سبيلِكَ، واجعلْ عليهم رِجْزَكَ وَعَذَابَكَ۔ اللهمّ، قاتِلِ الكفرةَ الذين أُوتُوا الكتابَ، إلهَ الحقِّ''(2)۔

نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ''اليوم والليلة'' میں روایت کیا ہے۔ مرفوع حدیث میں ہے جو اپنی نیکی سے خوش اور برائی سے رنجیدہ ہو وہ مومن ہے(3)۔

عَلِيمٌ حَكِيمٌ یہ جانتا ہے کہ ہدایت کا مستحق کون ہے۔ اپنے اقوال و افعال اور شرع و قدر میں حکیم ہے۔

وَإِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝

''اور اگر اہل ایمان کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرا دو۔ اور اگر زیادتی کرے ایک گروہ دوسرے پر تو پھر سب (مل کر) لڑو اس سے جو زیادتی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ لوٹ آئے اللہ کے حکم کی طرف۔ پس اگر لوٹ آئے تو صلح کرا دو ان کے درمیان عدل (وانصاف) سے اور انصاف کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے انصاف کرنے والوں سے۔ بیشک اہل ایمان بھائی بھائی ہیں۔ پس صلح کرا دو اپنے دو بھائیوں کے درمیان اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے تا کہ تم پر رحم فرمایا جائے''۔

1۔ مسند امام احمد، جلد 3 صفحہ 135-134 2۔ مسند امام احمد، جلد 3 صفحہ 424، تحفۃ الاشراف، جلد 3 صفحہ 171

3۔ ترمذی، ابواب الفتن، عارضۃ الاحوذی، جلد 9 صفحہ 9-8، نسائی فی سنن الکبریٰ تحفۃ الاشراف، جلد 8 صفحہ 63-62، مسند امام احمد، جلد 6 صفحہ 18-26، جلد 3 صفحہ 446

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے مابین اصلاح کرنے کا حکم ارشاد فرما رہے ہیں جو ایک دوسرے سے زیادتی پر اتر آتے ہیں۔ باہمی جدال کے باوجود انہیں مومن قرار دیا۔ اسی آیت سے بخاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ علماء نے استدلال کیا ہے کہ آدمی گناہوں کے باوجود ایمان سے خارج نہیں ہوتا۔ خواہ کتنے ہی بڑے کیوں نہ ہوں۔ جیسے کہ خوارج اور معتزلہ وغیرہ کی رائے تھی۔ اسی طرح صحیح بخاری میں حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن خطبہ ارشاد فرمایا۔ منبر پر آپ ﷺ کے ساتھ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ آپ ایک مرتبہ ان کی طرف دیکھتے اور دوسری مرتبہ لوگوں کی طرف اور فرما رہے تھے: ''میرا یہ بیٹا سردار ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرا دے گا'' (1)۔ چنانچہ آپ ﷺ نے جس طرح ارشاد فرمایا تھا، آپ کی پیشین گوئی پوری ہوئی اور اللہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے صدقے طویل، دردناک لڑائیوں کے بعد اہل عراق اور اہل شام کے درمیان صلح کروادی۔

حَتّٰى تَفِیْٓءَ اِلٰۤى اَمْرِ اللّٰهِ یعنی وہ لوٹ آئے اللہ کے امر کی طرف اور حق کو سنے اور اس کی اطاعت کرے۔ جیسا کہ صحیح میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اپنے بھائی کی مدد کر خواہ ظالم ہو یا مظلوم۔'' میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! مظلوم کی تو میں مدد کروں گا لیکن ظالم کی مدد کیسے کروں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اسے ظلم سے روک دے تو یہی اس کی امداد ہے'' (2)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی گئی: اگر آپ عبداللہ بن ابی کے پاس تشریف لے چلیں؟ چنانچہ سرکار ﷺ اپنے دراز گوش پر سوار ہو کر چلے۔ مسلمان ہمراہ پیدل تھے۔ یہ زمین شور والی تھی۔ جب نبی کریم ﷺ اس کے پاس پہنچے تو وہ کہنے لگا دور ہو جاؤ۔ اللہ کی قسم مجھے تمہارے گدھے کی بو سے تکلیف ہوئی ہے۔ یہ سن کر ایک انصاری کہنے لگا اللہ کی قسم! سرکار ﷺ کا گدھا تم سے زیادہ خوشبودار ہے۔ یہ سن کر عبداللہ کی قوم کے کچھ لوگ غصے میں آ گئے۔ بالآخر دونوں فریق جوش میں آ گئے۔ اور کھجور کی شاخوں، تھپڑوں اور جوتوں سے لڑائی ہوئی تو یہ آیت نازل ہوئی (3)۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے کتاب الصلح میں اور مسلم نے مغازی میں اسے روایت کیا ہے۔ سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ اوس وخزرج کے درمیان، کھجور کی شاخوں اور جوتوں سے لڑائی ہوئی۔ اس وقت یہ آیت اتری اور صلح کا حکم ہوا۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ انصار کا ایک شخص عمران نامی تھا۔ اس کی بیوی ام زید تھی۔ عورت نے اپنے گھر جانا چاہا تو مرد نے انکار کر دیا اور اسے بالائی منزل میں بند کر دیا۔ اس کے پاس کوئی نہیں جا سکتا تھا۔ اس عورت نے اپنے اہل خانہ کو پیغام بھیجا وہ لوگ آ گئے اور اسے اتار کر اپنے ساتھ لے جانے لگے۔ وہ آدمی بھی نکل آیا اس نے اپنے خاندان سے مدد طلب کی۔ اس کے چچا زاد آ گئے اور ان لوگوں کو اس کی بیوی لے جانے سے روک دیا۔ انہوں نے جوتوں سے ایک دوسرے کی پٹائی کی۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں بلایا۔ ان کے مابین صلح کروائی اور وہ اللہ کے امر کی طرف لوٹ آئے۔

فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ: القسط: العدل الصاف۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''دنیا میں انصاف کرنے والے قیامت کے دن رحمٰن کے پاس موتیوں کے منبروں پر ہوں گے۔ کیونکہ وہ دنیا میں انصاف کرتے تھے'' (4)۔ نسائی

1۔ دیکھئے تفسیر سورۃ انعام آیت: 86 2۔ دیکھئے تفسیر سورۃ مائدہ آیت: 2

3۔ مسند امام احمد، جلد 3 صفحہ 219-157، فتح الباری، کتاب الصلح، جلد 5 صفحہ 297، مسلم کتاب الجہاد، جلد 3 صفحہ 1424

4۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 561-560 تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 129-128

رحمۃ اللہ علیہ نے اسے عمدہ قوی سند سے روایت کیا ہے۔اس کے رجال صحیح کی شرط پر ہیں(1)۔ایک اور روایت میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:''انصاف کرنے والے اللہ کے پاس قیامت کے دن عرش کے دائیں نور کے منبروں پر ہوں گے جو اپنے احکام، اہل وعیال اور جس چیز پر انہیں والی بنایا گیا ہے عدل سے کام لیتے ہیں۔''مسلم اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے روایت کیا ہے(2)۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ تمام مؤمن دینی بھائی ہیں جیسے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ خود اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے بے یار و مددگار کسی ظالم کے حوالے کر دیتا ہے''(3)۔صحیح حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے کی مدد فرماتا رہتا ہے، جب تک وہ بندہ اپنے بھائی کی امداد و اعانت میں لگا رہے(4)۔صحیح میں ہے:''جب کوئی مسلمان اپنے بھائی کے لئے اس کی عدم موجودگی میں اس کے لئے دعا مانگتا ہے تو فرشتہ اس پر آمین کہتا ہے اور کہتا ہے کہ یہی دعا تیرے حق میں بھی مقبول ہو''(5)۔اس طرح کی احادیث بے شمار ہیں۔صحیح میں ہے کہ''مسلمانوں کی مثال ایک دوسرے سے محبت کرنے میں، ایک دوسرے پر رحم کرنے میں، ایک دوسرے سے صلہ رحمی کرنے میں ایسی ہے جیسے ایک جسم ہو۔جب اس کا کوئی عضو بیمار پڑ جائے تو سارا جسم بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے اور بیدار رہتا ہے''(6)۔صحیح میں ہے:''ایک مومن دوسرے مومن کے لئے دیوار کی مانند ہے جس کی ہر اینٹ دوسری کو سہارا دیتی ہے اور اپنی انگلیوں کو ایک دوسرے سے ملایا''۔امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے سہل بن سعد ساعدی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ مومن اہل ایمان میں اسی طرح ہے جیسے جسم میں سر۔مومن اہل ایمان کے لئے اسی طرح تکلیف محسوس کرتا ہے جیسے جسم میں سر تکلیف برداشت کرتا ہے(7)۔

اَخَوَيْكُمْ آپس میں لڑنے والے دو گروہوں کے درمیان۔وہ تو ایک دوسرے کے اور تمہارے بھی بھائی ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ⑪

''اے ایمان والو! نہ تمسخر اڑایا کرے مردوں کی ایک جماعت دوسری جماعت کا شاید وہ ان مذاق اڑانے والوں سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں مذاق اڑایا کریں دوسری عورتوں کا شاید وہ ان سے بہتر ہوں۔اور نہ عیب لگاؤ ایک دوسرے پر اور نہ برے القاب سے کسی کو بلاؤ۔کتنا ہی برا نام ہے مسلمان ہو کر فاسق کہلانا۔اور جو لوگ باز نہیں آئیں گے(اس روش سے) تو وہی بے انصاف ہیں''۔

اللہ تعالیٰ لوگوں کے ساتھ تمسخر، استہزاء اور انہیں حقیر سمجھنے سے منع فرما رہے ہیں جیسے صحیح میں رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ آپ

1۔تحفۃ الاشراف، جلد 6 صفحہ 300

2۔مسلم، کتاب الامارۃ، جلد 3 صفحہ 1458، نسائی، کتاب آداب القضاء، جلد 8 صفحہ 222-221 نیز دیکھیے سورۂ ص آیت، جلد 25، سورۂ الممتحنۃ آیت:8

3۔دیکھیے تفسیر سورۂ اسراء آیت:53

4۔مسلم، کتاب الذکر، جلد 4 صفحہ 2074، ابوداؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 287، ابن ماجہ المقدمۃ، جلد 1 صفحہ 82

5۔دیکھیے سورۂ غافر آیت:7، سنن ابوداؤد، کتاب الوتر، جلد 2 صفحہ 89

6۔دیکھیے تفسیر سورۂ توبہ آیت:71　7۔مسند امام احمد، جلد 5 صفحہ 340

نے فرمایا: کبروغرور یہ ہے کہ آدمی حق بات قبول کرنے سے انکار کر دے اور لوگوں کو حقیر سمجھے۔ ایک روایت میں غمط الناس (ذلیل سمجھنا) کے الفاظ ہیں (1)۔ لوگوں کو کم تر اور چھوٹا سمجھنا مراد ہے اور یہ حرام ہے۔ ممکن ہے جسے وہ حقیر سمجھ رہا ہے وہ اللہ کے نزدیک اس سے زیادہ قدر والا اور محبوب ہو۔

وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ طعن وتشنیع کرنے والا، عیب جو شخص مذموم وملعون ہے جیسے ارشاد ہوتا ہے: وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ (الہمزہ: 1) "ہلاکت ہے ہر اس شخص کے لئے جو (روبرو) طعنے دیتا ہے (پیٹھ پیچھے) عیب جوئی کرتا ہے"۔ ھمز فعل سے اور لمز قول سے ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا: هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۢ بِنَمِيْمٍ (القلم: 11) "جو بہت نکتہ چین چغلیاں کھاتا پھرتا ہے"۔ یعنی لوگوں کو حقیر گردانتا ہے اور ان پر طعنہ زنی اور چغل خوری کرتا ہے۔ اسے ہی لمز بالمقال کا نام دیا گیا ہے۔ اسی لئے یہاں فرمایا وَلَا تَلْمِزُوْٓا جیسے فرمایا: وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (النساء: 29) "اور نہ ہلاک کرو اپنے آپ کو"۔ ابن عباس، مجاہد، سعید بن جبیر، قتادہ اور مقاتل نے اس آیت کا معنی کیا ہے کہ ایک دوسرے کو طعنے نہ دو۔

وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ وہ لقب جس کا سننا آدمی کو برا لگے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ابوجبیرۃ بن ضحاک سے روایت کیا ہے کہ یہ بنو سلمہ میں ہمارے بارے میں نازل ہوئی۔ واقعہ یہ تھا کہ جب سرکار ﷺ مدینہ منورہ میں قدم رنجہ فرما ہوئے تو ہم میں سے ہر آدمی کے دو یا تین نام تھے جب ان میں سے کسی ایک نام سے اسے پکارا جاتا تو وہ غصہ کھاتا۔ سرکار کی بارگاہ میں عرض کی گئی تو یہ آیت نازل ہوئی (2)۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔

قولہ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ بری صفت اور نام کسی کو نامناسب الفاظ سے پکارنا ہے جیسے اہل جاہلیت کا دستور تھا کیونکہ اب تم اسلام کے دائرہ میں داخل ہو چکے ہو اور اسے خوب سمجھ چکے ہو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾

"اے ایمان والو! دور رہا کرو بکثرت بدگمانیوں سے۔ بلاشبہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں اور نہ جاسوسی کیا کرو اور ایک دوسرے کی غیبت بھی نہ کیا کرو کیا پسند کرتا ہے تم میں سے کوئی شخص کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ تم اسے تو مکروہ سمجھتے ہو اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے۔ بیشک اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والا ہمیشہ رحم کرنے والا ہے"۔

اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو زیادہ گمان (ظن) سے منع فرما رہے ہیں یعنی اہل واقارب اور لوگوں پر نامناسب تہمت لگانا۔ کیونکہ اس میں سے بعض محض گناہ ہوتے ہیں۔ لہٰذا احتیاط کا تقاضا ہے کہ کثیر گمانوں سے بچا جائے۔ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: "تیرے مسلمان بھائی کے منہ سے جو کلمہ نکلا ہے اسے اچھا ہی گمان کر، تو اس کے لئے اچھی تاویل پالے گا"۔

ابوعبداللہ بن ماجہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دوران طواف ارشاد فرماتے سنا: تو کتنا اچھا ہے اور تیری خوشبو کتنی عمدہ ہے۔ تو کتنا عظیم ہے اور تیری حرمت کتنی عظیم ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان

1۔ دیکھئے سورۂ بقرہ آیت: 61، آل عمران: 22، احقاف: 11
2۔ مسند امام احمد، جلد 4 صفحہ 260، سنن ابوداؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 291-290

ہے اللہ کے نزدیک مؤمن کی جان و مال کی حرمت تجھ سے بھی زیادہ ہے اور نہ گمان کیا جائے اس کے بارے میں مگر اچھا'' (1)۔

مالک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: گمان سے بچو۔ گمان جھوٹی بات ہے۔ ٹوہ نہ لگاؤ، جاسوسی نہ کرو (دنیا میں) رغبت نہ کرو۔ حسد نہ کرو، بغض ونفرت نہ رکھو۔ ایک دوسرے کی طرف پیٹھ نہ کرو اور اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ۔ بخاری، مسلم اور ابوداؤد رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے روایت کیا ہے (2)۔ زہری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ترک ملاقات نہ کرو اور ایک دوسرے سے رخ نہ پھیرو، ایک دوسرے سے دشمنی نہ رکھو، حسد نہ کرو اور اللہ کے بندو بھائی بھائی بن جاؤ۔ مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے رکھے۔ مسلم اور ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے روایت کیا ہے (3)۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حارثہ بن نعمان سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تین چیزیں میری امت کو لازم ہیں (ان سے بچنا مشکل ہے) بدشگونی، حسد اور سوء ظن۔'' ایک آدمی نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! اگر کسی میں یہ ہوں تو وہ کیا کرے؟ آپ نے فرمایا حسد پر اللہ کا استغفار کر، جب گمان کرے تو اسے سچ نہ سمجھ، جب بدشگونی کرے تو چلتا رہ (4)۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کی گئی: فلاں کی داڑھی سے شراب کے قطرات گر رہے ہیں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہمیں تجسس سے منع کیا گیا ہے۔ لیکن اگر کوئی چیز ظاہر ہو جائے تو ہم اسے پکڑ لیں گے (5)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی روایت میں ولید بن عقبہ بن ابی معیط کا نام ذکر کیا ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ عقبہ کے کاتب (سیکرٹری) دخین نے عقبہ سے کہا ہمارے پڑوسی شراب نوشی کرتے ہیں۔ میں پولیس کو بلا کر انہیں گرفتار کروانا چاہتا ہوں۔ آپ نے منع فرما دیا اور فرمایا انہیں وعظ ونصیحت کرو اور دھمکی دو۔ کاتب نے ایسا ہی کیا لیکن وہ باز نہ آئے۔ دخین عقبہ کے پاس آ کر کہنے لگا میری نصیحت کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ میں پولیس کو بلا رہا ہوں۔ عقبہ نے فرمایا تیری خرابی ہو! ایسا نہ کر۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا: ''جس نے مومن کی پردہ پوشی کی گویا اس نے زندہ درگور کی جانے والی بچی کو اس کی قبر سے نکالا''۔ ابوداؤد اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے (6)۔ سفیان ثوری نے معاویہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا: ''اگر تو نے لوگوں کی پوشیدہ باتوں کی ٹوہ لگانا چاہی تو قریب ہے تو انہیں فساد میں ڈال دے یعنی خراب کر دے'' (رواہ ابوداؤد) (7)۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد راویوں سے روایت کیا ہے کہ حاکم جب لوگوں پر تہمت رکھے (اور اپنی بدگمانی لوگوں پر واضح کر دے) تو وہ انہیں بگاڑ دے گا (8)۔

قولہ وَلَا تَجَسَّسُوْا لیکن ایک دوسرے کے خلاف۔ تجسس کا اطلاق عموماً شر پر ہوتا ہے۔ اسی سے ہے جاسوس اور تَحَسُّسْ عموماً خیر میں ہوتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارے میں خبر دی آپ نے فرمایا: يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَ

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، جلد 2 صفحہ 1297

2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ نساء آیت: 12، بخاری، کتاب الادب، جلد 10 صفحہ 484، مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 1985، ابوداؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 280

3۔ مسلم، کتاب البر، جلد 4 صفحہ 1983، عارضۃ الاحوذی، ابواب البر، جلد 8 صفحہ 121-120 4۔ المعجم الکبیر، جلد 3 صفحہ 228، مجمع الزوائد، جلد 8 صفحہ 78

5۔ سنن ابوداؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 273-272

6۔ مسند امام احمد، جلد 4 صفحہ 153، سنن ابوداؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 273، نسائی بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 7 صفحہ 307-306

7۔ سنن ابوداؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 272 8۔ مرجع مذکور

اَخِیۡہِ وَلَا تَایۡـَٔسُوۡا مِنۡ رَّوۡحِ اللّٰہِ (یوسف:87) ''اے میرے بیٹو! جاؤ اور سراغ لگاؤ یوسف کا اور اس کے بھائی کا اور مایوس نہ ہو جاؤ رحمت الٰہی سے''۔ بعض اوقات دونوں کلمے شر کے معنی میں آتے ہیں جیسے صحیح میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جاسوسی نہ کرو، ٹوہ میں نہ پڑو، ایک دوسرے سے دشمنی نہ رکھو، ایک دوسرے سے پیٹھ نہ پھیرو۔ الحدیث'' (1)۔ اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے تجسس کسی چیز کو تلاش کرنا اور تحسّس کسی کی ایسی بات سننے کی کوشش کرنا جسے وہ ناپسند کرتے ہوں یا ان کے دروازوں پر کان لگانا۔ التدابر: الصّرام: ترک سلام و کلام (رواہ ابن ابی حاتم)۔

قولہ وَلَا یَغۡتَبۡ بَّعۡضُکُمۡ بَعۡضًا اس میں غیبت کی نہی ہے۔ اس کی تفسیر شارع نے اسی طرح کی جیسے ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث میں ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ! غیبت کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تیرا اپنے بھائی کو اس انداز سے ذکر کرنا جسے وہ ناپسند کرتا ہے۔'' عرض کی گئی اگر وہ چیز اس میں موجود ہو؟ فرمایا: ''اگر اس میں وہ چیز موجود ہے تو تو نے اس کی غیبت کی اور اگر اس میں نہیں تو تو نے اس پر بہتان باندھا۔'' (2) ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے علاء سے روایت کیا ہے۔ ابن عمر، مسروق، قتادہ، ابواسحاق اور معاویہ بن قرۃ سے یہی منقول ہے۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے میں نے آپ ﷺ سے عرض کی صفیہ میں یہ کمزوری ہے کہ اس کا قد چھوٹا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو نے ایسی بات کہی ہے اگر اسے سمندر کے پانی میں ملایا جائے تو سمندر کی حالت بدل جائے۔ فرماتی ہیں میں نے ایک آدمی کی نقل اتاری فرمایا: مجھے اچھا نہیں لگتا کہ میں کسی شخص کی نقل اتاروں اگرچہ مجھے اتنا مال دیا جائے (3)۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حسان بن مخارق سے روایت کیا ہے کہ ایک عورت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی۔ جب وہ نکلنے لگی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ کو بتایا کہ وہ کوتاہ قامت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو نے اس کی غیبت کی۔'' (4)

غیبت بالاجماع حرام ہے۔ اس سے صرف وہی صورت مستثنیٰ کی جا سکتی ہے جس میں مصلحت ہو۔ ان صورتوں میں غیبت مباح ہو جائے گی۔ مثلاً جرح و تعدیل اور مشورے اور نصیحت کے لئے۔ جیسے ایک فاجر آدمی نے اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اسے اجازت دو۔ یہ اپنے قبیلے کا برا آدمی ہے'' (5)۔ اسی طرح آپ ﷺ نے فاطمہ بنت قیس کو فرمایا۔ اسے خاوند نے طلاق دیدی تھی تو معاویہ اور ابوجہم نے پیغام بھیجا۔ وہ مشورہ کے لئے حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''معاویہ مفلس اور قلاش ہے اور ابوجہم اپنے کندھے سے عصا کو دور نہیں کرتا'' (6)۔ اسی طرح دیگر مثالیں۔ بقایا صورتیں شدید حرام ہیں۔ ان کے بارے میں سخت وعید آئی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اسے مردہ بھائی کا گوشت کھانے کے مترادف قرار دیا۔ اور فرمایا: اَیُحِبُّ اَحَدُکُمۡ اَنۡ یَّاۡکُلَ لَحۡمَ

1۔ یہ حدیث اوپر اسی آیت میں گزر چکی ہے۔

2۔ سنن ابوداؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 269، عارضۃ الاحوذی، ابواب البر، جلد 8 صفحہ 120 تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 136

3۔ سنن ابوداؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 269، عارضۃ الاحوذی، ابواب صفۃ القیامۃ، جلد 9 صفحہ 310-309

4۔ تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 136 5۔ شیخین نے اسے کتاب الادب میں روایت کیا ہے فتح الباری، جلد 10 صفحہ 452، مسلم، جلد 4 صفحہ 2002

6۔ مسلم اور ابوداؤد نے اسے کتاب الطلاق میں روایت کیا ہے مسلم، جلد 2 صفحہ 114، ابوداؤد، جلد 2 صفحہ 286-255، نسائی، کتاب النکاح، جلد 6 صفحہ 77-75، عارضۃ الاحوذی، جلد 5 صفحہ 71 نوٹ: عصا کندھے سے نہیں اتارتا یعنی وہ ہر وقت سفر میں رہتا ہے یا مراد یہ ہے کہ وہ عورتوں کو زیادہ مارتا ہے۔ (مترجم)

اَخِیۡهِ مَیۡتًا فَکَرِهۡتُمُوۡهُ یعنی جس طرح طبعاً (فطری طور پر) اسے ناپسند کرتے ہو اسی طرح شرعاً اسے ناپسند کرو۔ اس کی سزا اس سے زیادہ ہے(1)۔ نفرت اور محتاط رہنے (تحذیر) کے لئے یہ فرمایا جیسے آپ ﷺ کا ارشاد ہے: "ہبہ کو واپس لینے والے کے بارے میں ہے کہ وہ کتے کی طرح ہے جو قے کر کے پھر چاٹ لیتا ہے"(2)۔ اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا بری بات کہنے کی ہمارے پاس مثال نہیں(3)۔ صحیح، حسن اور مسانید میں متعدد سندوں سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا: بلاشبہ تمہاری جانیں، مال، عزتیں تم پر اسی طرح حرمت والی ہیں جیسے اس دن، مہینے اور شہر کی حرمت ہے(4)۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہر مسلمان کا مال، عزت اور جان دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔ آدمی کے لئے یہی برائی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقارت کی نظر سے دیکھے(5)۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن غریب قرار دیا ہے۔ عثمان بن ابی شیبہ نے ابو برزہ اسلمی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے وہ گروہ جو زبان سے ایمان لائے ہو لیکن ایمان تمہارے دل میں داخل نہیں ہوا! مسلمانوں کی غیبت نہ کرو اور ان کی پوشیدہ باتوں کا کھوج مت لگاؤ۔ جو ان کے اسرار کا کھوج لگاتا ہے، اللہ اس کا راز فاش کر دیتا ہے اور اللہ جس کی ٹوہ میں پڑے اسے اس کے گھر میں رسوا کر دیتا ہے(6)۔ حافظ ابویعلی نے اپنی مسند میں براء بن عازب سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا حتیٰ کہ باپردہ عورتوں نے گھروں میں سنا...... الخ (اس سے آگے وہی روایت ہے جو اوپر مذکور ہوئی)(7)۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے مستورد سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے کسی مسلمان کی برائی کر کے ایک لقمہ کھایا اللہ اس کے مثل جہنم میں اسے کھلائے گا اور جس کو کوئی کپڑا پہنایا گیا۔ اللہ اسے اس جیسا کپڑا جہنم میں پہنائے گا الحدیث(8)۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: معراج کی رات میرا گزر ایک قوم کے پاس سے ہوا۔ ان کے ناخن تانبے کے تھے، جن کے ساتھ وہ اپنے چہرے اور سینے زخمی کر رہے تھے۔ میں نے پوچھا جبریل یہ کون ہیں؟ فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے (غیبت کرتے) ہیں اور ان کی عزت پر حملہ آور ہوتے ہیں(9)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ معراج کی رات کے بارے میں ہمیں کوئی بات سنائیے۔ فرمایا مجھے بہت سے لوگوں کی طرف لے جایا گیا ان میں مرد اور عورتیں تھیں۔ ان پر کچھ لوگ مقرر ہیں۔ وہ کسی ایک آدمی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اس کے پہلو سے گوشت کا ایک ٹکڑا کاٹ لیتے ہیں۔ پھر اسے کسی کے منہ میں ڈال کر کہتے ہیں اسے کھاؤ جس طرح تو نے پہلے کھایا۔ اس کا کھانا اس کے لئے موت ہے۔ اے محمد کاش اسے موت آ جائے اور وہ اس کو کھانے پر مجبور کیا جائے۔ میں نے پوچھا جبریل یہ کون ہیں؟ فرمایا: یہ لوگ غیبت کرنے والے، عیب جو، چغل خور ہیں۔ اسے اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانے پر مجبور کیا جائے گا۔ (اس حدیث کو

1۔ شیخین نے اسے کتاب الہبۃ میں روایت کیا ہے۔ فتح الباری، جلد 5 صفحہ 234، مسلم، جلد 3 صفحہ 340

2۔ شیخین نے اسے کتاب الادب میں روایت کیا ہے۔ فتح الباری، جلد 1 صفحہ 452 مسلم، جلد 4 صفحہ 2002

3۔ بخاری، کتاب الہبۃ، فتح الباری، جلد 5 صفحہ 235-234، ترمذی، ابواب البیوع، عارضۃ الاحوذی، جلد 5 صفحہ 303-301

4۔ بخاری، کتاب العلم، فتح الباری، جلد 1 صفحہ 158-157، مسلم، کتاب الحج، جلد 2 صفحہ 889

5۔ سنن ابوداؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 270، عارضۃ الاحوذی، ابواب البر، جلد 8 صفحہ 115-114

6۔ سنن ابوداؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 270

7۔ مسند ابویعلی، جلد 3 صفحہ 286-285، ترمذی، عارضۃ الاحوذی، کتاب البر، جلد 8 صفحہ 186-185

8۔ ابوداؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 270

9۔ سنن ابوداؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 269، مسند امام احمد، جلد 2 صفحہ 224

ہم نے سورۂ بنواسرائیل میں روایت کیا ہے)۔

ابوداؤد طیالسی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن لوگوں کو روزہ رکھنے کا حکم دیا اور فرمایا: میری اجازت کے بغیر کوئی افطار نہ کرے۔ شام کو ایک آدمی آیا اور افطار کی اجازت طلب کی۔ آپ ﷺ نے اجازت دے دی۔ پھر ایک اور آدمی آیا اسے بھی اجازت مرحمت فرمادی۔ حتیٰ کہ ایک آدمی آیا اس نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! دونو جوان لڑکیوں نے روزہ رکھا انہیں افطار کی اجازت دیجئے۔ آپ ﷺ نے اس سے رخ پھیرلیا۔ اس نے دوبارہ عرض کی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: انہوں نے روزہ نہیں رکھا، جو لوگوں کا گوشت کھاتا رہے روزہ دار کیسے ہوسکتا ہے؟ جاؤ اور انہیں حکم دو کہ اگر تم روزہ دار ہو تو قے کرو۔ انہوں نے قے کی تو ہر ایک کے منہ سے گوشت کا ٹکڑا نکلا۔ اس نوجوان نے آکر آپ ﷺ کو خبر دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر ان کا انتقال ہو جاتا اور یہ ٹکڑا ان کے اندر ہوتا تو انہیں آگ کھاتی(1)۔ حافظ بیہقی اور احمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی ابو عثمان نہدی سے اسے روایت کیا ہے(2)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے سعد مولی رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ انہیں روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا۔ نصف النہار کے وقت ایک آدمی آیا اس نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! فلاں فلاں عورت کی حالت خراب ہو رہی ہے۔ آپ ﷺ نے دو یا تین مرتبہ اس سے اعراض کیا۔ پھر فرمایا: انہیں بلاؤ۔ ایک پیالہ لاکر ایک سے فرمایا قے کر۔ اس نے گوشت، تازہ خون اور پیپ کی قے کی۔ پھر دوسری کو یہی حکم دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ان دونوں نے اللہ کی حلال کردہ چیز کے ساتھ روزہ رکھا اور اللہ کی حرام کردہ چیز سے افطار کیا۔ ایک دوسری کے پاس آئی اور دونوں لوگوں کا گوشت کھاتی رہیں حتیٰ کہ پیپ سے ان کے پیٹ بھر گئے۔ حافظ ابو یعلی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ ماعز دربار رسالت ﷺ میں حاضر ہوئے اور عرض کی یارسول اللہ ﷺ! میں نے زنا کیا ہے۔ آپ نے منہ دوسری طرف پھیرلیا۔ حتیٰ کہ انہوں نے چار مرتبہ یہی کہا۔ پانچویں مرتبہ آپ نے پوچھا کیا تم نے زنا کیا؟ انہوں نے عرض کی ہاں۔ آپ نے پوچھا تمہیں پتہ ہے زنا کیا ہوتا ہے؟ ماعز نے عرض کی: میں نے حرام طریقے سے وہی کام کیا ہے جو آدمی حلال طریقے سے اپنی عورت سے کرتا ہے۔ آپ نے پوچھا۔ اس بات سے تمہاری مراد کیا ہے؟ ماعز نے عرض کی میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے پاک کریں۔ آپ ﷺ نے پوچھا کیا تو نے اسی طرح دخول کیا جیسے سرمہ سلائی، سرمہ دانی میں یا رسی کنوئیں میں؟ اس نے عرض کی ہاں رسول اللہ ﷺ! چنانچہ سرکار نے انہیں رجم کرنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے دو آدمیوں کو سنا ایک دوسرے سے کہہ رہے تھا کیا تو نے اس کو نہیں دیکھا اللہ نے جس کا پردہ قائم رکھا تھا لیکن اس سے رہا نہ گیا حتیٰ کہ کتے کی طرح اسے سنگسار کیا گیا۔ آپ ﷺ چلتے رہے۔ حتیٰ کہ ایک مردار گدھے کے پاس سے گزرے۔ تو آپ ﷺ نے پوچھا فلاں فلاں کدھر ہیں؟ اترو اور اس مردار کو کھاؤ۔ انہوں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! اللہ آپ کو معاف فرمائے کیا یہ کھایا جاتا ہے؟ یہ سن کر آپ نے فرمایا: تم نے ابھی اپنے بھائی کا تذکرہ کیا تھا وہ اس کے کھانے سے بھی زیادہ سخت ہے۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے وہ اب جنت کی نہروں میں غوطے لگا رہا ہے۔ اس کی اسناد صحیح ہے(3)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ تھے کہ بدبودار مردار کی ہوا آئی۔ آپ ﷺ نے پوچھا تمہیں پتہ ہے یہ ہوا کیسی ہے؟ یہ لوگوں کی غیبت کرنے والوں کی ہے(4)۔ عبد بن حمید نے مسند میں حضرت

1۔ مسند ابوداؤد طیالسی صفحہ 282　2۔ دلائل النبوۃ از بیہقی، جلد 6 صفحہ 181، جلد 6 صفحہ 187، مسند امام احمد، جلد 5 صفحہ 431

3۔ ابویعلی، مسند، جلد 5 صفحہ 420-419، ابوداؤد کتاب الحدود، جلد 4 صفحہ 148　4۔ مسند امام احمد، جلد 3 صفحہ 351

جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: منافقین کے ایک گروہ نے مسلمانوں کی غیبت کی۔ اس لئے یہ ہوا آئی ہے۔

سدی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ایک سفر میں دو صحابہ کے ساتھ تھے اور ان کی خدمت کرتے تھے، جوتے رکھتے، کھانا تیار کرتے۔ ایک دفعہ جب لوگ چلے تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سوئے رہے اور ساتھ نہ گئے۔ ان دونوں نے جب حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو نہ پایا تو خود ہی خیمہ لگایا اور کہنے لگے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ تو صرف تیار کھانے اور لگے ہوئے خیمے پر آئیں گے۔ جب حضرت سلمان رضی اللہ عنہ آئے تو انہوں نے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے پاس سالن لانے کے لئے بھیجا۔ وہ پیالہ لے کر آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تیرے ساتھی سالن کا کیا کریں گے۔ وہ تو سالن کھا چکے۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے جا کر انہیں وہی بات کہہ دی جو رسول اللہ ﷺ نے فرمائی تھی۔ وہ دونوں صحابی آئے اور عرض کی اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے جب سے پڑاؤ کیا ہے ہم نے کھانا نہیں کھایا۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا سلمان کے بارے میں بات کہہ کر تم نے سالن کھا لیا جبکہ وہ سو رہے تھے(1)۔ حافظ ضیاء مقدسی نے اپنی کتاب (مختارہ) میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ عرب دوران سفر ایک دوسرے کی خدمت کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ ایک آدمی تھا جو ان کی خدمت کرتا تھا۔ وہ دونوں سو گئے اور جب بیدار ہوئے تو اس نے کھانا تیار نہیں کیا تھا۔ انہوں نے کہا یہ تو سونے کا عادی ہے۔ اسے جگا کر کہا رسول اکرم ﷺ کے پاس جا کر سلام کہو اور سالن لاؤ۔ آپ ﷺ نے فرمایا وہ تو سالن کھا چکے۔ انہوں نے آ کر عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ہم نے کیا چیز کھائی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے بھائی کا گوشت۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! میں اس کا گوشت تمہارے دانتوں میں دیکھ رہا ہوں۔ دونوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے لئے استغفار کیجئے۔ آپ نے فرمایا اسے کہو تمہارے لئے استغفار کرے(2)۔ حافظ ابو یعلی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے دنیا میں اپنے بھائی کا گوشت کھایا، آخرت میں اس کا گوشت اسے پیش کیا جائے گا۔ اسے کہا جائے گا اس مردار کو کھاؤ جیسے تم نے اسے زندہ حالت میں کھایا تھا۔ چنانچہ وہ اسے کھائے گا اور تکلیف سے چیخے چلائے گا۔ یہ حدیث بہت غریب ہے(3)۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ اس کے اوامر و نواہی میں اسی سے ڈرو۔

تَوَّابٌ توبہ قبول کرنے والا اس کی جو توبہ کرے۔ رَّحِیْمٌ: مہربان ہے اس کے لئے جو اس کی طرف لوٹے اور اسی پر اعتماد کرے۔

جمہور علماء کی رائے میں غیبت سے توبہ کا طریقہ یہ ہے کہ اس سے باز آ جائے اور دوبارہ یہ کام نہ کرنے کا عزم کرے۔ سابقہ کئے پر ندامت شرط ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔ اور جس کی غیبت کی ہے اس سے معذرت کرے۔ دیگر علماء کی رائے میں معذرت کرنا شرط نہیں۔ کیونکہ جب وہ اسے بتائے گا تو شاید اسے زیادہ تکلیف ہو۔ اس کا حل یہ ہے کہ جن محافل میں اس کی مذمت کیا کرتا تھا اس کی تعریف کرے۔ اپنے منصب اور طاقت سے غیبت اس سے دور کرے تو یہ اس کا بدل ہو جائے گا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس نے کسی مومن کی کسی منافق کے سامنے حمایت کی جو کہ اسے عیب دے رہا تھا تو اللہ اس کے لئے فرشتہ مبعوث فرمائے گا جو قیامت کے دن اسے آگ سے بچائے گا اور جس نے کسی مؤمن پر الزام لگایا جس سے اس پر عیب لگانا چاہتا تھا تو اللہ اسے جہنم

1۔ در منثور، جلد 7 صفحہ 570　　2۔ در منثور، جلد 7 صفحہ 572　　3۔ ایضاً مرجع مذکور

کے پل پر روک لے گا۔ حتیٰ کہ اس سے نکلے جو اس نے کہا تھا(1)۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر بن عبداللہ اور ابوطلحہ بن سہل انصاری رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کوئی آدمی اپنے مسلمان بھائی کو رسوا نہیں کرتا ہے مگر اللہ اسے ایسی جگہ رسوا کر دیتا ہے جہاں اسے نصرت پسند ہوتی ہے(2)۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝۱۳

''اے لوگو! ہم نے پیدا کیا ہے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے اور بنا دیا ہے تمہیں مختلف قومیں اور مختلف خاندان تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ تم میں سے زیادہ معزز اللہ کی بارگاہ میں وہ ہے جو تم میں سے زیادہ متقی ہے بیشک اللہ تعالیٰ علیم (اور) خبیر ہے''۔

اللہ تعالیٰ لوگوں کو خبر دے رہے ہیں کہ انہیں ایک نفس سے پیدا کیا ہے۔ اسی سے ان کی بیوی کو پیدا کیا۔ یہ آدم اور حوا ہیں۔ انہیں اقوام بنایا۔ یہ قبائل سے عام ہے۔ قبائل کے بعد مزید درجات ہوتے ہیں۔ فصیلة، عشیرة، عمارة، فخذ وغیرہ۔(3)

ایک قول ہے کہ شعوب سے مراد بطون عجم اور قبائل سے مراد بطون عرب ہیں۔ جس طرح اسباط سے مراد بطون بنی اسرائیل ہیں۔ میں نے اس موضوع کو ایک مقدمہ میں جمع کیا ہے۔ یہ ابو عمر بن عبدالبر کی تالیف (کتاب الأنباہ) اور کتاب القصد والأمم فی معرفة أنساب العرب والعجم سے ماخوذ ہے۔ حضرت آدم وحواء کی طرف نسبت خاکی میں تمام لوگ برابر ہیں۔ تفاوت صرف دینی امور میں ہے۔ یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی متابعت ہے۔ اسی لئے غیبت اور لوگوں کو حقیر سمجھنے کی نہی کے بعد اس بات کا ذکر فرمایا کہ تمام لوگ برابر ہیں۔ یہ قبائل و شعوب تعارف کے لئے ہیں۔ ہر شخص کا تعلق اپنے قبیلہ سے ہے۔

لِتَعَارَفُوْا مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ فلاں بن فلاں کا تعلق فلاں قبیلے سے ہے۔ سفیان ثوری کا قول ہے کہ حِمْیَر اپنے علاقے کی طرف اور حجاز کے عرب اپنے قبائل کی طرف منسوب ہوتے تھے۔ ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''انساب کا علم سیکھو۔ اس کے ساتھ تم اپنے ارحام تک پہنچو گے۔ بے شک صلہ رحمی اہل میں محبت، مال میں اضافہ اور عمر میں زیادتی کا باعث ہے(4)۔

قولہ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ اللہ کے ہاں بزرگی کا معیار تقویٰ ہے حسب ونسب نہیں۔ اس بارے میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا۔ لوگوں میں سے کون زیادہ معزز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے نزدیک وہ سب سے زیادہ معزز ہے جو زیادہ متقی ہے انہوں نے عرض کی ہم نے اس چیز کے بارے میں نہیں پوچھا۔ تو آپ نے فرمایا۔ لوگوں میں سب سے زیادہ معزز اللہ کے نبی یوسف بن نبی اللہ بن خلیل اللہ ہیں۔ انہوں

1۔ مسند امام احمد، جلد 3 صفحہ 441، سنن ابوداؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 271-270
2۔ ابوداؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 271
3۔ شعوب کا واحد شعب ہے یہ ایسے اصل کو کہتے ہیں جس سے کئی قبیلے نکلتے ہوں۔ ان کی ترتیب یہ ہے شعب، قبیلہ، فصیلہ، عمارۃ، بطن، فخذ
4۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب البر، جلد 8 صفحہ 150

نے عرض کی ہم نے اس کے بارے میں نہیں پوچھا۔ تو آپ نے فرمایا: تم مجھ سے عربوں کے خاندان (قبیلے) کے بارے میں پوچھتے ہو؟ انہوں نے عرض کی ہاں(1)۔ تو آپ نے فرمایا: ان میں سے وہی بہترین ہیں جو جاہلیت میں بہترین شمار کئے جاتے تھے۔ بشرطیکہ دین کا علم حاصل کریں۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد مقامات پر اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر میں روایت کیا ہے(2)۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری شکلوں اور مالوں کی طرف نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں اور عملوں کی طرف دیکھتا ہے۔ ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے روایت کیا ہے(3)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''دیکھ، تو سرخ اور سیاہ سے افضل نہیں مگر جب تقویٰ کے ساتھ برتری حاصل کرے''(4)۔ حافظ ابوالقاسم طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے: ''مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ کسی کو کسی پر کوئی برتری نہیں مگر تقویٰ کے ساتھ''(5)۔ ابوبکر بزار رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم سب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا گیا تھا۔ لوگ اپنے باپ دادا پر فخر کرنے سے باز آجائیں ورنہ وہ اللہ کے نزدیک گوبر کے کالے کیڑے سے بھی زیادہ حقیر و ذلیل ہوں گے(6)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فتح مکہ کے دن حضور ﷺ نے اپنی قصواء پر سوار ہو کر طواف کیا۔ اپنی چھڑی سے استلام فرمایا۔ مسجد لوگوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ مسجد میں اونٹنی بٹھانے کی جگہ نہ تھی۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ لوگوں کے بازوؤں کا سہارا لے کر اونٹنی سے اترے۔ اونٹنی کو بطن مسیل میں بٹھایا گیا۔ پھر سرکار ﷺ نے اونٹنی پر ہی خطبہ ارشاد فرمایا: حمد و ثنا کے بعد فرمایا: ''اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کا کبر و نخوت اور آباؤ اجداد کو بڑا سمجھنے جیسے عیبوں کو دور کیا۔ لوگ دو قسم کے ہیں: ایک نیک متقی جو اللہ کے نزدیک محترم ہے۔ دوسرا بدکار بدبخت جو اللہ کے نزدیک حقیر ہے۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی: یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ...... پھر فرمایا: ''أقولُ قولی هذا واستغفرُ اللّٰه لی ولکم''۔ عبد بن حمید نے اسی طرح روایت کیا ہے(7)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے عقبہ بن عامر سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تمہارے یہ نسب کسی کے لئے عیب (گالی) نہیں ہیں۔ تم سب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہو پھر ماپ میں کم ہو۔ وہ بھی تم سے پورا نہیں بھرتا (تم سب میں نقص ہے) کسی کو کسی پر کوئی فضیلت نہیں مگر دین اور تقویٰ کے ساتھ۔ آدمی کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ زبان دراز، بخیل اور فحش گو ہو(8)''۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن لہیعہ سے روایت کیا ہے: سب لوگ حضرت آدم و حواء کی اولاد ہیں۔ مقدار میں کم، صاع کو پورا نہیں بھرتے۔ اللہ تعالیٰ روز محشر تم سے تمہارے حسب و نسب کے بارے میں باز پرس نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ محترم وہ ہوگا جو زیادہ متقی ہوگا(9)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے درۃ بنت ابولہب سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ منبر پر تھے کہ ایک آدمی کھڑا ہوا۔ اس نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! لوگوں میں سے سب سے بہترین کون ہے؟ آپ نے فرمایا: سب سے بہترین وہ ہے جو سب سے بڑا قاری، تقویٰ

1۔ معدن سے مراد جد اعلیٰ ہے جو عربوں میں تفاخر کا باعث تھا۔

2۔ دیکھئے سورۂ یوسف آیت: 4

3۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ آیت: 275، سورۂ انعام آیت: 53، سورۂ حج آیت: 37، سورۂ سبا آیت: 37

4۔ مسند امام، جلد 5 صفحہ 158

5۔ المعجم الکبیر، جلد 4 صفحہ 25، مجمع الزوائد، جلد 8 صفحہ 84

6۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب الادب، جلد 2 صفحہ 435-434

7۔ ابن ابی شیبۃ، المصنف، جلد 14 صفحہ 494-493، عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۂ حجرات، جلد 12 صفحہ 157-155، در منثور، جلد 7 صفحہ 579

8۔ مسند امام احمد، جلد 4 صفحہ 158

9۔ تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 140

میں سب سے بڑھ کر اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والا ہے اور سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والا ہے(1)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ دنیا میں رسول اللہ ﷺ کو کوئی چیز پسند نہیں آئی اور نہ کوئی آدمی مگر متقی شخص"(2)۔

قولہ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ تمہیں جانتا اور تمہارے امور سے آگاہ ہے۔ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہے گمراہ کرتا ہے۔ جس پر چاہے رحم فرماتا ہے، جسے چاہے عذاب دیتا ہے اور جس پر چاہے اپنا فضل فرماتا ہے۔ وہ ہر چیز کے بارے میں حکیم، علیم اور خبیر ہے۔ اس آیت کریمہ اور ان احادیث شریفہ سے بعض علماء نے استدلال کیا ہے کہ نکاح میں کفاءۃ (برابری، کفو ہونا) شرط نہیں بلکہ دین (تقویٰ) کے علاوہ اور کوئی شرط نہیں۔ بعض دیگر علماء کی آراء کتب فقہ میں مفصل مذکور ہیں۔ ہم نے اس کا کچھ حصہ کتاب الاحکام میں ذکر کیا ہے۔ وللّٰه الحمد والمنۃ۔

طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے عبدالرحمٰن سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے ایک ہاشمی کو یہ کہتے سنا میں رسول اللہ ﷺ سے سب سے زیادہ قریب ہوں۔ کسی اور نے کہا کہ میں تمہاری نسبت آپ ﷺ کے زیادہ قریب ہوں اور مجھے آپ ﷺ سے نسبت ہے۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَ لٰكِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا وَ لَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَ اِنْ تُطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَا یَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَیْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿۱۵﴾ قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِیْنِكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۱۶﴾ یَمُنُّوْنَ عَلَیْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ یَمُنُّ عَلَیْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِیْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ بَصِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾

"اعراب کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے۔ آپ فرمائیے تم ایمان تو نہیں لائے البتہ یہ کہو کہ ہم نے اطاعت اختیار کر لی ہے اور ابھی ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔ اور اگر تم (سچے دل سے) اطاعت کرو گے اللہ اور اس کے رسول کی تو وہ ذرا کمی نہیں کرے گا تمہارے اعمال میں۔ بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ (کامل) ایماندار تو وہی ہیں جو ایمان لے آئے اللہ اور اس کے رسول پر پھر (اس میں) کبھی شک نہیں کیا اور جہاد کرتے رہے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں۔ یہی لوگ راست باز ہیں۔ آپ فرمائیے! کیا تم آگاہ کرتے ہو اللہ کو اپنے دین سے۔ حالانکہ اللہ جانتا ہے ہر اس چیز کو جو آسمانوں میں اور جو زمین میں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو اچھی طرح جاننے والا ہے۔ وہ احسان جتلاتے ہیں آپ پر کہ وہ اسلام لے آئے۔ فرمائیے مجھ پر مت احسان جتلاؤ اپنے اسلام کا۔ بلکہ اللہ نے احسان فرمایا ہے تم پر کہ تمہیں ایمان کی ہدایت بخشی، اگر تم (اپنے ایمان کے دعویٰ میں) سچے ہو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کے سب چھپے بھیدوں کو خوب جانتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھ رہا ہے جو تم کر رہے ہو"۔

1۔ مسند امام احمد، جلد 6 صفحہ 432
2۔ مسند امام احمد، جلد 6 صفحہ 69

ان اعرابیوں کا بیان ہو رہا ہے جو نئے نئے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اور ایمان کا دعویٰ کیا حالانکہ ایمان ابھی ان کے دلوں میں راسخ نہیں ہوا تھا۔ فرمایا: قَالَتِ الْاَعْرَابُ...... اس آیت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ایمان اسلام سے أخصّ ہے۔ جیسے اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے۔ حدیث جبریل سے بھی یہی پتہ چلتا ہے۔ جب آپ نے پہلے اسلام پھر ایمان اور پھر احسان کے بارے میں سوال کیا اور اعم ثم الأخصّ فالأخصّ کا ذکر فرمایا(1)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عامر بن سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ لوگوں کو عطا فرمایا۔ لیکن ایک آدمی کو کچھ نہ دیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے فلاں فلاں کو تو عطا فرمایا لیکن فلاں کو کچھ نہیں دیا اور وہ مؤمن ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یا مسلمان''۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے تین مرتبہ یہی سوال دہرایا اور حضور ﷺ یہی فرماتے رہے أو مسلم (یا مسلمان)۔ پھر فرمایا: ''میں لوگوں کو دیتا ہوں اور ان میں سے جو مجھے زیادہ محبوب ہوا سے کچھ نہیں دیتا۔ اس خدشے سے کہ کہیں وہ آگ میں اوندھا نہ جا گرے''۔ صحیحین میں اسے زہری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا گیا ہے(2)۔

حضور ﷺ نے مومن اور مسلم میں فرق کیا ہے پتہ چلا کہ ایمان اسلام سے زیادہ خاص ہے۔ ہم نے صحیح بخاری کی شرح میں کتاب الایمان کے شروع میں اس مسئلے کی وضاحت کی ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ آدمی مسلمان تھا کافر نہ تھا۔ یہ آیت اس بات کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے کہ اعراب جن کا تذکرہ اس آیت میں ہوا ہے منافق نہیں تھے۔ وہ ایسے مسلمان تھے جن کے دلوں میں ایمان ابھی مستحکم نہیں ہوا تھا۔ انہوں نے اپنے لئے اس بلند مقام کا دعویٰ کیا جس تک ابھی ان کی رسائی نہیں ہوئی تھی۔ چنانچہ انہیں ادب سکھایا گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابراہیم نخعی، قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول کا یہی مفہوم ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے اختیار کیا ہے(3)۔ ہم نے یہ اس لئے ذکر کیا ہے کہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے میں یہ لوگ منافق تھے۔ ایمان تو ظاہر کرتے تھے لیکن فی الحقیقت مؤمن نہیں تھے۔

وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا اس کی تفسیر میں ابن زید، مجاہد اور سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ یوں کہو ہم قتل اور گرفتاری کے خوف سے مسلمانوں کے زمرہ میں شامل ہو گئے ہیں۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ بنو اسد بن خزیمہ کے بارے میں نازل ہوئی اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے نبی کریم ﷺ پر اپنے ایمان کا احسان جتلایا تھا۔

صحیح پہلی رائے ہے کہ ایک قوم نے اپنے لئے مقام ایمان کا دعویٰ کیا تھا حالانکہ انہیں ابھی یہ رتبہ حاصل نہیں ہوا تھا۔ انہیں ادب سکھایا گیا اور یہ بتایا گیا کہ ابھی وہ اس رتبے تک نہیں پہنچے۔ اگر وہ منافق ہوتے تو انہیں سختی سے جھڑکا جاتا اور ان کا پردہ چاک کر دیا جاتا۔ جس طرح کہ سورۂ براءۃ میں منافقین کا ذکر آیا ہے لیکن انہیں صرف تادیباً یہ کہا گیا لَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ۔

لَا يَلِتْكُمْ تمہارے اجر میں کمی نہیں کرے گا جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ (الطور: 21) ''اور ہم کمی نہیں کریں گے ان کے عملوں (کی جزا) میں ذرہ بھر''۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ...... ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا نہ شک کیا اور نہ تذبذب میں پڑے بلکہ ایک ہی حالت پر ثابت قدم رہے۔ یہ تصدیق محض ہے اور اپنے جان و مال کی قربانی دی۔ وہی لوگ سچے ہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

1۔ شیخین نے اسے کتاب الایمان میں روایت فرمایا ہے فتح الباری، جلد 1 صفحہ 114، مسلم، جلد 1 صفحہ 39

2۔ شیخین نے اسے کتاب الایمان میں روایت کیا ہے فتح الباری، جلد 1 صفحہ 79، مسلم، جلد 1 صفحہ 132، مسند امام احمد، جلد 1 صفحہ 176 نیز دیکھئے سورۂ توبہ آیت: 60

3۔ تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 143-142

نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: دنیا میں مومن تین قسم کے ہیں: ا۔ جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر کبھی شک نہیں کیا اور اپنی جان و مال کو اللہ کی راہ میں قربان کیا۔ ۲۔ جس سے لوگ اپنے جان و مال کو محفوظ تصور کریں۔ ۳۔ جسے کوئی لالچ تھا پھر اسے اللہ تعالیٰ کے لئے چھوڑ دیا(1)۔

قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ تم اسے خبر دیتے ہو جو تمہارے دل میں ہے۔

وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ زمین و آسمان میں ہے ذرہ برابر چیز بھی اس سے مخفی نہیں خواہ چھوٹی ہو یا بڑی۔ مَنَّ: احسان جتلانا۔

قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ فرمایا اس اسلام کا فائدہ تو خود تمہیں ہی ہوگا بلکہ اللہ کا احسان تم پر ہے۔ جس طرح نبی کریم ﷺ نے غزوۂ حنین کے دن انصار سے فرمایا اے گروہ انصار! کیا میں نے تمہیں گمراہ نہیں پایا تھا۔ اللہ نے تمہیں میرے بدلے ہدایت دی؟ تم جدا جدا تھے اللہ نے میرے صدقے تمہیں اتفاق دیا۔ تم تنگ دست تھے میرے سبب اللہ نے تمہیں غنی کیا؟ ہر سوال کے بدلے انصار جواباً کہتے اللہ اور اس کے رسول کا احسان عظیم ہے۔ حافظ ابو بکر بزار رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت حضرت سعید بن جبیر ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ بنو اسد رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ہم مسلمان ہو گئے ہیں اور ہم نے جنگ نہیں کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کم فہم ہیں۔ شیطان ان کی زبان سے بولتا ہے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا...... صٰدِقِيْنَ(2) پھر اس اعلان کا اعادہ کیا کہ اس کا علم کائنات کے ذرے ذرے پر محیط ہے اور وہ تمام مخلوقات کے اعمال سے آگاہ ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ......

سورۂ الحجرات کی تفسیر ختم ہوئی

1۔ مسند امام احمد، جلد 3 صفحہ 8

2۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 584، نسائی بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 4 صفحہ 441

سورۂ ق

صحیح روایت کے مطابق حزب مفصل کی یہ پہلی سورت ہے۔ ایک قول کے مطابق پہلی سورۃ حجرات ہے۔ عام لوگوں کے خیال میں پہلی سورت (عمّ) ہے لیکن اس کی کوئی اصل نہیں اور معتبر علماء میں سے کسی نے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔ ہمارے اس موقف کی دلیل کہ پہلی سورت ق ہے سنن ابوداؤد کی روایت ہے۔ جسے انہوں نے باب تحزیب القرآن میں ذکر کیا ہے۔ حضرت اوس بن حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ہم بنوثقیف کے وفد میں سرکار ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ أحلاف (حلفاء) تو مغیرہ بن شعبہ کے پاس اترے اور بنو مالک کو سرکار ﷺ نے اپنے خیمے میں ٹھہرایا۔ یہ لوگ بھی بنوثقیف کے وفد کے ساتھ تھے۔ سرکار ﷺ ہر رات عشاء کے بعد ہمارے پاس تشریف فرما ہوتے اور کھڑے کھڑے آرام کے لئے کبھی ایک کبھی دوسری ٹانگ پر سہارا لیتے۔ زیادہ تر آپ ﷺ قریش کی بدسلوکی کا ذکر فرماتے۔ پھر فرماتے دراصل اس وقت ہم کمزور تھے (یعنی مکہ میں) جب مدینہ پہنچے تو لڑائی میں کبھی ہم فتح یاب ہوتے اور کبھی وہ۔ ایک رات آپ ﷺ مقررہ وقت پر تشریف نہ لائے۔ ہم نے پوچھا آج آپ ﷺ تاخیر سے تشریف لائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میں روزانہ قرآن کا ورد کیا کرتا تھا۔ میں نے ناپسند کیا کہ اسے مکمل کرنے سے پہلے آؤں۔ اوس کا قول ہے۔ میں نے اصحاب رسول سے پوچھا آپ لوگ قرآن کو کس طرح تقسیم کرتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: تین، پانچ، سات، نو، گیارہ، تیرہ اور حزب مفصل (1)۔ (ابن ماجہ اور احمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی اسے روایت کیا ہے)۔ اس طرح یہ اڑتالیس سورتیں بنتی ہیں۔ ان کے بعد سورۂ ق ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ (تین) بقرہ، آل عمران اور نساء۔ (پانچ) مائدہ، انعام، اعراف، انفال اور براءۃ۔ (سات) یونس، ہود، یوسف، رعد، ابراہیم، حجر اور نحل۔ (نو) سبحان، کہف، مریم، طہٰ، انبیاء، حج، مومنون، نور اور فرقان۔ (گیارہ) شعراء، نمل، قصص، عنکبوت، روم، لقمان، الم سجدہ، احزاب، سباء، فاطر اور یسٓ۔ (تیرہ) صافات، صٓ، زمر، غافر، حٰم السجدہ، حٰمٓ عسٓقٓ، زخرف، دخان، جاثیہ، احقاف، قتال (محمد)، فتح اور حجرات۔

اس کے بعد حزب مفصل ہے جس طرح کہ صحابہ نے کہا ہے۔ لہٰذا یہ بات متعین ہوگئی کہ پہلی سورۃ ق ہی حزب مفصل کی پہلی سورت ہے۔ امام احمد نے عبید اللہ بن عبد اللہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ابو واقد لیثی سے پوچھا: حضور ﷺ عید میں کون سی سورت پڑھا کرتے تھے۔ انہوں نے فرمایا قاف اور اقتربت (2)۔ مسلم اور اہل سنن اربعہ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ام ہشام بنت حارثہ سے روایت کیا ہے کہ دو سال یا ایک سال اور کچھ زیادہ ہمارا اور نبی کریم ﷺ کا تنور ایک ہی تھا۔ میں نے سورۂ ق سرکار ﷺ کی زبان سے سنی ہے۔ آپ اسے ہر جمعہ منبر پر پڑھا کرتے جب آپ خطبہ ارشاد فرماتے۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے روایت کیا ہے (3)۔

ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حارثہ بنت نعمان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے سورۂ ق رسول اکرم ﷺ کی زبان

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 56-55، ابن ماجہ، کتاب الاقامۃ، جلد 1 صفحہ 428-427، مسند امام احمد، جلد 4 صفحہ 9

2۔ مسند امام احمد، جلد 5 صفحہ 218-217، مسلم، کتاب صلاۃ العیدین، جلد 2 صفحہ 607، سنن ابوداؤد کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 300، عارضۃ الاحوذی، ابواب العیدین، جلد 3 صفحہ 6، نسائی، کتاب العیدین، جلد 3 صفحہ 184-183، ابن ماجہ، کتاب الاقامۃ، جلد 1 صفحہ 408

3۔ مسند امام احمد، جلد 6 صفحہ 436-435، مسلم، کتاب الجمعۃ، جلد 2 صفحہ 595

مبارک سے سن کر یاد کی۔ آپ ﷺ ہر خطبہ جمعہ میں اسے پڑھا کرتے تھے۔ ہمارا اور آپ ﷺ کا تنور ایک تھا۔ مسلم، نسائی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسی طرح روایت کیا ہے(1)۔ مقصد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس سورت کو بڑے مجمعوں عید، جمعہ وغیرہ میں تلاوت فرمایا کرتے تھے کیونکہ اس میں ابتدائے آفرینش، مرنے کے بعد اٹھنا (بعث ونشور)، قیام، حساب، جنت، دوزخ، ثواب وعتاب اور ترغیب وترہیب کا بیان ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ﴿١﴾ بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ﴿٢﴾ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ﴿٣﴾ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ﴿٤﴾ بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ﴿٥﴾

”قاف۔ قسم ہے قرآن مجید کی (کہ میرا رسول سچا ہے) مگر یہ (نادان) حیران ہیں اس بات پر کہ آیا ہے ان کے پاس ڈرانے والا ان میں سے تو کہنے لگے کفار کہ یہ تو بڑی عجیب وغریب بات ہے۔ (وہ کہتے ہیں) کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے۔ (تو پھر زندہ کئے جائیں گے) یہ واپسی تو (عقل سے) بعید ہے۔ ہم خوب جانتے ہیں جو زمین ان کے جسموں سے گھٹاتی ہے۔ اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے جس میں سب کچھ محفوظ ہے۔ (بلکہ انہوں نے جھٹلایا (دین) حق کو جب وہ ان کے پاس آیا پس (اس وجہ سے) وہ بڑی الجھن میں پھنس گئے ہیں“۔

(ق): یہ حروف تہجی میں سے ہے جن کا ذکر سورتوں کے اوائل میں آتا ہے۔ جیسے (صٓ، نٓ، الٓمٓ، حٰمٓ، طٰسٓ) وغیرہ۔ یہ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ ہم نے سورۂ بقرہ کے آغاز میں اس پر مفصل بحث کی ہے۔ بعض سلف سے منقول ہے کہ قاف پہاڑ ہے جو تمام زمین کو گھیرے ہوئے ہے۔ یہ بنو اسرائیل کی خرافات سے ہے جنہیں بعض لوگوں نے قبول کر لیا ہے، جب انہوں نے دیکھا کہ ایسے امور جن کی تصدیق وتکذیب نہیں کی جا سکتی میں ان سے روایت کرنا جائز ہے۔ میری رائے میں یہ اور اس طرح کے دیگر واقعات زنادقہ کی خرافات ہیں جن سے وہ لوگوں پر دینی معاملات کو ملتبس کرتے ہیں۔ جس طرح جلیل القدر علماء، حفاظ اور آئمہ کی موجودگی میں اس امت کے نبی کی احادیث میں آمیزش کر دی گئی ہے جبکہ ابھی اتنا عرصہ نہیں گزرا تو بنو اسرائیل کا کیا حال ہو گا جن کی عمر بہت طویل ہے۔ ان میں حفاظ اور نقاد بھی کم تھے۔ وہ مے نوشی کے بھی عادی تھے اور ان کے علماء کرام تحریف سے بھی نہیں چوکتے تھے۔ شارع نے ان کی وہ روایت لینا درست قرار دی ہے جسے عقل تسلیم کرتی ہو۔ حدیث شریف میں ہے(2): بنو اسرائیل سے روایت کرو اور کوئی حرج نہیں۔ لیکن وہ امور جو عقلاً محال ہیں یا ان کے جھوٹ ہونے کا ظن غالب ہے، وہ اس قبیل سے نہیں ہیں۔ واللہ اعلم۔ سلف میں سے بہت سے مفسرین اور خلف کے ایک بہت بڑے گروہ نے تفسیر قرآن کے سلسلے میں اہل کتاب سے روایت کو جائز رکھا ہے۔ حالانکہ انہیں اس کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ حتیٰ کہ امام ابو محمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم رازی نے بھی یہاں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک عجیب وغریب (اثر) روایت کی ہے جس کی سند صحیح

1۔ سنن ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 288، مسلم، کتاب الجمعۃ، جلد 2 صفحہ 595، نسائی، کتاب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 157 تحفۃ الاشراف، جلد 13 صفحہ 109-108

2۔ مقدمہ میں یہ حدیث گزر چکی ہے

نہیں۔ وہ فرماتے ہیں: مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس زمین کے پیچھے ایک سمندر پیدا فرمایا۔ اس سمندر میں ایک پہاڑ تخلیق فرمایا۔ اسے قاف کہتے ہیں۔ آسمان دنیا اسی پر قائم ہے۔ پھر اس پہاڑ کے نیچے ایک زمین اور اس زمین کی طرح کی سات زمینیں ہیں پھر اس کے پیچھے ایک بحر محیط اور اس کے پیچھے ایک پہاڑ اسے قاف کہتے ہیں۔ دوسرا آسمان اس پر قائم ہے۔ اس طرح سات زمینیں، سات سمندر، سات پہاڑ اور سات آسمان گنوائے ہیں۔ لکھتے ہیں جس طرح اس آیت میں ہے: وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ (لقمان: 27) (1)۔ اس اثر کی اسناد میں انقطاع ہے۔ ابن ابی طلحہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قاف اسمائے حسنیٰ میں سے ہے اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے یہ ثابت ہے کہ یہ حروف تہجی میں سے ایک ہے۔ جیسے صٓ، نٓ، حٰمٓ، طٰسٓ، الٓمٓ، وغیرہ۔ اس روایت سے بھی سابقہ روایت کی نفی ہو جاتی ہے۔ ایک قول ہے کہ اس سے مراد ہے قضی الأمر و اللہ (اللہ کی قسم فیصلہ کر دیا گیا) اور ق محذوف کلام کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جیسے شاعر کا قول ہے(2): قلت لھا: قفی، فقالت قاف۔ یہ تفسیر بھی محل نظر ہے کیونکہ کلام میں حذف اس وقت ہوتا ہے جب اس کی دلیل ہو۔ ایک حرف کے ذکر کرنے سے اس بات کی سمجھ کہاں آتی ہے؟

وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ یعنی عظیم کتاب۔ باطل جس میں نہیں آ سکتا۔ تنزیل من حکیم حمید۔ جواب قسم میں اختلاف ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بعض نحویوں سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت کریمہ قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ہے۔ یہ جواب بھی محل نظر ہے بلکہ جواب، قسم کے بعد مضمون کلام ہے اور وہ اثبات نبوۃ اور اثبات معاد ہے۔ اگرچہ قسم لفظاً ملی ہوئی نہیں۔ ایسا قرآن کریم میں متعدد جگہ ہے۔ جیسے: صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِي الذِّكْرِ ۝ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ (ص: 2-1)۔

اسی طرح یہاں فرمایا کہ کافر اپنا ہم جنس رسول دیکھ کر متعجب ہیں۔ جیسے فرمایا: اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ (یونس: 2) یہ عجیب نہیں اللہ تعالیٰ فرشتوں اور لوگوں سے رسول مبعوث فرماتا رہتا ہے۔

قولہ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ یعنی وہ کہتے ہیں اگر ہم مر گئے اور بوسیدہ ہو گئے اور مٹی میں شامل ہو گئے تو از سر نو اس ترکیب کی طرف لوٹنا کیسے ممکن ہے؟

رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ بعید الوقوع۔ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اسے محال خیال کرتے ہیں۔ اللہ نے ان کا رد کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ہمیں پتہ ہے ان کے اجسام بوسیدہ ہو جائیں گے۔ یہ بات بھی ہم سے مخفی نہیں کہ اعضاء کہاں بکھر گئے؟ کدھر گئے؟ عِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ اس میں سب کچھ محفوظ ہے۔ علم جامع ہے اور کتاب میں ہر چیز مضبوط ہے۔ عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے مَا تَنْقُصُ کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ یعنی جو ان کے گوشت، چہروں، ہڈیوں کو کھا جائے گی۔ مجاہد، قتادہ اور ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ سے یہی مروی ہے۔

بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ ...... اللہ تعالیٰ ان کے کفر و عناد کا سبب بیان فرما رہے ہیں۔ جو شخص بھی حق سے نکل جاتا ہے، اس کے بعد وہ جو کچھ کہے باطل ہے۔

المریج، المضطرب الملتبس المنکر خلالہ۔ جیسے فرمایا: إنکم لفی قول مختلف، یؤفك عنه من أفك۔

1۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 579 2۔ سورۂ بقرہ شروع میں اس کا تذکرہ ہو چکا ہے

اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَ زَيَّنّٰهَا وَ مَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ﴿۶﴾ وَ الْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَ اَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ﴿۷﴾ تَبْصِرَةً وَّ ذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ﴿۸﴾ وَ نَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّ حَبَّ الْحَصِيْدِ ﴿۹﴾ وَ النَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ﴿۱۰﴾ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ وَ اَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ﴿۱۱﴾

"کیا انہوں نے نہیں دیکھا آسمان کی طرف جوان کے اوپر ہے ہم نے اسے کس طرح بنایا ہے اور اسے کیسے آراستہ کیا ہے اور اس میں کوئی شگاف نہیں۔ اور زمین کو ہم نے پھیلا دیا اور جما دیئے اس پر بڑے بڑے پہاڑ اور اگا دی ہیں اس میں ہر قسم کی رونق افزا چیزیں۔ یہ (آثارِ قدرت) بصیرت افروز اور یاددہانی ہیں ہر اس بندے کے لئے جو اپنے رب کی طرف مائل ہے۔ اور ہم نے اتارا آسمان سے برکت والا پانی پس ہم نے اگائے اس سے باغات اور اناج جس کا کھیت کاٹا جاتا ہے۔ اور کھجور کے لمبے لمبے درخت جن کے گچھے (پھل سے) گندھے ہوتے ہیں۔ بندوں کی روزی کے لئے۔ اور ہم نے زندہ کر دیا اس پانی سے مردہ شہر۔ یونہی (روزِ محشر ان کا) نکلنا ہوگا"۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنی عظیم قدرت کے بارے میں بتا رہے ہیں کہ ہم نے تو اس سے بھی عظیم چیزیں تخلیق فرمائی ہیں جنہیں وہ بعید الوقوع سمجھتے ہیں۔ اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ......

فُرُوْجٍ: شگاف ا۔ شقوق، ۲۔ فتوق، ۳۔ صدوع۔ تینوں معانی قریب المفہوم ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا...... وَّهُوَ حَسِيْرٌ (الملک: 4-3)۔

قولہ وَ الْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا پھیلایا اور بچھایا۔ رواسی: پہاڑ۔ تا کہ یہ ڈولتی نہ رہے۔ یہ پانی پر قائم ہے جو اسے ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔

بَهِيْجٍ: حسن نضر: حسین تروتازہ۔ منیب: خاضع خائف وجل رجّاع إلى الله عز وجلّ۔ رجوع کرنے والا۔ خشوع و خضوع والا۔

بٰسِقٰتٍ بلند و بالا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عکرمہ، حسن، قتادہ اور سدی وغیرہم سے منقول ہے: الباسقات: الطِّوال۔
نضید: منضود۔

وَ اَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا زمین پر پانی اترا۔ اس سے وہ جھوم اٹھی۔ بڑھی اور اس سے تروتازہ نباتات، پھول وغیرہ اُگ آئے جنہیں دیکھ کر آنکھیں خوش ہوتی ہیں۔ وہی زمین جو پہلے بیابان تھی اب سرسبز و شاداب ہوگئی۔ موت کے بعد دوبارہ جی اٹھنے (حشر) کی بات سمجھنے کے لئے یہ مثال دی کہ اللہ اسی طرح مردوں کو بھی زندہ کرتا ہے۔ منکرین بعث و حشر کے لئے ایک عظیم حسیّ مثال ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ (غافر: 57)۔ اور فرمایا: اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِيَ الْمَوْتٰى بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (احقاف: 33) اور فرمایا: وَ مِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى...... كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (فصلت: 39)۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّ اَصْحٰبُ الرَّسِّ وَ ثَمُوْدُ ﴿۱۲﴾ وَ عَادٌ وَّ فِرْعَوْنُ وَ اِخْوَانُ لُوْطٍ ﴿۱۳﴾ وَّ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ وَ قَوْمُ تُبَّعٍ ؕ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيْدِ ﴿۱۴﴾ اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ؕ بَلْ هُمْ فِيْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۵﴾

" (حق کو) جھٹلایا تھا ان (اہل مکہ) سے پہلے قوم نوح، اہل رس اور ثمود نے۔ اور (جھٹلایا تھا) عاد فرعون اور قوم لوط نے۔ نیز ایکہ کے باشندوں اور تبع کی قوم نے۔ ان سب نے جھٹلایا تھا رسولوں کو پس پورا ہو گیا (ہمارا) عذاب کا وعدہ۔ تو کیا ہم تھک گئے ہیں پہلی مرتبہ مخلوق کو پیدا کر کے (ایسا نہیں) بلکہ یہ (کفار) از سرنو پیدا ہونے کے بارے میں شک میں ہیں"۔

کفار قریش کو یہ دھمکی دی جارہی ہے کہ ان کے پیش رو سابقہ امتوں پر طرح طرح کے عذاب نازل ہوئے۔ جیسے قوم نوح اور ان پر جو عذاب نازل ہوا جس نے ساری زمین کو ڈبو دیا۔

اَصْحٰبُ الرَّسِّ: ان کا قصہ سورۂ فرقان میں گزر چکا ہے۔

وَثَمُوْدُ وَعَادٌ وَّ فِرْعَوْنُ وَ اِخْوَانُ لُوْطٍ حضرت لوط علیہ السلام اپنی قوم اہل سدوم کی طرف مبعوث فرمائے گئے اور کس طرح اللہ نے انہیں زمین میں دھنسا دیا اور ان کی اراضی کو بدبودار بحیرہ میں تبدیل فرما دیا۔ کیونکہ انہوں نے کفر و سرکشی کی اور حق کی مخالفت کی۔

اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ یعنی قوم حضرت شعیب علیہ السلام۔

قَوْمُ تُبَّعٍ وہ یمنی تھے۔ تبع کا واقعہ سورۂ دخان میں گزر چکا ہے اس کے اعادے کی اب ضرورت نہیں۔ وللہ الحمد۔

كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ ان سابقہ امتوں میں سے ہر ایک نے رسولوں کی تکذیب کی ایک رسول کی تکذیب کرنا اسی طرح ہے جیسے تمام رسولوں کی تکذیب کرنا۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ۨ الْمُرْسَلِيْنَ ان کے پاس صرف ایک رسول آیا۔ فی الحقیقت اگر ایک سے زیادہ رسول بھی آتے تو وہ ان کی بھی تکذیب کرتے۔

فَحَقَّ وَعِيْدِ اللہ نے ان سے عذاب کا جو وعدہ فرمایا تھا اسے پورا کر دیا۔ مخاطبین کو چاہئے کہ وہ محتاط رہیں ایسا نہ ہو کہ انہیں بھی اس طرح کا عذاب آلے کیونکہ انہوں نے بھی اپنے رسول کی اسی طرح تکذیب کی ہے جیسے انہوں نے اپنے رسولوں کو جھٹلایا تھا۔

قولہ اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ...... کیا پہلی تخلیق نے ہمیں عاجز کر دیا ہے کہ اس کے اعادے سے وہ شک میں مبتلا ہیں۔ یعنی ابتدائے تخلیق کی نسبت اعادہ ہمارے لئے زیادہ آسان ہے۔ جیسے فرمایا: وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ (روم:27)، وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ؕ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ (یٰسین:78)۔ صحیح میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ابن آدم اپنی اس بات سے مجھے تکلیف دیتا ہے کہ وہ پہلے کی طرح مجھے ہرگز نہیں لوٹائے گا اور ابتدائے خلق اس کے اعادے سے زیادہ آسان نہیں ہے(1)۔

وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَ نَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۖۚ وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴿۱۶﴾ اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَ عَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ﴿۱۷﴾ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ روم آیت: 27 نیز بخاری، کتاب بدء الخلق، فتح الباری، جلد 9 صفحہ 287، التفسیر، جلد 8 صفحہ 739

لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ﴿۱۸﴾ وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ﴿۱۹﴾ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ۭ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ ﴿۲۰﴾ وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ ﴿۲۱﴾ لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ﴿۲۲﴾

''اور بلاشبہ ہم نے ہی انسان کو پیدا کیا ہے اور ہم (خوب) جانتے ہیں اس کا نفس جو وسوسے ڈالتا ہے۔ اور ہم اس سے شہ رگ سے بھی زیادہ نزدیک ہیں۔ جب (اس کے اعمال کو) لے لیتے ہیں دو لینے والے (ان میں سے) ایک دائیں جانب اور (دوسرا) بائیں جانب بیٹھا ہوتا ہے۔ وہ نہیں نکالتا اپنی زبان سے کوئی بات مگر اس کے پاس ایک نگہبان (لکھنے کے لئے) تیار ہوتا ہے۔ اور آ پہنچی موت کی بے ہوشی سچ مچ۔ (اے نادان!) یہ ہے وہ جس سے تو دور بھاگا کرتا تھا اور صور پھونکا جائے گا۔ یہی وعید کا دن ہوگا۔ اور حاضر ہوگا ہر شخص اس طرح کہ اس کے ہمراہ ایک (اسے) ہانکنے والا اور ایک گواہ ہوگا۔ تو (عمر بھر) غافل رہا اس دن سے پس ہم نے اٹھا دیا ہے تیری آنکھوں سے تیرا پردہ، سو تیری بینائی آج بڑی تیز ہے''۔

اللہ تعالیٰ انسان پر اپنی قدرت کے بارے میں خبر دے رہا ہے کہ وہی اس کا خالق ہے۔ اس کا علم تمام امور کو محیط ہے۔ حتیٰ کہ وہ ان وساوس سے بھی آگاہ ہے جو بنو آدم کا نفس اس کے دل میں ڈالتا ہے۔ خواہ خیر ہوں یا شر۔ صحیح میں ہے: ''بے شک اللہ تعالیٰ نے میری امت سے تجاوز فرما لیا ہے ان چیزوں کے بارے میں جو ان کا نفس ان سے کہتا ہے جب تک وہ کہہ انجام نہ دے'' (1)۔

قولہ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ یعنی اللہ کے فرشتے انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ جس نے ان کی تاویل علم سے کی ہے اس نے حلول اور اتحاد کے لزوم سے فرار اختیار کیا ہے۔ ان دونوں چیزوں کی نفی اجماع سے ہوتی ہے لیکن لفظ اس کا متقاضی نہیں کیونکہ اللہ نے یہ نہیں فرمایا: وأنا أقرب إليه من حبل الوريد۔ بلکہ فرمایا: وَنَحْنُ اَقْرَبُ...... جیسے فرمایا: وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ (واقعہ:75)۔ یعنی ملائکہ اور جیسے فرمایا: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر:9) اور ملائکہ ہی قرآن لے کر اترے۔ اسی طرح ملائکہ شہ رگ سے بھی زیادہ انسان کے قریب ہیں۔ اللہ نے انہیں یہ قدرت عطا فرمائی ہے۔ فرشتے کی طرف سے انسان کے دل میں اسی طرح خیال آتا ہے جس طرح شیطان دل میں خیال ڈالتا ہے (2)۔ اسی طرح حدیث میں ہے کہ شیطان بنو آدم کے خون میں دوڑتا ہے (3)۔

قولہ اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ یعنی دو فرشتے جو انسان کا عمل لکھتے ہیں۔

رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ یعنی اس کی تاڑ میں ہے۔ اسے لکھنے کے لئے تیار، کوئی کلمہ اور حرکت نہیں چھوڑتا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ...... مَا تَفْعَلُوْنَ (الانفطار:10)۔

علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کیا فرشتہ ہر چیز لکھ لیتا ہے۔ حسن اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول یہی ہے۔ یا صرف وہی چیز لکھتا ہے جس میں ثواب اور عتاب ہو جیسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے؟ (ایک روایت کے مطابق)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بلال بن حارث مزنی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: آدمی ایک ایسی بات منہ سے نکالتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ آیت: 284، سورۂ اعراف آیت: 157، سورۂ نور آیت: 16 2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ آیت: 268

3۔ متفق علیہ، فتح الباری، کتاب الاحکام، جلد 13 صفحہ 159-158، مسلم، کتاب السلام، جلد 4 صفحہ 1713-1712

رضا پر مبنی ہوتی ہے اللہ اس کے بدلے قیامت کے دن اپنی رضا لکھ دیتا ہے اور آدمی اللہ کی ناراضگی پر مبنی کوئی بات منہ سے نکالتا ہے تو اس کے لئے قیامت کے دن ناراضگی لکھ دی جاتی ہے۔ علقمہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ بلال بن حارث رحمۃ اللہ علیہ نے کتنی ہی باتوں سے مجھے منع فرمایا۔ ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے روایت کیا۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔ صحیح میں اس کی شاہد موجود ہے(1)۔ احنف بن قیس سے مروی ہے دائیں طرف والا بھلائی لکھتا ہے۔ وہ بائیں طرف والے پر امیر ہے۔ اگر بندہ کوئی غلطی کرے تو وہ اسے روک دیتا ہے اگر وہ استغفار کر لے تو اسے لکھنے سے روک دیتا ہے۔ وگرنہ وہ اسے لکھ لیتا ہے۔ (رواہ ابن ابی حاتم)

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور فرمایا: اے ابن آدم! تیرا اعمال نامہ پھیلایا گیا ہے اور دو فرشتے مقرر کر دیئے گئے ہیں ایک تیرے دائیں اور دوسرا بائیں طرف۔ جو دائیں طرف ہے نیکیاں لکھتا ہے اور جو بائیں طرف ہے وہ تیری برائیوں کی حفاظت کرتا ہے۔ تو جو چاہے کر۔ کم ہو یا زیادہ۔ حتیٰ کہ جب تیرا وصال ہو جائے گا تو تیرا صحیفہ لپیٹ دیا جائے گا اور تیری گردن میں ڈال کر تیری قبر میں رکھ دیا جائے گا اور قیامت کے دن نکالا جائے گا۔ اس وقت یہ تلاوت فرماتے: وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓىِٕرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ ؕ وَ نُخْرِجُ لَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ كِتٰبًا یَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ﴿۱۳﴾ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْیَوْمَ عَلَیْكَ حَسِیْبًا (الاسراء: 39)۔ پھر فرماتے اللہ کی قسم اس نے عدل کیا جس نے تجھے اپنے نفس کا محافظ خیال کیا(2)۔

علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ فرشتہ اس کی ساری گفتگو لکھتا جاتا ہے حتیٰ کہ یہ بھی لکھ دیتا ہے میں نے کھایا، میں نے پیا، میں گیا، میں نے دیکھا پھر جمعرات کے دن اس کا اعمال نامہ پیش ہوتا ہے اور خیر و شر کے علاوہ باقی سب کچھ مٹا دیا جاتا ہے جس طرح اللہ کا ارشاد ہے: یَمْحُوا اللّٰهُ مَا یَشَآءُ وَ یُثْبِتُ ۚۖ وَ عِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ (الرعد: 39)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مذکور ہے کہ وہ بیماری میں آہیں بھرتے تھے کہ انہیں طاؤس کی طرف سے خبر ملی کہ فرشتہ ہر چیز لکھتا ہے حتیٰ کہ اوں اوں کرنا بھی۔ اس کے بعد ان کے کراہنے کی آواز سنائی نہ دی حتیٰ کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہو گیا۔

قولہ وَ جَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِیْدُ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اے انسان! موت کی سختی یقین کے ساتھ تیرے لئے اس چیز کو واضح کر دے گی جس کے بارے میں تمہیں شبہ تھا۔

تَحِیْدُ یہ وہ چیز ہے جس سے تو بھاگتا تھا۔ اب فرار کی کوئی راہ نہیں اور گلو خلاصی بھی نہیں ہو سکتی۔ اس آیت کا مخاطب کون ہے؟ اس بارے میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ اس کا مخاطب انسان ہے۔ ایک قول کے مطابق کافر ہے اور دیگر روایات بھی ہیں۔

ابو بکر بن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا میں اپنے باپ کی وفات کے وقت حاضر تھی۔ میں ان کے سرہانے بیٹھی تھی کہ ان پر غشی طاری ہو گئی۔ میں نے ایک شعر پڑھا:

مَن لا یزالُ دَمْعُهُ مُقَنَّعاً فَإِنَّهُ لابُدَّ مرّۃً مَدْفُوقُ

فرماتی ہیں آپ نے سر اٹھایا اور فرمایا اس طرح نہیں۔ لیکن اس طرح جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَ جَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ...... ایک دوسری روایت میں ہے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس شعر کو دہرایا:

1۔ مسند امام احمد، جلد 3 صفحہ 469، نیز دیکھئے تفسیر سورۂ حجرات آیت: 3 و سورۂ نور آیت: 15

2۔ تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 159 نیز سورۂ اسراء آیت: 13

لَعَمْرُكَ مايُغْنِي الثَّراء عَنِ الفَتَى إذَا حَشْرَ جَتْ يَوْماً وضَاقَ بها الصَّدْر(1)

یہ سن کر آپ نے چہرے سے پردہ اٹھایا اور فرمایا اس طرح نہیں بلکہ یوں کہو: وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ......

میں نے سیرۃ صدیق میں وفات کے بیان میں اس اثر کے طرق (اسناد) ذکر کئے ہیں۔ صحیح میں ہے کہ نبی کریم ﷺ وصال کے وقت اپنے چہرے سے پسینہ پونچھتے اور فرماتے سبحان اللہ! موت کے بھی سکرات (سختیاں) ہیں۔

ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ اس بارے میں دو اقوال ہیں:۔

(۱) ما یہاں موصولہ ہے۔ أي الذي كنت منه تحيد۔ جس چیز سے تو دور ہٹتا تھا۔ اب تیرے گھر میں آ گئی ہے۔

(۲) ما یہاں نافیہ ہے۔ بمعنی ذلك كنتَ تقدُرُ على الفرار منه ولا الحَيْد عنه۔

طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے معجم کبیر میں روایت کیا ہے۔ حضرت سمرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''موت سے بھاگنے والے کی مثال لومڑی کی طرح ہے۔ جس سے زمین نے قرض مانگا تو ادھر ادھر بھاگتی رہی۔ تھک ہار کر اپنے بل میں گھس گئی۔ زمین نے کہا میرا قرض۔ یہ سن کر وہ بھاگ اٹھی اور اسی طرح بھاگتی رہی۔ حتیٰ کہ اس کی گردن کٹ گئی اور وہ مر گئی(2)۔

اس مثال کا مضمون یہ ہے کہ جس طرح اسے زمین سے جدائی اور فرار نہیں اسی طرح انسان کو موت سے فرار نہیں۔ صور پھونکنے، قیامت اور حشر و نشر کے بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے(3)۔ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں کیسے بے فکر رہ سکتا ہوں حالانکہ صور کا فرشتہ صور منہ میں لئے منتظر کھڑا ہے۔ اس نے پیشانی جھکا رکھی ہے اور اجازت کا منتظر ہے۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ! ہم کیا کہیں؟ فرمایا یوں کہو: حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ لوگوں نے یہی کلمات دہرائے: حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ(4)۔

قولہ وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ یعنی فرشتہ جو اسے محشر کی طرف ہانک کر لے جائے گا اور ایک فرشتہ اس کے اعمال کی گواہی دے گا۔ بظاہر آیت کریمہ سے یہی مراد ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے ہی اختیار کیا ہے۔ اور اسماعیل بن خالد کی سند سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو خطبہ ارشاد فرماتے سنا اور آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور فرمایا: ایک ہانکنے والا اسے اللہ کی طرف لے جائے گا اور ایک گواہ اس کے خلاف گواہی دے گا۔ مجاہد، قتادہ اور ابن زید رحمہم اللہ تعالیٰ سے یہی منقول ہے۔ مطرف رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے سائق فرشتہ اور شہید عمل ہے۔ ضحاک اور سدی رحمہما اللہ تعالیٰ کا یہی قول ہے۔ عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے سائق ملائکہ سے اور شہید خود انسان کی ذات ہے جو اپنے خلاف گواہی دے گا۔ ضحاک بن مزاحم نے یہی کہا ہے۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی وضاحت میں تین اقوال نقل کئے ہیں:۔

(۱) اس سے مراد کافر ہے۔ علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی روایت کیا ہے۔ ضحاک بن مزاحم اور صالح بن کیسان نے یہی کہا ہے۔

(۲) اس سے مراد ہر نیک و بدکار ہے کیونکہ آخرت دنیا کی نسبت بیداری ہے اور دنیا نیند (یعنی جیسے آدمی سو کر اٹھے)۔ ابن جریر

1۔ یہ شعر حاتم طائی کا ہے
2۔ طبرانی: المعجم الکبیر، جلد 7 صفحہ 222، مجمع الزوائد، جلد 2 صفحہ 320
3۔ دیکھئے تفسیر سورۃ الانعام آیت: 73، سورۃ کہف آیت: 99، سورۃ طٰہٰ آیت: 102
4۔ دیکھئے تفسیر سورۃ آل عمران آیت: 173، سورۃ کہف آیت: 99

رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اختیار کیا ہے اور حسین بن عبداللہ بن عبیداللہ بن عباس سے نقل کیا ہے۔

(۳) اس کا مخاطب نبی کریم ﷺ کی ذات ہے۔ زید بن اسلم اور آپ کے فرزند کا یہی قول ہے۔ اس صورت میں آیت کا معنی یوں بنے گا۔ نزول وحی سے قبل آپ غفلت میں تھے۔ ہم نے آپ کی طرف وحی نازل کر کے آپ سے پردہ ہٹایا...... الخ۔

آیت کے سیاق کلام سے اس کے برعکس مفہوم نکلتا ہے بلکہ خطاب انسان کو ہے اور من ھذا سے مراد (من ھذا الیوم) ہے یعنی آج کے دن سے۔

حَدِیْدٌ: قوی، طاقت ور۔ کیونکہ قیامت کے دن ہر ایک پر حقیقت حال روشن ہو جائے گی۔ حتیٰ کہ کفار بھی روز قیامت استقامت پر ہوں گے لیکن یہ چیز انہیں نفع نہ دے گی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَسْمِعْ بِهِمْ وَ اَبْصِرْ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا (مریم:38)۔ اور فرمایا: وَ لَوْ تَرٰۤى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ...... صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ (سجدہ:12)۔

وَ قَالَ قَرِیْنُهٗ هٰذَا مَا لَدَیَّ عَتِیْدٌ ﴿۲۳﴾ اَلْقِیَا فِیْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِیْدٍ ﴿۲۴﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَیْرِ مُعْتَدٍ مُّرِیْبِ ﴿۲۵﴾ الَّذِیْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَاَلْقِیٰهُ فِی الْعَذَابِ الشَّدِیْدِ ﴿۲۶﴾ قَالَ قَرِیْنُهٗ رَبَّنَا مَاۤ اَطْغَیْتُهٗ وَ لٰكِنْ كَانَ فِیْ ضَلٰلٍ بَعِیْدٍ ﴿۲۷﴾ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَیَّ وَ قَدْ قَدَّمْتُ اِلَیْكُمْ بِالْوَعِیْدِ ﴿۲۸﴾ مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ وَ مَاۤ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ﴿۲۹﴾

"اور کہے گا اس کا (عمر بھر کا) ساتھی یہ اعمال نامہ جو میرے پاس تھا بالکل تیار ہے۔ جہنم میں جھونک دو ہر کافر سرکش کو۔ جو نیکی سے روکنے والا تھا نیکی سے، حد سے بڑھنے والا، شک کرنے والا تھا۔ جس نے بنا رکھے تھے اللہ کے ساتھ کئی اور خدا پس جھونک دو اس (بدبخت) کو عذاب شدید میں۔ اس کا ساتھی (شیطان) بولے گا اے ہمارے پروردگار! میں نے تو اسے سرکش نہیں بنایا تھا بلکہ وہ خود ہی گمراہی میں دور تک چلا گیا۔ (اللہ) فرمائے گا مت جھگڑو میرے روبرو میں تو پہلے ہی تم کو وعید سنا چکا ہوں۔ میرے ہاں حکم بدلا نہیں جاتا۔ اور نہ میں اپنے بندوں پر ظلم کرتا ہوں"۔

اللہ تعالیٰ اس بات سے آگاہ فرما رہے ہیں کہ ابن آدم کے عمل پر موکل فرشتہ قیامت کے دن ان کے خلاف گواہی دے گا۔

عَتِیْدٌ: تیار، حاضر بغیر کسی کمی بیشی کے۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ وہ فرشتہ یوں کہے گا: اے اللہ! یہ وہ شخص ہے جس کی نگہداشت میرے سپرد کی گئی تھی۔ میں نے اسے حاضر کر دیا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ یہ سائق اور شہید دونوں کو عام ہے۔ اسے قوت حاصل ہوگی۔ اسی روز اللہ تعالیٰ مخلوق کے بارے میں عدل سے فرمائیں گے۔ اَلْقِیَا فِیْ جَهَنَّمَ......

اَلْقِیَا: نحویوں کا اس میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک یہ بعض اہل عرب کی زبان ہے۔ وہ واحد کو تثنیہ سے مخاطب کرتے ہیں۔ جس طرح حجاج سے مروی ہے۔ وہ یوں کہا کرتا: (یا حَرَسِیُّ! اِضْرِبَا عُنُقَه) اے پہریدار اس کی گردن اڑا دو(1)۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس لغت کی تائید میں کسی شاعر کا یہ شعر بھی نقل کیا ہے:

1۔ بغدادی: خزانۃ الادب، جلد 6 صفحہ 148، جلد 7 صفحہ 54، جلد 11 صفحہ 18 ابوبکر ابن الانباری: شرح القصائد السبع الطوال: 17

فَإِن تَزْجُرَانِي يَاابْنَ عَفَّانَ أَنْزَجِرْ وَإِن تَتْرُكَانِي أَحْمِ عِرْضاً مُمْنَعًا(1)

ایک قول ہے کہ یہ دراصل تثنیہ کا صیغہ نہیں بلکہ فعل امر بانون تاکید خفیفہ تھا (اَلْقِيَنْ) آسانی کے لئے نون کو الف سے تبدیل کر دیا گیا۔لیکن یہ بعید از تسلیم ہے۔کیونکہ یہ وقف میں ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہاں سائق اور شہید کے ساتھ خطاب ہے۔سائق اسے کارگاہ حساب میں لے جائے گا اور شہید جب گواہی دے چکے گا تو اللہ تعالیٰ انہیں حکم فرمائے گا کہ اسے جہنم میں ڈال دو۔

كَفَّارٍ عَنِيْدٍ: كثير الكفر والتكذيب بالحق: سرکش کافر، حق کو جھٹلانے والا۔

عَنِيْدٍ: معاند للحق، معارض له بالباطل مع علمه بذلك: حق کا مخالف، جان بوجھ کر باطل کے ساتھ اس کا مقابلہ کرنے والا۔

مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ: اپنے حقوق کو ادا نہیں کرتا۔احسان اور صلہ رحمی سے ناواقف۔

مُعْتَدٍ: جو چیز خرچ کرتا ہے اس میں حد سے تجاوز کرنے والا۔قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے میں اپنے سیرت وسلوک میں حد سے تجاوز کرنے والا۔

مُّرِيْبٍ: اپنے معاملہ میں شک کرنے والا۔دوسروں کو شک میں ڈالنے والا۔

فَأَلْقِيَاهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ: اس سے پہلے حدیث شریف میں گزر چکا ہے کہ آگ سے ایک گردن ظاہر ہوگی۔وہ مخلوق سے کہے گی مجھے تین اشیاء کی ذمہ داری دی گئی ہے: ۱۔ ہر جابر سرکش، ۲۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے والا، ۳۔ مصورین۔پھر وہ ان پر ٹوٹ پڑے گی(2)۔امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے انہوں نے حضور ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: آگ سے ایک گردن ظاہر ہوگی لوگوں سے باتیں کرنے گی اور کہے گی مجھے تین قسم کے افراد پر مسلط کیا گیا ہے: ۱۔ ہر جابر شخص، ۲۔ اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانے والا، ۳۔ ناحق کسی کو قتل کرنے والا پھر وہ انہیں اپنی لپیٹ میں لے لے گی اور جہنم میں ڈال دے گی۔

قَالَ قَرِيْنُهٗ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ وہ شیطان ہے جس کی اسے ذمہ داری دی گئی ہے۔ لیکن شیطان بھی اس سے براءت کا اظہار کرے گا۔جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ۭ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ۭ اِنِّىْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ۭ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (ابراہیم: 22)(3)۔

يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ۝٣٠ وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ۝٣١ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ ۝٣٢ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَجَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبِ ۝٣٣ ادْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ۭ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ ۝٣٤ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ ۝٣٥

"(یاد کرو) وہ دن جب ہم جہنم سے پوچھیں گے کیا تو پر ہوگئی وہ (جواباً) کہے گی کیا کچھ اور بھی ہے۔اور قریب کر دی جائے گی جنت پرہیز گاروں کے لئے وہ (ان سے) دور نہیں ہوگی۔یہی ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا یہ ہر اس شخص کے لئے ہے جو

1۔ یہ سوید بن کراع ہے اور فراء کی معانی القرآن: (3/78) میں ہے اور فراء ہی وہ نحوی ہے جس کا طبری نے اس آیت کی تفسیر میں جس کا تذکرہ کیا ہے (165/26) اسی لئے یہ شعر نقل کیا ہے۔

2۔ دیکھئے سورۂ ابراہیم آیت: 15 3۔ مسند امام احمد، جلد 3 صفحہ 40

اللہ کی طرف رجوع کرنے والا اپنی توبہ کی حفاظت کرنے والا ہے۔ جو ڈرتا تھا رحمٰن سے بن دیکھے۔ اور ایسا دل لئے ہوئے آیا جو یادِ الٰہی کی طرف متوجہ تھا۔ داخل ہو جاؤ جنت میں سلامتی سے۔ یہ ہمیشگی کا دن ہے۔ انہیں ہر وہ چیز ملے گی جس کی وہ وہاں خواہش کریں گے اور ہمارے پاس تو (ان کے لئے) اس سے بھی زیادہ ہے''۔

اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ جہنم سے پوچھا جائے گا کیا تو پر ہوگئی؟ کیونکہ اللہ نے اس سے وعدہ فرمایا ہے کہ جن وانس سے اسے بُھر دے گا۔ وہ جواباً کہے گی کیا کچھ اور بھی ہے؟ سیاق کلام سے یہی پتہ چلتا ہے اور احادیث بھی اس کی مؤید ہیں۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لوگ آگ میں ڈالیں جائیں گے تو وہ کہے گی کیا کچھ اور بھی ہے؟ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ اپنا قدم قدرت اس میں رکھ دے گا تو وہ کہے گی بس بس (1)۔

(۱) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جہنم میں لوگوں کے ڈالے جانے کے باوجود وہ مزید کا سوال کرتی رہے گی حتیٰ کہ اللہ رب العزت اپنا قدم قدرت اسمیں رکھیں گے تو وہ سمٹ جائے گی اور کہے گی بس بس تیری عزت وجلال کی قسم! اور جنت میں برابر خالی مقامات رہیں گے (یعنی گنجائش بہت ہوگی) حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک اور مخلوق کو پیدا فرمائے گا اور انہیں جنت کی زائد جگہ پر بسائے گا۔ مسلم، اُبان العطار اور سلیمان تیمی رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے اسی طرح روایت کیا ہے (2)۔

(۲) بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اسے مرفوع قرار دیا ہے۔ اکثر وہ اسے ابوسفیان پر موقوف فرماتے تھے کہ جہنم سے پوچھا جائے گا کیا تو بھر گئی تو وہ کہے گی کیا کچھ مزید بھی ہے؟ پھر اللہ تعالیٰ اپنا قدم مبارک اس میں رکھیں گے تو وہ کہے گی بس بس (3)۔

(۳) بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جنت اور دوزخ آپس میں جھگڑا کریں گی۔ دوزخ کہے گی متکبرین اور جبارین کے ساتھ مجھے ترجیح دی گئی ہے۔ جنت کہے گی کیا وجہ ہے مجھ میں صرف کمزور اور گھٹیا لوگ ہی آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسے فرمائے گا تو میری رحمت ہے۔ اپنے بندوں سے میں جس پر چاہوں تیرے ساتھ رحم کرتا ہوں اور دوزخ سے فرمائے گا تو میرا عذاب ہے۔ تیرے ساتھ میں اپنے بندوں سے جسے چاہوں عذاب دوں۔ تم میں سے ہر ایک کو بھرا جائے گا۔ دوزخ اس وقت تک نہیں بھرے گی جب تک اللہ تبارک وتعالیٰ اپنا مبارک قدم اس میں نہیں رکھیں گے تو وہ کہے گی بس بس۔ اس وقت وہ بھر جائے گی اور سمٹ جائیگی۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی پر ظلم نہیں فرمائے گا اور جنت کے لئے ایک اور مخلوق پیدا فرمائے گا (4)۔

(۴) ایک اور حدیث:۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دوزخ اور جنت آپس میں جھگڑا کریں گی (اس سے آگے وہی روایت ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اسے صرف مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے (5)۔

(۵) حافظ ابویعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں ابی بن کعب سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ ق: 594 — 2۔ مسند امام احمد، جلد 3 صفحہ 234، مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4 صفحہ 2188-2187، تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 171

3۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ ق: 595، مسند احمد، جلد 2 صفحہ 507، تفسیر طبری، جلد 26، جلد 170

4۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ ق: 8 صفحہ 595، نیز یہی حدیث دیکھئے سورۂ بقرہ آیت (24)، سورۂ اسراء آیت: 15

5۔ مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 8 صفحہ 2187، مسند امام احمد، جلد 3 صفحہ 13

کے دن مجھے اپنی پہچان کرائے گا تو میں سجدہ کروں گا جس سے وہ مجھ سے راضی ہو جائے گا۔ پھر میں اس کی مدح وثنا کروں گا جس سے وہ مجھ سے راضی ہو جائے گا۔ پھر مجھے کلام کا حکم ہوگا۔ پھر میری امت کا گزر پل صراط سے ہوگا جسے جہنم کی پشت پر بچھایا گیا ہے۔ وہ نگاہ اور تیر کی طرح اور تیز رفتار گھوڑے کی طرح گزریں گے پھر ایک آدمی ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل رینگتا ہوا گزرے گا اور یہ اعمال ہیں۔ اور جہنم مزید کا سوال کرتی رہے گی حتیٰ کہ اللہ رب العزت اپنا قدم اس میں ڈالیں گے تو وہ آپس میں سمٹ جائے گی اور کہے گی بس بس۔ اور میں حوض پر ہوں گا۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ! حوض کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید، شہد سے زیادہ میٹھا، برف سے زیادہ ٹھنڈا اور کستوری سے زیادہ عمدہ ہے اس کے برتنوں کی تعداد ستاروں سے بڑھ کر ہے۔ جو کوئی پیئے گا اسے کبھی پیاس نہیں لگے گی (1)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے یہی قول اختیار کیا ہے (2)۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ کا معنی ہے هل فيّ من مكان يزاد فيّ۔ حکم بن ابان نے عکرمہ سے یوں روایت کیا ہے هل فيّ مدخل واحد قد امتلأت۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اس میں لوگ ڈالے جاتے رہیں گے حتیٰ کہ کہا جائے گا تو بھر گئی تو وہ کہے گی کیا مجھ میں مزید کی گنجائش ہے؟ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم سے یونہی مروی ہے۔ ان سب کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا سوال (هل امتلأت) اس میں قدم الٰہی رکھے جانے کے بعد ہوگا۔ اس وقت وہ سمٹ کر کہے گی کیا مجھ میں مزید کی گنجائش ہے؟ عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس وقت سوئی کے برابر بھی اس میں جگہ باقی نہیں ہوگی۔ واللہ اعلم۔

اُزْلِفَتْ: قتادہ، ابو مالک اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک جب وہ متقین کے قریب کر دی جائے گی۔

غَيْرَ بَعِيْدٍ ایسا قیامت کے دن ہوگا اور وہ دن دور نہیں کیونکہ وہ لامحالہ واقع ہونے والا ہے۔ جو چیز آنے والی ہو وہ قریب ہوتی ہے۔

اَوَّابٍ: رجاع، تائب مقلع، سچی توبہ کرنے والا۔ حَفِيْظٍ: جو عہد کو پورا کرتا ہے اور اس کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ عبید بن عمیر نے اَوَّابٍ حَفِيْظٍ کا معنی کرتے ہوئے لکھا ہے جو کسی مجلس کے خاتمے پر استغفار کر کے اٹھتا ہے۔

مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ جو مخفی طور پر اللہ سے ڈرتا ہے جب اسے اللہ کے سوا کوئی دیکھ نہیں رہا ہوتا۔ جیسے حدیث شریف میں ہے: ''جس نے علیحدگی میں اللہ کو یاد کیا تو اس کی آنکھوں میں آنسو بہنے لگے...... الحدیث'' (3)۔

(منيب) سليم إليه، خاضع لديه۔ خشوع وخضوع کی حالت میں۔

اُدْخُلُوْهَا یعنی جنت میں۔ بسلام قتادہ کا قول ہے وہ عذاب الٰہی سے نجات پائیں گے اور ملائکہ ان پر سلام بھیجیں گے۔

يَوْمُ الْخُلُوْدِ وہ جنت میں ہمیشہ رہیں گے اور باہر نہیں نکلیں گے۔ نہ انہیں موت آئے گی نہ کبھی باہر نکل سکیں گے۔

لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ جو وہ مانگیں گے حاضر کر دیا جائے گا۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے کثیر بن مرہ سے روایت کیا ہے کہ ایک بادل اہل جنت پر سے گزرے گا اور کہے گا تم کیا چاہتے ہو وہ تم پر برسا دوں؟ وہ جو چیز مانگیں گے ان پر برسا دی جائے گی۔ کثیر کا قول ہے اگر ہمیں یہ موقع ملا تو میں کہوں گا ہم پر خوبصورت لونڈیاں برسا (4)۔ حدیث شریف میں ہے جسے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ

1۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 603 2۔ تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 170

3۔ بخاری، فتح الباری، کتاب الاذان، جلد 28 صفحہ 143، مسلم، کتاب الزکاۃ، جلد 2 صفحہ 715، نیز دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ آیت: 271 اور سورۂ یوسف آیت 33 اور سورۂ یٰسین آیت: 29

4۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 608

آپ ﷺ نے فرمایا تو جنت میں پرندے کی خواہش کرے گا تو وہ بھن کر تیرے سامنے گر جائے گا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: بندۂ مومن جب جنت میں بچے کی آرزو کرے گا تو حمل، وضع حمل اور عمر کے تمام مراحل یکبارگی طے پا جائیں گے(1)۔ ترمذی اور ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے روایت کیا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن غریب لکھا ہے(2)۔

وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ (یونس:26)۔ صحیح مسلم میں ہے کہ اس سے مراد دیدار الٰہی ہے(3)۔ بزار اور ابن ابی حاتم رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اللہ رب العزت ہر جمعہ انہیں اپنے دیدار سے نوازے گا(4)۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند میں مرفوعاً حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کی بارگاہ میں ایک آئینہ لائے۔ اس میں ایک نکتہ تھا آپ نے پوچھا یہ کیا ہے۔ جبریل نے عرض کی یہ جمعہ ہے جس کے ساتھ آپ کو اور آپ کی امت کو تمام لوگوں پر فضیلت دی گئی ہے۔ لوگ (یہود و نصاریٰ) اس میں تمہارے تابع ہیں۔ اس میں تمہارے لئے بھلائی ہے۔ اس میں تمہارے لئے ایسی گھڑی ہے جس میں بندۂ مومن کوئی اچھی دعا نہیں مانگے گا مگر وہ مقبول ہوگی اور وہ ہمارے نزدیک یوم المزید ہے۔ نبی کریم ﷺ نے پوچھا یوم المزید کیا ہے؟ جبریل نے عرض کی آپ کے رب نے جنت میں ایک وسیع وادی بنائی ہے اس کے ٹیلے کستوری کی طرح ہیں۔ جب جمعہ کا دن آتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس میں کچھ فرشتوں کو اتارتا ہے جو وہ چاہے۔ اس کے اردگرد نور کے منبر ہوں گے جن پر انبیاء تشریف فرما ہوں گے۔ ان کے گرد سونے کے منبر ہوں گے جن پر یاقوت اور زبرجد جڑا ہوگا وہ جگہ شہداء اور صدیقین کی ہوگی۔ وہ ان ٹیلوں کے پیچھے ہوں گے اس وقت اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں تمہارا رب ہوں میں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ اب سوال کرو تمہیں عطا ہوگا۔ وہ عرض کریں گے اے رب ہمیں تیری رضا مندی درکار ہے۔ وہ فرمائے گا میں تم سے راضی ہوں اور تمہیں وہ ملے گا جس کی تم نے آرزو کی اور مزید بھی۔ وہ جمعہ کا دن پسند کریں گے جس میں اللہ تعالیٰ انہیں بھلائی سے نوازے گا۔ یہی وہ دن ہے جس میں تمہارے رب نے عرش پر استواء فرمایا۔ اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی۔ اسی دن قیامت قائم ہوگی۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تالیف ام کی کتاب الجمعہ میں اسی طرح روایت کیا ہے(5)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے روایت کیا ہے اور ایک طویل روایت بھی لکھی ہے جس میں بہت سی عجیب و غریب باتیں ہیں(6)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: آدمی جنت میں ستر سال تک ایک سمت میں تکیہ لگائے رکھے گا پھر اس کے پاس ایک عورت آئے گی اور اس کے کندھے پر ہاتھ مارے گی وہ اسے دیکھے گا۔ اس کا رخسار آئینے سے زیادہ شفاف ہوگا اس میں اسے چہرہ نظر آئے گا اور اس کا کم درجے کا ہیرا مشرق و مغرب کو روشن کر دے گا۔ وہ اسے سلام کرے گی۔ وہ اس کے سلام کا جواب دے گا اور پوچھے گا تو کون ہے؟ وہ کہے گی میں ''المزید'' سے ہوں۔ اس پر ستر حلے ہوں گے۔ لیکن اس کی پنڈلی کا گودا ان کے پیچھے سے بھی نظر آئے گا۔ اس کے سر پر تاج ہوگا جس کا ادنیٰ موتی مشرق و مغرب کو روشن کر دینے کے لئے کافی ہے(7)۔

1۔ مسند امام احمد، جلد 3 صفحہ 9 — 2۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الجنۃ، جلد 10 صفحہ 36-35 و ابن ماجہ، الزہد، جلد 2 صفحہ 1452

3۔ دیکھئے تفسیر سورۂ یونس آیت: 26 — 4۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب التفسیر، جلد 3 صفحہ 69، مجمع الزوائد، جلد 7 صفحہ 112

5۔ الام، جلد 1 صفحہ 185، مسند امام شافعی، جلد 1 صفحہ 137-136

6۔ تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 175-173 — 7۔ مسند امام احمد، جلد 3 صفحہ 75، تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 176-175

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ ؕ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿۳۶﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ﴿۳۷﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖۗ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ﴿۳۸﴾ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ﴿۳۹﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ﴿۴۰﴾

''اور قریش مکہ سے پہلے ہم نے برباد کر دیا بہت سی قوموں کو جو شوکت وقوت میں ان سے کہیں زیادہ تھیں پس وہ گھومتے رہے شہروں میں۔ کیا عذاب الٰہی سے انہیں کوئی پناہ گاہ ملی؟ بے شک اس میں نصیحت ہے اس کے لئے جو دل (بینا) رکھتا ہو یا (کلام الٰہی کو) کان لگا کر سنے متوجہ ہو کر۔ اور ہم نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ دنوں میں۔ اور ہمیں تھکن نے چھوا تک نہیں۔ پس آپ صبر فرمائیے ان کی (دل دکھانے والی) باتوں پر اور پاکی بیان کیجئے اپنے رب کی حمد کے ساتھ طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب سے پہلے۔ اور رات کے وقت بھی اس کی پاکی بیان کیجئے اور نمازوں کے بعد بھی''۔

اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ ان جھٹلانے والے لوگوں سے قبل ہم نے کتنی قوموں کو ہلاک کر دیا جو تعداد اور قوت میں ان سے کہیں زیادہ تھے۔ انہوں نے زمین کو ان سے بڑھ کر آباد کیا تھا۔

فَنَقَّبُوْا فِي الْبِلَادِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے أي وأثروا فيها۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے زمین کو خراب کیا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے وہ معاش کی تلاش میں زمین میں تم سے بڑھ کر پھرتے تھے۔ زمین پر گھومنے والے کو کہا جاتا ہے نقب فيها۔ امرؤالقیس کا قول ہے:

لَقَدْ نَقَّبْتُ فِي الآفَاقِ حَتَّى رَضِيْتُ مِنَ الغَنِيْمَةِ بِالإِيَابِ (1)

هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ کیا اللہ کی قضاء وقدر سے بھاگنے کی انہیں کوئی جگہ ملی؟ کیا ان کے جمع کردہ مال نے عذاب خداوندی سے بچانے میں ان کی مدد کی۔ اسی طرح تمہارے لئے بھی کوئی مفر نہیں۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ ذکری: عبرت۔ قلب: لب يعي به: سمجھ۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے ''عقل''۔

اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ کلام کو سنا سمجھا اور اسے یاد کر لیا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا معنی کیا ہے: دل کے ساتھ اپنے آپ سے بات نہیں کرتا(2)۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے عرب کہتے ہیں: ألقى فلان سمعه (جب کوئی کان لگا کر کسی بات کو سنے اور اس کا دل بھی حاضر ہو)۔ ثوری وغیرہ نے بھی یہی کہا ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖۗ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ اس میں وجود آخرت کی دلیل ہے کہ جو ذات زمین و آسمان کی تخلیق پر قادر ہے اور ان کی تخلیق سے اسے کوئی تھکاوٹ نہیں ہوئی، وہی ذات بطریق اولیٰ مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر

1۔ دیوان قیس: 99
2۔ تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 178

ہے۔ قتادہ سے مروی ہے کہ یہود (ان پر اللہ کی لعنتیں ہوں) کہنے لگے اللہ تعالیٰ نے چھ دن میں زمین وآسمان کو پیدا کیا اور ساتویں دن آرام کیا۔ یہ ہفتہ تھا۔ وہ اسے آرام کا دن کہتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی بات کو جھوٹا قرار دیا۔

لغوب: اعیاء و تعب و نصب: تھکن(1)۔ جیسے ایک اور آیت میں فرمایا: اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰہَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ یَعْیَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنْ یُّحْیِ َۧ الْمَوْتٰی ؕ بَلٰۤی اِنَّهٗ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (احقاف:33)۔ اور جیسے فرمایا: لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ (غافر:10)۔ اور فرمایا: ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ بَنٰىهَا (النازعات:27)۔

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ...... ان کی تکذیب کے باوجود آپ صبر جمیل اختیار کیجئے اور اپنے رب کی نماز ادا کیجئے۔ معراج سے قبل طلوع آفتاب سے قبل فجر کے وقت اور غروب سے قبل یعنی عصر کی دو رکعتیں فرض تھیں اور رات کا قیام آپ ﷺ اور آپ کی امت پر ایک سال تک فرض تھا۔ پھر امت کے حق میں اس کا وجوب منسوخ کر دیا گیا۔ اس کے بعد سب کچھ منسوخ فرما کر معراج کی رات پانچ نمازیں فرض کر دیں۔ صبح اور عصر کی نماز بھی اس میں شامل رکھی۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں بیٹھے تھے چودھویں کے چاند کی طرف آپ نے نگاہ فرمائی اور ارشاد فرمایا: تم اپنے رب کے سامنے جاؤ گے اور اسے اسی طرح دیکھو گے جیسے تم چاند کو دیکھ رہے ہو۔ تمہیں اس کے دیکھنے میں کوئی شبہ نہ ہوگا۔ اگر تم یہ کر سکو کہ طلوع آفتاب اور غروب سے قبل نماز ترک نہ کرو تو ایسا ضرور کرو۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی: وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ...... بخاری و مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہ نے بھی اسے بیان کیا ہے(2)۔

وَمِنَ الَّیْلِ فَسَبِّحْهُ أی فصلّ له: نماز پڑھئے۔ جیسے فرمایا: وَمِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖۗ عَسٰۤی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (الاسراء:79)۔

وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد نماز کے بعد تسبیح ہے۔ اس کی تائید صحیحین کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ فقراء مہاجرین سرکار ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! مالدار لوگ بلند درجے اور دائمی نعمتیں حاصل کر چکے ہیں۔ یہ سن کر حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا وہ کس طرح؟ عرض کی وہ ہماری طرح نماز پڑھتے اور روزہ رکھتے ہیں۔ صدقہ کرتے ہیں اور غلام آزاد کرتے ہیں لیکن ہم ایسا نہیں کر سکتے فرمایا: کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ سکھاؤں کہ جب تم اسے کرو گے تو دوسروں سے سبقت لے جاؤ گے اور کوئی تم سے افضل نہ ہوگا مگر جو اس طرح کرے جیسے تم کرتے ہو؟ ہر نماز کے بعد تینتیس مرتبہ سبحان اللہ، الحمد للہ اور اللہ اکبر کہا کرو۔ روایت میں آتا ہے کہ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے مالدار بھائیوں نے بھی سن کر اسی طرح کرنا شروع کر دیا ہے تو سرکار ﷺ نے فرمایا: یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرماوے(3)۔

دوسرے قول کے مطابق وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ سے مراد مغرب کے بعد کی دو رکعتیں ہیں۔ حضرت عمر، علی، حسن (آپ کے صاحبزادے)، حضرت ابن عباس، ابو ہریرہ اور ابو امامہ رضی اللہ عنہم سے یہی مروی ہے۔ مجاہد، عکرمہ، شعبی، نخعی، حسن اور قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کی یہی

1۔ تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 179
2۔ مسند امام احمد، جلد 4 صفحہ 366-365 نیز دیکھئے تفسیر سورۂ طٰہٰ آیت: 130
3۔ فتح الباری، کتاب الاذان، جلد 2 صفحہ 325، مسلم، کتاب المساجد، جلد 1 صفحہ 417-416

رائے ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ ہر نماز کے بعد دو رکعتیں ادا فرمایا کرتے تھے ماسوائے فجر اور عصر کے۔ (عبدالرحمٰن کی روایت میں ہے) ہر نماز کے بعد۔ ابوداؤد اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی اسے روایت کیا ہے(1)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے میں نے ایک رات آپ ﷺ کے پاس بسر کی۔ آپ نے فجر سے پہلے مختصر دو رکعتیں ادا فرمائیں پھر نماز کے لئے تشریف لے گئے اور فرمایا اے ابن عباس! فجر سے پہلے دو رکعتیں ادبار النجوم اور مغرب کے بعد دو رکعتیں ادبار السجود ہیں۔ (ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے)(2)۔ اس رات حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنی خالہ میمونہ کے گھر میں تھے اور آپ ﷺ کے ساتھ مل کر تیرہ رکعتیں ادا فرمائیں۔ یہ صحیحین وغیرہ سے ثابت ہے(3)۔ لیکن یہ زیادتی صرف اسی روایت میں ہے اور راوی رشدین بن کریب ضعیف ہے۔ شاید یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہو اور موقوف ہو۔

وَ اسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿۴۱﴾ يَّوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ ﴿۴۲﴾ اِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ وَ نُمِيْتُ وَ اِلَيْنَا الْمَصِيْرُ ﴿۴۳﴾ يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ۭ ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ﴿۴۴﴾ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَاۤ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۣ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ﴿۴۵﴾

''اور کان کھول کر سنو اس دن کے بارے میں جب پکارنے والا قریب سے پکارے گا۔ جس دن سنیں گے سب لوگ ایک گرجدار آواز بالیقین۔ وہی دن (قبروں سے) نکلنے کا دن ہوگا۔ بیشک ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہماری طرف ہی (سب نے) لوٹنا ہے۔ جس روز زمین پھٹ جائے گی ان کے اوپر سے جلدی سے نکل پڑیں گے۔ یہی حشر ہے یہ ہمارے لئے بالکل آسان ہے۔ ہم خوب جانتے ہیں جو وہ کہتے ہیں اور آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں۔ پس آپ نصیحت کرتے رہیئے اس قرآن سے ہر اس شخص کی جو (میرے) عذاب سے ڈرتا ہے''۔

حضور ﷺ کو خطاب ہو رہا ہے۔

يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ کعب احبار نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرشتے کو حکم فرمائے گا کہ صخرہ بیت المقدس پر یہ ندا دو: اے بوسیدہ ہڈیوا بکھرے ہوئے جوڑو! اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دے رہا ہے کہ فیصلے کے دن کے لئے جمع ہو جاؤ(4)۔

الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ صور پھونکا جانا ایک حقیقت ہے جس کے بارے میں تم وہم و گمان میں مبتلا ہو۔

يَوْمُ الْخُرُوْجِ قبروں سے نکلنے کا دن۔

اِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ وَ نُمِيْتُ وَ اِلَيْنَا الْمَصِيْرُ وہی ہے جس نے مخلوق کو پیدا کیا پھر وہی دوبارہ اسے لوٹائے گا اور یہ اس کے لئے آسان ہے۔ تمام مخلوق نے اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ وہ ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزا دے گا۔ خواہ اچھے ہوں یا برے۔

1۔ مسند امام احمد، جلد 1 صفحہ 124، سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 24 نسائی بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 7 صفحہ 389

2۔ ترمذی، تفسیر سورۂ طور، عارضۃ الاحوذی، جلد 12 صفحہ 167-165، تفسیر طبری، جلد 26، جلد 181 در منثور، جلد 7 صفحہ 610

3۔ فتح الباری، کتاب الاذان، جلد 2 صفحہ 191، مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، جلد 1 صفحہ 526-525

4۔ تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 183

یَوۡمَ تَشَقَّقُ الۡاَرۡضُ عَنۡهُمۡ سِرَاعًا اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش برسائے گا جس سے تمام مخلوق کے اجسام قبروں میں اسی طرح اگیں گے جیسے دانہ پانی کے ساتھ مٹی میں اگ آتا ہے۔ جب اجسام مکمل ہو جائیں گے تو اللہ اسرافیل کو صور پھونکنے کا حکم ارشاد فرمائیں گے۔ تمام روحیں صور کے سوراخ میں ہوں گی۔ صور پھونکتے ہی وہ آسمان وزمین کے درمیان پھرنے لگیں گی تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا میری عزت اور جلال کی قسم! ہر روح اپنے جسم کی طرف لوٹے گی جس میں وہ رہتی تھی۔ چنانچہ ہر روح اپنے جسم کی طرف لوٹ جائے گی اور اس میں اسی طرح سرایت کرے گی جس طرح سانپ ڈسے شخص میں زہر سرایت کرتا ہے۔ زمین پھٹ جائے گی اور وہ میدان حساب کی طرف تیز تیز چل پڑیں گے۔

ارشاد ہوتا ہے: مُّهۡطِعِيۡنَ اِلَى الدَّاعِ ؕ يَقُوۡلُ الۡـكٰفِرُوۡنَ هٰذَا يَوۡمٌ عَسِرٌ (القمر:8) اور فرمایا: يَوۡمَ يَدۡعُوۡكُمۡ فَتَسۡتَجِيۡبُوۡنَ بِحَمۡدِهٖ وَ تَظُنُّوۡنَ اِنۡ لَّبِثۡتُمۡ اِلَّا قَلِيۡلًا (الاسراء:52)۔

صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے پہلے میرے اوپر سے زمین میں شگاف ہوگا (1)۔

ذٰلِكَ حَشۡرٌ عَلَيۡنَا يَسِيۡرٌ اس کا اعادہ ہمارے لئے آسان ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: وَمَاۤ اَمۡرُنَاۤ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمۡحٍۢ بِالۡبَصَرِ (قمر:50) اور فرمایا: مَا خَلۡقُكُمۡ وَلَا بَعۡثُكُمۡ اِلَّا كَنَفۡسٍ وَّاحِدَةٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيۡعٌۢ بَصِيۡرٌ (لقمان:28)۔

قولہ نَحۡنُ اَعۡلَمُ بِمَا يَقُوۡلُوۡنَ مشرکین آپ کی جو تکذیب کرتے ہیں۔ وہ ہمارے علم میں ہے۔ جیسے فرمایا: وَلَقَدۡ نَـعۡلَمُ اَنَّكَ يَضِيۡقُ...... حَتّٰى يَاۡتِيَكَ الۡيَـقِيۡنُ (الحجر:97)۔

قولہ وَمَاۤ اَنۡتَ عَلَيۡهِمۡ بِجَبَّارٍ آپ انہیں ہدایت پر مجبور کرنے والے نہیں اور نہ ہی آپ اس بات کے مکلف ہیں۔ مجاہد، قتادہ اور ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک (آپ ان پر جبر نہیں کرتے) پہلا معنی زیادہ اولیٰ ہے کیونکہ اگر یہ مراد ہوتا تو اللہ تعالیٰ یوں فرماتے ولا تکن جبارا علیهم فرمایا: وما أنت علیهم بجبار بمعنی وما أنت بمجبر هم علی الایمان انما انت مبلغ آپ انہیں ایمان پر مجبور کرنے والے نہیں آپ تو مبلغ ہیں۔ فراء کا قول ہے میں نے عرب کو یوں کہتے سنا جبر فلان فلانا علی کذا بمعنی أجبره (1)۔ پھر فرمایا:

فَذَكِّرۡ بِالۡقُرۡاٰنِ مَنۡ يَّخَافُ وَعِيۡدِ یعنی اپنے رب کا پیغام پہنچایئے بیشک وہی نصیحت حاصل کرے گا جو اللہ اور اس کی وعید سے ڈرتا ہے اور اس کے وعدے کی امید رکھتا ہے جیسے فرمایا: فَاِنَّمَا عَلَيۡكَ الۡبَلٰغُ وَعَلَيۡنَا الۡحِسَابُ (الرعد:40)۔ اور فرمایا: فَذَكِّرۡ ؕ اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مُذَكِّرٌ ؕ لَّسۡتَ عَلَيۡهِمۡ بِمُصَۜيۡطِرٍ (الغاشیہ:22-21) اور فرمایا: اِنَّكَ لَا تَهۡدِىۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ يَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ (القصص:56)۔ قتادہ فرمایا کرتے تھے اے اللہ! ہمیں ان لوگوں سے کردے جو تیری وعید سے ڈرتے ہیں اور تیرے وعدے کی امید رکھتے ہیں اے مہربان اے رحیم۔

(سورۂ ق کی تفسیر ختم ہوئی)

1۔ ... جلد 4 صفحہ 1712 2۔ تفسیر طبری، جلد 29 صفحہ 185

سورۃ الذاریات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

وَ الذّٰرِیٰتِ ذَرۡوًا ﴿۱﴾ فَالۡحٰمِلٰتِ وِقۡرًا ﴿۲﴾ فَالۡجٰرِیٰتِ یُسۡرًا ﴿۳﴾ فَالۡمُقَسِّمٰتِ اَمۡرًا ﴿۴﴾ اِنَّمَا تُوۡعَدُوۡنَ لَصَادِقٌ ﴿۵﴾ وَّ اِنَّ الدِّیۡنَ لَوَاقِعٌ ﴿۶﴾ وَ السَّمَآءِ ذَاتِ الۡحُبُکِ ﴿۷﴾ اِنَّکُمۡ لَفِیۡ قَوۡلٍ مُّخۡتَلِفٍ ﴿۸﴾ یُّؤۡفَکُ عَنۡہُ مَنۡ اُفِکَ ﴿۹﴾ قُتِلَ الۡخَرّٰصُوۡنَ ﴿۱۰﴾ الَّذِیۡنَ ہُمۡ فِیۡ غَمۡرَۃٍ سَاہُوۡنَ ﴿۱۱﴾ یَسۡـَٔلُوۡنَ اَیَّانَ یَوۡمُ الدِّیۡنِ ﴿۱۲﴾ یَوۡمَ ہُمۡ عَلَی النَّارِ یُفۡتَنُوۡنَ ﴿۱۳﴾ ذُوۡقُوۡا فِتۡنَتَکُمۡ ؕ ہٰذَا الَّذِیۡ کُنۡتُمۡ بِہٖ تَسۡتَعۡجِلُوۡنَ ﴿۱۴﴾

”قسم ہے ان ہواؤں کی جو اڑ کر بکھیرنے والیاں ہیں۔ پھر ان بادلوں کی جو (بارش کا) بوجھ اٹھانے والے ہیں۔ پھر کشتیوں کی جو آہستہ چلنے والیاں ہیں، پھر فرشتوں کی جو حکم (الٰہی) سے بانٹنے والے ہیں۔ بیشک جو وعدہ تم سے کیا گیا ہے وہ سچا ہے۔ اور یقیناً جزا و سزا کا دن ضرور آئے گا۔ قسم ہے آسمان کی جس میں راستے ہیں۔ بے شک تم مختلف (بے ربط) باتوں میں پڑے ہو۔ منہ پھیرے ہے اس (قرآن) سے جس کا منہ ازل سے ہی پھیر دیا گیا ہے۔ ستیاناس ہو اٹکل پچو باتیں بنانے والوں کا جو غفلت (کے نشہ) میں بے سدھ پڑے ہیں۔ وہ پوچھتے ہیں روزِ جزا کب آئے گا۔ یہ اس دن ہوگا جب وہ آگ پر تپائے جائیں گے۔ اپنی سزا کا مزہ چکھو۔ یہی وہ ہے جس کے لئے تم جلدی مچا رہے تھے“۔

شعبہ بن حجاج نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ کوفہ کے منبر پر فرما رہے تھے تم مجھ سے کسی آیت یا حدیث کے بارے میں سوال نہیں کرو گے مگر میں تمہیں بتاؤں گا۔ یہ سن کر ابن کواء کھڑا ہو کر کہنے لگا: امیر المؤمنین (وَالذّٰرِیٰتِ ذَرۡوًا) کا کیا معنی ہے؟ فرمایا الریح (ہوا)۔ پوچھا (فَالۡحٰمِلٰتِ وِقۡرًا)؟ آپ نے فرمایا بادل۔ پوچھا (فَالۡجٰرِیٰتِ یُسۡرًا)؟ آپ نے فرمایا: کشتیاں۔ عرض کی (فَالۡمُقَسِّمٰتِ اَمۡرًا) فرمایا: فرشتے(1)۔ اس بارے میں ایک مرفوع حدیث بھی ہے۔ ابوبکر بزار نے سعید بن مسیب سے روایت کیا ہے کہ صبیغ تمیمی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور پوچھا امیر المؤمنین! مجھے الذّٰرِیٰتِ ذَرۡوًا کے بارے میں بتائیے۔ آپ نے فرمایا یہ ہوائیں ہیں۔ اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے نہ سنا ہوتا تو نہ کہتا۔ اس نے پوچھا فَالۡمُقَسِّمٰتِ اَمۡرًا کے بارے میں بتائیے؟ آپ نے فرمایا یہ فرشتے ہیں۔ اگر میں نے رسول اکرم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے نہ سنا ہوتا تو نہ کہتا۔ اس نے پوچھا فَالۡجٰرِیٰتِ یُسۡرًا کے بارے میں بتائیے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ کشتیاں ہیں۔ اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے نہ سنا ہوتا تو ہرگز نہ کہتا۔ پھر اسے کوڑے مارنے کا حکم دیا چنانچہ اسے سو کوڑے مارے گئے اور ایک کمرے میں ڈال دیا گیا۔ جب وہ صحت یاب ہو گیا تو اسے بلایا اور

1۔ تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 186، مستدرک، حاکم تفسیر سورۂ ذاریات، جلد 2 صفحہ 467-422، درمنثور، جلد 7 صفحہ 614

مزید سو کوڑے لگوائے۔ اسے ایک سواری پر سوار کیا اور ابوموسیٰ اشعری کو لکھا لوگوں کو اس کے ساتھ بیٹھنے سے منع کر دو۔ ایسا ہی کیا گیا حتیٰ کہ وہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور بڑی شدید قسمیں اٹھا کر کہنے لگا اب اس کے دل میں وہ چیز باقی نہیں ہے جو پہلے تھی۔ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف لکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا میرا خیال ہے وہ سچ ہی بولتا ہے اسے چھوڑ دو اور لوگوں سے ملنے دو(1)۔

(میں کہتا ہوں) یہ حدیث ضعیف ہے بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک موقوف ہے۔ صبیغ بن عسل کا واقعہ مشہور ہے آپ نے اسے کوڑے اس لئے لگوائے تھے کہ آپ نے محسوس کیا تھا کہ وہ سرکشی اور عناد کے ساتھ سوال کرتا ہے۔ واللہ اعلم۔ حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے یہی واقعہ صبیغ کے حالات میں مفصل درج کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابن عمر، مجاہد، سعید بن جبیر، حسن، قتادہ اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ نے اس کی یہی تفسیر کی ہے۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی یہی کچھ بیان کیا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ الذّٰرِیٰتِ سے مراد ریح ہے جیسا کہ مذکور ہوا اور فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا سے مراد بادل ہے جس طرح اوپر گزرا کیونکہ یہ پانی اٹھائے ہوتے ہیں۔ جیسے زید بن عمرو بن نفیل کا قول ہے(2)۔

وأسلمتُ نَفْسِي لِمَنْ أسلمتْ   له المزنُ تحملُ عذباً زُلالاً

فَالْجٰرِیٰتِ یُسْرًا سے مراد کشتیاں ہیں۔ جمہور کا مشہور قول یہی ہے جس طرح گزرا ہے کہ یہ پانی میں چلتی جاتی ہیں۔ بعض کے نزدیک اس سے مراد ستارے ہیں جو اپنے افلاک میں چلتے جاتے ہیں تا کہ یہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہو اسی طرح درجہ بدرجہ ہواؤں سے اوپر بادل ہوتے ہیں اور ستارے اس سے اوپر اور مقسمات امراء یعنی فرشتے اس سے اوپر اللہ کے شرعی اور تکوینی اوامر لے کر اترتے ہیں۔ وقوع قیامت پر یہ اللہ تعالیٰ کی قسم ہے۔ لصادق: سچی خبر۔ الدین: حساب۔

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا معنی کیا ہے ذات الجمال والبھاء و الحسن والاستواء۔ خوبصورتی میں بے مثال۔ مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، ابو مالک، ابو صالح، سدی، قتادہ، عطیہ عوفی، ربیع بن انس وغیرہ کا یہی قول ہے۔ حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ پانی کی موجیں اور ریت کے ذرے اور کھیتوں کے پتے جب ہوا سے لہراتے ہیں تو گویا ان میں راستے پڑ جاتے ہیں۔ اسی کو حبك کہتے ہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تمہارے پیچھے جھوٹا، گمراہ ہے۔ اس کے سر کے بال پیچھے کی طرف سے حبك حبك ہیں یعنی گھونگریالے ہیں(3)۔ ابو صالح رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں حبك سے مراد شدت والا، خصیف کہتے ہیں خوش منظر اور حسن بصری کہتے ہیں اس کی خوبصورتی ستارے ہیں قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ذَاتِ الْحُبُكِ: یعنی ساتواں آسمان(4)۔ گویا آپ کی مراد یہ تھی کہ وہ آسمان جس میں ستارے ہیں۔ بہت سے علماء ہیئت کے نزدیک یہ ساتویں سے اوپر آٹھویں فلک میں ہیں۔ واللہ اعلم۔ یہ سب اقوال ایک ہی چیز کی طرف لوٹتے ہیں اور وہ حسن اور بھاء (خوبصورتی اور رونق) ہے، جیسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اس کا حسن، اس کی بلندی، شفاف ہونا، مضبوطی، چوڑائی، نفاست اور ستاروں اور سیاروں سے مزین ہونا اور سورج چاند سے آراستہ ہونا ہے۔

1۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب التفسیر، جلد 3 صفحہ 70-69
2۔ سیرۃ ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 231
3۔ تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 190
4۔ تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 191

قولہ اِنَّكُمۡ لَفِیۡ قَوۡلٍ مُّخۡتَلِفٍ یعنی اے مرسلین کی تکذیب کرنے والے مشرکین! تم خود اپنے اقوال میں مضطرب ہو اور کسی نتیجے پر نہیں پہنچے۔ قتادہ کا قول ہے کہ تم قرآن کی تصدیق اور تکذیب کرنے میں مختلف ہو۔

یُّؤۡفَكُ عَنۡهُ مَنۡ اُفِكَ یہ حالت اس کی ہوتی ہے جو خود گمراہ ہو اور اپنے باطل اقوال کی وجہ سے بھٹک جاتا ہے۔ اس کی پیروی بھی گمراہی کا سبب ہے جیسے فرمایا: فَاِنَّكُمۡ وَمَا تَعۡبُدُوۡنَ ۙ مَاۤ اَنۡتُمۡ عَلَیۡهِ بِفٰتِنِیۡنَ ۙ اِلَّا مَنۡ هُوَ صَالِ الۡجَحِیۡمِ (صافات: 163-161) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سدی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا معنی گمراہ کرنا لیا ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ کہ اس کا معنی یہ ہے: عَنۡهُ مَنۡ اس سے دور وہی ہوتا ہے جو بھلائیوں سے دور ڈال دیا گیا ہے حسن بصری کا قول ہے کہ اسے قرآن سے پھیر دیا جاتا ہے جو اسے جھٹلاتا ہے۔

قُتِلَ الۡخَرّٰصُوۡنَ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کذابین (جھوٹے) یہ اسی طرح ہے جیسے سورۂ عبس میں آتا ہے: قُتِلَ الۡاِنۡسَانُ مَاۤ اَكۡفَرَهٗ۔ خراصون یہی وہ لوگ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ہم اٹھائے نہیں جائیں گے اور قیامت پر یقین نہیں رکھتے (1)۔ علی بن ابی طلحہ نے ابن عباس سے روایت کیا ہے یعنی شک کرنے والوں (خراصون) پر اللہ کی لعنت ہو۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اپنے خطبہ میں فرمایا کرتے تھے: شک کرنے والے ہلاک ہو گئے۔ قتادہ نے کہا ہے کہ اس سے مراد اهل الغرة والظنون شک کرنے والے فریب میں مبتلا ہیں۔

غَمۡرَةٍ سَاهُوۡنَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ کا قول ہے کہ وہ کفر و شرک میں غافل اور لاپرواہ ہیں۔

یَسۡـَٔلُوۡنَ اَیَّانَ یَوۡمُ الدِّیۡنِ وہ ایسا تکذیب، عناد، شک اور بعید از قیاس سمجھتے ہوئے کہتے ہیں۔

یُفۡتَنُوۡنَ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، حسن وغیرہ کا قول ہے: أي يعذبون كما يفتن الذهب بالنار۔ اسی طرح عذاب دیئے جائیں گے جیسے سونا آگ میں پگھلایا جاتا ہے۔

ایک دوسرے گروہ جیسے مجاہد (ایک روایت)، عکرمہ، ابراہیم نخعی، زید بن اسلم اور سفیان ثوری کا قول ہے: يفتنون أي يحرقون جلائے جائیں گے۔

ذُوۡقُوۡا فِتۡنَتَكُمۡ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے اپنی آگ۔ دیگر کا قول ہے عذاب۔

تَسۡتَعۡجِلُوۡنَ انہیں ایسا زجر و توبیخ تحقیر اور چھوٹا ہونے کا احساس دلانے کے لئے کہا جا رہا ہے واللہ اعلم۔

اِنَّ الۡمُتَّقِیۡنَ فِیۡ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوۡنٍ ﴿۱۵﴾ اٰخِذِیۡنَ مَاۤ اٰتٰهُمۡ رَبُّهُمۡ ؕ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا قَبۡلَ ذٰلِكَ مُحۡسِنِیۡنَ ﴿۱۶﴾ كَانُوۡا قَلِیۡلًا مِّنَ الَّیۡلِ مَا یَهۡجَعُوۡنَ ﴿۱۷﴾ وَ بِالۡاَسۡحَارِ هُمۡ یَسۡتَغۡفِرُوۡنَ ﴿۱۸﴾ وَ فِیۡۤ اَمۡوَالِهِمۡ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَ الۡمَحۡرُوۡمِ ﴿۱۹﴾ وَ فِی الۡاَرۡضِ اٰیٰتٌ لِّلۡمُوۡقِنِیۡنَ ﴿۲۰﴾ وَ فِیۡۤ اَنۡفُسِكُمۡ ؕ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۲۱﴾ وَ فِی السَّمَآءِ رِزۡقُكُمۡ وَ مَا تُوۡعَدُوۡنَ ﴿۲۲﴾ فَوَ رَبِّ السَّمَآءِ وَ الۡاَرۡضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثۡلَ مَاۤ اَنَّكُمۡ تَنۡطِقُوۡنَ ﴿۲۳﴾

"البتہ اللہ سے ڈرنے والے (اس روز) باغات اور چشموں میں ہوں گے۔ (بصد شکر) لے رہے ہوں گے جو ان کا رب انہیں بخشے گا۔ بے شک یہ لوگ اس سے پہلے بھی نیکوکار تھے۔ یہ لوگ رات کو بہت کم سویا کرتے تھے۔ اور سحری کے وقت

1۔ تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 192

(اپنی خطاؤں کی) بخشش طلب کرتے تھے۔ اوران کے اموال میں حق تھا سائل کے لئے اور محروم کے لئے۔ اور زمین میں ہماری قدرت کی نشانیاں ہیں اہل یقین کے لئے۔ اور تمہارے وجود میں بھی (نشانیاں ہیں) کیا تمہیں نظر نہیں آتیں۔ اور آسمان میں ہے تمہارا رزق اور وہ ہر چیز جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ پس قسم ہے آسمان اور زمین کے رب کی یہ حق ہے (بعینہٖ اسی طرح) جس طرح تم باتیں کررہے ہو"۔

اللہ تعالیٰ متقی حضرات کے بارے میں خبر دے رہا ہے کہ روز قیامت وہ جنت کے باغ و بہار میں ہوں گے بخلاف ان بدبختوں کو جو عذاب ونکال، آگ اور بیڑیوں میں ہوں گے۔

قولہ تعالیٰ اٰخِذِیْنَ مَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اللہ نے انہیں جو فرائض عطا فرمائے ہیں ان پر عمل پیرا ہوں گے۔ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِیْنَ فرائض کے ان کے ذمے لازم کئے جانے سے قبل بھی وہ دنیا میں نیک اعمال کرتے تھے۔ ابن حمید نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ اٰخِذِیْنَ مَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ان کے رب نے جو فرائض انہیں عطا فرمائے، وہ فرائض سے قبل بھی نیک عمل کرتے تھے(1)۔ اس کی سند ضعیف ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت نہیں۔ عثمان بن ابی شیبہ نے بھی بروایت سعید بن جبیر ابن عباس سے یہی روایت کیا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ تفسیر قابل غور ہے اور آخذین یہ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ سے حال ہے۔ یعنی متقی لوگ جنت میں اپنے رب کی عطا کی ہوئی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے۔

قَبْلَ ذٰلِكَ سے مراد دار دنیا ہے۔

مُحْسِنِیْنَ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا هَنِیْٓـٴًۢا بِمَاۤ اَسْلَفْتُمْ فِی الْاَیَّامِ الْخَالِیَةِ (الحاقہ: 24)۔ ان کے اخلاص عمل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

كَانُوْا قَلِیْلًا مِّنَ الَّیْلِ مَا یَهْجَعُوْنَ اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے دو اقوال ہیں:۔

(۱) ایک یہ کہ یہ "ما" نافیہ ہے۔ اس صورت میں معنی یوں بنے گا کہ وہ رات کا قلیل حصہ نہیں سویا کرتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ کوئی رات نہیں گزرتی تھی مگر وہ اس کا کچھ حصہ یاد خدا میں ضرور بسر کیا کرتے تھے۔ قتادہ نے مطرف بن عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ وہ ہر رات کا کچھ حصہ ضرور یاد خداوندی میں صرف کرتے تھے خواہ ابتدا میں یا درمیان میں۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ایسا بہت کم ہوا ہے کہ کسی رات وہ صبح تک سوئے رہے ہوں اور نماز تہجد ادا نہ کی ہو۔ قتادہ سے بھی یہی مروی ہے۔ انس بن مالک اور ابوالعالیہ کا قول ہے کہ وہ مغرب اور عشاء کے مابین نماز پڑھا کرتے تھے۔ ابوجعفر باقر کا قول ہے کہ وہ نماز عشاء کی ادائیگی سے قبل نہیں سوتے تھے۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ "ما" یہاں مصدریہ ہے۔ اس صورت میں مفہوم یہ بنے گا کہ ان کی رات کی نیند بہت کم تھی۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی قول پسند کیا ہے(2)۔ حضرت حسن بصری کا قول ہے کہ وہ رات کو قیام کرتے تھے اور رات کا بہت کم حصہ سوتے تھے۔ پھر اٹھ جاتے اور سحری تک بیدار رہتے حتیٰ کہ استغفار سحری کے وقت ہوتا۔ قتادہ نے احنف بن قیس سے اس روایت کی تفسیر میں کہا ہے کہ وہ رات کو کم ہی سوتے تھے۔ پھر آپ ارشاد فرماتے اس آیت میں جن لوگوں کا بیان ہوا ہے میں ان میں شامل نہیں۔ حضرت حسن بصری کا قول

1۔ تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 196 | 2۔ تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 200

ہے کہ احنف بن قیس فرمایا کرتے تھے میں نے اپنے اعمال کا موازنہ جنتیوں کے اعمال سے کیا تو ان کے اور اپنے درمیان طویل فاصلہ پایا وہ ایسی قوم ہیں ہم جن کے اعمال کو نہیں پہنچ سکتے وہ رات کو کم ہی سوتے تھے۔ اور پھر میں اپنا عمل دوزخیوں کے اعمال کے مقابل لایا تو کیا دیکھتا ہوں وہ لوگ تو خیر سے بالکل خالی تھے۔ کتاب اللہ اور اللہ کے رسول کی تکذیب کرتے تھے۔ موت کے بعد دوبارہ زندگی کے منکر تھے۔ میں نے ان لوگوں کو خود سے اچھی حالت میں پایا جن کی نیکیاں اور برائیاں ملی ہوئی ہیں۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا قول ہے کہ بنو تمیم کے ایک آدمی نے ابی سے کہا: اے ابو اسامۃ! یہ صفت ہم میں نہیں پائی جاتی جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کا ذکر فرمایا ہے کہ وہ رات کو بہت کم سویا کرتے تھے۔ اللہ کی قسم! ہم رات کا بہت ہی کم حصہ عبادت میں گزارتے ہیں تو حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ شخص بھی بہت خوش نصیب ہے جو نیند آئے تو سو جائے اور جب بیدار ہو تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ میں جلوہ فرما ہوئے تو لوگ آپ ﷺ کی زیارت کے لئے ٹوٹ پڑے۔ میں بھی اس اجتماع میں شریک تھا۔ جب میں نے آپ ﷺ کے روئے انور کو دیکھا تو مجھے یہ یقین ہو گیا کہ ایسا چہرہ جھوٹے آدمی کا نہیں ہو سکتا۔ آپ ﷺ کی سب سے پہلی بات جو میرے کان میں پڑی وہ یہ تھی: ''اے لوگو! کھانا کھلاؤ، صلہ رحمی کرو، سلام آپس میں پھیلاؤ۔ اور رات کو نماز پڑھو جب لوگ سو رہے ہوں تو تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے'' (1)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ جنت میں ایسے کمرے ہیں جن کے اندر کا حصہ باہر سے اور باہر کا حصہ اندر سے نظر آتا ہے تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! یہ کس کے لئے ہوں گے؟ فرمایا: ان کے لئے جو نرم گفتگو کرے، کھانا کھلائے اور قیام اللیل کرے جبکہ لوگ سو رہے ہوں (2)۔ معمر رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کے ضمن میں لکھا ہے کہ زہری اور حسن فرمایا کرتے تھے کہ وہ رات کا اکثر نوافل میں گزارتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے وہ سویا نہیں کرتے تھے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ كَانُوْا قَلِيْلًا کو اس سے پہلے جملے کے ساتھ ملاتے تھے اور من اللیل سے اگلی آیت شروع فرماتے لیکن اس قول میں دوری اور تکلف ہے (3)۔

قولہ عزوجل وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اس سے مراد نماز پڑھنا لیا ہے۔ بعض دیگر مفسرین کا قول ہے وہ راتوں کو قیام کرتے ہیں اور آخر میں سحری کے وقت استغفار کرتے ہیں۔ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ (آل عمران: 17) ''اور (اپنے گناہوں کی) معافی مانگنے والے ہیں سحری کے وقت''۔ اگر یہ استغفار نماز ہی میں ہو تو بہت بہتر ہے۔ صحاح ستہ وغیرہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ہر رات کے آخری تیسرے حصے میں آسمان دنیا پر نزول اجلال فرماتے ہیں اور اعلان کرتے ہیں کہ ہے کوئی توبہ کرنے والا کہ میں اس کی توبہ قبول کروں؟ ہے کوئی استغفار کرنے والا کہ میں اسے بخش دوں؟ ہے کوئی جو مجھ سے سوال کرے اور میں اس کا سوال پورا کر دوں؟ طلوع فجر تک یہی ندا آتی رہتی ہے'' (4)۔

اکثر مفسرین کا قول ہے کہ حضرت یعقوب علیہ وعلی نبینا الصلاۃ والتسلیم نے اپنے بیٹوں سے جو فرمایا تھا: سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ

1۔ مسند امام احمد، جلد 5 صفحہ 451، یہی حدیث سورۂ یونس کی آیت: 17 میں گزر چکی ہے۔

2۔ مسند امام احمد، جلد 2 صفحہ 173 دیکھئے تفسیر سورۂ توبہ آیت: 72 اور سورۂ عنکبوت آیت: 58

3۔ تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 199

4۔ دیکھئے تفسیر سورۂ آل عمران آیت: 97

(یوسف:98) "عنقریب مغفرت طلب کروں گا تمہارے لئے" آپ نے اسے سحری کے وقت تک کے لئے مؤخر فرمایا تھا(1)۔

قولہ فِیۡۤ اَمۡوَالِہِمۡ حَقٌّ...... یہ وصف بیان کرنے کے بعد کہ وہ نمازیں ادا کرتے ہیں اب ان کے زکوٰۃ دینے، حسن سلوک اور صلہ رحمی کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔ "حق" سے مراد ہے مقررہ حصہ جسے وہ سائل اور محروم کے لئے الگ کرتے ہیں۔ سائل کا معنی تو معروف ہے جو سوال میں سبقت کرتا ہے اور اس کا حق ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "سائل کا حق ہے اگرچہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے"(2)۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اسے مختلف سندوں سے موقوفاً اور مرفوعاً روایت کیا ہے(3)۔

اَلۡمَحۡرُوۡمِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمۃ اللہ کا قول ہے: هو المحارف الذی لیس له فی الاسلام سهم یعنی جس کا بیت المال میں کوئی حصہ نہ ہو نہ اس کے پاس کوئی کام کاج ہو اور نہ کوئی پیشہ جس سے وہ روزی کما سکے۔ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے کہ ایسا شخص جس کی آمدنی سے اس کا گزارہ نہیں ہوتا۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جس کا مال ضائع ہو گیا ہو۔ ابوقلابہ کا قول ہے کہ یمامہ میں سیلاب آیا اور ایک آدمی کا مال بہا کر لے گیا تو کسی صحابی نے فرمایا: محروم سے مراد یہ ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، سعید بن مسیّب، ابراہیم نخعی، نافع مولیٰ ابن عمر اور عطاء بن ابی رباح نے محروم سے مراد مُحَارِف لیا ہے۔ قتادہ اور زہری رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے اَلۡمَحۡرُوۡمِ سے مراد وہ ہے جو لوگوں سے کوئی سوال نہیں کرتا۔ زہری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "مسکین وہ نہیں جو آتے جاتے رہتے ہیں اور ایک لقمہ یا دو لقمے یا ایک کھجور اور دو کھجوریں لے کر واپس چلے جاتے ہیں بلکہ حقیقی مسکین تو وہ ہے کہ جس کے پاس اتنا مال بھی نہ ہو کہ کفایت کر سکے اور نہ لوگوں کو اس کا پتہ چلتا ہے کہ اسے صدقہ دیں"(4)۔ اس حدیث کو شیخین نے ایک اور سند سے بھی روایت کیا ہے(5)۔ سعید بن جبیر کا قول ہے کہ جو شخص آتا ہے تو مال غنیمت تقسیم ہو چکا ہوتا ہے چنانچہ اسے تھوڑا بہت دے دیا جاتا ہے۔ محمد بن اسحاق نے اپنی سند سے لکھا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ مکہ جارہے تھے کہ راستے میں ایک کتا آ کر کھڑا ہو گیا۔ آپ نے بکری کا ایک شانہ کاٹ کر اس کی طرف پھینکا اور فرمایا لوگ کہتے ہیں یہ بھی محروم میں سے ہے۔ شعبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ میں محروم کا معنی معلوم کرنے سے عاجز آ گیا ہوں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا یہ معنی پسند کیا ہے کہ محروم وہ ہے جس کے پاس مال نہ ہو خواہ وجہ کوئی بھی ہو۔ اس کا مال ضائع ہو چکا ہو۔ خواہ کمائی کرنے پر قادر نہ ہو یا اس کا مال کسی آفت وغیرہ سے ضائع ہو گیا ہو(6)۔ ثوری نے حضرت حسن بن محمد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک چھوٹا سریّۃ (لشکر) روانہ فرمایا وہ مال غنیمت کے ساتھ واپس آئے تقسیم کے وقت وہ لوگ بھی آ گئے جو اس دستے میں شامل نہ تھے تو یہ آیت نازل ہوئی(7)۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ آیت مدنی ہے لیکن دراصل یہ آیت مکی ہے اور اپنے مابعد کو شامل ہے۔

قولہ وَفِی الۡاَرۡضِ اٰیٰتٌ لِّلۡمُوۡقِنِیۡنَ یعنی زمین میں ایسی نشانیاں ہیں جو اس کے خالق کی عظمت اور اس کی قدرت کی واضح دلیل ہیں۔ جیسے اس میں طرح طرح کی نباتات، حیوانات، پہاڑ، صحراء، دریا اور سمندر، لوگوں کے رنگوں اور زبانوں کا مختلف ہونا۔ ان کے ارادوں اور طاقتوں کا فطری طور پر جدا جدا ہونا، اسی طرح ان کی عقلوں، حرکات اور سعادت و شقاوت کا اختلاف، ان کے اعضائے ترکیبی کی بناوٹ

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ یوسف آیت:98
2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ یوسف آیت:98
3۔ طبرانی: المعجم الکبیر، جلد 22 صفحہ 204-203
4۔ تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 202، دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ آیات: 177-273 اور سورۂ توبہ آیت:60
5۔ بخاری و مسلم
6۔ تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 304
7۔ تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 203، درمنثور، جلد 7 صفحہ 616

میں تفاوت۔

وَفِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ ؕ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جو اپنی تخلیق میں غور و فکر کرے تو اسے پتہ چلے گا کہ اس کی تخلیق اور اعضاء کی نرمی اس بات کی دلیل ہے کہ اسے عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔

وَفِی السَّمَآءِ رِزۡقُکُمۡ یعنی بارش۔

وَمَا تُوۡعَدُوۡنَ یعنی جنت۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے یہی مروی ہے۔ سفیان ثوری سے مروی ہے کہ واصل احدب نے یہ آیت پڑھی وَفِی السَّمَآءِ رِزۡقُکُمۡ...... اور فرمایا میرا رزق تو آسمانوں میں ہے اور میں اسے زمین میں تلاش کر رہا ہوں؟ چنانچہ ایک ویرانے میں چلے گئے۔ تین دن تک تو کچھ نہ ملا۔ تیسرے دن کیا دیکھتے ہیں کہ تازہ کھجوروں کی ایک تھیلی پاس پڑی ہے۔ آپ کا ایک مخلص بھائی تھا جو حسن نیت میں آپ سے بھی بڑھ کر تھا وہ آپ کے پاس آیا تو یہ دو ہو گئیں۔ چنانچہ ان کا یہی معمول رہا حتیٰ کہ موت نے انہیں علیحدہ کیا۔

فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ اِنَّہٗ لَحَقٌّ...... اللہ تعالیٰ اپنی ذات کی قسم اٹھا رہا ہے کہ وقوع قیامت اور حساب و جزاء کا جو وعدہ ان سے کیا گیا ہے وہ سچا ہے لازماً ایسا ہو کر رہے گا اس میں کوئی شبہ نہیں۔ لہٰذا تم اس میں کسی شک کا اظہار نہ کیا کرو جس طرح تمہیں اس بات کی سچائی میں کوئی شبہ نہیں ہوتا جو تم خود کہتے ہو۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ جب کوئی بات ارشاد فرماتے تو اپنے مخاطب سے فرماتے یہ بات اسی طرح حق ہے جس طرح تو یہاں ہے۔ حضرت حسن بصری کا قول ہے کہ مجھے پتہ چلا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو برباد کرے جنہیں رب نے عطا فرمایا ہے پھر بھی وہ صدقہ نہیں دیتے''۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مرسلاً ذکر فرمایا ہے(1)۔

هَلۡ اَتٰىكَ حَدِیۡثُ ضَیۡفِ اِبۡرٰهِیۡمَ الۡمُكۡرَمِیۡنَ ﴿۲۴﴾ اِذۡ دَخَلُوۡا عَلَیۡهِ فَقَالُوۡا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوۡمٌ مُّنۡكَرُوۡنَ ﴿۲۵﴾ فَرَاغَ اِلٰۤى اَهۡلِهٖ فَجَآءَ بِعِجۡلٍ سَمِیۡنٍ ﴿ۙ۲۶﴾ فَقَرَّبَهٗۤ اِلَیۡهِمۡ قَالَ اَلَا تَاۡكُلُوۡنَ ﴿۫۲۷﴾ فَاَوۡجَسَ مِنۡهُمۡ خِیۡفَةً ؕ قَالُوۡا لَا تَخَفۡ ؕ وَ بَشَّرُوۡهُ بِغُلٰمٍ عَلِیۡمٍ ﴿۲۸﴾ فَاَقۡبَلَتِ امۡرَاَتُهٗ فِیۡ صَرَّةٍ فَصَكَّتۡ وَجۡهَهَا وَ قَالَتۡ عَجُوۡزٌ عَقِیۡمٌ ﴿۲۹﴾ قَالُوۡا كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الۡحَكِیۡمُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۳۰﴾

''(اے حبیب!) کیا پہنچی ہے آپ کو خبر ابراہیم (علیہ السلام) کے معزز مہمانوں کی۔ جب وہ آپ کے پاس آئے تو انہوں نے سلام عرض کیا۔ آپ نے فرمایا تم پر بھی سلام ہو (دل ہی دل میں سوچا) بالکل انجان لوگ ہیں۔ پس چپکے سے اپنے اہل خانہ کی طرف گئے اور ایک (بھنا ہوا) موٹا تازہ بچھڑا لے آئے۔ لا کر ان کے قریب رکھ دیا فرمایا کھاتے کیوں نہیں۔ پس دل ہی دل میں ان سے خوف کرنے لگے۔ وہ بولے ڈریئے نہیں۔ اور انہوں نے بشارت دی آپ کو ایک صاحبِ علم بیٹے کی۔ پس آئی آپ کی بیوی چیں بجبیں ہو کر اور (فرطِ حیرت سے) طمانچہ دے مارا اپنے چہرہ پر اور بولی (میں) بوڑھی (میں)

1۔ تفسیر طبری، جلد 26 صفحہ 206

بانجھ (کیا میرے ہاں بچہ ہوگا!) انہوں نے کہا ایسا ہی تیرے رب نے فرمایا ہے۔ بے شک وہی بڑا دانا، سب کچھ جاننے والا ہے''۔

یہ واقعہ سورۂ ہود اور حجر میں گزر چکا ہے۔

الْمُكْرَمِيْنَ جنہیں اللہ نے عزت و شرف عطا فرمایا تھا۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور علماء کرام کی ایک جماعت کی یہ رائے ہے کہ مہمان کی ضیافت کرنا واجب ہے۔ حدیث میں بھی یہی آیا ہے۔ آیت کریمہ کے الفاظ سے بھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے۔

قولہ تعالیٰ فَقَالُوْا سَلٰمًا ۭ قَالَ سَلٰمٌ پیش سے پڑھنا زبر کی نسبت اقویٰ اور مضبوط ہے۔ سلام سے سلام کا جواب دینا افضل ہے۔ چنانچہ ایک اور آیت میں فرمایا: وَ اِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ (1) ''اور جب سلام دیا جائے تمہیں کسی لفظ دعا سے تو سلام دو تم ایسے لفظ سے جو بہتر ہو اس سے یا (کم از کم) دوہرا دو وہی لفظ''۔ چنانچہ حضرت خلیل علیہ السلام نے افضل صورت کو اختیار فرمایا۔

قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ملائکہ جبریل، میکائیل اور اسرافیل خوبرو نوجوانوں کی شکل میں آپ کے پاس آئے۔ ان کے چہروں پر رعب و جلال تھا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا یہ لوگ غریب الدیار اور اجنبی معلوم ہوتے ہیں۔

فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ چپ چاپ تیزی سے اپنے گھر گئے۔

فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ بہترین قسم کا۔ ایک دوسری آیت میں ہے: فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ (ہود:69) ''پھر آپ جلدی لے آئے (ان کی ضیافت کے لئے) ایک بچھڑا بھنا ہوا''۔

فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ اسے ان کے قریب رکھ دیا۔

قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ عبارت میں لطافت اور پیش کرنے کا خوبصورت انداز ہے۔ یہ آیت ضیافت کے آداب کو شامل ہے۔ آپ تیزی سے کھانا لے کر آئے اس طرح کہ مہمانوں کو پتہ بھی نہ چلا۔ پہلے ان پر احسان نہ جتلایا یعنی یہ کہہ کر کہ تمہارے لئے کھانا لاتے ہیں بلکہ خاموشی اور تیزی سے بہترین چیز بھنا ہوا موٹا تازہ بچھڑا لائے اور اسے ان کے سامنے رکھ دیا اور یہ بھی نہ فرمایا قریب آؤ بلکہ اسے ان کے سامنے رکھ دیا۔ اور ایسے حتمی صیغہ سے بھی مخاطب نہ فرمایا جو سامع کو دشوار گزرے بلکہ از حد تواضع اور نرمی سے فرمایا اَلَا تَاْكُلُوْنَ جیسے آج کوئی یہ کہہ دے اگر آپ فضل و کرم اور صدقہ فرمانا چاہتے ہیں تو کیجئے۔

قولہ تعالیٰ فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً یہ محال ہے جس طرح یہی واقعہ دوسری سورت میں گزر چکا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: فَلَمَّا رَآٰ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً (ہود:70) ''پھر جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ نہیں بڑھ رہے کھانے کی طرف تو اجنبی خیال کیا انہیں اور دل ہی دل میں ان سے اندیشہ کرنے لگے۔ فرشتوں نے کہا ڈریئے نہیں۔ ہمیں تو بھیجا گیا ہے قوم لوط کی طرف۔ اور آپ کی اہلیہ (سارہ پاس) کھڑی تھیں۔ وہ ہنس پڑیں''۔ ان سرکشوں کی ہلاکت کی خبر سن کر آپ ہنس دیں۔ اس وقت فرشتوں نے آپ کو اسحٰق اور ان کے ہاں یعقوب کی پیدائش کی خوشخبری دی۔ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا ۭ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ ۝ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۭ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ (ہود:73-72) ''سارہ نے کہا وائے حیرانی! کیا میں بچہ جنوں گی حالانکہ میں بوڑھی ہوں اور یہ میرے میاں ہیں یہ بھی بوڑھے ہیں۔ بلاشبہ یہ تو عجیب و غریب بات ہے فرشتے کہنے لگے کیا تم تعجب کرتی ہو اللہ کے

1۔ نساء، جلد 4 صفحہ 86

حکم پر؟ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں تم پر اے ابراہیم کے گھرانے والو! بے شک وہ ہر طرح تعریف کیا ہوا بڑی شان والا ہے''۔
اسی کی طرف یہاں اشارہ فرمایا وَ بَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بشارت آپ کی بیوی کو بشارت دینا ہے کیونکہ فرزند دونوں کا تھا۔ اس لئے خوشخبری دونوں کو ہے۔

قولہ فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ چیختی اور شور مچاتی ہوئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عکرمہ، ابوصالح، ضحاک، زید بن اسلم، ثوری اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہی قول ہے یعنی آپ کا یہ کہنا (یا ویلتاہ!)۔

فَصَكَّتْ وَجْهَهَا یعنی اپنا ہاتھ اپنی پیشانی پر مارا۔ مجاہد اور ابن سابط رحمہما اللہ تعالیٰ کا یہی قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حیرت زدہ ہو کر اپنے منہ پر طمانچہ مارا جس طرح عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ عجیب وغریب بات کو دیکھ کر وہ اسی طرح کرتی ہیں۔

وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ یعنی میں کیسے بچہ جن سکتی ہوں جبکہ میں بوڑھی اور بچپن سے بانجھ ہوں مجھے حمل نہیں ٹھہرتا؟

قَالُوْا كَذٰلِكِ...... علیم یعنی جس تکریم کے تم مستحق ہوا سے خوب جانتا ہے اور اپنے اقوال و افعال میں حکیم ہے۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْۤا اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۲﴾ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ﴿۳۳﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۴﴾ فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۵﴾ فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَتَرَكْنَا فِيْهَاۤ اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۳۷﴾

''آپ نے پوچھا تمہارے آنے کا کیا مقصد ہے اے فرشتو! وہ بولے ہم بھیجے گئے ہیں ایک قوم کی طرف جو جرائم پیشہ ہے۔ تاکہ ہم برسائیں ان پر گارے کے بنے ہوئے پتھر (کھنگر) جن پر نشان لگے ہیں آپ کے رب کی طرف سے حد سے بڑھنے والوں کے لئے۔ (نزولِ عذاب سے پہلے) ہم نے نکال لیا وہاں کے تمام ایمانداروں کو پس نہ پایا ہم نے اس (ساری) بستی میں بجز ایک مسلم گھر کے اور ہم نے باقی رہنے دی وہاں ایک نشانی اُن لوگوں (کی عبرت پذیری) کے لئے جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں''۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں خبر دیتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ: أي ماشأنكم وفيم جئتم؟ آپ کو کیا کام ہے؟ آپ کی تشریف آوری کا مقصد کیا ہے؟

اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ یعنی قوم لوط۔

مُّسَوَّمَةً نشان زدہ۔

عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ اللہ کے ہاں ہر پتھر پر ان کے نام لکھے جا چکے ہیں۔ سورۂ عنکبوت میں ہے: قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا ۭ قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ڭ لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ڭ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ (عنکبوت: 32) '' آپ نے کہا اس میں تو لوط بھی رہتا ہے۔ فرشتوں نے عرض کی ہم خوب جانتے ہیں جو وہاں رہتے ہیں ہم ضرور بچالیں گے اسے اور اس کے گھر والوں کو سوائے اس کی عورت کے۔ وہ پیچھے رہ

جانے والوں سے ہے"۔ اور یہاں فرمایا: فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ مراد حضرت لوط علیہ السلام اور آپ کے اہل خانہ ہیں ماسوائے آپ کی بیوی کے۔

فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ یہ دونوں آیتیں معتزلہ کی رائے رکھنے والے لوگوں کی دلیل ہیں جو ایمان اور اسلام میں فرق نہیں کرتے کیونکہ ان لوگوں پر مؤمنین اور مسلمین کا اطلاق کیا گیا ہے لیکن یہ استدلال ضعیف ہے۔ کیونکہ یہ لوگ مؤمن تھے اور ہمارے نزدیک ہر مؤمن تو مسلم ہے لیکن اس کے برعکس نہیں۔ پس حال کی خصوصیت کی وجہ سے انہیں مؤمن مسلم کہا گیا ہے اور ہر حال میں یہ لازم نہیں آتا یعنی اس سے عام طور پر یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ہر مسلم مؤمن ہے۔

قولہ وَتَرَكْنَا فِيْهَا اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ عذاب کے ساتھ تباہ و برباد کر کے اور ان کے محلے کو بدبودار بحیرہ میں تبدیل کر کے ہم نے انہیں باعث عبرت بنا دیا اور اس میں مؤمنین کے لئے بھی عبرت ہے جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں۔

وَ فِيْ مُوْسٰۤى اِذْ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾ فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ وَ قَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۳۹﴾ فَاَخَذْنٰهُ وَ جُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ وَ هُوَ مُلِيْمٌ ﴿۴۰﴾ وَ فِيْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ﴿۴۱﴾ مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ ﴿۴۲﴾ وَ فِيْ ثَمُوْدَ اِذْ قِيْلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۴۳﴾ فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ وَ هُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِيَامٍ وَّ مَا كَانُوْا مُنْتَصِرِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَ قَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۴۶﴾

"اور (داستان) موسیٰ میں بھی نشانی ہے جب ہم نے انہیں بھیجا فرعون کی طرف ایک روشن دلیل دے کر۔ پس اس نے روگردانی کی اپنی قوت کے بل بوتے پر اور کہنے لگا یہ شخص جادوگر ہے یا دیوانہ۔ تو ہم نے اس کو اس کے لشکر سمیت پکڑا اور انہیں سمندر میں پھینک دیا اور وہ قابل ملامت بن گیا۔ اور (قصہ) عاد میں بھی نشانِ عبرت ہے جب ہم نے ان پر آندھی بھیجی جو خیر و برکت سے خالی تھی۔ نہیں چھوڑتی تھی کسی چیز کو جس پر گزرتی مگر اس کو ریزہ ریزہ کر دیتی۔ اور (واقعہ) ثمود میں بھی نشانی ہے جب انہیں کہہ دیا گیا کہ لطف اٹھا لو ایک وقت تک۔ پس انہوں نے سرکشی کی اپنے رب کے حکم سے تو پکڑ لیا انہیں ایک خوفناک کڑک نے درآنحالیکہ وہ دیکھ رہے تھے۔ پھر ان میں نہ اٹھنے کی طاقت رہی اور نہ وہ (ہم سے) انتقام لے سکے۔ اور قوم نوح کا اس سے پہلے (یہی حشر ہوا) بے شک وہ لوگ بھی (پرلے درجے کے) نافرمان تھے"۔

بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ قطعی دلائل و براہین۔

فَتَوَلّٰى بِرُكْنِهٖ یعنی موسیٰ جو دعوت حق لائے تھے فرعون نے تکبر اور عناد کے ساتھ اس سے رخ پھیر لیا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اس نے اپنے ساتھیوں کو باعث تقویت قرار دیا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اللہ کا دشمن اپنی قوم پر غالب آ گیا۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ اس نے اپنے اعوان و انصار و لشکر جرار کے ساتھ روگردانی کی۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْۤ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ (1)

1۔ ہود 80، تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 3

''لوط نے (بصد حسرت) کہا اے کاش! میرے پاس بھی تمہارے مقابلہ کی قوت ہوتی یا میں پناہ ہی لے سکتا کسی مضبوط سہارے کی''۔ لیکن پہلا معنی اقوی ہے۔ جس طرح ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے: ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (الحج: 9) ''(تکبر سے) گردن مروڑے ہوئے تاکہ بہکا دے (دوسروں کو بھی) اللہ تعالیٰ کی راہ سے''۔ یعنی حق سے روگردانی کرنے والا تکبر کرنے والا۔

وَقَالَ سٰحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ آپ کا معاملہ دو چیزوں سے خالی نہیں یا تو آپ جادوگر ہیں یا پھر دیوانے۔

فَنَبَذْنٰهُمْ: أی القیناھم۔ ہم نے انہیں پھینک دیا۔

فِي الْيَمِّ: وھو البحر: سمندر میں۔

وَهُوَ مُلِيْمٌ اس حال میں کہ وہ ملامت زدہ، کافر، منکر، فاجر اور سرکش تھا۔

پھر فرمایا: وَفِيْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ جو بانجھ تھی یعنی بار آور کرنے والی نہ تھی بے برکت۔ ضحاک، قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ کا یہی قول ہے۔

مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ یعنی جسے ہوا خراب کر دیتی ہے۔

كَالرَّمِيْمِ ہلاک شدہ، بوسیدہ چیز کی طرح۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ہوا دوسری زمین میں مسخر ہے جب اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کو ہلاک کرنا چاہا تو ہوا کے خازن کو حکم فرمایا کہ قوم عاد کی تباہی کے لئے ہوا بھیجو اس نے عرض کی اے رب کیا بیل کے نتھنے کے برابر ان پر ہوا بھیجوں؟ تو جبار تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: نہیں یہ تمام روئے زمین والوں کے لئے کافی ہوگی بلکہ ان پر انگوٹھی کے برابر سوراخ کرو۔ اسی کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے (1)۔ اس حدیث کو مرفوع قرار دینا قابل تسلیم نہیں۔ اقرب یہی ہے کہ یہ حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہما پر موقوف ہے۔ یرموک کے دن اہل کتاب کی کتب کے جو دو بورے آپ کے ہاتھ لگے تھے۔ ممکن ہے یہ انہی سے ہو۔ واللہ اعلم۔ سعید بن مسیب وغیرہ کا قول ہے کہ یہ ہوائیں جنوبی تھیں۔ صحیح میں بروایت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میری مدد صبا سے کی گئی ہے اور عاد کو دبور نے ہلاک کیا۔'' (2)

تَمَتَّعُوْا حَتّٰى حِيْنٍ ایک مقررہ وقت تک (3)۔ ظاہر ہے کہ یہ آیت اسی طرح ہے: وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ (فصلت: 71) ''باقی رہے ثمود تو انہیں ہم نے سیدھی راہ دکھائی انہوں نے پسند کیا اندھے پن کو ہدایت پر تو پکڑ لیا انہیں اس عذاب کی کڑک نے جو رسوا کن ہے''۔

وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ انہوں نے تین دن تک عذاب کا انتظار کیا چوتھے دن صبح ہی صبح اللہ کا عذاب آ گیا۔

مِنْ قِيَامٍ بھاگنا یا اٹھنا اور کھڑا ہونا۔

وَّمَا كَانُوْا مُنْتَصِرِيْنَ اس بات کا انتقام بھی نہیں لے سکتے۔

وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ان سے پہلے ہم نے قوم نوح کو ہلاک کر دیا تھا۔

كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ یہ سارے واقعات اس سے قبل متعدد جگہوں پر بہت سی سورتوں میں بیان ہو چکے ہیں۔ واللہ اعلم۔

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ روم آیت: 48 2۔ یہ حدیث سورۂ احزاب کی آیت: 9 میں گزر چکی ہے۔ 3۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 6-5

وَالسَّمَآءَ بَنَیْنٰهَا بِاَیْىدٍ وَّ اِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَمِنْ كُلِّ شَیْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَیْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَفِرُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۵۰﴾ وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ؕ اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۵۱﴾

''اور ہم نے آسمان کو (قدرت کے) ہاتھوں سے بنایا اور ہم نے ہی اس کو وسیع کر دیا۔ اور زمین کا ہم نے فرش بچھا دیا پس ہم کتنے اچھے (فرش) بچھانے والے ہیں اور ہم نے ہر چیز کے جوڑے بنائے تاکہ تم غور وفکر کرو۔ پس دوڑو اللہ کی طرف (اور اس کی پناہ لے لو) بے شک میں تمہیں اس (کے غضب) سے کھلا ڈرانے والا ہوں۔ اور نہ بناؤ اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود۔ بے شک میں تمہیں اس (کے غضب) سے کھلا ڈرانے والا ہوں''۔

عالم علوی اور سفلی کا بیان فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے: وَالسَّمَآءَ بَنَیْنٰهَا ہم نے اسے بلند محفوظ چھت بنایا ہے۔

بِاَیْىدٍ قوت کے ساتھ ابن عباس، مجاہد، قتادہ اور ثوری وغیرہ سے مروی ہے۔

وَّ اِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ یعنی ہم نے اس کے اطراف کو وسیع فرمایا اور بغیر ستونوں کے اسے بلند کیا۔ حتیٰ کہ یہ اسی طرح ٹھہر گیا جس طرح آپ اسے دیکھ رہے ہیں۔

وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا مخلوقات کے لئے اس کا فرش بچھایا۔

فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ہم اسے اس کے باشندوں کے لئے بستر بنانے والے ہیں۔

وَمِنْ كُلِّ شَیْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَیْنِ تمام مخلوقات کے جوڑے بنائے۔ آسمان اور زمین، رات اور دن، سورج چاند، بر و بحر، روشنی و تاریکی، ایمان و کفر، موت و حیات، شقاوت و سعادت، جنت و دوزخ حتیٰ کہ حیوانات اور نباتات۔

لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ یعنی تاکہ تم جان لو کہ خالق وحدہٗ لاشریک ہے۔

فَفِرُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ اسی کی پناہ لو اور تمام معاملات میں اسی پر اعتماد کرو۔

وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ اس کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ۔

كَذٰلِكَ مَاۤ اَتَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ﴿۵۲﴾ اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَاۤ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ﴿۵۴﴾ وَّ ذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۵۵﴾ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ مَاۤ اُرِیْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّ مَاۤ اُرِیْدُ اَنْ یُّطْعِمُوْنِ ﴿۵۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِیْنُ ﴿۵۸﴾ فَاِنَّ لِلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ فَلَا یَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۵۹﴾ فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ یَّوْمِهِمُ الَّذِیْ یُوْعَدُوْنَ ﴿۶۰﴾

''اسی طرح نہیں آیا ان سے پہلے لوگوں کے پاس کوئی رسول مگر انہوں نے یہی کہا کہ یہ ساحر ہے یا دیوانہ۔ کیا پہلوں نے

پچھلوں کو یہی وصیت کی تھی (نہیں) بلکہ یہ لوگ سرکش ہیں۔ پس آپ ان سے رخ انور پھیر لیجئے آپ پر کوئی الزام نہیں۔ اور آپ سمجھاتے رہئے یقیناً سمجھانا اہل ایمان کے لئے فائدہ بخش ہے۔ اور نہیں پیدا فرمایا میں نے جن وانس کو مگر اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں۔ نہ طلب کرتا ہوں میں ان سے رزق اور نہ طلب کرتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی (سب کو) روزی دینے والا، قوت والا (اور) زور والا ہے۔ پس ان ظالموں کے لئے عذاب کا ویسا ہی حصہ ہے جیسا ان کے ہم مشربوں کو حصہ ملا تھا پس یہ جلد بازی نہ کریں۔ پس تباہی ہے ان کے لئے جنہوں نے کفر کیا اس دن سے جس کا (ان سے) وعدہ کیا گیا ہے''۔

اپنے نبی کریم ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے اللہ رب العزت ارشاد فرما رہے ہیں جس طرح ان مشرکین نے آپ سے کہا ہے تو یہ کوئی انہونی بات نہیں۔ پہلے زمانے کے کفار نے بھی رسولوں کی تکذیب کی تھی اور یہی کہا تھا۔

اَتَوَاصَوْا بِهٖ کیا وہ ایک دوسرے کو اس بات کی وصیت کر کے جاتے ہیں؟

بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ لیکن یہ تو ایک سرکش قوم ہیں۔ ان کے دل سے بھی وہی بات نکلی جو ان لوگوں کے منہ سے نکلی تھی۔ متاخرین نے بھی وہی کہا جو متقدمین نے کہا تھا۔

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ اے محمد آپ ان سے رخ پھیر لیجئے۔

فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ہم اس پر آپ کو ملامت نہیں کریں گے۔

وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ مومن دل اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ میں نے انہیں اس لئے پیدا کیا ہے کہ انہیں اپنی عبادت کرنے کا حکم دوں نہ کہ مجھے ان کی کوئی ضرورت ہے۔ علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ مگر وہ طوعاً وکرھاً میری عبادت کریں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے یہی قول اختیار کیا ہے(1)۔ ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے تاکہ وہ جان لیں۔ ربیع بن انس کا قول ہے مگر عبادت کے لئے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے عبادت کے لئے خواہ یہ فائدہ مند ہو یا نہ ہو۔ ایک اور جگہ آتا ہے: وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ (لقمان:25) '' اور اگر دریافت کریں ان سے کہ کس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو تو ضرور کہیں گے کہ اللہ نے''۔ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ (الزمر:38) '' اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ کس نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو؟ تو ضرور کہیں گے اللہ نے''۔ یہ ان کی عبادت ہے اور شرک کے ساتھ کوئی فائدہ نہیں دیتی۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس سے مراد مؤمنین ہیں۔

قولہ تعالیٰ مَآ اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ...... امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے یہ آیت یوں پڑھائی ہے: إني أنا الرزاق ذو القوة المتين(2)۔

ابوداؤد، ترمذی اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن صحیح کہا ہے(3)۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 62 2۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 394

3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحروف، جلد 4 صفحہ 35، تحفۃ الاحوذی، ابواب القراءات، جلد 11 صفحہ 59، نسائی بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 7 صفحہ 86، تحفۃ الاحوذی، جلد 8 صفحہ 361

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے بندوں کو پیدا کیا تا کہ اس وحدہ لاشریک کی عبادت کریں۔ چنانچہ جس نے اس کی اطاعت کی اسے مکمل جزا عطا فرمائے گا اور جس نے اس کی نافرمانی کی اسے سخت عذاب دے گا۔ ساتھ ہی انہیں یہ بتادیا کہ اسے ان کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ وہ ہر حال میں اس کے محتاج ہیں وہی ان کا خالق ورازق ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے ابن آدم! میری عبادت کے لئے فارغ ہوجا، میں تیرا سینہ تونگری سے پر کردوں گا اور تیری فقیری کو روک دوں گا'' (1)۔

ترمذی وابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن غریب قرار دیا ہے(2)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے دونوں صاحبزادوں حبۃ اور سواء نے بیان کیا ہے کہ ہم آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ کسی کام میں مشغول تھے یا کوئی دیوار بنارہے تھے۔ ابومعاویہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کوئی چیز درست کررہے تھے ہم بھی مدد کے لئے ساتھ شامل ہوگئے۔ فارغ ہوکر آپ ﷺ نے ہمارے لئے دعا کی اور فرمایا: ''سرہل جانے تک روزی سے مایوس نہ ہو۔ انسان کو اس کی ماں سرخ جنتی ہے اس پر کوئی چھلکا نہیں ہوتا پھر اللہ اسے سب کچھ دیتا ہے اور روزی بھی'' (3)۔ بعض آسمانی کتابوں میں ہے اے ابن آدم میں نے تجھے اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے پس تو لہو ولعب میں نہ پڑ۔ میں نے تیرے رزق کی ذمہ داری لی ہے تو بے جا اپنے آپ کو مت تھکا۔ تو مجھے تلاش کر تو مجھے پالے گا۔ اگر تو نے مجھے پالیا تو تجھے سب کچھ مل گیا۔ اگر میں تجھے نہ ملا تو یوں سمجھ لے کہ تو نے سب کچھ کھو دیا اور ہر چیز سے زیادہ تیرے دل میں میری محبت ہونی چاہئے۔

ذَنُوْبًا عذاب کا حصہ۔

فَلَا یَسْتَعْجِلُوْنِ جلدی نہ کریں یہ عذاب آکر رہے گا۔

مِنْ یَّوْمِهِمُ الَّذِیْ یُوْعَدُوْنَ یعنی روزِ قیامت۔

سورۂ ذاریات کی تفسیر یہاں ختم ہوئی۔

وللّٰہ الحمد والمنّۃ

1۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 358

2۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب صفۃ القیامۃ، جلد 9 صفحہ 286، تحفۃ الاحوذی، جلد 7 صفحہ 166، ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2، صفحہ 1376

3۔ یہ حدیث سورۂ روم آیت: 40 کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

سورۂ طور

مالک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو سنا آپ نماز مغرب میں سورۂ طور کی تلاوت فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ سے زیادہ خوش الحان اور عمدہ قراءت والا میں نے کسی کو نہیں سنا(1)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے میں نے اپنی بیماری کی شکایت آپ ﷺ سے کی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم سواری پر سوار ہو کر لوگوں کے پیچھے طواف کر لو'' چنانچہ میں نے طواف کیا اس وقت آپ ﷺ بیت اللہ شریف کے ایک کونے میں نماز ادا فرما رہے تھے اور سورت وَالطُّوْرِ ۙ﴿۱﴾ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ کی تلاوت فرما رہے تھے(2)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

وَالطُّوْرِ ۙ﴿۱﴾ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۙ﴿۲﴾ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۙ﴿۳﴾ وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ۙ﴿۴﴾ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ۙ﴿۵﴾ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ۙ﴿۶﴾ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۙ﴿۷﴾ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ۙ﴿۸﴾ يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ۙ﴿۹﴾ وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ۭ﴿۱۰﴾ فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۙ﴿۱۱﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ ﴿۱۲﴾ يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ۭ﴿۱۳﴾ هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۱۵﴾ۚ اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ ۭ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾

''قسم ہے (کوہ) طور کی اور کتاب کی جو لکھی گئی ہے۔ کھلے ورق پر۔ اور قسم ہے بیت معمور کی اور بلند چھت کی اور سمندر کی جو لبالب بھرا ہے۔ یقیناً آپ کے رب کا عذاب واقع ہو کر رہے گا۔ اسے کوئی ٹالنے والا نہیں۔ جس روز آسمان بری طرح تھرتھرا رہا ہوگا۔ اور پہاڑ (اپنی جگہ چھوڑ کر) تیزی سے چلنے لگیں گے۔ پس بربادی ہوگی اس روز جھٹلانے والوں کے لئے۔ جو محض تفریح طبع کے لئے فضول باتوں میں لگے رہتے ہیں۔ اس روز انہیں دھکے دے کر آتش جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ (انہیں کہا جائے گا) یہی وہ آگ ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔ کیا یہ (آگ) جادو (کا کرشمہ) ہے یا تمہیں یہ نظر ہی نہیں آ رہی۔ اس میں (تشریف لے) چلو، اب چاہے صبر کرو یا نہ کرو۔ دونوں برابر ہیں تمہارے لئے تمہیں اسی کا بدلہ دیا جا رہا ہے جو تم کیا کرتے تھے''۔

اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات کی قسم کھا رہا ہے جو اس کی عظیم قدرت کی دلیل ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اس کا عذاب اس کے دشمنوں پر واقع ہو کر

1۔ فتح الباری، کتاب الاذان، جلد 2 صفحہ 247، وتفسیر سورۂ طور، جلد 8 صفحہ 603، مسلم، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 338

2۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ طور، جلد 8 صفحہ 603

رہے گا اور کوئی انہیں اس سے بچا نہ سکے گا۔ طور اس پہاڑ کو کہتے ہیں جس پر درخت ہوں۔ جس طرح وہ پہاڑ جس پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ جس پہاڑ پر درخت نہ ہوں اسے طور نہیں کہتے بلکہ اسے جبل کہا جاتا ہے۔

وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ اس سے مراد یا تو لوح محفوظ ہے یا تحریری شکل میں خدا کی اتاری ہوئی کتابیں جو لوگوں پر علانیہ پڑھی جاتی ہیں۔ اسی لئے فرمایا: فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۙ وَّالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ صحیحین میں مذکور ہے کہ واقعہ معراج بیان کرتے ہوئے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ساتویں آسمان سے آگے گزرنے کے بعد مجھے بیت المعمور دکھلایا گیا۔ اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے عبادت کے لئے جاتے ہیں۔ دوبارہ انہیں موقع نہیں ملتا۔ یعنی اس میں عبادت کرتے ہیں اور اس کا طواف کرتے ہیں جس طرح اہل زمین اپنے کعبہ کا طواف کرتے ہیں۔ اسی طرح بیت المعمور ساتویں آسمان والوں کا کعبہ ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلاۃ والسلام بیت المعمور سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے کیونکہ آپ زمینی کعبہ کے بانی ہیں اور جزاء عمل کی جنس سے ہوتی ہے۔ یہ کعبہ شریف سے عین اوپر ہے۔ ہر آسمان میں ایک گھر ہے جس میں اس آسمان کے باسی عبادت کرتے ہیں اور اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ جو گھر آسمان دنیا میں ہے اسے بیت العزۃ کہتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ساتویں آسمان میں ایک گھر ہے جسے بیت المعمور کہتے ہیں۔ یہ کعبہ سے بالکل اوپر کعبہ کی سیدھ میں ہے۔ چوتھے آسمان میں ایک نہر ہے جس کا نام نہر حیوان ہے۔ جبریل ہر روز اس میں غوطہ لگاتے ہیں اور باہر نکل کر بدن جھاڑتے ہیں۔ اس سے ستر ہزار قطرے گرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر قطرے سے ایک فرشتہ پیدا فرماتا ہے جنہیں حکم ہوتا ہے کہ بیت المعمور میں نماز ادا کریں۔ چنانچہ وہ اس میں نماز ادا کر کے باہر نکلتے ہیں دوبارہ کبھی ان کی باری نہیں آئے گی۔ ان میں سے ایک کو ان کا سردار مقرر کیا جاتا ہے اسے حکم دیا جاتا ہے کہ انہیں لے کر آسمان میں ایک جگہ کھڑا ہو جائے۔ وہ وہاں کھڑے ہو کر قیامت تک تسبیح پڑھتے رہیں گے''(1)۔ یہ حدیث بہت ہی غریب ہے۔ اس کے راوی روح بن جناح اس میں منفرد ہیں حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے ان کی اس حدیث کا انکار کیا ہے۔ جیسے جوزجانی، عقیلی اور حاکم ابو عبد اللہ نیشاپوری وغیرہ۔ حاکم رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، سعید اور زہری رحمہما اللہ تعالیٰ کی روایت سے اس حدیث کی کوئی اصل نہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک آدمی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عرض کی بیت المعمور کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: آسمان میں ایک گھر ہے اسے ''ضراح'' کہتے ہیں۔ یہ کعبہ سے اوپر ہے۔ آسمان میں اس کی حرمت اسی طرح ہے جیسے زمین میں بیت اللہ شریف کی حرمت۔ ہر روز ستر ہزار فرشتے اس میں نماز ادا کرتے ہیں اور پھر کبھی ان کی باری نہیں آتی (2)۔ ایک روایت میں ہے کہ سوال کرنے والا ابن کواء تھا۔ جس طرح کہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے علی بن ربیعہ سے روایت کیا ہے کہ ابن کواء نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیت المعمور کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: آسمان میں ایک مسجد ہے اسے ''ضراح'' کہتے ہیں...... الخ (3)۔ عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: ''یہ گھر عرش کے سامنے ہے۔ فرشتے اسے آباد رکھتے ہیں۔ ہر روز ستر ہزار فرشتے اس میں نماز ادا کرتے ہیں۔ پھر کبھی ان کی باری نہیں آئے گی۔'' عکرمہ، مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ اور بہت سے سلف صالحین سے یہی مروی ہے۔ قتادہ، ربیع بن انس اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے: ہمارے سامنے ذکر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن اپنے

1۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 627، میزان الاعتدال، جلد 2 صفحہ 57 2۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 16 3۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 17

صحابہ سے فرمایا: ”کیا تم جانتے ہو بیت المعمور کیا ہے؟“ صحابہ نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتا ہے۔ فرمایا: ”یہ آسمان میں ایک مسجد ہے کعبہ سے بالکل اوپر اس طرح کہ اگر گرے تو کعبہ کے عین اوپر گرے۔ ہر روز ستر ہزار فرشتے اس میں نماز ادا کر کے باہر نکلتے ہیں اور پھر کبھی ان کی باری نہیں آتی۔“(1)۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ یہ فرشتے ”جن“ کہلاتے ہیں۔ یہ ابلیس کے قبیلہ سے ہیں۔ واللہ اعلم۔

وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ سفیان ثوری، شعبہ اور ابوالاحوص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اس کا معنی آسمان ہے۔ حضرت سفیان رضی اللہ عنہ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚ وَّهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ(2) ”اور ہم نے بنایا آسمان کو ایک چھت جو (شکست و ریخت سے) محفوظ ہے۔ اور وہ لوگ (اب بھی) اس کی نشانیوں سے روگردانی کئے ہوئے ہیں“۔

مجاہد، قتادہ، سدی، ابن جریج اور ابن زید رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہی کہا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے ہی پسند کیا ہے(3)۔ حضرت ربیع بن انس رضی اللہ عنہ نے اس سے مراد عرش لیا ہے۔ یعنی یہ تمام مخلوقات کی چھت ہے اور اس کی توجیہہ ہو سکتی ہے کہ یہ بھی مراد ہو اور دوسرے معانی بھی جس طرح کہ جمہور کا قول ہے۔

قولہ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ ربیع بن انس کا قول ہے کہ اس سے مراد زیر عرش پانی ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ بارش برساتا ہے اور جس کے ساتھ روز قیامت مردے اپنی قبروں سے جی اٹھیں گے۔ جمہور کا قول ہے کہ اس سے مراد سمندر ہے۔ اور مسجور کے معنی میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک اس سے مراد آگ ہے جو روز قیامت روشن ہوگی۔ جیسے ایک اور جگہ آتا ہے: وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ (التکویر: 6) ”اور جب سمندر بھڑکا دیئے جائیں گے)۔ یعنی ان میں آگ لگائی جائے گی جو پھیل کر تمام اہل محشر کو گھیرے میں لے لے گی۔ سعید بن مسیّب نے علی بن ابی طالب سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ ابن عباس، مجاہد، سعید بن جبیر اور عبد اللہ بن عبید بن عمیر رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے یہی مروی ہے۔ علاء بن بدر کا قول ہے کہ سمندر کو مسجور اس لئے کہا گیا ہے کیونکہ اس کا پانی نہ تو پینے کے کام آتا ہے اور نہ اس سے کھیتی کو سیراب کیا جاتا ہے۔ قیامت کے دن بھی سمندر اسی طرح ہوں گے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ سے یہی مروی ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کا قول ہے المسجور المرسل یعنی بہتا ہوا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے المملوء یعنی بھرا ہوا۔ پر شدہ۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے ہی پسند کیا ہے۔ ایک قول ہے کہ اس سے مراد فارغ یعنی خالی شدہ۔ اصمعی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کا معنی فارغ (خالی) ہے۔ ایک لونڈی پانی لینے گئی اور واپس آ کر کہا: إنَّ الحوضَ مسجُورٌ۔ حوض خالی ہے۔ ابن مردویہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے مسانید الشعراء میں روایت کیا ہے(4)۔ ایک قول ہے کہ مسجور سے مراد ہے جسے زمین سے روک دیا گیا ہو۔ کہیں زمین پر پھیل کر اہل زمین کو ڈبو نہ دے۔ علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی روایت کیا ہے سدی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا یہی قول ہے۔ اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”ہر رات تین مرتبہ سمندر اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کرتا ہے کہ تمام لوگوں کو ڈبو دے مگر اللہ تعالیٰ اسے روک دیتا ہے“(5)۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 17 2۔ انبیاء: 32، حاکم: مستدرک، کتاب التفسیر، جلد 2 صفحہ 468 3۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 18
4۔ درمنثور، جلد 7، صفحہ 630 5۔ مسند احمد، جلد 1 صفحہ 43

حافظ ابوبکر اسماعیلی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بزرگ مجاہد (جو کہ ساحل سمندر پر لشکر کے ساتھ تھے) نے بیان کیا ہے میں ایک رات چوکیداری کے لئے نکلا۔ میرے ساتھ کوئی دوسرا چوکیدار نہ تھا۔ میں بندرگاہ کی طرف آیا اور ایک پہاڑ پر چڑھ گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ سمندر پہاڑوں کی چوٹیوں کے برابر آ رہا ہے۔ ایسا کئی مرتبہ ہوا۔ میں اسے بیداری کی حالت میں دیکھ رہا تھا۔ میں نے ابوصالح رحمۃ اللہ علیہ سے یہ واقعہ بیان کیا تو انہوں نے بروایت حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اوپر والی حدیث سنائی۔ لیکن اس میں ایک راوی مبہم ہے جس کا نام نہیں لیا گیا۔

وقولہ تعالیٰ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ اب اس چیز کا بیان ہو رہا ہے جس چیز پر یہ قسمیں کھائی گئی تھیں۔ یعنی عذاب کفار پر واقع ہو کر رہے گا۔ جس طرح ایک دوسری آیت میں ہے: مَّا لَهُ مِن دَافِعٍ (طور:8) ''اسے کوئی ٹالنے والا نہیں''۔ یعنی جب اللہ ان کو ہلاک کرنے کا ارادہ فرمالے تو کوئی اس کے عذاب کو ہٹا نہیں سکتا۔ حافظ ابوبکر بن ابی دنیا رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک رات حضرت عمر رضی اللہ عنہ شہر مدینہ کا گشت لگانے کے لئے نکلے۔ آپ کا گزر ایک مسلمان کے پاس سے ہوا۔ وہ کھڑا نماز پڑھ رہا تھا۔ آپ کھڑے ہو کر اس کی تلاوت سننے لگے جب اس نے سورۂ طور کی یہ آیت پڑھی: اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ...... تو آپ نے فرمایا رب کعبہ کی قسم سچی ہے اور اپنے گدھے سے اتر پڑے اور دیوار سے ٹیک لگا کر کچھ دیر کھڑے رہے پھر اپنے گھر چلے گئے۔ ایک مہینہ آپ کی یہی کیفیت رہی۔ لوگ آپ کی عیادت کے لئے آتے لیکن یہ نہیں جانتے تھے کہ بیماری کیا ہے؟ امام ابوعبید رحمۃ اللہ علیہ نے فضائل القرآن میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی: اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ...... تو اسی وقت آپ کی ہچکی بندھ گئی اور بیس روز تک یہی کیفیت رہی۔

يَوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: تتحرك تحريكاً جھول رہا ہو گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک دوسری روایت میں ہے پھٹ جانا مراد ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ یہ چکر کھانے لگے گا۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اس کا ڈولنا اور حرکت کرنا اللہ کے حکم سے ہو گا۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہ قول پسند کیا ہے کہ ڈولنا اور جھولنا مراد ہے۔

ابوعبیدۃ معمر بن مثنی نے اعشی کا یہ شعر نقل کیا ہے:

كَأَنَّ مِشْيَتَهَا مِنْ بَيْتِ جارتها مَوْرُ السَّحَابَةِ لَا رَيْثٌ وَلَا عَجَلُ(1)

وَتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ختم ہو کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔

فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ یعنی ان کے لئے اللہ کے عذاب سے ہلاکت ہے۔

الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ یعنی دنیا میں وہ باطل میں گم رہے اور ان کے دین سے ٹھٹھا اور مذاق کرتے رہے۔

يَوْمَ يُدَعُّوْنَ دھکیل کر لے جایا جائے گا۔ مجاہد، شعبی، محمد بن کعب، ضحاک، سدی اور ثوری رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ انہیں دھکا دیا جائے گا۔

هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ داروغہ جہنم انہیں از راہ زجر و توبیخ کہیں گے۔

1۔ مجاز القرآن، جلد 2 صفحہ 231، دیوان (55)، تفسیر طبری، جلد 27 صفحہ 20

اِصْلَوْهَا اس میں داخل ہو جاؤ تو یہ تمہیں چاروں طرف سے گھیر لے گی۔

فَاصْبِرُوْٓا خواہ تم اس کے عذاب پر صبر کرو یا نہ کرو تم اس سے بچ کر نہیں جا سکتے۔

اِنَّمَا تُجْزَوْنَ...... یعنی اللہ کسی پر ظلم نہیں کرتا بلکہ ہر ایک کو اس کے عمل کی جزا عطا فرمائے گا۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ نَعِيْمٍ ﴿۱۷﴾ فٰكِهِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ۚ وَ وَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿۱۸﴾ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔۢا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ ۚ وَ زَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴿۲۰﴾

”بیشک پرہیزگار (اس روز) باغوں میں اور نعمتوں میں ہوں گے۔ شاد و مسرور ان نعمتوں پر جو انہیں ان کے رب نے دی ہوں گی۔ اور بچا لیا انہیں ان کے رب نے دوزخ کے عذاب سے۔ (حکم ملے گا) کھاؤ پیو خوب مزے لے لے کر ان (نیکیوں) کے بدلے جو تم کیا کرتے تھے۔ تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے بچھے ہوئے پلنگوں پر اور ہم انہیں بیاہ دیں گے گوری گوری آہو چشموں سے“۔

اللہ تعالیٰ سعادت مندوں کی حالت کا بیان فرما رہا ہے کہ متقی لوگ جنتوں اور ناز و نعم میں ہوں گے جبکہ کفار عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

فٰكِهِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ اللہ کی عطا کردہ نعمتوں سے شاد کام ہو رہے ہوں گے جیسے طرح طرح کے کھانے، ملبوسات، محلات، سواریاں وغیرہ۔

وَ وَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ اللہ نے انہیں دوزخ کے عذاب سے نجات بخشی ہے۔ یہ بھی ایک مستقل نعمت ہے پھر اس کے علاوہ جنت میں داخلہ اور انواع و اقسام کی نعمتیں جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کان نے سنا بلکہ کسی بشر کے دل پر اس کا خیال تک نہیں گزرا۔

قولہ تعالیٰ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔۢا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔۢا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ (الحاقہ: 24) ”(اذن ملے گا) کھاؤ اور پیو مزے اڑاؤ یہ ان اعمال کا اجر ہے جو تم نے آگے بھیج دیئے گزشتہ دنوں میں“۔ یہ اللہ کا فضل و احسان ہے۔

قولہ تعالیٰ مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ سرر سے مراد حجال: پردے ہیں۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”آدمی چالیس سال تک ایک ہی جگہ ٹیک لگائے بیٹھا رہے گا نہ وہاں سے اٹھے گا اور نہ اکتائے گا۔ اس کی ہر خواہش پوری ہو گی۔“ ایک دوسری روایت میں ہے آدمی جنت میں ستر سال تک تکیہ لگائے بیٹھا رہے گا۔ اس کے پاس اس کی بیویاں اور خدام ہوں گے اور اللہ کی عطا کردہ دیگر نعمتیں۔ پھر جب وہ دوسری طرف نظر اٹھائے گا تو اس کے سامنے حوریں ہوں گی جنہیں اس نے پہلے کبھی دیکھا نہ ہو گا۔ وہ کہیں گی شکر ہے تم نے ہماری طرف بھی توجہ کی۔

مَّصْفُوْفَةٍ ایک دوسرے کی طرف منہ کئے ہوئے۔ ایک دوسری آیت میں ہے: وَ نَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ (الحجر: 47) ”اور تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے)، عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ (صافات: 44) ”(زرنگار) پلنگوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے“۔

وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ہم نے ان کے ہمراہ پاک دامن، نیک، خوبصورت حوریں کی ہوں گی۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے زوجناھم کا معنی نکاح کرنا کیا ہے۔ ان کے اوصاف متعدد جگہ گزر چکے ہیں۔ ان کے اعادے کی اب یہاں ضرورت نہیں۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ كُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ﴿۲۱﴾ وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۲۲﴾ يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا كَاْسًا لَّا لَغْوٌ فِيْهَا وَلَا تَاْثِيْمٌ ﴿۲۳﴾ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿۲۴﴾ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۲۵﴾ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْٓ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ ﴿۲۶﴾ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ ﴿۲۸﴾

''اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی پیروی کی ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ، ہم ملا دیں گے ان کے ساتھ ان کی اولاد کو اور ہم کمی نہیں کریں گے ان کے عملوں (کی جزا) میں ذرہ بھر۔ ہر شخص اپنے اپنے اعمال میں اسیر ہوگا۔ اور ہم مسلسل دیتے رہیں گے انہیں (ایسے) میوے اور گوشت جو وہ پسند کریں گے۔ وہ چھینا جھپٹی کریں گے وہاں جام شراب پر (لیکن) اس میں نہ کوئی لغویت ہوگی اور نہ گناہ۔ اور (خدمت بجالانے کے لئے) چکر لگاتے ہوں گے ان کے گرد ان کے غلام (اپنے حسن کے باعث) یوں معلوم ہوں گے گویا وہ چھپے موتی ہیں۔ اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر پوچھیں گے۔ کہیں گے ہم بھی اس سے پہلے اپنے اہل خانہ میں (اپنے انجام کے بارے میں) سہمے رہتے تھے۔ سو بڑا احسان فرمایا ہے اللہ نے ہم پر اور بچالیا ہے ہمیں گرم لو کے عذاب سے۔ بے شک ہم پہلے بھی (دنیا میں) اس سے دعا کیا کرتے تھے۔ یقیناً وہ بہت احسان کرنے والا، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم اور اپنی مخلوق پر اپنے بے پایاں لطف واحسان ذکر فرما رہا ہے کہ مومنین کی اولادیں جب ایمان میں ان کی پیروی کریں گی تو انہیں بھی ان کے آباء کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ اگرچہ وہ حسن عمل میں ان کے برابر نہ پہنچے ہوں تاکہ اپنے ابناء کو اپنے ساتھ دیکھ کر آباء کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ انہیں احسن انداز سے جمع کیا جائے گا یعنی ناقص العمل کو کامل کے درجہ میں بلند کر دیا جائے گا اور اس کے عمل اور درجہ میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی اور دونوں برابر ہوں گے۔ اسی لئے فرمایا:

اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ...... ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ عزوجل مومن کی اولاد کو بھی جنت میں اس کا درجہ عطا فرمائے گا، اگرچہ وہ اپنے عمل کے ذریعہ وہاں رہنے کا مستحق نہ ہو۔ یہ اس لئے تاکہ انہیں اس مقام پر فائز دیکھ کر اس نیک بندے کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ...... (1)۔

ابن جریر اور ابن ابی حاتم رحمہما اللہ تعالیٰ نے سفیان ثوری سے روایت کیا ہے اسی طرح ابن جریر نے شعبہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے بھی

1۔ حاکم، مستدرک، جلد 2، صفحہ 468، طبری، جلد 27، صفحہ 24، درمنثور، جلد 7، صفحہ 632

روایت کیا ہے۔ بزار رحمۃ اللہ نے بروایت سعید، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً بھی ذکر کیا ہے(1)۔ پھر لکھتے ہیں ثوری نے اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوفاً بھی روایت کیا ہے۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت سعید بن جبیر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ اس سے مراد مؤمنین کی اولادیں ہیں جن کا انتقال بحالت ایمان ہوگا۔ اگر ان کے آباء کے درجات ان سے بلند ہوں گے تو انہیں اپنے آباء سے ملا دیا جائے گا اور ان کے اعمال میں کوئی کمی نہ کی جائے گی۔ حافظ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت سعید بن جبیر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے (اور اسے مرفوع قرار دیا ہے) کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب آدمی جنت میں داخل ہوگا تو اپنے والدین اور بیوی بچوں کے بارے میں دریافت کرے گا۔ اسے بتایا جائے گا کہ وہ تمہارے درجہ کو نہیں پہنچ سکے۔ وہ کہے گا: اے رب! میں نے اپنے لئے اور ان کے لئے بھی نیک عمل کئے تھے۔ چنانچہ انہیں اس کے ساتھ ملا دینے کا حکم دیا جائے گا۔ پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ...... (2)۔ عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ ارشاد ہوتا ہے: جن کی اولاد ایمان لائی اور میری اطاعت کرتی رہی میں انہیں ان کے ایمان کے ساتھ جنت میں ان کے ساتھ ملا دوں گا اور ان کی کم سن اولاد کو بھی۔(3) اس کا مفہوم پہلی تفسیر کی طرح ہی ہے بلکہ اس میں زیادہ وضاحت ہے۔ شعبی، سعید بن جبیر، ابراہیم، قتادہ، ابوصالح، ربیع بن انس، ضحاک اور ابن زید رحمہم اللہ تعالیٰ سے یہی منقول ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے ہی اختیار کیا ہے۔ عبداللہ بن امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ سے اپنے ان دو بچوں کی بابت پوچھا جو زمانہ جاہلیت میں انتقال کر گئے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''وہ تو دوزخ میں ہیں۔'' جب آپ ﷺ نے ان کے چہرے پر کبیدگی کے آثار دیکھے تو فرمایا: ''اگر تم ان کی جگہ دیکھ لیتیں تو تمہارے دل میں ان کا بغض پیدا ہو جاتا۔'' انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میرا بچہ جو آپ سے ہوا ہے؟ فرمایا: ''وہ جنت میں ہے۔'' پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''بے شک مؤمنین اور ان کی اولاد جنت میں ہے اور مشرکین اور ان کی اولاد دوزخ میں''۔ پھر آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ الآیۃ۔(4) یہ تو آباء کے نیک اعمال کی برکت سے ابناء پر اللہ تعالیٰ کے فضل کی بات تھی اور اب ابناء کی دعاء کی برکت سے آباء پر اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم بھی ملاحظہ ہو۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ جنت میں اپنے نیک بندے کا درجہ بلند فرمائے گا تو وہ کہے گا اے رب یہ کہاں سے عطا ہوئی؟ ارشاد ہوگا تیرے بیٹے کی تیرے لئے استغفار کرنے کی وجہ سے(5)۔

اس کی اسناد صحیح ہے۔ شیخین نے اسے اس سند سے روایت نہیں کیا لیکن صحیح مسلم میں اس طرح کی ایک روایت مروی ہے اس کے راوی بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب ابن آدم کا انتقال ہوتا ہے تو اس کے اعمال موقوف ہو جاتے ہیں ماسوائے تین چیزوں کے صدقہ جاریہ، علم دین جس سے نفع پہنچتا رہے، نیک اولاد جو اس مرنے والے کے لئے دعا کرتی رہے(6)۔

1۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب التفسیر، جلد 3، صفحہ 71-70 2۔ طبرانی، المعجم الکبیر، جلد 11، صفحہ 441-44 3۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 25

4۔ مسند امام احمد، جلد 1 صفحہ 135-134 - نوٹ: یہ حدیث سورۂ نساء کی آیت: 15 کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ 5۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 509

6۔ ابن ماجہ، کتاب الادب، جلد 2 صفحہ 1207، مسلم، کتاب الوصیۃ، جلد 3 صفحہ 1255

قولہ تعالیٰ كُلُّ امْرِئٍۭ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ مقام فضل (آباء کی وجہ سے اولاد کے درجات بغیر عمل کے بلند کرنے کا بیان کرنے) کے بعد اب مقام عدل کا بیان ہو رہا ہے۔ وہ یہ کہ کسی کو کسی کے گناہ کے بدلے میں نہیں پکڑا جائے گا۔

رَهِيْنٌ یعنی ہر شخص اپنے عمل کے ساتھ اسیر ہے کسی دوسرے کا گناہ اس پر نہیں لادا جائے گا۔ خواہ باپ ہو یا بیٹا۔ ایک اور آیت میں ہے: كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ﴿۳۸﴾ اِلَّاۤ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ﴿۳۹﴾ فِيْ جَنّٰتٍ ۚ يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۴۰﴾ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ (المدثر: 41-38) " ہر نفس اپنے عملوں میں گروی ہے۔ سوائے اصحاب یمین کے جو جنتوں میں ہوں گے اہل جنت پوچھیں گے مجرموں سے"۔

قولہ وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ انواع واقسام کے پھلوں اور گوشت کا سلسلہ جاری رہے گا۔

قولہ يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا كَاْسًا یعنی وہ شراب کے جام ایک دوسرے کو پلا رہے ہوں گے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہا ہے۔

لَّا لَغْوٌ فِيْهَا وَلَا تَاْثِيْمٌ یعنی ان کی گفتگو میں یاوہ گوئی نہ ہوگی نہ بیہودگی۔ جس طرح دنیا میں مے خواری کے وقت مے خوار کیا کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے لغو سے مراد باطل اور تاثیم سے جھوٹ مراد لیا ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے وہ نہ تو کسی کو گالی دیں گے اور نہ ناشائستہ حرکات کریں گے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ دنیا میں ایسی حرکات شیطان کی وجہ سے تھیں(1) لیکن اللہ تعالیٰ نے آخرت کی شراب کو دنیا کی تمام آلودگیوں سے پاک فرما دیا۔ جیسے سر درد، پیٹ درد، عقل کا کلیۃً زائل ہو جانا وغیرہ اور یہ بتایا کہ یہ بیہودہ گفتگو جو ہذیان اور فحش گوئی پر مبنی ہو، سے خالی ہوگی۔ اس کی عمدگی اور ذائقے کی نفاست کی خبر دیتے ہوئے فرمایا: بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۚ لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ (صافات: 47-46) " (دودھ سے زیادہ) سفید بڑے لذیذ، پینے والوں کے لئے۔ نہ اس میں مضرِ صحت کوئی چیز ہے اور نہ وہ اس (کے پینے) سے مدہوش ہوں گے"۔ اور فرمایا: لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُوْنَ (الواقعہ: 19) " نہ سر درد محسوس کریں گے اس سے اور نہ مدہوش ہوں گے"۔ اور یہاں فرمایا: يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا كَاْسًا......

قولہ تعالیٰ وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ...... جنت میں ان کے خدم وحشم کی خبر دی جا رہی ہے کہ اپنے حسن وجمال، رونق اور لباس کی صفائی میں وہ یوں محسوس ہوں گے جیسے چھپے موتی۔ جیسے ارشاد ہوتا ہے: يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ﴿۱۷﴾ بِاَكْوَابٍ وَّاَبَارِيْقَ ۙ وَكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ (الواقعہ: 18-17) " گردش کرتے ہوں گے ان کے ارد گرد نوخیز لڑکے جو ہمیشہ ایک جیسے رہیں گے۔ (ہاتھوں میں) پیالے، آفتابے اور شراب طہور سے چھلکتے جام لئے ہوئے"۔

قولہ تعالیٰ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ وہ آپس میں گفتگو کریں گے اور دنیا میں ایک دوسرے کے اعمال و احوال کے بارے میں دریافت کریں گے جس طرح دنیا کی دعوتوں میں ندیم کرتے ہیں۔

قَالُوْۤا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْۤ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ یعنی دار دنیا میں اپنے اہل خانہ کے درمیان ہم اپنے رب کے عذاب و عتاب سے ڈرتے رہتے تھے۔

فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا...... یعنی اللہ نے ہم پر احسان فرمایا اور ہمیں اس چیز سے پناہ دی جس سے ہم ڈرتے تھے۔

نَدْعُوْهُ ہم نہایت عاجزی سے اس کی بارگاہ میں دعا مانگا کرتے تھے۔ اس نے ہماری دعاؤں کو قبول فرما لیا اور ہمیں ہماری طلب کردہ چیز عطا فرما دی۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 27 صفحہ 29

اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ اس مقام پر ایک حدیث وارد ہوئی ہے جسے حافظ ابوبکر بزار رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب اہل جنت جنت میں چلے جائیں گے تو وہ اپنے دوستوں سے ملنا چاہیں گے۔ چنانچہ ایک کا تخت اڑے گا اور دوسرے کے تخت کے سامنے آ جائے گا۔ وہ دونوں آپس میں گفتگو کریں گے۔ دونوں ٹیک لگائے دنیا کی یاد تازہ کریں گے۔ ایک دوسرے سے کہے گا۔ اے فلاں! تمہیں پتہ ہے رب نے کس دن ہماری مغفرت فرمائی تھی؟ فلاں دن ہم فلاں جگہ پر تھے کہ ہم نے اللہ سے بخشش کی دعا مانگی تھی تو اس نے ہمیں بخش دیا''۔ بزار رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ہماری معلومات کے مطابق یہ حدیث صرف اسی سند سے مروی ہے(1)۔ (مؤلف ابن کثیر کی رائے) میں کہتا ہوں کہ اس کا ایک راوی سعید بن دینار دمشقی ہے۔ ابوحاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے مجہول قرار دیا ہے۔ اس کا شیخ ربیع بن صبیح ہے۔ اگرچہ وہ نیک اور ثقہ ہے لیکن کثیر حفاظ نے اس کے حافظے پر اعتراضات کئے ہیں(2)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے مسروق سے روایت کیا ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ آیات تلاوت فرمائیں: فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ...... هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ اور یہ دعا مانگی: اللھمّ مُنَّ علینا وقِنَا عذابَ السَّمُوم، إنّكَ أنتَ البرُّ الرّحيم۔ اعمش سے پوچھا گیا کیا آپ نے نماز میں یہ دعا مانگی تھی؟ فرمایا ہاں(3)۔

فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ﴿٢٩﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ﴿٣٠﴾ قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ﴿٣١﴾ اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿٣٢﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٣٣﴾ فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿٣٤﴾

''پس آپ سمجھاتے رہئے آپ اپنے رب کی مہربانی سے نہ کاہن ہیں اور نہ مجنون۔ کیا یہ (نابکار) کہتے ہیں کہ آپ شاعر ہیں (اور) ہم انتظار کر رہے ہیں ان کے متعلق گردش زمانہ کا۔ فرمائیے (ہاں ضرور) انتظار کرو پس میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں سے ہوں۔ کیا حکم دیتی ہیں انہیں ان کی عقلیں ان (مہمل) باتوں کا یا یہ لوگ ہی سرکش ہیں۔ کیا وہ لوگ کہتے ہی کہ انہوں نے خود ہی (قرآن) گھڑ لیا ہے درحقیقت یہ بے ایمان ہیں۔ پس (گھڑ کر) لے آئیں وہ بھی اس جیسی کوئی (روح پرور) بات اگر وہ سچے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو فرما رہے ہیں کہ اس کا پیغام رسالت اس کے بندوں تک پہنچا دیں اور جو کچھ اللہ نے آپ پر اتارا ہے اس کی یاد دلائیں۔ پھر اہل بہتان و فجور جو الزام تراشیاں آپ پر کرتے تھے ان کی نفی فرما دی۔ چنانچہ فرمایا: فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ بحمد اللہ آپ نہ تو کاہن ہیں جس طرح کفار قریش کے جہلا کہتے ہیں۔

کاھن: اسے کہتے ہیں جس کے پاس جن آسمان سے غیب کی خبریں لاتا ہے۔

وَّلَا مَجْنُوْنٍ وہ جس کو شیطان نے ہاتھ لگا کر ٹامک ٹوئیوں میں مبتلا کر دیا ہو۔ رسول اکرم ﷺ کے بارے میں کفار کے مقولے کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں: اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ......: یعنی حوادثات زمانہ منون سے مراد موت ہے۔ کہتے ہیں ہم اس کا

1۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب صفۃ الجنۃ، جلد 4 صفحہ 211
2۔ الجرح والتعدیل، جلد 4، صفحہ 18، جلد 3 صفحہ 465-464
3۔ درمنثور، جلد 7، صفحہ 634

انتظار کرتے ہیں اور اس پر صبر کرتے ہیں حتیٰ کہ موت آ کر اس کا کام تمام کر دے۔ قال تعالیٰ قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّیْ مَعَكُمْ ...... یعنی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں۔ تم عنقریب جان لوگے کہ انجام کار دنیا و آخرت میں مدد کسے ملتی ہے۔ محمد بن اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قریش جب نبی کریم ﷺ کے بارے میں مشورہ کرنے کے لئے دارالندوہ میں جمع ہوئے تو کسی نے تجویز پیش کی کہ آپ کو بیڑی سے باندھ دو اور دیکھو حتیٰ کہ حوادثات دہر اسے ختم کر دیں جس طرح اس سے قبل شعراء زہیر اور نابغہ وغیرہ ہلاک ہو گئے۔ یہ بھی انہیں میں سے ایک ہے تو اللہ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں(1)۔

پھر فرمایا: اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ آپ کے بارے میں جو لغویات ان کی زبان پر ہیں کیا ان کی عقلیں انہیں ایسا کہنے کا حکم دیتی ہیں؟ حالانکہ وہ خود بھی جانتے ہیں کہ یہ سب باتیں جھوٹ اور افتراء ہیں۔

اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ لیکن وہ تو سرکش، گمراہ اور عناد رکھنے والے ہیں۔ یہی چیز انہیں آپ کے بارے میں ایسی بات کہنے پر مجبور کرتی ہے۔

قولہ تعالیٰ اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ یعنی اسے خود گھڑا ہے اور یہ افتراء ہے۔ ان کی مراد قرآن تھی۔

قال اللہ تعالیٰ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ان کا کفر انہیں ایسی بات کہنے پر مجبور کرتا ہے۔

فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ اگر یہ اپنے اس دعویٰ میں سچے ہیں کہ آپ نے قرآن خود گھڑا ہے اور یہ کلام آپ کا اپنا بنایا ہوا ہے تو پھر اس جیسا قرآن بنا کر پیش کیوں نہیں کر دیتے۔ اگر وہ اور اہل زمین میں سے تمام جن و انس جمع ہو جائیں تب بھی اس کی مثل نہیں لا سکتے اور نہ دس سورتیں بلکہ اس جیسی ایک سورت بھی لانے سے قاصر ہیں۔

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ﴿۳۶﴾ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَّسْتَمِعُوْنَ فِيْهِ ۚ فَلْيَاْتِ مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾ اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَلَكُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۳۹﴾ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۰﴾ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۴۱﴾ اَمْ يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا ۭ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ ﴿۴۲﴾ اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۴۳﴾

" کیا وہ پیدا ہو گئے بغیر کسی (خالق) کے یا وہ خود ہی (اپنے) خالق ہیں؟ کیا انہوں نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو؟ (ہرگز نہیں) بلکہ وہ یقین سے محروم ہیں۔ کیا ان کے قبضہ میں ہیں آپ کے رب کے خزانے یا انہوں نے ہر چیز پر تسلط جما لیا ہے۔ کیا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے (جس پر چڑھ کر) وہ (خفیہ باتیں) سن لیا کرتے ہیں۔ (اگر ایسا ہے) تو لے آئے ان میں سے سننے والا روشن دلیل۔ (ظالمو!) کیا اللہ کے لئے نری بیٹیاں اور تمہارے لئے نرے بیٹے۔ (اے حبیب!) کیا آپ ان سے کوئی اجرت مانگتے ہیں۔ پس وہ چٹی کے بوجھ سے دبے جا رہے ہیں۔ کیا ان کے پاس غیب (کا علم) ہے پس وہ لکھتے جاتے ہیں۔ کیا وہ (رسولِ خدا سے) کوئی فریب کرنا چاہتے ہیں تو وہ کافر خود ہی اپنے فریب کا شکار ہو جائیں گے۔ کیا ان کا

1۔ طبرانی، جلد 27، صفحہ 31

اور خدا ہے اللہ کے سوا۔ پاک ہے اللہ تعالیٰ اس شرک سے جو وہ کرتے ہیں"۔

یہاں ربوبیت اور توحید الوہیت کا درس دیا جا رہا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ...... یعنی کیا وہ کسی خالق کے بغیر ہی پیدا ہو گئے ہیں یا انہوں نے اپنے آپ کی خود تخلیق کی ہے۔ یہ دونوں باتیں غلط ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا ہے جبکہ یہ قابل ذکر چیز نہ تھے۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جبیر بن مطعم سے روایت کیا ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو نماز مغرب میں سورۃ طور کی تلاوت فرماتے ہوئے سنا جب آپ ان آیات پر پہنچے اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ...... تو میری یہ حالت ہوگئی گویا میرا دل اڑا جا رہا ہے(1)۔ یہ حدیث صحیحین میں اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ جبیر بن مطعم غزوۂ بدر کے بعد اسیروں کی رہائی کے متعلق بات چیت کرنے کے لئے حاضر ہوا تھا اس وقت یہ مشرک تھا۔ اس سورت کی اس آیت کا سننا بعد میں اس کے اسلام لانے کا ذریعہ بن گیا۔

اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ کیا انہوں نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے؟ یہاں ان کے شرک کا انکار کیا جا رہا ہے۔ حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ وہی خالق وحدہٗ لاشریک ہے لیکن بے یقینی کی کیفیت انہیں اس بات پر مجبور کرتی ہے۔

اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآىِٕنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَۜيْطِرُوْنَ کیا وہ کائنات میں اپنی مرضی سے تصرف کرتے ہیں۔ کیا اللہ تعالیٰ کے خزانوں کی کنجیاں ان کے ہاتھ میں ہیں۔

اَمْ هُمُ الْمُصَۜيْطِرُوْنَ یعنی مخلوقات کا محاسبہ کرنے والے۔ معاملہ اس طرح نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہی مالک و متصرف اور جو چاہے کرنے والا ہے۔

اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ يَّسْتَمِعُوْنَ فِيْهِ ملاء اعلیٰ کی طرف سیڑھی، زینہ۔

بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ان میں سے سن کر آنے والا ان کے افعال و اقوال کی صحت کی ظاہری دلیل لائے۔ ان کے پاس اس کی کوئی راہ نہیں۔ نہ وہ کسی چیز پر ہیں اور نہ ان کے پاس اس کی کوئی دلیل ہے۔ اس کی تردید کی جا رہی ہے کہ انہوں نے اللہ کی طرف بیٹیوں کی جو نسبت کی تھی اور ملائکہ کو بیٹیاں قرار دیا تھا پھر اپنے لئے لڑکے پسند کئے اس طرح کہ ان میں سے کسی کو جب لڑکی کی خوشخبری سنائی جاتی تو کبیدگی کی وجہ سے اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا۔ چنانچہ انہوں نے ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیا اور انہیں اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرا کر ان کی عبادت کی۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَ لَكُمُ الْبَنُوْنَ یہ شدید دھمکی اور پختہ وعدہ ہے۔

اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا یعنی ان تک اللہ کا پیغام پہنچانے کی اجرت کے طور پر یعنی آپ ان سے معاوضہ کے طلب گار نہیں۔

فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ وہ تو کم تر چیز سے بیزار ہو جاتے ہیں اور یہ چیز ان پر دشوار اور ثقیل ہو جاتی ہے۔

اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ یعنی معاملہ اس طرح نہیں۔ آسمانوں اور زمین میں سے غیب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اَمْ يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا...... کیا رسول اکرم ﷺ اور دین کے بارے میں یہ بات کہہ کر وہ لوگوں کو فریب دینا اور رسول محتشم اور آپ کے اصحاب کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں۔ ان کے مکر کا وبال تو خود ان کی گردن پر ہوگا۔ کفار اپنے فریب کا خود ہی شکار ہو جائیں گے۔

اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ...... بتوں اور انداد کی عبادت کرنے میں مشرکین کا شدید انکار کیا جا رہا ہے پھر اللہ تبارک و تعالیٰ ان کے شرک اور

1۔ فتح الباری تفسیر سورۂ طور، جلد 8 صفحہ 603

افتراء سے اپنے آپ کو مبرا فرما رہے ہیں۔ چنانچہ فرمایا: سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ۔

وَ اِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ ﴿۴۴﴾ فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ ﴿۴۵﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا وَّ لَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَ اِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَ اصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۴۸﴾ وَ مِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَ اِدْبَارَ النُّجُوْمِ ﴿۴۹﴾

''اور اگر وہ دیکھ لیں آسمان کے کسی ٹکڑے کو گرتا ہوا تو یہ (احمق) کہیں گے یہ تو بادل ہے تہہ در تہہ۔ پس انہیں (یونہی) چھوڑ دیجئے یہاں تک کہ وہ اپنے اس دن کو پالیں جس میں وہ غش کھا کر گر پڑیں گے۔ جس روز ان کی فریب کاری ان کے کسی کام نہ آئے گی اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔ اور بے شک ظالموں کے لئے (ایک) عذاب (دنیا میں) اس سے پہلے بھی ہے لیکن ان میں سے اکثر (اس سے) بے خبر ہیں۔ اور آپ صبر فرمائیے اپنے رب کے حکم سے پس آپ بلاشبہ ہماری نظروں میں ہیں اور پاکی بیان کیجئے اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے جبکہ آپ اٹھتے ہیں۔ اور رات کے کسی حصہ میں بھی اس کی تسبیح کیجئے اور اس وقت بھی جب ستارے ڈوب رہے ہوتے ہیں''۔

مشرکین کے عناد اور محسوس چیز کا انکار کرنے کی خبر دی جا رہی ہے۔

وَ اِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا اس کو ان پر گرتا دیکھ کر بھی نہیں مانیں گے اور انہیں یقین نہیں آئے گا۔ وہ کہیں گے یہ بادل کا تہہ در تہہ ٹکڑا ہے۔ جس طرح ایک اور آیت میں آتا ہے: وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ۙ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ (الحجر: 15-14) ''اور اگر ہم کھول بھی دیتے ان پر دروازہ آسمان سے اور وہ سارا دن اس میں سے اوپر چڑھتے رہتے۔ پھر بھی وہ یہی کہتے کہ ہماری تو نظریں بند کر دی گئی ہیں بلکہ ہم ایسی قوم ہیں جن پر جادو کر دیا گیا ہے''۔

قال اللہ تعالیٰ فَذَرْهُمْ اے محمد! انہیں چھوڑ دیجئے۔

حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ...... یعنی یوم قیامت۔

يَوْمَ لَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا ان کا مکر و فریب جسے وہ دنیا میں چلاتے تھے قیامت کے دن ان کے کسی کام نہ آئے گا۔

وَ اِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ یعنی اس سے پہلے دار دنیا میں جیسے ایک اور آیت میں ارشاد ہوتا ہے: وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (السجدہ: 21) ''اور ہم ضرور چکھاتے رہیں گے انہیں تھوڑا تھوڑا عذاب بڑے عذاب سے پہلے تاکہ وہ (فسق و فجور سے) باز آجائیں''۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ہم دنیا میں بھی انہیں طرح طرح کے مصائب و آلام میں مبتلا کر دیں گے شاید وہ ہماری طرف لوٹ آئیں۔ لیکن وہ تو سمجھنے سے رہے بلکہ جب عذاب دور ہوگا تو وہ پہلے سے بھی کہیں زیادہ بری حالت کی طرف لوٹ جائیں گے۔ جس طرح بعض احادیث میں آیا ہے: ''منافق جب بیمار ہو جائے اور تندرست ہو جائے تو اس کی مثال ایک اونٹ کی سی ہے جسے گھر والوں نے پہلے باندھا اور پھر آزاد چھوڑ دیا۔ اسے اس کی خبر نہیں ہوتی کہ اسے باندھا کیوں گیا تھا اور اسے کھول کیوں دیا گیا ہے''(1)۔

1۔ ابوداؤد، کتاب الجنائز (ابتدا)، جلد 3، صفحہ 182

اثر الٰہی (حدیث قدسی) میں ہے: ''میں کتنی مرتبہ تیری نافرمانی کروں تو تو مجھے سزا نہ دے گا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''اے میرے بندے میں نے کتنی مرتبہ تجھے عافیت دی اور تجھے علم بھی نہ تھا؟''

قولہ تعالیٰ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا یعنی آپ ان کی تکلیف پر صبر کریں اور ان کی کوئی پرواہ نہ کریں۔ آپ ہماری نگاہوں کے سامنے اور ہماری حفاظت میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ لوگوں سے آپ کو محفوظ رکھے گا۔

قولہ تعالیٰ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ نماز کے دوران تسبیح کہیں: سبحانك اللهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالى جدك ولا اله غيرك(1)۔ ربیع بن انس، عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم وغیرہ سے یہی مروی ہے۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ آپ نماز کی ابتداء میں یہ تسبیح پڑھا کرتے تھے۔ احمد اور اہل سنن نے بروایت ابوسعید وغیرہ حضور علیہ السلام کا یہی فعل روایت کیا ہے(2)۔ ابن جوزاء رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جب آپ نیند سے بیدار ہوں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے ہی پسند کیا ہے۔ یہ حدیث بھی اسی قول کی تائید کرتی ہے جسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا: رات کو سوئے ہوئے جس کی آنکھ کھل جائے اور اس وقت یہ تسبیح پڑھے:۔لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ۔ پھر فرمایا یوں کہے اے رب مجھے بخش دے (یا فرمایا) پھر جو دعا مانگے قبول ہوگی اور اگر اٹھ کر وضو کرے اور نماز پڑھے تو اس کی وہ نماز بھی قبول ہوگی۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح میں اور اصحاب سنن نے اسے ولید بن مسلم سے روایت کیا ہے(3)۔ ابن ابی نجیح نے مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ رب کی تسبیح بیان کرنے کا حکم ہر مجلس سے اٹھنے کے وقت ہے۔ ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوالاحوص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب آدمی کسی مجلس سے اٹھنا چاہے یہ پڑھے: سبحانك اللهم وبحمدك۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ ہر مجلس سے اٹھتے وقت تسبیح پڑھا کر۔ اگر تو نے اس مجلس میں نیکی کی ہے تو وہ تسبیح تیرے لئے مزید باعث بھلائی ہے اور اگر کچھ اور ہوا ہے تو یہ کلمات اس کا کفارہ بن جائیں گے۔

عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی جامع میں ابوعثمان فقیر سے روایت کیا ہے کہ جبریل نے نبی کریم علیہ السلام کو سکھایا کہ جب کسی مجلس سے کھڑے ہوں تو یہ تسبیح کہیں: سبحانك اللهم وبحمدك، أشهد أن لا اله إلا أنت، استغفرك وأتوب إليك۔

معمر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ میں نے یہ بھی سنا ہے کہ یہ قول اس مجلس کا کفارہ ہو جاتا ہے(4)۔ یہ حدیث مرسل ہے۔ اس موضوع کی مسند حدیثیں بھی اس بارے میں مروی ہیں جن کی سندیں ایک دوسرے کو تقویت پہنچاتی ہیں۔ ان میں سے ایک حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی مجلس میں بیٹھتا ہے اور خوب گپیں ہانکتا ہے۔ لیکن اس مجلس

1۔ طبری، جلد 27، صفحہ 38، ابن ابی شیبہ، کتاب الصلوٰت، المصنف، جلد 1 صفحہ 232

2۔ مسلم، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 299، مسند امام احمد، جلد 3 صفحہ 50 (اصحاب سنن نے اسے کتاب الصلاۃ میں روایت کیا ہے) سنن ابوداؤد، جلد 4 صفحہ 314، عارضۃ الاحوذی، جلد 2 صفحہ 41-40 تحفۃ الاحوذی، جلد 2 صفحہ 47، سنن نسائی، جلد 2، صفحہ 133، ابن ماجہ، جلد 1 صفحہ 264

3۔ مسند امام احمد، جلد 5 صفحہ 313، فتح الباری، کتاب التہجد، جلد 3 صفحہ 39، سنن ابوداؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 314، عارضۃ الاحوذی، ابواب الدعا، جلد 12 صفحہ 298، نسائی بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 9 صفحہ 419، تحفۃ الاحوذی، جلد 9 صفحہ 359

4۔ درمنثور، جلد 7، صفحہ 637

سے اٹھنے سے پہلے یہ کہتا ہے: سبحانك اللهم وبحمدك أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ۔ اس مجلس میں اس سے جو گناہ ہوئے اللہ تعالیٰ انہیں بخش دیتا ہے۔ یہ الفاظ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں۔ نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے "الیوم واللیلۃ" میں بروایت ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ بیان کیا ہے اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔ حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے مستدرک میں نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کی سند مسلم کی شرط پر ہے۔ مگر بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے معلل قرار دیا ہے یعنی اس میں علت نکالی ہے(1)۔

(مؤلف کی رائے) میں کہتا ہوں امام احمد، بخاری، مسلم، ابوحاتم، ابوزرعۃ اور دارقطنی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ نے اسے معلل قرار دیا ہے اور وہم کی نسبت ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کی ہے۔ مگر ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ایک دوسری سند سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اس سند میں راوی ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ کا نام نہیں آتا۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ (الفاظ ابوداؤد کے ہیں)، نسائی اور حاکم رحمہما اللہ تعالیٰ نے مستدرک میں حضرت ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی آخری عمر میں جب کسی مجلس سے کھڑے ہوتے تو یہ کلمات کہتے:۔ سبحان اللهم وبحمدك، أشهد أن لا إله إلّا أَنْتَ استغفرك وأتوبُ إليكَ تو ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے آج ایک نئی بات ارشاد فرمائی ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "مجلس میں جو کچھ ہوا یہ کلمات اس کا کفارہ بن جاتے ہیں۔" یہ روایت مرسل سند سے بھی حضرت ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ فاللہ اعلم۔

نسائی اور حاکم رحمہما اللہ تعالیٰ نے بروایت رافع بن خدیج نبی کریم ﷺ سے اسی طرح روایت کیا ہے اور یہ مرسلاً بھی مروی ہے۔ واللہ اعلم(2)۔ اسی طرح ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: "چند کلمات ایسے ہیں، کوئی شخص مجلس سے اٹھتے وقت انہیں نہیں کہتا مگر یہ اس کے لئے اس مجلس کا کفارہ ہوجاتے ہیں اور مجلس خیر اور مجلس ذکر میں انہیں کہنے سے یہ مثل مہر کے ہوجاتے ہیں۔ وہ کلمات یہ ہیں: "سبحانك اللهم وبحمدك لا إله إلا أنت، استغفرك وأَتُوبُ إليك"(3)۔ حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے اور اس کی تصحیح کی ہے اور اسے جبیر بن مطعم سے بھی روایت کیا ہے(4)۔ ابوبکر اسماعیلی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور ان سب نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے۔ میں نے ایک علیحدہ جز میں اس کے الفاظ، طرق، علتوں وغیرہ کو بیان کیا ہے۔ وللّٰه الحمد والمنّة۔

قولہ تعالیٰ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ یعنی اس کا ذکر کیجئے اور تلاوت اور رات کے وقت نماز کے ساتھ اس کی عبادت کیجئے۔ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۚ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (اسراء:69) "اور رات کے بعض حصہ میں (اٹھو) اور نماز تہجد ادا کرو (تلاوتِ قرآن کے ساتھ) (یہ نماز) زائد ہے آپ کے لئے یقیناً فائز فرمائے گا آپ کو آپ کا رب مقام محمود پر"۔

قولہ تعالیٰ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما میں اس سے پہلے گزر چکا ہے(5) کہ اس سے مراد نماز فجر سے قبل کی دو رکعتیں ہیں۔ یہ ستاروں کے غروب ہونے کے لئے جھک جانے کے وقت مشروع ہیں۔ ابن سیلان رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے: "ان دو رکعتوں کو مت چھوڑ و اگرچہ گھوڑے تمہیں کچل ڈالیں۔" یعنی فجر کی دو رکعتیں۔ (براویت

1۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الدعا، جلد 13 صفحہ 315-314، مستدرک، کتاب الدعا، جلد 1 صفحہ 537-536 تحفۃ الاحوذی، جلد 9 صفحہ 392، بخاری، جلد 2 صفحہ 68

2۔ سنن ابوداؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 225، نسائی (الیوم واللیۃ) تحفۃ الاشراف، جلد 19 صفحہ 12 مستدرک، جلد 1 صفحہ 537

3۔ سنن ابوداؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 265-264، مستدرک، جلد 1 صفحہ 537

4۔ مستدرک، جلد 1 صفحہ 537

5۔ یہ حدیث سورۃ ق کی آیت: 40 کی تفسیر میں گزر چکی ہے

ابوداؤد)(1)۔ اس حدیث کی رو سے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اصحاب نے تو انہیں واجب قرار دیا ہے لیکن یہ رائے ضعیف ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے: ''دن رات میں پانچ نمازیں ہیں۔'' عرض کی کیا اس کے علاوہ بھی مجھ پر کچھ لازم ہے؟ فرمایا: ''نہیں مگر یہ کہ تو نفل ادا کرے''(2)۔ صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ'' حضور ﷺ فجر کی دو رکعتوں کے علاوہ کسی نفل کی اتنی شدت سے پابندی نہیں کرتے تھے۔'' مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ ہیں: فجر کی دو رکعتیں دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں۔''(3)۔

سورۂ طور کی تفسیر ختم ہوئی۔

وللہ الحمد والمنۃ

1۔ سنن ابوداؤد، کتاب الصلوۃ، جلد 2 صفحہ 20

2۔ شیخین نے اسے کتاب الایمان میں روایت کیا ہے، فتح الباری، جلد 1 صفحہ 106، مسلم، جلد 1 صفحہ 41-40

3۔ فتح الباری، کتاب التہجد، جلد 3 صفحہ 45، مسلم، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 501

سورۃ النجم

بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سب سے پہلی سورت جس میں سجدہ تھا سورۂ نجم اتری۔ نبی کریم ﷺ نے بھی سجدہ کیا اور جو لوگ آپ کے پیچھے تھے انہوں نے بھی ماسوائے ایک آدمی کے میں نے دیکھا کہ اس نے مٹھی میں خاک لی اور اسی پر سجدہ کر لیا۔ میں نے اسے دیکھا کہ یہ کفر کی حالت میں ہی مارا گیا۔ یہ امیہ بن خلف تھا۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے متعدد مقامات پر اور مسلم، ابوداؤد اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے متعدد طرق سے ابواسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے۔ یہ تعین کہ یہ امیہ بن خلف تھا اس میں اشکال ہے کیونکہ دیگر روایات میں ہے کہ یہ عتبہ بن ربیعہ تھا(1)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ﴿۱﴾ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ﴿۲﴾ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ﴿۳﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ﴿۴﴾

''قسم ہے اس (تابندہ) ستارے کی جب وہ نیچے اترا۔ تمہارا (زندگی بھر کا) ساتھی نہ راہِ حق سے بھٹکا اور نہ بہکا۔ اور وہ تو بولتا ہی نہیں اپنی خواہش سے۔ نہیں ہے یہ مگر وحی جو ان کی طرف کی جاتی ہے''۔

شعبی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا قول ہے کہ خالق تو اپنی مخلوق میں سے جس کی چاہے قسم اٹھالے۔ لیکن مخلوق سوائے اپنے خالق کے اور کسی کی قسم نہیں کھا سکتی۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح روایت کیا ہے۔

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى اس کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ ابونجیح نے مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ نجم سے مراد ثریا (پروین) ہے جب فجر کے ساتھ غروب ہو جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے یہی مروی ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ یہ زہرہ ستارہ ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اِذَا هَوٰى جب اس سے شیاطین کو مارا جائے۔ یہ قول قابل توجیہہ ہے۔ اعمش نے مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے۔ وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى یعنی جب قرآن کا نزول ہوا۔ یہ آیت اس آیت کے مشابہ ہے: فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ﴿۷۵﴾ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ﴿۷۶﴾ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۷﴾ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴿۷۸﴾ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿۷۹﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ (الواقعہ: 80-75) ''پس میں قسم کھاتا ہوں ان جگہوں کی جہاں ستارے ڈوبتے ہیں۔ اور اگر تم سمجھو تو یہ بہت بڑی قسم ہے۔ بے شک یہ قرآن ہے بڑی عزت والا۔ ایک کتاب میں جو محفوظ ہے۔ اس کو نہیں چھوتے مگر وہی جو پاک ہیں۔ یہ اتارا گیا ہے رب العلمین کی طرف سے''۔

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى یہ جواب قسم ہے۔ اور رسول اکرم ﷺ کی شہادت دی جارہی ہے کہ آپ رشد و ہدایت پر حق کے تابع ہیں

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۃ نجم، جلد 8 صفحہ 614، کتاب مناقب الانصار، جلد 7 صفحہ 165، کتاب المغازی، جلد 7 صفحہ 299، مسلم کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 405، سنن ابو داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 59، نسائی، کتاب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 160، نسائی: سنن کبریٰ، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 7 صفحہ 13-12

اور ضال نہیں ہیں۔ یہ وہ جاہل ہوتا ہے جو بے علمی کے ساتھ کسی غلط راستے پر لگا ہوتا ہے۔ غاوی سے مراد وہ ہے جو حق کا علم رکھتا ہے لیکن قصداً اس سے منہ موڑے ہوئے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اہل ضلال (نصاریٰ و یہود) کی عادت کے ساتھ مشابہت سے مبرا قرار دیا۔ ان کی عادت تھی کہ چیز کا علم ہونے کے باوجود اسے چھپاتے اور اس کے خلاف عمل کرتے۔ جبکہ آپ ﷺ تو شرع عظیم کے حامل، انتہا درجے کی استقامت اور اعتدال والی راہ پر قائم ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى: آپ اپنی خواہش اور غرض سے کوئی بات نہیں فرماتے۔

اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى یعنی آپ تو وہی بات فرماتے ہیں جس کا آپ کو حکم فرمایا گیا ہے۔ بلا کم و کاست اسے لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ایک شخص کی شفاعت سے جو نبی نہیں، دو قبیلوں ربیعہ اور مضر کے برابر آدمی جنت میں داخل ہوں گے۔'' ایک روایت میں ہے ایک قبیلے کے برابر۔ ایک آدمی نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! کیا ربیعہ بنو مضر قبیلے سے نہیں؟ آپ نے فرمایا: ''میں تو وہی کہتا ہوں جو کہتا ہوں'' (1)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ہی حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں جو چیز بھی حضور ﷺ سے سنتا تو اسے لکھ لیا کرتا تاکہ یاد کرنے میں آسانی ہو۔ قریش نے مجھے روکا۔ وہ کہنے لگے تم حضور ﷺ سے سنی ہوئی ہر بات لکھ لیا کرتے ہو، حالانکہ آپ بشر ہیں اور کبھی غصے کی حالت میں بھی کوئی بات ارشاد فرما دیتے ہیں۔ چنانچہ میں نے لکھنا بند کر دیا اور اس بات کا ذکر آپ ﷺ سے کیا تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''لکھ، مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! میری زبان سے حق بات کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں نکلتی'' (2)۔ ابوداؤد اور ابوبکر بن ابی شیبہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے یحییٰ بن سعید قطان سے روایت کیا ہے (3)۔

حافظ ابوبکر بزار رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میں تمہیں جس امر کی خبر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دوں۔ اس میں شک و ارتیاب کی کوئی گنجائش نہیں۔'' پھر لکھا ہے کہ ہم نہیں جانتے مگر یہ حدیث اسی سند سے مروی ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میں نہیں کہتا مگر حق بات۔'' بعض صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! آپ کبھی ازراہ ملاعبت و ملاطفت کوئی بات ارشاد فرمایا کرتے ہیں فرمایا: ''میں حق بات ہی کہتا ہوں'' (4)۔

عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۝۵ ذُوْ مِرَّةٍ ۭ فَاسْتَوٰى ۝۶ وَ هُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ۝۷ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝۸ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۝۹ فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ۝۱۰ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ۝۱۱ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ۝۱۲ وَ لَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۝۱۳ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۝۱۴ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۝۱۵ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۝۱۶ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَ مَا طَغٰى ۝۱۷ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ۝۱۸

''انہیں سکھایا ہے زبردست قوتوں والے نے۔ بڑے دانا نے۔ پھر اس نے (بلندیوں کا) قصد کیا۔ اور وہ سب سے اونچے

1۔ مسند امام احمد، جلد 5 صفحہ 257　　2۔ مسند امام احمد، جلد 2 صفحہ 162　　3۔ سنن ابی داؤد، کتاب العلم، جلد 3 صفحہ 318

4۔ مسند امام احمد، جلد 2 صفحہ 340، تحفۃ الاحوذی، جلد 3 صفحہ 316، ابن ماجہ، جلد 1 صفحہ 589

کنارہ پر تھا۔ پھر وہ قریب ہوا، اور قریب ہوا۔ یہاں تک کہ صرف دو کمانوں کے برابر بلکہ اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ پس وحی کی اللہ نے اپنے (محبوب) بندے کی طرف جو وحی کی۔ نہ جھٹلایا دل نے جو دیکھا (چشم مصطفیٰ) نے۔ کیا تم جھگڑتے ہو ان سے اس پر جو انہوں نے دیکھا۔ اور انہوں نے تو اسے دوبارہ بھی دیکھا۔ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔ اس کے پاس ہی جنت الماویٰ ہے۔ جب سدرہ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا۔ نہ درماندہ ہوئی چشم (مصطفیٰ) اور نہ (حد ادب سے) آگے بڑھی۔ یقیناً انہوں نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں"۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور رسول سیدنا محمد ﷺ کے بارے میں خبر دی ہے کہ اس نے ہی آپ کو وہ سکھایا ہے جو دعوت آپ لوگوں کے پاس لے کر آئے ہیں۔

شَدِيْدُ الْقُوٰى مراد جبریل علیہ السلام ہیں: اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۙ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ۙ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ (التکویر: 19-21) "کہ یہ (قرآن) ایک معزز قاصد کا (لایا ہوا) قول ہے۔ جو قوت والا ہے مالک عرش کے ہاں عزت والا ہے۔ (سب فرشتوں کا) سردار اور وہاں کا امین ہے"۔

ذُوْمِرَّةٍ: یعنی ذوقوۃ (قوی)۔ مجاہد، حسن اور ابن زید رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہی کہا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے خوش شکل قتادہ کا قول ہے کہ خلق عظیم کا مالک اور دونوں اقوال میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ آپ خوش شکل اور قوی تھے۔ صحیح حدیث میں حضرت ابن عمر اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "غنی کے لئے صدقہ لینا جائز نہیں اور نہ قوت والے تندرست پر" (1)۔

قولہ تعالیٰ فَاسْتَوٰى یعنی جبریل علیہ السلام۔ حسن، مجاہد، قتادہ اور ربیع بن انس رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہی کہا ہے۔

وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى یعنی جبریل علیہ السلام بلند تر افق پر جلوہ افروز ہوئے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے یہی کہا ہے۔ عکرمہ کا قول ہے افق اعلیٰ وہ ہے جس سے صبح نمودار ہوتی ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ مراد مطلع الشمس، سورج طلوع ہونے کی جگہ، قتادہ کا قول ہے جس سے دن نمودار ہوتا ہے۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا یہی قول ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جبریل کو اس کی حقیقی ملکی شکل میں دو مرتبہ دیکھا۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ان سے اپنی اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ وہ اپنی ملکی شکل میں ظاہر ہو کر پیش ہوں (چنانچہ جبریل اپنے چھ سو پروں سمیت نمودار ہوئے) آپ کے وجود سے آسمان کے شرقی غربی کنارے بھر گئے، دوسری مرتبہ اس وقت جب جبریل آپ کو معراج کی رات اوپر لے گئے۔ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى میں اسی کی طرف اشارہ ہے (2)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں ایک قول ذکر کیا ہے جسے کسی نے بیان نہیں کیا۔ خود انہوں نے بھی اس قول کو کسی کی طرف منسوب نہیں کیا۔ اس کا ماحصل یہ ہے کہ ان کی رائے میں اس کا معنی یہ بنتا ہے کہ شدید طاقت ور، بڑے دانا جبریل اور سیدنا محمد ﷺ دونوں بلند ترین افق پر سیدھے کھڑے تھے۔ یہ معراج کی رات کا واقعہ ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کہا ہے اور اس کی تائید کہیں سے نہیں ہوتی پھر عربیت کی حیثیت سے اپنے قول کی تائید کے لئے دلائل لائے ہیں۔ لکھتے ہیں یہ آیت اس آیت کی طرح ہے: ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَآ (النمل: 67) "ہم مٹی ہو جائیں گے اور ہمارے باپ دادا"۔ چنانچہ آباء کو "کنا" کے کنایہ پر معطوف کیا

1۔ یہ حدیث سورۃ توبہ کی آیت: 60 کی تفسیر میں گزر چکی ہے

2۔ مسند امام احمد، جلد 1 صفحہ 407، درمنثور، جلد 7 صفحہ 333

اور'' نَحْنُ ''ضمیر کو ظاہر نہیں کیا۔ اسی طرح فاستوی وھو میں ہے۔

فراء رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ کسی عرب نے اسے یہ شعر سنایا:

أَلَمْ تَرَ أَنَّ النَّبْعَ يَصْلُبُ عُودُهُ وَلَا يَسْتَوِي وَالْخِرْوَعُ الْمُتَقَصِّفُ(1)

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کی عربی قواعد کی رو سے توجیہہ ہو سکتی ہے لیکن معنی سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ جبریل کو دیکھنا معراج کی رات نہیں تھا بلکہ اس سے پہلے کا ہے۔ اس وقت آپ ﷺ زمین پر تھے کہ جبریل آپ کی طرف اترے اور آپ کے انتہائی قریب ہو گئے۔ جبریل اس وقت اپنی اصلی صورت میں تھے۔ آپ کے چھ سو پر تھے۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے جبریل کو معراج کی رات سدرۃ المنتہی کے پاس دیکھا۔ پہلی رؤیت بعثت کے اوائل کی بات ہے۔ اس وقت سورۂ اقراء کی ابتدائی آیات پہلی وحی کی صورت میں آپ پر نازل ہو چکی تھیں۔ پھر وحی کے نزول میں وقفہ آ گیا۔ اس دوران کئی مرتبہ آپ ﷺ کا ارادہ ہوا کہ اپنے آپ کو پہاڑوں کی چوٹی سے گرا دیں۔ جب بھی یہ ارادہ کیا جبریل نے فضا سے آپ کو آواز دی اے محمد! آپ اللہ کے سچے رسول ہیں اور میں جبریل ہوں۔ اس سے آپ ﷺ کے دل کو قرار اور آنکھوں کو ٹھنڈک محسوس ہوتی۔ کچھ دنوں کے وقفے کے بعد دوبارہ یہی حالت ہو جاتی۔ یہاں تک کہ ایک دفعہ آپ ﷺ ابطح میں تھے کہ جبریل اپنی اصلی ملکی صورت میں ظاہر ہوئے۔ آپ کے چھ سو پر تھے اور آپ نے افق کو بھر دیا تھا۔ جبریل حضور ﷺ کے قریب آئے اور اللہ عزوجل کی وحی آپ کو پہنچائی۔ اس وقت آپ ﷺ کو اس فرشتے کی عظمت و جلالت کی قدر معلوم ہوئی جو آپ ﷺ کے پاس رسالت اور وحی لایا تھا۔ اور خالق کے نزدیک اس کے بلند رتبے کا علم ہوا۔ وہ حدیث جسے ابوبکر بزار رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: '' جب میں بیٹھا ہوا تھا کہ جبریل میرے پاس آئے اور میرے دونوں شانوں کے درمیان ایک مکا لگایا، میں اٹھ کر درخت کے پاس گیا۔ اس میں پرندے کے دو گھونسلے سے تھے۔ ایک میں خود بیٹھے اور دوسرے میں مجھے بٹھایا۔ وہ اوپر اٹھے اور بلند ہو گئے اور آسمان کے دونوں کنارے بھر دیئے۔ اور میں ادھر ادھر دیکھ رہا تھا اور اگر میں چاہتا تو آسمان کو چھو سکتا تھا پھر جبریل میری طرف متوجہ ہوئے گویا وہ ایک کمبل ہے جو (ہیبت الٰہی سے) زمین سے چمٹا ہوا ہے۔ چنانچہ مجھے جبریل کی علمی فضیلت کا پتہ چلا۔ آسمان کا ایک دروازہ میرے لئے کھول دیا گیا۔ میں نے نور اعظم کا دیدار کیا۔ اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ حجاب کے پیچھے یاقوت اور موتیوں کو حرکت کرتے دیکھا ہے اور میری طرف جو اللہ نے وحی کرنا چاہا وحی کی گئی''۔ بزار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس کے راوی حارث بن عبید ہیں جو بصرہ کے مشہور شخص ہیں(2)۔

(مؤلف کی رائے) میں کہتا ہوں حارث بن عبید کی کنیت ابوقدامہ ایادی ہے۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح میں ان سے روایتیں لی ہیں۔ مگر ابن معین رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں ضعیف قرار دیا ہے اور فرمایا ہے یہ کوئی چیز نہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ مضطرب الحدیث ہیں۔ ابوحاتم رازی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے ان کی حدیث لکھی جائے گی لیکن ان سے دلیل نہیں پکڑی جا سکتی۔ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ بڑے وہمی تھے جب یہ کوئی روایت اکیلے بیان کریں تو اس سے استدلال قائم کرنا درست نہیں۔ چنانچہ یہ حدیث ان کی غریب روایات سے ہے۔ یہ منکر بھی ہے، الفاظ بھی غریب ہیں اور سیاق کلام بھی عجیب ہے۔ شاید یہ خواب کا واقعہ ہے۔ واللہ اعلم

1۔ فراء، معانی القرآن، جلد 3 صفحہ 95، یہ شعر جریر کا ہے دیکھئے اسکا دیوان (298) النقائض، جلد 2 صفحہ 596 تفسیر طبری، جلد 27 صفحہ 43

2۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 47 نیز یہ حدیث سورۃ اسراء کے شروع میں گزر چکی ہے

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جبریل کو اصلی ملکی شکل میں دیکھا۔ ان کے چھ سو پر تھے۔ ہر پر نے افق کو بھر دیا تھا۔ ہر پر سے زمرد، موتی اور مروارید جھڑ رہے تھے جن کا صحیح علم اللہ کو ہی ہے۔ صرف امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ہی یہ روایت ذکر کی ہے(1)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جبریل کو اس کی اصلی صورت میں دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ حضرت جبریل نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے۔ آپ نے رب سے دعا کی تو مشرق کی طرف سے آپ کو ایک سیاہ چیز نظر آئی جو اوپر اٹھ رہی تھی اور پھیل رہی تھی۔ جب آپ ﷺ نے اسے دیکھا تو آپ پر غشی طاری ہوگئی۔ جبریل فوراً آئے۔ آپ ﷺ کو ہوش میں لائے اور آپ کی باچھوں سے لعاب کو دور کیا(2)۔ صرف امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ہی یہ روایت ذکر کی ہے۔

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے عتبہ بن ابی لہب کے حالات میں ہناد بن اسود سے روایت کیا ہے: ابولہب اور اس کا بیٹا شام کے سفر کی تیاری کرنے لگے۔ میں نے بھی ان کے ساتھ تیاری کی۔ ابولہب کا بیٹا عتبہ کہنے لگا اللہ کی قسم میں محمد کے پاس جاؤں گا اور آپ کے رب کے بارے میں آپ کو ذہنی اذیت پہنچاؤں گا۔ چنانچہ وہ نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے محمد! میں اس کا انکار کرتا ہوں جو قریب ہوا اور قریب ہوا، یہاں تک کہ صرف دو کمانوں کے برابر بلکہ اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے اللہ! اپنے کتوں میں سے کوئی کتا اس پر مسلط کر دے۔'' جب وہ لوٹ کر اپنے باپ کے پاس آیا تو اس نے پوچھا تو نے اسے کیا کہا؟ اس نے ساری بات سنائی۔ اس نے پوچھا: پھر اس (محمد) نے تمہیں کیا کہا؟ وہ کہنے لگا اس نے مجھے یوں بددعا دی ہے۔ یہ سن کر وہ کہنے لگا بیٹے اللہ کی قسم میں اس کی بددعا سے تیرے بارے میں اندیشہ میں مبتلا ہوں۔ چنانچہ یہ قافلہ چل پڑا۔ ہمارا پڑاؤ شام میں ''شراۃ'' کے مقام پر ایک راہب کے عبادت خانہ کے پاس ہوا۔ یہ شیروں کا جنگل تھا۔ وہ راہب کہنے لگا۔ اے گروہ عرب تم نے یہاں پڑاؤ کیوں کیا ہے یہاں تو شیر اس طرح چرتے ہیں جیسے بکریاں چرتی ہیں۔ ابولہب ہمیں کہنے لگا تمہیں میری عمر رسیدگی اور تم پر میرے حق کا علم ہے۔ اس شخص نے میرے بیٹے کے لئے بددعا کی تھی۔ اللہ کی قسم میں سخت خدشہ میں مبتلا ہوں۔ تم اپنا سارا سامان اسی معبد کے پاس جمع کر دو اور اس کے اوپر میرے بیٹے کا بستر بچھاؤ اور اس کے اردگرد اپنے بستر بچھاؤ۔ چنانچہ ہم نے ایسے ہی کیا۔ شیر آیا ہمارے منہ سونگھے۔ جب اسے اپنا مقصود نہ ملا تو اس نے پیچھے ہٹ کر زور سے جست لگائی اور (مچان) اسباب کے اوپر پہنچ گیا۔ اس کا منہ سونگھا۔ اس کو مارا اور اس کا سر پھوڑ دیا۔ ابولہب کہنے لگا۔ مجھے پتہ تھا کہ یہ محمد کی بددعا سے بچ نہیں سکے گا(3)۔

قولہ تعالیٰ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى جبریل جب زمین پر اترے تو آپ ﷺ کے قریب آئے۔ اتنا قریب کہ آپ کے اور جبریل کے مابین دو کمانوں کے برابر یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا یعنی اتنی مقدار جب انہیں کھینچا جائے۔ مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے یہی مروی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اتنا فاصلہ تھا جتنا کمان کے وتر اور درمیانی حصے کے مابین ہوتا ہے۔

اَوْ اَدْنٰى یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ عربی زبان میں یہ صیغہ مخبر عنہ (جس کی خبر دی جا رہی ہے) کے اثبات اور اس پر جو زیادتی ہو اس کے ختم کرنے کے لئے آتا ہے۔ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً (بقرہ: 47) ''پھر سخت ہو گئے تمہارے دل یہ منظر دیکھنے کے بعد بھی وہ تو پتھر کی طرح (سخت) ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت''۔ یعنی یہ پتھر سے بھی زیادہ نرم نہیں بلکہ اس کی طرح یا سختی میں اس سے بھی زیادہ ہیں۔ ایک اور آیت میں ہے: يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً وَ

1۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 395 2۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 322 3۔ ابونعیم: الدلائل: 455-454

قَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْ لَآ (النساء: 77) ”ڈرنے لگ گیا لوگوں سے جیسے ڈرا جاتا ہے خدا سے یا اس سے بھی زیادہ“۔ ایک اور آیت میں ہے: وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ (الصافات: 147) ”اور ہم نے بھیجا تھا انہیں ایک لاکھ یا اس سے زیادہ لوگوں کی طرف“۔ یعنی اس سے کم نہیں ہیں بلکہ وہ درحقیقت ایک لاکھ یا اس سے بھی زیادہ ہیں۔ یہ مُخْبَرٌ بہ کی تحقیق کے لئے ہے اس میں شک اور تردد کے لئے نہیں۔ کیونکہ یہاں یہ ممتنع ہے۔ اسی طرح یہ آیت بھی ہے: فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى۔

یہ جو ہم نے ذکر کیا ہے کہ از حد قریب ہونے والے (جن کے اور سرکار دو عالم ﷺ کے درمیان فاصلہ تقریباً کالمعدوم ہو گیا تھا) حضرت جبریل علیہ السلام تھے، یہ حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا، ابن مسعود، ابوذر اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم کا قول ہے۔ ان کی مرویات کو بھی ہم عنقریب آگے ذکر کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے آپ نے فرمایا: ”حضور نے اپنے دل سے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا“ (1)۔ ان میں سے ایک کا بیان اس آیت میں ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ والی حدیث معراج میں ہے: ”پھر جبار رب العزت قریب ہوا اور قریب آیا“ (2) اسی لئے بہت سے محدثین نے اس روایت کے متن میں کلام کیا ہے اور اس میں کئی غریب چیزیں ثابت کی ہیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو کسی دوسرے وقت اور دوسرے واقعہ پر محمول ہے۔ اس آیت کی تفسیر نہیں کہی جا سکتی۔ یہ واقعہ تو اس وقت کا ہے جب آپ ﷺ زمین پر تھے۔ یہ معراج والی رات کی بات نہیں۔ اسی لئے اس کے بعد فرمایا: وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۙ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى یہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھنا معراج کی رات ہے اور پہلا واقعہ زمین پر دیکھنے کا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى کی تفسیر میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میں نے جبریل کو دیکھا اس کے چھ سو پر تھے“ (3)۔ ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ ابتدائے بعثت میں آپ ﷺ نے خواب میں جبریل کو اجیاد پہاڑ کے مقام پر دیکھا۔ پھر آپ ﷺ کسی ضروری کام سے فارغ ہونے کے لئے نکلے تو جبریل نے پکارا اے محمد! اے محمد! حضور ﷺ نے دائیں بائیں دیکھا لیکن کوئی نظر نہ آیا۔ تین مرتبہ ایسا ہی ہوا۔ پھر آپ نے اپنی نگاہ اوپر اٹھائی تو کیا دیکھا کہ جبریل آسمان کے افق پر ایک ٹانگ کو دوسری کے ساتھ موڑے ہوئے ہیں۔ جبریل نے ندا دی اے محمد! میں جبریل ہوں۔ میں جبریل ہوں۔ وہ آپ کو تسلی دے رہے تھے۔ نبی کریم ﷺ تیزی سے بھاگ کر لوگوں میں چلے گئے۔ ادھر ادھر دیکھا کچھ نظر نہ آیا۔ جب باہر نکلے تو آسمان کی طرف نظر ڈالی پھر جبریل اسی طرح نظر آئے۔ آپ ﷺ دوبارہ لوگوں میں چلے گئے۔ کچھ نظر نہ آیا جب باہر نکلے تو پھر جبریل کو دیکھا۔ وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى سے ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى کا یہی مفہوم ہے۔ یعنی جبریل کا آپ کے قریب آنا۔

فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى قاب آدھی انگلی کو بھی کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں دو ہاتھ یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا تھا۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسی طرح روایت کیا ہے۔ اس کی ایک شاہد حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی ہے (4)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے جبریل کو دیکھا اس کے چھ سو پر تھے (5)۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے جبریل کو دیکھا ان پر خالص دو ریشمی حلے

1۔ مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 158
2۔ یہ حدیث سورۃ اسراء کی ابتداء میں دیکھئے نیز دیکھئے تفسیر طبری، جلد 27 صفحہ 45
3۔ تفسیر طبری، جلد 27 صفحہ 49-48
4۔ تفسیر طبری، جلد 27 صفحہ 49
5۔ فتح الباری تفسیر سورۃ نجم، جلد 8 صفحہ 610

تھے۔ اس نے آسمان اور زمین کے درمیان کو بھر دیا تھا(1)۔

فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى اوپر جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے اس کا معنی ہوگا جبریل نے اللہ کے بندے محمد کی طرف وحی کی یا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے محمد کی طرف جبریل کے واسطہ سے وحی کی۔ دونوں معنی صحیح ہیں۔

سعید بن جبیر نے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ اللہ نے آپ کی طرف یہ وحی کی: اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا (الضحیٰ:6)'' کیا اس نے نہیں پایا آپ کو یتیم''۔ اور وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (الشرح:4)'' اور ہم نے بلند کر دیا آپ کی خاطر آپ کے ذکر کو''۔ دیگر مفسرین کی رائے ہے کہ اللہ نے آپ کی طرف یہ وحی کی کہ جنت انبیاء پر حرام ہے یہاں تک کہ آپ اس میں داخل ہوں اور تمام امتوں پر حرام ہے یہاں تک کہ آپ کی امت اس میں داخل ہو۔

قولہ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى...... مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے دل سے دو دفعہ دیکھا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ نے آپ کی رائے سے اختلاف کیا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے رؤیت کو مطلق رکھا ہے۔ (یعنی خواہ دل سے دیکھنا ہو یا ظاہری آنکھ سے) یہ بھی ممکن ہے کہ اس مطلق کو بھی مقید پر محمول کریں یعنی آپ نے اپنے دل سے دیکھا۔ جن حضرات نے یہ کہا ہے کہ آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ انہوں نے بڑی عجیب بات کہی ہے۔ صحابہ سے اس بارے میں کوئی چیز صحت کے ساتھ مروی نہیں۔ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ، حسن اور عکرمہ رحمہما اللہ تعالیٰ کا یہی قول ہے(2) لیکن اس میں نظر ہے واللہ اعلم۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا۔ میں نے عرض کی کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ٘ وَهُوَ یُدْرِكُ الْاَبْصَارَ (الانعام:103) ''نہیں گھیر سکتیں اسے نظریں اور وہ گھیرے ہوئے ہے سب نظروں کو''۔ آپ نے یہ سن کر فرمایا:'' تیری ہلاکت ہو یہ اس وقت ہے کہ جب وہ اپنے نور کی پوری تجلی کرے اور آپ ﷺ نے تو اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا ہے۔'' ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن غریب قرار دیا ہے(3)۔ شعبی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ملاقات عرفہ کے مقام پر کعب سے ہوئی۔ آپ نے ان سے کسی چیز کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے زور سے اللہ اکبر کہا حتیٰ کہ اس کی صدائے بازگشت پہاڑوں میں بھی سنائی دی(4)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہم بنو ہاشم ہیں۔ کعب نے فرمایا: اللہ نے رؤیت اور کلام کو سیدنا محمد اور موسیٰ کے درمیان تقسیم فرما دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دو مرتبہ کلام فرمایا اور حضرت محمد ﷺ کو دو مرتبہ اپنا دیدار عطا فرمایا۔ حضرت مسروق رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس داخل ہوا اور پوچھا کیا حضور ﷺ نے اپنے رب کا دیدار کیا؟ تو آپ نے فرمایا: تو نے ایسی بات کہہ دی ہے جس سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے ہیں۔ میں نے کہا قرآن کریم میں آتا ہے: لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى (النجم:18)'' یقیناً انہوں نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں''۔ آپ نے فرمایا تم کدھر جا رہے ہو؟ یہ تو جبریل ہیں۔ جس کسی نے آپ کو یہ بتایا ہو کہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 49　　2۔ تفسیر بغوی، جلد 4 صفحہ 247

3۔ تحفۃ الاحوذی، جلد 9 صفحہ 169، عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۃ نجم، جلد 12 صفحہ 171-170

4۔ آپ نے باواز بلند تکبیر کہی گویا یہ سوال آپ کو ناگوار گزرا ہے شاید یہ سوال رویت باری تعالیٰ سے متعلق تھا۔ تحفۃ الاحوذی، جلد 9، صفحہ 166، ہم بنو ہاشم سے خاندان نبوت سے ہیں آپ ہماری بات کو ٹال نہیں سکتے۔

حضور ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے یا کوئی ایسی چیز چھپائی ہے جس کا آپ کو حکم دیا گیا تھا یا آپ کو ان پانچ باتوں کا علم تھا جن کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے: اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ (لقمان: 34)(1) ''بیشک اللہ کے پاس ہی ہے قیامت کا علم۔ اور وہی اتارتا ہے مینہ''۔ اس نے اللہ پر بہت بڑا بہتان باندھا۔ لیکن آپ نے تو جبریل کو اس کی ملکی شکل میں دو مرتبہ دیکھا تھا۔ ایک مرتبہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس اور ایک مرتبہ اجیاد میں اس کے چھ سو پر تھے۔ اس نے افق کو بھر دیا تھا(2)۔ نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت عکرمہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے آپ نے فرمایا: کیا تمہیں تعجب ہوتا ہے کہ خلت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے، کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے اور شرف دیدار حضور ﷺ کے لئے ہو(3)۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کیا آپ نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے تو آپ نے فرمایا: ''نورٌ أنّی أراہُ'' یعنی یہ نور ہے میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں۔ ایک روایت میں ہے: ''میں نے نور دیکھا''(4)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن کعب سے روایت کیا ہے۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا میں نے اسے دو مرتبہ اپنے دل سے دیکھا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بعض صحابہ کرام سے روایت کیا ہے ہم نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میں نے اسے اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا اور اپنے دل سے اسے دو مرتبہ دیکھا ہے۔'' پھر یہ آیت تلاوت فرمائی ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى (5)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے عباد بن منصور سے روایت کیا ہے میں نے عکرمہ سے مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى کی تفسیر پوچھی تو آپ نے فرمایا: کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں بتاؤں کہ آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے۔ میں نے عرض کی ہاں فرمایا: آپ نے اسے دیکھا ہے۔ فرمایا پھر میں نے اس کے بارے میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا: حضور ﷺ نے اپنے رب کی عظمت، جلال اور کبریائی کو دیکھا ہے۔ حضرت ابو العالیہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کیا آپ نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے ایک نہر دیکھی اور اس نہر کے پیچھے ایک پردہ دیکھا اور پردے کے پیچھے نور دیکھا۔ اس کے علاوہ میں نے کچھ نہیں دیکھا۔'' یہ حدیث بہت غریب ہے۔ وہ حدیث جیسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت قتادہ عن عکرمہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میں نے اپنے رب العزت کا دیدار کیا''(6)۔ اس حدیث کی سند صحیح کی شرط پر ہے۔ لیکن یہ حدیث حدیث رؤیا (خواب) کا ایک حصہ ہے۔ اسی طرح امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ہی بروایت ابی قلابۃ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں نے آج رات اپنے رب کو بڑی خوبصورت شکل میں دیکھا۔ میرا خیال ہے کہ خواب میں۔ میرے رب نے فرمایا اے محمد! تمہیں پتہ ہے کہ عالم بالا کے فرشتے کس بات میں بحث کر رہے ہیں؟ فرمایا: میں نے عرض کیا نہیں۔ تو

1۔ لقمان: 34 ''یہ امور خمسہ فی الحقیقت مفاتیح الغیب (غیب کی کنجیاں) ہیں ان کا حقیقی علم اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہے۔ انبیاء اور اولیاء کو علم غیب اللہ تعالیٰ کی تعلیم بطریق معجزہ و کرامت عطا ہوتا ہے۔ یہ اس اختصاص کے منافی نہیں اور کثیر آیتیں اور حدیثیں اس پر دلالت کرتی ہیں اس کا مطلب یہی ہے کہ بغیر اللہ تعالیٰ کے بتائے کوئی نہیں جانتا اس کے معنی یہ لینا کہ اللہ تعالیٰ کے بتانے سے بھی کوئی نہیں جانتا محض باطل اور آیات و احادیث کے خلاف ہے (مختصراً) (ضیاء القرآن)

2۔ تحفۃ الاحوذی، جلد 9 صفحہ 166، عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۃ نجم: 170-168 نوٹ: اجیاد: یہ مکہ میں ایک پہاڑ ہے

3۔ نسائی: سنن کبریٰ، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 5 صفحہ 165

4۔ مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 161، یہ حدیث سورۃ اسراء کی ابتداء میں گزر چکی ہے۔

5۔ تفسیر طبری، جلد 7، صفحہ 47-46

6۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 285

میرے رب نے اپنا دست قدرت میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھا حتیٰ کہ اس کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں...... اور ایک روایت میں ہے حلق میں...... محسوس کی اور آسمانوں اور زمین کے مابین جو کچھ ہے اسے جان لیا(1)۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد کیا تمہیں پتہ ہے عالم بالا کے فرشتے کس بات میں جھگڑ رہے ہیں میں نے عرض کی: وہ کفاروں اور درجات کے بارے میں جھگڑ رہے ہیں۔ پھر فرمایا: کفارے کیا ہیں؟ میں نے عرض کی نماز کے بعد مساجد میں ٹھہرے رہنا اور پیدل جماعت کے لئے جانا۔ جب وضو ناگوار گزرتا ہو اس وقت بھی وضو مکمل اطمینان سے کرنا(2) جو ایسا کرے گا بھلائی کے ساتھ زندگی گزارے گا اور بھلائی پر ہی اس کا انتقال ہوگا اور گناہوں سے اس طرح پاک ہو جائے گا گویا اس کی ماں نے آج ہی اسے جنا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد! جب نماز پڑھو تو یہ کہو۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَتَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاكِيْنِ، وَاِذَا أَرَدْتَ بِعِبَادِكَ فِتْنَةً أَنْ تَقْبِضَنِيْ إِلَيْكَ غَيْرَ مَفْتُوْنٍ اور فرمایا: ''درجات بڑھانے والی یہ چیزیں ہیں کھانا کھلانا، سلام پھیلانا، جب لوگ سو رہے ہوں تو رات کو نماز ادا کرنا''(3)۔ یہ حدیث سورۂ ''ص'' کے آخر میں گزر چکی ہے(4)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بالفاظ دیگر اور زیادتی کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میں نے اپنے رب کو خوبصورت ترین شکل میں دیکھا۔'' اس نے مجھے فرمایا: اے محمد! کیا تمہیں پتہ ہے کہ ملاء اعلیٰ کے فرشتے کس بات میں جھگڑ رہے ہیں؟ میں نے عرض کی نہیں میرے رب۔ تو اس نے اپنا دست قدرت میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھا تو آسمانوں اور زمین کے مابین جو کچھ تھا میں نے اسے جان لیا۔ پھر فرمایا اے محمد تمہیں پتہ ہے عالم بالا کے مکین فرشتے کس بات کے بارے میں بحث وتمحیص کر رہے ہیں؟ تو میں نے عرض کی ہاں وہ کفاروں، درجات، جمعہ کی نماز کے لئے پیدل جانے اور نماز کے بعد اگلی نماز کا انتظار کرنے کے بارے میں بات چیت کر رہے ہیں۔ میں نے عرض کی اے رب تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا کلیم بنایا اور یہ یہ کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے تیرا سینہ کھول نہیں دیا؟ کیا میں نے تیرا بوجھ نہیں ہٹایا اور اس کے علاوہ فلاں فلاں کرم نوازیاں آپ پر نہیں کی ہیں؟ فرمایا: چنانچہ ایسی چیزیں بھی بتلائیں جن کے اظہار کی مجھے اجازت نہیں ہے۔ اسی کا بیان ان آیات میں ہے: ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى...... اس نے میری بصارت کا نور میرے دل میں رکھا تو میں نے اپنے دل سے اس کا دیدار کیا۔ اس کی سند ضعیف ہے(5)۔

حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت ہبار بن اسود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ عتبہ بن لہب جب تجارت کے لئے شام روانہ ہونے لگا تو اس نے اہل مکہ سے کہا۔ جان لو میں دَنَا فَتَدَلّٰى کے مالک کا منکر ہوں۔ اس کی بات حضور ﷺ تک پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''عنقریب اللہ تعالیٰ اپنے کتوں میں سے ایک کتا اس پر بھیجے گا۔'' حضرت ہبار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ان کے ساتھ تھا۔ ہم ایسی زمین میں فروکش ہوئے جہاں بہت شیر تھے۔ میں نے دیکھا کہ ایک شیر آیا اور ایک ایک کر کے ہمارے سروں کو سونگھنے

1۔ علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تمام کائنات جو آسمانوں میں تھی بلکہ ان کے اوپر بھی جو کچھ تھا اور جو کائنات سات زمینوں میں تھی بلکہ ان کے نیچے بھی جو کچھ تھا وہ میں نے جان لیا۔ (مرقاۃ شرح مشکوۃ، جلد 1 صفحہ 463) حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی مشکوۃ کی شرح اشعۃ اللمعات میں تحریر فرماتے ہیں اس ارشاد نبوی کا مقصد یہ ہے کہ تمام علوم جزدی اور کلی مجھے حاصل ہو گئے اور ان کا میں نے احاطہ کر لیا (بحوالہ ضیاء القرآن، جلد 3 صفحہ 458 وما بعد)

2۔ مثلاً سردی سخت ہو یا بوجہ بیماری پانی کا استعمال تکلیف دہ ہو وغیرہ　　3۔ مسند امام احمد، جلد 1 صفحہ 368

4۔ دیکھئے تفسیر سورۂ ص آیت: 69- نوٹ: اس حدیث کو امام احمد اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے کہا ہے یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کے متعلق امام بخاری سے دریافت کیا انہوں نے فرمایا یہ حدیث صحیح ہے (مشکوۃ، کتاب الصلوۃ، المرقاۃ- شرح مشکاۃ، جلد 1 صفحہ 463)

5۔ تفسیر طبری، جلد 27 صفحہ 48

لگا۔حتیٰ کہ عتبہ کے قریب آیا اور اس کا سر علیحدہ کر دیا۔ابن اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے سیرت میں لکھا ہے کہ یہ سرزمین ''زرقاء'' تھی۔ایک قول ہے کہ یہ ارض ''سراۃ'' تھی اور وہ اس رات خوفزدہ تھا۔انہوں نے اسے درمیان میں رکھا اور خود اس کے اردگرد سو گئے۔ایک شیر آیا اور دھاڑنے لگا پھر اس کی طرف لپکا اور اس کا سر چبا ڈالا۔لعنه الله (اس پر اللہ کی لعنت ہو)(1)۔

قولہ تعالیٰ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى...... حضور ﷺ کا جبریل کو ملکی شکل میں دوسری مرتبہ دیکھنے کا بیان ہو رہا ہے۔یہ معراج کی رات تھی۔سورۂ سبحان کی ابتداء میں معراج کی تمام احادیث مختلف سندوں اور الفاظ کے ساتھ گزر چکی ہیں۔ان کو دوبارہ یہاں ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔اس بات کا بیان بھی ہو چکا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما شب معراج حضور ﷺ کے لئے دیدار الٰہی ثابت کرتے تھے اور اس آیت سے استدلال کرتے تھے۔سلف وخلف کی ایک جماعت کی بھی یہی رائے تھی۔جبکہ کثیر صحابہ اور تابعین کی رائے اس کے برعکس تھی۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میں نے جبریل کو دیکھا اس کے چھ سو پر تھے۔ہر پر سے رنگ برنگے موتی اور یاقوت جھڑ رہے تھے''(2)۔اس کی سند قوی اور عمدہ ہے۔امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ہی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے جبریل کو ملکی شکل میں دیکھا اس کے چھ سو پر تھے ہر پر نے افق کو ڈھانپ دیا تھا۔اور پروں سے رنگ برنگے موتی اور یاقوت جھڑ رہے تھے۔جن کا علم اللہ کو ہی ہے۔اس کی سند بھی حسن ہے(3)۔امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ہی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں نے جبریل کو سدرۃ المنتہیٰ پر دیکھا ان کے چھ سو پر تھے۔فرماتے ہیں میں نے راوی حدیث عاصم سے جبریل کے پروں کے بارے میں پوچھا تو آپ نے مجھے بتانے سے انکار کر دیا۔لیکن آپ کے ساتھیوں میں سے کسی نے مجھے بتایا کہ ایک پر مشرق سے مغرب تک ہے(4)۔اس کی سند بھی عمدہ ہے۔امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جبریل میرے پاس سبز لباس میں آئے آپ کے ساتھ موتی تھے''(5)۔اس کی اسناد بھی بہتر ہے۔امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ہی لکھا ہے کہ حضرت مسروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے یہی سوال پوچھا: اے ام المؤمنین کیا حضور ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا؟ تو آپ فرمانے لگیں: سبحان اللہ تو نے ایسی بات کہی ہے جسے سن کر میرے تو رونگٹے کھڑے ہو گئے ہیں۔تین چیزیں ایسی ہیں جو تمہیں ان کے بارے میں بتائے اس نے جھوٹ بولا اور جس نے تمہیں یہ بتایا کہ حضور ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے اس نے بھی جھوٹ بولا۔پھر آپ رضی اللہ عنہا نے یہ آیت پڑھی: لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۡ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ (الانعام:103) ''نہیں گھیر سکتیں اسے نظریں اور وہ گھیرے ہوئے ہے سب نظروں کو''۔اور فرمایا: وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ (الشوریٰ:51) ''اور کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ کلام کرے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ (براہ راست) مگر وحی کے طور پر یا پس پردہ''۔اور جو تمہیں یہ بتائے کہ حضور ﷺ کل کی بات (غیب) جانتے تھے اس نے بھی جھوٹ بولا۔پھر آپ رضی اللہ عنہا نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ (لقمان:34) ''بیشک اللہ کے پاس ہی ہے

1۔دلائل النبوۃ للبیہقی، جلد 2 صفحہ 339-338　2۔مسند امام احمد، جلد 1 صفحہ 460　3۔مسند امام احمد، جلد 1 صفحہ 395-394-418

4۔مسند امام احمد، جلد 1 صفحہ 407　5۔مسند امام احمد، جلد 1 صفحہ 407

قیامت کا علم ۔ اور وہی اتارتا ہے مینہ۔ اور جانتا ہے جو کچھ (ماؤں کے) رحم میں ہے''۔ اور جو شخص تمہیں یہ بتائے کہ حضور ﷺ نے دعوت حق میں سے کوئی چیز پوشیدہ رکھی اس نے بھی جھوٹ بولا۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ (مائدہ:67) اے رسول ﷺ! پہنچا دیجئے جو اتارا گیا ہے آپ کی طرف آپ کے پروردگار کی جانب سے''۔ لیکن آپ نے تو جبریل کو اصلی شکل میں دو مرتبہ دیکھا(1)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ہی ایک دوسری سند سے حضرت مسروق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کی کیا اللہ تعالیٰ نے قرآن میں نہیں فرمایا: وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ (التکویر:23)'' اور بلاشبہ اس نے اس قاصد کو دیکھا ہے روشن کنارے پر''۔ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى (نجم:13)'' اور انہوں نے تو اسے دوبارہ بھی دیکھا''۔ یہ سن کر آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اس امت میں سے سب سے پہلے میں نے حضور ﷺ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تھا تو حضور ﷺ نے فرمایا:'' وہ جبریل ہے''۔ آپ ﷺ نے اسے اصلی شکل میں دو مرتبہ دیکھا۔ ایک مرتبہ آسمان سے زمین پر اترتے ہوئے۔ اس نے آسمان اور زمین کے درمیان خلاء کو پر کر دیا تھا(2)۔ صحیحین میں بھی یہی روایت شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے(3)۔

روایت حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ:۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے عبد اللہ بن شقیق سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا: اگر میں حضور ﷺ کو دیکھتا تو آپ سے ایک سوال ضرور پوچھتا۔ آپ نے فرمایا: تم آپ ﷺ سے کیا پوچھتے؟ فرمایا: میں آپ ﷺ سے پوچھتا کیا آپ نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے؟ تو ابوذر نے فرمایا میں نے یہی بات آپ ﷺ سے پوچھی تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا:'' میں نے اسے نور دیکھا ہے میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں؟'' (قَدْ رَأَيْتُهُ نُوْرًا أَنّٰى أَرَاهُ؟) امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں اسی طرح ہے(4)۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے دو سندوں اور دو الفاظ سے روایت کیا ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:'' نُوْرٌ أَنّٰى أَرَاهُ؟'' (وہ نور ہے میں اسے کیونکر دیکھ سکتا ہوں)(5)۔ دوسری سند کی راوی بھی حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ہیں۔ عبد اللہ بن شقیق فرماتے ہیں میں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے عرض کی اگر میں سرکار سے ملتا تو آپ سے ایک بات پوچھتا حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم کیا پوچھنا چاہتے تھے؟ فرمایا: میں یہ پوچھتا کیا آپ نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے؟ تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے یہ سوال پوچھا تو آپ نے فرمایا: میں نے نور دیکھا(6)۔

خلال نے اپنی علل میں لکھا ہے کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے اس حدیث کی بابت پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: میں ابھی تک اس کا منکر ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ اس کی توجیہ کیا ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے دل سے اپنے رب کا دیدار کیا نہ کہ ظاہری آنکھ سے۔ ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ نے عبد اللہ بن شقیق اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے مابین انقطاع ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ شاید حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا یہ سوال واقعہ معراج سے پہلے کا ہو اور حضور ﷺ نے یہ جواب دیا ہو۔ اگر یہی سوال معراج کے بعد کیا جاتا تو ضرور آپ اس کے جواب میں ہاں

1۔ مسند امام احمد، جلد 6، صفحہ 50-49 2۔ مسند امام احمد، جلد 6، صفحہ 241

3۔ فتح الباری: تفسیر سورۃ نجم، جلد 8 صفحہ 206، مسلم کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 159 4۔ مسند امام احمد، جلد 5 صفحہ 147، مسلم کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 159

5۔ مسند امام احمد، جلد 5 صفحہ 147، مسلم کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 159 نوٹ: اس لفظ کو اس طرح بھی پڑھا گیا ہے'' نُوْرَانِیٌّ اَرَاهُ'' یعنی وہ سراپا نور ہے میں نے اسے دیکھا ہے۔ 6۔ طبری، جلد 27، صفحہ 56

فرماتے۔ لیکن یہ بات بہت ضعیف ہے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا سوال تو معراج کے بعد تھا لیکن آپ بھی رؤیت کی قائل نہ تھیں۔ جن حضرات کا یہ کہنا ہے کہ حضور ﷺ نے ان سے خطاب ان کی عقل کے مطابق فرمایا یا یہ کہ ان کی رائے خطا پر مبنی ہے، جس طرح کہ ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب التوحید میں نقل کیا ہے، فی الحقیقت وہ غلطی پر ہیں۔ واللہ اعلم۔ نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دل سے اپنے رب کو دیکھا اور سر کی آنکھوں سے نہیں دیکھا(1)۔ صحیح مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے جبریل کو دیکھا(2)۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے جبریل کو دو مرتبہ دیکھا(3)۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اور ربیع بن انس وغیرہ کی یہی رائے ہے۔

قولہ تعالیٰ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى معراج والی احادیث میں یہ گزر چکا ہے کہ فرشتوں نے کووں کی طرح آپ ﷺ کو گھیر لیا تھا۔ انوار و تجلیات کے ہجوم نے آپ ﷺ کو ڈھانپ لیا تھا اور طرح طرح کے رنگوں کی کثرت تھی معلوم نہیں یہ کیا تھے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ شب معراج حضور ﷺ کو سدرۃ المنتہٰی پر لے جایا گیا۔ یہ ساتویں آسمان پر ہے۔ زمین سے اوپر جانے والی چیزیں یہاں جا کر رک جاتی ہیں۔ پھر یہاں سے اٹھالی جاتی ہیں اور اوپر سے آنے والی چیز بھی یہاں آ کر رک جاتی ہے اور یہاں سے وصول کر لی جاتی ہے۔ فرمایا: یہ سونے کے پتنگے ہیں۔ اس موقع پر آپ ﷺ کو تین چیزیں عطا فرمائی گئیں: (۱) پانچ نمازیں۔ (۲) سورۂ بقرہ کی آخری آیات۔ (۳) آپ کی امت میں سے جو مشرک نہ ہو اس کے گناہوں کی بخشش۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ اس روایت میں منفرد ہیں(4)۔ ابو جعفر رازی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یا کسی اور صحابی سے روایت کیا ہے کہ شب معراج حضور ﷺ جب سدرۃ المنتہٰی پر پہنچے تو آپ ﷺ کو بتایا گیا یہ سدرۃ المنتہٰی ہے خلاق عالم کا نور اس پر چھا رہا تھا اور ملائکہ کووں کی طرح اس درخت پر گر رہے تھے آپ ﷺ سے کہا گیا: ”جو مانگنا ہے مانگئے“(5)۔ ابن ابی نجیح نے مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ سدرہ کی شاخیں مروارید، یاقوت اور زمرد کی تھیں۔ سرکار ﷺ نے انہیں دیکھا اور اپنے رب کا دیدار دل سے کیا۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے سدرہ پر کیا چیز چھاتے ہوئے دیکھی؟ فرمایا: ”میں نے دیکھا اس پر سونے کے پتنگے چھا رہے تھے۔ اس کے ہر پتے پر ایک فرشتہ کھڑے ہو کر اللہ کی تسبیح بیان کر رہا تھا“۔

قولہ مَا زَاغَ الْبَصَرُ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ دائیں بائیں نہیں بھٹکی۔

وَمَا طَغٰى اسے جو حکم دیا گیا تھا اس سے تجاوز نہ کیا۔ ثابت قدمی اور اطاعت کی یہ عظیم دلیل ہے۔ وہی کام کیا جس کا حکم دیا گیا تھا۔ جو کچھ عطا کیا گیا اس سے زیادہ کا سوال نہ کیا۔

ایک ناظم نے کیا خوب کہا ہے:

رَأَى جَنَّةَ الْمَأْوَى وَمَا فَوْقَهَا وَلَوْ رَأَى غَيْرُهُ مَا قَدْ رَآهُ لَتَاهَا

قولہ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى جیسے ایک اور آیت میں ہے: لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا (اسراء: 1) ”ہم نے دکھائیں اپنے بندے کو اپنی

1۔ نسائی، بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 9، صفحہ 191 2۔ مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 158 3۔ طبری، جلد 27، صفحہ 51

4۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 432، مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 157، یہ حدیث سورۂ بقرۃ آیت: 285 اور سورہ اسراء کی ابتداء میں گزر چکی ہے۔

5۔ طبری، جلد 27، صفحہ 56

قدرت کی نشانیاں'' ۔ یعنی ہماری قدرت اور عظمت کی نشانیاں۔ اہل سنت کے ایک گروہ نے ان دو آیات سے یہ ثابت کیا ہے کہ معراج کی شب حضور ﷺ نے اپنے سر کی آنکھوں سے اپنے رب کا دیدار نہیں کیا۔ کیونکہ ارشاد ہوتا ہے آپ ﷺ نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔ اگر آپ ﷺ نے دیدار الٰہی کیا ہوتا تو اس کا ذکر بھی کیا جاتا اور لوگوں پر ظاہر کیا جاتا۔ اس کی وضاحت سورۂ سبحان میں ہو چکی ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے جبریل کو اپنی اصلی شکل میں دو مرتبہ دیکھا۔ ایک دفعہ جب آپ ﷺ نے خواہش فرمائی تو جبریل نے اپنی ملکی شکل آپ کو دکھائی۔ اس نے افق کو بند کر دیا تھا۔ دوسری دفعہ شب معراج آسمان کی طرف چڑھتے وقت۔

وقولہ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ..... عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى جب جبریل نے اپنے رب کو محسوس کیا تو اپنی اصلی صورت میں لوٹ گئے اور سجدہ کیا۔

وقولہ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ..... رَبِّهِ الْكُبْرٰى فرمایا جبریل کی تخلیق اسی طرح ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح روایت کیا ہے اور یہ روایت غریب ہے (1)۔

اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ﴿١٩﴾ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ﴿٢٠﴾ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ﴿٢١﴾ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ﴿٢٢﴾ اِنْ هِىَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ﴿٢٣﴾ اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى ﴿٢٤﴾ فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى ﴿٢٥﴾ وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِى السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِىْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ﴿٢٦﴾

'' (اے کفار!) کبھی تم نے غور کیا لات و عزیٰ کے بارے میں۔ اور منات کے بارے میں جو تیسری ہے۔ کیا تمہارے لئے تو بیٹے ہیں اور اللہ کے لئے نری بیٹیاں۔ یہ تقسیم تو بڑی ظالمانہ ہے۔ نہیں ہیں یہ مگر محض نام جو رکھ لئے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادا نے نہیں نازل کی اللہ نے ان کے بارے میں کوئی سند۔ نہیں پیروی کر رہے یہ لوگ مگر گمان کی اور جسے ان کے نفس چاہتے ہیں۔ حالانکہ آ گئی ہے ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت۔ کیا انسان کو ہر وہ چیز مل جاتی ہے جس کی وہ تمنا کرتا ہے۔ پس اللہ کے دست قدرت میں ہے آخرت اور دنیا۔ اور کتنے فرشتے ہیں آسمانوں میں جن کی شفاعت کسی کام نہیں آ سکتی مگر اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ اذن دے جس کے لئے چاہے اور پسند فرمائے''۔

بتوں اور اَنداد کی عبادت کرنے اور کعبہ جسے خلیل اللہ علیہ السلام نے بنایا تھا کے مقابلے میں گھر بنانے کی وجہ سے مشرکین کی زجر و توبیخ کی جا رہی ہے۔

اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ لات یہ سفید منقش پتھر تھا۔ اس کا استھان طائف میں تھا۔ اس پر پردے پڑے ہوئے تھے اور مجاور مقرر تھے۔ اس کے ارد گرد کی جگہ اہل طائف کے نزدیک بڑی مقدس تھی۔ اہل طائف بنو ثقیف اور ان کے ہمنوا تھے۔ وہ قریش کے بعد تمام قبائل عرب میں اپنے آپ پر فخر کرتے تھے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ انہوں نے اس کا نام اسم الٰہی سے مشتق کیا اور لات کا نام دیا۔ وہ اسے خدا

1۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 407

کی مؤنث سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ان کے قول سے پاک ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور ربیع بن انس رحمہما اللہ تعالیٰ کے بارے میں بیان کیا گیا کہ انہوں نے لات کو تاء مشدد کر کے پڑھا ہے اور اس کی وضاحت یہ بیان کی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ایک شخص حجاج کے لئے ستو تیار کیا کرتا تھا۔ جب وہ مر گیا تو لوگوں نے اس کی قبر پر مجاورت شروع کر دی اور اس کو پوجنے لگے (1)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت ابن جوزاء رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ لات حاجیوں کے ستو میں گڑ وغیرہ ڈال کر لتھیڑا کرتا تھا (2)۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اسی طرح عزی یہ لفظ عزیز سے مشتق ہے (3)۔ یہ ایک درخت تھا جس پر عمارت بنائی گئی اور پردے ڈال دیئے گئے تھے۔ یہ مکہ اور طائف کے درمیان تھا۔ قریش اس کی تعظیم کرتے تھے جس طرح ابوسفیان نے غزوۂ احد کے دن کہا تھا: ہمارے پاس عزی دیوی ہے اور تمہارے پاس کوئی عزی نہیں۔ تو اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: "کہو اللہ ہمارا مولیٰ ہے اور تمہارا کوئی مولیٰ نہیں" (4)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو لات اور عزی کی قسم کھا بیٹھے اسے چاہئے کہ فوراً لا الہ إلا اللہ کہے۔ اور جو اپنے ساتھی سے کہے آؤ جوا کھیلیں اسے صدقہ کرنا چاہئے (5)۔ اسے اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ جس کی زبان پر اچانک یہ الفاظ جاری ہو جائیں جس طرح زمانہ جاہلیت میں ان کی عادت تھی (یعنی وہ ان کلمات کے ساتھ قسم کھایا کرتے تھے)۔ نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک دفعہ میں نے لات و عزی کی قسم کھالی۔ میرے ساتھیوں نے مجھے کہا تم نے کتنی بری بات کہی میں نے کہا میں ان الفاظ سے براءت کا اظہار کرتا ہوں۔ چنانچہ میں حضور ﷺ کے پاس آیا اور یہ بات ذکر کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: یوں کہو "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ" اور تین مرتبہ بائیں طرف تھوک دو اور تین مرتبہ تعوذ پڑھو اور آئندہ ایسا نہ کرنا (6)۔

منات: یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان قدید کے پاس مشلل کے مقام پر تھا۔ بنوخزاعہ اور اوس وخزرج اس کی تعظیم کرتے اور یہاں سے کعبہ کے لئے حج کا احرام باندھتے تھے۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اسی طرح روایت کیا ہے (7)۔

ان تین بتوں کے علاوہ جزیرہ عرب وغیرہ میں اور بت بھی تھے اہل عرب جن کی اسی طرح تعظیم کرتے جیسے کعبہ کی تعظیم کرتے تھے۔ لیکن ان تینوں کی شہرت چونکہ بہت زیادہ تھی اس لئے یہاں صرف ان تین کا ہی بالخصوص ذکر فرمایا۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے سیرۃ میں لکھا ہے کہ عربوں نے کعبہ کے ساتھ بھی کچھ طاغوت رکھے ہوئے تھے یہ وہ استھان تھے جن کی وہ کعبہ کی طرح تعظیم وتوقیر کیا کرتے تھے۔ ان کے مجاور اور دربان تھے اور کعبہ کی طرح یہاں بھی جانور لا کر ذبح کئے جاتے تھے۔ بیت اللہ کی طرح ان کا طواف بھی کیا جاتا اور نذرانے چڑھائے جاتے تھے۔ ان کا درجہ بھی کعبہ کے برابر تھا۔ وہ جانتے تھے کہ کعبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا گھر اور مسجد تھی۔ یہ قریش کیلئے تھا۔ بنوکنانہ عزی کے پجاری تھے یہ نخلہ میں تھا اس کے نگہبان اور متولی بنوشیبان تھے یہ قبیلہ سلیم کی شاخ تھا اور بنوہاشم کے حلیف تھے (8)۔

(مؤلف کی رائے): میں کہتا ہوں حضور ﷺ نے اس کی طرف خالد بن ولید کو بھیجا آپ نے اسے منہدم کر دیا اور یہ شعر کہا:

1۔ تفسیر طبری، جلد 27 صفحہ 59-58
2۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ نجم، جلد 8 صفحہ 611
3۔ ایضاً طبری، جلد 27 صفحہ 59-58
4۔ یہ حدیث سورۂ محمد کی آیت: 11 کی تفسیر میں گزر چکی ہے
5۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ نجم، جلد 8 صفحہ 611
6۔ نسائی، کتاب الایمان، جلد 7، صفحہ 8
7۔ فتح الباری تفسیر سورۂ نجم، جلد 8 صفحہ 613
8۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 84-83، جلد 2 صفحہ 436

يَا عَزّ، كُفْرَانَكَ لَا سُبْحَانَكَ إِنِّي رَأَيْتُ اللّٰهَ قَدْ أَهَانَكَ (1)

نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ابوطفیل سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے جب مکہ فتح فرمایا تو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو نخلہ کی طرف بھیجا۔ یہ عزیٰ کا مقام تھا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ اس کی طرف آئے یہ کیکر کے تین درختوں پر تھا۔ آپ نے درخت کاٹ ڈالے اور اس گھر کو گرا دیا جو ان پر تھا۔ پھر نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور آپ کو اطلاع دی۔ تو آپ نے فرمایا: تم نے کچھ نہیں کیا واپس جاؤ۔ چنانچہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ واپس آئے جب اس کے دربانوں نے آپ کو دیکھا تو وہ حیلہ سازیاں کرنے لگے اور یہ نعرے لگا رہے تھے اے عزیٰ، اے عزیٰ! جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ اس کے پاس آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک برہنہ عورت بال پھیلائے کھڑی ہے اور اپنے سر پر مٹی ڈال رہی ہے۔ آپ نے تلوار کے ایک ہی وار سے اس کا کام تمام کر دیا اور واپس آ کر آپ ﷺ کو خبر دی تو آپ نے فرمایا: ''عزیٰ یہی تھا''(2)۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ لات ثقیف کی دیوی تھی۔ یہ طائف کے مقام پر تھی۔ اس کے نگہبان بنو معتب تھے(3)۔

(مؤلف کی رائے): میں کہتا ہوں حضور ﷺ نے مغیرہ بن شعبہ اور ابوسفیان صخر بن حرب کو اس کی طرف بھیجا انہوں نے اسے گرا کر اس کی جگہ مسجد طائف تعمیر کر دی۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ مناۃ اوس وخزرج اور ان کے ہم خیال لوگوں کا بت تھا۔ یہ ساحل سمندر پر مشلل کی طرف قدید کے مقام پر تھا۔ حضور ﷺ نے ابوسفیان صخر بن حرب کو اس کی طرف بھیجا جنوں نے اسے گرا دیا۔ ایک قول ہے کہ آپ نے حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو بھیجا(4)۔ اور ذُو الْخَلَصَة نامی بت خانہ دوس، خَثْعَم، بَجِيْلَة اور ان کے علاقے کے عربوں کا تھا۔ یہ تَبَالَة(5) کے مقام پر تھا۔

(مؤلف کی رائے): میں کہتا ہوں اسے کعبہ یمانیہ کہتے تھے اور جو کعبہ مکہ میں تھا اسے کعبہ شامیہ کہتے تھے۔

حضور ﷺ نے حضرت جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ آپ نے اسے گرا دیا(6)۔ فلس نامی بت یہ بنو طے اور آس پاس کے عربوں کا تھا۔ یہ جبلِ طے میں سلمی اور اَجا کے درمیان تھا(7)۔

ابن ہشام رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے! بعض اہل علم نے مجھے بتایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو اس کی طرف بھیجا۔ آپ نے اسے توڑ دیا۔ اور یہاں سے دو تلواریں لے گئے یہ رسوب اور مخزم تھیں۔ حضور ﷺ نے یہ دونوں تلواریں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہی بخش دیں۔ چنانچہ آپ کے پاس یہی تلواریں تھیں۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اہل یمن اور حمیر نے صنعاء میں رِیَام(8) نامی بت خانہ بنا رکھا تھا۔ مذکور ہے کہ اس میں ایک سیاہ کتا تھا۔ وہ دو یہودی عالم جو تبع کے ساتھ گئے تھے انہوں نے اسے نکال کر مار ڈالا اور اس بت خانے کو برباد کر دیا(9)۔

ابن اسحاق کا قول ہے کہ ''رُضَاء'' نامی بت کدہ بنو ربیعہ بن کعب بن سعد بن زید مناۃ بن تمیم کا تھا۔ مستوغر بن ربیعہ بن کعب بن سعد نے زمانہ اسلام میں اسے ڈھا دیا اور اس بارے میں یہ شعر کہے تھے:

وَلَقَدْ شَدَدْتُ عَلَى رُضَاءٍ شَدَّةً فَتَرَكْتُهَا قَفْرًا بِقَاعٍ أَسْحَمَا

1۔ الاصنام للکلبی: 26
2۔ نسائی بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 4، صفحہ 235
3۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 85، کلبی: الاصنام: 16
4۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 85، الاصنام: 16
5۔ تبالہ مکہ اور یمن کے درمیان ایک مقام
6۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 86
7۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 87
8۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 87
9۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 38-27

ابن ہشام رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہا جاتا ہے کہ ان کی عمر تین سو تیس سال تھی چنانچہ وہ کہتے ہیں:

وَلَقَدْ سَئِمْتُ مِنَ الحَيَاةِ وطُولِهَا وَعُمِّرْتُ من عَدَدِ السِّنِينَ مِئِينَا

مائةً حَدَتْهَا بَعْدَهَا مِئتَانِ لِي وازددْتُ مِن عدد الشهور سنينا

هَلْ مَا بقِي إلَّا كَمَا قَدْ فَاتَنَا يَوْمٌ يَمُرُّ وَلَيْلَةٌ تَحْدُونَا

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ذو الکَعَبَات نامی بت خانہ بکر و تغلب (بنو وائل) اور ایاد کا تھا۔ یہ سنداد(1) کے مقام پر تھا اعشی بنی قیس بن ثعلبہ اسی کے بارے کہتا ہے:

بَيْنَ الخَوَرْنَقِ وَالسَّدِيْرِ وَبَارِقٍ والبيتِ ذِى الكَعَبَاتِ مِنْ سَنْدَادِ(2)

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ۙ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى(3)۔

ثم قال تعالیٰ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى کیا تم اس کے لئے اولاد تسلیم کرتے ہو اور وہ بھی لڑکیاں اور اپنے لئے لڑکے پسند کرتے ہو؟ اگر تم یا تمہارے جیسی کوئی مخلوق تقسیم کرے تو یہ تقسیم (قسمة ضيزى) ظالمانہ ہوگی۔ یعنی ظالمانہ اور باطل۔ تم اپنے رب کے ساتھ یہ تقسیم کس طرح کرتے ہو جو دو مخلوقوں کے درمیان ہو تو ظالمانہ اور احمقانہ ہوگی۔ پھر ان کے کذب و افتراء اور بتوں کی عبادت کے ساتھ کفر کرنے اور انہیں خدا قرار دینے کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: اِنْ هِيَ اِلَّاۤ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ تمہاری طرف سے۔

مِنْ سُلْطٰنٍ: حجت اور دلیل۔

اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ اس کی کوئی دلیل نہیں ماسوا اپنے آباء کے ساتھ حسن ظن کے، جو ان سے قبل اس باطل مسلک پر عمل پیرا رہے اور ماسوائے خواہش نفس کے۔

وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف رسول مبعوث فرمائے روشن حق اور قطعی حجت کے ساتھ۔ اس کے باوجود انہوں نے ان کی بات نہ مانی اور ان کی پیروی نہ کی۔

ثم قال تعالیٰ اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى یہ لازمی نہیں کہ ہر شخص جو خیر کی تمنا کرے اس کی یہ آرزو پوری ہو جائے۔ لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَاۤ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ (النساء: 123)۔ ہر وہ شخص جو یہ گمان کرے کہ وہ ہدایت یافتہ ہے ضروری نہیں وہ حق پر ہی ہو اور نہ ہی یہ کہا جا سکتا ہے کہ جو چیز پسند ہو وہ مل بھی جائے گی۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی آرزو کرے تو اسے چاہئے کہ سوچ لے وہ کیا تمنا کر رہا ہے وہ نہیں جانتا کہ اس تمنا پر اس کے لئے کیا لکھا جائے گا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اس روایت میں منفرد ہیں(4)۔

قولہ فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى حکم کلی طور پر اللہ تعالیٰ کا ہے۔ وہ دنیا و آخرت کا مالک ہے اور دنیا اور آخرت میں تصرف کرنے والا ہے۔ وہ جو چاہے ہو جاتا ہے اور جو نہ چاہے نہیں ہوتا۔

1۔ سنداد: ذریین کوفہ کے قریب ایک جگہ 2۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 88-87

3۔ بعض کتب تفسیر میں یہ روایت لکھ دی گئی ہے کہ جب حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے حرم شریف کے صحن میں کفار کے مجمع کے سامنے یہ سورۃ تلاوت فرمائی تو اس آیت کے بعد حضور کی زبان سے یہ جملہ نکلا (العیاذ باللہ) تلك الغرانيق العلى وان شفا عتهن لترتجى۔ یہ جملہ سن کر مشرکین کے دلوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی وغیرہ وغیرہ یہ روایت سراسر لغو، باطل، موضوع اور جھوٹ کا پلندہ ہے۔ 4۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 357

قولہ کَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (بقرہ:255)۔ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ (سبا:23)۔ جب ملائکہ مقربین کا یہ حال ہے تو اے جہلاء! تم اللہ کے ہاں ان بتوں اور انداد کی شفاعت کی امید کیسے رکھنے لگے۔ اس رب قدوس نے ان کی عبادت کی اجازت نہیں فرمائی اور نہ اسے جائز قرار دیا ہے بلکہ تمام رسولوں کی زبانی اس سے روکا اور اس کی نہی میں تمام کتابیں نازل فرمائیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ﴿۲۷﴾ وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ﴿۲۸﴾ فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى ۥ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۲۹﴾ ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۙ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى ﴿۳۰﴾

"بے شک جو لوگ ایمان نہیں لاتے آخرت پر وہ فرشتوں کے نام عورتوں کے سے رکھتے ہیں۔ حالانکہ انہیں اس کا کچھ علم ہی نہیں۔ وہ محض ظن کی پیروی کرتے ہیں۔ اور ظن حق کے مقابلہ میں کسی کام نہیں آسکتا۔ پس آپ رخ انور پھیر لیجئے اس (بدنصیب) سے جس نے ہمارے ذکر سے روگردانی کی اور نہیں خواہش رکھتا مگر دنیوی زندگی کی۔ یہ ہے ان کا مبلغ علم۔ بیشک آپ کا رب خوب جانتا ہے جو بھٹک گیا اس کی راہ سے۔ اور وہی بہتر جانتا ہے جس نے راہ راست پائی"۔

مشرکین نے ملائکہ کے نام عورتوں کے سے رکھے اور انہیں اللہ کی بیٹیاں قرار دیا۔ اس کی تردید فرمائی جارہی ہے۔ اللہ تعالیٰ تو اس سے بلند تر ہے جیسے ایک آیت میں آتا ہے: وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا...... شَهَادَتُهُمْ وَيُسْــَٔلُوْنَ (زخرف:19)۔

فرمایا: مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ جو وہ کہتے ہیں اس کی سچائی کی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں بلکہ یہ سب جھوٹ، افتراء اور کفر شنیع ہے۔

لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا یہ کوئی فائدہ نہیں دے گا اور حق کے قائم مقام نہیں ہوگا۔ صحیح میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: گمان سے بچو۔ بے شک گمان بدترین جھوٹ ہے(1)۔

قولہ تعالیٰ فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى ۥ عَنْ ذِكْرِنَا جس نے حق سے اعراض کیا اور اسے چھوڑ دیا۔

قولہ وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ان کا منتہائے ہمت اور مبلغ علم دنیا ہی ہے، یہ ایسی غایت ہے جس کا انجام کبھی نیک نہیں ہوتا۔

اسی لئے فرمایا ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ یعنی دنیا کی تلاش اور اس کے لئے کوشش کرنا۔ ان کی غایت یہی ہے جس تک یہ پہنچتے ہیں۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے: دنیا اس کا گھر ہے جس کا آخرت میں گھر نہ ہو، یہ اس کا مال ہے جو (آخرت میں) کنگال ہو۔ اسے جمع کرنے میں مگن وہی رہتا ہے جس میں عقل نہ ہو(2)۔

دعاماثور میں ہے: "اللهمّ لا تجعلِ الدنيا أكبرَ همِّنا ولا مبلغَ عِلْمِنا"(3)۔

قولہ تعالیٰ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ یعنی وہ تمام مخلوقات کا خالق، اپنے بندوں کی مصلحتوں سے آگاہ ہے۔ وہ جسے چاہے

1۔ دیکھئے تفسیر سورۃ نساء آیت:12 اور سورۃ حجرات آیت:12 2۔ دیکھئے تفسیر سورۃ بقرۃ آیت:212 اور سورۃ اسراء آیت:18

3۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الدعوات، جلد 13 صفحہ 32-31، نسائی بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 5 صفحہ 343، مستدرک، کتاب الدعاء، جلد 1 صفحہ 528، تحفۃ الاحوذی، جلد 9 صفحہ 475

ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہے گمراہ کر دیتا ہے۔ یہ سب کچھ اس کی قدرت اور علم وحکمت سے ہے۔ وہ عادل ہے اپنی شرع اور تقدیر میں کبھی ظلم نہیں کرتا۔

وَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ۙ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَ يَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ۝ اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَ الْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَ اِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ۝

”اور اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ تاکہ وہ بدلہ دے بدکاروں کو ان کے اعمال کا اور بدلہ دے نیکوکاروں کو ان کی نیکیوں کا۔ جو لوگ بچتے رہتے ہیں بڑے بڑے گناہوں سے اور بے حیائی کے کاموں سے مگر شاذ و نادر۔ بلاشبہ آپ کا رب وسیع بخشش والا ہے۔ وہ (اس وقت سے) خوب جانتا ہے تمہیں جب اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور جب کہ تم حمل تھے اپنی ماؤں کے شکموں میں۔ پس اپنی خودستائی نہ کیا کرو۔ وہ خوب جانتا ہے کہ کون پرہیزگار ہے“۔

اللہ تعالیٰ خبر دے رہا ہے کہ وہ آسمانوں اور زمین کا مالک ہے۔ وہ ماسوی سے مستغنی ہے۔ اپنی مخلوق کے بارے میں عدل سے فیصلے کرنے والا ہے اور مخلوق کو حق کے ساتھ پیدا فرمایا۔

لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا...... یعنی ہر ایک کو اس کے عمل کی جزا دے گا اگر اعمال اچھے ہوئے تو اچھی اور اگر برے ہوئے تو بری۔ پھر محسنین کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: جو کبیرہ گناہوں اور فحش باتوں سے بچتے ہیں۔ یعنی محرمات کبائر سے بچتے ہیں اگرچہ بعض اوقات صغیرہ گناہ ان سے سرزد ہو جاتے ہیں۔ وہ انہیں بخش دیتا ہے اور ان کی پردہ داری کرتا ہے۔

ایک دوسری آیت میں ہے: اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا (النساء:31) اور یہاں فرمایا: اَلَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ یہ استثناء منقطع ہے کیونکہ لمم صغیرہ گناہوں اور حقیر اعمال کو کہتے ہیں۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ میں نے لمم کے مشابہ اس حدیث سے زیادہ کوئی چیز نہیں دیکھی جسے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے: ”اللہ تعالیٰ نے ابن آدم پر اس کا زنا کا حصہ لکھ دیا وہ لامحالہ طور پر اسے پا کر ہی رہے گا۔ پس آنکھوں کا زنا دیکھنا، زبان کا زنا بولنا، نفس کا زنا خواہش وامنگ پیدا ہونا۔ شرمگاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے(1)۔ صحیحین میں یہی روایت عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے(2)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے آنکھوں کا زنا دیکھنا، ہونٹوں کا زنا بوس وکنار، ہاتھوں کا زنا پکڑنا، ٹانگوں کا زنا چل کر جانا اور شرمگاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔ اگر شرمگاہ کے ساتھ آگے بڑھا تو زانی ہے ورنہ وہ لمم ہے(3)۔ مسروق اور شعبی رحمہما اللہ تعالیٰ نے یہی کہا ہے۔

عبدالرحمٰن بن نافع جنہیں ابن لُبَابة (یا لبانة) طائفی کہا جاتا ہے کا قول ہے کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے (إلا اللمم) کی تفسیر کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: یہ بوسہ لینا، چھیڑنا، نظر بازی اور مباشرت فاحشہ ہے اور جب دونوں شرمگاہیں مل

1۔ یہ حدیث سورۂ نور کی آیت:30 کی تفسیر میں گزر چکی ہے 2۔ دیکھئے ایضاً سورۂ نور 3۔ تفسیر طبری، جلد 27 صفحہ 65

جائیں (اور دخول کامل طور پر متحقق ہو جائے) تو غسل واجب ہو گیا اور یہ زنا ہے(1)۔ علی بن ابی طلحہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ (إلا اللمم) سے مراد إلا ما سلف (جو گزر چکا ہے)۔ زید بن اسلم نے یہی کہا ہے۔ ابن جریر نے مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے إلا اللمم کی تفسیر میں فرمایا: جو گناہ کا ارادہ کرے پھر اسے چھوڑ دے۔

ایک شاعر کا قول ہے:

إِنْ تَغْفِرُ اللهُمَّ تَغْفِرْ جَمًّا وَأَيُّ عَبْدٍ لَكَ مَا أَلَمَّا!

ابن جریر نے مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ جو شخص کبھی کبھی گناہ کا ارتکاب کر بیٹھے پھر اس سے تائب ہو جائے۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ بیت اللہ شریف کا طواف کرتے تھے اور یہ شعر پڑھتے:

إِنْ تَغْفِرُ اللهُمَّ تَغْفِرْ جَمًّا وَأَيُّ عَبْدٍ لَكَ مَا أَلَمَّا!

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اسے مرفوعاً بھی روایت کیا ہے(2)۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت عطاء حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ وہ شخص جو کبھی بے حیائی کا مرتکب ہو جاتا ہے پھر اس سے توبہ کر لیتا ہے۔ اور فرمایا: رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

إِنْ تَغْفِرُ اللهُمَّ تَغْفِرْ جَمًّا وَأَيُّ عَبْدٍ لَكَ مَا أَلَمَّا! (3)

ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ابو عاصم نبیل سے اسی طرح روایت کیا ہے اور اسے حسن صحیح غریب قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ ہم اسے حدیث زکریا بن اسحٰق کے علاوہ نہیں جانتے۔ بزار رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ متصلاً صرف اس سند سے مروی ہے۔ ابن ابی حاتم اور بغوی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے ابو عاصم نبیل سے روایت کیا ہے۔ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے سورہ ''تنزیل'' کی تفسیر میں ذکر کیا ہے لیکن اس مرفوع کی صحت میں نظر ہے(4)۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت حسن، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ میرا خیال ہے آپ نے اسے مرفوع قرار دیا فرمایا: زنا سے نزدیک ہونے کے بعد توبہ کر لے اور پھر نہ لوٹے۔ چوری کے قریب جانے کے بعد توبہ کر لے اور پھر نہ لوٹے۔ شراب نوشی کے قریب جانے کے بعد توبہ کر لے اور پھر یہ کام نہ کرے۔ إلمام سے مراد یہی ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ 'لمم' سے مراد زنا، چوری یا شراب نوشی کے قریب جانا اور پھر یہ کام نہ کرنا ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ کرام فرمایا کرتے تھے: یہ وہ آدمی ہے جو کبھی زنا یا شراب کے قریب جائے پھر اس سے اجتناب کرے اور توبہ کر لے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت عطاء حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ إلا اللمم: يلمّ بها فی الحين شاذ و نادر اس کے قریب چلا جائے۔ میں نے پوچھا زنا؟ فرمایا زنا اور پھر توبہ کر لے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ہی بروایت عطاء حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: اللمم: الذی يلم المرّة۔ (جو ایک مرتبہ کوئی گناہ کرے)۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے ابو صالح نے فرمایا مجھ سے لمم کے بارے میں پوچھا گیا تو میں نے کہا یہ وہ آدمی ہے جو گناہ کرتا ہے اور پھر توبہ کر لیتا ہے۔ پھر میں نے اس کا ذکر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کیا تو آپ نے فرمایا

1۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 66 2۔ مصدر مذکور، جلد 27، صفحہ 66-65

3۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 66، عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۃ نجم، جلد 12، صفحہ 174-173 تفسیر بغوی تفسیر سورۃ زمر: 85، تحفۃ الاحوذی، جلد 9، صفحہ 172

4۔ تفسیر بغوی، تفسیر سورۃ زمر: 85، تفسیر طبری، جلد 27 صفحہ 66 عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۃ نجم، جلد 12 صفحہ 174-173 تحفۃ الاحوذی، جلد 9 صفحہ 172

تیری مدد ایک کریم فرشتے نے کی ہے۔ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے بیان کیا ہے(1)۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ لمم سے مراد وہ گناہ ہیں جو شرک سے کم ہیں(2)۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت عطاء حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے دو حدوں کے درمیان ہیں حد زنا اور عذاب آخرت(3)۔ شعبہ رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت حکم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں روایت بھی کیا ہے کہ ہر چیز جو دو حدوں حد دنیا اور حد آخرت کے درمیان ہو نمازیں اس کا کفارہ بن جاتی ہیں۔ یہ لمم ہے یعنی جو چیز حد لازم کر دینے والی نہ ہو بلکہ اس سے کم ہو۔ حد دنیا سے مراد ہر وہ حد ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے دنیا میں سزا مقرر فرمائی ہے۔ حد آخرت: ہر وہ چیز جس پر اللہ تعالیٰ نے آگ کی سزا لازم کی ہے اور اسے روز قیامت تک مؤخر رکھا ہے۔ عکرمہ، قتادہ اور ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہی کہا ہے۔

قولہ تعالیٰ اِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ اس کی رحمت ہر چیز پر حاوی ہے۔ اس کی مغفرت تمام گناہوں کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہے اس کے لئے جو ان گناہوں سے تائب ہو جائے۔ جیسے ارشاد ہوتا ہے: قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ (زمر:53)۔

قولہ تعالیٰ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ یعنی وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ تمہارے احوال، افعال اور اقوال جو تم سے صادر ہوں گے یا ہوتے ہیں، سے اس وقت سے آگاہ ہے جب سے اس نے تمہارے باپ آدم کو زمین سے پیدا کیا تھا۔ اور چیونٹیوں کی شکل میں آپ کی ذریت کو آپ کی صلب سے نکالا پھر انہیں دو فریقوں میں تقسیم کیا ایک فریق جنت کے لئے اور دوسرا فریق جہنم کے لئے۔

قولہ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ جب تم اپنی ماں کے پیٹ میں تھے اس وقت مقرر فرشتے نے تمہارا رزق، عمر، عمل اور نیک بختی یا بدبختی لکھ دی تھی۔ مکحول رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے ہم اپنی ماؤں کے پیٹ میں حمل تھے۔ کچھ حمل ساقط ہو گئے اور ہم ان میں شامل تھے جو باقی رہ گئے۔ پھر ہم شیر خوار تھے۔ ہم میں سے بعض ہلاک ہو گئے اور ہم باقی رہ گئے۔ پھر ہم قریب البلوغ ہوئے تو کچھ فوت ہو گئے اور ہم باقی رہ گئے پھر نوجوان ہوئے تو ہم میں سے کچھ انتقال کر گئے اور ہم بچ گئے پھر ہم بوڑھے ہو گئے۔ تیرا باپ نہ رہے! اس کے بعد ہم کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں؟ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے۔

قولہ فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ یعنی خودستائی نہ کرو اور پارسائی ظاہر نہ کرو کہ اپنے اعمال کو سراہنے لگو۔

قولہ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى جیسے ایک اور آیت میں ہے: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ...... فَتِيْلًا (النساء:49)۔

مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح میں محمد بن عمرو بن عطاء سے روایت کیا ہے کہ میں نے اپنی بیٹی کا نام "برۃ" رکھا تو زینب بنت ابی سلمۃ نے کہا حضور ﷺ نے یہ نام رکھنے سے منع فرمایا ہے: میرا بھی یہ نام رکھا گیا تھا تو حضور ﷺ نے فرمایا: اپنی مدح سرائی نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ تم میں سے نیک لوگوں سے خوب آگاہ ہے۔ عرض کی گئی: ہم اس کا کیا نام رکھیں؟ فرمایا: "اس کا نام زینب رکھو"(4)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ کے سامنے کسی آدمی کی تعریف کی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

1۔ تفسیر بغوی، جلد 4 صفحہ 252
2۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 67
3۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 68
4۔ مسلم، کتاب الآداب، جلد 2 صفحہ 1688

تیری ہلاکت ہو تو نے کتنی بار اپنے ساتھی کی گردن ماری ہے۔ جب تم میں سے کوئی لامحالہ اپنے ساتھی کی تعریف کرے تو یوں کہے میں گمان کرتا ہوں حقیقی علم تو اللہ کو ہی ہے۔ میں اللہ کے سامنے کسی کی پاکیزگی بیان نہیں کرتا۔ میں اسے یوں گمان کرتا ہوں۔ اگر اسے پتہ ہو تو۔(1) بخاری، مسلم، ابوداؤد اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے خالد الحذاء سے یہی روایت کیا ہے(2)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ آپ کے سامنے اس کی تعریف کی گئی۔ یہ سن کر مقداد بن اسود اس کے منہ پر مٹی ڈالنے لگے اور فرمانے لگے کہ ہمیں سرکار نے یہ حکم دیا تھا کہ جب ہم مدح کرنے والوں سے ملیں تو ان کے منہ پر مٹی ڈالیں(3)۔ مسلم اور ابوداؤد رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے(4)۔

اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ تَوَلّٰى ﴿۳۳﴾ وَاَعْطٰى قَلِيْلًا وَّاَكْدٰى ﴿۳۴﴾ اَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرٰى ﴿۳۵﴾ اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِيْ صُحُفِ مُوْسٰى ﴿۳۶﴾ وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰٓى ﴿۳۷﴾ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴿۳۸﴾ وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴿۳۹﴾ وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ﴿۴۰﴾ ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ﴿۴۱﴾

”کیا آپ نے ملاحظہ فرمایا جس نے روگردانی کی۔ اور تھوڑا سا مال دیا پھر کنجوس بن گیا۔ کیا اس کے پاس علم غیب ہے اور وہ دیکھ رہا ہے۔ کیا وہ آگاہ نہیں ہوا جو موسیٰ (علیہ السلام) کے صحیفوں میں ہے۔ اور ابراہیم (علیہ السلام) کے صحیفوں میں جو پوری طرح احکام بجا لائے۔ کہ کوئی شخص دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ اور نہیں ملتا انسان کو مگر وہی کچھ جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔ اور اس کی کوشش کا نتیجہ جلد نظر آ جائے گا۔ پھر اس کو اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا“۔

اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے منہ موڑنے والوں کی مذمت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے: فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى (القیامۃ: 31) اور فرمایا: وَاَعْطٰى قَلِيْلًا وَّاَكْدٰى۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ تھوڑی دیر اطاعت کی پھر بھول گیا(5)۔ مجاہد، سعید بن جبیر، عکرمہ، قتادہ وغیرہ کا یہی قول ہے۔ عکرمہ اور سعید سے مروی ہے جیسے ایک قوم جب کنواں کھودنے لگے اور کھودنے کے دوران سخت چٹان آ جائے اور وہ کام مکمل نہ کر سکیں اور کہیں ”اَكْدَيْنَا“ اور کام چھوڑ دیں۔

قولہ تعالیٰ اَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهُوَ يَرٰى یہ شخص جس نے ختم ہو جانے کے ڈر سے ہاتھ روک لیا ہے اور نیکی کا سلسلہ بند کر دیا ہے کیا اس کے پاس علم غیب ہے کہ اس کے پاس جو کچھ ہے ختم ہو جائے گا حتیٰ کہ اس نے نیکی سے ہاتھ کھینچ لیا ہے کیا وہ اسے واضح دیکھ رہا ہے؟ یعنی درحقیقت بات اس طرح نہیں ہے وہ بخل، کنجوسی اور لالچ کی وجہ سے صدقہ، نیکی، حسن سلوک اور صلہ رحمی سے باز آ گیا ہے۔ اسی لئے حدیث شریف میں ہے: ”اے بلال خرچ کر اور صاحب عرش بریں سے فقر کا خدشہ نہ کر“(6)۔ ارشاد باری ہے: وَمَاۤ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ

1۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 46-45

2۔ فتح الباری، کتاب الادب، جلد 1، صفحہ 476، مسلم، کتاب الزہد، جلد 4 صفحہ 2296 سنن ابوداؤد، کتاب الادب، جلد 4، صفحہ 254، ابن ماجہ، کتاب ادب، جلد 2، صفحہ 1232

3۔ مسند امام احمد، جلد 6، صفحہ 5　　4۔ مسلم، کتاب الزہد، جلد 4، صفحہ 2297، ابوداؤد، کتاب الادب، جلد 4، صفحہ 254

5۔ طبری، جلد 27، صفحہ 71　　6۔ یہ حدیث سورۃ بقرۃ کی آیت: 212 کی تفسیر میں گزر چکی ہے، کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب الزہد، جلد 4، صفحہ 67

يُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ (السباء:39)۔

قولہ تعالیٰ اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِيْ صُحُفِ مُوْسٰى ﴿۳۶﴾ وَ اِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰۤى جو کچھ آپ کو حکم دیا گیا تھا اسے پوری طرح بجالائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اللہ کے لئے تبلیغ کا حکم پورا کر دکھایا۔ سعید بن جبیر کا قول ہے آپ کو جو حکم دیا گیا تھا اسے پورا کر دیا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اللہ کی اطاعت اور اس کی مخلوق تک پیغام رسالت کا حکم بجالائے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی قول پسند کیا ہے(1)۔ یہ اس سے پہلے اقوال کو بھی شامل ہے۔ اس کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے: وَ اِذِ ابْتَلٰۤى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ۗ قَالَ اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (بقرہ:124)۔ چنانچہ آپ تمام اوامر کو بجالائے اور نواہی کو ترک کر دیا اور پیغام رسالت بہتمام و کمال پہنچا دیا اور اس طرح لوگوں کا امام بننے کے حقدار قرار پائے۔ تمام احوال، اقوال اور افعال میں آپ کی اقتداء کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ثُمَّ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۗ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (النحل:123)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ وَ اِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰۤى اور دریافت فرمایا جانتے ہو انہوں نے کیا بجا آوری کی تھی؟ میں نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ بہتر جانتے ہیں؟ فرمایا: ''آپ ہر دن کی ابتداء میں چار رکعات ادا کرتے تھے۔'' ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے جعفر بن زبیر سے روایت کیا ہے لیکن وہ ضعیف ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے جامع میں حضرت ابودرداء اور ابوذر رضی اللہ عنہما سے حدیث قدسی میں روایت کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''اے ابن آدم! تو دن کی ابتداء میں میرے لئے چار رکعتیں ادا کر، میں آخر دن تک تیری کفایت کروں گا'' (2)۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا میں تمہیں بتاؤں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل ابراہیم کو وفیٰ کے الفاظ سے کیوں یاد فرمایا؟ آپ صبح و شام یہ کلمات پڑھ کرتے تھے: فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَ حِيْنَ تُصْبِحُوْنَ (الروم:17) یہاں تک کہ حضور ﷺ نے پوری آیت ختم کی۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت ابوکریب یہی بیان کیا ہے(3)۔

پھر حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں میں بیان کردہ تعلیمات کا ذکر شروع فرمایا: قال لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى (انعام:164) ہر وہ انسان جس نے کفر یا گناہوں کے ساتھ اپنی جان پر ظلم کیا ہو اس کا بوجھ صرف اسی کے ذمے ہوگا۔ اسے کوئی اس کی طرف سے نہیں اٹھائے گا۔ جس طرح ایک دوسری آیت میں ہے: وَ اِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى (فاطر:18)۔

وَ اَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى یعنی جس طرح دوسرے کا بوجھ اس پر نہیں لادا جائے گا۔ اسی طرح صرف وہی اجر ملے گا جو اس نے خود کمایا ہو۔ اسی آیت کریمہ سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے پیروکاروں نے استنباط کیا ہے کہ قرآن خوانی کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا کیونکہ یہ نہ تو اس کا عمل ہے نہ کسب۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کے لئے نہ اس کا جواز بیان فرمایا نہ اس پر رغبت دلائی اور نہ صریح فرمان کے ذریعہ سے نہ کسی اشارے کنایئے سے اس کی طرف راہنمائی فرمائی اور صحابہ میں سے کسی سے بھی منقول نہیں اگر یہ کام بہتر

1۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 73 2۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الوتر، جلد 2، صفحہ 259، تحفۃ الاحوذی، جلد 2، صفحہ 585

3۔ یہ حدیث سورۃ بقرۃ:124، سورۃ روم آیت:19 کی تفسیر میں گزر چکی ہے نیز دیکھئے تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 73

ہوتا تو وہ ضرور ہم سے سبقت لے جاتے۔ عبادات میں صرف نصوص پر اکتفا کیا جاتا ہے کسی قسم کے قیاس یا رائے کو اس میں دخل نہیں۔ ہاں دعا اور صدقہ کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ اس پر اجماع ہے اور شارع کے الفاظ سے ثابت ہے۔

وہ حدیث جسے مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب انسان کا انتقال ہوتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے۔ مگر تین چیزیں: نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرتی رہے۔ صدقہ جاریہ یا وہ علم جس سے نفع اٹھایا جاتا رہے(1)۔ یہ تینوں چیزیں حقیقت میں اس کی اپنی کدو کاوش اور محنت سے حاصل ہوتی ہیں۔ جس طرح حدیث شریف میں ہے: ''سب سے عمدہ چیز جسے انسان کھاتا ہے وہ ہے جسے اس نے اپنے ہاتھوں سے کمایا ہو اور انسان کی اولاد بھی اس کی اپنی کمائی ہے''(2)۔ اور صدقہ جاریہ جیسے وقف وغیرہ بھی اس کے اپنے عمل اور وقف کا اثر ہے۔ ارشاد باری ہے: اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى وَ نَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَ اٰثَارَهُمْ (یٰسین: 12) اور وہ علم جسے لوگوں میں پھیلایا ہو اور اس کے بعد لوگ اس کی پیروی کریں تو یہ بھی اس کی اپنی مساعی اور محنت ہے۔ صحیح حدیث میں ہے: جو شخص ہدایت کی طرف بلائے تو اسے پیروی کرنے والوں کے اجر کے برابر بھی اجر ملتا ہے اس طرح کہ ان کے اجر میں بھی کوئی کمی نہیں آتی(3)۔

قولہ تعالیٰ وَ اَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى یعنی قیامت کے دن۔ جیسے ارشاد ہوتا ہے: وَ سَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَ رَسُوْلُهٗ...... كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (توبہ: 94)۔ تمہارے اعمال کے بارے میں تمہیں آگاہ کرے گا اور ان پر مکمل جزاء عطا فرمائے گا خواہ اچھے ہوں یا برے۔

اسی طرح فرمایا: ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى یعنی وافر۔ پورا پورا۔

وَ اَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ﴿۴۲﴾ وَ اَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَ اَبْكٰى ﴿۴۳﴾ وَ اَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَ اَحْيَا ﴿۴۴﴾ وَ اَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَ الْاُنْثٰى ﴿۴۵﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى ﴿۴۶﴾ وَ اَنَّ عَلَيْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى ﴿۴۷﴾ وَ اَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَ اَقْنٰى ﴿۴۸﴾ وَ اَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ﴿۴۹﴾ وَ اَنَّهٗۤ اَهْلَكَ عَادَا الْاُوْلٰى ﴿۵۰﴾ وَ ثَمُوْدَاۡ فَمَاۤ اَبْقٰى ﴿۵۱﴾ وَ قَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَ اَطْغٰى ﴿۵۲﴾ وَ الْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى ﴿۵۳﴾ فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى ﴿۵۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ﴿۵۵﴾

''اور یہ کہ سب کو آپ کے رب کے پاس ہی پہنچنا ہے اور یہ کہ وہی ہنساتا ہے اور رلاتا ہے۔ اور یہ کہ وہی مارتا ہے اور جلاتا ہے۔ اور یہ کہ اسی نے پیدا فرمائیں دونوں قسمیں نر اور مادہ۔ (وہ بھی) ایک بوند سے جب ٹپکتی ہے۔ اور یہ کہ اسی (اللہ تعالیٰ) کے ذمہ ہے دوسری بار پیدا فرمانا۔ اور یہ کہ وہی غنی کرتا ہے اور مفلس بناتا ہے۔ اور یہ کہ وہی شعریٰ (ستارے) کا رب ہے۔ اور یہ کہ اسی نے ہلاک کیا عادِ اول (قوم ہود) کو۔ اور ثمود کو بھی پھر کسی کو نہ چھوڑا۔ اور (ہلاک کیا) قوم نوح کو ان سب سے پہلے۔ وہ بڑے ظالم اور سرکش تھے۔ اور (لوط کی) اوندھی بستی کو بھی پٹخ دیا۔ پس ان پر چھا گیا جو چھا گیا۔ پس (اے سننے والے بتا) تو اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلائے گا''۔

1۔ دیکھئے تفسیر سورۃ بقرۃ آیت: 128، یٰس آیت: 12 اور سورۃ طور آیت: 21

2۔ نسائی، کتاب البیوع، جلد 7، صفحہ 241-24، ابن ماجہ، التجارات، جلد 2، صفحہ 723

3۔ دیکھئے تفسیر سورۃ مائدۃ آیت: 2، سورۃ نحل آیت: 25 اور سورۃ عنکبوت آیت: 13

ارشاد ہوتا ہے: وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى قیامت کے دن اس کی بارگاہ میں جانا ہے۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے عمرو بن میمون اَودی سے روایت کیا ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا: اے بنی اَود! میں تمہاری طرف اللہ کے رسول کا پیامبر ہوں۔ تم جانتے ہو کہ بالآخر اللہ کی طرف لوٹنا ہے پھر جنت ملے گی یا جہنم میں جانا ہوگا۔ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے ابی بن کعب سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ کی ذات میں فکر کرنا جائز نہیں(1)۔ بغوی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اس کے مثل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے: ''مخلوق میں غور وفکر کرو اور خالق میں غور وفکر نہ کرو۔ اسے عقل اپنے حیطہ ادراک میں نہیں لے سکتی۔''(2) ان الفاظ سے یہ حدیث محفوظ نہیں ہے۔ مگر صحیح حدیث میں یہ بھی ہے: ''تم میں سے کسی کے پاس شیطان آتا ہے اور کہتا ہے اسے کس نے پیدا کیا؟ اسے کس نے پیدا کیا؟ حتیٰ کہ یہ کہہ دیتا ہے تمہارے رب کو کس نے پیدا کیا؟ جب تم میں سے کوئی اس مقام تک پہنچ جائے تو اعوذ باللہ پڑھے اور فوراً اس خیال کو اپنے دل سے دور کرے''(3)۔

سنن کی ایک حدیث میں ہے: ''اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں غور وفکر کرو لیکن اللہ کی ذات میں غور وفکر نہ کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ پیدا فرمایا ہے جس کے کانوں کی لو سے کندھے تک تین سو سال تک کی مسافت ہے(4) (یا جس طرح فرمایا): وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى: یعنی اپنے بندوں میں ہنسنے اور رونے کی صفات اور ان کے اسباب پیدا فرمائے جو بالکل مختلف ہیں۔

وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحْيَا جیسے فرمایا: الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ (الملک:2)۔

مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى جیسے فرمایا:

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى...... اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى (قیامہ:40)۔

قولہ تعالیٰ وَاَنَّ عَلَيْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى یعنی جس طرح اس نے ابتداءً پیدا کیا ہے وہ دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے اور یہ قیامت کے دن دوبارہ پیدا کرنا ہے۔

وَاَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَاَقْنٰى یعنی اپنے بندوں کو مال و دولت عطا فرمایا جو ہمیشہ کے لئے ان کا اندوختہ ہے، اس کو بیچنے کی انہیں ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ اتمام نعمت ہے۔ اکثر مفسرین کے کلام کا خلاصہ اس مقام پر یہی ہے۔ ابو صالح اور ابن جریر رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہ کا یہی قول ہے۔

(۱) مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے أغنی مال دار بنایا۔ أقنی خدام عطا فرمائے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی مروی ہے۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما و مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: أغنی، أعطی: عطا فرمایا۔ أقنی، رضی: راضی ہوا۔

(۳) ایک قول کے مطابق اس کا معنی یہ ہے کہ اسے غنی بنایا اور تمام مخلوق کو اس کا محتاج بنایا۔ حضرمی بن لاحق کا یہی قول ہے۔

(۴) مخلوق میں سے جسے چاہا غنی بنایا اور جسے چاہا فقیر بنایا۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ سے یہی منقول ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ دونوں اقوال بیان کئے ہیں لیکن یہ لفظ سے مطابقت نہیں رکھتے۔

قولہ وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، قتادہ، اور ابن زید رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔ یہ اس روشن ستارے کا نام ہے جسے ''مِرْزَمُ الْجَوْزَاء'' کہا جاتا ہے۔ اہل عرب کا ایک طائفہ اس کی عبادت کرتا تھا(5)۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 255
2۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 255
3۔ فتح الباری، کتاب بدء الخلق، جلد 6 صفحہ 336، مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 120
4۔ مجمع الزوائد، جلد 1، صفحہ 86
5۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 75

وَ اَنَّهٗۤ اَهْلَكَ عَادَا الْاُوْلٰى یہ قوم ہود ہیں انہیں عاد بن ارم بن سام بن نوح کہتے ہیں۔ ایک اور آیت میں ہے: اَلَمْ تَرَ كَیْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ...... مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ (فجر:8)۔ یہ بڑی طاقت ور قوم تھی اور سب لوگوں سے زیادہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرنے والے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر دیا: بِرِیْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِیَةٍ ۙ سَخَّرَهَا عَلَیْهِمْ سَبْعَ لَیَالٍ وَّ ثَمٰنِیَةَ اَیَّامٍ ۙ حُسُوْمًا (الحاقہ:7-6)۔

قولہ تعالیٰ وَ ثَمُوْدَاۡ فَمَاۤ اَبْقٰى یعنی انہیں برباد کر دیا اس طرح کہ ان میں سے کوئی بھی باقی نہ رہا۔

وَ قَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ یعنی ان سے قبل۔

اَظْلَمَ وَ اَطْغٰى بعد میں آنے والوں سے کہیں زیادہ سرکش تھے۔

وَ الْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى یعنی مدائن قوم لوط۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اوندھا اور زیر و زبر کر دیا اور ان پر پتھروں کی بارش برسائی۔ اسی لئے فرمایا: فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى یعنی پتھروں سے جو ان پر برسائے گئے۔ وَ اَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِیْنَ (شعراء:173)۔

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ مدائن لوط میں چار لاکھ افراد تھے۔ پوری وادی سات دن تک ان پر آگ، تیل اور تارکول سے اس طرح بھڑک اٹھی جس طرح بھٹی ہوتی ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے اور یہ بہت غریب ہے۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى یعنی اے انسان تو اللہ تعالیٰ کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلائے گا؟ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے۔ ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہاں خطاب حضور ﷺ کو ہے لیکن پہلا قول زیادہ بہتر ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے ہی پسند فرمایا ہے(1)۔

هٰذَا نَذِیْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى ﴿۵۶﴾ اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ۚ ﴿۵۷﴾ لَیْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ؕ ﴿۵۸﴾ اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِیْثِ تَعْجَبُوْنَ ۙ ﴿۵۹﴾ وَ تَضْحَكُوْنَ وَ لَا تَبْكُوْنَ ۙ ﴿۶۰﴾ وَ اَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ ﴿۶۱﴾ فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَ اعْبُدُوْا ﴿۶۲﴾

"یہ ڈرانے والا (رسول عربی) بھی پہلے ڈرانے والوں کی طرح ہے۔ قریب آنے والی قریب آ گئی۔ اللہ کے سوا اس کو کوئی ظاہر کرنے والا نہیں۔ بھلا کیا تم اس بات سے تعجب کر رہے ہو۔ اور (بے شرموں کی طرح) ہنس رہے ہو اور روتے نہیں۔ اور تم نے کھیل مذاق بنا رکھا ہے۔ پس سجدہ کرو اللہ تعالیٰ کے لئے اور اس کی عبادت کیا کرو"۔

هٰذَا نَذِیْرٌ: هذا کا مشار الیہ حضور نبی کریم ﷺ ہیں۔

مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى یعنی ان کی جنس سے۔ ان کی طرح ہی آپ کو مبعوث کیا گیا ہے۔ جیسے ایک اور آیت میں ہے: قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ (احقاف:9)۔

اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ قریب آنے والی قریب آ گئی اور یہ قیامت ہے۔

لَیْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ اللہ کے علاوہ کوئی بھی اسے ہٹانے پر قادر نہیں۔ اس کے سوا کسی کو اس کا علم نہیں۔

نَذِیْرٌ: محتاط کو کہتے ہیں جو شر دیکھتا ہے اور اس کے ان پر واقع ہونے سے ڈرتا ہے جنہیں اس نے ڈرایا تھا۔ جیسے فرمایا: "میں تمہیں شدید ترین عذاب سے پیشگی ڈرانے والا ہوں۔" ارشاد ہوتا ہے: اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِیْرٌ لَّكُمْ بَیْنَ یَدَیْ عَذَابٍ شَدِیْدٍ (سبا:46)۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ ؟؟

حدیث شریف میں ہے کہ میں تمہیں کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں۔ یعنی جو شر دیکھ لے کہ وہ قریب آ چکا ہے تو فوراً اپنی قوم کو ڈرانے کے لئے ننگے پاؤں دوڑتا ہوا آئے۔ اس آیت اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ کے مناسب یہی معنی ہے۔ یعنی قریب آنے والی قریب آ چکی ہے یعنی قیامت۔ جس طرح بعد میں آنے والی سورت کی ابتداء میں ہے: اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ (قمر:54) ''قیامت قریب آ گئی ہے''۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سہیل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ایسے گناہوں سے بچو جنہیں تم چھوٹا اور حقیر تصور کرتے ہو۔ صغیرہ گناہوں کی مثال ایسے ہے جیسے ایک قافلہ کسی وادی میں اترا (سب ادھر ادھر بکھر گئے) اور لکڑیاں سمیٹ کر لے آئے اور روٹی پکالی اور چھوٹے گناہوں پر آدمی کی جب پکڑ ہو جائے تو وہ ہلاک کر دیتے ہیں''(1)۔ ابو حازم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: میری اور قیامت کی مثال اس طرح ہے۔ پھر آپ نے درمیانی انگلی اور شہادت کی انگلی کے درمیان فاصلہ دکھایا۔ پھر فرمایا: ''میری اور قیامت کی مثال اس طرح ہے جیسے شرط کے دو گھوڑے۔'' پھر فرمایا: ''میری اور قیامت کی مثال اس آدمی کی طرح ہے جسے اس کی قوم نے مخبری کے لئے آگے بھیجا ہو۔ (اس نے دشمن کو قریب ہی دیکھ لیا کہ گھات لگائے بیٹھے ہیں) چنانچہ اسے خدشہ ہوا کہ یہ مجھ سے پہلے نہ پہنچ جائیں تو اس نے کپڑا اہلایا اور یہ اشارہ کیا خبردار ہو جاؤ دشمن آ چکا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''وہ میں ہوں''۔ اس حدیث کی تائید میں اور بہت سی صحیح اور حسن حدیثیں متعدد سندوں سے مروی ہیں۔ مشرکین کے قرآن کریم کو سننے اور پھر اس سے اعراض کرنے اور لہو و لعب میں مشغول ہونے کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے: تَعْجَبُوْنَ تم اس کے صحیح ہونے پر تعجب کر رہے ہو۔

وَتَضْحَكُوْنَ استہزاء اور تمسخر کے طور پر ہنس رہے ہو۔

وَلَا تَبْكُوْنَ جس طرح وہ لوگ کرتے ہیں جو یقین کی دولت سے مالا مال ہیں۔ ایک دوسری آیت میں آتا ہے: وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا (الاسراء:109)۔

وَاَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: السمد: الغناء: گانا بجانا۔ یہ یمنی زبان ہے۔ کہا جاتا ہے اسمد لنا: ہمارے لئے گانا گاؤ۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی کہا ہے۔ ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا معنی معرضون منہ موڑنے والے کیا ہے۔ مجاہد اور عکرمہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے یہی مروی ہے۔ حسن کا قول ہے غافل۔

امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ایک روایت یہی ہے۔ ایک دوسری روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا معنی تستکبرون (تم تکبر کرتے ہو) کیا ہے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی منقول ہے۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے بندوں کو اسے سجدہ کرنے اور اسی کی عبادت کرنے اور اپنے رسول کی اتباع کرنے اور توحید و اخلاص کا حکم ارشاد فرما رہا ہے۔ فرمایا: فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا یعنی اس کے لئے خضوع و خشوع اختیار کرو، مخلص ہو جاؤ اور اسے وحدہٗ لاشریک تصور کرو۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس مقام پر سجدہ کیا اور حاضرین میں سے مسلمانوں، مشرکین اور جن وانس نے بھی سجدہ کیا۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس روایت میں منفرد ہیں نہ کہ مسلم (1)۔

1۔ یعنی جس طرح ایک ایک لکڑی جمع کرنے سے انبار لگ جاتا ہے اور دیگیں پک سکتی ہیں اسی طرح چھوٹے چھوٹے گناہ مل کر ڈھیر لگ جاتا ہے اور جب اس گناہ گار کو پکڑ لیا جاتا ہے تو یہ (چھوٹے چھوٹے گناہ) اس کے لئے ہلاکت کا باعث بن جاتے ہیں۔

2۔ بخاری، جلد 6، صفحہ 113

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے مطلب بن ابی وداعۃ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے مکہ میں سورۂ والنجم کی تلاوت فرمائی تو سجدہ ریز ہوگئے اور تمام حاضرین بھی سجدے میں گر گئے۔ میں نے اپنا سر اٹھائے رکھا اور سجدہ نہ کیا۔ مطلب اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اس کے بعد وہ جس کسی کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنتے، اس کے ساتھ سجدہ کرتے۔

نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الصلاۃ میں اسے احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے (1)۔

سورۂ نجم کی تفسیر ختم ہوئی

وللہ الحمد والمنّۃ

1۔ مسند امام احمد، جلد 6، صفحہ 400-399، نسائی، کتاب الافتتاح، جلد 2، صفحہ 160

سورۃ القمر

ابوواقد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں یہ پہلے گزر چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ عیدین کی نماز میں سورۂ ق اور سورۂ قمر پڑھا کرتے تھے(1)۔ اسی طرح بڑی بڑی محافل میں بھی آپ ان کی تلاوت فرمایا کرتے تھے کیونکہ ان میں وعدے، وعید، ابتدائے آفرینش، دوبارہ زندہ ہونا، توحید، اثبات نبوت وغیرہ عظیم مقاصد کا ذکر ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝ وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ۝ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ۝ حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ۝

”قیامت قریب آگئی ہے اور چاند شق ہو گیا۔ اور اگر وہ کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں۔ اور کہنے لگتے ہیں یہ بڑا زبردست جادو ہے۔ اور انہوں نے جھٹلایا (رسول ﷺ خدا کو) اور پیروی کرتے رہے اپنی خواہشات کی اور ہر کام کے لئے ایک انجام ہے۔ اور پہنچ چکی ہیں ان کے پاس (پہلی قوموں کی بربادی کی) اتنی خبریں جن میں بڑی عبرت ہے۔ (وہ خبریں) سراسر حکمت ہیں پس ڈرنے والوں نے کوئی فائدہ نہ پہنچایا“۔

قرب قیامت اور دنیا کے خاتمے کی خبر دی جارہی ہے ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ (النحل: 1) اور فرمایا: اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ (الانبیاء: 1)۔

اس مضمون کا ذکر احادیث میں بھی ہے۔ حافظ ابوبکر بزار رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن اپنے صحابہ کو خطبہ ارشاد فرمایا: قریب تھا کہ سورج غروب ہو جائے اس کا تھوڑا حصہ باقی رہ گیا تھا تو آپ نے فرمایا: ”مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! دنیا کے گزرے ہوئے اور باقی ماندہ وقت میں وہی نسبت ہے جو اس دن کے گزرے ہوئے اور بقایا وقت میں نسبت ہے اور ہم نہیں دیکھتے سورج کو مگر تھوڑا سا“۔

(میں کہتا ہوں) اس حدیث کا دارومدار خلف بن موسیٰ پر ہے۔ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ اسے ثقہ لوگوں میں شمار کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کبھی کبھی خطا بھی کر جاتے تھے۔

حدیث:۔ یہ حدیث پہلی حدیث کی تفسیر اور تائید کرتی ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے ہم عصر کے بعد نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ سورج اس وقت جبل قُعَيْقِعان پر تھا (غروب کے قریب تھا)۔ آپ ﷺ نے ارشاد

1۔ یہ حدیث سورۂ ق کے شروع میں گزر چکی ہے۔

فرمایا: ''سابقہ امتوں کے مقابلے میں تمہاری عمریں اتنی ہی باقی ہیں جتنا یہ باقی کا دن گزرے ہوئے دن کے مقابلہ میں ہے''(1)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے'' میں اور قیامت اس طرح مبعوث کئے گئے ہیں۔ ساتھ ہی آپ ﷺ نے اپنی دونوں انگلیوں شہادت اور درمیانی انگلی سے اشارہ فرمایا''(2)۔ شیخین نے اسے حدیث ابو حازم سلمہ بن دینار سے روایت کیا ہے(3)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ جب ولید بن عبدالملک کے پاس تشریف لائے تو اس نے قیامت کے بارے میں حدیث سنانے کا سوال کیا۔ تو آپ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا: ''تم اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح ہو''(4)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ہی وہب سوائی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: '' میں اور قیامت اس طرح مبعوث کئے گئے ہیں جیسے یہ دونوں انگلیاں۔ قریب تھا کہ وہ مجھ سے بڑھ جائے'' اور راوی حدیث اعمش نے شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی کو جمع فرمایا(5)۔ اس کی تائید صحیح کی روایت سے بھی ہوسکتی ہے جس میں حضور ﷺ کے اسماء مبارکہ میں سے حاشر آیا ہے۔ اس کا معنی ہے حشر جس کے قدموں پر ہوگا(6)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے خالد بن عمیر سے روایت کیا ہے کہ عتبہ بن غزوان نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا: حدیث کے راوی بھز بن اسد نے فرمایا ہے کہ اس سے پہلے خطبہ میں آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ حضور ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا، اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی پھر فرمایا: دنیا کے خاتمے کا اعلان ہو چکا۔ یہ پیٹھ پھیرے واپس بھاگی جا رہی ہے۔ اب اس کا اتنا حصہ باقی ہے جیسے برتن میں پینے کے بعد کچھ پانی نیچے رہ جاتا ہے جسے پینے والا پی جائے اور تم دار دنیا سے ایسے جہان کی طرف جانے والے ہو جو دائمی ہے اسے زوال نہیں۔ پس تم اپنے ساتھ بھلائیاں لے کر جاؤ۔ بے شک ہمارے سامنے ذکر کیا گیا ہے کہ جہنم کے کنارے سے ایک پتھر پھینکا جائے گا جو برابر ستر سال تک نیچے کی طرف جاتا رہے گا لیکن نیچے تہہ تک نہیں پہنچ سکے گا۔ اللہ کی قسم تم اسے پر کرو گے۔ کیا تمہیں اس پر تعجب ہے۔ اللہ کی قسم ہمارے سامنے ذکر کیا گیا ہے کہ جنت کی چوکھٹ کی دونوں لکڑیوں کے درمیان چالیس برس کی راہ ہے اور ضرور اس پر ایک دن آئے گا جب وہ لوگوں سے بالکل پر ہوگی(7) (اور پوری حدیث ذکر فرمائی)۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ اس روایت میں منفرد ہیں(8)۔ ابوجعفر ابن جریر نے عبدالرحمٰن سلمی سے روایت کیا ہے: ہم مدائن پہنچے۔ ہم بستی سے تین میل کے فاصلہ پر رکے ہوئے تھے۔ جمعہ کا دن آگیا۔ میں اپنے باپ کے ہمراہ نماز کے لئے گیا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا: خبردار اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ...... خبردار قیامت قریب آ چکی۔ خبردار بلاشبہ چاند شق ہوگیا۔ خبردار دنیا جدائی کا اعلان کر چکی۔ خبردار آج کا دن عمل کا وقت ہے اور کل گھوڑ دوڑ کا۔ یہ سن کر میں نے اپنے باپ سے پوچھا کیا کل گھوڑ دوڑ ہوگی؟ تو انہوں نے فرمایا بیٹے تم نہیں جانتے یہ اعمال میں سبقت لینا مراد ہے۔ پھر اگلا جمعہ آیا ہم موجود تھے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے خطبہ ارشاد فرمایا: خبردار! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ...... خبردار دنیا جدا ہونے والی ہے۔ خبردار آج عمل کرنے اور کل آگے بڑھنے کا دن ہے۔ خبردار انجام آگ ہے۔ سبقت کرنے والا وہ ہے جو جنت میں پہلے پہنچ گیا۔

1۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 116-115 2۔ مسند احمد، جلد 5، صفحہ 388

3۔ فتح الباری، کتاب الرقاق، جلد 11، صفحہ 247، مسلم، کتاب الفتن، جلد 4، صفحہ 2268 یہ حدیث سورۂ اعراف آیت: 187 اور سورۂ محمد آیت: 18 میں گزر چکی ہے۔

4۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 223 5۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 309

6۔ متفق علیہ، فتح الباری، کتاب المناقب، جلد 6، صفحہ 555، مسلم، کتاب الفضائل، جلد 4، صفحہ 1828 یہ حدیث سورۂ احزاب کی آیت: 40 کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

7۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 174 8۔ مسلم، کتاب الزہد، جلد 4، صفحہ 2279-2278

قولہ تعالیٰ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ چاند کا دوٹکڑے ہونا یہ واقعہ رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں پیش آیا جیسا کہ متواتر احادیث میں صحیح سندوں کے ساتھ مروی ہے۔ صحیح حدیث میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: پانچ چیزیں گزر چکی ہیں۔ رومی، دخان (دھواں)، لزام، بطشہ اور چاند کا پھٹنا۔ علماء کے مابین یہ بات متفقہ ہے کہ چاند کے دوٹکڑے ہونے کا واقعہ عہد نبوی میں پیش آیا تھا اور یہ بہت بڑا معجزہ تھا۔

اس بارے میں احادیث کا بیان

روایت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ:۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اہل مکہ نے نبی کریم ﷺ سے معجزہ طلب کیا۔ جس پر مکہ میں چاند دو مرتبہ ٹکڑے ہوا۔ اسی کا ذکر ان دو آیتوں میں ہے اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ (1)۔

مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے عبدالرزاق سے روایت کیا ہے (2)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ انہوں نے چاند کو جبل حراء کے دونوں طرف دیکھ لیا ایک اس طرف اور دوسرا اس طرف (3)۔ شیخین نے ہی اسے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسری سند سے بروایت ابوداؤد، طیالسی اور یحییٰ قطان رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے (4)۔

روایت حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ:۔ امام احمد رحمۃ اللہ نے آپ سے روایت کیا ہے کہ عہد نبوی میں چاند شق ہو کر دوٹکڑے ہو گیا۔ ایک ٹکڑا ایک پہاڑ پر رہا اور دوسرا دوسرے پہاڑ پر۔ یہ دیکھ کر کفار کہنے لگے (معاذ اللہ) محمد نے ہم پر جادو کر دیا ہے۔ بعض کہنے لگے اگر ہم پر جادو کیا تو سب لوگوں پر تو نہیں کر سکتے (5)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اس روایت میں منفرد ہیں۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے دلائل میں، اور ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حصین بن عبدالرحمٰن سے روایت کیا ہے اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسری سند سے بھی ذکر کیا ہے (6)۔

بروایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ:۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے کہ شق القمر کا واقعہ عہد نبوی میں پیش آیا (7)۔ بخاری و مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری سند سے بھی یہی روایت کیا ہے (8)۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت علی بن ابی طلحہ ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ یہ واقعہ قبل از ہجرت پیش آیا۔ حتیٰ کہ لوگوں نے اس کے دوٹکڑے دیکھ لئے (9)۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت عکرمہ ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ عہد نبوی میں چاند شق ہوا تو لوگوں نے کہا چاند پر جادو ہو گیا ہے تو یہ آیتیں "مستمر" تک اتریں (10)۔

روایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ:۔ حافظ ابوبکر بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب چاند پھٹا تو اس کے دوٹکڑے ہو گئے ایک پہاڑ کے اس طرف اور دوسرا پہاڑ کے پیچھے چلا گیا۔ یہ دیکھ کر سرکار ﷺ نے فرمایا: "اے اللہ! گواہ

1۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 165، مسلم، کتاب صفۃ القیامۃ، جلد 4، صفحہ 2159
2۔ ایضاً مرجع مذکور
3۔ فتح الباری، کتاب مناقب الانصار، جلد 7، صفحہ 182، مسلم، کتاب صفۃ القیامۃ، جلد 4، صفحہ 2159
4۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 82-81، دلائل النبوۃ للبیہقی، جلد 2، جلد 268، تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 86
5۔ ایضاً
6۔ ایضاً
7۔ فتح الباری، تفسیر سورۃ (اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ)، کتاب المناقب، جلد 7، صفحہ 182، مسلم کتاب صفۃ القیامۃ، جلد 4، صفحہ 2159
8۔ ایضاً
9۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 87-86
10۔ معجم کبیر، جلد 11، صفحہ 250، مجمع الزوائد، جلد 2، صفحہ 209

رہنا(1)۔'' مسلم اور ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسی طرح روایت کیا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حسن صحیح قرار دیا(2)۔

روایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ: ۔امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا: ''اب گواہ رہنا(3)۔'' بخاری ومسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی یہی روایت کیا ہے۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم اس وقت منیٰ میں تھے۔ جب چاند دو حصوں میں تقسیم ہو کر ایک حصہ پہاڑ کے دوسری طرف چلا گیا تو حضور ﷺ نے فرمایا: گواہ ہو جاؤ۔ گواہ ہو جاؤ(4)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ واقعہ مکہ میں پیش آیا۔ ابوداؤد طیالسی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ عہد نبوی میں جب چاند دو ٹکڑے ہوا تو کفار کہنے لگے کہ یہ ابن ابی کبشہ (یعنی حضور) کا جادو ہے لیکن ان کے بعض لوگوں نے کہا ساری دنیا پر تو جادو نہیں ہو سکتا جو لوگ سفر سے آئیں ان سے دریافت کرنا کیونکہ محمد سب لوگوں پر تو جادو نہیں کر سکتے۔ چنانچہ جب وہ لوگ واپس آئے تو سب نے اس کی تصدیق کی(5)۔ بخاری اور ابن جریر رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے پہاڑ کو چاند کے دونوں ٹکڑوں کے درمیان دیکھا(6)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی آپ سے یہی نقل کیا ہے۔ لیث نے مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''تم گواہ رہنا۔'' مشرکین کہنے لگے یہ جادو ہے(7)۔ اسی کا ذکر اس آیت میں ہے کہ دلیل، حجت اور برہان دیکھ کر بھی وہ اسے تسلیم نہیں کرتے بلکہ اسے پس پشت ڈال دیتے ہیں اور جادو کہہ کر بات کو ٹال دیتے ہیں۔

مُّسْتَمِرٌّ: أي ذاهب: ختم ہونے والا۔ مجاہد، قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہ سے یہی مروی ہے یعنی باطل، مضمحل جسے دوام نہ ہو۔

وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ...... یعنی حق کو جھٹلایا اور اپنی ذاتی آراء اور خواہشات کی پیروی کی۔

قولہ كُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ قتادہ نے اس کا معنی یہ کیا ہے کہ اہل خیر کے ساتھ خیر اور اہل شر کے ساتھ شر واقع ہونے والا ہے۔ ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی مروی ہے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ روز قیامت یہ امر واقع ہونے والا ہے۔

وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ مرسلین کو جھٹلانے والی سابقہ امتوں کے واقعات جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے۔

مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ یعنی ان کو شرک سے روکنے اور تکذیب پر اڑے رہنے سے مانع کوئی چیز نہیں۔

حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ وہ جسے چاہے ہدایت دے اور جسے چاہے گمراہ کرے۔

فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ یہ ڈرانے والی باتیں اسے فائدہ کب دے سکتی ہیں جب اس کے ذمے بدبختی لکھی جا چکی ہے اور اس کے دل پر مہر لگ چکی ہے۔ اللہ کے بعد اسے راہ ہدایت پر گامزن کون کر سکتا ہے۔ اس آیت کا مضمون ان آیات میں بھی ہے: قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ (انعام: 149)۔ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ (یونس: 101)۔

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ ۘ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ ۙ﴿۶﴾ خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنَ

1۔ بیہقی: دلائل النبوۃ، جلد 2، صفحہ 267، مسلم، کتاب صفۃ القیامۃ، جلد 4، صفحہ 2159-2158، عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۃ القمر: 176 2۔ ایضاً

3۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 85 4۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 377، فتح الباری، تفسیر سورۂ قمر، جلد 8، صفحہ 617، مسلم، کتاب صفۃ القیامۃ، جلد 4، صفحہ 2158

5۔ مسند ابوداؤد طیالسی: 38 6۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 86 7۔ طبری، جلد 27، صفحہ 87

الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ۙ﴿۷﴾ مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ ؕ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ﴿۸﴾

''پس آپ رخ انور پھیر لیجئے ان سے۔ایک روز بلائے گا (انہیں) بلانے والا ایک ناگوار چیز کی طرف (خوف سے) ان کی آنکھیں جھکی ہوں گی قبروں سے یوں نکلیں گے جیسے وہ پراگندہ ٹڈیاں ہیں۔ڈرتے ڈرتے بھاگے جارہے ہوں گے بلانے والے کی طرف۔کافر کہتے ہوں گے یہ بڑا سخت دن ہے''۔

ارشاد ہوتا ہے اے محمد آپ ان مشرکین سے منہ پھیر لیں جو معجزہ دیکھ کر اس کا انکار کر دیتے ہیں اور اسے جادو قرار دینے لگتے ہیں۔
اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ عجیب وغریب اور خوفناک چیز۔یعنی میدان حساب اور اس میں جو کچھ آزمائشیں اور حالات پیش آئیں گے۔
خُشَّعًا جھکی ہوئی۔
الْاَجْدَاثِ قبریں۔
كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ میدان حشر میں وہ ٹڈی دل کی طرح تیزی سے پھیل جائیں گے۔
مُّهْطِعِيْنَ تیزی سے۔
اِلَى الدَّاعِ نہ حکم کی خلاف ورزی کریں گے اور نہ لیٹ ہوں گے۔
يَوْمٌ عَسِرٌ شدید ہولناک دن۔فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ۙ﴿۹﴾ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ (مدثر:10-9)۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا وَقَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّازْدُجِرَ ﴿۹﴾ فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ﴿۱۰﴾ فَفَتَحْنَاۤ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ۖ﴿۱۱﴾ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰۤى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ۚ﴿۱۲﴾ وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ۙ﴿۱۳﴾ تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا ۚ جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ﴿۱۴﴾ وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَاۤ اٰيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۱۵﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿۱۶﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۱۷﴾

''جھٹلایا ان سے پہلے قوم نوح نے یعنی انہوں نے جھٹلایا ہمارے بندے کو اور کہا یہ دیوانہ ہے اور اسے جھڑکا بھی گیا۔آخر کار آپ نے دعا مانگی اپنے رب سے کہ میں عاجز آ گیا ہوں پس تو (ان سے) بدلہ لے۔پھر ہم نے کھول دیئے آسمان کے دروازے موسلا دھار بارش کے ساتھ۔اور جاری کر دیا ہم نے زمین سے چشموں کو پھر دونوں پانی مل گئے ایک مقصد کے لئے جو پہلے مقرر ہو چکا تھا۔اور ہم نے سوار کر دیا نوح کو تختوں اور میخوں والی (کشتی) پر۔وہ بہتی جارہی تھی ہماری آنکھوں کے سامنے۔(یہ طوفان) بدلہ تھا اس (نبی) کا جس کا انکار کیا گیا تھا۔اور ہم نے باقی رکھا اس (قصہ) کو بطور نشانی۔پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا۔سو کیسا (خوفناک) تھا میرا عذاب اور (کتنے سچے تھے) میرے ڈراوے۔اور بے شک ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن کو نصیحت پذیری کے لئے، پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا''۔

قَوْمُ نُوْحٍ فَكَذَّبُوْا آپ کی قوم سے قبل قوم نوح نے بھی اس برگزیدہ رسول کی تکذیب کی تھی اور آپ کو مجنون ٹھہرایا تھا۔

وَازْدُجِرَ: (۱) آپ کو جنون ہو گیا ہے۔

(۲) انہوں نے انہیں سختی سے جھڑکا اور دھمکی دی کہ اے نوح اگر تم باز نہ آئے تو تمہیں رجم کر دیا جائے گا۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے اور یہ توجیہہ عمدہ ہے۔

مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ان لوگوں کے مقابلے میں کمزور ہوں۔ تو ہی ان کے مقابلے میں اپنے دین کی مدد فرما۔

مُّنْهَمِرٍ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کثیر۔

وَفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا روئے زمین پر ہر طرف سے پانی ابلنے لگا حتیٰ کہ آگ کے تنوروں سے بھی امڈ رہا تھا۔

فَالْتَقَى الْمَآءُ یعنی آسمان اور زمین دونوں کا پانی۔

عَلٰۤى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ یعنی مُقَدَّرٌ۔ مقرر شدہ۔

ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ منھمر کا معنی ہے کثیر یعنی اتنی مقدار میں پانی آج تک آسمان سے نہیں برسا تھا اور نہ آئندہ برسے گا مگر بادلوں سے۔ آسمان کے دروازے بادلوں کے بغیر ہی کھول دیئے گئے اور زمین اور آسمان کا پانی مل گیا جس طرح کہ طے ہو چکا تھا(1)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آسمان کے دہانے کھول دیئے گئے تھے(2)۔

وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّ دُسُرٍ حضرت ابن عباس، سعید بن جبیر، قرظی، قتادہ اور ابن زید رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس سے مراد میخ یا کیل ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے اختیار کیا ہے۔ اس کا واحد دسار ہے یا دسیر جیسے حبیك اور حباك اس کی جمع حبك آتی ہے(3)۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ دسر کشتی کے پہلوؤں کو کہتے ہیں۔ عکرمہ اور حسن کے نزدیک اس سے مراد اس کا سینہ ہے جسے موج تھپیڑے مارتی ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ دسر سے مراد اس کے دونوں کنارے اور ذیلی سطح ہے۔ عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ اس کا سینہ ہے۔

بِاَعْيُنِنَا ہمارے حکم سے ہماری نگاہوں کے نیچے اور ہماری حفاظت میں۔

جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ اللہ کے ساتھ کفر کرنے کی جزاء اور حضرت نوح علیہ السلام کی مدد کی خاطر۔

وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَاۤ اٰيَةً قتادہ کا قول ہے کہ اللہ نے حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کو باقی رکھا حتیٰ کہ اس امت کے اوائل لوگوں نے بھی اسے دیکھا ہے۔ اور بظاہر اس سے مراد اس کشتی کے نمونے ہیں۔ جیسے ارشاد ہوتا ہے: وَ اٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي..... مَا يَرْكَبُوْنَ (یٰسین :42)۔ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ...... اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ (الحاقہ :11)۔

مُّدَّكِرٍ کیا ہے کوئی جو وعظ و نصیحت حاصل کرے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ مجھے حضور علیہ السلام نے مُدَّكِرٍ پڑھایا ہے(4)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ خود حضور علیہ السلام بھی اسی طرح پڑھا کرتے تھے۔

حضرت اسود رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے پوچھا کہ یہ لفظ دال سے ہے یا ذال سے؟ فرمایا میں نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے

1۔ درمنثور، جلد 7، صفحہ 675
2۔ درمنثور، جلد 7، صفحہ 675
3۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 93
4۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 395، فتح الباری تفسیر سورۂ قمر، جلد 8، صفحہ 618-617

دال کے ساتھ سنا ہے اور وہ فرماتے تھے میں نے رسول اللہ ﷺ سے دال کے ساتھ ہی سنا ہے (1)۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کے سوا دیگر اصحاب سنن نے اس حدیث کو روایت کیا ہے (2)۔

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ میرے ساتھ کفر کرنے اور میرے رسولوں کو جھٹلانے والے اور عبرت نہ پکڑنے والوں پر میرا عذاب کس طرح آیا اور میں نے بدلہ کس طرح لیا۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ اس کے الفاظ کو سہل اور معنی کو آسان بنایا ہے اس کے لئے جو چاہے تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔ جس طرح فرمایا: فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ وَتُنْذِرَ بِهِ قَوْمًا لُدًّا (مریم: 97)۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفسیر میں نقل کیا ہے: ہم نے اس کی قراءت کو آسان بنایا ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اسے لوگوں کی زبانوں پر آسان نہ بناتا تو کوئی بھی کلام الٰہی کو نہ پڑھ سکتا۔

(مؤلف کی رائے) میں کہتا ہوں کہ ان آسانیوں میں سے ایک آسانی وہ ہے جس کا ذکر اس سے قبل حدیث میں گزر چکا ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "بلاشبہ یہ قرآن سات حرفوں پر اتارا گیا ہے۔" اس حدیث کے تمام طرق والفاظ پہلے گزر چکے ہیں۔ ان کے اعادے کی اب ضرورت نہیں۔ وللّٰہ الحمد والمنّۃ۔

فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ یعنی ہے کوئی اس قرآن سے نصیحت حاصل کرنے والا جس کے یاد کرنے اور سمجھنے کو اللہ نے آسان بنا دیا ہے؟

محمد بن کعب قرظی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ہے کوئی جو گناہوں سے نصیحت حاصل کرے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے مطر الوراق سے روایت کیا ہے ہے کوئی طالب علم کہ اس کی مدد کی جائے۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تعلیقات میں صیغہ جزم کے ساتھ اسی طرح ذکر کیا ہے اور ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ اور قتادہ سے بھی یہی منقول ہے (3)۔

كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿١٨﴾ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي يَوْمِ نَحْسٍ مُسْتَمِرٍّ ﴿١٩﴾ تَنْزِعُ النَّاسَ كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ مُنْقَعِرٍ ﴿٢٠﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿٢١﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ ﴿٢٢﴾

"عاد نے بھی جھٹلایا پھر کیسا (خوفناک) تھا میرا عذاب اور میرے ڈراوے۔ ہم نے ان پر تند و تیز آندھی بھیجی ایک دائمی نحوست کے دن میں وہ اکھاڑ کر پھینک دیتی لوگوں کو گویا وہ مڈھ ہیں اکھڑی ہوئی کھجور کے۔ پس کیسا (سخت) تھا میرا عذاب اور (کتنے سچے تھے) میرے ڈراوے۔ بے شک ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن کو نصیحت پذیری کے لئے پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا"۔

عاد (قوم ہود) کے بارے میں بتایا جا رہا ہے کہ انہوں نے اپنے رسول کی تکذیب کی۔ جس طرح قوم نوح نے کیا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان پر شدید برفانی ہوا بھیجی۔ یعنی بادِ صرصر۔

يَوْمِ نَحْسٍ ان کے لئے یہ دن منحوس تھا۔ ضحاک، قتادہ اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ سے یہی مروی ہے۔

1۔ فتح الباری، تفسیر سورہ قمر، جلد 8، صفحہ 618، مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، جلد 1، صفحہ 565، ترمذی، ابواب القراءات، جلد 11، صفحہ 58 2۔ ایضاً
3۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 97

مُّسْتَمِرٍّ اس کی نحوست اور بربادی مسلسل تھی کیونکہ اس دن دنیوی عذاب کو آخروی عذاب سے ملا دیا گیا تھا۔

تَنْزِعُ النَّاسَ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ..... کیونکہ ان میں سے کسی پر ہوا آتی اسے اٹھا کر لے جاتی اور نگاہوں سے غائب کر دیتی۔ پھر اسے سر کے بل گرا دیتی۔ جب وہ زمین پر گرتا تو اس کا سر جدا ہو جاتا اور دھڑ الگ رہ جاتا۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ﴿٢٣﴾ فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿٢٤﴾ ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ﴿٢٥﴾ سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ﴿٢٦﴾ اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ﴿٢٧﴾ وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ﴿٢٨﴾ فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ ﴿٢٩﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿٣٠﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ ﴿٣١﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿٣٢﴾

''ثمود نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا۔ پھر وہ کہنے لگے کیا ایک انسان جو ہم میں سے ہے (اور) اکیلا ہے ہم اس کی پیروی کریں۔ پھر تو ہم گمراہی اور دیوانگی میں مبتلا ہو جائیں گے۔ کیا اتاری گئی ہے وحی اس پر ہم سب میں سے (یہ کیونکر ممکن ہے) بلکہ وہ بڑا جھوٹا، شیخی باز ہے۔ کل انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون بڑا جھوٹا، شیخی باز ہے۔ ہم بھیج رہے ہیں ایک اونٹنی ان کی آزمائش کے لئے پس (اے صالح) ان کے انجام کا انتظار کرو اور صبر کرو۔ اور انہیں آگاہ کر دیجئے کہ پانی تقسیم کر دیا گیا ہے ان کے درمیان۔ سب اپنی اپنی باری پر حاضر ہوں۔ پس ثمودیوں نے بلایا اپنے ایک ساتھی (قدار) کو پس اس نے وار کیا اور (اونٹنی کی) کونچیں کاٹ دیں۔ پھر (معلوم ہے) کیسا تھا میرا عذاب اور میرے ڈراوے۔ ہم نے بھیجی ان پر ایک چنگھاڑ پھر وہ اس طرح ہو کر رہ گئے جیسے روندی ہوئی خاردار باڑھ۔ بے شک ہم نے آسان کر دیا قرآن کو نصیحت پذیری کے لئے پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا''۔

قوم ثمود کا تذکرہ ہو رہا ہے کہ انہوں نے اپنے رسول حضرت صالح علیہ السلام کی تکذیب کی۔

اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ہم خائب و خاسر ہیں اگر یہ فرض کر لیں کہ ہم اپنے جیسے ایک شخص کے تابعدار ہیں۔ پھر وہ آپ پر وحی اترنے سے متعجب ہوتے۔ اور آپ کو جھٹلانا شروع کر دیتے۔

بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ یعنی جھوٹ میں حد سے تجاوز کرنے والا۔ ارشاد ہوتا ہے: سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ یہ شدید دھمکی اور پختہ وعید ہے۔

فِتْنَةً لَّهُمْ انہیں آزمانے کے لئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے مطالبہ پر چٹان سے ایک بہت بڑی اونٹنی نکالی۔ تاکہ یہ حضرت صالح علیہ السلام کی صداقت کی دلیل بن سکے۔ پھر اپنے رسول صالح کو ارشاد فرمایا: فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ دیکھئے ان کا کیا انجام ہوتا ہے اور صبر کیجئے حسن انجام اور دنیا و آخرت میں غلبہ آپ کو ہی نصیب ہو گا۔

قِسْمَةٌۢ بَيْنَهُمْ ایک دن ان کے لئے اور ایک دن اس اونٹنی کے لئے۔ ایک اور آیت میں ہے: قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ

يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ (الشعراء:155)۔

مُّحْتَضَرٌ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جب وہ نہ ہوتو پانی حاضر ہے اور جب وہ اونٹنی ہوتو دودھ حاضر ہے (1)۔

فَعَقَرَ اپنے رفیق کو آواز دی مفسرین کے نزدیک اس کا نام قدار بن سالف تھا۔ یہ اپنی قوم کا بدبخت ترین آدمی تھا۔ جیسے ایک اور آیت میں ہے: اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا (الشمس:12)۔

فَتَعَاطٰى: أي حسر۔ دست درازی کی۔

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَ نُذُرِ یعنی ان کا انجام۔ کفر کرنے اور میرے رسول کو جھٹلانے کی وجہ سے ان پر میرا عذاب کس طرح تھا۔

الْمُحْتَظِرِ وہ سب تباہ ہو گئے۔ ان میں سے کوئی فرد باقی نہ رہا۔ سب اس طرح ساکت وصامت ہو گئے جیسے خشک کھیتی اور نبات اڑتی ہے۔ بہت سے مفسرین کا یہی قول ہے۔

سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ محتظر سے مراد چراگاہ ہے جب اس کی گھاس خشک ہو جائے اور جل جائے تو ہوا اسے اڑائے پھرتی ہے۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اہل عرب خشک ڈھنگروں سے اونٹوں اور مویشیوں کے لئے باڑے بناتے تھے اور ھشیم المحتظر سے یہی مراد ہے۔ سعید بن جبیر کا قول ہے کہ اس سے مراد دیوار سے گرنے والی مٹی ہے لیکن یہ قول غریب ہے اور پہلا قول ہی اقویٰ ہے۔ واللہ اعلم۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍۭ بِالنُّذُرِ ﴿۳۳﴾ اِنَّاۤ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّاۤ اٰلَ لُوْطٍ ؕ نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ﴿۳۴﴾ نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ شَكَرَ ﴿۳۵﴾ وَ لَقَدْ اَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ﴿۳۶﴾ وَ لَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَاۤ اَعْيُنَهُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَ نُذُرِ ﴿۳۷﴾ وَ لَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ﴿۳۸﴾ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَ نُذُرِ ﴿۳۹﴾ وَ لَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۴۰﴾

”قوم لوط نے بھی جھٹلایا تھا پیغمبروں کو۔ ہم نے بھیجی ان پر پتھر برسانے والی ہوا سوائے لوط کے گھرانے کے۔ ہم نے ان کو بچالیا سحری کے وقت۔ یہ (خاص) مہربانی تھی ہماری طرف سے۔ اسی طرح ہم جزاء دیتے ہیں جو شکر کرتا ہے۔ اور بے شک ڈرایا تھا انہیں لوط (علیہ السلام) نے ہماری پکڑ سے پس جھگڑنے لگے ان کے ڈرانے کے بارے میں اور انہوں نے پھسلانا چاہا لوط کو اپنے مہمانوں سے تو ہم نے میٹ دیا ان کی آنکھوں کو، لو اب چکھو (اے بے حیاؤ!) میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزہ۔ پس صبح سویرے ان پر ٹھہرنے والا عذاب نازل ہوا۔ لو اب چکھو میرے عذاب اور میرے ڈرانے کا مزہ۔ اور بے شک ہم نے آسان کر دیا قرآن کو نصیحت پذیری کے لئے پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا“۔

قوم لوط کے بارے میں بتایا جا رہا ہے کہ کس طرح انہوں نے اپنے رسول کی تکذیب کی اور اس کے اوامر کی خلاف ورزی کی اور اغلام بازی جیسا ناپسندیدہ فعل کیا۔ یہ جرم شنیع ان سے پہلے کسی سے صادر نہ ہوا تھا۔ اس لئے اللہ نے انہیں اس طرح کا عذاب دیا جو کسی قوم پر نہ

1۔ طبری، جلد 27، صفحہ 102

آیا تھا۔ اللہ نے حضرت جبریل کو حکم دیا۔ آپ ان کی بستیوں کو اٹھا کر آسمان کے قریب لے گئے اور وہاں سے اوندھا الٹا دیا۔ پھر ان پر ان کے ناموں کے پتھر برسائے۔

حَاصِبًا: پتھر۔

بِسَحَرٍ: وہ رات کے آخری حصہ میں نکلے اور اس عذاب سے نجات پا گئے جو ان کی قوم پر آیا تھا۔ حضرت لوط علیہ السلام پر آپ کی قوم میں سے کوئی بھی ایمان نہ لایا تھا۔ ایک شخص بھی نہیں حتیٰ کہ آپ کی زوجہ بھی آپ پر ایمان نہ لائی تھی۔ حضرت لوط علیہ السلام اپنی بیٹیوں کو لے کر نکلے۔ آپ کو کوئی گزند نہ پہنچی۔

كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ شَكَرَ نزول عذاب سے قبل انہیں اللہ کے عذاب سے ڈرایا گیا۔ لیکن انہوں نے ان باتوں پر کوئی توجہ نہ دی بلکہ شک وشبہ میں پڑے رہے۔

وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ اس رات آپ کے پاس فرشتے جبریل، میکائیل اور اسرافیل خوبرو نوجوانوں کی شکل میں اللہ کی آزمائش بن کر آئے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں مہمان ٹھہرایا۔ آپ کی بیوی نے جو بدباطن بڑھیا تھی انہیں خبر کر دی کہ حضرت لوط علیہ السلام کے پاس مہمان آئے ہیں۔ وہ ہر طرف سے دوڑتے ہوئے آئے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے دروازہ بند کر لیا۔ وہ دروازے کو توڑنے کی کوشش کرنے لگے۔ یہ عشاء کا وقت تھا۔ حضرت لوط علیہ السلام انہیں باز رکھنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ اور فرما رہے تھے: (ھؤلاء بناتی) یعنی تمہاری عورتیں جو موجود ہیں۔ ان کنتم فاعلین قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ (ہود: 79)۔ ہمیں ان کی کوئی خواہش نہیں۔ جب معاملہ طول پکڑ گیا اور وہ باز نہ آئے تو حضرت جبریل باہر نکلے ان کی آنکھوں پر اپنا پر مارا۔ ان کی آنکھیں جاتی رہیں۔ ایک قول ہے کہ آنکھوں کو سلب کر لیا گیا۔ ایک قول ہے کہ ان کی آنکھیں بالکل ختم ہو گئیں اور چہرہ سپاٹ ہو گیا گویا یہاں کبھی آنکھ کا نام ونشان تک نہ تھا چنانچہ وہ پشت کے بل دیواریں ٹٹولتے ہوئے واپس ہو گئے اور حضرت لوط علیہ السلام کو صبح آنے کی دھمکی دیتے چلے گئے۔

عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ اس سے بچاؤ کی کوئی صورت نہ تھی۔

وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ۝۴۱ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ اَخْذَ عَزِيْزٍ مُّقْتَدِرٍ ۝۴۲ اَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ اُولٰٓئِكُمْ اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ ۝۴۳ اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ۝۴۴ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ۝۴۵ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ۝۴۶

''اور آئے آل فرعون کے پاس ڈرانے والے۔ انہوں نے جھٹلایا ہماری ساری آیتوں کو پھر ہم نے ان کو پکڑ لیا جیسے کوئی زبردست قوت والا پکڑتا ہے۔ کیا تمہاری قوم کے کفار بہتر ہیں ان سے یا تمہارے لئے معافی لکھ دی گئی ہے آسمانی نوشتوں میں۔ یا وہ کہتے ہیں کہ ہم ایسی جماعت ہیں جو غالب ہی رہے گی۔ عنقریب پسپا ہو گی یہ جماعت اور پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔ بلکہ ان کے وعدہ کا وقت (روزِ) قیامت ہے اور قیامت بڑی خوفناک اور تلخ ہے''۔

فرعون اور اس کی قوم کے واقعات کا بیان ہو رہا ہے کہ ان کے پاس اللہ کے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کے بھائی حضرت

ہارون علیہ السلام کو بشیر و نذیر بنا کر بھیجا اور بہت سے معجزات عطا فرمائے۔ لیکن انہوں نے ان سب کو جھٹلایا تو اللہ کی پکڑ نے انہیں آلیا اور انہیں برباد کر دیا۔ کوئی مخبران میں باقی نہ رہا۔ اور نہ ان کا کوئی نام و نشان بچا۔

اَكُفَّارُكُمْ یعنی اے کفار قریش کے مشرکین! کیا تم ان لوگوں سے بہتر ہو جن کا اوپر تذکرہ ہوا، جنہیں رسولوں اور کتابوں کے جھٹلانے کی وجہ سے برباد کر دیا گیا۔

اَمْ لَكُمْ بَرَآءَةٌ فِي الزُّبُرِ یا تمہارے پاس کسی آسمانی کتاب میں اللہ کی طرف سے معافی لکھ دی گئی ہے کہ تم پر کوئی عذاب نہیں آئے گا۔

جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ یعنی وہ سمجھتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ ان کی جمعیت انہیں ہر تکلیف سے محفوظ رکھے گی۔

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ ان کی جمعیت پراگندہ کر دی جائے گی اور وہ مغلوب ہو جائیں گے۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ غزوۂ بدر کے دن نبی کریم ﷺ اپنے خیمے میں یہ دعا فرما رہے تھے: ''اے اللہ! میں تجھے تیرے عہد اور وعدے کی قسم دیتا ہوں۔ اگر تیری منشا یہی ہے تو آج کے بعد روئے زمین پر تیری عبادت نہیں کی جائے گی۔'' اتنے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کا ہاتھ پکڑ لیا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آپ کو کافی ہے۔ آپ نے اپنے رب کی بہت الحاح کر لی۔ چنانچہ آپ زرہ بند جلدی سے باہر تشریف لائے۔ آپ کی زبان پر یہ آیات جاری تھیں۔ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ سے وَاَمَرُّ تک (1)۔ بخاری و نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے متعدد جگہوں پر اسی طرح ذکر کیا ہے۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سوچا یہ کون سی جماعت ہے جو شکست کھائے گی اور مغلوب ہو گی؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوۂ بدر کے دن جب میں نے حضور ﷺ کو اس آیت کی تلاوت کرتے ہوئے سنا سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ...... تو مجھے اس دن اس آیت کی تاویل معلوم ہو گئی۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے یہ آیت مکہ میں اتری میں اس وقت کم سن تھی اور اپنی ہجولیوں میں کھیلتی پھرتی تھی۔ یعنی آیت بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ...... (2)۔ یہ روایت یہاں مختصر ہے اور فضائل قرآن میں مطول موجود ہے۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ میں یہ روایت نہیں ہے۔

اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ ضَلٰلٍ وَّ سُعُرٍ ﴿۴۷﴾ يَوْمَ يُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ؕ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ﴿۴۸﴾ اِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ﴿۴۹﴾ وَمَاۤ اَمْرُنَاۤ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ ﴿۵۰﴾ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَاۤ اَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۵۱﴾ وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ ﴿۵۲﴾ وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّ كَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ ﴿۵۳﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ نَهَرٍ ﴿۵۴﴾ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۵۵﴾

''بے شک مجرم گمراہی اور پاگل پن کا شکار ہیں۔ اس روز انہیں گھسیٹا جائے گا آگ میں منہ کے بل۔ (انہیں کہا جائے گا) چکھو اب آگ میں جلنے کا مزہ۔ ہم نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے ایک اندازے سے۔ اور نہیں ہوتا ہمارا حکم مگر ایک بار جو آنکھ جھپکنے میں واقع ہو جاتا ہے۔ اور بیشک ہم نے ہلاک کر دیا جو (کفر میں) تمہارے ہم مشرب تھے پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ قمر، جلد 8، صفحہ 619، کتاب الجہاد، جلد 6، صفحہ 99

2۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ قمر، جلد 8، صفحہ 619، کتاب فضائل قرآن، جلد 9، صفحہ 39

والا۔ اور جو کچھ انہوں نے کیا ہے ان کے نامہ اعمال میں درج ہے۔ اور ہر چھوٹی اور بڑی بات (اس میں) لکھی ہوئی ہے۔
بے شک پرہیزگار باغوں میں اور نہروں میں ہوں گے۔ بڑی پسندیدہ جگہ میں عظیم قدرت والے بادشاہ کے پاس (بیٹھے)
ہوں گے''۔

مجرمین کے بارے میں یہ خبر دی جارہی ہے کہ وہ راہ حق سے گمراہ اور پاگل پن کا شکار ہیں اور اپنے خیالات کے شکوک واضطراب میں مبتلا ہیں۔ یہ آیت ہر اس شخص کو شامل ہے جس میں یہ صفات ہیں۔ یعنی کافر اور تمام فرقوں کے مبتدع۔

یَوْمَ یُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ...... یعنی وہ جس طرح پاگل پن، تردد اور شکوک وشبہات میں مبتلا تھے ان کا یہ فعل انہیں آگ میں لے گیا، اسی طرح وہ گمراہ بھی تھے انہیں اوندھے منہ گھسیٹا جائے گا لیکن انہیں پتہ نہیں ہوگا کہ انہیں کدھر لے جایا جارہا ہے۔ از راہ تقریع وتوبیخ انہیں کہا جارہا ہے۔ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ

قولہ تعالیٰ إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ایک اور آیت میں ہے: وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا (فرقان: 2) اور فرمایا: سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى...... قَدَّرَ فَهَدٰى۔ یعنی ایک تقدیر مقرر کی پھر خلائق کی راہنمائی اس کی طرف کی۔ اس آیت کریمہ سے آئمہ اہل سنت نے تقدیر پر استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی تقدیر ان کی پیدائش سے پہلے ہی مقرر کر دی ہے۔ ہر چیز اپنے وجود سے قبل اللہ کے علم میں ہے اور اپنے ظہور سے پیشتر خدا کے ہاں لکھی جا چکی ہے۔ اہل سنت نے اس آیت اور اس طرح کی دیگر آیات واحادیث سے فرقہ قدریہ کا رد کیا ہے۔ یہ لوگ عہد صحابہ کے اواخر میں ظاہر ہو چکے تھے۔ ہم نے اس مضمون کی احادیث کو صحیح بخاری کی کتاب الایمان کی شرح میں ذکر کیا ہے اور اس پر مفصل بحث کی ہے۔ یہاں ہم اس آیت کریمہ سے متعلقہ احادیث ذکر کرتے ہیں۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ مشرکین قریش نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور قدر کے بارے میں جھگڑا کرنے لگے تو یہ آیت نازل ہوئی یَوْمَ یُسْحَبُوْنَ فِي النَّارِ...... (1)۔ مسلم، ترمذی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسی طرح روایت کیا ہے (2)۔ بزار رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ یہ آیات تقدیر کے بارے میں ہی نازل ہوئی ہیں۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا یہ میری امت کے ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو آخر زمانہ میں ہوں گے اور تقدیر کو جھٹلائیں گے (3)۔ حضرت عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس حاضر ہوا۔ آپ اس وقت چاہ زمزم سے پانی نکال رہے تھے۔ آپ کے کپڑوں کے دامن بھیگے ہوئے تھے۔ میں نے عرض کی تقدیر کے بارے میں بات کی گئی ہے۔ آپ نے فرمایا: کیا لوگوں نے ایسا کیا ہے۔ میں نے عرض کیا ہاں۔ فرمایا: اللہ کی قسم یہ آیت انہی لوگوں کے بارے میں اتری ہے۔

ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ...... یہ لوگ اس امت کے شریر لوگ ہیں۔ ان کے بیماروں کی عیادت نہ کرو۔ ان کے مرنے والوں کی نماز جنازہ نہ پڑھو۔ اگر میں ان میں سے کسی کو دیکھوں تو اپنی ان انگلیوں سے ان کی آنکھیں پھوڑ دوں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسری سند سے اسے مرفوع روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ آپ کی خدمت میں عرض کی گئی ہمارے پاس ایک آدمی آیا

1۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 444، مسلم، کتاب القدر، جلد 4، صفحہ 2046، عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۃ قمر، جلد 12، صفحہ 177، ابن ماجہ، جلد 1، صفحہ 33-32

2۔ ایضاً 3۔ مجمع الزوائد، جلد 7، صفحہ 117

ہے جو تقدیر کو جھٹلاتا ہے۔ فرمایا مجھے اس کے پاس لے چلو۔ اس وقت آپ رضی اللہ عنہ کی بینائی جاتی رہی تھی۔ عرض کی گئی آپ اس کو کیا کہیں گے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر میں اس پر قادر ہوا تو اس کی ناک پر کاٹ لوں گا حتیٰ کہ اسے الگ کردوں اور اگر اس کی گردن میرے ہاتھ میں آ گئی تو اسے دبا دوں گا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا۔ آپ ﷺ فرماتے تھے: ''میں بنی فہر کی عورتوں کو دیکھ رہا ہوں وہ خزرج کے اردگرد طواف کرتی پھرتی ہیں۔ ان کے جسم حرکت کرتے ہیں اور وہ مشرکہ عورتیں ہیں۔ اس امت کا پہلا شرک یہی ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ان کی بری رائے یہاں تک بڑھے گی کہ وہ اللہ کو بھلائی مقدر کرنے والا بھی نہ مانیں گے جس طرح اسے برائی مقدر کرنے والا نہیں مانیں گے (1)۔'' امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسری سند سے بھی اسے روایت کیا ہے۔ شیخین نے اسے ذکر نہیں کیا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے نافع سے روایت کیا ہے کہ ایک شامی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا دوست تھا وہ آپ سے خط و کتابت کرتا تھا۔ آپ نے اسے لکھا کہ مجھے پتہ چلا ہے تم تقدیر کے بارے میں بات چیت کرتے ہو۔ آئندہ مجھے خط نہ لکھنا۔ میں نے حضور ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا ہے: ''میری امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو تقدیر کو جھٹلائیں گے (2)۔'' ابوداؤد نے احمد بن حنبل رحمہما اللہ تعالیٰ سے اسی طرح روایت کیا ہے (3)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ہر امت کے مجوسی ہیں۔ میری امت کے مجوسی وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کوئی تقدیر نہیں۔ اگر وہ بیمار ہو جائیں تو ان کی عیادت نہ کرو اور اگر مر جائیں تو ان کے جنازے پر نہ جاؤ (4)''۔ اصحاب صحاح ستہ میں سے کسی نے اسے اس سند سے روایت نہیں کیا۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا۔ میری امت میں مسخ ہوگا یعنی لوگوں کی صورتیں بدل دی جائیں گی۔ خبردار یہ ان لوگوں میں ہوگا جو تقدیر کو جھٹلائیں گے اور زندیقیہ (الحاد) میں (5)۔

ترمذی اور ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسی طرح روایت کیا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن صحیح غریب قرار دیا ہے (6)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ہر چیز تقدیر سے ہے حتیٰ کہ نادانی اور عقلمندی بھی (7)۔'' مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے الگ سند سے بھی اسے روایت کیا ہے۔

ایک صحیح حدیث میں ہے: ''اللہ سے مدد مانگ اور عاجز نہ بن۔ اگر تمہیں کوئی نقصان پہنچ جائے تو کہہ دے جو اللہ نے چاہا مقرر کیا تھا اور جو چاہا کیا۔ اور یہ نہ کہہ اگر میں یوں کرتا تو یوں ہوتا کیونکہ اس طرح ''اگر'' کہنا شیطانی عمل کا دروازہ کھول دیتا ہے (8)''۔

حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آپ سے فرمایا: تو جان لے اگر تمام امت جمع ہو کر تجھے کوئی نفع پہنچانا چاہیں جو اللہ نے تیری قسمت میں نہیں لکھا تو وہ تجھے یہ نفع نہیں پہنچا سکیں گے۔ اور اگر وہ تجھے وہ نقصان پہنچانا چاہیں جو اللہ نے تیری قسمت میں نہیں لکھا تو وہ تجھے یہ نقصان نہیں پہنچا سکتے قلمیں خشک ہو چکیں اور دفتر لپیٹ دیئے گئے (9)۔

1۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 330 — 2۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 90، سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، جلد 4، صفحہ 204 — 3۔ ایضاً

4۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 82 — 5۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 108۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب القدر، جلد 8، صفحہ 318، ابن ماجہ، کتاب الفتن، جلد 2، صفحہ 1350

6۔ ایضاً — 7۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 110، مسلم، کتاب القدر، جلد 4، صفحہ 2045

8۔ مسلم، کتاب القدر، جلد 4، صفحہ 2052، ابن ماجہ، جلد 1، صفحہ 31

9۔ ترمذی، ابواب صفۃ القیامۃ، عارضۃ الاحوذی، جلد 2، صفحہ 320-319، ابن ماجہ، جلد 1، صفحہ 307-303-293

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ولید بن عبادہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے اپنے باپ سے عرض کی جب کہ وہ بیمار تھے اور مجھے ان کے وصال کا خدشہ تھا۔ ابا جی ہمیں کچھ وصیت کر جائیے۔ آپ نے فرمایا: مجھے بٹھا دو۔ جب آپ کو بٹھا دیا گیا تو فرمایا: اے بیٹے! تجھے ایمان کا لطف حاصل نہیں ہوگا اور اللہ کے متعلق تجھے جو علم ہے اس کی حقیقت تک تو نہیں پہنچ سکتا یہاں تک کہ تو تقدیر کے خیر و شر پر ایمان لائے۔ میں نے عرض کی ابا جان میں یہ کیسے معلوم کر سکتا ہوں کہ میرا ایمان تقدیر کی بھلائی برائی پر ہے؟ فرمایا تجھے یہ یقین ہو کہ جو تجھے نہیں ملا وہ ملنے والا ہی نہ تھا اور جو تجھے پہنچا وہ ٹلنے والا ہی نہ تھا۔ اے بیٹے میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا: ''اللہ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا پھر اسے لکھنے کا حکم دیا۔ وہ اسی وقت چل پڑا اور قیامت تک جو کچھ ہونے والا تھا سب کچھ لکھ دیا۔'' اے بیٹے اگر میں مر جاؤں اور اس عقیدے پر نہ ہوں تو سیدھا دوزخ میں جاؤں گا(1)۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے اور حسن صحیح غریب قرار دیا ہے(2)۔

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کوئی شخص مومن نہیں ہوتا یہاں تک کہ چار چیزوں پر ایمان لائے، وہ یہ گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں اس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے اور موت کے بعد اٹھنے پر ایمان رکھتا ہو اور تقدیر کے خیر و شر پر ایمان رکھے''۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح روایت کیا ہے اور اسے اصح قرار دیا ہے۔ ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہی روایت کیا ہے(3)۔

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے اسی طرح مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ نے زمین و آسمان کی پیدائش سے پچاس ہزار برس قبل مخلوقات کی تقدیر لکھی۔ اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا(4)''۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن صحیح غریب قرار دیا ہے(5)۔

قولہ تعالیٰ وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۢ بِالْبَصَرِ پروردگار عالم اپنی مخلوق میں اپنے تصرف و نفوذ اور اپنی تقدیر کے صحیح ہونے کے بارے میں خبر دے رہا ہے۔

اِلَّا وَاحِدَةٌ یعنی ہم کسی چیز کا ایک مرتبہ حکم دیتے ہیں۔ یعنی پلک جھپکنے کے برابر بھی اس میں تاخیر نہیں ہوتی۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے(6): ؎

إِذَا مَا أَرَادَ اللّٰهُ أَمْرًا فَإِنَّمَا   يَقُوْلُ لَهُ كُنْ قَوْلَةً فَيَكُوْنُ

قولہ تعالیٰ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَآ اَشْيَاعَكُمْ یعنی مرسلین کو جھٹلانے والی سابقہ اقوام۔

مُّدَّكِرٍ کیا پکڑنے والا کوئی ہے جو ان کے انجام کو دیکھ کر نصیحت حاصل کرے۔ جیسے ارشاد فرمایا: وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ (سبا: 54)۔

قولہ وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ ہر چیز ملائکہ کے پاس کتابوں میں لکھی ہوئی ہے۔

كُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ یعنی ان کے اعمال میں سے۔

1۔ مسند احمد، جلد 5 صفحہ 317، عارضۃ الاحوذی، جلد 8 صفحہ 320-319   2۔ ایضاً

3۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب القدر، جلد 8 صفحہ 313-312، ابن ماجہ، جلد 1 صفحہ 32

4۔ مسلم، کتاب القدر، جلد 4 صفحہ 2044، عارضۃ الاحوذی، ابواب القدر، جلد 4 صفحہ 321-320

5۔ ایضاً   6۔ یہ شعر سورۂ یٰسین کی آیت: 81 کی تفسیر میں گزر چکا ہے

مُّسْتَطَرٌ ان کا ہر عمل جمع شدہ صحیفوں میں لکھا ہوا ہے۔ کوئی چھوٹا بڑا عمل نہیں مگر شمار میں ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے عائشہ! صغیرہ گناہوں سے بھی پرہیز کر۔ خدا کی طرف سے اس کا مطالبہ کرنے والا بھی ہے(1)''۔ نسائی اور ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے سعید بن مسلم بن بانک مدنی سے روایت کیا ہے احمد، ابن معین اور ابوحاتم رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ نے اس کی توثیق کی ہے۔

حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے سعید بن مسلم کے حالات میں ایک دوسری سند سے اسی طرح روایت کیا ہے۔

حضرت سلیمان بن مغیرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ مجھ سے ایک گناہ سرزد ہو گیا۔ میں نے اسے کم سمجھا (اور حقیر تصور کیا) رات کو خواب میں دیکھتا ہوں کہ ایک آنے والا کہہ رہا ہے اے سلیمان:۔

لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الذُّنُوْبِ صَغِيْراً إِنَّ الصَّغِيْرَ غَداً يَعُوْدُ كَبِيْرَا

إِنَّ الصَّغِيْرَ وَلَوْ تَقَادَمَ عَهْدُهُ عِنْدَ الإِلٰه مُسَطَّرٌ تَسْطِيْرَا

فَازْجُرْ هَوَاكَ عَنِ الْبَطَالَةِ لَا تَكُنْ صَعبَ الْقِيَادِ، وَشَمِّرَن تَشْمِيْرَا

إِنَّ الْمُحِبَّ إِذَا أَحَبَّ إِلٰهَهُ طَارَ الْفُؤَادُ وأُلْهِمَ التَّفْكِيْرَا

فَاسْأَلْ هِدَايَتَكَ الإِلٰهَ بِنِيَّةٍ فَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَنَصِيْرَا

صغیرہ گناہوں کو بھی حقیر نہ سمجھو۔ یہ صغیرہ کل کبیرہ ہو جائیں گے۔ صغیرہ گناہوں کو اگرچہ ایک عرصہ گزر چکا ہو وہ اللہ کے پاس لکھے ہوئے موجود ہیں۔ بدی سے اپنے آپ کو روکے رکھ۔ ایسا نہ ہو کہ پھر نیکی کی طرف اس کا لانا دشوار ہو اور ہر وقت کمربستہ رہ۔ محبّ جب اپنے خدا سے محبت کرتا ہے تو اس کا دل اڑنے لگتا ہے اور اسے غور و فکر کی عادت الہام کی جاتی ہے۔ صدق نیت سے اپنے رب سے ہدایت طلب کرے۔ تیرا رب ہی تجھے ہدایت دینے والا اور مددگار کافی ہے۔

قولہ تعالیٰ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ نَهَرٍ بدبختوں کے برعکس جو گمراہی اور پاگل پن میں مبتلا ہوں گے اور اوندھے منہ آگ میں گھسیٹے جائیں گے۔

وقولہ تعالیٰ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ دار کرامت و رضوان میں، فضل و امتنان اور جود و احسان میں ہوں گے۔

عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ یہاں عظیم شہنشاہ کے پاس جو تمام اشیاء کا خالق اور مقرر کرنے والا ہے۔ وہ جو چاہے اس پر قادر ہے اس میں سے جو وہ چاہتے ہیں اور جس کا مطالبہ کرتے ہیں۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن عمرو سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ انصاف کرنے والے روز قیامت نور کے منبروں پر رحمٰن کے دائیں جانب ہوں گے اور اس کے دونوں ہاتھ دائیں ہی ہیں۔ جو لوگ اپنے فیصلوں، اہل خانہ اور جس پر انہیں والی بنایا گیا ہو عدل و انصاف سے کام لیتے ہیں۔ مسلم اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ میں بھی یہ روایت موجود ہے(2)۔

سورۂ قمر کی تفسیر ختم ہوئی۔

وللّٰہ الحمد والمنّة وبه التوفيق والعصمة۔

1۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 151، نسائی، کتاب الرقاق بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 12 صفحہ 250، ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2 صفحہ 1417

2۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 160

سورۂ رحمٰن

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے زر سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے کہا کہ قرآن میں یہ لفظ کس طرح ہے "من ماء غیر یاسن یا آسِنٍ" (1)۔ آپ نے فرمایا: گویا تو نے باقی سارا قرآن سمجھ لیا ہے۔ وہ کہنے لگا میں مفصل کی تمام سورتوں کو ایک رکعت میں پڑھا کرتا ہوں آپ نے فرمایا تیرا باپ نہ ہو پھر تو تو اشعار کی طرح جلدی جلدی پڑھتا ہوگا؟ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ نبی کریم ﷺ مفصل کی ابتدائی کون کون سی دو سورتوں کو ملایا کرتے تھے (2)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں مفصل کی سب سے پہلی سورت یہی ہے (3)۔

ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک روز حضور ﷺ اپنے صحابہ کے پاس تشریف لائے اور مکمل سورۂ رحمٰن کی تلاوت فرمائی۔ وہ سب خاموش گم سم بیٹھے رہے۔ آپ نے فرمایا میں نے لیلۃ الجن میں اسے جنوں پر تلاوت کیا تھا۔ وہ جواب دینے میں تم سے بہتر تھے۔ جب بھی میں یہ آیت پڑھتا فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ تو وہ جواب میں کہتے (وَلَا بِشَیْءٍ مِنْ نِعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ) ہم تیری کسی نعمت کا انکار نہیں کرتے اور سب تعریفیں تیرے لئے ہیں (4)۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے غریب قرار دیا ہے۔ حافظ ابوبکر بزار رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہی روایت بیان کی ہے۔ اس میں ہے کہ یا تو آپ نے یہ سورت پڑھی یا آپ کے سامنے اس کی تلاوت کی گئی۔ تو صحابہ کو خاموش دیکھ کر آپ نے فرمایا: کیا وجہ ہے میں جنات کو تم سے زیادہ اپنے رب کا جواب دینے والا پاتا ہوں۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! وہ کیا جواب ہے؟ فرمایا میں جب بھی اس آیت فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ پر پہنچا تو جنوں نے کہا: لَا بِشَیْءٍ مِنْ نِعَمِ رَبِّنَا نُكَذِّبُ (5) حافظ بزار رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

اَلرَّحْمٰنُ ۙ﴿۱﴾ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ؕ﴿۲﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۙ﴿۳﴾ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ﴿۴﴾ اَلشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۪﴿۵﴾ وَّ النَّجْمُ وَ الشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ﴿۶﴾ وَ السَّمَآءَ رَفَعَهَا وَ وَضَعَ الْمِيْزَانَ ۙ﴿۷﴾ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ﴿۸﴾ وَ اَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَ لَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ ﴿۹﴾ وَ الْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ۙ﴿۱۰﴾ فِيْهَا فَاكِهَةٌ ۪ۙ وَّ النَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ۖ﴿۱۱﴾ وَ الْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَ الرَّيْحَانُ ۚ﴿۱۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۳﴾

1۔ ابوحیان: البحر المحیط، جلد 8، صفحہ 79
2۔ فتح الباری، جلد 2، صفحہ 259
3۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 412، مسند ابن شیبہ، جلد 2، صفحہ 520، بخاری، کتاب الاذان، فتح الباری، جلد 2، صفحہ 255، مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، جلد 1، صفحہ 563-565
4۔ عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۂ رحمٰن، جلد 12 صفحہ 178-177
5۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 124-123، کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب التفسیر، جلد 3، صفحہ 74

''رحمٰن نے (اپنے حبیب کو) سکھایا ہے قرآن۔ پیدا فرمایا انسانِ (کامل) کو۔ (نیز) اسے قرآن کا بیان سکھایا۔ سورج اور چاند حساب کے پابند ہیں۔ اور (آسمان کے) تارے اور (زمین کے) درخت اسی کو سجدہ کناں ہیں۔ اور آسمان اسی نے بلند کیا اور میزان (عدل) قائم کی۔ تاکہ تم تولنے میں زیادتی نہ کرو۔ اور وزن کو ٹھیک رکھو انصاف کے ساتھ۔ اور تول کو کم نہ کرو۔ اور اس نے زمین کو پیدا کیا مخلوق کے لئے اس میں گونا گوں پھل ہیں اور کھجوریں غلافوں والی۔ اور اناج بھی بھوسہ والا اور خوشبودار پھول۔ پس (اے انس و جاں) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے''۔

اللہ تعالیٰ مخلوق پر فضل و رحمت کا بیان فرما رہا ہے کہ اس نے اپنے بندوں پر قرآن نازل فرمایا اور جس پر وہ رحم فرمائے اس کے لئے اس کا سمجھنا اور یاد کرنا آسان فرما دیا۔

اَلْبَيَانَ حسن کا قول ہے یعنی نطق۔ ضحاک، قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہ کا قول ہے کہ خیر و شر۔ لیکن حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا قول یہاں اقویٰ اور احسن ہے۔ کیونکہ سیاق کلام میں تعلیم قرآن کا ذکر ہو رہا ہے اور مراد اداء تلاوت اور تلاوت ہے موقوف ہے اختلاف مخارج کے ساتھ حلق، زبان اور ہونٹوں سے ان الفاظ کا بآسانی ادا ہونا۔

بِحُسْبَانٍ ایک دوسرے کے پیچھے ایک مقررہ حساب سے گردش میں ہیں۔ ان کی حرکت میں اختلاف اور اضطراب نہیں۔ لَا الشَّمْسُ يَنۢبَغِي لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۚ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ (یٰسین:40)، فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۚ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ (انعام:96)۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر تمام انسانوں، جنات، چوپایوں اور پرندوں کی آنکھوں کا نور ایک بندے کی آنکھ میں رکھ دے پھر سورج کے سامنے جو ستر پردے ہیں ان میں سے ایک پردہ ہٹا دے تو یہ آنکھ سورج کی طرف نہ دیکھ سکے۔ سورج کا نور کرسی کے نور کا سترواں حصہ ہے اور کرسی کا نور عرش کے نور کا سترواں حصہ ہے اور عرش کا نور حجاب باری کے پردے کے نور کا سترواں حصہ ہے۔ ذرا غور فرمائیے اللہ نے اپنے بندے کی آنکھوں میں کس قدر نور رکھا ہوگا جب نور باری آنکھوں کے بالکل سامنے اور عیاں ہو گا۔ (ابن ابی حاتم)

يَسْجُدٰنِ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں اس پر تو مفسرین کا اتفاق ہے کہ شجر وہ ہے جو تنے پر قائم ہو۔ لیکن نجم کے معنی میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ النجم ما انبسط علی وجه الأرض یعنی من النبات(1)۔ نباتات۔ سعید بن جبیر، سدی اور سفیان ثوری رحمہم اللہ تعالیٰ سے یہی مروی ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے ہی پسند کیا ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ النجم الذی فی السماء ستارے۔ حسن اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ کا یہی قول ہے اور یہی اظہر ہے واللہ اعلم۔ ارشاد ہوتا: اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ ..... وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ (الحج:18)۔

وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ یعنی میزان عدل۔ ارشاد ہوتا ہے: لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (الحدید:25)۔

اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ آسمان و زمین کو حق اور عدل کے ساتھ پیدا فرمایا تاکہ تمام اشیاء حق اور عدل کے ساتھ ہوں۔ جیسے ارشاد ہوتا ہے:

1۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 116

وزنوا بالقسطاس المستقيم۔

قولہ تعالیٰ وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ جس طرح آسمان کو بلند کیا زمین کو بچھایا اس میں بلند و بالا پہاڑ گاڑے تا کہ وہ مخلوق کے لئے قائم رہے۔ الأنام سے مراد مختلف اطراف اور ممالک میں رنگ برنگی مخلوق ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد قتادہ اور ابن زید رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے: الأنام: الخلق: مخلوق۔

فِيْهَا فَاكِهَةٌ مختلف رنگوں، ذائقے اور خوشبو والے۔

وَالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ اس کے شرف اور خشک و تر دونوں حالتوں میں نفع بخش ہونے کی وجہ سے اس کا خصوصی تذکرہ فرمایا۔

الْاَكْمَامِ: ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: هي أوعيه الطلع۔ غلاف۔ بہت سے مفسرین سے یہی منقول ہے۔ جسے چیر کر یہ میوہ باہر آتا ہے، پھر خوشے سے الگ ہو کر مختلف مراحل طے کرتا ہوا مکمل کھجور بنتا ہے۔

ابن ابی حاتم نے شعبی رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ قیصر نے امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو لکھا ہے کہ میرے جو قاصد تمہارے ملک سے آئے ہیں انہوں نے مجھے خبر دی ہے کہ آپ کے ملک میں ایک درخت ہوتا ہے جس کی سی خو کسی درخت میں نہیں۔ وہ گدھے کے کان کی طرح زمین سے نکلتا ہے پھر موتی کی طرح ہو جاتا ہے۔ پھر سبز ہو کر سبز زمرد کی طرح ہو جاتا ہے۔ پھر سرخ ہو کر یاقوت احمر کی طرح ہو جاتا ہے پھر پک کر عمدہ فالودے کی طرح ہو جاتا ہے پھر خشک ہو کر مقیم لوگوں کے لئے بچاؤ اور مسافروں کے لئے زادراہ ہوتا ہے۔ اگر میرے قاصدوں کی بات صحیح ہے تو پھر میرے نزدیک یہ جنتی درخت ہے۔ اس کے جواب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لکھا: ''اللہ کے بندے عمر امیر المؤمنین کی طرف سے قیصر شاہ روم کے نام۔ تیرے قاصدوں نے سچ بتایا ہے یہ درخت ہمارے پاس بہت سے ہیں۔ یہ وہی درخت ہے جسے اللہ نے حضرت مریم کے پاس اگایا تھا جب انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جنم دیا۔ پس اللہ سے ڈرو اور عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کے ساتھ معبود نہ ٹھہراؤ'' بے شک: اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ۭ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ (آل عمران: 59-60)۔

اکمام کا ایک معنی لیف بھی کیا گیا جو کھجور کی گردن پر ہوتے ہیں۔ حسن اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے یہی منقول ہے۔

علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا معنی بھوسہ نقل کیا ہے۔ عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا معنی نقل کیا ہے: سبز کھیتی کے پتے جس کا سرا کاٹ لیا گیا ہو اور پھر خشک کر لیا گیا ہو۔ خشک ہونے پر اسے عصف کہتے ہیں۔ قتادہ، ضحاک اور ابو مالک رحمہم اللہ تعالیٰ سے اسی طرح مروی ہے۔ عصفه تبنه۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا قول ہے۔ الریحان: رزق۔ حسن رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس سے مراد ریحان کا پھولدار پودا ہے۔ علی بن ابی طلحہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے الریحان: خضر الزرع کھیتی کا سبزہ۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ حب سے مراد گندم اور جو وغیرہ کے دانے جو بال و پر و بھوسی سمیت خوشے میں ہوتے ہیں۔ اور ریحان سے مراد وہ پتے جو تنے پر لپٹے ہوتے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ کھیتی کے پہلے اگے ہوئے پتوں کو عصف کہتے ہیں اور جو پتے دانے نکلنے کے بعد اُگیں انہیں ریحان کہتے ہیں۔ جس طرح زید بن عمرو بن نفیل اپنے مشہور قصیدے میں کہتا ہے(1):

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 228

وَقُوْلَا لَہٗ مَنْ یُنْبِتُ الْحَبَّ فِی الثَّرٰی فَیُصْبِحُ مِنْہُ الْبَقْلُ یَھْتَزُّ رَابِیًا؟
وَیُخْرِجُ مِنْہُ حَبَّہٗ فِیْ رُؤُوْسِہٖ فَفِیْ ذَالِکَ آیَاتٌ لِمَنْ کَانَ وَاعِیًا

قولہ تعالیٰ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ اے گروہ جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے یہی کہا ہے اور بعد میں آنے والی کلام کے سیاق سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔ یعنی نعمتیں تم پر ظاہر ہیں اور تم ان کے نیچے دبے ہوئے ہو۔ ان کا تم انکار کرنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ چنانچہ ہم بھی اسی طرح کہتے ہیں جس طرح مومن جنات نے کہا تھا: اَللّٰھُمَّ وَلَا بِشَیْءٍ مِنْ اٰلَآئِکَ رَبَّنَا نُکَذِّبُ، فَلَکَ الْحَمْدُ

اے اللہ ہم تیری کسی نعمت کا انکار نہیں کرتے۔ سب تعریفیں تیرے لئے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے (لا بِاَیِّھا یَارَبِّ)(1) یعنی ہم ان میں سے کسی نعمت کو نہیں جھٹلاتے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ ابتدائے نبوت میں جبکہ ابھی اسلام کا اعلان پوری طرح نہیں ہوا تھا میں نے حضور ﷺ کو بیت اللہ شریف میں رکن حجر اسود کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ آپ اس سورت کی تلاوت فرمارہے تھے اور مشرکین بھی یہ سن رہے تھے فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ(2)۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ﴿۱۴﴾ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ﴿۱۵﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۶﴾ رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ﴿۱۷﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۸﴾ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ﴿۱۹﴾ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ﴿۲۰﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۱﴾ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۲۲﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۳﴾ وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿۲۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۵﴾

"پیدا فرمایا انسان کو بجنے والی مٹی سے ٹھیکری کی مانند۔ اور پیدا کیا جان کو آگ کے خالص شعلے سے۔ پس (اے انس و جاں) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ وہی دونوں مشرقوں کا رب ہے اور دونوں مغربوں کا رب ہے پس (اے جن وانس) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ اس نے رواں کیا ہے دونوں دریاؤں کو جو آپس میں مل رہے ہیں۔ ان کے درمیان آڑ ہے آپس میں گڈمڈ نہیں ہوتے۔ پس (اے ن وانس) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ نکلتے ہیں ان سے موتی اور مرجان۔ پس (اے جن وانس) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ اور اسی کے زیر فرمان ہیں وہ جہاز جو سمندر میں پہاڑوں کی مانند بلند نظر آتے ہیں۔ پس (اے جن وانس) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے"۔

ارشاد ہوتا ہے ہم نے انسان کو ٹھیکری کی مانند بجنے والی مٹی سے پیدا فرمایا اور جنوں کو آگ کے شعلے کی ایک طرف سے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی روایت کیا ہے۔ عکرمہ، مجاہد، حسن اور ابن زید رحمہم اللہ تعالیٰ سے یہی مروی ہے۔ عوفی

1۔ طبری، جلد 27، صفحہ 123 2۔ مسند احمد، جلد 6، صفحہ 349

رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے من لهب النار من أحسنها: آگ کے احسن شعلے سے۔ علی بن ابی طلحہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے من خالص النار یعنی خالص آگ سے۔ عکرمہ، مجاہد اور ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے بھی یہی مروی ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ملائکہ کو نور سے پیدا کیا گیا اور جنات کو آگ کے خالص شعلے اور حضرت آدم علیہ السلام کو اس چیز سے جس کا تمہارے سامنے ذکر کیا گیا ہے۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ سے اسی طرح روایت کیا ہے (1)۔

قولہ تعالیٰ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ اس کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے۔

رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ موسم گرما اور سرما کے سورج نکلنے کے مختلف مقامات اور گرما اور سرما کے دو الگ الگ مغرب ہیں۔

ایک دوسری آیت میں آتا ہے: فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَ الْمَغٰرِبِ (المعارج: 40)۔ سورج کے طلوع وغروب ہونے کا مطلع تو ہر روز بدلتا رہتا ہے۔ ایک دوسری آیت میں ہے: رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِیْلًا (مزمل: 9)۔

اس سے مراد مشارق ومغارب کی جنس ہے۔ مشارق ومغارب کے اس اختلاف کے ساتھ مختلف انسانی مصلحتیں مربوط ہیں۔ چنانچہ فرمایا: فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ۔

قولہ تعالیٰ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے انہیں چھوڑ دیا ہے۔

يَلْتَقِيٰنِ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ انہیں ایک دوسرے کے ساتھ ملنے سے روک دیا ہے اور ان کے درمیان رکاوٹ کھڑی کر دی ہے (2)۔ بحرین سے مراد نمکین اور میٹھا ہیں۔ میٹھے سے مراد یہ دریا ہیں جو ہماری آنکھوں کے سامنے رواں دواں ہیں۔ اس پر تفصیلی بحث سورۂ فرقان میں ہو چکی ہے (3) دیکھئے آیت: وَ هُوَ الَّذِیْ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّ هٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَ جَعَلَ بَیْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا (فرقان: 53)۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں یہ قول پسند کیا ہے کہ بحرین سے مراد بحر السماء اور بحر الارض ہے۔ یہ مجاہد، سعید بن جبیر، عطیہ اور ابن ابزی رحمہم اللہ تعالیٰ سے مروی ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے موتی آسمان کے پانی سے اور صدف زمینی سمندر سے (4)۔ واقعۃً اگرچہ بات اسی طرح ہے لیکن یہاں یہ مراد نہیں ہے۔ الفاظ آیت سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ ارشاد ہوتا ہے: بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ اور ان کے درمیان زمینی رکاوٹ ہے تاکہ آپس میں مل کر ایک دوسرے کو خراب نہ کر دیں۔ آسمان اور زمین کے درمیان جو فاصلہ ہے اسے پردہ نہیں کہا جا سکتا۔

قولہ تعالیٰ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَ الْمَرْجَانُ یعنی ان دونوں کے مجموعے سے۔ جب یہ دونوں ایک سے ہی مل جائیں تو یہی کافی ہے۔ جیسے ارشاد ہوتا ہے: یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اَلَمْ یَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ یَقُصُّوْنَ (انعام: 130)۔ اور ظاہر ہے رسول صرف انسانوں سے ہی ہوئے ہیں نہ کہ جنات سے۔ اور یہ اطلاق صحیح ہے۔ لؤلؤ کا معنی معروف ہے اور مرجان بعض چھوٹے موتی کو کہتے ہیں۔ مجاہد، قتادہ، ابورزین، ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہی مروی ہے۔ ایک قول ہے بڑا اور عمدہ موتی۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے

1۔ مسند احمد، جلد 6، صفحہ 168 2۔ طبری، جلد 27، صفحہ 129 3۔ دیکھئے تفسیر سورۂ فرقان آیت: 53

4۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 129-128

بعض اسلاف سے یہی نقل کیا ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ربیع بن انس رضی اللہ عنہ، سدی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی حکایت کیا ہے۔ علی، مجاہد، اور مرۃ ہمدانی رحمہم اللہ تعالیٰ سے یہی مروی ہے۔ ایک قول ہے کہ یہ سرخ رنگ کے جواہرات کی ایک قسم ہے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ مرجان سرخ مہرے ہیں۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ فارس میں اسے کسد کہتے ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے: وَ مِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا وَّ تَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا (فاطر: 12) اور گوشت دونوں قسم کے پانیوں سے حاصل ہوتا ہے جبکہ زیورات صرف نمکین سے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ آسمان سے جو قطرہ سمندر میں سیپ میں جا پڑے وہ موتی کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ اگر سیپ میں نہ پڑے تو عنبر بن جاتا ہے۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے جب بارش ہوتی ہے تو سمندر میں صدف اپنا منہ کھول دیتا ہے۔ اس میں جو قطرہ گرے وہ موتی ہے (1)۔ اس کی اسناد صحیح ہے۔ ان زیورات کا استعمال چونکہ نعمت ہے اس لئے اس کا احسان جتلایا اور فرمایا: فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ۔

الْمُنْشَئٰتُ یعنی کشتیاں جو چلتی ہیں۔

فِي الْبَحْرِ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے جن کشتیوں کے بادبان بلند ہوں وہ منشآت ہیں اور جن کے بلند نہ ہوں وہ منشآت نہیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: الْمُنْشَئٰتُ: المخلوقات۔ دیگر مفسرین کا قول ہے: المنشآت سین کے زیر کے ساتھ یعنی البادیات۔

كَالْاَعْلَامِ پہاڑوں کی طرح جسامت میں اور پھر ان میں جو کاروبار اور طرح طرح کا سامان ہوتا ہے جسے ایک ملک سے دوسرے اور ایک اقلیم سے دوسرے کی طرف لے جایا جاتا ہے جس میں لوگوں کی بہتری ہوتی ہے: فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے عمیرۃ بن سعد سے روایت کیا ہے کہ میں دریائے فرات کے کنارے پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا کہ ایک جہاز اپنے بادبان بلند کئے ہوئے گزرا۔ چنانچہ آپ نے اپنے ہاتھ سے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس کی تلاوت فرمائی: وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ...... جس نے انہیں بنایا ہے وہ اس کے سمندروں میں ہی چلتے ہیں مجھے اس ذات کی قسم نہ میں نے عثمان کو قتل کیا اور نہ ان کے قتل کا ارادہ کیا (2)۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿٢٦﴾ وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ ﴿٢٧﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٢٨﴾ يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ﴿٢٩﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٣٠﴾

"جو کچھ زمین پر ہے فنا ہونے والا ہے۔ اور باقی رہے گی آپ کے رب کی ذات جو بڑی عظمت اور احسان والی ہے۔ پس (اے جن و انس) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ مانگ رہے ہیں اس سے (اپنی حاجتیں) سب آسمان والے اور زمین والے۔ ہر روز وہ ایک نئی شان سے تجلی فرماتا ہے۔ پس (اے جن و انس!) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے"۔

بتایا جا رہا ہے کہ تمام اہل زمین پر موت آئے گی اور اسی طرح تمام اہل آسمان پر مگر جسے اللہ چاہے اور ماسوائے اس کی ذات کے کوئی

1۔ طبری، جلد 27، صفحہ 132۔ درمنثور، جلد 7، صفحہ 296۔ ابن ابی دنیا: کتاب المطر 2۔ درمنثور، جلد 7، صفحہ 698

باقی نہیں رہے گا۔ اللہ رب العزت کو موت نہیں آئے گی وہ تو حی لا یموت ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے پہلے اس کا ذکر کیا جو پیدا فرمایا۔ پھر فرمایا: یہ سب کچھ فنا ہونے والا ہے۔ دعا ماثورہ میں ہے:

''یا حی یا قیوم، یا بدیع السموٰت والأرض، یاذا الجلال والاکرام، لا إله إلا أنت برحمتك نستغیث، أصلح لنا شأننا کله، ولا تکلنا إلی أنفسنا طرفة عین، ولا إلی أحد من خلقك۔''

شعبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے جب تو كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ پڑھے تو خاموش نہ ہو یہاں تک کہ تو وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ بھی نہ پڑھ لے۔ یہ آیت اس آیت کی طرح ہے: كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ (القصص: 88)۔

اس آیت میں اللہ نے اپنی صفت بیان فرمائی ہے کہ وہ ذوالجلال والاکرام ہے اور عظمت وجلالت کا اہل ہے اس کی نافرمانی نہیں کی جانی چاہئے۔ وہ اس لائق ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے اور اس کے احکام کی خلاف ورزی نہ کی جائے جیسے ارشاد ہوتا ہے: وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ (الکہف: 28)۔ یا صدقہ دینے والوں کے بارے میں ذکر کرتے ہوئے فرمایا: اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ (الدہر: 9)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے: ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ یعنی ذو العظمة والکبریاء(1) اس بات کا ذکر کرنے کے بعد کہ تمام اہل زمین وفات پائیں گے اور دار آخرت میں جائیں گے اور اللہ رب العزت اپنے عدل وانصاف کے ساتھ ان کے درمیان فیصلے فرمائے گا، ارشاد فرمایا: فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ۔

ارشاد ہوتا ہے: يَسْئَلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ۔ ماسواہ سے اپنے مستغنی ہونے کی خبر دی جارہی ہے اور یہ کہ تمام مخلوقات ہر لحظہ اس کی محتاج ہیں اور بزبان حال وقال اسی کے سامنے سوال کر رہے ہیں۔ ہر روز اس کی نئی شان، نئی تجلی ہے۔

كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ اس کی شان یہ ہے کہ دعا مانگنے والے کی دعا قبول فرماتا ہے، سائل کو عطا فرماتا ہے، محتاج کی حاجت روائی کرتا ہے اور بیمار کو تندرستی سے نوازتا ہے۔ ابن ابی نجیح نے مجاہد رحمہا اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ وہ ہر روز دعا مانگنے والے کی دعا کو قبولیت سے سرفراز فرماتا، مصیبت زدہ کی مصیبت کو دور کرتا اور پریشان حال کی دستگیری فرماتا اور گناہوں کو معاف فرماتا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ زمین وآسمان والے اس سے مستغنی نہیں ہو سکتے۔ وہ زندہ کو زندہ رکھتا ہے اور مرنے والے کو مارتا ہے۔ چھوٹے کی پرورش فرماتا ہے اور قیدی کو آزاد فرماتا ہے۔ صالحین کی حاجات ومناجات اور شکووں کی منتہی وہی ذات ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے جبیر فزاری سے روایت کیا ہے کہ تمہارے رب کی ہر روز نئی شان ہے وہ گردن آزاد کرتا اور عذاب کو روکتا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی تو صحابہ نے عرض کیا وہ شان کیا ہے؟ فرمایا: ''گناہوں کو معاف کرنا، دکھ درد دور کرنا، کسی قوم کو بلند کرنا اور دوسروں کو پست رکھنا(2)''۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ...... اس سے آگے وہی روایت ہے جس کا اوپر بیان ہوا(3)۔ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی روایت ذکر کی ہے اور صحیح پہلی ہے یعنی اس کی سند۔

1۔ طبری، جلد 27، صفحہ 165 2۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 135

3۔ ابن ماجہ، جلد 1، صفحہ 73، کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب التفسیر، جلد 3، صفحہ 73

(مؤلف کی رائے) میں کہتا ہوں یہ موقوفاً بھی مروی ہے جس طرح بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صیغہ جزم تعلیقاً ذکر کیا ہے اور اسے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کا قول قرار دیا ہے (1)۔ فاللہ اعلم۔ بزار میں بھی کچھ کمی کے ساتھ یہی روایت مرفوعاً مروی ہے (2)۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ نے لوح محفوظ کو سفید موتی سے پیدا فرمایا۔ اس کے دونوں گتے سرخ یاقوت سے اور قلم نورانی ہے۔ اس کی کتاب بھی نور ہے۔ اس کی چوڑائی آسمان وزمین کے برابر ہے۔ وہ ہر روز تین سوساٹھ مرتبہ اسے دیکھتا ہے۔ ہر نگاہ پر جلاتا، مارتا، عزت دیتا اور ذلت دیتا ہے اور جو چاہے کرتا ہے (3)۔

سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ﴿۳۱﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۲﴾ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴿۳۳﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۴﴾ يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۙ وَّ نُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ﴿۳۵﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۶﴾

''ہم عنقریب توجہ فرمائیں گے تمہاری طرف اے جن وانس! پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ اے گروہ جن و انس اگر تم میں طاقت ہے کہ تم نکل بھاگو آسمانوں اور زمین کی سرحدوں سے تو نکل کر بھاگ جاؤ۔ (سنو!) تم نہیں نکل سکتے بجز سلطان کے (اور وہ تم میں مفقود ہے) پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ بھیجا جائے گا تم پر آگ کا شعلہ۔ اور دھواں پھر تم اپنا بچاؤ بھی نہ کر سکو گے۔ پس (اے جن وانس!) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے''۔

علی بن ابی طلحہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے اپنے بندوں کو وعید ہے اور اللہ کو کوئی مصروفیت نہیں، وہ فارغ ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح کہا ہے کہ یہ وعید ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اللہ کے پاس اپنی مخلوق کے لئے فراغت کا وقت قریب ہے۔ ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ہم تمہارے لئے فیصلے کریں گے۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: عنقریب ہم تمہارا محاسبہ کریں گے۔ کوئی چیز اسے دوسری چیز سے مشغول نہیں کر سکتی۔ ایسا محاورہ، کلام عرب میں معروف ہے۔ اہل عرب کہتے ہیں: لأتفرّغنّ لك حالانکہ وہ بالکل فارغ ہوتا ہے۔ اسی طرح کہا جاتا ہے: لآ خذنك علی غرتك (4)۔

قولہ تعالیٰ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ثقلین یعنی جن وانس۔ جس طرح صحیح حدیث میں ہے: ''جن وانس کے سوا ہر چیز اسے سنتی ہے (5)۔'' ایک روایت میں ہے ''ماسوائے جن وانس کے''۔ حدیث صور میں ہے ثقلین جن وانس ہیں (6)۔

لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ یعنی تم اللہ کے امر اور تقدیر سے بھاگ نہیں سکتے بلکہ وہ تمہیں گھیرے میں لئے ہوئے ہے۔ تم اس کے حکم اور نفوذ سے جان نہیں چھڑا سکتے۔ خواہ کہیں بھی چلے جاؤ تم گھیرے میں ہو۔ یہ حشر کا مقام ہے۔ فرشتوں کی سات صفیں ہر طرف سے مخلوق کو گھیرے میں لئے ہوئے ہوں گی۔ کوئی شخص ادھر ادھر نہیں جا سکے گا۔

اِلَّا بِسُلْطٰنٍ مگر اللہ کی اجازت سے۔ يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَىِٕذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ...... يَوْمَىِٕذِ الْمُسْتَقَرُّ (قیامہ: 12)۔ اور فرمایا: وَ الَّذِيْنَ كَسَبُوا

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ رحمٰن، جلد 8 صفحہ 620
2۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب التفسیر، جلد 3 صفحہ 74
3۔ تفسیر طبری، جلد 27 صفحہ 135
4۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ رحمٰن، جلد 8 صفحہ 620
5۔ بخاری، کتاب الجنائز، جلد 3 صفحہ 205، مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4، صفحہ 2201
6۔ دیکھئے تفسیر سورۂ انعام آیت: 73

السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا...... فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (یونس: 27)۔

قال تعالیٰ يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ علی بن ابی طلحہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

شُوَاظٌ: آگ کا شعلہ۔ سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

شواظ: دھواں۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے وہ سبز رنگ کا ختم ہونے والا شعلہ ہے۔

ابوصالح رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ وہ شعلہ جو آگ سے اوپر اور دھوئیں کے نیچے ہوتا ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے آگ کا سیلاب۔

قولہ تعالیٰ وَّنُحَاسٌ علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ نحاس آگ کا دھواں ہے۔ ابوصالح، سعید بن جبیر، ابوسنان سے یہی مروی ہے۔ اہل عرب دھوئیں کو نحاس کہتے ہیں۔ یہ نون کی پیش اور زیر کے ساتھ ہے۔

قراء حضرات کا پیش پڑھنے پر اتفاق ہے۔ نحاس بمعنی دخان کی تائید نابغة بني جعدة کے اس شعر سے بھی ہوتی ہے(1):

يُضِيئُ كَضَوْءِ سِرَاجِ السَّلِيْطِ، لَمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ فِيْهِ نُحَاسًا(2)

یعنی دھواں۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے شواظ سے مراد وہ شعلہ ہے جس میں دھواں نہ ہو۔ آپ نے اس کی تائید میں امیہ بن ابی الصلت کا شعر سنایا جو حسان کے بارے میں ہے:

أَلَا مَنْ مُبْلِغٌ حَسَّانَ عَنِّي　مُغَلْغَلَةً تَدِبُّ إِلَى عُكَاظِ
أَلَيْسَ أَبُوْكَ فِيْنَا كَانَ قَيْنًا　لَدَى الْقَيْنَاتِ فَسْلًا فِي الحِفَاظِ
يَمَانِيًّا يَظَلُّ يَشُبُّ كِيرًا　وَيَنْفُخُ دَائِبًا لَهَبَ الشُّوَاظِ

فرمایا: تو نے سچ کہا۔ نحاس کیا ہے؟ فرمایا وہ دھواں جس میں شعلہ نہ ہو۔ فرمایا کیا عربوں میں یہ بات معروف ہے؟ فرمایا ہاں کیا تم نے نابغہ بنی ذبیان کا یہ شعر نہیں سنا۔

يُضِيئُ كضوء سراج...... (یہ شعر اوپر مذکور ہو چکا ہے)۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: نحاس تانبا ہے جسے پگھلا کر ان کے سروں پر ڈالا جائے گا۔ قتادہ نے یہی کہا ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے تانبے کا سیلاب۔ ہر صورت میں معنی یہ ہے کہ اگر تم قیامت کے دن بھاگے تو فرشتے اور داروغے آگ کے شعلوں اور پگھلے تانبے کو بھیجیں گے تاکہ تم واپس آجاؤ۔

فَإِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ﴿۳۷﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۸﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ﴿۳۹﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۰﴾ يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ ﴿۴۱﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۲﴾ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۴۳﴾ يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ﴿۴۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ

1۔ مجاز ابی عبیدہ، جلد 2، صفحہ 245-244، تفسیر طبری، جلد 27، جلد 144　2۔ طبرانی: المعجم الکبیر، جلد 10، صفحہ 305-304

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۵﴾

''پھر جب پھٹ جائے گا آسمان تو سرخ ہو جائے گا جیسے رنگا ہوا سرخ چمڑا۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ تو اس روز کسی انسان اور جن سے اس کے گناہ کے بارے میں نہ پوچھا جائے گا۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ پہچان لئے جائیں گے مجرم اپنے چہروں سے تو انہیں پکڑ لیا جائے گا پیشانی کے بالوں اور ٹانگوں سے۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ یہی وہ جہنم ہے جسے جھٹلایا کرتے تھے مجرم۔ وہ گردش کرتے رہیں گے جہنم اور گرم کھولتے ہوئے پانی کے درمیان جو از حد گرم ہوگا پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے''۔

ارشاد ہوتا ہے فَإِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ قیامت کے دن جب آسمان پھٹ جائے گا۔ یہ مضمون اور آیات میں بھی بیان ہوا ہے۔ جیسے وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ (الحاقہ:16)۔ وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا (فرقان:25)۔ إِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ﴿۱﴾ وَأَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ (الانشقاق:2-1)۔ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ۔ اسی طرح پگھل جائے گا جس طرح چاندی کٹھالی میں پگھلائی جاتی ہے۔ آسمان مختلف رنگ بدلے گا۔ کبھی سرخ، کبھی زرد، کبھی نیلا اور کبھی سبز۔ ایسا قیامت کی شدت و ہولناکی کی وجہ سے ہوگا۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: لوگ قیامت کے دن اٹھائے جائیں گے اور آسمان ان پر بارش برسا رہا ہوگا(1)۔

جوہری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے الطش: المطر الضعيف: ہلکی پھوار۔

ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ الدهان: الأديم الأحمر: سرخ رنگا ہوا چمڑا۔ ایک دوسری روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جیسے گلابی رنگ کا گھوڑا۔ پھر سرخ ہو جائے گا۔

بغوی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے لکھا ہے کہ گلابی گھوڑا بہار میں زرد اور سرما میں سرخ ہوتا ہے سردی میں شدت آ جائے تو اس کا رنگ تبدیل ہو جاتا ہے(2)۔ حسن بصری کا قول ہے آسمان کے مختلف رنگ ہو جائیں گے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے گلابی خچر کی طرح جو کہ تیل کی تلچھٹ کی طرح ہوتا ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے تیل کے مختلف رنگوں کی طرح۔ عطاء خراسانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے گلاب کے تیل کی طرح زرد رنگ کا۔ قتادہ کا قول ہے کہ آج یہ سبز ہے۔ اس دن اس کا رنگ سرخ ہوگا پھر یہ تبدیل ہوتا رہے گا۔ ابو جوزاء رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ تیل کی طرح صاف۔ ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے آسمان پگھلے ہوئے تیل کی طرح ہو جائے گا اور یہ اس وقت ہوگا جب اسے جہنم کی تپش لگے گی۔

قولہ تعالیٰ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ اس کی تائید ایک اور آیت سے بھی ہوتی ہے: هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ (مرسلات:35)۔ ایک یہ حالت ہوگی پھر تمام مخلوقات سے ان کے اعمال کے بارے میں پوچھا جائے گا ارشاد ہوتا ہے: فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۲﴾ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (الحجر:92)۔

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ سوال و جواب کے بعد ان کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور ان کے ہاتھ پاؤں گفتگو کریں گے۔ اور ان کے اعمال سے آگاہ کریں گے۔ علی بن ابی طلحہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے ان سے یہ نہیں پوچھا جائے

1۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 267-666   2۔ بغوی: معالم التنزیل، جلد 4، صفحہ 272

گا کیا تم نے یہ کام کیا کیونکہ وہ ان کی ذات سے زیادہ ان سے آگاہ ہے بلکہ سوال یوں ہوگا تم نے یہ یہ کام کیوں کئے؟ یہ دوسرا قول ہے۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ملائکہ مجرمین کے بارے میں دریافت نہیں کریں گے بلکہ ان کی پیشانیوں سے انہیں پہچان لیں گے۔ یہ تیسرا قول ہے۔ گویا اس کے بعد انہیں جہنم میں داخل کرنے کا حکم ہوگا۔ اب ان کے گناہوں کے بارے میں پوچھنے کا وقت نہیں بلکہ انہیں ہانک کر آگ میں ڈال دیا جائیگا۔

بِسِيْمٰهُمْ ان علامات سے جو ان کے چہروں پر ظاہر ہوں گی۔ حسن اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ وہ لوگ چہروں کی سیاہی اور آنکھوں کی زردی سے پہچانے جائیں گے۔

(مؤلف کی رائے) میں کہتا ہوں جس طرح مؤمن وضو کے سبب غرّہ و تحجیل (ہاتھ پاؤں کی سفیدی) سے پہچانے جائیں گے۔ اسی طرح یہ لوگ۔

قولہ تعالیٰ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ جہنم کے فرشتے (داروغے) انہیں پیشانی کے بالوں اور پاؤں سے پکڑ کر آگ میں ڈال دیں گے۔ اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کی پیشانی اور پاؤں اس طرح توڑ دیئے جائیں گے جس طرح لکڑی توڑ کر تنور میں ڈال دی جاتی ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ انہیں پیشانی اور پاؤں سے پکڑ کر پشت کے بل ایک زنجیر سے باندھ دیا جائے گا۔

سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کافر کی پیشانی اور قدم ملا دیا جائے گا اور پیٹھ مروڑ دی جائے گی۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ قبیلہ بنوکندہ کا ایک شخص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا اور پردے کے پیچھے سے سوال کیا۔ کیا آپ نے حضور ﷺ سے یہ سنا ہے کہ آپ پر ایسی گھڑی آئے گی جب آپ کسی کی شفاعت نہ کریں گے؟ فرمایا میں نے یہ سوال اس بارے میں آپ سے اس وقت پوچھا جب ہم ایک ہی چادر میں تھے تو آپ نے فرمایا: ''ہاں جب پل صراط کو رکھا جائے گا تو میں کسی کی شفاعت کا مالک نہیں ہوں گا یہاں تک کہ مجھے معلوم ہو جائے کہ مجھے کدھر لے جایا جائے گا۔ اور جس روز چہرے سیاہ اور سفید ہونے شروع ہوں گے یہاں تک کہ میں دیکھ لوں کہ میرے ساتھ کیا ہوگا؟ یا فرمایا کہ میں دیکھ لوں میری طرف کیا وحی کی جاتی ہے؟ اور پل کے پاس جب اسے تیز اور گرم کیا جائے گا۔'' میں نے عرض کی اس کی تیزی اور گرمی کی حد کیا ہے؟ فرمایا: اسے تیز کیا جائے گا یہاں تک کہ تلوار کی دھار کی طرح تیز ہو جائے گا اور گرم کیا جائے گا یہاں تک کہ انگارے کی طرح ہو جائے گا۔ مؤمن تو بے ضرر اس سے گزر جائے گا اور منافق چمٹ جائے گا حتیٰ کہ جب درمیان میں پہنچے گا تو اس کے پاؤں پھسل جائیں گے تو وہ اپنے ہاتھ نیچے جھکائے گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کیا تم نے کبھی ننگے پاؤں چلنے والے آدمی کو دیکھا ہے اسے کانٹا چبھ جائے تو وہ بے صبری سے ہاتھ بڑھاتا ہے۔ اسی طرح یہ منافق بھی چنانچہ فرشتے اسے لگام سے ماریں گے اور جہنم میں گرا دیں گے۔ وہ پچاس سال تک نیچے گرتا رہے گا۔ میں نے پوچھا حضور اس جہنمی کا وزن کس قدر ہوگا فرمایا دس گابھن اونٹنیوں کے برابر اس دن مجرم اپنی پیشانیوں سے پہچان لئے جائیں گے اور پیشانیوں اور پاؤں سے پکڑ لئے جائیں گے(1)''۔

یہ حدیث غریب ہے۔ اس کے بعض الفاظ کا حضور ﷺ کے کلام سے ہونا قابل تسلیم نہیں۔ اس کی سند میں ایک شخص ہے جس کا نام نہیں لیا گیا۔ اس طرح کی روایت قابل حجت نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم۔

1۔ الدر المنثور، جلد 7، صفحہ 704

وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى (النازعات:40) سرکشی کی نہ دنیوی زندگی کو ترجیح دی اور یہ یقین رکھا کہ دار آخرت بہتر اور ابدی ہے۔ اللہ کے فرائض کو بجا لایا اور محارم سے اجتناب کیا۔ قیامت کے دن اپنے رب کے ہاں اسے دو جنتیں ملیں گی۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: دو جنتیں چاندی کی ہوں گی اور ان کا کل اسباب بھی چاندی کا ہوگا اور دو جنتیں سونے کی ہیں اور ان کے برتن اور سب کچھ بھی سونے کا ہے۔ ان جنتیوں اور دیدار باری میں کوئی چیز حائل نہ ہوگی سوائے اس کبریائی کے پردے کے جو اللہ عزوجل کے چہرے پر ہے۔ یہ جنت عدن میں ہوں گے (1)۔ یہ حدیث صحاح کی اور کتابوں میں بھی ہے ماسوائے ابوداؤد۔ راوی حدیث حضرت حماد رضی اللہ عنہ اسے مرفوع قرار دیتے ہیں۔ اللہ کے فرمان وَلِمَنْ خَافَ اور ومن دونہما جنتان کی دو جنتیں سونے کی مقربین کے لئے ہیں اور چاندی کی دو جنتیں اصحاب یمین کے لئے ہیں (2)۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ اس آیت کی تلاوت فرمائی تو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! اگرچہ زنا اور چوری بھی اس سے ہوگئی ہو؟ آپ نے پھر اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ میں نے پھر کہا: یا رسول اللہ ﷺ! اگرچہ زنا اور چوری بھی اس سے سرزد ہوگئی ہو؟ آپ ﷺ نے پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ میں نے پھر یہی سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگرچہ ابودرداء کی ناک خاک آلود ہو جائے۔ نسائی میں یہ روایت ایک سند سے موقوفاً بھی مروی ہے۔ ایک دوسری روایت میں حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جس دل میں اپنے رب کے سامنے حاضری کا خدشہ موجود ہو ناممکن ہے کہ اس سے زنا ہو یا وہ چوری کرے (3)۔ یہ آیت جن وانس میں عام ہے یعنی دونوں کو شامل ہے اور اس بات کی بہترین دلیل ہے کہ جنات اگر ایمان لائیں اور تقویٰ اختیار کریں تو جنت میں جائیں گے۔ اسی لئے جن وانس کو احسان جتلایا کہ تمہیں یہ جزا عطا فرمائی گئی ہے۔ اب تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ پھر ان دو جنتوں کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا جا رہا ہے کہ اس کی شاخیں سرسبز و شاداب، خوبصورت اور خوش ذائقہ پھلوں سے لدی پھندی ہیں۔ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ۔ عطاء خراسانی رحمۃ اللہ علیہ اور ایک جماعت سے یہ مروی ہے کہ اَفنان سے مراد درخت کی وہ شاخیں ہیں جو آپس میں پیوستہ ہوں۔ ابن ابی حاتم نے عکرمہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ جو شاخیں دیواروں پر ہوں۔ کیا آپ نے شاعر کا قول نہیں سنا: (4)

مَا هَاجَ شَوْقَكَ مِنْ هَدِيْلِ حَمَامَةٍ　تَدْعُوْ عَلٰى فَنَنِ الْغُصُوْنِ حَمَامَا

تَدْعُوْ فَرْخَيْنِ صَادَفَ طَاوِيًا　ذَا مِخْلَبَيْنِ مِنَ الصُّقُوْرِ قَطَامَا

بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے مجاہد، عکرمہ، ضحاک اور کلبی رحمہم اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد سیدھی شاخیں ہیں (5)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا معنی ذواتا اَفنان: مختلف رنگوں والی کیا ہے۔ سعید بن جبیر، حسن، سدی، خصیف، نضر بن عربی اور ابن سنان رحمہم اللہ تعالیٰ سے اسی طرح مروی ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ ان شاخوں کے میوے مختلف ذائقے والے ہوں گے۔

1۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب صفۃ الجنۃ، جلد 10 صفحہ 6، ابن ماجہ، جلد 1 صفحہ 67-66 نسائی: سنن کبریٰ، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 6 صفحہ 468-467

2۔ طبری، جلد 27 صفحہ 146، درمنثور، جلد 7 صفحہ 708　3۔ تفسیر طبری، جلد 27 صفحہ 146، درمنثور، جلد 7 صفحہ 707

4۔ درمنثور، جلد 7 صفحہ 709، طبری، جلد 27 صفحہ 147　5۔ معالم التنزیل جلد 4 صفحہ 274

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے یہی قول پسند کیا ہے (1)۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہر شاخ کے اوپر مختلف پھل ہوں گے۔ ربیع بن انس کا قول ہے وہ کشادہ ہوں گی۔ یہ سب اقوال صحیح ہیں۔ ان میں کوئی تضاد نہیں۔ واللہ اعلم۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے یہ ماسوا سے بہتر ہوں گی۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور علیہ ﷺ نے سدرۃ المنتہیٰ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ان شاخوں کا سایہ اس قدر دراز ہے کہ سوار سو سال تک اس کے سائے میں چلتا جائے یا فرمایا کہ سو سوار اس کے سایہ تلے ٹھہر جائیں۔ اس پر سونے کے پتنگے ہیں۔ اس کے پھل گویا بڑے بڑے مٹکے ہیں۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح روایت کیا ہے (2)۔ سونے کی دو جنتیں مقربین کے لئے اور چاندی کی دو جنتیں اصحاب یمین کے لئے ہیں۔

قولہ فِيهِمَا عَيْنَانِ تَجْرِيَانِ درختوں کو سیراب کر رہی ہیں تاکہ ان پر ہر قسم کے پھل آئیں۔ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے ایک کو تسنیم اور دوسری کو سلسبیل کہتے ہیں۔ عطیہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے ایک شفاف پانی کی اور دوسری شراب کی جو پینے والوں کے لئے لذت کا باعث ہوگی۔ اسی لئے اس کے بعد فرمایا: فِيهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجَانِ یعنی اس میں انواع واقسام کے پھل ہوں گے جو پھل انہوں نے دیکھ رکھے ہیں ان سے بہتر، ایسی چیز جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے، نہ کسی کان نے سنا ہے اور کسی بشر کے دل میں اس کا خیال تک نہیں گزرا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے دنیا میں کوئی میٹھا یا کڑوا پھل نہیں مگر وہ جنت میں بھی موجود ہے حتیٰ کہ حنظل بھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ دنیا کی ان چیزوں اور جنت کی چیزوں کے نام تو ملتے جلتے ہیں لیکن حقیقت اور لذت بالکل جداگانہ ہے۔

مُتَّكِئِينَ عَلَىٰ فُرُشٍ بَطَائِنُهَا مِنْ إِسْتَبْرَقٍ ۚ وَجَنَى الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ﴿٥٤﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٥٥﴾ فِيهِنَّ قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ ﴿٥٦﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٥٧﴾ كَأَنَّهُنَّ الْيَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ ﴿٥٨﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٥٩﴾ هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ ﴿٦٠﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٦١﴾

''وہ تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے بستروں پر جن کے استر قنادیز کے ہوں گے۔ اور دونوں باغوں کا پھل نیچے جھکا ہوگا۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ان میں نیچی نگاہوں والی (حوریں) ہوں گی۔ جن کو نہ کسی انسان نے چھوا ہوگا ان سے پہلے اور نہ کسی جن نے۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ یہ تو گویا یاقوت اور مرجان ہیں۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ کیا احسان کا بدلہ بجز احسان کے کچھ اور بھی ہوتا ہے۔ پس (اے جن وانس) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے''۔

اہل جنت ٹیک لگائے ہوئے ہوں گے۔ ٹیک لگانے سے مراد پہلو کے بل لیٹنا ہے اور کہا جاتا ہے چوکڑی مار کر بیٹھنا ہے۔

مِنْ إِسْتَبْرَقٍ خالص ریشم کا دبیز کپڑا۔ عکرمہ، ضحاک، قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے یہی مروی ہے۔ ابو عمران جونی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ سونے سے منقش قنادیز۔ اوپر کے ابرکا ساتھ اندر کے استر کے ساتھ شرف ظاہر کیا جا رہا ہے۔ اس میں ادنیٰ کے ساتھ اعلیٰ کی طرف اشارہ کیا

1۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 147 2۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب صفۃ الجنۃ، جلد 10، صفحہ 12

جارہا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ اندر کے استر کا حال ہے تو پھر ابرا کا کیا حال ہوگا؟(1) مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اس کے استر ریشم کے اور ابرے نور کے۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے۔ قاسم بن محمد کا قول ہے ان کے استر قنادیز کے ہوں گے اور ابر باعث رحمت ہوں گے۔ امام ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سب روایات ذکر کی ہیں۔

وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ اس کے پھل ان کے قریب ہوں گے جب چاہیں گے لے لیں گے۔ ایک اور جگہ آتا ہے: قُطُوفُهَا دَانِيَةٌ (حاقہ: 23) اور فرمایا: وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلَالُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوفُهَا تَذْلِيلًا (الدہر: 14)، ان کا توڑنا مشکل نہیں ہوگا۔ ٹہنیاں ان کی طرف جھک آئیں گی۔

فِيهِنَّ قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ بستروں کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا۔ ان بستروں پر نیچی نگاہوں والی حوریں ہوں گی۔ جنت میں ان سے خوبصورت کوئی چیز نہ ہوگی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ اور عطاء خراسانی رحمہما اللہ تعالیٰ کا یہی قول ہے مروی ہے کہ حور اپنے خاوند سے کہے گی اللہ کی قسم! میرے نزدیک جنت میں تم سے زیادہ خوبصورت اور محبوب چیز کوئی نہیں۔ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے تیرے لئے اور تجھے میرے لئے بنایا۔

لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ بلکہ وہ کنواری دوشیزہ ہوں گی۔ ان کے خاوندوں کے علاوہ آج تک انہیں کسی نے ہاتھ بھی نہیں لگایا ہوگا۔ یہ آیت مومن جنوں کے جنت جانے کی دلیل ہے۔ حضرت ضمرہ بن حبیب رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کیا مومن جن جنت جائیں گے فرمایا ہاں جنی عورتوں سے ان کا نکاح ہوگا جیسے انسانوں کا انسان عورتوں سے۔ پھر یہی آیتیں تلاوت کیں(2)۔

كَأَنَّهُنَّ الْيَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ ان کی تعریف ہو رہی ہے کہ وہ حسن و خوبی میں گویا یاقوت اور مرجان ہیں۔ مجاہد، حسن اور ابن زید رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کا قول ہے کہ یاقوت سے صفائی میں اور مرجان سے سفیدی میں تشبیہ دی ہے۔ مرجان سے مراد یہاں لولو ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے: "اہل جنت کی حوروں میں سے ہر ایک ایسی ہے کہ ان کی پنڈلی کی سفیدی ریشمی ستر حلوں کے اندر سے بھی نظر آئے گی حتیٰ کہ اندر کا گودا بھی۔"

الْيَاقُوتُ یاقوت یہ پتھر ہے۔ اگر اس میں دھاگہ پرو دیں تو باہر سے نظر آتا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح موقوفاً بھی روایت کیا ہے اور اس کو صحیح ترین قرار دیا ہے(3)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنت میں آدمی کی دو بیویاں حور عین سے ہوں گی ہر ایک نے ستر حلے پہن رکھے ہوں گے۔ اس کی پنڈلی کا گودا کپڑوں کے پیچھے سے بھی نظر آئے گا(4)۔

مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن سیرین سے روایت کیا ہے کہ یا تو فخر کے طور پر یا مذاکرہ کے طور پر یہ بحث چھڑ گئی کہ جنت میں عورتیں زیادہ ہوں گی یا مرد؟ تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، کیا ابو القاسم ﷺ نے یہ نہیں فرمایا: "پہلا گروہ جو جنت میں جائے گا ان کی شکلیں چودھویں کے چاند کی طرح ہوں گی۔ اس کے بعد والی جماعت آسمان کے چمکیلے ستاروں کی طرح چہرے والی ہوگی۔ ان میں سے ہر ایک کی دو بیویاں ہوں گی۔ ان کی پنڈلی کا گودا گوشت کے پیچھے سے نظر آئے گا اور جنت میں کوئی کنوارہ نہ ہوگا" (5)۔ یہ حدیث صحیحین میں بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے(6)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ

1۔ طبری، جلد 27، صفحہ 149　　2۔ طبری، جلد 27، صفحہ 151

3۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب صفۃ الجنۃ، جلد 10، صفحہ 89　　4۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 345، مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمہا، جلد 4، صفحہ 2179-2178

5۔ فتح الباری، کتاب بدء الخلق، جلد 6، صفحہ 318، مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4، صفحہ 2180　　6۔ ایضاً

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”خدا کی راہ میں صبح یا شام کو نکلنا ساری دنیا اور جو کچھ اس میں ہے اس سے بہتر ہے اور جنت میں کمان یا کوڑا رکھنے کے برابر جگہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اور اگر کوئی جنتی عورت زمین پر جھانک لے تو جو کچھ ان کے درمیان ہے اسے خوشبو سے مہکا دے اور سب کچھ جگمگا اٹھے۔ اس کے سر کا دوپٹہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے (1)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے (2)۔

هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ دنیا میں جس نے نیکی کی، آخرت میں اس کا بدلہ احسان کے سوا کچھ نہیں۔ جس طرح ایک دوسری آیت میں ہے: لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی وَ زِیَادَةٌ (یونس: 26)۔

بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی اور پوچھا تم جانتے ہو تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے؟ تو صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس کو میں نے نعمت توحید سے سرفراز فرمایا، کیا جنت کے بغیر بھی اس کی کوئی جزا ہو سکتی ہے (3)۔ چونکہ یہ بھی ایک عظیم الشان نعمت ہے جو دراصل کسی عمل کے بدلے نہیں بلکہ صرف اس کا احسان اور فضل و کرم ہے۔ اس لئے اس کے بعد فرمایا: فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ۔

رب کے مقام سے ڈرنے والے کی بشارت کے متعلق ترمذی و بغوی رحمہما اللہ تعالیٰ کی حدیث ہے جسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ”جس مسافر کو راہزنوں کا ڈر ہوتا ہے وہ سوتا نہیں رات بھر چلتا رہتا ہے اور جو رات بھر چلتا رہتا ہے وہ اپنی منزل تک پہنچ جاتا ہے۔ خبردار! اللہ تعالیٰ کا سامان بہت گراں ہے۔ سن لو اللہ تعالیٰ کا سامان جنت ہے۔“ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو غریب قرار دیا ہے (4)۔ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضور ﷺ کو منبر پر وعظ بیان فرماتے ہوئے سنا۔ آپ نے یہ آیت وَلِمَنْ خَافَ تلاوت فرمائی میں نے عرض کی اگر چہ زنا کیا ہو چوری کی ہو؟۔ الحدیث (یہ حدیث اوپر گزر چکی ہے) (5)۔

وَ مِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتٰنِ ﴿۶۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۳﴾ مُدْهَآمَّتٰنِ ﴿۶۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۵﴾ فِیْهِمَا عَیْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿۶۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۷﴾ فِیْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّ نَخْلٌ وَّ رُمَّانٌ ﴿۶۸﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۶۹﴾ فِیْهِنَّ خَیْرٰتٌ حِسَانٌ ﴿۷۰﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۱﴾ حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِی الْخِیَامِ ﴿۷۲﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۳﴾ لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَ لَا جَآنٌّ ﴿۷۴﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۵﴾ مُتَّكِـِٕیْنَ عَلٰی رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّ عَبْقَرِیٍّ حِسَانٍ ﴿۷۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۷﴾ تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِی الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ ﴿۷۸﴾

1۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 141، فتح الباری، کتاب الجہاد، جلد 6، صفحہ 15　2۔ ایضاً　3۔ بغوی، معالم التنزیل، جلد 4 صفحہ 276
4۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب صفۃ القیامۃ، جلد 9 صفحہ 277، بغوی معالم التنزیل، جلد 4 صفحہ 273　5۔ معالم التنزیل، جلد 4 صفحہ 274-273

"اور ان دو کے علاوہ دو اور باغ بھی ہیں۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ دونوں نہایت سرسبز و شاداب۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ان میں دو چشمے جوش سے ابل رہے ہوں گے۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ان میں میوے ہوں گے اور کھجوریں اور انار ہوں گے۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ان میں اچھی سیرت والیاں اچھی صورت والیاں ہوں گی۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ یہ حوریں، پردہ دار خیموں میں۔ پس (اے جن وانس!) تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ ان کو بھی اب تک نہ کسی انسان نے چھوا ہوگا اور نہ کسی جن نے۔ پس تم اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ وہ تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے سبز مسند پر جو از حد نفیس، بہت خوبصورت ہوگی۔ پس (اے انسانو اور جنو!) تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ (اے حبیب ﷺ!) بڑا بابرکت ہے آپ کے رب کا نام بڑی عظمت والا، احسان فرمانے والا"۔

یہ دونوں باغات نص قرآنی کی رو سے مذکورہ بالا دونوں باغات سے درجہ میں کم ہیں وہ حدیث بھی بیان ہو چکی ہے جس میں ہے کہ دو جنتیں سونے کی اور دو چاندی کی ہیں پہلی دونوں (خواص مومنین) مقربین کے لئے اور آخری دونوں اصحاب یمین (عام مومنوں) کے لئے ہیں۔ ابو موسیٰ کا یہی قول ہے۔

وَمِنْ دُوْنِهِمَا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے درجے میں یہ ان دو سے کم ہیں۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے فضیلت میں ان دو سے کم ہیں۔ پہلی دو کی فضیلت کی بہت سی دلیلیں ہیں۔ ایک یہ کہ ان دو کا ذکر پہلے کیا گیا ہے اور تقدیم بھی فضیلت کی دلیل ہے۔ پھر یہاں وَمِنْ دُوْنِهِمَا فرمانا یہ صاف ظاہر کرتا ہے کہ یہ مرتبہ میں ان سے کم ہیں۔ وہاں ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ کہا تھا یعنی مختلف ذائقوں کے پھلوں والی شاخیں۔ اور یہاں مُدْهَآمَّتٰنِ فرمایا یعنی بکثرت سیراب کرنے کی وجہ سے ان کی سبزی سیاہی مائل ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مروی ہے۔ ایک دوسری روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے سبز حضرت ابو ایوب انصاری، عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن اُبی اوفی، عکرمہ، سعید بن جبیر رضی اللہ عنہم، ایک روایت میں مجاہد سے، عطاء، عطیہ عوفی، حسن بصری، یحییٰ بن رافع اور سفیان ثوری رحمہم اللہ تعالیٰ سے یہی مروی ہے۔ محمد بن کعب فرماتے ہیں سبزی سے پر۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے سیراب کرنے سرسبز و شاداب، نرم و نازک، گنجان درختوں کی آپس میں ملی شاخوں کے تروتازہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ وہاں فرمایا فیھما عینان تجریان اور یہاں فرمایا نضاختان۔ علی بن اَبی طلحہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، فیاضتان: ابلنے والے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جری (چلنا) نضخ (ابلنے) سے اقویٰ ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے یہ دونوں پر ہیں ان کا پانی رکتا نہیں۔

وہاں فرمایا: فیھما من کل فاکھۃ زوجان اور یہاں فرمایا: فِیْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّ نَخْلٌ وَّ رُمَّانٌ اس میں کوئی شک نہیں کہ پہلے الفاظ عمومیت کی وجہ سے اولیٰ ہیں۔ اور نکرہ اثبات کے سیاق میں عام نہیں ہوتا۔ اسی لئے (نَخْلٌ وَّ رُمَّانٌ) خاص کا عطف عام پر کرنے کے باب سے نہیں۔ جس طرح بخاری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔ نَخْلٌ وَّ رُمَّانٌ کا خصوصی الگ ذکر اس لئے فرمایا کہ انہیں اور میووں پر شرف حاصل ہے۔ مسند عبد بن حمید میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہود کے کچھ لوگ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور دریافت کیا کیا جنت میں میوے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں اس میں پھل، کھجور اور انار ہیں۔ انہوں نے پوچھا کیا جنتی دنیا کی طرح وہاں بھی کھائیں گے؟ آپ نے فرمایا: ہاں بلکہ اس سے کئی گنا زیادہ۔ انہوں نے پوچھا: کیا انہیں رفع حاجت کی ضرورت محسوس ہوگی

فرمایا نہیں، بلکہ انہیں پسینہ آئے گا جس سے پیٹ کا فضلہ دور ہو جائے گا(1)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جنتی کھجوروں کی شاخیں جنتیوں کی پوشاک ہوگی۔ اسی سے ان کے کپڑے اور حلے ہوں گے ان کی جڑیں سرخ سونے کی، تنے سبز زمرد اور پھل شہد سے شیریں، مکھن سے نرم ہوگا اور اس میں گٹھلی نہیں ہوگی(2)۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا میں نے جنت کو دیکھا اس کے انار اتنے بڑے تھے جیسے اونٹ کجاوے سمیت(3)۔

پھر فرمایا: فِیْهِنَّ خَیْرٰتٌ حِسَانٌ یہ بھی کہا گیا ہے کہ خیرات سے مراد ہے کہ وہ جنت میں بکثرت ہوں گی۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہی مروی ہے۔ ایک قول ہے کہ خیرات خیرہ کی جمع ہے۔ یعنی پاکباز، خوبرو، خوب سیرت عورت۔ جمہور کی یہی رائے ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مرفوع حدیث میں یہی مروی ہے(4)۔ ایک اور حدیث جس کا تذکرہ ان شاء اللہ سورۂ واقعہ میں آئے گا، میں ہے کہ حورعین یہ گیت گائیں گی: ہم خوش خلق حوریں ہیں جو معزز خاوندوں کے لئے پیدا کی گئی ہیں(5)۔ اس لئے بعض نے خیّرات پڑھا ہے۔

پھر فرمایا: حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِی الْخِیَامِ اور وہاں فرمایا فیھن قاصرات الطرف اس میں کوئی شک نہیں کہ جو خود اپنی نگاہ نیچی رکھتی ہو وہ اس سے افضل ہے جس کی نگاہ نیچی کی گئی ہو۔ گو پردہ دار دونوں ہیں۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ بلاشبہ ہر مسلمان کے لئے خیرہ ہے اور ہر خیرہ کے لئے خیمہ ہے اور ہر خیمے کے چار دروازے ہیں جن سے ہر روز تحفہ، کرامت اور ہدیہ آتا رہتا ہے۔ جو پہلے نہ تھا۔ نہ اترانے والی ہیں، نہ گھور کر دیکھنے والی، نہ ان کی بغلوں میں گندگی ہے اور نہ منہ میں۔ وہ حورعین ہیں گویا سفید پوشیدہ موتی(6)۔

فِی الْخِیَامِ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جنت میں ایک خیمہ ہے جو ایک موتی سے بنا ہے۔ اس کا عرض ساٹھ میل ہر کونے میں جنتی کے اہل خانہ ہیں جو دوسروں کو نہیں دیکھ پاتے۔ مؤمن ان کے پاس طواف کرے گا۔ ایک روایت میں اس کا عرض تیس میل مذکور ہے۔ یہ حدیث شریف مسلم میں بھی ہے(7)۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ خیمہ ایک لؤلؤۃ کا ہے اس میں ستر دروازے موتی کے ہیں(8)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جنت میں ایک خیمہ ہوگا جو چار مربع فرسخ ہوگا اس کے چار ہزار دروازے سونے کے ہیں(9)۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ ادنیٰ درجے کے جنتی کے اسی ہزار خادم ہوں گے۔ اور بہتر بیویاں اس کے لئے موتی، زمرد اور یاقوت کا خیمہ نصب کیا جائے گا جس کی مسافت اس قدر ہوگی جو جابیہ اور صنعاء کے مابین ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ میں بھی یہ روایت موجود ہے(10)۔

1۔ در منثور، جلد 7 صفحہ 716 2۔ در منثور، جلد 7 صفحہ 717 3۔ ایضاً

4۔ ابن جریر، جلد 27 صفحہ 158، المعجم الکبیر، جلد 23 صفحہ 368-367 5۔ دیکھئے تفسیر سورۂ واقعہ آیت: 37

6۔ طبری، جلد 27 صفحہ 158، مصنف ابن ابی شیبہ، جلد 13 صفحہ 133

7۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ رحمٰن، جلد 8 صفحہ 624، کتاب بدء الخلق، جلد 6 صفحہ 318، مسلم کتاب الجنۃ، جلد 4 صفحہ 2182

8۔ تفسیر طبری، جلد 27 صفحہ 161 9۔ طبری، جلد 27 صفحہ 161

10۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب صفۃ الجنۃ، جلد 9 صفحہ 35

لَمۡ يَطۡمِثۡهُنَّ اِنۡسٌ قَبۡلَهُمۡ وَلَا جَآنٌّ اس کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے مگر اوائل کے وصف میں یہ اضافہ بھی ہے کانھن الیاقوت والمرجان۔
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ۔

قولہ تعالیٰ مُتَّكِـِٕيۡنَ عَلٰى رَفۡرَفٍ خُضۡرٍ وَّعَبۡقَرِيٍّ حِسَانٍ علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رفرف سے مراد مجالس ہیں یعنی چادریں۔ مجاہد، عکرمہ، حسن، قتادہ اور ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے یہی مروی ہے۔ علاء بن زید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ایسا پلنگ جو اوپر بیچے جاتا ہے۔ عاصم حجدری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے الوسائد: گاؤ تکیے۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کا قول رفرف جنت کا باغ ہے۔

قولہ تعالیٰ عَبۡقَرِيٍّ حِسَانٍ ابن عباس، قتادہ، ضحاک اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ العبقری: الزرابی۔ عمدہ رنگ برنگ غالیچہ۔
حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کا قول ہے عِتَاق الزرابی یعنی بہترین۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے عبقری سے مراد دیباج ہے۔
حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: تمہارا باپ نہ ہو یہ اہل جنت کے بستر ہیں۔ یہ مانگا کرو۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے ہی ایک روایت ہے کہ: المرافق۔

زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ عبقری سے مراد سرخ، زرد اور سبز ہے۔ علاء بن زید سے عبقری کا معنیٰ پوچھا گیا تو فرمایا: قالین اس سے کمتر ہوتا ہے۔ ابوحزرہ یعقوب بن مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: عبقری سے مراد جنتیوں کے کپڑے ہیں جنہیں کوئی نہیں جانتا۔ ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے نرم وگداز مسند۔ قتیبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ عرب ہر منقش کپڑے کو عبقری کہتے ہیں۔ ابوعبیدہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ ایک جگہ کا نام ہے جہاں کپڑوں پر کشیدہ کاری کی جاتی ہے۔ خلیل بن احمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے ہر نفیس چیز کو عرب عبقری کہتے ہیں(1)۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نسبت فرمایا: میں نے کسی عبقری کو نہیں دیکھا جو عمر کی طرح کام کرتا ہو(2)۔ المختصر پہلے دو باغوں والوں کے مرافق کا وصف اس وصف سے اعلیٰ وارفع ہے جس کا یہاں بیان ہو رہا ہے۔

وہاں فرمایا متکئین علی فرش بطائنها من استبرق ان کے بستروں کے استر کا تو بیان فرما دیا اور ابری کو بیان نہ فرمایا۔ (ابری یعنی اوپر کا کپڑا ہمیشہ استر سے بہتر اور خوبصورت ہوتا ہے، یہاں صرف استر کا بیان ہے جس کا مطلب ہے کہ ابری اس سے کہیں زیادہ عمدہ ہوگا)۔

اور سابقہ اوصاف کے خاتمے پر فرمایا: هَلۡ جَزَآءُ الۡاِحۡسَانِ اِلَّا الۡاِحۡسَانُ ان اہل جنت کے اوصاف میں احسان کو بیان فرمایا۔ یہ مراتب میں سے اعلیٰ درجہ ہے۔ جس طرح حدیث جبریل میں ہے کہ انہوں نے اسلام کے بارے میں پوچھا پھر ایمان اور پھر احسان کے بارے میں۔ یہ کئی وجوہات ہیں جن کی بناء پر پہلے دونوں باغوں کو (جن کا ذکر آیت 46 میں آیا ہے) ان دو باغوں پر بہت سی فضیلت حاصل ہے۔ اللہ کریم سے التجا ہے وہ ہمیں بھی پہلی جنتوں والوں میں شامل فرما دے۔

پھر فرمایا: تَبٰرَكَ اسۡمُ رَبِّكَ ذِى الۡجَلٰلِ وَالۡاِكۡرَامِ وہ اس کا اہل ہے کہ اس کی تعظیم کی جائے نافرمانی نہ کی جائے۔ تکریم کی جائے، معبود مانا جائے۔ شکر کیا جائے ناشکری نہ کی جائے۔ اس کا ذکر کیا جائے اسے بھلایا نہ جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا

1۔ تفسیر قرطبی، جلد 1، صفحہ 192
2۔ فتح الباری، جلد 7، صفحہ 41، مسلم، جلد 4، صفحہ 1860

معنی کیا ہے وہ عظمت اور کبریائی والا ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ کا اجلال کرو وہ تمہیں بخش دے گا(1)"۔ ایک دوسری روایت میں ہے "اللہ کی عظمت ماننے میں یہ بھی داخل ہے کہ بوڑھے مسلمان، صاحب اقتدار اور حامل قرآن کی جو قرآن میں غلو کرتا ہو نہ درشتی، عزت کی جائے"(2)۔ حافظ ابو یعلی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: یا ذا الجلال و الاکرام کا واسطہ دیا کرو(3)۔ یہ حدیث ترمذی رحمۃ اللہ علیہ میں بھی ہے وہ اس کی سند کو غیر محفوظ اور غریب لکھتے ہیں۔ مسند احمد رحمۃ اللہ علیہ میں یہی حدیث ایک دوسری سند سے ہے اس میں یا کا لفظ نہیں ہے۔ نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔

جوہری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے جب کوئی کسی کو چمٹ جائے تو عرب کہتے ہیں أَلَظَّ فَلَانٌ بِفلان۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے: ألظوا بیاذ الجلال والاکرام أی ألزموا یا ذا الجلال والاکرام کہنا لازم کرلو (یعنی دعا میں اکثر یہ کلمہ کہا کرو)۔ کہا جاتا ہے الا لظاظ هو الالحاح: الحاح یعنی زاری کرنا۔ (میں کہتا ہوں) یہ دونوں معنے ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ یعنی دوام اختیار کرنا، لازم پکڑنا اور الحاح وزاری کرنا۔ صحیح مسلم اور سنن اربعہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ فرض نماز کے سلام کے بعد حضور ﷺ صرف اتنی دیر بیٹھتے جس میں یہ کلمات کہہ لیں: اللّٰھم أنتَ السلامُ ومنکَ السلامُ، تبارَکْتَ یا ذا الجلالِ والاکرام(4)۔

سورۂ رحمٰن کی تفسیر ختم ہوئی۔

وللہ الحمد و المنۃ

1۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 199

2۔ ابوداؤد، کتاب الادب، جلد 4، صفحہ 262-261

3۔ مسند ابی یعلی، جلد 4، صفحہ 62، عارضۃ الاحوذی، ابواب الدعوات، جلد 13، صفحہ 50

4۔ مسلم، کتاب المساجد، جلد 1، صفحہ 414، سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 2، صفحہ 84، عارضۃ الاحوذی، ابواب الصلاۃ، جلد 2، صفحہ 92-91، نسائی: کتاب السہو، جلد 3 صفحہ 69، ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 298

سورۂ واقعہ

ابو اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! آپ بوڑھے ہو گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا: "ہاں مجھے سورۃ ھود، واقعہ، والمرسلات، سورۃ عم یتساءلون اور سورۃ اذا الشمس کورت نے بوڑھا کر دیا ہے۔" اس حدیث کو ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے اور اسے حسن غریب قرار دیا ہے(1)۔

حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے واقعات میں لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے آپ کی عیادت کی اور پوچھا آپ کو کیا شکوہ ہے فرمایا: گناہوں کا۔ آپ نے دریافت کیا کوئی خواہش؟ فرمایا اپنے رب کی رحمت کی۔ آپ نے پوچھا کسی طبیب کو بھیج دوں؟ فرمایا: طبیب نے ہی تو مجھے بیمار کیا ہے۔ پوچھا کچھ ہدیہ بھیج دوں؟ فرمایا: مجھے مال کی کوئی حاجت نہیں۔ فرمایا آپ کے بعد آپ کی بچیوں کے کام آئے گا فرمایا: کیا آپ کو میری بچیوں کی تنگدستی کا ڈر ہے میں نے اپنی بیٹیوں کو حکم دیا ہے کہ ہر رات سورۂ واقعہ پڑھا کریں۔ میں نے حضور ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا ہے کہ جو شخص ہر رات سورۂ واقعہ پڑھ لے اسے ہرگز ہرگز فاقہ نہیں پہنچے گا۔ اس واقعہ کے راوی حضرت ابو طیبہ رضی اللہ عنہ بھی اس سورت کو بلا ناغہ پڑھا کرتے تھے۔ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث اور یہ واقعہ دیگر سندوں سے بھی روایت کیا ہے۔ مسند احمد میں جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ اسی طرح نمازیں ادا فرماتے تھے جس طرح تم آج پڑھتے ہو لیکن آپ کی نماز تخفیف والی ہوتی تھی۔ فجر کی نماز میں آپ سورۂ واقعہ اور اس جیسی سورتیں تلاوت فرمایا کرتے تھے(2)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۙ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۘ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۙ إِذَا رُجَّتِ الْأَرْضُ رَجًّا ۙ وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۙ فَكَانَتْ هَبَاءً مُّنْبَثًّا ۙ وَكُنْتُمْ أَزْوَاجًا ثَلَاثَةً ۗ فَأَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۙ مَا أَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۗ وَأَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ۙ مَا أَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ۗ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۙ أُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۚ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝ ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِيْنَ ۙ

"جب قیامت برپا ہو جائے گی۔ نہیں ہو گا جب یہ برپا ہو گی (اسے) کوئی جھٹلانے والا۔ کسی کو پست کرنے والی کسی کو بلند کرنے والی۔ جب زمین تھرتھر کانپے گی۔ اور ٹوٹ پھوٹ کر پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ پھر غبار بن کر بکھر جائیں گے۔ اور تم لوگ تین گروہوں میں بانٹ دیے جاؤ گے۔ پس (ایک گروہ) دائیں ہاتھ والوں کا ہو گا کیا شان ہو گی دائیں ہاتھ والوں کی۔ اور (دوسرا گروہ) بائیں ہاتھ والوں کا ہو گا کیا (خستہ) حال ہو گا بائیں ہاتھ والوں کا۔ اور (تیسرا گروہ) ہر کار خیر

1۔ تحفۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ واقعہ، جلد 12، صفحہ 181 2۔ مسند احمد، جلد 5، صفحہ 104

میں) آگے رہنے والوں کا، وہ (اس روز بھی) آگے آگے ہوں گے۔ وہی مقرب بارگاہ ہیں۔ عیش و سرور کے باغوں میں"۔

واقعہ قیامت کے اسماء سے ہے چونکہ اس کا ہونا یقینی امر ہے اس لئے اسے یہ نام دیا گیا۔ ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے: فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ (الحاقہ: 15)۔

قولہ تعالیٰ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ جب اللہ تعالیٰ اس کا ارادہ فرما لے تو کوئی نہ ٹلنے والا اسے ٹال نہیں سکتا۔ جیسے ارشاد ہوتا ہے: اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ (الشوریٰ: 73)۔ اور فرمایا: سَاَلَ سَآئِلٌ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ...... دَافِعٌ (معارج: 1) اور فرمایا: وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ قَوْلُهُ الْحَقُّ... الْخَبِيْرُ (الانعام: 73)۔

كَاذِبَةٌ محمد بن کعب رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اس کا معنی ہے یہ لازماً واقع ہوگی۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اس دن نہ تو دوبارہ آنا ہے نہ وہاں سے لوٹنا ہے اور نہ واپس آنا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کَاذِبَةٌ مصدر ہے جیسے عاقبۃ اور عافیۃ (1)۔

قولہ تعالیٰ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ یعنی بعض اقوام کو جہنم میں اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ تک پہنچا دے گی اس کے باوصف کہ وہ دنیا میں شان و شوکت کے مالک تھے اور کچھ لوگوں کو بلند کر کے اعلیٰ علیین میں ابدی نعمتوں تک پہنچا دے گی۔ باوجودیکہ دنیا میں وہ لوگ پست اور بے قدر تھے۔ حسن اور قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے یہی مروی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: قیامت اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو آتش جہنم میں سرنگوں کر دے گی اور اولیاء اللہ کو جنت میں سربلند و سرفراز کر دے گی۔"

محمد بن کعب رحمۃ اللہ علیہ کا قول دنیا میں جو لوگ ذی وقار تھے انہیں پست کر دے گی اور جو متواضع تھے انہیں بلند مرتبہ بنا دے گی۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے متکبرین کو پست اور متواضعین کو بلند کر دے گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ نزدیک اور دور والوں کو سنا دے گی۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے وہ نیچا کرے گی اور نیچے والوں کو سنائے گی اور اوپر کرے گی اور دور والوں کو سنائے گی۔ ضحاک اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے یہی مروی ہے۔

اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا شدید حرکت کرے گی اور طول و عرض میں جھولنے اور کانپنے لگے گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہ سے مروی ہے اس میں زلزلہ آئے گا۔

حضرت ربیع بن انس رضی اللہ عنہ کا قول ہے اس طرح لرزے گی جیسے چھلنی میں کوئی چیز ہو تو وہ حرکت کرتی ہے۔ ایک اور آیت میں آتا ہے: اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا (الزلزال: 1) اور فرمایا: يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ (الحج: 1)۔

قولہ تعالیٰ وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ حضرت ابن عباس، مجاہد، عکرمہ اور قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے یہی مروی ہے۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے پہاڑوں کی حالت یوں ہوگی جس طرح اس آیت میں ہے: كَثِيْبًا مَّهِيْلًا۔

قولہ تعالیٰ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جیسے گرد و غبار پھیل جاتا ہے پھر ختم ہوتا ہے تو اس میں سے کوئی چیز باقی نہیں بچتی۔ عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ھباء ان شراروں کو بھی کہتے ہیں جو آگ جلاتے وقت پروانوں کی طرح اڑتے ہیں۔ نیچے گرنے پر وہ کچھ نہیں رہتے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے مبث وہ چیز ہے جسے ہوا اڑاتی ہے اور بکھیر دیتی ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اس خشک درخت کی طرح جسے ہوائیں ادھر ادھر اڑاتی ہیں۔ یہ آیت اور اس طرح کی دیگر آیات

1۔ طبری، جلد 27 صفحہ 166

روز قیامت پہاڑوں کے اپنی جگہ سے اٹھ جانے، ختم ہونے اور روئی کے گالوں کی طرح اڑنے کی دلیل ہیں۔

قولہ تعالیٰ وَّكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً قیامت کے دن لوگوں کو تین گروہوں میں بانٹ دیا جائے گا۔ ایک قوم عرش کے دائیں ہوگی۔ یہ وہ لوگ ہیں جو حضرت آدم علیہ السلام کے دائیں پہلو سے نکلے تھے۔ انہیں اعمال نامے دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے اور دائیں طرف لے جائے جائیں گے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ جنتیوں کا عام گروہ ہے۔ دوسری قوم عرش کے بائیں طرف ہوگی یہ وہ لوگ ہوں گے جو آدم کے بائیں پہلو سے نکلے۔ انہیں اعمال نامے بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے اور بائیں طرف لے جائے جائیں گے۔ یہ سب جہنمی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کے انجام سے محفوظ رکھے۔ تیسری جماعت سابقون کی ہے یہ خاص الخاص لوگ ہیں۔ یہ مدارج عالیہ میں اصحاب یمین کے بھی سردار ہوں گے ان میں انبیاء، ومرسلین، صدیقین اور شہداء ہوں گے۔ یہ تعداد میں اصحاب یمین سے کم ہوں گے۔ اسی لئے فرمایا: فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ مَآ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ .... اسی طرح سورت کے آخر میں بھی انہیں تین قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک اور آیت میں بھی ان کا ذکر ہے: ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ (فاطر:32) الآیہ۔ یہ اس وقت ہے جب ظالم لنفسہ کی وہ تفسیر لیں جو اس کے مطابق ہے(1)۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ سورۂ ملائکہ میں انہی تین اقسام کا ذکر ہے۔ ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ وہ تین اقسام ہیں جن کا ذکر اس سورت اور سورۂ ملائکہ کے آخر میں آیا ہے۔ یزید الرقاشی کا قول ہے کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: تین اقسام۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ تین فرقے۔ میمون بن مہران رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ تین گروہ۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دو گروہ جنت میں ہوں گے اور ایک آگ میں۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ (تکویر:7)۔ فرمایا: قسم قسم کے یعنی ہر عمل کے عامل کی ایک جماعت۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم تین قسم پر ہو جاؤ گے۔ یعنی اصحاب یمین، اصحاب شمال اور سابقین۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ۔ اور اپنے ہاتھوں کی دونوں مٹھیاں بند کر لیں اور فرمایا: یہ جنتی ہیں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ یہ سب جہنمی ہیں اور مجھے کوئی پرواہ نہیں (2)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جانتے ہو اللہ تعالیٰ کے سایہ کی طرف قیامت کے دن سب سے پہلے کون لوگ جائیں گے؟ صحابہ نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول سب سے بہتر جانتا ہے۔ آپ نے فرمایا: جو لوگ اپنا حق دیئے جائیں تو قبول کر لیں اور جب مانگا جائے تو خرچ کریں۔ لوگوں کے لئے بھی وہی فیصلہ کریں جو وہ اپنے لئے پسند کرتے ہیں(3)۔

وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس سے مراد انبیاء کرام ہیں۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جو لوگ اعلیٰ علیین میں ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ مراد یوشع بن نون ہیں جو سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور آل یٰس کے مومن جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر پہلے ایمان لائے اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ جو حضرت محمد ﷺ پر سب

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ فاطر آیت:32 2۔ مسند احمد، جلد5، صفحہ239 3۔ مسند احمد، جلد6، صفحہ67

سے پہلے ایمان لائے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح روایت کیا ہے۔ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے جن لوگوں نے دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح روایت کیا ہے (1)۔ حسن اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے ہر امت کے لوگ جو اپنے اپنے نبیوں پر پہلے پہل ایمان لائے۔ حضرت عثمان بن ابی سودہ رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: وَ السّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ پھر فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جو سب سے پہلے مسجد جاتے ہیں اور سب سے پہلے جہاد کے لئے نکلتے ہیں (2)۔ یہ سب اقوال صحیح ہیں۔ سابقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو بھلائی کے کاموں کی طرف سبقت کرتے ہیں جس طرح انہیں حکم دیا گیا۔ جیسے فرمایا: وَ سَارِعُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ ... وَ الْاَرْضُ (آل عمران: 133)۔ اور فرمایا: سَابِقُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ ... وَ الْاَرْضِ (الحدید: 21)۔ جس شخص نے اس دنیا میں نیکیوں اور کار خیر کی طرف سبقت کی وہ آخرت میں خدا کی نعمتوں کی طرف بھی سابق ہی رہے گا کیونکہ ہر عمل کی جزا اس کی جنس سے ہوتی ہے۔ جو جیسا کرتا ہے ویسا ہی پاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ملائکہ نے درگاہ خداوندی میں عرض کیا اے رب! تو نے ابن آدم کے لئے دنیا بنادی ہے وہ اس میں کھاتے پیتے اور شادیاں کرتے ہیں۔ پس ہمارے لئے آخرت کر دے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ملا کہ میں ایسا نہیں کروں گا۔ انہوں نے تین مرتبہ یہی دعا کی۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جسے میں نے اپنے دست قدرت سے پیدا کیا اسے ان جیسا ہرگز نہیں کروں گا جنہیں میں نے صرف لفظ کُنْ سے پیدا فرمایا۔ پھر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ یہ آیت تلاوت فرمائی۔ یہ اثر امام عثمان بن سعید دارمی نے اپنی کتاب الرد علی الجھمیۃ میں ذکر فرمایا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "جسے میں نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا ہے اس کی نیک اولاد کو اس جیسا نہ کروں گا جسے میں نے کہا کُنْ (ہوجا) تو وہ ہو گیا"۔

وَ قَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ۟ؕ عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ۟ۙ مُّتَّكِـِٕيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ۟ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۟ۙ بِاَكْوَابٍ وَّ اَبَارِيْقَ ۙ۬ وَ كَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ۟ۙ لَّا يُصَدَّعُوْنَ عَنْهَا وَ لَا يُنْزِفُوْنَ ۟ۙ وَ فَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُوْنَ ۟ۙ وَ لَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ۟ؕ وَ حُوْرٌ عِيْنٌ ۟ۙ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُـٔ الْمَكْنُوْنِ ۟ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۟ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّ لَا تَاْثِيْمًا ۟ۙ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ۟

"ایک بڑی جماعت پہلوں سے۔ اور قلیل تعداد پچھلوں سے۔ ان پلنگوں پر جو سونے کی تاروں سے بنے ہوں گے۔ تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے ان پر آمنے سامنے۔ گردش کرتے ہوں گے ان کے اردگرد نو خیز لڑکے جو ہمیشہ ایک جیسے رہیں گے۔ (ہاتھوں میں) پیالے، آفتابے اور شراب طہور سے چھلکتے جام لئے ہوئے۔ نہ سر درد محسوس کریں گے اس سے اور نہ مدہوش ہوں گے۔ اور میوے بھی (پیش کریں گے) جو وہ جنتی پسند کریں گے۔ اور پرندوں کا گوشت بھی جس کی وہ رغبت کریں گے۔ اور حوریں خوبصورت آنکھوں والیں۔ (یہ) موتیوں کی مانند جو چھپا رکھے ہوں۔ یہ اجر ہوگا ان نیکیوں کا جو وہ

1۔ طبری، جلد 27، صفحہ 171   2۔ طبری، جلد 27، صفحہ 171

کرتے رہے تھے۔ نہ سنیں گے وہاں لغو باتیں اور نہ گناہ والی باتیں۔ بس ہر طرف سے سلام ہی سلام کی آواز آئے گی''۔

سابقین مقربین کے بارے میں خبر دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے کہ اولین میں اس جماعت کی تعداد زیادہ ہوگی پھر تخفیف جائے گی۔

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۙ وَ قَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ اس کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے ایک قول ہے کہ اولین سے مراد سابقہ اقوام ہیں اور آخرین سے مراد یہ امت ہے۔ مجاہد اور حسن بصری سے ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے یہی روایت کیا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے ہی پسند کیا ہے(1) اور اپنے قول کی تائید میں اس حدیث کو پیش کیا۔ ہم آخر میں ہیں اور قیامت کے دن پہلے ہیں۔ اس قول کی تائید ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ کی اس روایت سے بھی ہو سکتی ہے کہ جب یہ آیت اتری کہ اصحاب رسول کو گراں گزرا تو یہ آیت نازل ہوئی ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ تو حضور ﷺ نے فرمایا: مجھے امید ہے کہ کل اہل جنت کا ایک چوتھائی ایک تہائی تم ہو بلکہ تم نصف اہل جنت ہو یا اہل جنت کا ایک حصہ اور باقی نصف میں بھی تم دیگر امتوں کے ساتھ شریک ہوگے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے(2)۔ حدیث جابر رضی اللہ عنہ میں بھی اسی طرح ہے۔ حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب سورۂ واقعہ کی آیات ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۙ وَ قَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ اتری تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! اولین کی ایک جماعت اور ہماری قلیل تعداد؟ چنانچہ اس کے ایک سال کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۙ وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ تو حضور ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کر یہ آیت سنائی۔ اور ارشاد فرمایا: آدم سے لے کر مجھ تک ایک ثلۃ ہے اور میری امت ایک ثلۃ ہے۔ اور ہم اس ثلۃ کو پورا کرنے کے لئے اونٹ چرانے والے حبشیوں سے بھی مدد لیں گے جو اللہ کی وحدانیت کی گواہی دیتے ہیں لیکن اس روایت کی سند میں نظر ہے۔ یہ حدیث بہت سی سندوں سے مروی ہے کہ مجھے امید ہے تم اہل جنت کا ایک چوتھائی ہوگے الحدیث۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ہی اختیار کیا ہے لیکن اس میں نظر ہے بلکہ یہ قول ضعیف ہے کیونکہ نص قرآنی کی رو سے یہ امت خیر الامم ہے۔ پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ مقربین بارگاہ صمدیت دیگر امتوں میں اس امت سے زیادہ ہوں۔ ہاں یہ توجیہ ہوسکتی ہے کہ ان تمام امتوں کے مقربین ملا کر اس امت کے مقربین سے بڑھ جائیں۔ لیکن بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کل امتوں کے مقربین سے صرف اس امت کے مقربین کی تعداد زیادہ ہوگی واللہ اعلم۔ دوسرا قول ہی اس مقام پر راجح ہے کہ اس امت کے پہلے لوگوں میں سابقین کی تعداد زیادہ اور پچھلے لوگوں میں تھوڑی ہوگی۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے اس آیت کی تلاوت کی اور فرمایا سابقین تو گزر چکے۔ اے اللہ! ہمیں اصحاب یمین میں سے کردے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: اس امت سے جو گزر چکے ہیں ان میں مقربین بہت تھے۔ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اسلاف کہا کرتے تھے یا امید رکھتے تھے کہ مقربین سب اس امت سے ہوں گے چنانچہ حسن بصری کا قول ہے کہ سب مقربین اسی امت سے ہوں گے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر امت کا اول اس کے آخر سے بہتر ہوتا ہے۔ لہٰذا احتمال یہ ہے کہ یہ آیت تمام امتوں کو شامل ہو۔ ہر قوم سے کچھ تعداد شامل ہو۔ چنانچہ صحاح وغیرہ میں متعدد سندوں سے ثابت ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا: '' سب زمانوں سے بہتر میرا زمانہ ہے پھر اس کے بعد والا، پھر جو اس کے متصل ہے(3)'' الحدیث۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 172 2۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 391 3۔ دیکھئے سورۂ فرقان کی تفسیر آیت: 38

ایک حدیث جسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے عمار بن یاسر سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "میری امت کی مثال بارش کی طرح ہے نہ معلوم بارش کی ابتداء بہتر ہو یا اخیر (1)"۔ بشرط صحت اسناد اس حدیث کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ جس طرح ابتدائی زمانہ میں دین کو لوگوں کی ضرورت تھی کہ تبلیغ دین کا فریضہ اپنے سے بعد والوں تک پہنچائیں، اسی طرح آخر میں بھی وہ لوگوں کا محتاج ہے اسے قائم رکھنے، لوگوں کے دلوں میں پختہ کرنے اور روایت و اظہار کے لئے لیکن فضیلت اول زمانے والوں کو ہی ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے کھیتی کو ابتداء میں بھی بارش کی ضرورت ہوتی ہے اور آخر میں بھی۔ لیکن زیادہ انحصار پہلی بارش پر ہی ہوتا ہے اور فصل کو اس کی ضرورت محتاج بیان نہیں کیونکہ اگر یہ بارش نہ ہو تو بیج اگے ہی نہیں اور نہ پودے کی جڑیں زمین میں جم سکیں۔ چنانچہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "میری امت میں سے ایک جماعت ہمیشہ حق پر رہتے ہوئے غالب رہے گی تا قیامت ان کے دشمن انہیں رسوا نہ کر سکیں گے اور ان کے مخالفین انہیں زیر نہیں کر سکیں گے (2) (ایک روایت میں ہے) حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کا امر آپہنچے اور وہ اسی طرح ہوں گے (3)"۔ الغرض یہ امت تمام امتوں سے افضل ہے۔ اس کے مقربین کی تعداد دیگر امتوں سے زیادہ ہے۔ اپنے دین اور نبی کے طفیل باقی تمام امتوں سے اشرف و ممتاز ہے۔ متواتر حدیث میں حضور ﷺ سے ثابت ہے کہ اس امت کے ستر ہزار بغیر حساب جنت جائیں گے (اور ایک روایت میں ہے) ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار اور بھی ہوں گے (4)۔ ابوالقاسم طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! قیامت کے دن تم میں سے ایک بہت بڑی جماعت کھڑی کی جائے گی جو اس قدر بڑی ہوگی گویا رات آگئی۔ وہ زمین کو گھیر لے گی حتیٰ کہ فرشتے کہنے لگیں گے محمد کے ساتھ دیگر انبیاء کی نسبت بہت زیادہ لوگ آئے ہیں۔ یہاں اس حدیث کا ذکر کر دینا بھی مستحسن ہوگا جسے ابوبکر بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل نبوت میں حضرت ابن زمل جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ صبح کی نماز کے بعد پاؤں موڑے ہوئے ستر دفعہ یہ پڑھتے: سبحان اللہ وبحمدہ استغفر اللہ إن اللہ کان توابا پھر فرماتے ستر کے بدلے سات سو ہیں جس کے گناہ ایک دن میں سات سو سے بڑھ جائیں اس کے لئے کوئی بھلائی نہیں۔ پھر دو مرتبہ یہی فرماتے پھر لوگوں کی طرف منہ کر کے بیٹھتے۔ آپ کو خواب اچھا معلوم ہوتا تھا۔ اس لئے دریافت فرماتے کیا تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ حضرت ابن زمل رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میں نے خواب دیکھا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا خدا خیر سے ملائے تمہیں شر سے بچائے۔ خیر ہمارے لئے اور شر ہمارے دشمنوں کے لئے ہے تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اپنا خواب بیان کر۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میں نے دیکھا ہے کہ ایک راستہ ہے کشادہ، نرم اور صاف اور بے شمار لوگ اس راستے میں چلے جارہے ہیں یہ راستہ ایک سبزہ زار کی طرف نکلتا ہے۔ میری آنکھوں نے ایسا لہلہاتا ہوا باغ کبھی نہیں دیکھا۔ ہر طرف پانی رواں ہے۔ ہر طرف سبزہ پھیلا ہوا ہے۔ اب میں نے دیکھا کہ پہلی گھڑ سوار جماعت آئی میں ان کے ساتھ ہوں یہ اس باغ کے پاس پہنچی تو انہوں نے تکبیر کہی اور اپنی سواریوں پر چلتے رہے۔ دائیں بائیں نہیں گئے۔ گویا میں انہیں جاتے دیکھ رہا ہوں۔ اب دوسری گھڑ سوار جماعت آئی یہ تعداد میں ان سے کئی گنا زیادہ ہیں جب وہ سبزہ زار کے پاس پہنچے تو نعرۂ تکبیر بلند کیا اور راستہ چلتے رہے۔ بعض نے اپنے جانوروں کو چرانا شروع کیا اور بعض تھوڑی بہت گھاس لے کر چل دیئے۔ پھر بہت سارے لوگ آئے اور

1۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 319　2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ، جلد 1، 120-129، سورۂ واقعہ: 181

3۔ ایضاً　4۔ دیکھئے تفسیر سورۂ آل عمران: 110

چراگاہ کے پاس نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ اور کہنے لگے یہ اچھی جگہ ہے۔ گویا میں انہیں دیکھ رہا ہوں وہ دائیں بائیں ہو گئے ہیں۔ جب میں نے یہ دیکھا تو راستے پر چلتا رہا حتیٰ کہ چراگاہ کے آخر میں آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ سات سیڑھیوں والا منبر ہے اور یا رسول اللہ ﷺ آپ اس کے اعلیٰ درجہ پر تشریف فرما ہیں۔ آپ ﷺ کے دائیں طرف گندمی رنگ کے موٹی انگلیوں والے چپٹی ناک والے صاحب ہیں۔ جب وہ بات کرتے ہیں تو لوگ انہماک سے ان کی بات سنتے ہیں۔ آپ ﷺ کے بائیں طرف ایک میانہ قد موٹا تازہ آدمی ہے جس کے چہرے پر بکثرت تل ہیں۔ ان کے بال گویا پانی سے ابھی دھوئے ہیں۔ جب وہ بات کرتے ہیں تو تم سب اس کی بات کو غور سے سنتے ہو اور اس کے سامنے ایک بوڑھا شخص ہے جو اخلاق و عادات اور شکل و صورت میں آپ ﷺ سے زیادہ مشابہ ہے۔ تم سب ان کی طرف متوجہ ہو۔ ان کے آگے ایک دبلی پتلی عمر رسیدہ اونٹنی ہے یا رسول اللہ ﷺ! گویا آپ اسے ابھار رہے ہیں۔ یہ سن کر کچھ دیر کے لئے آپ ﷺ کا رنگ متغیر ہوا پھر یہ کیفیت دور ہو گئی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا تم نے جو کھلا راستہ دیکھا ہے یہ وہ راہ ہدایت ہے جو میں تمہارے پاس لے کر آیا ہوں اور تم اس پر گامزن ہو۔ ہرا بھرا سبزہ زار جو تم نے دیکھا ہے یہ دنیا اور اس کی عیش و عشرت ہے۔ میں اور میرے صحابہ اس سے گزر جائیں گے اور اس میں مشغول نہ ہوں گے۔ نہ ہم اسے چاہیں گے نہ اس کا ہم سے کوئی تعلق ہوگا۔ پھر ہمارے بعد دوسری جماعت آئے گی وہ ہم سے تعداد میں زیادہ ہوں گے۔ بعض ان میں سے دنیا میں پھنس جائیں گے اور بعض بقدر حاجت لے کر چل دیں گے اور نجات پائیں گے۔ پھر ان کے بعد لوگوں کی بہت بڑی تعداد آئے گی وہ پوری طرح دنیا میں مستغرق ہو جائیں گے۔ فَإِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ رہے تو تم سیدھے راستے پر گامزن ہو اسی طرح چلتے رہو گے یہاں تک کہ تمہاری مجھ سے ملاقات ہو جائے۔ سات سیڑھیوں والا منبر جو تم نے دیکھا ہے اس کے اوپر میں تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے اور میں آخری ہزار میں ہوں۔ میرے دائیں تم نے جو گندم گوں پر گوشت ہتھیلیوں والا آدمی دیکھا ہے یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ جو وہ کلام کرتے ہیں تو ان کی آواز بلند ہو جاتی ہے یہ اس لئے ہے کہ انہیں اللہ سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہو چکا ہے۔ تم نے میرے بائیں جس میانہ قد موٹے جسم والے تلوں والے شخص کو دیکھا جن کے بالوں سے پانی نچڑ رہا تھا وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے۔ چونکہ اللہ نے ان کا اکرام کیا اس لئے ہم بھی ان کا اکرام کرتے ہیں۔ وہ عمر رسیدہ شخص جنہیں تم نے مجھ سے مشابہ دیکھا وہ ہمارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں ہم سب ان کی اقتداء کرتے ہیں۔ اونٹنی جو تم نے دیکھی ہیں اسے کھڑا کر رہا ہوں اس سے مراد قیامت ہے جو میری امت پر قائم ہوگی۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں اور میرے بعد کوئی امت نہیں۔ فرماتے ہیں اس کے بعد حضور ﷺ نے یہ پوچھنا چھوڑ دیا کہ کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے تو بیان کرے۔ ہاں اگر کوئی شخص خود اپنا خواب بیان کرتا تو آپ ﷺ تعبیر بیان فرما دیتے(1)۔

قولہ تعالیٰ عَلٰی سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ ایسے پلنگ جو سونے کی تاروں سے بنے ہوئے ہیں۔ مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، زید بن اسلم، قتادہ اور ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کا یہی قول ہے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ وہ سونے کی تاروں سے بنے ہوں گے اور ان پر موتی لگے ہوں گے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے انہیں موتیوں اور یاقوت سے مرصع کر دیا گیا ہوگا۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اسی سے ہے: وضین الناقة الذی تحت بطنها (اونٹنی کے پیٹ کے نیچے والا حصہ)۔ یہ فعیل بمعنی مفعول ہے کیونکہ انہیں جوڑا گیا ہے جنت کے پلنگ اسی طرح سونے اور موتیوں سے مرصع ہوں گے(2)۔

1۔ بیہقی، دلائل النبوۃ، جلد 7 صفحہ 38-36 2۔ تفسیر طبری، جلد 27 صفحہ 172

گے۔ جیسے وہ چاہے گا وہ پرندہ اس کے سامنے آجائے گا۔ وہ اس کے داخل اور خارج سے کھائے گا پھر وہ اڑ جائے گا اس طرح کہ اس میں کوئی کمی نہیں ہوئی ہوگی۔

حسن بن عرفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور انور ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم جنتی پرندوں کو دیکھو گے ان کی خواہش کرو گے تو وہ بھنے ہوئے تمہارے سامنے گریں گے (1)۔

قولہ تعالیٰ: وَحُوْرٌ عِيْنٌ ﴿٢٢﴾ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ حور کی قراءت پیش سے ہے اس کا معنی ہے کہ جنتیوں کے لئے حوریں ہوں گی اور زیر سے قراءت دو معانی کا احتمال رکھتی ہے۔ ایک یہ کہ گویا ماقبل اعراب کی ماتحتی میں یہ اعراب بھی ہے۔ جیسے وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ (مائدہ: 6) میں زیر کی قرات ہے۔ اور جیسے ایک اور آیت میں ہے: عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّاِسْتَبْرَقٌ (الدھر: 21)۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ غلمان جن چیزوں کو لے کر اہل جنت پر چکر لگا رہے ہوں گے، ان میں یہ حوریں بھی ہوں گی لیکن ایسا ان کے محلات اور خیموں میں ہوگا۔

كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ یہ حوریں ایسی ہوں گی جیسے سفید تر و تازہ موتی ہوں جیسے سورۂ صافات میں ہے: كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ (الصافات: 49)۔ سورۂ رحمٰن میں بھی یہ وصف گزر چکا ہے۔

جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ یعنی انعام ان کے اچھے اعمال کی وجہ سے ملے گا۔

قال تعالیٰ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا وہ جنت میں عبث، بے معنی یا بیہودہ، لچر گفتگو نہیں سنیں گے۔ جیسے ایک اور آیت میں آتا ہے: لَا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً (غاشیہ: 11)۔ یعنی لغو کلمہ۔

وَّلَا تَاْثِيْمًا۔ یعنی قبیح گفتگو نہیں ہوگی۔

اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا مگر ایک دوسرے کو سلام کے کلمات ہی کہیں گے۔ جیسے ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ (یونس: 10)۔ ان کی بات چیت بھی لغویات اور گناہ سے پاک ہوگی۔

وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۙ مَاۤ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ﴿٢٧﴾ فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ﴿٢٨﴾ وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ﴿٢٩﴾ وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ﴿٣٠﴾ وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ﴿٣١﴾ وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ﴿٣٢﴾ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ﴿٣٣﴾ وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ﴿٣٤﴾ اِنَّاۤ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ﴿٣٥﴾ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ﴿٣٦﴾ عُرُبًا اَتْرَابًا ﴿٣٧﴾ لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿٣٨﴾ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٣٩﴾ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿٤٠﴾

"اور دائیں ہاتھ والے۔ کیا شان ہوگی دائیں ہاتھ والوں کی۔ بے خار بیریوں میں۔ اور کیلے کے گچھوں میں اور لمبے لمبے سایوں میں۔ اور پانی کے آبشاروں میں اور پھلوں کی بہتات میں نہ وہ ختم ہوں گے اور نہ ان سے روکا جائے گا اور بستر بچھے ہوں گے اونچے اونچے پلنگوں پر۔ ہم نے پیدا کیا ان کی بیویوں کو حیرت انگیز طریقہ سے۔ پس ہم نے بنا دیا انہیں کنواریاں۔ (دل و جان سے) پیار کرنے والیاں ہم عمر۔ (یہ سب نعمتیں) اصحاب یمین کے لئے مخصوص ہوں گی۔ ایک

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ رعد: 35

بڑی جماعت اگلوں سے اور ایک بڑی جماعت پچھلوں میں سے ہوگی"۔

سابقین یعنی مقربین کا ذکر کرنے کے بعد اصحاب یمین کا ان پر عطف کیا یہ نیکوکار لوگ ہوں گے۔ جس طرح میمون بن مہران کا قول ہے کہ اصحاب یمین کا مرتبہ مقربین سے کم تر ہے۔

مَآ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ اصحاب یمین کیا ہیں؟ ان کو کیا حال ہے؟ ان کا کیا انجام ہوگا۔ پھر ان کی تفسیر میں فرمایا۔

فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ، مجاہد، ابوالاحوص، قسامہ بن زہیر، سفر بن قیس، حسن، قتادہ، عبداللہ بن کثیر، سدی اور ابوحزرہ رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کا قول ہے جس میں کانٹے نہ ہوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جس پر پھل ہوں گے عکرمہ اور مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ سے یہی مروی ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سے مراد یہ دونوں باتیں ہیں۔ دنیا میں بیری کے درختوں پر کانٹے زیادہ ہوتے ہیں اور پھل کم جبکہ آخرت میں صورت حال مختلف ہوگی۔

حافظ ابوبکر احمد نجاد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روایت وارد کی ہے۔ صحابہ کرام فرماتے تھے اللہ تعالیٰ ہمیں بدوؤں اور ان کے سوالات سے فائدہ عطا فرماتا ہے ایک دن ایک اعرابی آیا اس نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ جنت میں ایک تکلیف دہ درخت ہے۔ آپ نے پوچھا وہ درخت کون سا ہے؟ فرمایا: بیری کا درخت اس کے کانٹے تکلیف دہ ہوتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا (مَّخْضُوْدٍ) اللہ نے اس کے کانٹوں کی جگہ پھل رکھ دیئے ہیں ہر بیر کا ذائقہ مختلف ہوگا۔ ہر پھل کے بہتر ذائقے ہوں گے جو ایک دوسرے سے مختلف ہوں گے(1)۔

ایک اور سند: یہ روایت دوسری کتابوں میں بھی مذکور ہے اس میں لفظ طلح ہے اور ستر ذائقوں کا بیان ہے۔ عتبہ بن عبد السلمی کا بیان ہے کہ میں حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر تھا کہ ایک اعرابی آیا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! آپ بکثرت یہ ذکر فرماتے ہیں کہ جنت میں ایک درخت ہے اس کے کانٹے بے شمار ہیں یعنی درخت طلح۔ سرکار ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ہر کانٹے کی جگہ پھل عطا فرمائے گا جس طرح موٹے بکرے کا خصیہ۔ اس کے ستر ذائقے ہوں گے جو آپس میں مختلف ہوں گے۔

طلح یہ ایک بہت بڑا درخت ہے جو وادی حجاز میں ہوتا ہے کانٹے دار درختوں کی جنس سے ہے۔ اس کا واحد طلحۃ ہے۔ اس پر کانٹے بہت زیادہ ہوتے ہیں ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے کسی حدی خوان کا یہ شعر پڑھا:(2)۔

بَشَّرَهَا دَلِيْلُهَا وَقَالَا　غدا ترين الطلح والجبالا

مَّنْضُوْدٍ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ تہہ بہ تہہ پھلوں والا۔

قریش کو یہ یاد دلایا جا رہا ہے کیونکہ وہ مقام وج پر طلح اور سدر (بیری) کی گھنی چھاؤں کو پسند کرتے تھے(3)۔

سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے مَّنْضُوْدٍ یعنی مصفوف۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے یہ درخت دنیا میں پائے جانے والے درخت طلح کے مشابہ ہے لیکن اس کے پھل شہد سے زیادہ شیریں ہیں۔

جوہری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ لغت عرب میں طلح بھی کہتے ہیں اور طلع بھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے تو یہ امکان بھی ہے کہ یہ بھی سدر (بیری) کی ہی صفت ہو۔ گویا یہ بیان کیا جا رہا ہے کہ اس پر پھل زیادہ اور کانٹے نہیں ہیں۔ ابن ابی حاتم رحمۃ

1۔ طبرانی: المعجم الکبیر، جلد 17 صفحہ 130، درمنثور، جلد 7 صفحہ 12　2۔ تفسیر طبری، جلد 27 صفحہ 181　3۔ طبری، جلد 27 صفحہ 182

اللہ علیہ نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ طلح سے مراد کیلا ہے۔ حضرت ابن عباس، ابوہریرہ، حسن، عکرمہ، قسامہ بن زہیر اور ابوحزرۃ سے یہی مروی ہے۔ مجاہد اور ابن زید رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ اہل یمن کیلے کو طلح کہتے ہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے علاوہ اور کوئی قول ذکر نہیں فرمایا۔

ظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ جنت میں ایک درخت ہے اس کے سائے میں سوار سو سال تک چلتا رہے گا لیکن سایہ ختم نہ ہوگا۔ اگر تم چاہو اس آیت کو پڑھو ظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ۔ یہ حدیث مسلم، مسند احمد اور مسند ابویعلیٰ میں بھی ہے اور بخاری میں بھی دیگر سندوں سے مذکور ہے۔ اور حدیث میں شک ہے یعنی ستر یا سو بار۔ اور یہ بھی ہے کہ شجرۃ الخلد ہے۔

ابن جریر اور ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث متواتر اور صحیح ہے۔ اس کی سندیں بہت ہیں اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔ ابن ابی حاتم وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ابوحصین سے روایت کیا ہے کہ ہم ایک دروازے پر تھے۔ ہمارے ساتھ ابوصالح اور شقیق ضبی تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی اوپر کی حدیث بیان کی۔ ابوصالح رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کیا تو ابوہریرہ کو جھٹلاتا ہے؟ فرمایا میں ابوہریرہ کو نہیں بلکہ تجھے جھٹلاتا ہوں۔ پس یہ قاریوں پر بہت گراں گزرا(1)۔ میں کہتا ہوں جو اس ثابت، صحیح اور مرفوع حدیث کو جھٹلائے وہ غلطی پر ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ میں ہے ہر جنتی درخت کا تنا سونے کا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن غریب قرار دیا ہے(2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جنت میں ایک درخت ہے جس کے ہر طرف سو سو سال کے راستے تک سایہ پھیلا ہوا ہے۔ جنتی اس کے نیچے آکر بیٹھتے ہیں اور آپس میں باتیں کرتے ہیں۔ کسی کو دنیوی کھیل تماشے اور بہلاوے یاد آتے ہیں تو اسی وقت ایک جنتی ہوا چلتی ہے اور اس درخت میں سے مختلف قسم کے سروں کی آواز ابھرتی ہے۔ یہ اثر غریب ہے اس کی سند قوی اور حسن ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے عمرو بن میمون سے روایت کیا ہے کہ یہ سایہ ستر ہزار سال تک طویل ہوگا۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ پانچ سو ہزار (پانچ لاکھ سال) طویل ہوگا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ سایہ سو سال میں طے نہ ہو سکے گا۔ ضحاک، سدی اور ابوحزرۃ رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے یہ سایہ طے نہیں ہو سکتا اس میں نہ تو سورج ہے اور نہ گرمی بلکہ طلوع شمس سے پیشتر کا وقت ہوگا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے جنت کا موسم معتدل رہے گا۔ سایہ کے مضمون والی آیات پہلے گزر چکی ہیں۔ جیسے: وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا (نساء: 57) اور فرمایا: اُكُلُهَا دَآىِٕمٌ وَّظِلُّهَا (رعد: 35) اور فرمایا: فِيْ ظِلٰلٍ وَّعُيُوْنٍ (المرسلات: 41) وغیرہ آیات۔

وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ وہاں کھدی ہوئی زمین نہ ہوگی پانی ایسے ہی چل رہا ہوگا۔ اس کی تفسیر فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ (محمد: 15) میں گزر چکی ہے۔ اس کے اعادے کی یہاں ضرورت نہیں(3)۔

قولہ تعالیٰ وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ان کے پاس متنوع پھل بکثرت ہوں گے جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کان نے سنا بلکہ کسی فرد بشر کے دل میں ان کا خیال تک نہیں گزرا۔ جیسے ارشاد ہوتا ہے: كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا (بقرہ: 25)۔ شکل تو ایک ہوگی لیکن ذائقہ مختلف ہوگا۔ صحیحین میں سدرۃ المنتہیٰ کے بیان میں ہے کہ اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کی طرح ہوں گے اور بیر ہجر کے مٹکوں کی طرح بڑے بڑے۔ صحیحین میں ہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ سورج

1۔ طبری، جلد 27، صفحہ 184 2۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب صفۃ الجنۃ، جلد 10 صفحہ 3 3۔ دیکھئے تفسیر سورۂ محمد: 15

گرہن ہوا حضور ﷺ نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد صحابہ نے عرض کی حضور ﷺ ہم نے دوران نماز آپ کو آگے بڑھتے اور پیچھے ہٹتے دیکھا۔ گویا آپ کوئی چیز پکڑ رہے ہیں۔ فرمایا میں نے جنت کو دیکھا اور انگوروں کا ایک خوشہ لیا۔ اگر میں اسے پکڑ لیتا تو رہتی دنیا تک تم اسے کھاتے رہتے (1)۔ حافظ ابو یعلی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم نماز ظہر ادا کر رہے تھے کہ حضور ﷺ آگے بڑھ گئے۔ ہم بھی آگے بڑھ گئے۔ پھر آپ نے کوئی چیز لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا اور پیچھے ہٹ گئے۔ نماز کے بعد ابی بن کعب نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! آج نماز میں آپ نے وہ کام کیا جو اس سے پہلے کبھی نہیں کیا تھا۔ فرمایا: جنت مجھ پر پیش کی گئی میں نے اس میں سے انگور کا ایک گچھا توڑنا چاہا تا کہ اسے تمہیں دوں لیکن مجھے روک دیا گیا۔ اگر میں اسے لے آتا تو زمین و آسمان کی کل مخلوق اسے کھاتی پھر بھی اس میں کمی نہ آتی (2)۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح روایت کیا ہے (3)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے عتبہ بن عبد السلمی سے روایت کیا ہے کہ ایک اعرابی نے آکر حوض کوثر اور جنت کے بارے میں سوال کیا۔ پوچھا کیا اس میں پھل ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں وہاں طوبیٰ نامی درخت بھی ہے۔ پھر جو کچھ فرمایا مجھے یاد نہیں ہے۔ پھر اس نے پوچھا وہ درخت ہماری زمین کے کس درخت سے مشابہت رکھتا ہے۔ فرمایا تیرے ملک کی زمین میں کوئی درخت اس کا ہم شکل نہیں۔ کیا تو شام میں گیا ہے؟ اس نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا شام میں ایک درخت ہوتا ہے جسے جوزہ کہتے ہیں اس کا ایک ہی تنا ہوتا ہے۔ اور اوپر کا حصہ پھیلا ہوا ہوتا ہے پھر اس نے پوچھا جنتی گچھے کتنے بڑے ہوتے ہیں؟ فرمایا کالا کوا مہینہ بھر اڑتا رہے اتنے بڑے۔ عرض کیا: اس کے تنے کتنے موٹے ہیں فرمایا: اگر تو اپنے جوان اونٹ کو چھوڑ دے اور وہ چلتا رہے یہاں تک کہ بوڑھا ہو کر گر پڑے تب بھی اس کے تنے کا چکر پورا نہیں کر سکتا۔ پوچھا کیا اس میں انگور ہیں؟ فرمایا ہاں۔ پوچھا ایک دانہ کتنا موٹا ہوتا ہے فرمایا: کیا کبھی تیرے باپ نے ریوڑ میں سے موٹا تازہ بکرا ذبح کر کے اس کی کھال اتار کر تیری ماں کو دے کر یہ کہا ہے کہ اس کا ڈول بنالو۔ عرض کیا ہاں۔ فرمایا بس اتنے بڑے انگور کے دانے ہیں۔ اس نے پوچھا کیا وہ ایک دانہ میرے اور میرے گھر والوں کے لئے کافی ہوگا؟ فرمایا ہاں بلکہ تیرے سارے خاندان کو (4)۔

قولہ تعالیٰ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ گرمی ہو یا سردی ان کا پھل کبھی ختم نہیں ہوگا بلکہ وہ ہمیشہ پھلوں سے لدے رہیں گے۔ جب بھی وہ خواہش کریں گے وہ پھل موجود ہوں گے۔ خدا کی قدرت سے ان کا لینا مشکل نہ ہوگا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ان کے اتارنے میں کوئی شاخ کانٹا آڑے نہیں بنے گا اور وہ دور بھی نہیں ہوں گے کہ ان کے توڑنے میں کوئی وقت محسوس ہو۔ حدیث شریف میں ہے آدمی جونہی ایک پھل توڑے گا اس کی جگہ دوسرا فوراً موجود ہوگا۔

قولہ تعالیٰ وَّفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ بلند و بالا، نرم و گداز۔

نسائی اور ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے کہ ان کی بلندی اس قدر ہوگی جتنی زمین و آسمان کی اور ان کے مابین پانچ سو سال کی مسافت ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو حسن غریب قرار دیا ہے۔ بعض اہل علم کا قول ہے کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ فرش کی بلندی کے درجات ہیں اور ایک سیڑھی کی مسافت اس قدر ہوگی جتنی زمین و آسمان کے مابین ہے (5)۔ اس حدیث کا راوی رشدین بن سعد مصری ضعیف ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ ابن ابی حاتم، ضیاء نے صفۃ الجنۃ میں اور امام احمد رحمۃ

1۔ فتح الباری، جلد 2، صفحہ 540، مسلم، جلد 2، صفحہ 626 2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ رعد: 35 3۔ ایضاً

4۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 184-183 5۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب صفۃ الجنۃ، جلد 10، صفحہ 11، مسند احمد، جلد 3، صفحہ 75

اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حسن سے روایت کیا ہے کہ آدمی کے بستر کی بلندی اسی سال کی مسافت ہے۔

قولہ تعالیٰ اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ۔ اس کے بعد ضمیر لائے ہیں جس کا مرجع پہلے مذکور نہیں۔ اس لئے کہ قرینہ موجود ہے۔ یعنی جب بستر کا ذکر آ گیا جس پر جنتیوں کی بیویاں ہوں گی تو اسی پر اکتفا کر لیا اور ضمیر ان کی طرف پھیر دی۔ جس طرح اس آیت میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے ذکر میں مونث کی ضمیر لائی گئی ہے حالانکہ اس کا مرجع شمس کا لفظ اس سے پہلے نہیں پس قرینہ کافی ہے: اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ۝ فَقَالَ اِنِّيْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّيْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ (ص:32-31)۔

اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اخفش رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے انہیں پوشیدہ رکھا اور پہلے ان کا ذکر نہ کیا۔ ابو عبیدہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ پہلے مذکور ہو چکا ہے(1)۔ وحور عین۔ انشأناهن أي أعدناهن في النشاة الأخرى - الخ ہم نے انہیں دوبارہ پیدا کیا ہے اس کے بعد کہ وہ بوڑھی ضعیف ہو چکی تھیں۔ آنکھیں میلی کچیلی تھیں بھرپور جوان ہو جائیں گی۔ اپنے خاوندوں کو چاہنے والی ہوں گی۔ بعض علماء کا قول ہے ناز و ادا والی۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ عورتیں دنیا میں بالکل بوڑھی تھیں۔ ان کی بینائی کمزور تھی۔ آنکھیں میلی کچیلی رہتی تھیں۔ ترمذی، ابن جریر اور ابن ابی حاتم رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسی طرح روایت کیا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے غریب قرار دیا ہے۔ موسیٰ اور یزید ضعیف ہیں(2)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضور ﷺ سے روایت کیا ہے کہ دنیا کی ثیبہ اور کنواری عورتیں جو دنیا میں تھیں کنواریاں ہم عمر بن جائیں گی۔ عبد بن حمید رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک بڑھیا حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! اللہ سے دعا کیجئے مجھے جنت میں داخل فرمائے۔ آپ نے فرمایا: اے ام فلاں! جنت میں کوئی بڑھیا نہیں جائے گی۔ وہ روتی ہوئی واپس لوٹیں تو آپ نے فرمایا جاؤ انہیں سمجھاؤ کہ جب وہ جنت میں جائیں گی تو بڑھیا نہ ہوں گی۔ ترمذی نے شمائل میں اسی طرح روایت کیا ہے(3)۔ ابو القاسم طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! مجھے حور عین کی تفسیر سمجھائیے۔ فرمایا: وہ گورے رنگ کی بڑی آنکھوں والی، سیاہ پلکوں اور لمبے بالوں والی ہیں جیسے گدھ کا پر۔ میں نے کہا لولو مکنون کے بارے میں بتائیے۔ فرمایا: ان کی صفائی موتی کی طرح ہے جو صدف سے ابھی نکلا ہو جسے کسی کا ہاتھ بھی نہ لگا ہو۔ میں نے پوچھا خیرات حسان کی کیا تفسیر ہے؟ فرمایا: خوش خلق خوبصورت۔ میں نے پوچھا بیض مکنون سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: ان کی نزاکت اور نرمی اس جھلی کی مانند ہے جو انڈے کے اندر چھلکے کے نیچے ہوتی ہے۔ میں نے عرض کیا عربا اترابا کے معنی بتائیے۔ فرمایا: اس سے مراد وہ بوڑھی عورتیں ہیں جو دنیا سے اس حال میں گئیں کہ ان کی آنکھیں میلی کچیلی رہتی تھیں بالوں میں سفیدی آ گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں نئے سرے سے پیدا کیا اور کنواریاں، ہم عمر، خاوندوں سے پیار و محبت کرنے والیاں بنا دیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! دنیا کی عورتیں افضل ہیں یا حور عین؟ فرمایا: بلکہ دنیا کی عورتیں حور عین سے افضل ہیں جس طرح ابری کپڑے کو استر پر فضیلت حاصل ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! وہ کس طرح؟ فرمایا: ان کے نماز پڑھنے، روزہ رکھنے اور اللہ عزوجل کی عبادت کے طفیل اللہ نے ان کے چہروں کو نورانی اور اجسام کو ریشم کی طرح بنا دیا ہے۔ ان کے رنگ گورے، کپڑے سبز زیورات پیلے، موتی کے گلدان، کنگھیاں سونے کی۔ وہ یہ کہتی رہیں گی:

1۔ طبری، جلد 27 صفحہ 185، اخفش: معانی القرآن، جلد 2 صفحہ 491

2۔ عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۃ واقعہ، جلد 12 صفحہ 181-180۔ تفسیر طبری، جلد 27 صفحہ 186، 185 3۔ در منثور، جلد 8 صفحہ 15

نحنُ الخالدات فلا نموتُ أبدًا ونحنُ الناعمات فلانَبأس أبدًا ونحنُ المقیماتُ فلا نَظعَنُ أبدًا ألا ونحنُ الراضیات فلا نَسخطُ أبدا طوبٰی لِمَن کنا لہ وکن لنا۔

"میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! بعض عورتوں کے دو دو، تین تین چار چار خاوند ہوتے ہیں اس کے بعد اسے موت آتی ہے وہ جنت جاتی ہے۔ اس کے ساتھ اس کے خاوند بھی جنت جاتے ہیں۔ اس کا خاوند کون ہوگا؟ فرمایا اے ام سلمہ اسے اختیار دیا جائے گا کہ ان میں سے اچھے اخلاق والے کو اختیار کر لے۔ وہ عرض کرے گی اے رب! یہ مجھ سے حسن سلوک رکھتا تھا اس کے ساتھ مجھے بیاہ دے۔ اے ام سلمہ حسن خلق دنیا اور آخرت کی بھلائیاں لئے ہوئے ہے (1)۔"

صور کی مشہور مطول حدیث میں ہے کہ حضور تمام مسلمانوں کو جنت لے جانے کی سفارش کریں گے تو اللہ فرمائے گا میں نے آپ کی شفاعت قبول کر لی ہے اور انہیں جنت میں لے جانے کی اجازت دی چنانچہ سرکار ﷺ ارشاد فرمایا کرتے تھے: "مجھے اس ذات کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ دنیا میں بھیجا ہے! تم جس قدر اپنے گھر بار اور بیویوں سے واقف ہو، اہل جنت اس سے کہیں زیادہ اپنے بیوی بچوں سے واقف ہوں گے۔ پس ایک جنتی کی بہتر بیویاں ہوں گی جو اللہ کی بنائی ہوئی ہیں اور دو عورتیں اولاد آدم سے ہوں گی۔ دنیا میں عبادت الٰہی کے طفیل انہیں جنتی عورتوں پر فضیلت حاصل ہوگی۔ وہ ان میں سے ایک کے پاس جائے گا یہ اس بالا خانے میں ہوگی جو یاقوت کا بنا ہوگا۔ اس میں سونے کا پلنگ ہوگا جس پر موتی مرصع ہوں گے۔ اس پر سندس اور استبرق کے ستر جوڑے ہوں گے۔ وہ اپنا ہاتھ اس کے دونوں شانوں کے درمیان رکھے گا اور اس کے سینے سے اپنے ہاتھ کی طرف دیکھے گا تو اسے اپنا ہاتھ صاف نظر آ جائے گا۔ کپڑے، جلد اور گوشت کی رکاوٹ نہ ہوگی۔ وہ اس کی ران کے گودے کی طرف دیکھے گا تو وہ آئینے کی طرح شفاف ہوگا۔ جس طرح مروارید میں سوراخ کر کے دھاگہ ڈال دیں تو وہ ڈورا باہر سے نظر آتا ہے۔ اسی طرح وہ گودا اسے نظر آئے گا۔ اس کا جگر اس کے لئے آئینہ ہوگا اور اس عورت کا جگر اس مرد کے لئے۔ وہ اس کے پاس ہوگا نہ وہ اکتائے گی اور نہ یہ۔ جب بھی وہ اس سے جنسی تعلق استوار کرے گا اسے باکرہ پائے گا۔ نہ اس کا عضو سست ہوگا نہ اسے گراں گزرے مگر وہاں منی نہیں ہوگی یہ یوں ہی مشغول ہوگا کہ ندا آئے گی ہمیں خوب معلوم ہے تم نہیں اکتاؤ گے اور نہ یہ مگر آپ کی دوسری بیویاں بھی ہیں۔ وہ باہر آنے گا اور ہر ایک کے پاس جائے گا۔ جس کے پاس جائے گا اسے دیکھ کر بے ساختہ اس کے منہ سے نکلے گا: اللہ کی قسم جنت میں تم سے خوبصورت کوئی چیز نہیں، اور نہ میرے نزدیک تجھ سے زیادہ کوئی محبوب ہے (2)"۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے پوچھا کیا جنتی لوگ جماع بھی کریں گے۔ فرمایا ہاں اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے! خوب اچھی طرح۔ جب وہ الگ ہوگا تو پھر وہ پہلے کی طرح پاک صاف اچھوتی باکرہ بن جائے گی۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے حضور ﷺ نے فرمایا اہل جنت جب اپنی عورتوں سے مقاربت کریں گے تو وہ دوبارہ کنواری ہو جائیں گی (3)۔

ابو داؤد طیالسی رحمۃ اللہ علیہ نے حضور ﷺ سے روایت کیا ہے کہ مؤمن کو جنت میں اتنی عورتوں کے پاس جانے کی قوت عطا کی جائے گی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا وہ اتنی طاقت رکھے گا فرمایا: ایک سو آدمیوں کی طاقت کے برابر (4)۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے صحیح غریب قرار دیا ہے (5)۔ ابو القاسم طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ سے

1۔ المعجم الکبیر، جلد 23، صفحہ 368-367 | 2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ انعام، 73 | 3۔ المعجم الصغیر، جلد 1، صفحہ 91

4۔ مسند ابو داؤد: 269، عارضۃ الاحوذی، ابواب صفۃ الجنۃ، جلد 10، صفحہ 10-9 | 5۔ ایضاً

عرض کی گئی کیا جنت میں ہم اپنی عورتوں کے پاس جائیں گے؟ فرمایا آدمی ایک دن میں سو عورتوں کے پاس جائے گا۔ حافظ ابو عبد اللہ مقدسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میرے نزدیک یہ حدیث شرط صحیح پر ہے واللہ اعلم۔

عُرُبًا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں یہ اپنے خاوندوں کی محبوبہ ہوں گی۔ کیا تو نے ایسی اونٹنی نہیں دیکھی جسے نر کی خواہش ہو۔ فرمایا وہ اپنے خاوندوں کی عاشق ہوں گی اور وہ ان کے عاشق ہوں گے۔ عبد اللہ بن سرجس، مجاہد، عکرمہ، ابو العالیہ، یحییٰ بن ابی کثیر، عطیہ، حسن، قتادہ اور ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے اسی طرح مروی ہے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے اپنے خاوند کے سامنے ناز و نخرے کرنے والی، نزاکت والی، نازنین۔ تمیم بن حذلم رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے جو اپنے خاوند کا دل مٹھی میں رکھے۔ زید بن اسلم اور ان کے فرزند عبد الرحمٰن کا قول ہے، خوش گفتار۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث روایت کی ہے کہ انہیں عرب اس لئے کہا گیا کہ ان کی زبان عربی ہوگی۔

اَتْرَابًا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں ہم عمر۔ ہر ایک کی عمر تینتیس برس ہوگی۔ مجاہد رحمۃ اللہ کہتے ہیں ہم پلہ، برابر۔ عطیہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ہم عصر۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ برادرانہ اخلاق والی دنیا کی سوکنوں کی طرح ان میں بغض اور حسد نہ ہوگا۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حسن اور محمد رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے ان کی عمریں برابر ہوں گی ایک دوسرے سے پیار کریں گی اور مل کر کھیلیں گی۔ ابو عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جنت میں حورعین کی مجلس گاہ ہوگی۔ وہ اپنی آوازیں بلند کریں گی۔ ایسی سریلی آواز مخلوق نے کبھی سنی نہ ہوگی۔ وہ کہیں گی۔ ہم ہمیشہ رہیں گی۔ ... الخ

نحن الخالدات فلا نبيد، ونحن الناعمات فلا نَبْأَسُ، ونحن الرّاضيات فلا نَسْخَطُ، طُوبٰى لِمَنْ كَانَ لَنَا وَكُنَّا لَهٗ۔ یہ حدیث غریب ہے (1)۔ حافظ ابو یعلی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ”حورعین کا جنت میں یہ گانا ہوگا: نحنُ خيراتٌ حِسَانٌ خُبِّئنَا لِأَزْوَاجٍ كِرَامٍ۔ ہم پاک صاف خوبصورت ہیں جو محترم خاوندوں کے لئے ہیں۔“ ایک اور روایت میں خیرات کی جگہ حور کا لفظ آیا ہے۔

قولہ تعالیٰ لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ اصحاب یمین کے لئے پیدا کی گئی ہیں، ان کے لئے ہی محفوظ و مصون کی گئی ہیں۔ یا ان کے ساتھ ہی ان کا نکاح ہوگا۔ اظہر یہ ہے کہ یہ اِنَّاۤ اَنْشَاْنٰهُنَّ .... کے متعلق ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہے: انشاناهن لأصحاب اليمين۔ یہ توجیہہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کی ہے (2)۔ ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے میں نے ایک رات نماز ادا کی۔ پھر بیٹھ کر دعا کرنے لگا۔ سردی سخت تھی۔ میں ایک ہاتھ سے دعا مانگنے لگا۔ میری آنکھ لگ گئی۔ میں نے خواب میں ایک حور کو دیکھا اس جیسی خوبصورت نورانی شکل میں نے آج تک نہیں دیکھی۔ وہ کہنے لگی اے ابو سلیمان تم ایک ہاتھ سے دعا مانگتے ہو کیا تمہیں معلوم نہیں پانچ سو سال سے مجھے تمہارے لئے تیار کیا جا رہا ہے۔ میں کہتا ہوں یہ احتمال بھی ہے کہ یہ لام ماقبل اَتْرَابًا کے متعلق ہو۔

اَتْرَابًا: ہم عمر۔ بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: پہلی جماعت جو جنت میں جائے گی ان کے چہرے چودھویں کے چاند کی طرح ہوں گے۔ دوسری جماعت کے چہرے آسمان کے ازحد چمکدار ستارے کی طرح۔ انہیں پاخانے، پیشاب، تھوک اور رینٹھ کی حاجت نہ ہوگی۔ ان کی کنگھیاں سونے کی اور خوشبو کستوری ہوگی، انگیٹھیاں موتی کی، ان

1۔ ترمذی، ابواب صفۃ الجنۃ، جلد 10 صفحہ 37-36

2۔ طبری، جلد 27 صفحہ 189

کی بیویاں حورعین ہوں گی۔ ان سب کے اخلاق ایک آدمی کی مثل ہوں گے۔ وہ سب اپنے باپ حضرت آدم علیہ السلام کی شکل پر ساٹھ ہاتھ لمبے ہوں گے(1)۔ امام احمد اور طبرانی رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا جنتی جرد مرد سفید رنگ، گھنگھریالے بالوں والے سرمگیں تینتیس برس کے ہوں گے۔ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے قد وقامت پر ساٹھ ہاتھ لمبے ساتھ ہاتھ چوڑے ہوں گے(2)۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ سے یہی روایت مروی ہے ترمذی نے اسے حسن غریب قرار دیا ہے(3)۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حضور نے فرمایا: کوئی کسی عمر میں انتقال ہو جنت میں داخلے کے وقت سب کی عمر تینتیس برس ہوگی اور ہمیشہ یہی عمر رہے گی۔ اسی طرح جہنمی بھی (ترمذی)۔ ابوبکر بن ابی دنیا رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اہل جنت کے قد ساٹھ ہاتھ فرشتے کے ہاتھ کے اعتبار سے ہوں گے اور حسن یوسف، عمر عیسیٰ یعنی تینتیس برس، زبان محمد (یعنی عربی زبان)، جرد مرد، سرمگیں آنکھوں والے ہوں گے۔ ابوبکر بن ابی داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: (جس طرح اوپر بیان ہوا) اس روایت میں یہ بھی ہے کہ دخول جنت کے ساتھ ہی انہیں ایک جنتی درخت کے پاس لایا جائے گا۔ اس سے انہیں کپڑے پہنائے جائیں گے جو بوسیدہ نہیں ہوں گے۔ ان کی جوانی کبھی ختم نہ ہوگی۔

ثُلَّةٌ: جماعت۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک رات ہم دیر تک حضور ﷺ کے پاس باتیں کرتے رہے۔ صبح جب حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا: مجھ پر انبیاء مع اپنی امتوں کے پیش ہوئے۔ کسی نبی کے ساتھ مضبوط جماعت تھی۔ کسی کے ساتھ تین افراد اور کسی کے ساتھ کوئی شخص بھی نہ تھا۔ قتادہ نے پھر یہ آیت تلاوت فرمائی: اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ (ہود:78)۔ حتیٰ کہ حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام گزرے۔ آپ کے ساتھ بنو اسرائیل کی ایک جماعت تھی۔ میں نے عرض کی یارب یہ کون ہیں؟ بتایا گیا یہ تمہارے بھائی موسیٰ بن عمران اور بنو اسرائیل میں سے ان کے امتی ہیں۔ میں نے عرض کیا اے رب میری امت کدھر ہے؟ فرمایا اپنے دائیں جانب ٹیلے کی طرف دیکھئے مجھے بے شمار لوگوں کے چہرے نظر آئے۔ فرمایا: کیا تم راضی ہو؟ میں نے عرض کیا پروردگار! راضی ہوں۔ فرمایا اپنی بائیں طرف افق کی طرف دیکھو۔ مجھے ایک جم غفیر کے چہرے نظر آئے فرمایا: کیا خوش ہو؟ میں نے عرض کیا راضی ہوں اے میرے رب۔ فرمایا: ان کے ساتھ ستر ہزار بلا حساب جنت جائیں گے۔ یہ سن کر حضرت عکاشہ بن محصن اسدی رحمۃ اللہ علیہ کھڑے ہو گئے یہ بدری تھے۔ عرض کیا اے اللہ کے نبی دعا فرمائیے اللہ مجھے بھی انہی سے کر دے آپ ﷺ نے دعا فرمائی۔ پھر ایک اور شخص اٹھا اور دعا کی درخواست کی۔ فرمایا عکاشہ تم سے سبقت لے گیا۔ چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا: میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں۔ اگر تم سے ہو سکے تو اپنے آپ کو ان ستر ہزار میں شامل کرلو۔ ورنہ کم از کم دائیں جانب والوں سے ہو جاؤ۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو افق والوں میں شامل ہو جاؤ۔ میں نے اکثر لوگوں کو دیکھا ہے کہ اپنے ہی احوال میں اٹک جاتے ہیں۔ مجھے امید ہے اہل جنت کی چوتھائی تعداد تمہاری ہوگی۔ پس ہم نے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ پھر فرمایا مجھے امید ہے اہل جنت کی تہائی تعداد تمہاری ہوگی۔ پس ہم نے تکبیر کہی۔ فرمایا: مجھے امید ہے اہل جنت کی نصف تعداد تمہاری ہوگی۔ ہم نے تکبیر کہی۔ پھر حضور ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۔ ہم آپس میں کہنے لگے یہ ستر ہزار کون لوگ ہوں گے۔ ہم نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو اسلام میں پیدا ہوئے اور شرک نہ کیا۔ حضور ﷺ نے سنا تو فرمایا: ”بلکہ یہ

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ مریم: 63، سورۂ زمر: 73 2۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 295 3۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب صفۃ الجنۃ، جلد 10، صفحہ 14

وہ لوگ ہیں جو داغ نہیں لگواتے۔ چوری چھپے کوئی بات نہیں سنتے۔ بری فال نہیں لیتے اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں"۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح روایت کیا ہے(1)۔ یہ حدیث صحاح وغیرہ کتابوں میں بہت سی سندوں سے مروی ہے۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ کی تفسیر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ سب میری امت کے لوگ ہیں"۔ یعنی اس امت کا اول و آخر مراد ہے(2)۔

وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ۬ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ﴿41﴾ فِيْ سَمُوْمٍ وَّحَمِيْمٍ ﴿42﴾ وَّظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ ﴿43﴾ لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِيْمٍ ﴿44﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِيْنَ ﴿45﴾ وَكَانُوْا يُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ ﴿46﴾ وَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ ۙ اَىِٕذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿47﴾ اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿48﴾ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ﴿49﴾ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿50﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّاۗلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ﴿51﴾ لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ﴿52﴾ فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿53﴾ فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ ﴿54﴾ فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ ﴿55﴾ هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿56﴾

"اور بائیں ہاتھ والے، کیسی خستہ حالت ہوگی بائیں ہاتھ والوں کی۔ (یہ بدنصیب) جھلس دینے والی لو اور کھولتے ہوئے پانی میں اور سیاہ دھوئیں کے سایہ میں ہوں گے۔ نہ یہ ٹھنڈا ہوگا اور نہ آرام دہ۔ بے شک یہ لوگ پہلے بڑے خوشحال تھے۔ اور وہ اصرار کیا کرتے تھے بڑے بھاری گناہ پر۔ اور کہا کرتے تھے کہ کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں بن جائیں گے تو کیا ہم دوبارہ زندہ کئے جائیں گے۔ اور کیا ہمارے پہلے باپ دادا کو بھی (یہ ناممکن ہے) آپ فرما دیجئے بیشک اگلوں کو بھی اور پچھلوں کو بھی۔ سب کو جمع کیا جائے گا ایک مقررہ وقت پر ایک جانے ہوئے دن میں۔ پھر تمہیں اے گمراہ ہونے والو! اے جھٹلانے والو! کھانا پڑے گا زقوم کے درخت سے۔ پس تم بھرو گے اس سے (اپنے) پیٹوں کو۔ پھر پینا پڑے گا اس پر کھولتا پانی۔ اس طرح پیو گے جیسے پیاس کا مارا اونٹ پیتا ہے۔ یہ ان کی ضیافت ہوگی قیامت کے دن"۔

اصحاب یمین کا ذکر کرنے کے بعد اصحاب شمال کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ کلمہ "ما" یہاں اَیُّ شیءٍ کے معنی میں ہے۔ یعنی وہ کس حال میں ہیں۔ پھر خود ہی اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: فِيْ سَمُوْمٍ گرم ہوا۔ (جو جھلسا دینے والی ہو)۔

وَّحَمِيْمٍ گرم پانی جو کھول رہا ہو۔

وَّظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ دھوئیں کا سایہ۔ مجاہد، عکرمہ، ابو صالح، قتادہ، سدی رحمہم اللہ تعالیٰ سے بھی مروی ہے۔ جس طرح ایک اور آیت میں آتا ہے: اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ ... سے جِمٰلَتٌ صُفْرٌ تک۔ اور یہاں مراد سیاہ دھواں ہے۔

لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِيْمٍ جو نہ جسم کو اچھا لگے نہ آنکھوں کو بھلا محسوس ہو۔ جس طرح حسن اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے مروی ہے ای ولا کریم المنظر۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے ہر وہ مشروب جو ٹھنڈا نہ ہو کریم نہیں ہے۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 191-190
2۔ طبری، جلد 27، صفحہ 191

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ عرب یہ لفظ نفی کے معنی میں لاتے ہیں اور کہتے ہیں: هذا الطعام ليس بطيب ولا كريم، هذا اللحم ليس بسمين ولا كريم، وهذه الدار ليست بنظيفة ولا كريمة (1) یعنی جس چیز کی زیادہ برائی بیان کرنا مقصود ہو وہاں اس کا ایک برا وصف بیان کرنے کے بعد کہہ دیتے ہیں: ولا کریم۔

مُتْرَفِيْنَ دار دنیا میں یہ لوگ لذات نفسانیہ میں مبتلا تھے اور انبیاء ومرسلین کی باتوں پر کوئی توجہ نہ دیتے تھے۔

يُصِرُّوْنَ اصرار کرتے تھے اور توبہ کی نیت نہ کرتے تھے۔

عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ اللہ تعالیٰ سے کفر کرنا اور اللہ کے سوا بتوں اور انداد کو اپنا رب بنا لینا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ حنث عظیم سے مراد شرک ہے۔ مجاہد، عکرمہ، ضحاک، قتادہ اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہی قول ہے۔ شعبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس سے مراد یمین غموس ہے۔

كَانُوْا يَقُوْلُوْنَ ... اب ان کا ایک اور عیب بیان کیا جا رہا ہے کہ قیامت کو جھٹلاتے اور بعید از وقوع سمجھتے ہوئے ایسی باتیں کرتے تھے اور عقلی استدلال پیش کرتے کہ مر کر مٹی میں ملنے کے بعد پھر کبھی کوئی کیسے جی سکتا ہے؟

مِيْقَاتِ يَوْمٍ انہیں جواب دیا جا رہا ہے کہ کل اولاد آدم اس روز نئی زندگی میں آ کر میدان میں جمع ہوگی۔ جیسے ایک آیت میں آتا ہے: ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ ... فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ (ہود: 105)۔

يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ اس کا وقت متعین ہے۔ آگے پیچھے نہیں ہو سکتا۔ نہ اس میں کمی وزیادتی ہوگی۔

لَاٰكِلُوْنَ انہیں لامحالہ یہ چیزیں کھانا پڑیں گی تاکہ ان کا پیٹ بھر سکے۔

شُرْبَ الْهِيْمِ پیاسے اونٹ اس کا واحد أهيم ہے اور مؤنث هيماء ہے۔ هائم اور هائمة بھی کہا جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس، مجاہد، سعید بن جبیر اور عکرمہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے: الهيم: الابل العطاش الظماء۔ شدید پیاسا۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ الهيم الابل المراض تمص الماء مصا ولا تروى: جسے پیاس کی بیماری ہوتی ہے پانی چوستا رہتا ہے اور سیرابی نہیں ہوتی۔

سدی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اونٹ کو یہ بیماری لگ جاتی ہے۔ اس کی پیاس نہیں بجھتی حتی کہ وہ مر جاتا ہے۔ اسی طرح اہل جہنم بھی کھولتے ہوئے پانی سے سیراب نہ ہوں گے۔ مروی ہے کہ خالد بن معدان شاغوت، تین سانس لئے بغیر پینے کو مکروہ سمجھتے تھے۔

نُزُلُهُمْ روز قیامت ان کی یہ ضیافت ہوگی۔ جیسے مومنین کے بارے میں ایک اور جگہ ارشاد ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا (الکہف: 107)۔ نُزُل: ضیافت اور تکریم۔

نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ﴿57﴾ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ﴿58﴾ ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿59﴾ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿60﴾ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿61﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿62﴾

”(آج غور کرو) ہم نے ہی تم کو پیدا کیا ہے پس تم قیامت کی تصدیق کیوں نہیں کرتے۔ بھلا دیکھو تو جو منی تم ٹپکاتے ہو۔ (اور سچ بتاؤ) کیا تم اس کو (انسان بنا کر) پیدا کرتے ہو یا ہم پیدا کرنے والے ہیں۔ ہم ہی نے مقرر کی ہے تمہارے

1۔ طبری، جلد 27، صفحہ 193

درمیان موت اور ہم (اس سے) عاجز نہیں ہیں۔ کہ تمہاری جگہ تم جیسے اور لوگ پیدا کر دیں اور تم کو ایسی صورت میں پیدا کر دیں جس کو تم نہیں جانتے۔ اور تمہیں اچھی طرح علم ہے اپنی پہلی پیدائش کا پس تم (اس میں) کیوں غور وخوض نہیں کرتے"۔

اللہ تعالیٰ قیامت کے روز دوبارہ اٹھنے کے اثبات اور اہل زیغ والحاد کی تردید فرما رہے ہیں جو قیامت کو جھٹلاتے تھے۔ اور کہتے تھے۔ قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا.... انہوں نے قیامت کو جھٹلاتے ہوئے اور اسے محال سمجھتے ہوئے یہ بات کہی تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ ہم نے تمہیں ابتداء میں پیدا کیا جبکہ تم کوئی قابل ذکر چیز نہ تھے۔ کیا وہ ذات جو ابتدائے آفرینش پر قادر ہے۔ دوبارہ اعادے پر بدرجہ اولیٰ قادر نہیں ہوگی۔

فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ تم دوبارہ جی اٹھنے کی تصدیق کیوں نہیں کرتے؟

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ان کو سمجھایا جا رہا ہے کہ تم اسے رحم میں ٹھہراتے اور پیدا کرتے ہو یا وہ ذات قدوس ان کی خالق ہے؟ پھر فرمایا:

نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ: صرفناه بينكم تمہارے درمیان اسے پھیرا۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اہل ارض وسماء کے درمیان برابری ہے۔

بِمَسْبُوْقِيْنَ یعنی عاجز۔

اَمْثَالَكُمْ قیامت کے دن تمہاری تخلیق کو بدل دیں۔

وَنُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ یعنی ایسی صفات وحالات پر پیدا کریں جن کا تمہیں علم نہیں۔ پھر فرمایا: النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى تم یہ جانتے ہو کہ اللہ نے تمہیں پیدا کیا ہے اس کے بعد کہ تم کوئی قابل ذکر چیز نہ تھے اور تمہارے کان، آنکھیں اور دل بنائے۔ تم کیوں نصیحت حاصل نہیں کرتے اور یہ یقین نہیں کرتے کہ جو عدم محض سے تمہیں وجود میں لا سکتا ہے وہ تمہارے مرنے کے بعد تمہیں از سر نو پیدا کرنے پر بطریق اولیٰ قادر ہے۔ جس طرح ایک اور آیت میں ہے: وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ (الروم:27)۔ اور فرمایا: اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْـًٔا (مریم:67)۔ (قیامہ:40)۔ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمُۨ (یٰسین:79) اور فرمایا: فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ..... الْمَوْتٰى (قیامہ:40)۔

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ﴿٦٣﴾ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ﴿٦٤﴾ لَوْ نَشَاۗءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ ﴿٦٥﴾ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ ﴿٦٦﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ﴿٦٧﴾ اَفَرَءَيْتُمُ الْمَاۗءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ﴿٦٨﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿٦٩﴾ لَوْ نَشَاۗءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ﴿٧٠﴾ اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِيْ تُوْرُوْنَ ﴿٧١﴾ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ ﴿٧٢﴾ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ ﴿٧٣﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿٧٤﴾

"کیا تم نے (غور سے) دیکھا ہے جو تم بوتے ہو۔ (سچ سچ بتاؤ) کیا تم اس کو اگاتے ہو یا ہم ہی اس کو اگانے والے ہیں۔ اگر

ہم چاہیں تو اس کو چورا چورا بنادیں پھر تم کف افسوس ملتے رہ جاؤ۔ (ہائے!) ہم تو قرضوں کے بوجھ تلے دب کر رہ گئے۔ بلکہ ہم تو ہیں ہی بڑے بدنصیب۔ کیا تم نے (غور سے) دیکھا ہے پانی جو تم پیتے ہو۔ (سچ سچ بتاؤ) کیا تم نے اس کو بادل سے اتارا ہے یا ہم ہی اتارنے والے ہیں۔ اگر ہم چاہتے تو اس کو کھاری بنادیتے، پھر تم کیوں شکر ادا نہیں کرتے۔ کیا تم نے (غور سے) دیکھا ہے آگ کو جو تم سلگاتے ہو۔ (سچ سچ بتاؤ) کیا تم نے اس کے درخت کو پیدا کیا ہے یا ہم ہی پیدا کرنے والے ہیں۔ ہم نے ہی بنایا ہے اس کو نصیحت اور فائدہ مند مسافروں کے لئے۔ تو (اے حبیب!) تسبیح کیجئے اپنے رب عظیم کے نام کی"۔

تَحْرُثُوْنَ: حرث سے مراد زمین میں ہل چلانا، تیار کرنا اور بیج بونا۔

تَزْرَعُوْنَهٗ: اگاتے ہو۔ بلکہ ہم اسے زمین میں قرار بخشتے اور اگاتے ہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا یوں نہ کہو زرعتُ (میں نے اگایا) بلکہ حرثتُ (میں نے بویا) کہا کرو۔ یہ حدیث سنانے کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ بزار رحمۃ اللہ علیہ نے ابوعبدالرحمٰن سے نقل کیا ہے زرعتہ کہو بلکہ حرثتہ کہا کرو(1)۔ حجر مدری جب ان آیتوں کو پڑھتے یا اس جیسی دوسری آیات کو تو فرمایا کرتے (بَلْ اَنْتَ یَا رَبِّ) ہم نے نہیں بلکہ اے پروردگار تو نے ہی۔

حُطٰمًا: ہم نے انہیں اپنے لطف وکرم سے پیدا فرمایا اور تم پر رحمت کرتے ہوئے اسے تمہارے لئے باقی رکھا اگر ہم چاہتے تو اس کے پکنے اور کٹنے سے قبل ہی اسے خشک کردیتے۔

تَفَكَّهُوْنَ: اگر ہم ایسا کرتے تو تم کف افسوس ملتے رہ جاتے اور طرح طرح کی باتیں کرتے۔ کبھی کہتے لَمُغْرَمُوْنَ. ہم تو قرضوں کے بوجھ تلے دب گئے۔ مجاہد اور عکرمہ رحمہما اللہ تعالی کا قول: انا لمولع بنا۔

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے ہم پر آفت آ گئی۔ اور کبھی کہتے ہم تو ہیں ہی محروم۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے ہم تنگدستی میں مبتلا ہیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: نہ ہمارا مال باقی رہا نہ نفع۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے ہماری قسمت ہی کھوٹی ہے۔

تَفَكَّهُوْنَ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے تم تعجب کرتے ہو۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا ہی قول ہے تم ندامت سے جزع وفزع کرتے ہو اور کھیتی کے ضیاع پر غمزدہ ہو۔ یہ معنی پہلے معنی کی طرف ہی لوٹتا ہے۔ یہ تعجب مال پر آفت آپڑنے کی وجہ سے ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی قول اختیار کیا ہے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے تم اپنے آپ کو ملامت کرتے ہو۔ حسن، قتادہ اور سدی رحمہم اللہ تعالی کا قول ہے تم نادم ہو یہ ندامت یا تو فصل ضائع ہونے پر ہے یا سابقہ گناہوں پر۔ کسائی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے تَفَكُّه یہ اضداد سے ہے عرب کہتے ہیں تفکّھتُ بمعنی تنعمتُ اور تفکّھتُ بمعنی حزنتُ۔ یعنی یہ لفظ اپنے اندر نفع اور غم دونوں معنے رکھتا ہے۔

الْمُزْنِ: یعنی بادل۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے اسی طرح مروی ہے۔ اُجاج: بمعنی تلخ ہے۔ اُجاج: ذعاقا مرا لا یصلحہ لشرب ولا زرع: کڑوا کھاری جو نہ پینے کے کام آئے اور نہ کھیتی باڑی کے۔

فَلَوْ لَا تَشْكُرُوْنَ: یعنی تم اللہ کا شکر کیوں ادا نہیں کرتے جس نے میٹھے پانی کی بارش نازل فرمائی۔ لَكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ

1۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 198، مجمع الزوائد، جلد 4، صفحہ 120

تُسِيْمُوْنَ ۞ يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ (النحل:10)۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ حضور انور ﷺ پانی پی کر یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ سَقَانَا عَذْبًا فُرَاتًا بِرَحْمَتِهٖ، وَلَمْ يَجْعَلْهُ مِلْحًا اُجَاجًا بِذُنُوْبِنَا۔

''تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے اپنی رحمت سے ہمیں میٹھا پانی پلایا اور ہمارے گناہوں کے باعث اسے کھاری، کڑوا نہیں بنایا۔''(1)

تُوْرُوْنَ تم اسے زنادوں سے جلاتے ہو اور اسے اس کے تنے سے نکالتے ہو۔

اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِـُٔوْنَ بلکہ ہم نے ہی اس جگہ ودیعت کیا ہے۔ اہل عرب کے ہاں دو درخت تھے مرخ اور عفار۔ ان کی دو سبز شاخیں جب ایک دوسرے سے رگڑی جاتیں تو آگ نکلتی۔

تَذْكِرَةً مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ یہ نار کبریٰ (دوزخ) کی یاددہانی ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے ہمارے سامنے ذکر کیا گیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اے قوم! یہ آگ جو تم جلاتے ہو یہ نار جہنم کا سترواں حصہ ہے۔ عرض کی گئی حضور ﷺ یہی بہت ہے۔ فرمایا: اسے دو مرتبہ سمندر کے پانی سے دھویا گیا تاکہ بنو آدم اس کے قریب آسکیں اور اس سے فائدہ اٹھا سکیں''(2)۔ یہ حدیث قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے مرسلاً مروی ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تمہاری یہ آگ جہنم کا سترواں حصہ ہے اسے دو مرتبہ سمندر سے دھویا گیا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ کسی کے لئے اس میں منفعت نہ رکھتا(3)۔'' مؤطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ میں بھی یہی روایت ہے مگر اس میں ہے کہ اسے اس پر ننانویں درجے فضیلت حاصل ہے(4)۔ بخاری و مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ ابو القاسم طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور ﷺ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ تمہاری اس آگ اور جہنم میں کیا نسبت ہے؟ جہنم اس سے ستر گنا زیادہ جلانے والی ہے۔ ضیاء مقدسی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ میرے نزدیک یہ حدیث صحیح کی شرط پر ہے۔

مَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ حضرت ابن عباس، مجاہد، قتادہ، ضحاک اور نضر بن عربی کے نزدیک مقوین سے مراد مسافر ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی قول پسند کیا ہے اور لکھا ہے اسی سے اہل عرب کا محاورہ ہے: أقوتِ الدارُ إذا رحل أهلها(5) بعض دیگر علماء کے نزدیک القِيّ والقواء سے مراد خالی چٹیل میدان ہے جو آبادی سے دور ہو۔ عبدالرحمن بن زید بن اسلم کا قول ہے کہ اس سے مراد جائع: بھوکا ہے۔ لیث بن ابو سلیم نے مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے ہر مسافر اور مقیم کے لئے ہر وہ کھانا جسے پکانے کے لئے آگ کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک دوسری روایت میں مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ مقوین سے مراد ''فائدہ اٹھانے والے'' ہے(6)۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی تفسیر مروی ہے یہ تفسیر دیگر سے عام ہے کیونکہ مقیم، مسافر، غنی، فقیر سب کھانا پکانے، تاپنے، روشنی حاصل کرنے وغیرہ فوائد کے لئے اس کے محتاج ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کا یہ لطف خصوصی کہ اسے پتھروں اور خالص لوہے میں ودیعت فرمایا تاکہ مسافر اسے اپنے سامان

1۔ درمنثور، جلد 8، صفحہ 24 2۔ طبری، جلد 27، صفحہ 201 3۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 244

4۔ موطا، کتاب جہنم، جلد 2، صفحہ 994، فتح الباری، کتاب بدء الخلق، جلد 6، صفحہ 330، مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4، صفحہ 2184

5۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 202 6۔ ایضاً

اور کپڑوں میں اٹھا سکے اور پڑاؤ میں جب اس کی ضرورت ہو اپنا چقماق نکالے اور آگ جلا کر کھانا پکائے، تپش حاصل کرے، انسیت حاصل کرے اور تمام فوائد اٹھائے۔ اسی لئے مسافروں کا یہاں خصوصی ذکر فرمایا گیا ہے اگرچہ اس کا فائدہ سب لوگوں کے لئے عام ہے۔ اس مفہوم کی تائید میں ابوداؤد، احمد رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہ کی حدیث بھی ذکر کی جاتی ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: مسلمان تین چیزوں میں برابر کے شریک ہیں: "آگ، گھاس اور پانی" (1)۔ ابن ماجہ میں عمدہ سند سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: تین چیزوں سے منع نہ کیا جائے (2)۔ آگ، گھاس اور پانی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی روایت مرفوعاً مروی ہے اس میں ان کی قیمت کا بھی ذکر ہے (3) لیکن اس کی سند ضعیف ہے۔ واللہ اعلم۔

قولہ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ جس کی قدرت میں ہے ان مختلف، متضاد اشیاء کا تخلیق کرنا یعنی ٹھنڈا آب زلال۔ اگر وہ چاہتا تو اسے کڑوا نمکین بنا دیتا جیسے ڈبو دینے والے سمندر، اور جلا دینے والی آگ جس کے ساتھ دنیا میں ان کے فوائد وابستہ ہیں اور آخرت میں اس کے عذاب سے ڈراوے کا باعث بھی ہے۔

فَلَآ أُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ۝ وَإِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ۝ إِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۝ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۝ لَّا يَمَسُّهٗٓ إِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ۝ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ أَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ أَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ۝ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ أَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ۝

"پس میں قسم کھاتا ہوں ان جگہوں کی جہاں ستارے ڈوبتے ہیں۔ اور اگر تم سمجھو تو یہ بہت بڑی قسم ہے۔ بے شک یہ قرآن ہے بڑی عزت والا۔ ایک کتاب میں جو محفوظ ہے۔ اس کو نہیں چھوتے مگر وہی جو پاک ہیں۔ یہ اتارا گیا ہے رب العلمین کی طرف سے۔ کیا تم اس قرآن کے بارے میں کوتاہی کرتے ہو۔ اور (اس کی بے پایاں برکتوں سے) تم نے اپنا یہی نصیب بنا لیا ہے کہ تم اس کو جھٹلاتے رہو گے"۔

جویبر نے ضحاک رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق میں سے کسی چیز کی قسم نہیں اٹھاتے بلکہ یہ کلام کو شروع کرنے کے لئے ہیں۔ لیکن یہ قول ضعیف ہے۔ جمہور علماء کی رائے میں یہ قسمیں ہیں اور اللہ تعالیٰ مخلوق میں سے جس چیز کی چاہے قسم اٹھا سکتا ہے اور یہ اس کی عظمت کی دلیل ہے۔ پھر بعض مفسرین کے نزدیک یہاں لا زائدہ ہے۔ اور تقدیر عبارت یوں ہے: (أقسم بمواقع النجوم) ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔ اور جواب قسم (إنه لقرآن كريم) ہے (4)۔ بعض دیگر مفسرین کے نزدیک لا کو زائد قرار دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ بلکہ کلام عرب کے دستور کے مطابق وہ قسم کے شروع میں آتا ہے جبکہ جس چیز کی قسم اٹھائی جا رہی ہے وہ منفی ہو۔ جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول میں ہے (لا والله ما مسّت يد رسول الله ﷺ يد امرأة قط) یعنی خدا کی قسم حضور ﷺ کے ہاتھ نے کسی عورت کے ہاتھ کو کبھی مس نہیں فرمایا: (یعنی بیعت میں بھی عورتوں سے مصافحہ نہیں کیا) (5)۔

اسی طرح یہاں تقدیر عبارت یوں ہوگی: لا أقسم بمواقع النجوم بات اسی طرح نہیں ہے جس طرح قرآن کے بارے میں یہ گمان کیا گیا ہے کہ یہ جادو یا کہانت ہے بلکہ یہ قرآن کریم کلام الٰہی ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ بعض اہل عرب کا قول ہے

1۔ مسند احمد، جلد 5، صفحہ 364، سنن ابوداؤد، کتاب البیوع، جلد 3، صفحہ 278-277
2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الرھون، جلد 2، صفحہ 826
3۔ ایضا
4۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 203
5۔ بخاری، کتاب تفسیر، فتح الباری، جلد 8، صفحہ 636

معاملہ اس طرح نہیں جیسے تم کہتے ہو پھر اس کے بعد قسم اٹھائی (1)۔

بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ اس کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے حضرت سعید بن جبیر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے مراد نجوم القرآن (قرآن کا بتدریج اترنا) ہے کیونکہ لیلۃ القدر میں یہ آسمان بالا سے آسمان دنیا پر اترا۔ پھر تھوڑا تھوڑا کئی سال تک اترتا رہا۔ پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قرآن کریم مکمل طور پر لوح محفوظ سے آسمان دنیا میں فرشتوں پر اترا۔ وہاں سے سفیر فرشتوں نے قسطوں کی صورت میں جبریل پر بیس سالوں میں اتارا اور جبریل نے حضور ﷺ پر مکمل بیس سال میں اتارا۔ اور یہی اس آیت سے مراد ہے۔ عکرمہ، مجاہد، سدی اور ابوحزرہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہی قول ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس سے مراد ستاروں کے مطالع اور ظاہر ہونے کی جگہیں ہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی قول اختیار کیا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ مطالع سے مراد منازل ہیں۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس سے مراد ان کا قیامت کے دن منتشر ہو جانا ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ ستارے ہیں جن کے بارے میں مشرکین کا عقیدہ ہے کہ ان کی وجہ سے ہم پر بارش برستی ہے۔ زمانہ جاہلیت میں وہ یہی کہا کرتے تھے۔

وَ اِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ یعنی یہ قسم جو میں نے اٹھائی ہے بہت عظیم ہے۔ اگر تم اس کی عظمت کو سمجھو تو مقسم بہ کی عظمت کو تسلیم کرلو۔

اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ یہ قرآن جو حضور ﷺ پر اتارا گیا ہے بلاشبہ عظیم کتاب ہے۔

فِیْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ قابل تعظیم ہے، قابل تعظیم کتاب میں ہے جو محفوظ اور قابل تکریم بھی ہے۔

لَّا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ فرمایا وہ کتاب جو آسمان میں ہے۔ عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے مطہرون سے مراد ملائکہ ہیں۔ انس، مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، ضحاک، ابوالشعثاء جابر بن زید، ابونہیک، سدی، اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے یہی مروی ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے قتادہ سے روایت کیا ہے اللہ کے ہاں اسے کوئی نہیں چھوتا مگر پاک لوگ۔ دنیا میں تو نجس مجوسی، پلید منافق اسے چھوتے رہتے ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ما یمسه المطهرون پڑھا ہے (2)۔ ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اے گناہ گارو! تم نہیں (3)۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ کفار قریش کا یہ خیال تھا کہ اس قرآن کو شیاطین لے کر اترتے ہیں۔ چنانچہ اللہ نے اس بات کی خبر دی کہ اسے نہیں چھوتے مگر پاک لوگ۔ جیسے ایک اور آیت میں ہے: وَ مَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ۞ وَ مَا يَنْۢبَغِیْ لَهُمْ وَ مَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۞ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ (شعراء: 210)۔ یہ قول عمدہ اور سابقہ اقوال سے خارج نہیں۔ فراء رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس کا ذائقہ اور نفع نہیں پا سکتا مگر وہ شخص جو اس پر ایمان لایا (4)۔ بعض دیگر مفسرین کے نزدیک مراد جنابت اور حدث سے پاک ہونا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ آیت کا لفظ خبر ہے اور اس کا معنی طلب ہے اور قرآن سے مراد یہاں مصحف ہے۔ جس طرح مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن کو دشمن کی سرزمین کی طرف لے جانے سے منع فرمایا ایسا نہ ہو کہ دشمن اسے کچھ نقصان پہنچائے (5)۔ ان کی دلیل موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی وہ حدیث بھی ہے جس کے مطابق نبی کریم ﷺ نے جو فرمان عمرو بن حزم کو لکھ کر دیا تھا اس میں یہ بھی تھا کہ قرآن کو نہ چھوئے مگر پاک (6)۔ ابوداؤد

1۔ تفسیر طبری، جلد 27 صفحہ 203
2۔ طبری، جلد 27 صفحہ 206
3۔ ایضاً
4۔ فراء، معانی القرآن، جلد 3 صفحہ 130 تفسیر قرطبی، جلد 17 صفحہ 226
5۔ مسلم، کتاب الامارۃ، جلد 3 صفحہ 1491
6۔ موطا، کتاب القرآن، جلد 1 صفحہ 199

رحمۃ اللہ علیہ نے مراسیل میں زہری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے اس خط کو دیکھا ہے۔ اس میں یہی لکھا تھا۔ یہ وجادہ کی عمدہ قسم ہے زہری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اسے پڑھا تھا۔ اس کی روایت کو قبول کر لینا چاہئے دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی اسناد بھی ذکر کی ہے مگر اس میں نظر ہے۔ اور یہ قابل غور ہے(1)۔ واللہ اعلم۔

قولہ تعالیٰ تَنْزِیْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ یہ قرآن اللہ رب العزت کی طرف سے اتارا گیا ہے اور تمہارا یہ دعویٰ درست نہیں کہ یہ جادو، کہانت یا شعر ہے بلکہ یہ وہ حق ہے جس میں کوئی شبہ نہیں اور اس کے علاوہ کوئی نافع حق نہیں ہے۔

مُّدْهِنُوْنَ عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ تکذیب کرنے والے تصدیق نہ کرنے والے۔ ضحاک، ابو حزرہ اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہی قول ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ تم ان کی طرف جھکنا چاہتے ہو۔

وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ بعض مفسرین کے نزدیک اس کا معنی یہ ہے کہ تم شکر کے بدلے تکذیب کرتے ہو۔ مروی ہے کہ حضرت علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسی طرح پڑھا ہے۔ وتجعلون شکر کم أنکم تکذبون۔ اس کا تذکرہ آئے گا۔

ہیثم بن عدی سے ابن جریر رحمہما اللہ تعالیٰ نے یہی روایت کیا ہے کہ قبیلہ ازد کے کلام میں رزق بمعنی شکر استعمال ہوتا رہتا ہے(2)۔ مسند امام احمد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اسی طرح مروی ہے(3)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے مرفوعاً یہی ذکر کیا ہے(4)۔ ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے مرفوع قرار نہیں دیا(5) اور ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن غریب قرار دیا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ کسی قوم پر بارش ہوتو وہ کہتے فلاں ستارے کی وجہ سے ایسا ہوا۔ پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ آیت تلاوت فرمائی(6)۔ اس کی سند حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تک صحیح ہے۔ مالک رحمۃ اللہ علیہ نے موطا میں زید بن خالد جہنی سے روایت کیا ہے کہ حدیبیہ کے مقام پر حضور ﷺ نے ہمیں صبح کی نماز پڑھائی۔ رات کو بارش ہوئی تھی نماز کے بعد آپ ﷺ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: کیا تمہیں پتہ ہے۔ تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندوں میں سے کچھ مجھ پر ایمان لانے والے اور کچھ کفر کرنے والے ہیں۔ جو یہ کہے اللہ کے فضل ورحمت سے بارش ہوئی تو وہ مومن ہے اور ستارے کا انکار کرنے والا ہے اور جو کہے فلاں ستارے کی وجہ سے بارش ہوئی وہ مجھ سے کفر کرنے والا اور ستارے پر ایمان رکھنے والا ہے(7)۔ یہ حدیث صحیحین، ابوداؤد اور نسائی میں ہے(8)۔

مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آسمان سے کوئی برکت نہیں اتاری مگر اس کے سبب لوگوں کا ایک فریق کافر ہوگیا۔ بارش اترتی ہے تو وہ کہتے ہیں: فلاں ستارے کے سبب(9)۔ ... الخ۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کسی قوم پر صبح یا شام کو بارش نہیں برساتا مگر وہ قوم اس کے ساتھ کافر ہو جاتی ہے۔ وہ کہتے ہیں فلاں ستارے کے طلوع ہونے سے یہ بارش ہوئی۔ حضرت عمر بن

1۔ سنن دارقطنی، کتاب الطہارۃ، جلد 1، صفحہ 121-122 2۔ طبری، جلد 27، صفحہ 207 3۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 108

4۔ طبری، جلد 27، صفحہ 207-208، عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۃ واقعہ، جلد 12، صفحہ 180

5۔ ایضاً 6۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 208

7۔ موطا، کتاب الاستسقاء، جلد 1، صفحہ 192، سنن ابوداؤد، کتاب الطب، جلد 4، صفحہ 16، نسائی، کتاب الاستسقاء، جلد 3، صفحہ 164-165

8۔ ایضاً 9۔ مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 84

خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا اے عباس! اے عم رسول ثریا ستارے کا وقت کتنا باقی ہے۔ فرمایا اس علم کے علماء کی رائے ہے کہ یہ اپنے گرنے کے ہفتہ بعد نمودار ہوتا ہے۔ چنانچہ یہی ہوا ساتویں روز بارش ہوگئی (1)۔ یہ واقعہ محمول ہے اس وقت کے بارے میں پوچھنے پر جب اللہ تعالیٰ بالعموم بارش نازل فرماتا ہے۔ نہ یہ کہ وہ ستارہ بذات خود بارش اترنے میں مؤثر ہوتا ہے۔ یہ اعتقاد رکھنا ممنوع ہے۔ اس مضمون کی احادیث اس سے پہلے گزر چکی ہیں دیکھئے آیت: مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا (فاطر: 2)(2)۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سن لیا کہ فلاں ستارے کے سبب بارش ہوئی۔ تو آپ نے فرمایا: تو جھوٹا ہے یہ تو اللہ کی برسائی ہوئی ہے۔ یہ رزق الٰہی ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: کسی قوم پر رات کو بارش نہیں ہوتی مگر وہ صبح کے وقت کافر ہو گئے۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ ... کوئی لینے والا یہ کہتا ہے کہ فلاں ستارے کے اثر سے بارش ہوئی (3)۔ حدیث حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ میں مرفوعاً یہ مذکور ہے۔ اگر سات برس تک قحط سالی رہے پھر بارش ہو تو لوگ کہیں گے کہ فلاں ستارے کے سبب ہم پر بارش ہوئی (4)۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے یوں کہا کرو سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے اور اسی کا رزق ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اسی طرح کہا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے حسن کہا کرتے تھے کتنی بری بات ہے جو کسی قوم نے اپنے لئے لی ہے۔ انہیں کتاب اللہ سے نہیں ملا مگر تکذیب (5)۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے مقولے کا مفہوم یہ ہے کہ تم کتاب اللہ سے اپنا حصہ یہ بناتے ہو کہ تم اس کی تکذیب کرتے ہو اسی لئے اس سے پہلے فرمایا: اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ۔

فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿83﴾ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿84﴾ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿85﴾ فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ﴿86﴾ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿87﴾

”پس تم کیوں لوٹا نہیں دیتے جب روح حلق تک پہنچ جاتی ہے۔ اور تم اس وقت (پاس بیٹھے) دیکھ رہے ہوتے ہو۔ اور ہم (اس وقت بھی) تم سے زیادہ مرنے والے کے قریب ہوتے ہیں البتہ تم دیکھ نہیں سکتے۔ پس اگر تم کسی کے پابند حکم نہیں ہو تو پھر کیوں نہیں لوٹا دیتے (مرنے والے کی روح) اگر تم سچے ہو“۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ روح جب حلق تک پہنچ جاتی ہے اور وہ جان کنی کا وقت ہوتا ہے۔ ایک دوسری آیت میں ہے: كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ... يَوْمَئِذِ الْمَسَاقُ (قیامہ: 26)۔

وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ آخری وقت سکرات الموت اور دیگر تکالیف جو وہ برداشت کرتا ہے۔

نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ یعنی اپنے ملائکہ کے ساتھ۔

لَا تُبْصِرُوْنَ لیکن تم انہیں نہیں دیکھتے جیسے ایک دوسری آیت میں ہے: وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ﴿61﴾ ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ۭ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۣ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ (انعام: 61)۔

غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ اس کا معنی یہ ہے کہ تم اس جان کو واپس جسم میں کیوں نہیں پلٹا لیتے جو حلق تک پہنچ چکی ہے۔ اگر تم پابند حکم نہیں ہو۔

1۔ طبری، جلد 27، صفحہ 208
2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ فاطر 2
3۔ طبری، جلد 27، صفحہ 209
4۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 7
5۔ طبری، جلد 27، صفحہ 209

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے یعنی محاسبین (1)۔

مجاہد، عکرمہ، حسن، قتادہ، ضحاک، سدی اور ابو حزرۃ رحمہم اللہ تعالیٰ سے اسی طرح مروی ہے۔ حضرت سعید بن جبیر و حسن بصری رضی اللہ عنہم سے مروی ہے تصدیق نہیں کرتے کہ تم کو جزا دی جائے گی اور دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ چنانچہ اس نفس کو واپس لوٹا دو۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے غیر موقنین تمہیں یقین نہیں۔ میمون بن مہران کا قول ہے: غیر معذبین مقھورین۔

فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿٨٨﴾ فَرَوْحٌ وَّ رَيْحَانٌ ۙ۬ وَّ جَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴿٨٩﴾ وَ اَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿٩٠﴾ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿٩١﴾ وَ اَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿٩٢﴾ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿٩٣﴾ وَّ تَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ﴿٩٤﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿٩٥﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿٩٦﴾

''پس وہ (مرنے والا) اگر اللہ کے مقرب بندوں سے ہوگا تو اس کے لئے راحت، خوشبودار غذائیں اور سرور والی جنت ہوگی اور اگر وہ اصحاب یمین (کے گروہ) سے ہوگا تو (اسے کہا جائے گا) تمہیں سلام ہو اصحاب یمین کی طرف سے۔ اور اگر (وہ مرنے والا) جھٹلانے والے گمراہوں سے ہوگا تو اس کی مہمانی کھولتے پانی سے ہوگی۔ اور داخل ہونا پڑے گا اسے بھڑکتے دوزخ میں۔ بے شک (جو بیان ہوا) یہ یقیناً حق ہے۔ پس (اے حبیب!) پاکی بیان کیجئے اپنے رب کے نام کی جو بڑی عظمت والا ہے''۔

یہ تینوں حالتیں وقت نزع کی ہیں۔ یا تو وہ مقربین سے ہوگا یا ان سے رتبہ میں کم اصحاب یمین سے یا حق کو جھٹلانے والے گمراہوں، اللہ کے امر سے جاہل لوگوں سے۔ اسی لئے فرمایا: فَاَمَّآ اِنْ كَانَ قریب الموت شخص۔

مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ وہ لوگ جنہوں نے واجبات اور مستحبات ادا کئے اور محرمات، مکروہات اور بعض مباحات بھی ترک کر دیئے۔

فَرَوْحٌ وَّ رَيْحَانٌ ۙ۬ وَّ جَنَّتُ نَعِيْمٍ یعنی ان کے لئے روح بھی ہے ریحان بھی ہے۔ ملائکہ موت کے وقت انہیں خوشخبری دیتے ہیں۔ جس طرح کہ حدیث براء میں آیا ہے: ''رحمت کے فرشتے کہتے ہیں اے پاک روح تو پاک جسم میں قیام پذیر تھی۔ نکل چل راحت، خوشبودار غذاؤں اور ناراض نہ ہونے والے رب کی طرف (2)''۔ علی بن ابی طلحہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ روح سے مراد راحت اور ریحان سے جائے آرام۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ روح سے مراد استراحت۔ ابو حزرۃ کا قول ہے کہ دنیا سے راحت سعید بن جبیر اور سدی رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ روح سے مراد فرحت ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ان سے مراد جنت اور فراخی ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں روح رحمت ہے۔ حضرت ابن عباس، مجاہد، سعید بن جبیر رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے ریحان سے مراد رزق ہے۔ یہ سارے اقوال قریب المعنی صحیح ہیں۔ مقربین میں سے جو شخص فوت ہوتا ہے اسے رحمت، راحت، استراحت، فرحت و سرور اور عمدہ رزق سارے انعام حاصل ہوتے ہیں۔

وَّ جَنَّتُ نَعِيْمٍ ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جب مقرب خدا کی روح قبض کی جاتی ہے ریحان جنت کی ایک ہری بھری شاخ آتی ہے اور اس کی روح اس میں قبض ہوتی ہے۔ محمد بن کعب رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کوئی شخص نہیں مرتا یہاں تک کہ اسے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ

1۔ طبری، جلد 27 صفحہ 210

2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ ابراہیم: 27

وہ جنتی ہے یا دوزخی ۔ نزع کے وقت کی احادیث کو سورہ ابراہیم میں ذکر کیا ہے دیکھئے آیت: يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ (ابراہیم:27)۔ اگر انہیں یہاں ذکر کیا جاتا تو زیادہ بہتر تھا۔ ان میں سے ایک روایت حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ملک الموت سے فرماتا ہے فلاں کی طرف جاؤ اور اسے میرے پاس لے آؤ۔ میں نے اسے راحت و تنگی دونوں میں آزمایا ہے اور اسے محبت کرنے والا پایا ہے۔ اسے لاؤ تاکہ میں اسے راحت دوں۔ ملک الموت پانچ سو فرشتوں کی جماعت کے ساتھ نکلتے ہیں۔ ان کے ساتھ کفن، جنتی خوشبو، ریحان کے گچھے ہوتے ہیں گو ریحان ایک ہی ہوتا ہے لیکن سرے پر بیس قسموں کے رنگ ہوتے ہیں ہر رنگ کی جداگانہ مہک ہوتی ہے۔ ان کے پاس سفید ریشم ہوتا ہے جس میں کستوری ہوتی ہے۔ (آگے مفصل حدیث ذکر فرمائی ہے)۔

اس آیت سے متعلقہ احادیث بھی آئی ہیں:۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ کی قراءت راء کی پیش سے تھی(1)۔

ابوداؤد، ترمذی اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسی طرح روایت کیا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے غریب قرار دیا ہے۔ یہ قراءت صرف یعقوب رحمۃ اللہ علیہ کی ہے باقی قاریوں کی قراءت راء کے زبر سے ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں نے حضور ﷺ سے دریافت کیا مرنے کے بعد ہم آپس میں ایک دوسرے سے ملیں گے اور ایک دوسرے کو دیکھیں گے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''روح ایک پرندے کی طرح ہو جاتی ہے اور درختوں سے معلق رہتی ہے۔ یہاں تک کہ روز قیامت ہر روح اپنے جسم میں داخل ہو جائے گی(2)''۔

اس حدیث میں ہر مومن کے لئے بشارت ہے۔ معلق ہونے سے مراد ہے کہ وہ کھاتے رہتے ہیں۔ اس کی صحت کی شاہد مسند احمد کی دوسری روایت ہے جس کی اسناد بہت بہتر اور متن قوی ہے۔ اس روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: مومن کی روح پرندے کے قالب میں جنت کے درخت سے لٹکی رہتی ہے حتی کہ یوم البعث اللہ اسے اس کے جسم میں لوٹا دے گا(3)۔

صحیح روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''شہداء کی ارواح سبز پرندوں کے قالب میں جنت کے باغوں میں کھاتی پیتی رہتی ہیں۔ پھر عرش سے لٹکی ہوئی قندیلوں میں آ بیٹھتی ہیں(4)'' الحدیث۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے عطاء بن سائب سے روایت کیا ہے کہ میں نے پہلی مرتبہ عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ کو دیکھا۔ اس وقت آپ کی عمر بڑھاپے کی تھی اور سر اور داڑھی کے بال سفید ہو چکے تھے۔ آپ ایک گدھے پر سوار جنازے میں جا رہے تھے اسی اثناء میں میں نے آپ کو یہ حدیث بیان فرماتے ہوئے سنا: ''حضور ﷺ نے فرمایا: جو اللہ کی ملاقات کو پسند کرتا ہے، اللہ بھی اس کی ملاقات کو پسند فرماتا ہے اور جو خدا کو ملنے سے کراہت کرتا ہے اللہ بھی اسے ملنے کو ناپسند کرتا ہے۔'' صحابہ یہ سن کر رونے لگے۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کیوں روتے ہو؟ صحابہ نے کہا حضور ﷺ ہم موت کو ناپسند کرتے ہیں فرمایا: یہ مراد نہیں بلکہ مطلب سکرات موت کے وقت ہے اس وقت مقرب بارگاہ الٰہی کو تو راحت و انعام اور پرسکون جنت کی خوشخبری دی جاتی ہے۔ جب اسے یہ بشارت دی جاتی ہے تو وہ اللہ کی ملاقات کو پسند کرنے لگتا ہے اور اللہ بھی اس کی ملاقات کے لئے مشتاق ہوتا ہے اور اگر یہ تکذیب کرنے والا گمراہ ہے تو گرم پانی کی مہمانی اور دوزخ میں داخل ہونا پڑتا ہے۔ یہ بشارت سن کر وہ اللہ کی ملاقات کو ناپسند کرتا

1۔ سنن ابوداود، کتاب الحروف، جلد 4 صفحہ 35 ۔ جامع ترمذی، ابواب القراءات، جلد 11 صفحہ 58
2۔ مسند احمد، جلد 6 صفحہ 424-425
3۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 455
4۔ دیکھئے تفسیر سورہ بقرہ: 154، آل عمران 169

ہے اور اللہ بھی اس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے(1)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح روایت کیا ہے۔ صحیح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کی ایک شاہد بھی مروی ہے(2)۔

وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ اگر قریب المرگ آدمی اصحاب یمین سے ہو تو فرشتے اسے سلام کہتے ہیں۔ یعنی یہ خوشخبری دیتے ہیں تم پر کوئی حرج نہیں تو سلامتی میں ہے تو اصحاب یمین سے ہے۔ قتادہ اور ابن زید رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے اللہ کے عذاب سے سلامتی ہوتی ہے اور اللہ کے فرشتے اس پر سلام کرتے ہیں۔ جس طرح عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ فرشتے اسے سلام کہتے ہیں اور آگاہ کرتے ہیں کہ وہ اصحاب یمین سے ہے۔ یہ معنی خوبصورت ہے جس طرح ایک اور آیت میں ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ... غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ (حم سجدہ: 30)

بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے (فسلام لك) أی مسلم لك أنك من أصحاب اليمين۔ یعنی یہ مسلمہ امر ہے کہ تو اصحاب یمین سے ہے۔ اِنَّ کو لغو کر دیا گیا اور اس کا معنی باقی رہا۔ جس طرح تو کہے: أنت مصدق مسافر عن قليل۔ جب اس نے یہ کہا ہو کہ (إنی مسافر عن قليل)۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سلام یہاں دعا کے معنی میں ہو۔ جیسے کوئی کہے سَقْياً لك من الرجال۔ اگر سلام کو رفع (پیش) دیں تو سلام دعا کے معنی میں ہوگا(3)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بعض اہل عرب سے یہی روایت کیا ہے اور اسی طرف ان کا میلان ہے(4)، واللہ اعلم۔

قولہ تعالیٰ وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ اگر مرنے والا حق کو جھٹلانے والا، راہ ہدایت سے برگشتہ ہو تو اس کی ضیافت گرم، کھولتے پانی سے ہوگی۔ ان کے پیٹوں اور کھال میں جو کچھ ہے وہ اسے پگھلا دے گا۔

وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ اور آگ میں داخلہ جو اسے چاروں طرف سے گھیر لے گی پھر فرمایا۔

لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ یہ خبر حَقُّ الْيَقِيْنِ ہے اس میں کوئی شبہ نہیں۔ کسی کے لئے جائے مفر نہیں۔

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت اتری حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اسے رکوع میں رکھو اور جب سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى نازل ہوئی تو فرمایا اسے سجدے میں رکھو(5)۔ ابوداؤد اور ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسی طرح روایت کیا ہے(6)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے ایک مرتبہ سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم کہا اس کے لئے جنت میں ایک درخت لگا دیا جاتا ہے۔ ترمذی اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسی طرح روایت کیا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن غریب قرار دیا ہے(7)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: دو کلمے ایسے ہیں جو زبان پر ہلکے ہیں، میزان میں بوجھل ہیں، رحمٰن کو بہت پیارے ہیں۔ یعنی سبحان الله وبحمده، سبحان الله العظيم(8)۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ بقایا جماعت نے بھی اسے روایت کیا ہے۔

سورۂ واقعہ کی تفسیر ختم ہوئی ہے۔ وللہ الحمد والمنّۃ

1۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 260-259۔ مسلم، کتاب الذکر، جلد 4، صفحہ 2065   2۔ ایضاً
3۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ واقعہ، جلد 8، صفحہ 625   4۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 213
5۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 155۔ سنن ابوداود، کتاب الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 230۔ ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلوٰۃ، جلد 10، صفحہ 286
6۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الدعوات، جلد 13، صفحہ 15   7۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الدعوات، جلد 13، صفحہ 15
8۔ دیکھئے تفسیر سورۃ الانبیاء: 47۔ عارضۃ الاحوذی، جلد 14، صفحہ 16۔ ابن ماجہ، کتاب الادب، جلد 2، صفحہ 1251

سورۂ حدید

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سونے سے قبل مسبحات پڑھا کرتے تھے (یہ وہ سورتیں ہیں جن کا آغاز سبّح یا یسبّح سے ہوتا ہے) اور فرمایا کرتے ان میں ایک آیت ہے جو ہزار آیتوں سے افضل ہے۔ ابوداؤد، ترمذی اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسی طرح روایت کیا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ حدیث حسن غریب ہے (1)۔

نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے خالد بن معدان سے مرسلاً روایت کیا ہے کہ جس آیت کی فضیلت کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے غالباً وہ آیت هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ سے عَلِیْمٌ تک ہے۔ اس کا تفصیلی بیان عنقریب آ رہا ہے۔ وبہ الثقۃ وعلیہ التکلان وھو حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَکِیْلُ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ۚ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَ الظَّاهِرُ وَ الْبَاطِنُ ۚ وَ هُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝

"اللہ تعالیٰ کی تسبیح کہہ رہی ہے ہر چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور وہی سب پر غالب، بڑا دانا ہے۔ اسی کے لئے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔ وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ وہی اول، وہی آخر، وہی ظاہر، وہی باطن، اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔"

اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ زمین و آسمان کے درمیان سارے حیوانات اور نباتات اسی کی تسبیح کے ترانے گا رہے ہیں۔ جس طرح ایک اور آیت میں ہے: تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ ... حَلِیْمًا غَفُوْرًا (اسراء: 44)۔

وَهُوَ الْعَزِیْزُ ہر چیز اس کے سامنے سرنگوں ہے۔

الْحَكِیْمُ اپنی تخلیق، امر اور شریعت میں۔

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وہ اپنی مخلوق میں تصرف کرنے والا ہے جسے چاہے زندہ کرتا ہے جسے چاہے مارتا ہے جسے چاہے عطا فرماتا ہے۔

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ جو چاہے ہو جاتا ہے جو نہ چاہے نہیں ہوتا۔

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ اس آیت کی طرف مذکورہ بالا حدیث عرباض بن ساریہ میں اشارہ کیا گیا ہے کہ یہ آیت ہزار آیتوں سے افضل

1۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 128، سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4، صفحہ 313، عارضۃ الاحوذی، ابواب فضائل القرآن، جلد 11، صفحہ 42-41، نسائی، سنن کبری، کتاب فضائل القرآن اور الیوم واللیلۃ بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 7، صفحہ 288

ہے۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے ابوزمیل سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا: میں اپنے سینے میں کوئی کھٹکا پاتا ہوں۔ آپ نے پوچھا وہ کیا ہے؟ میں نے کہا میں اسے زبان پر نہیں لاؤں گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا شاید کچھ شک ہوگا اور ہنس کر فرمایا: اس سے کوئی نہیں بچا حتیٰ کہ قرآن میں ہے: فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ　مِنْ قَبْلِكَ (یونس: 94)۔ پھر فرمایا اگر تیرے دل میں کوئی شک ہو تو اس آیت کو پڑھ لیا کر۔ هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ　(1)۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین سے تقریباً انیس اقوال مروی ہیں۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے یحییٰ کا قول ہے ظاہر و باطن سے مراد از روئے علم کے ہر چیز پر پوشیدہ اور ظاہر ہونا ہے(2)۔ ہمارے شیخ حزی کا کہنا ہے کہ یہ یحییٰ ابن زیاد فراء ہیں۔ ان کی کتاب معانی القرآن ہے۔ اس مضمون کی احادیث بھی آئی ہیں۔ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سوتے وقت یہ دعا پڑھا کرتے تھے: اللھم رب السموات السبع ورب العرش العظیم، ربنا ورب کل شیء، منزل التوراۃ والانجیل والفرقان، فالق الحب والنوی، لا الٰہ إلا أنت، أعوذ بك من شر کل شیء أنت آخذ بناصیته، أنت الأول فلیس قبلك شیء وأنت الآخر فلیس بعدك شیء، وأنت الظاهر فلیس فوقك شیء، وأنت الباطن لیس دونك شیء، اقض عنا الدین، واغننا من الفقر(3)۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ ابوصالح اپنے متعلقین کو حکم فرماتے کہ سوتے وقت داہنی کروٹ پر لیٹ کر یہ دعا پڑھ لیا کرو۔ اس کے الفاظ میں تھوڑا بہت اختلاف ہے(4)۔ مسند ابویعلیٰ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور ﷺ کے حکم سے آپ کا بستر قبلہ رخ بچھایا جاتا۔ آپ آ کر اپنے داہنے ہاتھ پر تکیہ لگا کر آہستہ آہستہ کچھ پڑھتے رہتے۔ پھر آخر رات میں زور سے یہ دعا پڑھتے جو اوپر بیان ہوئی(5)۔ اس روایت میں سری بن اسماعیل ضعیف ہے۔ واللہ اعلم۔ ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ اپنے صحابہ سمیت تشریف فرما تھے کہ ایک بادل سر پر آ گیا۔ آپ نے فرمایا: جانتے ہو یہ کیا ہے؟ صحابہ نے جواب دیا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جاننے والے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اسے عنان کہتے ہیں یہ زمین کو سیراب کرنے والے ہیں۔ یہ ان لوگوں پر بھی برسائے جاتے ہیں جو نہ شکر گزار ہوں اور نہ خدا کو پکارنے والے۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا تمہارے اوپر کیا ہے؟ صحابہ نے جواب دیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: رقیع (آسمان دنیا) محفوظ چھت اور لپٹی ہوئی موج۔ پھر فرمایا جانتے ہو تمہارے اور اس کے مابین کتنا فاصلہ ہے۔ عرض کیا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔ فرمایا: تمہارے اور اس کے مابین پانچ سو سال کا فاصلہ ہے۔ پھر فرمایا جانتے ہو اس سے اوپر کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس سے اوپر آسمان ہے۔ ان دونوں کے مابین پانچ سو سال کا فاصلہ ہے۔ حتیٰ کہ اسی طرح ساتوں آسمان گنوائے اور ہر دو کے مابین اتنی ہی دوری بیان فرمائی۔ پھر فرمایا جانتے ہو اس سے اوپر کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جاننے والا ہے۔ فرمایا: اس سے اوپر عرش ہے اس کے اور آسمان کے مابین بھی اتنا فاصلہ ہے جتنا دو آسمانوں کے درمیان ہے۔ پھر فرمایا جانتے ہو تمہارے نیچے کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں فرمایا یہ زمین ہے۔ پھر فرمایا جانتے ہو اس

1۔ سنن ابوداؤد، کتاب الادب، جلد 4، صفحہ 329

2۔ فتح الباری، کتاب التوحید، جلد 13، صفحہ 361، ابن زیاد، معانی القرآن، جلد 3، صفحہ 132، بخاری تفسیر ... جلد 8، صفحہ 627 (بخاری نے یحییٰ کا نام ذکر نہیں کیا)

3۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 404، مسلم، کتاب ... جلد 4، صفحہ 2084

4۔ ایضاً　　5۔ مسند ابی یعلیٰ، جلد 4، صفحہ 390-391

کے نیچے کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں فرمایا: اس کے نیچے ایک اور زمین ہے ان دونوں کے مابین پانچ سو سال کا فاصلہ ہے حتی کہ ساتوں زمینیں گنوائیں ہر دو کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے۔ پھر فرمایا: "مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے اگر تم کوئی رسی سب سے نیچے والی زمین کی طرف لٹکاؤ تو وہ بھی اللہ کے پاس پہنچے گی۔ پھر آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی ھُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَ الظَّاهِرُ ۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سند سے روایت کو غریب قرار دیا ہے۔ اس کے راوی حسن کا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں۔ بعض اہل علم نے اس حدیث کی تفسیر میں کہا ہے کہ اس سے مراد رسی کا اللہ تعالیٰ کے علم، قدرت اور علیے تک پہنچنا ہے (نہ کہ ذات باری تک) اور اللہ کا علم، قدرت اور تسلط ہر جگہ ہے اور وہ عرش پر ہے جس طرح کہ اس نے اپنا وصف اپنی کتاب میں خود بیان فرمایا ہے(1)۔ انتہی کلامہ۔ مسند احمد میں بھی یہ حدیث ہے اس میں دو دو زمینوں کے درمیان فاصلہ سات سو سال بیان ہوا ہے(2)۔ ابن ابی حاتم اور بزار رحمہما اللہ تعالیٰ میں بھی یہ حدیث ہے لیکن ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ میں رسی لٹکانے کا جملہ نہیں اور ہر دو زمینوں کے مابین دوری بھی پانچ سو سال مذکور ہے۔ امام بزار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کو نبی کریم ﷺ سے روایت کرنے والا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور کوئی نہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ میں یہ حدیث مرسلاً مروی ہے یعنی قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم سے یوں ذکر کیا گیا ہے پھر آگے وہی حدیث بیان کرتے ہیں جو ترمذی میں موجود ہے۔ ممکن ہے یہ حدیث مرسل بلکہ محفوظ ہو۔ بزار رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے "الاسماء والصفات"(3) میں یہ حدیث نقل کی ہے لیکن اس کی اسناد میں نظر اور متن میں غرابت و نکارت ہے واللہ اعلم۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے (ومن الارض مثلھن) کی تفسیر میں قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ "آسمان و زمین کے درمیان چار فرشتوں کی ملاقات ہوئی انہوں نے ایک دوسرے سے پوچھا تم کہاں سے آئے ہو؟ ایک نے کہا میرے رب نے مجھے ساتویں آسمان سے بھیجا ہے۔ میں نے اسے وہاں چھوڑا ہے۔ دوسرے نے کہا میرے رب نے مجھے ساتویں زمین سے بھیجا ہے میں نے اسے وہاں چھوڑا ہے۔ تیسرے نے کہا میرے رب نے مجھے مشرق سے بھیجا ہے میں نے اسے وہاں چھوڑا ہے۔ آخری کہنے لگا میرے رب نے مجھے مغرب سے بھیجا ہے میں نے اسے وہاں چھوڑا ہے(4)"۔ یہ حدیث بہت غریب ہے اور پہلی روایت جو اوپر بیان ہوئی ممکن ہے قتادہ رحمۃ اللہ علیہ پر موقوف ہو۔ جس طرح یہ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا قول ہے واللہ اعلم۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ؕ یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَ مَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَ مَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَ مَا یَعْرُجُ فِیْهَا ؕ وَ هُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۞ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۞ یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَ یُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ ؕ وَ هُوَ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۞

"وہی ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پھر متمکن ہوا تخت حکومت پر۔ وہ جانتا ہے جو کچھ زمین میں

1۔ عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۂ حدید، جلد 12 صفحہ 184-182
2۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 370
3۔ الاسماء والصفات، جلد 2 صفحہ 145-144
4۔ تفسیر طبری، سورۂ طلاق، جلد 28 صفحہ 154

داخل ہوتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے اور جو آسمان سے اترتا ہے اور جو اس کی طرف عروج کرتا ہے اور وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے جہاں کہیں بھی تم ہو۔ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو (اسے) خوب دیکھنے والا ہے۔ اسی کے لئے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔ اور اللہ کی طرف ہی سارے کام لوٹائے جائیں گے۔ داخل فرماتا ہے رات (کا کچھ حصہ) دن میں اور داخل کرتا ہے دن (کا کچھ حصہ) رات میں۔ اور وہ خوب جانتا ہے جو سینوں میں (پوشیدہ) ہے"۔

اللہ تعالیٰ زمین و آسمان اور ان کے مابین جو کچھ ہے اس کی تخلیق چھ دنوں میں مکمل کرنے کے بارے میں خبر دے رہے ہیں۔ اس آیت اور اس طرح کی دیگر آیات پر بحث سورۂ اعراف میں بیان ہو چکی ہے(1) اس کے اعادے کی یہاں ضرورت نہیں۔

قولہ تعالیٰ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ اسے علم ہے کہ اس میں بارش کی کتنی بوندیں گئیں۔

وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا اور اس سے جو نباتات، کھیتی اور پھل نکلتے ہیں۔ جس طرح ایک اور آیت میں ہے۔

وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا ... فِي كِتَابٍ مُبِينٍ (انعام:59)۔

قولہ تعالیٰ وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ یعنی بارشیں، برف، سردی تقدیر اور احکام جو ملائکہ کرام کے ذریعے نازل ہوتے ہیں۔ سورۂ بقرہ میں پہلے بیان ہو چکا ہے کہ آسمان سے کوئی قطرہ نہیں گرتا مگر اس کے ساتھ ایک فرشتہ ہوتا ہے جو اسے خدا کی مقرر کردہ جگہ اتارتا ہے۔

قولہ تعالیٰ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا یعنی ملائکہ اور اعمال جس طرح کہ صحیح حدیث میں ہے: رات کا عمل دن سے قبل اور دن کے اعمال رات سے قبل اس کی جناب میں پیش کر دیئے جاتے ہیں(2)۔

وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ تمہیں تاڑ رہا ہے تمہارے اعمال کا گواہ ہے جہاں کہیں تم ہو اور جس حال میں خشکی پر، سمندر میں، رات میں ہو یا دن میں۔ گھر میں ہو یا صحراء میں۔ اس کے علم میں سب برابر اور اس کی آنکھوں اور کانوں کے پاس ہیں۔ وہ تمہاری گفتگو سنتا، تمہارے مکان سے آگاہ اور تمہاری سرگوشی اور ظاہر کو وہ سنتا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: أَلَا إِنَّهُمْ يَثْنُونَ صُدُورَهُمْ لِيَسْتَخْفُوا مِنْهُ أَلَا حِينَ يَسْتَغْشُونَ ثِيَابَهُمْ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ (ہود:5) اور فرمایا: سَوَاءٌ مِنْكُمْ مَنْ أَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهِ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِاللَّيْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ (رعد:10)۔ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، کوئی پروردگار نہیں۔ صحیح حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے جبریل سے جب انہوں نے احسان کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: "تو اللہ کی اس طرح عبادت کرے گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر تو اسے دیکھ نہیں رہا تو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے(3)۔ حافظ ابو بکر اسماعیلی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے آکر حضور ﷺ کی بارگاہ میں عرض کی: مجھے کوئی ایسی حکیمانہ بات بتایئے کہ مجھے زندگی بھر کام دے تو آپ نے فرمایا: اللہ سے اسی طرح حیا کر جس طرح تو اپنے قبیلے کے نیک لوگوں میں سے کسی آدمی سے حیا کرتا ہے جو تجھ سے جدا نہ ہوتا ہو"۔ یہ حدیث غریب ہے۔ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ بن معاویہ غاضری سے مرفوعاً روایت کیا ہے جس نے تین کام کر لئے اس نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا۔ اللہ وحدہٗ لا شریک کی عبادت کی۔ ہر سال راضی وخوشی اپنے مال کی زکوٰۃ دی اور بوڑھا، خارش زدہ، دبلا پتلا اور بیمار جانور نہ دیا بلکہ درمیانے درجے کا مال دیا اور اپنا تزکیہ کیا۔ ایک شخص نے عرض کی حضور، اپنے نفس کو پاک کرنے کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا: اسے یہ یقین ہو کہ اللہ ہر جگہ اس

1۔ تفسیر سورۂ اعراف آیت:54　　2۔ یہ حدیث سورۂ بقرہ کی آیت:255 اور سورۂ نحل کی آیت:8 میں گزر چکی ہے۔

3۔ بخاری، کتاب الایمان، فتح الباری، جلد 1 صفحہ 114، مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 38

کے ساتھ ہے۔

نعیم بن حماد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "افضل ترین ایمان یہ ہے کہ تمہارا یہ عقیدہ ہو کہ خدا تعالیٰ ہر جگہ میرے ساتھ ہے"۔ یہ حدیث غریب ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ یہ دو اشعار بکثرت پڑھا کرتے تھے:

إِذَا مَا خَلَوْتَ الدَّهْرَ يَوْمًا فَلَا تَقُلْ ۔۔۔ خَلَوْتُ، وَلٰكِنْ قُلْ عَلَيَّ رَقِيْبُ

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ يَغْفُلُ سَاعَةً ۔۔۔ وَلَا أَنَّ مَا يَخْفٰى عَلَيْهِ يَغِيْبُ

جب تو بالکل تنہا ہو تو بھی یہ نہ کہہ کہ میں خلوت میں ہوں بلکہ کہہ مجھ پر ایک نگہبان ہے اور اللہ تعالیٰ کو کسی لمحے بے خبر نہ سمجھ اور مخفی کام کو بھی اس پر مخفی مت تصور کر۔

قولہ تعالیٰ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ وہ دنیا و آخرت کا مالک ہے جس طرح ایک آیت میں آتا ہے: وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰی (الیل:13)۔ اور فرمایا: وَهُوَ اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْحَمْدُ فِی الْاُوْلٰی وَالْاٰخِرَةِ (قصص:69) اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ (سبا:1)۔ زمین و آسمان کی ہر چیز اس کی ملکیت ہے۔ ان کے مابین مخلوق اس کے بندے اور غلام ہیں اور اسی کے سامنے دست بستہ ہیں جیسے ایک اور آیت میں فرمایا: اِنْ كُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ... فَرْدًا (مریم:95-93)۔

قال وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ قیامت کے دن اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ وہ جس طرح چاہے اپنی مخلوق میں فیصلے فرمائے گا۔ وہ عادل ہے ذرہ برابر بھی ظلم و جور نہیں کرتا بلکہ اگر کسی کے عمل میں ایک نیکی ہو تو اسے دس گنا تک بڑھاوی تا ہے۔ وَیُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِیْمًا (نساء:40)۔ اور فرمایا: وَ نَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ لِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَیْـًٔا ؕ وَ اِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَیْنَا بِهَا ؕ وَ كَفٰى بِنَا حٰسِبِیْنَ (الانبیاء:47)۔

قولہ تعالیٰ یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وہ مخلوق میں تصرف کرنے والا ہے رات دن کو پلٹتا ہے اور اپنی حکمت کے مطابق انہیں مقرر کرتا ہے کبھی رات طویل ہو جاتی ہے اور دن مختصر ہوتا ہے اور کبھی اس کے برعکس۔ کبھی دونوں کو معتدل رکھتا ہے کبھی موسم سرما ہوتا ہے پھر بہار پھر گرما پھر خزاں۔ یہ سب اس کی حکمت اور بندوں کی مصلحت کے لحاظ سے ہیں۔

بِذَاتِ الصُّدُوْرِ وہ دلوں کی چھوٹی سے چھوٹی اور پوشیدہ باتوں سے بھی آگاہ ہے۔

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِیْنَ فِیْهِ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ اَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِیْرٌ ۞ وَ مَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَ الرَّسُوْلُ یَدْعُوْكُمْ لِتُؤْمِنُوْا بِرَبِّكُمْ وَ قَدْ اَخَذَ مِیْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۞ هُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۞ وَ مَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ لِلّٰهِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ لَا یَسْتَوِیْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ

الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴿۱۰﴾ مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗۤ اَجْرٌ كَرِیْمٌ ﴿۱۱﴾

"ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور خرچ کرو (اس کی راہ میں) ان مالوں سے جن میں اس نے تمہیں اپنا نائب بنایا ہے۔ پس جو لوگ ایمان لائے تم میں سے اور (راہِ خدا میں) خرچ کرتے رہے ان کے لئے بہت بڑا اجر ہے۔ آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ (اس کا) رسول دعوت دے رہا ہے تمہیں کہ ایمان لاؤ اپنے رب پر اور اللہ تعالیٰ تم سے وعدہ بھی لے چکا ہے اگر تم یقین کرنے والے ہو۔ وہی ہے جو نازل فرما رہا ہے اپنے (محبوب) بندہ پر روشن آیتیں تاکہ تمہیں نکال لے (کفر کے) اندھیروں سے (ایمان کے) نور کی طرف۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ بڑی شفقت فرمانے والا ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ آخر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم خرچ نہیں کرتے (اپنے مال) راہِ خدا میں حالانکہ اللہ تعالیٰ ہی آسمانوں اور زمین کا وارث ہے۔ تم میں سے کوئی برابری نہیں کر سکتا ان کی جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے (راہِ خدا میں) مال خرچ کیا اور جنگ کی۔ ان کا درجہ بہت بڑا ہے ان سے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد مال خرچ کیا اور جنگ کی (ویسے تو) سب کے ساتھ اللہ نے وعدہ کیا ہے بھلائی کا۔ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے بخوبی خبردار ہے۔ کون ہے جو (اپنا مال) اللہ تعالیٰ کو (بطور) قرضِ حسنہ دے اور اللہ تعالیٰ کئی گنا بڑھا دے اس کے مال کو اس کے لئے (اس کے علاوہ) اسے شاندار اجر بھی ملے گا"۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے اور اپنے رسولوں پر اکمل طریقے سے ایمان لانے اور اس پر دوام اور ثابت قدمی اختیار کرنے، ہمیشہ قائم رہنے اور اپنی راہ میں مال خرچ کرنے کی ترغیب دلا رہا ہے کہ تمہارے پاس جو کچھ ہے یہ عارضی ہے۔ تم سے پہلے یہ سابقہ لوگوں کے ہاتھ میں تھا۔ پھر تمہارے پاس آ گیا۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ جس مال میں تمہیں اس نے اپنا نائب بنایا ہے اسے اس کی اطاعت میں خرچ کرو۔ اگر وہ ایسا نہ کریں تو وہ ان کا محاسبہ کرے گا اور ترکِ واجب پر انہیں عقاب (سزا) دے گا۔

قولہ تعالیٰ مِّمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِیْنَ فِیْهِ اس میں اشارہ ہے کہ عنقریب یہ مال تیرا ورثہ ہو گا۔ ممکن ہے تیرا وارث اللہ کا مطیع ہو۔ اس طرح وہ اس مال کو خرچ کر کے سعادت مند بن جائے یا اللہ کا نافرمان ہو اور تو گناہ اور عدوان میں اس کا مددگار ہو۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ میں حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ حضور ﷺ فرما رہے تھے اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ تمہیں مال کی کثرت نے غافل کر دیا ہے۔ انسان کہتا ہے میرا مال میرا مال۔ اے انسان! تیرے مال میں تیرا کچھ حصہ نہیں بجز اس کے جو تم نے کھا لیا اور ختم کر دیا، یا پہن لیا اور اسے پرانا کر دیا، یا صدقہ کیا اور راہِ آخرت کے لئے بطور زادِ راہ بھیج دیا۔ اس کے سوا جو کچھ بھی ہے وہ جانے والا ہے اور تو لوگوں کے لئے چھوڑنے والا ہے (1)۔

قولہ تعالیٰ لَهُمْ اَجْرٌ كَبِیْرٌ ایمان اور اطاعت کے کاموں میں خرچ کرنے کی ترغیب دی جا رہی ہے۔

قال تعالیٰ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۔ تمہیں ایمان سے کون سی چیز روک رہی ہے حالانکہ اللہ کے رسول تمہارے سامنے موجود ہیں۔

1۔ مسند احمد، جلد 4 صفحہ 34، مسلم، کتاب الزہد، جلد 4 صفحہ 2273

تمہیں اس کی دعوت دے رہے ہیں اور ان کی دعوت حقہ پر دلائل و براہین بھی موجود ہیں۔ ہم نے صحیح بخاری کی کتاب الایمان کی شرح کے اوائل میں یہ حدیث متعدد طرق سے ذکر کی ہے کہ حضور ﷺ نے ایک دن اپنے صحابہ سے فرمایا: ”سب سے اچھے ایمان والے تمہارے نزدیک کون ہیں؟“ صحابہ نے عرض کی فرشتے۔ فرمایا: وہ تو اللہ کے پاس ہی ہیں پھر ایمان کیوں نہ لاتے؟ عرض کیا پھر انبیاء۔ فرمایا: وہ کیسے ایمان نہ لائیں جبکہ ان پر وحی اترتی ہے۔ عرض کیا پھر ہم۔ فرمایا: تم ایمان کیوں نہ لاؤ جبکہ میں تم میں زندہ موجود ہوں۔ لیکن سب سے بہترین ایمان ان لوگوں کا ہوگا جو تمہارے بعد آئیں گے۔ صحیفوں میں لکھا دیکھیں گے اور ایمان قبول کریں گے۔ اس حدیث کا ایک حصہ ہم نے سورۃ بقرہ کے شروع میں یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ کے تحت نقل کیا ہے (1)۔

قولہ تعالیٰ وَقَدْ اَخَذَ مِیْثَاقَکُمْ جس طرح ایک اور آیت میں ہے: (وَاذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ (بقرہ:231)۔ مراد بیعت رسول ﷺ ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ اس سے مراد میثاق ہے جو اس وقت لیا گیا جب وہ صلب آدم میں تھے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہی ہے (2)۔ واللہ اعلم۔

قولہ تعالیٰ هُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ عَلٰی عَبْدِهٖۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ یعنی حجج واضحہ، دلائل باہرہ اور براہین قاطعہ۔

لِّیُخْرِجَکُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ جہل، کفر اور متضاد آراء کی تاریکیوں سے نور ہدایت اور ایقان و ایمان کی طرف۔

لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ یعنی کتب اتارنے اور رسول بھیجنے میں لوگوں کی ہدایت اور شکوک و شبہات دور کرنے کے لئے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے انہیں ایمان لانے اور خرچ کرنے کا حکم دیا پھر انہیں ایمان کی رغبت دلائی اور یہ واضح کر دیا کہ اب ایمان نہ لانے کا کوئی عذر باقی نہیں رہا۔ پھر صدقہ و خیرات کی رغبت دلائی۔ اور فرمایا: وَمَا لَکُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یعنی خرچ کرو اور فقر اور کمی سے نہ ڈرو۔ جس کی راہ میں تم خرچ کر رہے ہو وہ زمین اور آسمانوں کا مالک ہے اس کے ہاتھ میں ان کی کنجیاں اور خزانے ہیں۔ وہ عرش کا مالک ہے۔ وہی کہتا ہے: وَمَاۤ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ (سبا:39)۔ اور فرمایا: مَا عِنْدَکُمْ یَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ (النحل:96)۔ جس کا اللہ پر بھروسہ ہے وہ خرچ کرے اور صاحب عرش سے کمی کا خدشہ نہ کرے اور یہ یقین رکھے کہ اسے اللہ اس خرچ شدہ مال کا نعم البدل عطا فرمائے گا۔

قولہ تعالیٰ لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ یہ لوگ اور جنہوں نے کچھ خرچ نہیں کیا برابر نہیں ہو سکتے۔ اس لئے کہ فتح مکہ سے قبل حالات بہت سخت تھے اس وقت صرف صدیقین ہی ایمان لاتے تھے۔ فتح مکہ کے بعد تو اسلام کو واضح غلبہ نصیب ہوا اور لوگ گروہ در گروہ اسلام میں داخل ہوئے۔ اسی لئے فرمایا: اُولٰٓئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ۔ جمہور علماء کی یہ رائے ہے کہ فتح سے مراد یہاں فتح مکہ ہے۔ شعبی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے مروی ہے کہ فتح سے مراد یہاں صلح حدیبیہ ہے۔ اس کی تائید مسند احمد کی حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت خالد بن ولید اور عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم کے درمیان کچھ اختلاف ہو گیا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ سے کہا تم اس بات پر اترا رہے ہو کہ ہم سے چند روز پہلے ایمان لائے۔ یہ بات جب حضور ﷺ نے سنی تو فرمایا: ”میرے صحابہ کو میرے لئے چھوڑ دو۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اگر تم احد کے برابر سونا خرچ کر دو یا فرمایا پہاڑوں کے برابر تو بھی ان کے اعمال کو نہیں پہنچ سکتے (3)“۔ اور یہ بات معروف ہے کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا اسلام صلح

1۔ یہ حدیث سورۂ بقرہ کی آیت: 3 میں گزر چکی ہے۔ حسن ابن عرفہ جزء: 52-51

2۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 218　　3۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 266

حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان تھا۔ اور یہ اختلاف بنو جذیمہ کے بارے میں ہوا تھا۔ فتح مکہ کے بعد حضور ﷺ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ان کی طرف لشکر بھیجا تھا۔ جب یہ لوگ وہاں پہنچے تو انہوں نے پکارنا شروع کیا ہم صابی ہو گئے ہیں اور اسلمنا (ہم اسلام لائے) نہ کہہ سکے۔ چنانچہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے انہیں قتل کرنے کا حکم دیا اور ان کے قیدیوں کو بھی قتل کرا دیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور ابن عمر رضی اللہ عنہم نے ان کی مخالفت کی۔ چنانچہ اسی بناء پر حضرت خالد اور عبدالرحمن رضی اللہ عنہم کے درمیان جھگڑا ہوا(1)۔

صحیح میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ”میرے صحابہ کو گالی نہ دو۔ مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر کوئی تم میں سے احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خرچ کرے تو بھی ان کے ایک مد بلکہ اس کے نصف کے برابر بھی نہیں پہنچے گا(2)“۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ صلح حدیبیہ کے سال ہم حضور ﷺ کے ساتھ نکلے۔ جب مقام عسفان پر پہنچے تو حضور ﷺ نے فرمایا: ”قریب ہے کہ ایسے لوگ بھی تمہارے پاس آئیں جن کے مقابلہ میں تم اپنے اعمال کو حقیر تصور کرنے لگو۔ ہم نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ یہ کون لوگ ہیں؟ کیا قریش ہیں؟ فرمایا: ”نہیں بلکہ اہل یمن، نہایت نرم دل سادہ مزاج۔“ ہم نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! کیا وہ ہم سے بہتر ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر ان میں سے کسی کے پاس پہاڑ برابر سونا ہو اور اسے خرچ کر دے تو تم میں سے کسی کے مد یا اس کے نصف کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ یاد رکھو ہمارے اور دوسرے لوگوں کے درمیان فرق یہی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ ... خَبِيرٌ(3)۔ یہ حدیث ان الفاظ سے غریب ہے۔ صحیحین میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں خوارج کے بیان میں ہے: ”تم اپنی نمازیں ان کے مقابلہ میں اپنے روزے ان کے روزوں کے مقابلہ میں حقیر تصور کرو گے۔ وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے(4) الحدیث“۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث ایک اور سند سے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: قریب ہے کہ ایک ایسی قوم آئے جن کے اعمال کے مقابلہ میں تم اپنے اعمال کو حقیر تصور کرنے لگو۔ ہم نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! یہ کون لوگ ہیں؟ کیا قریش ہیں؟ فرمایا نہیں نرم دلوں والے اہل یمن اور اپنے ہاتھ سے یمن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: یاد رکھو وہ اہل یمن ہیں۔ ایمان تو یمن والوں کا ایمان ہے اور حکمت یمن والوں کی حکمت ہے۔ ہم نے دریافت کیا یارسول اللہ ﷺ! کیا وہ لوگ ہم سے بہتر ہیں؟ فرمایا مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر ان میں سے کسی کے پاس سونے کا پہاڑ ہو اور اسے خرچ کرے تو تم میں سے کسی کے مد یا اس کے نصف کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ پھر آپ نے مٹھی بند کی اور چھنگلیا کو دراز کر کے فرمایا: یہ ہمارے اور تمہارے درمیان فرق ہے۔ پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی: لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ ... خَبِيرٌ(5)۔

اس حدیث میں حدیبیہ کا ذکر نہیں ہے۔ اگر یہ محفوظ ہو جس طرح پہلے بیان ہوا تو یہ احتمال ہے کہ یہ آیت فتح مکہ سے قبل نازل ہوئی ہو اور بعد میں پیش آنے والے حالات کی خبر دی جا رہی ہو۔ جس طرح سورۂ مزمل جو کہ مکی ہے۔ اس میں ہے: وَآخَرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ۔ اس آیت میں مستقبل کی بشارت دی جا رہی ہے۔ اسی طرح یہ آیت ہے واللہ اعلم۔

1۔ بخاری، کتاب الاحکام، فتح الباری، جلد 13، صفحہ 181، تحفۃ الاشراف، جلد 5، صفحہ 394
2۔ فتح الباری، جلد 7، صفحہ 21
3۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 221
4۔ مسلم، کتاب الزکاۃ، جلد 2، صفحہ 734-733، تحفۃ الاشراف، جلد 3، صفحہ 394-410
5۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 221

قولہ تعالیٰ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى یعنی فتح مکہ سے قبل بھی اور اس کے بعد بھی جن لوگوں نے خرچ کیا انہیں ان کے نیک اعمال کا ثواب ملے گا۔ اگرچہ جزا میں فرق ہوگا۔ جیسے ایک اور آیت میں ہے: لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَي الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ۭ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰي ۭ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَي الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا (النساء: 95)۔ حدیث صحیح میں ہے: ''قوی مؤمن اللہ کے نزدیک ضعیف مؤمن سے افضل اور پسندیدہ ہے اور دونوں میں بھلائی ہے(1)''۔

اس بات کی طرف اس لئے اشارہ فرمایا کہ پہلے کی مدح کرنے سے دوسری جانب بالکل نظرانداز نہ ہو جائے مبادا اس کی مذمت کا پہلو نکل آئے اسی لئے دوسرے کی مدح پر عطف فرمایا اور پہلے فریق کی فضیلت بھی بیان فرمادی۔

قال اللہ تعالیٰ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ اس کے علم میں ہیں فریقین کے اعمال اور جزا میں تفاوت۔ ایسا نہیں ہے مگر پہلے فریق کے قصد اور اخلاص تام کا علم ہونے اور تنگی، قلت اور سختی میں خرچ کرنے کا اسے اچھی طرح علم ہونے کی وجہ سے۔ حدیث شریف میں ہے: ''ایک درہم ایک لاکھ سے بڑھ جاتا ہے(2)''۔ اہل ایمان کو اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس آیت سے حظ وافر نصیب ہے۔ اس لئے کہ تمام انبیاء کے امتیوں میں سے خرچ کرنے والوں کے وہ سردار ہیں۔ انہوں نے اپنے گھر کا تمام اثاثہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر نچھاور کر دیا تھا۔ جس کا بدلہ بجز خدا کسی اور سے مطلوب نہ تھا۔ ابو محمد حسین بن مسعود بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ صرف ایک عبا آپ کے جسم پر تھی۔ گریبان میں کانٹے گاڑے ہوئے تھے۔ جبریل اترے اور پوچھا کیا بات ہے کہ ابوبکر نے فقط ایک عبا پہن رکھی ہے اور بٹن کی جگہ کانٹا لگا رکھا ہے؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا انہوں نے اپنا کل مال میری مرضی میں فتح سے قبل ہی اللہ کیلئے وقف کر دیا ہے۔ جبریل نے فرمایا: ان سے کہو کہ خدا انہیں سلام کہتا ہے اور پوچھتا ہے کہ اس فقیری میں تم مجھ سے راضی ہو یا ناراض؟ حضور ﷺ نے فرمایا: اے ابوبکر! اللہ تمہیں سلام کہتا ہے اور پوچھتا ہے کیا تم اس حال میں مجھ سے راضی ہو یا خفا؟ یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا میں اپنے رب سے ناراض ہو سکتا ہوں؟ میں اپنے رب سے راضی ہوں(3)۔ یہ حدیث اس سند سے ضعیف ہے واللہ اعلم۔

قولہ تعالیٰ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ ۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس سے مراد انفاق فی سبیل اللہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے۔ ایک قول ہے کہ اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنا۔ صحیح یہ ہے کہ اپنے عموم کے لحاظ سے یہ آیت دونوں کو شامل ہے۔ ہر وہ شخص جو اللہ کی راہ میں خالص نیت اور عزم صادق سے خرچ کرے اس آیت کے عموم میں داخل ہے۔ اسی لئے فرمایا: فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ ایک اور آیت میں ہے: اَضعافاً كثيرة ونه اجر كريم۔ یعنی قیامت کے دن خوبصورت جزا اور واضح رزق۔ یہ جنت ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ابو دحداح انصاری نے عرض کیا: ''یا رسول اللہ ﷺ! کیا اللہ ہم سے قرض مانگتا ہے؟'' فرمایا: ''ہاں اے ابو دحداح'' انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے اپنا ہاتھ دکھایئے۔ آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ بڑھایا تو آپ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر ابو دحداح نے عرض کی میں نے اپنا یہ باغ اللہ کو قرض دیا۔

1۔ مسلم، کتاب القدر، جلد 4 صفحہ 2052۔ ابن ماجہ، جلد 1 صفحہ 31 2۔ نسائی، کتاب الزکاۃ، جلد 5 صفحہ 8 3۔ تفسیر بغوی، جلد 4 صفحہ 295

اس باغ میں کھجور کے چھ سو درخت تھے۔ ام دحداح اور ان کے بچے اس باغ میں رہائش پذیر تھے۔ ابو دحداح آئے اور باہر سے انہیں ندا دی۔ اے ام دحداح! باہر نکل آؤ میں نے اپنا یہ باغ اپنے رب کو قرض دے دیا ہے(1)۔ ایک روایت میں ہے کہ ام دحداح نے کہا تمہارا سودا بڑا منافع والا ہے اور اپنے سامان اور بچوں کو وہاں سے منتقل کر لیا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ابو دحداح کے لئے جنت میں کھجوروں کے بڑے بڑے باغات ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے: "کھجور کے کتنے ہی درخت ہیں جن کی شاخیں یاقوت اور موتی کی ہیں۔ یہ سب جنت میں ابو دحداح کے ہیں۔

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ بِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۲﴾ يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ؕ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ؕ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَ ظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ﴿۱۳﴾ يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَ لٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَ تَرَبَّصْتُمْ وَ ارْتَبْتُمْ وَ غَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَ غَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۱۴﴾ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّ لَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ؕ هِيَ مَوْلٰىكُمْ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۵﴾

"جس روز آپ دیکھیں گے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو کہ ضوفشانی کر رہا ہوگا ان کا نور ان کے آگے بھی اور ان کی دائیں جانب بھی۔ (مومنو!) تمہیں مژدہ ہو آج ان باغوں کا بہہ رہی ہیں جن کے نیچے نہریں تم ہمیشہ وہاں رہو گے۔ یہی وہ عظیم الشان کامیابی ہے۔ اس روز کہیں گے منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے (اے نیک بختو!) ذرا ہمارا بھی انتظار کرو ہم بھی روشنی حاصل کر لیں تمہارے نور سے۔ (انہیں) کہا جائے گا لوٹ جاؤ پیچھے کی طرف اور (وہاں) نور تلاش کرو۔ پس کھڑی کر دی جائے گی ان کے اور اہل ایمان کے درمیان ایک دیوار جس کا ایک دروازہ ہوگا۔ اس کے باطن میں رحمت اور اس کے ظاہر کی جانب عذاب ہوگا۔ منافق پکاریں گے اہل ایمان کو کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے۔ کہیں گے بیشک! لیکن تم نے اپنے آپ کو خود فتنوں میں ڈال دیا اور (ہماری تباہی کا) انتظار کرتے رہے اور شک میں مبتلا رہے اور دھوکہ میں ڈال دیا تمہیں جھوٹی امیدوں نے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان آپہنچا اور دھوکہ دیا تمہیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں شیطان (دغاباز) نے۔ پس آج نہ تم سے فدیہ قبول کیا جائے گا، اور نہ کفار سے۔ تم (سب کا) ٹھکانا آتش (جہنم) ہے۔ وہ تمہاری رفیق ہے۔ اور بہت بری جگہ ہے لوٹنے کی"۔

صدقہ و خیرات دینے والے مومنین کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ قیامت کے میدانوں میں ان کے اعمال کے مطابق ان کے سامنے نور ہوگا جس طرح حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے: یہ نور ان کے اعمال کے مطابق ہوگا۔ جب

1۔ جزء حسن بن عرفہ: 92

وہ پل صراط سے گزریں گے تو بعض کا نور پہاڑ کے برابر، بعض کا کھجور کے درخت کے برابر، بعض کا کھڑے آدمی کے قد کے برابر۔ سب سے کم نور ایک مومن کا ہوگا جس کے انگوٹھے میں نور ہوگا جو کبھی چمکے گا اور کبھی بجھ جائے گا۔ ابن ابی حاتم اور ابن جریر رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسی طرح روایت کیا ہے (1)۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ حضور ﷺ فرمایا کرتے تھے مومنین میں سے بعض کا نور مدینہ سے عدن ابین اور صنعاء تک ہوگا۔ اسی طرح درجہ بدرجہ حتیٰ کہ مومنین میں سے کسی کا نور پاؤں کی جگہ ہوگا۔ سفیان ثوری نے جنادہ بن ابی امیہ سے روایت کیا ہے: لوگو! اللہ کے ہاں تمہارے اسماء بمعہ خاص نشانیوں کے لکھے ہوئے ہیں۔ اسی طرح تمہارا ظاہر بھی اور باطن بھی۔ جب قیامت کا دن ہوگا تو اسے کہا جائے گا۔ اے فلاں یہ تیرا نور ہے۔ اے فلاں تیرا کوئی نور نہیں۔ اور اس آیت کی تلاوت فرمائی: يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ۔

ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، روز قیامت ہر ایک کو نور دیا جائے گا۔ جب پل صراط سے گزر جائیں گے تو منافقوں کا نور بجھ جائے گا۔ مومنین یہ صورتحال دیکھ کر گھبرا جائیں گے اور عرض کریں گے ہمارے نور کو مکمل فرما۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن سب سے پہلے مجھے سجدے کی اجازت دی جائے گی۔ اسی طرح سب سے پہلے مجھے ہی سجدے سے سر اٹھانے کا حکم ہوگا۔ میں اپنے سامنے، پیچھے اور دائیں بائیں دیکھوں گا اور اپنی امت کو پہچان لوں گا۔ یہ سن کر ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آپ اپنی امت کو کیسے پہچانیں گے جبکہ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر آپ کی امت تک کی تمام امتیں اس میدان میں اکٹھی ہوں گی۔ فرمایا میں انہیں چمکتے اعضاء کے سبب پہچان لوں گا۔ یہ وصف کسی اور امت میں نہ ہوگا۔ میں انہیں ان کے دائیں ہاتھ میں نامہ اعمال کے سبب پہچانوں گا۔ ان کے چمکتے چہروں کے ساتھ پہچانوں گا اور ان کے آگے چلتے نور کے ساتھ انہیں پہچانوں گا۔

قولہ وَبِاَيْمَانِهِمْ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے ان کے دائیں ہاتھ میں ان کے اعمال نامے ہوں گے۔ جیسے ایک اور آیت میں ہے: فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ (2)۔

قولہ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ انہیں کہا جائے گا آج تمہیں جنت کی خوشخبری ہے جس کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ای ماکثین فیھا ابدا، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ اللہ تعالیٰ احوال قیامت کی خبر دے رہے ہیں کہ میدان حشر میں ہولناک، کپکپا دینے والے واقعات پیش آئیں گے۔ اور اس دن نجات نہیں پا سکے گا مگر وہ شخص جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا۔ اور اللہ کے امر پر عمل کیا اور نہی سے باز رہا۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے سلیم بن عامر سے روایت کیا ہے کہ ہمارا گزر باب دمشق کے پاس ایک جنازے سے ہوا۔ ہمارے ساتھ ابو امامہ باہلی تھے۔ جب نماز جنازہ پڑھی گئی اور اسے دفن کرنے لگے تو ابو امامہ نے فرمایا اے لوگو! تم دنیا کی اس منزل میں صبح و شام گزار رہے ہو۔ تم اس میں نیکیاں اور برائیاں کرتے ہو۔ قریب ہے کہ تم یہاں سے ایک اور منزل کی طرف جاؤ اور وہ یہ ہے۔ پھر قبر کی طرف اشارہ فرمایا: یہ تنہائی، تاریکی اور تنگی والا مکان ہے مگر جس کے لئے اللہ تعالیٰ وسعت عطا فرمائے۔ پھر تم یہاں سے منتقل ہو کر میدان حشر میں مختلف مقامات پر وارد ہو گے۔ کہیں ایک جگہ بہت سے لوگوں کے چہرے سفید ہو جائیں گے اور بہت سے چہرے سیاہ پڑ جائیں گے۔ پھر تم

1۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 223
2۔ طبری، جلد 27، صفحہ 223

ایک ایسی جگہ جاؤ گے جہاں اندھیرا ہوگا۔ پھر نور تقسیم ہوگا۔ مومن کو نور عطا ہوگا اور کافر اور منافق کو چھوڑ دیا جائے گا۔ انہیں کچھ نہیں ملے گا۔ اسی چیز کی مثال اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ..... فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ (النور:40)۔ مومن کے نور سے کافر اور منافق کے لئے روشنی نہیں ہوگی۔ جس طرح نابینے کو بینا شخص کی بصارت کوئی فائدہ نہیں دیتی۔ منافقین اور منافقات مومنین سے کہیں گے ہمیں بھی اپنے نور سے کچھ حصہ دو۔

قِيْلَ ارْجِعُوْا۔ یہ منافقین کے ساتھ خدا کی خفیہ تدبیر ہے۔ جیسے فرمایا: يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ هُوَ خَادِعُهُمْ (نساء:142)۔ وہ اس جگہ جائیں گے جہاں نور تقسیم ہو رہا ہوگا۔ وہ وہاں کچھ نہ پائیں گے اور واپس پلٹیں گے تو مومنوں اور ان کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی۔ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ.... سلیم بن عامر کا قول ہے پس منافق دھوکے میں پڑا رہے گا حتیٰ کہ نور تقسیم ہوگا اور مومن اور منافق میں تمیز ہو جائے گی۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تاریکی بھیجے گا۔ مومن ہو یا کافر اپنی ہتھیلی نہیں دیکھ سکے گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ مومنین کی طرف ان کے اعمال کے برابر نور بھیجے گا۔ منافقین ان کے پیچھے جائیں گے۔ اور کہیں گے انْظُرُوْنَا۔ عوفی، ضحاک رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ لوگ تاریکی میں ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نور بھیجے گا۔ مومنین نور دیکھ کر اس طرف متوجہ ہوں گے۔ یہ نور اللہ کی طرف سے جنت کی دلیل ہوگا۔ منافقین مومنین کو جاتا دیکھ کر ان کے پیچھے جائیں گے تو اللہ منافقین کے لئے تاریکی پھیلا دے گا اس وقت منافق کہیں گے: ہم دنیا میں تمہارے ساتھ تھے۔ مومن کہیں گے ہو جاؤ جہاں سے تم واپس آئے ہو وہیں نور تلاش کرو(1)۔ ابوالقاسم طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے اسماء سے بلائے گا اپنے بندوں کی پردہ پوشی کی خاطر۔ پل صراط کے پاس بلاتخصیص ہر مومن اور منافق کو نور ارزاں ہوگا۔ جب پل صراط سے گزر جائیں گے تو منافقین کا نور ضبط کر لیا جائے گا۔ منافقین مومنین سے درخواست کریں گے کہ ہمیں بھی اپنے نور سے حصہ دو۔ مومن کہیں گے اے رب ہمارے نور کو مکمل فرما۔ اس وقت کوئی کسی کو یاد نہیں کرے گا(2)۔

بِسُوْرٍ حسن اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ یہ جنت اور دوزخ کے مابین ایک دیوار ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا قول ہے اسی کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے: وبینهما حجاب۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اسی طرح مروی ہے اور یہی صحیح ہے۔

بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ یعنی جنت اور جو کچھ اس میں ہے۔

وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ یعنی آگ۔ قتادہ اور ابن زید رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہ کا یہی قول ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ یہ دیوار بیت المقدس کی دیوار ہے جو جہنم کی وادی کے پاس ہوگی۔ پھر عبداللہ بن عمرو کا قول نقل کیا ہے کہ وہ دیوار جس کا اللہ نے قرآن میں ذکر کیا ہے یہ مشرقی دیوار ہے۔ اس کا باطن مسجد ہے اور ظاہر وادیٔ جہنم(3)۔ پھر عبادہ بن صامت، کعب احبار، علی بن حسین زین العابدین سے یہی مروی ہے اسے اس پر محمول کیا جائے گا کہ انہوں نے یہ مثال تقریب الی المعنی کے لئے ذکر کی ہے نہ یہ کہ بعینہٖ یہ دیوار اور مسجد مراد ہے۔ جنت اعلیٰ علیین میں ہے اور دوزخ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ میں۔ کعب احبار کا قول ہے کہ قرآن میں مذکور باب سے مراد مسجد کا باب رحمت ہے۔ یہ ان کی اسرائیلی روایت ہے اور اس سے مراد وہ فصیل ہے جو روز قیامت مومنوں اور منافقوں کے درمیان

1۔ طبری، جلد 27 صفحہ 224، درمنثور، جلد 8 صفحہ 53　2۔ المعجم الکبیر، جلد 11 صفحہ 122　3۔ طبری، جلد 27 صفحہ 225

آڑ ہوگی۔ جب مومن وہاں پہنچیں گے تو دروازے سے داخل ہوں گے۔ ان کا داخلہ مکمل ہوتے ہی دروازہ بند کر دیا جائے گا اور منافق پیچھے حیرت، تاریکی اور عذاب میں مبتلا رہ جائیں گے جس طرح وہ دار دنیا میں وہ کفر، جہل، شک اور حیرت کا شکار تھے۔

يُنَادُوْنَهُمْ ... منافقین مومنوں کو آواز دے کر کہیں گے کیا ہم دار دنیا میں تمہارے ساتھ نہیں تھے۔ جمعہ کی نماز میں شامل ہوتے اور تمہارے ساتھ باجماعت نمازیں ادا کرتے، تمہارے ہمراہ عرفات میں وقوف کرتے، غزوات میں شامل ہوتے اور تمام واجبات ادا کرتے تھے؟

قَالُوْا بَلٰى مومنین، منافقین کو جواب دیں گے ہاں تم ہمارے ساتھ تھے۔

وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ بعض سلف کا قول ہے کہ تم لذات، معاصی اور شہوات میں منہمک رہے۔

تَرَبَّصْتُمْ توبہ کو ایک وقت سے دوسرے وقت تک مؤخر کر دیا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے حق اور اس کے اہل کے ساتھ۔

وَارْتَبْتُمْ یعنی موت کے بعد جی اٹھنے کے بارے میں۔

وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ یعنی تم کہتے رہے ہمیں بخش دیا جائے گا۔ ایک قول ہے کہ دنیا نے تمہیں دھوکہ دیا۔

حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ تم اسی حالت پر رہے حتیٰ کہ پیام اجل آ پہنچا۔

وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ یعنی شیطان۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے: وہ شیطان کے فریب میں مبتلا تھے اور اسی کیفیت میں مبتلا رہے حتیٰ کہ اللہ نے انہیں آگ میں جھونک دیا۔ اس کلام کا مطلب یہ ہے کہ مومنین منافقین سے کہیں گے ہاں تم ہمارے ساتھ تھے لیکن بدنی طور پر، نیت اور دل سے تم ہمارے ہمراہ نہ تھے۔ تم حیرت اور شک میں مبتلا تھے۔ تم لوگوں کے لئے دکھلاوا کرتے تھے اور اللہ کی یاد کم ہی کرتے تھے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ منافقین مومنین کے ساتھ دنیا میں نکاح، شادی وغیرہ معاملات میں شریک رہے اور موت کی حالت میں بھی ان کے ہمراہ تھے۔ ان سب کو قیامت کے دن نور عطا کیا جائے گا۔ جب اس دیوار کے پاس پہنچیں گے تو منافقین کا نور بجھا دیا جائے گا اور بالکل علیحدہ کر دیے جائیں گے (1)۔ مومنین کا یہ قول ان کے اس قول کے منافی نہیں ہوگا جس کی اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں خبر دی ہے۔ وہ ارشاد فرماتا ہے اور وہ اصدق القائلین ہے۔ كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ۔ اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ (مدثر: 38)۔ یہ سوال بطور زجر و توبیخ ہوگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ (مدثر: 38)۔

فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ ۔ اگر کوئی زمین کے برابر سونا اور اتنا ہی مزید لائے تاکہ عذاب الٰہی سے اپنے آپ کو چھڑا سکے تو بھی قبول نہ کیا جائے گا۔

مَاْوٰىكُمُ النَّارُ یہ تمہارا ٹھکانہ ہے اور اس کی طرف تمہیں لوٹنا ہے۔

هِيَ مَوْلٰىكُمْ یعنی تمہارے کفر وارتیاب کی وجہ سے یہی منزل تمہارے لائق ہے۔

وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ بدترین جگہ۔

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ

1۔ طبری، جلد 27 صفحہ 226

فٰسِقُوْنَ ﴿۱۶﴾ اِعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ قَدْ بَیَّنَّا لَكُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷﴾

"کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا اہل ایمان کے لئے کہ جھک جائیں ان کے دل یاد الٰہی کے لئے اور اس سچے کلام کے لئے جو اترا ہے اور نہ بن جائیں ان لوگوں کی طرح جنہیں کتاب دی گئی اس سے پہلے پس لمبی مدت گزر گئی ان پر تو سخت ہو گئے ان کے دل۔ اور ایک کثیر تعداد ان میں سے نافرمان بن گئی۔ جان لو! اللہ تعالیٰ زندہ کر دیتا ہے زمین کو اس کے مرنے کے بعد۔ ہم نے کھول کر بیان کر دی ہیں تمہارے لئے (اپنی) نشانیاں تاکہ تم سمجھو"۔

ارشاد ہوتا ہے کیا مومنین کے لئے وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد کے لئے جھک جائیں۔ یعنی پند ونصیحت اور سماع قرآن کے وقت نرم پڑ جائیں۔ اسے سمجھیں، موم ہو جائیں۔ سنیں اور اس کی اطاعت کریں۔ عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قرآن اترنے کے تیرہویں سال اللہ تعالیٰ نے مومنین کے دلوں کے اس طرف نہ جھکنے پر عتاب فرمایا۔ ابن ابی حاتم اور مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہمارے اسلام کی عمر ابھی چار برس تھی کہ اللہ نے اس آیت کے ساتھ ہم پر عتاب فرمایا(1)۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کے آخر میں اسی طرح روایت کیا ہے۔ نسائی، ابن ماجہ اور بزار رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ سفیان ثوری نے قاسم رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ اصحاب رسول تھک گئے تو عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! حدیث بیان فرمایئے تو یہ آیت اتری: نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ (یوسف:3) پھر اکتائے اور سرکار ﷺ کی بارگاہ میں کوئی بات سننے کی خواہش کی تو یہ آیت اتری: اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ (زمر:23) جب پھر پرملال ہوئے تو یہ آیت اتری: اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا (2)۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: سب سے پہلے لوگوں سے خشوع وخضوع اٹھایا جائے گا(3)۔

قولہ تعالیٰ وَلَا یَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اُوْتُوا - اللہ تعالیٰ نے مومنین کو اہل کتاب یہود ونصاریٰ کی طرح ہونے سے منع فرمایا۔ جب ایک عرصہ گزر گیا تو انہوں نے اللہ کی کتاب میں تحریف کر دی اور تھوڑی قیمت پر اسے فروخت کر دیا اور کتاب اللہ کو پس پشت ڈال کر مختلف آراء، از خود ایجاد کردہ اقوال کے پیچھے پڑ گئے اور اللہ کے دین میں دوسروں کی تقلید کرنے لگے اور اللہ کو چھوڑ کر اپنے احبار اور راہبوں کو رب بنا لیا۔ اس وقت ان کے دل سخت ہو گئے۔ وہ موعظت کو قبول نہ کرتے اور وعدے وعید سے موم نہ ہوتے۔

وَكَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ یعنی اعمال میں ان کے دل فاسد اور اعمال باطل ہیں۔ جس طرح ایک دوسری آیت میں ہے: فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّیْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ... حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ (مائدہ:13)۔ یعنی ان کے دلوں میں فساد آ گیا اور ان کی عادت تحریف بن گئی۔ وہ اعمال جن کا انہیں حکم دیا گیا تھا انہیں چھوڑ دیا اور وہ کام کرنے لگے جن سے انہیں روکا گیا تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ مومنین کو منع فرما رہے ہیں کہ امور اصلیہ یا فرعیہ میں ان کی مشابہت اختیار نہ کریں۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ربیع بن ابو عمیلہ فزاری سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ہمیں ایک بات سنائی۔ کتاب وسنت کے بعد اس سے زیادہ عجیب بات میں نے نہیں سنی۔ فرمایا: کچھ عرصہ بعد جو

1۔ مسلم، کتاب التفسیر، جلد 4 صفحہ 2319، سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2 صفحہ 1402
2۔ دیکھئے تفسیر سورہ یوسف: 3
3۔ معجم ابن حمید: امدر، جلد 8 صفحہ 57، طبری، جلد 27 صفحہ 228، طبرانی المعجم الکبیر، جلد 7 صفحہ 295

اسرائیل کے دلوں میں سختی آ گئی۔ انہوں نے اپنے پاس سے کتاب اختراع کی جسے ان کے دلوں نے پسند کیا۔ وہ ان کی زبانوں پر جاری ہو گئی۔ حق ان کے اور ان کی کثیر خواہشات کے درمیان حائل تھا۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ بنو اسرائیل کو اپنی اس کتاب کی طرف بلائیں۔ جو ہماری اتباع کرے اسے چھوڑ دیں۔ اور جو باز رہے اسے قتل کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسے ہی کیا۔ ان میں ایک فقیہ تھا۔ جب اس نے دیکھا جو کچھ وہ کر رہے تھے تو اس نے کتاب الٰہی کو ایک لطیف چیز پر لکھ کر ایک سینگ میں ڈال کر اپنی گردن میں لٹکا لیا۔ جب ان لوگوں کا قتل و غارت حد سے بڑھ گیا تو کسی نے انہیں مشورہ دیا۔ فلاں عالم دین کو بلاؤ اسے اپنی کتاب پیش کرو۔ اگر اس نے تمہاری بات مان لی تو بقایا لوگ بھی تمہاری بات مان جائیں گے۔ اگر انکار کرے تو اسے قتل کر دو۔ چنانچہ انہوں نے اس فقیہ کو بلایا اور پوچھا کیا تم ہماری کتاب پر ایمان رکھتے ہو؟ اس نے پوچھا اس میں کیا ہے؟ مجھے سناؤ۔ وہ جب سنا چکے تو انہوں نے پوچھا کیا تمہارا اس پر ایمان ہے؟ اس نے کہا ہاں اس میں جو کچھ ہے میرا اس پر ایمان ہے اور اپنے ہاتھ سے نرسینگ کی طرف اشارہ کیا۔ اسے چھوڑ دیا گیا۔ جب اس کا انتقال ہو گیا تو انہوں نے دیکھا کہ وہ اس سینگ کو لٹکائے ہوئے تھا۔ اسے کھولا تو اس میں سچی کتاب تھی۔ وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے۔ یہ باتیں ہم پہلے تو نہیں سنتے تھے۔ یہ شخص کسی فتنہ میں مبتلا ہوا ہے۔ چنانچہ بنو اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے۔ ان میں سے بہترین فرقہ وہ تھا جو نر سینگ والے مسائل پر عامل تھا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ باتیں سنانے کے بعد فرمایا اگر تمہاری عمر دراز ہوئی تو عنقریب تم ایسی باتیں دیکھو گے جنہیں تم عجیب تصور کرو گے لیکن ان کے بدلنے کی تم میں طاقت نہ ہوگی۔ چنانچہ آدمی کے لئے اس وقت یہی کافی ہے کہ وہ اپنے دل سے اسے ناپسند کرتا ہو(1)۔ ابو جعفر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ عتریس بن عرقوب حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا اے ابو عبداللہ! ہلاک ہوا وہ شخص جس نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا نہ کیا۔ آپ نے فرمایا: ہلاک وہ ہوگا جو اپنے دل سے اچھائی کو اچھائی تصور نہ کرے اور برائی کو برائی تسلیم نہ کرے۔ پھر آپ نے یہ واقعہ سنایا (جو اوپر گزرا)(2)۔

اِعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ یُحْیِ الْاَرْضَ ۔۔۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سختی کے بعد دلوں کو نرم، حیرانوں کو گمراہی کے بعد ہدایت عطا فرما دیتا ہے اور شدت کے بعد سختیوں کو دور فرما دیتا ہے۔ چنانچہ جس طرح بنجر، قحط زدہ خشک زمین کو بارش کے ساتھ ہرا بھرا کر دیتا ہے، اسی طرح قرآن کے دلائل و براہین کے ساتھ سخت دلوں کو ہدایت عطا فرماتا ہے اور مقفل دلوں کو منور فرما دیتا ہے۔ پاک ہے وہ ذات جو گمراہی کے بعد جسے چاہے ہدایت سے سرفراز فرما دے اور جسے چاہے کمال کے بعد گمراہ کر دے۔ وہ فعال لما یشاء ہے۔ وہ حکیم، اپنے تمام افعال میں عادل، لطیف، خبیر کبیر المتعال ہے۔

اِنَّ الْمُصَّدِّقِیْنَ وَ الْمُصَّدِّقٰتِ وَ اَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا یُّضٰعَفُ لَهُمْ وَ لَهُمْ اَجْرٌ كَرِیْمٌ ﴿۱۸﴾ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖۤ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ ۖۗ وَ الشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَ نُوْرُهُمْ ؕ وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓىٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ﴿۱۹﴾

”بے شک صدقہ دینے والے اور صدقہ دینے والیاں اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دیا کئی گنا بڑھا دیا جائے گا ان کے لئے (ان کا مال) اور انہیں فیاضانہ اجر ملے گا۔ اور جو لوگ ایمان لائے اللہ اور اس کے رسولوں پر وہی (خوش نصیب) اللہ کی جناب میں صدیق اور شہید ہیں ان کے لئے (خصوصی) اجر اور ان کا (مخصوص) نور ہے۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور

1۔ در منثور، جلد 8 صفحہ 59
2۔ تفسیر طبری، جلد 27 صفحہ 229

ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہی لوگ تو دوزخی ہیں"۔

اللہ تعالیٰ اس ثواب کا ذکر فرما رہے ہیں جو اپنے اموال کو اہل حاجت وفقر ومسکنۃ پر صرف کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا۔ قَرْضًا حَسَنًا یعنی خالص نیت سے اللہ کی رضامندی کی خاطر دیا اور اپنے دیئے پر بدلے اور شکریے کے خواہاں بھی نہ تھے۔ اسی لئے فرمایا: یُّضٰعَفُ لَهُمْ ایک نیکی دس گنا سے سات سو گنا بلکہ اس سے بھی بڑھ جائے گی۔

وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ یعنی ثواب جزیل، اچھا مرجع اور عمدہ ٹھکانہ۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ...... یہاں جملہ مکمل ہو رہا ہے۔ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے والوں کے بارے میں فرمایا کہ وہ صدیقین ہیں۔ بعض حضرات نے والشہداء کو ایک جملہ تصور کیا ہے۔ مسروق، ضحاک اور مقاتل بن حیان رحہم اللہ تعالیٰ وغیرہ نے اسی طرح کہا ہے۔ اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ یہ تین طرح کے لوگ ہیں۔ یعنی مصدقین، صدیقین اور شہداء، جس طرح ایک دوسری آیت میں ہے: وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ (النساء:69)۔ صدیقین اور شہداء کے درمیان فرق کیا کہ یہ دو اقسام ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ صدیق، شہید سے درجے میں اعلیٰ ہے جس طرح امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ نے موطا میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اہل جنت اپنے سے اوپر کے بالا خانوں والے لوگوں کو اسی طرح دیکھیں گے جس طرح تم مشرق یا مغرب میں موتی کی طرح چمکتے ستارے کو دیکھتے ہو جو ڈوبنے کے قریب ہو یا آسمان کے کنارے میں باقی رہ گیا ہو۔ ایسا ان کے درجات میں تفاوت کی وجہ سے ہے"۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! یہ انبیاء کے درجات ہیں ان تک کوئی پہنچ نہیں سکتا۔ فرمایا: ہاں کیوں نہیں۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے! یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ پر ایمان لائے اور مرسلین کی تصدیق کرتے رہے۔ (بخاری ومسلم دونوں نے اسے روایت کیا ہے)(1)۔

بعض دوسرے مفسرین کی رائے ہے کہ صدیق اور شہید دونوں وصف مومنین کے ہیں۔ ابن جریر نے مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ اس سے آگے ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضور ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا: "میری امت کے مومنین شہداء ہیں"۔ پھر حضور ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ - (2) یہ حدیث غریب ہے۔ عمرو بن میمون رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ یہ قیامت کے دن ان دو انگلیوں کی طرح اکٹھے آئیں گے۔

وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ یعنی جنات النعیم میں۔ جس طرح صحیحین میں ہے: "شہداء کی ارواح سبز پرندوں کے قالب میں ہوں گی، جہاں چاہیں کھاتی پیتی پھریں گی اور ان قندیلوں میں پناہ لیں گی۔ انکا رب ان کی طرف توجہ فرما کر دریافت کرے گا تم کیا چاہتے ہو؟ وہ کہیں گے ہم چاہتے ہیں کہ ہمیں دار دنیا کی طرف لوٹا دے ہم تیری خاطر جہاد کریں اور پہلے کی طرح شہید ہو جائیں۔ وہ فرمائے گا یہ تو میں فیصلہ کر چکا ہوں کہ دوبارہ واپسی نہیں ہے (3)۔

قولہ تعالیٰ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ اللہ کے ہاں ان کے لئے اجر جزیل اور بہت بڑا نور ہو گا۔ دار دنیا میں اعمال میں تفاوت کے سبب اس نور کی مقدار میں فرق ہو گا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضور کو ارشاد فرماتے

1۔ دیکھئے تفسیر سورۃ نساء آیت: 69 سورۃ زمر: 20　2۔ تفسیر طبری، جلد 27 صفحہ 231　3۔ دیکھئے تفسیر سورۃ آل عمران: 169 سورۃ بقرہ: 46

ستا، شہداء کی چار قسمیں ہیں: عمدہ ایمان والا مومن جس نے دشمن خدا کا مقابلہ کیا اور راہ فرار اختیار نہ کی حتیٰ کہ اللہ کی راہ میں اپنی جان قربان کردی۔ لوگ اس کی طرف اسی طرح دیکھیں گے اور اپنا سر مبارک اتنا اٹھایا کہ آپ کی ٹوپی نیچے گر گئی۔ (اس حدیث کے راوی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنا سر اتنا بلند کیا کہ آپ کی ٹوپی بھی نیچے گر گئی)۔ اور دوسرا وہ مومن جس کی دشمن سے مڈبھیڑ ہوئی، جیسے ببول کے کانٹے سے کھال پر مارا (یعنی لرزہ طاری ہو گیا) اسے ایک نامعلوم تیر آ کر لگا اور وہ شہید ہو گیا۔ یہ دوسرے درجہ میں ہے۔ تیسرا وہ مومن جس کے اعمال اچھے بھی اور برے بھی تھے اس نے دشمن کا سامنا کیا۔ جوانمردی سے مقابلہ کرتا رہا حتیٰ کہ شہید ہو گیا۔ یہ تیسرے درجہ میں ہے۔ چوتھا وہ شخص جس نے اپنی جان پر بہت اسراف کیا (اس کے گناہ بہت زیادہ تھے) اس کا دشمن سے آمنا سامنا ہوا اس نے پامردی سے مقابلہ کیا اور شہادت سے سرفراز ہوا یہ چوتھے درجہ میں ہے(1)۔ علی بن مدینی اور ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسی طرح روایت کیا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن غریب قرار دیا ہے(2)۔

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ سعادت مندوں (سعداء) اور ان کا انجام ذکر کرنے کے بعد اشقیاء کے بیان کو اس پر عطف کیا اور ان کا حال بیان فرمایا۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ۭ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطٰمًا ۭ وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝ سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

"خوب جان لو! کہ دنیوی زندگی محض کھیل، تماشا اور (سامان) آرائش ہے اور آپس میں (حسب ونسب پر) اترانا اور ایک دوسرے سے زیادہ مال اور اولاد حاصل کرنا۔ اس کی مثال یوں سمجھو جیسے بادل برسے اور نہال کردے کسانوں کو اس کی (شاداب و سرسبز) کھیتی پھر وہ (یکایک) سوکھنے لگے تو تو اسے دیکھے کہ اس کا رنگ زرد پڑ گیا ہے پھر وہ ریزہ ریزہ ہو جائے۔ اور (دنیا پرستوں کے لئے) آخرت میں سخت عذاب ہوگا اور (خدا پرستوں کے لئے) اللہ کی بخشش اور (اس کی) خوشنودی ہوگی۔ اور نہیں ہے دنیاوی زندگی مگر نرا دھوکہ۔ تیزی سے آگے بڑھو اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور اس جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمان اور زمین کی چوڑائی کے برابر ہے۔ جو تیار کر دی گئی ان کے لئے جو ایمان لے آئے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر۔ یہ اللہ کا فضل (وکرم) ہے عطا فرماتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑا ہی فضل فرمانے والا ہے"۔

دنیوی زندگی اور اس کی حقارت کا بیان فرمایا جا رہا ہے۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ... اہل دنیا کے نزدیک دنیوی زندگی کا حاصل یہی ہے۔ جیسے فرمایا: زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ

1۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 23 2۔ ایضاً

عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ (آل عمران:14)۔ پھر دنیوی زندگی اور اس کی عارضی زیبائش و چکاچوند کی مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا: كَمَثَلِ غَيْثٍ: یہ وہ بارش ہوتی ہے جو لوگوں کے ناامید ہو جانے کے بعد برستی ہے۔ جیسے ایک اور آیت میں فرمایا: وَهُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا (شوریٰ:28)۔

قولہ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ: جس طرح بارش سے اگنے والی نباتات کسانوں کے دلوں کو بھاتی ہے۔ اسی طرح دنیوی زندگی کفار کو پسند ہے وہ اس کے بڑے حریص ہیں۔

ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا: اس کھیتی کی تازگی ماند پڑنے لگتی ہے۔ وہ خشک ہونے لگتی ہیں، پھر اس کا رنگ زرد پڑ جاتا ہے جبکہ یہ سرسبز و شاداب اور لہلہا رہی تھی۔ پھر وہ خشک ہو کر ریزہ ریزہ ہو کر رہ جاتی ہے۔ یہی حال انسان کی دنیوی زندگی کا ہے۔ پہلے شباب، پھر سن کہولت، پھر بڑھاپا آتا ہے۔ جب انسان اپنی اوائل عمر میں عنفوان شباب میں ہوتا ہے، اس کا جسم تروتازہ، قوت و توانائی سے بھرپور، شگفتہ اور دلکش ہوتا ہے پھر سن کہولت (ادھیڑ عمری) میں طبیعت بدل جاتی ہے۔ بعض قوا ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔ پھر وہ آہستہ آہستہ شیخ کبیر بن جاتا ہے۔ قوا کمزور، اور نقل و حرکت کم ہو جاتی ہے۔ تھوڑے کام سے ہی تھکن و درماندگی آ جاتی ہے۔ جیسے ایک دوسری آیت میں ہے: اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّشَيْبَةً ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ (روم:54)
یہ مثال زوال دنیا اور اس کے فانی ہونے کی دلیل ہے اور قیامت لامحالہ واقع ہو کر رہے گی۔ اس کی ہولناکی سے ڈرایا اور اس میں جو کچھ بھلائی ہے اس کی طرف ترغیب دلائی۔

قال وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ عنقریب آنے قیامت میں دو چیزوں میں سے ایک ضرور ہو گی یا شدید عذاب یا پھر اللہ کی طرف سے مغفرت و رضوان۔

مَتَاعُ الْغُرُوْرِ: یہ متاع فانی، جو اس کی طرف میلان رکھے اسے دھوکہ دینے والی ہے۔ وہ اس کی چکاچوند سے فریب میں آ جاتا ہے حتیٰ کہ یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اس کے سوا کوئی گھر اور لوٹنے کی جگہ نہیں۔ دار آخرت کی نسبت یہ حقیر اور قلیل ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایک کوڑے کے برابر جنت کی جگہ ساری دنیا و مافیہا سے بہتر ہے(1)۔ یہ آیت پڑھو وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ ... یہ حدیث صحیح میں موجود ہے۔ اس میں آیت کی زیادتی نہیں ہے(2)۔ واللہ اعلم۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جنت تم میں سے کسی کے جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہے۔ اسی طرح جہنم بھی(3)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اعمش سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ خیر و شر انسان کے بہت قریب ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اسے اچھے افعال کے ساتھ خیرات کی طرف سبقت کرنے اور محرمات سے اجتناب کرنے پر ابھارا جو اس کے لئے گناہوں کا کفارہ میں اور حصول ثواب اور درجات کی بلندی کا باعث۔

قولہ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ: جنس مراد جنس ارض و سماء ہے۔ جس طرح ایک دوسری آیت میں آتا ہے: وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ (آل عمران:133) اور یہاں فرمایا: اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ

1۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 232، و دیکھئے تفسیر سورہ آل عمران 185۔
2۔ ایضاً
3۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 387-442، فتح الباری، کتاب الرقاق، جلد 11، صفحہ 321

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ... اللہ نے انہیں جس چیز کا اہل بنایا ہے یہ اس کا فضل وکرم اور احسان ہے۔ جس طرح ہم نے ایک صحیح حدیث بیان کی کہ فقراء مہاجرین کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ! مال دار لوگ تو جنت میں بلندیٔ درجات اور ابدی نعمتوں سے سرفراز ہو گئے۔ فرمایا" وہ کیسے؟" عرض کی گئی وہ ہماری طرح نماز پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں، وہ صدقہ دیتے ہیں، جبکہ ہم صدقہ نہیں دیتے۔ وہ غلام آزاد کرتے ہیں جبکہ ہم غلام آزاد نہیں کر سکتے۔ حضور ﷺ نے فرمایا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتادوں اگر تم اسے کرو تو بعد والوں سے سبقت لے جاؤ اور کوئی بھی تم سے افضل نہ ہو مگر وہ شخص جو تمہاری طرح کرے۔ تم ہر نماز کے بعد تینتیس مرتبہ سبحان اللہ، اللہ اکبر اور الحمد للہ کہا کرو۔ وہ کچھ دنوں کے بعد دوبارہ حاضر ہوئے اور عرض کی ہمارے مالدار بھائیوں نے یہ وظیفہ سنا تو انہوں نے بھی اسے پڑھنا شروع کر دیا۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمادے(1)۔

مَاۤ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَ لَا فِيْۤ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۚۖ﴿۲۲﴾ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَ لَا تَفْرَحُوْا بِمَاۤ اٰتٰىكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ ۙ﴿۲۳﴾ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَ يَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۴﴾

"نہیں آئی کوئی مصیبت زمین پر اور نہ تمہاری جانوں پر مگر وہ لکھی ہوئی ہے کتاب میں اس سے پہلے کہ ہم ان کو پیدا کریں۔ بے شک یہ بات اللہ کے لئے بالکل آسان ہے۔ (ہم نے تمہیں یہ اس لئے بتادیا ہے) کہ تم غمزدہ نہ ہو اس چیز پر جو تمہیں نہ ملے اور نہ اترانے لگو اس چیز پر جو تمہیں مل جائے۔ اور اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا کسی مغرور، شیخی باز کو۔ جو لوگ خود بھی بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل کا حکم دیتے ہیں۔ اور جو (اللہ کے حکم سے) روگردانی کرے تو بے شک اللہ ہی بے نیاز ہر تعریف کا مستحق ہے"۔

اللہ تعالیٰ خبر دے رہا ہے کہ اس نے مخلوق کو پیدائش سے قبل ہی اس کی تقدیر مقرر کر دی تھی۔

فِيْۤ اَنْفُسِكُمْ یعنی آفاق میں بھی اور تمہاری اپنی جانوں میں بھی۔

مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ارواح کی پیدائش سے قبل۔

بعض علماء کی رائے ہے کہ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا یہ نفوس کی طرف راجع ہے بعض کے نزدیک مصیبت کی طرف۔ احسن یہ ہے کہ اسے خلیقة اور بریة کی طرف لوٹائیں۔ کیونکہ کلام میں اس بات کی دلیل موجود ہے۔ جس طرح ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے منصور بن عبدالرحمٰن سے روایت کیا ہے کہ میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ ایک آدمی نے کہا اس آیت مَاۤ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ - کے بارے میں آپ سے پوچھو۔ میں نے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا سبحان اللہ! اس بات میں کسی کو کوئی شک وشبہ ہے؟ آسمان اور زمین کے درمیان ہر مصیبت جانوں کی پیدائش سے قبل ہی کتاب اللہ میں لکھ دی گئی تھی(2)۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے مصیبت سے مراد خشک سالی ہے۔ اور اس فرمان وَ لَا فِيْۤ اَنْفُسِكُمْ سے مراد بھوک اور وبائیں ہیں۔ فرمایا: ہمیں یہ خبر ملی ہے کہ کسی کو خراش، لغزش پا رگ میں کوئی خلجان نہیں

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ ق: 39
2۔ تفسیر طبری، جلد 27 صفحہ 234

ہوتا مگر گناہوں کے سبب اور جو گناہ اللہ تعالیٰ معاف فرما تا ہے ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

قدریہ جو علم سابق کا انکار کرتے ہیں۔ قبحھم اللہ یہ آیت کریمہ ان کی تردید میں بہترین دلیل ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضور ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا: ''اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال قبل مقادیر خلائق مقرر فرما دیں(1)۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں اسی طرح روایت کیا ہے اس میں یہ اضافہ بھی ہے کہ ''اس کا عرش اس وقت پانی پر تھا'' ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے(2)۔

قولہ تعالیٰ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ اشیاء کے وجود میں آنے سے قبل ان کا علم، اور بعینہٖ جس طرح وہ واقع ہوگی اسی طرح لکھ دینا اللہ تعالیٰ کے لئے آسان ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے جو ہو چکا ہے، جو ہونے والا ہے اور جو نہیں ہوا اگر ہوتا تو کس طرح ہوتا۔

قولہ تعالیٰ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ..... ہم نے تمہیں اپنے پیشگی علم اور اشیاء کے وجود سے قبل ان کے بارے میں لکھنے اور کائنات کے وجود سے قبل اس کی تقدیر سے تمہیں آگاہ کر دیا ہے تاکہ تم یہ بات اچھی طرح جان لو کہ تمہیں جو کچھ ملا ہے تم سے چوکنے والا نہ تھا۔ اور جو تمہیں پیش نہیں آیا، تمہیں وہ پیش آنے والا نہیں تھا۔ نہ ملنے والی چیز پر افسوس مت کرو۔ کیونکہ اگر کوئی چیز مقدر ہوتو وہ ہو کر رہتی ہے۔

وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَاۤ اٰتٰىكُمْ یعنی تمہارے پاس آیا ہے۔ 'آتاکم' کی تفسیر یہ ہے کہ اس نے تمہیں عطا کیا۔ اور دونوں ایک دوسرے کو لازم و ملزوم ہیں۔ یعنی اللہ نے تمہیں جو انعام عطا فرمایا ہے لوگوں کے سامنے اس پر اتراؤ مت۔ یہ تمہاری کدوکاوش کا حاصل نہیں یہ تو اللہ کی تقدیر اور اس کا رزق ہے۔ اللہ کی نعمتوں کو کبر و غرور اور نخوت کا ذریعہ نہ بناؤ کہ تم لوگوں پر فخر کرتے رہو۔

لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ اسی لئے فرمایا وہ ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتا۔ مختال اس متکبر کو کہتے ہیں جو اپنی ذاتی خوبی اور کمال پر فخر و ناز کرے۔ اور فخور اس متکبر کو کہتے ہیں جو دوسری چیزوں یعنی مال و دولت یا جاہ و منصب پر گھمنڈ کرے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ہر شخص پر خوشی اور غم آتا ہے تم خوشی کو شکر یہ اور حزن کو صبر کا ذریعہ بناؤ۔

الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ منکر کا ارتکاب کرتے اور لوگوں کو بھی اس پر ابھارتے ہیں۔

وَمَنْ يَّتَوَلَّ یعنی اللہ کے امر اور اطاعت سے منہ موڑا۔

فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اِنْ تَكْفُرُوْۤا اَنْتُمْ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ (ابراہیم: 8)۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَ رُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝

''یقیناً ہم نے بھیجا ہے اپنے رسولوں کو روشن دلیلوں کے ساتھ اور ہم نے اتاری ہے ان کے ساتھ کتاب اور میزان (عدل) تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔ اور ہم نے پیدا کیا ہے لوہے کو اس میں بڑی قوت ہے اور طرح طرح کے فائدے ہیں

1۔ مسند احمد، جلد 2 صفحہ 169، مسلم، کتاب القدر، جلد 4 صفحہ 2044، عارضۃ الاحوذی، ابواب القدر، جلد 8 صفحہ 321-320

2۔ ایضاً مرجع مذکور

لوگوں کے لئے اور (یہ سب اس لئے) تاکہ دیکھ لے اللہ تعالیٰ کہ کون مدد کرتا ہے اس کی اور اس کے رسولوں کی بن دیکھے۔

یقیناً اللہ تعالیٰ بڑا زورآور، سب پر غالب ہے"۔

اللہ فرماتا ہے ہم نے اپنے رسولوں کو معجزات، واضح حجتیں اور قطعی دلائل دے کر بھیجا۔

وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ جو کھری اور سچی وحی ہے۔ والمیزان اور عدل و انصاف۔ مجاہد، قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہ کا یہی قول ہے۔ یہ وہ حق ہے عقل سلیم جس کی گواہی دے رہی ہے جو مریض افکار کے مخالف ہو۔ جس طرح ایک اور آیت میں ہے: اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ (ہود: 17)۔ اور فرمایا: فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا (الروم: 30) اور فرمایا: وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ (الرحمن: 7)۔

اور اس آیت میں فرمایا: لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ یعنی حق اور عدل کے ساتھ اور وہ رسولوں کی اتباع کرنا ہے اس میں جو وہ خبر دیں اور اطاعت کرنا ہے جس کا وہ حکم دیں۔ جو کچھ وہ لے کر آئے ہیں یہ حق ہے۔ اس کے بعد کوئی حق نہیں۔ جیسے فرمایا: وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا (الانعام: 115)۔ یعنی اخبار میں سچا اور اوامر و نواہی میں عدل۔ اسی لئے مؤمنین جنت کے بالا خانوں، بلند منازل اور بچھے ہوئے پلنگوں پر جلوہ افروز ہو جائیں گے تو کہیں گے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۗ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ (اعراف: 43)۔

قولہ تعالیٰ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ یعنی ہم نے لوہے کو منکرین حق اور حجت قائم ہونے کے بعد انکار کرنے والوں کی سرکوبی کے لئے رکاوٹ بنایا۔ چنانچہ حضور ﷺ نبوت کے بعد تیرہ سال تک مکہ میں قیام پذیر رہے آپ پر مکی سورتوں کی وحی آتی رہی۔ ان سب میں مشرکین سے جدال، توحید کی وضاحت اور دلائل و بینات کا ذکر تھا۔ جب ان لوگوں پر حجت قائم ہوگئی جنہوں نے اس دین کو قبول نہ کیا تو مسلمانوں کو ہجرت کا حکم دیا اور تلوار سے لڑائی اور قرآن کی مخالفت اور سرکشی کرنے والوں کی گردنیں اڑا دینے کا حکم دیا۔ امام احمد اور ابوداؤد رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے قیامت کے وقوع سے پہلے تلوار کے ساتھ بھیجا گیا ہے حتیٰ کہ اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کی جانے لگے اور میرا رزق میرے نیزے کے سائے تلے رکھا گیا ہے۔ ذلت اور رسوائی اس شخص کا مقدر ہے جس نے میری مخالفت کی۔ جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی وہ انہی سے ہے (1)۔

فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ یعنی اسلحہ جیسے تلواریں، حربے، نیزے، بھالے اور زرہیں وغیرہ اسی سے بنتے ہیں۔

وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ یعنی ان کی زندگی میں اس کے ساتھ فوائد وابستہ ہیں جیسے سکہ، پھل، کلہاڑی، تیشہ، آری وغیرہ آلات جو ہل چلانے، بینے، پکانے اور روٹی میں معاون ہیں جن کے بغیر لوگوں کا گزارہ ممکن نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ تین چیزیں حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ اتریں۔ سندان (سل)، کلبتان (سنسی) اور ہتھوڑا۔ (ابن جریر وابن ابی حاتم) (2)۔

مَنْ يَّنْصُرُهٗ جس کا ارادہ اسلحہ اٹھانے سے اللہ اور اس کے رسول کی مدد ہے۔

قَوِيٌّ عَزِيْزٌ وہ قوی عزیز ہے جو اس کی مدد کرے وہ اس کی مدد کرتا ہے حالانکہ اسے لوگوں کی احتیاج نہیں۔ تمہیں آپس میں آزمانے کے لئے جہاد کو مشروع کیا۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَ

1۔ دیکھئے تفسیر سورہ بقرہ: 104
2۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 237

كَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَسِقُونَ ﴿٢٦﴾ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلَىٰٓ ءَاثَٰرِهِم بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيسَى ٱبْنِ مَرْيَمَ وَءَاتَيْنَٰهُ ٱلْإِنجِيلَ وَجَعَلْنَا فِى قُلُوبِ ٱلَّذِينَ ٱتَّبَعُوهُ رَأْفَةً وَرَحْمَةً وَرَهْبَانِيَّةً ٱبْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَٰهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ٱبْتِغَآءَ رِضْوَٰنِ ٱللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا فَـَٔاتَيْنَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ فَسِقُونَ ﴿٢٧﴾

''اور ہم نے نوح اور ابراہیم (علیہما السلام) کو پیغمبر بنا کر بھیجا اور ہم نے رکھ دی ان دونوں کی نسل میں نبوت اور کتاب پس ان میں سے چند تو ہدایت یافتہ ہیں اور ان میں بہت سے نافرمان ہیں۔ پھر ہم نے ان کے پیچھے انہیں کی راہ پر اور رسول بھیجے اور ان کے پیچھے عیسیٰ ابن مریم کو اور انہیں انجیل عطا فرمائی۔ اور ہم نے رکھ دی ان لوگوں کے دلوں میں جو عیسیٰ کے تابعدار تھے شفقت اور رحمت۔ اور رہبانیت کو انہوں نے خود ایجاد کیا تھا ہم نے اسے ان پر فرض نہیں کیا تھا البتہ انہوں نے رضائے الٰہی کے حصول کے لئے اسے اختیار کیا تھا پھر اسے وہ نباہ نہ سکے جیسے اس کے نباہنے کا حق تھا۔ پس ہم نے عطا فرمایا جو ان میں سے ایمان لے آئے تھے (ان کے حسن عمل اور حسن نیت) کا اجر۔ اور ان میں سے اکثر فاسق (وفاجر) تھے''۔

اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ جب سے اس نے حضرت نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا ہے اس کے بعد کوئی رسول یا نبی نہیں بھیجا مگر آپ کی ذریت سے۔ اسی طرح حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام آپ کے بعد کوئی کتاب نہیں اتری یا کوئی رسول مبعوث نہیں ہوا اور کسی بشر پر وحی نہیں آئی مگر وہ آپ کی ذریت سے تھا۔

جس طرح ایک اور جگہ فرمایا: وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ۔ حتیٰ کہ بنو اسرائیل کے آخری نبی حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے اپنے بعد حضور ﷺ کی آمد کی بشارت دی۔

الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وہ آپ کے حواری تھے۔

رَاْفَةً یعنی رقت اور خشیت۔

وَرَحْمَةً اور مخلوق سے رحمت۔

ابْتَدَعُوْهَا یعنی نصرانی قوم نے اسے ایجاد کیا۔

مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ ہم نے مشروع نہیں کیا تھا۔ انہوں نے خود ہی اپنے اوپر اس کا التزام کر لیا۔

اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ انہوں نے اللہ کی رضامندی کا قصد کیا۔ سعید بن جبیر اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ کا یہی قول ہے۔ دوسرے یہ کہ ہم نے یہ بات ان پر لازم نہیں کی تھی بلکہ ان پر اللہ کی رضامندی کا حصول ضروری تھا۔

فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا جس چیز کو انہوں نے اپنے اوپر لازم کیا تھا وہ اسے پوری طرح بجا نہ لا سکے۔ یہ دو اعتبار سے ان کی مذمت ہے۔ ایک اللہ کے دین میں اس چیز کا داخل کرنا جس کا اللہ نے انہیں حکم نہیں دیا۔ دوسرے جس چیز کو انہوں نے قرب الٰہی کا باعث تصور کیا تھا اس پر قائم نہ رہنا۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے مجھے بلایا تو میں نے لبیک کہا۔ آپ نے فرمایا: کیا تمہیں پتہ ہے بنو اسرائیل کے بہتر فرقے ہو گئے تھے ان میں سے صرف تین گروہوں نے نجات پائی

جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد بادشاہوں اور امراء کے سامنے کھڑے ہوئے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے دین کی طرف بلایا۔ ظالموں سے جنگ کی قتل کئے گئے اور نجات پائی۔ پھر دوسرا فرقہ اٹھ کھڑا ہوا ان میں لڑائی کی ہمت نہ تھی۔ انہوں نے بادشاہوں اور امراء کے دربار میں حق گوئی کا فریضہ سرانجام دیا۔ چنانچہ اس کی پاداش میں قتل کئے گئے۔ ان پر آرے چلائے گئے۔ انہیں آگ سے جلایا گیا لیکن انہوں نے صبر کیا اور نجات پائی۔ پھر ایک اور گروہ اٹھا۔ ان میں لڑائی اور حق پر قائم رہنے کی قدرت نہ تھی۔ وہ پہاڑوں میں چلے گئے گوشہ نشینی میں اللہ کی عبادت کی اور رہبانیت اختیار کر لی۔ انہی کا ذکر اس آیت میں آیا ہے(1)۔ یہی حدیث دوسری سند سے بھی مروی ہے اس میں بہتر فرقوں میں بٹنے کا ذکر ہے۔ (آگے وہی حدیث ہے جو اوپر بیان ہوئی)۔ اس میں یہ بھی ہے کہ اجر انہیں ملے گا جو مجھ پر ایمان لائے اور میری تصدیق کی۔ اور ان میں سے اکثر فاسق ہیں جو میری تکذیب کریں اور میری مخالفت کریں(2)۔ اس متابعت میں داود بن محبر کی حالت کی وجہ سے کوئی فرق نہیں آتا۔ یہ واضع حدیث تھا۔ لیکن ابو یعلیٰ نے مسند میں اسے ایک دوسری سند سے روایت کیا ہے جو اس کے لئے تقویت کا باعث ہے(3)۔

ابن جریر اور ابو عبدالرحمٰن نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے بروایت سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ بنو اسرائیل کے بادشاہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد تورات اور انجیل کو بدل دیا۔ لیکن ایک جماعت ایمان پر قائم تھی وہ تورات اور انجیل کی تلاوت کرتے رہے ان بادشاہوں سے کہا گیا کہ ان لوگوں کی گالی سے بڑھ کر ہمارے لئے کوئی گالی نہیں یہ پڑھتے ہیں: وَمَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (المائدہ: 44)۔ اور اس طرح کہ دیگر آیات۔ علاوہ بریں وہ ہم پر عیب جتلاتے رہتے ہیں اور ہمارے اعمال پر حرف گیری کرتے ہیں۔ پس آپ انہیں دربار میں بلوائیے اور مطالبہ کیجئے کہ وہ ہماری طرح پڑھا کریں اور وہی عقیدہ رکھیں جو ہمارا ہے۔ چنانچہ انہیں دربار میں طلب کیا گیا۔ اور یہ کہا گیا کہ یا تو جان سے ہاتھ دھولو یا پھر ہماری تبدیل شدہ تورات پڑھا کرو۔ انہوں نے کہا ہمیں چھوڑ دو۔ ایک فریق نے کہا بلند منارہ تعمیر کرو۔ ہمیں اس میں ڈال دو۔ ہمیں کوئی رسی وغیرہ دے دو جس کے ساتھ ہم اپنا کھانا پانی اوپر اٹھا سکیں۔ ہم تمہارے پاس نہیں آئیں گے۔ ایک گروہ نے کہا: ہمیں زمین میں گھومنے پھرنے دو۔ ہم جانوروں کی طرح کھائیں پئیں گے۔ اگر تم ہمیں اپنے علاقے میں دیکھو تو قتل کر دینا۔ تیسرے فریق نے کہا ہمیں آبادی سے دور گھر بنا کر دے دو۔ ہم کنوئیں کھود لیں گے اور سبزیاں کاشت کریں گے اور تمہارے پاس نہیں آیا کریں گے۔ چونکہ اس جماعت سے ان لوگوں کی قریبی رشتہ داریاں تھیں اس لئے ان کی درخواست منظور کر لی گئی۔ تو یہ آیت وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوْهَا اتری۔ بقایا لوگ جو بادشاہ کے پاس رہ گئے انہوں نے کہا ہم اسی طرح عبادت کریں گے جس طرح فلاں نے عبادت کی اور اسی طرح سیر و سیاحت کریں گے جس طرح فلاں نے سیر و سیاحت کی۔ اسی طرح گھر بنائیں گے جس طرح فلاں نے بنائے۔ وہ اپنے شرک پر تھے۔ جن لوگوں کی انہوں نے اتباع کی تھی انہیں ان کے ایمان کا علم نہ تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو ان میں سے بہت تھوڑے لوگ باقی رہ گئے تھے۔ آپ کی بعثت کی خبر سنتے ہی خانقاہوں والے اپنی خانقاہوں سے، سیاح اپنی سیاحت سے اور دیر والے اپنے دیروں سے نکل آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور آپ کی تصدیق کی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ۔

1۔ طبرانی: المعجم الکبیر، جلد 10 صفحہ 212-211

2۔ تفسیر طبری، جلد 27 صفحہ 240-239، المعجم الکبیر، جلد 10 صفحہ 272، حاکم، مستدرک، جلد 2 صفحہ 480

3۔ ایضاً

دوسرا اجر حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام پر ایمان لانے اور حضرت محمد ﷺ پر ایمان لانے کا۔ فرمایا: وَ يَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ۔ قرآن اور حضور ﷺ کی اتباع۔ فرمایا: لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ۔ جو تم سے مشابہت رکھتے ہیں: اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ۔۔۔ الْعَظِيْمِ(1)۔ یہ سیاق غریب ہے اور ان آخری دو آیات کی تفسیر اس کے بعد آ رہی ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مسند ابو یعلی میں ہے کہ سہل بن ابی امامہ اپنے باپ کے ہمراہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس مدینہ آئے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا۔ آپ اس وقت امیر مدینہ تھے۔ جب یہ لوگ آئے حضرت انس رضی اللہ عنہ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ نے بہت مختصر نماز ادا کی گویا یہ مسافر کی نماز ہو یا اس کے قریب قریب۔ جب آپ نے سلام پھیرا تو لوگوں نے پوچھا اللہ آپ پر رحم فرمائے آپ نے فرض نماز پڑھی ہے یا نفل؟ فرمایا فرض۔ اور یہی نماز رسول اکرم ﷺ کی تھی۔ میں نے اپنے خیال سے کوئی غلطی نہیں کی۔ ہاں اگر میں کچھ بھول گیا ہوں تو اس کی بابت کچھ نہیں کہہ سکتا۔ حضور ﷺ فرمایا کرتے تھے اپنے نفسوں پر سختی نہ کرو ورنہ تم پر بھی سختی کی جائے گی۔ ایک قوم نے اپنے آپ پر ناروا سختی کی تو ان پر سختی کی گئی۔ ان کے باقی ماندہ لوگ ہی خانقاہوں اور کلیساؤں میں ہیں۔ رہبانیت کی ابتدا انہوں نے خود کی تھی۔ ہم نے اسے ان پر فرض نہیں کیا تھا۔ دوسرے دن ہم نے کہا آؤ سوار ہو کر چلیں۔ دیکھیں اور عبرت حاصل کریں۔ فرمایا: ٹھیک ہے۔ چنانچہ سب لوگ سوار ہو کر چلے اور ایک اجڑے دیار میں پہنچے جس کے باشندے فنا اور ختم ہو گئے تھے۔

پوچھا جانتے ہو یہ کون سی بستی ہے؟ مجھ سے زیادہ اس بستی اور اس کے باشندوں سے کوئی واقف نہیں۔ اس دیار والوں کو سرکشی اور حسد نے ہلاک کر دیا تھا۔ حسد نیکیوں کے نور کو بجھا دیتا ہے اور سرکشی اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔ آنکھ زنا کرتی ہے ہتھیلیاں، قدم، جسم، زبان اور شرمگاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہیں(2)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”ہر نبی کے لئے رہبانیت تھی اور اس امت کی رہبانیت جہاد فی سبیل اللہ ہے(3)“۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی ان کے پاس آیا اور کہا مجھے کچھ وصیت کیجئے۔ آپ نے فرمایا تم نے مجھ سے اس چیز کے بارے میں پوچھا ہے تم سے پہلے میں نے یہی سوال حضور ﷺ سے دریافت کیا تھا۔ میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں تقویٰ ہر چیز کی بنیاد ہے۔ تجھ پر جہاد لازم ہے یہ اسلام کی رہبانیت ہے اور ذکر اللہ اور تلاوت قرآن پر مداومت اختیار کر یہ آسمان میں تیری روح اور زمین میں تیری یاد ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اس روایت میں منفرد ہیں(4)، واللہ اعلم۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَ يَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ۚ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (28) لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَ اَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (29)

1۔ نسائی، کتاب آداب القضاۃ، جلد 8 صفحہ 233-231 طبری، جلد 27، صفحہ 239

2۔ مسند ابو یعلی، جلد 4 صفحہ 22-21، ابوداؤد، کتاب الادب، جلد 4 صفحہ

3۔ مسند امام احمد، جلد 3 صفحہ 266، مسند ابو یعلی، جلد 4 صفحہ 184

4۔ مسند احمد، جلد 3 صفحہ 82

"اے ایمان والو! تم ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور (سچے دل سے) ایمان لے آؤ اس کے رسول (مقبول) پر اللہ تعالیٰ تمہیں عطا فرمائے گا دو حصے اپنی رحمت سے اور بنا دے گا تمہارے لئے ایک نور جس کی روشنی میں تم چلو گے اور بخش دے گا تمہیں۔ اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ (تم پر یہ خصوصی کرم اس لئے کیا) تاکہ جان لیں اہل کتاب کہ ان کا کوئی قابو نہیں اللہ تعالیٰ کے فضل (وکرم) پر اور یہ کہ فضل تو اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے نوازتا ہے اس سے جس کو چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے"۔

اس سے پہلے نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کا ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کو مومن اہل کتاب پر محمول کیا ہے اور یہ کہ انہیں دگنا اجر ملے گا جس طرح کہ سورۂ قصص کی آیت میں ہے نیز جس طرح شعبی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: تین اشخاص کو دوہرا اجر ملے گا۔ ایک وہ کتابی جو اپنے نبی پر ایمان اور مجھ پر بھی ایمان لایا اس کے لئے دوہرا اجر ہے۔ عبد مملوک جس نے اللہ اور اپنے مولی کا حق ادا کیا اس کے لئے دگنا اجر ہے۔ اور وہ شخص جس نے اپنی لونڈی کو خوب اچھی طرح ادب سکھایا پھر اسے آزاد کر کے نکاح کر لیا۔ اس کے لئے بھی دوہرا اجر ہے۔ صحیحین میں اسی طرح ہے(1)۔ اس تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ ضحاک، عتبہ بن ابی حکیم رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہ موافق ہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے پسند کیا ہے(2)۔

سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جب اہل کتاب نے یہ فخر کیا کہ انہیں دگنا اجر ملے گا تو اللہ نے یہ آیت یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ اس امت کے حق میں نازل فرمائی۔ دوہرے اجر کے بعد ان سے نور کا وعدہ کیا۔ یعنی ہدایت جس کے ساتھ نابینا پن اور جہالت سے ہدایت عطا فرمائے گا اور تمہیں بخش دے گا۔ چنانچہ نور اور مغفرت کے ساتھ انہیں فضیلت عطا فرمائی۔ (ابن جریر) یہ آیت اس آیت کی طرح ہے: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّیُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ (انفال:29)۔

سعید بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے یہود کے ایک حبر (عالم) سے پوچھا کہ تمہیں ایک نیکی پر زیادہ سے زیادہ کس قدر فضیلت ملتی ہے؟ اس نے کہا ساڑھے تین سو تک۔ چنانچہ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ کا شکر ادا کیا اور فرمایا ہمیں تم سے دوہرا ملا ہے۔ سعید نے پھر اسی آیت کی تلاوت کی اور فرمایا اسی طرح جمعے کا دوہرا اجر ہے۔ (ابن جریر)

اس قول کی تائید امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے بھی ہوتی ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہاری اور یہود و نصاریٰ کی مثال اس آدمی کی طرح ہے جس نے چند مزدور کام پر لگائے اور اعلان کیا کون ہے جو ایک قیراط کے بدلے صبح کی نماز سے لے کر نصف النہار تک کام کرے۔ چنانچہ یہود تیار ہو گئے۔ پھر کہا کون ہے جو ظہر سے لے کر عصر تک ایک قیراط پر کام کرے؟ تو نصاریٰ تیار ہو گئے۔ پھر کہا کون ہے جو صلوۃ عصر سے لے کر غروب آفتاب تک دو قیراط کے بدلے کام کرے پس وہ تم ہو جنہوں نے یہ کام کیا۔ اس پر یہود و نصاریٰ بہت بگڑے۔ کہنے لگے کام ہم نے زیادہ کیا اور مزدوری کم۔ فرمایا: کیا تمہارے اجر میں کوئی کمی کی ہے؟ کہنے لگے نہیں۔ فرمایا: یہ میرا فضل ہے میں جسے چاہوں دیتا ہوں(3)۔ مسند احمد میں یہ حدیث دوسری سند سے بھی ہے۔

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ، جلد 4 سورہ آل عمران: 199 سورۂ قصص: 54
2۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 241
3۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 111-6، فتح الباری، کتاب الاجارۃ، جلد 4، صفحہ 445 کتاب الانبیاء، جلد 6، صفحہ 496-495

بخاری شریف میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا: " مسلمانوں، یہود اور نصاریٰ کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے کچھ لوگ کام پر لگائے کہ وہ دن بھر کام کریں گے اور ایک خاص اجرت لیں گے۔ انہوں نے آدھا دن کام کیا اور کہا: ہمیں مزدوری کی کوئی ضرورت نہیں اور ہمارا کام باطل ہے۔ اس نے کہا ایسا نہ کرو بقایا کام مکمل کرو اور پوری مزدوری لو۔ انہوں نے انکار کر دیا اور کام چھوڑ دیا۔ اس کے بعد اس نے دو مزدور رکھے۔ اور کہا باقی کام شام تک پورا کر دو میں تمہیں وہی مزدوری دوں گا جس کا ان کے ساتھ وعدہ ہے۔ وہ کام کرتے رہے حتیٰ کہ عصر کی نماز کے بعد کہنے لگے ہم نے جو کام کیا وہ باطل ہے۔ ہم معاوضے کے طلب گار بھی نہیں۔ اس نے کہا بقایا کام کرو۔ اب دن کا تھوڑا حصہ باقی رہ گیا ہے۔ انہوں نے انکار کر دیا۔ اس نے کچھ اور لوگوں کو کام پر لگایا کہ دن کا بقیہ حصہ کام کرو اور سابقہ دونوں فریقین کے برابر اجرت لے لو۔ پس یہ ہے ان کی مثال اور اس نور کی مثال جسے انہوں نے قبول کیا(1)۔

لِئَلَّا یَعْلَمَ تاکہ انہیں پتہ چل جائے کہ جسے اللہ دے وہ اسے روکنے کی اور جس کو اللہ روک دے اسے دینے کی طاقت نہیں رکھتے۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ لِئَلَّا یَعْلَمَ میں لا زائدہ ہے معنی ہے لیعلم۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے لکی یعلم پڑھا ہے۔ اسی طرح عطاء بن عبد اللہ اور سعید بن جبیر رحمہما اللہ تعالیٰ سے مروی ہے۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ وہ کلام جس کے اول یا آخر میں غیر مصرح انکار ہو وہاں "لا" بطور صلہ استعمال ہوتا ہے۔ جس طرح یہ آیات: مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ (اعراف:12)، وَمَا يُشْعِرُكُمْ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ (انعام:109)، وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ (انبیاء:95)(2)۔

سورۂ حدید کی تفسیر ختم ہوئی

وللّٰه الحمد والمنّة

1۔ فتح الباری، کتاب الاجارۃ، جلد 4 صفحہ 449-448

2۔ تفسیر طبری، جلد 27 صفحہ 246، فراء: معانی، جلد 3 صفحہ 138-137

سورۂ مجادلہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ①

"بے شک اللہ تعالیٰ نے سن لی اس کی بات جو تکرار کر رہی تھی آپ سے اپنے خاوند کے بارے میں اور (ساتھ ہی) شکوہ کئے جاتی تھی اللہ سے (اپنے رنج و غم کا) اور اللہ سن رہا تھا تم دونوں کی گفتگو۔ بے شک اللہ (سب کی باتیں) سننے والا (سب کچھ) دیکھنے والا ہے"۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا تمام تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں جس کی سماعت نے تمام آوازوں کو گھیر رکھا ہے۔ تکرار کرنے والی عورت حضور ﷺ کی بارگاہ میں آئی۔ وہ گفتگو کر رہی تھی اور میں گھر کے کونے میں تھی۔ اس کی آواز مجھے سنائی نہیں دیتی تھی کہ یہ آیت اتری (1)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب التوحید میں تعلیقاً اسی طرح بیان کیا ہے۔ نسائی، ابن ماجہ، ابن ابی حاتم اور ابن جریر رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسی طرح بیان کیا ہے (2)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ کی ایک دوسری روایت میں ہے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: بابرکت ہے وہ ذات جو ہر اونچی نیچی آواز کو سن سکتا ہے۔ میں خولہ بنت ثعلبہ کی بات سن رہی تھی۔ بعض باتیں مجھے سنائی نہ دے رہی تھیں۔ یہ اپنے خاوند کی حضور ﷺ سے شکایت کر رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں یا رسول اللہ ﷺ! اس نے میرا مال کھایا۔ میرا شباب ختم کیا۔ ان سے بچے ہوئے۔ حتیٰ کہ جب میں بوڑھی ہوگئی میرے گھر والے نہ رہے تو اس نے مجھ سے ظہار کیا۔ اے اللہ! میں تجھ سے شکوہ کرتی ہوں۔ وہ اسی طرح کہتی رہیں حتیٰ کہ جبریل یہ آیت لے کر اترے۔ قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ ان کے خاوند کا نام اوس بن صامت تھا۔ ان کے مزاج میں کچھ جنون سا تھا۔ جب اس میں شدت آتی تو اپنی بیوی سے ظہار کر لیتے اور جب یہ کیفیت ختم ہوتی تو گویا کچھ نہ تھا۔ یہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں استفتاء کے لئے حاضر ہوئیں اور اللہ کی بارگاہ میں شکایت کرنے لگیں تو یہ آیت اتری۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ابو یزید سے روایت کیا ہے کہ ایک عورت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ملی۔ اس کا نام خولہ بنت ثعلبہ تھا۔ آپ اس وقت لوگوں کے ساتھ جا رہے تھے۔ اس نے آواز دی تو آپ فوراً رک گئے۔ اس کے قریب گئے۔ اس کے لئے سر جھکا دیا اور اپنا ہاتھ اس کے کندھوں پر رکھا حتیٰ کہ جب وہ واپس لوٹ گئیں تو ایک آدمی نے کہا: امیر المومنین! آپ نے اس بڑھیا کی خاطر سرداران

1۔ مسند امام احمد، جلد 6، صفحہ 46، فتح الباری، کتاب التوحید، جلد 13، صفحہ 372، نسائی، کتاب الطلاق، جلد 6، صفحہ 168، سنن کبری، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 12 صفحہ 3، ابن ماجہ، مقدمہ، جلد 1 صفحہ 68، تفسیر طبری، جلد 28 صفحہ 5

2۔ فتح الباری، کتاب التوحید، جلد 13 صفحہ 372، نسائی، کتاب الطلاق، جلد 6 صفحہ 169، ابن ماجہ مقدمہ، جلد 1 صفحہ 68

قریش کو روک دیا۔ آپ نے فرمایا: تیرا برا ہو تمہیں پتہ ہے یہ کون ہے؟ اس نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا: یہ وہ عورت ہے جس کا شکوہ اللہ نے ساتوں آسمانوں کے اوپر سے سن لیا تھا۔ یہ خولہ بنت ثعلبہ ہے۔ اللہ کی قسم اگر یہ رات تک واپس نہ لوٹتی تو میں ٹھہرا رہتا حتی کہ یہ اپنی ضرورت پوری کر لیتیں۔ ہاں اگر نماز کا وقت ہو جاتا تو میں نماز کے لئے جاتا اور پھر خدمت میں حاضر ہو جاتا۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے بنی عامر سے روایت کیا ہے کہ وہ عورت جس نے اپنے خاوند کے بارے میں تکرار کی تھی خولہ بنت صامت تھیں۔ ان کی والدہ کا نام معاذہ تھا۔ ان کے بارے میں ہی یہ آیت اتری: وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا (النور: 33)۔ صحیح یہ ہے کہ خولہ اوس بن صامت کی زوجہ تھیں (1)۔

اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآىِٕهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ۭ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـىِٕيْ وَلَدْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝ وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاۗسَّا ۭ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَاۗسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ۭ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

"جو لوگ تم میں سے ظہار کرتے ہیں اپنی بیویوں سے وہ ان کی مائیں نہیں ہیں۔ نہیں ہیں ان کی مائیں بجز ان کے جنہوں نے انہیں جنا ہے۔ بے شک یہ لوگ کہتے ہیں بہت بری بات اور جھوٹ۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت درگزر فرمانے والا بہت بخشنے والا ہے۔ جو لوگ ظہار کر بیٹھیں اپنی عورتوں سے پھر وہ پلٹنا چاہیں اس بات سے جو انہوں نے کہی تو (خاوند) غلام آزاد کرے اس سے قبل کہ وہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں۔ یہ ہے جس کا تمہیں حکم دیا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جو تم کر رہے ہو (اس سے) آگاہ ہے۔ پس جو شخص غلام نہ پائے تو وہ دو ماہ لگا تار روزے رکھے اس سے قبل کہ وہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں۔ اور جو اس پر بھی قادر نہ ہو تو کھانا کھلائے ساٹھ مسکینوں کو۔ یہ اس لئے کہ تم تصدیق کرو اللہ اور اس کے رسول (کے فرمان) کی۔ اور یہ اللہ کی (مقرر کردہ) حدیں ہیں۔ اور منکرین کے لئے دردناک عذاب ہے"۔

امام احمد رحمۃ اللہ نے خولہ بنت ثعلبہ سے روایت کیا ہے کہ میرے اور اوس بن صامت کے بارے میں اللہ نے سورۂ مجادلہ کا ابتدائی حصہ نازل فرمایا۔ فرماتی ہیں میں ان کے نکاح میں تھی۔ یہ عمر رسیدہ ہو چکے تھے۔ مزاج میں چڑچڑاپن آ گیا تھا۔ چنانچہ وہ ایک دن میرے پاس آئے۔ میں نے باتوں باتوں میں ان کی کسی بات کا جواب دیا تو وہ غضبناک ہو گئے اور کہنے لگے تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے پھر باہر چلے گئے اور اپنی قوم کی مجلس گاہ میں کچھ دیر بیٹھے رہے پھر میرے پاس آئے۔ اور مجھ سے جنسی حقوق پورا کرنے چاہے۔ میں نے کہا ہرگز نہیں مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں خولہ کی جان ہے! آپ تب تک میرے قریب نہیں آ سکتے جب تک اللہ اور اس کا رسول ہمارے درمیان فیصلہ نہ کر دے۔ وہ نہ مانے اور دست درازی کرنے لگے۔ مگر چونکہ کمزور تھے میں ان پر غالب آ گئی اور انہیں دور کر دیا۔ پھر

1۔ اسد الغابہ، ترجمہ خولہ بنت ثعلبہ، جلد 8 صفحہ 91

کسی پڑوسن کے پاس گئی۔ اس کے کپڑے عاریتاً لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئی۔ اور آپ کے سامنے بیٹھ کر سارا واقعہ گوش گزار کر دیا دوران کی بد خلقی کی شکایت کی۔ حضور ﷺ فرمانے لگے اے خولہ! تیرے چچا زاد بوڑھے ہو چکے ہیں۔ ان کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ فرماتی ہیں میں اسی طرح تھی کہ میرے بارے میں قرآن نازل ہوا۔ سرکار پر وحی کی کیفیت طاری ہو گئی۔ جب یہ کیفیت دور ہوئی تو مجھے فرمایا: اے خولہ! اللہ نے تیرے اور تیرے خاوند کے بارے میں قرآن نازل کیا ہے۔ پھر یہ آیات قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ سے لے کر وَلِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ تک سنائیں۔ چنانچہ سرکار ﷺ نے فرمایا: اسے کہو غلام آزاد کرے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ان کے پاس آزاد کرنے کو کچھ نہیں۔ فرمایا: "مسلسل دو ماہ کے روزے رکھے"۔ میں نے عرض کیا اللہ کی قسم وہ بوڑھا ہے روزہ رکھنے پر قادر نہیں سرکار ﷺ نے فرمایا: "پھر ساٹھ مسکینوں کو ایک وسق کھجوریں کھلائے (1)۔" میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! اس کے پاس کچھ نہیں۔ آپ نے فرمایا اچھا میں اپنے پاس سے ایک فرق (2) کھجوریں انہیں دے دوں گا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ایک فرق میں انہیں اپنے پاس سے دیتی ہوں۔ آپ نے فرمایا: تم نے ٹھیک کیا اور بہت خوب کیا۔ جاؤ اور یہ اس کی طرف سے صدقہ کر دو اور اپنے چچا زاد کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔ فرماتی ہیں چنانچہ میں نے اسی طرح کیا (3)۔ ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن میں کتاب الطلاق میں اسے روایت کیا ہے۔ اس میں ہے کہ خولہ بنت ثعلبہ انہیں خولہ بنت مالک بن ثعلبہ کہتے ہیں اور کبھی تصغیر کے طور پر "خویلہ" بھی کہا جاتا ہے۔ ان اقوال میں کوئی تضاد نہیں۔ معاملہ قریب قریب ہے۔ واللہ اعلم۔

اس سورت کی ابتدائی آیات کے نزول کا صحیح سبب یہی ہے۔ حدیث سلمہ بن صخر جس کا بیان آگے آ رہا ہے اس میں یہ نہیں ہے کہ یہ اس سورت کے نزول کا سبب ہے۔ ہاں اس سورت میں ظہار کا جو حکم بیان کیا گیا ہے غلام آزاد کرنا، روزے رکھنا یا کھانا کھلانا۔ وہ انہیں بھی دیا گیا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے سلمہ بن صخر انصاری سے روایت کیا ہے کہ مجھ میں جماع کی طاقت اوروں کی نسبت بہت زیادہ تھی۔ جب ماہ رمضان آیا تو میں نے اپنی بیوی سے ظہار کر لیا تاکہ رمضان گزر جائے مبادا میں روزے کے وقت میں پرہیز نہ کر سکوں۔ کیونکہ رکنے کی مجھ میں طاقت نہ تھی۔ ایک رات یہ میری خدمت کر رہی تھیں کہ جسم سے کپڑا ہٹ گیا۔ مجھ سے رہا نہ گیا۔ اچھل کر اس پر چڑھ گیا صبح میں نے اپنی قوم کو رات کا واقعہ سنایا۔ میں نے کہا مجھے حضور ﷺ کی بارگاہ میں لے چلو اور اس بات سے آگاہ کرو۔ وہ کہنے لگے اللہ کی قسم ہم ایسا نہیں کریں گے۔ ہمیں خدشہ ہے کہ ہمارے بارے میں کوئی آیت نازل نہ ہو جائے یا سرکار خود کچھ فرما نہ دیں جس کی عار ہمیشہ کے لئے ہم پر باقی رہ جائے۔ تم خود جاؤ اور گفتگو۔ فرماتے ہیں میں نے خود نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اپنا معاملہ عرض کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم نے ایسا کیا؟ میں نے کہاں ہاں میں نے ایسا کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے ایسا کیا؟ میں نے عرض کیا ہاں میں نے یہ فعل کیا۔ تیسری بار حضور ﷺ نے فرمایا تم نے ایسا کیا میں نے عرض کیا ہاں۔ اب میں حاضر ہوں۔ اللہ کا حکم مجھ پر نافذ فرمایئے میں اس کے لئے راضی ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: غلام آزاد کر۔ میں نے اپنا ہاتھ گردن پر مار کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ! مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں اس کے سوا کسی کا مالک نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مسلسل دو مہینے کے روزے رکھ کر۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! یہ روزوں کی وجہ سے ہی تو ہوا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: پھر صدقہ کر میں نے عرض کیا مجھے اس ذات کی

1۔ وسق: ملکیت معلومہ، ہو یہ ساٹھ (60) صاع کا ہوتا ہے۔

2۔ فرق: ایک نسخے میں عرق کا لفظ آیا ہے اور اس سے مراد "زنبیل" المنسوج من زنابیل الخوص ہے جو پندرہ صاع کا ہوتا ہے۔

3۔ مسند امام احمد، جلد 6 صفحہ 411-410، سنن ابو داؤد، کتاب الطلاق، جلد 2 صفحہ 267-266

قسم جس نے حق کے ساتھ آپ کو مبعوث کیا ہے۔ہم نے یہ رات بدترین حالت میں گزاری ہے ہمارے پاس شام کے کھانے کو کچھ نہ تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا بنو زریق کے صاحب صدقہ کے پاس جاؤ۔ اسے کہو وہ صدقہ کا مال تمہیں دے دے تم اس میں سے ایک وسق ساٹھ مسکینوں کو دے دو اور باقی اپنے اور بال بچوں کے کام میں لاؤ۔ وہ کہتے ہیں چنانچہ میں اپنی قوم کے پاس واپس آیا۔ انہیں کہا میں نے تمہارے پاس تنگی اور بری رائے پائی اور حضور ﷺ کے پاس وسعت اور برکت پائی۔ سرکار کا حکم ہے کہ اپنے صدقے کا مال مجھے دے دو۔ چنانچہ انہوں نے مجھے دے دیا(1)۔ ابوداؤد اور ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسی طرح روایت کیا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے مختصر کیا ہے اور حسن کہا ہے۔ سیاق کلام سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ واقعہ اوس بن صامت اور ان کی زوجہ خولہ بنت ثعلبہ کے واقعہ کے بعد کا ہے۔ دونوں واقعات کے سیاق کلام سے یہی پتہ چلتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ سب سے پہلے عبادہ بن صامت کے بھائی اوس بن صامت نے ظہار کیا۔ ان کی بیوی خولہ بنت ثعلبہ بنت مالک تھیں۔ اس واقعہ سے خولہ کو خدشہ ہوا کہ طلاق ہو گئی ہے۔ چنانچہ وہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں آئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! اوس نے مجھ سے ظہار کیا ہے اور اگر ہم دونوں میں جدائی ہو جائے تو ہم ہلاک ہو جائیں۔ میری اس سے اولاد ہے اور میں ایک عرصے سے ان کے پاس ہوں۔ یہ تکرار کر رہی تھیں اور رو رہی تھیں۔ ابھی تک اس بارے میں کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ تو یہ آیات عَذَابٌ اَلِیْمٌ تک اتریں۔ سرکار ﷺ نے انہیں بلایا اور فرمایا: کیا تم غلام آزاد کر سکتے ہو؟ اس نے عرض کیا اللہ کی قسم! مجھ میں طاقت نہیں۔ سرکار ﷺ نے ان کے لئے رقم جمع کی انہوں نے اس سے غلام خرید کر آزاد کیا اور بیوی سے رجوع کیا۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے(2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور اکثر مفسرین اسی طرف گئے ہیں۔ واللہ اعلم۔

قولہ تعالیٰ اَلَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ: ظہار یہ ظَهْر سے مشتق ہے۔ زمانہ جاہلیت میں جب کوئی اپنی بیوی سے ظہار کرتا تو اسے کہتا تو مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے۔ پھر شریعت اسلامی میں پیٹھ پر قیاس کرتے ہوئے تمام اعضاء میں ظہار ہوگا۔ یعنی خواہ کسی عضو کا نام لے ظہار ہوگا۔ زمانہ جاہلیت میں ظہار طلاق شمار ہوتا تھا۔ اللہ نے اس امت پر مہربانی فرمائی۔ اس میں کفارہ لازم کیا اور اسے طلاق نہ بنایا۔ جس طرح جاہلیت کا دستور تھا۔ بہت سے سلف سے یہی منقول ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں جب کوئی اپنی بیوی کو اَنْتِ عَلَیَّ كَظَهْرِ اُمِّیْ کہتا تو وہ اس پر حرام شمار ہوتی۔ اسلام میں سب سے پہلے حضرت اوس رضی اللہ عنہ نے ظہار کیا۔ ان کی چچازاد بہن ان کے نکاح میں تھی۔ اسے خولہ بنت ثعلبہ کہا جاتا تھا۔ انہوں نے ظہار کر لیا اور پھر اپنے کئے پر پچھتانے لگے۔ انہوں نے کہا میرے خیال میں تو مجھ پر حرام ہو گئی ہے۔ خولہ نے بھی یہی کہا۔ چنانچہ اپنی اہلیہ کو حضور ﷺ کے پاس بھیجا۔ وہ آپ کے پاس آئیں تو دیکھا کہ ایک ماشطہ آپ کے سر کی کنگھی کر رہی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے خولہ تمہارے بارے میں کوئی حکم ہم پر نازل نہیں ہوا۔ چنانچہ یہ آیت اتری۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا: اے خولہ! تمہیں خوشخبری ہو۔ خولہ نے پوچھا: خیر کا حکم نازل ہوا ہے تو آپ نے قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ سے فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا تک آیت سنائیں۔ یہ کہنے لگیں کون سی گردن؟ اللہ کی قسم وہ میرے علاوہ کسی گردن کے مالک نہیں۔ آپ نے روزوں کا حکم سنایا وہ کہنے لگیں اللہ کی قسم! اگر وہ دن میں تین

1۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 37، سنن ابوداؤد، کتاب الطلاق، جلد 2، صفحہ 266-265، ابن ماجہ، کتاب الطلاق، جلد 1، صفحہ 266-265، عارضۃ الاحوذی تفسیر سورہ مجادلہ، جلد 12، صفحہ 186-185

2۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 6

مرتبہ پانی نہ پیئے تو اس کی بینائی چلی جائے۔ سرکار ﷺ نے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کا حکم سنایا وہ کہنے لگیں: "کہاں سے؟" چند لقموں پر ہمارا دن گزرتا ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے نصف وسق یعنی تیس صاع منگوائے۔ ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور فرمایا: یہ ساٹھ مسکینوں کو کھلادے اور تم سے رجوع کرلے(1)۔ اس کی سند عمدہ اور قوی ہے اور سیاق غریب ہے۔ ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

ابن ابی حاتم نے ابوالعالیہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ خولہ بنت دلیج ایک انصاری کے نکاح میں تھی۔ وہ فقیر، بدسلوکی کرنے والا اور کمزور بصارت والا تھا۔ جاہلیت کا دستور تھا کہ آدمی اپنی عورت کو طلاق دینا چاہتا تو کہتا تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہے۔ اس شخص کی اس عورت سے اولاد بھی تھی۔ ایک روز کسی بات پر جھگڑا ہوا تو اس نے یہی الفاظ کہہ دیئے۔ اس عورت نے کپڑے سمیٹے اور سرکار کی بارگاہ میں حاضر ہوئی۔ آپ اس وقت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کا سر دھو رہی تھیں۔ وہ عورت بچوں سمیت حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میرا خاوند کمزور نظر والا، تنگدست اور بداخلاق ہے۔ میں نے کسی بات پر اصرار کیا تو وہ غصے سے سرخ ہو گیا اور مجھے یہ الفاظ کہہ دیئے کہ تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہے۔ اس کا ارادہ طلاق کا نہ تھا۔ میرے اس سے بچے بھی ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: میری نظر میں تو اس پر حرام ہو گئی ہے۔ وہ کہنے لگی میں اپنی مصیبت کا شکوہ اللہ سے کرتی ہوں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے گھوم کر سر کا دوسرا حصہ دھویا تو وہ عورت بھی ساتھ گھوم گئی اور دوبارہ اپنا واقعہ عرض کیا۔ سرکار ﷺ نے وہی جواب دیا۔ اس نے کہا میں رب کی بارگاہ میں اپنی شکایت پیش کرتی ہوں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ سرکار کا رنگ متغیر ہو رہا ہے۔ آپ نے اس عورت کو ایک طرف ہٹ جانے کا حکم دیا۔ سرکار ﷺ پر غشی کی کیفیت کچھ دیر کے لئے برقرار رہی۔ جب وحی ختم ہوئی تو آپ نے فرمایا عائشہ وہ عورت کدھر ہے؟ آپ نے اسے بلایا تو حضور ﷺ نے اسے فرمایا: جاؤ اپنے خاوند کو لے کر آؤ۔ وہ دوڑتی ہوئی گئیں اور اسے لے آئیں۔ وہ اسی طرح تھا جس طرح اس عورت نے بتایا تھا۔ سرکار ﷺ نے تعوذ اور تسمیہ کے بعد قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ سے لے کر ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا تک آیات کی تلاوت فرمائی اور پوچھا کیا تمہارے پاس غلام ہے جسے اس کو چھونے سے پہلے آزاد کرنا ہوگا۔ اس نے کہا نہیں۔ سرکار ﷺ نے پوچھا کیا دو ماہ کے لگاتار روزے رکھ سکتے ہو؟ اس نے عرض کیا: مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا اگر میں دن میں دو یا تین مرتبہ نہ کھاؤں تو قریب ہے مجھے رتوندا ہو جائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ساٹھ مساکین کو کھانا کھلا سکتے ہو؟ عرض کیا نہیں مگر یہ کہ آپ میری مدد فرمائیں۔ چنانچہ سرکار ﷺ نے اس کی مدد فرمائی اور فرمایا ساٹھ مسکینوں کو کھلاؤ۔ فرمایا: اللہ نے طلاق کو ظہار سے بدل دیا۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے مختصراً ابوالعالیہ سے اسی طرح روایت کیا ہے(2)۔

سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ایلاء اور ظہار زمانہ جاہلیت میں طلاق شمار ہوتے تھے۔ چنانچہ اللہ نے ایلا کے لئے چار ماہ کا وقت متعین فرمایا اور ظہار میں کفارہ مقرر کیا۔ (ابن ابی حاتم) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے "منکم" سے استدلال کیا ہے کہ کافر اس آیت میں داخل نہیں کیونکہ یہ خطاب مؤمنین کو ہے۔ جمہور کی رائے ہے کہ ایسا باعتبار غلبہ کے کہہ دیا گیا ہے۔ اس کا کوئی مفہوم نہیں۔ جمہور علماء نے مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ سے استدلال کیا ہے کہ لونڈی سے ظہار نہیں ہوتا۔ اور وہ اس خطاب میں داخل نہیں۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 28 صفحہ 3

2۔ تفسیر طبری، جلد 28 صفحہ 102، در منثور، جلد 8 صفحہ 77، بیہقی، سنن کبریٰ، جلد 7 صفحہ 385-384

مَا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ .. آدمی کے یہ کہہ دینے سے ''تو مجھ پر میری ماں کی طرح ہے'' وغیرہ بیوی ماں نہیں بن جاتی۔ اس کی ماں وہی ہے جس نے اسے جنا ہے۔

مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا فحش باطل کلام۔

لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ یعنی جاہلیت میں تم سے جو کچھ سرزد ہوا۔ اسی طرح سبقت لسانی سے جو بات منہ سے نکل گئی اور متکلم کا یہ قصد نہ تھا۔ جس طرح ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ایک شخص کو سنا وہ اپنی عورت کو کہہ رہا تھا اے میری بہن۔ آپ نے پوچھا: ''کیا یہ تمہاری بہن ہے؟'' (1) یہ اس کی بات کا انکار ہے لیکن اتنی بات سے وہ عورت اس پر حرام نہیں فرمائی کیونکہ اس کا یہ قصد نہ تھا۔ اور اگر اس کا یہ ارادہ ہوتا تو وہ اس پر حرام ہو جاتی۔ کیونکہ صحیح روایت کے مطابق ماں اور دیگر محارم بہن، پھوپھی اور خالہ وغیرہ میں کوئی فرق نہیں۔

ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا سلف اور آئمہ کا اس آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ لفظ ظہار کی طرف لوٹنے اور اسے دوبارہ کہے۔ یہ قول باطل ہے۔ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے پسند کیا ہے۔ داؤد، فراء (2) اور اہل کلام کے ایک فرقہ کی یہی رائے ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ظہار کیا پھر اس عورت کو روکے رکھا۔ یہاں تک کہ اتنا زمانہ گزر گیا کہ اگر وہ چاہتا تو اس میں طلاق دے سکتا تھا مگر اس نے طلاق نہ دی۔ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جماع کی طرف لوٹے یا لوٹنے کا ارادہ کرلے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے کہ اس سے مراد جماع کا ارادہ یا بسانے کا عزم یا صرف جماع ہے۔ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ تحریم کے بعد اب کوئی ظہار کی طرف لوٹے۔ پس جب آدمی اپنی عورت سے ظہار کرے تو وہ اس پر حرام ہو جائے گی جب تک کفارہ ادا نہ کرے۔ اصحاب ابوحنیفہ اور لیث بن سعد کا یہی قول ہے۔ ابن لہیعہ نے سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ وہ جماع کی طرف لوٹنا چاہتے ہیں جسے انہوں نے اپنے اوپر حرام کرلیا تھا۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے فرج میں جماع کرنا کیونکہ ان کی رائے میں کفارہ سے قبل چھونے میں کوئی حرج نہیں۔

مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ مس سے مراد نکاح ہے۔ عطاء، زہری، قتادہ اور مقاتل بن حیان رحمہما اللہ تعالیٰ کا یہی قول ہے۔ زہری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس کے ساتھ بوس و کنار کفارہ ادا کرنے سے قبل جائز نہیں۔ اہل سنن نے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! میں نے اپنی عورت سے ظہار کیا اور کفارہ سے قبل اس سے جنسی ملاپ کرلیا۔ فرمایا: ''اللہ تم پر رحم کرے'' کس چیز نے تمہیں اس پر مجبور کیا تھا۔ وہ کہنے لگا میں نے چاند کی روشنی میں اس کا پازیب دیکھا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ کے حکم کے مطابق کفارہ ادا کرنے سے قبل اس کے قریب نہ جانا۔

ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن غریب صحیح قرار دیا۔ ابوداؤد اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے مرسلاً روایت کیا ہے۔ نسائی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ صحیح یہی ہے (3)۔

قولہ تعالیٰ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ اسے چھونے سے قبل مکمل غلام آزاد کرنا۔ یہاں رقبہ (غلام) کا لفظ مطلق ہے یہاں ایمان کی قید نہیں۔ اور کفارہ قتل میں مومن غلام آزاد کرنے کی شرط ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مطلق کو اس مقید پر محمول کیا ہے اتحاد موجب کی وجہ

1۔ سنن ابوداؤد، کتاب الطلاق، جلد 2 صفحہ 264 2۔ فراء، معانی القرآن، جلد 3 صفحہ 139

3۔ سنن ابوداؤد، کتاب الطلاق، جلد 2 صفحہ 268، عارضۃ الاحوذی، کتاب الطلاق، جلد 5، صفحہ 177-176، نسائی، کتاب الطلاق، جلد 4 صفحہ 380، ابن ماجہ، کتاب الطلاق، جلد 1 صفحہ 667-666

سے اور وہ غلام آزاد کرنا ہے۔ اس کی تائید امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے بھی ہوتی ہے کہ حضور ﷺ نے ایک سیاہ فام لونڈی کے بارے فرمایا تھا۔ اسے آزاد کردو یہ مومنہ ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اپنی مسند اور مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے(1)۔

ابوبکر بزار رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا میں نے اپنی عورت سے ظہار کرلیا ہے اور کفارہ ادا کرنے سے قبل مجامعت بھی کر بیٹھا ہوں۔ سرکار ﷺ نے فرمایا: کیا اللہ نے مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا کی قید نہیں لگائی۔ عرض کیا: مجھے بیوی اچھی لگی تھی۔ فرمایا: کفارہ ادا کرنے سے قبل رکے رہو۔

بزار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس سے بہتر روایت مروی نہیں۔ اسماعیل بن مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں علماء اسماء الرجال نے کلام کیا ہے۔ اہل علم کی ایک جماعت نے ان سے روایت کیا ہے۔ اس سے یہ سمجھ آتی ہے کہ سرکار ﷺ نے اسے صرف ایک کفارہ ہی ادا کرنے کا حکم فرمایا۔

تُوْعَظُوْنَ بِهٖ تمہیں نصیحت کی جاتی ہے۔ خَبِيْرٌ تمہاری مصلحتوں سے خبردار اور تمہارے احوال کا جاننے والا ہے۔ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ۔ اس ترتیب کے ساتھ کفارہ ادا کرنے کی مرویات گزر چکی ہیں۔ جس طرح صحیحین میں ہے کہ حضور ﷺ نے رمضان میں اپنی بیوی سے جماع کرنے والے کو بھی فرمایا تھا۔ ہم نے یہ احکام اس لئے مقرر کئے ہیں کہ اللہ پر تمہارا کامل ایمان ہو جائے۔

وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ یہ خدا کی مقرر کردہ حدیں ہیں اس کے محارم ہیں۔ ان کی بے حرمتی نہ کرو۔

وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ جو ایمان نہ لائے اور اس شریعت کے احکام کا التزام نہ کیا، یہ مت سمجھو کہ وہ نجات پا جائیں گے۔ ہرگز ایسا نہیں ہوگا جس طرح انہوں نے گمان کیا ہے بلکہ ان کے لئے دنیا اور آخرت دونوں میں دردناک عذاب ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

"بے شک جو لوگ مخالفت کر رہے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی انہیں ذلیل کیا جائے گا جس طرح ذلیل کئے گئے وہ (مخالفین) جو ان سے پہلے تھے، اور بیشک ہم نے اتاری ہیں روشن آیتیں۔ اور کفار کے لئے رسوا کن عذاب ہے۔ (یاد کرو) جس روز اللہ تعالیٰ ان سب کو زندہ کرے گا پھر انہیں آگاہ کرے گا جو کچھ انہوں نے کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو گن رکھا ہے اور وہ بھلا چکے، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر شاہد ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ یقیناً اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں

1۔ یہ حدیث تفسیر سورۃ نساء آیت: 92 کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

اور جو کچھ زمین میں ہے۔ نہیں ہوتی کوئی سرگوشی تین آدمیوں میں مگر وہ ان کا چوتھا ہوتا ہے اور نہ پانچ میں مگر وہ ان کا چھٹا ہوتا ہے اور نہ اس سے کم میں اور نہ زیادہ میں مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے، جہاں کہیں وہ ہوں۔ پھر وہ انہیں آگاہ کرے گا جو (کرتوت) وہ کرتے رہے، قیامت کے دن۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے"۔

اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی اور اس کی شریعت سے سرکشی کی۔

کُبِتُوْا کَمَا کُبِتَ یعنی ان کی اہانت کی جائے گی۔ لعنت اور رسوائی ان کا مقدر ہے جس طرح ان کے پیش رو لوگوں کے ساتھ ہوا۔

اٰیٰتٍ بَیِّنٰتٍ: واضح۔ ان سے سرکشی نہیں کرتا یا ان کی مخالفت نہیں کرتا مگر کافر فاجر مکابر۔

عَذَابٌ مُّهِیْنٌ اس لئے کہ انہوں نے شریعت النبی کی اتباع کرنے اور اس کے سامنے سر تسلیم خم کرنے سے انکار کیا۔

یَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِیْعًا روز قیامت اولین وآخرین کو ایک ہی جگہ جمع کرے گا۔

فَیُنَبِّئُهُمْ آگاہ کرے گا جو خیر و شر وہ کرتے رہے تھے۔

اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَ نَسُوْهُ اللہ نے اسے لکھ کر محفوظ رکھا ہوا ہے حالانکہ وہ اسے بھول چکے تھے۔

عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ اس سے کوئی چیز غائب نہیں اور نہ پوشیدہ، اور نہ وہ کوئی چیز فراموش کرتا ہے پھر اللہ تعالیٰ مخلوق کے بارے میں اپنے علم کے احاطہ اور مطلع ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ وہ جہاں ہوں اس کی نظر میں ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ ... مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ تین کی سرگوشی۔

اَیْنَ مَا كَانُوْا ان پر مطلع ہے ان کی گفتگو عیاں ہو یا پوشیدہ اسے سنتا ہے۔ اس کے باوجود اس کے نمائندے سب کچھ لکھ رہے ہیں۔ جیسے ایک اور آیت میں ہے: اَلَمْ یَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَ نَجْوٰىهُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ (توبہ:68)۔ اور فرمایا: اَمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَ نَجْوٰىهُمْ ؕ بَلٰى وَ رُسُلُنَا لَدَیْهِمْ یَكْتُبُوْنَ (زخرف:80)۔ اکثر علماء نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ اس آیت سے مراد معیت علمی ہے۔ اور یہ معنی مراد لینے میں کوئی شبہ بھی نہیں۔ مزید برآں اس کی سماعت ان کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہے اور اس کی بصارت ان میں نافذ (آر پار) ہے۔ وہ ذات قدوس اپنی مخلوق سے آگاہ ہے۔ اس سے ان کی کوئی چیز مخفی نہیں۔

بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ آیت کا افتتاح بھی اور خاتمہ بھی علم سے ہوا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَ یَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ مَعْصِیَتِ الرَّسُوْلِ٘ وَ اِذَا جَآءُوْكَ حَیَّوْكَ بِمَا لَمْ یُحَیِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَ یَقُوْلُوْنَ فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ لَوْ لَا یُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ؕ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ یَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ۝ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَنَاجَیْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ مَعْصِیَتِ الرَّسُوْلِ وَ تَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَ التَّقْوٰى ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْۤ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّیْطٰنِ لِیَحْزُنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ لَیْسَ بِضَآرِّهِمْ شَیْـًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝

’’کیا تم نے نہیں دیکھا ان لوگوں کی طرف جنہیں (اسلام کے خلاف) سرگوشیوں سے روکا گیا پھر دوبارہ وہی کرتے ہیں جس سے انہیں روکا گیا اور سرگوشیاں کرتے ہیں گناہ، ظلم اور رسول کی نافرمانی کے بارے میں۔ اور جب آپ کی خدمت میں آتے ہیں تو آپ کو اس طرح سلام دیتے ہیں جیسے اللہ نے آپ کو سلام نہیں دیا۔ اور وہ کہا کرتے ہیں آپس میں کہ (اگر یہ سچے رسول ہیں) تو اللہ تعالیٰ ہماری ان باتوں پر ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا۔ کافی ہے انہیں جہنم، اس میں داخل ہوں گے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔ اے ایمان والو! جب تم خفیہ مشورہ کرو تو مت خفیہ مشورہ کرو گناہ، زیادتی اور رسول (کریم) کی نافرمانی کے متعلق بلکہ نیکی اور تقویٰ کے بارے میں مشورہ کیا کرو، اور ڈرتے رہو اللہ سے جس کی (بارگاہ میں) تمہیں جمع کیا جائے گا۔ (کفار کی) سرگوشیاں تو شیطان کی طرف سے ہیں، تاکہ وہ غمزدہ کردے ایمان والوں کو حالانکہ وہ انہیں کچھ بھی ضرر نہیں پہنچا سکتا اللہ کے حکم کے بغیر۔ اور اللہ پر ہی توکل کرنا چاہئے اہل ایمان کو‘‘۔

نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى۔۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس سے مراد یہود ہیں(1)۔ مقاتل اور ابن حیان رحمہما اللہ تعالیٰ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اور یہود کے درمیان صلح کا معاہدہ تھا۔ یہود کی یہ عادت تھی کہ جب کوئی صحابی ان کے پاس سے گزرتا تو وہ بیٹھ کر آپس میں سرگوشیاں کرنے لگتے۔ حتیٰ کہ مومن یہ گمان کرتا کہ وہ اس کے قتل یا اسے آزار پہنچانے کے منصوبے بنا رہے ہیں۔ مومن یہ بات دیکھ کر خدشہ محسوس کرتا اور راستہ بدل لیتا۔ چنانچہ حضور ﷺ نے انہیں سرگوشیاں کرنے سے منع فرمایا۔ لیکن وہ اپنی عادات خبیثہ سے باز نہ آئے تو یہ آیت نازل ہوئی: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى۔۔۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم لوگ باری باری رات کو حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے کہ اگر کوئی خدمت ہو تو انجام دیں۔ ایک رات باری والے بھی آگئے اور ثواب کی نیت سے کچھ اور لوگ بھی آگئے۔ ہم ٹولیاں بن کر ادھر ادھر بیٹھ کر باتیں کرنے لگے کہ سرکار باہر تشریف لائے اور فرمایا: یہ سرگوشیاں کیا ہیں؟ کیا تمہیں سرگوشیوں سے روکا نہیں گیا۔ ہم نے عرض کیا ہماری توبہ۔ ہم تو مسیح الدجال کا ذکر کر رہے تھے اس کے ڈر کی وجہ سے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہیں اس سے بھی زیادہ خوفناک چیز کے بارے میں نہ بتلاؤں؟ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیوں نہیں۔ فرمایا: مخفی شرک یہ ہے کہ آدمی کسی کو دکھانے کے لئے کوئی کام کرے(2)۔ اس کی سند غریب ہے اور اس میں کچھ ضعیف راوی بھی ہیں۔

وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ کی باتیں کرتے ہیں۔ جس کا تعلق ان کے ساتھ ہے۔

وَالْعُدْوَانِ جس میں دوسروں کا نقصان ہو۔ جیسے حضور کی نافرمانی اور مخالفت۔ وہ اس پر اصرار کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو اس کی وصیت کرتے ہیں۔

قولہ تعالیٰ: وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں کچھ یہودی آئے۔ اور کہنے لگے السام علیک یا اباالقاسم۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواباً کہا وعلیکم السام۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے عائشہ! اللہ تعالیٰ بدکلامی اور یاوہ گوئی کو پسند نہیں کرتا۔ میں نے عرض کیا: کیا آپ نے نہیں سنا وہ السام علیک کہہ رہے تھے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: کیا تم نے سنا جو کچھ میں نے کہا؟ وعلیکم۔ تو یہ آیت نازل ہوئی: وَاِذَا جَآءُوْكَ۔ صحیح کی

1۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 13 2۔ یہ حدیث سورۂ کہف کی آیت: 110 کی تفسیر گزر چکی ہے۔ درمنثور، جلد 8، صفحہ 80

روایت میں ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہیں جواباً فرمایا: علیکم السام و الذام و اللعنۃ۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ہماری دعا ان کے حق میں مقبول ہے اور ان کی دعا ہمارے حق میں مقبول نہیں (1)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ ایک یہودی آیا سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ سرکار ﷺ نے پوچھا تمہیں پتہ ہے اس نے کیا کہا؟ سب نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! اس نے سلام کیا۔ آپ نے فرمایا: نہیں بلکہ اس نے کہا ہے سام علیکم یعنی تمہارا دین مغلوب ہو جائے۔ سرکار ﷺ نے فرمایا اسے واپس لاؤ۔ اسے واپس بلایا گیا۔ حضور ﷺ نے پوچھا تم نے سام علیکم کہا تھا؟ اس نے عرض کیا ہاں تو حضور ﷺ نے فرمایا: اہل کتاب میں سے کوئی جب تم کو سلام کہے تو کہو "علیک" ای علیك ما قلت۔ (جو تم نے کہا تجھ پر ہی ہو) (2)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایتیں صحیح میں موجود ہیں (3)۔

وَيَقُولُونَ فِيٓ أَنفُسِهِمْ یعنی ایسا کرتے ہیں اور کلام اور سلام کو مبہم رکھ کر تحریف کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یہ اندرون خانہ دشنام طرازی ہے۔ اس کے باوجود وہ آپس میں کہتے ہیں کہ اگر یہ سچے نبی ہوتے تو عذاب خداوندی ہمیں نابود کر کے رکھ دیتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ پوشیدہ باتوں سے بھی آگاہ ہے۔ اگر یہ سچے نبی ہوتے تو دنیا میں ہی فوراً خدا کا عذاب ہمیں تہس نہس کر کے رکھ دیتا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ان آخرت میں جہنم ہی ان کے لئے کافی ہے۔

يَصْلَوْنَهَا ۖ فَبِئْسَ الْمَصِيرُ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اس آیت کا شان نزول یہودیوں کا متذکرہ بالا طریقے پر سلام تھا۔ اس کی اسناد حسن ہے اور شیخین نے اسے روایت نہیں کیا (4)۔

عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ منافق حضور ﷺ کو اسی طرح سلام کرتے تھے تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی (5)۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِذَا ... پھر اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو ادب سکھاتے ہوئے فرما رہا ہے کہ کفار اور منافقین کی طرح نہ ہو جاؤ۔

فَلَا تَتَنَٰجَوْا۟ اس طرح مشورہ نہ کیا کرو جیسے کافر اہل کتاب کے جہلا، اور گمراہی میں ان کے ہمنوا منافقین کرتے ہیں۔

ٱلَّذِىٓ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ وہ تمہیں تمہارے اعمال و اقوال کے بارے میں آگاہ کرے گا جو اس نے گن گن کر رکھے ہوئے ہیں اور عنقریب تمہیں اس پر جزاء بھی دے گا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت صفوان بن محرز رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھا کہ آپ کو ایک آدمی ملا۔ اس نے کہا قیامت کے دن کی سرگوشی کے بارے میں آپ نے حضور ﷺ سے کیا سنا ہے؟ آپ نے فرمایا: میں نے حضور ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن کو اپنے قریب کرے گا یہاں تک کہ اسے اپنے ظل عاطفت سے ڈھانپ لے گا اور لوگوں سے اسے پردے میں کر لے گا اور اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کروائے گا اور کہے گا کیا تم جانتے ہو تم نے فلاں گناہ کیا تھا؟ فلاں گناہ کیا تھا۔ فلاں گناہ کیا تھا۔ حتیٰ کہ جب وہ گناہوں کا اقرار کر چکے گا اور یہ خیال کرے گا کہ میں مارا گیا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں نے دنیا میں تیری پردہ پوشی کی اور آج انہیں بخش رہا ہوں۔ پھر اسے نیکیوں کا

1۔ بخاری، کتاب الادب، فتح الباری، جلد 10 صفحہ 452 — 2۔ تفسیر طبری، جلد 28 صفحہ 15، فتح الباری، کتاب الاستئذان، جلد 11 صفحہ 42-41

3۔ فتح الباری، کتاب الاستئذان، جلد 11 صفحہ 42-41، مسلم، کتاب السلام، جلد 4 صفحہ 1807-186

4۔ مسند امام احمد، جلد 2 صفحہ 170 — 5۔ تفسیر طبری، جلد 28 صفحہ 14

اعمال نامہ بایا جائے گا۔ کفار اور منافقین کے بارے میں گواہ پکار کر کہیں گے انہوں نے اپنے رب پر جھوٹ باندھا۔ خبردار ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے (1)۔ صحیحین میں اسی طرح ہے (2)۔

اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ   سرگوشی جس سے مومن کو غلط فہمی ہو۔ یہ سرگوشیاں شیطان کی انگیخت سے ہوتی ہیں۔

لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تاکہ مسلمان ہراساں ہوں اور وہ انہیں کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتا مگر اللہ کے حکم سے۔ جو کوئی ایسا خدشہ محسوس کرے تو اعوذ باللہ پڑھے اور اللہ پر بھروسہ کرے اسے وہ چیز نقصان نہیں پہنچائے گی مگر اللہ کے حکم سے۔ حدیث مبارکہ میں ایسی سرگوشی سے منع کیا گیا ہے جس میں مومن کے لئے تکلیف ہو۔ جس طرح امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: اگر تم تین آدمی اکٹھے بیٹھے ہو تو تیسرے کو چھوڑ کر دو آپس میں سرگوشی نہ کرو۔ یہ اس کے لئے اذیت کا باعث ہے (3)۔ عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم تین آدمی بیٹھے ہو تو تیسرے کو چھوڑ کر آپس میں سرگوشی نہ کرنے لگ جاؤ مگر جب وہ اجازت دے کیونکہ وہ آدمی اس طرح آزردہ خاطر ہوگا۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو بیان کیا ہے (4)۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَ اِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ⑪

"اے ایمان والو! جب تمہیں کہا جائے کہ (آنے والوں کے لئے) جگہ کشادہ کرو مجلس میں تو کشادہ کر دیا کرو اللہ تمہارے لئے کشادگی فرمائے گا۔ اور جب کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہوا کرو اللہ تعالیٰ ان کے جو تم میں سے ایمان لے آئے اور جن کو علم دیا گیا درجات بلند فرما دے گا، اور اللہ تعالیٰ جو تم کرتے ہو اس سے خوب آگاہ ہے"۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے مومن بندوں کو ادب سکھاتے ہوئے یہ حکم فرما رہا ہے کہ مجالس میں ایک دوسرے سے اچھائی کے ساتھ پیش آؤ۔ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ سے فی المجلس بھی پڑھا گیا ہے (5)۔

يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ کیونکہ جزا عمل کی جنس سے ہوتی ہے جس طرح صحیح حدیث میں ہے: "جس نے اللہ کے لئے مسجد بنائی اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا (6)"۔ ایک دوسری حدیث میں ہے: "جس نے کسی تنگ دست پر آسانی کی اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس پر آسانی فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی مدد میں ہوتا ہے جب تک وہ بندہ اپنے مسلمان بھائی کی مدد میں لگا رہے (7)"۔ اس طرح کی بہت سی حدیثیں ہیں۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت مجالس ذکر کے بارے میں نازل ہوئی کیونکہ جو لوگ حضور ﷺ کے پاس پہلے سے

1۔ یہ حدیث سورہ ہود آیت: 18 کی تفسیر میں گزر چکی ہے
2۔ ایضاً مرجع مذکور
3۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 432-431، مسلم، کتاب السلام، جلد 4، صفحہ 1718، تحفۃ الاشراف، جلد 7، صفحہ 40
4۔ مصنف عبدالرزاق، جلد 11، صفحہ 26، مسلم، کتاب السلام، جلد 4، صفحہ 1718
5۔ اتحاف ابناء العباد، جلد 2، صفحہ 782
6۔ متفق علیہ، صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 544، مسلم، کتاب المساجد، جلد 1، صفحہ 378
7۔ مسلم، کتاب الذکر، جلد 4، صفحہ 2074

بیٹھے ہوتے وہ کسی نئے آنے والے کو دیکھتے تو حضور ﷺ کی قریبی جگہ پر براجمان رہنے کی کوشش کرتے۔ تو اللہ نے انہیں یہ حکم دیا کہ آنے والوں کے لئے جگہ کشادہ کریں (1)۔ حضرت مقاتل بن حیان رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ یہ آیت جمعہ کے دن نازل ہوئی۔ سرکار دو عالم ﷺ اس روز اصحاب صفہ کے چبوترے پر تشریف فرما تھے۔ جگہ تنگ تھی۔ آپ ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ بدری مہاجرین و انصار کی تکریم فرمایا کرتے تھے۔ اس اثناء میں کچھ بدری صحابہ آ گئے۔ مجلس میں جگہ نہ تھی۔ حضور ﷺ کے سامنے کھڑے ہو کر انہوں نے سلام کیا۔ سرکار ﷺ نے سلام کا جواب دیا۔ پھر حاضرین کو سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ وہ کھڑے ہو کر یہ انتظار کرنے لگے کہ ان کے لئے جگہ بنائی جائے گی لیکن کوئی شخص اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ حضور ﷺ ان کے کھڑے ہونے کا مقصد سمجھ گئے۔ آپ ﷺ کو یہ بات ناگوار گزری۔ آپ کے اردگرد غیر بدری مہاجرین و انصار میں سے کچھ لوگ موجود تھے۔ آپ نے فرمایا اے فلاں کھڑے ہو جاؤ۔ اے فلاں تم کھڑے ہو جاؤ۔ اسی طرح آپ نے سب کھڑے لوگوں کو بٹھایا۔ جسے مجلس سے اٹھایا گیا تھا، اسے یہ بات گراں گزری۔ جس کے آثار نبی کریم ﷺ نے ان کے چہروں پر دیکھ لئے۔ منافقین کہنے لگے تم تو کہتے تھے کہ ہمارے نبی لوگوں کے درمیان عدل کرتے ہیں۔ بخدا ہم نے ایسا عدل آج تک نہیں دیکھا کہ کچھ لوگ اپنی جگہ بیٹھے ہیں اور اپنے نبی کے قریب بیٹھنا چاہتے ہیں۔ ان کا نبی انہیں اٹھا کر بعد میں آنے والوں کو بٹھا رہا ہے۔ ہم نے سنا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ اس شخص پر رحم فرمائے جو اپنے بھائی کے لئے جگہ کشادہ کرتا ہے۔ چنانچہ اس کے بعد لوگ جلدی سے اٹھنے لگے اور تاخیر سے آنے والوں کو جگہ دینے لگے اور یہ آیت جمعہ کے دن نازل ہوئی۔ (ابن ابی حاتم)(2)۔ امام احمد اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: کوئی شخص کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ نہ بیٹھے۔ لیکن سمٹ جاؤ اور کشادگی پیدا کرو۔ یہ روایت صحیحین میں بھی ہے (3)۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: کوئی آدمی جمعہ کے دن اپنے بھائی کو نہ اٹھائے بلکہ یوں کہے: "کشادگی پیدا کرو (4)۔" یہ سنن کی شرط پر ہے۔ انہوں نے اسے روایت نہیں کیا۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: کوئی شخص کسی کو اس کی جگہ سے نہ اٹھائے۔ لیکن کشادگی پیدا کرو اللہ تم پر وسعت فرمائے گا (5)۔ احمد رحمۃ اللہ علیہ اس روایت میں منفرد ہیں (6)۔ کسی آنے والے کے لئے کھڑا ہونا جائز ہے یا نہیں فقہاء کا اس بارے میں اختلاف ہے۔ بعض لوگوں نے حدیث "قُومُوا إِلَى سَيِّدِكُمْ" (اپنے سردار کے لئے کھڑے ہو جاؤ) سے جواز پر استدلال کیا ہے (7)۔ بعض ممانعت کی طرف گئے ہیں۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَتَمَثَّلَ لَهُ الرِّجَالُ قِيَامًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ "جو شخص یہ پسند کرے کہ لوگ اس کے لئے کھڑے ہوں۔ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے" (8)۔

بعض علماء نے اس میں فرق کیا ہے اور کہا ہے کہ اگر کوئی سفر سے آیا ہو یا حاکم کے لئے اس کے محل ولایت میں کھڑا ہونا جائز ہے۔ جس طرح کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے۔ یہ بنو قریظہ کے لئے حکم بنائے گئے تھے۔ جب سرکار ﷺ نے انہیں آتے

1۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 17
2۔ درمنثور، جلد 8، صفحہ 81
3۔ فتح الباری، کتاب الجمعۃ، جلد 2، صفحہ 393، مسلم کتاب السلام، جلد 4، صفحہ 1714
4۔ مسند الشافعی، جلد 2، صفحہ 187
5۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 523-483-338
6۔ ایضاً مرجع مذکور
7۔ یہ حدیث سورۃ احزاب آیت: 27 کی تفسیر میں گزر چکی ہے، ابوداؤد، جلد 4، صفحہ 355
8۔ ابوداؤد، ترمذی، کتاب الادب، سنن ابوداؤد، جلد 4، صفحہ 358، عارضۃ الاحوذی، جلد 10، صفحہ 214-213، طبرانی، المعجم الکبیر، دیکھئے المجمع، جلد 8، صفحہ 40

ہوئے دیکھا تو مسلمانوں سے فرمایا: اپنے سردار کے لئے کھڑے ہو جاؤ(1)۔ یہ اس لئے تھا کہ آپ کی ثالثی کو نافذ کروایا جائے۔ واللہ اعلم۔ لیکن یہ عادت بنالینا عجمیوں کا شعار ہے۔ سنن میں ہے کہ صحابہ کرام کے نزدیک کوئی شخص حضور ﷺ سے زیادہ محبوب نہ تھا۔ لیکن آپ کو آتا دیکھ کر وہ کھڑے نہیں ہوتے تھے کیونکہ انہیں حضور ﷺ کی ناپسندیدگی کا علم تھا۔ سنن میں مروی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ آتے ہی مجلس کے خاتمہ پر بیٹھ جایا کرتے تھے۔ لیکن جہاں آپ بیٹھتے وہی صدارت کی جگہ بن جاتی۔ صحابہ کرام حسب مراتب بیٹھا کرتے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آپ کے دائیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے بائیں بیٹھتے اور آپ کے سامنے اکثر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ یا حضرت علی رضی اللہ عنہ بیٹھتے۔ کیونکہ یہ دونوں کاتبین وحی سے تھے۔ سرکار ﷺ انہیں اس کا حکم فرمایا کرتے تھے۔ جس طرح مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ فرمایا کرتے تھے: "فہم و فراست والے لوگ میرے قریب بیٹھا کریں۔ پھر درجہ بدرجہ(2)"۔

اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ حضور ﷺ کے ارشادات کو بخوبی سمجھیں اسی لئے صفہ والی مجلس میں (جس کا ذکر اوپر ہوا) ان لوگوں کو مجلس سے اٹھنے کا حکم دیا گیا تاکہ بدری لوگ ان کی جگہ بیٹھیں اس کی وجہ یا تو یہ ہوسکتی ہے کہ انہوں نے بدریوں کے مرتبے کا خیال نہ رکھا۔ یا پھر یہ بھی ہوسکتی ہے کہ بدری لوگ بھی علم سے اپنا حصہ لیں جس طرح پہلے لوگ لے چکے تھے۔ یا پھر یہ بھی ہوسکتی ہے کہ انہیں یہ تعلیم دینا مقصود ہو کہ افضل کو امام کے قریب بٹھائیں اور انہیں اپنے سے مقدم رکھیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نماز سے قبل ہمارے مونڈھے پکڑ کر صفیں درست کرایا کرتے اور یہ فرماتے: "سیدھے کھڑے ہو، ترچھے نہ ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو تمہارے دل بھی ٹیڑھے ہو جائیں۔ مجھ سے قریب عقل رسا اور فہم و ذکا والے لوگ کھڑے ہوں پھر اسی طرح درجہ بدرجہ"۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "آج تم لوگ صفوں کو بہت ٹیڑھا رکھتے ہو(3)۔ مسلم اور اصحاب سنن نے اسی طرح روایت کیا ہے ماسوائے ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے(4)۔ جب آپ ﷺ کا یہ حکم نماز کے لئے تھا کہ عقلاء اور علماء آپ کے پیچھے ہوں تو نماز کے علاوہ دیگر اوقات میں تو بدرجہ اولیٰ یہی حکم رہے گا۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "صفیں سیدھی رکھو، کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے ہو۔ شگاف کو بند کرو۔ اپنے بھائیوں کے ساتھ نرم بن جایا کرو۔ شیطان کے لئے خالی جگہیں نہ چھوڑو جس نے صف کو ملایا اللہ اسے ملائے گا۔ جس نے صف کو قطع کیا اللہ اسے کاٹ دے گا(5)"۔ چنانچہ سید القراء حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ جب پہلی صف کے پاس پہنچتے تو کسی عامی کو پیچھے ہٹا دیتے اور اگلی صف میں شامل ہو جاتے اور اس حدیث سے استدلال فرماتے: لیلینی منکم...۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر اگر کوئی شخص کھڑا ہوتا تو آپ اس کی جگہ نہ بیٹھتے اس حدیث کے مطابق جسے ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔ ہم اتنی مقدار پر اکتفا کرتے ہیں ورنہ اس آیت کی تفصیل کسی اور جگہ کی محتاج ہے۔

صحیح حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ تشریف فرما تھے کہ تین افراد آئے۔ ایک کو حلقے میں جگہ مل گئی وہ وہاں بیٹھ گیا۔ دوسرا لوگوں کے

1۔ مسلم، کتاب الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 323 2۔ ایضاً مرجع مذکور

3۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 122، مسلم، کتاب الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 323، ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 180، نسائی، جلد 2، صفحہ 88-87، کتاب الصلوٰۃ، سنن ابن ماجہ، کتاب الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 213

4۔ ایضاً مرجع مذکور 5۔ سنن ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 179-178

پیچھے بیٹھ گیا اور تیسرے نے واپسی کے لئے پیٹھ موڑی۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہیں تینوں کے بارے میں خبر نہ دوں پہلے نے اللہ کی پناہ مانگی۔ اللہ نے بھی اسے پناہ دے دی۔ دوسرے نے حیاء کیا تو اللہ نے بھی اس کا شرم کیا۔ تیسرے نے منہ موڑ لیا تو اللہ نے بھی اس سے منہ موڑ لیا(1)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: کسی آدمی کے لئے جائز نہیں کہ دو شخصوں کے درمیان تفریق کرے مگر ان کی اجازت سے (2)۔ ابوداؤد اور ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے روایت کیا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن قرار دیا ہے(3)۔ حضرت حسن بصری اور ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ نے فرمایا ہے کہ مجالس کی کشادگی کا حکم جہاد کے دوران ہے۔

وَ اِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا حضرت ابن عباس اور حسن بصری رضی اللہ عنہما کے نزدیک مراد لڑائی کے لئے کمربستہ ہو جانا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جب تمہیں بھلائی کی طرف بلایا جائے تو اس پر لبیک کہو۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے جب تمہیں نماز کے لئے پکارا جائے تو اٹھ کھڑے ہوا کرو۔ حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ صحابہ جب نبی کریم ﷺ کے پاس ہوتے تو واپسی پر ہر ایک کی خواہش ہوتی کہ وہ سب سے آخر میں جائے۔ یہ بات حضور ﷺ کو گراں گزرتی۔ بسا اوقات آپ کو کوئی کام ہوتا۔ تو انہیں حکم دیا گیا کہ جب واپسی کا حکم ہو تو واپس ہو جایا کرو جیسے اس آیت میں ہے: وان قيل لكم ارجعوا فارجعوا۔

قولہ تعالیٰ يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ یہ نہ سمجھو کہ اگر تم نے اپنے بھائی کے لئے جگہ وسیع کی جب وہ آیا۔ یا جس وقت واپسی کا حکم ہو تو باہر نکلنا آپ کے حق میں کمی ہے بلکہ اللہ کے ہاں یہ بلند رتبہ ہے اور اللہ اسے ضائع نہیں فرمائے گا بلکہ دنیا و آخرت دونوں میں اس پر جزا عطا فرمائے گا۔ جس نے اللہ کے لئے تواضع کی، اللہ اس کی قدر کو بلند فرمائے گا اور اس کا ذکر پھیلائے گا۔

خَبِيْرٌ آگاہ ہے اس سے جو اس بات کا مستحق ہے اور جو مستحق نہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ نافع بن عبدالحارث کی ملاقات عسفان کے مقام پر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں مکہ کا عامل بنایا تھا۔ آپ نے پوچھا اپنا قائم مقام کسے بنا کر آئے ہو؟ انہوں نے عرض کیا ابن ابزیٰ کو۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تم نے مولیٰ (آزاد کردہ غلام) کو ان پر عامل بنایا ہے؟ انہوں نے عرض کی امیر المومنین وہ کتاب اللہ کے قاری، ماہر فرائض اور اچھے واعظ ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہارے نبی ﷺ کا فرمان ہے: " بے شک اللہ تعالیٰ اس کتاب (قرآن کریم) کی وجہ سے ایک قوم کو بلند مرتبہ عطا فرماتا ہے اور دوسری کو پست فرماتا ہے(4) "۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے اور یہ متعدد سندوں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ علم اور اہل علم کی فضیلت میں نے بخاری کی کتاب العلم کی شرح میں ذکر کی ہے۔ وللہ الحمد و المنۃ۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَ اَطْهَرُ ؕ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ؕ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا

1۔ متفق علیہ، فتح الباری، کتاب العلم، جلد 1، صفحہ 156، مسلم، کتاب السلام، جلد 4، صفحہ 1713

2۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 213، ابوداؤد، کتاب الادب، جلد 4، صفحہ 292، ترمذی، کتاب الادب عارضۃ الاحوذی، جلد 10، صفحہ 211-210

3۔ ایضاً مرجع مذکور

4۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 35، مسلم، کتاب الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 585

الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝

"اے ایمان والو! جب تنہائی میں بات کرنا چاہو رسول (مکرم) سے تو سرگوشی سے پہلے صدقہ دیا کرو۔ یہ بات تمہارے لئے بہتر ہے اور (دلوں کو) پاک کرنے والی ہے۔ اور اگر تم (اس کی سکت) نہ پاؤ تو بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ کیا تم (اس حکم سے) ڈر گئے کہ تمہیں سرگوشی سے پہلے صدقہ دینا چاہئے۔ پس جب تم ایسا نہیں کر سکے تو اللہ نے تم پر نظر کرم فرمائی (پس اب) تم نماز صحیح صحیح ادا کیا کرو اور زکوۃ دیا کرو، اور تابعداری کیا کرو اللہ اور اس کے رسول کی اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو تم کرتے رہتے ہو"۔

اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو حکم فرما رہا ہے کہ ان میں سے کوئی اگر حضور ﷺ سے علیحدگی میں بات کرنا چاہے تو اس سرگوشی سے پہلے صدقہ دیا کرے۔ یہ تمہارے لئے پاکیزگی اور تزکیہ کا باعث ہے نیز تاکہ تم اس قابل بن جاؤ کہ میرے پیغمبر سے مشورہ کر سکو۔

فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا مگر جو اپنے فقر و تنگدستی کی وجہ سے عاجز ہو۔

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ یہ حکم صرف اس کے لئے جو اس پر قادر ہو یعنی مالدار ہو۔

ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا کیا تمہیں مناجات سے قبل صدقہ دینے کے اس حکم کے باقی رہ جانے کا خدشہ تھا۔

فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ ۔ چنانچہ اس کا وجوب منسوخ کر دیا گیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوا اور کسی نے اس آیت پر عمل نہیں کیا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ صدقہ دینے سے قبل مناجات کرنے سے انہیں روک دیا گیا تو صرف حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے سرگوشی سے قبل صدقہ دینے کا شرف حاصل کیا۔ آپ نے ایک دینار صدقہ کر کے دس مسائل دریافت کئے پھر رخصت کا حکم نازل ہو گیا(1)۔ لیث بن ابی سلیم نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کتاب اللہ میں ایک آیت ایسی ہے جس پر مجھ سے پہلے کسی نے عمل نہیں کیا اور نہ میرے بعد کوئی اس پر عمل کرے گا۔ میرے پاس ایک دینار تھا۔ میں نے اسے دس درہم سے تبدیل کیا۔ میں جب آپ سے سرگوشی کرتا تو پیشگی ایک درہم صدقہ دیتا۔ پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ اس آیت پر مجھ سے پہلے کسی نے عمل نہیں کیا اور نہ میرے بعد کوئی اس پر عمل کرے گا۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ (2)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا تمہارا کیا خیال ہے صدقہ کی مقدار ایک دینار مقرر کرنی چاہئے؟ میں نے عرض کیا: لوگوں کو اس کی طاقت نہیں۔ فرمایا: "نصف دینار"۔ میں نے عرض کیا ہر شخص کو اس کی طاقت نہیں۔ آپ نے فرمایا تمہاری کیا رائے ہے؟ عرض کیا۔ ایک جو برابر سونا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم تو بہت تھوڑا مقرر کر رہے ہو۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ ءَاَشْفَقْتُمْ ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرے صدقے اللہ نے اس امت پر تخفیف فرمائی(3)۔

ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے اور اسے حسن غریب کہا ہے اور ابو یعلی نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے(4)۔ عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ مسلمان حضور ﷺ سے سرگوشی سے قبل

1۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 20-19 2۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 21، عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۂ مجادلہ، جلد 8، صفحہ 187-186، مسند ابو یعلی، جلد 1، صفحہ 223

3۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 20-19 4۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 21، عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۂ مجادلہ، جلد 8، صفحہ 187-186، مسند ابو یعلی، جلد 1، صفحہ 223

برابر صدقہ نکالتے رہے۔ جب زکوٰۃ کا حکم نازل ہوا تو اسے منسوخ کر دیا گیا۔ علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ مسلمانوں نے حضور ﷺ کی بارگاہ میں جب عرض و معروض کا سلسلہ دراز کر دیا تو یہ بات حضور ﷺ پر گراں ہوگئی۔ تو اللہ نے اپنے نبی پر تخفیف فرمائی۔ اس کے بعد لوگ کنجوسی کرنے لگے اور سوالات کرنے سے گریز کرنے لگے تو اللہ نے اس کے بعد یہ آیت نازل فرمائی چنانچہ ان پر وسعت فرمائی اور تنگی نہ فرمائی۔ عکرمہ اور حسن بصری کا قول ہے کہ یہ حکم بعد والی آیت سے منسوخ ہو چکا ہے۔ سعید بن ابی عروبہ نے قتادہ اور مقاتل بن حیان سے روایت کیا ہے کہ لوگ بکثرت حضور ﷺ سے سوالات کرنے لگے۔ اس آیت نے ساتھ اللہ نے ان کے منہ بند کر دیے۔ چنانچہ اس کے بعد اگر کسی آدمی کو حضور ﷺ سے کوئی کام ہوتا تو وہ پہلے صدقہ دیئے بغیر نہیں کر سکتا تھا۔ جب یہ امر دشوار گزرنے لگا تو اللہ نے اس کے بعد رخصت پر مبنی حکم نازل فرمایا۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ یہ حکم صرف دن کی چند ساعتوں تک برقرار رہا پھر منسوخ ہو گیا۔ اسی طرح عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میرے علاوہ کسی نے اس حکم پر عمل نہیں کیا تھا کہ یہ منسوخ ہو گیا (میرا خیال ہے فرمایا) اور دن کا تھوڑا حصہ ہی یہ حکم برقرار رہا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۭ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ ۙ وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ اِنَّهُمْ سَاۗءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝١٥ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝١٦ لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰي شَيْءٍ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝١٨ اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰـىهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝١٩

”کیا تم نے نہیں دیکھا ان (نادانوں) کی طرف جنہوں نے دوست بنا لیا ایسی قوم کو جن پر خدا کا غضب ہوا۔ نہ یہ لوگ تم میں سے ہیں اور نہ ان میں سے، یہ جان بوجھ کر جھوٹی باتوں پر قسمیں کھاتے ہیں۔ تیار کر رکھا ہے اللہ نے ان کے لئے سخت عذاب۔ بلاشبہ یہ لوگ بہت برے کام کیا کرتے تھے۔ انہوں نے بنا رکھا ہے اپنی قسموں کو ڈھال پس وہ (اس طرح) روکتے ہیں اللہ کی راہ سے۔ سو ان کے لئے رسوا کن عذاب ہے۔ کچھ نفع نہیں پہنچائیں گے انہیں ان کے مال اور نہ ان کی اولاد عذاب الٰہی سے بچانے کے لئے۔ یہ لوگ جہنمی ہیں۔ یہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ جس روز اللہ تعالیٰ ان سب کو اٹھائے گا تو وہ قسمیں کھائیں گے اللہ کے سامنے جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں اور خیال کریں گے کہ وہ کسی مفید چیز پر تکیہ کئے ہیں۔ خبردار! یہی وہ جھوٹے لوگ ہیں۔ تسلط جما لیا ہے ان پر شیطان نے اور اس نے اللہ کا ذکر انہیں فراموش کرا دیا ہے۔ یہ لوگ شیطان کا ٹولہ ہیں۔ خوب سن لو! شیطان کا ٹولہ ہی یقیناً نقصان اٹھانے والا ہے۔“

کفار کے ساتھ منافقین کی در پردہ دوستی کا انکار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ وہ نہ تو کفار کے ساتھ ہیں اور نہ مومنین کے ساتھ

جیسے ایک اور آیت میں ہے: مُذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا (النساء: 143)۔

اور یہاں فرمایا: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا یعنی جن کے ساتھ منافقین دلی ہمدردیاں رکھتے تھے اور انہیں مخفی طور پر اپنا دوست بنائے ہوئے تھے۔

مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ یعنی یہ منافقین درحقیقت نہ تو اے مؤمنین تمہارے ساتھ ہیں اور نہ ان یہود کے ساتھ جن سے وہ یارانہ گانٹھتے ہیں۔

پھر فرمایا: يَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ منافقین جھوٹی قسمیں اٹھاتے ہیں حالانکہ انہیں پتہ ہے کہ وہ جھوٹی قسمیں اٹھا رہے ہیں۔ یہ یمین غموس ہے۔ خصوصاً ان کی ملعون حالت میں۔ ان سے اللہ کی پناہ۔ وہ جب مؤمنوں سے ملتے تو کہتے ہم ایمان رکھتے ہیں اور حضور ﷺ کی بارگاہ میں آ کر جھوٹی قسمیں اٹھاتے کہ وہ مؤمن ہیں۔ حالانکہ انہیں پتہ ہوتا کہ وہ جھوٹی قسمیں کھا رہے ہیں کیونکہ وہ اپنی بات کی سچائی کا یقین نہیں رکھتے تھے۔ اس لئے اللہ نے ان کی قسموں اور گواہی میں جھوٹا ہونے کی گواہی دی۔

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا اللہ نے ان کے اعمال سیئہ پر عذاب تیار کر رکھا ہے اور کفار سے دوستی، اخلاص اور مؤمنین سے دشمنی اور فراڈ کی وجہ سے۔

اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً یعنی انہوں نے ایمان ظاہر کیا اور باطن میں کفر چھپایا۔ اور جھوٹی قسموں کے سبب بچتے رہے۔ بہت سے لوگ جو حقیقت حال سے آگاہ نہیں دھوکہ کھا جاتے ہیں اور انہیں سچا سمجھنے لگتے ہیں۔ اس طرح وہ بعض لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنے کا باعث بنے ہیں۔

عَذَابٌ مُّهِيْنٌ اللہ کے نام کی جھوٹی قسمیں کھانے کی وجہ سے۔

لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اللہ کا عذاب جس وقت آ جائے گا کوئی چیز اسے ٹال نہ سکے گی۔

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا قیامت کے دن اللہ ان سب کو جمع کرے گا تو کوئی بھی پیچھے نہیں رہے گا۔

فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ یعنی وہ آج بھی اللہ عزوجل کے نام کی قسمیں اٹھائیں گے کہ وہ راہ ہدایت اور استقامت پر گامزن تھے، جس طرح وہ دنیا میں قسمیں اٹھایا کرتے تھے۔ کیونکہ آدمی زندگی بھر جو کام کرتا رہے اسی پر اسے موت آتی ہے اور اسی پر وہ اٹھایا جائے گا۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کا یہ فعل اللہ کے ہاں بھی فائدہ دے گا جس طرح دنیا میں لوگوں کے سامنے فائدہ دیتا تھا۔ وہ اپنے اوپر ظاہری احکام جاری کریں گے۔

اَنَّهُمْ عَلٰى شَيْءٍ یعنی اللہ رب العزت کے سامنے ان کا قسمیں اٹھانا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے گمان کا انکار کرتے ہوئے فرمایا۔

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ کذب کے ساتھ تاکید لگا کر خبر کو پختہ کردیا۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے کسی حجرے کے سائے میں تشریف فرما تھے۔ چند صحابہ کرام آس پاس بیٹھے تھے سایہ دار جگہ کم تھی۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ابھی تمہارے پاس ایک آدمی آئے گا۔ جو شیطان کی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ جب وہ تمہارے پاس آئے تو اس سے گفتگو نہ کرو۔" تھوڑی دیر میں نیلی آنکھوں والا شخص آیا۔ حضور ﷺ نے اسے پاس بلا کر فرمایا: تم اور فلاں فلاں شخص مجھے گالیاں کیوں دیتے ہو۔ حضور ﷺ نے چند لوگوں کے نام گنوائے۔

چنانچہ یہ آدمی چلا گیا اور جن کا نام حضور ﷺ نے لیا تھا انہیں لے آیا۔ انہوں نے حضور ﷺ کے سامنے قسمیں کھائیں اور معذرت کی۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ امام احمد اور ابن جریر رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے روایت کیا ہے (1)۔ اس کی اسناد عمدہ ہے۔ شیخین نے اسے بیان نہیں کیا۔ ان کی حالت کو ایک اور آیت میں یوں بیان کیا گیا ہے: ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا كَانُوا يَفْتَرُونَ (انعام: 23)۔

اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ شیطان نے ان کے دلوں پر قابو پا لیا ہے اور اللہ کی یاد ان کے دلوں سے محو کر دیا ہے۔ شیطان جس پر تسلط جمالے وہ اسی طرح کرتا ہے۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضور ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا: "جس بستی یا جنگل میں تین افراد بھی ہوں اور ان میں نماز قائم نہ ہوتی ہو تو شیطان ان پر چھا جاتا ہے۔ پس تو جماعت کو لازم پکڑ لے۔ بھیڑیا اسی بکری کو کھاتا ہے جو ریوڑ سے الگ ہو۔ یہاں جماعت سے مراد نماز باجماعت ہے (2)"۔

إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ ۝ كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي ۚ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ۝ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ ۚ أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِنْهُ ۖ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ ۚ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝

"بے شک جو لوگ مخالفت کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی، وہ ذلیل ترین لوگوں میں شمار ہوں گے۔ اللہ نے یہ لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب آکر رہیں گے۔ بیشک اللہ تعالیٰ طاقتور (اور) زبردست ہے۔ تو ایسی قوم نہیں پائے گا جو ایمان رکھتی ہو اللہ اور قیامت پر (پھر) وہ محبت کرے ان سے جو مخالفت کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی خواہ وہ (مخالفین) ان کے باپ ہوں یا ان کے فرزند ہوں یا ان کے بھائی ہوں یا ان کے کنبہ والے ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں نقش کر دیا ہے اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان اور تقویت بخشی ہے انہیں اپنے فیض خاص سے۔ اور داخل کرے گا انہیں باغوں میں رواں ہیں جن کے نیچے نہریں، وہ ہمیشہ رہیں گے ان میں۔ اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا ان سے اور وہ اس سے راضی ہو گئے۔ یہ (بلند اقبال) اللہ کا گروہ ہیں۔ سن لو! اللہ تعالیٰ کا گروہ ہی دونوں جہانوں میں کامیاب و کامران ہے"۔

اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والے سرکش کفار کے بارے میں اللہ تعالیٰ خبر دے رہا ہے کہ وہ حق سے ایک طرف، اس کی نافرمانی کرنے والے ہیں۔ وہ ایک طرف ہیں اور ہدایت دوسری طرف۔

الْأَذَلِّينَ یعنی بدبخت، راہ حق سے دور، دھتکارے ہوئے دنیا اور آخرت میں ذلیل ترین ہیں۔

كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي اللہ نے فیصلہ کر دیا ہے اور اپنی ازلی کتاب میں یہ لکھ دیا ہے اور اس کی تقدیر کی خلاف ورزی نہیں ہوتی۔ اسے تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ اس میں یہ طے کر دیا ہے کہ فتح و نصرت دنیا اور آخرت دونوں میں اسے، اس کی کتاب، اس کے رسولوں اور

1۔ مسند امام احمد، جلد 1 صفحہ 350-267-240 تفسیر طبری، جلد 28 صفحہ 25-23 2۔ سنن ابوداؤد، کتاب الصلاۃ جلد 1 صفحہ 150

مومن بندوں کے نصیب میں ہے۔ والعاقبة للمتقین اور فرمایا: اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا ... سُوْٓءُ الدَّارِ (غافر: 51)۔

اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ: قوی، عزیز کا یہ لکھا ہوا ہے کہ وہ اپنے اعداء پر غالب ہے۔ یہ تقدیر محکم، اور امر مبرم ہے کہ حسن انجام اور نصرت بالآخر دنیا و آخرت دونوں میں مومنین کے لئے ہے۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ: وہ مخالفت کرنے والوں سے دوستی نہیں رکھتے اگرچہ ان کے قریبی عزیز ہی کیوں نہ ہوں۔ جیسے فرمایا: لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ ... اللّٰهُ نَفْسَهٗ (آل عمران: 28) اور فرمایا: قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ ..... يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ (توبہ: 24)۔

سعید بن عبدالعزیز وغیرہ علماء کی رائے ہے کہ یہ آیت ابوعبیدہ عامر بن عبداللہ بن جراح کے بارے میں نازل ہوئی۔ غزوۂ بدر کے دن انہوں نے اپنے کافر باپ کو قتل کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے آخری وقت میں خلیفہ مقرر کرنے کے لئے مجلس شوریٰ بنائی تو فرمایا اگر ابوعبیدہ آج زندہ ہوتے تو میں انہیں اپنا خلیفہ بناتا(1)۔

قولہ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ کہا گیا ہے کہ یہ ابوعبیدہ کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے اپنے کافر والد کو غزوہ بدر میں قتل کر دیا۔

اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اور یہ حصہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں جنہوں نے اپنے بیٹے عبدالرحمن کے قتل کا ارادہ کیا۔

اَوْ اِخْوَانَهُمْ یہ حصہ مصعب بن عمیر کے بارے میں جنہوں نے اپنے بھائی کو بدر کے دن قتل کیا۔

اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں جنہوں نے اس دن اپنا قریبی عزیز قتل کیا نیز حمزہ، علی اور عبیدہ بن حارث کے بارے میں جنہوں نے عتبہ، شیبہ اور ولید بن عتبہ کو اس دن قتل کیا(2) واللہ اعلم۔

(مؤلف کی رائے) میں کہتا ہوں اسی قبیل سے ہے حضور ﷺ کا اساری بدر کے بارے میں مسلمانوں سے صلاح مشورہ کرنا۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ ان سے فدیہ لیا جائے جو مسلمانوں کے لئے تقویت کا باعث ہو یہ ہمارے ہی قریبی عزیز ہیں۔ شاید اللہ انہیں ہدایت عطا فرمادے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! میری رائے ہے کہ میرا فلاں قریبی عزیز مجھے عطا فرمایئے تاکہ میں اسے قتل کر دوں۔ علی کو عقیل دے دیجئے۔ اسی طرح فلاں کو فلاں تاکہ اللہ جان لے کہ ہمارے دلوں میں مشرکین کے لئے کوئی نرم گوشہ نہیں ..... الخ۔

اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ۔ یعنی جو اس بات سے متصف ہو کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی خلاف ورزی کرنے والے کو دوست نہیں رکھتا اگرچہ اس کا باپ یا بھائی ہو۔ اس شخص کا شمار ان لوگوں میں ہے جن کے دل میں اللہ نے دولت ایمان رکھ دی ہے اور ان کی بصیرت کو ایمان سے مزین کیا ہے اور سعادت ان کے مقدر میں لکھ دی ہے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے۔

وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ انہیں قوت دی ہے۔

قولہ يُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ..... اس سارے کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے۔

قولہ تعالیٰ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ سر بدیع یہ ہے کہ جب وہ اپنے اعزہ و اقرباء سے اللہ کی خاطر ناراض ہو گئے تو اس کے عوض اللہ

1۔ حاکم: مستدرک، کتاب معرفۃ الصحابۃ، جلد 2، صفحہ 268، دیکھئے طبقات ابن سعد، جلد 1، صفحہ 300 تا 300، صفحہ 300، اسد الغابۃ، جلد 3، صفحہ 128

2۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 312

نے انہیں رضا عطا فرما دی اور انہیں اپنے آپ سے راضی کر لیا۔ ابدی نعمتیں، عظیم کامیابی اور فضل عمیم سے نوازا۔

حِزْبُ اللّٰهِ۔ یہ اللہ کا گروہ ہیں یعنی اس کے بندے اور اس کے تکریم یافتگان۔

هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ دنیا و آخرت میں ان کی فلاح وسعادت اور نصرت کا اعلان کیا جا رہا ہے۔ یہ ان لوگوں کے مقابلے میں ہیں جن کا ذکر ہوا کہ وہ شیطان کا گروہ ہیں۔ پھر فرمایا: اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ذیال بن عباد سے نقل کیا ہے کہ ابو حازم اعرج نے زہری کی طرف لکھا کہ جاہ دو قسم کی ہے۔ ایک وہ جسے اللہ اپنے اولیاء کے لئے اپنے اولیاء کے ہاتھ پر جاری کرتا ہے۔ یہ لوگ گم نام اور گوشہ نشین ہوتے ہیں۔ ان کا وصف زبان رسالت مآب ﷺ سے یوں بیان ہوا ہے:

''بے شک اللہ تعالیٰ گوشہ نشین، متقی، نیکوکار لوگوں کو پسند کرتا ہے جو غائب ہوں تو ان کی طرف کوئی توجہ نہ دی جائے اور جب موجود ہوں تو انہیں بلایا نہ جائے۔ ان کے دل ہدایت کے چراغ ہیں۔ وہ ہر فتنے سے کامیاب ہو کر نکلتے ہیں(1)۔'' یہ ہیں وہ اولیاء اللہ جنہیں اللہ نے اپنا گروہ قرار دیا ہے اور انہیں کامیاب و کامران ہونے کی نوید سنائی ہے۔

نعیم بن حماد رحمۃ اللہ علیہ نے حسن سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! کسی فاجر و فاسق کا مجھ پر کوئی احسان باقی نہ رکھ۔ میں نے تیری نازل کردہ وحی میں پڑھا ہے لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔ یعنی ایماندار مخالفین کے دوست نہیں ہوتے(2)۔ سفیان رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو بادشاہ سے میل جول رکھتے ہوں(3)۔ ابو احمد العسکری رحمۃ اللہ علیہ سے اسی طرح مروی ہے(4)۔

سورۂ مجادلہ کی تفسیر ختم ہوئی

وللہ الحمد والمنۃ

1۔ ابن ماجہ، کتاب الفتن، جلد 2، صفحہ 1321-1320

2۔ تفسیر قرطبی، جلد 17، صفحہ 308

3۔ ایضاً مرجع مذکور

4۔ البدایہ والنهایہ، جلد 11 صفحہ 343-342

سورۂ حشر

بقول ابن عباس سورۂ بنی نضیر

حضرت سعید بن جبیر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے میں نے ابن عباس سے عرض کیا یہ سورۂ حشر ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ یہ قبیلہ بنونضیر کے بارے میں اتری ہے۔ بخاری اور مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسی طرح روایت کیا ہے۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ آپ نے جواباً فرمایا: یہ سورت بنونضیر ہے(1)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ؔ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ
مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۤ وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ
الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۤ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ○
وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ۭ وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ○
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاۗقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاۗقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ○ مَا
قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَاۗىِٕمَةً عَلٰٓي اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

"اللہ ہی کی پاکی بیان کر رہی ہے ہر چیز جو آسمانوں میں اور جو زمین میں ہے۔ اور وہی سب پر غالب، بڑا دانا ہے۔ وہی تو ہے جو باہر نکال لایا اہل کتاب کے کافروں کو ان کے گھروں سے پہلی جلاوطنی کے وقت۔ تم نے کبھی یہ خیال بھی نہ کیا تھا کہ وہ نکل جائیں گے، اور وہ بھی گمان کرتے تھے کہ انہیں ان کے قلعے بچالیں گے اللہ (کے قہر) سے۔ پس آیا ان پر اللہ (کا قہر) اس جگہ سے جس کا انہیں خیال بھی نہ آیا تھا اور اللہ نے ڈال دیا ان کے دلوں میں رعب چنانچہ وہ برباد کر رہے ہیں اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے اور اہل ایمان کے ہاتھوں سے۔ پس عبرت حاصل کرو اے دیدۂ بینا رکھنے والو۔ اور اگر نہ لکھ دی ہوتی اللہ نے ان کے حق میں جلاوطنی تو انہیں عذاب دے دیتا اس دنیا میں۔ اور ان کے لئے آخرت میں تو آگ کا عذاب ہے ہی۔ یہ سزا اس لئے دی گئی کہ انہوں نے مخالفت کی تھی اللہ اور اس کے رسول کی۔ اور جو اللہ کی مخالفت کرتا ہے تو اللہ عذاب دینے میں بڑا سخت ہے۔ جو کھجور کے درخت تم نے کاٹ ڈالے یا جن کو تم نے چھوڑ دیا کہ کھڑے رہیں اپنی جڑوں پر تو

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ حشر، جلد 8، صفحہ 629-628، مسلم، کتاب التفسیر، جلد 4، صفحہ 2322

یہ (دونوں باتیں) اللہ کے اذن سے تھیں تا کہ وہ رسوا کرے فاسقوں کو''۔

اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ آسمانوں اور زمین میں جو چیز بھی ہے اس کی تسبیح و تقدیس، تمجید اور توحید کے ترانے گارہی ہے جیسے ارشاد ہوتا ہے: تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۚ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ (الاسرا: 43)۔

الْعَزِيْزُ یعنی منیع الجناب، عالی جناب۔

الْحَكِيْمُ اپنی تقدیر اور شرع میں۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اہل کتاب سے مراد یہاں یہود بنو نضیر ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور زہری رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہ کا یہ قول ہے۔ حضور ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو ان سے امن کا معاہدہ طے فرمایا اور یہ عہد نامہ طے پایا کہ فریقین ایک دوسرے سے لڑائی نہیں کریں گے لیکن انہوں نے عہد شکنی کی تو اللہ نے اپنا عذاب ان پر نازل فرمایا جسے لوٹانے والا کوئی نہ تھا۔ ان پر اپنی قضا نازل کی جسے روکنے والا کوئی نہیں۔ چنانچہ حضور ﷺ نے انہیں ان کے مضبوط قلعوں سے نکال کر جلاوطن کر دیا۔ وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ ان کی یہ گڑھیاں عذاب الٰہی سے مانع ہیں۔ لیکن کسی چیز نے فائدہ نہ دیا۔ ان پر وہ آفت پڑی جس کا انہیں خواب و خیال تک نہ تھا۔ سرکار ﷺ نے انہیں مدینہ سے جلاوطن کر دیا۔ ان کا ایک گروہ ملک شام کے بالائی حصے میں اَذرِعات کے مقام پر آباد ہو گیا۔ یہ حشر و نشر کی جگہ ہے۔ ان میں سے ایک گروہ خیبر کی طرف چلا گیا۔ ان سے کہہ دیا گیا تھا کہ اپنے اونٹوں پر جو کچھ لاد کر لے جا سکتے ہیں لے جائیں۔ وہ اپنی ان منقولات کو اپنے ہاتھوں سے برباد کر رہے تھے جنہیں وہ اپنے ساتھ لے جانے پر قادر تھے۔ اسی لئے اللہ نے فرمایا: يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ ...۔

فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ اس آدمی کے انجام میں غور و فکر کرو جس نے اللہ اور اس کے رسول کے امر کی مخالفت کی اور اس کی کتاب کی تکذیب کی۔ اس کے لئے کس طرح دنیا میں رسوا کن عذاب اترتا ہے اور آخرت میں بھی اس کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ کفار قریش نے عبداللہ بن ابی اور اوس و خزرج کے دیگر بت پرست افراد کو لکھا۔ یہ بدر سے پہلے کا واقعہ ہے اور حضور ﷺ ان دنوں مدینے میں تشریف فرما تھے: تم نے حضور ﷺ کو اپنے ہاں ٹھہرایا ہے۔ ہماری قسم ہے کہ تم اس سے لڑائی کرو یا تم اس کو نکال دو یا ہم تم پر چڑھائی کریں گے۔ تمہارے جنگجو افراد کو قتل کر دیں گے اور تمہاری عورتوں کو حلال سمجھیں گے۔ ابن ابی اور اس کے ساتھیوں کو جب یہ خط ملا تو انہوں نے حضور ﷺ سے لڑائی کا پروگرام بنا لیا۔ حضور ﷺ کو جب اس بات کی خبر ہوئی تو ان سے ملے اور فرمایا: قریش کی دھمکی کام کر گئی ہے۔ وہ تمہیں اتنا فریب نہیں دے سکتے تھے جتنا تم اپنے آپ کو دے رہے ہو۔ وہ چاہتے ہیں کہ تم اپنے بیٹوں اور بھائیوں کو قتل کرو۔ حضور ﷺ کی بات سن کر وہ ادھر ادھر بکھر گئے اور لڑائی کا پروگرام ملتوی کر دیا۔ قریش کو بھی یہ خبر مل گئی۔ واقعہ بدر کے بعد انہوں نے یہود کو لکھا تم مضبوط قلعوں اور اسلحہ والے ہو ہمارے ساتھی کے ساتھ جنگ کرو ورنہ ہم تمہارے ساتھ یہ سلوک کریں گے اور ہمارے اور تمہاری عورتوں کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہوگی۔ جب ان کا خط حضور ﷺ تک پہنچا تو بنو نضیر نے عہد شکنی پر کمر باندھ لی اور حضور ﷺ کو پیغام بھیجا کہ تیس آدمی لے کر آئیے تاکہ ہمارے تیس علماء سے ملیں۔ آپس میں بات چیت ہو۔ اگر یہ لوگ آپ کو سچا مان لیں اور ایمان لے آئیں تو ہم بھی ایمان لے آئیں گے۔ چنانچہ اگلے دن سرکار ﷺ نے اپنے دستوں کے ساتھ ان کا محاصرہ کر لیا اور فرمایا: نئے سرے سے معاہدہ کرو۔ انہوں نے انکار کر دیا۔ دن بھر لڑائی ہوتی رہی۔ اگلی صبح آپ نے بنو قریظہ کا محاصرہ کر

لیا اور بنو نضیر کو چھوڑ کر انہیں نئے سرے سے عہد و پیمان کرنے کا حکم دیا۔ وہ مان گئے۔ آپ ﷺ نے وہاں سے فارغ ہو کر دوبارہ بنو نضیر سے لڑائی شروع کر دی حتیٰ کہ وہ جلاوطنی پر تیار ہو گئے اور اپنے ساتھ اونٹوں پر سامان، دروازے اور لکڑی لاد کر جلاوطن ہو گئے۔ بنو نضیر کی کھجوریں بالخصوص حضور ﷺ کے لئے تھیں اللہ نے آپ کو عطا فرمائی تھیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ۔ یعنی بغیر لڑائی کے ہاتھ آ گئیں۔ حضور ﷺ نے ان میں سے اکثر مہاجرین کے مابین تقسیم کر دیں اور دو انصاریوں کو بھی عطا فرمائیں۔ یہ ضرورت مند تھے۔ ان کے علاوہ کسی انصاری کو کچھ نہ دیا۔ یہی وہ مال تھا جو حضور ﷺ کا صدقہ تھا اور بنو فاطمہ کے پاس رہا(1)۔ اب ہم مختصراً غزوۂ بنو نضیر ذکر کرتے ہیں۔ وباللّٰہ المستعان۔

اس کا سبب جیسا کہ اصحاب مغازی و سیر نے ذکر کیا ہے کہ بئر معونہ پر حضور ﷺ کے ستر صحابہ جب شہید ہو گئے۔ ان میں سے عمرو بن امیہ ضمری بچے۔ وہ واپس مدینہ آ رہے تھے کہ موقع پا کر بنو عامر کے دو آدمی قتل کر دیے حالانکہ ان کے ساتھ حضور ﷺ کا صلح کا معاہدہ تھا جس کا عمرو کو علم نہ تھا۔ واپس آ کر انہوں نے حضور ﷺ کو خبر دی تو آپ نے فرمایا تم نے دو آدمیوں کو قتل کر دیا۔ اب مجھے ان کی دیت دینا ہوگی۔ بنو عامر بنو نضیر کے حلیف تھے۔ سرکار بنو نضیر کی طرف دیت کے لئے تشریف لے گئے۔ ان کی گڑھی مدینہ سے کئی میل کے فاصلے پر مشرق میں تھی۔ محمد بن اسحاق نے اپنی سیرت میں لکھا ہے کہ حضور ﷺ دیت میں مدد لینے کے لئے بنو نضیر کے پاس گئے۔ بنو نضیر دیت دینے پر راضی ہو گئے۔ پھر آپس میں مشورہ کیا کہ یہ بہترین موقع ہے آپ سے چھٹکارا پا لیا جائے۔ سرکار ﷺ ان کے کسی گھر کی دیوار کے پاس تشریف فرما تھے۔ انہوں نے پروگرام بنایا کہ کوئی آدمی چھت پر چڑھ کر اوپر سے پتھر لڑھکا دے تاکہ آپ سے نجات مل جائے۔ عمرو بن حجاش بن کعب اس کام کے لئے مقرر ہوا۔ سرکار ﷺ کے ساتھ حضرت ابوبکر، عمر اور علی رضی اللہ عنہم وغیرہ تھے۔ آپ کو وحی کے ذریعے ان کی سازش کی خبر مل گئی۔ آپ ﷺ مدینہ کی طرف چل پڑے۔ آپ کے یہاں دیر کرنے کی وجہ سے صحابہ آپ کی تلاش میں نکلے۔ انہیں مدینہ سے آتا ہوا ایک آدمی ملا اس نے بتایا کہ میں نے حضور کو مدینہ میں داخل ہوتے دیکھا ہے۔ صحابہ کرام بھی آپ سے آ ملے۔ حضور ﷺ نے انہیں یہود کی خیانت اور غداری سے آگاہ فرمایا اور ان سے لڑائی کے لئے تیار ہونے کا حکم دیا اور ان کی طرف چل پڑے۔ وہ قلعہ بند ہو گئے۔ سرکار نے ان کی کھجوریں کاٹنے اور جلا دینے کا حکم فرمایا۔ وہ اوپر سے حضور ﷺ کو پکارنے لگے کہ آپ تو زمین میں فساد پھیلانے سے منع کرتے تھے اور فسادیوں کو برا بھلا کہتے تھے۔ پھر یہ کھجوروں کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ بنی عوف بن خزرج کا ایک گروہ جن میں عبداللہ بن ابی بن سلول، ودیعہ، مالک بن ابی قوقل، سوید اور داعس وغیرہ شامل تھے نے بنو نضیر کو پیغام بھیجا ثابت قدم رہو اور مقابلے پر ڈٹے رہو۔ ہم تمہیں تنہا نہیں چھوڑیں گے۔ تمہارا دشمن ہمارا دشمن ہے۔ اگر تم نکلے تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل جائیں گے۔ انہوں نے ان کی کمک کا انتظار کیا جو نہ پہنچی۔ اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ انہوں نے سرکار سے لڑائی روک نے اور اس شرط پر جلاوطنی پر آمادگی ظاہر کی کہ اسلحہ کے سوا اونٹوں پر جس قدر مال اسباب ساتھ لے جا سکتے ہیں لے جائیں۔ آپ ﷺ نے ان کی درخواست منظور فرمالی۔ یہ لوگ جس قدر ممکن تھا اسباب اونٹوں پر لاد کر نکلے۔ حتیٰ کہ دروازے اکھاڑ کر اونٹوں پر لاد لئے اور چل دیے۔ وہ خیبر میں جا کر آباد ہو گئے۔ بعض شام چلے گئے اور اپنے اموال حضور ﷺ کے حوالے کر دیے۔ یہ اموال بالخصوص آپ ﷺ کے ہو گئے جہاں چاہیں صرف کریں۔ آپ ﷺ نے انہیں مہاجرین اولین پر صرف کیا ماسوائے انصار کے۔ مگر سہل بن حنیف اور ابو دجانہ سماک بن خرشہ

1۔ سنن ابوداؤد، کتاب الخراج، جلد 3، صفحہ 157-156

نے اپنی تنگدستی کی شکایت کی تو انہیں بھی عطا فرما دیا۔ بنونضیر میں سے صرف دو آدمی مسلمان ہوئے یامین بن عمرو بن کعب بن عمرو بن جحاش اور ابوسعد بن وہب۔ یہ دونوں مسلمان ہو گئے اور ان کے اموال ان کے پاس رہے۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ آل یامین میں سے کسی نے مجھے بتایا کہ حضور ﷺ نے یامین سے فرمایا: کیا تم نے نہیں دیکھا تیرے چچازاد نے میرے ساتھ کیا کرنا چاہا۔ چنانچہ یامین بن عمیر نے ایک آدمی کو کچھ رقم دے کر عمرو بن جحاش کو قتل کرا دیا۔ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ سورۂ حشر مکمل طور پر بنونضیر کے بارے میں نازل ہوئی (1)۔ آیت کریمہ میں اَهْلِ الْكِتٰبِ سے مراد قبیلہ بنونضیر ہے۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جسے اس بات میں شک ہو کہ ارض محشر شام کی سرزمین ہے تو وہ اس آیت کو پڑھ لے۔ هُوَ الَّذِیْۤ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا سے لِاَوَّلِ الْحَشْرِ تک۔ حضور ﷺ نے انہیں فرمایا نکل جاؤ؟ انہوں نے عرض کیا کس طرف فرمایا ارض محشر کی طرف (2)۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور ﷺ نے بنونضیر کو جلاوطن کر دیا تو فرمایا یہ پہلا حشر ہے اور ہم بھی اس کے پیچھے ہیں۔ (ابن جریر) (3)

قولہ تعالیٰ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ یَّخْرُجُوْا تمہیں یہ خیال نہ تھا کہ تمہارے محاصرے کے دوران اور اتنی قلیل مدت یعنی صرف چھ دنوں میں وہ نکل جائیں گے حالانکہ ان کے قلعے بڑے پختہ اور مضبوط تھے۔

وَ ظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ... یعنی اللہ کا امر اس طرح آیا کہ ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ ایک دوسری آیت میں آتا ہے:

قَدْ مَكَرَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْیَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَیْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَ اَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَیْثُ لَا یَشْعُرُوْنَ (النحل: 26)

قولہ تعالیٰ وَ قَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ یعنی خوف، بزدلی اور پریشانی۔ اور ایسا کیوں نہ ہوتا جبکہ ان کا محاصرہ اس ذات نے فرمایا تھا جس کی مدد ایک ماہ کی مسافت سے رعب سے کی گئی ہے۔

قولہ یُخْرِبُوْنَ بُیُوْتَهُمْ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر میں گزر چکا ہے کہ اس سے مراد ان کا مکانوں کی خوبصورت چھتیں اور دروازے اکھاڑنا اور انہیں اونٹوں پر لادنا ہے۔ عروہ بن زبیر، عبدالرحمن بن زید بن اسلم وغیرہ سے یہی مروی ہے۔ مقاتل بن حیان رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ حضور ﷺ ان سے لڑائی کر رہے تھے جب آپ کسی گلی کے صدر دروازے یا مکان پر غالب آتے تو اس کی دیواریں گرا دی جاتیں تاکہ لڑائی کے لئے جگہ کھلی ہو جائے اور یہود بھی جب کسی مکان یا گلی میں مغلوب ہو جاتے تو نقب لگا کر نکلنے کے راستے بناتے جاتے تھے اور مکانوں کو محفوظ بناتے جاتے (4)۔

لَوْ لَاۤ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَیْهِمُ الْجَلَآءَ... اگر اللہ نے مال و منال سمیت یہ جلاوطنی ان کے مقدر میں نہ لکھ دی ہوتی تو اللہ کے ہاں قتل گرفتاری وغیرہ کی صورت میں دوسرا عذاب نازل ہوتا۔ زہری نے عروہ، سدی اور ابن زید رحمہم اللہ تعالیٰ سے یہی روایت کیا ہے۔ اللہ نے لکھ دیا ہے کہ دار دنیا میں بھی انہیں عذاب ہوگا اور اس کے ساتھ ساتھ دار آخرت میں بھی ان کے لئے دوزخ کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے عروہ بن زبیر سے روایت کیا ہے کہ واقعہ بنونضیر بدر کے چھ ماہ بعد پیش آیا۔ ان کی آبادی مدینہ کے مضافات میں تھی۔ حضور ﷺ نے ان کا محاصرہ کر لیا حتیٰ کہ وہ جلاوطنی پر راضی ہو گئے۔ حضور ﷺ نے انہیں شام کی طرف جلاوطن کر دیا۔ یہ سزا

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2، صفحہ 192-190

2۔ بزار، ابن منذر، ابن مردویہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے، درمنثور، جلد 8، صفحہ 89، کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب البعث، جلد 4، صفحہ 154

3۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 29، درمنثور، جلد 8، صفحہ 89　4۔ بیہقی: الدلائل، جلد 3، صفحہ 358، درمنثور، جلد 8، صفحہ 97

تورات میں لکھی ہوئی تھی۔ یہ اس قبیلے کی نسل سے تھے جنہیں اس سے قبل کبھی جلاوطن نہیں کیا گیا تھا اور سَبَّحَ لِلّٰهِ سے لے کر الْفٰسِقِیْنَ تک آیتیں اس واقعہ کے بیان میں نازل ہوئیں۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ جلاء سے مراد قتل کرنا اور ایک روایت میں فنا کر دینا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جلاء سے مراد لوگوں کو ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف نکال دینا ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ انہیں حضور ﷺ نے شام کی طرف جلاوطن کر دیا اور ہر تین افراد کو ایک اونٹ اور ایک مشک عطا فرمائی۔ یہ جلاء ہے۔

حافظ ابوبکر بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے اس شدت سے ان کا محاصرہ کیا کہ وہ بے بس ہوگئے اور سرکار ﷺ کی شرائط پر صلح کر لی۔ انہوں نے یہ شرط لگائی کہ ان کی جان بخشی کی جائے، انہیں ان کے علاقے سے ہر تین کیلئے ایک اونٹ اور مشک سمیت شام کے مقام اذرعات کی طرف جلاوطن کر دیا جائے(1)۔ ابوبکر بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ہی روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے محمد بن مسلمہ کو بنو نضیر کی طرف بھیجا کہ انہیں جلاوطنی میں تین دن کی مہلت دیں(2)۔

وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ۔ یعنی حتمی، لازمی اور لابدی امر ہے۔

ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اللہ نے ان کے ساتھ یہ سلوک اس لئے فرمایا کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کی خلاف ورزی کی تھی۔ اور سابقہ رسولوں پر حضور ﷺ کے بارے میں جو بشارتیں اتری تھیں۔ ان کی تکذیب کی حالانکہ وہ انہیں اپنے بیٹوں سے بھی زیادہ جانتے تھے۔

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ ۔ اللینۃ: یہ ایک قسم کی عمدہ کھجور ہوتی ہے یہ عجوہ اور برنی کے علاوہ ہے(3)۔ کثیر مفسرین کی رائے ہے کہ عجوہ کے علاوہ دیگر تمام اقسام کی کھجوروں کو لینۃ کہتے ہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہر قسم کی کھجوریں عجوہ میں شامل ہیں۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بویرہ بھی اس میں داخل ہے(4)۔

جب حضور ﷺ نے ان کا محاصرہ فرمایا تو ان کی اہانت، ہراساں کرنے اور رعب کی خاطر ان کے کھجوروں کے درخت کاٹ ڈالنے کا حکم فرمایا۔ محمد بن اسحاق نے یزید بن رومان، قتادہ اور مقاتل بن حیان سے روایت کیا ہے کہ بنو قریظہ نے حضور ﷺ کو پیغام بھیجا کہ آپ تو فساد سے منع کرتے ہیں پھر کھجوروں کے درخت کیوں کاٹ رہے ہیں؟ تو اللہ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی کہ جو درخت تم نے کاٹے ہیں یا باقی چھوڑ دیئے ہیں سب اللہ کے اذن، مشیت، تقدیر اور رضا سے ہے۔ اس کا مقصد دشمن کو رسوا کرنا اور اطاعت پر مجبور کرنا ہے(5)۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ بعض مہاجرین نے ایک دوسرے کو درخت کاٹنے سے منع کیا اور کہا کہ یہ مسلمانوں کا مال غنیمت ہے۔ چنانچہ قرآن کاٹنے سے منع کرنے والے کی تصدیق اور کاٹنے والے کو گناہ سے بری الذمہ قرار دینے کے لئے نازل ہوا اور یہ بتایا کہ ان کا کاٹنا اور چھوڑ دینا اسی کی اجازت سے ہے۔ اسی طرح مرفوع حدیث میں بھی ہے۔ نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ مسلمان انہیں قلعوں سے اترنے کا کہہ رہے تھے کہ انہیں درخت کاٹنے کا حکم ہوا۔ یہ چیز ان کے دلوں میں کھٹکی۔ چنانچہ مسلمانوں نے آپس میں طے کیا کہ کچھ درخت کاٹ دیتے ہیں اور کچھ چھوڑ دیتے ہیں اور حضور ﷺ سے پوچھتے ہیں کیا درخت کاٹنے پر کوئی اجر ہے؟ یا نہ کاٹنے پر کوئی سزا؟ تو یہ آیت اتری(6)۔ حافظ ابو یعلی رحمۃ اللہ علیہ نے مسند میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے

1۔ بیہقی: الدلائل، جلد 3، صفحہ 359 2۔ الدلائل، جلد 3، صفحہ 360، مغازی الواقدی، جلد 1، صفحہ 367-366

3۔ مجاز القرآن، جلد 2، صفحہ 256 4۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 33 5۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 34

6۔ نسائی، سنن کبریٰ، کتاب السیر و التفسیر، بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 4، صفحہ 408، ترمذی، کتاب التفسیر، عارضۃ الاحوذی، جلد 8، صفحہ 189-188

روایت کیا ہے کہ انہیں کھجوروں کے درخت کاٹنے کی رخصت دی گئی۔ پھر سختی کر دی گئی تو وہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! کیا ہمارا درخت کاٹنا گناہ ہے یا چھوڑ دینا قابل مواخذہ؟ تو یہ آیت نازل ہوئی (1)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے بنونضیر کے کھجوروں کے درخت کاٹے اور جلا دیئے (2)۔ صحیحین میں بھی یہ روایت موجود ہے۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ یہ ہیں: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بنونضیر اور بنوقریظہ نے جنگ کی۔ بنونضیر کو جلاوطن کر دیا گیا اور بنوقریظہ کو مدینہ میں ہی رہنے دیا گیا۔ حضور ﷺ نے ان پر یہ احسان فرمایا لیکن بالآخر جب بنوقریظہ نے بھی لڑائی کی تو ان کے مردوں کو قتل کیا گرفتار کیا گیا اور ان کی عورتیں، اولاد اور اموال مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے گئے مگر ان کے بعض لوگ حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔ آپ نے انہیں امان عطا فرمائی اور وہ مسلمان ہو گئے۔ مدینہ کے تمام یہودی جلاوطن کر دیئے گئے۔ بنوقینقاع جو کہ عبداللہ بن سلام کا قبیلہ تھا، بنوحارثہ اور کل یہود مدینہ کو جلاوطن کر دیا گیا (3)۔ ان تمام واقعات کو عرب شعراء نے نہایت حسن وخوبی سے نظم کے پیرائے میں بند کیا ہے۔ یہ سب قصائد سیرت ابن اسحٰق میں موجود ہیں۔ ان میں آداب، مواعظ، حکمت آموز باتیں، نصائح اور واقعہ کی دیگر تفصیلات ہیں۔ ہم ان تفصیلات کو اختصار کی غرض سے ترک کر رہے ہیں۔ وللہ الحمد والمنۃ (4)۔ ابواسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ واقعہ بنونضیر غزوہ احد اور سانحہ بئر معونہ کے بعد پیش آیا۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے عروہ سے روایت کیا ہے کہ غزوہ بنونضیر بدر کے چھ ماہ بعد پیش آیا (5)۔

وَ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّ لَا رِكَابٍ وَّ لٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ۝ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَیْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ؕ وَ مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۗ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

"اور جو مال پلٹا دیئے اللہ نے اپنے رسول کی طرف ان سے تو نہ تم نے اس پر گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ بلکہ اللہ تعالیٰ تسلط بخشتا ہے اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ جو مال پلٹا دیا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی طرف ان گاؤں کے رہنے والوں سے تو وہ اللہ کا ہے، اس کے رسول کا ہے اور رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے۔ تاکہ وہ مال گردش نہ کرتا رہے تمہارے دولت مندوں کے درمیان۔ اور رسول (کریم) جو تمہیں عطا فرما دیں وہ لے لو۔ اور جس سے تمہیں روکیں تو رک جاؤ، اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے۔ بیشک اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے"۔

اللہ تعالیٰ یہاں فیئ کی تعریف اور حکم بیان فرما رہے ہیں۔ مال فیئ: وہ مال ہوتا ہے جو لڑائی کئے بغیر قبضے میں آ جائے جیسے بنونضیر کے

1۔ مسند ابویعلی، جلد 2، صفحہ 443، مجمع الزوائد، جلد 7، صفحہ 122
2۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 8-7
3۔ فتح الباری، کتاب المغازی، جلد 7، صفحہ 329، مسلم، کتاب الجہاد، جلد 3، صفحہ 1366-1365
4۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2، صفحہ 196-195
5۔ فتح الباری، کتاب المغازی، جلد 7، صفحہ 329

یہ اموال۔ مسلمانوں نے ان کے لئے جنگ نہیں کی تھی نہ دعوت مبارزت دی تھی بلکہ اللہ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا تو اللہ نے یہ اموال اپنے رسول کو پلٹا دیئے کہ جس طرح چاہیں تصرف میں لائیں۔ چنانچہ آپ نے کار خیر اور ان مصالح جن کا ذکر ان آیات میں آیا ہے کے لئے مسلمانوں کو لوٹا دیئے۔

مِنْهُمْ یعنی بنو نضیر سے۔ رِکَاب: اونٹ۔ قَدِیر: وہ قدرتوں والا ہے کوئی اس پر غالب نہیں آسکتا۔ بلکہ وہ ہر چیز پر تسلط رکھتا ہے۔

مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی تمام شہر جو فتح ہوں گے ان کا حکم اموال بنو نضیر کی طرح ہی ہے۔

فَلِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِی الْقُرْبٰی　　یہاں سے اموال فے کے مصارف کا بیان ہو رہا ہے جو اس آیت اور بعد والی آیت میں ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اموال بنو نضیر ان میں سے تھے جو اللہ نے اپنے رسول کی طرف لوٹائے، جن پر مسلمانوں نے نہ تو گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ۔ یہ خالصۃً حضور ﷺ کے لئے تھے۔ آپ ان میں سے اپنے گھر والوں کو سال کا خرچ دیتے تھے اور بقایا جہاد کے لئے اسلحہ اور گھوڑوں کی خریداری میں صرف کرتے (1)۔ احمد رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں مختصراً اسی طرح روایت کیا ہے۔ اصحاب صحاح ستہ نے ماسوائے ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کے اسے روایت کیا ہے (2)۔ ہم نے اسے مطوّلاً بھی روایت کیا ہے۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے مالک بن اوس سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے دن چڑھے مجھے بلا بھیجا۔ میں حاضر ہوا تو آپ ایک ننگی چارپائی پر (جو کھجور کے پتوں اور شاخوں سے بنی ہوئی تھی) تشریف فرما تھے۔ مجھے دیکھ کر آپ نے فرمایا: اے مالک! تیری قوم کے شعراء اور قصیدہ گو حاضر ہوئے ہیں میں نے انہیں کچھ دینے کا حکم دیا ہے تم اسے ان کے مابین تقسیم کر دو۔ میں نے عرض کیا اگر آپ کسی اور کو یہ حکم فرماتے تو کیا ہی اچھا ہوتا۔ آپ نے فرمایا: تم ہی تقسیم کرو۔ اتنے میں آپ کا غلام یرفا اندر آیا اور عرض کیا امیر المومنین! حضرات عثمان بن عفان، عبدالرحمٰن بن عوف، زبیر بن عوام اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم تشریف لائے ہیں کیا انہیں اندر آنے کی اجازت ہے؟ فرمایا ہاں۔ انہیں اجازت ملی تو وہ اندر آگئے۔ پھر دوبارہ یرفا اندر آیا اور عرض کیا امیر المومنین حضرات عباس اور علی رضی اللہ عنہما تشریف لائے ہیں اور اجازت طلب کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ہاں انہیں اندر آنے دو۔ وہ اندر آئے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: امیر المومنین! ہمارے درمیان فیصلہ کیجئے۔ حاضرین میں سے کسی نے کہا ہاں امیر المومنین ان دونوں کے درمیان فیصلہ کر دو اور انہیں راحت پہنچاؤ۔ مالک بن اوس کا قول ہے کہ میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ یہ لوگ بھی اسی نیت سے آئے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جلدی نہ کرو۔ ذرا ٹھہر جاؤ۔ پھر آپ ان حضرات کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں جس کے حکم سے زمین اور آسمان قائم ہیں۔ کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: ہمارا ورثہ نہیں ہوتا۔ ہم جو کچھ چھوڑ جائیں صدقہ ہوتا ہے۔ انہوں نے اقرار کیا۔ پھر آپ حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: میں تمہیں اس رب کی قسم دیتا ہوں جس کے حکم سے زمین اور آسمان قائم ہیں کیا تم جانتے ہو کہ حضور ﷺ نے یہ فرمایا تھا: ہمارا ورثہ نہیں ہوتا۔ ہم جو کچھ چھوڑ جائیں صدقہ ہوتا ہے۔ ان دونوں نے بھی اقرار کیا تو آپ نے فرمایا اللہ نے اپنے رسول کو ایک خصوصیت عطا فرمائی تھی یہ اور کسی کے لئے نہ تھی۔ پھر آپ نے یہی آیت پڑھی مَاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ ۔۔ اور فرمایا اللہ نے بنو نضیر کے اموال حضور کو عطا فرمائے تھے۔ اللہ کی قسم نہ آپ نے

1۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 25-48، فتح الباری، کتاب الجہاد، جلد 6، صفحہ 93، مسلم، کتاب الجہاد، جلد 3، صفحہ 1376-1377، سنن ابوداؤد، کتاب الخراج والامارۃ، جلد 3، صفحہ 141، نسائی، کتاب قسم الفئی، جلد 7، صفحہ 132، عارضۃ الاحوذی، ابواب الجہاد، جلد 7، صفحہ 215-218　　2۔ ایضاً مرجع مذکور

تم پر کسی کو ترجیح دی اور نہ خود سارے کا سارا لے لیا۔ رسول اللہ ﷺ اس میں سے اپنا اور اہل خانہ کا سال بھر کا نفقہ لے لیا کرتے تھے اور باقی مثل بیت المال کے ہوتا تھا۔ پھر ان چاروں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس کے صدقے زمین وآسمان قائم ہیں کیا تمہیں یہ علم ہے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ پھر ان دونوں سے قسم دے کر پوچھا انہوں نے بھی ہاں کہی۔

پھر فرمایا حضور ﷺ کے فوت ہونے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں رسول اللہ ﷺ کا ولی ہوں۔ تم اور یہ دونوں ابوبکر کے پاس آئے تم اپنے بھتیجے کے مال سے ورثہ طلب کر رہے تھے اور یہ اپنی بیوی کے والد کی میراث مانگ رہے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور ﷺ کا فرمان ہے ہمارا ورثہ تقسیم نہیں ہوتا۔ ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ ابوبکر راست باز، نیکوکار اور حق کی اتباع کرنے والے تھے۔ چنانچہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس مال کو اپنی تولیت میں لے لیا۔ جب وہ فوت ہو گئے تو میں نے کہا میں رسول اللہ کا اور ابوبکر کا ولی ہوں۔ پھر وہ مال کچھ عرصہ میری تولیت میں رہا۔ پھر تم دونوں آئے۔ تمہارا مسئلہ ایک ہے تم نے مجھ سے یہ مانگا جس کے جواب میں میں نے کہا کہ میں تمہیں اس شرط پر دینے کو تیار ہوں کہ تم اسے اسی طرح صرف کرو گے جس طرح رسول اللہ ﷺ اسے خرچ کرتے تھے۔ تم نے اس شرط پر یہ مال لے لیا۔ اب تم آئے ہو کہ میں اس کے علاوہ کوئی فیصلہ کروں۔ اللہ کی قسم میں اس کے علاوہ فیصلہ نہیں کروں گا حتیٰ کہ قیامت قائم ہو جائے۔ اگر تم عاجز ہو اور اس کی نگرانی نہیں کر سکتے تو مجھے یہ واپس کر دو(1)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ لوگ نبی کریم ﷺ کو اپنی کھجوروں کے درخت دے دیا کرتے تھے حتیٰ کہ جب بنو قریظہ اور بنو نضیر فتح ہو گئے تو سرکار لوگوں کے اموال واپس کرنے لگے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میرے گھر والوں نے بھی مجھے بھیجا کہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کروں کہ ہمارا سارا مال یا کچھ حصہ جتنا چاہیں ہمیں واپس فرما دیں۔ آپ ﷺ نے یہ سب کچھ ام ایمن کو عطا فرما دیا تھا یا جسے اللہ نے چاہا۔ میں نے سرکار ﷺ سے پوچھا تو آپ نے یہ سب کچھ مجھے مرحمت فرما دیا۔ ام ایمن آ گئیں۔ انہیں جب پتہ چلا تو انہوں نے کپڑا میری گردن میں ڈال دیا اور فرمانے لگیں خدا کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں! حضرت تمہیں کچھ نہیں دیں گے آپ یہ سب کچھ مجھے دے چکے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا: ام ایمن تمہیں یہ یہ چیزیں اس کے بدلے میں دی جائیں گی۔ وہ کہتی رہیں ہرگز نہیں اور سرکار فرماتے رہے ہم تمہیں اس کے بدلے اتنا مال دیں گے، حتیٰ کہ میرا خیال ہے کہ جب آپ نے تقریباً دس گنا دینے کا وعدہ فرمایا تو وہ راضی ہوئیں(2)۔ بخاری اور مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسی طرح روایت کیا ہے(3)۔ اس آیت میں مذکورہ مصارف پر ہی غنیمت کا پانچواں حصہ بھی صرف ہوگا۔ سورۃ انفال میں ہم نے اس پر بحث کی ہے۔ یہاں اس کے اعادے کی ضرورت نہیں۔ وللہ الحمد۔

قول تعالیٰ: كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ہم نے مال فے کے یہ مصارف اس لئے بیان کئے ہیں کہ یہ مال اغنیاء کا لقمہ نہ بن جائے کہ وہ اسے اپنی خواہشات اور آراء کے مطابق صرف کریں اور فقراء کو کچھ نہ دیں۔

1۔ سنن ابوداؤد، کتاب الخراج والامارۃ، جلد 3، صفحہ 140-139

2۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 219، فتح الباری، کتاب فرض الخمس، جلد 6، صفحہ 227، کتاب المغازی، جلد 7، صفحہ 339، جلد 7، صفحہ 411-410، مسلم، کتاب الجہاد، جلد 3، صفحہ 1393-1392

3۔ فتح الباری، کتاب فرض الخمس، جلد 6، صفحہ 198-197، مسلم، کتاب الجہاد والسیر، جلد 3، صفحہ 1379-1377، عارضۃ الاحوذی، ابواب السیر، جلد 7، صفحہ 113-112، نسائی کتاب قسم الفی، جلد 7، صفحہ 137-136

قولہ تعالیٰ مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۔ جو حکم وہ دیں اسے کرو اور جس سے روک دیں۔ اس سے اجتناب کرو، وہ بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔

ابن ابی حاتم نے مسروق رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ ایک عورت حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں آئی اور دریافت کیا مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ سوئی سے گودنے اور بالوں میں جوڑ لگانے سے منع فرماتے ہیں۔ کیا آپ نے کتاب وسنت میں اس کی کوئی دلیل پائی ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں کتاب اللہ میں بھی اور حدیث مبارکہ میں بھی اس کی ممانعت موجود ہے۔ اس عورت نے کہا خدا کی قسم دونوں لوحوں کے درمیان جو قرآن مجید ہے میں نے اس کی ورق گردانی کی ہے لیکن مجھے تو یہ بات کہیں نظر نہیں آئی جو آپ کہہ رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کیا تم نے آیت مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ نہیں پڑھی۔ اس نے کہا ہاں کیوں نہیں۔ آپ نے فرمایا میں نے حضور ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا آپ بالوں میں جوڑ لگانے، سوئی سے گودنے اور چہرے سے بال اکھیڑنے سے منع فرمارہے تھے۔ اس عورت نے کہا یہ چیز تو آپ کے گھر میں بھی ہے آپ نے فرمایا جا کر دیکھو۔ وہ اندر گئی اور دیکھ کر آئی۔ کہنے لگی میں نے کوئی چیز نہیں دیکھی۔ آپ نے فرمایا کیا تمہیں نیک بندے کی وصیت یاد نہیں: وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ (ہود: 88)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ "اللہ نے لعنت فرمائی ہے گودنے والیوں، گدوانے والیوں، بالوں میں جوڑ لگانے والیوں، حسن اور خوبصورتی کے لئے اپنے دانتوں میں کشادگی کرنے والیوں، اللہ کی تخلیق کو بدلنے والیوں پر لعنت فرمائی ہے"۔ بنو اسد کی ایک عورت جس کا نام ام یعقوب تھا، نے اپنے گھر میں یہ بات سنی تو آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوئی اور عرض کیا میں نے سنا ہے کہ آپ نے یہ فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا: ہاں میں اس عورت پر لعنت کیوں نہ کروں جس پر اللہ اور اس کے رسول نے لعنت فرمائی ہے۔ اس نے عرض کیا میں نے پورا قرآن پڑھا ہے لیکن مجھے تو یہ حکم نہیں ملا۔ آپ نے فرمایا: اگر تو پڑھتی تو تمہیں مل بھی جاتا۔ کیا تم نے یہ آیت نہیں پڑھی مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ ۔ اس نے عرض کیا کیوں نہیں۔ فرمایا: حضور ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ وہ کہنے لگی میرا خیال آپ کی بیویاں ایسے کرتی ہیں۔ آپ نے فرمایا: جاؤ، دیکھو۔ وہ گئی اور کچھ نہ دیکھا تو آ کر کہنے لگی میں نے کچھ نہیں دیکھا۔ آپ نے فرمایا اگر ایسا ہوتا تو ہم جمع نہ ہوتے یعنی یہ میرے گھر میں نہ ہوتیں (1)۔ یہ حدیث صحیحین میں ہے (2)۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب میں تمہیں کسی چیز کا حکم دوں تو جس قدر استطاعت ہو اس پر عمل کرو اور میں جس چیز سے روک دوں تو اس سے اجتناب کرو (3)۔ نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے اس بات کی گواہی دی کہ حضور ﷺ نے کدو کے برتن، سبز گھڑے، لکڑی کے کریدے ہوئے برتن اور تارکول ملے ہوئے برتن میں نبیذ بنانے سے منع فرمایا ہے۔ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی (وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ ۔ (4)۔

شَدِيْدُ الْعِقَابِ اس کے اوامر کو بجالانے، نواہی سے بچنے کے معاملہ میں اس سے ڈرو۔ وہ نافرمانی کرنے والے اور اوامر کو بجانہ لانے اور نواہی سے نہ رکنے والے کو شدید عذاب دے گا۔

1۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 434-433 2۔ صحیح البخاری، تفسیر سورۃ حشر، جلد 8، صفحہ 230، مسلم، کتاب اللباس، جلد 3، صفحہ 1678

3۔ صحیح البخاری، کتاب الاعتصام، جلد 13، صفحہ 21، مسلم کتاب الفضائل، جلد 4، صفحہ 1830

4۔ نسائی، سنن کبریٰ، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 4، صفحہ 449

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا وَّ يَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۚ وَ الَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَ لَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ وَ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۚ وَ الَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَ لَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝

"(نیز وہ مال) نادار مہاجرین کے لئے ہے جنہیں (جبرا) نکالدیا گیا تھا ان کے گھروں سے اور جائیدادوں سے یہ (نیک بخت) تلاش کرتے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی رضا اور (ہر وقت) مدد کرتے رہتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کی۔ یہی راست باز لوگ ہیں۔ اور (اس مال میں) ان کا بھی حق ہے جو دار ہجرت میں مقیم ہیں اور ایمان میں (ثابت قدم) ہیں مہاجرین (کی آمد) سے پہلے محبت کرتے ہیں ان سے جو ہجرت کر کے ان کے پاس آتے ہیں اور نہیں پاتے اپنے سینوں میں کوئی خلش اس چیز کے بارے میں جو مہاجرین کو دے دی جائے اور ترجیح دیتے ہیں انہیں اپنے آپ پر اگرچہ خود انہیں اس چیز کی شدید حاجت ہو۔ اور جس کو بچا لیا گیا اپنے نفس کی حرص سے تو وہی لوگ بامراد ہیں۔ اور (اس مال میں) ان کا بھی حق ہے جو ان کے بعد آئے۔ جو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار! ہمیں بھی بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لے آئے اور نہ پیدا کر ہمارے دلوں میں بغض اہل ایمان کے لئے اے ہمارے رب! بے شک تو رؤف رحیم ہے"۔

مال فے کے مستحقین فقراء کا بیان ہو رہا ہے کہ یہ ان لوگوں کے لئے ہے جنہیں اپنے گھر سے نکال دیا گیا اور انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی رضا کی خاطر اپنی قوم کی مخالفت کی۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے قول و فعل میں سچے ہیں یہ سادات مہاجرین ہیں۔ پھر انصار کی مدح کرتے ہوئے اور ان کی فضیلت، بزرگی، سخاوت، عدم حسد اور ضرورت کے باوجود اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دینے جیسی صفات کو واضح کرتے ہوئے فرمایا: وَ الَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ - یعنی مہاجرین سے قبل دار ہجرت میں مقیم تھے اور ان میں سے بہت سے لوگوں سے پہلے مسلمان ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اپنے بعد والے خلیفہ کو وصیت کرتا ہوں کہ مہاجرین اولین کے حق کا لحاظ رکھے۔ ان کی بزرگی کو محفوظ رکھے اور میں اسے وصیت کرتا ہوں کہ انصار سے حسن سلوک سے پیش آئے جو مہاجرین کی آمد سے پہلے دار ہجرت کے باسی ہیں اور ایمان میں ثابت قدم ہیں کہ ان کی نیکی کرنے والے کو قبول کرے اور ان کے خطاکار کو معاف کر دے۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے یہاں روایت کیا ہے (1)۔

قولہ تعالیٰ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ یعنی اپنی سخاوت اور شرف کی وجہ سے مہاجرین سے محبت رکھتے ہیں اور اپنے اموال کے ساتھ ان کی

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ حشر، جلد 8 صفحہ 631

خبر گیری کرتے ہیں۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ مہاجرین نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ہم نے تو ان انصار جیسے لوگ نہیں دیکھے۔ قلیل ہونے کے باوجود بااحسن طریق خبر گیری کرنے والے ہیں۔ اور کثیر المال ہونے کی صورت میں بھی ان سے بڑھ کر خرچ کرنے والا کوئی نہیں۔ انہوں نے گھر بسانے اور باغات لگانے میں ہماری مدد کی اور ہر چیز میں ہمیں شریک کیا، حتیٰ کہ ہمیں خدشہ ہوا کہ سارا اجر وہ لے جائیں گے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''نہیں، تمہارا ان کے لئے دعا مانگنا تمہارے ساتھ ان کی بھلائی کے قائم مقام ہو جائے گا جب تک تم ان کے لئے دعائے خیر کرتے رہو(1)۔'' میں نے کتب حدیث میں اس سند سے اسے نہیں دیکھا۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے انصار کو بلایا اور انہیں بحرین کا علاقہ دینا چاہا۔ وہ کہنے لگے نہیں یا رسول اللہ ﷺ! مگر جب تک آپ ہمارے مہاجر بھائیوں کو بھی اتنا ہی نہ دیں۔ آپ نے فرمایا اگر نہیں لینا چاہتے تو صبر کرو یہاں تک کہ مجھ سے ملو۔ تم میرے بعد دیکھو گے کہ دوسرے لوگوں کو بلا استحقاق تم پر ترجیح دی جائے گی۔'' بخاری اس سند سے اس روایت میں منفرد ہیں(2)۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انصار نے عرض کیا: ہمارے کھجوروں کے باغات ہم میں اور ہمارے بھائیوں میں تقسیم کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا: نہیں تم محنت کرو اور ہمیں پھل میں شریک رکھو۔ انہوں نے عرض کیا: سمعنا واطعنا (ہمیں بسر و چشم یہ بھی منظور ہے)(3)۔

وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً ... اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کو جو قدر و منزلت اور رتبہ عطا فرمایا ہے حتیٰ کہ ان کا ذکر بھی مقدم فرمایا ہے، انصار اس پر حسد نہیں کرتے۔ حسن بصری نے بھی حاجۃ سے مراد حسد لیا ہے(4)۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے جو کچھ ان کے بھائیوں کو عطا فرمایا گیا ہے۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی مروی ہے۔ اس معنی کی تائید امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر تھے کہ آپ نے فرمایا: ''ابھی تمہارے پاس ایک جنتی شخص آئے گا۔ اتنے میں ایک انصاری آیا۔ اس کی داڑھی سے وضو کے پانی کے قطرات گر رہے تھے۔ اس نے جوتے بائیں ہاتھ میں پکڑے ہوئے تھے۔ اگلے دن سرکار ﷺ نے پھر یہی فرمایا: وہی شخص دوبارہ آیا۔ تیسرے دن پھر آپ نے وہی بات دہرائی تو وہی شخص پھر آیا۔ جب سرکار ﷺ مجلس سے اٹھے تو حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اس شخص کے پیچھے ہو لئے اور اسے کہا میرا اپنے باپ سے جھگڑا ہو گیا ہے۔ میں نے قسم اٹھائی ہے کہ تین دن تک گھر نہیں جاؤں گا۔ اگر آپ تین دن تک مجھے پناہ دے سکیں تو میں یہ وقت آپ کے ہاں گزاروں۔ اس شخص نے کہا ٹھیک ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس شخص کے پاس تین راتیں گزاریں۔ آپ نے دیکھا کہ وہ رات کو تہجد کے لئے نہیں اٹھتا۔ بس جب رات کو آنکھ کھل گئی تو بستر پر لیٹے لیٹے اللہ کا ذکر کیا اور تکبیر کہی حتیٰ کہ نماز فجر کے لئے اٹھتا۔ ہاں یہ بات ہے کہ میں نے اس کی زبان سے خیر کے علاوہ اور کوئی کلمہ نہیں سنا۔ جب تین راتیں گزر گئیں تو قریباً مجھے اس کا عمل بہت ہلکا محسوس ہونے لگا۔ میں نے اسے بتایا کہ میرا اپنے باپ سے کوئی جھگڑا یا قطع تعلقی نہ تھی۔ بلکہ میں نے تو تین مرتبہ حضور ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا کہ ابھی تمہارے پاس ایک جنتی شخص آئے گا اور تینوں مرتبہ تم

1۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 200، ترمذی ابواب صفۃ القیامۃ، عارضۃ الاحوذی، جلد 9 صفحہ 302-301، ابوداؤد کتاب الادب، جلد 4 صفحہ 255

2۔ فتح الباری کتاب مناقب الانصار، جلد 7 صفحہ 117 3۔ بخاری، کتاب الحرث والمزارعۃ، جلد 5 صفحہ 8 4۔ طبری، جلد 28 صفحہ 42

آئے۔ چنانچہ میں نے سوچا تمہارے گھر میں پناہ لوں اور تمہارا عمل دیکھوں تاکہ اس کی پیروی کروں۔ لیکن میں نے تمہیں کوئی بڑا عمل کرتے نہیں دیکھا۔ تم یہ بتاؤ تمہیں اس بلند مقام تک کس چیز نے پہنچایا ہے جس کا ذکر حضور ﷺ نے بھی فرمایا ہے۔ اس نے کہا یہی کچھ جو تم نے مشاہدہ کیا۔ جب میں اجازت لے کر چلا تو مجھے بلایا اور کہا: میرا عمل صرف وہی ہے جو تم نے ملاحظہ فرمایا۔ مگر میں اپنے دل میں کسی مسلمان کے لئے دھوکہ یا حسد کے جذبات نہیں رکھتا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اسی چیز نے تمہیں یہاں تک پہنچایا ہے اور اس کی ہر کسی میں طاقت بھی نہیں (1)۔ نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے الیوم واللیلۃ میں روایت کیا ہے۔ اس کی سند صحیحین کی شرط پر صحیح ہے۔ فاللہ اعلم (2)۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے روایت کیا ہے کہ ان انصار میں یہ وصف تھا کہ مہاجرین کو اگر کچھ دیا جاتا تو یہ برا نہیں مانتے تھے۔ لیکن بنونضیر کے اموال جب مہاجرین میں تقسیم ہوئے تو کسی انصاری نے کوئی بات کہی جس پر یہ آیت وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ سے قَدِيْرٌ تک اتری)۔ اور حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہارے بھائی مال اور اولاد چھوڑ کر تمہارے پاس آئے ہیں۔ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! ہمارا مال ہمارے اور ان کے درمیان برابر تقسیم کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا اس کے علاوہ بھی کچھ ایثار کر سکتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! وہ کیا؟ فرمایا یہ ایسی قوم ہیں جو کام کرنا نہیں جانتے تم گھر وغیرہ آباد کرنے میں ان کی ذمہ داری لو اور پھل ان کے ساتھ تقسیم کرو۔ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! ہمیں یہ بھی منظور ہے (3)۔

خَصَاصَةٌ یعنی حاجت۔ ضرورتمندوں کی حاجات کو اپنے اوپر مقدم رکھتے ہیں اور ضرورت مند ہونے کے باوجود پہلے لوگوں سے شروع کرتے ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: افضل صدقہ وہ ہے جو کم مال والا اپنی گنجائش کے مطابق نکالے (4)۔ یہ مقام ان لوگوں سے اعلیٰ ہے جس کا بیان اس آیت میں ہے ارشاد ہوتا ہے: وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ (انسان: 8)، وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى (بقرہ: 177) ان لوگوں نے صدقہ دیا اور وہ جو چیز صدقہ دیتے ہیں اسے پسند کرتے ہیں۔ بسا اوقات انہیں اس کی ضرورت بھی نہیں ہوتی۔ ان لوگوں نے اپنے فاقہ اور ضرورت کے باوجود ان پر صدقہ کرنے کو ترجیح دی۔ اسی مقام سے ہے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا سارا مال صرف کر دینا۔ حضور ﷺ نے پوچھا اپنے گھر والوں کے لئے کیا چھوڑ آئے ہو؟ عرض کیا اللہ اور اس کے رسول کا نام (5)۔ اسی طرح پانی کا واقعہ ہے۔ غزوۂ تبوک کے دوران عکرمہ اور ان کے ساتھیوں کو پانی پیش کیا گیا۔ ہر ایک دوسرے کو دینے کا کہہ رہا تھا حالانکہ وہ زخموں سے چور پڑے تھے۔ ایسی حالت میں پانی کی شدید ضرورت ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک نے دوسرے کو دینے کا حکم دیا۔ اسی طرح وہ سب شہید ہو گئے اور کسی نے بھی نہ پیا۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں ایک آدمی آیا۔ عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! مجھے مالی پریشانیوں نے آلیا ہے، بھوکا ہوں۔ آپ نے ازواج مطہرات کے پاس پیغام بھیجا کچھ نہ ملا۔ تو آپ ﷺ نے اعلان فرمایا: ہے کوئی شخص جو آج رات انہیں مہمان ٹھہرائے۔ اللہ اس پر رحم فرمائے! ایک انصاری کھڑا ہوا اور عرض کی یارسول اللہ ﷺ! میں حاضر ہوں۔ وہ گھر گیا اور بیوی سے کہا یہ حضور ﷺ کا مہمان ہے۔ کوئی چیز بچا کر نہ رکھنا۔ بیوی نے کہا اللہ کی قسم! بچوں کے کھانے کے علاوہ میرے پاس اور کچھ نہیں۔ اس نے کہا بچے شام کا کھانا طلب کریں تو تم انہیں سلا دینا اور آ کر چراغ بجھا دینا ہم

1۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 166　2۔ تحفۃ الاشراف، جلد 1، صفحہ 395-394

3۔ طبری، جلد 28، صفحہ 42-41　4۔ فتح الباری، کتاب الحزن والمزارعۃ، جلد 5، صفحہ 8

5۔ ابوداؤد، کتاب الوتر، جلد 2، صفحہ 68، نسائی، کتاب الزکاۃ، جلد 5، صفحہ 58، مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 358، جلد 3، صفحہ 412-411، جلد 5، صفحہ 265، جلد 5 صفحہ 179-178

بھوکے رہ لیں گے چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ اگلے دن جب وہ انصاری شخص آیا تو حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فلاں شخص اور اس کی زوجہ کے فعل سے خوش ہوا ہے یا فرمایا اللہ تعالیٰ اس پر ہنسے ہیں اور یہ آیت نازل ہوئی ہے: وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ (1)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ایک دوسری جگہ اور مسلم، ترمذی اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں اس انصاری کا نام ابوطلحہ مذکور ہے (2)۔

قولہ تعالیٰ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ...... یعنی جس نے بخل سے اپنے آپ کو بچالیا وہ نجات پا گیا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ظلم سے بچو یہ قیامت کے دن کی تاریکی ہے اور بخل سے بچو۔ بخل نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کر دیا۔ انہیں انگیخت دی کہ وہ ان کا خون بہائیں اور ان کے محارم کو حلال سمجھیں (3)۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ اس روایت کے ذکر کرنے میں منفرد ہیں (4)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ظلم سے بچو بے شک ظلم قیامت کے دن کی تاریکیوں سے ہے۔ اور فحش باتوں سے بچو۔ اللہ تعالیٰ فحش گوئی اور بیہودگی کو پسند نہیں فرماتا اور بخل سے بچو اس نے سابقہ امتوں کو ہلاک کر دیا۔ انہیں ظلم کا حکم دیا۔ انہوں نے ظلم کیا۔ اس نے انہیں فجور کا حکم دیا تو انہوں نے فسق و فجور کا بازار گرم کر دیا۔ انہیں قطع تعلقی کا حکم دیا تو انہوں نے قطع تعلقی شروع کر دی۔ احمد، ابوداؤد اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسی طرح روایت کیا ہے (5)۔ لیث رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا: ''اللہ کی راہ میں گرد و غبار اور جہنم کا دھواں ایک بندے کے پیٹ میں جمع نہیں ہو سکتا اور کنجوسی اور ایمان ایک دل میں کبھی نہیں جمع ہو سکتے (6)''۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص نے آکر عرض کی۔ اے ابوعبدالرحمٰن! میں تو ہلاک ہو گیا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے وجہ پوچھی تو اس نے کہا قرآن میں ہے: وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ...... اور میں تو کنجوس ہوں۔ میرے ہاتھ سے کوئی چیز خرچ نہیں ہوتی۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ وہ بخل نہیں جس کا قرآن نے ذکر فرمایا ہے۔ جس بخل کا قرآن میں تذکرہ آیا ہے وہ یہ ہے کہ تو ظلماً اپنے بھائی کا مال کھالے۔ لیکن یہ تو کنجوسی ہے اور کنجوسی کتنی ہی بری چیز ہے (7)۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے ابوالہیاج اسدی سے روایت کیا ہے میں بیت اللہ شریف کا طواف کر رہا تھا میں نے ایک آدمی کو یہ کہتے سنا: اَللّٰهُمَّ قِنِيْ شُحَّ نَفْسِيْ (اے اللہ! مجھے اپنے نفس کی حرص سے بچالے)۔ مجھ سے ضبط نہ ہو سکا میں نے پوچھا آپ صرف یہی دعا کیوں مانگتے ہیں؟ اس نے کہا جب اس سے بچاؤ ہو جائے تو پھر نہ تو میں چوری کروں گا اور نہ بدکاری کروں گا اور نہ کوئی دوسرا برا کام۔ میں نے غور کیا تو پتہ چلا یہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ تھے۔ (ابن جریر) (8)

1۔ ابوداؤد، کتاب الزکاۃ، جلد 2، صفحہ 129، ترمذی، ابواب المناقب، عارضۃ الاحوذی، جلد 13، صفحہ 139-137　　2۔ مرجع مذکور

3۔ فتح الباری، کتاب التفسیر، جلد 8، صفحہ 631، کتاب مناقب الانصار، جلد 7، صفحہ 199، مسلم کتاب الاشربۃ، جلد 3، صفحہ 1625-1624، عارضۃ الاحوذی، ابواب التفسیر، جلد 12، صفحہ 191-189 نسائی: سنن کبریٰ، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 10، صفحہ 88-87

4۔ یہ حدیث تفسیر سورۂ طٰہٰ آیت: 111 اور تفسیر سورۂ شعراء آیت: 227 میں گزر چکی ہے۔

5۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 170-159، سنن ابوداؤد، کتاب الزکاۃ، جلد 2، صفحہ 123، سنن کبریٰ، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 6، صفحہ 290

6۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 320، مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 342، ترمذی، کتاب الجہاد، عارضۃ الاحوذی، جلد 7، صفحہ 130-129، نسائی، کتاب الجہاد، جلد 7، صفحہ 14-13، حاکم مستدرک، جلد 2، صفحہ 72

7۔ طبرانی: المعجم الکبیر، جلد 9 صفحہ 248، حاکم: تفسیر سورۂ تغابن، جلد 2، صفحہ 490 طبری، جلد 28، صفحہ 43　　8۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 43

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور انور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے اپنے مال کی زکوٰۃ دے دی اور مہمان نوازی کی اور مشکل حالات میں اللہ کی راہ میں خرچ کیا وہ حرص ولالچ سے بری ہو گیا۔

قولہ تعالیٰ وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ...... مال فے کے مستحقین کی یہ تیسری قسم ہے یہ مہاجرین، انصار اور احسان کے ساتھ ان کی اتباع کرنے والے ہیں۔ جس طرح سورہ براءۃ کی اس آیت میں ہے: وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (توبہ: 100)۔ احسان کے ساتھ اتباع کرنے والے جو ان کے اچھے آثار، عمدہ اوصاف کی پیروی کرتے ہیں اور سراً جہراً ان کے لئے دعا کرنے والے ہیں۔

یَقُوْلُوْنَ: أی قائلین: کہنے والے۔ غلاً: یعنی بغض وحسد۔

لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اس آیت کریمہ سے امام مالک رضی اللہ عنہ نے کتنی خوبصورت بات مستنبط کی ہے کہ صحابہ کی شان میں گستاخی کرنے والے رافضی کو مال فے سے حصہ نہیں ملے گا کیونکہ اس میں یہ صفت موجود نہیں جس کا ذکر اس آیت میں ہے: رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا...... (1)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ ان لوگوں کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ صحابہ کرام کے لئے استغفار کریں لیکن انہوں نے ان کے خلاف دشنام طرازی کی۔ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ...... (2)۔ اسماعیل بن علیہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ تمہیں یہ حکم دیا گیا تھا کہ صحابہ کرام کے لئے استغفار کرو لیکن تم نے انہیں سب وشتم شروع کر دی۔ میں نے تمہارے نبی کو ارشاد فرماتے سنا ہے کہ یہ امت اس وقت تک ختم نہ ہوگی جب تک کہ اس کا آخر اس کے اول پر لعنت نہ بھیجے۔ (3)۔

ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَیْهِ مِنْ خَیْلٍ وَّلَا رِكَابٍ یہ حضور ﷺ کے ساتھ خاص ہے۔ عرب گاؤں (فدک وغیرہ وغیرہ)۔ اور اس کے بعد کی آیات مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی......

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِیْنَ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا...... اور وَالَّذِیْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ......، وَالَّذِیْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ...... ان آیات نے حکم عام کر دیا اور تمام مسلمانوں کو اس میں شامل کر دیا ہے۔ اب ایک مسلمان بھی ایسا نہیں جس کا حق اس مال میں نہ ہو ماسوائے تمہارے غلاموں کے۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ اس میں انقطاع ہے (4)۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے مالک بن اوس بن حدثان سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِیْنِ سے عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ (توبہ: 60) تک پھر فرمایا زکوٰۃ کے مستحق یہ لوگ ہیں۔ پھر یہ آیت پڑھی: وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰی رَسُوْلِهٖ...... اَهْلِ الْقُرٰی سے مِنْۢ بَعْدِهِمْ...... (انفال: 41) فرمایا: یہ لوگ مال فے کے مستحق ہیں۔ اور یہ آیت پڑھی وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ...... لِذِی الْقُرْبٰی...... اور فرمایا مال غنیمت کے حقدار یہ لوگ ہیں۔ پھر فرمایا مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ نے تمام مسلمانوں کو مال فے کا مستحق کر دیا ہے۔ ہر ایک کا اس میں حق ہے۔ پھر فرمایا: اگر میں زندہ رہا تو چرواہے کو اس کا حصہ سَرْو حِمْیَرْ میں ملے گا جس کے حصول میں اس کا پسینہ تک نہیں بہا (5)۔ (سرو حمیر سے مراد کسی قبیلے کا علاقہ یا کوئی نشیبی علاقہ مراد ہے)۔

1۔ تفسیر قرطبی، جلد 18، صفحہ 32 2۔ در منثور، جلد 8، صفحہ 113 3۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 321

4۔ سنن ابوداؤد، کتاب الخراج والامارة والفئی، جلد 3، صفحہ 141 5۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 37، ابی عبید: الاموال: 24-23

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۙ وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ⑪ لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَلَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ۣ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ⑫ لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ⑬ لَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعًا اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ۭ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ ۭ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ⑭ۚ كَمَثَلِ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيْبًا ذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ⑮ۚ كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْۗءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ⑯ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا الظّٰلِمِيْنَ ⑰

''کیا آپ نے منافقوں کی طرف نہیں دیکھا جو کہتے ہیں اپنے بھائیوں سے جنہوں نے کفر کیا اہل کتاب میں سے کہ اگر تمہیں (یہاں سے) نکالا گیا تو ہم بھی ضرور تمہارے ساتھ یہاں سے نکل جائیں گے اور ہم تمہارے بارے میں کسی کی بات ہرگز نہیں مانیں گے۔ اور اگر تم سے جنگ کی گئی تو ہم ضرور تمہاری مدد کریں گے۔ اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ بالکل جھوٹ بول رہے ہیں۔ (سن لو!) اگر یہودیوں کو نکالا گیا تو یہ نہیں نکلیں گے ان کے ساتھ۔ اور اگر ان سے جنگ کی گئی تو یہ ان کی مدد نہیں کریں گے۔ اور اگر (جی کڑا کر کے) انہوں نے ان کی مدد کی تو یقیناً پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے، پھر ان کی مدد نہ کی جائے گی۔ (اے فرزندانِ اسلام!) ان (یہودیوں) کے دلوں میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ تمہارا ڈر ہے۔ یہ اس لئے کہ وہ ناسمجھ لوگ ہیں۔ (یہ بڑے بزدل ہیں) کبھی اکٹھے ہو کر (کھلے میدان میں) تم سے جنگ نہیں کریں گے جنگ کریں گے تو قلعہ بند بستیوں میں یا دیواروں کی آڑ لے کر۔ ان کا اختلاف آپس میں بہت سخت ہے۔ تم انہیں متحد خیال کرتے ہو حالانکہ ان کے دل متفرق ہیں۔ یہ اس لئے کہ یہ بے عقل لوگ ہیں۔ یہ ان لوگوں کی مانند ہیں جو ان سے پہلے ابھی ابھی اپنے کرتوتوں کا مزہ چکھ چکے ہیں۔ اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ منافقین اور یہود کی مثال شیطان کی سی ہے جو (پہلے) انسان کو کہتا ہے انکار کر دے۔ اور جب وہ انکار کر دیتا ہے تو شیطان کہتا ہے میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں، میں تو ڈرتا ہوں اللہ سے جو رب العالمین ہے۔ پھر ان دونوں (شیطان اور اس کے چیلے) کا انجام یہ ہوگا کہ دونوں آگ میں ڈالے جائیں گے اس میں ہمیشہ (جلتے) رہیں گے۔ اور یہی ظالموں کی سزا ہے''۔

اللہ تعالیٰ منافقین عبداللہ بن ابی اور اس کے پیروکاروں کے بارے میں خبر دے رہے ہیں کہ جب انہوں نے یہود بنی نضیر کی طرف پیغام بھیجا کہ ہم تمہاری مدد کریں گے۔

لَكٰذِبُوۡنَ یعنی وہ اپنے وعدہ میں جھوٹے ہیں کیونکہ انہوں نے ایسی بات تو کہہ دی ہے لیکن ان کی نیت یہ ہے کہ اسے پورا نہ کریں، یا جو کچھ انہوں نے کہا ہے ایسا کبھی نہیں ہوگا۔

لَا یَنۡصُرُوۡنَهُمۡ یعنی ان کے ساتھ مل کر لڑائی نہیں کریں گے۔

لَیُوَلُّنَّ الۡاَدۡبَارَ ۟ ثُمَّ لَا یُنۡصَرُوۡنَ یہ ایک عظیم خوشخبری ہے۔

لَاَنۡتُمۡ اَشَدُّ رَهۡبَةً فِیۡ صُدُوۡرِهِمۡ...... یہ تم سے جتنا خوف کھاتے ہیں اللہ سے بھی اتنا خوف نہیں کھاتے۔ جیسے فرمایا: اِذَا فَرِیۡقٌ مِّنۡهُمۡ یَخۡشَوۡنَ النَّاسَ كَخَشۡیَةِ اللّٰهِ اَوۡ اَشَدَّ خَشۡیَةً (النساء:77)۔

لَا یُقَاتِلُوۡنَكُمۡ جَمِیۡعًا میدانی لڑائی میں یہ جیش اسلام کو دعوت مبارزت نہیں دے سکتے بلکہ صرف قلعہ بند ہو کر یا دیوار کے پیچھے سے کارروائی کریں گے۔ یہ بھی اس صورت میں جب شدید ضرورت پیش آجائے۔

بَاۡسُهُمۡ بَیۡنَهُمۡ آپس میں ان کی عداوت شدید ہے۔ جیسے فرمایا: وَّیُذِیۡقَ بَعۡضَكُمۡ بَاۡسَ بَعۡضٍ (انعام:65)۔

تَحۡسَبُهُمۡ جَمِیۡعًا وَّقُلُوۡبُهُمۡ شَتّٰی آپ انہیں متحد سمجھتے ہیں حالانکہ ان میں انتہادرجے کا اختلاف ہے۔ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یعنی اہل کتاب اور منافقین کے درمیان۔

كَمَثَلِ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ...... مجاہد، سدی اور مقاتل بن حیان رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ اس کے مثل جو کفار قریش کے ساتھ غزوۂ بدر میں ہوا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے جس طرح ان سے قبل یہود بنو قینقاع کے ساتھ ہوا۔ قتادہ اور محمد بن اسحاق رحمہما اللہ تعالیٰ سے یہی مروی ہے۔ قرین صواب بھی یہی محسوس ہوتا ہے۔ حضور ﷺ نے اس سے پہلے یہود بنو قینقاع کو جلاوطن کردیا تھا۔

كَمَثَلِ الشَّیۡطٰنِ...... یعنی ان یہود کی طرح جو منافقین سے دھوکہ کھا گئے۔ انہوں نے ان کی مدد کرنے کا وعدہ کیا لیکن جب حقائق سے پردہ اٹھا اور محاصرے میں شدت آئی تو وہ کنارہ کش ہو گئے اور انہیں موت کے حوالے کردیا۔ ان کی مثال شیطان کی سی ہے جو معاذ اللہ انسان کو کفر پر آمادہ کرتا ہے۔ جب وہ دائرہ کفر میں داخل ہوتا ہے تو کہتا ہے میرا تیرے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ میں تو ڈرتا ہوں اللہ سے جو رب العالمین ہے۔ بعض علماء نے یہاں بنو اسرائیل کے عابد کا قصہ بیان کیا ہے یعنی اس کی مثال اسی طرح ہے نہ یہ کہ فقط یہی مراد ہے بلکہ اس طرح کے متعدد واقعات ہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایک راہب نے ساٹھ سال تک اللہ کی عبادت کی۔ شیطان نے اسے شیشے میں اتارنا چاہا لیکن ناکام ہوگیا۔ اس نے ایک عورت پر اپنا اثر ڈالا اور یہ ظاہر کیا کہ گویا اسے آسیب ہے۔ اس عورت کے بھائی تھے۔ ان کے دل میں یہ وسوسہ ڈالا کہ اس کا علاج صرف اسی عابد سے ممکن ہے۔ چنانچہ وہ اسے اس عابد کے پاس لے آئے۔ اس نے اس کا علاج کیا یہ عورت اس کے پاس رہنے لگی۔ ایک دن نفسانی خواہش کا غلبہ ہوگیا تو اس عورت سے بدکاری کر بیٹھا اسے حمل ہوگیا۔ اس نے اسے قتل کردیا۔ جب اس کے بھائی آئے تو شیطان نے راہب سے کہا تو میرا دوست ہے میں نے تمہیں اس گناہ میں مبتلا کیا۔ اب میری بات مان لو میں تمہیں بچالوں گا۔ مجھے سجدہ کرو۔ جب اس نے سجدہ کرلیا تو شیطان کہنے لگا میں تم سے بری ہوں میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں(1)۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک عورت بکریاں چرایا کرتی تھی۔ اس کے چار بھائی

1۔ تفسیر طبری، جلد 28 صفحہ 49

تھے۔ وہ رات کو ایک راہب کی خانقاہ میں ٹھہرتی تھی۔ راہب رات کو اس کے پاس آیا بدکاری کی۔ اسے حمل ہو گیا تو شیطان اس کے پاس آیا اور کہا اسے قتل کر کے دفن کر دو۔ تم ایک راست گفتار ہو تمہاری بات مان لی جائے گی۔ اس نے اسی طرح کیا۔ شیطان خواب میں اس کے بھائیوں کو ملا اور بتایا کہ فلاں راہب نے تمہاری بہن سے بدکاری کی۔ وہ حاملہ ہو گئی تو اسے قتل کر کے فلاں جگہ دفن کر دیا ہے۔ صبح ان میں سے ایک کہنے لگا آج میں نے ایک خواب دیکھا ہے۔ مجھے ہمت نہیں پڑتی اسے بیان کروں یا چھوڑ دوں۔ انہوں نے کہا سناؤ۔ اس نے پورا خواب بیان کیا۔ دوسرے تینوں بھائیوں نے کہا کہ ہمیں بھی یہی خواب آیا ہے۔ انہوں نے کہا ضرور کوئی بات ہے۔ وہ گئے اور بادشاہ کے پاس اس راہب کی شکایت کی۔ چنانچہ اسے بادشاہ کے پاس لانے کے لئے گئے۔ جب اسے لے کر چلے تو شیطان نے کہا میں نے تمہیں اس مشکل میں پھنسایا ہے۔ میرے سوا کوئی تمہیں اس سے نہیں نکال سکتا۔ مجھے ایک سجدہ کر دو میں تمہیں بچا لوں گا۔ چنانچہ اس نے اسے سجدہ کر دیا۔ جب وہ اسے بادشاہ کے دربار میں لے گئے تو یہ بری الذمہ ہو گیا چنانچہ اسے پکڑ کر قتل کر دیا گیا(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، طاؤس اور مقاتل بن حیان رحمہما اللہ تعالیٰ سے اسی طرح مروی ہے اور بہت سے لوگوں میں یہ مشہور ہے کہ اس راہب کا نام برصیصا تھا(2)۔ واللہ اعلم۔ یہ واقعہ عابد جریج کے واقعہ سے مختلف ہے۔ زاہد جریج پر ایک فاحشہ عورت نے تہمت لگا دی اور یہ دعویٰ کیا کہ اس کا حمل اس زاہد سے ہے۔ معاملہ حاکم وقت تک پہنچا۔ چنانچہ اس کے حکم سے اسے گرفتار کر لیا گیا اور عبادت خانہ اجاڑ دیا گیا۔ جریج پوچھتا رہا واقعہ کیا ہے۔ وہ کہنے لگے اے اللہ کے دشمن تم نے اس عورت کے ساتھ زیادتی کی۔ جریج نے کہا صبر کرو پھر اس بچے کو پکڑا جو بالکل شیر خوار تھا اور پوچھا تمہارا والد کون ہے؟ اس نے کہا میرا باپ چرواہا ہے۔ اس عورت نے چرواہے کو اپنے اوپر قدرت دی تو اسے حمل ہو گیا۔ جب بنو اسرائیل نے یہ دیکھا تو اس زاہد کی از حد تعظیم کی اور کہا ہم تمہارا عبادت خانہ سونے سے بنا دیتے ہیں۔ اس نے کہا نہیں مٹی سے اسی طرح بنا دو جس طرح پہلے تھا۔

فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ کفر کا انجام اور ان دونوں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ہر ظالم کی جزا یہی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٨﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ ۭ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿١٩﴾ لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۭ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿٢٠﴾

اے ایمان والو! ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور ہر شخص کو دیکھنا چاہئے کہ اس نے کیا آگے بھیجا ہے کل کے لئے۔ اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے۔ بے شک اللہ تعالیٰ خوب آگاہ ہے جو تم کرتے رہتے ہو۔ ان (نادانوں) کی مانند نہ ہو جانا جنہوں نے بھلا دیا اللہ تعالیٰ کو پس اللہ نے ان کو خود فراموش بنا دیا۔ یہی نافرمان لوگ ہیں۔ یکساں نہیں ہو سکتے دوزخی اور اہل جنت۔ اہل جنت ہی تو کامیاب لوگ ہیں"۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم دن کے ابتدائی حصے میں حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر تھے کہ کچھ لوگ جو ننگے پاؤں، ننگے بدن، چیتوں کی کھالیں پہنے ہوئے تلواریں لٹکائے ہوئے تھے، وہ اکثر بلکہ کل کے کل قبیلہ مضر سے تھے۔ ان کی فقر و فاقہ کی اس حالت نے حضور ﷺ کے رنگ کو متغیر کر دیا۔ آپ گھر کے اندر چلے گئے پھر باہر آئے اور بلال کو حکم دیا انہوں

1۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 50-49 2۔ تفسیر قرطبی، جلد 18، صفحہ 37

نے اذان دی اور نماز کے لئے اقامت کہی۔ آپ نے نماز پڑھائی اور خطبہ دیا اور یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ (لقمان: 33) سے آخر آیت تک تلاوت فرمائی اور سورۂ حشر کی آیت وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ تلاوت فرمائی۔ لوگ صدقہ دینے لگے، دینار، درہم، کپڑے، گندم، کھجوریں وغیرہ۔ تا آنکہ آپ نے فرمایا: اگرچہ آدھی کھجور ہو۔ ایک انصاری رقم کی ایک تھیلی لے کر آئے جو بہت وزنی تھی اور وہ اسے بمشکل لائے۔ پھر لوگ چیزیں لانے لگے حتیٰ کہ میں نے خوراک اور کپڑوں کے دو ڈھیر دیکھے اور میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ کا چہرہ کھل اٹھا اور خوشی سے چمکنے لگا۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا: ”جس نے اسلام میں اچھی بات شروع کی اسے اجر ملے گا اور اس کے بعد جو لوگ اس پر عمل کریں ان کا بھی ثواب ملتا ہے۔ اس طرح کہ ان کے اپنے اجر میں بھی کوئی کمی نہیں آتی۔ اور جو اسلام میں بری رسم شروع کرتا ہے اس پر اس کا گناہ ہوتا ہے اور ان لوگوں کا بھی جو بعد میں اس پر کاربند ہوں لیکن ان کے گناہوں میں بھی کمی نہیں ہوگی۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ اس روایت میں منفرد ہیں (1)۔

اتَّقُوا اللّٰهَ تقویٰ کا حکم دیا جو کہ امر کو بجالانے اور نہی کو ترک کردینے کا نام ہے۔

قولہ تعالیٰ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ اپنا محاسبہ کر داس سے پہلے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے اور دیکھو تم نے کل قیامت کے دن رب کی بارگاہ میں حاضری کے لئے اعمال صالحہ کا کون سا ذخیرہ تیار کر رکھا ہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ دوسری مرتبہ تاکید کی جارہی ہے۔

خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ تم جان لو کہ وہ تمہارے تمام اعمال اور احوال سے آگاہ ہے اس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔ تمہارے چھوٹے بڑے سب اعمال اس کے سامنے ہیں۔

لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ نَسُوا...... اللہ کے ذکر سے غافل نہ ہو ورنہ وہ تمہیں نیک اعمال جو آخرت میں تمہیں نفع دیں گے بھلادے گا۔ بلاشبہ جزاء عمل کی جنس سے ہوتی ہے۔

اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ اللہ کی اطاعت سے خارج، روز قیامت ہلاک ہونے والے اور خسارے میں ہیں۔ جیسے فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ...... فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (منافقون: 9)۔

حافظ ابو القاسم طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خطبہ کا ایک مختصر سا حصہ نقل کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ صبح و شام تم اپنے مقررہ وقت کی طرف بڑھ رہے ہو۔ جو شخص اپنا وقت اللہ کی اطاعت میں گزار سکتا ہے اسے یہ کرنا چاہئے۔ یہ چیز تم ہرگز حاصل نہیں کر سکتے مگر اللہ کے فضل و کرم سے۔ ایک قوم نے اپنی عمریں دیگر کاموں میں صرف کیں اللہ تمہیں ان کی مثل ہونے سے منع فرماتا ہے۔ پھر یہ آیت پڑھی: وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ نَسُوا اللّٰهَ...... تمہارے بھائی جنہیں تم جانتے ہو کہاں ہیں؟ اپنے گزشتہ ایام میں انہوں نے جو کچھ کیا تھا اس کا سامنا کرنے کے لئے بارگاہ خداوندی میں جا پہنچے ہیں اور شقاوت یا سعادت میں ہیں۔ کہاں ہیں گزشتہ ادوار کے وہ جابر لوگ جنہوں نے شہر بسائے اور ان کے گرد مضبوط فصیلیں بنائیں؟ آج وہ پتھروں کے نیچے گڑھوں میں ہیں۔ یہ کتاب اللہ ہے جس کے عجائبات ابدی ہیں۔ تم تاریک دن کے لئے اس سے روشنی حاصل کرو۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام اور ان کے اہل بیت کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے۔ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۫ وَ وَهَبْنَا لَهٗ یَحْیٰى وَ اَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا یُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ وَ

1۔ یہ حدیث سورۂ نساء کی ابتداء میں تفسیر سورۂ یٰسین آیت: 12 میں گزر چکی ہے۔

يَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّ رَهَبًا ۖ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ (انبیاء:80)۔ جس بات سے خدا کی رضامندی مقصود نہ ہو اس میں کوئی بھلائی نہیں۔ اس مال میں کوئی بھلائی نہیں جو مال اللہ کی راہ میں خرچ نہ ہو۔ اس میں کوئی بھلائی نہیں جس کی جہالت بردباری پر غالب ہو۔ جو اللہ کی راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے ڈرتا ہے اس میں بھی کوئی بھلائی نہیں (1)۔

اس کی سند عمدہ ہے اور سارے راوی ثقہ ہیں۔ حریز بن عثمان کے شیخ نعیم بن نمحہ کی ثقاہت یا عدم ثقاہت کا مجھے علم نہیں۔ مگر ابوداؤد بجستانی کا یہ فیصلہ ہے کہ حریز کے تمام شیوخ ثقہ ہیں۔ اس خطبہ کے اور شواہد بھی مروی ہیں۔ واللہ اعلم۔

لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ روز قیامت یہ دونوں اللہ کے ہاں یکساں نہیں ہوں گے۔ ایک اور آیت میں ہے: اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ ... مَا يَحْكُمُوْنَ (جاثیہ:21)۔ اور فرمایا: وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ... تتذکرون (فاطر:19)۔ اور فرمایا: اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ... الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ (ص:28)۔ ودیگر آیات اس بات کی دلیل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نیکوں کی تکریم کرے گا اور بروں کی اہانت۔

الْفَآئِزُوْنَ یعنی نجات پانے والے، اللہ کے عذاب سے محفوظ۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ○ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ○ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ۭ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○

”اگر ہم نے اتارا ہوتا اس قرآن کو کسی پہاڑ پر تو آپ اس کو دیکھتے کہ وہ جھک جاتا (اور) پاش پاش ہو جاتا اللہ کے خوف سے۔ اور یہ مثالیں ہم بیان کرتے ہیں لوگوں کے لئے تاکہ وہ غور وفکر کریں۔ اللہ وہی تو ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ جاننے والا ہر چھپی ہوئی اور ہر ظاہر چیز کا۔ وہی بہت مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ اللہ وہی تو ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ سب کا بادشاہ، نہایت مقدس، سلامت رکھنے والا، امن بخشنے والا، نگہبان، عزت والا، ٹوٹے دلوں کو جوڑنے والا، متکبر ہے۔ پاک ہے اللہ تعالیٰ اس شرک سے جو لوگ کر رہے ہیں۔ وہی اللہ سب کا خالق، سب کو پیدا کرنے والا (سب کی مناسب) صورت بنانے والا ہے سارے خوبصورت نام اسی کے ہیں۔ اس کی تسبیح کر رہے ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں۔ اور وہی عزت والا، حکمت والا ہے“۔

اللہ تعالیٰ قرآن کی بزرگی اور علو قدر کا بیان فرما رہے ہیں۔ چاہئے کہ دل اس سے ڈریں اور اس کے وعدے وعید سننے کے وقت پھٹ جائیں۔

1۔ المعجم الکبیر، جلد 1، صفحہ 61-60

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ پہاڑ اپنی مضبوطی اور سنگ خارا ہونے کے باوجود اگر اس قرآن کو سمجھ لے اور اس کی تعلیمات میں غور و تدبر سے کام لے تو وہ اللہ کے خوف سے پھٹ جائے۔ اے انسانو! یہ کس طرح تمہارے لئے مناسب ہے کہ تمہارے دل نرم نہ ہوں اور جھک نہ جائیں اور خشیت الٰہی سے پاش پاش نہ ہو جائیں۔ حالانکہ تم نے اللہ کے امر کو سمجھ لیا ہے اور اس کی کتاب میں تدبر کر لیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں اگر میں یہ قرآن پہاڑ پر نازل فرماتا، اس پر لازم کرتا تو وہ ریزہ ریزہ ہو جاتا اور اس کے بوجھ اور اللہ کے خوف سے جھک جاتا۔ چنانچہ اللہ نے جب قرآن نازل فرمایا تو انہیں حکم دیا کہ وہ خشیت اختیار کریں(1)۔

لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ قتادہ اور ابن جریر رحمہما اللہ تعالیٰ کا یہی قول ہے اور متواتر حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ کے لئے جب منبر بچھایا گیا۔ اس سے پہلے آپ ﷺ خطبہ کے لئے کھجور کے مُڈھ کا سہارا لیتے تھے۔ جب منبر رکھا گیا اور سرکار آ کر اس پر خطبہ دینے کے لئے اس تنے کو چھوڑ کر منبر کی طرف متوجہ ہوئے، اس وقت وہ تنا آپ ﷺ کے فراق میں بچے کی طرح بلک بلک کر رونے لگا(2) کیونکہ وہ ذکر اور وحی سنا کرتا تھا۔ اس حدیث کی بعض روایات میں ہے کہ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا کرتے لوگو! تم ایک تنے سے زیادہ اس بات کے حقدار ہو کہ اللہ کے رسول کے مشتاق ہو جاؤ۔

اسی طرح اس آیت کریمہ میں جب بہرے پہاڑ اگر اللہ کا کلام سن کر سمجھ لیں تو جھک جائیں اور اس کی خشیت سے پاش پاش ہو جائیں تو تمہارا کیا حال ہونا چاہئے جبکہ تم اسے سن بھی رہے ہو اور سمجھ بھی رہے ہو۔ ارشاد ہوتا ہے: وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ...... لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ (رعد: 31)۔ اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ اس کا معنی ہے ''لکان ھذا القرآن''(3)۔ ایک اور جگہ فرمایا: ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ...... عَمَّا تَعْمَلُوْنَ۔

قال تعالیٰ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ...... اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ ایسی ذات ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کے سوا کوئی رب نہیں اس کے علاوہ کسی معبود کا کوئی وجود نہیں۔ اس کے علاوہ جن کی عبادت کی جاتی ہے وہ سب معبودان باطلہ ہیں۔ وہ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ہے تمام کائنات کا علم رکھنے والا ہے خواہ ظاہر ہو یا پوشیدہ۔ زمین و آسمان میں کوئی چیز اس پر مخفی نہیں خواہ عمدہ ہو یا حقیر، چھوٹی ہو یا بڑی، حتیٰ کہ چیونٹیاں اندھیرے میں بھی۔

قولہ تعالیٰ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ تفسیر کی ابتداء میں اس پر بحث گزر چکی ہے۔ اس کے اعادے کی اب ضرورت نہیں۔ مراد یہ ہے کہ وہ وسیع رحمتوں والا ہے جو تمام مخلوقات کو شامل ہے۔ وہ دنیا و آخرت میں رحمٰن بھی ہے اور رحیم بھی۔ ارشاد باری ہے: وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (اعراف: 156)۔ اور فرمایا: كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (انعام: 54) اور فرمایا: قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ...... يَجْمَعُوْنَ (یونس: 58)۔

قال هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ وہ تمام اشیاء کا مالک ہے اور بلا ممانعت و مدافعت ان میں تصرف کرنے والا ہے۔

قولہ تعالیٰ الْقُدُّوْسُ وہب بن منبہ کا قول ہے۔ الطاھر: پاک۔ مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے: المبارك۔ ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے ملائکہ کرام اس کی تقدیس بیان کرتے ہیں۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 53
2۔ بخاری، کتاب المناقب، فتح الباری، جلد 6، صفحہ 602-601، دلائل النبوۃ، جلد 404-399
3۔ دیکھئے تفسیر سورۂ رعد آیت: 31

السَّلٰمُ ذات، صفات اور افعال میں کمال کے منافی تمام عیوب اور نقائص سے پاک ہے۔

قولہ تعالیٰ اَلْمُؤْمِنُ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اپنی مخلوق کو اس بات سے امن دیا ہے کہ ان پر ظلم کرے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ فرما کر کہ وہ حق ہے سب کو امن دے رکھا ہے۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اپنے ایماندار بندوں کے ایمان کی تصدیق فرماتا ہے۔

اَلْمُهَيْمِنُ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ مفسرین سے مروی ہے کہ اپنی مخلوق کے جملہ اعمال پر شاہد ہے۔ یعنی ان پر رقیب ہے۔ جیسے ارشاد ہوتا ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِئِيْنَ...... شهيد۔ اور فرمایا: فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِىْ نَعِدُهُمْ...... يُرْجَعُوْنَ (رعد:33)۔ اور فرمایا: اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ...... مِنْ هَادٍ (رعد:33)۔

اَلْعَزِيْزُ ہر چیز پر زبردست اور غالب ہے۔ اس کی عزت، عظمت، جبروت اور کبریائی کی وجہ سے اس کی جناب کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔

اَلْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ جبریت صرف اسی کے شایان شان ہے اور کبریائی صرف اسی کی عظمت کو زیبا ہے، جس طرح صحیح حدیث قدسی میں گزرا ہے کہ ''عظمت میرا ازار اور کبریائی میری چادر ہے۔ جس نے ان دونوں میں سے کسی کے حق میں مجھ سے تنازعہ کیا میں اسے عذاب دوں گا'' (1)۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے وہ جبار ہے جس چیز پر چاہے اپنی مخلوق کو رکھ سکتا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے جبار یعنی اپنی مخلوقات کے امور کو درست کرنے والا اور ان میں ایسا تصرف کرنے والا ہے جس میں ان کی فلاح و بہبود ہوتی ہے (2)۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے المتكبّر: یعنی ہر برائی سے متکبر ہے۔

قولہ تعالیٰ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ: الخلق: التقدير: اندازہ کرنا۔ والبرء هو: الفرى: اس اندازے کو نافذ کرنے والا۔ اور جس چیز کو مقدر کیا ہے اسے نیست سے ہست میں لانے والا، عدم سے وجود بخشنے والا۔ وہ جس چیز کو مقدر اور مرتب فرما دے اس کے اذن کے بغیر وجود میں نہیں آ سکتی۔ ایک شاعر دوسرے کی مدح کرتے ہوئے کہتا ہے: (3)

وَلَاَنْتَ تَفْرِىْ مَاخَلَقْتَ وَبَعْـ ـضُ الْقَومِ يَخْلُقُ ثُمَّ لَا يَفْرِىْ

یعنی تو جو اندازہ مقرر کرے اسے نافذ بھی کرتا ہے۔ بخلاف دوسروں کے ان میں یہ صفت نہیں۔ الخلق: التقدير: اندازہ مقرر کرنا۔ الفرىُ: التنفيذ: نافذ کرنا، عملی جامہ پہنانا۔ اسی سے محاورہ ہے: قدر الجلّاد ثم فرى: جلاد نے اندازہ مقرر کیا۔ پھر اس کے مطابق کاٹا جیسے وہ چاہتا تھا۔

اَلْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ یعنی جب کسی چیز کا ارادہ فرمالے تو اسے کہتا ہے کُنْ (ہو جا) تو وہ اسی شکل کے ساتھ ہو جاتی ہے جیسے وہ چاہتا ہے اور اس صفت پر جسے وہ پسند فرماتا ہے۔ ایک دوسری آیت میں ہے: فِىْٓ اَىِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ (انفطار:8)۔ اس لئے فرمایا:

اَلْمُصَوِّرُ جس وصف پر اسے وجود میں لانا چاہتا ہے اس کا ارادہ نافذ ہے۔ وہ چیز اسی طرح ہو جاتی ہے۔

لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى سورۂ اعراف میں اس موضوع پر بحث ہو چکی ہے۔ اب ہم صحیحین میں مروی حدیث ذکر کرتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ننانویں یعنی ایک کم ایک سو نام ہیں۔ جو انہیں یاد کر لے جنت میں

1۔ یہ حدیث سورۂ جاثیہ کی تفسیر میں گزر چکی ہے 2۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 25

3۔ زہیر بن ابی سلمہ: دیوان، جلد 94، تفسیر قرطبی، جلد 18، صفحہ 48

داخل ہوگا وہ وتر ہے اور وتر (اکیلا ہونا) کو پسند کرتا ہے(1)۔ ترمذی میں ان اسماء کی تصریح یوں کی گئی ہے:

هو الله الذي لا إله إلا هو، الرحمٰن، الرحيم، الملك، القدّوس، السلام، المؤمن، المهيمن، العزيز، الجبّار، المتكبر، الخالق، البارئ، المصوّر، الغفّار، القهّار، الوهّاب، الرزّاق، الفتاح، العليم، القابض، الباسط، الخافض، الرافع، المعز، المذل، السميع، البصير، الحكَم، العدْل، اللطيف، الخبير، الحليم، العظيم، الغفور، الشكور، العليّ، الكبير، الحفيظ، المقيت، الحسيب، الجليل، الكريم، الرقيبُ، المجيب، الواسع، الحكيم، الودود، المجيد، الباعث، الشهيدُ، الحقُّ، الوكيل، القويّ، المتين، الوليّ، الحميد، المحصِي، المبْدئُ، المعيد، المحيي، المميت، الحيّ، القيوّم، الواجد، الماجد، الواحد، الصمد، القادر، المقتدر، المقدّم، المؤخر، الأوّل، الآخر، الظاهر، الباطن، الوالي، المتعالي، البرّ، التواب، المنتقم، العفوّ، الرؤوف، مالكُ الملك، ذوالجلال والاكرام، المقسطُ، الجامع، الغنيّ، المغني، المعطي، المانع، الضارّ، النافع، النور، الهادي، البديع، الباقي، الوارث، الرشيد، الصّبُوْرُ۔

ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں الفاظ کی زیادتی، کمی اور تقدیم و تاخیر ہے۔ ہم نے اس کے طرق اور الفاظ کو مفصل مطول پہلے ذکر کیا ہے۔ اب اس کے اعادے کی ضرورت نہیں۔(2)

يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جیسے ایک دوسری آیت میں ہے: تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ ..... غَفُوْرًا (اسراء: 44)۔

الْعَزِيْزُ اس کی جناب کا قصد نہیں کیا جا سکتا۔

الْحَكِيْمُ حکیم ہے اپنی شرع اور تقدیر میں۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور پر نور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص صبح کے وقت تین مرتبہ أعوذ بالله السميع العليم من الشيطان الرجيم پڑھ کر سورۂ حشر کی آخری ان تین آیات کو پڑھ لے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ستر ہزار فرشتے مقرر کرتا ہے جو شام تک اس کے لئے دعائے رحمت کرتے ہیں اور اگر اسی دن اس کا انتقال ہو جائے تو شہید کا رتبہ پاتا ہے اور جو شخص شام کو یہ عمل کرے اس کا بھی یہی حکم ہے(3)۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے غریب قرار دیا ہے(4)۔

سورۂ حشر کی تفسیر ختم ہوئی۔

ولله الحمد والمنّه

1۔ یہ حدیث بسم اللہ کی اور سورۂ اعراف آیت: 180 کی تفسیر میں گزر چکی ہے

2۔ مرجع مذکور

3۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 26، عارضۃ الاحوذی، ابواب فضائل القرآن، جلد 9، صفحہ 42

4۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب فضائل القرآن، جلد 9 صفحہ 42

سورۃ الممتحنہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوۡا عَدُوِّیۡ وَ عَدُوَّکُمۡ اَوۡلِیَآءَ تُلۡقُوۡنَ اِلَیۡہِمۡ بِالۡمَوَدَّۃِ وَ قَدۡ کَفَرُوۡا بِمَا جَآءَکُمۡ مِّنَ الۡحَقِّ ۚ یُخۡرِجُوۡنَ الرَّسُوۡلَ وَ اِیَّاکُمۡ اَنۡ تُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰہِ رَبِّکُمۡ ؕ اِنۡ کُنۡتُمۡ خَرَجۡتُمۡ جِہَادًا فِیۡ سَبِیۡلِیۡ وَ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِیۡ ٭ۖ تُسِرُّوۡنَ اِلَیۡہِمۡ بِالۡمَوَدَّۃِ ٭ۖ وَ اَنَا اَعۡلَمُ بِمَاۤ اَخۡفَیۡتُمۡ وَ مَاۤ اَعۡلَنۡتُمۡ ؕ وَ مَنۡ یَّفۡعَلۡہُ مِنۡکُمۡ فَقَدۡ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیۡلِ ﴿۱﴾ اِنۡ یَّثۡقَفُوۡکُمۡ یَکُوۡنُوۡا لَکُمۡ اَعۡدَآءً وَّ یَبۡسُطُوۡۤا اِلَیۡکُمۡ اَیۡدِیَہُمۡ وَ اَلۡسِنَتَہُمۡ بِالسُّوۡٓءِ وَ وَدُّوۡا لَوۡ تَکۡفُرُوۡنَ ؕ﴿۲﴾ لَنۡ تَنۡفَعَکُمۡ اَرۡحَامُکُمۡ وَ لَاۤ اَوۡلَادُکُمۡ ۚۛ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ ۚۛ یَفۡصِلُ بَیۡنَکُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ﴿۳﴾

''اے ایمان والو! نہ بناؤ میرے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو (اپنے) جگری دوست، تم تو اظہار محبت کرتے ہو ان سے، حالانکہ وہ انکار کرتے ہیں (اس دین) حق کا جو تمہارے پاس آیا ہے۔ انہوں نے نکالا ہے رسول (مکرم) کو اور تمہیں بھی (مکہ سے) محض اس لئے کہ تم ایمان لائے ہو اللہ پر جو تمہارا پروردگار ہے۔ اگر تم جہاد کرنے نکلے ہو میری راہ میں اور میری رضا جوئی کے لئے (تو انہیں دوست مت بناؤ) تم بڑی رازداری سے ان کی طرف محبت کا پیغام بھیجتے ہو، حالانکہ میں جانتا ہوں جو تم نے چھپا رکھا ہے اور جو تم نے ظاہر کیا۔ اور جو ایسا کرے تم میں سے تو وہ بھٹک گیا راہِ راست سے۔ اگر وہ تم پر قابو پا لیں تو وہ تمہارے دشمن ہوں گے اور بڑھائیں گے تمہاری طرف اپنے ہاتھ اور اپنی زبانیں برائی کے ساتھ وہ تو چاہتے ہیں کہ تم (ان کی طرح) کافر بن جاؤ۔ نہ نفع پہنچائیں گے تمہیں تمہارے رشتہ دار اور نہ تمہاری اولاد۔ روزِ قیامت۔ اللہ تعالیٰ جدائی ڈال دے گا تمہارے درمیان۔ اور اللہ تعالیٰ جو تم کر رہے ہو خوب دیکھنے والا ہے''۔

اس سورۂ کریمہ کی ابتدائی آیات کا شان نزول حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے۔ قصہ یہ ہے کہ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ ہجرت کر کے مدینہ آ گئے تھے اور بدری صحابی تھے۔ مکہ میں ان کی اولاد اور مال تھا۔ یہ خاندان قریش سے نہ تھے بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حلیف تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے اہل مکہ کی عہد شکنی کی وجہ سے فتح مکہ کا عزم فرمایا اور دعا فرمائی: اے اللہ ہماری خبر ان سے پوشیدہ رہے تو حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے اہل مکہ کے نام ایک خط لکھ کر قریشی عورت کے حوالے کیا۔ اس میں انہیں حضور ﷺ کے ارادہ سے آگاہ کر دیا تاکہ اہل مکہ پر ان کا احسان رہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی دعا منظور فرماتے ہوئے اپنے نبی کو

خبر کر دی۔ آپ نے اس عورت کے پیچھے ایک دستہ بھیجا۔ انہوں نے اس عورت سے وہ خط لے لیا۔ یہ واقعہ صحیح حدیث میں آ چکا ہے(1)۔
امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے مجھے، زبیر اور مقداد کو فرمایا: ''یہاں سے کوچ کرو۔ جب تم مقام روضہ خاخ(2) میں پہنچو تو وہاں تمہیں ایک سانڈنی سوار مسافر عورت ملے گی۔ اس کے پاس ایک خط ہے وہ اس سے لے لو۔ چنانچہ ہم روانہ ہوئے اور تیزی سے گھوڑے دوڑاتے ہوئے روضہ کے مقام پر پہنچے۔ (یہ مدینہ سے بارہ میل کے فاصلے پر ہے)۔ اس عورت کو ہم نے ٹھیک اسی مقام پر پایا۔ ہم نے کہا خط نکالو۔ وہ کہنے لگی میرے پاس کوئی خط نہیں۔ ہم نے کہا خط نکالو یا کپڑے اتارو یعنی ہم تمہاری تلاشی لیں گے۔ چنانچہ اس نے جوڑے میں سے خط نکال کر دے دیا۔ ہم وہ خط لے کر حضور ﷺ کی بارگاہ میں آئے کیا دیکھتے ہیں کہ یہ حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے مشرکین مکہ کی طرف لکھا گیا تھا۔ انہیں حضور ﷺ کی خفیہ فوجی مہم کی اطلاع دی گئی تھی۔ سرکار ﷺ نے فرمایا: اے حاطب یہ کیا ہے؟ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! جلدی نہ کیجئے اور میری بات بھی سن لیجئے۔ میں قریش سے ملا ہوا تھا۔ ان کے قبیلہ سے نہ تھا۔ آپ کے ساتھ دیگر مہاجرین کی وہاں رشتہ داریاں ہیں جو مکہ میں ان کے بال بچوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ میں نے سوچا کہ نسب کی کمی کو ان پر احسان کر کے دور کروں تاکہ وہ میرے بال بچوں کو نقصان نہ پہنچائیں۔ میں نے ایسا کفر وارتداد اور اسلام قبول کرنے کے بعد کفر پر راضی ہونے کی وجہ سے نہیں کیا۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا: یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اگر اجازت ہو تو اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ بدر میں شریک ہوئے ہیں اور بدری حضرات کے بارے اللہ تعالیٰ خبردار ہے اسی لئے اس نے اہل بدر کے حق میں فرمایا کہ جو چاہو کرو میں نے تمہیں بخش دیا(3)۔ ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ جماعت نے اسی طرح روایت کیا ہے(4)۔ بخاری کی کتاب المغازی میں یہ اضافہ بھی ہے: پھر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی(5) اور کتاب التفسیر میں بھی اسی طرح ہے کہ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے فرمایا اسی بارے میں آیت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا...... اتری لیکن راوی کو شک ہے کہ آیت کے اترنے کا بیان عمرو کا ہے یا حدیث میں ہے۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے امام علی بن مدینی سے روایت کیا ہے کہ حضرت سفیان رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ یہ آیت اسی میں اتری ہے؟ تو سفیان نے فرمایا لوگوں میں یہی بات ہے میں نے اسے عمرو سے حفظ کیا ہے اور ایک حرف بھی نہیں چھوڑا۔ مجھے معلوم نہیں کہ میرے علاوہ کسی اور نے بھی اسے حفظ کیا ہے یا نہیں(6)۔ صحیحین کی حدیث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے اس میں حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کے نام کے بدلے حضرت ابومرثد رضی اللہ عنہ کا نام ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم سب شہسوار تھے اور حضور ﷺ نے بتادیا تھا کہ اس عورت کے پاس حاطب بن ابی بلتعہ کا خط ہے جو مشرکین کے نام ہے۔ ہمیں وہ عورت ایک اونٹ پر جاتی ہوئی ملی جس طرح حضور ﷺ نے فرمایا تھا۔ ہم نے اس سے خط مانگا اس نے انکار کر دیا کہ میرے پاس کوئی خط نہیں۔ ہم نے سواری بٹھا کر خوب تلاشی لی لیکن کچھ ہاتھ نہ لگا۔ ہم نے کہا رسول اللہ ﷺ کی بات غلط نہیں ہو سکتی خط نکالو یا ہم تمہارے کپڑے اتار دیں گے جب اس نے ہمارے عزم مصمم کو دیکھا

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2، صفحہ 397 2۔ یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام ہے جو کہ مدینہ سے 12 میل کے فاصلہ پر واقع ہے

3۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 80-79، فتح الباری، تفسیر سورۂ ممتحنہ، جلد 5 صفحہ 634-633، کتاب المغازی، جلد 7، صفحہ 519، مسلم، کتاب فضائل صحابہ، جلد 4، صفحہ 1942-1941، سنن ابو داؤد، کتاب الجہاد، جلد 3، صفحہ 48-47، عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ ممتحنہ، جلد 12 صفحہ 194-191 سنن کبریٰ، کتاب التفسیر، بحوالہ الاشراف، جلد 7 صفحہ 427-426

4۔ مرجع مذکور ایضاً 5۔ فتح الباری تفسیر سورۂ ممتحنہ، جلد 8، صفحہ 634-633، کتاب المغازی، جلد 7، صفحہ 519 6۔ مرجع مذکور

تو اپنی کمر کی طرف ہاتھ بڑھایا یہ ازار باندھے ہوئے تھی اور خط نکال کر ہمیں دے دیا۔ ہم اسے لے کر حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! اس نے اللہ، اس کے رسول اور مؤمنین سے خیانت کی ہے مجھے اس کی گردن مارنے کی اجازت دیجئے۔ حضور ﷺ نے حاطب سے پوچھا تم نے ایسا کیوں کیا؟ تو انہوں نے کہا اللہ کی قسم! میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہوں۔ میں نے قریش پر احسان کرنا چاہا جس کے سبب اللہ اس قوم کو میرے اہل وعیال اور مال سے دور رکھے۔ دیگر صحابہ میں سے ہر ایک کی وہاں رشتہ داری ہے جو ان کے اہل وعیال اور مال کی حفاظت کریں گے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اس نے سچ کہا ہے۔ اس کے بارے میں صرف اچھی بات کہو۔ حضرت عمر نے فرمایا اس نے اللہ اور اس کے رسول اور مؤمنین سے خیانت کی ہے مجھے اس کی گردن مار دینے کی اجازت دیجئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: کیا یہ اہل بدر سے نہیں۔ اللہ کو اہل بدر کا علم تھا، اسی لئے فرمایا: جو چاہو کرو تمہارے لئے جنت واجب ہے (یا فرمایا) میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمایا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے(1)۔ بخاری شریف کی کتاب المغازی میں غزوۂ بدر کے بیان میں اسی طرح ہے۔ ایک دوسری سند سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مکہ جانے کا ارادہ چند صحابہ کے سامنے ظاہر کیا تھا۔ حاطب بن ابی بلتعہ ان میں شامل تھے اور لوگوں میں یہ بات پھیل گئی کہ حضور ﷺ خیبر تشریف لے جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ حضرت حاطب رضی اللہ عنہ نے اہل مکہ کو حضور ﷺ کے ارادے سے آگاہ کر دیا۔ چنانچہ حضور ﷺ نے مجھے اور ابومرثد کو بھیجا۔ ہم میں سے ہر ایک کے پاس گھوڑا تھا۔ سرکار ﷺ نے حکم دیا کہ روضہ خاخ کے مقام پر جاؤ وہاں تمہیں ایک عورت ملے گی اس کے پاس ایک خط ہے یہ اس سے لے لو۔ چنانچہ ہم چل پڑے اور اسے اسی جگہ پایا جہاں حضور ﷺ نے فرمایا تھا۔ ہم نے کہا خط نکالو تو اس نے کہا میرے پاس کوئی خط نہیں۔ ہم نے اس کا سامان اتارا اور تلاشی لی خط نہ ملا۔ ابومرثد فرمانے لگے شاید اس کے پاس خط نہ ہو۔ میں نے کہا نہ تو حضور ﷺ نے جھوٹ بولا ہے اور نہ ہم نے۔ چنانچہ ہم نے اسے کہا خط نکالو یا تمہارے کپڑے اتار دیں گے۔ وہ کہنے لگی تم اللہ سے نہیں ڈرتے۔ کیا تم مسلمان نہیں؟ ہم نے دوبارہ کہا کہ خط نکالو یا تمہارے کپڑے اترو دیں گے۔ عمرو بن مرہ کا قول ہے کہ اس نے خط اپنی کمر کے پاس سے نکالا۔ حبیب بن ابی ثابت کا قول ہے کہ اس نے جسم کے اگلے حصے سے خط نکالا۔ ہم اسے لے کر حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ یہ حاطب بن ابی بلتعہ کا خط تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اٹھے اور فرمایا: یارسول اللہ ﷺ! اس نے اللہ اور اس کے رسول سے خیانت کی ہے مجھے اجازت دیجئے کہ اس کی گردن اڑا دوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: کیا یہ بدر میں شریک نہیں تھے؟ عرض کی گئی ہاں کیوں نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیوں نہیں یہ بات ٹھیک ہے۔ لیکن انہوں نے عہد شکنی کی ہے اور آپ ﷺ کے خلاف آپ کے دشمنوں کی مدد کی ہے۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ کو اہل بدر کا علم تھا فرمایا جو چاہو کرو بے شک جو کچھ تم کرتے ہو میں اسے دیکھ رہا ہوں۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمایا: اللہ اور اس کا رسول ہی سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔ حضور ﷺ نے حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا اور دریافت فرمایا کہ اس کی وجہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! میں قریش کے ساتھ ملا ہوا تھا۔ وہاں میرے اہل وعیال اور مال تھا۔ آپ کے اصحاب میں سے ہر ایک کے رشتہ دار مکہ میں ان کے اہل وعیال اور مال کی حفاظت کرتے ہیں۔ چنانچہ میں نے انہیں لکھ دیا اور خدا کی قسم! یارسول اللہ ﷺ میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہوں تو حضور ﷺ نے یہ سن کر فرمایا

1۔ فتح الباری، کتاب المغازی، جلد 7، صفحہ 305-304، مسلم، کتاب فضائل صحابہ، جلد 4، صفحہ 1942

حاطب نے سچ کہا۔ حاطب کو صرف اچھی بات کہو۔ حبیب بن ابی ثابت فرماتے ہیں تو یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح روایت کیا ہے(1)۔ اصحاب مغازی والسیر نے اسے ذکر کیا ہے۔ محمد بن اسحاق نے سیرت میں عروہ بن زبیر وغیرہ علماء کرام سے روایت کیا ہے کہ جب حضور ﷺ نے مکہ جانے کا عزم فرمایا تو حاطب بن ابی بلتعہ نے قریش کی طرف خط لکھ دیا۔ اس میں انہیں سرکار کے ارادے کی خبر لکھ بھیجی۔ یہ خط ایک عورت کو دیا۔ محمد بن جعفر کا خیال ہے کہ یہ عورت بنو مزینہ سے تھی۔ دیگر علماء کی رائے ہے کہ یہ بنو عبدالمطلب کی لونڈی سارہ تھی۔ حاطب نے یہ خط قریش تک پہنچانے کے بدلے اسے انعام دینے کا وعدہ کیا۔ اس نے یہ خط اپنے سر میں رکھ کر اوپر سے مینڈھیاں بنا لیں اور چل دی۔ حضور ﷺ کو آسمان سے حاطب کے کئے کی اطلاع مل گئی۔ آپ ﷺ نے حضرت علی بن ابی طالب اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہم کو بھیجا اور فرمایا: اس عورت کا تعاقب کرو جس کے پاس قریش کے نام حاطب کا خط ہے۔ اس میں انہیں ہمارے ارادے کی اطلاع دی گئی ہے۔ وہ روانہ ہوئے اور خُلَیْفَة(2) بنی احمد میں اسے جا ملے۔ اسے خُلَیْفَة میں اتار کر اس کی تلاشی لی۔ اس کے کجاوے میں کچھ نہ تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اللہ کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ حضور ﷺ نے جھوٹ نہیں بولا اور نہ ہم نے۔ تم یہ خط ضرور نکال کر دو گی یا ہم تمہارے کپڑے اتروا کر تلاشی لیں گے۔ جب اس نے دیکھا کہ ہم سنجیدہ ہیں تو وہ کہنے لگی منہ دوسری طرف کرو میں خط نکال دیتی ہوں۔ ہم نے منہ دوسری طرف پھیر لیا تو اس نے بالوں سے خط نکال کر آپ کے حوالے کیا۔ آپ اسے لے کر حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ نے حاطب کو بلا کر اس واقعہ کا سبب پوچھا تو انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! اللہ کی قسم میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہوں۔ مجھ میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوا لیکن وہاں میرے بال بچے ہیں اور قریش سے میری کوئی رشتہ داری نہیں۔ میں نے ان پر احسان کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی اجازت دیجئے میں اس کی گردن اڑا دوں۔ یہ منافق ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اے عمر تمہیں کیا پتہ اللہ تعالیٰ بدر کے دن اصحاب بدر پر آگاہ ہوا اور فرمایا: جو چاہو کرو میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔ تو یہ آیات یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا سے تا آخر نازل ہوئیں ...... تا آخر قصہ(3)۔

معمر رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت زہری، عروہ سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ مقاتل بن حیان رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ذکر کیا ہے کہ یہ آیات حاطب بن ابی بلتعہ کے بارے میں نازل ہوئیں۔ انہوں نے سارہ نامی بنو ہاشم کی لونڈی کو دس درہم دے کر یہ خط دے کر روانہ کیا۔ حضور ﷺ نے ان کے پیچھے حضرت عمر، علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کو بھیجا۔ وہ اسے مقام جحفہ میں ملے...... آگے اسی طرح واقعہ ہے جیسے اوپر مذکور ہوا۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی تقریباً اسی طرح مروی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے بھی یہی مروی ہے کہ یہ آیات حاطب بن ابی بلتعہ کے بارے میں نازل ہوئیں(4)۔

ان آیات کا مطلب یہ ہے کہ مشرکین و کفار اللہ، اس کے رسول اور مومنین سے جنگ کرنے والے ہیں۔ اللہ نے ان کی عداوت کو جائز قرار دیا ہے اور انہیں دوست بنانے سے منع کیا ہے۔ جیسے اس آیت میں ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ ...... مِنْهُمْ (مائدہ: 51)۔ اس میں شدید دھمکی اور پختہ وعید ہے۔ اور فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَكُمْ هُزُوًا ...... كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ (مائدہ: 57) اور فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ اَتُرِیْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَیْكُمْ

1۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 59　2۔ ایک جگہ کا نام۔ ابوذر: شرح السیر: 368

3۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2، صفحہ 398-399، تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 59-60　4۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 59-61

سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا (نساء: 144) اور فرمایا: لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَلَیْسَ مِنَ اللّٰہِ فِیْ شَیْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْھُمْ تُقٰىةً ۭ وَیُحَذِّرُکُمُ اللّٰہُ نَفْسَهٗ (آل عمران: 28)۔ چنانچہ حضور ﷺ نے حاطب رضی اللہ عنہ عذر قبول فرمالیا کہ اپنے مال واولاد کے بچاؤ کی خاطر انہوں نے قریش سے حسن سلوک کرنا چاہا۔

یہاں وہ حدیث ذکر کی جاتی ہے جسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ہمارے سامنے کئی مثالیں بیان فرمائیں ایک، تین، پانچ، سات، نو اور گیارہ۔ پھر ان میں سے ایک کی تفصیل بیان کی اور باقی سب چھوڑ دیں۔ فرمایا: ''ایک قوم ضعیف ومسکین تھی۔ جابر وظالم لوگوں نے ان پر چڑھائی کی۔ اللہ نے کمزوروں کو ان پر غلبہ عطا فرمایا۔ وہ اپنے دشمن کی طرف بڑھے ان پر حاکم بن گئے اور ان پر زیادتیاں شروع کر دیں اور قیامت تک کے لئے اللہ کو ناراض کر دیا'' (1)۔

قولہ تعالیٰ یُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِیَّاکُمْ ماقبل آیات کے ساتھ ساتھ یہاں بھی ان کی عداوت اور ان سے دوستی نہ کرنے پر برانگیختہ کیا جا رہا ہے کیونکہ انہوں نے رسول اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کو صرف اس وجہ سے نکال دیا تھا کہ یہ توحید اور خالص اللہ کی عبادت کرنے کے قائل تھے۔

اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ رَبِّکُمْ تمہارا ان کے ہاں اس کے علاوہ اور کوئی گناہ نہ تھا کہ تم اللہ رب العالمین پر ایمان رکھتے ہو۔ جیسے ایک اور آیت میں ہے: وَمَا نَقَمُوْا مِنْھُمْ اِلَّآ اَنْ یُّؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ (البروج: 8)۔ اور فرمایا: الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ (الحج: 40)۔

قولہ تعالیٰ اِنْ کُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِھَادًا...... اگر تم سچ مچ میری راہ میں جہاد کی خاطر میری رضامندی کے لئے نکلے ہو تو میرے اور اپنے دشمنوں سے موالات نہ رکھو انہیں دوست نہ بناؤ، جبکہ انہوں نے تمہیں تمہارے ویار اور اموال سے نکال دیا ہے تمہارے اور تمہارے دین کے ساتھ دشمنی رکھتے ہوئے۔

قولہ تُسِرُّوْنَ اِلَیْھِمْ بِالْمَوَدَّةِ...... تم ایسا کرتے ہو اور میں ظاہر و باطن کا جاننے والا ہوں۔

اِنْ یَّثْقَفُوْکُمْ یَکُوْنُوْا لَکُمْ اَعْدَآءً...... یعنی اگر وہ تم پر قادر ہو جائیں تو اپنے قول وفعل سے تمہیں تکلیف پہنچانے سے بھی نہ ڈریں۔

وَوَدُّوْا لَوْ تَکْفُرُوْنَ یہ اس بات کے حریص ہیں کہ تمہیں بھلائی نہ ملے۔ ان کی دشمنی ولڑائی تمہارے ساتھ ڈھکی چھپی اور ظاہر بھی ہے پھر اس طرح کے لوگوں سے تم دوستی کیوں رکھتے ہو؟ یہاں بھی ان کی عداوت پر برانگیختہ کیا جا رہا ہے۔

لَنْ تَنْفَعَکُمْ اَرْحَامُکُمْ وَلَآ اَوْلَادُکُمْ تمہاری قرابتیں اللہ کے ہاں کوئی فائدہ نہیں دیتیں جب وہ تمہیں نقصان پہنچانے کا ارادہ فرما لے اور جب تم اللہ کو ناراض کر کے انہیں راضی کرو تو اس کا تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ جو اہل کفر سے ان کی رضامندی کی خاطر موافقت کرتا ہے وہ خائب وخاسر ہے۔ اس کا عمل گمراہ کن ہے اور کسی سے اس کی رشتہ داری اللہ کے ہاں کوئی نفع نہ دے گی اگرچہ کسی نبی کا قریبی کیوں نہ ہو۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! میرا باپ کہاں ہے آپ نے فرمایا'' آگ میں''۔ جب وہ واپس جانے کے لئے مڑا تو اسے بلا کر فرمایا: میرا اور تیرا باپ دوزخ میں ہے (2)۔ مسلم اور ابوداؤد

1۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 407۔ یہ حدیث تفسیر سورۂ بقرہ آیت: 190 میں گزر چکی ہے

2۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 368

رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے روایت کیا ہے(1)۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَ مِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۫ كَفَرْنَا بِكُمْ وَ بَدَا بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَ الْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗۤ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَ مَاۤ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَ اِلَيْكَ اَنَبْنَا وَ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ اغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝

''بے شک تمہارے لئے خوب صورت نمونہ ہے ابراہیم اور ان کے ساتھیوں (کی زندگی) میں۔ جب انہوں نے (برملا) کہہ دیا اپنی قوم سے کہ ہم بیزار ہیں تم سے اور ان معبودوں سے جن کی تم پوجا کرتے ہو اللہ کے سوا۔ ہم تمہارا انکار کرتے ہیں اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے عداوت اور بغض پیدا ہو گیا ہے یہاں تک کہ تم ایمان لاؤ ایک اللہ پر مگر ابراہیم کا اپنے باپ سے یہ کہنا اس سے مستثنیٰ ہے کہ میں ضرور مغفرت طلب کروں گا تمہارے لئے اور میں مالک نہیں ہوں تمہارے لئے اللہ کے سامنے کسی نفع کا۔ (پھر کہا) اے ہمارے رب! ہم نے تجھی پر بھروسہ کیا اور تیری طرف ہی رجوع کیا اور تیری طرف ہی ہمیں پلٹ کر آنا ہے۔ اے ہمارے رب! ہمیں نہ بنا دے فتنہ کافروں کے لئے اور ہمیں بخش دے اے ہمارے رب! بیشک تو ہی عزت والا (اور) حکمت والا ہے۔ بیشک تمہارے لئے ان میں خوبصورت نمونہ ہے اس کے لئے جو اللہ اور روز قیامت کا امیدوار ہے۔ اور جو روگردانی کرے (اس سے) تو بلاشبہ اللہ ہی بے نیاز ہے سب خوبیوں سراہا''۔

اللہ اپنے مؤمن بندوں کو کفار سے لڑنے، دشمنی رکھنے اور بیزاری کا اظہار کرنے کا حکم فرما رہے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ یعنی آپ کے پیروکار جو آپ کے ساتھ ایمان لائے۔

اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ ہم تم سے بیزار ہیں۔

كَفَرْنَا بِكُمْ یعنی تمہارے دین اور طریقے سے۔

وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ سے ہمارے اور تمہارے درمیان عداوت شروع ہو گئی ہے۔ یعنی جب تک تم کفر پر ہو، ہم ہمیشہ کے لئے تم سے بیزار ہیں اور تم سے بغض رکھتے ہیں۔

حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ ...... یعنی یہاں تک کہ تم اللہ کو ایک سمجھو، اسی وحدہ لاشریک کی عبادت کرو اور دیگر اصنام و انداد جن کی تم عبادت کرتے ان سے براءت کا اظہار کرو۔

اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اسوۂ حسنہ تمہارے سامنے ہے۔ تمہیں اس کی پیروی کرنی

1۔ مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 191 سنن ابوداؤد، کتاب السنۃ، جلد 4، صفحہ 230 یہ حدیث تفسیر سورۂ بقرہ آیت: 119 میں گزر چکی ہے

چاہئے بجز اس کے کہ انہوں نے اپنے کافر باپ کی بخشش کی دعا مانگی تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اپنے باپ سے اس کا وعدہ کیا تھا۔ جب یہ بات ان کے سامنے ظاہر ہو گئی کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے براءت کر لی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض مؤمنین اپنے آباء کے لئے بخشش کی دعا کرتے تھے جن کا انتقال کفر و شرک پر ہوا تھا اور یہ کہتے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ کے لئے دعا فرمایا کرتے تھے تو یہ آیت نازل ہوئی: مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۞ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۭ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ (توبہ:114-113)۔ اور اس آیت میں فرمایا کہ مشرکین کے لئے استغفار میں یہ آیت تمہارے لئے اسوہ نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، قتادہ، مقاتل بن حیان اور ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کا یہی قول ہے۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں نے جب اپنی قوم سے قطع تعلق کر لیا تو اللہ کی جناب میں دست دعا دراز کرتے ہوئے عرض کی: رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا اب ہمارا بھروسہ تمام امور میں صرف تیری ذات پر ہے۔ ہم نے اپنا سب کچھ تیرے سپرد کر دیا ہے۔

وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ دار آخرت میں لوٹنا مراد ہے۔

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے ہمیں ان کے ہاتھوں تکالیف نہ دے اور اپنی طرف سے بھی عذاب نہ دے ایسا نہ ہو کہ یہ کہنا شروع کر دیں اگر یہ راہ حق پر گامزن ہوتے تو انہیں یہ مصیبت نہ آتی۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کہا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے ان کو ہم پر غلبہ مت عطا فرما کہ وہ یہ سمجھنا شروع کر دیں کہ ہمیں ان پر فتح اس لئے ہوئی ہے کہ ہم راہ راست پر ہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی قول پسند کیا ہے (1)۔ علی بن ابی طلحہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اے اللہ! کفار کو ہم پر مسلط نہ فرما کہ وہ ہمیں فتنہ و آزمائش میں ڈال دیں۔

وَاغْفِرْ لَنَا ہمارے گناہوں کی پردہ پوشی فرما۔ ہم سے عفو و درگزر فرما۔

الْعَزِيْزُ جو تیری جناب میں پناہ گزیں ہو جائے اس کا مقابلہ نہیں ہو سکتا۔

الْحَكِيْمُ اپنے اقوال و افعال اور شرع اور تقدیر میں۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ...... یہ ماقبل کی تاکید اور مستثنیٰ منہ ہے کیونکہ یہاں ذکر کردہ اسوہ بعینہٖ پہلا اسوہ ہے۔

لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ...... اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والے ہر مومن کو ابھارا جا رہا ہے۔

وَمَنْ يَّتَوَلَّ یعنی جس نے اللہ کے حکم سے روگردانی کی۔

الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ جیسے اس آیت میں ہے: اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ (ابراہیم:8)۔

علی بن ابی طلحہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے غنی وہ ہے جس کی غنا کامل ہو اور اللہ رب العزت کی صفت یہی ہے اور اسی کو یہ زیبا ہے۔ اس کا کوئی کفو نہیں۔ نہ اس کی کوئی مثل ہے۔ وہ اللہ پاک، یکتا اور قہار ہے۔

الْحَمِيْدُ یعنی اپنے تمام اقوال اور افعال میں محمود ہے اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ اس کے علاوہ کوئی پروردگار نہیں۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 64

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ؕ وَ اللّٰهُ قَدِيْرٌ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ لَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْۤا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ اَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَ ظٰهَرُوْا عَلٰۤى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

”یقیناً اللہ پیدا فرما دے گا تمہارے درمیان اور ان کے درمیان جن سے تم (اس کی رضا کے لئے) دشمنی رکھتے ہو محبت۔ اور اللہ تعالیٰ بڑی قدرت والا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں منع نہیں کرتا کہ جن لوگوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ نہیں کی اور نہ انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا کہ تم ان کے ساتھ احسان کرو اور ان کے ساتھ انصاف کا برتاؤ کرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اللہ تمہیں صرف ان لوگوں سے روکتا ہے جنہوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا یا مدد دی تمہارے نکالنے میں کہ تم انہیں دوست بناؤ، اور جو انہیں دوست بناتے ہیں تو وہی (اپنے آپ پر) ظلم توڑتے ہیں“۔

کفار کے ساتھ عداوت کا حکم فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے مؤمن بندوں سے فرما رہے ہیں۔ عَسَى اللّٰهُ......

مَّوَدَّةً یعنی بغض کے بعد محبت، نفرت کے بعد مودّت اور فرقت کے بعد الفت۔

وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ یعنی متضاد اشیاء کو اگر جمع کرنا چاہے تو عداوت اور سختی کے بعد دلوں میں محبت پیدا فرما دیتا ہے تو وہ متحد و متفق ہو جاتے ہیں جس طرح انصار پر احسان جتلاتے ہوئے فرمایا: وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا...... (آل عمران:103)۔ اور حضور ﷺ نے انہیں فرمایا: کیا میں نے تمہیں گمراہ نہیں پایا کہ اللہ نے میرے صدقے تمہیں ہدایت عطا فرمائی۔ تم جدا جدا تھے اللہ نے میرے صدقے تمہیں یکجا فرمایا(1)۔ ایک اور آیت میں ہے: هُوَ الَّذِيْۤ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَ اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّاۤ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (انفال:63-62)۔

حدیث شریف میں ہے اپنے دوست سے دوستی کے وقت بھی اعتدال کو پیش نظر رکھو کہ ہو سکتا ہے وہ ایک دن تمہارا دشمن بن جائے اور دشمن سے دشمنی میں نرمی رکھو ہو سکتا ہے وہ ایک دن تمہارا دوست بن جائے(2)۔ ایک شاعر کا قول ہے:

وَقَدْ يَجْمَعُ اللّٰهُ الشَّتِيْتَيْنِ بَعْدَمَا يَظُنَّانِ كُلَّ الظَّنِّ أَنْ لَا تَلَاقِيَا (3)

دو الگ ہونے والوں کو بھی اللہ جمع فرما دیتا ہے اس کے بعد کہ وہ یہ سمجھنے لگے تھے کہ اب کبھی ملاقات نہ ہوگی۔

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اللہ تعالیٰ کفار کا کفر معاف فرما دیتا ہے جب وہ توبہ کر لیں اور اللہ کی طرف متوجہ ہو جائیں اور اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں۔ وہ غفور رحیم ہے ہر توبہ کرنے والے کے لئے خواہ کسی گناہ سے کی ہو۔ مقاتل بن حیان رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ آیت

1۔ یہ حدیث تفسیر سورۂ توبہ آیت:74 میں گزر چکی ہے 2۔ تحفۃ الاحوذی، جلد 8، صفحہ 163-162 3۔ دیوان قیس بن الملوح:315

ابوسفیان صخر بن حرب کے بارے میں نازل ہوئی۔ حضور ﷺ نے اس کی بیٹی سے نکاح فرمالیا تھا اور یہی رشتہ دونوں کے مابین محبت کا سبب بن گیا۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے جو کچھ کہا ہے اس میں نظر ہے۔ فتح مکہ سے قبل حضور ﷺ نے ام حبیبہ بنت ابی سفیان سے نکاح فرمایا اور بلا اختلاف سب کی رائے میں ابوسفیان نے فتح مکہ کی رات اسلام قبول کیا۔

اس سے بھی بہتر توجیہہ وہ روایت ہے جسے ابن ابی حاتم نے ابن شہاب رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ابوسفیان بن صخر کو یمن کے کسی حصے کا عامل بنایا۔ جب آپ کا وصال ہوگیا تو یہ مدینہ آرہے تھے کہ راستے میں ذوالخمار مرتد مل گیا۔ انہوں نے اس سے جنگ کی۔ اس طرح فتنہ ارتداد کو فرو کرنے کے لئے سب سے پہلے جہاد کرنے والے بن گئے۔ ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ انہی کے بارے میں یہ آیت اتری۔ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ......(1)۔

صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ابوسفیان نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! مجھے تین چیزیں عطا فرمایئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ٹھیک ہے انہوں نے کہا مجھے کفار کے ساتھ اسی طرح لڑائی کرنے دیجئے جیسے میں مسلمانوں سے جنگ کرتا رہا ہوں۔ آپ نے منظور فرمالیا۔ انہوں نے کہا معاویہ کو اپنا کاتب بنالیجئے۔ آپ نے یہ بھی منظور فرمالیا۔ انہوں نے کہا میری بیٹی ام حبیبہ عرب کی حسینہ وجمیلہ ہے اسے میں آپ کے نکاح میں دیتا ہوں۔ الحدیث(2) (اس پر پہلے گفتگو ہو چکی ہے)۔

قولہ تعالیٰ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ...... تمہیں نکالنے پر تعاون نہیں کیا۔ یعنی اللہ تمہیں ان کفار کے ساتھ احسان کرنے سے منع نہیں فرماتا جنہوں نے دین کے معاملہ میں تم سے جنگ نہیں کی۔ جیسے عورتیں اور ضعفاء۔

اَنْ تَبَرُّوْهُمْ کہ حسن سلوک سے پیش آؤ۔

وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ عدل سے کام لو۔

يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ جب قریش نے حضور ﷺ سے صلح کا معاہدہ کیا تو میری ماں مدینہ آئی۔ یہ مشرکہ تھی۔ میں نے حضور ﷺ سے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ! میری ماں آئی ہے اور یہ اس دین سے الگ ہے۔ کیا میں اس سے حسن سلوک کروں؟ حضور ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ شیخین نے بھی اسے روایت کیا ہے(3)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ان کا نام قتیلہ تھا۔ یہ حالت شرک میں اپنی بیٹی کے پاس صناب (ایک کھانا)، پنیر اور گھی کے تحفے لائی تھیں۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہما نے یہ تحائف قبول کرنے سے انکار کردیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ سے استفسار کیا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے انہیں تحائف قبول کرنے اور اسے اپنے گھر ٹھہرانے کا حکم دیا(4)۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسی طرح روایت کیا ہے۔ احمد رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت کے مطابق اور ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ اس کا نام قتیلہ بنت عبدالعزی بن اسد تھا یہ بنو مالک بن حسل سے تھیں۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ وہ اس مدت کے دوران آئیں جب قریش اور رسول اللہ ﷺ کے مابین صلح نامہ طے پایا تھا۔ ابوبکر بزار رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ اور اسماء رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ہماری ماں صلح کا معاہدہ طے پانے کے بعد مدینہ آئی۔ یہ مشرکہ تھی۔ ہم نے

1۔ درمنثور، جلد 8، صفحہ 130
2۔ مسلم کتاب فضائل صحابہ، جلد 4، صفحہ 1945
3۔ مسند امام احمد، جلد 6، صفحہ 355-347-344، فتح الباری، کتاب الھبۃ، جلد 5، صفحہ 233 کتاب الجزیۃ، جلد 6 صفحہ 281، کتاب الادب، جلد 10 صفحہ 413، مسلم، کتاب الزکاۃ، جلد 2 صفحہ 694
4۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 4

حضور ﷺ سے پوچھا کیا ہم اس سے صلہ رحمی کریں تو حضور ﷺ نے منظور کر لیا(1)۔ اور یہ حدیث غریب ہے(2)۔ (مؤلف کی رائے) میں کہتا ہوں یہ اس سیاق وسباق سے منکر ہے کیونکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی ماں کا نام ام رومان تھا۔ اور یہ مسلمان مہاجرہ تھیں۔ اور سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کی والدہ دوسری تھیں جیسا کہ مذکورہ بالا احادیث میں مذکور ہے۔ واللہ اعلم۔

یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ اس کی تفسیر سورۂ حجرات میں گزر چکی ہے اور صحیح حدیث میں ہے کہ مقسطون وہ لوگ ہیں جو روز قیامت عرش کے دائیں نور کے منبروں پر ہوں گے جو اپنے فیصلوں، اہل خانہ اور جس پر انہیں والی بنایا جائے، کے بارے میں عدل سے کام لیتے ہیں(3)۔

قولہ تعالیٰ: اِنَّمَا یَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ...... اَنْ تَوَلَّوْهُمْ یعنی تمہیں منع فرماتا ہے ان لوگوں کی موالات سے جنہوں نے تم سے عداوت رکھی، اعلان جنگ کیا، تمہیں نکالا اور تمہیں نکالنے پر تعاون کیا، تمہیں منع فرماتا ہے اللہ تعالیٰ ان سے موالات سے اور ان سے دشمنی رکھنے کا تمہیں حکم دیتا ہے۔ پھر موالات پر وعید کو پختہ کرتے ہوئے فرمایا۔

وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ سے فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰۤى اَوْلِیَآءَ ۘؔ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ؕ وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ (المائدہ:51)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِیْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَ لَا هُمْ یَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ وَ اٰتُوْهُمْ مَّاۤ اَنْفَقُوْا ؕ وَ لَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَاۤ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ؕ وَ لَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَ سْـَٔلُوْا مَاۤ اَنْفَقْتُمْ وَ لْیَسْـَٔلُوْا مَاۤ اَنْفَقُوْا ؕ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ یَحْكُمُ بَیْنَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۱۰﴾ وَ اِنْ فَاتَكُمْ شَیْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِیْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَاۤ اَنْفَقُوْا ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾

"اے ایمان والو! جب آ جائیں تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے تو ان کی جانچ پڑتال کر لو۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ان کے ایمان کو۔ پس اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ مومن ہیں تو انہیں کفار کی طرف مت واپس کرو۔ نہ وہ حلال ہیں کفار کے لئے اور نہ وہ (کفار) حلال ہیں مومنات کے لئے۔ اور دے دو کفار کو جو مہر انہوں نے خرچ کئے۔ اور تم پر کوئی حرج نہیں کہ تم ان عورتوں سے نکاح کر لو جب تم انہیں ان کے مہر ادا کر دو۔ اور (اسی طرح) تم بھی نہ روکے رکھو (اپنے نکاح میں) کافر عورتوں کو اور مانگ لو جو تم نے (ان پر) خرچ کیا اور کفار بھی مانگ لیں جو انہوں نے خرچ کیا۔ یہ اللہ کا فیصلہ ہے۔ وہ تمہارے درمیان فیصلہ فرماتا ہے۔ اور اللہ (سب کچھ) جاننے والا بڑا دانا ہے۔ اور اگر بھاگ جائے تم سے کوئی عورت

1۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب البر والصلۃ، جلد 3 صفحہ 372-371 2۔ مرجع مذکور

3۔ یہ حدیث سورۂ حجرات آیت :9 اور سورۂ قمر آیت :55 میں گزر چکی ہے

تمہاری بیبیوں سے کفار کی طرف پھر تمہاری باری آ جائے (کہ کوئی کافرہ تمہارے قبضہ میں آ جائے) تو جن کی بیبیاں ان کے قبضہ سے نکل گئیں جتنا انہوں نے خرچ کیا انہیں دے دو۔ اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے جس پر تم ایمان رکھتے ہو"۔

صلح حدیبیہ جو حضور ﷺ اور کفار کے درمیان طے پائی تھی کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ اس کی ایک شرط یہ تھی کہ ہمارا کوئی آدمی بھی تمہارے پاس آئے گا اگرچہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو آپ اسے ہماری طرف واپس کریں گے۔ دوسری روایت میں مرد (رجل) کا لفظ صراحۃ موجود ہے۔ عروہ، ضحاک، عبدالرحمٰن بن زید، زہری، مقاتل بن حیان اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہی قول ہے۔ اس روایت کے مطابق اس آیت میں سنت کیلئے تخصیص ہے اور یہ اس کی بہترین مثال ہے اور بعض سلف کے طریقہ کے مطابق یہ ناسخ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے مؤمن بندوں کو حکم دیا کہ جب ان کے پاس عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کو جانچو اگر وہ مسلمان ہوں تو انہیں کفار کو واپس نہ کرو۔ یہ ان کفار کے لئے حلال نہیں اور نہ وہ ان عورتوں کے لئے حلال ہیں۔ ہم نے مسند کبیر میں عبداللہ بن احمد بن جحش کے حالات میں لکھا ہے کہ ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط نے ہجرت کی تو ان کے دونوں بھائی عمار اور ولید انہیں لینے آئے اور حضور ﷺ سے بات کی تو اللہ نے عورتوں کے بارے میں اس معاہدے کو ختم کر دیا اور انہیں مشرکین کے حوالے کرنے سے منع کر دیا اور یہ آیت امتحان نازل ہوئی (1)۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ سرکار عورتوں کا امتحان کس طرح لیتے تھے۔ فرمایا حضور ﷺ ان سے امتحان اس طرح لیتے تھے کہ وہ قسم کھا کر کہے کہ وہ خاوند سے ناراضگی یا آب و ہوا کی تبدیلی کے لئے نہیں آئی۔ اور اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ وہ دنیا کے لئے نہیں بلکہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت کی خاطر آئی ہے (2)۔ بزار رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے اس میں ہے کہ یہ امتحان لینا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ڈیوٹی تھی (3)۔ عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان کا امتحان یہ تھا کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ ایک ہے اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ان سے ان کی آمد کا سبب پوچھئے۔ اگر خاوندوں سے ناراضگی یا کسی دوسرے پر غصے کی وجہ سے وہ آئی ہیں تو انہیں ان کے خاوندوں کی طرف لوٹا دو۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اسے کہا جائے تمہیں نہیں لائی مگر اللہ اور اس کے رسول کی محبت۔ اور ہم میں سے کسی آدمی کے عشق یا خاوند سے فرار ہو کر وہ نہیں آئی۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ان کا امتحان یہ تھا کہ ان سے قسم لی جائے کہ تمہیں نافرمانی نے نہیں نکالا اور نہیں نکالا تمہیں مگر اسلام اور اہل اسلام سے محبت اور اس پر حریص ہونے نے۔ اگر وہ یہ حلف اٹھا تیں تو قبول کیا جاتا۔ اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ایمان پر یقینی اطلاع حاصل کرنا جائز ہے۔

قولہ تعالیٰ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ یہ آیت وہ ہے جس نے مسلمان عورتوں کو مشرکین پر حرام کر دیا۔ ابتدائے اسلام میں یہ جائز تھا کہ مشرک مؤمنہ سے نکاح کر لے۔ جس طرح ابوالعاص بن ربیع کا نکاح حضور کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے ہوا تھا۔ یہ مسلمان تھیں اور وہ مشرک جب یہ غزوۂ بدر کے دن اسیر ہو گئے تو ان کی اہلیہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے ان کے فدیہ میں اپنا ہار بھیجا جو ان کی ماں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے انہیں دیا تھا۔ اسے دیکھ کر آنحضرت ﷺ پر بڑی رقت طاری ہوئی اور مسلمانوں سے فرمایا اگر تم اسے بغیر فدیہ کے آزاد کر سکتے ہو تو بہتر ہے۔ چنانچہ اسے اس شرط پر حضور ﷺ نے رہا کیا کہ آپ کی صاحبزادی کو مدینہ روانہ

1۔ ابن اثیر، اسد الغابۃ، جلد 3 صفحہ 171　2۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 67

3۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب التفسیر، جلد 3، صفحہ 76

کرے۔ اس نے اس شرط کو پورا کیا اور وفائے عہد کرتے ہوئے انہیں زید بن حارثہ کے ساتھ مدینہ بھیج دیا۔ چنانچہ آپ غزوۂ بدر 2ھ کے بعد سے مدینہ میں ہی قیام پذیر رہیں۔ یہاں تک کہ 8ھ میں آپ کے شوہر ابو العاص بن ربیع اسلام لائے تو حضور ﷺ نے پہلے نکاح کے ساتھ ہی واپس ان کے ہمراہ بھیج دیا اور مہر مقرر نہ فرمایا۔ جس طرح کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی صاحبزادی زینب کو ابو العاص کے ہمراہ پہلے نکاح پر رخصت فرما دیا اور کوئی مہر یا گواہ مقرر نہیں فرمائے (1)۔ حالانکہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے ابو العاص کے اسلام سے چھ سال قبل ہجرت فرمائی تھی۔ ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے روایت کیا ہے (2)۔ ایک روایت میں ہے کہ ابو العاص دو سال کے بعد مسلمان ہو گئے تھے۔ اور یہی صحیح ہے اس لئے کہ مسلمان عورتیں مشرکین پر حرام ہونے کے دو سال بعد یہ مسلمان ہوئے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس کی سند میں کوئی حرج نہیں اور عمرو بن شعیب والی روایت میں ہے کہ ابو العاص کے اسلام لانے کے بعد نئے سرے سے نکاح ہوا اور مہر بھی مقرر کیا گیا۔ یزید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما والی روایت کی اسناد بہت عمدہ ہے۔ اور عمرو بن شعیب والی روایت پر عمل ہے (3)۔

(مؤلف کی رائے) میں کہتا ہوں کہ عمرو بن شعیب والی روایت کو امام احمد، ترمذی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے لیکن اس کے ایک راوی حجاج بن ارطاۃ کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے (4)۔ واللہ اعلم۔ جمہور نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ شخصی واقعہ ہے۔ ممکن ہے ان کی عدت ہی ختم نہ ہوئی ہو اور اکثر حضرات کا مذہب یہی ہے کہ جب عدت کے ایام پورے ہو جائیں اور خاوند مسلمان نہ ہوا ہو تو اس عورت کا اس شوہر سے نکاح فسخ ہو جائے گا۔ بعض دیگر فقہاء کی رائے ہے کہ عدت پوری ہونے کے بعد عورت کو اختیار ہے کہ اسی نکاح کو باقی رکھے اور اگر چاہے تو اسے فسخ کر کے دوسرے شخص سے نکاح کر لے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما والی روایت کو اسی پر محمول کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا یعنی ان مہاجر عورتوں کے مشرک خاوندوں نے جو مہر انہیں دیا تھا اسے ان کو واپس کر دو۔ حضرت ابن عباس، مجاہد، قتادہ اور زہری رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہی قول ہے۔

اِذَآ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ یعنی جب تم انہیں مہر دے دو تو ان سے نکاح کر لو۔ بشرطیکہ عدت پوری ہو جائے اور ولی کی اجازت وغیرہ۔

وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ اللہ کی طرف سے مؤمن بندوں پر حرام کیا جا رہا ہے ان سے نکاح کرنا یا پہلے نکاح کی وجہ سے انہیں اپنے پاس رکھنا۔ صحیح میں مسور اور مروان بن حکم سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے حدیبیہ کے دن جب کفار قریش سے معاہدہ کیا تو مؤمن عورتیں آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوئیں۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی یعنی یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ سے بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ تک۔ چنانچہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس دن اپنی دو عورتوں کو طلاق دے دی۔ ان میں سے ایک سے معاویہ بن ابی سفیان اور دوسری سے صفوان بن امیہ نے نکاح کر لیا (5)۔ ابن ثور نے زہری رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت رسول اللہ ﷺ پر اس وقت نازل ہوئی جب

1۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 261

2۔ سنن ابوداؤد، کتاب الطلاق، جلد 2، صفحہ 272، عارضۃ الاحوذی، ابواب النکاح، جلد 5، صفحہ 84-81، سنن ابن ماجہ، کتاب الطلاق، جلد 1، صفحہ 647 حجاج بن ارطاۃ بن عمرو والی حدیث سند میں مذکور ہے، جلد 2، صفحہ 208-207

3۔ ایضاً مرجع مذکور　　4۔ ایضاً مرجع مذکور　　5۔ بخاری کتاب الشروط، فتح الباری، جلد 5، صفحہ 332

آپ زیریں حدیبیہ میں تھے۔ جب صلح ہوئی کہ جو کوئی ان میں سے ہجرت کر کے آئے گا اسے واپس کریں گے۔ جب عورتیں آئیں تو یہ آیت اتری اور یہ حکم دیا گیا کہ ان کا مہر ان کے خاوندوں کو واپس کر دو۔ اسی طرح کفار کو بھی یہ حکم سنا دیا گیا کہ جب ان کے پاس کوئی مسلمانوں کی طرف سے کوئی عورت آئے تو اس کا مہر اس کے خاوند کو واپس کر دو(1)۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم سے اسی طرح مروی ہے۔ اس حکم کی وجہ وہ عہد نامہ تھا جو ابھی طے پایا تھا۔ محمد بن اسحاق نے زہری رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس روز قریبہ بنت ابی امیہ بن مغیرہ کو طلاق دی تو معاویہ نے اس سے نکاح کر لیا۔ اور ام کلثوم بنت عمرو بن جرول خزاعیہ کو طلاق دی۔ یہ عبداللہ کی ماں تھی۔ ابوجہم بن حذیفہ بن غانم خزاعی نے جو مشرک تھا اور ان کی قوم سے تھا اس سے نکاح کر لیا(2) اور طلحہ بن عبداللہ نے اروی بنت ربیع بن حارث بن عبدالمطلب کو طلاق دی تو خالد بن سعید بن عاص نے اس سے نکاح کر لیا(3)۔

قولہ تعالیٰ وَسۡـَٔلُوۡا مَاۤ اَنۡفَقۡتُمۡ...... تمہاری وہ عورتیں جو کفار کی طرف چلی جائیں تو ان پر جو کچھ تم نے خرچ کیا ہے کفار سے اس کا مطالبہ کر سکتے ہو اور اسی طرح وہ بھی اس رقم کا مطالبہ کر سکتے ہیں جو انہوں نے اپنی بیویوں پر خرچ کی ہے جو ہجرت کر کے مسلمانوں کی طرف آ گئی ہیں۔

ذٰلِكُمۡ حُكۡمُ اللّٰهِ...... یعنی صلح کے بارے میں اور عورتوں کو مستثنیٰ کرنے کے بارے میں یہ سب اللہ کا حکم ہے جو وہ اپنی مخلوق کو دے رہا ہے۔

عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ جو اس کے بندوں کے لئے مناسب ہے اسے جاننے والا ہے اور اس میں حکیم ہے۔

وَ اِنۡ فَاتَكُمۡ شَىۡءٌ...... مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ یہ ان کفار کے بارے میں ہے جن کا کوئی معاہدہ نہیں۔ جب ان کی طرف کوئی عورت بھاگ کر چلی جائے اور وہ خاوند کو مہر نہ دیں۔ جب ان کی کوئی عورت آئے تو اس کے خاوند کو بھی کچھ نہیں دیا جائے گا۔ جب تک کہ وہ اس مسلمان شوہر کو رقم نہ دیں۔ ابن جریر نے زہری رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ مؤمنین نے اللہ کے حکم کو تسلیم کیا اور اس کے مطابق مشرک خاوندوں کو ان کی بیویوں کا نفقہ ادا کر دیا لیکن مشرکین نے اس حکم کا انکار کرتے ہوئے مسلمانوں کو کچھ نہ دیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اس آیت کے بعد اگر کوئی عورت مسلمانوں سے مشرکین کی طرف جاتی ہے تو مؤمنین اس کے خاوند کو باری کی رقم سے ادا کریں یعنی جب ان میں سے کوئی عورت تمہارے ہاں آ جائے تو تم اپنا وہ خرچ نکال کر باقی اگر کچھ بچے تو دے دو ورنہ معاملہ ختم ہوا۔ عقب سے مراد وہ رقم ہے جو کفار کی طرف سے مسلمان ہو کر آنے والی عورتوں کو دی جاتی ہے(4)۔ عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اگر مہاجرین میں سے کسی کی عورت کفار سے جا ملے تو حضور ﷺ نے حکم فرمایا کہ مال غنیمت میں سے اس عورت کے خاوند کو رقم دی جائے۔

فَعَاقَبۡتُمۡ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ قریش وغیرہ سے تمہیں جو مال غنیمت ملے۔

مِّثۡلَ مَاۤ اَنۡفَقُوۡا یعنی مہر مثل۔ مسروق، ابراہیم، قتادہ، مقاتل، ضحاک، سفیان بن حسین اور زہری سے اسی طرح مروی ہے اور یہ بات پہلی صورت کے منافی نہیں کیونکہ اگر پہلی صورت ممکن ہو تو یہ سب سے بہتر ہے ورنہ ان غنائم سے ادائیگی کی جائے جو کفار سے مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔ اس حکم میں وسعت ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے ہی پسند کیا ہے۔ وللہ الحمد و المنّۃ۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 72
2۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2، صفحہ 327
3۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 72
4۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 75

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ یُبَایِعْنَكَ عَلٰۤى اَنْ لَّا یُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَیْــٴًـا وَّ لَا یَسْرِقْنَ وَ لَا یَزْنِیْنَ وَ لَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَ لَا یَاْتِیْنَ بِبُهْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَهٗ بَیْنَ اَیْدِیْهِنَّ وَ اَرْجُلِهِنَّ وَ لَا یَعْصِیْنَكَ فِیْ مَعْرُوْفٍ فَبَایِعْهُنَّ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۲﴾

''اے نبی (مکرم) جب حاضر ہوں آپ کی خدمت میں مومن عورتیں تا کہ آپ سے اس بات پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری کریں گی اور نہ اپنے بچوں کو قتل کریں گی اور نہیں لگائیں گی جھوٹا الزام جو انہوں نے گھڑ لیا ہو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان اور نہ آپ کی نافرمانی کریں گی کسی نیک کام میں تو (اے میرے محبوب!) انہیں بیعت فرمالیا کرو اور اللہ سے ان کے لئے مغفرت مانگا کرو۔ بیشک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے''۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ اس آیت کے اترنے کے بعد حضور ﷺ مسلمان ہو کر ہجرت کرنے والی عورتوں کی جانچ پڑتال کیا کرتے جو مومنہ عورت اس شرط کا اقرار کر لیتی، حضور ﷺ اسے فرماتے: ''میں نے تم سے بیعت لی''۔ زبانی طور پر ایسا فرماتے اور بخدا آپ نے دوران بیعت کسی عورت کے ہاتھ کو ہاتھ نہیں لگایا۔ آپ ﷺ ان سے زبانی بیعت لیتے اور فرماتے: ''میں نے تم سے اس شرط پر بیعت کی''۔ یہ الفاظ بخاری کے ہیں(1)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے امیمہ بنت رقیقہ سے روایت کیا ہے کہ کئی عورتوں کے ساتھ ہم حضور ﷺ کی بیعت کے لئے حاضر ہوئیں۔ تو حضور ﷺ نے قرآن کی اس آیت کے مطابق ہم سے عہد و پیمان لیا اور فرمایا: جتنی تم میں استطاعت وقدرت ہو۔ ہم نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول ہم پر ہماری ذات سے بڑھ کر مہربان ہے۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ ہم سے مصافحہ نہیں فرمائیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا میرا ایک عورت کو کہہ دینا سو عورتوں کو کہہ دینے کے برابر ہے(2)۔

اس کی اسناد صحیح ہے۔ ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے روایت کیا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔ مسند احمد کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ ہم میں سے کسی عورت کے ساتھ حضور ﷺ نے مصافحہ نہیں فرمایا۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے(3)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے امیمہ بنت رقیقہ سے روایت کیا ہے یہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خالہ تھیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے سلمیٰ بنت قیس سے روایت کیا ہے۔ یہ حضور ﷺ کی خالہ تھیں اور آپ کے ساتھ دونوں قبلوں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی تھی۔ یہ بنوعدی بن نجار قبیلہ سے تھیں۔ فرماتی ہیں میں انصاری عورتوں کے ساتھ حضور ﷺ کی خدمت میں بیعت کے لئے حاضر ہوئی۔ آیت کریمہ میں جن چیزوں کا ذکر ہے حضور ﷺ نے ہم سے ان کا عہد لیا اور ساتھ یہ بھی فرمایا: یہ اقرار بھی کرو کہ اپنے خاوندوں سے خیانت نہیں کرو گی۔ چنانچہ ہم نے آپ کی بیعت کر لی اور واپس لوٹ آئیں۔ میں نے ایک عورت سے کہا حضور ﷺ سے جا کر دریافت کرو خاوندوں کے ساتھ خیانت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا اس کا مال لے کر چپکے سے کسی دوسرے کو دینا(4)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے عائشہ بنت قدامہ یعنی ابن مظعون سے روایت کیا ہے کہ میں اپنی ماں رائطہ

1۔ فتح الباری تفسیر سورۂ ممتحنہ، جلد 8 صفحہ 636

2۔ مسند امام احمد، جلد 6، صفحہ 357، عارضۃ الاحوذی، ابواب السیر، جلد 7، صفحہ 95-94 نسائی، کتاب البیعۃ، جلد 7 صفحہ 152-149 - ابن ماجۃ، کتاب الجہاد، جلد 2، صفحہ 959-

3۔ ایضاً مرجع مذکور تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 80

4۔ مسند امام احمد، جلد 6، صفحہ 380-379

بنت سفیان خزاعیہ کے ہمراہ تھی۔ حضور ﷺ عورتوں سے بیعت لے رہے تھے ان چیزوں پر جن کا ذکر آیت کریمہ میں ہے اور عورتیں اس کا اقرار کر رہی تھیں۔ میری ماں مجھے کہتی کہ اے بیٹی! ٹھیک ہے تو۔ میں بھی اسی طرح کہتی جس طرح وہ کہہ رہی تھیں(1)۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ام عطیہ سے روایت کیا ہے کہ ہم نے حضور ﷺ کی بیعت کی تو حضور ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور ہمیں نوحہ کرنے سے منع فرمایا۔ ایک عورت نے اپنا ہاتھ سمیٹ لیا اور عرض کی فلاں عورت نے نوحہ کرنے میں میری مدد کی تھی میں اس کا بدلہ ضرور اتاروں گی۔ حضور ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ چلی گئی۔ پھر واپس آئی اور حضور ﷺ کی بیعت کی۔(2) مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح روایت کیا ہے(3)۔ ایک اور روایت میں ہے اس عہد کو اس عورت اور ام سلیم بنت ملحان کے علاوہ اور کسی نے پورا نہیں کیا۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ام عطیہ سے روایت کیا ہے کہ بوقت بیعت حضور ﷺ نے ہم سے یہ عہد بھی لیا کہ نوحہ نہیں کریں گی۔ پانچ عورتوں کے علاوہ اور کسی نے اس عہد کو پورا نہیں کیا۔ یہ عورتیں ام سلیم، ام علا بنت ابی مبرۃ زوجہ معاذ اور دو عورتیں یا بنت ابی سبرہ، زوجہ معاذ اور ایک دوسری عورت(4)۔ حضور ﷺ عید والے دن عورتوں سے بیعت لیا کرتے تھے۔ جس طرح بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ عید الفطر کی نماز میں نے رسول اکرم ﷺ، ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ ادا کی ہے۔ سب خطبہ سے قبل نماز پڑھتے تھے اور پھر خطبہ دیتے۔ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ خطبہ دے کر اترے۔ گویا یہ منظر اب بھی میری آنکھوں کے سامنے ہے کہ آپ اپنے ہاتھ سے لوگوں کو بٹھا رہے تھے۔ پھر انہیں چیرتے ہوئے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ عورتوں کے پاس آئے اور آیت مبایعۃ مکمل تلاوت فرمائی اور فارغ ہو کر فرمایا: کیا تم اس اقرار پر ثابت قدم ہو۔ ایک عورت نے جواب دیا ہاں یا رسول اللہ ﷺ! اور کسی عورت نے جواب نہیں دیا۔ حسن کو معلوم نہیں کہ اس کا نام کیا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا صدقہ دو۔ چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کپڑا اچھایا۔ وہ عورتیں اس کپڑے پر بے نگینہ اور نگینے والی انگوٹھیاں پھینکنے لگیں(5)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے عمرو بن شعیب سے روایت کیا ہے کہ امیمہ بنت رقیقہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں بیعت اسلام کے لئے حاضر ہوئیں۔ آپ نے ان کی بیعت لی۔ بیعت کے الفاظ میں آیت کریمہ کے علاوہ یہ بھی ہے کہ نوحہ نہ کرنا اور زمانہ جاہلیت کی طرح اپنے بناؤ سنگھار کی نمائش نہ کرنا(6)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم ایک مجلس میں حضور ﷺ کے پاس حاضر تھے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ان شروط پر میری بیعت کرو جو اس آیت میں ہیں پھر اس آیت کی تلاوت فرمائی جس میں عورتوں سے بیعت لینے کا بیان ہے۔ فرمایا جو اس عہد کو نبھا دے تو اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے اور جو اس کے خلاف کر بیٹھے اور اس پر اسے سزا بھی مل جائے تو یہ اس کے لئے کفارہ ہے لیکن اگر اس کی بات پوشیدہ رہے تو وہ اللہ کے ذمے ہے اگر چاہے تو معاف فرما دے اور اگر چاہے تو عذاب دے(7)۔ یہ روایت صحیحین میں ہے(8)۔

محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں ان لوگوں میں شامل تھا جنہوں نے بیعت عقبہ اولیٰ میں شمولیت کی تھی۔ ہم بارہ آدمی تھے۔ ہم نے انہی باتوں پر حضور ﷺ سے بیعت کی جس کا ذکر آیت نساء میں ہے۔ یہ

1۔ مسند امام احمد، جلد 6، صفحہ 365
2۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ ممتحنہ، جلد 8، صفحہ 637
3۔ مسلم، کتاب الجنائز، جلد 2، صفحہ 646-645
4۔ فتح الباری، کتاب الجنائز، جلد 3 صفحہ 176
5۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ ممتحنہ، جلد 8، صفحہ 638
6۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 196 تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 79
7۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 314
8۔ فتح الباری تفسیر سورۂ ممتحنہ، جلد 8 صفحہ 638-637 مسلم کتاب الحدود، جلد 3، صفحہ 1333

لڑائی فرض ہونے سے پہلے کی بات ہے۔ سرکار ﷺ نے فرمایا اگر تم نے یہ عہد پورا کیا تو تمہارے لئے جنت ہے۔ (ابن ابی حاتم)

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بطرف عوفی عن ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ ان عورتوں سے کہیں: حضور تم سے اس شرط پر بیعت لیتے ہیں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ بیعت کے لئے آنے والیوں میں ہند بنت عتبہ بن ربیعہ جس نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا پیٹ چیر دیا تھا، بھیس بدل کر آئی تھی۔ اس نے جب سنا تو کہنے لگی اگر میں بولوں گی تو یہ مجھے پہچان لیں گے اور قتل کر دیں گے۔ میں نے آپ کے ڈر سے بھیس بدلا ہے۔ ہند کے ساتھ والی عورتیں خاموش رہیں اور کچھ نہ بولیں۔ ہند منہ چھپائے ہوئے بولی جس شرط کے بغیر مردوں کی بیعت قبول نہیں ہوئی، اس کے بغیر ہماری بیعت کیسے قبول ہو سکتی ہے۔ سرکار ﷺ نے اس کی طرف نگاہ فرمائی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا انہیں کہو کہ چوری نہیں کریں گی۔ ہند کہنے لگی میں ابوسفیان کے مال سے کبھی کچھ لے لیا کرتی تھی معلوم نہیں وہ میرے لئے حلال ہے یا نہیں۔ ابوسفیان پاس کھڑے تھے انہوں نے کہا آج تک جو تم نے لیا ہے وہ تمہارے لئے حلال ہے۔ یہ سن کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہنس پڑے اور اسے پہچان لیا اور اسے بلایا۔ اس نے آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر آپ کی پناہ لے لی۔ آپ نے فرمایا کیا تو ہند ہے؟ وہ کہنے لگی جو گزر چکا ہے اللہ اسے معاف فرمائے۔ سرکار ﷺ نے اس سے صرف نظر فرمالی اور فرمایا: "تم زنا نہیں کرو گی"۔ ہند بولی یا رسول اللہ ﷺ! کیا آزاد عورتیں بھی ایسا کرتی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ کی قسم آزاد عورتیں یہ کام نہیں کرتیں۔ فرمایا: 'اپنی اولاد کو قتل نہ کریں'۔ ہند نے کہا آپ نے انہیں بدر کے دن قتل کیا ہے اب آپ جانیں اور وہ۔ فرمایا: گھڑا ہوا جھوٹا الزام نہ لگائیں اور نیک کام میں آپ کی مخالفت نہ کریں اور انہیں نوحہ کرنے سے منع فرمایا۔ زمانہ جاہلیت میں عورتیں اپنے کپڑے پھاڑ دیتیں، چہرے نوچ لیتیں اور بال کاٹ ڈالتیں اور ویل ثبور (ہائے ہلاکت) پکارتیں(1)۔ یہ اثر غریب ہے اور اس کے بعض میں نکارت ہے۔ واللہ اعلم۔

ابوسفیان اور اس کی بیوی نے جب اسلام قبول کیا تو حضور ﷺ نے ان سے کوئی سختی نہ فرمائی بلکہ محبت اور خلوص ظاہر فرمایا۔ ان دونوں کے لئے آپ کا یہی معمول تھا۔

مقاتل بن حیان کا قول ہے کہ یہ آیت فتح مکہ کے دن نازل ہوئی۔ حضور ﷺ نے صفا پر مردوں سے بیعت لی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عورتوں سے بیعت لی۔ آپ سرکار کی طرف سے ان سے قسم لیتے تھے(2)۔ اس روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ جب آپ نے فرمایا اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا تو ہند کہنے لگی ہم نے انہیں پال پوس کر بڑا کیا لیکن تم نے انہیں قتل کر دیا۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو گئے۔ (ابن ابی حاتم)(3)

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ ہند بنت عتبہ حضور ﷺ کی بیعت کے لئے آئیں۔ آپ ﷺ نے ان کے ہاتھ کی طرف دیکھا (یہ مردوں کی طرح سفید تھا) آپ نے فرمایا جاؤ ان کا رنگ بدل کر آؤ۔ چنانچہ وہ مہندی لگا کر حاضر ہوئیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں اس شرط پر تم سے بیعت کرتا ہوں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراؤ گی۔ ہند نے بیعت کی اس کے ہاتھ میں سونے کے دو کنگن تھے۔ اس نے حضور ﷺ سے عرض کی ان دو کنگنوں کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ آپ نے فرمایا نار جہنم کے دو انگارے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے عامر شعبی سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے عورتوں کی بیعت لی آپ کے

1۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 78 2۔ در منثور، جلد 8، صفحہ 139 3۔ مرجع مذکور ایضاً

دست مبارک میں کپڑا تھا۔ آپ نے اسے ہاتھ پر رکھا اور فرمایا: ''اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا'' ایک عورت نے کہا آپ ان کے آباء کو قتل کرتے ہیں اور ان کی اولاد کے متعلق ہمیں وصیت کرتے ہیں؟ اس کے بعد جب بھی عورتیں بیعت کے لئے آتیں، آپ سب باتیں ان پر پیش فرماتے وہ ان کا اقرار کرلیتیں اور واپس چلی جاتیں۔

قولہ تعالیٰ یُبَایِعْنَكَ جو ان شرائط پر بیعت کرنے کے لئے آئیں اس سے بیعت فرمالیں کہ وہ شرک نہیں کریں گی۔ اجنبی لوگوں کے اموال نہیں چرائیں گی۔ ہاں اگر خاوند نفقہ دینے میں کوتاہی کرتا ہو تو اس کے مال سے رواج کے مطابق لے سکتی ہیں۔ اگرچہ وہ اس کے علم میں نہ لایا گیا ہو، حدیث ہند بنت عتبہ پر عمل کرتے ہوئے کہ انہوں نے عرض کی تھی یا رسول اللہ ﷺ! ابوسفیان کنجوس آدمی ہے مجھے نفقہ سے اتنا نہیں دیتا جو میرے اور میرے بچوں کے لئے کافی ہو۔ اگر میں اسے بتائے بغیر اس کے مال سے کچھ لے لوں تو کیا اس میں کوئی حرج ہے۔ سرکار ﷺ نے فرمایا: اس کے مال میں سے رواج کے مطابق اتنا لے لے جو تیرے اور تیرے بچوں کے لئے کافی ہو۔ صحیحین میں اسی طرح ہے(1)۔

قولہ تعالیٰ وَلَا يَزْنِينَ جیسے ایک اور آیت میں ہے: وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَىٰ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً ۖ وَسَاءَ سَبِيلًا۔

حدیث سمرہ میں زانیوں کی سزا نار جہنم کا وردناک عذاب بیان کی گئی ہے(2)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ فاطمہ بنت عتبہ حضور ﷺ کی بیعت کے لئے آئیں تو آپ نے ان کے سامنے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ انہوں نے شرم سے اپنا ہاتھ اپنے سر پر رکھ لیا۔ سرکار ﷺ کو ان کا فعل عجیب لگا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اے عورت اقرار کر۔ اللہ کی قسم ہم نے انہی شرطوں پر بیعت کی ہے۔ یہ سن کر اس نے کہا ہاں۔ تو آپ نے اسے بیعت فرمالیا(3)۔ ابن ابی حاتم نے عامر شعبی رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ عورتوں سے بیعت لے رہے تھے آپ کے ہاتھ میں کپڑا تھا جسے آپ نے ہتھیلی پر رکھا تھا۔ پھر فرمایا اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا۔ یہ سن کر ایک عورت کہنے لگی: آپ ان کے آباء کو قتل کرتے ہیں اور ان کی اولاد کی وصیت کرتے ہیں۔ اس کے بعد آپ عورتوں سے اجتماعی بیعت لیتے۔

وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ یہ حکم عام ہے پیدا ہونے کے بعد بچے کے قتل کرنے کو شامل ہے۔ جیسے جاہلیت میں رواج تھا کہ وہ فاقہ کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل کر دیتے تھے یا حمل گرا دینا جیسے بعض جاہل عورتیں اپنا حمل گرا دیتی ہیں۔ اس کے پیچھے مخصوص مقاصد کارفرما ہوتے ہیں۔

وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اپنے خاوندوں کے ساتھ دوسروں کی اولاد کو نہ ملائیں۔ مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے یہی کہا ہے۔ اس حدیث کی تائید ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب آیت لعان نازل ہوئی تو میں نے حضور ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''ہر وہ عورت جس نے کسی قوم کے ساتھ ایسے فرد کو ملایا جو ان سے نہ تھا تو اللہ کے ہاں یہ کوئی چیز نہیں۔ اللہ اسے ہرگز جنت میں داخل نہیں فرمائے گا'' اور ہر وہ شخص جس نے اپنے بیٹے کا انکار کیا اور وہ اسے دیکھ بھی رہا تھا اللہ تعالیٰ اس سے پردہ کرلے گا اور اولین و آخرین کے سامنے اسے رسوا کرے گا(4)۔

1۔ فتح الباری، کتاب الاحکام، جلد 13 صفحہ 171، مسلم، کتاب الاقضیۃ، جلد 3 صفحہ 1338

2۔ فتح الباری، کتاب التفسیر، جلد 12، صفحہ 439-438 مسلم، کتاب الرؤیۃ، جلد 4، صفحہ 1781 سنن کبریٰ، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 4، صفحہ 82-81 مسند امام احمد، جلد 5 صفحہ 15-14

3۔ مسند امام احمد، جلد 6 صفحہ 151

4۔ سنن ابوداؤد، کتاب الطلاق، جلد 2 صفحہ 279

فِیْ مَعْرُوْفٍ یعنی جو آپ نے انہیں نیکی کا حکم دیا ہے اور برائی سے منع کیا ہے۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ نے یہ شرط عورتوں کے لئے لگائی تھی (1)۔ میمون بن مہران کا قول ہے کہ اللہ نے اپنے نبی کی اطاعت فقط معروف میں رکھی ہے اور معروف بھی طاعت ہے۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اللہ نے اپنے رسول کی اطاعت کا حکم دیا جو کہ بہترین مخلوق ہیں۔ ان کی اطاعت بھی معروف ہے۔ دیگر علماء نے حضرت ابن عباس، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم، سالم بن ابی الجعد اور ابو صالح وغیرہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے اس دن نوحہ کرنے سے منع فرمایا۔ جس طرح کہ حدیث ام عطیہ میں پہلے گزر چکا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ اللہ کے نبی نے ان سے نوحہ نہ کرنے، غیر محرموں سے بات چیت نہ کرنے کا عہد لیا۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے مہمان آتے ہیں اور ہم گھر میں نہیں ہوتے۔ حضور ﷺ نے فرمایا میری مراد وہ نہیں۔ میری مراد وہ نہیں ہیں (2)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے جو عہد لیا تھا اس میں یہ بات بھی تھی کہ تم بات چیت نہ کرنا مگر محرم شخص سے۔ آدمی کسی عورت سے بات چیت کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کی رانوں کے درمیان سے مذی نکل جاتی ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ام عطیہ انصاریہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے بیعت کے وقت ہم پر جو معروف کی شرط لگائی تھی اس میں یہ تھا کہ ہم نوحہ نہ کریں۔ بنی فلاں کی ایک عورت نے کہا: بنو فلاں کی عورت نے نوحہ کرنے میں میری مدد کی تھی۔ میں بیعت نہیں کروں گی یہاں تک کہ اس کا بدلہ اتار دوں۔ وہ گئی ان کی مدد کی پھر آ کر حضور ﷺ کی بیعت کی۔ چنانچہ اس کے اور ام سلیم بنت ملحان یہ انس بن مالک کی والدہ ہیں کے علاوہ کسی نے اس عہد کو پورا نہ کیا (3)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت دیگر سندوں سے بھی روایت کی ہے۔ ایک دوسری روایت میں مصعب بن نوح انصاری نے بیان کیا ہے کہ میں نے اپنی ایک بڑھیا سے ملاقات کی یہ ان عورتوں میں شامل تھی جنہوں نے حضور ﷺ کی بیعت کی تھی۔ اس نے بیان کیا کہ میں حضور ﷺ کی بیعت کے لئے آئی تو آپ نے ہم سے جو عہد لیا اس میں یہ بات بھی شامل تھی کہ ہم نوحہ نہیں کریں گی۔ ایک بڑھیا نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! بعض لوگوں نے نوحہ کرنے میں اس وقت میری مدد کی جب ان پر مصیبتیں آئیں۔ اب ان پر مصیبت کا وقت ہے میں نوحہ خوانی میں ان کی مدد کرنا چاہتی ہوں۔ سرکار ﷺ نے فرمایا: "جاؤ اور جا کر انہیں بدلہ دو۔" وہ گئی ان کا بدلہ چکایا پھر واپس آئی اور حضور ﷺ کی بیعت کی اور فرمایا: معروف سے مراد یہی ہے (4)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت اسید بن ابی اسید بزار ایک عورت جس نے حضور ﷺ کی بیعت کی تھی سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ہم سے عہد لیا تھا کہ معروف میں آپ کی نافرمانی نہ کریں، چہرے کو زخمی نہ کریں، بال نہ کاٹیں، گریبان نہ چیریں اور ہائے وائے نہ کریں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ام عطیہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضور ﷺ تشریف فرما ہوئے تو انصاری عورتوں کو ایک گھر میں جمع ہونے کا حکم فرمایا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہماری طرف بھیجا۔ وہ آ کر دروازے پر کھڑے ہو گئے۔ ہمیں سلام کیا۔ ہم نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا: میں اللہ کے رسول کا تمہاری طرف قاصد ہوں۔ ہم نے کہا اللہ کے رسول اور اللہ کے رسول کے قاصد کو مرحبا۔ آپ نے فرمایا تم شرک، چوری اور زنا نہ کرنے پر بیعت کرو۔ ہم نے کہا ہمیں منظور ہے۔ پھر آپ نے دروازے یا گھر کے باہر سے

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ ممتحنہ، جلد 8 صفحہ 637
2۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 79-78
3۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 79
4۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 79

ہاتھ بڑھایا۔ ہم نے اندر سے ہاتھ بڑھائے۔ پھر فرمایا: اے اللہ گواہ رہ۔ فرمایا عیدین میں ہمیں حکم دیا گیا کہ حائضہ اور کنواری عورتوں کو لے جایا کریں اور ہم پر جمعہ فرض نہیں اور ہمیں جنازہ کے پیچھے جانے سے بھی منع فرمایا۔ اسماعیل نے اپنی دادی ام عطیہ سے معروف کا معنی پوچھا تو انہوں نے فرمایا: نوحہ کرنا(1)۔ صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جو کوئی بوقت مصیبت اپنے رخساروں پر تھپڑ مارے، دامن چاک کرے اور جاہلیت کی باتیں کرے اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں۔ صحیحین میں حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے مصیبت کے وقت بال منڈانے والی، چلا چلا کر رونے والی اور کپڑے پھاڑنے والی سے براءت کا اظہار فرمایا ہے(2)۔ حافظ ابو یعلی رحمۃ اللہ علیہ نے مسند میں ابو مالک اشعری سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری امت میں چار کام جاہلیت کے ہیں جنہیں وہ نہ چھوڑے گی: (۱) حسب نسب پر فخر کرنا۔ (۲) نسب کا طعنہ دینا۔ (۳) ستاروں سے بارش طلب کرنا۔ (۴) اور میت پر نوحہ کرنا اور فرمایا: نوحہ کرنے والی عورت اگر توبہ کئے بغیر مر جائے تو قیامت کے دن اسے تارکول کی شلوار اور خارش کی قمیص پہنائی جائے گی(3)۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں اسی طرح روایت کیا ہے(4)۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے ابوسعید سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے نوحہ کرنے والی اور سننے والی پر لعنت فرمائی(5)۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے معروف کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: نوحہ خوانی۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب التفسیر میں اسی طرح روایت کیا ہے اور اسے حسن غریب قرار دیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَىِٕسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَىِٕسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ﴿۱۳﴾

"اے ایمان والو! نہ دوست بناؤ ان لوگوں کو غضب فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے جن پر یہ آخرت (کے ثواب) سے مایوس ہو گئے ہیں جیسے وہ کفار مایوس ہو چکے ہیں جو قبروں میں ہیں"۔

اس صورت کے آخر میں اللہ تبارک وتعالیٰ کفار کی موالات سے منع فرما رہا ہے جس طرح اس کے شروع میں اس سے نہی کی تھی۔

قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ یعنی یہود ونصاریٰ اور تمام کفار جن پر اللہ کا غضب اور لعنت ہے اور وہ اللہ کی طرف سے دھتکار اور پھٹکار کے مستحق قرار پائے ہیں۔ تم کس طرح ان سے موالات کرتے اور انہیں دوست بناتے ہو حالانکہ وہ آخرت کی نعمتوں اور ثواب سے مایوس ہو چکے ہیں۔

كَمَا يَىِٕسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ اس میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ جس طرح زندہ کفار اپنے قبروں میں مدفون ہونے والے رشتے داروں سے مایوس ہو چکے ہیں کہ ان سے اب ملاقات نہیں ہوگی کیونکہ وہ بعث بعد الموت اور قیامت کے دن جی اٹھنے پر یقین نہیں رکھتے۔ ان کے عقیدہ کے مطابق ان کی امید منقطع ہو چکی ہے۔ عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں یہی روایت کیا ہے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کا قول ہے کفار جو زندہ ہیں اموات سے مایوس ہو چکے ہیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 81-80

2۔ فتح الباری، کتاب الجنائز، جلد 3 صفحہ 166-165 - مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 100-99

3۔ مسند ابی یعلی، جلد 2 صفحہ 235

4۔ مسلم، کتاب الجنائز، جلد 2 صفحہ 644

5۔ سنن ابوداؤد، کتاب الجنائز، جلد 3 صفحہ 564-563

جیسے کفار اصحاب قبور کی واپسی سے مایوس ہو چکے ہیں جو اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ سے یہی مروی ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح بیان کیا ہے(1)۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح وہ کفار جو قبروں میں ہیں ہر خیر سے مایوس ہو چکے ہیں۔ اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جس طرح یہ کافر جب مرا اور تمام احوال دیکھ لئے تو اب مایوس ہو چکا ہے۔ یہ قول مجاہد، عکرمہ، مقاتل، ابن زید، کلبی اور منصور رحمہم اللہ تعالیٰ کا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے ہی پسند کیا ہے۔

سورۃ الممتحنہ کی تفسیر ختم ہوئی۔

وللہ الحمد والمنۃ

1۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 82-81

سورۂ صف

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم ایک جگہ بیٹھے یہ تذکرہ کر رہے تھے کہ کوئی جائے اور حضور ﷺ سے یہ دریافت کرے کہ کون سا عمل اللہ کے ہاں سب سے زیادہ پسندیدہ ہے؟ ہم میں سے کوئی بھی نہ اٹھا تھا کہ ہمارے پاس حضور ﷺ کا قاصد پہنچا اور ہمیں ایک ایک کر کے بلا کر لے گیا۔ ہم جمع ہو گئے تو آپ ﷺ نے اس پوری سورت کی تلاوت فرمائی۔ (یعنی سورۂ صف)(1)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ کے صحابہ میں سے کچھ لوگوں نے سوچا کہ حضور ﷺ کے پاس آدمی بھیج کر یہ دریافت کریں کہ اللہ کے نزدیک افضل ترین عمل کون سا ہے؟ ہم میں سے کوئی بھی نہ گیا اور ہم پوچھنے سے ڈر گئے۔ اس دوران آپ نے ایک ایک کر کے اس گروہ کے سب لوگوں کو بلا لیا۔ ان کے بارے میں ہی سورۂ صف نازل ہوئی تھی۔ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ حضور ﷺ نے ہمیں پوری سورت سنائی۔ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے ہمیں یہ پوری سورت سنائی۔ اسی طرح آخر تک ہر راوی نے اپنے شاگرد کو یہ سورت سنائی۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ ہم نے سوچا اگر ہمیں ایسے عمل کا علم ہو جائے تو ہم اس پر عمل پیرا ہو جائیں...... الحدیث۔

(مؤلف کی رائے) میں کہتا ہوں مجھے یہ حدیث میرے استاذ شیخ مسند ابوالعباس احمد بن ابی طالب حجار رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھ کر سنائی اور میں سن رہا تھا۔ اس میں بھی مسلسل ہر استاد کا اپنے شاگرد کو پڑھ کر سنانا مروی ہے۔ یہاں تک کہ میرے استاد نے بھی اپنے استاد سے سنا ہے لیکن چونکہ وہ اُمی تھے اسے یاد کرنے کا وقت کم تھا۔ انہوں نے مجھے پڑھ کر نہیں سنائی۔ دوسرے استاد حافظ کبیر ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عثمان ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند سے یہ حدیث مجھے پڑھاتے وقت پوری سورۂ صف بھی پڑھ کر سنائی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝

"اللہ کی تسبیح کرتی ہے جو چیز آسمانوں میں ہے اور جو چیز زمین میں ہے۔ اور وہی سب پر غالب بڑا دانا ہے۔ اے ایمان والو! تم کیوں ایسی بات کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو۔ بڑی ناراضگی کا باعث ہے اللہ کے نزدیک کہ تم ایسی بات کہو جو کرتے نہیں ہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے ان (مجاہدوں) سے جو اس کی راہ میں جنگ کرتے ہیں پرا باندھ کر گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں"۔

1۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 452

سَبَّحَ لِلّٰہِ پر بحث متعدد مرتبہ ہو چکی ہے اس کے اعادے کی اب ضرورت نہیں۔

لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ اس شخص پر اظہار ناپسندیدگی کیا جا رہا ہے جو کوئی وعدہ کرتا یا بات کہتا ہے پھر اسے پورا نہیں کرتا۔ بعض علمائے سلف نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ مطلقاً وعدہ پورا کرنا واجب ہے، خواہ جس سے وعدہ کیا گیا ہے اس نے تاکید کی ہو یا نہیں۔ اسی طرح انہوں نے صحیحین کی حدیث سے بھی استدلال کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''منافق کی تین نشانیاں ہیں (۱) جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے۔ (۲) جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ (۳) جب اسے امین بنایا جائے تو خیانت کرے''(1)۔ ایک دوسری صحیح حدیث میں ہے: ''جس شخص میں چار علامات ہوں وہ پکا منافق ہے اور جس میں ان میں سے ایک خصلت ہو اس میں نفاق کی خصلت موجود ہے یہاں تک کہ اسے ترک کر دے (2) الخ''۔ ان میں سے ایک وعدہ خلافی ہے۔ ہم نے ان دونوں حدیثوں کے بارے میں شرح بخاری کی ابتدا میں بحث کی ہے۔ وللّٰہ الحمد والمنّۃ۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ اس انکار کو پختہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۔ امام احمد اور ابوداؤد رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت عبداللہ بن عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ ہمارے ہاں تشریف لائے۔ میں چھوٹا بچہ تھا۔ میں کھیل کود کے لئے جانے لگا تو میری ماں نے کہا ادھر آ تمہیں کچھ دوں۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا: تم اسے کیا دینا چاہتی ہو؟ میری ماں نے عرض کیا کھجور۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم نے ایسا نہ کیا تو ایک جھوٹ تمہارے ذمے لکھا جائے گا(3)۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ جب وعدہ کے ساتھ عزم بھی ہو تو اسے پورا کرنا واجب ہے۔ جس طرح کسی دوسرے کو تو کہے کہ تو نکاح کر لے تو اتنا اتنا میں تمہیں ہر روز دیتا رہوں گا۔ اگر اس نے نکاح کر لیا تو جب تک وہ نکاح باقی ہے اسے کچھ نہ کچھ دینا پڑے گا کیونکہ اس کے ساتھ آدمی کا حق متعلق ہے۔ جس پر اس سے باز پرس ہو سکتی ہے۔ جمہور کی رائے یہ ہے کہ اس پر کچھ لازم نہیں آئے گا۔ انہوں نے آیت کو اس بات پر محمول کیا ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب لوگوں نے جہاد کی فرضیت کی تمنا کی اور جب جہاد فرض ہو گیا تو بعض لوگ رخ موڑنے لگے جس طرح اس آیت میں ہے: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ قِیْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَیْدِیَكُمْ وَ اَقِیْمُوا...... مُّشَیَّدَةٍ (نساء: 77)۔ اور فرمایا وَ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَوْ لَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ...... مِنَ الْمَوْتِ (محمد: 20)۔

اسی طرح اس آیت میں علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ مؤمنین میں سے کچھ لوگ فرضیت جہاد سے قبل یہ کہا کرتے کیا ہی اچھا ہوتا اللہ تعالیٰ ہمیں وہ عمل بتا دیتا جو اسے سب سے زیادہ پسند ہے تاکہ ہم اس پر عمل کرتے تو اللہ نے اپنے نبی کو یہ خبر دی کہ سب سے زیادہ پسندیدہ عمل اس پر ایمان لانا ہے جس میں کوئی شک نہ ہو، اور اہل معصیت جو ایمان کی مخالفت کریں اور اس کو تسلیم نہ کریں سے جہاد کرنا ہے۔ جب جہاد کا حکم نازل ہوا تو مؤمنین میں سے بعض نے اسے ناپسند کیا اور یہ امر انہیں گراں گزرا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے پسند کیا ہے(4)۔ مقاتل بن حیان رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ مؤمنین نے کہا اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ کس عمل کو اللہ تعالیٰ بہت پسند فرماتا ہے تو ہم ضرور وہ عمل بجا لاتے۔ چنانچہ اللہ نے انہیں اپنے پسندیدہ عمل سے آگاہ فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِهٖ صَفًّا اب بات واضح ہو گئی اور غزوۂ احد کے دن انہیں آزمائش میں مبتلا کیا گیا تو وہ نبی کریم ﷺ سے رخ موڑ کر چل دیئے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی: لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ اور فرمایا میرے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ

1۔ یہ حدیث تفسیر سورۂ بقرہ آیت: 177-204 تفسیر سورۂ توبہ آیت: 77، تفسیر سورۂ رعد آیت: 25 تفسیر سورۂ مریم آیت: 54 اور تفسیر سورۂ معارج آیت: 32 میں گزر چکی ہے۔

2۔ متفق علیہ، فتح الباری، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 89 مسلم کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 78

3۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 447- سنن ابوداؤد، کتاب الادب، جلد 4، صفحہ 298

4۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 85-83

محبوب وہ ہے جو میری راہ میں لڑائی کرے(1)۔

بعض علماء کی رائے میں یہ قتال کے بارے میں نازل ہوئی یعنی اس آدمی کے بارے میں جو کہتا میں نے جہاد کیا ہے حالانکہ اس نے جہاد نہیں کیا۔ میں نے نیزہ بازی کی حالانکہ نہ کی تھی۔ میں نے شمشیر زنی کی حالانکہ نہ کی تھی۔ میں نے صبر کیا حالانکہ صبر نہ کیا تھا۔ قتادہ اور ضحاک رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ یہ ان لوگوں کو جھڑکنے کے لئے نازل ہوئی جو یہ کہتے ہم نے قتال کیا، ہم نے تلوار چلائی، ہم نے نیزہ مارا اور یہ کام کیا حالانکہ کچھ نہ کیا تھا۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی جو مسلمانوں کی مدد کا وعدہ کرتے پھر اسے پورا نہ کرتے۔

لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ جہاد مراد لیتے ہیں۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ بات انصار کے ایک گروہ نے کہی تھی حضرت عبداللہ بن رواحہ انصاری رضی اللہ عنہ بھی اس میں شامل تھے۔ انہوں نے ایک مجلس میں کہا تھا اگر ہمیں اللہ کے ہاں پسندیدہ ترین عمل کا پتہ چل جائے تو ہم اس پر عمل کریں یہاں تک کہ ہماری موت واقع ہو جائے، تو اللہ نے ان کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اپنے آپ کو اللہ کی راہ میں وقف کئے رہوں گا یہاں تک کہ مر جاؤں۔ چنانچہ آپ نے شہادت پائی(2)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ابوالاسود دیلی سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے اہل بصرہ میں سے قراء حضرات کو بلا بھیجا۔ آپ کے پاس تین سو آدمی آئے ان میں سے ہر ایک قاری قرآن تھا۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم اہل بصرہ کے قاری اور ان میں سے بہترین لوگ ہو۔ سنو ہم ایک سورت پڑھتے تھے جو مسبّحات کی سورتوں کے مشابہ تھی۔ پھر ہم اسے بھول گئے ہاں مجھے اس میں سے اتنا یاد ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ......وہ (طرز عمل) گواہی کے طور پر لکھ کر تمہاری گردنوں میں لٹکایا جائے گا اور قیامت کے دن اس کے بارے میں تم سے پوچھا جائے گا۔

كَاَنَّهُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ اللہ تعالیٰ مؤمن بندوں سے اپنی محبت کی خبر دے رہے ہیں کہ جب وہ دشمن کے سامنے میدان کارزار میں صف بستہ ہوتے ہیں تو اللہ کی راہ میں کفار سے لڑائی کرتے ہیں تاکہ اللہ کا کلمہ بلند ہو جائے اور اس کا دین تمام ادیان پر غالب ہو جائے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: تین قسم کے لوگوں کو اللہ دیکھ کر ہنس دیتا ہے: (۱) وہ جو رات کو قیام کرتا ہے۔ (۲) نماز کے لئے صفیں باندھنے والے۔ (۳) لڑائی کے لئے صفیں بنانے والے(3)۔ ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے(4)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت مطرف فرماتے ہیں مجھے بروایت ابی ذر ایک حدیث پہنچی تھی۔ مجھے آپ کی ملاقات کی خواہش تھی۔ چنانچہ جب میں آپ سے ملا تو عرض کی میں نے آپ کے حوالے سے ایک حدیث سنی تھی میری خواہش ہے کہ آپ سے سن لوں۔ آپ نے فرمایا وہ حدیث کیا ہے؟ میں نے کہا مجھے آپ کی روایت پہنچی ہے کہ حضور ﷺ نے آپ لوگوں کو بیان کیا کہ اللہ تین قسم کے لوگوں سے نفرت کرتا ہے اور تین کو پسند کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ میں اپنے خلیل ﷺ پر جھوٹ نہیں بول سکتا۔ میں نے پوچھا یہ تین آدمی کون سے ہیں جن سے اللہ محبت فرماتا ہے؟ فرمایا ایک وہ شخص جس نے اللہ کی راہ میں جنگ کی۔ خالص جہاد کی نیت سے نکلا اور دشمن سے آمنا سامنا کیا اور تم اسے کتاب اللہ میں بھی پاتے ہو۔ پھر یہ آیت پڑھی اِنَّ

1۔ درمنثور، جلد 8، صفحہ 146
2۔ طبری، جلد 28، صفحہ 84، درمنثور، جلد 8، صفحہ 146
3۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 80
4۔ سنن ابن ماجہ، المقدمۃ، جلد 1، صفحہ 73

اللہ یُحِبُّ الَّذِیۡنَ یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِہٖ اور حدیث ذکر فرمائی۔ یہ حدیث اس سند سے اسی سیاق اور انہی الفاظ سے مروی ہے اور مختصر ہے۔ ترمذی اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی اس سیاق سے مکمل حدیث بیان فرمائی ہے (1) جسے ہم نے کسی دوسری جگہ روایت کیا ہے۔ وللہ الحمد (2)۔ کعب احبار سے مروی ہے کہ وہ فرمایا کرتے: اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم ﷺ کے بارے میں فرماتا ہے: ''آپ میرے بندے، متوکل، پسندیدہ ہیں بدخلق، درشت زبان، اور بازاروں میں شور وشغب کرنے والے نہیں ہیں۔ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے بلکہ عفوودرگزر سے کام لیتے ہیں۔ آپ کی جائے ولادت مکہ اور جائے ہجرت طابہ ہے (3)۔ آپ کا ملک شام ہے۔ آپ کی امت بکثرت حمد وثنا کرنے والی ہے۔ وہ ہر حال میں اور ہر مقام پر اللہ کی تعریف بیان کرتے رہتے ہیں۔ سحری کے وقت فضا میں ان کی آوازیں اس طرح سنائی دیتی ہیں جیسے شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ۔ اپنے ہاتھ پاؤں پر وضو میں پانی بہاتے ہیں۔ تہبند باندھتے ہیں۔ لڑائی میں ان کی صفیں نماز میں ان کی صفوں کی طرح ہوتی ہیں۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی اِنَّ اللہَ یُحِبُّ الَّذِیۡنَ یُقَاتِلُوۡنَ سورج کا خیال رکھنے والے۔ جہاں وقت آجائے نماز پڑھ لیتے ہیں اگرچہ سواری کی پیٹھ پر ہی کیوں نہ ہو۔'' (ابن ابی حاتم) (4)۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: صفیں بنائے بغیر حضور ﷺ دشمن سے لڑائی شروع نہیں فرماتے تھے۔ اللہ کی طرف سے یہ مومنوں کو تعلیم دی جا رہی ہے۔

قولہ کَاَنَّہُمۡ بُنۡیَانٌ مَّرۡصُوۡصٌ صف قتال میں ایک دوسرے سے پیوستہ۔ مقاتل بن حیان کا قول ہے ایک دوسرے سے ملے ہوئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے ثابت قدم، اپنی جگہ سے ہٹتے نہیں ایک دوسرے سے جڑے ہوئے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ عمارت تعمیر کرنے والا یہ پسند نہیں کرتا کہ اس کی عمارت میں ترچھا پن ہو۔ اسی طرح اللہ پسند نہیں فرماتا کہ اس کا امر مختلف ہو۔ اللہ نے لڑائی میں بھی اور نماز میں بھی مومنوں کی صفیں بنائیں۔ تم پر لازمی ہے کہ اللہ کے حکم کو لازم پکڑو۔ جو اس کی تعمیل کرتا ہے یہ اس کے لئے بچاؤ ہے۔ یہ سب کچھ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ابو بحریہ سے روایت کیا ہے کہ مسلمان گھوڑوں پر سوار ہو کر لڑائی کرنا پسند نہیں کرتے تھے اور پیدل لڑائی کو مرغوب رکھتے۔ ابو بحریہ فرماتے ہیں کہ جب لڑائی کی صف میں تم مجھے ادھر ادھر متوجہ ہوتے دیکھو تو میرے جبڑے پر مارو (5)۔

وَ اِذۡ قَالَ مُوۡسٰی لِقَوۡمِہٖ یٰقَوۡمِ لِمَ تُؤۡذُوۡنَنِیۡ وَ قَدۡ تَّعۡلَمُوۡنَ اَنِّیۡ رَسُوۡلُ اللہِ اِلَیۡکُمۡ ؕ فَلَمَّا زَاغُوۡۤا اَزَاغَ اللہُ قُلُوۡبَہُمۡ ؕ وَ اللہُ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِیۡنَ ﴿۵﴾ وَ اِذۡ قَالَ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللہِ اِلَیۡکُمۡ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوۡرٰىۃِ وَ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوۡلٍ یَّاۡتِیۡ مِنۡۢ بَعۡدِی اسۡمُہٗۤ اَحۡمَدُ ؕ فَلَمَّا جَآءَہُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ قَالُوۡا ہٰذَا سِحۡرٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۶﴾

''اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم! تم مجھے کیوں ستاتے ہو حالانکہ تم خوب جانتے ہو کہ میں تمہاری

1۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب سورۃ الجنۃ، جلد 10 صفحہ 40-39، سنن نسائی، کتاب الزکاۃ، جلد 5 صفحہ 84، کتاب قیام اللیل، جلد 3 صفحہ 208-207 سنن کبری کتاب ... بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 9، صفحہ 161

2۔ یہ حدیث تفسیر سورہ آل عمران آیت: 77 میں گزر چکی ہے مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 151

3۔ یہ مدینہ طیبہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے

4۔ ابونعیم الدلائل: 74-72، قاضی عیاض: الشفا، جلد 1 صفحہ 33-32

5۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 84

طرف اللہ کا (بھیجا ہوا) رسول ہوں۔ پس جب انہوں نے کجروی اختیار کی تو اللہ نے بھی ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا۔ اور اللہ تعالیٰ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا اور یاد کرو جب فرمایا عیسیٰ فرزند مریم نے اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا (بھیجا ہوا) رسول ہوں میں تصدیق کرنے والا ہوں تورات کی جو مجھ سے پہلے آئی ہے اور مژدہ دینے والا ہوں ایک رسول کا جو تشریف لائے گا میرے بعد اس کا نام (نامی) احمد ہوگا۔ پس جب وہ (احمد) آیا ان کے پاس روشن نشانیاں لے کر تو انہوں نے کہا یہ تو کھلا جادو ہے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندے، رسول اور کلیم حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کے بارے میں فرماتا ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا:

لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ ...... تم مسلسل مجھے کیوں ستاتے ہو حالانکہ تمہیں میری رسالت کی سچائی کا یقین ہے؟ یہاں اپنے رسول ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ کفار کی تکالیف پر صبر کریں۔ چنانچہ آپ ﷺ فرمایا کرتے: موسیٰ پر اللہ تعالیٰ رحمت نازل فرمائے۔ آپ کو اس سے زیادہ ستایا گیا تو آپ نے صبر کیا(1) اور مؤمنین کو نہی کی جا رہی ہے کہ آپ ﷺ کی شان میں کوئی گستاخی کریں یا آپ کو آزار پہنچائیں۔ جیسے ارشاد ہوتا ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ؕ وَ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا (الاحزاب: 69)۔

قولہ تعالیٰ فَلَمَّا زَاغُوْۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ یعنی جب جانتے بوجھتے انہوں نے اتباع حق سے منہ موڑا۔ تو اللہ نے ان کے دلوں کو راہ ہدایت سے پھیر دیا اور شک، حیرت اور رسوائی میں مبتلا کر دیا۔ جیسے ایک اور آیت میں ہے: وَ نُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَ اَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ نَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ (انعام: 110)۔ اور فرمایا: وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا (نساء: 115)۔

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ ...... یعنی تورات میں میری خوشخبری دی گئی اور میں اس کا مصداق ہوں جو تمہیں خبر دی گئی۔ میں اپنے بعد میں آنے والے کی خوشخبری دینے والا ہوں۔ وہ رسول نبی اُمّی العربی، مکی احمد ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنو اسرائیل کے آخری نبی ہیں۔ آپ نے بنو اسرائیل کو حضرت محمد ﷺ کی خوشخبری دی۔ وہ احمد خاتم الانبیاء والمرسلین ہیں آپ کے بعد رسالت اور نبوت ختم ہوگئی۔ کتنی خوبصورت ہے وہ روایت جسے بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضور ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا: ''میرے چند اسماء ہیں۔ میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی ہوں جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کفر کو مٹاتا ہے۔ میں حاشر ہوں تمام لوگوں کا حشر میرے قدموں پر ہوگا۔ میں عاقب ہوں۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے(2)۔ ابوداؤد طیالسی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ہمارے سامنے اپنے اسماء گنوائے۔ ان میں سے جو ہمیں یاد رہے وہ یہ ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں حاشر ہوں، مقفی ہوں، میں نبی رحمت و نبی توبہ ہوں۔ میں نبی الملحمۃ ہوں۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے عمرو بن مرہ سے روایت کیا ہے(3)۔ ارشاد ہوتا ہے: اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِيْلِ (الاعراف: 157)۔ ایک اور مقام پر فرمایا:

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ ...... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ نے کسی نبی کو مبعوث نہیں فرمایا مگر اس سے یہ

1۔ یہ حدیث تفسیر سورۂ احزاب آیت: 69 میں گزر چکی ہے

2۔ فتح الباری تفسیر سورۃ صف، جلد 8 صفحہ 641-640 مسلم کتاب الفضائل، جلد 4، صفحہ 1828 اور یہی حدیث تفسیر سورۂ احزاب آیت: 40 میں گزر چکی ہے

3۔ مسند ابوداؤد طیالسی 68، مسلم، کتاب الفضائل، جلد 4 صفحہ 1829-1828

عہد لیا کہ اگر آپ کی زندگی میں میں محمد کو مبعوث کروں تو تم اس کی اتباع کرنا۔ ان سے یہ عہد لیا کہ اپنی امت سے یہ عہد لیں کہ اگر ان کی زندگی میں حضور ﷺ مبعوث ہوں تو ان کی اتباع اور مدد کریں۔ محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے صحابہ کرام سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ ہمیں اپنے بارے میں آگاہ فرمائیے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور اپنی ماں کا خواب ہوں جسے اس نے اس وقت تک دیکھا جب ان کا پاؤں بھاری ہوا۔ گویا ان سے نور خارج ہوا جس سے ارض شام میں بصریٰ کے محلات روشن ہو گئے (1)۔'' اس کی اسناد عمدہ ہے اور اس کے شواہد بھی ہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں اللہ کے ہاں اس وقت بھی خاتم النبیین تھا جب حضرت آدم علیہ السلام مٹی کا پتلا تھے۔ میں تمہیں اس کی ابتداء سناؤں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور میری ماں کا خواب جو اس نے دیکھا۔ اور نبیوں کی مائیں اسی طرح خواب دیکھا کرتی ہیں (2)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ابوامامہ سے روایت کیا ہے میں نے عرض کیا: آپ کا ابتدائی امر کیا تھا؟ فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور میری والدہ کا خواب کہ ان سے ایک نور نکلا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔ (3)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ہی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ہمیں نجاشی کی طرف بھیجا ہم تقریباً اسّی آدمی تھے۔ ان میں حضرت عبداللہ بن مسعود، جعفر، عبداللہ بن عرفطہ، عثمان بن مظعون اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہم شامل تھے یہ نجاشی کے پاس چلے آئے۔ قریش نے عمرو بن عاص اور عمارہ بن ولید کو تحائف دے کر بھیجا۔ جب وہ نجاشی کے دربار میں داخل ہوئے تو اسے سجدہ کیا اور دائیں وبائیں طرف سے آئے اور کہنے لگے ہمارے قبیلے کے کچھ لوگ تمہاری سرزمین پر اترے ہیں اور ہمارے دین سے پھر گئے ہیں۔ نجاشی نے پوچھا وہ کدھر ہیں؟ انہوں نے کہا وہ تمہارے ملک میں ہیں انہیں بلاؤ نجاشی نے انہیں بلا بھیجا۔ جعفر نے کہا میں آج تمہارا خطیب ہوں۔ چنانچہ سب نے آپ کی بات مان لی۔ آپ دربار میں آئے سلام کہا اور سجدہ نہ کیا۔ پوچھا گیا تم بادشاہ کو سجدہ کیوں نہیں کرتے؟ آپ فرمانے لگے ہم صرف اللہ وحدہ لاشریک کو سجدہ کرتے ہیں۔ انہوں نے پوچھا کیوں؟ آپ نے فرمایا اللہ نے ہماری طرف اپنا رسول مبعوث فرمایا۔ آپ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم صرف اللہ کو سجدہ کریں اور ہمیں نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا۔ عمرو بن عاص نے کہا کہ ان کا عقیدہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے بارے میں بالکل جدا ہے۔ اس نے پوچھا تم عیسیٰ بن مریم اور اس کی ماں کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ آپ نے فرمایا: ہم اسی طرح کہتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وہ اللہ کا کلمہ اور اس کی روح ہیں جسے عذرا، بتول کے پیٹ میں پھونکا۔ جنہیں کسی بشر نے چھوا تک نہیں تھا نہ انہیں بچہ ہونے کا کوئی موقع تھا۔ یہ سن کر نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور کہا اے حبشہ کے لوگو! اے پادریوں اور راہبوں کے گروہ! جو کچھ ہم کہتے ہیں انہوں نے اس تنکے کے برابر بھی اس میں اضافہ نہیں کیا۔ تمہیں خوش آمدید اور اسے بھی جس کے پاس سے تم آئے ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں ان کا ذکر انجیل میں ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہی کی بشارت دی تھی۔ تم جہاں چاہو رہو۔ اللہ کی قسم! اگر میں امور مملکت میں مشغول نہ ہوتا تو اس کے پاس حاضر ہوتا آپ کے جوڑے اٹھاتا اور آپ کو وضو کراتا۔ پھر حکم دیا کہ دوسرے فریق کے تحائف واپس کر دیئے جائیں۔ پھر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تو جلد ہی حضور ﷺ سے آملے اور غزوۂ بدر میں شمولیت فرمائی۔ شاہ حبشہ کے انتقال کی خبر جب حضور ﷺ کو ملی تو آپ نے اس کی بخشش کی دعا

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 166 2۔ مسند امام احمد، جلد 4 صفحہ 127 3۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 262

فرمائی(1)۔ یہ واقعہ حضرت جعفر اور ام سلمہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ اس کا محل کتب سیرت ہیں(2) مقصد یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام آپ کا وصف بیان کرتے رہے اور ان کی کتب میں آپ کا اسم گرامی موجود تھا جو اپنی امتوں کو بیان فرماتے رہے اور انہیں آپ ﷺ کی اتباع اور نصرت کا حکم فرماتے رہے۔ سب سے پہلے آپ ﷺ کی شہرت روئے زمین پر ابوالانبیاء حضرت ابراہیم خلیل الرحمن کی زبان مبارک سے ہوئی۔ جب آپ نے اہل مکہ کے لئے دعا فرمائی کہ اے اللہ ان میں رسول بھیج جو انہی سے ہو اور اسی طرح حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی زبان سے۔ اسی لئے جب آپ ﷺ سے آپ کی ابتداء کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے دعائے خلیل اور نوید مسیح کی طرف اشارہ فرمایا اور اپنی ماں کے خواب کا ذکر کیا جو کہ اہل مکہ میں آپ ﷺ کی شہرت کا سبب تھا۔ اسی طرح دیگر عجیب وغریب واقعات جو آپ ﷺ کے ذکر سے متعلق ہیں۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ جب حضور ﷺ تشریف لے آئے۔ ازمنہ قدیم سے آپ ﷺ کی خوشخبری دی جا رہی تھی اور قرون سالفہ میں آپ ﷺ کا چرچا عام تھا۔ جب آپ ﷺ کا ظہور قدسی ہوا اور آپ ﷺ نشانیاں لے کر آئے تو کفار اور مخالفین نے اسے واضح جادو قرار دیا(3)۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰۤى اِلَى الْاِسْلَامِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ هُوَ الَّذِيْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝

”اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹے بہتان باندھتا ہے حالانکہ اسے بلایا جارہا ہے اسلام کی طرف۔ اور اللہ تعالیٰ (ایسے) ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ یہ (نادان) چاہتے ہیں کہ بجھا دیں اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے۔ لیکن اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچا کر رہے گا خواہ سخت ناپسند کریں اس کو کافر۔ وہی تو ہے جس نے بھیجا ہے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ تاکہ وہ غالب کردے اسے سب دینوں پر خواہ سخت ناپسند کریں اس کو مشرک“۔

اس شخص سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں جو اللہ پر افتراء باندھتا ہے اور اس کے لئے انداد اور شرکاء ٹھہراتا ہے حالانکہ اس کو توحید اور اخلاص کی دعوت دی جارہی ہے۔

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ وہ حق کو باطل کے ساتھ رد کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کی مثال اس طرح ہے جیسے کوئی شخص سورج کی شعاع کو پھونک مار کر بجھانا چاہتا ہے۔ جس طرح یہ محال ہے اسی طرح وہ بات بھی مستحیل ہے۔

وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ لِيُظْهِرَهٗ ان دونوں آیات پر سورۂ براءۃ میں کافی گفتگو ہو چکی ہے۔ وللہ الحمد والمنۃ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

1۔ مسند امام احمد، جلد 1 صفحہ 461 2۔ البدایۃ والنہایۃ، جلد 3 صفحہ 70-67 3۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 87

تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱﴾ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۲﴾ وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ؕ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳﴾

''اے ایمان والو! کیا میں آگاہ کروں تمہیں ایسی تجارت پر جو بچا لے تمہیں دردناک عذاب سے۔ (وہ تجارت یہ ہے کہ) تم ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے۔ یہی طریقہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم (حقیقت کو) جانتے ہو۔ اللہ تعالیٰ بخش دے گا تمہارے لئے تمہارے گناہوں کو اور داخل کرے گا تمہیں باغوں میں رواں ہیں جن کے نیچے نہریں اور پاکیزہ مکانوں میں جو سدا بہار باغوں میں ہیں۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔ اور ایک اور چیز جو تمہیں بڑی پسند ہے (وہ بھی ملے گی) یعنی اللہ کی جناب سے نصرت اور فتح جو بالکل قریب ہے اور (اے حبیب!) مومنوں کو (یہ) بشارت سنا دیجئے''۔

اس سے پہلے حدیث حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ میں ذکر ہو چکا ہے کہ صحابہ نے حضور ﷺ سے یہ پوچھنے کا ارادہ کیا کہ اللہ کے ہاں محبوب ترین عمل کون سا ہے تا کہ وہ اس پر عمل پیرا ہوں۔ اس وقت یہ سورت نازل ہوئی۔ اس کے اندر یہ آیت بھی تھی:

هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ پھر اس عظیم تجارت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ اس سے مقصود حاصل ہو جائے گا اور ڈر زائل ہو جائے گا۔

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ یہ تمہارے لئے دنیا کی تجارت اور صرف اس کے لئے ہی کدوکاوش اور مساعی کرنے سے بہتر ہے۔

يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ اگر تم نے میری تعلیمات پر عمل کیا تو میں لغزشیں بخش دوں گا اور تمہیں جنتوں، مساکن طیبات اور درجات عالیہ میں رکھوں گا۔ ارشاد ہوتا ہے: وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۔

وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا علاوہ بریں وہ چیز بھی ملے گی جسے تم پسند کرتے ہو۔

نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ جب تم اس کی راہ میں جہاد کرو اس کے دین کی مدد کرو تو اللہ تمہاری مدد کی ضمانت دے گا۔ ارشاد ہوتا ہے: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ (محمد:7)۔ اور فرمایا: وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ (الحج:40)۔

قولہ تعالیٰ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ یعنی جلد۔ اس اضافہ سے مراد دنیا کی بہتری ہے جو آخرت کی نعمتوں سے مل ہوئی ہے یہ اس کے لئے ہے جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اور اس کے دین کی مدد و نصرت کرے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْۤا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ ﴿۱۴﴾

''اے ایمان والو! اللہ کے (دین کے) مددگار بن جاؤ جس طرح کہا تھا عیسیٰ بن مریم نے اپنے حواریوں سے کون ہے میرا مددگار اللہ کی طرف بلانے میں؟ حواریوں نے جواب دیا ہم اللہ کے (دین کے) مددگار ہیں پس ایمان لے آیا ایک گروہ

بنی اسرائیل سے اور کفر کیا دوسرے گروہ نے۔ پھر ہم نے مدد کی ان کی جو ایمان لائے دشمنوں کے مقابلہ میں بالآخر وہی غالب رہے''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے مومن بندوں کو فرما رہا ہے کہ ہر حال میں اپنے اقوال، افعال، جان اور مال کے ساتھ اللہ کے مددگار بن جائیں اور اللہ اور اس کے رسول کی دعوت پر اسی طرح لبیک کہیں جیسے حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت پر لبیک کہی تھی۔

مَنْ اَنْصَارِیْۤ دعوت حق میں کون میرا مددگار رہے۔ الحواریون حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار۔

نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ہم آپ کے انصار و مددگار ہیں اس چیز میں جس کے ساتھ آپ کو بھیجا گیا ہے۔ اسی لئے آپ نے انہیں داعی بنا کر بلادِ شام میں اسرائیلیوں اور یونانیوں کی طرف بھیجا۔ حضور ﷺ ایام حج میں یہی فرمایا کرتے تھے: ''کون شخص مجھے پناہ دیتا ہے تاکہ میں اپنے رب کی رسالت کو پہنچاؤں۔ اپنے رب کا پیغام پہنچانے میں قریش میرے مزاحم ہو رہے ہیں(1)۔'' تا آنکہ اللہ نے اہل مدینہ میں اوس وخزرج کو یہ سعادت ارزانی فرمائی انہوں نے آپ کی بیعت کی، آپ کی مدد کی اور یہ عہد کیا کہ اگر آپ ان کی طرف ہجرت کر کے تشریف فرما ہوں تو ہر سیاہ وسرخ کے مقابلے میں آپ کی مدد کریں گے۔ چنانچہ جب آپ اپنے صحابہ سمیت ہجرت فرمائے مدینہ ہوئے تو انہوں نے اللہ کے رسول سے کئے ہوئے اپنے عہد کی پاسداری کی۔ اسی لئے اللہ اور اس کے رسول نے انہیں ''انصار'' کے لقب سے ملقب فرمایا حتیٰ کہ یہ ان کا علم بن گیا۔ رضی اللّٰہ عنھم وأرضاھم۔

قولہ تعالیٰ فَاٰمَنَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ وَكَفَرَتْ طَّآئِفَةٌ یعنی جب حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے رب کا پیغام اپنی قوم تک پہنچا دیا اور حواریوں نے آپ کی نصرت وموازرت کی تو بنو اسرائیل کا ایک گروہ راہ ہدایت پر گامزن ہو گیا اور دوسرا گروہ گمراہ ہو گیا۔ انہوں نے آپ پر خروج کیا آپ کی نبوت کا انکار کیا اور آپ اور آپ کی والدہ ماجدہ پر بڑی بڑی تہمتیں لگائیں یہ یہود تھے۔ علیھم لعائن اللّٰہ المتتابعة إلیٰ یوم القیامة۔ اور آپ کی اتباع کرنے والے ایک گروہ نے غلو سے کام لیا حتیٰ کہ آپ کو درجہ نبوت سے بھی بڑھا دیا اور مختلف فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک فرقے نے کہا آپ اللہ کے بیٹے ہیں۔ دوسرے نے کہا آپ ثالث ثلاثة (یعنی تین میں سے تیسرے) ہیں۔ یعنی باپ، بیٹا اور روح القدس۔ تیسرے فرقے نے کہا آپ ہی خدا ہیں۔ یہ سارے اقوال سورۂ نساء میں مفصل مذکور ہیں(2)۔

قولہ تعالیٰ فَاَیَّدْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلٰى عَدُوِّهِمْ نصاریٰ کے فرقوں میں سے جو ان کے دشمن تھے ان کے خلاف ہم نے ان کی مدد کی۔

فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِیْنَ اور وہ ان پر غالب آ گئے یعنی حضور ﷺ کی بعثت سے، جس طرح کہ امام ابو جعفر بن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھانا چاہا، آپ اپنے ساتھیوں کی طرف آئے آپ نے گھر کے چشمے سے غسل فرمایا تھا اور آپ کے سر سے پانی کے قطرات ٹپک رہے تھے۔ آپ کے بارہ اصحاب ایک گھر میں جمع تھے۔ آپ نے فرمایا تم میں سے کچھ لوگ بارہ مرتبہ میرے ساتھ کفر کریں گے اس کے بعد کہ وہ مجھ پر ایمان لا چکے ہیں۔ پھر فرمایا تم میں سے کون اس بات پر آمادہ ہے کہ اس پر میری مشابہت ڈال دی جائے اور وہ میرے بدلے قتل کیا جائے اور وہ درجہ میں میرے ساتھ ہو گا۔ ایک نوجوان جو سب سے کم عمر تھا اٹھا اور کہا میں۔ آپ نے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ پھر دوبارہ آپ نے وہی بات دہرائی۔ تو وہ نوجوان کھڑا ہوا

1۔ یہ حدیث تفسیر سورۂ آل عمران آیت: 52 میں گزر چکی ہے

2۔ دیکھئے سورۂ نساء کی آیات: 158-157 کی تفسیر

اور اپنے آپ کو پیش کیا۔ آپ نے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ آپ نے تیسری مرتبہ وہی بات دہرائی۔ تو اس نوجوان نے اپنے آپ کو پھر پیش کیا اس پر آپ نے فرمایا ہاں تو ہی وہ ہے۔ اسی وقت اس نوجوان کی شکل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثل ہوگئی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گھر کے ایک روزن سے آسمان پر اٹھالیا گیا۔ یہود آپ کی تلاش میں آئے۔ آپ کے مشابہ نوجوان کو پکڑ کر لے گئے اور اسے قتل کر کے سولی دے دی۔ بعض نے آپ پر ایمان لانے کے بعد بارہ مرتبہ آپ سے کفر کیا اور تین فرقوں میں منقسم ہو گئے۔ ایک فرقہ کہنے لگا اللہ تعالیٰ خود ہمارے درمیان موجود تھا۔ جب اس نے چاہا تو آسمان پر چڑھ گیا یہ یعقوبیہ ہیں۔ ایک فرقے نے کہا آپ ابن اللہ ہیں جب تک اللہ نے چاہا ہم میں قیام فرمایا۔ پھر آپ کو آسمان پر اٹھالیا۔ یہ نسطوریہ ہیں۔ ایک فرقے نے کہا آپ اللہ کے بندے اور رسول تھے جب تک اللہ نے چاہا آپ ہمارے درمیان ٹھہرے رہے پھر اللہ نے آپ کو اپنی طرف اٹھالیا۔ یہ مسلمان ہیں۔ یہ دونوں کافر جماعتیں مسلمانوں پر غالب آ گئیں۔ ان میں قتل و غارت مچادی۔ اسلام ایک عرصے تک گمنام رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سیدنا محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا۔

فَاٰمَنَتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ...... یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل کے ایک گروہ نے کفر کیا اور دوسرا گروہ جو آپ پر ایمان لایا۔

فَاَیَّدْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا...... آنحضرت ﷺ نے ان کے دین کو کفار پر غالب کیا۔ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں آپ کے یہی الفاظ ہیں۔ نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن میں اس آیت کی تفسیر میں ابو معاویہ سے یہی روایت کیا ہے(1)۔ چنانچہ حضور ﷺ کی امت ہمیشہ حق پر غالب رہے گی یہاں تک کہ اللہ کا امر آجائے۔ اس وقت بھی وہ اسی حالت پر ہوں گے۔ یہاں تک کہ ان کا آخری فرد حضرت مسیح عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے ساتھ مل کر دجال سے جنگ کرے گا جس طرح کہ صحیح احادیث میں آیا ہے۔ واللہ اعلم۔

سورۂ صف کی تفسیر ختم ہوئی۔

وللہ الحمد والمنہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 92، نسائی: سنن کبریٰ، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 4 صفحہ 452

سورۂ جمعہ

حضرت ابن عباس اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نماز جمعہ میں سورہ جمعہ اور سورۂ منافقون پڑھا کرتے تھے۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں اسی طرح روایت کیا(1)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ وَّ اٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۭ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

"اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں میں ہے اور ہر وہ چیز جو زمین میں ہے، جو بادشاہ ہے، نہایت مقدس ہے، زبردست ہے، حکمت والا ہے۔ وہی (اللہ) جس نے مبعوث فرمایا اُمیوں میں ایک رسول انہیں میں سے جو پڑھ کر سناتا ہے انہیں اس کی آیتیں اور پاک کرتا ہے ان (کے دلوں) کو اور سکھاتا ہے انہیں کتاب اور حکمت۔ اگرچہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔ اور دوسرے لوگوں کا بھی ان میں سے (تزکیہ کرتا ہے تعلیم دیتا ہے) جو ابھی ان سے آکر نہیں ملے۔ اور وہی سب پر غالب حکمت والا ہے۔ یہ اللہ کا فضل ہے عطا فرماتا ہے اسے جسے چاہتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے"۔

اللہ تعالیٰ خبر دے رہے ہیں کہ زمین و آسمان کی تمام مخلوقات خواہ ناطق ہو یا جامد اس کی تسبیح بیان کر رہی ہیں۔ جیسے ایک اور آیت میں ہے: وَ اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ (اسراء:44)۔

اَلْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ وہ آسمانوں اور زمین کا مالک ہے۔ ان میں تصرف کرنے والا ہے اپنے حکم سے۔ وہ مقدس یعنی تمام نقائص سے پاک اور صفات کمال سے متصف ہے۔

اَلْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ اس کی تفسیر متعدد مرتبہ گزر چکی ہے۔

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ: سے مراد اہل عرب ہیں۔ جیسے فرمایا: وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَ الْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ۭ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ (آل عمران:20)۔ امیوں کی تخصیص سے غیر امیوں کی نفی مقصود نہیں۔ لیکن ان پر احسان دوسروں کی نسبت زیادہ ہے۔ جیسے ایک اور آیت میں ہے: وَ اِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَ لِقَوْمِكَ (زخرف:44)۔ حالانکہ قرآن سب

1۔ مسلم، کتاب الجمعۃ، جلد 2 صفحہ 599-597

کیلئے باعث نصیحت ہے۔ جیسے ایک اور آیت میں ہے: وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ (الشعراء:214)۔ یہ اور اس طرح کی دیگر آیات ان آیات کے منافی نہیں۔ ارشاد ہوتا ہے: قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعَا (اعراف:158)۔ اور فرمایا: لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ (انعام:19)۔ اور قرآن کریم کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا: وَمَنْ یَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ (ہود:17)۔ اور اس طرح کی دیگر آیات جو حضور ﷺ کی بعثت کے عموم کو ثابت کرتی ہیں یعنی آپ تمام خلائق یعنی گورے اور کالے کی طرف مبعوث فرمائے گئے۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ۔ سورۃ انعام میں اس کی تفسیر آیات اور احادیث صحیحہ کی مدد سے کی جا چکی ہے(1)۔ وللہ الحمد والمنۃ۔

یہ آیت حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی دعا کی قبولیت کا مصداق ہے۔ جب آپ نے اہل مکہ کے لئے دعا فرمائی تھی کہ اللہ ان میں اپنا رسول مبعوث فرمائے جو ان پر اس کی آیات کی تلاوت فرمائے۔ انہیں پاک کرے اور کتاب و حکمت کی تعلیم دے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرماتے ہوئے آپ کو مبعوث فرمایا، ایک فترہ کے بعد جب ہدایت کے راستے مٹ چکے تھے اور ایک نبی کی شدید ضرورت تھی۔ اللہ نے اہل ارض عرب و عجم کو مبغوض رکھا (ناپسند کیا) مگر اہل کتاب کی ایک تھوڑی سی تعداد جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر مضبوطی سے کاربند تھی۔ عرب زمانہ ہائے قدیم سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے لائے ہوئے دین پر پختگی سے عمل پیرا تھے۔ پھر انہوں نے اس میں تحریف کر دی اور اس کی خلاف ورزی کی۔ توحید کو شرک اور یقین کو شک میں تبدیل کر دیا اور ایسی اشیا ایجاد کیں جن کا حکم اللہ نے نہیں فرمایا تھا۔ اسی طرح اہل کتاب نے اپنی کتب میں تغیر و تبدل کیا اور تاویلیں کیں تو اللہ نے حضرت محمد ﷺ کو کامل عظیم شریعت دے کر بھیجا جو سب مخلوق کو شامل ہے۔ اس میں ہدایت ہے اور ان تمام اشیاء کا بیان ہے جن کی دین اور دنیا میں ان کو ضرورت ہوتی ہے اور اس بات کی دعوت بھی جو جنت میں لے جانے والی ہے۔ رضائے الٰہی کا سبب ہے اور اس بات کی نہی ہے جو دوزخ اور اللہ کی ناراضگی کے قریب کردے۔ یہ حاکم ہے اصول و فروع میں تمام شبہات اور شک و ارتیاب کا فیصلہ کرنے والی ہے۔ سابقین کے تمام محاسن اس میں جمع ہیں۔ آپ کو وہ چیزیں عطا فرمائیں جو اولین و آخرین میں سے کسی کو نہیں ملیں۔ فصلوات اللہ وسلامہ علیہ دائماً الی یوم الدین۔

وَّاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ　امام ابوعبداللہ بخاری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر تھے کہ سورۂ جمعہ نازل ہوئی۔ صحابہ نے عرض کیا کہ اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ سے کیا مراد ہے؟ آپ نے کوئی جواب نہ دیا حتیٰ کہ تین مرتبہ یہی سوال ہوا تو حضور ﷺ نے اپنا دست مبارک حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے سر پر رکھا اور فرمایا: اگر ایمان ثریا ستارے کے پاس بھی ہوا تو ان لوگوں میں سے ایک۔ یہ فرمایا کئی۔ اسے پالیں گے(2)۔ مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ابی حاتم اور ابن جریر رحمہم اللہ تعالیٰ نے متعدد طرق سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے(3) یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ یہ سورت مدنی ہے اور حضور ﷺ کی بعثت تمام روئے زمین والوں کی طرف عام ہے۔ کیونکہ آپ نے اس آیت کی تفسیر میں فارس والوں کو بھی شامل فرمایا ہے اور آپ نے فارس، روم وغیرہ دیگر اقوام کی طرف مکاتیب گرامی روانہ فرمائے۔ جن میں انہیں ایک اللہ کی طرف دعوت دی اور اپنی پیروی کرنے کو فرمایا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ دیگر مفسرین کی رائے ہے کہ یہ عجمی لوگ اور ہر وہ غیر عرب ہیں جو حضور ﷺ کی تصدیق کریں(4)۔

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ انعام آیات: 19، 92　2۔ فتح الباری تفسیر سورۂ جمعہ، جلد 8 صفحہ 641

3۔ مسلم، کتاب فضائل صحابہ، جلد 4 صفحہ 1972-1973، عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۂ جمعہ، جلد 12 صفحہ 199-198، نسائی، سنن کبریٰ، کتاب التفسیر والمناقب بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 9 صفحہ 460، تفسیر طبری، جلد 28 صفحہ 96

4۔ تفسیر طبری، جلد 28 صفحہ 96، منثور، جلد 8 صفحہ 152-153

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے سہل بن سعد ساعدی سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: میری امت کے مردوں اور عورتوں کی تیسری پشت کے لوگ بھی بلا حساب جنت جائیں گے۔ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی یعنی امت محمدیہ کے بقایا میں سے بقیہ۔

اَلْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ اپنی شرع اور تقدیر میں عزت اور حکمت والا ہے۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ...... یعنی حضور ﷺ کو جو نبوت عظیمہ سے نوازا ہے اور اس امت کو آپ کی بعثت سے مشرف فرمایا ہے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ قُلْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْۤا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ وَ لَا يَتَمَنَّوْنَهٗۤ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

"ان کی مثال جنہیں تورات کا حامل بنایا گیا تھا پھر انہوں نے اس کا بار نہ اٹھایا اس گدھے کی سی ہے جس نے کتابیں اٹھا رکھی ہوں، (اس سے بھی زیادہ) بری حالت ہے ان لوگوں کی جنہوں نے جھٹلایا اللہ کی آیتوں کو۔ اور اللہ تعالیٰ (ایسے) ظالموں کی رہنمائی نہیں کرتا۔ آپ فرمائیے اے یہودیو! اگر تم دعویٰ کرتے ہو کہ صرف تم ہی اللہ کے دوست ہو اور لوگ (دوست) نہیں ہیں تو ذرا مرنے کی آرزو تو کرو اگر تم سچے ہو۔ اور (اے حبیب!) وہ اس کی تمنا کبھی نہ کریں گے بوجہ ان اعمال کے جو وہ اپنے ہاتھوں پہلے بھیج چکے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ظالموں کو۔ آپ (انہیں) فرمائیے یقیناً وہ موت جس سے تم بھاگتے ہو وہ ضرور تمہیں مل کر رہے گی پھر لوٹا دیا جائے گا تمہیں اس کی طرف جو جاننے والا ہے ہر چھپے اور ظاہر کو پس وہ آگاہ کرے گا تمہیں ان (اعمال) سے جو تم کیا کرتے تھے"۔

اللہ تعالیٰ یہود کی مذمت فرما رہا ہے جنہیں تورات عطا کی گئی اور اس پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا لیکن انہوں نے اس پر عمل نہ کیا۔ ان کی مثال اس گدھے کی مانند ہے جس پر بڑی بڑی کتابیں لدی ہوں۔ یعنی وہ اس بوجھ کو اٹھائے ہوئے تو ہے لیکن یہ نہیں جانتا کہ اس کے اندر کیا ہے۔ وہ حسی طور پر اسے اٹھائے ہوئے ہے یعنی بوجھ محسوس کرتا ہے لیکن یہ نہیں جانتا کہ اس میں کیا ہے؟ اسی طرح کے یہ حاملین کتاب ہیں۔ انہیں یہ کتاب دی گئی تو انہوں نے اسے لفظاً یاد تو کر لیا لیکن اسے سمجھا نہیں اور نہ اس کے بموجب عمل کیا۔ بلکہ اس میں تاویلیں کیں اور تحریف و تغییر کا دروازہ کھول دیا۔ وہ تو اس گدھے سے بھی بدتر حالت میں ہیں کیونکہ گدھا عقل سے بے بہرہ ہے اور یہ عقل و شعور تو رکھتے ہیں لیکن اسے استعمال نہیں کرتے۔ اسی لئے دوسری آیت میں فرمایا: اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ (اعراف: 179)

بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا...... امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جس نے جمعہ کے دن گفتگو کی اس حال میں کہ امام خطبہ دے رہا تھا تو وہ گدھے کی طرح ہے جو بڑی بڑی کتب اٹھائے ہوئے

ہو اور جو اسے یہ کہتا ہے خاموش ہو جا اس کا کوئی جمعہ نہیں (1)"۔

اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ...... یعنی اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تم ہدایت پر ہو اور حضور ﷺ اور آپ کے صحابہ گمراہ ہیں تو یہ دعا کرو کہ دونوں فرقوں میں سے جو گمراہ ہے اس پر موت واقع ہو جائے یعنی اگر تم اپنے گمان میں سچے ہو۔

بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ یعنی جو کفر، ظلم اور فسق و فجور وہ کرتے ہیں۔

وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ سورۂ بقرہ میں یہود کے مباہلے کا پورا ذکر ہے۔ارشاد ہوتا ہے: قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً...... بِمَا يَعْمَلُوْنَ (2)۔ہم نے اس کا تفصیلی ذکر وہاں کیا تھا اور یہ بھی بیان کیا تھا کہ مراد یہ ہے کہ اپنے یا اپنے مقابل فریق میں سے جو گمراہ ہے اس کے لئے موت کی دعا کرو۔جس طرح سورۂ آل عمران میں نصاریٰ کے مباہلے کا ذکر ہے۔ارشاد ہوتا ہے: فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ (آل عمران:61)۔اور سورۂ مریم میں مشرکین کے مباہلے کا ذکر ہے۔قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا (مریم:75)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ابو جہل ملعون نے کہا: اگر میں حضور کو کعبہ کے پاس دیکھوں گا تو آپ کی گردن کو رگڑوں گا۔حضور ﷺ نے فرمایا: اگر یہ ایسے کرتا تو فرشتے اسے دبوچ لیتے اس طرح کہ سب دیکھ رہے ہوتے اور اگر یہود موت کی آرزو کرتے تو مر جاتے اور جہنم میں اپنی جگہ دیکھ لیتے اور اگر حضور ﷺ کے مباہلہ کے لئے لوگ نکلتے تو واپس لوٹ کر اپنے اہل و عیال اور مال کو ہرگز نہ پاتے۔بخاری، ترمذی اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس روایت کو بیان کیا ہے (3)۔

قولہ تعالیٰ قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ...... جس طرح سورۂ نساء میں ہے: اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ (نساء:78)۔معجم طبرانی میں حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے: "موت سے فرار اختیار کرنے والے کی مثال اس طرح ہے جیسے لومڑی، زمین اس سے قرض کا مطالبہ کرتی ہے تو وہ دوڑنا شروع کر دیتی ہے اور تھک ہار کر بل میں گھس جاتی ہے۔زمین وہاں اس سے قرض کی ادائیگی کا مطالبہ کرتی ہے تو وہ تیزی سے باہر نکلتی ہے اور دم دبا کر بھاگتی ہے اور اسی طرح بھاگتی رہتی ہے حتیٰ کہ اس کی گردن الگ ہو جاتی ہے اور وہ مر جاتی ہے (4)"۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

"اے ایمان والو! جب (تمہیں) بلایا جائے نماز کی طرف جمعہ کے دن تو دوڑ کر جاؤ اللہ کے ذکر کی طرف اور (فوراً) چھوڑ دو خرید و فروخت یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم (حقیقت کو) جانتے ہو۔پھر جب پوری ہو چکے نماز تو پھیل جاؤ زمین میں اور تلاش کرو اللہ کے فضل سے اور کثرت سے اللہ کی یاد کرتے رہا کرو تاکہ تم فلاح پاؤ"۔

جمعے کو جمعہ کا نام اس لئے دیا گیا ہے کہ یہ جمع سے مشتق ہے۔اہل اسلام ہر ہفتے میں ایک مرتبہ بڑی بڑی عبادت گاہوں میں جمع ہوتے

1۔مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 230 2۔تفسیر سورۂ بقرۃ آیات: 96-94 3۔یہ حدیث تفسیر سورۂ آل عمران آیت: 61 میں گزر چکی ہے

4۔یہ حدیث تفسیر سورۂ ق آیت: 19 میں گزر چکی ہے۔طبرانی: معجم الکبیر، جلد 7 صفحہ 222 الاوسط بحوالہ مجمع الزوائد، جلد 2 صفحہ 320

ہیں۔ اسی دن مخلوق کی تخلیق مکمل ہوئی۔ یہ ان چھ دنوں میں سے چھٹا دن ہے جن میں اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا۔ اسی میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے۔ جنت میں داخل ہوئے اور اسی دن وہاں سے نکالے گئے۔ اسی دن میں قیامت قائم ہوگی اس میں ایک گھڑی ہے اس میں مؤمن بندہ اللہ سے جو بھلائی طلب کرے اللہ اسے عطا فرما دیتا ہے۔ جس طرح کہ صحیح احادیث میں ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے سلمان! جمعہ کا دن کیا ہے؟ میں نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جمعہ کا دن وہ ہے جس میں اللہ نے تمہارے والدین کو ملایا۔ یا یوں فرمایا تمہارے باپ کو جمع فرمایا: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ فاللہ اعلم۔

قدیم زبان میں اسے یوم العروبہ(1) کہا جاتا تھا۔ پہلی امتوں کو بھی یہ دن دیا گیا لیکن وہ اسے بھول گئے۔ یہود نے ہفتے کا دن اختیار کرلیا۔ جس میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق نہیں ہوئی۔ نصاریٰ نے اتوار کا دن پسند کیا جس میں تخلیق کی ابتداء ہوئی اور اللہ نے اس امت کے لئے جمعہ کا دن پسند فرمایا جب مخلوق کی تخلیق مکمل ہوئی جس طرح کہ بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ہم دنیا میں سب سے آخر میں آنے والے اور قیامت کے دن سب سے پہلے ہوں گے۔ سوائے اس کے کہ انہیں ہم سے پہلے کتاب دی گئی۔ پھر یہ وہ دن ہے جسے اللہ نے ان پر فرض فرمایا تو انہوں نے اس میں اختلاف کیا۔ اللہ نے ہمیں اس کی ہدایت عطا فرمائی۔ لوگ اس میں ہمارے پیچھے ہیں۔ یہود کل اور نصاریٰ پرسوں۔ یہ الفاظ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں(2)۔ مسلم میں ہے۔ اللہ نے ہم سے پہلی امتوں کو جمعہ سے بھٹکا دیا۔ یہود کے لئے ہفتہ کا دن اور نصاریٰ کے لئے اتوار تھا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں لایا اور جمعہ کے دن کی طرف ہماری راہنمائی فرمائی اور جمعہ، ہفتہ اور اتوار قرار دیا۔ اسی طرح قیامت کے دن وہ ہمارے پیچھے ہوں گے۔ ہم اہل دنیا میں سب سے آخر میں اور روز قیامت اولین ہوں گے۔ تمام مخلوق میں سب سے پہلے ہمارا فیصلہ کیا جائے گا(3)۔

اللہ نے جمعہ کے دن مؤمنین کو اس کی عبادت کے لئے جمع ہونے کا حکم ارشاد فرمایا: فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ یعنی قصد کرو، ارادہ کرو اور اس کی طرف جانے کا اہتمام کرو۔ سعی سے مراد چلنا نہیں بلکہ اہتمام مراد ہے۔ جس طرح ایک اور آیت میں ہے: وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَۃَ وَ سَعٰی لَہَا سَعْیَہَا وَہُوَ مُؤْمِنٌ (اسراء: 19)۔

حضرت عمر اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم کی قراءت میں فاسعوا کی بجائے وامضوا آیا ہے۔(4) خیال رہے کہ نماز کے لئے دوڑ کر جانا ممنوع ہے جس طرح کہ صحیحین کی حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جب تم اقامت سنو تو نماز کے لئے چلو سکینت اور وقار کے ساتھ اور تیز مت دوڑو۔ جو مل جائے ادا کرو اور جو رہ جائے اسے مکمل کرو(5) "یہ الفاظ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں۔ ابو قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضور کے ساتھ ہم نماز ادا کر رہے تھے کہ آپ نے لوگوں کا شور سنا۔ نماز کے بعد پوچھا: "تمہیں کیا ہو گیا تھا؟" عرض کی گئی ہم جلد جلد نماز کی طرف آ رہے تھے فرمایا ایسے نہ کرو۔ جب نماز کے لئے آؤ تو وقار کے ساتھ

1۔ ابن اثیر نے النہایۃ میں کہا ہے کہ عروبۃ جمعہ کا قدیم نام ہے

2۔ یہ حدیث تفسیر سورۂ بقرۃ آیت، 213، 224، تفسیر سورۂ آل عمران آیت: 110 تفسیر سورہ یونس آیت: 47 تفسیر سورۂ نحل آیت: 124 اور تفسیر سورہ واقعہ آیت: 13 میں گزر چکی ہے۔

3۔ یہ حدیث تفسیر سورۂ نحل آیت: 124 میں گزر چکی ہے

4۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 100، آلوسی، روح المعانی، جلد 28، صفحہ 103

5۔ فتح الباری، کتاب الاذان، جلد 2، صفحہ 120-117، مسلم، کتاب المساجد، جلد 422-420

چلتے ہوئے آؤ۔ جو مل جائے ادا کرو اور جو رہ جائے اسے مکمل کرو(1)''۔

عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب نماز کھڑی ہو جائے تو دوڑتے ہوئے نہ آؤ بلکہ سکون اور وقار کے ساتھ چلتے ہوئے آؤ۔ جو مل جائے پڑھو اور جو رکعت رہ جائے اسے مکمل کرو(2)''۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کیا ہے(3)۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس سے مراد دوڑنا نہیں کیونکہ نماز کے لئے سکینت اور وقار کے ساتھ آنے کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن اس سے مراد دل، نیت اور خشوع ہے۔

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے کہ تو اپنے دل اور عمل کے ساتھ کوشش کرے یعنی اس کی طرف چل کر آئے۔ آپ آیت کریمہ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ (الصافات:102) سے مراد چل کر آنا لیتے تھے۔ محمد بن کعب اور زید بن اسلم رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہ سے یہی مروی ہے۔

جو شخص جمعہ کے لئے آئے اس کے لئے مستحب ہے کہ آنے سے قبل غسل کرے۔ جس طرح کہ صحیحین کی روایت میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی جمعہ کو پائے تو اسے چاہئے کہ وہ غسل کرے(4)''۔ اور صحیحین میں ہی ابو سعید سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جمعہ کا غسل ہر بالغ پر فرض ہے(5)۔ ''ایک دوسری روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ہر مسلمان پر اللہ کا حق یہ ہے کہ ساتویں دن غسل کرے سر اور جسم کو دھوئے''(6)۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ہر مسلمان پر سات دن میں ایک دن غسل کرنا واجب ہے اور یہ جمعہ کا دن ہے''۔ احمد، نسائی اور ابن حبان رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے روایت کیا ہے(7)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اوس بن اوس ثقفی سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضور ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا: جس نے جمعہ کے دن خوب اچھی طرح غسل کیا اور جلدی جلدی مسجد گیا، پیدل چلا اور سوار نہ ہوا۔ امام کے قریب ہوا، غور سے خطبہ سنا، کوئی لغو بات نہ کی تو ہر قدم کے بدلے اسے سال بھر کے روزوں اور قیام کا ثواب ملتا ہے(8)''۔ یہ حدیث متعدد طرق اور مختلف الفاظ سے مروی ہے۔ اہل سنن اربعہ نے اسے روایت کیا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن قرار دیا ہے(9)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے جمعہ کے دن غسل جنابت کی طرح غسل کیا۔ پھر پہلی ساعت میں مسجد گیا تو گویا اس نے ایک اونٹ اللہ کی راہ میں قربان کیا اور جو دوسری ساعت میں گیا گویا اس نے گائے کی قربانی دی اور تیسری ساعت میں جانے والا اس طرح ہے جیسے سینگوں والے مینڈھے کی قربانی دی

1۔ ایضاً مرجع مذکور 2۔ المصنف، جلد 2 صفحہ 211، 288 3۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 123-124

4۔ المصنف، جلد 2 صفحہ 288-211، عارضۃ الاحوذی باب الصلاۃ، جلد 2 صفحہ 144-123

5۔ فتح الباری، کتاب الاذان، جلد 2 صفحہ 120-117، مسلم، کتاب المساجد، جلد 1 صفحہ 422-420

6۔ فتح الباری، کتاب الجمعۃ، جلد 2 صفحہ 357-356، مسلم، کتاب الجمعۃ، جلد 2 صفحہ 581-579

7۔ مسند امام احمد، جلد 3 صفحہ 304، نسائی، کتاب الجمعۃ، جلد 3 صفحہ 93، الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، کتاب الطہارۃ، جلد 2 صفحہ 262

8۔ مسند امام احمد، جلد 4 صفحہ 104

9۔ سنن ابو داود، کتاب الطہارۃ، جلد 1 صفحہ 95، نسائی، کتاب الجمعۃ، جلد 3 صفحہ 96-95، ابن ماجہ، کتاب الاقامۃ، جلد 1 صفحہ 346، عارضۃ الاحوذی، ابواب الجمعۃ، جلد 4 صفحہ 282-281

اور چوتھی ساعت میں جانے والا اس طرح ہے جیسے مرغی کی قربانی دینے والا اور پانچویں ساعت میں جانے والا اس طرح ہے جیسے انڈا اللہ کی راہ میں دینے والا۔ جب امام آجائے تو اللہ کے فرشتے حاضر ہو کر ذکر سننے لگتے ہیں۔ صحیحین میں اسی طرح ہے(1)۔ اس کے لئے مستحب یہ ہے کہ اچھے کپڑے پہنے، خوشبو لگائے، مسواک کرے اور اچھی طرح طہارت حاصل کرے اور جمعہ کے لئے جائے۔ ایک دوسری روایت میں ہے: ''جمعے کا غسل ہر بالغ پر واجب ہے اور مسواک کرنا، اور خوشبو لگانا''۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جس نے جمعہ کے دن غسل کیا۔ خوشبو لگائی اگر اس کے پاس ہو تو، اور اچھے کپڑے پہنے، پھر نکلا یہاں تک کہ مسجد آیا۔ پھر کچھ نوافل ادا کئے اگر جی چاہا اور کسی کو تکلیف نہ دی۔ پھر خاموش رہا یہاں تک کہ امام آئے اور نماز سے فارغ ہو جائے تو یہ ان تمام گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے جو دو جمعوں کے درمیان ہوئے(2)۔

سنن ابو داؤد اور ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کو منبر پر ارشاد فرماتے سنا: ''تم میں سے کسی کے لئے کیا حرج ہے اگر وہ کام کاج کے کپڑوں کے علاوہ جمعہ کے لئے دو کپڑے خرید لے(3)''۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے جمعہ کے دن لوگوں کو خطبہ دیا۔ انہوں نے لکیر دار چادریں پہن رکھی تھیں۔ ''تم میں سے کسی کو کیا ہے اگر وسعت ہو تو وہ روزمرہ کے کپڑوں کے علاوہ جمعہ کے لئے دو الگ کپڑے بنا لے''(4)۔

اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ...... نداء سے مراد دوسری اذان ہے جو سرکار ﷺ کی آمد پر آپ کے سامنے دی جاتی تھی۔ سرکار ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوتے تو اس وقت آپ ﷺ کے سامنے اذان دی جاتی اور یہی مراد ہے۔ پہلی اذان کا اضافہ امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا۔ اس کی وجہ لوگوں کی کثرت تھی۔ جس طرح کہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سائب بن یزید سے روایت کیا ہے کہ پہلے جمعہ کے دن اذان اس وقت ہوتی جب امام منبر پر بیٹھتا۔ حضور ﷺ اور حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں اسی طرح تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب لوگ بہت زیادہ ہو گئے تو آپ نے زوراء نامی مکان پر دوسری اذان کا اضافہ فرمایا(5)۔ یہ مکان مسجد کے قریب بلند ترین تھا۔ ابن ابی حاتم نے مکحول رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ اذان جمعہ ایک ہی تھی جب امام آتا پھر نماز قائم ہوتی۔ یہ وہ اذان تھی جس کے وقت بیع و شراء حرام ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حکم فرمایا کہ امام کی آمد سے قبل اذان دی جائے تاکہ لوگ جمع ہو جائیں۔ جمعہ میں حاضری کا حکم آزاد مردوں کو ہے نہ کہ غلاموں، عورتوں اور بچوں کو۔ مسافر، مریض، تیماردار اور دیگر صاحب عذر حضرات مستثنیٰ ہیں اور معذور شمار کئے گئے ہیں۔ جس طرح کہ کتب فروع میں مذکور ہے۔

وَ ذَرُوا الْبَيْعَ...... یعنی جب اذان ہو جائے تو اللہ کے ذکر کے لئے کوشش کرو اور بیع چھوڑ دو۔ اسی لئے علماء کا اتفاق ہے کہ دوسری اذان کے بعد بیع حرام ہے۔ بیع تعاطی کی صورت جائز ہے یا نہیں اس میں علماء کا اختلاف ہے اور دو قول ہیں۔ آیت سے بظاہر یہی پتہ چلتا ہے کہ یہ بیع صحیح نہیں ہے جس کا بیان اپنی جگہ ہے۔ واللہ اعلم۔

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ یعنی تمہارا بیع چھوڑنا اور ذکر اللہ اور نماز کی طرف متوجہ ہونا تمہارے لئے دنیا و آخرت دونوں میں بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔

1۔ فتح الباری، کتاب الجمعۃ، جلد 2 صفحہ 366، مسلم، کتاب الجمعۃ، جلد 2 صفحہ 582
2۔ مسند امام احمد، جلد 5 صفحہ 420
3۔ سنن ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 383-382
4۔ ابن ماجہ، کتاب الاقامۃ، جلد 1 صفحہ 349-348
5۔ فتح الباری، کتاب الجمعۃ، جلد 2 صفحہ 393

فَإِذَا قُضِيَتِ فارغ ہونے کے بعد۔

فَانْتَشِرُوا...... پہلے اذان کے بعد ان پر خرید وفروخت کی پابندی لگادی تھی اور انہیں جمع ہونے کا حکم دیا تھا۔ اب نماز سے فراغت کے بعد زمین میں پھیل جانے اور اللہ کا فضل تلاش کرنے کی اجازت دی جارہی ہے۔

حضرت عراک بن مالک رضی اللہ عنہ جمعہ کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد مسجد کے دروازے پر کھڑے ہوجاتے اور یہ دعا پڑھتے:

اللهمَّ إني أجَبْتُ دعوتَكَ وصَلَّيْتُ فريضتك وانتشرت كما أَمَرْتَنِي، فَارْزُقْنِي مِنْ فَضْلِكَ وأنتَ خَيْرُ الرازِقِيْنَ۔ (ابن ابی حاتم)

بعض سلف سے مروی ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن نماز کے بعد خرید وفروخت کرے اللہ اسے ستر گنا زیادہ برکت دے گا اور اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔

قولہ تعالیٰ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا...... حالت بیع وشراء اور لین دین کے دوران بھی اللہ کا ذکر بہت زیادہ کیا کرو۔ دنیا تمہیں اس چیز سے غافل نہ کردے جو چیز دار آخرت میں کام آئے گی۔ اس لئے حدیث شریف میں ہے: ''جس نے کسی بازار میں داخلے کے وقت یہ کلمات کہہ دیئے: لا إله إلّا اللّه وحده لا شريك لهٗ، لهُ الملك وله الحمدُ وهو على كلّ شيئٍ قديرٌ تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ایک لاکھ نیکیاں لکھتا ہے اور ایک لاکھ گناہ معاف فرماتا ہے (1)۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ آدمی بکثرت ذکر کرنے والا اسی وقت شمار ہوتا ہے جب وہ کھڑے، بیٹھے اور لیٹے ہر وقت اللہ کا ذکر کرے۔

وَإِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا ۭ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿١١﴾

''اور (بعض لوگوں نے) جب دیکھا کسی تجارت یا تماشا کو تو بکھر گئے اس کی طرف اور آپ کو کھڑا چھوڑ دیا۔ (اے حبیب! انہیں) فرمائیے کہ جو نعمتیں اللہ کے پاس ہیں وہ کہیں بہتر ہیں لہو اور تجارت سے۔ اور اللہ تعالیٰ بہترین رزق دینے والا ہے''۔

جمعہ کے دن خطبہ چھوڑ کر واپس جانے پر اللہ تعالیٰ عتاب فرمارہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس دن مدینہ میں تجارتی مال آیا تھا۔

قَآئِمًا یعنی منبر پر خطبہ دیتے ہوئے۔ بہت سے تابعین نے یہی کہا ہے۔ ان میں ابو العالیہ، حسن، زید بن اسلم اور قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ شامل ہیں۔ مقاتل بن حیان رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ مال تجارت دحیہ بن خلیفہ کا تھا۔ اور یہ ان کے قبول اسلام سے پہلے کی بات ہے۔ قافلے کے ساتھ طبل تھا جو بجنے لگا تو لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور سرکار ﷺ کو منبر پر کھڑا چھوڑ دیا۔ صرف چند آدمی رہ گئے۔ اس طرح یہ خبر صحیح ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک دفعہ مدینہ میں قافلہ آیا۔ حضور ﷺ اس وقت خطبہ دے رہے تھے۔ لوگ نکل گئے حتیٰ کہ صرف بارہ آدمی باقی رہ گئے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی (2)۔ صحیحین میں بھی اسی طرح ہے (3)۔ مسند ابو یعلی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جمعہ کے دن حضور ﷺ خطبہ ارشاد فرمارہے تھے کہ تجارتی قافلہ مدینہ آگیا۔ اصحاب رسول جلدی سے اس طرف چل دیئے حتیٰ کہ حضور ﷺ کے ساتھ صرف بارہ آدمی رہ گئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''مجھے اس ذات کی قسم

1۔ ترمذی عارضۃ الاحوذی ابواب الدعاء، جلد 12، صفحہ 312-311، ابن ماجہ، کتاب التجارات، جلد 2، صفحہ 752، امام احمد، جلد 1، صفحہ 47

2۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 47

3۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ جمعہ، جلد 8 صفحہ 643، مسلم، کتاب الجمعۃ، جلد 2 صفحہ 590

جس کے دست قدرت میں میری جان ہے! اگر تم بھی چلے جاتے اور کوئی باقی نہ رہتا تو تم سب پر اس وادی میں آگ بھڑک اٹھتی"۔ یہ آیت نازل ہوئی۔ جو بارہ آدمی ثابت قدم رہے حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ان میں شامل تھے(1)۔

وَتَرَكُوْكَ قَآىِٕمًا میں اس بات کی دلیل ہے کہ امام جمعہ کے دن کھڑے ہو کر خطبہ دے گا۔

مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ جمعہ کے دن دو خطبے دیتے۔ درمیان میں بیٹھ جاتے۔ قرآن کی تلاوت فرماتے اور لوگوں کو وعظ و نصیحت فرماتے(2)۔ لیکن یہاں ایک بات پیش نظر رہنی چاہئے کہ یہ واقعہ بقول بعض اس وقت کا ہے جب آنحضرت ﷺ جمعہ کی نماز کے بعد خطبہ دیا کرتے جس طرح کہ ابوداؤد نے کتاب المراسیل میں روایت کیا ہے۔ حضرت مقاتل بن حیان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ جمعہ کے دن خطبہ سے قبل عیدین کی طرح نماز ادا فرماتے۔ حتیٰ کہ ایک دن آپ ﷺ خطبہ دے رہے تھے اور جمعہ کی نماز پڑھا دی تھی کہ ایک آدمی اندر آیا۔ اس نے کہا دحیہ بن خلیفہ مال تجارت لے کر آ گیا ہے(3)۔ یہ سن کر سب چلے گئے ماسوائے چند لوگوں کے۔

مَا عِنْدَ اللّٰهِ یعنی جو کچھ اللہ کے ہاں دار آخرت میں ہے۔

خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ جو اس پر توکل کرے اور اپنے وقت میں رزق طلب کرے۔

سورہ جمعہ کی تفسیر ختم ہوئی۔

ولله الحمد والمنة۔ وبه التوفيق والعصمة

1۔ مسند ابویعلی، جلد 2 صفحہ 378 2۔ مسلم، کتاب الجمعۃ، جلد 2 صفحہ 589 3۔ مراسیل ابوداؤد: 10

سورۂ منافقون

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۚ اِتَّخَذُوْۤا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۞ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۞ وَ اِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ ؕ وَ اِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ؕ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ؕ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ؕ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ؗ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۞

”(اے نبی مکرم) جب منافق آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ یقیناً اللہ کے رسول ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ بھی جانتا ہے کہ آپ بلاشبہ اس کے رسول ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ منافق قطعی جھوٹے ہیں۔ انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے، اسی طرح روکتے ہیں اللہ کی راہ سے۔ بے شک یہ لوگ بہت برے کرتوت ہیں جو یہ کر رہے ہیں۔ (ان کا) یہ (طریق کار) اس لئے ہے کہ وہ (پہلے) ایمان لائے پھر وہ کافر بن گئے پس مہر لگا دی گئی ان کے دلوں پر تو (اب) وہ کچھ سمجھتے ہی نہیں۔ اور جب آپ انہیں دیکھیں تو ان کے جسم آپ کو بڑے خوشنما معلوم ہوں گے اور اگر وہ گفتگو کریں تو توجہ سے آپ ان کی بات سنیں گے۔ (درحقیقت) وہ (بیکار) لکڑیوں کی مانند ہیں جو دیوار کے ساتھ کھڑی کر دی گئی ہوں۔ گمان کرتے ہیں کہ ہر گرج ان کے خلاف ہی ہے۔ یہی حقیقی دشمن ہیں پس آپ ان سے ہوشیار رہئے۔ ہلاک کرے انہیں اللہ تعالیٰ کیسے سرگرداں پھرتے ہیں“۔

اللہ تعالیٰ منافقین کے بارے میں خبر دے رہے ہیں کہ وہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں زبانی طور پر اسلام کا اقرار کرتے ہیں لیکن اندرونی طور پر بات اس طرح نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس ہے۔

اِذَا جَآءَكَ یعنی جب آپ کے پاس آئیں۔ آپ کے سامنے ہوں تو یہ رسالت پر ایمان آپ کے لئے ظاہر کرتے ہیں لیکن بات اس طرح نہیں جیسے وہ کہتے ہیں۔ پھر اس کے ساتھ خبر دی کہ آپ اللہ کے رسول ہیں وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ۔

پھر فرمایا: وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ یعنی انہوں نے آپ کو جو خبر دی ہے وہ اگرچہ خارج کے مطابق ہے لیکن وہ اس میں جھوٹے ہیں، کیونکہ وہ جو کچھ کہتے ہیں اس کی صحت اور صدق کا یقین نہیں رکھتے۔ اسی لئے ان کے اعتقاد کی نسبت سے انہیں جھوٹا ٹھہرایا۔

اِتَّخَذُوْۤا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً یعنی جھوٹی قسموں کے ساتھ لوگوں سے بچتے ہیں اور جھوٹی قسمیں اس لئے کھاتے ہیں کہ وہ اپنی سچائی ثابت

کریں۔ جو ان کو نہیں جانتا وہ دھوکہ کھا جاتا ہے یہ سمجھتے ہوئے کہ وہ مسلمان ہیں۔ ممکن ہے ان کی پیروی بھی کرے اور ان کی بات کی تصدیق بھی کرے حالانکہ ان کی صورت حال یہ ہے کہ اندرون خانہ وہ اسلام اور اہل اسلام کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ اسی بناء پر بہت سے لوگوں کو شدید ضرر ہوتا ہے۔

ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کی قراءت میں ایمانھم الف کی زیر کے ساتھ ہے۔ یعنی ظاہری تصدیق کو انہوں نے اپنے لئے تقیہ بنالیا ہے۔ جس سے وہ قتل کے حکم سے بچتے ہیں(1)۔ اور جمہور نے اسے أیمانھم الف کی زبر سے پڑھا ہے یہ یمین کی جمع ہے (قسم)۔

فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ایمان سے کفر ان کی طرف لوٹنے اور ہدایت کو گمراہی سے بدلنے کی وجہ سے نفاق ان کی قسمت میں لکھ دیا گیا ہے۔

فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ان کے دلوں تک ہدایت نہیں پہنچتی اور نہ بھلائی اس میں در آتی ہے۔ چنانچہ وہ نہ سمجھتے ہیں اور نہ ہدایت پاتے ہیں۔

تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ یعنی وہ بڑے خوبرو فصیح و بلیغ تھے۔ سامع جب ان کی بات سنتا تو اس کی فصاحت و بلاغت کی وجہ سے کان لگا کر ان کی بات سنتا۔ اس کے باوجود وہ ازحد ضعیف، بزدل، ڈرپوک اور کمزور دل ہیں۔

يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ جب بھی کوئی واقعہ رونما ہو یا خوف کی بات ہو اپنی بزدلی کی وجہ سے وہ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ یہ ان پر واقع ہوئی ہے جیسے ایک اور آیت میں ہے: اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۚ فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ۭ اُولٰٓىِٕكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا (احزاب:19)۔ یہ خالی ابر اور بے معنی صورتیں ہیں۔

اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ یعنی کس طرح وہ ہدایت سے گمراہی کی طرف پلٹ جاتے ہیں۔ امام احمد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "منافقین کی چند علامتیں ہیں جن کے ساتھ وہ پہچانے جاتے ہیں۔ ان کا سلام لعنت، ان کا کھانا لوٹ مار، ان کی غنیمت خیانت ہے۔ وہ مساجد میں آتے ہیں لیکن ان کے دل کہیں اور ہوتے ہیں۔ وہ نماز آخری وقت میں پڑھتے ہیں۔ وہ تکبر کرتے ہیں نہ محبت کرتے ہیں اور نہ ان سے محبت کی جاتی ہے۔ رات کو لکڑی کی طرح ہوتے ہیں اور دن کو شور و شغب کرتے ہیں(2)"۔

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَ رَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَ هُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝ سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ۭ وَ لِلّٰهِ خَزَآىِٕنُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝ يَقُوْلُوْنَ لَىِٕنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ۭ وَ لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَ لِرَسُوْلِهٖ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ لٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

"اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ آؤ تا کہ اللہ کا رسول تمہارے لئے مغفرت طلب کرے، تو (انکار سے) اپنے سروں کو گھماتے ہیں اور تو انہیں دیکھے گا کہ وہ (حاضری سے) رک رہے ہیں تکبر کرتے ہوئے۔ یکساں ہے ان کے لئے کہ آپ طلب

1۔ البحر المحیط، جلد 8 صفحہ 271، روح المعانی، جلد 28 صفحہ 110
2۔ مسند امام احمد، جلد 2 صفحہ 293

مغفرت کریں ان کے لئے یا طلبِ مغفرت نہ کریں ان کے لئے۔ اللہ تعالیٰ ہرگز نہ بخشے گا انہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ فاسقوں کی رہبری نہیں کرتا۔ یہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں نہ خرچ کرو ان (درویشوں) پر جو اللہ کے رسول کے پاس ہوتے ہیں یہاں تک کہ وہ (بھوک سے تنگ آ کر) تتر بتر ہو جائیں۔ اور اللہ کے لئے ہی ہیں خزانے آسمانوں اور زمین کے لیکن منافقین (اس حقیقت کو) سمجھتے ہی نہیں۔ منافق کہتے ہیں کہ اگر ہم لوٹ کر گئے مدینہ میں تو نکال دیں گے عزت والے وہاں سے ذلیلوں کو۔ حالانکہ (ساری) عزت تو صرف اللہ کے لئے، اس کے رسول کے لئے اور ایمان والوں کے لئے ہے، مگر منافقوں کو (اس بات کا) علم ہی نہیں"۔

اللہ تعالیٰ منافقین کے بارے میں فرما رہا ہے۔ ان پر اللہ کی لعنتیں ہوں۔ کہ جب انہیں کہا جاتا ہے آؤ حضور تمہارے لئے بخشش کی دعا کریں تو یہ تکبر اور حقارت کی وجہ سے سروں کو گھماتے ہیں۔

سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ ......سورۂ براءۃ میں یہ مضمون گزر چکا ہے(1)۔ وہیں اس پر بحث کی گئی ہے اور متعلقہ حدیثیں ذکر کی گئی ہیں۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ سفیان راوی نے اپنا منہ دائیں جانب پھیر لیا اور ترچھی آنکھ سے دیکھا اور کہا اسی کا ذکر اس آیت میں ہے۔ بہت سے سلف سے منقول ہے کہ یہ سیاق سارے کا سارا عبداللہ بن ابی بن سلول کے بارے میں ہے۔ ہم عنقریب اس کی وضاحت کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ وبه الثقة وعليه التكلان۔ محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے سیرۃ میں لکھا ہے کہ جب حضور ﷺ احد سے مدینہ واپس آئے۔ عبداللہ بن ابی اپنی قوم میں بڑا مقام رکھتا تھا۔ جب حضور ﷺ جمعہ کے دن خطبہ کے لئے منبر پر بیٹھتے تو وہ کھڑا ہو جاتا اور کہتا: اے لوگو! یہ اللہ کے رسول ہیں جو ہمارے درمیان جلوہ فرما ہیں۔ ان کی ذات سے اللہ نے ہمیں عزت اور شرف بخشا ہے۔ آپ ان کی مدد اور عزت کیا کریں ان کے ہر ارشاد کو گوش ہوش سے سنا کریں اور جو حکم دیں اس کی تعمیل کیا کریں۔ پھر بیٹھ جاتا۔ حتیٰ کہ احد کے دن اس کا پردہ چاک ہو گیا۔ ایک تہائی لشکر لے کر الگ ہو گیا اور مدینہ لوٹ آیا۔ جب لوگ واپس آئے اور اگلے جمعہ یہ پھر کھڑا ہو گیا اور اسی طرح کہنا چاہتا تھا جیسے پہلے کہتا تھا تو مسلمانوں نے اردگرد سے اس کے کپڑے پکڑ کر کھینچے اور کہنے لگے اے اللہ کے دشمن بیٹھ جا، تو اس کا اہل نہیں۔ تو نے جو کچھ کیا وہ کسی سے مخفی نہیں۔ چنانچہ وہ ناراض ہو کر گردنیں پھلانگتا ہوا باہر نکلا اور یہ کہتا جا رہا تھا: گویا میں کوئی بری بات کہنے والا تھا۔ میں تو آپ کی تائید ظاہر کرنے کے لئے کھڑا ہوا تھا۔ انصار کے کچھ لوگ اسے دروازے پر ملے انہوں نے کہا تیری ہلاکت ہو تمہیں کیا ہوا؟ وہ کہنے لگا میں ان کی تائید کا اعلان کرنے لگا تھا مگر اس کے اصحاب میں سے کچھ لوگ مجھ پر اچھل کر آ گئے مجھے کھینچنے لگے اور میرے ساتھ سختی کرنے لگے گویا میں کسی بری بات کے کہنے کے لئے کھڑا ہوا تھا۔ حالانکہ میرا ارادہ آپ کی تائید تھا۔ وہ کہنے لگے تمہارا برا ہو واپس ہو جاؤ حضور ﷺ تمہارے لئے استغفار فرمائیں گے۔ وہ کہنے لگا مجھے آپ کے استغفار کی کوئی ضرورت نہیں(2)۔ قتادہ اور سدی رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن ابی کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کے رشتے داروں میں سے ایک مسلمان نوجوان حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور اس کی گستاخانہ باتوں سے آپ کو آگاہ کیا۔ حضور ﷺ نے اسے بلوایا تو یہ قسمیں اٹھانے اور براءت کا اظہار کرنے لگا۔ انصار نے اس نوجوان کو ڈانٹ ڈپٹ اور ملامت کی یعنی اسے جھوٹا سمجھا تو یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ اب اس اللہ کے دشمن سے کہا گیا حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو تو اس نے سر ہلا دیا یعنی

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ براۃ آیت: 83-80

2۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 105

میں ایسے نہیں کروں گا۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ جب کسی جگہ اترتے تو نماز ادا کیئے بغیر آگے نہ جاتے۔ غزوۂ تبوک میں حضور ﷺ کو خبر ملی کہ عبداللہ بن ابی بن سلول کہہ رہا ہے کہ عزت والا مدینہ سے ذلیل کو نکال دے گا۔ پس آپ ﷺ نے آخری دن میں اترنے سے قبل ہی کوچ کر دیا۔ عبداللہ بن ابی سے کہا گیا حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر معافی مانگ تو یہ آیات نازل ہوئیں۔ اس کی اسناد صحیح ہے۔ لیکن یہ کہنا کہ یہ واقعہ غزوۂ تبوک کا ہے، اس میں نظر ہے بلکہ یہ ٹھیک نہیں کیونکہ عبداللہ بن ابی بن سلول غزوۂ تبوک میں شریک نہیں ہوا۔ یہ ایک جماعت کو لے کر لوٹ گیا تھا۔ اصحاب مغازی و سیر میں معروف یہ ہے کہ یہ واقعہ غزوۂ مریسیع یعنی غزوۂ بنی مصطلق کا ہے چنانچہ غزوۂ بنی مصطلق کے واقعہ میں محمد بن یحییٰ بن حبان، عبداللہ بن ابی بکر اور عاصم بن عمر بن قتادہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ وہاں اقامت گزیں تھے کہ جہجاہ بن سعید غفاری جو کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا خادم تھا اور سنان بن یزید پانی پر لڑ پڑے۔ سنان نے انصار کو پکارا۔ جہجاہ نے مہاجرین کو پکارا۔ زید بن ارقم اور انصار کے کچھ لوگ عبداللہ بن ابی کے پاس موجود تھے۔ اس نے جب یہ بات سنی تو کہنے لگا ہمارے شہروں میں ہی ان لوگوں نے حملے شروع کر دیئے ہیں۔ اللہ کی قسم ہماری اور قریش کے ان مہاجروں کی مثال ایسے ہے جیسے مثل مشہور ہے سمّن کلبك یأکلك تم اپنے کتے کو موٹا کرو تا کہ وہ تمہیں ہی کاٹ کھائے۔ بخدا اگر ہم مدینہ واپس لوٹے تو عزت والا ذلت والے کو وہاں سے نکال دے گا۔ پھر اپنی قوم کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا یہ سب کچھ تمہارے اعمال کا پھل ہے۔ تم نے ان پر اپنے گھروں کے دروازے کھول دیئے۔ اپنے اموال تقسیم کر کے ان کے قدموں میں دولت کے ڈھیر لگا دیئے۔ اللہ کی قسم! اگر تم نے ان کا ہاتھ نہ روکا تو یہ تمہیں تمہارے ملک سے نکال دیں گے۔ زید بن ارقم اس مجلس میں موجود تھے۔ انہوں نے بارگاہ رسالت میں سارا واقعہ کہہ سنایا۔ آپ اس وقت کم سن تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو حضور ﷺ کی بارگاہ میں موجود تھے یہ باتیں سنیں تو عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! عباد بن بشر کو حکم دیجئے کہ اس کی گردن اڑا دے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے عمر یہ اجازت کیسے دے دوں۔ لوگ باتیں بنائیں گے کہ ذرا دیکھو محمد نے اب اپنے ساتھیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا ہے۔ ایسا نہیں بلکہ اے عمر !فوراً کوچ کا اعلان کر دو۔ جب عبداللہ بن ابی کو علم ہوا کہ حضور ﷺ کو ساری بات کا علم ہو گیا ہے تو آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر معذرت کی اور قسم اٹھائی کہ میں نے ایسی بات ہرگز نہیں کہی۔ زید بن ارقم نے جھوٹ بولا ہے۔ وہ اپنی قوم میں ممتاز حیثیت رکھتا تھا۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! شاید اس نوجوان کو وہم ہو گیا ہے۔ چنانچہ اس کی بات پایہ ثبوت کو نہ پہنچ سکی۔ حضور ﷺ دوپہر کے وقت بھی چلتے رہے جب کہ اس وقت آپ ﷺ کا چلنے کا معمول نہ تھا۔ اسید بن حضیر حاضر خدمت ہوئے شان نبوت کے مطابق سلام کیا اور اس خلاف معمول اور بے وقت سفر کی وجہ پوچھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''کیا تمہیں علم نہیں کہ تمہارے ساتھی ابن ابی نے کیا گل کھلایا ہے؟ وہ یہ سمجھتا ہے کہ جب مدینہ آئے گا تو عزت والا ذلیل کو وہاں سے نکال دے گا۔'' اسید نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! آپ ہی عزت والے ہیں اور وہ ذلیل ہے۔ پھر عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! اس سے نرمی کیجئے۔ اللہ کی قسم! اللہ آپ کو لے آیا۔ ہم تو اس کی تاجپوشی کے لئے تاج تیار کروا رہے تھے۔ وہ یہ سمجھتا ہے کہ حضور نے اس کا تاج و تخت چھین لیا ہے۔ حضور ﷺ لوگوں کو لے کر چلتے رہے حتیٰ کہ شام ہو گئی۔ رات کو بھی یہ سفر جاری رہا۔ حتیٰ کہ صبح ہو گئی اور پھر دھوپ میں تیزی آ گئی۔ پھر آپ ﷺ نے پڑاؤ کیا مقصد یہ تھا کہ لوگ پھر اس بات میں نہ الجھ جائیں اور ان کی توجہ اس واقعہ سے ہٹ جائے۔ لوگ تھک کر چور ہو چکے تھے۔ سواریوں سے اترتے ہی زمین پر لیٹ

گئے اور گہری نیند سو گئے۔ اس وقت سورۂ منافقون نازل ہوئی(1)۔

حافظ ابوبکر بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم کسی غزوہ میں حضور ﷺ کے ہمراہ تھے۔ مہاجرین میں سے کسی شخص نے کسی انصاری کو دھکا دیا۔ انصاری نے انصار کو پکارا اور مہاجر نے مہاجرین کو پکارا حضور ﷺ نے یہ سن کر فرمایا: تم زمانہ جاہلیت کے دستور کے مطابق اپنے اپنے قبیلوں کو مدد کے لئے کیوں بلاتے ہو؟ اس طرح کی للکار کو ترک کر دو۔ اس میں فتنہ کی بو ہے۔ عبداللہ بن ابی سلول یہ کہنے لگا کہ اب یہ مہاجرین ہمیں آنکھیں دکھانے لگے ہیں۔ بخدا اگر ہم مدینہ آئے تو عزت والا ذلت والے کو نکال باہر کرے گا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جب سرکار ﷺ نے قدم رنجہ فرمایا اس وقت مدینہ میں انصار کی تعداد مہاجرین کی نسبت بہت زیادہ تھی۔ بعد میں مہاجرین کی تعداد زیادہ ہوگئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے اجازت دیجئے اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اسے چھوڑ دو لوگ کہیں گے محمد اپنے ساتھیوں کو قتل کر ڈالتے ہیں۔ امام احمد اور بخاری رحمہما اللہ تعالیٰ نے سفیان سے اسی طرح روایت کیا ہے(2)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں غزوۂ تبوک میں حضور ﷺ کے ہمراہ تھا۔ عبداللہ بن ابی نے یہ بکواس کی کہ اگر ہم مدینہ لوٹے تو عزت والا ذلیل کو وہاں سے جلاوطن کر دے گا۔ چنانچہ میں حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور ساری بات عرض کی۔ عبداللہ بن ابی آیا اور آ کر قسمیں کھائیں کہ ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میری قوم نے مجھے ملامت کی اور کہا تمہارا اس بات سے مقصد کیا تھا۔ فرماتے ہیں چنانچہ میں آیا اور افسردہ وغمزدہ حالت میں سو گیا کہ حضور ﷺ نے مجھے بلا بھیجا اور فرمایا: اللہ نے تیرا عذر نازل فرمایا اور تیری سچائی ظاہر فرمائی ہے۔ چنانچہ یہ آیت اتری هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ سے لے کر مِنْهَا الْاَذَلَّ تک۔ بخاری، ترمذی اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے روایت کیا ہے(3)۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ سے ایک دوسری روایت:۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں اپنے چچا کے ساتھ ایک غزوہ میں نکلا میں نے عبداللہ بن ابی بن سلول کو اپنے ساتھیوں سے یہ کہتے سنا حضور ﷺ کے ساتھیوں پر خرچ نہ کرو۔ ہمیں مدینہ جا لینے دو پھر جو طاقتور اور معزز ہے (یعنی وہ خود) کمزور اور ذلیل کو اس شہر سے باہر نکال دے گا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے یہ بات اپنے چچا کو بتائی۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے چچا نے حضور ﷺ کو سارا واقعہ گوش گزار کر دیا۔ چنانچہ حضور ﷺ نے مجھے بلایا تو میں نے ساری بات عرض کی۔ آپ نے عبداللہ بن ابی بن سلول اور اس کے ساتھیوں کو بلا کر پوچھا تو سب نے قسمیں اٹھا کر کہا کہ ہم نے ایسی کوئی بات نہیں کہی۔ چنانچہ حضور ﷺ نے اس کی قسموں کی وجہ سے اس کی تصدیق فرمائی اور مجھے جھوٹا قرار دیا۔ مجھے اس بات سے از حد صدمہ ہوا کہ اتنا کبھی نہ ہوا تھا۔ میں گھر میں بیٹھ رہا میرے چچا نے کہا تمہاری یہی مرضی تھی کہ حضور ﷺ تمہیں جھوٹا قرار دیں مبغوض ٹھہرائیں۔ یہاں تک کہ یہ سورت نازل ہوئی۔ چنانچہ حضور ﷺ نے مجھے بلایا اور یہ آیات سنائیں۔ اور فرمایا: "بلاشبہ اللہ نے تیری تصدیق فرمائی ہے"۔ احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ہی ایک دوسری روایت میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 292-290

2۔ دلائل النبوۃ، جلد 4، صفحہ 54-53، مسند امام احمد، جلد 3 صفحہ 293-292، فتح الباری کتاب التفسیر، جلد 8 صفحہ 652، مسلم، کتاب البر، جلد 4، صفحہ 1999-1998

3۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 369-368، فتح الباری تفسیر سورۂ منافقون، جلد 8 صفحہ 647-646 عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۂ منافقون، جلد 12 صفحہ 205-204، سنن کبریٰ، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 3 صفحہ 201

روایت کیا ہے کہ ہم ایک سفر میں حضور ﷺ کے ہمراہ تھے۔ لوگوں کو تنگی نے آلیا۔ عبداللہ بن ابی اپنے ساتھیوں کو کہنے لگا: حضور ﷺ کے ساتھیوں پر ایک پائی خرچ نہ کرو یہاں تک کہ یہ خود ہی انہیں چھوڑ کر الگ ہو جائیں۔ اگر ہم مدینہ واپس گئے تو عزت والا ذلیل کو وہاں سے باہر نکال دے گا۔ چنانچہ میں حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور ساری بات عرض کر دی۔ حضور ﷺ نے عبداللہ بن ابی کو بلا کر پوچھا تو قسمیں اٹھانے لگا کہ اس نے یہ بات نہیں کہی۔ لوگ کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ! زید جھوٹا ہے۔ ان کی بات سن کر مجھے از حد ندامت ہوئی تو اللہ نے میری تصدیق نازل فرمائی۔ حضور ﷺ نے انہیں استغفار کے لئے بلایا تو انہوں نے منہ پھیر لیا۔

كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ یہ لوگ بڑے خوبصورت جسموں کے مالک تھے(1)۔ بخاری، مسلم، ترمذی اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسی طرح روایت کیا ہے(2)۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ سے ایک اور روایت:۔ ابوعیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم نے حضور ﷺ کے ساتھ غزوہ میں شرکت کی۔ ہمارے ساتھ کچھ اعرابی بھی تھے۔ ہم پانی کی جگہ کی طرف جلدی کرتے۔ اعرابی ہم سے آگے بڑھنا چاہتے تھے۔ ایک دفعہ ایک اعرابی آگے بڑھ گیا اس نے حوض بھر کر اس کے گرد پتھر رکھ دیئے اور اوپر سے چمڑا پھیلا دیا تاکہ اس کے ساتھی آجائیں۔ ایک انصاری اس اعرابی کے پاس آیا اور اونٹنی کو پلانے کے لئے اس کی مہار نیچے کی۔ اس نے پلانے کی اجازت نہ دی۔ انصاری نے ایک پتھر اٹھایا تو پانی بہہ نکلا۔ اعرابی نے لکڑی اٹھا کر انصاری کے سر پر دے ماری اور اسے زخمی کر دیا۔ وہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے پاس آیا اور سارا واقعہ اسے سنایا۔ یہ انصاری اس کا حلیف تھا۔ اسے یہ دیکھ کر غصہ آگیا اور کہا ان کے ساتھیوں کا کھانا پینا بند کر دو تاکہ انہیں چھوڑ دیں یعنی بدو۔ وہ کھانے کے وقت حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوتے تھے۔ عبداللہ اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا: جب یہ بدو محمد کے پاس سے اٹھ جائیں تو کھانا لایا کرو تاکہ وہ اور اس کے ساتھی کھائیں۔ پھر اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا: اگر تم مدینہ لوٹے تو عزت والا ذلت والے کو باہر نکال دے گا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں اپنے چچا کا ردیف تھا۔ میں نے عبداللہ بن ابی کی بات سن لی اور اپنے چچا کو بتا دی۔ میرے چچا نے حضور ﷺ کو عرض کیا۔ حضور ﷺ نے اسے بلایا تو اس نے قسم اٹھائی اور انکار کر دیا۔ سرکار ﷺ نے اس کی تصدیق اور میری تکذیب کی۔ میرا چچا آیا اور مجھے کہا تو نے نہیں چاہا مگر یہ کہ حضور ﷺ نے تمہیں مبغوض قرار دیا اور تیری تکذیب فرمائی اور مسلمانوں نے بھی۔ چنانچہ یہ سن کر مجھ پر غم واندوہ کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ میں سفر میں حضور ﷺ کے ہمراہ تھا۔ غم سے میرا سر جھکا ہوا تھا کہ پیچھے سے حضور ﷺ تشریف لائے۔ میرا کان مروڑا اور میری طرف رخ انور کر کے ہنس دیئے۔ اس عنایت خصوصی سے مجھے اتنی مسرت ہوئی کہ اگر مجھے ابدی زندگی مل جاتی تب بھی اتنی خوشی نہ ہوتی۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پیچھے سے آئے اور پوچھا کہ حضور ﷺ نے کیا ارشاد فرمایا۔ میں نے ساری بات بتائی تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اَبْشِرْ مبارک باد۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپہنچے۔ میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرح آپ کو بھی سارا واقعہ سنایا۔ جب رات گزر گئی اور صبح ہوئی تو حضور ﷺ نے سورۂ منافقون کی تلاوت فرمائی(3)۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اس روایت میں منفرد ہیں اور اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔ ابوبکر

1۔ مسند امام احمد، جلد 4 صفحہ 373

2۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ منافقون، جلد 8، صفحہ 648-647، مسلم، کتاب صفات المنافقین، جلد 4، صفحہ 2140، عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ منافقون، جلد 12، صفحہ 199-201

3۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ منافقون، جلد 12 صفحہ 204-201، دلائل النبوۃ، جلد 4 صفحہ 55-54

بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ اس میں سورت کا مِنْهَا الْاَذَلَّ تک پڑھنا بھی مروی ہے (1)۔ عبداللہ بن لہیعہ اور موسیٰ بن عقبہ نے بھی مغازی میں یہ واقعہ اسی سیاق سے بیان کیا ہے لیکن ان دونوں روایات میں خبر پہنچانے والے کا نام اوس بن اقرم ہے یہ بنو حارث بن خزرج سے تھے۔ ممکن ہے کہ دوسرے شخص نے بھی خبر پہنچائی ہو یا راوی سے نام میں غلطی ہوگئی ہو۔ واللہ اعلم۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے عروہ بن زبیر اور عمر بن ثابت انصاری سے روایت کیا ہے کہ یہ وہ غزوہ ہے جس میں حضور ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھیج کر منات بت توڑا تھا۔ یہ قفا المشلل (2) اور سمندر کے مابین تھا۔ اسی غزوہ میں دو شخصوں کے درمیان جھگڑا ہو گیا۔ ایک مہاجر تھا اور دوسرے کا تعلق قبیلہ بہز سے تھا۔ یہ قبیلہ انصار کا حلیف تھا۔ مہاجر نے بہزی پر چڑھائی کر دی تو بہزی نے انصار کو مدد کے لئے پکارا کچھ انصاری اس کی مدد کو پہنچ گئے۔ مہاجر نے مہاجرین کو آواز دی تو اس کی مدد کو مہاجرین آ گئے۔ حتیٰ کہ لڑائی کی صورت پیدا ہوگئی۔ پھر انہیں روک دیا گیا تو ہر منافق یا جس کے دل میں بیماری تھی عبداللہ بن ابی سلول کے پاس گیا اور کہا ہمیں تم سے امیدیں تھیں کہ تم ہمارا بچاؤ کرو گے، لیکن تم تو اس طرح ہو گئے ہو کہ نہ نقصان دیتے ہو نہ نفع۔ ان جلابیب نے ہم پر چڑھائی کی ہے۔ وہ ہر نئے مہاجر کو جلابیب کہتے تھے۔ دشمن خدا عبداللہ بن ابی کہنے لگا: اللہ کی قسم! اگر ہم مدینہ لوٹے تو عزت والا ذلیل کو نکال دے گا۔ مالک بن دخشن جو منافق تھا کہنے لگا! کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ رسول اللہ کے پاس جو لوگ ہیں ان سے حسن سلوک چھوڑ دو وہ خود بخود منتشر ہو جائیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات سن لی اور حضور ﷺ کی بارگاہ میں عرض کی۔ یا رسول اللہ ﷺ! اس شخص نے لوگوں کو فتنے میں ڈال دیا ہے مجھے اجازت دیجئے اس کی گردن اڑا دوں۔ آپ کا اشارہ عبداللہ بن ابی کی طرف تھا۔ حضور ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اگر میں تمہیں حکم دوں تو تم اسے قتل کر دو گے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اگر آپ فرمائیں تو میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیٹھ جاؤ۔ اتنے میں اسید بن حضیر جو کہ انصار کے قبیلے بنی عبدالاشہل سے تھے، آئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! مجھے اس آدمی کی گردن اتار دینے کی اجازت دیجئے اس نے لوگوں کو فتنے میں مبتلا کر دیا ہے۔ حضور ﷺ نے ان سے بھی وہی سوال فرمایا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کیا تھا۔ انہوں نے بھی وہی جواب دیا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیا تھا۔ حضور ﷺ نے انہیں بٹھا لیا۔ پھر حضور ﷺ نے حکم فرمایا: کوچ کا اعلان کر دو۔ دوپہر کو بھی لوگ چلتے رہے اسی طرح دن، رات بھر سفر جاری رہا حتیٰ کہ اگلے دن سورج بلند ہو گیا پھر آپ نے پڑاؤ کیا۔ پھر اسی طرح لوگوں کو چلایا حتیٰ کہ قفا المشلل سے چل کر تیسرے دن صبح مدینہ پہنچے۔ جب حضور ﷺ مدینہ میں تشریف فرما ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا اور فرمایا: اے عمر! اگر میں تمہیں اس کے قتل کا حکم دوں تو کیا تم اسے قتل کرو گے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ہاں تو حضور ﷺ نے فرمایا: بخدا اگر تم اسے اس وقت قتل کر دیتے تو ایسے لوگ ناراض ہو جاتے جنہیں آج میں حکم دوں تو اسے قتل کرنے سے گریز نہیں کریں گے۔ اس وقت لوگ باتیں کرتے کہ میں اپنے ساتھیوں کو بے دردی سے قتل کر ڈالتا ہوں۔ اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں۔ یہ سیاق غریب ہے اس میں ایسی چیزیں بھی ہیں جو دوسری روایات میں نہیں۔ محمد بن اسحاق بن یسار نے عاصم بن عمر بن قتادہ سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن عبداللہ بن ابی کو جب اپنے باپ کے کرتوتوں کا علم ہوا تو حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ عبداللہ بن ابی کو اس کی حرکتوں کے سبب قتل کرنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ کی یہ خواہش ہے تو مجھے ارشاد فرمائیے میں اس کا سر لے کر حاضر ہو جاؤں گا۔ خدا کی قسم خزرج جانتے ہیں کہ مجھ سے زیادہ اپنے والد

1۔ دلائل النبوۃ، جلد 4، صفحہ 52　2۔ ایک پہاڑ کا نام ہے

کا اطاعت گزار کوئی نہیں۔ مجھے خدشہ ہے کہ اگر آپ میرے علاوہ کسی اور کو یہ حکم دیں گے وہ اسے قتل کرے گا تو مجھ سے صبر نہ ہو سکے گا کہ اپنے باپ کے قاتل کو روئے زمین پر چلتے ہوئے دیکھوں۔ چنانچہ میں اسے قتل کر دوں گا۔ اس طرح میں ایک مؤمن کو کافر کے بدلے قتل کر کے دوزخ میں چلا جاؤں گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: نہیں بلکہ ہم اس سے نرمی کریں گے اور حسن سلوک کریں گے جب تک وہ ہمارے ساتھ ہے(1)۔ عکرمہ اور ابن زید رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہ سے مروی ہے کہ جب لوگ مدینہ لوٹے تو عبداللہ بن ابی کا لڑکا عبداللہ مدینہ کے دروازے پر کھڑا ہو گیا اور تلوار سونت لی لوگ گزرتے رہے۔ جب اس کا باپ آیا تو اس نے کہا رک جاؤ۔ باپ نے کہا کیا ہوا؟ بیٹے نے کہا اللہ کی قسم تم یہاں سے آگے نہیں جا سکتے یہاں تک کہ حضور ﷺ تمہیں آگے جانے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ وہ عزیز ہیں اور تو رسوا۔ جب حضور ﷺ تشریف لائے۔ آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ لشکر کے آخری حصے میں ہوتے تھے۔ عبداللہ بن ابی نے بیٹے کی شکایت کی تو اس کا بیٹا کہنے لگا اللہ کی قسم یا رسول اللہ! یہ اس وقت تک داخل نہیں ہو سکتا جب تک آپ اجازت نہ فرمائیں۔ چنانچہ حضور ﷺ نے اجازت دی تو عبداللہ نے کہا اب تم گزر سکتے ہو۔ ابوبکر حمیدی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے کہ عبداللہ نے اپنے باپ سے کہا اللہ کی قسم تم مدینہ میں داخل نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ تم کہہ دو کہ حضور زیادہ عزت والے ہیں اور میں زیادہ ذلیل ہوں۔ اتنے میں حضور ﷺ تشریف لے آئے تو عبداللہ نے عرض کی مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ میرے باپ کو قتل کرنا چاہتے ہیں۔ اللہ کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! میں نے احتراماً اس کا چہرہ کبھی نہیں دیکھا۔ اگر آپ کو اس کا سر مطلوب ہو تو میں پیش کر سکتا ہوں۔ مجھے یہ بات ناپسند ہے کہ میں اپنے باپ کے قاتل کو دیکھوں(2)۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَاۤ اَخَّرْتَنِيْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝

”اے ایمان والو! تمہیں غافل نہ کر دیں تمہارے اموال اور نہ تمہاری اولاد اللہ کے ذکر سے۔ اور جنہوں نے ایسا کیا تو وہی لوگ گھاٹے میں ہوں گے۔ اور خرچ کر لو اس رزق سے جو ہم نے تم کو دیا اس سے پیشتر کہ آ جائے تم میں سے کسی کے پاس موت تو (اس وقت) وہ یہ کہنے لگے کہ اے میرے رب! تو نے مجھے تھوڑی مدت کے لئے کیوں مہلت نہ دی تاکہ میں صدقہ (وخیرات) کر لیتا اور نیکوں میں شامل ہو جاتا۔ اور اللہ تعالیٰ مہلت نہیں دیا کرتا کسی شخص کو جب اس کی موت کا وقت آ جائے۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو تم کیا کرتے ہو“۔

اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو یہ حکم فرما رہا ہے کہ وہ بکثرت اس کا ذکر کیا کریں اور یہ تنبیہ فرما رہا ہے کہ مال اور اولاد کی محبت میں غافل نہ ہو جائیں۔ انہیں یہ خبر دے رہا ہے کہ جو اپنے رب کی اطاعت اور ذکر کو چھوڑ کر دنیوی زندگی اور اس کی زینت میں کھو جائے تو وہ خسارے میں ہے۔ یہی لوگ قیامت کے دن اپنی جان اور مال کے بارے میں خسارے میں ہوں گے۔ پھر اس کی اطاعت میں خرچ کرنے پر

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2 صفحہ 293-292 2۔ المطالب العالیۃ بزوائد المسانید الثمانیۃ، کتاب التفسیر، جلد 3 صفحہ 389-388

ابھارتے ہوئے فرمایا: مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ ..... ہر زیادتی کرنے والا دم واپسیں نادم ہوگا اور وقت بڑھانے کی خواہش کرے گا اگر چہ تھوڑی دیر ہی کیوں نہ ہو، تا کہ وہ واپس لوٹ جائے اور گزشتہ کمی کو دور کر لے۔ لیکن ایسا کہاں ہوسکتا ہے۔ جو ہونا تھا ہو چکا۔ جو آنا تھا آ چکا۔ ہر ایک سے اس کی کوتاہی کے مطابق حساب ہوگا۔ کفار کہیں گے جیسے اس آیت میں ہے: وَ اَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ ..... مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ (ابراہیم: 44)۔ اور فرمایا: حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ (مومنون: 99)۔

قال تعالیٰ وَ لَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ..... موت آنے کے بعد کسی کو مہلت نہیں دی جائے گی۔ وہ زیادہ باخبر ہے اور جانتا ہے کہ کون اپنے قول اور سوال میں سچا ہے۔ ان لوگوں کو اگر لوٹایا جائے تو یہ پہلے سے بھی بدتر حالت میں لوٹ جائیں۔

ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ہر وہ شخص جو مالدار ہو اس پر حج فرض ہو یا زکوۃ واجب ہو اور اس نے یہ فرائض ادا نہ کئے ہوں تو موت کے وقت واپسی کی آرزو کرے گا۔ ایک آدمی نے کہا اے ابن عباس اللہ سے ڈرو واپسی کا سوال تو کفار کریں گے۔ آپ نے فرمایا: میں تمہیں اس کی تائید میں قرآن کی آیت سناتا ہوں پھر آپ نے يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ سے تا آخر آیات سنائیں۔ یعنی آخری رکوع۔ اس نے پوچھا زکوۃ کتنے مال پر واجب ہے؟ فرمایا جب مال دوسو یا اس سے متجاوز ہو۔ پھر اس نے پوچھا حج کب لازم ہوتا ہے؟ فرمایا: جب زادراہ اور سواری کی استطاعت ہو (1)۔ ایک مرفوع روایت بھی اسی طرح مروی ہے عبد بن حمید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ موقوف روایت زیادہ صحیح ہے۔ مرفوع میں ایک راوی ابو جناب کلبی ضعیف ہے (2)۔

مؤلف کی رائے: میں کہتا ہوں کہ ضحاک عن ابن عباس رحمۃ اللہ علیہ والی روایت میں انقطاع ہے۔ واللہ اعلم۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ ہم نے حضور ﷺ کے سامنے عمر کی زیادتی کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: ''جب کسی کی اجل آ جائے تو پھر اس میں تاخیر نہیں ہوتی۔ عمر میں زیادتی اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کو نیک اولاد عطا فرماتا ہے جو اس کے لئے دعا کرتے ہیں تو ان کی دعا قبر میں اسے پہنچتی رہتی ہے (3)۔

سورۂ منافقون کی تفسیر ختم ہوئی۔

وللہ الحمد والمنۃ وبہ التوفیق والعصمۃ

1۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ منافقون، جلد 12، صفحہ 207-206

2۔ ایضاً مرجع مذکور

3۔ یہ حدیث سورۂ نحل: آیت: 61 کی تفسیر میں گزر چکی ہے

سورۂ تغابن

طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''کوئی بچہ پیدا نہیں ہوتا مگر اس کے سر کے جوڑوں میں سورۂ تغابن کی پانچ آیات لکھی ہوتی ہیں''۔ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ولید بن صالح کے حالات میں نقل کیا ہے یہ بہت غریب بلکہ منکر ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ۖ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝

''اللہ ہی کی تسبیح کر رہی ہے ہر چیز جو آسمانوں میں ہے اور ہر چیز جو زمین میں ہے۔ اسی کی حکومت ہے اور اسی کے لئے ساری تعریفیں ہیں اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ وہی ہے جس نے تمہیں پیدا فرمایا پھر تم میں سے بعض کافر ہیں اور تم میں سے بعض مومن ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ جو تم کرتے ہو خوب دیکھ رہا ہے۔ اس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ اور اس نے تمہاری صورتیں بنائیں اور تمہاری صورتوں کو خوبصورت بنایا۔ اور اسی کی طرف (سب نے) لوٹنا ہے۔ وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے نیز وہ جانتا ہے جسے تم چھپاتے ہو اور جسے تم ظاہر کرتے ہو۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو سینوں میں (پوشیدہ) ہے''۔

یہ سورت مسبّحات کی سورتوں میں سب سے آخری ہے۔ اس بات کا پہلے تذکرہ ہو چکا ہے کہ مخلوقات اپنے مالک و باری کی تسبیح کرتی ہیں۔

لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ یعنی وہ تمام کائنات میں تصرف کرنے والا ہے۔ جو وہ پیدا کرتا ہے اور مقدر کرتا ہے اس میں محمود ہے۔

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ جو ارادہ فرمائے بغیر ممانعت و مدافعت کے ہو جاتا ہے اور جو نہ چاہے وہ نہیں ہوتا۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ...... اس نے ہی تمہیں اس صفت پر پیدا کیا ہے اور تم سے یہ ارادہ کیا ہے۔ پس مؤمن اور کافر کا وجود لازمی ہے۔ وہ آگاہ ہے اس بات سے کہ مستحق ہدایت کون ہے اور مستحق ضلالت کون۔ وہ اپنے بندوں کے اعمال پر آگاہ ہے۔ انہیں عنقریب ہر عمل کا پورا پورا بدلہ دے گا۔

بِالْحَقِّ یعنی عدل و حکمت سے۔

فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ یعنی تمہاری شکلیں خوبصورت بنائیں۔ جیسے ارشاد ہوتا ہے: يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۙ الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۙ فِيْۤ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ (انفطار:6) اور فرمایا اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ (غافر:64)۔

الْمَصِيْرُ یعنی مرجع اور لوٹنا۔ پھر تمام سماوی اور ارضی اور نفسی کائنات کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا: يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ......

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۫ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْۤا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا ۫ فَكَفَرُوْا وَ تَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝

’’کیا نہیں آئی تمہارے پاس ان کی خبر جنہوں نے کفر کیا اس سے پہلے۔ پس چکھ لیا انہوں نے اپنے کام (یعنی کفر) کا وبال اور ان کے لئے (آخرت میں) دردناک عذاب ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آتے رہے ان کے پاس ان کے پیغمبر روشن نشانیاں لے کر پس وہ بولے کیا انسان ہماری رہبری کریں گے۔ پس انہوں نے کفر کیا اور منہ پھیر لیا اور اللہ تعالیٰ بھی (ان سے) بے نیاز ہو گیا۔ اور اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے، سب خوبیوں سراہا ہے‘‘۔

سابقہ امتوں پر رسولوں کی مخالفت اور حق کی تکذیب کی وجہ سے جو عذاب نازل ہوا اس کی خبر دی جا رہی ہے۔

وَبَالَ اَمْرِهِمْ تکذیب اور قبیح افعال کا انجام اور دنیا میں ان پر جو عذاب اور رسوائی آئی۔ اس دنیوی عذاب کے ساتھ ساتھ دارِ آخرت میں بھی ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

بیّنات یعنی حجتیں اور دلائل و براہین۔

اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا رسالت کے بشر میں ہونے اور انسان کے ہاتھ سے ہدایت ملنے کو بعید از قیاس تصور کیا۔

فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا یعنی حق کو جھٹلایا اور عمل سے انکار کر دیا۔

زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ؕ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ؕ وَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْۤ اَنْزَلْنَا ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ؕ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَ يَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝

’’گمان کرتے ہیں کفار کہ انہیں ہرگز دوبارہ زندہ نہ کیا جائے گا۔ فرمایئے کیوں نہیں، میرے رب کی قسم تمہیں ضرور زندہ کیا

جائے گا پھر تمہیں آگاہ کیا جائے گا جو تم کیا کرتے تھے اور یہ اللہ کے لئے بالکل آسان ہے۔ پس ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے نازل کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے خبردار ہے۔ جس دن تمہیں اکٹھا کرے گا جمع ہونے کے دن یہی گھاٹے کے ظہور کا دن ہے۔ اور جو ایمان لے آیا اللہ پر اور نیک عمل کرتا رہا اللہ دور فرمادے گا اس سے اس کے گناہوں کو اور داخل فرمائے گا اسے باغوں میں رواں ہوں گی جن کے نیچے ندیاں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے تا ابد یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔ اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ دوزخی ہوں گے ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ اور یہ بہت بری پلٹنے کی جگہ ہے''۔

کفار و مشرکین اور ملحدین کے بارے میں خبر دیتے ہوئے اللہ تبارک و تعالیٰ فرمار ہے ہیں کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ مرنے کے بعد نہیں اٹھیں گے۔

لَتُبۡعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلۡتُمۡ یعنی تمہارے تمام اعمال عظیم ہوں یا حقیر، چھوٹے ہوں یا بڑے ان سے تمہیں آگاہ کیا جائے گا۔

وَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيۡرٌ یعنی تمہیں موت کے بعد زندہ کرنا اور جزا دینا یہ تیسری آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو یہ حکم فرما رہا ہے کہ وقوع قیامت کی حقانیت پر اپنے رب کی قسم کھائیں۔ پہلی آیت سورۂ یونس میں ہے: وَ يَسۡتَنۡۢبِـُٔوۡنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلۡ اِىۡ وَرَبِّىۡۤ اِنَّهٗ لَحَـقٌّ ؕۚ وَمَاۤ اَنۡتُمۡ بِمُعۡجِزِيۡنَ (یونس: 53)۔ دوسری سورۂ سبا میں: وَقَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَا تَاۡتِيۡنَا السَّاعَةُ ؕ قُلۡ بَلٰى وَرَبِّىۡ لَتَاۡتِيَنَّكُمۡ (سبا: 3) اور تیسری یہ آیت ہے۔ نور سے مراد قرآن ہے۔

وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرٌ تمہارے اعمال میں سے کوئی چیز اس پر مخفی نہیں۔

يَوۡمَ يَجۡمَعُكُمۡ لِيَوۡمِ الۡجَمۡعِ یہ قیامت کا دن ہے۔ اس کو یہ نام اس وجہ سے دیا گیا ہے کہ اس روز تمام اولین و آخرین کو ایک سرزمین میں جمع کیا جائے گا۔ جیسے ایک اور آیت میں ہے: ذٰ لِكَ يَوۡمٌ مَّجۡمُوۡعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَ ذٰلِكَ يَوۡمٌ مَّشۡهُوۡدٌ (ہود: 103)۔ اور فرمایا: قُلۡ اِنَّ الۡاَوَّلِيۡنَ وَالۡاٰخِرِيۡنَ ۙ لَمَجۡمُوۡعُوۡنَ ۙ اِلٰى مِيۡقَاتِ يَوۡمٍ مَّعۡلُوۡمٍ (49-50)۔

قولہ تعالیٰ ذٰلِكَ يَوۡمُ التَّغَابُنِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ یہ قیامت کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔ وہ یہ کہ اہل جنت اہل نار کو نقصان میں ڈالیں گے۔ قتادہ اور مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ سے یہی مروی ہے(1)۔ مقاتل بن حیان کا قول ہے اس سے زیادہ غبن کیا ہوگا کہ یہ جنت میں چلے جائیں اور وہ دوزخ میں چلے جائیں۔ گویا اس کی تفسیر بعد والی آیات میں ہے۔ ان آیات کی تفسیر متعدد مرتبہ گزر چکی ہے۔

مَاۤ اَصَابَ مِنۡ مُّصِيۡبَةٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنۡ يُّؤۡمِنۡۢ بِاللّٰهِ يَهۡدِ قَلۡبَهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ﴿۱۱﴾ وَاَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ ۚ فَاِنۡ تَوَلَّيۡتُمۡ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوۡلِنَا الۡبَلٰغُ الۡمُبِيۡنُ ﴿۱۲﴾ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۳﴾

''نہیں پہنچتی (کسی کو) کوئی مصیبت بجز اللہ کے اذن کے اور جو شخص اللہ پر ایمان لے آئے اللہ اس کے دل کو ہدایت بخشتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔ اور اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسول (مکرم) کی۔ پھر اگر تم

1۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 122

نے روگردانی کی (تو تمہاری قسمت) ہمارے رسول کے ذمہ فقط کھول کر (پیغام) پہنچانا ہے۔ اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ پس اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہئے ایمان والوں کو"۔

سورۂ حدید میں بھی یہ مضمون گزر چکا ہے۔ وہاں ارشاد ہوتا ہے: مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۚ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ...... (حدید:22)۔

اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اللہ کے امر سے یعنی اس کی تقدیر اور مشیئت سے۔ یعنی جسے کوئی مصیبت آئے وہ یہ جان لے کہ یہ اللہ کی قضاء وقدر سے ہے۔ وہ صبر اختیار کرے اور قضائے الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کردے۔ اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ اسے دنیا میں ہدایت اور یقین صادق کی دولت عطا فرماتے ہیں۔ جو لیا گیا اس کا بدل یا اس سے بہتر عطا فرماتے ہیں۔

علی بن ابی طلحہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے یعنی اس کے دل کو یقین کی دولت سے نوازتا ہے اور وہ سمجھنے لگتا ہے کہ جو آفت اس پر آئی ہے یہ اس پر آنا ہی تھی اور جو نہیں آئی، وہ اس کے مقدر میں نہ تھی (1)۔ اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے کہ علقمہ کے پاس اس آیت کی تلاوت کی گئی اور اس کا مطلب پوچھا گیا تو فرمایا: یہ وہ آدمی ہے جسے کوئی مصیبت آتی ہے اور اسے یہ علم ہوتا ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے چنانچہ وہ راضی ہوتا ہے اور تسلیم کر لیتا ہے۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم رحمہما اللہ تعالیٰ نے اس آیت کی تفسیر میں یہی لکھا ہے۔ سعید بن جبیر اور مقاتل بن حیان کا قول ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ پڑھے۔ متفق حدیث میں ہے: "مومن کی بھی عجیب حالت ہے، اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں جو فیصلہ کرے وہی اس کے لئے بہتر ہوتا ہے۔ اگر اسے تکلیف پہنچے اور اس پر وہ صبر کرے تو یہ تکلیف اس کے لئے بہتر ہے اور اگر اسے مسرت ارزانی ہو اور وہ اس پر شکر کرے تو یہ اس کے لئے بہتر ہے اور یہ سعادت صرف مومن کے لئے مخصوص ہے(2)"۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! کون سا عمل افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اور اس کی تصدیق کرنا اور جہاد فی سبیل اللہ۔ اس نے عرض کی میں کوئی آسان کام چاہتا ہوں۔ فرمایا: اللہ نے جو کچھ تیری قسمت میں لکھ دیا ہے اس میں اللہ کا گلہ نہ کر(3)۔

وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا حکم ہے شرعی امور میں اور جس کام کا حکم ملے اسے بجالانے اور جس سے روکا جائے رک جانے کا حکم ہے۔

فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ...... یعنی اگر تم عمل سے انکار کر دو تو اس کے ذمہ صرف تبلیغ تھی اور تم پر سمع وطاعت لازم ہے۔ زہری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اللہ کی طرف سے رسالت ہے رسول پر پہنچانا لازم ہے اور ہم پر سر تسلیم خم کرنا۔ پھر یہ خبر دیتے ہوئے فرمایا کہ وہ احد صمد ہے جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ پہلی خبر توحید کی ہے اس کا معنی ہے طلب یعنی اس کی معبودیت کی یکتائی کو تسلیم کرو اور اس کے لئے مخلص ہو جاؤ۔ اور اسی پر توکل کرو جیسے ایک اور آیت میں ہے: رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِیْلًا (مزمل:9)۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 133

2۔ یہ حدیث سورۂ بقرۃ آیت:153 کی تفسیر میں گزر چکی ہے اسی طرح سورۂ اعراف آیت:95، سورۂ ابراہیم آیت:5، سورۂ روم آیت:33، سورۂ سبا آیت:19 میں بھی ہے

3۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 319-318

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ۭ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۶﴾ اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾

''اے ایمان والو! تمہاری کچھ بیبیاں اور تمہارے بچے تمہارے دشمن ہیں۔ پس ہوشیار رہو ان سے۔ اور اگر تم عفو و درگزر سے کام لو اور بخش دو تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ بے شک تمہارے مال اور تمہاری اولاد بڑی آزمائش ہیں۔ اور اللہ ہی ہے جس کے پاس اجر عظیم ہے۔ پس ڈرتے رہو اللہ سے جتنی تمہاری استطاعت ہے اور (اللہ کا فرمان) سنو اور اسے مانو اور (اس کی راہ میں) خرچ کرو یہ بہتر ہے تمہارے لئے۔ اور جنہیں بچالیا گیا ان کے نفس کے بخل سے تو یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دو تو وہ اسے کئی گنا کر دے گا تمہارے لئے اور بخش دے گا تمہیں۔ اور اللہ تعالیٰ بڑا قدر دان (اور) بہت حلم والا ہے۔ ہر نہاں اور عیاں کا جاننے والا ہے، سب پر غالب، بڑا دانا ہے''۔

اللہ تعالیٰ ازواج اور اولاد کے بارے میں یہ خبر دے رہا ہے کہ ان میں سے کچھ خاوند اور والد کے دشمن ہیں۔ یعنی وہ اسے عمل صالح سے غافل کر دیتے ہیں۔ جیسے ایک اور آیت میں ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (منافقون:9)۔

فَاحْذَرُوْهُمْ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ دین کے معاملہ میں ان سے ہوشیار رہیں۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ آدمی کو قطع رحمی یا اپنے رب کی نافرمانی پر ابھارا جاتا ہے۔ اس آدمی کے ساتھ محبت کی وجہ سے اُس کے سامنے کوئی چارہ کار نہیں رہتا اور وہ اس کی اطاعت کر لیتا ہے(1)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی نے آپ سے اس آیت کا مطلب پوچھا تو آپ نے فرمایا: یہ اہل مکہ کے کچھ لوگ ہیں جو اسلام قبول کر چکے تھے۔ انہوں نے ہجرت کرنا چاہی لیکن ان کی بیویوں اور اولاد نے انہیں روک دیا۔ جب وہ حضور ﷺ کے پاس آئے تو دیکھا کہ لوگ دین کا بہت کچھ سیکھ چکے ہیں۔ انہوں نے اپنی اولاد اور بیویوں کو سزا دینا چاہی تو یہ آیت نازل ہوئی۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح روایت کیا ہے اور اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔ ابن جریر اور طبرانی رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے(2)۔

اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مال و دولت اور اولاد فتنہ ہے یعنی آزمائش اور اللہ کی طرف سے اپنی مخلوق کیلئے ابتلا تاکہ وہ یہ جان لے کہ کون اس کی اطاعت کرتا ہے اور کون نافرمان ہے۔ روز قیامت اس کے پاس بہت بڑا اجر ہے۔ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ...... وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ (آل عمران:14)۔

1۔ طبری، جلد 28، صفحہ 126-125

2۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۃ تغابن، جلد 12، صفحہ 208-207، تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 125-124، المعجم الکبیر، جلد 11، صفحہ 276-275

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوبریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ خطبہ ارشاد فرمارہے تھے کہ حسنین کریمین لڑکھڑاتے ہوئے آئے ان دونوں نے سرخ قمیصیں پہن رکھی تھیں حضور ﷺ منبر سے اترے انہیں اٹھایا اپنے سامنے بٹھایا اور فرمایا: اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا ہے کہ تمہارے اموال اور اولاد فتنہ ہیں۔ میں نے ان دو بچوں کو چلتے ہوئے لڑکھڑاتے دیکھا تو مجھے یارائے صبر نہ رہا حتیٰ کہ میں نے اپنی بات روک دی اور انہیں اٹھالیا(1)۔ اصحاب سنن نے اسے روایت کیا ہے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن غریب قرار دیا ہے(2)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اشعث بن قیس سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہونے والے کندہ کے وفد میں میں بھی شامل تھا۔ سرکار ﷺ نے پوچھا: "کیا تمہاری اولاد ہے؟" میں نے عرض کیا آپ کے پاس آتے ہوئے میرے ہاں جمد (3) کی بیٹی سے ایک لڑکا پیدا ہوا ہے۔ کاش اس کی بجائے کوئی کھانے کی چیز ہوتی آپ ﷺ نے فرمایا: ایسامت کہو۔ ان میں آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور اگر انتقال کر جائیں تو اجر ہے۔ پھر فرمایا: "میں نے وہ بات کہی تھی یہ بزدلی اور غم کا سبب بھی ہوتے ہیں(4)"۔ حافظ ابوبکر بزار رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیٹا دلوں کا پھل ہے۔ یہ بزدلی، بخل اور غمگینی کا باعث بھی ہے۔ بزار رحمۃ اللہ علیہ نے اسے غریب قرار دیا ہے(5)۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابومالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: تیرا دشمن وہ نہیں ہے جسے اگر تو قتل کر دیتا تو یہ تیرے لئے باعث کامرانی ہوتا اور اگر وہ تجھے قتل کر دیتا تو تو جنت میں جاتا۔ لیکن تیرا دشمن تو تیرا بچہ ہے جو تیری صلب سے نکلا ہے اور سب سے بڑھ کر تیرا دشمن تیرا مال ہے جو تیری ملکیت میں ہے(6)۔

قولہ تعالیٰ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ یعنی تمہاری کوشش اور طاقت کے مطابق جس طرح کے صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جب میں تمہیں کسی چیز کا حکم دوں تو بقدر استطاعت اسے بجالاؤ اور جس سے منع کردوں اس سے رک جاؤ(7)"۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ یہ آیت سورۂ آل عمران کی آیت: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (آل عمران: 102) الآیۃ کیلئے ناسخ ہے(8)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ آل عمران کی اس آیت کی تفسیر میں حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو قوم پر عمل کرنا دشوار ہو گیا۔ وہ لمبے لمبے قیام کرتے حتیٰ کہ پاؤں پر ورم آجاتا اور اتنے لمبے سجدے کرتے کہ پیشانیاں زخمی ہو جاتیں پھر اللہ نے مسلمانوں پر تخفیف کرتے ہوئے یہ آیت نازل فرمائی۔ اس نے پہلی آیت کو منسوخ کر دیا۔ ابوالعالیہ، زید بن اسلم، قتادہ، ربیع بن انس، سدی اور مقاتل بن حیان رحمہم اللہ تعالیٰ سے اسی طرح مروی ہے۔

وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا یعنی فرمانبردار ہو جاؤ اس بات میں جو اللہ اور اس کا رسول تمہیں حکم دیتا ہے۔ اس سے دائیں بائیں صرف نظر نہ

1۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 354

2۔ سنن ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 290، عارضۃ الاحوذی، ابواب المناقب، جلد 13، صفحہ 195-194، سنن نسائی، کتاب الجمعۃ، جلد 3، صفحہ 108، کتاب العیدین، جلد 3، صفحہ 192، سنن ابن ماجہ، کتاب اللباس، جلد 2، صفحہ 1190

3۔ اسد الغابۃ، جلد 1، صفحہ 349

4۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 211، المعجم الکبیر، جلد 1، صفحہ 236

5۔ کشف الاستار من زوائد البزار، کتاب البر والصلۃ، جلد 2، صفحہ 378

6۔ مجمع الزوائد، جلد 10، صفحہ 245

7۔ یہ حدیث سورۂ حشر آیت: 7 کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔

8۔ دیکھئے تفسیر سورۂ آل عمران آیت: 102

کرو۔ اللہ اور اس کے رسول کے سامنے پیش دستی نہ کرو اور ان کے احکام کی مخالفت نہ کرو اور جس چیز سے تمہیں روکا گیا ہے اس کا ارتکاب نہ کرو۔

وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ اللہ نے جو رزق تمہیں عطا فرمایا ہے، اس میں سے اقارب، فقراء، مساکین اور اصحاب حاجت پر خرچ کرو اور اللہ کی مخلوق سے حسن سلوک کرو، جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ فرمایا۔ یہ دنیا اور آخرت دونوں میں تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر تم ایسا نہ کرو تو یہ دنیا و آخرت دونوں میں تمہارے لئے برا ہے۔

وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ سورۂ حشر میں اس کی تفسیر اور متعلقہ احادیث بھی بیان ہو چکی ہیں (1)۔ ان کے اعادے کی اب ضرورت نہیں۔ و للہ الحمد و المنۃ۔

قولہ تعالیٰ اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا جو چیز تم خرچ کرو اللہ تمہیں اس کا بدل عطا فرمائے گا اور جو چیز صدقہ کرو، اس پر تمہیں جزا دینا لازم ہے اور یہ قرض کے قائم مقام ہے۔ جس طرح کہ صحیحین میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کون ہے جو ایسی ہستی کو قرض دے جو نہ تو ظالم ہے اور نہ مفلس (2)۔ اسی لئے فرمایا کہ وہ اسے تمہارے لئے بڑھا دیتا ہے جس طرح سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے: فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً (بقرہ:245)۔

يَغْفِرْ لَكُمْ یعنی گناہوں کو تم سے دور فرما دے گا۔

وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ قدردان، قلیل چیز پر بے شمار بدلہ عطا فرماتا ہے۔

حَلِيْمٌ عفو و درگزر کرنے اور پردہ پوشی کرنے والا ہے۔ گناہوں، لغزشوں، خطاؤں اور برائیوں سے تجاوز فرما لیتا ہے۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اس کی تفسیر متعدد مرتبہ گزر چکی ہے۔

سورۂ تغابن کی تفسیر ختم ہوئی۔

وللہ الحمد و المنۃ

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ حشر آیت:9

2۔ یہ حدیث سورۂ بقرۃ آیت:245 کی تفسیر میں گزر چکی ہے

سورۂ طلاق

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوۡہُنَّ لِعِدَّتِہِنَّ وَ اَحۡصُوا الۡعِدَّۃَ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ رَبَّکُمۡ ۚ لَا تُخۡرِجُوۡہُنَّ مِنۡۢ بُیُوۡتِہِنَّ وَ لَا یَخۡرُجۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ یَّاۡتِیۡنَ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ ؕ وَ تِلۡکَ حُدُوۡدُ اللّٰہِ ؕ وَ مَنۡ یَّتَعَدَّ حُدُوۡدَ اللّٰہِ فَقَدۡ ظَلَمَ نَفۡسَہٗ ؕ لَا تَدۡرِیۡ لَعَلَّ اللّٰہَ یُحۡدِثُ بَعۡدَ ذٰلِکَ اَمۡرًا ﴿۱﴾

''اے نبی (مکرم)! (مسلمانوں سے فرماؤ) جب تم (اپنی) عورتوں کو طلاق دینے کا ارادہ کرو تو انہیں طلاق دو ان کی عدت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور شمار کرو عدت کو اور ڈرتے رہا کرو اللہ سے جو تمہارا پروردگار ہے۔ نہ نکالو انہیں ان کے گھروں سے اور نہ وہ خود نکلیں بجز اس کے کہ وہ ارتکاب کریں کسی کھلی بے حیائی کا۔ اور یہ اللہ کی (مقرر کردہ) حدیں ہیں۔ اور جو تجاوز کرتا ہے اللہ کی حدوں سے تو بے شک اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ تجھے کیا خبر کہ اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی اور صورت پیدا کر دے''۔

اولاً تو حضور نبی کریم ﷺ سے تشریفاً و تکریماً خطاب کیا گیا پھر تبعاً امت سے خطاب کیا گیا۔ یعنی حکم ساری امت کے لئے ہے۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی تو وہ اپنے میکے آ گئیں۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور حکم دیا گیا کہ ان سے رجوع فرمائیں۔ وہ بہت زیادہ روزے رکھنے والی اور قیام کرنے والی ہیں اور جنت میں بھی آپ کی زوجہ ہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے قتادہ سے مرسلاً روایت کیا ہے(1)۔ متعدد روایات میں یہ بات مذکور ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دی اور پھر رجوع فرما لیا۔ بخاری میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دے دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے یہ ذکر کیا تو آپ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا: ''اسے چاہئے کہ رجوع کر لے پھر حیض سے پاک ہونے تک روکے رکھے۔ پھر جب دوسرا حیض آئے اور وہ اس سے پاک ہو جائے تو اگر جی میں آئے تو اسے طلاق دے دے مباشرت سے قبل۔ یہ وہ عدت ہے جس کے گزارنے کا اللہ نے حکم فرمایا ہے''۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے متعدد جگہ روایت کیا ہے۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے: ''یہ وہ عدت ہے جس کے مطابق اللہ نے عورتوں کو طلاق دینے کا حکم دیا ہے۔'' اصحاب کتب اور مسانید نے اسے متعدد طرق اور کثیر الفاظ سے روایت کیا ہے(2)۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 132

2۔ فتح الباری تفسیر سورۂ طلاق، جلد 8، صفحہ 653، کتاب الطلاق، جلد 9 صفحہ 484-482، 371، 356، 351، 345، سنن ابو داؤد، کتاب الطلاق، جلد 2، صفحہ 255 سنن نسائی، کتاب الطلاق، جلد 6، صفحہ 141-140۔ عارضۃ الاحوذی، جلد 5، صفحہ 125-123 سنن ابن ماجہ، کتاب الطلاق، جلد 1، صفحہ 252، فتح الباری، کتاب الاحکام، جلد 13، صفحہ 137-136، مسلم، کتاب الطلاق، جلد 2، صفحہ 1095

ان تفصیلات کا محل کتب احکام ہیں۔

مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے کہ عبدالرحمٰن بن ایمن نے جو عزہ کے مولیٰ ہیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا اس شخص کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں جس نے حالت حیض میں اپنی عورت کو طلاق دی ہے فرمایا: عہد رسالت میں ابن عمر نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دی تھی تو حضور ﷺ نے فرمایا: اسے چاہئے کہ رجوع کرلے۔ چنانچہ انہوں نے رجوع کرلیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جب پاک ہوجائے تو اسے طلاق دے یا اپنے پاس روک لے۔ ابن عمر نے فرمایا پھر حضور ﷺ نے سورۂ طلاق کی یہ آیت تلاوت فرمائی(1)۔

فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ یعنی ایسے طہر میں جس میں جماع نہ ہو۔ ابن عمر، عطاء، مجاہد، حسن، ابن سیرین، قتادہ، میمون بن مہران، مقاتل بن حیان رحمہم اللہ تعالیٰ سے اسی طرح مروی ہے۔ عکرمہ، ضحاک رحمہما اللہ تعالیٰ سے ایک روایت یہی ہے۔ علی بن ابی طلحہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حیض کی حالت میں اسے طلاق نہ دے اور نہ ایسے طہر میں جس میں اس سے مجامعت کی ہو۔ لیکن اسے چھوڑ دے یہاں تک کہ اسے حیض آئے اور وہ پاک ہوجائے تو اسے ایک طلاق دے دے(2)۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ عدت طہر ہے اور قرء سے مراد حیض ہے۔ اسے اس طرح طلاق دے کہ اس کا حمل ظاہر ہو اور نہ طلاق دے اس حالت میں جب اس پر چکر لگایا ہو اور یہ علم نہ ہو کہ یہ حاملہ ہے یا نہیں۔ یہاں سے ہی بعض علماء نے طلاق کے احکام کا استخراج کیا ہے اور اسے طلاق سنت اور طلاق بدعت میں تقسیم کیا ہے۔ طلاق سنت یہ ہے کہ طہر یعنی پاکیزگی کی حالت میں جماع کرنے سے قبل طلاق دے یا حمل کی حالت میں جب حمل ظاہر ہو اور طلاق بدعت یہ ہے کہ حالت حیض میں طلاق دے یا ایسے طہر میں جس میں اس سے مجامعت کرلی ہو اور یہ معلوم نہ ہو کہ حمل قرار پذیر ہوا ہے کہ نہیں اور تیسری طلاق جو نہ سنت ہے اور نہ بدعت۔ وہ چھوٹی بچی، سن ایاس کو پہنچی ہوئی اور غیر مدخولہ کو طلاق دینا ہے۔ اس کلام کی تفصیلات و دیگر مسائل کتب فروع میں مذکور ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ اسے یاد کرو اور اس کی ابتداء وانتہا کو پہچانو تا کہ عورت کی عدت طویل نہ ہوجائے اور نئی شادی سے اسے روک دے۔

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ...... یعنی عدت کے دوران اس کی رہائش خاوند کے ذمہ ہے۔ جب تک وہ عدت گزار رہی ہے کوئی آدمی اسے نہ تو نکال سکتا ہے اور نہ اس عورت کے لئے یہ جائز ہے۔

اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ یعنی انہیں گھروں سے نہ نکالو مگر جب عورت کھلے عام بے حیائی کا ارتکاب کرے تو اسے گھر سے نکال دیا جائے گا۔ کھلی برائی سے مراد حرام کاری ہے جس طرح کہ حضرت ابن مسعود، ابن عباس، سعید بن مسیب، شعبی، حسن، ابن سیرین، مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، ابو قلابہ، ابو صالح، ضحاک، زید بن اسلم، عطاء خراسانی، سدی اور سعید بن ابو ہلال رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کا یہی قول ہے۔ اور اس بات کو بھی شامل ہے کہ عورت نافرمانی کرے یا خاوند کے رشتہ داروں سے بدزبانی سے پیش آئے یا انہیں اپنے طرز عمل اور گفتگو سے تکلیف دے جس طرح کہ ابی بن کعب، ابن عباس اور عکرمہ وغیرہ سے مروی ہے۔

حُدُوْدُ اللّٰهِ اس کی شریعتیں اور حرام کردہ امور۔

وَمَنْ يَّتَعَدَّ یعنی ان سے نکلے اور تجاوز کرے اور ان پر عمل پیرا نہ ہو۔

1۔ مسلم، کتاب الطلاق، جلد 2، صفحہ 1098 2۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 132-129

ظَلَمَ نَفْسَهٗ یعنی اپنے اس فعل سے۔

قول تعالیٰ لَا تَدْرِیْ لَعَلَّ اللّٰهَ یُحْدِثُ...... یعنی ہم نے مطلقہ عورت کو دوران عدت خاوند کے گھر میں اس لئے رکھا ہے شاید اسے اپنے کئے پر ندامت ہو اور اللہ اس کے دل میں رجوع کا خیال ڈال دے یہ اس کے لئے زیادہ آسان اور سہل ہے۔ زہری رحمۃ اللہ علیہ نے فاطمہ بنت قیس سے روایت کیا ہے کہ "امر" سے مراد یہاں رجوع ہے(1)۔ شعبی، عطاء، قتادہ، ضحاک، مقاتل بن حیان اور ثوری رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا ہے۔ اسی سے بعض سلف اور ان کے اتباع جیسے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے یہ مذہب اختیار کیا ہے کہ جس عورت کو طلاق بائنہ دی گئی ہو یا جس کا خاوند فوت ہو چکا ہو اس کے لئے رہائش دینا لازمی نہیں۔ انہوں نے حدیث فاطمہ بنت قیس فہریہ پر اعتماد کیا ہے کہ جب ان کے خاوند ابوعمرو بن حفص نے آخری تیسری طلاق بھی دے دی۔ وہ اس وقت یہاں موجود نہ تھے بلکہ یمن میں تھے۔ اور وہیں سے طلاق دی تھی اور اپنے وکیل کے ہاتھ اس کے لئے کچھ جو بھیجے یعنی بطور نفقہ تو یہ ناراض ہوئیں۔ اس نے کہا: تمہارا نفقہ ہمارے ذمہ نہیں۔ وہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئیں تو حضور ﷺ نے فرمایا: "تیرے لئے اس کے ذمے نفقہ نہیں۔" مسلم کی روایت میں ہے: "اور نہ رہائش۔" اور انہیں حکم دیا کہ ام شریک کے گھر اپنی عدت گزاریں۔ پھر فرمایا: وہاں تو میرے صحابہ اکثر آیا جایا کرتے ہیں تم ابن ام مکتوم کے ہاں عدت گزارو۔ وہ نابینا ہیں۔ وہاں تم کپڑے الگ بھی رکھ سکتی ہو(2)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسری سند سے دوسرے الفاظ سے عامر سے روایت کیا ہے کہ میں مدینہ آیا اور فاطمہ بنت قیس کے پاس گیا تو اس نے مجھے بتایا کہ اس کے خاوند نے عہد نبوی میں اسے طلاق دے دی تھی۔ حضور ﷺ نے ایک سریہ میں اسے بھیجا تھا۔ فرمایا اس کے بھائی نے مجھے گھر سے نکل جانے کا حکم دیا۔ میں نے کہا عدت کے خاتمے تک میرے لئے نان ونفقہ اور رہائش ہے۔ اس نے انکار کر دیا۔ میں حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوئی اور سارا واقعہ گوش گزار کیا تو آپ نے اسے فرمایا: "آل قیس کی بیٹی سے تمہیں کیا ہے؟" اس نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میرے بھائی نے اسے تینوں طلاقیں دے دی ہیں۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا: "اے آل قیس کی صاحبزادی! دیکھو خاوند کے ذمے عورت کا نفقہ اور رہائش اس وقت ہوتی ہے جب اسے رجوع کا حق حاصل رہے اور جب رجعت کا حق نہ ہو تو نفقہ وسکنی بھی نہیں ملے گا۔ چلی جا اور فلاں عورت کے پاس ٹھہر جا۔ پھر فرمایا اس کے ساتھ لوگوں کی بات چیت ہوتی ہے تو ابن ام مکتوم کے پاس جا وہ نابینا ہیں وہ تمہیں دیکھ نہیں پائیں گے۔ اور مکمل حدیث بیان فرمائی(3)"۔ ابوالقاسم طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے شعبی سے روایت کیا ہے کہ یہ فاطمہ بنت قیس، ضحاک بن قیس قرشی کی بہن تھی۔ ان کے خاوند ابوعمرو بن حفص نے لشکر کے ہمراہ یمن جاتے ہوئے طلاق دے دی۔ انہوں نے خاوند کے اولیاء سے نفقہ وسکنی طلب کیا تو انہوں نے کہا نہ تو تمہارے خاوند نے کچھ بھیجا ہے اور نہ ہمیں اس کا حکم دیا ہے۔ وہ حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوئیں تو حضور ﷺ نے فرمایا: عورت کو نفقہ وسکنی اس وقت ملتا ہے جب اس کے خاوند کو رجوع کا حق ہو اور جب وہ اس کے لئے اس وقت تک حلال نہ ہو سکے جب تک دوسرے سے نکاح کے بعد جدا نہ ہو جائے تو اس کو نان ونفقہ اور رہائش بھی نہیں ملے گی۔ نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے(4)۔

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّ اَشْهِدُوْا ذَوَیْ

1۔ درمنثور، جلد 8، صفحہ 194 2۔ مسلم، کتاب الطلاق، جلد 2، صفحہ 1114 3۔ مسند امام احمد، جلد 6، صفحہ 374-373

4۔ المعجم الکبیر، جلد 24، صفحہ 383-382، سنن نسائی، کتاب الطلاق، جلد 6، صفحہ 144، الجرح والتعدیل، جلد 4، صفحہ 74

عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَ اَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ۭ ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۬ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۭ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ۭ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۝

''تو جب وہ پہنچنے لگیں اپنی میعاد کو تو روک لو انہیں بھلائی کے ساتھ یا جدا کر دو انہیں بھلائی کے ساتھ اور گواہ مقرر کر لو دو معتبر آدمی اپنے میں سے اور گواہی ٹھیک ٹھیک اللہ کے واسطے دو۔ ان باتوں سے نصیحت کی جاتی ہے اس شخص کو جو ایمان رکھتا ہو اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر اور جو (خوش بخت) ڈرتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ سے بنا دیتا ہے اللہ اس کے لئے نجات کا راستہ۔ اور اسے (وہاں سے) رزق دیتا ہے جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوتا۔ اور جو (خوش نصیب) اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو اس کے لئے وہ کافی ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کرنے والا ہے۔ مقرر کر رکھا ہے اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے لئے ایک اندازہ''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب معتدہ عورتوں کی عدت ختم ہونے والی ہو لیکن ابھی کلیۃً ختم نہ ہوئی ہو تو اس وقت خاوند کو اسے روکنے کا عزم کرنا چاہئے یعنی رجعت کر کے پہلا نکاح قائم رکھے۔

بِمَعْرُوْفٍ اپنی صحبت میں رکھ کر اس پر احسان کرتے ہوئے یا پھر اس سے الگ ہونے کا عزم کر لے معروف کے ساتھ یعنی بغیر سرزنش، یا وہ گوئی اور گالی گلوچ کئے بلکہ خوبصورت اور اچھے انداز سے اسے رخصت کرے۔

وَّ اَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ نکاح، طلاق اور رجوع میں دو عادل گواہ لازمی ہیں جس طرح کہ اس آیت میں حکم دیا گیا ہے۔ ہاں اگر عذر ہو تو اور بات ہے۔

ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ یعنی گواہ مقرر کرنے اور گواہیاں قائم کرنے کا جو حکم ہم نے تمہیں دیا ہے اس پر عمل درآمد وہی کرتا ہے جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ یہ اللہ کا حکم ہے اور دارِ آخرت میں اللہ کے عذاب سے ڈرتا ہے۔ اسی بنا پر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک قول میں رجعت میں گواہی قائم کرنا لازم قرار دیتے ہیں جس طرح ابتدائے نکاح میں یہ ضروری ہے۔ علماء کے ایک فریق کی یہی رائے ہے۔ اس مذہب کے حامی علماء کا کہنا ہے کہ رجعت صرف قول سے ہی صحیح ہے تا کہ اس پر گواہ بنائے جا سکیں۔

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا جو اللہ کے اوامر و نواہی کا خیال رکھتا ہے، اللہ اس کے لئے نجات کا راستہ نکال دیتا ہے اور اسے وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں سے اسے گمان تک نہیں ہوتا یعنی اس کے دل میں یہ خیال تک نہیں ہوتا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے مجھے یہ آیت سنائی اور جب فارغ ہوئے تو ارشاد فرمایا: ''اے ابوذر! اگر سارے لوگ اس پر عمل کرنا شروع کر دیں تو یہ آیت ان سب کے لئے کافی ہو جائے''۔ پھر اس آیت کو دہراتے رہے حتیٰ کہ مجھے اونگھ آ گئی۔ پھر فرمایا: اے ابوذر! تم کیا کرو گے جب تمہیں مدینہ سے نکال دیا جائے گا؟ میں نے عرض کیا کشادگی اور فراخی کی طرف میں چلا جاؤں گا اور مکہ کا کبوتر بن جاؤں گا۔ فرمایا: جب تمہیں مکہ سے نکال دیا جائے گا تو پھر کیا کرو گے؟ میں نے عرض کیا خوشحالی اور فراخی کی طرف ملک شام اور ارض مقدسہ کی طرف۔ فرمایا: اور کیا کرو گے جب تمہیں شام سے نکال دیا جائے گا۔ میں نے عرض کیا مجھے اس ذات کی قسم جس نے حق کے ساتھ آپ کو مبعوث فرمایا ہے تب تو میں اپنی تلوار اپنے کندھے پر رکھ لوں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس سے بہتر بھی کوئی بات ہے۔ میں

نے عرض کیا۔ کیا اس سے بہتر بھی کوئی بات ہے؟ فرمایا تو سنے گا اور اطاعت کرے گا اگرچہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو(1)۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے شتیر بن شکل سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے سنا کہ قرآن میں سب سے جامع آیت یہ ہے: اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (النحل:90)۔ اور سب سے زیادہ کشادگی کا وعدہ اس آیت میں ہے: وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا(2)۔

مسند میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو بکثرت استغفار کرتا رہے اللہ تعالیٰ ہر غم سے نجات اور ہر تنگی پر آسودگی عطا فرماتا ہے اور اسے وہاں سے رزق دیتا ہے کہ اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتا(3)۔ اس آیت کی تفسیر میں علی بن ابی طلحہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ وہ دنیا و آخرت میں ہر کرب سے اسے نجات دیتا ہے۔ ربیع بن خثیم رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ہر وہ چیز جو لوگوں کے لئے تنگی کا باعث ہو اس پر فراخی عطا فرماتا ہے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جو اللہ کے حکم کے مطابق طلاق دیتا ہے اللہ اس کے لئے مشکلات سے نکلنے کی راہ پیدا فرما دیتا ہے۔ حضرت ضحاک اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی مروی ہے۔ ابن مسعود اور مسروق رحمہما اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ وہ جانتا ہے کہ اگر اللہ چاہے عطا فرماتا ہے اور اگر چاہے تو روک دیتا ہے۔ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ سے مراد یہ ہے کہ اس طرح کہ اسے علم تک نہیں ہوتا۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ موت کے وقت کرب اور تمام امور کے شبہات سے بچا لیتا ہے اور روزی اس جگہ سے دیتا ہے جہاں سے اسے امید بھی نہیں ہوتی(4)۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں اللہ سے ڈرنے سے مراد یہ ہے کہ سنت کے مطابق طلاق دے اور سنت کے مطابق رجوع کرلے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اصحاب رسول میں سے ایک صحابی حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ کے بیٹے کو مشرکین نے گرفتار کرلیا۔ یہ ان کے ہاں تھا۔ اس کے والد حضور ﷺ کی بارگاہ میں آتے اور اپنے بیٹے کی حالت اور مشکلات بیان کرتے رہتے۔ حضور ﷺ انہیں صبر کی تلقین فرماتے اور ارشاد فرماتے: اللہ تعالیٰ چھٹکارے کی کوئی صورت پیدا فرمادے گا۔ تھوڑا عرصہ ہی گزرا تھا کہ ان کا بیٹا دشمن کے ہاتھ سے نکل بھاگا۔ گزرتے ہوئے دشمن کی بکریوں کا ایک ریوڑ بھی ہانک کرلے آیا اور اپنے باپ کے پاس پہنچ گیا۔ یہ مال غنیمت بھی اس کے پاس تھا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح روایت کیا ہے(5)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: بندہ گناہ کے سبب رزق سے محروم ہو جاتا ہے۔ تقدیر کو ٹالنے والی چیز صرف دعا ہے اور عمر میں اضافہ کرنے والی چیز صرف نیکی ہے۔ نسائی اور ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسی طرح روایت کیا ہے(6)۔ محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت مالک اشجعی رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میرا بیٹا عوف گرفتار ہو گیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اسے کہلا بھیجو کہ بکثرت ''لا حول ولا قوۃ'' پڑھا کرے۔ انہوں نے اسے قِدٌ (چمڑے کا کوڑا، رسا) سے باندھ رکھا تھا۔ ایک دن یہ گر گئی تو وہ باہر نکل آئے۔ وہاں ان کی ایک اونٹنی تھی اس پر سوار ہو کر آئے۔ راستے میں ان کے اونٹ ہنکا لئے۔ ان لوگوں نے تعاقب کیا لیکن بے سود۔ اچانک گھر کے دروازے پر دستک دی۔ باپ نے کہا رب کعبہ کی قسم! یہ عوف ہے۔ ماں نے کہا ہائے مصیبت عوف کس طرح آئے گا وہ بیچارہ تو رسیوں میں بندھا ہوا ہے۔ دونوں دوڑ کر دروازے کی طرف آئے اور خادم بھی۔

1۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 179-178　2۔ یہ حدیث سورۂ نحل آیت: 90 کی تفسیر میں گزر چکی ہے، المعجم الکبیر، جلد 9، صفحہ 143-142

3۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 248　4۔ درمنثور، جلد 8، صفحہ 195　5۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 138

6۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 277، سنن کبریٰ، کتاب الرقائق، بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 2، صفحہ 133، سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، جلد 2، صفحہ 1334

اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ عوف دروازے پر کھڑا ہے صحن کو اونٹوں سے بھر دیا ہے۔ اس نے اپنے باپ کو اپنا اور اونٹوں کا قصہ سنایا۔ باپ نے کہا ٹھہرو میں حضور ﷺ سے اونٹوں کی بابت پوچھ کر آؤں۔ چنانچہ وہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عوف کی آمد اور اونٹ چھین کر لانے کا واقعہ سنایا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ان کے ساتھ جو چاہو کرو اور وہی کرو جو تم اپنے مال کے ساتھ کرتے ہو۔ تو یہ آیت نازل ہوئی (1)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو ہر طرف سے علیحدہ ہو کر اللہ کا ہو جائے تو اللہ اس کی ہر ضرورت میں اسے کافی ہو جاتا ہے اور وہاں سے اسے رزق سے نوازتا ہے کہ اس کے وہم و گمان میں بھی یہ چیز نہیں ہوتی۔ اور جو دنیا کی طرف کلیۃً متوجہ ہو جاتا ہے اللہ اسے اسی کے حوالے کر دیتا ہے (2)۔

قولہ وَمَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ وہ ایک دن حضور ﷺ کے پیچھے سوار تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے بچے! میں تمہیں چند کلمات سکھانے والا ہوں۔ اللہ کو یاد رکھ وہ تمہیں یاد رکھے گا۔ اللہ کو یاد رکھ تو اسے اپنے سامنے پائے گا۔ جب مانگ تو اللہ سے مانگ، جب مدد طلب کرے تو اللہ سے ہی مدد طلب کر اور تو جان لے کہ ساری امت اگر مل کر تمہیں نفع پہنچانا چاہے تو تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے مگر وہی چیز جو رب نے تیرے لئے لکھی ہے اور اگر وہ تمہیں نقصان پہنچانے کا ارادہ کر لیں تو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر وہی چیز جو اللہ نے تیرے مقدر میں لکھ دی ہے۔ قلم اٹھا لئے گئے اور صحیفے خشک ہو چکے۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے (3)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جسے کوئی حاجت ہو اور وہ اسے لوگوں کے سامنے پیش کرے تو وہ اس بات کا سزاوار ہے کہ اس کی ضرورت آسان نہ کی جائے اور جو اللہ کی بارگاہ میں اسے پیش کرے تو جلد یا بدیر اس کی حاجت ضرور پوری ہوتی ہے (4)۔

اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ اپنے قضایا اور احکام کو اپنی مخلوق پر جس طرح چاہے پورا فرمانے والا ہے۔

قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا جیسے ایک اور آیت میں ہے: وَكُلُّ شَیْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ (رعد: 8)۔

وَ الّٰٓئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآىٕكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّ الّٰٓئِیْ لَمْ یَحِضْنَ ؕ وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ وَ مَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ یُسْرًا ۝۴ ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗۤ اِلَیْكُمْ ؕ وَ مَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یُكَفِّرْ عَنْهُ سَیِّاٰتِهٖ وَ یُعْظِمْ لَهٗۤ اَجْرًا ۝۵

"اور تمہاری (مطلقہ) عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہوں اگر تمہیں شبہ ہو تو ان کی عدت تین ماہ ہے۔ اور اسی طرح ان کی بھی جنہیں ابھی حیض آیا ہی نہیں۔ اور حاملہ عورتوں کی میعاد ان کے بچہ جننے تک ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہتا ہے تو وہ اس کے کام میں آسانی پیدا فرما دیتا ہے۔ یہ اللہ کا حکم ہے جو اس نے تمہاری طرف نازل کیا ہے اور جو اللہ سے ڈرتا رہتا ہے اللہ تعالیٰ دور کر دیتا ہے اس کی برائیوں کو اور (روزِ قیامت) اس کے اجر کو بڑا کر دے گا"۔

1۔ درمنثور، جلد 8، صفحہ 197 2۔ درمنثور، جلد 8، صفحہ 198

3۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 293، عارضۃ الاحوذی، ابواب صفۃ القیامۃ، جلد 9، صفحہ 320-319 نیز یہ حدیث سورۂ زمر آیت: 38 کی تفسیر میں گزر چکی ہے

4۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 442

آیسہ کی عدت کا بیان ہو رہا ہے۔ یہ وہ عورت ہے جس کا حیض کبر سنی کی وجہ سے منقطع ہو چکا ہو۔ اس کی عدت تین ماہ ہے جبکہ حائضہ کی عدت تین قروء ہے۔ جس طرح سورۂ بقرہ والی آیت میں بیان کیا گیا ہے(1)۔ اسی طرح وہ چھوٹی بچیاں جو ابھی حیض کی عمر کو نہیں پہنچیں، ان کی عدت بھی آیسہ کی طرح تین ماہ ہے۔

قولہ تعالیٰ اِنِ ارْتَبْتُمْ اس میں دو قول ہیں: (۱) سلف کے ایک گروہ کی رائے یہی ہے جیسے مجاہد، زہری، ابن زید رحمہم اللہ تعالیٰ۔ یعنی اگر وہ خون دیکھیں اور تمہیں اس کے حیض یا استحاضہ ہونے کے بارے میں شبہ ہو۔ (۲) دوسرا قول یہ ہے کہ تمہیں ان کی عدت کے حکم میں شبہ ہو اور تم اسے نہ پہچان سکو تو یہ تین ماہ ہے۔ سعید بن جبیر سے یہی مروی ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے پسند کیا ہے۔ معنی کے اعتبار سے یہی زیادہ ظاہر ہے۔ اس کی تائید حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! کچھ عورتوں کی عدت کا بیان قرآن میں نہیں ہے۔ چھوٹی بچی، عمر رسیدہ اور حاملہ عورتیں تو یہ آیت نازل ہوئی(2)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ذرا تفصیل سے بیان کیا ہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ مدینہ کے کچھ لوگ سورۂ بقرہ کی عدت والی آیت کے نزول کے بعد کہتے ہیں کہ بعض عورتوں کی عدت کا بیان قرآن میں نہیں ہے۔ چھوٹی، عمر رسیدہ جس کا حیض منقطع ہو چکا ہو اور حاملہ۔ تو سورۂ نساء قصری (طلاق) کی یہ آیت نازل ہوئی(3)۔

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ جو عورت حاملہ ہو اس کی عدت وضع حمل ہے اگرچہ طلاق کے بعد ہو یا خاوند کی وفات کے اتنی دیر بعد جتنی دیر اونٹنی کے دوسری بار دوہنے کے لئے کرتے ہیں۔ جمہور علماء سلف و خلف کی یہی رائے ہے جس طرح کہ آیت کریمہ اور سنت مبارکہ میں ہے۔ حضرات علی، ابن عباس رضی اللہ عنہم اس طرف گئے ہیں کہ بیوہ عورت أبعد الأجلين یعنی دونوں عدتوں میں سے وہ عدت گزارے گی جو زیادہ طویل ہو۔ اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے اور سورۂ بقرہ کی آیت سے۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابوسلمہ سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ اس وقت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تشریف فرما تھے۔ اس نے پوچھا مجھے اس عورت کے بارے میں بتایئے جس نے اپنے خاوند کی موت کی چالیس راتوں کے بعد بچہ جن دیا ہے۔ آپ نے فرمایا دونوں عدتوں میں سے طویل۔ ابوسلمہ نے کہا قرآن میں حاملہ کی عدت وضع حمل ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اپنے بھتیجے ابوسلمہ کے ساتھ ہوں۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنا غلام کریب ام سلمہ کے پاس بھیجا۔ تو آپ نے فرمایا سبیعہ اسلمیہ کا خاوند فوت ہو گیا تھا۔ یہ حاملہ تھیں۔ انہوں نے اپنے خاوند کی وفات کے بعد چالیس راتیں گزرنے کے بعد بچہ جن دیا۔ منگنی کی اور حضور ﷺ نے ان کا نکاح پڑھایا۔ ابو سنابل منگنی کرنے والوں میں شامل تھے۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت مختصراً اسی طرح ذکر کی ہے۔ مسلم و بخاری رحمہما اللہ تعالیٰ اور اصحاب کتب نے اسے دیگر سندوں سے مطول بھی روایت کیا ہے(4)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے مسور بن مخرمہ سے روایت کیا ہے کہ سبیعہ اسلمیہ کا خاوند فوت ہو گیا یہ حاملہ تھیں۔ چند راتوں کے بعد انہوں نے بچہ جن دیا۔ جب نفاس ختم ہوا تو انہوں نے منگنی کی اور حضور ﷺ سے نکاح کی اجازت طلب کی۔ آپ ﷺ نے اجازت دی تو انہوں نے نکاح کر لیا(5)۔ اسے بخاری

1۔ تفسیر سورۂ بقرۃ آیت: 228　　2۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 141　　3۔ فتح الباری، جلد 8، صفحہ 254، روح المعانی، جلد 28، صفحہ 128

4۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ طلاق، جلد 8، صفحہ 653، کتاب المغازی، جلد 7، صفحہ 310 کتاب الطلاق، جلد 9، صفحہ 470-469، مسلم، کتاب الطلاق، جلد 2، صفحہ 1122، سنن ابو داؤد، کتاب الطلاق، جلد 2، صفحہ 393، عارضۃ الاحوذی، کتاب الطلاق، جلد 5، صفحہ 171-169، نسائی، کتاب الطلاق، جلد 6، صفحہ 197-190، ابن ماجہ کتاب الطلاق، جلد 1، صفحہ 654-653، مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 327　　5۔ ایضاً مرجع مذکور

رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح میں اور مسلم، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے متعدد طرق سے روایت کیا ہے۔ مسلم بن حجاج نے عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ سے روایت کیا ہے کہ ان کے والد محترم نے عمر بن عبداللہ بن ارقم زہری کو لکھا کہ سبیعہ بنت حارث اسلمیہ کے پاس جائیں اور ان سے ان کا واقعہ اور حضور ﷺ نے اس پر جو حکم فرمایا تھا دریافت کر کے لکھ بھیجیں۔ چنانچہ عمر بن عبداللہ نے انہیں لکھا کہ سبیعہ نے انہیں بتایا ہے کہ وہ سعد بن خولہ کے نکاح میں تھیں۔ یہ بدری صحابی تھے۔ حجۃ الوداع میں ان کا انتقال ہو گیا۔ میں اس وقت حاملہ تھی۔ تھوڑے ہی دنوں کے بعد بچہ پیدا ہو گیا۔ نفاس سے پاک ہو کر میں نے منگنی کے لئے خوبصورت کپڑے پہنے۔ ابوسنابل بن بعکک آئے اور پوچھا تمہیں کیا ہے بناؤ سنگار کیوں کر رکھا ہے شاید تو نکاح کرنا چاہتی ہے۔ اللہ کی قسم چار ماہ دس دن سے قبل تو نکاح نہیں کر سکتی۔ سبیعہ نے کہا یہ سن کر میں نے کپڑے سمیٹے اور شام کو حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوگئی۔ میں نے آپ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا وضع حمل کے بعد میں پاک ہو چکی ہوں اور اگر چاہوں تو مجھے نکاح کی اجازت ہے(1)۔ بایں الفاظ یہ روایت مسلم کی ہے۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے مختصراً ذکر فرمایا ہے(2)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں پہلی حدیث نقل کرنے کے بعد محمد ابن سیرین سے روایت کرتے ہیں کہ میں ایک مجلس میں تھا جس میں عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ بھی تھے۔ ان کے ساتھی ان کی بہت تعظیم کیا کرتے تھے۔ انہوں نے حاملہ کی عدت دونوں میں سے طویل عدت بتائی۔ میں نے سبیعہ بنت حارث والی حدیث بیان کی ان کے بعض اصحاب نے مجھے خاموش ہونے کا اشارہ کیا۔ محمد کہتے ہیں میں سمجھ گیا اور میں نے کہا پھر تو میں بڑی جرأت والا ہوں اگر میں عبداللہ پر بہتان باندھوں حالانکہ وہ کوفہ میں موجود ہیں۔ پس وہ ذرا شرما گئے اور کہنے لگے لیکن ان کے چچا یہ تو نہیں کہتے۔ میں ابوعطیہ مالک بن عامر سے ملا اور پوچھا تو انہوں نے مجھے سبیعہ والی پوری حدیث سنائی۔ میں نے کہا کیا تم نے اس بارے میں عبداللہ سے بھی کچھ سنا ہے؟ فرمایا: ہم عبداللہ کے پاس تھے۔ فرمایا: کیا تم اس پر سختی کرتے ہو اور رخصت نہیں دیتے ہو؟ سورۂ نساء قصری یعنی سورۂ طلاق سورۂ نساء طولی کے بعد اتری ہے(3)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے مختصراً اسی طرح روایت کیا ہے اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر میں محمد بن سیرین سے یہی روایت کیا ہے(4)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ہی علقمہ بن قیس سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو ملاعنہ کرنا چاہے میں اس بات پر اس سے ملاعنہ کرنے کو تیار ہوں کہ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ ....(طلاق:4) والی آیت متوفی عنها زوجها (بیوہ) والی آیت کے بعد نازل ہوئی۔ فرمایا: جب عورت اپنے خاوند کی وفات کے بعد بچہ جن دے تو اس کی عدت پوری ہوگئی۔ متوفی عنها زوجها والی آیت سے مراد وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا (بقرہ:234) ہے۔ نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے(5)۔ ابن جریر نے شعبی رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے سامنے دونوں عدتوں کے مسئلے کا ذکر کیا گیا تو فرمایا جو چاہے میں اس کے سامنے اللہ کی قسم اٹھانے کو تیار ہوں کہ یہ آیت جو کہ سورۂ نساء قصری میں ہے یہ چار ماہ دس دن والی آیت کے بعد اتری۔ پھر فرمایا حاملہ کی عدت یہ ہے کہ اس کے پیٹ میں جو بچہ ہے اسے جن دے(6)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے مسروق سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو یہ خبر ملی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں عدتوں میں سے أطول کا فتویٰ دیتے ہیں تو فرمایا: جو چاہے میں اس کے ساتھ ملاعنہ کرنے کو تیار ہوں کہ سورۂ نساء قصریٰ والی آیت سورۂ بقرہ کے بعد نازل

1۔ ایضاً مرجع مذکور　2۔ ایضاً مرجع مذکور　3۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ طلاق، جلد 8، صفحہ 654

4۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 143-142، سنن کبریٰ، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 7، صفحہ 137

5۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 142، سنن نسائی، کتاب الطلاق، جلد 6، صفحہ 197-196　6۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 143

ہوئی۔ ابوداؤد اور ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے روایت کیا ہے(1)۔ عبداللہ بن امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ حاملہ عورتوں کی عدت کا جو بیان ہے یہ تین طلاق والیوں کی عدت ہے یا جس کا خاوند فوت ہو چکا ہو۔ فرمایا یہ دونوں کی ہے(2)۔ یہ حدیث بہت غریب بلکہ منکر ہے کیونکہ اس کی اسناد میں مثنی بن صباح ہے وہ بالکل متروک الحدیث ہے۔ لیکن ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ایک دوسری سند سے روایت کیا ہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو میں نے حضور ﷺ سے عرض کی: مجھے معلوم نہیں یہ آیت مشترک ہے یا مبہم۔ حضور ﷺ نے پوچھا کون سی آیت؟ میں نے عرض کی اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (طلاق:4) بیوہ اور مطلقہ۔ فرمایا: ''ہاں۔'' ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ہی ایک دوسری روایت میں ذکر کیا ہے کہ ابی بن کعب نے عرض کی میں نے حضور ﷺ سے آیت وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ...... (طلاق:4) کے بارے میں استفسار کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہر حاملہ کی عدت وضع حمل ہے(3)۔'' لیکن اس سند میں عبدالکریم ضعیف ہے اس نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا۔

مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا...... اس کا امر اس پر آسان فرماتا ہے اسے جلد کشادگی اور فراخی نصیب فرماتا ہے۔

اَمْرُ اللّٰهِ یعنی اپنا حکم اور شریعت حضور ﷺ کے واسطہ سے تمہاری طرف اتارا۔

يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ ممنوع چیز ختم ہو جاتی ہے اور تھوڑے عمل پر بلا حساب اجر ملتا ہے۔

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ؕ وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗۤ اُخْرٰى ۞ لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّاۤ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَاۤ اٰتٰىهَا ؕ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۞

''انہیں ٹھہراؤ جہاں تم خود سکونت پذیر ہو اپنی حیثیت کے مطابق اور انہیں ضرر نہ پہنچاؤ تاکہ تم انہیں تنگ کرو۔ اور اگر وہ حاملہ ہوں تو ان پر خرچ کرتے رہو، یہاں تک کہ وہ بچہ جنیں۔ پھر اگر وہ (بچے کو) دودھ پلائیں تمہاری خاطر تو تم انہیں ان کی اجرت دو، اور (اجرت کے بارے میں) آپس میں مشورہ کرلیا کرو دستور کے مطابق۔ اور اگر تم آپس میں طے نہ کرسکو تو اسے کوئی دوسری دودھ پلائے۔ خرچ کرے وسعت والا اپنی وسعت کے مطابق۔ اور وہ، تنگ کر دیا گیا ہے جس پر اس کا رزق تو وہ خرچ کرے اس سے جو اللہ نے اسے دیا ہے۔ اور تکلیف نہیں دیتا اللہ تعالیٰ کسی کو مگر اس قدر جتنا اسے دیا ہے۔ عنقریب اللہ تعالیٰ تنگی کے بعد فراخی دے دے گا''۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم فرما رہا ہے کہ ان میں سے کوئی اگر اپنی بیوی کو طلاق دے تو اسے عدت کے خاتمے تک اپنے گھر میں

1۔ سنن ابوداؤد، کتاب الطلاق، جلد 2، صفحہ 293، ابن ماجہ، کتاب الطلاق، جلد 1، صفحہ 654

2۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 116 3۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 143

ٹھہرائے۔

حَيْثُ سَكَنْتُمْ یعنی تمہارے پاس۔

مِّنْ وُّجْدِكُمْ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا قول ہے یعنی تمہاری وسعت حتیٰ کہ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اگر زیادہ وسعت نہ ہو تو کمرے کے کونے میں اسے ٹھہرائے۔

وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ...... مقاتل بن حیان رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اسے تنگ نہ کرے کہ وہ اپنا مال فدیہ دے یا گھر سے چلی جائے۔ ابوالضحیٰ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اسے طلاق دی اور عدت کے خاتمے میں دو روز باقی تھے کہ رجوع کر لیا۔

فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ...... کثیر علماء جن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، سلف کا ایک گروہ اور خلف کی ایک جماعت شامل ہے کی رائے ہے کہ یہ حکم اس عورت کا ہے جو خاوند سے جدا ہونے والی ہو یعنی اسے طلاق بائنہ دی گئی ہو۔ اگر حاملہ ہے تو وضع حمل تک اسے نفقہ دے۔ کیونکہ بالاتفاق رجعی طلاق میں نفقہ دینا واجب ہے خواہ وہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ۔ بعض دیگر علماء کی رائے ہے کہ یہ سیاق کلام سارے کا سارا رجعی طلاق والی عورتوں کے بارے میں ہے اور حاملہ کو نفقہ دینے پر نص قائم کی گئی ہے اگرچہ رجعی طلاق والی ہو کیونکہ حمل کی مدت اکثر طویل ہو جاتی ہے۔ تو وضع حمل تک نفقہ کے وجوب پر نص کی ضرورت تھی تا کہ یہ وہم نہ ہو کہ نفقہ صرف عدت کی مقدار کے مطابق واجب ہے۔ پھر اس بات میں علماء کا اختلاف ہے کہ نفقہ حمل کے واسطہ سے ہے یا صرف حمل کے لئے؟ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ سے اس بارے میں دو قول مروی ہیں اور اس اختلاف پر کثیر مسائل مستنبط ہوتے ہیں جو علم فروع میں مذکور ہیں۔

فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ یعنی جب مطلقہ عورتیں بچہ جن دیں تو عدت کے خاتمے کے ساتھ ہی وہ اپنے خاوندوں سے جدا ہو چکی ہیں۔ اس وقت اسے اختیار ہے کہ بچے کو دودھ پلائے یا انکار کر دے لیکن اسے پہلی دفعہ کا دودھ ضرور پلانا چاہئے کیونکہ بچے کا انحصار اکثر اس پر ہوتا ہے۔ اگر وہ دودھ پلائے تو اجرت مثلی کی حقدار ہے۔ وہ اس کے باپ یا ولی سے معاہدہ کر سکتی ہے خواہ جس قدر اجرت پر راضی ہو جائیں۔ اسی لئے یہاں ان کی اجرت ادا کرنے کا حکم دیا گیا۔

وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ تمہارے باہمی امور دستور اور رواج کے مطابق ہونے چاہئیں۔ نہ اسے نقصان ہو اور نہ وہ آپ کو ضرر پہنچانے کی کوشش کرے۔ جس طرح سورۂ بقرہ میں ہے: لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ (بقرہ:233)۔

قولہ تعالیٰ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗٓ اُخْرٰى اگر مرد اور عورت میں اختلاف ہو جائے اور عورت رضاعت کی زیادہ اجرت طلب کرے اور خاوند تسلیم نہ کرے یا وہ کم اجرت دینے پر مصر ہے اور وہ اس سے موافقت نہیں کرتی۔ اگر ماں اتنی اجرت پر راضی ہو جائے جو اجنبی عورت کو دی جا رہی ہے تو ماں کا حق زیادہ ہے۔

لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ یعنی مولود پر اس کا والد یا ولی اپنی قدرت کے مطابق خرچ کرے۔

مَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ...... جیسے ایک اور آیت میں ہے: لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (بقرہ:286)۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ابوسنان سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ابوعبیدہ کے بارے میں پوچھا تو پتہ چلا وہ موٹا کپڑا پہنتے ہیں، سخت غذا کھاتے ہیں۔ آپ نے ایک ہزار دینار ان کی طرف بھیجے اور قاصد سے فرمایا: دیکھنا وہ اس رقم سے کیا کرتے ہیں؟ تھوڑی ہی دیر میں آپ نے ہلکے کپڑے پہنے اور اچھی خوراک کھائی۔ قاصد نے آکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خبر کی تو فرمایا: اللہ

ان پر رحم فرمائے انہوں نے اس آیت کی تاویل کی ہے: لِيُنْفِقْ ذُوْسَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ……(1)۔

حافظ ابوالقاسم طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے معجم کبیر میں حضرت ابومالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے ان کا اسم گرامی حارث تھا۔ فرماتے ہیں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: تین افراد تھے۔ ایک کے پاس دس دینار تھے اس نے ایک دینار خرچ کر دیا دوسرے کے پاس دس اوقیہ تھے اس نے ایک اوقیہ صدقہ کر دیا۔ تیسرے کے پاس سو اوقیہ تھے اس نے دس اوقیہ صدقہ کر دیئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: وہ سب اجر میں برابر ہیں۔ ہر ایک نے اپنے مال کا دسواں حصہ صدقہ کر دیا ہے۔ ارشاد باری ہے: لِيُنْفِقْ ذُوْسَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ……(2)۔ یہ حدیث بہت غریب ہے۔

سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا یہ اللہ کا وعدہ ہے اور اس کا وعدہ سچا ہوتا ہے وہ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ اسی طرح ایک دوسری آیت میں ہے: فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا (الم نشرح: 6-5)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث روایت کی ہے اسے ذکر کر دینا یہاں بہت مناسب ہوگا آپ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اگلے زمانے میں ایک مرد اور عورت فقر و فاقہ کی زندگی گزار رہے تھے ایک مرتبہ یہ شخص سفر سے واپس آیا وہ بھوک سے بے تاب اپنی عورت کے پاس گیا اور پوچھا کھانے کی کوئی چیز ہے؟ اس نے کہا ہاں خوشخبری ہو۔ اللہ کا دیا ہوا رزق ہمارے پاس آ پہنچا ہے۔ اس نے کہا تیری ہلاکت ہو مجھے بھوک لگی ہے اگر تیرے پاس کچھ ہے تو لاؤ۔ بیوی نے کہا تھوڑی دیر اور صبر کر لو ہمیں اللہ کی رحمت سے امید ہے حتیٰ کہ جب کافی دیر گزر گئی تو کہنے لگا تیرا برا ہو! اگر تیرے پاس کچھ ہے تو لاؤ۔ میں تو بھوک سے مرا جا رہا ہوں۔ بیوی نے کہا ہاں ابھی تنور میں پک رہا ہے جلدی نہ کرو۔ وہ تھوڑی دیر خاموش ہو گیا اور بیوی نے اس کے دوبارہ بولنے سے قبل ہی کہہ دیا۔ اٹھ کر تنور دیکھتی ہوں وہ اٹھی اور دیکھا کہ اس کا تنور بکری کے پہلو کے گوشت سے پر ہے اور اس کی دونوں چکیاں آٹا پیس رہی ہیں۔ وہ چکی کی طرف گئی اسے جھاڑا اور تنور میں جو گوشت تھا نکال لیا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں ابوالقاسم کی جان ہے حضور ﷺ نے یہ فرمایا: ''اگر وہ چکیوں سے آٹا نکال لیتی اور انہیں نہ جھاڑتی تو یہ دونوں قیامت تک چلتی رہتیں(3)''۔ ایک دوسری جگہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آدمی اپنے گھر گیا۔ دیکھا کہ بھوک سے ان کا برا حال ہے۔ وہ جنگل کی طرف نکل کھڑا ہوا اس کی بیوی نے چکی کو درست کیا اور تنور میں لکڑیاں ڈالیں۔ اسے گرم کیا۔ پھر کہا اے اللہ ہمیں رزق دے اس نے دیکھا کہ پیالہ گوشت سے پر ہے۔ تنور کی طرف گئی وہ بھی بھرا ہوا تھا۔ خاوند واپس آیا اور پوچھا میرے بعد کچھ ملا۔ بیوی نے کہا ہاں اللہ کی طرف سے۔ وہ اٹھا اور چکی کی طرف متوجہ ہوا۔ حضور ﷺ سے یہ بات ذکر کی گئی تو آپ نے فرمایا: اگر وہ اس کا پاٹ نہ اٹھاتا تو قیامت تک یہ چلتی رہتی(4)۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ۝ فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ۝ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ ۚۖ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۛؕ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۝ رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ

1۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 149　2۔ المعجم الکبیر، جلد 3، صفحہ 392
3۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 421　4۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 513

الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِؕ وَ مَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَ يَعْمَلْ صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًاؕ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا۝

''کتنی بستیاں تھیں جنہوں نے سرتابی کی اپنے رب کے حکم سے اور اس کے رسولوں (کے فرمان) سے تو ہم نے بڑی سختی سے ان کا محاسبہ کیا اور ہم نے انہیں بھاری سزا دی۔ پس انہوں نے اپنے کرتوتوں کا وبال چکھا۔ اور ان کے کام کا انجام نرا خسارہ تھا۔ تیار کر رکھا ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایک سخت عذاب۔ پس اللہ سے ڈرتے رہا کرو اے دانشمندو! جو ایمان لائے ہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تمہاری طرف ذکر۔ ایک ایسا رسول جو پڑھ کر سناتا ہے تمہیں اللہ کی روشن آیتیں تاکہ نکال لے جائے انہیں جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے اندھیروں سے نور کی طرف۔ اور جو ایمان لاتا ہے اللہ پر اور نیک عمل کرتا ہے تو وہ اس کو داخل فرمائے گا باغات میں جن کے نیچے نہریں رواں ہیں جن میں وہ لوگ تا ابد رہیں گے۔ بلاشبہ اللہ نے اس (مومن) کو بہترین رزق عطا فرمایا''۔

اللہ تعالیٰ اسے وعید سنا رہے ہیں جس نے اس کے امر کی مخالفت کی اس کے رسولوں کو جھٹلایا اور غیر مشروع راستے پر چلا کہ اس وجہ سے سابقہ امتوں پر کیا عذاب آیا تھا۔

عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا سرکشی اختیار کی اور اللہ کے امر کی اتباع اور اس کے رسولوں کی متابعت سے تکبر کیا۔

عَذَابًا نُّكْرًا منکراً۔ خوفناک۔

وَبَالَ اَمْرِهَا مخالف کا انجام اور نادم ہوئے جبکہ اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔

وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا یعنی دار آخرت اور اس کے ساتھ ساتھ دنیا میں ان پر جو عذاب آیا۔ ان لوگوں کی خبر بیان کرنے کے بعد فرمایا: فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ یعنی صحیح سمجھ والو! ان کی طرح نہ ہو جاؤ کہ تمہیں بھی وہ عذاب آ لے جو ان پر آیا تھا۔

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اللہ اور اس کے رسول کی تصدیق کی۔

قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا یعنی قرآن جیسے ایک اور آیت میں ہے: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر: 9)۔

اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ بعض نے رسول کو بدل اشتمال ہونے کی وجہ سے منصوب پڑھا ہے۔ کیونکہ رسول نے ہی ذکر پہنچایا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ صحیح یہ ہے کہ رسول ذکر کا ترجمہ یعنی تفسیر ہے (1)۔

مُبَيِّنٰتٍ یعنی اس حال میں کہ یہ واضح اور جلی ہیں۔

لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا جیسے ایک اور آیت میں ہے: كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (ابراہیم: 1) اور فرمایا: اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ (بقرہ: 257)۔ یعنی کفر و جہالت کی ظلمات سے نور ایمان اور علم کی طرف۔ اللہ نے وحی کو بھی نور قرار دیا کیونکہ اس کے ساتھ ہدایت ملتی ہے جس طرح اسے ''روح'' کا نام دیا کیونکہ اس میں دلوں کی زندگی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ...... اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (شوریٰ: 52)۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 152

وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا...... اس کی تفسیر متعدد مرتبہ گزر چکی ہے اس کے اعادے کی ضرورت نہیں۔ وللہ الحمد والمنۃ۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ۭ يَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ڏ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ۝

''اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان پیدا فرمائے اور زمین کو بھی انہی کی مانند۔ نازل ہوتا رہتا ہے حکم ان کے درمیان تا کہ تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر کامل قدرت رکھتا ہے۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا اپنے علم سے احاطہ کر رکھا ہے''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی قدرت تامہ اور سلطان عظیم ہونے کے بارے میں خبر دے رہے ہیں تا کہ دین قویم کی تعظیم کا باعث ہو۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ جس طرح حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں یہ خبر دیتے ہوئے فرمایا کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا: اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا (نوح:15) اور فرمایا تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ (اسراء:44)۔

قولہ تعالیٰ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ اسی کی مثال زمینیں ہیں یعنی سات۔ جیسا کہ صحیحین کی حدیث میں ہے: ''جس نے ظلم کر کے ایک بالشت زمین ہتھیالی اسے سات زمینوں کا طوق پہنایا جائے گا''۔ صحیح بخاری میں ہے: ''اسے ساتویں زمین تک دھنسا دیا جائے گا''۔ میں نے اس کے طرق، الفاظ اور ان کی نسبت کو البدایۃ والنہایۃ میں زمین کی تخلیق کے بیان میں ذکر کیا ہے(1)۔ وللہ الحمد والمنۃ۔ جس نے اس سے مراد سات اقلیم لئے ہیں اس نے لا حاصل مساعی کی ہے اور بلا دلیل قرآن وحدیث کی مخالفت کی ہے۔ سورۂ حدید میں آیت کریمہ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ (حدید:3) کے تحت سات زمینوں اور ان کے درمیان بعد کا ذکر ہو چکا ہے اور ہر ایک کی موٹائی پانچ سو سال کی مسافت ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ نے یہی کہا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں اسی طرح ہے:

''ساتوں آسمان اور جو کچھ ان میں اور ان کے مابین ہے اور ساتوں زمینیں اور جو کچھ ان میں اور ان کے درمیان ہے کرسی کے مقابلے میں ایسے ہیں جیسے کسی چٹیل میدان میں چھلا پڑا ہوا ہو(2)''۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اگر میں تمہیں اس آیت کی تفسیر بتاؤں تو تم ضرور کفر کرو گے اور تمہارا کفر کرنا اسے جھٹلانا ہے۔ سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کی اس آیت کا مطلب کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ نے فرمایا: میں کیسے یہ باور کرلوں کہ جو کچھ میں تجھے بتاؤں گا تم اسے مان لو گے؟ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ بروایت ابی الضحیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ہر زمین میں مثل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اور اس زمین کی مخلوق کی طرح ہے۔ ابن مثنی رحمۃ اللہ علیہ والی روایت میں آیا ہے کہ ہر آسمان میں ابراہیم ہے(3)۔

بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے الأسماء و الصفات میں یہ اثر بروایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ذرا تفصیل سے نقل کیا ہے: اس میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''سات زمینیں ہیں۔ ہر زمین میں اسی طرح کا پیغمبر ہے جیسے تمہاری زمین پر آیا۔ مثلاً آدم آدم کی طرح، نوح نوح کی طرح، ابراہیم ابراہیم کی طرح اور عیسیٰ عیسیٰ کی طرح''(4)۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ہی ایک دوسری روایت میں بروایت ابوالضحیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ ہر زمین میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح پیغمبر

1۔ فتح الباری، کتاب المظالم، جلد 5، صفحہ 103، کتاب بدء الخلق، جلد 6، صفحہ 293-292، مسلم، کتاب المساقاۃ، جلد 3، صفحہ 1232-1230، البدایۃ والنہایۃ، جلد 1، صفحہ 16

2۔ یہ حدیث سورۂ بقرۃ آیت: 255 کی تفسیر میں گزر چکی ہے 3۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 153 4۔ الاسماء والصفات، جلد 2، صفحہ 131

ہے۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس کی اسناد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ تک صحیح ہے۔ لیکن یہ بالکل شاذ ہے۔ میں نہیں جانتا کہ ابوضحیٰ کی کوئی متابع ہے یا نہیں۔ واللہ اعلم (1)۔ امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی الدنیا قرشی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''التفکر والاعتبار'' میں عثمان بن ابی دھرش سے روایت کیا ہے کہ مجھے خبر ملی ہے کہ حضور ﷺ اپنے صحابہ کے پاس تشریف لائے تو وہ خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ کوئی بات چیت نہ کر رہے تھے۔ حضور ﷺ نے پوچھا: ''تمہیں کیا ہو گیا ہے تم بولتے کیوں نہیں ہو'' انہوں نے عرض کیا ہم اللہ کی مخلوق میں غور وفکر کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ٹھیک مخلوق کے بارے میں غور وفکر کرو اور خالق میں غور وفکر نہ کرنا۔ مغرب کی طرف ایک سفید زمین ہے۔ اس کا نور اس کی سفیدی ہے۔ یا فرمایا اس کی سفیدی اس کا نور ہے۔ سورج کی رفتار سے چالیس سال کا راستہ ہے۔ وہاں اللہ کی ایک مخلوق ہے جنہوں نے آنکھ جھپکنے کے برابر بھی کبھی اللہ کی نافرمانی نہیں کی۔ صحابہ نے عرض کیا پھر شیطان ان سے کہاں ہے فرمایا: وہ نہیں جانتے شیطان پیدا بھی ہوا یا نہیں۔ پوچھا کیا وہ اولادِ آدم سے ہیں؟ فرمایا وہ نہیں جانتے کہ آدم پیدا ہوئے ہیں یا نہیں۔

یہ حدیث مرسل اور بہت منکر ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے عثمان بن ابی دہرش کا ذکر اپنی کتاب میں کیا ہے۔ (2)

سورۂ طلاق کی تفسیر ختم ہوئی۔

وللہ الحمد والمنۃ

1۔ الاسماء والصفات، جلد 2، صفحہ 132-131
2۔ ابن ابی حاتم: الجرح والتعدیل، جلد 6، صفحہ 149

سورۂ تحریم

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبۡتَغِيۡ مَرۡضَاتَ اَزۡوَاجِكَ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ① قَدۡ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمۡ تَحِلَّةَ اَيۡمَانِكُمۡ ۚ وَاللّٰهُ مَوۡلٰٮكُمۡ ۚ وَهُوَ الۡعَلِيۡمُ الۡحَكِيۡمُ ② وَاِذۡ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعۡضِ اَزۡوَاجِهٖ حَدِيۡثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتۡ بِهٖ وَاَظۡهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيۡهِ عَرَّفَ بَعۡضَهٗ وَاَعۡرَضَ عَنۡۢ بَعۡضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتۡ مَنۡ اَنۡۢبَاَكَ هٰذَا ؕ قَالَ نَبَّاَنِيَ الۡعَلِيۡمُ الۡخَبِيۡرُ ③ اِنۡ تَتُوۡبَاۤ اِلَى اللّٰهِ فَقَدۡ صَغَتۡ قُلُوۡبُكُمَا ۚ وَاِنۡ تَظٰهَرَا عَلَيۡهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوۡلٰٮهُ وَجِبۡرِيۡلُ وَصَالِحُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۚ وَالۡمَلٰٓئِكَةُ بَعۡدَ ذٰلِكَ ظَهِيۡرٌ ④ عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنۡ طَلَّقَكُنَّ اَنۡ يُّبۡدِلَهٗۤ اَزۡوَاجًا خَيۡرًا مِّنۡكُنَّ مُسۡلِمٰتٍ مُّؤۡمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّاَبۡكَارًا ⑤

"اے نبی (مکرم) آپ کیوں حرام کرتے ہیں اس چیز کو جسے اللہ نے آپ کے لئے حلال کر دیا ہے (کیا یوں) آپ اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیا ہے تمہارے لئے تمہاری قسموں کی گرہ کھولنے کا طریقہ (یعنی کفارہ) اور اللہ ہی تمہارا کارساز ہے۔ اور وہی سب کچھ جاننے والا بہت دانا ہے۔ اور (یہ واقعہ بھی یاد رکھنے کے لائق ہے) جب نبی کریم نے رازداری سے اپنی ایک بیوی کو ایک بات بتائی۔ پھر جب اس نے (دوسری کو) راز بتا دیا (تو) اللہ نے آپ کو اس پر آگاہ کر دیا آپ نے (اس بیوی کو) کچھ بتا دیا اور کچھ سے چشم پوشی فرمائی۔ پس جب آپ نے اس کو اس پر آگاہ کیا تو اس نے پوچھا آپ کو اس کی خبر کس نے دی ہے۔ فرمایا مجھے اس نے آگاہ کیا ہے جو علیم وخبیر ہے۔ اگر تم دونوں اللہ کے حضور توبہ کرو اور تمہارے دل بھی (توبہ کی طرف) مائل ہو چکے ہیں۔ (تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے) اور اگر تم نے ایکا کر لیا آپ کے مقابلہ میں تو (خوب جان لو) کہ اللہ تعالیٰ آپ کا مددگار ہے، جبریل اور نیک بخت مومنین بھی آپ کے مددگار ہیں اور ان کے علاوہ سارے فرشتے بھی مدد کرنے والے ہیں۔ کچھ بعید نہیں کہ اگر نبی کریم تم سب کو طلاق دے دیں تو آپ کا رب تمہارے عوض آپ کو ایسی بیبیاں عطا فرما دے جو تم سے بہتر ہوں گی پکی مسلمان، ایمان والیاں، فرمانبردار، توبہ کرنے والیاں، عبادت کرنے والیاں، روزہ دار کچھ پہلے بیاہیاں اور کچھ کنواریاں"۔

اس سورت کے ابتدائی حصے کے شانِ نزول کے بارے میں اختلاف ہے۔ ایک قول ہے کہ یہ سیدہ ماریہ رضی اللہ عنہا کی شان میں

نازل ہوئی۔ حضور ﷺ نے انہیں اپنے اوپر حرام کرلیا تھا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ ابوعبدالرحمٰن نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ کی ایک لونڈی تھی جس سے آپ جنسی استفادہ فرماتے۔ حضرت عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما اس کے پیچھے پڑی رہیں حتیٰ کہ حضور ﷺ نے اسے اپنے اوپر حرام کرلیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔(1)

ابن جریر نے زید بن اسلم رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی کسی زوجہ محترمہ کے گھر میں ام ابراہیم سے مجامعت فرمائی تو انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! میرے گھر میں اور میرے بستر پر۔ تو حضور ﷺ نے اسے اپنے اوپر حرام قرار دے لیا تو انہوں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! آپ حلال چیز کو حرام کیوں ٹھہراتے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے قسم اٹھائی کہ آئندہ کبھی اس سے ازدواجی تعلق نہ رکھیں گے تو یہ آیت اتری۔

حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ آپ کا ''تو مجھ پر حرام ہے'' کہنا لغو ہے(2) عبدالرحمٰن بن زید رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی مروی ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے اسے فرمایا تو مجھ پر حرام ہے بخدا میں تم سے جنسی تعلقات نہ رکھوں گا(3)۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے مسروق سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ایلاء کیا اور حرام قرار دیا تو آپ کو حرام ٹھہرانے پر عتاب کیا گیا اور قسم کا کفارہ ادا کرنے کا حکم دیا گیا۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح روایت کیا ہے اور قتادہ، شعبی اور بہت سے سلف جن میں ضحاک، حسن، قتادہ اور مقاتل بن حیان رحمہم اللہ تعالیٰ ہیں وغیرہ سے یہی مروی ہے اور عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ طویل واقعہ نقل کیا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے استفسار کیا یہ دونوں عورتیں کون تھیں؟ فرمایا حضرت عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما اور بات کا آغاز اس سے ہوا کہ حضور ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر، ان کی باری میں ام ابراہیم سے مقاربت فرمائی۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا غصے میں آگئیں اور عرض کیا میرے ساتھ آپ نے وہ کام کیا جو آپ نے ازواج مطہرات میں سے کسی کے ساتھ نہیں کیا۔ میرے دن، میری باری میں اور میرے بستر پر۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تو راضی نہیں کہ میں اسے ہمیشہ کے لئے اپنے آپ پر حرام کرلوں؟ انہوں نے عرض کیا کیوں نہیں چنانچہ آپ نے اسے اپنے اوپر حرام کرلیا اور فرمایا: کسی سے اس بات کا ذکر مت کرنا۔ لیکن انہوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ساری بات بتادی تو یہ آیات نازل ہوئیں۔ چنانچہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا اور لونڈی سے ہم بستری کی(4)۔ ہیثم بن کلیب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: کسی کو نہ بتانا، ام ابراہیم مجھ پر حرام ہے۔ انہوں نے عرض کیا آپ اس چیز کو حرام ٹھہراتے ہیں جسے اللہ نے آپ کے لئے حلال قرار دیا ہے؟ فرمایا: اللہ کی قسم میں اس کے قریب نہیں جاؤں گا۔ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ اس کے قریب نہ گئے حتیٰ کہ سیدہ حفصہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ بات بتادی تو یہ آیات اتریں۔ اس کی اسناد صحیح ہے۔ اصحاب کتب ستہ میں سے کسی نے اسے روایت نہیں کیا۔ حافظ ضیاء مقدسی نے اپنی کتاب 'المستخرج' میں اسے ہی پسند کیا ہے(5)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے جو شخص یہ کہے کہ فلاں چیز

1۔ سنن کبریٰ، کتاب عشرۃ النساء، بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 1، صفحہ 129 حاکم: کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 493
2۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 155
3۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 156
4۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 158
5۔ درمنثور، جلد 8، صفحہ 216

مجھ پر حرام ہے تو اس پر قسم کا کفارہ لازم ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (احزاب:21) کا استدلال یہ تھا کہ حضور ﷺ نے لونڈی کو اپنے اوپر حرام قرار دیا تو یہ آیات نازل ہوئیں تو آپ نے قسم کا کفارہ ادا فرمایا یعنی حرام کو آپ نے قسم قرار دیا(1)۔

بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت سعید بن جبیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے حرام کہنا یمین ہے اور اس پر کفارہ لازم ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ...... مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے(2)۔ نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت سعید بن جبیر یہ روایت کیا ہے کہ ایک آدمی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور کہا میں نے اپنی بیوی کو اپنے اوپر حرام قرار دیا ہے تو آپ نے فرمایا: تو نے جھوٹ بولا وہ تجھ پر حرام نہیں ہے۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ ...... اور اس آدمی کو فرمایا: تجھ پر سخت ترین کفارہ یعنی غلام آزاد کرنا ہے۔ نسائی رحمۃ اللہ علیہ اس روایت میں بایں الفاظ منفرد ہیں(3)۔ طبرانی نے بروایت مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی لونڈی اپنے اوپر حرام قرار دی(4)۔ اسی سے استدلال کرتے ہوئے بعض فقہاء نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ جو شخص اپنی لونڈی یا بیوی یا کھانے یا مشروب یا لباس یا کسی اور مباح چیز کو اپنے اوپر حرام کرلے تو اس پر کفارہ واجب ہو جاتا ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ایک گروہ کا یہی مذہب ہے جبکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس طرف گئے ہیں کہ بیوی یا لونڈی کو حرام قرار دے تو اس پر تو کفارہ ہے لیکن کسی اور چیز کو حرام کہنے سے کفارہ لازم نہیں آتا۔ تاہم لفظ تحریم سے بیوی کو طلاق ہو جائے گی یا اس لفظ سے لونڈی کو آزاد کیا تو آزاد ہو جائے گی۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ...... اس عورت کے بارے میں نازل ہوئی جس نے اپنا آپ حضور ﷺ کو بخش دیا تھا۔ یہ قول غریب ہے اور صحیح یہ ہے کہ یہ آیت شہد کو اپنے اوپر حرام قرار دینے کی وجہ سے نازل ہوئی۔ جس طرح کہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ہاں شہد نوش فرمایا کرتے۔ اس طرح آپ ﷺ کا قیام ان کے ہاں طویل ہو جاتا۔ میں نے اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہما نے یہ طے کیا کہ پہلے حضور ﷺ جس کے پاس بھی تشریف فرما ہوں وہ آپ سے عرض کرے: کیا آپ نے مغافیر تناول فرمایا ہے۔ آپ ﷺ کے منہ سے مغافیر کی بو آرہی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: میں نے مغافیر تو نہیں کھایا البتہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ہاں شہد پیا تھا۔ اس کے بعد میں شہد نہیں پیوں گا۔ میں نے یہ قسم اٹھالی ہے تم کسی سے اس کا ذکر نہ کرنا(5)۔ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ۔

یہ حدیث یہاں انہی الفاظ سے مروی ہے اور کتاب الایمان والنذور میں یہ روایت کچھ زیادتی کے ساتھ ہے۔ اس میں ہے کہ عورتوں سے مراد بھی سیدہ عائشہ اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہما ہیں اور خاموشی سے بات کہنا بھی یہی تھا کہ میں نے شہد پیا ہے۔ کتاب الطلاق میں اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ مغافیر گوند کی طرح ایک چیز ہے جو رمث نامی درخت میں ہوتی ہے۔ اس میں مٹھاس ہوتی ہے۔ کہا جاتا ہے أغفر الرمث: جب اس میں وہ چیز ظاہر ہو جائے۔ اس کا واحد مغفور ہے۔ مغافیر بھی

1۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 157
2۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ تحریم، جلد 8، صفحہ 656، مسلم، کتاب الطلاق، جلد 2، صفحہ 1100
3۔ سنن نسائی، کتاب الطلاق، جلد 6، صفحہ 151، سنن کبریٰ کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 4، صفحہ 415
4۔ المعجم الکبیر، جلد 11، صفحہ 86
5۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ تحریم، جلد 8، صفحہ 656

کہا جاتا ہے(1)۔

جوہری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ مغفور عُشَر، ثُمَام، سَلَم اور طلح میں بھی ہوتی ہے۔ رِمث یہ نمکین کڑوا درخت ہوتا ہے اسے اونٹ کھاتے ہیں اور عرفط کانٹے دار درخت ہے اس سے بھی مغفور حاصل ہوتی ہے۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں کتاب الطلاق میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت ذکر فرمائی ہے۔ اس کے الفاظ وہی ہیں جو بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الأیمان والنذور میں ہیں(2)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الطلاق میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ کو حلویٰ (میٹھی چیز) اور شہد پسند تھا۔ عصر کے بعد آپ ﷺ ازواج مطہرات کے پاس تشریف لاتے اور کسی سے ہم آغوش ہوتے۔ آپ ﷺ حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا کے پاس داخل ہوئے۔ معمول سے کچھ زیادہ دیر ہوگئی۔ مجھے غیرت ہوئی۔ تحقیق کی تو پتہ چلا کہ ان کی قوم کی ایک عورت نے انہیں کچھ شہد ہدیہ کیا تھا۔ حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے وہ حضور ﷺ کو پیش کیا آپ نے نوش فرمایا۔ میں نے کہا اللہ کی قسم میں کوئی حیلہ کروں گی۔ میں نے حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے طے کیا کہ جب سرکار ﷺ تمہارے پاس جلوہ فرما ہوں اور جب آپ تمہارے قریب آئیں تو تم کہنا کیا آپ نے مغافیر تناول فرمایا ہے۔ آپ ﷺ فرمائیں گے نہیں تو تم کہنا پھر آپ ﷺ کے منہ سے بو کس چیز کی آرہی ہے؟ آپ ﷺ فرمائیں گے حفصہ نے شہد پلایا ہے تو تم کہنا شاید مکھی نے عرفط نامی درخت سے کشید کیا ہوگا۔ میرے پاس آئیں گے تو میں بھی یہی کہوں گی۔ اے صفیہ تم بھی اسی طرح کہنا۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آپ ﷺ دروازے پر ہی آئے تھے تو میں نے ارادہ کیا کہ جو کچھ تم نے مجھے کہا ہے وہ آپ سے کہہ دوں، تمہارے ڈر کی وجہ سے۔ جب آپ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کے قریب آئے تو حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کیا آپ نے مغافیر کھایا ہے؟ فرمایا: "نہیں"۔ پوچھا کہ آپ کے منہ سے بو کس چیز کی آرہی ہے؟ فرمایا: حفصہ نے شہد پلایا تھا۔ عرض کیا شاید مکھی نے عرفط درخت سے چوسا ہوگا۔ آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے انہوں نے بھی یہی کیا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے تو انہوں نے بھی یہی کہا۔ جب اگلی بار حفصہ کے پاس تشریف لائے تو انہوں نے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ! کیا میں آپ کو اس سے پلا نہ دوں۔ آپ نے فرمایا: مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں اللہ کی قسم افسوس ہم نے اسے حرام کیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: خاموش رہ(3)۔ یہ الفاظ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں یہ زیادتی بھی ہے کہ حضور ﷺ کو بدبو سے سخت نفرت تھی۔ اسی لئے ازواج مطہرات نے کہا آپ نے مغافیر کھایا ہے کیونکہ اس کی بساند ہوتی ہے۔ جب سرکار ﷺ نے فرمایا میں نے شہد پیا ہے تو انہوں نے جواب دیا پھر اس مکھی نے عرفط درخت کو چوسا ہوگا۔ جس کے گوند کا نام مغافیر ہے۔ اس کے اثر سے شہد میں بو ظاہر ہوگئی(4)۔ اس روایت میں لفظ جَرَسَتْ ہے۔ جوہری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے معنی یہ کئے ہیں کہ مکھی نے کھایا۔ جرست النحل العرفط تجرس إذا أكلته۔ اسی نسبت سے شہد کی مکھیوں کو بھی جوارس کہتے ہیں۔ شاعر کا قول ہے:

تَظَلُّ عَلَى الثَّمْرَاءِ مِنْهَا جَوَارِسُ......

کہا جاتا ہے سَمِعْتُ جَرْسَ الطَّيْرِ جب پرندہ کوئی چیز کھا رہا ہو اور اس کی چونچ کی آواز سنائی دے۔

1۔ فتح الباری، کتاب الایمان والنذور، جلد 11، صفحہ 574، کتاب الطلاق، جلد 9، صفحہ 374

2۔ ایضاً مرجع مذکور، مسلم، کتاب الطلاق، جلد 2، صفحہ 1100 3۔ فتح الباری، کتاب الطلاق، جلد 9، صفحہ 375-374

4۔ مسلم، کتاب الطلاق، جلد 2، صفحہ 1102-1101

حدیث شریف میں ہے: ''فیسمعون جَرَسَ طَیْرِ الجَنَّۃ'' ۔ وہ جنتی پرندوں کی ہلکی آوازیں سنیں گے۔ اصمعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ میں شعبہ کی مجلس میں تھا انہوں نے لفظ جرس کو جرش یعنی شین کے ساتھ پڑھا۔ میں نے کہا سین کے ساتھ ہے۔ حضرت شعبہ رحمۃ اللہ علیہ نے میری طرف دیکھا اور فرمایا: ان سے اصلاح لو یہ ہم سے زیادہ جانتے ہیں۔ الغرض اس سیاق کلام میں ہے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا شہد پلانے والی تھیں ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے شہد پلایا اور حضرت عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما نے یہ پلان تیار کیا۔ واللہ اعلم۔ کہا جاتا ہے کہ یہ دو واقعات ہیں۔ اس میں کوئی بعد نہیں مگر ان واقعات کو آیت کے نزول کا سبب قرار دینا محل نظر ہے۔ واللہ اعلم۔ اس بات کی دلیل کہ باہمی اتفاق کرنے والیاں سیدہ عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما تھیں وہ روایت ہے جسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ مجھے یہ اشتیاق تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ازواج مطہرات میں سے ان دو عورتوں کے بارے میں پوچھوں جن کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے: اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا پس جب آپ حج کے لئے تشریف لے چلے تو میں بھی آپ کے ہمراہ تھا۔ راستے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک جگہ ہمیں چھوڑ کر ایک طرف چلے۔ میں بھی لوٹا لئے پیچھے تھا۔ آپ ضروری حاجت سے فارغ ہوئے۔ میرے پاس آئے میں نے آپ کے ہاتھوں پر پانی ڈالا آپ نے وضو فرمایا: اس وقت میں نے عرض کیا: امیر المؤمنین! ازواج مطہرات میں سے کن دو کے بارے میں یہ آیت ہے؟ آپ نے فرمایا اے ابن عباس! افسوس۔ زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کا سوال ناگوار گزرا لیکن آپ نے اسے چھپایا نہیں اور فرمایا حضرت عائشہ وحفصہ رضی اللہ عنہما۔ پھر آپ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) نے واقعہ بیان کرنا شروع کیا کہ ہم قریش اپنی عورتوں کو قابو میں رکھتے تھے۔ جب ہم مدینہ آئے تو ہم نے ایسی قوم (انصار) کو دیکھا جن کی عورتیں ان پر حاوی تھیں۔ ان کی دیکھا دیکھی ہماری عورتوں نے بھی ہم پر غلبہ پانا چاہا۔ میرا گھر مدینہ شریف کے بالائی حصے (عوالی) میں دار بنی امیہ بن زید میں تھا۔ ایک دن مجھے اپنی عورت پر غصہ آ گیا تو یہ مجھ سے تکرار کرنے لگی۔ مجھے یہ بات بری لگی۔ انہوں نے کہا: میرے جواب دینے پر تعجب نہ کرو اللہ کی قسم حضور ﷺ کی ازواج بھی آپ سے بحث مباحثہ کرتی ہیں اور بعض اوقات دن بھر کے لئے ناراض بھی ہو جاتی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نکلا اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا اور پوچھا کیا تم حضور ﷺ کو جواب دیتی ہو؟ اس نے کہا ہاں۔ میں نے پوچھا تم میں سے کوئی کبھی سارا سارا دن حضور ﷺ سے روٹھ بھی جاتی ہے؟ اس نے جواب دیا یہ سچ ہے۔ میں نے کہا تم میں سے جس نے بھی یہ کیا ہے وہ خائب وخاسر ہے۔ تمہیں کیا یقین ہے کہ حضور ﷺ کے غصہ کی وجہ سے اللہ تم سے ناراض نہیں ہوگا اور تو ہلاک ہو جائے۔ خبردار آئندہ حضور ﷺ کو کوئی جواب نہ دینا اور نہ آپ سے کوئی چیز مانگنا۔ جو مانگنا ہو مجھ سے مانگ لیا کرو۔ تمہیں یہ بات دھوکے میں نہ ڈالے کہ تمہاری پڑوسن تم سے زیادہ خوبصورت یا حضور ﷺ کو زیادہ محبوب ہے۔ ان کی مراد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھی۔ فرمایا: میرا ایک انصاری پڑوسی تھا۔ ہم باری باری حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے ایک دن وہ وہاں گزارتا اور ایک دن میں۔ وہ مجھے وحی وغیرہ تمام چیزیں آ کر بتا دیتا اور میں اسے۔ ان دنوں یہ بات گردش کر رہی تھی کہ غسانی بادشاہ اپنے گھوڑوں کو نعل لگوا رہا ہے تا کہ ہم پر حملہ آور ہو۔ ایک دن میرے ساتھی کی باری تھی۔ اس نے عشاء کے وقت میرا دروازہ کھٹکھٹایا اور مجھے آواز دی۔ میں باہر نکلا تو اس نے کہا آج بڑی بات ہوگئی۔ میں نے پوچھا کیا غسانی بادشاہ آ گیا۔ اس نے کہا نہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر، حضور ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کو طلاق دے دی ہے۔ میں نے کہا حفصہ خائب و خاسر ہوگئی۔ میں گمان کرتا تھا کہ ایسا ہو کر رہے گا۔ حتیٰ کہ جب میں نے صبح کی نماز ادا کی تو کپڑے لے کر باہر نکلا اور حفصہ کے پاس آیا۔ وہ

رو رہی تھی میں نے پوچھا کیا حضور ﷺ نے تمہیں طلاق دے دی ہے۔ اس نے کہا مجھے علم نہیں وہ اس بالا خانے میں ہم سے الگ ہو کر تشریف فرما ہیں۔ چنانچہ میں آپ کے غلام اسود کے پاس آیا اور کہا عمر کے لئے اجازت طلب کرو۔ وہ گیا تھوڑی دیر کے بعد واپس آیا تو بتایا کہ میں نے آپ کا ذکر کیا لیکن حضور ﷺ خاموش رہے۔ میں وہاں سے چلا منبر کے پاس آیا وہاں کچھ صحابہ کرام بیٹھے تھے۔ بعض رو رہے تھے۔ میں وہاں تھوڑی دیر بیٹھا۔ لیکن مجھے چین نہ تھا میں دوبارہ غلام کے پاس آیا اور کہا عمر کے لئے اجازت طلب کرو۔ وہ گیا اور واپس آ کر بتایا کہ میں نے آپ کا ذکر کیا لیکن حضور ﷺ خاموش رہے۔ میں واپس آ کر دوبارہ منبر کے پاس بیٹھ گیا۔ میں پھر پریشانی کے عالم میں اٹھا اور غلام سے کہا عمر کے لئے اجازت طلب کرو۔ غلام گیا اور واپس آ کر پہلا جواب دیا۔ میں واپس جانے کے لئے مڑا ہی تھا کہ غلام نے مجھے آواز دی تشریف لائیے آپ کو اجازت مل گئی ہے۔ چنانچہ میں اندر داخل ہوا حضور ﷺ کو سلام کیا آپ ننگے بوریئے پر ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ بوریئے کے نشانات آپ ﷺ کے جسم اقدس پر ظاہر تھے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ نے اپنی عورتوں کو طلاق دے دی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔ میں نے عرض کیا اللہ اکبر! یا رسول اللہ ﷺ! ہم قریش اپنی بیویوں کو تابع فرمان بنا کر رکھتے تھے۔ جب ہم مدینہ آئے تو اس قوم کی عورتیں ان پر غالب پائیں۔ چنانچہ ہماری عورتوں نے بھی ان سے سیکھنا شروع کر دیا۔ میں ایک دن اپنی عورت کو ناراض ہوا تو یہ مجھے جواب دینے لگی میں نے یہ بات محسوس کی تو اس نے کہا تعجب نہ کرو۔ بخدا حضور ﷺ کی عورتیں بھی آپ سے مراجعہ کرتی ہیں اور دن بھر کے لئے ناراض بھی ہو جاتی ہیں۔ میں نے کہا تم میں سے جو بھی ایسا کرتی ہے وہ خائب وخاسر ہے۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات سے بے خوف ہے کہ اللہ کے رسول کے غضب کی وجہ سے اس پر اللہ کا غضب ہو اگر ایسا ہوا تو وہ ہلاک ہو گئی۔ حضور ﷺ نے یہ سن کر تبسم فرمایا: میں نے عرض کیا پھر میں حفصہ کے پاس گیا اور اسے سمجھایا کہ تمہیں یہ بات دھوکے میں نہ ڈالے کہ تمہاری پڑوسن زیادہ خوبصورت اور اللہ کے نبی کو زیادہ محبوب ہے۔ آپ ﷺ یہ بات سن کر دوبارہ مسکرائے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! کیا میں آپ کو خوش کرنے کے لئے تھوڑی دیر مزید بیٹھ سکتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں"۔ چنانچہ میں بیٹھ گیا۔ میں نے گھر میں ادھر ادھر نظر دوڑائی تو مجھے سوائے تین خشک کھالوں کے اور کچھ نظر نہ آیا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! دعا فرمائیے اللہ آپ کی امت کو فراخی عطا فرمائے۔ رومی اور ایرانی جو اللہ کی عبادت بھی نہیں کرتے وہ خوشحال ہیں۔ یہ سن کر آپ سیدھے بیٹھ گئے اور فرمایا: "اے ابن خطاب! کیا تم شک میں مبتلا ہو؟ اس قوم کی نیکیاں انہیں پیشگی دنیا میں ہی دے دی گئی ہیں"۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میرے لئے استغفار فرمائیے۔ آپ نے بوجہ ناراضگی یہ قسم اٹھائی تھی کہ مہینہ بھر اپنی بیویوں کے پاس نہیں جائیں گے۔ حتیٰ کہ اللہ نے آپ پر عتاب فرمایا۔ بخاری، مسلم، ترمذی اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسے بطریق زہری رحمۃ اللہ علیہ روایت کیا ہے (1)۔ شیخین نے اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ سال بھر اسی امید میں گزر گیا کہ میں آپ سے دریافت کرلوں گا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہیبت کی وجہ سے ہمت نہیں پڑتی تھی یہاں تک کہ حج سے واپسی پر پوچھا...... الحدیث (جس طرح اوپر بیان ہو چکا ہے)(2)۔

1۔ فتح الباری، کتاب العلم، جلد 1، صفحہ 185، کتاب المظالم، جلد 5، صفحہ 116-114، کتاب النکاح، جلد 9، صفحہ 279-278 مسلم، کتاب الطلاق، جلد 2، صفحہ 1113-1111، عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ تحریم، جلد 12، صفحہ 216-208 نسائی، کتاب الصوم، جلد 4، جلد 138-137، سنن کبریٰ، عشرۃ النساء بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 8، صفحہ 47

2۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ تحریم، جلد 8، صفحہ 658، کتاب النکاح، جلد 9، صفحہ 317، کتاب اللباس، جلد 10، صفحہ 302-301، مسلم، کتاب الطلاق، جلد 2، صفحہ 1111-1108

مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ یہ واقعہ پردہ کی آیتیں اترنے سے قبل کا ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ حضرت عمر سیدہ حفصہ اور عائشہ رضی اللہ عنہما دونوں کو سمجھا کر آئے تھے۔ اور اس میں یہ بھی ہے کہ وہ غلام جو ڈیوڑھی پر موجود تھے حضرت رباح رضی اللہ عنہ تھے۔ اور یہ بھی ہے کہ حضرت عمر نے عرض کی: آپ ازواج کے بارے میں مشقت میں کیوں پڑتے ہیں؟ اگر آپ انہیں طلاق بھی دے دیں تو آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتے، جبریل، میکائیل، میں، ابوبکر اور جملہ مومنین ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں جو بات بھی کہتا الحمد للہ مجھے یہ امید لگی رہتی کہ اللہ میری بات کی تصدیق فرمائے گا۔ چنانچہ آیت تخییر نازل ہوئی۔ عَسٰى رَبُّهٗٓ......، وَ اِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ...... میں نے پوچھا کیا آپ نے ازواج مطہرات کو طلاق دے دی ہے آپ نے فرمایا نہیں۔ تو میں نے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر باآواز بلند یہ ندا دی کہ حضور ﷺ نے انہیں طلاق نہیں دی اور یہ آیت نازل ہوئی۔ وَ اِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ۭ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ (نساء: 83) اور میں نے ہی اس امر کا استنباط کیا(1)۔ سعید بن جبیر، عکرمہ، مقاتل بن حیان اور ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے یہی مروی ہے۔

وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ سے مراد ابوبکر وعمر ہیں۔ حسن بصری نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نام بھی لیا ہے اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے محمد بن جعفر بن محمد بن حسین سے روایت کیا ہے۔ مجھے ایک ثقہ آدمی نے بتایا ہے جو اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ تک مرفوع قرار دیتے تھے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اس آیت کا مصداق حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس کی اسناد ضعیف ہے اور یہ بہت منکر ہے(2)۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: حضور ﷺ کی بیویاں غیرت میں آ گئیں تو میں نے انہیں کہا اگر حضور تمہیں طلاق دے دیں گے تو اللہ آپ کو تم سے بہتر بیویاں عطا فرمائے گا تو یہ آیت نازل ہوئی(3)۔

اس بات کا تذکرہ ہو چکا ہے کہ متعدد آیات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت وتائید میں نازل ہوئیں۔ جیسے پردے کا حکم، اسیرانِ بدر کا حکم، مقام ابراہیم پر نماز پڑھنے کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی: وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى (4)۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ جب مجھے امہات المومنین کی اس رنجش کی خبر ملی تو میں ان کے پاس گیا اور ہر ایک کو یہی بات کہتا رہا جب آخری ام المومنین کے پاس گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں نصیحت کرنے کے لئے حضور کیا کم ہیں کہ تمہیں ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ میں خاموش ہو گیا اور یہ آیت نازل ہوئی۔ صحیح بخاری میں ہے کہ جواب دینے والی ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا تھیں۔

طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے اپنے گھر میں حضور ﷺ کو ماریہ سے ہم آغوش دیکھا تو حضور ﷺ نے فرمایا تم عائشہ کو نہ بتانا۔ میں تمہیں بشارت دیتا ہوں کہ تیرا باپ ابوبکر کے بعد خلیفہ ہوگا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو بتا دیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا مجھے علیم وخبیر خدا نے اس کی خبر دی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا میں آپ کی طرف نہیں دیکھوں گی یہاں تک کہ

1۔ مسلم، کتاب الطلاق، جلد 2، صفحہ 1108-1105　　2۔ الجرح والتعدیل، جلد 7، صفحہ 220　　3۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ تحریم، جلد 8، صفحہ 660

4۔ یہ حدیث تفسیر سورۂ بقرۃ آیت: 125، سورۂ نساء آیت: 83، سورۂ انفال آیت: 67 ,10 ,9، سورۂ مومنون آیت: 14 اور سورۂ احزاب آیت: 15 میں گزر چکی ہے۔

آپ ماریہ کو اپنے اوپر حرام کرلیں۔ آپ نے اسے حرام کرلیا تو یہ آیت نازل ہوئی (1)۔ اس کی اسناد محل نظر ہے۔ ان آیات کریمہ کی جو تفسیر ہم نے ذکر کی ہے، اس سے یہ بات ظاہر ہے۔

مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ کا مفہوم واضح ہے۔

سٰٓئِحٰتٍ روزہ رکھنے والیاں۔ حضرت ابو ہریرہ، عائشہ، ابن عباس، عکرمہ، مجاہد، سعید بن جبیر، عطاء، محمد بن کعب قرظی، ابو عبدالرحمٰن سلمی، ابو مالک، ابراہیم نخعی، حسن، قتادہ، ضحاک، ربیع بن انس اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کا یہی قول ہے۔ آیہ کریمہ (السائحون) کے تحت سورۂ براءت میں ایک حدیث گزر چکی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: سیحة هذه الأمة الصیام(2)۔ اس امت کی سیر و سیاحت روزے رکھنے میں ہے۔

حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ اور ان کے صاحبزادے عبدالرحمٰن کا قول ہے کہ اس سے مراد ہجرت کرنے والیاں ہیں۔ لیکن پہلا قول ہی اولیٰ ہے واللہ اعلم۔

ثَیِّبٰتٍ وَّ اَبْكَارًا یعنی ان میں سے کچھ ثیبہ اور کچھ باکرہ ہیں تاکہ دلی میلان زیادہ ہو۔ تنوع نفس کو بھلا معلوم ہوتا ہے۔

ابن بُریدہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ نے اپنے نبی سے وعدہ فرمایا ہے کہ آپ کا نکاح ہوگا۔ ثیبہ سے مراد آسیہ زوجہ فرعون اور کنواری سے مراد حضرت مریم بنت عمران علیہما السلام ہیں(3)۔

حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مریم علیہا السلام کے حالات میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جبریل حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پاس سے گزریں تو جبریل نے فرمایا: اللہ انہیں سلام کہتا ہے اور جنت میں ایک گھر کی خوشخبری دیتا ہے۔ یہ خولدار موتی کا ہے۔ وہاں گرمی نہیں ہے۔ اس میں نہ شور ہوگا اور نہ تکان اور درماندگی۔ یہ سوراخ والے موتی کا بنا ہوا ہے۔ مریم بنت عمران اور آسیہ بنت مزاحم کے گھروں کے درمیان۔ ایک اور روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور ﷺ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف فرما ہوئے یہ نزع کے عالم میں تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے خدیجہ اپنی سوکنوں سے ملو تو انہیں میرا اسلام کہنا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! کیا مجھ سے پہلے بھی آپ ﷺ نے کسی سے نکاح فرمایا تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں لیکن اللہ نے مریم بنت عمران، آسیہ زوجہ فرعون اور کلثم اخت موسیٰ میرے نکاح میں دے رکھی ہیں۔ یہ روایت بھی ضعیف ہے۔ ابو یعلی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "کیا تم جانتے ہو اللہ نے جنت میں میرا نکاح مریم بنت عمران، کلثم اخت موسیٰ اور آسیہ زوجہ فرعون سے کردیا ہے۔" میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! آپ کو مبارک ہو(4)۔ یہ روایت بھی ضعیف ہے۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اسے مرسلا بھی ذکر کیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۞ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ ؕ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۞ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ

1۔ المعجم الکبیر، جلد 12، صفحہ 117
2۔ یہ حدیث تفسیر سورۂ توبہ آیت: 112 میں گزر چکی ہے
3۔ درمنثور، جلد 8، صفحہ 225
4۔ المعجم الکبیر، جلد 8، صفحہ 309

اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ يُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ بِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَ اغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

''اے ایمان والو! تم بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے اس پر ایسے فرشتے مقرر ہیں جو بڑے تندخو سخت مزاج ہیں۔ نافرمانی نہیں کرتے اللہ کی جس کا اس نے انہیں حکم دیا ہے اور فوراً بجا لاتے ہیں جو ارشاد انہیں فرمایا جاتا ہے۔ اے کفار! آج بہانہ نہ بناؤ۔ تمہیں اسی کا بدلہ ملے گا جو (کرتوت) تم کیا کرتے تھے۔ اے ایمان والو! اللہ کی جناب میں سچے دل سے توبہ کرو۔ امید ہے تمہارا رب دور کردے گا تم سے تمہاری برائیاں اور تمہیں داخل کرے گا ایسے باغات میں جن میں نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ اس روز رسوا نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ (اپنے) نبی کو اور ان لوگوں کو جو آپ کے ساتھ ایمان لائے۔ (اس روز) ان کا نور ایمان دوڑتا ہوگا ان کے آگے آگے اور ان کے دائیں جانب، وہ عرض کریں گے اے ہمارے رب! مکمل فرما دے ہمارے لئے ہمارا نور اور بخش دے ہمیں۔ بےشک تو ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے''۔

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اپنی اولادوں کو ادب اور علم سکھاؤ۔ علی بن ابی طلحہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ کی اطاعت کرو۔ معاصی سے بچو، اپنے گھر والوں کو ذکر کا حکم دو وہ تمہیں آگ سے بچالے گا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اللہ سے ڈرو اور اللہ سے تقویٰ کی وصیت کرو۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے انہیں اللہ کی اطاعت کا حکم دیں اور اس کی معصیت سے منع کریں۔ اللہ کے حکم سے ان کی خبر گیری کریں اور ان کی امداد کریں اور اگر اللہ کی کوئی معصیت ان میں دیکھیں تو انہیں ڈانٹیں (1)۔ ضحاک اور مقاتل رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ ہر مسلمان کا یہ حق ہے کہ اپنے رشتے داروں، لونڈیوں اور غلاموں کو اللہ کے فرائض پر عمل کرنے اور نواہی سے بچنے کی تعلیم دیتا رہے۔ اس حدیث کے ہم معنی حدیث کو احمد، ابوداؤد اور ترمذی رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: بچوں کو جب وہ سات سال کے ہوجائیں نماز کا حکم دو اور دس سال کے ہو جائیں تو سستی کرنے پر انہیں مارو۔ یہ الفاظ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے حسن قرار دیا ہے (2)۔ ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اسے عمرو بن شعیب عن جدہ والی روایت سے بھی بیان کیا ہے (3)۔

فقہاء کا کہنا ہے کہ روزے کا بھی یہی حکم ہے تاکہ اسے عبادت کی مشق ہوجائے تاکہ جب وہ بالغ ہو تو عبادت، اطاعت، معصیت سے بچنے اور ترک منکر کا عادی ہوچکا ہو۔ واللہ الموفق۔

قولہ تعالیٰ وَقُوْدُهَا النَّاسُ یعنی اس کی لکڑیاں اور ایندھن بنو آدم کے اجسام ہوں گے۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 166-165

2۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 404، سنن ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 133، عارضۃ الاحوذی، ابواب الصلاۃ، جلد 2، صفحہ 199-198

3۔ تفسیر طبری، جلد 27، صفحہ 167

وَالْحِجَارَةُ ایک قول ہے کہ اس سے مراد بت ہیں جن کی پوجا کی جاتی تھی۔ ایک اور آیت میں ہے: اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ (انبیاء: 98)۔ ابن مسعود، مجاہد، ابوجعفر باقر اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ یہ گندھک کے پتھر ہیں۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ از حد بدبودار۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے عبدالعزیز ابن ابی داؤد سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ آپ ﷺ کے بعض صحابہ بھی موجود تھے ان میں ایک شیخ بھی تھے۔ شیخ نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! کیا جہنم کے پتھر دنیا کے پتھروں کی طرح ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا: مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے جہنم کی ایک چٹان دنیا بھر کے تمام پہاڑوں سے بڑی ہے۔ یہ سن کر شیخ (بوڑھا) بے ہوش ہو کر گرا۔ حضور ﷺ نے اس کے دل پر ہاتھ رکھا ابھی وہ حرکت کر رہا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اے شیخ کہہ "لا الہ إلا اللہ"۔ اس نے یہ کلمہ پڑھا تو آپ ﷺ نے اسے جنت کی خوشخبری دی۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! ہم سب کے درمیان صرف اسے ہی خوشخبری ہے؟ آپ ۔نے فرمایا: ہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ذلك لمن خاف مقامي وخاف وعيد۔ یہ حدیث مرسل غریب ہے۔

عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ ان کی طبیعتیں بہت سخت ہیں۔ ان کے دلوں سے کفار کے لئے رحمت کے جذبات ختم کر دیئے گئے ہیں۔ تندخو۔ شِدَادٌ ان کی جسمانی ترکیب از حد سخت اور ہیئت کذائی تکلیف دہ ہے۔ ابن ابی حاتم نے عکرمہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ جب اہل نار کا پہلا جتھا دوزخ کے دروازے پر پہنچے گا تو کیا دیکھے گا کہ جہنم کے دروازے پر چار لاکھ داروغے تیار کھڑے ہیں۔ ان کے چہرے سخت سیاہ کچلیاں باہر کو نکلی ہوئی ہیں۔ اللہ نے ان کے دلوں سے رحم چھین لیا ہے ان میں سے کسی کے دل میں ذرہ بھر بھی رحم نہیں ہے اگر کوئی پرندہ اڑ کر ان کے ایک کندھے سے دوسرے کندھے تک پہنچنا چاہے تو اسے دو ماہ کی پرواز کرنا پڑے۔ پھر وہ دروازے پر انیس فرشتے دیکھیں گے ان میں سے ایک کے سینے کی چوڑائی ستر خریف کی مسافت ہے۔ پھر وہ ایک دروازے سے دوسرے دروازے کی طرف دھکیل دیئے جائیں گے۔ پانچ سو سال کے بعد دوسرے دروازے تک پہنچنے میں لگیں گے۔ وہاں بھی اتنے اور اسی طرح کے فرشتوں کو موجود پائیں گے۔ اسی طرح ہر دروازے پر۔

وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ یعنی انہیں جو حکم بھی دیا جائے وہ اسے بجالانے میں جلدی کرتے ہیں اور پلک جھپکنے کے برابر بھی تاخیر نہیں کرتے۔ وہ اس کام کے کرنے پر قادر ہیں۔ عاجز نہیں یہ دوزخ کے داروغے ہیں۔ اللہ ان سے بچائے!

لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ ......یعنی روز قیامت کفار سے کہا جائے گا آج عذر مجبوریاں مت پیش کرو آج کوئی بہانہ قابل قبول نہیں۔ آج تمہیں وہی جزا ملے گی جو تم کرتے تھے۔ آج تمہیں تمہارے اعمال کی سزا ہی ملے گی۔

تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا یعنی سچی یقینی توبہ جو ماقبل گناہوں کو مٹادے اور آئندہ گناہوں سے روک دے۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو خطبہ دیتے ہوئے سنا۔ آپ نے یہ آیت تلاوت کی اور فرمایا گناہ گار سے گناہ سرزد ہو لیکن ایسا پھر نہ کرے۔ ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ توبہ نصوح یہ ہے کہ انسان گناہ سے توبہ کرے پھر دوبارہ یہ گناہ نہ کرے یا دوبارہ گناہ کا ارادہ

نہ ہو(1)۔ ابوالأحوص وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا توبہ نصوح کیا ہے؟ فرمایا آدمی برائی سے تائب ہو کر پھر کبھی یہ کام نہ کرے۔ اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ توبہ کر لے پھر یہ کام اس سے صادر نہ ہو۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی اسی طرح ہے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: گناہ سے توبہ یہ ہے کہ توبہ کرے اور پھر یہ گناہ نہ کرے(2)۔ لیکن یہ حدیث ضعیف اور ٹھیک یہی ہے کہ یہ موقوف ہے واللہ اعلم۔ اسی بناء پر علماء نے کہا ہے کہ توبہ نصوح یہ ہے کہ فی الفور گناہ سے تائب ہو جائے۔ ماضی میں جو کچھ ہو چکا ہے اس پر نادم ہو اور آئندہ کے لئے ایسا نہ کرنے کا پختہ عزم ہو۔ پھر اگر کسی آدمی کا حق دینا آتا ہے تو وہ باقاعدہ ادا کرے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور پوچھا کیا تم نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ ندامت توبہ ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے روایت کیا ہے(3)۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ابی بن کعب سے روایت کیا ہے کہ ہمیں کچھ چیزیں بتائی گئیں جو قیامت کے قریب اس امت کے لوگ کریں گے۔ ان میں سے ایک یہ کہ انسان اپنی بیوی یا لونڈی سے دبر (پاخانہ کے مقام) میں مباشرت کرے گا۔ حالانکہ اللہ اور اس کے رسول نے اسے حرام کر دیا ہے اور اسے ناپسند کیا ہے۔ یعنی یہ اس پر اللہ اور اس کے رسول کی ناراضگی کا باعث ہے۔ اسی طرح مرد مرد سے بدفعلی کرے گا۔ اسے بھی اللہ اور اس کے رسول نے حرام کر دیا ہے اور یہ ان کی ناراضگی کا باعث ہے۔ اسی سے عورت کا عورت سے ہم جنس پرستی کرنا ہے اسے بھی اللہ اور اس کے رسول نے حرام کر دیا ہے اور یہ ان کی ناراضگی کا سبب ہے۔ جب تک وہ یہ کام کرتے رہیں ان کی کوئی نماز مقبول نہیں تا آنکہ اللہ سے صدق دل سے توبہ نہ کریں۔ زر کہتے ہیں میں نے ابی بن کعب سے پوچھا توبہ نصوح کیا ہے؟ فرمایا میں نے حضور ﷺ سے اس کے بارے میں پوچھا تھا آپ ﷺ نے فرمایا: ''گناہ پر توبہ کرنا جب تم سے کوتاہی ہو جائے تو فی الفور ندامت کے ساتھ اللہ سے استغفار کر۔ پھر کبھی اس کی طرف مائل نہ ہونا''(4)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ توبہ نصوح یہ ہے کہ گناہ سے اسی طرح نفرت کرے جیسے اسے پسند کرتا تھا اور جب وہ گناہ یاد آئے تو استغفار کرے۔ جب صمیم قلب سے توبہ کرے گا تو وہ سابقہ خطاؤں کو ختم کر دے گی جس طرح کہ صحیح حدیث میں ہے کہ اسلام قبول کرنا پہلے کی تمام خطائیں ختم کر دیتا ہے اور توبہ گزشتہ تمام گناہوں کو ختم کر دیتی ہے(5)۔

کیا توبہ نصوح کی شرط یہ ہے کہ انسان پھر مرتے دم تک اس گناہ کو نہ کرے جس طرح کہ مذکورہ حدیث اور اثر میں ہے کہ دوبارہ اس گناہ کو نہ کرے یا یہ گناہ نہ کرنے کا عزم راسخ ماضی کے گناہوں کا کفارہ ہے۔ اس طرح کہ اگر بتقاضائے بشریت دوبارہ اس سے یہ گناہ سرزد ہو گیا تو سابقہ گناہوں کے کفارہ میں کوئی فرق نہیں پڑے گا جس طرح کہ حدیث کے عموم سے بھی ثابت ہوتا ہے: ''توبہ ماقبل گناہوں کو معدوم کر دیتی ہے؟'' بس پہلی بات کی دلیل توبہ صحیح حدیث ہے: ''جو شخص اسلام میں حسن عمل رکھتا ہو جاہلیت کے اعمال کا مؤاخذہ اس سے نہیں ہوگا اور جس نے اسلام میں برائی کی، جاہلیت اور اسلام دونوں کی برائیوں کا اس سے مؤاخذہ ہوگا(6)۔ پس اسلام جو کہ توبہ سے

1۔ حاکم: مستدرک، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 495، تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 167، درمنثور، جلد 8، صفحہ 227

2۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 449　　3۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 376، ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2، صفحہ 1420　　4۔ درمنثور، جلد 8، صفحہ 227

5۔ یہ حدیث تفسیر سورۃ انفال آیت: 38 میں گزر چکی ہے۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 199، 204، 205، مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 112

6۔ فتح الباری، کتاب استتابۃ المرتدین، جلد 12، صفحہ 265، مسلم، کتاب ایمان، جلد 1، صفحہ 111 نیز یہ حدیث تفسیر سورۃ انفال آیت: 38 میں گزر چکی ہے۔

بڑھ کر ہے اس میں مؤاخذہ ہے تو توبہ کے بعد تو بطریق اولیٰ ہونا چاہئے واللہ اعلم۔

قولہ تعالیٰ عَسٰی رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ، عسی کی نسبت جب اللہ کی طرف ہو تو یہ تحقیق اور یقین کا فائدہ دیتا ہے۔

يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ...... یعنی قیامت کے روز اپنے نبی کے سامنے انہیں رسوا نہیں کرے گا۔

نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ...... جس طرح کہ سورۂ حدید میں گزرا ہے (1)۔ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ مجاہد، ضحاک، حسن بصری رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہم کا قول ہے کہ قیامت کے روز جب منافقوں کا نور بجھ جائے گا تو یہ صورت حال دیکھ کر مومن اس طرح کہیں گے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بنو کنانہ کے ایک آدمی سے روایت کیا ہے میں نے عام الفتح میں حضور ﷺ کے پیچھے نماز ادا کی اور آپ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا: ''اے اللہ! قیامت کے دن مجھے رسوا نہ کرنا'' (2)۔ محمد بن نصر مروزی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوذر اور ابودرداء رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن سب سے پہلے مجھے سجدے کی اجازت دی جائے گی اور مجھے ہی سب سے پہلے سجدے سے سر اٹھانے کا حکم ہوگا۔ میں اپنے سامنے اور دائیں بائیں نظر ڈال کر اپنی امت کو پہچان لوں گا۔ ایک آدمی نے عرض کیا آپ ﷺ اتنی امتوں کے درمیان اپنی امت کو کیسے پہچانیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میری امت کے اعضاء وضو درخشاں ہوں گے جبکہ اور کسی امت میں یہ خصوصیت نہ ہوگی۔ میں انہیں اس نشانی سے بھی پہچان لوں گا کہ انہیں ان کا اعمال نامہ ان کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور میں انہیں پیشانی پر سجدوں کے نشانات سے پہچانوں گا اور ان کے نور سے انہیں پہچان لوں گا۔ جو ان کے آگے آگے ہوگا (3)۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۹ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّ امْرَاَتَ لُوْطٍ ؕ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا وَّ قِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ۝۱۰

''اے نبی! کفار اور منافقین سے جہاد جاری رکھو اور ان پر سختی کرو۔ اور (آخرت میں) ان کا ٹھکانا جہنم ہے، اور وہ لوٹ کر آنے کی بہت بری جگہ ہے۔ بیان فرمائی ہے اللہ نے کفار کے لئے نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی مثال۔ وہ دونوں ہمارے بندوں میں سے دو نیک بندوں کے نکاح میں تھیں پھر ان دونوں نے ان دونوں سے خیانت کی۔ پس وہ دونوں (نبی ان کے شوہر) اللہ کے مقابلہ میں انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے اور انہیں حکم ملا تم دونوں داخل ہونے والوں کے ساتھ دوزخ میں داخل ہو جاؤ''۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو حکم فرما رہا ہے کہ کفار اور منافقین سے جہاد کریں۔ کفار سے اسلحہ اور لڑائی سے اور منافقین پر حدود قائم کرنے کے ساتھ ان پر سختی کریں یعنی دنیا میں۔

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ حدید آیت: 28 2۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 134 3۔ یہ حدیث تفسیر سورۂ اسراء آیت: 79 میں گزر چکی ہے

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوا یعنی مسلمانوں سے خلط ملط ہونا اوران سے میل جول انہیں کوئی فائدہ نہیں دے سکتا اگر ان کے دلوں میں ایمان کی شمع روشن نہ ہو۔

امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّ امْرَاَتَ لُوْطٍ...... رات دن ہر وقت نبیوں کی صحبت میں رہنے والی تھیں۔ ان کے ساتھ کھانے پینے والیاں تھیں ان کا میل جول ان کے ساتھ بہت زیادہ تھا۔

فَخَانَتٰهُمَا یعنی ایمان میں۔ ان دونوں نے ایمان میں ان سے موافقت نہ کی اوران کی رسالت کی تصدیق نہ کی۔ چنانچہ پیغمبروں کی بیویاں ہونے نے انہیں کوئی فائدہ نہ دیا۔ چنانچہ فرمایا: فَلَمْ یُغْنِیَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا یعنی ان کے کفر کی وجہ سے۔

قِیْلَ ان دونوں عورتوں سے کہا گیا۔

خیانت سے مراد بدکاری نہیں بلکہ ایمان قبول نہ کرنا ہے کیونکہ ہر نبی کی بیوی اس عیب سے پاک ہوتی ہے اور گناہ میں پڑنے سے معصوم ہوتی ہیں انبیاء کی حرمت کی وجہ سے جس طرح کہ سورۂ نور میں گزر چکا ہے۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے سلیمان بن قرم سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اس آیت کی تفسیر ارشاد فرماتے سنا آپ نے فرمایا: ان دونوں نے زنا نہیں کیا تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی کی خیانت یہ تھی کہ وہ آپ کو مجنون اور دیوانہ کہتی۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کی خیانت یہ تھی کہ وہ آپ کے مہمانوں کی آمد کی اطلاع اپنی قوم کو دے دیتی (1)۔ عوفی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان کی خیانت یہ تھی کہ وہ دونوں کافرہ تھیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی آپ کے راز افشاء کر دیا کرتی۔ جب کوئی شخص حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لاتا تو وہ اپنی قوم کے ظالموں کو باخبر کر دیتی۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی آپ کے دشمنوں کی آلہ کار بنی ہوئی تھی۔ جب بھی آپ کے ہاں کوئی مہمان آتا وہ اپنی قوم کے بے غیرت اور بدمعاش افراد کو باخبر کر دیتی (2)۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ کسی نبی کی بیوی نے کبھی حرام کاری نہیں کی۔ خیانت سے مراد خیانت فی الدین ہے۔ عکرمہ، سعید بن جبیر اور ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ نے یہی کہا ہے۔

اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے بعض علماء نے کہا ہے کہ عام لوگوں کی زبانوں پر جو حدیث ہے وہ ضعیف ہے اس میں ہے: ''جو کسی ایسے شخص کے ساتھ کھائے جو بخشا ہوا ہے تو اسے بھی بخش دیا جاتا ہے۔'' اس حدیث کی کوئی اصل نہیں۔ ہاں کسی بزرگ سے مروی ہے کہ انہوں نے خواب میں حضور علیہ السلام کی زیارت کی تو آپ سے استفسار کیا کیا یہ آپ کا ارشاد ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں۔ لیکن اب میں کہتا ہوں۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَكَ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ وَ نَجِّنِیْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَ عَمَلِهٖ وَ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۱﴾ وَ مَرْیَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِیْۤ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِیْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَ صَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَ كُتُبِهٖ وَ كَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِیْنَ ﴿۱۲﴾

1۔ مستدرک، جلد 2 صفحہ 496، طبری، جلد 28 صفحہ 170-169، درمنثور، جلد 8 صفحہ 228
2۔ تفسیر طبری، جلد 28 صفحہ 170

"اور اسی طرح اللہ نے اہل ایمان کے لئے فرعون کی بیوی کی مثال پیش فرمائی۔ جبکہ اس نے دعا مانگی اے میرے رب! بنا دے میرے لئے اپنے پاس ایک گھر جنت میں اور بچا لے مجھے فرعون سے اور اس کے (کافرانہ) عمل سے اور مجھے اس ستم پیشہ قوم سے نجات دے۔ اور (دوسری مثال) مریم دختر عمران کی ہے جس نے اپنے گوہر عصمت کو محفوظ رکھا تو ہم نے پھونک دی اس کے اندر اپنی طرف سے روح اور مریم نے تصدیق کی اپنے رب کی باتوں کی اور اس کی کتابوں کی اور وہ اللہ کے فرمانبرداروں میں سے تھی۔"

اللہ تعالیٰ مومنین کے لئے مثال بیان فرما رہا ہے کہ بوقت ضرورت کفار سے میل ملاپ سے انہیں کچھ نقصان نہ ہوگا۔ جیسے ایک اور جگہ فرمایا: لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ...... اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً (عمران: 28)۔

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ فرعون روئے زمین پر سب سے زیادہ سرکش اور حد سے بڑھ کر کفر کرنے والا تھا۔ خاوند کے کفر نے اس کی بیوی کو کوئی گزند نہ پہنچایا اور وہ اپنے رب کی اطاعت گزار رہی۔ یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ حاکم عادل ہے۔ وہ کسی کو نہیں پکڑتا مگر اس کے گناہ کے سبب۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے سلمان سے روایت کیا ہے کہ زوجہ فرعون کو دھوپ میں کھڑا کر کے تکلیف دی جاتی لیکن فرشتے ان پر اپنے پروں سے سایہ کر لیتے اور وہ جنت میں اپنا گھر دیکھتی رہتیں (1)۔ ایک دوسری روایت میں بھی یہی ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ابو برزہ سے روایت کیا ہے کہ فرعون کی عورت پوچھتی رہتی کون غالب رہا۔ ہر مرتبہ یہ کہا جاتا: موسیٰ اور ہارون غالب رہے تو آپ فرماتی تھیں میں حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے رب پر ایمان لائی۔ فرعون کو جب یہ علم ہوا تو اس نے حکم دیا جو بڑی سے بڑی چٹان تمہیں ملے اسے اس کے پاس لے جاؤ۔ اگر یہ اپنی بات پر اڑی رہے تو وہ چٹان اس پر گرا دو۔ اگر اپنی بات سے باز آ جائے تو یہ میری بیوی ہے۔ جب وہ لوگ انہیں لے گئے تو آپ نے اپنی نگاہ آسمان کی طرف اٹھائی تو جنت میں اپنا گھر نظر آیا۔ چنانچہ آپ ایمان پر ثابت قدم رہیں اور آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ جب چٹان گری اس وقت جسم میں روح تھی ہی نہیں۔ بے جان لاشے پر وہ پتھر گرا۔

رَبِّ ابْنِ لِیْ...... علماء کا قول ہے کہ دار سے قبل جوار (پڑوس) قدس اختیار کیا۔ اس واقعہ میں ایک مرفوع حدیث بھی ہے۔

نَجِّنِیْ مِنْ فِرْعَوْنَ مجھے خلاصی عطا فرما۔ میں اس کے عمل سے براءت کا اظہار کرتی ہوں۔

وَنَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ یہ عورت آسیہ بنت مزاحم رضی اللہ عنہا تھی۔ ابوجعفر رازی نے ابوالعالیہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے کہ فرعون کی بیوی کے ایمان کا سبب فرعون کے خازن کی بیوی کا ایمان بنا۔ وہ ایک روز فرعون کی بیٹی کی کنگھی کر رہی تھی کہ کنگھی اس کے ہاتھ سے گر گئی اس نے کہا اللہ کے ساتھ کفر کرنے والے برباد ہوں۔ بنت فرعون نے پوچھا کیا میرے باپ کے سوا بھی تیرا کوئی رب ہے؟ اس نے جواباً کہا: میرا، تیرے باپ کا اور ہر چیز کا رب اللہ ہے۔ بنت فرعون نے اسے طمانچہ مارا۔ اسے خوب سزا دی اور اپنے باپ کو خبر کر دی۔ فرعون نے اسے بلا کر پوچھا کیا تو میرے سوا کسی اور کی پوجا کرتی ہے؟ اس نے کہا ہاں میرا، تیرا اور ہر چیز کا رب اللہ تبارک وتعالیٰ ہے اور میں اسی کی عبادت کرتی ہوں۔ فرعون نے اسے عذاب دیا۔ اس نے میخیں گڑوائیں۔ ان سے اس کے ہاتھ اور پاؤں باندھ دیئے اور اس پر سانپ چھوڑ دیئے۔ اگلے دن تک اسی طرح پڑی رہی۔ پھر اس سے پوچھا باز آ ؤ گی۔ اس نے پھر توحید کا اعلان کر دیا اور کہا میرا، تیرا

1۔ تفسیر طبری، جلد 28، صفحہ 171

اور ساری مخلوق کا رب اللہ تعالیٰ ہے۔ فرعون نے دھمکی دی کہ میں تیرے بیٹے کو تیری آنکھوں کے سامنے ذبح کردوں گا۔ اس نے جواب دیا جو کرسکتا ہے کر گزر۔ اس نے اس کے سامنے اس کے بیٹے کو ذبح کر دیا۔ بچے کی روح نے ماں کو بشارت دی کہ اے ماں اللہ کے ہاں تیرے لئے بڑے بڑے ثواب تیار کئے گئے ہیں۔ چنانچہ اس نے صبر کیا۔ اگلے دن فرعون آیا۔ اس نے وہی مطالبہ دہرایا۔ اس عورت نے وہی جواب دیا۔ اس نے اس کے دوسرے بیٹے کو ذبح کر دیا۔ اس کی روح نے بھی اپنی ماں کو بشارت دی اور کہا اے ماں صبر کرنا۔ اللہ کے ہاں تیرے لئے بہت بڑا اجر و ثواب ہے۔ فرعون کی بیوی نے دونوں بچوں کی ارواح کی بشارت سن لی۔ فرعون کی بیوی ایمان لے آئی اور خازن فرعون کی بیوی کی روح پرواز کر گئی۔ جنت میں اس کے مراتب عالیہ زوجہ فرعون کو دکھائے گئے۔ یہ چیز اس کے ایمان، یقین اور تصدیق میں اضافہ کا باعث بنی۔ اللہ نے فرعون کو اس کے ایمان سے مطلع فرما دیا۔ اس نے اپنے درباریوں سے پوچھا تمہیں میری بیوی کی کچھ خبر ہے؟ ان سب نے تعریف کی۔ اس نے انہیں بتایا کہ وہ میرے سوا کسی دوسرے پروردگار کی پوجا کرتی ہے۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ میخیں گاڑی گئیں اور ان کے ہاتھ پاؤں باندھ کر ڈال دیا گیا۔ آسیہ نے اپنے رب سے دعا کی اے رب! اپنے جوار قدس میں میرے لئے جنت میں گھر بنا دے۔ اس وقت فرعون سن رہا تھا۔ آسیہ نے جنت میں جب اپنا گھر دیکھا تو ہنس دیں۔ فرعون نے کہا اس پاگل کو دیکھو ہم اسے عذاب دے رہے ہیں اور یہ ہنس رہی ہے چنانچہ ان کی روح پرواز کر گئی۔

قولہ تعالیٰ اَحۡصَنَتۡ فَرۡجَهَا یعنی حفاظت کی اور اسے بچایا۔ احصان پاکدامنی اور آزادی کو کہتے ہیں۔

فَنَفَخۡنَا فِيۡهِ مِنۡ رُّوۡحِنَا یعنی فرشتے کے واسطے سے اور وہ جبریل ہے اللہ نے ایک بشر کی صورت میں اسے ان کے پاس بھیجا اور حکم دیا کہ ان کے گریبان میں پھونک ماریں۔ اسی سے حمل ٹھہر گیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔

بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ یعنی اس کی تقدیر اور شرع۔

وَكَانَتۡ مِنَ الۡقٰنِتِيۡنَ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے زمین پر چار خطوط کھینچے اور فرمایا جانتے ہو یہ کیا ہے؟ سب نے عرض کی اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ سرکار ﷺ نے فرمایا جنت کی عورتوں میں سب سے افضل خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد، مریم بنت عمران اور آسیہ بنت مزاحم زوجہ فرعون ہیں(1)۔ صحیحین میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: مردوں میں سے تو بہت سے کامل ہوئے ہیں جبکہ عورتوں میں سے کامل عورتیں صرف آسیہ زوجہ فرعون، مریم بنت عمران اور خدیجہ بنت خویلد ہیں اور سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی فضیلت دیگر عورتوں پر ایسے ہے جیسے ثرید کی فضیلت دیگر کھانوں پر(2)۔

ہم نے ان احادیث کے طرق، الفاظ، ان پر گفتگو حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے بیان میں اپنی کتاب ''البداية والنهاية' میں ذکر کئے ہیں(3)۔ وللّٰہ الحمد والمنة۔ اسی سورت کی آیت (ثيبٰت و أبكارا) کے تحت یہ ذکر کیا ہے کہ مریم بنت عمران اور آسیہ بنت مزاحم جنت میں حضور ﷺ کی ازواج مطہرات سے ہوں گی۔

سورۂ تحریم کی تفسیر ختم ہوگئی۔ وللّٰہ الحمد والمنّة

1۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 293　　2۔ یہ حدیث تفسیر سورۂ آل عمران آیت: 42 میں گزر چکی ہے

3۔ البداية والنهاية، جلد 2، صفحہ 52، جلد 30 صفحہ 128-127، جلد 8، صفحہ 94

سورۂ ملک (مکیہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قرآن کریم میں تیس آیات پر مشتمل ایک ایسی سورت ہے جو اپنے قاری کی شفاعت کرے گی یہاں تک کہ اسے بخش دیا جائے، وہ سورت ہے: تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ(1)۔ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے(2)۔

تاریخ ابن عساکر میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم سے پہلے لوگوں میں سے ایک شخص فوت ہو گیا۔ اس کے پاس کتاب اللہ میں سے سوائے سورۂ تَبٰرَكَ الَّذِيْ کے کوئی اور چیز نہ تھی۔ جب اسے قبر میں دفن کر دیا گیا اور فرشتہ اس کے پاس آ گیا تو یہ سورت اس کے سامنے (مدد کو) آ پہنچی۔ فرشتے نے سورت سے کہا کہ تو بلا شبہ کتاب اللہ میں سے ہے، میں تمہیں ناراض نہیں کرنا چاہتا لیکن بات یہ ہے کہ نہ میں تمہارے کسی نفع ونقصان کا مالک ہوں اور نہ اس شخص کے لئے بلکہ مجھے تو اپنی ذات کے لئے بھی کوئی اختیار نہیں۔ اگر تمہاری یہی خواہش ہے تو اپنے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اس کے لئے شفاعت کرو۔ چنانچہ یہ سورت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کرتی ہے: اے پروردگار! فلاں شخص نے تیری کتاب کا قصد کیا، مجھے سیکھا اور میری تلاوت کی، کیا اب جبکہ میں اس کے سینے میں محفوظ ہوں، تو اسے آگ میں جلا کر عذاب دے گا؟ اگر ایسا کرنا ہی ہے تو مجھے اپنی کتاب سے محو کر دے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تو بہت غضبناک دکھائی دیتی ہے؟ وہ کہتی ہے مجھے حق پہنچتا ہے کہ میں اپنی ناراضگی کا اظہار کروں۔ ارشاد ہوتا ہے: ''جاؤ، میں نے یہ شخص تمہیں دے دیا اور اس کے متعلق تمہاری سفارش قبول کر لی۔ چنانچہ یہ سورت آتی ہے اور فرشتے کو وہاں سے ہٹا دیتی ہے تو وہ میت سے باز پرس کئے بغیر چلا جاتا ہے پھر یہ اپنا منہ اس کے منہ پر رکھ کر کہتی ہے کہ اس منہ کو خوش آمدید جس نے میری تلاوت کی اور اس سینہ کو مرحبا جس نے مجھے اپنے اندر محفوظ رکھا اور ان قدموں کو صد مبارک جن پر کھڑے ہو کر یہ قیام میں مجھے پڑھا کرتا تھا اور یہ سورت قبر میں اس کی وحشت کو دور کرنے کے لئے اس کی مونس بن جاتی ہے۔'' جونہی رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث کو بیان کیا، ہر چھوٹے بڑے، آزاد اور غلام نے اس سورت کو سیکھ لیا۔ آپ ﷺ نے اس کا نام مُنْجِيَة (نجات دلانے والی) رکھا(3)۔ لیکن یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ یہ حدیث بہت ہی منکر ہے۔ اس کے راوی فرات بن سائب کو امام احمد، یحییٰ بن معین، امام بخاری، ابو حاتم، دار قطنی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسری سند سے اسے اختصار کے ساتھ ذکر کر کے امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کا قول بتایا ہے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب ''اثبات عذاب القبر'' میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اسے مرفوعاً اور موقوفاً دونوں طرح بیان کیا ہے جس سے اس مضمون کی تائید ہوتی ہے۔ ہم نے احکام کبریٰ کی کتاب الجنائز میں اسے بیان کر دیا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قرآن کریم میں ایک ایسی سورت ہے جس نے اپنے قاری کی طرف سے جھگڑا کیا یہاں تک کہ اسے جنت میں پہنچا دیا، وہ ہے سورۂ تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ(4)۔

1۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 321-299، سنن ابو داؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 2، صفحہ 57 عارضۃ الاحوذی، ابواب فضائل القرآن، جلد 11، صفحہ 21-20 سنن ابن ماجہ کتاب الادب، جلد 2، صفحہ 1244

2۔ ایضاً مرجع مذکور 3۔ تہذیب تاریخ دمشق الکبیر، جلد 2، صفحہ 105-104 4۔ درمنثور، جلد 8، صفحہ 331

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے کسی صحابی نے ایک قبر پر خیمہ نصب کر دیا، اسے علم نہ تھا کہ یہاں قبر ہے۔ اچانک اس نے سنا کہ ایک انسان سورۂ ملک کی تلاوت کر رہا ہے یہاں تک کہ اس نے اسے ختم کر دیا۔ یہ سارا ماجرا عرض کرنے پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ سورت روکنے والی ہے، یہ نجات دلانے والی ہے جو عذاب قبر سے نجات دلاتی ہے''۔ اس سند سے یہ حدیث غریب ہے(1)۔ ترمذی میں ہی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس وقت تک نہیں سوتے تھے جب تک سورۂ الم تنزیل اور سورۂ تَبٰرَكَ الَّذِیْ کی تلاوت نہ کر لیتے۔ حضرت طاؤس فرماتے ہیں کہ یہ دونوں سورتیں قرآن کریم کی دیگر سورتوں پر ستر نیکیاں زیادہ فضیلت رکھتی ہیں(2)۔ طبرانی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری خواہش ہے کہ میرے ہر امتی کو یہ سورت یاد ہو'' یعنی تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ(3)۔ یہ حدیث غریب ہے اور اس کے راوی ابراہیم ضعیف ہیں۔ ایسی ہی روایت سورۂ یٰسین کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ مسند عبد بن حمید میں یہ روایت زیادہ وضاحت کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کی گئی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص سے فرمایا: کیا میں تمہیں ایک ایسی حدیث تحفہ میں نہ دوں جس سے تو مسرور ہو جائے؟ اس نے عرض کی کہ ضرور کرم فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ پڑھا کرو اور اسے اپنی بیوی، تمام اولاد، گھر کے بچوں اور پڑوسیوں کو سکھاؤ کیونکہ یہ نجات دلانے والی ہے اور جھگڑا کرنے والی ہے جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے قاری کے حق میں جھگڑے گی اور مطالبہ کرے گی کہ اللہ تعالیٰ اسے عذاب جہنم سے بھی نجات عطا کرے اور عذاب قبر سے بھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں پسند کرتا ہوں کہ یہ سورت میرے ہر امتی کے دل میں ہو''(4)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ ٘ وَ هُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ ۟ۙ﴿۱﴾ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ ۟ۙ﴿۲﴾ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ﴿۳﴾ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّ هُوَ حَسِیْرٌ ﴿۴﴾ وَ لَقَدْ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ وَ جَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّیٰطِیْنِ وَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِیْرِ ﴿۵﴾

''منزہ و برتر ہے وہ جس کے قبضہ میں (سب جہانوں کی) بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔ جس نے پیدا کیا ہے موت اور زندگی کو تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے عمل کے لحاظ سے کون بہتر ہے۔ اور وہی دائمی عزت والا، بہت بخشنے والا ہے۔ جس نے بنائے ہیں سات آسمان اوپر نیچے۔ تمہیں نظر نہیں آئے گا (خداوند) رحمٰن کی آفرینش میں کوئی خلل۔ ذرا پھر نگاہ اٹھا کر دیکھ، کیا تجھے کوئی رخنہ دکھائی دیتا ہے۔ پھر بار بار نگاہ ڈال لوٹ آئے گی تیری طرف (تیری) نگاہ ناکام ہو کر

1۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب فضائل القرآن، جلد 11، صفحہ 22-19
2۔ ایضاً
3۔ المعجم الکبیر، جلد 11، صفحہ 242-241
4۔ درمنثور، جلد 8، صفحہ 231

درآنحالیکہ وہ تھکی ماندی ہوگی۔ اور بے شک ہم نے قریبی آسمان کو چراغوں سے آراستہ کر دیا ہے اور بنا دیا ہے انہیں شیاطین کو مار بھگانے کا ذریعہ۔ اور ہم نے تیار کر رکھا ہے ان کے لئے دہکتی آگ کا عذاب''۔

اللہ تعالیٰ اپنی ذات کریمہ کی عظمت بیان فرمارہا ہے اور اس حقیقت کی خبر دے رہا ہے کہ اسی کے قبضہ قدرت میں ہر طرح کی بادشاہی اور فرمانروائی ہے یعنی تمام مخلوقات میں اپنی مشیت کے مطابق تصرف کرنے والی ذات صرف وہی ہے۔ اس کے حکم کو ٹالنے کی کسی میں مجال نہیں اور اس کے غلبہ، حکمت اور عدل کے پیش نظر اس کے کسی کام کے متعلق باز پرس نہیں کی جا سکتی، اس لئے فرمایا: وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُۨ۔

پھر فرمایا: الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَیٰوةَ۔ اس آیت سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ موت امر وجودی ہے کیونکہ یہ بھی مخلوق اور پیدا شدہ چیز ہے۔ آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کو عدم سے وجود بخشا تاکہ وہ انہیں آزمائے کہ ان میں سے اچھے اعمال والا کون ہے جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: كَیْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْیَاكُمْ (بقرہ:28) '' کیونکر تم انکار کرتے ہو اللہ کا حالانکہ تم مردہ تھے اس نے تمہیں زندہ کیا''۔ پہلی حالت یعنی عدم کو موت کا نام دیا اور اس آفرینش کو حیات کہا، اسی لئے فرمایا: ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ (الروم:40) '' پھر (مقررہ وقت پر) تمہیں مارے گا پھر تمہیں زندہ کرے گا''۔ ابن ابی حاتم میں اس فرمان الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَیٰوةَ کے متعلق حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے: '' اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کو موت کے باعث ذلت میں ڈال دیا۔ دنیا کو اللہ تعالیٰ نے دارِ حیات اور پھر دارِ موت بنا دیا اور آخرت کو دارِ جزاء اور پھر دارِ بقاء بنا دیا''(1)۔

فرمایا: لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا یعنی تم میں سے اچھے عمل والا کون ہے۔ یہاں یہ نہیں فرمایا: '' اکثر عملاً '' یعنی زیادہ عمل والا کون ہے بلکہ یہ فرمایا کہ بہتر اور اچھے عمل والا کون ہے۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ یعنی وہی غالب، عظیم اور ناقابل تسخیر قوت والا ہے لیکن اس کے باوجود وہ ہر اس شخص کی مغفرت فرمانے والا بھی ہے جو اس کی نافرمانی اور مخالفت سے توبہ کر کے اس کی بارگاہ میں رجوع کر لے۔ وہ اگرچہ غالب ہے لیکن پھر بھی بخش دیتا ہے، رحم فرماتا ہے، درگزر کرتا ہے اور گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔

پھر فرمایا: الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا یعنی جس نے اوپر نیچے سات آسمان تخلیق کئے۔ کیا یہ آسمان تہ بہ تہ ایک دوسرے کے ساتھ متصل ہیں یا ان کے درمیان فاصلہ اور خلاء ہے؟ اس بارے میں دو قول ہیں جن میں سے دوسرا زیادہ صحیح ہے یعنی آسمان ایک دوسرے کے اوپر ہیں اور ان کے درمیان فاصلہ اور خلاء ہے۔ حدیث معراج وغیرہ سے بھی اسی موقف کی تائید ہوتی ہے

اس کے بعد فرمایا: مَا تَرٰى فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ یعنی رحمٰن کی آفرینش میں کوئی اختلاف، تضاد، عدم ربط، نقص عیب اور خلل نہیں ہے بلکہ ان میں دقت، مضبوطی اور یکسانیت پائی جاتی ہے۔ اس لئے فرمایا: فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ یعنی آسمان کی طرف نگاہ ڈالو اور اس میں غور و فکر کرو، کیا اس میں تمہیں کوئی عیب، نقص، خلل، رخنہ یا شگاف دکھائی دیتا ہے؟ حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہ، ثوری، مجاہد، ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کے بقول '' فطور '' کا معنی ہے شگاف اور پھٹن۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا معنی ہے سوراخ اور شگاف۔ ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کا معنی بوسیدگی اور بوداپن منقول ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کے بقول اس کا معنی ہے خلل۔

1۔ درمنثور، جلد 8، صفحہ 234، طبری، جلد 29، صفحہ 1

پھر فرمایا: ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں یہاں کرتین (تثنیہ) کا معنی ہے دو مرتبہ۔

فرمایا: يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ...... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "خاسئا" کا معنی ہے ذلیل ہوکر اور "حسیر" کا معنی ہے تھکی ہوئی اور درماندہ۔ مجاہد، قتادہ اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ کے بقول اس کا معنی ہے تھکاوٹ اور درماندگی سے چکنا چور۔ آیت کا معنی یہ ہوگا کہ اگر تو بار بار اپنی نظر ڈالے اور ڈالتا ہی چلا جائے تو بھی تیری نظر اس حال میں تیری طرف لوٹے گی کہ وہ کسی عیب یا نقص کو دیکھنے سے عاجز اور ذلیل ورسوا ہوگی اور بار بار دیکھنے کے باوجود نقص اور شکست وریخت کی تلاش میں ناکامی کے باعث تھکی ماندی ہوگی۔ آسمانوں کی تخلیق میں نقص اور عیب کی نفی کے بعد ان کے کمال اور زینت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: وَ لَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ، مصابیح سے مراد وہ ثابت رہنے والے اور چلنے پھرنے والے ستارے ہیں جنہیں آسمان میں آویزاں کر دیا گیا ہے۔ اس کے بعد فرمایا: وَ جَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ اس میں "ھا" ضمیر کا مرجع مصابیح (چراغ) کی جنس ہے نہ کہ ان کا عین اور ذات کیونکہ شیطانوں کو مار بھگانے کے لئے آسمان کے ستارے نہیں پھینکے جاتے بلکہ ان سے برآمد ہونے والے شعلے ان کا تعاقب کرتے ہیں۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ یعنی ہم نے شیاطین کے لئے دنیا کی اس ذلت ورسوائی کے علاوہ آخرت میں دہکتی ہوئی آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ِ الْكَوَاكِبِ ۙ وَ حِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ۚ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَ يُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۖ دُحُوْرًا وَّ لَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۙ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ (صافات: 10-6)
"بلاشبہ ہم نے آراستہ کیا ہے آسمان دنیا کو ستاروں کے سنگھار سے۔ اور (اسے) محفوظ کر دیا ہے ہر سرکش شیطان (کی رسائی) سے۔ نہیں سن سکتے کان لگا کر عالم بالا کی باتوں کو اور پتھراؤ کیا جاتا ہے ان پر ہر طرف سے۔ ان کو بھگانے کے لئے اور ان کے لئے دائمی عذاب ہے مگر جو شیطان کچھ جھپٹ لینا چاہتا ہے تو تعاقب کرتا ہے اس کا تیز شعلہ"۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان ستاروں کو تین مقاصد اور فوائد کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ آسمان کی زینت، شیطانوں کو مار بھگانے کا آلہ اور راہ یاب ہونے کی علامات۔ جس شخص نے ان فوائد کے علاوہ ان کے ساتھ کوئی اور مقصد وابستہ کیا، اس نے خود ساختہ رائے کا اظہار کیا، اپنے نصیب کو برباد کیا اور ایسی چیز کا تکلف کیا جس کے متعلق اسے کوئی علم ہی نہیں (1)۔

وَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّ هِيَ تَفُوْرُ ۙ تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ؕ كُلَّمَآ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ ۝ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ ۙ فَكَذَّبْنَا وَ قُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۚ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ۝ وَ قَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْۤ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝ فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝

"اور جنہوں نے انکار کیا اپنے رب کا ان کے لئے عذاب جہنم ہے اور جہنم بڑی بری لوٹنے کی جگہ ہے۔ جب وہ اس میں جھونکے جائیں گے تو اس کی زوردار گرج سنیں گے اور وہ جوش مار رہی ہوگی۔ (ایسا معلوم ہوتا ہے) گویا مارے غضب کے

1۔ تفسیر طبری، جلد 29، صفحہ 4-3

پھٹا چاہتی ہے۔ جب بھی اس میں کوئی جتھا جھونکا جائے گا تو ان سے دوزخ کے محافظ پوچھیں گے کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا۔ وہ کہیں گے کیوں نہیں بے شک ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تھا۔ پس ہم نے اس کو جھٹلایا اور ہم نے اس کو (صاف صاف) کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے تو کوئی چیز نہیں اتاری۔ تم لوگ کھلی گمراہی میں مبتلا ہو۔ وہ کہیں گے کاش! ہم (ان کی نصیحت کو) سنتے اور سمجھتے تو (آج) ہم دوزخیوں میں نہ ہوتے۔ پس (اس روز) اپنے گناہوں کا اعتراف کریں گے۔ تو پھٹکار ہو اہل جہنم پر"۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ...... یعنی ہم نے کفار کے لئے جہنم کا عذاب تیار کر رکھا ہے اور یہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔ جب انہیں اس میں جھونکا جائے گا تو وہ اس کی سخت بھیانک گرج سنیں گے اور وہ یوں جوش مار رہی ہوگی جیسے بہت سے پانی میں تھوڑے سے دانے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ ان جہنمیوں پر شدت غیظ اور فرط غضب کے باعث یہ آگ پھٹ کر پارہ پارہ ہو جائے گی۔ پھر اللہ تعالیٰ مخلوق کے متعلق اپنے عدل اور اس حقیقت کو بیان کرتے ہوئے کہ وہ اتمام حجت اور ارسال رسول سے پہلے کسی کو عذاب میں مبتلا نہیں کرتا، فرماتا ہے: كُلَّمَاۤ اُلْقِيَ فِيْهَا فَوْجٌ...... اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (بنی اسرائیل: 15) "اور ہم عذاب نازل نہیں کرتے جب تک ہم نہ بھیجیں کسی رسول کو"۔ اسی طرح ایک اور جگہ پر فرمایا: حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَاۤ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (زمر: 71) "جب اس کے پاس آئیں گے تو کھول دیئے جائیں گے اس کے دروازے اور پوچھیں گے ان سے دوزخ کے پہریدار کیا نہیں آئے تھے تمہارے پاس پیغمبر تم میں سے جو پڑھ کر سناتے تمہیں تمہارے رب کی آیتیں اور ڈراتے تمہیں اس دن کی ملاقات سے کہیں گے بیشک آئے تھے لیکن ثبت ہو چکا تھا (لوح محفوظ میں) عذاب کا حکم کفار پر"۔ اسی طرح یہ حرماں نصیب خود کو ملامت کریں گے اور فرط ندامت سے اپنے ہاتھ کاٹیں گے لیکن اب اس ندامت کا انہیں کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ وہ حسرت اور ندامت کا اظہار کرتے ہوئے کہیں گے: لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ...... یعنی اگر ہماری عقلیں ہوتیں جن سے ہم استفادہ کرتے یا ہم اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حق کو سنتے تو ہم نہ فریب کھاتے اور نہ کفر کا ارتکاب کرتے لیکن ہمارے پاس نہ ایسی فہم تھی جس سے ہم رسولوں کے پیغام کو سمجھتے اور نہ ہمیں ایسی عقل میسر تھی جو اتباع رسل کی طرف ہماری رہنمائی کرتی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ یعنی انہوں نے خود اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا، سو پھٹکار ہو جہنمیوں پر! یہ اللہ کی رحمت سے دور اور راندۂ درگاہ ہو گئے۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "لوگ اس وقت تک ہلاک نہ ہوں گے جب تک وہ بکثرت گناہ نہ کریں اور حجت تمام نہ ہو جائے" (1)۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: "کوئی شخص اس وقت ہی جہنم میں جائے گا جب اسے یہ علم ہو جائے کہ وہ جنت سے زیادہ دوزخ کا مستحق ہے"۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ⑫ وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑬ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ۭ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ⑭ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ۭ

1۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 260

وَ اِلَیْهِ النُّشُوْرُ ﴿۱۵﴾

''بے شک جو لوگ اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں ان کے لئے (اللہ کی) مغفرت اور اجر عظیم ہے۔ تم اپنی بات آہستہ کہو یا بلند آواز سے (اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا) بے شک وہ خوب جاننے والا ہے جو کچھ سینوں میں ہے۔ (نادانو!) کیا وہ نہیں جانتا (بندوں کے احوال کو) جس نے (انہیں) پیدا کیا ہے۔ وہ بڑا باریک بین، ہر چیز سے باخبر ہے۔ وہی تو ہے جس نے نرم کر دیا ہے تمہارے لئے زمین کو پس (اطمینان سے) چلو اس کے راستوں پر اور کھاؤ اس کے (دیئے ہوئے) رزق سے۔ اور اسی کی طرف تم کو (قبروں سے) اٹھ کر جانا ہے''۔

ان لوگوں کے متعلق خبر دی جارہی ہے جو اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے ہر وقت لرزاں و ترساں رہتے ہیں، خلوت اور عزلت میں بھی برائیوں کے قریب تک نہیں جاتے اور ہر لحظہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور بندگی میں مشغول رہتے ہیں حالانکہ انہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں دیکھ رہا ہوتا، ان سعادتمندوں کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے یعنی ان کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور انہیں گرانقدر ثواب اور بہت زیادہ اجر سے نوازا جائے گا۔ جیسا کہ صحیحین کی ایک حدیث میں آتا ہے کہ سات اشخاص ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے عرش تلے اس دن سایہ مہیا فرمائے گا جس دن اس کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا، ان میں سے ایک شخص وہ ہے جسے کسی صاحب مرتبہ اور صاحب جمال عورت نے اپنی طرف بلایا لیکن اس نے یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور ایک دوسرا شخص جسے عرش کا سایہ نصیب ہوگا، وہ ہے جس نے پوشیدہ پوشیدہ اس طرح صدقہ کیا کہ اس کے دائیں ہاتھ کے خرچ کی بابت اس کے بائیں ہاتھ کو بھی علم نہ ہوسکا(1)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! ہم آپ کے پاس حاضر ہوتے ہیں تو ہمارے دلوں کی اور کیفیت ہوتی ہے لیکن جب ہم آپ کی محفل سے رخصت ہو جاتے ہیں تو وہ کیفیت باقی نہیں رہتی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم یہ بتاؤ کہ تمہاری اپنے رب کے ساتھ کیا کیفیت رہتی ہے؟ عرض کی: ہمارا یہ پختہ اعتقاد ہے کہ پوشیدہ اور علانیہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ ہی ہمارا رب ہے۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ نفاق نہیں (2)۔'' پھر اللہ تعالیٰ اس بات پر آگاہ کرتے ہوئے کہ وہ سینے کے رازوں اور دل میں جنم لینے والے خیالات سے بھی واقف ہے۔ فرماتا ہے: وَ اَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ ..... اگلی آیت میں فرمایا: اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ اس کے معنی کی دو صورتیں ہیں۔ پہلی صورت میں مَنْ خَلَقَ فاعل ہے گویا عبارت یوں ہوئی: اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ یعنی کیا خالق نہیں جانتا؟ دوسری صورت میں یہ مفعول ہے۔ عبارت یوں بنے گی: الا یعلم اللہ مخلوقہ یعنی کیا اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو نہیں جانتا لیکن پہلی صورت زیادہ موزوں ہے کیونکہ اس کے بعد فرمایا جارہا ہے:

وَ هُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ اس کے بعد اللہ تعالیٰ مخلوق پر کئے گئے اپنے انعام کا ذکر فرماتا ہے کہ اس نے ان کے لئے زمین کو مسخر اور مطیع بنا دیا۔ وہ اس طرح کہ زمین قرار اور سکون کے ساتھ ٹھہری ہوئی ہے۔ نہ یہ ڈولتی ہے اور نہ اضطراب میں رہتی ہے کیونکہ اس میں پہاڑ نصب کر کے اسے پرسکون بنا دیا گیا ہے۔ اس زمین میں چشمے بھی جاری کر دیئے، راستے بھی بنا دیئے اور گوناگوں منافع بھی اس میں مہیا کر دیئے۔ اس میں طرح طرح کی کھیتیاں اگتی ہیں اور قسم قسم کے پھل پیدا ہوتے ہیں۔ اس عظیم انعام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا ..... یعنی وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو مطیع بنا دیا، اس لئے اس کے رستوں پر چل کر جہاں

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ: 271، سورۂ یوسف: 33 2۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 35-34

چاہو، سفر کرو اور اکناف عالم میں چل پھر کر اور ملکوں اور شہروں کا سفر کر کے تجارت کرو اور اپنے رزق کا سامان کرو لیکن یہ حقیقت تمہارے علم میں ہونی چاہئے کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں یہ سہولت اور آسانی بہم نہ پہنچائے تو تمہاری ہر سعی لاحاصل ہے، تمہاری ہر جدو جہد بیکار ہے اور تمہاری ہر کوشش رائیگاں ہے۔ اس لئے فرمایا: وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حصول اسباب کی کوشش توکل کے منافی نہیں جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''اگر تم اللہ تعالیٰ کی ذات پر اس طرح توکل کرتے جس طرح توکل کا حق ہے تو اللہ تعالیٰ تمہیں اس طرح رزق فراہم کرتا جس طرح وہ پرندوں کو فراہم کرتا ہے۔ وہ خالی شکم صبح کو نکلتے ہیں اور سیر شکم ہو کر شام کو واپس آ جاتے ہیں'' (1)۔ پرندوں کے توکل کے باوجود طلب رزق کے لئے ان کا صبح کے وقت نکلنا ثابت ہے اور یہ توکل میں ہی داخل ہے کیونکہ چیزوں کو مطیع کرنے والا، ان کی راہ دکھانے والا اور اسباب فراہم کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ آیت کے آخر میں فرمایا: وَ اِلَیْهِ النُّشُوْرُ یعنی قیامت کے دن اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ حضرات ابن عباس، مجاہد، سدی اور قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے بقول ''مناکب'' کا معنی ہے: اطراف، راستے اور کونے۔ حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہ اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس کا معنی پہاڑ بھی منقول ہے۔

حضرت بشیر بن کعب رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تلاوت کی اور اپنی ام ولد سے فرمایا کہ اگر تم ''مناکب'' کی صحیح صحیح تفسیر بتا دو تو تم آزاد ہو۔ اس نے کہا کہ اس سے مراد پہاڑ ہیں۔ انہوں نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا تو انہوں نے بھی یہی تفسیر بتائی کہ اس سے مراد پہاڑ ہیں (2)۔

ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ ﴿۱۶﴾ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ۭ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ ﴿۱۷﴾ وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۱۸﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّيَقْبِضْنَ ؔ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ۭ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍۢ بَصِيْرٌ ﴿۱۹﴾

''کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اس سے جو آسمان میں ہے کہ وہ تمہیں زمین میں غرق کر دے اور وہ زمین تھر تھر کانپنے لگے۔ کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اس سے جو آسمان میں ہے کہ وہ بھیج دے تم پر پتھر برسانے والی ہوا۔ تب تمہیں پتہ چلے گا کہ میرا ڈرانا کیسا ہوتا ہے۔ اور جو لوگ ان سے پہلے گزرے انہوں نے بھی جھٹلایا (خود دیکھ لو) کہ (ان) پر میرا عذاب کتنا سخت تھا۔ کیا انہوں نے پرندوں کو اپنے اوپر (اڑتے) کبھی نہیں دیکھا پر پھیلائے ہوئے کبھی پر سمیٹ بھی لیتے ہیں۔ نہیں روکے ہوئے انہیں کوئی (فضا میں) بجز رحمن کے۔ بے شک وہ ہر چیز کو خوب دیکھنے والا ہے''۔

مخلوق پر اللہ تعالیٰ کا یہ بھی لطف و کرم اور رحمت ہے کہ باوجود کفار اور غیر اللہ کی پرستش کرنے والوں کو عذاب دینے کی قدرت کے، وہ درگزر فرماتا ہے، معاف کر دیتا ہے، مہلت عطا کرتا ہے اور جلد انتقام نہیں لیتا جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا (فاطر: 45) '' اور

1۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 30، سنن ابن ماجہ، جلد 2، صفحہ 1394، عارضۃ الاحوذی، جلد 9، صفحہ 208-207
2۔ درمنثور، جلد 8، صفحہ 237

اگر اللہ تعالیٰ (فوراً) پکڑ لیا کرتا لوگوں کو ان کے کرتوتوں کے باعث تو نہ (زندہ) چھوڑتا زمین کی پشت پر کسی جاندار کو لیکن (اس کی سنت یہ ہے) وہ ڈھیل دیتا رہتا ہے انہیں ایک مقررہ میعاد تک۔ پس جب ان کی میعاد آ جائے گی تو بے شک اللہ کے سب بندے اس کی نگاہ میں ہیں''۔

اور یہاں فرمایا: اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ...... یعنی کیا تم اس ذات سے بے خوف ہو گئے ہو جو آسمانوں میں ہے کہ وہ تمہیں زمین میں دھنسا دے اور وہ تھر تھر کانپنے، لرزنے اور ہچکولے کھانے لگے یا وہ پتھر برسانے والی ایسی ہوا بھیج دے جس سے ان کے بھیجے اڑ جائیں اور وہ نیست و نابود ہو جائیں۔ جیسا کہ ایک مقام پر فرمایا: اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ یَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ یُرْسِلَ عَلَیْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِیْلًا (اسراء:68)'' کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اس سے کہ اللہ دھنسا دے تمہارے ساتھ خشکی کے کنارہ کو یا بھیج دے تم پر اولے برسانے والا بادل پھر اس وقت تم نہیں پاؤ گے اپنے لئے کوئی کارساز''۔ اسی طرح یہاں دھمکی دیتے ہوئے فرمایا: فَسَتَعْلَمُوْنَ كَیْفَ نَذِیْرِ یعنی پھر تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میرا ڈرانا کیسا ہے اور اسے جھٹلانے والے کا انجام کیا ہوتا ہے۔

پھر فرمایا: وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِیْنَ...... یعنی سابقہ امتوں اور گزشتہ قوموں نے بھی تکذیب کی روش اختیار کی تو کس طرح میں نے بطور سزا انہیں سخت دردناک عذاب کی چکی میں پیس کر رکھ دیا۔ اس کے بعد اپنی ایک اور قدرت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔

اَوَلَمْ یَرَوْا اِلَى الطَّیْرِ...... یعنی کیا انہوں نے اپنے اوپر فضا میں اڑتے ہوئے پرندوں کو نہیں دیکھا جو ہوا میں پرواز کرتے ہوئے کبھی اپنے پروں کو پھیلا لیتے ہیں اور کبھی سمیٹ لیتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا لطف و کرم ہے جس کے طفیل یہ ہوا میں معلق اڑتے پھرتے ہیں اور ہوا کو اس نے ان کے لئے مسخر کر دیا ہے، اور وہ بلا شبہ اپنی مخلوقات کی حاجات اور ضروریات کو خوب جاننے والا ہے اور ہر مخلوق میں اس کی ضرورت کے مطابق استعداد بھی ودیعت کر رکھی ہے۔ اسی طرح فرمایا: اَلَمْ یَرَوْا اِلَى الطَّیْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِیْ جَوِّ السَّمَآءِ ۭ مَا یُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ۭ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ (النحل:79)'' کیا انہوں نے کبھی نہیں دیکھا پرندوں کی طرف کہ وہ مطیع اور فرمانبردار بن کر اڑ رہے ہیں فضاء آسمانی میں۔ کوئی چیز انہیں تھامے ہوئے نہیں بجز اللہ تعالیٰ کے۔ بیشک اس میں (کھلی) نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے ہیں''۔

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ یَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ۭ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِیْ غُرُوْرٍ ﴿۲۰﴾ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ یَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ۚ بَلْ لَّجُّوْا فِیْ عُتُوٍّ وَّ نُفُوْرٍ ﴿۲۱﴾ اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖۤ اَهْدٰۤى اَمَّنْ یَّمْشِیْ سَوِیًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۲۲﴾ قُلْ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَكُمْ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۳﴾ قُلْ هُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ فِی الْاَرْضِ وَ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَ یَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۲۵﴾ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۪ وَ اِنَّمَاۤ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۲۶﴾ فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِیْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ قِیْلَ هٰذَا الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ﴿۲۷﴾

'' (اے منکرو!) کیا تمہارے پاس کوئی ایسا لشکر ہے جو تمہاری مدد کرے (خداوند) رحمٰن کے علاوہ۔ بے شک منکرین دھوکہ

میں مبتلا ہیں کیا کوئی ایسی ہستی ہے جو تمہیں رزق پہنچا سکے اگر اللہ تعالیٰ اپنا رزق بند کر لے۔ لیکن یہ لوگ سرکشی اور حق سے نفرت میں بہت دور نکل گئے ہیں۔ کیا وہ شخص جو منہ کے بل گرتا پڑتا چلا جا رہا ہے وہ راہ راست پر ہے یا جو سیدھا ہو کر صراط مستقیم پر گامزن ہے۔ آپ فرمایئے وہی تو ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے لئے کان، آنکھیں اور دل بنائے۔ (لیکن) تم بہت کم شکر کیا کرتے ہو۔ آپ فرمایئے اسی نے تم کو پھیلا دیا ہے زمین میں اور (روزِ حشر) تم اسی کے پاس جمع کئے جاؤ گے (کفار از راہِ مذاق) پوچھتے ہیں کہ (بتاؤ) یہ وعدہ کب پورا ہوگا اگر تم سچے ہو۔ آپ فرمایئے (اس کا) علم تو اللہ ہی کے پاس ہے۔ میں تو محض واضح طور پر خبردار کرنے والا ہوں۔ پھر جس وقت اسے قریب آتے دیکھیں گے تو کافروں کے چہرے بگڑ جائیں گے۔ اور انہیں کہا جائے گا کہ یہ ہے جس کا تم بار بار مطالبہ کرتے تھے"۔

غیر اللہ کی عبادت کرنے والے مشرکین جو یہ عقیدہ رکھے ہوئے تھے کہ ان کے معبودانِ باطلہ ان کی مدد کرنے اور انہیں رزق فراہم کرنے پر قادر ہیں، ان کے اس غلط عقیدہ کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ان کی سرزنش کر رہا ہے اور انہیں آگاہ فرما رہا ہے کہ ان کی یہ امید کبھی بر نہیں آئے گی، فرمایا۔

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ جُنْدٌ یعنی تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی دوست ہے، نہ کوئی مددگار اور نہ کوئی حفاظت کرنے والا، اس لئے فرمایا: اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِیْ غُرُوْرٍ یعنی کفار فریب کا شکار ہیں۔

پھر فرمایا: اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ یَرْزُقُكُمْ...... یعنی اگر اللہ تعالیٰ تم سے اپنا رزق روک لے تو کون ہے جو تمہیں رزق بہم پہنچائے؟ یعنی اللہ وحدہ لاشریک کے سوا نہ کوئی عطا کر سکتا ہے، نہ روک سکتا ہے، نہ پیدا کر سکتا ہے، نہ رزق مہیا کر سکتا ہے اور نہ ہی مدد کر سکتا ہے۔ یہ مشرکین اس حقیقت کا علم ہونے کے باوجود غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں، اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ بدبخت اپنی سرکشی، افترا پردازی، گمراہی، عناد اور حق سے نفرت کرنے میں اس طرح سرگرداں ہیں کہ تمام حدود پھلانگ گئے ہیں، نہ یہ دعوت حق کو سنتے ہیں اور نہ اس کی پیروی کرتے ہیں۔ پھر کافر اور مومن کی مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا: اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُكِبًّا...... یعنی کافر جس تباہ کن صورت حال سے دوچار ہے اس کی مثال ایسے شخص کی سی ہے جو اپنے منہ کے بل اوندھا گرتا پڑتا چلا آ رہا ہو، کبھی ادھر کو لڑھک رہا ہو اور کبھی ادھر کو۔ نہ اسے یہ معلوم ہو کہ وہ کہاں چل رہا ہے اور نہ یہ پتہ ہو کہ کیسے جا رہا ہے بلکہ وہ حیرت کی تصویر بنے سرگشتہ، ہکا بکا اور بھٹکا ہوا ہے۔ کیا یہ ہدایت یافتہ ہے یا وہ مومن جس کی مثال ایسے شخص کی سی ہے جو سیدھا صراط مستقیم پر گامزن ہے؟ وہ راست رو ہے اور گامزن بھی راہ راست پر ہے۔ یہ دنیا میں ان کی مثال ہے۔ قیامت کے دن بھی ان کی یہی کیفیت ہوگی۔ مومن ایسے سیدھے راستے پر محوسفر ہوگا جو اسے پر آسائش جنت کی طرف لے جائے گا لیکن کافر اوندھے منہ چلتے ہوئے جہنم رسید ہوگا جیسا کہ ایک مقام پر فرمایا: اُحْشُرُوا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا وَ اَزْوَاجَهُمْ وَ مَا كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ ﴿۲۲﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِیْمِ (صافات: 23-22)" (اے فرشتو!) جمع کرو جنہوں نے ظلم کیا تھا اور ان کے ساتھیوں کو اور جن کی یہ عبادت کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر پس سیدھا لے چلو انہیں جہنم کی راہ کی طرف"۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دریافت کیا گیا: یارسول اللہ ﷺ منہ کے بل لوگوں کا حشر کیسے ہوگا؟ فرمایا: "وہ ذات جس نے انہیں پاؤں پر چلایا، کیا وہ انہیں منہ کے بل چلانے پر قادر نہیں؟" (1)۔ یہ روایت صحیحین میں بھی ہے۔

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ فرقان: 34، سورۂ اسراء: 97

فرمایا: قُلْ هُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَكُمْ...... یعنی وہی اللہ تعالیٰ ہے جس نے تمہاری آفرینش کا آغاز کیا جبکہ تم عدم محض اور ناقابل ذکر چیز تھے اور اس نے تمہیں کانوں، آنکھوں اور دلوں یعنی عقل و ادراک سے نوازا اس کے باوجود تم بہت کم شکر ادا کرتے ہو یعنی تم اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ان قوتوں کو اس کی اطاعت، اس کے احکام بجالانے اور نواہی سے اجتناب کرنے میں بہت کم استعمال کرتے ہو۔ اس کے بعد فرمایا: قُلْ هُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ...... یعنی وہی اللہ تعالیٰ ہے جس نے تمہیں زمین کے اطراف و اکناف میں پھیلا دیا اور تمہیں جدا گانہ اور الگ الگ زبانیں، رنگ و روپ، شکلیں اور صورتیں عطا کیں۔ اس اختلاف، تفرق اور بکھرنے کے بعد آخر کار تم سب اللہ تعالیٰ کے حضور جمع کئے جاؤ گے اور وہ تمہیں ایک مرتبہ پھر زندہ کر کے لوٹائے گا جیسا کہ اس نے پہلی مرتبہ تمہیں پیدا کیا تھا۔ اس کے بعد قیامت کا انکار کرنے والوں اور اسے محال سمجھنے والے کافروں کے متعلق فرمایا: وَ یَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ...... یعنی یہ جو آپ ہمیں بتاتے ہیں کہ بکھرنے اور ریزہ ریزہ ہو جانے کے بعد ہمیں ایک بار پھر جمع کیا جائے گا، ایسا کب ہوگا؟ اس کا یہ جواب تلقین فرمایا گیا: اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ...... ''یعنی اس کا معین وقت صرف اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے لیکن اس نے مجھے اس کے متعلق یہ خبر دینے کا حکم دیا ہے کہ قیامت ضرور وقوع پذیر ہوگی، اس لئے اس سے محتاط رہو اور میری ذمہ داری صرف یہی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے پیغام کو تم تک پہنچا دوں اور یہ فریضہ میں نے ادا کر دیا ہے۔

فرمایا: فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً...... یعنی جب قیامت برپا ہونے کے قریب ہوگی اور کفار اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کر لیں گے اور انہیں یقین ہو جائے گا کہ قیامت تو واقعی قریب تھی کیونکہ جس کا وقوع یقینی ہو وہ چیز قریب ہی ہوتی ہے اگرچہ اس کے وقوع میں ایک طویل زمانہ گزر جائے، جس قیامت کو وہ ہمیشہ جھٹلاتے رہے، جب وہ وقوع پذیر ہوگی تو ان کی حالت بہت بری اور خستہ ہوگی کیونکہ انہیں اس عذاب اور ہولناک کیفیت کا علم ہو جائے گا جس کا سامنا انہیں کرنا ہوگا اور اچانک اس طرح اللہ تعالیٰ کا حکم آپہنچے گا کہ ان کے گمان میں بھی نہ ہوگا جیسا کہ ایک مقام پر فرمایا: وَ بَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ یَكُوْنُوْا یَحْتَسِبُوْنَ ۝ وَ بَدَا لَهُمْ سَیِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَ حَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ (زمر: 48-47)'' اور (اس روز) ظاہر ہو جائے گا ان پر اللہ کی طرف سے جس کا وہ گمان بھی نہیں کیا کرتے تھے۔ اور ظاہر ہو جائیں گے ان پر وہ برے اعمال جو انہوں نے کمائے تھے اور گھیر لے گا انہیں وہ (عذاب) جس کا یہ مذاق اڑایا کرتے تھے''۔ اس لئے انہیں بطور سرزنش اور زجر و توبیخ کہا جائے گا: هٰذَا الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ یعنی یہ ہے وہ جس کے لئے تم جلدی مچایا کرتے تھے۔

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِیَ اللّٰهُ وَ مَنْ مَّعِیَ اَوْ رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ یُّجِیْرُ الْكٰفِرِیْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝۲۸ قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَ عَلَیْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝۲۹ قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ یَّاْتِیْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِیْنٍ ۝۳۰

'' آپ فرمائیے (اے منکرو!) ذرا غور تو کرو اگر اللہ تعالیٰ مجھے اور جو میرے ساتھ ہیں، کو ہلاک کر دے یا ہم پر رحم فرمائے، تو کون بچالے گا کافروں کو دردناک عذاب سے۔ فرمائیے وہ (میرا خالق) بڑا ہی مہربان ہے ہم اسی پر ایمان لائے ہیں اور اسی پر ہم نے توکل کیا ہوا ہے۔ پس عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا کہ کھلی گمراہی میں کون ہے۔ آپ پوچھئے اگر کسی صبح تمہارا پانی زمین کی تہہ میں اتر جائے تو تمہیں میٹھا صاف پانی کون لا دے گا؟''

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار کرنے والے مشرکین سے کہہ دیں: اَرَءَیْتُمْ

اِنْ اَهْلَكَنِيَ ...... مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ یعنی تم اپنی خیر مناؤ اور اپنی نجات کی فکر کرو کیونکہ تمہارے لئے نجات اور چھٹکارے کی یہی صورت ہے کہ توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو جاؤ اور اس کے دین کو مضبوطی سے تھام لو۔ یہ جو تم ہمارے عذاب میں مبتلا ہونے کی تمنا رکھتے ہو، بالفرض اگر یہ پوری ہو بھی جائے تو بھی تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ ہمیں عذاب دے یا ہم پر رحم فرمائے، تم اس کی فکر نہ کرو، تم اپنے انجام کے متعلق سوچو، تم ہرگز عبرتناک اور دردناک عذاب سے نہیں بچ سکتے۔

پھر فرمایا: قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ ...... یعنی ہم رب العالمین پر ایمان لائے ہیں جو بہت ہی مہربان اور ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے اور اپنے تمام امور میں ہم نے اسی پر ہی بھروسہ کیا ہے جیسا کہ فرمایا: فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ (ہود:123) ''تو آپ بھی اسی کی عبادت کیجئے اور اسی پر بھروسہ رکھئے''۔ اس لئے فرمایا: فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ یعنی عنقریب تمہیں پتہ چل جائے گا کہ ہم میں سے اور تم میں سے کون کھلی گمراہی میں مبتلا ہے اور دنیا و آخرت میں کس کا انجام بخیر ہوتا ہے۔

پھر فرمایا: قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ ...... یعنی یہ تو بتاؤ کہ اگر تمہارا پانی زمین کی تہہ اور گہرائی میں اتر جائے تو تمہیں کون میٹھا صاف پانی لا دے گا۔ پھر تو تمہارے ہتھیار بھی جواب دے دیں گے اور تمہاری قوت بازو بھی کسی کام نہیں آئے گی۔ غائر (گہرا) کا متضاد نابع ہے۔ اس لئے فرمایا: فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ ...... یعنی کون ہے جو ابلنے والا، بہنے والا اور سطح زمین پر چلنے والا پانی تمہارے پاس لے آئے؟ یعنی سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی بھی اس پر قدرت نہیں رکھتا۔ یہ اسی کا فضل و کرم ہے کہ اس نے تمہارے لئے ضرورت کے مطابق زمین کے اطراف و اکناف میں صاف اور میٹھا پانی جاری کر دیا۔

سورۃ القلم (مکیہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

نٓ وَ الۡقَلَمِ وَ مَا یَسۡطُرُوۡنَ ۙ﴿۱﴾ مَاۤ اَنۡتَ بِنِعۡمَۃِ رَبِّکَ بِمَجۡنُوۡنٍ ۚ﴿۲﴾ وَ اِنَّ لَکَ لَاَجۡرًا غَیۡرَ مَمۡنُوۡنٍ ۚ﴿۳﴾ وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ ﴿۴﴾ فَسَتُبۡصِرُ وَ یُبۡصِرُوۡنَ ۙ﴿۵﴾ بِاَیِّکُمُ الۡمَفۡتُوۡنُ ﴿۶﴾ اِنَّ رَبَّکَ ہُوَ اَعۡلَمُ بِمَنۡ ضَلَّ عَنۡ سَبِیۡلِہٖ ۪ وَ ہُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُہۡتَدِیۡنَ ﴿۷﴾

''ن، قسم ہے قلم کی اور جو کچھ وہ لکھتے ہیں۔ آپ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں ہیں۔ اور یقیناً آپ کے لئے ایسا اجر ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا اور بے شک آپ عظیم الشان خلق کے مالک ہیں۔ عنقریب آپ بھی دیکھیں گے اور وہ بھی دیکھ لیں گے کہ تم میں سے (واقعی) مجنون کون ہے۔ بے شک آپ کا رب خوب جانتا ہے ان کو جو اس کی راہ سے بہک گئے ہیں اور انہیں بھی خوب جانتا ہے جو ہدایت یافتہ ہیں''۔

نون حروفِ ہجاء و مقطعات سے ہے اور ان کے متعلق بحث سورۂ بقرہ کی تفسیر کے آغاز میں گزر چکی ہے جسے دہرانے کی یہاں ضرورت نہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ن سے مراد وہ بہت بڑی مچھلی ہے جو پانی کے بہت بڑے ذخیرے پر ہے اور وہ ساتوں زمینوں کو اٹھائے ہوئے ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا اور اسے فرمایا: لکھ۔ اس نے کہا کہ کیا لکھوں؟ فرمایا: تقدیر لکھ دے۔ چنانچہ قلم جاری ہوگیا اور اس دن سے قیامت تک جو کچھ ہونے والا تھا، اس نے وہ سب کچھ لکھ دیا، پھر اللہ تعالیٰ نے نون (مچھلی) پیدا کی اور پانی کے بخارات بلند کئے جس سے آسمان بنے اور زمین کو اس مچھلی کی پیٹھ پر بچھا دیا گیا۔ اس مچھلی کے اضطراب اور حرکت سے زمین بھی ڈولنے اور ہچکولے کھانے لگی۔ چنانچہ زمین میں پہاڑ نصب کر کے اسے ثابت اور ساکن بنا دیا، اس لئے یہ زمین پر فخر کرتے ہیں(1)۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے پھر اس آیت کی تلاوت کی۔ ایک اور روایت میں آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے رب نے سب سے پہلے قلم کی تخلیق کی پھر اسے لکھنے کا حکم فرمایا تو اس نے وہ سب کچھ لکھ دیا جو قیامت تک ہونے والا تھا، پھر پانی کے اوپر مچھلی پیدا کی اور اس کے اوپر زمین کو پھیلا دیا(2)۔ طبرانی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم اور مچھلی کو پیدا کیا۔ قلم سے فرمایا: لکھ۔ وہ عرض کرنے لگا کہ کیا لکھوں؟ فرمایا: ہر وہ چیز جو قیامت تک ہونے والی ہے'' پھر اسی آیت کی تلاوت کر کے فرمایا کہ نون سے مراد مچھلی ہے اور قلم سے مراد قلم(3)۔ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: سب سے پہلی چیز جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا، وہ قلم ہے۔ پھر نون یعنی دوات کو پیدا کیا، پھر قلم سے فرمایا: لکھ۔ اس نے پوچھا کہ کیا لکھوں؟ فرمایا: جو کچھ ہونے والا ہے، وہ سب کچھ لکھ دو

1۔ تفسیر طبری، جلد 29، صفحہ 14 2۔ طبری، جلد 29، صفحہ 15 3۔ الجامع الکبیر، جلد 11، صفحہ 433، مجمع زوائد، جلد 7، صفحہ 128

یعنی عمل، رزق، عمر اور اجل۔ چنانچہ قیامت تک وقوع پذیر ہونے والی ہر چیز کو قلم نے تحریر کر دیا۔ یہی مطلب اس آیت کا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے قلم پر مہر لگا دی۔ اب وہ قیامت تک نہیں چلے گا، پھر عقل کو پیدا کیا اور فرمایا: ''مجھے اپنی عزت کی قسم! میں اپنے محبوب لوگوں میں تو تمہیں کمال تک پہنچاؤں گا لیکن اپنے دشمنوں میں تمہیں ناقص ہی رکھوں گا(1)''۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لوگوں میں یہی بات مشہور تھی کہ نون سے مراد وہ بڑی مچھلی ہے جو ساتویں زمین کے نیچے ہے۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ اور مفسرین کی ایک جماعت نے ذکر کیا ہے کہ اس مچھلی کی پیٹھ پر ایک چٹان ہے جس کی موٹائی زمین و آسمان کے برابر ہے اس کے اوپر ایک بیل ہے جس کے چالیس ہزار سینگ ہیں۔ اس کی پیٹھ پر ساتوں زمینیں اور ان کی کل مخلوقات ہیں(2) اور تعجب خیز بات تو یہ ہے کہ بعض مفسرین نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کردہ حدیث کو انہی معانی کا محمل قرار دیا ہے کہ جب عبداللہ بن سلام کو رسول اللہ ﷺ کی مدینہ طیبہ میں تشریف آوری کی خبر ملی تو وہ آپ کے پاس آئے اور چند سوالات کئے۔ کہنے لگے کہ میں آپ سے چند اشیاء کے متعلق سوال کرنے والا ہوں جن کا علم سوائے نبی کے کسی اور کو نہیں۔ یہ بتایئے کہ قیامت کی پہلی نشانی کیا ہے؟ اہل جنت کا پہلا کھانا کون سا ہوگا؟ کیا وجہ ہے کہ بچہ کبھی اپنے باپ کے مشابہ ہوتا ہے اور کبھی اپنی ماں کے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ان چیزوں کے بارے میں ابھی ابھی جبریل نے مجھے خبر دی ہے''۔ ابن سلام کہنے لگے کہ فرشتوں میں سے جبریل ہی یہود کا دشمن ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: سنو! قیامت کی پہلی نشانی ایک آگ ہے جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف لے جائے گی، اہل جنت کا سب سے پہلا کھانا مچھلی کی کلیجی کی وافر مقدار ہے اور جہاں تک بچے کا تعلق ہے تو جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر سبقت لے جائے تو وہ اپنے مشابہ کر لیتا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر سبقت لے جائے تو وہ اپنی طرف کھینچ لیتی ہے''(3)۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ انہوں نے دریافت کیا: مچھلی کی کلیجی کے بعد کون سی غذا ہوگی؟ فرمایا: ''ان کے لئے ایک جنتی بیل ذبح کیا جائے گا جو جنت کے اطراف میں چرتا چگتا رہتا تھا''۔ پھر دریافت کیا: انہیں مشروب کون سا ملے گا؟ فرمایا: ''سلسبیل نامی چشمہ سے''۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''نٓ'' سے مراد نور کی تختی ہے۔ ایک مرسل غریب حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت نٓ وَ الْقَلَمِ...... کی تلاوت کرنے کے بعد فرمایا: ''نٓ'' نور کی تختی ہے اور قلم بھی نور کا ہے جو قیامت تک وقوع پذیر ہونے والے امور پر چل چکا ہے(4)۔ ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مجھے بتایا گیا ہے کہ اس نورانی قلم کا طول سو سال ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''نٓ'' سے مراد دوات ہے اور قلم سے مراد قلم ہے۔ حضرات حسن و قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ بھی یہی فرماتے ہیں کہ ''نٓ'' سے مراد دوات ہی ہے۔ اس بارے میں ایک نہایت غریب مرفوع حدیث مروی ہے جس کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے نون کو پیدا کیا اور یہ دوات ہے''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نون کو پیدا کیا اور وہ دوات ہے اور قلم کو پیدا کرنے کے بعد اسے فرمایا: لکھ۔ اس نے دریافت کیا کہ میں کیا لکھوں؟ فرمایا: ہر وہ امر لکھ دے جو قیامت تک ہونے والا ہے یعنی ہر عمل، نیک ہو یا بد تقسیم کیا جانے والا رزق خواہ وہ حلال ہو یا حرام پھر یہ بھی تحریر کر دو کہ کون سی چیز دنیا میں کب جائے گی، کتنا عرصہ وہاں اس کا قیام رہے گا، کیسے وہاں سے نکلے گی؟ پھر اللہ تعالیٰ نے بندوں پر محافظ فرشتے اور کتاب پر خازن مقرر کر دیئے۔ محافظ فرشتے ہر دن کے عمل کو ہر روز خازن فرشتوں سے دریافت کر کے لکھ لیتے ہیں۔ جب رزق ختم ہو جاتا ہے، عمر اختتام کو پہنچ جاتی ہے اور اجل آ جاتی

1۔ درمنثور، جلد 8، صفحہ 241　　2۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 374

3۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 189، فتح الباری، کتاب مناقب الانصار، جلد 7، صفحہ 272 تفسیر سورۂ بقرہ: 97　　4۔ تفسیر طبری، جلد 29، صفحہ 16-15

ہے تو محافظ فرشتے خازن فرشتوں کے پاس جاتے ہیں اور اس دن کے عمل کے متعلق دریافت کرتے ہیں تو انہیں جواب ملتا ہے کہ اس شخص کے لئے اب ہمارے پاس کوئی چیز باقی نہیں رہی۔ چنانچہ محافظ فرشتے اس شخص کے پاس واپس لوٹتے ہیں تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ شخص تو مر چکا ہے۔ یہ بیان کرنے کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تم عرب قوم نہیں، تمہیں سنائی نہیں دیتا کہ محافظ فرشتے کہہ رہے ہیں: اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (جاثیہ:29) ''ہم لکھ لیا کرتے تھے جو تم (دنیا میں) عمل کیا کرتے تھے''۔ اور استنساخ کا مطلب ہی یہی ہے کہ اصل سے نقل کرنا(1)۔

اور قلم سے مراد بظاہر جنس قلم ہے جس سے لکھا جاتا ہے جیسا کہ فرمایا: اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ (علق:5-3) ''پڑھئے آپ کا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے علم سکھایا قلم کے واسطہ سے۔ اسی نے سکھایا انسان کو جو وہ نہیں جانتا تھا''۔ قلم کی قسم اٹھا کر مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی اس عظیم نعمت پر آگاہ کر دیا گیا کہ اس نے قلم کے ذریعے لکھنے کی تعلیم دی اور کتابت ہی دراصل علوم کی تحصیل اور انتقال کا وسیلہ ہے، اس لئے فرمایا: وَمَا يَسْطُرُوْنَ یعنی جو وہ لکھتے ہیں۔ یہ معنی حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے منقول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وَمَا يَسْطُرُوْنَ کا ایک اور معنی بھی منقول ہے یعنی جو وہ عمل کرتے ہیں۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ اس کا یہ معنی بتاتے ہیں کہ فرشتے بندوں کے جو اعمال لکھتے ہیں۔ دوسرے حضرات کا کہنا ہے کہ یہاں قلم سے مراد وہ خاص قلم ہے جس نے زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے امر الٰہی سے تقادیر عالم کو تحریر کیا۔ اپنے اس موقف کی تائید میں انہوں نے کچھ احادیث ذکر کی ہیں جو قلم کے بارے میں ہیں۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا اور اسے فرمایا: لکھ۔ اس نے عرض کی کہ کیا لکھوں؟ فرمایا: تقدیریں لکھ دو اور وہ بھی جو ابد تک ہونے والا ہے۔''(2) ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو حسن غریب کہا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو پیدا فرمایا، وہ قلم ہے، پھر اسے حکم دیا تو اس نے ہر چیز تحریر کر دی(3)''۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قلم سے مراد وہ قلم ہے جس سے ذکر لکھا گیا۔

پھر فرمایا: مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ یعنی آپ بحمد اللہ مجنون نہیں جیسا کہ آپ کے پیغام حق و ہدایت کی تکذیب کرنے والے آپ کی قوم کے جاہل لوگ آپ کے متعلق خیال کرتے ہیں اور آپ کی نسبت جنون کی طرف کرتے ہیں۔ آپ کے لئے تو فریضہ تبلیغ کی ادائیگی اور ان کی ایذا رسانیوں پر صبر کے بدلہ میں ایسا اجر عظیم اور ثواب جزیل ہے جو نہ منقطع ہوگا اور نہ ختم ہوگا۔

غَيْرَ مَمْنُوْنٍ کا معنی ہے نہ ختم ہونے والا جیسا کہ فرمایا: عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ (ہود:3) ''یہ وہ عطا ہے جو ختم نہیں ہوگی''۔ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ (التین:6) ''تو ان کے لئے نہ ختم ہونے والا اجر ہے''۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کے بقول اس کا معنی ہے بے حساب۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اللہ تعالیٰ کے فرمان وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ یہاں خلق سے مراد دین (اسلام) ہے یعنی آپ عظیم الشان دین اسلام پر ہیں۔ عطیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خلق کا معنی ادب ہے یعنی آپ ادب کے اعلیٰ

1۔ تفسیر طبری، جلد 29، صفحہ 15

2۔ مسند ابو داؤد طیالسی، جلد 79، مسند احمد، جلد 5، صفحہ 317، عارضۃ الاحوذی ابواب التفسیر، جلد 12، صفحہ 217-216، سنن ابو داؤد، کتاب السنۃ، جلد 4، صفحہ 216-215

3۔ طبری، جلد 29، صفحہ 16

مقام پر فائز ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کے خُلق کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آپ کا خلق قرآن تھا(1)۔ سعید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یعنی جیسا کہ قرآن میں ہے۔ ایک اور روایت میں آتا ہے کہ سعد بن ہشام نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کے خلق کے متعلق پوچھا تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ عرض کی: کیوں نہیں۔ فرمایا: آپ ﷺ کا خُلق قرآن تھا۔ مسلم میں یہ حدیث مکمل طور پر موجود ہے جسے سورۂ مزمل کی تفسیر میں ذکر کیا جائے گا(2)۔ بنی سواد کے ایک شخص نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کے خلق کے متعلق سوال کیا تو فرمایا: کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ پھر آپ نے اس آیت وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ کی تلاوت کی۔ اس شخص نے عرض کی کہ اس کے متعلق کوئی واقعہ سنا دیجئے۔ فرمایا: ایک مرتبہ میں نے بھی آپ ﷺ کے لئے کھانا پکایا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے بھی۔ میں نے اپنی لونڈی سے کہا کہ جا کر دیکھ۔ اگر میرے کھانا لانے سے پہلے حفصہ کھانا لے آئیں تو اسے گرا دینا۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا پہلے کھانا لے آئیں تو لونڈی نے اسے گرا دیا۔ پیالہ نیچے گر کر ٹوٹ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے کھانے کو اکٹھا کیا اور فرمایا کہ برتن کے بدلہ میں برتن دو۔ اس سے زیادہ نہ آپ نے کچھ فرمایا اور نہ ہی ڈانٹ ڈپٹ کی(3)۔ یہ حدیث کئی طرق سے متعدد کتب حدیث میں موجود ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کے احکام کی بجا آوری آپ ﷺ کی فطرت تھی اور یہ ایسا خلق تھا جو آپ ﷺ کی فطرت میں ودیعت کر دیا گیا تھا۔ آپ ﷺ مجسم قرآن تھے، قرآن کریم کے ہر امر کو بجالاتے اور ہر نہی سے اجتناب کرتے۔ حیاء، کرم، شجاعت، درگزر، حلم اور دیگر اخلاق عالیہ اور خصائل حمیدہ آپ ﷺ کی جبلت میں موجود تھے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے دس سال رسول اللہ ﷺ کی خدمت کی۔ اس عرصہ کے دوران آپ ﷺ نے کبھی مجھے اف تک نہیں فرمایا۔ میں نے جو کام کیا اس کے متعلق کبھی آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم نے ایسا کیوں کیا اور جو کام نہیں کیا اس کے متعلق کبھی نہیں پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں نہ کیا۔ آپ ﷺ حسن خلق میں سب سے برتر تھے، میں نے اطلس، ریشم یا کوئی اور چیز مس نہیں کی جو آپ کی ہتھیلی سے زیادہ نرم ہو اور میں نے آپ کے پسینہ سے زیادہ خوشبودار کوئی مشک اور عطر نہیں سونگھا(4)۔

حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ خوبصورت اور سب سے زیادہ خوش خلق تھے۔ آپ ﷺ نہ زیادہ دراز قامت تھے اور نہ زیادہ پست قامت(5)۔ شمائل ترمذی میں اس بارے میں بہت سی احادیث ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے نہ کبھی کسی خادم کو مارا، نہ کسی عورت کو اور نہ کسی اور کو بجز راہِ خدا میں جہاد کے۔ جب بھی دو چیزوں میں آپ ﷺ کو اختیار دیا جاتا تو آپ ان میں آسان تر پسند فرماتے بشرطیکہ وہ گناہ والی بات نہ ہوتی۔ اگر اس میں گناہ کا شائبہ ہوتا تو آپ ﷺ سب سے زیادہ اس سے اجتناب کرتے۔ آپ ﷺ نے اپنی ذات کے لئے کبھی بدلہ نہیں لیا، ہاں اگر اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کو پامال کیا جاتا تو آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی خاطر ضرور انتقام لیتے(6)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ صَالِحَ الْاَخْلَاقِ" یعنی مجھے صالح

1۔ طبری، جلد 29، صفحہ 18
2۔ مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، جلد 1، صفحہ 514-512
3۔ مسند احمد، جلد 6، صفحہ 111، ابن ماجہ کتاب الاحکام، جلد 2، صفحہ 782
4۔ عارضۃ الاحوذی، جلد 8، صفحہ 173، مزی، تحفۃ الاشراف، جلد 1، صفحہ 105
5۔ فتح الباری، کتاب المناقب، جلد 6، صفحہ 564
6۔ مسند احمد، جلد 6، صفحہ 232

اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث کیا گیا(1)۔ اس کے بعد فرمایا: فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ...... یعنی اے میرے پیارے رسول! عنقریب آپ بھی جان لیں گے اور آپ کو جھٹلانے والے آپ کے مخالفین بھی جان لیں گے کہ کون مجنون اور بہکا ہوا ہے؟ اسی طرح کی یہ آیات بھی ہیں: سَيَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ (قمر: 26) ''کل انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون بڑا جھوٹا، شیخی باز ہے''، وَاِنَّاۤ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (سبا: 24) ''اور ہم یا تم (دونوں میں سے ایک) ہدایت پر ہے اور (دوسرا) کھلی گمراہی میں ہے''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ آپ اور وہ قیامت کے دن اس حقیقت کو جان لیں گے۔ آپ فرماتے ہیں کہ مفتون کا معنی مجنون ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اس فرمان بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ کا معنی بتاتے ہیں کہ کون شیطان کے زیادہ قریب ہے(2) اور مفتون کا معنی ظاہر ہے یعنی وہ شخص جو حق سے منحرف اور بہک گیا ہو۔ ''ایکم'' پر باء داخل کی گئی ہے تا کہ وہ اس بات پر دلالت کرے کہ فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ میں تضمین فعل ہے، تقدیر عبارت یوں ہوگی: ''فستعلم ویعلمون او فستخبر ویخبرون بایکم المفتون'' یعنی عنقریب آپ بھی جان لیں گے اور وہ بھی جان لیں گے یا عنقریب آپ بھی باخبر ہوں گے اور وہ بھی کہ تم میں سے مفتون کون ہے۔

پھر فرمایا اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ...... یعنی اللہ تعالیٰ کو بخوبی علم ہے کہ تم دونوں فریقوں میں سے کون ہدایت یافتہ ہے اور کون گمراہ۔

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝٨ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ۝٩ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ۝١٠ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيْمٍ ۝١١ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝١٢ عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ۝١٣ اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ ۝١٤ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝١٥ سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ۝١٦

''پس آپ بات نہ مانیں (ان) جھٹلانے والوں کی۔ وہ تو تمنا کرتے ہیں کہ کہیں آپ نرمی اختیار کریں تو وہ بھی نرم پڑ جائیں۔ اور نہ بات مانیے کسی (جھوٹی) قسمیں کھانے والے ذلیل شخص کی۔ جو بہت نکتہ چین چغلیاں کھاتا پھرتا ہے۔ سخت منع کرنے والا بھلائی سے، حد سے بڑھا ہوا، بڑا بدکار ہے۔ اکھڑ مزاج ہے، اس کے علاوہ بد اصل ہے۔ (یہ غرور و سرکشی) اس لئے کہ وہ مالدار اور صاحب اولاد ہے۔ جب پڑھی جاتی ہیں اس کے سامنے ہماری آیتیں تو کہتا ہے کہ یہ تو پہلے لوگوں کے افسانے ہیں۔ ہم بہت جلد اس کی سونڈ پر داغ لگائیں گے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ سے فرما رہا ہے کہ ہم نے آپ پر انعام فرمایا اور آپ کو شرع مستقیم اور خلق عظیم سے نوازا، اس لئے آپ جھٹلانے والوں کی بات نہ مانیں۔ ان کی تو تمنا ہے کہ کاش آپ نرم رویہ اختیار کریں تو وہ بھی نرم ہو جائیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس فرمان (لو تدھن فیدھنون) کا معنی بتاتے ہیں کہ اگر آپ ان کے لئے کچھ تخفیف کریں تو وہ آپ کے لئے کچھ تخفیف کریں گے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی یہ تفسیر بیان کرتے ہیں کہ اگر آپ ان کے معبودوں کی طرف مائل ہو جائیں اور حق کو ترک کر دیں تو وہ بھی آپ کی طرف مائل ہو جائیں گے۔

1۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 381 2۔ طبری، جلد 29، صفحہ 20-19

پھر فرمایا: وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ یعنی آپ بکثرت جھوٹی قسمیں اٹھانے والے ذلیل شخص کی بات نہ مانیں۔ جھوٹا شخص اس قدر کمزور اور ذلیل ہوتا ہے کہ اسے ہر وقت اپنے جھوٹ کے پول کے کھل جانے کا دھڑکا لگا رہتا ہے، اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کے نام پر ہر وقت بے موقعہ جھوٹی قسمیں کھا کھا کر اپنے صدق کا یقین دلانے کی کوشش کرتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بقول ''مھین'' کا معنی ہے جھوٹا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا معنی کمزور دل والا۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''حلاف'' کا معنی ہے کبر و نخوت والا اور ''مھین'' کا معنی ہے: ضعیف۔

هَمَّازٍ کا معنی ہے: غیبت کرنے والا اور مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيْمٍ سے مراد وہ شخص ہے جو لوگوں کے درمیان چغلیاں کھاتا رہتا ہے اور لوگوں کو ایک دوسرے کی باتیں بتا کر ان کے درمیان فتنہ و فساد کی آگ بھڑکاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے تو فرمایا: ''ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور یہ عذاب کسی بڑے گناہ کی وجہ سے نہیں۔ ان میں سے ایک تو پیشاب کرتے وقت پردے کا خیال نہیں رکھتا تھا اور دوسرا چغل خوری کیا کرتا تھا''(1)۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''چغل خور جنت میں نہیں جائے گا''(2)۔ ایک آدمی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرا تو آپ کو بتایا گیا کہ یہ شخص امراء کے ہاں لوگوں کی مخبری کرتا ہے۔ اس پر آپ نے مذکورہ بالا حدیث سنائی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو ایک آدمی کے متعلق بتایا گیا کہ وہ چغل خور ہے تو آپ نے یہ حدیث سنائی: لَا يَدْخل الجنّةَ نَمَّامٌ یعنی چغل خور جنتی نہیں(3)۔ حضرت اسماء بنت یزید بن سکن رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں تمہیں یہ نہ بتلاؤں کہ تم میں سے بہترین لوگ کون ہیں؟'' صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! ضرور آگاہ فرمائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ جنہیں جب دیکھا جائے تو خدا یاد آجائے۔'' پھر فرمایا: ''کیا میں ان لوگوں کے متعلق آگاہ نہ کروں جو تم میں سے بدترین ہیں؟'' عرض کی: ضرور بتائیے۔ فرمایا: ''چغل خور، دوستوں کے درمیان فساد برپا کرنے والے اور پاکدامن لوگوں پر تہمت لگانے والے''(4)۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: ''اللہ کے نیک بندے وہ ہیں جن کی زیارت سے خدا یاد آجاتا ہے اور برے بندے وہ ہیں جو چغل خور، دوستوں کے درمیان انتشار ڈالنے والے اور پاکیزہ سیرت لوگوں پر اتہام باندھنے والے ہیں''(5)۔

فرمایا: مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ...... یعنی بھلائی سے روکنے والا اور رکنے والا۔

مُعْتَدٍ سے مراد وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں میں تمام جائز حدوں کو پھلانگ کر حرام چیزوں میں پڑ جائے۔

اَثِيْمٍ کا معنی ہے بدکار، محرمات کا ارتکاب کرنے والا۔

عُتُلٍّ کا معنی ہے اکھڑ مزاج، تندخو، جمع کرنے والا اور بخل کرنے والا۔

ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''کیا میں تمہیں اہل جنت کے متعلق نہ بتاؤں؟ ہر عاجز، کمزور اور بے چارہ، (لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں اتنا بلند مرتبہ حاصل ہے کہ) اگر وہ اللہ کی قسم اٹھالے تو وہ ضرور اسے پورا کرتا ہے۔ کیا میں تمہیں دوزخیوں کے بارے میں

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ اسراء: 44، سنن ابوداؤد، جلد 1، صفحہ 6، عارضۃ الاحوذی، جلد 1، صفحہ 92-90، ابن ماجہ، جلد 1، صفحہ 125

2۔ مسند احمد، جلد 5، صفحہ 382، فتح الباری، کتاب الادب، جلد 10 صفحہ 472، مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 101، عارضۃ الاحوذی، ابواب البر، جلد 8، صفحہ 181-182

3۔ تہذیب الکمال، جلد 12، صفحہ 551-548　4۔ مسند احمد، جلد 6، صفحہ 459، ابن ماجہ، کتاب الزہد: 1379　5۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 227

نہ بتاؤں؟ ہر اکھڑ مزاج، اجڈ، بدخلق اور متکبر"(1)۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ دوزخیوں کے ذکر پر آپ ﷺ نے فرمایا: "ہر اجڈ، اکھڑ مزاج، بدخلق، متکبر، جمع کرنے والا اور روکنے والا۔"(2) آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ "عتلّ زنیم" کون ہے؟ فرمایا: "بدخلق، صحت مند بسیار خور جسے ہر وقت کھانے پینے کی فکر ہو، لوگوں پر ظلم کرنے والا، پیٹو شخص"(3)۔ ایک اور حدیث میں فرمایا: اکھڑ مزاج بدخلق، پیٹو، ظالم اور بدنام شخص جنت میں نہیں جائے گا(4)۔ ایک اور حدیث میں ہے: "آسمان ایسے بندے پر روتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے صحت دی، پیٹ بھر کھانا دیا اور جاہ و مرتبہ بھی عطا کیا لیکن پھر بھی وہ لوگوں پر ظلم کرتا رہا۔ یہی شخص عتلّ زنیم ہے۔"(5) اکثر سلف کا یہی کہنا ہے کہ "عتل" سے مراد صحت مند اور طاقتور شخص ہے جو ہر وقت کھانے پینے اور شہوت رانی اور اس طرح کی دوسری خواہشات کی تکمیل میں مشغول رہے۔ "زنیم" بری شہرت کے حامل شخص کو کہتے ہیں جو کسی قوم میں شامل ہو جائے لیکن وہ ہو اجنبی۔ لوگوں میں وہ اس طرح مشہور ہوتا ہے جیسے بہت سی بکریوں میں الگ تھلگ سمجھی جانے والی وہ کٹے ہوئے کان والی بکری جس کا کان لٹک رہا ہو(6)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قریش میں اس طرح کا ایک شخص تھا۔ لغت عرب میں زنیم سے مراد بقول ابن جریر وغیرہ وہ اجنبی شخص ہے جو زبردستی کسی قوم میں داخل کر دیا گیا ہو۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اپنے ایک شعر میں کسی قریشی کافر کی مذمت کرتے ہوئے کہتے ہیں:(7)

وَأَنتَ زَنِيمٌ نِيطَ فِي آلِ هَاشِمٍ كَمَا نِيطَ خَلْفَ الرَّاكِبِ الْقَدَحُ الْفَرْدُ

یعنی تو آل ہاشم میں اس طرح نتھی ہو گیا ہے جیسے سوار کے پیچھے اکیلا پیالہ۔

ایک اور شاعر کہتا ہے:(8)

زَنِيمٌ لَيْسَ يَعْرِفُ مَنْ أَبُوهُ بَغِيُّ الْأُمِّ ذُو حَسَبٍ لَئِيمِ

یعنی وہ بداصل ہے جسے اپنے باپ کا علم ہی نہیں، بدکار ماں کا کمینہ فطرت بیٹا ہے۔

ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے زنیم کا معنی بداصل، بدکار اور کمینہ منقول ہے۔ کہا جاتا ہے کہ "زنیم" سے مراد وہ شخص ہے جس میں ایسی علامت پائی جائے جو وجہ پہچان ہو۔ کہا گیا ہے کہ اس سے مراد اخنس بن شریق ہے جو بنی زہرہ کا حلیف تھا۔ بنی زہرہ کے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ شخص اسود بن عبد یغوث زہری تھا لیکن یہ نہیں(9)۔

ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ زنیم سے مراد وہ شخص ہے جس کا نسب صحیح نہ ہو۔ حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کے بقول اس سے مراد وہ شخص ہے جو کسی قوم کے ساتھ خواہ مخواہ شامل کر دیا گیا ہو لیکن اس کے ساتھ تعلق نہ ہو۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے زنیم کا معنی پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس سے مراد ولد الزنا ہے۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مومن اور کافر میں اس طرح امتیاز ہو جاتا ہے جس طرح چرے ہوئے کان والی بکری جس کا کان لٹک رہا ہو دوسری بکریوں کے درمیان۔

1۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 306، فتح الباری، تفسیر سورۂ قلم، جلد 8، صفحہ 622، کتاب الادب، جلد 10، صفحہ 489، مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4، صفحہ 219، عارضۃ الاحوذی ابواب، جلد 10، صفحہ 67، ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2، صفحہ 1378

2۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 169 3۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 227 4۔ طبری، جلد 29، صفحہ 24 5۔ ایضاً

6۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ قلم، جلد 8، صفحہ 662 7۔ دیوان حسان: 118، ابوعبیدہ، مجاز القرآن، جلد 2، صفحہ 265، طبری، جلد 29، صفحہ 25

8۔ طبری، جلد 29، صفحہ 25 9۔ ایضاً

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ زنیم سے مراد وہ شخص ہے جو شر میں اس قدر معروف ہو جیسے چرے ہوئے کانوں والی بکری دوسری بکریوں میں اور زنیم وہ شخص ہے جسے غیر باپ کی طرف منسوب کیا جائے۔ بعض کے نزدیک اس کا معنی ہے مجہول النسب شخص۔ مفسرین کہتے ہیں کہ بکری کے لٹکے ہوئے چرے کان کی طرح اس میں بھی ایسی نشانی تھی۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جڑ سے اس کا کان چرا ہوا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ کمینہ اور خسیس شخص تھا جس کا حقیقی باپ نامعلوم تھا۔ ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ مشکوک شخص ہے جو مجسم شر ہو۔ ابورزین رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ زنیم ہونا کفر کی علامت ہے۔ اس لفظ کے معنی میں بکثرت اقوال منقول ہیں لیکن وہ سب ہمارے بیان کئے ہوئے معنی کے مطابق ہیں یعنی "زنیم" وہ آدمی ہے جو شر کی وجہ سے مشہور ہو اور عموماً ایسا شخص غیر صحیح النسب اور ولد الزنا ہوتا ہے کیونکہ بنسبت دوسرے لوگوں کے ایسے شریر آدمیوں پر شیطان کا تسلط اور تصرف زیادہ ہوتا ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے: "ولد زنا (حرامی) جنت میں نہیں جائے گا(1)"۔ ایک اور حدیث میں ہے: "ولد الزنا تین لوگوں کی برائی کا مجموعہ ہے جب وہ اپنے والدین کا سا کام کرے"(2)۔

بعد ازاں فرمایا: اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ...... یعنی یہ ایسا بدکردار اور احسان فراموش بندہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر انعام فرماتے ہوئے اسے مال بھی عطا کیا اور اولاد بھی لیکن یہ اس کے مقابلہ میں آیات الٰہی سے کفر اور انحراف کرتا ہے اور گمان کرتا ہے کہ یہ پہلے لوگوں کے من گھڑت افسانے ہیں۔ اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: ذَرْنِیْ وَ مَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا ۝ وَّ جَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ۝ وَّ بَنِیْنَ شُهُوْدًا ۝ وَّ مَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِیْدًا ۝ ثُمَّ یَطْمَعُ اَنْ اَزِیْدَ ۝ كَلَّا ؕ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰیٰتِنَا عَنِیْدًا ۝ سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ۝ اِنَّهٗ فَكَّرَ وَ قَدَّرَ ۝ فَقُتِلَ كَیْفَ قَدَّرَ ۝ ثُمَّ قُتِلَ كَیْفَ قَدَّرَ ۝ ثُمَّ نَظَرَ ۝ ثُمَّ عَبَسَ وَ بَسَرَ ۝ ثُمَّ اَدْبَرَ وَ اسْتَكْبَرَ ۝ فَقَالَ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ یُّؤْثَرُ ۝ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ۝ سَاُصْلِیْهِ سَقَرَ ۝ وَ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ۝ لَا تُبْقِیْ وَ لَا تَذَرُ ۝ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ۝ عَلَیْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ (مدثر: 30-11) "آپ چھوڑ دیجئے مجھے اور جس کو میں نے تنہا پیدا کیا ہے۔ اور دے دیا ہے۔ اس کو مال کثیر۔ اور بیٹے دیئے ہیں جو پاس رہنے والے ہیں۔ اور مہیا کر دیا ہے اسے ہر قسم کا سامان۔ پھر طمع کرتا ہے کہ میں اسے مزید عطا کروں۔ ہرگز نہیں۔ وہ ہماری آیتوں کا سخت دشمن ہے۔ میں اسے مجبور کروں گا کہ وہ کٹھن چڑھائی چڑھے۔ اس نے غور کیا اور پھر ایک بات طے کر لی۔ اس پر پھٹکار اس نے کتنی بری بات طے کی۔ اس پر پھر پھٹکار کیسی بری بات اس نے طے کی۔ پھر دیکھا، پھر منہ بسورا اور ترش رو ہوا۔ پھر پیٹھ پھیری اور غرور کیا۔ پھر بولا یہ نہیں ہے مگر جادو جو پہلوں سے چلا آتا ہے۔ یہ نہیں مگر انسان کا کلام۔ عنقریب میں اسے جہنم میں جھونکوں گا۔ اور تو کیا سمجھے کہ جہنم کیا ہے؟ نہ باقی رکھے اور نہ چھوڑے۔ جھلسا دینے والی آدمی کی کھال کو۔ اس پر انیس فرشتے مقرر ہیں"۔ اور یہاں فرمایا: سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ ہم اس کے معاملہ کو اس قدر واضح کر دیں گے کہ تمام لوگ اسے پہچان لیں گے اور جس طرح ناک پر نشان مخفی نہیں رہ سکتا، اسی طرح اس کی حقیقت بھی لوگوں پر عیاں ہوئے بغیر نہیں رہ سکے گی(3)۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی معنی بیان کرتے ہیں کہ ہم خصوصاً اس کی سونڈ جیسی ناک پر ایسا داغ لگائیں گے جو ہمیشہ قائم رہے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ بدر کے دن لڑائی کے دوران اس کی تھوتھنی پر تلوار لگے گی۔ دوسرے حضرات نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ ہم اس پر دوزخیوں کی سی نشانی لگا دیں گے یعنی

1۔ امام احمد، جلد 2، صفحہ 203، دیکھئے تفسیر سورۂ مائدہ: 91 2۔ مسند احمد، جلد 6، صفحہ 109، جلد 2، صفحہ 311، ابوداؤد، کتاب العتق، جلد 4، صفحہ 28

3۔ تفسیر طبری، جلد 29، صفحہ 28

قیامت کے دن اس کے چہرے کو سیاہ بنا دیں گے۔ اس صورت میں یہاں ناک بول کر چہرہ مراد لیا گیا ہے۔ یہ تمام اقوال نقل کرنے کے بعد امام ابوجعفر ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دنیا و آخرت میں مذکورہ بالا تمام امور کا اس شخص میں جمع ہونا ممکن ہے اور اس سے کوئی چیز مانع نہیں اور یہ توجیہہ قابل قبول ہے۔

ابن ابی حاتم میں سورۂ نباء کی تفسیر کے ضمن میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے ایک حدیث مروی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "ایک بندہ عرصہ دراز تک (اللہ تعالیٰ کے ہاں) مومن لکھا رہتا ہے لیکن مرتا اس حالت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوتا ہے اور ایک بندہ عرصہ دراز تک (اللہ تعالیٰ کے ہاں) کافر لکھا رہتا ہے لیکن جب مرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہوتا ہے۔ جو شخص اس حال میں مرے کہ وہ عیب جو، نکتہ چیں، چغل خور اور لوگوں کو برے القاب دینے والا ہو، قیامت کے دن اس کی علامت یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اس کی ناک پر دونوں ہونٹوں کی طرف سے نشان لگا دے گا" (1)۔

إِنَّا بَلَوْنَٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ أَصْحَٰبَ ٱلْجَنَّةِ إِذْ أَقْسَمُوا۟ لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِينَ ﴿١٧﴾ وَلَا يَسْتَثْنُونَ ﴿١٨﴾ فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّن رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُونَ ﴿١٩﴾ فَأَصْبَحَتْ كَٱلصَّرِيمِ ﴿٢٠﴾ فَتَنَادَوْا۟ مُصْبِحِينَ ﴿٢١﴾ أَنِ ٱغْدُوا۟ عَلَىٰ حَرْثِكُمْ إِن كُنتُمْ صَٰرِمِينَ ﴿٢٢﴾ فَٱنطَلَقُوا۟ وَهُمْ يَتَخَٰفَتُونَ ﴿٢٣﴾ أَن لَّا يَدْخُلَنَّهَا ٱلْيَوْمَ عَلَيْكُم مِّسْكِينٌ ﴿٢٤﴾ وَغَدَوْا۟ عَلَىٰ حَرْدٍ قَٰدِرِينَ ﴿٢٥﴾ فَلَمَّا رَأَوْهَا قَالُوٓا۟ إِنَّا لَضَآلُّونَ ﴿٢٦﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ﴿٢٧﴾ قَالَ أَوْسَطُهُمْ أَلَمْ أَقُل لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُونَ ﴿٢٨﴾ قَالُوا۟ سُبْحَٰنَ رَبِّنَآ إِنَّا كُنَّا ظَٰلِمِينَ ﴿٢٩﴾ فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَلَٰوَمُونَ ﴿٣٠﴾ قَالُوا۟ يَٰوَيْلَنَآ إِنَّا كُنَّا طَٰغِينَ ﴿٣١﴾ عَسَىٰ رَبُّنَآ أَن يُبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ إِنَّآ إِلَىٰ رَبِّنَا رَٰغِبُونَ ﴿٣٢﴾ كَذَٰلِكَ ٱلْعَذَابُ ۖ وَلَعَذَابُ ٱلْءَاخِرَةِ أَكْبَرُ ۚ لَوْ كَانُوا۟ يَعْلَمُونَ ﴿٣٣﴾

"ہم نے ان (مکہ والوں) کو بھی آزمایا جیسے ہم نے آزمایا تھا باغ والوں کو۔ جب انہوں نے قسم اٹھائی کہ وہ ضرور توڑ لیں گے اس کا پھل صبح سویرے۔ اور انہوں نے انشاء اللہ بھی نہ کہا۔ پس چکر لگا گیا اس باغ پر ایک چکر لگانے والا آپ کے رب کی طرف سے درآنحالیکہ وہ سوئے ہوئے تھے۔ چنانچہ (لہلہاتا) باغ کٹے ہوئے کھیت کی مانند ہو گیا۔ پھر انہوں نے ایک دوسرے کو ندا دی صبح سویرے۔ کہ سویرے سویرے اپنے کھیت کی طرف چلو اگر تم پھل توڑنا چاہتے ہو۔ سو وہ چل پڑے اور ایک دوسرے کو چپکے چپکے کہتے جاتے کہ (خبردار!) اس باغ میں ہرگز داخل نہ ہو آج تم پر کوئی مسکین۔ اور تڑکے چلے (یہ سمجھتے ہوئے) کہ وہ اس ارادہ پر قادر ہیں۔ پھر جب باغ کو دیکھا تو کہنے لگے (غالباً) ہم راستہ بھول گئے۔ نہیں نہیں ہماری تو قسمت پھوٹ گئی۔ ان میں جو زیرک تھا بول اٹھا کہ کیا میں تمہیں کہتا نہ تھا کہ تم (اس کی) تسبیح کیوں نہیں کرتے۔ کہنے لگے پاک ہے ہمارا رب، بے شک ہم ہی ظالم تھے۔ پھر ایک دوسرے کی طرف منہ کر کے ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے۔ کہنے لگے تف ہے ہم پر ہم ہی سرکش تھے۔ امید ہے کہ ہمارا رب ہمیں (اس کا) بدلہ دے گا جو بہتر ہوگا اس سے ہم (اب)

1۔ درمنثور، جلد 8، صفحہ 250

اپنے رب کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔ (دیکھ لیا) ایسا ہوتا ہے عذاب۔ اور آخرت کا عذاب تو بہت بڑا ہے۔ کاش! یہ لوگ (اس حقیقت) کو جانتے''۔

یہاں کفار قریش کے لئے باغ والوں کی مثال بیان کی جارہی ہے جنہیں ناشکری کی پاداش میں عذاب سے دوچار کردیا گیا، ان کفار کی بھی بالکل یہی حالت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی عظیم رحمت سے نوازا اور ان پر خصوصی کرم فرمایا کہ ان میں حضرت محمد ﷺ کو مبعوث کر کے اپنی یہ گرانقدر نعمت انہیں ارزانی فرمادی لیکن انہوں نے تکذیب، رد، مخالفت اور مقابلہ کی روش اختیار کرلی۔

اس لئے فرمایا: اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ...... یعنی ہم نے انہیں آزمایا جس طرح ہم نے باغ والوں کو آزمایا جس باغ میں طرح طرح کے پھل اور قسم قسم کے میوے تھے جب ان باغ والوں نے آپس میں یہ قسم اٹھائی کہ وہ رات کو منہ اندھیرے اپنے باغ کا پھل کاٹ لیں گے تاکہ نہ کسی فقیر کو علم ہو اور نہ کسی سائل کو آدھمکنے کا موقعہ ملے۔ اس طرح انہیں وافر مقدار میں پھل حاصل ہوگا اور اس میں سے صدقہ بھی نہیں کرنا پڑے گا، لیکن یہ عہد کرتے ہوئے اور قسم اٹھاتے ہوئے انہوں نے اِنْ شاء اللّٰہ کہنا بھی گوارا نہ کیا۔ اس لئے ان کی قسم تشنہ تکمیل رہی۔

چنانچہ فرمایا: فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ...... یعنی ان کے سوتے ہوئے ایک آسمانی آفت پہنچی اور اس نے باغ کو جلا کر خاکستر بنادیا۔ وہ ایسے ہوگیا جیسے سیاہ رات یا کٹی ہوئی کھیتی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ''صریم'' کا معنی ہے: سیاہ رات۔ ثوری اور سدی رحمہما اللہ تعالیٰ کے بقول اس کا مطلب ہے: کٹی اور سوکھی کھیتی۔ ابن ابی حاتم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''گناہوں سے اجتناب کرو۔ بندہ گناہ کرتا ہے تو اس کے سبب اسے اس رزق سے بھی محروم کردیا جاتا ہے جو اس کے لئے تیار کیا گیا ہوتا ہے۔'' پھر آپ ﷺ نے اسی فرمان فَطَافَ عَلَيْهَا...... کی تلاوت کی کہ باغ والوں کو ان کے گناہ کے باعث ان کے باغ کے پھل سے محروم کردیا گیا(1)۔

فرمایا: فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ...... یعنی صبح سویرے انہوں نے ایک دوسرے کو آواز دی تاکہ وہ جلد از جلد کاٹنے کے لئے چل پڑیں۔ وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ سویرے سویرے اپنے کھیت کی طرف چلو اگر تم اس کا پھل کاٹنا چاہتے ہو۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ان کی کھیتی انگوروں کی تھی۔ چنانچہ وہ آپس میں چپکے چپکے باتیں کرتے ہوئے اس طرح چلے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوسکی۔ پھر اللہ تعالیٰ جو دلوں کے راز اور سرگوشیوں سے بھی خوب واقف ہے، ان کی سرگوشی کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتا ہے: فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ...... یعنی وہ آپس میں چپکے چپکے باتیں کرتے ہوئے اور ایک دوسرے کو یہ تلقین کرتے ہوئے چلے کہ آج یہاں کسی مسکین کو آٹپکنے کا موقعہ ہی نہ دیں۔ صبح ہوئی تو وہ سمجھ رہے تھے کہ ہم اپنے ارادہ پر پوری طرح قادر ہیں۔ جیسا کہ فرمایا: وَّ غَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ، حرد کا معنی ہے قوت و شدت۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کے بقول اس کا معنی ہے پختہ ارادہ۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ غیظ و غضب کے معنی میں ہے۔ شعبی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول اس کا معنی ہے: مساکین۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حرد ان کی بستی کا نام تھا لیکن یہ قول بہت بعید ہے۔ باغ والے خیال کئے ہوئے تھے کہ وہ اپنے ارادہ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے پر پوری پوری قدرت رکھتے ہیں لیکن جب وہ وہاں پہنچے اور جھانک کر دیکھا تو وہاں منظر ہی اور تھا، ہرے بھرے باغ اور پھلوں سے لدی پھندی تر و تازہ ٹہنیوں کی بجائے بے فائدہ سیاہ ٹنڈ منڈ دکھائی دینے لگے۔ پہلے وہ کچھ ٹھٹکے اور خیال کرنے لگے کہ ہم راہ بھول گئے ہیں اور غلطی سے کسی اور جگہ پہنچ گئے ہیں لیکن جب غور کیا تو انہیں یقین ہوگیا کہ یہ باغ تو

1۔ درمنثور، جلد 8، صفحہ 250

وہی ہے۔ کہنے لگے بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ یعنی باغ تو یہی ہے لیکن ہماری قسمت پھوٹ گئی، ہمارے نصیب میں یہ باغ تھا ہی نہیں!

فرمایا: قَالَ اَوْسَطُهُمْ...... یعنی ان میں سب سے زیادہ بہتر اور شریف بول اٹھا کہ کیا میں تمہیں کہتا نہ تھا کہ تم اس کی تسبیح کیوں نہیں کرتے۔ سدی، مجاہد اور ابن جریج رحمہم اللہ تعالیٰ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ کا معنی بتاتے ہیں: ''لَوْلَا تَسْتَثْنُوْنَ'' یعنی تم ان شاء اللہ کیوں نہیں کہتے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس زمانہ میں تسبیح (سبحان اللہ کہنا ان کی استثناء ان شاء اللہ کہنا) تھی۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی ہی ان شاء اللہ کہنا ہے۔ بعض کے نزدیک اس کا یہ معنی ہے کہ ان میں سب سے زیادہ زیرک نے کہا: کیا میں نے تمہیں کہا نہ تھا کہ تم اللہ تعالیٰ کی تسبیح کیوں نہیں بیان کرتے اور اس کی عطا اور نعمت پر اس کا شکر کیوں نہیں ادا کرتے۔ اب وہ کہنے لگے:

سُبْحٰنَ رَبِّنَآ...... یعنی اب انہوں نے اطاعت کا اظہار کیا لیکن بے سود اور اب فرط ندامت سے اعتراف جرم کرنے لگے لیکن یہ سب کچھ بے فائدہ تھا، اس لئے وہ کہنے لگے کہ ہم ہی ظالم تھے۔

فرمایا: فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ...... یعنی مساکین کو ان کے حق سے محروم رکھنے کے باعث وہ ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے لیکن اقرار خطا اور اعتراف گناہ کے سوا کسی سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ کہنے لگے: یٰوَیْلَنَآ اِنَّا كُنَّا طٰغِیْنَ یعنی ہائے افسوس! ہم نے ہی بغاوت، سرکشی اور ظلم کی روش اختیار کی اور حد سے تجاوز کر گئے، اسی وجہ سے ہمیں یہ دن دیکھنا پڑا اور ہم مصیبت میں پھنس گئے۔ پھر کہنے لگے: عَسٰی رَبُّنَآ...... یعنی امید ہے کہ ہمارا رب ہمیں اس کا نعم البدل عطا فرمائے گا کیونکہ ہم اپنے رب کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ انہوں نے دنیا میں اس کے نعم البدل کا سوال کیا اور بعض کہتے ہیں کہ ان کی نیت اخروی ثواب کی تھی۔ بعض سلف کا کہنا ہے کہ یہ باغ والے اہل یمن سے تعلق رکھتے تھے۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ ضروان کے رہنے والے تھے جو صنعاء سے چھ میل کے فاصلہ پر ایک بستی ہے (1)۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کا تعلق اہل حبشہ سے تھا اور یہ باغ انہیں اپنے باپ کی وراثت میں ملا تھا۔ یہ اہل کتاب تھے۔ ان کے باپ کا یہ معمول تھا کہ وہ اس باغ سے حاصل ہونے والی پیداوار میں سے اس پر اٹھنے والے اخراجات الگ کر لیتا اور اپنے اہل وعیال کے لئے سال بھر کی خوراک بھی ذخیرہ کر لیتا اور باقی صدقہ کر دیتا۔ جب یہ فوت ہو گیا تو اس کے بیٹے کہنے لگے کہ ہمارا باپ تو احمق تھا جو بے دریغ مسکینوں پر خرچ کر دیا کرتا تھا۔ اگر ہم فقراء کو محروم کر دیں تو ہم بہت خوشحال ہو جائیں گے۔ جب انہوں نے یہ عزم مصمم کیا، تو ان کے ارادہ کو خاک میں ملا کر انہیں سزا دی گئی اور اصل مال سے بھی محروم کر کے انہیں بالکل تہی دامن کر دیا گیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: كَذٰلِكَ الْعَذَابُ...... یعنی اسی طرح اس شخص کو عذاب کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کرے، اس کی عطا اور نعمت میں بخل سے کام لے، فقراء، مساکین اور ضرور تمندوں کا حق روکے رکھے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کرے۔ یہ تو دنیا کی سزا ہے، آخرت کا عذاب اس سے بہت زیادہ سخت اور شاق ہے۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رات کے وقت پھل اتارنے اور کھیتی کاٹنے سے منع فرمایا ہے (2)۔

اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ﴿۳۴﴾ اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِیْنَ كَالْمُجْرِمِیْنَ ﴿۳۵﴾ مَا لَكُمْ كَیْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۶﴾ اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِیْهِ تَدْرُسُوْنَ ﴿۳۷﴾ اِنَّ لَكُمْ فِیْهِ لَمَا تَخَیَّرُوْنَ ﴿۳۸﴾ اَمْ

1۔ درمنثور، جلد 8، صفحہ 251
2۔ سنن کبریٰ، کتاب الزکاۃ، جلد 4، صفحہ 133

لَکُمۡ اَیۡمَانٌ عَلَیۡنَا بَالِغَۃٌ اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ ۙ اِنَّ لَکُمۡ لَمَا تَحۡکُمُوۡنَ ﴿ۚ۳۹﴾ سَلۡہُمۡ اَیُّہُمۡ بِذٰلِکَ زَعِیۡمٌ ﴿ۚۛ۴۰﴾ اَمۡ لَہُمۡ شُرَکَآءُ ۚۛ فَلۡیَاۡتُوۡا بِشُرَکَآئِہِمۡ اِنۡ کَانُوۡا صٰدِقِیۡنَ ﴿۴۱﴾

''بے شک پرہیزگاروں کے لئے اپنے رب کے پاس نعمتوں بھری جنتیں ہیں۔ کیا ہم فرمانبرداروں کا حال مجرموں کا سا کر دیں گے؟ تمہیں کیا ہو گیا، تم کیسے فیصلے کرتے ہو۔ کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں تم یہ پڑھتے ہو۔ کہ تمہارے لئے اس میں ایسی چیزیں ہیں جن کو تم پسند کرتے ہو۔ کیا تمہارے لئے قسمیں ہم پر (لازم) ہیں جو باقی رہنے والی ہیں قیامت تک۔ کہ تمہیں وہی ملے گا جو تم حکم کرو گے۔ ان سے پوچھئے ان میں سے کون ان (بے سروپا) باتوں کا ضامن ہے۔ کیا ان کے پاس کوئی گواہ ہیں۔ اگر ہیں تو پھر پیش کریں اپنے گواہوں کو اگر وہ سچے ہیں''۔

دنیاوی جنت والوں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کے احکام کی خلاف ورزی کے نتیجہ میں انہیں ملنے والی سزا کا حال بیان کرنے کے بعد اب اللہ تعالیٰ یہ بیان فرما رہا ہے کہ جو شخص اس سے ڈرتا ہے اور اس کی اطاعت کرتا ہے اسے دارِ آخرت میں نعمتوں بھری جنتوں سے سرفراز کیا جائے گا جو نہ فنا ہوں گی، نہ ان پر کوئی آفت آئے گی اور نہ ان کی نعمتیں زائل ہوں گی۔

پھر فرمایا: اَفَنَجۡعَلُ الۡمُسۡلِمِیۡنَ...... یعنی کیا ہم ان دونوں گروہوں کو یکساں جزا دیں گے؟ ہرگز نہیں، زمین و آسمان کے رب کی قسم! اس لئے فرمایا: مَا لَکُمۡ ٝ کَیۡفَ تَحۡکُمُوۡنَ؟ یعنی تمہیں کیا ہو گیا ہے، تم کیونکر یہ گمان کر رہے ہو؟ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَمۡ لَکُمۡ کِتٰبٌ فِیۡہِ تَدۡرُسُوۡنَ ﴿ۙ۳۷﴾ اِنَّ لَکُمۡ فِیۡہِ لَمَا تَخَیَّرُوۡنَ یعنی کیا تمہارے ہاتھوں میں کوئی آسمانی کتاب ہے جس کا تم مطالعہ کرتے ہو، وہ تمہارے پاس محفوظ ہے اور اگلوں سے منتقل ہوتے ہوتے وہ پچھلوں تک پہنچی ہے اور اس میں وہ حکم موجود ہے جس کا تم دعویٰ کرتے ہو؟ پھر فرمایا: اَمۡ لَکُمۡ اَیۡمَانٌ...... یعنی کیا تمہیں ہماری طرف سے کوئی ایسے عہد و پیمان حاصل ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ تمہیں وہی کچھ حاصل ہو گا جس کی تم خواہش کرو گے؟ آپ ان سے پوچھیں اگر کوئی ایسا معاہدہ طے پا چکا ہے تو اس پر کوئی ضامن اور کفیل پیش کرو یا یہ کم از کم اپنی صداقت کے ثبوت میں اپنے شرکاء یعنی معبودانِ باطلہ ہی لے آئیں۔

یَوۡمَ یُکۡشَفُ عَنۡ سَاقٍ وَّ یُدۡعَوۡنَ اِلَی السُّجُوۡدِ فَلَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ ﴿ۙ۴۲﴾ خَاشِعَۃً اَبۡصَارُہُمۡ تَرۡہَقُہُمۡ ذِلَّۃٌ ؕ وَ قَدۡ کَانُوۡا یُدۡعَوۡنَ اِلَی السُّجُوۡدِ وَ ہُمۡ سٰلِمُوۡنَ ﴿۴۳﴾ فَذَرۡنِیۡ وَ مَنۡ یُّکَذِّبُ بِہٰذَا الۡحَدِیۡثِ ؕ سَنَسۡتَدۡرِجُہُمۡ مِّنۡ حَیۡثُ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿ۙ۴۴﴾ وَ اُمۡلِیۡ لَہُمۡ ؕ اِنَّ کَیۡدِیۡ مَتِیۡنٌ ﴿۴۵﴾ اَمۡ تَسۡـَٔلُہُمۡ اَجۡرًا فَہُمۡ مِّنۡ مَّغۡرَمٍ مُّثۡقَلُوۡنَ ﴿ۚ۴۶﴾ اَمۡ عِنۡدَہُمُ الۡغَیۡبُ فَہُمۡ یَکۡتُبُوۡنَ ﴿۴۷﴾

''جس روز پردہ اٹھایا جائے گا ایک ساق سے تو ان (نابکاروں) کو سجدہ کی دعوت دی جائے گی تو اس وقت وہ سجدہ نہ کر سکیں گے۔ ندامت سے جھکی ہوں گی ان کی آنکھیں ان پر ذلت چھا رہی ہو گی۔ حالانکہ انہیں (دنیا میں) بلایا جاتا تھا سجدہ کی طرف جب کہ وہ صحیح سلامت تھے۔ پس (اے حبیب!) آپ چھوڑ دیجئے مجھے اور اسے جو اس کتاب کو جھٹلاتا ہے۔ ہم انہیں بتدریج تباہی کی طرف لے جائیں گے اس طرح کہ انہیں علم تک نہ ہو گا۔ اور میں نے (سردست) انہیں مہلت دے رکھی

ہے۔ میری (خفیہ) تدبیر بڑی پختہ ہے۔ آیا آپ ان سے کچھ اجرت مانگتے ہیں، پس وہ اس تاوان (کے بوجھ) سے دبے جاتے ہیں۔ کیا ان کے پاس غیب کی خبر آتی ہے اور وہ اس کو لکھ لیتے ہیں''۔

قبل ازیں یہ بیان ہوا کہ متقی لوگوں کو اپنے رب کے ہاں نعمتوں بھری جنتوں سے نوازا جائے گا، اب یہاں یہ بتایا جا رہا ہے کہ یہ انعام کب ہوگا؟ چنانچہ فرمایا: یَوْمَ یُكْشَفُ...... یعنی قیامت کے دن، جس دن ہولناکیوں، زلزلوں، آزمائشوں اور بڑے بڑے نازک امور کا سامنا ہوگا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہمارا رب اپنی پنڈلی سے پردہ اٹھادے گا تو ہر مومن مرد اور ہر مومن عورت اس کے حضور سربسجود ہو جائیں گے اور وہ شخص جو دنیا میں ریاکاری اور شہرت کی خاطر سجدے کیا کرتا تھا، وہ سجدہ کرنے جائے گا لیکن اس کی کمر تختہ کی طرح اکڑ جائے گی''(1)۔ یہ حدیث صحیحین وغیرہ میں مختلف طرق سے مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے اور یہ حدیث طویل اور مشہور ہے(2)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یَوْمَ یُكْشَفُ...... سے مراد یہ ہے کہ یہ دن دکھ تکلیف اور شدت کا دن ہوگا۔ ابن جریر، حضرت ابن مسعود یا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے (اس میں انہیں شک ہے) بیان کرتے ہیں کہ ساق سے مراد ہے: سخت تکلیف دہ اور بہت بڑا امر جیسا کہ شاعر کا قول ہے: سَالَتِ الحربُ عنْ ساقٍ یعنی لڑائی شدت اختیار کر گئی۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ہے معاملہ کا شدت اختیار کرنا اور سنگین ہو جانا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن یہ بہت سخت گھڑی ہوگی اور اس سے مراد روز قیامت کے سنگین، تکلیف دہ، ہوش ربا اور ہولناک حالات ہیں۔ ایک اور روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ جس وقت معاملہ منکشف ہو جائے گا اور اعمال ظاہر ہو جائیں گے۔ کشف یعنی کھلنے سے مراد ہے دخول آخرت اور اس سے مقصود حالات کا عیاں ہو جانا ہے(3)۔

امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ان تمام روایات کو بیان کرنے کے بعد ایک حدیث وارد کی ہے جس میں نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: ''جس دن پنڈلی سے پردہ اٹھادیا جائے گا یعنی نور عظیم ظاہر ہوگا جس کے سامنے لوگ سجدہ ریز ہو جائیں گے۔ یہ حدیث ابو یعلی میں بھی ہے لیکن اس کا ایک راوی مبہم ہے(4)۔

فرمایا: خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ...... یعنی دار آخرت میں ان کی نگاہیں جھکی ہوئی ہوں گی اور ان پر ذلت چھا رہی ہوگی کیونکہ وہ دنیا میں جرائم کا ارتکاب کرتے اور اکڑتے تھے، اس لئے اس روش کے برعکس انہیں ذلت ورسوائی کی سزا ملی اور جب دنیا میں انہیں سجدہ کرنے کی دعوت دی جاتی تھی تو باوجود صحت، سلامتی اور قدرت کے دنیا میں انہیں سجدہ کی توفیق نہ ہوئی، اس لئے آج اسی حکم عدولی کی پاداش میں ان سے سجدہ کرنے کی قوت سلب کر لی گئی۔ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ تجلی فرمائے گا تو سب مومن اس کے حضور سجدہ میں گر جائیں گے لیکن کوئی کافر اور منافق سجدہ نہیں کر سکے گا بلکہ اس کی کمر تختہ کی طرح اکڑ جائے گی۔ جب بھی ان میں سے کوئی سجدہ کرنا چاہے گا تو پیٹھ کے بل نیچے آگرے گا۔ جیسے دنیا میں ان کی حالت اہل ایمان کی حالت کے برعکس تھی، اسی طرح قیامت کے دن بھی دونوں کی حالتیں یکسر مختلف ہوں گی۔

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ قلم، جلد 8، صفحہ 664-663 وکتاب التوحید، جلد 13، صفحہ 422-420، مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 167 2۔ ایضاً

3۔ تفسیر طبری، جلد 29، صفحہ 39-38 4۔ تفسیر طبری، جلد 29، صفحہ 42، مسند ابو یعلی، جلد 6، صفحہ 402

پھر فرمایا: فَذَرْنِیْ...... یعنی اے میرے حبیب! آپ مجھے اور اسے چھوڑ دیں جو اس کتاب کو جھٹلاتا ہے۔ اس میں بڑی سخت دھمکی ہے یعنی آپ ایسے نابکار کو میرے حوالے کر دیں۔ میں اس سے نپٹ لوں گا۔ میں انہیں ڈھیل اور مہلت دے رہا ہوں۔ یہ گمراہی میں بڑھتے چلے جائیں گے اور میں انہیں بتدریج تباہی کی طرف لے جاؤں گا، پھر جب مہلت کی گھڑیاں ختم ہو جائیں گی تو انہیں اچانک پوری قوت اور اقتدار کے ساتھ پکڑ لوں گا اس لئے فرمایا: سَنَسْتَدْرِجُهُمْ...... یعنی میں انہیں آہستہ آہستہ تباہی کی طرف لے جاؤں گا اور نعمتوں سے نوازتا رہوں گا لیکن انہیں حقیقت کا علم تک نہ ہوگا بلکہ یہ تو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تکریم و انعام یقین کئے بیٹھے ہوں گے حالانکہ یہ دراصل اہانت ہوگی جیسا کہ فرمایا: اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّ بَنِيْنَ ۝ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ (مومنون: 56-55) "کیا یہ تفرقہ باز خیال کرتے ہیں کہ ہم جو ان کی مدد کر رہے ہیں مال و اولاد (کی کثرت سے) تو ہم جلدی کر رہے ہیں انہیں بھلائیاں پہنچانے میں (یوں نہیں) بلکہ وہ (حقیقت حال سے) بےخبر ہیں"۔ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ؕ حَتّٰۤى اِذَا فَرِحُوْا بِمَاۤ اُوْتُوْۤا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ (انعام: 44) "پھر جب انہوں نے بھلا دیں وہ نصیحتیں جو انہیں کی گئی تھیں کھول دیئے ہم نے ان پر دروازے ہر چیز کے۔ یہاں تک کہ جب وہ خوشیاں منانے لگے اس پر جو انہیں دیا گیا تو ہم نے پکڑ لیا انہیں اچانک اب وہ ناامید ہو کر رہ گئے"۔

اور یہاں فرمایا: وَ اُمْلِيْ لَهُمْ ؕ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ یعنی میں انہیں ڈھیل اور مہلت دوں گا اور یہ ان کے خلاف میری خفیہ تدبیر ہے اور میری تدبیر ہر اس شخص کے خلاف بہت پختہ اور عظیم ہے جو میرے حکم کی خلاف ورزی کرے، میرے رسولوں کو جھٹلائے اور میری نافرمانی کی جسارت کرے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا ہے یہاں تک کہ جب اسے پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں" (1)۔ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی: وَ كَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَاۤ اَخَذَ الْقُرٰى وَ هِيَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ (ہود: 102) "اور یونہی گرفت ہوتی ہے آپ کے رب کی جب وہ پکڑتا ہے بستیوں کو درآنحالیکہ وہ ظالم ہوتی ہیں۔ بیشک اس کی پکڑ بڑی دردناک (اور) سخت ہوتی ہے"۔

پھر فرمایا: اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ...... ان دونوں آیتوں کی تفسیر سورۂ طور میں گزر چکی ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ اے میرے پیارے حبیب! آپ انہیں بغیر اجرت کے اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے ہیں بلکہ آپ تو صرف بارگاہِ خداوندی سے اجر و ثواب کے خواستگار ہیں، پھر بھی یہ لوگ محض اپنی جہالت، کفر اور عناد کے سبب آپ کے لائے ہوئے پیغام کو جھٹلاتے ہیں۔

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَ لَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ ۘ اِذْ نَادٰى وَ هُوَ مَكْظُوْمٌ ؕ ۝ لَوْ لَاۤ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَ هُوَ مَذْمُوْمٌ ۝ فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَ اِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَ يَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ۝ وَ مَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝

"پس انتظار فرمایئے اپنے رب کے حکم کا اور نہ ہو جایئے مچھلی والے کی مانند۔ جب اس نے پکارا اور وہ غم و اندوہ سے بھرا ہوا

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ: 126، سورۂ رعد: 32

تھا۔ اگر اس کی چارہ سازی نہ کرتا اس کے رب کا لطف تو ڈال دیا جاتا اسے چٹیل میدان درآنحالیکہ اس کی مذمت کی جاتی۔
پھر چن لیا اس کو اس کے رب نے اور بنا دیا اس کو اپنے نیک بندوں سے اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ کفار پھسلا دیں گے آپ کو
اپنی (بد) نظروں سے جب وہ سنتے ہیں قرآن اور وہ کہتے ہیں کہ یہ تو مجنون ہے۔ حالانکہ وہ نہیں مگر سارے جہانوں کے
لئے وجہ عز و شرف''۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے نبی ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ اپنی قوم کی ایذا ءرسانی اور تکذیب پر صبر کریں۔ عنقریب اللہ تعالیٰ آپ کے حق میں اور ان کے خلاف فیصلہ فرمائے گا اور دنیا و آخرت میں غلبہ آپ کو اور آپ کے پیروکاروں کو ہی حاصل ہوگا۔

فرمایا: وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ مچھلی والے سے مراد حضرت یونس بن متی علیہ السلام ہیں جب آپ اپنی قوم سے ناراض ہو کر وہاں سے چل دیئے۔ پھر وہی واقعہ پیش آیا جو معروف ہے یعنی کشتی پر سوار ہونا، مچھلی کا آپ کو نگل جانا اور اس کا آپ کو سمندر کی تہہ در تہہ تاریکیوں میں لے جانا اور وہاں آپ کا سمندر کو قادر مطلق خدائے بزرگ و برتر کی تسبیح کرتے ہوئے سننا جس کے فیصلہ کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ اس وقت تاریکیوں میں آپ نے اپنے رب کو پکارا: لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ (انبیاء:87) ''کوئی معبود نہیں سوا تیرے پاک ہے تو۔ بیشک میں ہی قصورواروں سے ہوں''۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو قبول کرتے ہوئے فرمایا: فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۭ وَكَذٰلِكَ نُــْۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ (انبیاء:88) ''پس ہم نے ان کی پکار کو قبول فرما لیا اور نجات بخش دی انہیں غم (واندوہ) سے اور یونہی ہم نجات دیا کرتے ہیں مومنوں کو''۔ فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ﴿١٤٣﴾ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ (صافات:44-143) ''پس اگر وہ اللہ کی پاکی بیان کرنے والوں سے نہ ہوتے، تو پڑے رہتے مچھلی کے پیٹ میں قیامت کے دن تک''۔

اور یہاں فرمایا: اِذْ نَادٰى وَهُوَ مَكْظُوْمٌ حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور سدی رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مکظوم کا معنی ہے مغموم۔ عطاء خراسانی اور ابو مالک رحمہما اللہ تعالیٰ کے بقول اس کا معنی ہے: رنج و مشقت میں مبتلا۔ پہلے یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ جونہی یہ کلمہ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ آپ کی زبان سے نکلا، فوراً اس کی آواز عرش کے اردگرد سنائی دینے لگی۔ فرشتے عرض کرنے لگے: اے پروردگار! یہ کمزور سی آواز ہے تو معروف لیکن کسی اجنبی جگہ سے آ رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیا تم نے اسے پہچانا نہیں؟ عرض کی: نہیں۔ فرمایا: یہ میرے بندے یونس کی آواز ہے۔ فرشتے کہنے لگے: اے پروردگار! تیرا وہ بندہ جس کے نیک اعمال اور مقبول دعائیں تیری بارگاہ میں بلند ہوتی رہتی ہیں۔ فرمایا: ہاں۔ فرشتوں نے عرض کی: یا اللہ! کیا تو ان کے آسائش کے دور میں کئے گئے اعمال صالحہ کے طفیل ان پر رحم فرما کر انہیں اس آزمائش سے نجات نہیں دے گا؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا تو اس نے آپ کو چٹیل میدان میں اگل دیا(1)۔ اس لئے فرمایا: فَاجْتَبٰىهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ یعنی آپ کے رب نے آپ کو چن لیا اور صالحین میں شامل کر دیا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کسی آدمی کے لئے یہ کہنا مناسب نہیں کہ میں یونس بن متی سے افضل ہوں''(2)۔

اگلی آیت میں فرمایا: وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا...... یعنی قریب ہے کہ یہ کافر آپ کو اپنی نظر لگا کر پھسلا دیں یعنی آپ کے ساتھ بغض و

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ انبیا: 87

2۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 390، فتح الباری، جلد 6، صفحہ 450 تفسیر سورۂ نساء، جلد 8، صفحہ 267، مسلم، کتاب الفضائل، جلد 4، صفحہ 1846

عناد کی وجہ سے یہ لوگ حسد کی آگ میں جل رہے ہیں، اگر آپ کو اللہ تعالیٰ کی حمایت اور حفاظت حاصل نہ ہوتی تو یہ بدقماش ضرور اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتے۔ اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے نظر کا لگنا اور اس کی تاثیر حق ہے اور اس کی تائید متعدد احادیث سے بھی ہوتی ہے جو مختلف اسناد سے مروی ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دم نہیں ہے مگر نظر کا یا زہریلے جانوروں کا یا نہ رکنے والے خون کا'' (1)۔ حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دم جھاڑ وتو صرف نظر کا ہے یا زہر کا'' (2)۔ یہ حدیث بخاری میں ہے۔ ابو یعلی میں ایک غریب حدیث حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نظر ایک آدمی کو اللہ کے حکم سے اس قدر جوش دلاتی ہے کہ وہ اونچے پہاڑ پر جا چڑھتا ہے پھر وہاں سے گر کر ہلاک ہو جاتا ہے(3)''۔ حضرت حابس تمیمی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''الو میں کوئی حقیقت نہیں، نظر حق ہے اور سب سے سچا شگون نیک فال ہے''۔ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو غریب کہا ہے(4)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نظر حق ہے، نظر حق ہے، یہ اونچی جگہ سے نیچے گرا دیتی ہے'' (5)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''نظر حق ہے۔ اگر کوئی چیز تقدیر سے سبقت لے جانے والی ہوتی تو نظر سبقت لے جاتی اور جب تمہیں غسل کرنے کو کہا جائے تو غسل کر لیا کرو'' (6)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرات حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو ان کلمات کا دم کر کے اللہ کی پناہ میں دیا کرتے تھے: أُعِيذُكُمَا بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ یعنی میں تم دونوں کو ہر شیطان سے، ہر زہریلے جانور سے اور ہر لگنے والی نظر سے، اللہ تعالیٰ کے کامل کلمات کی پناہ میں دیتا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت اسحاق اور اسماعیل علیہما السلام کو بھی انہیں کلمات کے ساتھ دم کیا کرتے تھے۔ یہ حدیث بخاری اور سنن میں بھی ہے(7)۔

حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ غسل کر رہے تھے۔ اسی اثناء میں حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کا وہاں سے گزر ہو گیا۔ وہ کہنے لگے کہ میں نے آج تک کسی پردہ نشین کا بھی ایسا جسم نہیں دیکھا۔ یہ سننا تھا کہ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ انہیں فوراً رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لایا گیا اور عرض کی گئی: یا رسول اللہ ﷺ! سہل کی خبر لیں، وہ بے ہوش پڑے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کی ذمہ داری تم کس پر ڈالتے ہو؟'' عرض کی: عامر بن ربیعہ پر۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو بھلا کس بناء پر قتل کر سکتا ہے؟ جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی کوئی ایسی چیز دیکھے جو اسے بھلی لگے تو اسے اس کے لئے برکت کی دعا کرنی چاہئے''۔ پھر آپ ﷺ نے پانی منگوا کر حضرت عامر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ وضو کرو۔ چنانچہ انہوں نے اپنا چہرہ، کہنیوں سمیت دونوں ہاتھ، گھٹنے اور تہبند کا

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطب، جلد 4، صفحہ 11

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الطب، جلد 2، صفحہ 1161، مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 199 عارضۃ الاحوذی، ابواب الطب، جلد 8، صفحہ 213، فتح الباری کتاب الطب، جلد 10 صفحہ 155، سنن ابوداؤد، ابواب الطب، جلد 4، صفحہ 10

3۔ مسند احمد، جلد 5، صفحہ 167-146

4۔ مسند احمد، جلد 5، صفحہ 70، عارضۃ الاحوذی، ابواب الطب، جلد 8، صفحہ 218-215

5۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 294-274

6۔ مسلم، کتاب السلام، جلد 4، صفحہ 1719

7۔ فتح الباری، کتاب الانبیاء، جلد 6، صفحہ 408، سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، جلد 4، صفحہ 235 عارضۃ الاحوذی، ابواب الطب، جلد 8، صفحہ 215، ابن ماجہ، کتاب الطب، جلد 2، صفحہ 1165-1164

اندرونی حصہ جسم دھویا اور حکم دیا کہ یہ پانی اس (سہل) کے اوپر بہا دو۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: برتن اس کے پیٹھ کے پیچھے سے اوندھا کر دیا جائے (1)۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جنات اور انسانوں کی نظر بد سے پناہ مانگا کرتے تھے۔ جب معوذتین (سورۃ الفلق، سورۃ الناس) کا نزول ہوا تو آپ ﷺ نے انہیں لے لیا اور باقی سب ترک کر دیا (2)۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور آپ سے کہنے لگے کہ آپ کو بیماری کی شکایت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں''۔ اس پر جبریل نے کہا: بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُّؤْذِيْكَ، مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ وَّعَيْنٍ تَشْنِيْكَ وَاللّٰهُ يَشْفِيْكَ، بِسْمِ اللّٰهِ أَرْقِيْكَ ''یعنی اللہ کے نام سے میں آپ کو ہر اذیت ناک چیز سے، ہر نفس کے شر اور ضرر رساں نظر سے دم کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو شفا عطا فرمائے گا۔ میں اللہ کے نام سے آپ کو دم کرتا ہوں'' (3)۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی طبیعت ناساز ہوگئی تو جبریل حاضر ہوئے اور ان الفاظ کے ساتھ آپ ﷺ کو دم کیا: ''بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُّؤْذِيْكَ مِنْ كُلِّ حاسِدٍ وَّعَيْنٍ وَاللّٰهُ يَشْفِيْكَ (4)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا..... ''نظر حق ہے'' (5)۔ یہ حدیث ابن ماجہ میں بھی ہے (6)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نظر حق ہے۔ شیطان اور ابن آدم کا حسد اس کا باعث بنتا ہے'' (7)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ شگون تین چیزوں میں ہے: گھر، گھوڑا اور عورت؟ آپ نے جواب دیا: تب تو میں ایسی بات کہوں گا جو آپ ﷺ نے نہیں فرمائی البتہ میں نے آپ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''أَصْدَقُ الطيرةِ الفألُ والعينُ حقٌّ'' (8)۔ یعنی سچا ترین شگون نیک فال ہے اور نظر حق ہے۔

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! جعفر کے بچوں کو نظر لگ جاتی ہے، کیا میں انہیں دم کر دیا کروں؟ فرمایا: ''ہاں، اگر کوئی چیز تقدیر پر سبقت لے جاتی تو نظر اس پر سبقت لے جاتی'' (9)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں نظر کے دم کا حکم فرمایا (10)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی پناہ مانگا کرو کیونکہ نظر حق ہے'' (11)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نظر لگانے والے کو وضو کرنے کا حکم دیا جاتا تھا اور نظر لگنے والے کو اس پانی سے غسل کرایا جاتا تھا (12)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''الو کوئی نہیں، نظر حق ہے اور نیک شگون نیک فال ہے''۔

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الطب، جلد 2، صفحہ 1160 2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الطب، جلد 2، صفحہ 1161، عارضۃ الاحوذی، ابواب الطب، جلد 8، صفحہ 214
3۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 56-28، مسلم، کتاب السلام، جلد 4، صفحہ 1719-1718 عارضۃ الاحوذی، ابواب الجنائز، جلد 4، صفحہ 196، ابن ماجہ، کتاب الطب، جلد 2، صفحہ 1164 4۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 75
5۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 319-318، فتح الباری، کتاب الطب، جلد 10، صفحہ 203، کتاب اللباس، جلد 10 صفحہ 379، مسلم، کتاب السلام، جلد 4، صفحہ 1719
6۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الطب، جلد 2، صفحہ 1159، مسند احمد، جلد 2، صفحہ 487 7۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 439 8۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 289
9۔ مسند احمد، جلد 6، صفحہ 438، عارضۃ الاحوذی، جلد 8، صفحہ 215-214، ابن ماجہ، جلد 2، صفحہ 1160، مزی: تحفۃ الاشراف، جلد 11، صفحہ 261
10۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الطب، جلد 2، صفحہ 1161، فتح الباری، کتاب الطب، جلد 10 صفحہ 199، مسلم، کتاب السلام، جلد 4، صفحہ 1725
11۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الطب، جلد 2، صفحہ 1159 12۔ سنن ابوداؤد، کتاب الطب، جلد 4، صفحہ 9

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کے ساتھ مکہ کی طرف نکلے۔ جب جحفہ میں شعب خرار پر پہنچے تو حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ وہاں غسل کرنے لگے۔ یہ گورے چٹے اور خوبصورت تھے۔ حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ نے انہیں غسل کرتے ہوئے دیکھا تو کہنے لگے کہ میں نے آج تک کسی پردہ نشین کا بھی ایسا جسم نہیں دیکھا۔ یہ سنتے ہی حضرت سہل رضی اللہ عنہ غش کھا کر گر پڑے۔ رسول اللہ ﷺ سے عرض کی گئی: یارسول اللہ ﷺ! کیا آپ سہل کی خبر لیں گے؟ وہ نہ اپنا سر اٹھاتے ہیں اور نہ ہوش میں آتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم کسی کو اس بارے میں موردِ الزام ٹھہراتے ہو؟'' عرض کی: انہیں عامر بن ربیعہ کی نظر لگ گئی۔ آپ ﷺ نے حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر ناراضگی کا اظہار کیا اور فرمایا: ''تم میں سے کوئی کس بناء پر اپنے بھائی کو قتل کر سکتا ہے؟ جب تم نے وہ چیز دیکھی جو تمہیں اچھی لگی تو تم نے اس وقت برکت کی دعا کیوں نہ کی؟ پھر فرمایا کہ وضو کرو۔ چنانچہ انہوں نے اپنا چہرہ، دونوں ہاتھ، کہنیاں، گھٹنے، پاؤں اور تہبند کے اندرونی جسم کا حصہ ایک برتن میں دھویا پھر آپ کے حکم سے ایک شخص نے وہ پانی حضرت سہل رضی اللہ عنہ کے سر اور پیٹھ پر بہا دیا اور برتن پیٹھ پیچھے اوندھا کر دیا۔ بس ایسا کرنا تھا کہ حضرت سہل رضی اللہ عنہ لوگوں کے ساتھ چلنے پھرنے لگے اور بالکل صحت مند ہو گئے (1)۔ مسند احمد میں حضرت عبید اللہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عامر بن ربیعہ اور حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہم غسل کے ارادہ سے نکلے۔ راوی کہتے ہیں کہ دونوں اوٹ کی تلاش میں تھے۔ اس روایت میں ہے کہ حضرت عامر رضی اللہ عنہ نے اپنا اونی جبہ اتارا اور غسل کرنے کے لئے پانی میں اترے۔ حضرت سہل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے انہیں دیکھا تو انہیں میری نظر لگ گئی اور وہاں پانی میں خرخراہٹ کرنے لگے۔ میں نے انہیں تین مرتبہ آواز دی لیکن انہوں نے مجھے کوئی جواب نہ دیا۔ میں بھاگم بھاگ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ آپ ﷺ وہاں تشریف لائے اور پانی میں گھس گئے، گویا آپ ﷺ کی پنڈلیوں کی سفیدی مجھے اب بھی نظر آ رہی ہے۔ آپ ﷺ نے ان کے سینے پر اپنا ہاتھ مارا اور یہ دعا کی: ''اَللّٰهُمَّ اصْرِفْ عَنْهُ حَرَّهَا وَبَرْدَهَا وَوَصَبَهَا'' یعنی اے اللہ! اس سے اس کی گرمی، سردی اور تکلیف کو دور کر دے۔ وہ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی ذات میں یا اس کے مال میں کوئی بھلی چیز دیکھے تو اسے چاہئے کہ اس کے لئے برکت کی دعا کرے کیونکہ نظر حق ہے'' (2)۔

مسند بزار کی ایک حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: قضاء وقدر اور اللہ تعالیٰ کے لکھے ہوئے کے بعد میری امت کی موت اکثر نظر سے ہوگی۔ (3) حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نظر حق ہے، یہ آدمی کو قبر میں اور اونٹ کو ہنڈیا میں پہنچا دیتی ہے اور میری امت کی ہلاکت اکثر نظر کے باعث ہے۔'' حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیماری کا متعدی ہونا، برا شگون لینا، الو کو تباہی کا سبب یقین کرنا اور حسد کی کوئی حقیقت نہیں البتہ نظر حق ہے (4)۔

ابن عساکر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جبریل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کے پاس آئے تو آپ کو مغموم پایا۔ عرض کرنے لگے: یارسول اللہ ﷺ! میں آپ کے چہرہ پر غم کے آثار کیسے دیکھ رہا ہوں؟ فرمایا: ''حسن اور حسین کو نظر لگ گئی ہے''۔ جبریل علیہ السلام کہنے لگے: نظر کی تصدیق کریں، نظر حق ہے۔ آپ نے ان کلمات کا دم کر کے انہیں اللہ تعالیٰ کی پناہ میں کیوں نہ دیا؟ فرمایا: اے جبریل! وہ کون سے کلمات ہیں؟ کہنے لگے کہ یہ دعا کیا کریں: ''اَللّٰهُمَّ ذَا السُّلْطَانِ الْعَظِيمِ وَالْمَنِّ الْقَدِيمِ ذَالْوَجْهِ الْكَرِيمِ وَلِيَّ

1۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 487-486
2۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 447
3۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب الطب، جلد 3، صفحہ 403
4۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 232

الکلماتِ التامّاتِ والدّعواتِ المُستَجاباتِ عافِ الحسنَ والحسینَ من اَنفُسِ الجنّ واَعْیُنِ الانس'' یعنی اے عظیم سلطنت والے! حسن اور حسین کو جنات کی شرانگیزیوں اور انسانوں کی نظروں سے عافیت عطا فرما۔ نبی کریم ﷺ نے یہ دعا پڑھی تو اسی وقت آپ کے یہ لاڈلے نواسے اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ کے سامنے کھیلنے کودنے لگے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لوگو! خود کو، اپنی عورتوں کو اور اپنی اولاد کو یہی (دم کر کے) پناہ دیا کرو کیونکہ اس جیسی کوئی پناہ نہیں(1)۔

پھر فرمایا: وَیَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ یعنی یہ بدبخت آپ کو حقارت بھری نظروں سے دیکھتے ہیں اور زبان طعن دراز کر کے آپ کو اذیت پہنچاتے ہیں اور قرآن کریم لانے کے باعث آپ کو مجنون کہتے ہیں حالانکہ قرآن کی شان یہ ہے: وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ۔

1۔تہذیب تاریخ دمشق الکبیر، جلد 7، صفحہ 54-53

سورۃ الحاقہ (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

اَلْحَاۤقَّةُ ﴿۱﴾ مَا الْحَاۤقَّةُ ﴿۲﴾ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْحَاۤقَّةُ ﴿۳﴾ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ ﴿۴﴾ فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ﴿۵﴾ وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ﴿۶﴾ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا ۙ فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ﴿۷﴾ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ﴿۸﴾ وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ﴿۹﴾ فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ﴿۱۰﴾ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِى الْجَارِيَةِ ﴿۱۱﴾ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَاۤ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ﴿۱۲﴾

''وہ ہو کر رہنے والی۔ کیا ہے وہ ہو کر رہنے والی۔ اور اے مخاطب تم کیا سمجھو وہ ہو کر رہنے والی کیا ہے۔ جھٹلایا ثمود اور عاد نے ٹکرا کر پاش پاش کرنے والی کو۔ پس ثمود تو انہیں ہلاک کر دیا گیا سخت چنگھاڑ سے۔ رہے عاد، تو انہیں برباد کر دیا گیا آندھی سے جو سخت سرد، بے حد تند تھی۔ اللہ نے مسلط کر دیا اسے ان پر (مسلسل) سات رات اور آٹھ دن تک جو جڑوں سے اکھیڑنے والی تھی تو تو دیکھتا قوم عاد کو ان دنوں کہ وہ گر پڑے ہیں۔ گویا وہ مُڈھ ہیں کھوکھلی کھجور کے۔ کیا تمہیں نظر آتا ہے ان کا کوئی باقی ماندہ فرد۔ اور فرعون اور جو اس سے پہلے تھے اور الٹائی جانے والی بستیوں کے باشندوں نے غلطی کا ارتکاب کیا۔ پس انہوں نے نافرمانی کی اپنے رب کے رسولوں کی تو اللہ نے پکڑ لیا انہیں بڑی سختی سے۔ ہم نے جب سیلاب حد سے گزر گیا تو تمہیں کشتیوں میں سوار کر دیا۔ تاکہ ہم بنا دیں اس واقعہ کو تمہارے لئے یادگار اور محفوظ رکھیں اسے یاد رکھنے والے کان''۔

اَلْحَاۤقَّةُ قیامت کا ایک نام ہے۔ چونکہ اس میں وعدہ اور وعید کا تحقق ہو گا اس لئے یہ نام پڑ گیا۔ اس میں وقوع پذیر ہونے والے بڑے بڑے امور کے پیش نظر اس کی ہولناکی اور تفخیم شان کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْحَاۤقَّةُ۔ بعد ازیں قیامت کی تکذیب کرنے والی قوموں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: فَاَمَّا ثَمُوْدُ......، الطاغیۃ سے مراد وہ سخت چنگھاڑ اور زلزلہ ہے جس نے انہیں نیست و نابود کر کے بالکل خاموش کر دیا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی کہتے ہیں کہ اس کا معنی ہے سخت چیخ اور ابن جریر نے بھی یہی معنی اختیار کیا ہے(1)۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کے بقول اس کا معنی گناہ ہے۔ ربیع بن انس اور ابن زید رحمہما اللہ تعالیٰ نے اس کا معنی سرکشی لیا ہے اور ابن زید کی قراءت میں ''بالطاغیۃ'' کی بجائے ''بطغواھا'' ہے، جس سے ان کے بیان کئے ہوئے معنی کی تائید ہوتی ہے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ''الطاغیۃ'' سے مراد وہ شخص ہے جس نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔ پھر عاد کے متعلق فرمایا: وَاَمَّا عَادٌ......، ''صرصر'' کا

1۔ تفسیر طبری، جلد 29، صفحہ 49

معنی ہے: یخ بستہ، ٹھنڈی اور ''عاتیۃ'' کا معنی ہے: بے حد تند و تیز۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس کی تندی اور شدت کا یہ عالم تھا کہ اس نے ان کے دل چھید دیئے۔

ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ وہ اس قدر یخ بستہ جھکڑ تھا جس میں نہ رحمت تھی اور نہ برکت۔ یہ بغیر حساب کے اس طرح چلا کہ محافظ فرشتوں پر بھی سرکش اور بے قابو محسوس ہونے لگا(1)۔ اللہ تعالیٰ نے اسے لگاتار مکمل سات منحوس راتیں اور آٹھ منحوس دنوں تک مسلط کئے رکھا۔ حضرات ابن مسعود، ابن عباس، مجاہد، عکرمہ، ثوری رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کے نزدیک ''حسوما'' کا معنی ہے: مسلسل لگاتار۔

عکرمہ اور ربیع بن خثیم رحمہما اللہ تعالیٰ کے بقول اس کا معنی ہے منحوس اور نامبارک جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: فِیۡۤ اَیَّامٍ نَّحِسَاتٍ (فصلت:16) ''منحوس دنوں میں''۔ ربیع رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آغاز جمعہ کے دن سے ہوا تھا جبکہ دیگر حضرات کے نزدیک یہ عذاب بدھ کے دن سے شروع ہوا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ان ہواؤں کو لوگ ''أعجاز'' کہتے ہیں گویا انہوں نے یہ اس آیت فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعٰى...... سے اخذ کیا ہے۔ اعجاز کہنے کی دوسری وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ ہوائیں عموماً سرما کے آخر میں چلا کرتی ہیں اور عجز کا معنی ہے آخر۔ ان دنوں کو ''ایام عجوز'' کہا جاتا ہے۔ عجوز بڑھیا کو کہتے ہیں۔ یہ نام قوم عاد سے تعلق رکھنے والی ایک بڑھیا کی مناسبت سے پڑا جو ایک غار میں گھس گئی تھی لیکن آٹھویں دن ہوا نے وہاں داخل ہو کر اس کا کام تمام کر دیا(2)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بقول ''خاویۃ'' کا معنی ہے خراب۔ دوسرے حضرات اس کا معنی بتاتے ہیں: بوسیدہ، یعنی ہوائیں انہیں سر کے بل اس زور سے پٹخ دیتیں کہ ان کے سر بری طرح کچلے جاتے اور وہ بے جان اور بے سدھ لاشے باقی رہ جاتے۔ یوں محسوس ہوتا گویا وہ بغیر شاخوں کے کھجور کے کھوکھلے مُڈھ ہیں۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ''میری صبا (پروائی ہوا) کے ذریعے مدد کی گئی اور قوم عاد کو دبور (پچھوائی ہوا) کے ذریعے ہلاک کیا گیا''(3)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس آندھی سے قوم عاد کو ہلاک کیا گیا، وہ اللہ تعالیٰ نے صرف انگوٹھی کے برابر کھولی تھی۔ وہ پہلے دیہات والوں پر سے گزری اور انہیں، ان کے مویشیوں اور ان کے مالوں کو اٹھا کر زمین و آسمان کے درمیان معلق کر دیا۔ جب ان کے شہر والوں نے یہ منظر دیکھا تو سمجھے کہ یہ تو بارش برسانے والا بادل ہے، اسی اثناء میں ہوا نے ان تمام کو ان شہریوں پر پھینک دیا(4)۔'' مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس ہوا کے دو پر اور ایک دم تھی۔

فرمایا: فَهَلۡ تَرٰى لَهُمۡ مِّنۡۢ بَاقِيَةٍ یعنی کیا ان کے باقی ماندہ لوگوں سے یا ان کے ساتھ تعلق رکھنے والوں سے کوئی شخص تمہیں دکھائی دیتا ہے؟ نہیں، بلکہ وہ تمام کے تمام نیست و نابود ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی نسل ہی ختم کر دی۔ پھر فرمایا: وَجَآءَ فِرۡعَوۡنُ...... ایک قراءت میں ''قِبَلہ'' (قاف کے کسرہ کے ساتھ) ہے۔ اس صورت میں معنی ہوگا: فرعون کے زمانہ میں اس کے قبطی کافر پیروکار۔ دوسری قراءت میں ''قَبلہ'' (قاف کے فتحہ کے ساتھ) ہے یعنی فرعون سے پہلے گزری ہوئی کافر قومیں۔

اَلۡمُؤۡتَفِكٰتُ سے مراد پیغمبروں کو جھٹلانے والی امتیں ہیں۔ ''خاطئۃ'' سے مراد ہے وحی کی تکذیب۔ ربیع رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا معنی معصیت بتایا ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس کا معنی ہے: خطائیں۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 29، صفحہ 50
2۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 386
3۔ دیکھئے تفسیر سورۂ ذاریات: 41
4۔ مذکورہ حدیث سورۂ احقاف کی آیت: 25 کی تفسیر میں گزر چکی ہے

اس لئے فرمایا: فَعَصَوۡا رَسُوۡلَ رَبِّهِمۡ یہاں مراد جنس رسل ہے یعنی ہر ایک نے اپنے رسول کی تکذیب کی جیسا کہ فرمایا: كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيۡدِ (ق:14) ''ان سب نے جھٹلایا تھا رسولوں کو پس پورا ہو گیا (ہمارا) عذاب کا وعدہ''۔ اور جو شخص ایک پیغمبر کی تکذیب کرتا ہے وہ گویا سب پیغمبروں کی تکذیب کرتا ہے جیسا کہ فرمایا: كَذَّبَتۡ قَوۡمُ نُوۡحِ ٱلۡمُرۡسَلِيۡنَ (الشعراء:105) ''جھٹلایا قوم نوح نے (اللہ کے) رسولوں کو''، كَذَّبَتۡ عَادٌ ٱلۡمُرۡسَلِيۡنَ (الشعراء:123) ''جھٹلایا عاد نے (اپنے) رسولوں کو''، كَذَّبَتۡ ثَمُوۡدُ ٱلۡمُرۡسَلِيۡنَ (الشعراء:141) ''جھٹلایا قوم ثمود نے رسولوں کو''۔ چونکہ ہر امت کی طرف ایک ہی رسول مبعوث ہوا، اس لئے فرمایا: فَعَصَوۡا رَسُوۡلَ رَبِّهِمۡ...... یعنی انہوں نے اپنے رب کے رسول کی نافرمانی کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں سختی کے ساتھ پکڑ لیا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کے بقول ''رابیۃ'' کا معنی ہے سخت المناک اور سدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس کا معنی ہے: ہلاکت خیز۔

پھر فرمایا: اِنَّا لَمَّا طَغَا الۡمَآءُ...... یعنی پانی جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے حد سے تجاوز کر گیا اور ہر چیز پر چھا گیا تو ہم نے تمہیں کشتی میں سوار کرایا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس کا معنی بتاتے ہیں: پانی بہت زیادہ ہو گیا۔ یہ طوفان حضرت نوح علیہ السلام کی دعا کے سبب آیا۔ جب آپ کی قوم نے آپ کو جھٹلا دیا، آپ کی مخالفت پر کمربستہ ہو گئے اور غیر اللہ کی پرستش میں لگ گئے تو آپ نے ان کی ہلاکت کی دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس بددعا کو قبول کر لیا تو ہر طرف سے طوفان امڈ آیا جس نے ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ صرف وہی باقی بچے جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار تھے۔ چنانچہ سب لوگ حضرت نوح علیہ السلام کی نسل اور آپ کی اولاد میں سے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پانی کا ایک ایک قطرہ فرشتے کے ہاتھوں پورے ناپ تول سے برستا ہے لیکن طوفان نوح میں یہ پیمانے ختم کر دیئے گئے اور محافظ فرشتوں کے تصرف کو ختم کر کے پانی کو اذن عام مل گیا، اس لئے وہ فرشتوں سے بھی بے قابو ہو گیا(1)، اللہ تعالیٰ کے اس فرمان اِنَّا لَمَّا طَغَا الۡمَآءُ کا یہی مطلب ہے کہ پانی اللہ کے حکم سے حد سے بڑھ گیا۔ آپ مزید فرماتے ہیں کہ ہواؤں کا بھی ایک اندازہ مقرر ہے، جو بھی ہوا چلتی ہے، فرشتوں کے ہاتھوں ایک معین ناپ تول کے مطابق چلتی ہے، لیکن قوم عاد کا معاملہ اس کے برعکس تھا۔ اب اللہ کے حکم سے ایسی شدت کی ہوا چلی کہ فرشتوں کے بس سے بھی باہر ہو گئی۔ جیسا کہ فرمایا: ''بریح صرصر عاتیۃ''۔ اس لئے لوگوں پر احسان جتلاتے ہوئے فرمایا۔

اِنَّا لَمَّا طَغَا...... ''الجاریۃ'' سے مراد سطح آب پر چلنے والی کشتی ہے۔ یہ احسان اس لئے فرمایا تاکہ ہم اس (کشتی) کو تمہارے لئے یادگار بنا دیں اور یاد رکھنے والے کان اسے محفوظ رکھیں۔ ''لنجعلها'' میں ''ھا'' ضمیر کا مرجع جاریہ (کشتی) ہے لیکن مراد جنس ہے کیونکہ معنی اس کا متقاضی ہے یعنی ہم نے تمہارے لئے ویسی ہی کشتیوں کو باقی رکھا جن پر سوار ہو کر تم سمندر میں سفر کرتے ہو جیسا کہ فرمایا: وَجَعَلَ لَكُمۡ مِّنَ الۡفُلۡكِ وَ الۡاَنۡعَامِ مَا تَرۡكَبُوۡنَ ۙ لِتَسۡتَوٗا عَلٰى ظُهُوۡرِهٖ ثُمَّ تَذۡكُرُوۡا نِعۡمَةَ رَبِّكُمۡ اِذَا اسۡتَوَيۡتُمۡ عَلَيۡهِ (زخرف:13-12) ''بنا دیں تمہارے لئے کشتیاں اور مویشی جن پر تم سوار ہوتے ہو۔ تاکہ تم جم کر بیٹھو ان کی پیٹھوں پر پھر (دلوں میں) یاد کرو اپنے رب کی نعمت کو جب تم خوب جم کر بیٹھ جاؤ ان پر''، وَاٰيَةٌ لَّهُمۡ اَنَّا حَمَلۡنَا ذُرِّيَّتَهُمۡ فِى الۡفُلۡكِ الۡمَشۡحُوۡنِ ۙ وَخَلَقۡنَا لَهُمۡ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ مَا يَرۡكَبُوۡنَ (یٰسین:42-41) ''اور ایک نشانی ان کے لئے یہ بھی ہے کہ ہم نے سوار کیا ان کی اولاد کو ایک کشتی میں جو بھری ہوئی تھی۔ اور ہم نے پیدا کیں ان کے لئے اس کشتی کی مانند اور چیزیں جن پر وہ سوار ہوتے ہیں''۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کشتی نوح علیہ السلام کو باقی رکھا یہاں

1۔ طبری، جلد 29، صفحہ 50

تک کہ اس امت کے پہلے لوگوں نے بھی اسے دیکھا(1) لیکن پہلا مفہوم زیادہ واضح ہے۔ اس لئے فرمایا: وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ یعنی سننے اور یاد رکھنے والے کان اس نعمت کو سمجھیں اور یاد رکھیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ ''اذن واعیة'' کا مفہوم بتاتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایسے کان جو اللہ تعالیٰ کے پیغام کو سمجھیں اور کتاب اللہ کو سن کر اس سے استفادہ کریں۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ اس کا یہ مفہوم بتاتے ہیں کہ کان اسے سنیں اور محفوظ کر لیں یعنی وہ شخص جسے صحت مند کان اور عقل سلیم میسر ہو۔ اس سے مراد ہر وہ شخص ہے جو ذی فہم اور ذی شعور ہو۔ ابن ابی حاتم میں روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ پر یہ الفاظ وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ نازل ہوئے تو فرمایا: ''میں نے اپنے رب سے درخواست کی کہ وہ علی کے کان ایسے ہی بنا دے۔'' اس کے راوی حضرت مکحول رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: میں نے رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ سنا، اسے کبھی فراموش نہیں کیا۔ یہ حدیث مرسل ہے(2)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ کی ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہیں قریب کروں، دور نہ کروں اور میں تمہیں تعلیم دوں اور تو محفوظ بھی رکھے اور حق بھی یہی ہے کہ تو محفوظ رکھے''۔ اس وقت یہ آیت وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ۔ نازل ہوئی۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دوسری سند سے بھی اسے روایت کیا ہے لیکن وہ بھی صحیح نہیں۔

فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ﴿۱۳﴾ وَّ حُمِلَتِ الْاَرْضُ وَ الْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ﴿۱۴﴾ فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿۱۵﴾ وَ انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ﴿۱۶﴾ وَّ الْمَلَكُ عَلٰۤى اَرْجَآىِٕهَا ؕ وَ يَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ﴿۱۷﴾ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ﴿۱۸﴾

''پھر جب پھونک ماردی جائے گی صور میں ایک بار اور زمین اور پہاڑوں کو اٹھا کر دفعتہً چور چور کر دیا جائے گا، تو اس روز ہونے والا واقعہ ہو جائے گا۔ اور آسمان پھٹ پڑے گا تو وہ اس دن بالکل بودا ہوگا۔ اور فرشتے اس کے کناروں پر مقرر کر دیئے جائیں گے۔ اور آپ کے رب کے عرش کو اس روز اپنے اوپر آٹھ فرشتوں نے اٹھا رکھا ہوگا۔ وہ دن جب تم پیش کئے جاؤ گے، تمہارا کوئی راز پوشیدہ نہ رہے گا''۔

قیامت کے ہولناک امور کا ذکر ہو رہا ہے۔ سب سے پہلے خوف و ہراس اور گھبراہٹ میں مبتلا کر دینے والا صور پھونکا جائے گا۔ اس کے بعد دوسرا نَفْخَةٌ (صور میں پھونکا جانا) ہوگا جس سے زمین و آسمان کی تمام مخلوق بے ہوش ہو جائے گی بجز ان کے جنہیں اللہ تعالیٰ چاہے۔ اس کے بعد ایک اور نَفْخَةٌ ہوگا جسے سن کر تمام مخلوق اٹھ کھڑی ہوگی اور اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہو جائے گی۔ یہاں پہلے نَفْخَةٌ کا بیان ہے اور یہاں بطور تاکید فرمایا کہ یہ نَفْخَةٌ ایک ہی ہوگا اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی نہ مخالفت کی جا سکتی ہے، نہ اسے رد کیا جا سکتا ہے اور نہ اسے تکرار اور تاکید کی ضرورت پڑتی ہے۔ حضرت ربیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں آخری نَفْخَةٌ مراد ہے لیکن ظاہر قول وہی ہے جو ہم نے بیان کیا۔ اس لئے یہاں فرمایا: وَ حُمِلَتِ الْاَرْضُ...... یعنی زمین و آسمان اٹھا کر کھال کی طرح پھیلا دیئے جائیں گے اور زمین بدل دی جائے گی اور اس وقت قیامت قائم ہوگی۔ اس دن آسمان پھٹ جائے گا اور یہ بالکل بودا ہو جائے گا۔

1۔ طبری، جلد 29، صفحہ 55　　2۔ طبری، جلد 29، صفحہ 55

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آسمان کہکشاں سے پھٹ جائے گا۔ اسی طرح فرمایا: وَ فُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا (النباء: 19) ''اور کھول دیا جائے گا آسمان تو وہ دروازے ہی دروازے بن کر رہ جائے گا''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا اور عرش اس کے سامنے ہوگا(1)۔

فرمایا: وَ الْمَلَكُ عَلٰۤى اَرْجَآىِٕهَا ''الملك'' اسم جنس ہے یعنی فرشتے آسمان کے کناروں پر ہوں گے یعنی وہ کنارے جو بقول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ابھی تک جڑے ہوئے اور سلامت ہوں گے۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''ارجائها'' سے مراد آسمان کے دروازے ہیں۔ ربیع بن انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد آسمان کے روزن ہیں جہاں سے وہ زمین والوں کو دیکھ رہے ہوں گے۔

پھر فرمایا: وَ یَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ...... یعنی قیامت کے دن آٹھ فرشتے عرش کو اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ اس عرش سے مراد عرش عظیم بھی ہوسکتا ہے یا اس سے مراد وہ عرش ہے جو قیامت کے دن فیصلوں کے لئے زمین پر بچھایا جائے گا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آتا ہے کہ یہ آٹھ فرشتے پہاڑی بکروں جیسے ہیں(2)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حاملین عرش آٹھ ہیں، ان میں سے ہر ایک کی آنکھ کے ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ تک سو سال کی مسافت ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے اجازت دی گئی ہے کہ میں تمہیں حاملین عرش میں سے ایک فرشتہ کی بابت آگاہ کروں، اس کے کان کی لو اور اس کی گردن کے درمیان پرندے کی رفتار کے مطابق سات سو سال کی مسافت ہے۔'' اس کی سند عمدہ ہے اور اس کے راوی تمام کے تمام ثقہ ہیں۔ ابوداؤد میں یہ الفاظ ہیں: ''مجھے اجازت دی گئی ہے کہ میں تمہیں عرش کو اٹھانے والے فرشتوں میں سے ایک فرشتے کے متعلق کچھ بتاؤں۔ اس کے کان کی لو اور اس کے کندھے کے درمیان سات سو سال کا فاصلہ ہے''(3)۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں فرشتوں کی آٹھ صفیں مراد ہیں۔ حضرات ابن عباس، شعبی، عکرمہ، ضحاک اور ابن جریج رحمہم اللہ تعالیٰ سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مقرب فرشتوں کے آٹھ حصے ہیں، ان میں سے ہر حصے کی تعداد تمام انسانوں، جنوں، شیطانوں اور فرشتوں کے برابر ہے۔

اس کے بعد فرمایا: یَوْمَىِٕذٍ تُعْرَضُوْنَ یعنی اس دن تم اس ذات کے حضور پیش کئے جاؤ گے جو دلوں کے رازوں اور سرگوشیوں سے بھی واقف ہے اور تمہارا کوئی امر اس پر مخفی نہیں، تمام اشیاء، ظاہر ہوں یا پوشیدہ، اس کے علم میں ہیں۔ اس لئے فرمایا: لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِیَةٌ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اپنی جانوں کا محاسبہ کرلو اس سے پہلے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے اور اپنے آپ کا وزن کرلو اس سے پہلے کہ تمہارا وزن کیا جائے کیونکہ کل قیامت کو حساب دیتے وقت آسانی کی یہی صورت ہے کہ تم آج ہی اپنا محاسبہ کرلو اور اس بڑی پیشی کے لئے خود کو تیار کرلو۔ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن تین پیشیاں ہوں گی، پہلی اور دوسری پیشی میں تو لوگ جھگڑا اور معذرت کرتے رہیں گے لیکن تیسری پیشی کے موقعہ پر اعمال نامے اڑتے ہوئے ہاتھوں میں آجائیں گے۔ کسی کے دائیں ہاتھ میں اور کسی کے بائیں ہاتھ میں''(4)۔ ابن جریر میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے قول سے یہ روایت منقول ہے اور حضرت قتادہ سے یہ مرسلاً مروی ہے۔

1۔ درمنثور، جلد 8، صفحہ 269　2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ غافر: 7　3۔ سنن ابی داؤد، جلد 4، صفحہ 232

4۔ مسند احمد، جلد 4، صفحہ 414، ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2، صفحہ 1430، عارضۃ الاحوذی، جلد 9، صفحہ 257

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ فَیَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِیَهْ ﴿19﴾ اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِیَهْ ﴿20﴾ فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ ﴿21﴾ فِیْ جَنَّةٍ عَالِیَةٍ ﴿22﴾ قُطُوْفُهَا دَانِیَةٌ ﴿23﴾ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا هَنِیْٓـًٔۢا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِی الْاَیَّامِ الْخَالِیَةِ ﴿24﴾

''پس جس کو دے دیا گیا اس کا نامہ عمل دائیں ہاتھ میں تو وہ (فرط مسرت سے) کہے گا لو پڑھو میرا نامہ عمل۔ مجھے یقین تھا کہ میں اپنے حساب کو پہنچوں گا۔ پس یہ (خوش نصیب) پسندیدہ زندگی بسر کرے گا۔ عالیشان جنت میں۔ جس کے خوشے جھکے ہوں گے۔ (اذن ملے گا) کھاؤ اور پیو مزے اڑاؤ یہ ان اعمال کا اجر ہے جو تم نے آگے بھیج دیئے گزشتہ دنوں میں''۔

قیامت کے دن دائیں ہاتھ میں نامہ اعمال پانے والوں کی سعادت اور شادمانی کا بیان ہو رہا ہے کہ وہ فرط مسرت سے بے ساختہ ہر ملاقاتی سے کہہ رہے ہوں گے: هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِیَهْ یعنی لو میرا نامہ اعمال پڑھو، یہ اس لئے کہے گا کیونکہ اس کے نامہ اعمال میں بھلائی اور نیکیاں ہی نیکیاں ہوں گی اور جو گناہ اس سے سرزد ہوئے تھے وہ بھی نیکیوں میں تبدیل ہو چکے ہوں گے۔ عبدالرحمٰن بن زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''ھاؤم'' میں ''ؤم'' زائد ہے۔ بہرکیف بظاہر ''ھاؤم'' ھاکم (لو) کے معنی میں ہے۔ حضرت ابوعثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مومن کو اس کا نامہ اعمال خفیہ خفیہ پردے میں دیا جائے گا جس میں اس کے گناہ بھی درج ہوں گے، وہ انہیں پڑھے گا۔ جب بھی کسی گناہ پر اس کی نظر پڑے گی اس کے اوسان خطا ہو جائیں گے اور اس کا رنگ فق ہو جائے گا لیکن پڑھتے پڑھتے جب نیکیاں سامنے آئیں گی تو کچھ اطمینان ہو گا اور چہرہ کھل جائے گا، پھر نامہ اعمال پڑھے گا تو اسے دکھائی دے گا کہ اس کی برائیاں نیکیوں میں تبدیل کر دی گئی ہیں۔ اب وہ اتنا خوش ہو گا کہ جامہ میں پھولے نہ سمائے گا اور فرط مسرت سے کہے گا کہ لو میرا نامہ اعمال پڑھو۔

غسیل ملائکہ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کے پوتے حضرت عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک بندہ کو اپنے سامنے کھڑا کرے گا اور اس کی برائیاں اس کے نامہ اعمال میں ظاہر کر کے اسے فرمائے گا کہ تو نے یہ اعمال کیے۔ وہ عرض کرے گا: ہاں، اے پروردگار! اللہ تعالیٰ فرمائے گا: دیکھ میں نے تمہیں تمہارے گناہوں کے باعث رسوا نہیں کیا، جاؤ میں نے تمہارے گناہوں کو معاف کر دیا۔ اس وقت وہ رسوائی سے نجات پانے کے بعد شاداں وفرحاں یہ کہے گا: هَآؤُمُ اقْرَءُوْا...... ''۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ والی حدیث جو گزر چکی ہے اس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک بندے کو قریب کر کے اس سے اس کے تمام گناہوں کا اقرار کروائے گا یہاں تک کہ اس شخص کو جب اپنی ہلاکت کا یقین ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں نے دنیا میں تیری پردہ پوشی کی اور آج میں نے تمہارے گناہ بخش دیئے، پھر نیکیوں سے بھرا ہوا نامہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دے دیا جائے گا، لیکن جب کافروں اور منافقوں کی باری آئے گی تو گواہ پکار اٹھیں گے کہ یہی ہیں وہ جو رب پر جھوٹ باندھتے رہے، سنو! ظالموں پر اللہ کی لعنت ہو(1)''۔ وہ کہے گا: اِنِّیْ ظَنَنْتُ اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِیَهْ یعنی مجھے دنیا میں یقین تھا کہ اس دن کا وقوع حتمی اور یقینی ہے جیسا کہ فرمایا: الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ (بقرہ:46) ''جو یقین کرتے ہیں کہ وہ ملاقات کرنے والے ہیں اپنے رب سے''۔

فرمایا: فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ......عَالِیَةٍ یعنی وہ خوش کن زندگی اور عالی شان جنت میں ہو گا جس میں فلک بوس محلات، خوبرو حوریں، وافر

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ ہود:18

نعمتیں اور دائمی مسرتیں ہوں گی۔ ابن ابی حاتم میں حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ کیا جنتی آپس میں ملاقات کیا کریں گے؟ فرمایا: "ہاں، بلند درجہ کے حامل نچلے درجے کے لوگوں کے پاس اترا کریں گے اور دعا سلام سے نوازا کریں گے۔ نچلے درجے والے اپنے اعمال کی کمی کے باعث اوپر نہیں جا سکیں گے۔ ایک دوسری حدیث میں ہے:

"جنت میں سو درجے ہیں، ہر دو درجوں کے درمیان اس قدر مسافت ہے جس قدر زمین و آسمان کے درمیان" (1)۔

پھر فرمایا: قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ اس کا مفہوم بتاتے ہیں کہ اس کے خوشے اس قدر قریب اور جھکے ہوئے ہوں گے کہ جنتی اپنے پلنگ پر لیٹے لیٹے حاصل کرے گا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کوئی شخص بھی جنت میں نہیں جائے گا مگر اس پروانہ کے ساتھ جس میں تحریر ہوگا: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ هٰذَا كِتَابٌ مِّنَ اللّٰهِ لِفُلَانِ ابْنِ فُلَانٍ أَدْخِلُوْهُ جَنَّةً عَالِيَةً قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ

یعنی اللہ کے نام سے جو رحمٰن اور رحیم ہے۔ یہ نوشتہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فلاں بن فلاں کے نام۔ اسے عالیشان جنت میں داخل کر دو جس کے خوشے جھکے ہوئے ہیں (2)۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ پروانہ پل صراط پر اسے عطا کیا جائے گا۔ ان پر فضل و کرم اور لطف و احسان کی بارش کرتے ہوئے انہیں کہا جائے گا: كُلُوْا وَاشْرَبُوْا...... یہ محض اس کا فضل و کرم اور رحمت ہوگی ورنہ حدیث شریف میں تو یہ آتا ہے: "عمل کرو، راست روی اور اعتدال کو اختیار کرو اور جان لو کہ تم میں سے کسی کو اس کے صرف اعمال جنت میں نہیں پہنچائیں گے"۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ کو بھی نہیں؟ فرمایا: "مجھے بھی نہیں بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل اور رحمت سے مجھے ڈھانپ لے" (3)۔

وَ اَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ۬ فَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ﴿۲۵﴾ وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ﴿۲۶﴾ يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ﴿۲۷﴾ مَاۤ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ ﴿۲۸﴾ هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ ﴿۲۹﴾ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ﴿۳۱﴾ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ﴿۳۲﴾ اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ﴿۳۳﴾ وَ لَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿۳۴﴾ فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ ﴿۳۵﴾ وَّ لَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ ﴿۳۶﴾ لَّا يَاْكُلُهٗۤ اِلَّا الْخَاطِـُٔوْنَ ﴿۳۷﴾

"اور جس کو دیا جائے گا اس کا نامہ عمل بائیں ہاتھ میں، وہ کہے گا اے کاش! مجھے نہ دیا جاتا میرا نامہ عمل۔ اور میں نہ جانتا میرا حساب کیا ہے۔ اے کاش! موت نے ہی (میرا) قصہ پاک کر دیا ہوتا۔ آج میرا مال میرے کسی کام نہ آیا۔ میری بادشاہی بھی فنا ہوگئی۔ (فرشتوں کو حکم ہوگا) پکڑ لو اس کو اور اس کی گردن میں طوق ڈال دو۔ پھر اسے دوزخ میں جھونک دو۔ پھر ستر گز لمبے زنجیر میں اس کو جکڑ دو۔ بے شک یہ (بدبخت) ایمان نہیں لایا تھا اللہ پر جو بزرگ (و برتر) ہے اور نہ ترغیب دیتا تھا مسکین کو کھانا کھلانے کی۔ پس آج یہاں اس کا کوئی دوست نہیں۔ اور نہ کوئی طعام بجز پیپ کے۔ جسے کوئی نہیں کھاتا بجز خطا کاروں کے"۔

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ نسا: 96
2۔ المعجم الکبیر، جلد 6 صفحہ 272
3۔ دیکھئے تفسیر سورۂ دخان: 57

رہے تھے: الصَّلٰوۃ وَما ملکتْ اَیْمَانُکم یعنی نماز کی حفاظت کرو اور اپنے غلاموں اور باندیوں سے اچھا سلوک کرو(1)۔

فرمایا: فَلَیْسَ لَهُ الْیَوْمَ ...... یعنی آج اس کا کوئی جگری دوست نہ ہوگا جو اسے عذاب سے بچا سکے، نہ اس کا کوئی قریبی رشتہ دار ہوگا جو اس کی مدد کر سکے اور نہ کوئی سفارشی ہوگا جو اس کے معاملہ میں اپنی بات منوا سکے اور یہاں انہیں جو کھانا ملے گا وہ ہے پیپ۔

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ''غسلین'' جہنمیوں کے لئے بدترین غذا ہوگی۔ ربیع اور ضحاک رحمہما اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ یہ جہنم میں ایک درخت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے خیال میں یہ زقوم (تھوہر) ہے۔ ایک روایت میں آپ اس کا معنی بتاتے ہیں: ''جہنمیوں کے گوشت سے رسنے والا خون اور پانی۔'' ایک اور روایت میں آپ سے اس کا معنی منقول ہے: جہنمیوں کے جسموں سے بہنے والی پیپ۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ﴿٣٨﴾ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿٣٩﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِیْمٍ ﴿٤٠﴾ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ؕ قَلِیْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ﴿٤١﴾ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٤٢﴾ تَنْزِیْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿٤٣﴾

''پس میں قسم کھاتا ہوں ان چیزوں کی جنہیں تم دیکھتے ہو۔ اور جنہیں تم نہیں دیکھتے۔ بے شک یہ قول ہے ایک عزت والے رسول کا۔ اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں۔ (لیکن) تم بہت کم ایمان لاتے ہو۔ اور نہ ہی یہ کسی کاہن کا قول ہے۔ تم لوگ بہت کم توجہ کرتے ہو۔ بلکہ یہ نازل شدہ ہے رب العالمین کا''۔

اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے لئے اپنی تخلیق کردہ چیزوں میں پائی جانے والی اپنی ان ظاہری نشانیوں کی بھی قسم اٹھا رہا ہے جو اس کے اسماء و صفات کے کمال پر دلالت کرتی ہیں اور لوگ ان کا مشاہدہ کرتے ہیں اور ان غیبی چیزوں کی بھی قسم اٹھا رہا ہے جو لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہیں۔ یہ قسم اس بات پر ہے کہ قرآن کریم اس کا کلام اور اس کی وحی ہے۔ اسے اس نے اپنے پیارے بندے اور برگزیدہ رسول پر نازل کیا ہے جسے اس نے تبلیغ رسالت اور ادائے امانت کے لئے منتخب فرمالیا۔

فرمایا: فَلَآ اُقْسِمُ...... یعنی میں عالم غیب اور عالم شہادت کی ہر چیز کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ یہ قرآن معزز رسول کا قول ہے۔

رَسُوْلٍ كَرِیْمٍ سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں۔ قرآن کی نسبت آپ کی طرف اس لحاظ سے ہے کہ آپ ﷺ اس کے مبلغ اور پہنچانے والے ہیں کیونکہ رسول کا فریضہ ہی یہی ہے کہ وہ بھیجنے والے کا پیغام پہنچائے، اسی معنی کے پیش نظر سورۂ تکویر میں قرآن کی اضافت اس رسول (قاصد) کی طرف کی گئی ہے جس کا تعلق فرشتوں سے ہے۔ فرمایا: اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِیْمٍ ﴿١٩﴾ ذِیْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَكِیْنٍ ﴿٢٠﴾ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ (تکویر: 21-19) ''کہ یہ (قرآن) ایک معزز قاصد کا (لایا ہوا) قول ہے۔ جو قوت والا ہے مالک عرش کے ہاں عزت والا ہے۔ (سب فرشتوں کا) سردار اور وہاں کا امین ہے''۔ اس سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں۔ پھر فرمایا: وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ (تکویر: 22) ''اور تمہارا یہ ساتھی کوئی مجنون تو نہیں''۔ اس کے بعد فرمایا: وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ ﴿٢٣﴾ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَیْبِ بِضَنِیْنٍ ﴿٢٤﴾ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَیْطٰنٍ رَّجِیْمٍ (تکویر: 25-23) ''اور بلاشبہ اس نے اس قاصد کو دیکھا ہے روشن کنارے پر۔ اور یہ نبی غیب بتانے میں ذرا بخیل نہیں۔ اور یہ (قرآن) کسی شیطان مردود کا قول نہیں''۔ یعنی حضرت محمد ﷺ نے جبریل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت میں دیکھا، وہ

1۔ ابن ماجہ: الوصایا، جلد 2، صفحہ 901-900 تحفۃ الاشراف، جلد 1، صفحہ 320

یہاں بدبختوں کا حال بیان ہو رہا ہے کہ جب ان میں سے کسی کو میدان قیامت میں اس کا نامہ عمل اس کے بائیں ہاتھ میں تھمایا جائے گا، تو وہ تڑپ اٹھے گا اور فرط ندامت سے اپنے ہاتھ کاٹے گا اور کہے گا: یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُوْتَ...... یعنی اے کاش! مجھے میرا نامہ اعمال دیا ہی نہ جاتا، اور مجھے معلوم ہی نہ ہوتا کہ میرا حساب کیا ہے۔ اے کاش! موت میرا قصہ ختم کر دیتی اور اس کے بعد یہ دوسری زندگی نہ ہوتی۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ قیامت کے دن یہ موت کی آرزو کرے گا حالانکہ دنیا میں یہ موت سے بڑھ کر کسی چیز کو مکروہ نہیں جانتا تھا۔

مزید کہے گا: مَآ اَغْنٰی عَنِّیْ مَالِیَہْ...... یعنی میرا مال اور جاہ و مرتبہ بھی مجھے اللہ کے عذاب اور اس کی پکڑ سے نہ بچا سکا بلکہ مجھے تنہا دھر لیا گیا ہے، نہ کوئی میرا حامی و ناصر ہے اور نہ کوئی پناہ دینے والا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ جہنم کے فرشتوں کو حکم دے گا: خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ...... یعنی اسے میدان حشر سے سختی کے ساتھ گرفتار کر لو اور اس کے گلے میں آہنی طوق ڈال دو اور پھر اسے جہنم میں جھونک دو۔ حضرت منہال بن عمرو رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہوگا کہ ''اسے پکڑ لو'' تو تعمیل ارشاد میں ستر ہزار فرشتے فوراً اس کی طرف لپکیں گے، ان میں سے ایک فرشتہ کو بھی اگر اللہ تعالیٰ اس طرح حکم دے تو وہ یکبارگی ستر ہزار لوگوں کو پکڑ کر جہنم میں پھینک دے۔

ابن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ تعمیل حکم میں چار لاکھ فرشتے دوڑتے چلے آئیں گے اور کوئی چیز باقی نہیں رہے گی مگر اسے توڑ پھوڑ دیں گے۔ وہ کہے گا کہ تمہیں مجھ سے کیا سروکار ہے؟ فرشتہ جواب دے گا: چونکہ رب تعالیٰ تم پر سخت غضبناک ہے اس لئے ہر چیز تم پر غضبناک ہے۔ حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دے گا کہ اسے پکڑ لو اور جکڑ دو تو فوراً ستر ہزار فرشتے دوڑیں گے جن میں سے ہر ایک کی خواہش ہوگی کہ وہ اس کی گردن میں طوق ڈالے۔ پھر حکم ہوگا۔ ثُمَّ الْجَحِیْمَ صَلُّوْهُ...... یعنی اسے جہنم میں پھینک کر غوطہ دو، پھر اسے ستر گز لمبی زنجیر میں جکڑ دو۔ حضرت کعب الاحبار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس زنجیر کا ہر حلقہ دنیا بھر کے لوہے کے برابر ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ فرشتوں کے ہاتھ کے مطابق زنجیر کا ناپ ہوگا۔ آپ رضی اللہ عنہ مزید بیان کرتے ہیں کہ یہ زنجیر دبر کے راستہ سے داخل کر کے منہ سے نکالی جائے گی اور انہیں زنجیروں میں اس طرح پرو دیا جائے گا جیسے بھوننے کے لئے ٹڈی لکڑی میں (یا جیسے کباب سیخ میں)۔

ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ زنجیر اس کی دبر میں ڈال کر اس کے دونوں نتھنوں سے نکالی جائے گی اور اس کی حالت یہ ہوگی کہ وہ پاؤں کے بل کھڑا بھی نہ ہو سکے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر اس (کھوپڑی یا پیالہ) کی مثل کوئی پتھر آسمان سے زمین کی طرف پھینکا جائے اور زمین و آسمان کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے، تو وہ ایک رات گزرنے سے پہلے زمین پر پہنچ جائے اور اگر ایسا پتھر اس زنجیر کے ایک سرے پر چھوڑ دیا جائے تو اسے اس کے نچلے سرے تک پہنچنے میں چالیس سال لگ جائیں گے۔'' (1) امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے (2)۔

فرمایا: اِنَّهٗ كَانَ لَا یُؤْمِنُ...... یعنی یہ نہ تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کر کے اس کے حقوق ادا کرتا تھا اور نہ ہی اس کی مخلوق کو نفع پہنچا کر ان کے حقوق کی ادائیگی کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر یہ حق ہے کہ وہ اس کی وحدانیت کا یقین رکھیں اور کسی چیز کو اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہرائیں اور بندوں کا ایک دوسرے پر یہ حق ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں اور نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کے ساتھ بھرپور تعاون کریں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ نبی کریم ﷺ وصال کے وقت یہ فرما

1۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 197، عارضۃ الاحوذی، ابواب صفۃ جہنم، جلد 10، صفحہ 57　　2۔ ایضاً

غیب پر متہم نہیں اور نہ یہ کسی شیطان مردود کا کلام ہے۔ اسی طرح یہاں فرمایا: وَّمَاهُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ...... کبھی اللہ تعالیٰ اپنے کلام کی نسبت رسولِ ملکی کی طرف کرتا ہے اور کبھی رسولِ بشری کی طرف، اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک اللہ تعالیٰ کی وحی اور اس کے کلام کو جس کا اسے امین بنایا گیا ہو، ہو بہو لوگوں تک پہنچانے والا ہے۔ اس لئے فرمایا: تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ یعنی یہ رب العالمین کا نازل شدہ ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے اسلام لانے سے قبل رسول اللہ ﷺ کو ستانے کی غرض سے نکلا۔ آپ مجھ سے پہلے مسجد حرام میں پہنچ گئے۔ میں آپ ﷺ کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ آپ نے سورۂ حاقہ کی تلاوت شروع کی تو مجھے اس کلام بلاغت نظام پر بہت تعجب ہوا۔ میں سوچنے لگا کہ یہ واقعی شاعر ہیں جیسا کہ قریش ان کے متعلق کہتے ہیں۔ اسی اثناء میں آپ نے یہ آیات تلاوت کیں:

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۝ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ...... پھر میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ آپ شاعر نہیں بلکہ کاہن ہیں۔ اس ادھیڑ بن میں تھا کہ آپ ان آیات کی تلاوت کرنے لگے: وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ...... حٰجِزِيْنَ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تلاوت سننے کے بعد اسلام کی حقانیت میرے دل میں پوری طرح گھر کر گئی (1)۔ چنانچہ یہ واقعہ بھی ان اسباب میں سے ہے جو آپ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے اور ہدایت قبول کرنے کا مؤثر ذریعہ بنے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کی کیفیت ہم نے الگ ''سیرت عمر'' میں لکھ دی ہے۔

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ۝ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ۝ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ۝ وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ۝ وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝ وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ۝ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ۝

''اگر وہ خود گھڑ کر بعض باتیں ہماری طرف منسوب کرتا، تو ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے۔ پھر ہم کاٹ دیتے اس کی رگ دل۔ پھر تم میں سے کوئی بھی (ہمیں) اس سے روکنے والا نہ ہوتا۔ اور بے شک یہ تو ایک نصیحت ہے پرہیز گاروں کے لئے۔ اور ہم خوب جانتے ہیں کہ تم میں سے بعض جھٹلانے والے ہیں۔ اور یہ بات باعث حسرت ہوگی کفار کے لئے۔ اور بے شک یہ یقیناً حق ہے۔ پس (اے حبیب!) آپ تسبیح کیا کریں اپنے رب کی جو عظمت والا ہے''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر بالفرض حضرت محمد ﷺ جیسا کہ ان کفار کا گمان ہے، ہم پر افتراء باندھتے اور ہماری رسالت میں کمی بیشی کر دیتے یا کچھ باتیں اپنی طرف سے گھڑ کر ہماری طرف منسوب کر دیتے تو ہم فوراً انہیں بھی سزا دیتے۔ اس لئے فرمایا: لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ بعض نے اس کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ ہم دائیں ہاتھ کے ساتھ پکڑ کر ان سے انتقام لیتے۔ چونکہ دائیں ہاتھ کی پکڑ سخت ہوتی ہے اس لئے یہ ذکر کیا گیا۔ بعض کے بقول اس کا معنی یہ ہے کہ ہم انہیں ان کے دائیں ہاتھ سے پکڑ لیتے اور پھر ان کی رگِ دل کاٹ دیتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر متعدد حضرات کے بقول ''وتین'' سے مراد وہ رگ ہے جس پر دل معلق ہے۔ محمد بن کعب کہتے ہیں کہ اس سے مراد دل ہے۔ اگلی آیت میں فرمایا: فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ...... یعنی اگر ہم ایسا ارادہ کرتے تو پھر کسی کے بس میں نہ تھا کہ وہ ہمارے اور اس کے درمیان حائل ہو جائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ راست باز، نیکوکار اور رشد و ہدایت کے حامل ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کو

1۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 18-17

تبلیغی ذمہ داریاں سونپنے والا ہے اور زبردست معجزات اور روشن دلائل کے ذریعے آپ کی تائید فرمانے والا ہے۔

پھر فرمایا: وَ اِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِیْنَ یعنی قرآن کریم پرہیزگاروں کے لئے باعث نصیحت ہے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: قُلْ هُوَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّ شِفَآءٌ ؕ وَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّ هُوَ عَلَیْهِمْ عَمًى (فصلت:44) ''آپ فرمائیے! یہ قرآن ایمان لانے والوں کے لئے تو ہدایت اور شفا ہے۔ اور جو ایمان نہیں لائے ان کے کانوں میں بہرہ پن ہے اور وہ ان پر (ہر حال میں) مشتبہ رہتا ہے''۔

پھر فرمایا: وَ اِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ...... یعنی اس وضاحت اور بیان کے باوجود تم میں سے کچھ لوگ قرآن کریم کو جھٹلائیں گے اور یہ جھٹلانا قیامت کے دن کافروں کے لئے حسرت اور ندامت کا باعث ہوگا۔ ''وانّہ'' کی ضمیر کا مرجع قرآن کریم بھی ہوسکتا ہے یعنی یہ قرآن اور اس پر ایمان لانا درحقیقت کافروں کے لئے باعث حسرت ہوگا جیسا کہ فرمایا: كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِیْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِیْنَ ۝ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ (شعراء: 200-201) ''یونہی ہم نے داخل کردی ہے انکار کی عادت مجرموں کے دلوں میں۔ وہ ایمان نہیں لائیں گے اس پر''، وَحِیْلَ بَیْنَهُمْ وَ بَیْنَ مَا یَشْتَهُوْنَ (سبا:54) ''اور رکاوٹ کھڑی کردی جائے گی ان کے درمیان اور ان چیزوں کے درمیان جو وہ دل سے چاہتے ہونگے''۔ اس لئے یہاں فرمایا: وَ اِنَّهٗ لَحَقُّ الْیَقِیْنِ یعنی یہ خبر بالکل حق اور سچ ہے جس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں، پھر حکم فرمایا: فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِیْمِ یعنی اپنے رب عظیم کے نام کی پاکی بیان کرو جس نے یہ قرآن عظیم نازل فرمایا ہے۔

سورۂ معارج (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ﴿۱﴾ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ ﴿۲﴾ مِّنَ اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِ ﴿۳﴾ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ﴿۴﴾ فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا ﴿۵﴾ اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا ﴿۶﴾ وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا ﴿۷﴾

" مطالبہ کیا ہے ایک سائل نے ایسے عذاب کا جو ہو کر رہے۔ (وہ سن لے) یہ تیار ہے کفار کے لئے اسے کوئی ٹالنے والا نہیں۔ یہ اللہ کی طرف سے ہے جو عروج کے زینوں کا مالک ہے۔ عروج کرتے ہیں فرشتے اور جبریل اللہ کی بارگاہ میں یہ عذاب اس روز ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہے۔ (ایسا) صبر کیجئے جو بہت خوب صورت ہو۔ کفار کو تو یہ بہت دور نظر آتا ہے۔ (لیکن) ہم اسے قریب دیکھ رہے ہیں"۔

یہاں "سَاَلَ" فعل "اِسْتَعْجَلَ" کے معنی کو متضمن ہے اسی لئے اسے باء کے ساتھ متعدی کیا گیا ہے گویا عبارت یوں ہے: "اِسْتَعْجَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَاقِعٍ" یعنی سائل نے واقع ہونے والے عذاب کے لئے جلدی مچائی جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ (الحج:47) " یہ لوگ جلدی مانگ رہے ہیں آپ سے عذاب (یہ تسلی رکھیں) اللہ تعالیٰ خلاف ورزی نہیں کرے گا اپنے وعدہ کی"۔ یعنی اس کا عذاب یقیناً واقع ہو کر رہے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سائل سے مراد نضر بن حارث بن کلدہ ہے(1)۔ ایک اور روایت میں آپ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اس سے مراد کفار کا عذاب الٰہی کے متعلق دریافت کرنا ہے جو دراصل انہی پر واقع ہونے والا ہے۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں "سائل"، "دَعَا" کے معنی میں ہے یعنی ایک مانگنے اور مطالبہ کرنے والے نے ایسے عذاب کا مطالبہ کیا جو آخرت میں یقیناً وقوع پذیر ہوگا۔ ان کا یہ مطالبہ ایک دوسرے مقام پر بھی منقول ہے: اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (انفال:32) " اے اللہ! اگر ہو یہی (قرآن) سچ تیری طرف سے تو برسا ہم پر پتھر آسمان سے اور لے آ ہم پر دردناک عذاب"۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد جہنم کی ایک وادی ہے جو قیامت کے دن عذاب کے ساتھ بہہ پڑے گی لیکن یہ قول ضعیف اور بعید از مقصود ہے۔ صحیح قول پہلا ہی ہے کیونکہ سیاق کلام اسی پر دلالت کرتا ہے۔

فرمایا: وَّاقِعٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ یعنی یہ عذاب کفار کے لئے بالکل تیار ہے بلکہ ان کی تاک میں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بقول یہ عذاب ان پر پڑنے والا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اس کے وقوع کا ارادہ فرمالے گا تو کوئی اسے ٹالنے والا نہیں ہوگا۔ اس لئے فرمایا: مِّنَ اللّٰهِ

1۔ تحفۃ الاشراف، جلد 4، صفحہ 452

ذِی الْمَعَارِجِ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ذِی الْمَعَارِجِ کا معنی ہے درجات والا یعنی بلندیوں اور بزرگیوں کا مالک۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "معارج" سے مراد آسمان کے زینے ہیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کے بقول اس کا معنی ہے: احسانات، عنایات اور انعامات کا مالک۔

فرمایا: تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ...... یعنی فرشتے اور روح اس کے حضور بلند ہوتے ہیں۔ روح کی وضاحت کرتے ہوئے ابوصالح رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی ایک مخلوق ہے جو انسانوں کے مشابہ ہے لیکن درحقیقت یہ انسان نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اس سے جبریل مراد لئے جانے کا بھی احتمال ہے اس صورت میں خاص (جبریل) کا عطف عام (ملائکہ) پر ہوگا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے مراد بنی آدم کی ارواح لی جائیں کیونکہ قبض ہو جانے کے بعد یہ بھی آسمان کی طرف بلند ہوتی ہیں جیسا کہ امام احمد، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی روایت کردہ طویل حدیث حضرت براء رضی اللہ عنہ میں پاک روح قبض کئے جانے کے متعلق آتا ہے کہ فرشتے پاکیزہ روح کو قبض کرنے کے بعد اسے ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک لے جاتے ہیں یہاں تک کہ اوپر چڑھتے چڑھتے ساتویں آسمان تک پہنچ جاتے ہیں۔ اس حدیث کے بعض راویوں میں کلام کیا گیا ہے لیکن یہ مشہور ہے اور اس کی تائید حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے امام احمد، ترمذی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے اور یہ روایت پہلے گزر چکی ہے جسے ہم نے مکمل تفصیلات کے ساتھ اس آیت يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ (ابراہیم:27) کی تفسیر کے تحت بیان کر دیا ہے(1)۔

پھر فرمایا: فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ یعنی ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہے، اس کی تفسیر میں چار اقوال ہیں: پہلا قول یہ ہے کہ اس سے مراد عرش عظیم اور اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ (ساتویں زمین کی تہہ) کے درمیان کی مسافت ہے اور یہ مسافت پچاس ہزار سال کی ہے۔ اسی طرح ساتویں زمین میں پائے جانے والے مرکز سے عرش کی بلندی بھی اسی مقدار میں ہے، اسی طرح ایک قطر سے دوسرے قطر تک عرش کی وسعت بھی پچاس ہزار برس کی ہے۔ اور یہ سرخ یاقوت کا بنا ہوا ہے جیسا کہ ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "صفة العرش" میں ذکر کیا ہے۔ ابن ابی حاتم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی یہ تفسیر منقول ہے کہ اس کے حکم کی انتہا سب سے نچلی زمین سے آسمانوں کے اوپر تک پچاس ہزار سال کی ہے اور ایک دن ایک ہزار سال کا ہے یعنی ایک امر کا نزول آسمان سے زمین تک اور زمین سے آسمان تک ایک دن میں ہوتا ہے جس کی مقدار ایک ہزار سال ہے کیونکہ زمین و آسمان کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے(2)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ سے کی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ذکر نہیں کیا(3)۔ ابن ابی حاتم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہر زمین کی موٹائی پانچ سو سال ہے اور ہر دو زمینوں کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے۔ یہ سات ہزار سال ہوئے۔ اسی طرح ہر آسمان کی موٹائی پانچ سو برس کی ہے اور ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک پانچ سو سال کی دوری ہے۔ کل ملا کر چودہ ہزار برس ہوئے۔ ساتویں آسمان اور عرش کے درمیان چھتیس ہزار سال کی مسافت ہے، یہی مطلب اس فرمان کا ہے: فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد دنیا کی بقاء کی مدت ہے یعنی جب سے اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو پیدا کیا، اس وقت سے لے کر قیامت قائم ہونے تک پچاس ہزار سال کی مدت ہے۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دنیا کی کل عمر پچاس ہزار سال ہے اور یہ عمر دراصل

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ ابراہیم:27 2۔ درمنثور، جلد 8، صفحہ 279 3۔ ایضاً

وہ ایک دن ہے جس کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ اول سے لیکر آخر تک دنیا کی مقدار پچاس ہزار برس ہے لیکن کسی کو یہ نہیں معلوم کہ کتنی مدت گزر گئی اور کتنی باقی ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ دن ہے جو دنیا اور آخرت کے درمیان حد فاصل ہے لیکن یہ قول بہت عجیب و غریب ہے۔ محمد بن کعب رحمۃ اللہ علیہ یہی فرماتے ہیں کہ یہ دنیا و آخرت کے درمیان یوم فصل ہے۔

چوتھا قول یہ ہے کہ اس سے مراد روزِ قیامت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح سند کے ساتھ یہ مروی ہے۔ حضرات عکرمہ، ضحاک اور ابن زید رحمہم اللہ تعالیٰ کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کافروں کے لئے قیامت کے دن کو پچاس ہزار سال کا بنا دے گا۔ اس کے ہم معنی بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی گئی: اس دن کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی، یہ دن تو بہت طویل ہوگا! فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یہ دن مومن پر بہت ہلکا ہوگا یہاں تک کہ جتنی دیر میں وہ ایک فرض نماز ادا کرتا ہے، اس سے بھی زیادہ مختصر معلوم ہو گا''(1)۔ قبیلہ بنو عامر کا ایک شخص حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرا۔ آپ کو بتایا گیا کہ یہ اپنے قبیلہ میں سب سے زیادہ مالدار ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اسے واپس بلاؤ، اسے واپس لایا گیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے بتایا گیا ہے کہ تم بہت زیادہ مالدار ہو۔ اس نے کہا: جی ہاں! میرے پاس طرح طرح کے سینکڑوں اونٹ، قسم قسم کے غلام اور اعلیٰ نسل کے گھوڑے ہیں۔ یہ سن کر آپ فرمانے لگے: ذرا محتاط رہنا، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ جانور تمہیں اپنے ٹاپوں اور کھروں سے روند ڈالیں۔ آپ بار بار یہی فرماتے رہے یہاں تک کہ اس شخص کا رنگ فق ہو گیا۔ وہ آپ سے کہنے لگا کہ یہ کیسے؟ فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''جس شخص کے اونٹ ہوں اور وہ ان کی تنگی اور آسودگی میں ان کا حق ادا نہ کرے تو قیامت کے دن ایک وسیع و عریض چٹیل میدان میں وہ اس حالت میں آئیں گے کہ خوب صحت مند، موٹے تازے اور اکڑ والے ہوں گے اور وہ اسے اپنے ٹاپوں کے ساتھ روندتے چلے جائیں گے۔ جب آخری گزر جائے گا تو پہلا آ جائے گا۔ یہ عذاب اسے اس دن ہوتا رہے گا جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہے یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ ہو جائے گا تو وہ اپنا راستہ دیکھ لے گا۔ اگر اس کے پاس گائیں تھیں جن کا وہ ان کی تنگی اور آسانی میں حق ادا نہیں کرتا تھا تو انہیں بھی خوب صحت مند، فربہ اور طاقتور کر کے ایک لمبے چوڑے چٹیل میدان میں لایا جائے گا تو کھروں والے جانور اسے اپنے کھروں سے کچلتے چلے جائیں گے اور سینگوں والے سینگ مارتے چلے جائیں گے، ان میں نہ کسی کا سینگ ٹوٹا ہوگا اور نہ خمیدہ ہوگا۔ جب ان میں سے آخری جانور گزر جائے گا تو پہلا لوٹ آئے گا۔ وہ اس عذاب میں اس دن پستا رہے گا جو پچاس ہزار برس کا ہے، یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ ہو جائے پھر وہ اپنی راہ دیکھ لے گا۔ اگر اس کی بھیڑ بکریاں تھیں جن کا حق وہ ان کی سختی اور آسانی میں ادا نہیں کرتا تھا تو وہ بھی خوب صحت مند، طاقت ور اور موٹی تازہ ہو کر ایک بڑے میدان میں آئیں گی ان میں سے ہر کھروں والا اور ہر سینگ والا جانور اسے کچلتا اور سینگ مارتا چلا جائے گا، نہ کسی کا سینگ مڑا ہوگا اور نہ ٹوٹا ہوا۔ عذاب کا یہ سلسلہ اس دن میں چلتا رہے گا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے۔ یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان تصفیہ ہو جانے کے بعد اسے اپنی راہ دکھائی دے گی''۔ اس عامری نے دریافت کیا: اے ابو ہریرہ! اونٹوں میں کیا حق ہے؟ فرمایا: اچھا جانور عطا کرنا، دودھ دینے والا جانور دینا، سواری مستعار دینا، دودھ پلانا اور مادہ کے لئے نر بغیر عوض کے فراہم کرنا(2)۔

1۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 75، طبری، جلد 29، صفحہ 72 2۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 490-489، سنن ابی داؤد، جلد 3، صفحہ 125، نسائی، جلد 5، صفحہ 14-12

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص خزانے کا مالک ہو اور وہ اس کا حق ادا نہ کرے تو قیامت کے دن اس کے سونے چاندی کے خزانوں کی چوڑی چوڑی تختیاں بنا دی جائیں گی اور انہیں آتش جہنم میں خوب تپا کر اس کی پیشانی، پہلو اور پیٹھ کو داغا جائے گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ فرما دے، ایسے دن میں جس کی مقدار تمہارے شمار کے مطابق پچاس ہزار سال ہوگی پھر وہ اپنا راستہ دیکھ لے گا، جنت کی طرف یا جہنم کی طرف۔'' اس کے بعد بقیہ حدیث اونٹوں اور بکریوں کے متعلق ہے جو گزر چکی ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ گھوڑے تین قسم کے لوگوں کے لئے ہیں: ایک کے لئے باعث اجر، ایک کے لئے باعث پردہ اور ایک کے لئے بوجھ الخ(1)۔ یہ مکمل حدیث صحیح مسلم میں موجود ہے۔ اس حدیث کو اس کی تمام تر اسناد اور الفاظ کے ساتھ روایت کرنے کا صحیح محل کتاب الأحکام میں کتاب الزکوۃ ہے اور یہاں اس کو لانے کی غرض صرف اس قول سے متعلق ہے: ''یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلہ فرمادے گا، اس دن میں جو پچاس ہزار سال کا ہوگا''۔ ایک شخص نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس فرمان فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ کی وضاحت چاہی تو آپ نے فرمایا کہ وہ کون سا دن ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہے؟ وہ شخص کہنے لگا: حضرت! میں تو خود آپ سے دریافت کرنے آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ دو دن ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے کیا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی انہیں بہتر جانتا ہے۔ مجھے یہ چیز ناپسند ہے کہ میں کتاب اللہ کے بارے میں وہ بات کہوں جس کا مجھے علم ہی نہیں(2)۔

بعد ازاں فرمایا: فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا یعنی اے میرے پیارے رسول! آپ اپنی قوم کی تکذیب اور اس عذاب کے لئے جلدی مچانے پر جس کے وقوع کو وہ محال سمجھتے ہیں، صبر کریں جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ (شوریٰ:18) ''جلدی مچاتے ہیں اس کے لئے وہ لوگ جو ایمان نہیں رکھتے اس پر۔ اور جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ خوفزدہ رہتے ہیں اس سے۔ اور وہ جانتے ہیں کہ یہ حق ہے''۔ اس لئے فرمایا: اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا یعنی کفار وقوع عذاب کو محال خیال کرتے ہیں لیکن ہم اسے قریب ہی دیکھ رہے ہیں یعنی مومن یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ قیامت عنقریب ضرور واقع ہوگی۔ وہ اسے قریب سمجھتے ہیں اگرچہ اس کا ایک وقت معین ہے جس کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں لیکن یقینی طور پر آنے والی چیز قریب ہی ہوتی ہے اور لازماً اس کا وقوع ہو کے رہتا ہے۔

يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ۙ﴿٨﴾ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ۙ﴿٩﴾ وَلَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ۚ﴿١٠﴾ يُّبَصَّرُوْنَهُمْ ۭ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِىِٕذٍۭ بِبَنِيْهِ ۙ﴿١١﴾ وَصَاحِبَتِهٖ وَاَخِيْهِ ۙ﴿١٢﴾ وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُـــْٔوِيْهِ ۙ﴿١٣﴾ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ ثُمَّ يُنْجِيْهِ ۙ﴿١٤﴾ كَلَّا ۭ اِنَّهَا لَظٰى ۙ﴿١٥﴾ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ۚ﴿١٦﴾ تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى ۙ﴿١٧﴾ وَجَمَعَ فَاَوْعٰى ﴿١٨﴾

''اس روز آسمان پگھلی ہوئی دھات کی مانند ہوگا۔ اور پہاڑ رنگ برنگی اون کی طرح ہو جائیں گے۔ اور کوئی جگری دوست کسی جگری دوست کا حال نہ پوچھے گا۔ دکھائی دیں گے ایک دوسرے کو۔ ہر مجرم تمنا کرے گا کہ کاش! بطور فدیہ دے سکتا آج کے عذاب سے بچنے کے لئے اپنے بیٹوں کو، اپنی بیوی کو، اپنے بھائی کو، اپنے خاندان کو جو (ہر مشکل میں) اسے پناہ دیتا تھا۔ اور

1۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 262، مسلم، کتاب الزکاۃ، جلد 2، صفحہ 683-682
2۔ تفسیر طبری، جلد 29، صفحہ 72

(بس چلے تو) جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کو۔ پھر یہ (فدیہ) اس کو بچا لے (لیکن) ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ بیشک آگ بھڑک رہی ہوگی۔ نوچ لے گی گوشت پوست کو۔ وہ بلائے گی جس نے (حق سے) پیٹھ پھیری اور منہ موڑا تھا۔ اور مال جمع کرتا رہا پھر اسے سنبھال کر رکھتا رہا''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس عذاب کے لئے وہ بڑے بے چین ہیں، وہ عذاب اس دن ان پر واقع ہوگا جس دن آسمان تیل کے تلچھٹ کی مانند ہوگا اور پہاڑ دھنی ہوئی رنگ برنگی اون جیسے ہوں گے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَ تَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ (القارعۃ: 5) ''اور پہاڑ رنگ برنگی دھنکی ہوئی اون کی مانند ہوں گے''۔

پھر فرمایا: وَ لَا يَسْئَلُ...... یعنی کوئی بھی قریبی رشتہ دار اپنے کسی قریبی رشتہ دار سے پرسش احوال نہیں کرے گا حالانکہ وہ اسے بدترین حالات سے دوچار ہوئے دیکھ رہا ہوگا لیکن وہ اپنی ذات کے متعلق اس قدر متفکر ہوگا کہ اسے کسی اور کا حال پوچھنے کا خیال تک نہ آئے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کو پہچان لیں گے لیکن پھر اس کے بعد ایک دوسرے سے بھاگ کھڑے ہوں گے جیسا کہ فرمایا: لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ (عبس: 37) ''ہر شخص کو ان میں سے اس دن ایسی فکر لاحق ہوگی جو اسے (سب سے) بے پروا کر دے گی''۔ اور مقامات پر فرمایا: يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَ اخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ وَ لَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ (لقمان: 33) ''اے لوگو! ڈرتے رہا کرو اپنے رب سے اور ڈرو اس دن سے کہ نہ بدلہ دے سکے گا کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے اور نہ ہی بیٹا بدلہ دے سکے گا اپنے باپ کی جانب سے کچھ بھی، بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے''۔

وَ اِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ شَيْءٌ وَّ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى (فاطر: 18) ''اور اگر بلائے گا پشت پر بوجھ اٹھانے والا (کسی کو) اپنا بوجھ اٹھانے کے لئے تو نہ اٹھائی جا سکے گی اس کے بوجھ سے کوئی شے اگرچہ کوئی قریبی رشتہ دار ہی ہو''۔ فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ (مومنون: 101) ''تو جب صور پھونکا جائے گا تو کوئی رشتہ داریاں نہ رہیں گی ان کے درمیان اس روز اور نہ وہ ایک دوسرے کے متعلق پوچھ سکیں گے''۔ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ۙ وَ اُمِّهٖ وَ اَبِيْهِ ۙ وَ صَاحِبَتِهٖ وَ بَنِيْهِ ؕ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ (عبس: 37-34) ''اس دن آدمی بھاگے گا اپنے بھائی سے۔ اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے، اور اپنی بیوی سے اور اپنے بچوں سے۔ ہر شخص کو ان میں سے اس دن ایسی فکر لاحق ہوگی جو اسے (سب سے) بے پروا کر دے گی''۔

فرمایا: يَوَدُّ الْمُجْرِمُ ...... كَلَّا یعنی مجرم اس دن آرزو کرے گا کہ کاش! وہ اس دن کے عذاب سے گلوخلاصی کے لئے اپنے بیٹوں، اپنی بیوی، اپنے بھائی، پناہ دینے والے اپنے قبیلہ بلکہ اگر بس چلے تو روئے زمین کے تمام لوگوں کو فدیہ میں دے دیتا اور یہ فدیہ پھر اسے بچا لیتا، فرمایا: ''كَلَّا'' یعنی ایسا ہرگز نہیں ہوگا یعنی بالفرض اگر وہ قیامت کے دن تمام زمین والوں، زمین بھر کے خزانوں اور اپنے جگر پاروں یعنی بیٹوں کو بھی لے آئے اور اپنی رہائی کے لئے انہیں پیش کر دے تو بھی یہ فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ مجرم جب قیامت کے ہولناک مناظر دیکھے گا تو اس وقت وہ عذاب الٰہی سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے فدیہ دینے کی تمنا کرے گا لیکن اس وقت یہ سب کچھ بے سود اور لاحاصل ہوگا۔ فَصِيْلَتِهٖ سے مراد قبیلہ اور خاندان ہے۔ اس کا معنی ماں بھی کیا گیا ہے۔ پھر آگ کا وصف اور اس کی شدت حرارت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: اِنَّهَا لَظٰى...... یعنی آگ بھڑک رہی ہوگی جو گوشت پوست نوچ لے گی۔ حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمۃ

اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "شوی" کا معنی سر کی کھال ہے۔ ایک اور روایت میں آپ اس کا معنی بیان کرتے ہیں: کھال اور کھوپڑی۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی ہے گوشت یعنی وہ ہڈیوں سے گوشت ادھیڑ دے گی۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رگوں اور پٹھوں کو بھی الگ کر دے گی۔ ابو صالح رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد ہاتھوں اور پاؤں کے اطراف ہیں۔ انہوں نے اس کا معنی پنڈلیوں کا گوشت بھی کیا ہے۔ حضرات حسن بصری اور ثابت بنانی "نزاعة للشوی" کا مفہوم بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ آگ اس کے چہرہ کی شگفتگی، رونق اور پاکیزگی ختم کر دے گی۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ آگ اس کے ہر ہر عضو کو جلا ڈالے گی۔ صرف دل باقی رہے گا جو چیختا چلاتا ہوگا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اس کی وضاحت میں کہتے ہیں کہ آگ اس کی کھوپڑی کو اڑا دے گی، اس کے چہرہ کو بگاڑ کر بے رونق بنا دے گی، اس کی صورت مسخ کر دے گی اور اس کے ہاتھ پاؤں کو کاٹ کر رکھ دے گی۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آتش جہنم گوشت اور کھال کو پوری طرح ہڈیوں سے ادھیڑ دے گی۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ "شوی" سے مراد بڑے بڑے اعضاء ہیں جنہیں آگ ٹکڑے ٹکڑے کر دے گی پھر انہیں نیا جسم اور نئی کھال دی جائے گی۔

پھر فرمایا: "تَدۡعُوۡا مَنۡ اَدۡبَرَ..." یعنی یہ آگ اپنی طرف سے اپنے ان فرزندوں کو بلائے گی جنہیں اللہ تعالیٰ نے آگ کے لئے پیدا کیا اور ان کے لئے یہ مقدر ہو گیا کہ وہ دنیا میں وہ اعمال کریں جو انہیں اس آگ کا مستحق بنا دیں گے چنانچہ آگ قیامت کے دن انہیں فصیح زبان میں پکارے گی اور پھر انہیں میدانِ محشر میں موجود لوگوں کے درمیان سے اس طرح اچک لے گی جس طرح پرندے دانہ چگتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دنیا میں پیٹھ پھیرے ہوئے اور روگردانی کئے ہوتے تھے۔ یہ دل سے اللہ تعالیٰ کے پیغام کی تکذیب کیا کرتے تھے اور اپنے اعضاء کے ساتھ اعمال صالحہ بجا لانے کے قریب تک نہیں پھٹکتے تھے۔ انہیں ہر وقت مال جمع کرنے اور اسے بچا بچا کر رکھنے کی فکر دامن گیر رہتی تھی۔ اس پر مستزاد یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے واجب کردہ ضروری اخراجات میں بھی بخل سے کام لیتے تھے بلکہ زکوٰۃ تک بھی ادا نہیں کیا کرتے تھے۔ حدیث شریف میں آتا ہے: "بچا بچا کر محفوظ کر کے نہ رکھو ورنہ اللہ تعالیٰ تم سے روک لے گا" (1)۔ حضرت عبداللہ بن عکیم رضی اللہ عنہ اس آیت کے پیش نظر اپنی تھیلی کا منہ باندھتے ہی نہ تھے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اے ابن آدم! اللہ تعالیٰ کی وعید سننے کے باوجود تو دنیا سمیٹنے میں لگا ہوا ہے۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اس فرمان "وجمع فاوعی" کی وضاحت میں کہتے ہیں کہ وہ باتیں جمع کرنے والا اور چغل خور تھا (2)۔

اِنَّ الۡاِنۡسَانَ خُلِقَ هَلُوۡعًا ﴿۱۹﴾ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوۡعًا ﴿۲۰﴾ وَّاِذَا مَسَّهُ الۡخَيۡرُ مَنُوۡعًا ﴿۲۱﴾ اِلَّا الۡمُصَلِّيۡنَ ﴿۲۲﴾ الَّذِيۡنَ هُمۡ عَلٰى صَلَاتِهِمۡ دَآٮِٕمُوۡنَ ﴿۲۳﴾ وَالَّذِيۡنَ فِىۡۤ اَمۡوَالِهِمۡ حَقٌّ مَّعۡلُوۡمٌ ﴿۲۴﴾ لِّلسَّآٮِٕلِ وَالۡمَحۡرُوۡمِ ﴿۲۵﴾ وَالَّذِيۡنَ يُصَدِّقُوۡنَ بِيَوۡمِ الدِّيۡنِ ﴿۲۶﴾ وَالَّذِيۡنَ هُمۡ مِّنۡ عَذَابِ رَبِّهِمۡ مُّشۡفِقُوۡنَ ﴿۲۷﴾ اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمۡ غَيۡرُ مَاۡمُوۡنٍ ﴿۲۸﴾ وَالَّذِيۡنَ هُمۡ لِفُرُوۡجِهِمۡ حٰفِظُوۡنَ ﴿۲۹﴾ اِلَّا عَلٰٓى اَزۡوَاجِهِمۡ اَوۡ مَا مَلَـكَتۡ اَيۡمَانُهُمۡ فَاِنَّهُمۡ غَيۡرُ مَلُوۡمِيۡنَ ﴿۳۰﴾ فَمَنِ ابۡتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓٮِٕكَ هُمُ الۡعٰدُوۡنَ ﴿۳۱﴾ وَالَّذِيۡنَ هُمۡ لِاَمٰنٰتِهِمۡ وَعَهۡدِهِمۡ رٰعُوۡنَ ﴿۳۲﴾ وَ

1۔ فتح الباری، جلد 3، صفحہ 301، مسلم، جلد 2، صفحہ 713
2۔ طبری، جلد 29، صفحہ 78

الَّذِیْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآىِٕمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَ الَّذِیْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ﴿۳۴﴾ اُولٰٓىِٕكَ فِیْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۳۵﴾

"بے شک انسان بہت لالچی پیدا ہوا ہے۔ جب اسے تکلیف پہنچے تو سخت گھبرا جانے والا، اور جب اسے دولت ملے تو حد درجہ بخیل۔ بجز ان نمازیوں کے جو اپنی نماز پر پابندی کرتے ہیں۔ اور وہ جن کے مالوں میں مقررہ حق ہے۔ سائل کے لئے اور محروم کے لئے۔ اور جو تصدیق کرتے ہیں روزِ جزا کی۔ اور جو اپنے رب کے عذاب سے ہمیشہ ڈرنے والے ہیں۔ بے شک ان کے رب کا عذاب نڈر ہونے کی چیز نہیں۔ اور وہ لوگ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ بجز اپنی بیویوں کے یا اپنی کنیزوں کے تو ان پر کوئی ملامت نہیں۔ البتہ جو خواہش کریں گے ان کے علاوہ تو وہی لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں۔ اور جو اپنی امانتوں اور عہد و پیمان کی پاسداری کرتے ہیں۔ اور جو لوگ اپنی گواہیوں پر قائم رہنے والے ہیں۔ اور جو لوگ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہی لوگ مکرم (ومحترم) ہوں گے جنتوں میں"۔

اللہ تعالیٰ انسان اور اس کی جبلت میں پائے جانے والے خسیس اخلاق کے متعلق خبر دیتے ہوئے فرماتا ہے: اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا...... یعنی انسان لالچی اور ڈرپوک پیدا کیا گیا ہے، پھر اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا یعنی جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو جزع فزع کرنے لگ جاتا ہے، گھبراہٹ اور خوف کی شدت سے اس کے اوسان خطا ہو جاتے ہیں، اس کا دل اڑ اڑ جاتا ہے اور مایوسی کے گرداب میں پھنس کر یقین کر بیٹھتا ہے کہ اس کے بعد اسے کبھی بھی راحت اور آسودگی حاصل نہیں ہوگی اور جب اس پر خوشحالی کا دور آتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے نعمت سے نوازتا ہے تو یہ حد درجہ بخیل بن جاتا ہے۔ نہ لوگوں پر خرچ کرتا ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "آدمی میں بدترین چیز حرص میں مبتلا کرنے والا حد درجہ بخل اور بے حیائی کا شکار کرنے والی بزدلی ہے" (1)۔ پھر استثناء کرتے ہوئے فرمایا: اِلَّا الْمُصَلِّیْنَ یعنی ان مذموم صفات کے حامل لوگوں سے وہ نمازی مستثنیٰ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی توفیق سے محفوظ رکھا، خیر کی طرف ان کی رہنمائی کی اور اسے پانے کے لئے تمام اسباب فراہم کر دیئے۔ ان کا ایک وصف یہ ہے: الَّذِیْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآىِٕمُوْنَ یعنی بقول حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، مسروق اور ابراہیم نخعی رحمہما اللہ تعالیٰ وہ نمازوں کے اوقات اور ان کے واجبات کی حفاظت اور پابندی کرنے والے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہاں دوام سے مراد سکون واطمینان اور خشوع وخضوع ہے جیسا کہ فرمایا: قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱﴾ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ (مومنون: 2-1) "بیشک دونوں جہان میں بامراد ہو گئے ایمان والے۔ وہ ایمان والے جو اپنی نماز میں عجز و نیاز کرتے ہیں"۔ جب پانی ٹھہرا ہوا اور پرسکون ہو تو کہتے ہیں: مَاءٌ دَائِمٌ۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نماز میں سکون اور اطمینان واجب ہے کیونکہ جس شخص کو رکوع وسجود میں اطمینان حاصل نہیں ہوتا، وہ اپنی نماز پر دائم نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ سکون اور اطمینان سے نماز ادا ہی نہیں کرتا بلکہ کوے کی طرح ٹھونگیں مارتا ہے، اس لئے اس کی نماز اس کے لئے باعث فلاح نہ ہوگی۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں کہ جب وہ کوئی عمل شروع کرتے ہیں تو اس پر ہمیشگی اختیار کر کے ثابت قدم رہتے ہیں جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کو

1۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 320۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، جلد 3، صفحہ 12

سب سے زیادہ محبوب عمل وہ ہے جس پر مداومت اختیار کی جائے اگرچہ وہ کم ہو(1)''۔ آپ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کوئی عمل کرتے تو اس پر ہمیشگی اختیار کرتے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ اس پر ثابت قدم رہتے(2)۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہمیں بتایا گیا ہے کہ حضرت دانیال علیہ السلام نے امت محمد ﷺ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: وہ ایسی نماز پڑھیں گے کہ اگر قوم نوح علیہ السلام ایسی نماز پڑھتی تو ہرگز نہ غرق ہوتی، اگر قوم عاد ایسی نماز پڑھ لیتی تو ان پر خیر و برکت سے خالی ہوا کا دردناک عذاب نہ آتا اور اگر قوم ثمود ایسی نماز کی پابندی کرتی تو زوردار گرج سے اس کا قلع قمع نہ کیا جاتا۔ لوگو! نماز کی پابندی کرو۔ یہ اہل ایمان کا بہت عمدہ خلق ہے(3)۔

اگلی آیت میں فرمایا: وَالَّذِیْنَ فِیْۤ اَمْوَالِهِمْ...... یعنی ان کے مالوں میں حاجت مندوں کے لئے ایک معین حصہ ہے۔ اس کی مکمل تفسیر سورۂ ذاریات میں گزر چکی ہے(4)۔

پھر فرمایا: وَالَّذِیْنَ یُصَدِّقُوْنَ بِیَوْمِ الدِّیْنِ یعنی یہ نمازی قیامت، حساب اور جزا پر پوری طرح یقین رکھتے ہیں اور ایسے لوگوں کے سے اعمال کرتے ہیں جنہیں ثواب کی امید اور عذاب کا ڈر ہو، اس لئے فرمایا: وَالَّذِیْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ یعنی یہ ہر وقت اپنے رب کے عذاب سے لرزاں و ترساں رہتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی امان کے بغیر کوئی بھی عقلمند اس سے نڈر نہیں رہ سکتا۔

پھر فرمایا: وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ یعنی یہ لوگ اپنی شرمگاہوں کو حرام کاری سے بچاتے ہیں اور انہیں ایسی جگہ رکھنے سے گریز کرتے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی بلکہ وہ مطلب برآری کے لئے صرف اپنی بیویوں اور اپنی باندیوں کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اس میں ان پر کوئی ملامت نہیں لیکن جو شخص اس کے علاوہ خواہش کرے گا، وہ یقیناً حد سے تجاوز کرنے والا ہے۔ اس کی تفسیر قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ کی تفسیر کے آغاز میں گزر چکی ہے جس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں۔

اگلی آیت میں فرمایا: وَالَّذِیْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ...... یعنی جب امانت ان کے سپرد کی جائے تو وہ اس میں خیانت نہیں کرتے اور جب وہ عہد و پیمان کریں تو اس میں بے وفائی نہیں کرتے۔ یہ اہل ایمان کی صفات ہیں اور منافقین کی صفات اس کے برعکس ہیں جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے: ''منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے اور جب اسے امین بنایا جائے تو خیانت کا ارتکاب کرے۔'' ایک اور روایت میں ہے: ''جب گفتگو کرے تو کذب بیانی سے کام لے، عہد و پیمان کرے تو بدعہدی کرے اور جب جھگڑے کی نوبت آئے تو گالی گلوچ کرے''(5)۔

فرمایا: وَالَّذِیْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآىِٕمُوْنَ یعنی یہ اپنی گواہیوں پر قائم رہتے ہیں، ان کی حفاظت کرتے ہیں اور نہ ان میں کمی بیشی کرتے ہیں اور نہ انہیں چھپاتے ہیں کیونکہ گواہیوں کو چھپانے والا گنہگار ہے۔

پھر فرمایا: وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ یعنی نمازوں کے اوقات، ارکان، واجبات اور مستحبات کی حفاظت کرتے ہیں۔ اہل جنت کے اوصاف کا تذکرہ کرتے ہوئے کلام کا افتتاح بھی نماز کے ذکر سے ہوا اور اختتام بھی نماز کے ذکر سے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز کو

1۔ فتح الباری، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 101۔ کتاب الرقاق، جلد 11، صفحہ 294، مسلم کتاب صلاۃ المسافرین، جلد 1، صفحہ 541-540

2۔ ابوداؤد: کتاب التطوع، جلد 2، صفحہ 48　3۔ طبری، جلد 29، صفحہ 79　4۔ دیکھئے تفسیر سورۂ ذاریات: 19

5۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ: 204-177 سورۂ توبہ، جلد 77، سورۂ رعد: 25

دین میں ایک خاص اہمیت، اعلیٰ مقام اور خصوصی شرف حاصل ہے جیسا کہ سورۃ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ میں بیان ہو چکا ہے۔ اس لئے وہاں فرمایا: اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (مومنون:11-10) ''یہی لوگ وارث ہیں جو وارث بنیں گے فردوس (بریں) کے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے''۔

اور یہاں فرمایا: اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ یعنی قسم قسم کی لذات اور طرح طرح کی پرمسرت نعمتوں سے انہیں شادکام کر کے ان کی تکریم کی جائے گی۔

فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ۝ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ ۝ اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ ۝ كَلَّا ۭ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ۝ فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ۝ عَلٰٓي اَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ ۙ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ۝ فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ۝ يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ ۝ خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۭ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ۝

''پس ان کافروں کو کیا ہو گیا ہے کہ آپ کی طرف ٹکٹکی باندھے بھاگے چلے آ رہے ہیں۔ ایک گروہ دائیں طرف سے اور دوسرا گروہ بائیں طرف سے۔ کیا طمع کرتا ہے ان میں سے ہر شخص کہ (ایمان و عمل کے بغیر) نعمتوں بھری جنت میں اسے داخل کیا جائے۔ ہرگز نہیں۔ ہم نے ان کو پیدا کیا ہے اس (مادہ) سے جس کو وہ بھی جانتے ہیں۔ پس میں قسم کھاتا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے رب کی کہ ہم پوری قدرت رکھتے ہیں کہ ان کے بدلے میں ان سے بہتر لوگ لے آئیں۔ اور ہم ایسا کرنے سے عاجز نہیں۔ سو آپ رہنے دیجئے انہیں کہ (خرافات میں) مگن رہیں اور کھیلتے کودتے رہیں حتیٰ کہ وہ ملاقات کریں اپنے اس دن سے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔ اس روز نکلیں گے (اپنی) قبروں سے جلدی جلدی گویا وہ (اپنے بتوں کے) استھانوں کی طرف دوڑے جا رہے ہیں۔ جھکی ہوں گی ان کی آنکھیں، چھا رہی ہو گی ان پر ذلت، یہی وہ دن ہے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا''۔

ان کافروں پر اظہار ناپسندیدگی کیا جا رہا ہے جو نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں تھے، انہوں نے آپ ﷺ کو دیکھا، آپ کے پیغام ہدایت کو سنا اور آپ کے روشن معجزات کا مشاہدہ کیا لیکن اس کے باوجود وہ آپ سے کھچے کھچے رہے، آپ سے دور بھاگتے رہے اور دائیں بائیں گروہ در گروہ اور ٹولیاں ٹولیاں ہو کر کتراتے اور بدکتے رہے جیسا کہ فرمایا: فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ۝ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ۝ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ (المدثر:51-49) ''پس انہیں کیا ہو گیا ہے کہ وہ اس نصیحت سے روگرداں ہیں۔ گویا وہ بھڑکے ہوئے جنگلی گدھے ہیں جو بھاگے جا رہے ہیں شیر سے''۔ اسی طرح یہاں فرمایا: فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا...... یعنی اے میرے پیارے رسول! ان کفار کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ آپ سے نفرت کرتے ہوئے تیزی سے بھاگے چلے جا رہے ہیں؟ ایک گروہ دائیں جانب سے اور دوسرا بائیں

جانب سے۔

عِزِیْنَ کا واحد ''عزۃ'' ہے یعنی یہ بکھرے ہوئے بھاگے جا رہے ہیں۔ ''عزین''، ''مھطعین'' سے حال ہے یعنی اپنے تفرق اور اختلاف کی حالت میں جیسا کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ خواہشات نفس کے پجاریوں کے متعلق فرماتے ہیں کہ وہ کتاب کے مخالف، کتاب کے متعلق آپس میں مختلف اور کتاب کی مخالفت پر باہم متفق ہوتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس فرمان فَمَالِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا...... کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ان کافروں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ آپ کی طرف ٹکٹکی باندھے بھاگے چلے آ رہے ہیں اور جتھوں کی شکل میں دائیں بائیں سے آپ کی طرف متوجہ ہو کر آپ کا مذاق اڑاتے ہیں۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اس کا مفہوم بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ گروہ در گروہ بکھرے ہوئے دائیں بائیں ہو کر پوچھتے ہیں کہ اس شخص نے کیا کہا؟(1) حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اس کی وضاحت میں کہتے ہیں کہ یہ ٹولیوں میں بٹے ہوئے قصداً نبی کریم کے ارد گرد جمع ہو جاتے ہیں۔ نہ یہ کتاب اللہ میں رغبت رکھتے ہیں اور نہ انہیں رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی میں دلچسپی ہے۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کے پاس تشریف لائے۔ آپ نے انہیں مختلف گروہوں میں بٹے ہوئے دیکھا تو فرمایا: ''مَالِي أَرَاكُمْ عِزِيْنَ'' یعنی میں تمہیں الگ الگ جماعتوں کی شکل میں کیسے دیکھ رہا ہوں(2)۔

فرمایا: اَیَطْمَعُ...... یعنی کیا یہ کافر جن کی حالت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دور بھاگتے ہیں اور حق سے نفرت کرتے ہیں، اس چیز کی خواہش رکھتے ہیں کہ انہیں نعمتوں بھری جنت میں داخل کر دیا جائے گا؟ ہرگز نہیں بلکہ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ وقوع قیامت اور ان کافروں پر اترنے والے عذاب کی تثبیت فرما رہا ہے جس کا وہ انکار کرتے اور اس کے وجود کو ہی محال سمجھتے، اس سلسلے میں آغاز آفرینش کی دلیل پیش کی جس کی نسبت اعادہ آسان تر ہے اور اس کا اعتراف ان کافروں کو بھی تھا۔ چنانچہ فرمایا: اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا یَعْلَمُوْنَ یعنی ہم نے انہیں حقیر اور کمزور قطرۂ آب سے پیدا کیا جیسا کہ اور مقامات پر فرمایا: اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ (مرسلات: 20) ''کیا ہم نے تمہیں حقیر پانی سے پیدا نہیں فرمایا''، فَلْیَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۞ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ۞ یَّخْرُجُ مِنْۢ بَیْنِ الصُّلْبِ وَ التَّرَآئِبِ ۞ اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ۞ یَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ۞ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّ لَا نَاصِرٍ (طارق: 5-10) ''سو انسان کو دیکھنا چاہئے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔ اسے پیدا کیا گیا ہے اچھلتے پانی سے۔ جو (مرد و زن کی) پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔ بے شک وہ اس کو پھر واپس لانے پر قادر ہے۔ یاد کرو اس دن کو جب سب راز فاش کر دیئے جائیں گے۔ پس نہ خود اس میں زور ہوگا اور نہ کوئی (دوسرا) مددگار ہوگا''۔

پھر فرمایا: فَلَاۤ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَ الْمَغٰرِبِ یعنی میں اس رب کی قسم اٹھاتا ہوں جس نے زمین و آسمان پیدا کئے، مشرق و مغرب بنائے اور ستاروں کو پابند بنا دیا کہ وہ اپنے اپنے مشرق سے طلوع ہوں اور اپنے اپنے مغرب میں غروب ہوں۔ تقدیر کلام یوں ہے: اے کافرو! معاملہ اس طرح نہیں جیسا کہ تم گمان کرتے ہو کہ نہ دوبارہ زندہ کر کے لوٹایا جائے گا، نہ حساب ہوگا اور نہ حشر نشر ہوگا بلکہ یہ سب کچھ حتمی اور یقینی طور پر وقوع پذیر ہوگا، اس لئے ان کے اس زعم باطل کی تردید کرنے کے لئے فعل قسم کے شروع میں ''لا'' لایا گیا ہے۔ یہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 29، صفحہ 86

2۔ مسند احمد، جلد 5، صفحہ 101، مسلم، کتاب الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 322، سنن ابی داؤد کتاب الادب، جلد 4، صفحہ 258، طبری، جلد 29، صفحہ 86

بلاوجہ قیامت کا انکار کئے بیٹھے ہیں اور اسے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے محال تصور کئے ہوئے ہیں حالانکہ یہ اپنی آنکھوں سے قدرت الٰہی کے بڑے بڑے مظاہر کا مشاہدہ کر چکے ہیں جو قیامت قائم کرنے سے بھی زیادہ بلیغ اور واضح ہیں مثلاً آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور ان میں حیوانات، جمادات اور دیگر انواع و اقسام کی مخلوقات کی تسخیر، اس لئے فرمایا: لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (غافر: 57) ''بیشک پیدا کرنا آسمانوں اور زمین کا بہت بڑا کام ہے لوگوں کے پیدا کرنے سے لیکن بہت سے لوگ (اس کھلی حقیقت کو) نہیں جانتے''، اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ۭ بَلٰۤى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (احقاف: 33) ''کیا انہوں نے نہ جانا کہ وہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور ذرا تھکن محسوس نہ کی ان کے بنانے میں وہ ضرور اس پر قادر ہے کہ مردوں کو زندہ کرے۔ بلکہ وہ تو ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے''، اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ۭ بَلٰى ۤ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ۝ اِنَّمَاۤ اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (یٰسین: 82-81) ''کیا وہ (قادرِ مطلق) جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو قدرت نہیں رکھتا کہ پیدا کر سکے ان جیسی (چھوٹی سی) مخلوق۔ بیشک! (وہ ایسا کر سکتا ہے) اور وہی پیدا فرمانے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔ اس کا حکم، جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو صرف اتنا ہی ہے کہ وہ فرماتا ہے اس کو ہو جا، پس وہ ہو جاتی ہے''۔

اور یہاں فرمایا: فَلَاۤ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَ الْمَغٰرِبِ..... یعنی میں مشرقوں اور مغربوں کے رب کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ ہم قیامت کے دن ان کے ان جسموں کو اس سے بہتر صورت میں بدلنے پر پوری طرح قادر ہیں اور ہم عاجز نہیں جیسا کہ فرمایا: اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ۝ بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰۤى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ (قیامہ: 4-3) ''کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ ہم ہرگز جمع نہ کریں گے اس کی ہڈیوں کو کیوں نہیں ہم اس پر بھی قادر ہیں کہ ہم اس کی انگلیوں کی پور پور درست کر دیں''، نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَ مَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ۝ عَلٰۤى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَ نُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (واقعہ: 61-60)۔ ''ہم ہی نے مقرر کی ہے تمہارے درمیان موت اور ہم (اس سے) عاجز نہیں ہیں۔ کہ تمہاری جگہ تم جیسے اور لوگ پیدا کر دیں اور تم کو ایسی صورت میں پیدا کر دیں جس کو تم نہیں جانتے''۔ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس مفہوم کی بجائے یہ مفہوم پسند کیا ہے کہ ہم اس بات پر قادر ہیں کہ ان کے بدلہ میں ہم ایسی امت لے آئیں جو ہماری اطاعت کرے اور نافرمانی نہ کرے (1)۔ جیسا کہ فرمایا: وَ اِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْۤا اَمْثَالَكُمْ (محمد: 38) ''اور اگر تم روگردانی کرو گے (تو اس سعادت سے محروم کر دیئے جاؤ گے) اور تمہارے عوض وہ دوسری قوم لے آئے گا پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے''۔ لیکن پہلا معنی اس بناء پر زیادہ واضح ہے کہ دوسری متعدد آیات اس کی تائید کرتی ہیں پھر اپنے رسول ﷺ سے فرمایا: فَذَرْهُمْ..... یعنی آپ انہیں چھوڑ دیں کہ یہ اپنی تکذیب، کفر اور عناد میں مگن رہیں اور کھیلتے کودتے رہیں عنقریب انہیں اپنا انجام معلوم ہو جائے گا اور یہ اپنے کئے کا مزہ چکھ لیں گے۔ وہ دن دور نہیں جب اللہ تعالیٰ انہیں حساب کتاب کے لئے بلائے گا تو یہ تیزی کے ساتھ اپنی قبروں سے اٹھیں گے اور لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے، لپکتے ہوئے میدان حشر کی طرف جائیں گے، یوں محسوس ہوگا گویا یہ دنیا میں اپنے بتوں کے استھانوں کی طرف تیزی سے بھاگے چلے جا رہے ہیں۔ جمہور نے ''نَصْب'' نون کے فتحہ اور صاد کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں یہ منصوب کے

1۔ طبری، جلد 29، صفحہ 87

معنی میں مصدر ہوگا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ''نُصُب'' نون اور صاد دونوں کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کا معنی ہے بت۔ آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ جس طرح دنیا میں اپنے بت خانوں کی طرف کشاں کشاں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہوئے بھاگتے چلے جاتے تھے، اسی طرح وہ قیامت کے دن میدانِ محشر کی طرف تیزی سے رواں دواں ہوں گے۔

فرمایا: خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ...... یعنی ذلت اور ندامت کے مارے ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی اور دنیا میں اطاعت کی بجائے تکبر اختیار کرنے کی پاداش میں آج ذلت ان پر چھا رہی ہوگی اور انہیں کہا جائے گا کہ یہ ہے وہ دن جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

سورۂ نوح (مکیہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰی قَوۡمِہٖۤ اَنۡ اَنۡذِرۡ قَوۡمَکَ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۱﴾ قَالَ یٰقَوۡمِ اِنِّیۡ لَکُمۡ نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۲﴾ اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰہَ وَ اتَّقُوۡہُ وَ اَطِیۡعُوۡنِ ﴿۳﴾ یَغۡفِرۡ لَکُمۡ مِّنۡ ذُنُوۡبِکُمۡ وَ یُؤَخِّرۡکُمۡ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ اِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ اِذَا جَآءَ لَا یُؤَخَّرُ ۘ لَوۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴﴾

''بے شک ہم نے بھیجا نوح کو ان کی قوم کی طرف (اور فرمایا اے نوح!) بروقت خبردار کرو اپنی قوم کو اس سے پہلے کہ نازل ہو جائے ان پر عذابِ الیم۔ آپ نے فرمایا اے میری قوم! میں تمہیں صریح طور پر ڈرانے والا ہوں۔ کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اس سے ڈرو اور میری پیروی کرو۔ وہ بخش دے گا تمہارے لئے تمہارے گناہ اور مہلت دے گا تمہیں ایک مقررہ میعاد تک۔ بلاشبہ اللہ کا مقررہ وقت جب آجاتا ہے تو اسے مؤخر نہیں کیا جاسکتا۔ کاش! تم (حقیقت کو) جان لیتے''۔

بتایا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف اس حکم کے ساتھ مبعوث فرمایا کہ آپ انہیں عذاب کے اترنے سے پہلے بروقت خبردار کردیں۔ اگر وہ توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرلیں گے تو عذاب الٰہی ان سے اٹھالیا جائے گا۔

اس لئے فرمایا: اَنۡ اَنۡذِرۡ قَوۡمَکَ...... یعنی آپ اپنی قوم کو ڈرائیں اس سے پہلے کہ انہیں دردناک عذاب کا سامنا کرنا پڑے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: اے میری قوم! میں تمہیں صریح طور پر، واضح انداز میں اور کھلے لفظوں میں خبردار کررہا ہوں کہ اللہ کی عبادت کرو، تقویٰ اختیار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو ترک کردو اور گناہوں سے اجتناب کرو اور میری اطاعت کو حرزِ جاں بنا کر ہر اس کام کو بجالاؤ جس کا میں تمہیں حکم دوں اور ہر اس کام سے احتراز کرو جس سے میں تمہیں منع کروں۔ جب تم میرے ہر حکم کی تعمیل کرو گے اور میری رسالت کی تصدیق کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔

آیت کریمہ یَغۡفِرۡ لَکُمۡ مِّنۡ ذُنُوۡبِکُمۡ میں ''من'' زائدہ ہے لیکن کلام مثبت میں یہ بہت کم آتا ہے۔ اسی نوعیت کا یہ قول ہے: ''قَدْ کَانَ مِنْ مَطَرٍ''۔ یہ بھی ایک قول ہے کہ یہاں ''من''، ''عن'' کے معنی میں ہے۔ مطلب یہ ہوگا: ''یَصْفَح لکم عَن ذنوبکم'' یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں سے درگزر فرمائے گا۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی قول کو پسند کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہاں ''من'' تبعیض کے لئے ہے یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے وہ بڑے بڑے گناہ معاف فرمادے گا جن کے ارتکاب پر عذاب اور انتقام کی وعید ہے۔ توبہ کی صورت میں ہونے والی مزید کرم نوازی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: وَ یُؤَخِّرۡکُمۡ...... یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری عمریں بڑھادے گا اور تم سے اس عذاب کو ٹال دے گا جس سے وہ تمہیں تمہاری نافرمانی کے باعث تباہ کرنے والا ہے۔ جو حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ اطاعت، نیکی

اور صلہ رحمی سے حقیقتاً عمر میں اضافہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں بھی ہے: ''صلة الرحم تزيد في العمر'' یعنی صلہ رحمی عمر کو بڑھاتی ہے(1) انہوں نے اس آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے۔

پھر فرمایا: اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ...... یعنی عذاب نازل ہونے سے پہلے پہلے اطاعت کو اپنا شعار بنالو کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نزول عذاب کا حکم دے دیتا ہے تو اسے نہ مسترد کیا جا سکتا ہے اور نہ ٹالا جا سکتا ہے۔ وہ عظیم ہے جسے ہر چیز پر مکمل اقتدار اور غلبہ حاصل ہے اور تمام مخلوقات اس کی عزت وعظمت کے سامنے سرافگندہ ہیں۔

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ دَعَوْتُ قَوْمِيْ لَيْلًا وَّنَهَارًا ۝ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِيْٓ اِلَّا فِرَارًا ۝ وَاِنِّيْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْٓا اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَاَصَرُّوْا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ۝ ثُمَّ اِنِّيْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۝ ثُمَّ اِنِّيْٓ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ۝ فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ۝ مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۝ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ۝ اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۝ وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ۝ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ۝ ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ۝ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ۝ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ۝

''نوح نے عرض کی اے میرے رب! میں نے دعوت دی اپنی قوم کو رات کے وقت اور دن کے وقت۔ لیکن میری دعوت کے باعث ان کے فرار (ونفرت) میں ہی اضافہ ہوا۔ اور جب بھی میں نے انہیں بلایا تا کہ تو ان کو بخش دے تو (ہر بار) انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیں اور اپنے اوپر لپیٹ لئے اپنے کپڑے اور اڑ گئے (کفر پر) اور پرلے درجے کے متکبر بن گئے۔ پھر (بھی) میں نے ان کو بلند آواز سے دعوت دی۔ پھر انہیں کھلے بندوں بھی سمجھایا اور چپکے چپکے بھی انہیں (تلقین) کی۔ پس میں نے کہا (ابھی وقت ہے) معافی مانگ لو اپنے رب سے۔ بے شک وہ بہت بخشنے والا ہے۔ وہ برسائے گا آسمان سے تم پر موسلا دھار بارش۔ اور وہ مدد فرمائے گا تمہاری اموال اور فرزندوں سے اور بنا دے گا تمہارے لئے باغات اور بنا دے گا تمہارے لئے نہریں۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم پروا نہیں کرتے اللہ کی عظمت وجلال کی۔ حالانکہ اس نے تمہیں کئی مرحلوں سے گزار کر پیدا کیا ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کیسے پیدا کیا ہے سات آسمانوں کو تہ بہ تہ۔ اور بنایا ہے چاند کو ان میں روشنی اور بنایا ہے سورج کو درخشاں چراغ۔ اور اللہ نے تم کو زمین سے عجب طرح اگایا ہے۔ پھر لوٹا دے گا تمہیں اس میں اور (اسی سے) تمہیں (دوبارہ) نکالے گا۔ اور اللہ نے ہی زمین کو تمہارے لئے فرش کی طرح بچھا دیا

1۔ المعجم الکبیر، جلد 8، صفحہ 312، مجمع الزوائد، جلد 3، صفحہ 115

ہے۔ تا کہ تم اس کے کھلے راستوں میں چلو‘‘۔

حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو سال کی طویل مدت تک شب وروز اپنی قوم کو دعوت حق دیتے رہے، انہیں رشد و ہدایت اور صراطِ مستقیم کی طرف بلاتے رہے لیکن انہوں نے آپ کی دعوت کو ٹھکرا دیا، برا بھلا کہنے لگے اور آپ کے درپے آزار ہو گئے۔ آپ نے صبر و استقامت سے ان کے جور و جفا کو برداشت کیا لیکن جب ان میں حق پذیری کے آثار ظاہر ہوتے ہوئے نظر نہ آئے بلکہ ان کی ہٹ دھرمی میں اضافہ ہی ہوتا گیا تو آپ بارگاہِ خداوندی میں یوں شکوہ کناں ہوئے: رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ...... یعنی اے میرے پروردگار! میں تیرے حکم کی تعمیل میں اور تیری رضا جوئی کے لئے شب و روز دعوت و تبلیغ کے فریضہ کی ادائیگی میں مصروف رہا لیکن یہ ہر بار حق کے قریب جانے کی بجائے اس سے بھاگ کھڑے ہوتے اور اس سے اور زیادہ انحراف کرتے۔ میں جب بھی انہیں دعوت دیتا تا کہ تو ان کی مغفرت فرمائے تو یہ اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے تا کہ میری آواز انہیں سنائی ہی نہ دے اور اپنے آپ کو کپڑوں میں ڈھانپ لیتے، کفار قریش کا بھی یہی وطیرہ تھا جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِیْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ (فصلت:26)‘‘ اور کہنے لگے وہ کافر مت سنا کرو اس قرآن کو اور شور و غل مچا دیا کرو اس کی تلاوت کے درمیان شاید تم (اس طرح) غالب آ جاؤ‘‘۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس فرمان وَ اسْتَغْشَوْا ثِیَابَهُمْ کی وضاحت میں کہتے ہیں کہ وہ اپنے اوپر کپڑا ڈال کر بھیس بدل لیتے تا کہ آپ علیہ السلام انہیں پہچان ہی نہ سکیں۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ اس کا یہ معنی بتاتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو کپڑوں سے ڈھانپ لیتے تا کہ آپؑ کے پیغام کو نہ سنیں۔ یہ ناہنجار کفر اور شرک پر اڑے رہے اور پرلے درجے کے ایسے متکبر بن گئے کہ اتباع حق سے بھی متنفر ہو گئے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ان کی اصلاح کے لئے ہر حربہ آزمایا اور اپنی دعوت کو موثر بنانے کے لئے مختلف انداز اپنائے لیکن ان کے رویہ میں کوئی تبدیلی رونما نہ ہوئی۔ آپ اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کرنے لگے: ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا...... یعنی میں نے مجمع عام میں ان کو بلند آواز سے دعوت دی، پھر انہیں کھلے بندوں بھی سمجھایا اور چپکے چپکے بھی انہیں تلقین کی۔ میں نے انہیں استغفار کی تاکید کرتے ہوئے کہا کہ اپنے رب کی طرف رجوع کرو، اپنی معاندانہ روش ترک کر دو اور فوراً توبہ کر لو کیونکہ جو توبہ کر لیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس پر کرم نوازی فرماتا ہے اور کفر و شرک کی حالت میں کئے گئے تمام گناہوں کو، جتنے بھی ہوں اور جیسے بھی ہوں، معاف فرما دیتا ہے کیونکہ وہ غفار (مغفرت فرمانے والا) ہے جس کی عنایات سے نہ صرف آخرت سنورتی ہے بلکہ دنیا بھی سنور جاتی ہے۔

فرمایا: یُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْكُمْ مِّدْرَارًا یعنی وہ لگاتار تم پر موسلا دھار بارشیں برسائے گا۔ اس آیت کے پیش نظر نماز استسقاء میں اس سورت کا پڑھنا مستحب ہے۔ مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ استسقاء یعنی بارش طلب کرنے کے لئے منبر پر چڑھے تو صرف استغفار کی اور استغفار والی آیات کی تلاوت کی جن میں سے یہ آیات فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ...... بھی تھیں۔ پھر فرمانے لگے: ’’میں نے آسمان کے پچھتروں (ستاروں) کے طفیل بارش طلب کی جن کے باعث بارش اترتی ہے‘‘۔ آپ مزید فرمانے لگے: وَّ یُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِیْنَ...... یعنی جب تم توبہ کر لو گے، گناہوں کی مغفرت طلب کرو گے اور اطاعت کا مظاہرہ کرو گے تو تمہارے لئے رزق کی فراوانی اور بہتات کر دی جائے گی، زمین و آسمان کے خزانوں کے منہ تم پر کھول دیئے جائیں گے اور ان کی برکات سے تمہیں نوازا جائے گا، سرسبز و شاداب کھیت لہلہانے لگیں گے، جانوروں کے تھنوں سے دودھ کی نہریں جاری ہو جائیں گی، مال و دولت کی ریل پیل ہو گی، تمہیں خوبصورت اور تندرست فرزند عطا کئے جائیں گے، قسم قسم کے پھلوں سے لدے ہوئے باغات اپنی بہار دکھا رہے ہوں گے اور ان کے درمیان نہریں

رواں دواں ہوں گی۔ دعوت کا یہ انداز ترغیب پر مبنی ہے۔ جب ترغیب اور نرمی کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہوا تو آپ ترہیب یعنی خوفزدہ کرنے کے طریقہ کو اختیار کرتے ہوئے یوں سرزنش کرنے لگے: مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور ضحاک رحمہما اللہ تعالیٰ کے بقول اس کا معنی ہے: تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عظمت کی پرواہ نہیں کرتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا یہ معنی بھی منقول ہے کہ تم کما حقہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم کیوں نہیں کرتے یعنی اس کے عذاب اور پکڑ سے ڈرتے کیوں نہیں، حالانکہ اس نے تمہیں کئی مرحلوں سے گزار کر پیدا کیا ہے پہلے قطرۂ آب پھر خون بستہ پھر گوشت کا لوتھڑا اور آخر کار اس شکل وصورت سے آراستہ کر کے پیدا فرمایا۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ...... یعنی کیا تم نے نہیں دیکھا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے تہہ در تہہ اوپر نیچے سات آسمان تخلیق کئے۔ ان سات آسمانوں کا علم یا تو صرف سماعی ہے یعنی سننے سے ان کا علم ہوا یا اس کا تعلق امور محسوسہ سے ہے جس کا ادراک ستاروں کی چال اور ان کے کسوف (گرہن) سے کیا جا سکتا ہے جیسا کہ علماء نجوم کا کہنا ہے کہ محوِ گردش رہنے والے سات بڑے ستارے ایک دوسرے کو گرہن لگا کر بے نور کر دیتے ہیں۔ ان میں سب سے نیچے آسمان دنیا میں چاند ہے جو اوپر والوں کی روشنی کو ماند کئے ہوئے ہے، دوسرے آسمان میں عطارد ہے، تیسرے میں زہرہ، چوتھے میں سورج، پانچویں میں مریخ، چھٹے میں مشتری اور ساتویں میں زحل۔ جہاں تک باقی ثوابت (ایک جگہ ثابت رہنے والے) ستاروں کا تعلق ہے تو وہ آٹھویں فلک میں ہیں جسے فلك الثوابت کہتے ہیں اور ان میں سے اہل شرع اسے کرسی کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک نواں فلک اطلس اور اثیر ہے جس کی حرکت ان کے خیال کے مطابق تمام افلاک کی حرکت کے خلاف ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی حرکت دیگر حرکات کا نقطۂ آغاز ہے اور یہ ہے مغرب سے مشرق کی طرف جبکہ باقی سب افلاک کی حرکت اس کے برعکس مشرق سے مغرب کی طرف ہے اور ان کے ساتھ ہی تمام کواکب (ستارے) گھومتے رہتے ہیں لیکن سیاروں کی حرکت ان کے افلاک کی حرکت کے بالکل برعکس ہے۔ یہ مغرب سے مشرق کی طرف محوِ حرکت رہتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک اپنے مقدور اور نظام کے مطابق اپنے فلک کو طے کرتا ہے۔ چاند اپنے فلک کو ہر ماہ ایک مرتبہ طے کرتا ہے، سورج ہر سال میں ایک مرتبہ، زحل ہر تیس سال میں ایک مرتبہ۔ مدت کا یہ تفاوت ان کے افلاک کی وسعت پر موقوف ہے ورنہ سب کی سرعت حرکت متناسب ہے۔ یہ ان لوگوں کی موشگافیوں کا خلاصہ ہے جس کا اظہار وہ اس مقام پر کرتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ کسی ایک بات پر متفق نہیں بلکہ ان کے درمیان شدید نوعیت کے اختلافات پائے جاتے ہیں جنہیں ہم بیان کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے۔ بہر صورت مقصود صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اوپر نیچے سات آسمان تخلیق کئے اور ان میں چاند کو روشنی اور سورج کو درخشاں چراغ بنایا۔ ان دونوں کی روشنی میں تفاوت اور فرق پایا جاتا ہے تاکہ شب و روز کے درمیان امتیاز ہو سکے۔ دونوں کی الگ الگ حیثیت ہے اور دونوں قدرت الٰہی کا نمونہ اور نشانی ہیں۔ سورج کے طلوع وغروب سے دن اور رات کی پہچان ہوتی ہے۔ چاند کے لئے منزلیں اور برج مقرر کر دیئے اور اس کے نور میں تفاوت رکھ دیا۔ اس کا نور بڑھتے بڑھتے حد کمال کو پہنچ جاتا ہے پھر کم ہونا شروع ہو جاتا ہے یہاں تک کہ گھٹتے گھٹتے بالکل چھپ جاتا ہے۔ اس سے ماہ وسال معلوم ہوتے ہیں جیسا کہ فرمایا: هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَ الْحِسَابَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ (یونس: 5) ’’وہی ہے جس نے بنایا سورج کو درخشاں اور چاند کو نور اور مقرر کیں اس کے لئے منزلیں تاکہ تم جان لو گنتی برسوں کی اور حساب۔ نہیں پیدا فرمایا اللہ تعالیٰ نے اسے مگر حق کے ساتھ تفصیل سے بیان کرتا ہے (اپنی قدرت کی) نشانیاں ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں‘‘۔

فرمایا: وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ ...... یہاں ''نباتا'' اسم مصدر ہے جس نے عبارت کے حسن کو چار چاند لگا دیئے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں عجب طرح سے زمین سے اگایا ہے، پھر جب تم مرجاؤ گے تو وہ تمہیں اسی میں لوٹائے گا اور قیامت کے دن وہ تمہیں زندہ کر کے لوٹائے گا جیسا کہ پہلی مرتبہ اس نے تمہیں پیدا کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا اور قرار گاہ بنادیا اور اونچے اونچے مضبوط پہاڑ نصب کر کے اسے ثابت اور پرسکون بنا دیا تاکہ تم اس پر قیام کرو اور اس کے اطراف واکناف میں جہاں چاہو، اس کے کشادہ راستوں پر سفر کر کے گھومو پھرو۔ اس تمام دعوت وتبلیغ کے ذریعے حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور عظمت سے آگاہ کیا کہ زمین وآسمان کی تخلیق اسی کی بے پایاں قدرت کا کرشمہ ہے اور وہی وہ ذات ہے جس نے زمین وآسمان کی نعمتیں انہیں ارزانی فرمادیں۔ وہی خالق اور رازق ہے، جس نے آسمان کو چھت اور زمین کو بچھونا بنایا اور اپنی مخلوق پر وافر رزق کے دروازے کھول دیئے۔ وہی ذات اس بات کی مستحق ہے کہ صرف اسی کی عبادت کی جائے، اس کی وحدانیت کا اعتقاد رکھا جائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے کیونکہ نہ اس کی کوئی نظیر ہے، نہ مثیل، نہ مدمقابل، نہ ہمسر، نہ شریک، نہ بیوی، نہ اولاد، نہ وزیر اور نہ مشیر بلکہ وہ سب سے برتر، اعلیٰ اور ارفع ہے۔

قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗۤ اِلَّا خَسَارًا ﴿۲۱﴾ وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ﴿۲۲﴾ وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ﴿۲۳﴾ وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۚ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ﴿۲۴﴾

''نوح نے عرض کی اے میرے پروردگار! انہوں نے میری نافرمانی کی اور اس کی پیروی کرتے رہے جس کو نہ بڑھایا اس کے مال اور اولاد نے بجز خسارہ کے۔ اور انہوں نے بڑے بڑے مکر وفریب کئے۔ اور رئیسوں نے کہا (اے لوگو! نوح کے کہنے پر) ہرگز نہ چھوڑنا اپنے خداؤں کو اور (خاص طور پر) ود اور سواع کو مت چھوڑنا، اور نہ یغوث، یعوق اور نسر کو۔ اور انہوں نے گمراہ کر دیا بہت سے لوگوں کو۔ (الٰہی) تو بھی ان کی گمراہی میں اضافہ کر دے''۔

حضرت نوح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کناں ہیں کہ انہوں نے اپنی قوم کو راہِ راست پر لانے کے لئے بڑے جتن کئے اور ترغیب وترہیب پر مشتمل مختلف قسم کی تبلیغی مساعی بروئے کار لائے، اس کے باوجود انہوں نے نافرمانی کی روش اختیار کی، مخالفت پر اتر آئے، تکذیب کرنے لگے اور ایسے بدبخت اور بدکار دنیادار رئیسوں کو اپنا پیشوا بنالیا جو مال واولاد کی کثرت کے باعث اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے امر سے بالکل غافل ہوگئے۔ یہ دراصل استدراج اور مہلت ہے، اکرام نہیں۔ اس لئے فرمایا: وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ'' ولد'' کے لفظ میں دو قراءتیں ہیں۔ ایک واو کے ضمہ کے ساتھ اور دوسری فتحہ کے ساتھ۔ دونوں کا معنی قریب قریب ہے۔

فرمایا: وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا یعنی انہوں نے بہت بڑا فریب کیا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کے بقول ''کبّار'' کا معنی بہت بڑا ہے۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ کُبّار، کُبَارٌ اور کَبِیْرٌ تینوں ہم معنی ہیں جیسے عربوں کا قول ہے: اَمْرٌ عَجِيْبٌ وَ عُجَابٌ و عُجّاب۔ آیت کا معنی یہ ہوگا کہ ان رئیسوں نے ان کے ساتھ بہت بڑا مکروفریب کیا کہ انہیں اپنے برحق ہونے کا یقین دلا کر حضرت نوح علیہ السلام سے برگشتہ کر دیا جیسا کہ وہ قیامت کے دن انہیں مورد الزام ٹھہراتے ہوئے کہیں گے: بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَاۤ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗۤ اَنْدَادًا (سبا:33)'' بلکہ تمہارے شب وروز کے مکروفریب نے ہمیں ہدایت سے باز رکھا جب تم ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم اللہ کو ماننے سے

انکار کردیں اور (بتوں کو) اس کا ہمسر بنائیں''۔

اس لئے یہاں فرمایا: وَمَكَرُوْا...... وَنَسْرًا ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر ان کے بتوں کے نام تھے جن کی وہ پرستش کیا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کو فراموش کر چکے تھے۔ ان کے رئیس ناصح مشفق بن کر انہیں نصیحت کرتے کہ نوح کی باتوں سے متاثر ہو کر اپنے معبودوں کو نہ چھوڑنا خصوصاً ان پانچ بڑے معبودوں کو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قوم نوح کے بتوں کو بعد میں عربوں نے اپنا معبود ٹھہرالیا۔'' ود'' قبیلہ کلب کے بت کا نام تھا جس کا مندر دومة الجندل میں تھا،'' سواع'' کا پرستار قبیلہ ہذیل تھا، '' یغوث'' پہلے بنی مراد کا بت تھا، ان کے پاس سے پھر بنی غطیف کے پاس آیا، اس کا استھان ملک سبا میں جرف کے مقام پر تھا،'' یعوق'' ہمدان کا دیوتا تھا اور'' نسر'' قبیلہ حمیر کی ایک شاخ آل ذی الکلاع کا معبود تھا۔ یہ دراصل قوم نوح کے صالح اور نیک فطرت لوگوں کے نام تھے۔ ان کے انتقال کے بعد شیطان نے وسوسہ اندازی کرتے ہوئے ان کی قوم کو اکسایا کہ وہ ان بزرگوں کی عبادت گاہوں اور مجلسوں میں ان کی یادگار قائم کریں اور ہر ہر بزرگ کے نام پر کوئی علامت نصب کر دیں۔ چنانچہ لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ جب تک یہ لوگ زندہ رہے، اس وقت تک ان نشانیوں کی پوجا شروع نہ ہوئی لیکن ان کی وفات اور علم کے اٹھ جانے کے بعد جب نئی نسل پروان چڑھی تو انہوں نے ان کی پرستش شروع کر دی (1)۔ حضرات عکرمہ، ضحاک، قتادہ اور ابن اسحاق رحمہم اللہ تعالیٰ سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت محمد بن قیس رحمۃ اللہ علیہ اصنام پرستی کی ابتدا کے متعلق فرماتے ہیں کہ یغوث، یعوق وغیرہ بہت پارسا اور عبادت گزار لوگ تھے۔ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیانی زمانہ سے ان کا تعلق تھا۔ ان اللہ والوں کے بہت سے پیروکار تھے جو ان کی اقتداء کرتے۔ جب یہ بزرگ انتقال کر گئے تو ان کے پیروکاروں پر ان کی جدائی بہت شاق گزری۔ وہ کہنے لگے کہ اگر ہم ان کی تصویریں بنالیں تو انہیں دیکھ کر اللہ کی یاد کا جذبہ کمزور نہ ہونے پائے گا اور انہیں کی شبیہوں کو دیکھ کر شوق عبادت فزوں تر ہوتا رہے گا۔ چنانچہ انہوں نے ان کی تصویریں بنالیں۔ جب کافی عرصہ گزر گیا تو بعد میں آنے والی نسلوں نے شیطان کی انگیخت اور اغواء پر رفتہ رفتہ اصلی مقصد کو بھلا دیا۔ شیطان وسوسہ اندازی کرتے ہوئے کہنے لگا کہ تمہارے آباؤ اجداد تو ان کی عبادت کیا کرتے تھے اور ان کے وسیلہ سے بارش برستی تھی چنانچہ انہوں نے ان کی پرستش شروع کر دی (2)۔

حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیث علیہ السلام کے واقعہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کے چالیس بچے تھے: بیس بیٹے اور بیس بیٹیاں۔ ان میں سے جنہوں نے طویل عمریں پائیں، ان میں ہابیل، قابیل، صالح اور عبدالرحمٰن تھے جن کا پہلا نام عبدالحارث تھا۔ آپ کے ایک اور بیٹے ود تھے جنہیں شیث اور هِبة الله کہا جاتا تھا۔ تمام بھائیوں نے سیادت ان کے سپرد کر رکھی تھی۔ سواع، یغوث، یعوق اور نسر ان کی اولاد تھی۔

ابن ابی حاتم میں حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام بیمار ہوئے تو آپ کے پاس اس وقت پانچ بیٹے تھے: ودّ، یغوث، یعوق، سواع اور نسر۔ ودّ سب سے بڑا اور سب سے زیادہ فرمانبردار اور حسن سلوک والا تھا۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ ابوجعفر نماز پڑھ رہے تھے کہ لوگوں نے یزید بن مہلب کا ذکر کیا۔ نماز سے فراغت کے بعد آپ لوگوں سے فرمانے لگے کہ اسے ایسی جگہ قتل کیا گیا جہاں سب سے پہلے غیر اللہ کی پرستش ہوئی۔ واقعہ یوں ہوا کہ ایک صالح مسلمان شخص تھا جو اپنی قوم میں بہت محبوب اور مقبول

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ نوح، جلد 8، صفحہ 667 2۔ طبری، جلد 29، صفحہ 99

تھا۔ اس کی وفات کے بعد اس کے معتقد از حد مغموم ہوئے، وہ اس صدمہ کو برداشت نہ کر سکے۔ اس کی قبر پر بیٹھ گئے، رونا دھونا اور آہ و زاری شروع کر دی اور بے چینی کے عالم میں اسے خوب یاد کرنے لگے۔ ابلیس ان کی گھبراہٹ اور جزع فزع کو دیکھ کر انسانی صورت میں ان کے پاس آیا اور انہیں کہنے لگا کہ مجھ سے تمہاری یہ حالت دیکھی نہیں جاتی۔ اگر تم لوگوں کی خواہش ہو تو میں تمہارے لئے اس بزرگ کی تصویر بنا دیتا ہوں جسے تمہاری مجلس گاہ میں نصب کر دیا جائے گا اور اسے دیکھ دیکھ کر اس بزرگ کی یاد تازہ ہوتی رہے گی، لوگوں کو ابلیس کا مشورہ بہت پسند آیا چنانچہ اس نے ان کی رضامندی کے بعد تصویر بنا دی۔ لوگوں نے اسے اپنے اجتماع گاہ میں رکھ لیا اور اس کی زیارت کرنے لگے۔ جب شیطان نے ان کے اس شغف کو دیکھا تو انہیں کہنے لگا کہ کیا ہی اچھا ہے کہ تم میں سے ہر ایک گھر کے اندر اس بزرگ کی مورتی ہو جسے دیکھ کر تمہیں اس بزرگ کی یاد آتی رہے اور تمہیں اطمینان حاصل ہوتا رہے؟ سب نے اس تجویز پر اتفاق کیا تو ابلیس نے ان کے ہر گھر کے اندر مورتی کھڑی کر دی۔ کافی عرصہ اسی طرح گزر گیا کہ لوگ صرف انہیں دیکھا کرتے تھے۔ بعد از اں جب نئی نسلیں پروان چڑھیں تو انہوں نے اصلی مقصد فراموش کر دیا اور اپنے آبا و اجداد کے طریقہ کو چھوڑ کر ان کی پوجا شروع کر دی۔ سب سے پہلے جس بت کی پرستش شروع ہوئی اس کا نام ودّ تھا(1)۔

فرمایا: وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا یعنی انہوں نے بت پرستی کو رواج دے کر بہت سی مخلوق کو گمراہ کیا۔ اس وقت سے لے کر اب تک عرب و عجم میں ان کی عبادت جاری ہے۔ حضرت خلیل علیہ السلام اپنی دعا میں عرض کرتے ہیں: وَاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۝ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ (ابراہیم: 36-35) "اور بچا لے مجھے اور میرے بچوں کو کہ ہم پوجا کرنے لگیں بتوں کی۔ اے میرے پروردگار! ان بتوں نے تو گمراہ کر دیا بہت سے لوگوں کو"۔ پھر ان کے لئے بددعا کرتے ہوئے کہنے لگے: وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ...... یعنی ان ظالموں کی گمراہی میں ہی اضافہ کرنا، اس بددعا کی وجہ یہ تھی کہ یہ ناہنجار اپنی سرکشی، کفر اور عناد کی انتہاء کو پہنچ چکے تھے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کے درباریوں کے خلاف بددعا کرتے ہوئے عرض کی تھی: رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰۤى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ (یونس: 88) "اے ہمارے رب! برباد کر دے ان کے مالوں کو اور سخت کر دے ان کے دلوں کو تا کہ وہ نہ ایمان لے آئیں جب تک نہ دیکھ لیں دردناک عذاب کو"۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ہر دو انبیاء کی دعاؤں کو قبول فرمایا اور ان کی قوموں کو ان کی تکذیب کی پاداش میں غرق کر دیا۔

مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ۝۲۵ وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ۝۲۶ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْۤا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۝۲۷ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا ۝۲۸

"اپنی خطاؤں کے باعث انہیں غرق کر دیا گیا پھر انہیں آگ میں ڈال دیا گیا۔ پھر انہوں نے نہ پایا اپنے لئے اللہ کے سوا کوئی مددگار۔ اور نوح نے عرض کی اے میرے رب! نہ چھوڑ روئے زمین پر کافروں میں سے کسی کو بستا ہوا۔ اگر تو نے ان

1۔ عبد بن حمید: در منثور، جلد 8، صفحہ 295-294

میں سے کسی کو چھوڑ دیا تو وہ گمراہ کر دیں گے تیرے بندوں کو اور نہ جنیں گے مگر ایسی اولاد جو بڑی بدکار سخت ناشکر گزار ہوگی۔
میرے رب! بخش دے مجھے اور میرے والدین کو اور اسے بھی جو میرے گھر میں ایمان کے ساتھ داخل ہوا اور بخش دے
سب مومن مردوں اور عورتوں کو۔ اور کفار کی کسی چیز میں اضافہ نہ کر بجز ہلاکت و بربادی کے''۔

خَطِیْٓـٰتِهِمْ کی دوسری قراءت ''خطایاهم'' ہے۔ فرمایا جا رہا ہے کہ انہیں اپنے گناہوں کی کثرت، سرکشی، کفر اور حضرت نوحؑ کی مخالفت پر بضد رہنے کی پاداش میں غرق کر دیا گیا، پھر اس طوفان سے منتقل کر کے انہیں آگ کے حوالے کر دیا گیا اور اس وقت ان کا کوئی حامی و ناصر نہ تھا جو انہیں عذاب الٰہی سے بچا لیتا جیسا کہ فرمان ہے: لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ (ہود: 43) '' آج کوئی بچانے والا نہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے مگر جس پر وہ رحم کرے''۔ حضرت نوح علیہ السلام ان کی بربادی کی دعا کرتے ہوئے بارگاہِ خداوندی میں عرض کرنے لگے: لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ...... یعنی اے میرے پروردگار! روئے زمین پر ان کافروں میں سے کسی ایک کو بھی بستا ہوا نہ چھوڑ۔ گھر کے مکین کو دیّار کہتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی دعا کو قبول کرتے ہوئے روئے زمین پر بسنے والے تمام کافروں کو تباہ و برباد کر دیا یہاں تک کہ آپ کا حقیقی بیٹا بھی غرق کر دیا گیا جو اپنے باپ سے الگ تھلگ ہو کر یہ کہنے لگا: سَاٰوِیْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِیْ مِنَ الْمَآءِ ۚ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ (ہود: 43) '' آپ نے کہا (بیٹا!) آج کوئی بچانے والا نہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے مگر جس پر وہ رحم کرے۔ اور (اسی اثناء میں) حائل ہو گئی ان کے درمیان موج پس ہو گیا وہ ڈوبنے والوں سے''۔

ابن ابی حاتم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر اللہ تعالیٰ قوم نوح میں سے کسی پر رحم کرتا تو اس عورت پر کرتا جس نے پانی کے طوفان کو دیکھا تو اپنے بچے کو اٹھا کر پہاڑ پر چڑھ گئی۔ جب پانی وہاں تک جا پہنچا تو اس نے اپنے بچے کو اپنے کندھے پر چڑھا لیا، جب وہاں تک بھی پانی پہنچ گیا تو اس نے اسے سر پر بٹھا لیا۔ جب پانی سر تک بلند ہوا تو اس نے اپنے بچے کو ہاتھوں میں لے کر بلند کر لیا، اگر ان میں سے کسی پر رحم فرمانا ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس عورت پر ضرور رحم فرماتا'' (1)۔ یہ حدیث غریب ہے لیکن اس کے راوی ثقہ ہیں۔ اس طوفان کی دستبرد سے صرف وہی اہل ایمان محفوظ رہے جنہیں حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنے ساتھ کشتی میں سوار کر لیا تھا۔ چونکہ حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو سال کا طویل عرصہ تبلیغ کرتے ہوئے اپنی قوم میں گزار چکے تھے، اس لئے اپنے سابقہ تلخ تجربہ کے پیش نظر کہنے لگے: اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ...... یعنی اگر تو نے انہیں باقی رکھا تو یہ تیرے ان بندوں کو بھی گمراہ کر دیں گے جو ان کے بعد پیدا ہوں گے اور ان کی اولاد بھی بدکار سخت ناشکر گزار ہوگی۔ پھر عرض کرنے لگے: رَبِّ اغْفِرْ لِیْ......
ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہاں بیت (گھر) سے مراد مسجد ہے لیکن آیت کو اس کے ظاہر پر محمول کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں اور بظاہر یہی معنی ہے کہ آپ نے ہر اس مومن کے لئے دعا کی جو آپ کے گھر میں داخل ہو۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لَا تُصَاحِبْ اِلَّا مُؤْمِنًا وَلَا يَاْكُلْ طَعَامَكَ اِلَّا تَقِیٌّ'' یعنی مومن کے سوا کسی کی سنگت اختیار نہ کر اور متقی شخص کے علاوہ کوئی اور تمہارا کھانا نہ کھائے (2)۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صرف اسی سند سے معروف ہے (3)۔

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ ہود: 44
2۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 38، سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 4، صفحہ 259، عارضۃ الاحوذی، ابواب الزہد، جلد 9، صفحہ 242-241　　3۔ ایضاً

پھر آپ نے تمام مومن مرد اور مومن عورتوں کے لئے دعا کی۔ اس میں تمام زندہ اور مردہ اہل ایمان داخل ہیں، اس لئے مستحب یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی اقتداء کرتے ہوئے احادیث و آثار میں وارد ہونے والی مشہور دعاؤں پر عمل پیرا ہوتے ہوئے دوسرے مومنوں کو بھی اپنی دعاؤں میں شامل کیا جائے۔ پھر (نوح علیہ السلام نے) دعا کا اختتام ان الفاظ پر کیا: وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا تَبَارًا اسدی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول "تبار" ہلاکت کے معنی میں ہے اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اس سے مراد دنیا و آخرت کا خسارہ لیتے ہیں۔

سورۂ جن (مکیہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

قُلۡ اُوۡحِیَ اِلَیَّ اَنَّہُ اسۡتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الۡجِنِّ فَقَالُوۡۤا اِنَّا سَمِعۡنَا قُرۡاٰنًا عَجَبًا ۙ﴿۱﴾ یَّہۡدِیۡۤ اِلَی الرُّشۡدِ فَاٰمَنَّا بِہٖ ؕ وَ لَنۡ نُّشۡرِکَ بِرَبِّنَاۤ اَحَدًا ۙ﴿۲﴾ وَّ اَنَّہٗ تَعٰلٰی جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَۃً وَّ لَا وَلَدًا ۙ﴿۳﴾ وَّ اَنَّہٗ کَانَ یَقُوۡلُ سَفِیۡہُنَا عَلَی اللّٰہِ شَطَطًا ۙ﴿۴﴾ وَّ اَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنۡ لَّنۡ تَقُوۡلَ الۡاِنۡسُ وَ الۡجِنُّ عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا ۙ﴿۵﴾ وَّ اَنَّہٗ کَانَ رِجَالٌ مِّنَ الۡاِنۡسِ یَعُوۡذُوۡنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الۡجِنِّ فَزَادُوۡہُمۡ رَہَقًا ۙ﴿۶﴾ وَّ اَنَّہُمۡ ظَنُّوۡا کَمَا ظَنَنۡتُمۡ اَنۡ لَّنۡ یَّبۡعَثَ اللّٰہُ اَحَدًا ۙ﴿۷﴾

”آپ فرمایئے میری طرف وحی کی گئی ہے کہ بڑے غور سے سنا ہے (قرآن کو) جنوں کی ایک جماعت نے پس انہوں نے (جا کر دوسرے جنات کو) بتایا کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے۔ راہ دکھاتا ہے ہدایت کی پس ہم (دل سے) اس پر ایمان لے آئے اور ہم ہرگز شریک نہیں بنائیں گے کسی کو اپنے رب کا اور بے شک اعلیٰ وارفع ہے ہمارے رب کی شان نہ اس نے کسی کو اپنی بیوی بنایا ہے اور نہ بیٹا۔ اور (یہ راز بھی کھل گیا کہ) ہمارے احمق اللہ کے بارے میں ناروا باتیں کہتے رہے۔ اور ہم تو یہ خیال کئے تھے کہ انسان اور جن اللہ کے بارے میں کبھی جھوٹ نہیں بول سکتے۔ اور یہ کہ انسانوں میں سے چند مرد پناہ لینے لگے جنات میں سے چند مردوں کی پس انہوں نے بڑھا دیا جنوں کے غرور کو اور ان انسانوں نے بھی یہی گمان کیا جیسے تم گمان کرتے ہو کہ اللہ کسی کو رسول بنا کر مبعوث نہیں کرے گا“۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو حکم فرما رہا ہے کہ آپ اپنی قوم کو جنات کے واقعہ کی خبر دیں کہ انہوں نے قرآن کریم کو غور سے سنا اور اس پر ایمان لے آئے، اس کی تصدیق کی اور اس کی اطاعت اختیار کر لی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قُلۡ اُوۡحِیَ...... یعنی اے میرے پیارے رسول! آپ کہہ دیں کہ مجھے بذریعہ وحی بتایا گیا ہے کہ جنات کے ایک گروہ نے قرآن کریم کو غور و تدبر کے ساتھ سنا اور اپنی قوم میں جا کر کہنے لگے کہ ہم نے عجیب وغریب قرآن سنا ہے جو رشد و ہدایت اور فوز وفلاح کی راہ دکھاتا ہے، اس لئے ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم آئندہ کبھی بھی اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ یہ مضمون اس فرمان: وَ اِذۡ صَرَفۡنَاۤ اِلَیۡکَ نَفَرًا مِّنَ الۡجِنِّ یَسۡتَمِعُوۡنَ الۡقُرۡاٰنَ (احقاف: 29) ”اور جس وقت ہم نے متوجہ کیا آپ کی طرف جنات کی ایک جماعت کو کہ وہ قرآن سنیں“۔ میں بھی گزر چکا ہے اور اس سلسلہ میں وارد ہونے والی احادیث کا تذکرہ ہم نے وہیں کر دیا ہے جس کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں (1)۔

فرمایا: وَ اَنَّہٗ تَعٰلٰی جَدُّ رَبِّنَا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ”جدّ“ سے مراد ہے: اللہ تعالیٰ کا فعل، امر اور اس کی

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ احقاف: 29

قدرت۔ ایک اور روایت میں آپ سے اس کا معنی منقول ہے: اللہ تعالیٰ کی نعمتیں، قدرتیں اور مخلوقات پر عنایات۔ مجاہد اور عکرمہ رحمہما اللہ تعالیٰ کے بقول یہ جلال کے معنی میں ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا جلال، عظمت اور حکم ہے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ اسے امر کے معنی میں لیتے ہیں۔ حضرات ابوالدرداء، مجاہد اور ابن جریج رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس کا معنی ذکر بیان کیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت بلند اور اعلیٰ ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ہمارا رب بہت بلند ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جدّ باپ کو کہتے ہیں، اگر جنات کو یہ علم ہوتا کہ انسانوں میں جدّ ہوتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی نسبت یہ لفظ نہ بولتے۔ اس روایت کی سند تو عمدہ ہے لیکن اس کا مفہوم میری سمجھ سے بالاتر ہے، ممکن ہے کہ اس میں سے کچھ کلام چھوٹ گیا ہو۔ جب ان جنات نے اسلام قبول کر لیا اور قرآن کریم پر ایمان لے آئے تو بیوی اور اولاد بنانے سے اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ بیان کرتے ہوئے کہنے لگے:

مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا یعنی اس نے نہ کسی کو اپنی بیوی بنایا اور نہ کوئی اولاد۔ پھر کہنے لگے: وَاَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا...... اور ہمارا بے وقوف اور احمق اللہ تعالیٰ پر ناروا باتیں کیا کرتا تھا۔ حضرات مجاہد، قتادہ، عکرمہ اور سدی رحمہما اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ "سفیه" سے مراد ابلیس ہے۔ ابو مالک کہتے ہیں کہ "شطط" کا معنی جور و ظلم ہے اور ابن زید رحمۃ اللہ علیہ کے بقول اس کا معنی ہے ظلم عظیم۔ یہ بھی ممکن ہے کہ "سفیھنا" سے مراد ہر وہ احمق اور بے وقوف ہو جو یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جورو اور اولاد ہے، اس لئے وہ کہنے لگے: وَاَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا...... یعنی اسلام لانے سے قبل ہمارے بے وقوف اللہ تعالیٰ کی نسبت باطل، جھوٹی اور ناروا باتیں کہا کرتے تھے۔ چنانچہ وہ کہنے لگے:

وَاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ...... یعنی ہمارے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ جن و انس اللہ تعالیٰ کی ذات پر جھوٹ و افتراء باندھنے کی جسارت کرتے ہوئے بیوی اور اولاد کی نسبت اس کی طرف کریں گے۔ جب ہم نے یہ قرآن سنا اور اس پر ایمان لے آئے تو ہماری آنکھیں کھل گئیں اور ہمیں معلوم ہو گیا کہ وہ اس بابت اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے تھے۔ پھر کہنے لگے: وَاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ...... یعنی ہمیں یقین تھا کہ ہمیں انسانوں پر فضیلت اور برتری حاصل ہے کیونکہ جب وہ کسی ویران وادی یا اجاڑ جگہ پر اترتے تو ہماری پناہ لیا کرتے تھے جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں عربوں کا دستور تھا کہ جب انہیں کسی ریگستان یا ویرانے میں کسی ضرر رساں چیز سے خطرہ لاحق ہوتا تو وہ اس جگہ کے جن سردار کی پناہ طلب کرتے۔ یہ بالکل ایسے ہی تھا جیسے وہ دشمن کے علاقہ میں داخل ہوتے وقت کسی بڑے رئیس کی پناہ لیتے تھے۔ جب جنات نے دیکھا کہ انسان ان کے خوف سے ان کی پناہ طلب کرتے ہیں تو انہوں نے ان کے خوف اور دہشت میں اور اضافہ کر دیا یہاں تک کہ وہ بہت زیادہ مرعوب، خوفزدہ اور دہشت زدہ ہو گئے اور یہ یقین کر بیٹھے کہ ان کی پناہ کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اس کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں کہ انسانوں کے اس فعل سے ان کے گناہ میں اور جنات کی جرأت میں اضافہ ہو گیا۔

سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی اپنے اہل و عیال کے ساتھ سفر پر نکلتا۔ اگر کسی وادی میں اسے رات گزارنا پڑتی تو وہ وہاں فروکش ہو کر کہتا کہ میں اس وادی کے جن سردار کی پناہ لیتا ہوں اس سے کہ مجھے، یا میرے مال کو، یا میری اولاد کو یا میرے مویشیوں کو کوئی گزند پہنچے۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے سوا ان کی پناہ لیتا تو جنات اسے تنگ کرتے اور اسے اذیت پہنچاتے۔ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جنات انسانوں سے اس طرح ڈرا کرتے تھے جس طرح انسان جنات سے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ کیفیت یہ تھی کہ انسان جس کسی وادی میں اترتے تو جنات خوف کے مارے وہاں سے بھاگ کھڑے ہوتے لیکن جب

وہ یہ کہتے کہ ہم اس وادی کے سردار کی پناہ لیتے ہیں تو جنات کہتے کہ جس طرح ہم ان سے خوفزدہ ہیں، اسی طرح یہ بھی ہم سے خوفزدہ ہیں۔ چنانچہ آہستہ آہستہ ان کا خوف دور ہوتا گیا اور یہ انسانوں کے قریب آ کر انہیں ستانے لگے اور بسا اوقات انہیں جنون میں مبتلا کر دیتے۔ یہی مطلب اس آیت وَّ اَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ ..... کا ہے۔

رھق کا معنی گناہ ہے یعنی جنوں نے انسانوں کے گناہ کو اور بڑھا دیا۔ بعض حضرات کے بقول اس کا معنی خوف ہے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس کا معنی سرکشی ہے یعنی کفار نے ان کی سرکشی میں اضافہ کر دیا۔ کردم بن ابی سائب انصاری بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ہمراہ کسی کام کے لئے مدینہ سے نکلا۔ اس وقت مکہ میں حضور ﷺ کی بعثت کا ابتدائی دور تھا۔ رات بسر کرنے کے لئے ہم ایک چرواہے کے پاس ٹھہرے۔ آدھی رات کے وقت ایک بھیڑیا آیا اور بکری کا ایک بچہ اٹھا کر لے اڑا۔ چرواہا اس کے پیچھے لپکا اور بلند آواز سے کہنے لگا کہ اے اس وادی کے آباد کرنے والے! میں تیری پناہ میں ہوں۔ اس کے ساتھ ہی فوراً ایک شخص کی آواز سنائی دی جو ہمیں دکھائی نہیں دیتا تھا، وہ کہہ رہا تھا کہ اے بھیڑیئے! بکری کے بچے کو چھوڑ دے۔ کچھ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ بکری کا بچہ بھاگتا ہوا آیا اور ریوڑ میں داخل ہو گیا، اسے خراش تک نہ آئی تھی۔ یہی بیان اس آیت میں ہے جس کا نزول مکہ مکرمہ میں ہوا(1)۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بکری کے بچے کو اٹھا لے جانے والا بھیڑیا حقیقت میں جن ہی ہو جس نے چرواہے کی فریاد پر اس لئے بکری کے بچے کو واپس لوٹا دیا ہوتا کہ انسان کو یہ یقین ہو جائے کہ نقصانات سے بچنے کے لئے ان کی پناہ ضروری ہے اور اس سے مقصد یہ تھا کہ وہ اسے گمراہ کر کے اللہ کے دین سے خارج کر دے۔ یہ مسلمان جن اپنی قوم سے مزید کہنے لگے: وَّ اَنَّهُمْ ظَنُّوْا ..... "یعنی انسان بھی تمہاری طرح یہی خیال کرتے تھے کہ اب اللہ تعالیٰ کسی کو رسول بنا کر نہیں بھیجے گا(2)۔

وَّ اَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِیْدًا وَّ شُهُبًا ۙ﴿۸﴾ وَّ اَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ یَّسْتَمِعِ الْاٰنَ یَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۙ﴿۹﴾ وَّ اَنَّا لَا نَدْرِیْۤ اَشَرٌّ اُرِیْدَ بِمَنْ فِی الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۙ﴿۱۰﴾

"اور (سنو!) ہم نے ٹٹولنا چاہا آسمان کو تو ہم نے اس کو سخت پہروں اور شہابوں سے بھرا ہوا پایا۔ اور پہلے تو ہم بیٹھ جایا کرتے تھے اس کے بعض مقامات پر سننے کے لئے۔ لیکن اب جو (جن) سننے کی کوشش کرے گا تو وہ پائے گا اپنے لئے کسی شہاب کو انتظار میں۔ اور ہم نہیں سمجھتے (اس کی کیا وجہ ہے) کیا کسی شر کا ارادہ کیا جا رہا ہے زمین کے مکینوں کے بارے میں یا ان کے رب نے ان کو ہدایت دینے کا ارادہ فرمایا ہے"۔

رسول اللہ کی بعثت سے پہلے جنات آسمان کی طرف عروج کرتے اور کسی جگہ بیٹھ کر چوری چھپے فرشتوں کی باتیں سن لیتے، پھر یہ باتیں کاہنوں تک پہنچا دیتے، وہ انہیں خوب بڑھا چڑھا کر اور جھوٹ کا پلندہ بنا کر لوگوں کو بتاتے لیکن جب آپ ﷺ مقام رسالت پر فائز ہوئے اور وحی کے نزول کا سلسلہ شروع ہوا تو آسمان پر پہرے سخت کر دیئے گئے، جنات کی وہاں تک رسائی کو ناممکن بنا دیا گیا، جنات کی سرکوبی کے لئے ہر طرف پہریدار بٹھا دیئے گئے اور ان شیطانوں کو ان کے ان ٹھکانوں سے بھگا دیا گیا جہاں بیٹھ کر یہ چوری چھپے سنا کرتے

1۔ درمنثور، جلد 8، صفحہ 298 2۔ طبری، جلد 29، صفحہ 110

تھے۔ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو یہ شیطان قرآن کریم میں سے کچھ باتیں اڑا کر کاہنوں کی زبان پر جاری کر دیتے اور وہ اس میں اپنا جھوٹا کلام شامل کر کے اسے لوگوں میں رواج دے دیتے، اس طرح حق اور باطل کی آمیزش سے وحی کا معاملہ ہی تلپٹ ہو جاتا اور سچے اور جھوٹے کلام کے درمیان امتیاز ہی نہ رہتا۔ مخلوق پر اللہ تعالیٰ کا یہ بہت بڑا فضل و کرم اور رحمت و رأفت ہے کہ اس نے اپنی کتاب کی حفاظت کے لئے جملہ انتظامات کر دیئے۔ لہٰذا جن کہنے لگے:

وَاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ...... یعنی ہم نے آسمان کو حسب سابق ٹٹولنا چاہا تو اسے سخت پہریداروں اور شہابوں سے بھرا ہوا پایا۔ اب جو چوری چھپے سننے کی کوشش کرے گا تو وہ کسی شہاب کو انتظار میں پائے گا۔ یہ شہاب اس کی تاک میں ہوگا اور اسے آگے بڑھنے کا موقعہ ہی نہیں دے گا بلکہ اسے فوراً دبوچ لے گا اور جلا کر خاکستر بنا ڈالے گا۔ پھر کہنے لگے: وَاَنَّا لَا نَدْرِیْٓ اَشَرٌّ...... یعنی یہ حادثہ جو آسمان میں رونما ہوا ہے، اس کے متعلق ہمیں کچھ علم نہیں کہ کیا اس کے سبب زمین والوں کو نقصان پہنچانے کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے رب نے ان کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرمایا ہے۔ ان جنات کا یہ کلام کس قدر ادب اور تعظیم پر مبنی ہے کہ شر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں کی لیکن خیر کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا ہے، اسی طرح حدیث شریف میں بھی ہے: "وَالشَّرُّ لَيْسَ اِلَيْكَ" یعنی اے پروردگار! شر تیری طرف سے نہیں۔ حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے بھی شہابوں کے حملہ آور ہونے اور آگ برسانے کا سلسلہ تھا لیکن اس کثرت سے نہ تھا بلکہ وقتاً فوقتاً ایسا ہوتا تھا جیسا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اسی اثناء میں ایک ستارا جھڑا اور خوب روشنی ہوئی۔ یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا: "اس بارے میں تم کیا کہا کرتے تھے؟" ہم نے عرض کی کہ ہمارا یہ خیال تھا کہ کسی بڑے کی ولادت یا کسی بڑے کی موت پر ایسا ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا: "بات اس طرح نہیں، بلکہ جب اللہ تعالیٰ آسمان میں کسی امر کا فیصلہ فرماتا ہے...... الخ" اس حدیث کو مکمل طور پر ہم نے سورۂ سبا کی تفسیر میں بیان کر دیا ہے۔ چنانچہ آسمان کی حفاظت کے لئے سخت پہرے بٹھا دینا اور جنات کو مار بھگانے کے لئے شہابوں کو مستعد اور چوکس دیکھنا، یہ ایسا سبب تھا جس نے جنوں کو اصل واقعہ کا سراغ لگانے پر مجبور کر دیا۔ انہوں نے مختلف دستے تشکیل دیئے اور چھان بین کے لئے زمین کے گوشے گوشے میں پھیل گئے۔ ان میں سے ایک گروہ گشت کرتے کرتے حضور ﷺ کے پاس سے گزرا۔ اس وقت آپ ﷺ صبح کی نماز پڑھا رہے تھے۔ تلاوت قرآن سن کر یہ سمجھ گئے کہ اس نبی ﷺ کی بعثت اور نزول وحی کے باعث ہی آسمان کو محفوظ کر کے وہاں ہمارا داخلہ بند کر دیا گیا ہے۔ ان میں سے بعض خوش نصیب ایمان لے آئے اور باقی اپنی سرکشی پر بضد رہے جیسا کہ اس فرمان وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ (الاحقاف: 29) "اور جس وقت ہم نے متوجہ کیا آپ کی طرف جنات کی ایک جماعت کو کہ وہ قرآن سنیں۔ تو جب آپ کی خدمت میں پہنچے تو بولے خاموش ہو کر سنو۔ پھر جب تلاوت ہو چکی تو لوٹے اپنی قوم کی طرف ڈر سناتے ہوئے" کے تحت مروی حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما میں یہ واقعہ گزر چکا ہے۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ شہابوں کی کثرت اور ان کا گرنا ایسا امر تھا جس نے نہ صرف جنات بلکہ انسانوں کو بھی خوف و دہشت میں مبتلا کر دیا۔ یہ دیکھ کر ان کے اوسان خطا ہو گئے اور وہ اس حادثہ کو دنیا کی بربادی کا پیش خیمہ قرار دینے لگے۔ حضرت سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آسمان کی حفاظت کے سخت انتظامات کسی نبی کی تشریف آوری یا دین اللہ کے اظہار کے وقت کئے جاتے تھے۔ حضور ﷺ کی بعثت سے قبل شیطانوں نے پہلے آسمان میں اپنے لئے کچھ ایسے ٹھکانے بنا رکھے تھے جہاں بیٹھ کر وہ آسمان میں طے ہونے والے امور کو سن لیا کرتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو نبی اور رسول بنا کر بھیجا تو ایک رات ان شیاطین پر ان شہابوں کا مینہ برسا۔ یہ دیکھ کر

طائف والے سراسیمہ ہو گئے اور خیال کرنے لگے کہ آسمان والے ہلاک ہو گئے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ آسمان سے بکثرت ستارے ٹوٹ رہے ہیں، بڑے بڑے شعلے بلند ہو رہے ہیں اور خوب آگ برس رہی ہے تو وہ اپنے غلام آزاد کرنے اور اپنے مویشی راہِ خدا میں چھوڑنے لگے۔ بالآخر عبد یالیل بن عمرو بن عمیر نے انہیں کہا: اے طائف والو! افسوس ہے تم پر کہ تم یونہی اپنا نقصان کر رہے ہو۔ اپنے مالوں کو اپنے پاس روک لو اور ستاروں کے مقامات کو دیکھو۔ اگر وہ اپنی اپنی جگہ پر قائم ہوں تو سمجھ لو کہ آسمان والے ہلاک نہیں ہوئے بلکہ یہ سب کچھ ابن ابی کبشہ (حضرت محمد ﷺ) کی خاطر ہو رہا ہے اور اگر تم دیکھو کہ ستارے اپنے اپنے مقام پر نہیں ہیں تو سمجھ لو کہ آسمان والے ہلاک ہو گئے ہیں۔ چنانچہ جب انہوں نے ستاروں کو اپنے مقامات پر برقرار دیکھا تو پھر انہیں کچھ اطمینان ہوا اور وہ اپنے اموال تقسیم کرنے سے رک گئے۔ اس رات شیاطین بھی بہت گھبرائے اور خوفزدہ ہو کر بھاگم بھاگ ابلیس کے پاس آئے اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ ابلیس کہنے لگا کہ میرے پاس ہر علاقہ کی مٹی لاؤ۔ مٹی لائی گئی تو اس نے سونگھ کر بتایا کہ اس کا باعث بننے والا شخص مکہ میں ہے۔ چنانچہ نصیبین کے رہنے والے سات جن سراغ رسانی کے لئے بھیجے گئے۔ جب وہ مکہ شریف میں پہنچے تو انہوں نے مسجد حرام میں حضور ﷺ کو نماز میں قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے سنا۔ تلاوت سن کر وہ بہت زیادہ متاثر ہوئے اور فوراً اسلام قبول کر لیا۔ یہ واقعہ اللہ تعالیٰ نے وحی کی صورت میں اپنے پیارے رسول ﷺ پر نازل فرما دیا۔ ہم نے اپنی کتاب السیرت میں یہ واقعہ تفصیلاً آغازِ بعثت میں ذکر کر دیا ہے۔

وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ۭ كُنَّا طَرَاۗىِٕقَ قِدَدًا ۙ﴿۱۱﴾ وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ۙ﴿۱۲﴾ وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰٓى اٰمَنَّا بِهٖ ۭ فَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ۙ﴿۱۳﴾ وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ۭ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰۗىِٕكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ﴿۱۴﴾ وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ۙ﴿۱۵﴾ وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَي الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّاۗءً غَدَقًا ۙ﴿۱۶﴾ لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۭ وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ۙ﴿۱۷﴾

"اور ہم میں بعض نیک بھی ہیں اور بعض اور طرح کے۔ ہم بھی تو کئی راستوں پر گامزن ہیں۔ اور (اب) ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ ہم زمین میں بھی اللہ تعالیٰ کو ہرگز عاجز نہیں کر سکتے اور نہ بھاگ کر اسے ہرا سکتے ہیں۔ اور (اے جن بھائیو!) ہم نے جب پیغام ہدایت سنا تو ہم اس پر ایمان لے آئے۔ پس جو شخص اپنے رب پر ایمان لاتا ہے تو اسے نہ کسی نقصان کا خوف ہوتا ہے اور نہ ظلم کا۔ اور بیشک ہم میں سے کچھ تو فرمانبردار ہیں اور کچھ ظالم۔ تو جنہوں نے اسلام قبول کیا تو انہوں نے حق کی راہ تلاش کر لی۔ اور جو حق سے منحرف ہوتے ہیں تو وہ جہنم کا ایندھن ہیں۔ اور اگر وہ ثابت قدم رہیں راہِ حق پر تو ہم انہیں سیراب کریں گے کثیر پانی سے۔ تاکہ ہم ان کی آزمائش کریں اس فراوانی سے۔ اور جو منہ موڑے گا اپنے رب کے ذکر سے تو وہ داخل کرے گا اسے سخت عذاب میں"۔

جنات اپنے بارے میں بتا رہے ہیں کہ ہم میں سے کچھ نیک ہیں اور بعض اور طرح کے، ہماری راہیں جدا جدا اور نظریات الگ الگ ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے حضرات کے بقول "كنا طرائق قددا" کا مطلب یہ ہے کہ ہم میں

سے بعض مومن ہیں اور بعض کافر۔ حضرت اعمش رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک جن ہمارے پاس آیا، میں نے اس سے دریافت کیا کہ تمہارا سب سے زیادہ پسندیدہ کھانا کون سا ہے؟ کہنے لگا: چاول۔ میں نے چاول لا دیئے تو کیا دیکھتا ہوں کہ لقمے تو لگا تار اٹھ رہے ہیں لیکن کھانے والا کوئی نہیں دکھائی دے رہا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کیا وہ خواہشات جو ہم میں ہیں، تم میں بھی پائی جاتی ہیں؟ وہ کہنے لگا: ہاں۔ میں نے پوچھا کہ تم میں رافضی کون ہیں؟ اس نے جواب دیا: بدترین۔ حافظ ابوالحجاج مزنی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ ابن عساکر میں حضرت عباس بن احمد دمشقی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک رات اپنے گھر میں ایک جن کو یہ اشعار پڑھتے ہوئے سنا:

قلوبٌ براها الحبّ حتی تعلّقتْ   مَذَاهبُها فی کلّ غربٍ وشارق

تَهِیمُ بِحبّ اللّهِ واللّه ربّها   مُعلّقة باللّهِ دون الخلائق

یعنی دل محبت الٰہی میں محو ہیں یہاں تک کہ ان کی شاخیں مشرق و مغرب میں جھوم رہی ہیں، یہ اپنے پروردگار کی محبت میں ایسے مستغرق ہیں کہ مخلوقات سے منقطع ہو کر صرف ذات الٰہی سے وابستہ ہیں۔

پھر کہنے لگے: وَاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ...... یعنی ہمیں علم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہم پر حاوی اور غالب ہے۔ ہم زمین میں بھاگ کر اس سے نہیں بچ سکتے، اسے ہم پر پوری پوری قدرت حاصل ہے اور ہم میں سے کسی کی مجال نہیں کہ وہ اسے عاجز کر سکے۔ پھر وہ فخر کرتے ہوئے کہنے لگے: وَاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰٓى...... اور یہ بات ان کے لئے واقعی فخر، شرف اور امتیاز کا باعث ہے۔ پھر کہنے لگے: فَمَنْ يُّؤْمِنْ بِرَبِّهٖ...... یعنی جو شخص اپنے رب پر ایمان لاتا ہے، نہ اسے اس بات کا اندیشہ ہے کہ اس کی نیکیوں میں کمی کر دی جائے گی اور نہ اس بات کا خوف کہ اس پر ناکردہ گناہوں کا بوجھ لاد دیا جائے گا۔ ایک اور مقام پر فرمایا: فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا (طٰہٰ: 112) ''اسے اندیشہ نہ ہوگا کسی ظلم کا یا حق تلفی کا''۔ پھر کہنے لگے: وَاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ یعنی ہم میں مسلمان بھی ہیں اور حق سے انحراف کرنے والے بھی۔ ''قاسط'' کہتے ہیں حق سے انحراف اور پہلوتہی کرنے والے کو جبکہ ''مُقْسِط'' عادل کے معنی میں ہے۔ کہنے لگے: فَمَنْ اَسْلَمَ...... یعنی جنہوں نے اسلام قبول کر لیا انہوں نے اپنے لئے نجات تلاش کر لی لیکن ظالم اور گم کردہ راہ جہنم کا ایندھن بنیں گے۔

اس فرمان وَاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا...... کے متعلق مفسرین نے دو مفہوم بیان کئے ہیں۔ ایک یہ کہ اگر حق سے انحراف کرنے والے یہ ظالم اسلام کی راہ کو اپنا کر اس پر ثابت قدم رہتے اور اس پر ڈٹ جاتے تو ہم انہیں کثیر پانی سے سیراب کرتے یعنی ہم انہیں فراوانی کے ساتھ رزق بہم پہنچاتے جیسا کہ اور مقامات پر فرمایا: وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ (مائدہ: 66) ''اور اگر وہ قائم کرتے تورات اور انجیل کو (اپنے عمل سے) اور جو نازل کیا گیا ان کی طرف ان کے رب کی جانب سے (تو فراخ رزق دیا جاتا انہیں حتیٰ کہ) وہ کھاتے اوپر سے بھی اور نیچے سے بھی''۔ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (الاعراف: 96) ''اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ضرور ہم کھول دیتے ان پر برکتیں آسمان کی اور زمین کی''۔ اس صورت میں اس فرمان لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ کا معنی یہ ہوگا: تاکہ ہم انہیں اس فراوانی کے ساتھ آزمائیں جیسا کہ زید بن اسلم اس کا معنی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: تاکہ ہم انہیں آزمائیں کہ ان میں سے کون ہدایت پر ثابت قدم رہتا ہے اور کون گمراہی کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ استقامت سے مراد اطاعت ہے اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کے بقول

اس سے مراد اسلام ہے۔

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اس آیت وَاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا کی وضاحت میں کہتے ہیں کہ اگر وہ سب کے سب ایمان لے آتے تو ہم ان پر دنیا کے خزانوں کے دروازے کھول دیتے۔ ضحاک اور مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ''الطریقۃ'' سے مراد راہِ حق ہے اس کی تائید میں انہوں نے مذکورہ بالا دو آیات ذکر کی ہیں۔ اکثر مفسرین نے ''لنفتنھم'' کو آزمائش کے معنی میں لیا ہے۔ حضرت مقاتل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب قریش سات سالہ قحط سالی میں مبتلا کر دیئے گئے اور بارشیں برسنی بند ہو گئیں تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ دوسرا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر وہ سب کے سب گمراہی پر ڈٹے رہتے تو ہم بطور استدراج انہیں وافر رزق اور فراخ نعمتیں عطا کرتے۔ جیسا کہ اور مقامات پر فرمایا: فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ۭ حَتّٰٓي اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ (الانعام: 44) ''پھر جب انہوں نے بھلا دیں وہ نصیحتیں جو انہیں کی گئی تھیں کھول دیئے ہم نے ان پر دروازے ہر چیز کے۔ یہاں تک کہ جب وہ خوشیاں منانے لگے اس پر جو انہیں دیا گیا تو ہم نے پکڑ لیا انہیں اچانک اب وہ ناامید ہو کر رہ گئے''۔ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ۝ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَــيْرٰتِ ۭ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ (المومنون: 56-55) ''کیا یہ تفرقہ باز خیال کرتے ہیں کہ ہم جو ان کی مدد کر رہے ہیں مال واولاد (کی کثرت) سے تو ہم جلدی کر رہے ہیں انہیں بھلائیاں پہنچانے میں (یوں نہیں) بلکہ وہ (حقیقت حال سے) بے خبر ہیں''۔ یہ ابومجلز رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، اس کے مطابق ''الطریقۃ'' سے مراد راہِ ضلالت ہے (1)۔ یہ قول قابل توجیہہ ہے اور ''لنفتنھم فیہ'' کے الفاظ اس کی تائید کرتے ہیں۔ اگلی آیت میں فرمایا: وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ ...... یعنی جو شخص اپنے رب کے ذکر سے منہ موڑتا ہے، وہ اسے ایسے سخت دردناک اور اذیت رساں عذاب میں مبتلا کرے گا جس میں ذرا بھی راحت نہ ہوگی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ''صعد'' جہنم میں ایک پہاڑ ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ جہنم میں ایک کنویں کا نام ہے۔

وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ۝ وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ۝ قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا ۝ قُلْ اِنِّىْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ۝ قُلْ اِنِّىْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ڏ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ۝ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۝ حَتّٰٓي اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا ۝

''اور بے شک سب مسجدیں اللہ کے لئے ہیں۔ پس مت عبادت کرو اللہ کے ساتھ کسی کی۔ اور جب کھڑا ہوتا ہے اللہ کا (خاص) بندہ تاکہ اس کی عبادت کرے تو لوگ اس پر ہجوم کر کے آ جاتے ہیں۔ آپ فرمائیے میں تو بس اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں اور شریک نہیں ٹھہراتا اس کا کسی کو۔ آپ فرمائیے (اللہ کے اذن کے بغیر) نہ میں تمہیں نقصان پہنچانے کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ ہدایت کا۔ آپ فرمائیے مجھے اللہ تعالیٰ سے کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔ اور نہ میں پا سکتا ہوں اس کے بغیر

1۔ طبری، جلد 29، صفحہ 115۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 404

کہیں پناہ۔ البتہ میرا فرض صرف یہ ہے کہ پہنچا دوں اللہ کے احکام اور اس کے پیغامات۔ پس (اب) جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تو اس کے لئے جہنم کی آگ ہے جس میں (یہ نافرمان) ہمیشہ رہیں گے تا ابد۔ یہاں تک کہ جب وہ دیکھ لیں گے (وہ عذاب) جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے تو انہیں پتہ چل جائے گا کہ کون ہے جس کا مددگار کمزور ہے اور جس کی تعداد کم ہے''۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم دے رہا ہے کہ وہ اس کی عبادت کے مقامات میں صرف اسی کی وحدانیت کا اعتقاد رکھیں، یہاں نہ کسی اور کو پکارا جائے، نہ کسی غیر کی عبادت کی جائے اور نہ شرکیہ اعمال کا ارتکاب کیا جائے۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اس فرمان وَ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ ...... کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ جب یہود و نصاریٰ اپنے گرجوں اور کنیسوں میں جاتے تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اپنی وحدانیت کا درس دینے کا حکم ارشاد فرمایا(1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی، اس وقت روئے زمین پر صرف دو ہی مسجدیں تھیں: مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ۔ حضرت اعمش رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ جنات نے حضور ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھنے کی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! ہمیں اجازت مرحمت فرمائیں کہ ہم آپ کے ساتھ آپ کی مسجد میں نمازیں ادا کیا کریں، اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ گویا اس میں انہیں کہا جارہا ہے کہ نمازیں پڑھو لیکن انسانوں کے ساتھ گھل مل کر نہیں(2)۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جنات نے نبی کریم ﷺ سے عرض کی کہ ہم تو دور دراز رہتے ہیں، ہم مسجدوں میں آکر کیونکر نمازیں پڑھ سکتے ہیں؟ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی(3)۔ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں ''المساجد'' سے تمام مسجدیں مراد ہیں۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مساجد سے مراد اعضاء سجدہ ہیں یعنی جن اعضاء پر سجدہ کیا جاتا ہے، وہ سب اللہ ہی کے ہیں، اس لئے ان اعضاء کے ذریعے غیر اللہ کو سجدہ نہ کرو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے سات ہڈیوں پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے: پیشانی، اور ہاتھ کے ساتھ ناک کی طرف اشارہ کیا (یعنی یہ بھی اسی میں شامل ہے)، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں کے اطراف''(4)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی یہ تفسیر مروی ہے کہ جب جنات نے نبی کریم ﷺ کو قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے سنا تو وہ اس قدر متاثر ہوئے کہ یوں محسوس ہوتا تھا گویا وہ فرطِ شوق سے آپ ﷺ پر ٹوٹے پڑتے ہیں۔ آپ ﷺ نے انہیں محسوس نہ کیا بلکہ بذریعہ وحی اس واقعہ کی آپ کو اطلاع دی گئی۔ یہ قول حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک دوسرا قول بھی مروی ہے کہ جنات اپنی قوم کو بتا رہے ہیں کہ جب نبی کریم ﷺ نماز میں کھڑے ہوتے ہیں تو آپ کے صحابہ سراپا اطاعت و انقیاد بن کر آپ ﷺ کے ساتھ ہی رکوع کرتے ہیں اور آپ ﷺ کے ساتھ ہی سجدہ۔ ان جنات کو اس منظر پر بہت تعجب ہوا۔ جب وہ واپس اپنی قوم کی طرف گئے تو انہیں اس سے آگاہ کیا(5)۔ یہ قول حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے بھی مروی ہے۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی یہ تفسیر مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ توحید کا اعلان کرتے

1۔ طبری، جلد 29، صفحہ 117 | 2۔ درمنثور، جلد 8، صفحہ 306 | 3۔ تفسیر طبری، جلد 29، صفحہ 117

4۔ فتح الباری، کتاب الاذان، جلد 2، صفحہ 297، مسلم، کتاب الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 354 | 5۔ طبری، جلد 29، صفحہ 118

ہیں اور لوگوں کو اپنے رب کی طرف بلاتے ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ تمام عرب یکبارگی آپ پر ہلہ بول دیں گے۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر یوں کرتے ہیں کہ تمام جن وانس اس بات پر متفق ہو گئے ہیں کہ دین اسلام کے درخشاں آفتاب کو بجھا دیں لیکن اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ ہے کہ وہ اپنے دین کو مکمل کر کے غالب کر دے۔ یہ تیسرا قول ہے جو حضرات ابن عباس، مجاہد، سعید بن جبیر اور ابن زید رحمہم اللہ تعالیٰ سے مروی ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا بھی پسندیدہ قول یہی ہے اور یہی زیادہ واضح ہے کیونکہ اس کے بعد فرمایا: قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا...... یعنی جب کفار آپ ﷺ کو طرح طرح سے ستانے لگے، اذیت رسانی پر اتر آئے، آپ کے جانی دشمن بن گئے، آپ کی مخالفت اور تکذیب کو اپنا وطیرہ بنا لیا اور آپ کے لائے ہوئے پیغام حق کو باطل کرنے کے لئے متفق ہو گئے تو آپ نے انہیں یہ فرمایا: اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّیْ...... یعنی میں صرف اپنے وحدہ لاشریک رب کی عبادت کرتا ہوں، اسی کی پناہ طلب کرتا ہوں، اسی پر توکل کرتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس بات کے اعلان کا حکم ارشاد فرمایا: اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ...... یعنی میں تمہاری مثل بشر اور اللہ کا ایک بندہ ہوں، میری طرف وحی کی جاتی ہے، تمہاری ہدایت اور گمراہی کا مجھے کوئی اختیار نہیں بلکہ اس کا تمام تر انحصار اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہے۔ پھر آپ ﷺ اپنی ذات کے متعلق بتا رہے ہیں کہ بالفرض اگر میں خود بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا ارتکاب کروں تو مجھے بھی اس کی پکڑ سے پناہ دینے والا کوئی نہیں کیونکہ کسی کو یہ قدرت حاصل ہی نہیں کہ وہ مجھے اس کے عذاب سے بچا سکے اور نہ ہی اس کے سوا کوئی پناہ گاہ ہے۔ "ملتحد" کا معنی ہے: پناہ گاہ۔ اس کا معنی حامی وناصر بھی بتایا گیا ہے۔ پھر سابقہ حکم سے استثناء کرتے ہوئے فرمایا: اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ اس فرمان قُلْ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ...... سے مستثنیٰ ہے یعنی میں تمہارے لئے نفع ونقصان اور ہدایت وضلالت کا مالک نہیں بلکہ میرا فریضہ تو صرف یہی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے احکام اور پیغامات تم تک پہنچا دوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ استثناء اس فرمان لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ سے ہو یعنی اللہ تعالیٰ سے پناہ دینے اور اس کے عذاب سے رہائی دلانے والی چیز اس کے سوا کوئی نہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کے پیغامات کو پہنچا دوں جن کا پہنچانا اس نے مجھ پر فرض قرار دیا ہے جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (مائدہ:67) "اے رسول! پہنچا دیجئے جو اتارا گیا ہے آپ کی طرف آپ کے پروردگار کی جانب سے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو نہیں پہنچایا آپ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام اور اللہ تعالیٰ بچائے گا آپ کو لوگوں (کے شر) سے"۔

فرمایا: وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ...... یعنی میری ذمہ داری صرف یہی ہے کہ میں حق تبلیغ ادا کر دوں۔ اگر اس کے بعد بھی کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی پر بضد رہے تو اس کے لئے آتش جہنم تیار ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ تا ابد رہے گا اور اس سے نکلنے اور رہائی پانے کی کوئی گنجائش نہیں۔

پھر فرمایا: حَتّٰۤی اِذَا رَاَوْا...... یعنی تمام مشرک جن وانس قیامت کے دن جب اس عذاب کو دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے تو اس دن انہیں معلوم ہو جائے گا کہ کمزور اور بے بس مددگاروں والا کون ہے اور کم تعداد والا کون ہے، وہ یا موحد مومن؟ دراصل مشرکین کا ہی اس دن کوئی مددگار نہ ہوگا اور خدائی لشکروں کے مقابلہ میں ان کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے۔

قُلْ اِنْ اَدْرِیْۤ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْۤ اَمَدًا ﴿۲۵﴾ عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ مِنْ

خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿۲۷﴾ لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَاَحْصٰى كُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾

"آپ فرمائیے میں (اپنی سوچ بچار سے) نہیں جانتا کہ وہ دن قریب ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے یا مقرر کر دی ہے اس کے لئے میرے رب نے لمبی مدت۔ (اللہ تعالیٰ) غیب کو جاننے والا ہے پس وہ آگاہ نہیں کرتا اپنے غیب پر کسی کو بجز اس رسول کے جس کو اس نے پسند فرمالیا ہو (غیب کی تعلیم کے لئے) تو مقرر کر دیتا ہے اس رسول کے آگے اور اس کے پیچھے محافظ۔ تاکہ وہ دیکھ لے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیئے ہیں۔ (درحقیقت پہلے ہی) اللہ ان کے حالات کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور ہر چیز کا اس نے شمار کر رکھا ہے"۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے فرمارہا ہے کہ آپ لوگوں کو آگاہ کر دیں کہ قیامت کے معین وقت کے متعلق مجھے کوئی علم نہیں اور میں نہیں جانتا کہ اس کا وقت قریب ہے یا بعید۔ فرمایا

قُلْ اِنْ اَدْرِیْٓ...... یعنی میں از خود نہیں جانتا کہ قیامت کا وقت قریب ہے یا میرے رب نے اس کے لئے ایک طویل مدت مقرر کر رکھی ہے۔ اس آیت کریمہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ اکثر جاہلوں میں جو مشہور روایت ہے کہ حضور ﷺ زمین کی اندرونی چیزوں کا علم رکھتے ہیں، یہ جھوٹ ہے، اس کی کوئی اصل نہیں اور ہم نے اسے کسی کتاب میں نہیں دیکھا جب رسول اللہ ﷺ سے قیامت کے وقت کے متعلق سوال کیا جاتا تو آپ اس کے متعلق کوئی جواب نہ دیتے۔ جب جبریل امین علیہ السلام نے اعرابی کی صورت میں حاضر خدمت ہو کر اپنے سوالات میں سے ایک سوال یہ بھی پوچھا تھا کہ حضور ﷺ! قیامت کب آئے گی؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا: "جس سے اس کی بابت پوچھا جارہا ہے، وہ پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا" ایک اور روایت میں ہے کہ ایک بدو حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بلند آواز سے پوچھنے لگا کہ قیامت کب آئے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "صد حیف! وہ ضرور آئے گی، یہ تو بتاؤ کہ تم نے اس کے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے؟" اس نے عرض کی کہ میرے پاس نہ زیادہ نمازیں ہیں اور نہ زیادہ روزے، البتہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "پھر تو اسی کے ساتھ ہوگا جو تیرا محبوب ہے"۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث سن کر مسلمانوں کو جس قدر خوشی ہوئی اور کسی حدیث سے اس قدر خوشی نہ ہوئی (1)۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اے بنی آدم! اگر تم عقلمند ہو تو خود کو مردوں میں شمار کیا کرو۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے، اس کا وقوع یقینی ہے (2)"۔ حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کچھ بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس امت کو آدھے دن کی مہلت دے دے (3)۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں یہ الفاظ ہیں: "مجھے امید ہے کہ اس امت کو اپنے رب کے ہاں آدھے دن کی مہلت مل جائے" (4)۔

فرمایا: عٰلِمُ الْغَيْبِ...... اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ (بقرہ: 255) "اور وہ نہیں گھیر سکتے

1۔ یہ حدیث سورۂ اعراف کی آیت: 187 کی تفسیر میں گزر چکی ہے
2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ انعام: 134
3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم، جلد 4، صفحہ 125
4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم، جلد 4، صفحہ 125

کسی چیز کو اس کے علم سے مگر جتنا وہ چاہے" یعنی اللہ تعالیٰ تمام پوشیدہ اور ظاہری اشیاء سے پوری طرح واقف ہے۔ وہ اپنے علم پر کسی کو آگاہ نہیں کرتا بجز اس رسول کے جسے وہ پسند کرلے خواہ وہ رسول انسانوں میں سے ہو یا فرشتوں میں سے۔ یہاں رسول کا لفظ عام ہے اور یہ رسول ملکی اور رسول بشری دونوں کو شامل ہے۔

پھر فرمایا: فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ...... یعنی اس کی مزید خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ وحی کی حفاظت اور اس کی نشر و اشاعت میں معاونت کے لئے اس رسول کے ساتھ کچھ فرشتے مقرر کر دیتا ہے، اس لئے فرمایا: لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا...... مفسرین کا "لِيَعْلَمَ" کی ضمیر کے مرجع کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ ضمیر نبی کریم ﷺ کی طرف راجع ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ اس کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جبریل علیہ السلام کے ساتھ چار محافظ فرشتے مقرر فرما دیتا ہے تا کہ حضور ﷺ کو علم ہو جائے کہ انہوں نے اپنے رب کا پیغام صحیح صحیح مجھ تک پہنچا دیا ہے(1)۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی یہ تفسیر منقول ہے: تا کہ رسول اللہ ﷺ کو یقین ہو جائے کہ رسولوں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا اور فرشتوں نے اسے بحفاظت منتقل کیا۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کو پسند کیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ باری باری آنے والے فرشتے مقرر کر دیتا ہے جو شیطان سے نبی کریم ﷺ کی حفاظت کرتے ہیں تا کہ اہل شرک جان لیں کہ رسولوں نے حق تبلیغ ادا کر دیا۔ اس صورت میں "لیعلم" کی ضمیر کا مرجع اہل شرک ہوں گے(2)۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی منقول ہے کہ رسولوں کو جھٹلانے والے جان لیں کہ رسولوں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا ہے لیکن یہ قول محل نظر ہے۔ یعقوب رحمۃ اللہ علیہ کی قراءت میں "لیعلم" یاء کے ضمہ کے ساتھ ہے، اس صورت میں معنی یہ ہوگا تا کہ لوگوں کو آگاہ کر دیا جائے کہ رسولوں نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا(3)۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ رہی ہو۔ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے "زاد المسیر" میں بیان کیا ہے(4)۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے ذریعے اپنے رسولوں کی حفاظت فرماتا ہے تا کہ وہ بحسن وخوبی اپنے رب کے پیغامات پہنچا سکیں اور اللہ تعالیٰ ان پر اترنے والی وحی کی بھی حفاظت فرماتا ہے تا کہ وہ جان لے کہ واقعی انہوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیئے ہیں۔ اس طرح کے یہ ارشادات بھی ہیں: وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ (بقرہ: 143) "اور نہیں مقرر کیا ہم نے (بیت المقدس کو) قبلہ جس پر آپ (اب تک) رہے مگر اس لئے کہ ہم دیکھ لیں کہ کون پیروی کرتا ہے (ہمارے) رسول کی (اور) کون مڑتا ہے الٹے پاؤں"۔ وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ (العنکبوت: 11) "اور ضرور دیکھ لے گا اللہ تعالیٰ انہیں جو ایمان لائے اور ضرور دیکھ لے گا منافقوں کو"۔ اللہ تعالیٰ کے علم کے متعلق ایسی اور بھی متعدد آیات ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تو اشیاء کے وجود میں آنے سے پہلے ہی انہیں جانتا ہے لیکن یہاں مقصود ان چیزوں کے اظہار کا علم ہے، اس لئے بعد میں فرمایا: وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ......۔

1۔ طبری، جلد 29، صفحہ 123
2۔ طبری، جلد 29، صفحہ 122
3۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 406
4۔ زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 110

سورۂ مزمل (مکیہ)

مسند بزار میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں قریش دارالندوہ میں اکٹھے ہوئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ آؤ، باہم مشاورت سے اس شخص (حضور ﷺ) کا ایسا نام تجویز کریں جس پر سب لوگ متفق ہو جائیں اور ہر ایک کی زبان پر یہی نام ہو۔ چنانچہ کچھ کہنے لگے کہ انہیں کاہن پکارو، اس پر دوسرے کہنے لگے کہ وہ کاہن تو نہیں ہیں۔ بعض نے مجنون نام تجویز کیا مگر دوسروں نے اسے بھی مسترد کرتے ہوئے کہا کہ وہ مجنون بالکل نہیں ہیں۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ پھر جادوگر ہی نام دے لو۔ یہ سن کر دوسرے حاضرین کہنے لگے کہ وہ جادوگر بھی نہیں ہیں۔ اس بارے میں قریش کی آراء اختلاف کا شکار ہوگئیں اور وہ کسی ایک نام پر اتفاق نہ کر سکے اور بغیر کسی فیصلہ کے مجلس برخاست ہوگئی۔ جب حضور ﷺ کو اس کی خبر ملی تو آپ ﷺ کپڑا لپیٹ کر لیٹ گئے۔ اس وقت جبریل علیہ السلام وحی لے کر حاضرِ خدمت ہوئے اور آپ ﷺ کو یوں خطاب کیا گیا: یٰٓاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ۔ یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ۔ اس روایت کے ایک راوی معلّٰی بن عبدالرحمٰن سے اہل علم کی ایک جماعت نے احادیث و روایات لی ہیں لیکن ان کی روایت کردہ بعض احادیث ایسی ہیں جن پر ان کی متابعت نہیں کی جاتی (1)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

یٰٓاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ ﴿۱﴾ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۲﴾ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا ﴿۳﴾ اَوْ زِدْ عَلَیْهِ وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ﴿۴﴾ اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا ﴿۵﴾ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیْلِ هِیَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِیْلًا ﴿۶﴾ اِنَّ لَكَ فِی النَّهَارِ سَبْحًا طَوِیْلًا ﴿۷﴾ وَ اذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَ تَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا ﴿۸﴾ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِیْلًا ﴿۹﴾

”اے چادر لپیٹنے والے! رات کو (نماز کے لئے) قیام فرمایا کیجئے مگر تھوڑا۔ یعنی نصف رات یا کم کر لیا کریں اس سے بھی تھوڑا سا۔ یا بڑھا دیا کریں اس پر اور (حسب معمول) خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کیجئے قرآن کریم کو۔ بے شک ہم جلد ہی القا کریں گے آپ پر ایک بھاری کلام۔ بلاشبہ رات کا قیام (نفس کو) سختی سے روندتا ہے اور بات کو درست کرتا ہے۔ یقیناً آپ کو دن میں بڑی مصروفیتیں ہیں۔ اور ذکر کیا کرو اپنے رب کے نام کا اور سب سے کٹ کر اسی کے ہو رہو۔ مالک ہے شرق و غرب کا اس کے سوا کوئی معبود نہیں پس بنائے رکھیے اسی کو اپنا کارساز“۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو حکم فرما رہا ہے کہ آپ رات کے وقت کپڑا لپیٹ کر سور ہنے کو ترک کر دیں اور اپنے رب کے حضور قیام کرنے اور نماز تہجد ادا کرنے کے لئے اٹھا کریں جیسا کہ ارشاد ہے: تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا ۫ وَّ مِمَّا

1۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب التفسیر، جلد 3، صفحہ 77

رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (السجدہ:16) ” دور رہتے ہیں ان کے پہلو (اپنے) بستروں سے، پکارتے ہیں اپنے رب کو ڈرتے ہوئے اور امید رکھتے ہوئے۔ اور ان نعمتوں سے جو ہم نے ان کو دی ہیں خرچ کرتے رہتے ہیں“۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری کرتے ہوئے سحر خیزی اور نماز تہجد کے لئے بیدار ہوتے اور نماز تہجد صرف آپ پر فرض تھی جیسا کہ فرمایا: وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (اسراء:79) ”اور رات کے بعض حصہ میں (اٹھو) اور نماز تہجد ادا کرو (تلاوتِ قرآن کے ساتھ) (یہ نماز) زائد ہے آپ کے لئے یقیناً فائز فرمائے گا آپ کو آپ کا رب مقام محمود پر“۔ اور یہاں اس قیام کی مقدار بیان کرتے ہوئے فرمایا: قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا...... حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہ، ضحاک اور سدی رحمہما اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ کا معنی ہے: اے سونے والے! قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد ہے: کپڑا لپیٹنے والے۔ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب آپ چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کا ایک یہ معنی بھی منقول ہے: اے قرآن کریم کے بارِ گراں کو اٹھانے والے۔

فرمایا: قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا نِّصْفَهٗۤ...... یہاں ”نصفه“، ”الليل“ سے بدل ہے۔ مفہوم یہ ہوگا کہ ہم نے آپ کو آدھی رات یا اس سے کچھ زیادہ یا کچھ کم قیام کرنے کا حکم دیا ہے۔ جو بھی آپ اختیار کر لیں، کوئی حرج نہیں اور قرآن کریم کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کریں کیونکہ اس طرح قرآن کریم سمجھنے اور اس میں غور و فکر کرنے میں مدد ملتی ہے۔ آپ ﷺ کا یہی معمول تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ آپ ﷺ خوب ٹھہر ٹھہر کر ایک سورت پڑھتے اور اس کی تلاوت میں کافی دیر لگتی، یوں محسوس ہوتا کہ چھوٹی سی سورت بہت طویل ہو گئی ہے (1)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کی قراءت کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ آپ ﷺ خوب کھینچ کر پڑھا کرتے تھے۔ پھر آپ نے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھ کر سنائی اور بِسْمِ اللّٰهِ، الرَّحْمٰنِ اور الرَّحِيْمِ پر مد کی۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے جب آپ ﷺ کی قراءت کی کیفیت کے متعلق سوال ہوا تو فرمایا کہ ہر ہر آیت پر پورا وقف فرمایا کرتے تھے مثلاً بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پر وقف کرنے کے بعد اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ پڑھتے۔ اس پر توقف کے بعد الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اور پھر اس پر وقف کرنے کے بعد مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ پڑھ کر ٹھہرتے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”قرآن کے قاری سے (روزِ قیامت) کہا جائے گا کہ پڑھتا جا اور اوپر چڑھتا جا اور ترتیل کے ساتھ پڑھو جیسا کہ تو دنیا میں ترتیل کے ساتھ پڑھا کرتا تھا، جہاں تیری آخری آیت ختم ہوگی وہی تیرا مقام ہے“ (2)۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے اور ہم نے اس تفسیر کے آغاز میں وہ احادیث بیان کر دی ہیں جو قرآن کریم کو ترتیل اور خوبصورت آواز کے ساتھ پڑھنے کے استحباب پر دلالت کرتی ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے: قرآن کریم کو اپنی آوازوں سے مزین کرو، اور جو شخص خوش آوازی سے قرآن نہ پڑھے، وہ ہم میں سے نہیں اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی خوبصورت تلاوت سن کر فرمایا کہ انہیں آلِ داؤد کی خوش الحانی عطا کی گئی ہے۔ جواب میں حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے: یارسول اللہ ﷺ! اگر مجھے علم ہوتا کہ آپ میری قراءت سن

1۔ مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، جلد 1، صفحہ 507، ترمذی، ابواب الصلاۃ، عارضۃ الاحوذی، جلد 2، صفحہ 167، نسائی، کتاب قیام اللیل، جلد 3، صفحہ 223، موطا امام مالک، کتاب صلاۃ الجماعۃ، جلد 1، صفحہ 137

2۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 192، سنن ابی داؤد، کتاب الوتر، جلد 2، صفحہ 73، ترمذی، ابواب فضائل القرآن، جلد 11، صفحہ 36، سنن کبریٰ، فضائل القرآن بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 6 صفحہ 290

رہے ہیں تو میں اور زیادہ آراستہ کر کے اور عمدگی کے ساتھ پڑھتا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کو اس طرح نہ پڑھو جس طرح تم ریت بکھیرتے چلے جاتے ہو اور بال کاٹتے چلے جاتے ہو۔ اس کے عجائب پر ٹھہر جاؤ اور اپنے دلوں کو اس کی اثر انگیزی سے متحرک کرو اور تمہیں سورت کے جلدی جلدی ختم کرنے کی فکر نہ ہو(1)۔ ایک شخص حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ میں نے آج رات ایک ہی رکعت میں تمام مفصل سورتیں پڑھ ڈالیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے اس طرح پڑھا ہوگا جیسے جلدی جلدی بال کاٹے جاتے ہیں، مجھے ان باہم ملتی جلتی سورتوں کے متعلق علم ہے جنہیں آپ ﷺ ملا کر پڑھا کرتے تھے۔ پھر آپ نے مفصل سورتوں میں سے بیس کے نام لئے جن میں سے دو دو سورتیں آپ ایک ایک رکعت میں پڑھا کرتے تھے(2)۔ پھر ارشاد ہوتا ہے: اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا یعنی ہم آپ پر عنقریب بھاری بات القاء کریں گے۔ حضرات حسن وقتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ''قول ثقیل'' سے مراد ایسی بات ہے جس پر عمل کرنا گراں اور ثقیل ہے(3)۔ بعض نے اس کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ ایسی بات جو اپنی عظمت وجلالت کے باعث گراں اور بھاری ہے جیسا کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ نزول وحی کے وقت حضور ﷺ کی ران میری ران پر تھی۔ وحی کا اس قدر بوجھ پڑا کہ مجھے اندیشہ ہونے لگا کہ میری ران ٹوٹ جائے گی۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! کیا آپ کو وحی کا احساس ہوتا ہے؟ فرمایا: مجھے زوردار گونج سنائی دیتی ہے پھر میں خاموش ہو جاتا ہوں۔ جب بھی مجھ پر وحی اترتی ہے تو اس کی شدت سے مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ میری روح پرواز کر جائے گی۔''(4) حضرت حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: یارسول اللہ ﷺ! آپ پر وحی کیسی آتی ہے؟ فرمایا: ''بعض اوقات گھنٹی کی آواز جیسی ہوتی ہے اور یہ مجھ پر سب سے زیادہ شدید اور بھاری ہوتی ہے۔ جب یہ سلسلہ ختم ہوتا ہے تو میں اس وحی کو محفوظ کر چکا ہوتا ہوں۔ کبھی کبھی فرشتہ انسانی صورت میں میرے پاس آتا ہے اور مجھ سے ہم کلام ہوتا ہے تو میں اس کی باتوں کو یاد کر لیتا ہوں''(5)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے دیکھا سخت سردی والے دن میں آپ ﷺ پر وحی اترتی، جب وہ ختم ہوتی تو آپ کی پیشانی سے پسینے کے قطرے ٹپکنے لگتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نزول وحی کے وقت اگر اونٹنی پر سوار ہوتے تو اس کے بوجھ کی شدت سے اونٹنی جھک جاتی(6)۔ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ بھی فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ اونٹنی پر سوار ہوتے اور اگر اس دوران وحی کے نزول کا سلسلہ شروع ہو جاتا تو اونٹنی کی گردن بوجھل ہو جاتی اور جب تک وحی منقطع نہ ہوتی، اس کے لئے چلنا دوبھر ہو جاتا(7)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا پسندیدہ قول ہے کہ بیک وقت مذکورہ بالا دونوں وجہوں کی بناء پر یہ قول ثقیل ہے یعنی اس پر عمل پیرا ہونا بھی گراں ہے اور اس کا نزول بھی بھاری۔ جیسا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ جس طرح یہ دنیا میں ثقیل ہے، اسی طرح یہ قیامت کے دن میزان میں بھی ثقیل ہوگا یعنی بھاری اجر والا ہوگا۔

پھر فرمایا: اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیْلِ هِیَ اَشَدُّ...... یعنی رات کا قیام نفس کو روندنے اور اسے رام کرنے اور زبان کو درست کرنے کے لئے بہت کارگر نسخہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ''نشأ'' حبشی زبان میں قیام کے معنی میں ہے۔ حضرات عمر، ابن زبیر اور

1۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 407 — 2۔ فتح الباری، کتاب الاذان، جلد 2، صفحہ 255

3۔ طبری، جلد 29، صفحہ 127 — 4۔ بخاری، کتاب الصلاۃ، فتح الباری، جلد 1، صفحہ 478، جلد 8، صفحہ 259

مسند احمد، جلد 2، صفحہ 222 — 6۔ مسند احمد، جلد 6، صفحہ 118 — 7۔ تفسیر طبری، جلد 29، صفحہ 127

ابن عباس رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ رات بھر میں جس وقت قیام کیا جائے، اسے نَاشِئَةَ الَّیْلِ کہا جاتا ہے۔ جب کوئی شخص رات کو اٹھے تو کہا جاتا ہے: ''نشأ''۔ ایک روایت میں حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ہے عشاء کے بعد کا قیام۔ بہرصورت نَاشِئَةَ الَّیْلِ سے مراد رات کی گھڑیاں اور اس کے اوقات ہیں۔ رات کی ہر گھڑی کو ''ناشئة'' کہا جاتا ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ رات کے وقت قیام اور نماز تہجد ادا کرنا دل اور زبان کے درمیان موافقت اور ربط پیدا کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے اور اس کے سبب سے تلاوت قرآن میں کامل یکسوئی اور دلجمعی حاصل ہوتی ہے اور دن کی نسبت رات کے وقت زیادہ سکون میسر ہوتا ہے جو قرآن کریم پڑھنے، اس میں غور و تدبر کرنے اور سمجھنے کے لئے زیادہ معاون ثابت ہوتا ہے کیونکہ دن کے وقت لوگ بیدار ہو کر کسب معاش اور دیگر ضروریات کے لئے نکل بھاگتے ہیں اور ہر طرف ہنگامہ آرائی اور شور و شغب کا دور دورہ ہوتا ہے اس لئے کامل یکسوئی اور سکون کا حصول مشکل ہو جاتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ''اَصْوَبُ قیلا'' پڑھا تو ایک آدمی کہنے لگا کہ ہم تو اَقْوَمُ قِیْلًا پڑھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اَصْوَبُ، اَقْوَم، أَهْيَأ اور ان جیسے الفاظ ہم معنی ہیں یعنی زیادہ درست اور آمادہ (1)۔

اس لئے فرمایا: اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا یعنی دن بھر آپ کی بہت زیادہ مصروفیات ہیں۔ حضرات ابن عباس، عکرمہ اور عطاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے بقول اس کا معنی ہے کہ آپ کو دن میں فراغت اور نیند کا موقعہ میسر ہے۔ حضرات ابو العالیہ، مجاہد، ابو مالک، ضحاک، حسن، قتادہ، ربیع بن انس اور سفیان ثوری رحمہم اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ دن کے وقت آپ کو طویل فرصت حاصل ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ دن میں آپ کو فراغت، سفر اور دیگر امور کی انجام دہی کے لئے اوقات میسر ہیں۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ دن میں نوافل ادا کرنے کے لئے آپ کے پاس وسیع وقت ہے۔ عبد الرحمٰن بن زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ اس کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں کہ آپ کا دن آپ کی ضروریات کی تکمیل میں صرف ہو جاتا ہے اس لئے رات کو اپنے دین کے لئے خاص کر لو۔ یہ حکم اس وقت تھا جب رات کی نماز فرض تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر احسان فرماتے ہوئے اس حکم میں تخفیف اور نرمی کر دی اور فرمایا: قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا......۔

پھر فرمایا: اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ...... اور فرمایا: وَ مِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۚ عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (اسراء: 79) ''اور رات کے بعض حصہ میں (اٹھو) اور نماز تہجد ادا کرو (تلاوتِ قرآن کے ساتھ) (یہ نماز) زائد ہے آپ کے لئے یقیناً فائز فرمائے گا آپ کو آپ کا رب مقام محمود پر''۔ یہ سب عبد الرحمٰن بن زید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور درست ہے۔

اس کی دلیل یہ روایت ہے کہ حضرت سعید بن ہشام رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، پھر مدینہ شریف کی طرف چل دیئے تا کہ وہاں موجود اپنی جائداد بیچ کر اس کی قیمت سے سواری کے جانور اور ہتھیار خرید یں اور پھر مرتے دم تک رومیوں کے خلاف جہاد کرتے رہیں۔ مدینہ شریف میں اپنی قوم کے کچھ لوگوں کے ساتھ ملاقات ہوگئی۔ جب انہوں نے ان پر اپنا عزم ظاہر کیا تو وہ کہنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں آپ ہی کی قوم کے چھ افراد نے یہی ارادہ کیا تھا لیکن جب حضور ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا: ''کیا میری ذات میں تمہارے لئے بہترین نمونہ موجود نہیں ہے؟'' چنانچہ آپ ﷺ نے انہیں اس امر سے روک دیا۔ یہ سن کر حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے بھی اپنا ارادہ ترک کر دیا اور ان لوگوں کو گواہ بناتے ہوئے کہا کہ میں نے اپنی بیوی سے رجوع کر لیا ہے۔ یہاں سے رخصت ہو جانے کے بعد پھر جب دوبارہ حضرت سعید رضی اللہ عنہ کی اس جماعت کے ساتھ ملاقات ہوئی تو وہ انہیں بتانے لگے کہ میں یہاں سے

1۔ مسند ابی یعلی، جلد 4، صفحہ 121-120

جانے کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے رسول اللہ ﷺ کے وتر پڑھنے کی کیفیت دریافت کی تو وہ فرمانے لگے کہ کیا میں تمہیں اس ہستی کی خبر نہ دوں جسے حضور ﷺ کے وتر کی کیفیت کے متعلق سب سے زیادہ علم ہے۔ عرض کی ضرور آگاہ فرمائیے۔ آپ نے فرمایا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جاؤ اور ان سے پوچھو۔ وہ جو جواب دیں، اس سے مجھے بھی آگاہ کرنا۔ چنانچہ میں حضرت حکیم بن افلح رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے گزارش کی کہ آپ مجھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لے چلیں۔ وہ فرمانے لگے کہ میں وہاں نہیں جاؤں گا کیونکہ میں نے انہیں ان دونوں برسرپیکار گروہوں یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے مدمقابل گروہ کے متعلق رائے زنی اور دخل اندازی سے منع کیا تھا لیکن انہوں نے میری ایک نہ مانی اور میرا مشورہ رد کر دیا۔ میں نے انہیں قسم دی تو وہ چلنے پر راضی ہو گئے۔ جب ہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کاشانہ اقدس پر پہنچے تو آپ رضی اللہ عنہا نے حضرت حکیم رضی اللہ عنہ کی آواز پہچان لی اور فرمایا: حکیم ہے؟ جواب دیا: جی ہاں۔ آپ رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں کہ ساتھ کون ہے؟ کہا: سعید بن ہشام۔ پوچھا: ہشام کون؟ بتایا: عامر کے لڑکے۔ آپ رضی اللہ عنہا نے حضرت عامر رضی اللہ عنہ کے لئے رحمت کی دعا کی اور فرمایا کہ بہت اچھے آدمی تھے۔ میں نے عرض کی: ام المومنین! آپ مجھے رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کے متعلق کچھ بتائیں۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟ میں نے عرض کی کہ پڑھتا ہوں۔ فرمایا: آپ ﷺ کا خلق قرآن تھا۔ اب میں نے رخصت ہونے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ مجھے خیال آ گیا کہ رسول اللہ ﷺ کی رات کی نماز کے متعلق بھی پوچھ لینا چاہئے۔ میرے دریافت کرنے پر آپ نے فرمایا کہ کیا تم سورہ مزمل نہیں پڑھتے؟ میں نے عرض کی کہ پڑھتا ہوں۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے آغاز میں رات کا قیام فرض قرار دیا تو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ ایک سال تک نماز تہجد ادا کرتے رہے، یہاں تک کہ ان کے پاؤں متورم ہو گئے، پھر بارہ ماہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی اختتامی آیت نازل فرمائی۔ اب نماز تہجد کی فرضیت اٹھ گئی اور نفلیت باقی رہ گئی۔ اس کے بعد میں واپسی کے لئے اجازت طلب کرنے والا ہی تھا کہ میرے دل میں رسول اللہ ﷺ کے وتر کی کیفیت دریافت کرنے کا خیال آیا۔ میرے پوچھنے پر آپ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ ہم آپ کے لئے مسواک اور وضو کے لئے پانی تیار کر کے رکھ چھوڑتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ چاہتا، آپ رات کو بیدار ہوتے، مسواک کرتے، وضو کرتے اور آٹھ رکعتیں ادا کرتے، جن میں قعدہ صرف آٹھویں رکعت پر ہوتا۔ آٹھویں رکعت مکمل کرنے کے بعد آپ ﷺ التحیات میں بیٹھتے۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے، دعا مانگتے اور پھر سلام پھیرے بغیر نویں رکعت کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے۔ اس کے مکمل ہونے پر بیٹھ جاتے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے، دعا کرتے پھر اونچی آواز سے سلام پھیرتے جو ہمیں بھی سنائی دیتی۔ پھر بیٹھے بیٹھے ہی مزید دو رکعتیں ادا فرماتے۔ بیٹے! یہ سب ملا کر گیارہ رکعتیں ہوئیں۔ جب آپ ﷺ عمر رسیدہ ہو گئے اور جسم ذرا بھاری ہو گیا تو آپ پہلے سات رکعتیں پڑھتے جن میں ساتویں وتر ہوتی پھر سلام پھیرنے کے بعد مزید دو رکعتیں بیٹھے بیٹھے ادا کرتے۔ بیٹے! یہ کل نو رکعتیں ہوئیں اور رسول اللہ ﷺ کا یہ دستور تھا کہ جب آپ کوئی نماز پڑھتے تو اس پر مداومت اختیار فرماتے۔ اگر کسی شغل، نیند یا تکلیف کے باعث رات کا قیام ترک ہو جاتا تو دن کے وقت بارہ رکعتیں ادا فرما لیتے۔ مجھے نہیں معلوم کہ آپ ﷺ نے کسی رات صبح تک پورا قرآن پڑھا ہو اور رمضان کے سوا کسی مہینہ کے پورے روزے رکھے ہوں(1)۔ اب میں نے یہاں سے اجازت چاہی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آ گیا اور تمام گفتگو سے انہیں آگاہ کیا۔ آپ تصدیق کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ اگر ام المومنین

1۔ مسند احمد، جلد 9، صفحہ 54، مسلم، کتاب الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 514-512

رضی اللہ عنہا کے پاس میری آمد و رفت ہوتی تو میں بھی ضرور حاضر ہو کر بالمشافہ یہ باتیں سنتا(1)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے لئے ایک چٹائی رکھ دیا کرتی تھی جس پر آپ تہجد کی نماز ادا کیا کرتے تھے۔لوگوں کو کسی طرح اس کی خبر ہوگئی اور وہ بھی آپ ﷺ کی اقتداء کرنے کے لئے جمع ہوگئے۔آپ ﷺ غضبناک ہو کر باہر تشریف لائے۔ چونکہ آپ اپنی امت کے لئے بہت رحمدل ہیں اس لئے اس خدشہ کے پیش نظر کہ کہیں نماز تہجد امت پر فرض نہ ہو جائے، فرمانے لگے: "اے لوگو! خود کو صرف ان اعمال کا مکلّف بناؤ جنہیں بجالانے کی تم میں طاقت ہے کیونکہ جب تک تم عمل سے نہیں اکتاتے، اس وقت تک اللہ تعالیٰ ثواب عطا کرنے سے نہیں اکتاتا بہترین عمل وہ ہے جس پر مداومت اختیار کی جائے"۔اس وقت قرآن کریم کی یہ آیات نازل ہوئیں: يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ...... اب صحابہ کی یہ کیفیت تھی کہ وہ اپنے آپ کو رسیوں سے باندھنے لگے کہ کہیں نیند کے باعث قیام ترک نہ ہو جائے آٹھ ماہ تک یہ معمول رہا۔ جب اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ وہ اس کی رضا جوئی کے لئے اس قدر مشقت برداشت کر رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان پر کرم نوازی فرمائی اور انہیں نماز عشاء کی طرف لوٹا دیا اور نماز تہجد میں رخصت عطا فرمادی(2)۔ابن جریر کے علاوہ ابن ابی حاتم رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے لیکن اس کا ایک راوی موسیٰ بن عبیدہ الربذی ضعیف ہے۔ یہ حدیث صحیح میں بھی ہے لیکن سورۂ مزمل کے نزول کے ذکر کے بغیر حدیث کے ان الفاظ سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سورت مدنی ہے حالانکہ یہ مکی ہے۔اسی طرح اس میں یہ قول بھی غریب ہے کہ سورت کے پہلے اور آخری حصہ کے نزول کے درمیان آٹھ ماہ کی مدت ہے۔مسند احمد کی روایت میں گزر چکا ہے کہ یہ مدت ایک سال تھی۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ اس سورت کی ابتدائی آیات کے نزول کے بعد صحابہ کرام رمضان شریف جیسا قیام کرتے رہے اور اس سورت کے ابتدائی اور اختتامی حصوں کے نزول کے درمیان تقریباً ایک سال کا فاصلہ ہے۔حضرت ابو اسامہ رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے(3)۔حضرت ابو عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سورۂ مزمل کی ابتدائی آیات اتریں تو صحابہ کرام ایک سال تک قیام کرتے رہے یہاں تک کہ ان کے پاؤں اور پنڈلیاں سوج گئیں، پھر جب فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ کا حکم نازل ہوا تو انہیں راحت مل گئی(4)۔حسن بصری اور سدی رحمہما اللہ تعالیٰ کا بھی یہی قول ہے۔

حضرت سعد بن ہشام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کی کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کے رات کے قیام کے متعلق آگاہ فرمائیں۔آپ نے فرمایا کہ کیا تم سورۂ مزمل نہیں پڑھتے؟ میں نے عرض کی: کیوں نہیں۔فرمایا: رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ سولہ ماہ رات کا قیام کرتے رہے یہاں تک کہ ان کے پاؤں پھول گئے۔اس کے بعد تخفیف والا حکم نازل ہوا۔حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ سال یا دو سال تک قیام کرتے رہے حتیٰ کہ ان کی پنڈلیاں اور پاؤں سوج گئے پھر اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے آخر میں تخفیف نازل فرمائی۔حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ مدت دس سالوں پر محیط تھی۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابتدائی آیات کا حکم(5) صحابہ پر بہت شاق اور گراں تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس حکم میں نرمی کر دی اور صحابہ پر رحم فرماتے ہوئے اور تنگی دور کرتے ہوئے یہ حکم عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ...... نازل فرمادیا۔

فرمایا: وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ...... یعنی بکثرت اللہ کو یاد کیا کریں اور جب اپنی مصروفیات اور دنیاوی امور سے فراغت پائیں تو ہر چیز سے

1۔مسند احمد، جلد 9، صفحہ 54، مسلم، کتاب الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 514-512 2۔طبری، جلد 29، صفحہ 125، فتح الباری، کتاب الرقاق، جلد 1، صفحہ 294

3۔طبری، جلد 29، صفحہ 125-124 4۔طبری، جلد 29، صفحہ 126-125 5۔طبری، جلد 29، صفحہ 126-125

کٹ کر صرف اللہ کے ہو جائیں اور اس کی عبادت میں مشغول ہو جایا کریں جیسا کہ فرمایا: فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ (الم نشرح: 7) ''پس جب آپ (فرائض نبوت سے) فارغ ہوں تو (حسب معمول) ریاضت میں لگ جائیے) یعنی جب آپ اپنے مشاغل سے فارغ ہو جائیں تو کامل دلجمعی اور یکسوئی سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت میں لگ جائیں۔ حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہ، مجاہد، ابو صالح، عطیہ، ضحاک اور سدی وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا کا معنی بتاتے ہیں کہ صرف اسی کی عبادت کریں۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ پوری کوشش سے اپنا رخ اس کی طرف کر لیں اور اپنی ذات کو اس کے لئے مخصوص کر دیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ عبادت گزار کو ''مُتبتّل'' کہا جاتا ہے۔ حدیث شریف میں ''تَبتّل'' یعنی صرف عبادت کے لئے خاص ہو جانے اور شادی بیاہ اور اہل وعیال کی فکر ترک کر دینے سے منع کیا گیا ہے(1)۔

فرمایا: رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ..... یعنی وہ ہر چیز کا مالک ہے اور مشارق و مغارب میں کامل تصرف صرف اسے ہی حاصل ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ جس طرح تم صرف اسی کی عبادت کرتے ہو، اسی طرح صرف اسی پر توکل کرتے ہوئے اسے اپنا کارساز بنالو جیسا کہ فرمایا: فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ (ہود: 123) آپ بھی اسی کی عبادت کیجئے۔ اور اسی پر بھروسہ رکھئے''۔ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ (الفاتحہ: 4) ''تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں''۔ اس قسم کی اور بھی کثیر آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت، عبادت اور خاص اسی پر توکل کرنے کا حکم ہے۔

وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ﴿۱۰﴾ وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ أُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا ﴿۱۱﴾ إِنَّ لَدَيْنَآ أَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا ﴿۱۲﴾ وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا أَلِيْمًا ﴿۱۳﴾ يَوْمَ تَرْجُفُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا ﴿۱۴﴾ إِنَّآ أَرْسَلْنَآ إِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ أَرْسَلْنَآ إِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾ فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَأَخَذْنٰهُ أَخْذًا وَّبِيْلًا ﴿۱۶﴾ فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ إِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا ﴿۱۷﴾ السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ ۚ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ﴿۱۸﴾

''اور صبر کیجئے ان کی (دلآزار) باتوں پر اور ان سے الگ ہو جائیے بڑی خوبصورتی سے۔ آپ چھوڑ دیں مجھے اور ان جھٹلانے والے مالداروں کو اور انہیں تھوڑی سی مہلت دیں۔ ہمارے پاس ان کے لئے بھاری بیڑیاں اور بھڑکتی آگ ہے۔ اور غذا جو گلے میں پھنس جانے والی ہے اور دردناک عذاب۔ (یہ اس روز) جس دن لرزنے لگیں گے زمین اور پہاڑ اور پہاڑ ریت کے بہتے ٹیلے بن جائیں گے۔ (اے اہل مکہ!) ہم نے بھیجا ہے تمہاری طرف ایک (عظیم الشان) رسول تم پر گواہ بنا کر، جیسے ہم نے فرعون کی طرف (موسیٰ کو) رسول بنا کر بھیجا۔ پس نافرمانی کی فرعون نے رسول کی تو ہم نے اس کو بڑی سختی سے پکڑ لیا۔ (ذرا سوچو) کہ تم کیسے بچو گے اگر تم کفر کرتے رہے اس روز جو بچوں کو بوڑھا بنا دے گا (اور) آسمان پھٹ جائے گا اس (کے ہول) سے۔ اللہ کا وعدہ تو پورا ہو کر رہے گا''۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 29، صفحہ 132

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے فرما رہا ہے کہ آپ اپنی قوم کے احمق اور بے وقوف لوگوں کی ایذاءرسانی الزام تراشی اور تکذیب پر صبر کریں اور بغیر کسی سرزنش اور عتاب کے انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں اور ان سے الگ ہو جائیں پھر اللہ تعالیٰ جو ایسا عظیم ہے کہ اس کے غضب کے سامنے کوئی چیز نہیں ٹھہر سکتی، ان کفار کو دھمکی دیتے ہوئے آپ ﷺ سے فرما رہا ہے: وَذَرۡنِیۡ وَالۡمُکَذِّبِیۡنَ..... یعنی آپ مجھے اوران مالدار خوشحال کافروں کو چھوڑ دیں۔ باوجودیکہ یہ دوسروں کی نسبت اطاعت پر زیادہ قادر ہیں پھر بھی یہ ایسے حقوق کا مطالبہ کر رہے ہیں جن سے دوسرے محروم ہیں فرمایا: وَمَهِّلۡهُمۡ قَلِیۡلًا یعنی انہیں کچھ مہلت دے دیں جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: نُمَتِّعُهُمۡ قَلِیۡلًا ثُمَّ نَضۡطَرُّهُمۡ اِلٰی عَذَابٍ غَلِیۡظٍ (لقمان:24) ”ہم لطف اندوز ہونے دیں گے انہیں تھوڑی دیر، پھر ہم انہیں ہانک کر لے جائیں گے سخت عذاب کی طرف“۔

اس لئے یہاں فرمایا: اِنَّ لَدَیۡنَاۤ اَنۡکَالًا..... یعنی ہمارے پاس بھاری بیڑیاں، دہکتی ہوئی آگ، گلے میں پھنس جانے والی غذا جو نہ نیچے اترے اور نہ باہر نکلے اور دردناک عذاب ہے۔

پھر فرمایا: یَوۡمَ تَرۡجُفُ..... یعنی یہ دن ایسا ہوگا جس میں زمین تھر تھر کانپنے لگی گی اور سخت ٹھوس پہاڑ ریت کے ٹیلوں کی طرح ہو جائیں گے، پھر انہیں دھماکے سے اڑا دیا جائے گا اوران کا نام ونشان تک باقی نہیں رہے گا۔ زمین ایک چٹیل، سپاٹ، وسیع اور ہموار میدان کی شکل اختیار کرے گی جس میں کوئی کجی، وادی اور اونچ نیچ دکھائی نہ دے گی، پھر کفار قریش کو خصوصاً اور تمام لوگوں کو عموماً مخاطب کر کے فرمایا: اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلَیۡکُمۡ رَسُوۡلًا..... یعنی ہم نے تمہاری طرف تمہارے اعمال کی گواہی دینے والا رسول مبعوث فرمایا جیسا کہ فرعون کی طرف موسیٰ علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا لیکن فرعون نے ہمارے رسول کی نافرمانی کی تو ہم نے اسے بڑی سختی سے پکڑ لیا۔ اے کافرو! اس عظیم المرتبت رسول کی تکذیب سے احتراز کرنا ورنہ فرعون جیسے عبرتناک عذاب اور رسوا کن انجام سے تم بھی دوچار کر دیئے جاؤ گے جیسا کہ فرمایا: فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَکَالَ الۡاٰخِرَةِ وَالۡاُوۡلٰی (النازعات:25) ”آخر کار مبتلا کر دیا اسے اللہ نے آخرت اور دنیا کے (دوہرے) عذاب میں“۔ اور اگر تم نے رسول کو جھٹلایا تو تم ہلاکت اور بربادی کے زیادہ مستحق ہو گے کیونکہ تمہارا رسول موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ شرف وعظمت کا حامل ہے۔

فرمایا: فَکَیۡفَ تَتَّقُوۡنَ اِنۡ کَفَرۡتُمۡ یَوۡمًا..... اس آیت میں اس بات کا بھی احتمال ہے کہ ”یوماً“، فعل ”تتقون“ کا معمول ہے جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ اے لوگو! اگر تم کفر پر مصر رہے اور اللہ تعالیٰ کی تصدیق نہ کی تو تم اس دن کے ہول سے کیسے بچ سکتے ہو جو بچوں کو بوڑھا بنا ڈالے گا(1)؟ یہ بھی ممکن ہے کہ ”یوماً“، ”کفرتم“ کا معمول ہو، اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ اگر تم قیامت کے دن کا انکار کرتے رہو گے تو تمہیں تقویٰ کیسے حاصل ہوگا۔ دونوں معانی عمدہ ہیں لیکن پہلا زیادہ موزوں ہے۔

اس فرمان یَوۡمًا یَّجۡعَلُ الۡوِلۡدَانَ شِیۡبًا کا مفہوم یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام سے فرمائے گا کہ آگ کا حصہ بھیجو، حضرت آدم علیہ السلام عرض کریں گے: کتنا؟ فرمایا جائے گا: ہر ہزار سے نوصد ننانوے جہنمی اور ایک جنتی، تو اس وقت شدت ہول سے بچے بوڑھے ہو جائیں گے(2)۔ طبرانی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت (یَوۡمًا یَّجۡعَلُ الۡوِلۡدَانَ شِیۡبًا) کی تلاوت کے بعد فرمایا: ”یہ قیامت کا دن ہے، وہ دن جس میں اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام سے فرمائے گا کہ اٹھو اور اپنی اولاد

1۔ طبری، جلد 29، صفحہ 137 2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ حج کی تفسیر کا آغاز

میں سے آگ کا حصہ بھیجو۔ وہ پوچھیں گے: اے میرے پروردگار! کتنے سے کتنا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ہر ایک ہزار میں سے نوسو ننانوے اور صرف ایک نجات پائے گا"۔ یہ سن کر صحابہ بہت پریشان ہوئے۔ آپ ﷺ نے ان کی پریشانی کو بھانپتے ہوئے فرمایا: "آدم علیہ السلام کی اولاد تو بہت زیادہ ہے۔ یاجوج ماجوج بھی اولاد آدم سے ہیں۔ ان میں سے ایک ایک اپنے پیچھے اپنی اولاد میں ہزار ہزار آدمی چھوڑ کر مرتا ہے۔ یہ اور ان جیسے دوسرے لوگوں کی آڑ میں جنت تمہیں مل جائے گی(1)"۔ یہ حدیث غریب ہے اور سورۂ حج کی تفسیر کے آغاز میں اس قسم کی احادیث گزر چکی ہیں۔

اگلی آیت میں فرمایا: السَّمَآءُ مُنۡفَطِرٌۢ بِهٖ یعنی اس کی ہولناکی اور شدت کے سبب آسمان پھٹ جائے گا۔ بعض نے "بہ" کی ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ کو بنایا ہے لیکن یہ قول ذرا بھی قوی نہیں کیونکہ یہاں اس کا ذکر ہی نہیں ہوا۔ فرمایا: كَانَ وَعۡدُهٗ مَفۡعُوۡلًا یعنی اس دن کا وعدہ حتمی اور یقینی ہے ہرصورت اس کا وقوع ہوگا اور اس سے فرار ممکن نہیں۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا ﴿۱۹﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَعۡلَمُ اَنَّكَ تَقُوۡمُ اَدۡنٰى مِنۡ ثُلُثَىِ الَّيۡلِ وَ نِصۡفَهٗ وَ ثُلُثَهٗ وَ طَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيۡنَ مَعَكَ ؕ وَ اللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيۡلَ وَ النَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنۡ لَّنۡ تُحۡصُوۡهُ فَتَابَ عَلَيۡكُمۡ فَاقۡرَءُوۡا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الۡقُرۡاٰنِ ؕ عَلِمَ اَنۡ سَيَكُوۡنُ مِنۡكُمۡ مَّرۡضٰى ۙ وَ اٰخَرُوۡنَ يَضۡرِبُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ يَبۡتَغُوۡنَ مِنۡ فَضۡلِ اللّٰهِ ۙ وَ اٰخَرُوۡنَ يُقَاتِلُوۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ۖ فَاقۡرَءُوۡا مَا تَيَسَّرَ مِنۡهُ ۙ وَ اَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَقۡرِضُوا اللّٰهَ قَرۡضًا حَسَنًا ؕ وَ مَا تُقَدِّمُوۡا لِاَنۡفُسِكُمۡ مِّنۡ خَيۡرٍ تَجِدُوۡهُ عِنۡدَ اللّٰهِ هُوَ خَيۡرًا وَّ اَعۡظَمَ اَجۡرًا ؕ وَ اسۡتَغۡفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۲۰﴾

"یقیناً یہ (قرآن) نصیحت ہے۔ پس اب جس کا جی چاہے اختیار کر لے اپنے رب کی طرف سیدھا راستہ۔ بے شک آپ کا رب جانتا ہے کہ آپ (نماز میں) قیام کرتے ہیں کبھی دو تہائی رات کے قریب، کبھی نصف رات اور کبھی تہائی رات اور ایک جماعت ان سے جو آپ کے ساتھ ہیں وہ بھی (یونہی قیام کرتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ ہی چھوٹا بڑا کرتا رہتا ہے رات اور دن کو۔ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ تم اس کی طاقت نہیں رکھتے تو اس نے تم پر مہربانی فرمائی پس تم اتنا قرآن پڑھ لیا کرو جتنا تم آسانی سے پڑھ سکتے ہو۔ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ تم میں سے کچھ بیمار ہوں گے اور کچھ سفر کرتے ہوں گے زمین میں تلاش کر رہے ہوں گے اللہ کے فضل (رزقِ حلال) کو اور کچھ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہوں گے۔ تو پڑھ لیا کرو قرآن سے جتنا آسان ہو۔ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ کو قرض حسنہ دیتے رہا کرو۔ اور جو (نیکی) تم آگے بھیجو گے اپنے لئے تو اسے اللہ کے پاس موجود پاؤ گے یہی بہتر ہے اور (اس کا) اجر بہت بڑا ہوگا۔ اور مغفرت طلب کیا کرو اللہ تعالیٰ سے۔ بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے"۔

فرمایا جارہا ہے: اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ یعنی یہ سورت نصیحت ہے جس سے عقلمند نصیحت وعبرت حاصل کرتے ہیں۔ اس لئے فرمایا: فَمَنۡ شَآءَ

1۔ معجم کبیر، جلد 11، صفحہ 366

اتَّخَذَ...... یعنی جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دینا چاہے، وہ اپنے رب کی طرف سیدھی راہ پالے گا جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا (الانسان: 30) ''اور تم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے۔ بجز اس کے کہ اللہ خود چاہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہے''۔

پھر فرمایا: اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ...... یعنی آپ کا رب جانتا ہے کہ آپ اور آپ کے صحابہ کبھی دو تہائی رات کے قریب قیام کرتے ہیں، کبھی نصف شب اور کبھی ایک تہائی شب اور شب بیداری کی یہ مقدار تمہارے قصد و ارادہ کے بغیر ہوتی ہے لیکن اس کی ہمیشہ ہمیشہ پابندی کرنا تمہارے بس کی بات نہیں بلکہ یہ بہت مشکل اور بھاری امر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دن اور رات گھٹتے بڑھتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا: وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ یعنی دن رات کا صحیح اندازہ صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ کبھی یہ دونوں برابر برابر ہوتے ہیں، کبھی دن چھوٹا اور رات بڑی اور کبھی رات چھوٹی اور دن بڑا۔

فرمایا: عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ...... یعنی اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ تم اس فریضہ کی کامل ادائیگی کی قدرت نہیں رکھتے جو اس نے تم پر مقرر کیا ہے، اس لئے کوئی وقت معین کیے بغیر جس قدر آسانی سے نماز سے پڑھ سکتے ہو، رات کو پڑھ لیا کرو۔ یہاں صلوۃ کی تعبیر قراءت سے کی گئی ہے جیسا کہ فرمایا: وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا (اسراء: 110) ''اور نہ تو بلند آواز سے نماز پڑھو اور نہ بالکل آہستہ پڑھو اسے''۔ یعنی اپنی قراءت نہ تو زیادہ بلند آواز سے کرو اور نہ بالکل پست آواز سے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب نے اس آیت فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ سے اس مسئلہ پر استدلال کیا ہے کہ نماز میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنا متعین ہی نہیں بلکہ اگر اسے پڑھ لے یا قرآن کریم کا کوئی اور حصہ پڑھ لے اگرچہ وہ ایک آیت ہی ہو، کافی ہے۔ اس مسئلہ کی تائید میں انہوں نے ایک حدیث پیش کی ہے جس میں حضور ﷺ نے اس شخص کو جس نے عجلت میں نماز ادا کی تھی، فرمایا تھا: ''پھر جو قرآن تمہیں یاد ہے، اس میں سے جتنا آسان ہو، پڑھو''(1)۔ جمہور نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ والی حدیث سے انہیں جواب دیا ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس شخص کی کوئی نماز نہیں جس نے سورۂ فاتحہ نہ پڑھی''(2)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر وہ نماز جس میں اُم القرآن (سورۂ فاتحہ) نہ پڑھی جائے، وہ ناقص ہے، وہ ناقص ہے، وہ ناقص اور نامکمل ہے''۔ صحیح ابن خزیمہ میں بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے: ''اُم القرآن نہ پڑھنے والے کی نماز نہیں ہوتی''(3)۔

پھر فرمایا: عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى...... یعنی اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ اس امت میں عذر والے لوگ بھی ہوں گے جنہیں قیام شب کے اس حکم کو نباہنے میں بہت زیادہ دقت پیش آئے گی اور سحر خیزی ان کے لئے ناممکن ہوگی مثلاً بیمار جنہیں شب بیداری کی طاقت ہی نہیں، مسافر جو کسب معاش کے سلسلہ میں دوڑ دھوپ کرتے رہتے ہیں اور راہِ خدا میں جہاد کرنے والے جنہیں اس اہم ترین شغل میں دادِ شجاعت دینا پڑتی ہے۔ یہ آیت بلکہ یہ تمام سورت مکی ہے۔ اس کے نزول کے وقت جہاد مشروع ہی نہ تھا۔ اس میں چونکہ جہاد کے متعلق غیب کی خبر ہے جس کا بعد میں اسی طرح ظہور ہوا، اس لئے یہ نبوت کی بڑی بڑی دلیلوں میں سے ایک دلیل ہے۔

چنانچہ فرمایا: فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ یعنی جس قدر قیام آسان ہو، کرلیا کرو۔ حضرت ابو رجاء محمد نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے

1۔ فتح الباری، کتاب الاستئذان، جلد 11، صفحہ 36، مسلم، کتاب الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 298
2۔ دیکھئے مقدمہ سورۂ فاتحہ
3۔ صحیح ابن خزیمہ، کتاب الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 248

پوچھا: اے ابوسعید! اس شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو قرآن کریم کا مکمل حافظ ہے لیکن تہجد نہیں پڑھتا بلکہ صرف فرض نمازیں ادا کرتا ہے؟ فرمایا: وہ قرآن کریم کو تکیہ بنائے ہوئے ہے، اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے صالح بندے کے لئے فرمایا: وَ اِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ (یوسف:68) ''اور بیشک وہ صاحب علم تھے بوجہ اس کے جو ہم نے سکھایا''، وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ (انعام:91) ''اور تمہیں سکھایا گیا جو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا''۔ میں نے کہا: اے ابوسعید! اللہ تعالیٰ تو یہ فرماتا ہے: فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔ فرمایا: ہاں ٹھیک ہے اگر چہ پانچ آیات ہی پڑھ لو(1)۔ اس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حافظ قرآن پر رات کا قیام واجب ہے خواہ قلیل مقدار میں ہی ہو۔

حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ایک شخص کے متعلق دریافت کیا گیا جو صبح تک سویا رہتا ہے تو آپ نے فرمایا: ''وہ ایسا شخص ہے جس کے کان میں شیطان پیشاب کر دیتا ہے(2)''۔ اس کا ایک مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہاں ایسا شخص مراد ہے جو نماز عشاء پڑھے بغیر سو جاتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ آدمی ہے جو رات کو قیام نہیں کرتا۔ سنن کی حدیث ہے: ''اے اہل قرآن! وتر پڑھا کرو(3)۔'' ایک اور حدیث میں ہے: ''جو وتر نہ پڑھے، وہ ہم میں سے نہیں(4)''۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے بھی زیادہ غریب قول ابوبکر بن عبدالعزیز حنبلی کا ہے جو ماہ رمضان میں قیام کو فرض قرار دیتے ہیں(5)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ کے متعلق قرأت قرآن کی مقدار بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''سو آیات(6)''۔ یہ حدیث بہت غریب ہے۔ میں نے اسے صرف معجم طبرانی میں دیکھا ہے۔ اس کے بعد فرمایا: وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ...... یعنی فرض نمازیں قائم کرو اور فرض زکوٰۃ ادا کرو۔ یہ آیت ان حضرات کی دلیل ہے جن کا یہ موقف ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت کا حکم مکہ شریف میں نازل ہوا لیکن اس کے نصاب اور مصارف وغیرہ کا تعین مدینہ شریف میں ہوا۔ حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہ، عکرمہ، مجاہد، حسن، قتادہ اور دیگر متعدد سلف کا کہنا ہے کہ یہ آیت اس پہلے حکم کے لئے ناسخ ہے جس میں رات کا قیام فرض قرار دیا گیا تھا۔ ان دونوں حکموں کے درمیان کتنا عرصہ تھا؟ اس کے متعلق مختلف اقوال ہیں جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ صحیحین کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص سے فرمایا: ''دن رات میں پانچ نمازیں۔'' اس نے عرض کی کہ کیا ان کے علاوہ بھی کوئی نماز مجھ پر فرض ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں مگر یہ کہ تو نوافل پڑھ لے''(7)۔

فرمایا: وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا یعنی رضائے الٰہی کے لئے صدقہ وخیرات کرتے رہا کرو، اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا عمدہ اور پورا پورا بدلہ عطا فرمائے گا۔ جیسا کہ فرمایا: مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً (بقرہ:245) ''کون ہے جو دے اللہ تعالیٰ کو قرض حسن، تو بڑھا دے اللہ اس قرض کو اس کے لئے کئی گنا''۔

فرمایا: وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ...... یعنی جو بھی نیکی کر کے تم آگے بھیجو گے، وہ تمہارے لئے اس چیز سے بہتر ہے جو تم دنیا میں چھوڑ کر

1۔ طبری، جلد 29، صفحہ 141

2۔ فتح الباری، کتاب التہجد، جلد 3، صفحہ 28، مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، جلد 1، صفحہ 537

3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الوتر، جلد 2، صفحہ 61، عارضۃ الاحوذی، ابواب الوتر، جلد 2، صفحہ 242، سنن نسائی، کتاب قیام اللیل، جلد 3، صفحہ 229-228، ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 370

4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الوتر، جلد 2، صفحہ 61

5۔ البدایۃ والنہایۃ، جلد 11، صفحہ 296

6۔ المعجم الکبیر، جلد 11، صفحہ 29

7۔ دیکھئے تفسیر سورۂ طور:49

جاتے ہو۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے دریافت فرمایا: ''تم میں سے کون شخص ہے جسے اپنا مال اپنے وارث کے مال سے زیادہ محبوب ہے؟ صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! ہم میں ہر شخص کو اپنا مال اپنے وارث کے مال سے زیادہ محبوب ہے؟ فرمایا: ''سوچ کر بتاؤ، کیا کہہ رہے ہو''۔ عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! ہمارے علم میں تو یہی بات ہے۔ فرمایا: تمہارا مال وہ ہے جو تم نے راہ خدا میں خرچ کر کے آگے بھیج دیا اور تمہارے وارث کا مال وہ ہے جسے تم پیچھے چھوڑ جاتے ہو (1)۔

پھر فرمایا: وَ اسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ...... یعنی کثرت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرو اور اپنے تمام امور میں اس سے مغفرت طلب کرو کیونکہ وہ استغفار کرنے والے کی مغفرت فرمانے والا ہے۔

1۔ مسند ابویعلی، جلد 5، صفحہ 86، فتح الباری، کتاب الرقاق، جلد 11، صفحہ 260، نسائی، کتاب الوصایا، جلد 6، صفحہ 237

سورۂ مدثر (مکیہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

یٰۤاَیُّهَا الۡمُدَّثِّرُ ۙ﴿۱﴾ قُمۡ فَاَنۡذِرۡ ۪ۙ﴿۲﴾ وَ رَبَّكَ فَكَبِّرۡ ۪ۙ﴿۳﴾ وَ ثِیَابَكَ فَطَهِّرۡ ۪ۙ﴿۴﴾ وَ الرُّجۡزَ فَاهۡجُرۡ ۪ۙ﴿۵﴾ وَ لَا تَمۡنُنۡ تَسۡتَكۡثِرُ ۪ۙ﴿۶﴾ وَ لِرَبِّكَ فَاصۡبِرۡ ؕ﴿۷﴾ فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوۡرِ ۙ﴿۸﴾ فَذٰلِكَ یَوۡمَئِذٍ یَّوۡمٌ عَسِیۡرٌ ۙ﴿۹﴾ عَلَی الۡكٰفِرِیۡنَ غَیۡرُ یَسِیۡرٍ ﴿۱۰﴾

”اے چادر لپیٹنے والے۔ اٹھئے اور (لوگوں کو) ڈرائیے۔ اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کیجئے۔ اور اپنے لباس کو پاک رکھئے۔ اور بتوں سے (حسب سابق) دور رہئے اور کسی پر احسان نہ کیجئے زیادہ لینے کی نیت سے۔ اور اپنے رب (کی رضا) کے لئے صبر کیجئے۔ پھر جب صور پھونکا جائے گا۔ تو وہ دن بڑا سخت دن ہوگا۔ کفار پر آسان نہ ہوگا“۔

صحیح بخاری میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نزول وحی کا آغاز سورۂ مدثر کی ابتدائی آیات سے ہوا لیکن جمہور نے اس قول کی مخالفت کرتے ہوئے کہا ہے کہ سب سے پہلے اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الَّذِیۡ خَلَقَ کی آیات نازل ہوئیں جیسا اس سورت کی تفسیر میں ان شاء اللہ اس کا بیان ہوگا۔ یحییٰ بن ابی کثیر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ وحی کا افتتاح کن آیات سے ہوا؟ فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الۡمُدَّثِّرُ سے۔ میں نے کہا کہ لوگ تو اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الَّذِیۡ خَلَقَ والی آیات کو افتتاحی آیات کہتے ہیں؟ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ سوال کیا تھا اور جو بات تم نے مجھے کہی ہے، یہ بات میں نے آپ رضی اللہ عنہ سے بھی کی تھی لیکن انہوں نے جواب دیا کہ میں تمہیں وہی بات بتاتا ہوں جس سے ہمیں رسول اللہ ﷺ نے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ میں حسب معمول غار حرا کے اندر عبادت میں مشغول تھا۔ عبادت سے فارغ ہو کر جب میں نیچے اترا تو مجھے ندا دی گئی۔ میں نے اپنی دائیں جانب دیکھا لیکن کوئی چیز دکھائی نہ دی، پھر بائیں جانب دیکھا لیکن کچھ نظر نہ آیا، اسی طرح اپنے آگے پیچھے نظر دوڑائی، پھر بھی کچھ دکھائی نہ دیا۔ آخر کار جب سر اٹھا کر اوپر دیکھا تو مجھے کچھ نظر آیا۔ میں خدیجہ (رضی اللہ عنہا) کے پاس آیا اور کہا کہ مجھے کمبل اوڑھا دو اور مجھ پر ٹھنڈا پانی ڈالو۔ چنانچہ انہوں نے مجھ پر کمبل اور ٹھنڈا پانی ڈال دیا۔ اس وقت یٰۤاَیُّهَا الۡمُدَّثِّرُ والی آیات اتریں (1)۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ”فترۃ الوحی“ (انقطاع وحی) کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ ”ایک مرتبہ میں چلا جا رہا تھا کہ اسی اثناء میں اچانک مجھے آسمان سے ایک آواز سنائی دی۔ میں نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی تو مجھے زمین و آسمان کے درمیان کرسی پر بیٹھا ہوا وہی فرشتہ نظر آیا جو غار حراء میں میرے پاس وحی لے کر آیا تھا۔ مجھے کچھ ہراس محسوس

1۔ فتح الباری، کتاب التفسیر، جلد 8، صفحہ 677-676

ہوا اور گھبراہٹ کے باعث میں زمین کی طرف جھک گیا۔ فوراً گھر لوٹا اور اہل خانہ سے کہا کہ مجھے چادر اوڑھا دو، مجھے چادر اوڑھا دو۔ انہوں نے مجھ پر کمبل ڈال دیا۔ اس وقت یہ وحی یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ...... فَاهْجُرْ نازل ہوئی۔ ابوسلمہ رحمۃ اللہ علیہ کے بقول الرجز سے مراد بت ہیں۔ پھر سرگرمی سے لگاتار وحی کا سلسلہ چل پڑا" (1)۔ یہ الفاظ بخاری کے ہیں اور یہی سیاق محفوظ ہے۔

اس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے بھی کوئی وحی اتری تھی کیونکہ اس میں آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے وہ فرشتہ دیکھا جو حراء میں میرے پاس آیا تھا، یعنی جبریل علیہ السلام جو سورۂ اقرء والی آیات لے کر اترے تھے۔ اس کے بعد کچھ عرصہ وحی کا سلسلہ منقطع رہا، پھر جب دوبارہ نزول وحی کا سلسلہ شروع ہوا تو سب سے پہلے سورۂ مدثر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ اس طرح دونوں روایات میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے جیسا کہ حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "پھر مجھ پر وحی کا نزول رک گیا، ایک مرتبہ میں چلا جا رہا تھا کہ اچانک میں نے آسمان سے ایک آواز سنی۔ میں نے آسمان کی طرف دیکھا تو مجھے زمین و آسمان کے درمیان کرسی پر بیٹھا ہوا وہی فرشتہ دکھائی دیا جو پہلے میرے پاس آیا تھا۔ مجھ پر گھبراہٹ طاری ہوگئی اور میں زمین کی طرف جھک گیا۔ فوراً اپنے اہل خانہ کے پاس آیا اور کہا: مجھ پر چادر ڈال دو، مجھ پر چادر ڈال دو۔ انہوں نے مجھے چادر اوڑھا دی۔ اس وقت یہ آیات یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ...... فَاهْجُرْ نازل ہوئیں۔ پھر وحی کا سلسلہ گرم ہوگیا اور لگاتار جاری رہا" (2)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ولید بن مغیرہ نے قریش کی دعوت کی۔ جب وہ خورد و نوش سے فارغ ہوئے تو وہ انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا کہ تم اس شخص (حضور ﷺ) کے متعلق کیا رائے رکھتے ہو؟ بعض نے کہا کہ یہ جادوگر ہے، بعض نے اس کی تردید کر دی۔ کچھ کہنے لگے کہ یہ کاہن ہے لیکن اس قول کو بھی مسترد کر دیا گیا۔ بعض لوگوں نے کہا کہ یہ شاعر ہے لیکن کچھ لوگ اسے رد کرتے ہوئے کہنے لگے کہ یہ شاعر نہیں ہے۔ بالآخر کچھ لوگ کہنے لگے کہ یہ کلام (قرآن کریم) جادو ہے جسے نقل کیا جاتا ہے۔ چنانچہ سب اس پر متفق ہو گئے کہ اس کلام کو منقول جادو کہا جائے۔ جب حضور ﷺ کو ان کی اس ہرزہ سرائی کی اطلاع ملی تو آپ بہت دل گرفتہ اور غم زدہ ہوئے اور فرط حزن سے اپنے سر پر کپڑا ڈال لیا اور اپنے جسم کو کمبل میں لپیٹ لیا۔ اس وقت سورۂ مدثر کی ابتدائی سات آیات نازل ہوئیں (3)۔

فرمایا: قُمْ فَاَنْذِرْ یعنی عزم کی پنڈلی سے پردہ اٹھا کر اپنے فرائض کی انجام دہی کے لئے کمربستہ ہو جائیں اور لوگوں کو بروقت خبردار کریں۔ اقرء والی پہلی وحی سے آگاہ کیا گیا کہ آپ کو منصب نبوت پر فائز کر دیا گیا ہے اور اس وحی سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ رسول بنائے گئے۔

پھر فرمایا: وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ یعنی اپنے رب کی بڑائی اور عظمت بیان کریں۔ ایک شخص حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا کہ مجھے اس فرمان وَثِیَابَكَ فَطَهِّرْ کا مطلب سمجھائیں۔ آپ نے اس کا یہ مفہوم بیان کیا کہ خود کو معصیت اور عہد شکنی میں ملوث نہ کریں جیسا کہ غیلان بن سلمہ ثقفی اپنے شعر میں کہتا ہے: (4)۔

فَاِنِّی بِحَمْدِ اللّٰهِ لَا ثَوْبَ فَاجِرٍ لَبِسْتُ وَلَا مِنْ غَدْرَةٍ اَتَقَنَّعُ

1۔ فتح الباری، کتاب التفسیر، جلد 8 صفحہ 679-678، مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 143

2۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 325، فتح الباری، کتاب بدء الخلق، جلد 6، صفحہ 314، مسلم کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 143

3۔ المعجم الکبیر، جلد 11، صفحہ 126-125، مجمع الزوائد، جلد 7، صفحہ 131 4۔ تفسیر طبری، جلد 29، صفحہ 145

یعنی اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے نہ میں بدکار شخص کے سے لباس میں ملبوس ہوں اور نہ میں نے بدعہدی کا کپڑا اوڑھ رکھا ہے۔

ایک اور روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہاں پاکدامنی مراد ہے۔ کلام عرب میں پاکدامن شخص کے لئے ''نَقِيّ الثیاب'' کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔ ایک اور روایت میں آپ نے اس آیت کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ آپ گناہوں سے پاک رہیں۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ اپنی ذات کو پاکیزہ بنائے رکھو۔ ایک اور روایت میں آپ نے اس کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ آپ اپنے اعمال کی اصلاح کریں۔ ایک تیسری روایت میں آپ سے یہ مفہوم منقول ہے کہ آپ نہ کاہن ہیں اور نہ ساحر، اس لئے آپ ان کفار کی الزام تراشیوں اور ہرزہ سرائیوں کو خاطر میں نہ لائیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی کہتے ہیں کہ اس سے مراد گناہوں سے پاکیزگی ہے۔ جب کوئی شخص معصیت اور عہد شکنی کا مرتکب ہو تو عرب اسے ''دَنس الثیاب'' کہتے ہیں یعنی گندے اور میلے کپڑوں والا، اور جب کوئی شخص عمدہ کام کرے اور وعدہ وفا کرے تو اسے مطهر الثیاب یعنی پاک کپڑوں والا کہا جاتا ہے۔ حضرات عکرمہ وضحاک رحمہما اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ معصیت سے آلودہ لباس مت پہنو۔ ایک شاعر کہتا ہے:(1)

اِذا الْمرءُ لَمْ يَدْنَس من اللؤم عِرضُه　　فكلُّ رداءٍ يَرْتَدِيهِ جميل

یعنی جب ایک شخص کی عزت خست سے آلودہ نہ ہو، تو وہ جو لباس بھی زیب تن کرے گا، اسے بھلا لگے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ جو کپڑے آپ پہنتے ہیں وہ مشکوک اور بے فائدہ نہ ہوں اور آپ اپنے کپڑوں کو معصیت سے آلودہ نہ کریں۔ محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اپنے کپڑوں کو پانی کے ساتھ دھولیا کریں۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مشرکین پاکی حاصل نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو پاکیزگی حاصل کرنے اور اپنے کپڑوں کو پاک صاف رکھنے کا حکم دیا۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا یہ پسندیدہ قول ہے۔ یہ آیت دراصل ان تمام مفاہیم کو شامل ہے اور ان میں طہارت قلب بھی داخل ہے اور عربوں کے ہاں کپڑوں کا اطلاق دل پر ہوتا رہتا ہے جیسا کہ امرؤ القیس کے شعر میں بھی ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ اس آیت کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ اپنے دل اور نیت کو صاف رکھیں۔ محمد بن کعب قرظی اور حسن بصری رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اپنے اخلاق کو خوبصورت بنائیں۔

حضرات ابن عباس، مجاہد، عکرمہ، قتادہ، زہری اور ابن زید رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس فرمان وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ میں ''رجز'' سے مراد بت ہیں یعنی بتوں سے (حسب سابق) دور رہئے۔ حضرت ابراہیم اور ضحاک رحمہما اللہ تعالیٰ اس آیت کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ معصیت کو ترک کئے رکھیں۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضور ﷺ پہلے کسی ایسی چیز میں ملوث تھے۔ اسی طرح یہ ارشادات بھی ہیں: يَآيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ (احزاب:1) ''اے نبی (مکرم!)، (حسب سابق) ڈرتے رہئے اللہ تعالیٰ سے اور نہ کہنا مانئے کفار اور منافقین کا''، وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَ اَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ (اعراف:142) ''کہا موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہ میرا نائب رہنا میری قوم میں اور اصلاح کرتے رہنا اور مت چلنا مفسدوں کے راستہ پر''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ زیادہ لینے کی خواہش رکھتے ہوئے عطیہ نہ دیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں ''اَنْ تَسْتكثر'' ہے(2)۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ اس کا یہ معنی بیان

1۔ ابن قتیبہ: الشعر والشعراء، جلد 2، صفحہ 612　2۔ طبری، جلد 29، صفحہ 150

کرتے ہیں کہ اپنے اعمال کو کثیر سمجھتے ہوئے ان پر نازاں نہ ہوں اور نہ انہیں اللہ تعالیٰ پر احسان تصور کریں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کو پسند کیا ہے۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ کثرت خیر کی طلب میں کمزوری نہ دکھاؤ(1)۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ لوگوں پر نبوت کا احسان جتلا کر ان سے اس کے عوض میں دنیا طلب نہ کریں۔ اس آیت کے متعلق یہ چار اقوال ہیں جن میں سب سے زیادہ ظاہر پہلا قول ہے۔ پھر فرمایا: وَ لِرَبِّكَ فَاصْبِرْ یعنی اپنے رب کی رضا کے لئے ان کی اذیت رسانی پر صبر کریں۔ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو منصب آپ کو عطا فرمایا ہے، اس پر اس کی خاطر ڈٹے رہیں۔ پھر قیامت کے متعلق فرمایا: فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ۔ ناقور سے مراد صور ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ سینگ کی شکل کا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں کیسے سکون سے رہوں حالانکہ صور والا فرشتہ، صور اپنے منہ میں لئے ہوئے اور اپنی پیشانی جھکائے ہوئے اس انتظار میں ہے کہ کب حکم ہو اور وہ صور پھونک دے؟'' یہ سن کر صحابہ کرام عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ ﷺ! پھر آپ ہمیں کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ فرمایا: ''کہو حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعم الو کیلُ عَلَى اللّٰهِ تو كَّلْنَا(2)۔ پھر اس دن کے متعلق مزید فرمایا: فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ...... یعنی یہ دن کافروں کے لئے بہت سخت ہوگا، کوئی آسان نہ ہوگا جیسا کہ فرمایا: يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ (قمر:8)'' کافر کہتے ہوں گے یہ بڑا سخت دن ہے''۔ ایک دفعہ بصرہ کے قاضی حضرت زرارہ بن اوفی رحمۃ اللہ علیہ صبح کی نماز پڑھا رہے تھے اور اسی سورت کی انہوں نے تلاوت کی۔ جب وہ ان آیات فَاِذَا نُقِرَ...... پر پہنچے تو روتے روتے ایسی چیخ نکلی کہ روح ہی پرواز کر گئی اور وہ نیچے زمین پر گر پڑے(3)۔

ذَرْنِيْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا ۙ﴿۱۱﴾ وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ۙ﴿۱۲﴾ وَّبَنِيْنَ شُهُوْدًا ۙ﴿۱۳﴾ وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا ۙ﴿۱۴﴾ ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ ۙ﴿۱۵﴾ كَلَّا ۭ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا ۭ﴿۱۶﴾ سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ۭ﴿۱۷﴾ اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ۙ﴿۱۸﴾ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۙ﴿۱۹﴾ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۙ﴿۲۰﴾ ثُمَّ نَظَرَ ۙ﴿۲۱﴾ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ۙ﴿۲۲﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ۙ﴿۲۳﴾ فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ۙ﴿۲۴﴾ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ۭ﴿۲۵﴾ سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ ﴿۲۶﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ۭ﴿۲۷﴾ لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ ﴿۲۸﴾ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ﴿۲۹﴾ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿۳۰﴾

''آپ چھوڑ دیجئے مجھے اور جس کو میں نے تنہا پیدا کیا ہے۔ اور دے دیا ہے اس کو مال کثیر۔ اور بیٹے دیئے ہیں جو پاس رہنے والے ہیں۔ اور مہیا کر دیا ہے اسے ہر قسم کا سامان۔ پھر طمع کرتا ہے کہ میں اسے مزید عطا کروں۔ ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔ وہ ہماری آیتوں کا سخت دشمن ہے۔ میں اسے مجبور کروں گا کہ وہ کٹھن چڑھائی چڑھے۔ اس نے غور کیا اور پھر ایک بات طے کر لی۔ اس پر پھٹکار اس نے کتنی بری بات طے کی۔ اس پر پھر پھٹکار کیسی بری بات اس نے طے کی۔ پھر دیکھا، پھر منہ بسورا اور ترش رو ہوا۔ پھر پیٹھ پھیری اور غرور کیا۔ پھر بولا یہ نہیں ہے مگر جادو جو پہلوں سے چلا آتا ہے۔ یہ نہیں مگر انسان کا کلام۔ عنقریب میں اسے جہنم میں جھونکوں گا۔ اور تو کیا سمجھے کہ جہنم کیا ہے؟ نہ باقی رکھے اور نہ چھوڑے۔ جھلسا دینے والی آدمی کی کھال کو۔ اس پر

1۔ طبری، جلد 29، صفحہ 149 2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ آل عمران: 173-110 3۔ الذھبی: العبر، جلد 1، صفحہ 109

انیس فرشتے مقرر ہیں''۔

یہاں سے اس خبیث کا ذکر شروع ہو رہا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے دنیاوی نعمتوں سے نوازا لیکن اس نے کفران نعمت اور احسان فراموشی کی روش اختیار کرتے ہوئے کفر کو ہی اپنائے رکھا اور افتراء بازی کرتے ہوئے آیات الٰہی کا بالکل انکار کر دیا اور قرآن کریم کو انسانی کلام کہنے لگا۔ اللہ تعالیٰ اس نابکار پر اپنی ناراضگی اور غضب کا اظہار کرتے ہوئے اور اسے عطا کی ہوئی اپنی نعمتیں گنوا کر فرماتا ہے: ذَرْنِيْ وَمَنْ خَلَقْتُ...... یعنی مجھے اور اس شخص کو چھوڑ دیں جسے میں نے اس حال میں پیدا کیا کہ وہ تنہا تھا، خالی ہاتھ دنیا میں آیا، نہ اس کے پاس مال تھا اور نہ اولاد۔ پھر اسے فراوانی کے ساتھ مال کثیر عطا کیا۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کے پاس ایک ہزار دینار تھے، بقول بعض ایک لاکھ دینار۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے پاس وسیع زرعی اراضی تھی۔ علاوہ ازیں اس بارے میں اور بھی اقوال ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بیٹے بھی عطا فرمائے جو ہر وقت اس کے پاس موجود رہتے تھے۔ انہیں تجارت اور کاروبار کے لئے دور دراز کا سفر نہیں کرنا پڑتا تھا بلکہ ان کے نوکر چاکر اور ملازم ان کے معاملات اور کاروبار کو سنبھالے ہوئے تھے۔ اس لئے یہ تمام ضروریات سے بے نیاز ہو کر ہر وقت اپنے باپ کے پاس حاضر رہتے تھے اور یہ اپنے بیٹوں کے ساتھ آسودہ اور پرسکون زندگی بسر کرتا تھا۔ یہ نعمت کی انتہا ہے کہ اولاد باپ کے ساتھ مقیم ہو۔ پھر فرمایا: وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا یعنی اسے ہر قسم کا سامان اور اسباب فراہم کر دیے، اس کے باوجود یہ طمع کرتا ہے کہ میں اسے اور عطا کر دوں۔ اس کی اس خواہش کو رد کرتے ہوئے فرمایا: یعنی ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے سرکشی کی راہ اختیار کر لی ہے اور باوجود ہماری آیتوں کا علم ہونے کے کفر پر مصر ہے اور نعمتوں کا انکار کرتا ہے۔ اس کی سزا یہ ہے کہ اسے کٹھن چڑھائی چڑھنے پر مجبور کر دیا جائے گا۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وَيْل جہنم کی ایک وادی کا نام ہے جس میں کافر کو گرایا جائے گا۔ وہ چالیس سال نیچے لڑھکتا رہے گا لیکن پھر بھی تہہ تک نہ پہنچے گا اور ''صعود'' جہنم میں آگ کا ایک پہاڑ ہے جس پر کافر ستر سال تک چڑھتا رہے گا پھر اسے وہاں سے نیچے گرا دیا جائے گا اور اتنا ہی عرصہ نیچے لڑھکتے ہوئے لگے گا۔ یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہے گا''(1)۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے۔ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا کے متعلق فرمایا: ''یہ جہنم میں آگ کا ایک پہاڑ ہے جس پر کافر کو زبردستی چڑھایا جائے گا۔ جب وہ اس پر اپنا ہاتھ رکھے گا تو وہ فوراً پگھل جائے گا اور جب اسے اٹھائے گا تو پہلی حالت پر لوٹ آئے گا۔ جب وہ اس پر اپنا پاؤں رکھے گا تو وہ رکھتے ہی پگھل جائے گا اور جب اسے اٹھائے گا تو اپنی اصلی حالت میں لوٹ آئے گا۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''صعود'' جہنم میں ایک چٹان کا نام ہے جس پر کافر کو اوندھے منہ گھسیٹا جائے گا۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ جہنم میں بہت ملائم اور پھسلویں چٹان ہے، کافر کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ اس پر چڑھے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اس آیت سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا کے متعلق کہتے ہیں کہ ہم اسے مشقت والے عذاب میں مبتلا کریں گے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد ایسا عذاب ہے جس میں ذرا بھی راحت نہ ہو۔ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو پسند کیا ہے(2)۔ اس غضب شدید کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ یعنی ہم نے اسے المناک اور تکلیف دہ عذاب کے قریب کر دیا ہے کیونکہ وہ ایمان سے دور ہے۔ جب اس بدبخت سے قرآن کریم کے متعلق پوچھا گیا تو وہ غور و فکر کرنے لگا کہ اسے کیا کہنا چاہئے اور اس کے متعلق کونسی بات گھڑنی چاہئے۔ اس بارے میں اس نے بھرپور غور و تدبر کیا اور ایک بات طے

1۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 75، عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۂ مدثر، جلد 12 صفحہ 226-225 تفسیر طبری، جلد 29، صفحہ 155
2۔ طبری، جلد 29، صفحہ 155

کر لی۔ پھر اسے ہلاکت کی بددعا دیتے ہوئے فرمایا: فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ۔ اس کے بعد فرمایا: ثُمَّ نَظَرَ...... یعنی اس نے دوبارہ غور وفکر کیا پھر منہ بسورا اور ترش رو ہوا، پیشانی پر بل ڈالا اور منہ کو بگاڑا پھر غرور وتکبر سے منہ پھیرلیا، حق سے منحرف ہوگیا اور اطاعت قرآن سے تکبر کرتے ہوئے کہنے لگا: اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ یعنی یہ قرآن جادو ہے جسے محمد (ﷺ) پہلے لوگوں سے نقل کرکے لوگوں کو سنا رہے ہیں۔ اس لئے کہنے لگا: اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہے۔ یہ آیات جس ملعون کے متعلق اتریں، اس کا نام ولید بن مغیرہ مخزومی ہے جو قریش کا ایک سردار تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ یہ خبیث حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور آپ سے قرآن کریم کے متعلق دریافت کرنے لگا۔ آپ نے اسے آگاہ فرمادیا۔ یہاں سے وہ قریش کی محفل میں جا پہنچا اور انہیں کہنے لگا: کیا ہی تعجب خیز کلام ہے جس کی تلاوت ابن ابی کبشہ (حضور ﷺ) کرتے ہیں، بخدا! یہ نہ شعر ہے، نہ جادو اور نہ ہی کسی مجنون کی ہرزہ سرائی۔ یہ بلاشبہ اللہ کا کلام ہے۔ جب قریش کے اس مجمع نے ولید کی یہ گفتگو سنی تو ان میں شور مچ گیا۔ وہ سر جوڑ کر بیٹھے اور باہم مشاورت کرتے ہوئے کہنے لگے کہ اگر ولید اپنا دین ترک کرکے مسلمان ہوگیا تو پھر قریش کو اسلام لانے سے کوئی نہ روک سکے گا۔ ابوجہل کو جب اطلاع ہوئی تو وہ کہنے لگا کہ فکرمند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں، میں یہ مشکل حل کردیتا ہوں۔ چنانچہ ابوجہل ولید کے گھر گیا اور اسے کہنے لگا کہ قریش کے لوگوں نے تمہارے لئے گھر گھر سے چندہ جمع کیا ہے۔ وہ کہنے لگا کہ یہ کیسے ممکن ہے حالانکہ مال و اولاد میں کوئی میرا ہمسر نہیں۔ اس پر ابوجہل کہنے لگا کہ لوگوں میں یہ افواہ گردش کررہی ہے کہ ولید ابوبکر کی طرف اس لئے راغب ہوا ہے تاکہ اس سے مالی مفاد حاصل کرے۔ یہ سن کر کم ظرف ولید مشتعل ہوگیا اور کہنے لگا کہ کیا میرا قبیلہ میرے بارے میں یہ رائے رکھتا ہے؟ بخدا! میں نہ ابوبکر کے قریب جاؤں گا، نہ عمر کے اور نہ ابن ابی کبشہ کے۔ یہ کلام تو جادو ہے جسے نقل کرکے سنادیا جاتا ہے۔ اس وقت یہ آیات ذَرْنِيْ...... لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ نازل ہوئیں(1)۔

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ولید نے کہا تھا کہ میں قرآن میں کافی غور وفکر کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ شعر نہیں ہے۔ اس کلام میں بڑی مٹھاس ہے، یہ بہت پررونق کلام ہے، یہ ہر ایک سے اونچا ہے اور کوئی اس سے اونچا نہیں ہوسکتا لیکن مجھے اس کے جادو ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ولید بن مغیرہ نبی کریم ﷺ کے پاس آیا۔ جب اس نے آپ ﷺ سے قرآن سنا تو وہ بہت متاثر ہوا اور اس کا دل نرم پڑ گیا۔ جب ابوجہل کو اس کا علم ہوا تو وہ بھاگم بھاگ ولید کے پاس آیا اور کہنے لگا: چچا جان! آپ کی قوم کے لوگ آپ کے لئے چندہ جمع کرنا چاہتے ہیں۔ اس سے پوچھا کہ وہ کیوں؟ ابوجہل نے کہا کہ وہ چندہ جمع کرکے آپ کو دیں گے کیونکہ انہیں معلوم ہوا ہے کہ آپ کو مالی امداد کی ضرورت ہے اسی لئے آپ محمد (ﷺ) کی طرف مائل ہوئے ہیں۔ وہ غیرت میں آکر کہنے لگا کہ میں تو قریش میں سب سے زیادہ مالدار ہوں۔ اب موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ابوجہل اسے کہنے لگا کہ فی الحال تو لوگ یہی سمجھ رہے ہیں کہ آپ مادی مفاد کے لئے اسلام کی طرف راغب ہوئے ہیں، اگر آپ لوگوں کے اس زعم کو ختم کرنا چاہتے ہیں تو ایسی بات کریں جس سے یہ اندازہ ہوجائے کہ آپ محمد (ﷺ) سے نفرت کرتے ہیں اور ان کی باتوں کے منکر ہیں۔ ولید کہنے لگا کہ مجھے کچھ سجھائی ہی نہیں دیتا کہ میں قرآن کے متعلق کیا رائے دوں؟ بخدا! تم میں سے کوئی بھی ایسا شخص نہیں ہے جو اشعار، رجز اور قصائد کے متعلق مجھ سے زیادہ علم رکھتا ہو۔ انسانوں کے علاوہ مجھے جنات کی شاعری سے بھی خوب واقفیت ہے لیکن میری

1۔ طبری، جلد 29، صفحہ 155

دانست میں یہ کلام شاعری کے ساتھ ذرا بھی مناسبت اور مشابہت نہیں رکھتا۔ خدا کی قسم! اس کلام میں ایک عجب لطافت اور حلاوت ہے، یہ تمام کلاموں پر برتری رکھتا ہے، یہ سب پر غالب آ جاتا ہے اور اس پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔ ابوجہل کہنے لگا کہ آپ کی قوم آپ پر اسی صورت میں خوش ہوگی جب آپ اس قرآن کے خلاف کوئی رائے دیں گے۔ ولید نے کہا کہ مجھے غور وفکر کا موقعہ دو۔ چنانچہ کافی غور خوض کے بعد ولید نے فیصلہ دیا کہ یہ کلام جادو ہے جسے وہ دوسروں سے نقل کرتا ہے۔ اس پر یہ آیات ذَرْنِیْ...... تِسْعَةَ عَشَرَ نازل ہوئیں۔

سدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ دارالندوہ میں قریش کا اجتماع ہوا۔ وہ باہم مشورہ کرنے لگے کہ حج کا موسم قریب ہے۔ بیرونی قبائل حج کے لئے آئیں گے اور وہ ضرور اس نئے داعی کے متعلق پوچھیں گے، اس لئے ہمیں چاہئے کہ ہم ایک بات پر متفق ہو جائیں اور ان کے متعلق ہر ایک وہی بات کرے۔ اس طرح دوسرے قبائل عرب بھی ہمارے ہمنوا بن جائیں گے۔ چنانچہ بعض نے شاعر نام تجویز کیا، بعض نے ساحر، بعض نے کاہن اور بعض نے مجنون جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا (فرقان:9) ملاحظہ تو کیجئے کیسے بیان کرتے ہیں آپ کے متعلق طرح طرح کی مثالیں سو وہ (اس بے ادبی کے باعث) گمراہ ہو گئے پس وہ راہ نہیں پا سکتے''۔ اس دوران ولید گہری سوچ میں گم رہا، بار بار غور وخوض کرتا رہا منہ بسورتا رہا اور پیشانی پر بل دیتا رہا اور بالآخر یہ فیصلہ دیا کہ یہ جادو ہے اور کسی بشر کا کلام ہے۔ اس کی سزا کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ یعنی میں اسے جہنم میں ایسے جھونک دوں گا کہ وہ ہر طرف سے آگ میں غرق ہوگا، پھر اس آگ کی ہولناکی اور فخامت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ پھر اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ یعنی یہ آگ گوشت پوست اور رگوں پٹھوں کو کھا جائے گی۔ اس کے بعد پھر زندہ کر کے نیا جسم دے دیا جائے گا۔ دوزخی ہمیشہ عذاب جھیلتے رہیں گے۔ وہاں نہ وہ مر کر ختم ہوں گے اور نہ زندہ رہ سکیں گے بلکہ ہمیشہ زندگی اور موت کی کشمکش میں عذاب کا سامنا کرتے رہیں گے۔

آگ کے متعلق مزید فرمایا: لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ یعنی یہ آگ کھال کو جھلسا دینے والی ہے۔ ابورزین رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ آگ کھال کو جھلسا کر سخت اندھیری رات سے بھی زیادہ سیاہ بنا ڈالے گی۔ زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آگ ان کے اجسام کو جھلسا دے گی۔ حضرت ابن عباس اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آگ کھال کو جلا ڈالے گی۔ پھر فرمایا: عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ یعنی اس دوزخ کی حفاظت پر بڑے بڑے عظیم الخلقت انیس داروغے مقرر ہیں۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہود کی ایک جماعت نے کسی صحابی سے جہنم کے داروغوں کی تعداد پوچھی تو اس نے جواب دیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ جب یہ واقعہ حضور ﷺ کو بتایا گیا تو اسی وقت یہ آیت عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ نازل ہوئی۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو یہ آیت سنا دی اور فرمایا: ''انہیں بلا کر میرے پاس لاؤ، اگر وہ میرے پاس آئے تو میں ان سے جنت کی مٹی کے متعلق دریافت کروں گا۔ سنو! وہ سفید میدہ کی طرح ہے''۔ جب یہودی آپ کے پاس آئے تو آپ سے انہوں نے جہنم کے داروغوں کے متعلق سوال کیا کہ ان کی تعداد کیا ہے؟ آپ نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں دو مرتبہ جھکائیں اور دوسری دفعہ انگوٹھا روک لیا یعنی انیس۔ پھر ان سے فرمایا: ''مجھے جنت کی مٹی کے متعلق بتاؤ''۔ انہوں نے کہا: اے ابن سلام! بتاؤ۔ انہوں نے بتایا کہ وہ گویا سفید روٹی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''سنو! سفید روٹی وہ جو خالص میدے کی ہو''۔

مسند بزار میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کو بتایا کہ آج آپ کے صحابہ مغلوب اور لاجواب ہو گئے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''کیسے؟'' اس شخص نے بتایا کہ یہود نے ان سے جہنم کے داروغوں کی تعداد کے متعلق سوال کیا لیکن انہوں نے لاعلمی کا اظہار کرتے

ہوئے کہا کہ ہم اپنے نبی ﷺ سے پوچھ کر بتائیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا ان لوگوں کو مغلوب کہا جا سکتا ہے جن سے وہ سوال کیا جائے جس کا انہیں علم ہی نہ ہو اور وہ لاعلمی کا اظہار کر کے کہہ دیں کہ ہم اپنے نبی سے پوچھ کر جواب دیں گے؟ ان دشمنانِ خدا کو میرے پاس لاؤ۔ یہ تو وہ ہیں جنہوں نے اپنے نبی سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ انہیں اللہ تعالیٰ کو برملا دکھائیں اور اس گستاخی پر انہیں عذاب کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ یہود کو بلایا گیا تو انہوں نے آپ سے پوچھا کہ جہنم کے داروغوں کی تعداد کتنی ہے؟ آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو دو مرتبہ کھول کر بتایا اور دوسری مرتبہ ایک انگلی روک لی۔ پھر صحابہ سے فرمایا: ''اگر تم سے جنت کی مٹی کے متعلق پوچھا جائے تو بتا دینا کہ وہ سفید میدہ جیسی ہے''۔ یہود آئے اور ان کے سوال پر حضور ﷺ نے انہیں جہنم کے داروغوں کی تعداد بتانے کے بعد ان سے پوچھا: جنت کی مٹی کیسی ہے؟ اس سوال پر ان کے اوسان خطا ہو گئے اور ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ بالآخر کہنے لگے کہ روٹی جیسی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''روٹی وہ جو سفید میدہ کی ہو''۔ ترمذی اور مسند احمد میں بھی یہ روایت ہے(1)۔

وَ مَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ۪ وَّ مَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۙ لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَ يَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِيْمَانًا وَّ لَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ وَ لِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْكٰفِرُوْنَ مَاذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ مَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ؕ وَ مَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ﴿۳۱﴾ كَلَّا وَ الْقَمَرِ ﴿۳۲﴾ وَ الَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ﴿۳۳﴾ وَ الصُّبْحِ اِذَاۤ اَسْفَرَ ﴿۳۴﴾ اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ ﴿۳۵﴾ نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ ﴿۳۶﴾ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ ﴿۳۷﴾

''اور ہم نے نہیں مقرر کئے آگ کے داروغے مگر فرشتے۔ اور نہیں بنایا ہم نے ان کی تعداد کو مگر آزمائش ان لوگوں کے لئے جنہوں نے کفر کیا۔ تاکہ یقین کر لیں اہل کتاب اور بڑھ جائے اہل ایمان کا ایمان اور نہ شک میں مبتلا ہوں اہل کتاب اور مومن۔ اور تاکہ کہنے لگیں جن کے دلوں میں روگ ہے اور کفار کیا ارادہ کیا ہے اللہ نے اس بیان سے۔ یونہی اللہ تعالیٰ (ایک ہی بات سے) گمراہ کر دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور ہدایت بخشتا ہے جس کو چاہتا ہے اور کوئی نہیں جانتا آپ کے رب کے لشکروں کو بغیر اس کے۔ اور نہیں ہے یہ بیان مگر نصیحت لوگوں کے لئے۔ ہاں ہاں! چاند کی قسم اور رات کی قسم جب وہ پیٹھ پھیرنے لگے اور صبح کی قسم جب روشن ہو جائے۔ یقیناً دوزخ بڑی آفتوں میں سے ایک آفت ہے۔ ڈراوا ہے لوگوں کے لئے۔ ان کے لئے جو تم میں سے آگے بڑھنا چاہتے ہیں یا پیچھے رہنا چاہتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ ہم نے جہنم کے داروغے ایسے فرشتے مقرر کئے ہیں جو نہایت طاقتور، تندمزاج اور بے رحم ہیں۔ اس آیت میں مشرکین قریش کا رد ہے کہ جب انہیں معلوم ہوا کہ جہنم کے داروغوں کی تعداد صرف انیس ہے تو انہوں نے خوب اودھم مچایا۔ ابوجہل قریش سے کہنے لگا کہ کیا تم دس دس مل کر ان میں ایک ایک پر غلبہ پانے کی قدرت نہیں رکھتے؟ ان کے اس زعم باطل کی تردید کرتے ہوئے اللہ

1۔ عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۂ مدثر، جلد 12، صفحہ 226، مسند احمد، جلد 3، صفحہ 361

تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا جَعَلْنَآ...... یعنی جہنم کے داروغے کوئی معمولی انسان نہیں بلکہ وہ نہایت مضبوط اور قوی فرشتے ہیں جن کا نہ مقابلہ کیا جا سکتا ہے اور نہ انہیں مغلوب بنایا جا سکتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کا ایک نامی گرامی پہلوان ابوالاشدین کلدہ بن اسید بن خلف خود پسندی اور تکبر کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا: اے قریشیو! دو کو تم سب مل کر قابو کر لینا باقی سترہ کے لئے میں تنہا ہی کافی ہوں۔ کہتے ہیں کہ یہ اس قدر طاقتور تھا کہ گائے کے چمڑے پر کھڑا ہو جاتا اور دس آدمی اس چمڑے کو اس کے پیروں تلے سے نکالنے کے لئے کھینچتے۔ چمڑے کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے لیکن اسے سرمو بھی نہ سرکا سکتے۔ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہی وہ شخص ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کو کشتی کی دعوت دیتے ہوئے کہا تھا کہ اگر آپ مجھے پچھاڑ دیں تو میں آپ پر ایمان لے آؤں گا۔ نبی کریم ﷺ نے اسے کئی بار چت گرا دیا لیکن پھر بھی یہ ایمان نہ لایا۔ امام ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ کشتی کی دعوت دینے والا شخص رکانہ بن عبد یزید بن ہاشم بن المطلب تھا(1)۔ میں کہتا ہوں کہ ان دونوں میں کوئی منافات نہیں یعنی ممکن ہے دونوں سے یہ واقعہ پیش آیا ہو۔ پھر فرمایا: وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ...... یعنی ہم نے لوگوں کی آزمائش کے لئے انیس کی تعداد کو ذکر کیا ہے تاکہ اہل کتاب کو یقین ہو جائے کہ یہ رسول واقعی سچا ہے کیونکہ یہی تعداد دوسری آسمانی کتابوں میں بھی مذکور ہے۔ اس تعداد کے بیان کرنے کا اہل ایمان کو یہ فائدہ ہوا کہ ان کے ایمان میں اضافہ ہو گیا، وہ اس طرح کہ ان کے نبی حضرت محمد ﷺ کی بتائی ہوئی خبر بالکل سچ ثابت ہوئی۔ مزید برآں اس تعداد کے ذکر سے مقصود یہ تھا کہ اہل کتاب اور اہل ایمان کسی شک وشبہ میں نہ رہیں۔ اس کے بعد ایک اور غرض بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ...... تاکہ منافقین اور کفار یہ کہیں کہ اس تعداد کے یہاں بیان کرنے میں کیا حکمت کارفرما ہے؟ جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ...... یعنی اس قسم کی چیزوں کے بیان سے بعض لوگوں کے دلوں میں ایمان خوب راسخ اور قوی ہو جاتا ہے اور بعض کا ایمان متزلزل ہو جاتا ہے اور وہ ڈانواں ڈول اور متردد ہی رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں خاص حکمت اور حجت کارفرما ہوتی ہے۔ اس کے بعد فرمایا: وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ یعنی اللہ تعالیٰ کے لشکروں کی تعداد اور کثرت کو بجز اس کے کوئی نہیں جانتا۔ ان الفاظ کو اس لئے ذکر کیا تاکہ کوئی یہ نہ سمجھتا رہے کہ اللہ تعالیٰ کا لشکر صرف انیس فرشتوں پر مشتمل ہے جیسا کہ یونانی فلسفیوں اور ان کے ہمنواؤں نے اپنی جہالت اور ضلالت کے باعث یہ سمجھ لیا کہ اس سے مراد عقول عشرہ اور نفوس تسعہ ہیں۔ یہ دعویٰ ان کا خود ساختہ ہے جس پر وہ دلیل قائم کرنے سے عاجز رہے۔ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ اس آیت کے اول کا تو انہیں یقین ہو گیا لیکن اس کے آخر وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ کا انکار کر دیا۔

حدیث معراج میں رسول اللہ ﷺ نے ساتویں آسمان میں موجود بیت معمور کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں جن کی دوبارہ باری کبھی نہیں آتی''(2)۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں وہ کچھ دیکھتا ہوں جو تمہیں دکھائی نہیں دیتا اور میں وہ کچھ سنتا ہوں جو تمہیں سنائی نہیں دیتا۔ آسمان چر چرا رہا ہے اور یہ اس بات کا سزاوار ہے کہ چر چرائے کیونکہ اس میں ایک انگلی کے برابر بھی ایسی جگہ نہیں جہاں کوئی فرشتہ سجدہ نہ کر رہا ہو۔ اگر تم وہ جان لیتے جو میں جانتا ہوں تو تم بہت کم ہنستے اور بہت زیادہ روتے اور بستروں پر اپنی بیویوں کے ساتھ لطف اندوز نہ ہو سکتے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑاتے اور فریادرسی کرتے ہوئے جنگلوں کی طرف نکل جاتے''۔ اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: کاش میں

1۔ الروض الانف، جلد 1، صفحہ 200، دلائل نبوۃ، جلد 6، صفحہ 250 2۔ دیکھئے سورۂ اسراء اور طور کا آغاز

درخت ہوتا جسے کاٹ لیا جاتا(1)۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو حسن غریب کہا ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ساتوں آسمانوں میں قدم رکھنے، بالشت بھر یا ہتھیلی کی مقدار بھی ایسی جگہ نہیں جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ قیام یا سجدہ یا رکوع کی حالت میں نہ ہو۔ اس کے باوجود قیامت کے دن یہ سب کہیں گے: اے اللہ! تو پاک ہے ہم تیری عبادت کا حق ادا نہ کر سکے البتہ ایک بات ہے کہ ہم نے تیرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا''(2)۔

امام محمد بن نصر مروزی رحمۃ اللہ علیہ کی ''کتاب الصلوٰۃ'' میں حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ اسی اثناء میں آپ نے ان سے فرمایا: ''کیا تم وہ سن رہے ہو جو میں سن رہا ہوں؟'' عرض کی کہ ہمیں تو کچھ نہیں سنائی دے رہا۔ آپ نے فرمایا: ''میں آسمان کی چرچراہٹ سن رہا ہوں اور اس چرچراہٹ پر اسے ملامت نہیں کی جا سکتی کیونکہ اس میں بالشت بھر بھی ایسی جگہ نہیں جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ رکوع یا سجدہ کی حالت میں نہ ہو''۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آسمان دنیا میں قدم رکھنے کی بھی جگہ نہیں جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ سجدہ یا قیام کی حالت میں نہ ہو''۔ اسی لئے قرآن کریم میں فرشتوں کا یہ قول مذکور ہے: وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۱۶۴﴾ وَّ اِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ﴿۱۶۵﴾ وَ اِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ (صافات: 66-164)'' اور فرشتے کہتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی ایسا نہیں مگر اس کے لئے مقام متعین ہے۔ اور پرے باندھے (مقام نیاز میں) کھڑے ہیں۔ اور بیشک ہم اس کی پاکی بیان کرنے والے ہیں''۔ اس حدیث کا مرفوع ہونا بہت غریب ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آسمان ایسا ہے جس میں بالشت بھر بھی ایسی جگہ نہیں ہے جس پر کسی نہ کسی فرشتے کی پیشانی یا قدم نہ ہوں پھر آپ نے ان آیات وَ اِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ﴿۱۶۵﴾ وَ اِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ (الصافات: 165) کی تلاوت کی۔ حضرت علاء بن سعد رضی اللہ عنہ جو فتح مکہ اور اس کے بعد دیگر غزوات میں شریک ہوئے، روایت کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے حاضرین مجلس سے فرمایا: ''کیا تمہیں وہ سنائی دیتا ہے جو میں سنتا ہوں؟'' صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ؟! آپ کیا سنتے ہیں؟ فرمایا: ''آسمان چرچرا رہا ہے اور اس کا حق بنتا ہے کہ چرچرائے کیونکہ اس میں ایک قدم کے برابر بھی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ قیام یا رکوع یا سجدہ کی حالت میں نہ ہو اور فرشتوں کا کہنا ہے: وَ اِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ﴿۱۶۵﴾ وَ اِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ (الصافات: 165)۔ اس کی سند بہت غریب ہے''۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے۔ آپ نے دیکھا کہ نماز کھڑی ہے لیکن تین شخص الگ تھلگ بیٹھے ہیں۔ ان میں سے ایک ابو جحش لیثی تھا۔ آپ نے انہیں فرمایا کہ اٹھو اور رسول اللہ ﷺ کی اقتداء میں نماز ادا کرو۔ دو شخص تو اٹھ کھڑے ہوئے لیکن ابو جحش نے جماعت میں شریک ہونے سے انکار کر دیا اور کہنے لگا کہ میں نماز میں اس شرط پر شریک ہوں گا کہ ایک ایسا آدمی آئے جو مجھ سے زیادہ زور آور اور قوی ہو، وہ مجھ سے کشتی لڑے اور مجھے پچھاڑ کر میرا منہ خاک میں ملا دے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں خود ہی کشتی کے لئے تیار ہو گیا۔ میں نے اسے پکڑا اور چت زمین پر گرا دیا اور اس کا چہرہ خاک آلود کر دیا۔ اسی اثناء میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ آ گئے اور انہوں نے بیچ بچاؤ کرا کے اسے مجھ سے چھڑا دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ

1۔ مسند احمد، جلد 5، صفحہ 173، عارضۃ الاحوذی، جلد 9، صفحہ 194، ابن ماجہ، جلد 2، صفحہ 1402

2۔ المعجم الکبیر، جلد 2، صفحہ 184، مجمع زوائد، جلد 1، صفحہ 52

عنہ غصہ کی حالت میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے دیکھتے ہی فرمایا: اے ابوحفص! کیا بات ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے تمام ماجرا کہہ سنایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر عمر کی بھی یہی مرضی ہوتو میری یہی خواہش تھی کہ تم اس خبیث کا سر اتار کر میرے پاس لے آتے''۔ یہ سنتے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ فوراً اس کی طرف دوڑے۔ کچھ دور جا چکے تھے کہ حضور ﷺ نے انہیں آواز دی اور فرمایا: ''بیٹھو، میں تمہیں بتاتا ہوں کہ رب تعالیٰ ابوجحش کی نماز سے کس قدر بے نیاز ہے، آسمان دنیا میں عاجزی و انکساری کرنے والے اللہ تعالیٰ کے ایسے فرشتے ہیں جو سر جھکائے ہوئے ہیں اور قیامت تک اپنے سر نہیں اٹھائیں گے۔ جب قیامت قائم ہوگی تو یہ اپنے سر اٹھائیں گے، پھر عرض کریں گے: اے ہمارے پروردگار! ہم اس طرح تیری عبادت نہیں کر سکے جس طرح عبادت کرنے کا حق تھا اور دوسرے آسمان میں اللہ تعالیٰ کے بے شمار ایسے فرشتے ہیں جو سجدہ میں پڑے ہیں۔ وہ قیامت تک اپنے سر نہیں اٹھائیں گے۔ جب قیامت برپا ہوگی تو اپنے سر اٹھائیں گے اور کہیں گے: اے اللہ! تو پاک ہے۔ ہم تیری عبادت کا حق ادا کرنے سے قاصر رہے''۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: یارسول اللہ ﷺ! فرشتے کیا کہتے ہیں؟ فرمایا: ''آسمان دنیا والے فرشتے تو یہ کہتے ہیں: سُبْحَانَ ذِي الْمُلْكِ والملکوتِ دوسرے آسمان والوں کی تسبیح یہ ہے: سبحانَ ذِي العزّةِ والجبروتِ اور تیسرے آسمان کے فرشتے یہ کہتے ہیں: سُبْحَانَ الحيِّ الّذي لَا يَمُوْتُ۔ اے عمر! تم بھی نماز میں یہ کلمات پڑھا کرو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! آپ نے مجھے جو پہلے سکھایا ہے اور اسے اپنی نماز میں پڑھنے کا حکم دیا ہے، اس کا کیا بنے گا؟ فرمایا: ''کبھی یہ پڑھ لیا کرو اور کبھی وہ پڑھ لیا کرو''۔ آپ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پہلے جو پڑھنے کا حکم فرمایا تھا، وہ یہ ہے: ''أعُوذُ بِعَفْوِكَ مِنْ عقابِك وأعوذ بِرِضاكَ مِنْ سخطِك وأعُوذ بك مِنْكَ جَلَّ وجهُك'' یعنی اے اللہ! میں تیرے عتاب سے تیرے عفو کی پناہ مانگتا ہوں، میں تیری ناراضگی سے تیری رضا کی پناہ کا خواستگار ہوں اور میں تجھ سے تیری پناہ کا طالب ہوں، تیری ذات عظمت و جلال والی ہے۔ یہ حدیث نہایت غریب بلکہ شدید منکر ہے(1)۔ اس حدیث کے راوی اسحاق مروزی سے امام بخاری روایت کرتے ہیں۔ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے لیکن امام ابوداؤد، امام نسائی، امام عقیلی اور امام دارقطنی رحمہم اللہ تعالیٰ نے انہیں ضعیف قرار دیا ہے۔ ابوحاتم رازی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ سچے تھے لیکن بینائی سے محروم ہو گئے تھے، بسا اوقات تلقین قبول کر لیتے تھے اور ان کی کتابیں اور روایات صحیح ہیں(2)۔ مرہ نے ان پر اضطراب کا حکم لگایا ہے اور ان کے استاد ابوقتادہ عبدالملک بن قدامہ جمحی کے بارے میں بھی کلام کیا گیا ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ امام محمد بن نصر رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو بغیر چھان بین کے کیسے روایت کر دیا نہ اس پر کلام کیا، نہ حالت کی چھان پھٹک کی اور نہ راویوں کے ضعف کو بیان کیا۔ البتہ ایک بات ہے کہ انہوں نے اسے دوسری اسناد سے بھی مرسلاً روایت کر دیا ہے۔ ایک حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے اور دوسری حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے پھر محمد بن نصر ایک اور روایت لائے ہیں کہ حضرت عدی بن ارطاۃ رحمۃ اللہ علیہ نے مدائن کی جامع مسجد میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابی کو یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سنا: ''اللہ تعالیٰ کے بہت سے فرشتے ایسے ہیں جو ہمہ وقت اپنے رب کے خوف سے لرزہ براندام رہتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک فرشتے کے آنسو ٹپکتے ہیں اور ان فرشتوں پر پڑتے ہیں جو نماز میں مشغول ہیں۔ ان میں ایسے فرشتے بھی ہیں جو اس وقت سے سجدہ میں ہیں جب سے اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا فرمایا۔ نہ انہوں نے اپنے سر اٹھائے اور نہ قیامت تک اٹھائیں گے اور ان میں ایسے فرشتے بھی ہیں جو

1۔ مستدرک حاکم، کتاب معرفۃ الصحابۃ، جلد 3، صفحہ 88-87 2۔ الجرح والتعدیل، جلد 2، صفحہ 223

رکوع کی حالت میں ہیں۔ جب سے زمین و آسمان کی تخلیق ہوئی، انہوں نے کبھی اپنے سر نہیں اٹھائے اور نہ ہی قیامت تک اٹھائیں گے۔ جب وہ اپنے سر اٹھائیں گے تو اللہ تعالیٰ کا دیدار کرتے ہوئے عرض کریں گے تو پاک ہے۔ ہم تیری عبادت کا حق ادا نہ کر سکے۔'' اس کی سند میں کوئی حرج نہیں۔ پھر فرمایا: وَمَا هِيَ إِلَّا ذِكْرَىٰ لِلْبَشَرِ یعنی یہ آگ جس کا وصف بیان کیا گیا ہے، لوگوں کے لئے باعث نصیحت ہے۔ اس کے بعد فرمایا: كَلَّا وَالْقَمَرِ ...... یعنی چاند کی قسم اور رات کی قسم جب وہ پیٹھ پھیر لے اور صبح کی قسم جب یہ خوب روشن ہو جائے! یہ آگ بڑی بڑی آفتوں میں سے ایک آفت ہے۔ یہ انسانوں کے لئے ڈراوا ہے۔ پس جو چاہے اس ڈراوے کو قبول کر کے حق کی راہ پالے اور جو چاہے روگردانی کر کے اسے رد کر دے۔

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ﴿٣٨﴾ إِلَّا أَصْحَابَ الْيَمِينِ ﴿٣٩﴾ فِي جَنَّاتٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿٤٠﴾ عَنِ الْمُجْرِمِينَ ﴿٤١﴾ مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ ﴿٤٢﴾ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ﴿٤٣﴾ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ ﴿٤٤﴾ وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ ﴿٤٥﴾ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّينِ ﴿٤٦﴾ حَتَّىٰ أَتَانَا الْيَقِينُ ﴿٤٧﴾ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ ﴿٤٨﴾ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ ﴿٤٩﴾ كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُسْتَنْفِرَةٌ ﴿٥٠﴾ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿٥١﴾ بَلْ يُرِيدُ كُلُّ امْرِئٍ مِنْهُمْ أَنْ يُؤْتَىٰ صُحُفًا مُنَشَّرَةً ﴿٥٢﴾ كَلَّا ۖ بَلْ لَا يَخَافُونَ الْآخِرَةَ ﴿٥٣﴾ كَلَّا إِنَّهُ تَذْكِرَةٌ ﴿٥٤﴾ فَمَنْ شَاءَ ذَكَرَهُ ﴿٥٥﴾ وَمَا يَذْكُرُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ۚ هُوَ أَهْلُ التَّقْوَىٰ وَأَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿٥٦﴾

''ہر نفس اپنے عملوں میں گروی ہے۔ سوائے اصحاب یمین کے جو جنتوں میں ہوں گے اہل جنت پوچھیں گے مجرموں سے کہ کس جرم نے تم کو دوزخ میں داخل کیا۔ وہ کہیں گے ہم نماز نہیں پڑھا کرتے تھے۔ اور مسکین کو کھانا بھی نہیں کھلایا کرتے تھے۔ اور ہم ہرزہ سرائی کرنے والوں کے ساتھ ہرزہ سرائی میں لگے رہتے اور ہم جھٹلایا کرتے تھے روز جزا کو۔ یہاں تک کہ ہمیں موت نے آلیا۔ پس انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچائے گی شفاعت کرنے والوں کی شفاعت۔ پس انہیں کیا ہو گیا ہے کہ وہ اس نصیحت سے روگرداں ہیں۔ گویا وہ بھڑکے ہوئے جنگلی گدھے ہیں جو بھاگے جا رہے ہیں شیر سے بلکہ ان میں سے ہر شخص چاہتا ہے کہ ان کو کھلے صحیفے دیئے جائیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ دراصل وہ آخرت سے ڈرتے ہی نہیں۔ ہاں ہاں یہ قرآن تو نصیحت ہے۔ پس جس کا جی چاہے نصیحت حاصل کرے۔ اور وہ نصیحت قبول نہیں کریں گے بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ چاہے۔ وہی اس قابل ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور وہی بخشنے کے لائق ہے''۔

اللہ تعالیٰ بتا رہا ہے کہ قیامت کے دن ہر نفس اپنے اعمال میں گروی اور بندھا ہوا ہوگا بجز اصحاب یمین یعنی دائیں ہاتھ والوں کے۔ وہ جنت کے بالا خانوں میں براجمان ہوں گے اور ان مجرموں سے سوال کریں گے جو جہنم کی وادیوں میں عذاب کا سامنا کر رہے ہوں گے: مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ یعنی کس جرم کی پاداش میں تمہیں جہنم میں جھونک دیا گیا؟ وہ جواب میں کہیں گے: لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ یعنی ہم نے نہ اپنے رب کی عبادت کی اور نہ اس کی مخلوق کے ساتھ احسان کیا بلکہ ہمارا یہ معمول تھا کہ ہم بھی ہرزہ سرائی کرنے والوں کے ساتھ ہرزہ سرائی کیا کرتے تھے۔ اگر کوئی گمراہی کی راہ اختیار کر لیتا تو ہم بھی ضرور اس کا ساتھ دیتے اور ہم قیامت کے دن کو جھٹلایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ

ہمیں یقین یعنی موت نے آلیا۔ یقین کا معنی موت ہے جیسا کہ فرمایا: وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ (الحجر: 99) ''اور عبادت کیجئے اپنے رب کی یہاں تک کہ آجائے آپ کے پاس یقین''۔ اسی طرح حدیث شریف میں بھی آیا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی نسبت فرمایا تھا کہ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے یقین آگیا یعنی موت۔

فرمایا: فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ یعنی ایسے جرائم کے حامل لوگوں کو قیامت کے دن کسی کی سفارش فائدہ نہ پہنچا سکے گی کیونکہ سفارش تو وہاں مؤثر ہوتی ہے جو محل شفاعت ہو لیکن جو قیامت کے دن کفر کی حالت میں اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوا، اس کے لئے شفاعت کہاں؟ اس کے لئے تو جہنم کا ابدی عذاب ہے۔ پھر فرمایا: فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ...... یعنی ان کافروں کو کیا ہوگیا ہے کہ آپ کی دعوت اور نصیحت سے روگردانی کر رہے ہیں۔ یہ حق سے بدک کر اس طرح منہ موڑ لیتے ہیں جس طرح جنگلی گدھے شیر کے خوف سے بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شیر کو حبشی زبان میں قسورہ، فارسی میں شیر اور نبطی زبان میں اویا کہتے ہیں۔ پھر فرمایا: بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ...... یعنی ان مشرکوں میں سے ہر ایک کی خواہش ہے کہ اس پر بھی ویسی ہی کتاب اترے جیسی نبی کریم ﷺ پر اتاری گئی ہے۔ جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ۘؔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (انعام: 125) ''اور جب آئے ان کے پاس کوئی نشانی کہتے ہیں ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک ہمیں بھی ویسا ہی نہ دیا جائے جیسے دیا گیا اللہ کے رسولوں کو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے (اس دل کو) جہاں وہ رکھتا ہے اپنی رسالت کو''۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک یہ مفہوم بھی مروی ہے کہ ان کی خواہش ہے کہ ہمیں بغیر عمل کے چھٹکارا دے دیا جائے (1)۔ پھر فرمایا۔ كَلَّا ۭ بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ یعنی ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ ان کے ایمان نہ لانے کی یہ وجہ نہیں کہ ان کا مطالبہ پورا نہیں کیا گیا بلکہ آخرت کا اعتقاد نہ رکھنا اور اس کے وقوع کی تکذیب کرنا ہی دراصل وہ اصلی سبب ہے جس نے انہیں بگاڑ دیا۔ اس کے بعد فرمایا: كَلَّآ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ...... یعنی یقیناً یہ قرآن نصیحت ہے۔ پس جو چاہے نصیحت حاصل کر لے اور اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر ایسا ممکن نہیں جیسا کہ فرمایا: وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ (انسان: 30) ''تم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے بجز اس کے کہ اللہ خود چاہے''۔ سورت کے آخر میں فرمایا۔

هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى...... یعنی اللہ تعالیٰ ہی اس بات کا مستحق ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور وہی اس لائق ہے کہ وہ ہر اس شخص کے گناہوں کی مغفرت فرمائے جو توبہ کر کے اس کی طرف رجوع کر لے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى...... کی تلاوت کرتے ہوئے فرمایا: ''تمہارا رب فرماتا ہے کہ میں اس کا مستحق ہوں کہ مجھ سے ڈرا جائے اور میرے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ ٹھہرایا جائے۔ جو شخص میرے ساتھ کوئی دوسرا معبود شریک کرنے سے ڈرا، وہ اس بات کا مستحق ہے کہ میں اس کی مغفرت فرمادوں'' (2)۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے اور اس کا ایک راوی سہیل قوی نہیں۔ ابن ابی حاتم، ابو یعلی، بزار اور بغوی رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔

1۔ طبری، جلد 29، صفحہ 171

2۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 142، عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ مدثر، جلد 12، صفحہ 229-228، ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2، صفحہ 1437 مسند ابو یعلی، جلد 3، صفحہ 340 بغوی، جلد 4، صفحہ 420

سورۂ قیامہ (مکیہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

لَاۤ اُقۡسِمُ بِیَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ ۙ﴿۱﴾ وَ لَاۤ اُقۡسِمُ بِالنَّفۡسِ اللَّوَّامَۃِ ؕ﴿۲﴾ اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَلَّنۡ نَّجۡمَعَ عِظَامَہٗ ؕ﴿۳﴾ بَلٰی قٰدِرِیۡنَ عَلٰۤی اَنۡ نُّسَوِّیَ بَنَانَہٗ ﴿۴﴾ بَلۡ یُرِیۡدُ الۡاِنۡسَانُ لِیَفۡجُرَ اَمَامَہٗ ۚ﴿۵﴾ یَسۡـَٔلُ اَیَّانَ یَوۡمُ الۡقِیٰمَۃِ ؕ﴿۶﴾ فَاِذَا بَرِقَ الۡبَصَرُ ۙ﴿۷﴾ وَ خَسَفَ الۡقَمَرُ ۙ﴿۸﴾ وَ جُمِعَ الشَّمۡسُ وَ الۡقَمَرُ ۙ﴿۹﴾ یَقُوۡلُ الۡاِنۡسَانُ یَوۡمَئِذٍ اَیۡنَ الۡمَفَرُّ ﴿ۚ۱۰﴾ کَلَّا لَا وَزَرَ ﴿ؕ۱۱﴾ اِلٰی رَبِّکَ یَوۡمَئِذِۣ الۡمُسۡتَقَرُّ ﴿ؕ۱۲﴾ یُنَبَّؤُا الۡاِنۡسَانُ یَوۡمَئِذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَ اَخَّرَ ﴿ؕ۱۳﴾ بَلِ الۡاِنۡسَانُ عَلٰی نَفۡسِہٖ بَصِیۡرَۃٌ ﴿ۙ۱۴﴾ وَّ لَوۡ اَلۡقٰی مَعَاذِیۡرَہٗ ﴿ؕ۱۵﴾

''میں قسم کھاتا ہوں روزِ قیامت کی۔ اور میں قسم کھاتا ہوں نفس لوامہ کی (کہ حشر ضرور ہوگا) کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ ہم ہرگز جمع نہ کریں گے اس کی ہڈیوں کو کیوں نہیں ہم اس پر بھی قادر ہیں کہ ہم اس کی انگلیوں کی پور پور درست کر دیں۔ لیکن انسان کی خواہش تو یہ ہے کہ آئندہ بھی بدکاریاں کرتا رہے۔ (ازراہ تمسخر) وہ پوچھتا ہے قیامت کب آئے گی۔ پھر جب آنکھ خیرہ ہو جائے گی۔ اور چاند بے نور ہو جائے گا۔ اور (بے نوری میں) سورج اور چاند یکساں ہو جائیں گے۔ (اس روز) انسان کہے گا کہ بھاگنے کی جگہ کہاں ہے۔ ہرگز نہیں، وہاں کوئی پناہ گاہ نہیں۔ صرف آپ کے رب کے پاس ہی اس روز ٹھکانا ہوگا۔ آگاہ کر دیا جائے گا انسان کو اس روز جو عمل اس نے پہلے بھیجے اور جو (اثرات) وہ پیچھے چھوڑ آیا۔ بلکہ انسان خود بھی اپنے نفس کے احوال پر نظر رکھتا ہے۔ خواہ وہ (زبان سے ہزار) بہانے بناتا رہے''۔

متعدد مرتبہ یہ بیان ہو چکا ہے کہ جب مُقسَم علیہ رد کی جانے والی چیز ہو تو نفی کی تاکید کے لئے قسم سے پہلے ''لا'' کالانا جائز ہے۔ یہاں قیامت کے اثبات اور جاہلوں کے اس گمان کے رد پر کہ نہ قیامت برپا ہوگی اور نہ جسموں کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا، قسم اٹھائی جارہی ہے، اس لئے فرمایا: لَاۤ اُقۡسِمُ بِیَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ ۙ﴿۱﴾ وَ لَاۤ اُقۡسِمُ بِالنَّفۡسِ اللَّوَّامَۃِ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اس کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ یہاں قیامت کی قسم اٹھائی اور ملامت کرنے والے نفس کی قسم نہیں اٹھائی۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ دونوں کی قسم ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے حسن اور اعرج سے یہ قراءت لَاُقۡسِمُ بِیَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ نقل کی ہے(1)۔ اس سے حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کی تائید ہوتی ہے کیونکہ انہوں نے روزِ قیامت کی قسم کا اثبات کیا ہے جبکہ نفس لوامہ کی قسم کی نفی کی ہے۔ صحیح بات یہی ہے کہ دونوں کی قسم کھائی ہے جیسا کہ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور حضرات ابن عباس اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مروی ہے اور امام

1۔ تفسیر طبری، جلد 29، صفحہ 172

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ یومِ قیامت تو مشہور و معروف ہے اور جہاں تک نفس لوامہ کا تعلق ہے تو اس کی وضاحت میں حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مومن کا نفس ہے جو ہر وقت اپنے آپ کو ملامت کرتے ہوئے کہتا رہتا ہے کہ تو نے یہ بات کیوں کی، یہ کیوں کھایا اور دل میں اس خیال کے آنے کا مقصد کیا ہے؟ لیکن بدکار شخص اپنے نفس کا محاسبہ اور مؤاخذہ کئے بغیر اپنی خواہشات میں آگے ہی بڑھتا چلا جاتا ہے۔

حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے ہی یہ بھی مروی ہے کہ زمین و آسمان کی مخلوق میں سے ہر ایک قیامت کے دن اپنے آپ کو ملامت کرے گا۔ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس فرمان وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ کی تفسیر پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا کہ ہر ایک نیکی اور بدی پر خود کو ملامت کرے گا اور کہے گا کہ کاش میں مزید نیکی کر لیتا اور برائی سے اجتناب کرتا۔ حضرت سعید رضی اللہ عنہ کے سوال پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ نفس لوامہ سے مراد خسیس نفس ہے۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ نفس ہے جو فوت شدہ چیز پر ندامت کا اظہار کرتا اور اس پر ملامت کرتا ہے۔ ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا معنی نفس مذموم منقول ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کے بقول لوامہ کا معنی ہے بدکار۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ تمام اقوال قریب قریب ہیں۔ بہرصورت اس سے مراد وہ نفس ہے جو برائی کے ارتکاب پر اور نیکیوں کی کمی پر ملامت کرتا ہے اور فوت شدہ چیز پر اظہار ندامت کرتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا: اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ...... یعنی کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ ہم قیامت کے دن مختلف جگہوں سے اس کی ہڈیوں کو جمع کرنے پر قادر نہیں ہیں؟ کیوں نہیں، ہم تو اس کی انگلیوں کے پور پور درست کرنے پر قادر ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس فرمان قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ ہمیں اس بات پر پوری پوری قدرت حاصل ہے کہ ہم اسے اونٹ یا گھوڑے کے کھُر کی طرح بنا دیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو دنیا میں بھی اس طرح بنا دے۔ آیت کے الفاظ سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ''قادرین''، ''نجمع'' کی ضمیر سے حال ہے یعنی کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو جمع نہیں کریں گے؟ کیوں نہیں، ہم انہیں عنقریب ضرور جمع کریں گے درآں حالیکہ ہم تو اس پر بھی قدرت رکھتے ہیں کہ اس کی انگلیوں کے پور پور درست کر دیں یعنی ہڈیوں کو جمع کرنا ہماری قدرت سے ذرا بھی بعید اور مشکل نہیں۔ ہماری قدرت کا تو یہ عالم ہے کہ اگر ہم چاہیں تو جس قدر یہ پہلے تھا، اس میں کچھ اضافہ کر کے اسے اٹھائیں اور اس کی انگلیوں کے پورے برابر کر دیں۔ ابن قتیبہ اور زجاج رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول کا یہی معنی ہے (1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس فرمان بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ کی وضاحت میں کہتے ہیں کہ انسان یہ چاہتا ہے کہ قدم بقدم بڑھتا رہے۔ ایک دوسری روایت میں آپ سے یہ معنی منقول ہے کہ انسان امیدیں باندھتا چلا جاتا ہے، کہتا ہے کہ اب گناہ کر لیتا ہوں پھر قیامت سے پہلے پہلے توبہ کر لوں گا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس سے مراد قیامت سے پہلے حق کے ساتھ کفر کرنا ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ انسان چاہتا ہے کہ اپنے سر پر سوار ہو کر آگے بڑھتا رہے۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابن آدم کا نفس اسے قدم بقدم اللہ تعالیٰ کی معصیت کی طرف بڑھاتا چلا جاتا ہے بجز اس کے جسے اللہ تعالیٰ محفوظ فرما دے۔ حضرات عکرمہ، سعید بن جبیر، ضحاک، سدی رحمہم اللہ تعالیٰ اور دیگر متعدد سلف کا کہنا ہے کہ یہاں وہ انسان مراد ہے جو عجلت میں گناہ کئے چلا جاتا ہے اور توبہ کو مؤخر کر دیتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ کافر ہے جو یوم حساب کی تکذیب کرتا ہے۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ کا بھی

1۔ زجاج: معانی القرآن، جلد 5، صفحہ 251

یہی قول ہے اور یہی زیادہ واضح مفہوم رکھتا ہے، اس لئے اس کے بعد فرمایا: یَسْـَٔلُ اَیَّانَ یَوْمُ الْقِیٰمَةِ یعنی یہ وقوعِ قیامت کو محال سمجھتے ہوئے اور اس کے وجود کی تکذیب کرتے ہوئے پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب ہوگا؟ اس کا یہ سوال بطور انکار کے ہے جیسا کہ فرمایا: وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۞ قُلْ لَّكُمْ مِّیْعَادُ یَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ (سبا: 30-29) ''اور وہ کہتے ہیں کہ کب پورا ہوگا یہ وعدہ (بتاؤ) اگر تم سچے ہو۔ فرمائیے (اے منکرو!) تمہارے لئے وعدہ کا دن مقرر ہے نہ تم اس سے ایک لحہ پیچھے ہٹ سکو گے اور نہ (ایک لحہ) آگے بڑھ سکو گے'' اور یہاں فرمایا:

فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ یعنی جب آنکھیں خیرہ ہو جائیں گی۔ ابوعمرو بن العلاء رحمۃ اللہ علیہ کی قراءت میں ''بَرِق'' راء کے کسرہ کے ساتھ ہے(1)۔ اس کے مشابہ یہ فرمان بھی ہے: لَا یَرْتَدُّ اِلَیْهِمْ طَرْفُهُمْ (ابراہیم: 43) ''ان کی پلکیں نہیں جھپکتی ہوں گی'' یعنی دہشت اور خوف کے مارے ان کی نگاہیں کسی چیز پر جمیں گی نہیں بلکہ کبھی وہ ادھر دیکھ رہے ہوں اور کبھی ادھر۔ باقی حضرات کی قراءت میں ''بَرَق'' راء کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ معنی اس کا بھی تقریباً وہی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ قیامت کے ہولناک مناظر کو دیکھ کر نگاہیں چکا چوند، حیرت زدہ اور جھکی ہوئی ہوں گی، فرمایا: وَخَسَفَ الْقَمَرُ یعنی چاند بے نور ہو جائے گا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اس آیت وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ کی وضاحت میں کہتے ہیں کہ ان دونوں کو لپیٹ دیا جائے گا۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر کے تحت یہ آیت ذکر کی: اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۞ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ (تکویر: 2-1) ''(یاد کرو) جب سورج لپیٹ دیا جائے گا۔ اور جب ستارے بکھر جائیں گے''۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں ''وجُمِعَ بَیْنَ الشمسِ والقمرِ'' ہے(2)۔

فرمایا: یَقُوْلُ الْاِنْسَانُ یَوْمَىِٕذٍ اَیْنَ الْمَفَرُّ یعنی جب انسان قیامت کے ہولناک مناظر دیکھے گا تو فرار ہونے کا ارادہ کرے گا اور پوچھے گا کہ مفر کہاں ہے؟ یعنی کیا کوئی پناہ گاہ اور فرار کی جگہ ہے؟ جواب ملے گا: كَلَّا لَا وَزَرَ...... یعنی ہرگز نہیں، آج کوئی پناہ گاہ نہیں جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ یَّوْمَىِٕذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِیْرٍ (شوریٰ: 47) ''نہ ہوگی تمہارے لئے کوئی پناہ گاہ اس روز اور نہ تمہاری طرف سے کوئی روک ٹوک کرنے والا ہوگا'' یعنی اس دن نہ تمہارے لئے کوئی پناہ گاہ ہوگی اور نہ تمہارے لئے ایسی جگہ ہوگی جہاں تم گمنام اور غیر معروف بن جاؤ۔ اس لئے فرمایا: اِلٰى رَبِّكَ یَوْمَىِٕذِ ا۟لْمُسْتَقَرُّ۔ پھر فرمایا: یُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ...... یعنی اس دن انسان کو اس کے نئے پرانے، اگلے پچھلے اور چھوٹے بڑے تمام اعمال سے آگاہ کر دیا جائے گا جیسا کہ فرمایا: وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۭ وَلَا یَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا (کہف: 49) ''اور (اس دن) وہ پالیں گے جو عمل انہوں نے کیے تھے اپنے سامنے۔ اور آپ کا رب تو (اے حبیب!) کسی پر زیادتی نہیں کرتا''۔ اسی طرح یہاں فرمایا: بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ...... یعنی انسان اپنے نفس پر گواہ ہے اور وہ اپنے اعمال سے بخوبی واقف ہے اگرچہ وہ بہانے تراشتا رہے اور انکار کرتے رہے جیسا کہ فرمایا: اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ۭ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْیَوْمَ عَلَیْكَ حَسِیْبًا (الاسراء: 14) ''(اسے حکم ملے گا) پڑھو اپنا دفترِ عمل تم خود ہی کافی ہو آج اپنی باز پرس کرنے کے لئے''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ انسان کے کان، اس کی آنکھیں، اس کے ہاتھ، اس کے پاؤں بلکہ اس کے سبھی اعضاء اس پر گواہ ہیں۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں صد حیف! انسان دوسرے لوگوں کے عیوب اور گناہوں سے تو خوب واقف ہے لیکن اپنے گناہوں سے غافل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ تورات میں لکھا ہوا ہے کہ اے ابن آدم! اپنے بھائی کی آنکھ میں تو تمہیں ایک تنکا بھی نظر آ جاتا ہے لیکن اپنی آنکھ کا شہتیر بھی تجھے دکھائی نہیں دیتا؟

1۔ طبری، جلد 29، صفحہ 178

5۔ طبری، جلد 29، صفحہ 180

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اس فرمان وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِیْرَهٗ کی وضاحت کرتے ہیں کہ اگرچہ انسان اپنے نفس کی طرف سے جھگڑتا رہے پھر بھی وہ اس کے حالات پر آگاہ ہے۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ انسان اس دن ہزار عذر پیش کرتا رہے، قبول نہ کئے جائیں گے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اگرچہ دلیلیں لاتا رہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے معاذیر کا معنی بہتان منقول ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ وہ پردے پردے ڈالتا رہے۔ اہل یمن پردہ کو "عذار" کہتے ہیں (1) لیکن صحیح قول مجاہد اور ان کے اصحاب کا ہے، جیسا کہ فرمایا: ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِیْنَ (الانعام:23) "پھر نہیں ہوگا کوئی عذر ان کا بجز اس کے کہ کہیں گے کہ اس اللہ کی قسم جو ہمارا رب ہے نہ تھے ہم شرک کرنے والے"، یَوْمَ یَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِیْعًا فَیَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا یَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰى شَیْءٍ ؕ اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ (المجادلہ:18) "جس روز اللہ تعالیٰ ان سب کو اٹھائے گا تو وہ قسمیں کھائیں گے اللہ کے سامنے جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں اور خیال کریں گے کہ وہ کسی مفید چیز پر تکیہ کئے ہیں۔ خبردار! یہی وہ جھوٹے لوگ ہیں"۔ عوفی رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ "معاذیر" کا معنی عذر بہانے ہیں جیسا کہ فرمان ہے: لَا یَنْفَعُ الظّٰلِمِیْنَ مَعْذِرَتُهُمْ (غافر:52) "نفع نہ دے گی ظالموں کو ان کی عذر خواہی"۔ وَ اَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ یَوْمَىٕذِ...... (النحل:87) "وہ پیش کر دیں بارگاہِ الٰہی میں اس دن اپنی عاجزی اور فراموش ہو جائیں گے انہیں وہ بہتان جو وہ باندھا کرتے تھے"۔

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ؕ﴿۱۶﴾ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ۚ﴿۱۷﴾ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۚ﴿۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ ؕ﴿۱۹﴾ كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ۙ﴿۲۰﴾ وَ تَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ؕ﴿۲۱﴾ وُجُوْهٌ یَّوْمَىٕذٍ نَّاضِرَةٌ ۙ﴿۲۲﴾ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۚ﴿۲۳﴾ وَ وُجُوْهٌ یَّوْمَىٕذٍۭ بَاسِرَةٌ ۙ﴿۲۴﴾ تَظُنُّ اَنْ یُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ؕ﴿۲۵﴾

"(اے حبیب!) آپ حرکت نہ دیں اپنی زبان کو اس کے ساتھ تاکہ آپ جلدی یاد کر لیں اس کو۔ ہمارے ذمہ ہے اس کو (سینہ مبارک میں) جمع کرنا اور اس کو پڑھانا۔ پس جب ہم اسے پڑھیں تو آپ اتباع کریں اسی پڑھنے کا۔ پھر ہمارے ذمہ ہے اس کو کھول کر بیان کر دینا۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تم محبت کرتے ہو جلدی ملنے والی (نعمت) سے۔ اور چھوڑ رکھا ہے تم نے آخرت کو۔ کئی چہرے اس روز تر و تازہ ہوں گے۔ اور اپنے رب کے (انوارِ جمال) کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔ اور کئی چہرے اس دن اداس ہوں گے۔ خیال کرتے ہوں گے کہ ان کے ساتھ کمر توڑ سلوک ہوگا"۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو فرشتے سے وحی اخذ کرنے کی کیفیت کی تعلیم ارشاد فرما رہا ہے۔ اس سے پہلے جب جبریل امینؑ وحی لے کر آتے تو حضور ﷺ اسے جلدی جلدی لینے کی کوشش کرتے اور جبریل علیہ السلام کے ساتھ ساتھ ہی دہراتے جاتے مبادا کوئی لفظ رہ جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس خدشہ کو دور کرتے ہوئے آپ ﷺ کو حکم دیا کہ جب فرشتہ آپ کے پاس وحی لے کر آئے تو آپ اسے غور سے سنا کریں۔ وحی کو آپ کے سینے میں محفوظ کر دینا اور صحیح طریقے سے آپ کی زبانی اسے پڑھا دینا بھی ہماری ذمہ داری ہے، اس کے علاوہ اس کے معانی و مطالب کا سمجھانا اور اس کے اسرار و معارف پر آگاہی بخشنا بھی ہم نے اپنے ذمہ لیا ہوا ہے۔ چنانچہ پہلی حالت ہے لوح قلب پر

1۔ طبری، جلد 29 صفحہ 186

وحی کو ثبت کرنا اور اسے یاد کروانا، دوسری حالت تلاوت کرانا اور تیسری حالت تفسیر معانی اور توضیح مطالب۔ ان تینوں کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے خود لے لی، اس لئے فرمایا: لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّقْضٰۤى اِلَیْكَ وَحْیُهٗ ٘ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا (طہٰ: 114) ''اور نہ عجلت کیجئے قرآن کے پڑھنے میں اس سے پہلے کہ پوری ہو جائے آپ کی طرف اس کی وحی۔ اور دعا مانگا کیجئے میرے رب! (اور) زیادہ کر میرے علم کو''۔

پھر فرمایا: اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ ...... یعنی اس قرآن کو آپ کے سینے میں جمع کرنا اور آپ کی زبانی اسے پڑھوانا ہمارے ذمہ کرم پر ہے پس جب فرشتہ ہماری طرف سے آپ پر وحی کی تلاوت کرے تو اسے غور سے سنیں پھر اسی طرح پڑھیں جس طرح فرشتے نے پڑھ کر آپ کو سنایا۔ پھر صرف یہی نہیں کہ اسے حفظ کرانے اور اس کی تلاوت کروانے کے بعد ہماری ذمہ داری ختم ہوگئی بلکہ اس کے بعد ہم اس کے معانی ومطالب کی وضاحت بھی کریں گے اور اس کے اسرار و رموز پر آپ کو آگاہی بھی بخشیں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ابتداء میں جب حضور ﷺ پر وحی اترتی، تو آپ بڑی مشقت محسوس فرماتے۔ آپ ﷺ اس خدشہ کے پیش نظر کہ کہیں کوئی لفظ بھول نہ جائے، جلدی جلدی اپنے ہونٹوں کو حرکت دیتے اور دہراتے جاتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے ہونٹوں کو حرکت دے کر سمجھایا کہ حضور ﷺ اس طرح اپنے ہونٹوں کو حرکت دیا کرتے تھے۔ اسی طرح ان کے شاگرد حضرت سعید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ہونٹوں کو ہلا کر بتایا جیسا کہ انہوں نے اپنے استاد کو ہونٹ ہلا کر سمجھاتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس وقت یہ آیت اتری: لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ ...... ان آیات کے نزول کے بعد آپ ﷺ اس وقت وحی کے الفاظ دہراتے جب جبریل امین فارغ ہو کر چلے جاتے (1)۔ بخاری و مسلم میں بھی یہ روایت ہے۔ بخاری شریف میں یہ بھی ہے کہ جب جبریل علیہ السلام وحی لے کر آپ ﷺ کے پاس آتے تو آپ سر جھکا لیتے اور جب وہ چلے جاتے تو پھر آپ پڑھتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے وعدہ فرمایا (2)۔ ابن ابی حاتم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ابتداء میں نزول وحی کے وقت بڑی مشقت محسوس کرتے۔ جب وحی اترتی تو آپ ﷺ جلدی سے ہونٹوں کو حرکت دیتے مبادا کوئی لفظ بھول جائے۔ اس وقت یہ آیات اتریں۔

حضرات شعبی، حسن بصری، قتادہ، مجاہد، ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ اور دیگر مفسرین نے بھی ان آیات کا یہی شان نزول بتایا ہے۔ ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ وحی کو بھول جانے کے خوف سے ہر وقت اس کی تلاوت فرماتے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل کر کے اس مشقت کو دور فرما دیا (3)۔ حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہ اور عطیہ عوفی اس فرمان ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ اس کے حلال و حرام کو کھول کر بیان کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔ اس کے بعد فرمایا: كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ ...... یعنی روز قیامت کو جھٹلانے، رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرنے اور قرآن کریم کا انکار کرنے کی حقیقی وجہ یہ ہے کہ تم دنیائے فانی کی لذات میں مگن ہو کر آخرت سے بالکل غافل اور لاپرواہ ہو چکے ہو۔ پھر فرمایا:

وُجُوْهٌ یَّوْمَىِٕذٍ نَّاضِرَةٌ ...... یعنی اس روز کئی چہرے تروتازہ، شگفتہ، پررونق، ہشاش بشاش اور خوش وخرم ہوں گے اور اپنے رب کا واضح طور پر دیدار کر رہے ہوں گے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: ''عنقریب تم اپنے رب کو عیاں دیکھو گے'' (4) دار آخرت میں اہل ایمان

1۔ مسند احمد، جلد 1، صفحہ 343، دیکھئے تفسیر سورۂ طہٰ: 114
2۔ ایضاً
3۔ طبری، جلد 29، صفحہ 188
4۔ دیکھئے تفسیر سورۂ طہٰ: 130

اپنے رب کے دیدار سے مشرف ہوں گے، یہ بات متعدد صحیح احادیث سے ثابت ہے جو ائمہ حدیث کے نزدیک حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں اور ان کا انکار اور رد ممکن نہیں۔

حضرت ابو سعید اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ لوگوں نے دریافت کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا ہم قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھیں گے؟ فرمایا: ''جب سورج اور چاند بادلوں کی اوٹ میں نہ ہوں تو کیا تمہیں ان کے دیکھنے میں کوئی دقت ہوتی ہے؟'' عرض کی: نہیں۔ فرمایا: ''تم اسی طرح اپنے رب کو دیکھو گے'' (1)۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چودھویں کے چاند کی طرف دیکھا اور فرمایا: ''تم اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جس طرح تم اس چاند کو دیکھ رہے ہو۔ اگر تمہارے بس میں ہو تو سورج طلوع ہونے سے پہلے کی نماز اور سورج غروب ہونے سے پہلے کی نماز میں کوتاہی نہ کرو'' (2)۔ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دو جنتیں سونے کی ہیں جن کے برتن اور دیگر اشیاء بھی سونے کی ہیں اور دو جنتیں چاندی کی ہیں جن کے برتن اور دیگر چیزیں بھی چاندی کی ہیں۔ جنتیوں اور اللہ تعالیٰ کے دیدار کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں بجز اللہ تعالیٰ کی کبریائی کی چادر کے۔ یہ جنت عدن کی بات ہے'' (3)۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب اہل جنت جنت میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں فرمائے گا کہ کیا تمہیں مزید کسی چیز کی خواہش ہے؟ وہ عرض کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار! کیا تو نے ہمارے چہروں کو سفید نورانی نہیں بنا دیا؟ کیا تو نے ہمیں دوزخ سے بچا کر جنت میں نہیں داخل کر دیا؟ اسی وقت حجاب اٹھا دیا جائے گا تو اہل جنت کو دیدار الٰہی سے بڑھ کر کوئی چیز محبوب نہ ہوگی اور یہی زیادہ ہے'' (4)۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَ زِیَادَةٌ (یونس: 26) ''ان کے لئے جنہوں نے نیک عمل کئے نیک جزا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے''۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آتا ہے: ''اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) ہنستے ہوئے اہل ایمان پر تجلّی فرمائے گا'' (5)۔ یہ احادیث اس بات کی دلیل ہیں کہ اہل ایمان میدان قیامت اور جنت میں اللہ تعالیٰ کے دیدار کا شرف حاصل کریں گے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سب سے ادنیٰ درجہ کا جنتی دو ہزار سال تک اپنی ملکیت کو دیکھتا بھالتا رہے گا، دور اور نزدیک کی چیزیں یکساں طور پر اس کی نگاہ میں ہوں گی۔ اسے اپنی بیویاں اور خادم ہر جگہ دکھائی دیں گے اور اعلیٰ درجہ کا جنتی ہر روز دو مرتبہ اپنے رب کے چہرہ کا دیدار کرے گا'' (6)۔ اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا تو ہم اور بھی متعدد احادیث ان کی اسناد سمیت ذکر کرتے لیکن یہ احادیث ہم نے اس تفسیر میں متفرق مقامات پر بیان کر دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے صحابہ کرام، تابعین عظام، سلف صالحین اور آئمہ اسلام کا اس مسئلہ میں اتفاق ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو اپنا دیدار کرائے گا لیکن جو لوگ اس کی تاویل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو دیکھنا ہے جیسا کہ مجاہد اس فرمان اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ کا معنی بیان کرتے ہیں کہ وہ اپنے رب کے ثواب کا انتظار کر رہے ہوں گے (7) اور اسی طرح ابو صالح کا بھی یہی موقف ہے، ان کا یہ قول بہت بعید اور باطل ہے۔ یہ حضرات اس آیت کا کیا جواب دیں گے جو کفار کے متعلق ہے: كَلَّاۤ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ یَوْمَىِٕذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ (المطففین: 15) ''یقیناً انہیں اپنے رب (کے دیدار) سے اس

1۔ فتح الباری، کتاب التوحید، جلد 23، صفحہ 420-419، مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 171-163　2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ طٰہٰ: 130

3۔ دیکھئے تفسیر سورۂ توبہ: 172　4۔ مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 178-177

5۔ مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 178-177　6۔ دیکھئے تفسیر سورۂ طٰہٰ: 130　7۔ تفسیر طبری، جلد 29، صفحہ 193-192

دن روک دیا جائے گا''۔امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فاجروں کو دیدار الٰہی سے محروم کئے جانے کا یہی مقصد ہے کہ نیک لوگ اس سے مشرف ہوں گے۔متواتر احادیث سے بھی اس آیت اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ کے مضمون کی تائید ہوتی ہے کہ قیامت کے دن رؤیت باری حق ہے۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس دن بہت سے چہرے حسن و جمال والے ہوں گے اور اپنے خالق کا دیدار کررہے ہوں گے۔ اپنے خالق کو دیکھتے ہوئے ان کا تر و تازہ اور شگفتہ ہونا لازمی امر ہے(1)۔اس کے بعد کافروں اور فاجروں کے چہروں کی حالت بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَوُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍۭ بَاسِرَةٌ...... یعنی فاجروں کے چہرے اس دن سیاہ، بگڑے ہوئے، بے رونق اور اداس ہوں گے اور انہیں یقین ہوگا کہ اب ان کے ساتھ کمر توڑ سلوک کیا جائے گا، انہیں بہت بڑی آفت کا سامنا کرنا ہوگا اور ان کی ہلاکت یقینی ہے۔ابن زید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ وہ خیال کررہے ہوں گے کہ عنقریب انہیں جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔ان دونوں گروہوں کی حالت اور مقامات پر بھی بیان کی گئی ہے:'' يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ (آل عمران:106)''اس دن (جبکہ) روشن ہوں گے کئی چہرے اور کالے ہوں گے کئی منہ''، وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ مُّسْفِرَةٌ ۙ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ۚ وَ وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۙ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ؕ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ (عبس:43-38)'' کتنے ہی چہرے اس دن (نور ایمان سے) چمک رہے ہوں گے۔ ہنستے ہوئے خوش وخرم۔اور کئی منہ اس دن غبار آلود ہوں گے۔ان پر کالک لگی ہوگی۔یہی وہ کافر (و) فاجر لوگ ہوں گے''، وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ خَاشِعَةٌ ۙ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۙ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ۙ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ؕ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ۙ لَّا يُسْمِنُ وَ لَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ؕ وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ نَّاعِمَةٌ ۙ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ۙ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ (الغاشیہ:10-2)'' کتنے ہی چہرے اس دن ذلیل وخوار ہوں گے۔مشقت میں مبتلا، تھکے ماندے۔داخل ہوں گے دہکتی ہوئی آگ میں۔انہیں پلایا جائے گا کھولتے ہوئے چشمہ سے۔انہیں کوئی کھانا نہ ملے گا بجز خار دار جھاڑ کے۔جو نہ فربہ کرے گا اور نہ بھوک دور کرے گا۔کتنے ہی چہرے اس دن بارونق ہوں گے۔اپنی کاوشوں پر خوش ہوں گے۔عالیشان جنت میں''۔اس مضمون کی اور بھی متعدد آیات ہیں۔

كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ۙ وَ قِيْلَ مَنْ ٜ رَاقٍ ۙ وَّ ظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ۙ وَ الْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ۙ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَىِٕذِ الْمَسَاقُ ؕ فَلَا صَدَّقَ وَ لَا صَلّٰى ۙ وَ لٰكِنْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰى ۙ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰۤى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ؕ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ۙ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ؕ اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ؕ اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ۙ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ۙ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَ الْاُنْثٰى ؕ اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى

''ہاں ہاں جب جان پہنچے گی ہنسلی تک۔اور کہا جائے گا ہے کوئی، جھاڑ پھونک کرنے والا۔اور (مرنے والا) سمجھ لیتا ہے کہ جدائی کی گھڑی آ پہنچی، اور لپٹ جاتی ہے ایک پنڈلی دوسری پنڈلی سے۔اس دن آپ کے رب کی طرف کوچ ہوتا ہے۔(اتنی فہمائش کے باوجود) نہ اس نے تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی۔بلکہ اس نے (حق کو) جھٹلایا اور اس سے منہ پھیر لیا۔

1۔طبری، جلد 29، صفحہ 192

پھر گیا گھر کی طرف نخرے کرتا ہوا۔ تیری خرابی آ گئی اب آ گئی۔ پھر تیری خرابی آ گئی اب آ گئی۔ کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ اسے مہمل چھوڑ دیا جائے گا۔ کیا وہ (ابتداء میں) منی کا ایک قطرہ نہ تھا جو (رحم مادر میں) ٹپکایا جاتا ہے۔ پھر اس سے وہ لوتھڑا بنا۔ پھر اللہ نے اسے بنایا اور اعضاء درست کئے۔ پھر اس سے دو قسمیں بنائیں، مرد اور عورت۔ کیا وہ (اتنی قدرت والا) اس پر قادر نہیں کہ مردوں کو پھر زندہ کر دے؟"

یہاں حالت نزع، سکرات موت اور اس وقت کے ہولناک منظر کا بیان ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس وقت ہمیں قول ثابت کے ساتھ ثابت قدمی عطا فرمائے!

فرمایا: كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ یہاں "کلا" اگر ردع کے لئے ہو تو معنی یہ ہوگا: اے ابن آدم! یہ جو تو ہماری خبروں کی تکذیب کر رہا ہے، درست نہیں۔ یہ سب کچھ تو تمہارے سامنے عیاں ہو چکا ہے اور اگر "کلا" کو "حقًا" کے معنی میں لیں تو معنی واضح ہے یعنی یقیناً جب روح ہنسلی تک پہنچ جائے گی۔ تراقی، ترقوۃ کی جمع ہے۔ یہ وہ ہڈیاں ہیں جو ہنسلی کے گڑھے اور کندھے کے درمیان ہوتی ہیں بہر صورت اس سے مراد ہنسلی کی ہڈی ہے۔ ایک اور مقام پر فرمایا: فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿۸۳﴾ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ﴿۸۶﴾ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (واقعہ: 87-83) "پس تم کیوں لوٹا نہیں دیتے جب روح حلق تک پہنچ جاتی ہے۔ اور تم اس وقت (پاس بیٹھے) دیکھ رہے ہوتے ہو۔ اور ہم (اس وقت بھی) تم سے زیادہ مرنے والے کے قریب ہوتے ہیں البتہ تم دیکھ نہیں سکتے۔ پس اگر تم کسی کے پابند حکم نہیں ہو تو پھر کیوں نہیں لوٹا دیتے (مرنے والے کی روح) اگر تم سچے ہو"۔ یہاں بشر بن حجاج والی اس حدیث کو بھی دیکھ لینا چاہئے جو سورۂ یٰسین کی تفسیر میں گزر چکی ہے(1)۔ "تراقی"، ترقوۃ کی جمع ہے اور یہ ان ہڈیوں کو کہتے ہیں جو حلقوم کے قریب ہیں۔

اسی طرح یہاں فرمایا: كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ......یعنی جب جان ہنسلی تک پہنچ جائے گی اور کہا جائے گا کہ ہے کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا یعنی کوئی طبیب جو شفا کا سامان کر سکے۔ حضرات ابن عباس، قتادہ، ضحاک اور ابن زید رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہی معنی بیان کیا ہے۔ ایک دوسری روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت (وقیل من راق) کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ کہا جائے گا: اس کی روح کو لے کر کون چڑھے گا؟ رحمت کے فرشتے یا عذاب کے فرشتے(2)۔ اس صورت میں یہ فرشتوں کا کلام ہوگا۔

فرمایا: وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ یعنی پنڈلی پنڈلی کے ساتھ لپٹ جاتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں کہ دنیا اور آخرت اس پر جمع ہو جاتی ہے۔ وہ اس طرح کہ دنیا کا آخری دن ہوتا ہے اور آخرت کا پہلا دن جس کے باعث سختی سے سختی مل جاتی ہے بجز اس کے جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ ایک امر عظیم دوسرے امر عظیم سے جا لپٹتا ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک بلا پر دوسری بلا آ ٹپکتی ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مرنے والے کی پنڈلیاں ہیں۔ یہی پنڈلیاں جن کے سہارے یہ چلا کرتا تھا، موت کے وقت بے جان ہو جاتی ہیں اور ضعف اور نقاہت کے سبب ایک دوسرے کے اوپر لپٹ جاتی ہیں۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے یہ بھی مروی ہے کہ اس سے مراد ان کا کفن میں لپٹنا ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ اس کا یہ مفہوم بیان کرتے ہیں کہ اس پر دو امر جمع ہو جاتے ہیں۔ ایک طرف لوگ اس کی تجہیز و تکفین میں لگے

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ یٰسین: 77 2۔ طبری، جلد 29، صفحہ 95

ہوتے ہیں اور دوسری طرف فرشتے اس کی روح کو لے جانے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا:

اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَىِٕذِ اِلْمَسَاقُ یعنی اس دن لوٹنے کی جگہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہی ہے۔ فرشتے روح کو لے کر آسمانوں کی طرف چڑھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں حکم دیتا ہے کہ میرے بندے کو زمین کی طرف لے جاؤ۔ اسی سے میں نے سب کو پیدا کیا، اسی میں انہیں لوٹاؤں گا اور اسی سے انہیں دوبارہ زندہ کر کے نکالوں گا جیسا کہ حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی طویل حدیث میں آتا ہے(1)۔ اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا۔ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ۝ ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ۭ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۣ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ (انعام:62-61) ”اور وہی غالب ہے اپنے بندوں پر اور بھیجتا ہے تم پر نگہبان یہاں تک کہ جب آ جائے تم میں سے کسی کی موت تو قبض کر لیتے ہیں اس کی روح ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) اور وہ کوتاہی نہیں کرتے پھر لوٹائے جائیں گے اللہ تعالیٰ کی طرف جو ان کا حقیقی مالک ہے سنتے ہو اسی کا حکم ہے اور وہ سب سے تیز حساب کرنے والا ہے“۔ اس کے بعد اس کافر کا حال بیان ہو رہا ہے جو اپنے دل سے حق کو جھٹلاتا رہا اور عمل سے روگردانی کرتا رہا۔ نہ اس کے ظاہر میں خیر نام کی کوئی چیز ہے اور نہ اس کے باطن میں، اس لئے فرمایا۔ فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ...... یعنی نہ اس نے دعوت حق کی تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی بلکہ اسے جھٹلایا اور روگردانی کی پھر اتراتا ہوا، اکڑتا ہوا اور اپنی بے ہمتی اور بدعملی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے اہل کے پاس گیا۔ جیسا کہ فرمایا: وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ (المطففین:31) ”اور جب اپنے اہل خانہ کی طرف لوٹتے تو دل لگیاں کرتے واپس آتے“، اِنَّهٗ كَانَ فِيْٓ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۝ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ ۝ بَلٰٓى ڔ اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا (انشقاق:15-13) ”بے شک وہ (دنیا میں) اپنے اہل وعیال میں خوش وخرم رہا کرتا تھا۔ وہ خیال کرتا تھا کہ وہ (اللہ کے حضور) لوٹ کر نہیں جائے گا۔ کیوں نہیں۔ اس کا رب اسے خوب دیکھ رہا تھا“۔ پھر اس متکبرانہ چال چلنے والے کافر کو دھمکی دیتے ہوئے فرمایا۔ اَوْلٰى لَكَ ...... یعنی تو نے اپنے خالق اور مالک کے ساتھ کفر کیا ہے اس لئے یہی چال تمہارے لئے مناسب ہے اور تو اسی کا ہی سزاوار ہے۔ دھمکی اور استہزاء کے طور پر ایسی مثال لائی جاتی ہے۔ اسی طرح دھمکی اور استہزاء کے طور پر فرمایا: ذُقْ ڌ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ (دخان:49) ”لو چکھو۔ تم بڑے معزز ومکرم ہو“، كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ (مرسلات:46) ”اب کھالو اور عیش کر لو تھوڑا سا وقت، بے شک تم مجرم ہو“، فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ (زمر:15) ”پس تم عبادت کرو جس کی چاہو اس کے سوا“، اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ (فصلت:40) ”تم وہ کرو جو تمہاری مرضی“۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ابوجہل کو یہ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ۝ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى فرمایا تھا پھر قرآن کریم میں بھی یہی الفاظ نازل ہوئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مروی ہے(2)۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اس خبیث کے لئے وعید پر وعید ہے۔ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ ابوجہل کو اس کے کپڑوں سے پکڑ کر جھنجھوڑا پھر فرمایا: اَوْلٰى لَكَ ...... یہ سن کر ابوجہل آپ سے کہنے لگا کہ کیا تم مجھے دھمکی دیتے ہو؟ بخدا نہ تم مجھے کوئی گزند پہنچا سکتے ہو اور نہ تمہارا رب۔ ان دو پہاڑوں کے درمیان بسنے والی مخلوق میں، میں سب سے زیادہ طاقتور اور معزز ہوں۔ اس کے بعد فرمایا:

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى یعنی کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ اسے یونہی مہمل چھوڑ دیا جائے گا۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ اس کا یہ معنی بیان کرتے ہیں کہ کیا انسان خیال کرتا ہے کہ اسے دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا نہیں جائے گا۔ حضرات مجاہد، شافعی اور عبدالرحمٰن بن زید رحمہم اللہ

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ اعراف:40

2۔ تحفۃ الاشراف، جلد 4، صفحہ 453

تعالٰی کے بقول اس کا معنی ہے: کیا انسان خیال کرتا ہے کہ اسے کسی کام کے کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا اور نہ اسے کسی چیز سے منع کیا جائے گا۔ ظاہر بات یہی ہے کہ یہ آیت دونوں حالتوں کو شامل ہے یعنی یہ نہیں ہوسکتا کہ اسے دنیا میں مہمل اور فضول چھوڑ دیا جائے، نہ اسے کسی کام کا حکم دیا جائے اور نہ کسی چیز سے روکا جائے اور یہ بھی ممکن نہیں کہ اسے قبر میں یونہی مہمل اور بے کار چھوڑ دیا جائے اور اسے دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا ہی نہ جائے بلکہ دنیا میں اسے حکم بھی دیا جاتا ہے اور روکا بھی جاتا ہے اور دارِ آخرت میں اسے قبر سے اٹھا کر اللہ تعالٰی کے حضور بھی ضرور پیش کیا جائے گا۔ یہاں مقصود قیامت کا اثبات اور جاہل گمراہ منکرین قیامت کا رد ہے، اس لئے آغاز آفرینش سے اعادۂ آفرینش پر استدلال کرتے ہوئے فرمایا:

اَلَمْ یَکُ نُطْفَۃً..... یعنی انسان کی تخلیق کا آغاز ایک حقیر قطرۂ آب سے ہوا جو صلب پدر سے رحم مادر میں ٹپکایا گیا پھر اس نے جمے ہوئے خون کی شکل اختیار کر لی پھر گوشت کا لوتھڑا بن گیا۔ پھر اللہ تعالٰی نے اسے شکل وصورت سے نواز کر اس میں روح پھونک دی۔ اس کے بعد اس کے اعضاء درست کر دیئے گئے اور قدرت الٰہی سے اس نے صحیح سالم اعضاء والے مرد یا عورت کا روپ دھار لیا۔

اس لئے فرمایا: فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَیْنِ الذَّکَرَ وَالْاُنْثٰی اس کے بعد آخری آیت میں فرمایا: اَلَیْسَ ذٰلِکَ بِقٰدِرٍ..... یعنی وہ ذات جس نے ایک کمزور اور حقیر سے نطفہ سے ایسا متناسب جسم والا قوی انسان تخلیق کیا، کیا وہ پہلے کی طرح دوبارہ ایسا کرنے پر قادر نہیں؟ یقیناً وہ پہلی مرتبہ پیدا کرنے کی نسبت دوبارہ پیدا کرنے پر بدرجہ اولیٰ قادر ہے یا کم از کم وہ پہلی مرتبہ اور دوسری مرتبہ پیدا کرنے میں یکساں قدرت رکھتا ہے۔ اس بارے میں یہ دو قول ہیں۔ اسی طرح فرمایا: وَھُوَ الَّذِیْ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَھُوَ اَھْوَنُ عَلَیْهِ (الروم: 27) ''اور وہی ہے جو تخلیق کی ابتداء کرتا ہے۔ پھر (فنا کرنے کے بعد) اسے دوبارہ بنائے گا اور یہ آسان تر ہے''۔ اس آیت کے متعلق بھی یہی دو قول ہیں لیکن پہلا قول زیادہ مشہور ہے یعنی وہ اعادہ پر بطریق اولیٰ قادر ہے جیسا کہ سورۂ روم کی تفسیر میں اس کی وضاحت ہو چکی ہے۔

ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک صحابی اپنی چھت پر بلند آواز سے قرآن کریم پڑھ رہے تھے۔ جب انہوں نے اس سورت کی آخری آیت تلاوت کی تو کہا: سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ فَبَلٰی یعنی اے اللہ! تو پاک ہے اور یقیناً قادر ہے۔ ان سے یہ کہنے کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا کہتے ہوئے سنا ہے (1)۔ یہ روایت ابوداؤد میں بھی ہے لیکن صحابی کا نام کسی میں بھی مذکور نہیں اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے جو سورۂ والتین کی تلاوت کرتے ہوئے اس کی آخری آیت اَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَحْکَمِ الْحٰکِمِیْنَ پڑھے تو اسے چاہئے کہ وہ کہے: بَلٰی وَاَنَا عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشَّاھِدِیْنَ اور جو شخص سورۂ قیامت پڑھتے ہوئے اس کی آخری آیت اَلَیْسَ ذٰلِکَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ یُّحْیِیَ الْمَوْتٰی تک پہنچے تو وہ ''بلٰی'' کہے اور جو شخص سورۂ والمرسلات کی آخری آیت فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۢ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ تک پہنچے، اسے چاہئے کہ کہے: ''آمَنَّا بِاللّٰهِ'' (2)۔ ابن جریر میں حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ جب اس آیت کی تلاوت فرماتے تو کہتے: ''سُبْحَانَکَ وَبَلٰی'' (3)۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کے جواب میں ''سُبْحَانَکَ فَبَلٰی'' کہا کرتے تھے۔

1۔ سنن ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 234-233

2۔ سنن ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 234، مسند احمد، جلد 2، صفحہ 249، عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۃ التین، جلد 12، صفحہ 250-249

3۔ تفسیر طبری، جلد 29، صفحہ 201

سورۂ دہر (مکیہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح مسلم کی یہ حدیث گزر چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن صبح کی نماز میں سورۂ الٓمّٓ تَنْزِيْلُ (سورۂ سجدہ) اور سورہ هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ (سورۂ دہر) پڑھا کرتے تھے۔ حضرت ابن زید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ سورت نازل ہوئی اور رسول اللہ ﷺ نے اس کی تلاوت کی تو اس وقت آپ کے پاس ایک سانولے رنگ کے صحابی بیٹھے ہوئے تھے۔ جب جنت کے اوصاف کا تذکرہ چلا تو انہوں نے بے ساختہ ایسی لمبی آہ بھری کہ ساتھ ہی روح پرواز کر گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جنت کے شوق میں تمہارے بھائی کی جان نکل گئی''۔ یہ حدیث مرسل غریب ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ﴿۱﴾ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۲﴾ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا ﴿۳﴾

''بے شک گزر رہا ہے انسان پر زمانہ میں ایک ایسا وقت جبکہ یہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔ بلاشبہ ہم ہی نے انسان کو پیدا فرمایا ایک مخلوط نطفہ سے۔ تاکہ ہم اس کو آزمائیں۔ پس (اس غرض سے) ہم نے بنا دیا ہے اس کو سننے والا، دیکھنے والا۔ ہم نے اسے دکھایا ہے (اپنا) راستہ۔ اب چاہے شکر گزار بنے چاہے احسان فراموش''۔

اللہ تعالیٰ انسان کے متعلق آگاہ فرما رہا ہے کہ اس نے اسے وجود بخشا حالانکہ اس سے پہلے وہ اپنی حقارت اور ضعف کے باعث کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا، پھر اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا۔ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ...... یعنی ہم نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ سے مراد مرد اور عورت کا مخلوط پانی ہے جو مختلف اطوار، حالات اور ہیئات سے گزرتے ہوئے مکمل انسان کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اسی طرح عکرمہ، مجاہد، حسن اور ربیع بن انس رحمہم اللہ تعالیٰ کا بھی یہی قول ہے کہ امشاج سے مراد مرد کے پانی کا عورت کے پانی سے اختلاط ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان نَّبْتَلِيْهِ آزمائش کرنے کے معنی میں ہے جیسا کہ اور ایک جگہ فرمایا: لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (الملک:2) ''تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے عمل کے لحاظ سے کون بہتر ہے''۔ آیت کے آخر میں فرمایا: فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا یعنی ہم نے اسے سماعت اور بصارت سے نوازا تاکہ یہ ان کے ذریعے اطاعت یا معصیت پر متمکن ہو سکے۔

اگلی آیت میں فرمایا: اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ یعنی ہم نے اسے اپنی راہ دکھا دی اور سیدھا راستہ اس پر واضح کر دیا، اسی طرح دیگر مقامات پر فرمایا: وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى (فصلت:17) ''باقی رہے ثمود تو انہیں ہم نے سیدھی راہ دکھائی انہوں نے پسند کیا اندھے پن کو ہدایت پر''، وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ (البلد:10) ''اور ہم نے دکھا دیں اسے دو نمایاں راہیں''۔ یعنی ہم نے خیر اور شر کی راہیں اس

پر واضح کردیں۔ اس آیت کی تفسیر میں جمہور کا یہی قول ہے۔ حضرات مجاہد، ابوصالح، ضحاک اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ اس آیت اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ سے مراد ہے: بچے کا ماں کے پیٹ سے باہر آنا یعنی ہم نے اسے رحم مادر سے باہر آنے کی راہ سجھائی۔ لیکن یہ قول غریب ہے۔ صحیح اور مشہور قول پہلا ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا، ھدینٰہ کی ضمیر مفعول سے حال ہونے کی بناء پر منصوب ہے۔ یعنی ہم نے اسے سیدھی راہ دکھائی، اس حال میں کہ یا تو وہ شقی ہے یا سعید (1) جیسا کہ حضرت ابومالک اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں آتا ہے: ''ہر شخص صبح کے وقت اپنے نفس کا سودا کرتا ہے، یا تو اسے ہلاک کر لیتا ہے یا آزاد کرا لیتا ہے'' (2)۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تمہیں بے وقوفوں کی حکمرانی سے محفوظ رکھے!'' انہوں نے عرض کی کہ بے وقوفوں کی حکمرانی کیا ہے؟ فرمایا: میرے بعد ایسے حکمران ہوں گے جو نہ میری ہدایت کو اپنائیں گے اور نہ میرے طریقہ کی اقتدا کریں گے۔ جن لوگوں نے ان کے جھوٹ کی تصدیق کی اور ان کے ظلم کی اعانت کی، وہ نہ میرے ہیں اور نہ میں ان کا ہوں اور وہ میرے حوض پر نہیں آسکیں گے اور جن لوگوں نے ان کے جھوٹ کی تصدیق نہ کی اور نہ ظلم میں ان کی امداد کی، وہ میرے ہیں اور میں ان کا ہوں اور وہ میرے حوض پر آئیں گے۔ اے کعب بن عجرہ! روزہ ڈھال ہے۔ صدقہ گناہوں کو ملیامیٹ کر دیتا ہے۔ نماز قرب خداوندی کا ذریعہ ہے۔ یا فرمایا: نماز برہان ہے۔ اے کعب بن عجرہ! وہ گوشت جنت میں نہ جائے گا جس کی پرورش حرام سے ہوئی۔ آگ اس کی زیادہ مستحق ہے۔ اے کعب! لوگ ہر صبح اپنے نفس کا سودا کرتے ہیں۔ ان میں سے کچھ اسے آزاد کروا لیتے ہیں اور کچھ اسے ہلاکت میں ڈال لیتے ہیں'' (3)۔

سورۂ روم میں اس آیت فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا کی تفسیر کے تحت حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث گزر چکی ہے: ''ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کی زبان اس کے خیالات کی ترجمانی کرنے لگتی ہے، پھر یا تو وہ شکر گزار بن جاتا ہے یا پھر احسان فراموش (4)''۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جو نکلنے والا نکلتا ہے، اس کے دروازہ پر دو جھنڈے ہوتے ہیں، ایک جھنڈا فرشتے کے ہاتھ میں اور دوسرا جھنڈا شیطان کے ہاتھ میں۔ اگر وہ کسی ایسے کام کی غرض سے نکلے جو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہو تو فرشتہ اپنا جھنڈا اٹھائے اس کے پیچھے پیچھے چل دیتا ہے اور اپنے گھر واپسی تک وہ فرشتہ کے جھنڈے تلے رہتا ہے۔ اگر وہ ایسے کام کی خاطر نکلے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب ہو تو شیطان اپنا جھنڈا لئے اس کے پیچھے لگ جاتا ہے اور جب تک وہ اپنے گھر واپس نہیں آجاتا، اس وقت تک وہ شیطان کے جھنڈے تلے رہتا ہے'' (5)۔

اِنَّاۤ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَا۟ وَ اَغْلٰلًا وَّ سَعِيْرًا ۝۴ اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ۝۵ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ۝۶ يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَ يَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ۝۷ وَ يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا ۝۸ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّ لَا شُكُوْرًا ۝۹ اِنَّا نَخَافُ مِنْ

1۔ طبری، جلد 20، صفحہ 206　　2۔ دیکھئے تفسیر سورۃ الاعراف: 30　　3۔ مسند احمد، جلد 3، صفحہ 321
4۔ دیکھئے تفسیر سورۃ الروم: 30　　5۔ مسند احمد، جلد 2، صفحہ 323

اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ۝ فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ۝ وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ۝

''بے شک ہم نے بالکل تیار کر رکھی ہیں کفار کے لئے زنجیریں، طوق اور بھڑکتی آگ۔ بے شک نیک لوگ پئیں گے (شراب کے) ایسے جام جن میں آب کافور کی آمیزش ہوگی۔ (کافور) ایک چشمہ ہے جس سے اللہ کے (وہ) خاص بندے پئیں گے اور جہاں چاہیں گے اسے بہا کر لے جائیں گے۔ جو پوری کرتے ہیں اپنی منتیں۔ اور ڈرتے ہیں اس دن سے جس کا شر ہر سو پھیلا ہوگا۔ اور جو کھانا کھلاتے ہیں اللہ کی محبت میں مسکین، یتیم اور قیدی کو (اور کہتے ہیں) ہم تمہیں کھلاتے ہیں اللہ کی رضا کے لئے نہ ہم تم سے کسی اجر کے خواہاں ہیں اور نہ شکریہ کے۔ ہم ڈرتے ہیں اپنے رب سے اس دن کے لئے جو بڑا ترش (اور) سخت ہے۔ پس بچالے گا انہیں اللہ تعالیٰ اس دن کے شر سے۔ اور بخش دے گا انہیں چہروں کی تازگی اور دلوں کا سرور۔ اور مرحمت فرمائے گا انہیں صبر کے بدلے جنت اور ریشمی لباس''۔

یہاں خبر دی جارہی ہے کہ مخلوق میں سے کفر کی روش اختیار کرنے والوں کے لئے جہنم میں زنجیریں، طوق اور بھڑکتی ہوئی آگ بالکل تیار ہے جیسا کہ ایک اور جگہ فرمایا: اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ۭ يُسْحَبُوْنَ ۝ فِي الْحَمِيْمِ ڏ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ (غافر:72-71) ''جب طوق ان کی گردنوں میں ہوں گے اور زنجیریں۔ انہیں گھسیٹ کر لے جایا جائے گا۔ کھولتے ہوئے پانی میں۔ پھر دوزخ کی آگ میں جھونک دیئے جائیں گے''۔ ان بدبختوں کی سزا کو ذکر کرنے کے بعد اب نیکوکاروں کے ساتھ جو ذرہ نوازی کا برتاؤ ہوگا، اس کا بیان ہو رہا ہے۔

فرمایا: اِنَّ الْاَبْرَارَ يَشْرَبُوْنَ...... یعنی نیکوکار ایسے جام نوش کریں گے جن میں آب کافور کی آمیزش ہوگی۔ وہ اس شراب طہور کے جام پئیں گے تو انہیں کافور کی سی خنکی اور عمدہ خوشبو محسوس ہوگی اور لذت اس پر مستزاد۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں کافور کی ٹھنڈک اور سونٹھ کی مہک ہوگی۔ اس لئے فرمایا: عَيْنًا يَّشْرَبُ...... یعنی ان نیکوکاروں کے لئے جس کافور کی آمیزش ہوگی، وہ ایک چشمہ ہے جس سے اللہ کے مقرب بندے بغیر کسی آمیزش کے خوب سیر ہو کر پئیں گے۔ فعل ''یشرب'' اپنے ضمن میں ''یروی'' (خوب سیراب ہونا) کا معنی لئے ہوئے ہے اس لئے اسے باء کے ساتھ متعدی کیا گیا ہے۔ اور ''عیناً'' تمیز ہونے کی بناء پر منصوب ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ مشروب اپنی خوشبو میں کافور کی طرح ہے۔ بعض کا قول ہے کہ یہ کافور کے چشمہ ہی کا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ بھی ممکن ہے کہ ''عیناً''، ''یشرب'' کی وجہ سے منصوب ہو۔ یہ تینوں اقوال ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کئے ہیں (1)۔ پھر اس چشمہ کی بابت فرمایا: يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا یعنی جب انہیں پانی کی ضرورت ہوگی تو انہیں اس چشمہ تک چل کر جانا نہیں پڑے گا بلکہ انہیں اپنے محلات، مکانات، مجلسوں اور بیٹھکوں میں جہاں ضرورت پڑے گی، وہ اشارہ کریں گے اور اس چشمہ کا پانی اس طرف بہتا چلا جائے گا۔ تفجیر کا معنی ہے جاری کرنا اور بہانا جیسا کہ فرمایا: وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا (اسراء:90) ''اور کفار نے کہا ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے آپ پر جب تک آپ رواں نہ کردیں ہمارے لئے زمین سے ایک چشمہ''، وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا (الکہف:33) ''اور ہم نے جاری کردیں ان کے درمیان نہریں''۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ وہ جہاں چاہیں گے اسے بہاتے لے جائیں گے۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 29، صفحہ 207

اب ان نیکوکاروں کے اعمال حسنہ کے ذکر کا آغاز ہو رہا ہے۔

فرمایا: يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ...... یعنی جو عبادتیں اللہ تعالیٰ نے ان پر فرض کی ہیں، انہیں بھی وہ پابندی سے بجالاتے ہیں اور جن نیکیوں اور طاعتوں کو یہ خود اپنے اوپر بطور منت لازم کر لیتے ہیں، ان کی ادائیگی میں بھی سستی نہیں کرتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نذر مانے، اسے چاہئے کہ اسے پورا کرے اور جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی نذر مانے، اسے چاہئے کہ وہ ایسا نہ کرے''(1)۔ اور یہ ایسے سعادت مند ہیں کہ قیامت کے دن ہونے والے حساب سے ڈرتے ہوئے ان محرمات کو ترک کر دیتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے منع کر رکھا ہے اور قیامت کا دن ایسا دن ہوگا جس کا شر ہر سو تمام لوگوں پر پھیلا ہوا ہوگا بجز ان کے جن پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مستطیر کا معنی ہے پھیلا ہوا۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس دن کی تکلیفیں اور ہولناکیاں زمین وآسمان میں چار سو پھیلی ہوں گی۔ ''استطار'' میں پھیلنے اور طوالت اختیار کرنے کا معنی پایا جاتا ہے۔ شیشے میں سوراخ پھیل کر بڑھ جائے تو کہا جاتا ہے: ''اِسْتَطَارَ الصدعُ فی الزّجاجۃ واستطال''۔ اس کے بعد ان ابرار کا ایک اور وصف جمیل بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ ...... اگر ''حبّہ'' کی ضمیر کا مرجع سیاق کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کو بنایا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ وہ اللہ کی محبت میں کھانا کھلاتے ہیں لیکن زیادہ ظاہر یہی ہے کہ ضمیر ''الطعام'' کی طرف لوٹ رہی ہے یعنی وہ کھانے کی محبت، خواہش اور ضرورت کے باوجود مسکین، یتیم اور قیدی کو کھلا کر ان کی بھوک کا ازالہ کرتے ہیں۔ یہ مجاہد اور مقاتل رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے اور ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا مختار قول بھی یہی ہے۔ اسی طرح اور مقامات پر فرمایا: وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ (بقرہ: 177) ''اور دے اپنا مال اللہ کی محبت سے''، لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (آل عمران: 92) ''ہرگز نہ پاسکو گے تم کامل نیکی (کا رتبہ) جب تک نہ خرچ کرو (راہ خدا میں) ان چیزوں سے جن کو تم عزیز رکھتے ہو''۔

حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے۔ اس دوران انگوروں کا موسم آ گیا۔ آپ نے انگور کی خواہش ظاہر کی تو آپ کی بیوی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے ایک درہم کے انگور منگوا لئے۔ جو آدمی انگور لے کر آیا اس کے ساتھ ہی ایک سائل بھی آ گیا اور اس نے آواز دی کہ میں سائل ہوں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ سب انگور اسے دے دو۔ چنانچہ گھر والوں نے اسے دے دیئے۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے ایک اور درہم دے کر انگور منگوا لئے۔ اب پھر سائل آ گیا اور آواز لگائی میں سائل ہوں۔ اس کے سوال پر سب انگور اسے دے دیئے (2)۔ اس دفعہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے سائل کو پیغام بھیجا کہ اگر تم پھر آئے تو تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔ چنانچہ تیسری بار پھر ایک درہم بھیج کر انگور منگوائے۔ حدیث صحیح میں ہے: ''افضل صدقہ وہ ہے جو تو اس حال میں کرے کہ تو صحت مند ہو، مال کے ساتھ محبت رکھتا ہو، خوشحالی کی امید اور فقر کا اندیشہ رکھتا ہو(3)''۔ یعنی مال کی محبت، حرص اور ضرورت کے باوجود صدقہ کرے۔

اس لئے فرمایا: وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ ...... مسکین اور یتیم کا مکمل بیان گزر چکا ہے(4)۔ اسیر کے متعلق حضرات سعید بن جبیر، حسن اور ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس سے اہل قبلہ مسلمان قیدی مراد ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس وقت ان

1۔ فتح الباری، کتاب الایمان، جلد 11 صفحہ 581
2۔ سنن کبریٰ، کتاب الزکوۃ، جلد 4، صفحہ 185
3۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ: 177
4۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ: 83، سورۂ نساء: 36

کے قیدی مشرکین ہی تھے اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بدری قیدیوں کی تکریم کا اپنے صحابہ کو حکم فرمایا تھا۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خورد ونوش کے معاملہ میں انہیں خود پر ترجیح دیتے تھے۔ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد غلام ہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کو پسند کیا ہے کیونکہ آیت عام ہے اور مسلمان مشرک سب کو شامل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے متعدد ارشادات میں غلاموں اور ماتحتوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم فرمایا ہے یہاں تک کہ اپنی آخری وصیت میں آپ بار بار فرماتے: ''اَلصَّلٰوۃَ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ'' یعنی نماز کی پابندی کرنا اور اپنے زیردستوں کا خیال رکھنا(1)۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسیر سے مراد محبوس ہے یعنی یہ نیکوکار کھانے کی اشتہاء اور محبت کے باوجود ان حاجت مندوں کو کھلاتے ہیں اور زبان حال سے یہ کہہ رہے ہوتے ہیں: اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ...... یعنی ہم اللہ تعالیٰ کی رضا اور ثواب کے حصول کی خاطر تمہیں کھلاتے ہیں۔ نہ ہم اس خدمت کا تم سے معاوضہ لینے کے خواہاں ہیں اور نہ یہ چاہتے ہیں کہ تم اظہار تشکر کرتے ہوئے لوگوں کے سامنے اس سخاوت کا تذکرہ کرو۔ مجاہد اور سعید بن جبیر رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: بخدا! یہ بات ان کی زبان پر نہیں آتی بلکہ یہ ان کی دلی کیفیت ہے جسے اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس نیک جذبہ کی تعریف کی تاکہ دوسرے لوگ بھی اس طرف راغب ہوں۔ وہ مزید کہتے ہیں: اِنَّا نَخَافُ...... یعنی ہم ایسا اس لئے کرتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ ہم پر رحم اور لطف وکرم فرماتے ہوئے اس دن سے بچا لے جو نہایت ترش اور سخت ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ عبوس کا معنی ہے تنگ اور قمطریر کا معنی ہے طویل۔ آپ فرماتے ہیں کہ اس دن کافر منہ بسورے ہوئے اور پیشانی پر بل ڈالے ہوئے ہوگا اور اس کی پیشانی سے تارکول جیسا پسینہ بہہ رہا ہوگا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عبوس اسے کہتے ہیں جو اپنے ہونٹوں کو سکیڑے ہوئے ہو اور قمطریر منہ بسورنے والے اور تیوری چڑھانے والے کو کہتے ہیں۔ قتادہ اور سعید بن جبیر رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قیامت کے ہولناک منظر کے خوف سے چہرے ترش ہوں گے اور پیشانیوں پر بل پڑے ہوں گے۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ عبوس سے مراد شر اور سختی والا اور قمطریر سے مراد شدت والا ہے۔ ان سب اقوال میں سب سے زیادہ واضح، مناسب اور اعلیٰ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ قمطریر کا معنی شدید ہے(2)۔ ان کی نیکیوں کے صلہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ...... یعنی جس چیز سے یہ ڈرتے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں اس سے نجات عطا فرمائے گا اور انہیں چہروں کی شگفتگی اور دلوں کا سرور مرحمت فرمائے گا۔ یہاں عبارت میں بہت بلیغ تجانس ہے۔ اسی طرح ایک اور جگہ فرمایا: وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ۙ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ (عبس: 39-38) '' کتنے ہی چہرے اس دن (نور ایمان سے) چمک رہے ہوں گے۔ ہنستے ہوئے خوش وخرم''۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب دل مسرور ہوتا ہے تو چہرہ روشن اور شگفتہ ہو جاتا ہے۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طویل حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب خوش ہوتے تو آپ کا چہرہ چمکنے لگتا، یوں محسوس ہوتا گویا چاند کا ٹکڑا ہے(3)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس خوش خوش تشریف لائے، چہرہ مبارک منور تھا اور چہرے کے خطوط چمک رہے تھے(4)۔ پھر فرمایا: وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا...... یعنی اللہ تعالیٰ انہیں ان کے صبر کے سبب جنت میں پر آسائش منزل، پرسکون زندگی اور خوبصورت لباس عطا فرمائے گا۔ ابن عساکر میں ہے کہ ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے یہ سورت پڑھی

1۔ دیکھئے تفسیر سورۃ الحاقۃ: 34 — 2۔ طبری، جلد 29، صفحہ 211 — 3۔ دیکھئے تفسیر سورۂ براءۃ: 118

4۔ فتح الباری، کتاب المناقب، جلد 6، صفحہ 565، مسلم، کتاب الرضاع، جلد 2، صفحہ 1082-1081

گئی۔ جب قاری اس آیت پر پہنچا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ انہیں ترک شہوات پر ڈٹے رہنے کے سبب اس انعام سے نوازے گا، پھر انہوں نے یہ اشعار پڑھے:

كَمْ قَتِيلٍ بِشَهْوَةٍ وأسيرٍ أُفّ مِنْ مُشتهي خلاف الجميل

شهواتُ الانسان تُورِثه الذل وَتُلقِيه فِي البلاءِ الطويل

یعنی کتنے ہی لوگ ہیں جنہیں خواہشات نفس نے اپنا اسیر بنا کر ہلاکت کے گڑھے میں ڈال دیا، بھلائیوں کے خلاف برائیوں کی چاہت رکھنے والے پر صد حیف! انسان کی شہوات اسے ذلیل ورسوا کر دیتی ہیں اور اسے طویل مصیبت میں گرفتار کر دیتی ہیں۔

مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآىِٕكِ ۚ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّ لَا زَمْهَرِيْرًا ﴿۱۳﴾ وَ دَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَ ذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ﴿۱۴﴾ وَ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّ اَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا ﴿۱۵﴾ قَوَارِيْرَاۡ مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ﴿۱۶﴾ وَ يُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا ﴿۱۷﴾ عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا ﴿۱۸﴾ وَ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ ۚ اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ﴿۱۹﴾ وَ اِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّ مُلْكًا كَبِيْرًا ﴿۲۰﴾ عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّ اِسْتَبْرَقٌ ۫ وَّ حُلُّوْۤا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ ۚ وَ سَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ﴿۲۱﴾ اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّ كَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۲۲﴾

''وہاں پلنگوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ نہ نظر آئے گی انہیں وہاں سورج کی تپش اور نہ ٹھرن۔ اور قریب ہوں گے ان سے اس کے درختوں کے سائے اور میووں کے گچھے جھکے ہوئے لٹک رہے ہوں گے۔ اور گردش میں ہوں گے ان کے سامنے چاندی کے ظروف اور شیشہ کے چمکدار گلاس (اور) شیشے بھی وہ جو چاندی کے قسم کے ہوں گے ساقیوں نے انہیں پورے اندازہ سے بھرا ہوگا۔ اور انہیں پلائے جائیں گے وہاں (ایسی شراب کے) جام جس میں زنجبیل کی آمیزش ہوگی۔ (یہ زنجبیل) جنت میں ایک چشمہ ہے جس کو سلسبیل کہا جاتا ہے۔ اور چکر لگاتے رہیں گے ان کی خدمت میں ایسے بچے جو ایک ہی حالت میں رہیں گے۔ جب تو انہیں دیکھے تو یوں سمجھے گویا یہ موتی ہیں جو بکھر گئے ہیں۔ اور جدھر بھی تم وہاں دیکھو گے تمہیں نعمتیں ہی نعمتیں اور وسیع مملکت نظر آئے گی۔ ان کے اوپر لباس ہوگا باریک سبز ریشم کا (بنا ہوا) اور اطلس کا۔ اور انہیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور پلائیگا انہیں ان کا پروردگار نہایت پاکیزہ شراب۔ (انہیں کہا جائے گا) یہ تمہارا صلہ ہے اور (مبارک ہو) تمہاری کوششیں مقبول ہوئیں''۔

اہل جنت کو جن ابدی نعمتوں اور الطاف وعنایات سے سرفراز فرمایا جائے گا، ان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا...... اس کی تشریح سورۂ کہف کی تفسیر میں گزر چکی ہے(1) اور وہاں یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ کیا ''اتّکاء'' کا معنی پہلو کے بل لیٹنا ہے یا کہنیوں کے بل دراز ہونا ہے یا چارزانو بیٹھنا ہے یا خوب جم کر بیٹھنا ہے۔ اور یہ بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ ''ارائك'' سے مراد آراستہ ومزین پلنگ ہیں۔ اس

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ کہف: 31

کے بعد مزید انعامات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: لَا يَرَوْنَ فِيهَا شَمْسًا یعنی نہ انہیں وہاں سورج کی تیز حرارت اور شدید تپش کا سامنا کرنا پڑے گا اور نہ ہی انہیں سخت سردی اور یخ بستہ ہوائیں تکلیف پہنچائیں گی بلکہ ہمہ وقت ایک جیسا خوشگوار اور معتدل موسم برقرار رہے گا۔ جہاں بہار ہی بہار ہوگی اور وہاں کے درختوں کی شاخیں جھوم جھوم کر بہشتیوں کو سایہ فراہم کر رہی ہوں گی اور جنتی میووں کے گچھے ان پر جھکے ہوئے معلق ہوں گے اور جب بھی انہیں پھلوں کی خواہش ہوگی تو وہ ان کی خواہش کو بھانپتے ہوئے اور اس کا احترام کرتے ہوئے فوراً جھک جائیں گے اور جنتی حسب طلب ان میں سے لے لیں گے۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میووں کے خوشے اس قدر مطیع ہوں گے کہ اگر جنتی انہیں کھڑے کھڑے توڑنا چاہیں گے تو وہ بھی ان کے ساتھ اتنی مقدار میں ہی بلند ہو جائیں گے، اگر وہ بیٹھے ہوئے ہوں گے تو ان پر جھک جائیں گے اور اگر لیٹے لیٹے خواہش کریں گے تو بھی اطاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے فوراً ان کے قریب ہو جائیں گے اور یہی معنی ہے تذلیل کا۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پھلوں کے خوشے نہ تو اہل جنت کی پہنچ سے دور ہوں گے اور نہ ان کے اور ان کے درمیان کانٹے حائل ہوں گے۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جنت کی زمین چاندی کی ہے، اس کی مٹی مشک کی، اس کے درختوں کے تنے سونے اور چاندی کے، اس کی ڈالیاں موتی، زبرجد اور یاقوت کی اور ان کے درمیان پتے اور پھل ہیں۔ پھل ایسے کہ کسی حالت میں بھی انہیں حاصل کرنے کے لئے کوئی دقت اور زحمت گوارہ نہیں کرنا پڑتی، جنتی اگر چاہیں تو کھڑے کھڑے توڑ لیں، اگر بیٹھے ہوئے ہوں تو بھی ان کا حصول مشکل نہیں اور اگر لیٹے ہوئے ہوں تو پھر بھی انہیں بآسانی تناول کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا: وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ...... ''یعنی سلیقہ شعار اور ادب شناس خادم چاندی کے ظروف اور بلوریں جام لئے ان پر چکر لگا رہے ہوں گے۔ آیت کریمہ میں پہلا ''قواریر'' فعل ناقص (کان) کی خبر ہونے کی بناء پر منصوب ہے اور دوسرا ''قواریر'' بدل یا تمیز ہونے کے باعث منصوب ہے۔ حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، حسن بصری رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہ فرماتے ہیں کہ یہ جام چاندی کی طرح سفید اور شیشے کی طرح چمکدار ہوں گے اور قواریر ہوتے ہی شیشے کے ہیں۔ دراصل یہ جام چاندی کے ڈھلے ہوئے ہوں گے اور اس قدر شفاف اور چمکدار ہوں گے کہ ان کے اندر موجود مشروب باہر سے صاف دکھائی دے رہا ہوگا۔ اس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جنت میں جو بھی چیز ہے، ہر ایک کے ساتھ مشابہت رکھنے والی چیز دنیا میں پائی جاتی ہے، بجز چاندی کے بلوریں جاموں کے کہ دنیا میں ان کی مثال نہیں ملتی۔ اس کے بعد فرمایا: قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا یعنی ساقیوں نے ان جاموں کو جنتیوں کی ضرورت اور خواہش کے مطابق بھرا ہوگا۔ یہ نہیں ہوگا کہ ان کی خواہش کا احترام رکھے بغیر ضرورت سے کم یا زیادہ شراب ڈالیں بلکہ پوری پوری مقدار ڈالی جائے گی جس سے ان کی کفایت اور تسلی ہو جائے۔ یہ بہت بڑا شرف اور اعزاز ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا کی ایک تفسیر یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ وہ جام خادموں کی ہتھیلیوں کے مطابق ہوں گے۔ جس قدر ہتھیلی، اسی قدر جام۔ اس طرح ان کی ہتھیلیوں پر خوب بھلے لگ رہے ہوں گے۔ یہ قول پہلے قول کے منافی نہیں کیونکہ یہ جام ہر لحاظ سے نپے تلے ہوں گے جس میں بناوٹ کی مقدار کا بھی خیال رکھا گیا ہوگا اور پینے والوں کی سیرابی کا بھی۔ اس کے بعد فرمایا: وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا...... یعنی ان نیکوکاروں کو ان جاموں میں ایسی پاکیزہ، خوش ذائقہ اور فرحت بخش شراب پلائی جائے گی جس میں زنجبیل (سونٹھ) کی آمیزش ہوگی۔ کبھی انہیں کافور کی آمیزش والی ٹھنڈی اور خنک شراب پلائی جائے گی اور کبھی زنجبیل ملی ہوئی گرم مزاج شراب تاکہ اعتدال برقرار رہے۔ یہ ان نیکوکاروں کا معاملہ ہے کہ انہیں پلائی جانے والی شراب میں کبھی کافور کی آمیزش ہوگی اور کبھی زنجبیل کی لیکن مقربین کو پلائی جانے والی ہر ایک شراب خالص ہوگی اور اس میں کسی چیز کی ملاوٹ نہ ہو

گی۔ جس طرح کافور کے متعلق فرمایا تھا کہ یہ ایک چشمہ ہے جس سے اللہ کے بندے پئیں گے، اسی طرح یہاں زنجبیل کے متعلق فرمایا: عَيْنًا فِيهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا یعنی زنجبیل جنت میں ایک چشمہ ہے جسے ''سلسبیل'' کہا جاتا ہے۔ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ جنت کے ایک چشمہ کا نام ہے۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اس کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس کی روانی میں سلاست اور بہاؤ میں تیزی کی وجہ سے اسے یہ نام دیا گیا ہے۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ چونکہ اس کا پانی مسلسل تیزی سے رواں دواں ہے اس لئے اس کا یہ نام رکھا گیا۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی وجہ تسمیہ میں ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ اس کا پانی آسانی اور سہولت کے ساتھ حلق سے نیچے اتر جاتا ہے اس لئے اسے سلسبیل کہتے ہیں(1)۔ امام موصوف فرماتے ہیں کہ یہ لفظ جامع ہے اور مذکورہ بالا تمام معانی پر محیط ہے۔ اس کے بعد فرمایا: وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ...... یعنی اہل جنت کی خدمت پر جنتی نوخیز، کم عمر اور خوبصورت لڑکے مامور ہوں گے۔ ان کی شکل وصورت اور رنگ وروپ میں کبھی تغیر نہ ہوگا۔ ہمیشہ یکساں حالت پر رہیں گے۔ نہ عمر بڑھے گی اور نہ صورت بگڑے گی۔ یہ ہے وضاحت ''مخلدون'' کی بعض حضرات نے اس لفظ کی وضاحت میں کہا ہے کہ ان کے کانوں میں بالیاں ہوں گی۔ انہوں نے یہ تفسیر اس بناء پر کی ہے کہ چھوٹے بچے ہی اس لائق ہوتے ہیں کہ انہیں اس طرح آراستہ کیا جائے نہ کہ بڑے۔ ان جنتی لڑکوں کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا: اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ...... یعنی جب یہ نوخیز اور حسین وجمیل لڑکے، خوبصورت لباس میں ملبوس اور زیورات سے آراستہ وپیراستہ ہوکر اپنے آقاؤں کی خدمت کے لئے کامل مستعدی کے ساتھ ادھر ادھر منتشر ہوں گے تو یوں محسوس ہوگا گویا وہ بکھرے ہوئے تابندہ اور رنگ رنگیلے موتی ہیں۔ آیت کریمہ میں تشبیہہ کے ذریعے جس طرح خوبصورتی کے ساتھ منظر کشی کی گئی ہے، اس سے بہتر منظر کشی اور اس سے عمدہ تشبیہ لانا ممکن ہی نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہر جنتی کی خدمت کے لئے ایک ہزار خادم ہمہ وقت دوڑ دھوپ کررہے ہوں گے اور اپنے فرائض کی ادائیگی میں مصروف ہوں گے، اللہ تعالیٰ کے اس فرمان (واذا رأیت ......) میں خطاب حضور ﷺ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے کہ اے میرے پیارے رسول! اگر آپ جنت میں دیکھیں تو وہاں آپ کو ہر طرف طرح طرح کی نعمتیں، راحت بخش چیزیں اور اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان سلطنت ہی نظر آئے گی۔ حدیث صحیح میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص سے فرمائے گا جو سب سے آخر میں جہنم سے نکل کر جنت میں داخل ہوگا: میں نے تمہیں دنیا کی مثل بلکہ اس سے بھی دس گناہ زیادہ عطا فرما دیا(2)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں جو کہ پہلے بھی گزر چکی ہے، آتا ہے: ''سب سے ادنیٰ درجے کے جنتی کا ملک دو ہزار سال کی مسافت کا ہوگا۔ دور ونزدیک کی تمام چیزیں اسے یکساں طور پر دکھائی دیں گی(3)''۔ جب ادنیٰ درجہ کے حامل جنتی کے لئے عطاء کا یہ عالم ہے تو اعلیٰ درجہ والے جنتی کو کتنا بڑا مرتبہ مرحمت فرمایا جائے گا۔

طبرانی کی ایک نہایت غریب حدیث میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حبشہ کا ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اسے فرمایا کہ جو پوچھنا چاہتے ہو پوچھ لو اور جو بات سمجھنا چاہتے ہو، سمجھ لو۔ اس نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! شکل وصورت، رنگ وروپ اور نبوت ورسالت کے معاملہ میں آپ لوگوں کو ہم لوگوں پر فضیلت دی گئی ہے۔ آپ یہ فرمائیں کہ اگر میں بھی اس چیز پر ایمان لے آؤں جس پر آپ ایمان لائے ہیں اور میں بھی وہی عمل کروں جو آپ کرتے ہیں تو کیا میں آپ کے ساتھ جنت میں جا سکتا ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں، مجھے اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! سیاہ رنگ والے کو جنت میں ایسا سفید

1۔ طبری، جلد 29 صفحہ 220 2۔ مسلم، کتاب الایمان، جلد 1 صفحہ 178-177 3۔ دیکھئے تفسیر سورۂ قیامۃ: 23

رنگ عطا ہوگا جو ہزار سال کی مسافت سے صاف نظر آرہا ہوگا۔'' پھر آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''جس شخص نے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا اقرار کرلیا، اسے اس کے باعث اللہ تعالیٰ کے ہاں عہد مل گیا اور جو شخص سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ کہے اس کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں۔'' ایک شخص کہنے لگا: یارسول اللہ علیہ السلام! اس کے بعد ہم کیسے ہلاک ہو سکتے ہیں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''قیامت کے دن ایک آدمی اس قدر نیک اعمال لائے گا کہ اگر انہیں کسی پہاڑ پر رکھ دیا جائے تو اسے بوجھل بنا ڈالیں لیکن اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت یا بہت سی نعمتیں اس کے بالمقابل آکھڑی ہوں گی اور قریب ہوگا کہ ان تمام اعمال کو ختم کر ڈالیں لیکن یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو اپنی رحمت سے ڈھانپ لے''۔ اس وقت یہ سورت مُلْكًا كَبِيْرًا تک نازل ہوئی۔ اس کے نزول پر حبشی کہنے لگا: حضور علیہ السلام! جنت میں جو کچھ آپ کی آنکھیں دیکھیں گی، کیا وہ سب کچھ مجھے بھی دکھائی دے گا؟ فرمایا: ''ہاں۔'' یہ سن کر وہ رونے لگا۔ اس قدر رویا کہ ہچکی بندھ گئی اور اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ علیہ السلام کو خود اپنے ہاتھوں سے اسے قبر میں اتارتے ہوئے دیکھا(1)۔ اس کے بعد جنتیوں کے لباس کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ...... یعنی اہل جنت کا لباس باریک ریشم اور اطلس کا ہوگا۔ سندس اعلیٰ درجہ کا باریک اور نرم ریشم ہے جس کی قمیض وغیرہ ان کے بدنوں کے ساتھ لگی ہوئی ہوں گی اور استبرق وہ بیش قیمت اور چمکدار ریشم ہے جو انہیں اس کے اوپر پہنایا جائے گا۔ مزید برآں انہیں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گی۔ یہ ابرار کا لباس ہے۔ جہاں تک مقربین کا تعلق ہے تو ان کے بارے میں فرمایا: يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۭ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ (الحج: 23) ''انہیں پہنائے جائیں گے جنت میں سونے کے کنگن اور موتیوں کے ہار۔ اور ان کی پوشاک وہاں ریشمی ہوگی''۔ ظاہری اور جسمانی زینت یعنی ریشمی لباس اور زیورات کے ذکر کے بعد اب باطنی زینت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: وَسَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا یعنی اللہ تعالیٰ انہیں ایسی شراب پلائے گا جو ان کے باطن کو حسد، کینہ، کھوٹ، دکھ تکلیف، اور باقی سب برے اخلاق سے پاک کر دے گی جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب جنتی جنت کے دروازے پر پہنچیں گے تو انہیں وہاں دو چشمے دکھائی دیں گے اور ان کے دل میں ازخود خیال پیدا ہوگا۔ چنانچہ وہ ایک چشمے کا پانی پئیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے باطن سے سب دکھ تکلیف اور بری چیزیں دور کر دے گا۔ پھر دوسرے چشمہ میں غسل کریں گے تو ان کے چہرے شگفتہ اور تروتازہ ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں ان کے ظاہری حال سے بھی آگاہ فرما دیا اور باطنی جمال سے بھی(2)۔ اگلی آیت میں فرمایا: اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ...... یعنی انہیں بطور اعزاز و اکرام ایسا کہا جائے گا، اسی طرح اور مقامات پر فرمایا: كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓئًا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ (الحاقہ: 24) ''(اذن ملے گا) کھاؤ اور پیو مزے اڑاؤ یہ ان اعمال کا اجر ہے جو تم نے آگے بھیج دیئے گزشتہ دنوں میں''، وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (الاعراف: 43) ''اور ان (خوش نصیبوں) کو آواز دی جائے گی کہ یہی وہ جنت ہے وارث بنائے گئے ہو تم جس کے بوجہ ان عملوں کے جو تم کیا کرتے تھے''۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قدر کرتے ہوئے تمہیں تھوڑے عمل پر بہت زیادہ اجر عطا فرما دیا۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ﴿٢٣﴾ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ﴿٢٤﴾ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿٢٥﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ نساء: 69 　　2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ الاعراف: 43، سورۂ زمر: 73

طَوِيۡلًا ﴿٢٦﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوۡنَ الۡعَاجِلَةَ وَ يَذَرُوۡنَ وَرَآءَهُمۡ يَوۡمًا ثَقِيۡلًا ﴿٢٧﴾ نَحۡنُ خَلَقۡنٰهُمۡ وَشَدَدۡنَاۤ اَسۡرَهُمۡ ۚ وَاِذَا شِئۡنَا بَدَّلۡنَاۤ اَمۡثَالَهُمۡ تَبۡدِيۡلًا ﴿٢٨﴾ اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيۡلًا ﴿٢٩﴾ وَمَا تَشَآءُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا ﴿٣٠﴾ ۖ يُّدۡخِلُ مَنۡ يَّشَآءُ فِىۡ رَحۡمَتِهٖ ؕ وَالظّٰلِمِيۡنَ اَعَدَّ لَهُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا ﴿٣١﴾

''ہم نے ہی (اے حبیب!) آپ پر تھوڑا تھوڑا کر کے کلام نازل کیا۔ اور اپنے رب کے حکم کا انتظار کیجئے اور نہ کہنا مانیے ان میں سے کسی بدکار یا احسان فراموش کا۔ اور یاد کرتے رہا کرو اپنے رب کے نام کو صبح بھی اور شام بھی، اور رات (کی تنہائیوں میں) بھی اس کو سجدہ کیا کیجئے۔ اور رات کافی وقت اس کی تسبیح کیا کیجئے۔ بے شک یہ لوگ دنیا سے محبت کرتے ہیں اور پس پشت ڈال رکھا ہے انہوں نے بڑے سخت دن کو۔ ہم نے ہی ان کو پیدا کیا ہے اور ان کے جوڑ بند مضبوط کئے ہیں۔ اور جب ہم چاہیں تو ان کی شکلوں کو بدل کر رکھ دیں۔ بے شک یہ ایک نصیحت ہے پس جس کا جی چاہے اختیار کر لے اپنے رب کے قرب کا راستہ۔ اور (اے لوگو!) تم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے بجز اس کے کہ اللہ خود چاہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ علیم ہے، حکیم ہے۔ جس کو چاہتا ہے اپنے (دامن) رحمت میں داخل کر لیتا ہے۔ اور ظالموں کے لئے تو اس نے تیار کر رکھا ہے دردناک عذاب''۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ پر کئے گئے اپنے اس احسان کو بیان کر کے کہ ہم نے بتدریج یہ قرآن آپ پر اتارا ہے، فرما رہا ہے: فَاصۡبِرۡ لِحُكۡمِ رَبِّكَ یعنی نزول قرآن کے اس اعزاز و اکرام کے مقابلہ میں آپ اپنے پروردگار کی قضاء و قدر پر صابر شاکر رہیں اور یہ یقین رکھیں کہ وہ اپنی حسن تدبیر سے بہت جلد آپ کے غلبہ کا انتظام فرما دے گا۔ اگر کافر اور منافق آپ کو فریضہ تبلیغ کی انجام دہی سے باز رکھنے کی کوشش کریں تو ان کی ایک نہ سننا بلکہ ایسے حالات میں بھی ضروری ہے کہ آپ دعوت و تبلیغ کا کام پوری تندہی اور دلجمعی سے کرتے رہیں اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کریں۔ وہی آپ کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔

آثم سے مراد ہے بدکار اور کفور سے مراد ہے: دل سے انکار کرنے والا۔ اس کے بعد ذکر کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا: وَاذۡكُرِ اسۡمَ رَبِّكَ...... یعنی دن کے اول حصہ میں بھی اپنے رب کو یاد کیا کرو اور آخر حصہ میں بھی، علاوہ ازیں رات کو بھی ایک طویل وقت اپنے رب کے حضور سر بسجود رہا کریں اور اس کی تسبیح بیان کیا کریں۔ اسی طرح اور مقامات پر فرمایا: وَمِنَ الَّيۡلِ فَتَهَجَّدۡ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنۡ يَّبۡعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا (اسراء:79) ''اور رات کے بعض حصہ میں (اٹھو) اور نماز تہجد ادا کرو (تلاوت قرآن کے ساتھ) (یہ نماز) زائد ہے آپ کے لئے یقیناً فائز فرمائے گا آپ کو آپ کا رب مقام محمود پر''، يٰۤاَيُّهَا الۡمُزَّمِّلُ ۙ قُمِ الَّيۡلَ اِلَّا قَلِيۡلًا ۙ نِّصۡفَهٗۤ اَوِ انۡقُصۡ مِنۡهُ قَلِيۡلًا ۙ اَوۡ زِدۡ عَلَيۡهِ وَرَتِّلِ الۡقُرۡاٰنَ تَرۡتِيۡلًا (المزمل:4-1) ''اے چادر لپیٹنے والے! رات کو (نماز کے لئے) قیام فرمایا کیجئے مگر تھوڑا۔ یعنی نصف رات یا کم کر لیا کریں اس سے بھی تھوڑا سا۔ یا بڑھا دیا کریں اس پر اور (حسب معمول) خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کیجئے قرآن کریم کو''۔ پھر کفار کو حب دنیا میں مستغرق ہونے اور دار آخرت کو پس پشت ڈالنے پر سرزنش کرتے ہوئے فرمایا: اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوۡنَ...... یعنی یہ کافر دنیا کی محبت کو اپنے دل میں بسائے ہوئے ہیں اور بھاری دن یعنی روز قیامت سے بالکل غافل ہیں۔ اس کے بعد فرمایا: نَحۡنُ خَلَقۡنٰهُمۡ...... یعنی

ہم نے انہیں پیدا کیا اور ان کی تخلیق کو مضبوط کر کے تمام جسم قوی بنا دیا اور جب ہم چاہیں گے، انہیں قیامت کے روز دوبارہ زندہ کر کے لا کھڑا کریں گے۔ یہاں ابتدائے آفرینش سے اعادۂ آفرینش پر استدلال کیا جا رہا ہے۔ ابن زید اور ابن جریر رحمہما اللہ تعالیٰ اس فرمان وَ اِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ ... کی یہ تفسیر بیان کرتے ہیں کہ جب ہم چاہیں گے، ان کی جگہ کوئی اور قوم لے آئیں گے(1) جیسا کہ اور مقامات پر فرمایا: اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ اَیُّهَا النَّاسُ وَ یَاْتِ بِاٰخَرِیْنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِیْرًا (النساء:133) ''اگر چاہے تو لے جائے تمہیں اے لوگو! اور لے آئے دوسروں کو اور اللہ تعالیٰ اس بات پر پوری قدرت رکھتا ہے''، اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ وَ یَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ ۙ وَ مَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِیْزٍ (ابراہیم:20-19) ''اگر وہ چاہے تو تم سب کو ہلاک کر دے اور لے آئے کوئی نئی مخلوق۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی مشکل نہیں''۔

پھر فرمایا: اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ... یعنی یہ سورت سراسر نصیحت ہے، پس جو شخص چاہے، اس قرآن کے ذریعے اپنے رب کی طرف راہِ ہدایت اختیار کر لے جیسا کہ فرمایا: وَ مَا ذَا عَلَیْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ (النساء:39) ''اور کیا نقصان ہوتا ان کا اگر ایمان لاتے اللہ پر اور روزِ آخرت پر''۔ اس کے بعد فرمایا: وَ مَا تَشَآءُوْنَ ... یعنی جب تک اللہ تعالیٰ کی مشیت شامل حال نہ ہو، اس وقت تک کوئی شخص بھی نہ ہدایت پا سکتا ہے، نہ ایمان میں داخل ہو سکتا ہے اور نہ ہی اپنی ذات کو کوئی نفع پہنچا سکتا ہے، کیونکہ صرف وہی جانتا ہے کہ کون ہدایت کا مستحق ہے اور کون گمراہی کا۔ چنانچہ جو شخص ہدایت کا استحقاق رکھتا ہو، اس کے لئے وہ ہدایت کو آسان بنا دیتا ہے اور اسے تمام اسباب فراہم کر دیتا ہے اور جو گمراہی کا سزاوار ہو، اسے ہدایت سے منحرف کر دیتا ہے۔ اس کے ہر کام میں حکمت اور حجت کارفرما ہوتی ہے، اس لئے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا حَكِیْمًا۔

پھر آخری آیت میں فرمایا: یُّدْخِلُ مَنْ یَّشَآءُ فِیْ رَحْمَتِهٖ ... یعنی وہ جسے چاہے، ہدایت سے نواز دے اور جسے چاہے گمراہ کر دے۔ جسے وہ ہدایت عطا فرما دے، اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے وہ گمراہ کر دے، اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

1۔ طبری، جلد 29، صفحہ 227

سورۂ مرسلات (مکیہ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ منیٰ کے ایک غار میں تھے جب آپ پر سورۂ مرسلات کا نزول ہوا۔ آپ ﷺ اس کی تلاوت فرما رہے تھے اور میں آپ کی زبان اقدس سے سن کر یاد کر رہا تھا۔ ابھی آپ ﷺ تلاوت فرما ہی رہے تھے کہ اچانک ایک سانپ ہم پر کود پڑا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے مار ڈالو''۔ ہم اسے مارنے کے لئے لپکے لیکن وہ بچ کر نکل گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ تمہاری سزا سے بچ نکلا جس طرح تم اس کے شر سے محفوظ رہے'' (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اپنی والدہ محترمہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو نماز مغرب میں سورۂ مرسلات کی تلاوت کرتے ہوئے سنا (2)۔ ایک مرتبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس سورت کی تلاوت کی تو آپ کی والدہ حضرت ام فضل رضی اللہ عنہا نے اپنے بیٹے کو یہ سورت پڑھتے ہوئے سن کر فرمایا: بیٹے تم نے یہ سورت پڑھ کر مجھے یاد دلا دیا، میں نے آخری مرتبہ رسول اللہ ﷺ کو نماز مغرب میں یہ سورت پڑھتے ہوئے سنا (3)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ۝١ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ۝٢ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ۝٣ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ۝٤ فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ۝٥ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ۝٦ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ۝٧ فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ۝٨ وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ۝٩ وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ۝١٠ وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ۝١١ لِاَيِّ يَوْمٍ اُجِّلَتْ ۝١٢ لِيَوْمِ الْفَصْلِ ۝١٣ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ ۝١٤ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝١٥

''(ان ہواؤں کی) قسم جو پے در پے بھیجی جاتی ہیں۔ پھر ان کی (قسم) جو تند و تیز ہیں۔ اور ان کی قسم جو بادلوں کو پھیلانے والی ہیں۔ پھر ان کی جو بادلوں کو پارہ پارہ کرنے والی ہیں۔ پھر ان کی قسم جو (دلوں میں) ذکر کا القا کرنے والی ہیں۔ حجت تمام کرنے کے لئے یا ڈرانے کے لئے۔ بے شک جس بات کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ ضرور ہو کر رہے گی۔ پس اس وقت جب ستارے بے نور کر دیئے جائیں گے اور جب آسمان میں شگاف پڑ جائیں گے۔ اور جب پہاڑ (خاک بنا کر) اڑا دیئے جائیں گے۔ اور جب رسولوں کو وقت مقررہ پر اکٹھا کیا جائے گا۔ (تمہیں علم ہے) کس دن کے لئے یہ ملتوی کیا گیا ہے؟ فیصلہ کے دن کے لئے۔ (اے مخاطب!) تجھے کیا علم کہ فیصلے کا دن کیسا ہے۔ تباہی ہوگی اس روز جھٹلانے والوں کے لئے''۔

1۔ فتح الباری، کتاب جزاء الصید، جلد 4، صفحہ 35، مسلم، کتاب السلام، جلد 4، صفحہ 1755

2۔ مسند احمد، جلد 6، صفحہ 338، فتح الباری، کتاب الاذان، جلد 2، صفحہ 246، مسلم کتاب الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 338　3۔ ایضاً

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مذکور بالا جن پانچ صفات کی قسمیں اٹھائی جارہی ہیں، ان کے موصوف فرشتے ہیں یعنی ان صفات کے حامل فرشتوں کی قسمیں اٹھائی جارہی ہیں اور موصوف کو بظاہر ذکر نہیں کیا۔ حضرات مسروق، ابوالضحیٰ، مجاہد، سدی، ربیع بن انس رحمہم اللہ تعالیٰ اور بعض دیگر حضرات سے بھی یہی مروی ہے۔ ابو صالح رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت میں منقول ہے کہ ان سے مراد رسول ہیں اور دوسری روایت میں ان سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ ان سے مراد فرشتے ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ان صفات کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ المرسلات، العاصفات اور الناشرات سے ہوائیں مراد ہیں (1)۔ یہی قول حضرات ابن عباس، مجاہد، قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ اور بروایت ابوصالح رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا کے متعلق توقف کیا ہے کہ یا تو اس سے مراد فرشتے ہیں جنہیں پے در پے بھیجا جاتا ہے یا اس سے مراد ہوائیں ہیں جو بتدریج چلتی ہیں (2)۔ البتہ انہوں نے فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا کے متعلق قطعی فیصلہ دیا ہے کہ اس سے مراد ہوائیں ہی ہیں جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ کا قول ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور سدی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

اسی طرح امام موصوف نے النّٰشِرٰتِ نَشْرًا کے متعلق بھی توقف کیا ہے کہ کیا اس سے مراد فرشتے ہیں، یا ہوائیں؟ ابوصالح علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ''الناشرات'' سے مراد بارش ہے۔ زیادہ ظاہر اور واضح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ المرسلات سے مراد ہوائیں ہیں جیسا کہ فرمایا: وَاَرْسَلْنَا الرِّیٰحَ لَوَاقِحَ (الحجر: 22) ''پس ہم بھیجتے ہیں ہواؤں کو باردار بنا کر''، وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ (الاعراف: 57) ''اور وہی خدا ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو خوشخبری سناتے ہوئے اپنی رحمت (بارش) سے پہلے''۔ اسی طرح العاصفات سے مراد بھی ہوائیں ہیں اور یہ جب چلتی ہیں تو ان کے تیز جھونکوں کے باعث آواز پیدا ہوتی ہے اور الناشرات سے مراد وہ ہوائیں ہیں جو مشیت الٰہی کے مطابق بادلوں کو آسمان کی ہر سمت میں پھیلا دیتی ہیں۔ حضرات ابن مسعود، ابن عباس، مسروق، مجاہد، قتادہ، ربیع بن انس، سدی اور ثوری رحمہم اللہ تعالیٰ کے بقول الفارقات اور الملقیات سے مراد فرشتے ہیں اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کیونکہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے احکام لے کر پیغمبروں پر اترتے ہیں جن سے حق و باطل، ہدایت و ضلالت اور حلال و حرام کے درمیان امتیاز ہوتا ہے اور یہ فرشتے پیغمبروں تک وحی پہنچاتے ہیں تاکہ حجت تمام ہو جائے اور کسی کا کوئی عذر بہانہ باقی نہ رہے اور اگر لوگ مخالفت کریں تو انہیں بروقت خبردار کیا جائے۔ ان قسموں کے بعد مقسم علیہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ یعنی یہ جو تم سے وعدہ کیا جاتا ہے کہ قیامت قائم ہو گی، صور پھونکا جائے گا، از سر نو زندہ کر کے اٹھایا جائے گا، اول آخر تمام لوگ ایک بڑے وسیع میدان میں جمع کئے جائیں گے اور ہر ایک کو اس کے نیک و بد اعمال کا بدلہ دیا جائے گا، یہ سب کچھ برحق ہے اور اس کا وقوع یقینی ہے پھر قیامت کا ہولناک منظر بیان کرتے ہوئے فرمایا: فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ یعنی جب ستارے بے نور ہو جائیں گے، اسی طرح فرمایا: وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ (تکویر: 2) ''اور جب ستارے بکھر جائیں گے''، وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ (الانفطار: 2) ''اور جب ستارے بکھر جائیں گے''۔ اس کے بعد آسمان کی حالت سے پردہ اٹھاتے ہوئے فرمایا: وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ یعنی آسمان پھٹ جائے گا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے اور پہاڑوں کا یہ منظر ہو گا: یعنی پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر کے اس طرح اڑا دیا جائے گا کہ ان کا نام و نشان تک باقی نہیں رہے گا جیسا کہ فرمایا: وَيَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا (طٰہٰ: 105) ''اور وہ آپ سے پہاڑوں کے انجام کے بارے میں پوچھتے ہیں آپ فرمائیے میرا رب انہیں جڑوں سے اکھیڑ کر

1۔ طبری، جلد 29، صفحہ 228　　2۔ طبری، جلد 29، صفحہ 229

پھینک دے گا''، وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا (کہف:47)'' اور (غور کرو) جس روز ہم ہٹادیں گے پہاڑوں کو (ان کی جگہ سے) اور تم دیکھو گے زمین کو کہ کھلا میدان ہے اور ہم جمع کریں گے انہیں پس نہیں پیچھے رہنے دیں گے ان میں سے کسی کو''۔

پھر فرمایا: وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ یعنی جب رسولوں کو جمع کیا جائے گا جیسا کہ فرمایا: يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ (مائدہ:109)'' جس دن جمع کرے گا اللہ تعالیٰ تمام رسولوں کو''۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کا یہ معنی بتاتے ہیں کہ جب رسولوں کے لئے ایک وقت مقرر کیا جائے گا۔ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب رسولوں کو گواہی دینے کے لئے وعدہ دیا جائے گا۔ گویا انہوں نے اس آیت کو اس فرمان کی طرح ٹھہرایا ہے: وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِایْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (زمر:69) '' اور جگمگا اٹھے گی زمین اپنے رب کے نور سے۔ اور رکھ دیا جائے گا دفتر عمل اور حاضر کئے جائیں گے انبیاء اور (دوسرے) گواہ اور فیصلہ کر دیا جائے گا ان کے درمیان انصاف سے اور ان پر (رتی بھر) ظلم بھی نہیں کیا جائے گا''۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لِاَيِّ يَوْمٍ اُجِّلَتْ...... یعنی کس دن کے لئے رسولوں کو ٹھہرایا گیا اور قیامت تک ان کے معاملہ کو اٹھا رکھا گیا، اسی طرح فرمایا: فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ؕ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (ابراہیم:48-47)'' تم یہ مت خیال کرو کہ اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی کرنے والا ہے اپنے رسولوں سے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بڑا زبردست ہے (اور) بدلہ لینے والا ہے۔ یاد کرو اس دن کو جب کہ بدل دی جائے گی یہ زمین دوسری (قسم کی) زمین سے اور آسمان بھی (بدل دیئے جائیں گے) اور سب لوگ حاضر ہو جائیں گے اللہ کے حضور میں (وہ اللہ) جو ایک ہے (اور) سب پر غالب ہے''۔ اس سے مراد فیصلے کا دن ہے جس طرح فرمایا: لِيَوْمِ الْفَصْلِ۔ پھر اس کی فخامت شان کو بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ...... یعنی آپ کو کیا معلوم کہ فیصلہ کا دن کیا ہے؟ اس دن ان جھٹلانے والوں کے لئے تباہ کن عذاب ہوگا۔ ایک غیر صحیح حدیث میں گزر چکا ہے کہ '' وَيْلٌ'' جہنم کی ایک وادی کا نام ہے (1)۔

اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٦﴾ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ ﴿١٧﴾ كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿١٨﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿١٩﴾ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ﴿٢٠﴾ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿٢١﴾ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿٢٢﴾ فَقَدَرْنَا ۖ فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ﴿٢٣﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٢٤﴾ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ﴿٢٥﴾ اَحْيَآءً وَّاَمْوَاتًا ﴿٢٦﴾ وَّجَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ وَّاَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا ﴿٢٧﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٢٨﴾

'' کیا ہم نے ہلاک نہیں کر دیا جو ان سے پہلے تھے۔ پھر ہم ان کے پیچھے پیچھے بھیج دیں گے بعد میں آنے والوں کو۔ گناہ گاروں کے ساتھ ہم ایسا ہی سلوک کیا کرتے ہیں۔ تباہی ہوگی اس روز جھٹلانے والوں کے لئے۔ کیا ہم نے تمہیں حقیر پانی سے پیدا نہیں فرمایا۔ پھر ہم نے رکھ دیا اسے ایک محفوظ جگہ (رحم مادر) میں۔ ایک معین مدت تک۔ پھر ہم نے ایک اندازہ

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ:79

ٹھہرایا، پس ہم کتنے بہتر اندازہ ٹھہرانے والے ہیں۔ تباہی ہوگی اس روز جھٹلانے والوں کے لئے۔ کیا ہم نے نہیں بنایا زمین کو سمیٹنے والی (تمہارے) زندوں اور مردوں کو۔ اور ہم نے ہی بنا دیئے اس میں خوب جمے ہوئے اونچے اونچے پہاڑ اور ہم نے ہی تمہیں میٹھا پانی پلایا۔ تباہی ہوگی اس دن جھٹلانے والوں کے لئے"۔

اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے کہ ہم نے تم سے پہلے گزرے ہوئے ان لوگوں کو ہلاک کر دیا جو میرے پیغمبروں کی تکذیب کرتے اور ان کے لائے ہوئے پیغام کی مخالفت کیا کرتے تھے، پھر ان کے بعد آنے والے ان جیسے بدبختوں کو بھی نیست و نابود کر دیا۔ اس لئے فرمایا:

كَذٰلِكَ نَفْعَلُ　یعنی ہمارا یہ دستور ہے کہ ہم مجرموں کے ساتھ یہی سلوک روا رکھتے ہیں۔ اس دن جھٹلانے والوں کے لئے بربادی ہوگی پھر اللہ تعالیٰ مخلوق کو اپنا احسان یاد دلاتے ہوئے اور آغاز آفرینش سے اعادہ آفرینش پر استدلال کرتے ہوئے فرماتا ہے: اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ یعنی ہم نے تمہیں ضعیف اور حقیر پانی سے پیدا فرمایا ہے جس کی ہماری قدرت کے سامنے کوئی وقعت اور حیثیت نہیں جیسا کہ سورۂ یٰسین کی تفسیر میں یہ حدیث گزر چکی ہے: "ابن آدم! تو مجھے کیسے عاجز کر سکتا ہے حالانکہ میں نے تمہیں اس جیسی چیز سے پیدا فرمایا ہے؟" (1)

پھر فرمایا: فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ یعنی ہم نے اس حقیر پانی کو ایک محفوظ جگہ یعنی رحم مادر میں رکھ دیا۔ یہی وہ محفوظ جگہ ہے جہاں مرد اور عورت کا نطفہ قرار پکڑتا ہے اور یہیں اس کی حفاظت کا پورا پورا بندوبست ہوتا ہے۔ پھر حمل کی مدت کے متعلق فرمایا: اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ یعنی ایک معین مدت تک یہ ماں کے شکم میں رہتا ہے، وہ مدت چھ ماہ ہے یا نو ماہ۔ اس لئے فرمایا: فَقَدَرْنَا...... اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا...... یعنی کیا ہم نے زمین کو ایسا ٹھکانہ نہیں بنایا جو زندوں اور مردوں سب کو اپنے اندر سمیٹ لیتا ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زمین مردے کو اپنے اندر اس طرح سمیٹ لیتی ہے کہ اس کا کوئی عضو دکھائی نہیں دیتا۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ اس کی وضاحت میں فرماتے ہیں کہ زمین مردوں کو اپنے شکم میں چھپا لیتی ہے اور زندوں کو اپنی پشت پر اٹھائے رکھتی ہے۔ پھر فرمایا: وَّ جَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ...... یعنی ہم نے زمین میں فلک بوس اور مضبوط پہاڑ نصب کر دیئے تا کہ یہ لرزتی اور ڈولتی نہ رہے۔ مزید برآں ہم نے تمہارے لئے بادلوں سے بارش برسا کر اور زمین میں چشمے جاری کر کے شیریں اور خوشگوار پانی کا انتظام کر دیا۔ ان انعامات اور اللہ تعالیٰ کی قدرت اور عظمت پر دلالت کرنے والے کرشموں کو دیکھ لینے کے باوجود جو شخص تکذیب اور کفر پر مصر ہے، اس کے لئے تباہی اور بربادی ہے۔

اِنْطَلِقُوْۤا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِنْطَلِقُوْۤا اِلٰى ظِلٍّ ذِيْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ﴿۳۰﴾ لَّا ظَلِيْلٍ وَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ اللَّهَبِ ﴿۳۱﴾ اِنَّهَا تَرْمِيْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ﴿۳۲﴾ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ﴿۳۳﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۴﴾ هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَ لَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۷﴾ هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ ۚ جَمَعْنٰكُمْ وَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيْدُوْنِ ﴿۳۹﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۰﴾

"(انہیں حکم ملے گا) چلو اس (آگ) کی طرف جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے چلو اس سایہ کی طرف جو تین شاخوں والا ہے۔ نہ

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ یٰسین: 77

وہ سایہ دار ہے اور نہ وہ بچاتا ہے آگ کی لپٹ سے۔ وہ جہنم پھینک رہی ہوگی بڑے بڑے انگارے جیسے محل۔ گویا وہ زرد رنگ کے اونٹ ہیں۔ تباہی ہوگی اس دن جھٹلانے والوں کے لئے۔ یہ وہ دن ہوگا جس میں نہ وہ بول سکیں گے اور نہ انہیں اجازت ملے گی کہ وہ کچھ عذر پیش کریں۔ تباہی ہوگی اس روز جھٹلانے والوں کے لئے۔ (اے کافرو!) یہ فیصلے کا دن ہے۔ (جس میں) ہم نے تمہیں اور تمہارے اگلوں کو جمع کر دیا ہے پس اگر تمہارے پاس کوئی چال ہے تو میرے خلاف استعمال کرو۔ تباہی ہوگی اس روز جھٹلانے والوں کے لئے"۔

قیامت، جزا، سزا اور جنت دوزخ کو جھٹلانے والے کفار کو روزِ قیامت کہا جائے گا: اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰی مَا كُنْتُمْ ...... یعنی اس جہنم کی طرف چلو جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔ چلو اس آگ کی طرف جس کے انگارے دہک رہے ہیں، شعلے بلند ہو رہے ہیں اور ساتھ دھواں اٹھ رہا ہے۔ اس کی شدت اور قوت کا یہ عالم ہوگا کہ اس کی تین شاخیں ہوں گی۔ یہ تین شاخوں والا سایہ دراصل سایہ نہیں ہوگا بلکہ یہ جہنم سے اٹھتا ہوا دھواں ہوگا جو سائے کی طرح معلوم ہوگا۔ یہ نہ تو سایہ فراہم کرے گا اور نہ آگ کی تپش سے بچائے گا۔ آگ کے حجم کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: اِنَّهَا تَرْمِیْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ یعنی جہنم محلات جیسے بڑے بڑے انگارے پھینک رہا ہوں گا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قصر سے مراد قلعے ہیں۔ حضرات ابن عباس، مجاہد، قتادہ، زید بن اسلم اور بعض دیگر مفسرین کا کہنا ہے کہ قصر سے مراد درخت کے تنے ہیں یعنی جہنم کی چنگاریاں درختوں کے بڑے بڑے تنوں کی مانند ہوں گی پھر آگ کی رنگت بیان کرتے ہوئے فرمایا: كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ یعنی گویا آگ کے شرارے سیاہ رنگ کے اونٹ ہیں۔ یہ قول مجاہد، حسن، قتادہ اور ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ کا ہے۔ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے ہی پسند کیا ہے(1)۔ حضرات ابن عباس، مجاہد اور سعید بن جبیر رحمہم اللہ تعالیٰ نے جِمٰلَتٌ صُفْرٌ کا معنی کیا ہے کشتیوں کے رسے۔ ایک اور روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس سے مراد تانبے کے ٹکڑے لئے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم تین تین ہاتھ یا اس سے کچھ زیادہ لمبی لکڑیاں لے کر تعمیر کے لئے بلند کرتے اور اسے قصر کہا کرتے تھے۔ کشتیوں کے رسے جب جمع کئے جاتے ہیں تو وہ ایک درمیانے قد والے شخص کے برابر ہو جاتے ہیں(2) اور یہی یہاں مراد لیا گیا ہے۔ پھر قیامت کے دن جھٹلانے والوں کی جو درگت بنے گی، اس کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: هٰذَا یَوْمُ لَا یَنْطِقُوْنَ ...... یعنی یہ ایسا دن ہوگا جس میں ان سے قوت گویائی سلب کر لی جائے گی۔ نہ وہ بولنے پر قادر ہوں گے اور نہ انہیں اذن دیا جائے گا کہ وہ عذر پیش کر سکیں کیونکہ ان پر حجت قائم ہو چکی اور اب ان ظالموں پر فیصلے کے نفاذ کا وقت ہے اس لئے وہ گفتگو نہ کر سکیں گے۔ یہاں تو یہ فرمایا جا رہا ہے کہ وہ بول نہ سکیں گے لیکن یہ بھی ثابت ہے کہ وہ بولیں گے عذر بہانے پیش کریں گے، اس کی وجہ یہ ہے کہ میدان محشر میں مختلف حالات پیش آئیں گے۔ اس لئے قرآن کریم میں مختلف مقامات پر قیامت کے ہولناک مناظر کی شدت کو بیان کرنے کے لئے مختلف حالات کو بیان کیا گیا ہے جن کا سامنا ہر ایک کو کرنا پڑے گا، اس لئے یہاں ہر مضمون کے خاتمہ پر فرمایا جا رہا ہے: وَیْلٌ یَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ پھر اللہ تعالیٰ بندوں کو خطاب کر کے فرمائے گا: هٰذَا یَوْمُ الْفَصْلِ ...... یعنی یہ ہے فیصلہ کا دن جس میں ہم نے اپنی قدرت کاملہ سے ایک وسیع میدان میں تمہیں بھی جمع کر دیا ہے اور اگلوں کو بھی۔ پھر اللہ تعالیٰ انہیں دھمکی دیتے ہوئے فرمائے گا: فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَیْدٌ ...... یعنی اگر تم کوئی چال چل کر میرے قبضہ سے نکل سکتے ہو اور میرے فیصلہ سے بچ سکتے ہو تو ضرور ایسا کر دیکھو۔ تمہیں اس پر ذرا بھی قدرت حاصل نہیں جیسا کہ فرمایا: یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ

1۔ طبری، جلد 29، صفحہ 242 2۔ فتح الباری تفسیر سورۃ مرسلات، جلد 8، صفحہ 688

اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ (الرحمٰن: 33) ''اے گروہ جن وانس اگر تم میں طاقت ہے کہ تم نکل بھاگو آسمانوں اور زمین کی سرحدوں سے تو نکل کر بھاگ جاؤ۔ (سنو!) تم نہیں نکل سکتے بجز سلطان کے (اور وہ تم میں مفقود ہے)''، وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْـًٔا (ہود: 57) ''اور تم اس کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے''۔

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے میرے بندو! تم سب مل کر مجھے نفع پہنچانا چاہو تو بھی مجھے کوئی نفع نہیں پہنچا سکتے اور اگر تم سب مجھے نقصان پہنچانا چاہو تو بھی تم مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے (1)۔ حضرت ابوعبداللہ الجدلی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ میں بیت المقدس گیا۔ وہاں میں نے دیکھا کہ حضرات عبادہ بن صامت، عبداللہ بن عمرو اور کعب الاحبار رضی اللہ عنہم بیٹھے گفتگو کر رہے ہیں۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سب اگلوں پچھلوں کو ایک وسیع چٹیل میدان میں جمع کرے گا۔ ایک آواز دینے والا سب کو خبردار کر دے گا اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا: هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ...... فَكِيْدُوْنِ۔ آج نہ کوئی سرکش جابر مجھ سے نجات پا سکے گا اور نہ مردود شیطان۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ایک حدیث بیان کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ اس دن جہنم سے ایک گردن برآمد ہو گی۔ وہ اس قدر دراز ہو گی کہ لوگوں کے سامنے پہنچ جائیگی اور انہیں کہے گی: اے لوگو! مجھے تین قسم کے لوگوں کو پکڑنے کے لئے بھیجا گیا ہے۔ جس قدر مجھے ان کی پہچان ہے، اس قدر کوئی باپ اپنی اولاد کو اور کوئی بھائی اپنے بھائی کو بھی نہ پہچانتا ہوگا۔ آج نہ وہ کسی پناہ گاہ میں غائب ہو سکتے ہیں اور نہ کوئی چیز انہیں مجھ سے اوجھل کر سکتی ہے۔ ایک وہ جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کیا، دوسرا ہر متکبر جابر اور تیسرا ہر سرکش شیطان۔ چنانچہ یہ گردن انہیں اپنی لپیٹ میں لے لے گی اور حساب سے چالیس سال پہلے ہی انہیں جہنم رسید کر دے گی (2)۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّ عُيُوْنٍ ﴿۴۱﴾ وَّ فَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۴۲﴾ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۵﴾ كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۰﴾

''بے شک پرہیزگار (اللہ کی رحمت کے) سایوں میں اور چشموں میں ہوں گے۔ اور (ان) پھلوں میں ہوں گے جن کو وہ پسند کریں گے۔ (انہیں کہا جائے گا) مزے سے کھاؤ اور پیو ان اعمال کے صلہ میں جو تم کیا کرتے تھے۔ ہم یونہی صلہ دیا کرتے ہیں نیکوکاروں کو۔ تباہی ہو گی اس روز جھٹلانے والوں کے لئے۔ (اے منکرو!) اب کھا لو اور عیش کر لو تھوڑا سا وقت، بے شک تم مجرم ہو۔ تباہی ہو گی اس روز جھٹلانے والوں کے لئے۔ اور (آج) جب ان سے کہا جاتا ہے اپنے رب کے سامنے جھکو تو نہیں جھکتے۔ تباہی ہو گی اس روز جھٹلانے والوں کے لئے۔ آخر کس بات پر وہ اس کتاب کے بعد ایمان لائیں گے''۔

قبل ازیں بدبختوں کو ملنے والی سزا کا ذکر ہوا کہ وہ جہنم میں سخت سیاہ بدبودار دھوئیں سے دوچار ہوں گے، ان کے برعکس یہاں ان متقی لوگوں کے انعامات کو بیان کیا جا رہا ہے جو ساری زندگی صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہے۔ پوری تندہی سے واجبات کی ادائیگی

1۔ مسلم، کتاب البر، جلد 4، صفحہ 1995-1994

2۔ مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب ذکر النار، جلد 13، صفحہ 171-170، درمنثور، جلد 8، صفحہ 388-387

اور محرمات سے اجتناب کرتے رہے۔ یہ ایسے سعادت مند ہیں جو جنت میں گھنے اور ٹھنڈے سایوں میں آرام فرما ہوں گے، ان کے سامنے طرح طرح کے صاف شفاف چشمے رواں دواں ہوں گے، قسم قسم کے پھل ان کے لذت دہن کے لئے ہر وقت موجود ہوں گے۔ جب بھی انہیں کسی میوے کی خواہش ہوگی، وہ فوراً پالیں گے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ بطور احسان انہیں فرمائے گا: كُلُوْا وَاشْرَبُوْا...... اس کے بعد فرمایا: اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ یعنی نیکو کاروں کو ہم ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں لیکن آج بربادی تو جھٹلانے والوں کے لئے ہے۔ اس کے بعد خطاب پھر ان لوگوں سے ہے جو روز جزا کو جھٹلانے والے ہیں، انہیں دھمکی دیتے ہوئے فرمایا: كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا...... یعنی تم دنیا کی اس مختصر سی مدت میں کھا پی لو اور عیش اڑا لو، بالآخر تمہیں تمہارے جرائم کی پاداش میں آتش جہنم کے سپرد کر دیا جائے گا جس کا ذکر ہو چکا ہے۔ اسی طرح اور جگہوں پر فرمایا: نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ (لقمان: 24) ''ہم لطف اندوز ہونے دیں گے انہیں تھوڑی دیر، پھر ہم انہیں ہانک کر لے جائیں گے سخت عذاب کی طرف''، اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ۝ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ (یونس: 70-69) ''جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہو سکتے۔ (چند روزہ) لطف اندوزی ہے دنیا میں پھر ہماری طرف ہی انہیں لوٹنا ہے پھر ہم چکھائیں گے انہیں سخت عذاب بوجہ اس کے کہ وہ کفر کیا کرتے تھے''۔ پھر دنیا میں ان کی متکبرانہ روش کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ یعنی جب ان نادان کافروں کو حکم دیا جاتا ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرو تو یہ اس سے انحراف کر لیتے ہیں اور تکبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس سے منہ موڑ لیتے ہیں، اسی لئے تو قیامت کے دن تباہی و بربادی ان کا مقدر ہوگی۔ پھر آخری آیت میں فرمایا: فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ یعنی جب یہ قرآن کریم پر ایمان نہیں لاتے تو اس کے بعد ایسی کون سی کلام ہے جس پر یہ ایمان لائیں گے؟ اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ (جاثیہ: 6) ''پس وہ کون سی ایسی بات ہے جس پر وہ اللہ اور اس کی آیتوں کے بعد ایمان لائیں گے''۔ ابن ابی حاتم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جو شخص اس سورت کی تلاوت کرے، وہ اس کی آخری آیت پڑھنے کے بعد کہے: ''آمنت باللّٰه وبما انزل'' یعنی میں اللہ تعالیٰ اور اس کی نازل کردہ کتابوں پر ایمان لایا۔ یہ حدیث سورۂ قیامہ کی تفسیر میں گزر چکی ہے(1)۔

1۔ یہ حدیث سورۂ قیامہ کی تفسیر میں گزر چکی ہے

سورۂ نبأ (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

عَمَّ یَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۱﴾ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِیْمِ ﴿۲﴾ الَّذِیْ هُمْ فِیْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ﴿۳﴾ كَلَّا سَیَعْلَمُوْنَ ﴿۴﴾ ثُمَّ كَلَّا سَیَعْلَمُوْنَ ﴿۵﴾ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ﴿۶﴾ وَّ الْجِبَالَ اَوْتَادًا ﴿۷﴾ وَّ خَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ﴿۸﴾ وَّ جَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ﴿۹﴾ وَّ جَعَلْنَا الَّیْلَ لِبَاسًا ﴿۱۰﴾ وَّ جَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ﴿۱۱﴾ وَّ بَنَیْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ﴿۱۲﴾ وَّ جَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ﴿۱۳﴾ وَّ اَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ﴿۱۴﴾ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّ نَبَاتًا ﴿۱۵﴾ وَّ جَنّٰتٍ اَلْفَافًا ﴿۱۶﴾

''وہ کس چیز کے بارے میں ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہیں۔ کیا وہ اس بڑی اور اہم خبر کے بارے میں پوچھ رہے ہیں جس میں وہ اختلاف کرتے رہتے ہیں۔ یقیناً وہ اسے جان لیں گے، پھر یقیناً وہ اسے جان لیں گے (کہ قیامت برحق ہے) کیا ہم نے نہیں بنادیا زمین کو بچھونا۔ اور پہاڑوں کو میخیں۔ اور ہم نے پیدا کیا ہے تمہیں جوڑا جوڑا۔ اور ہم نے بنادیا ہے تمہاری نیند کو باعث آرام۔ نیز ہم نے بنادیا رات کو پردہ پوش۔ اور ہم نے دن کو روزی کمانے کے لئے بنایا۔ اور ہم نے بنائے تمہارے اوپر سات مضبوط (آسمان) اور ہم نے ہی ایک نہایت روشن چراغ بنایا۔ اور ہم نے برسایا بادلوں سے موسلا دھار پانی۔ تاکہ ہم اگائیں اس کے ذریعے اناج اور سبزی۔ نیز گھنے باغات''۔

مشرکین مکہ وقوع قیامت کے منکر تھے اور رسول اللہ ﷺ سے استہزاءً اور طنزاً قیامت کے بارے میں سوال کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کے اس سوال کو ناپسند کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ وہ کس چیز کے بارے میں سوال کررہے ہیں؟ آیا وہ قیامت کے بارے میں سوال کررہے ہیں یہ تو انتہائی خوفناک اور ہولناک امر ہے۔ قتادہ اور ابن زید رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ نبأ عظیم سے مراد مرنے کے بعد زندہ ہونا ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد قرآن ہے۔ لیکن پہلا قول ہی زیادہ صحیح ہے۔ اس کی تائید بعد میں آنے والی آیت (جس میں وہ اختلاف کرتے رہتے ہیں) سے ہوتی ہے یعنی قیامت کے بارے میں لوگ مختلف ہیں۔ بعض اس پر ایمان رکھتے ہیں اور کچھ اس کے وقوع کے منکر ہیں پھر اللہ تعالیٰ منکرین کو زجر و توبیخ کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے (یقیناً وہ اسے جان لیں گے، پھر یقیناً وہ اسے جان لیں گے) اس ارشاد میں منکرین قیامت کے لئے سخت وعید اور شدید دھمکی ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کی عجیب و غریب اشیاء کی تخلیق پر اپنی عظیم قدرت کو بیان فرمایا ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ اپنی قدرت قاہرہ سے ہر چیز کی دوبارہ تخلیق پر بھی قادر ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: (کیا ہم نے زمین کو بچھونا نہیں بنادیا) یعنی مخلوق کے فائدہ کے لئے اسے ہموار بنایا اور ان کے لئے اسے

انتہائی نرم اور ساکن وثابت بنا دیا۔ پھر فرمایا (اور پہاڑوں کو میخیں بنا دیا) یعنی پہاڑوں کو زمین پر میخوں کی طرح گاڑ کر اسے مضبوط اور سخت کر دیا تاکہ یہ ساکن رہے اور اپنے اوپر رہنے والوں کی حرکت کے باعث حرکت نہ کرے۔

پھر ارشاد فرمایا: (ہم نے تمہیں جوڑا جوڑا پیدا کیا) یعنی تمہیں مذکر اور مؤنث بنایا تاکہ تم ایک دوسرے سے لطف اندوز ہوسکو اور اس سے افزائش نسل کا سلسلہ بھی جاری رہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً (الروم: 21) ''اور اس کی (قدرت کی) ایک نشانی یہ ہے کہ اس نے پیدا فرمائیں تمہارے لئے تمہاری جنس سے بیویاں تاکہ تم سکون حاصل کرو ان سے اور پیدا فرما دیئے تمہارے درمیان محبت اور رحمت کے (جذبات)''۔ پھر ارشاد فرمایا: (اور ہم نے تمہاری نیند کو باعث آرام بنا دیا) یعنی نیند کو تمہاری تگ ودو، کدوکاوش اور حرکات وسکنات کو ختم کرنے والا بنا دیا ہے تاکہ حصول معاش میں دن بھر کی تھکن راحت اور سکون میں تبدیل ہو جائے۔ اس قسم کی آیت سورۂ فرقان میں بھی گزر چکی ہے (1)۔

پھر ارشاد فرمایا: (اور ہم نے بنا دیا رات کو پردہ پوش) یعنی رات کی تاریکی اور سیاہی لوگوں کو ڈھانپ لیتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى (اللیل: 1) ''قسم ہے رات کی جب وہ (ہر چیز پر) چھا جائے''۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رات کو تمہارے لئے سکون کا باعث بنا دیا اور پھر ارشاد فرمایا (اور ہم نے دن کو روزی کمانے کے لئے بنایا) یعنی ہم نے دن کو روشن اور تاباں بنا دیا تاکہ لوگوں کے لئے اس میں حصول معاش کے لئے بھاگ دوڑ آسان ہو سکے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا (اور ہم نے بنائے تمہارے اوپر سات مضبوط (آسمان)) یعنی سات آسمان بنائے جو انتہائی وسیع وعریض، بلند وبالا اور مضبوط ہیں اور انہیں ستاروں اور تاروں کے ساتھ آراستہ کیا: اسی لئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: (اور ہم نے ہی ایک نہایت روشن چراغ بنایا) یعنی تمام جہاں کو روشن کرنے والا چمکتا ہوا سورج بنایا جس کی شعاعیں تمام اہل زمین تک پہنچتی ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے (اور ہم نے برسایا بادلوں سے موسلا دھار پانی)۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''المعصرات'' سے مراد ہوائیں ہیں۔ یہی قول عکرمہ، مجاہد، قتادہ، مقاتل، کلبی، زید بن اسلم اور ان کے بیٹے عبدالرحمٰن رحمہم اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اس قول کا مفہوم یہ ہے کہ یہ ہوائیں بادلوں سے بارش برسانے کا سبب بنتیں ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ ''معصرات'' سے مراد بادل ہیں۔ یہ قول عکرمہ، ابوالعالیہ، ضحاک، حسن بصری، ربیع بن انس اور ثوری سے مروی ہے۔ ابن جریر طبری کا مختار قول بھی یہی ہے (2)۔ فراء کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ بادل ہیں جو بارش سے بھرے ہوئے ہوں لیکن ان سے بارش نہ برسی ہو۔ جیسا کہ امرأۃ معصر اس عورت کو کہا جاتا ہے جس کے حیض کے ایام قریب ہوں لیکن ابھی تک حیض جاری نہ ہوا ہو (3)۔ حسن بصری اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ سے ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ اس سے مراد آسمان ہیں لیکن یہ قول بعید ہے اور ظاہر یہی ہے کہ معصرات سے مراد بادل ہی ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ كَيْفَ يَشَآءُ وَيَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ (الروم: 48) ''اللہ تعالیٰ ہی ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو پس وہ اٹھاتی ہیں بادل کو پس اللہ تعالیٰ پھیلا دیتا ہے اسے آسمان پر جس طرح چاہتا ہے اور کر دیتا ہے اسے ٹکڑے ٹکڑے پھر تو دیکھتا ہے بارش کو کہ ٹپکنے لگتی ہے اس میں سے''۔ مجاہد، قتادہ اور ربیع بن انس رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''ماء ثجاجا'' سے مراد تیزی سے بہنے والا پانی ہے۔ ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے مراد لگا تار

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ فرقان آیت: 47   2۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 5   3۔ تفسیر قرطبی، جلد 19، صفحہ 172

بہنے والا پانی ہے۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد کثیر پانی ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کلام عرب میں یہ لفظ اس معنی میں معروف نہیں ہے۔ اس کا معنی تیزی سے بہنے والا لگا تار پانی ہے۔ جیسا کہ ارشاد نبوی ہے: ''افضل الحج العج و الثج'' (سب سے افضل حج وہ ہے جس میں تلبیہ کی آواز بلند کی جائے اور قربانی کا خون بہایا جائے)(1)۔ یہی لفظ اسی معنی میں ایک اور حدیث میں بھی استعمال ہوا ہے۔ جب ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ سے مسلسل استحاضہ کے جاری رہنے کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے اسے روئی رکھ کر خون بند کرنے کا حکم فرمایا تو اس نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! یہ خون تو اس سے بھی زیادہ ہے اس نے یہ الفاظ کہے ''انما اثج ثجاً''(2) یہاں بھی یہ لفظ لگا تار اور کثرت سے بہنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

پھر یہ ارشاد فرمایا: (تا کہ ہم اگائیں اس کے ذریعہ اناج اور سبزیاں نیز گھنے باغات) یعنی اس پاکیزہ اور مبارک کثرت سے بہنے والے پانی کے ساتھ یہ چیزیں اگائیں۔

حب سے مراد وہ دانے ہیں جو لوگوں اور جانوروں کے استعمال کے لئے ذخیرہ کر کے رکھے جاتے ہیں اور ''نبات'' سے مراد وہ سبزیاں ہیں جو تر کھائی جاتی ہیں اور ''جنات'' سے مراد انواع و اقسام پھلوں والے اور مختلف قسم کے مہکتی خوشبوؤں والے باغات ہیں۔ جب بہت سے باغات ایک ہی جگہ اکٹھے ہوں تو انہیں جنات الفافاً کہا جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اس کا یہی معنی مروی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مطابق ہے: قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّ جَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّ زَرْعٌ وَّ نَخِیْلٌ صِنْوَانٌ وَّ غَیْرُ صِنْوَانٍ یُّسْقٰی بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۙ وَ نُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰی بَعْضٍ فِی الْاُكُلِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ (الرعد:4) اور زمین میں (مختلف قسم کے) ٹکڑے ہیں جو قریب قریب ہیں اور باغات ہیں انگوروں کے اور کھیتیاں ہیں اور کھجوریں، کچھ ایک تنے سے پھوٹتی ہیں اور کچھ الگ الگ تنوں سے سیراب کیا جاتا ہے ایک ہی پانی سے (اس کے باوجود) ہم فضیلت دیتے ہیں بعض (درختوں) کو بعض پر ذائقہ اور بو میں بیشک ان میں (اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کی) نشانیاں ہیں اس قوم کے لئے جو عقلمند ہو''۔

اِنَّ یَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِیْقَاتًا ﴿۱۷﴾ یَّوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ﴿۱۸﴾ وَّ فُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ﴿۱۹﴾ وَّ سُیِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ﴿۲۰﴾ اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ﴿۲۱﴾ لِّلطّٰغِیْنَ مَاٰبًا ﴿۲۲﴾ لّٰبِثِیْنَ فِیْهَاۤ اَحْقَابًا ﴿۲۳﴾ لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْهَا بَرْدًا وَّ لَا شَرَابًا ﴿۲۴﴾ اِلَّا حَمِیْمًا وَّ غَسَّاقًا ﴿۲۵﴾ جَزَآءً وِّفَاقًا ﴿۲۶﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا یَرْجُوْنَ حِسَابًا ﴿۲۷﴾ وَّ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا كِذَّابًا ﴿۲۸﴾ وَ كُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰهُ كِتٰبًا ﴿۲۹﴾ فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِیْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا ﴿۳۰﴾

''بے شک فیصلہ کا دن ایک معین وقت ہے۔ جس روز صور پھونکا جائے گا تو تم چلے آؤ گے فوج در فوج۔ اور کھول دیا جائے گا آسمان تو وہ دروازے ہی دروازے بن کر رہ جائے گا اور حرکت دی جائے گی پہاڑوں کو تو وہ سراب بن جائیں گے۔ درحقیقت جہنم ایک گھات ہے۔ (یہ) سرکشوں کا ٹھکانا ہے۔ پڑے رہیں گے اس میں عرصہ دراز۔ وہ نہیں چکھیں گے اس

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 6

2۔ ابوداؤد، کتاب الطہارۃ، جلد 1، صفحہ 76، ترمذی، کتاب الطہارۃ، عارضۃ الاحوذی، جلد 1، صفحہ 201، سنن ابن ماجہ کتاب الطہارۃ، جلد 1، صفحہ 204-203

میں کوئی ٹھنڈی چیز اور نہ پانی بجز کھولتے پانی اور گرم پیپ کے۔(ان کے گناہوں کی) پوری سزا۔ یہ لوگ (روزِ) حساب کی توقع ہی نہیں رکھتے تھے، اور انہوں نے ہماری آیتوں کو سختی سے جھٹلایا حالانکہ ہر چیز کو ہم نے گن گن کر لکھ لیا تھا۔ پس (اے منکرو! اپنے کیئے کا) مزا چکھو اب ہم نہیں زیادہ کریں گے تم پر مگر عذاب''۔

بے شک فیصلہ کا دن ایک معین وقت ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے فیصلہ یعنی قیامت کے دن کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ اس کا ایک وقت مقرر ہے، جس میں کسی کمی وبیشی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس کی تعیین کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَمَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ (ہود:104) ''اور ہم نے نہیں مؤخر کیا ہے اسے مگر ایک مقرر مدت تک جو گنی ہوئی ہے''۔

فرمایا (جس روز صور پھونکا جائے گا تو تم چلے آؤ گے فوج در فوج) مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ افواجاً سے مراد گروہ در گروہ ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ہر امت اپنے رسول کے ساتھ آئے گی۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: یَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ (اسراء:71) ''وہ دن جب ہم بلائیں گے تمام انسانوں کو ان کے پیشوا کے ساتھ''۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، دو نفخوں کی درمیانی مدت چالیس ہے؟ صحابہ نے عرض کی کیا چالیس دن ہیں؟ فرمایا: نہیں۔ انہوں نے عرض کی چالیس ماہ ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں۔ عرض کی: چالیس سال ہے؟ فرمایا: نہیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا پھر اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی نازل فرمائے گا جس سے لوگ اس طرح نکلیں گے جس طرح زمین سے پودے نکلتے ہیں۔ سوائے ایک ہڈی کے انسان کا ہر عضو بوسیدہ ہو جائے گا اور وہ ریڑھ کی ہڈی کا آخر ہے۔ اسی سے روز قیامت انسان کو زندہ کیا جائے گا(1) (اور کھول دیا جائے گا آسمان تو وہ دروازے ہی دروازے بن کررہ جائے گا) یعنی قیامت کے دن فرشتوں کے اترنے کے لئے آسمان میں راستے بن جائیں گے (اور پھر حرکت دی جائے گی پہاڑوں کو اور سراب بن جائیں گے) یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرح ہے: وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِیَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ (النمل:88) ''اور تو جب (اس روز) پہاڑوں کو دیکھے گا تو گمان کرے گا کہ یہ ٹھہرے ہوئے ہیں حالانکہ وہ چل رہے ہوں گے بادل کی سی چال''، وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ (القارعہ:5) ''اور پہاڑ رنگ برنگی دھنی ہوئی اون کی مانند ہوں گے'' اور یہاں ارشاد فرمایا کہ یہ سراب بن جائیں گے یعنی دیکھنے والوں کو یہ محسوس ہوں گے کہ یہ پہاڑ ہیں لیکن حقیقت میں وہاں کوئی چیز نہ ہوگی۔ اس کے بعد یہ سراب بھی ختم ہو جائے گا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَیَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ یَنْسِفُهَا رَبِّیْ نَسْفًا ﴿۱۰۵﴾ فَیَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿۱۰۶﴾ لَّا تَرٰى فِیْهَا عِوَجًا وَّلَاۤ اَمْتًا (طٰہٰ:105-106) ''اور وہ آپ سے پہاڑوں کے انجام کے بارے میں پوچھتے ہیں آپ فرمائیے میرا رب انہیں جڑوں سے اکھیڑ کے پھینک دے گا۔ پس بنا چھوڑے گا اس پہاڑی علاقہ کو کھلا ہموار میدان۔ نہ نظر آئے گا تجھے اس میں کوئی موڑ اور نہ کوئی ٹیلہ''۔

درحقیقت جہنم ایک گھات ہے یعنی یہ جہنم نافرمان، سرکش اور رسل عظام کے مخالفوں کی تاڑ میں تیار کھڑی ہے۔ ''مآباً'' لوٹنے کی جگہ، ٹھکانہ اور اترنے کی جگہ ہے۔ حضرت حسن بصری اور قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ اس آیت کی تفسیر کے تحت فرماتے ہیں کہ جنت میں داخل ہونے والا ہر شخص جہنم سے گزر کر جائے گا۔ اگر اس کے پاس اجازت نامہ ہوا تو وہ صحیح سالم گزر جائے گا وگرنہ جہنم اسے دبوچ لے گی۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جہنم پر تین پل ہوں گے۔

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ عم یتساءلون، جلد 8، صفحہ 690-689

لّٰبِثِيۡنَ فِيۡهَآ اَحۡقَابًا...... وہ عرصہ دراز تک اس میں پڑے رہیں گے۔ احقاب، حقب کی جمع ہے۔ اس کا معنی ایک لمبی مدت ہے جس کی مقدار میں اختلاف ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہلال ہجری سے فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ کتاب میں حقب کتنی مدت کو کہتے ہو؟ انہوں نے عرض کی اسّی سال۔ ایک سال بارہ ماہ اور ایک مہینہ تیس دن کا۔ ایک دن ہزار سال کا(1)۔ یہی حضرت ابو ہریرہ، عبداللہ بن عمرو اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ سعید بن جبیر، عمرو بن میمون، حسن بصری، قتادہ، ربیع بن انس اور ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ سبھی کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت بصری اور سدی رحمہما اللہ تعالیٰ سے بھی مروی ہے کہ اس سے مراد ستر سال ہیں۔

حضرت ابن عمرو رضی اللہ عنہ سے ایک روایت یہ بھی مروی ہے کہ اس سے چالیس سال مراد ہے اور ان میں سے ہر دن دنیا کے ایک ہزار سال کے برابر ہے۔ بشیر بن کعب فرماتے ہیں کہ ایک حقب تین سو سال کا ہے جس کا ایک دن ایک ہزار سال کا ہے(2)۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: حقب ایک مہینہ ہے...... جس کا ایک دن ہزار سال کا ہے تو حقب تیس ہزار سال ہیں۔ یہ حدیث انتہائی منکر ہے۔ اس کے دو راوی قاسم اور جعفر بن زبیر دونوں متروک ہیں۔ سلیمان بن مسلم فرماتے ہیں کہ میں نے سلیمان تیمی سے پوچھا کیا کوئی جہنم کی آگ سے نکل سکے گا تو انہوں نے جواب دیا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قسم بخدا جہنم کی آگ سے کوئی نہیں نکلے گا۔ یہاں تک کہ وہ اس میں چند حقب ٹھہرا رہے اور ایک حقب اسّی سال سے زائد ہے۔ ایک سال تین سو ساٹھ دن کا ہے(3)۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ اس میں سات سو حقب رہیں گے۔ ہر حقب ستر سال کا ہوگا اور ہر سال تین سو ساٹھ دن کا اور ہر دن ایک ہزار سال کا ہوگا۔

مقاتل بن حیان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد لَا يَذُوۡقُوۡنَ فِيۡهَا بَرۡدًا وَّلَا شَرَابًا سے منسوخ ہے۔ خالد بن معدان کا قول ہے کہ یہ آیت کریمہ اور آیت اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ''مگر جتنا چاہے آپ کا رب'' اہل توحید کے بارے میں ہیں(4)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ بھی احتمال ہے کہ ''احقابًا'' کا تعلق لَا يَذُوۡقُوۡنَ فِيۡهَا بَرۡدًا وَّلَا شَرَابًا کے ساتھ ہو یعنی طویل مدت تک ان کو کھولتے ہوئے پانی اور بہتی ہوئی پیپ کا عذاب دیا جائے گا اور پھر اس کے بعد دوسری قسم کا عذاب شروع ہو جائے گا۔ لیکن صحیح قول ہے کہ یہ عذاب ہمیشہ رہے گا، ختم نہیں ہوگا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے جب احقاب کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہیں گے لیکن اہل لغت کا قول ہے کہ حقب ستر سال کا ہے جس کا ہر دن دنیا کے ہزار سال کے برابر ہوگا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ احقاب کبھی ختم نہ ہوں گے جب ایک حقب گزرے گا تو دوسرا حقب شروع ہو جائے گا۔ حضرت ربیع بن انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان احقاب کی صحیح تعداد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ ہم نے یہ سنا ہے کہ ایک حقب اسّی سال کا ہوتا ہے۔ جس کا ہر دن دنیا کے ایک ہزار سال کے برابر ہے۔

لَا يَذُوۡقُوۡنَ فِيۡهَا بَرۡدًا وَّلَا شَرَابًا وہ اس میں نہ کوئی ٹھنڈی چیز اور نہ پانی چکھیں گے سوائے کھولتے ہوئے پانی اور گرم پیپ کے۔ یعنی اہل جہنم کو نہ تو ایسی ٹھنڈک حاصل ہوگی جس سے ان کو تسکین ملے اور نہ پینے کے لئے ٹھنڈا پانی دستیاب ہوگا۔ انہیں کھولتا ہوا پانی اور گرم

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 11
2۔ ایضاً مرجع مذکور
3۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب صفۃ جہنم، جلد 4، صفحہ 187-186
4۔ ہود: 108، تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 12

پیپ دی جائے گی۔ ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: برد سے حمیم کی استثناء کی گئی ہے اور شراب سے غساق کی۔ حمیم کھولتے ہوئے پانی کو کہتے ہیں اور غساق جہنمیوں کی پیپ، پسینے اور آنسوؤں کے مجموعہ کا نام ہے جو انتہائی بدبودار ہوگی۔ سورۂ ص میں غساق کی تفصیل گزر چکی ہے(1)۔ اس لئے یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہمیں اس کے عذاب سے محفوظ رکھے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ برد سے مراد نیند ہے۔ عرب شعراء نے بھی اپنے کلام میں یہ لفظ اس معنی میں استعمال کیا ہے(2)۔

جَزَآءً وِّفَاقًا یہ ان کے گناہوں کی پوری پوری سزا ہوگی۔ یعنی جو سزا ان کو جہنم میں دی جائے گی یہ ان کی ان بداعمالیوں کے موافق ہوگی جو وہ دنیا میں کیا کرتے تھے۔ یہ لوگ روز حساب کی توقع ہی نہیں رکھتے تھے یعنی ان کا یہ عقیدہ تھا کہ جزاء وسزا حساب وکتاب کا کوئی دن مقرر ہی نہیں اور انہوں نے ہماری آیات کو بڑی ہٹ دھرمی سے جھٹلایا۔ آیات سے یہاں مراد وہ براہین ودلائل ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسل کے ذریعہ اپنی مخلوق تک پہنچائے۔ یہ لوگ ان کی تصدیق کرنے کی بجائے ان کی تکذیب کرتے تھے اور ان سے معاندانہ سلوک کرتے تھے۔

کِذَّابًا بمعنی تکذیب مصدر ہے۔ اس وزن پر اور بھی مصادر آئے ہیں۔ ایک اعرابی نے صفا، مروہ کے درمیان سعی کرتے ہوئے فراء سے ان الفاظ "الحلقُ اَحَبُّ الیك او القصار" سے مسئلہ پوچھا۔ یہاں قصار تقصیر کے معنی میں ہے(3)۔ حالانکہ ہم نے ہر چیز کو گن گن کر لکھ دیا ہے۔ یعنی ہمیں بندوں کے تمام اعمال وافعال کا علم تھا اور ہم نے انہیں لکھ دیا تھا اور انہی اعمال کے مطابق انہیں جزا وسزا دیں گے۔

(پس مزہ چکھو، اب ہم تم پر زیادہ نہیں کریں گے مگر عذاب) یعنی اہل جہنم سے کہا جائے گا کہ اس عذاب کا مزا چکھو اور ہم اسی قسم کے بدترین عذاب اور بڑھاتے رہیں گے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اہل نار کے بارے میں اس آیت سے زیادہ شدید کوئی آیت نازل نہیں ہوئی۔ ان کے عذاب میں ہمیشہ اضافہ ہی ہوتا رہے گا(4)۔ حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ قرآن پاک میں اہل جہنم کے بارے سب سے سخت آیت کونسی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ آیت کریمہ پڑھتے ہوئے سنا پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان لوگوں کو خدا کی نافرمانی نے تباہ کر دیا مگر اس حدیث کے ایک راوی جسر بن فرقد انتہائی ضعیف ہیں۔

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا ﴿٣١﴾ حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا ﴿٣٢﴾ وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا ﴿٣٣﴾ وَّكَاْسًا دِهَاقًا ﴿٣٤﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا ﴿٣٥﴾ جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ﴿٣٦﴾

"بلاشبہ پرہیزگاروں کے لئے کامیابی (ہی کامیابی) ہے۔ (ان کے لئے) باغات اور انگوروں (کی بیلیں) ہیں۔ اور جواں سال ہم عمر لڑکیاں۔ اور چھلکتا ہوا جام۔ نہ سنیں گے وہاں کوئی بیہودہ بات اور نہ جھوٹ۔ یہ بدلہ ہے آپ کے رب کی طرف سے بڑا کافی انعام"۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے جو اس نے اپنے نیکوکار بندوں کے لئے تیار کر رکھی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "مفازاً" سے مراد سیرگاہ ہے۔ مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ یہ لوگ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے اور جہنم سے نجات پا گئے لیکن یہاں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول مناسب معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حدائق کا ذکر کیا

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ ص آیت: 57 2۔ دیوان امرؤالقیس: 231، تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 12، نحاس: اعراب القرآن، جلد 5، صفحہ 131

3۔ فراء: معانی القرآن، جلد 3، صفحہ 229، تفسیر طبری، جلد 30 صفحہ 16 4۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 17

ہے۔ جس کا معنی کھجور کے باغات ہیں۔

اعناب کا معنی انگور ہیں۔ کواعب کنواری جواں سال اور ابھری ہوئی چھاتیوں والی حوروں کو کہتے ہیں۔ ''اترابا'' سے مراد یہ ہے کہ وہ ہم عمر ہوں گی۔ اس کی تفسیر سورۂ واقعہ میں گزر چکی ہے(1)۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی پاک ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اہل جنت کے لباس اللہ تعالیٰ کی رضا سے خوشنما ہوں گے، بادل ان کے قریب سے گزریں گے اور انہیں آواز دیں گے کہ اہل جنت! ہم تم پر کس چیز کی بارش برسائیں۔ پھر وہ ان کی فرمائش کے مطابق برسیں گے۔ یہاں تک کہ نوجوان کنواری لڑکیاں بھی ان پر برسائیں گے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ انہیں پے در پے چھلکتے ہوئے جام دیئے جائیں گے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ جام انتہائی نفیس صاف اور شفاف ہوں گے۔ دیگر مفسرین نے کہا ہے: دِهَاقًا سے مراد چھلکتے ہوئے جام ہیں۔ وہ کوئی بیہودہ بات اور جھوٹ نہ سنیں گے۔ جیسا کہ ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: لَا لَغْوٌ فِيهَا وَلَا تَأْثِيمٌ (الطور: 23) ''اس میں نہ کوئی لغویت ہوگی اور نہ گناہ'' یعنی جنت میں کوئی لغو اور فضول گفتگو نہیں ہوگی اور نہ ہی کوئی گناہ اور جھوٹ بلکہ وہ تو دار السلام ہے، جس میں ہر چیز نقص سے سلامت ہے اور یہ آپ کے رب کی طرف سے بدلہ ہے جو بڑا اور کافی انعام ہے۔ یعنی جن نعمتوں کا ذکر ہوا ہے، وہ تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو محض اپنے فضل واحسان اور لطف وکرم سے عطا فرمائے گا اور یہ عطاء الٰہی ہے جو کافی ہوگی۔ ہر قسم کے عیب سے پاک، نقص سے محفوظ اور کثرت سے ہوگی۔ عرب کہتے ہیں: فاعطانی فا حسبنی یعنی اس نے مجھے عطا کیا اور پھر بے نیاز کر دیا اور اسی طرح کہا جاتا ہے۔ حسبی اللہ یعنی اللہ تعالیٰ میرے لئے کافی ہے۔

رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا ﴿۳۷﴾ يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۗ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ﴿۳۹﴾ اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا ۚ يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ﴿۴۰﴾

''جو پروردگار ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔ بے حد مہربان انہیں طاقت نہ ہوگی کہ (بغیر اجازت) اس سے بات بھی کر سکیں۔ جس روز روح اور فرشتے پرے باندھ کر کھڑے ہوں گے۔ کوئی نہ بول سکے گا بجز اس کے جس کو رحمٰن اذن دے اور وہ ٹھیک بات کرے۔ یہ دن برحق ہے۔ سو جس کا جی چاہے بنالے اپنے رب کے جوارِ رحمت میں اپنا ٹھکانا۔ بے شک ہم نے ڈرا دیا ہے تمہیں جلد آنے والے عذاب سے۔ اس دن دیکھ لے گا ہر شخص (ان عملوں کو) جو اس نے آگے بھیجے تھے اور کافر (بصد حسرت) کہے گا کاش! میں خاک ہوتا''۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی عظمت وجلالت کا بیان فرمایا ہے کہ وہ آسمانوں، زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، سب کا پروردگار ہے۔ وہ بڑا مہربان ہے۔ اس کی رحمت ہر چیز کو اپنے جلو میں لئے ہوئے ہو۔ اس کے اذن کے بغیر اس کے سامنے کوئی کلام نہیں کر سکے گا۔ جیسا

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ واقعہ آیت: 37

کہ اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر فرمایا مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (بقرہ:255) ''کون ہے جو سفارش کر سکے اس کے پاس بغیر اس کی اجازت کے'' ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا یَوْمَ یَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (ہود:105) جب وہ دن آئے گا تو (اس کی ہیبت سے) کوئی شخص نہیں بول سکے گا بجز اس کی اجازت کے''۔ اس روز روح اور فرشتے صف در صف کھڑے ہوں گے۔ مفسرین کا روح کے بارے میں اختلاف ہے کہ اس سے کیا مراد ہے۔

چند اقوال یہ ہیں:۔

1۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے مراد تمام بنی آدم کی ارواح ہیں۔

2۔ حسن بصری اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس سے تمام بنی نوع انسان مراد ہیں۔

3۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہے جس کو اس نے انسان کی صورت پر پیدا کیا ہے یہ نہ فرشتے ہیں اور نہ ہی انسان۔ یہ کھاتے پیتے ہیں۔ یہ مجاہد، ابوصالح اور اعمش رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ایک روایت میں یہی مروی ہے۔

4۔ اس سے مراد جبریل امین ہیں یہ شعبی سعید بن جبیر اور ضحاک رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ اس کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے: نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ ﴿۱۹۳﴾ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ (شعراء193)۔ حضرت مقاتل بن حیان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ تمام ملائکہ میں بزرگ ہیں اور اللہ کے مقرب اور صاحب وحی ہیں۔

5۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد قرآن حکیم ہے۔ اس قول کی تائید اس آیت کریمہ سے ہوتی ہے: وَكَذٰلِكَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ وَاِنَّكَ لَتَهْدِیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (شوریٰ:52)۔

6۔ اس سے مراد ایک فرشتہ ہے جو تمام مخلوق کے برابر ہے۔ حضرت علی بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ایک عظیم فرشتہ ہے جو تمام فرشتوں سے بڑا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ روح نامی فرشتہ چوتھے آسمان میں ہے اور یہ تمام آسمانوں، پہاڑوں اور فرشتوں سے بڑا ہے۔ ہر دن بارہ ہزار مرتبہ سبحان اللہ پڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر تسبیح کے بدلہ ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے۔ قیامت کے دن اکیلا ہی ایک صف میں کھڑا ہوگا(1)۔ یہ قول انتہائی غریب ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہے، اگر اسے کہا جائے کہ سات آسمانوں اور سات زمینوں کو ایک لقمہ میں نگل لو تو وہ ایک لقمہ میں نگل جائے۔ وہ یہ تسبیح پڑھتا رہتا ہے: ''سبحانك حيث كنت'' (اے اللہ! تو جہاں بھی ہے تو پاک ہے)(2)۔ یہ حدیث بھی انتہائی ضعیف ہے۔ اس کا مرفوع ہونا بھی محل نظر ہے۔ ممکن ہے کہ یہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما پر موقوف ہو اور آپ نے اسرائیلی علماء سے سنا ہو(3)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں توقف اختیار کیا ہے۔ انہوں نے یہ تمام اقوال ذکر کیے ہیں اور کسی ایک کے بارے میں بھی فیصلہ نہیں کیا۔ میرے نزدیک سب سے اصح قول یہی ہے کہ روح سے مراد بنو آدم ہیں۔ اس دن وہی کلام کرے گا جسے رحمٰن کی طرف سے اجازت ہوگی۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی مثال ہے۔ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ اس دن رسولوں کے علاوہ کوئی بات نہیں کر سکے گا(4)۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 22 2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ اسراء آیت:85 3۔ دیکھئے تفسیر سورۂ ہود آیت:105 4۔ ایضاً مرجع مذکور

صَوَابًا سے مراد حق بات ہے۔ ابو صالح اور عکرمہ رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد "لا الہ الا اللہ" کا کلمہ ہے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ یہ دن برحق ہے۔ یعنی یقیناً واقع ہونے والا ہے اور پس جو چاہے اپنے رب کے جوار رحمت میں ٹھکانہ بنالے۔

مَاٰبًا سے مراد لوٹنے کی جگہ اور وہ راستہ ہے جس سے گزر کر جائے گا۔ ارشاد فرمایا: بے شک ہم نے تمہیں جلد آنے والے عذاب سے ڈرایا ہے۔ اس سے مراد قیامت کے دن کا عذاب ہے کیونکہ اس کا وقوع یقینی ہے اس لئے اسے قریب کہا ہے کیونکہ ہر آنے والی چیز کو ایسے ہی سمجھنا چاہئے کہ گویا وہ آچکی ہے۔ ارشاد فرمایا: اس دن ہر شخص اپنے اعمال کو دیکھ لے گا جو اس نے آگے بھیجے۔ یعنی اس کے تمام اچھے برے، نئے اور پرانے اعمال اس کے سامنے ہوں گے۔ ارشاد فرمایا ہے: اور پھر کافر کہے گا، کاش میں خاک ہوتا۔ یعنی کافر اس دن خواہش کرے گا کہ کاش وہ دنیا میں مٹی کی طرح ہوتا اور عدم سے وجود میں نہ آتا۔ یہ وہ اس وقت کہے گا جب وہ اپنی آنکھوں سے عذاب الٰہی کا مشاہدہ کرے گا اور اپنے ان برے اعمال کو دیکھے گا جو پاک اور عزت والے فرشتوں کے ہاتھوں لکھے ہوئے ہوں گے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ کافر اس خواہش کا اظہار اس وقت کرے گا جب اللہ تعالیٰ ان حیوانات کے درمیان فیصلہ فرمائے گا جن کا دنیا میں جھگڑا ہوا تھا حتیٰ کہ بے سینگ بکری کو سینگ والی بکری سے قصاص دلایا جائے گا۔ اس فیصلہ کے بعد اللہ تعالیٰ انہیں فرمائے گا مٹی ہو جاؤ تو وہ مٹی ہو جائیں گے۔ اس کے بعد کافر خواہش کرے گا کہ کاش میں بھی حیوان ہوتا اور مٹی ہو جاتا۔ صور والی مشہور حدیث میں اسی قسم کا مفہوم بیان کیا گیا ہے اور اس کے بارے میں حضرت ابو ہریرہ اور عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم وغیرہ سے بھی اقوال منقول ہیں(1)۔

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ انعام آیت: 73 اور سورۂ حج کی ابتداء

سورۃ النازعات (مکیہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

وَ النّٰزِعٰتِ غَرۡقًا ۙ﴿۱﴾ وَّ النّٰشِطٰتِ نَشۡطًا ۙ﴿۲﴾ وَّ السّٰبِحٰتِ سَبۡحًا ۙ﴿۳﴾ فَالسّٰبِقٰتِ سَبۡقًا ۙ﴿۴﴾ فَالۡمُدَبِّرٰتِ اَمۡرًا ۘ﴿۵﴾ یَوۡمَ تَرۡجُفُ الرَّاجِفَۃُ ۙ﴿۶﴾ تَتۡبَعُہَا الرَّادِفَۃُ ؕ﴿۷﴾ قُلُوۡبٌ یَّوۡمَئِذٍ وَّاجِفَۃٌ ۙ﴿۸﴾ اَبۡصَارُہَا خَاشِعَۃٌ ۘ﴿۹﴾ یَقُوۡلُوۡنَ ءَ اِنَّا لَمَرۡدُوۡدُوۡنَ فِی الۡحَافِرَۃِ ؕ﴿۱۰﴾ ءَ اِذَا کُنَّا عِظَامًا نَّخِرَۃً ؕ﴿۱۱﴾ قَالُوۡا تِلۡکَ اِذًا کَرَّۃٌ خَاسِرَۃٌ ۘ﴿۱۲﴾ فَاِنَّمَا ہِیَ زَجۡرَۃٌ وَّاحِدَۃٌ ۙ﴿۱۳﴾ فَاِذَا ہُمۡ بِالسَّاہِرَۃِ ﴿ؕ۱۴﴾

’’قسم ہے (فرشتوں کی) جو غوطہ لگا کر (جان) کھینچنے والے ہیں۔ اور بند آسانی سے کھولنے والے ہیں۔ اور تیزی سے پیرنے والے ہیں۔ پھر (تعمیل ارشاد میں) جو دوڑ کر سبقت لے جانے والے ہیں۔ پھر (حسب حکم) ہر کام کا انتظام کرنے والے ہیں، جس روز تھرتھرائے گی تھرتھرانے والی۔ اس کے پیچھے ایک اور جھٹکا ہوگا۔ کتنے دل اس روز (خوف سے) کانپ رہے ہوں گے۔ ان کی آنکھیں (ڈر سے) جھکی ہوں گی۔ کافر کہتے ہیں کیا ہم پلٹائے جائیں گے الٹے پاؤں۔ (یعنی) جب ہم بوسیدہ ہڈیاں بن چکے ہوں گے۔ بولے یہ واپسی تو بڑے گھاٹے کی ہوگی۔ (پس اس واپسی کے لئے) تو فقط ایک جھڑک کافی ہے۔ پھر وہ فوراً کھلے میدان میں جمع ہو جائیں گے‘‘۔

وَ النّٰزِعٰتِ غَرۡقًا حضرات عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم اور کئی دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ ان فرشتوں کی صفات ہیں جو بنی آدم کی روحوں کو نکالتے ہیں۔ یہ فرشتے بعض لوگوں کی روحوں کو تو بڑی سختی سے نکالتے ہیں اور روح قبض کرنے میں گہرائی تک پہنچتے ہیں اور بعض کی آسانی سے نکالتے ہیں جیسے کسی کا بند کھولا جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ نازعات سے مراد کافروں کی روحیں ہیں۔ ان کی روحوں کو ان کے جسموں سے نکال کر تیزی سے لے جایا جاتا ہے اور دوزخ کی آگ میں غرق کر دیا جاتا ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد موت ہے۔ حسن بصری اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: وَ النّٰزِعٰتِ غَرۡقًا ۙ وَّ النّٰشِطٰتِ نَشۡطًا یہ ستاروں کی صفات ہیں۔ عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے مراد مجاہدین کی کمانیں ہیں۔ مگر پہلا قول ہی صحیح ہے یہی اکثر مفسرین کی رائے ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: وَّ السّٰبِحٰتِ سَبۡحًا سے مراد فرشتے ہیں۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد موت ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ستارے ہیں۔ عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے کشتیاں مراد ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، مسروق، مجاہد اور حسن بصری رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: فَالسّٰبِقٰتِ سَبۡقًا سے مراد فرشتے ہیں۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو ایمان اور تصدیق کی طرف

سبقت لے جانے والے ہیں۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس سے موت مراد ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ستارے ہیں۔ عطاء رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جہاد فی سبیل اللہ کرنے والے گھوڑے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، مجاہد، عطاء، ابو صالح، حسن بصری، قتادہ، ربیع بن انس اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا سے مراد فرشتے ہیں۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ اس کی مزید تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے زمین و آسمان کے امور کی تدبیر کرتے ہیں۔ امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ان اقوال میں سے کسی قول کو بھی قطعی قرار نہیں دیا اور فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ اس سے مراد فرشتے ہیں لیکن اس کو ثابت کیا ہے نہ اس کی نفی کی ہے۔

(جس روز تھرتھرانے والی تھرتھرائے گی اس کے پیچھے ایک اور جھٹکا ہوگا)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے مراد نفخہ اولیٰ اور ثانیہ ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں: يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ سے مراد پہلا نفخہ ہے۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے: يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَ الْجِبَالُ (مزمل: 14) ’’(یہ اس روز) جس دن لرز نے لگیں گے زمین اور پہاڑ‘‘۔

الرَّادِفَةُ سے مراد دوسرا نفخہ ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَّ حُمِلَتِ الْاَرْضُ وَ الْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً (الحاقہ: 14) ’’اور زمین اور پہاڑوں کو اٹھا کر دفعتہً چور چور کر دیا جائے گا‘‘۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس دن تھرتھرانے والی آئے گی اور اسی کے پیچھے ایک اور جھٹکا آئے گا، تو اسی دن موت اپنے تمام مصائب کے ساتھ آ جائے گی۔ ایک آدمی نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! اگر میں اپنے وظیفہ کا کل وقت آپ پر درود پڑھتا ہوا گزار دوں تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا تب اللہ تعالیٰ تجھے دنیا و آخرت کے غموں سے نجات دے دے گا(1)۔

امام ترمذی اور ابن ابی حاتم رحمہما اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ جب دو تہائی رات گزر جاتی تو رسول اللہ ﷺ بیدار ہوتے اور ارشاد فرماتے کہ لوگو! اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو۔ تھرتھرانے والی آ رہی ہے۔ اس کے پیچھے ایک اور جھٹکا آئے گا اور موت اپنے تمام مصائب کے ساتھ آ جائے گی(2)۔ (اس دن، (خوف سے) کتنے دل کانپ رہے ہوں گے)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہاں ’’واجفۃ‘‘ کا معنی خوفزدہ ہونا ہے۔ یہی مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ فرمایا ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی۔ یہاں آنکھوں کی نسبت قلوب کی طرف ہے۔ مراد یہی ہے کہ ان لوگوں کی آنکھیں خوف کی وجہ سے جھکی ہوئی ہوں گی۔ یعنی وہ جب قیامت کا ہولناک منظر دیکھیں گے تو ان کی آنکھیں ذلت اور رسوائی سے جھک جائیں گی۔ پھر ارشاد فرمایا کافر کہتے ہیں کہ ہم الٹے پاؤں پلٹائے جائیں گے۔ یعنی مشرکین مکہ اور وہ لوگ جو وقوع قیامت کے منکر ہیں جو قبروں سے اٹھنے اور دوبارہ زندہ ہونے کو بعید از عقل خیال کرتے تھے۔

الْحَافِرَةِ سے مراد قبریں ہیں یعنی ان کا خیال تھا کہ جسموں کے گل سڑ جانے اور ہڈیوں کے ریزہ ریزہ ہو جانے کے بعد ممکن نہیں۔ اسی لئے انہوں نے کہا کیا جب ہم بوسیدہ ہڈیاں بن چکے ہوں گے۔ اسے ’’ناخرۃ‘‘ بھی پڑھا گیا ہے(3)۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد بوسیدہ ہڈیاں ہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ہڈی جب بوسیدہ ہو جائے اور اس میں ہوا داخل ہو تو اسے ناخرۃ کہتے ہیں۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا: (وہ کہنے لگے یہ واپسی تو بڑے گھاٹے کی ہوگی)۔ حضرت عبد اللہ بن عباس

1۔ دیکھئے تفسیر سورہ احزاب آیت: 56　　2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ احزاب آیت: 56　　3۔ ابن باذش: الاقناع، جلد 2، صفحہ 803

رضی اللہ عنہما اور کئی دوسرے مفسرین نے فرمایا ہے حافرہ سے مراد موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہے۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد جہنم کی آگ ہے اور اس کے کئی نام ہیں: نار جهنم، جحيم، سقر، هاويه، حافره، لظى اور حطمه۔

محمد بن کعب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قریش مکہ نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا تو ہم بڑے گھاٹے میں ہوں گے تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اس واپسی کے لئے ایک جھڑک ہی کافی ہے۔ یعنی ادھر اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا ادھر لوگ دوبارہ زندہ ہو کر کھڑے دیکھ رہے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ اسرافیل علیہ السلام کو حکم فرمائے گا تو وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کے لئے صور پھونکیں گے تو تمام لوگ اپنے رب کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ جیسا کہ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ (قمر:50) ''اور نہیں ہوتا ہمارا حکم مگر ایک بار جو آنکھ جھپکنے میں واقع ہو جاتا ہے''۔ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ (النحل:77) ''اور نہیں قیامت برپا ہونے کا معاملہ مگر جیسے آنکھ تیزی سے جھپکتی ہے یا اس سے بھی جلد''۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ سے مراد ایک سخت آواز ہے۔ ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس دن پروردگار عالم بہت غضبناک ہوگا۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد غصہ کی ایک جھڑک ہے۔ ابو مالک اور ربیع بن انس رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد نفخہ ثانیہ ہے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ وہ کھلے میدان میں جمع ہو جائیں گے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ''ساھرہ'' سے مراد تمام روئے زمین ہے اور یہی قول اکثر مفسرین کا ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ زمین کے نیچے تھے اس سے نکال کر انہیں اوپر کر دیا جائے گا۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ساھرہ سے مراد ہموار زمین ہے۔ ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے شام کی سرزمین مراد ہے۔ ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ بیت المقدس کی سرزمین ہے۔ وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ بیت المقدس کے قریب ایک پہاڑ کا نام ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد جہنم ہے۔ یہ تمام اقوال ضعیف اور عجیب ہیں اور صحیح یہی ہے کہ اس سے مراد زمین کا اوپر والا حصہ ہے۔ حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس سے مراد میدہ کی صاف روٹی کی طرح خالی اور سفید زمین ہے۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ۝ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ۝ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا (طٰہٰ:107-105) ''اور وہ آپ سے پہاڑوں کے انجام کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ فرمائیے میرا رب انہیں جڑوں سے اکھیڑ کر پھینک دے گا۔ پس بنا چھوڑے گا اس پہاڑی علاقہ کو کھلا ہموار میدان نہ نظر آئے گا تجھے اس میں کوئی موڑ اور نہ کوئی ٹیلہ''۔ اور اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً (الکہف:47) ''اور (غور کرو) جس روز ہم ہٹا دیں گے پہاڑوں کو (ان کی جگہ سے) اور (تم دیکھو گے) زمین کو کہ کھلا میدان ہے''۔ یعنی پہاڑوں کو ختم کر کے ان کے نیچے سے صاف زمین ظاہر کر دی جائے گی اور یہ ایسی زمین ہوگی جس پر نہ تو کسی نے کوئی خطا کی ہوگی اور نہ ہی کسی نے کسی کا خون بہایا ہوگا۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۝ اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝ فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ۝ وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ۝ فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ۝ فَكَذَّبَ وَعَصٰى ۝ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ۝ فَحَشَرَ فَنَادٰى ۝

فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ﴿۲۴﴾ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ﴿۲۵﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ﴿۲۶﴾

''(اے حبیب!) کیا پہنچی ہے آپ کو موسیٰ کی خبر؟ جب ان کے رب نے انہیں طویٰ کی مقدس وادی میں پکارا تھا۔ (کہ) جاؤ فرعون کے پاس وہ سرکش بن گیا ہے۔ پس (اس سے) دریافت کرو کیا تیری خواہش ہے کہ تو پاک ہو جائے۔ اور (کیا تو چاہتا ہے کہ) میں تیری رہبری کروں تیرے رب کی طرف تا کہ تو (اس سے) ڈرنے لگے۔ پس آپ نے (جا کر) اسے بڑی نشانی دکھائی۔ پس اس نے جھٹلایا اور نافرمانی کی۔ پھر روگرداں ہو کر فتنہ انگیزی میں کوشاں ہو گیا۔ پھر (لوگوں کو) جمع کیا پس پکارا۔ اور کہا میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔ آخر کار مبتلا کر دیا اسے اللہ نے آخرت اور دنیا کے (دوہرے) عذاب میں۔ بے شک اس میں بڑی عبرت ہے اس کے لئے جو اللہ سے ڈرتا ہے''۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول محمد مصطفیٰ ﷺ کو اپنے ایک بندے اور رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خبر دی ہے کہ اس نے انہیں فرعون کی طرف بھیجا اور معجزات کے ساتھ ان کی تائید فرمائی مگر اس کے باوجود فرعون اپنی سرکشی اور کفر پر ڈٹا رہا تو اسے سخت عذاب سے دوچار کیا۔ اسی طرح تمہاری مخالفت کرنے والے اور تجھے جھٹلانے والے کا بھی یہی انجام ہو گا۔ اسی لئے اس قصہ کے آخر میں فرمایا: اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى فرمایا اے حبیب! کیا آپ کو موسیٰ کی خبر پہنچی ہے۔ آپ نے موسیٰ کے بارے میں سنا ہے جب اس کے رب نے اسے طویٰ کی مقدس اور مطہر وادی میں اتارا۔ طویٰ وادی کا نام ہے۔ اس کی تفسیر سورۂ طٰہٰ میں گزر چکی ہے(1)۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ فرعون کی طرف جاؤ۔ وہ سرکش ہو گیا ہے اور بدعملی اور نافرمانی میں حد سے تجاوز کر گیا ہے۔ اس سے دریافت کرو کہ کیا تیری خواہش ہے کہ تو پاک ہو جائے۔ اس سے کہو کیا تو ایسے راستہ پر چلنے کی تمنا رکھتا ہے جس سے تو پاک ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کا مطیع و فرمانبردار بن جائے۔ کیا تو چاہتا ہے کہ میں تیری تیرے رب کی طرف رہبری کروں تا کہ تو اس سے ڈرنے لگے۔ عبادت کا ایسا طریقہ بتاؤں جس کی وجہ سے تیرے دل میں خشوع و خضوع پیدا ہو جائے اور تو اپنے رب کا فرمانبردار ہو جائے۔ بعد اس کے کہ تو انتہائی سنگدل، خبیث اور نیکی و بھلائی سے دور تھا۔ پھر آپ نے اسے ایک بڑی نشانی دکھائی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حق کی طرف دعوت کے ساتھ ساتھ بہت سے عظیم معجزات ظاہر کئے جو ان کی سچائی پر دلالت کرتے تھے لیکن فرعون نے حق کی تکذیب کی اور اسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کا جو حکم دیا گیا اس کی مخالفت کی۔ فرعون کے دل میں کفر راسخ تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تبلیغ کا اس کے دل پر کوئی اثر نہ ہوا حالانکہ اسے علم تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پیغام حق ہے لیکن اس کے علم سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اس پر ایمان بھی رکھتا تھا کیونکہ معرفت دل سے جاننے کا نام ہے اور ایمان اس معرفت کا ثمر ہے۔ یعنی حق کی اطاعت و فرمانبرداری کرنا۔

پھر ارشاد فرمایا: وہ (فرعون) حق سے روگردانی کر کے فتنہ انگیزی میں لگ گیا حق کے مقابلہ میں باطل میں مشغول ہو گیا اور جادوگروں کو جمع کیا تا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کریں۔ اس نے اپنی قوم کو جمع کیا اور ندا دی کہ میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فرعون نے اس قول سے چالیس سال پہلے یہ کہا تھا کہ (میں تو نہیں

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ طٰہٰ آیت: 12

جانتا کہ تمہارے لئے میرے سوا کوئی اور خدا ہے "(1)۔ ارشاد فرمایا آخر کار اللہ تعالیٰ نے اسے دنیا و آخرت کے عذاب میں مبتلا کر دیا۔ اس سے ایسا انتقام لیا کہ دنیا میں اسے اس جیسے دوسرے سرکشوں کے لئے نشان عبرت بنا دیا اور آخرت کے بارے میں ارشاد فرمایا: وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ (ہود: 99) "اور قیامت کے دن بھی۔ بہت برا عطیہ ہے جو انہیں دیا جائے گا"۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ (قصص: 41) "اور ہم نے بنایا تھا انہیں ایسے پیشوا جو بلا رہے تھے (اپنی رعایا کو) آگ کی طرف اور روز حشر ان کی مدد نہیں کی جائے گی"۔ یہی قول صحیح ہے۔ اس آیت کریمہ میں الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى سے مراد دنیا اور آخرت ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد اس کا پہلا قول اور دوسرا قول ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد اس کا کفر اور نافرمانی ہے۔ لیکن پہلا قول ہی بلاشبہ صحیح ہے۔ پھر ارشاد فرمایا: اس میں اسی کے لئے بڑی عبرت ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے جو نصیحت قبول کرتا ہے اور گناہوں سے باز رہتا ہے۔

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَاۗءُ ۭ بَنٰىهَا ﴿٢٧﴾ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ﴿٢٨﴾ وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ﴿٢٩﴾ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ﴿٣٠﴾ اَخْرَجَ مِنْهَا مَاۗءَهَا وَمَرْعٰىهَا ﴿٣١﴾ وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا ﴿٣٢﴾ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿٣٣﴾

"کیا تمہیں پیدا کرنا مشکل ہے یا آسمان کا، اس نے اسے بنایا۔ اس کی چھت کو خوب اونچا کیا پھر اس کو درست کیا۔ اور تاریک کیا اس کی رات کو اور ظاہر کیا اس کے دن کو۔ اور زمین کو بعد ازاں بچھا دیا۔ نکالا اس سے اس کا پانی اور اس کا سبزہ۔ اور پہاڑ (اس میں) گاڑ دیئے۔ سامانِ زیست ہے تمہارے لئے اور تمہارے مویشیوں کے لئے"۔

وہ لوگ جو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کے منکر تھے، اللہ تعالیٰ ان پر حجت قائم کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ کیا تمہیں پیدا کرنا مشکل ہے یا آسمان کا۔ یعنی آسمان کا پیدا کرنا تم سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ کیا جو اتنے بڑے آسمان کو پیدا کرنے پر قادر ہے تمہیں دوبارہ پیدا کرنے پر قدرت نہیں رکھتا؟ جیسا کہ ارشاد ہے: اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓي اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ڲ بَلٰى ۤ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ (یٰسین: 81) "کیا وہ (قادر مطلق) جس نے پیدا فرمایا آسمان اور زمین کو قدرت نہیں رکھتا کہ پیدا کر سکے ان جیسی (چھوٹی سی) مخلوق بے شک (وہ ایسا کر سکتا ہے) اور وہی پیدا فرمانے والا سب کچھ جاننے والا ہے"۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا: اس نے اس آسمان کو بنایا، پھر اس کی بناوٹ کی تفصیل بیان کی اور فرمایا اس کی چھت کو خوب بلند کیا اور پھر اسے درست کیا۔ آسمان کو بلند و بالا، عظیم الشان اور وسیع الاطراف بنایا۔ تاریک راتوں میں اسے چمکتے ہوئے ستاروں سے مزین کیا۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا: اور اس کی رات کو تاریک کیا اور اس کے دن کو ظاہر کیا۔ رات کو تاریک اور سیاہ بنایا اور دن کو روشن اور چمکدار۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اَغْطَشَ کا معنی تاریک کرنا ہے۔ اور یہی قول دوسرے اکثر مفسرین کا ہے۔

اَخْرَجَ ضُحٰىهَا سے مراد ہے کہ اس کے دن کو روشن بنا دیا۔ ارشاد فرمایا: بعد ازاں زمین کو بچھا دیا۔ اس کی تفسیر اپنے اس ارشاد اَخْرَجَ مِنْهَا مَاۗءَهَا وَمَرْعٰىهَا سے کی۔ سورۂ حٰمٓ السجدہ میں یہ بیان گزر چکا ہے کہ زمین کی تخلیق آسمان کی تخلیق سے پہلے ہوئی (2)۔ لیکن اسے آسمان

1۔ قصص: 38، تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 41 2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ فصلت آیت: 9

کی تخلیق کے بعد بچھایا گیا۔ یعنی اس میں پائی جانے والی تمام چیزوں کا بالفعل ظہور آسمان کی تخلیق کے بعد ہوا۔ یہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور کئی دوسرے مفسرین کا قول ہے اور ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے(1)۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ زمین کو بچھانے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں پانی اور گھاس کو پیدا کیا۔ اس میں نہریں جاری کیں، اس میں پہاڑ، ٹیلے، ریت اور راستے بنائے۔ اس کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا: اور پہاڑوں کو مضبوطی سے گاڑ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو ان کے اپنے مقامات پر بڑی مضبوطی سے گاڑ دیا۔ وہ بڑا دانا، ہر چیز کو جاننے والا اور اپنی مخلوق پر بہت مہربان ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو پیدا کر کے اس میں گاڑ دیا اس سے وہ قرار پذیر ہو گئی۔ فرشتے پہاڑوں کی تخلیق پر بڑے متعجب ہوئے۔ عرض کرنے لگے اے پروردگار! کیا تیری مخلوق میں پہاڑوں سے بھی زیادہ کوئی سخت چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہاں، لوہا۔ انہوں نے عرض کیا۔ کیا لوہے سے بھی کوئی سخت چیز ہے؟ فرمایا: ہاں، آگ۔ عرض کی: کیا آگ سے بھی زیادہ کوئی سخت چیز ہے؟ فرمایا: ہاں پانی۔ عرض کی: کیا پانی سے بھی زیادہ کوئی سخت چیز ہے؟ فرمایا: ہاں ہوا۔ عرض کی: اس سے زیادہ کوئی چیز؟ فرمایا: ہاں، وہ ابن آدم جو اپنے دائیں ہاتھ سے صدقہ کرتا ہے اور اس کے بائیں ہاتھ کو علم نہیں ہوتا(2)۔ اسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا تو وہ کانپنے لگی اس نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کی، تو مجھ پر آدم اور اس کی اولاد کو پیدا کرنے والا ہے جو مجھ پر گندگی ڈالیں گے اور گناہوں کا ارتکاب کریں گے تو اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کے ساتھ اسے ساکن کر دیا۔ ان میں بعض پہاڑ ایسے ہیں جن کو تم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہو اور بعض ایسے ہیں جو تم دیکھ نہیں پاتے۔ زمین کا پہاڑوں سے سکون پذیر ہونا اسی طرح ہے جس طرح اونٹ کا گوشت ہوتا ہے۔ جب اسے ذبح کیا جاتا ہے تو تھوڑی دیر کے لئے اس کا گوشت حرکت کرتا رہتا ہے اور پھر ساکن ہو جاتا ہے۔ یہ روایت انتہائی ضعیف ہے(3)۔

ارشاد فرمایا: یہ سب تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے لئے سامان زیست ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کو بچھایا۔ اس میں چشمے اور نہریں جاری کیں۔ اس کے چھپے ہوئے خزانوں کو ظاہر کیا۔ اس میں فصلیں، درخت اور پھل اگائے۔ اس پر پہاڑ پیدا کر کے اسے ساکن کر دیا تاکہ یہ اپنے اوپر بسنے والوں کے لئے قرار پذیر رہے۔ یہ تمام چیزیں بنی نوع اور ان چوپاؤں کے لئے سامان زیست بنا دیں جن کو وہ کھاتے ہیں اور ضرورت کے وقت ان پر سواری کرتے ہیں۔ یہ سلسلہ اس وقت تک چلتا رہے گا، یہاں تک کہ مقررہ وقت آ جائے۔

فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ﴿۳۴﴾ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ﴿۳۵﴾ وَ بُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى ﴿۳۶﴾ فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ﴿۳۷﴾ وَ اٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۳۸﴾ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿۳۹﴾ وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿۴۰﴾ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿۴۱﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ﴿۴۲﴾ فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا ﴿۴۳﴾ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا ﴿۴۴﴾ اِنَّمَآ

1۔ تفسیر طبری، جلد 30 صفحہ 46
2۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 124، نیز یہ حدیث تفسیر سورۂ بقرہ آیت: 271 میں گزر چکی ہے
3۔ تفسیر طبری، جلد 30 صفحہ 47

اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰهَا ﴿٤٥﴾ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا ﴿٤٦﴾

''پھر جب آئے گی سب سے بڑی آفت۔ اس دن انسان یاد کرے گا جو دوڑ دھوپ اس نے کی تھی اور ظاہر کر دی جائے گی جہنم ہر دیکھنے والے کے لئے۔ پس جس نے سرکشی کی ہو۔ اور ترجیح دی ہوگی دنیوی زندگی کو۔ تو دوزخ ہی (اس کا) ٹھکانا ہو گا۔ اور جو ڈرتا رہا ہوگا اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے اور (اپنے) نفس کو روکتا رہا ہوگا (ہر بری) خواہش سے۔ یقیناً جنت ہی اس کا ٹھکانا ہوگا۔ یہ لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ وہ کب قائم ہوگی۔ اس کے بیان کرنے سے آپ کا کیا تعلق۔ آپ کے رب تک اس کی انتہا ہے۔ آپ ضرور خبردار کرنے والے ہیں ہر اس شخص کو جو اس سے ڈرتا ہو۔ گویا وہ جس روز اس کو دیکھیں گے (انہیں یوں محسوس ہوگا) کہ وہ (دنیا میں) نہیں ٹھہرے تھے مگر ایک شام یا ایک صبح''۔

ارشاد فرمایا: پھر جب سب سے بڑی آفت آئے گی۔ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى سے مراد قیامت کا دن ہے۔ اسے یہ نام اس لئے دیا گیا ہے کہ یہ ہر ہولناک امر پر غالب آ جائے گی۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: اور قیامت بڑی خوفناک اور تلخ ہے۔ پھر ارشاد فرمایا: انسان اپنی دوڑ دھوپ کو یاد کرے گا۔ اپنے اچھے برے تمام اعمال کو یاد کرے گا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى (الفجر:23) ''اس روز انسان کو سمجھ آئے گی لیکن اس سمجھنے کا کیا فائدہ''۔

اس کے بعد ارشاد ہے: ہر دیکھنے والے کے لئے جہنم ظاہر کر دی جائے گی۔ لوگوں کے سامنے اسے ظاہر کر دیا جائے گا وہ اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کریں گے۔ پس جس نے سرکشی کی ہوگی اور دنیاوی زندگی کو ترجیح دی ہوگی تو دوزخ ہی اس کا ٹھکانہ ہوگا۔ اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا، اس کا کھانا زقوم اور پانی حمیم ہوگا۔

پھر ارشاد فرمایا: اور جو اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرتا رہا ہوگا اور اپنے نفس کو ہر بری خواہش سے روکتا رہا ہوگا یقیناً جنت ہی اس کا ٹھکانہ ہوگا۔ جو شخص اپنے رب کی بارگاہ میں کھڑا ہونے اور اس کے حکم کی نافرمانی سے ڈرا اور اپنے نفس کو خواہشات کی پیروی سے روکا اور اسے اپنے مالک کی اطاعت پر پابند کیا، اس کا ٹھکانہ وسیع وعریض جنت ہوگی۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا: یہ لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ وہ کب قائم ہوگی۔ اس کے بیان کرنے سے آپ کا کیا تعلق۔ آپ کے رب تک اس کی انتہاء ہے۔ وقوع قیامت کا علم آپ کے سپرد ہے نہ کسی مخلوق کے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ ہی یقینی طور پر اس کے وقوع کو جانتا ہے۔ ایک اور جگہ پر ارشاد فرمایا: ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ۭ (اعراف:187) ''یہ (حادثہ) بہت گراں ہے۔ آسمانوں اور زمین میں نہ آئے گی تم پر مگر اچانک وہ پوچھتے ہیں۔ آپ سے گویا آپ خوب تحقیق کر چکے ہیں اس کے متعلق آپ فرمایئے۔ اس کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے''۔

یہاں ارشاد فرمایا: اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا اسی لئے جب جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ سے قیامت کے وقت کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مسئول (جس سے پوچھا جائے) اس کے بارے میں سائل سے زیادہ نہیں جانتا(1)۔ ارشاد فرمایا: آپ ضرور ہر شخص کو خبردار کرنے والے ہیں جو اس سے ڈرتا ہو۔ آپ کو مبعوث کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ لوگوں کو اس کے عذاب سے

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ اعراف آیت:138

ڈرائیں پس جو اللہ تعالیٰ اور اس کے حضور کھڑا ہونے اور اس کی دعید سے ڈرے گا اور تمہاری اتباع کرے گا وہ کامیاب و کامران ہو جائے گا اور جو تمہاری تکذیب اور مخالفت کرے گا وہ خائب و خاسر ہو گا۔

ارشاد فرمایا: گویا وہ جس روز اسے دیکھیں گے انہیں یوں محسوس ہو گا کہ وہ دنیا میں ایک شام یا ایک صبح ٹھہرے ہیں۔ جب وہ اپنی قبروں سے اٹھ کر میدان محشر کی طرف جائیں گے تو اپنی دنیاوی زندگی کو انتہائی مختصر گمان کریں گے۔ حتیٰ کہ انہیں یہ محسوس ہو گا کہ انہوں نے صرف ایک دن یا ایک شام دنیا میں گزاری ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''عشیة'' سے مراد ظہر سے لے کر سورج کے غروب ہونے تک کا درمیانی وقت ہے اور ''ضحٰها'' سے مراد سورج کے طلوع ہونے سے لے کر نصف النہار کے درمیان کا وقت ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وہ لوگ جب آخرت کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کریں گے تو انہیں دنیا کا وقت انتہائی قلیل محسوس ہو گا(1)۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 50

سورۂ عبس (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

عَبَسَ وَ تَوَلّٰۤى ۙ﴿۱﴾ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ؕ﴿۲﴾ وَ مَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّهٗ یَزَّكّٰۤى ۙ﴿۳﴾ اَوْ یَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ؕ﴿۴﴾ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۙ﴿۵﴾ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ؕ﴿۶﴾ وَ مَا عَلَیْكَ اَلَّا یَزَّكّٰى ؕ﴿۷﴾ وَ اَمَّا مَنْ جَآءَكَ یَسْعٰى ۙ﴿۸﴾ وَ هُوَ یَخْشٰى ۙ﴿۹﴾ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۚ﴿۱۰﴾ كَلَّاۤ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۚ﴿۱۱﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۘ﴿۱۲﴾ فِیْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۙ﴿۱۳﴾ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍۭ ۙ﴿۱۴﴾ بِاَیْدِیْ سَفَرَةٍ ۙ﴿۱۵﴾ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ؕ﴿۱۶﴾

''چیں بہ جبیں ہوئے اور منہ پھیر لیا (اس وجہ سے کہ) ان کے پاس ایک نابینا آیا۔ اور آپ کیا جانیں شاید وہ پاکیزہ تر ہو جاتا۔ یا وہ غور وفکر کرتا تو نفع پہنچاتی اسے یہ نصیحت۔ لیکن وہ جو پروا نہیں کرتا۔ آپ اس کی طرف تو توجہ کرتے ہیں۔ اور آپ پر کوئی ضرر نہیں اگر وہ نہ سدھرے۔ اور جو آپ کے پاس آیا ہے دوڑتا ہوا۔ اور وہ ڈر بھی رہا ہے۔ تو آپ اس سے بے رخی برتتے ہیں۔ ایسا نہ چاہئے یہ تو نصیحت ہے۔ سو جس کا جی چاہے اسے قبول کر لے۔ یہ ایسے صحیفوں میں (ثبت) ہے جو معزز ہیں۔ جو بلند مرتبہ پاکیزہ ہیں۔ ایسے کاتبوں کے ہاتھوں سے لکھے ہیں جو بڑے بزرگ اور نیکوکار ہیں''۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن قریش کے سرداروں کو اسلام کی تعلیمات سے آگاہ کر رہے تھے۔ اسی دوران ایک نابینا صحابی حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ جو بہت پہلے مسلمان ہو چکے تھے، حاضر ہوئے اور رسول اللہ ﷺ سے دین سے متعلق مسائل پوچھنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ کی خواہش تھی کہ اگر یہ صحابی تھوڑی دیر رک جائے تو اطمینان سے ان لوگوں کو دین اسلام کی طرف مائل کر سکیں۔ اسی وجہ سے حضور ﷺ کے چہرہ مبارک پر ناگواری کے آثار ظاہر ہوئے اور آپ ﷺ ان سے اعراض فرما کر سرداران مکہ کے ساتھ مصروف گفتگو ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ ''وہ چیں بجبیں ہوئے اور منہ پھیر لیا (اس وجہ سے کہ) ان کے پاس ایک نابینا آیا اور آپ کیا جانیں شاید وہ پاکیزہ تر ہو جاتا یا وہ غور وفکر کرتا تو یہ نصیحت اسے نفع پہنچاتی) یعنی آپ کی وعظ ونصیحت سے وہ پاکیزہ ہو جاتا اور محارم سے اجتناب کرتا۔ ارشاد فرمایا لیکن وہ جو پرواہ نہیں کرتا۔ آپ اس کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ آپ اس دولت مند کی طرف توجہ کرتے ہیں کہ شاید وہ راہ ہدایت کو اپنا لے اور آپ پر کوئی ضرر نہیں اگر وہ نہ سنورے اور سدھرے۔ اگر وہ اسلام قبول نہیں کرتا تو اس کے بارے میں آپ سے پوچھ کچھ نہیں کی جائے گی۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا اور جو آپ کے پاس دوڑتا ہوا آیا اور وہ ڈر بھی رہا ہے، تو آپ اس سے بے رخی برتتے ہیں۔ وہ آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہے تاکہ آپ کے ارشادات عالیہ سے مستفید ہو لیکن آپ اس سے بے رخی کا مظاہرہ فرماتے ہیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو حکم دیا ہے کہ دین کی تعلیم وتربیت میں تمام لوگ برابر ہیں۔

خواہ کوئی شریف ہو یا ضعیف، امیر ہو یا غریب، آقا ہو یا غلام، مرد ہو یا عورت چھوٹا ہو یا بڑا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے کہ جسے چاہے راہ حق نصیب فرمادے۔ وہ ان حکمتوں کو بہتر جانتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے عَبَسَ وَتَوَلّٰٓی کی تفسیر کے تحت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ابی بن خلف سے گفتگو فرمارہے تھے کہ عبداللہ بن ام مکتوم آگئے اور مخل ہوئے۔ آپ ﷺ پر یہ ناگوار گزرا سو آپ نے اعراض فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ ان کی بڑی تعظیم کیا کرتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن ام مکتوم کو جنگ قادسیہ میں دیکھا کہ انہوں نے زرہ پہنی ہوئی تھی اور آپ کے پاس ایک سیاہ جھنڈا تھا(1)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی یہی مروی ہے۔ اس روایت کو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ذکر کیا ہے لیکن انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ذکر نہیں کیا۔ مؤطا امام مالک میں بھی یہ روایت ہے(2)۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ، عتبہ بن ربیعہ، ابوجہل بن ہشام اور عباس بن عبدالمطلب سے گفتگو فرمارہے تھے۔ آپ ﷺ کی شدید خواہش تھی کہ یہ لوگ مسلمان ہوجائیں۔ اسی اثناء میں عبداللہ بن ام مکتوم نامی ایک نابینا شخص آیا اس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ مجھے قرآن کریم کی کوئی آیت پڑھائیں اور اللہ تعالیٰ نے جن علوم سے آپ کو نوازا ہے، ان میں سے مجھے بھی سکھائیے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے اعراض فرمایا اور اس کی گفتگو کو ناپسند کرتے ہوئے سرداران مکہ کے ساتھ گفتگو میں مصروف ہوگئے۔ جب رسول اللہ ﷺ ان کے ساتھ اپنی گفتگو ختم کرکے اپنے گھر لوٹنے لگے تو آپ ﷺ پر وحی کی کیفیت طاری ہوئی تو یہ آیات نازل ہوئیں۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ ان کی بڑی عزت کیا کرتے تھے۔ آپ ان کا حال دریافت کرتے کہ کسی چیز کی ضرورت تو نہیں لیکن اس حدیث کی سند محل نظر ہے(3)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ بلال رضی اللہ عنہ رات کو اذان دیتا ہے، سحری کھاتے پیتے رہا کرو یہاں تک کہ تمہیں عبداللہ بن ام مکتوم کی اذان سنائی دے۔ یہ وہی نابینا ہیں جن کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں یہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ اذان دیا کرتے تھے۔ حضرت سالم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ نابینا تھے جب لوگ انہیں بتاتے کہ فجر طلوع ہو چکی ہے تب وہ اذان دیتے۔ اکثر مفسرین کا یہی قول ہے۔ ابن ام مکتوم کا مشہور نام عبداللہ ہے۔ بعض نے کہا ہے عمرو۔ واللہ اعلم۔

ارشاد فرمایا: ایسا نہیں چاہئے یہ قرآن تو سراپا نصیحت ہے۔ ''انھا'' سے مراد یا تو یہ سورت ہے یا وہ مساوات ہے جس کا امیر وغریب اور شریف وضعیف کو تعلیم دیتے وقت لحاظ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ قتادہ اور سدی رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد قرآن ہے۔ فرمایا سو جس کا جی چاہے اسے قبول کرلے۔ یعنی جس کا دل چاہے وہ اپنے تمام امور میں اللہ تعالیٰ کو یاد رکھے۔ یہاں یہ بھی احتمال ہے کہ یہ ضمیر وحی کی طرف لوٹ رہی ہو کیونکہ کلام اس پر دلالت کرتی ہے۔ فرمایا: یہ ایسے صحیفوں میں ہے جو بڑی عزت والے، بلند مرتبہ اور پاکیزہ ہیں۔ یہ سورت یا وعظ ونصیحت بلکہ مکمل قرآن ہی عزت وتکریم والا اور عالی قدر ہے۔ ہر قسم کے عیب، زیادتی اور نقص سے پاک ہے۔ وہ ایسے کاتبوں کے ہاتھوں مرقوم ہیں جو بڑے بزرگ اور نیکوکار ہیں۔

1۔ مسند ابویعلیٰ، جلد 3، صفحہ 286

2۔ مسند ابویعلیٰ، جلد 4، صفحہ 416، تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 50، عارضۃ الاحوذی، ابواب التفسیر، جلد 12، صفحہ 231-230 قرطبی، جلد 19، صفحہ 211

3۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 51

حضرات ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، ضحاک اور ابن زید رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''سفرہ'' سے مراد ملائکہ ہیں۔ وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام ہیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں قراء حضرات ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ نبطی زبان میں سفرہ قراء کو کہتے ہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: صحیح یہی ہے کہ سفرہ سے مراد فرشتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان سفارت کا کام سرانجام دیتے ہیں۔ سفیر اس شخص کو کہتے ہیں جو لوگوں کے درمیان صلح اور امن و آشتی کی کوشش کرتا ہے(1)۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے مراد فرشتے ہیں۔ جب یہ وحی لے کر نازل ہوتے ہیں اور اسے رسولوں تک پہنچاتے ہیں تو یہ اس سفیر کی مثل ہی کام کرتے ہیں جو لوگوں کے درمیان صلح کراتا ہے(2)۔ یہ اعلیٰ اخلاق کے مالک، خوبصورت، نیک سیرت ہیں۔ اس لئے قاری قرآن کو بھی چاہئے کہ وہ بھی اپنے آپ کو ان صفات سے آراستہ کرے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص قرآن پڑھے اور اس میں مہارت حاصل کرے تو وہ ان معزز اور نیکوکار فرشتوں کے ساتھ ہوگا اور جو شخص قرآن پاک کو مشقت سے پڑھتا ہے اسے دو اجر ملیں گے(3)۔

قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَاۤ اَكْفَرَهٗ ﴿17﴾ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ﴿18﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ ؕ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ﴿19﴾ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ﴿20﴾ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ﴿21﴾ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ﴿22﴾ كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَاۤ اَمَرَهٗ ﴿23﴾ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖۤ ﴿24﴾ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ﴿25﴾ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ﴿26﴾ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ﴿27﴾ وَّ عِنَبًا وَّ قَضْبًا ﴿28﴾ وَّ زَيْتُوْنًا وَّ نَخْلًا ﴿29﴾ وَّ حَدَآئِقَ غُلْبًا ﴿30﴾ وَّ فَاكِهَةً وَّ اَبًّا ﴿31﴾ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَ لِاَنْعَامِكُمْ ﴿32﴾

''غارت ہو (منکر) انسان! وہ کتنا احسان فراموش ہے۔ کس چیز سے اللہ نے اسے پیدا کیا۔ ایک بوند سے۔ اسے پیدا کیا پھر اس کی ہر چیز اندازہ سے بنائی۔ پھر (زندگی کی) راہ اس پر آسان کر دی۔ پھر اسے موت دی اور اسے قبر میں پہنچا دیا۔ پھر جب چاہے گا اسے دوبارہ زندہ کر دے گا۔ یقیناً وہ بجا نہ لایا جو اللہ نے اسے حکم دیا تھا۔ پھر ذرا انسان غور سے دیکھے اپنی غذا کو۔ بے شک ہم نے زور سے پانی برسایا۔ پھر اچھی طرح پھاڑا زمین کو۔ پھر ہم نے اگایا اس میں غلہ اور انگور اور ترکاریاں اور زیتون اور کھجوریں اور گھنے باغات۔ اور (طرح طرح کے) پھل اور گھاس۔ سامان زیست تمہارے لئے اور تمہارے مویشیوں کے لئے''۔

اللہ تعالیٰ منکرین بعث (مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا) کی مذمت کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے: غارت ہو (منکر) انسان کہ کتنا احسان فراموش ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قُتِلَ الْاِنْسَانُ کا معنی ہے کہ لعنت ہو انسان پر۔ یہی قول ابو مالک

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 54 2۔ فتح الباری تفسیر سورۂ عبس، جلد 8، صفحہ 691

3۔ مسند احمد، جلد 6، صفحہ 48، فتح الباری تفسیر سورۂ عبس، جلد 8، صفحہ 691، مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، جلد 1، صفحہ 550-549، سنن ابوداؤد، کتاب الوتر، جلد 2، صفحہ 71-70 عارضۃ الاحوذی، ابواب فضائل القرآن، جلد 1، صفحہ 29، سنن نسائی، کتاب فضائل القرآن، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 11، صفحہ 406-405، ابن ماجہ کتاب الادب، جلد 2، صفحہ 1242

رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ اس انسان سے مراد وہ انسان ہے جو بغیر کسی دلیل کے بعث کو جھٹلاتا ہے اور عدم علم کی وجہ سے اسے بعید گمان کرتا ہے۔ ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مَآ اَكْفَرَهٗ کا معنی یہ ہے کہ یہ کتنا ناشکرا ہے(1)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: یہ بھی احتمال ہے کہ اس کا یہ معنی ہو کہ اسے کس چیز نے بعث کی تکذیب پر برانگیختہ کیا ہے(2)۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس کا معنی ہے کہ یہ کتنا لعنتی ہے(3)۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ کس طرح انسان کو ایک حقیر چیز سے پیدا کیا اور وہ اس کو دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔ ارشاد فرمایا: کس چیز سے اللہ نے اسے پیدا کیا۔ ایک بوند سے اسے پیدا کیا اور پھر اس کی ہر چیز اندازہ سے بنائی۔ یعنی اس کی موت کے وقت اس کے رزق اور عمل کو مقدر کیا اور یہ بھی لکھ دیا کہ وہ شقی ہے یا سعید۔ ارشاد فرمایا: پھر (زندگی کی) راہ اس پر آسان کر دی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اس سے مراد یہ ہے کہ اس کا ماں کے بطن سے نکلنے کو آسان بنا دیا۔ یہی قول عکرمہ، ضحاک، ابو صالح، قتادہ اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ کا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا (دہر:3) ''ہم نے دکھایا ہے (اپنا) راستہ اب چاہے شکر گزار بنے چاہے احسان فراموش''۔ کی طرح ہے یعنی ہم نے اس راستہ کو انسان کے لئے واضح کر دیا اور اس پر عمل کو آسان بنا دیا۔ یہی حسن بصری اور ابن زید رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے اور یہی قول راجح ہے۔ واللہ اعلم۔

ارشاد فرمایا: پھر اسے موت دی اور قبر میں پہنچا دیا یعنی اسے زندگی عطا کرنے کے بعد اسے موت دی اور قبر میں اتار دیا۔ عرب جب کسی شخص کو قبر میں داخل کرتے ہیں تو کہتے ہیں ''قبرت الرجل'' اور اسی طرح کہتے ہیں کہ اقبرہ اللّٰہ۔ ارشاد فرمایا: پھر جب چاہے گا اسے دوبارہ زندہ کر دے گا۔ یعنی اس کے مرنے کے بعد جب چاہے گا اسے دوبارہ زندہ کر دے گا۔ اسی زندگی کو بعث اور نشور بھی کہتے ہیں۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ (الروم:20) ''اور اس کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے (ایک یہ) ہے کہ اس نے پیدا کیا تمہیں مٹی سے پھر تم اچانک بشر بن کر (زمین میں) پھیل رہے ہو''۔ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا (بقرہ:259) ''اور دیکھ ان ہڈیوں کو کہ ہم کیسے جوڑتے ہیں انہیں پھر (کیسے) ہم پہناتے ہیں انہیں گوشت''۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انسان کے ہر عضو کو مٹی کھا جاتی ہے۔ سوائے ریڑھ کی ہڈی کے آخر کے۔ عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ یہ کیا چیز ہے؟ فرمایا: یہ رائی کے دانہ کی مثل ہے۔ اسی سے تمہیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ صحیحین کی روایت کے یہ الفاظ ہیں: ابن آدم کا ہر عضو بوسیدہ ہو جائے گا سوائے ریڑھ کی ہڈی کے آخری حصہ کے اسی سے انسان کو پیدا کیا گیا اور اس سے اسے دوبارہ پیدا کیا جائے گا(4)۔

ارشاد فرمایا: یقیناً وہ بجا نہ لایا جو اللہ تعالیٰ نے اسے حکم دیا۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس ناشکرے انسان نے اللہ تعالیٰ کے ان حقوق کو ادا نہ کیا جو اس کی جان اور مال میں واجب تھے۔ اگرچہ انسان تو یہی کہتا ہے کہ میں نے اپنے تمام حقوق کو ادا کر دیا ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص بھی اللہ تعالیٰ کے حقوق کو کماحقہ ادا نہیں کر سکتا۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن بصری رضی اللہ

1۔ درمنثور، جلد 8، صفحہ 419 2۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 54

3۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 448 4۔ دیکھئے تفسیر سورۂ مومنون آیت: 14، سورۂ فاطر آیت: 9

عنہ سے اسی قسم کا ایک اور قول نقل کیا ہے(1) اور متقدمین مفسرین سے اس کے علاوہ اور کوئی تفسیر مروی نہیں۔ میرے خیال میں اس کا معنی یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ چاہے گا اسے دوبارہ زندہ کرے گا یعنی وہ اسے ابھی زندہ نہیں کرے گا بلکہ جب مدت مقررہ ختم ہوگی، اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے اس دنیا میں آنے کو مقدر کیا ہے۔ یہ ہر چیز اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دی ہے۔ جب یہ مدت مکمل ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو دوبارہ زندہ کر دے گا۔

وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک فرشتہ میرے پاس آیا اس نے مجھے کہا کہ یہ قبریں زمین کا پیٹ ہیں اور یہ زمین مخلوق کی ماں ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اس تمام مخلوق کو پیدا فرما دے گا جس کو پیدا کرنے کا اس نے ارادہ فرمایا تو یہ قبریں اس مخلوق سے بھر جائیں گی تو اس سے دنیا کا خاتمہ ہو جائے گا۔ پھر زمین اپنے اندر سے ہر چیز پھینک دے گی اور قبریں بھی ہر مردے کو باہر پھینک دیں گی۔ یہ قول ہماری تفسیر کی مثل ہے۔ ارشاد فرمایا پھر انسان کو اپنی غذا کی طرف غور سے دیکھنا چاہئے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر جو احسان کئے ہیں ان کا تذکرہ فرما رہا ہے۔ اس سے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر بھی استدلال کیا جا سکتا ہے کہ جو ذات خشک زمین سے تر و تازہ نباتات اگانے پر قادر ہے وہ بوسیدہ ہڈیوں کو بھی دوبارہ زندہ کر سکتی ہے۔ پھر ارشاد فرمایا: بے شک ہم نے زور سے پانی برسایا۔ آسمان سے زمین پر بارش نازل کی پھر اچھی طرح زمین کو پھاڑا۔ اس پانی کو زمین کی تہہ میں داخل کر دیا۔ وہ پانی مٹی کے نیچے پڑے ہوئے دانوں تک پہنچ گیا۔ جس کی وجہ سے وہ دانے اُگ کر سطح زمین پر ظاہر ہو گئے۔ پھر ہم نے اس میں غلہ، انگور اور ترکاریاں اگائیں۔

حَبّ سے مراد وہ تمام اناج ہے جو خوراک کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ ''قضباً'' اس سرسبز چارہ کو کہتے ہیں جسے جانور کھاتے ہیں۔ زیتون مشہور پھل ہے۔ اسے سالن کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا ہے اور اس کا تیل بھی بطور خوراک و دوا استعمال ہوتا ہے۔ نخل سے مراد کھجور ہے۔ یہ کچی، پکی، تر اور خشک کھائی جاتی ہے۔ اسے پکا کر بھی کھایا جاتا ہے۔ اس سے شیرہ اور سرکہ بھی بنایا جاتا ہے۔ حدائق سے مراد باغ ہیں، حسن بصری اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ''غلبا'' اعلیٰ نسل کی بڑی کھجوروں کو کہتے ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے ہر گھنا درخت مراد ہے۔ اور سایہ دار درختوں کو بھی غلب کہا جاتا ہے۔ اس کا معنی ایک روایت کے مطابق طویل ہے۔ موٹے تنے والے درختوں کو بھی غلب کہتے ہیں۔ عرب موٹی گردن والے کو اغلب کہتے ہیں(2)۔

اور پھر ارشاد فرمایا: طرح طرح کے پھل اور گھاس پیدا کی، فاکھہ سے مراد وہ تمام پھل ہیں جس سے انسان لطف اندوز ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ''فاکھہ'' وہ پھل ہیں جو تر و تازہ کھائے جاتے ہیں اور اَبّ سے مراد وہ گھاس پھوس اور چارہ ہے جسے جانور کھاتے ہیں، انسان نہیں کھاتے۔ مجاہد اور سعید بن جبیر اور ابو مالک رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اَبّ خشک گھاس کو کہتے ہیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ جانوروں کے لئے اَبّ کا وہی مقام ہے جو انسان کے لئے فاکھہ کا ہے۔ حضرت عطاء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں روئے زمین پر جو چیز بھی اگتی ہے اسے اَبّ کہتے ہیں۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے پھلوں کے سوا زمین پر اگنے والی ہر چیز کو کہتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اَبّ سے مراد وہ نباتات ہیں جنہیں انسان نہیں حیوان کھاتے ہیں یہی قول کئی دوسرے مفسرین کا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس سے مراد خشک گھاس ہے(3)۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 448 2۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 57 3۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 60

ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فاکھۃ اور اَبّ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کونسا آسمان مجھ پر سایہ کرے گا اور کونسی زمین مجھے اپنے اوپر اٹھائے گی اگر میں اللہ تعالیٰ کی کتاب کے بارے میں ایسی بات کروں جو میں نہیں جانتا۔ لیکن یہ منقطع ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ یہ سورت تلاوت فرما رہے تھے۔ جب اس آیت پر پہنچے تو فرمانے لگے فاکھہ کو تو ہم جانتے ہیں۔ اَبّ سے کیا چیز مراد ہے؟ پھر خود ہی فرمانے لگے: اے ابن خطاب! یہ تو تکلف ہے(1)۔ اس کی سند صحیح ہے۔ یعنی آپ کے اس قول سے مراد یہ ہے کہ آپ اس شکل، نوع اور قسم کو جاننا چاہتے تھے۔ وگرنہ جو بھی یہ آیت پڑھتا ہے، اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ نباتات کی کوئی قسم ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا ارشاد فرمایا: یہ سامان زیست ہے تمہارے لئے اور تمہارے مویشیوں کے لئے۔ اس دنیا میں قیامت تک تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے لئے سامان زیست ہے۔

فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ﴿۳۳﴾ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ﴿۳۴﴾ وَ اُمِّهٖ وَ اَبِيْهِ ﴿۳۵﴾ وَ صَاحِبَتِهٖ وَ بَنِيْهِ ﴿۳۶﴾ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ﴿۳۷﴾ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿۳۸﴾ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿۳۹﴾ وَ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿۴۰﴾ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿۴۱﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿۴۲﴾

''پھر جب کان بہرا کرنے والا شور اٹھے گا۔ اس دن آدمی بھاگے گا اپنے بھائی سے۔ اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے، اور اپنی بیوی سے اور اپنے بچوں سے، ہر شخص کو ان میں سے اس دن ایسی فکر لاحق ہوگی جو اسے (سب سے) بے پروا کر دے گی۔ کتنے ہی چہرے اس دن (نور ایمان سے) چمک رہے ہوں گے۔ ہنستے ہوئے خوش وخرم۔ اور کئی منہ اس دن غبار آلود ہوں گے۔ ان پر کالک لگی ہوگی۔ یہی وہ کافر (و) فاجر لوگ ہوں گے''۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''الصاخۃ'' قیامت کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی عظمت کو بیان کیا ہے اور مخلوق کو اس سے ڈرایا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں شاید یہ اس پھونک کا نام ہے جسے صور میں پھونکا جائے گا(2)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد قیامت کے دن ایک سخت آواز ہے۔ اسے صاخّہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ اپنے شور سے کانوں کو بہرہ کر دیتی ہے (3)۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا اس دن آدمی بھاگے گا اپنے بھائی، ماں باپ اور بیوی بچوں سے۔ وہ انہیں دیکھ رہا ہوگا لیکن اس دن کی ہولناکی اور مصائب کی شدت کی وجہ سے ان سے دور بھاگے گا۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خاوند بیوی کو دیکھ کر کہے گا میں دنیا میں تجھ سے کیسا سلوک کیا کرتا تھا؟ وہ کہے گی تم نے مجھ سے بڑا اچھا سلوک کیا۔ وہ کہے گا آج مجھے ایک نیکی کی ضرورت ہے۔ اگر وہ تم مجھ کو دے دو تو شاید میں اس ہلاکت سے بچ جاؤں۔ وہ کہے گی تم نے سوال تو بڑی معمولی چیز کا کیا ہے لیکن میں تمہیں یہ نہیں دے سکتی۔ کیونکہ میں بھی اسی خوف میں مبتلا ہوں جس میں تم مبتلا ہو۔ اسی طرح باپ بیٹے سے یہی سوال کرے گا وہ بھی یہی جواب دے گا۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 59 2۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 61 3۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 419

صحیح حدیث میں شفاعت کے بارے میں ہے کہ قیامت کے دن لوگ اولوالعزم رسولوں سے عرض کریں گے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہماری شفاعت کریں تو ان میں ہر ایک نفسی نفسی کہے گا حتیٰ کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام بھی فرمائیں گے کہ آج تو صرف اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے ہی سوال کیا جا سکتا ہے۔ آج تو اپنی والدہ کے لئے بھی میں سوال نہیں کر سکتا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ فرمایا(1)۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس دن انسان محبوب سے محبوب تر اور قریب سے قریب تر سے بھی بھاگے گا۔ ارشاد فرمایا: ان میں سے ہر شخص کو ایسی فکر لاحق ہوگی جو اسے سب سے بے نیاز کر دے گی۔ اس دن ہر کوئی اپنی مصیبت میں مبتلا ہوگا کسی دوسرے کی کوئی ہوش نہیں ہوگی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہیں میدان حشر میں ننگے پاؤں، ننگے بدن، بے ختنہ اور پیدل جمع کیا جائے گا۔ یہ سن کر آپ کی ایک زوجہ نے عرض کی: کیا ہماری نظریں ایک دوسرے کی شرمگاہ پر پڑیں گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس دن ہر شخص کو ایسی فکر لاحق ہوگی کہ اسے غیر کی طرف دیکھنے کا موقع ہی نہ ملے گا۔ اس حدیث کو ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے مختلف اسناد سے اس کے قریب قریب الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے(2)۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میرے والدین آپ پر قربان ہوں! میں آپ ﷺ سے ایک حدیث کے بارے میں پوچھنا چاہتی ہوں۔ آپ ﷺ مجھے اس کے بارے میں آگاہ فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر مجھے علم ہوا تو میں تجھے آگاہ کروں گا۔ عرض کی: اے اللہ کے نبی! قیامت کے دن لوگوں کا حشر کیسا ہوگا۔ فرمایا: ننگے پاؤں اور ننگے بدن۔ اس پر انہوں نے عرض کی: ہائے قیامت کے دن ایسا ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ابھی مجھ پر ایک ایسی آیت نازل ہوئی ہے تم سنو گی تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ اس دن جسم پر کپڑے کا ہونا یا نہ ہونا برابر ہے۔ عرض کی وہ کونسی آیت ہے؟ فرمایا: لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ۔

حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ام المؤمنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن لوگوں کو قبروں سے ننگے پاؤں ننگے بدن اور غیر مختون اٹھایا جائے گا۔ پسینے میں غرق ہوں گے۔ بعض کا پسینہ کانوں تک پہنچا ہوگا۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! کیا اس دن لوگ ایک دوسرے کی طرف دیکھیں گے(3)۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا: کتنے ہی چہرے اس دن نور ایمان سے چمک رہے ہوں گے، ہنستے ہوئے اور خوش وخرم۔ اس دن لوگوں کے دو گروہ ہوں گے۔ بعض کے چہرے روشن ہوں گے اور وہ خوش وخرم اور مسکرا رہے ہوں گے اور یہ اہل جنت ہوں گے اور کچھ کے چہروں پر غبار ہوگا۔ ان پر کالک لگی ہوگی۔ ان کے چہروں پر سیاہی چھائی ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن کافر اپنے پسینے میں منہ تک ڈوبا ہوا ہوگا اور چہروں پر غبار چھائی ہوئی ہوگی۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ان کے چہرے سخت سیاہ ہوں گے۔ ارشاد فرمایا: یہی وہ کافر اور فاجر لوگ ہوں گے۔ ان کے دلوں میں کفر ہوگا اور اعمال میں فسق و فجور۔ جیسا کہ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا (نوح: 27) ''اور نہ جنیں گے مگر ایسی اولاد جو بڑی بدکار سخت ناشکر گزار ہوگی''۔

1۔ دیکھئے تفسیر سورۃ الاسراء آیت: 79

2۔ نسائی، کتاب الجنائز، جلد 4، صفحہ 114، سنن کبریٰ، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 4، صفحہ 454، عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ عبس، جلد 12، صفحہ 232-233

3۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 449-450

سورۂ تکویر (مکیہ)

مسند امام احمد میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص روز قیامت کو عیاں دیکھنے کی خواہش رکھتا ہے۔ اسے چاہئے کہ وہ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ، اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ، اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ کی تلاوت کرے“۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ﴿۱﴾ وَ اِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ﴿۲﴾ وَ اِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ﴿۳﴾ وَ اِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ﴿۴﴾ وَ اِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ﴿۵﴾ وَ اِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ﴿۶﴾ وَ اِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ﴿۷﴾ وَ اِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ﴿۸﴾ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ﴿۹﴾ وَ اِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ﴿۱۰﴾ وَ اِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ ﴿۱۱﴾ وَ اِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ ﴿۱۲﴾ وَ اِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ ﴿۱۳﴾ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّاۤ اَحْضَرَتْ ﴿۱۴﴾

”(یاد کرو) جب سورج لپیٹ دیا جائے گا۔ اور جب ستارے بکھر جائیں گے۔ اور جب پہاڑوں کو اکھیڑ دیا جائے گا۔ اور جب دس ماہ کی گابھن اونٹنیاں چھٹی پھریں گی اور جب وحشی جانور یکجا کر دیئے جائیں گے۔ اور جب سمندر بھڑکا دیئے جائیں گے اور جب جانیں (جسموں سے) جوڑی جائیں گی۔ اور جب زندہ درگور کی ہوئی (بچی) سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ کے باعث ماری گئی۔ اور جب اعمال نامے کھولے جائیں گے۔ اور جب آسمان کی کھال ادھیڑ لی جائے گی، اور جب جہنم دہکائی جائے گی۔ اور جب جنت قریب کر دی جائے گی۔ (تو اس دن) ہر شخص جان لے گا کہ وہ کیا لے کر آیا ہے“۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ”کورت“ کا معنی ہے کہ سورج بے نور ہو جائے گا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کی روشنی ختم ہو جائے گی۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی مروی ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی دھنسنا ہے۔ ربیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اسے اپنے مدار سے پھینک دیا جائے گا۔ ابو صالح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسے الٹا کر دیا جائے گا۔ زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ زمین پر گر جائے گا۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے تکویر کا معنی کسی چیز کو اکٹھا کرنا ہے۔ سر کے اوپر پگڑی باندھنے کو بھی تکویر کہا جاتا ہے اور ”کورت“ کا معنی یہ ہوگا کہ اسے جمع کر کے لپیٹ دیا جائے گا اور اسے اس کے مدار سے پھینک دیا جائے گا اور اس وقت اس کی روشنی ختم ہو جائے گی (1)۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سورج، چاند اور ستاروں کو اکٹھا کر کے سمندر میں ڈال دے گا اور پھر اس کے اوپر ایک ہوا چلے گی جو اس میں آگ لگا دے گی۔ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ اسے لپیٹ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ ایک دوسری حدیث میں سورج کے ساتھ چاند کا

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 65-64

بھی ذکر ہے۔ لیکن یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس کا ایک راوی یزید الرقاشی ضعیف ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ چاند اور سورج کو قیامت کے دن لپیٹ دیا جائے گا(1)۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو کتاب ''بدأ الخلق'' میں بیان کیا ہے۔ بہتر یہ تھا کہ وہ اسے اس آیت کی تفسیر کے تحت ذکر کرتے یا کم از کم اسے دوبارہ یہاں ذکر کر دیتے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن سورج اور چاند کو جہنم کی آگ میں ڈال کر تباہ کر دیا جائے گا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کا کیا گناہ ہے؟ انہوں نے فرمایا: میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی حدیث سنا رہا ہوں اور تم باتیں بناتے ہو۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا: جب ستارے بکھر جائیں گے۔

انْكَدَرَتْ کا معنی بکھرنا ہے۔ جیسا کہ ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: واذا الکواکب انتثرت، انکدار کا معنی کسی چیز کا گرنا ہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ قیامت سے پہلے چھ علامات ظاہر ہوں گی۔ لوگ بازاروں میں خرید و فروخت میں مصروف ہوں گے کہ سورج بے نور ہو جائے گا۔ پھر ستارے بکھر جائیں گے۔ اس کے بعد پہاڑ زمین پر گر جائیں گے۔ اس سے زمین پر زلزلہ برپا ہو جائے گا۔ یہ حالت دیکھ کر جن و انس گھبرا جائیں گے۔ جانور اور پرندے آپس میں گھل مل جائیں گے۔ دس ماہ کی گابھن اونٹنیاں آوارہ پھریں گی۔ سمندر کو بھڑکا دیا جائے گا۔ جن کہیں گے ہم تمہیں اس کی خبر دیتے ہیں۔ وہ سمندر کی طرف جائیں گے تو وہ آگ کی طرح بھڑک رہا ہوگا۔ اسی اثناء میں ساتوں زمینیں پھٹ پڑیں گی۔ آسمان کا بھی یہی حال ہوگا۔ اس کے بعد ایک ہوا آئے گی جو تمام کا خاتمہ کر دے گی(2)۔ حضرت یزید بن مریم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن ستاروں کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا اور ہر وہ چیز جس کی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کی گئی اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ مریم کے۔ اگر یہ اپنی عبادت کے کیے جانے پر راضی ہوتے تو انہیں جہنم میں ڈال دیا جاتا۔ فرمایا: جب پہاڑوں کو لپیٹ دیا جائے گا۔ پہاڑوں کو ان کے مقامات سے اکھیڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا۔ تمام زمین ہموار میدان بن جائے گی۔ جب دس ماہ کی گابھن اونٹنیاں آوارہ پھریں گی۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ مالک ان کو کھلا چھوڑ دیں گے۔ ربیع بن خثیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کا دودھ نہیں دھویا جائے گا۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بغیر چرواہے کے آوارہ پھریں گی۔ ان تمام اقوال کا مقصود یہی ہے کہ دس ماہ کی گابھن اونٹنی جو اہل عرب کی انتہائی مرغوب اور پسندیدہ ہوتی ہے، قیامت کے ہولناک مصائب میں آوارہ و بے خانماں پھریں گی اور ان کے مالکوں کو ان کی ذرا ہوش نہیں ہوگی۔

عِشار جمع ہے جس کا واحد عشراء ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ قیامت آنے سے پہلے کی علامات میں سے ہے اور بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن ان کے مالک ان اونٹنیوں کو دیکھ رہے ہوں گے لیکن ان میں کوئی تصرف نہیں کر سکیں گے۔ بعض کے نزدیک عشار سے مراد وہ بادل ہیں جو دنیا کی تباہ و بربادی کے وقت زمین و آسمان کے درمیان ساکن ہوں گے۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد عشر والی زمین ہے۔ بعض کا قول ہے کہ یہ وہ گھر ہیں جو کبھی آباد تھے پھر اپنے مکینوں سے خالی ہو گئے۔ امام ابو عبد اللہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''تذکرہ'' میں ان تمام اقوال کو ذکر کیا ہے(3)۔ ان کے نزدیک راجح قول یہی ہے کہ اس سے مراد اونٹنیاں ہیں۔ میرے خیال

1۔ فتح الباری، کتاب بدء الخلق، جلد 6، صفحہ 297 | 2۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 64-63 | 3۔ قرطبی: تذکرہ: 213-212

میں بھی آئمہ سلف صالحین سے صرف یہی قول مروی ہے۔ فرمایا: جب وحشی جانور یکجا کر دیئے جائیں گے۔ قیامت کے دن وحشی جانوروں کو اکٹھا کیا جائے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَمَا مِنۡ دَآبَّةٍ فِی الۡاَرۡضِ وَلَا طٰٓئِرٍ یَّطِیۡرُ بِجَنَاحَیۡهِ اِلَّاۤ اُمَمٌ اَمۡثَالُکُمۡ (انعام: 38) ''اور نہیں کوئی (جانور) چلنے والا زمین پر اور نہ کوئی پرندہ جو اڑتا ہے اپنے دو پروں سے مگر وہ امتیں ہیں تمہاری مانند۔ نہیں نظر انداز کیا ہم نے کتاب میں کسی چیز کو پھر اپنے رب کی طرف اٹھائے جائیں گے''۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن ہر چیز کو جمع کیا جائے گا یہاں تک کہ مکھیوں کو بھی۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تمام مخلوق اکٹھی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ جو چاہے گا فیصلہ فرمائے گا۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جانوروں کا حشر ان کی موت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جن وانس کے علاوہ ہر چیز کا حشر موت ہے۔ صرف ان دونوں کو میدان حشر میں پیش کیا جائے گا۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس دن جانور آپس میں گڈمڈ ہو جائیں گے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اصح قول یہی ہے کہ انہیں جمع کیا جائے گا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَالطَّیۡرَ مَحۡشُوۡرَۃً (ص: 19) ''اور پرندوں کو وہ بھی تسبیح کے وقت جمع ہو جاتے ہیں''۔ فرمایا: جب سمندر بھڑکا دیئے جائیں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک یہودی سے پوچھا جہنم کہاں ہے؟ اس نے کہا سمندر میں۔ آپ نے فرمایا: میرے خیال میں یہ سچ کہتا ہے کیونکہ قرآن پاک میں ارشاد ہے: وَالۡبَحۡرِ الۡمَسۡجُوۡرِ ''اور سمندر کی جو لبالب بھرا ہے''(1)۔

اور یہاں ارشاد فرمایا: وَاِذَا الۡبِحَارُ سُجِّرَتۡ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ سمندروں پر پچھم کی طرف سے ہوا چھوڑے گا جو ان کو آگ لگا دے گی، جس کی وجہ سے ان میں آگ بھڑک اٹھے گی۔ اس کی تفسیر سورۂ طور میں گزر چکی ہے(2)۔ حضرت معاویہ بن سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بحر روم بہت بڑا سمندر ہے جو زمین کے وسط میں واقع ہے تمام دریا اس میں گرتے ہیں۔ ایک بڑا سمندر بھی اس میں گرتا ہے۔ اس کے نیچے ایسے کنویں ہیں جنہیں تانبے کے ڈھکنوں سے بند کر دیا گیا ہے۔ قیامت کو یہ سلگ پڑیں گے۔ یہ قول انتہائی عجیب وغریب ہے۔ سنن ابی داؤد کی ایک حدیث ہے کہ سمندر پر سوائے حاجی، عمرہ کرنے والے یا غازی کے کوئی سفر نہ کرے۔ سمندر کے نیچے آگ ہے، اس آگ کے نیچے ایک اور سمندر ہے۔ اس حدیث کی وضاحت سورۂ فاطر میں گزر چکی ہے(3)۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''سجرت'' کا معنی ہے کہ اس میں آگ لگا دی جائے گی۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کا پانی زمین میں دھنس جائے گا اور ایک قطرہ بھی باقی نہیں رہے گا۔ ضحاک اور سدی رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ سمندروں کو آپس میں کھول کر جاری کر دیا جائے گا۔ ربیع فرماتے ہیں کہ سمندر لبریز ہو جائیں گے اور پانی باہر نکل آئے گا۔ فرمایا: جب جانیں جسموں سے جوڑی جائیں گی۔ ہر چیز کو اس کی جنس سے ملا دیا جائے گا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اُحۡشُرُوا الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا وَاَزۡوَاجَهُمۡ (صافات: 22) ''(اے فرشتو) جمع کرو جنہوں نے ظلم کیا تھا اور ان کے ساتھیوں کو''۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ ہر شخص کا حشر اس قوم کے ساتھ ہوگا جو اس جیسے اعمال کرتی ہوگی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَّکُنۡتُمۡ اَزۡوَاجًا ثَلٰثَةً (واقعہ: 7) ''اور تم لوگ تین گروہوں میں بانٹ دیئے جاؤ گے''۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے دوران خطبہ یہ آیت پڑھی اور فرمایا ہر شخص کو اس کے گروہ کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ ایک

1۔ الطور: 6، تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 67   2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ طور آیت: 6   3۔ یہ حدیث تفسیر سورۂ ابراہیم آیت: 48 میں گزر چکی ہے

روایت میں یہ ہے کہ وہ دو شخص جو ایک ہی قسم کا عمل کریں گے انہیں اس عمل کی وجہ سے جنت یا دوزخ میں داخل کر دیا جائے گا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: نیک آدمی کو جنت میں نیک آدمی کے ساتھ ملا دیا جائے گا اور بدکار کو جہنم میں بدکار کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے لوگوں سے اس آیت کی تفسیر کے بارے میں پوچھا تو وہ خاموش ہو گئے۔ تو آپ نے فرمایا مجھے علم ہے کہ جنت میں ایک شخص کو اس کی مثل کے ساتھ ملایا جائے گا اور اسی طرح جہنم میں پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَ اَزْوَاجَهُمْ (صافات: 22) (1)۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: یہ اس وقت ہوگا جب لوگ تین گروہوں میں منقسم ہوں گے۔ اصحاب یمین، اصحاب شمال اور سابقین۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک قسم کے لوگوں کو اکٹھا کر دیا جائے گا اور یہی ربیع، حسن بصری، قتادہ کا قول ہے اور یہی ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے (2) اس کے بارے میں ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ دونوں نفخوں کے درمیان عرش کے نیچے سے ایک دریا جاری ہوگا جو چالیس سال تک بہتا رہے گا۔ اس کے پانی سے تمام مخلوق دوبارہ زندہ ہو جائے گی۔ اگر انہیں دنیا میں پہچاننے والا دیکھے گا تو فوراً انہیں پہچان لے گا پھر روحوں کو ان کے جسموں کے ساتھ ملا دیا جائے گا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مؤمنین کو حوروں کے ساتھ اور کافروں کو شیطانوں کے ساتھ ملا دیا جائے گا (3)۔ فرمایا: جب زندہ درگور کی ہوئی بچی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ کے باعث ماری گئی۔ زمانہ جہالت میں لوگ بیٹیوں کو ناپسند کرتے تھے اور وہ ان کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ قیامت کے دن اس سے سوال کیا جائے گا کہ اسے کس گناہ کی وجہ سے مارا گیا۔ اس سے یہ سوال اس کے قاتل کی زجر و توبیخ کے طور پر ہوگا کیونکہ جب مظلوم سے اس طرح پوچھا جا رہا ہے تو کیا ظالم کو چھوڑ دیا جائے گا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ لڑکی خود پوچھے گی کہ مجھے کس جرم کی پاداش میں قتل کیا گیا۔ اس کا ذکر کچھ احادیث میں بھی آتا ہے۔

حضرت جذامہ بنت وہب رضی اللہ عنہا جو حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کی بہن ہیں، روایت کرتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ ﷺ صحابہ کرام کے ساتھ ایک مجلس میں تشریف فرما تھے۔ آپ نے فرمایا میں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ حمل کی حالت میں مجامعت سے روک دوں۔ پھر میں نے غور کیا کہ رومی اور ایرانی بھی یہ فعل کرتے ہیں لیکن ان کی اولادوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ لوگوں نے آپ سے عزل (انزال سے پہلے بیوی سے جدا ہو جانا) کے بارے میں پوچھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ پوشیدہ طور پر زندہ درگور کرنے کے مترادف ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ یہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے۔ امام مسلم اور ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس کے علاوہ ابوداؤد، ترمذی، اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی اسے حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے (4)۔

حضرت سلمہ بن یزید الجعفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اور میرا بھائی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہم نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ہماری والدہ ملیکہ صلہ رحمی اور مہمان نوازی کیا کرتی تھیں۔ وہ زمانہ جاہلیت میں ہی فوت ہو گئیں۔ کیا اس کا یہ عمل اس کو کوئی فائدہ دے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔ ہم نے عرض کی اس نے ہماری ایک بہن کو زندہ درگور کر دیا تھا کیا اسے اس کی سزا ملے

1۔ متدرک، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 516-515، درمنثور، جلد 8، صفحہ 429	2۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 71-70	3۔ تذکرہ: 213

4۔ مسند امام احمد، جلد 6، صفحہ 434، مسلم، کتاب النکاح، جلد 2، صفحہ 1067-1066، ابن ماجہ، کتاب النکاح، جلد 1، صفحہ 648، سنن ابوداؤد، کتاب الطب، جلد 4، صفحہ 9 عارضۃ الاحوذی، ابواب الطب، جلد 8، صفحہ 232، سنن نسائی، کتاب النکاح، جلد 6، صفحہ 107-106

گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ زندہ دفن کرنے والی اور دفن ہونے والی دونوں جہنم میں جائیں گی۔ ہاں اگر وہ مسلمان ہو جاتی تو اللہ تعالیٰ اس کے پہلے تمام گناہ معاف فرما دیتا(1)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ زندہ دفن کرنے والی اور جو دفن ہوگی دونوں جہنم میں جائیں گے۔ ایک صحابی نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! جنت میں کون جائے گا؟ فرمایا: نبی، شہید، چھوٹے بچے اور زندہ درگور کی ہوئی(2)۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: مشرکین کے بچے بھی جنت میں ہوں گے۔ جس کا یہ خیال ہے کہ وہ جہنم میں جائیں گے وہ جھوٹا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَ اِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُىِٕلَتْ حضرت قیس بن عاصم رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ زمانہ جاہلیت میں میں نے اپنی کچھ بچیوں کو زندہ درگور کیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہر بچی کے بدلہ میں ایک غلام آزاد کرو۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! میرے پاس اونٹ ہیں۔ فرمایا: ہر ایک کے بدلہ میں ایک اونٹ ذبح کرو۔ ایک روایت میں ہے کہ زمانہ جاہلیت میں میں نے آٹھ بیٹیوں کو زندہ درگور کیا۔ ایک میں بارہ اور ایک میں تیرہ کی تعداد مذکور ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ان کی تعداد کے برابر غلام آزاد کرو۔ انہوں نے اتنے ہی غلام آزاد کئے۔ اگلے سال وہ ایک سو اونٹنیاں لے کر حاضر ہوئے اور عرض کی یارسول اللہ ﷺ! یہ میری قوم کی طرف سے صدقہ ہے اور یہ اس کے بدلے میں ہے جو میں نے مسلمانوں کے ساتھ سلوک کیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم انہیں چرانے کے لئے باہر لے جاتے تھے اور ان کا نام قیسیہ رکھا ہوا تھا۔ فرمایا: جب نامہ اعمال کھولے جائیں گے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ہر انسان کو اس کا نامہ اعمال اس کے دائیں یا بائیں ہاتھ میں دے دیا جائے گا۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اے ابن آدم! اس نامہ اعمال میں جو کچھ تو لکھوائے گا اسے لکھ کر لپیٹ دیا جائے گا پھر قیامت کے دن اس کو تیرے سامنے کھولا جائے گا۔ اس لئے ہر شخص کو غور کرنا چاہئے کہ وہ اس میں کیا لکھوا رہا ہے(3)۔

فرمایا: جب آسمان کی کھال ادھیڑ لی جائے گی۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اس کو کھینچ لیا جائے گا۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ تاریک ہو جائے گا۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس کی جلد ادھیڑ کر پھینک دی جائے گی۔ فرمایا: جب جہنم بھڑکائی جائے گی۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسے گرم کیا جائے گا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اس میں آگ لگائی جائے گی۔ یہ بھی فرماتے ہیں کہ جہنم کو اللہ تعالیٰ کا غضب اور بنی آدم کی سزائیں بھڑکائیں گی۔ فرمایا: جب جنت قریب کر دی جائے گی۔ ضحاک، ابومالک، قتادہ اور ربیع رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اسے جنتیوں کے قریب کر دیا جائے گا۔ فرمایا: تو اس وقت ہر شخص جان لے گا کہ وہ کیا لے کر آیا ہے۔ یہ اذا کا جواب ہے یعنی یہ مذکورہ بالا تمام امور جب واقع ہو جائیں گے تو اس دن ہر نفس جان لے گا کہ اس نے کیا عمل کیا اور کیا عمل آگے بھیجا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا...... (آل عمران: 30) "جس دن موجود پائے گا ہر نفس جو کی تھی اس نے نیکی اپنے سامنے اور جو کچھ کی تھی اس نے برائی تمنا کرے گا کہ کاش اس کے درمیان اور اس دن کے درمیان (حائل ہوتی) مدت دراز اور ڈراتا ہے تمہیں اللہ اپنے (عذاب) سے اور اللہ تعالیٰ بہت مہربان ہے اپنے بندوں پر"۔ ایک دوسرے مقام پر فرمایا: يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَىِٕذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَ اَخَّرَ (قیامہ: 13) "آگاہ کر دیا جائے گا انسان کو اس روز جو عمل اس نے پہلے بھیجے اور جو (اثرات) وہ پیچھے چھوڑ آیا"۔ حضرت

1۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 478، سنن کبریٰ، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 4، صفحہ 55

2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ اسراء آیت: 15

3۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 73

زید بن اسلم رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اس سورت کی تلاوت کرتے ہوئے عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّاۤ اَحْضَرَتْ پر پہنچے تو فرمایا: یہ ساری کلام اسی کے لئے شروع کی گئی۔

فَلَاۤ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ﴿۱۵﴾ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ﴿۱۶﴾ وَ الَّیْلِ اِذَا عَسْعَسَ ﴿۱۷﴾ وَ الصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ﴿۱۸﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِیْمٍ ﴿۱۹﴾ ذِیْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَكِیْنٍ ﴿۲۰﴾ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ ﴿۲۱﴾ وَ مَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ﴿۲۲﴾ وَ لَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ ﴿۲۳﴾ وَ مَا هُوَ عَلَى الْغَیْبِ بِضَنِیْنٍ ﴿۲۴﴾ وَ مَا هُوَ بِقَوْلِ شَیْطٰنٍ رَّجِیْمٍ ﴿۲۵﴾ فَاَیْنَ تَذْهَبُوْنَ ﴿۲۶﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۷﴾ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ یَّسْتَقِیْمَ ﴿۲۸﴾ وَ مَا تَشَآءُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۹﴾

”پھر میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹ جانے والے تاروں کی (اور قسم کھاتا ہوں) سیدھے چلنے والے رک کے رہنے والے تاروں کی۔ اور رات کی جب وہ رخصت ہونے لگے۔ اور صبح کی جب وہ سانس لے۔ کہ یہ (قرآن) ایک معزز قاصد کا (لایا ہوا) قول ہے۔ جو قوت والا ہے مالک عرش کے ہاں عزت والا ہے۔ (سب فرشتوں کا) سردار اور وہاں کا امین ہے۔ اور تمہارا یہ ساتھی کوئی مجنون تو نہیں۔ اور بلاشبہ اس نے اس قاصد کو دیکھا ہے روشن کنارے پر۔ اور یہ نبی غیب بتانے میں ذرا بخیل نہیں۔ اور یہ (قرآن) کسی شیطان مردود کا قول نہیں۔ پھر تم (منہ اٹھائے) کدھر چلے جارہے ہو۔ نہیں ہے یہ مگر نصیحت سب اہل جہان کے لئے۔ (لیکن ہدایت وہی پاتا ہے) جو تم میں سے سیدھی راہ چلنا چاہے۔ اور تم نہیں چاہ سکتے بجز اس کے کہ اللہ چاہے جو رب العالمین ہے“۔

حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے صبح کی نماز رسول اللہ ﷺ کے پیچھے پڑھی۔ آپ نے یہ آیات تلاوت فرمائیں(1)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ان سے مراد وہ ستارے ہیں جو دن کے وقت چھپ جاتے ہیں اور رات کو ظاہر ہوتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، حسن بصری، عبادہ اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہم فرماتے ہیں کہ یہ مختلف ستارے ہیں۔ حضرت بکر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس سے مراد وہ بڑے بڑے ستارے ہیں جو مشرق کی طرف چلتے ہیں(2)۔ بعض مفسرین نے فرمایا: جب ستارے طلوع ہوتے ہیں تو ان کو الخنّس کہتے ہیں اور جب وہ اپنے مدار میں چلتے ہیں تو انہیں الجوار کہا جاتا ہے اور جب چھپ جاتے ہیں تو انہیں کنّس کہا جاتا ہے۔ ہرن جب اپنے مسکن میں چھپ جاتا ہے، تو عرب کہتے ہیں: أوى الظبي إلى كناسه أي دخل۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس سے مراد جنگلی گائیں ہیں اور ایک روایت کے مطابق اس سے مراد ہرن ہے۔ حضرت جابر بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ہرن اور جنگلی گائیں ہیں۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرات ابراہیم اور مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ اس آیت کریمہ کی تفسیر کے بارے میں گفتگو کررہے تھے کہ ابراہیم نے مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ سے پوچھا: اس کے بارے میں جو کچھ آپ نے سنا ہے بیان کیجئے۔ انہوں نے فرمایا: ہم تو اس کے بارے میں کچھ اور ہی سنا کرتے تھے

1۔ مسلم، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 336، سنن کبریٰ، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 8 صفحہ 145 2۔ تفسیر طبری، جلد 30 صفحہ 75

لیکن بعض حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ اس سے مراد ستارے ہیں حضرت ابراہیم نے فرمایا مجھے وہی بیان کرو جو تم نے سنا ہے۔ تو انہوں نے جواباً فرمایا۔ ہم نے یہی سنا کہ اس سے مراد جنگلی گائیں ہیں جو اپنے مسکن میں چھپ جائیں۔ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف جھوٹ منسوب کرتے ہیں۔ جس طرح کہ وہ آپ سے یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اسفل کو اعلیٰ اور اعلیٰ کو اسفل کا ضامن بنایا(1)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے بارے میں توقف اختیار کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: ممکن ہے اس سے تمام چیزیں مراد ہوں۔ فرمایا: رات کی قسم، جب وہ رخصت ہونے لگے۔ اس کے متعلق دو قول ہیں۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''عسعس'' کا معنی تاریک ہونا ہے۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ جب رات کے پہلے حصہ کی ابتداء ہو۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس سے مراد یہ ہے کہ جب رات کی تاریکی لوگوں پر چھا جائے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اس کا معنی یہ ہے کہ جب رات ختم ہو جائے۔ یہی مجاہد، قتادہ، ضحاک، زید بن اسلم رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔

عبدالرحمٰن سلمی کے والد روایت کرتے ہیں کہ ایک دن صبح کی نماز سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے کاشانہ اقدس سے باہر تشریف لائے اور فرمایا: وتر کے بارے میں سوال کرنے والے کہاں ہیں؟ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی یعنی فجر کے طلوع ہونے سے پہلے پہلے وتر پڑھنا اچھا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی قول کو پسند کیا ہے کہ اس سے مراد رات کا آخری حصہ ہے کیونکہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ عرب شعراء نے اس لفظ کو اس معنی میں استعمال کیا ہے(2)۔ لیکن میرے نزدیک اس سے مراد رات کا ابتدائی حصہ ہے۔ اگرچہ اس لفظ کو رات کے آخری حصہ کیلئے بھی استعمال کرنا صحیح ہے لیکن یہاں یہی معنی مراد لینا ہی زیادہ مناسب ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے رات اور اس کی تاریکی کے چھا جانے اور فجر اور اس کی روشنی کے پھیل جانے کی قسم کھائی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ۙ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ۙ (لیل:2-1) ''قسم ہے رات کی جب وہ (ہر چیز پر) چھا جائے۔ اور قسم ہے دن کی جب وہ خوب چمک اٹھے''۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: وَالضُّحٰى ۙ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۙ (الضحیٰ:2-1) ''قسم ہے روز روشن کی۔ اور رات کی جب وہ سکون کے ساتھ چھا جائے''۔ ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا (انعام:96) وہ نکالنے والا ہے صبح کو (رات کی تاریکی سے) اور بنایا ہے اس نے رات کو آرام کے لئے''۔ اہل لغت فرماتے ہیں کہ ''عسعس'' کا لفظ کسی چیز کے آنے اور جانے کے معنی میں مشترک ہے اس لئے یہ دونوں معنی مراد لینا صحیح ہے، واللہ اعلم۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ بعض اہل لغت کے نزدیک ''عسعس'' کا معنی رات کے ابتدائی حصہ کا قریب ہونا اور تاریک ہونا ہے: فراء کہتے ہیں۔ ابوالبلاد نحوی اس معنی کی تائید کے لئے ایک عربی شعر بھی سنایا کرتا تھا لیکن علماء فرماتے ہیں کہ یہ شعر خود ساختہ ہے(3)۔ فرمایا: اور صبح کی، جب وہ سانس لے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ اس سے صبح کا طلوع ہونا مراد ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد صبح کا روشن ہونا ہے۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد صبح کا ابتدائی حصہ ہے۔ یہی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد دن کی روشنی ہے۔ فرمایا: کہ یہ (قرآن) ایک معزز قاصد

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 67　2۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 79، مجاز القرآن، جلد 2، صفحہ 288

3۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 69، فراء: دوانی القرآن، جلد 3، صفحہ 242

کا لایا ہوا قول ہے۔ یعنی قرآن کریم ایک معزز فرشتہ کے ذریعہ نبی کریم ﷺ تک پہنچایا جاتا ہے جو انتہائی خوبصورت ہے۔ یعنی جبریل علیہ السلام۔ ذِیْ قُوَّۃٍ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد عَلَّمَهٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی ذُوْ مِرَّۃٍ کی طرح ہے۔ ارشاد فرمایا: مالک عرش کے ہاں عزت والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا بڑا مقام و مرتبہ ہے۔ حضرت ابو صالح رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر کے تحت فرماتے ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام نور کے ستر حجابوں میں بغیر اذن کے داخل ہو جاتے ہیں۔ ملاء اعلیٰ میں ان کی ہر بات سنی اور اطاعت کی جاتی ہے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ مُّطَاعٍ ثَمَّ کی تفسیر کے تحت فرماتے ہیں کہ آسمانوں میں حضرت جبریل کی اطاعت کی جاتی ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ ان کا شمار کبار ملائکہ میں ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ان کو اس عظیم مقصد کے لئے منتخب کیا گیا ہے۔ امین حضرت جبریل کی صفت ہے۔ اس میں حضرت جبریل علیہ السلام کی عظمت کا اظہار ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک فرشتہ جبریل کی شرافت و منزلت کو بیان فرمایا ہے جیسے اپنے رسول حضرت محمد ﷺ کی عظمت و جلالت کا اظہار اپنے اس ارشاد وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ "اور تمہارا یہ ساتھی کوئی مجنون تو نہیں) میں فرمایا ہے۔ شعبی، میمون بن مہران، ابو صالح رحمہم اللہ تعالیٰ اور کئی دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ صَاحِبُكُمْ سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں ارشاد فرمایا اور بلاشبہ اس نے اس قاصد کو دیکھا ہے روشن کنارے پر۔ یعنی رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو جو آپ پر اللہ کی طرف سے وحی لے کر نازل ہوتے تھے۔ ان کی اصلی صورت میں دیکھا ہے یعنی ان کے سات سو پر تھے۔ الْمُبِیْنِ سے مراد کہ بالکل واضح ہے۔ آپ نے بطحاء مکہ میں جبریل علیہ السلام کو واضح طور پر دیکھا۔ اس کا بیان ان آیات طیبات میں بھی ہے: عَلَّمَهٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی ۙ ذُوْ مِرَّۃٍ ؕ فَاسْتَوٰی ۙ وَ هُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰی ؕ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ۙ فَكَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی ۚ فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰی۔ ان آیات کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے(1)۔

اس سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ یہ سورت معراج سے پہلے نازل ہوئی ہے اور اس میں ایک ہی دفعہ دیکھنے کا ذکر ہے اور دوسری دفعہ دیکھنے کا ذکر ان آیات میں ہے: وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی ۙ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی ۝ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰی ؕ اِذْ یَغْشَی السِّدْرَةَ مَا یَغْشٰی (2)۔ یہ سورۂ نجم کی آیات ہیں جو سورۂ اسراء کے بعد نازل ہوئیں۔ ارشاد فرمایا اور یہ نبی غیب بتانے میں ذرا بخیل نہیں۔ اسے "ظنین" بھی پڑھا گیا ہے(3)۔ اس صورت میں اس کا معنی یہ ہوگا رسول اللہ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کا جو کلام نازل ہوتا ہے، اس کے متعلق آپ پر جھوٹ کی تہمت نہیں لگائی جا سکتی اور اسے "ضنین" بھی پڑھا گیا ہے اس وقت اس کا معنی یہ ہوگا کہ آپ ان علوم کی تبلیغ میں ذرا بخل سے کام نہیں لیتے بلکہ ہر ایک تک ان علوم کو پہنچاتے ہیں۔ سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں: ظنین اور ضنین دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ یعنی آپ جھوٹے نہیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ قرآن کریم ہمارے لئے غیب تھا، اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر نازل فرمایا۔ آپ نے اس میں ذرا بخل نہیں فرمایا بلکہ آپ ﷺ نے ہر اس شخص تک اس کا پیغام پہنچا دیا جو اس کے سمجھنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ضنین والی قرأت کو ہی اختیار کیا ہے(4)۔ میرے خیال میں یہ دونوں قرأتیں متواتر ہیں اور ان کا معنی صحیح ہے جس کی وضاحت ابھی گزر چکی ہے۔ ارشاد فرمایا: اور یہ (قرآن) کسی شیطان مردود کا قول نہیں۔ اس قرآن کو برداشت کرنے کی قوت شیطان میں نہیں ہے۔ نہ اسے برداشت کر سکتا ہے اور نہ ہی یہ اس کے لائق ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّیٰطِیْنُ ۝ وَمَا

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ نجم آیت: 10-5
2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ نجم آیت: 16-13
3۔ ابن باذش، جلد 2، صفحہ 805
4۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 83

يَنۡۢبَغِىۡ لَهُمۡ وَمَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ ؕ اِنَّهُمۡ عَنِ السَّمۡعِ لَمَعۡزُوۡلُوۡنَ (شعراء: 212-210) ''اور نہیں اترے اس قرآن کو لے کر شیاطین۔ اور نہ یہ ان کے لئے مناسب ہے اور نہ ہی وہ اس کی طاقت رکھتے ہیں۔ انہیں (شیطانوں کو) تو اس کے سننے سے بھی محروم کر دیا گیا ہے''۔

ارشاد فرمایا: پھر تم (منہ اٹھائے) کدھر چلے جا رہے ہو۔ قرآن حکیم کی حقانیت ظاہر ہونے کے باوجود تم اسے جھٹلا رہے ہو۔ تمہاری عقل کہاں چلی گئی ہے۔ حضرت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس قبیلہ بنی حنیفہ کا وفد مسلمان ہو کر حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: مجھے اس مدعی نبوت مسیلمہ کذاب کا وہ کلام تو سناؤ جسے وہ قرآن کہا کرتا تھا۔ انہوں نے اس کا کچھ کلام آپ کو سنایا جو انتہائی گھٹیا اور لغو تھا۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہارا بھلا کرے، تمہاری عقل کہاں گم ہو گئی تھی۔ اس قسم کا کلام اللہ کا کلام کیسے ہو سکتا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری کو چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو۔ ارشاد فرمایا: یہ تمام اہل جہاں کے لئے نصیحت ہی ہے۔ یہ قرآن تمام لوگوں کے لئے نصیحت ہے کہ وہ اس سے نصیحت حاصل کریں اور خصوصاً وہ شخص جو ہدایت کی راہ پر چلنا چاہتا ہے اسے چاہئے کہ وہ قرآن کریم کو لازم پکڑے۔ یہی اس کے لئے نجات کا راستہ ہے۔ اس کے لئے کوئی اور ہدایت کا ذریعہ نہیں۔ ارشاد فرمایا: اور تم نہیں چاہ سکتے بجز اس کے کہ اللہ چاہے، جو رب العالمین ہے۔ مشیت اور ارادہ تمہارے سپرد نہیں کیا گیا کہ جو چاہے ہدایت حاصل کرے اور جو چاہے گمراہ ہو جائے بلکہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔ جب یہ آیت کریمہ لِمَنۡ شَآءَ مِنۡكُمۡ اَنۡ يَّسۡتَقِيۡمَ ابوجہل نے سنی تو کہنے لگا کہ یہ معاملہ تو ہمارے حوالے کر دیا گیا ہے کہ ہم چاہیں تو صراط مستقیم اختیار کریں اور چاہیں تو نہ کریں۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت وَمَا تَشَآءُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الۡعٰلَمِيۡنَ نازل فرمائی۔

سورہ الانفطار (مکیہ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے عشاء کی جماعت کرائی اور طویل قرأت کی تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا: اے معاذ! کیا تم لوگوں کو آزمائش میں مبتلا کرنا چاہتے ہو۔ کیا تمہیں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى، (والضحیٰ) اور اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ یاد نہیں۔ اسے امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے اس حدیث کی اصل صحیحین میں بھی ہے لیکن اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ کے الفاظ صرف نسائی نے ذکر کئے ہیں(1)۔ اس سے پہلے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت گزر چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص قیامت کے دن کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا ہے اسے چاہئے کہ وہ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ، اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ اور اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ پڑھے(2)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ﴿١﴾ وَ اِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ﴿٢﴾ وَ اِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ﴿٣﴾ وَ اِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ﴿٤﴾ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَ اَخَّرَتْ ﴿٥﴾ يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ﴿٦﴾ الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ﴿٧﴾ فِيْۤ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ﴿٨﴾ كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ﴿٩﴾ وَ اِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ﴿١٠﴾ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ﴿١١﴾ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿١٢﴾

"جب آسمان پھٹ جائے گا اور جب ستارے بکھر جائیں گے اور جب سمندر بہنے لگیں گے۔ اور جب قبریں زیر وزبر کردی جائیں گی۔ (اس وقت) جان لے گا ہر شخص جو (اعمال) اس نے آگے بھیجے تھے اور جو (اثرات) وہ پیچھے چھوڑ آیا تھا۔ اے انسان! کس چیز نے تجھے دھوکے میں رکھا اپنے رب کریم کے بارے میں۔ جس نے تجھے پیدا کیا پھر تیرے (اعضاء کو) درست کیا پھر تیرے (عناصر کو) معتدل بنایا۔ (الغرض) جس شکل میں چاہا تجھے ترکیب دے دیا۔ یہ سچ ہے بلکہ تم جھٹلاتے ہو روز جزا کو حالانکہ تم پر نگراں (فرشتے) مقرر ہیں۔ جو معزز ہیں (حرف بحرف) لکھنے والے ہیں۔ جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو"۔

جب آسمان پھٹ جائے گا، انفطار کا معنی پھٹنا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ (مزمل: 18)" (اور) آسمان پھٹ جائے گا اس (کے ہول) سے"۔ فرمایا: جب ستارے بکھر جائیں گے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ستارے ٹوٹ کر گر پڑیں گے۔

1۔ سنن نسائی، کتاب افتتاح، جلد 2، صفحہ 172، فتح الباری، کتاب الادب، جلد 10، صفحہ 515 مسلم، کتاب الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 340-339

2۔ سورۂ تکویر میں یہ حدیث گزر چکی ہے

فرمایا: جب سمندر بہنے لگیں گے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ان سمندروں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کا پانی خشک ہو جائے گا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کا میٹھا اور نمکین پانی آپس میں مل جائے گا۔ کلبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ان کو پانی سے بھر دیا جائے گا۔ فرمایا: جب قبریں زیر وزبر کر دی جائیں گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قبروں کو کھول دیا جائیگا۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان قبروں کو الٹ پلٹ کیا جائے گا اور ان سے مردوں کو نکال لیا جائے گا۔ فرمایا: اس وقت ہر شخص اپنے ان اعمال کو جان لے گا جو اس نے آگے بھیجے تھے اور جو وہ پیچھے چھوڑ آیا تھا۔ انسان اپنے اعمال کو اس وقت جانے گا جب یہ واقعات رونما ہو جائیں گے۔ فرمایا: اے انسان! تجھے اپنے کریم رب کے بارے میں کس چیز نے دھوکے میں رکھا۔ یہ انسان کو بطور زجر وتوبیخ کہا گیا ہے۔ بعض لوگوں نے اس کا غلط مفہوم سمجھا ہے۔ ان کا خیال ہے جب کوئی انسان سے پوچھے کہ تجھے اپنے رب کے بارے میں کس چیز نے دھوکے میں رکھا ہے تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ اس کے کرم نے۔ یہاں اسی جواب کی طرف اشارہ ہے۔ لیکن ان کا یہ خیال صحیح نہیں بلکہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے ابن آدم! تجھے تیرے کریم رب کے بارے میں کس چیز نے دھوکہ میں مبتلا کر دیا ہے کہ تو اس کی نافرمانی پر اتر آیا ہے اور اس کے مقابلہ پر آمادہ ہو گیا جو تیرے لئے مناسب نہیں۔ جیسا کہ حدیث قدسی ہے: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا اے ابن آدم! تجھے میرے بارے میں کس چیز نے دھوکے میں ڈالے رکھا۔ اے ابن آدم! تو نے رسولوں کی دعوت کا کیا جواب دیا(1)۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا تو آپ نے فرمایا انسان کی جہالت نے اسے اپنے رب سے غافل کر دیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، ربیع بن خثیم اور حسن بصری رحمہم اللہ تعالیٰ سے بھی یہی مروی ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابن آدم کو اس کے ازلی دشمن شیطان نے اپنے رب کے بارے میں دھوکے میں مبتلا کر دیا(2)۔ حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر مجھ سے یہ پوچھا جائے تو میں جواب دوں گا کہ تیرے عفوودرگزر کے پردوں نے غافل کر دیا ہے۔ ابوبکر وراق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر مجھ سے سوال ہوا تو میں عرض کروں گا کہ کریم کے کرم نے مجھے غافل کر دیا(3)۔ بعض مفسرین نے یہ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام اسماء وصفات کو چھوڑ کر کریم کی صفت کو ذکر کیا ہے تاکہ اس کے جواب کی طرف اشارہ ہو جائے(4) لیکن ان کا یہ خیال صحیح نہیں ہے بلکہ کریم صفت کو اللہ تعالیٰ نے اس لئے ذکر کیا ہے تاکہ انسان کو تنبیہ کرے کہ اس کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ اس کے کرم کے مقابلہ میں برے افعال کا ارتکاب کرے۔ کلبی اور مقاتل رحمہما اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ یہ آیت اسود بن شریق کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس نے نبی کریم ﷺ کو تکلیف پہنچائی۔ اس کو اس فعل کی فوراً سزا نہ دی گئی بلکہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی(5)۔ فرمایا: اس نے تجھے پیدا کیا پھر تیرے (اعضاء) کو درست کیا اور پھر تیرے (عناصر کو) معتدل بنایا۔ اے انسان! تجھے اپنے کریم رب کے بارے میں کس چیز نے دھوکہ میں ڈال دیا، جس نے تجھے بہترین اور خوبصورت شکل پر پیدا فرمایا۔ تیرا قد معتدل رکھا اور دوسرے حیوانوں کے مقابلہ میں تجھے سیدھا رکھا۔

بشر بن جحاش قرشی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن اپنی ہتھیلی پر لعاب مبارک رکھا اور اس پر اپنی انگلی مبارک رکھی

1۔ المعجم الکبیر، جلد 9، صفحہ 206-205، مجمع الزوائد، جلد 10، صفحہ 347 2۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 87

3۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 456 4۔ ایضاً مرجع مذکور 5۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 455- قرطبی، جلد 19، صفحہ 245

اور فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے ابن آدم! تو مجھے کیسے عاجز کر سکتا ہے۔ حالانکہ میں نے تجھے اس جیسی چیز کے ساتھ پیدا کیا۔ تیرے اعضاء کو برابر اور معتدل کیا۔ اب تو بہترین لباس پہن کر اکڑ کر چلتا ہے۔ حالانکہ ایک دن تو نے اسی زمین میں دفن ہونا ہے تو نے بہت سا مال جمع کر رکھا ہے۔ فقراء و مساکین کو نہیں دیتا۔ جب تیری روح نکل کر سینے کے قریب پہنچے گی تو تو اس وقت کہے گا میں صدقہ کرتا ہوں، حالانکہ وہ وقت صدقہ کا نہیں ہوگا(1)۔ فرمایا جس شکل میں چاہا تجھے ترتیب دیا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: انسان کو اس کے ماں باپ، ماموں یا چچا کی شکل کے مشابہ پیدا کیا۔ حضور ﷺ نے ایک شخص سے پوچھا: تیرے ہاں کیا پیدا ہوگا؟ اس نے عرض کی لڑکی یا لڑکا۔ آپ نے فرمایا وہ کس کے مشابہ ہوگا؟ اس نے عرض کی: اپنی ماں یا باپ کے۔ آپ نے فرمایا: خاموش ہو جاؤ۔ ایسا نہ کہو۔ نطفہ جب رحم میں ٹھہرتا ہے۔ آدم سے اس تک کا نسب اس کے سامنے ہوتا ہے۔ کیا تم نے قرآن پاک کی یہ آیت کریمہ نہیں پڑھی۔ یعنی اس نے جس صورت میں چاہا تجھے پیدا کر دیا۔ اسے ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے۔ اسے ابن ابی حاتم اور طبرانی رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی روایت کیا ہے۔ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو اس آیت کی تفسیر کے لئے قول فیصل کا درجہ رکھتی، لیکن اس کی سند ثابت نہیں۔ ایک راوی مطہر بن ہیثم متروک الحدیث اور ضعیف ہے(2)۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے عرض کی کہ میری عورت نے سیاہ رنگ کا بچہ جنا ہے۔ آپ نے فرمایا کیا تیرے پاس اونٹ ہیں۔ کہا: ہاں۔ فرمایا: کس رنگ کے۔ جواب دیا: سرخ رنگ کے۔ فرمایا: کیا اس میں کوئی خاکستری رنگ کا بھی ہے۔ اس نے کہا: ہاں۔ آپ نے پوچھا یہ کہاں سے آ گیا۔ اس نے کہا: شاید اوپر کی نسل کی طرف کوئی رگ کھینچ کر لے گئی ہو۔ آپ نے فرمایا: شاید تمہارے بچہ کے سیاہ ہونے کی یہی وجہ ہے(3)۔ ابو صالح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ جس صورت میں چاہے انسان کو پیدا فرما دے۔ خواہ کتے، گدھے اور خنزیر کی صورت میں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ہمارا رب اس چیز پر قادر ہے کہ وہ جس شکل میں چاہے، انسان کو پیدا کر دے۔ اس قول کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس چیز پر قادر ہے کہ وہ انسانی بچے کو ان جانوروں کی طبعی شکل پر پیدا کرے لیکن اپنے لطف و کرم اور فضل و احسان سے انسان کو بہترین صورت میں پیدا کرتا ہے اور اسے بہترین قد و قامت عطا فرماتا ہے۔

فرمایا: یہ سچ ہے بلکہ تم روزِ جزا کو جھٹلاتے ہو۔ اس کریم رب کی نافرمانی پر تمہیں تمہارا روزِ جزاء کو جھٹلانا برانگیختہ کرتا ہے۔ فرمایا: حالانکہ تم پر نگران (فرشتے) مقرر ہیں جو معزز ہیں۔ (حرف بہ حرف) لکھنے والے ہیں۔ جو کچھ تم کرتے ہو وہ جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تم پر معزز فرشتے مقرر کر دیئے ہیں جو تمہارے ہر ہر عمل کو لکھ رہے ہیں۔ تمہیں برائی سے اجتناب کرنا چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اعمال لکھنے والے ان معزز فرشتوں کا احترام کرو جو صرف دو حالتوں میں تم سے جدا ہوتے ہیں۔ جنابت کی حالت میں اور پاخانہ کی حالت میں۔ جب تم میں سے کوئی غسل کرے تو اسے چاہئے کہ پردہ کر لے خواہ یہ پردہ دیوار ہو یا کسی اونٹ کا، یا کسی ساتھی کو کھڑا کر لیا کرو تا کہ وہ پردے کا کام دے۔ یہی حدیث دوسری سند سے بھی مروی ہے جس میں ان دو چیزوں کے ساتھ ساتھ غسل کا بھی ذکر ہے(4)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا: یہ فرشتے ہر روز اللہ کی بارگاہ میں اعمال پیش کرتے ہیں۔ اگر اس نامہ عمل کے آخر اور شروع میں استغفار ہو تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اس بندے کی درمیان والی خطائیں بھی معاف کر دیں۔ اس

1۔ دیکھئے تفسیر سورۃ نحل آیت: 4
2۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 87۔ المعجم الکبیر، جلد 5، صفحہ 75۔ مجمع الزوائد، جلد 7، صفحہ 135
3۔ فتح الباری، کتاب الطلاق، جلد 10، صفحہ 442۔ مسلم، کتاب اللعان، جلد 2، صفحہ 1137
4۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب الطہارۃ، جلد 1، صفحہ 161-160

حدیث کے ایک راوی تمام بن نجیح کے بارے میں علمائے جرح وتعدیل کا اختلاف ہے(1)۔ یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ثقہ قرار دیا ہے۔ امام بخاری، ابوزرعہ اور ابن ابی حاتم رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہم نے اسے ضعیف قرار دیا ہے(2)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کے بعض فرشتے بنی آدم کے اعمال کو جانتے ہیں۔ جب وہ کسی بندے کو اللہ کی اطاعت میں مصروف دیکھتے ہیں تو آپس میں تذکرہ کرتے ہیں اور اس کا نام لے کر کہتے ہیں کہ فلاں آدمی آج کی رات نجات پا گیا۔ جب کسی آدمی کو اللہ کی نافرمانی میں مشغول دیکھتے ہیں تو اس کا تذکرہ بھی کرتے ہیں اور اس کا نام لے کر کہتے ہیں کہ فلاں آدمی آج کی رات ہلاک ہوگیا۔ امام بزار رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس کے ایک راوی سلام المدائنی ضعیف الحدیث ہیں(3)۔

اِنَّ الۡاَبۡرَارَ لَفِیۡ نَعِیۡمٍ ﴿۱۳﴾ وَ اِنَّ الۡفُجَّارَ لَفِیۡ جَحِیۡمٍ ﴿۱۴﴾ یَّصۡلَوۡنَہَا یَوۡمَ الدِّیۡنِ ﴿۱۵﴾ وَ مَا ہُمۡ عَنۡہَا بِغَآئِبِیۡنَ ﴿۱۶﴾ وَ مَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا یَوۡمُ الدِّیۡنِ ﴿۱۷﴾ ثُمَّ مَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا یَوۡمُ الدِّیۡنِ ﴿۱۸﴾ یَوۡمَ لَا تَمۡلِکُ نَفۡسٌ لِّنَفۡسٍ شَیۡئًا ؕ وَ الۡاَمۡرُ یَوۡمَئِذٍ لِّلّٰہِ ﴿۱۹﴾

”بے شک نیک لوگ عیش وآرام میں ہوں گے۔ اور یقیناً بدکار جہنم میں ہوں گے۔ داخل ہوں گے اس میں قیامت کے روز۔ اور وہ اس سے غائب نہ ہوسکیں گے۔ اور آپ کو کیا علم کہ روزِ جزا کیا ہے؟ پھر آپ کو کیا علم کہ روزِ جزا کیا ہے؟ (یہ وہ دن ہوگا) جس روز کسی کے لئے کچھ کرنا کسی کے بس میں نہ ہوگا۔ اور سارا حکم اس روز اللہ ہی کا ہوگا“۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے ان نیک بندوں کے انجام کا ذکر کیا ہے جو اس کی اطاعت میں مشغول رہے اور اس کی نافرمانی سے اجتناب کرتے رہے۔ فرمایا: بلاشبہ نیک لوگ عیش وآرام میں ہوں گے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: ان لوگوں کو ابرار اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ اپنے والدین کے فرمانبردار تھے اور اپنی اولاد کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے تھے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بدکاروں کے انجام کا تذکرہ فرمایا ہے کہ وہ جہنم کے دائمی عذاب میں ہوں گے۔ وہ قیامت کے دن اس جہنم میں داخل ہوں گے اور وہ اس سے ایک لمحہ بھی غائب نہ ہوسکیں گے یعنی ان کے عذاب میں تخفیف نہیں کی جائے گی۔ اگر وہ موت اور راحت کا سوال کریں گے تو وہ پورا نہ ہوگا۔ فرمایا کہ آپ کو کیا علم کہ روزِ جزاء کیا ہے؟ یہاں روز قیامت کی عظمت کو بیان کیا جا رہا ہے۔ اس کے بعد مزید تاکید کے لئے فرمایا: پھر آپ کو کیا علم کہ روزِ جزاء کیا ہے؟ پھر خود ہی اس کی تفسیر بیان فرمائی کہ یہ وہ دن ہوگا جس روز کسی کے لئے کچھ کرنا کسی کے بس میں نہ ہوگا۔ یعنی اس دن اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی کسی کو نہ تو نفع پہنچا سکے گا اور نہ ہی کسی کو مصائب سے چھڑا سکے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے بنی ہاشم! اپنی جانوں کو جہنم سے بچالو۔ میں تمہیں اللہ کے عذاب سے بچانے کا مالک نہیں ہوں۔ اس کی تفسیر سورۂ شعراء کے آخر میں گزر چکی ہے(4)۔ اس لئے یہاں ارشاد فرمایا: اس دن سارا حکم اللہ تعالیٰ ہی کا ہوگا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حکم آج بھی اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں ہے۔ وہی حقیقی مالک ہے اس دن کوئی اور حکومت نہیں ہوگی صرف اور صرف اللہ کی حکومت ہوگی۔

1۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب التوبۃ، جلد 4، صفحہ 83
2۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، جلد 4، صفحہ 67
3۔ ایضاً مرجع مذکور
4۔ دیکھئے تفسیر سورۂ شعراء آیت: 214

سورۂ مطففین (مکیہ)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

وَيۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِيۡنَ ۙ﴿۱﴾ الَّذِيۡنَ اِذَا اكۡتَالُوۡا عَلَى النَّاسِ يَسۡتَوۡفُوۡنَ ۖ﴿۲﴾ وَ اِذَا كَالُوۡهُمۡ اَوۡ وَّزَنُوۡهُمۡ يُخۡسِرُوۡنَ ؕ﴿۳﴾ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓـئِكَ اَنَّهُمۡ مَّبۡعُوۡثُوۡنَ ۙ﴿۴﴾ لِيَوۡمٍ عَظِيۡمٍ ۙ﴿۵﴾ يَّوۡمَ يَقُوۡمُ النَّاسُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ؕ﴿۶﴾

''بربادی ہے (ناپ تول میں) کمی کرنے والوں کے لئے۔ جب وہ لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں۔ اور جب لوگوں کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو (ان کو) نقصان پہنچاتے ہیں۔ کیا وہ (اتنا) خیال بھی نہیں کرتے کہ انہیں قبروں سے اٹھایا جائے گا۔ ایک بڑے دن کے لئے۔ جس دن لوگ (جوابدہی کے لئے) کھڑے ہوں گے پروردگار عالم کے سامنے''۔

سنن نسائی اور ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب نبی کریم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اہل مدینہ ناپ تول میں کمی بیشی کیا کرتے تھے۔ جب یہ سورت نازل ہوئی تو صحیح ناپ تول کرنے لگے(1)۔

ہلال بن طلق فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ جا رہا تھا۔ میں نے انہیں کہا کہ مکہ اور مدینہ کے لوگ خوبصورت اور عمدہ ناپ تول کرنے والے ہیں۔ آپ نے فرمایا: کیوں نہیں۔ انہی کے بارے میں یہ سورت نازل ہوئی ہے۔ تطفیف سے مراد ناپ تول میں کمی کرنا ہے۔ جب لوگوں سے کچھ لینا ہو تو زائد تولنا اور کچھ دینا ہو تو کم تولنا۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی ہلاکت اور بربادی کی خبر دی ہے اور فرمایا ہے کہ یہ لوگ جب دوسرے لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا وصول کرتے ہیں بلکہ زائد لے لیتے ہیں اور جب لوگوں کو ناپ تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ یہاں ''کالوا اور وزنوا'' دونوں فعل متعدی ہوں۔ اور ''ھم'' ضمیر محل نصب میں ہو۔ بعض مفسرین نے ''ھم'' ضمیر کو ''کالوا اور وزنوا'' کی ضمیر سے تاکید قرار دیا ہے۔ اس صورت میں مفعول بہ محذوف ہوگا جس پر کلام دلالت کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کئی ایک مقامات پر ناپ تول پورا کرنے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَاَوۡفُوا الۡكَيۡلَ اِذَا كِلۡتُمۡ وَزِنُوۡا بِالۡقِسۡطَاسِ الۡمُسۡتَقِيۡمِ (اسراء:35) ''اور پورا پورا ماپو جب تم کسی چیز کو ماپنے لگو اور تولو تو ایسے ترازو سے تولو جو بالکل درست ہو''۔ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: وَاَوۡفُوا الۡكَيۡلَ وَالۡمِيۡزَانَ بِالۡقِسۡطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَهَا (انعام:152) ''اور پورا کرو ناپ اور تول انصاف کے ساتھ ہم نہیں تکلیف دیتے کسی کو مگر اس کی طاقت کے برابر''۔ ایک اور مقام پر فرمایا: وَاَقِيۡمُوا الۡوَزۡنَ بِالۡقِسۡطِ وَلَا تُخۡسِرُوا الۡمِيۡزَانَ (الرحمٰن:9) ''اور وزن کو ٹھیک رکھو انصاف کے ساتھ اور تول کو کم نہ کرو''۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ

1۔ سنن کبریٰ، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 5، صفحہ 180-179 – ابن ماجہ کتاب التجارات، جلد 2، صفحہ 748

السلام کی قوم کو صرف اسی لئے ہلاک کیا تھا کہ وہ ناپ تول میں ڈنڈی مارتے تھے۔

ارشاد فرمایا: کیا وہ اتنا خیال بھی نہیں کرتے کہ انہیں ایک بڑے دن کے لئے قبروں سے اٹھایا جائے گا۔ کیا انہیں یہ خوف نہیں ہے کہ انہوں نے قبروں سے اٹھ کر اس خدا کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے جو دلوں کے راز بھی جانتا ہے۔ یہ دن بڑا عظیم اور ہولناک ہوگا۔ اس دن اس قسم کے لوگوں کو جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونک دیا جائے گا۔ ارشاد فرمایا کہ جس دن لوگ (جواب دہی کے لئے) پروردگار عالم کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ اس دن تمام لوگ ننگے پاؤں ننگے بدن غیر مختون ہوں گے۔ مجرمین انتہائی تنگی اور سختی میں ہوں گے اور ان پر ایسے مصائب و آلام نازل ہوں گے کہ انسانی حواس اور اعضاء بے بس ہو کر جواب دے جائیں گے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس دن پروردگار عالم کے سامنے کھڑے ہوں گے، اس دن ان کا پسینہ ان کے نصف کانوں تک پہنچ جائے گا۔ اسے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا میں روایت کیا ہے۔ اس کے علاوہ امام بخاری اور مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی مختلف اسناد سے روایت کیا ہے(1)۔

مسند امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:۔ جس دن لوگ رحمٰن پروردگار عالم کی عظمت کے سامنے کھڑے ہوں گے تو ان کا پسینہ نصف کانوں تک پہنچ جائے گا(2)۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن سورج بندوں کے قریب کر دیا جائے گا حتیٰ کہ ایک یا دو میل کا فاصلہ رہ جائے گا۔ سورج کی گرمی کی وجہ سے وہ پسینہ سے شرابور ہوں گے۔ ان کا پسینہ ان کے اعمال کے مطابق ہوگا۔ کسی کا پسینہ اس کی ایڑھی تک ہوگا۔ کسی کا گھٹنوں تک کسی کا کمر تک، کسی کا اس کے منہ تک پہنچ کر اس کا منہ بند کر دے گا۔ یہ مسند کی روایت ہے۔ اسے مسلم اور ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی حضرت عبداللہ بن جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے(3)۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن سورج کو ایک میل کی مقدار قریب کر دیا جائے گا اس کی حرارت میں اضافہ کر دیا جائے گا۔ اس گرمی کی شدت سے سر اس طرح ابلیں گے جیسے ہنڈیا ابلتی ہے۔ لوگ اپنی خطاؤں اور گناہوں کے برابر پسینہ میں شرابور ہوں گے۔ کسی کا گھٹنوں تک ہوگا۔ کسی کا پنڈلی تک، کسی کا کمر تک، کسی کا اس کے منہ تک(4)۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے بھی اسی کی مثل مروی ہے۔ اس کے آخری الفاظ یہ ہیں: کسی کا پسینہ اس کو ڈھانپ لے گا(5)۔ ایک حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ لوگ ستر سال اسی طرح کھڑے رہیں گے۔ آپس میں گفتگو نہ کریں گے۔ بعض نے کہا ہے کہ تین سو سال تک کھڑے رہیں گے۔ ایک قول ہے: چالیس ہزار سال تک کھڑے رہیں گے اور پھر دس ہزار سال میں ان کا فیصلہ کیا جائے گا۔ صحیح مسلم کی مرفوع حدیث ہے اس دن کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہوگی(6)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بشیر غفاری رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم اس دن کیا کرو گے جب لوگ پروردگار عالم کے سامنے دنیاوی ایام کے مطابق تین سو سال تک کھڑے رہیں گے۔ نہ تو ان پر آسمان سے کوئی خبر آئے گی اور نہ ہی ان کے بارے میں کوئی فیصلہ کیا جائے گا۔ انہوں نے عرض کی میں اللہ تعالیٰ سے مدد کا طالب ہوں گا۔ آپ نے فرمایا: جب سونے کے لئے بستر پر جایا کرو تو یوم قیامت کے مصائب اور حساب

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۃ (ویل للمطففین)، جلد 8، صفحہ 696، کتاب الرقائق، جلد 11، صفحہ 392۔ مسلم کتاب الجنۃ، جلد 4، صفحہ 2196-3195۔ طبری، جلد 30، صفحہ 92

2۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 31

3۔ مسند امام احمد، جلد 6، صفحہ 4-3۔ مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4، صفحہ 2196۔ عارضۃ الاحوذی ابواب صفۃ القیامہ، جلد 9، صفحہ 255　　4۔ ایضاً مرجع مذکور

5۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 254　　6۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 157

کی سختی سے پناہ مانگو(1)۔ سنن ابی داؤد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ قیامت کے دن تنگی مقام کی اللہ سے پناہ مانگا کرتے تھے(2)۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ چالیس سال تک آسمان کی طرف منہ کر کے کھڑے رہیں گے۔ آپس میں کوئی بات نہیں کرے گا نیک و بد ہر کوئی پسینہ میں غرق ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ ایک سو سال تک کھڑے رہیں گے(3)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز تہجد شروع کرنے سے پہلے دس دفعہ اللہ اکبر دس مرتبہ، الحمد اللہ، دس مرتبہ سبحان اللہ اور دس مرتبہ استغفار پڑھتے۔ پھر یہ دعا مانگتے۔ اے اللہ! مجھے بخش دے، مجھے ہدایت عطا فرما، رزق اور عافیت عطا فرما۔ پھر آپ اللہ سے قیامت کے دن کی تنگی سے پناہ مانگتے(4)۔

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ۝ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۝ وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝ وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ۝ ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۝

”یہ حق ہے کہ بدکاروں کا نامہ عمل سجین میں ہوگا۔ اور تمہیں کیا خبر کہ سجین کیا ہے۔ یہ ایک کتاب ہے لکھی ہوئی۔ تباہی ہوگی اس دن جھٹلانے والوں کے لئے۔ جو جھٹلاتے ہیں روز جزاء کو اور نہیں جھٹلایا کرتا اسے مگر وہی جو حد سے گزرنے والا گنہگار ہے۔ جب پڑھی جاتی ہیں اس کے سامنے ہماری آیتیں تو کہتا ہے کہ یہ تو پہلے لوگوں کے افسانے ہیں۔ نہیں نہیں درحقیقت زنگ چڑھ گیا ہے ان کے دلوں پر ان کرتوتوں کے باعث جو وہ کیا کرتے تھے۔ یقیناً انہیں اپنے رب (کے دیدار) سے اس دن روک دیا جائے گا۔ پھر وہ ضرور جہنم میں داخل ہوں گے۔ پھر (ان سے) کہا جائے گا یہی وہ (جہنم) ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے“۔

فرمایا: یہ حق ہے کہ بدکاروں کا نامہ اعمال سجّین میں ہوگا۔ یعنی ان کا ٹھکانہ سجین میں ہوگا۔ سجین فعّیل کے وزن پر سجن سے مشتق ہے۔ جس کا معنی تنگی ہے۔ اسی وزن پر فسّیق، شرّیب، خمّیر اور سکّیر کے صیغے بھی آتے ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کی ہولناکی کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: تمہیں کیا خبر کہ سجین کیا ہے؟ یعنی یہ انتہائی ہولناک دائمی قید خانہ اور عذاب الیم ہے۔ یہ ساتویں زمین کے نیچے ہے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طویل حدیث گزر چکی ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرشتوں کو کافر کی روح کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے کہ اس کے نامہ اعمال کو سجین میں لکھ دو(5)۔ کہا جاتا ہے کہ یہ سجین ساتویں زمین کے نیچے ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ ساتویں زمین کے نیچے سبز رنگ کی چٹان ہے بعض نے کہا ہے کہ جہنم میں ایک کنواں کا نام ہے۔ ایک انتہائی غریب اور منکر حدیث میں مروی ہے کہ ”فلق“ جہنم میں ایک کنواں ہے جس کا منہ بند ہے اور سجین کا منہ کھلا ہے(6)۔ لیکن صحیح قول یہ

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ براءۃ آیت: 35 2۔ سنن ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 204-203 3۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 93

4۔ سنن ابوداؤد، جلد 1، صفحہ 204-203۔ کتاب الصلاۃ، نسائی، کتاب الصلاۃ، جلد 3، صفحہ 209-208 ابن ماجہ، کتاب الصلاۃ، جلد 1 صفحہ 431

5۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 288-287۔ نیز دیکھئے تفسیر سورۂ اعراف آیت: 40، سورۂ ابراہیم آیت: 27 6۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 96-95

ہے کہ یہ سجن سے مشتق ہے جس کا معنی تنگی ہے یعنی یہ ایک تنگ جیل خانہ ہے جس میں نیچے والی مخلوق تنگی میں ہوگی اور اوپر والی وسعت میں۔ ساتویں افلاک میں نیچے والے سے اوپر والا فلک وسیع ہے۔ اسی طرح ساتوں زمینیں ہیں۔ درجہ بدرجہ اوپر والی وسیع اور نیچے والی تنگ حتیٰ کہ ساتویں زمین انتہائی تنگ ہے اور یہ سجین ساتویں زمین کے وسط میں واقع ہے۔ چونکہ کافروں کا ٹھکانہ جہنم ہے جو ساتویں زمین کے نیچے ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (التین :6-5) ''پھر ہم نے لوٹا دیا اس کو پست ترین حالت کی طرف بجز ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے'' اور اس سورت میں بیان فرمایا ان کا ٹھکانہ سجین ہے اور یہ لفظ تنگی اور پستی دونوں کو جامع ہے۔ اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا (فرقان :13) ''اور جب انہیں پھینکا جائے گا اس آگ میں کسی تنگ جگہ سے زنجیروں میں جکڑ کر تو پکاریں گے وہاں موت کو'' فرمایا: یہ ایک لکھی ہوئی کتاب ہے۔

كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ اللہ تعالیٰ کے ارشاد وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ کی تفسیر نہیں ہے بلکہ یہ مراد ہے کہ کفار کے سجین میں ٹھکانہ کو لکھ دیا گیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ لکھ کر محفوظ کر لیا ہے۔ اب اس میں کوئی کمی ہو سکتی ہے نہ زیادتی۔ ارشاد فرمایا: جھٹلانے والوں کے لئے اس دن بربادی ہوگی، قیامت کے دن جب یہ لوگ ''سجین'' میں رسوا کن عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ ''ویل'' کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے اس لئے یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں(1)۔

وَيْلٌ سے مراد ہلاکت اور بربادی ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے: ''ویل لفلان''۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تباہی ہے اس شخص کے لئے جو گفتگو کرتے وقت لوگوں کو ہنسانے کے لئے جھوٹ بولتا ہے۔ پھر دو مرتبہ تاکید آئی ہے۔ ویل له ویل له(2) پھر اللہ تعالیٰ ان جھٹلانے والے کافروں کے متعلق تفصیل بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: وہ روزِ جزاء کو جھٹلاتے ہیں اس کے وقوع پذیر ہونے کو تسلیم نہیں کرتے اور نہ ہی اس کے واقع ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں بلکہ وہ اسے محال خیال کرتے ہیں۔ فرمایا کہ جو حد سے گزرنے والا اور گنہگار ہے وہی اسے جھٹلاتا ہے جو حرام کاری میں حد سے بڑھنے والا ہے۔ حلال اور مباح چیزوں میں بھی حد سے بڑھ جاتا ہے۔ اپنے اقوال کے اعتبار سے بھی گنہگار ہے۔ جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے۔ وعدہ کر کے پورا نہیں کرتا اور جب لڑائی جھگڑا کرتا ہے تو گالی گلوچ پر اتر آتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا: جب اس کے سامنے ہماری آیات پڑھی جاتی ہیں تو کہتا ہے کہ یہ پہلے لوگوں کے افسانے ہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ کے زبان حق ترجمان سے اللہ تعالیٰ کا کلام سنتا ہے تو اسے جھٹلاتا ہے اور اس کے بارے میں بدگمانی میں مبتلا رہتا ہے اور یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ یہ پہلے لوگوں کے گھڑے ہوئے قصے اور افسانے ہیں۔ جیسا کہ ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ (النحل :24) ''اور جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا نازل فرمایا ہے تمہارے پروردگار نے۔ کہتے ہیں (کچھ نہیں) یہ تو پہلے لوگوں کے من گھڑت قصے ہیں''۔ ایک دوسرے مقام پر فرمایا: وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا (فرقان :5) ''اور کفار نے کہا یہ تو افسانے ہیں پہلے لوگوں کے اس شخص نے لکھوالیا ہے انہیں پھر یہ پڑھ کر سنائے جاتے ہیں اسے ہر صبح و شام (تاکہ از بر ہو جائیں)''۔

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ آیت :79

2۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 7-5 سنن ابوداؤد، کتاب الادب، جلد 4، صفحہ 298-297 عارضۃ الاحوذی، ابواب الزہد، جلد 9، صفحہ 196-195 - سنن نسائی، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 8، صفحہ 428

فرمایا: نہیں نہیں در حقیقت زنگ چڑھ گیا ہے ان کے دلوں پر۔ ان کرتوتوں کے باعث جو وہ کیا کرتے تھے۔ بات ایسی نہیں جیسی انہوں نے گمان کیا ہے کہ قرآن پہلے لوگوں کے افسانے ہیں، بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کی وحی ہے جسے اس نے اپنے رسول ﷺ پر نازل فرمایا ہے۔ ان کے دلوں پر ان کے گناہوں کی وجہ سے زنگ کی ایک دبیز تہہ چڑھ گئی ہے۔ اسی وجہ سے وہ اس پر ایمان نہیں لاتے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہاں ارشاد فرمایا کہ ان کے دلوں پر ان کی بدکاریوں کی وجہ سے زنگ چڑھ گیا ہے۔ کافروں کے دلوں پر ''رین'' ہوتا ہے۔ نیکوکاروں کے دلوں پر غیم اور مقربین کے لئے غین۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بندہ جب گناہ کرتا ہے تو دل پر ایک سیاہ داغ بن جاتا ہے۔ اگر وہ توبہ کرے تو اس کا دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر وہ بار بار گناہ کرتا رہے تو وہ سیاہ نقطہ بھی بڑھ جاتا ہے۔ اسی کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں فرمایا ہے۔ اس حدیث کو ابن جریر اور ابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ نسائی اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی اسے روایت کیا ہے(1)۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ''رین'' سے مراد گناہ پر گناہ کرنا ہے۔ یہاں تک کہ دل اندھا ہو کر ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا: یقیناً انہیں اپنے رب کے (دیدار سے) اس دن روک دیا جائے گا۔ قیامت کے دن ان کافروں کا ٹھکانہ سجین ہوگا اور اس کے ساتھ ساتھ انہیں اپنے خالق و پروردگار کے دیدار سے روک دیا جائے گا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اس آیت میں دلیل ہے کہ مؤمنین قیامت کے دن اپنے رب کے دیدار سے مشرف ہوں گے(2)۔ ان کا یہ قول بالکل درست ہے اور انہوں نے اس آیت کے مفہوم مخالف سے یہ استدلال کیا ہے۔ اسی طرح یہ آیت کریمہ بھی اس پر صراحۃً دلالت کر رہی ہے: وُجُوۡہٌ یَّوۡمَئِذٍ نَّاضِرَۃٌ ۙ﴿۲۲﴾ اِلٰی رَبِّہَا نَاظِرَۃٌ (قیامہ: 23-22) ''کئی چہرے اس روز تر و تازہ ہوں گے۔ اور اپنے رب کے (انوار جمال) کی طرف دیکھ رہے ہوں گے''۔ اسی طرح صحیح اور متواتر احادیث سے بھی ثابت ہے کہ مؤمنین میدانِ حشر اور جنت میں اپنے رب کے دیدار سے مشرف ہوں گے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر کے تحت فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حجاب اٹھایا جائے گا تو مؤمن اور کافر تمام اپنے رب کو دیکھ لیں گے۔ پھر کافروں کو پردے کے پیچھے کر دیا جائے گا۔ مؤمنین صبح و شام دیدار سے مشرف ہوں گے(3)۔ فرمایا: پھر وہ ضرور جہنم میں داخل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کے دیدار سے محرومی کے ساتھ ساتھ ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا اور پھر انہیں زجر و توبیخ اور تحقیر کے طور پر کہا جائے گا کہ یہ وہ جہنم ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔

كَلَّاۤ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِیْ عِلِّیِّیْنَ ﴿۱۸﴾ وَ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّیُّوْنَ ﴿۱۹﴾ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿۲۰﴾ یَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۲۱﴾ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ ﴿۲۲﴾ عَلَى الْاَرَآىٕكِ یَنْظُرُوْنَ ﴿۲۳﴾ تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِیْمِ ﴿۲۴﴾ یُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِیْقٍ مَّخْتُوْمٍ ﴿۲۵﴾ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ؕ وَ فِیْ ذٰلِكَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَ مِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِیْمٍ ﴿۲۷﴾ عَیْنًا یَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۲۸﴾

''یہ حق ہے نیکوکاروں کا صحیفہ عمل علیین میں ہوگا اور تمہیں کیا خبر کہ علیون کیا ہے۔ یہ ایک لکھی ہوئی کتاب ہے (حفاظت کے لئے) دیکھتے رہتے ہیں اسے مقربین۔ بے شک نیکوکار راحت و آرام میں ہوں گے۔ پلنگوں پر بیٹھے (مناظر جنت کا) نظارہ

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 98 عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ مطففین، جلد 13، صفحہ 234 سنن کبریٰ، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، کتاب الیوم واللیلۃ، جلد 9، صفحہ 443 ابن ماجہ، جلد 2، صفحہ 1418، مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 297 نیز دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ آیت: 7

2۔ تفسیر قرطبی، جلد 19، صفحہ 261- الزجاج: معانی القرآن، جلد 5، صفحہ 299　　3۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 100

کر رہے ہوں گے۔ آپ پہچان لیں گے ان کے چہروں پر راحتوں کی شگفتگی۔ انہیں پلائی جائے گی سربمہر خالص شراب۔ اس کی مہر کستوری کی ہوگی۔ اس کے لئے سبقت لے جانے کی کوشش کریں سبقت لے جانے والے۔ اس میں تسنیم کی آمیزش ہوگی۔ یہ وہ چشمہ ہے جس سے صرف مقربین پئیں گے''۔

فرمایا: یہ حق ہے کہ نیکوکاروں کا صحیفہ عمل علیین میں ہوگا۔ کافروں اور فاجروں کا ٹھکانہ تو سجین ہے اور نیکوکاروں کا ٹھکانہ اس کے برعکس علیین ہے۔ حضرت ہلال بن یساف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری موجودگی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ سے سجین کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا یہ ساتویں زمین ہے اس میں کافروں کی روحیں ہیں پھر انہوں نے علیین کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا۔ یہ ساتواں آسمان ہے اور اس میں مومنین کی ارواح ہیں۔ یہ قول کئی دوسرے مفسرین سے بھی مروی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ علیین سے مراد جنت ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ نیکوکاروں کے اعمال آسمان میں اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علیین عرش کا دایاں پایہ ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ مقام سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ہے۔ ظاہر یہی ہے کہ علیین علو بمعنی بلندی سے مشتق ہے۔ کوئی چیز جتنی بھی بلند ہوگی اتنی ہی بڑی اور وسیع ہوگی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی عظمت اور بزرگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: تمہیں کیا خبر کہ علییون کیا ہے؟ مزید تاکید کے لئے ارشاد فرمایا: یہ ایک لکھی ہوئی کتاب ہے۔ اس کی حفاظت کے لئے مقربین اسے دیکھتے رہتے ہیں۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مقربین سے مراد فرشتے ہیں۔ ہر آسمان میں مقرب فرشتے مشاہدہ کرتے ہیں۔ فرمایا: بلاشبہ نیکوکار راحت اور آرام میں ہوں گے۔ یعنی یہ لوگ قیامت کے دن راحت اور آرام میں ہوں گے۔ یہ ایسی جنت میں ہوں گے جہاں ان پر اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہوگا۔ پلنگوں پر بیٹھے (مناظر جنت کا) نظارہ کر رہے ہوں گے۔ حجلہ عروسی، مسہریوں میں بیٹھے اپنی خداداد سلطنت اور اللہ کی نعمتوں کا مشاہدہ کر رہے ہوں گے۔ اس کا ایک معنی یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ ان پلنگوں پر اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے۔ یعنی کافر و فاجر تو اس دن اس کے دیدار سے محروم ہوں گے اور اس کے برعکس یہ رب کا دیدار کر رہے ہوں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ سب سے نچلے درجہ کا جنتی جنت میں اپنی ملکیت کو دو ہزار سال کی مسافت سے دیکھ لے گا اور سب سے بعید ترین جگہ اس کے سامنے اسی طرح ہوگی جس طرح قریب کی ہوتی ہے اور اعلیٰ درجہ کے جنتی دن میں دو مرتبہ اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہوں گے (1)۔ فرمایا: آپ ان کے چہروں پر راحتوں کی شگفتگی کو پہچان لیں گے۔ جب آپ انہیں دیکھیں گے آپ ان کے چہروں پر راحتوں کی شگفتگی، آسودہ حالی، جاہ و حشمت، خوشی و سرور، فارغ البالی پائیں گے۔ فرمایا: سربمہر خالص شراب پلائی جائے گی۔ انہیں جنت کی شراب پلائی جائے گی۔ حضرات عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم، حسن بصری اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: رحیق جنت کی شرابوں میں سے ایک شراب کا نام ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو مومن کسی پیاسے مومن کو پانی کا گھونٹ پلائے گا تو اللہ تعالیٰ اسے رَّحِيقٍ مَّخْتُومٍ پلائے گا اور جو شخص کسی بھوکے شخص کو کھانا کھلائے گا تو اللہ تعالیٰ اسے جنت کے میوے کھلائے گا اور جو شخص کسی ننگے کو کپڑا پہنائے گا تو اللہ تعالیٰ اسے جنتی سبز ریشم کا لباس پہنائے گا (2)۔ فرمایا: اس کی مہر کستوری کی ہوگی۔

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ طٰہٰ آیت: 130، سورۂ قیامہ آیت، جلد 23 اور سورۂ انسان آیت: 20　　2۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 14-13

حضرت عبداللہ مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس شراب میں کستوری کی آمیزش ہوگی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے اس شراب کو انتہائی پاکیزہ بنایا ہے اور اس کے آخر میں اس پر کستوری کی مہر لگادی ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسے پینے والے کو پینے کے بعد کستوری کی خوشبو محسوس ہوگی۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یہ چاندی کی مثل سفید شراب ہوگی اور اسے سب سے آخر میں پییں گے۔ اگر اہل دنیا میں سے کوئی شخص اس میں اپنی انگلی ڈال کر نکالے تو تمام دنیا اس کی خوشبو سے مہک اٹھے گی (1)۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس شراب سے کستوری کی خوشبو آرہی ہوگی۔

فرمایا: اس کے لئے سبقت لے جانے کی کوشش کریں سبقت لے جانے والے۔ اس عمل کے حصول کے لئے کوشش کرنی چاہئے اور ایسی چیز کے لئے فخر و مباہات کرنی چاہئے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ (صافات: 61) ''ایسی ہی عظیم الشان کامیابی کے لئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہئے''۔ فرمایا: اس میں تسنیم کی آمیزش ہوگی۔ اس رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ میں تسنیم کی آمیزش ہوگی۔ تسنیم جنت کی سب سے اعلیٰ اور عمدہ شراب کا نام ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ وہ چشمہ ہے جس سے صرف مقرب پییں گے۔ مقربین اس چشمہ کی خالص شراب پییں گے اور اصحاب یمین کو اس کا کچھ حصہ ملا کر پلایا جائے گا۔ یہ حضرات عبداللہ بن مسعود، ابن عباس رضی اللہ عنہم اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم کا قول ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَ اِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَ اِذَا انْقَلَبُوْۤا اِلٰۤى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَ اِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْۤا اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ ﴿۳۲﴾ وَ مَاۤ اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حٰفِظِيْنَ ﴿۳۳﴾ فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ عَلَى الْاَرَآئِكِ ۙ يَنْظُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾

''جو لوگ جرم کیا کرتے تھے وہ اہل ایمان پر ہنسا کرتے تھے۔ اور جب ان کے قریب سے گزرتے تو آپس میں آنکھیں مارا کرتے۔ اور جب اپنے اہل خانہ کی طرف لوٹتے تو دل لگیاں کرتے واپس آتے۔ اور جب وہ مسلمانوں کو دیکھتے تو کہتے یقیناً یہ لوگ راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ حالانکہ وہ اہل ایمان پر محافظ بنا کر تو نہیں بھیجے گئے تھے۔ پس آج مومنین کفار پر ہنس رہے ہیں۔ (عروسی) پلنگوں پر بیٹھے (کفار کی خستہ حالی کو) دیکھ رہے ہیں۔ کیوں کچھ بدلا ملا کفار کو (اپنے کرتوتوں کا) جو وہ کیا کرتے تھے''۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں کافروں کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ دنیا میں مسلمانوں پر ہنسا کرتے، ان سے استہزاء کرتے، ان کو حقیر سمجھتے اور جب وہ مسلمانوں کے قریب سے گزرتے تو ان کو حقیر سمجھتے ہوئے آپس میں ایک دوسرے کو آنکھوں سے اشارہ کرتے اور جب وہ اپنے گھروں کی طرف لوٹتے تو آپس میں دل لگی کرتے لوٹتے۔ ان کے پاس راحت اور سکون کی ہر چیز موجود تھی لیکن اس کے باوجود انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا نہ کیا بلکہ وہ مسلمانوں کو حقیر سمجھتے اور ان سے حسد کرتے۔

فرمایا: اور جب وہ مسلمانوں کو دیکھتے تو کہتے کہ یقیناً یہ لوگ راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں کیونکہ مسلمانوں نے ان کے قدیم دین کو چھوڑ دیا

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 107

تھا، اس لئے وہ مسلمانوں کو گمراہ سمجھتے تھے۔ ارشاد فرمایا: حالانکہ وہ اہل ایمان پر محافظ بنا کر تو نہیں بھیجے گئے۔ یعنی ان کو اس دنیا میں اس لئے تو نہیں بھیجا گیا تھا کہ وہ اہل ایمان کے اقوال و اعمال کی نگرانی کریں اور نہ ہی انہیں اس چیز کا مکلّف بنایا گیا تھا۔ پھر مسلمانوں کے پیچھے کیوں پڑ گئے۔ انہوں نے اہل ایمان کو پریشان کرنا اپنا مشغلہ بنالیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اخْسَئُوْا فِیْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿۱۰۸﴾ اِنَّهٗ كَانَ فَرِیْقٌ مِّنْ عِبَادِیْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ (مومنون: 109-108) ''پھٹکارے ہوئے پڑے رہو اس میں اور مت بولو میرے ساتھ (تمہیں یاد ہے) ایک گروہ میرے بندوں میں سے ایسا تھا جو عرض کیا کرتا تھا اے ہمارے رب ہم ایمان لے آئے ہیں سو تو بخش دے ہمیں اور رحم فرما ہم پر اور تو سب سے بہتر رحم فرمانے والا ہے''۔

اس لئے یہاں ارشاد فرمایا: بس آج (قیامت کے دن) مؤمنین کفار پر ہنس رہے ہیں۔ دنیا میں کفار مسلمانوں پر ہنستے تھے، قیامت کے روز مسلمان کافروں پر ہنسیں گے۔ وہ عروسی پلنگوں پر بیٹھے ہوئے اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہو رہے ہوں گے۔ مشرکین تو انہیں دنیا میں گمراہ کہا کرتے تھے۔ لیکن یہ مسلمان گمراہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے مقربین اور اس کے دوست ہیں اور وہ جنت میں اللہ تعالیٰ کے دیدار سے خوش ہو رہے ہوں گے۔ فرمایا: کیا کفار کو ان کے کرتوتوں کا بدلہ ملا جو وہ کیا کرتے تھے؟ کیا وہ کفار، جو مسلمانوں کی تضحیک کیا کرتے تھے، ان کو اس کی سزا ملی؟ ''ھل'' یہاں ''قد'' کے معنی میں ہے۔ اس لئے اس کا معنی یہ ہے کہ یقیناً ان کو ان کے برے اعمال کی مکمل سزا مل گئی ہے۔

سورۂ انشقاق (مکیہ)

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو نماز پڑھائی اور اس میں اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ تلاوت فرمائی اور سجدہ تلاوت ادا کیا۔ نماز سے فارغ ہو کر فرمانے لگے: رسول اللہ ﷺ نے بھی اس سورت میں سجدہ فرمایا۔ اس حدیث کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ مسلم اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی روایت کیا ہے(1)۔ صحیح بخاری میں ابو رافع رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی۔ انہوں نے سورۂ انشقاق تلاوت فرمائی اور سجدہ تلاوت کیا۔ میں نے اس سجدہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے سجدہ کیا تھا۔ میں یہ سجدہ کرتا رہوں گا یہاں تک کہ میں ان سے جا ملوں۔ یہ روایت مختلف اسناد سے مروی ہے(2)۔ ایک روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے سورۂ انشقاق اور علق میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے سجدہ کیا(3)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ﴿۱﴾ وَ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَ حُقَّتْ ﴿۲﴾ وَ اِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ﴿۳﴾ وَ اَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَ تَخَلَّتْ ﴿۴﴾ وَ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَ حُقَّتْ ﴿۵﴾ يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ﴿۶﴾ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ﴿۷﴾ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ﴿۸﴾ وَّ يَنْقَلِبُ اِلٰۤى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ﴿۹﴾ وَ اَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ﴿۱۰﴾ فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا ﴿۱۱﴾ وَّ يَصْلٰى سَعِيْرًا ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ كَانَ فِيْۤ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ﴿۱۳﴾ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ ﴿۱۴﴾ بَلٰۤى اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا ﴿۱۵﴾

"(یاد کرو) جب آسمان پھٹ جائے گا۔ اور کان لگا کر سنے گا اپنے رب کا فرمان اور اس پر فرض بھی یہی ہے اور جب زمین پھیلا دی جائے گی۔ اور باہر پھینک دے گی جو کچھ اس کے اندر ہے اور خالی ہو جائے گی اور کان لگا کر سنے گی اپنے رب کا فرمان اور اس پر فرض بھی یہی ہے۔ اے انسان! تو محنت سے کوشاں رہتا ہے اپنے رب کے پاس پہنچنے تک پس تیری اس سے ملاقات ہو کر رہتی ہے۔ پس جس کو دیا گیا اس کا نامہ عمل اس کے دائیں ہاتھ میں۔ تو اس سے حساب آسانی سے لیا جائے گا۔ اور واپس لوٹے گا اپنے گھر والوں کی طرف شاداں و فرحاں۔ اور جس (بدنصیب) کو اس کا نامہ عمل پس

1۔ مسلم، کتاب المساجد، جلد 1، صفحہ 406، نسائی، کتاب الافتتاح، جلد 2، صفحہ 161

2۔ فتح الباری، کتاب الاذان، جلد 2، صفحہ 251-250 فتح الباری، کتاب سجود القرآن، جلد 2، صفحہ 559

3۔ مسلم، کتاب المساجد، جلد 1، صفحہ 408- سنن ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 2، صفحہ 59- نسائی کتاب الافتتاح، جلد 2، صفحہ 162

پشت دیا گیا تو وہ چلائے گا ہائے موت! ہائے موت! اور داخل ہوگا بھڑکتی آگ میں۔ بے شک وہ (دنیا میں) اپنے اہل و عیال میں خوش و خرم رہا کرتا تھا۔ وہ خیال کرتا تھا کہ وہ (اللہ کے حضور) لوٹ کر نہیں جائے گا۔ کیوں نہیں۔ اس کا رب اسے خوب دیکھ رہا تھا''۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: جب آسمان پھٹ جائے گا اور وہ اپنے رب کا فرمان کان لگا کر سنے گا۔ قیامت کے دن آسمان اپنے رب کے حکم کو غور سے سنے گا اور جب وہ اسے پھٹنے کا حکم دے گا تو فوراً اس حکم کو بجالائے گا۔ اس پر فرض بھی یہی ہے کہ وہ اس حکم کی اطاعت کرے کیونکہ وہ عظیم قدرت اور عظمت کا مالک ہے۔ اس کے سامنے کوئی پر نہیں مار سکتا اور نہ ہی اس پر کوئی چیز غالب آسکتی ہے کیونکہ وہی ہر چیز پر غالب ہے۔ ہر چیز اس کی تابع فرمان ہے۔

فرمایا: جب زمین پھیلا دی جائے گی، پھیلا کر کشادہ کر دی جائے گی۔ حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ زمین کو چمڑے کی طرح پھیلا دے گا۔ حتیٰ کہ ہر انسان کو اپنے قدم رکھنے کی جگہ ملے گی۔ سب سے پہلے مجھے بلایا جائے گا۔ حضرت جبریل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے دائیں طرف ہوں گے۔ قسم بخدا اس سے پہلے جبریل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف نہیں ہوئے۔ میں عرض کروں گا یا باری تعالیٰ! مجھے جبریل نے بتایا تھا کہ تو نے ہی اسے میری طرف بھیجا تھا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: اس نے سچ کہا پھر میں شفاعت کروں گا اور عرض کروں گا اے باری تعالیٰ! یہ بندے زمین کے اطراف واکناف میں تیری عبادت کرتے رہے۔ اسی مقام کو مقام محمود کہا جاتا ہے (1)۔ فرمایا اور یہ زمین جو کچھ اس کے اندر ہے باہر پھینک دے گی اور خالی ہو جائے گی۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ اپنے اندر دفن کئے ہوئے مردوں کو باہر نکال دے گی۔ پھر ارشاد فرمایا: اپنے رب کا فرمان کان لگا کر سنے گی اور اس پر فرض بھی یہی ہے۔ اس کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے۔

فرمایا: اے انسان! تو اپنے رب کے پاس پہنچنے تک کوشاں رہتا ہے۔ پس تو جو بھی اچھا یا برا عمل کرے گا، قیامت کے دن اسے پالے گے۔ اس کی تائید حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی ہوتی ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جبریل نے مجھے کہا اے محمد ﷺ! جب تک چاہو اسی دنیا میں زندگی گزار لو پھر موت آنی ہے۔ جسے چاہو اسے محبوب بنا لو۔ آخر میں ایک دن اسے چھوڑ کر جانا ہے۔ جو چاہو عمل کر لو۔ آپ اسے پالیں گے (2)۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے ''فملاقیه'' کی ضمیر لفظ ''ربك'' کی طرف لوٹ رہی ہے۔ یعنی اے انسان! تو اپنے رب کے ساتھ ملاقات کرے گا۔ معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تجھے تیرے عمل اور کوشش کی تمہیں جزاء عطا فرمائے گا۔ بہر حال دونوں قول ایک دوسرے کو متلازم ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اے ابن آدم! تو جو بھی اچھا برا عمل کرے گا، قیامت کے دن اس عمل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوگا۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اے انسان! تیری کوشش کمزور ہے۔ پس جو شخص اللہ کی اطاعت میں کوشش کر سکتا ہے اسے کرنی چاہئے۔ نیک عمل کے لئے قوت بھی اللہ تعالیٰ ہی عطا فرماتا ہے۔ فرمایا: پس جس کو اس کا نامہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا گیا تو اس سے حساب آسانی سے کیا جائے گا یہ حساب انتہائی آسان ہوگا۔ اس میں کوئی مشکل نہ ہوگی۔ اس سے دقیق اعمال کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا کیونکہ اگر اس کے دقیق اعمال پر محاسبہ ہوا تو وہ ہلاک ہو جائے گا۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 115-114 2۔ مسند ابو داؤد طیالسی: 242

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس کے ساتھ حساب کے وقت سوال و جواب شروع ہو گئے وہ مارا جائے گا۔ میں نے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ تو یہ ارشاد فرماتا ہے: اس سے حساب آسانی سے لیا جائے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ سرسری پیشی ہوگی لیکن جس کے ساتھ حساب کے وقت سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہو گیا وہ مارا گیا۔ یہ روایت مختلف اسناد سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے(1)۔ ایک روایت میں یہ بھی الفاظ ہیں کہ آپ فرماتی ہیں کہ حِسَابًا یَّسِیْرًا سے مراد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اعمال کو پیش کرنا ہے۔ حالانکہ وہ ان تمام اعمال سے آگاہ ہے(2)۔ ایک مرتبہ آپ نے رسول اللہ ﷺ کو سنا کہ آپ یہ دعا مانگ رہے تھے: ''اللھم حاسبنی حسابا یسیرا''۔ فرماتی ہیں جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! حِسَابًا یَّسِیْرًا سے کیا مراد ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا بندہ کے نامہ اعمال پر ایک نگاہ ڈالی جائے گی پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا بندے! ہم نے تجھے معاف کیا۔ اے عائشہ! جس شخص سے حساب میں پوچھ گچھ کی جائے گی وہ اس دن ہلاک ہو جائے گا(3)۔ فرمایا اور وہ اپنے گھر والوں کی طرف شاداں و فرحاں لوٹے گا۔ قتادہ اور ضحاک رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جنت میں اپنے گھر والوں کی طرف شاداں و فرحاں لوٹے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ عمل تو کرتے ہو لیکن اس کی حقیقت سے آگاہ نہیں۔ جب تم ان کی حقیقت سے آگاہ ہو گے تو تم میں بعض رنجیدہ اور افسردہ لوٹیں گے اور بعض شاداں و فرحاں(4)۔

فرمایا: اور جس بدنصیب کو اس کا نامہ اعمال پس پشت دیا جائے گا۔ اس کے بائیں ہاتھ کو موڑ کر، اس کی پشت کے پیچھے کر کے اس کے ہاتھ میں دیدیا جائے گا تو وہ چلائے گا، ہائے موت، ہائے موت۔ ''ثبورا'' کا ایک معنی نقصان اور ہلاکت بھی ذکر کیا گیا ہے۔ فرمایا اور وہ بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگا۔ بلاشبہ وہ (دنیا میں) اپنے اہل و عیال میں خوش و خرم رہا کرتا تھا۔ وہ دنیا میں خوش رہا کرتا تھا۔ اس نے اپنے انجام کے بارے میں کبھی سوچا ہی نہ تھا اور نہ ہی آئندہ پیش آنے والے عذاب سے ڈرتا تھا۔ اب اس معمولی اور حقیر سی خوشی کی جگہ اسے کبھی نہ ختم ہونے والے غم اور حزن سے واسطہ پڑے گا۔ فرمایا: وہ خیال کرتا تھا کہ وہ اللہ کے حضور لوٹ کر نہیں جائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کا یہ عقیدہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر نہیں جائے گا اور مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ اسے دوبارہ زندہ نہیں کرے گا۔ ''حور'' کا معنی لوٹنا ہے۔ فرمایا: کیوں نہیں، اس کا رب اسے خوب دیکھ رہا تھا۔ کیوں نہیں جیسے اس نے پہلی مرتبہ پیدا کیا ایسے ہی دوسری مرتبہ بھی پیدا کرے گا اور اسے اچھے اعمال کی جزا اور برے اعمال کی سزا دے گا۔ اور وہ اس کے ہر عمل سے آگاہ اور اس سے باخبر ہے۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ﴿۱۶﴾ وَالَّیْلِ وَمَا وَسَقَ ﴿۱۷﴾ وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ﴿۱۸﴾ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ﴿۱۹﴾ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَاِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ ﴿۲۱﴾ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۴﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ

1۔ مسند امام احمد، جلد 6، صفحہ 47 - فتح الباری، تفسیر سورۃ (اذا السماء انشقت)، جلد 8، صفحہ 697 مسلم کتاب الجنۃ، جلد 4، صفحہ 2204 - عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۃ (اذا السماء انشقت)، جلد 12، صفحہ 236

2۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 116 - فتح الباری تفسیر سورۃ (اذا السماء انشقت)، جلد 8، صفحہ 697، مسلم کتاب الجنۃ، جلد 4، صفحہ 2205

3۔ مسند امام احمد، جلد 6، صفحہ 48 4۔ المعجم الکبیر، جلد 2، صفحہ 94

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿۲۵﴾

''پس میں قسم کھاتا ہوں شفق کی۔ اور رات کی اور جن کو وہ سمیٹے ہوئے ہے اور چاند کی جب وہ ماہِ کامل بن جائے۔ تمہیں (بتدریج) زینہ بہ زینہ چڑھنا ہے۔ پس انہیں کیا ہو گیا ہے کہ یہ ایمان نہیں لاتے اور جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو سجدہ نہیں کرتے۔ بلکہ یہ کفار اسے (الٹا) جھٹلاتے ہیں۔ اور اللہ خوب جانتا ہے جو ان (کے دلوں) میں بھرا ہوا ہے۔ پس آپ انہیں خوشخبری سنائیں دردناک عذاب کی۔ البتہ جو لوگ ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لئے ایسا اجر ہے جو منقطع نہ ہوگا''۔

حضرت علی اور عبداللہ بن عباس، عبادہ بن صامت، ابو ہریرہ، شداد بن اوس، عبداللہ بن عمر (رضوان اللہ عنہم اجمعین) محمد بن علی بن حسین، مکحول، بکر بن عبداللہ مزنی، بکیر بن اشج، امام مالک، ابن ابی ذئب اور عبدالعزیز بن ابی سلمہ الماجشون (رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم) فرماتے ہیں کہ شفق سے مراد وہ سرخی ہے جو سورج کے غروب ہونے کے بعد مغربی افق پر ظاہر ہوتی ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت یہ ہے کہ شفق سے مراد وہ سفیدی ہے جو سرخی کے بعد نمودار ہوتی ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شفق سے مراد افق کی وہ سرخی ہے جو سورج طلوع ہونے سے قبل ظاہر ہوتی ہے۔ اہل لغت کے نزدیک سورج کے غروب ہونے کے بعد والی سرخی کو شفق کہتے ہیں۔ خلیل بن احمد فرماتے ہیں شفق سے مراد وہ سرخی ہے جو سورج کے غروب ہونے سے لے کر عشاء تک رہتی ہے۔ جب یہ ختم ہو جاتی ہے تو کہا جاتا ہے شفق غروب ہو گیا۔ جوہری فرماتے کہ شفق سے مراد سورج کی وہ باقی ماندہ روشنی ہے جو سورج کے غروب ہونے سے عشاء تک رہتی ہے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں شفق مغرب اور عشاء کے درمیان تک رہتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مغرب کا وقت شفق کے غروب ہونے تک رہتا ہے(1)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شفق سے مراد وہی ہے جو خلیل اور جوہری نے کہا ہے۔ لیکن امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ شفق سے مراد سارا دن ہے اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس سے مراد سورج ہے۔ شاید انہوں نے مابعد آیت کا لحاظ کرتے ہوئے یہ معنی بیان کیا ہے۔ فرمایا اور رات کی، اور جن کو وہ سمیٹے ہوئے ہے۔

وَسَقَ کا معنی جمع کرنا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے روشنی اور تاریکی دونوں کی قسم کھائی۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ڈھلتے ہوئے دن اور پھیلتی ہوئی رات کی قسم کھائی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ شفق سرخی اور سفیدی کا نام ہے اور یہ لفظ اضداد میں سے ہے(2)۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''وسق'' سے مراد ہے کہ رات اپنی تاریکی میں ستاروں اور جانوروں کو جمع کر لیتی ہے(3)۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب رات ڈھلتی ہے تو اس کی تاریکی میں ہر چیز اپنے ٹھکانے کی طرف لوٹتی ہے۔ فرمایا اور چاند کی جب وہ ماہ کامل بن جائے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ جب چاند مجتمع ہو کر برابر ہو جائے۔ یہی قول کئی دوسرے مفسرین سے بھی مروی ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب وہ گول ہو جائے۔ ان تمام اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ جب چاند کی روشنی مکمل ہو جائے اور وہ ماہ تمام بن جائے۔ یہاں اس کو رات کے مقابلہ میں ذکر کیا گیا ہے۔

فرمایا: تمہیں (بتدریج) زینہ بہ زینہ چڑھنا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ایک حالت سے

1۔ مسلم، کتاب المساجد، جلد 1، صفحہ 427 2۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 119 3۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 120

دوسری حالت میں ترقی کرنا ہے اور وہ فرماتے ہیں کہ یہ تمہارے نبی ﷺ کا حال ہے(1)۔ اسے بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ حدیث مرفوع ہو۔ اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا ہر آنے والا سال پہلے سال سے بدتر ہوتا ہے۔ یہ میں نے تمہارے نبی ﷺ کی زبان حق ترجمان سے سنا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے دوسری اسناد کے ذریعہ یہی قول مروی ہے۔ عکرمہ، طیب، مرہ، مجاہد، حسن بصری، ضحاک، مسروق اور ابوصالح رحمہم اللہ تعالیٰ سے بھی یہی مروی ہے کہ اس سے مراد ایک حال سے دوسرے حال کی طرف ترقی کرنا ہے۔ حضرت عمر، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم، اہل مکہ اور اہل کوفہ کی قرأت بھی اسی قول کی تائید کرتی ہے۔ انہوں نے اسے ''لتر کبن'' کو تاء اور باء کی زبر کے ساتھ پڑھا ہے۔ شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے مراد ہے کہ اے محمد ﷺ! آپ نے ایک آسمان سے دوسرے آسمان پر چڑھنا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابوعالیہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہی مروی ہے اور اس سے مراد معراج کی رات کا سفر ہے(2)۔ ابواسحاق اور سدی رحمہما اللہ تعالیٰ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ تمہیں ایک منزل کے بعد دوسری منزل پر سوار ہونا ہے اور اس کا ایک معنی یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ تم منزل بہ منزل اپنے سے پہلی امتوں کے اعمال کی نقل کرو گے(3)۔ یہی مفہوم ایک صحیح حدیث میں بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنے سے پہلے لوگوں کی راہ پر برابر چلو گے اگر وہ کسی گوہ کی بل میں داخل ہوں گے تو تم بھی داخل ہو جاؤ گے۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! کیا اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ان کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے؟(4)

مکحول رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر کے تحت فرماتے ہیں تم ہر بیس سال کے بعد ایک ایسا عمل ایجاد کرو گے جو پہلے نہیں تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ آسمان پھٹنے کے بعد سرخ ہو جائے گا اور پھر اس کے بعد مختلف رنگوں میں تبدیل ہو جائے گا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے(5) اور ایک دوسری روایت میں فرماتے ہیں: اس سے مراد یہ ہے کہ اے محمد! آپ ایک حال سے دوسرے کی طرف ترقی کرتے جائیں گے۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ اس دنیا میں ظاہری طور پر ذلیل اور گھٹیا ہوں گے لیکن آخرت میں ان کا مقام و مرتبہ بلند ہوگا اور کچھ لوگ اس دنیا میں معزز ہوں گے اور وہ آخرت میں ذلیل و رسوا ہو جائیں گے۔ حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے مراد انسان کی زندگی کے مختلف مدارج ہیں۔ پہلے وہ دودھ پیتا بچہ ہوتا ہے پھر آہستہ آہستہ نوجوان اور آخرکار بوڑھا ہو جاتا ہے۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد شدت کے بعد خوشحالی، خوشحالی کے بعد شدت، فقر کے بعد غناء اور غناء کے بعد فقر، مرض کے بعد صحت اور صحت کے بعد مرض ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ابن آدم غفلت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کس مقصد کے لئے پیدا کیا ہے جب اللہ تعالیٰ کسی کو پیدا کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو فرشتے کو حکم دیتا ہے کہ اس کا رزق، موت، زندگی اور اس کا بدبخت اور سعادت مند ہونا لکھ دو۔ پھر یہ فرشتہ اپنے اس کام سے فارغ ہو کر چلا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ دوسرا فرشتہ بھیجتا ہے وہ اس کے بالغ ہونے تک اس کی حفاظت کرتا ہے پھر یہ فرشتہ چلا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس پر دو فرشتوں کو مقرر فرما دیتا ہے جو

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۃ (اذالسماء انشقت)، جلد 8، صفحہ 698
2۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 124
3۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 122
4۔ دیکھئے تفسیر سورۃ توبہ آیت: 34
5۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 124

اس کی اچھائیاں اور برائیاں لکھتے ہیں۔ پھر موت کے وقت یہ فرشتے بھی چلے جاتے ہیں۔ پھر موت کا فرشتہ روح قبض کرتا ہے۔ جب اسے قبر میں دفن کیا جاتا ہے اس کے جسم میں روح کو واپس لوٹا دیا جاتا ہے اور اس کے بعد قبر کے دو فرشتے آ کر اس کا امتحان لیتے ہیں پھر یہ بھی چلے جاتے ہیں۔ پھر قیامت کے دن نیکی اور بدی والے فرشتے واپس آئیں گے اور اس کے گلے میں بندھے ہوئے نامہ اعمال کو کھولیں گے۔ پھر وہ اس کے ساتھ رہیں گے۔ ایک سائق اور دوسرا شہید۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: (تو (عمر بھر) غافل رہا اس دن سے)(1)۔ اس کے بعد آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی اور فرمایا تم ایک حال کے بعد دوسرے حال سے دو چار ہو گے۔ پھر آپ نے فرمایا اے لوگو! تمہارے سامنے ایک عظیم معاملہ ہے اسے برداشت کرنے کی تم میں طاقت نہیں۔ بس اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کیا کرو جو بڑی عظمت والا ہے۔ یہ حدیث منکر ہے اور اس کی سند میں بہت سے ضعیف راوی ہیں۔ لیکن اس کا معنی بالکل صحیح ہے۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تمام اقوال نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ اس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ اے محمد ﷺ! آپ ایک سختی کے بعد دوسری سختی سے دو چار ہونے والے ہیں۔ اگرچہ یہ خطاب تو رسول اللہ ﷺ کو ہے لیکن مراد تمام لوگ ہیں۔ قیامت کے دن یہ لوگ ہولناک مصائب و آلام میں مبتلا ہوں گے(2)۔ فرمایا: پس انہیں کیا ہو گیا ہے کہ یہ ایمان نہیں لاتے اور جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو سجدہ نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور یوم آخرت پر ایمان لانے سے ان کو کونسی چیز مانع ہے اور ان کو کیا ہو گیا ہے کہ جب ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کا قرآن اور آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ اس کی تعظیم اور احترام میں سجدہ کیوں نہیں کرتے۔ فرمایا بلکہ کفار اسے جھٹلاتے ہیں۔ حق کی تکذیب اور مخالفت ان کی فطرت کا حصہ بن چکی ہے۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو ان کے دلوں میں بھرا ہوا ہے۔ مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انہوں نے اپنے سینوں میں جو چھپا رکھا ہے اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے۔ پس آپ انہیں خوشخبری سنائیں دردناک عذاب کی، اے محمد ﷺ! انہیں آگاہ کر دو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایک المناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ فرمایا: البتہ جو لوگ ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لئے ایسا اجر ہے جو منقطع نہ ہو گا۔ یہ استثناء منقطع ہے۔ اِلَّا یہاں لٰكِنَّ کے معنی میں ہے اور آیت کا معنی یہ ہے کہ جو لوگ دل کی گہرائیوں سے ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لئے آخرت میں ایسا اجر ہو گا جو کبھی ختم نہ ہو گا۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں غَيْرُ مَمْنُوْنٍ کا مطلب یہ ہے کہ ان کے اجر میں کمی نہ کی جائے گی۔ مجاہد اور ضحاک رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کو بے حساب اجر دیا جائے گا۔ ان دونوں قولوں کا حاصل اور مفہوم یہی ہے کہ یہ اجر کبھی ختم نہ ہو گا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ (ہود: 108) ''یہ وہ عطاء ہے جو ختم نہیں ہو گی''۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ان پر احسان نہیں جتلایا جائے گا۔ لیکن اس معنی کو کئی علماء نے ناپسند کیا ہے کیونکہ اہل جنت پر ہر لحظہ اور آن اللہ تعالیٰ کا احسان و اکرام ہے۔ وہ اسی کے فضل و کرم سے جنت میں داخل ہوئے نہ کہ اپنے اعمال کی بناء پر۔ اس لئے یہ اللہ تعالیٰ کا ان پر دائمی احسان ہے۔ ہمیشہ کے لئے تمام تعریفیں اسی کے لئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اہل جنت پر اپنی تسبیح و تہلیل اور حمد و ثناء الہام فرمائے گا جیسے انسان بغیر کسی تکلیف کے سانس لیتا ہے اسی طرح ان کی زبانوں پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا جاری ہو گی وآخر دعواھم ان الحمد للہ رب العالمین۔

1۔ سورۂ ق: 22 2۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 125

سورۃ البروج (مکیہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عشاء کی نماز میں سورۂ بروج اور طارق پڑھا کرتے تھے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وَالسَّمَآءِ سے شروع ہونے والی سورتیں نماز عشاء میں پڑھنے کا حکم دیا(1)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ﴿۱﴾ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ﴿۲﴾ وَ شَاهِدٍ وَّ مَشْهُوْدٍ ﴿۳﴾ قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ﴿۴﴾ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ﴿۵﴾ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ﴿۶﴾ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ﴿۷﴾ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ﴿۸﴾ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۭ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ ﴿۱۰﴾

"قسم ہے آسمان کی جو برجوں والا ہے۔ اور اس دن کی جس کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اور حاضر ہونے والے دن کی اور اس کی جس کے پاس حاضر ہوں گے۔ مارے گئے کھائی کھودنے والے۔ (جس میں) آگ تھی بڑے ایندھن والی۔ جب وہ اس (کے کنارہ) پر بیٹھے تھے۔ اور وہ جو کچھ اہل ایمان کے ساتھ سلوک کر رہے تھے اسے دیکھ رہے تھے۔ اور نہیں ناپسند کیا تھا انہوں نے مسلمانوں سے بجز اس کے کہ وہ ایمان لائے تھے اللہ پر جو سب پر غالب، سب خوبیوں سراہا ہے۔ جس کے قبضہ میں آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو دیکھنے والا ہے۔ بے شک جن لوگوں نے ایذا دی مومن مردوں اور مومن عورتوں کو پھر توبہ بھی نہ کی تو ان کے لئے جہنم کا عذاب ہے اور ان کے لئے جلائے جانے کی سزا ہے"۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: قسم ہے آسمان کی جو برجوں والا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے آسمان اور اس کے برجوں کی قسم اٹھائی ہے۔ بروج سے مراد بڑے بڑے ستارے ہیں۔ اس کی تفسیر تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا (الفرقان: 61) کے تحت گزر چکی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، ضحاک، حسن بصری، قتادہ اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ بروج سے مراد ستارے ہیں۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ وہ بروج ہیں جن میں محافظ ہیں۔ یحییٰ بن رافع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بروج سے مراد آسمانی محلات ہیں۔ منہال بن عمرو رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے مراد خوبصورت آسمان ہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس سے سورج اور چاند کی منازل مراد ہیں۔ یہ بارہ برج ہیں۔ سورج ان میں سے ہر ایک کو ایک مہینہ میں طے کرتا ہے اور چاند ایک برج میں دو دن اور ایک تہائی چلتا ہے۔ اسی طرح سے چاند کی اٹھائیس منزلیں ہیں۔ دو راتیں چاند طلوع نہیں ہوتا(2)۔ فرمایا اور

1۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 327-326 2۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 128-127

اس دن کی جس کا وعدہ کیا گیا ہے اور حاضر ہونے والے دن کی اور اس کی جس کے پاس حاضر ہوں گے۔ مفسرین کرام کے اس بارے میں مختلف اقوال ہیں۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ الْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ قیامت کا دن ہے۔ اور ''شاھد'' سے مراد یوم جمعہ ہے۔ تمام ایام سے افضل جمعہ کا دن ہے۔ اس میں ایک ایسی گھڑی ہے کہ کوئی مؤمن اس میں اللہ تعالیٰ سے بھلائی کا سوال کرے تو وہ اسے عطا فرما دیتا ہے اور اگر وہ برائی سے پناہ مانگے تو اسے پناہ مل جاتی ہے۔ ''مشھود'' سے مراد یوم عرفہ ہے۔ اسے بھی ابن ابی خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف اسناد سے روایت کیا ہے اور یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے موقوفاً بھی مروی ہے اور یہی زیادہ اصح ہے۔ مسند امام احمد رحمۃ اللہ علیہ میں بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہی مروی ہے اس کے علاوہ اور بھی مختلف اسناد میں یہی تفسیر مروی ہے(1)۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ''شاھد'' سے محمد رسول اللہ ﷺ ہیں اور ''مشھود'' سے مراد یوم قیامت ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ(2) ''یہ وہ دن ہے جس دن اکٹھے کئے جائیں گے سب لوگ اور یہ وہ دن ہے جب سب کو حاضر کیا جائے گا''۔ ایک شخص نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے ''شاھد'' اور ''مشھود'' کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کیا تم نے اس کے بارے میں مجھ سے پہلے بھی کسی سے پوچھا ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں، میں نے حضرت عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم سے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا: شاھد سے مراد قربانی کا دن اور مشھود سے مراد یوم جمعہ ہے۔ آپ نے فرمایا: نہیں شاھد سے مراد محمد ﷺ ہیں اور آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِيْدًا (نساء:41) ''تو کیا حال ہوگا (ان نافرمانوں کا) جب ہم لے آئیں گے ہر امت سے ایک گواہ اور (اے حبیب!) ہم لے آئیں گے آپ کو ان سب پر گواہ''۔ اور فرمایا کہ مشھود سے مراد قیامت کا دن ہے۔ پھر آپ نے دلیل کے طور پر یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: ذلك يوم مجموع لهم الناس......(3)۔

حسن بصری اور سفیان ثوری رحمہما اللہ تعالیٰ سے بھی یہی مروی ہے۔ مجاہد، عکرمہ اور ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ شاھد ابن آدم اور مشھود یوم قیامت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت یہ بھی مروی ہے کہ شاھد ذات باری تعالیٰ اور مشھود قیامت کا دن ہے اور ایک اور روایت میں فرمایا شاھد انسان ہے اور مشھود جمعہ کا دن ہے۔ آپ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ شاھد یوم عرفہ اور مشھود یوم قیامت ہے(4)۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ شاھد سے مراد قربانی کا دن اور مشھود سے مراد یوم عرفہ ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بہت سے دوسرے مفسرین نے مشھود سے یوم جمعہ مراد لیا ہے اور انہوں نے دلیل کے طور پر حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی یہ روایت پیش کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ یہ یوم مشھود ہے اس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں(5)۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں شاھد سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اور آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: (وكفى بالله شهيدا) اور مشھود ہم ہیں(7)۔ لیکن اکثر مفسرین کا یہی

1۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 298　　2۔ ہود:103 تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 130　　3۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 130
4۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 131　　4۔ ایضاً مرجع مذکور　　6۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 466-467
7۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 466-467

قول ہے کہ شاهد سے مراد یوم جمعہ اور مشهود سے یوم عرفہ ہے(8)۔فرمایا: مارے گئے کھائی کھودنے والے یعنی کھائی والوں پر لعنت ہو۔ أخدود کی جمع اخادید ہے اور اس سے مراد زمین میں کھودی ہوئی خندق ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے کافروں کی ایک قوم کے بارے میں بیان کیا ہے جنہوں نے مؤمنین کو اپنا دین چھوڑنے پر مجبور کیا۔ جب انہوں نے اس بات سے انکار کر دیا تو انہوں نے زمین میں خندق کھود کر اس میں آگ لگا دی اور اس آگ کو بھڑکانے کے لئے بہت سا ایندھن اکٹھا کر لیا پھر مؤمنین کو کفر پر مجبور کیا۔ انہوں نے ان کی بات نہ مانی تو اس بھڑکتی ہوئی آگ میں پھینک دیا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہاں ارشاد فرمایا: قُتِلَ اَصۡحٰبُ الۡاُخۡدُوۡدِ پھر ارشاد فرمایا: جب وہ اس کے کنارے پر بیٹھے تھے اور وہ جو کچھ اہل ایمان کے ساتھ سلوک کر رہے تھے، اسے دیکھ رہے تھے اور نہیں ناپسند کیا تھا انہوں نے مسلمانوں سے بجز اس کے کہ وہ ایمان لائے تھے اللہ پر جو سب پر غالب اور سب خوبیوں سراہا ہے۔ ان کے نزدیک اہل ایمان کی اور کوئی خطا نہیں تھی سوائے اس کے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے، جو ایسی قوت والا ہے کہ اس کی جناب میں پناہ لینے والے پر ظلم نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے تمام اقوال وافعال، شرعی احکام اور فیصلے قابل ستائش ہیں۔ اگر وہ اپنے خاص بندوں کو کفار کے ہاتھوں تکلیف میں مبتلا کر دے تو اس کی حکمت کو وہی جانتا ہے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا جس کے قبضہ میں زمین وآسمان کی بادشاہی ہے۔ اس کے اوصاف کاملہ میں سے ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ زمین وآسمان اور ان میں پائی جانے والی ہر چیز کا مالک ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو دیکھنے والا ہے۔ زمین وآسمان کی کوئی چیز اس سے مخفی نہیں۔ مفسرین کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ وہ کون لوگ تھے جن کو آگ کی خندق میں ڈالا گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس سے مراد اہل ایران ہیں۔ جب ان کے بادشاہ نے محرمات کے ساتھ نکاح کو جائز قرار دیا تو اسی کے علماء اس کے خلاف ڈٹ گئے۔ اس نے ایک خندق کھدوائی اور جو بھی اس کا حکم ماننے سے انکار کرتا اسے اس میں پھینکوا دیتا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ آج بھی محارم کے ساتھ نکاح کو حلال سمجھتے ہیں۔ آپ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ یمن کے باشندے تھے۔ وہاں مؤمنین اور مشرکین کے درمیان جنگ ہوئی تو مؤمن کافروں پر غالب آ گئے پھر دوبارہ جنگ ہوئی تو کافر مؤمنین پر غالب آ گئے۔ تو کافروں نے خندقیں کھود کر مؤمنین کو ان میں پھینک کر جلا دیا اور آپ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس سے مراد حبشہ کے رہنے والے لوگ ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل کے کچھ لوگوں نے زمین میں خندق کھودی اور اسی میں آگ جلا کر کچھ مردوں اور عورتوں کو اس میں ڈال دیا۔ ان کا خیال تھا کہ انہوں نے دانیال اور ان کے ساتھیوں کو یہ سزا دی ہے۔ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پہلے وقت میں ایک بادشاہ تھا۔ اس کا ایک جادوگر تھا۔ جب وہ جادوگر بوڑھا ہو گیا تو اس نے بادشاہ سے کہا اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ میری موت کا وقت قریب آ گیا ہے۔ مجھے کوئی نوجوان لڑکا دو میں اسے یہ جادو سکھا دوں۔ بادشاہ نے اسے ایک جواں لڑکا دے دیا۔ لڑکے کے راستے میں ایک راہب کا گھر تھا۔ وہ لڑکا ایک دن اس راہب کے پاس آیا۔ اس نے راہب کی گفتگو سنی تو بڑا متاثر ہوا۔ وہ کچھ دیر اسی کے پاس ٹھہرا رہا۔ جب وہ جادوگر کے پاس پہنچا تو اس نے اسے مارا اور اس سے تاخیر کا سبب پوچھا۔ جب وہ گھر آیا تو گھر والوں نے بھی اسے مارا اور اس سے پوچھنے لگے کہ تم دیر سے کیوں گھر آئے ہو۔ اس لڑکے نے اس واقعہ کی شکایت راہب سے کی۔ اس نے کہا کہ جب تجھے جادوگر مارنے لگے تو اسے کہنا مجھے گھر میں دیر ہو گئی اور جب تجھے تیرے گھر والے مارنے لگیں تو اسے کہنا کہ مجھے جادوگر کے پاس تاخیر ہو گئی۔ اسی طرح کچھ عرصہ گزر گیا۔ اس دوران وہ راہب سے دینی علوم سیکھتا رہا۔ ایک دن وہ واپس آ رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ راستہ میں ایک بھاری بھرکم ہیبت ناک جانور ہے جس نے لوگوں کا راستہ بند کر رکھا

ہے۔ نوجوان نے اپنے دل میں کہا: آج معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ محبوب راہب ہے یا جادوگر۔ اس نے ایک پتھر پکڑا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ دعا کی اے خدا! اگر راہب تیرے نزدیک جادوگر سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب ہے تو اس پتھر کے ساتھ اس جانور کو ہلاک کر دے تاکہ لوگ یہاں سے گزر سکیں۔ پھر اس نے وہ پتھر مارا جس سے وہ جانور مر گیا اور لوگوں کے لئے راستہ صاف ہو گیا۔ اس نے اس واقعہ کا راہب سے ذکر کیا۔ اس نے کہا: اے بیٹا تم مجھ سے افضل ہو۔ اب تمہیں آزمائش میں مبتلا کیا جائے گا۔ اگر ایسا ہوا تو کسی کو میرے بارے میں نہ بتانا اس کے بعد وہ لڑکا خلق خدا میں مشہور ہو گیا۔ اس کی دعا سے مادر زاد اندھے، کوڑھی اور مختلف بیماریوں والے شفایاب ہوتے۔ ایک دفعہ بادشاہ کا ایک وزیر اندھا ہو گیا۔ اس نے اس بچہ کے بارے میں سنا تو بہت سے تحفے تحائف لے کر اس کی خدمت میں پہنچا اور اسے کہنے لگا کہ مجھے شفا دو اس نے کہا کہ میں تو کسی کو شفا نہیں دے سکتا بلکہ شفاء اللہ تعالیٰ کی ذات دیتی ہے۔ اگر تو اس پر ایمان لائے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا وہ تمہیں شفا عطا فرمائے گا۔ یہ بات سن کر وہ ایمان لے آیا اور نوجوان کی دعا سے وہ شفایاب ہو گیا۔ جب وہ بادشاہ کی مجلس میں دوبارہ حاضر ہوا اور بادشاہ نے اس کی آنکھوں کو بینا دیکھا تو اس سے پوچھا کہ یہ تیری بینائی کس نے لوٹائی ہے۔ اس نے کہا میرے رب نے۔ کیا میں نے؟ اس نے کہا نہیں۔ بادشاہ نے پوچھا کیا میرے سوا بھی تیرا کوئی رب ہے، اس نے کہا ہاں۔ میرا اور تمہارا رب اللہ تعالیٰ ہے۔ یہ سن کر بادشاہ آگ بگولہ ہو گیا اور اسے سخت سزا دینے کا حکم دیا۔ یہاں تک کہ اس نے اس نوجوان کے بارے میں بتایا۔ بادشاہ نے اسے اپنے دربار میں بلایا اور اسے کہنے لگا کہ تم جادو میں کمال مرتبہ تک پہنچ گئے ہو کہ تم مادر زاد اندھوں، کوڑھیوں اور مختلف بیماروں کو شفا دینے لگے ہو۔ اس نوجوان نے جواب دیا: یہ غلط ہے میں کسی کو شفا نہیں دیتا۔ شفا تو صرف اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔ بادشاہ نے کہا: میں؟ اس نے کہا: نہیں۔ اس نے پوچھا کیا مرے سوا بھی تیرا کوئی رب ہے؟ اس نے جواب دیا میرا اور تمہارا رب اللہ تعالیٰ ہے۔ بادشاہ نے اسے بھی سخت سزا دینے کا حکم دیا۔ اسے سخت سزائیں دی گئیں۔ یہاں تک کہ اس نے راہب کے بارے میں بتا دیا۔ راہب کو بادشاہ کے دربار میں پیش کیا گیا۔ بادشاہ نے راہب سے کہا: اپنا دین چھوڑ دو۔ جب اس نے انکار کیا تو اس کے سر میں آرا چلا کر اسے دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ بادشاہ نے اس وزیر کو کہا کہ تم یہ دین چھوڑ دو۔ اس نے بھی انکار کر دیا اور پھر اسے آرا چلا کر دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ پھر اس نوجوان سے بھی یہی کہا۔ اس نے انکار کیا تو بادشاہ نے اپنے سپاہیوں سے کہا کہ اس کو فلاں پہاڑ کی چوٹی پر لے جاؤ۔ اگر یہ اپنے دین سے واپس لوٹ آئے تو فبہا ورنہ اسے دھکا دے کر نیچے پھینک دینا۔ جب وہ اسے لے کر پہاڑ کی چوٹی پر پہنچے تو اس نے دعا کی: اے اللہ! مجھے ان سے نجات دلا۔ دعا کرنے کی دیر تھی کہ وہ پہاڑ لرزنے لگا۔ بادشاہ کے تمام سپاہی ہلاک ہو گئے اور وہ صحیح سلامت واپس لوٹ آیا۔ جب وہ بادشاہ کے پاس پہنچا تو اس نے اس سے پوچھا تمہارے ساتھی کہاں ہیں؟ اس نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے نجات عطا فرمائی ہے پھر اس نے اپنے کچھ سپاہیوں کے ساتھ اس کو بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ اسے ایک کشتی میں بٹھا کر لے جاؤ جب گہرے سمندر میں پہنچو پھر اس سے پوچھو اگر اس نے اپنے دین سے رجوع کر لیا تو فبہا ورنہ اسے سمندر میں غرق کر دینا۔ جب وہ اسے لے کر سمندر میں پہنچے تو اس نے پھر دعا کی جس کی وجہ سے وہ تمام سپاہی غرق ہو گئے اور وہ صحیح سلامت واپس بادشاہ کے پاس آیا۔ بادشاہ نے اس سے اپنے سپاہیوں کے بارے میں پوچھا تو اس نے کہا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے ان سے نجات عطا فرمائی۔ پھر بادشاہ سے کہا کہ جب تک تم میرے کہنے پر عمل نہیں کرو گے تم مجھے مار نہیں سکو گے۔ بادشاہ نے کہا میں تمہاری بات پر عمل کرنے کے لئے تیار ہوں۔ بتاؤ کیا بات ہے۔ اس نے کہا تمام لوگوں کو ایک میدان میں جمع کرو پھر کھجور کے تنے پر مجھے سولی چڑھا دینا اور پھر میرے ترکش سے ایک تیر لے کر

کہنا: اس نوجوان کے پروردگار اللہ کے نام پر، یہ کہہ کر مجھے تیر مار دینا۔ تیر مجھے لگے گا اور میں مرجاؤں گا۔ بادشاہ نے ایسے ہی کیا۔ وہ تیر اس کی کنپٹی میں لگا۔ اس نوجوان نے اپنا ہاتھ کنپٹی پر رکھا اور پھر اس کی روح پرواز کر گئی۔ یہ منظر دیکھ کر لوگوں نے کہا کہ ہم اس نوجوان کے رب پر ایمان لاتے ہیں۔ بادشاہ کے حواریوں نے بادشاہ سے کہا: تم اسی چیز سے ڈرتے تھے اور یہی مصیبت تم پر نازل ہوئی ہے۔ تمام کے تمام اس نوجوان کے پروردگار پر ایمان لے آئے۔ یہ حالات دیکھ کر بادشاہ غصہ سے باہر ہو گیا۔ اس نے حکم دیا شہر کے بازاروں میں خندقیں کھود کر اس میں آگ جلادی جائے اور جو شخص اس دین کو نہ چھوڑے اسے اس آگ میں پھینک دو۔ جب مؤمنین نے یہ حکم سنا تو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر خود ہی اس میں چھلانگیں لگانے لگے، ایک عورت آئی جس کے پاس ایک چھوٹا سا دودھ پیتا بچہ بھی تھا وہ آگ میں چھلانگ لگاتے وقت ہچکچائی تو وہ معصوم بچہ بول پڑا: اے امی جان! صبر کرو۔ تم حق پر ہو (1)۔ اس حدیث کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح مسلم میں ہدبہ بن خالد سے روایت کیا ہے (2)۔

نسائی اور ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی اسے مختلف اسناد سے روایت کیا ہے۔ ترمذی کی حدیث حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بھی عصر کی نماز ادا فرماتے تو زیر لب کچھ کلمات ادا فرماتے جب آپ سے اس کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: گزشتہ انبیاء میں سے ایک نبی اپنی امت کے رویہ پر بڑے متعجب تھے۔ فرماتے: اس امت کا کیا بنے گا؟ اللہ تعالیٰ نے انہیں وحی فرمائی اور انہیں اختیار دیا۔ چاہو تو خود ان سے انتقام لے لو اور پسند کرو تو میں ان پر ان کے دشمن کو مسلط کر دوں۔ انہوں نے انتقام کو پسند کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی امت پر موت کو مسلط کر دیا۔ اس سے ایک ہی دن میں ستر ہزار آدمی ہلاک ہو گئے۔ اس حدیث کے ساتھ ساتھ آپ وہ حدیث بھی بیان کرتے جو پہلے گزر چکی ہے اور آپ آخر میں قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ سے لے کر ذُو الْعَرْشِ الْمَجِیْدُ تک کی آیات تلاوت فرماتے۔ وہ نوجوان جس کا گزشتہ حدیث میں ذکر ہوا ہے، جسے بادشاہ نے شہید کر دیا تھا، شہادت کے بعد اسے دفن کر دیا گیا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں اسے اس کی قبر سے نکالا گیا تو اس کی انگلی اسی طرح اس کی کنپٹی پر تھی جس طرح بوقت شہادت تھی۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو حسن غریب کہا ہے (3) لیکن اس روایت کے سیاق وسباق سے یہ صراحۃً معلوم نہیں ہوتا کہ یہ واقعہ نبی کریم ﷺ نے بیان فرمایا یا صہیب رومی رضی اللہ عنہ نے۔ ہمارے شیخ حافظ ابوالحجاج مزی فرماتے ہیں: غالب احتمال یہی ہے کہ یہ واقعہ صہیب رومی رضی اللہ عنہ نے نصاریٰ سے سنا ہو۔ واللہ اعلم۔

امام محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے اس قصہ کو اپنی سیرت میں الفاظ کی تبدیلی کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ وہ محمد بن کعب قرظی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اہل نجران کے کسی شخص سے روایت کیا ہے کہ اہل نجران پہلے مشرک تھے اور بت پرستی کیا کرتے تھے۔ نجران کے قریب ہی ایک چھوٹے سے گاؤں میں ایک جادوگر تھا جو نجران کے نوجوانوں کو جادو سکھایا کرتا تھا۔ اسی زمانہ میں فیمون نامی ایک راہب آیا اور اس نے ان دونوں گاؤں کے درمیان اپنا خیمہ نصب کر لیا۔ انہی لڑکوں میں ایک نوجوان عبداللہ بن تامر بھی تھا جو جادوگر سے جادو سیکھنے جاتا۔ یہ نوجوان جب راہب کے خیمہ کے قریب سے گزرتا تو اس کا طریقہ عبادت دیکھ کر بہت متاثر ہوتا۔ کچھ عرصہ بعد اس نے راہب کے پاس آنا جانا شروع کر دیا اور اس کی گفتگو سن کر اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لے آیا اور اس کی عبادت کرنے لگا اور راہب سے

1۔ مسند امام احمد، جلد 6، صفحہ 18-16 2۔ مسلم، کتاب الزہد، جلد 4، صفحہ 2301-2299

3۔ نسائی: سنن کبریٰ، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 4، صفحہ 199، عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۂ بروج، جلد 12، صفحہ 242-238

احکام سیکھنے لگا یہاں تک کہ راہب کا دین اس میں راسخ ہوگیا۔ وہ راہب اسم اعظم کے متعلق جانتا تھا۔ نوجوان کو بھی اس کا شوق پیدا ہوا۔ اس نے راہب سے اسی کے بارے میں پوچھا۔ راہب نے کہا: لڑکے! ابھی تم میں اتنی قوت نہیں۔ تم ابھی کمزور ہو۔ اسے برداشت نہیں کر سکو گے۔ ادھر اس لڑکے کے والد کو اس کے عیسائی ہونے کی بالکل خبر نہ ہوئی۔ وہ یہی سمجھتا تھا کہ اس کا بیٹا جادوگر کے پاس جادو سیکھ رہا ہے۔ جب نوجوان نے دیکھا کہ راہب اسے اسم اعظم کی اجازت نہیں دیتا تو اس نے ایک دن کچھ تیر لئے اور اسے جتنے بھی اللہ تعالیٰ کے اسماء گرامی یاد تھے، ہر تیر پر ایک اسم لکھا۔ تمام تیروں پر اسمائے الٰہی لکھنے کے بعد اس نے آگ جلائی اور ایک ایک تیر کر کے اسے آگ میں پھینکنے لگا۔ جب اس نے وہ تیر پھینکا جس پر اسم اعظم لکھا ہوا تھا تو وہ تیر آگ میں پڑتے ہی اچھل کر باہر آ گیا۔ آگ نے کچھ اثر نہ کیا۔ وہ یہ تیر لے کر راہب کے پاس آیا اور اسے بتایا کہ مجھے اسم اعظم کا علم ہوگیا ہے۔ جب راہب نے اس سے پوچھا تو اس نے بتا دیا کہ یہ اسم اعظم ہے۔ راہب نے دریافت کیا کہ تمہیں کیسے معلوم ہوا۔ اس نے تمام واقعہ بیان کر دیا۔ راہب نے یہ سن کر کہا کہ بیٹا! واقعی تمہیں اسم اعظم کا علم ہوگیا ہے لیکن تم اسے اپنی ہی ذات تک محدود رکھنا۔ مگر مجھے ڈر ہے کہ تم اس طرح کر نہ سکو گے۔ اس کے بعد اس لڑکے کی حالت یہ ہوگئی کہ وہ گاؤں نجران واپس آیا اور اسے جب بھی کسی بیماری میں کوئی مبتلا شخص ملتا تو اسے کہتا تو اللہ کی توحید پر ایمان لے آ۔ میں اس کی بارگاہ میں دعا کروں گا وہ تمہیں اس بیماری سے نجات عطا فرمائے گا۔ پس اگر وہ شخص اللہ کی توحید پر ایمان لے آتا تو نوجوان اسم اعظم پڑھ کر دعا کرتا تو وہ صحت یاب ہو جاتا۔ جلد ہی اس کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔ یہاں تک کہ بادشاہ کے دربار میں بھی یہ خبر پہنچ گئی۔ بادشاہ نے اسے دربار میں طلب کیا اور کہنے لگا کہ تو نے میری رعایا کو بگاڑ دیا۔ تو نے میرے آباؤ اجداد کے دین کی مخالفت کی ہے۔ میں سزا کے طور پر تیرے ہاتھ، پاؤں، ناک اور کان کٹوا دوں گا۔ اس نے جواب دیا: بادشاہ! تو ایسا ہرگز نہیں کر سکتا۔ بادشاہ نے اسے ایک بلند و بالا پہاڑ پر بھیجا تاکہ اسے اس کی چوٹی سے نیچے گرایا جائے۔ اسے وہاں سے گرایا گیا تو اس کے جسم پر خراش تک نہ آئی۔ پھر اس نے اسے ہلاکت کے لئے گہرے سمندر میں پھینکا۔ وہ وہاں سے بھی صحیح سلامت واپس چلا آیا۔ اس طرح جب بادشاہ عاجز آ گیا تو نوجوان نے کہا: تم مجھے قتل نہیں کر سکتے جب تک کہ تم اس دین کو قبول نہ کر لو جس پر میں عمل پیرا ہوں۔ اس کے بعد تم مجھے قتل کر سکتے ہو۔ بادشاہ نے یہ سن کر اس کی تجویز کو قبول کر لیا اور اپنی چھڑی کو جو اس کے ہاتھ میں تھی، نوجوان کے سر پر مارا۔ اس سے نوجوان تھوڑا سا زخمی ہوگیا اور اسی سے شہید ہو گیا۔ اس کے بعد بادشاہ بھی فوراً ہلاک ہوگیا۔ بادشاہ کے مرنے کے بعد تمام اہل نجران نے اس نوجوان کے دین کو قبول کر لیا۔ وہ نوجوان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پیروکار تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل نجران کا اصل دین عیسائیت تھا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد ذونواس یہودی نے ایک لشکر جرار کے ساتھ نجران پر چڑھائی کر دی اور انہیں یہودیت اختیار کرنے کی دعوت دی اور کہا کہ یہودی بن جاؤ ورنہ تمہیں قتل کر دیا جائے گا۔ انہوں نے یہودیت کے مقابلہ میں قتل ہونے کو قبول کر لیا۔ اس نے خندقیں کھودنے اور اس میں آگ جلانے کا حکم دیا اور اپنی فوج کو کہا کہ ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر ان کو آگ میں پھینک دو۔ اس طرح اس نے تقریباً بیس ہزار افراد کو آگ میں ڈالا۔ ذونواس یہودی اور اس کے لشکر کے بارے میں ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ پر یہ آیات نازل فرمائیں۔ ذونواس کا اصل نام زرعہ تھا اور اس کی بادشاہت کے زمانہ میں اسے یوسف کہا جاتا تھا۔ اس کے والد کا نام تبان اسعد بن ابی کریب تھا۔ یہ وہی مشہور تبع ہے جس نے زمانہ جاہلیت میں مدینہ طیبہ پر حملہ کیا تھا اور کعبہ شریف پر غلاف چڑھایا تھا۔ وہ مدینہ سے دو یہودی راہبوں کو اپنے ساتھ لے گیا۔ انہی کے ذریعہ اہل یمن نے یہودی مذہب اختیار کیا۔

ذونواس نے صرف ایک دن میں ان خندقوں میں بیس ہزار افراد کو قتل کر کے ڈالا تھا۔ ان میں سے صرف ایک شخص جس کا نام دوس ذی ثعلبان تھا، اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر وہاں سے بھاگ نکلا۔ ذونواس کے سپاہیوں نے اس کا پیچھا کیا مگر وہ اسے نہ پکڑ سکے۔ وہ شام کے بادشاہ قیصر روم کے دربار میں پہنچا اور اس سے مدد کی درخواست کی۔ قیصر نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کو اس کی مدد کے لئے خط لکھا۔ نجاشی نے اس کے ساتھ حبشہ کے نصرانیوں کا ایک لشکر بھیجا۔ اس لشکر میں اریاط اور ابرہہ نامی دو سردار تھے۔ انہوں نے یمن پر حملہ کر کے اس سے چھین لیا۔ ذونواس وہاں سے بھاگ نکلا اور سمندر میں ڈوب کر ہلاک ہو گیا۔ اس کے بعد ستر سال تک حبشہ کے نصرانیوں کا اس پر قبضہ رہا۔ پھر سیف بن ذی یزن حمیری نے ایران کے بادشاہ کسریٰ سے امدادی فوج لے کر اس پر حملہ کیا اور اسے فتح کر لیا۔ ایرانی فوج میں تقریباً سات سو افراد ایسے تھے جنہیں بادشاہ نے جیلوں سے رہا کر کے بھیجا تھا۔ اس طرح یمن میں حمیری سلطنت قائم ہو گئی۔ اس کا کچھ بیان انشاءاللہ سورۂ فیل کی تفسیر میں آئے گا۔

سیرت ابن ہشام میں عمرو بن حزم سے مروی ہے کہ حضرت امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ایک نجرانی نے اپنی ضرورت کے لئے ایک بنجر زمین کھودی تو اس نے دیکھا کہ اس میں عبداللہ بن تامر کا جسد پڑا ہے اور انہوں نے اپنا ایک ہاتھ سر پر اس جگہ رکھا ہوا تھا جہاں بادشاہ نے انہیں چھڑی ماری تھی۔ جب اس نے ان کا ہاتھ وہاں سے ہٹایا تو اس سے خون بہنے لگا۔ جب دوبارہ وہاں رکھا تو بند ہو گیا۔ ان کے ہاتھ میں ایک انگوٹھی تھی جس پر ''ربی اللہ'' لکھا ہوا تھا۔ اس شخص نے اس واقعہ کی اطلاع حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دی۔ آپ نے جواباً خط لکھا ان کو ان کی اصلی حالت پر رہنے دو اور مٹی ڈال کر دفن کر دو۔ اس نے آپ کے حکم کی تعمیل کی (1)۔

حافظ ابن ابی دنیا رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے جب اصفہان کو فتح کیا تو آپ نے دیکھا کہ فصیل کی ایک دیوار گری ہوئی ہے آپ نے اسے تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ دیوار تعمیر کی گئی تو وہ پھر گر گئی۔ دوبارہ تعمیر کی گئی تو وہ پھر گر گئی۔ انہیں کسی شخص نے بتایا کہ یہاں کوئی نیک آدمی مدفون ہے۔ جب دیوار کی بنیاد کو کھودا گیا تو انہوں نے دیکھا کہ ایک شخص کھڑا ہے جس کے ہاتھ میں تلوار ہے۔ اس پر لکھا تھا کہ میں حارث بن مضاض ہوں جس نے خندق والوں سے انتقام لیا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اس لاش کو وہاں سے نکال کر دیوار تعمیر کرائی تو وہ قائم رہی۔ میں کہتا ہوں یہ حارث بن مضاض بن عمرو بن مضاض جرہمی تھا۔ یہ بنوجرہم کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھا، یہ لوگ حضرت ثابت بن اسماعیل بن ابراہیم خلیل علیہم السلام کی اولاد کے بعد کعبہ کے متولی بنے تھے۔ اس حارث کا ایک بیٹا عمرو بن حارث مکہ میں بنوجرہم کے حکمرانوں میں سے آخری حکمران تھا۔ بنوخزاعہ نے اسے یمن جلاوطن کر دیا تھا۔ اسی نے وہ مشہور اشعار کہے تھے جن کے بارے میں ابن ہشام نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ سب سے پہلے اشعار ہیں جو عرب میں کہے گئے ہیں:

كأن لم يكن بين الحجون إلى الصفا　أنيس ولم يسمر بمكة سامر

بل نحن كنا اهلها فأبادنا　صروف الليالي والجدود العواثر (2)

''گویا حجون اور صفاء کے درمیان کوئی غمگسار نہیں اور نہ ہی مکہ میں کوئی قصہ گو تھا۔ نہیں بلکہ ہم ہی اہل مکہ تھے۔ بس گردش زمانہ اور پھوٹی قسمت نے ہمیں ہلاک کر دیا''۔

اس واقعہ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے مابعد زمانہ کا ہے۔ تقریباً حضرت اسماعیل علیہ السلام کے

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 37-34　2۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 115

زمانہ سے پانچ سو سال بعد کا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن ابن اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ کی وہ طویل روایت جو اوپر مذکور ہوئی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے درمیانی عرصہ میں رونما ہوا تھا اور یہی زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے، واللہ اعلم۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ واقعہ متعدد بار ہوا ہو جیسا کہ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ صفوان بن عبدالرحمٰن بن زبیر فرماتے ہیں کہ تبع کے زمانہ میں یمن میں خندقیں کھدوائی گئیں اور قسطنطنیہ میں قسطنطین کے زمانہ میں آگ کی خندقیں کھودی گئیں۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب نصرانیوں نے دین مسیح اور توحید کو چھوڑ کر تثلیث کا عقیدہ اپنایا۔ اس وقت جو لوگ توحید پر قائم رہے انہیں خندقوں میں ڈال دیا گیا اور اسی قسم کا ایک واقعہ عراق کی سرزمین بابل میں بخت نصر کے دور میں پیش آیا۔ جب اس نے ایک بت بنوایا اور لوگوں کو اسے سجدہ کرنے کا حکم دیا تو حضرت دانیال علیہ السلام اور ان کے دو ساتھی عزریا اور میشائیل نے اسے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تو اس نے ان کے لئے ایک آگ کی بھٹی بنوائی جس میں بہت سی لکڑیاں جلا کر اس میں آگ بھڑکائی گئی پھر اس بھڑکتی ہوئی آگ میں انہیں ڈال دیا۔ اللہ تعالیٰ نے آگ کو ان کے لئے رحمت وسلامتی بنا دیا۔ اس کے بعد بخت نصر نے اپنے مخالف نو قبائل کے کافروں کو آگ میں ڈالا تو وہ جل کر راکھ ہو گئے۔

سدی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ تین خندقیں تھیں۔ ایک عراق میں، دوسری شام میں اور تیسری یمن میں اور مقاتل رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ یہ خندقیں تین ہیں۔ ایک یمن میں نجران کے مقام پر، دوسری شام میں اور تیسری ایران میں۔ شام والی خندق کو انطنانوس رومی نے کھدوایا تھا۔ فارس والی کو بخت نصر نے، یمن والی کو یوسف ذونواس یہودی نے۔ فارس اور شام والی خندقوں کے بارے میں آیات نازل نہیں ہوئیں۔ لیکن نجران کی خندقوں کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئی ہیں۔ حضرت ربیع بن انس فرماتے ہیں کہ زمانہ فترت میں نیک لوگوں کی ایک جماعت تھی۔ جب انہوں نے دیکھا کہ لوگ فتنہ وفساد میں مبتلا ہیں اور مختلف گروہوں میں منقسم ہیں اور ان میں سے ہر گروہ اپنے خیالات پر خوش ہے تو وہ انہیں اسی حالت میں چھوڑ کر الگ تھلگ ایک گاؤں میں آباد ہو گئے اور اخلاص سے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف ہو گئے۔ کچھ عرصہ وہ یہاں امن وامان سے رہے یہاں تک کہ ایک جابر بادشاہ نے ان کے بارے میں سنا تو اس نے ان کی طرف پیغام بھیجا کہ خدا کی عبادت چھوڑ کر ان بتوں کی پوجا کرو جن کی میں کرتا ہوں۔ انہوں نے حکم ماننے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم تو صرف اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کریں گے۔ اس نے کہا کہ اگر تم نے بتوں کی پوجا نہ کی جن کی میں کرتا ہوں تو میں تمہارے ساتھ جنگ کروں گا۔ انہوں نے کوئی بات نہ مانی۔ اس نے آگ کی خندقیں کھودائیں اور انہیں اختیار دیا کہ چاہو تو بتوں کی پوجا کرو، چاہو تو یہ آگ۔ انہوں نے جواب دیا۔ ہمیں اس آگ میں جل کر مرنا پسند ہے۔ ان میں کچھ چھوٹے بچے اور عورتیں بھی تھیں جب انہوں نے کچھ گھبراہٹ کا اظہار کیا تو انہوں نے انہیں سمجھایا کہ آج کے بعد تمہیں کوئی آگ نہیں چھوئے گی تو وہ اس آگ میں کود پڑے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آگ کی حرارت تک پہنچنے سے پہلے ہی ان کی روحوں کو قبض کر لو۔ اس کے بعد وہ آگ خندقوں سے باہر نکل آئی اس نے جابر بادشاہ اور اس کے ساتھیوں کو گھیر کر ہلاک کر دیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ آیات نازل فرمائیں(1)۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”بے شک جن لوگوں نے ایذاء دی مومن مردوں اور مومن عورتوں کو پھر توبہ بھی نہ کی تو ان کے لئے جہنم کا

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 135-134

عذاب ہے اور ان کے لئے جلائے جانے کی سزا ہے“۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، قتادہ اور ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہم فرماتے ہیں کہ ”فتنوا“ کا معنی یہ ہے کہ انہوں نے مومن مردوں اور عورتوں کو آگ میں جلایا اور ثُمَّ لَمْ یَتُوْبُوْا کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنے اس فعل سے باز نہ آئے اور نہ ہی اپنے گزشتہ اعمال پر نادم ہوئے۔ جس قسم کا ان کا عمل تھا اسی قسم کی انہیں سزا دی گئی۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اس جود و سخاوت کی طرف دیکھو کہ ان لوگوں نے اس کے اولیاء کو قتل کیا اور وہ انہیں توبہ اور مغفرت کی دعوت دے رہا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ۬ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِیْرُ ؕ﴿۱۱﴾ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِیْدٌ ؕ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ هُوَ یُبْدِئُ وَ یُعِیْدُ ۚ﴿۱۳﴾ وَ هُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ۙ﴿۱۴﴾ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِیْدُ ۙ﴿۱۵﴾ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ؕ﴿۱۶﴾ هَلْ اَتٰىكَ حَدِیْثُ الْجُنُوْدِ ۙ﴿۱۷﴾ فِرْعَوْنَ وَ ثَمُوْدَ ؕ﴿۱۸﴾ بَلِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِیْ تَكْذِیْبٍ ۙ﴿۱۹﴾ وَّ اللّٰهُ مِنْ وَّرَآىِٕهِمْ مُّحِیْطٌ ۚ﴿۲۰﴾ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِیْدٌ ۙ﴿۲۱﴾ فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ﴿۲۲﴾

”جو لوگ ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لئے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔ بے شک آپ کے رب کی پکڑ بہت سخت ہے۔ بیشک وہی پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا۔ اور وہی بہت بخشنے والا، بہت محبت کرنے والا ہے۔ عرش کا مالک ہے، بڑی شان والا۔ کرتا ہے جو کچھ چاہتا ہے۔ کیا پہنچی ہے آپ کے پاس لشکروں کی خبر (یعنی) فرعون اور ثمود (کے لشکروں) کی۔ بلکہ یہ کفار جھٹلانے میں مصروف ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ بلکہ وہ کمال شرف والا قرآن ہے۔ ایسی لوح میں لکھا ہے جو محفوظ ہے“۔

اللہ تعالیٰ نے پہلے اپنے دشمنوں کا انجام بیان کیا کہ اس نے ان کے لئے بھڑکتی ہوئی آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اب یہاں اپنے مومن بندوں کے بارے میں بیان فرما رہا ہے کہ ان کے لئے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ اس کے بعد فرمایا: یہی بڑی کامیابی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے بے شک آپ کے رب کی پکڑ بہت سخت ہے یعنی اس کے رسل کی تکذیب اور اس کے احکام کی مخالفت کرنے والوں کے لئے اس کی پکڑ اور انتقام شدید ہے چونکہ وہ عظیم قوت اور عظمت کا مالک ہے اس لئے وہ پلک جھپکنے کی دیر میں جو چاہے، جیسے چاہے کر سکتا ہے۔ اسی لئے یہاں ارشاد فرمایا: بے شک وہی پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا یعنی اپنی قوت اور قدرت تامہ کے ساتھ جس طرح اس نے پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے اس طرح وہ بغیر کسی رکاوٹ اور ممانعت کے دوبارہ پیدا کر سکتا ہے اور وہی بہت بخشنے والا اور بہت زیادہ مغفرت کرنے والا ہے۔ جو بندہ گناہ کر کے اس کی بارگاہ میں سچے دل سے تائب ہو کر اس کی بارگاہ میں حاضر ہو جاتا ہے وہ اس کے گناہ کو معاف کر دیتا ہے۔ خواہ وہ گناہ کسی قسم کا ہو۔

ودود کا معنی بہت زیادہ محبت کرنے والا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے مفسرین نے کہا ہے کہ اس کا معنی حبیب ہے۔ وہ عرش کا مالک اور بڑی شان والا ہے یعنی وہ اس عظیم عرش کا مالک ہے جس کا مرتبہ تمام مخلوق سے بلند ہے۔ ”مجید“ کے لفظ میں دو قراءتیں ہیں: 1۔ دال پر ضمہ پڑھا گیا ہے۔ اس صورت میں وہ اللہ تعالیٰ کی صفت بن جائے گا، 2۔ اور دال کے نیچے کسرہ بھی

پڑھا گیا۔ اس صورت میں وہ عرش کی صفت ہوگا۔ بہر حال یہ دنوں معنی صحیح ہیں (1)۔ وہ جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے۔ وہ جس فعل کا ارادہ کر لے اسے اس سے کوئی نہیں روک سکتا۔ اور نہ ہی اس سے اس کے فعل کے بارے میں کوئی سوال کیا جا سکتا ہے کیونکہ اس کی ذات انتہائی عظیم، غالب اور حکمت وعدل والی ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ان کے مرض وصال میں پوچھا گیا: کیا کسی طبیب نے آپ کا معائنہ کیا ہے؟ فرمایا: ہاں۔ عرض کی گئی: طبیب نے کیا کہا ہے؟ فرمایا: اس نے کہا ہے کہ میں جو چاہتا ہوں وہ کرتا ہوں۔ اس کے بعد فرمایا: کیا آپ کے پاس لشکروں کی کوئی خبر پہنچی ہے یعنی فرعون اور ثمود کے لشکروں کی۔ کیا آپ تک اللہ تعالیٰ کے عذاب وانتقام کی خبر پہنچی ہے جو اس نے ان پر نازل فرمایا۔ ان کو اللہ تعالیٰ کے اس عذاب سے کوئی نہ بچا سکا۔ یہ آیات کریمہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِیْدٌ کی وضاحت ہیں۔ جب وہ کسی ظالم کو پکڑتا ہے تو بڑی سختی اور قوت قاہرہ سے پکڑتا ہے۔ حضرت عمرو بن میمون رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک عورت کے پاس سے گزرے جو هَلْ اَتٰىكَ حَدِیْثُ الْجُنُوْدِ تلاوت کر رہی تھی۔ آپ ﷺ یہ آیت سن کر کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے: ہاں میرے پاس خبر آ گئی ہے۔ فرمایا بلکہ یہ کفار جھٹلانے میں مصروف ہیں۔ یعنی یہ شک وشبہ اور کفر وعناد میں مبتلا ہیں حالانکہ ان کو اللہ تعالیٰ ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ وہ ان پر غالب وقاہر ہے۔ وہ نہ تو اس کو عاجز کر سکتے ہیں اور نہ ہی اس سے بچ کر نکل سکتے ہیں۔ بلکہ وہ کمال شرف والا قرآن ہے۔ ایسی لوح پر لکھا ہوا ہے جو محفوظ ہے۔ یہ قرآن پاک ملاء اعلیٰ میں ایک لوح پر لکھا ہوا ہے جو ہر قسم کی کمی وبیشی اور تحریف وتبدیل سے مبرا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کو لوح محفوظ پر لکھ دیا ہے جو حضرت اسرافیل علیہ السلام کی پیشانی پر ہے (2)۔ حضرت عبدالرحمٰن بن سلمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے جس چیز کا فیصلہ فرمایا خواہ وہ قرآن ہو یا اس سے پہلے ہو یا بعد وہ تمام لوح محفوظ پر ہے اور یہ لوح محفوظ حضرت اسرافیل علیہ السلام کی دونوں آنکھوں کے درمیان ہے جسے انہیں دیکھنے کی اجازت نہیں۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ قرآن کریم اللہ کے پاس لوح محفوظ پر مرقوم ہے۔ وہ اس سے جتنا چاہتا ہے اپنے رسول پر نازل فرماتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ لوح محفوظ کے وسط میں لکھا ہوا ہے۔ اللہ وحدہٗ لاشریک کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ اس کا دین اسلام ہے، محمد ﷺ اس کے برگزیدہ بندے اور رسول ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے گا، اس کے وعدہ کی تصدیق کرے گا اور اس کے رسولوں کی اتباع کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔ فرماتے ہیں یہ لوح سفید موتی کی بنی ہوئی ہے جس کا طول زمین وآسمان کے برابر اور عرض مشرق ومغرب کی مسافت کے برابر ہے۔ اس کے دونوں کنارے موتیوں اور یاقوت کے بنے ہوئے ہیں، اس کی دونوں دفتیاں (گتے) سرخ یاقوت کی ہیں۔ اس کا قلم نور کا ہے۔ اس کی کلام عرش کے ساتھ وابستہ ہے اور اس کی اصل ایک فرشتہ کی گود میں ہے (3)۔ مقاتل بن حیان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لوح محفوظ عرش کی دائیں طرف ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے دوسری روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ کو ایک سفید موتی سے تخلیق فرمایا۔ اس کے صفحات سرخ یاقوت کے، اس کی قلم نور اور کتابت بھی نور ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر دن تین سو ساٹھ مرتبہ اس پر نظر ڈالتا ہے، وہی ہر چیز کو پیدا کرتا ہے، رزق دیتا ہے۔ موت، زندگی، عزت اور ذلت دیتا ہے اور وہ جو چاہتا ہے، دیتا ہے (4)۔

1۔ ابن باذش: الاقناع، جلد 2، صفحہ 807 2۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 140 3۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 472 4۔ المعجم الکبیر، جلد 12، صفحہ 72

سورۂ طارق (مکیہ)

حضرت خالد بن ابی جبل عدوانی رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ مکہ سے طائف میں بنی ثقیف کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے تشریف لائے تو آپ بنو ثقیف کے مشرق کی سمت ایک کمان یا عصا سے ٹیک لگا کر کھڑے تھے۔ میں ان کے قریب ہوا تو سنا کہ وہ وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ تلاوت فرما رہے تھے۔ آپ نے پوری سورت تلاوت فرمائی۔ میں زمانہ جاہلیت میں مشرک تھا۔ میں نے پوری سورت یاد کر لی۔ مجھے قبیلہ ثقیف نے بلایا اور پوچھا تو نے ابھی اس شخص سے کیا سنا ہے؟ میں نے ان کو مکمل سورت سنا دی۔ وہاں کچھ قریشی بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ کہنے لگے: ہم اسے جانتے ہیں۔ اگر یہ کلام حق ہوتا تو ہم اس کی اتباع کرتے(1)۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے ایک دن مغرب کی نماز پڑھائی اور اس میں سورۂ بقرہ اور سورۂ نساء کی تلاوت فرمائی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے معاذ! کیا تم لوگوں کو آزمائش میں مبتلا کرنا چاہتے ہو کیا تمہارے لئے یہی کافی نہیں تھا کہ وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ اور وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا اور اس جیسی سورتیں پڑھ لیتے(2)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ۙ﴿۱﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ۙ﴿۲﴾ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ۙ﴿۳﴾ اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ؕ﴿۴﴾ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ؕ﴿۵﴾ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ۙ﴿۶﴾ يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ؕ﴿۷﴾ اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ؕ﴿۸﴾ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ۙ﴿۹﴾ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ؕ﴿۱۰﴾

”قسم ہے آسمان کی اور رات کو نمودار ہونے والے کی۔ اور آپ کو کیا معلوم یہ رات کو آنے والا کیا ہے؟ ایک تارا نہایت تاباں۔ کوئی شخص ایسا نہیں جس پر کوئی محافظ نہ ہو۔ سو انسان کو دیکھنا چاہئے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔ اسے پیدا کیا گیا ہے اچھلتے پانی سے۔ جو (مرد وزن کی) پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔ بے شک وہ اس کو پھر واپس لانے پر قادر ہے۔ یاد کرو اس دن کو جب سب راز فاش کر دیئے جائیں گے۔ پس نہ خود اس میں زور ہوگا اور نہ کوئی (دوسرا) مددگار ہوگا“۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں آسمان اور اس میں روشن ستاروں کی قسم کھائی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: قسم ہے آسمان کی اور رات کو نمودار ہونے والے کی۔ فرمایا: اور آپ کو کیا معلوم کہ رات کو آنے والا کیا ہے؟ پھر خود ہی وضاحت فرمائی کہ یہ نہایت روشن ستارہ ہے۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نجم کو ستارہ اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ رات کے وقت ظاہر ہوتا ہے اور دن کے وقت چھپ جاتا ہے۔ اس

1۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 335

2۔ سنن کبریٰ، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 2، صفحہ 267

کی تائید ایک صحیح حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے: "نهى ان يطرق الرجل اهله طروقا" آپ ﷺ نے منع فرمایا کہ کوئی شخص رات کے وقت اچانک اپنے گھر میں آئے (1)۔ آپ ﷺ سے مروی ایک دعا میں بھی طارق کا لفظ استعمال ہوا ہے (2)۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ثاقب کا معنی روشن ہے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ ستارہ ہے جو شیطان پر گر کر اس میں سوراخ کر دیتا ہے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے مراد روشن اور شیطان کو جلانے والا ستارہ ہے۔ فرمایا: کوئی شخص ایسا نہیں جس پر کوئی محافظ نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر نفس پر ایک محافظ مقرر ہے جو آفات و بلیات سے اس کی حفاظت کرتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ یَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ (رعد: 11) "انسان کے لئے یکے بعد دیگرے آنے والے فرشتے ہیں اس کے آگے بھی اور اس کے پیچھے بھی وہ نگہبانی کرتے ہیں اس کی اللہ تعالیٰ کے حکم سے"۔

فرمایا: انسان کو دیکھنا چاہئے کہ اسے کس چیز سے پیدا کیا گیا، یہاں انسان کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ اسے اپنی اصل پر بھی غور کرنا چاہئے جس سے اسے پیدا کیا گیا اور اس کی یہ بھی راہنمائی کی جارہی ہے کہ اسے مر کر دوبارہ زندہ ہونے کا اعتراف کر لینا چاہئے کیونکہ جو ذات اسے ابتداءً پیدا کرنے پر قادر ہے وہ اسے دوبارہ زندہ کرنے پر بدرجہ اولیٰ قادر ہوگی۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَ هُوَ الَّذِیْ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَ هُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِ (روم: 27) "اور وہی ہے جو تخلیق کی ابتداء کرتا ہے پھر (فنا کرنے کے بعد اسے) دوبارہ بنائے گا اور یہ آسان تر ہے"۔

فرمایا: اسے اچھلتے ہوئے پانی سے پیدا کیا گیا یعنی اس منی سے جو مرد اور عورت سے ٹپک کر نکلتی ہے۔ اللہ کے اذن سے اس سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔ اسی لئے ارشاد فرمایا جو (مرد و زن کی) پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔ مرد کی پشت اور عورت کے سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے ایک پتلا سا زرد رنگ کا مادہ نکلتا ہے اور ان دونوں کی آمیزش سے بچہ کی ولادت ہوتی ہے۔ یہ سعید بن جبیر، عکرمہ، قتادہ اور سدی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہم سے مروی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے ہاتھ کو اپنے سینہ مبارک پر رکھا اور فرمایا یہ ترائب (سینہ کی ہڈیاں) ہیں۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ عورت جب اپنے گلے میں ہار پہنتی ہے تو سینہ پر ہار کی جگہ کو تریبہ کہتے ہیں اور آپ سے ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ عورت کے دونوں کانوں کی درمیان والی جگہ کو تریبہ کہتے ہیں۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہنسلی کی ہڈی اور دونوں کندھوں اور سینے کی ہڈی کو ترائب کہتے ہیں۔ سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ عورت کے پستانوں کے اوپر والی ہڈیوں کو کہتے ہیں۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ نیچے کی طرف چار پسلیوں کو ترائب کہتے ہیں۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں عورت کے پستان، دونوں پاؤں اور آنکھوں کے درمیانی حصہ کو ترائب کہتے ہیں۔ لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد دل کا جوہر ہے۔ اسی سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ پانی مرد کی پشت اور اس کے سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔

فرمایا: بیشک وہ اس کو پھر واپس لانے پر قادر ہے۔ اس کے بارے میں مفسرین کے دو اقوال ہیں:۔

1:۔ اللہ تعالیٰ اس اچھلتے ہوئے پانی کو اس کے مقر (محل) میں پھر لوٹانے پر قادر ہے۔ یہ مجاہد اور عکرمہ رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہما کا قول ہے۔

2:۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس نطفہ سے پیدا شدہ انسان کو مارنے کے بعد قیامت کے دن دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے کیونکہ

1۔ متفق علیہ، فتح الباری، کتاب النکاح، جلد 9، صفحہ 339، مسلم، کتاب الامارۃ، جلد 3، صفحہ 1518-1527 2۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 419

جو ذات ابتداءً پیدا کرنے پر قادر ہے وہ اسے دوبارہ بھی زندہ کر سکتی ہے۔ یہ دلیل اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر ذکر فرمائی۔ یہ ضحاک اور ابن جریر رحمہما اللہ تعالیٰ کا مختار قول ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد ارشاد فرمایا: یاد کرو اس دن کو جب سب راز فاش کر دیئے جائیں گے۔ قیامت کے دن یہ سب راز ظاہر ہو جائیں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن ہر غدار کی رانوں کے درمیان ایک جھنڈا گاڑ دیا جائے گا اور اعلان کیا جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں کی غداری ہے(1)۔ فرمایا: پس نہ تو خود اس میں زور ہوگا اور نہ کوئی (دوسرا) اس کا مددگار ہوگا۔ یعنی قیامت کے دن نہ تو انسان کی اپنی ذاتی قوت ہوگی اور نہ ہی خارجی طور پر کوئی اسے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچا سکے گا اور نہ ہی کسی کے بس کی بات ہوگی۔

وَ السَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ﴿۱۱﴾ وَ الْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ﴿۱۲﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ﴿۱۳﴾ وَّ مَا هُوَ بِالْهَزْلِ ﴿۱۴﴾ اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ﴿۱۵﴾ وَّ اَكِيْدُ كَيْدًا ﴿۱۶﴾ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ﴿۱۷﴾

''قسم ہے آسمان کی جس سے بارش برستی ہے۔ اور زمین کی جو (بارش سے) پھٹ جاتی ہے۔ بلاشبہ یہ قرآن قول فیصل ہے۔ اور یہ ہنسی مذاق نہیں ہے۔ یہ لوگ طرح طرح کی تدبیریں کر رہے ہیں۔ اور میں بھی تدبیر فرما رہا ہوں۔ پس آپ کفار کو (تھوڑی سی) مہلت اور دے دیں کچھ وقت انہیں کچھ نہ کہیں''۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: الرَّجْعِ سے مراد بارش ہے یا بارش والے بادل ہیں۔ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ قسم ہے اس آسمان کی جو بار بار بارش برساتا ہے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یہ آسمان ہر سال بندوں کے رزق کو لوٹاتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو وہ اور ان کے مویشی ہلاک ہو جائیں۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: آسمان کے ستارے، چاند اور سورج گردش کناں ہیں اور گردش کرتے ہوئے واپس اسی جگہ لوٹ آتے ہیں۔ فرمایا اور زمین کی جو (بارش سے) پھٹ جاتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب زمین سے کسی پودے کی کونپل نمودار ہوتی ہے تو یہ زمین پھٹ جاتی ہے۔ یہی قول کئی دوسرے مفسرین سے مروی ہے۔ فرمایا: بلاشبہ یہ قرآن قول فیصل ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ حق ہے۔ بعض نے فرمایا ہے کہ یہ عادلانہ فیصلہ ہے۔

فرمایا: یہ ہنسی مذاق نہیں۔ یہ سراسر سنجیدہ اور حق قول ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کافروں کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ وہ قرآن کریم کو جھٹلاتے ہیں اور لوگوں کو اس کی راہ سے روکتے ہیں۔ فرمایا: یہ لوگ طرح طرح کی تدبیریں کر رہے ہیں۔ لوگوں کو خلاف قرآن دعوت دینے کے لئے مختلف چالیں چلتے ہیں۔ فرمایا: میں بھی تدبیر کر رہا ہوں پس آپ کفار کو (تھوڑی سی) مہلت دے دیجئے اور کچھ وقت کے لئے انہیں کچھ نہ کہئے یعنی آپ انہیں مہلت دیں اور ان کے لئے عذاب کو جلد طلب نہ کریں۔ آپ عنقریب دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ ان پر کس قسم کا عذاب نازل فرماتا ہے اور انہیں سزا دیتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ (لقمان: 24) ''پھر ہم انہیں ہانک کر لے جائیں گے سخت عذاب کی طرف''۔

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ کہف آیت: 49

سورۂ اعلیٰ (مکیہ)

اس سورت کے مکی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ صحیح بخاری میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ مکہ سے جو سب سے پہلے صحابہ ہجرت کر کے ہمارے ہاں تشریف لائے، وہ مصعب بن عمیر اور ابن ام مکتوم تھے انہوں نے ہمیں قرآن کی تعلیم دینا شروع کر دی۔ اس کے بعد حضرت بلال، عمار، سعد رضی اللہ عنہم تشریف لائے۔ اس کے بعد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنے بیس ساتھیوں کے ساتھ تشریف لائے۔ پھر چند دنوں بعد حضور نبی کریم ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لے آئے۔ میں نے اہل مدینہ کو کسی چیز پر اتنا خوش ہوتے ہوئے نہیں دیکھا جتنا وہ آپ ﷺ کی تشریف آوری پر خوش ہوئے۔ حتیٰ کہ چھوٹے چھوٹے بچے اور بچیاں بھی پکار رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔ میں نے آپ کی جلوہ گری سے پہلے ہی سورۂ اعلیٰ اور اس جیسی سورتیں یاد کر لی تھیں(1)۔ مسند امام احمد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس سورت کو پسند فرمایا کرتے تھے(2)۔

صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم نماز میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى، وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا، وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى کیوں نہیں پڑھتے(3)۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نماز عیدین میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى اور هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ تلاوت فرمایا کرتے تھے اور اگر کبھی جمعہ کے دن عید آ جاتی تو جمعہ کی نماز میں بھی یہی سورتیں تلاوت فرماتے۔ اس حدیث کو امام احمد، مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہم نے روایت کیا ہے(4)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ وتر کی نماز میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى، قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔

ایک روایت میں ان سورتوں کے ساتھ معوذتین قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ کا بھی ذکر ہے۔ یہ حدیث کئی ایک صحابہ کرام سے مروی ہے۔ اگر ہمیں طوالت کا خوف نہ ہوتا تو ہم ان تمام روایات کو ان کے متون اور اسناد کے ساتھ ذکر کرتے۔ بہرحال ہم نے جو کچھ مختصراً ذکر کیا ہے یہی کافی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ﴿۱﴾ الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى ﴿۲﴾ وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى ﴿۳﴾ وَالَّذِيْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى ﴿۴﴾ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰى ﴿۵﴾ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ﴿۶﴾ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ (سبح اسم ربك الاعلی)، جلد 8، صفحہ 700-699
2۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 96
3۔ فتح الباری، کتاب الاذان، جلد 2، صفحہ 200، مسلم، کتاب الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 340
4۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 271، مسلم، کتاب الجمعۃ، جلد 2، صفحہ 598، سنن ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 293 - عارضۃ الاحوذی، ابواب العیدین، جلد 3، صفحہ 6-5، سنن نسائی کتاب الجمعۃ، جلد 3، صفحہ 112

اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَ مَا يَخْفٰى ۝ وَ نُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ۝ فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ۝ سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ۝ وَ يَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ۝ الَّذِیْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ۝ ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَ لَا يَحْيٰى ۝

"(اے حبیب!) آپ پاکی بیان کریں اپنے رب کے نام کی جو سب سے برتر ہے۔ جس نے (ہر چیز کو) پیدا کیا پھر (ظاہری اور باطنی قوتیں دے کر) درست کیا۔ اور جس نے (ہر چیز کا) اندازہ مقرر کیا، پھر اسے راہ دکھائی۔ اور جس نے زمین سے چارا نکالا۔ پھر اسے بنادیا کوڑا سیاہی مائل۔ ہم خود آپ کو پڑھائیں گے پس آپ (اسے) نہ بھولیں گے۔ بجز اس کے جو اللہ چاہے۔ بے شک وہ جانتا ہے ظاہر کو اور جو چھپی ہوتی ہے۔ اور ہم سہل بنا دیں گے آپ کے لئے اس آسان (شریعت) پر عمل۔ پس آپ نصیحت کرتے رہئے اگر نصیحت فائدہ مند ہو۔ سمجھ جائے گا جس کے دل میں (خدا کا) خوف ہوگا۔ اور دور رہے گا اس سے بدبخت جو (بالآخر) بڑی آگ میں داخل ہوگا۔ پھر نہ وہ وہاں مرے گا اور نہ جیے گا"۔

حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آیت (فسبح باسم ربك العظیم) نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ہمیں فرمایا تم اسے اپنے رکوع میں پڑھا کرو۔ اور جب سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا اسے اپنے سجدہ میں پڑھا کرو(1)۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى تلاوت فرماتے ہیں تو کہتے "سبحان ربی الاعلی"(2) یہ روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ سورہ لَاۤ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ کی تلاوت فرماتے اور آخری آیت اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ يُّحْیِۦَ الْمَوْتٰى (قیامہ:40) پر پہنچتے تو فرماتے "سبحانك وبلی"۔ فرمایا(3)۔ جس نے ہر (چیز کو) پیدا کیا پھر (ظاہری اور باطنی قوتیں دے کر) درست کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوق کو پیدا فرمایا اور اسے بہترین شکل وصورت سے نوازا۔ فرمایا اور جس نے ہر چیز کا اندازہ مقرر کیا اور پھر اسے راہ دکھائی۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انسان کو سعادت اور شقاوت کی راہ دکھائی اور حیوانوں کو ان کی چراگاہیں دکھائیں۔ ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: رَبُّنَا الَّذِیْۤ اَعْطٰى كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى (طٰہٰ:50) "ہمارا رب وہ ہے جس نے عطاء کی ہر چیز کو (موزوں) صورت پھر اسے ہدایت دی (مقصد تخلیق کی طرف)"۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا اندازہ مقرر فرمایا پھر اپنی مخلوق کی اس کی طرف راہنمائی فرمائی۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سال قبل تمام مخلوق کی تقدیروں کو لکھ دیا۔ اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا(4)۔ فرمایا اور جس نے زمین سے چارہ نکالا۔ زمین سے تمام اقسام کی نباتات اور فصلوں کو پیدا کیا۔ فرمایا پھر اسے سیاہی مائل کوڑا بنا دیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں پھر اس کو خشک کر کے اس کے رنگ کو تبدیل کر دیا۔ عربی لغت کے بعض ماہرین کا خیال ہے کہ یہاں کلام میں تقدیم وتاخیر ہے۔ اصل کلام اس طرح تھی: وہی ذات ہے جس نے سبز سیاہی مائل گھاس پیدا کی اور پھر اس کے بعد اسے خشک کر دیا۔

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الاقاعدۃ، جلد 1، صفحہ 408
2۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 232۔ سنن ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 233
3۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 151
4۔ دیکھئے تفسیر سورۂ اعراف آیت:179، سورۂ ہود آیت:7 اور سورۂ حج آیت:70

یہ قول ذکر کرنے کے بعد ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر چہ اس معنی کا احتمال ہے لیکن مفسرین کے اقوال کے برعکس ہے(1)۔ فرمایا: ہم خود آپ کو پڑھائیں گے پس آپ (اسے) نہ بھولیں گے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے اور اپنے پیارے محبوب ﷺ سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ انہیں ایسی قراءت کرائیں گے جو انہیں کبھی نہیں بھولے گی۔ بجز اس کے جو اللہ چاہے۔ یہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا مختار قول ہے(2)۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کوئی چیز نہیں بھولتے تھے سوائے اس کے جو اللہ چاہے۔ اس کا ایک معنی یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہ نفی نہی کے معنی میں ہے یعنی آپ نہ بھولیں۔ اس صورت میں استثناء نسخ کے معنی میں ہوگا۔ یعنی کہ ہم آپ کو جو پڑھائیں گے آپ اس کو نہ بھولیں سوائے اس کے کہ جسے اللہ تعالیٰ منسوخ کرنا چاہئے۔ اسے ترک کرنے میں آپ پر کوئی حرج نہیں۔ فرمایا: بے شک وہ جانتا ہے ظاہر کو اور جو چھپی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ظاہر اور مخفی اقوال و افعال کو جانتا ہے۔ اس پر کوئی چیز مخفی نہیں اور ہم سہل بنادیں گے آپ کے لئے اس آسان (شریعت) پر عمل۔ ہم آپ کے لئے بھلائی کے اقوال و افعال آسان کردیں گے اور آپ پر ایسی شریعت نازل فرمائیں گے جو انتہائی آسان اور سیدھی ہوگی اس میں کسی قسم کی کجی، حرج، تنگی اور تکلیف نہ ہوگی۔

فرمایا: آپ نصیحت فرماتے رہا کریں اگر نصیحت فائدہ مند ہو۔ جس جگہ نصیحت کرنا فائدہ دے وہاں نصیحت کریں۔ اشاعت علم میں ہمیں اس آیت کریمہ کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہئے اور نا اہل لوگوں کو علم سکھا کر علم ضائع نہیں کرنا چاہئے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے اگر تم کسی قوم کو ایسی بات بتاؤ گے جو ان کی عقل سے بالاتر ہوگی تو تمہاری یہ بات فتنہ کا باعث ہوگی۔ پس لوگوں کے ساتھ ایسی گفتگو کریں جو ان کی سمجھ میں آجائے۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی تکذیب کی جائے۔ فرمایا: سمجھ جائے گا جس کے دل میں خدا کا خوف ہوگا۔ آپ کی تبلیغ سے وہی شخص نصیحت پکڑے گا جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہوگا اور جس کے دل میں یقین ہوگا کہ اسے ایک دن اللہ کے ہاں پیش ہونا ہے۔

فرمایا: اور دور رہے گا اس سے بدبخت، جو (بالآخر) بڑی آگ میں داخل ہوگا پھر وہ وہاں نہ مرے گا اور نہ جیے گا۔ نہ تو وہ وہاں مرے گا کہ مر کر راحت حاصل کرلے اور نہ ہی اس کی زندگی اسے کوئی فائدہ دے گی بلکہ یہ اس کے لئے تکلیف کا باعث ہوگی کیونکہ اس زندگی کی وجہ سے ہی اسے اس دردناک عذاب کا شعور ہوگا جس میں اسے مبتلا کیا جائے گا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ اہل جہنم، جو ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہیں گے نہ تو ان کو موت آئے گی اور نہ ہی انہیں مفید زندگی عطا ہوگی لیکن اللہ تعالیٰ جن پر اپنی رحمت فرمائے گا، انہیں نار جہنم میں موت دے دے گا پھر ان کے سفارشی وہاں جائیں گے اور وہ انہیں وہاں سے چھڑا کر لے آئیں گے پھر انہیں نہر حیات میں ڈال دیا جائے گا۔ جب ان پر جنت کی نہر کا پانی پڑے گا تو وہ اس طرح زندہ ہوں گے جس طرح سیلاب کے پانی میں دانہ اگتا ہے۔ فرمایا: کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ درخت پہلے سرسبز ہوتا ہے پھر اس کے پتے پیلے رنگ کے ہوجاتے ہیں اور پھر سرسبز ہوجاتا ہے۔ آپ کی یہ گفتگو سن کر صحابہ کرام کہنے لگے: ایسے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے زندگی کا کچھ حصہ جنگل اور صحرا میں گزارا ہے(3)۔ یہی حدیث تھوڑے سے الفاظ کے اختلاف کے ساتھ امام احمد بن حنبل اور امام مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی روایت

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 152 2۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 154 3۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 5

کی ہے(1)۔ اللہ تعالیٰ نے جہنمیوں کے بارے میں مختلف مقامات پر فرمایا: وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ۖ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ (زخرف:77) اور وہ پکاریں گے اے مالک بہتر ہے کہ (تمہارا رب) ہمارا خاتمہ ہی کر ڈالے وہ جواب دے گا کہ تمہیں تو یہاں ہمیشہ (جلتے) رہنا ہے''، لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا (فاطر:36)'' نہ ان کی قضاء آئے گی کہ وہ مر جائیں اور نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے دوزخ کا عذاب''۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ﴿۱۴﴾ وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ﴿۱۵﴾ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۱۶﴾ وَ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ﴿۱۷﴾ اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿۱۸﴾ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى ﴿۱۹﴾

''بیشک اس نے فلاح پائی جس نے اپنے آپ کو پاک کیا۔ وہ اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا۔ البتہ تم لوگ دنیوی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔ حالانکہ آخرت کہیں بہتر ہے اس سے اور باقی رہنے والی ہے۔ یقیناً یہ (سب کچھ) اگلے صحیفوں میں لکھا ہوا ہے۔ (یعنی) ابراہیم اور موسیٰ (علیہما السلام) کے صحیفوں میں''۔

بے شک اس نے فلاح پائی جس نے اپنے آپ کو پاک کیا۔ بے شک اس نے فلاح اور کامرانی حاصل کی جس نے اپنے آپ کو اخلاق رذیلہ سے پاک کیا اور رسول اللہ ﷺ پر نازل شدہ احکام کی پیروی کی۔ فرمایا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا۔ جس نے اپنے پروردگار کی رضا و خوشنودی اور اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہوئے نمازوں کو ان کے اوقات میں ادا کیا۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بلاشبہ اس نے فلاح پائی جس نے یہ گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، بتوں کو چھوڑ دیا اور یہ گواہی دی کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔

''صلّٰی'' سے مراد یہ ہے کہ اس نے ان پانچ نمازوں کو پابندی اور اہتمام سے ادا کیا(2)۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مروی ہے کہ اس سے مراد پانچ نمازیں ہیں۔ عبداللہ بن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ حضرت ابوخلدہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے فرمایا کل جب تم عید کی نماز پڑھنے جاؤ تو مجھے ملتے ہوئے جانا۔ جب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا کیا تم نے کچھ کھایا ہے؟ میں نے عرض کی ہاں؟ پھر پوچھا کیا تم نے غسل کیا تھا۔ میں نے عرض کی ہاں۔ فرمایا: مجھے پہلے صدقہ فطر کے بارے میں بتاؤ۔ میں نے عرض کی کہ صدقہ فطر ادا کر دیا ہے۔ فرمانے لگے میں نے تمہیں اسی لئے بلایا تھا۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ اہل مدینہ صدقہ فطر اور مسافروں کو پانی پلانے کے عمل کو بہت افضل جانتے تھے(3)۔ امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ لوگوں کو صدقہ فطر ادا کرنے کا حکم فرماتے تھے اور یہی آیت تلاوت کرتے۔ ابوالاحوص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب تم میں سے کوئی نماز عید کی تیاری کر رہا ہو اور تمہارے پاس کوئی سائل آ جائے تو تمہیں پہلے صدقہ فطر ادا کرنا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے صدقہ فطر کا ذکر کیا ہے اور اس کے بعد نماز کا۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر کے تحت فرمایا ہے کہ وہ شخص فلاح پا گیا جس نے اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کی اور اپنے خالق کو راضی کر لیا۔

فرمایا: البتہ تم لوگ دنیاوی زندگی کو ترجیح دیتے ہو۔ دنیاوی زندگی کو آخرت کے مقابلہ میں مقدم رکھتے ہو۔ حالانکہ اخروی زندگی کو مقدم

1۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 20۔ نیز دیکھئے تفسیر سورۂ طٰہٰ آیت، جلد 74 اور سورۂ فاطر آیت: 36

2۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب التفسیر، جلد 3، صفحہ 80

3۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 156

کرنے میں ہی تمہاری دنیوی اور اخروی بھلائی ہے۔ فرمایا: حالانکہ آخرت کہیں بہتر ہے اس سے اور باقی رہنے والی ہے۔ دار آخرت میں اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ثواب دنیاوی زندگی سے بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے۔ یہ دنیا حقیر اور فانی ہے اور آخرت عزت والی اور دائمی ہے۔ کوئی عقل مند آدمی فنا ہونے والی کو باقی رہنے والی پر کیسے ترجیح دے سکتا ہے اور یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ جلد ہی ختم ہونے والی زندگی کے بارے میں کوئی اہتمام کرے اور ہمیشہ رہنے والی زندگی کے بارے میں توجہ نہ کرے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ دنیا اس کا گھر ہے جس کا آخرت میں گھر نہ ہو اور یہ اس کا مال ہے جس کا آخرت میں مال نہ ہو اور اس دنیا کو ذخیرہ کرنے میں وہی مشغول ہوتا ہے جو بے عقل ہو(1)۔ عرفجہ ثقفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس یہ سورت پڑھ رہا تھا جب وہ اس آیت کریمہ پر پہنچے تو آپ نے اس قراءت کو ترک کر دیا اور اپنے شاگردوں سے متوجہ ہو کر فرمانے لگے کیا ہم نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی ہے؟ وہ یہ سن کر خاموش رہے۔ آپ نے فرمایا: ہاں ہم نے دنیا کو ترجیح دی ہے کیونکہ ہم نے اس دنیا کی زیب و زینت، طعام و شراب اور عورتوں کو دیکھا ہے اور آخرت ہم سے پوشیدہ ہے۔ اس لئے ہم نے اس دنیا کو اختیار کر لیا ہے اور آخرت کو ترک کر دیا ہے(2)۔ یہ آپ نے یا تو انکساراً فرمایا ہے یا آپ نے ان لوگوں کے بارے میں خبر دی ہے کہ جو حقیقتاً اس میں غرق ہو چکے تھے، واللہ اعلم۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے اپنی دنیا سے محبت کی اس نے اپنی آخرت کو نقصان پہنچایا اور جس نے اپنی آخرت سے محبت کی اور اس نے اپنی دنیا کو نقصان پہنچایا۔ پس تم باقی کو فانی پر ترجیح دو۔ یہ حدیث عمرو بن ابی عمرو سے بھی مروی ہے(3)۔ فرمایا: یقیناً یہ (سب کچھ) اگلے صحیفوں میں لکھا ہوا ہے۔ (یعنی) ابراہیم اور موسیٰ علیہم السلام کے صحیفوں میں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب یہ آیات نازل ہوئیں تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ سب کچھ ابراہیم اور موسیٰ علیہم السلام کے صحائف میں بھی تھا(4)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى نازل ہوئی تو فرمایا کہ یہ سب ابراہیم اور موسیٰ علیہم السلام کے صحائف میں بھی موجود تھا اور جب آیت وَ اِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰۤى (النجم: 37) نازل ہوئی تو فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام نے وفا کی۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اس سورت کی یہ آیات سورۂ نجم کی ان آیات اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِيْ صُحُفِ مُوْسٰى ۝ وَ اِبْرٰهِيْمَ...... (النجم: 36) کی مثل ہیں(5)۔ ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ اس سورت کا بیان پہلے صحائف میں موجود ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے مراد یہ ہے قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى...... وَ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى پہلے صحائف میں موجود ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا اختیار کردہ قول ہی حسن اور قوی ہے(6)۔ حضرت قتادہ، ابن زید رحمہما اللہ تعالیٰ اور دوسرے مفسرین سے بھی یہی مروی ہے۔

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ آیت: 212، سورۂ اسراء آیت: 18، اور سورۂ نجم آیت: 29
2۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 157
3۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 412
4۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب التفسیر، جلد 3، صفحہ 80
5۔ سنن کبریٰ، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاحوذی، جلد 5، صفحہ 151
6۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 158

سورۂ غاشیہ (مکیہ)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ عید اور جمعہ کی نماز میں سورۂ اعلیٰ اور غاشیہ تلاوت فرماتے تھے۔ حضرت ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہ نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کی نماز میں سورۂ جمعہ کے ساتھ کونسی سورت تلاوت فرماتے تھے؟ آپ نے فرمایا: سورۂ غاشیہ (1)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ① وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ② عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ③ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ④ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ⑤ لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ⑥ لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ⑦

”کیا پہنچی آپ کو چھا جانے والی آفت کی خبر۔ کتنے ہی چہرے اس دن ذلیل وخوار ہوں گے۔ مشقت میں مبتلا، تھکے ماندے۔ داخل ہوں گے دہکتی ہوئی آگ میں۔ انہیں پلایا جائے گا کھولتے ہوئے چشمہ سے۔ انہیں کوئی کھانا نہ ملے گا بجز خاردار جھاڑ کے۔ جو نہ فربہ کرے گا اور نہ بھوک دور کرے گا“۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ اور ابن زید رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ غاشیہ قیامت کا نام ہے۔ اس کا یہ نام اس لئے رکھا گیا ہے کہ یہ تمام لوگوں پر چھا جائے گی اور ہر ایک پر آئے گی۔ حضرت عمرو بن میمون رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک عورت کے قریب سے گزرے جو یہ سورت تلاوت کر رہی تھی۔ آپ کھڑے ہو کر تلاوت سننے لگے اور آپ نے جواباً فرمایا: ہاں میرے پاس یہ خبر آ گئی ہے۔ فرمایا: کتنے ہی چہرے اس دن ذلیل وخوار ہوں گے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق ”خاشعة“ کا معنی ذلیل وخوار ہونا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں وہ چہرے اس دن خشوع کریں گے لیکن یہ اس دن کوئی فائدہ نہیں دے گا۔ فرمایا: مشقت میں مبتلا تھکے ماندے۔ یہ لوگ کثیر عمل کر کے تھک چکے ہوں گے۔ قیامت کے دن انہیں بھڑکتی ہوئی آگ میں پھینک دیا جائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک راہب کے دیر کے قریب سے گزرے۔ آپ نے اسے آواز دی۔ اس نے اوپر سے جھانک کر دیکھا تو آپ یہ دیکھ کر رونے لگے۔ آپ سے پوچھا گیا: امیر المؤمنین! آپ کس وجہ سے رو رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا: مجھے اس راہب کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ③ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً یاد آ گیا ہے (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ سے مراد نصرانی ہیں (3)۔ عکرمہ اور سدی رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو دنیا میں گناہوں کا ارتکاب کرتے رہے، یہی لوگ نار جہنم

1۔ الموطا، کتاب الجمعۃ، جلد 1، صفحہ 111، ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 293، نسائی، کتاب الجمعۃ، جلد 3، صفحہ 112 - مسلم، کتاب الجمعۃ، جلد 2، صفحہ 598 - ابن ماجہ، کتاب الاقامہ، جلد 1، صفحہ 355

2۔ درمنثور، جلد، صفحہ 491 - حاکم تفسیر سورۂ غاشیہ، جلد 2، صفحہ 522-521　3۔ فتح الباری تفسیر سورۃ (ھل اتاك حديث الغاشية)، جلد 8، صفحہ 700

میں مختلف قسم کے عذابوں سے تھکیں گے۔

فرمایا: دہکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے۔ انہیں کھولتے ہوئے چشمہ سے پلایا جائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حسن بصری اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ آگ سخت حرارت والی ہوگی اور یہ پانی گرم ہونے کی انتہا کو پہنچا ہوگا اور انہیں کوئی کھانا نہ ملے گا بجز خاردار جھاڑ کے۔ جناب ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ''ضریع'' جہنم کا ایک درخت ہے۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ زیتون ہے۔ ان سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ پتھر ہے۔ بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سے مراد شبرق ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قریش اس درخت کو موسم بہار میں شبرق اور موسم گرما میں ضریع کا نام دیتے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ایک کانٹے دار بوٹی ہے جو زمین کے اوپر پھیلی ہوئی ہوتی ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ضریع ایک بوٹی ہے، اسے شبرق کہتے ہیں۔ جب یہ سوکھ جاتی ہے تو اہل حجاز اسے ضریع کہتے ہیں۔ یہ زہر کی مثل کڑوی ہوتی ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ جہنمیوں کا یہ طعام انتہائی بدبودار اور برا ہوگا۔ فرمایا: جو فربہ کرے گا نہ بھوک دور کرے گا۔ کھانے کے دو مقصد ہوتے ہیں ایک بھوک دور کرنا اور دوسرا جسم کو فربہ کرنا لیکن جہنم کے کھانے میں یہ دونوں چیزیں مفقود ہوں گی۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ﴿٨﴾ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ﴿٩﴾ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿١٠﴾ لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ﴿١١﴾ فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ﴿١٢﴾ فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ﴿١٣﴾ وَّ اَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ﴿١٤﴾ وَّ نَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ ﴿١٥﴾ وَّزَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ ﴿١٦﴾

''کتنے ہی چہرے اس دن بارونق ہوں گے۔ اپنی کاوشوں پر خوش ہوں گے۔ عالیشان جنت میں۔ نہ سنیں گے وہاں کوئی لغو بات۔ اس میں چشمہ جاری ہوگا۔ اس میں اونچے اونچے تخت (بچھے) ہوں گے۔ اور ساغر (قرینے سے) رکھے ہوں گے اور گاؤ تکیے قطار در قطار لگے ہوں گے۔ اور قیمتی قالین بچھے ہوں گے''۔

اہل شقاوت کا حال ذکر کرنے کے بعد اہل سعادت کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ فرمایا: کتنے ہی چہرے اس دن بارونق ہوں گے۔ رونق اور خوشی ان کے چہروں سے عیاں ہوگی اور یہ خوشی ان کو اس لئے حاصل ہوگی کہ انہوں نے دنیا میں نیک اعمال کئے۔ فرمایا: اپنی کاوشوں پر خوش ہوں گے عالیشان جنت میں۔ اپنی محنت و کوشش پر شاداں و فرحاں ہوں گے۔ بلند و بالا جنت میں پرامن ہوں گے۔ فرمایا: نہ سنیں گے وہاں کوئی لغو بات۔ جنت میں کوئی لغو کلمہ نہیں سنیں گے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا (مریم:62) ''نہیں سنیں گے جنت میں کوئی لغو بات بجز (سلامت رہو) کی دعائیہ صدا''۔ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا (واقعہ:25) ''نہ سنیں گے وہاں لغو باتیں اور نہ گناہ والی باتیں''۔ فرمایا: اس میں چشمہ جاری ہوگا۔ یہاں ''عین'' کا لفظ نکرہ ہے جو اگرچہ اثبات کے ضمن میں ذکر کیا گیا ہے لیکن اس سے مراد ایک ہی چشمہ نہیں بلکہ جنس مراد ہے یعنی اس میں بہت سے چشمے جاری ہوں گے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جنت کی نہریں کستوری کے پہاڑوں کے نیچے سے جاری ہوں گی۔ ایک روایت میں ٹیلوں کا ذکر بھی ہے۔

فرمایا: کتنے اونچے اونچے تخت (بچھے) ہوں گے۔ جنت میں نرم و ملائم، اونچے اونچے پلنگ ہوں گے۔ جن پر حوریں مسند آراء

ہوں گی۔ جب کوئی اللہ کا ولی ان بلند پلنگوں پر بیٹھنے کا ارادہ کرے گا تو وہ نیچے آ جائیں گے اور فرمایا اور ساغر (قرینے سے) رکھے ہوں گے۔ شراب طہور سے چھلکتے ہوئے جام سلیقہ سے سجے ہوئے ہوں گے۔ جس کا جی چاہے گا وہ پی لے گا۔ فرمایا: گاؤ تکیے قطار در قطار لگے ہوئے ہوں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ ''نمارق'' سے مراد تکیے ہیں۔ کئی دوسرے مفسرین سے بھی یہی مروی ہے۔ فرمایا اور قیمتی قالین بچھے ہوں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''زرابی'' سے مراد قالین ہیں۔ یہی ضحاک رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا قول ہے۔

مَبْثُوْثَةٌ کا معنی ہے کہ وہ قالین ہر جگہ بچھے ہوں گے جو جہاں چاہے بیٹھ جائے گا۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کون ہے جو جنت کی تیاری کرے؟ جنت کی لمبائی چوڑائی بے حساب ہے۔ رب کعبہ کی قسم! وہ ایک چمکتے ہوئے نور، لہلہاتے ہوئے پھول کی طرح ہے اس میں بلند و بالا محلات، رواں دواں نہریں، پکے ہوئے پھل، حسین و جمیل بیوی، قسم قسم کے لباس ہیں۔ وہ ایک ایسا مقام ہے جو دائمی ہے۔ ہر قسم کی آلودگیوں سے پاک ہے۔ وہاں ہر طرف سبزہ ہی سبزہ اور خوشی و سرور ہو گا۔ صحابہ کرام نے یہ سن کر عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ہم اس کے لئے تیاری کریں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: انشاء اللہ کہو، تمام نے انشاء اللہ کہا(1)۔

اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ ﴿۱۷﴾ وَ اِلَی السَّمَآءِ کَیْفَ رُفِعَتْ ﴿۱۸﴾ وَ اِلَی الْجِبَالِ کَیْفَ نُصِبَتْ ﴿۱۹﴾ وَ اِلَی الْاَرْضِ کَیْفَ سُطِحَتْ ﴿۲۰﴾ فَذَكِّرْ ۫ اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ﴿۲۱﴾ لَسْتَ عَلَیْهِمْ بِمُصَیْطِرٍ ﴿۲۲﴾ اِلَّا مَنْ تَوَلّٰی وَ كَفَرَ ﴿۲۳﴾ فَیُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ ﴿۲۴﴾ اِنَّ اِلَیْنَاۤ اِیَابَهُمْ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا حِسَابَهُمْ ﴿۲۶﴾

''کیا یہ لوگ (غور سے) اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ اسے کیسے (عجیب طرح) پیدا کیا گیا ہے۔ اور آسمان کی طرف نہیں دیکھتے کہ اسے کیسے بلند کیا گیا ہے۔ اور پہاڑوں کی طرف کہ انہیں کیسے نصب کیا گیا ہے۔ اور زمین کی طرف کہ اسے کیسے بچھایا گیا ہے۔ پس آپ انہیں سمجھاتے رہا کریں۔ آپ کا کام تو سمجھانا ہی ہے۔ آپ ان کو جبر سے منوانے والے تو نہیں ہیں۔ مگر جس نے روگردانی کی اور کفر کیا تو اللہ اس کو سخت عذاب دے گا۔ بے شک انہیں (آخر) ہمارے پاس ہی لوٹ کر آنا ہے۔ پھر یقیناً ہمارے ہی ذمہ ان کا حساب لینا ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم فرمایا ہے کہ وہ اس کی تخلیق میں غور و تدبر کریں جو اس کی قدرت اور عظمت پر دلالت کرتی ہے۔ فرمایا: کیا یہ لوگ (غور سے) اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ اسے کیسے (عجیب طرح) پیدا کیا گیا ہے۔ انسان کو اونٹ کی تخلیق میں غور و فکر کرنا چاہئے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عجیب مخلوق ہے۔ اس کے جسم کی بناوٹ بھی عجیب و غریب ہے۔ انتہائی مضبوط اور قوی ہونے کے باوجود بار لدوانے کے لئے آرام سے زمین پر بیٹھ جاتا ہے۔ اگر بچہ بھی اس کی نکیل پکڑ لے تو وہ اس کی اطاعت کرتا ہے۔ اس کا دودھ پیا جاتا ہے۔ گوشت کھایا جاتا ہے حتیٰ کہ اس کے بالوں کو بھی کام میں لایا جاتا ہے۔ یہاں اونٹ کا تذکرہ اسی لئے کیا گیا ہے کہ عربوں کے پاس یہی جانور کثرت سے پایا

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ یٰسین آیت: 57

جاتا تھا۔ قاضی شریح جب یہ آیت تلاوت کرتے تو اپنے ساتھیوں سے فرماتے "آؤ باہر نکلو تا کہ ہم دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے اونٹ کو کس طرح پیدا کیا، اور آسمان میں غور وفکر کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اسے زمین سے کتنا بلند و بالا کر دیا۔" جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اَفَلَمْ یَنْظُرُوْۤا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَیْفَ بَنَیْنٰهَا وَ زَیَّنّٰهَا وَ مَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ (ق:6) "کیا انہوں نے نہیں دیکھا آسمان کی طرف جو ان کے اوپر ہے ہم نے اسے کس طرح بنایا ہے اور اسے کیسے آراستہ کیا ہے اور اس میں کوئی شگاف نہیں"۔

فرمایا: اور پہاڑوں کی طرف کہ انہیں کیسے نصب کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو زمین میں مضبوطی سے گاڑ دیا ہے تا کہ یہ زمین حرکت نہ کرے اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان میں مختلف قسم کی معدنیات اور دوسرے کئی منافع رکھے ہیں۔ فرمایا اور زمین کی طرف کہ اسے کیسے بچھایا گیا۔ زمین میں بھی غور وفکر کرنا چاہئے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے بچھا کر کیسے ہموار کر دیا۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے عرب کے بدوؤں کو متنبہ فرمایا ہے کہ وہ اپنے اس اونٹ کے بارے غور وفکر کریں جس پر وہ سوار ہوتے ہیں اور اس آسمان کے بارے جو ان کے سر کے اوپر ہے اور اس پہاڑ کے بارے، جو ان کے سامنے ہے اور زمین کے بارے، جو ان کے نیچے ہے تا کہ وہ ان چیزوں میں غور وفکر کر کے اپنے خالق کی قدرت وقوت پر استدلال کر سکیں اور انہیں معلوم ہو کہ یہ وہی عظیم پروردگار ہے جو ہر چیز کا خالق مالک اور اس میں تصرف کرنے والا ہے اور وہی معبود حقیقی ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ حضرت ضمام رضی اللہ عنہ نے جو سوالات رسول اللہ ﷺ سے کئے تھے وہ اسی قسم کی قسمیں دے کر کئے تھے۔ جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں بار بار سوال کرنے سے منع کیا گیا تھا۔ اس لئے ہماری یہ خواہش رہتی تھی کہ اہل بادیہ (صحرا نشین) میں سے کوئی عقلمند آدمی آپ سے سوال کرے اور ہم سنیں۔ ایک دن ایک صحرا نشین آیا اور کہنے لگا اے محمد (ﷺ)! آپ کے قاصد ہمارے پاس پہنچے ہیں۔ انہوں نے بتایا ہے کہ آپ کا خیال ہے کہ آپ کو اللہ نے اپنا رسول بنا کر مبعوث کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: انہوں نے سچ کہا۔ اس نے پوچھا: اس آسمان کو کس نے پیدا کیا ہے؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ نے۔ پوچھا: زمین کو کس نے پیدا کیا؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ نے۔ پوچھا: ان پہاڑوں کو کس نے گاڑا ہے اور اس میں مختلف قسم کی چیزیں کس نے پیدا کی ہیں؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ نے۔ اس نے کہا: آپ کو قسم ہے اس ذات کی جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اور ان پہاڑوں کو نصب کیا: کیا واقعی اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ پھر پوچھا: آپ کے قاصد نے ہمیں یہ بھی بتایا ہے کہ ہم پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں۔ فرمایا: انہوں نے سچ کہا ہے۔ اس نے کہا آپ کو قسم ہے اس اللہ کی جس نے آپ کو رسول بنایا! کیا اس نے آپ کو یہ حکم دیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ اس نے کہا: آپ کے قاصد نے یہ بھی کہا ہے کہ ہمارے مالوں میں ہم پر زکوٰۃ واجب ہے۔ اس نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو رسول بنایا ہے! کیا اس نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ اس نے کہا: آپ کے قاصد نے کہا ہے کہ ہم پر حج بھی واجب ہے اگر ہم اس کی استطاعت رکھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں انہوں نے سچ کہا ہے اس کے بعد وہ یہ کہتے ہوئے چلا گیا۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا! میں ان احکام پر کوئی زیادتی کروں گا نہ کمی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر اس نے یہ سچ کہا ہے تو یہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ ایک روایت کے آخر میں یہ بھی الفاظ ہیں کہ میں ضمام بن ثعلبہ ہوں(1)۔

1۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 168-143۔ مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 42-41۔ فتح الباری، کتاب العلم، جلد 1، صفحہ 149-148۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الزکاۃ، جدل 3، صفحہ 100-98۔ نسائی، کتاب الصیام، جلد 4، صفحہ 124-121۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الاقامۃ، جلد 1 صفحہ 450-449

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں اکثر زمانہ جاہلیت کی ایک عورت کے بارے میں بتایا کرتے تھے کہ وہ پہاڑ کی ایک چوٹی پر اپنے چھوٹے سے بچے کے ساتھ مقیم تھی۔ وہ بچہ اس کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ ایک دن اس بچے نے اپنی والدہ سے پوچھا: اے ماں! تمہیں کس نے پیدا کیا؟ اس نے بتایا اللہ تعالیٰ نے۔ پوچھا: میرے والد کو کس نے پیدا کیا؟ والدہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے۔ پھر پوچھا: مجھے کس نے پیدا کیا؟ کہا: اللہ تعالیٰ نے۔ پوچھا زمین و آسمان اور ان پہاڑوں کو کس نے بنایا؟ اس نے کہا اللہ تعالیٰ نے۔ اس نے پوچھا: ان بکریوں کو کس نے پیدا کیا؟ والدہ نے کہا اللہ تعالیٰ نے۔ یہ سن کر کہنے لگا: اللہ بڑی عظمتوں اور شان کا مالک ہے۔ یہ کہہ کر اس پہاڑ کی چوٹی سے چھلانگ لگادی اور گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ ہمیں اکثر یہ حدیث سنایا کرتے تھے(1) لیکن اس روایت کی سند کے ایک راوی عبداللہ الجعفر المدینی ضعیف ہیں۔ فرمایا: پس آپ انہیں سمجھاتے رہا کریں۔ آپ کا کام تو سمجھانا ہی ہے۔ آپ انہیں جبر سے تو منوانے والے نہیں ہیں۔ اے محمد! (ﷺ) آپ لوگوں کو وہ احکام یاد دلاتے ہیں جن کے ساتھ آپ کو مبعوث کیا گیا ہے۔ آپ پر تو صرف ان احکام کو پہنچانا ہی لازم ہے۔ اور ان کا حساب لینا ہمارا ہی کام ہے۔ اس لئے فرمایا: لَسْتَ عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہما فرماتے ہیں آپ ان پر جبر کرنے والے نہیں یعنی آپ ان کے دلوں میں ایمان پیدا نہیں کر سکتے۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ آپ انہیں ایمان پر مجبور نہیں کر سکتے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں کے ساتھ جہاد کروں یہاں تک کہ زبان سے کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھ لیں۔ جب انہوں نے کلمہ پڑھ لیا تو انہوں نے اپنے خون اور مال کو محفوظ کرلیا۔ بجز حق اسلام کے اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی(2)۔

فرمایا: جس نے روگردانی کی اور کفر کیا یعنی ارکان اسلام پر عمل پیرا ہونے سے روگردانی کی اور اپنی زبان اور دل سے حق کا انکار کیا۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ۝ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى (قیامہ:32-31) ''اتنی فہمائش کے باوجود نہ اس نے تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی بلکہ اس نے (حق کو) جھٹلایا اور اس سے منہ پھیر لیا''۔ اسی لئے یہاں ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ اسے سخت عذاب دے گا۔ حضرت ابوامامہ باہلی، حضرت خالد بن یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ سے سنی ہوئی کوئی ایسی بات بتاؤ جو آسان ہو انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: تم میں سے ہر کوئی جنت میں داخل ہو جائے گا۔ سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ سے اس طرح سرکشی کرے جس طرح ایک شریر اونٹ اپنے مالک سے کرتا ہے(3)۔

فرمایا: بے شک انہیں (آخر) ہمارے پاس ہی لوٹ کر آنا ہے اور پھر یقیناً ہمارے ہی ذمہ ان کا حساب لینا ہے۔ وہ ہماری ہی بارگاہ میں لوٹ کر آئیں گے اور ہم ہی ان کے اعمال کا محاسبہ کریں گے۔ اگر عمل اچھا ہوگا اس کی جزا بھی اچھی ہوگی اور اگر عمل برا ہوگا تو اس کی سزا بھی بری ہوگی۔

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ مومنون آیت: 876

2۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 300۔ مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 53- عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ غاشیۃ، جلد 12، صفحہ 243- سنن کبریٰ، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 2، صفحہ 303-302

3۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 258- حاتم: الجرح والتعدیل، جلد 6، صفحہ 184

سورۃ الفجر (مکیہ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے کہ ایک شخص آیا اور نماز میں شامل ہو گیا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے نماز میں طویل قراءت کی اس نے نماز توڑ کر مسجد کے ایک کونہ میں اپنی نماز پڑھی اور چلا گیا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو اس کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا: وہ منافق ہے اور رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں اس شخص کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے اس شخص سے پوچھا تو اس نے عرض کی: یا رسول اللہ! (ﷺ) میں ان کے ساتھ ہی نماز پڑھ رہا تھا۔ جب انہوں نے طویل قراءت کی تو میں نے جماعت چھوڑ کر مسجد کے کونے میں نماز پڑھی اور گھر آ کر اپنی اونٹنی کو چارہ ڈالا۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے معاذ! تم لوگوں کو آزمائش میں ڈالتے ہو۔ تجھے سورۃ الاعلیٰ، الشمس، الفجر اور اللیل یاد نہیں (1)۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

وَالۡفَجۡرِ ﴿۱﴾ وَلَیَالٍ عَشۡرٍ ﴿۲﴾ وَّالشَّفۡعِ وَالۡوَتۡرِ ﴿۳﴾ وَالَّیۡلِ اِذَا یَسۡرِ ﴿۴﴾ هَلۡ فِیۡ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِیۡ حِجۡرٍ ﴿۵﴾ اَلَمۡ تَرَ كَیۡفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ﴿۶﴾ اِرَمَ ذَاتِ الۡعِمَادِ ﴿۷﴾ الَّتِیۡ لَمۡ یُخۡلَقۡ مِثۡلُهَا فِی الۡبِلَادِ ﴿۸﴾ وَثَمُوۡدَ الَّذِیۡنَ جَابُوا الصَّخۡرَ بِالۡوَادِ ﴿۹﴾ وَفِرۡعَوۡنَ ذِی الۡاَوۡتَادِ ﴿۱۰﴾ الَّذِیۡنَ طَغَوۡا فِی الۡبِلَادِ ﴿۱۱﴾ فَاَكۡثَرُوۡا فِیۡهَا الۡفَسَادَ ﴿۱۲﴾ فَصَبَّ عَلَیۡهِمۡ رَبُّكَ سَوۡطَ عَذَابٍ ﴿۱۳﴾ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالۡمِرۡصَادِ ﴿۱۴﴾

”قسم ہے اس صبح کی اور ان (مقدس) دس راتوں کی۔ اور قسم ہے جفت اور طاق (راتوں) کی۔ اور رات کی جب گزرنے لگے۔ یقیناً اس میں قسم ہے عقلمند کے لئے۔ کیا آپ نے ملاحظہ نہ کیا کہ آپ کے رب نے کیا کیا عاد ارم کے ساتھ۔ جو اونچے ستونوں والے تھے۔ نہیں پیدا کیا گیا جن کا مثل (دنیا کے) ملکوں میں۔ اور ثمود کے ساتھ (کیا کیا) جنہوں نے کاٹا تھا چٹانوں کو وادی میں۔ اور (کیا کیا) فرعون کے ساتھ جو میخوں والا تھا۔ جنہوں نے سرکشی کی تھی (اپنے اپنے) ملکوں میں۔ پھر ان میں بکثرت فساد برپا کر دیا تھا۔ پس آپ کے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا۔ بے شک آپ کا رب (سرکشوں اور مفسدوں کی) تاک میں ہے“۔

فجر کے بارے میں تو ہر کوئی جانتا ہے کہ اس سے مراد صبح ہے۔ محمد بن کعب اور مسروق رحمہما اللہ تعالیٰ کہتے ہیں اس سے قربانی کے دن کی فجر مراد ہے۔ اسی دن ذی الحجہ کی دس راتیں ختم ہوتی ہیں۔ بعض نے کہا ہے اس سے مراد فجر کی نماز ہے۔ اس کے قائل عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے سارا دن مراد ہے (2)۔

1۔ سنن کبریٰ، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 2، صفحہ 267　2۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 168

حضرت ابن عباس اور ابن زبیر رضی اللہ عنہم اور کئی دوسرے مفسرین فرماتے ہیں: وَلَيَالٍ عَشْرٍ سے مراد ذی الحجہ کی دس راتیں ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی نیک عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنا محبوب نہیں جو ان ایام (ذوالحجہ) میں ہوتا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کی اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد بھی نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں مگر کوئی شخص اپنی جان و مال کا نذرانہ لے کر اللہ کی راہ میں نکلے اور پھر واپس نہ لوٹے (1)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اس سے مراد محرم کے دس دن ہیں لیکن اس کو کسی طرف منسوب نہیں کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس سے مراد رمضان کا پہلا عشرہ ہے لیکن پہلا قول ہی صحیح ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وَلَيَالٍ عَشْرٍ سے مراد عید الاضحیٰ کے دس دن ہیں، ''وتر'' سے مراد یوم عرفہ اور ''شفع'' سے مراد قربانی کا دن ہے۔ اسے امام احمد اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے (2)۔

فرمایا: قسم ہے جفت اور طاق (راتوں) کی۔ اس کے بارے میں کئی اقوال ہیں پہلا قول یہ ہے کہ ابھی حدیث گزر چکی ہے کہ وتر سے مراد یوم عرفہ ہے کیونکہ وہ نویں ذوالحجہ کا دن ہے اور شفع سے مراد قربانی کا دن ہے جو دسویں ذوالحجہ کو ہوتی ہے۔ دوسرا یہ کہ واصل بن سائب فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا: کیا وتر سے مراد نماز وتر ہے؟ انہوں نے فرمایا: نہیں۔ شفع سے یوم عرفہ اور وتر سے شب قربانی مراد ہے۔ تیسرا یہ کہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے خطبہ کے دوران کسی نے پوچھا اے امیر المؤمنین! مجھے شفع اور وتر کے بارے میں بتائیں۔ آپ نے فرمایا: شفع سے مراد اللہ کا یہ ارشاد ہے: فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ (بقرہ: 203) ''اور جو جلدی کر کے دو دنوں میں ہی چلا گیا تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں''، اور وتر سے مراد اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ (بقرہ: 203) ''اور جو کچھ دیر وہاں ٹھہرا رہا تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں''۔ اور آپ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ ''شفع'' سے مراد ایام تشریق کا درمیانی دن ہے اور وتر سے مراد آخری دن ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسماء الحسنیٰ ہیں۔ جس نے ان کو یاد کیا وہ جنت میں داخل ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ وتر ہے اور وتر کو پسند فرماتا ہے (3)۔ چوتھا یہ کہ حضرت حسن بصری اور زید بن اسلم رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: شفع اور وتر سے مراد اللہ تعالیٰ کی تمام جفت اور طاق مخلوق ہے اور اللہ نے اپنی مخلوق کی قسم کھائی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ وتر (واحد) ہے اور تم شفع (جفت جوڑے) ہو۔ ایک قول یہ ہے کہ شفع سے نماز فجر اور وتر سے نماز مغرب مراد ہے۔ پانچواں یہ کہ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شفع سے مراد جفت ہے اور وتر سے مراد ذات الٰہی ہے۔ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ وتر ہے اور اس کی مخلوق جفت یعنی مذکر و مؤنث، فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کا جوڑا جوڑا پیدا کیا ہے، جیسے بحر و بر، زمین و آسمان، خشکی و تری، جن و انس، شمس و قمر وغیرہما۔ انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے: وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (ذاریات: 49) اور ہم نے ہر چیز کے جوڑے بنائے تا کہ تم غور و فکر کرو'۔ تا کہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ ان تمام جفت اشیاء کو پیدا کرنے والا واحد اور یکتا ہے۔ چھٹا یہ کہ قتادہ نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ اس سے طاق اور جفت اعداد مراد ہیں۔ ساتواں یہ کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ شفع سے مراد دو دن اور وتر سے مراد تیسرا دن

1۔ فتح الباری، کتاب العیدین، جلد 2، صفحہ 457

2۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 327۔ سنن کبریٰ، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 2، صفحہ 296 تفسیر طبری، جلد 30 صفحہ 176، 169

3۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 172

ہے۔ یہ حدیث اس روایت کے مخالف ہے جو پہلے گزر چکی ہے۔ ابوالعالیہ اور ربیع بن انس رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہما فرماتے ہیں۔ شفع سے مراد دو اور چار رکعات والی نمازیں اور وتر سے مراد مغرب اور وتر کی نماز ہے۔ نبی کریم ﷺ سے بھی ایک مرفوع روایت ہے: جس میں ارشاد فرمایا: اس سے مراد مطلق نماز ہے۔ بعض صحابہ کرام سے ہی مروی ہے کہ اس سے مراد فرض نماز ہے لیکن یہ حدیث مرفوع نہیں ہے۔ اصح بات یہی ہے کہ یہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے، واللہ اعلم۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے ان تمام اقوال کو ذکر کر کے کوئی قول فیصل ذکر نہیں کیا کہ ان میں کونسا صحیح ہے۔ فرمایا: اور رات کی جب گزرنے لگے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: قسم ہے رات کی جب وہ ختم ہو جائے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں قسم ہے رات کی جب اس کا بعض حصہ ختم ہو جائے۔ مجاہد اور ابوالعالیہ رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہما فرماتے ہیں قسم ہے رات کی جب وہ چلنے لگے۔ اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول پر ہی محمول کیا جا سکتا ہے۔ یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہو: قسم ہے رات کی جب وہ آنے لگے۔ یہی قول زیادہ مناسب لگتا ہے کیونکہ یہاں اس کو ''وَالْفَجْرِ'' کے مقابلہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ فجر کا معنی دن کا آنا ہے اور رات کا جانا ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ کے ارشاد وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ کو رات کے آنے پر محمول کیا جائے گا تو یہ قسم رات کے آنے اور دن کے جانے کی ہوگی اور اس کے برعکس اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ ﴿۱۷﴾ وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ (تکویر: 17)۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی منقول ہے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس سے مراد مزدلفہ کی رات ہے۔ فرمایا: یقیناً اس میں قسم ہے عقلمند کے لئے۔ ذی حجر صاحب عقل کو کہتے ہیں، عقل کو حجر کہتے ہیں کیونکہ وہ انسان کو نامناسب افعال و اقوال سے روکتی ہے۔ حطیم کو بھی حجر البیت اس لئے کہتے ہیں کہ وہ طواف کرنے والے کو کعبہ شریف کی شامی دیوار سے روکتا ہے اور اسی سے ماخوذ ہے: حجر يمامه۔ عربوں کا قول ہے: حجر الحاكم على فلان۔ یہ اس وقت کہتے ہیں جب حاکم کسی کے تصرفات کرنے پر پابندی لگا دے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا (فرقان: 22) ''اور فرشتے کہیں گے تمہارے لئے (جنت کا داخلہ) قطعاً حرام ہے''۔ ان تمام الفاظ کا معنی و مفہوم قریب قریب ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے کبھی تو عبادت کے اوقات کی قسم کھائی، کبھی حج، نماز اور دوسری عبادات کی قسم کھائی جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے اس کی رضا و خوشنودی حاصل کرتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں اور ان کی عبادت و اطاعت کا تذکرہ کیا۔ تو اس کے بعد ارشاد فرمایا: کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ آپ کے رب نے کیا کیا عاد ارم کے ساتھ جو اونچے ستونوں والے تھے۔ یہ لوگ انتہائی سرکش، ظالم اور خودسر تھے۔ اطاعت الٰہی سے روگرداں تھے۔ اس کے رسولوں کو جھٹلاتے تھے۔ اس کی کتابوں کے منکر تھے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے ان کی ہلاکت و بربادی کا ذکر کیا ہے تاکہ آنے والے لوگوں کے لئے عبرت کا سامان بنے۔ یہ عادِ اولیٰ ہیں جو کہ عاد بن ارم بن اوس بن سام بن نوح کی اولاد ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا۔ جب انہوں نے ان کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود علیہ السلام اور ان کے پیروکاروں کو بچا لیا اور ان کو سخت سرد اور تیز آندھی کے ساتھ ہلاک کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن تک اس آندھی کو مسلط کئے رکھا جو جڑوں سے اکھیڑ لیتی تھی۔ تو قوم عاد کو ان دنوں دیکھتا تو تمہیں دکھائی دیتا کہ وہ گرے پڑے ہیں گویا کہ وہ کھوکھلی کھجوروں کا ڈھیر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں متعدد مقامات پر ان کے قصہ کا ذکر کیا ہے تاکہ اہل ایمان ان کی ہلاکت سے عبرت حاصل کریں: اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ عاد سے عطف بیان ہے جس سے ان کی مزید وضاحت ہو جاتی ہے۔ انہیں ذَاتِ الْعِمَادِ اس لئے کہا گیا ہے کیونکہ وہ بالوں سے بنے ہوئے خیموں میں رہتے

تھے جن کے لمبے لمبے ستون ہوتے تھے۔ وہ اپنے زمانہ میں قوت اور جسمانی بناوٹ کے لحاظ سے بڑے مضبوط تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو اس نعمت کی یاد دہانی کرائی اور ان کی راہنمائی فرمائی کہ وہ اپنی اس قوت و استعداد کو اللہ کی اطاعت میں صرف کریں جس نے ان کو پیدا فرمایا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ (اعراف: 74) ’’اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے بنایا تمہیں جانشین عاد کے بعد اور ٹھکانہ دیا تمہیں زمین میں تم بناتے ہو اس کے میدانی علاقوں میں عالی شان محل اور تراشتے ہو پہاڑوں میں مکانات سو یاد کرو اللہ کی نعمتوں کو اور نہ پھرو زمین میں فساد برپا کرتے ہوئے‘‘۔ اور دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ (سجدہ: 15) ’’پس قوم عاد نے تو سرکشی اختیار کی زمین میں ناحق‘‘۔

اور یہاں ارشاد فرمایا: الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ اس قبیلہ کی مثل کسی شہر میں پیدا نہیں کئے۔ یہ لوگ انتہائی قوت اور عظمت کے مالک تھے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ارم ایک قدیم قوم ہے۔ قتادہ اور سدی رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ ارم قوم عاد کی مملکت کا دارالسلطنت تھا۔ یہ قول انتہائی خوبصورت اور قوی ہے۔ مجاہد، قتادہ اور کلبی رحمہم اللہ تعالیٰ کہتے ہیں انہیں ذَاتِ الْعِمَادِ اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ خیموں میں رہتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ انہیں طویل القامت ہونے کی وجہ سے ذَاتِ الْعِمَادِ کہا گیا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے قول کو اختیار کیا ہے، دوسرے کو چھوڑ دیا ہے (1)۔ فرمایا: نہیں پیدا کیا ان کا مثل (دنیا کے) ملکوں میں۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ نے ’’مثلھا‘‘ کی ضمیر کا مرجع ’’العماد‘‘ بتایا ہے یعنی انہوں نے مقام احقاف میں ایسے ستون بنائے جن کی مثل دنیا کے ملکوں میں نہیں پیدا کی گئی۔ قتادہ اور ابن جریر رحمہما اللہ تعالیٰ نے اس ضمیر کا مرجع قبیلہ بتایا ہے۔ یعنی اس قسم کا قبیلہ اس زمانہ میں نہیں پیدا کیا گیا۔ یہی قول صحیح ہے۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ضعیف ہے۔ اگر اس سے مراد ابن زید رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق العماد ہوتا تو اللہ تعالیٰ فرماتا: التی لم یعمل مثلھا فی البلاد حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ کا ذکر کیا فرمایا: وہ لوگ کتنے طاقتور تھے ان میں سے ایک آدمی ایک بہت بڑی چٹان اٹھا کر ایک پورے قبیلہ پر مارتا تو اسے ہلاک کر دیتا۔

ثور بن زید دیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک کتاب پڑھی جس میں یہ لکھا ہوا تھا: میں شداد بن عاد ہوں۔ میں وہی ہوں جس نے ستونوں کو بلند کیا۔ میں ہی وہ ہوں جس نے اپنے بازوؤں کو مضبوط کیا اور میں نے سات گز گہرا خزانہ دفن کیا جسے صرف امت محمدیہ (علیھا وعلی صاحبھا الصلوۃ والسلام) ہی نکالے گی (2)۔ الغرض العماد سے مراد خواہ وہ عمارتیں لی جائیں جو انہوں نے بنائیں، یا ستون یا ہتھیار جن سے وہ جنگ کرتے تھے یا طویل القامت، بہر حال وہ قبیلہ تھا جو گزشتہ امتوں میں سے ایک امت تھی۔ ان کا ذکر قرآن کریم میں کئی ایک مقامات پر قوم ثمود کے ساتھ آیا ہے، واللہ اعلم۔

سعید بن مسیب اور عکرمہ رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ سے مراد دمشق کا شہر ہے۔ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے لکھا ہے کہ اس سے مراد اسکندریہ کا شہر ہے (3) مگر یہ قول محل نظر ہے کیونکہ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ عاد سے بدل یا عطف بیان ہے۔ اگر قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول مانا جائے تو کلام میں خلل واقع ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہاں یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عاد نامی قبیلہ پر

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 77 2۔ تفسیر طبری، جلد 20، صفحہ 47

3۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 175 - درمنثور، جلد 8، صفحہ 506

عذاب نازل کر کے ان کو ہلاک کر دیا۔ نہ کہ کسی شہر اور سلطنت کے بارے میں خبر دینا مقصود ہے۔ میں نے اس پر خصوصی طور پر تنبیہ کی ہے تا کہ لوگ بعض مفسرین کے ان اقوال سے دھوکہ نہ کھا جائیں جو انہوں نے اس آیت کی تفسیر کے تحت لکھے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ایک شہر ہے جس کے محلات اور مکانات سونے چاندی کی اینٹوں کے بنے ہوئے ہیں۔ وہاں کی کنکریاں موتی اور جواہر ہیں۔ اس کی مٹی مشک اور کستوری ہے۔ نہریں رواں دواں ہیں۔ پھل پکے ہوئے ہیں لیکن وہاں کوئی رہنے والا نہیں۔ اس کے در و دیوار پر سناٹا چھایا ہوا ہے۔ وہاں کوئی پکارنے والا ہے نہ کوئی جواب دینے والا۔ یہ شہر اپنی جگہ بدلتا رہتا ہے۔ کبھی شام میں ہوتا ہے تو کبھی یمن میں، کبھی عراق میں اور کبھی دوسری جگہ۔ یہ سب بنو اسرائیل کے بے دین لوگوں کی وضع کردہ خرافات ہیں۔ وہ اس قسم کی حکایات گھڑتے ہیں تا کہ جاہل لوگ ان کی تصدیق کریں۔

ثعلبی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں عبداللہ بن قلابہ نامی بدو اپنے گمشدہ اونٹوں کی تلاش میں نکلا۔ وہ ان کی تلاش میں سرگرداں تھا کہ اچانک ایک بہت بڑے شہر میں پہنچا جس کی فصیل اور دروازے تھے۔ وہ شہر میں داخل ہو گیا۔ یہ شہر اسی قسم کا تھا جس کا ابھی ہم نے ذکر کیا ہے۔ وہ اس میں گھوم پھر کر واپس آیا۔ لوگوں کو اس کے بارے میں بتایا۔ لوگ اس کے ساتھ اس جگہ گئے لیکن وہاں کچھ بھی نہ تھا۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اس قصہ کو تفصیلاً بیان کیا ہے۔ اس کی سند صحیح نہیں اگر اس بدو تک اس سند کو صحیح مان بھی لیا جائے تو ممکن ہے اس نے اس قصہ کو خود ہی گھڑ لیا ہو، یا عالم تصور میں اس نے دیکھا ہو اور پھر اس کو حقیقت سمجھ لیا ہو۔ اسی طرح بعض جاہل، لالچی اور احمق لوگ بیان کرتے ہیں کہ زمین کے نیچے سونے چاندی کے مختلف قسم کے موتی و جواہر اور اکسیر کبیر کے خزانے ہیں لیکن وہاں بعض ایسی چیزیں ہیں جن کی وجہ سے وہاں پہنچنا مشکل ہے، اس طرح وہ مالدار اور ضعیف الاعتقاد لوگوں کے مال لوٹتے ہیں اور باطل طریقہ سے کھاتے ہیں۔ اس میں وہ مختلف قسم کی جڑی بوٹیوں کو جلا کر اس سے دھواں پیدا کرتے ہیں اور لوگوں کو بے وقوف بناتے ہیں۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ زمانہ جاہلیت یا قدیم اسلامی دور کا کوئی مدفون خزانہ کسی کو مل جائے اور وہ وہاں سے اسے نکال لائے لیکن جس طرح یہ لوگ ان خزانوں کے بارے میں اعلان کرتے ہیں، یہ سب جھوٹا اور افتراء ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ ممکن ہے کہ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ سے قبیلہ یا وہ شہر مراد لیا جائے جس میں عاد رہائش پذیر تھے۔ اسی لئے یہ غیر مصرف ہے لیکن ان کا قول محل نظر ہے (1) کیونکہ کلام کے سیاق سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ان کے قبیلہ کے بارے میں خبر دی جا رہی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد ارشاد فرمایا اور ثمود سے (کیا کیا) جنہوں نے کاٹا تھا چٹانوں کو وادی میں۔ یہ وادی میں چٹانوں کو تراشتے اور ان سے گھر بناتے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ (شعراء:149) ”اور تراشتے رہو گے پہاڑوں میں گھر ماہر (سنگ تراش) بنتے ہوئے“۔

ابن اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یہ قدیم عربی لوگ تھے۔ وادی قریٰ میں رہائش پذیر تھے۔ ہم نے ان کا تفصیلی ذکر سورۂ اعراف میں کیا ہے اس لئے یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں۔ فرمایا: اور (کیا کیا) فرعون کے ساتھ جو میخوں والا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ”اوتاد“ سے مراد فرعونی لشکر ہے جو اس کے حکم کو پورا کرتے تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ فرعون جب غصہ میں آتا تو لوگوں کے ہاتھوں اور پاؤں میں میخیں گاڑ کر باندھ دیتا۔ بعض مفسرین کا قول ہے کہ وہ آدمی کے دونوں پاؤں میں میخیں گاڑ کر اوپر سے ایک بہت بڑی

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 176

چٹان گرا دیتا جس سے وہ ہلاک ہو جاتا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اس نے کھیل کے میدان بنائے ہوئے تھے جہاں میخوں اور رسیوں کے ساتھ اس کے سامنے مختلف کھیلوں کا مظاہرہ کیا جاتا۔ فرعون کو ذِی الْاَوْتَادِ کہنے کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ اس نے اپنی زوجہ محترمہ حضرت آسیہ جو مسلمان ہو چکی تھیں، ان کے ہاتھ اور پاؤں میں میخیں لگوا کر ایک چکی کا بہت بڑا پتھر گرانے کا حکم دیا، جس کی وجہ سے ان کی شہادت واقع ہو گئی۔ فرمایا: جنھوں نے سرکشی کی تھی اپنے اپنے ملکوں میں پھر ان میں بکثرت فساد برپا کر دیا تھا۔ یہ لوگ سرکش اور باغی ہو گئے۔ زمین میں فساد برپا کیا۔ لوگوں کو اذیتیں پہنچائی۔ خدا کی مقرر کردہ حدود کو توڑا۔ فرمایا: پس آپ کے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر آسمان سے عذاب نازل کیا اور انہیں ایسی سزا دی جسے کوئی ان مجرموں سے دور نہیں کر سکتا تھا۔ فرمایا: بے شک آپ کا رب (سرکشوں اور مفسدوں) کی تاک میں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں بے شک تمہارا پروردگار سمیع و بصیر ہے۔ وہ اپنی مخلوق کے تمام اعمال کا مشاہدہ فرما رہا ہے۔ وہ ہر ایک کو اس کی کوشش کا بدلہ دنیا و آخرت میں عطا فرمائے گا۔ تمام مخلوق اس کے حضور پیش کی جائے گی وہ ان کے بارے میں عدل و انصاف سے فیصلہ فرمائے گا ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا و سزا دے گا جس کا وہ مرتکب ہوگا، وہ ظلم و زیادتی سے منزہ و مبرا ہے۔ یہاں ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث ذکر کی ہے جو انتہائی غریب ہے اور اس کی سند بھی محل نظر ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے معاذ! مؤمن حق کا قیدی ہے۔ بے شک مؤمن کا دل مضطرب اور پریشان ہے۔ اس کے پیچھے پل صراط ہوگا۔ اے معاذ! بے شک مؤمن کو قرآن حکیم نے بہت سی شہوات اور ان میں مستغرق ہونے سے روک دیا ہے۔ قرآن کریم اس کی دلیل ہے۔ خوف اس کی حجت، شوق اس کی سواری اور نماز اس کی پناہ گاہ، روزہ اس کی ڈھال، صدقہ جہنم کی آگ سے چھٹکارا۔ صدق اس کا امیر، حیاء اس کا وزیر، اس کا پروردگار ان تمام کے ساتھ ساتھ اس کی تاک میں ہے۔ ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس کی سند میں یونس حذاء اور ابو حمزہ مجہول ہیں اور اس میں ایک جگہ ارسال بھی ہے۔ ابن عبد الکلاعی رحمۃ اللہ علیہ ایک دن وعظ فرما رہے تھے۔ انہوں نے اپنے وعظ میں فرمایا کہ ان کے اوپر پل صراط ہے مخلوق کو پہلے پل کے پاس روکا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا: وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْـُٔوْلُوْنَ (صافات:24)'' اور (اب ذرا) روک لو انہیں، ان سے باز پرس کی جائے گی''۔ فرمایا: یہاں نماز کے بارے محاسبہ ہوگا۔ اس کے بارے لوگوں سے پوچھا جائے گا۔ یہاں کچھ لوگ ہلاک ہو جائیں گے اور کچھ نجات پا جائیں گے جب دوسرے پل پر پہنچیں گے تو یہاں امانت کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ اسے کیسے ادا کیا اور اس میں کیسے خیانت کی۔ یہاں سے جو بچیں گے وہ تیسرے پل پر پہنچیں گے یہاں صلہ رحمی کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ صلہ رحمی بھی اس دن وہاں موجود ہوگی۔ عرض کرے گی: اے اللہ! جس نے مجھے ملایا اسے تو ملا اور جس نے مجھے قطع کیا اسے تو بھی قطع کر دے۔ یہی معنی ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اس اثر کو اتنا ہی ذکر کیا ہے مکمل ذکر نہیں کیا۔

فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ﴿۱۵﴾ وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ﴿۱۶﴾ كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ﴿۱۷﴾ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿۱۸﴾ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ﴿۱۹﴾ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿۲۰﴾

''مگر انسان (بھی عجب شے ہے) کہ جب آزماتا ہے اسے اس کا رب یعنی اس کو عزت دیتا ہے اور اس پر انعام فرماتا ہے، تو وہ کہتا ہے میرے رب نے مجھے عزت بخشی۔ اور جب اس کو (یوں) آزماتا ہے کہ اس پر روزی تنگ کر دیتا ہے تو کہنے لگتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا۔ ایسا نہیں ہے بلکہ (اس کی وجہ یہ ہے کہ) تم یتیم کی عزت نہیں کرتے۔ اور نہ تم ترغیب دیتے ہو مسکین کو کھانا کھلانے کی۔ اور چٹ کر جاتے ہو میراث کا سارا مال۔ اور دولت سے حد درجہ محبت کرتے ہو''۔

بسا اوقات اللہ تعالیٰ انسان کی آزمائش کے لئے اس کے رزق میں وسعت عطا فرما دیتا ہے۔ وہ یہ خیال کرنے لگتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تکریم کی ہے حالانکہ وہ محض ابتلاء و آزمائش ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی چیز کو یہاں بیان فرمایا ہے۔ فرمایا: مگر انسان (عجب شی ہے) کہ جب آزماتا ہے اس کا رب (اسے) یعنی اسے عزت دیتا ہے اور انعام فرماتا ہے تو وہ کہتا ہے میرے رب نے مجھے عزت بخشی۔ اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: اَیَحۡسَبُوۡنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمۡ بِهٖ مِنۡ مَّالٍ وَّ بَنِیۡنَ ﴿۵۵﴾ نُسَارِعُ لَهُمۡ فِی الۡخَیۡرٰتِ ؕ بَلۡ لَّا یَشۡعُرُوۡنَ (مومنون: 55-56) ''کیا یہ تفرقہ باز خیال کرتے ہیں کہ ہم جو ان کی مدد کر رہے ہیں مال و اولاد (کی کثرت) سے تو ہم جلدی کر رہے ہیں انہیں بھلائیاں پہنچانے میں (یوں نہیں) بلکہ وہ (حقیقت حال سے) بے خبر ہیں''۔ اسی طرح اس کے برعکس اللہ تعالیٰ انسان کی آزمائش اور ابتلاء کے لئے اس کے رزق میں کمی اور تنگی کر دیتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ذلیل کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''بات ایسے نہیں جیسے انسان نے گمان کیا۔ اللہ تعالیٰ اسے بھی مال عطا کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور جسے نہیں چاہتا اور اسی طرح اپنے محبوبوں پر رزق کی تنگی کر دیتا ہے''(1)۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کی ہر حال میں اطاعت کرنی چاہئے۔ اگر وہ غنی ہے تو اللہ تعالیٰ کی عطاء پر اس کا شکریہ ادا کرے اور اگر وہ فقیر ہے تو اس پر صبر کرے۔

فرمایا: ''بل'' اس کی وجہ یہ ہے کہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے۔ یہاں یتیم کی عزت و تکریم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مومنین کا بہترین گھر وہ ہے جس میں یتیم کی اچھی پرورش ہو رہی ہو اور سب سے برا گھر وہ ہے جس میں یتیم کے ساتھ بدسلوکی کی جا رہی ہو''۔ پھر آپ ﷺ نے اپنی انگلی کے ساتھ اشارہ کر کے فرمایا: میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے۔ ایک دوسری روایت میں آپ ﷺ نے اپنی درمیانی انگلی اور اس کے ساتھ والی انگلی کو ساتھ ملاتے ہوئے ارشاد فرمایا: میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے یعنی قریب قریب(2)۔ فرمایا: اور نہ تم مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتے ہو۔ تم لوگ فقراء و مساکین پر مہربانی اور احسان کرنے اور اس پر ایک دوسرے کو برانگیختہ کرنے کی ترغیب نہیں دیتے۔ فرمایا اور میراث کا سارا مال چٹ کر جاتے ہو۔ ''تراث'' سے مراد میراث ہے یعنی وہ مال حلال و حرام جو کسی ذریعہ سے بھی حاصل ہو ہڑپ کر جاتے ہو اور دولت سے حد درجہ محبت کرتے ہو۔ دولت کی محبت میں تم حد سے تجاوز کر گئے۔

كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الۡاَرۡضُ دَكًّا دَكًّا ﴿۲۱﴾ وَّ جَآءَ رَبُّكَ وَ الۡمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿۲۲﴾ وَ جِایۡٓءَ يَوۡمَئِذٍۭ بِجَهَنَّمَ ۙ۬ يَوۡمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الۡاِنۡسَانُ وَ اَنّٰى لَهُ الذِّكۡرٰى ﴿۲۳﴾ يَقُوۡلُ يٰلَيۡتَنِىۡ قَدَّمۡتُ لِحَيَاتِىۡ ﴿۲۴﴾ فَيَوۡمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗۤ اَحَدٌ ﴿۲۵﴾ وَّ لَا يُوۡثِقُ وَثَاقَهٗۤ اَحَدٌ ﴿۲۶﴾ يٰۤاَيَّتُهَا

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ مومنون آیت: 55

النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿٢٧﴾ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿٢٨﴾ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ﴿٢٩﴾ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ﴿٣٠﴾

"یقیناً جب زمین کو کوٹ کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا اور جب آپ کا رب جلوہ فرما ہوگا اور فرشتے قطار در قطار حاضر ہوں گے۔ اور (سامنے) لائی جائے گی اس دن جہنم۔ اس روز انسان کو سمجھ آئے گی لیکن اس سمجھنے کا کیا فائدہ؟ (اس دن) کہے گا کاش! میں نے (کچھ) آگے بھیجا ہوتا اپنی (اس) زندگی کے لئے۔ پس اس دن اللہ کے عذاب کی طرح نہ کوئی عذاب دے سکے گا۔ اور نہ اس کے باندھنے کی طرح کوئی باندھ سکے گا۔ اے نفس مطمئن واپس چلو اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو اس سے راضی (اور) وہ تجھ سے راضی۔ پس شامل ہو جاؤ میرے (خاص) بندوں میں اور داخل ہو جاؤ میری جنت میں"۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن اور اس کی ہولناکیوں کا ذکر کیا ہے۔ فرمایا: یقیناً جب زمین کو کوٹ کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا۔ زمین کو ہموار کر دیا جائے گا اور پہاڑوں کو برابر۔ تمام مخلوق اپنی قبروں سے اٹھ کر اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہوگی۔ فرمایا: اور جب آپ کا رب جلوہ فرما ہوگا اور فرشتے قطار در قطار حاضر ہوں گے۔ اس دن اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے جلوہ گر ہوگا۔ اس سے پہلے لوگ یکے بعد دیگرے تمام اولوالعزم رسولوں کی خدمت میں شفاعت کے لئے حاضر ہوں گے ان میں ہر ایک کہے گا کہ یہ میرے اختیار میں نہیں۔ اس کے بعد لوگ سید الانبیاء والمرسلین کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ آپ ﷺ ارشاد فرمائیں گے: ہاں میں اس کے لئے تیار ہوں۔ پھر آپ شفاعت کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی شفاعت کو قبول فرما کر فیصلہ کے لئے جلوہ افروز ہوگا۔ یہ سب سے پہلی شفاعت ہے اور یہی وہ مقام محمود ہے جس کا ذکر سورۂ اسراء میں گزر چکا ہے(1)۔ جب اللہ تعالیٰ جلوہ افروز ہوگا تو فرشتے قطار در قطار کھڑے ہوں گے۔ فرمایا: اور اس دن جہنم سامنے لائی جائے گی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس دن جہنم کو لایا جائے گا۔ اس کی ستر ہزار لگامیں ہوں گی اور ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے اس کو کھینچ رہے ہوں گے(2)۔ فرمایا اس روز انسان کو سمجھ آئے گی۔ اس دن انسان اپنے گزشتہ اعمال کو یاد کرے گا۔ لیکن اسے اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ فرمایا: اس دن انسان کہے گا: کاش میں نے اپنی اس زندگی کے لئے آگے کچھ بھیجا ہوتا۔ انسان اگر گنہگار ہوگا تو اس دن اپنے گزشتہ گناہوں پر شرمسار ہوگا اور اگر اطاعت گزار اور وفا شعار ہوگا تو وہ خواہش کرے گا کہ کاش میں نے زیادہ نیکیاں کی ہوتیں۔ محمد بن عمیر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں اگر کوئی انسان پیدا ہوتے ہی سجدہ میں گر جائے اور موت تک اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں مشغول رہے، قیامت کے دن وہ اس کو بھی حقیر سمجھے گا اور وہ خواہش کرے گا: کاش اسے دنیا کی طرف واپس لوٹا دیا جائے تاکہ وہ مزید نیکی کے اعمال سرانجام دے(3)۔

فرمایا: پس اس دن اللہ کے عذاب کی طرح نہ کوئی عذاب دے سکے گا اور نہ اس کے باندھنے کی طرح کوئی باندھ سکے گا۔ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر نافرمانوں کو کوئی سخت عذاب دینے پر قادر نہیں اور جہنم کے داروغوں سے بڑھ کر کفار کو زنجیروں میں جکڑنے والا کوئی نہیں ہوگا۔ یہ حکم تو

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ اسراء آیت: 99

2۔ مسلم، کتاب الجنۃ، جلد 4، صفحہ 2184 - عارضۃ الاحوذی، ابواب صفۃ جہنم، جلد 10، صفحہ 44-43۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 188

3۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 185

مجرموں اور ظالموں کا ہے مگر جہاں تک پاکیزہ، مطمئن اور اپنے رب کی رضا پر ثابت رہنے والوں کا تعلق ہے، انہیں کہا جائے گا اے نفس مطمئنہ! واپس چلو اپنے رب کی طرف، اس حال میں کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی۔ پس شامل ہو جاؤ میرے خاص بندوں میں اور میری جنت میں داخل ہو جاؤ۔ اے نفس مطمئنہ! تو اپنے رب کی بارگاہ کی طرف رجوع کر اور جنت میں اس نے اپنے نیک بندوں کیلئے جو نعمتیں تیار کر رکھی ہیں ان سے لطف اندوز ہو۔ تو اپنے رب سے راضی ہے اور تیرا رب تجھ سے راضی ہے۔ تو میرے نیک بندوں کے زمرہ میں داخل ہو کر میری جنت میں داخل ہو جا۔ مؤمن کو فرشتے یہ خوشخبری اس وقت دیتے ہیں جب اس کی اجل قریب آتی ہے اور جب وہ قیامت کے دن اپنی قبر سے اٹھے گا تو اس وقت بھی اسے یہ خوشخبری دی جائے گی۔ یہ آیت کس کے بارے میں نازل ہوئی، اس میں مفسرین کا اختلاف ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ قیامت کے دن مطمئن روح کو کہا جائے گا کہ اپنے اس جسم کی طرف لوٹ جا جس کو تو دنیا میں راضی خوشی آباد کئے ہوئے تھی۔ آپ اس آیت کریمہ کو اس طرح پڑھا کرتے تھے: فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ﴿٢٩﴾ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ لیکن یہ روایت انتہائی غریب ہے(1)۔ پہلا قول ہی اصح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ (انعام:62) ''پھر لوٹائے جائیں گے اللہ تعالیٰ کی طرف جو ان کا حقیقی مالک ہے''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر تھے۔ عرض کرنے لگے: یہ آیت کتنی خوبصورت ہے: آپ نے فرمایا: تمہیں بھی یہ کہا جائے گا۔ ایک روایت میں یہ بھی الفاظ ہیں اے ابوبکر! تیری اجل کے وقت ایک فرشتہ تجھے یہ کہے گا(2)۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا وصال طائف میں ہوا تو ایک پرندہ اڑتا ہوا آیا۔ اس جیسا پرندہ پہلے کبھی کسی نے نہ دیکھا تھا۔ وہ کفن میں داخل ہو گیا اور پھر واپس نہ نکلا۔ اور جب آپ کو دفن کیا گیا تو قبر کے ایک کونہ سے اس آیت کریمہ کے تلاوت کرنے کی آواز آئی۔ لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ کس نے تلاوت کی(3)۔

قباث بن رزین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم رومیوں کی قید میں تھے۔ ایک دن بادشاہ نے ہمیں اپنے دربار میں بلایا اور کہا جو ہمارے دین کو قبول نہیں کرے گا میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ ہم میں سے تین آدمی مرتد ہو گئے۔ جب چوتھے کی باری آئی تو اس نے ان کا دین قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر تلوار سے اس کی گردن کو تن سے جدا کر کے اسے ایک نہر میں پھینک دیا گیا۔ وہ سر پہلے تو پانی میں ڈوب گیا۔ پھر پانی کی سطح پر تیرنے لگا اور ان تینوں کے نام لے کر کہنے لگا: اللہ تعالیٰ نے اپنی پاک کتاب میں ارشاد فرمایا ہے: يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ پھر پانی میں ڈوب گیا قریب تھا کہ یہ واقعہ دیکھ کر نصرانی مسلمان ہو جاتے۔ بادشاہ نے فوراً مجلس کو برخاست کر دیا۔ وہ تینوں پھر مسلمان ہو گئے ابوجعفر منصور عباسی نے فدیہ بھیج کر ہمیں آزاد کرا لیا۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے ایک آدمی سے فرمایا کہ یہ دعا مانگا کرو: اللهم انی اسئلك نفسابك مطمئنة تو من بلقائك و ترضی بقضائك و تقنع بعطائك ''اے اللہ! میں تجھ سے ایسا نفس مانگتا ہوں جو تجھ پر مطمئن ہو۔ تیری ملاقات پر ایمان رکھتا ہو، تیری قضا پر راضی ہو اور تیرے دیئے ہوئے پر قناعت کرنے والا ہو''۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 193-192　　2۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 191　　3۔ طبرانی: المعجم الکبیر، جلد 10، صفحہ 290

سورۂ بلد (مکیہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

لَآ اُقۡسِمُ بِہٰذَا الۡبَلَدِ ﴿۱﴾ وَ اَنۡتَ حِلٌّۢ بِہٰذَا الۡبَلَدِ ﴿۲﴾ وَ وَالِدٍ وَّ مَا وَلَدَ ﴿۳﴾ لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡ کَبَدٍ ﴿۴﴾ اَیَحۡسَبُ اَنۡ لَّنۡ یَّقۡدِرَ عَلَیۡہِ اَحَدٌ ﴿۵﴾ یَقُوۡلُ اَہۡلَکۡتُ مَالًا لُّبَدًا ﴿۶﴾ اَیَحۡسَبُ اَنۡ لَّمۡ یَرَہٗۤ اَحَدٌ ﴿۷﴾ اَلَمۡ نَجۡعَلۡ لَّہٗ عَیۡنَیۡنِ ﴿۸﴾ وَ لِسَانًا وَّ شَفَتَیۡنِ ﴿۹﴾ وَ ہَدَیۡنٰہُ النَّجۡدَیۡنِ ﴿۱۰﴾

"میں قسم کھاتا ہوں اس شہر (مکہ) کی درآنحالیکہ آپ بس رہے ہیں اس شہر میں۔ اور قسم کھاتا ہوں باپ کی اور اولاد کی۔ بیشک ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں (زندگی بسر کرنے کے لئے) پیدا کیا ہے کیا وہ خیال کرتا ہے کہ اس پر کسی کا بس نہیں چلے گا۔ کہتا ہے میں نے ڈھیروں مال فنا کر دیا۔ کیا وہ خیال کرتا ہے کہ اسے کسی نے نہیں دیکھا۔ کیا ہم نے نہیں بنائیں اس کے لئے دو آنکھیں۔ اور ایک زبان اور دو ہونٹ۔ اور ہم نے دکھا دیں اسے دو نمایاں راہیں"۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں مکہ مکرمہ کی قسم اٹھائی درآنحالیکہ اس میں نبی کریم ﷺ مقیم ہیں تاکہ اس شہر کی قدر و منزلت اور عظمت و رفعت سے لوگوں کو روشناس کروایا جائے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "لا" کے ساتھ ان کا رد کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس شہر کی قسم کھائی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: "بلد" سے مکہ مکرمہ مراد ہے۔ فرمایا: درآنحالیکہ آپ بس رہے ہیں اس شہر میں۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ اور کئی دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اے محمد! ﷺ آپ کے لئے اس شہر میں جنگ کرنا حلال ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی کہا ہے کہ اس میں کوئی گناہ اور حرج نہیں۔ حسن بصری فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے لئے فتح مکہ کے موقع پر مکہ مکرمہ میں جہاد کرنے کو حلال کر دیا تھا۔ یہی مفہوم صحیح حدیث میں بھی موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق کے دن سے ہی اس شہر کو حرمت والا بنا دیا ہے۔ قیامت تک اس کی یہ حرمت و عزت باقی رہے گی۔ نہ اس کے درختوں کو کاٹا جائے گا، نہ اس کے کانٹے اکھیڑے جائیں گے۔ میرے لئے صرف دن کی ایک گھڑی کے لئے حلال کر دیا گیا تھا۔ اب اس کی حرمت پھر لوٹ آئی ہے۔ خبردار! حاضر غائب کو، میرا پیغام پہنچا دے۔ ایک روایت میں یہ بھی الفاظ ہیں اگر کوئی مکہ مکرمہ میں رسول اللہ ﷺ کے جنگ کرنے کے جواز سے استدلال کرے تو اسے کہہ دینا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اجازت دی تھی تمہیں نہیں دی (1)۔ فرمایا: قسم کھاتا ہوں باپ کی اور اولاد کی۔ بعض نے کہا ہے والد سے مراد وہ شخص ہے جو بچوں والا ہو مَا وَلَدَ سے مراد وہ جس کے بچے نہ ہوں (2)۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ والد اور اس کی اولاد کی قسم۔

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ آیت: 191، 126، سورۂ آل عمران آیت: 97 سورۂ توبہ آیت: 36 اور سورۂ نمل: 91　　2۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 195

مجاہد، ابوصالح، قتادہ، حسن بصری رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہم فرماتے ہیں کہ والد سے مراد حضرت آدم علیہ السلام اور مَاوَلَدَ سے مراد آپ کی اولاد ہے۔ یہ قول بہتر اور قوی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے اُم القری یعنی مکہ مکرمہ کی قسم کھائی ہے جو کہ تمام مساکن کی اصل ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور اس کی اولاد کی قسم کھائی اور حضرت آدم علیہ السلام تمام انسانوں کی اصل ہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا مختار قول یہ ہے کہ اس سے ہر والد اور اس کی اولاد مراد ہے اور یہ احتمال ہوسکتا ہے۔ فرمایا: بے شک ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں زندگی بسر کرنے کے لئے پیدا کیا۔ حضرات عبداللہ بن مسعود، ابن عباس رضی اللہ عنہم اور کئی دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ انسان کو صحیح قامت والا بنایا۔

کَبَدٍ کا معنی برابر اور سیدھا ہونا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ (والتین: 4) ''بیشک ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے (عقل وشکل کے اعتبار سے) بہترین اعتدال پر''۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت میں اس سے مراد یہ ہے کہ انسان کو خوب قوت اور طاقت والا پیدا کیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ انسان کی پیدائش اور اس کے دانت اگنے میں غور وفکر کرو کتنی قوی چیز ہے[1]۔ مجاہد فرماتے ہیں ''کبد'' سے مراد انسان نطفہ، علقہ (جما ہوا خون)، مضغہ (گوشت کا لوتھڑا) کے مراحل میں جو مشقت اٹھاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا (احقاف: 15) ''(اپنے شکم میں) اٹھائے رکھا اس کو اس کی ماں نے بڑی مشقت سے اور جنا اس کو بڑی تکلیف سے''۔ بلکہ اس کو دودھ پلانے میں بھی مشقت اٹھائی۔ پھر جوان ہوکر اپنی زندگی گزارنے کے لئے بھی مشقت اٹھاتا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے انسان کو مشقت میں پیدا کیا۔ امام باقر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک انصاری سے اس کے بارے میں پوچھا۔ انہوں نے ''کبد'' کا معنی انسان کا سیدھا کھڑا ہونا اور معتدل ہونا بتایا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ انسان دنیا میں بھی مشقت برداشت کرتا ہے اور آخرت میں بھی برداشت کرے گا۔

ابن زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت آدم علیہ السلام کو آسمان میں پیدا کیا گیا اور عربی میں آسمان کو ''کبد'' کہتے ہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا مختار قول یہ ہے کہ انسان کو مشقت اور تکالیف برداشت کرنے کے لئے پیدا کیا گیا۔ فرمایا: کیا وہ خیال کرتا ہے کہ اس پر کسی کا بس نہیں چلے گا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ اس کا مال کوئی نہیں لے سکتا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کیا ابن آدم یہ گمان کرتا ہے کہ اس سے مال کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا۔ اس نے کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا۔ فرمایا: کہتا ہے کہ میں نے ڈھیروں مال فنا کر دیا۔ ابن آدم کہتا ہے میں نے بہت زیادہ مال خرچ کیا۔ فرمایا: کیا وہ خیال کرتا ہے، اسے کسی نے نہیں دیکھا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کیا انسان خیال کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے یہ عمل کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ فرمایا: کیا ہم نے نہیں بنائیں اس کے لئے دو آنکھیں اور ایک زبان اور دو ہونٹ۔ ہم نے اسے دیکھنے کے لئے دو آنکھیں عطا فرمائیں۔ گفتگو اور ما فی الضمیر کے اظہار کے لئے زبان دی اور دو ہونٹ عطا کئے جو گفتگو اور کھانا کھانے میں مدد ہوتے ہیں اور پھر یہ اس کے چہرے اور منہ کے لئے خوبصورتی کا باعث ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے ابن آدم! میں نے تم کو اتنی کثیر نعمتیں عطا کی ہیں کہ تو اس کا شمار نہیں کرسکتا اور نہ ہی تو اس کا شکریہ ادا کرسکتا ہے۔ یہ بھی میری نعمت ہے کہ میں نے تجھے دو آنکھیں دیں جن کے ساتھ تو دیکھتا ہے

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 197

اور ان پر میں نے پلکوں کا غلاف بنا دیا۔ پس میری حلال کردہ چیزوں کی طرف دیکھ۔ اگر میری حرام کردہ چیزیں تیرے سامنے آئیں تو ان کو بند کر لے۔ میں نے تجھے زبان دی اور اس کا غلاف بنا دیا۔ اس کے ساتھ وہی بول بول جو میں نے تیرے لئے حلال کئے ہیں اور جن کا میں نے حکم دیا ہے اور میری حرام کردہ چیزوں کے سامنے اپنی زبان کو بند کر لے۔ میں نے تجھے شرمگاہ دی اور اس کا پردہ بھی عطا کیا۔ اسے حلال جگہ استعمال کر اور حرام جگہ اس پر پردہ ڈال دے۔ اے ابن آدم! تو میری ناراضگی برداشت نہیں کر سکتا اور نہ ہی میرے عذاب کو سہنے کی طاقت رکھتا ہے(1)۔

فرمایا: اور ہم نے دکھا دیں اسے دو نمایاں راہیں۔ ''نجدین'' سے مراد دو راستے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد خیر و شر ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ دو راستے ہیں۔ تمہیں برائی کا راستہ بھلائی کے راستہ سے کیوں اچھا لگتا ہے(2)۔ یہ حدیث ضعیف ہے۔ دو مختلف اسناد سے مروی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ''نجدین'' سے مراد دو پستان ہیں۔ دوسرے کئی مفسرین سے بھی یہی قول مروی ہے لیکن ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے قول ہی کو ترجیح دی ہے(3)۔ یہی مفہوم اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں بیان فرمایا ہے: اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ۝ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا (دہر: 3-2) ''بلاشبہ ہم ہی نے انسان کو پیدا فرمایا ایک مخلوط نطفہ سے۔ تاکہ ہم اس کو آزمائیں۔ پس (اس غرض سے) ہم نے بنا دیا ہے اس کو سننے والا، دیکھنے والا۔ ہم نے اسے دکھایا ہے (اپنا) راستہ۔ اب چاہے شکر گزار بنے چاہے احسان فراموش''۔

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ۝ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ۝ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۝ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ۝

''پھر وہ داخل ہی نہیں ہوا (عمل خیر کی دشوار) گھاٹی میں کیا آپ سمجھے کہ وہ گھاٹی کیا ہے۔ وہ (غلامی سے) گردن چھڑانا ہے یا کھانا کھلانا ہے بھوک کے دن (قحط سالی) میں۔ یتیم کو جو رشتہ دار ہے۔ یا خاک نشین مسکین کو۔ پھر وہ ایمان والوں سے ہو جو ایک دوسرے کو نصیحت کرتے ہیں صبر کی اور ایک دوسرے کو نصیحت کرتے ہیں رحمت کی۔ یہی لوگ دائیں ہاتھ والے ہیں۔ اور جنہوں نے انکار کیا ہماری آیتوں کا وہ لوگ بائیں ہاتھ والے ہیں۔ ان پر آگ چھائی ہوئی ہوگی''۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اقْتَحَمَ کا معنی داخل ہونا ہے اور عقبہ جہنم میں ایک پھسلواں والا پہاڑ ہے(4)۔ کعب الاحبار فرماتے ہیں: جہنم میں اس کے ستر درجے ہیں۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جہنم میں ایک گھاٹی ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ انتہائی دشوار گزار گھاٹی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ اس میں داخل ہو جاؤ۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس گھاٹی میں داخل ہونے کے بارے بیان فرمایا۔ فرمایا: کیا آپ سمجھے کہ وہ گھاٹی کیا ہے؟ وہ غلامی سے گردن چھڑانا ہے۔ یا کھانا کھلانا ہے۔ بھوک

1۔ درمنثور، جلد 8، صفحہ 521
2۔ درمنثور، جلد 8، صفحہ 522
3۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 201
4۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 20

کے دن میں یتیم کو جو رشتہ دار ہو یا خاک نشین مسکین کو۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کیا یہ انسان اس راستہ پر نہیں چلتا جس میں نجات اور بھلائی ہے۔ فَکُّ رَقَبَۃٍ کو دو طرح پڑھا گیا ہے: 1۔ اضافت کے ساتھ، 2۔ اسے فَکَّ پڑھا گیا ہے یہ فعل ماضی ہے اس میں ھو ضمیر فاعل اور رقبہ مفعول بہ ہے۔ دونوں قرأتوں کا معنی قریب قریب ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی مومن غلام کو آزاد کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کے بدلہ میں آزاد کرنے والے کے ہر عضو کو نار جہنم سے بچا لیتا ہے۔ حتیٰ کہ ہاتھ کے بدلہ میں ہاتھ، پاؤں کے بدلہ میں پاؤں، شرمگاہ کے بدلہ میں شرمگاہ۔ حضرت علی بن حسین زین العابدین رضی اللہ عنہما نے جب یہ حدیث سنی تو راوی سے پوچھا۔ کیا تم نے خود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنی ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ تو آپ نے اپنے خادم کو حکم فرمایا: مطرف کو بلاؤ۔ جب وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا جاؤ تم اللہ تعالیٰ کے نام پر آزاد ہو۔ صحیح مسلم میں یہ بھی الفاظ ہیں کہ آپ نے اس غلام کو دس ہزار درہم میں خریدا تھا(1)۔

ابو نجیح رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: جو مسلمان مرد کسی مسلمان غلام کو آزاد کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی ہر ہڈی کو آزاد کرنے والے کی ہڈی کے لئے نار جہنم کے مقابلہ میں ڈھال بنا دیتا ہے۔ اور جو مسلمان عورت کسی مسلمان لونڈی کو آزاد کرتی ہے اللہ تعالیٰ اس کی ہر ہڈی کو آزاد کرنے والی کی ہڈی کے لئے نار جہنم کے مقابلہ میں ڈھال بنا دیتا ہے(2)۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے مسجد تعمیر کراتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنا دیتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان غلام کو آزاد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس غلام کو اس کے لئے نار جہنم کا فدیہ بنا دیتا ہے اور جس مسلمان کے بال بڑھاپے میں سفید ہوتے ہیں، قیامت کے دن یہ اس کے لئے نور بن جائیں گے(3)۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو مختلف اسناد سے روایت کیا ہے۔ ایک روایت کے یہ الفاظ بھی ہیں: جس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک تیر چلایا اسے حضرت اسماعیلؑ کی اولاد سے ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا خواہ وہ تیر نشانے پر لگا ہو یا نہ لگا ہو(4)۔ ایک روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں: جس شخص کے تین بچے بالغ ہونے سے پہلے فوت ہو گئے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔ جس نے اللہ کی راہ میں دو جوڑے خرچ کئے اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دے گا۔ وہ جس دروازے سے چاہے، داخل ہو جائے(5)۔

ابن عیاش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی ہمیں کوئی ایسی حدیث سنائیں جس میں کوئی زیادتی و کمی نہ ہو۔ آپ یہ بات سن کر بہت سخت ناراض ہوئے اور فرمایا: اگر تم میں کوئی ایک قرآن کریم کی تلاوت کرے اور اس کا قرآن گھر میں پڑا ہو تو کیا وہ اس میں کمی یا زیادتی کرے گا۔ ہم نے عرض کی: ہمارا مقصد یہ تھا کہ آپ ہمیں کوئی ایسی حدیث سنائیں جو آپ نے خود حضور ﷺ سے سنی ہو۔ فرمایا: ایک دن ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اپنے ایک ساتھی کے بارے

1۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 422، فتح الباری، کتاب الکفارات، جلد 11، صفحہ 599- مسلم، کتاب العتق، جلد 2، صفحہ 1147-1147 عارضۃ الاحوذی، ابواب النذور، جلد 7 صفحہ 26-24 سنن کبریٰ، کتاب العتق بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 9، صفحہ 505- سنن ابوداؤد، کتاب العتق، جلد 4، صفحہ 30-29

2۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 202 3۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 386

4۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 113- سنن ابوداؤد، کتاب العتق، جلد 4، صفحہ 30- سنن کبریٰ، کتاب العتق بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 8 صفحہ 160

5۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 386

میں حاضر ہوئے جس نے ایک شخص کو قتل کر کے نار جہنم کو اپنے پر واجب کر لیا تھا۔ آپ نے فرمایا: اس کی طرف سے ایک غلام آزاد کر دو۔ اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کے بدلہ میں اس کے ہر عضو کو نار جہنم سے آزاد کر دے گا(1)۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! مجھے کوئی ایسا عمل بتائیں جو مجھے جنت میں داخل کر دے۔ آپ نے فرمایا: تم نے مختصر الفاظ میں بہت بڑا سوال کیا۔ پھر فرمایا: ''نسمة'' کو آزاد کر، اور ''رقبه'' کو چھڑا۔ کیا یہ دونوں ایک ہی چیزیں نہیں ہیں۔ اس نے پوچھا۔ آپ نے فرمایا: نہیں۔ نسمه کو آزاد کرنے کا معنی یہ ہے کہ تو اکیلا ایک غلام آزاد کرے اور گردن چھڑانے کا معنی یہ ہے کہ تو کسی دوسرے کے ساتھ شریک ہو کر آزاد کرائے۔ پھر فرمایا دودھ دینے والا جانور کسی کو دودھ پینے کے لئے دینا۔ ظالم رشتہ دار کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔ یہ سب جنت میں داخل کرنے والے کام ہیں۔ اگر تو ان کی استطاعت نہیں رکھتا تو تو بھوکے کو کھانا کھلائے، پیاسے کو پانی پلائے، نیکی کا حکم دے، برائی سے روکے اور اگر تو اس کی طاقت بھی نہیں رکھتا تو سوائے نیکی کی بات کے اپنی زبان کو بند رکھ(2)۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ذِيْ مَسْغَبَةٍ کا معنی بھوک والا بیان فرمایا۔ عکرمہ، مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ کئی دوسرے مفسرین سے بھی یہی مروی ہے۔ ''سغب'' کا معنی بھوک ہے۔ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس سے مراد کھانا کھلانا، جس دن کھانا کھلانا گراں ہو۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے مراد ایسے دن کھانا کھلانا ہے جس دن کھانے کی شدید خواہش ہو۔ اس آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اس قسم کے دن، جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، ایسے یتیم کو کھانا کھلائے جو اس کا قریبی رشتہ دار ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مسکین پر صدقہ کرنے کا صرف ایک ہی ثواب ہوتا ہے اور رشتہ دار پر صدقہ کرنے کے دو ثواب ہوتے ہیں(3)۔

مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ کا معنی خاک نشین فقیر ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس سے مراد وہ فقیر ہے جو راستہ میں پڑا ہو۔ نہ تو اس کا کوئی گھر ہو اور نہ ہی اس کے پاس کوئی ایسی چیز ہو جو اسے گرد و غبار اور مٹی سے بچائے۔ آپ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس سے مراد غریب الوطن ہے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وہ فقیر ہے جو محتاج بھی ہو اور قرضدار بھی۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وہ فقیر ہے جس کا کوئی نہ ہو۔ بعض مفسرین کی رائے ہے کہ وہ فقیر ہے جو اہل و عیال والا ہو۔ یہ تمام اقوال معناً قریب قریب ہیں۔ فرمایا: پھر وہ ایمان والوں سے ہو یعنی وہ ان تمام اوصاف کے ساتھ ساتھ اپنے دل سے اللہ پر ایمان رکھتا ہو اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے اجر و ثواب کا امیدوار ہو۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا (اسراء: 19) ''اور جو شخص طلب گار رہتا ہے آخرت کا اور جدوجہد کرتا ہے اس کے لئے پوری طرح درآنحالیکہ وہ مومن بھی ہو، پس یہ وہ (خوش نصیب ہیں) جن کی کوشش مقبول ہوگی''۔ ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا (نساء: 124) ''اور جس نے عمل کئے اچھے مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو سو وہی لوگ داخل ہوں گے جنت میں اور نہ ظلم کئے جائیں گے تل بھر''۔

فرمایا: جو ایک دوسرے کو نصیحت کرتے ہیں صبر کی اور ایک دوسرے کو نصیحت کرتے ہیں رحمت کی۔ یعنی وہ شخص ان مومنین میں سے ہو

1۔ سنن ابوداؤد، کتاب العتق، جلد 4، صفحہ 29۔ سنن کبریٰ، کتاب العتق بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 9، صفحہ 79 2۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 299

3۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 212۔ ترمذی، عارضۃ الاحوذی، جلد 3 کتاب الزکاۃ، جلد 161-160۔ نسائی، کتاب الزکاۃ، جلد 5، صفحہ 92

جو نیک عمل کرنے والے، لوگوں کی ایذاء و تکلیف پر صبر کی تلقین کرنے والے اور لوگوں پر رحم کرنے کی نصیحت کرنے والے ہوں۔ حدیث پاک میں ہے: رحم کرنے والوں پر رحمٰن بھی رحم کرتا ہے۔ تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا(1)۔ ایک اور حدیث میں ہے جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا اللہ تعالیٰ بھی اس پر رحم نہیں کرتا(2)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کا حق نہ سمجھے وہ ہم میں سے نہیں(3)۔ فرمایا: یہی لوگ دائیں ہاتھ والے ہیں۔ ان مذکورہ اوصاف سے متصف لوگ دائیں ہاتھ والے ہوں گے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا اور جنہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا وہ لوگ بائیں ہاتھ والے ہیں۔ ان پر آگ چھائی ہوئی ہوگی۔ ان کو آگ ہر طرف سے اس طرح گھیرے ہوئے ہوگی کہ وہ نہ ہی اس سے بچ سکیں گے اور نہ ہی اس سے باہر نکل سکیں گے۔ جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: مُّؤْصَدَةٌ کا معنی یہ ہے کہ ان پر جہنم کے دروازے بند کر دیئے جائیں گے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں أصد الباب کا معنی لغت قریش میں دروازہ کو بند کرنا ہے۔ اس کی وضاحت وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ میں آئے گی۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ مُّؤْصَدَةٌ کا معنی یہ ہے کہ وہاں دیواریں ہی دیواریں ہوں گی کوئی دروازہ نہیں ہوگا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہر طرف سے بند ہوگی۔ اس میں نہ کوئی روشنی ہوگی نہ کوئی سوراخ اور نہ ہی وہ کبھی اس سے باہر نکل سکیں گے۔ ابو عمران جونی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حکم فرمائے گا تمام ظالموں، شیطانوں اور ان لوگوں کو جن کے شر سے دنیا میں لوگ ڈرتے تھے ان کو زنجیروں میں جکڑ دو اور پھر انہیں جہنم میں پھینک کر اوپر سے دروازے بند کر دو پھر ان کے قدم کسی جگہ میں نہیں ٹھہریں گے۔ قسم بخدا! پھر ان کو نہ تو آسمان کی صورت نظر آئے گی اور نہ ہی انہیں لمحہ بھر کے لئے نیند آئے گی اور نہ ہی انہیں وہاں کھانے پینے کے لئے کوئی مزے کی چیز ملے گی۔

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ محمد آیت: 22
2۔ مسلم، کتاب الفضائل، جلد 4، صفحہ 1809 - سنن کبریٰ، کتاب السیر، جلد 9، صفحہ 41
3۔ مسلم، کتاب الادب، جلد 4، صفحہ 286

سورۂ الشمس (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

وَ الشَّمْسِ وَ ضُحٰهَا ﴿۱﴾ وَ الْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ﴿۲﴾ وَ النَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ﴿۳﴾ وَ الَّیْلِ اِذَا یَغْشٰهَا ﴿۴﴾ وَ السَّمَآءِ وَ مَا بَنٰهَا ﴿۵﴾ وَ الْاَرْضِ وَ مَا طَحٰهَا ﴿۶﴾ وَ نَفْسٍ وَّ مَا سَوّٰهَا ﴿۷﴾ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰهَا ﴿۸﴾ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ﴿۹﴾ وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ﴿۱۰﴾

''قسم ہے آفتاب کی اور اس کی دھوپ کی اور قسم ہے مہتاب کی جب وہ (غروب) آفتاب کے بعد آوے۔ اور قسم ہے دن کی جب آفتاب کو روشن کردے۔ اور رات کی جب وہ اسے چھپالے۔ اور قسم ہے آسمان کی اور اسے بنانے والے کی۔ اور زمین کی اور اس کو بچھانے والے کی۔ قسم ہے نفس کی اور اس کو درست کرنے والے کی۔ پھر اس کے دل میں ڈال دیا اس کی نافرمانی اور اس کی پارسائی کو۔ یقیناً فلاح پا گیا جس نے (اپنے) نفس کو پاک کرلیا۔ اور یقیناً نامراد ہوا جس نے اس کو خاک میں دبا دیا''۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ضُحٰهَا کا معنی دن کی روشنی ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے پورا دن مراد ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اصح قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورج اور دن کی قسم کھائی ہے کیونکہ سورج کی روشنی سے ہی دن چڑھتا ہے(1)۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا کا معنی یہ ہے کہ قسم ہے چاند کی جب وہ سورج کے پیچھے آئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب وہ دن کے پیچھے آئے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پہلی رات کا چاند سورج کے غروب ہونے کے فوراً بعد طلوع ہوتا ہے۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مہینہ کے پہلے پندرہ روز تو چاند سورج کے پیچھے طلوع ہوتا ہے اور آخری پندرہ روز سورج چاند کے پیچھے طلوع ہوتا ہے۔ زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے مراد لیلۃ القدر کا چاند ہے۔ فرمایا: قسم ہے دن کی جب آفتاب کو روشن کردے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ یہاں ''جلّٰی'' کا معنی روشن کرنا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کا معنی یہ ہے کہ جب دن سورج پر چھا جائے۔ بعض ماہرین لغت اس کا معنی یہ کرتے ہیں کہ قسم ہے دن کی جب وہ تاریکی پر چھا جائے۔ میں کہتا ہوں اگر اس کا معنی یہ کیا جائے کہ قسم ہے دن کی جب وہ تمام روئے زمین پر چھا جائے تو زیادہ اولیٰ ہے اور وَالَّیْلِ اِذَا یَغْشٰهَا کے ساتھ قوی مناسبت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا اللہ تعالیٰ کے ارشاد وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰی کی مثل ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا مختار قول یہ ہے کہ اس ضمیر کا مرجع شمس ہے کیونکہ اس کا ذکر ہو رہا ہے۔

فرمایا: اور قسم ہے رات کی جب اسے چھپالے۔ قسم ہے رات کی جب وہ سورج کو چھپالے۔ یعنی جب سورج غروب ہو جاتا ہے تو ہر طرف تاریکی چھا جاتی ہے۔ یزید بن ذی حمامہ کہتے ہیں جب رات آتی ہے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: میری عظیم مخلوق یعنی رات نے

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 208

میرے بندوں کو چھپا دیا۔ لوگ رات سے ڈرتے ہیں حالانکہ اس رات کو پیدا کرنے والی ذات اس بات کی زیادہ حقدار ہے کہ اس سے ڈرا جائے۔ فرمایا: قسم ہے آسمان کی اور اسے بنانے والے کی۔ یہاں یہ بھی احتمال ہے کہ "ما" مصدر یہ ہو اور معنی یہ ہو کہ قسم ہے آسمان کی اور اس کی بناوٹ کی۔ یہ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ ما بمعنی من ہو۔ اور معنی ہو قسم ہے آسمان کی اور اس کے بنانے والے کی۔ یہ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ یہ دونوں معنی ایک دوسرے کو لازم وملزوم ہیں۔

بناء کا معنی بلندی ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے: وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّ اِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ۝ وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ (زاریات: 48-47) "اور ہم نے آسمان کو (قدرت کے) ہاتھوں سے بنایا اور ہم نے ہی اس کو وسیع کر دیا۔ اور زمین کا ہم نے فرش بچھا دیا پس ہم کتنے اچھے (فرش) بچھانے والے ہیں"۔ فرمایا: قسم ہے زمین کی اور اس کے بچھانے والی کی۔ یہاں بھی "ما" میں دو احتمال ہیں۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "طحی" کا معنی بچھانا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے زمین میں مختلف اشیاء کو پیدا کیا۔ آپ سے ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ اسے مختلف حصوں میں تقسیم کیا۔ پہلا قول ہی زیادہ مشہور ہے۔ اسی کو اکثر مفسرین نے اختیار کیا ہے۔ اہل لغت کے نزدیک بھی یہی معروف ہے۔ جوہری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں "طحوتہ" کا معنی یہ ہے کہ میں نے اسے ہموار کیا۔

فرمایا: قسم ہے نفس کی اور اس کو درست کرنے والے کی۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے اس نفس کو فطرت سلیمہ پر مستقیم تخلیق کیا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ (روم: 30) "پس آپ کر لیں اپنا رخ دین (اسلام) کی طرف پوری یکسوئی سے (مضبوطی سے پکڑ لو) اللہ کے دین کو جس کے مطابق اس نے لوگوں کو پیدا فرمایا ہے کوئی ردوبدل نہیں ہوسکتا اللہ کی تخلیق میں"۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی، یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ جیسا کہ جانور کا بچہ صحیح سالم پیدا ہوتا ہے۔ اس میں کوئی کان کٹا نہیں ہوتا (1)۔ حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے میں نے اپنے بندوں کو یکساں فطرت پر پیدا کیا ہے۔ پھر شیطان ان کے پاس آتے ہیں اور ان کو دین سے دور کر دیتے ہیں (2)۔ فرمایا: پھر اس کے دل میں ڈال دیا اس کی نافرمانی اور اس کی پارسائی کو۔ اس کے لئے نافرمانی اور تقویٰ کی راہ کو بیان کر دیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس کے لئے خیر وشر کو بیان کر دیا۔ سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسے نیکی اور بدی سے آگاہ کر دیا۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس نفس میں نیکی اور بدی کی قوت رکھ دی ہے۔ ابوالاسود دیلی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں مجھ سے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے پوچھا: مجھے یہ بتاؤ کیا لوگ جو یہ اعمال کرتے ہیں اور تکالیف اٹھاتے ہیں کیا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لئے مقدر ہو چکی ہیں یا یہ خود آئندہ کے لئے اپنے طور پر کر رہے ہیں۔ اس بناء پر کہ انبیاء کرام ان کے پاس آ چکے ہیں اور اللہ کی حجت ان پر تمام ہوگئی۔ میں نے کہا نہیں۔ اس چیز کا فیصلہ پہلے ہو چکا اور ان کے مقدر میں یہ بات لکھی جا چکی ہے۔ انہوں نے پوچھا: پھر یہ ان پر ظلم نہ ہوگا؟ میں ان کی بات

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ نساء آیت: 119، سورۂ انعام: 79، سورۂ اعراف: 30، 102، 176، سورۂ ہود: 17، سورۂ اسراء: 15، سورۂ روم: 30 اور سورۂ انسان: 3

2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ اسراء آیت: 15 اور سورۂ روم آیت: 15

سن کر سخت گھبرا گیا اور کہا کہ ہر چیز کا خالق و مالک وہی اللہ ہے۔ تمام بادشاہی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اس کے افعال کی باز پرس کوئی نہیں کر سکتا۔ حالانکہ مخلوق سے پوچھا جائے گا۔ میرا یہ جواب سن کر وہ خوش ہوئے اور فرمایا اللہ تعالیٰ تجھے صراط مستقیم پر قائم رکھے۔ میں نے یہ سوال تمہیں آزمانے کے لئے کیا تھا۔

ایک مرتبہ قبیلہ مزنیہ یا جہینہ کا ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے وہی سوال کیا جو میں نے تم سے پہلے کیا تھا اور رسول اللہ ﷺ نے وہی جواب دیا جو تو نے مجھے دیا ہے۔ اس نے عرض کی پھر ہم یہ عمل کیوں کرتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے جس کو جس مقام کے لئے پیدا کیا ہوتا ہے وہ اس کے اسباب بھی مہیا فرما دیتا ہے اور اس آیت کریمہ سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے (1)۔ ارشاد فرمایا: یقیناً فلاح پا گیا جس نے اپنے نفس کو پاک کیا اور یقیناً نامراد ہوا جس نے اسے خاک میں دبایا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اس کا معنی یہ ہو کہ وہ فلاح پا گیا جس نے اپنے نفس کو اطاعت اور فرمانبرداری کے ذریعہ پاک کیا اور اپنے نفس کو برائیوں اور رذائل سے منزہ کیا۔ یہ قتادہ، مجاہد، اور عکرمہ رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہم کا قول ہے۔ جیسا کہ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: 'قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝ وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى (اعلیٰ: 15-14)' بیشک اس نے فلاح پائی جس نے اپنے آپ کو پاک کیا وہ اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا'' اور وہ شخص خائب و خاسر ہوا جس نے اپنے نفس کو برائیوں میں گم کر لیا اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری چھوڑ کر اس کی نافرمانی میں مصروف ہو گیا اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس کا معنی یہ ہو: وہ شخص یقیناً فلاح پا گیا جس کے نفس کو اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ کیا اور وہ خائب و خاسر ہوا جس کے نفس کو اللہ تعالیٰ نے خواہشات میں دبا دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں ارشاد فرمایا: وہ نفس فلاح پا گیا جس کو اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ کیا۔ ایک دوسری روایت ہے: رسول اللہ ﷺ تلاوت کرتے ہوئے جب اس آیت کریمہ پر پہنچے تو آپ ﷺ یہاں ٹھہر گئے اور آپ نے یہ دعا فرمائی: اللھم ات نفسی تقوھا وزکھا انت خیر من زکھا انت ولیھا و مولٰھا(2)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک رات میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے بستر پر نہ پایا۔ میں نے اپنے ہاتھ سے ان کو ٹٹولا تو معلوم ہوا کہ وہ سجدہ میں ہیں اور یہ دعا مانگ رہے ہیں: رب اعط نفسی تقوائھا وزکّھا وانت خیر من زکھا، انت ولیھا و مولٰھا(3)۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کی یہ دعا مروی ہے: اللّٰھم انی اعوذ بك من العجز والکسل والھرم والجبن والبخل وعذاب القبر، اللھم آت نفسی تقوائھا وزکھا انت خیر من زکھا انت ولیھا ومولٰھا، اللّٰھم انی اعوذ بك من قلبٍ لا یخشع ومن نفسٍ لا تشبع وعلمٍ لا ینفع و دعوۃٍ لا یستجاب لھا'' حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ دعا ہمیں رسول اللہ ﷺ سکھاتے تھے اب ہم تمہیں سکھا رہے ہیں(4)۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَاۤ ۝۱۱ اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ۝۱۲ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَ

1۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 438۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 211۔ مسلم، کتاب القدر، جلد 4، صفحہ 2042-2041

2۔ المعجم الکبیر، جلد 11، صفحہ 106 3۔ مسند امام احمد، جلد 6، صفحہ 209 4۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 371۔ مسلم، کتاب الذکر، جلد 4، صفحہ 2088

سُقْيٰهَا ۝ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ۝ وَ لَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ۝

''جھٹلایا قوم ثمود نے (اپنے پیغمبر کو) اپنی سرکشی کے باعث۔ جب اٹھ کھڑا ہوا ان میں سے ایک بڑا بد بخت۔ تو کہا انہیں اللہ کے رسول نے کہ (خبردار رہنا) اللہ کی اونٹنی اور اس کی پانی کی باری سے۔ پھر بھی انہوں نے جھٹلایا رسول کو اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔ پس ہلاک کر دیا انہیں ان کے رب نے ان کے گناہِ (عظیم) کے باعث اور سب کو پیوند خاک کر دیا۔ اور کوئی ڈر نہیں اللہ کو ان کے (تباہ کن) انجام کا''۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ قوم ثمود نے اپنی سرکشی اور نافرمانی کی وجہ سے اپنے رسولوں کو جھٹلایا۔ یہ مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہما کا قول ہے۔ محمد بن کعب رحمۃ اللہ علیہ نے بِطَغْوٰىهَا کا معنی یہ کیا ہے کہ ان سب نے اپنے رسولوں کو جھٹلایا لیکن پہلا معنی ہی زیادہ بہتر ہے اور رسولوں کی تکذیب اور مخالفت کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ ان رسولوں کی تعلیمات اور احکام سے دلی طور پر متنفر ہو گئے۔ فرمایا: جب ان میں سے ایک بڑا بد بخت اٹھ کھڑا ہوا۔ اس قبیلہ میں سب سے بڑا بد بخت قدار بن سالف تھا جس نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی کونچیں کاٹیں۔ اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ (قمر:29) ''پس ثمودیوں نے بلایا اپنے ایک ساتھی (قدار) کو پس اس نے وار کیا اور (اونٹنی کی) کونچیں کاٹ دیں''۔ یہ شخص اپنی قوم کا سردار تھا۔ معزز اور صاحب حسب ونسب تھا۔ حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا اور حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا ذکر کیا۔ آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ اس اونٹنی کو مارنے کے لئے وہ شخص اٹھا جو اپنے قبیلہ میں معزز اور محترم تھا۔ جیسے ابوزمعہ اپنے قبیلہ میں معزز و محترم ہے(1)۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کیا میں تمہیں سب سے بڑے بد بخت کے بارے میں نہ بتاؤں۔ آپ نے عرض کی کیوں نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ دو شخص ہیں۔ ایک قوم ثمود کا سرخ رنگ کا آدمی، جس نے اونٹنی کی کونچیں کاٹیں اور دوسرا وہ جو تمہارے سر پر تلوار مارے گا جس سے تمہاری داڑھی خون سے تر بتر ہو جائے گی۔ فرمایا: کہا انہیں اللہ تعالیٰ کے رسول نے خبردار رہنا اللہ کی اونٹنی اور اس کی پانی کی باری سے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں فرمایا اللہ کی اونٹنی سے محتاط رہنا۔ اسے کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچانا اور اس کی پانی کی باری کا بھی خیال رکھنا۔ اس کے ساتھ کوئی زیادتی نہ کرنا۔ ایک دن اس کی پانی کی باری ہے اور ایک دن تمہاری۔ فرمایا: پھر بھی انہوں نے رسول کو جھٹلایا اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں۔ انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی ان تمام احکامات میں تکذیب کی جو وہ لے کر آئے۔ اس سے بڑھ کر انہوں نے اس اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں جو اللہ تعالیٰ نے معجزہ کے طور پر چٹان سے پیدا کی۔ یہ ان کی لئے حجت تھی۔ فرمایا: پس ہلاک کر دیا انہیں ان کے رب نے ان کے گناہ عظیم کے باعث۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا اور ان کو تباہ و برباد کر دیا۔

1۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 17۔ فتح الباری، تفسیر سورۃ (والشمس وضحاھا)، جلد 8، صفحہ 705، مسلم، کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمھا، جلد 4، صفحہ 2191۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۃ (والشمس وضحاھا)، جلد 12، صفحہ 245-244۔ سنن کبریٰ، کتاب التفسیر وعشرۃ النساء، بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 4، صفحہ 335۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 214

فَسَوّٰىهَا کا معنی یہ ہے اللہ تعالیٰ نے ان پر نازل ہونے والی سزا کو برابر کر دیا۔ حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں قدار بن سالف نے اونٹنی کی کونچیں کاٹنے سے پہلے قوم ثمود کے تمام چھوٹے بڑے مرد وزن سے بیعت لی اور سب نے بیعت کی۔ اس طرح وہ تمام اس فعل شنیع میں شریک تھے اللہ تعالیٰ نے اس جرم کے سبب ان تمام کو تباہ و برباد کر دیا اور فرمایا: کوئی ڈر نہیں اللہ کو ان کے تباہ کن انجام وَلَا يَخَافُ کو "فلا يخاف" بھی پڑھا گیا ہے(1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ جس کسی کو سزا دیتا ہے اسے اس کے تاوان کا کوئی خوف نہیں ہوتا۔ یہی مجاہد، حسن بصری اور بکر بن عبد اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ ضحاک اور سدی رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اونٹنی کی کونچیں کاٹنے والا اپنے اس فعل کے انجام سے نہ ڈرا(2) لیکن پہلا قول ہی اصح ہے کیونکہ کلام کے سیاق وسباق سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 216- ابن باذش: الاقناع، جلد 2، صفحہ 813　　2۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 215-216

سورۃ الیل (مکیہ)

پہلے حدیث گزر چکی ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا: کہ تم نے سورۂ اعلیٰ، الشمس، اللیل کے ساتھ امامت کیوں نہیں کرائی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

وَ الَّیۡلِ اِذَا یَغۡشٰی ۙ﴿۱﴾ وَ النَّہَارِ اِذَا تَجَلّٰی ۙ﴿۲﴾ وَ مَا خَلَقَ الذَّکَرَ وَ الۡاُنۡثٰۤی ۙ﴿۳﴾ اِنَّ سَعۡیَکُمۡ لَشَتّٰی ؕ﴿۴﴾ فَاَمَّا مَنۡ اَعۡطٰی وَ اتَّقٰی ۙ﴿۵﴾ وَ صَدَّقَ بِالۡحُسۡنٰی ۙ﴿۶﴾ فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلۡیُسۡرٰی ؕ﴿۷﴾ وَ اَمَّا مَنۡۢ بَخِلَ وَ اسۡتَغۡنٰی ۙ﴿۸﴾ وَ کَذَّبَ بِالۡحُسۡنٰی ۙ﴿۹﴾ فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلۡعُسۡرٰی ؕ﴿۱۰﴾ وَ مَا یُغۡنِیۡ عَنۡہُ مَالُہٗۤ اِذَا تَرَدّٰی ؕ﴿۱۱﴾

''قسم ہے رات کی جب وہ (ہر چیز پر) چھا جائے۔ اور قسم ہے دن کی جب وہ خوب چمک اٹھے۔ اور اس کی جس نے پیدا کیا نر اور مادہ کو۔ بے شک تمہاری کوششیں مختلف نوعیت کی ہیں۔ پھر جس نے (راہِ خدا میں اپنا) مال دیا اور (اس سے) ڈرتا رہا۔ اور (جس نے) اچھی بات کی تصدیق کی۔ تو ہم آسان کر دیں گے اس کے لئے آسان راہ۔ اور جس نے بخل کیا اور بے پروا بنا رہا۔ اور اچھی بات کو جھٹلایا تو ہم آسان کر دیں گے اس کے لئے مشکل راہ۔ اور اس کے کام نہ آئے گا اس کا مال جب وہ ہلاکت (کے گڑھے) میں گرے گا''۔

حضرت علقمہ رحمۃ اللہ علیہ شام میں تشریف لائے تو دمشق کی جامع مسجد میں دو رکعت نماز پڑھی اور یہ دعا کی: یا اللہ تعالیٰ مجھے کوئی نیک ہم نشیں عطا فرما پھر ان کی ملاقات حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ انہوں نے پوچھا تم کہاں کے رہنے والے ہو۔ حضرت علقمہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: کوفہ کا۔ انہوں نے پوچھا: تم نے ابن ام عبد کو یہ سورت کیسے پڑھتے ہوئے سنا۔ علقمہ نے کہا کہ وہ وَالذَّکَرَ وَالۡاُنۡثٰی پڑھتے تھے۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے بھی رسول اللہ ﷺ سے ایسے ہی سنا ہے۔ لیکن یہ لوگ شبہ میں ڈال رہے ہیں۔ پھر فرمایا: کیا تم میں تکیہ والے یعنی جن کے پاس سفر میں رسول اللہ ﷺ کا بستر رہتا تھا اور ایسے راز داں کہ وہ راز ان کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا تھا اور وہ شخص جس کو شیطان کے وسوسوں سے رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق بچالیا گیا، نہیں تھے؟ یعنی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (1)۔ بخاری اور مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ اس روایت میں یہ بھی الفاظ ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کو ملنے کے لئے آئے۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بھی ان کی تلاش میں تھے۔ جب ملاقات ہوئی تو آپ نے فرمایا: تم میں سے کون حضرت عبداللہ کی قراءت پر قرآن کو پڑھنے والا ہے؟ انہوں نے جواب دیا۔ ہم سب،

1۔ مسند امام احمد، جلد 9، صفحہ 449۔ فتح الباری تفسیر سورۃ (واللیل اذا یغشی)، جلد 8، صفحہ 707، مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، جلد 1، صفحہ 566-565

انہوں نے فرمایا: تم میں سے زیادہ حافظ کون ہے؟ انہوں نے علقمہ کی طرف اشارہ کیا۔ انہوں نے پوچھا: تم نے کیسے ابن مسعود کو یہ سورت پڑھتے ہوئے سنا۔ وَالَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى؟ انہوں نے جواب دیا: وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنْثٰى یہ سن کر فرمانے لگے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح پڑھتے ہوئے سنا۔ لیکن یہ لوگ کہتے تھے کہ میں وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنْثٰى پڑھوں۔ قسم بخدا میں ان کی بات نہیں مانوں گا۔ الغرض یہ ابن مسعود اور ابو درداء رضی اللہ عنہما کی قراءت ہے۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے اس کو مرفوع بھی کہا ہے لیکن جمہور صحابہ کرام کی وہی قراءت ہے جو قرآن پاک میں موجود ہے یعنی وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنْثٰى فرمایا: قسم ہے رات کی جب وہ ہر چیز پر چھا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں رات کی قسم کھائی ہے جب وہ اپنی تاریکی کے ساتھ تمام مخلوق کو ڈھانپ لے۔ فرمایا: قسم ہے دن کی جب وہ خوب چمکتا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے دن کی روشنی اور اس کے خوب چمکنے کی قسم کھائی ہے۔

قسم ہے اس کی جس نے نر اور مادہ کو پیدا کیا۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: وَخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ (ذاریات: 49) ''اور ہم نے ہر چیز کے جوڑے بنائے'' یہاں اللہ تعالیٰ نے ایسی چیزوں کی قسم کھائی ہے جو آپس میں متضاد ہیں۔ اس لئے جس چیز پر قسم اٹھائی جارہی ہے وہ بھی متضاد ہے۔ فرمایا: بے شک تمہاری کوششیں مختلف نوعیت کی ہیں یعنی بندوں کے وہ اعمال جو وہ سرانجام دیتے ہیں۔ کوئی نیکی کرنے والا ہے اور کوئی بدی۔ فرمایا: پھر جس نے راہ خدا میں اپنا مال دیا اور اس سے ڈرتا رہا۔ جس مال کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم دیا ہے، وہ خرچ کرتا رہا اور اپنے تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہا۔ فرمایا: اور جس نے اچھی بات کی تصدیق کی۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بِالْحُسْنٰى سے مراد یہ ہے اچھے یا برے اعمال کی جزا و سزا کی تصدیق کی۔ خصیف فرماتے ہیں کہ اس کا معنی ثواب ہے۔ بعض نے فرمایا ہے اس کا معنی ''لا الٰہ الا اللّٰہ'' ہے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے مراد وہ نعمتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر کرتا ہے۔ زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد نماز، زکوٰۃ اور روزہ ہے۔ ایک روایت میں فطرانہ ہے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے ''حسنٰی'' کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا اس سے مراد جنت ہے۔ فرمایا: تو ہم آسان کر دیں گے اس کے لئے آسان راہ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: لِلْيُسْرٰى سے مراد نیکی ہے۔ زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے مراد جنت ہے۔ بعض سلف صالحین نے فرمایا ہے نیکی کا ثواب نیکی کے بعد نیکی کی توفیق ہے۔ برائی کی سزا برائی کے بعد اور برائی۔ اس لئے اس کے بعد فرمایا: اور جس نے بخل کیا اور بے پروا بنا رہا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جس نے مال میں بخل کیا اور اپنے رب سے لاپرواہ رہا اور اچھی بات کو جھٹلایا یعنی دار آخرت میں جزا کو جھٹلایا۔ فرمایا: ہم آسان کر دیں گے اس کے لئے مشکل راہ یعنی برائی کا راستہ۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ (انعام: 110) ''اور ہم پھیر دیں گے ان کے دلوں اور ان کی آنکھوں کو جس طرح وہ نہیں ایمان لائے تھے اس کے ساتھ پہلی مرتبہ اور ہم چھوڑ دیں گے انہیں کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں''۔ اور اس معنی پر دلالت کرنے والی بہت سی آیات ہیں۔ اللہ تعالیٰ نیکی کا ارادہ کرنے والے کو نیکی کی توفیق عطا فرما کر بدلہ عطا فرما دیتا ہے اور برائی کا ارادہ کرنے والے کو ذلت و رسوائی کی جزا دیتا ہے۔ سب کچھ مقدر ہو چکا ہے۔ بہت سی احادیث مبارکہ اس معنی کی تائید کرتی ہیں۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے اعمال کیا ایسی تقدیر کے تابع ہیں

جسے لکھ دیا گیا ہے یا ابھی اسے نئے سرے سے شروع کیا جائے گا؟ آپ نے فرمایا: نہیں بلکہ یہ تمام اعمال مقدر ہو چکے ہیں۔ عرض کی پھر ہم یہ عمل کس لئے کرتے ہیں؟ فرمایا: ہر شخص کے لئے وہ چیز آسان کر دی جاتی ہے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے(1)۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم جنت البقیع میں ایک جنازہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حاضر تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے ہر ایک کے لئے جنت اور دوزخ کی ایک جگہ مقرر کر دی گئی ہے۔ لوگوں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کیا ہم اسی پر بھروسہ کر کے بیٹھ جائیں یعنی عمل کو ترک کر دیں(2)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: عمل کرو۔ ہر شخص کے عمل کو آسان کر دیا جاتا ہے جس کے لئے وہ پیدا ہوتا ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی(3)۔

دوسری روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سر مبارک نیچے کئے تشریف فرما تھے اور آپ ایک تنکا کے ساتھ زمین کو کھود رہے تھے۔ باقی حدیث کے وہی الفاظ ہیں جو اوپر گزر چکے ہیں(4)۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ عرض کرتے ہیں: یا رسول اللہ ﷺ! بتائیے ہم جو یہ اعمال کرتے ہیں کیا یہ ازل میں لکھے جا چکے ہیں یا انہیں نئے سرے سے شروع کیا جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ تمام ازل سے ہی مقدر ہو چکے ہیں۔ پھر فرمایا: اے عمر! عمل کرتے رہو، ہر شخص کے لئے اس کا عمل آسان کر دیا جاتا ہے؟ اگر وہ اہل سعادت میں سے ہو تو وہ سعادت کے لئے عمل کرتا ہے اور اگر اہل شقاوت میں سے ہو تو شقاوت کے لئے عمل کرتا ہے(5)۔ اسی مفہوم کی حدیث حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اور یہی مفہوم بشیر بن کعب عدوی اور حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی روایات میں بیان کیا گیا ہے(6)۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہر دن سورج کے غروب ہونے کے وقت اس کے دونوں اطراف میں دو فرشتے ندا دیتے ہیں جس کو جن وانس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی ہر مخلوق سنتی ہے۔ وہ کہتے ہیں: اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اس کا بدلہ عطا فرما۔ بخل کرنے والے کے مال کو تباہ کر دے۔ یہی معنی قرآن پاک کی ان آیات میں بیان کیا گیا ہے(7)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ایک شخص کے پاس کھجوروں کا باغ تھا۔ ایک کھجور کی شاخیں ایک نیک فقیر اور عیالدار آدمی کے گھر جھکی ہوئی تھیں۔ اس باغ کا مالک اس درخت کی کھجوریں اتارنے کے لئے آتا۔ اگر کوئی کھجور نیچے گر جاتی اور اس فقیر کے بچے اٹھا لیتے تو وہ شخص نیچے اترتا اور ان سے کھجوریں چھین لیتا۔ اگر کوئی بچہ اپنے منہ میں کوئی کھجور ڈال لیتا تو وہ منہ میں انگلی ڈال کر نکال لیتا۔ اس فقیر نے نبی کریم ﷺ سے اس شخص کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم ابھی جاؤ۔ رسول اللہ ﷺ اس کھجور والے کو ملے۔ فرمایا: مجھے کھجور کا وہ درخت دے دو جس کی شاخیں فلاں آدمی کے گھر جھکتی ہیں۔ میں تمہیں اس کے بدلہ میں جنت میں کھجور کا ایک درخت دوں گا۔ اس نے کہا: میں نے درخت دے دیا۔ لیکن مجھے اس درخت کی کھجوریں بہت اچھی لگتی ہیں۔ میرے باغ میں کھجور کے بہت سے درخت ہیں لیکن اس جیسی کھجور کوئی نہیں۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ خاموشی سے واپس تشریف لے گئے۔ ایک اور شخص آپ کی گفتگو سن رہا تھا۔ اس شخص نے

1۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 6-5 2۔ فتح الباری، کتاب القدر، جلد 11، صفحہ 497 3۔ فتح الباری، تفسیر سورۃ (واللیل واذا یغشی)، جلد 8، صفحہ 708

4۔ فتح الباری، تفسیر سورۃ (واللیل اذا یغشی)، جلد 8، صفحہ 709 - مسلم، کتاب القدر، جلد 4، صفحہ 2040-2039، سنن کبریٰ، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 7، صفحہ 399 سنن ابو داؤد، کتاب السنن، جلد 4، صفحہ 223-222 - عارضۃ الاحوذی، ابواب القدر، جلد 8، صفحہ 300 تفسیر سورۃ واللیل، جلد 12، صفحہ 246-245

5۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 52 - عارضۃ الاحوذی، ابواب القدر، جلد 8، صفحہ 300-299

6۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 225-224 - مسند امام احمد، جلد 6، صفحہ 441 7۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 221

آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کی۔ اگر میں کھجور کا یہ درخت خرید لوں اور پھر آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دوں تو کیا مجھے بھی اس کے بدلہ میں جنت میں کھجور کا درخت عطا فرمائیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ وہ شخص کھجور کے مالک کے پاس آیا۔ اس کا اپنا بھی کھجوروں کا باغ تھا۔ وہ کھجور کا مالک اسے بتانے لگا کہ رسول اللہ ﷺ نے میری اس کھجور کے بدلہ میں جنت میں کھجور کا وعدہ فرمایا۔ میں نے انہیں کہا کہ میں نے یہ کھجور دے دی لیکن مجھے اس کا پھل اچھا لگتا ہے۔ وہ شخص تھوڑی دیر خاموش رہا۔ پھر اسے کہنے لگا کیا تم اس کھجور کو بیچنا چاہتے ہو؟ اس نے کہا نہیں مگر جب مجھے کوئی اس کی صحیح قیمت ادا کرے میرے خیال میں اس کی قیمت کوئی ادا نہیں کر سکتا۔ اس شخص نے کہا: تم کیا چاہتے ہو۔ اس نے جواب دیا۔ اس کے بدلہ میں کھجور کے چالیس درخت۔ اس نے کہا: تم نے بڑی قیمت مانگی ہے۔ ایک کھجور کے بدلہ میں چالیس درخت۔ کچھ دیر وہ خاموش رہے اور ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ پھر اس شخص نے کہا میں تمہیں چالیس کھجوریں دیتا ہوں۔ اگر تم واقعی سچ کہہ رہے ہو تو گواہ بنالو۔ پھر لوگوں کو بلایا اور کہا کہ گواہ رہنا کہ میں اس کی اس کھجور (جس کی شاخیں فقیر کے گھر میں جھکتی ہیں) کے بدلہ میں اپنی چالیس کھجوریں بیچ رہا ہوں۔ اب بتاؤ تم کیا کہتے ہو۔ اس نے کہا میں اس سودے پر راضی ہوں۔ پھر کہنے لگا میرے اور تمہارے درمیان یہ سودا ابھی طے نہیں ہوا کیونکہ ابھی مجلس برخاست نہیں ہوئی۔ دوسرے شخص نے کہا میں بھی احمق نہیں ہوں کہ میں تمہیں ایک جھکے ہوئے درخت کے بدلہ میں چالیس درخت دوں گا۔ یہ بات سن کر دہ شخص کہنے لگا مجھے یہ سودا منظور ہے لیکن میں عمدہ قسم کے چالیس درخت لوں گا۔ اس نے کہا ٹھیک ہے اور اس پر گواہ بنا لئے اور اسے اعلیٰ قسم کے چالیس درخت دے دیئے۔ وہ شخص خوشی خوشی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میں نے فلاں شخص کے گھر میں جھکی ہوئی کھجور کو خرید لیا ہے اور یہ میں آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ اس فقیر کے گھر گئے اور فرمایا: یہ کھجور تمہاری اور تمہارے اہل و عیال کے لئے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ اس حدیث کو ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے اور یہ انتہائی غریب ہے۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیات حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئیں۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب اسلام کے ابتدائی دور میں مکہ میں تھے تو آپ ان کمزور مردوں اور عورتوں کو خرید کر آزاد کر دیتے جو مسلمان ہو جاتے۔ ان کے والد جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے نے ان سے کہا: بیٹا! میں دیکھ رہا ہوں تم کمزور اور ضعیف لوگوں کو آزاد کرتے ہو۔ اگر تم مضبوط اور قوی لوگوں کو آزاد کرو تو وہ مشکل وقت میں تمہارا دفاع کریں گے۔ آپ نے جواب دیا: ابا جان! میں تو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کا طلب گار ہوں۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں (1)۔ فرمایا: اور اس کے کام نہ آئے گا اس کا مال جب وہ ہلاکت کے گڑھے میں گرے گا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب وہ مر جائے گا اس کا مال اسے کوئی فائدہ نہیں دے گا۔ ابوصالح اور زید بن اسلم رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب وہ نار جہنم میں گرے گا تو اس کا مال اسے کوئی فائدہ نہیں دے گا۔

إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدَىٰ ﴿١٢﴾ وَإِنَّ لَنَا لَلْآخِرَةَ وَالْأُولَىٰ ﴿١٣﴾ فَأَنذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظَّىٰ ﴿١٤﴾ لَا يَصْلَاهَا إِلَّا الْأَشْقَى ﴿١٥﴾ الَّذِي كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ﴿١٦﴾ وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ﴿١٧﴾ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّىٰ ﴿١٨﴾ وَمَا لِأَحَدٍ عِندَهُ مِن نِّعْمَةٍ تُجْزَىٰ ﴿١٩﴾ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَىٰ ﴿٢٠﴾ وَ

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 221

لَسَوْفَ يَرْضٰى ﴿٢١﴾

''بے شک ہمارے ذمہ (کرم پر) ہے رہنمائی کرنا۔ یقیناً آخرت اور دنیا کے ہم ہی مالک ہیں۔ پس میں نے خبردار کر دیا ہے تمہیں ایک بھڑکتی آگ سے۔ اس میں نہیں جلے گا مگر وہ انتہائی بدبخت۔ جس نے (نبی کریم کو) جھٹلایا اور (آپ سے) روگردانی کی۔ اور دور رکھا جائے گا اس سے وہ نہایت پرہیزگار جو دیتا ہے اپنا مال اپنے (دل) کو پاک کرنے کے لئے۔ اور اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں جس کا بدلہ اسے دینا ہو۔ بجز اس کے کہ وہ اپنے برتر پروردگار کی خوشنودی کا طلب گار ہے اور وہ ضرور (اس سے) خوش ہوگا''۔

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہمارے ذمہ کرم پر لازم ہے کہ ہم حلال وحرام کو بیان کریں بعض نے کہا ہے کہ جو ہدایت کے راستہ پر چلتا ہے وہ اللہ تعالیٰ تک پہنچ جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ ''اور اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے راہ راست کو دلائل سے واضح کرنا'' (1)۔

فرمایا: یقیناً آخرت اور دنیا کے ہم ہی مالک ہیں۔ ہر چیز ہماری ملکیت میں ہے اور ہم ہی اس میں تصرف کرنے والے ہیں۔ فرمایا: پس میں نے خبردار کر دیا تمہیں ایک بھڑکتی ہوئی آگ سے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تَلَظّٰى کا معنی آگ کا بھڑکنا ہے۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا۔ آپ ﷺ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی اور اتنی بلند آواز سے فرمائی کہ اگر کوئی شخص بازار میں ہوتا تو وہ بھی سن لیتا۔ آپ ﷺ اس آیت کریمہ کو بار بار دہراتے رہے۔ یہاں تک کہ چادر مبارک شانوں سے گر کر قدموں میں گر پڑی (2)۔ ایک دوسری روایت میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن سب سے کم عذاب والا وہ جہنمی ہوگا جس کے پاؤں تلے دو انگارے رکھے جائیں گے۔ اس کی گرمی سے اس کا دماغ پگھل جائے گا۔ یہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے (3)۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے یہ الفاظ ہیں: سب سے ہلکے عذاب والا وہ جہنمی ہوگا جسے آگ کے دو جوتے پہنائے جائیں گے جن کے تسمے بھی آگ کے ہوں گے۔ جن سے اس کا دماغ ابل جائے گا جس طرح ہنڈیا ابلتی ہے۔ اس شخص کو سب سے ہلکا عذاب دیا جائے گا۔ مگر وہ سمجھے گا کہ اس سے سخت کسی شخص کو عذاب نہیں دیا گیا (4)۔ فرمایا: اس میں نہیں گرے گا مگر وہ جو انتہائی بدبخت ہے۔ اس میں اس طرح کوئی داخل نہیں ہوگا کہ آگ اس کو ہر جانب سے پکڑ لے مگر انتہائی بدبخت۔ پھر اس کی تفسیر بیان کی۔ وہ بدبخت جس نے اپنے دل سے حق کو جھٹلایا اور اپنے ظاہری اعضاء سے ارکان اسلام پر عمل کرنے سے روگردانی کی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جہنم میں بدبخت ہی داخل ہوگا۔ عرض کی گئی بدبخت کون ہے؟ فرمایا: جو نیکی کا کوئی عمل نہیں کرتا اور کسی برائی کو نہیں چھوڑتا (5)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن میری تمام امت جنت میں داخل ہو جائے گی۔ سوائے اس کے جس نے جنت میں داخل ہونے سے انکار کیا۔ عرض کی: جنت میں داخل ہونے سے کون انکاری ہو سکتا ہے؟

1۔ نحل: 9 تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 226
2۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 272
3۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 274 - فتح الباری، کتاب الرقاق، جلد 11، صفحہ 417
4۔ مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 196
5۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 249
6۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 361 - فتح الباری، کتاب الاعتصام، جلد 13، صفحہ 249

فرمایا: جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہو جائے گا اور جس نے میری نافرمانی کی، اس نے انکار کیا(6)۔

فرمایا: اور دور رکھا جائے گا اس سے اسے جو نہایت پرہیزگار رہو۔ نہایت متقی اور پرہیزگار کو جہنم کی آگ سے دور کر دیا جائے گا۔ پھر اس کی تفسیر بیان فرمائی: جو اپنا مال اپنا دل پاک کرنے کے لئے دیتا ہے۔ وہ اپنے مال کو اپنے رب کی اطاعت اور رضا و خوشنودی میں خرچ کرتا ہے تاکہ اس کا دل بھی پاک ہو جائے اور اس کا مال بھی اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ دین و دنیا کی نعمتیں بھی۔ فرمایا: اور اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں جس کا بدلہ اسے دینا ہو۔ وہ جو مال خرچ کرتا ہے، وہ کسی ایسے احسان کے بدلہ میں نہیں ہے جو اس پر کیا گیا تھا۔ وہ محض اللہ کی رضا و خوشنودی کے لئے ایسا کرتا ہے۔ فرمایا: بجز اس کے کہ وہ اپنے برتر پروردگار کی خوشنودی کا طلب گار ہے۔ اس کے مال خرچ کرنے میں یہی خواہش ہے کہ اسے جنت میں اپنے پروردگار کا دیدار حاصل ہو۔

فرمایا: اور وہ ضرور اس سے خوش ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ان صفات سے متصف مومن سے خوش ہو گا اور راضی ہو جائے گا۔ اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ آیات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئیں۔ حتیٰ کہ بعض نے تو اس پر مفسرین کا اجماع نقل کیا ہے۔ یقیناً حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان آیات کے حکم میں داخل ہیں۔ اگرچہ ان آیات کے الفاظ عموم پر دلالت کرتے ہیں لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان مذکورہ تمام اوصاف اور باقی تمام اوصاف حمیدہ میں تمام امت پر مقدم ہیں۔ آپ صدیق، متقی اور پرہیزگار، معزز اور سخی تھے۔ آپ اپنے مولیٰ کریم کی اطاعت اور رسول کریم ﷺ کی نصرت میں اپنا مال خرچ کرتے تھے۔ آپ نے ہزاروں دراہم و دنانیر راہ خدا میں خرچ کئے۔ لوگوں میں سے کسی کا آپ پر احسان نہیں تھا کہ آپ اس کا بدلہ چکاتے بلکہ بڑے بڑے رؤساء اور سرداران قبائل پر آپ کے احسانات تھے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب آپ نے قبیلہ ثقیف کے سردار عروہ بن مسعود کو سختی سے ڈانٹا تو اس نے کہا قسم بخدا اگر آپ کا مجھ پر وہ احسان نہ ہوتا جس کا میں بدلہ نہیں دے سکتا تو میں اس کا جواب دیتا(1)۔ جب قبائل کے رؤساء اور سرداروں کے ساتھ آپ کی یہ حالت تھی تو عام لوگوں کے ساتھ آپ حسن سلوک کا عالم کیا ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ......)۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اللہ کی راہ میں جوڑا خرچ کرے، جنت کے داروغے اسے ندا دیں گے اے اللہ کے بندے! ادھر سے آؤ یہ سب سے اچھا ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی بلانے کی ایسی کوئی ضرورت تو نہیں۔ کیا کسی کو تمام دروازوں سے پکارا جائے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں اور میرا یقین ہے تم بھی انہیں میں سے ہو(2)۔

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 2، صفحہ 313 2۔ فتح الباری، کتاب فضائل الصحابۃ، جلد 7، صفحہ 19 - مسلم، کتاب الزکاۃ، جلد 2، صفحہ 712-711

سورۃ الضحیٰ (مکیہ)

اسماعیل بن قسطنطین اور شبل بن عباد کے سامنے حضرت عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ تلاوت قرآن کر رہے تھے۔ جب وہ اس سورت پر پہنچے تو ان دونوں نے کہا: اس سورت سے آخری سورت تک ہر سورت کے خاتمہ پر اللہ اکبر پڑھا کرو۔ ہم نے ابن کثیر مکی کے سامنے پڑھا تو انہوں نے بھی ہمیں یہی فرمایا اور انہوں نے بتایا کہ انہوں نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے پڑھا تو انہوں نے بھی یہی حکم دیا۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے پڑھا تو انہوں نے بھی مجھے یہی حکم دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے یہ حکم فرمایا۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے پڑھا تو آپ نے مجھے یہ حکم دیا(1)۔ اس سنت کے تنہا راوی ابوالحسن احمد بن محمد بن عبداللہ البزی ہیں جو قرأت کے امام تھے۔ مگر حدیث میں ابوحاتم رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے۔ فرمایا ہے کہ وہ ان سے حدیث روایت نہیں کرتے(2)۔ اسی طرح ابوجعفر عقیلی نے ان کو منکر الحدیث کہا ہے لیکن شیخ شہاب الدین ابوشامہ نے شاطبیہ کی شرح میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے نماز میں ایک آدمی کو یہ تکبیر کہتے ہوئے سنا تو فرمایا: تم نے اچھا کیا اور تم سنت کو پہنچ گئے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ واقعہ اس حدیث کے صحیح ہونے کا تقاضا کرتا ہے پھر قراء حضرات میں یہ بھی اختلاف ہے کہ یہ تکبیر کہاں کہی جائے اور کیسے کہی جائے۔ بعض کہتے ہیں کہ وَالَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى کے آخر میں کہی جائے۔ بعض الضُّحٰى کے آخر میں کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں صرف اللہ اکبر کہے۔ بعض کہتے ہیں: "اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر" کہے۔ سورۂ والضحیٰ سے تکبیر شروع کرنے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ جب کچھ مدت کے لئے رسول اللہ ﷺ پر وحی کا سلسلہ رک گیا اور اس دوران کوئی وحی نہ آئی تو پھر جب حضرت جبریل علیہ السلام یہ مکمل سورت لے کر نازل ہوئے تو آپ نے خوشی و مسرت سے تکبیر کہی۔ لیکن راوی نے یہ روایت کسی سند کے ساتھ بیان نہیں کی کہ اس پر صحیح یا ضعیف ہونے کا حکم لگایا جائے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

وَالضُّحٰى ﴿١﴾ وَالَّيْلِ إِذَا سَجٰى ﴿٢﴾ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ﴿٣﴾ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ﴿٤﴾ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ﴿٥﴾ اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ﴿٦﴾ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ﴿٧﴾ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ﴿٨﴾ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ﴿٩﴾ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ﴿١٠﴾ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿١١﴾

"قسم ہے روز روشن کی۔ اور رات کی جب وہ سکون کے ساتھ چھا جائے۔ نہ آپ کے رب نے آپ کو چھوڑا اور نہ ہی وہ

1۔ درمنثور، جلد 8، صفحہ 539۔ تفسیر بغوی سورۂ ضحیٰ، جلد 4، صفحہ 501-500 تفسیر قرطبی، جلد 20، صفحہ 103 2۔ الجرح والتعدیل، جلد 2، صفحہ 71

ناراض ہوا۔ اور یقیناً ہر آنے والی گھڑی آپ کے لئے پہلی سے (بدرجہا) بہتر ہے۔ اور عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔ کیا اس نے نہیں پایا آپ کو یتیم پھر (اپنی آغوش رحمت میں) جگہ دی۔ اور آپ کو اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو منزل مقصود تک پہنچا دیا۔ اور اس نے آپ کو حاجت مند پایا تو غنی کر دیا۔ پس کسی یتیم پر سختی نہ کیجئے۔ اور جو مانگنے آئے اس کو مت جھڑ کیے اور اپنے رب (کریم) کی نعمتوں کا ذکر فرمایا کیجئے"۔

مسند کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ بیمار ہو گئے ایک یا دو رات تہجد کی نماز ادا نہ کر سکے۔ ایک عورت نے کہا: یا محمد ﷺ! آپ کا شیطان آپ کو چھوڑ گیا ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی(1)۔ ایک روایت میں ہے کہ جبریل علیہ السلام کچھ دن رسول اللہ ﷺ پر وحی لے کر نازل نہ ہوئے تو مشرکین نے کہا کہ محمد (ﷺ) کو اس کے رب نے چھوڑ دیا ہے(2)۔ حضرت جندب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی انگشت مبارک میں ایک پتھر لگ گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو صرف ایک انگشت ہے جو خون آلود ہوگئی اور اللہ کی راہ میں تجھے یہ زخم لگا ہے۔ اس کی وجہ سے آپ دو تین رات نماز تہجد ادا نہ کر سکے تو ایک عورت نے کہا میرے خیال میں آپ کے شیطان نے آپ کو چھوڑ دیا ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی۔ کہا گیا ہے کہ یہ عورت ابولہب کی بیوی ام جمیل تھی۔ رسول اللہ ﷺ کا اپنی انگلی کو یہ ارشاد فرمانا تو صحیحین میں ثابت ہے(3) لیکن اسے نماز تہجد کے ترک کرنے اور اس سورت کے نزول کا سبب قرار دینا عجیب ہے۔ حضرت عبداللہ بن شداد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: میرا خیال ہے آپ کا رب آپ سے ناراض ہو گیا ہے(4)۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام کچھ دن آپ پر وحی لے کر نازل نہ ہوئے تو آپ ﷺ سخت پریشان ہوئے۔ آپ ﷺ کی پریشانی دیکھ کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں: شاید آپ کا رب آپ سے ناراض ہو گیا تو یہ سورت نازل ہوئی(5)۔ یہ دونوں روایات مرسل ہیں لیکن حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ذکر کرنا یہاں مناسب نہیں۔ شاید آپ نے یہ اظہار افسوس کے طور پر کہا ہو۔

ابن اسحاق اور بعض سلف صالحین نے ذکر کیا ہے کہ یہ سورت اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ ﷺ غار حراء سے اتر کر وادی میں تشریف لائے اور حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے سامنے اپنی اصلی صورت میں ظاہر ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب قرآن پاک کا نزول شروع ہوا تو جبریل علیہ السلام کچھ دن وحی لے کر نہ آئے۔ نبی کریم ﷺ کی طبیعت پر اس کا اثر ہوا۔ مشرکین نے کہا ان کو ان کے رب نے چھوڑ دیا ہے اور ناراض ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہ سورت نازل فرمائی(6)۔ فرمایا: قسم ہے روزِ روشن کی۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے چاشت اور اس وقت کی روشنی کی قسم کھائی ہے۔ فرمایا اور رات کی جب وہ سکون کے ساتھ چھا جائے۔ مجاہد اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہما فرماتے ہیں: قسم ہے رات کی جب وہ سکون پذیر ہو جائے اور تاریک ہو جائے اور یہ لیل و نہار کے خالق کی قدرت پر ظاہری دلیل ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ۙ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى

1۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 313-312- فتح الباری، تفسیر سورۂ ضحیٰ، جلد 8، صفحہ 710 مسند امام احمد کتاب التہجد، جلد 3، صفحہ 8- کتاب فضائل القرآن، جلد 9، صفحہ 3، مسلم، کتاب الجہاد، جلد 3، صفحہ 1422-1421 عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۂ ضحیٰ، جلد 12، صفحہ 247-246- سنن کبریٰ، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 2، صفحہ 439- تفسیر طبری، جلد 30 صفحہ 231

2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ یٰسین آیت: 69 3۔ دیکھئے تفسیر سورۂ یٰسین آیت: 69 4۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 232-231

5۔ ایضاً مرجع مذکور 6۔ ایضاً مرجع مذکور

ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَ جَعَلَ الَّیْلَ سَكَنًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ (انعام:96) ''وہ نکالنے والا ہے صبح کو (رات کی تاریکی سے) اور بنایا ہے اس نے رات کو آرام کے لئے اور (بنایا ہے) سورج اور چاند کو حساب کے لئے یہ اندازہ ہے (مقرر کیا ہوا) سب سے زبردست سب کچھ جاننے والے کا''۔

فرمایا: نہ آپ کے رب نے آپ کو چھوڑا اور نہ ہی وہ ناراض ہوا اور یقیناً ہر آنے والی گھڑی آپ کے لئے پہلی سے بدرجہا بہتر ہے۔ اس کا ایک معنی یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ کے لئے دار آخرت اس دنیا سے بہتر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اس دنیا میں تمام لوگوں سے زیادہ زاہد اور تارک الدنیا تھے۔ جب آپ ﷺ کو آپ کی عمر مبارک کے آخری حصہ میں دنیا میں رہنے اور بارگاہ الٰہی میں حاضر ہونے کا اختیار دیا گیا تو آپ ﷺ نے اس دنیا پر خدا کی بارگاہ میں حاضری کو پسند فرمایا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن کھجور کی چٹائی پر آرام فرما تھے۔ آپ ﷺ کے جسم پر اس کے نشان پڑ گئے۔ جب آپ ﷺ بیدار ہوئے، میں آپ ﷺ کے جسم مبارک پر ہاتھ ملنے لگا۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! اگر ہمیں اجازت دیں تو ہم اس چٹائی پر کوئی بچھونا بچھا دیا کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میرا اس دنیا کے ساتھ کیا واسطہ۔ میری اور اس دنیا کی مثال اس مسافر کی طرح ہے جو کسی درخت کے سایہ کے نیچے کچھ دیر کے لئے ٹھہرتا ہے پھر اسے چھوڑ کر چلا جاتا ہے (1)۔

فرمایا: اور عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے یعنی اللہ تعالیٰ دار آخرت میں آپ کی امت کے بارے میں آپ کو راضی کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بہت سے انعامات سے نوازے گا۔ انہی میں سے حوض کوثر ہے جس کے کنارے موتیوں کے خیمے ہوں گے۔ جس کی مٹی مشک کی ہوگی (2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک ایک کر کے وہ تمام خزانے پیش کئے گئے جو آپ کی امت کو ملنے والے تھے۔ اس سے آپ بہت خوش ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی اور آپ کو جنت میں ایک لاکھ محل عطا فرمائے۔ ہر محل میں خوبصورت حوریں اور خادم ہوں گے (3)۔ اس روایت کی سند حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ تک صحیح ہے اور ظاہر ہے یہ ایسی بات ہے جو انہوں نے اپنے پاس سے بیان نہیں کی۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب سے فرمایا ہے کہ وہ آپ کو راضی کرے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں محمد ﷺ کی رضا تو یہ ہے کہ ان کے اہل بیت کا کوئی فرد جہنم میں داخل نہ ہو۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں آپ ان کی شفاعت فرمائیں گے۔ امام باقر رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہم اہل بیت کے لئے اللہ تعالیٰ نے دنیا پر آخرت کو پسند فرمایا ہے۔ پھر آپ نے آیت کریمہ وَ لَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى تلاوت فرمائی (4)۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان نعمتوں کا ذکر فرماتا ہے جو اس نے اپنے محبوب بندے محمد ﷺ کو عطا فرمائیں۔

فرمایا: کیا اس نے نہیں پایا آپ کو یتیم پھر (اپنی آغوش رحمت میں) جگہ دی۔ آپ ﷺ کے والد ماجد کا وصال اس وقت ہی ہو گیا تھا جب آپ ﷺ اپنی والدہ ماجدہ کے بطن مبارک میں تھے اور ابھی آپ کی عمر مبارک چھ سال کی تھی کہ آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ کا بھی انتقال ہو گیا۔ پھر آپ ﷺ اپنے دادا عبدالمطلب کی کفالت میں رہے، آٹھ سال کے ہوئے تو وہ بھی دار فانی سے انتقال فرما گئے۔ اس

1۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 391 عارضۃ الاحوذی، کتاب الزہد، جلد 9، صفحہ 223- ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2، صفحہ 1276

2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ کوثر 3۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 232 4۔ ابن ماجہ، کتاب الفتن، جلد 2، صفحہ 1366

کے بعد آپ ﷺ کے چچا ابو طالب نے آپ کی کفالت کی۔ وہ آپ کی بڑی تعظیم و تکریم کرتے تھے۔ جب چالیس سال کی عمر میں آپ ﷺ نے بعثت کا اعلان کیا تو وہ آپ کی حمایت کرتے رہے۔ اور آپ ﷺ کی اپنی قوم کی ایذاء رسانیوں سے حفاظت کرتے رہے حالانکہ وہ خود اپنی بت پرست قوم کے دین پر تھے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی حسن تدبیر اور تقدیر تھی۔ ہجرت مدینہ سے کچھ عرصہ پہلے جناب ابو طالب کا بھی انتقال ہو گیا۔ اب مکہ کے جہلاء اور سفہاء نے آپ کو اذیتیں دینا شروع کر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مکہ سے مدینہ ہجرت کرنے کا حکم فرمایا۔ یہاں اوس وخزرج کے انصار آباد تھے۔ جب آپ ﷺ مدینہ پہنچے تو انہوں نے آپ کو اور آپ کے مہاجرین صحابہ کو اپنے ہاں جگہ دی۔ آپ ﷺ کی مدد کی اور آپ کے ساتھ مل کر دشمنوں کے خلاف جہاد کرتے رہے۔ یہ سب آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان اور لطف و کرم تھا۔

فرمایا: اور آپ کو اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو منزل مقصود تک پہنچا دیا۔ اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِیْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا (شوریٰ: 52) ''اور اسی طرح ہم نے بذریعہ وحی بھیجا آپ کی طرف ایک جانفزا کلام اپنے حکم سے۔ نہ آپ یہ جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور نہ یہ کہ ایمان کیا ہے۔ لیکن (اے حبیب!) ہم نے بنا دیا اس کتاب کو (سراپا) نور، ہم ہدایت دیتے ہیں اس کے ذریعے جس کو چاہتے ہیں اپنے بندوں میں سے''۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ بچپن میں مکہ کی گھاٹیوں میں راستہ بھول گئے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کو مکہ کی راہ پر لوٹا دیا۔ بعض نے لکھا ہے کہ آپ اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ شام کے سفر میں تھے۔ رات کے وقت ایک اونٹنی پر سوار تھے کہ شیطان آیا اور اس نے اونٹنی کی نکیل پکڑ لی اور اسے راستے سے ہٹا کر اس کا منہ جنگل کی طرف کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو بھیجا۔ انہوں نے پھونک مار کر شیطان کو حبشہ کی طرف بھگا دیا اور اونٹنی کو پھر راستے پر لگا دیا۔ یہ دونوں قول علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کئے ہیں (1)۔ فرمایا: اور اس نے آپ کو حاجت مند پایا تو غنی کر دیا۔ یعنی آپ تخت فقر پر مسند آراء تھے اور اہل و عیال رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ہر ایک سے مستغنی کر دیا۔ آپ ﷺ فقر پر صابر اور غناء پر شاکر تھے۔ ان دونوں درجوں کو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی ذات میں جمع کر دیا۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان آیات اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا...... فَاَغْنٰى میں بعثت سے پہلے آپ کی منازل کا تذکرہ ہے (2)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: غناء کثرت مال سے نہیں ہوتی بلکہ دل کے غنی ہونے سے ہوتی ہے (3)۔ ایک دوسری روایت میں ارشاد فرمایا: بلاشبہ اس شخص نے فلاح پائی جو مسلمان ہوا اور اسے اس کی ضرورت کے مطابق رزق دیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے اسی پر قناعت کرنے والا بنا دیا (4)۔

فرمایا: پس کسی یتیم پر سختی نہ کیجئے۔ جس طرح آپ ﷺ خود یتیم تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس بلند مقام پر پہنچا دیا تو آپ ﷺ بھی کسی یتیم پر سختی نہ کریں نہ ہی اسے جھڑکیں بلکہ اس پر احسان کریں اور مہربانی سے پیش آئیں اور یتیم کے لئے مہربان باپ کی طرح بن

1۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 499　　2۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 233

3۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 215-312 - فتح الباری، کتاب الرقاق، جلد 11، صفحہ 271، مسلم کتاب الزکاۃ، جلد 2، صفحہ 726

4۔ مسلم، کتاب الزکاۃ، جلد 2، صفحہ 730

جائیں۔فرمایا: اور جو مانگنے آئے اسے مت جھڑکیے۔اللہ تعالیٰ کے کمزور اور ضعیف بندوں پر سختی نہ کیجئے اور ان کے ساتھ فحش کلامی اور تکبر کا مظاہرہ نہ کیجئے۔قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی سائل کو خالی لوٹانا ہو تو بڑی نرمی سے لوٹانا چاہئے۔فرمایا: اور اپنے رب کریم کی نعمتوں کا ذکر فرمایا کیجئے۔جیسا کہ آپ پہلے حاجت مند اور صاحب عیال تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کو غنی کر دیا۔اس طرح آپ ﷺ بھی اس کی نعمتوں کو یاد کیا کریں۔نبی کریم ﷺ سے ایک دعا بھی منقول ہے: واجعلنا شاکرین لنعمتك مثنین بها علیك قابلیها واتمها علینا۔ ''اے اللہ! ہمیں اپنی نعمتوں کا شکر گزار اور ان کی وجہ سے اپنا ثناگو بنا دے اور ان نعمتوں کا ہم پر اتمام کر دے''(1)۔ابونضرہ فرماتے ہیں اہل ایمان کا یہ خیال تھا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بیان کرنا ان پر شکر ادا کرنے میں سے ہے(2)۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے منبر پر ارشاد فرمایا: جو تھوڑی سی نعمت کا بھی شکر ادا نہیں کرتا وہ بڑی نعمت کا بھی شکر ادا نہیں کرتا۔جو لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا۔اللہ کی نعمتوں کو بیان کرنا شکر اور اسے ترک کرنا کفر ہے۔جماعت کے ساتھ رہنا رحمت کا باعث اور علیحدگی عذاب کا باعث ہے(2)۔حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مہاجرین نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ سارا ثواب تو انصار لے گئے۔فرمایا: نہیں جب تک تم اللہ کی بارگاہ میں ان کے لئے دعا کرتے اور ان کی تعریف کرتے رہو گے تو تمہیں بھی اس کا اجر ملے گا(4)۔حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص کو کسی آزمائش میں مبتلا کیا گیا اور وہ اسے بیان کرتا رہے تو اس نے اس کا شکریہ ادا کیا اور جس نے اسے چھپا دیا اس نے ناشکری کی(5)۔

ایک اور روایت میں ہے کہ جس کو کوئی عطیہ دیا گیا اور اس کے پاس کوئی چیز ہو اسے چاہئے کہ وہ اس کا بدلہ دے۔اگر وہ کوئی چیز نہ پائے تو اس کی تعریف ہی کر دے تو جس نے تعریف کی اس نے شکریہ ادا کیا اور جس نے اسے چھپایا اس نے ناشکری کی(6)۔مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں نعمت سے مراد نبوت ہے اور آپ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس سے مراد قرآن ہے۔حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ جو بھی تم نیکی کا کام کرو تو اپنے دوستوں کو بتاؤ۔محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو جو نبوت کی نعمت عطا فرمائی ہے اسے بیان کرو اور اس کی طرف لوگوں کو دعوت دو۔رسول اللہ ﷺ اپنے قابل اعتماد صحابہ سے رازدارانہ طور پر اس نعمت کا تذکرہ فرمایا کرتے تھے۔اس کے بعد آپ ﷺ پر نماز فرض ہوئی اور آپ نے نماز ادا کی(7)۔

1۔ابوداؤد، جلد 1، صفحہ 254 2۔تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 234 3۔مسند امام احمد، صفحہ 278-275

4۔سنن ابوداؤد، کتاب الادب، جلد 4، صفحہ 255-الیوم واللیلۃ بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 1، صفحہ 133

5۔سنن ابوداؤد، کتاب الادب، جلد 4، صفحہ 256 6۔سنن ابوداؤد کتاب الادب، جلد 4، صفحہ 256-255 7۔سیرت ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 243

سورۂ الم نشرح (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۙ﴿۱﴾ وَ وَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۙ﴿۲﴾ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۙ﴿۳﴾ وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ؕ﴿۴﴾ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۙ﴿۵﴾ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ؕ﴿۶﴾ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۙ﴿۷﴾ وَ اِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ﴿۸﴾

''کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں کر دیا۔ اور ہم نے اتار دیا ہے آپ سے آپ کا بوجھ۔ جس نے بوجھل کر دیا تھا آپ کی پیٹھ کو۔ اور ہم نے بلند کر دیا آپ کی خاطر آپ کے ذکر کو۔ پس یقیناً ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ بے شک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ پس جب آپ (فرائض نبوت سے) فارغ ہوں تو (حسب معمول) ریاضت میں لگ جائیں اور اپنے رب کی طرف راغب ہو جائیں''۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں کر دیا یعنی اسے روشن کر دیا اور اسے وسیع اور کشادہ کر دیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ (انعام: 125) ''اور جس (خوش نصیب) کے لئے ارادہ فرماتا ہے اللہ کہ ہدایت دے اسے تو کشادہ کر دیتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لئے''۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کے سینہ مبارک کو کشادہ فرما دیا ہے اسی طرح آپ کی شریعت کو بھی وسیع اور آسان بنا دیا اس میں نہ کوئی تنگی ہے نہ حرج اور نہ کوئی تکلیف۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے اس سے مراد معراج کی رات آپ کا شق صدر ہے جیسا کہ مالک بن صعصعۃ کی روایت ہے۔ اسے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں ذکر کیا ہے۔ لیکن شق صدر اور سینہ کی کشادگی میں کوئی منافات نہیں ہے اس لئے دونوں مراد لئے جا سکتے ہیں۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں سوال کرنے میں جری تھے۔ وہ ایسے امور کے بارے میں بھی سوال کرتے تھے جن کے بارے میں اور کوئی نہیں کر سکتا تھا۔ ایک دن آپ نے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے امر نبوت میں سب سے پہلے کس چیز کو دیکھا؟ نبی کریم ﷺ سنبھل کر بیٹھ گئے اور فرمایا: اے ابو ہریرہ! میری عمر ابھی دس سال تھی۔ میں جنگل میں کھڑا تھا کہ میں نے آسمان کی طرف سے کچھ آواز سنی کہ ایک شخص دوسرے سے کہہ رہا ہے کہ کیا یہ وہی ہیں؟ تھوڑی دیر بعد وہ دونوں شخص میرے سامنے آ گئے۔ ان کے چہرے بڑے منور تھے کہ میں نے ایسے چہرے پہلے نہیں دیکھے تھے۔ ان سے ایسی خوشبو آ رہی تھی کہ پہلے ایسی خوشبو نہیں دیکھی تھی۔ وہ ایسے کپڑے پہنے ہوئے تھے جو پہلے کبھی نہ دیکھے تھے۔ وہ دونوں میرے قریب آ گئے اور ان دونوں نے مجھے بازوؤں سے تھام لیا۔ لیکن مجھے محسوس نہ ہوا کہ انہوں نے مجھے پکڑا۔ ان میں سے ایک نے کہا ان کو لٹا دو۔ انہوں نے مجھے بڑے آرام سے لٹا دیا اور پھر ایک نے دوسرے سے کہا: ان کے سینہ کو شق کر دو۔ ایک میرے سینے کی طرف بڑھا اور

میرے سینہ کو شق کر دیا لیکن نہ تو میرا خون نکلا اور نہ مجھے تکلیف محسوس ہوئی۔ ایک نے کہا اس میں سے کینہ اور حسد نکال دو۔ اس نے جمے ہوئے خون کی مثل کوئی چیز نکالی اور اسے پھینک دیا۔ پھر کہا کہ اس میں نرمی اور رحمت داخل کر دو۔ اس نے چاندی کی مثل کوئی چیز ڈال دی۔ پھر میرے دائیں پاؤں کے انگوٹھے کو ہلا کر کہا: جایئے اور سلامتی سے زندگی گزاریئے۔ میں چلا تو دیکھا کہ میرے دل میں ہر چھوٹے کے لئے نرمی اور ہر بڑے کے لئے رحمت ہے (1)۔ فرمایا اور ہم نے اتار دیا آپ سے آپ کا بوجھ۔ جس نے بوجھل کر دیا تھا آپ کی پشت کو۔ اس آیت کریمہ کا معنی وہی ہے جو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے: لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ (فتح: 2) ''تاکہ دور فرما دے آپ کے لئے اللہ تعالیٰ جو الزام آپ پر (ہجرت سے) پہلے لگائے گئے اور جو (ہجرت کے) بعد لگائے گئے''۔

اَنْقَضَ آواز کو کہتے ہیں۔ فرمایا: اور ہم نے بلند کر دیا آپ کی خاطر آپ کے ذکر کو۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میرے ذکر کے ساتھ تیرا ذکر کیا جائے گا۔ جیسے: اشهد أن لا اله الا الله واشهد ان محمداً رسول الله۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کا ذکر دنیا و آخرت میں بلند کر دیا ہے۔ ہر خطیب اور توحید الٰہی کی گواہی دینے والا اور نمازی یہی ندا دیتا ہے: اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمداً رسول الله۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور عرض کی میرا اور تمہارا پروردگار ارشاد فرماتا ہے کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں نے تمہارا ذکر کیسے بلند کیا؟ میں نے کہا: اللہ اعلم۔ جبریل نے کہا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: جہاں میرا ذکر کیا جائے گا وہاں تیرا بھی ذکر کیا جائے گا (2)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے اپنے رب سے ایسا سوال کیا، اگر یہ سوال نہ کرتا تو اچھا تھا۔ میں نے عرض کی: یا باری تعالیٰ! مجھ سے پہلے انبیاء میں کسی کے لئے تو نے ہوا مسخر کر دی۔ بعض مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد! کیا ہم نے تمہیں یتیم نہیں پایا۔ پھر ہم نے تمہیں اپنی آغوش رحمت میں جگہ دی؟ میں نے عرض کی کیوں نہیں۔ میرے پروردگار! فرمایا: کیا میں نے تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پا کر تمہیں منزل مقصود تک نہیں پہنچایا؟ میں نے عرض کی کیوں نہیں پروردگار! فرمایا: میں نے تمہیں حاجت مند پا کر غنی نہیں کیا؟ عرض کی: کیوں نہیں میرے پروردگار۔ فرمایا: کیا میں نے تمہارے لئے تمہارے سینہ کو کشادہ نہیں کیا کیا تمہاری خاطر تمہارے ذکر کو بلند نہیں کیا؟ عرض کی: کیوں نہیں پروردگار۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب میں زمین و آسمان کے ان تمام امور سے فارغ ہو گیا جن کا میرے پروردگار نے مجھے حکم دیا تھا تو میں نے عرض کی یارب! تو نے مجھ سے پہلے ہر نبی کو عزت و تکریم دی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلیم بنایا، حضرت داؤد علیہ السلام کے لئے پہاڑوں کو مسخر کیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے جنوں کو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے تو نے مردوں کو زندہ کیا۔ پروردگار! میرے لئے کیا کیا؟ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: کیا میں نے تمہیں ان سب سے افضل چیز عطا نہیں فرمائی۔ یہ کہ جہاں میرا ذکر ہوگا وہاں تیرا ذکر بھی ہوگا۔ میں نے تیری امت کے سینوں کو اس طرح کشادہ کر دیا کہ کامل قرآن اپنے سینہ میں محفوظ کر لیتے ہیں اور یہ چیز میں نے کسی اور امت کو نہیں دی اور میں نے تمہیں عرش کے خزانوں میں سے ایک خزانہ عطا فرمایا یعنی ''لا حول ولا قوة إلا بالله العظيم (3)''۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس سے مراد اذان ہے یعنی اذان میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ ساتھ آپ کا ذکر بھی ہے۔ امام

1۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 139 2۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 235 - مسند ابو یعلی، جلد 2، صفحہ 131 3۔ درمنثور، جلد 8، صفحہ 549

بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اشعار بھی یہاں ذکر کئے ہیں:(1)

اغر علیه للنبوة خاتم من الله من نور یلوح ویشهد

وضم الاله اسم النبی الی اسمه اذا قال فی الخمس المؤذن اشهد

وشق له من اسمه لیجله فذو العرش محمود وهذا محمد

''آپ پر مہر نبوت چمکتی ہے۔ یہ اللہ کا نور ہے جو ضوفشاں ہوتا ہے اور شہادت دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم کو اپنے اسم کے ساتھ ملا لیا۔ جبکہ پانچوں وقت مؤذن ''اشھد'' کہتا ہے۔

آپ کی عظمت کے اظہار کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کے اسم کو اپنے اسم سے نکالا ہے۔ وہ صاحب عرش محمود اور آپ محمد ہیں''۔

بعض نے کہا کہ اولین وآخرین میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذکر کو بلند کیا ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام سے یہ عہد لیا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں اور اپنی امتوں کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا حکم دیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں آپ کے ذکر کو مشہور کر دیا کہ اللہ کے ذکر کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ذکر ہوتا ہے۔ صرصری نے کیا خوب کہا ہے:

''فرض نماز کے لئے ہماری اذان اس وقت تک صحیح نہیں ہو سکتی جب تک آپ کا میٹھا نام کسی پاکیزہ زبان سے ادا نہ ہو۔ کیا تمہیں معلوم نہیں ہماری اذان اور فرض نماز مکمل نہیں ہوتی جب تک ان میں آپ کا اسم گرامی بار بار نہ لیں''۔

فرمایا: یقیناً ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ بلاشبہ ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں بیان کیا ہے کہ ہر مشکل کے بعد آسانی ہوتی ہے پھر اسے مؤکد ذکر کیا ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے اور آپ کے سامنے ایک پتھر تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تنگی آ کر اس پتھر میں داخل ہو جائے تو اس کے بعد آسانی آ کر اس پتھر میں داخل ہو جائے گی اور اسے نکال دے گی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں، اسے ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے اور مسند بزار میں بھی یہ روایت الفاظ کی تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ ذکر کی گئی ہے (2)۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک دن نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم فرحاں وشاداں اپنے حجرہ مبارک سے نکلے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکراتے ہوئے فرما رہے تھے: ایک تنگی دو آسانیوں پر ہرگز غالب نہیں آئے گی۔ ایک تنگی دو آسانیوں پر ہرگز غالب نہیں آئے گی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیات تلاوت فرمائیں(3)۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کو ان آیات کے ساتھ خوشخبری دی کہ ایک تنگی دو آسانیوں پر غالب نہیں آئے گی۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اَلْعُسْرِ کا لفظ دونوں جگہ معرفہ ذکر کیا گیا ہے۔ اس لئے ان دونوں سے ایک ہی مراد ہے۔ اور ''یسر'' کا لفظ دونوں جگہ نکرہ ہے۔ اس لئے اس سے دو مراد لئے گئے ہیں۔ اسی لئے آپ نے فرمایا: ایک تنگی ہرگز دو آسانیوں پر غالب نہیں آئے گی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آسمان سے نصرت الٰہی تکلیف کے مطابق نازل ہوتی ہے اور مصیبت کے مطابق صبر نازل ہوتا ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:(4)

۱-صبرا جمیلا ما اقرب الفرجا ۲- من صدق الله لم ینله اذی

1۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 502- دیوان حسان 339-338
2۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب التفسیر، جلد 3، صفحہ 81
3۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 236
4۔ بیہقی: مناقب شافعی، جلد 2، صفحہ 367

من راقب الله فی الامر نجا ومن رجاه یکون حیث رجا
۳۔ولرب نازلة یضیق بها الفتی ۴۔ کملت فلما استحکمت حلقاتها
ذرعًا وعندالله منها المخرج فرجت وکان یظنها لاتفرج

''ا۔صبر سے کام لے۔کشادگی کتنی قریب ہے۔ جو اپنے تمام امور میں اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے وہ نجات پا جاتا ہے۔

۲۔اور جو اللہ پر یقین رکھتا ہے اسے کوئی تکلیف نہیں پہنچتی۔ اور جو اس سے امید رکھتا ہے وہ اپنی مراد کو پالیتا ہے۔

۳۔ بہت سی مصیبتیں ایسی ہوتی ہیں جن سے انسان تنگ ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے پاس ان سے چھٹکارا بھی ممکن ہوتا ہے۔

۴۔ جب یہ مصائب پورے ہو جاتے ہیں اور ان کی زنجیر کے حلقے مضبوط ہو جاتے ہیں تو مصیبت دور ہو جاتی ہے حالانکہ انسان خیال کرتا ہے کہ مصیبت دور نہیں ہوئی''۔

فرمایا: پس جب آپ (فرائض نبوت سے) فارغ ہوں تو حسب معمول ریاضت میں لگ جایئے اور اپنے رب کی طرف راغب ہو جایئے۔ جب آپ دنیا کے امور اور مشغولیت سے فارغ ہو جائیں پھر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف ہو جائیں۔ تمام امور سے فارغ البال ہو کر پوری تندہی یکسوئی سے عبادت کی طرف متوجہ ہو جائیں اور اپنے پروردگار کے لئے اپنی نیت اور رغبت کو خالص کریں۔ اسی معنی میں وہ حدیث ہے جس کی صحت پر اتفاق ہے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب کھانا سامنے موجود ہو تو نماز نہ پڑھو اور اسی طرح جب پاخانہ اور پیشاب کی حاجت ہو نماز نہ پڑھو(1)۔ ایک اور روایت ہے: جب جماعت کھڑی ہو جائے اور شام کا کھانا بھی حاضر ہو تو پہلے کھانے سے فراغت حاصل کر لو(2)۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر کے تحت فرماتے ہیں: جب آپ دنیا کے امور سے فارغ ہو کر نماز کے لئے کھڑے ہوں تو دلجمعی کے ساتھ اپنے رب کی عبادت کریں اور ایک روایت میں یہ ہے کہ جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو اپنی حاجات کے لئے اللہ کی بارگاہ میں عرض کرو۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب تم فرض نماز سے فارغ ہو جاؤ تو نماز تہجد میں اپنے آپ کو مشغول کر دو۔ ایک روایت میں ہے کہ فرض نماز سے فارغ ہونے کے بعد بیٹھے بیٹھے اپنے رب کی طرف متوجہ رہو۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو دعا میں مشغول ہو جاؤ۔ زید بن اسلم اور ضحاک رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جب آپ جہاد سے فارغ ہو جائیں تو عبادت میں مشغول ہو جائیں۔ ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اپنی نیت اور رغبت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رکھو۔

1۔ مسلم، کتاب المساجد، جلد 1، صفحہ 393 - سنن ابوداؤد، کتاب الطہارۃ، جلد 1، صفحہ 22 - مسند امام احمد، جلد 6، صفحہ 73-54-43

2۔ متفق علیہ - فتح الباری، کتاب الاذان، جلد 2، صفحہ 159 - مسلم، کتاب المساجد، جلد 1، صفحہ 392

سورۃ التّین (مکیہ)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ دوران سفر نماز کی دو رکعتوں میں سے ایک رکعت میں سورۂ تین کی تلاوت فرماتے تھے۔ میں نے آپ ﷺ کی آواز سے زیادہ کوئی خوبصورت آواز اور قرأت نہیں سنی (1)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ﴿۱﴾ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ﴿۲﴾ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ﴿۳﴾ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ﴿۴﴾ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ﴿۵﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿۶﴾ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ﴿۷﴾ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸﴾

''قسم ہے انجیر اور زیتون کی۔ اور قسم ہے طور سینا کی اور اس امن والے شہر (مکہ مکرمہ) کی۔ بے شک ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے (عقل و شکل کے اعتبار سے) بہترین اعتدال پر۔ پھر ہم نے لوٹا دیا اس کو پست ترین حالت کی طرف بجز ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے تو ان کے لئے نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔ پس کون جھٹلا سکتا ہے آپ کو اس کے بعد جزا وسزا کے معاملہ میں۔ کیا نہیں ہے اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے بڑا حاکم؟''

تین کے بارے میں مفسرین میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا ہے اس سے مسجد دمشق مراد ہے۔ بعض کا قول ہے اس سے شہر دمشق مراد ہے۔ بعض کے نزدیک وہ پہاڑ ہے جو دمشق کے قریب واقع ہے۔ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اس سے اصحاب کہف کی مسجد مراد ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس سے مراد حضرت نوح علیہ السلام کی وہ مسجد ہے جو جودی پہاڑ پر ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے مراد انجیر ہے۔

وَالزَّيْتُوْنِ کعب الاحبار رضی اللہ عنہ، قتادہ اور ابن زید رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مسجد بیت المقدس ہے۔ مجاہد اور عکرمہ رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اس سے مراد زیتون کا پھل ہے جس سے تم زیتون کا تیل نکالتے ہو۔

وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس سے مراد وہ پہاڑ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شرف کلام بخشا۔ فرمایا: اور اس امن والے شہر (مکہ مکرم) کی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور کئی دوسرے مفسرین فرماتے ہیں هٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان تین مقامات میں سے ہر ایک مقام پر اولوالعزم اور صاحب شریعت رسول بھیجے۔ تین اور زیتون زیادہ بیت المقدس میں پائے جاتے ہیں۔ وہاں اللہ تعالیٰ نے

1۔ موطا، کتاب الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 80-79 - فتح الباری، کتاب الاذان، جلد 2، صفحہ 250، تفسیر سورۂ تین، جلد 8، صفحہ 713، کتاب التوحید، جلد 13، صفحہ 518، مسلم، کتاب الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 339، سنن ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 2، صفحہ 8، سنن ترمذی، عارضۃ الاحوذی، کتاب الصلاۃ، جلد 2، صفحہ 106 - سنن نسائی، جلد 2، صفحہ 173 - سنن ابن ماجہ، جلد 1، صفحہ 273-272

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھیجا اور طُوۡرِ سِیۡنِیۡنَ سے مراد وہ طور سینا ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہمکلامی کا شرف عطا کیا اور مکہ وہ امن والا شہر ہے جس میں جو بھی داخل ہوتا ہے وہ مامون ومحفوظ ہو جاتا ہے۔ یہاں اپنے محبوب ﷺ کو بھیجا۔ وہ فرماتے ہیں کہ تورات کے آخر میں ان تمام مقامات کا ذکر ہے۔

اس میں ہے کہ طور سینا سے اللہ آیا یعنی وہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گفتگو فرمائی۔ ساعیر یعنی بیت المقدس کے پہاڑ سے نور چمکا۔ اللہ تعالیٰ نے وہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کیا اور جبل فاران (مکہ) سے اعلان ہوا، وہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ اس لئے پہلے افضل کی قسم کھائی پھر اس سے افضل کی اور پھر اس سے افضل کی قسم کھائی۔

فرمایا: بے شک ہم نے انسان کو پیدا کیا (عقل وشکل کے اعتبار سے) بہترین اعتدال پر۔ انسان کو بہترین شکل وصورت کے ساتھ پیدا کیا، اس کی قد وقامت سیدھی رکھی اور اعضاء کو خوبصورت اور برابر بنایا۔

فرمایا: پھر ہم نے لوٹا دیا اس کو پست ترین حالت کی طرف۔ مجاہد، ابوالعالیہ اور حسن بصری رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اَسۡفَلَ سٰفِلِیۡنَ سے مراد نار جہنم ہے یعنی اگر انسان نے اپنے رب کی اطاعت نہ کی اور اس کے رسولوں کی اتباع نہ کی تو اس حسن وخوبصورتی کے باوجود اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اس لئے ارشاد فرمایا: بجز ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اَسۡفَلَ سٰفِلِیۡنَ سے مراد بڑھاپے کی عمر ہے۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ حتیٰ کہ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ جس نے قرآن کریم جمع کیا وہ رذیل عمر کو نہیں پہنچے گا۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے(1)۔ اگر یہاں اَسۡفَلَ سٰفِلِیۡنَ سے بڑھاپا ہی مراد ہوتا تو اس کا استثناء کرنا صحیح نہ تھا کیونکہ بڑھاپا تو مومنوں پر بھی آتا ہے۔ پس صحیح بات وہی ہے جو ہم نے پہلے ذکر کی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: وَ الۡعَصۡرِ ۙ﴿۱﴾ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِیۡ خُسۡرٍ ۙ﴿۲﴾ اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (عصر:3-1) ''قسم ہے زمانے کی یقیناً ہر انسان خسارہ میں ہے بجز ان (خوش نصیبوں) کے جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے نیز ایک دوسرے کو حق کی تلقین کرتے رہے۔ اور ایک دوسرے کو صبر کی تاکید کرتے رہے''۔ فرمایا: تو ان کے لئے نہ ختم ہونے والا اجر ہے یعنی ایسا اجر ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا۔ اس کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے۔

فرمایا: پس کون جھٹلا سکتا ہے آپ کو۔ اس کے بعد جزا وسزا کے معاملہ میں۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اے ابن آدم! وہ کونسی چیز ہے جو تجھے آخرت میں جزا وسزا کو جھٹلانے پر برانگیختہ کرتی ہے تو نے اپنی پیدائش کے بارے میں جان لیا اور تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ جو ابتداءً تیری تخلیق پر قادر ہے وہ تمہیں دوبارہ پیدا کرنے پر بھی بدرجہ اولیٰ قادر ہوگا۔ یہ سب کچھ جاننے کے باوجود وہ کونسی چیز ہے جو تجھے روز جزاء کی تکذیب پر ابھارتی ہے۔ منصور رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ یہاں 'ك''ضمیر سے مراد ذات نبی ہے۔ انہوں نے جواب دیا: معاذ اللہ! اس سے مراد انسان ہے۔ یہ قول عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی منقول ہے۔ فرمایا: کیا نہیں ہے اللہ سب حاکموں سے بڑا حاکم۔ کیا وہ سب حاکموں سے بڑا حاکم نہیں ہے جو نہ کسی پر ظلم کرتا ہے نہ زیادتی۔ یہ اس کا عدل ہے کہ وہ قیامت کو قائم کرے گا تاکہ اس مظلوم کو انصاف دلایا جائے جس پر دنیا میں ظلم ہوا تھا۔ پہلے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی مرفوع روایت گزر چکی ہے کہ جب تم میں سے کوئی سورۂ تین پڑھے تو آخری آیت پڑھنے کے بعد یہ کہے: انا علی ذلك من الشاهدين(2)۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 245

2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ قیامۃ کا آخر

سورۃ العلق (مکیہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الَّذِیۡ خَلَقَ ۚ﴿۱﴾ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ عَلَقٍ ۚ﴿۲﴾ اِقۡرَاۡ وَ رَبُّکَ الۡاَکۡرَمُ ۙ﴿۳﴾ الَّذِیۡ عَلَّمَ بِالۡقَلَمِ ۙ﴿۴﴾ عَلَّمَ الۡاِنۡسَانَ مَا لَمۡ یَعۡلَمۡ ؕ﴿۵﴾

''آپ پڑھیے اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے (سب کو) پیدا فرمایا۔ پیدا کیا انسان کو جمے ہوئے خون سے۔ پڑھیے آپ کا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے علم سکھایا قلم کے واسطہ سے۔ اسی نے سکھایا انسان کو جو وہ نہیں جانتا تھا''۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی وحی کی ابتداء سچے خوابوں سے ہوئی۔ آپ ﷺ جو بھی خواب دیکھتے وہ روز روشن کی طرح ظاہر ہو جاتا۔ پھر آپ ﷺ کو خلوت نشینی محبوب ہوگئی۔ آپ ﷺ ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے خوردونوش کا کچھ سامان لے کر غار حرا میں تشریف لے جاتے اور وہاں کئی راتیں عبادت میں گزارتے پھر واپس گھر تشریف لے آتے اور خوردونوش کا سامان لے کر واپس غار حرا میں چلے جاتے۔ ایک دن آپ ﷺ غار حرا میں عبادت میں مصروف تھے کہ آپ ﷺ پر وحی کا نزول ہوا۔ ایک فرشتہ آپ کے پاس آیا۔ اس نے آپ سے کہا: ''اقرأ''۔ پڑھیے: آپ ﷺ نے فرمایا: ''ما أنا بقارئ''۔ میں پڑھا ہوانہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس پر فرشتے نے مجھے پکڑ کر دبایا۔ اس سے مجھے کافی تکلیف ہوئی۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا: ''اِقرأ''۔ میں نے پھر کہا: میں پڑھا ہوا نہیں۔ اسی طرح دوسری اور تیسری دفعہ مجھے دبا کر چھوڑ دیا۔ اور پھر کہا: اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الَّذِیۡ خَلَقَ...... مَا لَمۡ یَعۡلَمۡ آپ ﷺ نے ان آیات کو پڑھا۔ آپ ﷺ پر کلام الٰہی کی ہیبت سے کپکپی طاری ہوگئی۔ آپ ﷺ گھر تشریف لے گئے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: مجھے کوئی کپڑا اڑا دو۔ انہوں نے مجھ پر کمبل اوڑھا دیا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ کی طبیعت سنبھل گئی۔ پھر آپ ﷺ نے تمام واقعہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو سنایا اور فرمایا: مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے۔ انہوں نے عرض کی ہرگز نہیں۔ آپ کو خوشخبری ہو۔ قسم بخدا اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوانہیں کرے گا۔ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، سچ بولتے ہیں، لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں، مصائب پر دوسروں کی مدد کرتے ہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کو اپنے چچا زاد ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ وہ زمانہ جاہلیت میں نصرانی ہوگئے تھے عربی کتاب لکھتے تھے۔ انہوں نے عبرانی زبان میں انجیل بھی لکھی تھی اور بڑھاپے کی وجہ سے نابینا ہوگئے تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا: اپنے بھتیجے کی بات سنئے! ورقہ نے آپ سے پوچھا: اے بھتیجے! تو نے کیا دیکھا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے سارا واقعہ بیان کر دیا۔ ورقہ نے یہ سن کر فوراً کہا: یہ تو وہی فرشتہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوتا تھا اور کہنے لگے کاش میں اس وقت زندہ ہوتا جب آپ کی قوم آپ کو اس شہر سے نکال دے گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا لوگ مجھے شہر سے نکال دیں گے۔ اس نے کہا: ہاں۔ جو شخص بھی ایسی دعوت لے کر آتا ہے جو آپ لائے ہیں لوگ اس کی

مخالفت کرتے ہیں۔ اگر میری زندگی میں یہ وقت آ گیا تو میں تمہاری پوری مدد کروں گا۔ لیکن وہ اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد انتقال کر گئے۔ اس کے بعد کچھ عرصہ کے لئے وحی منقطع ہوگئی۔ حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ بہت غمگین ہوئے۔ اس اضطراب کے عالم میں کئی دفعہ آپ ﷺ نے پہاڑ کی چوٹی سے اپنے آپ کو گرانا چاہا۔ آپ جب بھی کسی پہاڑ کی چوٹی پر چڑھتے تو حضرت جبریل علیہ السلام ظاہر ہو کر کہتے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ اس سے آپ کو قرار حاصل ہو جاتا۔ یہ حدیث صحیح بخاری اور مسلم میں زہری سے مروی ہے(1)۔ ہم نے اپنی شرح بخاری میں اس حدیث کی سند، متن اور معانی پر تفصیلی بحث کی ہے۔ جو شخص اسے پڑھنا چاہئے وہ وہاں ملاحظہ کر سکتا ہے۔

قرآن پاک کی یہ وہ مبارک آیات ہیں جو سب سے پہلے نازل ہوئیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی پہلی رحمت ہے جو اس نے اپنے بندے کو عطا کی اور یہ اس کی پہلی نعمت ہے جو اس نے بندوں پر فرمائی۔ ان آیات میں انسان کی تخلیق کی ابتداء پر تنبیہ کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ پھر علم عطا کر کے اسے معزز و محترم بنا دیا اور اسی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام کو ملائکہ پر فضیلت و شرف حاصل ہوا۔ علم کبھی ذہن میں ہوتا ہے اور کبھی زبان پر، کبھی ہاتھوں کے ساتھ لکھنے سے یعنی اس کی تین قسمیں بنتی ہیں: ذہنی، لفظی اور رسمی۔ رسمی پہلی دونوں قسموں کو مستلزم ہے لیکن پہلی دونوں قسمیں اسے مستلزم نہیں۔ اس لئے ارشاد فرمایا: ''آپ پڑھئے اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے سب کو پیدا فرمایا۔ پیدا کیا انسان کو جمے ہوئے خون سے۔ پڑھئے! آپ کا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے علم سکھایا قلم کے واسطہ سے۔ اسی نے سکھایا انسان کو وہ جو وہ نہیں جانتا تھا''۔

ایک صحابی سے منقول ہے کہ علم کو کتابت کے ساتھ مقید کر دو (2) اور یہ بھی مروی ہے کہ جو شخص اپنے علم پر عمل کرے اللہ تعالیٰ اسے وہ علم عطا فرماتا ہے جو وہ نہیں جانتا۔

كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰۤى ۙ﴿۶﴾ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ؕ﴿۷﴾ اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ؕ﴿۸﴾ اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى ۙ﴿۹﴾ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ؕ﴿۱۰﴾ اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰۤى ۙ﴿۱۱﴾ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ؕ﴿۱۲﴾ اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰى ؕ﴿۱۳﴾ اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ؕ﴿۱۴﴾ كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ۬ لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِيَةِ ۙ﴿۱۵﴾ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۚ﴿۱۶﴾ فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ۙ﴿۱۷﴾ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ۙ﴿۱۸﴾ كَلَّا ؕ لَا تُطِعْهُ وَ اسْجُدْ وَ اقْتَرِبْ ﴿۱۹﴾

''ہاں ہاں! بے شک انسان سرکشی کرنے لگتا ہے۔ اس بنا پر کہ وہ اپنے آپ کو مستغنی دیکھتا ہے۔ (اے غافل!) یقیناً تجھے اپنے رب کی طرف ہی پلٹنا ہے۔ (اے حبیب!) آپ نے دیکھا اسے جو منع کرتا ہے ایک بندے کو جب وہ نماز پڑھتا ہے۔ بھلا دیکھئے تو اگر وہ ہدایت پر ہوتا۔ یا پرہیزگاری کا حکم دیتا (تو اس کے لئے کتنا بہتر ہوتا)۔ آپ نے دیکھ لیا اگر اس نے جھٹلایا اور روگردانی کی۔ کیا نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ (اسے) دیکھ رہا ہے۔ خبردار! اگر وہ (اپنی روش سے) باز نہ آیا، تو ہم ضرور (اسے) گھسیٹیں گے اس کے پیشانی کے بالوں سے۔ وہ پیشانی جو جھوٹی (اور) خطا کار ہے۔ پس وہ بلا لے اپنے ہم نشینوں

1۔ مسند امام احمد، جلد 6، صفحہ 233-232 فتح الباری، کتاب بدء الوحی، جلد 1، صفحہ 22، مسلم، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 143-139

2۔ دارمی: المقدمۃ، جلد 1، صفحہ 127 - المعجم الکبیر، جلد 1، صفحہ 246 - مجمع الزوائد، جلد 1، صفحہ 152 طبرانی: الاوسط، المجمع، جلد 1، صفحہ 152

کو (اپنی مدد کے لئے) ہم بھی جہنم کے فرشتوں کو بلائیں گے۔ ہاں ہاں! اس کی ایک نہ سنئے (اے حبیب!) سجدہ کیجئے اور (ہم سے اور) قریب ہو جائیے''۔

ہاں ہاں بے شک انسان سرکشی کرنے لگتا ہے۔ اس بناء پر کہ وہ اپنے آپ کو مستغنی دیکھتا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ بیان فرمارہا ہے۔ اگر انسان کے پاس مال و دولت کی زیادتی ہو جائے تو وہ انتہائی سرکش، متکبر اور مغرور ہو جاتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ انسان کو زجر و توبیخ اور وعظ ونصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے: اے غافل! یقیناً تجھے اپنے رب کی طرف ہی لوٹنا ہے۔ ایک دن تمہیں اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے۔ وہ ضرور تیرے مال کے بارے میں تجھ سے محاسبہ کرے گا کہ یہ مال کہاں سے حاصل کیا اور کہاں خرچ کیا۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: دو لالچی ایسے ہیں جن کا پیٹ نہیں بھرتا ایک طالب علم، دوسرا طالب دنیا۔ لیکن یہ دونوں برابر نہیں۔ علم کا طالب تو رحمٰن کی رضا وخوشنودی حاصل کرتا رہتا ہے اور دنیا کا طالب سرکشی میں حد سے بڑھ جاتا ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی جس میں طالب دنیا کا ذکر ہے اور پھر طالب علم کی فضیلت میں یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: اِنَّمَا یَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (فاطر: 28) ''اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء ہی (پوری طرح) اس سے ڈرتے ہیں''۔ یہ حدیث مرفوعاً بھی روایت کی گئی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: دو حریص ایسے ہیں جو شکم سیر نہیں ہوتے۔ طالب علم اور طالب دنیا(1)۔

فرمایا: (اے حبیب!) آپ نے دیکھا اسے جو منع کرتا ہے ایک بندے کو جب وہ نماز پڑھتا ہے۔ یہ آیات ابو جہل علیہ لعنۃ اللہ کے بارے میں نازل ہوئیں۔ اس نے نبی کریم ﷺ کو بیت اللہ شریف کے پاس نماز پڑھنے سے منع کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے بڑے عمدہ طریقہ سے اسے نصیحت فرمائی۔ فرمایا: بھلا دیکھئے تو اگر وہ ہدایت پر ہوتا۔ آپ کا کیا خیال ہے؟ یہ جو آپ کو نماز سے روک رہا ہے اگر یہ اپنے اس فعل میں صراط مستقیم پر ہوتا یا پرہیزگاری کا حکم دیتا تو اس کے لئے کتنا بہتر ہوتا۔ پھر فرمایا: کیا وہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔ کیا اس ہدایت یافتہ ہستی کو نماز سے روکنے والا اس بات کو نہیں جانتا کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔ اس کی باتوں کو سن رہا ہے۔ عنقریب اسے اپنے اس فعل پر سخت سزا دے گا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسے سختی کے ساتھ جھڑکتے ہوئے ارشاد فرمایا: خبردار اگر وہ اپنی اس روش سے باز نہ آیا تو قیامت کے دن ہم اس کی پیشانی کو سیاہ کر دیں گے۔ فرمایا: یہ پیشانی جھوٹی اور خطارکار ہے۔ ابو جہل اپنے اقوال میں جھوٹا اور اپنے افعال میں خطارکار ہے۔ فرمایا: پس وہ بلالے اپنے مشیروں کو، اپنی قوم اور اپنے خاندان کو اپنی مدد کے لئے۔ فرمایا: ہم بھی جہنم کے فرشتوں کو بلائیں گے۔ ہم عذاب کے فرشتوں کو بلائیں گے تاکہ اسے معلوم ہو جائے کہ ہمارا گروپ غالب آتا ہے یا اس کا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ابو جہل نے کہا: میں نے محمد (ﷺ) کو اگر بیت اللہ کے پاس نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا تو میں انہیں روک دوں گا۔ جب نبی کریم ﷺ کو اس بات کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا: اگر اس نے ایسا کیا تو فرشتے اسے پکڑ لیں گے۔ اس روایت کو ترمذی، نسائی اور امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی روایت کیا ہے(2)۔ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھ رہے تھے کہ آپ کے قریب سے ابو جہل گزرا۔ کہنے لگا: کیا میں نے تمہیں اس سے روکا نہیں تھا

1۔ دارمی: المقدمۃ، جلد 1، صفحہ 96۔ المعجم الکبیر، جلد 10، صفحہ 323۔ المجمع، جلد 1، صفحہ 135

2۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ علق، جلد 8، صفحہ 724، عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ علق، عارضۃ الاحوذی، جلد 12، صفحہ 251-250۔ سنن کبریٰ، تفسیر سورۂ علق بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 5، صفحہ 148۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 256

اور آپ کو دھمکی دی۔ آپ ﷺ اس سے سختی سے پیش آئے اور اسے جھڑکا۔ وہ کہنے لگا: محمد! تم مجھے کس بات سے ڈراتے ہو۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ وادی مکہ میں میرے آدمی آپ سے زیادہ ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اگر وہ اپنے بندوں کو بلاتا تو عذاب کے فرشتے اسے اسی وقت پکڑ لیتے(1)۔ ایک روایت میں یہ الفاظ بھی زائد ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو فرمایا: اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو موت کی تمنا کرو۔ اگر وہ موت کی تمنا کرتے تو وہ تمام کے تمام واصل جہنم ہو جاتے اور جن نصرانیوں کو رسول اللہ ﷺ نے مباہلہ کی دعوت دی تھی اگر وہ مباہلہ کے لئے آ جاتے تو واپس لوٹ کر نہ اپنا مال پاتے نہ اہل و عیال(2)۔ اور ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ ابوجہل نے کہا: اگر محمد (ﷺ) نے دوبارہ مقام ابراہیم پر نماز پڑھی تو میں انہیں قتل کر دوں گا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ رسول اللہ ﷺ بیت اللہ میں تشریف لائے اور وہاں نماز ادا کی ابوجہل بھی وہاں موجود تھا۔ لوگوں نے پوچھا: تو نے منع کیوں نہیں کیا۔ اس نے کہا تمہیں کیا معلوم کہ میرے اور ان کے درمیان کیا چیز حائل ہوگئی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اگر وہ ذرا سی بھی حرکت کرتا تو فرشتے لوگوں کے سامنے اسے پکڑ لیتے(3)۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کی ایک دوسری روایت کے یہ الفاظ ہیں۔ ابوجہل نے مشرکین مکہ سے کہا: کیا محمد (ﷺ) تمہاری موجودگی میں یہاں سجدہ کرتے ہیں۔ لوگوں نے کہا ہاں۔ کہنے لگا: مجھے لات و عزیٰ کی قسم! اگر میں نے انہیں اس طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا تو میں ان کی گردن کو پاؤں سے روند دوں گا اور ان کے چہرے کو خاک آلود کروں گا۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے کہ یہ لعین آپ ﷺ کی گردن مبارک پر پاؤں رکھنے کے لئے آگے بڑھا پھر اچانک اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے آپ کو بچانے کے لئے الٹے پاؤں پلٹا۔ لوگوں نے پوچھا تمہیں کیا ہوا۔ کہنے لگا میرے اور ان کے درمیان آگ کی ایک خندق، کوئی ہولناک چیز اور فرشتوں کے پر حائل ہو گئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر وہ میرے تھوڑا سا قریب ہو جاتا تو فرشتے اسے پکڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے(4)۔

فرمایا: ہاں ہاں اس کی ایک نہ سنی۔ اے محمد (ﷺ) جو یہ تمہیں نماز پڑھنے سے روک رہا ہے، اس کی بات بالکل نہ ماننا۔ جہاں چاہیں نماز پڑھیئے۔ اس لعین کی پرواہ نہ کیجئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و مددگار ہے۔ وہی آپ کی لوگوں سے حفاظت فرمائے گا۔ فرمایا: (اے حبیب) سجدہ کیجئے اور (ہم سے) قریب ہو جائیے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سورۂ انشقاق اور علق میں سجدہ کیا کرتے تھے۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 256- سنن کبریٰ، کتاب التفسیر، بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 5، صفحہ 132 2۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 248

3۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 256

4۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 256- مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 370- مسلم، کتاب صفۃ القیامۃ والجنۃ والنار، جلد 4، صفحہ 2154- سنن کبریٰ، کتاب التفسیر والملائکۃ بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 10، صفحہ 92

سورۃ القدر (مکیہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ فِیۡ لَیۡلَۃِ الۡقَدۡرِ ۚ﴿۱﴾ وَ مَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ ؕ﴿۲﴾ لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ ۬ۙ خَیۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَہۡرٍ ؕ﴿۳﴾ تَنَزَّلُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ وَ الرُّوۡحُ فِیۡہَا بِاِذۡنِ رَبِّہِمۡ ۚ مِنۡ کُلِّ اَمۡرٍ ۙ﴿۴﴾ سَلٰمٌ ۟ۛ ہِیَ حَتّٰی مَطۡلَعِ الۡفَجۡرِ ﴿۵﴾

''بے شک ہم نے اس (قرآن) کو اتارا ہے شب قدر میں۔ اور آپ کچھ جانتے ہیں کہ شب قدر کیا ہے۔ شب قدر بہتر ہے ہزار مہینوں سے۔ اترتے ہیں فرشتے اور روح (القدس) اس میں اپنے رب کے حکم سے۔ ہر امر (خیر) کے لئے۔ یہ سراسر (امن و) سلامتی ہے۔ یہ رہتی ہے طلوع فجر تک''۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں بیان فرمایا ہے کہ قرآن کریم کو لیلۃ القدر میں نازل کیا ہے۔ یہی وہ مبارک رات ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ فِیۡ لَیۡلَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ (الدخان: 3) ''بیشک ہم نے اتارا ہے اسے ایک بابرکت رات میں''۔ اس سے مراد لیلۃ القدر ہے جو رمضان المبارک کی ایک رات ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: شَہۡرُ رَمَضَانَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ فِیۡہِ الۡقُرۡاٰنُ (بقرہ: 185) ''ماہِ رمضان المبارک جس میں اتارا گیا قرآن''۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ پورا قرآن پاک یکبارگی پہلے لوح محفوظ سے پہلے آسمان پر بیت العزۃ میں نازل ہوا۔ پھر حالات و واقعات کے مطابق بتدریج تیئس (23) سالوں میں رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوتا رہا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی عظمت و شان کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اور آپ کیا جانتے ہیں کہ شب قدر کیا ہے؟ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ یوسف بن سعد رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی تو ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا تم نے مومنین کے چہروں کو سیاہ کر دیا ہے۔ یا آپ کو مخاطب کر کے کہا: اے اہل ایمان کے چہرے سیاہ کرنے والے! آپ نے فرمایا: اللہ تجھ پر رحم کرے تو مجھ پر کیوں خفا ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کو دکھایا گیا کہ آپ کے منبر پر بنو امیہ بیٹھے ہیں، آپ اس سے کچھ رنجیدہ ہوئے تو سورۂ کوثر نازل ہوئی یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو جنت میں ایک نہر عطا فرمائی اور سورۂ قدر نازل ہوئی۔ پس ہزار مہینوں سے مراد وہ مہینے ہیں جن میں آپ کے بعد بنو امیہ میں حکومت رہے گی۔ قاسم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جب ہم نے بنو امیہ کی حکومت کو شمار کیا تو پورے ایک ہزار مہینہ رہی نہ ایک دن زائد نہ کم۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے۔ ہم اس کو قاسم بن فضل کی سند ہی سے جانتے ہیں۔ قاسم بن فضل ثقہ ہیں۔ یحییٰ قطان اور عبدالرحمٰن بن مہدی نے توثیق کی ہے

لیکن ان کے شیخ یوسف بن سعد یا یوسف بن مان مجہول ہیں(1)۔ لیکن امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول محل نظر ہے کیونکہ ان سے کئی ایک محدثین نے روایت کی ہے۔ یحییٰ بن معین نے انہیں مشہور اور ثقہ کہا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے قاسم بن فضل عن یوسف بن مازن کی سند سے روایت کی ہے(2)۔ یہ اس کے مضطرب ہونے کا تقاضا کرتا ہے۔ بہر حال یہ حدیث انتہائی منکر ہے ہمارے شیخ حافظ ابوالحجاج مزی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث منکر ہے۔ میں کہتا ہوں قاسم بن فضل نے جو بنو امیہ کی مدت شمار کر کے ایک ہزار مہینے بتایا ہے یہ بھی صحیح نہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ چالیس ہجری میں بلاد اسلامیہ کے مستقل فرمانروا بنے، جب حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے امارت آپ کے سپرد کر دی۔ پھر یہ مملکت مسلسل بنو امیہ کے پاس رہی۔ سوائے ان سالوں کے جن میں عبداللہ بن زبیر حرمین شریفین، اھواز اور بعض دوسرے قریبی شہروں پر قابض رہے لیکن یہ امارت مکمل طور پر بنو امیہ کے ہاتھ سے زائل نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ 132ھ میں بنو عباس نے ان سے خلافت کو چھین لیا۔ اس طرح ان کی خلافت کی مجموعی مدت 92 سال بنتی ہے جو ایک ہزار مہینوں سے زائد ہے۔ کیونکہ ایک ہزار مہینے تراسی سال اور چار ماہ بنتے ہیں شاید قاسم بن فضل نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے نو سال ساقط کر دیئے ہوں۔ اب اگر حساب لگایا جائے تو یہ اس کے قریب پہنچ جاتا ہے۔ اس روایت کے ضعیف ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ یہ بنو امیہ کی مذمت کے لئے بیان کی گئی ہے۔ اگر یہ سورت بنو امیہ کی مذمت میں ہوتی تو اس کا سیاق و سباق اس طرح نہ ہوتا کیونکہ دوسرے ایام پر لیلۃ القدر کی فضیلت اُن کی مذمت پر دلالت نہیں کرتی۔ لیلۃ القدر تو بڑی عظمت والی رات ہے۔ یہ سورت اس کی تعریف میں نازل ہوئی۔ بنو امیہ کے زمانہ کے دنوں کی مذمت سے لیلۃ القدر کی کونسی فضیلت ثابت ہوگی۔ یہ بات تو اس طرح ہو جائے گی کہ کوئی شخص تلوار کی تعریف کرتے ہوئے کہے کہ یہ لکڑی سے بڑی تیز ہے اور کسی بڑے آدمی کو کم درجے والے پر فضیلت دینا، گویا اس کی توہین ہے۔ اگر اس سورت میں مذکور ہزار مہینوں سے بنو امیہ کے ایام مراد لئے جائیں تو یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی۔ اس کے الفاظ اور معانی اس پر دلالت نہیں کرتے اور حضور ﷺ کے لئے منبر ہجرت مدینہ کے کئی سال بعد بنوایا گیا۔ یہ تمام وجوہ اس روایت کے ضعف پر دال ہیں۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا ذکر کیا جس نے اللہ کی راہ میں ایک ہزار ماہ جہاد کیا۔ یہ سن کر صحابہ بڑے متعجب ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی۔ لیلۃ القدر اس ہزار مہینے سے افضل ہے جس میں اس شخص نے جہاد کیا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ بنی اسرائیل کا ایک شخص پوری رات قیام میں گزارتا اور دن دشمن کے ساتھ جہاد کرنے میں۔ اس نے ایک ہزار مہینے تک یہ عمل کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی یعنی اس رات کا قیام اس آدمی کے عمل سے بہتر ہے(3)۔ حضرت علی بن عروہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک دن رسول اللہ ﷺ نے چار عابدوں کا ذکر کیا جنہوں نے اسّی سال اللہ کی عبادت کی اور پلک جھپکنے کی دیر بھی اس کی نافرمانی نہ کی۔ آپ نے حضرت ایوب علیہ السلام، حضرت زکریا، حزقیل بن العجوز علیہ السلام اور حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کا ذکر کیا۔ صحابہ کرام اس پر بڑے متعجب ہوئے۔ حضرت جبریل علیہ السلام آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا محمد! (ﷺ) آپ کی امت ان لوگوں کی اسی سالہ عبادت پر تعجب کا اظہار کیوں کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر اس سے بہتر چیز نازل فرمائی ہے، پھر انہوں نے اس سورت کی تلاوت کی۔ یعنی اس ایک رات کی عبادت اس عمل سے افضل ہے جس پر آپ ﷺ اور آپ کی امت نے تعجب کا اظہار کیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام بہت خوش ہوئے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس رات کا عمل، روزہ

1۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب التفسیر، جلد 12، صفحہ 252-253 2۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 360 3۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 259-260

اور قیام ہزار مہینوں سے بہتر ہے(1) اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ لیلۃ القدر ان ہزار مہینوں سے افضل ہے جن میں کوئی لیلۃ القدر نہ ہو۔ اکثر مفسرین کا یہی قول ہے۔ اس رات کا عمل ہزار مہینوں کے عمل سے بہتر ہے۔ یہ عمرو بن قیس کا قول ہے۔ پہلا قول ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے اور وہی قول صحیح ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی راہ میں ایک رات پہرہ دینا، اس کے علاوہ ہزار راتوں سے افضل ہے(2)۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے کہ جو شخص اچھی نیت اور اچھی حالت میں جمعہ کی نماز کے لئے جائے اس کے لئے ایک سال کے اعمال، سال بھر کے روزوں اور سال بھر کی نمازوں کا ثواب لکھا جاتا ہے(3)۔ اسی قسم کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب رمضان کا مہینہ آتا تو حضور ﷺ ارشاد فرماتے: اے لوگو! تمہارے پاس مبارک مہینہ آ گیا ہے۔ اس کے روزے اللہ تعالیٰ نے تم پر فرض کئے ہیں۔ اس میں جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ شیاطین کو قید کر دیا جاتا ہے۔ اس میں ایک رات ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے۔ جو اس رات بھی بھلائی سے محروم ہوا وہ بدقسمت ہے(4)۔ چونکہ لیلۃ القدر کی عبادت ایک ہزار مہینہ کی عبادت کے برابر ہے، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص ایمانداری اور نیک نیتی سے اس رات قیام کرے گا اس کے گزشتہ تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے(5)۔ فرمایا: اترتے ہیں فرشتے اور روح القدس اپنے رب کے حکم سے ہر امر خیر کے لئے۔ اس رات کی برکت کی وجہ سے ملائکہ کثرت سے نازل ہوتے ہیں اور یہ فرشتے برکت اور رحمت کا پیام لے کر نازل ہوتے ہیں۔ جیسا کہ یہ قرآن کریم کی تلاوت کے وقت نازل ہوتے ہیں اور مجلس ذکر کو چاروں طرف سے گھیر لیتے ہیں اور علم دین کی تحصیل کرنے والوں کی تعظیم کے لئے اپنے پر نیچے بچھا دیتے ہیں۔ الرُّوْحُ سے مراد یہاں جبریل علیہ السلام ہیں اور یہاں خاص کا عام پر عطف ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ ملائکہ کی ایک خاص قسم ہے۔ جیسا کہ سورۂ نباء میں پہلے گزر چکا ہے۔

ارشاد فرمایا: یہ سراسر امن و سلامتی والی ہے، یہ رہتی ہے طلوع فجر تک۔ یہ سلامتی والی رات ہے اس میں شیطان نہ تو کوئی برا عمل کر سکتا ہے اور نہ ہی کسی کو اذیت پہنچا سکتا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فرماتے ہیں اس رات میں تمام امور کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ عمر اور رزق کو مقدر کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ (دخان: 4) ''اسی رات میں فیصلہ کیا جاتا ہے ہر اہم کام کا''۔ شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: لیلۃ القدر میں فرشتے سلامتی بھیجتے ہیں یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جائے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ آیت کو اس طرح پڑھتے تھے مِنْ كُلِّ أَمْرٍ ي سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ (6) بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب فضائل اوقات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک غریب قول روایت کیا ہے کہ اس رات فرشتے نازل ہوتے ہیں اور وہ اس رات نماز پڑھنے والوں کے قریب سے گزرتے ہیں تو ان فرشتوں کا گزرنا نمازیوں کے لئے بابرکت ہوتا ہے۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ سے ایک عجیب و غریب اور طویل قول نقل کیا ہے جس میں یہ بھی ذکر ہے کہ فرشتے حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ سدرۃ المنتہیٰ سے زمین پر نازل ہوتے ہیں اور اہل ایمان مرد اور عورتوں کے لئے دعا کرتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لیلۃ القدر کے بارے میں فرمایا: یہ رمضان کی

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 260-259　2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ آل عمران آیت: 200　3۔ دیکھئے تفسیر سورۂ جمعہ آیت: 9

4۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 230۔ سنن نسائی، کتاب الصیام، جلد 4، صفحہ 129

5۔ فتح الباری، کتاب الایمان، جلد 1، صفحہ 91، کتاب الصوم، جلد 4، صفحہ 115، کتاب فضل لیلۃ القدر، جلد 4، صفحہ 255۔ مسلم، کتاب الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 524-533

6۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 260

ستائیسویں یا انتیسویں رات ہے اور اس رات بے شمار فرشتے زمین پر اترتے ہیں(1)۔ عبدالرحمٰن ابن ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس رات ہر امر کے لئے سلامتی ہوتی ہے یعنی اس میں کوئی نئی بات پیدا نہیں ہوتی۔ قتادہ اور ابن زید رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ رات مکمل طور پر سلامتی والی ہوتی ہے اور اس میں طلوع فجر تک کسی قسم کا شر نہیں ہوتا۔ اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ رات رمضان کی آخری دس راتوں میں ہوتی ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لئے اس میں قیام کرتا ہے اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ یہ طاق رات ہے۔ ستائیسویں، انتیسویں، پچیسویں، تیئسویں یا اکیسویں ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اس رات کی نشانی یہ ہے کہ یہ رات بالکل صاف اور روشن ہوتی ہے۔ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں چاند چمک رہا ہو۔ اس میں سردی ہوتی ہے نہ گرمی۔ صبح تک اس رات کو کوئی ستارہ نہیں ٹوٹتا۔ اس کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ صبح جب سورج طلوع ہوتا ہے تو اس کی شعاعیں تیز نہیں ہوتیں بلکہ چودھویں رات کے چاند کی مثل ہوتا ہے۔ اس دن سورج کے ساتھ شیطان نہیں نکلتا(2)۔ اس کی سند حسن صحیح ہے لیکن اس کے متن اور بعض الفاظ میں غرابت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لیلۃ القدر پر سکون اور صاف ہوتی ہے۔ ٹھنڈی ہوتی ہے نہ گرم اور صبح سورج کی روشنی بہت زیادہ سرخ نہیں ہوتی(3)۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں نے ایک مرتبہ لیلۃ القدر دیکھی۔ پھر مجھے بھلا دی گئی۔ یہ رمضان کے آخری عشرہ میں ہوتی ہے۔ یہ رات پر سکون اور روشن ہوتی ہے۔ گرم نہ ٹھنڈی۔ ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے چاند نکلا ہوا ہے۔ صبح سورج کے ساتھ شیطان نہیں نکلتا۔

فصل: علمائے کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ لیلۃ القدر گزشتہ امتوں میں تھی؟ یا اس امت کی خصوصیات میں سے ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب گزشتہ امتوں کی عمروں کو دیکھا تو شاید آپ نے اپنی امت کی عمروں کو اس کے مقابلہ میں کم پایا اور یہ خیال فرمایا کہ میری امت کے ابرار لوگ اتنے اعمال نہیں کر سکیں گے جتنے گزشتہ امتوں نے کئے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ کو لیلۃ القدر عطا فرمائی جو ہزار مہینوں سے افضل ہے(4)۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی یہ روایت اس بات کی مقتضی ہے کہ یہ اسی امت کے لئے خاص ہے بلکہ صاحب العدہ جو شافعی علماء میں سے ہیں نے نقل کیا ہے کہ یہ جمہور علماء کا قول ہے۔ خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر علماء کا اجماع نقل کیا ہے۔ لیکن ایک حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ یہ رات گزشتہ امتوں میں بھی تھی۔

مرثد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ سے لیلۃ القدر کے بارے میں کیسے سوال کیا؟ انہوں نے فرمایا: میں اکثر رسول اللہ ﷺ سے سوال کرتا رہتا تھا۔ ایک دن میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! مجھے لیلۃ القدر کے بارے میں بتائیے۔ کیا یہ رمضان میں ہوتی ہے یا دوسرے مہینوں میں۔ فرمایا: نہیں یہ رمضان میں ہوتی ہے۔ میں نے عرض کی: یہ گزشتہ انبیاء کے زمانہ میں بھی ہوتی تھی؟ اور کیا یہ ان کی حیات طیبہ تک ہی محدود تھی یا قیامت تک ہوگی؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ یہ قیامت تک رہے گی۔ عرض کی: یہ رمضان کے کن ایام میں ہوتی ہے۔ فرمایا: اسے پہلے اور آخری عشرہ میں تلاش کرو پھر میں خاموش ہو گیا اور آپ بھی گفتگو میں مشغول ہو گئے۔ پھر میں نے موقع پا کر سوال کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ آپ کو قسم ہے اس حق کی جو میرا

1۔ مسند ابویعلیٰ: 332
2۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 324
3۔ مسند ابوداؤد طیالسی: 349
4۔ موطا، کتاب الاعتکاف، جلد 1، صفحہ 321

آپ پر ہے! مجھے آپ بتائیں۔ یہ کونسے عشرہ میں ہے؟ میری یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ اس قدر ناراض ہوئے کہ پہلے کبھی ناراض نہ ہوئے تھے۔ فرمایا اسے آخری سات دنوں میں تلاش کرو۔ اس کے بعد مجھ سے کوئی سوال نہ کرو(1)۔ اسے نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی روایت کیا ہے۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ لیلۃ القدر حضور ﷺ کی حیات ظاہری کے بعد قیامت تک رہے گی۔ بعض شیعہ کا یہ قول صحیح نہیں ہے کہ اس رات کو کلی طور پر اٹھالیا گیا ہے۔ انہیں اس حدیث سے غلط فہمی ہوئی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس رات کو اٹھالیا گیا ہے اور ممکن ہے اس میں تمہاری بہتری ہو۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اس کے وقت کی تعیین کے علم کو اٹھالیا گیا ہے اور اس میں یہ بھی دلالت ہے کہ یہ رات ماہ رمضان کے ساتھ خاص ہے کسی اور مہینہ میں نہیں ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور آپ کے پیروکار علمائے کوفہ کا یہ قول ہے کہ یہ پورے سال میں ایک رات ہوتی ہے اور ہر مہینہ میں اس کا وقوع پذیر ہونا ممکن ہے۔ سنن ابی داؤد میں ایک باب اس نام سے معنون کیا گیا ہے اس بیان میں کہ لیلۃ القدر ہر رمضان میں ہوتی ہے پھر انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث ذکر کی۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے لیلۃ القدر کے بارے میں سوال کیا گیا۔ میں بھی آپ کی گفتگو سن رہا تھا۔ آپ نے فرمایا: ہر رمضان میں آتی ہے۔ اس روایت کے تمام راوی ابوداؤد کے علاوہ ثقہ ہیں اور اسے موقوفاً بھی روایت کیا گیا ہے(2)۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت ہے کہ یہ پورے رمضان شریف میں ہوسکتی ہے۔ اس قول کو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے اور رافعی نے اسے غریب خیال کیا ہے۔ ابورزین رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ یہ رمضان شریف کی پہلی رات ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ رمضان کی سترہویں رات ہے۔ سنن ابی داؤد میں اس کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوع اور موقوف روایت ہے(3)۔ یہی حضرت عثمان بن ابی العاص، علی بن زید اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ انہوں نے اس کی یہ توضیح بیان کی ہے کہ یہ غزوۂ بدر کی رات ہے۔ اس دن جمعرات اور رمضان کی سترہ تاریخ تھی۔ اس کی صبح کو غزوہ بدر واقع ہوا۔ یہی وہ دن ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے یوم فرقان کہا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ یہ انیسویں رات ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی ایک یہی روایت ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ اکیسویں رات ہے کیونکہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے رمضان کے پہلے عشرہ میں اعتکاف کیا۔ ہم بھی آپ کے ساتھ اعتکاف میں تھے۔ حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور کہا جس کی تمہیں تلاش ہے وہ تو آگے ہے۔ آپ نے درمیانی عشرہ کا اعتکاف کیا۔ ہم بھی آپ کے ساتھ تھے۔ پھر حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور کہا کہ جس چیز کی آپ کو تلاش ہے وہ آگے ہے۔ بیس رمضان کی صبح حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا جو بھی میرے ساتھ معتکف تھا وہ پھر اعتکاف کرلے۔ میں نے لیلۃ القدر کو دیکھا ہے لیکن مجھے یہ بھلا دی گئی ہے اور یہ آخری عشرہ کی طاق راتوں میں ہے اور میں نے دیکھا ہے گویا میں پانی اور مٹی میں سجدہ کر رہا ہوں۔ اس وقت مسجد نبوی کی چھت کھجور کے پتوں سے بنی ہوئی تھی۔ آسمان بالکل صاف تھا۔ بادل کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا آیا اور بارش خوب ہوئی۔ نبی کریم ﷺ نے ہمیں نماز پڑھائی۔ ہم نے دیکھا کہ آپ ﷺ کی پیشانی مبارک پر مٹی اور پانی کے نشانات تھے اور اس طرح

1۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 171 سنن کبریٰ، کتاب الاعتکاف، بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 9، صفحہ 183

2۔ سنن ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 2، صفحہ 54-53 3۔ ایضاً مرجع مذکور

آپ ﷺ کا یہ خواب سچا ہو گیا۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ اکیسویں کی صبح تھی (1)۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث تمام روایات میں اصح ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ تیئسویں رات ہے۔ اس کی تائید حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے جو صحیح مسلم میں ہے (2)۔ ایک قول ہے کہ یہ چوبیسویں رات ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لیلۃ القدر رمضان کی چوبیسویں رات ہے (3)۔ مسند امام احمد میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے (4) لیکن اس میں ایک راوی ابن لہیعۃ ضعیف ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ مؤذن رسول حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے مروی اس روایت کے بھی خلاف ہے جسے بخاری نے ذکر کیا ہے کہ یہ آخری عشرہ کے پہلے سات دنوں میں ہوتی ہے (5)۔ اس کا موقوف ہونا صحیح ہے۔ حضرات عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، جابر رضی اللہ عنہم، حسن بصری، قتادہ اور عبداللہ بن وہب رحمہم اللہ تعالیٰ سے یہی منقول ہے کہ یہ چوبیسویں رات ہے۔ سورۂ بقرہ کی تفسیر میں واثلہ بن اسقع سے مرفوع حدیث گزر چکی ہے کہ قرآن کریم رمضان کی چوبیسویں رات کو نازل ہوا (6)۔ ایک قول کے مطابق یہ پچیسویں رات ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لیلۃ القدر کو رمضان کے آخری عشرہ میں تلاش کرو۔ جب نو راتیں باقی رہ جائیں۔ جب سات باقی رہ جائیں پانچ باقی رہ جائیں (7)۔ اکثر مفسرین نے اسے طاق راتوں پر محمول کیا ہے اور بعض نے اسے جفت راتوں پر۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی یہی منقول ہے۔ ایک قول کے مطابق یہ ستائیسویں رات ہے (8)۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ لیلۃ القدر ستائیسویں رات ہے (9)۔ حضرت زر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ کے بھائی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جو شخص مکمل سال کی راتوں میں قیام کرے گا وہ لیلۃ القدر کو پالے گا۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے مجھے معلوم ہے۔ یہ ماہ رمضان میں ہوتی ہے اور یہ ستائیسویں رات ہے۔ پھر حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے اس بات پر قسم اٹھائی۔ میں نے پوچھا آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ فرمایا: اس علامت کی وجہ سے جو ہمیں بتائی گئی ہے کہ صبح جب سورج طلوع ہوتا ہے تو اس کی شعاعیں نہیں ہوتیں (10)۔ ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قسم ہے اللہ تعالیٰ کی جس کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں کہ یہ رمضان شریف کی رات ہے۔ آپ نے پختہ قسم کھائی اور انشاء اللہ نہ کہا اور فرمایا کہ قسم بخدا مجھے معلوم ہے کہ لیلۃ القدر ستائیسویں رات ہے۔ اسی رات رسول اللہ ﷺ نے ہمیں قیام کا حکم فرمایا۔ اس کی نشانی یہ ہے کہ اس دن صبح سورج سفید طلوع ہوتا ہے، اس کی شعاعیں نہیں ہوتیں (11)۔

حضرات امیر معاویہ، عبداللہ بن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہم رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ لیلۃ القدر ستائیسویں رات ہے۔ یہی سلف صالحین کی ایک بہت بڑی جماعت سے منقول ہے۔ امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک روایت میں یہی منقول ہے۔ بعض بزرگوں نے اس سورت کے لفظ ''ھی'' سے ثابت کیا ہے کہ یہ

1۔ فتح الباری، کتاب الاذان، جلد 2، صفحہ 298- مسلم، کتاب الصیام، جلد 2، صفحہ 825-824

2۔ مسلم، کتاب الصیام، جلد 2، صفحہ 827 — 3۔ مسند ابوداؤد طیالسی: 288 — 4۔ مسند امام احمد، جلد 6 صفحہ 12

5۔ فتح الباری، کتاب المغازی، جلد 8، صفحہ 152 — 6۔ دیکھیے تفسیر سورۂ بقرہ: 185 — 7۔ فتح الباری، کتاب فضل لیلۃ القدر، جلد 4، صفحہ 260

8۔ مسلم، کتاب الصیام، جلد 2، صفحہ 827-826 — 9۔ مسلم، کتاب الصیام، جلد 2، صفحہ 828

10۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 130 — 11۔ مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، جلد 1، صفحہ 525

ستائیسویں رات ہے کیونکہ یہ اس سورت کا ستائیسواں کلمہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کو جمع کیا اور ان سے لیلۃ القدر کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بالاتفاق کہا کہ یہ رمضان کے آخری عشرہ میں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا مجھے معلوم ہے کہ یہ کونسی رات ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا یہ کونسی رات ہے؟ آپ نے فرمایا جب آخری عشرہ کی سات راتیں گزر جائیں یا سات باقی رہ جائیں۔ انہوں نے پوچھا تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا؟ آپ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے سات زمینیں اور سات آسمان پیدا کئے ہیں۔ ہفتہ کے سات دن ہیں اور انہی پر مہینہ کی گردش ہے۔ انسان کو سات پر پیدا کیا گیا ہے۔ سات کھانے کھاتا ہے۔ سات اعضاء پر سجدہ کرتا ہے۔ بیت اللہ شریف کے طواف کے بھی سات چکر ہیں، رمی جمار کی کنکریاں بھی سات ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے سات کے عدد پر بہت سی اشیاء ذکر کیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا: تمہارا طائر تخیل وہاں پرواز کر رہا ہے جس کا میں تصور بھی نہیں کر سکتا۔ ان سات کھانوں کی وضاحت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے: فَاَنۡۢبَتۡنَا فِیۡہَا حَبًّا ﴿۲۷﴾ وَّ عِنَبًا...... (عبس: 27) (1) اس کی سند صحیح ہے لیکن متن میں غرابت ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ انتیسویں رات ہے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے لیلۃ القدر کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: اسے رمضان کے آخری عشرہ میں تلاش کرو۔ یہ طاق رات میں ہے۔ اکیس، تئیس، پچیس، ستائیں، انتیس یا آخری رات ہے (2)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ ستائیسویں یا انتیسویں رات ہے۔ اس رات بے شمار فرشتے زمین پر نازل ہوتے ہیں (3)۔ ایک قول کے مطابق یہ رمضان شریف کی آخری رات ہے۔ اس کے بارے میں ابھی حدیث گزر چکی ہے۔ اس کے علاوہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: لیلۃ القدر کو تلاش کرو جب رمضان کی نو راتیں باقی رہ جائیں۔ یا سات، یا پانچ، یا تین یا آخری رات (4)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یہ رمضان کی آخری رات ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان مختلف روایات میں اس طرح تطبیق ہو سکتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا ہم لیلۃ القدر فلاں رات میں تلاش کریں۔ آپ ﷺ نے جواب میں ہاں فرما دیا۔ اور یہ حقیقت ہے کہ لیلۃ القدر ایک معین رات ہے وہ منتقل نہیں ہوتی۔ ابوقلابہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں لیلۃ القدر آخری عشرہ کی راتوں میں منتقل ہوتی رہتی ہے (5)۔ امام مالک ثوری، احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، ابوثور، مزنی، ابوبکر بن خزیمہ وغیرہم سے بھی یہی منقول ہے۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک روایت یہی ہے اس کی تائید حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول سے بھی ہوتی ہے کہ بعض صحابہ کرام نے خواب میں دیکھا کہ یہ رات رمضان شریف کے آخری سات دنوں میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم سب کے خواب اس بات پر دال ہیں کہ یہ آخری سات دنوں میں ہے اور جو اس رات کو تلاش کرنا چاہتا ہے وہ ان دنوں میں تلاش کرے (6)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا لیلۃ القدر کو رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔ یہ بخاری کے الفاظ ہیں (7)۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جو فرمایا ہے کہ یہ ایک معین رات ہے جو منتقل نہیں ہوتی، اس کی تائید

1۔ المعجم الکبیر، جلد 10، صفحہ 322 2۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 318 3۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 519 مسند ابوداؤد، 332

4۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الصوم، جلد 4، صفحہ 10 سنن کبریٰ، کتاب الصوم بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 9، صفحہ 54

5۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب الصوم، جلد 4، صفحہ 8 6۔ فتح الباری، کتاب فضل لیلۃ القدر، جلد 4، صفحہ 256۔ مسلم، کتاب الصوم، جلد 2، صفحہ 823-822

7۔ فتح الباری، کتاب فضل الیلۃ القدر، جلد 4، صفحہ 259 مسلم، جلد 2، صفحہ 828

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں لیلۃ القدر کی خبر دینے کے لئے باہر تشریف لائے۔ اسی اثناء میں دو آدمیوں کا آپس میں جھگڑا ہو گیا۔ آپ نے فرمایا: میں تمہیں لیلۃ القدر کی خبر دینے آیا تھا لیکن فلاں فلاں جھگڑ پڑے۔ اب اسے اٹھا لیا گیا ہے۔ ممکن ہے یہ تمہارے لئے بہتر ہو۔ اب اسے انتیسویں، ستائیسویں اور پچیسویں میں تلاش کرو(1)۔ وجہ دلالت یہ ہے کہ اگر اس کی تعیین ہمیشہ کے لئے نہ ہوتی تو ہر سال لیلۃ القدر کا علم حاصل نہ ہوتا اور اگر لیلۃ القدر مختلف راتوں میں منتقل ہوتی رہتی تو کم از کم اس سال کے لئے معلوم ہو جاتا کہ فلاں رات ہے اور اس کے بعد آنے والے برسوں کی تعیین نہ ہوتی۔ البتہ اس کا ایک جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ صرف اسی سال کی مبارک رات کی خبر دینے کے لئے تشریف لائے ہوں۔ اس حدیث پاک سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ لڑائی جھگڑا بہت سے فوائد اور علم نافع سے محروم کر دیتا ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث پاک میں ہے۔ بندے کو اس کے گناہوں کے باعث اس کے رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے(2)۔ حدیث پاک میں جو یہ بیان کیا گیا ہے کہ اسے اٹھا لیا گیا ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ اس کی تعیین کو اٹھا لیا گیا ہے۔ نہ یہ کہ لیلۃ القدر کو کلی طور پر اٹھا لیا گیا ہے جیسا کہ بعض جاہل شیعہ کا قول ہے۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا: اسے انتیسویں، ستائیسویں اور پچیسویں میں تلاش کرو۔ آپ نے یہ جو فرمایا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اس میں تمہاری بہتری ہو، اس کا معنی یہ ہے کہ لیلۃ القدر کی عدم تعیین میں تمہارے لئے بہتری ہے کیونکہ اگر یہ مبہم ہوگی تو لیلۃ القدر کو تلاش کرنے والا ان تمام راتوں میں محنت سے عبادت کرے گا جن میں اس کا پایا جانا ممکن ہے۔ اگر اس کی تعیین کر دی جاتی تو پھر لوگ اس رات کا قیام کر کے سستی کا شکار ہو جاتے۔ اس لئے حکمت کا تقاضا یہی تھا کہ اسے مبہم رکھا جائے تا کہ اس کی تلاش میں مکمل ماہ رمضان میں عبادت کی جائے اور خصوصاً آخری عشرہ میں کثرت سے عبادت کی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے وصال تک رمضان شریف کے آخری عشرہ میں اعتکاف کیا کرتے تھے۔ آپ کے وصال کے بعد آپ کی ازواج مطہرات بھی آخری عشرہ میں اعتکاف کرتیں(3)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان شریف کے آخری عشرہ کا اعتکاف کرتے(4)۔

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جب رمضان کا آخری عشرہ شروع ہوتا تو آپ ﷺ پوری رات قیام کرتے۔ اپنے اہل خانہ کو بھی جگاتے اور کمر ہمت باندھ لیتے(5)۔ مسلم کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ اس عشرہ میں جتنی محنت کے ساتھ عبادت کرتے اتنی دوسرے ایام میں نہیں کرتے تھے(6)۔ اس روایت میں جو یہ الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ تہبند کو مضبوطی سے باندھ لیتے اس کا ایک معنی تو یہ ہے کہ آپ ﷺ پوری تندہی اور توجہ سے عبادت میں مشغول ہو جاتے۔ اور ایک معنی یہ بھی بیان کیا گیا کہ ان ایام میں آپ ﷺ اپنی ازواج مطہرات کے پاس نہ جاتے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لیلۃ القدر کی تلاش کے لئے آخری عشرہ کی تمام راتیں یکساں ہیں۔ کسی ایک رات کو دوسری رات پر ترجیح نہیں۔ بہر حال تمام اوقات میں کثرت سے دعا کرنا مستحب ہے۔ لیکن رمضان میں دعا میں زیادتی کرے اور خصوصاً آخری عشرہ میں اور بالخصوص طاق راتوں میں اس دعا کو بکثرت پڑھے: ''اللّٰھم انك عفو تحب العفو فاعف عنی''۔ حضرت عائشہ رضی

1۔ فتح الباری، کتاب فضل لیلۃ القدر، جلد 4، صفحہ 266　　2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ ابراہیم آیت: 7

3۔ فتح الباری، کتاب الاعتکاف، جلد 4، صفحہ 271 - مسلم، جلد 2، صفحہ 831　　4۔ فتح الباری، کتاب الاعتکاف، جلد 4، صفحہ 271 - مسلم، جلد 2، صفحہ 830

5۔ فتح الباری، کتاب فضل لیلۃ القدر، جلد 4، صفحہ 269 - مسلم، کتاب الاعتکاف، جلد 2، صفحہ 832

6۔ مسلم، کتاب الاعتکاف، جلد 2، صفحہ 832

اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! اگر مجھے لیلۃ القدر نصیب ہو جائے تو میں کیا دعا کروں تو آپ ﷺ نے ان کو یہی دعا تعلیم فرمائی۔ یہ روایت مختلف اسناد سے مروی ہے(1)۔

لیلۃ القدر کے بارے میں ایک عجیب روایت

حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سدرۃ المنتہیٰ ساتویں آسمان پر ہے۔ اس کے ساتھ متصل ہی جنت ہے اور یہ دنیا و آخرت کے درمیان حد فاصل ہے۔ اس کے اوپر جنت ہے۔ اس کی شاخیں کرسی کے نیچے ہیں۔ اس میں بے شمار فرشتے اللہ کی عبادت میں مشغول ہیں۔ ان کی تعداد کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس کی شاخوں پر بے شمار فرشتے ہیں۔ اس کے وسط میں حضرت جبریل علیہ السلام کا مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ جبریل علیہ السلام کو حکم دیتا ہے کہ وہ ہر لیلۃ القدر کو ان فرشتوں کے ساتھ اترے جو سدرۃ المنتہیٰ میں سکونت پذیر ہیں۔ ان فرشتوں کو اہل ایمان کے لئے رأفت و رحمت عطا کی جاتی ہے۔ یہ تمام فرشتے جبریل علیہ السلام کے ساتھ سورج کے غروب ہونے کے وقت زمین پر اترتے ہیں۔ اس رات زمین کے ہر گوشہ میں کوئی نہ کوئی فرشتہ ہوتا ہے۔ وہ یا تو اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوتا ہے یا اہل ایمان کے لئے دعا میں مشغول ہوتا ہے مگر گرجا گھر، یہودیوں کی عبادت گاہیں، آتش کدے، بت خانے اور جہاں گندگی پھینکی جاتی ہے یا جس گھر میں کوئی نشئی ہو، یا نشہ آور چیز ہو اور جس گھر میں بت نصب کیا گیا ہو یا جس میں گھنٹی رکھی ہوئی ہو۔ یا کوئی اور مجسمہ ہو۔ یا وہ کوڑا کرکٹ ڈالنے کی جگہ ہو، وہاں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ یہ فرشتے تمام رات اہل ایمان مرد اور عورتوں کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں۔ حضرت جبریل علیہ السلام بھی تمام مؤمنین سے مصافحہ کرتے ہیں۔ اس کی علامت یا نشانی یہ ہے کہ جس مؤمن نے آپ مصافحہ کرتے ہیں، اس کے جسم کی روئیں کھڑی ہو جاتی ہیں۔ اس کا دل نرم ہو جاتا ہے۔ اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے ہیں۔

حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو شخص لیلۃ القدر میں تین دفعہ لا الہ الا اللہ پڑھتا ہے۔ پہلی دفعہ پڑھنے سے اللہ تعالیٰ اس کے پہلے تمام گناہ معاف کر دیتا ہے۔ دوسری دفعہ پڑھنے سے اسے نار جہنم سے آزادی کا پروانہ ملتا ہے اور تیسری دفعہ پڑھنے سے اسے جنت میں داخل فرما دیتا ہے۔ راوی نے حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ سے پوچھا: اے ابو اسحاق! جو شخص سچے دل سے کلمہ پڑھے گا اسے یہ انعام ملے گا۔ انہوں نے فرمایا: لیلۃ القدر میں اس کلمہ کو وہی پڑھتا ہے جس کا دل سچا ہو۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! یہ کلمہ اس رات کافر اور منافق پر بڑا بھاری ہوتا ہے۔ اس طرح کہ جس طرح اس کی کمر پر کسی نے پہاڑ رکھ دیا ہو۔ فجر کے طلوع ہونے تک فرشتے اسی طرح زمین پر رہتے ہیں۔ طلوع فجر کے بعد سب سے پہلے جبریل علیہ السلام اوپر چڑھتے ہیں۔ سورج کے قریب جا کر اپنے پروں کو پھیلا لیتے ہیں خصوصاً اپنے ان دو سبز پروں کو، جو وہ صرف اسی وقت پھیلاتے ہیں۔ اسی وجہ سے اس وقت سورج کی روشنی ماند پڑ جاتی ہے۔ پھر وہ ایک ایک فرشتہ کو بلاتے ہیں اور وہ سب کے سب فرشتے اوپر چڑھ جاتے ہیں۔ ان فرشتوں کا نور اور جبریل علیہ السلام کے دونوں پروں کے نور سے سورج کی روشنی ماند پڑ جاتی ہے۔ حضرت جبریل علیہ السلام اور ان کے تمام فرشتے اس دن زمین و آسمان کے درمیان اہل ایمان کے لئے رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں۔ یہ ان کے لئے بھی دعا کرتے ہیں جنہوں نے رمضان کے روزے ایمانداری اور نیت کے ساتھ رکھے۔ اور یہ اس شخص کی درازی عمر کی بھی دعا کرتے ہیں جس شخص کے دل میں یہ خیال آئے کہ اگر وہ

1۔ مسند امام احمد، جلد 6، صفحہ 182 عارضۃ الاحوذی، ابواب الدعوات، جلد 12، صفحہ 45، سنن کبریٰ کتاب النعوت، کتاب الیوم واللیلۃ بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 11، صفحہ 434 سنن ابن ماجہ، کتاب الدعاء، جلد 2، صفحہ 1265۔ مستدرک، کتاب الدعا، جلد 1، صفحہ 530 سنن نسائی، الیوم واللیلۃ بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 11، صفحہ 417

آئندہ سال تک زندہ رہا تو وہ رمضان کے روزے رکھے گا۔ شام کے وقت یہ پہلے آسمان پر چڑھ جاتے ہیں اور حلقے بنا کر بیٹھ جاتے ہیں۔ پہلے آسمان کے فرشتے ان کے پاس آتے ہیں اور وہ ان سے ہر مرد اور ہر عورت کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ یہ فرشتے انہیں بتاتے ہیں۔ وہ ان سے پوچھتے ہیں: فلاں شخص کو اس سال کیسے پایا۔ وہ انہیں بتاتے ہیں کہ گزشتہ سال تو ہم نے اسے عبادت میں مشغول پایا تھا اور اس سال اسے بدعتوں میں مشغول پایا۔ فلاں کو پچھلے سال بدعتوں میں گرفتار پایا اور اس سال عبادت میں مشغول۔ پس یہ سن کر وہ فرشتے اُس (بدعتی) شخص کے لئے استغفار بند کر دیتے ہیں اور اس (عابد) شخص کی مغفرت کے لئے دعا میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ وہ فرشتے بتاتے ہیں کہ ہم نے فلاں فلاں کو اللہ کا ذکر کرتے ہوئے پایا اور فلاں کو رکوع و سجود کرتے ہوئے، اور فلاں کو قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے۔ یہ فرشتے ایک دن اور ایک رات یہاں گزار کر دوسرے آسمان پر چڑھ جاتے ہیں اور اسی طرح ہر آسمان پر دن رات گزارتے ہوئے سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچ جاتے ہیں۔ سدرۃ المنتہیٰ ان فرشتوں سے پوچھتا ہے کہ اے مجھ پر سکونت پذیر ہونے والو! میرا بھی تم پر حق ہے۔ مجھے بھی لوگوں کے بارے میں بتاؤ۔ میں اس سے محبت رکھتا ہوں جو اللہ کو دوست رکھتا ہے۔ وہ فرشتے ہر مرد اور ہر عورت کے بارے میں اسے بتاتے ہیں۔ ان کے نام اور ان کے آباء کے نام ذکر کرتے ہیں۔ پھر جنت سدرۃ المنتہیٰ کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور کہتی ہے تیرے رہائشی فرشتوں نے جو تمہیں خبریں دی ہیں وہ مجھے بھی بتاؤ۔ سدرۃ المنتہیٰ جنت کو تمام واقعات سے آگاہ کرتا ہے۔ جنت کہتی ہے فلاں مرد اور فلاں عورت پر اللہ کی رحمت ہو۔ اے اللہ! انہیں میرے پاس جلدی لے آ۔ جبریل علیہ السلام اپنے مقام پر پہنچتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اسے الہام کرتا ہے۔ وہ عرض کرتے ہیں: اے باری تعالیٰ! میں نے فلاں شخص کو تیری بارگاہ میں سجدہ ریز پایا تو اس کے گناہوں کو معاف فرما دے۔ اللہ معاف فرما دیتا ہے۔ حضرت جبریل علیہ السلام یہ بات حاملین عرش کو بتاتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ فلاں مرد و عورت پر اللہ کی رحمت ہو اور مغفرت ہو۔ پھر جبریل علیہ السلام عرض کرتے ہیں: اے باری تعالیٰ! فلاں شخص جس کو میں نے سنت اور عبادت کا پابند پایا تھا، اس سال وہ بدعت کا شکار اور تیرے احکام سے روگرداں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے جبریل! اگر اس نے اپنی موت سے تین گھڑی پہلے توبہ کر لی تو میں اس کے گناہ معاف کر دوں گا۔ عرض کی: الٰہی! تمام تعریفیں تیرے لئے ہیں تو اپنی مخلوق پر بہت زیادہ رحم فرمانے والا ہے بلکہ تو تو اپنے بندوں پر ان کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ اس وقت عرش اور اس کے اردگرد کی چیزیں اور پردے اور آسمان حرکت کرنے لگتے ہیں اور وہ پکارتے ہیں: الحمد للہ الرحیم، الحمد للہ الرحیم۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جس شخص نے رمضان کے روزے رکھے اور اس کی یہ نیت ہو کہ رمضان کے بعد بھی اللہ کی نافرمانی نہیں کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے بغیر حساب و کتاب کے جنت میں داخل فرما دے گا۔

سورۃ البینہ (مدنیہ)

حضرت مالک بن عمرو بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب یہ سورت نازل ہوئی تو حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! آپ کا رب آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپ یہ سورت حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو پڑھائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کا ذکر کیا۔ نے عرض کی، یا رسول اللہ ﷺ! کیا اللہ کی بارگاہ میں میرا ذکر ہوا؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ یہ سن کر حضرت ابی رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے(1)۔ ایک دوسری روایت کے الفاظ ہیں کہ حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ اس روایت کو بخاری، مسلم، ترمذی اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے نقل کیا ہے(2)۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ارشاد فرمایا کہ مجھے حکم ہوا کہ میں تمہیں فلاں فلاں سورتیں پڑھاؤں۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! کیا میرا وہاں ذکر ہوا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ راوی کہتے ہیں میں نے حضرت ابی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا آپ اس وقت خوش ہوتے تھے۔ آپ نے فرمایا میں خوش کیوں نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرماتا ہے: قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ۭ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ(3) ''اے حبیب!) آپ فرمایئے یہ کتاب محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت سے نازل ہوئی ہے پس چاہئے کہ اسی پر خوشی منائیں۔ یہ بہتر ہے ان تمام چیزوں سے جن کو وہ جمع کرتے ہیں''۔ ایک روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں کہ جب حضور ﷺ نے حضرت ابی رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ سورت پڑھی تو اس میں یہ الفاظ تھے: ولو ان بن ادم سأل واديا من مال...... الخ (اگر ابن آدم! مال کی ایک وادی کا سوال کرے اور میں اسے عطا کر دوں تو وہ دوسری کا سوال کرے گا اور میں اگر دوسری عطا کر دوں تو تیسری کا سوال کرے گا۔ ابن آدم کے پیٹ کو صرف مٹی بھرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کی چاہتا ہے توبہ قبول فرما لیتا ہے۔ اللہ کے نزدیک دیندار وہ ہے جو یکسو ہو کر صرف اس کی عبادت کرے۔ نہ مشرک ہو، نہ یہودی اور نہ نصرانی اور جو نیکی کا کام کرتا ہے اس کی ناقدری نہیں کی جاتی)(4)۔

طبرانی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا اے ابومنذر! اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں تمہارے ساتھ قرآن کا دور کروں۔ یہ سن کر حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے عرض کی میں اللہ پر ایمان لایا اور آپ ﷺ کے دست اقدس پر مسلمان ہوا اور آپ سے ہی دین سیکھا۔ آپ ﷺ نے دوبارہ یہی ارشاد فرمایا: انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کیا میرا ابھی وہاں ذکر ہوا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ملاء اعلیٰ میں تمہارے نام اور نسب کے ساتھ تمہارا ذکر ہوا ہے۔ یہ

1۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 489

2۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 130 - فتح الباری، تفسیر سورۃ (لم یکن)، جلد 8، صفحہ 725، مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، جلد 4، صفحہ 1915 - عارضۃ الاحوذی، ابواب المناقب، جلد 13، صفحہ 203 سنن کبریٰ، کتاب المناقب والتفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 1، صفحہ 325

3۔ یونس: 58 - مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 123

4۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 132-131 عارضۃ الاحوذی، ابواب المناقب، جلد 13، صفحہ 204-203

سن کر انہوں نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! آپ قرآن پاک پڑھئے (1)۔ یہ سند غریب ہے۔ پہلی روایت کی سند صحیح ہے۔

نبی کریم ﷺ کا اس سورت کو حضرت ابی رضی اللہ عنہ کے ساتھ پڑھنا ان کی دین پر ثابت قدمی اور ایمان میں زیادتی کے لئے تھا۔ ایک دفعہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت سن کر بہت متعجب ہوئے کیونکہ ان کی قرأت اس قرأت کے برعکس تھی جو رسول خدا ﷺ نے انہیں پڑھائی تھی۔ آپ انہیں لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے دونوں کی قرأت سنی۔ فرمایا: تم دونوں نے درست پڑھا۔ حضرت ابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میرے دل میں یہ سن کر ایسا شک وشبہ پیدا ہوا کہ مجھے جاہلیت کا زمانہ یاد آ گیا۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے ان کے سینہ پر ہاتھ مارا۔ حضرت ابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اس سے پسینے سے شرابور ہوگیا اور خوف سے مجھے ایسے محسوس ہوا کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھ رہا ہوں پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے پاس جبریل آئے اور انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ تم اپنی امت کو ایک ہی قرأت پر قرآن پڑھاؤ۔ میں نے کہا میں اللہ تعالیٰ سے عفو و درگزر اور مغفرت چاہتا ہوں پھر مجھے دو قرأتوں کی اجازت ہوئی۔ میں اس پر زیادتی طلب کرتا رہا حتیٰ کہ سات قرأتوں کی اجازت ہوئی۔ اس حدیث کو ہم نے تفسیر کی ابتداء میں اس کی تمام اسناد اور الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ جب یہ سورت نازل ہوئی تو اس میں یہ آیت بھی نازل ہوئی تھی۔ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰہِ یَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۙ فِیْهَا كُتُبٌ قَیِّمَةٌ آپ ﷺ نے ان آیات کو حضرت ابی رضی اللہ عنہ کے سامنے پڑھا تھا۔ یہ آپ کی قرأت ان تک اللہ کا حکم پہنچانے، ان کی ثابت قدمی اور انہیں آگاہ کرنے کے لئے تھی نہ کہ یہ قرأت صرف بطور تعلم اور یاد کرنے کے لئے تھی (2)۔

اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے۔ جب صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے مشرکین مکہ کے ساتھ معاہدہ فرمالیا تو انہوں نے آپ سے مختلف سوالات کئے۔ ایک سوال یہ بھی تھا کیا آپ نے ہمیں یہ نہیں بتایا تھا کہ ہم بیت اللہ شریف جائیں گے اور اس کا طواف کریں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یقیناً بتایا تھا لیکن میں نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ تم اسی سال طواف وزیارت کروگے۔ یقیناً وہ دن آنے والا ہے جب تم بیت اللہ کی زیارت اور طواف سے مشرف ہوگے۔ جب حدیبیہ سے واپس لوٹے تو آپ ﷺ پر سورۂ فتح نازل فرمائی۔ آپ ﷺ نے عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کر ان کے سامنے یہ سورت تلاوت فرمائی۔ اس میں اللہ تعالیٰ کا یہ بھی ارشاد تھا لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْیَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ (فتح: 27) ''یقیناً اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو سچا خواب دکھایا حق کے ساتھ کہ تم ضرور داخل ہوگے مسجد حرام میں جب اللہ نے چاہا امن وامان سے۔ اس کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے۔ حافظ ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب اسمائے صحابہ میں یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ جب سورۃ البینۃ کی قرأت سنتا ہے تو فرماتا ہے: اے میرے بندے! خوش ہو جا۔ مجھے میری عزت کی قسم! میں تجھے جنت میں ایسا مقام عطا فرماؤں گا کہ تو راضی ہو جائے گا۔ ایک روایت میں یہ بھی الفاظ ہیں۔ مجھے میری عزت کی قسم! میں تجھے دنیا و آخرت کے احوال میں سے کسی حال میں نہیں بھولوں گا اور تجھے جنت میں ایسا ٹھکانہ دوں گا کہ تو راضی ہو جائے گا۔

1۔ المعجم الکبیر، جلد 1، صفحہ 200

2۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 112 - سنن نسائی، کتاب الافتتاح، جلد 2، صفحہ 154 مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 124 - سنن ابوداؤد، کتاب الوتر، جلد 2، صفحہ 76 مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 14، جلد 5، صفحہ 127 مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، جلد 1، صفحہ 562-561 سنن ابوداؤد، کتاب الوتر، جلد 2، صفحہ 76 نسائی، کتاب الافتتاح، جلد 2، صفحہ 152 یہ حدیث کتاب الفضائل میں گزر چکی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

لَمۡ یَکُنِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ وَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ مُنۡفَکِّیۡنَ حَتّٰی تَاۡتِیَہُمُ الۡبَیِّنَۃُ ﴿۱﴾ رَسُوۡلٌ مِّنَ اللّٰہِ یَتۡلُوۡا صُحُفًا مُّطَہَّرَۃً ﴿۲﴾ فِیۡہَا کُتُبٌ قَیِّمَۃٌ ﴿۳﴾ وَ مَا تَفَرَّقَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡہُمُ الۡبَیِّنَۃُ ﴿۴﴾ وَ مَاۤ اُمِرُوۡۤا اِلَّا لِیَعۡبُدُوا اللّٰہَ مُخۡلِصِیۡنَ لَہُ الدِّیۡنَ ۬ۙ حُنَفَآءَ وَ یُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَ یُؤۡتُوا الزَّکٰوۃَ وَ ذٰلِکَ دِیۡنُ الۡقَیِّمَۃِ ﴿۵﴾

’’جن لوگوں نے کفر کیا (وہ) اہل کتاب میں سے اور مشرکین (کفر سے) الگ ہونے والے نہ تھے جب تک کہ نہ آجائے ان کے پاس ایک روشن دلیل۔ (یعنی) ایک رسول اللہ کی طرف سے جو انہیں پڑھ کر سنائے پاک صحیفے۔ جن میں لکھی ہوں سچی اور درست باتیں۔ اور نہیں بٹے فرقوں میں اہل کتاب مگر اس کے بعد کہ آگئی ان کے پاس روشن دلیل۔ حالانکہ نہیں حکم دیا گیا انہیں مگر یہ کہ عبادت کریں اللہ تعالیٰ کی دین کو اس کے لئے خالص کرتے ہوئے۔ بالکل یک سو ہو کر اور قائم کرتے رہیں نماز اور ادا کرتے رہیں زکوٰۃ اور یہی نہایت سچا دین ہے۔‘‘

ارشاد باری تعالیٰ ہے: اہل کتاب میں سے جنہوں نے کفر کیا وہ اور مشرکین کفر سے الگ ہونے والے نہ تھے۔ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں اور مشرکین سے مراد عرب و عجم کے بت پرست اور آتش پرست ہیں۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ سب کفر سے رکنے والے نہیں تھے یہاں تک کہ ان کے لئے حق واضح ہو جاتا۔

فرمایا: جب تک کہ نہ آجائے ان کے لئے ایک روشن دلیل۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں البینہ سے مراد قرآن کریم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے البینہ کی تفسیر خود بیان فرمائی ہے۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک رسول، جو انہیں پڑھ کر سنائے پاک صحیفے۔ رسول سے مراد محمد ﷺ ہیں اور جو وہ قرآن حکیم کی تلاوت کرتے ہیں وہ ملاء اعلیٰ میں پاک صحیفوں میں لکھا ہوا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ’’فِیۡ صُحُفٍ مُّکَرَّمَۃٍ ﴿ۙ۱۳﴾ مَّرۡفُوۡعَۃٍ مُّطَہَّرَۃٍۭ ﴿ۙ۱۴﴾ بِاَیۡدِیۡ سَفَرَۃٍ ﴿ۙ۱۵﴾ کِرَامٍۭ بَرَرَۃٍ (عبس:16-13)‘‘ یہ ایسے صحیفوں میں (ثبت) ہے جو معزز ہیں جو بلند مرتبہ (پاکیزہ) ہیں ایسے کاتبوں کے ہاتھوں سے لکھے ہیں جو بڑے بزرگ اور نیکوکار ہیں‘‘۔

فرمایا: جن میں لکھی ہیں سچی اور درست باتیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان پاکیزہ صحیفوں میں اللہ کی باتیں لکھی ہوئی ہیں جو سیدھی سادی اور عدل و انصاف پر مبنی ہیں۔ ان میں خطاء کا شائبہ نہیں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں(1)۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ خوبصورتی سے تلاوت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تعریف و توصیف بیان کرتے ہیں۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان صحیفوں میں ایسی باتیں ہیں جو صاف اور عدل و انصاف پر مبنی ہیں۔

فرمایا: اور نہیں بٹے فرقوں میں اہل کتاب مگر اس کے بعد کہ آگئی ان کے پاس روشن دلیل۔ یہ آیت کریمہ اس ارشاد کی طرح ہے۔ وَلَا تَکُوۡنُوۡا کَالَّذِیۡنَ تَفَرَّقُوۡا وَ اخۡتَلَفُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَہُمُ الۡبَیِّنٰتُ ؕ وَ اُولٰٓئِکَ لَہُمۡ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ (آل عمران:105)‘‘ اور نہ ہو جانا ان لوگوں کی

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 263

طرح جو فرقوں میں بٹ گئے تھے اور اختلافات کرنے لگے تھے اس کے بعد بھی جب آچکی تھیں ان کے پاس روشن نشانیاں اور ان لوگوں کے لئے عذاب ہے بہت بڑا''۔ یعنی وہ سابقہ امتیں، جن پر اللہ تعالیٰ نے آسمانی کتب نازل فرمائیں، بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی حجت تمام کردی، وہ فرقوں میں بٹ گئے اور اللہ کی نازل کردہ کتب میں سخت اختلاف کرنے لگے۔ جیسا کہ اس حدیث پاک میں ہے جو مختلف اسنادسے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہود اکہتر فرقے ہوگئے اور نصاریٰ کے بہتر اور میری امت کے تہتر فرقے ہو جائیں گے۔ سوائے ایک کے تمام جہنم میں جائیں گے۔ عرض کی گئی وہ ایک فرقہ کیسا ہوگا؟ فرمایا: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس دین پر مضبوطی سے قائم رہیں گے جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں(1)۔

فرمایا: حالانکہ نہیں حکم دیا گیا تھا انہیں مگر یہ کہ عبادت کریں اللہ تعالیٰ کی۔ دین کو اسی کے لئے خالص کرتے ہوئے بالکل یکسو ہو کر اور قائم کرتے رہیں نماز اور ادا کرتے رہیں زکوٰۃ اور یہی نہایت سچا دین ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰہَ اس ارشاد خداوندی کی مثل ہے: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (انبیاء:25) ''اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول مگر یہ کہ ہم نے وحی بھیجی اس کی طرف کہ بلاشبہ نہیں ہے کوئی خدا بجز میرے پس میری عبادت کیا کرو''۔

اس لئے یہاں ارشاد فرمایا: ''حنفاء'' یعنی شرک سے منہ موڑ کر توحید کی طرف مائل ہوتے ہوئے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ''وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (النحل:36) ''اور ہم نے بھیجا ہر امت میں ایک رسول (جو انہیں یہ تعلیم دے) کہ عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی اور دور رہو طاغوت سے''۔ لفظ حنیف کی تفسیر پہلے سورۂ انعام میں گزر چکی ہے(2)۔ یہاں نماز کا حکم دیا جو کہ بدنی عبادات میں سب سے افضل عبادت ہے اور زکوٰۃ سے مراد حاجت مندوں، فقراء اور مساکین پر احسان کرنا ہے۔ یہی دین سیدھا اور عدل و انصاف والا ہے یا یہی امت صراط مستقیم پر گامزن ہے اور اعتدال والی ہے۔ بہت سے آئمہ کرام جیسے امام زہری اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے کہ اعمال ایمان میں داخل ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰهَ......۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ الْمُشْرِكِیْنَ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ اُولٰٓىِٕكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِیَّةِ ؕ﴿۶﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓىِٕكَ هُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّةِ ؕ﴿۷﴾ جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّهٗ ﴿۸﴾

''بے شک جنہوں نے کفر کیا اہل کتاب سے (وہ) اور مشرکین آتش جہنم میں ہوں گے (اور) اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہی لوگ بدترین مخلوق ہیں۔ (اور) یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، وہی ساری مخلوق سے بہتر ہیں۔ ان کی جزا ان کے پروردگار کے ہاں ہمیشگی کی جنتیں ہیں رواں ہوں گی جن کے نیچے نہریں وہ ان میں تا ابد رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی۔ یہ (سعادت) اس کو ملتی ہے جو اپنے رب سے ڈرتا ہے''۔

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ یونس:93 اور سورۂ ہود:118
2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ انعام:161

ارشاد باری تعالیٰ ہے بے شک جنہوں نے کفر کیا اہل کتاب سے اور مشرکین نے وہ یقیناً جہنم میں ہوں گے اور اسی میں ہمیشہ رہیں گے اور یہی لوگ بدترین مخلوق ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب اور مشرکین میں سے ان کافروں فاجروں کا بیان کیا ہے جنہوں نے اللہ کی نازل کردہ کتابوں اور اس کے بھیجے ہوئے انبیاء ورسل کی مخالفت کی۔ یہ قیامت کے دن دائمی طور پر جہنم میں رہیں گے۔ نہ وہاں سے نکل سکیں گے اور نہ رہائی پاسکیں گے اور یہ اللہ کی بدترین مخلوق ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان نیک بندوں کے بارے میں بیان فرمایا جو دل سے اس پر ایمان لائے اور اپنے بدن سے نیک اعمال کرتے رہے۔ یہ سب مخلوق سے بہتر ہیں۔

فرمایا: یقیناً جولوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے وہی ساری مخلوق سے بہتر ہیں۔ اس آیت کریمہ سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور علماء کرام کی ایک جماعت نے استدلال کیا ہے کہ اہل ایمان ملائکہ سے افضل ہیں۔ اس کے بعد فرمایا: ان کی جزاء ان کے پروردگار کے ہاں ہمیشگی کی جنتیں ہیں رواں ہوگی جن کے نیچے نہریں اور وہ ان میں تاابد رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں قیامت کے دن یہ بہترین جزا عطا فرمائے گا اور وہ لوگ ان جنتوں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہیں گے۔ نہ تو وہاں سے ان کو نکالا جائے گا اور نہ ہی یہ نعمتیں ختم ہوں گی۔

فرمایا: اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور یہ اس سے راضی۔ یہ مقام رضا ان تمام نعمتوں سے افضل واعلیٰ ہے جو انہیں جنت میں عطا کی جائیں گی اور یہ لوگ اس کے فضل واحسان اور اس کی عطا کردہ نعمتوں پر راضی ہو جائیں گے۔ فرمایا: یہ (سعادت) اس کو ملتی ہے جو اپنے رب سے ڈرتا ہے۔ یہ جزا اور انعام اسے ملتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے اس طرح ڈرتا ہے جیسے اس سے ڈرنے کا حق ہے اور اس کی عبادت اس طرح کرتا ہے گویا وہ اسے دیکھ رہا ہے اور اسے یہ علم یقین حاصل ہوتا ہے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتا تو اللہ تو اسے دیکھ رہا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہیں سب سے بہتر آدمی کے بارے میں نہ بتاؤں؟ صحابہ نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! ضرور بتایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ شخص جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لئے اپنے گھوڑے کی لگام تھامے تیار کھڑا رہتا ہے۔ جونہی جنگ کا نقارہ بجتا ہے وہ فوراً اس گھوڑے پر سوار ہو جاتا ہے۔ پھر فرمایا: وہ شخص جو بکریوں کے ایک ریوڑ کو چراتا ہے، وقت پر نماز پڑھتا ہے اور زکوٰۃ دیتا ہے۔ پھر فرمایا: کیا میں تمہیں سب سے بدترین مخلوق کے بارے میں نہ بتاؤں؟ صحابہ نے عرض کی بتایئے۔ فرمایا: وہ شخص جو اللہ کے نام پر سوال کرتا ہے اور پھر اسے عطا نہ کیا جائے (1)۔

1۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 396

سورۂ زلزال (مدنیہ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! مجھے کچھ پڑھائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "لا" والی تین سورتیں پڑھ لو۔ اس نے عرض کی میں بہت بوڑھا ہو چکا ہوں۔ حافظہ کمزور ہے اور زبان موٹی ہو چکی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "حٰم" والی سورتیں پڑھا کرو۔ اس نے پھر یہی عذر پیش کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "یسبّح" والی سورتیں پڑھ لیا کرو۔ اس نے پھر وہی عذر پیش کیا اور عرض کی یارسول اللہ ﷺ! مجھے کوئی جامع سورت پڑھائیے۔ آپ ﷺ نے اسے یہ سورت پڑھائی۔ آپ ﷺ جب اس کی قرأت سے فارغ ہوئے تو وہ شخص کہنے لگا: قسم ہے مجھے اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا! میں اس میں کبھی زیادتی نہیں کروں گا۔ پھر وہ شخص چلا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ شخص فلاح پا گیا، یہ نجات پا گیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اس شخص کو میرے پاس بلاؤ۔ جب وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے عید قربان کا حکم دیا ہے۔ اس دن کو اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لئے عید بنا دیا ہے۔ اس شخص نے کہا اگر میرے پاس قربانی کا جانور نہ ہو اور کسی شخص نے مجھے دودھ پینے کے لئے تحفہ کے طور پر کوئی جانور دیا ہو تو کیا میں اس کی قربانی کر لوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں بلکہ تم اپنے بال کٹواؤ، ناخن تراشو، مونچھیں ہلکی کرو، زیر ناف بال صاف کرو۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہاری یہی قربانی ہے (1)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے سورۂ زلزال کی تلاوت کی اسے نصف قرآن پڑھنے کا ثواب ملتا ہے۔ یہ روایت غریب ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ تہائی قرآن کے برابر ہے اور "اذا زلزلت" چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: زلزال نصف کے برابر ہے۔ سورۂ اخلاص تہائی اور کافرون چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔ یہ بھی انتہائی غریب ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک صحابی سے فرمایا: کیا تم نے ابھی تک شادی نہیں کی؟ اس نے عرض کی: نہیں۔ یارسول اللہ ﷺ! میرے پاس شادی کے لئے کچھ نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تیرے پاس سورۂ اخلاص نہیں؟ اس نے کہا: ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ تہائی قرآن کے برابر ہے۔ پھر فرمایا: کیا تیرے پاس سورۂ نصر نہیں؟ اس نے عرض کی: ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔ پھر فرمایا: تیرے پاس سورۂ کافرون نہیں؟ اس نے کہا: ہاں۔ فرمایا یہ چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔ پھر فرمایا: کیا تیرے پاس سورۂ زلزال نہیں؟ عرض کی: جی ہاں۔ فرمایا: یہ چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔ پھر فرمایا: جاؤ جا کر نکاح کر لو۔ یہ حدیث حسن ہے اور تینوں حدیثوں کو صرف امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ہی روایت کیا ہے (2)۔

1۔ مسند امام احمد، جلد 3 صفحہ 169 سنن ابوداؤد، ابواب شہر رمضان، جلد 2، صفحہ 57، سنن کبریٰ، کتاب فضائل القرآن، الیوم واللیلۃ بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 6 صفحہ 374

2۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب فضائل القرآن، جلد 11 صفحہ 23-22

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

اِذَا زُلۡزِلَتِ الۡاَرۡضُ زِلۡزَالَهَا ۙ﴿۱﴾ وَ اَخۡرَجَتِ الۡاَرۡضُ اَثۡقَالَهَا ۙ﴿۲﴾ وَ قَالَ الۡاِنۡسَانُ مَا لَهَا ۚ﴿۳﴾ یَوۡمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخۡبَارَهَا ۙ﴿۴﴾ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوۡحٰی لَهَا ؕ﴿۵﴾ یَوۡمَئِذٍ یَّصۡدُرُ النَّاسُ اَشۡتَاتًا ۬ۙ لِّیُرَوۡا اَعۡمَالَهُمۡ ؕ﴿۶﴾ فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ خَیۡرًا یَّرَهٗ ؕ﴿۷﴾ وَ مَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ ﴿۸﴾

''جب تھرتھرانے لگے گی زمین پوری شدت سے۔ اور باہر پھینک دے گی زمین اپنے بوجھوں (یعنی دفینوں) کو۔ اور انسان (حیران ہوکر) کہے گا اسے کیا ہوگیا۔ اس روز وہ بیان کر دے گی اپنے سارے حالات۔ کیونکہ آپ کے رب نے اسے (یونہی) حکم بھیجا ہے۔ اس روز پلٹ کر آئیں گے لوگ گروہ درگروہ۔ تاکہ انہیں دکھا دیئے جائیں ان کے اعمال۔ پس جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔ اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ (بھی) اسے دیکھ لے گا''۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے جب زمین پوری شدت سے تھرتھرانے لگی گی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ..... زمین اپنے نچلے حصہ سے حرکت کرنا شروع کرے گی۔ پھر فرمایا: اور باہر پھینک دے گی زمین اپنے بوجھوں کو۔ اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ زمین اپنے اندر دفن شدہ تمام مردوں کو باہر پھینک دے گی۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّكُمۡ ۚ اِنَّ زَلۡزَلَةَ السَّاعَةِ شَیۡءٌ عَظِیۡمٌ (حج:1) ''اے لوگو! ڈرو اپنے پروردگار (کی ناراضگی) سے بے شک قیامت کا زلزلہ بڑی سخت چیز ہے''۔ اور ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: وَ اِذَا الۡاَرۡضُ مُدَّتۡ ۙ﴿۳﴾ وَ اَلۡقَتۡ مَا فِیۡهَا وَ تَخَلَّتۡ (انشقاق:4-3) ''اور جب زمین پھیلا دی جائے گی۔ اور باہر پھینک دے گی جو کچھ اس کے اندر ہے اور خالی ہو جائے گی''۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمین اپنے جگر پاروں کو باہر پھینک دے گی۔ سونا اور چاندی ستونوں کی مثل باہر نکل آئے گا۔ قاتل اسے دیکھ کر کہے گا: ہائے افسوس! میں نے اس مال کی خاطر فلاں کو قتل کیا۔ قطع رحمی کرنے والا کہے گا میں نے اس کے لئے قطع رحمی کی۔ پھر چور آئے گا اور کہے گا کیا اس کے لئے میرے ہاتھ کاٹے گئے۔ پھر وہ سونے چاندی کو اسی طرح چھوڑ کر چلے جائیں گے(3)۔

فرمایا: اور انسان (حیران ہوکر) کہے گا اسے کیا ہوگیا۔ انسان تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہے گا کہ زمین پہلے تو ساکن اور ثابت تھی اور وہ اس کی سطح پر قرار پذیر تھا۔ اب اس کی حالت تبدیل ہوگئی۔ اب یہ تھرتھرانے لگی ہے اور حرکت کرنے لگی ہے۔ اصل میں وہ وقت آ گیا جس کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا کہ یہ زمین حرکت کرے گی۔ اس کے بعد اپنے اندر سوئے ہوئے تمام مردوں کو باہر پھینک دے گی۔ لوگ حیران و پریشان ہوں گے۔ اس زمین کو دوسری زمین سے بدل دیا جائے گا۔ آسمان بھی تبدیل ہو جائے گا۔ اب تمام لوگ اس اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے جو یکتا اور قہار ہے۔

1۔ مسلم کتاب الزکاۃ، جلد 2، صفحہ 701

فرمایا: اس دن وہ بیان کردے گی اپنے سارے حالات۔ یعنی جو اعمال لوگ اس پر کرتے رہے وہ تمام بیان کردے گی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی تو پوچھا کیا تم زمین کی خبروں کو جانتے ہو؟ انہوں نے عرض کی: اللہ ورسولہ اعلم۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کی خبریں یہ ہیں کہ یہ ہر عورت اور ہر مرد کے تمام اعمال کی گواہی دے گی جو اس نے اس کے اوپر کئے اور یہ کہے گی کہ اس نے فلاں فلاں دن فلاں فلاں عمل کیا(1)۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: زمین سے بچ کر رہو۔ یہ تمہاری ماں ہے۔ تم میں سے جو بھی کوئی اچھا یا برا عمل کرے گا یہ قیامت کے دن اس کی گواہی دے گی(2)۔

فرمایا: کیونکہ آپ کے رب نے اسے یونہی حکم بھیجا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اَوْحٰی لَهَا، ''اوحی الیھا''، ''وحی لھا'' اور ''وحی الیھا'' تمام کا معنی ایک ہے(3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی طرف وحی فرمائے گا۔ ظاہر یہی ہے کہ یہاں اَوْحٰی لَهَا کا معنی یہ ہے کہ اللہ اسے اس کی اجازت فرمائے گا اور جناب ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت یہ بھی مروی ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ زمین کو فرمائے گا۔ بول تو وہ بول پڑے گی۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اَوْحٰی لَهَا کا معنی یہ ہے کہ اللہ اس کو حکم فرمائے گا۔ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اللہ اسے پھٹنے کا حکم دے گا۔

فرمایا: اس روز پلٹ کر آئیں گے گروہ در گروہ۔ یعنی قیامت کے روز میدان حشر سے مختلف گروہوں میں واپس لوٹیں گے۔ کوئی گروہ سعادت مندوں کا ہوگا اور کوئی بدبختوں کا۔ کسی کو جنت میں جانے کا حکم ہوگا اور کسی کو دوزخ میں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس وقت لوگ مختلف گروہوں میں تقسیم ہو جائیں گے۔ پھر اس کے بعد کبھی جمع نہ ہو سکیں گے۔

فرمایا: تا کہ انہیں دکھائے جائیں ان کے اعمال۔ تا کہ وہ اپنے اعمال دیکھ لیں۔ پھر انہیں دنیا میں کئے گئے اعمال کے مطابق اچھی جزا یا بری سزا دی جائے۔ اس لئے ارشاد فرمایا: پس جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ بھی اسے دیکھ لے گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: گھوڑے تین قسم کے ہیں: ایک اجر پانے والا، ایک پردہ پوشی کرنے والا اور ایک بوجھ اور گناہ والا۔ اجر والا تو وہ ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے گھوڑے کو پالتا ہے۔ اس کی رسی کو کسی مرغزار میں لمبا کر دیتا ہے۔ وہ گھوڑا اس رسی میں چلتا رہے گا تو تمام نیکیاں اس کے مالک کے نامہ اعمال میں لکھی جائیں گی اور اگر وہ رسی ٹوٹ گئی اور وہ ادھر ادھر نکل گیا تو اس کے قدموں کے نشان اور اس کی لید کے بدلے ثواب بھی اس کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا اور اگر وہ کسی نہر کے قریب سے گزرا اور اس نے پانی پی لیا، اگرچہ اس نے اسے پانی پلانے کا ارادہ نہیں بھی کیا تھا تب بھی تمام نیکیاں اس شخص کو ملیں گی۔ یہ گھوڑا سراسر اس کے لئے اجر و ثواب کا باعث ہے۔ دوسرا شخص وہ ہے جو گھوڑے کو اس لئے پالتا ہے تا کہ وہ دوسرے لوگوں سے مستغنی رہے اور کسی کے سامنے اسے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے لیکن یہ شخص اس گھوڑے میں اور اس کی پشت کے بارے میں اللہ کے حقوق کو نہیں بھولتا تو یہ گھوڑا اس کے لئے پردہ کا باعث ہوگا۔ تیسرا شخص وہ ہے جو گھوڑے کو فخر وریا اور ظلم وستم کے لئے پالتا ہے۔ یہ گھوڑا اس کے لئے بوجھ اور گناہ کا باعث ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ سے گدھوں کے بارے میں پوچھا گیا کیا ان میں زکوٰۃ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز نازل نہیں فرمائی۔ سوائے اس آیت کریمہ کے جو تنہا تمام احکام کو جامع ہے۔ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ

1۔ سنن کبریٰ، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 9، صفحہ 502-501، ترمذی کتاب التفسیر، جلد 555-554 مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 374

2۔ المعجم الکبیر، جلد 5، صفحہ 64 مجمع الزوائد، جلد 1، صفحہ 241　　3۔ فتح الباری تفسیر سورۃ (اذا زلزلت)، جلد 8 صفحہ 726

ذَرَّةٍ......(1)۔

مشہور شاعر فرزدق کے چچا حضرت صعصعہ بن معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان کے سامنے یہ آیت پڑھی۔ یہ سن کر کہنے لگے میرے لئے یہی کافی ہے۔ اگر میں اس کے علاوہ اور کچھ نہ سنوں تو بھی کوئی پرواہ نہیں(2)۔

صحیح بخاری میں حضرت عدی رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آتش جہنم سے بچو اگر چہ کھجور کا نصف حصہ صدقہ کرنے سے یا کسی پاکیزہ کلمہ سے(3)۔ ایک اور روایت ہے کہ کسی نیکی کو حقیر نہ سمجھو اگر چہ تم اپنے ڈول سے پانی نکال کر کسی پیاسے کو پلا دو اور اگر چہ تم اپنے بھائی کو خندہ پیشانی سے ملو(4)۔ صحیح بخاری کی حدیث ہے: اے صاحب ایمان عورتو! کوئی پڑوسن اپنی کسی پڑوسن کے تحفہ کو حقیر نہ سمجھے، اگر چہ یہ تحفہ بکری کا ایک کھر ہی ہو(5)۔ ایک اور روایت میں فرمایا: سائل کو کچھ نہ کچھ دے دو۔ اگر چہ وہ جلا ہوا کھر ہو(6)۔ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے عائشہ! آتش جہنم سے بچ اگر چہ کھجور کا ایک ٹکڑا صدقہ کرنے کے ساتھ ہو۔ کھجور کا یہ ٹکڑا بھی بھوکے کی بھوک مٹا دیتا ہے(7)۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے انگور کا ایک دانہ صدقہ کیا اور پھر فرمانے لگیں اس میں نیکی کے کتنے ذرات ہیں(8)۔ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے۔ اے عائشہ! چھوٹے چھوٹے گناہوں سے بچو۔ اللہ تعالیٰ ان کا بھی حساب لینے والا ہے(9)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ کھانا تناول فرما رہے تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کھانے سے اپنا ہاتھ ہٹا لیا اور عرض کرنے لگے: یا رسول اللہ ﷺ! اگر میں نے ذرہ برابر بھی برائی کی کیا اس کی بھی مجھے سزا ملے گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوبکر! دنیا میں جو تکالیف تمہیں پہنچی ہیں، وہ تمہاری چھوٹی چھوٹی برائیوں کے لئے صدقہ ہو جائیں گی۔ تمہاری نیکیوں کو اللہ تعالیٰ ذخیرہ کر دے گا۔ قیامت کے دن تمہیں اس کا بدلہ دیا جائے گا(10)۔ یہ روایت مختلف اسناد سے مروی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: ابوبکر! کیوں رو رہے ہو؟ انہوں نے عرض کی: یہ سورت مجھے رلاتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم خطا اور گناہ نہ کرتے کہ تمہیں معاف کیا جاتا اور بخشا جاتا تو اللہ تعالیٰ ایک ایسی امت پیدا کرتا جو خطا اور گناہ کرتی اور اللہ تعالیٰ انہیں بخش دیتا(11)۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! کیا میں اپنے اعمال کو دیکھوں گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ میں نے عرض کی: بڑے بڑے اعمال کو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ عرض کی: چھوٹے

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ (اذا زلزلت الارض زلزالها)، جلد 8 صفحہ 727-726 مسلم کتاب الزکاۃ، جلد 2، صفحہ 682-680

2۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 59 سنن کبریٰ، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 4، صفحہ 187

3۔ فتح الباری، کتاب الزکاۃ، جلد 3، صفحہ 283　4۔ دیکھئے تفسیر بقرہ آیت: 83 اور نحل آیت: 62

5۔ متفق علیہ، فتح الباری، کتاب الہبۃ، جلد 5، صفحہ 197 مسلم، کتاب الزکاۃ، جلد 2، صفحہ 714

6۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 381 سنن ابو داؤد، کتاب الزکاۃ، جلد 2، صفحہ 126 عارضۃ الاحوذی کتاب الزکاۃ، جلد 3، صفحہ 169 نسائی، کتاب الزکاۃ، جلد 5 صفحہ 86-81

7۔ مسند امام احمد، جلد 6، صفحہ 79　8۔ موطا، کتاب الصدقۃ، جلد 2 صفحہ 997　9۔ دیکھئے تفسیر سورۂ قمر آیت: 53

10۔ تفسیر طبری، جلد 30 صفحہ 269-268　11۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 270

چھوٹے اعمال کو بھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ میں نے کہا ہائے افسوس۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوسعید! خوش ہو جاؤ۔ ایک نیکی کا ثواب دس گنا سے لے کر سات سو گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ دیا جائے گا۔ لیکن ایک برائی کی سزا اتنی ہی دی جائے گی یا اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دے گا۔ فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اپنے عمل کی وجہ سے ہرگز نجات نہیں پائے گا۔ میں نے عرض کی: آپ بھی یا رسول اللہ ﷺ؟ فرمایا: ہاں میں بھی۔ مگر جب اللہ کی رحمت مجھے ڈھانپ لے۔ اس روایت کا ایک راوی ابن لہیعہ ہے۔ اس کے علاوہ کسی نے اسے روایت نہیں کیا۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا (الدہر: 8) تو اہل ایمان خیال کیا کرتے تھے کہ اگر وہ تھوڑی چیز صدقہ کریں تو انہیں اس کی جزا نہیں ملے گی۔ اگر ان کے دروازے پر فقیر آتا اور ان کے پاس صرف ایک کھجور یا روٹی کا ٹکڑا یا اس کی مثل کوئی اور چیز ہوتی تو وہ اسے کم سمجھتے ہوئے خالی ہاتھ لوٹا دیتے اور کہتے کہ اس چیز پر ہمیں کیا اجر ملے گا بلکہ اجر تو ایسی چیز پر ملے گا جب ہم ان پر وہ چیز صدقہ کریں جسے ہم خود پسند کرتے ہیں اور ایک گروہ ایسا بھی تھا جو چھوٹے چھوٹے گناہوں پر اپنے نفس کو ملامت نہیں کرتے تھے۔ مثلاً جھوٹ، غیر محرم کی طرف ایک دو مرتبہ نظر، غیبت اور اس جیسی دوسری برائیاں۔ وہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے جہنم میں داخل کرنے کی جو وعید سنائی ہے وہ گناہ کبیرہ کرنے پر ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو اس نے ان کو چھوٹے چھوٹے نیک اعمال کرنے کی ترغیب دی کہ ممکن ہے اس کا اجر بہت زیادہ ملے اور چھوٹے چھوٹے برے اعمال سے محتاط کر دیا ممکن ہے یہی چھوٹے گناہ کبیرہ بن جائیں۔ چھوٹی سی چیونٹی کے وزن برابر چیز کو ذرہ کہتے ہیں۔ یعنی جو آدمی تھوڑی سی نیکی بھی کرے گا وہ قیامت کے دن اسے اپنے نامہ اعمال میں لکھا ہوا دیکھ لے گا اور یہ اس کے لئے خوشی کا باعث ہوگا۔ ہر نیک و بد کی ایک بُرائی ایک ہی لکھی جائے گی اور ہر نیکی کے بدلہ میں دس نیکیاں لکھی جائیں گی۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مؤمنین کی نیکیوں کو دگنا کر دے گا۔ ایک نیکی کے بدلہ میں دس۔ اور اس کی دس برائیاں مٹا دی جائیں گی۔ اگر کسی کی نیکیاں اس کی برائیوں سے ذرہ برابر بھی زیادہ ہو گئیں وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: صغیرہ گناہوں سے محتاط رہو، یہ جمع ہو کر آدمی کو ہلاک کر دیتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں یہ بات ایک مثال کے ذریعہ سمجھائی کہ ایک قافلہ صحرا میں فروکش ہوتا ہے۔ کھانے کا وقت ہو جاتا ہے۔ ایک آدمی جاتا ہے لکڑی پکڑ لاتا ہے، دوسرا جاتا ہے اور ایک لکڑی پکڑ لاتا ہے۔ اس طرح وہ ایک ایک کر کے لکڑیوں کا ڈھیر جمع کر لیتے ہیں اور آگ جلا کر کھانا پکا لیتے ہیں (1)۔

1۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 403-402- نیز دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ آیت: 81

سورۂ عادیات (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

وَ الْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۙ﴿۱﴾ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۙ﴿۲﴾ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ۙ﴿۳﴾ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۙ﴿۴﴾ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۙ﴿۵﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۚ﴿۶﴾ وَ اِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۚ﴿۷﴾ وَ اِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ؕ﴿۸﴾ اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ ۙ﴿۹﴾ وَ حُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ﴿۱۰﴾ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾

"قسم ہے تیز دوڑنے والے گھوڑوں کی جب وہ سینہ سے آواز نکالتے ہیں پھر پتھروں سے آگ نکالتے ہیں سُم مار کر، پھر اچانک حملہ کرتے ہیں صبح کے وقت، پھر اس سے گرد و غبار اڑاتے ہیں پھر اسی وقت (دشمن کے) لشکر میں گھس جاتے ہیں۔ بے شک انسان اپنے رب کا بڑا ناشکر گزار ہے اور وہ اس پر (خود) گواہ ہے۔ اور بلاشبہ وہ مال کی محبت میں بڑا سخت ہے۔ کیا وہ اس وقت کو نہیں جانتا جب نکال لیا جائے گا جو کچھ قبروں میں ہے۔ اور ظاہر کر دیا جائے گا جو سینوں میں (پوشیدہ) ہے یقیناً ان کا رب ان سے اس روز خوب باخبر ہوگا"۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے قسم ہے تیز دوڑنے والے گھوڑوں کی جب وہ سینہ سے آواز نکالیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کے ان گھوڑوں کی قسم اٹھائی ہے جو تیز دوڑتے ہوئے سینے سے آواز نکالتے ہیں۔ "ضبحاً" اس آواز کو کہتے ہیں جو تیز دوڑتے ہوئے گھوڑے سے سنائی دیتی ہے۔

فرمایا: پھر سُم مار کر پتھروں سے آگ نکالتے ہیں۔ جب ان کے نعل پتھر کی چٹانوں کے ساتھ ٹکراتے ہیں تو ان سے آگ کی چنگاریاں نمودار ہوتی ہیں۔ فرمایا: پھر اچانک حملہ کرتے ہیں صبح کے وقت۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ معمول تھا کہ جب آپ کسی دشمن پر حملہ کرنے کا ارادہ فرماتے تو آپ ﷺ رات کی تاریکی میں ان کے قریب پہنچ جاتے۔ صبح اگر اس بستی سے اذان کی آواز سنائی دیتی تو حملہ نہ کرتے، وگرنہ حملہ کر دیتے(1)۔ فرمایا: پھر اس سے گرد و غبار اڑاتے ہیں۔ یہ گھوڑے میدان جنگ میں گرد و غبار اڑاتے ہیں۔ فرمایا: پھر اسی وقت دشمن کے لشکر میں گھس جاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ اَلْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا سے مراد اونٹ ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک اس سے مراد گھوڑے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی بات سنی تو فرمایا: غزوۂ بدر میں ہمارے پاس گھوڑے نہیں تھے بلکہ اونٹ تھے۔ انہوں نے کہا یہ کسی اور سریہ کی بات ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں حطیم میں بیٹھا ہوا تھا۔ ایک شخص نے مجھے اس آیت کریمہ کے بارے میں پوچھا۔ میں نے کہا: اس سے مراد

1۔ متفق علیہ، فتح الباری، کتاب الاذان، جلد 2، صفحہ 89 مسلم، کتاب الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 288

مجاہدین کے گھوڑے ہیں جو صبح کے وقت حملہ کرتے ہیں۔ پھر رات کے وقت یہ گھڑ سوار اپنے خیموں میں واپس آ کر کھانا تیار کرنے کے لئے آگ جلاتے ہیں۔ وہ شخص یہ بات سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ اس وقت بئر زمزم کے پاس تھے۔ انہوں نے فرمایا: کیا تم نے اس کے بارے میں کسی سے پہلے بھی پوچھا ہے؟ اس نے کہا: ہاں میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا ہے وہ فرماتے ہیں اس سے مجاہدین کے گھوڑے مراد ہیں۔ آپ نے فرمایا: جاؤ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو میرے پاس بلا کر لاؤ۔ جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما آپ کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے فرمایا تم لوگوں کو کیسے فتوئی دے رہو ہو حالانکہ تمہیں اس کے بارے میں علم بھی نہیں۔ پھر فرمایا: اسلام کا سب سے پہلا غزوہ بدر تھا۔ اس میں ہمارے پاس صرف دو گھوڑے تھے۔ ایک حضرت زبیر کا اور دوسرا حضرت مقداد رضی اللہ عنہما کا۔ تم اس کی یہ کیسے تفسیر بیان کرتے ہو۔ اس سے مراد تو وہ اونٹ ہیں جو میدان عرفات سے مزدلفہ کی طرف جاتے ہیں اور وہاں سے منیٰ کی طرف۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میں نے یہ بات سن کر اپنے قول سے رجوع کر لیا(1)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اَلْعٰدِیٰتِ ضَبْحًا سے مراد ان کا میدان عرفات سے مزدلفہ آنا ہے اور یہاں مزدلفہ پہنچ کر کھانا وغیرہ پکانے کے لئے آگ جلاتے ہیں۔ یہی قول علماء کرام کی ایک بہت بڑی جماعت سے منقول ہے جن میں ابراہیم نخعی اور عبید بن عمیر شامل ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے مراد گھوڑے ہیں اور یہی مجاہد، عکرمہ، عطاء، قتادہ اور ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ سے منقول ہے اور اسی کو ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں صرف دو جانور ایسے ہیں جو اپنے سینہ سے آواز نکالتے ہیں: ایک گھوڑا اور دوسرا کتا۔ آپ فرماتے ہیں ان کے ہانپنے کے وقت جواح اح کی آواز نکلتی ہے اسے ''ضبح'' کہتے ہیں۔ اکثر مفسرین کے نزدیک فَالْمُوْرِیٰتِ قَدْحًا سے مراد گھوڑوں کا اپنے سُموں سے آگ نکالنا ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ گھوڑے مختلف قافلوں کے درمیان جنگ کی آگ بھڑکا دیتے ہیں۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے مراد مکر و فریب اور دھوکہ ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ مجاہدین جب اپنے گھروں کو واپس لوٹتے ہیں تو وہ آگ جلاتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے اس سے مراد قبائل کی آگ ہے بعض کا قول ہے کہ مزدلفہ میں پہنچ کر حاجیوں کا آگ جلانا ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں پہلا قول ہی صحیح ہے کہ اس سے مراد گھوڑوں کے سُموں سے نکلنے والی آگ ہے۔

فَالْمُغِیْرٰتِ صُبْحًا سے مراد گھوڑوں کا اللہ کی راہ میں صبح صبح دشمن پر حملہ کرنا ہے۔ یہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے اور جنہوں نے اس سے اونٹ مراد لئے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ دسویں کی صبح مزدلفہ سے منیٰ کی طرف جانا ہے اور ان تمام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا سے مراد وہ جگہ ہے جہاں پہنچ کر وہ غبار اڑاتے ہیں۔ خواہ حج میں ہو یا میدان جنگ میں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور کئی دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا سے مراد دشمن کے لشکر میں گھسنا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس کا معنی یہ ہو کہ وہ تمام جمع ہو کر اس جگہ کے درمیان میں پہنچ جاتے ہیں(2)۔ اس صورت میں ''جمعاً'' حال مؤکد ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے گھڑ سواروں کی ایک جماعت دشمن کے مقابلہ کے لئے بھیجی۔ ایک مہینہ تک ان کی کوئی خبر تک نہ آئی۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں اور اپنے محبوب ﷺ کو خبر دی کہ یہ گھوڑے تیز دوڑتے ہوئے اپنے سینہ سے آواز نکالتے ہیں اور اپنے سُموں کو پتھر پر مار کر چنگاری نکالتے ہیں۔ صبح کے وقت دشمن پر حملہ کرتے

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 273-272 2۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب التفسیر، جلد 3، صفحہ 82، مجمع الزوائد، جلد 7، صفحہ 142

ہیں...... الخ۔

فرمایا: بے شک انسان اپنے رب کا بڑا ناشکر گزار ہے۔ یہ مقسم علیہ ہے یعنی یہ تمام قسمیں اس پر اٹھائی گئی ہیں۔ معنی یہ ہے کہ یہ انسان اپنے رب کی نعمتوں کا بہت زیادہ ناشکری کرنے والا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور کئی دوسرے مفسرین فرماتے ہیں ''الکنود'' سے مراد ناشکرا ہے۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ انسان ہے جو مصائب و آلام کو یاد رکھتا ہے لیکن نعمتوں کو بھول جاتا ہے۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کنود'' وہ شخص ہے جو تنہا کھاتا ہے۔ اپنے غلام کو مارتا پیٹتا ہے اور اس پر احسان نہیں کرتا۔ اس کی سند ضعیف ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسے موقوف روایت کیا ہے(1)۔ فرمایا: اور وہ اس پر (خود) گواہ ہے۔ قتادہ اور سفیان رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انسان کی اس ناشکری پر اللہ تعالیٰ گواہ ہے۔ محمد بن کعب قرظی فرماتے ہیں اس ضمیر کا مرجع انسان ہے۔ معنی یہ ہے کہ انسان اپنے ناشکرا ہونے پر اپنی ہی اس زبان حال سے گواہ ہے۔ اس کی یہ ناشکری اس کے افعال و اقوال سے ظاہر ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ (توبہ 17) ''نہیں ہے روا مشرکوں کے لئے کہ وہ آباد کریں اللہ کی مسجدوں کو حالانکہ وہ خود گواہی دے رہے ہیں اپنے نفسوں پر کفر کی''۔

فرمایا: اور بلاشبہ وہ مال کی محبت میں بڑا سخت ہے۔ حرص سے مراد مال ہے۔ اس کے دو معانی بیان کئے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ انسان مال کی محبت میں بہت سخت ہے۔ دوسرا یہ کہ انسان مال کی محبت میں بڑا حریص اور بخیل ہے یہ دونوں معانی صحیح ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا کی محبت سے دور کرتے ہوئے اور آخرت کی ترغیب دلاتے ہوئے اور مستقبل میں پیش آنے والے احوال پر خبردار کرتے ہوئے فرمایا: کیا وہ اس وقت کو نہیں جانتا جب نکال لیا جائے گا جو کچھ قبروں میں ہے یعنی قبروں سے تمام مردوں کو باہر نکال لیا جائے گا۔ فرمایا: اور ظاہر کر دیا جائے گا جو دلوں میں (پوشیدہ) ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس دن تمام رازوں کو ظاہر کر دیا جائے گا جو وہ اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہوں گے فرمایا: یقیناً ان کا رب ان سے اس روز خوب باخبر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ان کے تمام اعمال سے باخبر ہے۔ قیامت کے دن ان کے اچھے برے اعمال کی پوری پوری جزا و سزا دے گا اور کسی پر ذرہ برابر ظلم و زیادتی نہیں کرے گا۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 278

سورۃ القارعہ (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

اَلْقَارِعَةُ ۝ مَا الْقَارِعَةُ ۝ وَ مَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ۝ يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ۝ وَ تَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۝ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝ وَ اَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۝ وَ مَآ اَدْرٰىكَ مَاهِيَهْ ۝ نَارٌ حَامِيَةٌ ۝

"(دل ہلا دینے والی) کڑک۔ یہ (زہرہ گداز) کڑک کیا ہے؟ اور آپ کو کیا معلوم کہ یہ کڑک کیا ہے۔ جس دن لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح ہوں گے۔ اور پہاڑ رنگ برنگی دھنکی ہوئی اون کی مانند ہوں گے۔ پھر جس کے (نیکیوں کے) پلڑے بھاری ہوں گے، تو وہ دل پسند عیش (ومسرت) میں ہوگا۔ اور جس کے (نیکیوں کے) پلڑے ہلکے ہوں گے۔ تو اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہوگا۔ اور آپ کو کیا معلوم کہ ہاویہ کیا ہے؟ ایک دہکتی ہوئی آگ"۔

ارشاد فرمایا: دل ہلا دینے والی کڑک، اَلْقَارِعَةُ قیامت کے بہت سے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ اس کے اور بھی بہت سے نام ہیں جیسے الحاقة، الطامة، الصاخة، الغاشية وغیرہا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے قیامت کی ہولنا کی بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اور آپ کو کیا معلوم کہ یہ کڑک کیا ہے؟ پھر اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اس دن لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح ہوں گے۔ اس دن لوگ پروانوں کی طرح بڑی حیرت اور پریشانی میں ادھر ادھر منتشر ہوں گے اور پشیمانی کے عالم میں ادھر ادھر گھوم رہے ہوں گے۔ ایک دوسری آیت میں فرمایا: كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ (قمر: 7) "وہ پراگندہ ٹڈیاں ہیں"۔

فرمایا: اور پہاڑ رنگ برنگی دھنکی ہوئی روئی کی مانند ہوں گے یعنی پہاڑ اس طرح ہو جائیں گے جس طرح مختلف رنگوں کی دھنکی ہوئی روئی ہوتی ہے۔ "العھن" اون کو کہتے ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نیک اعمال کرنے والوں کے اچھے انجام کو بیان فرمایا اور برے اعمال کرنے والوں کے برے انجام کی خبر دی اور جس کے نیکیوں کے پلڑے بھاری ہوں گے تو وہ دلپسند عیش ومسرت میں ہوگا۔ جس کی نیکیاں برائیوں پر غالب ہوں گی وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ فرمایا: اور جس کے نیکیوں کے پلڑے ہلکے ہوں گے اس کا ٹھکانہ ھاویہ ہو گا۔ جس کی برائیاں اس کی نیکیوں سے زیادہ ہوں گی، اس کا ٹھکانہ ھاویہ ہوگا۔ ھاویہ کا معنی یہ بیان کیا گیا ہے کہ سر کے بل جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ بعض نے کہا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ اس کی وہ اصل جس کی طرف وہ لوٹے گا وہ ھاویہ ہے اور ھاویہ جہنم کا نام ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں یہاں اس لئے فرمایا گیا ہے کہ اس کا ٹھکانہ ھاویہ ہوگا کیونکہ اس کے علاوہ اس کا کوئی ٹھکانہ نہیں (1)۔ ابن

1۔ تفسیر طبری، جلد 30 صفحہ 283

زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ھاویہ سے مراد آگ ہے جو اس کا ٹھکانہ ہوگی۔ وہ اسی کی طرف پلٹ کر جائے گا وہاں ہی پناہ لے گا اور انہوں نے یہ آیت کریمہ تلاوت کی (وماوٰنہ النار) پھر اللہ تعالیٰ نے ھاویہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا اور آپ کو کیا معلوم کہ ھاویہ کیا ہے؟ ایک دہکتی ہوئی آگ۔

حضرت اشعث بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب مؤمن مرتا ہے تو اس کی روح کو اہل ایمان کی روحوں کی طرف لے جاتا ہے۔ فرشتے کہتے ہیں اپنے اس بھائی کو راحت دو۔ دنیا میں غمگین زندگی گزار کر آیا ہے۔ وہ روحیں اس سے پوچھتی ہیں فلاں کا کیا حال ہے؟ کہتی ہے وہ تو تمہارے پاس آ چکا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں اسے ھاویہ میں پہنچا دیا گیا ہے(1)۔ یہی روایت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے کچھ تفصیل کے ساتھ مرفوعاً مروی ہے۔ اسے ہم نے اپنی کتاب "صفة النار" میں ذکر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل واحسان سے اس آتش جہنم سے محفوظ رکھے۔

نَارٌ حَامِيَةٌ کا معنی یہ ہے کہ یہ آگ ہے انتہائی گرم اور اس کے بڑے بڑے شعلے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہاری یہ آگ جسے تم جلاتے ہو یہ آتش جہنم کا سترواں حصہ ہے۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ہلاکت کے لئے تو یہی کافی ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں۔ لیکن آتش دوزخ اس سے انہتر درجے تیز ہے۔ ان میں سے ہر درجہ دنیاوی آگ کی مثل ہے(2)۔ ایک روایت میں ہے کہ نار جہنم دنیاوی آگ سے ستر درجے زیادہ سخت ہے(3)۔ یحییٰ بن جعدہ لکھتے ہیں کہ تمہاری یہ آگ نار جہنم سے ستر گنا زیادہ ہے اسے دو دفعہ سمندر میں ڈبویا گیا۔ اگر اسے سمندر میں نہ ڈبویا جاتا تو اس سے کوئی بھی فائدہ حاصل نہ کرتا(4)۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ آگ جہنم کی آگ کا سواں حصہ ہے(5)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہاری اس آگ اور نار جہنم کے درمیان کیا نسبت ہے؟ فرمایا: نار جہنم تمہاری آگ کے دھواں سے بھی ستر گنا زیادہ سیاہ ہوگی(6)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: آتش دوزخ کو ایک ہزار سال تک جلایا گیا یہاں تک کہ یہ سرخ ہوگئی۔ اسے پھر ایک ہزار سال تک جلایا گیا تو یہ سفید ہوگئی۔ اسے پھر ایک ہزار سال تک جلایا گیا تو یہ سیاہ ہوگئی اور اب یہ انتہائی سیاہ اور تاریک ہے(7)۔ ایک روایت میں فرمایا: سب سے کم عذاب والا وہ جہنمی ہوگا جسے آگ کی جوتیاں پہنائی جائیں گی جن سے اس کا دماغ کھول اور پگھل جائے گا(8)۔ صحیحین کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: آتش دوزخ نے اللہ تعالیٰ سے شکایت کی کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو کھائے جا رہا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اسے دو سانس لینے کی اجازت دی۔ ایک سانس سردی میں اور ایک گرمی میں۔ موسم سرما میں جو تم سخت سردی محسوس کرتے ہو یہ اس کے سرد سانس کی وجہ سے ہے اور موسم گرما میں جو تم سخت گرمی محسوس کرتے ہو یہ اس کے گرم سانس کی وجہ سے ہے(9)۔ ایک دوسری روایت میں فرمایا: جب گرمی سخت پڑے تو ظہر کی نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھا کرو کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کی لپٹ کی وجہ سے ہوتی ہے(10)۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 282 | 2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ براءۃ آیت: 81 | 3۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 467

4۔ دیکھئے تفسیر سورۂ براءۃ آیت: 81 | 5۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 379 | 6۔ مجمع الزوائد، جلد 10، صفحہ 387

7۔ دیکھئے تفسیر سورۂ براءۃ آیت: 81 | 8۔ حدیث ابی سعید فیہ: 78-13 حدیث ابوہریرہ فیہ: 439-432

9۔ فتح الباری، کتاب بدء الخلق، جلد 6 صفحہ 330 | 10۔ فتح الباری، کتاب بدء الخلق، جلد 6 صفحہ 330۔ مسلم، کتاب المساجد، جلد 1 صفحہ 430

سورۃ التکاثر (مکیہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

اَلۡہٰکُمُ التَّکَاثُرُ ۙ﴿۱﴾ حَتّٰی زُرۡتُمُ الۡمَقَابِرَ ؕ﴿۲﴾ کَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ۙ﴿۳﴾ ثُمَّ کَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ؕ﴿۴﴾ کَلَّا لَوۡ تَعۡلَمُوۡنَ عِلۡمَ الۡیَقِیۡنِ ؕ﴿۵﴾ لَتَرَوُنَّ الۡجَحِیۡمَ ۙ﴿۶﴾ ثُمَّ لَتَرَوُنَّہَا عَیۡنَ الۡیَقِیۡنِ ۙ﴿۷﴾ ثُمَّ لَتُسۡـَٔلُنَّ یَوۡمَئِذٍ عَنِ النَّعِیۡمِ ﴿۸﴾

"غافل رکھا تمہیں زیادہ سے زیادہ مال جمع کرنے کی ہوس نے۔ یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پہنچے۔ ہاں ہاں! تم جلد جان لو گے۔ پھر ہاں ہاں! تمہیں (اپنی کوششوں کا انجام) جلد معلوم ہو جائے گا۔ ہاں ہاں! اگر تم (اس انجام کو) یقینی طور پر جانتے (تو ایسا ہرگز نہ کرتے)۔ تم دیکھ کر رہو گے دوزخ کو۔ پھر آخرت میں تم دوزخ کو یقین کی آنکھ سے دیکھ لو گے۔ پھر ضرور پوچھا جائے گا تم سے اس دن جملہ نعمتوں کے بارے میں"۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے غافل رکھا تمہیں زیادہ سے زیادہ مال جمع کرنے کی خواہش نے یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پہنچے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے دنیا اور اس کی آسائشوں کی محبت نے تمہیں آخرت سے غافل کر دیا۔ تم اس میں اتنے منہمک ہو گئے ہو کہ اسی حالت میں تم پر موت آ گئی اور تم قبروں میں چلے گئے۔ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں تمہیں زیادہ سے زیادہ مال جمع کرنے کی خواہش نے اللہ کی اطاعت سے غافل کر دیا ہے یہاں تک کہ اسی حالت میں تمہیں موت آ لے گی(1)۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: زیادہ سے زیادہ مال اور اولاد کی خواہش نے تمہیں غافل کر دیا ہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لو کان لا بن ادم واد من ذھب! (اگر ابن آدم کے لئے سونے کی ایک وادی بھی ہو) کو قرآن کا حصہ خیال کرتے تھے۔ یہاں تک کہ یہ سورت نازل ہوئی(2)۔

ایک صحابی فرماتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ یہ سورت تلاوت فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ نے تلاوت کے بعد فرمایا: ابن آدم کہتا ہے میرا مال، میرا مال۔ حالانکہ تیرا مال تو وہی ہے جو تو نے کھایا اور فنا کر دیا یا پہنا اور بوسیدہ کر دیا یا صدقہ کیا اور اسے بارگاہ الٰہی میں بھیج دیا(3)۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں اس کے سوا باقی مال کو لوگوں کے لئے چھوڑ کر جانے والا ہے(4)۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میت کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں۔ ان میں سے دو واپس لوٹ آتی ہیں اور ایک اس کے پاس باقی رہتی ہے۔ میت کے ساتھ اس کے اہل و عیال، مال اور اعمال

1۔ درمنثور، جلد 8، صفحہ 611 — 2۔ فتح الباری، کتاب الرقاق، جلد 11، صفحہ 253

3۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 24 نیز دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ آیت: 212، سورۂ انعام آیت: 95 اور سورۂ حدید آیت: 7

4۔ مسلم، کتاب الزہد، جلد 4، صفحہ 2273

ساتھ جاتے ہیں۔ اہل وعیال اور مال تو واپس پلٹ آتے ہیں اور اس کے اعمال اس کے پاس باقی رہتے ہیں(1)۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ابن آدم بوڑھا ہو جاتا ہے مگر دو چیزیں اس کے ساتھ باقی رہتی ہیں۔ ایک حرص اور دوسری آرزو(2)۔ حضرت احنف بن قیس رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کے ہاتھ میں ایک درہم دیکھا۔ پوچھا یہ کس کا ہے؟ اس نے کہا یہ میرا ہے۔ فرمایا: یہ تیرا اس وقت ہوگا جب تو اسے کسی نیکی کے کام میں خرچ کرے گا یا خدا کا شکریہ ادا کرنے کے لئے صدقہ کرے گا۔ پھر آپ نے شاعر کا یہ شعر اسے پڑھ کر سنایا:

انت للمال اذا امسکته　　فاذا انفقته فالمال لك

''جب تو مال کو اپنے پاس روکے گا تو تو مال کا ہوگا اور جب تو اس کو خرچ کردے گا تو مال تیرا ہو جائے گا''۔

حضرت ابن بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ سورت انصار کے دو قبیلے بنو حارثہ اور بنو حارث کے بارے میں نازل ہوئی۔ وہ ایک دوسرے پر فخر کا اظہار کرتے تھے۔ ایک کہتا کیا تم میں فلاں شخص کی مثل بہادر اور سخی ہے؟ دوسرا قبیلہ بھی ان کو جواب دیتا۔ پہلے وہ اپنے زندہ افراد پر فخر کرتے رہے۔ پھر کہنے لگے چلو قبرستان چلتے ہیں۔ وہاں جا کر ایک قبیلہ والے ایک قبر کی طرف اشارہ کر کے کہتے کیا تم میں کوئی ایسا شخص تھا۔ جواب میں دوسرے نے بھی یہی کہا تو اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی۔ تمہیں تو چاہئے تھا کہ تم اہل قبور کو دیکھ کر عبرت حاصل کرتے تم اس کے برعکس فخر ومباہات میں مشغول ہو گئے لیکن صحیح قول یہی ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ تمہیں زیادہ سے زیادہ مال کی ہوس نے اللہ کی اطاعت سے غافل کر دیا یہاں تک کہ تم قبروں میں پہنچ گئے اور تمہیں ان میں دفن کر دیا گیا(3)۔ جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث ہے نبی کریم ﷺ ایک اعرابی کی عیادت کے لئے گئے تو آپ ﷺ نے حسب عادت فرمایا کوئی بات نہیں۔ انشاء اللہ یہ تمہارے گناہ کی پاکیزگی کا باعث ہوگا۔ اس نے کہا آپ اسے پاکیزگی کا باعث بتا رہے ہیں۔ یہ تو بخار ہے جو ایک بوڑھے آدمی کے اوپر جوش مار رہا ہے جو اس کو قبر میں پہنچا کر چھوڑے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ٹھیک ہے ایسا ہی سہی(4)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم عذاب قبر کے بارے میں شک وشبہ میں مبتلا تھے کہ یہ سورت نازل ہوئی(5)۔ میمون بن مہران رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا تھا۔ آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور تھوڑی دیر بعد فرمانے لگے: اے میمون! زیارت کا معنی تو دیکھنا ہوتا ہے اور دیکھنے والا ضرور اپنے گھر کو واپس لوٹتا ہے(6) یعنی قبر والا اپنے گھر کو لوٹے گا خواہ وہ گھر جنت ہو یا دوزخ۔ اسی طرح ایک بدو نے ایک شخص کو یہ آیت کریمہ تلاوت کرتے ہوئے سنا تو کہنے لگا مجھے رب کعبہ کی قسم: مردوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا کیونکہ زائر ایک جگہ کی زیارت کرکے وہاں سے کوچ کر جاتا ہے۔

پھر فرمایا: ہاں ہاں تم جلد جان لوگے۔ پھر ہاں ہاں تمہیں (اپنی کوششوں کا انجام) جلد معلوم ہو جائے گا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پہلی وعید کے بعد دوسری وعید ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں پہلے سے مراد کافر ہیں اور دوسرے سے مراد اہل

1۔ فتح الباری، کتاب الرقاق، جلد 11، صفحہ 362، مسلم، کتاب الزہد، جلد 4، صفحہ 2273، عارضۃ الاحوذی، ابواب الزہد، جلد 9، صفحہ 224-223، نسائی، کتاب الجنائز، جلد 4، صفحہ 53

2۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 115، فتح الباری، کتاب الرقاق، جلد 11، صفحہ 239، مسلم، کتاب الزکاۃ، جلد 2، صفحہ 724

3۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 283

4۔ بخاری، کتاب المناقب، جلد 6، صفحہ 624

5۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۃ التکاثر، جلد 12، صفحہ 256-255

6۔ درمنثور، جلد 8، صفحہ 611

ایمان۔فرمایا: ہاں ہاں اگر تم (اس انجام کو) یقینی طور پر جانتے (تو ایسا ہرگز نہ کرتے) یعنی اگر تم اسے یقینی طور پر جان لیتے تو تمہیں مال و دولت کی ہوس آخرت سے غافل نہ کرتی اور اسی حالت میں قبروں میں نہ پہنچ جاتے۔فرمایا تم دیکھ کر رہو گے دوزخ کو، پھر آخرت میں دوزخ کو یقین کی آنکھ سے دیکھ لو گے۔اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد کَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ میں جو وعید فرمائی تھی، یہ اسی کی تفسیر ہے اور یہاں اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس حالت کی وعید فرمائی ہے، جب وہ اپنی آنکھوں سے جہنم کا مشاہدہ کرے گا۔آتش جہنم جب ایک آہ بھرے گی، تمام مقرب فرشتے اور انبیاء و مرسلین اس کی ہولناکی اور ہیبت کی وجہ سے گھٹنوں کے بل گر جائیں گے۔جیسا کہ بعض روایات میں اس کا تفصیلی ذکر ہے۔

فرمایا: پھر ضرور پوچھا جائے گا اس دن جملہ نعمتوں کے بارے میں۔یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہیں صحت امن وامان اور رزق وغیرہ کی جو نعمتیں عطا فرمائی تھیں قیامت کے دن ان کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ تم نے ان کا کس قدر شکر ادا کیا۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ایک دن دوپہر کے وقت رسول اللہ ﷺ کاشانہ انور سے باہر تشریف لائے۔مسجد نبوی میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کو موجود پایا۔آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: ابوبکر رضی اللہ عنہ! گھر سے باہر کیوں آئے ہو؟ عرض کی: جیسے آپ باہر آئے ہیں۔اسی اثناء میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں آ گئے۔ان سے بھی یہی سوال کیا گیا۔انہوں نے جواباً عرض کی کہ میں بھی اسی وجہ سے گھر سے نکلا ہوں جس وجہ سے آپ دونوں گھر سے نکلے ہیں۔تینوں وہیں بیٹھ گئے اور آپ اپنے دونوں ساتھیوں سے گفتگو فرمانے لگے۔تھوڑی دیر بعد آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم میں قوت ہے کہ چل کر اس باغ تک جا سکو۔وہاں تمہیں کھانے پینے کے لئے بھی ملے گا اور سایہ بھی۔انہوں نے عرض کی: ہاں۔آپ انہیں لیکر ابوہیثم انصاری کے گھر تشریف لے آئے۔نبی کریم ﷺ نے آگے بڑھ کر اہل خانہ کو سلام کیا اور تین دفعہ گھر میں داخل ہونے کی اجازت طلب کی۔ام ہیثم دروازے کے پیچھے کھڑی سن رہی تھیں اور آہستہ سے جواب دیتی رہیں۔وہ چاہتی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ ان کے لئے زیادہ سے زیادہ سلامتی کی دعا فرمائیں۔جب آپ ﷺ واپس چل دیئے تو وہ آپ کے پیچھے دوڑیں اور عرض کی میں نے آپ ﷺ کے سلام کو سن لیا تھا۔لیکن میں چاہتی تھی آپ ﷺ میرے لئے اس سے زیادہ سلامتی کی دعا فرمائیں۔آپ ﷺ نے فرمایا: ٹھیک ہے۔ابوہیثم نظر نہیں آ رہے۔کہاں ہیں؟ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! وہ قریب ہی ٹھنڈا پانی لینے گئے ہوئے ہیں۔آپ باغ میں تشریف رکھیے۔وہ جلد ہی آ جاتے ہیں۔پھر اس نے ایک درخت کے نیچے چٹائی بچھا دی۔اسی اثناء میں ابوہیثم بھی آ گئے اور اپنے معزز مہمانوں کو دیکھ کر اتنے خوش ہوئے کہ ان کی خوشی کی انتہاء نہ رہی۔جلدی سے ایک کھجور پر چڑھے اور خوشے کاٹ کر آپ کی خدمت میں پیش کئے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابوہیثم! بس کرو اتنے ہی کافی ہیں۔اس نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میں چاہتا ہوں آپ اپنی من پسند کچی پکی جیسی بھی چاہیں کھجوریں تناول فرمائیں۔اس کے بعد اس نے پانی پیش کیا۔سب نے پانی نوش فرمایا۔تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہی وہ نعمت ہے جس کے بارے میں تم سے سوال کیا جائے گا۔اسے ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے اور ان کی یہ سند غریب ہے(1)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیٹھے تھے کہ نبی کریم ﷺ تشریف لائے۔آپ ﷺ نے پوچھا یہاں کیسے بیٹھے ہو؟ انہوں نے عرض کی: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث

1۔دلائل النبوۃ، جلد 1، صفحہ 362 مجمع الزوائد، جلد 10، صفحہ 317 درمنثور، جلد 8، صفحہ 617-616

کیا! ہمیں بھوک نے گھر سے نکلنے پر مجبور کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس نے حق کے ساتھ مجھے مبعوث فرمایا ہے! میں بھی اسی وجہ سے آیا ہوں۔ آپ ﷺ نے انہیں فرمایا: میرے ساتھ چلو۔ آپ ﷺ ایک انصاری کے گھر پہنچے، اس انصاری کی اہلیہ نے آپ کا استقبال کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارا خاوند کہاں ہے؟ اس نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! وہ ہمارے لئے ٹھنڈا پانی لینے گئے ہیں۔ وہ جلد ہی پانی کا مشکیزہ اٹھائے ہوئے آگئے۔ آپ ﷺ کو خوش آمدید کہا اور کہنے لگے آج مجھ سے زیادہ کوئی خوش نصیب نہیں کہ نبی کریم ﷺ تشریف لائے۔ انہوں نے جلدی سے کھجور کے درخت کے ساتھ مشکیزہ لٹکایا اور کھجور کا ایک پورا خوشہ لے آئے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم تو پورا خوشہ لے آئے ہو اس میں سے کچھ کھجوریں چن کر لے آتے۔ اس نے عرض کی: میری خواہش تھی کہ آپ ﷺ اپنی مرضی سے کھجوریں چن لیں۔ پھر انہوں نے چھری لی اور اس سے جانور ذبح کر کے گوشت پکانے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بھئی دودھ والے جانور کو ذبح نہ کرنا۔ اس نے ایک بکری ذبح کی۔ سب نے مل کر اس کا گوشت کھایا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن تم سے انہی نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ بھوک نے تمہیں گھر سے نکلنے پر مجبور کیا۔ آج تم ان چیزوں سے لطف اندوز ہو کر واپس جا رہے ہو ان تمام چیزوں کا شمار نعمتوں میں ہوتا ہے۔ یہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے۔ مسلم اور اصحاب سنن نے بھی اسے مختلف اسناد سے روایت کیا ہے(1)۔

خادم رسول حضرت ابوعسیب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک رات رسول اللہ ﷺ اپنے گھر سے باہر تشریف لائے۔ انہوں نے مجھے بلایا۔ میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ مجھے لے کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے انہیں بھی اپنے ساتھ لیا اور اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی ساتھ لیا۔ آپ ﷺ ہم سب کو ساتھ لے کر چلے اور ایک انصاری کے باغ میں پہنچے اور انصاری سے کہا کہ ہمیں کچھ کھلاؤ۔ وہ کھجوروں کا پورا خوشہ لے آیا۔ آپ ﷺ نے اور آپ کے ساتھیوں نے کھجوریں کھائیں پھر آپ ﷺ نے ٹھنڈا پانی نوش فرمایا۔ پھر فرمایا قیامت کے دن اس کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ خوشہ زمین پر مارا جس سے وہ کھجوریں زمین پر بکھر گئیں اور آپ ﷺ سے پوچھا کیا قیامت کے دن ان کے بارے میں بھی مجھ سے پوچھا جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: صرف تین چیزوں کے بارے میں سوال نہیں ہوگا۔ ایک کپڑے کا وہ ٹکڑا جس سے وہ اپنا ستر ڈھانپے۔ دوسرا روٹی کا وہ ٹکڑا جس سے انسان اپنی بھوک مٹائے اور تیسرا وہ مکان جو اسے گرمی اور سردی سے بچائے۔ اسے صرف امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے ہی روایت کیا ہے(2)۔

حضرت محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو صحابہ کرام نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! ہم سے کس نعمت کے بارے میں سوال کیا جائے گا؟ ہمارے پاس تو صرف کھانے کے لئے کھجوریں اور پینے کے لئے پانی ہے۔ تلواریں ہمارے سروں پر لٹک رہی ہیں۔ دشمن سر پر کھڑا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: عنقریب تمہیں بہت سی نعمتیں عطا کی جائیں گی۔ گھبراؤ نہیں(3)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم بیٹھے ہوئے تھے کہ نبی کریم ﷺ تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ کے سر مبارک پر پانی کے کچھ آثار تھے۔ ہم

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 287، مسلم، کتاب الاشربۃ، جلد 3، صفحہ 1609-1601 مسند ابو یعلی، جلد 1، صفحہ 71-70 سنن ابن ماجہ، کتاب الذبائح، جلد 2، صفحہ 1062 سنن ابوداؤد، کتاب الادب، جلد 4، صفحہ 333 تحفۃ الاشراف، جلد 10، صفحہ 467 عاضۃ الاحوذی، ابواب الادب، جلد 10، صفحہ 261، ابواب الزہد، جلد 9، صفحہ 220-218 نسائی: سنن کبری، کتاب الولیمۃ والتفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 1، صفحہ 468-467 سنن ابن ماجہ، کتاب الادب، جلد 2، صفحہ 1233

2۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 81 3۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 429

نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! آج آپ بڑے خوش وخرم نظر آ رہے ہیں۔ پھر ہم لوگ خوشحالی کے بارے میں باتیں کرنے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جس کے دل میں اللہ کا خوف ہو اس کے لئے خوشحالی کوئی بری چیز نہیں اور یہ بات یاد رکھو کہ متقی شخص کے لئے صحت خوشحالی سے بھی زیادہ اچھی ہے۔ خوش وخرم رہنا بھی اللہ کی نعمت ہے(1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن سب سے پہلے بندہ سے نعمتوں کا سوال ہوگا۔ اسے کہا جائے گا کیا ہم نے تمہیں صحت عطا نہیں فرمائی تھی؟ ہم نے تمہیں ٹھنڈے پانی سے سیراب نہیں کیا تھا(2)۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو صحابہ کرام نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! ہم سے کس نعمت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ کیا پانی اور کھجوروں کے بارے میں۔ فرمایا: تمہارے پاس اللہ کی بہت سی نعمتیں آئیں گی(3)۔ ایک روایت میں ہے کہ صحابہ نے عرض کی ہمارے پاس کونسی نعمت ہے۔ ہمیں تو جو کی روٹی بھی پیٹ بھر نہیں ملتی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی فرمائی کہ کیا تم اپنے پاؤں بچانے کے لئے جوتیاں نہیں پہنتے۔ ان سے کہو۔ کیا تم پیاس بجھانے کے لئے ٹھنڈا پانی نہیں پیتے۔ کیا یہ نعمت نہیں ہے۔ ایک روایت یہ ہے کہ امن وامان اور صحت کے بارے میں سوال ہوگا۔ زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ رسول خدا ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ پیٹ بھر کھانے، ٹھنڈے پانی، سایہ دار گھر، متناسب خدوخال اور میٹھی نیند کے بارے میں بھی سوال ہوگا۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دو پہر اور شام کے کھانے کے بارے میں بھی پوچھا جائے گا۔ ابو قلابہ فرماتے ہیں گھی اور شہد کے ساتھ میدے کی روٹی کھانے والے سے بھی سوال ہوگا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ صحت، کانوں اور آنکھوں کے بارے میں بھی سوال ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے پوچھے گا کہ انہوں نے ان اعضاء کو کن امور میں استعمال کیا حالانکہ اللہ بہتر جانتا ہے: اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓىِٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا (اسراء:36) ''بے شک کان اور آنکھ اور دل ان سب کے متعلق (تم سے) پوچھا جائے گا''۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دو نعمتیں ایسی ہیں جن میں اکثر لوگ دھوکہ کھا جاتے ہیں۔ ایک صحت، دوسری فراغت(4)۔ مقصد یہ ہے کہ وہ ان نعمتوں کا شکر ادا کرنے میں کوتاہی کرتے ہیں۔ کما حقہ ان کا شکر یہ ادا نہیں کیا جا سکتا۔ اور جو شخص اپنے فرض میں غفلت کرتا ہے وہ دھوکہ میں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایک چادر، دیوار کے سائے اور روٹی کے علاوہ قیامت کے دن بندے سے ہر قسم کا سوال کیا جائے گا(5)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ پوچھے گا اے ابن آدم! میں نے تمہیں سواری کے لئے اونٹ اور گھوڑے دیئے، عورتیں تیرے نکاح میں دیں، تجھے آرام کی زندگی دی۔ ان چیزوں کا شکر کہاں ہے(6)۔

1۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 382-380-372 سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات، جلد 2، صفحہ 724

2۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۃ التکاثر، جلد 12، صفحہ 257 صحیح ابن حبان، جلد 9، صفحہ 228

3۔ عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۃ التکاثر، جلد 12، صفحہ 256، ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2، صفحہ 1392

4۔ فتح الباری، کتاب الرقاق، جلد 11، صفحہ 229 سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 1396 عارضۃ الاحوذی، ابواب الزہد، جلد 182-181، سنن کبریٰ، کتاب الرقاق بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 4، صفحہ 465

5۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، کتاب الزہد، جلد 4، صفحہ 247 مجمع الزوائد، جلد 10، صفحہ 267

6۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 492

سورۃ العصر (مکیہ)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ مسلمان ہونے سے پہلے مسیلمہ کذاب سے ملے۔ اس نے پوچھا اس مدت میں تمہارے نبی پر کوئی وحی نازل ہوئی ہے۔ انہوں نے کہا: ان پر ایک نہایت ہی فصیح و بلیغ مختصر سی سورت نازل ہوئی ہے۔ اس نے پوچھا یہ کونسی ہے؟ انہوں نے سورۂ عصر کی تلاوت فرمائی۔ وہ تھوڑی دیر سوچتا رہا۔ پھر کہنے لگا مجھ پر بھی ابھی ابھی ایک سورت نازل ہوئی ہے۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا وہ کونسی سورت ہے؟ اس نے کہا: "یاوبر یا وبر انما انت اذنان والصدر وسرك حفر نقر" پھر کہنے لگا۔ اے عمرو! تمہاری اس کے بارے میں کیا رائے ہے؟ انہوں نے فرمایا: قسم بخدا تمہیں یقیناً معلوم ہے کہ میں تمہیں جھوٹا سمجھتا ہوں (1)۔ وبر ایک چھوٹا سا جانور ہے جو بلی سے تھوڑا سا بڑا ہوتا ہے۔ اس کے دونوں کان اور سینہ تھوڑا سا بڑا ہوتا ہے اور اس کا باقی حصہ بڑا بدصورت ہوتا ہے۔ مسیلمہ کذاب نے اس قسم کی فضول گوئی اور بکواس کے ساتھ قرآن کریم کا مقابلہ کرنا چاہا۔ لیکن اس زمانہ کے ایک بت پرست نے بھی اس سے کوئی اثر نہ لیا۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث ہے کہ دو صحابیوں کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ جب بھی آپس میں ملتے تو ان میں سے ایک اس سورت کی تلاوت کرتا اور دوسرا اسے غور سے سنتا۔ پھر سلام کر کے رخصت ہو جاتے (2)۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر لوگ اس سورت کو ہی غور و فکر سے پڑھیں تو یہی ان کے لئے کافی ہو جائے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

وَ الْعَصْرِ ۙ﴿۱﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۙ﴿۲﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ۬ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴿۳﴾

"قسم ہے زمانہ کی۔ یقیناً ہر انسان خسارہ میں ہے۔ بجز ان (خوش نصیبوں) کے جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے نیز ایک دوسرے کو حق کی تلقین کرتے رہے۔ اور ایک دوسرے کو صبر کی تاکید کرتے رہے"۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے قسم ہے زمانہ کی۔ یقیناً ہر انسان خسارہ میں ہے۔ عصر سے مراد زمانہ ہے جس میں انسان نیکی و بدی کے کام کرتا ہے۔ اچھے برے افعال سرانجام دیتا ہے۔ حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس سے مراد نماز عصر ہے۔ لیکن پہلا قول مشہور ہے (3)۔ زمانہ کی قسم اٹھانے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یقیناً ہر انسان خسارے اور گھاٹے میں ہے فرمایا بجز ان خوش نصیبوں کے جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے۔ خسارہ اور گھاٹا کھانے والے لوگوں میں سے اللہ تعالیٰ نے ان کو مستثنیٰ کر دیا جو اپنے دل سے اس پر ایمان لائے اور اپنے ظاہری اعضاء سے نیک عمل کرتے رہے۔ فرمایا: نیز ایک دوسرے کو حق کی تلقین کرتے رہے۔ ایک دوسرے کو فرائض کی ادائیگی اور محرمات سے اجتناب کی تاکید کرتے رہے۔ فرمایا: ایک دوسرے کو صبر کی تاکید کرتے رہے۔ مصائب و آلام اور دعوت حق کے نتیجہ میں ملنے والی اذیت پر صبر کی تلقین کرتے رہے۔

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ یونس آیت: 17 2۔ درمنثور، جلد 8، صفحہ 621 3۔ تفسیر قرطبی، جلد 20، صفحہ 179

سورۃ الھمزۃ (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۙ﴿۱﴾ الَّذِىْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۙ﴿۲﴾ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ ۚ﴿۳﴾ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِى الْحُطَمَةِ ۖ﴿۴﴾ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ؕ﴿۵﴾ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۙ﴿۶﴾ الَّتِىْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ؕ﴿۷﴾ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۙ﴿۸﴾ فِىْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ﴿۹﴾

''ہلاکت ہے ہر اس شخص کے لئے جو (روبرو) طعنے دیتا ہے (پیٹھ پیچھے) عیب جوئی کرتا ہے۔ جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھتا ہے۔ وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس کے مال نے اسے لافانی بنا دیا ہے۔ ہرگز نہیں وہ یقیناً حطمہ میں پھینک دیا جائے گا۔ اور تم کیا جانو کہ حطمہ کیا ہے۔ وہ اللہ کی آگ ہے خوب بھڑکائی ہوئی۔ جو دلوں تک جا پہنچے گی۔ بے شک وہ (آگ) ان پر بند کر دی جائے گی۔ (اس کے شعلے) لمبے لمبے ستونوں (کی صورت) میں (ہوں گے)''۔

ارشاد ہے: ہلاکت ہے ہر اس شخص کے لئے جو (روبرو) طعنے دیتا ہے، (پیٹھ پیچھے) عیب جوئی کرتا ہے۔ ہلاکت ہے اس شخص کے لئے جو اپنی زبان سے لوگوں پر عیب لگاتا ہے اور اپنے خیال میں انہیں حقیر سمجھتا ہے اس کی تفسیر اللہ کے ارشاد ''همّاز مشاء بنميم'' کے تحت گزر چکی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ هُمَزَةٍ طعن و تشنیع کرنے والے کو کہتے ہیں اور لُمَزَةٍ عیب جوئی کرنے والے کو کہتے ہیں۔ حضرت ربیع بن انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: سامنے عیب لگانے والے هُمَزَةٍ اور پشت پیچھے عیب لگانے والے لمزہ ہیں۔ قتادہ فرماتے ہیں زبان سے عیب لگانے والا ھمزہ اور آنکھوں کے اشارہ سے عیب لگانے والا لمزہ ہے۔ یعنی لوگوں کی غیبت کرتے ہیں اور ان پر طعنہ زنی کرتے ہیں(1)۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ہاتھ اور آنکھ کے اشارے سے عیب لگانے والا ھمزہ اور زبان سے عیب لگانے والا لمزہ ہے۔ زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں لوگوں کی غیبت کرنے والا ھمزہ ہے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں اس سے مراد اخنس بن شریق ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کا حکم عام ہے۔

فرمایا: جس نے مال جمع کیا اور گن گن کر رکھتا ہے۔ جس نے ڈھیروں مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھا۔ جس طرح کہ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: جمع فاوعی محمد بن کعب قرظی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں دن کے وقت اس کے مال نے اسے مختلف امور میں مشغول رکھا اور جب رات ہوئی تو تھکا ماندہ مردار کی طرح سو گیا۔

فرمایا: وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس کے مال نے اسے لافانی بنا دیا ہے۔ وہ خیال کرتا ہے کہ اس کا مال اسے دنیا میں ہمیشہ کے لئے باقی رکھے گا لیکن یہ اس کی خام خیالی ہے۔ فرمایا ہرگز نہیں وہ یقیناً ''حطمه'' میں پھینک دیا جائے گا۔ مال جمع کرنے والے اور اسے شمار کرنے

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 292

والے کو "حطمہ" میں پھینک دیا جائے گا۔ یہ جہنم کا ایک طبقہ ہے۔ اسے "حطمہ" اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں جو کچھ پھینکا جائے گا اسے وہ چور چور کر دے گی۔

فرمایا: اور تم کیا جانو کہ "حطمہ" کیا ہے؟ وہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے جو دلوں تک پہنچ جائے گی۔ ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ آگ ان کے دلوں تک کو جلا دے گی حالانکہ وہ زندہ ہوں گے پھر فرماتے ہیں کہ یہ عذاب یہاں تک پہنچ جائے گا پھر رونے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ محمد بن کعب قرظی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ آگ ان کے جسم کو کھاتی ہوئی جب دل کے قریب پہنچے گی تو پھر واپس جسم سے لوٹ آئے گی(1)۔

فرمایا: بے شک وہ آگ ان پر بند کر دی جائے گی۔ اس کے (شعلے) لمبے لمبے ستونوں (کی صورت) میں ہوں گے۔ سورۂ بلد میں اس کی تفسیر گزر چکی ہے۔ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ آگ کو ان پر بند کر دیا جائے گا۔ عطیہ عوفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ لوہے کے صندوقوں میں بند ہو گی۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آگ کے ستون ہوں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جہنم کے دروازے ان پر بند ہوں گے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں "بعمد" مروی ہے(2)۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ان کے گلوں میں زنجیریں ڈال کر لمبے لمبے ستونوں میں داخل کر دیا جائے گا اور ان ستونوں کے ساتھ جہنم کے دروازوں کو بند کر دیا جائے گا۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان کو نار جہنم کے ستونوں کے ساتھ عذاب دیا جائے گا۔ ابو صالح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ سے مراد وزنی بیڑیاں ہیں۔

1۔ درمنثور، جلد 8، صفحہ 625 2۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 295 تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 524

سورۃ الفیل (مکیہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

اَلَمۡ تَرَ کَیۡفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصۡحٰبِ الۡفِیۡلِ ① اَلَمۡ یَجۡعَلۡ کَیۡدَہُمۡ فِیۡ تَضۡلِیۡلٍ ② وَّ اَرۡسَلَ عَلَیۡہِمۡ طَیۡرًا اَبَابِیۡلَ ③ تَرۡمِیۡہِمۡ بِحِجَارَۃٍ مِّنۡ سِجِّیۡلٍ ④ فَجَعَلَہُمۡ کَعَصۡفٍ مَّاۡکُوۡلٍ ⑤

’’کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیسا سلوک کیا۔ کیا اللہ تعالیٰ نے ان کے مکرو فریب کو ناکام نہیں بنا دیا۔ اور (وہ یوں کہ) بھیج دیئے ان پر ہر سمت سے پرندے ڈاروں کے ڈار۔ جو برساتے تھے ان پر کنکر کی پتھریاں۔ پس بنا ڈالا ان کو جیسے کھایا ہوا بھوسہ‘‘۔

اللہ تعالیٰ نے قریش مکہ کو بہت سی نعمتیں عطا فرمائیں۔ یہاں اس نے اپنی خاص نعمت کا ذکر کیا ہے کہ جب ہاتھی والوں نے کعبہ شریف کو گرانے اور اس کے وجود کو مٹانے کا عزم کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو تباہ و برباد کر دیا اور انہیں خائب و خاسر اور ناکام واپس لوٹایا۔ کعبہ پر حملہ کرنے والے مذہب کے لحاظ سے نصرانی تھے لیکن دین مسیح کو مسخ کرنے کی وجہ سے ان کی حالت بت پرستوں سے کم نہ تھی۔ اس لشکر کو اس طرح تباہ و برباد کرنا آنحضرت ﷺ کی بعثت کا پیش خیمہ تھا۔ مشہور قول کے مطابق آپ ﷺ کی ولادت باسعادت اسی سال ہوئی۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے اے گروہ قریش! میں نے جو تمہیں اہل حبشہ پر فتح عطا فرمائی ہے یہ تمہاری کوئی ذاتی خوبی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ ہم نے اپنے اس گھر کو بچایا ہے جس کی عظمت و شرف کو نبی خاتم النبیین کی بعثت سے چار چاند لگانے والے ہیں۔

اصحاب فیل کا مختصر قصہ تو یہی ہے اور اس کا تفصیلی تذکرہ اصحاب الاخدود کے قصہ میں گزر چکا ہے(1) کہ قبیلہ حمیر کا آخری بادشاہ ذونواس مشرک تھا۔ اسی نے قریباً بیس ہزار اصحاب اخدود جو کہ نصرانی تھے کو قتل کیا۔ ان میں صرف ایک شخص دوس ذوثعلبان بچا۔ وہ وہاں سے اپنی جان بچا کر قیصر روم کے پاس پہنچا اور اس سے مدد کی درخواست کی۔ قیصر روم بھی نصرانی تھا۔ اس نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کی طرف خط لکھا کہ اس کی مدد کی جائے۔ نجاشی نے اس کے ساتھ ایک لشکر جرار بھیجا۔ جس کے دو سپہ سالار تھے۔ ایک ارباط اور دوسرا ابرہہ بن صباح جس کی کنیت ابو یکسوم تھی۔ یہ لشکر یمن میں داخل ہوا اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور بنو حمیر سے مملکت کو چھین لیا۔ ذونواس بڑی مشکل سے جان بچا کر بھاگا لیکن سمندر میں ڈوب کر مر گیا۔ اس طرح یمن پر نجاشی کی حکومت قائم ہو گئی۔ دونوں امیر لشکر امور مملکت چلانے لگے۔ کچھ عرصہ بعد ان میں اختلاف ہو گیا۔ نوبت جنگ و جدال تک پہنچ گئی۔ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: فوجوں کو لڑانے کی کیا ضرورت ہے۔ ہم دونوں میدان میں نکلتے ہیں۔ جو غالب آئے گا وہ حاکم بن جائے گا۔ دوسرے نے بات تسلیم کر لی۔ وہ

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بروج کا آخر

دونوں میدان میں نکلے۔ ارباط نے ابرہہ پر حملہ کیا اور تلوار کا وار کر کے اس کی ناک اور منہ کو چیر دیا اور چہرے پر زخم لگا دیا۔ اسی دوران ابرہہ کے ایک غلام عتودہ نے ارباط پر بھر پور حملہ کر کے اسے قتل کر دیا۔ ابرہہ زخمی حالت میں میدان جنگ سے واپس آیا۔ علاج کے بعد اس کے زخم ٹھیک ہو گئے اور وہ یمن کا مستقل بادشاہ بن گیا۔ جب نجاشی کو اس واقعہ کا علم ہوا تو وہ سخت طیش میں آ گیا۔ اس نے ابرہہ کو ایک خط لکھا اور اس میں اسے لعنت وملامت کی اور لکھا کہ قسم بخدا میں تیرے ملک کو پامال کر دوں گا اور تمہاری پیشانی کے بال کاٹوں گا۔ ابرہہ نے بڑی نرمی سے اس خط کا جواب دیا اور قاصد کے ساتھ بہت سے قیمتی تحائف بھیجے اور ایک تھیلے میں یمن کی مٹی اور اپنی پیشانی کے بال بھیجے اور ساتھ ہی یہ لکھا: بادشاہ سلامت! یمن کی یہ مٹی حاضر ہے اور میری پیشانی کے بال بھی۔ آپ اپنی قسم پوری کر لیجئے اور میری خطا معاف فرما دیجئے۔ نجاشی کے پاس جب قاصد پہنچے تو وہ ابرہہ کی ذہانت پر بڑا خوش ہوا اور اس نے اسے معاف کر دیا۔ اس کے بعد ابرہہ نے نجاشی کو ایک خط لکھا کہ میں یمن میں آپ کے لئے ایک ایسا کنیسہ تعمیر کر رہا ہوں جس جیسا کہیں تعمیر نہ ہوا ہو۔ پھر اس نے مقام صنعاء میں ایک انتہائی عظیم الشان اور بلند وبالا کنیسہ تعمیر کروایا۔ جس کو خوبصورت نقش ونگار سے مزین کیا۔ عرب اسے اس کی بلندی کی وجہ سے کلیس کہتے ہیں۔ یہ کنیسا اس قدر بلند تھا کہ اس کی چوٹی کو دیکھنے والے کی ٹوپی گر پڑتی تھی۔ اس کے بعد ابرہہ نے یہ عزم مصمم کیا کہ وہ عرب کے حجاج کو اس کی طرف متوجہ کرے گا اور لوگ اس کا اسی طرح حج کریں گے جس طرح مکہ میں کعبہ کا کرتے ہیں۔ اس نے اپنے پورے ملک میں اس کا اعلان کر دیا۔ عرب کے تمام عدنانی اور قحطانی قبائل نے اس پر سخت ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ قریش کو جب اس کی خبر ملی تو وہ بھی سخت ناراض ہوئے۔ چند دنوں بعد ایک شخص رات کے وقت اس کنیسہ میں داخل ہوا اور اس میں پاخانہ کر دیا۔ کنیسہ کے محافظوں نے اس کی خبر اپنے بادشاہ ابرہہ کو دی کہ غصہ میں آ کر کسی قریشی نے یہ حرکت کی ہے کہ آپ نے ان کے کعبہ کے مقابلہ میں کنیسہ بنایا ہے۔ ابرہہ نے غصہ میں آ کر یہ قسم اٹھائی کہ وہ مکہ جا کر بیت اللہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گا۔

مقاتل بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کچھ قریشی نوجوان رات کے وقت اس کنیسہ میں داخل ہوئے اور اسے آگ لگا دی۔ اس رات سخت ہوا چل رہی تھی۔ جس کی وجہ سے آگ پھیل گئی اور کنیسہ مکمل طور پر جل کر تباہ ہو گیا۔ ابرہہ نے اپنے لشکر کو تیاری کا حکم دیا اور ایک لشکر جرار لے کر مکہ کا قصد کیا تا کہ راستہ میں اسے کوئی روک نہ سکے۔ اس لشکر کے ساتھ محمود نامی ایک بہت بڑا ہاتھی تھا جو کہ نجاشی نے اس مقصد کے لئے بھیجا تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ اس کے ساتھ آٹھ یا بارہ ہاتھی اور بھی تھے۔ اس کا خیال تھا بیت اللہ کے چاروں طرف زنجیریں ڈال کر ان زنجیروں کو ہاتھیوں سے باندھ دے گا پھر ہاتھیوں کو ہانکا جائے گا تو ایک ہی جھٹکے سے بیت اللہ کی دیواریں پیوند خاک ہو جائیں گی۔ جب عربوں نے اس لشکر کے بارے میں سنا تو وہ بھی کعبہ کے لئے نکل کھڑے ہوئے کیونکہ کعبہ کی حفاظت وہ اپنا فرض سمجھتے تھے اور یہ ان کا حق تھا۔ ذونفر نامی ایک شخص جو کہ یمن کے بادشاہوں اور سرداروں کی اولاد میں سے تھا، اس نے اپنی قوم اور عرب کے بعض قبائل کو ابرہہ کے خلاف لڑائی کرنے کی دعوت دی۔ انہوں نے اس کی دعوت پر لبیک کہا اور خوب جانفروشی سے ابرہہ کے لشکر کا مقابلہ کیا۔ لیکن ابرہہ کے لشکر نے انہیں شکست دے دی کیونکہ اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ وہ اپنے گھر کی عظمت وجلالت کا اظہار کرنا چاہتا تھا۔ ابرہہ نے ذونفر کو قید کر لیا اور اسے اپنے ساتھ لے کر آگے بڑھا۔ جب یہ لشکر قبیلہ خثعم کی سرزمین پر پہنچا تو نفیل بن حبیب نے اپنے لشکر کے ساتھ مقابلہ کیا۔ ابرہہ کے لشکر نے اسے بھی شکست دی اور ابن نفیل کو قید کر لیا۔ ابرہہ نے پہلے تو اسے قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن پھر راستہ کی راہنمائی کے لئے اپنے پاس رکھ لیا۔ جب یہ لشکر طائف کے قریب پہنچا تو بنو ثقیف نے اس کا استقبال کیا اور اس کی بڑی آؤ بھگت کی۔ انہیں ڈر تھا کہ یہ

کہیں ان کے لات نامی بت خانے کو تباہ نہ کردیں اور انہوں نے ابورغال کو ابرہہ کے ساتھ بھیج دیا تا کہ وہ ان کی راہنمائی کریں۔ ابرہہ نے مکہ کے قریب مغمس نامی جگہ پر اپنا پڑاؤ ڈالا۔ اس کے لشکر نے اہل مکہ کے جانوروں پر حملہ کر کے انہیں پکڑ لیا۔ ان میں حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے دوسو اونٹ بھی تھے۔ ان جانوروں پر حملہ اسود بن مقصود نامی شخص نے ابرہہ کے حکم سے کیا تھا جو لشکر کے ہراول دستے کا امیر تھا۔ عرب شاعروں نے اس کی ہجو میں شعر لکھے ہیں جنہیں ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب سیرت نبویہ میں نقل کیا ہے(1)۔

ابرہہ نے حناطہ حمیر کو مکہ بھیجا اور اسے حکم دیا کہ قریش کے سردار کو میرے پاس بلا کر لاؤ اور انہیں بتاؤ ابرہہ تمہارے ساتھ لڑائی کرنے نہیں آیا۔ میں صرف بیت اللہ کو گرانا چاہتا ہوں۔ اگر اس کی راہ میں کوئی رکاوٹ بنا تو اس سے نبٹ لیا جائے گا۔ حناطہ مکہ میں آیا۔ لوگوں نے بتایا قریش کے سردار عبدالمطلب بن ہاشم ہیں۔ وہ آپ سے ملا اور ابرہہ کا پیغام پہنچایا۔ آپ نے فرمایا: ہم اس کے ساتھ جنگ نہیں کرنا چاہتے اور نہ ہی یہ ہمارے بس میں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے خلیل ابراہیم کا حرمت والا گھر ہے۔ اگر وہ چاہے گا تو اپنے گھر کی حفاظت فرمالے گا، ہم میں تو اس کے دفاع کے لئے کوئی طاقت نہیں۔ حناطہ نے کہا میرے ساتھ بادشاہ کے پاس چلئے۔ آپ اس کے ساتھ چلے گئے۔ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ انتہائی حسین وجمیل اور بارعب شخصیت کے مالک تھے جونہی ابرہہ کی آپ پر نظر پڑی تو وہ آپ کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو گیا۔ اپنے تخت سے اترا اور آپ کے ساتھ قالین پر بیٹھ گیا۔ اپنے ترجمان سے کہا کہ انہیں پوچھو کہ ان کی کیا خواہش ہے؟ آپ نے ترجمان سے کہا میری خواہش ہے کہ میرے دوسو اونٹ واپس کر دیں جن پر لشکر نے قبضہ کیا ہوا ہے۔ ابرہہ نے ترجمان سے کہا انہیں کہہ جب میں نے تمہیں دیکھا تھا تو میں تم سے بڑا متاثر ہوا تھا۔ لیکن تمہاری اس گفتگو نے سارا تاثر زائل کر دیا ہے۔ تمہیں اپنے دو سو اونٹوں کی فکر تو ہے لیکن اس گھر کی فکر نہیں ہے جو تمہارا اور تمہارے آباء کا دین ہے۔ میں اسے گرانے کے لئے آیا ہوں لیکن تم نے اس کے بارے میں بات ہی نہیں کی۔ آپ نے فرمایا: میں تو ان اونٹوں کا مالک ہوں اس لئے میں نے انہی کی بات کی ہے۔ اس گھر کا بھی ایک مالک ہے جو اس کی خود حفاظت کرے گا۔ یہ بات سن کر ابرہہ کہنے لگا آج خدا بھی مجھ سے اس گھر کو نہ بچا سکے گا۔ آپ نے فرمایا تم جانو اور وہ جانے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ کے معززین کی ایک جماعت بھی گئی تھی۔ انہوں نے ابرہہ کو پیش کش کی اگر تم اپنے ارادہ سے باز آجاؤ تو ہم تہامہ کا تہائی مال تمہیں دینے کو تیار ہیں لیکن ابرہہ نے ان کی اس پیشکش کو ٹھکرا دیا اور حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے دوسو اونٹ واپس کر دیئے۔ آپ نے مکہ واپس آکر قریش کو حکم دیا۔ شہر کو خالی کر کے پہاڑوں پر چلے جاؤ۔ کہیں ایسا نہ ہو ابرہہ کا لشکر تمہیں نقصان پہنچائے۔ پھر حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے قریش کے چند چیدہ چیدہ لوگوں کو ساتھ لیا اور بیت اللہ شریف کے حلقہ کو پکڑ کر اللہ سے دعا کرنے لگے: اے باری تعالیٰ! ابرہہ اور اس کے لشکر پر ہماری مدد فرما۔ پھر یہ اشعار کہے:

لاهم　أن　المرء　یم　نع　رحله　فامنع　رحالك

لا　یغلبن　صلیبهم　ومحالهم　ابدًا　محالك

''اے اللہ! یقیناً انسان اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہے۔ تو بھی اپنے گھر کی حفاظت فرما۔ ایسا نہ ہو کہ کل کو ان کی صلیب تیرے گھر پر غالب آجائے''۔

اس کے بعد حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ پہاڑوں پر چلے گئے(2)۔ ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ وہ

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 51　　2۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 52-51

جاتے ہوئے قربانی کے سو اونٹ نشان زدہ کر کے بیت اللہ کے ارد گرد چھوڑ گئے۔ اس خیال سے کہ ابرہہ کے لشکر نے اگر اللہ کے نام کے ان قربانی کے جانوروں کو تنگ کیا تو اللہ تعالیٰ ان پر عذاب نازل فرمائے گا۔ دوسرے دن صبح سویرے ابرہہ نے حملہ کرنے کی تیاری کی اور اپنے خاص ہاتھی محمود کو بطور خاص سجایا۔ جب انہوں نے محمود کا منہ مکہ کی طرف کیا تو نفیل بن حبیب آگے بڑھا اور ہاتھی کے کان میں کہنے لگا: اے محمود! بیٹھ جا اور جہاں سے آیا ہے وہیں خیریت سے واپس لوٹ جا۔ اس وقت تم اللہ تعالیٰ کے بڑے حرمت والے گھر کے پاس ہو۔ یہ بات سنتے ہی ہاتھی بیٹھ گیا اور نفیل بن حبیب تیزی کے ساتھ دوڑتے ہوئے پہاڑ کے اوپر چڑھ گیا۔ انہوں نے ہاتھی کو بہت مارا لیکن وہ کھڑا نہ ہونے پر بضد رہا۔ انہوں نے اس کے سر پر تبرزین کی چوٹیں لگائیں لیکن وہ پھر بھی نہ اٹھا پھر انہوں نے اس کے پیٹ کے نیچے ایسے عصا کے چرکے لگائے جس کا سنان ٹیڑھا کیا ہوا تھا۔ وہ لہولہان ہو گیا لیکن پھر بھی اس نے اٹھنے کا نام نہ لیا۔ پھر انہوں نے اس کا رخ یمن کی طرف کیا تو وہ بھاگنے لگا۔ اسی طرح شام اور مشرق کی طرف کیا تو بھاگنے لگا۔ پھر جب مکہ کی طرف منہ کیا تو پھر بیٹھ گیا۔ اسی اثناء میں ابابیل کی ایک ٹکڑی سمندر کی طرف سے اڑتی ہوئی آئی۔ ہر پرندے کے چونچ اور دونوں پنجوں میں ایک ایک کنکری تھی جس کی مقدار چنے اور مسور کے دانوں کے برابر تھی۔ جس کے سر پر وہ گرتی اس کے فولادی خود کو چیرتی ہوئی اس کے جسم سے پار ہو جاتی۔ لشکر میں بھگدڑ مچ گئی۔ وہ جس راستہ پر چل کر آئے تھے اس راستہ کو ڈھونڈنے لگے لیکن انہیں وہ راستہ نہیں مل رہا تھا۔ انہوں نے نفیل بن حبیب کو جوان کا رہنما بن کر ساتھ آیا تھا، تلاش کیا کہ وہ انہیں یمن کا راستہ بتائے مگر اس کا تو وہاں نام و نشان ہی نہ تھا۔ وہ دور پہاڑ کی چوٹی پر قریش کے ساتھ خدا کے عذاب کا ہولناک منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ اس وقت اس نے یہ اشعار کہے:

این المفرُّ والالٰه الطالب والاشرم المغلوب لیس الغالب

''آج بھاگنے کا راستہ کہاں ہے؟ بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارے تعاقب میں ہے اور ہونٹ کٹا ابرہہ مغلوب ہے اب اسے غلبہ نصیب نہیں ہو سکتا''۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے چند اور اشعار بھی نقل کئے ہیں۔ جس میں اپنی محبوبہ ردینہ کو خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے:

''اے ردینہ! ہماری طرف سے تمہیں سلام ہو۔ جب صبح ہوئی تو ہم نے اس وقت تمہاری خوشحالی کی دعائیں کیں اے ردینہ! کاش تم محصب کے پاس وہ منظر دیکھتیں جو ہم نے دیکھا اور اچھا ہوا تم نے نہیں دیکھا پھر تم مجھے معذور سمجھتی اور میرے اس طرز عمل کی تعریف کرتی اور جو چیز ہم سے ضائع ہوئی ہے اس پر افسوس نہ کرتی۔ میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرنے لگا ہوں۔ جب میں نے پرندوں کے اس جھنڈ کو دیکھا اور جب سنگباری ہو رہی تھی تو میں لرزہ براندام تھا۔ اس لشکر کا ہر فرد پوچھ رہا تھا نفیل کہاں ہے؟ گویا کہ میں حبشیوں کا مقروض ہوں اس لئے مجھ پر لازم تھا کہ میں اس آڑے وقت ان کی مدد کرتا''۔

واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے جب لشکر نے حرم مکہ میں داخل ہونے کا ارادہ کیا تو انہوں نے پہلے اپنے بڑے ہاتھی کو تیار کیا۔ جب وہ اس کا منہ حرم شریف کی طرف کرتے تو وہ بیٹھ کر چنگھاڑنے لگتا اور جب اس کا منہ کسی دوسری طرف کرتے تو وہ بھاگ کھڑا ہوتا۔ ابرہہ نے ہاتھی کے سائیس کو خوب جھڑکا اور اسے زدوکوب کیا کہ وہ ہاتھی کو حرم میں داخل ہونے پر مجبور کرے۔ اسی میں کافی وقت گزر گیا۔ ادھر حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ معزز سرداروں کے ساتھ جبل حراء پر بیٹھ کر اس عجیب و غریب منظر کا مشاہدہ فرما رہے تھے۔ ان سرداروں میں مطعم بن عدی، عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم اور مسعود بن عمرو ثقفی شامل تھے۔ اسی دوران اللہ تعالیٰ نے ان پر پیلے رنگ کے پرندوں کا ایک جھنڈ بھیجا جو کبوتر سے چھوٹے تھے ان کی ٹانگیں سرخ تھیں۔ ہر ایک کے ساتھ تین پتھر تھے۔ ان پرندوں نے لشکر کے

ارد گرد حلقہ بنالیا اور ان پتھروں کی بارش کردی جس سے وہ تمام ہلاک ہو گئے (1)۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان کے پاس دو ہاتھی تھے۔ محمود تو وہیں بیٹھ گیا اور دوسرا جرأت کا مظاہرہ کر کے آگے بڑھا جب اس کے سر پر ایک کنکری پڑی تو وہ بھی بھاگ نکلا۔ وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ ان کے پاس بہت سے ہاتھی تھے۔ اسی طرح جب ایک کنکری پڑی تو باقی سب بھاگ نکلے۔ عطاء بن یسار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوا، اکثر تو وہیں ہلاک ہو گئے اور کچھ ادھر ادھر بھاگ نکلے۔ ان کے بھی اعضاء کٹ کٹ کر گرتے جاتے تھے۔ ابرہہ کا بھی یہی حال ہوا اس کا بھی ایک ایک عضو گرنا شروع ہوا۔ یہاں تک کہ جب وہ قبیلہ خثعم میں پہنچا تو وہاں ہلاک ہو گیا۔ بعض نے کہا ہے کہ وہ صنعاء پہنچ گیا تھا۔ اس کے سارے اعضاء گر گئے تھے۔ اس کا جسم پرندے کے چوزے کی مانند ہو گیا۔ مرنے سے پہلے اس کا سینہ پھٹا، اس کا دل باہر نکل آیا، اس طرح وہ بڑے اذیت ناک انداز میں ہلاک ہو گیا (2)۔ مقاتل بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: قریشیوں نے اس لشکر کے ساز و سامان اور تمام مال و دولت پر قبضہ کر لیا۔ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ اتنا سونا لگا کہ انہوں نے ایک گڑھا کھود کر اسے سونے سے بھر دیا۔ یعقوب بن عتبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پہلی مرتبہ اس سال عرب میں آبلہ اور چیچک کی بیماری دیکھی گئی اور اسی طرح حرمل اور اندرائن جیسے کڑوے درخت حرم میں اسی سال پیدا ہوئے (3)۔ جب رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی تو آپ قریش کو اللہ تعالیٰ کے اس فضل و احسان اور اس عظیم نعمت کی یاد دہانی کراتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح دشمن کے لشکر کو تباہ و برباد کیا ہے (4)۔

ابن ہشام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ابابیل کا معنی گروہ ہے۔ یہ جمع ہے اس کا مفرد عربوں نے استعمال نہیں کیا۔ عرب انتہائی سخت پتھر کو سجیل کہتے ہیں۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ فارسی کے دو لفظوں سے مرکب ہے۔ سنگ (پتھر) اور گل (مٹی)۔ عربوں نے اسے معرب کر کے سنج اور جل پڑھا ہے اور دونوں کو مرکب کر کے سجّیل بنا دیا۔

''عصف'' یہ ''عصفة'' کی جمع ہے۔ یہ کھیتی کے ان پتوں کو کہتے ہیں جن کو ابھی کاٹا نہ گیا ہو (5)۔ بعض راوی کہتے ہیں کہ ابابیل کی واحد ابیل ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ان پرندوں کی چونچیں تو عام پرندوں جیسی تھیں لیکن پنجے کتوں جیسے تھے (6)۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ سبز رنگ کے پرندے تھے جو سمندر سے نکلے تھے اور ان کے سر درندوں جیسے تھے (7)۔ عبید بن عمیر فرماتے ہیں کہ یہ سیاہ رنگ کے سمندری پرندے تھے ان کی چونچوں اور پنجوں میں تین تین پتھر تھے (8)۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ سیاہ رنگ کے پرندے تھے جن کی چونچیں زرد رنگ کی تھیں۔ بعض نے کہا ہے کہ ان پرندوں کو مغرب میں عنقاء کہا جاتا ہے۔ حضرت عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے لشکر کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا تو سمندر سے ان پر پرندے بھیجے جو پن ڈبی کی مثل تھے۔ ہر پرندہ کے پاس تین پتھر تھے۔ دو پاؤں میں اور ایک چونچ میں یہ پرندے آئے اور ان کے سروں پر صف بستہ ہو گئے۔ انہوں نے ایک خوفناک آواز نکالی اور ان پتھروں کو پھینک دیا۔ جس شخص کو یہ پتھر لگتا اسے چیرتا ہوا دوسری جانب نکل جاتا۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے شدید آندھی بھیجی جس سے ان پتھروں کے لگنے کی شدت میں اضافہ ہو گیا اس طرح وہ ہلاک ہو گئے (9)۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عصف سے مراد گندم کا بھوسہ ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ گندم کے پتوں کو عصف کہتے ہیں اور

1۔ دلائل النبوۃ، جلد 1، صفحہ 149 | 2۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 54 | 3۔ ایضاً مرجع مذکور

4۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 55-54 | 5۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 55 | 6۔ تفسیر طبری، جلد 30 صفحہ 298-297

7۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 298 | 8۔ ایضاً مرجع مذکور | 9۔ دلائل النبوۃ 150 - درمنثور، جلد 8، صفحہ 631

مأکول سے مراد ٹکڑے ٹکڑے کیا ہوا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں عصف گندم کے چھلکے کو کہتے ہیں۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد کھیتوں کے وہ پتے ہیں جن کو جانور چر چکے ہوں۔ مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو تباہ و برباد کر دیا۔ عام وخاص کو ہلاک کر دیا۔ ان کی ساری تدبیریں الٹ ہو گئیں انہیں کوئی بھلائی نصیب نہ ہوئی۔ ان میں کوئی سلامت نہ بچا جوان کی خبر ان کے ملک میں پہنچاتا اور جو بچا بھی وہ اتنا زخمی تھا کہ وہ اپنے زخموں کی تاب نہ لا کر راستہ میں ہی ہلاک ہو گیا۔ خود ان کے بادشاہ کا یہ حال تھا کہ جب وہ اپنے شہر صنعاء پہنچا تو وہ گوشت کا لوتھڑا بن چکا تھا۔ اس نے لوگوں کے سامنے تمام حالات بیان کئے پھر اس کا سینہ پھٹ گیا اور دل باہر نکل آیا اور یوں وہ ہلاک ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا لڑکا یکسوم یمن کا بادشاہ بنا اور اس کے بعد اس کا بھائی مسروق بن ابرہہ بنا اس کے بعد سیف بن ذی یزن حمیری ایران کے بادشاہ کسریٰ کے پاس پہنچا اور مدد کا طلب گار ہوا۔ اس نے ایک لشکر اس کے ساتھ روانہ کیا۔ اس نے اس لشکر کے ساتھ مل کر یمن پر حملہ کر کے یمن کو فتح کر لیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اہل یمن کو ان کا ملک واپس لوٹا دیا۔ اسی خوشی کے موقع پر عرب کے کونے کونے سے وفود اسے مبارکباد دینے کے لئے یمن پہنچے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے اس ہاتھی کے سائیس اور محافظ کو مکہ میں دیکھا تھا۔ یہ اس وقت اندھے ہو چکے تھے اور چلنے پھرنے سے لاچار تھے(1)۔ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ دونوں اپاہج ہو گئے تھے اور اساف اور نائلہ کے بتوں کے پاس بیٹھ کر بھیک مانگا کرتے تھے۔ اس فیل بان کا نام انیسہ تھا۔ حافظ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل نبوت میں بعض مؤرخین سے نقل کیا ہے کہ ابرہہ خود اس لشکر کے ساتھ نہیں آیا تھا بلکہ اس نے شمر بن مقصود نامی ایک آدمی کو اس لشکر کا سپہ سالار بنا کر بھیجا۔ تعداد بیس ہزار تھی۔ انہوں نے بیان کیا ہے کہ ان پرندوں نے رات کے وقت حملہ کیا۔ صبح ہوئی تو تمام مردہ پڑے تھے(2)۔ لیکن یہ روایت انتہائی غریب ہے۔ ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ نے خود اسی بات کو ترجیح دی ہے کہ ابرہہ خود لشکر کے ساتھ مکہ آیا تھا۔ عرب شعراء کے اشعار اور یہ روایات اس پر صراحۃً دلالت کر رہی ہیں۔ عروہ سے بھی یہی منقول ہے کہ ابرہہ نے اسود بن مقصود نام کے شخص کو لشکر کا سردار بنا کر بھیجا تھا۔ ان کے ساتھ ہاتھی تھے۔ انہوں نے ابرہہ کے آنے کا ذکر نہیں کیا لیکن پہلا قول ہی صحیح ہے۔ شاید یہ ابن مقصود وہی تھا جو لشکر کے ہراول دستے کا امیر تھا۔ واللہ اعلم۔ عرب شعراء نے اس واقعہ کو بڑی تفصیل سے اپنے اشعار میں بیان کیا ہے۔

سورۂ فتح کی تفسیر میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ جب مکہ کی طرف جانے کے لئے ایک ٹیلے پر چڑھے تو وہاں آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی۔ صحابہ کرام نے اونٹنی کو اٹھانا چاہا لیکن وہ نہ اٹھی۔ لوگ کہنے لگے: قصویٰ اڑ گئی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: قصویٰ اڑی نہیں اور نہ اس کی عادت ہے لیکن اسے اس ذات نے روک دیا ہے جس نے ابرہہ کے ہاتھیوں کو روکا تھا۔ پھر ارشاد فرمایا: قسم بخدا! اہل مکہ جن شرائط پر بھی مجھ سے صلح کریں گے، میں صلح کر لوں گا۔ بشرطیکہ اس میں حرمتوں کی ہتک نہ ہو۔ پھر آپ ﷺ نے اپنی اونٹنی کو اٹھایا تو وہ اٹھ گئی(3)۔ فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ہاتھی والوں کو مکہ سے دور ہی روک لیا تھا اور اپنے رسول اور مؤمنین کو اس میں داخل ہونے کی اجازت دی اور فتح دی۔ اس کی حرمت پھر اسی طرح لوٹ آئی ہے جس طرح کل تھی(4)۔ خبردار حاضر غائب کو یہ پیغام پہنچا دے۔

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1 صفحہ 57 2۔ الدلائل: 148-144 3۔ دیکھئے تفسیر سورہ فتح آیت: 26

4۔ فتح الباری، کتاب العلم، جلد 1 صفحہ 250 مسلم، کتاب الحج، جلد 2 صفحہ 988

سورۂ قریش (مکیہ)

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب خلافیات میں اس سورت کی فضیلت کے بارے میں ایک غریب حدیث نقل کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے قریش کو سات فضیلتیں بخشی ہیں۔ ایک یہ کہ میں ان میں سے ہوں۔ دوسری یہ کہ نبوت ان میں ہے۔ تیسری یہ کہ حجابہ (بیت اللہ کی خدمت کا منصب) ان کے پاس ہے۔ چوتھی یہ کہ سقایہ (حاجیوں کو پانی پلانے) کا منصب، پانچویں یہ کہ ہاتھی والوں کے خلاف ان کی مدد کی۔ چھٹی یہ کہ انہوں نے دس سال تک اللہ کی عبادت کی جبکہ کوئی اور اللہ کی عبادت کرنے والا نہیں تھا۔ ساتویں یہ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کے بارے میں یہ سورت نازل فرمائی۔ پھر آپ نے اس سورت کی تلاوت فرمائی(1)۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ۙ﴿۱﴾ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَ الصَّیْفِ ۚ﴿۲﴾ فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَیْتِ ۙ﴿۳﴾ الَّذِیْۤ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ۬ وَّ اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۠﴿۴﴾

”اس لئے کہ اللہ نے قریش کے دلوں میں اُلفت پیدا کر دی۔ اُلفت تجارتی سفر کی جاڑے اور گرمی (کے موسم) میں۔ پس چاہئے کہ وہ عبادت کیا کریں اس خانہ (کعبہ) کے رب کی۔ جس نے انہیں رزق دے کر فاقہ سے نجات بخشی۔ اور امن عطا فرمایا انہیں (فتنہ و) خوف سے“۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے قریش کے دلوں میں محبت پیدا کر دی۔ اُلفت تجارتی سفر، جاڑے اور گرمیوں کے موسم میں۔ مصحف عثمانی میں یہ سورت ماقبل سورت سے علیحدہ لکھی گئی ہے۔ ان دونوں کے درمیان بسم اللہ شریف کی آیت فاصل ہے۔ جس طرح ہمارے قرآن میں لکھی جاتی ہے۔ اگرچہ معنوی طور پر اس کا تعلق ماقبل سورت کے ساتھ ہے۔ جیسا کہ محمد بن اسحٰق اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے اس کی تصریح فرمائی۔ ان کے نزدیک ان کا معنی یہ ہوگا کہ ہم نے اہل مکہ سے ہاتھیوں کو روکا اور ان کے لشکر کو تباہ و برباد کر دیا اور یہ سب اس لئے کیا تاکہ قریش اپنے اس امن والے شہر میں الفت، یکجہتی اور یگانگت کے ساتھ زندگی گزاریں(2)۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اہل مکہ موسم گرما میں یمن کی طرف اور موسم سرما میں شام کی طرف تجارت کی غرض سے سفر کو پسند کرتے تھے۔ بیت اللہ کے مجاور ہونے کی وجہ سے لوگ ان کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور ان کا احترام کرتے تھے۔ اس طرح وہ امن کے ساتھ واپس اپنے شہر کو لوٹتے تھے بلکہ جو ان کے ساتھ دوستی لگا کر ان کے قافلہ میں مل جاتا وہ بھی پرامن ہو جاتا۔ یہ ان کے موسم گرما و سرما کے سفر کی حالت تھی اور ان کی مکہ مکرمہ میں اقامت پذیر ہونے کی حالت کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان کیا ہے: اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّ یُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ (عنکبوت:67)” کیا انہوں نے (غور سے) نہیں دیکھا کہ ہم نے بنا دیا ہے حرم کو امن والا حالانکہ اُچک لیا

1۔ مستدرک، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 536، کتاب معرفۃ الصحابۃ، جلد 4، صفحہ 54 المعجم الکبیر، جلد 24 صفحہ 409 مجمع الزوائد، جلد 10، صفحہ 24

2۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 55-54

جا تا ہے لوگوں کو ان کے آس پاس سے''۔

لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ مبدل منه ہے'' ایلافهم'' اس کا بدل اور اس کی تفسیر ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں لِاِیْلٰفِ میں لام تعجب کے لئے ہے۔ گویا کہ ارشاد فرمایا: اے لوگو! قریش کی اس حالت پر تعجب کرو۔ وہ فرماتے ہیں: اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل ایمان کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہ دونوں سورتیں ایک دوسرے سے جدا اور مستقل ہیں(1)۔ اس لئے یہاں'' اعجبوا'' فعل کو مقدر ماننا پڑے گا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس عظیم نعمت کا شکر ادا کرنے کی تاکید فرمائی۔

فرمایا: پس چاہئے کہ وہ عبادت کیا کریں اس خانہ کعبہ کے رب کی یعنی اس کے وحدہ لاشریک ہونے کا اقرار کریں اسی نے تو ان کے لئے اس گھر کو امن اور حرمت والا بنایا ہے۔ جیسا کہ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِیْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَیْءٍ ٘ وَّ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ (نمل: 91)'' مجھے تو صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں عبادت کروں اس (مقدس) شہر کے رب کی جس نے عزت وحرمت والا بنایا ہے اس کو اور اس کی ہر شے۔ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں شامل ہو جاؤں فرمانبرداروں کے زمرہ میں''۔

فرمایا: جس نے انہیں رزق دے کر فاقہ سے نجات بخشی۔ یعنی یہ اس خانہ کعبہ کا رب ہی ہے جس نے انہیں بھوک کی حالت میں کھانا عطا فرمایا۔ اور فرمایا: اور امن عطا فرمایا انہیں فتنہ وخوف سے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک اور مہربانی فرمائی کہ اس نے انہیں امن وامان کی عظیم نعمت سے نوازا۔ پس انہیں چاہئے کہ وہ اس وحدہ لاشریک کی عبادت کریں اور کسی اور چیز کو اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہرائیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو شخص اس حکم کو قبول کر لیتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے دنیا وآخرت میں امان عطا فرما دیتا ہے۔ جو اس کی نافرمانی کرتا ہے اس سے امان چھین لیتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْیَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَىٕنَّةً یَّاْتِیْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَ الْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا یَصْنَعُوْنَ (النحل: 112)'' اور بیان فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے ایک مثال وہ یہ کہ ایک بستی تھی جو امن (اور) چین سے (آباد) تھی آتا تھا اس کے پاس اس کا رزق بکثرت ہر طرف سے پس اس (کے باشندوں نے) ناشکری کی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی۔ پس چکھایا انہیں اللہ تعالیٰ نے (یہ عذاب کہ پہنا دیا انہیں) بھوک اور خوف کا لباس ان کارستانیوں کے باعث جو وہ کیا کرتے تھے''۔

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے قریش! تمہاری ہلاکت ہو! اللہ تعالیٰ نے تم پر کتنے انعام فرمائے اور تم اس کی نافرمانی کرتے ہو(2)۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سورت کی پہلی دو آیات تلاوت فرمائیں۔ پھر ارشاد فرمایا: اے گروہ قریش تمہارا اللہ بھلا کرے۔ اس خانہ کعبہ کے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں رزق دے کر فاقہ سے نجات بخشی اور تمہیں فتنہ وخوف سے امن عطا فرمایا۔ صحیح یہی ہے کہ یہ روایت بھی حضرت اسماء بنت یزید بن سکن رضی اللہ عنہا سے مروی ہے یا تو اس کتاب کے نسخہ میں غلطی واقع ہوگئی ہے یا پھر اصل روایت میں خطا واقع ہوگئی ہے(3)۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 306 – معانی القرآن، جلد 3، صفحہ 293
2۔ المعجم الکبیر، جلد 24، صفحہ 178-177
3۔ مسند امام احمد، جلد 6، صفحہ 460 – مجمع الزوائد، جلد 7، صفحہ 143

سورۃ الماعون (مکیہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

اَرَءَیۡتَ الَّذِیۡ یُکَذِّبُ بِالدِّیۡنِ ؕ﴿۱﴾ فَذٰلِکَ الَّذِیۡ یَدُعُّ الۡیَتِیۡمَ ۙ﴿۲﴾ وَ لَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الۡمِسۡکِیۡنِ ؕ﴿۳﴾ فَوَیۡلٌ لِّلۡمُصَلِّیۡنَ ۙ﴿۴﴾ الَّذِیۡنَ ہُمۡ عَنۡ صَلَاتِہِمۡ سَاہُوۡنَ ۙ﴿۵﴾ الَّذِیۡنَ ہُمۡ یُرَآءُوۡنَ ۙ﴿۶﴾ وَ یَمۡنَعُوۡنَ الۡمَاعُوۡنَ ﴿۷﴾

''کیا آپ نے دیکھا ہے اس کو جو جھٹلاتا ہے (روزِ) جزا کو۔ پس یہی وہ (بدبخت) ہے جو دھکے دے کر نکالتا ہے یتیم کو۔ اور نہ ہی برانگیختہ کرتا ہے (دوسروں کو) کہ غریب کو کھانا کھلائیں۔ پس خرابی ہے ایسے نمازیوں کے لئے جو اپنی نماز (کی ادائیگی) سے غافل ہیں۔ وہ جو ریاکاری کرتے ہیں۔ اور (مانگے بھی) نہیں دیتے روزمرہ استعمال کی چیز''۔

ارشاد ہے کیا آپ نے دیکھا ہے اسے جو جھٹلاتا ہے (روزِ) جزا کو۔ یہاں ''الدین'' سے مراد جزا اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہے۔

فرمایا: پس یہی وہ بدبخت ہے جو دھکے دے کر یتیم کو نکالتا ہے یعنی یتیم کو دھکے دیتا ہے اس پر ظلم کرتا ہے اسے کھانے کے لئے نہیں دیتا اور اس کے ساتھ حسن سلوک سے پیش نہیں آتا۔

فرمایا: اور نہ ہی برانگیختہ کرتا ہے دوسروں کو کہ غریب کو کھانا کھلائیں۔ جیسا کہ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: کَلَّا بَلۡ لَّا تُکۡرِمُوۡنَ الۡیَتِیۡمَ ۙ﴿۱۷﴾ وَ لَا تَحٰٓضُّوۡنَ عَلٰی طَعَامِ الۡمِسۡکِیۡنِ (فجر: 18-17) ''ایسا نہیں ہے بلکہ (اس کی وجہ یہ ہے کہ) تم یتیم کی عزت نہیں کرتے اور نہ تم ترغیب دیتے ہو مسکین کو کھانا کھلانے کی''۔ یعنی وہ فقیر کو کھانا کھلانے پر دوسرے لوگوں کو برانگیختہ نہیں کرتا۔ جس کے پاس اتنا بھی نہیں ہے جس سے وہ اپنی بھوک مٹا سکے اور اسے کفایت کر سکے۔

فرمایا: پس خرابی ہے ایسے نمازیوں کے لئے جو نماز کی ادائیگی سے غافل ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس سے مراد وہ منافقین ہیں جو دوسروں کے سامنے تو نماز پڑھتے ہیں لیکن جب تنہا ہوتے ہیں تو نماز کی طرف دھیان نہیں کرتے۔ اسی لئے یہاں فرمایا: وہ نمازی تو ہیں، لیکن نماز سے غافل ہیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو بالکل نماز نہیں پڑھتے یا نماز قضاء کر کے پڑھتے ہیں۔ عطا بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ کا شکر ہے کہ اس نے عَنۡ صَلَاتِہِمۡ سَاہُوۡنَ فرمایا ہے۔ ''فی صلوتھم ساھون'' نہیں فرمایا۔ اس سے مراد یا تو وہ لوگ ہیں جو اکثر نماز کو اس کے آخری وقت میں ادا کرتے ہیں۔ یا نماز تو ادا کرتے ہیں لیکن اس کے ارکان اور شرائط کو ملحوظ خاطر نہیں رکھتے یا وہ نماز میں خشوع وخضوع اور معانی میں غور وفکر کرنے سے غافل ہیں۔ بہر حال یہ لفظ ان تمام صورتوں کو شامل ہے۔ اگر کوئی ان میں سے کسی صورت سے متصف ہے تو اس کے لئے اتنی ہی خرابی ہوگی اور جو ان تمام سے متصف ہو۔ اس کیلئے مکمل بربادی ہے اور وہ مکمل عملی طور پر منافق بن جاتا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ منافق کی نماز ہے۔ آپ ﷺ نے یہ تین دفعہ فرمایا: جو سورج کو تاڑتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ شیطان کے دونوں سینگوں کے درمیان غروب ہونے لگتا

ہے۔ پھر کھڑے ہو کر مرغ کی طرح چار ٹھونگیں مارتا ہے اور اس میں اللہ کا ذکر بہت کم کرتا ہے(1)۔ اس سے عصر کی نماز مراد ہے جو کہ صلوۃ وسطی ہے۔ حدیث پاک میں اس کی طرف اشارہ بھی ہے کہ یہ شخص مکروہ وقت میں نماز شروع کرتا ہے اور کوے کی طرح چونچیں مارتا ہے اسے اس نماز میں نہ تو اطمینان حاصل ہوتا ہے اور نہ ہی خشوع وخضوع۔ اسی لئے فرمایا: وہ اس میں بہت کم ذکر کرتا ہے۔ ممکن ہے یہ نماز وہ دکھلاوے کے لئے پڑھ رہا ہو نہ کہ اللہ کی رضا کے لئے۔ ایسی نماز پڑھنا اور نہ پڑھنا دونوں برابر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے منافقین کے بارے میں ارشاد فرمایا: اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ هُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَ اِذَا قَامُوْۤا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ یُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَ لَا یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِیْلًا (النساء:142) ''بے شک منافق (اپنے گمان میں) دھوکہ دے رہے ہیں اللہ کو اور اللہ تعالیٰ سزا دینے والا ہے انہیں (اس دھوکہ بازی کی) اور جب کھڑے ہوتے ہیں نماز کی طرف تو کھڑے ہوتے ہیں کاہل بن کر (وہ عبادت کی نیت سے نہیں بلکہ) لوگوں کو دکھانے کے لئے اور نہیں ذکر کرتے اللہ تعالیٰ کا مگر تھوڑی دیر''۔

اور یہاں ارشاد فرمایا: اور وہ جو ریا کاری کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ویل جہنم میں ایک وادی ہے جس سے آتش جہنم بھی دن میں چار مرتبہ پناہ مانگتی ہے۔ یہ وادی اس امت کے ریا کار علماء اور دکھلاوے کا سجدہ کرنے والوں، ریا کاری کے طور پر حج بیت اللہ اور جہاد کرنے والوں کے لئے تیار کی گئی ہے(2)۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص لوگوں کے سامنے اپنے نیک عمل سناتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے اس کی سزا دیتا ہے کہ لوگوں کے سامنے اسے ذلیل و رسوا کر دیتا ہے(3)۔ اسی آیت کی تفسیر کے بارے میں بھی مسئلہ ہے کہ جس نے کوئی عمل خالصتاً اللہ کی رضا کے لئے کیا۔ پھر لوگوں کو اس کا علم ہو گیا۔ اس سے اسے خوشی محسوس ہوئی تو اس کا یہ عمل ریا کاری میں شمار نہیں ہوگا۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں: وہ فرماتے ہیں کہ بعض اوقات میں نماز پڑھ رہا ہوتا ہوں۔ اگر اسی دوران میرے پاس کوئی شخص آجائے تو یہ مجھے اچھا لگتا ہے۔ میں نے اس کا ذکر حضور ﷺ سے کیا۔ فرمایا: تیرے نامہ اعمال میں دو اجر لکھے جائیں گے۔ ایک اجر پوشیدہ نماز پڑھنے کا اور ایک اعلانیہ۔ اس حدیث کو حافظ ابو یعلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں ذکر کیا ہے اور اس روایت میں یہ الفاظ ہیں کسی شخص نے حضور ﷺ سے مسئلہ پوچھا تو آپ نے یہی جواب دیا۔ حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ اکبر! یہ تمہارے لئے اس سے بہتر ہے کہ تم میں سے ہر شخص کو پوری دنیا عطا کر دی جائے۔ اس سے مراد وہ شخص ہے جو اگر نماز پڑھے تو اسے اپنی نماز کے ثواب کی امید نہ ہو اور اگر نماز نہ پڑھے تو اس کے دل میں خدا کا خوف نہ ہو(4)۔ اس روایت کا ایک راوی جابر جعفی ضعیف ہے۔

حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے آیت کریمہ اَلَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے فرمایا: اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو نماز کو اپنے وقت سے مؤخر کرتے ہیں(5)۔ اس کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ نماز بالکل پڑھتے ہی نہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ شرعی وقت کے بعد پڑھتے ہوں اور یہ ممکن ہے کہ اسے آخری وقت میں پڑھتے ہوں۔ حضرت مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہ سے موقوفاً روایت ہے کہ وہ لوگ نماز سے غافل ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ نماز کا وقت ختم ہو جاتا ہے(6)۔

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ نساء آیت:142
2۔ المعجم الکبیر، جلد 12، صفحہ 176-175، مجمع الزوائد، جلد 10، صفحہ 222
3۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 212، نیز دیکھئے تفسیر سورۂ کہف کے آخر کو
4۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 313
5۔ ایضاً مرجع مذکور
6۔ مسند ابو یعلی، جلد 1، صفحہ 336,378

اور فرمایا: اور (مانگے بھی) نہیں دیتے روزمرہ کی استعمال کی چیزیں۔ یعنی یہ لوگ نہ تو اپنے پروردگار کی عبادت صحیح طریقہ سے کرتے ہیں اور نہ ہی اس کی مخلوق پر احسان کرتے ہیں حتیٰ کہ عاریۃً بھی کسی کو چیز نہیں دیتے حالانکہ انہیں معلوم ہے کہ یہ شخص چیز سے استفادہ کر کے انہیں واپس لوٹا دے گا۔ یہ لوگ پھر زکوٰۃ اور نیکی کے دوسرے کام بدرجہ اولیٰ نہیں کرتے ہوں گے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ماعون سے مراد زکوٰۃ ہے(1)۔ یہی قول کئی دوسرے مفسرین سے بھی مروی ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے مراد وہ شخص ہے جو اگر نماز پڑھے تو ریاکاری کرتا ہے، اگر اس کی نماز قضا ہو جائے تو اسے افسوس نہیں ہوتا اور اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتا۔ زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے مراد منافقین ہیں کہ وہ نماز تو ظاہری طور پر پڑھ لیتے ہیں اور زکوٰۃ خفیہ طور پر ادا کی جاتی ہے، اسے روک لیتے ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ماعون کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: اس سے مراد وہ چیزیں ہیں جو لوگ ایک دوسرے سے عاریۃً لے لیتے ہیں۔ جیسے کلہاڑی، ہنڈیا اور ڈول وغیرہ۔ یہ روایت آپ سے مختلف اسناد سے مروی ہے۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں ہر نیکی صدقہ ہے۔ ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ڈول اور ہنڈیا کے عاریۃً لینے کو ماعون شمار کرتے تھے(2)۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس سے مراد گھر کا ساز وسامان ہے۔ یہی قول مجاہد، ابراہیم نخعی، سعید بن جبیر رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے مروی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کے بارے میں پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا: ان لوگوں کا زمانہ ابھی نہیں آیا۔ ماعون کے بارے میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ لوگ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے بعض کہتے ہیں یہ لوگ اللہ کی اطاعت سے روکتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ عاریۃً کسی کو کوئی چیز نہیں دیتے(3)۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ماعون کی سب سے بڑی قسم زکوٰۃ ہے اور کم از کم چھلنی، ڈول اور سوئی وغیرہ یہ قول بہتر ہے کیونکہ مذکورہ بالا تمام اقوال کا جامع ہے اور ان تمام اقوال کا حاصل ایک چیز ہے اور وہ مال یا منفعت کے ساتھ کسی کی معاونت کو ترک کرنا ہے۔

محمد بن کعب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ماعون سے مراد نیکی ہے۔ یعنی یہ لوگ دوسروں کو نیکی کرنے سے روکتے ہیں۔ اسی لئے حدیث پاک میں ہے کہ ہر نیکی صدقہ ہے(4)۔ زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں لغت قریش میں ماعون مال کو کہتے ہیں۔ حضرت قرہ بن دعموص نمیری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم قبیلہ نمیر کے وفد کے ساتھ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے لئے کوئی خاص حکم فرمائیں تو آپ نے فرمایا: ماعون سے منع نہ کرو۔ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ماعون کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: پتھر، لوہا اور پانی۔ ہم نے عرض کی اس سے کونسا لوہا مراد ہے فرمایا کلہاڑے کا لوہا جسے تم استعمال کرتے ہو۔ عرض کی پتھر سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: اس سے پتھر کی ہنڈیا مراد ہے۔ اس کی سند انتہائی غریب ہے۔ اسے مرفوع قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ اسکی اسناد میں بعض راوی مجہول ہیں۔ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''اسد الغابہ'' میں علی نمیری سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ جب اسے دوسرا مسلمان ملے تو اسے سلام کرے اور اسے سلام کا بہتر جواب دے اور ماعون سے منع نہ کرے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ماعون کیا ہے؟ فرمایا: پتھر، لوہا اور اس قسم کی دوسری چیزیں(5)۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 316-314

2۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 319 سنن کبریٰ، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 7، صفحہ 47-46- ابوداؤد، کتاب الزکاۃ، جلد 2، صفحہ 124

3۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 319

4۔ مسلم، کتاب الزکاۃ، جلد 2، صفحہ 697- سنن ابوداؤد، کتاب الادب، جلد 4، صفحہ 287

5۔ اسد الغابہ، جلد 4، صفحہ 127

سورۃ الکوثر (مکیہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

اِنَّاۤ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ ؕ﴿۱﴾ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَ انۡحَرۡ ؕ﴿۲﴾ اِنَّ شَانِئَکَ ہُوَ الۡاَبۡتَرُ ﴿۳﴾

''بے شک ہم نے آپ کو (جو کچھ عطا کیا) بے حد و بے حساب عطا کیا۔ پس آپ نماز پڑھا کریں اپنے رب کے لئے اور قربانی دیں (اسی کی خاطر)۔ یقیناً آپ کا جو دشمن ہے وہی بے نام (ونشاں) ہوگا''۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر ہلکی سی اونگھ طاری ہوگئی۔ تھوڑی دیر بعد آپ ﷺ نے مسکراتے ہوئے اپنا عصا مبارک اٹھایا۔ یا تو آپ نے خود ہی انہیں ارشاد فرمایا یا انہوں نے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ کیوں مسکرا رہے ہیں؟ جواباً ارشاد فرمایا: ابھی ابھی مجھ پر ایک سورت نازل ہوئی ہے پھر بسم اللہ پڑھ کر اس سورت کی تلاوت فرمائی۔ پھر فرمایا: کیا تم جانتے ہو کوثر کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کی: واللہ ورسولہ اعلم۔ فرمایا: یہ جنت میں ایک نہر ہے جو میرے رب عزوجل نے مجھے عطا فرمائی ہے۔ یہ نہر بہت وسیع ہے۔ میری امت اس نہر پر وارد ہوگی۔ اس کے جام ستاروں کے برابر ہیں۔ ان میں سے ایک شخص کو پیچھے ہٹا دیا جائے گا۔ میں عرض کروں گا۔ یا رب! یہ میرا امتی ہے کہا جائے گا تمہیں نہیں معلوم کہ تمہارے بعد اس نے کیسی کیسی بدعتیں ایجاد کی تھیں (1)۔

قیامت کے دن میدان حشر میں حوض کوثر کے بارے میں بعض روایات میں ہے کہ جنت کی نہر کوثر سے دو پرنالے اس حوض میں گر رہے ہوں گے۔ مذکورہ روایت سے بہت سے فقہاء کرام نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ یہ سورت مدنی ہے اور فقہاء نے دلیل پکڑی ہے کہ بسم اللہ اس سورت کا حصہ ہے اور وہ اس کے ساتھ نازل ہوئی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے یہ آیت تلاوت کرنے کے بعد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے کوثر عطا فرمائی۔ یہ پہلی وہ نہر ہے جسے گہرائی میں کھود کر نہیں بنایا گیا۔ اس کے دونوں کناروں پر موتیوں کے خیمے ہوں گے۔ میں نے ہاتھ اس کی مٹی پر مارا تو معلوم ہوا کہ اس کی مٹی مشک اذفر ہے اور اس کی کنکریاں موتیوں کی طرح ہیں (2)۔ ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ میں جنت میں داخل ہوا۔ میں اچانک ایک ایسی نہر پر پہنچا جس کے دونوں کناروں پر موتیوں کے خیمے سجے ہوئے تھے۔ میں نے چلتے ہوئے پانی میں اپنا ہاتھ مارا تو اس سے کستوری کی خوشبو آ رہی تھی۔ میں نے پوچھا: جبریل! یہ کیا ہے؟ اس نے کہا: یہ نہر کوثر ہے جسے اللہ نے آپ کے لئے جاری فرمایا ہے (3)۔ اسے امام مسلم اور بخاری رحمہما اللہ تعالیٰ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس میں یہ الفاظ بھی ہیں جب نبی پاک ﷺ کو معراج کی رات آسمان پر لے جایا گیا تو وہاں آپ ﷺ نے ایک نہر دیکھی۔ ابن جریر کی روایت میں ہے اسراء کی رات جبریل جب رسول اللہ ﷺ کو پہلے آسمان پر لے گئے تو وہاں آپ نے نہر دیکھی جس کے کنارے موتی کے اور زمرد کے محل بنے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے اس کی مٹی کو سونگھا تو اس سے بھی

1۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 102 — 2۔ مسند امام، جلد 3، صفحہ 247

3۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 103، فتح الباری، تفسیر سورۂ کوثر، جلد 8، صفحہ 731

خوشبو آ رہی تھی۔ آپ ﷺ نے پوچھا: جبریل! یہ کونسی نہر ہے؟ عرض کی: یہ وہی نہر کوثر ہے جو اللہ تعالیٰ آپ کو عطا فرمائے گا۔ اس حدیث کو سورۂ اسراء کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں۔ یہ متفق علیہ ہے اور اس قسم کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں(1)۔

ایک روایت ہے کہ آپ ﷺ سے کوثر کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: یہ جنت کی ایک نہر ہے جو اللہ نے مجھے عنایت فرمائی ہے۔ اس کی مٹی مشک کی طرح ہے۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے۔ اس کے کنارے لمبی گردن والے پرندے بیٹھے ہوئے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! کیا یہ پرندے خوبصورت ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ یہ کھانے میں بھی بڑے لذیذ ہوں گے(2)۔ دوسری روایت میں ہے یہ سوال حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا تھا(3)۔ ایک روایت میں ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جنت میں ایک نہر ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو عطا فرمائی ہے۔ اس کے دونوں کناروں پر موتیوں کے خیمے ہوں گے۔ اس کے ساغر آسمان کے ستاروں کی مانند ہوں گے(4)۔

ابن ابی نجیح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا۔ انہوں نے فرمایا: جو شخص نہر کوثر کے پانی کی آواز سننا چاہتا ہے وہ اپنے دونوں کانوں میں انگلیاں رکھے۔ یہ روایت منقطع ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کوثر سے مراد وہ بھلائی اور خیر ہے جو اللہ نے اپنے رسول کو عطا فرمائی۔ ایک شخص نے راوی حدیث سے پوچھا: بعض کا خیال ہے کہ اس سے مراد جنت کی نہر ہے۔ انہوں نے فرمایا: یہ نہر بھی اس خیر میں شامل ہے جو آپ کو عطا فرمایا گیا(5)۔ ایک روایت میں آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ اس سے مراد خیر کثیر ہے(6) اور یہ نہر کوثر بھی اس خیر کثیر میں داخل ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد دنیا و آخرت کی خیر کثیر ہے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس سے مراد نبوت قرآن اور آخرت کا ثواب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے اس کی تفسیر نہر کوثر سے بھی کی ہے۔ جیسا کہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے مروی ایک روایت میں ذکر کیا ہے کہ کوثر جنت کی ایک نہر ہے۔ اس کے کنارے سونے اور چاندی کے ہیں۔ اس کا پانی یاقوت اور موتیوں پر چلتا ہے اور یہ برف سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھی ہے(7)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی تقریباً یہی الفاظ مروی ہیں۔ اس حدیث کو ترمذی، ابن ماجہ، ابن ابی حاتم اور ابن جریر رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ نے روایت کیا ہے(8)۔

عطاء بن سائب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ محارب بن دثار نے مجھ سے پوچھا: حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کا کوثر کے بارے میں کیا قول ہے؟ میں نے کہا انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد خیر کثیر ہے۔ یہ سن کر کہنے لگے انہوں نے سچ فرمایا: قسم بخدا یہ واقعی خیر کثیر ہے لیکن ہمیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بتایا ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کوثر جنت میں ایک نہر ہے۔ اس کے دونوں کنارے سونے کے ہیں اور اس کا پانی موتیوں اور یاقوت پر چلتا

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 321، دیکھئے تفسیر سورۂ اسراء کی ابتداء
2۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 324
3۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 221-220 تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 324
4۔ فتح الباری تفسیر سورۂ کوثر، جلد 8، صفحہ 731 مسند امام احمد، جلد 6، صفحہ 281 سنن کبریٰ، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 12، صفحہ 376
5۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ کوثر، جلد 8، صفحہ 731
6۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 320
7۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 320
8۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 158 - عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۂ کوثر، جلد 12، صفحہ 258، سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، جلد 2، صفحہ 1450 تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 324

ہے(1)۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے۔ ان کی اہلیہ جو کہ قبیلہ بنی نجار سے تھیں سے ان کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! وہ ابھی ابھی آپ سے ملاقات کے لئے نکلے ہیں۔ شاید وہ دوسرے راستہ سے نکل گئے ہوں۔ پھر عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! آپ گھر تشریف نہیں لائیں گے؟ آپ ﷺ گھر تشریف لے گئے انہوں نے آپ کی خدمت میں حلوہ پیش کیا۔ پھر عرض کرنے لگیں: یا رسول اللہ ﷺ! آپ کو مبارک ہو۔ آپ ﷺ خود ہی تشریف لے آئے۔ میں آپ ﷺ کو مبارکباد دینے کے لئے حاضر ہونے والی تھی ابو عمارہ نے مجھے بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو نہر کوثر عطا فرمائی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ اس کی مٹی یاقوت، مرجان، زمرد اور موتیوں کی ہے۔ اس حدیث کے ایک راوی اگرچہ ضعیف ہیں لیکن اس کی اصل ثابت ہے بلکہ یہ روایت اتنی اسناد سے مروی ہے کہ حد تواتر کو پہنچ گئی ہے اور اکثر آئمہ حدیث کے نزدیک علم یقینی کا فائدہ دیتی ہے۔ حوض کوثر کی احادیث بھی اس طرح بڑی تعداد میں مروی ہیں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، ابو العالیہ، مجاہد رحمہما اللہ تعالیٰ اور کئی سلف صالحین سے مروی ہے کہ کوثر جنت میں ایک نہر ہے۔ عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ جنت میں ایک حوض ہے۔

فرمایا: پس آپ نماز پڑھا کریں اپنے رب کے لئے اور قربانی دیں اسی کی خاطر۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت میں آپ کو خیر کثیر عطا فرمائی۔ اس میں وہ نہر بھی شامل ہے جس کا بیان ہو چکا ہے۔ اسی طرح آپ اپنی فرض اور نفل نماز اور قربانی کو اپنے رب کے لئے خالص کر دیں۔ اسی وحدہ لاشریک کی عبادت کریں اور اس کے پاکیزہ اسم کے نام پر اپنی قربانی ذبح کریں۔ جیسا کہ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (انعام: 162) ''آپ فرمائیے بے شک میری نماز اور میری قربانیاں اور میرا جینا اور مرنا (سب اللہ) کے لئے ہے جو رب ہے سارے جہانوں کا''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عطاء، مجاہد، عکرمہ اور حسن بصری رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نحر قربانی کے اونٹ اور دوسرے جانوروں کو اللہ کے نام پر ذبح کرنا ہے۔ مشرکین اس کے برعکس غیر اللہ کو سجدہ کرتے تھے اور غیر اللہ کا نام لے کر اپنے جانور ذبح کرتے تھے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَا تَاْکُلُوْا مِمَّا لَمْ یُذْکَرِ اسْمُ اللّٰہِ عَلَیْہِ وَاِنَّہٗ لَفِسْقٌ (انعام: 121) ''اور مت کھاؤ اس جانور سے کہ نہیں لیا گیا اللہ کا نام اس پر اور اس کا کھانا نافرمانی ہے)۔ یہ بھی کہا ہے کہ وَانْحَرْ سے مراد دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ کے اوپر نحر کے نیچے رکھنا ہے۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے لیکن اس کی سند صحیح نہیں ہے(2)۔ شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی مروی ہے۔ امام باقر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد تکبیر تحریمہ کے وقت اپنے دونوں ہاتھوں کو بلند کرنا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ نماز میں اپنے سینہ کو قبلہ کی طرف متوجہ کرو۔ یہ تینوں قول ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کئے ہیں۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما سے منقول ہے: جب یہ سورت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبریل رضی اللہ عنہ سے فرمایا: وَانْحَرْ یعنی اس قربانی سے کیا مراد ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا۔ اس سے مراد قربانی نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ جب آپ تکبیر تحریمہ کہیں اس وقت اپنے ہاتھ بلند کیا کریں۔ اسی طرح رکوع کرتے وقت، رکوع سے سر اٹھاتے وقت اور سجدہ میں جاتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو بلند کرنا۔ یہی ہماری اور ساتوں آسمان کے فرشتوں کی نماز ہے۔ ہر چیز کی کوئی

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 325　2۔ تفسیر طبری: 30-326-325

زینت ہوتی ہے اور نماز کی زینت ہر تکبیر کے وقت رفع یدین ہے۔ اس روایت کو ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے لیکن یہ انتہائی منکر ہے(1)۔

حضرت عطاء خراسانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وَانْحَرْ سے مراد یہ ہے کہ رکوع سے اپنی پیٹھ کو بلند کرو اور اپنے سینے کو باہر نکالو۔ یہ تمام اقوال انتہائی غریب ہیں۔ پہلا قول ہی صحیح ہے اس سے مراد قربانی کے جانور کو ذبح کرنا ہے۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ عید کی نماز پڑھنے کے بعد اپنی قربانی کے جانور کو ذبح فرماتے اور ارشاد فرماتے: جس شخص نے ہماری طرح نماز پڑھی اور ہم جیسی قربانی کی اس نے شرعی قربانی کی اور جس نے عید کی نماز سے پہلے ہی قربانی کا جانور ذبح کر لیا اس کی کوئی قربانی نہیں۔ یہ بات سن کر حضرت ابو بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میں نے نماز سے پہلے ہی اپنی قربانی کے جانور کو ذبح کر لیا ہے اور میں نے یہ خیال کیا کہ آج کے دن گوشت کی بڑی خواہش ہوتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہاری بکری کی قربانی ہی نہیں ہوئی۔ اس نے عرض کی میرے پاس بکری کا بچہ ہے جو مجھے دو بکریوں سے بھی زیادہ پسندیدہ ہے۔ کیا یہ قربانی کے لئے کافی ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ تمہارے لئے تو یہ کفایت کرے گا لیکن تمہارے علاوہ کسی اور کو ایسا کرنا جائز نہیں(2)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں صحیح قول اس شخص کا ہے جو اس کا معنی یہ بیان کرتا ہے کہ اپنی تمام نمازیں خالصتاً اللہ کی رضا کے لئے پڑھو اور اللہ کے سوا کسی اور بت کو شریک نہ کرو۔ اسی طرح تمہاری قربانی بھی اللہ کے لئے ہونی چاہئے نہ کہ بتوں کے لئے تاکہ اس خیر کثیر اور عظیم نعمت کا شکر ادا ہو جائے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو خصوصیت کے ساتھ عطا فرمائی ہے(3)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول بہترین ہے اور یہی معنی محمد بن کعب قرظی اور عطاء رحمہما اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے۔

فرمایا: یقیناً آپ کا جو دشمن ہے وہی بے نام و نشان ہوگا۔ اے محمد ﷺ! بے شک آپ کے ساتھ بغض رکھنے والا اور آپ کے اس پیغام حق و ہدایت سے عناد رکھنے والا ذلیل و رسوا ہوگا۔ اس کا ذکر ختم ہو جائے گا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، سعید بن جبیر اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ آیت عاص بن وائل کے بارے میں نازل ہوئی۔ محمد بن اسحاق یزید بن زومار رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں عاص بن وائل جب حضور ﷺ کا ذکر سنتا تو کہتا: اسے چھوڑو، وہ تو دم کٹا ہے اس کی کوئی اولاد نرینہ نہیں۔ جب فوت ہو جائے گا تو اس کا کوئی ذکر نہیں ہوگا تو اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی(4)۔ شمر بن عطیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ آیت کریمہ عقبہ بن ابی معیط کے بارے میں نازل ہوئی۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے یہ کعب بن اشرف یہودی اور قریش مکہ کی ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی۔ فرماتے ہیں کعب بن اشرف مکہ گیا تو قریش مکہ نے اسے کہا: آپ تو یہود کے سردار ہیں آپ اس بچہ کی طرف نہیں دیکھتے جو اپنی تمام قوم سے الگ تھلگ ہے اور اس کا گمان ہے کہ وہ سب سے افضل ہے حالانکہ ہم حاجیوں کی خدمت کرتے ہیں۔ بیت اللہ شریف کی نگہبانی کرتے ہیں۔ حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں کعب نے کہا تم لوگ اس سے افضل ہو۔ تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی(5)۔

حضرت عطاء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ ابولہب کے بارے میں نازل ہوئی۔ جس وقت حضور ﷺ کے صاحبزادے کا انتقال ہوا تو یہ مشرکین کے پاس گیا اور کہنے لگا آج کی رات محمد (ﷺ) کا نسب ختم ہو گیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ حضرت ابن

1۔ مستدرک، تفسیر سورۂ کوثر، جلد 2، صفحہ 538-537، سنن بیہقی، کتاب الصلاۃ، جلد 2، صفحہ 29 درمنثور، جلد 8، صفحہ 650

2۔ متفق علیہ، فتح الباری، کتاب العیدین، جلد 2، صفحہ 471- مسلم، کتاب الاضاحی، جلد 3، صفحہ 1553-1552

3۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 328　4۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 393

5۔ دیکھئے تفسیر سورۂ نساء آیت: 51- کشف الاستار عن زوائد البزار، جلد 3، صفحہ 83

عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی۔ آپ سے یہ بھی منقول ہے کہ شَانِئَكَ سے مراد آپ کا دشمن ہے۔ اس اعتبار سے آپ کے تمام دشمن اس میں شامل ہیں۔ ''ابتر'' کا معنی تنہا ہے۔ سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب کسی شخص کی اولاد نرینہ فوت ہو جاتی تو عرب اسے ابتر کہتے تھے۔ جب رسول خدا ﷺ کے صاحبزادے انتقال فرما گئے انہوں نے آپ ﷺ کو بھی ابتر کہنا شروع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ معنی یہ ہے ابتر وہ شخص ہے کہ جب فوت ہو جائے تو دنیا میں اس کا ذکر ختم ہو جائے گا۔ انہوں نے اپنی جہالت کے باعث یہ گمان کیا کہ چونکہ آپ کی اولاد نرینہ باقی نہیں رہی، اس لئے آپ کا ذکر ختم ہو گیا لیکن ایسا ہرگز نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے ذکر کو تمام مخلوق میں باقی رکھا اور آپ کی شریعت کو بندوں کے اوپر لازم کر دیا۔ آپ ﷺ کا ذکر تو میدان محشر میں بلکہ اس کے بعد بھی ہمیشہ کے لئے باقی رہے گا۔

سورۃ الکافرون (مکیہ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے طواف کی دو رکعتوں میں قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ تلاوت فرمائی(1)۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فجر کی نماز میں یہ دونوں سورتیں تلاوت فرمائیں(2)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز فجر کی سنتوں اور نماز مغرب کے بعد والی دو سنتوں میں بیس سے زائد مرتبہ یا اس سے زائد ان دونوں سورتوں کی تلاوت فرمائی(3)۔ ایک دوسری روایت میں آپ فرماتے ہیں کہ میں نے چوبیس یا پچیس مرتبہ نبی کریم ﷺ کو فجر اور مغرب کی سنتوں میں یہ دونوں سورتیں پڑھتے ہوئے سنا ہے(4)۔ ایک روایت میں مہینہ بھر کا ذکر ہے(5)۔ پہلے یہ حدیث گزر چکی ہے کہ سورۂ کافرون چوتھائی قرآن کے برابر ہے اور سورۂ زلزال بھی چوتھائی قرآن کے برابر ہے(6)۔ حضرت نوفل بن معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا: تم ہماری اس چھوٹی بچی کی پرورش اپنے پاس کرو اور میرے خیال میں وہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا تھیں۔ انہوں نے اس کی حامی بھر لی۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ ﷺ نے پوچھا: بچی کیا کر رہی ہے؟ میں نے عرض کی میں اسے اس کی ماں کے پاس چھوڑ آیا ہوں۔ فرمایا: تم کس سلسلہ میں آئے۔ فرماتے ہیں: میں نے عرض کی۔ میں حاضر ہوا ہوں کہ آپ ﷺ مجھے کوئی وظیفہ بتائیں جو میں سونے سے پہلے پڑھا کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: سونے سے پہلے سورۂ کافرون پڑھ لیا کرو اور اس کے بعد سو جایا کرو اس میں شرک سے براءت اور بے زاری ہے(7)۔ حضرت جبیلہ بن حارثہ رضی اللہ عنہ جو کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں، روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم اپنے بستر پر لیٹو، تو سورۂ کافرون کو پڑھ لیا کرو۔ اس میں شرک سے براءت اور نفرت کا اظہار ہے(8)۔ آپ ﷺ کا بھی یہی معمول مبارک تھا کہ جب آپ ﷺ اپنے بستر مبارک پر استراحت فرماتے تو یہ سورت آخر تک تلاوت فرماتے۔ حضرت حارث بن جبلہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! مجھے ایسا کوئی وظیفہ بتائیں جو میں سونے کے وقت پڑھوں آپ ﷺ نے فرمایا: سورۂ کافرون پڑھ لیا کرو۔ اس میں شرک سے بیزاری اور نفرت کا اظہار ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝۱ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝۲ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝۳ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝۴ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝۵ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝۶

1۔ مسلم، کتاب الحج، جلد 2، صفحہ 888 2۔ مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، جلد 1، صفحہ 502 3۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 24
4۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 99 5۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 94 - عارضۃ الاحوذی، ابواب الصلاۃ، جلد 2، صفحہ 210
6۔ ابن ماجہ، کتاب الاقامۃ، جلد 1، صفحہ 363 - نسائی، کتاب الافتتاح، جلد 2، صفحہ 170 7۔ دیکھئے تفسیر سورۃ (اذا زلزلت)
8۔ المعجم الکبیر، جلد 2، صفحہ 287 - مجمع الزوائد، جلد 10، صفحہ 121

''آپ فرما دیجئے اے کافرو! میں پرستش نہیں کیا کرتا (ان بتوں کی) جن کی تم پرستش کرتے ہو۔ اور نہ ہی تم عبادت کرنے والے ہو اس (خدا) کی جس کی میں عبادت کیا کرتا ہوں۔ اور نہ ہی میں کبھی عبادت کرنے والا ہوں جن کی تم پوجا کیا کرتے ہو اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کیا کرتا ہوں۔ تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین''۔

اس سورت مبارکہ میں مشرکین کے عمل شرک سے بیزاری کا اعلان کیا گیا ہے اور اس میں اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کا حکم دیا گیا ہے۔

فرمایا: آپ فرما دیجئے۔ اے کافرو! میں پرستش نہیں کرتا (ان بتوں کی) جن کی تم پرستش کرتے ہو۔ یہاں کافرون سے مراد تمام روئے زمین کے کافر ہیں اگرچہ اس کے مخاطب مشرکین مکہ ہوں۔ اس کا شان نزول یہ ہے کہ مشرکین مکہ نے اپنی جہالت کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کو دعوت دی کہ وہ ایک سال ہمارے بتوں کی پوجا کریں اور ایک سال ہم تمہارے معبود کی عبادت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی اور اپنے محبوب ﷺ سے فرمایا کہ وہ ان کے دین سے مکمل طور پر براءت اور بیزاری کا اظہار کریں۔

اور فرمایا: میں ان بتوں کی پوجا نہیں کرتا جن کی تم کرتے ہو اور نہ ہی تم عبادت کرنے والے ہو اس (اللہ) کی جس کی میں عبادت کرنے والا ہوں۔ تم خدا وحدہ لاشریک کی عبادت نہیں کرتے۔ یہاں ''ما'' من کے معنی میں ہے۔

فرمایا: اور نہ ہی میں کبھی پوجا کرنے والا ہوں ان کی، جن کی تم پوجا کرتے ہو اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کیا کرتا ہوں۔ میں تمہارے مذہب کے مطابق ان بتوں کی پوجا نہیں کروں گا بلکہ میں تو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طریقہ کے مطابق کروں گا جو اسے پسند ہے اور اس کی رضا و خوشنودی کا باعث ہے اور نہ ہی تم اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کرنے والے ہو اور نہ ہی تم شرعی احکام کے مطابق اس کی عبادت کرنے والے ہو بلکہ تم نے بتوں کی پوجا پاٹ کا طریقہ اپنی طرف سے گھڑ رکھا ہے۔ جس طرح کہ ایک مقام پر ارشاد فرمایا: اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى (النجم:24) ''نہیں پیروی کر رہے یہ لوگ مگر گمان کی اور جسے ان کے نفس چاہتے ہیں۔ حالانکہ آ گئی ہے ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت''۔ پس نبی کریم ﷺ نے ان سے مکمل طور پر براءت اور بیزاری کا اعلان فرما دیا۔ مقصد یہ ہے کہ ہر عابد کا ایک معبود ہوتا ہے جس کی وہ عبادت کرتا ہے اور ایک طریقہ عبادت ہوتا ہے جس کے مطابق وہ اپنے معبود کی عبادت کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے پیروکار شرعی احکام کے مطابق اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اسی لئے اہل اسلام کا کلمہ توحید ہے ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' اللہ کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں اور اس تک پہنچنے کے لئے کوئی راستہ نہیں سوائے اس شریعت کے جو محمد ﷺ لے کر مبعوث ہوئے۔ اس کے برعکس مشرکین غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم ہی نہیں دیا۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا: تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین ہے۔ اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْٓـُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ (یونس:41) ''اور اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو فرما دیجئے میرے لئے میرا عمل ہے اور تمہارے لئے تمہارا عمل۔ تم بری الذمہ ہو اس سے جو میں کرتا ہوں اور میں بری الذمہ ہوں اس سے جو تم کرتے ہو''۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ (بقرہ:139) ''اور ہمیں ہمارے اعمال اور تمہیں تمہارے اعمال فائدہ

پہنچائیں گے''۔ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لَکُمْ دِیْنُکُمْ میں دین سے مراد کفر ہے اور وَلِیَ دِیْنِ سے مراد اسلام ہے۔ دین اصل میں دینی تھا۔ چونکہ باقی تمام آیات میں آخر میں ''نون'' تھا اس لئے یہاں ''ی'' کو حذف کر دیا۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ایک اور مقام پر فرمایا فَهُوَ يَهْدِيْنِ ۝ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ (شعراء:78)(1)۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں(2)۔ کہ اس کا معنی یہ ہے: میں اب بھی تمہارے معبودوں کی پوجا نہیں کرتا اور نہ ہی آئندہ تمہاری اس بات کو قبول کروں گا اور اسی طرح نہ تم اب اللہ کی عبادت کرنے والے ہو اور نہ آئندہ کرو گے۔ اس سے مراد وہ کفار ہیں جن کا ایمان نہ لانا اللہ کے علم ازلی میں ہے۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا(3)'' اور ضرور بڑھا دے گا اکثر کو ان میں سے جو نازل کیا گیا آپ کی طرف آپ کے رب سے سرکشی اور انکار میں''۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے جو بعض علماء سے منقول ہے کہ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۔۔۔ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ کی تاکید ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا اسی طرح ارشاد فرمایا: لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۝ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ۔ ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے(4)۔ ان دونوں جملوں کو مکرر ذکر کرنے کی حکمت کے بارے میں تین قول ہیں: 1۔ جو ہم نے سب سے پہلے ذکر کیا۔ 2۔ پہلے جملہ سے مراد ماضی اور دوسرے سے حال مراد ہے۔ 3۔ دوسرا جملہ پہلے جملہ کی تاکید کے لئے آیا ہے لیکن یہاں ایک چوتھا قول بھی ہے جس کی تائید ابن تیمیہ نے اپنی بعض تصانیف میں کی ہے وہ کہتے ہیں لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ جملہ فعلیہ ہے۔ اس لئے یہاں فعل عبادت کی نفی کی گئی ہے اور وَلَآ اَنَا عَابِدٌ جملہ اسمیہ ہے۔ اس لئے یہاں قبول فعل کی کلی طور پر نفی ہے کیونکہ جملہ اسمیہ جملہ فعلیہ سے زیادہ تاکید کا فائدہ دیتا ہے۔ گویا کہ یہاں فعل کی نفی اور اس کے اس قابل ہونے کی نفی کی گئی ہے۔ اس کا معنی یہ ہے: فعل عبادت کے وقوع پذیر ہونے کی نفی اور شرعی طور پر اس فعل کے ممکن ہونے کی نفی کی گئی ہے۔ یہ قول بھی بہتر ہے(5)۔ واللہ اعلم۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے کہ کفر ملت واحدہ ہے۔ وہ ایک ہی ملت ہے۔ اس لئے یہودی نصرانی کا وارث بن سکتا ہے اور نصرانی یہودی کا۔ یہ اس وقت ہے جب ان کے درمیان کوئی نسبی رشتہ ہو یا کوئی سبب وراثت۔ وہ فرماتے ہیں اسلام کے سوا باقی تمام ادیان باطل ہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دوسرے علماء فرماتے ہیں نصرانی یہودی کا اور یہودی نصرانی کا وارث نہیں بن سکتا۔ عمرو بن شعیب رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دو مختلف مذہب والے ایک دوسرے کے وارث نہیں بن سکتے(6)۔

1۔ معانی القرآن، جلد 3، صفحہ 297
2۔ زاد القرآن، جلد 2، صفحہ 314
3۔ مائدہ، جلد 64، فتح الباری تفسیر سورۃ کافرون، جلد 8، صفحہ 733
4۔ زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 323
5۔ دقائق التفسیر، جلد 5، صفحہ 325
6۔ دیکھئے تفسیر سورۃ انفال آیت: 73

سورۃ النصر (مدنیہ)

پہلے حدیث گزر چکی ہے کہ یہ سورت چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔ سورۂ زلزال بھی چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت عبیداللہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ قرآن کی سب سے آخری سورت کون سی نازل ہوئی؟ انہوں نے جواب دیا۔ ہاں، یہ سورت نصر ہے۔ آپ نے فرمایا: تم سچ کہتے ہو(1)۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر یہ سورت ایام تشریق کے وسط میں نازل ہوئی۔ آپ نے سمجھ لیا کہ یہ الوداعی پیغام ہے۔ آپ ﷺ نے حکم دیا میری اونٹنی قصویٰ کو تیار کیا جائے۔ جب اونٹنی تیار ہوگئی تو آپ ﷺ نے اس پر چڑھ کر خطبہ ارشاد فرمایا: یہ آپ ﷺ کا وہی مشہور خطبہ ہے جسے خطبہ حجۃ الوداع کہتے ہیں(2)۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور فرمایا مجھے میری وفات کی خبر دے دی گئی ہے۔ یہ سن کر آپ رونے لگیں۔ پھر تھوڑی دیر بعد ہنسنے لگیں۔ جب اس کی وجہ پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا: آپ ﷺ کی وفات کی خبر نے مجھے رلا دیا لیکن پھر حضور ﷺ نے تسلی دی اور فرمایا: بیٹی! صبر کرو۔ تم مجھے اہل بیت میں سے سب سے پہلے ملو گی۔ آپ کی یہ بات سن کر میں مسکرانے لگی(3)۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ وَ الۡفَتۡحُ ۙ﴿۱﴾ وَ رَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا ۙ﴿۲﴾ فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ وَ اسۡتَغۡفِرۡہُ ؕؔ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا ﴿۳﴾

''جب اللہ کی مدد آ پہنچے اور فتح (نصیب ہو جائے) اور آپ دیکھ لیں لوگوں کہ وہ داخل ہو رہے ہیں اللہ کے دین میں فوج در فوج۔ تو (اس وقت) اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے اس کی پاکی بیان کیجئے اور (اپنی امت کے لئے) اس سے مغفرت طلب کیجئے۔ بیشک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے''۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مجھے بدری صحابہ کی مجلس میں شامل کر لیا کرتے تھے۔ شاید کسی نے اسے دل میں محسوس کیا اور کہا کہ اسے ہماری مجلس میں کیوں شامل کیا جاتا ہے حالانکہ اس جیسے ہمارے بھی بیٹے موجود ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ ان میں سے ہیں جن کے متعلق تمہیں معلوم ہے۔ ایک دن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان بزرگوں کو دعوت دی اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو بھی اس مجلس میں شامل کر لیا۔ مجھے یقین تھا کہ آج امیر المومنین میرے بارے میں کچھ بتانا چاہتے ہیں۔ جب سب لوگ مجلس میں آ گئے تو آپ نے فرمایا: اس سورت کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ بعض نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ جب وہ ہمیں فتح و نصرت سے نوازے تو ہم اس کی حمد و ثناء بیان کریں اور اس سے استغفار طلب

1۔ سنن کبریٰ، کتاب التفسیر، بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 5، صفحہ 57۔ مسلم، کتاب التفسیر، جلد 4، صفحہ 2318

2۔ کشف الاستار عن زوائد البزار، جلد 2، صفحہ 34-33۔ سنن کبریٰ، کتاب الحج، جلد 5، صفحہ 152

3۔ دلائل النبوۃ، جلد 7، صفحہ 167

کریں۔ بعض بزرگ یہ سن کر خاموش رہے پھر امیر المومنین میری طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے: تم اس کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے وصال کا پیغام ہے۔ اس سورت میں آپ ﷺ کو بتایا گیا ہے کہ آپ کے وصال کا وقت قریب ہے۔ اس لئے آپ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کریں اور اپنی امت کے لئے اس سے مغفرت طلب کریں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس کے بارے میں میری بھی وہی رائے ہے جو تمہاری ہے۔ اسے ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی روایت کیا ہے(1)۔

ایک روایت ہے جب یہ سورت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے میرے وصال کی خبر دے دی گئی ہے(2)۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ مدینہ طیبہ میں تشریف فرما تھے۔ اچانک فرمانے لگے: اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ تعالیٰ کی فتح و نصرت آ گئی۔ اہل یمن آ گئے۔ پوچھا گیا: اہل یمن کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ نرم دل اور سنجیدہ طبیعت لوگ ہیں۔ ایمان یمنی ہے۔ فقہ اور حکمت بھی یمنی ہے(3)۔ ایک روایت میں ہے جب یہ سورت نازل ہوئی تو آپ ﷺ امور آخرت کے بارے میں بہت زیادہ دلچسپی لینے لگے(4)۔ باقی الفاظ وہی ہیں جو مذکورہ حدیث میں گزر چکے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں قرآن کریم کی یہ وہ مکمل سورت ہے جو سب سے آخر میں نازل ہوئی(5)۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے اس کی تلاوت فرمائی پھر فرمایا: تمام لوگ ایک طرف ہیں۔ میں اور میرے صحابہ کرام ایک طرف۔ فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں ہے۔ البتہ جہاد اور نیت ہے۔ یہ حدیث سن کر مروان بن حکم نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم جھوٹ کہتے ہو۔ مروان کے پاس رافع بن خدیج اور زید بن ثابت بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: اگر یہ دونوں چاہیں تو یہ حدیث بیان کر سکتے ہیں لیکن ان میں سے ایک کو اپنی سرداری چھن جانے کا خوف ہے اور دوسرے کو زکوٰۃ کی وصولی کے عہدہ سے سبکدوش ہونے کا ڈر ہے۔ مروان نے یہ سنا تو کوڑا اٹھا کر حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کو مارنا چاہا۔ جب ان دونوں نے دیکھا تو کہنے لگے: مروان! ابوسعید نے سچ بیان فرمایا ہے(6)۔ مروان کا یہ انکار درست نہیں تھا کیونکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر فرمایا آج کے بعد کوئی ہجرت نہیں۔ صرف جہاد اور نیت ہے۔ جب تمہیں جہاد کے لئے دعوت دی جائے تو تم اس میں شریک ہو جایا کرو(7)۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بعض ہم نشیں صحابہ کرام نے اس سورت کا یہ معنی بیان فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ہمیں فتح و نصرت سے نوازے اور ہم بہت سے شہروں اور قلعوں کو فتح کریں تو اس نے ہمیں حکم دیا ہے کہ اس کی حمد و ثناء بیان کریں۔ اس کا شکر کریں اور نماز پڑھ کر اس سے استغفار کریں۔ یہ تفسیر بھی بہترین ہے۔ اس کی تائید حضور نبی کریم ﷺ کے عمل سے ہوتی ہے۔ جس دن آپ نے مکہ فتح کیا، اس دن چاشت کے وقت آپ نے آٹھ رکعت نماز ادا فرمائی۔ بعض کہتے ہیں یہ چاشت کی نماز ہے۔ اس کا یہ جواب ہے کہ نبی پاک ﷺ نے اس نماز پر مواظبت اختیار نہیں فرمائی۔ خصوصاً اس دن آپ ﷺ مسافر تھے۔ آپ ﷺ نے مکہ میں اقامت کی نیت بھی نہیں فرمائی۔ آپ ﷺ مکہ میں تقریباً انیس دن ٹھہرے۔ اس دوران آپ ﷺ نماز قصر پڑھتے رہے۔ آپ ﷺ اور تمام

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۃ نصر، جلد 8، صفحہ 735-733، تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 334 2۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 217
3۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 333-332 4۔ المعجم الکبیر، جلد 11، صفحہ 329-328، مجمع الزوائد، جلد 9، صفحہ 23
5۔ المعجم الکبیر، جلد 10، صفحہ 369 6۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 22 7۔ دیکھئے تفسیر سورۃ بقرۃ آیت: 216 اور آل عمران: 97

لشکر جس کی تعداد تقریباً دس ہزار تھی نے ان دنوں رمضان کے روزے بھی نہ رکھے۔ ان تمام قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے یہ نماز فتح مکہ کے شکرانہ کے طور پر ادا فرمائی۔ علماء کرام فرماتے ہیں لشکر کے سپہ سالار کے لئے مستحب ہے کہ جب بھی کوئی شہر فتح کرے تو سب سے پہلے آٹھ رکعات نفل ادا کرے۔ حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ نے جب مدائن کو فتح کیا تو انہوں نے یہ نماز پڑھی۔ بعض ان آٹھ رکعتوں کو ایک ہی سلام کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ لیکن صحیح یہ ہے ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرے (1)۔ جب رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے موقعہ پر یہ نماز پڑھی تو آپ ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرتے۔ اس آیت کی دوسری تفسیر بھی صحیح ہے جو کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس میں رسول اللہ ﷺ کو ان کے وصال کی خبر دی گئی ہے اور اس میں آپ کو یہ خبر بھی دی گئی ہے کہ جب آپ اس شہر مکہ کو فتح کریں جس سے مشرکین مکہ نے آپ ﷺ کو ہجرت پر مجبور کیا تھا اور اللہ کے دین میں لوگ گروہ در گروہ داخل ہونے لگیں تو آپ دنیا کی مصروفیات سے فارغ ہو کر ہمارے پاس آنے کی تیاری کریں۔ آپ ﷺ کے لئے آخرت دنیا سے بہتر ہے اور آپ کا رب آپ کو عنقریب اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے اس لئے یہاں ارشاد فرمایا:

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ ....

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے رکوع و سجود میں کثرت سے یہ دعا پڑھا کرتے تھے: سبحانك اللهم ربنا وبحمدك اللهم اغفرلی۔ اس طرح آپ اللہ کے اس حکم پر عمل فرمایا کرتے تھے (2)۔ ایک دوسری روایت میں ہے۔ آپ ﷺ اپنی ظاہری زندگی کے آخری ایام میں (سبحان الله وبحمده، استغفر الله واتوب اليه) کا ورد کثرت سے کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ جب میں یہ علامت دیکھ لوں یعنی فتح مکہ اور دین اسلام میں لوگوں کا گروہ در گروہ داخل ہونا تو میں یہ وظیفہ پڑھوں اور میں نے یہ علامت دیکھ لی (3) حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے آخری ایام میں اٹھتے بیٹھتے اور چلتے پھرتے (سبحان الله وبحمده) کا ورد کیا کرتے تھے۔ جب میں نے اس کے بارے میں پوچھا تو فرمایا: مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے پھر آپ ﷺ نے اس سورت کی تلاوت فرمائی (4)۔ کسی مجلس کے برخاست ہونے کے وقت کیا وظیفہ پڑھنا چاہئے، اسے ہم اپنی ایک مستقل تصنیف میں بیان کر چکے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ پر یہ سورت نازل ہوئی تو آپ نماز میں اکثر اس کی تلاوت فرماتے اور رکوع میں فرماتے (سبحانك اللهم ربنا وبحمدك اللهم اغفرلی انك انت التواب الرحيم) آپ ﷺ یہ تین دفعہ پڑھتے (5)۔

فتح سے مراد فتح مکہ ہے۔ تمام قبائل عرب اسی کے منتظر تھے کہ جب یہ اپنی قوم پر غالب آجائیں اور مکہ کو فتح کر لیں گے تو ان کے نبی ہونے میں ذرا بھی شک و شبہ نہیں رہے گا تو وہ بھی مسلمان ہو جائیں گے۔ جب اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت سے نبی کریم ﷺ نے مکہ کو فتح کر لیا تو لوگ گروہ در گروہ اسلام میں داخل ہونے لگے۔ ابھی دو سال پورے بھی نہ گزرے تھے تمام عرب مسلمان ہو گئے اور تمام قبائل عرب میں اسلام کا جھنڈا لہلہانے لگا۔ حضرت عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب مکہ فتح ہو گیا تو تمام لوگ حضور ﷺ کی

1۔ سنن ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 2، صفحہ 28
2۔ فتح الباری، تفسیر سورۃ نصر، جلد 8، صفحہ 733
3۔ مسند امام احمد، جلد 6، صفحہ 35، مسلم، کتاب الصلاۃ، جلد 1، صفحہ 351
4۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 335
5۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 388

خدمت میں حاضر ہوکر اسلام قبول کرنے لگے۔ اکثر قبائل اسی انتظار میں تھے اور وہ کہتے تھے انہیں اور ان کی قوم کو چھوڑ دو۔ اگر یہ اپنی قوم پر غالب آ گئے تو یہ نبی برحق ہیں(1)۔ ہم نے فتح مکہ کا تفصیلی واقعہ اپنی کتاب السیرۃ النبویہ میں نقل کیا ہے۔ حضرت ابوعمار رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں مجھے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ایک پڑوسی نے بیان کیا ہے کہ ایک دن میں سفر سے واپس آیا تو حضرت جابر رضی اللہ عنہ میرے گھر تشریف لائے۔ مجھے سلام کیا اور تشریف فرما ہو گئے۔ میں نے انہیں لوگوں کے باہمی اختلافات اور ان کی ایجاد کردہ بدعتوں کے بارے میں بتایا تو آپ رونے لگے اور فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ لوگ گروہ در گروہ داخل ہو گئے اللہ کے دین میں پھر گروہ در گروہ اس سے نکل جائیں گے(2)۔

1۔ فتح الباری، کتاب المغازی، جلد 8، صفحہ 22　　2۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 343

سورة اللھب (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ ۝ مَاۤ اَغْنٰی عَنْهُ مَالُهٗ وَ مَا كَسَبَ ۝ سَیَصْلٰی نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝ وَّ امْرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝ فِیْ جِیْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝

''ٹوٹ جائیں ابولہب کے دونوں ہاتھ اور وہ تباہ و برباد ہو گیا۔ کوئی فائدہ نہ پہنچایا اسے اس کے مال نے اور جو اس نے کمایا۔ عنقریب وہ جھونکا جائے گا شعلوں والی آگ میں۔ اور اس کی جورو بھی۔ بد بخت ایندھن اٹھانے والی۔ اس کے گلے میں مونج کی رسی ہوگی''۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بطحا کی طرف نکلے اور ایک پہاڑ پر چڑھ کر آپ نے بلند آواز سے ندا دی ''یا صباحاہ، یا صباحاہ''۔ آپ ﷺ کی آواز سن کر قریش آپ کے پاس جمع ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ دشمن تم پر صبح یا شام کو حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟ انہوں نے بیک زبان ہو کر کہا: ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے نازل ہونے والے سخت عذاب کی خبر دے رہا ہوں۔ یہ سن کر ابولہب نے کہا: تو برباد ہو! کیا تو نے ہمیں اسی لئے جمع کیا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ اپنے ہاتھ جھاڑتا ہوا اٹھا اور آپ کو یہ الفاظ کہے(1)۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ٹوٹ جائیں ابولہب کے دونوں ہاتھ اور وہ تباہ و برباد ہو گیا۔ تبت اس کے لئے بددعا ہے اور تبّ خبر ہے۔ یہ ابولہب نبی کریم ﷺ کا چچا تھا۔ اس کا نام عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب تھا کنیت ابو عتبہ تھی۔ اس کے چہرے کی چمک کی وجہ سے اسے ابولہب کہا جاتا تھا۔ یہ نبی کریم ﷺ کا بدترین دشمن تھا اور آپ کو اذیت پہنچانے کے درپے تھا۔ آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کرتا، آپ ﷺ کو اور آپ کے دین کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ ربیعہ بن عباد دیلی مسلمان ہونے کے بعد اپنی جاہلیت کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ذوالمجاز کے بازار میں دیکھا آپ فرما رہے تھے: اے لوگو! لا الہ الا اللہ کہو، فلاح پا جاؤ گے۔ لوگ آپ ﷺ کے اردگرد جمع تھے اور آپ کے پیچھے ایک گورے چٹے چہرے اور بھینگی آنکھوں والا، جس کے سر پر دو مینڈھیاں تھیں، کھڑا لوگوں سے کہہ رہا تھا: یہ بے دین اور جھوٹا ہے۔ آپ جہاں بھی دعوت کے لئے جاتے یہ آپ کے پیچھے پیچھے رہتا۔ جب میں نے لوگوں سے پوچھا تو انہوں نے بتایا یہ آپ کا چچا ابولہب ہے(2)۔ اس کے راوی ابوالزناد کہتے ہیں میں نے ربیعہ سے کہا کہ تم تو اس وقت بہت چھوٹے ہو گے۔ میں نے کہا: نہیں۔ قسم بخدا میں اس وقت سمجھدار تھا۔ کنواں سے پانی کا مشکیزہ بھر لاتا تھا اور دوسری روایت میں یہ ہے کہ میں اپنے باپ کے ساتھ تھا اور اس وقت جوان تھا۔ میں نے دیکھا نبی کریم ﷺ مختلف قبائل کو دعوت دینے کے لئے جاتے تو آپ کے پیچھے چٹے

1۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ لہب، جلد 8، صفحہ 737 نیز دیکھئے تفسیر سورۂ شعراء، آیت: 214

2۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 342-341

گورے چہرے اور لمبے بالوں والا ایک شخص ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ اہل قبیلہ کو مخاطب کر کے فرماتے میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تم اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ میری تصدیق کرو اور میری حفاظت کرو تا کہ میں اللہ کا پیغام تم تک پہنچا سکوں۔ جب آپ اپنی گفتگو سے فارغ ہوتے تو وہ شخص کھڑا ہو جاتا اور کہتا اے قبیلہ والو! یہ شخص تمہیں لات وعزیٰ سے دور کرنا چاہتا ہے اور تمہیں تمہارے جن بنی مالک بن اقیش سے دور کرنا چاہتا ہے۔ یہ تمہیں بدعت اور گمراہی کی دعوت دے رہا ہے۔ اس کی بات نہ سنو۔ میں نے اپنے والد سے کہا: یہ شخص کون ہے۔ انہوں نے بتایا: یہ ان کا چچا ابولہب ہے(1)۔

آیت کا معنی یہ ہے کہ ابولہب خائب و خاسر ہوا۔ اس کے اعمال اور کوششیں رائیگاں چلی گئیں اور اس کی ہلاکت اور نقصان بالیقین مقدر ہو گیا۔

فرمایا: کوئی فائدہ نہ پہنچایا اسے اس کے مال نے اور جو اس نے کمایا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں وَمَا كَسَبَ سے مراد اس کی اولاد ہے۔ یہی قول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، مجاہد اور عطاء اور حسن بصری رحمہم اللہ تعالیٰ سے مروی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب رسول اللہ ﷺ نے اپنی قوم کو دین اسلام کی دعوت دی تو ابولہب کہنے لگا اگر میرے بھتیجے کی باتیں حق ہیں تو میں قیامت کو اپنی اولاد اور مال فدیہ کے طور پر دے کر عذاب سے بچ جاؤں گا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی(2)۔

فرمایا: عنقریب وہ جھونکا جائے گا شعلوں والی آگ میں یعنی سخت شدید بھڑکتی ہوئی شعلوں والی آگ۔ اور فرمایا: اس کی بیوی بھی۔ بدبخت ایندھن اٹھانے والی اس کی بیوی قریش کی بڑی عورتوں میں سے تھی۔ اس کی کنیت ام جمیل اور اس کا نام اروی بنت حرب بن امیہ تھا۔ یہ ابوسفیان کی بہن تھی اور اسلام دشمنی میں اپنے خاوند کی مددگار تھی اور قیامت کے دن عذاب میں بھی اس کے ساتھ شریک ہوگی۔

اس لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ایندھن اٹھانے والی۔ اس کے گلے میں مونج کی رسی ہوگی۔ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ کا ایک معنی یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ جنگل سے ایندھن اکٹھا کر کے اپنے خاوند کو مہیا کرتی تھی تا کہ اس کی اسلام دشمنی میں مزید اضافہ ہو جائے۔ مجاہد اور عروہ رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس کے گلے میں نار جہنم کی رسی ہوگی۔ بعض نے کہا ہے اسے حَمَّالَةَ الْحَطَبِ اس لئے کہا گیا ہے وہ چغل خوری کیا کرتی تھی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، ضحاک اور ابن جریر رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ کانٹے چن کر نبی کریم ﷺ کے راستہ میں بکھیرا کرتی تھی اور ان کو فقر کا طعنہ دیا کرتی تھی(3)۔ اسی لئے یہاں اس کو حَمَّالَةَ الْحَطَبِ کہا گیا ہے۔ لیکن پہلا قول ہی زیادہ صحیح ہے۔ سعید بن مسیّب فرماتے ہیں اس کے پاس ایک نفیس ہار تھا۔ کہنے لگی میں اسے بیچ کر محمد (ﷺ) کی دشمنی پر خرچ کروں گی۔ اللہ تعالیٰ اس کو اس کی یہ سزا دے گا کہ اس کے گلے میں آگ کا طوق ڈالا جائے گا۔ ''مسد'' کھجور کی بٹی ہوئی رسی کو کہتے ہیں۔ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''مسد'' ایک زنجیر ہے جس کی لمبائی ستر ہاتھ ہے۔ ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ ستر ہاتھ لمبا آتش جہنم کا طوق ہے۔ جوہری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ مسد کھجور قندر سے بٹی ہوئی رسی کو کہتے ہیں اور کبھی کبھی یہ اونٹ کی کھال اور اس کے بالوں سے بھی بٹی جاتی ہے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کے گلے میں لوہے کا طوق ہوگا۔ عرب لوہے کی چرخی کو مسد کہتے ہیں۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو کانی ام جمیل ہاتھ میں نوکدار پتھر لئے شور مچاتی ہوئی آئی۔ وہ یہ شعر پڑھ رہی تھی:

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 423 مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 492، المعجم الکبیر، جلد 5، صفحہ 63 مجمع الزوائد، جلد 6، صفحہ 36

2۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 543　　3۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 339

مذمما ابینا ودینہ قلینا وامرہ عصینا

''ہم مذمم (محمد ﷺ) کا انکار کرتے ہیں۔ اس کے دین کو ناپسند کرتے ہیں اور اس کے امر کی نافرمانی کرتے ہیں''۔

رسول اللہ ﷺ بیت اللہ شریف میں تشریف فرما تھے اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ام جمیل کو آتے دیکھ کر عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! یہ آ رہی ہے۔ مجھے یہ خوف ہے کہیں یہ آپ کو نہ دیکھ لے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بےفکر رہو۔ یہ مجھے نہیں دیکھ سکے گی۔ پھر آپ ﷺ نے قرآن کریم کی آیات تلاوت فرمائیں۔ اس کی وجہ سے آپ اس سے محفوظ ہوگئے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَ اِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَیْنَكَ وَ بَیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا (اسراء: 45) ''اور (اے محبوب) جب آپ پڑھتے ہیں قرآن کو تو ہم (حائل) کر دیتے ہیں آپ کے درمیان اور ان کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ایک پوشیدہ پردہ جو آنکھوں سے نہاں ہوتا ہے''۔ وہ آئی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر کھڑی ہوگئی۔ رسول اللہ ﷺ سامنے موجود تھے لیکن آپ کو نہ دیکھ سکی۔ کہنے لگی: مجھے معلوم ہوا ہے کہ تیرے ساتھی نے میری ہجو کی ہے۔ آپ نے فرمایا: مجھے رب کعبہ کی قسم! انہوں نے تمہاری ہجو نہیں کی۔ آپ کا یہ جواب سن کر یہ کہتے ہوئے واپس لوٹ گئی کہ سارے قریش جانتے ہیں کہ میں ان کے سردار کی بیٹی ہوں۔

ایک دوسری روایت میں ہے ایک مرتبہ یہ ام جمیل ایک لمبی چادر اوڑھے بیت اللہ کا طواف کر رہی تھی۔ اس کا پاؤں چادر میں الجھ گیا۔ وہ کہنے لگی: برباد ہو مذمم، ساتھ ہی ام حکیم بنت عبدالمطلب کھڑی تھیں۔ وہ پاکدامن عورت تھیں انہوں نے کہا میں کوئی بات نہیں کروں گی۔ میں ایک ذہین اور زیرک عورت ہوں۔ مجھے معلوم نہیں تم کیا کہہ رہی ہو۔ ہم دونوں ایک ہی باپ دادا کی اولاد ہیں تمام قریش اس کو جانتے ہیں (1)۔ بزار کی روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے عرض کی آپ یہاں سے ایک طرف ہٹ جائیں۔ یہ عورت کہیں آپ کو تکلیف نہ پہنچائے۔ آپ نے فرمایا: میرے اور اس کے درمیان پردہ حائل ہو جاتا ہے۔ وہ آئی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس کھڑی ہو کر کہنے لگی: تیرے ساتھی نے ہماری ہجو کی ہے۔ آپ نے فرمایا: رب کعبہ کی قسم! نہ وہ شعر گوئی جانتے ہیں اور نہ کبھی شعر کو اپنی زبان پر لاتے ہیں۔ کہنے لگی: تم سچ کہتے ہو۔ جب واپس چلی گئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یہ آپ ﷺ کو نہیں دیکھ سکی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ایک فرشتہ میرے اور اس کے درمیان آڑ بن کر کھڑا تھا یہاں تک کہ واپس چلی گئی (2)۔ بعض علماء نے فرمایا ہے فِیْ جِیْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ کا معنی یہ ہے کہ اس کے گلے میں جہنم میں ایک رسی ڈالی جائے گی۔ پھر اسے کھینچ کر جہنم کے کنارے کے اوپر لایا جائے گا اور پھر وہاں سے نیچے کی طرف پھینک دیا جائے گا اور یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہے گا (3)۔ ابو خطاب دحیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''التنویر'' میں لکھا ہے کہ یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے روایت کی گئی ہے۔ یہاں کنواں کے ڈول کی رسی کو مسد کہا گیا ہے (4)۔ ابو حنیفہ دینوری اپنی کتاب نباتات میں لکھتے ہیں کنواں کی رسی کو مسد کہتے ہیں۔ اس معنی میں کچھ اشعار نقل کئے گئے ہیں۔ علماء کرام فرماتے ہیں یہ سورت نبی کریم ﷺ کی نبوت پر واضح اور بین دلیل ہے کہ جس طرح اس سورت میں ان کی بدبختی اور عدم ایمان کی خبر دی گئی ہے، واقعتہً بھی ایسے ہی ہوا۔ ان میں سے کسی ایک کو بھی ایمان کی توفیق نصیب نہ ہوئی۔ نہ وہ ظاہراً مسلمان ہوئے نہ باطناً۔ نہ پوشیدہ طور پر نہ علانیہ طور پر۔ اس طرح یہ سورت نبی کریم ﷺ کی نبوت پر قوی اور روشن دلیل ہے۔

1۔ سیرت ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 356-335 نیز دیکھئے تفسیر سورۂ اسراء، آیت: 45
2۔ کشف الاستار عن زوائد البزار تفسیر سورۂ لہب، جلد 3، صفحہ 83
3۔ الروض الانف، جلد 1، صفحہ 222
4۔ وفیات الاعیان، جلد 3، صفحہ 122

سورۂ اخلاص (مکیہ)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مشرکین نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: ہمارے لئے اپنے رب کے اوصاف بیان کیجئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی(1)۔ ابن جریر اور ترمذی رحمہما اللہ تعالیٰ میں یہ الفاظ زائد ہیں۔ ''صمد'' وہ ہوتا ہے جو نہ تو خود پیدا ہوا اور نہ اس کی اولاد ہو۔ کیونکہ جو چیز پیدا ہوگی اس پر موت آئے گی اور جس پر موت آئے گی دوسرے لوگ اس کے وارث بنیں گے۔ اللہ تعالیٰ پر موت آسکتی ہے نہ کوئی اس کا وارث بن سکتا ہے اور نہ ہی کوئی اس کا ہم سر اور مشابہ ہے بلکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: (**لیس کمثلہ شیئ**)(2) مسند ابو یعلی موصلی میں یہ حدیث ہے۔ اس روایت میں ہے کہ سوال کرنے والا اعرابی تھا(3)۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے کہ یہ سوال مشرکین نے کیا تھا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر چیز کی کوئی نسبت ہوتی ہے اور اللہ کی نسبت یہ سورت اخلاص ہے(4) اور صمد اس کو کہتے ہیں جو کھوکھلا نہ ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی کو ایک دستہ کا امیر بنا کر جہاد کے لئے بھیجا۔ وہ ہر نماز میں قرأت کے آخر میں سورۂ اخلاص پڑھتے تھے۔ جب وہ واپس لوٹے تو انہوں نے اس کا ذکر نبی کریم ﷺ سے کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ ایسے کیوں کرتا ہے۔ ان سے پوچھنے پر اس صحابی نے بتایا: یہ سورت رحمٰن کی صفت ہے۔ میں اسے پڑھنا پسند کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اسے یہ خبر دو کہ اللہ بھی تمہیں دوست رکھتا ہے(5)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک انصاری صحابی مسجد قباء کے امام تھے۔ ان کی یہ عادت تھی کہ الحمد کے بعد سورۂ اخلاص پڑھتے پھر اس کے بعد کوئی دوسری سورت یا کوئی آیات پڑھتے۔ ہر رکعت میں ان کا یہی معمول تھا۔ لوگوں نے پوچھا کہ آپ الحمد شریف کے بعد اس سورت کو بھی پڑھتے ہیں اور اس کے بعد دوسری سورت کو بھی۔ یا تو آپ سورۂ اخلاص ہی پڑھا کریں یا پھر اسے چھوڑ کر دوسری سورت پڑھ لیا کریں۔ انہوں نے فرمایا: میں تو اسے نہیں چھوڑوں گا۔ اگر تم چاہو گے تو میں نماز پڑھاؤں گا اور اگر تم ناپسند کرتے ہو تو میں نماز پڑھانا چھوڑ دیتا ہوں۔ لوگ انہیں اپنے میں سب سے افضل سمجھتے تھے اور اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ ان کی موجودگی میں کوئی دوسرا نماز پڑھائے۔ ایک دن نبی کریم ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے۔ ان لوگوں نے آپ کے سامنے یہ مسئلہ بیان کیا۔ آپ ﷺ نے اس صحابی سے پوچھا کہ تم اپنے ساتھیوں کی بات کیوں نہیں مانتے۔ تم ہر رکعت میں اس سورت کو پڑھنا لازمی کیوں سمجھتے ہو؟ اس نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! مجھے یہ سورت بڑی پسند ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تجھے اس سے یہ پسندیدگی اور محبت جنت

1۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 134-133، عارضۃ الاحوذی، جلد 12، صفحہ 260-259، تفسیر سورۂ اخلاص، تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 347-346-332

2۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 134-133، عارضۃ الاحوذی، جلد 12، صفحہ 260-259 تفسیر سورۂ اخلاص، تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 347-342

3۔ مسند ابو یعلی، جلد 2، صفحہ 398، مجمع الزوائد، جلد 7، صفحہ 146، تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 343

4۔ مجمع الزوائد، جلد 7، صفحہ 146

5۔ فتح الباری، کتاب التوحید، جلد 13، صفحہ 348-347، مسلم، کتاب صلوۃ المسافرین، جلد 1، صفحہ 557، نسائی، کتاب الافتتاح، جلد 2، صفحہ 171-170

میں داخل کر دے گی (1)۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسے مختصراً روایت کیا ہے۔ ایک شخص نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میں سورۂ اخلاص سے محبت کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کی محبت تجھے جنت میں داخل کر دے گی (2)۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے کسی کو رات کے وقت بار بار یہ سورت دہراتے ہوئے سنا۔ صبح وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کے بارے میں ذکر کیا۔ شاید اس شخص نے اس سورت کو چھوٹا خیال کیا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: قسم ہے مجھے اس ذات کی، جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! یہ تہائی قرآن کے برابر ہے۔ اسے ابوداؤد اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہ نے بھی مختلف اسناد سے روایت کیا ہے (3)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ نبی پاک ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کو ارشاد فرمایا: کیا تم میں سے کوئی اس بات سے عاجز ہے کہ وہ رات کو ایک تہائی قرآن پڑھ لے۔ صحابہ کرام کو یہ بات بڑی مشکل لگی۔ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ہم میں سے کون ہے جو اس کی طاقت رکھتا ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ تہائی قرآن کے برابر ہے (4)۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ پوری رات قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کی تلاوت کرتے رہتے۔ جب نبی کریم ﷺ سے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! یہ نصف یا تہائی قرآن کے برابر ہے (5)۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ ایک مجلس میں تشریف فرما تھے۔ فرمانے لگے کیا تم میں سے کوئی نوافل میں تہائی قرآن پڑھ سکتا ہے۔ صحابہ نے عرض کی ہم میں سے کس میں اتنی طاقت ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ تہائی قرآن ہے۔ اسی اثناء میں نبی کریم ﷺ تشریف لے آئے۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی یہ بات سنتے ہی فرمانے لگے ابوایوب نے سچ کہا (6)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ سے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جلدی جمع ہو جاؤ۔ میں ابھی تمہارے سامنے تہائی قرآن کی تلاوت کروں گا۔ بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔ آپ ﷺ حجرہ شریف سے باہر تشریف لائے اور سورۂ اخلاص کی تلاوت فرمائی اور واپس لوٹ گئے۔ ہم ایک دوسرے کے ساتھ گفتگو کرنے لگے کہ آپ ﷺ نے تو فرمایا تھا میں تمہارے سامنے تہائی قرآن تلاوت کروں گا، شاید آسمان سے کوئی وحی نازل ہوگئی ہے۔ تھوڑی دیر بعد حضور ﷺ باہر تشریف لائے۔ ارشاد فرمایا کہ میں نے تمہیں کہا تھا کہ میں تمہارے سامنے تہائی قرآن کی تلاوت کروں گا۔ ذرا غور سے سنو۔ یہ سورت تہائی قرآن کے برابر ہے (7)۔ حضرت ابودرداء، حضرت ابوسعید خدری، حضرت قتادہ، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم اور کئی دوسرے صحابہ کرام سے اس کی مثل روایات مروی ہیں۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھا، اس نے ایک تہائی

1۔ فتح الباری، کتاب الاذان، جلد 2، صفحہ 255، عارضۃ الاحوذی، ابواب فضائل القرآن، جلد 11، صفحہ 27-26، مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 141

2۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب فضائل القرآن، جلد 11، صفحہ 27-26

3۔ فتح الباری، کتاب التوحید، جلد 13، صفحہ 347، کتاب الفضائل، الفتح، جلد 9، صفحہ 59-58، کتاب الایمان، جلد 11، صفحہ 525، ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، جلد 2، صفحہ 72، سنن کبری، کتاب فضائل القرآن، بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 3، صفحہ 376-375، تحفۃ الاشراف، جلد 8، صفحہ 279

4۔ فتح الباری، کتاب فضائل القرآن، جلد 9، صفحہ 59   5۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 15   6۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 173

7۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب فضائل القرآن، جلد 11، صفحہ 26، مسلم کتاب صلاۃ المسافرین، جلد 1، صفحہ 557

قرآن پاک پڑھا(1)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ تہائی قرآن کے برابر ہے(2)۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا تم اس بات سے عاجز ہو کہ ہر روز تہائی قرآن پڑھا کرو۔ صحابہ کرام نے عرض کی ہاں یا رسول اللہ ﷺ! ہم تو بڑے ضعیف اور کمزور ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے قرآن کو تین حصوں میں تقسیم فرمایا ہے۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ایک تہائی قرآن ہے(3)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا۔ آپ ﷺ نے ایک شخص کو سورۂ اخلاص تلاوت کرتے ہوئے سنا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: لازم ہوگئی، میں نے عرض کی: کیا لازم ہوگئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جنت(4)۔ پہلے یہ حدیث گزر چکی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: تیری اس سورت سے یہ محبت تجھے جنت میں داخل کردے گی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: کیا تم میں سے کوئی ایک رات میں تین مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھنے کی استطاعت نہیں رکھتا۔ پھر فرمایا: یہ تہائی قرآن کے برابر ہے(5) اسے ابویعلی نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔

حضرت عبداللہ بن حبیب رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ہمیں پیاس لگی ہوئی تھی۔ رات انتہائی تاریک تھی۔ ہم رسول اللہ ﷺ کا انتظار کر رہے تھے کہ آپ ﷺ ہمیں عشاء کی نماز پڑھائیں۔ آپ ﷺ باہر تشریف لائے اور میرا ہاتھ پکڑ کر ارشاد فرمایا: پڑھو۔ میں خاموش رہا۔ آپ نے مجھے فرمایا پڑھو۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میں کیا پڑھوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ تین تین مرتبہ صبح و شام پڑھ لیا کرو(6)۔ اسے ابوداؤد اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے روایت کیا ہے۔ حضرت تمیم الداری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں جس نے یہ کلمات دس مرتبہ پڑھے، اس کے نامہ اعمال میں چالیس لاکھ نیکیاں لکھی جائیں گی۔ وہ کلمات یہ ہیں: ''لا اله الا الله واحدا احدا صمدا، لم يتخذ صاحبة ولا ولدا ولم يكن له كفوا احد''(7)۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے قُلْ هُوَ اللّٰهُ کو دس مرتبہ پڑھا، اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں ایک محل بنائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! تب تو ہم اسے کثرت سے پڑھیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے پاس کسی چیز کی کمی نہیں اور وہ بہت پاکیزہ ہے(8)۔

ابوعبید رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں: دارمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ابدال میں سے تھے۔ انہوں نے حضرت سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے گیارہ مرتبہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھا، اس کے لئے اللہ تعالیٰ جنت میں

1۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 141، الیوم واللیلۃ: 425

2۔ مسند امام احمد، جدل 4، صفحہ 122، سنن ابن ماجہ، کتاب الادب، جلد 2، صفحہ 1245 الیوم واللیلۃ: 427-426

3۔ مسند امام احمد، جلد 6، صفحہ 447، مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، جلد 1، صفحہ 556 الیوم واللیلۃ، جلد 430-429

4۔ الموطا، کتاب القرآن، جلد 2، صفحہ 208، عارضۃ الاحوذی، باب فضائل القرآن، جلد 11، صفحہ 25-24، نسائی، کتاب الافتتاح، جلد 2، صفحہ 171

5۔ مسند ابویعلی، جلد 4، صفحہ 151، مجمع الزوائد، جلد 7، صفحہ 146-5، 234

6۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 312، سنن ابوداؤد، کتاب الادب، جلد 4، صفحہ 322-321 عارضۃ الاحوذی، جلد 13، صفحہ 79، نسائی، کتاب الاستعاذۃ، جلد 8، صفحہ 250

7۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 103، تہذیب الکمال، جلد 8، صفحہ 343 8۔ مسند امام احمد، جلد 3، صفحہ 437

ایک محل بنائے گا۔ جس نے اکیس مرتبہ پڑھا اس کے لئے دو اور جس نے تیس مرتبہ پڑھا اس کے لئے تین محل بنائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: تب تو ہم بہت سے محل بنالیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا ہے(1)۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے اکیاون مرتبہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھی۔ اللہ تعالیٰ اس کے پچاس سال کے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ اسے حافظ ابویعلی موصلی نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے اور اسی مسند کی دوسری روایت ہے کہ جس نے ایک دن میں دوسو مرتبہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھی اس کے نامہ اعمال میں ایک ہزار پانچ نیکیاں لکھی جائیں گی بشرطیکہ اس پر قرض نہ ہو۔ اس کی سند بھی ضعیف ہے(2)۔ ایک روایت کے الفاظ ہیں جس نے دوسو مرتبہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کی تلاوت کی، اللہ تعالیٰ اس کے پچاس سال کے گناہ معاف فرما دے گا بشرطیکہ اس پر قرض نہ ہو(3)۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اپنے بستر پر سونے کا ارادہ کرے وہ اپنی دائیں کروٹ لیٹ کر ایک سو مرتبہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے فرمائے گا اے میرے بندے! اپنی دائیں جانب سے جنت میں داخل ہو جا(4)۔

حضرت عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مسجد نبوی میں داخل ہوا۔ وہاں ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا اور یہ دعا مانگ رہا تھا: ''اللھم انی اسئلک بانی اشھد ان لا الہ الا انت الاحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد'' آپ ﷺ نے یہ دعا سن کر فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اس نے اللہ سے اس کے اس اسم اعظم کے ساتھ سوال کیا ہے کہ جس کے ساتھ سوال کیا جائے تو وہ عطا کرتا ہے اور اگر دعا کی جائے تو وہ قبول فرماتا ہے(5)۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تین عمل ایسے ہیں کہ جن کو اگر کوئی ایمان کی حالت میں کرتا ہے تو وہ جنت کے جس دروازہ سے چاہے گا داخل ہو جائے گا۔ جس حور سے چاہے گا، نکاح کر لے گا۔ 1۔ جو اپنے قاتل کو معاف کر دے۔ 2۔ خفیہ طور پر قرض ادا کرے۔ 3۔ ہر فرض نماز کے بعد دس مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ اگر ان میں کوئی ایک کام کرے۔ فرمایا: اسے بھی وہی درجہ حاصل ہوگا(6)۔ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: جس نے اپنے گھر داخل ہوتے وقت قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھا تو یہ سورت اس کے گھر اور پڑوسیوں کے گھر سے شر کو دور بھگا دیتی ہے(7)۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم غزوۂ تبوک میں حضور ﷺ کے ساتھ تھے۔ ایک دن سورج ایسے نور اور روشن کرنوں سے طلوع ہوا کہ اس سے پہلے ہم نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ تھوڑی دیر بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جبرئیل! جیسے آج سورج طلوع ہوا، اس سے پہلے ایسا کبھی نہیں دیکھا۔ انہوں نے عرض کی، آپ ﷺ کے صحابی معاویہ بن معاویہ لیثی مدینہ طیبہ میں انتقال فرما گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی نماز جنازہ میں ستر ہزار فرشتے بھیجے

1۔ سنن دارمی، کتاب فضائل القرآن، جلد 2، صفحہ 330 — 2۔ مسند ابویعلی، جلد 3، صفحہ 358

3۔ عارضۃ الاحوذی، ابواب فضائل القرآن، جلد 11، صفحہ 25 — 4۔ ایضاً مرجع مذکور

5۔ سنن کبریٰ، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 2، صفحہ 90، سنن ابوداؤد، کتاب الوتر، جلد 2، صفحہ 79، عارضۃ الاحوذی، ابواب الدعاء، جلد 13، صفحہ 20، ابن ماجہ، کتاب الدعاء، جلد 2، صفحہ 1268-1267

6۔ مسند ابویعلی، جلد 2، صفحہ 324-323، مجمع الزوائد، جلد 6، صفحہ 301 — 7۔ المعجم الکبیر، جلد 2، صفحہ 340

ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: انہیں یہ مقام کیسے حاصل ہوا؟ انہوں نے عرض کیا یہ دن رات چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے ہر حالت میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ پھر عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! اگر آپ بھی ان کی نماز جنازہ پڑھنا چاہتے ہیں تو زمین سمیٹ دیتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے زمین پر پر مارا جس سے تمام درخت اور ٹیلے ہموار ہو گئے۔ آپ ﷺ کے سامنے ان کی چارپائی کو بلند کیا گیا۔ آپ ﷺ اس کا مشاہدہ فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی اور آپ کے پیچھے دو صفیں تھیں جس میں ستر ہزار فرشتے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ ہر صف میں ستر ہزار فرشتے تھے۔ اس روایت کو حافظ ابویعلی موصلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ اور کئی دوسرے محدثین نے بھی مختلف اسناد سے روایت کیا ہے لیکن سب ضعیف ہیں(1)۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میری ملاقات حضور ﷺ سے ہوئی، میں نے جلدی سے آپ کا ہاتھ تھام لیا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! مومن کی نجات کس عمل پر ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اے عقبہ! اپنی زبان کو بند رکھو۔ اپنے گھر میں ہی بیٹھے رہا کرو اور اپنی خطاؤں پر رویا کرو۔ وہ فرماتے ہیں پھر رسول اللہ ﷺ مجھے راستہ میں ایک دن ملے۔ آپ نے جلدی سے میرا ہاتھ تھام کر فرمایا: اے ابن عامر! کیا میں تمہیں تورات، زبور، انجیل اور قرآن میں لکھی ہوئی تمام سورتوں سے بہترین سورت نہ بتاؤں۔ میں نے عرض کی: کیوں نہیں۔ ارشاد فرمائیے! میں آپ پر قربان۔ آپ ﷺ نے مجھے سورۂ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھائیں۔ عقبہ ان کو نہ بھولنا اور ہر رات ان کو پڑھ لیا کر۔ فرماتے ہیں پھر میں نہ تو ان کو بھولا اور نہ کوئی رات انہیں پڑھے بغیر گزاری۔ پھر آپ سے میری ملاقات ہوئی۔ میں نے جلدی سے آپ ﷺ کا دست مبارک تھام لیا۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! مجھے بہترین اعمال کے بارے میں ارشاد فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جو تجھ سے قطع رحمی کرے اسی سے صلہ رحمی کر۔ جو تجھے محروم رکھے اسے عطا کر، جو تجھ پر ظلم کرے اس سے درگزر اور معاف کر(2)۔ اس حدیث کا بعض حصہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے باب الزہد میں ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ حسن ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ایک دوسری سند سے روایت کیا ہے(3)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ رات کے وقت جب بستر پر تشریف لے جاتے تو ہر رات ان تینوں سورتوں کو پڑھ کر اور اپنی دونوں ہتھیلیوں کو ملا کر دم کرتے اور جہاں تک ہاتھ پہنچ سکتے اپنے جسم مبارک پر پھیرتے۔ پہلے سر مبارک پر، پھر منہ مبارک پر اور پھر باقی جسم مبارک پر اور یہ عمل تین مرتبہ دہراتے(4)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝

1۔ مسند ابویعلی، جلد 4، صفحہ 210، مجمع الزوائد، جلد 2، صفحہ 421، دلائل النبوۃ، جلد 5، صفحہ 245، مسند ابویعلی، جلد 4، صفحہ 211-210، دلائل النبوۃ، جلد 5، صفحہ 446، الجرح والتعدیل، جلد 8، صفحہ 389

2۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 148، عارضۃ الاحوذی، ابواب الزہد، جلد 9، صفحہ 247

3۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 159-158

4۔ صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، جلد 9، صفحہ 62، سنن ابوداؤد، کتاب الادب، جلد 4، صفحہ 313، عارضۃ الاحوذی، باب الدعاء، جلد 12، صفحہ 290-289، سنن نسائی، باب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 12، صفحہ 61-60، ابن ماجہ کتاب الدعاء، جلد 2، صفحہ 1275

"(اے حبیب!) فرما دیجئے وہ اللہ ہے یکتا۔ اللہ صمد ہے۔ نہ اس نے کسی کو جنا۔ اور نہ وہ جنا گیا۔ اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہے"۔

شان نزول پہلے گزر چکا ہے۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب یہودیوں نے کہا کہ ہم عزیر ابن اللہ کی عبادت کرتے ہیں، نصرانیوں نے کہا ہم مسیح ابن اللہ کی عبادت کرتے ہیں، مجوسیوں نے کہا کہ ہم شمس وقمر کی پوجا کرتے ہیں اور مشرکین نے کہا کہ ہم بتوں کی پرستش کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر یہ سورت نازل فرمائی۔

فرمایا: (اے حبیب!) فرما دیجئے! وہ اللہ یکتا تنہا اور یگانہ ہے۔ اس کی نظیر ہے نہ کوئی مثیل، نہ کوئی مدمقابل ہے نہ کوئی شبیہ اور نہ کوئی ہمسر۔ اس لفظ کا اطلاق اثبات میں صرف اللہ کی ذات پر ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کی ذات تمام صفات وکمال میں کامل ہے۔

فرمایا: اللہ صمد ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: صمد وہ ذات ہوتی ہے کہ تمام مخلوق، اپنی حاجات اور مسائل میں اس کی طرف رجوع کرے اور ایک روایت ہے کہ صمد وہ ذات ہے جو اپنی سرداری، شرافت، عظمت اور علم وحلم میں کمال درجے کو پہنچا ہو اور صمد وہ ذات ہے جس میں سیادت اور شرافت کی تمام انواع واقسام مکمل طور پر پائی جائیں اور یہ صفت صرف اللہ کی ذات میں ہے۔ اس کے سوا کسی اور کو لائق نہیں۔ اس کا کوئی ہمسر نہیں۔ وہ بے نظیر ہے۔ وہ ہر قسم کے نقص سے پاک، واحد اور ہر ایک پر غالب ہے(1)۔ ابو وائل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صمد اس سردار کو کہتے ہیں جس پر سیادت کی انتہا ہو جائے۔ حسن بصری اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ صمد وہ ذات ہے جو اپنی مخلوق کے بعد باقی رہے۔ عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صمد وہ ہے جو نہ کھائے، نہ پیئے نہ اس سے کوئی چیز نکلے۔

حضرت ربیع بن انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں صمد وہ ذات ہے جو نہ خود پیدا ہو نہ اس سے کوئی اولاد ہو۔ گویا کہ انہوں نے لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ کو صمد کی تفسیر قرار دیا ہے اور یہ تفسیر عمدہ ہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس کی تصریح موجود ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود، ابن عباس رضی اللہ عنہم اور کئی دوسرے مفسرین فرماتے ہیں صمد وہ ہے جس کا پیٹ نہ ہو۔ صمد وہ ہے جو کوئی کھائے نہ پیئے۔ صمد چمکتا ہوا نور ہے یہ عبداللہ بن بریدہ کا قول ہے(2)۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی ہے کہ صمد وہ جس کا پیٹ نہ ہو لیکن اس کا عبداللہ بن بریدہ پر موقوف ہونا ہی صحیح ہے(3)۔ طبرانی کتاب السنہ میں یہ تمام اقوال نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ صمد کی تعریف اور تفسیر میں یہ تمام قول صحیح ہیں اور یہ ہمارے پروردگار کی تمام صفات ہیں۔ وہی ہے جس کی بارگاہ میں حاجات پیش کی جاتی ہیں۔ اسی پر سیادت کی انتہا ہے۔ وہی صمد ہے جس کا کوئی پیٹ نہیں۔ نہ کھاتا ہے، نہ پیتا ہے، وہی اپنی مخلوق کے بعد باقی رہنے والا ہے۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کی مثل فرمایا ہے۔

فرمایا: نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہے۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے۔ نہ والد نہ بیوی۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ کا معنی یہ ہے کہ اس کی کوئی بیوی نہیں۔ جیسا کہ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ۭ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ (الانعام: 2-101) "موجد ہے آسمانوں اور زمین کا کیوں کر ہو سکتا ہے اس کا کوئی لڑکا حالانکہ نہیں ہے اس کی کوئی بیوی اور پیدا فرمایا ہے اس نے ہر چیز کو اور وہ ہر چیز کو اچھی طرح جاننے والا ہے۔ یہ اللہ ہے (جو) تمہارا

1۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 346　2۔ الاسماء والصفات، جلد 1، صفحہ 111-110　3۔ تفسیر طبری، جلد 3، صفحہ 345

پروردگار ہے نہیں کوئی خدا سوائے اس کے پیدا کرنے والا ہے ہر چیز کا"۔ وہ ہر چیز کا خالق و مالک ہے۔ اس کی اپنی پیدا کردہ مخلوق میں سے کوئی اس کے ہم مثل کیسے ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ان تمام عیوب سے منزہ اور طاہر ہے اور ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ (انبیاء: 28-26) "وہ کہتے ہیں بنالیا ہے رحمٰن نے (اپنے لئے) بیٹا سبحان اللہ! (یہ کیونکر ہوسکتا ہے) بلکہ وہ تو (اس کے) معزز بندے ہیں۔ نہیں سبقت کرتے اس سے بات کرنے میں اور وہ اسی کے حکم پر کاربند ہیں۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے گزر چکا ہے اور وہ شفاعت نہیں کریں گے مگر اس کے لئے جسے وہ پسند فرمائے اور وہ (اس کی بے نیازی کے باعث) اس کے خوف سے ڈر رہے ہیں"۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ؕ وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ۙ﴿۱۵۸﴾ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ (صافات: 59-158) "اور ٹھہرا دیا ہے انہوں نے اللہ تعالیٰ اور جنوں کے درمیان رشتہ۔ حالانکہ جن خود جانتے ہیں کہ انہیں (پکڑ کر) پیش کیا جائے گا۔ پاک ہے اللہ ان (لغویات) سے جو یہ بیان کرتے ہیں"۔

صحیح بخاری کی روایت ہے کہ اذیت رساں باتوں کو سن کر اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی صابر نہیں ہے۔ لوگ اس کے لئے اولاد ثابت کرتے ہیں اور وہ انہیں رزق دیتا ہے، صحت و عافیت دیتا ہے(1)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے ابن آدم! تو مجھے جھٹلاتا ہے۔ حالانکہ یہ تیرے لئے مناسب نہیں۔ تو مجھے گالیاں دیتا ہے۔ یہ بھی تیرے لئے مناسب نہیں اور تیرا مجھ کو جھٹلانا یہ ہے کہ تو کہتا ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے مجھے ابتداءً پیدا کیا ایسے دوبارہ زندہ نہیں کرے گا حالانکہ پہلی مرتبہ پیدا کرنا دوسری مرتبہ زندہ کرنے سے کچھ آسان تو نہیں۔ تیرا مجھے گالیاں دینا یہ ہے کہ تو کہتا ہے کہ اللہ کی اولاد ہے حالانکہ میں تنہا اور یکتا ہوں۔ میں صمد ہوں۔ نہ میری اولاد ہے۔ نہ ماں باپ، نہ کوئی ہمسر (2)۔ یہ حدیث عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کی ہے۔

1۔ دیکھئے سورۂ بقرۃ آیت: 126، سورۂ نحل آیت: 47، سورۂ مریم آیت: 91، 37

2۔ دیکھئے تفسیر سورۂ روم آیت 27

سورۃ الفلق (مدنیہ)

حضرت زر بن حبیش رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سورۂ فلق اور ناس کو اپنے نسخہ قرآن میں نہیں لکھتے۔ انہوں نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے خبر دی ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے آپ سے کہا: قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ پڑھیے۔ تو آپ ﷺ نے یہ سورت پڑھی اور جبرئیل نے کہا قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھیے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے یہ سورت پڑھی۔ پس ہم بھی وہی کہتے ہیں جو نبی کریم ﷺ نے فرمایا(1)۔

ابوبکر حمیدی رحمۃ اللہ علیہ کی مسند میں ہے کہ حضرت زر بن حبیش رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے معوذتین (الفلق و الناس) کے بارے میں پوچھا۔ میں نے انہیں کہا آپ کے بھائی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ انہیں قرآن سے محو کر دیتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے ان کے بارے میں پوچھا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے اللہ تعالیٰ نے ان کو پڑھنے کا حکم فرمایا ہے اور میں پڑھتا ہوں۔ ہم بھی اسی بات پر عمل کرتے ہیں جو نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی ایک اور روایت ہے جو انہی الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔ بخاری اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی اسی کی مثل روایت کیا ہے(2)۔

مسند ابویعلی میں علقمہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان دونوں سورتوں کو اپنے قرآن سے محو کر دیتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو ان سورتوں سے دم کرنے کا حکم دیا تھا۔ چنانچہ وہ اس کی تلاوت نہیں کرتے تھے۔ بہرحال قراء حضرات اور فقہاء کرام کے نزدیک یہی مشہور ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان دونوں سورتوں کو قرآن میں شمار نہیں کرتے تھے۔ اس کی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں۔ ہوسکتا ہے انہوں نے ان سورتوں کو نبی کریم ﷺ سے نہ سنا ہو اور نہ تواتر کے ساتھ آپ تک پہنچی ہوں اور یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے اس قول سے رجوع کر کے تمام صحابہ کرام کے قول کو اختیار کیا تھا، جنہوں نے ان دونوں صورتوں کو اپنے اپنے مصاحف میں لکھا اور ان کو تمام عالم اسلام میں پھیلا دیا۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں ارشاد فرمایا: کیا تمہیں معلوم نہیں ہے آج رات مجھ پر کچھ ایسی آیات نازل ہوئیں کہ ان کی مثل پہلے نہیں دیکھی گئیں پھر آپ ﷺ نے سورۂ فلق اور ناس کی تلاوت فرمائی(3)۔

دوسری روایت میں فرماتے ہیں میں مدینہ طیبہ کی کسی گلی میں رسول کریم ﷺ کی سواری کی نکیل تھامے آگے جا رہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: عقبہ! آؤ اب تم سوار ہو جاؤ۔ میں نے سوچا کہیں آپ کی حکم عدولی میں آپ کی نافرمانی نہ ہو جائے۔ اس لئے آپ ﷺ کے حکم کے مطابق تھوڑی دیر کے لئے سوار ہوا اور فوراً نیچے اتر آیا پھر رسول اللہ ﷺ سوار ہو گئے اور فرمانے لگے اے عقبہ! میں تمہیں دو بہترین سورتیں نہ سکھاؤں۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! ضرور سکھائیے۔ تو آپ نے مجھے یہ دو سورتیں پڑھائیں۔ پھر نماز کا وقت ہو گیا تو

1۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 129 2۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ فلق، سورۃ ناس، سنن کبریٰ، کتاب التفسیر بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 1، صفحہ 15

3۔ مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، جلد 1، صفحہ 558، مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 144، عارضۃ الاحوذی تفسیر سورۂ ہوذتین، جلد 12، صفحہ 262-261، نسائی، کتاب الاستعاذۃ، جلد 8، صفحہ 254

آپ نے نماز میں بھی یہی دو سورتیں تلاوت فرمائیں پھر نماز کے بعد ارشاد فرمایا: اے عقبہ! جب بھی رات کو آرام کرنے لگو تو ان دونوں سورتوں کو پڑھ لینا اور جب جاگو تو اس وقت بھی پڑھ لینا۔ اسے ابوداؤد اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی مختلف اسناد سے روایت کیا ہے(1)۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا مجھے رسول اللہ ﷺ نے ہر نماز کے بعد ان سورتوں کو پڑھنے کا حکم دیا(2)۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک خچر پیش کیا گیا۔ آپ ﷺ اس پر سوار ہوئے۔ میں اس کی لگام تھامے آگے آگے جا رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سورۂ فلق پڑھو۔ پھر جب آپ ﷺ نے مجھے دیکھا کہ میں اس سے بہت خوش نہیں ہوا تو فرمایا: شاید تم اسے چھوٹی سورت خیال کرتے ہو۔ تم نے نماز میں اس قسم کی سورت نہیں پڑھی ہوگی(3)۔ نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: لوگوں نے اپنی حفاظت کے لئے اس قسم کی سورتیں نہیں پڑھی ہوں گی۔ ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: عقبہ! پڑھو۔ میں نے عرض کی۔ میں کیا پڑھوں۔ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد پھر فرمایا۔ پڑھو: میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میں کیا پڑھوں؟ پھر آپ نے سورۂ فلق تلاوت فرمائی۔ میں نے یہ آخر تک پڑھی۔ پھر فرمایا: اللہ کی بارگاہ میں کسی سوال کرنے والے نے اس قسم کی سورت کے ساتھ سوال نہیں کیا ہوگا اور نہ ہی اس کی بارگاہ سے پناہ طلب کرنے والے نے اس قسم کی سورت کے ساتھ پناہ طلب کی ہوگی(4)۔ نسائی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ہے: حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سوار تھے اور میں پیچھے پیچھے جا رہا تھا۔ میں نے اپنے ہاتھ آپ کے قدموں پر رکھے اور عرض کی مجھے سورۂ ہود یا یوسف پڑھائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ سے زیادہ نفع دینے والی کوئی اور سورت نازل نہیں کی(5)۔

حضرت ابن عابس جہنی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے انہیں ارشاد فرمایا: کیا میں تمہیں ان بہترین کلمات سے آگاہ نہ کروں جن کے ساتھ لوگ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پناہ طلب کرتے ہیں۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! ضرور ارشاد فرمائیے۔ آپ ﷺ نے یہ دونوں سورتیں تلاوت فرمائیں(6)۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایات تواتر کا درجہ رکھتی ہیں اور اکثر محققین کے نزدیک علم یقینی کا فائدہ دیتی ہیں۔ ایک روایت پہلے بھی حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے گزر چکی ہے کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا میں تمہیں تین ایسی سورتیں نہ سکھا دوں جن کی مثل تورات، انجیل، زبور اور قرآن میں نہیں ہے؟ پھر آپ ﷺ نے یہ تین سورتیں پڑھیں: سورۂ اخلاص، فلق اور ناس۔

حضرت ابو العلاء رضی اللہ عنہ ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں حضور ﷺ کے ساتھ تھے۔ سواریاں کم تھیں اس لئے ہم باری باری سوار ہوتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ اپنی سواری سے نیچے اترے اور آپ نے پیچھے سے آ کر اپنا دست مبارک میرے کندھے پر رکھا اور آپ نے سورۂ فلق اور ناس کی تلاوت فرمائی۔ میں نے آپ ﷺ کے ساتھ یہ سورتیں پڑھیں پھر آپ نے فرمایا: نماز میں ان دونوں سورتوں کو پڑھا کرو(7)۔ ظاہر یہی ہے کہ اس شخص سے مراد عقبہ بن عامر ہیں۔ حضرت عبداللہ اسلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا دست مبارک میرے سینے پر رکھا، پھر فرمایا: پڑھو۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ میں کیا پڑھوں۔ آپ ﷺ نے پھر

1۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 144، سنن نسائی، کتاب الاستعاذۃ، جلد 8، صفحہ 253-252، سنن ابوداؤد، کتاب الوتر، جلد 2، صفحہ 73

2۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 155، سنن ابوداؤد، کتاب الوتر، جلد 2، صفحہ 86، عارضۃ الاحوذی، ابواب فضائل القرآن، جلد 11، صفحہ 28، سنن نسائی، کتاب الصلاۃ، جلد 3، صفحہ 68

3۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 146 4۔ سنن نسائی، کتاب الاستعاذۃ، جلد 8، صفحہ 255-253 5۔ سنن نسائی، کتاب الاستعاذۃ، جلد 8، صفحہ 254

6۔ سنن نسائی، کتاب الاستعاذۃ، جلد 8، صفحہ 252-251 7۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 24-79

فرمایا: پڑھو۔ پھر میں نے سورۂ اخلاص پڑھی۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا: پڑھو۔ میں نے سورۂ فلق مکمل پڑھی۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا: پڑھو۔ میں نے سورۂ ناس کو آخر تک پڑھا۔ پھر ارشاد فرمایا: اس طرح اللہ کی پناہ مانگا کرو۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: اے جابر! پڑھو۔ میں نے عرض کی میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں! میں کیا پڑھوں؟ فرمایا: قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھو۔ پھر آپ ﷺ نے خود ان دونوں سورتوں کی تلاوت فرمائی۔ فرمایا: ان دونوں سورتوں کو پڑھا کرو۔ ان جیسی اور کوئی سورت نہیں (1)۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ان سورتوں کو پڑھ کر اپنے دونوں ہاتھوں پر پھونک مارتے اور پھر ان کو اپنے سر اور چہرے مبارک، جسم مبارک کے سامنے والے حصہ پر پھیر لیتے۔ ایک دوسری روایت میں فرماتی ہیں کہ جب آپ ﷺ کو کوئی مرض لاحق ہوتا تو آپ یہ دونوں سورتیں پڑھ کر اپنے جسم پر پھونک مارتے اور جب مرض شدت اختیار کرتا تو میں یہ سورتیں پڑھ کر آپ ﷺ کے دست مبارک پر پھونک مار کر ان کو آپ ﷺ کے جسم مبارک پر پھیر دیتی تا کہ آپ کے دست اقدس کی برکت حاصل ہو جائے۔ اسے امام مالک، بخاری، مسلم رحمہم اللہ تعالیٰ اور کئی دوسرے محدثین نے روایت کیا ہے (2)۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی کو کسی کی نظر لگ جاتی تو اسے کچھ کلمات کے ساتھ دم کیا کرتے تھے۔ جب یہ سورتیں نازل ہوئیں تو آپ ان دونوں پر عمل کرتے باقی پڑھنا چھوڑ دیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ﴿۱﴾ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ﴿۲﴾ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ﴿۳﴾ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ﴿۴﴾ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴿۵﴾

"آپ عرض کیجئے میں پناہ لیتا ہوں صبح کے پروردگار کی۔ ہر اس چیز کے شر سے جس کو اس نے پیدا کیا۔ اور (خصوصاً) رات کی تاریکی کے شر سے جب وہ چھا جائے۔ اور ان کے شر سے جو پھونکیں مارتی ہیں گرہوں میں۔ اور (میں پناہ مانگتا ہوں) حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے"۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ آپ عرض کیجئے۔ میں پناہ لیتا ہوں صبح کے پروردگار کی۔ حضرات عبداللہ بن جابر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ فلق سے مراد صبح ہے۔ یہی قول اکثر تابعین سے مروی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک مقام پر ارشاد فرمایا: (فالق الاصباح) (3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دوسری روایت ہے کہ "فلق" سے مراد تمام مخلوق ہے۔ ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا ہے کہ وہ اس کی پناہ طلب کیا کریں تمام مخلوق کے شر سے۔ حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فلق جہنم میں ایک جگہ ہے۔ جب اس کا دروازہ کھلتا ہے تو تمام اہل جہنم اس کی گرمی کی شدت سے چیخنے چلانے لگتے ہیں۔ یہ

1۔ سنن نسائی، کتاب الاستعاذۃ، جلد 8، صفحہ 254

2۔ الموطا کتاب العین، جلد 2، صفحہ 943-942، فتح الباری، کتاب فضائل القرآن، جلد 9، صفحہ 42 مسلم، کتاب السلام، جلد 4، صفحہ 1723، سنن ابوداؤد، کتاب الطب، جلد 4، صفحہ 12-11 سنن کبریٰ، کتاب الطب والتفسیر، الیوم واللیلۃ بحوالہ تحفۃ الاشراف، جلد 12، صفحہ 74، ابن ماجہ، کتاب الطب، جلد 2، صفحہ 1166

3۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 351-350

حضرت زید بن علی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی مروی ہے۔ اس کے علاوہ بعض صحابہ اور تابعین کا بھی یہی قول ہے۔ اس کے بارے میں ایک مرفوع حدیث بھی ہے لیکن وہ حدیث منکر ہے(1)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ فلق جہنم میں ایک گڑھا ہے جسے اوپر سے ڈھانپ دیا گیا ہے۔ لیکن اس کی سند غریب ہے اور اسے مرفوع کہنا صحیح نہیں ہے(2)۔ بعض نے کہا ہے یہ جہنم کا نام ہے۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پہلا قول صحیح ہے یعنی اس سے مراد صبح ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی صحیح میں اسی قول کو اختیار کیا ہے(3)۔

ارشاد فرمایا: ہر اس چیز کے شر سے جسے رب نے پیدا کیا یعنی تمام مخلوق کے شر سے۔ ثابت بنانی اور حسن بصری رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جہنم، ابلیس اور اس کی ذریت کے شر سے اور فرمایا (خصوصاً) رات کی تاریکی کے شر سے جب وہ چھا جائے۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: رات کے شر سے جب سورج غروب ہو جائے۔ اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، محمد بن کعب قرظی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہما فرماتے ہیں کہ رات کے شر سے جب وہ اپنی تاریکی کے ساتھ آ جائے۔ عطیہ اور قتادہ رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ ''اذا وقب'' کا معنی ہے جب رات ختم ہو جائے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس کا معنی ہے جب ستارے غروب ہو جائیں۔ ابن زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اہل عرب ثریا کے غروب کو ''غاسق'' کہتے ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ اس کے غروب کے وقت امراض اور مختلف تکالیف کثرت سے ہوتی ہیں اور اس کے طلوع ہوتے ہی ختم ہو جاتی ہیں(4)۔ ایک مرفوع روایت میں ہے کہ غاسق سے مراد ثریا ہے(5)۔ میرے خیال میں اس حدیث کو مرفوع قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ ابن جریر اور کئی دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ غاسق سے مراد چاند ہے۔ انہوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے استدلال کیا ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے چاند طلوع ہوتا ہوا دکھایا اور ارشاد فرمایا: اللہ کی پناہ لو اس کے شر سے جب وہ طلوع ہو۔ اسے ترمذی اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی روایت کیا ہے۔ ان اقوال میں اس طرح تطبیق ہو سکتی ہے کہ چاند کا طلوع و غروب اور اسی طرح ستاروں کا طلوع و غروب رات کے وقت ہی وقوع پذیر ہوتا ہے(6)۔

فرمایا: اور ان کے شر سے جو پھونکیں مارتی ہیں گرہوں میں۔ مجاہد، عکرمہ، حسن بصری، قتادہ اور ضحاک رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد جادوگرنیاں ہیں جب وہ تعویذ گنڈے بناتی ہیں تو گرہوں میں پھونکیں مارتی ہیں۔ طاؤس رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں سانپ اور جنون کا گنڈا شرک کے قریب ہے(7)۔ ایک روایت میں جب نبی کریم ﷺ بیمار ہوئے تو جبریل علیہ السلام تشریف لائے۔ انہوں نے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ! آپ بیمار ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ انہوں نے یہ کلمات پڑھ کر آپ کو دم کیا ''بسم اللہ ارقیك من كل داء يؤذيك من شر كل حاسد وعين والله يشفيك'' شاید یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب کسی حاسد یہودی نے آپ پر جادو کیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو صحت و عافیت عطا فرمائی(8) اور اس یہودی کے جادو اور مکر و فریب کو رد کیا لیکن اس کے باوجود رسول

1۔ درمنثور، جلد 8، صفحہ 688 | 2۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 349 | 3۔ فتح الباری، تفسیر سورۂ فلق، جلد 8، صفحہ 741

4۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 352 | 5۔ مرجع مذکور

6۔ مسند امام احمد، جلد 6، صفحہ 61، عارضۃ الاحوذی، تفسیر سورۂ معوذتین، جلد 12، صفحہ 261-260

7۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 353 | 8۔ تفسیر سورۂ ن میں دیکھیے

اللہ ﷺ نے اس جادوگر پر زندگی بھر عتاب نہیں فرمایا۔ آپ کے لئے اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے۔ وہی آپ کو شفا اور صحت و عافیت دینے والا ہے۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک یہودی نے نبی کریم ﷺ پر جادو کر دیا جس کی وجہ سے آپ ﷺ کئی دن تکلیف میں مبتلا رہے پھر حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو بتایا کہ فلاں یہودی نے آپ پر جادو کیا ہے۔ اور بالوں پر گرہیں لگا کر فلاں کنویں میں دفن کر دیا ہے۔ آپ ﷺ کسی کو بھیج کر اسے نکلوا لیجئے۔ آپ ﷺ نے کسی کو بھیج کر اسے نکلوا کر منگوایا اور اس کی گرہیں کھول دیں جس سے جادو کا اثر زائل ہو گیا اور آپ ﷺ بالکل صحت یاب ہو گئے۔ آپ نے زندگی بھر نہ تو اس یہودی سے اس کا ذکر کیا اور نہ اس کے سامنے کبھی ناراضگی کا اظہار فرمایا(1)۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر کسی نے جادو کر دیا۔ آپ ﷺ کو ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے آپ اپنی ازواج کے پاس گئے ہیں حالانکہ آپ ان کے پاس نہیں گئے ہوتے تھے۔ حضرت سفیان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ پر جادو کا زیادہ سے زیادہ یہی اثر تھا۔ ایک دن فرمایا: اے عائشہ رضی اللہ عنہا! کیا تمہیں معلوم ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے اس کے بارے میں دریافت کیا تھا۔ اس نے مجھے سب کچھ بتا دیا۔ دو آدمی آئے۔ ایک میرے سرہانے کی طرف بیٹھ گیا اور دوسرا پاؤں کی طرف۔ جو سر کی طرف بیٹھا اس نے پوچھا: انہیں کیا ہوا ہے؟ دوسرے نے جواب دیا ان پر جادو کیا گیا ہے۔ پہلے نے پوچھا کس نے جادو کیا ہے؟ دوسرے نے کہا: بنو زریق کے ایک آدمی لبید بن عاصم نے جو یہود کا حلیف اور منافق ہے۔ اس نے پوچھا: کس چیز میں کیا ہے؟ دوسرے نے کہا: ایک کنگھی اور کچھ بالوں میں۔ اس نے پوچھا: کہاں ہے؟ جواب دیا: کھجور کے گابھے میں، جسے بئر ذروان میں ایک چٹان کے نیچے رکھا گیا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں آپ ﷺ اس کنواں پر تشریف لے گئے، اس کا پانی نکلوایا۔ اس کا پانی مہندی کے پانی کی طرح سرخی مائل گدلا تھا اور وہاں کی کھجوریں اس طرح تھیں جس طرح شیطان کے سر۔ آپ ﷺ نے ان تمام چیزوں کو کنواں سے نکلوایا۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ! آپ اس سے بدلہ نہیں لیں گے؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے شفا دی ہے۔ میں اس شر کو لوگوں میں پھیلانا پسند نہیں کرتا۔ ایک روایت میں یہ ہے: آپ ﷺ کو ایسے معلوم ہوتا تھا کہ آپ نے کوئی کام کیا ہے حالانکہ آپ نے کام نہیں کیا ہوتا تھا۔ اس میں یہ بھی الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ نے اس کنواں کو بند کرنے کا حکم دیا تو وہ کنواں بند کر دیا گیا۔ صحیح مسلم میں بھی یہ روایت موجود ہے۔ وہاں صرف یہ ذکر ہے کہ دو فرشتے آئے۔ ایک آپ ﷺ کے سرہانے کی طرف بیٹھ گیا اور دوسرا پائینتی کی طرف۔ باقی تمام واقعہ اسی طرح ہے۔ ایک روایت میں ہے آپ ﷺ چھ ماہ اس تکلیف میں مبتلا رہے(2)۔

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ انہوں نے کنواں کے پانی کو نکالا۔ اس کا پانی مہندی کے پانی کی طرح سرخی مائل گدلا تھا۔ پھر وہ چٹان اٹھائی اور اس کے نیچے سے کھجور کا گابھا نکلا، جس میں آپ ﷺ کے سر مبارک کے کچھ بال اور آپ ﷺ کی کنگھی کے دندانے تھے۔ اس میں ایک تانت تھی۔ اس

1۔ مسند امام احمد، جلد 4، صفحہ 367، سنن نسائی، کتاب التحریم، جلد 7، صفحہ 113-112

1۔ فتح الباری، کتاب الطب، جلد 10، صفحہ 233-232، کتاب الجزیۃ، جلد 6، صفحہ 276، کتاب بدء الخلق، جلد 6، صفحہ 337، کتاب الطب، جلد 10، صفحہ 235-336، جلد 10، صفحہ 221، کتاب الادب، جلد 10، صفحہ 479، کتاب الدعوات، جلد 11، صفحہ 193-192، مسلم، کتب السلام، جلد 4، صفحہ 1721-1719، مسند احمد، جلد 6، صفحہ 63، جلد 6، صفحہ 96

میں گیارہ گرہیں لگی ہوئی تھیں اور ہر گرہ پر ایک سوئی چبھی ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں سورتیں نازل فرمائیں جب آپ ﷺ ایک آیت پڑھتے تو ایک گرہ کھل جاتی اور آپ کچھ افاقہ محسوس کرتے۔ حتیٰ کہ تمام آیات تلاوت کرنے کے بعد تمام گرہیں کھل گئیں اور آپ ﷺ بالکل صحت یاب ہو گئے اور جبرئیل علیہ السلام نے آپ ﷺ پر یہ کلمات پڑھ کر دم کیا: "بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُّؤْذِيْكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ اَوْعَيْنِ حَاسِدٍ، اَللّٰهُ يَشْفِيْكَ" لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! ہم اس خبیث کو پکڑ کر قتل نہ کر دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے شفاء عطا فرمائی ہے۔ میں اس شر کو لوگوں کے درمیان پھیلانے کو ناپسند کرتا ہوں۔ اس روایت کو عظیم مفسر ثعالبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں بلا سند ذکر کیا ہے۔ اگرچہ اس کے بعض الفاظ میں شدید نکارت ہے لیکن اکثر واقعہ کی تائید صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایت سے ہو جاتی ہے۔

سورۃ الناس (مدنیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ﴿۱﴾ مَلِكِ النَّاسِ ﴿۲﴾ اِلٰهِ النَّاسِ ﴿۳﴾ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ﴿۴﴾ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ﴿۵﴾ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ﴿۶﴾

"(اے حبیب!) عرض کیجئے میں پناہ لیتا ہوں سب انسانوں کے پروردگار کی۔ سب انسانوں کے بادشاہ کی۔ سب انسانوں کے معبود کی۔ بار بار وسوسہ ڈالنے والے، بار بار پسپا ہونے والے کے شر سے۔ جو وسوسہ ڈالتا رہتا ہے لوگوں کے دلوں میں۔ خواہ وہ جنات میں سے ہو یا انسانوں سے"۔

یہاں اللہ تعالیٰ کی تین صفات بیان کی گئی ہیں: 1۔ ربوبیت، 2۔ بادشاہت، 3۔ الوہیت۔ وہ ہر چیز کا رب اور بادشاہ ہے۔ وہی سب کا معبود حقیقی ہے۔ تمام اشیاء اس کی مخلوق، مملوک، عبید اور غلام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی بارگاہ کی پناہ طلب کرنے والے کو حکم دیا ہے کہ وہ ان صفات سے متصف ذات کی پناہ طلب کرے، بار بار وسوسہ ڈالنے اور بار بار پسپا ہونے والے کے شر سے۔ اس سے مراد وہ شیطان ہے جو ان پر مقرر ہے۔ ہر ابن آدم کے ساتھ اس کا ایک قرین ہے جو برائیوں کو اس کے سامنے مزین کرتا ہے اور اسے ہلاکت میں ڈالنے کی کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتا۔ گناہوں سے وہ محفوظ رہتا ہے جسے اللہ تعالیٰ محفوظ کر دے۔ صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک شیطان مقرر کیا گیا ہے۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! کیا آپ کے ساتھ بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے خلاف میری مدد فرمائی ہے۔ اس لئے اب وہ مسلمان ہو گیا ہے اور وہ نیکی کا حکم ہی دیتا ہے(1)۔ مسلم اور بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک واقعہ منقول ہے۔ اس میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ مسجد نبوی میں اعتکاف کئے ہوئے تھے۔ ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا آپ کی ملاقات کے لئے رات کے وقت تشریف لائیں۔ جب آپ ﷺ انہیں

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ رعد آیت: 11

گھر لوٹانے کے لئے تشریف لا رہے تھے تو دو انصاری صحابی آپ کو ملے۔ انہوں نے جب آپ ﷺ کو دیکھا تو وہاں سے تیزی سے نکلنے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ٹھہر جاؤ۔ یہ صفیہ بنت حیی ہیں۔ انہوں نے عرض کی سبحان اللہ! اس ارشاد کی کیا ضرورت تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: شیطان انسان کے خون میں سرایت کر جاتا ہے۔ میں نے خیال کیا کہ وہ تمہارے دلوں میں کوئی بدگمانی نہ ڈال دے(1)۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شیطان ابن آدم کے دل پر ہاتھ رکھے ہوئے ہے۔ اگر وہ اللہ کا ذکر کرے تو وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے اور اگر ذکر نہ کرے تو اس کے پورے دل پر قبضہ جما لیتا ہے۔ یہی الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ ہے اس حدیث کو حافظ ابو یعلی موصلی رحمۃ اللہ علیہ نے غریب سند سے روایت کیا ہے(2)۔

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے دراز گوش پر سوار ہو کر کہیں جا رہے تھے۔ آپ ﷺ کے پیچھے ایک صحابی بیٹھے ہوئے تھے۔ دراز گوش کے پاؤں کو ٹھوکر لگی تو صحابی کے منہ سے نکلا: شیطان برباد ہو! آپ ﷺ نے فرمایا: ایسا نہ کہو۔ شیطان یہ سن کر پھول کر بڑا ہو جاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے اپنی قوت سے اسے گرایا ہے۔ اگر تو اس پر بسم اللہ پڑھتا تو یہ چھوٹا ہو کر مکھی کے برابر بن جاتا(3)۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جب انسان کا دل اللہ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان حقیر اور مغلوب ہو جاتا ہے اور دل اگر اللہ کا ذکر نہ کرے تو وہ بہت بڑا اور غالب ہو جاتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں جب تم میں سے کوئی مسجد میں ہوتا ہے تو شیطان اس کے پاس آتا ہے وہ اسے اس طرح تھپکی دیتا ہے جیسے انسان اپنے گھوڑے کو دیتا ہے پھر اگر وہ شخص خاموش رہے تو اس کے منہ یا ناک میں لگام دے دیتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد فرمایا: تم خود اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہو کہ وہ نکیل والا تو ایک طرف جھکا رہتا ہے اور اللہ کا ذکر نہیں کرتا اور جسے لگام دی جاتی ہے اس کا منہ تو کھلا ہوتا ہے لیکن وہ اللہ کا ذکر نہیں کرتا(4)۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ سے مراد شیطان ہے جو ابن آدم کے دل پر بیٹھا ہوتا ہے اگر وہ اللہ کے ذکر سے غافل ہو جائے تو وہ اس کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے اور جب وہ ذکر کرتا ہے تو پیچھے ہٹ جاتا ہے(5)۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی منقول ہے۔ ایک روایت ہے وسواس سے مراد وہ شیطان ہے جو بندے کو حکم دیتا ہے۔ اگر بندہ اس کی بات مان لے تو شیطان اس پر غالب آ جاتا ہے۔

فرمایا: جو وسوسہ ڈالتا رہتا ہے لوگوں کے دلوں میں۔ خواہ جنات میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے۔ یہاں النَّاسِ کے لفظ سے انسان ہی مراد ہے جیسا کہ ظاہر ہے یا یہ انسان اور جنوں دونوں کو شامل ہے۔ بعض نے کہا ہے جن بھی تغلیباً اس میں داخل ہیں۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں قرآن پاک میں جنوں پر رجال کے لفظ کا اطلاق ہوا ہے(6)، اس لئے النَّاسِ کے لفظ سے انسان اور جن دونوں مراد لینا بعید نہیں مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ یہ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ کی تفسیر اور بیان ہے اور یہ دوسرے قول کی تائید کرتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ، الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ، مِنْ شَیٰطِیْنِ الْاِنْسِ وَالْجَآنِّ کی تفسیر ہے۔ جیسا کہ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ یُوْحِیْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ

1۔ دیکھئے تفسیر سورۂ بقرہ آیت: 187
2۔ مسند ابو یعلی، جلد 4، صفحہ 223
3۔ مسند امام احمد، جلد 5، صفحہ 59
4۔ مسند امام احمد، جلد 2، صفحہ 330
5۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 355، مستدرک، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 541
6۔ تفسیر طبری، جلد 30، صفحہ 356

غُرُوْرًا (انعام: 112) ’’ اور اسی طرح بنا دیئے ہم نے ہر نبی کے لئے دشمن (یعنی) سرکش انسان اور جن جو چپکے چپکے سکھاتے تھے ایک دوسرے کو خوش نما باتیں (لوگوں کو) دھوکہ دینے کے لئے‘‘۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ میں بھی آ کر بیٹھ گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کیا تم نے دو رکعات نماز پڑھی ہے۔ میں نے عرض کی نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اٹھو اور نماز پڑھو۔ میں اٹھا اور نماز پڑھ کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ فرمایا: اے ابوذر! اللہ کی پناہ مانگو، انسانوں اور جنوں کے شیاطین کے شر سے۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! کیا انسانی شیطان بھی ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ نماز کیسی چیز ہے؟ فرمایا: بہترین چیز ہے۔ جو چاہے اس میں کمی کرے اور جو چاہے اس میں زیادتی کر لے۔ میں نے عرض کی: روزہ کیا چیز ہے؟ فرمایا: ایک روزہ تو فرض ہے جو انسان کے لئے کافی ہوتا ہے اور اللہ کے پاس مزید اجر بھی ہے۔ میں نے صدقہ کے بارے میں پوچھا۔ فرمایا: اس کا ثواب کئی گنا زیادہ ملتا ہے۔ میں نے پوچھا: کونسا صدقہ افضل ہے؟ فرمایا: مال و دولت کی کمی کے باوجود صدقہ کرنا یا چپکے سے فقیر کو عطا کرنا، میں نے عرض کی۔ سب سے پہلے نبی کون سے تھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: حضرت آدم علیہ السلام۔ پوچھا: وہ نبی تھے؟ فرمایا: ہاں وہ نبی تھے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں شرف ہم کلامی بخشا تھا۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! آپ پر سب سے عظیم آیت کونسی نازل ہوئی؟ فرمایا: آیت الکرسی۔ اسے نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی روایت کیا ہے(1)۔ ابو حاتم ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ایک دوسری سند کے ساتھ روایت کیا اور اس میں بڑی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! میرے دل میں ایسے خیالات آتے ہیں کہ انہیں زبان پر لانے سے میں آسمان سے گرنا زیادہ پسند کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ۔ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے شیطان کے مکر و فریب کو وسوسہ میں تبدیل کر دیا۔ اسے ابوداؤد اور نسائی رحمہما اللہ تعالیٰ نے بھی روایت کیا ہے(2)۔

تم تفسیر الجزء الثلاثین بعون اللہ تعالی ورسولہ

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

1۔ تفسیر سورۂ بقرہ آیت: 255 سورۃ انعام آیت، جلد 112، سنن نسائی کتاب الاستعاذۃ، جلد 8، صفحہ 275، الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، کتاب البر والاحسان، جلد 1، صفحہ 287-289 2۔ مسند امام احمد، جلد 1، صفحہ 235، سنن ابوداؤد، کتاب الادب، جلد 4، صفحہ 330-329 نسائی، الیوم واللیلۃ: 421